بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمۃ القرآن بتصریف آیات الفرقان

معروف بہ

تفسیر القرآن بالقرآن

سورۂ فاتحہ

اس سورت مقدسہ کا پورا تعارف پیش لفظ میں گزر چکا ہے۔ اس کی سات آیتیں اور ایک رکوع ہے فاتحہ کا معنیٰ ہے کھولنے والی۔ افتتاح کرنیوالی۔ یہ قرآن مجید کی اوّلین سورت ہے۔ اور قل محذوف کیساتھ آنحضرت ذات مقدس کو مخاطب کرکے نازل کیگئی ہے۔ جسے خداتعالیٰ کی نظر انتخاب نے اپنے آخری پیغام کیلئے منتخب فرمایا۔ یہ سبعًامِّن المثانی، قرآن کریم کی فہرست و خلاصہ ہے ۱۵/۸۷۔ اور یہ اُس انقلابی تحریک کا سات نکاتی منشور ہے، جسے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول نے گوناگوں مصائب و آلام میں گھری ہوئی انسانیت کے مداوا کیلئے شروع فرمایا۔ اس کٹھن منزل اور پُرآشوب مہم کیلئے آپ ایک مقدس رہنمائی کے متمنّی تھے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۹۳/۷ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آپکو طلبگار ہدایت پایا، پس ہدایت فرمادی۔ اِس ہدایت کا نزول بصورت قرآن حکیم آنحضورؐ کے قلب اطہر پر ہوا۔

- نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ۴۷/۲
- فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ ۲/۹۷
- اب چونکہ ربوبیّت کا عدم توازن ہی انسانی مصائب کا سرچشمہ ہے اسلئے ضابطۂ خداوندی از ابتداء تا انتہا اس عدم توازن ہی کے انسداد و انصرام پر مبنی ہے۔ چنانچہ خداوند عالم ضامن ربوبیّتِ عامہ نے اپنی مقدس کتاب کو ربوبیّتِ عالمین ہی سے شروع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○[۱]

شروع ساتھ نام اللہ کے بخشش کرنیوالا مہربان

(اے دکھیا انسانیت کے غمخوار [۳] ۹/۱۲۸) اللہ صاحب بخشش عامہ (بلا محنت نعمتیں عطا کرنیوالے) اور صاحب شفقت خاصہ (انسانی محنت کا بھرپور ثمر مرحمت فرمانیوالے) کے نام کیساتھ کہہ دیجئیگا۔ اعلان فرما دیجئیگا :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ۱

سب تعریف واسطے اللہ کے ہے جو پروردگار عالموں کا

پوری کی پوری تعریف (جو کائنات کا گوشہ گوشہ ہر وقت بزبان حال ادا کر رہا ہے) اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو تمام جہانوں کی جملہ مخلوق (العالمین) کا رب ہے۔ (وہ ہر چیز کی ربوبیت کے سامان مہیا کرنیوالا ہے)۔

نظریۂ قسمت و تقدیر قرآن کریم کے درس اول ہی کے خلاف ہے

● دیکھئے! قرآن کریم کے درس اوّل ہی میں آنحضورؐ کی زبان مبارک سے ربوبیت عامہ کا اعلان کروا دیا گیا ہے کہ اللہ کی عطا فرمودہ نعمتیں صرف بالادستوں ہی کیلئے نہیں پیدا فرمائی گئیں۔ بلکہ ان میں انسان کی خودپیدا کردہ، اعلیٰ و ادنیٰ، بندہ و صاحب، آقا و غلام، کارخانہ دار و مزدور اور زمیندار و مزارع کی غلط تمیز کے خلاف سب کا حق مساوی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ رب العلمین ہے رب المترفین نہیں۔ قرآن کریم کی اس پہلی ہی آیت کریمہ میں مختلف افراد کی مختلف ناہموار تقدیروں کے نظریہ پر ضرب شدید لگائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب رب العلمین ہے۔ یعنی اپنی پوری مخلوق کا رب ہے تو پھر اسکی طرف یہ نظریہ کسطرح منسوب کیا جا سکتا ہے کہ اس نے کسی کی قسمت میں ناشتہ نہار عصرانہ اور عشائیہ چار وقت کے پُر تکلف کھانے لکھے ہوئے ہیں اور کسی کی قسمت میں صرف دو وقت کی خشک روٹی لکھی ہے۔ یاد رہے کہ معاشی ناہمواری یعنی ربوبیت کا عدم توازن جو آنحضورؐ کو مضطرب بےقرار رکھتا تھا، اسلام میں اس دیکھتے ہوئے جہنم کا جواز قسمت و تقدیر کے غلط نظریہ ہی پر قائم کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کے اوّلین جملہ اور اس مقدس کتاب کے پہلے ہی سبق میں اس نظریہ کو

---

[۱] واضح رہے کہ قرآن کریم میں بسم اللہ شریف بھی نزولی آیت مجیدہ ہے۔ لیکن چونکہ قرآن کریم کے تمام نسخوں میں بسم اللہ شریف پر آیت کا نمبر نہیں دیا گیا۔ اسلئے ہم نے بھی اس پر نمبر نہیں دیا تاکہ تفسیر زیر نظر کی آیتوں کے نمبر عام قرآنی نسخوں سے مختلف نہ ہو جائیں۔

[۲] عربی متن کے نیچے شاہ رفیع الدین صاحب مرحوم کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ اور تقابل کی آسانی کیلئے سامنے ترجمہ تصریف آیات الفرقان ہے۔

[۳] لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ ۹/۱۲۸۔

اے نوع انسانی تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا ہے۔ تمہاری بدحالی اُسے بےقرار رکھتی ہے۔ تمہاری بھلائی کیلئے حریص ہے۔ مومنوں پر بالخصوص شفقت کرنیوالا مہربان ہے۔

باطل قرار دیکر سب کے عوام کو متنبّہ کر دیا گیا ہے کہ نعماءِ خداوندی میں تمہارا بھی برابر کا حق ہے۔

عطاءِ نعماءِ خداوندی کے دو طریقے ہیں۔ بلا محنت اور با محنت

● سورہ فاتحہ کی دوسری آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ کیطرف سے سامانِ ربوبیّت دو طریقوں سے میسّر آتا ہے۔ ایک اُسکی صفت رحمان کی رُو سے اور دوسرے اُسکی صفت رحیم کی رُو سے۔ چنانچہ روشنی، گرمی ہوا، بارش اور کائنات کی ہزاروں مخفی قوتیں، جو ہر آن سامانِ ربوبیّت مہیّا کرنے میں سرگرم عمل ہیں، اور انسانی زندگی کیلئے بنیادی نقطے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ وہ ہیں جن پر حضرتِ انسان کا نہ کوئی پائی پیسہ خرچ ہوتا ہے اور نہ اسے روشنی گرمی وغیرہ کے حصول کیلئے کوئی معمولی جسمانی طاقت ہی خرچ کرنی پڑتی ہے نہ کوئی وقت۔ ربوبیّت کی یہ تمام انمول نعمتیں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیّت کے ماتحت نوعِ انسانی کو مل رہی ہیں۔ اور دوسری نعمتیں وہ ہیں جو محنت و مشقت ہی سے میسّر آتی ہیں۔ اناج کے کھلیان اُسوقت تک میسّر نہیں آسکتے جبتک انسان زمین میں ہل چلاکر، بیج ڈالکر، کھیت کو سیراب نہ کرے۔ غلّہ پیدا کرنے کیلئے زمین کی مضمر صلاحیتیں، سورج کی گرمی، ہوا اور پانی تو ہیں بلا مشقّت حاصل ہیں۔ لیکن زمین کو پھاڑنا بیج ڈالنا اور سیراب کرنا ہمارا اپنا کام ہے۔ اسیطرح خدا تعالیٰ نے پہاڑوں میں سونا چاندی لوہا تانبہ سیسہ وغیرہ ہزاروں قسم کی معدنیات ہماری محنت کے بغیر مہیا کردی ہیں لیکن اُنہیں حاصل کرنے کیلئے کوہ کنی ہمارا فریضہ ہے چنانچہ سورہ زیرِ نظر کی دوسری آیت " یہ ہیں حصولِ سامانِ ربوبیّت کے متعلق وضاحت کر دیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ نعمتیں بلا محنت عطا کرنے والا ہے اور با محنت۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ۲

بخشش کرنے والا مہربان

ربّ العلمین رحمان و رحیم ہے۔ (بلا محنت اور با محنت سامانِ ربوبیّت عطا کرنیوالا ہے (وہ رحمان ہے، روشنی گرمی ہوا وغیرہ نعمتیں بلا محنت عطا کر رہا ہے نیز رحیم ہے انسانی محنت کا پُورا پُورا ثمرِ رحمت فرماتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کی بلا محنت اور با محنت عطا کردہ نعمتوں کے متعلق بازپرس کیلئے مخصوص عدالت کی خبر

● اب چونکہ انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے۔ (اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۴۱/۴۰) اسلئے اگلی آیت میں ہر مجرم کو عموماً اور غاصبینِ ربوبیّت کو خصوصاً متنبّہ کر دیا گیا ہے کہ اُن سے ضرور ضرور بازپرس کیجائیگی۔ دُنیوی عدالتوں میں رشوت سفارش اور جھوٹی شہادتوں کے ذریعہ ربوبیّتِ عامہ کے غاصب بری ہو جاتے ہیں۔ اور ناکردہ گناہ تختۂ دار پر کھچ جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور نہ رشوت چل سکیگی نہ سفارش۔ اور نہ کسی کو جھوٹی گواہی کی جرأت ہوگی۔ ربوبیّتِ عامہ کی بلا محنت اور با محنت نعمتوں کو لوٹ کا مال قرار دینے والے ضرور ضرور سزا یاب ہونگے۔ پس بتایا گیا ہے کہ اپنی صفاتِ رحمان و رحیم کے مطابق سامانِ نشوونما دینے والا ایک عدالتِ عام کے دن کا

مالک ہے :-

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ۳

خداوند دِن جزا کا

وُہ ربّ العلمین جزا سزا کے دِن کا مالک ہے۔ (اُس نے اپنی عطا کردہ نعمتوں کو قانونِ ربوبیّت کے مطابق یا مخالف استعمال کرنیوالوں کی جزا سزا کیلئے عدالتِ عام کا ایک دِن مقرر کر رکھا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کی خالص فرمانبرداری اور خالص استعانت میں وصل کا اقرار

● آیاتِ بالا میں ربوبیّت عامہ کے اعلان اور ذرائع ربوبیت کے بلا محنت اور با محنت حصول کے دونوں طریقوں کی وضاحت اور دین ربوبیت کی عملاً تعمیل و تکذیب کرنیوالوں کیلئے جزا سزا کے اعلان کے بعد اگلی آئت میں اقرار لیا جا رہا ہے کہ ہم عبادت بھی تیری ہی کرینگے اور مدد مرادیں بھی تجھ ہی سے مانگیں گے۔ عبادت و استعانت میں وصل رکھینگے یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ نماز تیری پڑھیں اور مرادیں اور دل سے مانگیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ۴

تجھی کو عبادت کرتے ہیں ہم اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم

ہم (رسول مع مومنین تیرے ضابطہ کی سزا سے ڈرتے ہوئے [۱/۱۵]) خالص تیری فرمانبرداری کرتے رہینگے۔ اور خالص تجھ ہی سے مدد مانگتے رہینگے۔ (یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے سوا نہ کوئی فرمانبرداری کے قابل ہے اور نہ ہی کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے)۔

● اللہ تعالیٰ کی خالص فرمانبرداری سے مُراد اُسکے نازل کردہ ضابطۂ حیات کی بلا شرکت غیرے اِتّباع ہے [۲] اور خالص استعانت کے اقرار میں ہر غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا حرام قرار دیدیا ہے۔ خواہ وہ فرد جس سے مدد مانگی جارہی ہو کوئی نبی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے اقرار میں خود آنحضور[۳] بھی شامل ہیں۔ اسطرح جب خود خاتم النبیّین بھی خالص اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگنے کا اقرار کرتے رہے تو خالص خدا تعالیٰ ہی سے مدد مرادیں مانگنا، [۱/۴] کے مطابق فرض بھی ہے اور آنحضور[۳] کے کئے ہوئے اقرار کے مطابق سُنّتِ رسول بھی۔ بالفاظ دیگر غیر اللہ سے مُرادیں مانگنا خدا تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے اور مخالفتِ رسُول بھی ہے۔ نیز واضح رہے کہ آئت بالا میں عبادت و استعانت میں وصل قائم رکھنے کا اقرار بھی لے لیا ہے۔ یعنی جس کی عبادت کریں، مُرادیں بھی اُسی سے مانگا کریں۔ اگلی آئت مجیدہ میں اِنہی عقائد و اعمال کو صراط مستقیم قرار دیا گیا ہے۔ اور اُس پر چلتے رہنے کی دُعا سکھائی گئی ہے:-

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ۵

دکھا ہم کو راہ سیدھی

(ہم تجھ ہی سے دعا کرتے ہیں کہ اِلٰہی) سیدھے راستے پر ہمیں چلائے رکھ (کہ تیرے نظامِ ربوبیّت کو عملاً قائم رکھیں اور

تیری عبادت واستعانت میں وصل کریں فصل نہ کریں) ـــــ عام تراجم میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا ترجمہ یہ لکھا ہے "دکھا ہم کو راہ سیدھی"۔ "بتلا ہم کو راہ سیدھی"۔ اس پر غیر مسلم معترضین کا اعتراض ہے کہ جب رسُولِ مقبول خود ساری عمر سیدھی راہ دیکھنے کیلئے دعا ہی کرتے رہے، دیکھی نہیں تو آپ دُوسروں کو سیدھی راہ کیا بتا سکتے تھے؟ واضح رہے کہ تصریفِ آیات کے قرآنی اصول کے مطابق مذکورہ بالا مرّوجہ ترجمہ غلط ہے، اسکا فیصلہ آیت نمبر ۶/۱۶۲ میں موجود ہے۔ جہاں ارشاد ہوا ہے۔

● قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ اے رسُول! اعلان کر دیجئیگا کہ میرے ربوبیّت کرنیوالے نے مجھے سیدھی راہ دکھلادی ہے۔ نیز ۳۶/۳ میں ارشاد ہوا ہے۔

● اِنَّكَ ..... عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ بیشک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ فلہذا ان آیات کریمات کی رُو سے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا صحیح معنیٰ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کردہ راہ پر چلنے رہنے کی دُعا ہے کہ: "چلائے رکھ ہم کو سیدھی راہ پر"۔ "دکھا ہمکو راہ سیدھی" غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد، سب جادۂ ربوبیّتِ عامہ ہی کے راہ رو تھے

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظ ذیل اقرار لیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے انعام یافتہ افراد جملہ انبیاء سلامٌ علیہم صراطِ مستقیم ہی کے جادہ پیما تھے۔ جسیں نظامِ ربوبیّتِ عامہ کا قیام، قرآن کریم کے درسِ اوّل ۱ کے مطابق سرِ فہرست ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

راہ اُن لوگوں کی کہ نعمت کی ہے تو نے اوپر اُنکے

ہمیں اُن لوگوں کے راستے پر چلائے رکھ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ (یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے انعام یافتہ بندے اسی خالص ربوبیّت، خالص عبودیّت اور خالص استعانت والے راستے ہی کے راہ رو تھے)۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں انہی مقدّس ہستیوں انبیاء سلامٌ علیہم کے متعلق بتا دیا ہے کہ اُن پر کبھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نہیں ہوئی تھی۔ وجہ یہ کہ وہ ۲۱/۲۶-۲۷ کے مطابق خدا تعالیٰ کے سو فیصدی فرمانبردار تھے۔ اُنکا ہر قدم اطاعتِ خداوندی ہی میں اُٹھتا تھا۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ

سوائے اُنکے کہ غضب کیا ہے اوپر اُنکے اور نہ گمراہوں کی

تیرے انعام یافتہ افراد ایسی برگزیدہ جماعت تھی کہ اُن پر کبھی تیرا غصّہ نہیں ہُوا۔ کیونکہ وہ تیری راہ گم کرنے والے تھے ہی نہیں۔

● سابقہ تراجم میں غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا معنیٰ لکھا ہے "نہ راستہ اُن لوگوں کا جن پر تیرا غضب ہُوا اور نہ گمراہوں کا"۔ یہ ترجمہ سیاقِ کلام اور ترکیبِ قواعد کے خلاف ہے۔ سیّد محمود الحسن صاحب دیوبندی نے اسکا یہ صحیح

ترجمہ لکھا ہے :۔ "جن پر نہ تیرا غصہ ہوا ۔ اور نہ وہ گمراہ ہوئے" عام تراجم کے متعلق مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے قرآن کریم کے حاشیہ پر لکھا ہے :۔ "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، اَلَّذِيْنَ کا بدل ہے یا اسکی صفت ہے بعض تراجم اردو میں جو اسکا ترجمہ لکھا ہے وہ خلافِ ترکیب اور خلافِ مقصود ہے"۔ نیز مولوی مودودی صاحب نے بھی تفہیم القرآن میں ہماری ہمنوائی کی ہے ۔ اور شیخ محمد اقبال صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور نے بھی اپنی کتاب توضیح القرآن کے صفحہ ۲۴ پر غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کا معنیٰ لکھا ہے :۔ "جو نہیں غضب زدہ اور گمراہ" — آئت مجید غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کے ترجمہ کی بالعموم حالت یہ ہے کہ ننانوے فیصد تراجم میں اسکا معنیٰ یہی لکھا ہے جو صریحاً خلافِ ترکیب اور خلافِ مقصود ہے۔ نیز حیرت کا مقام یہ ہے کہ دیوبند کے ایک ہی مدرسہ کے متعدد اساتذہ نے اس آئت کا ایک دوسرے کے خلاف ترجمہ لکھا ہے مثلاً شاہ اشرف علی صاحب اور مولوی احمد علی صاحب لاہوری نے اپنے اپنے تراجم میں عام غلط ترجمہ کی ہمنوائی کی ہے، جسے شیخ الہند اور عثمانی صاحب نے خلافِ ترکیب اور خلافِ مقصود بتایا ہے حالانکہ یہ چاروں بزرگ ایک ہی مدرسہ کے استاد اور ایک ہی مکتبِ فکر کے حامل ہیں ۔

تحفظ ناموس رسالت

● المختصر آئت بالا غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ میں خدا تعالیٰ نے جملہ انبیاء کی ناموس کو محفوظ کر دیا ہے ۔ جیسے کہ سورہ انبیاء میں ارشاد ہوا ہے :۔

● لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۲۱/۲۷ = اللہ کے نبی بات میں بھی اپنے خالق دمالک سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور عمل کے لحاظ سے انکا ایک ایک قدم حکمِ خداوندی کے مطابق اٹھتا تھا۔ قرآن کریم میں انبیاء سلام علیہم کی جن سہو اور بھول چوک کا ذکر ہے وہ انکے بشری تقاضے تھے :۔ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۱۴/۱۱ انہیں میں ہم مگر تمہارے جیسے بشر ہی ہیں۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۱۸/۱۱۰ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ میں تمہارے جیسا بشر ہی ہوں ۔ چنانچہ ایک طرف تو وضاحت کیگئی ہے کہ انبیاء کو مافوق البشر قرار دیکر الٰہ نہ بنالیا جائے ۔ وہ ہر قسم کے بشری تقاضوں کے حامل تھے ۔ پیدا ہوئے ۔ کھاتے پیتے تھے ۔ بیمار ہو جاتے تھے ۔ بیویوں کے شوہر، بچوں کے باپ اور والدین کے بیٹے تھے ۔ نیز بشری تقاضوں ہی میں زندگی گزار کر فوت بھی ہو گئے تھے ۔

● اور دوسری طرف قرآن کریم اس امر کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ انبیاء سلام علیہم کو گھٹیا کردار کے حامل خدا تعالیٰ کے نافرمان اور عصیان وطغیان کی آلائشوں میں ملوث مانکر ناموس رسالت کو داغدار کیا جائے ۔ سورہ فاتحہ کی آئت نمبر ۷ میں انبیاء سلام علیہم پر بہتان تراشیوں کا مکمل سدِّ باب کر دیا گیا ہے یعنی انکی ناموس کو داغدار کرنیوالے منگھڑت قصوں کو فوراً غلط قرار دیدینا چاہیئے ۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی پر کبھی ناراض نہیں ہوا تھا، کہ کسی کو جنت سے نکالدیا ہو۔ کسی نے پہلے ہی ننانوے بیویاں گھر میں ڈال رکھی ہوں ۔ اور ساتھ ہی ایک ہمسائے کی بیوی بھی ہتھیالی ہو ۔ اور خدا تعالیٰ نے ناراض ہو کر ننانوے دنبیوں کے مالک کا ایک دنبی والے کی دنبی چھیننے کا مقدمہ سامنے لا کھڑا کیا ہو کسی سے ناراض ہو کر

حکومت چھین لی ہو اور اُسے مچھیروں کے ہاں نوکری کرنا پڑی ہو۔ کسی سے ناراض ہو کر اُس پر کئی کئی دن کیلئے نزول وحی کا سلسلہ بند کر دیا ہو۔ وغیرہ وغیرہ معاذ اللہ استغفر اللہ!

حاصل کلام یہ کہ:-

• سورہ فاتحہ کی پہلی آیت مجیدہ "الحمد للہ رب العٰلمین" میں اعلانِ ربوبیّتِ عامہ کے ذریعہ سرمایہ داری جاگیرداری زمینداری وغیرہ ہر اُس نظام کو باطل قرار دیدیا گیا ہے جو تقسیمِ ربوبیّت میں ناہمواری کا موجب بنتا ہے۔

• دُوسری آیت مجیدہ "الرحمٰن الرحیم" میں سبق دیا گیا ہے کہ سامانِ ربوبیّت کو اللہ تعالیٰ کی بلا محنت عطا کردہ نعمتوں کے ذریعہ اپنی محنت کیساتھ حاصل کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہو تاکہ ترقی کی دوڑ میں پسماندہ ہو کر نہ رہ جاؤ۔

• تیسری آیت مقدسّہ میں بتایا ہے کہ نعماءِ خداوندی جو پوری نوعِ انسانی کا مساوی حق ہیں اِنکے صحیح یا غلط استعمال کی جزا سزا قیامت کی عدالت میں ضرور ضرور دیجائیگی۔ یعنی "مٰلک یوم الدین" کی خبر میں ہر قسم کی سفارشوں کی نفی کے علاوہ نام نہاد وسیلوں کے ساتھ پیروں کے دامن پکڑ کر نجات حاصل کرنے کا تصوّر بھی مطلقاً باطل ٹھہرا دیا ہے۔

• چوتھی آیت "ایاک نعبد وایاک نستعین" میں عبودیتِ خالص اور استعانتِ خالص کا اقرار لیکر نبیوں ولیوں زندہ یا مُردہ پیروں قبروں اور مزاروں وغیرہ سے مُرادیں مانگنے سے مطلقاً روک دیا گیا ہے۔ نیز عبودیّت و استعانت کے وصل کے اقرار میں واضح کر دیا ہے کہ غیر اللہ سے مُرادیں مانگنا، اللہ تعالیٰ کیساتھ کئے گئے وعدہ کو توڑنا اور اُس انقطاع کی بدولت گمراہ ہونا ہے جس کے وصل کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہُوا ہے $\frac{۲}{۲۷-۲۹}$ + $\frac{۱۳}{۲۵-۲۱-۲۰}$ -

• پانچویں آیت کریمہ "اھدنا الصراط المستقیم" میں مذکورہ بالا عقائد و اعمال کو صراطِ مستقیم بتا کر دوسرے باطل راستوں سے الگ کر کے یہ امر نمایاں کر دیا ہے، کہ عقیدۂ ربوبیّتِ عامہ کیساتھ سامانِ ربوبیّت کو اللہ تعالیٰ کی بلا محنت عطا کردہ نعمتوں کیساتھ مسلسل حاصل کرتے رہنا اور اُسکی متوازن اور غیر متوازن تقسیم کے عوض قیامت کی عدالتِ عالیہ میں جزا سزا پر ایمان کامل ہی صراطِ مستقیم ہے۔

• چھٹی آیت مجیدہ "صراط الذین انعمت علیھم" میں جملہ انبیاء کا راستہ بھی ربوبیّتِ عامہ ہی بتا کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ سرمایہ داری جاگیرداری اور ملوکیّت و مشیخیّت جیسے ربوبیّت کُش نظریات کیساتھ انبیاء وسلام علیہم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ پس معاشی عدمِ توازن کی کوئی صورت سُنّتِ رسول ہو ہی نہیں سکتی۔

• اور ساتویں آیت "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" میں خدا تعالیٰ نے انبیاء وسلامٌ علیہم کے متعلق اقرار لے لیا ہے کہ وہ سو فیصدی فرمانبردار، غیر مغضوب اور غیر گم کردہ راہ تھے۔ اِسطرح اُن جملہ تراشیدہ قصّوں کو باطل قرار دیدیا گیا ہے جو کسی بھی انداز میں اِس مقدّس جماعت کی سیر تہائے مقدّسہ کو داغدار کرتے ہوں۔ اور اُن سے انبیاء وسلامٌ علیہم کیلئے خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور اُن کی راہ گم کردگی کا تصوّر پیدا ہوتا ہے۔

WWW.EBOOKSLAND.BLOGSPOT.COM

سورۃ البقرہ

● اس سورۂ جلیلہ کی ۲۸۶ آیتیں اور چالیس رکوع ہیں۔ اسکے شروع میں حروفِ مقطعات کے جلیل القدر القاب کیساتھ مخاطب کرکے آنحضور سلامٌ علیہ کو یہ اہم ہدایات دیدی گئی ہیں کہ آپ کو سلسلۂ تبلیغ میں تین قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑیگا۔ مومن۔ کافر اور منافق۔

● **مومن متقی** وُہ ہیں جو قانون کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔ آپکے ساتھ بلکر نظامِ ربوبیّت قائم کرنے میں مال بھی خرچ کرینگے۔ قرآنِ کریم کے بتائے ہوئے ہر غیب، اللہ ملائکہ اور قیامت کے علاوہ اس انقلابی منشور کی کامیابی پر بھی ایمان لائینگے۔ خدا تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگ ہی کامیاب و کامران ہونگے ۲ / ۲ تا ۵ ۔

● دُوسری قسم **کافروں** کی ہوگی جو انقلابی منشور کے اوّلین درسِ ربوبیّتِ عامہ ہی کا مطلقاً انکار کردینگے۔ وُہ اللہ اور مکافاتِ عمل کے منکر ہونگے۔ ایسے لوگوں کیساتھ دماغ سوزی نہ فرمانا۔ وہ ہرگز نہیں مانیں گے یعنی جن لوگوں کی سمجھ میں اتنی موٹی سی بات بھی نہیں آسکتی کہ ربوبیّتِ عامہ یعنی بنیادی ضروریاتِ زندگی ہر کسی کا پیدائشی حق ہے اور جو معاشی عدم توازن ہی کو درست جانتے ہوں اور اُسے برقرار رکھنے کے حق میں ہوں، اُن کو آپ کا سمجھانا یا نہ سمجھانا برابر ہوگا ۲ / ۶-۷

● اور تیسری قسم کے لوگ ہونگے **منافق**۔ جو بظاہر آپ کے ساتھ شامل ہوجائینگے لیکن درپردہ وُہ بھی انکار کرنیوالوں ہی کے ساتھی ہونگے۔ ایسے لوگوں سے انتہائی احتیاط لازم ہے۔

● آنحضور کے نام ان ابتدائی ہدایات کا سلسلہ آیت نمبر ۲ سے لیکر آیت نمبر ۲۰ تک چلا گیا ہے۔ اسکے بعد آیت نمبر ۲۱ میں نوعِ انسانی کے نام قرآنِ کریم کا پہلا خطاب ہے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ ..... الخ، جس میں ربوبیّتِ عامہ کی انتہائی کھلی وضاحت کی گئی ہے اسکے بعد بنی اسرائیل کے حالات اور معاشرہ کے عبوری دَور کیلئے معاشی، معاشرتی اور ہر قسم کے سوشل مسائل سے متعلقہ احکام دیدیئے گئے ہیں بعض مقامات پر نزولِ جاریہ کی آیات کریمات بھی ہیں۔ مختصراً یہ کہ ہر قسم کے ضروری احکامات کے لحاظ سے یہ سُورۂ جلیلہ بلاغت وفصاحت اور جامعیّت کا پیکرِ عظیم ہے۔ دیکھیے! ابتدائی آیات کریمات میں آنحضور کو حرُوفِ مقطعات کے عظیم الشان القاب کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے :-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع ساتھ نام اللہ تعالیٰ کے بخشش کرنیوالا مہربان

آلٓمٓ ○ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ

یہ کتاب ہے۔ نہیں شک بیچ اسکے راہ دکھاتی ہے واسطے

ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ○ ۲

پرہیزگاروں کے

اے امین، امین القلبؐ، مرسل، محمد اللہ صاحب بخشش عام (بلا مشقت نعمتیں عطا کرنیوالے) اور صاحب رحمت خاصہ (انسان کی محنت کا پُورا پُورا بدلہ دینے والے $\frac{53}{39}$) کے نام کیساتھ کہدیجیگا کہ اُس کتاب (سُورہ فاتحہ) میں کوئی شک نہیں۔ یہ اُن لوگوں کیلئے ہدایت نامہ ہے، جو دُنیوی اور آخروی خطرات سے محفوظ رہنے کیلئے ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے) بچنے والے ہیں۔

● قرآن مجید کی تمام سُورتوں کو $\frac{98}{3}$ فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ کے الفاظ میں الگ الگ ایک ایک کتاب بتایا گیا ہے۔ فلہذا سُورۃ فاتحہ بھی ایک کتاب ہے۔ جو یہاں پر ذٰلِکَ اشارہ بعید کا مشارٌ الیہ ہے۔ نیز واضح رہے کہ صرف سُورۃ فاتحہ ہی لاریب نہیں بلکہ $\frac{32}{2}$ کے الفاظ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ میں پُوری کتاب قرآن کریم کو لاریب کہا گیا ہے

مُتّقین کی تعریف، اور ستیارتھ پرکاش کا اعتراض

عام تراجم میں ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کا معنٰی لکھا ہے "ہدایت ہے واسطے پرہیزگاروں کے" اس پر سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۹۹ پر اعتراض کیا ہے کہ وُہ (پرہیزگار) تو پہلے ہی (سیدھے) رستہ پر ہیں۔ اور جو جھُوٹے رستہ پر ہیں، اُن کو یہ قرآن رستہ نہیں دکھلا سکتا، تو پھر کس کام کا رہا"۔ — واضح رہے کہ عام تراجم میں مُتّقین کا معنٰی جو پرہیزگار لکھا ہے، وُہ حقیقت کی ترجمانی نہیں کرتا۔ اسی لئے اس پر غیر مسلم کا اعتراض بجا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ لفظ مُتّقین مُتّقی کی جمع ہے۔ اسکا سہ حرفی مادہ ہے و۔ق۔ی = وقی۔ اسکا بنیادی معنٰی ہے، حفاظت کرنا، بچانا۔ (متعدّی)، وَوَقٰہُمۡ رَبُّہُمۡ $\frac{52}{18}$ = اُن کے رب نے اُنہیں بچا لیا — اور اسی مادہ سے ہے تقوٰی بمعنی خود بچنا۔

اسم فاعل مُتّقی بصیغہ واحد۔ اور مُتّقین بصیغہ جمع۔ یعنی زندگی کی ہر خطرناک گھاٹی سے بچنے والے — قرآن کریم نے ضروریاتِ زندگی کے باقاعدہ میسّر نہ ہونے ہی کو معاشرہ کے ہر خطرہ کی علّت ٹھہرایا ہے۔ جس سے مصائب کے چشمے پھُوٹتے ہیں۔ بھائی بھائی سے ٹکراتا ہے۔ باپ اور بیٹے میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ خاندان خاندانوں سے، قبیلے، قبیلوں سے اور حکومتیں، حکومتوں سے برسرِ پیکار آتی ہیں۔ کارخانہ دار اور مزدور، زمیندار اور مزارع، سرمایہ دار اور غریب، قرضدار اور قرضخواہ جیسے فتنہ سامان طبقات ناہموار ربوبیت اور غیر متوازن تقسیم رزق ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ اس تقسیم میں، مزدور کارخانہ دار سے، مزارع زمیندار سے، قرضدار قرضخواہ سے اور غریب سرمایہ دار سے کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ آئے دن اُن میں ٹکراؤ پیدا ہوتا رہتا ہے مُتّقی وُہ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ان جملہ خطرات سے بچ جائیں لیکن چونکہ، جتنے بھی ضابطے اور آئین اُنکے سامنے آتے ہیں وہ معاشی ناہمواری کے ذریعہ، مذکورہ طبقاتی تقسیم کو موجود رکھنے کے حامی ہیں۔ اسلئے جب تک خطرات وفسادات کی علّت، ناہموار قانون موجود ہو، قانون کی نگہداشت کرنیوالے بھی خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا۔

ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کے الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ تحریکِ ربوبیت کا سات نکاتی منشور، یقینًا یقینًا اُن لوگوں کی رہنمائی کریگا جو خطرات سے بچنے کیلئے قانون کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔ فلہٰذا، اگر اس جملے کا صحیح معنٰی پیش کیا جاتا، تو قرآن کریم کے اس اہم موضوع

عــہ آلٓمٓ کے مفہوم کیلئے دیباچہ کا عنوان نمبر $\frac{30}{3}$ دیکھئے۔

پرسوامی دیانند کو اعتراض کا موقعہ میسر نہ آتا۔ قرآن کریم میں متقین کا لفظ ۲۶/۹-۹۱ میں غاوین کی ضد بیان ہوا ہے۔ اور غاوین کہتے ہیں آئین و قوانین کے باغیوں کو۔ یعنی ایسے لوگوں کو، جو آئین و ضوابط کی حدود میں رہنا ہی نہ چاہتے ہوں۔ ایسے لوگوں کو قرآن جیسا صحیح اور متوازن آئین بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اسلئے قرآن کریم کے خلاصہ، سورۂ فاتحہ کے متعلق وضاحت کردیگئی ہے لَارَیْبَ فِیْهِ ۔ اس میں آئینی توازن سو فیصدی موجود ہے جو ایک جنّتی معاشرہ کو جنّتی معاشرہ میں تبدیل کرنے کی پوری پوری صلاحیّت رکھتا ہے۔ لیکن اس سے اُن لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، جو قانون کی مخالفت سے بچنے والے نہیں۔ یہ اُن لوگوں کی رہنمائی کریگا، جو قانون کی مخالفت سے بچنے والے یعنی متقین ہیں۔ انہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ

وہ جو ایمان لاتے ہیں، ساتھ غیب کے، اور قائم

الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ۳

رکھتے ہیں نماز کو۔ اور اس چیز سے کہ دی ہمنے خرچ کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اور جو لوگ کہ ایمان لاتے ہیں، ساتھ اس چیز کے کہ

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ

اُتاری گئی ہے طرف تیری، اور جو کچھ اُتاری گئی ہے پہلے

يُوْقِنُوْنَ ۝ ۴

تجھ سے۔ اور ساتھ آخرت کے وہ یقین رکھتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی تنہائیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے ضابطے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اللہ کی تعلیم دی ہوئی صلوٰۃ کو عملاً قائم کرتے ہیں۔ اور جو ہم نے اُنہیں رزق دیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اُس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل ہوا ہے (یعنی قرآن کریم) اور اُس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوا (یعنی صحف انبیاء) اور وہ آخرت پر (یعنی قیامت کے روز جزا پر) بھی یقین رکھتے ہیں۔

● آخر پر انہی لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ

یہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں پروردگار اپنے سے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ۵

اور وہی ہیں خلاصی پانے والے۔

یہ (ضابطۂ خداوندی پر خلوت و جلوت میں ایمان رکھنے والے، اور ربوبیّتِ عامہ کو بروئے کار لانے کیلئے نظامِ ربوبیّت قائم کرنے اور اس پر مال خرچ کرنے والے) ہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہوتے ہیں۔ اور یہی ہیں، جو دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہونگے۔

ربوبیّتِ عامہ کا قیام ہی معراجِ انسانیّت، اور ربّ العٰلمین کے ہاں دُنیوی اور اُخروی کامیابی ہے

آیت بالا کے آخری الفاظ، اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں مِنْ رَّبِّهِمْ اور هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ غیر قرآنی نظریات کے حامل بڑے بڑے داناؤں کے ہاں اُن افراد کو کامران و کامیاب مانا گیا ہے جو زندگی میں زیادہ سے زیادہ مال جمع کریں۔ اِسکے برعکس اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی کا سرٹیفکیٹ اُنہیں دیا گیا ہے، جو مال کو جمع کرنے کی بجائے اُسے خرچ کرکے اقامتِ صلوٰۃ کریں یعنی ربوبیّت کا ایسا نظام قائم کریں، جس کا گوشہ گوشہ بزبانِ حال گواہی دے رہا ہو کہ اللہ ربّ العٰلمین ہے یہ ہے مفہوم عَلٰی هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ کا۔ یاد رہے کہ یہاں اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنَ اللّٰهِ نہیں فرمایا بلکہ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ فرمایا ہے۔ کیونکہ عنوان ہی ربوبیّتِ عالمینی کا چل رہا ہے۔

نوعِ انسانی کے حق ربوبیّت کا انکار گویا اللہ اور قیامت کا انکار ہے

اگلی آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے، جو قرآنی منشور کے درسِ اوّل ربوبیّتِ عامہ کے منکر ہیں یعنی جو لوگ رزق کی ناہموار تقسیم کو برقرار رکھ کر نوعِ انسانی کی ضروریات زندگی کے بنیادی اور پیدائشی حقوق ہی کا انکار کرتے ہیں۔ اور جو فی الحقیقت اللہ اور روزِ جزا کے منکر ہیں۔ اُنہیں سمجھانا اور نہ سمجھانا برابر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ

تحقیق جو لوگ کہ کافر ہوئے برابر ہے اُوپر اُنکے کہ ڈرایا

اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۶

تُو نے اُنکو یا نہ ڈرایا تُو نے اُن کو نہیں ایمان لائینگے

بیشک جو لوگ نظریۂ ربوبیّت کا انکار کر دیں، اُنکے لئے برابر ہے کہ آپ اُنہیں اُنکے فرائض سے آگاہ کریں یا نہ کریں۔ (کیونکہ جو لوگ ربوبیّتِ عامہ کو انسانی بنیادی حقوق ہی تسلیم نہیں کرتے) وہ نظریۂ ربوبیّت پر کبھی ایمان نہیں لائینگے (اُنکے ساتھ معذرت نہ فرمائیگا)۔

● اِس سے اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ

مُہر کی اللہ نے اُوپر دلوں اُنکے کے اور اُوپر کانوں اُنکے کے

وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ

اور اُوپر آنکھوں اُن کی کے پردہ ہے۔ اور واسطے اُنکے عذاب

عَظِيْمٌ ۝ ۷

ہے بڑا۔

ع

اللہ تعالیٰ نے اُنکے قلوب پر اور کانوں پر عدمِ تدبّر ۷/۱۷۹ ۱۷/۴۶ ۱۸/۵۷، اور ہوائے نفس ۴۵/۲۳ کی مُہریں لگی ہُوئی پاتی ہیں اور اُن کی آنکھوں پر (باطل نظریات کا) پردہ ہے۔ اِسلئے اُن کیلئے عذابِ عظیم ہے۔ (یہ لوگ گوناگوں مصائب و شدائد کے جہنّم میں پڑے جلتے رہتے ہیں ۹/۶ تا ۱۰۴)

کُفر چھپا کر ایمان کا اظہار کرنیوالے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور کو اُس خطرناک گروہ کی خبر دیگئی ہے، جو اپنے آپکو اللہ اور روزِ جزا کے مومن بتائینگے لیکن درپردہ منکرینِ ربوبیّت سے ملے ہُوئے ہونگے چنانچہ ارشاد ہُوا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہیں، جو کہتے ہیں، ایمان

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور جزا سزا کے دن پر ایمان لائے۔ لیکن وہ (ہرگز ہرگز)

وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ۸

لائے ہم ساتھ اللہ کے اور ساتھ دن پچھلے کے۔ اور نہیں وہ ایمان لانے والے۔

ایمان لانے والے نہیں۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا

فریب دیتے ہیں اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے

يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○ ۹

اور نہیں فریب دیتے مگر اپنے تئیں۔ اور نہیں سمجھتے۔

وہ اللہ اور مومنوں کو (یعنی آپکی ساتھی جماعت کو $\frac{۴۸}{۲۹}$) دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ نہیں دھوکا دیتے، مگر اپنے آپکو۔ (کیونکہ انہیں اس امر کا شعور ہی نہیں رکہ وہ اپنے آپکو دھوکا دے رہے ہیں)۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ

بیچ دلوں اُنکے کے بیماری ہے۔ پس بڑھا دی اُن کی

مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا

اللہ نے بیماری اور واسطے اُن کے عذاب ہے درد دینے والا

يَكْذِبُوْنَ ○ ۱۰

بسبب اسکے کہ تھے جھوٹ بولتے۔

اُن کے اذہان میں نفاق کی بیماری ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مرضِ منافقت میں، بڑھتا ہوا پاتا ہے۔ (اُن کے اظہارِ منافقت $\frac{۳}{۱۲۹}$ پر) اُنکے لئے دردناک عذاب (کی سزا) ہے $\frac{۴۳}{۹۱}$ اسلئے کہ وہ (نظامِ ربوبیت کی مخالفت کو چھپاکر اور ایمان کا اظہار کر کے) جھوٹ بولتے تھے۔

● قرآن کریم میں جملہ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ خداتعالیٰ کے نافرمانوں کے حق میں بتکرار کثیر وارد ہوا ہے کہ اُنکے لئے دردناک عذاب ہے لیکن مشاہدہ اسکے بالکل برعکس ہے کہ خداتعالیٰ کے نافرمان ہر طرف دندناتے پھرتے ہیں۔ اِس پر کہدیا جاتا ہے کہ انہیں قیامت کو عذاب ہوگا لیکن سورۂ نور میں، اسلامی معاشرہ میں بیحیائی پھیلانیوالوں کیلئے بالفاظِ صریح بتایا گیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ $\frac{۲۴}{۱۹}$ = بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بیحیائی پھیلے اُن کیلئے دنیا میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے۔

اب غور فرمائیں کہ آخرت کا عذاب تو دیگا خداتعالیٰ، جس نے $\frac{۱}{۴}$ میں اپنے متعلق مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونے کا اقرار لے لیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آیتِ بالا، $\frac{۲۴}{۱۹}$ کے مطابق لازم ہونیوالا دُنیا کا عذاب، یعنی مجرموں کو دنیوی سزا کون دیگا۔ اِسکا فیصلہ بھی سورۂ نور میں دیدیا گیا ہے کہ یہ ملکی نظام کے ذمہ ہے۔ چنانچہ جنسی جرم کے مرتکب جوڑے کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ $\frac{۲۴}{۲}$ = دونوں کو الگ الگ سو سو کوڑے لگاؤ۔ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ $\frac{۲۴}{۲}$ = اور چاہیئے کہ سزا کے وقت مومنوں کا ایک گروہ موجود ہو۔ اب ظاہر ہے کہ یہ سرعام آئینی سزا حکومت ہی دیگی، خدا نہیں دیتا۔

چھپے دشمن منافقوں کی سزا

فلہذا ربوبیت کے چھپے دشمن یعنی منافقوں کو سزا دینے کا حکم، قرآنی معاشرہ کے سربراہِ اوّل سلام علیہ کو دیا گیا تھا:-

لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۝ مَّلْعُونِينَ ۚ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ۝ ۳۳/۶۰-۶۱ = اگر منافق یعنی جن کے ذہنوں میں نفاق کی بیماری ہے۔ اور وہ لوگ بھی جو شہر میں غلط افواہیں اُڑانیوالے ہیں، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں تو اے رسول ہم آپکو ضرور اُن کے پیچھے لگا دینگے۔ (نتیجہ یہ کہ) وہ آپکے پاس اِس (شہر) میں نہیں رہینگے۔ مگر تھوڑا عرصہ۔ (اور وہ بھی) لعنت کئے گئے ذلیل خوار۔ بالآخر بھاگ جائینگے۔ پھر اُن کی سزا یہ ہے کہ، جہاں بھی پائے جائیں گرفتار کرلئے جائیں۔ اور اُن کا ایک ایک فرد قتل کردیا جائے۔ (عود الی المقصود):-

منافق فساد فی الارض کے حامی ہیں

ربوبیّت عالمین کے چھپے منافقوں کے متعلق، اس امر کی خبر دیتے ہوئے کہ وہ مفسد ہیں، اگلی دو آیتوں میں ارشاد ہوا ہے:-

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ

اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُن کے مت فساد کرو

قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝ ۱۱

بیچ زمین کے، کہتے ہیں سوائے اسکے نہیں ہم سنوارتے ہیں۔

اور جب اُن سے کہا جائے (کہ ناہموار نظریۂ ربوبیّت کے ساتھ) زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ تو وہ جواب دیتے ہیں، کہ ہم تو زمین کی اصلاح کرنیوالے ہیں۔ (ہم عوام کے بڑے ہمدرد ہیں)۔

● ناہموار معاشرہ کے اربابِ اقتدار، اپنے آپ کو انسانیت کے خیرخواہ ظاہر کرکے عوام کی محنت پر خود توعیش اُڑاتے ہیں۔ اور محنت کشوں کو اُن کی محنت کے ماحصل میں سے صرف اُتنا حصّہ دیتے ہیں کہ وہ اُن کی خدمت کیلئے زندہ رہ سکیں۔ حالانکہ قرآنِ کریم نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱ کے، اوّلین اعلان میں، مساوی حقوقِ ربوبیّت کا اعلانِ عام کررکھا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں منکرینِ ربوبیّتِ عامہ کو، جو اصلاح کے دعویدار بنکر محنت کشوں کی محنت کا ماحصل سمیٹتے چلے جاتے ہیں، مفسد قرار دیا ہے:-

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا

خبردار ہو، تحقیق وہی ہیں فساد کرنے والے۔ اور

يَشْعُرُونَ ۝ ۱۲

لیکن نہیں سمجھتے

(اے رسول!) خبردار رہنا کہ بلاشبہ مفسد یہی ہیں۔ (جو اقرارِ ربوبیّت کے پردے میں فریب کارانہ طور سے عوام کے حقوقِ ربوبیّت غصب کرتے ہیں)، لیکن اُنہیں شعور نہیں ہے۔ (کہ زبانی اقرار اور عملاً انکار کی دوغلی روش ہمیشہ کیلئے چھپی نہیں رہ سکتی)۔

● اب آیاتِ بالا کے مطابق یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی، عوام کے خیرخواہ بنکر اصلاحِ معاشرہ اور امنِ عالم ہی کے دعویدار بنتے ہیں۔ لیکن اس نظام میں سرمایہ دار و مزدور، اور عوام و حکّام کے مساوی حقوقِ ربوبیّت تسلیم ہی نہیں کئے جاتے۔ جو مراعات سرمایہ دار و حکّام کو مُیسّر کی جاتی ہیں۔ عوام کو ہرگز نہیں دیجاتی۔ مگر قرآنِ کریم کا درسِ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس امر کا متقاضی ہے کہ بلاتمیز سرمایہ دار و مزدور، اور حکّام و عوام

سب کے حقوقِ ربوبیّت قانوناً اور عملاً مساوی تسلیم کئے جائیں۔

آیتِ بالا، اور اگلی آیات کریمات میں، منافقوں کے حالات اِس طرح واضح کئے جارہے ہیں، جیسے کہ وُہ سامنے موجود ہیں، اور اُنکی روش سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک انتہائی بلیغ اسلوبِ بیان ہے، جس میں آنحضور کو اِس خطرناک گروہ کے متعلق خبردار کیا جارہا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ

اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُن کے ایمان لاؤ جیسا

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ

ایمان لائے لوگ، کہتے ہیں کیا، ایمان لائیں ہم جیسا ایمان لائے

هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ 13

ہیں بے وقوف، خبردار ہو تحقیق وُہی ہیں بے وقوف اور لیکن نہیں جانتے۔

اور جب اُن سے کہا جائے کہ (خدا تعالیٰ کی ربوبیّتِ عالمین پر) اِسطرح ایمان لاؤ جسطرح لوگ ایمان لائے ہیں۔ (یعنی استحصال سے باز آجاؤ) تو کہتے ہیں، کہ کیا ہم نظریۂ مساوات کو اُسطرح تسلیم کریں جسطرح بیوقوفوں نے تسلیم کیا ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتے۔ (کہ ربوبیّت عامہ پر ایمان لانیوالے بیوقوف نہیں ہیں، بلکہ یہ خود بیوقوف ہیں۔ (جو عوام کے ضروریاتِ زندگی کے اُن حقوقِ ربوبیّت کا انکار کرتے ہیں، جنہیں اپنے لئے محفوظ رکھا ہُوا ہے)

● اِس حقیقتِ ثابتہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دُنیا بھر کا ہر فساد، ظلم، چوری، چکاری، رہزنی، ڈکیتی، جیب تراشی، دھوکا بازی، فریب ہی اور قتل و غارت وغیرہ ہر چیز کے پس منظر کو، اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ ناہموار تقسیم رزق ہی کی پیداوار ہے۔ مثلاً چوری کی ابتدا، بھی ناہموار تقسیم ہی سے شروع ہوتی ہے کہ محرومِ ربوبیّت افراد بھوک سے تنگ آکر ابتداءً چھوٹی چھوٹی چوریاں شروع کرتے ہیں۔ اور اسکی انتہا بھی ناہموار نظریۂ تقسیم ہی کی مرہونِ منّت ہے۔ کہ کل کا اُچکّا، اور جیب تراش، جب چوری کے مال سے سرمایہ دار ہو جاتا ہے۔ تو دِن دہاڑے ڈاکے مارتا پھرتا ہے، اب اُسکا جمع کردہ مال پھر موجبِ فساد بنکر، اُسکے اور مُلکی قانون کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور نتیجہ یہ کہ درجنوں افراد کا قاتل اور لاکھوں کے مال کا ڈاکو، مال کے زور سے عدالت سے بری ہو کر پھر دندناتا پھرتا ہے۔

ناہموار تقسیم رزق کے مفسدانہ نظریہ کا جواز خلوت نشین گروہ مُہیّا کرتا ہے

اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ اِن شواہد کی روشنی میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ناہموار تقسیم رزق کے مفسدانہ نظریہ کو صحیح، اور امن پرور تسلیم کسطرح کر لیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ، اِسکے لئے افراد کی الگ الگ قسمت و تقدیر کی افیون کافی ہے۔ جو دوسری مذہبی جماعتوں کے علاوہ، صدیوں سے اِس اُمّتِ مرحومہ کو بھی پلادی گئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ افراد کی الگ الگ قسمت روزِ ازل ہی سے لکھدی ہے گویا آقا و غلام، سرمایہ دار و مزدور، زمیندار و مزارع اور امیر و غریب کا جو فساد انگیز منظر موجود ہے سب اللہ تعالیٰ کے، روزِ اوّل کے فیصلہ ہی کے مطابق منصّۂ شہود پر جلوہ بار ہے۔ اِسلئے ہموار تقسیم رزق کو سرے سے دیوانہ پن قرار دیکر، ہموار نظریۂ ربوبیّت کے حاملین کو دیوانے اور بیوقوف قرار دیا جاتا اور اپنے معتقدین کو اُن سے الگ رہنے کی تاکید کیجاتی ہے۔ اور جو کوئی اُن سے ملنا جلتا ہو، اُس سے بازپرس کی

جاتی ہے کہ مومنوں کے ہاں کیوں گئے تھے؟ چنانچہ خلوت نشینوں کی طرف سے اس بازپرس کی خبر بالفاظ ذیل دیگئی ہے:۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ

اور جب ملتے ہیں اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں۔ کہتے

اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِہِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ ۙ

ہیں ایمان لائے ہم، اور جب اکیلے ہوتے ہیں طرف سرداروں

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَہْزِءُوْنَ ○ ۱۴

اپنوں کے، کہتے ہیں تحقیق ہم ساتھ تمہارے ہیں۔ سوائے اسکے نہیں کہ ہم ٹھٹھا کرتے ہیں۔

اور یہ منافق جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں (نظریہ ربوبیت سے گمراہ کرنے والوں) کی خلوتگاہوں میں جاتے ہیں تو (اُن کو اس سوال کے جواب میں کہ تم مومنوں کے پاس کیوں جاتے ہو، یہ) کہتے ہیں کہ ہم بلاشبہ تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ ہم تو مومنوں کو حقیر سمجھتے ہیں (کہ یہ ہیں ربوبیت عامہ کے مضحکہ خیز نظریہ کے علمبردار اور روزِ ازل کی لکھی ہوئی تقدیر دں کو مٹانے کے دعویدار)۔

● لیکن جوابًا ارشاد ہوا ہے:۔

اَللّٰہُ یَسْتَہْزِئُ بِہِمْ وَیَمُدُّہُمْ فِیْ

اللہ ٹھٹھا کرتا ہے اُن سے اور کھینچتا ہے اُنکو بیچ سرکشی

طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ ○ ۱۵

اُن کی کے بہکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اُنہیں (قانونِ مشیت کے مطابق) ذلیل کرتا اور اُن کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے۔ اور وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ

یہی لوگ ہیں جنہوں نے مول لی گمراہی بدلے

بِالْہُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُہُمْ وَمَا

ہدایت کے پس نہ فائدہ پایا سوداگری اُن کی نے

کَانُوْا مُہْتَدِیْنَ ○ ۱۶

اور نہ ہوئے راہ پانے والے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں۔ اُنہیں اُن کی تجارت کوئی فائدہ نہیں دیتی اور وہ ہدایت پانے والے نہیں۔

ہموار و متوازن قانون ہی مصائبِ عالم کا واحد حل ہے

● قرآنی ہموار قانون میں ہر فردِ معاشرہ جنت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اِسکے برعکس ناہموار معاشرہ کی اکثریت بنیادی ضروریاتِ زندگی، خوراک، لباس، مکان اور علاج کی محرومی کے جہنم میں جلتی رہتی ہے۔ اور سرمایہ داروں کے ہاں ملک بھر کی دولت لے واں دواں پائی جاتی ہے لیکن انہیں بھی دشمن، چور، ڈاکو، بجلی، آگ، طوفان، تجارتی نقصان اور عہدہ سے برطرفی وغیرہ کی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ اگر ان میں سے کسی کی زد میں آگئے تو محرومِ ربوبیت ہو جائینگے۔ اور خود اِن کا بھی پُرسانِ حال کوئی نہیں ہوگا۔ اب انہیں اتنی سمجھ بھی نہیں کہ ربوبیتِ عامہ کے اُس ذمہ دار نظام کے بدلے جس میں جملہ حادثات کا مداوا موجود ہے، یہ خریدتے کیا ہیں؟ — خریدتے ہیں مذکورہ بالا حادثات کا خطرہ، اور اسی قبیل کے سینکڑوں مصائب؛ جو چھوٹے

چھوٹے خاندانوں کی خانگی شکر رنجیوں، بھائیوں بھائیوں کے جھگڑوں، باپ بیٹوں کے تنازعوں، ہمسایوں ہمسایوں کی آویزشوں، خاندانوں خاندانوں کی عداوتوں اور قبیلوں قبیلوں کی لڑائیوں میں، جہاں صرف مُکا چپیٹ، اینٹ پتھر، لاٹھی، ڈنڈا اور بندوق پستول وغیرہ کیساتھ ہی دادِ امن دیجاتی ہے لیکن اس سے آگے بڑھیں تو ریاستوں ریاستوں اور ملکوں ملکوں کی جنگوں میں، جہاں توپیں، آگ اگلتی ہوئی پائی جاتی ہیں، پیروں کے نیچے سے سرنگیں پھٹتی، اور سر کے اوپر سے نیپام بم گرتے ہیں۔ جو آنِ واحد میں لاکھوں بیگناہ شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، یہ سب کچھ اسی تجارت کا حاصل ہے، جو انسان نے ربوبیتِ عامہ کے جنت بدوش اور امنِ عالم کے حقیقی ضامن قانونِ ربوبیت کے بدلے ہزارہا سال سے ناہموار و غیر متوازن قانون خریدا ہوا ہے۔

● چنانچہ اگلی آیت میں، اصلاحِ عالم کے ان جھوٹے دعویدار منافقوں کی مثال بیان ہوئی ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ

مثال اُن کی جیسے مثال اس شخص کی ہے جو جلاوے

فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ

آگ پس جب روشن کیا جو کچھ گرد اُسکے تھا لے گیا اللہ روشنی اُن کی

وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ○ ۱۷

اور چھوڑ دیا اُن کو بیچ اندھیروں کے نہیں دیکھتے۔

اِن منافقوں (یعنی اقرار کے پردے میں انکارِ ربوبیت کرنیوالوں) کا حال، اُس شخص جیسا ہے جو (رات کے وقت جنگل میں سفر کر رہا ہو، جنگلی درندوں سے بچنے، اور راستہ معلوم کرنے کیلئے) آگ کا دیا جلائے پھر جب وہ اُسکا ارد گرد روشن کر دے (تو راستہ نمایاں، اور درندوں کا خطرہ دُور ہو جائے لیکن جیسے کہ کھلی فضا میں ہوا کی تیزی سے آگ بجھ جاتی ہے) اللہ (اپنے اِس قانون کے مطابق جب) ایسے لوگوں کی روشنی لے جائے! اور اُنہیں اندھیروں میں چھوڑ دے۔ (تو جسطرح آگ بجھ جانے سے راستہ گُم اور درندوں کا خطرہ آ موجود ہوتا ہے اسیطرح قرآنی نورِ ہدایت کو چھوڑ کر شیطانوں کیطرف لوٹ جانے کی بدولت $\frac{۲}{۱۴}$) نہ وہ سیدھی راہ دیکھتے ہیں۔ (اور نہ معاشی درندوں کے خطرے سے محفوظ رہ سکتے ہیں)

● یعنی منافقوں کی حالت یہ بتائی گئی ہے کہ مومنوں کے پاس آتے ہیں، تو قانونِ ربوبیت کی قندیل سے ربوبیتِ عامہ کا صحیح راستہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ اور جب اپنے باطل پیشواؤں کے پاس جاتے ہیں جو نا ہموار تقسیم رزق ہی کو رضاءِ الٰہی قرار دیتے ہیں تو پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ صحیح راہ بھی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور حقوقِ ربوبیت کو غصب کرنیوالے درندوں کا خطرہ بھی موجود رہتا ہے۔ پس اسطرح منافقوں کی دوعملی سے ان کی رہی سہی عقل و بصیرت بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۙ○ ۱۸

بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں پھر آتے۔

(اس دورُخی روش کی بدولت، وہ دماغی توازن تک کھو کر اسطرح ہو جاتے ہیں) جیسے کہ وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس (چونکہ اُن پر سرمایہ داری کے باطل نظریات کا غلبہ ہوتا ہے، اسلئے) نظامِ ربوبیت کیطرف نہیں لوٹتے۔

ایک اور مثال اس سے اگلی دو آیتوں میں، منافقوں ہی کی وضاحت کیلئے، ایک اور مثال بیان ہوئی ہے تاکہ اس دوعملی کے شکار ہونیوالوں کی حالت کھل کر سامنے آجائے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَ
یا مانند مینہ کے آسمان سے بیچ اسکے اندھیرے ہیں

رَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي
اور گرج ہے اور بجلی ہے۔ کرتے ہیں انگلیاں بیچ کانوں

آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ
اپنے کے کڑک سے ڈر موت کے سے اور اللہ تعالٰے

وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ○ ۱۹
گھیرنے والا ہے کافروں کو۔

یا اُن کا حال ایسا ہے کہ آسمان سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہو۔ اس میں (اندھیری رات، اور کالی گھٹاؤں کے مشترکہ) اندھیرے بھی ہوں ہولناک کڑاک بھی، اور بجلی کی چمک بھی ہو۔ (اور یہ لوگ راستہ چلتے اس بارش میں گھر جائیں، اور) موت کے ڈر سے، کڑک سے بچنے کیلئے، اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں (تو موت سے بچ نہیں سکتے، کیونکہ) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، انکارِ ربوبیت کرنیوالوں کو (اپنے قانونِ مشیت کیساتھ) چاروں طرف سے گھیرنے والا ہے۔ (قرآنی ضابطہ سرمایہ داری کی موت ہے)

● اس مثال میں باطل نظاموں کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ ناہموار آئین کے اندھیروں اور اندھیر گردیوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ مصائب و آلام کی موسلا دھار بارش جاری ہے۔ دکھیا انسانوں کی چیخ و پکار سے کان پھٹے جا رہے ہیں، ایسے میں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینے سے دکھیا انسانیت کا مداوا نہیں ہوسکتا۔ لیکن ضابطۂ ربوبیت کی حالت بجلی کی سی ہے جو سرمایہ داری کے باطل نظریات پر برق بنکر گرتا ہے۔ اور ساتھ ہی اسکی چمک کیساتھ صحیح راہ نمایاں ہوجاتی ہے۔ منافق لوگ قرآنی روشنی میں چند قدم مومنوں کیساتھ چلتے ہیں، لیکن اپنی دورخی روش کی بدولت، جب اپنے باطل پیشواؤں کے پاس جاتے ہیں تو پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور پھر رک جاتے ہیں۔ اگلی آیت میں نہایت اختصار، اور انتہائی بلیغ انداز میں سارے مضمون کو بالفاظ ذیل بیان کیا ہے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا
نزدیک ہے کہ بجلی اچک لیجاوے بینائی ان کی

أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ
جب روشنی دیتی ہے ان کو چلتے ہیں بیچ اسکے اور جب اندھیرا

قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
کرتی ہے اوپر ان کے کھڑے ہو رہتے ہیں۔ اور اگر چاہے

قریب ہے کہ بجلی کی چمک اُن کی بینائی ضائع کر دے جب وہ چمک کر اُن کیلئے روشنی کرتی ہے، تو اُس میں (تھوڑا سا) چلتے ہیں۔ اور جب (ختم ہوکر) اندھیرا کر دیتی ہے، تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا (یعنی اگر اُسکا یہ قانون ہوتا، کہ جو لوگ کانوں، آنکھوں اور دماغ سے صحیح کام نہ لیں تو اُن کے یہ اعضا چھین لے۔) تو وہ ایسے لوگوں کی

اَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۰

اللہ لے جاوے کان اُنکے اور آنکھیں اُن کی تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

ع ۲

سماعت اور بصارت و بصیرت لے جاتا۔ (لیکن اُس نے ایسا قانون نہیں بنایا۔ کیونکہ قیامت کو کانوں، آنکھوں اور دماغ ہی کے متعلق تو سوال کیا جائیگا $\frac{17}{36}$) بلاشبہ اللہ ہر چیز کے پیمانے اور قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔

● اِس آیت مجیدہ میں منافقین کی خطرناک دوُرخی روش کو اسطرح نمایاں کیا گیا ہے، جیسے کہ وہ اندھیرے میں بجلی کی چمک میں چلنے، اور اُسکے چمک چکنے کے بعد رُک جاتے ہیں یعنی جب وہ ضابطۂ خداوندی، قرآنی نور کیطرف آتے ہیں، تو وہ انہیں امن و سلامتی کی منزل پر گامزن کر دیتا ہے لیکن چونکہ وہ اِس نور سے مسلسل بہرہ یاب ہونیکی بجائے پھر اُن باطل پیشواؤں کی طرف لوٹ جاتے ہیں، جو سرمایہ دارانہ نظام کو رضاءِ الٰہی بتاتے ہیں، اسلئے یہ نور اُن سے چھن جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اُن کی اس روش کے بدلے، کہ وہ عوام کو سرمایہ داری کی چکّی میں پستا ہوُا، آنکھوں دیکھنے، اور اُن کی چیخ و پکار کو کانوں سُننے کے باوجود قانونِ ربوبیّت کو تسلیم نہیں کرتے، اُن سے اُنکے کان اور آنکھیں، یعنی سماعت اور بصیرت و بصارت سلب نہیں کرتا، چھین نہیں لیتا تاکہ وہ جب بھی چاہیں، ضابطۂ خداوندی سے فیضیاب ہوسکیں۔ کیونکہ ہدائت و گمراہی میں سے کوئی راہ اختیار کرنا، انسان کے قبضۂ اختیار میں دیدیا گیا ہے۔ $\frac{18}{29}$، $\frac{3}{40}$، $\frac{73}{19}$، $\frac{76}{29}$) اور قیامت کو سماعت، بصیرت اور بصارت ہی کے متعلق سوال کیا جائیگا $\frac{17}{36}$۔

● آیتِ بالا میں جملہ آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، جس کا معنٰی لیا جاتا ہے "اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ اور اس پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے، یہ تصوّر دیا جاتا ہے کہ خداوندِ عالم اپنے خود مقرر کردہ قوانینِ کائنات کے خلاف بھی کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور اِس سے آگے کہیں تو بلا باپ کی پیدائش کہیں پہاڑوں کے چلنے اور بولنے کہیں شیر خوار بچے کے کلام کرنے، اور کہیں مُردہ جانوروں کے زندہ ہو کر اُڑ جانے کا تصوّر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ جملہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا مفہوم اِس سے بالکل اُلٹ ہے واضح رہے کہ جہاں تک قوانینِ جاریہ کی مخالفت پر قدرت رکھنے کا تعلق ہے۔ خدا تعالیٰ میں یہ طاقت موجود ہے کہ درختوں کیساتھ پھلوں کی صورت میں بچّے لگا سکتا ہے، بارش کیطرح آسمان سے برسا سکتا ہے لیکن وہ اپنی اِس اسباب و علل کی دُنیا میں، جسے اُس نے اپنے مقرر کردہ قوانین کی زنجیروں میں خود جکڑ رکھا ہے، ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ ہر کام کو اپنے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہی سرانجام فرماتا ہے۔ کیوں؟ — اِسلئے کہ وہ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ ہر چیز کیلئے خود قانون بنانیوالا ہے۔

لفظ قدیر مادہ ق۔ د۔ ر = قدر سے صفت مشبّہ ہے۔ قادر اس مادہ سے اِسم فاعل ہے۔ اور اس مادہ کا معنٰی ہے، اندازہ کرنا پیمانہ مقرر کرنا، قانون بنانا۔ اور قادر قدیر کا معنٰی ہے اندازے، پیمانے، اور قانون مقرر کرنیوالا۔ اِسطرح اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا معنٰی ہوُا۔ "بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے غیر متبدّل اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے"۔ چنانچہ ارشاد ہوُا ہے لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ $\frac{1}{64}$ = قوانینِ الٰہیہ کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں نیز مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ $\frac{5}{29}$ = میرا قول خود میری طرف سے بھی بدلا نہیں جاتا، کے مطابق

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کو نہ کوئی اور ہی بدلنے والا ہے۔ اور نہ وہ خود ہی انہیں بدلتا ہے۔ فلہٰذا جملہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ اللہ اپنے مقرر کردہ قوانین کے خلاف بھی کرنے پر قادر ہے۔ بلکہ قرآن و قواعد کی رُو سے صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔ (اور ہر کام کو اپنے مقررّہ قوانین کے مطابق ہی انجام دیتا ہے)

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی تفسیر تصریفِ آیات کیساتھ

جنگِ بدر میں فتح ہوئی اور جنگِ اُحد میں شکست ۳/۱۲۳، ۳/۱۶۵۔ ان ہر دو فتح و شکست کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ ہمارے قانون کے مطابق ہی ہوئی تھیں۔ کیونکہ ہم عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہر چیز کے پیمانے مقرر کرنیوالے ہیں۔ جنگِ اُحد کی شکست کے متعلق صحابہؓ کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

۳/۱۶۵ = اور کیا جس وقت تمہیں شکست کی مصیبت آئی تحقیق اس سے دوگنی شکست تم انہیں دے چکے ہو تم نے کہا کہ یہ شکست کہاں سے آ گئی؟ اے رسولؐ کہہ دیجئیگا کہ وہ تمہاری اپنی ہی طرف سے تھی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (فتح و شکست سمیت) ہر چیز کے قانون مقرر کرنیوالا ہے۔

● دیکھئے اس آیت مجیدہ میں جملہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جب صحابہؓ کا عمل ہمارے فتح والے قانون کے مطابق تھا، تو فتح ہو گئی۔ اور جب اُن کا عمل شکست والے قانون کے مطابق ہوا تو شکست ہو گئی۔ کیونکہ ہم نے ہر چیز کے قانون بنا دیئے ہوئے ہیں ہم عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہیں۔

نوعِ آدم کے نام قرآن کریم کا اوّلین خطاب

سورہ بقر کی آیت نمبر ۱ سے ۲۰ تک آنحضورؐ کے نام مومنوں کافروں اور منافقوں سے متعلقہ ضروری ہدایات جاری کرنے کے بعد نوعِ آدم سے اوّلین خطاب فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ
اے لوگو عبادت کرو پروردگار اپنے کی جس نے پیدا کیا تم کو
خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾
اور ان کو جو پہلے تم سے تھے تو کہ تم بچو۔ ۲۱
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاۗءَ
جس نے کیا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت
بِنَاۗءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ
اور اتارا آسمان سے پانی پس نکالا ساتھ اسکے پھلوں سے
بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا
رزق واسطے تمہارے پس مت ٹھہراؤ واسطے

اے نوعِ انسانی! اپنے ربوبیّت کا سامان مہیا کرنیوالے کے فرمانبردار بنو۔ جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے! اور انہیں بھی پیدا کیا ہے، جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں۔ (اور یہ خالص فرمانبرداری کا حکم اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم (دنیا اور آخرت کے عذاب سے) بچ جاؤ۔

وہ تمہارا پروردگار ہی تو ہے، جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان (یعنی فضا) کو بناءِ (ربوبیّت) بنایا ہے (کہ بارشیں جو اہلِ ربوبیّت میں آسمان ہی سے برستی ہیں) اسطرح وہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر اس پانی کیساتھ، تم سب (یعنی تمہارے ایک ایک فرد ۲/۲۹) کیلئے میووں کے رزق پیدا کرتا ہے۔ (پس یاد رکھو کہ یہ پورا نظام کائنات خالص اللہ تعالیٰ کا ہے) تم اس میں غیر اللہ کو شریک کرلینا

لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ۲۲

اللہ کے شریک اور تم کو جانتے بوجھتے ہو۔ || حالانکہ (کائنات و نظام کائنات میں کسی بھی غیر اللہ کی عدم شرکت اسطرح نمایاں ہے کہ، اسے) تم خوب جانتے ہو۔

لفظ نِدّ کی لغوی تحقیق

لفظ نِدّ کا سہ حرفی مادہ ہے ن۔ د۔ د۔ اسکا بنیادی معنی ہے کسی کی مثل اور نظیر لیکن اس مماثلت میں قرآن کریم نے جو تخصیص بتائی ہے وہ انتہائی اہم ہے۔ یہ مادہ سورہ بقرہ میں صرف دو مرتبہ آیا ہے: ایک مقام تو ۲/۲۲ میں آپ ملاحظ فرما چکے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کی ان صفات مخصوصہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۲/۲۲ (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے) اور ان صفات مخصوصہ کی وضاحت کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ۔ ۲/۲۲

● اور دوسرے مقام پر انہی صفات کو اور زیادہ وضاحت کیساتھ بالفاظ ذیل بیان کر کے نِدّ و انداد کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ ۲/۱۶۴

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، اور دن رات کے بدل بدلکر آنے میں، اور کشتیوں میں، جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے کیلئے سمندر میں چلتی ہیں، اور اس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ فضا سے نازل کرتا ہے۔ اور اسکے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کے، زمین میں ہر قسم کے جانداروں کے پھیلا دینے میں، اور ہواؤں کے رُخ بدل بدلکر چلانے، اور زمین و آسمان کے درمیان بادلوں کو مسخر کرنے میں عقلمندوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں ـــ سامانِ ربوبیت کی اس وضاحت کے بعد ارشاد ہوا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۲/۱۶۵ = لیکن لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو صفاتِ بالا کے مالک اللہ کیساتھ اوروں کو انداد (ان صفات میں مثل و نظیر) ٹھہراتے ہیں۔ اور انکے ساتھ اُس انداز سے محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ کیساتھ کیجاتی ہے۔

فلہٰذا قرآنی لغت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نظام کائنات میں کسی بھی غیر اللہ کو شریک کرنا، اور اسکے حکموں کو بلا سند قرآنی، بلا چون وچرا تسلیم کرنا، جسطرح کہ اللہ کے حکموں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا فرض ہے، اللہ کے نِدّ ٹھہرانا ہے۔

عنوانِ ربوبیت بدستور جاری ہے

آیت مجیدہ زیر بحث ۲/۲۲ کے جملہ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ میں رِزْقًا لَّكُمْ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں، جن میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے اوّلین درس میں ربوبیتِ عالمینی کے جس عنوان کو شروع کیا گیا ہے وہ بدستور جاری ہے۔ اس سلسلے میں یاد رکھو کہ دکھی انسانیت کے دکھوں کا مداوا رِزْقًا لَّكُمْ کے الفاظ میں اجاگر کر دیا گیا ہے کہ، لَكُمْ جار مجرور میں آمدہ كُمْ ضمیر جمع مخاطب کا مرجع ۲/۲۱ میں مذکور النَّاس یعنی پوری نوع انسانی ہے۔

یعنی واضح کر دیا گیا ہے کہ زمین سے پیدا ہونیوالا پورے کا پورا رزق، پوری کی پوری نوعِ انسانی کیلئے ہے۔ عربی دان حضرات سے مخفی نہیں کہ، کُم ضمیر جمع مخاطب کے دائرہ میں پوری کی پوری نوعِ انسانی داخل ہے۔ کیونکہ اس ضمیر جمع مخاطب کا مرجع اَلنَّاس ہے۔ فلہٰذا ان الفاظ میں دُکھیا انسانیت کے تمام تر مصائب و آلام کا واحد حل بتا دیا گیا ہے کہ زمین سے جتنا بھی رزق پیدا ہو، وہ سارے کا سارا ساری کی ساری نوعِ انسانی کا مساوی حق تسلیم کیا جائے۔ اور اُسکی مساوی تقسیم کی جائے۔

عالمگیر یا جداگانہ نظامِ ربوبیت نیز واضح رہے کہ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ کے الفاظ میں صراحت کر دیگئی ہے کہ پورا کرۂ ارض، ایک ریاست، ایک سلطنت اور ایک ہی نظام کے ماتحت ہونا چاہیئے جسمیں پوری پیداوار کو پوری آبادی پر مساویانہ انداز سے تقسیم کیا جانا رضاءِ خداوندی ہے۔ یاد رہے کہ آج پوری زمین ایک شہر کی سی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ کہ سیلاب مشرق میں آئے تو فوری امداد مغرب سے پہنچ جاتی ہے۔ اور زلزلہ مغرب میں آئے تو مدد مشرق سے آجاتی ہے اسیطرح وہ دن دُور نہیں کہ کرۂ ارض یقیناً یقیناً ایک گھر اور ایک کنبہ کی صورت اختیار کر جائیگا پس الٰہی فیصلہ یہ ہے کہ زمین بھی اللہ کی، اور مخلوق بھی اللہ کی، لہٰذا چاہیئے کہ پوری زمین ایک گھر ہو اور پوری نوعِ انسانی ایک خاندان — لیکن جبتک زمین پر قبضہ مخالفانہ کی الگ الگ لکیریں کھچی ہوئی ہیں اُس مجبوری دُور کرنیکیلئے لازم ہے کہ الگ الگ نظاموں کی اساس بھی نظریۂ ربوبیت پر قائم کیجائے، جیسے کہ آنحضور سلامٌ علیہ نے اِسی بنیاد پر اوّلین قرآنی ریاست قائم فرمائی تھی۔ تاریخِ رسالت و خلافت میں اگر چہ سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کو در آمدی انداز سے داخل کیا گیا ہے۔ تاہم جناب رسالتمآب سلامٌ علیہ اور پہلی دو خلافتوں میں سربراہِ ریاست اور عوام کو ربوبیت کی ایک ہی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے پس یہی ہے رضاءِ الٰہی، سنتِ رسول، آثارِ صحابہؓ اور یہی ہے امنِ عالم کا علمبردار "الاسلام"

قرآن کریم پر غیر منزل من اللہ ہونیکا شبہ نوعِ انسانی پر لا محدود مدت سے ناہموار تقسیمِ رزق اور الگ الگ ناہموار قسمتوں کا باطل نظریۂ غالب چلا آرہا ہے۔ جب کبھی بھی ہموار تقسیمِ رزق کا نظریۂ پیش کیا جائے۔ تو ناہموار تقسیمِ رزق کو اللہ تعالیٰ کی تقسیم بنا کر نظریۂ ربوبیتِ عامہ کا انکار کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح اپنے مانے ہوئے نظریۂ تقدیر کے مطابق تحریکِ ربوبیت کے منشور پر مخاطبینِ قرآن کا شبہ کرنا ناگزیر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب خود لوگوں کی الگ الگ ناہموار قسمتیں روزِ اوّل سے لکھی ہوئی ہیں۔ تو ہموار ربوبیت کا منشور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو ہی نہیں سکتا، اِس سوال کا جواب اگلی آیتوں میں پہلے ہی دیدیا گیا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا

اور اگر ہو تم بیچ شک کے اس چیز سے کہ اُتاری ہے ہم نے

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا

اوپر بندے اپنے کے پس لے آؤ ایک سورت

اور ہم نے اپنے بندے پر جو (اپنا ضابطہ) نازل کیا ہے۔ اگر تم اسکے متعلق شک میں ہو، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں، تو پھر اگر تم شک کرنے میں سچے ہو تو تم بھی اِس جیسی ایک سورت (اس جیسا ایک قانون) بنا لاؤ۔ اور

شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ
مانند اسکے اور پکارو شاہدوں اپنوں کو سوائے اللہ کے

صٰدِقِينَ ۝ ۲۳
اگر ہو تم سچے

اُس کی (ترتیب و تدوین کیلئے) اللہ کے سوا، اپنے تمام مددگاروں کو بھی بلالو۔

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا
پس اگر نہ کروگے تم اور ہرگز نہ کروگے تم پس ڈرو

النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ج صلے
اُس آگ سے جو ایندھن اسکا آدمی ہیں اور پتھر

أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِينَ ۝ ۲۴
تیار کی گئی ہے واسطے کافروں کے

پس اگر تم ایسا نہ کر سکو۔ اور یقیناً ہوش میں لو کہ تم ایسا ہرگز ہرگز نہ کر سکو گے۔ تو پھر (قرآنی منشور پر عمل کرکے) اِس آگ سے بچو، کہ انسان (یعنی مل جل کر کام کرنیوالے عوام مزدور) بھی اسکا ایندھن ہیں اور پتھر (یعنی پتھر دل افراد عوام کے حقوقِ ربوبیت کو غصب کرکے اُن کی محنت کا ماحصل وصول کرنیوالے) بھی اس میں جلتے رہتے ہیں۔ یہ آگ نظریہ ربوبیت کا انکار کرنے والوں کے لئے (خود ان کی اپنی طرف سے) تیار کی گئی ہے۔

أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِينَ $\frac{۲}{۲۴}$ اس جملہ میں اُعِدَّتْ فعل ماضی مجہول مَالَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ ہے۔ یعنی اسکا فاعل مذکور نہیں۔ اب قرآن کریم کی روشنی میں اسکا فاعل خدا تعالیٰ کو ہرگز ہرگز نہیں ٹھہرایا جا سکتا، کیونکہ اس ضمن میں اُسکا قطعی فیصلہ ہے:۔

● إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ $\frac{۱۰}{۴۴}$ = بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا، بلکہ، لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں۔ المختصر! $\frac{۲}{۲۴}$ میں ناہموار جہنمی معاشرہ کو آگ کہا گیا ہے۔ جو نوعِ انسانی غلط اور ناہموار نظام قائم کرکے خود دھکا لیتی ہے۔ اور اس میں عوام و حکّام، اور مزدور و سرمایہ دار سب پڑے جلتے رہتے ہیں۔

جَنّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ اس سے اگلی آیت میں مومنین ربوبیت کے متعلق آنحضور سلام علیہ کو حکم ہوتا ہے کہ اُنہیں ایسے باغوں کی خوشخبری دیجئیگا، جن کی سطح میں نہریں بہتی ہونگی۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أَنَّ
اور خوشخبری دے اُن لوگوں کو کہ ایمان لائے اور کام

اے رسول! جو لوگ (ہمارے نازل کردہ ضابطے پر) ایمان لائیں اور اعمالِ صالحہ بجا لائیں۔ آپ اُنہیں ایسے باغوں کی خوشخبری دیجئیگا، جن میں نہریں بہتی ہونگی۔ جب انہیں انکے میووں سے

لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا

کئے اچھے یہ کہ واسطے انکے بہشتیں ہیں چلتی ہیں نیچے اُن کے سے

رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ

نہریں جب دیئے جاویںگے اُس میں سے میووں سے رزق

رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ

کہیں گے یہ وہ چیز ہے جو دیئے گئے تھے ہم پہلے اس سے اور لائے

فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۲۵

جاویںگے مشابہ ایک دوسرے کے ۔ اور واسطے اُنکے بیچ اُن کے بی بیاں ہیں پاک کی ہوئی اور وہ بیچ اسکے ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔

رزق دیا جائیگا (یعنی ایک جیسی باعزت روٹی ملیگی ۴/۲۳، ۴/۲۴، ۲۲/۵۰، ۲۴/۲۶) تو وہ کہیں گے کہ یہی رزق ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا جاتا تھا ۔ (یہ ٹھیک ہے کہ رزق تو وہی ہوگا جو ہموار معاشرہ میں غیر متوازن میسّر آتا ہے) لیکن جنتی معاشرہ میں سب متشابہا (یعنی ایک جیسا ہموار و متوازن) دیا جائیگا اور اس (جنتی معاشرہ) میں اُنکے سب ساتھی پاکیزہ ہونگے ۔ اور وہ پاکیزہ لوگ ہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔

● واضح رہے کہ "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" ایک قرآنی اصطلاح ہے، جو عوامی ضروریاتِ زندگی کے ضامن معاشرہ کیلئے بھی آتی ہے اسکا لفظی مفہوم ہے، ایسے باغات جو خشک سالی اور خزاں کے خطرہ سے اسطرح محفوظ ہوں کہ نہریں خود اُن کے اندر بہہ رہی ہوں روایات کا تاثر یہ ہے کہ یہ اگلی زندگی ہی میں میسّر آئینگے لیکن ۵/۱۲ میں بنی اسرائیل کے متعلق بالفاظ ذیل خبر دیگئی ہے، کہ اُنہیں یہ جنّت اس دنیا میں بھی عطا فرمائی گئی تھیں، جو اُن سے اُن کی نافرمانیوں کی بدولت چھن گئیں ۔ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۵/۱۲ = اگر تم اپنی تولی صلوٰۃ کو عملاً قائم کرتے رہے ۔ اور کمزوروں کی پرورش کے لئے مال دیتے رہے (زکوٰۃ) میرے رسولوں پر ایمان لائے ۔ اور اُن کی مدد کرتے رہے ۔ یعنی اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہے تو میں ضرور تمہاری بدحالیاں دور کردونگا ۔ اور تمہیں ضرور ایسے باغات میں داخل کردونگا جن کی سطح میں نہریں بہتی ہونگی ۔

● غور فرمائیگا! یہ دُنیوی جنت کی خوشخبری دیجارہی ہے ۔ کیونکہ اُخروی جنت میں، اہلِ جنت کے کفر کرنے، اور جنت کے چھن جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ حالانکہ اُن جنّت کے متعلق، جو بنی اسرائیل کو دیگئی تھیں، ارشاد ہوتا ہے ۔ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ۵/۱۲ پھر جنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ میں داخلہ کے بعد، تم میں سے جو کوئی کفر کریگا وہ متوازن راستے سے بہک جائیگا ۔ اِسکے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بنی اسرائیل کو یہ جنّت اس دنیا میں عطا ہوئیں یا نہ؟ — اِسکا جواب فرعون اور اُسکے لشکروں کو غرق کرنے کے تذکرہ میں دیا گیا ہے ۔ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ...... وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ ۷/۱۳۶-۱۳۷ ہم نے اُنہیں سمندر میں غرق کردیا ۔ اور انکا وارث اُس قوم کو بنایا جسے کمزور کردیا گیا تھا ۔ ۲۶/۵۷ میں آیا ہے فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ ۲۶/۵۷ تا ۵۹ = اور ہم نے اُنہیں لدے باغوں

بہتے چشموں، بھرے خزانوں اور نفیس محلات سے نکالدیا۔ ایسا ہی ہُوا۔ اور اُن چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ یہ تھیں وُہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، جن میں حضرت موسیٰ نے سب کیلئے رزق کا متشابہا یعنی ہموار نظام قائم کیا۔ لیکن آپ کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی بدولت چھن گئیں :۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ ۵/۱۳ = پھر اُن کے وعدہ توڑ دینے کی بدولت ہم اُن سے بیزار ہو گئے۔ نقضِ میثاق کی تفسیر اگلے الفاظ میں کر دیگئی ہے :۔ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ج ۵/۱۳ = اور اُنہوں نے اپنے اُس حصہ (متشابہا یعنی سب کی مثل و مانند) کو بھلا دیا جس کی وہ نصیحت کئے گئے تھے۔ اب حقیقتِ حال نکھر کر عیاں ہو چکی ہے کہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ..... الخ ایک قرآنی اصطلاح ہے یعنی وہ معاشرہ، جو مساوی تقسیم رزق کی بنیادوں پر دُنیا میں، خود انسان کے اپنے ہاتھوں سے قائم ہوتا ہے۔ اور جو آخرت میں خدا تعالیٰ کیطرف سے عطا کیا جائیگا۔

قرآن کریم کا اسلوب تمثیلات

۲/۱۷-۱۸ اور ۲/۱۹-۲۰ میں منافقوں پر دو مثالیں لائی گئی ہیں، جنگل میں آگ جلانے اور بارش کڑک اور بجلی میں گھر جانیوالوں کی اور ۲/۲۵ میں "جَنّٰتٍ تَجْرِیْ"..... الخ کی اصطلاح ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے بطور مثال لائی گئی ہے۔ تمثیلات کے اِس اسلوب پر، اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ کہ کلام ربّانی میں ایسی مثالوں کی کیا ضرورت؟ اسکا جواب اگلی آیت مجیدہ میں ساتھ ہی دیدیا گیا ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا

تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا یہ کہ بیان کرے مثال کوئی

مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سی مچھر کی یا اُوپر اسکے ہے پس جو لوگ کہ ایمان لائے پس

فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

جانتے ہیں کہ وہ سچ ہے پروردگار اُن کے کی طرف سے اور جو

كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ

لوگ کہ کافر ہوئے پس کہتے ہیں کیا چاہا ہے اللہ نے ساتھ اسکے

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا

مثال لانا گمراہ کرتا ہے ساتھ اس کے بہتوں کو اور راہ

يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ ۲۶

دکھاتا ہے ساتھ اس کے بہتوں کو اور نہیں گمراہ کرتا ساتھ اس کے مگر فاسقوں کو۔

بیشک اللہ تعالیٰ نہیں جھجکتا کہ وہ (کسی امر کی وضاحت کے لئے ادنیٰ سے) مچھر، یا اس سے بھی بڑھکر، کسی انتہائی حقیر چیز کی مثال بیان کرے، جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ اسلوبِ بیان اُنکے رب کی طرف سے حق ہے۔ دیکھو نکہ قرآن پیغام ہے بندوں کے نام، جن کی روزمرہ کی گفتگو حقیقت و مجاز، اور استعارات و تشبیہات کے علاوہ، تمثیلات سے بھی معمور ہے) لیکن اس ضابطے کا انکار کرنیوالے یہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا اسلوب بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال کا ارادہ کیا ہے۔ قرآن کریم کے اِسی اسلوب بیان کیساتھ اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہ پاتا ہے (یعنی وہ اس سے خود گمراہ ہو جاتے ہیں) اور بہت سوں کو ہدایت یافتہ پاتا ہے (یعنی وہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں) اور نہیں گمراہ پاتا، مگر فاسقوں کو (یعنی حدودِ خداوندی سے نکل جانے والوں کو)

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اور جو لوگ کہ توڑتے ہیں قول اللہ تعالیٰ کا پیچھے مضبوطی اسکی کے

مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ

اور توڑتے ہیں جو حکم کیا اللہ تعالیٰ نے ساتھ اسکے یہ کہ ملایا جاوے

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ۲۷

اور بگاڑ کرتے ہیں بیچ زمین کے یہ لوگ وہی ہیں ٹوٹا پانے والے۔

جو اللہ تعالیٰ کیساتھ کئے گئے پکّے وعدے (یعنی قرآن کریم کے دورِ اوّل کے میثاقِ ربوبیت ہی) کو توڑ دیتے ہیں۔ اور (وعدہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے مطابق، جو عبادت واستعانت کے) اتصال کا حکم دیا گیا ہے انہیں ایک دوسرے سے جُدا کر دیتے ہیں (یعنی نماز پڑھنے میں اللہ کی، اور مدد مانگتے ہیں غیر اللہ سے) اور (اسطرح) زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ خسارہ پانیوالے ہیں۔ (بہ عنوان ۱۳۳/۲۰ تا ۲۵ میں بھی دیکھئے)

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

اِن الفاظ میں قرآن فہمی کے تحت جن چیزوں کو ایک دوسری سے جُدا کرنے کو فساد کہا گیا ہے، خود قرآن کریم کی رُو سے اِن میں تین چیزیں سرِ فہرست ہیں:۔

۱۔ عبادت واستعانت میں وصل۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ میں وعدہ لیا گیا ہے کہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی کرینگے اور مدد بھی اُسی سے مانگیں گے۔ یہاں پر یہ امر قابلِ غور ہے۔ کہ آیت بالا کی خبر کے مطابق، عبادت واستعانت میں جُدائی کرنا موجبِ فساد بتایا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ بزرگوں کو حاجت روا ٹھہرا کر اُن سے مدد مُرادیں مانگنے کے عقیدے میں، یہ چیز بدرجۂ اتم موجود ہے۔ کہ ہر گروہ اپنے اپنے ٹھہرائے ہوئے حاجت رواؤں کو افضل اور دُوسروں کے ٹھہرائے ہوؤں کو ناقص قرار دیتا ہے۔ اور اِسطرح اُس دائمی فساد کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے جو فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں صدیوں سے کرۂ ارض پر چھایا ہُوا ہے۔ قرآن کریم نے اپنی اوّلین سورت ہی میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ میں، غیر اللہ سے مدد مُرادیں مانگنے کی رتّی ہی کاٹ کر رکھدی ہے اور ۲۲/۷۳ میں اعلان کر رکھا ہے کہ لوگو! جن سے تم مُرادیں مانگتے ہو وہ سب مِلکر بھی ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ مکھی جو کچھ اُن سے چھین کر لیجاتی ہے، واپس نہیں لے سکتے۔

۲۔ محکمات ومتشابہات میں وصل۔ ۳/۷ میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم میں آیات محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی، متشابہات چونکہ محکمات کی مثل دانہ ہیں، اِسلئے اِنہیں ایک دوسری سے جُدا کر کے متشابہات کا مفہوم محکمات کے خلاف اخذ کرنا بھی موجبِ فساد ہے۔ اِسکے ضمن میں مسلمانوں کی داخلی فرقہ بندی اِسکے عدم اتصال کی مرہونِ منّت ہے۔

۳۔ سورہ فاتحہ اور قرآن میں وصل۔ ۱۵/۸۷ میں خبر دیگئی ہے کہ سورہ فاتحہ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ ہے۔ یعنی یہ قرآن کریم کے سات دُہرائے ہوئے عنوانات ہیں۔ فلہذا لازم ہے کہ سورہ فاتحہ اور قرآنِ عظیم کا باہم اتصال قائم رکھا جائے۔ یعنی قرآن کریم کے کسی مقام کو بھی سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ سے جُدا کر کے اسکا مخالف ٹھہرانا بھی موجبِ فساد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار ممکن نہیں

طریقۂ فہمِ قرآن، اور قرآن کے اسلوبِ بیان کی مندرجہ بالا وضاحت کے بعد ربوبیتِ عامہ کیطرف رُخ کرنے سے پہلے اگلی آیت میں خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار

کرنے والوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ

کیونکر کفر کرتے ہو ساتھ اللہ کے اور تھے تم

اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ

مُردے۔ پس جلایا تم کو پھر مُردہ کریگا تم کو پھر جلادیگا تم کو

ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ۲۸

پھر طرف اُسی کی پھر جاؤ گے۔

تم اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کسطرح کر سکتے ہو جبکہ (تم خود آپ ہی اسکی ہستی کی ایسی دلیل ہو، جسکا انکار تم کر ہی نہیں سکتے۔ ایک وقت تھا کہ جب) تم موجود نہیں تھے پھر اُس نے (اپنے قانون کیمطابق) تمہیں زندگی عطا فرمائی، پھر تمہیں موت دیگا پھر تم (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

● آیتِ بالا میں درج حقیقت سے منکرینِ خداوندی کو مطلقاً مجالِ انکار نہیں۔ کیونکہ یقیناً یقیناً وہ پیدائش سے پہلے موجود نہیں تھے۔ پھر وہ پیدا ہوئے، پھر بچپن جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کر کے یقیناً مر جائینگے۔ اِس طرح آیتِ بالا میں دلیل یہ لائی گئی ہے کہ جس ذاتِ مقدس کے طبعی قوانین کی زنجیروں میں تم اِسطرح جکڑے ہوئے ہو کہ نکل ہی نہیں سکتے۔ اُس ہستی کے انکار کے کیا معنی؟ یا تو اِن قوانین کی گرفت سے آزاد ہو کر دکھاؤ کہ نہ بچپن جوانی میں تبدیل ہونے پائے، نہ جوانی بڑھاپے کی گود میں جائے، اور نہ زندگی موت کی گرفت میں آسکے۔ اور یا بتصمیم قلب مان لو کہ ایک ورآءُ الورا ہستی کا وجود موجود ہے جس کے طبعی قوانین کی گرفت سے کوئی چیز بھی آزاد نہیں، اُسے تم اللہ کہو یا ربّ، ایشور کہو یا پرماتما، گاڈ کہو یا نیچر۔ وُہ ہے اور ضرور ہے۔

زمین کی ہر چیز، پوری نوعِ انسانی کی مساویانہ ضروریات کیلئے پیدا کیگئی ہے

اِسطرح اپنی ہستی کی اس لاجواب دلیل کے بعد، اگلی آیتِ مقدسہ میں نفسِ مضمون یعنی ربوبیّتِ عامہ کے بنیادی عنوان کی طرف رُخ کرتے ہوئے متوازن تقسیم رزق کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ، اے نوعِ انسانی زمین کی ایک ایک چیز تم سب کی مساویانہ ضروریاتِ زندگی کیلئے پیدا کیگئی ہے۔

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ

وُہی ہے جس نے پیدا کیا واسطے تمہارے جو کچھ بیچ زمین

جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ

کے ہے سارا پھر قصد کیا طرف آسمان کے پس درست کیا

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ ۲۹

ان کو سات آسمان اور وہ سب چیز کو جاننے والا ہے۔

ع ۳

اے نوعِ انسانی! وہ اللہ ہی ہے، جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ وہ سارے کا سارا، تم سب کے سب کیلئے پیدا کیا ہے۔ پھر اُس نے فضا کو درست کرنا چاہا تو، اسکی طبقاً عن طبقٍ ہے، بہت سی بلندیاں بنا کر درست کر دیں۔ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (کہ وہ الگ الگ کس کام کے لئے بنائی گئی ہے)۔

● اس آیت میں دو چیزیں قابلِ غور ہیں۔ پہلی یہ کہ ہم نے سبع سمٰوٰت کا سات نہیں، بلکہ بہت سی بلندیاں معنیٰ لیا ہے۔ واضح رہے کہ سبعہ اور سبعین کے الفاظ عربی ادب میں مبالغہ کیلئے بھی آتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن کریم ۹/۸۰ میں سبعین ، یعنی ستّر کا عدد بھی مبالغہ کے لئے استعمال ہُوا ہے۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ آپ منافقوں کیلئے ستّر بار مغفرت مانگیں گے، تو پھر ہم نہیں بخشیں گے اور اکہتّر بار مانگیں گے تو بخش دینگے۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اگر آپ لاکھوں کروڑوں اور اربوں کھربوں ان گنت مرتبہ بھی اُن کے لئے مغفرت طلب کرینگے تو پھر بھی ہم معاف نہیں کرینگے۔ یہ تو ہُوا عددِ سبعین کا معاملہ۔ اسیطرح سبع سمٰوٰت کے لفظ کو جب مشاہدات کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھیں، تو ثابت ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم نے سبع کے عدد کو بھی مبالغہ کیلئے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ اگر سماء یعنی فضا کے صرف سات طبقے تسلیم کئے جائیں تو مشاہدہ معارض ہے۔ جیسے کہ حالیہ آسمانی سفروں نے ثابت کر دیا ہے کہ ہر سماء یعنی (فضا) میں ایک کرّے کی کشش ثقل موجود ہے۔ اور اسکے بعد ایک خلا ہے۔ جہاں نہ نچلے کرّہ کی کشش پائی جاتی ہے، نہ اُوپر والے کی۔ اسطرح ثابت ہُوا کہ ہر سماء کے بعد ایک خلا ہے، اور ہر خلاء کے بعد ایک سماء۔ اب چونکہ ہر سماء ایک کرّے کی کشش ثقل سے بنتا ہے۔ اور کرّوں کی تعداد چونکہ سات نہیں بلکہ ان گنت ہے۔ کیونکہ ہر ستارہ ایک کرّہ ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ عربی ادب میں لفظ سبع کے دامن میں اتنی وسعت موجود ہے کہ اپنے اندر ان گنت فضاؤں اور خلاؤں کو سمیٹ سکتا ہے۔

● دوسری چیز غور طلب یہ ہے کہ اس آیت مجیدہ میں خَلَقَ لَكُمْ کی ضمیر جمع کُمْ کا مرجع اَلنَّاس ہے جس سے کسی فردِ انسانی کو خارج نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ وہ معاشرہ کی خود ساختہ غلط تقسیم کا کوئی اعلیٰ فرد ہو یا ادنیٰ۔ اور ساتھ ہی خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا میں، زمین کی پیداوار پر لفظ جَمِيْعًا وارد ہُوا ہے۔ اسطرح الفاظ کُمْ اور جَمِيْعًا کی حاکمیت نے ثابت کر رکھا ہے کہ آیت بالا میں خدا تعالیٰ کیطرف سے، یعنی اسکے قانون کی رُو سے زمین کی ہر چیز پر ہر فردِ انسانی کا مساوی پیدائشی حق قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی ہے نظریۂ ربوبیتِ عامہ، جس کا اعلان قرآن کریم کے درسِ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں موجود ہے۔

تقسیم رزق کا مسئلہ

● اس خداوندی فیصلے کے بعد، اب سوال آتا ہے، مساوی تقسیم رزق کا۔ یاد رہے کہ جب تک زمین پر نوعِ آدم کی آبادی کم، اور ضرورتیں مختصر تھیں، جبتک وہ پہاڑوں کی غاروں میں رہتے تھے۔ اُسوقت تک جنگل کے خود رَو پھل اُن کی خوراک تھے۔ پورا کرۂ ارض خدا تعالیٰ کا بچھا ہُوا دسترخوان، اور بہتے چشمے مشروبات تھے۔ ہر فرد نعماءِ خداوندی سے حسبِ ضرورت، ہموار و متوازن انداز کیساتھ بہرہ یاب ہوتا تھا۔ لیکن جب آبادی بڑھی بستیاں آباد ہوئیں ربانی نظام قائم ہُوا۔ اور رزق کے سرچشمے بالادستوں کے قبضے میں آئے۔ تو توازن قائم نہ رہا۔ جیسے کہ آج آبادی اور ضروریاتِ زندگی بڑھ چکی ہیں۔ زراعتی صنعتی، اور معدنی پیداوار، یعنی رزق کے سرچشموں پر افرادِ متعلقہ کا قبضہ ہے۔ جس کی بدولت ہر بالادست

ہر زیر دست کو انسان نہیں بلکہ حیوان سمجھتا ہے۔ عوام کو ضروریاتِ زندگی کا ہموار متوازن حق، قانوناً میسر نہیں۔ متوازن حقِ ربوبیت کے مسئلے کو، اگلی آیت مجیدہ میں خدا تعالیٰ نے اِس نوعِ انسانی کی ابتدائی پیدائش یعنی اُسوقت سے شروع کیا ہے۔ جب حضرتِ انسان کے سوا، کائنات کی سب چیزیں ٹھوس مائع گیس پیدا ہو چکی، اور بیکار پڑی تھیں اُسوقت پوری کائنات بزبانِ حال کہہ رہی تھی کہ ان چیزوں کو استعمال کرنیوالا ہنوز پیدا کیا جانیوالا ہے۔ اور چونکہ اشیائے کائنات صرف اور صرف نوعِ انسانی کے استعمال کی چیزیں ہیں ۲/۲۹، اسلئے ان پر بلاتمیز پوری نوع کا مساوی حق ہے۔ اور انسان کو چونکہ سب کے بعد پیدا فرمایا گیا۔ اور زمین میں حاکم ٹھہرایا گیا ہے، اسلئے اسے خلیفہ کہا گیا ہے کیونکہ لفظ خلیفہ مادہ خلف سے ہے۔ جسکا معنیٰ پیچھے، اور پیچھے آنیوالا بھی ہے، اور حاکم بھی۔ اخلاف و اسلاف عام مستعمل الفاظ ہیں۔ اخلاف پیچھے آنیوالے اور اسلاف پہلے گزرے ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ
اور جب کہا پروردگار تیرے نے واسطے فرشتوں کے
فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ
تحقیق میں بنانیوالا ہوں بیچ زمین کے نائب کہا اُنہوں نے
فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ
کیا بناتا ہے بیچ اُسکے اس شخص کو کہ فساد کرے بیچ اُسکے
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ
اور ڈالیگا لہو اور ہم پاکی بیان کرتے ہیں ساتھ تعریف تیری کے
اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۳۰
اور پاکی بیان کرتے ہیں واسطے تیرے کہا تحقیق میں جانتا ہوں جو نہیں جانتے تم۔

اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تیرے پروردگار نے ملائکہ (موجوداتِ عالم میں پیدا کردہ قوتوں) کو کہا میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنیوالا ہوں۔ اُنہوں نے بزبانِ حال عرض کیا کیا تو ایسی مخلوق پیدا کریگا جو اِس زمین میں فساد اور خونریزی کریگی؟ (یعنی تو ایسی مخلوق پیدا نہیں کریگا) اور ہم تیری تسبیح کرتے ہیں۔ (اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے ہوئے) تیری عطا کی تحمید و تقدیس کرتے ہیں تیرے پروردگار نے بزبانِ حال ارشاد فرمایا کہ (اس بعد میں آنیوالی نوع کے متعلق) جو میں جانتا ہوں۔ تم نہیں جانتے۔

اَتَجْعَلُ اِس آیت مجیدہ میں اَتَجْعَلُ استفہام انکاری ہے، اقرار کے الفاظ سے انکار مقصود ہے یعنی ملائکہ نے بزبانِ حال کہا اَتَجْعَلُ فِيْهَا ...... الخ۔ کیا تو ایسی مخلوق پیدا کریگا۔ جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے یعنی تو فساد اور خونریزی کرنیوالی مخلوق پیدا نہیں کریگا۔ واضح رہے کہ ملائکہ کا حالی قیاس اِسکے سوا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ بعد میں پیدا کی جانیوالی مخلوق بھی ہماری طرح ایک ہی نہج پر چلنے والی بے اختیار و ارادہ ہوگی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے یہ کہکر کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اُن کے قول کی تردید کرکے واضح کردیا کہ وُہ بے اختیار و ارادہ نہیں ہوگی۔ وہ اپنے اختیار و ارادہ کیساتھ میری فرمانبرداری بھی کرسکیگی اور اپنے اختیار و ارادہ کے ساتھ فساد اور خونریزی کی مجاز بھی ہوگی۔

روائتی مفہوم

روائتی تراجم نے استفہام انکاری کو نظر انداز کرکے جو مفہوم پیش کیا ہے کہ، ملائکہ نے کہا تو اُسے پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کریگا اور خون بہائے گا۔ اس پر اللہ تعالٰی نے اگرچہ بڑا معقول جواب دیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ لیکن عالمی مشاہدہ قولِ باری کی بجائے قولِ ملائکہ کی تصدیق کررہا ہے کہ نوعِ آدم بدستور خونریزیاں کرتی چلی آرہی ہے۔ نیز اگلی آئت نمبر۳۱ میں روائتی تراجم کے مطابق خدا کے ذمّہ دھوکا بازی کا الزام آتا ہے کہ، ملائکہ نے جب اُسکا یہ راز فاش کردیا کہ نوعِ آدم خونریزیاں اور فساد کریگی تو اللہ تعالٰی نے حضرتِ آدم کو ملائکہ سے الگ کرکے سب چیزوں کے نام بتادیئے۔ اور اُن سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو انکے نام بتاؤ یعنی خداتعالٰی نے اُن سے وہ سوال پوچھا جو انہیں بتایا نہیں گیا تھا۔ اور اسطرح اُنہیں جھوٹا تو کردیا۔ لیکن روائتی مفہوم کے مطابق آجتک اُنہی کی پیشگوئی سچی ثابت ہورہی ہے کہ یہ نوع مسلسل فساد کرتی اور خون بہاتی چلی آرہی ہے۔

● لیکن قرآن فہمی کے قرآنی اصولوں کے مطابق پیش کردہ مندرجہ بالا مفہوم میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ نہ اُس سے ذاتِ باری پر کوئی آنچ آتی ہے اور نہ مشاہدات اِسکی مخالفت کرتے ہیں یعنی آئت بالا کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ملائکہ نے بزبانِ حال کہا تیری پیداکردہ مخلوق فسادی اور خونی نہیں ہوگی لیکن خداتعالٰی کا عالی جواب یہ تھا۔ کہ وہ صاحبِ اختیار وارادہ ہوگی، اپنے اختیار وارادہ کیساتھ فرمانبرداری بھی کریگی۔ اور فساد اور خونریزی بھی کریگی۔ اور اِس صحیح مفہوم کے مطابق قولِ ملائکہ کی نہیں بلکہ قولِ خداوندی کی تصدیق مشاہداتِ عالم کرتے چلے آرہے ہیں۔

نوعِ آدم میں ہر چیز کا نام رکھنے کی صلاحیت رکھدی گئی ہے

قرآن فہمی کے قرآنی اصولوں کے مطابق اس سے اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے نوعِ آدم میں ہر چیز کی ساخت یا اسکے کام کے مطابق اُسکا نام رکھنے کی صلاحیت رکھدی ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ	اور اللہ تعالٰی نے نوعِ آدم کو تمام ناموں کی جبلّی تعلیم[عہ] دیدی (یعنی اُسکی جبلّت میں رکھدیا کہ وہ ہر چیز کا نام رکھ لیا کرے۔ پھر اللہ تعالٰی نے ان (ملائکہ) کو (ایکدوسرے ملائکہ کے سامنے پیش کیا) پھر اُن سے یہ کہا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ نوعِ آدم بھی تمہاری سطح کی مخلوق ہے تو ایکدوسرے کے نام بتاؤ[عہ]
اور سکھائے آدم کو نام سارے پھر سامنے کیا اُن کو	
عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ	
اوپر فرشتوں کے پس کہا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر	
هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱	
ہو تم سچے۔	

[عہ] مولوی احمد علی صاحب لاہوری رح نے بھی اپنے ترجمہ مطبوعہ انجمن خدامُ الدّین لاہور کے صفحہ نمبر ۵ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ "آدم کو نام فطری طور پر سکھائے نہ کہ بطریقۂ تعلیم وتعلّم"

[عہ] یہاں قرآنی اسلوب انقسامِ مفہوم کو سامنے رکھئے۔ سورہ انبیاء میں قومِ ابراہیم کے متعلق آیا ہے:۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا ۲۱/۵۹ ۔ قومِ ابراہیمؑ نے کہا ہمارے معبودوں کیساتھ ایسا کس نے کیا ہے اسکا جواب درج ہے
قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى ...... الخ قومِ ابراہیم نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کے متعلق سُنا ہے۔ کہ وہ کہتا تھا میں انکے ساتھ ایک تجویز کرونگا
دیکھئے یہاں سائل بھی قومِ ابراہیم ہے اور جواب دینے والی بھی قومِ ابراہیم ہے پس دیباچہ کے عنوان نمبر ۲۲۔ قرآنی اصول انقسام
مفہوم کے مطابق یہاں صحیح مفہوم یہ ہے کہ قوم ہی کے بعض نے پُوچھا اور قوم ہی کے بعض نے جواب دیا۔ اسیطرح یہاں ۲/۱۳ میں
بھی ملائکہ کے بعض، بعض کے سامنے پیش تھے، اور سب کے سب نے بزبانِ حال کہا۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا ..... الخ

● حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کے کام میں اسکا نام پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور یہ علم صرف نوعِ انسانی کو ودیعت کیا گیا ہے
کہ وُہ ہر چیز سے کام لیتا اور اس کے کام کے مطابق اس کا نام تجویز کرتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں
ملائکہ کا جواب درج ہے :-

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا
کہا اُنہوں نے پاک ہے تو نہیں علم ہم کو مگر جو
عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲
سکھایا تُونے ہم کو تحقیق تو ہے جاننے والا حکمت والا

ملائکہ نے کہا کہ ہر قسم کی کمیوں اور کمزوریوں سے تُو پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے، جتنا تُونے ہمیں (جبلّی طور پر) سکھایا ہے۔ (اور مطلوبہ صفت ہمارے اندر کیوں موجود نہیں؟ اِسے بھی تو ہی جانتا ہے کیونکہ بلا شبہ تو صاحبِ علم و حکمت ہے۔

● اسکے بعد جب نوعِ آدم ہر چیز کا نام رکھ لینے کی صلاحیت خاصہ کیساتھ پیدا کر دیگئی تو اُسوقت کا حالی نقشہ
خدا تعالیٰ نے بالفاظِ ذیل پیش فرمایا ہے :-

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ
کہا اے آدم بتا دے ان کو نام ان کے پس جب بتا
اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ
دیئے ان کو نام ان کے کہا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو تحقیق میں جانتا
اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ
ہوں چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو ظاہر
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳
کرتے ہو اور جو تھے تم چھپاتے۔

دارِ لفائی منازل طے کرکے اس میں مذکورہ صلاحیت کے بروئے کار آچکنے پر) اللہ تعالیٰ نے نوعِ آدم سے فرمایا کہ انہیں انکے نام بتا۔ پھر جب اُس نے اُنکے نام بتا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدگیوں کو جانتا ہوں خصوصًا وہ بھی جانتا ہوں، جو تم ظاہر کرتے ہو اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم چھپاتے چلے آ رہے ہو۔

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ | تَكْتُمُوْنَ پر كُنْتُمْ فعل ناقص داخل ہو کر ماضی استمراری کا فائدہ دے
رہا ہے یعنی ان الفاظ میں ملائکہ کو بزبانِ حال کہا گیا کہ میں تمہارے ظاہر
کے علاوہ، تمہارے اُن جوہروں کو بھی جانتا ہوں۔ جنہیں تم مدت مدید سے چھپائے ہوئے ہو۔ پس بتایا گیا ہے

کر (ملائکہ) یعنی ہر چیز کے اندر اُس کے گوناگوں جوہر پوشیدہ ہیں، نوعِ آدم کی پیدائش سے ما قبل کی حالت اُن کی حقیقی تسبیح وتحمید نہیں تھی۔ اُن کی اصل تسبیح اُن کے مضمر جوہروں کا بروئے کار آنا تھا، جسے بروئے کار لانے کی صلاحیّت اُسی نوعِ آدم کو عطا کی گئی ہے، جس کے لئے اس زمین کی جُملہ نعمتیں پیدا کی گئی ہیں $\frac{2}{29}$۔ چنانچہ اگلی آیت میں اِسی چیز کا بیّن ثبوت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جُملہ ملائکہ، (ہر کائناتی قوت) کو حکم دیا گیا۔ کہ وُہ نوعِ آدم کے لئے سجدہ ریز ہو جائے تاکہ ہر چیز کے پوشیدہ جوہر عیاں ہوں، اور ہر چیز کی صحیح تسبیح بشکلِ مشہود سامنے آجائے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
اور جب کہا ہم نے واسطے فرشتوں کے سجدہ کرو واسطے
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫
آدم کے پس سجدہ کیا مگر شیطان نے نہ مانا اور تکبر کیا اور
وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۳۴
تھا کافروں سے۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے ملائکہ (موجوداتِ عالم میں پیدا کردہ قوتوں) کو کہدیا کہ تم سب کے سب نوعِ آدم کیلئے بذریعہ تسخیر ($\frac{45}{13}$) سجدہ ریز ہو جاؤ۔
پھر ایسا ہُوا کہ ابلیس (نافرمان قوتِ نفسِ امّارہ) کے سوا سب قوتیں سجدہ ریز ہو گئیں۔ اُس نے انکار و تکبّر کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وُہ ہے ہی انکار کرنیوالوں سے۔

● اِس آیت میں ابلیس (نفسِ امّارہ) کو بھی ملائکہ ہی میں شمار کیا گیا ہے۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ اُن میں اختیار و ارادہ نہیں، وُہ اُس ایک ہی نہج پر چلتے چلے جاتے ہیں، جس پر انہیں خالقِ کائنات نے پیدا فرمایا ہے۔ یہی حال نفسِ امّارہ کا ہے کہ اس کا کام ہی بُرائی کا حکم کرتے رہنا ہے۔ اور وہ ہر لحظ اسی ایک ہی نہج پر چلتا جا رہا ہے۔ نیز چونکہ نفسِ امّارہ غیر مرئی ہے اسلئے ابلیس کو جنّ بھی کہا گیا ہے۔ بمعنی نہ دکھائی دینے والا۔

معیشت کا واحد متوازن نظام

● کرۂ ارض کے جس جس مقام پر انسان پیدا ہُوا۔ اور ارتقائی منازل کے بعد جب اسکی تمدّنی زندگی شروع ہُوئی تو اللہ تعالےٰ نے اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ پُوری نوعِ آدم کیلئے ایک ہی متوازن نظامِ معیشت متعیّن فرمایا۔ جسمیں پُوری انسانیّت کا خوراک، لباس، علاج اور مکان کا حق مسلّم ہے۔ پس ہدائت کردی گئی کہ اے نوعِ آدم! اپنے ہر گروہ سمیت اس نظام کی جنّت میں خوش فراخ روزی کھاؤ۔ اور امن وسکون کی زندگی بسر کرو جس کی ایک ہی صورت ہے کہ انکار و تکبّر کے شجرِ خبیثہ کے قریب نہ جانا اور ابلیس نفسِ امّارہ سے ہوشیار رہنا کہیں وہ تمہیں انکار و استکبار میں مبتلا کرکے رزق کی غلط تقسیم کے ذریعہ پھسلا نہ دے! اور تمہاری اجتماعی جنّتی زندگی انفرادی مفاد پرستی کی جہنّمی زندگی میں تبدیل نہ ہو جائے۔

ملوکیّت کی ابتداء

● مگر ہُوا یہ کہ نفسِ امّارہ نے اجتماعیّت سے پھسلا کر انفرادی نظام میں مبتلا کر دیا ہے $\frac{20}{120}$۔ اس امر کی وضاحت سورۂ اعراف اور طٰہٰ میں بھی کیگئی ہے کہ شیطان کے ورغلانے سے نوعِ آدم نے خدا تعالیٰ کے ہدائت کردہ متوازن نظامِ معیشت کو چھوڑ کر ملوکیّت شروع کردی جسمیں معاشرہ کا ہر فرد انفرادی مفاد کے پیچھے دیوانہ وار دوڑتا رہتا ہے اس

طرح ابتداءِ ملوکیّت کے ذریعہ نوعِ آدم نے معصیت کی ابتداء کی، جسکی خبر سورہ طٰہٰ میں دیگئی ہے ۔ فَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ۲۰/۱۲۱ = نوعِ آدم نے نظامِ ربوبیّت کو توڑ کر اپنے ربّ کی نافرمانی کی، اور سب گمراہ ہوگئے ۔ انفرادی مفاد پرستی اور عوام و خواص کی غلط تمیزی کی بدولت پوری نوع ایک دوسرے کی دشمن ہوگئی ۔ اور جنّتی معاشرہ جہنّمی معاشرہ میں تبدیل ہو کر رہ گیا ۔

● خدا تعالیٰ نے اپنے انبیآء کے ذریعہ پھر اپنا قانونِ ربوبیّت اور اسکی خوشگواریاں یاد دلائیں، نتیجہ یہ ہُوا کہ عوام و خواص سب تائب ہوکر نظامِ ربوبیّت کیطرف لوٹ آئے ۔ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ۔ اور انبیاء کے ذریعہ ہمیشہ کیلئے اپنے دائمی قانون کے متعلق وضاحت کر دی کہ تمہاری نسلوں کی طرف بھی انبیآء کے ذریعہ میری ہدائت آتی رہیگی ۔ پھر جو قوم میری ہدائت کی پیروی کریگی، اس پر نہ مستقبل کا خوف ہوگا نہ ماضی کا غم ۔ یاد رکھو کہ میری طرف سے قیامت تک کیلئے یہی فیصلہ ہے کہ زمین میں تم سب کیلئے بلاتمیز زندگی کے آخری دم تک حقِّ رہائش بھی ہے اور جملہ ضروریاتِ زندگی بھی تمہارا پیدائشی حق ہے ۲/۳۶ + ۲/۲۴ ۔ چنانچہ اگلی آیتوں میں اس پورے بیان کی باندازِ ذیل صراحت کیگئی ہے ۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اور کہا ہم نے اے آدم رہ تو اور جورو تیری بہشت

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

میں اور کھاؤ تم اس میں سے بافراغت جہاں چاہو اور مت

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۳۵

نزدیک جاؤ اس درخت کے پس ہو جاؤ گے ظالموں سے ۔

اور ہم نے (اپنے انبیاء کے ذریعہ) کہا کہ اے نوعِ آدم[1]! تو اپنے ہر گروہ[2] سمیت[3] (ہمارے متوازن نظام کی) جنت میں امن و سکون کے ساتھ رہ ۔ اور تم دونوں (خواص و عوام) اس میں سے جہاں سے چاہو، بافراغت کھاؤ (انکار و تکبّر کے خبیث) درخت کے قریب نہ جانا ۔ ورنہ (انفرادیّت اور ذاتی مفاد پرستی میں پڑ کر) دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ۔

● [1] آدم اسم جنس بمعنی نوعِ آدم ہے ۔ یہاں ۲/۳۵ میں اسیطرح آدم بمعنی نوعِ آدم ہے جیسے کہ ۲/۳۴ میں پیچھے گزر چکا ہے ۔

● [2] لفظ زوج کے متعدّد معنوں میں سے ایک معنی گروہ بھی ہے ۔ جیسے کہ ۵۶/۷ میں آیا ہے وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۔ کہ تم قیامت کو تین گروہ ہو جاؤ گے ۔

● [3] وَزَوْجُكَ کی واؤ معیّت کی ہے یعنی اپنے ہر گروہ سمیت کھاؤ جہاں سے چاہو ۔ نیز زَوْجُكَ کے مضاف مضاف الیہ میں مضاف زوج اپنے مضاف الیہ نوعِ آدم سے اسیطرح الگ نہیں ہے جس طرح مرکّب اضافی لَيْلَةَ الصِّيَامِ ۲/۱۸۷ میں مضاف لیل، ماہِ صیام کا حصّہ ہے اس سے الگ نہیں ہے ۔ نیز جسطرح لیلۃ واحد سے روزوں کی ہر رات مراد ہے ایسے اسیطرح زَوْجُكَ میں زوج سے مراد، نوعِ آدم کا ہر گروہ مراد ہے چونکہ خدائے علیم سے مخفی نہیں تھا کہ نوعِ آدم، اختلافِ رنگ، نسل، وطن، پیشہ، ذات، گوت اور زبان وغیرہ کی بدولت درجنوں گروہوں میں تقسیم ہو جائیگی ۔ اسلئے نوعِ آدم کے ہر گروہ کے بنیادی حقوقِ زندگی خوراک، لباس، علاج اور مکان کو اپنے نازل کردہ قانون میں مساویانہ انداز کیساتھ محفوظ کر رکھا ہے لیکن شیطان (نفسِ امّارہ) نے خواص و عوام دونوں کو اجتماعیت

سے ہٹا کر انفرادیّت کا عامل کر دیا۔ اور نتیجہ یہ ہُوا کہ ذاتی مفاد کے ٹکراؤ کی بدولت سب ایکدوسرے کے دشمن ہو گئے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہُوا ہے:۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا

پس ڈگا یا اُن کو شیطان نے اس سے پس نکالدیا ان

مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

دونوں کو اس چیز سے کہ تھے بیچ اُسکے! اور کہا ہم نے اُترو بعضے تمہارے

عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ

واسطے بعض کے دشمن ہیں! ور واسطے تمہارے بیچ زمین کے ٹھکانہ ہے اور

اِلٰى حِيْنٍ ○ ۳۶

فائدہ ایک وقت تک۔

● پھر ایسا ہُوا کہ شیطان (نفسِ امّارہ) نے اُن (خواص و عوام) دونوں کو پھسلا دیا۔ اور (متوازن معاشرہ کی) جس جنّت میں وُہ تھے اُس سے نکالدیا۔ پھر ہم نے (انبیاء کی معرفت) کہا کہ تم سب کے سب اِس (جہنّمی معاشرہ) سے نکلو۔ انفرادی مفاد پرستی کی بدولت) تم سب ایکدوسرے کے دشمن ہو گئے ہو، حالانکہ (ہمارے دائمی قانون کی رُو سے) اِس زمین میں تم سب کے سب کیلئے آخری دم تک رہائش اور ضروریاتِ زندگی کا (بنیادی، پیدائشی حق) مسلّم ہے۔

قرآنِ کریم کا پیش کردہ معاشی مسئلہ کا حل
وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ہے"

● ان الفاظ میں پوری نوعِ آدم کا حق قرار دیا گیا ہے مُستقر اور متاع۔ مستقر کا معنٰی ہے جائے قرار، رہنے کی جگہ مکان اور متاع کا معنٰی ہے ضروریاتِ زندگی اور لَكُمْ کی ضمیر کا مرجع پوری نوعِ آدم ہے پس یہی ہے قرآنِ کریم کا پیش کردہ معاشی مسئلہ کا حل جسکے لئے پوری انسانیت مضطرب و بیقرار ہے۔ الفاظ بالا میں صراحتًا اعلان کر دیا گیا ہے کہ نوعِ آدم کے ایک ایک فرد کا بنیادی حق ہے کہ اُسے مکان، خوراک، لباس اور علاج، جملہ ضروریاتِ زندگی متوازن انداز سے ملنی لازم ہیں۔ ایسے متوازن نظام کے بغیر کُرّۂ ارض پر امن و امان کا قیام ممکن ہی نہیں ابتدائی معاشروں کے متعلق اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ نوعِ آدم جلدی ہی نظامِ ربوبیّت کیطرف لوٹ آئی:۔

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ

پس سیکھ لیں آدم نے پروردگار اپنے سے کچھ باتیں پس پھر آیا

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ ۳۷

اُوپر اُسکے تحقیق وہی ہے پھر آنیوالا مہربان۔

پھر ایسا ہُوا کہ نوعِ آدم نے اپنے پروردگار کے قانون سے پھر ملاقات کر لی۔ (اس پر دوبارہ عامل ہو گئی) تو اللہ تعالیٰ (اپنی رحمتوں کیساتھ) اُس پر لوٹ آیا۔ (یعنی پھر خوشگوار جنّتی معاشرہ قائم ہو گیا) بیشک وہ رجوع برحمت کرنیوالا

● اس سے اگلی آیت میں تکرار تاکیدی کے طور پر کہا گیا ہے کہ ہم نے پوری نوعِ آدم کو کہدیا تھا کہ اِس جہنّمی قانون سے سب کے سب نکل جاؤ:۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ

کہا ہم نے اُترو اس سے سب پس جو آویگی تمہارے پاس

ہم نے (اپنے انبیاء کی معرفت)، کہدیا کہ (اِس جہنّمی نظام) میں سے تم سب کے سب نکلو جسکی بدولت تم ایکدوسرے کے دشمن

مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ

میری طرف سے ہدایت پس جو کوئی پیروی کرے ہدایت میری

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۳۸ۙ

کی پس نہیں ڈر اوپر اُن کے اور نہ وُہ غم کھاویں گے۔

• وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ کافر ہوئے اور جھٹلایا نشانیوں ہماری کو۔

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۳۹ۧ ع

یہ لوگ ہیں رہنے والے آگ کے ہیں وہ بیچ اسکے ہمیشہ رہینگے۔

ہوگئے ہو ۲/۳۴ (کیونکہ ناہموار نظام میں باہمی عداوت ایک لازمی امر ہے) پھر تمہاری آئندہ نسلوں کے پاس بھی جب میری ہدایت آئے تو جو گروہ اُسکی پیروی کریگا، نہ اُنہیں آنیوالے خطرات کا خوف ہوگا اور نہ وہ اپنے کئے ہوئے اعمال کیلئے غمگین ہونگے۔

• اور جو لوگ انکار کرینگے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائینگے وہ اہلِ نار ہونگے (ناہموار معاشرہ اور باہمی عداوت کے جہنم میں جلتے رہینگے اور جبتک خود نہ نکلیں گے اُسوقت تک) اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے۔

روائتی تفاسیر

• روایات نے اِن آیات کریمات ۲/۳۰ تا ۳۹ کی جن میں انسانی معاشرے کا معاشی حل دیا گیا ہے تَکَۃً فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ کی ایسی حیتیانی تفاسیر پیش کی ہیں کہ آیات کریمات بے ربط اور ناموسِ باری داغدار پائی جاتی ہے۔ مثلاً:۔

۱۔ کیا اللہ تعالیٰ کوئی مجسّم ذات ہے

• پہلے نمبر پر خدا تعالیٰ اور ملائکہ کے مکالمے کو قالی ٹھہرا کر خدا تعالیٰ کو مجسّم قرار دیا جاتا، اور بات یہاں سے شروع کی جاتی ہے کہ خدا تعالےٰ نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنیوالا ہوں اِس پر اُنہوں نے کہا، کیا تو اُسے پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا لیکن معاذ اللہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ نے یہ بے ربط جواب دیا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، اِس روائتی مفہوم سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ گویا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ آدم فسادی اور خونی نہیں ہوگا۔

۲۔ جو سبق پڑھایا ہی نہیں اسکا امتحان لینے کے کیا معنے؟

• لیکن اِس سے آگے جب حضرتِ انسان نے عملی زندگی میں قدم قدم پر یہ ثابت کرنا تھا کہ ملائکہ ہی سچے تھے۔ تو خدا تعالیٰ کیطرف سے اِسکا یہ ردِّ عمل بتایا جاتا ہے کہ اُس نے حضرتِ آدم کو ملائکہ سے الگ اشیاء کائنات کے نام سکھا دیئے اور جیسے کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے، اسکے بعد ملائکہ سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں تو اُتنا ہی علم ہے جتنا تُو نے سکھایا ہے یعنی اُنہوں نے دبی زبان میں یہ کہا کہ، جو مضمون تُو نے ہمیں نہیں پڑھایا اور آدم کو ہم سے علیحدہ پڑھا دیا ہے اُس مضمون کے مقابلے کا امتحان لینے کے کیا معنے؟ لیکن خدا تعالیٰ نے حضرتِ آدم سے کہا کہ تُو انہیں ان کے نام بتا دے، اُنہوں نے بتا دیئے۔ اور بھلا بتاتے کیوں نہ؟ جبکہ اُنہیں ازبر کرا دیئے گئے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے معاذ اللہ یہ بے ربط جواب دیا، کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا، کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اُسے بھی جانتا ہوں اور جو چھپاتے ہو اُسے بھی جانتا ہوں، معاذ اللہ معاذ اللہ، کیا علّام الغیوب ہونیکا یہ مطلب ہے کہ ملائکہ پر وہ سوال کیا جائے جو انہیں پڑھایا ہی نہیں گیا۔ یہ بھدّی روائتی تفسیر!

مزید ملاحظہ ہو کہ:۔

۳۔ ملائکہ ظاہر کیا کرتے ہیں اور چھپاتے کیا ہیں

• اس سے آگے روائتی تفاسیر نے اس امر پر روشنی نہیں ڈالی۔ کہ ان کے بتائے ہوئے ملائکہ چھپاتے کیا اور ظاہر کیا کرتے ہیں یعنی اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ کی تفسیر کیا ہے اور یا یہ جملہ کیا بے ربط و بے معنی نازل کر دیا گیا ہے؟

۴۔ غیر اللہ کیلئے سجدہ کا مشرکانہ حکم کیوں؟

• اس سے آگے سجدۂ ملائکہ کے متعلق یہ تاثر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اربوں کھربوں فرشتوں کو کھڑا کر کے حضرت آدم کے آگے سجدہ کرنیکا حکم دیا۔ اس پر سوال پڑتا ہے کہ اس مشرکانہ اہتمام کی غرض؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کے اسی فعل سے قیامت تک کیلئے پیروں فقیروں اور انکی قبروں کیلئے سجدہ کرنے کے جواز کی سند قرآن کریم سے حاصل کیجاتی رہے گی۔ پھر جب فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہ کیا۔ اسکے متعلق تصوّر دیا گیا ہے کہ وہ ملک نہیں جنّ ہے۔ اس پر سوال پڑتا ہے کہ جب وُہ ملک ہے ہی نہیں اور سجدہ کا حکم ملائکہ کو ہُوا، جنّوں کو نہیں ہُوا، تو پھر وہ مجرم کسطرح ٹھہرا؟

۵۔ شجرِ ممنوعہ گندم کا درخت تھا؟ یا انگور یا لسن کا؟
۶۔ کیا اللہ تعالیٰ کے اوّلین نبی پر ہی ابلیس کا غلبہ ہو گیا؟

• اس سے آگے ہے کہ حضرت آدم کی بیوی خود انکے پیٹ سے پسلی پھاڑ کر نکالی گئی۔ باپ بیٹی کو میاں بیوی بنایا اور حضرت آدم کو حکم دیا کہ جنّت میں سے جہاں چاہو با فراغت کھاؤ۔ مگر اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ لیکن اللہ کے اوّلین نبی نے وُہی کام کیا جس سے ھٰذِهِ الشَّجَرَةَ کے اشارہ قریب کیساتھ منع کیا گیا تھا۔ شجرِ ممنوعہ کے متعلق تفسیر موضح القرآن کے صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے کہ یا تو وہ گندم کا درخت تھا، یا انگور کا تھا اور یا لسن کا۔ پھر ابلیس کو غیب دان مانا گیا ہے کہ جنّت میں داخلہ بند ہونے کے باوجود جان لیا کہ حضرت آدم کو ایک درخت سے منع کیا گیا ہے۔ تفسیر حسینی کے صفحہ ۸ اور صفحہ ۱۸۲ پر، نیز تفسیر موضح القرآن کے صفحہ ۷ اور صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے کہ ابلیس حضرت آدم کو جنّت سے نکلوانے کیلئے، سانپ اور مور کی مدد سے جنّت کے اندر پہنچ گیا۔ اسکی عملی صورت یہ بتائی جاتی ہے کہ ابلیس ہوا کی شکل اختیار کر کے سانپ کے اندر داخل ہُوا۔ مور نے سانپ کو اُٹھا کر جنّت میں پہنچا دیا۔ اور ابلیس نے آدم و حوّا کو شجرِ ممنوعہ کھلا دیا۔ اور خدا تعالیٰ کے دعوٰی اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَكَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ ۱۵/۴۲ + ۱۷/۶۵ کہ میرے بندوں پر یقیناً یقیناً تیرا غلبہ نہیں ہوگا جھوٹا کر دیا۔ معاذ اللہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کے اوّلین نبی ہی پر ابلیس غالب آیا۔ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی دونوں کو زمین پر پھینک دیا۔ جہاں انکی اولاد شروع ہوئی اور افزائشِ نسل کیلئے بھائیوں کا نکاح بہنوں کیساتھ..... العیاذ باللہ!

• الغرض یہ ہیں روائتی تفاسیر جنہیں، اصل مفہوم سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ جن آیتوں میں نظامِ ربوبیّت اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی درستی کے اصول درج ہیں۔ مقامِ آدم اور مقامِ مومن کی وضاحت کیگئی ہے روایات نے انہیں چیستان بنا کر رکھدیا ہُوا ہے۔

اللہ و ملائکہ کے مکالمہ اور قصۂ ابلیس و آدم ۳۰ تا ۳۹/۲ کا ملخص

• اللہ اور ملائکہ کا مکالمہ حالی ہے قالی نہیں ہے۔

• کائنات کی ہر قوّت یعنی جُملہ ملائکہ بذریعہ تسخیر نوعِ آدم کیلئے سجدہ ریز کر دیئے گئے ہیں یعنی ہر آن سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں، ۲/۳۴ + ۲۵/۱۳۔

• نفسِ امّارہ ابلیس ہے، جو ہر لحظہ بُرائی کا حکم کرتا رہتا ہے ۱۲/۵۳۔

• لیکن انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے اِسے اختیار ہے کہ خواہ نفسِ امّارہ کی پیروی کرے۔ یا احکامِ خداوندی کی ۱۸/۲۹

• واضح رہے کہ موجوداتِ عالم میں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر چیز کی قوّت کو مسخّر کرنا ہے "مقامِ آدم" ۲۵/۲

• اور تسخیر کے ماحصل کی متوازن تقسیم ہے "مقامِ مومن" ۲/۲۹

قرآنِ کریم کے اوّلین مخاطب بنی اسرائیل کی مثال

• نظامِ ربوبیّت کی خوشگواریاں ہر قوم اور ہر دَور کیلئے یکساں نتائج کی حامل ہیں۔ چنانچہ اگلی آیاتِ کریمات میں قرآنِ کریم کی اوّلین مخاطب قوم بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور حکومت کے چھن جانے کا ذکر بالفاظِ ذیل کیا گیا ہے:۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ

اے بیٹو یعقوب کے یاد کرو نعمت میری جو انعام کی

اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ

میں نے اُوپر تمہارے اور پُورا کرو عہد میرا پُورا کروں گا

بِعَهۡدِکُمۡ ۚ وَ اِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ ۴۰

میں عہد تمہارے کو۔ اور مجھ سے ہی پس ڈرو۔

وَ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ

اور ایمان لاؤ ساتھ اس چیز کے کہ اُتارا میں نے سچّا کرنے

وَ لَا تَکُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِهٖ ۪ وَ لَا

والا ہے اُس چیز کو جو ساتھ تمہارے ہے اور مت ہو پہلے

تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۫ وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُوۡنِ

کافر ساتھ اسکے اور مت مول لو بدلے آیتوں میری کے

مول تھوڑا اور مجھ سے پس ڈرو۔

• اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو، جو میں نے تم پر فرمائیں (جب تم نے میرا وعدۂ ربوبیّت وفا کیا، میں نے تمہارا وعدۂ خلافت پُورا کیا۔ لہٰذا تمہاری ذِلّت کیوجہ تمہاری اپنی وعدہ خلافی ہے۔ آج بھی اگر) تم میرا وعدہ پُورا کرو اور مجھ ہی سے ڈرو تو میں تمہارا وعدہ پُورا کروں گا۔

• اور تمہاری عظمتِ رفتہ جو تحریفِ کتاب اور نافرمانیوں کی بدولت چھن گئی تھی ۵/۱۳، اِسطرح لوٹ سکتی ہے کہ اب) اس کتاب قرآنِ کریم پر ایمان لاؤ جو میں نے (اپنے بندے پر ۲/۲۴) نازل کی ہے۔ یہ اُس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو (غیر محرّف صورت میں) تمہارے پاس تھی پس اس کتاب قرآنِ کریم کے تم ہی پہلے منکر نہ بنو۔ اور میری آیتوں کو بیجا استعمال کر کے دُنیا کا حقیر اجر نہ لو۔ (جیسے تم میرے ضابطہ کی مخالفت کر کے سُود رشوت چور بازاری وغیرہ کے ذریعہ حاصل کرتے ہو اور اسطرح تمہیں جن باطل قوانین کی مخالفت کرنی پڑے) اُن سے مت ڈرو، بلکہ صرف مجھ سے یعنی میرے ہی قانون کی مخالفت سے ڈرو۔

حق میں باطل شامل نہ کرو اور نظام ربوبیّت قائم کرو

اگلی آئت مجیدہ میں بنی اسرائیل کا ایک جرم یہ بتایا گیا ہے، کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں باطل روایات شامل کر کے حق کو چھپا رکھا تھا۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا
اور مت ملاؤ سچ کو ساتھ جھوٹ کے اور مت چھپاؤ
الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۴۲
حق کو اور تم جانتے ہو۔

• اور حق (کتاب الٰہی) کو باطل (روایات) کیساتھ خلط ملط نہ کرو۔ اور یہ کہ (اسطرح) تم حق کو چھپا رہے ہو۔ درانحالیکہ تم جانتے ہو۔ (کہ حق میں باطل شامل کرنے سے باطل بھی حق کا حصّہ مانا جاتا ہے)۔

باطل انفرادیّت کا، اور حق اجتماعیّت کا علمبردار ہے

باطل کا کام ہے کہ وہ انفرادی مفاد کی جاذبیّت کیساتھ عوام کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ حالانکہ یہ امر تجربہ کی کسوٹی پر ثابت ہو چکا ہے کہ انفرادیّت کے حامل قوانین نہ آج تک نوع آدم کا معاشی مسئلہ حل کر سکے ہیں اور نہ امن عالم کی ذمہ داری کا بوجھ اُٹھا سکے ہیں۔ فلہٰذا اگلی آئت کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر دائمی ذلّت کے عذاب سے نکلنا چاہتے ہو تو اجتماعی نظامِ ربوبیّت (الصّلوٰۃ) قائم کرو۔ جو نوع آدم کے معاشی مسئلہ کا واحد حل ہے اور امن عالم کا واحد ضامن ہے:۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
اور قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ کو
وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۴۳
اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنیوالوں کے۔

• اور الصّلوٰۃ، اجتماعی نظام ربوبیّت قائم کرو اور کمزوروں کی نشوونما کے ضامن نظام کو چلانے کیلئے مال دو۔ اور قانون ربوبیّت (رب) کے سامنے جھکنے والوں (یعنی آنحضور اور صحابہؓ) کیساتھ ملکر تم بھی قانونِ ربوبیّت کے سامنے عملاً جھک جاؤ۔

• اس سے اگلی آئت مجیدہ میں بنی اسرائیل کا ایک اور جرم بتایا گیا ہے:۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ
کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو ساتھ بھلائی کے اور بھولے جاتے
أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا
ہو جانوں اپنی کو اور تم پڑھتے ہو کتاب، کیا پس نہیں
تَعْقِلُونَ ۴۴
سمجھتے ہو۔

• کیا تم، لوگوں کو بھلائی (ربوبیّت عامہ) کا حکم کرتے ہو لیکن اپنے آپکو (اس حکم سے مستثنےٰ سمجھ کر، بُھلا دیتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب بھی پڑھتے ہو۔ پھر تم (قول و فعل کے اس خطرناک تضاد پر) کیوں غور (کر کے اُسے دُور) نہیں کرتے۔

لفظ بِرّ کی قرآنی لغت

• آئت بالا میں بِرّ کا معنیٰ سیاق کلام کے مطابق لکھا گیا ہے رُبوبیّت عامّہ۔ اس لفظ کا عمومی معنیٰ ہے نیکی بھلائی۔ مذہبی حلقوں میں اسکا مفہوم لیا جاتا ہے نماز روزہ وغیرہ

لیکن قرآنِ حکیم نے اِس لفظ کا جو مفہوم نفی اثبات کے حصر کیساتھ بیان کیا ہے آیتِ ذیل میں مذکور ہے۔ لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰـكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ‌ۚ وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِۙ وَالسَّآئِلِيۡنَ وَفِى الرِّقَابِ‌ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّکٰوةَ‌ۚ ...... ۲/۱۷۷ بِرّ یہ نہیں ہے کہ تم صلوٰۃِ موقّت کیلئے مشرق کیطرف منہ پھیرتے ہو یا مغرب کیطرف، بلکہ بِرّ کا عامل وہ شخص ہے جو اللہ پر اور اللہ کے بتائے ہوئے روزِ مکافات پر، اور اللہ کے ملائکہ پر، اور اللہ کی کتاب پر اور اللہ کے نبیوں پر ایمان لائے اور (نمود و نمائش کیلئے نہیں، بلکہ) اللہ کی محبت کیلئے اپنے قریبیوں کو، اور بے سہارا لوگوں کو (یعنی) اُنکو، جن کا کاروبار ساکن ہو جائے اور مسافروں کو اور محتاجوں کو اور غلاموں اور قرض میں پھنسے ہوئے لوگوں کی گردنیں آزاد کرانے کیلئے مال دے (اور یہ سب کچھ انفرادی طور پر نہ ہو) بلکہ نظامِ ربوبیّت قائم کرے (تاکہ ایک باقاعدہ نظام کی بدولت کوئی فرد محرومِ ربوبیّت نہ رہے) دیکھئے یہاں بِرّ کا معنیٰ اللہ، قیامت، ملائکہ، کتاب اور انبیاء پر ایمان لانے کے بعد یتیموں مسکینوں مسافروں قرضداروں پر مال خرچ کرنا بتایا گیا ہے اِسی چیز کی وضاحت ذیل کے انتہائی بلیغ الفاظ میں کر دی گئی ہے:۔

• لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۳/۹۲ تم اُس وقت تک بِرّ کو نہیں پا سکتے جبتک کہ تم اللہ کی راہ میں اُس مال سے خرچ نہ کرو جس سے تم محبّت کرتے ہو۔ نیز اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے گا۔ کہ قرآنِ کریم انفرادی انفاقِ مال یعنی گداگروں کی حوصلہ افزائی کا حامل نہیں، بلکہ اجتماعی نظامِ ربوبیّت کا حکم دیتا ہے تاکہ گرے ہوؤں کو قدموں پر کھڑا کیا جائے ۲/۲۶۵ گداگر نہ بنایا جائے۔ فلہٰذا بِرّ کا مذکورہ معنیٰ ربوبیّتِ عامہ خود سیاقِ کلام اور قرآنی لغت کیمطابق صحیح ہے، نیز دیکھئے سباقِ کلام بھی اِنہی معنوں کی تائید کرتا ہے:۔

وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ‌ؕ

اور مدد چاہو ساتھ صبر کے اور نماز کے

وَاِنَّهَا لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَۙ ۴۵

اور تحقیق وہ البتہ بڑی ہے مگر اوپر عاجزی کرنیوالوں کے

الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ

وہ لوگ کہ جانتے ہیں یہ کہ وہ ملنے والے ہیں پروردگار اپنے سے

وَاَنَّهُمۡ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ۴۶ ع ۵ الربع

اور یہ کہ وہ طرف اُسکی پھر جانیوالے ہیں۔

• اور (نظامِ ربوبیّت کی تکمیل کیلئے) پوری مستقل مزاجی اور صلوٰۃِ موقّت کیساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگا کرو لیکن بلاشبہ نظامِ ربوبیّت کا قیام (انفرادی نفع اندوزوں کیلئے) بہت کٹھن کام ہے مگر اُن لوگوں کیلئے کچھ مشکل نہیں جو اعمال کی جوابدہی سے ڈرنیوالے ہیں، جو یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے ربّ (کے حضور ربوبیّت کی جوابدہی کیلئے) حاضر ہونیوالے، اور بلاشبہ اُسی کیطرف لوٹائے جانیوالے ہیں۔

ربّ کے حضور حاضری

• آیتِ بالا میں مُلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ کے الفاظ میں ربّ کی ملاقات سے مُراد، ربوبیّتِ عامہ کی تکمیل یا عدمِ تکمیل کی جوابدہی کیلئے حاضر ہونا ہے رب اور الیہ راجعون کے الفاظ، ربوبیّت کیمتعلق جوابدہی

کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یعنی یہاں ربوبیّتِ عامہ ہی کی بازپرس سے ڈرنیوالوں کی خبر دیگئی ہے۔

● اگلی آیت میں تکرار تاکیدی کیساتھ پھر بنی اسرائیل کو حضرتِ موسیٰ کے قائم کردہ نظامِ ربوبیّت کی خوبیاں یاد دلائی جارہی ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ

اے بنی اسرائیل یاد کرو نعمت میری وہ جو انعام کی

اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

میں نے اوپر تمہارے اور تحقیق میں نے بزرگی دی تم کو اوپر عالموں کے۔ ۴۷

اے بنی اسرائیل! میری اُس نعمت کو یاد کرو، جو میں نے تم پر انعام فرمائی، یہ کہ میں نے تمہیں ایک زمانہ کے لوگوں پر فضیلت بخشی۔ (یعنی تمہیں فرعون کے باغوں، چشموں، خزانوں اور نفیس عمارتوں کا مالک بنا دیا ۲۶/۵۹، جو سب کچھ تمہاری اپنی بداعمالیوں کی بدولت تم سے چھن گیا)۔

● اِس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ یاد رکھو، جب دُنیا میں قرآنی نظام قائم ہو جائے تو نہ اُس میں اور نہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں کسی مجرم کی رعائت ہوگی۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ

اور ڈرو اُس دن سے کہ نہیں کفائت کریگا کوئی جی

شَيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ

کسی جی سے کچھ اور نہ قبول کیا جاوے اُس سے سفارش اور نہ

مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ۴۸

لیا جاویگا اُس سے بدلا اور نہ وہ مدد دیئے جاوینگے۔

اور اُس وقت سے ڈر جاؤ جب کوئی شخص کسی کے جُرم کا معمولی سا بدلہ بھی نہ بن سکیگا، اور نہ کسی مجرم سے کوئی شفاعت قبول کیجاویگی اور نہ اس سے فدیہ (رشوت وغیرہ لیجائیگی)، اور نہ ہی اُن مجرموں کی (کوئی بھی) مدد کیجائیگی۔

● قرآنِ کریم نے دنیوی عدالتوں میں بعض جرائم کا فدیہ مقرر کیا ہے۔ مثلاً قسم کھولنے کا فدیہ دس مسکینوں کا کھانا یا کپڑا یا ایک گردن آزاد کرنا، اور یا تین روزے بتایا ہے ۵/۸۹، بیوی کو ماں کہنے کا جرمانہ ایک گردن آزاد کرنا یا ساٹھ روزے یا ساٹھ مسکینوں کا کھانا بتایا ہے ۵۸/۴، مومن کے سہواً قتل کا خون بہا ادا کیا جا سکتا ہے لیکن غصبِ حقوقِ ربوبیّت وہ جرم ہے کہ اسکے فدیہ وغیرہ کی دُنیوی عدالتوں میں بھی نفی کر دیگئی ہے اور اُخروی عدالت میں بھی۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اُن کی نافرمانیوں کی طویل فہرست

● سورۂ قصص میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو طرح طرح کے مظالم کیساتھ کمزور کر دیا ہُوا تھا۔ اور ہم نے ارادہ کیا کہ جنہیں کمزور کر دیا ہے اُن پر احسان کریں وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ ۲۸/۵ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مقدسات میں قرآنِ کریم کے مخصوص اسلوبِ بیان کیساتھ مخاطب تو کیا گیا ہے زمانۂ رسالت کے یہودیوں کو، اور نافرمانیاں اُنکے مختلف زمانوں کے اسلاف کی بیان کی گئی ہیں اور احسان بھی وہ جتائے جا رہے ہیں جو اُن کے بزرگوں پر کیئے گئے تھے، لہذا ذہن نشین کر لیجئیگا کہ ان آیات میں تم سے مراد زمانۂ رسالت کے

یہودیوں کے اسلاف ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ
اور جب چھڑایا ہم نے تم کو قوم فرعون کی سے پہنچاتے
سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ
تھے تمکو برا عذاب ذبح کرتے تھے بیٹوں تمہارے کو اور جیتا رکھتے
نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۴۹
بیٹیوں تمہاری کو اور بیچ اسکے آزمائش تھی پروردگار تمہارے سے بڑی

اور اُسوقت کو یاد کرو جب ہم نے، تُم (تمہارے اسلاف) کو فرعون کے عمّال سے نجات دلائی، وہ تمہیں بڑا عذاب دیتے تھے۔ تمہاری قوم کے ابناء کو (یعنی اُن مردانہ جوہروں کو جو فرعون کے خلاف آواز اٹھاتے، خصوصاً موسٰی پر ایمان لانیوالے ۴۰/۲۵) اُنہیں (ذبح یعنی) قوم سے جدا کر کے بے اثر کر دیتے اور تمہاری عورت صفت لوگوں سے درگزر کرتے تھے! اور تمہارے لئے اِس میں تمہارے پروردگار کیطرف سے ایک عظیم آزمائش تھی۔

ذبح اور قتل مترادف الفاظ ہیں ابناء سے مُراد، قوم کے وُہ لوگ ہیں جو حقوق لوبیت کی آواز اٹھاتے تھے

● آیتِ بالا سے روائتی تفاسیر نے یہ تاثر دیا ہے کہ فرعون کے نجومیوں نے حضرت موسٰی کے متعلق بتایا، کہ بنی اسرائیل کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کا تختہ اُلٹ دیگا، اسلئے وہ بنی اسرائیل کے جملہ نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کر دیا کرتا تھا۔ اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا لیکن یہ نظریہ قرآن کریم کی رُو سے مطلقاً غلط ہے، کیونکہ پہلے نمبر پر تو قتلِ ابناء اور استحیاءِ نساء کا حکم فرعون نے دعوتِ موسوی کے بعد دیا تھا۔ قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۴۰/۲۵۔ انہوں نے کہا موسٰی پر ایمان لانیوالوں کے ابناء القوم یعنی آگے نکلنے والے قابل جوہروں کو قتل کردو، اور عورت صفت لوگوں سے درگزر کرو۔ دوسرے یہ کہ اگر حضرت موسٰی کے قتل کیلئے نوزائیدہ بچّوں کو قتل کیا جاتا ہوتا، تو حضرت موسٰی کا ہم عمر نوجوان کوئی موجود نہ ہوتا لیکن سورہ یونس میں ہے:- فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ۱۰/۸۳ = اور موسٰی پر اُسکی قوم کے نوجوانوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ تیسرے یہ کہ اگر اِس آیت میں نوزائیدہ لڑکوں کے قتل کی خبر دیگئی ہوتی تو لفظِ ابناء کے مقابلے پر بنات یعنی لڑکیاں آنا چاہیئے تھا۔ نہ کہ نساء، جو نوزائیدہ بچیوں کو نہیں، بلکہ پوری جوان عورتوں کو کہتے ہیں پس نجومیوں کی خبر، اور نوزائیدہ بچّوں کے قتل کا شاخسانہ محض افسانہ ہے۔

● اب رہا لفظِ ذبح، اِسکا معنٰی ہے شاہ رگ کاٹ کر دل و دماغ کا تعلق جُدا کر دینا۔ اسیطرح فرعون بنی اسرائیل کے مردانہ جوہروں کو قید یا جلاوطن کر کے قوم سے جُدا کر دیتا تھا۔ ۷/۱۴۱ میں يُذَبِّحُوْنَ کی بجائے يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ کے الفاظ آئے ہیں اور قتل کا معنٰی ذلیل و خوار اور بے اثر کرنا بھی ہے۔ ۹/۳۰ میں یہود و نصارٰی کیلئے آیا ہے۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ = اللہ انہیں ذلیل و خوار کرے۔ ۵۱/۱۰ میں آیا ہے:- قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ = ذلیل و خوار ہوں کٹ حجتیاں کرنے والے۔ فلہٰذا:- يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ کا صحیح معنٰی یہی ہے کہ فرعون اپنے نظام کے خلاف آواز اُٹھانیوالی، انقلابی جماعت میں سے آگے نکل کر کام کرنیوالونکو یا تو جلاوطن کر کے یا قید کر کے قوم سے جُدا کر دیتا تھا تا اسکہ اس انقلابی جماعت کی تحریک

وقت آگیا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں خبر دیگئی ہے:

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَ

اور جب پھاڑا ہم نے ساتھ تمہارے دریا کو پس چھڑایا

وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝ ۵۰

ہم نے تمکو اور ڈبا دیا ہم نے لوگوں فرعون کے کو اور تم دیکھتے تھے

اور اُسوقت کو یاد کرو کہ (تمہارے اسلاف نے حضرت موسیٰ کی رہنمائی میں، تحریکِ حصولِ ربوبیّت کے انجام پر، کہ جب فرعون نے اُن کے مساوی حقوقِ ربوبیّت تسلیم نہ کئے ہجرت کی تو اُس نے اُن کا تعاقب کیا۔ اب آگے سمندر اور پیچھے فرعون کے لشکر تھے) ہم نے تمہارے لئے سمندر کو جذر کی حالت میں، کنارے سے جُدا ہُوا پایا تمہیں نجات دی تم گزر گئے (جب فرعون مع لشکر آیا تو چڑھاؤ آگیا)، اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ اور (اس پورے نظارے کو) تم خود دیکھ رہے تھے۔

فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فرق کا سہ حرفی مادہ ف۔ ر۔ ق بمعنی جُدا کرنا ہے۔ اور پیش لفظ کے عنوان ۳۲/۲ کے مطابق ثلاثی مجرد کے خاصہ وجدان کی رُو سے فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے "ہم نے سمندر کو کنارے سے جُدا ہُوا ہُوا پایا"۔ اب اِس پر مشاہدہ شاہد ہے کہ سمندر کنارے سے حالتِ جذر کے سوا جُدا نہیں ہوتا۔ اِسلئے مندرجہ بالا مفہوم قرآن و مشاہدات ہر دو کے مطابق ہے۔ لیکن روایاتی تفاسیر نے اِن الفاظ کا یہ حیناتی مفہوم بیان کیا ہے کہ حضرتِ موسیٰ کو حکم ہُوا کہ سمندر پر عصا مارو، تو اُس میں راستے نمودار ہو گئے۔ حضرتِ موسیٰ مع بنی اسرائیل گزر گئے۔ پانی بالکل ٹھہرا ہُوا تھا۔ جب فرعون کے لشکر سمندر میں اُترے تو پانی رواں ہو گیا۔ اور وہ غرق ہو گئے۔ حالانکہ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۳۵/۴۳ کے مطابق بہتے پانی کا ساکن ہو جانا سُنّتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سلام علیہ کو عین اُسوقت وحی فرمائی کہ بنی اسرائیل کو سمندر پار لیجائیے، جب اُس میں جذر کی حالت تھی۔ دیکھئے ارشادِ باری وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۲۰/۷۷ = اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو وحی کی۔ کہ میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو لیجاؤ۔ پھر اُنہیں سمندر میں خشک راستہ بتاؤ۔ اسطرح جب بنی اسرائیل گزر گئے اور فرعون نے اُنہیں پکڑنے کیلئے، چڑھاؤ کا وقت معلوم کئے بغیر فوجوں کو سمندر کے جذر، یعنی اُتار کے مقام پر ڈالدیا تو چڑھاؤ آگیا۔ تو وہ لشکروں سمیت غرق ہو گیا۔

غلطی کہاں لگتی ہے؟ اِس سلسلے میں غلطی لگتی ہے "اَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ" ۲۶/۶۳ کے الفاظ سے جن کا مفہوم لیا جاتا ہے، سمندر کو ڈنڈا مار۔ حالانکہ یہ ۲۰/۷۷ کے متبادل الفاظ ہیں۔ جن میں آپ اُوپر دیکھ چکے ہیں کہ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا کے الفاظ میں، ھُم ضمیر جمع کا مرجع عبادی بنی اسرائیل کیلئے آیا ہے اور یہاں اِضْرِبْ کا معنیٰ ہے بتا، مار نہیں ہے۔ اور ۲۶/۶۳ کے اِسی عنوانِ واحد میں عبادی کی بجائے عَصَاكَ کے الفاظ آئے ہیں، اَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ اب عصا کا معنیٰ ڈنڈا بھی ہے اور جماعت بھی۔ فلہٰذا جب عبادی کا متبادل لفظ عَصَاكَ آیا ہے تو ظاہر ہے کہ

یہاں اس سے ڈنڈا مُراد نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ کی جماعت بنی اسرائیل مُراد ہے۔ اور صحیح مفہوم یہ ہے کہ :۔ اپنی جماعت کو سمندر (کا خشک راستہ ۲۰/۷۷) بتا۔ ذیل میں الفاظ کا تقابل بھی ملاحظہ فرمائیں :۔

● وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا ۲۰/۷۷
● وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۲۶/۶۳

● ہر دو آیات کریمات میں ایک ہی واقعہ بیان ہوا ہے۔ ۲۰/۷۷ سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کو سمندر کا خشک راستہ بتانے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ فَاضْرِبْ لَهُمْ میں ضرب بمعنی بتانا ہی صحیح ہے۔ مارنا صحیح نہیں۔ اور سمندر کی کسی خلیج میں جذر کے وقت ہی راستہ خشک ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے دوسری آیت بھی جو اسی واقعہ کو بیان کرتی ہے۔ اسی مفہوم جذر کے وقت سمندر کا خشک راستہ بتانے کی حامل ہے۔ نیز الفاظ کا تقابل بھی تائید کرتا ہے کہ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى، باہم واحد ہیں۔ اِضْرِبْ اِضْرِبْ، متقابل ہیں اور لَهُمْ ضمیر برائے بنی اسرائیل کا متقابل و متبادل عَصَاكَ آیا ہے، جس سے بنی اسرائیل مُراد ہیں، ڈنڈا مُراد نہیں۔ پس سمندر کو ڈنڈا مارنے اور پانی کے پھٹ جانے کے جیناتی تصور کی گنجائش نہیں، کیونکہ دونوں آیتوں کے متقابل الفاظ بھی موجود ہیں۔ اور ڈنڈے کیساتھ پانی کے نہ پھٹنے کا مشاہدہ بھی معارض ہے۔ نیز اس عنوان میں بحر سے دریائے نیل مُراد لینا درست نہیں۔ کیونکہ اتنے اہم مرکزی دریا کے متعلق یہ تصور صحیح نہیں کہ نہ اس پر کوئی پل تھا، اور نہ کشتیوں کا انتظام، اسلئے البحر سے مراد سمندر کا وہ حصہ ہے جو سرزمین مصر کے اندر دُور تک چلا گیا ہے۔ اور سمندر کے مدّ و جذر کیساتھ اس میں بھی مدّ و جذر ہوتا تھا۔ آجکل نہر سویز کے ذریعہ اُسے بڑے سمندر کیساتھ ملا دیا گیا ہے۔

بچھڑے کو معبود ٹھہرالیا سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کا ایک جُرم یہ بتایا گیا ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے چالیس راتوں کیلئے کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ تو انہوں نے بچھڑے کی پُوجا شروع کر دی۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً
اور جب وعدہ دیا ہم نے موسیٰ کو چالیس رات کا
ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ
پھر بنا لیا تم نے گائے کا بچہ پیچھے اسکے اور تم ظالم
ظٰلِمُوْنَ ۝۵۱

اور وہ وقت یاد کرو، جب ہم نے موسیٰ کو (طور پر کتاب لکھوانے کیلئے ۷/۱۴۵) چالیس راتوں کا وعدہ دیا۔ تو تم نے اس کے پیچھے (انسان ہوتے ہوئے ایک حیوان) بچھڑے کو معبود بنا لیا یعنی تم بے ٹھکانہ کام کرنیوالے ہو۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ
پھر معاف کیا ہم نے تم سے پیچھے اسکے تو کہ تم شکر کرو۔ ۵۲

پھر ہم نے اسکے بعد تمہیں معاف کر دیا۔ تاکہ تم اپنی اصلاح کر کے میرے شکر گزار بن جاؤ۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ۵۳

اور جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور چکوتی یعنی معجزے تاکہ تم راہ پاؤ۔

اور خصوصًا وہ وقت قابلِ ذکر ہے۔ جب ہم نے موسیٰ کو اپنی کتاب (تمہارے جملہ تنازعہ مسائل کا حل) یعنی حق و باطل میں فرق کرنیوالی (کسوٹی) عطا فرمائی، تاکہ تم اُس سے رہنمائی حاصل کرو

●(یہ بچھڑا گائے کا بچہ تھا یا دھات کا ڈھلا ہُوا؟ اِسکی وضاحت آگے آرہی ہے)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ۵۴

اور جس وقت کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے اے قوم میری تحقیق تم نے ظلم کیا جانوں اپنی کو ساتھ پکڑنے تمہارے کے بچھڑے کو پس توبہ کرو طرف پیدا کرنیوالے اپنے کے پس مارو جانوں اپنی کو یہ بہتر ہے تمکو نزدیک پیدا کرنیوالے تمہارے کے پس پھر آیا اوپر تمہارے تحقیق وہ ہے پھر آنیوالا مہربان۔

پھر وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! بلاشبہ تم نے بچھڑے کو معبود ٹھہرا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ پس تم اپنے پیدا کرنیوالے کے حضور غلطی کا اعتراف کرو۔ اور نفسِ امّارہ کی مخالفت کرو (اپنی اصلاح کرلو) تمہارے پروردگار کے ہاں تمہارے لئے یہی امر بہتر ہے۔ پھر (جب تم نے اعتراف و اصلاح کرلی تو) اُس نے تمہیں معاف کردیا۔ بلاشبہ وہ (۱۶/۱۱۹، اعتراف و اصلاح کے بعد) معاف کرنے والا مہربان ہے۔

قتلِ النفس کا مفہوم | روایاتی تفاسیر نے اِسکا مفہوم یہ لیا ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم ہُوا کہ ایک دوسرے کو قتل کردو چنانچہ تفسیر ماجدی میں ہے کہ تقریبًا تین ہزار بنی اسرائیل ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ موضح القرآن میں ستر ہزار لکھے ہیں۔ تفسیر ثنائی نے تاثر دیا ہے کہ اِن الفاظ میں غیر مجرموں کو حکم ہُوا ہے کہ وہ مجرموں کو قتل کریں لیکن یہاں قتل النفس کا معنی تصریفِ آیات کی رُو سے ثابت ہے نفسِ امّارہ کی مخالفت۔ یہاں ۲/۵۴ میں بصیغہ امر تُوبُوا کے بعد فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ آیا ہے، اور ۱۶/۱۱۹ میں بصیغہ خبر تَابُوْا کے بعد اَصْلَحُوْا آیا ہے۔ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۱۶/۱۱۹ پس توبہ اور قتل النفس متقابل و متبادل ہیں۔ اور مفہوم ہے نفسِ امّارہ کو ذلیل کرکے اپنی اصلاح کرلینا۔

خدا تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ | سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ کا یہ جرم بتایا گیا ہے کہ جب وہ کتاب لکھنے کیلئے حضرت موسیٰ کیساتھ طور پر گئے تو مطالبہ کیا کہ خدا دکھا دو۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز نہ ایمان لاویں گے ہم

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک کہ ہم اللہ کو

نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ
واسطے تیرے یہاں تک کہ دیکھیں ہم اللہ کو ظاہر پس پکڑا تم کو
وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۵۵
بجلی نے اور تم دیکھتے تھے۔

ظاہر نہ دیکھ لیں۔ پھر (ایسا ہوا کہ موسیٰ نے اس کے متعلق ہم سے سوال کردیا۔ ہم نے پہاڑ پر بجلی گرائی ۷/۱۴۳) تو تمہارے دیکھتے دیکھتے تمہیں بجلی نے پکڑ لیا (اور تم ایسے بیہوش ہو گئے کہ گویا موت آگئی ہے)

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ
پھر جلایا ہم نے تم کو پیچھے موت تمہاری کے تو کہ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۵۶
تم شکر کرو۔

پھر ہم نے تمہیں اس موت (کی سی حالت) کے بعد پھر اٹھا کھڑا کیا، تاکہ تم اپنی اصلاح کرکے میرے شکر گزار بن جاؤ۔

● اس آیت کے متعلق بھی روائتی تفاسیر نے یہ غلط تاثر دیا ہے کہ وہ ستر آدمی مر گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر زندہ کر دیا تھا۔ حالانکہ مکافاتِ عمل کی دوسری زندگی سے قبل اس دنیا میں موت کے بعد زندہ کرنا قانونِ خداوندی ہی کے خلاف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے خلاف کبھی نہیں کرتا ۳۵/۴۳

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ
اور سائبان کیا ہم نے اوپر تمہارے بادلوں کو اور
الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
اتارا ہم نے اوپر تمہارے منّ اور سلویٰ کھاؤ پاکیزہ
رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اس چیز سے جو دیا ہے ہم نے تم کو اور نہ ظلم کیا انہوں
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۵۷
نے ہم کو ولیکن تھے وہ جانوں اپنی کو ظلم کرتے۔

اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے، جب (سینا کے بیابان میں بارشوں کی وہ بہتات تھی، گویا کہ) ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کر دیا۔ اور (بارشوں کی کثرت سے تمہارے کھانے کیلئے) خود رو درختوں کے میٹھے میوے، اور بٹیر کی قسم کے پرندے بکثرت پیدا کر دیئے۔ اور حکم دیا کہ ہم نے جو تمہیں مفید صحت رزق عطا فرمایا ہے، خوب کھاؤ۔ لیکن (تمہارے اسلاف نے اس نعمت کی بھی ناشکری کرکے، ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، اپنی ہی جانوں پر ظلم کر لیا تھا۔

منّ وسلویٰ روائتی تفاسیر نے خود تسلیم کیا ہے کہ منّ جنگلی درختوں کی گوند تھی، جسے بنی اسرائیل کھاتے تھے، اور سلویٰ جنگلی پرندے تھے جنہیں پکڑ کر پکا لیتے تھے۔ (ترجمان القرآن آزاد)۔ لیکن ابن کثیر نے لکھا ہے کہ منّ گوند کی قسم سے ہے، دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا۔ وہ صبح صادق سے لیکر سورج نکلنے تک (آسمان سے) اترتا رہتا تھا۔ اور سلویٰ کے متعلق روائتی تفاسیر میں یہ تاثر بھی دیا گیا ہے۔ کہ آسمان سے بھنے ہوئے پرندے نازل ہوتے تھے حالانکہ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ ۵۷/۲۵ کے قرآنی الفاظ نے انزل کی لغت پیش کی ہے۔ کہ اسکا ایک معنی پیدا کرنا بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان

سے تو نہ برسایا نہیں، بلکہ زمین میں پیدا فرمایا ہے۔

ہجرتِ بنی اسرائیل کی صحیح پوزیشن عسکری ٹریننگ ایک بستی کی مخالفت اسکی فتح، اور اس میں داخلہ کا حکم

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت پر، قرآنی نکتہ نگاہ کے مطابق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ، ایسے حالات میں جبکہ مہاجرین کو صرف مصائب و شدائد ہی کا سامنا کرنا تھا۔ ایک نبیؑ کے ذریعہ بنی اسرائیل کے بوڑھوں، جن میں انتہائی کمزور بھی ہو سکتے ہیں، عورتوں، جن میں حاملہ اور زچہ بھی ہو سکتی ہیں، اور نابالغ بچوں کی ہجرت کا تصور بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلئے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت صرف انقلابی جماعت کے جوانوں اور ادھیڑ عمر کے طاقتوروں سے کروائی گئی۔ نیز ثابت ہوتا ہے کہ جب فرعون معہ لشکر غرق ہو گیا۔ تو پیچھے ملکۂ فرعون مومنہ موجود تھی $\frac{66}{11}$۔ اور دربارِ فرعون کا رجلِ مومن بھی موجود تھا $\frac{28}{40}$۔ دونوں قوم بنی اسرائیل سے تھے۔ دونوں نے ملکی نظامِ سلطنت سنبھال لیا۔ اور حضرت موسیٰؑ نے اس طرف سے مطمئن ہو چکنے کے بعد، اس انقلابی گروہ کیلئے، جو حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی اولاد، بارہ قبیلوں پر مشتمل تھے، قبیلہ وار بارہ رجمنٹوں کی صورت میں، صحرائے سینا کی سطحِ مرتفع پر عسکری ٹریننگ کا اہتمام فرمایا۔ اس صورت میں کہ انہیں حقِّ ربوبیّت کے مطابق اہلِ خانہ سے ملنے کی چھٹی بھی ملتی تھی۔ پس بنی اسرائیل کی اِس عسکری زندگی کی خوراک تھی منّ و سلویٰ، وہاں ان سے میلوں لمبے مارچ، ڈبل مارچ، سردی گرمی اور دھوپ کے علاوہ بھوک پیاس برداشت کرنے، اور مصنوعی جنگوں کی مشق کرائی جاتی تھی۔ نیز اگلی آیتِ مجیدہ کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں اردگرد کوئی بستی تھی، جس نے اِس عسکری پروگرام کی مخالفت کی۔ اور جنگ کی نوبت آئی۔ حضرت موسیٰؑ نے اسے فتح کر کے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو اس بستی میں عاجزانہ انداز سے داخلے اور نظامِ ربوبیّت قائم کرنیکا حکم دیا۔ لیکن بنی اسرائیل نے وہاں بھی قوانینِ الٰہیہ کی نافرانی کی۔ چنانچہ خبر دیگئی ہے:۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا

اور جب کہا ہم نے داخل ہو اس گاؤں میں پس کھاؤ

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ

اُس سے جہاں چاہو تم بافراغت اور داخل ہو دروازے میں

سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ

سجدہ کرتے ہوئے اور کہو بخشش مانگتے ہیں ہم بخشیں گے ہم

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۞ ۵۸

واسطے تمہارے خطائیں تمہاری اور البتہ زیادہ دینگے ہم نیکی کرنے والوں کو۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ہم نے (حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ) حکم دیا کہ اس (مفتوحہ بستی) میں داخل ہو جاؤ۔ (اور نظامِ ربوبیّت قائم کر کے، اس میں جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو[1]۔ اور دروازے[2] میں اللہ کے پورے پورے فرمانبردار ہو کر داخل ہونا۔ اور (بطور منشور اعلان کرنا) کہنا حِطَّةٌ[3]۔ (عوام کے بوجھ اتارنا ہمارے ذمہ ہے) اسطرح ہم تمہیں ان لغزشوں[4] سے بھی بچا دینگے۔ جو سربراہانِ نظام کرتے ہیں۔ نیز ہم معاشرہ میں حسن پیدا کرنیوالوں کو ضرور ضرور نعمتوں میں زیادہ کرتے ہیں۔

[1] "كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا" کے الفاظ قرآنِ کریم میں اصطلاحاً نظامِ ربوبیّت کے قیام کیلئے آتے ہیں۔ جس میں ہر فرد

بشر کو اُسکے حقوق ربوبیّت میسّر ہوں۔ ہر فردِ ریاست ڈیوٹی ادا کرے اور جہاں سے چاہے کھائے پیئے! اسکے برعکس ناہموار معاشرہ میں جہاں سے چاہو کھاؤ پیو" کا تصوّر ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پرائے پُوت پہلے تو خود مرمّت کرتے ہیں اور پھر حوالۂ پولیس کر دیتے ہیں۔

عـ۲ وَادْخُلُوا الْبَابَ میں الف لام عوض مضاف الیہ ہے۔ اور مضاف الیہ ہے مسجد، اسلامی منشور کا اعلان مسجد میں ہوتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے جمع ہونے کی جگہ، دیوان، عدالت، فریادگاہ سب کچھ مسجد ہی ہوتی ہے ۵/۱۰۹۔

عـ۳ سجدہ کا لغوی معنٰی ہے جھکنا۔ خدا تعالیٰ کا پورا پورا فرمانبردار ہونا۔ سربراہِ ریاست، جب دیوانِ عام کے دروازے میں داخل ہوتا ہے، جہاں ہزاروں لوگ اُسکا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ اُسوقت کیلئے کہا گیا ہے۔ کہ اُس دروازے میں سُجّداً، پورے فرمانبردار ہو کر داخل ہونا، اپنے آپکو عوام ہی کا فرد سمجھنا، فخر و تکبّر میں نہ آجانا لیکن تفسیر نعیمی مطبوعہ انجمن خدام الصوفیہ گجرات کے صفحہ ۲/۴۷۵ پر بحوالہ سابقہ مفسّرین لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حکم دیا، شہر کے دروازوں میں سجدہ کی حالت میں داخل ہونا لیکن بنی اسرائیل سُرین (چوتڑوں) کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے یا للعجب! اور حِطَّۃٌ کی بجائے حِنْطَۃٌ کہا۔

عـ۴ حِطَّۃٌ کا سہ حرفی مادہ ح۔ ط۔ ط ہے۔ جس کا بنیادی معنٰی ہے" کسی چیز کا اُوپر سے نیچے اُتارنا دیکھئے مفردات امام راغب مطبوعہ مکتبۃ القاسمیہ لاہور صفحہ ۲۳۰۔ نیز دیکھئے المنجد مترجم مطبوعہ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱ صفحہ ۲۰۶۔ فلہذا رَبّانی ریاست کا فریضہ ہے" لوگوں کے بوجھ اُتارنا، جن کے نیچے وہ دبے ہوئے ہوں"۔ اور حِطَّۃٌ کا صحیح مقامی معنٰی یہی ہے۔

عـ۵ خطا کا سہ حرفی مادہ خ۔ ط۔ و بمعنٰی قدم ہے۔ اور اصطلاحاً غلط قدم کو خطا یا لغزش کہا جاتا ہے۔

عـ۶ غفر کا سہ حرفی مادہ غ۔ ف۔ ر بمعنی بچانا ہے! اسی مادہ سے مشتق ہے لفظ مغفر، بمعنی خود، جو جنگ کے وقت سر کو ہر قسم کے خطرہ سے بچانے کیلئے پہنا جاتا ہے۔

المختصر! قرآن کریم نے حِطَّۃٌ کے ایک ہی لفظ میں رَبّانی معاشرہ کا نقشہ کھینچ کر رکھدیا ہے۔ اور رَبّانی حکومت کے منشور کے طور پر دیوانِ عام، مسجد میں عوام کے سامنے سربراہِ ریاست کا اوّلین خطاب اور اوّلین اعلان بتایا ہے حِطَّۃٌ۔ کہ یہ نظام عوام کے ہر قسم کے بوجھ اُتارنے کا ضامن ہے۔

بنی اسرائیل کی نافرمانی

لیکن بنی اسرائیل نے، بجائے اِسکے کہ نظامِ ربوبیّت قائم کرتے، اپنی روایات یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ کے مطابق حِطَّۃٌ کا منشور ہی بدل ڈالا۔ اور انفرادیّت کی دھاندلیوں میں مبتلا ہوگئے۔ چنانچہ خبر دیگئی ہے:۔

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ

پس بدل ڈالا اُن لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا تھا بات کو

قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا

سوائے اسکے جو کہی گئی تھی واسطے اُنکے پس اُتارا ہم نے اُوپر اُن

لیکن اُن ظالموں نے ہمارے قول کو اُس قول کیساتھ بدل ڈالا جو انہیں نہیں کہا گیا تھا۔ پھر (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہم نے ظلم کرنیوالوں پر آسمان سے ذلت نازل فرمائی اِسلئے کہ

مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ۵۹
لوگوں کے کہ ظلم کرتے تھے عذاب آسمان سے بسبب اسکے کہ تھے فسق کرتے۔

وہ ہمارے احکام کی نافرمانی کیا کرتے تھے۔

ع

اَنْزَلْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ آسمان سے وہی کچھ نازل ہوتا ہے، جو نیچے سے اُوپر کو اُٹھتا ہے۔ بخارات کی شکل میں پانی ہی اُوپر کو جاتا ہے۔ اور پانی ہی برستا ہے۔ اسی طرح ان بنی اسرائیل پہ جو غلامی اور ذِلّت کا آسمان سے نازل ہونا بتایا گیا ہے۔ اسکی تفسیر آیت مجیدہ کے آخری الفاظ میں کر دیگئی ہے "بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ" یہ اسلئے کہ وہ بدستور نافرمانیاں کرتے چلے آرہے تھے۔ یعنی جو کچھ اوپر کو بھیجا، وہی کچھ نازل ہُوا۔ تفسیر موضح القرآن مطبوعہ شیخ برکت علی اینڈ سنز لاہور کے صفحہ ۱ پر رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اُن پر آسمان سے وبا نازل ہوئی۔ اور ایک پہر میں ستر ہزار بنی اسرائیل مرگئے۔ تفسیر حسینی مطبع محمدی کانپور کے صفحہ ۱ پر اسکی تفسیر بالفاظ ذیل درج ہے "آں عذاب آتشے بود کہ از آسمان فرود آمد وہمہ را بسوخت، یا طاعون برایشاں گماشتہ شد، کہ بیک ساعت بست وچہار ہزار کس مُردند وبقولے ہفتاد ہزار۔ (ترجمہ) اور وہ عذاب ایک آگ تھی جو آسمان سے اُتری اور سب کو جلا دیا یا وہ طاعون تھی، جو اُن پر آئی کہ ایک ساعت میں چوبیس ہزار آدمی مرگئے۔ اور ایک قول کے مطابق ستّر ہزار مر گئے۔ انہی صفحات پر لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے حِطَّۃٌ کی بجائے حِنطَۃٌ کہنا شروع کیا کہ ہمیں تو گندم چاہیئے۔ تفسیر حسینی میں لکھا ہے "مرایشاں را حق سبحانہٗ فرمودہ بود، بگوئید حِطَّۃٌ۔ ایشاں گفتند حنطاً سقاثاً یعنی گندم سُرخ۔ (ترجمہ) حق تعالیٰ نے انہیں کہا تھا کہو حِطَّۃٌ انہوں نے کہا گندم سُرخ۔ تفسیر نعیمی صفحہ ۲۷۲ پر لکھا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں، کہ حِطّہ بیت المقدس کا ایک دروازہ ہے۔ جس سے گزرنے کو مغفرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن صاحب تفسیر نے اسے خود ہی غلط قرار دیدیا ہے۔

حقیقت حال حقیقت حال یہ ہے کہ قرآن کریم کے درس اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہی کو دُہراتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بھی اجتماعی نظام ربوبیّت ہی کا حکم دیا تھا، جسے انہوں نے ہر موقعہ اور ہر مقام پر انفرادیت میں بدل دیا۔ جس کے بدلے اُن پر غلامی کی ذِلّت مسلّط کر دیگئی۔

بنی اسرائیل کے عسکری حالات آیت مجیدہ ۲/۵۷ میں صحرائی غذا کے تحت منّ وسلویٰ کا ذکر گزر چکا ہے آیت ذیل میں اُن کی آبی ضروریات کے متعلق خبر دیگئی ہے:۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا
اور جب پانی مانگا موسےٰ نے واسطے قوم اپنی کے پس کہا

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ
ہم نے مار ساتھ عصا اپنے کے پتھر کو پس پھوٹ نکلے

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کیلئے پانی کی طلب فرمائی تو ہم نے کہا کہ اپنی جماعت کو (صحرا کی بجائے) پتھریلی زمین میں لے جائیں۔ پس وہاں بارہ چشمے جاری تھے۔ بلاشبہ ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ (ہم نے حکم دیا کہ سب ملکر منّ وسلویٰ کھاؤ

ٱثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ
اُس میں سے بارہ چشمے تحقیق جانا ہر آدمی نے گھاٹ اپنا
مَّشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ
کھاؤ اور پیو رزق اللہ کے سے۔ اور مت پھرو بیچ زمین
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ ۶۰
کے فساد کرتے۔

اور چشموں کا پانی پیو۔ لیکن، زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرنا۔

تفسیر اضرب بعصاک الحجر فانفجرت یہاں ضرب بمعنی چلنا اور جانا ہے اور با حرف جار کیساتھ متعدی بمعنی لے جانا ہو گیا ہے۔ الحجر میں الف لام عوض مضاف ہے یعنی ارضُ الحجر پتھریلی زمین و سطح مرتفع۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ صحراؤں میں چشمے نہیں ہوتے، جہاں زمین پتھریلی ہو، وہاں پتھروں میں سے چشمے جاری ہوئے ہوتے ہیں انسان صرف انہیں ڈھونڈتا ہے جاری نہیں کرتا۔ نیز یہاں عصا کا مقامی معنی جماعت ہے ڈنڈا نہیں (عصا بمعنی جماعت کی تفصیلی بحث آئت ۵۶ کی تفسیر میں گزر چکی ہے)۔ انفجرت کا یہ معنی کہ پتھر پر ڈنڈا مارنے سے اس میں سے چشمے جاری ہو گئے معارضۂ مشاہدات کی رو سے غلط ہے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ بحکم الٰہی حضرت موسیٰ سلام علیہ اپنی جماعت بنی اسرائیل کو فوجی ٹریننگ کیلئے پتھریلے علاقے سطح مرتفع پر لیگئے۔ جہاں بارہ چشمے جاری تھے۔ ہر رجمنٹ کی بیک وقت آبی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے۔ ہر ایک کو الگ الگ چشمہ سونپ دیا۔ اس واقعہ میں یہ سبق موجود ہے کہ امت کو جب کبھی ایسے حالات سے واسطہ پڑ جائے تو صحرائی علاقوں کی بجائے پتھریلے خطوں میں پانی کی تلاش کرے۔ یہ نظریہ قیامت تک کیلئے پوری نوع انسانی کی رہنمائی کر سکتا ہے لیکن اسکے برعکس تفسیر نعیمی کے صفحہ ۴۰۹ پر الحجر کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

"الحجر، اس میں اختلاف ہے کہ اس پتھر سے کوئی خاص پتھر مراد ہے یا عام..... بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ وہی پتھر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے بھاگا تھا..... حضرت جبریل نے عرض کیا تھا، کہ آپ اس کو تھیلے (توبرے) میں سنبھال کر رکھیں۔ اس سے معجزات صادر ہونگے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ طور کا پتھر تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ پتھر بھی عصا کی طرح جنتی تھا جس کو آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے اور انبیاء کرام میں منتقل ہوتا ہوا شعیب علیہ السلام تک پہنچا۔ اور انہوں نے عصا کے ساتھ یہ پتھر بھی موسیٰ علیہ السلام کو عنایت فرمایا۔"

بہر حال اس بعض بعض کی گردان کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے کہ یہ جنتی پتھر تھا یا کوئی عام، پھر بھی یہ نظریہ نوع انسانی کے کسی کام نہیں آسکتا۔ کیونکہ ڈنڈا مارنے سے پتھر سے پانی کبھی جاری نہیں ہوتا۔ (لفظ معجزہ کی بحث اپنے مقام پر آگے آرہی ہے)

عسکری زندگی کی پابندیوں سے فرار اگلی آئت میں بنی اسرائیل کی ایک اور نافرمانی اور کٹ حجتی کی خبر دیگئی ہے کہ انہیں گھر کی آسائشوں سے الگ رکھنے کی غرض نوجوانوں کو عسکری پابندیوں کا عادی بنانا تھا ۲/۲۴۹ میں آیا ہے کہ حضرت طالوت لشکر کو لئے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک نہر آگئی۔ آپنے حکم دیا کہ خواہ کتنی زیادہ

پیاس ہو، کوئی جوان چلّو بھر سے زائد پانی نہ پیئے۔ اسیطرح سطحِ مرتفع کی زندگی میں بنی اسرائیل پر صرف منّ وسلویٰ کھانے کی پابندی لگائی گئی تھی، جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے، کہ انسانی طبیعت، میٹھا کھانے کے بعد نمکین مانگتی ہے۔ اور نمکین کے بعد میٹھا، اِسکے سوا انسانی طبیعت جو بدل بدلکر کھانے طلب کرتی ہے، عسکری نظام، اپنے عساکر کیلئے، اِس لئے خوراک پر پابندی لگاتا ہے کہ فوجوں کو کئی کئی مہینے مورچوں میں گرم اور چنوں پر گزارا کرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی یہ بھی میسّر نہیں آتے ۔ لیکن بنی اسرائیل کے متعلق، جو صدیوں سے غلامی کے عادی ہو چکے تھے، خبر دیگئی ہے:۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ
اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز صبر نہ کرینگے ہم اوپر
وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ
کھانے ایک کے پس مانگ تو واسطے ہمارے پروردگار اپنے
الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا
سے نکالے واسطے ہمارے اُس چیز سے کہ اگاتی ہے زمین ساگ
وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ
اُسکے سے اور ککڑی اُسکی سے اور گیہوں اُسکے سے اور مسور اُسکے سے
الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا
اور پیاز اُسکے سے کہا کیا بدلتے ہو وہ چیز جو وہ ناقص ہے بدلے
مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ
اُس چیز کے کہ وہ بہتر ہے۔ اترو کسی شہر میں پس تحقیق واسطے تمہارے
عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ
ہے جو مانگا تم نے اور ماری گئی اوپر انکے ذلت اور فقیری اور پھر آئے
مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
ساتھ غصہ کے اللہ سے یہ اس واسطے ہے کہ تھے کفر کرتے ساتھ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ
نشانیوں اللہ تعالیٰ کے اور مار ڈالتے تھے پیغمبروں کو ناحق یہ
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ ۶۱
اسواسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور تھے حد سے نکلتے

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر ہرگز استقامت نہیں کرینگے۔ پس آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دُعا فرمائیں کہ وہ ہمارے لئے اُن چیزوں کی (گنجائش) نکالے جو زمین اُگاتی ہے سبزیوں سے، اور ککڑیوں، گندم، مسوُر، اور پیاز سے۔ موسیٰ نے فرمایا۔ کیا تم ادنیٰ چیزوں کیساتھ بہتر چیزوں کو تبدیل کرتے ہو۔ پس ہم نے کہا کہ فاتحانہ شان کی بجائے غلامانہ حالت کیساتھ شہر میں جاؤ اور جو تم نے سوال کیا ہے، وہ تمہارے لئے وہاں موجود ہے۔ اِسطرح اُن پر غلامی کی ذِلّت اور محتاجی مسلّط کردیگئی تھی۔ پس وُہ اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹے۔ یہ اِسلئے ہُوا کہ وُہ ہمارے احکام کا انکار کرتے تھے۔ اور نبیوں کی تعلیم کی ناحق مخالفت کرتے۔ ہماری نافرمانی کرنے اور ہماری حدّوں کو توڑتے رہتے تھے۔

(یہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ تھا، جو عسکری پابندیوں سے گھبرا کر واپس غلامی اور ذِلّت میں لوٹ آیا)

یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل نبیوں کو قتل بھی کر دیا کرتے تھے۔ لیکن یہاں قتل کا معنی لغت مخالفت کرنا ہے قتل چونکہ مخالفت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسلئے یہ لفظ مخالفت کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ اور نبی کی مخالفت اُسکی لائی ہوئی تعلیم کی مخالفت ہوتی ہے۔ نیز خدا تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق، کہ میں اور میرے رسول غالب آئینگے ۵۸/۲۱۔ اگر نبیوں کو مقتول مان لیا جائے تو اللہ کا وعدہ غلط ہو جاتا ہے۔ نیز مشاہدہ گواہ ہے کہ ایک ایک نبی اپنے مخالفوں پر غالب آیا تھا۔ یا تو مخالف میدان جہاد میں مغلوب ہو گئے۔ اور یا اگر کسی نبی کو دشمن کے مقابلے کی مادی طاقت میسر نہیں آسکی تو مخالفوں پر خدا تعالیٰ کا عذاب آیا۔ اور وہ نبی کی آنکھوں کے سامنے ہلاک کر دیئے گئے۔ (اس عنوان کی تفصیل بحث آئت نمبر ۱۹ کی تفسیر میں صفحہ ، پر ملاحظہ فرمائیں)

اُخروی عدالت میں سب کے فیصلے اللہ کے ذمہ ہیں اس سے آگے بنی اسرائیل کے اس عقیدہ کی تردید کیگئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے کہتے ہیں: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۵/۱۸۔ اسلئے انہیں اُخروی عذاب نہیں ہوگا۔ چنانچہ اُخروی کامیابی کو ایمان و عمل کیساتھ مقید کر کے عام اصول پیش کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا

تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور وہ لوگ کہ یہودی

وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِــِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

ہوئے اور عیسائی اور بے دین جو کوئی ایمان لائے ساتھ اللہ

الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ

اور دن پچھلے کے اور کام کرے اچھے پس واسطے ان کے

رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

ہے ثواب ان کا نزدیک رب ان کے کے اور نہیں ڈر اوپر ان کے اور نہ وہ غم کھاویں گے۔

٦٢

بلاشبہ جو لوگ (زبانی زبانی) ایمان لائیں، یا وہ یہودی یا نصاریٰ، یا صابی ہوں (اللہ تعالیٰ قیامت کو سب کے فیصلے کریگا ۲۲/۱۷۔ اُسکا مطلق قانون یہ ہے کہ) جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں، اور اصلاح (معاشرہ) کے کام کریں۔ اُن کا بدلہ (اگر دنیا میں نہ ملے تو پھر بھی)، اُن کے رب کے ہاں محفوظ ہے۔ اُن کیلئے نہ (قیامت کا) خوف ہے اور نہ وہ (اپنے اعمال کیلئے) غمگین ہونگے۔

● یہ آئت مجیدہ، مزید دو مقامات ۵/۶۹ اور ۲۲/۱۷ میں آئی ہے۔ ۵/۶۹ کے الفاظ عین آئت صدر والے ہیں لیکن ۲۲/۱۷ میں ایک پورے جملے کا اضافہ ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِــِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" —— یہاں آلٹی واؤں میں دیا گیا پہلا پورا جملہ مبتدا اور دوسرا پورا جملہ اسکی خبر ہے پس ۵/۶۹ اور آئت صدر میں جہاں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...... الخ مبتدا کی یہ خبر مذکور نہیں۔ تصریف آیات کی رو سے ان آیات میں یہ خبر محذوف اور ۲۲/۱۷ میں مذکور ہے۔

دامن طور میں لیا گیا عہد آئت بالا میں یہود و نصاریٰ کے مشترکہ دعویٰ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۵/۱۸ کی اصولی

تردید کے بعد اگلی آیت میں پھر بنی اسرائیل کے اُس میثاق کی خبر دیگئی ہے جو اُن سے وادیٔ طُور میں لیا گیا تھا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
اور جب لیا ہم نے قول تمہارا اور اٹھایا ہم نے اوپر تمہارے
الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا
پہاڑ کو پکڑو جو کچھ دیا ہم نے تم کو زور سے اور یاد کرو جو کچھ بیچ
مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ ۶۳
اسکے ہے تو کہ تم بچو۔
ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا
پھر پھر گئے تم پیچھے اسکے پس اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالٰے کا اوپر
فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ
تمہارے اور رحمت اس کی البتہ ہو جاتے تم زیان پانے
الْخَاسِرِينَ ○ ۶۴
والوں سے۔

اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے تم سے پکا عہد لیا۔ اور (تم اسطرح پہاڑ کی جھکی ہوئی چٹانوں کے نیچے تھے۔ گویا کہ) ہمنے طور کو تمہارے اُوپر بلند کردیا تھا (ہم نے حکم دیا کہ) جو کتاب ہم نے تمہیں عطا کی ہے، اُسے قوت کیساتھ تھام لو۔ اور جو کچھ اسکے اندر درج ہے، اُسے زندگی کے ہر مقام پر یاد رکھنا (اس کے خلاف عمل نہ کرنا) تاکہ تم زندگی کے خطرات سے بچ جاؤ۔

پھر (تم اسکے بعد) اِس عہد واثق سے پھر گئے۔ پھر اگر تم پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتا (یعنی ہمارے رسول موسیٰ و ہارون اور ہمارا نازل کردہ ضابطہ تمہارے درمیان نہ ہوتا) تو تم ضرور گھاٹا کھانیوالوں میں سے ہو جاتے۔

فَوْقَكُمُ الطُّورَ پہاڑی سیّاحوں سے پوشیدہ نہیں کہ پہاڑوں کی بعض چٹانیں چھت کی مانند آگے کو نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اِس آیت میں ایسی ہی حالت کو رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ کہا گیا ہے لیکن روایتی تفاسیر نے پورے طور کو سینکڑوں میل گہری جڑوں سمیت اُٹھا کر بنی اسرائیل کے اُوپر کھڑا کردیا ہُوا ہے تفسیر نعیمی صفحہ ۲۹۵ پر بحوالہ تفسیر کبیر لکھا ہے:۔ جب حضرتِ موسیٰ نے اُن (بنی اسرائیل) کو کتاب لاکر دی، یہ آزاد لوگ اسکی پابندیاں، اور سخت احکام دیکھ کر گھبرا گئے۔ تب اُن پر طور پہاڑ اُکھڑا کر مثل شامیانہ کے کھڑا کردیا گیا۔ روایت میں آتا ہے حضرت جبریل بحکم الٰہی، اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُکھیڑ کر اور پر دُ پر اُٹھا کر لائے۔ اور قدِ آدم فاصلے سے بنی اسرائیل کے سر پر کھڑا کر دیا۔ بنی اسرائیل چار فرسخ (کوس) میدان میں پھیلے ہوئے تھے پہاڑ بھی اتنا لمبا چوڑا کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ نہ قرآنی اصولِ ہدایت لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ، ایسے جبری نظریات کا حامل ہے۔ کہ سروں پر پہاڑ اُٹھا کر منوایا جائے۔ اور نہ قرآن فہمی کے قرآنی اصول ایسی تفاسیر کے حامل ہیں۔

یومِ سبت کی بغاوت اس سے اگلی آیت میں دَورِ رسالت کے بنی اسرائیل کیساتھ خطاب قائم رکھتے ہوئے، انہیں اُن کے اسلاف کا وہ گروہ یاد دلایا جا رہا ہے، جس نے یومِ سبت (ہفتہ وار اجتماع) کے حکم سے بغاوت کرکے اپنے آپ کو خود ہی بندروں کے مقام پر پہنچا دیا تھا[۱۶۳]۔ یاد رہے کہ نوعِ آدم کو صاحبِ فہم فراست پیدا کیا گیا ہے۔ مقامِ آدمیّت یہ ہے کہ اجتماعی نظام کے جملہ احکام کی تعمیل برضا و رغبت کیجائے اسکے برعکس گلے میں اربابِ اقتدار کی رسّی ڈلوا کر اُن کے اشاروں پر ناچتے رہنا

بندروں کا کام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ
اور البتہ تحقیق جانتے تھے تم اُن لوگوں کو کہ حد سے نکل گئے
فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۚ
تم میں سے بیچ ہفتے کے پس کہا ہم نے انکو ہو جاؤ تم بندر ذلیل
۶۵

اور بالتحقیق تم اُن لوگوں کو جانتے ہو، جنہوں نے تم میں سے اجتماعی نظام کے ہفتہ وار اجتماع میں حاضر ہونے کی نافرمانی کی ۱۵۴/۴، ۱۶۳/۷، ۱۲۴/۱۶۔ پھر ہم نے انہیں (اپنے غیر متبدل قانون کی بنا سے)، کہا کہ اجتماعی نظام کی مخالفت کی بدولت) بندر ہو جاؤ (یعنی بندروں جیسے ذلیل ہو جاؤ) ۶۰/۵، ۱۶۶/۷۔

● آیتِ بالا میں اجتماعی نظام کی بغاوت کی سزا بتائی گئی ہے ایسی بدترین ذلت، کہ جسطرح بندر کا کوئی ذاتی مقام نہیں ہوتا اسکی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ اسکی رسّی بندر والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے، یہ اُسکے پیچھے پیچھے بھاگنے کیلئے مجبور ہوتا ہے۔ وہ جہاں چاہتا ہے، اسے کھونٹے کیساتھ باندھ دیتا ہے۔ اور جہاں چاہتا ہے، نچانا شروع کر دیتا ہے۔ یہی حال بنی اسرائیل کا بتایا گیا ہے، وہ اجتماعی نظام کی حدود کو توڑ کر بالآخر اس مقام پہنچ گئے، کہ مقتدر اقوام کی رسّی اُن کے گلے میں ہے اور بندر کیطرح اُن کے پیچھے پیچھے چلنے اور بھاگنے کیلئے مجبور ہیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں، انہیں کھونٹے کیساتھ باندھ دیتے ہیں۔ اور جہاں چاہتے ہیں نچانا شروع کر دیتے ہیں۔ اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں وضاحت کیگئی ہے کہ بنی اسرائیل کے یہ حالات اور اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے اصول، محض ظرافتِ طبع کیلئے قصّہ خوانی کے انداز سے بیان نہیں کئے جا رہے، بلکہ بتانا یہ مقصود ہے کہ، اُن کی یہ حالت قسمت و تقدیر کے تراشیدہ نظریہ کے مطابق نہیں ہوئی، بلکہ یہ اُن کی اپنی نافرمانیوں کی سزا ہے۔ اور جو قومیں اِس ذلّت سے بچنا چاہتی ہیں اُن کیلئے وہ ایک چلتا پھرتا درسِ عبرت ہیں:۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا
پس کیا ہم نے اس قصّہ کو عبرت واسطے اُن کے جو
خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ۶۶
آگے اُن کے تھے اور جو پیچھے اُن کے تھے اور نصیحت واسطے پرہیزگاروں کے۔

پس ہم نے اُن کی مذکورہ حالت کو اُنکے زمانہ کے لوگوں کیلئے، اُنکے بعد والوں کیلئے، اور متقین کیلئے (یعنی جو اِس ذلّت سے بچنے کے متمنّی ہیں) درسِ عبرت و موعظت قرار دیا ہے۔

معبود بنائے ہوئے بچھڑے کو ذبح کر دو

پیچھے ۵۱/۲ میں گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نے ایک بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ یاد رہے کہ پوجا خواہ کسی کی ہو، اور خواہ کسی بھی انداز، یا طور طریقے کی حامل ہو۔ اس میں بنیادی عقیدہ یہ کارفرما ہوتا ہے کہ اُسے حاجت روا اور مشکلکشا مانا جاتا ہے۔ چنانچہ اس چیز کا عملی ثبوت منظرِ عام پر لانے کیلئے، کہ تمہارا ٹھہرایا ہوا حاجت روا اور مشکلکشا یعنی ناچیز بچھڑا جب اپنے گلے کو چھری سے نہیں بچا سکتا تو تمہاری دستگیری اور مشکلکشائی کیا کر سکیگا، اِسلئے اُسے ذبح کرنیکا حکم نافذ فرمایا:۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ
اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ
يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا
حکم کرتا ہے تم کو یہ کہ ذبح کرو ایک بیل کہا انہوں نے کیا پکڑتا
هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝
ہے تو ہم کو ٹھٹھا کہا پناہ پکڑتا ہوں ساتھ اللہ کے یہ کہ نہ ہو
جاؤں میں جاہلوں سے۔ ۶۷

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا (بقرہ) بچھڑے کو ذبح کر ڈالو۔ انہوں نے کہا کیا تو ہم سے تمسخر کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ کہ (اسکے ذمہ غلط حکم) لگا کر جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

● اس آیت میں بقرہ کا لفظ غور طلب ہے۔ جس کا معنی عامۃ المفسرین نے گائے لیکر یہ تاثر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی ایک گائے ذبح کر ڈالو۔ کیوں؟ اِسکا جواب یہ دیا جاسکتا ہے "تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ نوع کسطرح معبود ہوسکتی ہے جو اپنے آپ کو چھری سے نہیں بچاسکتی۔ یہ جواب یہاں اِسلئے فِٹ نہیں آتا۔ کہ، کسی ایک گائے کے ذبح کا حکم اخذ کرنیوالے کسی گائے کے بچھڑے کو سامری کا معبود نہیں ٹھہراتے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اُس نے قوم سے زیورات لیکر سونے چاندی کا بچھڑا بنایا اور اُسے اندر سے خالی رکھا تھا۔ جناب جبریل کی گھوڑی کے پاؤں تلے کی مٹی اُسکے اندر ڈالی تو اسکی برکت سے وہ، بچھڑے کی سی آواز نکالنے لگ گیا تھا۔ (ان امور کی وضاحت اپنے مقام پر آگے آئیگی، افسوس ہے کہ روائتی تفاسیر میں اتنی سی فراست بھی موجود نہیں، کہ پہلے تو حضرت جبریل کو پروں والا فرشتہ ٹھہراتی ہیں۔ اور پھر اُنہیں گھوڑی پر سوار کرتی ہیں کیا کسی پروں والے کو سفر کیلئے چار پائے کی ضرورت ہوتی ہے؟ یا للعجب)

● حقیقت یہ ہے کہ، یہ گائے کا نوجوان بچھڑا تھا۔ سامری نے قوم کے زیورات کیساتھ اُسے سنگھارا ہوا تھا۔ گئوسالہ پرستی، دُنیا کے مختلف حصّوں میں آجتک موجود ہے۔ یہاں جس چیز سے دھوکا لگتا ہے، وہ ہیں العجل اور لبقرۃ کے الگ الگ الفاظ۔ سمجھا یہ گیا ہے، کہ العجل تو دھات کا ڈھالا ہوا بچھڑا، سامری نے جس کی پوجا شروع کرادی تھی۔ اور یہ اُس العجل سے الگ ہے بقرۃً، جس کے ذبح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے، ایک مُردے کو زندہ کرنے کیلئے دیا تھا۔ (وضاحت آگے آرہی ہے) لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بقرۃ وہی العجل ہے جسے بنی اسرائیل نے حاجت روا اور مشکلکشا ٹھہرالیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے ذبح کر دینے کا حکم دیدیا ہے۔ کہ دیکھ لو تمہارا مشکلکشا تو اپنے آپ کو بھی چھری سے نہیں بچاسکتا تمہاری مشکلیں کیا آسان کریگا۔ یاد رہے کہ یہاں بقرۃً کی تنوین بدل الاضافت، عوض مضاف ہے اور تقدیر کلام ہے :- اَنْ تَذْبَحُوْا عِجْلَ بَقَرَۃٍ اور یہ وہی عجل ہے جس کا ذکر ۲/۵۱ میں گزر چکا ہے۔ فلہٰذا اُسی بچھڑے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جسے بنی اسرائیل نے معبود ٹھہرالیا تھا۔ آپ دیکھئے کہ اگلی آیات کریمات خود فیصلہ کر دینگی کہ جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ معبود ٹھہرایا ہوا بچھڑا ہی تھا۔ کوئی عام گائے نہیں تھی اُسکا بے داغ زرد گہرا رنگ تھا اور اس چیز کے پیشِ نظر کہ وہ اُن کا معبود تھا، اُسے مقدّس

مان کر، اُس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ نہ اُسے ہل میں جوتا جاتا تھا نہ کنوئیں میں۔ اب غور فرمائیں کہ جب حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ واقعتہً خدا تعالیٰ نے لبقرہ کو ذبح کرنیکا حکم دیا ہے۔ تو قوم نے کہا:۔ ۔۔ (نوٹ) اِن آئتوں میں ھیَ اور ھا مونث کی ضمیریں ماقبل مذکور لفظ بَقَرَۃً کی رعائت سے آ رہی ہیں کیونکہ ضمیر عموماً اسم ظاہر کی آیا کرتی ہے۔ اسلئے واضح رہے کہ ترجمہ میں حقیقت کے مطابق مذکر الفاظ لائے جا رہے ہیں:۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ
کہا اُنہوں نے دعا کرو واسطے ہمارے رب اپنے سے
قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا
بیان کرے واسطے ہمارے کیا ہے وہ بیل، کہا تحقیق
بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ○
وہ کہتا ہے تحقیق وہ بیل ہے نہیں بوڑھا اور نہ بچہ جوان ہے
درمیان میں اُسکے پس کرو جو کچھ حکم کئے جاتے ہو۔ ۶۸

قوم نے کہا کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے پوچھئے کہ وہ کیسا ہے۔ آپنے فرمایا، بیشک وہ کہتا ہے کہ وہ (گائے کا) بچھڑا نہ بوڑھا ہے نہ بچہ، درمیانہ عمر کا نوجوان ہے۔ پس کرو جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ؔ

ؔ بقرہ کا لفظ گائے اور بیل دونوں کیلئے آتا ہے یہاں بتا دیا گیا ہے کہ وہ نوجوان تھا۔ نہ بوڑھا نہ بچہ۔ اِسی کو $\frac{۲}{۵۱}$ میں العجل کہا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ
کہا اُنہوں نے دُعا کرو واسطے ہمارے رب اپنے سے
إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ
بیان کرے واسطے ہمارے کیا ہے رنگ اسکا کہا تحقیق وہ
لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ○ ۶۹
کہتا ہے تحقیق وہ بیل ہے زرد گہرا ہے رنگ اسکا۔ خوش کرتا ہے دیکھنے والوں کو۔

قوم نے پھر کہا کہ اپنے پروردگار سے پوچھئے کہ اُسکا رنگ کیا ہے۔ آپنے فرمایا، بیشک وہ کہتا ہے کہ اُسکا گہرا زرد رنگ ہے۔ دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہے (یعنی اُسے دیکھنے والے، دیکھنے ہی رہ جاتے ہیں۔ ایسا خوبصورت کہ دیکھنے سے جی نہ بھرنے پائے)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ
کہا اُنہوں نے دُعا کر تو واسطے ہمارے پروردگار اپنے
الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ
سے بیان کرے واسطے ہمارے کیا ہے وہ بیل تحقیق وہ بیل
لَمُهْتَدُونَ ○ ۷۰
ل گیا ہے اوپر ہمارے اور تحقیق ہم اگر چاہا اللہ نے البتہ راہ پانیوالے ہیں۔

قوم نے پھر کہا کہ آپ اپنے پروردگار سے پوچھئے کہ وہ کیسا ہے۔ بلاشبہ وہ (گائے کا بچھڑا) ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے۔ (آپ پورے پورے نشانات بتائیے) تو اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پانیوالے ہو جائینگے۔

● اِس آیت کے آخری الفاظ میں بچھڑے کے ذبح کرنے کو ہدایت کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ لہٰذا یہ الفاظ بھی اِسی امر کی دلیل ہیں کہ یہ وُہی بچھڑا تھا۔ جس کی بدولت وہ گمراہ ہو گئے تھے۔ کوئی عام گائے نہیں تھی۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ
کہا تحقیق وہ کہتا ہے تحقیق وہ بیل ہے نہ جوتا ہُوا کہ

تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ
پھاڑے زمین کو اور نہ پانی پلائے کھیتی کو تندرست ہے نہیں

لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۚ قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ
ہے داغ بیچ اسکے کہا انہوں نے اب لایا تو سچ پس ذبح کیا

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ۷۱
انہوں نے اسکو اور نہ نزدیک تھے کہ کریں۔

ع

آپ نے فرمایا، بلاشبہ وہ کہتا ہے کہ بیشک وہ ایک گائے دکا بچھڑا) ہے (جس سے نہ زمین پھاڑنے (یعنی ہل چلانے) کا کام لیا جاتا ہے۔ اور نہ کھیتوں کی آبپاشی (یعنی کنوئیں میں جوتنے) کا۔ وہ ہر طرح سے صحیح سالم اور بے داغ ہے۔ اِس پر قوم نے کہا کہ اب آپ حق پر پہنچ گئے ہیں (یعنی اب آپنے اُسکے جملہ نشانات ٹھیک ٹھیک بتا دیئے ہیں)، پس اُنہوں نے اُسے ذبح کر دیا۔ حالانکہ وہ ایسا کرنیوالے نہیں تھے۔

یہ پُورے نشانات اُسی سانڈھ دیوتا کے ہیں جسے معبود ٹھہرالیا گیا تھا

بنی اسرائیل نے اپنے دیوتا کے نشانات بتدریج دریافت کئے۔ اور جب حضرت موسیٰؑ نے سب کے سب نشانات بتا دیئے تو اُنہوں نے کہا۔ اَلْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ یہ الفاظ اس امر کی دلیلِ جلیل ہیں کہ، حبِ العجل کو بنی اسرائیل نے حضرتِ موسیٰؑ سے پوشیدہ رکھا ہُوا تھا۔ یکے بعد دیگرے اُسی کے نشانات پُوچھے گئے۔ جب خدا تعالیٰ کیطرف سے سب نشان ٹھیک ٹھیک بتا دیئے گئے تو بنی اسرائیل نے خود اقرار کیا کہ اب آپنے پورے پورے نشانات بتا دیئے ہیں۔ غور فرمائیے گا! کہ، زیورات سے سنگھارنا، اور اُسے ہل اور کنوئیں وغیرہ کی مشقّت سے آزاد رکھنا، یہ سب کچھ خود ٹھہرائے ہوئے معبود کے نشانات ہیں، کسی عام گائے کے نہیں۔ اگر یہاں کوئی عام گائے مُراد ہوتی تو اُسکے نشانات پُوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کی خبر دیگئی ہے۔ وہ یہ کہ اُنہوں نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ لیکن چونکہ موقعہ کا گواہ کوئی نہیں تھا۔ اسلئے قاتلوں ہی نے دوسرے بے گناہوں پر قتل کا الزام دھرنا شروع کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے ایسی حالت میں کہ جب موقعہ کا کوئی گواہ موجود نہ ہو، تو وقوعہ کا صحیح سراغ لگانے کے لئے حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ کے ذریعہ ایک کامیاب ترکیب کی وضاحت فرمائی ہے۔ جس سے قاتل کا سو فیصدی صحیح سُراغ مِل جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے :۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ط
اور جب مار ڈالا تم نے ایک جان کو پس اختلاف کیا تم نے

اور جب تم نے ایک (نفس، ایک) شخص کو قتل کر دیا، پھر تم اُس کے بارہ میں ایک دوسرے پر الزام دھرنے لگے

وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ ۷۲ ج

بیچ اسکے اور اللہ نکالنے والا ہے جو تھے تم چھپاتے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ

پس کہا ہم نے مارو اس کو ساتھ بعضے ایک ٹکڑے اسکے

اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ۷۳

کے اسیطرح اللہ زندہ کرتا ہے مُردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو نشانیاں اپنی تو کہ تم سمجھو۔

اللہ تعالیٰ اس راز کو نکالنے والا تھا، جسے تم چھپائے ہوئے تھے۔

پس ہم نے موسیٰؑ کے ذریعہ کہا کہ واقعۂ قتل کے الگ الگ حصّوں کو موسیٰ کے سامنے بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ اسیطرح چھپے رازوں کو ظاہر کرتا ہے ۔۔ (مقتولوں کے قصاص ۲/۱۷۹ کے ذریعہ انہیں زندہ کرتا ہے) اور تمہیں اپنی آیتیں (احکام) سمجھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔

اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ان الفاظ میں ضرب کا معنیٰ مارنا نہیں، بلکہ بیان کرنا ہے۔ اور اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا کا معنیٰ ہے بیان کرو حضرت موسیٰ کے سامنے واقعہ قتل کے الگ الگ حصّے جو تم الگ الگ جانتے ہو تاکہ قاتل عیاں ہو جائے اور اُس سے قصاص لیا جائے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۲/۱۷۹ = اے عقلمندو! قصاص ہی میں تو تمہاری زندگی ہے

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى یہاں یہ جملہ بطور مجاز آیا ہے۔ کیونکہ مُردے صرف قیامت کو زندہ کئے جائیں گے۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ ۲۳/۱۶۔ یہاں اُس حقیقتِ واقعہ کو زندہ کرنے کی خبر دی گئی ہے، جو موقعہ کے گواہ میسّر نہ آنے کی بدولت مُردہ ہو چکی تھی۔ گم ہو چکی تھی۔

چنانچہ آیتِ بالا میں بتایا گیا ہے کہ حضرتِ موسیٰ سلام علیہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے کچھ افراد نے اپنے ہی ایک شخص کو نہایت راز داری کیساتھ قتل کر دیا۔ چونکہ اتفاق ایسا ہُوا کہ موقعہ کا گواہ کوئی نہیں تھا۔ اسلئے قاتلوں کا صحیح سراغ لگانا مشکل ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰؑ کے ذریعہ بستی کے جملہ افراد کو حکم دیا کہ وقوعۂ قتل سے متعلق جو جو حالات الگ الگ افراد، اپنی اپنی معلومات کے مطابق مہیا کر سکتے ہیں حضرتِ موسیٰ سلام علیہ کے سامنے بیان کریں :۔ اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۲/۷۳ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ الگ الگ بیانات کی مختلف کڑیوں کو باہم ملانے سے قاتل عیاں ہو گئے، اور حقیقتِ واقعہ بے نقاب ہو گئی :۔ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ ۲/۷۲۔

● مختلف افراد کے بیانات کی مثال یہ ہے کہ، مثلاً ایک شخص نے بیان دیا کہ وقوعہ قتل سے چند منٹ پیشتر میں نے زید اور بکر کو جائے وقوعہ کیطرف راز دارانہ انداز کیساتھ جاتے دیکھا تھا۔ دوسرے نے بتایا کہ میں نے وقوعہ کے چند منٹ بعد زید اور بکر کو جائے وقوعہ سے اسطرح واپس آتے ہوئے دیکھا کہ ان سے خوف آ رہا تھا۔ تیسرے نے کہا کہ میں نے کل زید کو خنجر تیز کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ چوتھے نے کہا کہ میں نے کل زید اور بکر کو مقتول کیساتھ جھگڑتے ہوئے اور یہ دھمکی دیتے ہوئے پایا تھا کہ عنقریب تیرا قصّہ پاک ہُوا چاہتا ہے۔ تو اسطرح ان مختلف بیانات کو، جو اگرچہ موقعہ کے گواہوں کے نہیں ہیں، یکجا کرنے سے یہ چیز نکھر کر عیاں ہو جاتی ہے کہ زید اور بکر دونوں قاتل ہیں ۔۔۔ یہ تو ہوئی آیتِ بالا ۲/۷۳ کی وہ تفسیر، جو قیامت تک کی نوع

انسانی کی رہنمائی کرتی ہے کہ اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ نہیں واردات قتل، یا اور مختلف قسم کے وقوعہ جات کے عینی گواہ میسر نہ آئیں تو باقی افراد وقوعہ کے متعلق جو الگ الگ معلومات رکھتے ہوں، قاضی کے سامنے بیان کریں۔ اور وہ ان بیانوں کی مختلف کڑیوں کو ملا کر مجرم کا سراغ لگا پایا کرے۔ لیکن روایتی تفاسیر نے اس آیت کیساتھ ایک انتہائی عقل دشمن افسانہ چسپاں کر رکھا ہے، حالانکہ آیت مجیدہ کے آخری الفاظ ہیں لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ - تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔

روایتی تفسیر تفسیر نعیمی، ثنائی، اشرفی، عزیزی، موضح القرآن اور ابن کثیر وغیرہ سب میں اس آیت کی یہ تفسیر درج ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ اور اس جرم کو ایک دوسرے کے سر تھوپنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مذبوحہ گائے کے ٹکڑے مقتول کے جسم پر مارو، یہ اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا کا مفہوم لیا گیا ہے۔ اسطرح مقتول زندہ ہو گیا۔ اور اس نے خود بتا دیا کہ میرا قاتل فلاں شخص ہے۔ افسوس ہے کہ یہ تفسیر آیت مجیدہ کے آخری جملہ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ہی کے خلاف ہے۔ کیونکہ کسی قاتل کی تلاش کیلئے گائے ذبح کر کے اسکے ٹکڑوں کو اٹھا اٹھا کر مقتول کے جسم پر مارنا عقل کا کام نہیں اور نہ اسے قاتل کی تلاش کا مجرب نسخہ بتا کر غیر مسلم اقوام کے سامنے پیش ہی کیا جا سکتا ہے۔

بنی اسرائیل کے قلوب بالآخر سخت ہو گئے اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے بنی اسرائیل کیطرف خطاب قائم رکھتے ہوئے، انکی آخری حالت کی خبر دیگئی ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

پھر سخت ہو گئے دل تمہارے پیچھے اسکے پس وہ مانند پتھروں

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

کے ہیں یا زیادہ سختی میں اور تحقیق بعضے پتھروں میں سے وہ ہے

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ

کہ پھوٹ نکلتی ہیں اس میں سے نہریں اور تحقیق بعض ان میں سے وہ

فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ

ہے کہ پھٹ جاتا ہے پس نکلتا ہے اس میں سے پانی اور تحقیق ان

خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۷۴

میں سے البتہ وہ ہے کہ گر پڑتا ہے ڈر اللہ کے سے اور نہیں اللہ بیخبر اس چیز سے کہ کرتے ہو تم

پھر (اسطرح بار بار کی نافرمانیوں کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ) اسکے بعد تمہارے قلوب (انسانیت کیطرف سے) سخت ہو گئے، گویا کہ وہ پتھر کی مانند ہیں۔ یا اس سے بھی زیادہ سخت، حالانکہ بعض پتھر ایسا ہے اس سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں! اور بعض ایسا ہے۔ کہ وہ (ہمارے طبعی قوانین کے مطابق) پھٹ جاتا ہے۔ اور اس سے پانی (کا چشمہ) بہہ نکلتا ہے! اور ان میں سے بعض ایسا ہے کہ (ہمارے طبعی قوانین کے مطابق اپنی جگہ بدل دیتا ہے ۔ (یعنی سختی چھوڑ کر نرم ہو جاتا ہے کہ وہ پیسا جا سکتا اور انسانیت کے کام آتا ہے لیکن تم ہو کہ انسانیت کے غم میں پسیجتے تک نہیں، لیکن یاد رکھو کہ) تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں (تمہاری ہر نافرمانی کی سزا باقاعدہ مرتب ہوتی چلی جا رہی ہے)

يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ خشیت کا سہ حرفی مادہ خ-ش-ی ہے۔ اسکا بنیادی معنیٰ ہے، خدا تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کی مخالفت کے انجام سے کانپ جانا۔ نوع انسانی کیلئے دو قسم کے قوانین ہیں۔ طبعی اور شرعی،

شرعی یا تکلیفی قوانین ہیں، اسے اختیار و ارادہ دیا گیا ہے، خواہ وہ فرمان پذیر ہو جائے۔ خواہ نافرمان لیکن طبعی قوانین میں یہ اُسیطرح مجبور محض ہے جسطرح باقی کی پوری کائنات۔ نہ وہ طبعی قوانین کی مخالفت کر سکتی ہے نہ یہ۔ آئت بالا میں پتھروں کے طبعی قوانین بیان ہوئے ہیں کہ بعض پتھر ایسے ہیں کہ اُن کے پیچھے پانی کا عظیم ذخیرہ جمع ہوتا ہے اور اُنکے شگافوں میں سے نہریں اور دریا بہہ نکلتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اُن میں پھٹ جانے کی خاصیت موجود ہوتی ہے۔ پھٹ جانیوالے پتھروں کے درمیان مخالف رنگ کی دراڑیں سی موجود ہوتی ہیں، جو پھٹ جاتی ہیں۔ اور اُن سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ اور اسیطرح بعض ایسے ہیں کہ طبعی قوانین کے مطابق بتدریج سختی چھوڑ کر نرمی اختیار کرتے رہتے ہیں۔ یہ ہے اُنکا ہبوط مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، یعنی اپنی جگہ بدل دینا۔ اُوپر سے نیچے کو آجانا۔ سختی چھوڑ کر نرمی اختیار کر لینا۔ اِسطرح وہ آسانی کیساتھ پیسے جا سکتے ہیں، اور سیمنٹ وغیرہ کی صورت میں نوعِ انسانی کی خدمت کرتے ہیں۔ اِسطرح قرآنی لغت کی رُو سے خشیت کے عمل میں خدمتِ انسانی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔

● ھبط کا سہ حرفی مادہ ہے ھ۔ ب۔ ط جس کا بنیادی معنی ہے جگہ بدلکر اُوپر سے نیچے کو آنا کسی جگہ سے نکل جانا وغیرہ۔

اب رضائے الٰہی یہ ہے کہ جسطرح انسان باقی کائنات سمیت اللہ تعالیٰ کے طبعی قوانین کی اطاعت پر مجبور ہے اُسیطرح، اُسکے اُن شرعی، تکلیفی قوانین کی، برضا و رغبت اطاعت کرے، جن کی اطاعت و مخالفت میں اُسے مختار بنا دیا گیا ہے۔

مومنین زمانۂ رسالت سے خطاب آیاتِ بالا میں قوم بنی اسرائیل کے بزرگوں کی گوناگوں نافرمانیوں، اور انجام کار پتھروں سے بھی، اِسطرح سخت ہو جانے کی خبر دینے کے بعد کہ اُن سے تو، پھٹ جانے، نرم ہو جانے اور مقام بدل دینے کی امید ہو سکتی ہے لیکن بنی اسرائیل سے کوئی امید باقی نہیں۔ اگلی آئت میں مومنینِ دورِ رسالت سے کہا جا رہا ہے کہ ان کی اِس کیفیت کے باوجود کیا تم اِس چیز کا طمع کرتے ہو کہ یہ ایمان لے آئیں :-

أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ

کیا پس طمع رکھتے ہو تم یہ کہ ایمان لاویں واسطے

فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ

تمہارے اور تحقیق تھا ایک فرقہ اُن میں سے سنتا کلام اللہ کا پھر

مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ ۷۵

بدل ڈالتے تھے اُسکو پیچھے اُس سے کہ سمجھ لیا تھا اسکو اور وہ جانتے تھے

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۖ وَ

اور جب ملتے ہیں اُن لوگوں سے کہ ایمان لائے کہتے

إِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم

ہیں ایمان لائے ہم اور جب اکیلے ہوتے ہیں بعضے اُن کے

پھر کیا تم طمع کرتے ہو کہ یہ تمہارے لئے (یعنی تمہاری خاطر سے ضابطۂ خداوندی پر) ایمان لے آئیں، حالانکہ اُن میں (علماء کا) ایک گروہ موجود ہے، جو اللہ کے کلام کو سنتے ہیں، پھر اُسے اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اُس میں تحریف کرتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں کہ وہ تحریف کر رہے ہیں۔ اور قوم علماء کے پیچھے لگتی ہے۔

اور اُن کی حالت یہ ہے کہ جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اور جب ایک دوسرے کی خلوتگاہوں میں جاتے ہیں، تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں کیا تم مومنوں سے (اپنی کتاب کی) راز کی ایسی باتیں کہتے ہو،

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ
طرف بعض کے کہتے ہیں کیا کہہ دیتے ہو تم اُن سے جو کھولا اللہ تعالیٰ نے
رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ ۷۶
اوپر تمہارے تو کہ جھگڑیں تم سے ساتھ اسکے نزدیک رب تمہارے کے کیا پس نہیں سمجھتے۔

جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولے ہیں، تاکہ وہ اُسکے ساتھ تمہارے پروردگار کے حضور میں تم سے جھگڑا کریں۔ تم مومنوں کو (اُن کی تائید کرنیوالی) باتیں بتا کر کیوں عقل سے کام نہیں لیتے۔

اہلِ کتاب کا مومن گروہ یہ تو ہوئے بنی اسرائیل کے علماءِ سُوء۔ اہلِ کتاب، یہود و نصاریٰ کے علماءِ حسن کے ایک گروہ کی خبر ۳/۱۱۳، ۵/۸۳ اور ۲۸/۵۲ میں دیگئی ہے۔ جو قرآن سُنتے ہی مومن ہو گئے تھے ۱۔ لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ○ ۳/۱۱۳ = وہ سب برابر نہیں ہیں، اہلِ کتاب میں ایک گروہ دین پر قائم ہے۔ وہ رات کی ابتدائی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں پڑھتے اور آسکے حضور سجدے (صلوٰۃ) بجالاتے ہیں۔ یہ علماءِ حسن کا گروہ تھا جس کے متعلق خبر دیگئی ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ج يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۵/۸۳ = اور جب وہ اُس کتاب قرآن کو سُنتے ہیں، جو رسول کیطرف نازل ہوئی ہے۔ تو (اے رسول!) آپ دیکھتے ہیں کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ اِسلئے کہ اُنہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم اس پر ایمان لائے۔ پس تو ہمیں اسکے گواہوں میں لکھ لے۔ اِنہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۲/۱۴۶ = جن لوگوں کو کتاب دیگئی ہے (اُن میں سے وہ ہیں جو) قرآن کو اسطرح پہچانتے ہیں، جسطرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اِنہی کے متعلق مزید ارشاد ہوا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○ ۲۸/۵۲-۵۳ = جن لوگوں کو اس سے پہلے کتاب دیگئی ہے۔ وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جس وقت اُن پر یہ کتاب پڑھی جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، ہم تو اس سے پہلے ہی مُسلم تھے ۔۔۔ اِن کے سوا دورِ رسالت کے نافرمان بنی اسرائیل کے متعلق اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا
کیا نہیں جانتے یہ کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں
يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ○ ۷۷
اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

کیا یہ نافرمان بنی اسرائیل نہیں جانتے (یعنی اُنہیں جان لینا چاہیئے، کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُس چیز کو بھی جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں اور اُسے بھی جانتا ہے جسے وہ ظاہر کرتے ہیں۔ (لہٰذا اُنکے اعمال اور اُن کی مخفی نیتوں کیمطابق اُنکے ہر عمل کا پُورا پُورا بدلہ دیا جائیگا)

● آیت ۷۵ میں بنی اسرائیل کے علماء کے متعلق وضاحت کیگئی ہے کہ وہ اللہ کے کلام کی تحریف کرکے اسکے مفہوم کو اصل مقام سے بدل دیتے ہیں۔ اگلی آیت میں بنی اسرائیل کے غیر عالموں یعنی جاہلوں کی وضاحت کی گئی ہے جو کتاب کے علم سے تو بالکل کورے ہیں۔ لیکن وہ اپنے ذہنوں میں صرف وہ باطل آرزوئیں لئے ہوئے ہیں جو انہیں انکے علماء نے بندھائی ہوئی ہیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ
اور بعضے ان میں سے ان پڑھ ہیں نہیں جانتے کتاب
إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝۷۸
کو مگر آرزوئیں اور نہیں وہ مگر گمان کرتے ہیں۔

اور ان (اہل کتاب) میں سے جو جاہل ہیں وہ کتاب (کے مفہوم) کو نہیں جانتے، سوائے (علماء کی طرف سے روایات باطلہ کی دی ہوئی) غلط امیدوں کے حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف جھوٹے گمان کرتے ہیں۔

علماء بنی اسرائیل کیطرف سے عوام کو بندھائی ہوئی غلط آرزوئیں

علماء بنی اسرائیل نے عوام کو اخروی نجات کی بڑی بڑی امیدیں بندھا رکھی ہیں۔ سورہ مائدہ میں یہود و نصاریٰ دونوں کے متعلق آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔
نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَأَحِبّٰٓؤُهٗ ۵/۱۸ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے محبوب ہیں
۲/۸۰ میں بنی اسرائیل کے متعلق مذکور ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ہماری نجات یقیناً ہو جائیگی۔ اگر ہمیں ہمارے گناہوں کے بدلے جہنم داخل کیا بھی گیا تو ہمیں آگ صرف چند دن کیلئے ہی مس کریگی۔
وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۲/۸۰ بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ ہمیں صرف چند دن کیلئے آگ مس کریگی
اسکے جواب میں ارشاد ہوا ہے۔ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ أَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۲/۸۰ = اے رسول! آپ ان سے پوچھئیگا کہ کیا تم نے اسکے متعلق اللہ تعالیٰ سے عہد لے رکھا ہے۔ پھر اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کریگا۔ یا اسکے خود وہ لگاتے ہو، جسے تم جانتے ہی نہیں۔ علماء کی طرف سے ایسے ایسے افترٰی علی اللہ ہر دور میں صرف عوام کو سبز باغ دکھا کر ان سے مال حاصل کرنے کیلئے کئے جاتے ہیں۔ إِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۹/۳۴۔

اُمّی کی لغوی تحقیق

اُمّی کا معنی جاہل بھی ہے، جیسے کہ اوپر علماء بنی اسرائیل کے مقابلے پر اُمّی بنی اسرائیل آیا ہے لیکن اسکا معنی مکّہ کے رہنے والے بھی ہے ——— اُمّی کا سہ حرفی مادہ ہے: ا۔ م۔ م۔
اُمّ ماں کو کہتے ہیں۔ بچہ جب باتیں کرنے لگتا ہے تو پہلے اُمّ اُمّ کہتا ہے۔ اس طرح عربی زبان میں ماں کے لئے اُمّ کا لفظ رائج ہوگیا۔ اور اس کے بعد ماں کی مختلف کیفیتوں کی مناسبت کے لحاظ سے، عربوں کے ہاں لفظ اُمّ کے کئی معنے متعین ہوگئے۔

۱۔ **اصل وبنیاد**۔ ماں چونکہ بچے کی اصل و بنیاد ہے۔ اسلئے کسی چیز کے اصل کیلئے بھی اُمّ کا لفظ استعمال ہونے لگا اور بنیاد کیلئے بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ ۳/۷ = اس قرآن میں سے کچھ آیتیں محکمات ہیں وہی اصل کتاب ہیں۔

۲۔ **مسکن اور ٹھکانہ**۔ ماں کی گود چونکہ بچے کا مسکن اور ٹھکانہ ہوتا ہے۔ اسلئے رہنے کی جگہ کو بھی اُمّ کہتے ہیں۔

۳۔ **جماعت یا گروہ**۔ لفظ اُمّ پر تانیث بھی آتی ہے "اُمَّةٌ"۔ اسطرح عربی قواعد کے مطابق، چونکہ جمع مذکر کے لئے واحد مؤنث کا صیغہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسلئے جماعت یا گروہ کو بھی اُمّت کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں حضرات انبیاء سلامٌ علیہم کے لئے آیا ہے کہ وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی:۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۲/۱۴۱

۴۔ **سردار**۔ اُمّ یعنی ماں چونکہ اولاد کی سردار ہوتی ہے۔ اسلئے عربوں کے ہاں سرداری اور فضیلت کیلئے بھی اُمّ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً قوم کے سردار کو اُمّ القوم کہتے ہیں۔ اعضاءِ جسمانی میں سر اور سر میں دماغ افضل ہے۔ اسلئے دماغ کو اُمّ الرّأس کہا جاتا ہے۔ اسیطرح عربوں کے ہاں کہکشاں کو اُمّ النجوم، ستاروں کی سردار، اور قرآن کریم کو "اُمّ الکتاب" یعنی کتابوں کی سردار کہا جاتا ہے۔

۵۔ **اَن پڑھ**۔ اُمّ کا معنی عربوں کے ہاں ماں کی گود بھی لیا جاتا ہے۔ اور اسطرح بچہ چونکہ جب ماں کی گود میں ہوتا ہے تو لکھنا پڑھنا مطلقاً نہیں جانتا۔ لہذا اَن پڑھ کو، اسلئے اُمّی، یعنی ماں کی گود والا کہتے ہیں، کہ پڑھنے لکھنے کی رُو سے وہ بالکل اسی طرح کورا ہوتا ہے۔ جسطرح ماں کی گود میں تھا۔

۶۔ **مرکزی مقام**۔ کوئی دایہ یا ملازمہ، بچے کو گھنٹوں بہلاتی رہے۔ کھلاتی پلاتی رہے لیکن بچہ ہمیشہ ماں کیطرف ہی لپکتا ہے۔ اِسیطرح جب وہ ماں کی گود سے نکل کر، یعنی شیرخوارگی کے بعد، کھلونوں اور گھروندوں کیساتھ کھیلنا شروع کرتا ہے تو کھیل میں گھنٹوں مصروف رہنے کے باوجود اُسکا مرجع اور مرکز ماں ہی ہوتی ہے، کھیلتے کھیلتے جھٹ بھاگ آتا، اور ماں کی گود میں آ گھستا ہے۔ اِسیطرح ماں کے متعدد چھوٹے چھوٹے بچوں کا واحد مرجع و مرکز ماں ہوتی ہے۔ اِسلئے اِس نسبت سے کہ، ماں کو اپنے بچوں کی مرکزیت حاصل ہے۔ اُمّ کا معنی مرکز و مرجع بھی لیا جاتا ہے۔ اور اسطرح مکّہ معظمہ کو اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۳/۹۶ = جو پوری انسانیت کی رہنمائی کیلئے وضع کیا گیا تھا۔ وہ اوّلین مبارک گھر مکّہ معظمہ میں ہونے کے مطابق چونکہ خدا تعالیٰ نے، روزِ آفرینش ہی سے اسے مرکزیتِ عالم کا شرفِ عظیم عطا فرمایا ہے، اسلئے مکّہ کو اُمّ القُریٰ کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں آیا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۴۲/۷ = اور اسیطرح ہم نے آپکی طرف قرآن کریم کو شستہ عربی زبان میں وحی فرمایا ہے: تاکہ آپ مکّہ والوں اور اسکے اردگرد والوں کو اُنکے فرائض منصبی سے آگاہ کریں۔ فلہذا قرآنی لغت کی رُو سے اُمّ القُریٰ مکّہ معظمہ ہے ۔۔ اور اُمّ القریٰ کے مخفف اُ کیساتھ یائے نسبتی لگنے سے بنا اُمّی

جس کی جمع ہے اُمیّیُون اور اُمیین ۔ اب یائے نسبتی کی رُو سے اُمّی کا معنی اُمّ القریٰ، مکہ کے رہنے والا، اور اُمیّون کا معنی مکہ کے رہنے والے یعنی مکہ معظمہ کے باشندے ہے۔ قرآن کریم میں آنحضور سلام علیہ کیلئے بھی "النّبیّ الاُمّی ۷/۱۵۷" کا لفظ آیا ہے یعنی مکے والا نبی، آنحضور سلام علیہ کیلئے جہاں جہاں بھی اُمّی کا لفظ آیا ہے۔ اُس سے اَن پڑھ یا جاہل مُراد لینا مطلقاً غلط ہے۔ کیونکہ سورہ جمعہ میں آپ کے متعلق ارشاد ہُوا ہے۔ ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا ۶۲/۲ = وہ اللہ ہی ہے جس نے مکہ والوں میں ایک رسول مبعوث فرمایا ہے دیکھئے! اِس آئت میں اُمیین کا معنی اَن پڑھ لیا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ جس قوم میں آنحضور مبعوث ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب اَن پڑھ نہیں تھے۔

جھوٹی اُمیدیں بندھانے والے اپنے ہاتھوں کیساتھ کتاب لکھ کر اللہ کے ذمّے لگا دیتے ہیں

اگلی آئت مجیدہ میں بنی اسرائیل کے علماءِ سوء، یعنی خدا تعالیٰ کے ذمّہ لگا کر جھوٹی اُمیدیں دلانے والوں کے متعلق خصوصاً اور ہر دور کے بہتان تراشوں کے متعلق عموماً ارشاد ہُوا ہے:-

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ۗ
پس وائے ہے واسطے اُن لوگوں کے کہ لکھتے ہیں کتاب ساتھ
ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ
ہاتھوں اپنے کے پھر کہتے ہیں یہ نزدیک اللہ تعالیٰ کے سے ہے تو کہ
ثَمَنًا قَلِیْلًا ۗ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ
مول لیویں بدلے اسکے مول تھوڑا پس وائے ہے واسطے اُنکے اُس
وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ ○ ۷۹
چیز سے کہ لکھتے ہیں ہاتھ اپنے سے اور وائے ہے اُن کو اُس چیز سے کہ کماتے ہیں۔

تباہی ہے اُن لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں کیساتھ کتاب لکھ لیتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کیطرف سے (نازل شدہ) ہے تاکہ وہ اسکے بدلے دنیا کا حقیر مال خریدیں۔ پھر دوبارہ تباہی ہے اُنکے لئے اُس چیز کے ذریعہ جسے وہ خدا کے ذمہ لگا کر اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ اور تباہی ہے اُن کیلئے بدلے اس کے جو وہ کرتوت کرتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۗ
اور کہتے ہیں ہرگز نہ لگیگی ہمکو آگ مگر دن گنے ہوئے کہہ کیا لیا ہے
قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ
تم نے نزدیک اللہ کے قول پس ہرگز نہ خلاف کریگا اللہ عہد اپنے
عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○
کو یا کہتے ہو اوپر اللہ تعالیٰ کے جو نہیں جانتے ہو تم۔

اور وہ (ان منسوب الی اللہ کتابوں میں خود لکھ کر یہ) کہتے ہیں کہ ہمیں آگ چند دن سے زیادہ مس نہیں کریگی (یعنی اُتنا ہی وقفہ، جتنے عرصے میں کہ ہمارے سفارشی نہیں پہنچتے) اے رسُول! آپ کہہ دیجئیگا! کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے ایسا وعدہ لے رکھا ہے پھر اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کریگا یا تم اللہ کے ذمہ وہ کچھ لگاتے ہو جسے تم جانتے ہی نہیں۔

● اس سے اگلی آئت میں تصدیق کی گئی ہے کہ تم ایسا ہی کرتے ہو۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ
ہاں جو کوئی کمائے برائی اور گھیر لے اسکو خطا اس کی
خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
پس یہ لوگ رہنے والے آگ کے ہیں وہ بیچ اسکے ہمیشہ رہنے
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۲/۸۱
والے ہیں۔

ہاں، (تم اللہ کے ذمہ وہی کچھ لگاتے ہو، جسے تم نہیں جانتے جان لو کہ جرموں کی سزا گنے ہوئے دن نہیں بلکہ) جو لوگ بھی برے عمل کرینگے۔ اور (اصلاح کیطرف نہ لوٹینگے، حتیٰ کہ) انکے اعمال ان کو گھیر لیں۔ (یعنی پورا معاشرہ غلیظ ہوجائے) ایسے لوگ اصحاب نار ہیں۔ (وہ جہنمی معاشرہ ہے، وہ یہاں بھی جہنم میں ہیں اور اُخروی زندگی میں بھی ہمیشہ جہنم میں رہینگے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے یہ لوگ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ع
ہیں رہنے والے بہشت کے وہ بیچ اسکے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ۸۲
ع ۹/۱۱/۹

اور جو لوگ ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائینگے، اور اصلاح معاشرہ کے کام کرینگے، وہ اہل جنت ہونگے۔ (دنیا میں بھی ہموار و متوازن معاشرہ کی خوشگواریوں سے بہرہ یاب) اور اُخروی زندگی میں بھی ہمیشہ جنت میں رہنے والے ہونگے۔

خود لکھکر اللہ کے ذمہ لگانا موجب نار ہے

آیاتِ بالا میں بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر پھر کہتے ہیں کہ یہ سب ارشادات خداوندی ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ مرض صرف بنی اسرائیل تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ اس نے مسلمانوں کو بھی گھیر رکھا ہے۔ اعلانِ خداوندی ہے کہ ہم نے نبی پر قرآن کے سوا اور کوئی چیز نازل نہیں کی۔ ہم نے اپنے رسول کو قرآن کے سوا کسی اور چیز کی تعلیم دی ہی نہیں۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ ۳۶/۶۹ = اور ہم نے رسول کو شعر و شاعری کی تعلیم نہیں دی۔ اور نہ وہ اُسکے شایانِ شان ہے۔ ہماری تعلیم صرف اور صرف ہمارا نصیحت نامہ یعنی بیان کرنیوالا قرآن ہے۔ اب غور فرمائیگا، کہ اس آیت میں مَا نافیہ اور اِلَّا اثبات کا ہے۔ پس نفی اثبات کے حصر کیساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ ہم نے آنحضور کو قرآن کے سواء اور کسی چیز کی تعلیم نہیں دی۔ یعنی اسکے سوا کچھ نازل نہیں کیا۔

نیز فرمایا:۔ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۱۲/۳ = ہم نے آپکی طرف یہ قرآن نازل کیا ہے۔

اور آنحضور سلام علیہ سے اعلانِ عام کروا دیا ہے:۔ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۶/۱۹ = اور اے رسول! اعلان کر دیجئیگا کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔ تاکہ میں اسی کیساتھ تمہیں تمہارے فرائض منصبی سے آگاہ کروں اور جس تک یہ پہنچے، وہ بھی اسی کیساتھ انذار کرے۔ اب مدعی اور مدعا علیہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ وحی کرنیوالے نے قرآن وحی فرمایا ہے۔ اور وحی پانیوالے نے قرآن ہی وحی پایا ہے۔ لیکن اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتب روایات کو هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ قرار دینے میں نہ آیت مجیدہ ۳۶/۶۹ کی پرواہ کیجاتی ہے کہ خداتعالیٰ نے نفی اثبات کے حصر کیساتھ اعلان کر رکھا ہے کہ اُس نے آنحضور کو

قرآن کے سوا کسی چیز کی تعلیم دی ہی نہیں۔ قرآن کے سوا کچھ نازل کیا ہی نہیں۔ اور نہ ۱۲/۴۲ اور ۶/۱۹ کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ وحی بھیجنے والا اور پانیوالا، دونوں قرآن ہی کو وحی قرار دیتے ہیں۔ پس قرآن کریم کے مندرجہ بالا غیر مبہم دلائلِ قاطعہ کی رُو سے ثابت ہُوا کہ قرآن کریم کے سوا کوئی اور ذخیرہ مِن عند اللہ ہرگز نہیں نیز غیر منزّل مِن اللہ کی پہچان بتا دیگئی ہے کہ، ہر وہ ذخیرہ جس میں یہ تاثر دیا گیا ہو کہ مجرم چند دِنوں کیلئے جہنم میں رہینگے۔ پھر اُنکی سفارش ہو جائیگی۔ اور وہ نکال لئے جائینگے، وہ منزّل مِن اللہ نہیں ہو سکتا بلکہ اپنے ہاتھوں سے لکھ کر اللہ کے ذمہ لگایا ہوا ہوتا ہے۔

میثاق بنی اسرائیل

اگلی آیت سے بھی ظاہر ہے کہ ایسے غیر منزّل مِن اللہ اور منسوب اِلی اللہ ذخائر ہی کی بدولت سفارش و شفاعت، جیسے عمل سے بیگانہ کر دینے والے نظریات چل نکلتے ہیں۔ چنانچہ اعلانِ عام کر دیا گیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بلا عمل محض کھوکھلی آرزوئیں نہیں دلائی تھیں۔ بلکہ اُن سے ایمانِ کامل، اور معاشرہ کے ہر گوشہ سے متعلقہ، ربوبیت یا روش اعمالِ صالح کا وعدہ لے رکھا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا

اور جب لیا ہم نے قول بنی اسرائیل کا نہیں عبادت

تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

کرو گے تم مگر اللہ تعالیٰ کی اور ساتھ ماں باپ کے احسان کرنا

وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا

اور قرابت والے سے اور یتیموں سے اور فقیروں سے اور کہو

لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ

واسطے لوگوں کے نیک بات اور قائم رکھو نماز کو اور دو زکوٰۃ کو

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۸۳

پھر پھر گئے تم مگر تھوڑے تم میں سے اور تم منہ پھیرنے والے ہو۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ

اور جب لیا ہم نے عہد تمہارا نہ ڈالو گے لہو اپنے آپس

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ

کے اندر اور نہ نکال دو گے کسی آپس اپنے کو گھروں اپنے سے

اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۸۴

پھر اقرار کیا تم نے۔ اور تم شاہد ہو۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ہم نے بنی اسرائیل سے (اپنے انبیاء موسیٰ اور ہارون سلام علیہما کے ذریعہ وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی فرمانبرداری نہیں کرو گے۔ اور والدین کیساتھ حسن سلوک کرو گے۔ اور اپنے قریبیوں اور بے سہارا لوگوں، اور اُن لوگوں کیساتھ بھی جن کا چلتا کاروبار ساکن ہو جائے حسن سلوک کیساتھ پیش آیا کرو گے۔ اور تمام لوگوں کیساتھ ہمیشہ حسنِ اخلاق کیساتھ گفتگو کیا کرو گے اور نظامِ ربوبیت قائم کرو گے اور معاشرہ کے کمزوروں کو طاقتور کرنے کیلئے مال دو گے۔ پھر اے بنی اسرائیل، تم چند ایک کے سوا سب اِس میثاق سے پھر گئے اور یہ کوئی عارضی و اتفاقی طور پر نہیں ہُوا، بلکہ مسلسل نافرمانیوں کی بدولت) تم ہو ہی اعراض کرنیوالے۔

اور (پھر سُن لو) وہ وقت قابلِ ذکر ہے۔ جب ہم نے تم سے (اپنے نبیوں کی معرفت) یہ عہد لیا کہ تم باہمی خونریزی نہ کرو گے۔ اور اپنے (کمزور) افراد کو اپنے شہروں سے نہ نکالو گے، پھر تم نے (ان امور کا) اقرار کیا اور تم سب حاضر تھے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
پھر تم وہ لوگ ہو کہ مار ڈالتے ہو آپس اپنے کو اور نکال
وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز
دیتے ہو ایک فرقے کو آپ میں سے گھروں انکے سے مدد کاری
تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ
کرتے ہو تم اوپر انکے ساتھ گناہ اور تعدی کے اور اگر آئیں
يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ
تمہارے پاس بندیاں ہو کر بدلا دے چھڑاتے ہو انکو اور وہ
مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ
بات حرام ہے اوپر تمہارے نکالدینا انکا کیا پس ایمان لاتے
الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ
ہو ساتھ بعض کتاب کے اور کفر کرتے ہو ساتھ بعض کے پس کیا
يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ
ہے سزا اسکی کہ کرے یہ کام تم میں سے مگر رسوائی بیچ زندگانی دنیا
الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ
کے اور دن قیامت کے پھیرے جاوینگے طرف سخت عذاب
الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۸۵
کے اور نہیں اللہ تعالیٰ بیخبر اس چیز سے کہ کرتے ہو تم۔

پھر تم ہی ہو کہ اپنی قوم کے (کمزور) افراد کو قتل کرتے ہو اور تم اپنے ایک گروہ کو، (پہلے تو) انکے شہروں سے نکالتے ہو۔ یعنی اُن پر گناہ و تعدّی کے ساتھ چڑھ دوڑتے ہو۔ اور جب وہ تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر آئیں تو اُنکا فدیہ ادا کرتے ہو۔ (تاکہ عمر بھر تمہارے زیر دست رہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ قیدی کا فدیہ ادا کرکے آزاد کرانا، ہماری کتاب کا حکم ہے) لیکن اُنہیں گھروں سے نکالنا بھی تو (حکم کتاب ہی کی رُو سے) حرام ہے۔ کیا تم کتاب کے ایک حصّے پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ایک حصّے کا انکار کرتے ہو۔ جو لوگ تم میں سے ایسے دوڑخے عمل کرینگے۔ اُن کی سزا، اس دُنیا میں بھی رُسوائی ہے (اُن میں قومی یکجہتی کبھی پیدا نہیں ہوگی جو ترقی اور کامیابی کا واحد ذریعہ ہے) اور وہ قیامت کے دن شدید عذاب کیطرف لوٹائے جائینگے۔ اور (اے مجرمو! انہیں جان لینا چاہیئے کہ قیامت کی عدالت عالیہ میں سزا سے نہ بچ سکو گے، وہاں کسی گواہ وغیرہ کی ضرورت نہیں) کیونکہ تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
یہ لوگ وہ ہیں کہ مول لیا زندگانی دنیا کو بدلے آخرت کے
بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا
پس نہ ہلکا کیا جاوے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے
هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ۸۶ ع
جاوینگے۔ ع

یہ لوگ وہ ہیں جو آخرت کی کامیابیوں کے بدلے (چند روزہ) دُنیوی زندگی کا (نام نہاد) فائدہ خریدتے ہیں پس ایسے لوگوں سے دُنیوی اور اُخروی زندگی کا عذاب کبھی ہلکا نہیں کیا جائیگا۔ اور نہ اُن کی کوئی مدد ہی کی جائیگی۔

اللہ اُنکی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں

خدا تعالیٰ نے اعلان عام کر رکھا ہے۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۲۲/۴۰ = اور اللہ تم ضرور ضرور اُسکی مدد کریگا، جو اپنی مدد آپ کرتا ہے۔ نیز فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۳/۱۱ = اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں، اُسوقت تک، اچھا یا بُرا کوئی تغیر پیدا نہیں کرتا، جبتک کہ وہ خود اچھا یا بُرا تغیر پیدا نہیں کرتی۔ یہ آیات کریمات وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۲/۸۶ کی تفسیر کرتی ہیں۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد درکار ہو تو اُسکے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اپنی مدد آپ پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

اِسیطرح ارشادِ خداوندی ہے کہ، اگر تم چاہتے ہو کہ میدانِ جہاد میں تمہاری مدد ہو، اور فتح و کامرانی تمہارے قدم چومے تو۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۸/۶۰ = اور اُن کے لئے (یعنی دشمنوں کے مقابلہ کیلئے) جتنی بھی تم میں استطاعت ہے زیادہ سے زیادہ (فوجی) قوت تیار کرو، خصوصًا ذرائع رسل و رسائل قطار در قطار گھوڑے مہیا کرو، تاکہ تم اس موجودہ مادی طاقت کیساتھ اللہ کے دشمنوں، اور اپنے دشمنوں کو لرزہ براندام رکھو۔ اور اُن دشمنوں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ اُنہیں جانتا ہے۔ اِس خداوندی فیصلے کے بعد، اب اگر کوئی قوم خدا تعالیٰ کے اِس حکم کو نظر انداز کر کے اپنی استطاعت کو عیش کوشیوں اور سہل انگاریوں کی نذر کر دے، اور وقت پڑنے پر اللہ تعالیٰ کی مدد کی اُمید رکھے تو اِسکے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ چونکہ قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصول سے غافل ہے۔ اِسلئے اُسکی مدد نہیں کی جائیگی۔ ہرگز نہیں کیجائیگی، کیونکہ وہ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ میں داخل ہے۔

حضرت موسیٰ و ہارون کے بعد تم نے بہت سے نبیوں کو جھٹلایا، اور پھر حضرت مسیح کو بھی جھٹلایا

بنی اسرائیل کی دورِ موسوی کی نافرمانیوں کے مختصر تذکرہ کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں بتایا جا رہا ہے کہ تم بعد والے انبیاء کو بھی مسلسل جھٹلاتے اور اُن کی مخالفت کرتے رہے تھے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا

اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پچھاڑی

مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ

لائے ہم پیچھے اُسکے پیغمبر اور دیئے ہم نے عیسیٰ بیٹے مریم کو معجزے

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

ظاہر اور قوت دی ہم نے اسکو ساتھ روح پاک کے یعنی جبریل کے

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى

کیا پس جب آیا تمہارے پاس پیغمبر ساتھ اُس چیز کے کہ نہیں چاہتے

اور بالتحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی کتاب دی۔ اور ہم نے اُسکے بعد پے در پے بہت سے رسول بھیجے۔ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھی اپنی واضح (آئتیں انجیل) عطا فرمائی، یعنی اپنی پاکیزہ تعلیم کیساتھ اُسکی مدد کی۔ کیا پھر جب بھی ہمارا کوئی رسول، تمہارے پاس، ہمارے اُس ضابطے کیساتھ آیا، جسے تمہارے نفسِ امارہ پسند نہیں کرتے، تم نے تکبر کیا، اُنکے ایک گروہ کے نبیوں کو، جنہیں صحابہ کی طاقتور جماعت میسر نہ آئی، حقارت کے ساتھ جھٹلاتے رہے، اور ایک گروہ کے نبیوں سے، (جن کے ساتھ

اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ
جی تمہارے تکبّر کیا تم نے پس ایک فرقے کو جھٹلایا تم نے اور
وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ ۸۷
ایک فرقے کو مار ڈالتے ہو

طاقت ور جماعت شامل ہو جاتی) لڑائی کرتے رہے۔ (یہ تمہارا دائمی دستور رہا ہے)

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ متن کے اِن الفاظ پر غور کرنے سے مخاطب سوال کر سکتا ہے کہ، خداوند تعالیٰ نے انبیاء سلامٌ علیہم کے دو گروہ بیان فرمائے ہیں۔ ایک وہ جسے بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد جھٹلایا کرتے تھے۔ اور ایک وہ، جس کے افراد کو قتل کر دیتے تھے۔ تو کیا بنی اسرائیل نے باری ٹھہرا رکھی تھی کہ ایک نبی کو جھٹلایا جائے، اور ایک، کو قتل کیا جائے۔ واضح رہے کہ (یہاں قتل بمعنی مخالفت کرنا، اور لڑائی کرنا ہے۔ اِسکی وضاحت آئت نمبر ۶۱ کی تفسیر میں مختصراً گزر چکی ہے۔ اور آئت نمبر ۹۱ میں آگے آرہی ہے) = مخاطب کے سوال کا جواب قرآن کریم کے اوراق سے یہ ملتا ہے، کہ انبیاء سلامٌ علیہم کی دو حالتیں بیان ہوئی ہیں، پہلی قسم میں مثال کے طور پر حضرت لوطؑ جیسے بعض انبیاء ہو سکتے ہیں۔ جنہیں صحابہؓ کی طاقتور جماعت میسر نہ آئی۔ ایسے نبیوں کو بنی اسرائیل حقارت کیساتھ جھٹلا دیا کرتے تھے۔ اور دوسری قسم کے حضرت مسیحؑ جیسے انبیاء ہیں، جنہیں حواریوں جیسی طاقت ور جماعت میسر آجاتی، بنی اسرائیل ان کی مخالفت کرتے تھے، اور انہیں ختم کرنے کیلئے لڑائیاں بھی کرتے رہے۔ جیسے کہ $\frac{61}{14}$ میں خبر دیگئی ہے، کہ بنی اسرائیل نے حضرت مسیح کیساتھ جنگ کی اور شکست کھائی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝ $\frac{61}{14}$ = ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بنجاؤ۔ جیسے کہ مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے حواریوں (اپنے صحابہ) سے کہا کہ اللہ (کے دین) کیلئے میرا کون مددگار ہے۔ حواریوں نے کہا، ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں پھر ایسا ہُوا کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ مسیح پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کر دیا پھر ہم نے دشمنوں کے مقابلے پر مومنوں کی مدد کی اور وُہ غالب آ گئے۔۔۔ یہ ہیں انبیاء سلامٌ علیہم کے دو گروہ، ایک وُہ جنہیں بنی اسرائیل، حقارت کیساتھ جھٹلاتے رہے اور ایک کیساتھ لڑائیاں کرتے رہے۔

نوٹ آگے بڑھنے سے پہلے، اِس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق روایات نے جو یہ تاثر دیا ہے کہ بنی اسرائیل نے آپ کو صلیب دینے کے لئے گرفتار کر کے ایک کمرے میں بند کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی جگہ اُنہی کی شکل کا ایک اور آدمی کمرے میں پہنچا کر آپ کو آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔ چنانچہ آپ آج تک آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ یہ تاثر بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ $\frac{4}{158}$ سے لیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آئت بالا $\frac{61}{14}$ کی رُو سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ

حضرت مسیح سلام علیہ اور آپ کے حواریوں کا بنی اسرائیل کیساتھ میدانِ جہاد میں باقاعدہ مقابلہ ہُوا جس میں بنی اسرائیل کو شکست فاش ہوئی، مسیحؑ و مریمؑ دونوں نے ایک پُرفضا مقام ربوہ (ٹیلا) پر جہاں چشمہ بھی جاری تھا۔ اپنا صدر مقام بنایا ۲۳/۵۰ ۔ بنی اسرائیل کا مخالف گروہ سو فیصدی ناکام و نامُراد ہُوا۔ تو اسطرح حضرت مسیح کی اس پُرشکوہ کامیابی کے بعد آپکے قائم کردہ نظام ربوبیّت کا نقشہ نگاہوں کے سامنے آموجود ہوتا ہے نہ یہ کہ اسلئے بنی اسرائیل آپ پر غالب آگئیں، اور گرفتار کرکے صلیب دینے کیلئے کمرے میں بند بھی کردیں' اور خدا تعالیٰ اُنہیں آسمان پر اُٹھا کر صلیب سے بچائے اور اُنکے پسماندگان کو، غالب گروہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔ معاذاللہ استغفراللہ!۔

آیت مجیدہ بل رفعہ اللہ الیہ ۴/۱۵۸ کی تفسیر اپنے مقام پر سورۃ نساء میں آرہی ہے۔ یہاں پر یہ بتایا جارہا ہے کہ بنی اسرائیل پُشت ہا پُشت سے انبیاء سلام علیہم کی مخالفت کرتے چلے آرہے تھے۔

انبیاء کی مسلسل مخالفت کا اثر

اسطرح انبیاءؑ کی مخالفت، اور خدا تعالیٰ کی مسلسل نافرمانیوں کا جو اثر بنی اسرائیل کے قلوب و اذہان پر ہوچکا تھا، اُسکی خبر خود اُنہی کے الفاظ میں اگلی آیت میں دیگئی ہے:۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ

اور کہا انہوں نے دل ہمارے غلاف میں ہیں بلکہ لعنت

بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ○ ۸۸

کی ان کو اللہ نے بسبب کفر انکے کے پس تھوڑے سے ایمان لاتے ہیں۔

اور (اُن بنی اسرائیل پر جب بھی ضابطۂ ربوبیّت پیش کیا جاتا، تو) وہ کہتے، کہ ہمارے ذہن (اس تبلیغ کو قبول نہیں کرسکتے، یہ باپ دادا کے متوارث نظریات میں) لپٹے ہُوئے ہیں۔ (حقیقت یہی ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ اُنکے مسلسل انکار کی بدولت اُن سے بیزار ہوچکا ہے۔ کیونکہ بہت تھوڑا ہے، جو وہ ایمان لاتے ہیں۔

حضرت مسیح و انجیل کے بعد آنحضورؐ اور قرآن کا انکار

بنی اسرائیل کا انکارِ ربوبیت، اپنے تسلسل کی منزلیں طے کرتا ہُوا دورِ مسیحؑ سے گزر کر، زمانۂ رسالت محمدی سلام علیہ میں داخل ہُوا۔ حضرت مسیحؑ اور آنحضورؐ کے درمیانی وقفہ میں، وہ اس امر کے متمنّی تھے کہ اُنکے پاس ہدایت خداوندی آئے، اور وہ اُس پر عمل پیرا ہوکر، اپنی شکستوں اور ناکامیوں کو فتوحات اور سرفرازیوں میں بدل لیں لیکن اپنے وقت پر جب کہ سرکار ضیاء ربوبیّت سے سرفراز ہوکر اُفق نبوّت پر نمودار ہوئے تو سب سے پہلے یہی بنی اسرائیل تھے، جنہوں نے محمدؐ اور آپ کی کتاب مقدس کا انکار کیا۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ

اور جب آئی اُن کے پاس کتاب نزدیک اللہ تعالیٰ

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوا مِن قَبْلُ

کے سے سچا کرنیوالی واسطے اس چیز کے کہ ساتھ اُن کے

اور جب اُنکے پاس اللہ تعالیٰ کیطرف سے اُسکی آخری کتاب آگئی، جو اس کتاب کی تصدیق کرنیوالی ہے، جو اُنکے پاس تھی، تو انہوں نے اِسکا بھی انکار کردیا، حالانکہ وہ اِسکے نزول سے پہلے ان لوگوں پر جنہیں وہ اپنے خیال میں کافر سمجھتے تھے فتح کے طلبگار تھے لیکن جب اُنکے پاس وہ (نسخۂ کامیابی

يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ
ہے اور تھے پہلے اس سے فتح مانگتے اوپر ان لوگوں کے کہ کافر

مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ○
ہوئے پس جب آیا ان کے پاس جو کچھ پہچانا تھا کافر ہوئے ساتھ

اُسکے پس لعنت ہے اللہ کی اوپر کافروں کے۔ ۸۹

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُوا
بُرا ہے جو کچھ مول لیا ہے ساتھ اُسکے جانوں اُن کی

بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَن يُنَزِّلَ اللَّهُ مِن
لئے یہ کہ کفر کریں ساتھ اس چیز کے کہ اتارا اللہ نے سرکشی سے

فَضْلِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُوا
اس پر کہ اتارے خدا فضل اپنے سے اوپر جسکے چاہے بندوں

بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ
اپنے سے پس پھر آئے ساتھ غصہ کے اوپر غصہ کے اور واسطے

مُّهِينٌ ○ ۹۰
کافروں کے عذاب ہے رُسوا کرنے والا۔

بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم بنی اسحاق کی کتاب کے سوا کسی اور کی کتاب پر ایمان نہیں لائیں گے

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ
اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُنکے ایمان لاؤ ساتھ اس

قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا
چیز کے کہ اتارا ہے اللہ نے کہتے ہیں ایمان لائے ہم ساتھ

وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ
اُس چیز کے کہ اتاری گئی اوپر ہمارے اور کفر کرتے ہیں ساتھ اُس چیز کے

(وکامرانی) آیا، جسے وہ پہچانتے تھے (کیونکہ اُن کی کتاب میں اس رسول اور کتاب کی خبر موجود تھی ۶/۱۵۷ + ۴۸/۲۹) اُنہوں نے اسکا انکار کر دیا۔ پس انکار کرنیوالوں پر اللہ تعالیٰ کی بیزاری ہے۔

بہت بُری چیز ہے جس کے عوض اُنہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا ہے۔ یہ کہ بغاوت کی بنا پر اُس چیز سے انکار کریں جو اللہ نے نازل کی ہے، یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق جس پر چاہا ہے، اپنی کتاب اُس پر کیوں نازل کی ہے۔ (اولادِ اسحاق میں سے کسی پر کیوں نازل نہیں کی۔ اس نسلی تعصّب کی بدولت، اس حالت میں کہ وہ پہلے ہی اللہ کے مغضوب تھے) اللہ کے غضب پر مزید غضب کے سزاوار ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ، انکارِ ربوبیت کرنیوالوں کیلئے (ناہموار معاشرے کا) ذلیل کرنیوالا عذاب ہے۔ (دنیا میں بھی ذلیل وخوار اور عاقبت میں بھی ناکام ونامراد)۔

زمانۂ رسالتِ محمدی میں آنحضور کی تبلیغ اور بنی اسرائیل کا جواب باندازِ ذیل درج ہے:۔

اور جب اُنہیں کہا گیا کہ اُس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ تو اُنہوں نے کہا کہ ہم اُس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی ہے۔ (یعنی جو بنی اسرائیل و بنی اسحاق پر نازل ہوئی ہے) اور جو اسکے بعد آئی ہے اسکا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ (قرآن) حق ہے۔ سچا کرنیوالا ہے اس نبی کی اُن بشارتوں کو، (۶/۱۵۷ + ۶۱/۶) جو اُن کے پاس (توراۃ و انجیل میں) موجود ہیں۔ اے رسولؐ آپ اِن سے پوچھئیگا کہ اگر تم اپنے ایمان کے

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ

کرسوائے اسکے ہے اور وہ سچ ہے سچا کرنیوالا اسکو جو ساتھ

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۹۱

اُن کے ہے، کہہ پھر کیوں مارڈالتے تھے پیغمبروں اللہ

کے کو پہلے اس سے اگر ہو تم ایمان والے۔

دعوے میں سچے ہو کہ تم (انبیاء بنی اسحاق اور اُنکی کتاب پر ایمان رکھتے ہو) تو بتاؤ کہ اس سے پہلے انبیاؑ کی مخالفت اور اُن سے لڑائی کیوں کیا کرتے تھے۔

اللہ کے نبی قتل نہیں ہوسکتے تھے

بنی اسرائیل کے ذکر میں جا بجا آیا ہے۔ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ = وہ نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ روائتی تفاسیر نے بنی اسرائیل کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کے سینکڑوں اور ہزاروں نبیوں کا قتل (جان سے مار ڈالنا) تسلیم کیا ہے۔ سورہ لبقر کی تفسیر نعیمی کے صفحہ ۷۸ ۲ پر لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے "ایک دفعہ ایک دن میں ستر نبیوں کو شہید کیا"۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی بھیجتا تھا، اور بنی اسرائیل اُسے قتل کر دیتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ کیا ہؤا، جو انبیاء سلامٌ علیہم کے متعلق لام تاکید اور نون مشددہ کے حصر کے ذریعہ بڑے طمطراق کیساتھ کیا گیا ہے۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿$\frac{58}{21}$﴾ = اللہ تعالیٰ نے لکھدیا ہے کہ میں اور میرے رسولؑ ضرور ضرور غالب آئینگے۔ بلاشبہ اللہ قوّت والا اور غالب ہے — غور فرمائیں، کہ اَنَا وَرُسُلِیْ میں اللہ اور آسکے رسولؑ معطوف علیہ اور معطوف کی ایک ہی سلک میں منسلک ہیں۔ اَنَا معطوف علیہ اور رُسُلِی معطوف ہے پس اگر خدا تعالیٰ مغلوب ہوسکتا ہے تو اُس کے رسول بھی مغلوب ہوسکتے ہیں۔ اور اسیطرح اگر اللہ تعالیٰ مقتول ہوسکتا ہے تو اُسکے رسول بھی مقتول ہوسکتے ہیں پس چونکہ اللہ تعالیٰ مغلوب و مقتول نہیں ہوسکتا، اسلئے آسکے رسول بھی ہرگز ہرگز مغلوب و مقتول نہیں ہوسکتے، ہوسکتا ہے کہ معترض مقتول کو مغلوب ماننے کیلئے تیار نہ ہو۔ اور دلیل یہ لائے کہ اگر کسی جنگ میں فتح مسلمانوں کی ہو۔ لیکن آنکا سالار یا امیر اُس جنگ میں کام آجائے تو کیا یہ فتح نہ ہوگی؟ — اعتراض بڑا معقول معلوم ہوتا ہے لیکن انبیاء کے سلسلہ میں خدا تعالیٰ نے، قرآن کریم میں جو اُن کے غلبہ کا نقشہ پیش کیا ہے۔ وُہ اِس سے یکسر مختلف ہے۔ وہ یہ کہ انبیاء سلامٌ علیہم کی پوری تاریخ، غلبۂ انبیاء کی اِن دو صورتوں پر مشتمل ہے۔ کہ یا تو انبیاء سلامٌ علیہم نے رسولؐ مقبول اور حضرت مسیحؑ کیطرح دشمنوں کو میدانِ جہاد میں شکست فاش دیدی اور یا اگر مادی لحاظ سے مخالفین طاقتور ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی مخصوص مدد فرما کر اسطرح دشمنوں پر غالب کیا کہ طوفان آیٔ یا ذبحیکر انبیاء سلامٌ علیہم کی زندگی ہی میں آنکے مخالفوں کو ختم کر دیا۔ اور اُن کے متروکہ مال و املاک کا انبیاء اور ان کی قوم کو وارث بنا دیا۔

حضرت نوحؑ غالب آئے

قوم نوح کا کوئی کھاتا پیتا آدمی آپکے ساتھ شامل نہ ہؤا۔ معاشرے کے ستائے ہوئے مفلوک الحال افراد ہی سے قانونِ ربوبیت کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی۔ لیکن قوم کے سرداروں نے کہا

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ○ ۱۱/۲۷ اے نوحؑ! نہیں دیکھتے ہم تجھے مگر اپنے جیسا ایک بشر۔ اور نہیں دیکھتے ہم سوائے اسکے کہ تیری اتباع صرف اُن لوگوں نے کی ہے جو ہمارے رذیلے لوگ ہیں، جن کی کوئی رائے نہیں۔ اور اپنے مقابلے پر ہم، تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ تُو اور تیرے ساتھی، تم سب جھوٹے ہو۔ چنانچہ اِن حالات میں خدا تعالیٰ نے مخالفوں کے لئے طوفان کا فیصلہ کرکے حضرتِ نوحؑ کو کشتی تیار کرنیکا حکم دیدیا۔ اس پر خبر دیگئی ہے:۔
وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۱۱/۳۸ = اور وہ جب بھی اُس (کشتی) کے قریب سے گزرتے تو اُسکا مذاق اڑاتے۔ اب بتایئے! کہ اِن حالات میں، جبکہ حضرتِ نوحؑ کیساتھ نہ کوئی بڑا آدمی ہی شامل ہؤا، اور نہ مادی طاقت ہی میسّر آئی۔ تو اِس کمزوری کے باوجود کیا وہ نوحؑ کو قتل کر سکے؟ ہرگز نہیں بلکہ خود وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے عذاب میں حضرتِ نوحؑ کے سامنے غرق ہو کر ختم ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسے انتہائی ناسازگار حالات میں بھی اپنا وعدہ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ سچّا کر دکھایا۔

حضرتِ لوطؑ غالب آئے

انبیاء علیہم السلام میں سے سب سے کمزور مادی حالت حضرت لوطؑ کی تھی۔ یہاں تک، کہ قوم نے آپ سے کہدیا تھا کہ آپ کے پاس بالکل کوئی نہ آیا کرے۔ چنانچہ جب خدا تعالیٰ کے رسول اُنکے لئے عذاب لیکر آئے تو اُنہوں نے کہا:۔ اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ ۱۵/۷۰ = کیا ہم نے تجھے لوگوں (کے آنے) سے منع نہیں کر دیا تھا۔ آپ کی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ قرآن کریم نے آپکے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:۔ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ○ ۱۱/۸۰ = آپنے فرمایا، کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے کیلئے قوت ہوتی۔ اور یا مَیں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا۔ اب دیکھئے! اسقدر مادی اور جماعتی کمزوری کے باوجود، کیا اللہ کا نبی قتل ہؤا یا غالب؟ آنحضرت کو اُنکے ساتھیوں سمیت باہر نکلوا کر پوری بستی پر پتھراؤ کروا دیا گیا۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۱۱/۸۲ = مخالفین ختم ہو گئے۔ اور خدا تعالیٰ نے لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ کے وعدہ کے مطابق حضرتِ لوطؑ کو غالب کر دیا۔

فرعون مغلوب اور موسیٰؑ غالب آئے

فرعون جیسا ظالم و جابر حکمران، جو حضرت موسیٰؑ کی دعوتِ ربوبیت پر اس حد تک غضب آلود ہو گیا کہ سرِ دربار کہدیا:۔ ذَرُوْنِيْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۴۰/۲۶ = چھوڑو مجھے مَیں موسیٰ کو خود قتل کرتا ہوں، پس چاہیئے کہ اب وہ (مجھ سے بچنے کیلئے) اپنے رب کو بلائے۔ لیکن فرعون، اتنا مغلوب الغضب ہو کر بھی اللہ کے نبی کو قتل کرنا تو در کنار، اُنکا بال تک بیکا نہ کر سکا۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے ذَرُوْنِيْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى کے دعویدار کو حضرتِ موسیٰؑ کی آنکھوں کے سامنے، اُسکے لاؤ لشکر سمیت غرق کرکے لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ کے وعدہ کے مطابق اپنے نبی رسول کو غالب کر دیا۔

آنحضور سلام علیہ غالب آئے

آنحضور کے متعلق، قوم کی مخالفانہ تجویز یہ تھی:۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۸/۳۰ = اور اے رسول! وہ وقت قابلِ ذکر

ہے۔ جب مخالفین نے آپ کے متعلق یہ تجویز کی، کہ یا تو آپ کو عمر بھر قید کر دیں، یا قتل کر دیں، یا ملک بدر کر دیں لیکن ہؤا یہ کہ اُن میں سے بعض خود قیدی بنکر حضور رسالت میں حاضر ہوئے بعض خود قتل ہو گئے اور بعض خود ملک بدر ہو گئے۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ کے مطابق آنحضور کو غالب کر دیا۔ المختصر کوئی ایک نبی بھی ایسا نہیں جس کے مخالفوں کو اُسکی زندگی میں تباہ کر کے اُسے غالب نہ کر دیا گیا ہو۔ پس قرآن کریم کے آئینے میں ثابت ہؤا کہ یَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ والی آیتیں سب متشابہات ہیں، اور کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ محکم آیت مجیدہ ہے۔ لہذا متشابہات محکم کی مانند ہونی چاہئیں، انکا ترجمہ اور مفہوم محکم آیت مجیدہ کے مطابق لینا چاہیئے کہ بنی اسرائیل انبیاء کیساتھ ناحق لڑائیاں کیا کرتے تھے۔

قَتَلَ یَقۡتُلُ کی لُغوی تحقیق

لفظ قتل کا سہ حرفی مادہ ق۔ت۔ل ہے۔ اسکا بنیادی معنٰی ہے کسی ہتھیار، پتھر، لاٹھی یا زہر کیساتھ مار ڈالنا۔ یہ فعل چونکہ مخالفت کی وجہ سے بروئے کار آتا ہے اسلیئے اسکا معنٰی مخالفت کرنا بھی لیا جاتا ہے۔ مخالفت کی ایک صورت جو مخالفین کو جان سے مار ڈالنے کیلئے اختیار کیجاتی ہے، وہ ہے لڑائی کرنا لہذا مادہ ق۔ت۔ل کے بنیادی معنوں کی مناسبت سے یہ سب معنے درست ہیں۔ اِسکے بعد یہ لفظ قتل مجازی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً غلط اعتقاد کی دلدلوں میں گرفتار لوگ، جو اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اولاد کے منہ سے چھین کر پیروں کی نذر کر کے اولاد کے لئے حرام قرار دیتے ہیں۔ اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّحَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَی اللّٰهِ ؕ ۶/۱۴۰ =

بلاشبہ ان لوگوں نے بیوقوفی اور لاعلمی کے ساتھ اولاد کو قتل کر دیا، جن کی حالت یہ ہے کہ وہ اُس رزق کو، جو انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اللہ کے ذمہ جھوٹ باندھکر اولاد کیلئے حرام کر دیتے ہیں (اور پیروں کیلئے حلال ٹھہراتے ہیں ۶/۱۳۹تا۱۳۶)

قتل کا ایک معنٰی ذلیل وخوار، اور تباہ وبرباد کرنا بھی ہے، جیسے کہ ۸۰ میں آیا ہے۔ قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَهٗ ذلیل خوار اور تباہ وبرباد ہوگیا انسان، اُس نے قرآن کا انکار کیوں کر دیا ہے۔ اب مادہ قتل کے متعدد معنے، قرآن کریم میں موجود ہیں۔ جان سے مار ڈالنا۔ مخالفت کرنا۔ لڑائی کرنا۔ کسی کا حق چھین کر دوسروں کو دیدینا۔ ذلیل وخوار اور تباہ وبرباد کرنا وغیرہ۔ اب لازم ہے کہ ان معنوں میں سے جو معنٰی انبیاء سلام علیہم کیساتھ بنی اسرائیل کیطرف سے قرآنی مشاہدات کی روشنی میں فٹ آتا ہے۔ نیز لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ کی محکم آیت کی مخالفت بھی نہیں کرتا، آیت زیربحث ۲/۹۱ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِیَآءَ اللّٰهِ میں وہی معنٰی مُراد لینا منشاء الٰہی کے مطابق ہو سکتا ہے۔ اور وہ ہے مخالفت کرنا، لڑائی کرنا۔ جیسے کہ بنی اسرائیل انبیاء سلام علیہم کی مخالفت بھی کرتے رہے اور اُن سے بلاوجہ لڑائیاں بھی کرتے رہے۔

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کے تذکرے کا اعادہ

آیت بالا ۲/۹۱ میں فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِیَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ کے بعد اگلی آیات کریمات میں تکرار تاکیدی کے طور پر سابقہ خبروں کا اعادہ کرتے ہوئے پھر بنی اسرائیل کو اُن کی نافرمانیاں یاد دلائی جا رہی ہیں:۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ
اور البتہ تحقیق آیا تمہارے پاس موسیٰ ساتھ دلیلوں
اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۹۲
کے پھر پکڑا تم نے بچھڑے کو معبود پیچھے اسکے اور ہو تم ظلم کرنے والے

اور البتہ تحقیق (تمہارے پاس موسیٰ (نبی) ہماری روشن دلیلیں لیکر آئے۔ پھر (اُن دلائل کو پس پشت پھینک کر) تم نے بچھڑے کو معبود ٹھہرالیا۔ سو (جان لوکہ) تم ظالم ہو۔ (جو انسان ہوکر ایک حیوان کے سامنے جھکنے لگے تھے)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
اور جب لیا ہم نے عہد تمہارا اور اٹھایا ہم نے اوپر تمہارے
الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ط
طور، پکڑو جو کچھ دیا ہم نے تم کو زور سے اور سنو،
قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ
کہا انہوں نے سنا ہم نے اور نہ مانا ہم نے اور پلائی گئی بیچ دلوں انکے کے
الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ
(محبت) بچھڑے کی بسبب کفر ان کے کے کہہ بُرا ہے جو حکم
اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۹۳
کرتا ہے تمکو ساتھ اُسکے ایمان تمہارا اگر ہو تم ایمان والے

اور وہ وقت قابل ذکر ہے، جب ہم نے تم سے (طور کے دامن میں، اسطرح کہ گویا، ہم نے طور کو تمہارے اوپر بلند کردیا ہے)، وعدہ لیا کہ جو (ضابطہ) ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے اُسے مضبوطی کے ساتھ تھام لو (اُسے دن رات کا معمول بناؤ) اور سنو۔ (لیکن تمہارے بزرگوں نے) کہا کہ ہم نے سُنا اور انکار کردیا۔ اور بچھڑا اُن کے اس انکار ہی کی بدولت اُنکے ذہنوں میں پلا دیا گیا تھا۔ اے رسولؐ کہہ دیجیئے کہ اگر تم مومن ہو تو، (تو سمجھ لوکہ) وہ بہت بُرا ہے جس کا تمہیں تمہارے ایمان حکم کرتے ہیں۔

● اگلی آیت مجیدہ میں اعادہ کے طور پر بنی اسرائیل کے اُس عقیدہ کا پھر ذکر کیا جارہا ہے، جو آیت نمبر ۸۰ میں گزر چکا ہے کہ ہمیں آگ صرف چند دن کیلئے مس کریگی۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ
کہہ اگر ہے واسطے تمہارے گھر آخرت کا نزدیک اللہ
عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ
کے خالص سوائے لوگوں کے پس آرزو کرو تم موت کی
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۹۴
اگر ہو تم سچے۔

اے رسولؐ، کہہ دیجیئے! کہ اگر (تمہارے ۸۰ کے دعوے کے مطابق) آخرت کے گھر کی کامیابی، تمام نوعِ انسانی سے الگ خالصتًا تمہارے لئے مخصوص ہوچکی ہے۔ تو پھر اگر تم سچے ہو تو، (جہاد کی) موت کی تمنا کرو۔ؔ

ؔ جہاد کی موت کے سوا کسی بھی موت کی آرزو کرنا خودکشی ہے جو حرام ہے۔

● یعنی بتایا گیا ہے کہ غرض زندگی دُوسرے گھر کی کامیابی ہے۔ اور جب تم اپنے زعم کے مطابق اُس گھر کو سنوار چکے ہو۔

تو، اُس میں پہنچنے کی تمنّا کیوں نہیں کرتے۔ لیکن بنی اسرائیل کی سرمایہ دارانہ ذہنیت کے مطابق ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ
اور ہرگز نہ آرزو کرینگے اِسکی کبھی بسبب اسکے کہ جو

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ۹۵
آگے بھیجا ہاتھوں اُن کے نے اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ (بنی اسرائیل اُس سرمایہ دارانہ نظریہ کی بدولت، جو اُنہوں نے اپنے سامنے رکھا ہُوا ہے۔ (اُس وقت تک) کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کرینگے۔ (جبتک اِس نظریہ سے علیٰحدہ نہ ہو جائیں) اور اللہ تعالیٰ بے ٹھکانا کام کرنیوالوں کو خوب جانتا ہے۔

● اِس سے آگے فرمایا:۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ
اور البتہ پاویگا تو اُن کو بہت حرص والا لوگوں سے

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ
اوپر زندگی کے اور اُن لوگوں سے کہ شریک لاتے ہیں آرزو

اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ
کرتا ہے ہر ایک اُن کا کاش کہ عمر دیا جاوے ہزار برس

اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۹۶ ع
کی اور نہیں وہ چھڑانیوالا اسکو عذاب سے یہ کہ عمر دیا جاوے
اور اللہ تو دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہیں۔

اور (اے رسُول!) آپ انہیں، تمام لوگوں سے بڑھکر جیتے رہنے کے حریص پائینگے۔ اور اُن لوگوں کو بھی جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اُن میں سے ہر شخص چاہتا ہے، کاش کہ وہ ہزار برس کی عمر پائے۔ کیونکہ اللہ دیکھتا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔ (اُن کے عمل دُنیوی زندگی کے لئے ہیں)

جبریل سے عداوت

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کی بغاوت اور نسلی تعصّب پر بھی اُس قول سے متعلقہ ایک مخصوص شق کا اعادہ کیا گیا ہے جس کا تذکرہ آیت نمبر ۹۰ میں گزر چکا ہے کہ جب اُنہیں کہا جاتا ہے کہ اِس کتاب قرآن پر ایمان لاؤ، تو وہ اِس نسلی تعصّب کی بنا پر کہتے ہیں کہ ہم تو اُس پر ایمان لاتے ہیں جو (بنی اسحاق کے ذریعہ) ہم پر نازل ہُوا ہے۔ چنانچہ اِس سلسلے میں وہ وحی لانیوالے ملک مخصوص جبریل سے عداوت رکھتے ہیں کہ اُس نے معاذ اللہ، معاذ اللہ اپنی مرضی سے بنی اسحاق کی بجائے، بنی اسماعیل کے خاندان میں وحی کر دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ
کہہ جو کوئی ہے دشمن واسطے جبریل کے پس تحقیق اُسنے

اے رسُول، کہہ دیجیئگا، کہ جو جبریل کا دشمن ہے (اللہ اُس کا دشمن ہے ۲/۴۸۔ کیونکہ جبریل امین ہے ۲۶/۱۹۴، اور

نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا
اتارا ہے اسکو اوپر دل تیرے کے ساتھ حکم اللہ کے سچا کرنیوالا
بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝
واسطے اس چیز کے کہ آگے اسکے ہے اور ہدایت اور خوشخبری
واسطے ایمان والوں کے ۹۷

بلاشبہ اُس نے (قرآن کو) اپنی مرضی سے نہیں، بلکہ) اللہ کے حکم کے ساتھ آپکے قلب اطہر پر نازل کیا ہے۔ جو اُن پیشینگوئیوں کو سچا کرنیوالا ہے جو اُس سے پہلے آچکی ہیں۔ اور یہ (قرآن) ایمان لانیوالوں کیلئے (ہر مسئلہ میں) رہنمائی کرنیوالا، اور اس پر عمل کرنیوالوں کیلئے دنیوی اور اُخروی کامیابیوں اور کامرانیوں کی خوشخبری دینے والا ہے۔

جبریل سے عداوت اللہ سے اُسکے ملائکہ سے، اور اس کے رسُولوں سے عداوت ہے

اِس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ جبریل ملک پر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا بہتان باندھا گویا، اللہ، اُسکے جملہ ملائکہ اور اُسکے جملہ رسُولوں سے عداوت رکھنا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ملائکہ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ تاثر دینا کہ وہ اپنی مرضی کرسکتا ہے۔ پورے کارخانۂ ہدایت کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ یعنی احتمال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کا پیغام رساں ملک اپنی مرضی سے موردِ وحی کو تبدیل کرسکتا ہے تو پیغام میں بھی ردّو بدل کردینا ممکن ہے۔ اور اُس سے آگے، پھر انبیاء علیہم السلام جو ملائکہ نہیں، بلکہ بشر ہیں، ابلاغِ پیغام میں اُن سے بھی کمی بیشی کے امکان کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ لیکن خداوندِ عالم نے اپنی طرف سے نازل کردہ ہدایت کو عوام تک پہنچانے کا جو انتظام فرمایا ہے، وہ ان قیاسات سے یکسر منزّہ ہے۔ اُسکے جملہ عمال امین ہیں۔ پیغام خداوندی کو اُسکے رسولوں تک پہنچانے والے مخصوص ملک جبریل کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ $\frac{26}{193}$ ۔ قرآن کو امانتدار پیغام رساں (جبریل) اللہ تعالیٰ سے لے کر نازل ہوتا ہے۔ اور جملہ انبیاء کے متعلق جن کی بشریت کا، قرآن کریم میں جگہ بجگہ اعلان کیا گیا ہے لیکن انکی امانت پر مُہرِ تصدیق ثبت کرکے خود انہی سے الگ الگ اعلان کروا دیا گیا ہے ۔اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ $\frac{26}{107}$ $\frac{26}{125}$ $\frac{26}{143}$ $\frac{26}{162}$ $\frac{26}{178}$ ۔ بلاشبہ میں تمہارے لیے رسولِ امین بنکر آیا ہوں۔ لہٰذا پیغام خداوندی کے ابلاغ میں کسی بھی تغیّر و تبدّل کا تصور تک پیدا نہیں ہوتا چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں جبریل امین کیساتھ دشمنی رکھنے کو اللہ، ملائکہ، اور انبیاء کی دشمنی قرار دیا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ
جو کوئی ہے دشمن واسطے اللہ تعالیٰ کے اور فرشتوں کے
وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ
اور پیغمبروں کے اور جبریل اور میکائیل کے پس تحقیق اللہ
لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ ۹۸
دشمن ہے واسطے کافروں کے

جو کوئی اللہ کا، اُسکے ملائکہ کا، اُسکے رسولوں کا، اور خصوصاً جبریل و میکائل کا دشمن ہے۔ پس (اُسے جان لینا چاہیئے کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ایسے) انکار کرنیوالوں کا دشمن ہے (قیامت کی عدالتِ عالیہ میں اُنہیں ضرور سزا دی جائیگی)

قرآن کریم کی صداقت کی دلیل اسکے اپنے مندرجات ہیں

قرآنِ کریم کی صداقت، خود اسکے داخلی دلائل ہیں جن کی تصدیق فی الخارج، کائنات میں موجود ہے۔ چنانچہ اس سے اگلی آئت مجیدہ میں قرآن کریم کی صداقت کا معیار جبریل کا لانا نہیں، بلکہ اسکے مندرجات کا عقل و بصیرت کے عین مطابق اور نوعِ انسانی کی مشکلات کا صحیح اور دائمی حل ہونا بتایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا
اور تحقیق اتاریں ہم نے طرف تیری نشانیاں ظاہر
يَكْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۞ ۹۹
اور نہیں کفر کرتے ساتھ اسکے مگر بدکار۔

اور اے رسول! بلاشبہ آپ کی طرف روشن دلیلیں (جن کا انکار ممکن نہیں) خود ہم نے نازل فرمائی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا انکار صرف فاسق (یعنی اللہ تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والے) ہی کرتے ہیں۔

● اگلی آئت مجیدہ میں اِن فاسقین کی تعریف کی گئی ہے:۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ
آیا جب باندھا انہوں نے عہد پھینک دیتا ہے
مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ ۱۰۰
اسکو ایک فرقہ اُن میں سے بلکہ اکثر انکے نہیں ایمان لاتے۔

کیا پھر (ایسا نہیں ہوا) کہ جب بھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی عہد باندھا۔ تو اُنکے ایک گروہ نے اُسے (پسِ پشت) پھینک دیا حقیقت یہ ہے کہ اُن کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کے طویل تذکرہ کے بعد یہود و نصارٰی کے مشترکہ حالات

بنی اسرائیل کی گوناگون نافرمانیوں کے تذکرہ کے بعد اگلی آیات کریمات میں اہلِ کتاب کے عنوان سے یہود و نصارٰی کے مشترکہ حالات بیان کئے جارہے ہیں کہ جب ان دونوں کیطرف اللہ کا پیغام آیا تو اپنی کتابوں کو بھی پیٹھ پیچھے پھینک دیا، جن میں اس آخری پیغام اور آخری نبی کی خوشخبری دیدی گئی تھی۔

وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
اور جب آیا اُن کے پاس پیغمبر نزدیک اللہ کے سے
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ
سچا کرنیوالا واسطے اُس کے جو ساتھ اُنکے ہے پھینک دیا
اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ
ایک جماعت نے ان میں سے جو دیئے گئے ہیں کتاب،
كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ ۱۰۱
کتاب اللہ کی کو پیچھے پیٹھوں اپنی کے گویا کہ وہ نہیں جانتے۔

اور جب اُن کے پاس اللہ کیطرف سے اُس کا (آخری) رسول آیا۔ جو اُس کتاب کی تصدیق کرتا ہے۔ جو اُن کے پاس تھی۔ تو اُن لوگوں نے، جنہیں (اس سے پہلے) کتاب دی گئی ہے، اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔ گویا کہ وہ اُسے جانتے ہی نہیں۔

نوری علم اور کالا علم۔ ہاروت ماروت کے متعلق روایات کی ایک عجیب و غریب حاشیہ آرائی

اس سے اگلی آیت نمبر ۱۰۲ میں اہلِ کتاب کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ آیتِ بالا کی اس خبر کے مطابق کہ جس ہدایت کے وہ منتظر تھے جب وہ بصورتِ قرآنِ کریم انکے پاس آئی۔ تو اسکا انکار کرکے، اس باطل تعلیم پر عمل پیرا رہے۔ جو روایات کے ذریعہ حضرت سلیمان کے ذمہ لگائی گئی ہے، جیسے کہ نقشِ سلیمانی وغیرہ کے مقدس لقاب کیساتھ تعویذ نویسی، چلہ کشی اور وِرد و وظائف کو سنّتِ سلیمانی بنا کر رکھدیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ ص کی آیات کریمات ۳۱ تا ۳۳، جن میں حضرت سلیمان کے جنگی گھوڑوں کا معائنہ کرنے کا ذکر ہے۔ یہ غلط معنی لیا گیا ہے کہ آپ عصر کے وقت ورد وظائف کیا کرتے تھے چنانچہ تفسیر موضح القرآن کے صفحہ ۴۷۸ پر درج ہے: "اور سلیمان دیکھنے میں اُن (دریائی گھوڑوں) کے مشغول ہوئے، تا ورد اُن کا فوت ہوا" یعنی اُنکا وظیفہ قضا ہو گیا۔ اسلئے تلوار کیساتھ اُن کی گردنوں اور پنڈلیوں کو کاٹنا شروع کیا۔ اسطرح ایک طرف تو وِرد وظائف اور نقشِ سلیمانی وغیرہ تعویذ نویسی کو انبیاء کیطرف منسوب کرکے نوری علم کا تصوّر دیا جاتا ہے، اور دوسری طرف شیطانوں کیطرف منسوب کیا جاتا ہے نام نہاد کالا علم۔ اور دونوں کا مساوی اثر بتایا جاتا ہے کہ، خلافِ معمول چیزیں نوری علم کے عامل (چلہ کش) بھی دکھا سکتے ہیں اور کالے علم، سحر، جادو کے عامل بھی۔ چنانچہ بقول اُن کے نوری علم تو ہُوا انبیاء کا اور کالا علم کس کا ہے؟ اس سوال کے جواب میں سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۱۰۲ میں آمدہ الفاظ ہاروت ماروت کے متعلق ایک عجیب و غریب جیبتانی قصہ صاحبِ تفسیر نعیمی نے، تفسیر سورہ بقر کے صفحہ ۶۹۲ پر ابنِ عباسؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور مجاہد کی روایت سے یہ درج کیا ہے کہ ہاروت ماروت نامی دو فرشتے بابل شہر کے کنوئیں میں اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں، وہ لوگوں کو سحر، جادو (کالا علم) سکھاتے ہیں: تفسیر کے الفاظ نقل مطابق اصل یہ ہیں:۔

تفسیر عزیزی وغیرہ نے بحوالہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور حاکم، و دیگر تفاسیر نے حضرت ابن عباس و علی مرتضیٰ و عبداللہ بن عمر و مجاہد رضی اللہ عنہم اجمعین سے بیان کیا ہے۔ کہ حضرت ادریس کے زمانے میں فرشتوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ مولیٰ انسان بہت بدکار ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہُوا کہ اسکو غصّہ اور شہوت دیا گیا ہے۔ اگر یہ چیزیں تم کو ملیں، تو تم بھی گناہ کرنے لگو۔ فرشتے بولے کہ مولا کریم، ہم تو گناہ کے پاس بھی نہ جائینگے۔ خواہ کتنا ہی غصّہ اور شہوت ہو۔ حکم ربّی ہُوا کہ اچھا تم اپنی جماعت میں سے اعلیٰ درجہ کے پرہیزگار، دو فرشتے چھانٹ لو، اُن کو ہم غصّہ اور شہوت دیدیتے ہیں پھر امتحان ہو جائیگا چنانچہ ہاروت ماروت جو کہ بڑے ہی عبادت گزار فرشتے تھے، انتخاب میں آگئے۔ حق تعالیٰ نے اُن کو یہ چیزیں یعنی غصّہ اور شہوت دیکر شہر بابل میں اُتار دیا۔ اور فرمایا کہ تم قاضی بنکر لوگوں کا فیصلہ کیا کرو۔ اور روزانہ اسمِ اعظم کے ذریعہ شام کو آسمان پر آجایا کرو۔ یہ دونوں ایک مہینہ تک ایسے ہی آتے جاتے رہے ..... ایک روز ایک نہایت حسین و جمیل عورت نے جس کا نام زہرہ تھا۔ حضرت علی کی روایت میں ہے کہ اسکا نام بدعت تھا۔ زہرہ لقب تھا اپنے خاوند کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ یہ دونوں اُسے دیکھتے ہی عاشق زار ہو گئے۔ اور اس سے بُری خواہش کی ..... اُس نے کہا، پہلے تو آپ میرے بت کو سجدہ کرو۔ اور پھر میرے

شوہر کو قتل. پھر میں تمہاری اور تم میرے. انہوں نے انکار کیا. وہ چلی گئی. مگر اُن کے دل میں اُسکے عشق کی آگ بھڑک گئی آخر اُسے پیغام بھیجا...... بولی، کہ یا تو آپ لوگ مجھے اسم اعظم سکھا دیں. یا بُت کو سجدہ کریں یا میرے شوہر کو قتل کریں اور یا شراب پی لیں. اُنہوں نے سوچا کہ اسم اعظم اسرارِ الٰہی ہے. اسکو ظاہر کرنا سخت ظلم ہے. بُت پرستی کرنا شرک ہے اور قتل حق العباد ہے. لاؤ شراب پی لیں. چنانچہ...... جب شراب پی کر بدمست ہو گئے. تو اُس نے اِن سے بُت کو سجدہ بھی کرالیا. اپنے شوہر کو قتل بھی. اور اسم اعظم بھی پُوچھ لیا. وہ تو اسم اعظم پڑھکر، صورت بدلکر آسمان پر پہنچ گئی...... اور اُسکی شکل زہرہ ستارے کی طرح ہو گئی. جب اِن کا نشہ اُترا تو اسم اعظم بھول چکے تھے. اور اپنے کئے پر نادم و شرمندہ تھے...... پھر یہ دونوں حضرت ادریس علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت کے طالب ہوئے، آپنے اُن کے حق میں دُعاءِ مغفرت کی حکم الٰہی آیا کہ...... یا تو دنیوی عذاب قبول کریں یا آخرت کا...... اُنہوں نے عرض کیا کہ ہم کو دُنیوی عذاب منظور ہے. چنانچہ حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا، کہ اِن دونوں کو زنجیروں میں جکڑ کر بابل کے کنوئیں میں اوندھا لٹکا دیں. اِس کنوئیں میں آگ بھڑک رہی ہے. یہ لٹکے ہوئے ہیں. اور فرشتے باری باری سے ہر وقت اُن کو کوڑے مارتے ہیں سخت پیاس سے اِنکی زبانیں باہر لٹکی ہوئی ہیں. یہ قصہ سُنن بیہقی مسند امام احمد، و دیگر کتب احادیث میں بہ اسناد صحیح مروی ہے"۔ (اس سے آگے لکھا ہے)

"اور بعض لوگوں نے ہارُوت مارُوت کو اِس حالت میں دیکھا بھی ہے. چنانچہ (یہ) حکایت حاکم نے اپنی مسند میں، اور بیہقی نے اپنی سُنن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، کہ آپ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد میرے پاس دومۃ الجندل کی ایک عورت آئی، جو کہ حضور علیہ السلام کو تلاش کرتی تھی. میں نے کہا کہ سرکار کی وفات ہو چکی. تو مجھ سے کہہ، کیا کہنا چاہتی ہے. وہ بولی کہ میں شوہر کی سختیوں سے تنگ آگئی. میں نے ایک عورت سے اپنی مصیبت بیان کی. اُس نے مجھے ایک کتے پر سوار کر کے، آن کی آن میں بابل پہنچا دیا. میں نے وہاں ایک کنوئیں میں ہارُوت مارُوت کو لٹکا ہوا دیکھا. اُنہوں نے مجھ سے آنے کا سبب پوچھا. میں نے اپنا سارا دُکھ سُنا کر، اُن سے جادُو سیکھنے کی خواہش کی. تاکہ میرا شوہر میرے قبضہ میں ہو جائے. اولاً اُنہوں نے بہت سمجھایا کہ یہ کفر ہے، نہ سیکھ، مگر میں نہ مانی، آخر اُنہوں نے مجھے فرمایا کہ اُس تنور میں پیشاب کر کے آ. میں نے اُس میں پیشاب کیا تو دیکھا کہ ایک نورانی سوار میرے بدن سے نکلا، اور آسمان کی طرف اُڑ کر غائب ہو گیا میں نے اُن سے یہ ماجرا بیان کیا. اُنہوں نے فرمایا کہ یہ تیرا ایمان تھا، جو تجھ سے چھن چکا. اب جا، تو جادُو میں خوب ماہر ہو گئی ہے. جب سے میں فنِ جادُو میں بہت اُستاد ہوں. گیہوں کا دانہ زمین میں داب کر حکم کرتی ہوں تو وہ اُگ آتا ہے. اور فوراً اُس میں خوشہ لگ جاتا ہے. پھر فوراً خشک ہو جاتا ہے. اور میرے کہنے سے فوراً آٹا بن کر روٹی ہو جاتا ہے"...... الخ (تفسیر نعیمی صفحہ ۳۹۲ - ۳۹۳)

اس روائتی تفسیر پر تو آپ علیحدگی میں غور فرمائیں. جس کی روایت میں حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، مجاہدؒ اور عائشہ رضؓ

رضی اللہ عنہا کے اسماءِ گرامی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہم آپ کو سلسلۂ درس کیطرف متوجہ کرکے، قرآن و کائنات کے دلائل قاطعہ کیساتھ واضح کرتے ہیں کہ ہاروت ماروت کون تھے، جنہیں فرشتے بنا کر انہیں تو بازارِ عشق میں رسوا کیا۔ اور زہرہ عورت کو ستارہ بنا کر رکھدیا ہے یعنی انسان کو کرۂ سماوی بنا دیا ہے ۔ لیجئے! سیاقِ کلام کا تسلسل پیشِ خدمت ہے:۔

اہلِ کتاب نے قرآن کو قابلِ اعتناء نہ جانا! ور حضرت سلیمانؑ کیطرف منسوب کردہ باطل روایات کی اتباع کرتے رہے

آیت بالا نمبر۱۰۱ میں اہلِ کتاب کے متعلق یہ بتانے کے بعد کہ جب اُنکے پاس قرآن کریم آیا، تو وہ اپنی کتاب کو بھی پس پشت ڈالکر اس پر ایمان نہ لائے! اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ اُن کتابوں کی اتباع کرتے رہے جنہیں شیطانوں نے حضرت سلیمان کیطرف منسوب کر رکھا ہے یعنی جن میں ورد و وظائف اور نقش سلیمانی وغیرہ تعویذ گنڈوں کی تعلیم درج ہے۔ آج بھی تعویذوں کے متعلق، یعنی کچھ خانہ دار لکیریں کھینچکر اور اُن کے خانوں میں بے ترتیب سے ہندسے اور یا بدّوح، یا حجحج کی قسم کے بے ڈھنگم نقوش درج کرکے کہا جاتا ہے کہ ان میں بڑی تاثیر ہے! ان سے بگڑے ہوئے کام بنجاتے، اور بنے ہوئے بگڑ جاتے ہیں۔ میاں بیوی میں جدائی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ہماری نازل کردہ کتاب کو پس پشت پھینک دیا اور:۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ
اور پیروی کرتے ہیں اُس چیز کی کہ پڑھتے تھے شیطان

سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
اوپر وقت سلیمان کے اور نہیں کفر کیا تھا سلیمان نے اور لیکن

كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ
شیطانوں نے کفر کیا سکھاتے تھے لوگوں کو جادو اور پیروی

عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ
کرتے تھے اس چیز کی کہ اتاری گئی اوپر دو فرشتوں کے بیچ

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ
شہر بابل کے ہاروت اور ماروت اور نہیں سکھاتے وہ دونوں کسی

فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا
کو یہاں تک کہ کہتے تھے سوائے اسکے نہیں کہ ہم آزمائش ہیں

يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ
پس مت کافر ہو پس سیکھتے ہیں اُن دونوں سے وہ چیز کہ جدائی

اور (اہلِ کتاب نے، اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈالکر) اتباع کی اُس چیز کی، جسے شیطان (خلوت گزین ۲/۱۴) عہد سلیمانی کیطرف منسوب کرکے تلاوت کرتے تھے۔ حالانکہ سلیمان نے یہ کفر نہیں کیا تھا (لیکن (ہاروت ماروت) شیطانوں نے (نقش سلیمانی وغیرہ کے نام سے تعویذ گنڈوں کو سلیمانؑ کے ذمہ لگا کر) خود کفر کیا ہے وہ لوگوں کو سحر (باطل تعلیم) سکھاتے تھے حقیقت یہ ہے کہ (سلیمان کے ذمہ لگائی گئی، تعویذ گنڈوں وغیرہ کی) تعلیم مذکورہ بالا دو ملائکہ (جبریل و میکال) کے ذریعہ (کسی بھی نبی پر) نازل نہیں ہوئی تھی[۲]۔ وہ دونوں ہاروت ماروت بابل میں، کسی کو تعلیم نہیں دیتے تھے یہانتک کہ اُسے کہتے تھے کہ، بلاشبہ ہم ایک فتنہ ہیں (یعنی جو کوئی ہماری اطاعت کے بعد ہمارا انکار کرتا ہے ہم اُسے تباہ کر دیتے ہیں) پس تو انکار نہ کرنا۔ پھر لوگ اُن سے (تعویذ گنڈوں کی) وہ تعلیم سیکھتے تھے، جسکے ساتھ وہ میاں بیوی میں (فتنہ پیدا کرکے) جدائی کرتے حقیقت یہ ہے کہ اُس باطل تعلیم کیساتھ وہ کسی کو بھی تکلیف پہنچانیوالے نہیں۔ (یعنی تعویذ گنڈوں کیساتھ کسی کو کوئی

وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

ڈالتے ہیں ساتھ اسکے درمیان مرد کے اور جورو اسکی کے اور نہیں

وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَلَقَدْ

وہ ضرر پہنچانیوالے ساتھ اسکے کسی کو مگر ساتھ حکم اللہ کے اور سیکھتے

عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ

ہیں وہ چیز کہ ضرر دیتی ہے اُن کو اور نہ نفع دیتی ہے ان کو اور

خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ۚ

البتہ تحقیق جانتے ہیں جو کوئی مول لیوے اسکو نہیں واسطے اسکے

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ ۱۰۲

بیچ آخرت کے کچھ حصہ اور البتہ بُرا ہے جو بیچا ہے بدلے اسکے جانوں اپنی کو اگر ہوتے جانتے

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ

اور اگر تحقیق وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے البتہ

عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ ۱۰۳

ایک ثواب تھا نزدیک اللہ کے بہتر اگر ہوتے جانتے۔ ع ۱۲ ۱۲

نقصان نہیں پہنچا) سوائے قانونِ خداوندی کے۔ (یعنی اگر کبھی اتفاق ہی ایسا ہو جائے کہ ادھر کسی کو تکلیف پہنچانے کیلئے تعویذ لیا، اور اُدھر اُسے کوئی حادثہ پیش آ گیا یعنی اُسے حادثہ کوئی تکلیف آ گئی) حقیقت یہ ہے کہ لوگ اُن سے وہ تعلیم سیکھتے تھے جو انہیں نہ نقصان دیتی ہے نہ فائدہ۔ اور بلاشبہ انہوں نے ظاہر کر دیا ہے (یعنی اُنکے حالات سے واضح ہو چکا ہے۔ کہ جو بھی اس باطل تعلیم کو اختیار کرینگے) آخرت میں اُنکا کوئی حصہ نہیں۔ (اُس قوم کا مستقبل تاریک ہو جائیگا) البتہ تحقیق بہت ہی بُرا ہے جسکے عوض وہ اپنی جانیں بیچ رہے ہیں۔ اے کاش کہ فاسق لوگ اِس حقیقت کو سمجھیں۔

؏ مرید کہتے ہیں کہ مُریدی کے بدلے ہم نے مال جان سب کچھ دیدیا ہوا ہے۔

اور اگر وہ ایمان لائیں اور اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچیں تو اُن کیلئے اللہ کے ہاں بہتر بدلہ ہے۔ اے کاش کہ وہ اسے سمجھیں۔

لَقَدْ عَلِمُوا معنی بیشک اُنہوں نے ظاہر کر دیا سورہ آل عمران اور توبہ کی آیات کریمات $\frac{3}{142}$ اور $\frac{9}{16}$ کی روشنی میں بالتصریح ثابت ہے کہ عَلِمَ یَعْلَمُ کا معنی ظاہر کرنا بھی ہے۔

میاں بیوی میں جدائی تعویذوں پر عقیدہ رکھنے والے میاں بیوی کیلئے اتنی سی بات ہی جدائی کیلئے کافی ہو جاتی ہے کہ فریقین میں سے کسی کو یہ پتہ چل جائے کہ فریق ثانی نے اُسے تعویذ ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ صرف توہماتی اثر ہے۔ ورنہ "مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ" کے الفاظ نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ سحر وغیرہ تعویذ گنڈے، بالفعل نہ فائدہ دیتے ہیں نہ نقصان، میاں بیوی کی جُدائی اور نفع نقصان وغیرہ کو تعویذوں کا اثر بتانا محض توہماتی چیزیں ہیں، جن کا اصل سبب کوئی اور ہوتا ہے۔ اور اُس سبب کو نہ جانتے ہوئے، سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ تعویذ کا اثر ہے۔

تعویذ گنڈے عمل سے روک دیتے ہیں تعویذوں کا توہماتی نقصان سب کے سامنے ہے۔ کہ اگر کسی اچھے بھلے آدمی کو، جس کا تعویذوں پر یقین ہو کہدیا جائے کہ تجھے تعویذ کھلا دیئے گئے ہیں تو وہ اپنے آپکو بیمار سمجھنے لگتا اور وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اب اس پر کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی۔ دوسری طرف اگر کوئی شخص بیمار ہو تو

اُسکا علاج کرنے کی بجائے اگر دم کرکے اور تعویذ گھول گھول کر پلائے جاتے رہیں۔ تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیمار تندرست ہونے کی بجائے، مرض سے کمزور ہوتا ہوا موت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ٹھیک علاج ہو رہا ہے۔ تو گویا تعویذ گنڈوں کا عقیدہ صحیح عمل یعنی علاج کی راہ میں دیوار بنکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور یہی حال زندگی کے باقی گوشوں کا ہے۔ جبتک ترقی کیلئے تعویذ گنڈے استعمال کئے جاتے رہے ناکامی دامنگیر رہی۔ مثلاً جبتک کھیت میں تعویذ دبائے جاتے تھے فی ایکڑ پیداوار دس بارہ من سے بڑھتی نہیں تھی، اور جب تعویذوں کی دُنیا سے نکل کر میدانِ عمل میں قدم رکھا، تو فی ایکڑ پیداوار ایک سو ستاسی من تک پہنچ گئی۔

تین اہم نکات آئت بالا نمبر ۱۰۲ میں تین اہم امور وضاحت طلب ہیں جن میں روائتی تفاسیر نے بلاوجہ ابہام پیدا کر لیا ہے۔

۱۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ کے الفاظ میں الملکین سے بابل شہر کے ہاروت ماروت شیطان مراد ہیں، یا اُوپر کے مذکور ملائکہ جبریل ومیکال؟

۲۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ میں مَا نافیہ ہے یا موصولہ۔ یعنی اَلْمَلَكَيْنِ پر کچھ نازل ہوا تھا یا نہیں؟

۳۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ میں کیا علیٰ اپنی جگہ صحیح ہے، جو سو فیصدی تراجم میں لکھا ہے۔ یا بذرکہ صحیح ہے جو اس ترجمہ میں لکھا گیا ہے؟

اَلْمَلَكَيْنِ سے مراد جبریل ومیکال ہیں ہاروت ماروت فرشتے تھے یا شیطان؟ عام تراجم میں وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۝ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۝ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ ...... الخ کے الفاظ میں ہاروت ماروت کو اَلْمَلَكَيْنِ کا بدل مانکر یہ مفہوم لیا گیا ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور جب اس نظریے پر یہ سوال پیدا ہوا، کہ فرشتوں کا کیا کام ہے جادو سکھانے کا؟ تو دو فرشتوں کے زہرہ کے عشق میں گرفتار ہو کر شراب پینے، ناحق قتل کرنے اور بُت کے سامنے سجدہ تک کرنے کا تصور پیدا کر لیا گیا ہے۔ اور پھر اس پر جب یہ سوال پیدا ہوا کہ فرشتوں میں حُسن وعشق کی نسبت کہاں سے آگئی؟ تو یہ کہا گیا کہ فرشتوں نے خدا تعالیٰ کو طعنہ دیا تھا کہ انسان بہت گناہ کرتا ہے۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے فرمایا، کہ دو بڑے سے بڑے پرہیزگار فرشتے انتخاب کر لو ہم انہیں غصّہ اور شہوت دیدیتے ہیں، پھر دیکھنا کہ وُہ کس طرح گناہ کرتے ہیں۔ چنانچہ قرعہ فال ہاروت ماروت پر پڑا۔ اور وُہ خمر قتل اور شرک جیسے عظیم گناہوں میں ملوث ہو گئے۔ العیاذ باللہ!

حالانکہ حقیقتِ حال دوپہر کے سُورج کی طرح عیاں ہے کہ ہاروت ماروت بابل شہر کے دو شیطان، خلوت نشین (۲/۱۴) انسان تھے جنہوں نے حضرت سلیمان کے بعد آپ کے ذمّہ لگا کر تعویذ گنڈوں، نقشِ سلیمانی وغیرہ کی تعلیم جاری کی تھی۔ آئت مجوزہ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا میں اَلشَّيٰطِيْنَ پر الف لام عہدی ذکری ہے، اور شیاطین کا ذکر وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ (۲/۱۴) میں گزر چکا ہے، کہ خلوت نشین گروہ کے دو مشہور افراد تھے۔ بالفاظِ دیگر ہاروت ماروت کی دو الگ خلوتگاہیں تھیں، جہاں وُہ حضرت سلیمان کے ذمّہ لگا کر

نقش سلیمانی (تعویذ گنڈے) فروخت کیا کرتے اور لوگوں کو عمل سے بیگانہ کرنیوالی، ورد وظائف کی باطل تعلیم دیا کرتے تھے لیکن اس ابہام کو دُور کرنا ضروری ہے کہ ہاروت ماروت فرشتے تھے یا شیطان۔ اسکے لئے ذیل کی، قواعد کی بحث کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

آیت مجیدہ میں اَلشَّیٰطِیْنَ پر زبر اسلئے آئی ہے کہ یہ لٰکِنَّ کا اسم ہے۔ اور اسکے بعد چونکہ ہَارُوْتَ وَمَارُوْتَ پر بھی زبر آئی ہے اسلئے قواعدِ عرب کے مطابق، کہ بدل اور مبدل منہ، اعراب میں باہم متماثل ہوتے ہیں۔ ہاروت ماروت اَلشَّیٰطِیْنَ کا بدل بنکر شیطان ثابت ہوتے ہیں لیکن دُوسری طرف اَلْمَلَکَیْنِ مجرور ہے اور ہاروت ماروت چونکہ عجمہ ہیں، اُن پر زیر آنہیں سکتی۔ اسلئے قواعد کی رُو سے اِن پر عجمہ ہونے کی وجہ سے زبر آئی ہے۔ لہٰذا انہیں محلًا مجرور مانکر، اَلْمَلَکَیْنِ کا بدل بھی مانا جا سکتا ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ لیکن اب چونکہ قواعد کی رُو سے ا[illegible]ت کے دونوں معنے درست ہیں۔ لہٰذا یہ آیت متشابہ ہے۔ پس اس امر کا فیصلہ کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی ہرگز نہیں کرتے، محکم آیات نمبر ۱۶/۴۹-۵۰ میں موجود ہے یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۔ ملائکہ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ یعنی ملائکہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے ہی نہیں۔ لیکن ہاروت ماروت چونکہ خدا تعالیٰ کے نافرمان تھے اسلئے وہ ملائکہ نہیں بلکہ شیطان ہیں۔ پس ہَارُوْتَ وَمَارُوْتَ، اَلْمَلَکَیْنِ کا بدل ہرگز نہیں۔ اس پر قواعد کی یہ محکم دلیل موجود ہے کہ ہَارُوْتَ وَمَارُوْتَ، اعراب میں متماثل ہیں اَلشَّیٰطِیْنَ کے۔ اسلئے یہ اَلشَّیٰطِیْنَ ہی کا بدل ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اَلْمَلَکَیْنِ بصیغہ تثنیہ سے کونسے دو ملک مُراد ہیں؟ اسکا جواب سامنے پڑا ہوا ہے کہ اَلْمَلَکَیْنِ کا الف لام عہدی ذکری ہے۔ اور اُوپر دو ملائکہ جبریل و میکال کا ذکر بالکل قریب موجود ہے۔ پس الملکین سے جبریل و میکال مُراد ہیں ہاروت ماروت شیطانوں کو خواہ مخواہ فرشتے بنا لیا گیا ہے۔

تفسیر ثنائی مولوی ثناء اللہ صاحب مرحوم نے قرطبیؒ، ابن کثیر اور فتح البیان کے حوالہ سے ہاروت ماروت کو بالفاظ ذیل شیاطین کا بدل لکھا ہے، الملکین کا نہیں ہ" امام رازی جیسے محققوں نے (ہاروت ماروت سے متعلقہ) ان سب قصوں کو خرافات اور اباطیل سے شمار کیا ہے۔ جو مترجمین نے اختیار کیا ہے۔ وہ قرطبیؒ نے پسند کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان وغیرہ میں مذکور ہے، کہ نواب محمد صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے بھی نقل کیا، بلکہ ترجیح دی ہے کہ ہاروت ماروت شیاطین سے بدل ہے۔" (بحوالہ ترجمہ و تفسیر ثنائی مطبوعہ ادارہ اشاعت دین ۱۴۲۱ اجمیری دروازہ دہلی صفحہ ۱۹)

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ میں ما نافیہ ہے موصولہ نہیں ہے آیت زیر بحث کے الفاظ "مَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ" میں مترجمین کے ہاں لفظ مَا کے نافیہ یا موصولہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ ترجمہ زیر نظر میں تحفظ ناموس باری کیلئے، اِسے نافیہ تسلیم کیا گیا ہے۔ مترجمین کی اکثریت نے اسے موصولہ قرار دیکر، یہ تاثر دیا ہے کہ ہاروت ماروت فرشتوں پر خدا تعالیٰ کی طرف سے سحر یعنی جادو نازل ہوا تھا۔ اور سحر یا جادو کی تعریف وہ پیش کیجاتی ہے جسے آپ تفسیر نعیمی کے حوالے میں پڑھ چکے ہیں کہ گندم کا دانہ زمین میں دبانے کے بعد اسکا فوراً اُگ آنا، اُس میں خوشے لگ جانا، پک جانا، خود بخود پس جانا اور فوراً روٹی تیار ہو جانا سحر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں ایک طرف تو ایک عظیم الشان نعمت ہیں کہ آن واحد میں بلا محنت کھانا

پک کرتیار ہو جائے۔ اور دوسری طرف اس بے پایاں انعام کا نزول انبیاءؑ کی بجائے شیطانوں پر بتایا جاتا ہے یعنی انبیاءؑ اور آپ کے صحابہؓ تو روٹی کیلئے ہل چلانے، بیج بولنے، پانی دیتے رہنے اور حفاظت کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ فصل کے پکنے کا چھ ماہ تک انتظار کرتے رہیں۔ پھر کاٹیں گاہیں، چکی میں پیسیں اور آگ پر خود پکاکر روٹی حاصل کریں، مگر شیاطین اور انکے ساتھی، کچھ نہ کریں اور سب کچھ پالیں۔ چونکہ یہ عجیب و غریب ناانصافی خداتعالیٰ کی طرف ہرگز منسوب نہیں کیجا سکتی۔ پس مَاۤ اُنۡزِلَ عَلَی الۡمَلَکَیۡنِ کا مَا موصولہ نہیں نافیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سحر یا جادو نامی کوئی چیز ہرگز ہرگز نازل نہیں فرمائی۔ جس کی مشاہداتی دلیل یہ ہے کہ دانوں کو زمین میں دبا کر پیسا پیسایا آٹا، یا پکی پکائی روٹی پورے کرۂ ارض پر کہیں بھی میسّر نہیں آتی۔ اسلئے ثابت ہوا کہ سحر یا جادو نامی کسی چیز کا وجود تک دنیا میں موجود نہیں۔

مَاۤ اُنۡزِلَ عَلَی الۡمَلَکَیۡنِ میں علیٰ بمعنی پر غلط، اور بذریعہ صحیح ہے

اس آیت مجیدہ میں مترجمین کی اکثریت نے دو ملائکہ پر کچھ نازل ہونا۔ اور اقلیت نے کچھ نازل نہ ہونا تسلیم کیا ہے لیکن قرآن کریم کی رو سے مورد وحی ملائکہ نہیں، بلکہ انبیاء سلام علیہم ہیں۔ ملائکہ محض ذریعہ ہیں اللہ کے پیغام کو اسکے انبیاء تک پہنچانے کا۔ اسلئے آیت زیر نظر میں علیٰ بمعنی بذریعہ ہے پر نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سحر یعنی باطل کو جبریل و میکال کے ذریعہ کسی بھی نبی پر نازل نہیں کیا۔ افسوس ہے کہ مورد و مہبط وحی کے بدل دینے ہی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ سحر کا نزول خداتعالیٰ کی طرف سے مان لیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآنی لغت [۲/۱۰۲] کی رو سے سحر کا معنی ہے باطل، اور ظاہر ہے کہ باطل کا نزول شیطانوں کی طرف سے تو مانا جاسکتا ہے۔ خداتعالیٰ کی طرف سے نہیں مانا جاسکتا۔

حضورِ رسالت میں یہود کی گستاخی

اس سے اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۰۴ میں دورِ رسالت کے یہودیوں کی ایک مخصوص گستاخی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کہ جب وہ حضورِ رسالت میں حاضر ہوتے تو آنحضورؐ کو اپنی طرف مخاطب کرنے کیلئے راعِنَا کہا کرتے۔ یعنی ہماری رعایت فرمائیے۔ لیکن [۴/۴۶] میں بالفاظ ذیل خبر دیگئی ہے کہ وہ راعنا زبان کو لچکا کر کہا کرتے تھے، جو بنجاتا ہے رَاعِیۡنَا اور بجائے اسکے کہ اسکا مفہوم یہ ہو کہ ہماری رعایت فرمائیے معنی بنجاتا ہے "ہمارا گڈریا"۔

مِنَ الَّذِیۡنَ ھَادُوۡا یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ وَ یَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَ عَصَیۡنَا وَ اسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَـیًّۢا بِاَلۡسِنَتِہِمۡ وَ طَعۡنًا فِی الدِّیۡنِ [۴/۴۶] ۔ یہودیوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے کلام کو اسکے مقام سے بدل دیتے ہیں۔ اور وہ رسولؐ کو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔ تو ہماری سن سنایا جا (یعنی دوسروں کی نہ سن) اور دین میں طعن دیتے ہوئے، اپنی زبان کو لچکا کر راعنا کو راعینا کہتے ہیں (ہمارا گڈریا)، خداتعالیٰ کو اپنے رسولؐ کی شان میں ایسی گستاخیاں گوارا نہیں۔ یہود کے متعلق فرمایا۔ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا وَ اسۡمَعۡ وَ انۡظُرۡنَا لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ [۴/۴۶] اور اگر وہ بیشک یہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اسلئے آپ سنیئے اور ہماری طرف نظرِ کرم فرمائیے تو ان کیلئے بہتر ہے ۔۔۔ اس طرح خداتعالیٰ نے گستاخ یہودیوں کو تو کچھ نہ کہا مگر مومنوں کو حکم دیا کہ تم ہمارے رسول کیلئے وہ لفظ استعمال ہی نہ کرنا، جو توہینِ رسالت کیلئے تراشا گیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس

کی اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا
اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت کہو راعنا اور کہو ہماری طرف
انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۱۰۴
غور کریں اور سنو اور واسطے کافروں کے ہے عذاب دینے والا۔

ایمان والو تم راعنا مت کہا کرو۔ بلکہ انظرنا کہا کرو۔ اور ہمارے رسول سے ہمارا کلام سنا کرو۔ کیونکہ انکار کرنے والوں کے لئے ہمارے ہاں دردناک عذاب ہے۔

اہل کتاب کے منکرین ربوبیت اور مشرکین کو آنحضور پر وحی کا نازل ہونا برداشت نہ ہوا

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں وجہ بتائی گئی ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین حضور پر رسالت میں اس طرح گستاخیاں کیوں کرتے ہیں۔ اسلئے کہ انہیں بنی اسماعیل میں نزولِ کتاب گوارا ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
نہیں دوست رکھتے وہ لوگ جو کافر ہوئے صاحب کتاب
وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ
سے اور نہ مشرکوں سے یہ کہ اتاری جاوے اوپر تمہارے کچھ بھلائی
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ
پروردگار تمہارے سے اور اللہ خاص کرتا ہے ساتھ رحمت اپنی کے
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ ۱۰۵
جسکو چاہتا ہے اور اللہ تو صاحب فضل بڑے کا ہے۔

ایمان والو! نہ اہل کتاب کے منکرین ربوبیت اس چیز کو پسند کرتے ہیں، اور نہ اللہ کیساتھ شریک ٹھہرانیوالے، کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے خیر (اللہ کی کتاب قرآن کریم) نازل ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کیساتھ (نبوت کیلئے) مختص کر لیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔

آخری ہدایت نامہ قرآن کریم ہے

آیت مجیدہ کے ان الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے کہ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق نبوت ہبہ فرماتا تھا۔ اکتساب کے ذریعہ حاصل نہیں کی جاتی تھی یختص برحمتہ فعل مضارع سے یہ تصور لینا غلط ہے کہ جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ کے بعد بھی نبوت جاری ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ قانونِ مشیت کے مطابق نبوت کیلئے مختص کرتا رہتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جبتک انسانیت دورِ طفولیت میں تھی، اللہ تعالیٰ پے در پے نبی بھیجتا رہا۔ اور جب انسانیت بالغ ہو گئی، تو اپنی آخری کتاب نازل فرما کر، اور اسکی حفاظت کا ذمہ لیکر ۱۵/۹، آئندہ کیلئے آنحضور کے متعلق خاتم النبیین ہونے کا اعلان کر دیا۔ کہ نبوت کو قیامت تک کیلئے قرآن کریم میں محفوظ کر دیا گیا ہے، اور اب نبیوں کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا ہے ۴۰/۳۳، اب نوعِ انسانی قیامت تک کیلئے قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرتی رہے۔

اللہ تعالیٰ شیطانوں کی نشانیوں کو منسوخ کرتا، اور اپنی آیتوں کو محکم کر دیتا ہے۔

سلسلۂ درس کی اس سے اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۰۶، آیۃ نسخ کہلاتی ہے جس سے روایتی تفاسیر نے یہ تصور اخذ کیا ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی

آیتیں منسوخ ہو چکی ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے سورۂ حج میں فیصلہ دیدیا ہے کہ وہ اپنی نہیں، بلکہ شیطان کی نشانیوں کو منسوخ کرتا، اور اپنی آیتوں کو محکم کر دیتا ہے :۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ۲۲/۵۲ ۔ اور اے رسول! نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی، مگر اُسکے ساتھ ضرور ایسا ہوا کہ جب وہ ہمارے کلام کی تلاوت کرتا، تو شیطان (دنا فرمان انسان) اُسکی تلاوت کردہ کلام میں کچھ اپنی طرف سے شامل کر دیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اِس چیز کو، جو شیطان پیش کرتا منسوخ کر دیتا اور اپنی آیتوں کو محکم کر دیتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاحب علم و حکمت ہے۔

غور فرمائیگا! کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مجیدہ مذکورہ بالا ۲۲/۵۲ میں، اپنی مستقل سُنّت بیان فرمائی ہے کہ جب بھی کسی نبی رسول کی مجلس میں کوئی شیطان اپنی طرف سے کچھ پیش کرتا تو اُسے منسوخ کر دیا جاتا۔ اور اپنی آیتوں کو محکم کر دیا جاتا تھا۔ اب آپ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۱۰۴ میں دیکھ چکے ہیں کہ مجلس رسول سلام علیہ میں، جہاں کلام الٰہی کی تلاوت ہوتی تھی تو حاضرین استفسار مسائل کیلئے آنحضور کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ تو یہودیوں نے آپکو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے زبان میں لچک پیدا کر کے جب رَاعِنَا کو رَاعِیْنَا کہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ۲۲/۵۲ کی مستقل سُنّت مطہرہ کے مطابق شیطان کی اِس نشانی رَاعِنَا کو منسوخ کر دیا۔ اور اپنی آیت اُنْظُرْنَا کو محکم فرما دیا۔ دیکھئے! ۶/۲۲، ۶/۳۴، ۶/۶۵ کی محکم کی آیات کریمات، جن میں آنحضور کو خدا تعالیٰ نے بار بار اُنْظُرْ اُنْظُرْ فرمایا ہے۔ اور مومنین کو اُسی کی تاکید فرما کر کہ حضور رسالت میں اُنْظُرْنَا کہا کرو، اپنی اِن آیتوں کو محکم کر دیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِسی رَاعِنَا کی تنسیخ اور اُنْظُرْنَا کی تحکیم کی خبر دیگئی ہے :۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۰۶

جو موقوف کرتے ہیں ہم آیتوں سے یا بھلا دیتے ہیں ہم ان کو لاتے ہیں ہم بہتر اس سے یا مانند اُسکے۔ کیا نہ جانا تو نے یہ کہ اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

اور نہیں ہم منسوخ کرتے کسی (شیطانی) نشانی کو ۲۲/۵۲، یا اُسے بھول جانے کا حکم دیتے ہیں تو ہم اُس سے بہتر اور اُس کی مثل لاتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیمانے قانون مقرر کرنے والا ہے۔

(نوٹ) اِس آیت کا مقابلہ مندرجہ بالا آیت ۲۲/۵۲ کے ساتھ کریں۔ اِس آیت میں آیا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ، اور ۲۲/۵۲ میں آیا ہے فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ پس ثابت و بیّن ہے کہ نَنْسَخْ کا بدل ہے يَنْسَخُ اللّٰهُ اور اٰيَةٍ کا بدل آیا ہے مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ۔ پس اٰيَةٍ سے مُراد یہاں اللہ کی آیت نہیں۔ بلکہ شیطان کی نشانی ہے، جیسے کہ یہودی شیطانوں نے خود رَاعِنَا تراش لیا تھا۔ رَاعِنَا، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیت ہرگز نہیں۔

اَوْ بمعنی واؤ اور

ترجمہ میں اَوْ کا معنی واؤ کیا گیا ہے۔ اسکے لئے دیکھئے لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً میں اَوْ بمعنی اور ہے، یعنی کوئی ہرج نہیں کہ اگر تم مس سے پہلے بیویوں کو طلاق دو اور تم نے مہر مقرر نہیں کیا۔ اس سے آگے دوسری صورت بیان ہوئی ہے۔ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ اور اگر تم انہیں مس سے پہلے طلاق دو اور مہر مقرر کیا ہے $\frac{۲}{۲۳۶-۲۳۶}$
یہاں مولوی احمد علی لاہوری، اشرف علی، مولوی ثناء اللہ صاحبان سب نے اَوْ کا معنی اور ہی لکھا ہے۔

بہتر بھی اور مثل بھی

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر شیطانی نشانی منسوخ کرکے اسی جیسی ہی آیت لائی جائے، تو منسوخ کرنے کا کیا فائدہ؟ اس کا جواب خود آیت مجیدہ نمبر ۴ میں موجود ہے کہ شیطانی نشانی رَاعِنَا کو منسوخ کرکے اُنْظُرْنَا لایا گیا ہے، جو مفہوم کے لحاظ سے اسکی مثل ہے، یعنی ہماری رعایت فرمایئے، اور ہماری طرف نگاہ فرمایئے دونوں مترادف المفہوم ہیں۔ لیکن اُنْظُرْنَا رَاعِنَا سے بہتر ہے، کیونکہ اس میں توہینِ رسالت کیلئے لچک پیدا کرنے کی گنجائش موجود ہی نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

آیت مجیدہ کا آخری جملہ ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اس جملے کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ کائنات یعنی سنّت جاریہ، اور اپنی آیات کریمات یعنی اپنے نازل کردہ ضابطے میں ردّ و بدل اور ترمیم و تنسیخ پر قادر ہے۔ جہاں تک اسکی قدرت کا تعلق ہے، بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن قرآنی لغت اور تصریفِ آیات کی روشنی میں اس جملے کا مذکورہ معنی غلط ہے۔ لفظ قدیر صفت مشبہ ہے مادہ قدر سے۔ اور قدر کا معنی ہے اندازہ مقرر کرنا، قانون بنانا۔ اور اس مادہ سے اسم فاعل، قادر کا معنی ہے اندازہ مقرر کرنے والا، قانون بنانے والا، اور قدیر صفت مشبّہ کا معنی ہے صحیح صحیح اندازے مقرر کرنے والا صحیح صحیح قانون بنانے والا پس اس جملے کا صحیح معنی یہ ہے:۔
بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا صحیح صحیح اندازہ مقرر کرنے والا، صحیح صحیح قانون بنانے والا ہے۔ اب بتایئے! کہ کیا جو ذات مقدس صحیح صحیح قانون بنانے والی ہے۔ اور اسکے بنائے ہوئے قوانین جاریہ میں کبھی بھی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔ کیا اس کا نازل کردہ ضابطۂ حیات ایسا ہو سکتا ہے کہ اس میں اسے وقتاً فوقتاً ترمیم و تنسیخ کرنی پڑ جایا کرے؟ ہرگز نہیں۔
آیۂ نسخ ۱۰۶ کا صحیح مفہوم آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اس پر خدا تعالیٰ نے، اگلی آیت کریمہ کو بطورِ دلیل قاطعہ پیش کیا ہے۔ کہ جب اسکے ارض و سماوات کے کائناتی قوانین میں کبھی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہیں پڑی، تو ضابطۂ انسانی کے طور پر نازل کردہ قوانین (آیاتِ قرآنیہ) میں تنسیخ کی ضرورت کس طرح ہو سکتی ہے۔ دیکھئے ارشادِ ربّانی:۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
کیا نہیں جانتا تو یہ کہ اللہ تو واسطے اسکے ہے بادشاہی آسمانوں کی

کیا تو نہیں جانتا (یعنی تجھے جاننا چاہیے) کہ بلاشبہ اللہ ہی کیلئے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی۔ اور جاننا چاہو کہ

وَالْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۝ تمہارے لئے اُس کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔
اور زمین کی اور نہیں واسطے تمہارے سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ مددگار

● دیکھئے! اِس آئت مجیدہ میں دعوت دی گئی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں خدا تعالیٰ کی حکومت جاریہ پر غور کر کے دیکھ لو کہ کیا اُسکے قوانین جاریہ میں کہیں ترمیم و تنسیخ موجود ہے؟ اور جب اِس میں اُسے کہیں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہیں پڑتی تو جان لو کہ اپنے نازل کردہ ضابطے میں بھی اُسے تنسیخ کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ نیز خدا تعالیٰ نے ۲۲/۵۲ میں اعلان عام کر دیا ہے کہ وہ شیطان کی نشانیوں کو منسوخ کرتا، اور اپنی آئتوں کو محکم کر دیتا ہے لیکن:۔

روائتی تفاسیر کی رُو سے اسلام میں نسخ کی چار صورتیں ہیں

لیکن روائتی تفاسیر نے نسخ کو صرف تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ دین میں اِسکی چار صورتیں بتائی ہیں:۔

۱۔ قرآن کی تنسیخ قرآن کیساتھ ۲۔ حدیث کی تنسیخ حدیث کیساتھ۔
۳۔ حدیث کی تنسیخ قرآن کیساتھ۔ اور ۴۔ قرآن کی تنسیخ حدیث کے ساتھ۔

دیکھئے تفسیر نعیمی سورہ بقر صفحہ ۴۰۸ پر اسی آیۂ نسخ کی تفسیر میں لکھا ہے:۔ نسخ کی چار صورتیں ہیں۔ نسخ آئت کا آئت سے ...... دوسرے، نسخ حدیث کا حدیث سے ...... تیسرے، نسخ آئت کا حدیث سے (معاذ اللہ استغفر اللہ) ...... چوتھے، نسخ حدیث کا قرآن سے ۔۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کی پیش کردہ نشانیوں کو منسوخ اور اپنی آئتوں کو محکم کرتا ہے۔ یعنی خود اللہ تعالیٰ بھی اپنی آئتوں کو منسوخ نہیں کرتا۔ لیکن روائتی تفاسیر ہیں، کہ قرآن کریم کو حدیث کیساتھ منسوخ کر رہی ہیں۔
اِس طرح روائتی تفاسیر نے کہیں تو قرآنِ کریم کی پانچ سو آئتوں کو منسوخ کیا ہے، بعض کو خود قرآن کریم کیساتھ۔ اور بعض کو احادیث کیساتھ۔ پھر خود ہی علماء روایات، اختلاف کر کے شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے دور تک اِن کی تعداد کو خود گھٹاتے چلے آئے ہیں۔ حتیٰ کہ پانچ سو کی پانچ رہ گئیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے صرف پانچ آئتیں منسوخ بتائی ہیں۔ ناسخ منسوخ کی ذیلی بحث دیباچہ کے عنوان نمبر ۲ میں ملاحظہ فرمائیں ۔۔ افسوس ہے کہ روایات کے نظریۂ نسخ آیات قرآنیہ میں اللہ اور رسول کے الگ الگ مدارج کا لحاظ بھی نہیں رکھا گیا۔ حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے آئت نازل کرے اور اُسکا رسُول اُسے منسوخ کر دے؟۔ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ کیا قرآن بھر میں کہیں آنحضور کو تنسیخ آیاتِ قرآنیہ کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے؟ اور جب آپ کا یہ منصب ہی نہیں، بلکہ آپکا منصب تبلیغ قرآن ہے، تنسیخ قرآن نہیں ۵/۶۷، اور اتباع قرآن ہے، اختلافِ قرآن نہیں ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵، تو کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ حدیث ناسخ قرآن ہے۔ اور پھر صاحب تفسیر نعیمی نے تفسیر عزیزی کے حوالہ سے نسخ القرآن بالحدیث کی جو مثال پیش کی ہے۔ وہ کسی معمولی عقل کی میزان پر بھی پوری نہیں اترتی۔ اِسی صفحہ ۴۰۸ پر حدیث کے ساتھ آئت قرآنی کے نسخ کی یہ مثال پیش کی گئی ہے کہ:۔
جیسے ماں باپ اور اہل قرابت کو وصیّت کرنا قرآن سے ثابت ہے اَلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ۔ مگر یہ

آئت بحکم حدیث لَا وَصِیَّةَ لِلْوَارِثِ سے منسوخ ہے۔ دیکھئے کتنی ضروری آئت کو معاذاللہ معاذاللہ، حدیث کے ذریعہ منسوخ ٹھہرایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وارثوں کی مختلف حالتوں کے پیش نظر، اُن کیلئے وصیّت کا انتہائی ضروری حکم دیا ہے مثلاً اگر متوفی نکے دو بیٹے ہیں، ایک تعلیم پاکر برسرِ روزگار ہو چکا ہے۔ اور دُوسرا ابھی دُودھ پیتا ہے تو لازم آتا ہے کہ اُس بچے کی تعلیم و تربیت کا وُہ خرچ، جو بڑا لڑکا حاصل کر چکا ہے، وصیّت کے ذریعہ الگ کر دیا جائے۔ اور باقی مال دونوں بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اِسکے بغیر مذکورہ صورت میں دونوں بھائیوں کے درمیان، مال کی مساوی تقسیم چھوٹے بچے پر انتہائی ظلم ہے۔ اِسکا حصّہ تو اُسکے فارغ التحصیل ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائیگا۔ اِسی طرح غیر شادی شدہ بچے کو بھی، شادی کا خرچ الگ دیئے بغیر مساوی حصّہ دینا صحیح نہیں۔ اِنہی ناہمواریوں کا حل خدا تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا ہے، کہ مرنے والا اپنی اولاد، اور ماں باپ کے وقتی حالات کے مطابق اُن کیلئے وصیّت کر جائے۔ اور باقی مال مقرّرہ حصّوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے، جسے معاذ اللہ، معاذ اللہ آنحضور صلعم علیہ کے ذمّہ لگا دیا گیا ہے کہ آپ نے اِس آئت کو منسوخ کر دیا تھا۔

بروایتی تفاسیر کی رُو سے نسخ آیات کی تین قسمیں ہیں

تفسیر نعیمی کے صفحہ ۷۰۰ پر درج ہے کہ:۔ نسخ کی دو چار صورتوں کے علاوہ، اِسکی تین قسمیں بھی ہیں، نسخ تلاوت، نسخ حکم اور نسخ تلاوت و حکم۔ نسخ تلاوت یہ ہے کہ آئت کے الفاظ قرآن میں نہ رہیں۔ اور نماز وغیرہ میں اُسکی تلاوت بھی جائز نہ ہو۔ مگر اُسکے احکام باقی ہوں، جیسے کہ یہ آئت اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَةُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْهُمَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۝ یعنی جب بڈھا اور بڑھی بے حیائی کے مُرتکب ہوں تو اُنہیں سنگسار کرو، اللہ سے ڈرانے کیلئے۔ یہ آئت تلاوتاً منسوخ ہے، مگر اِسکا حکم باقی ہے۔

منسوخ فی الحکم یہ کہ آئت قرآن میں موجود رہے، اُسکی تلاوت بھی ہوتی رہے۔ مگر اُسکا حکم باقی نہ ہو۔

منسوخ التلاوت والحکم یہ کہ نہ تو آئت کا حکم باقی رہے نہ تلاوت، جیسے ایک آئت تھی عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَّعْلُوْمَاتٍ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا دُودھ دس گھونٹ پینے سے رضاعت ثابت ہوگی۔ مگر اب نہ اِسکی تلاوت رہی ہے اور نہ اِسکا حکم۔ بلکہ ایک گھونٹ سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے ـــ افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتابِ مقدّس کیساتھ روایات نے عقل و نقل دونوں کی رُو سے انتہائی مخالفانہ سلوک روا کر رکھا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۱۵/۹ کی رُو سے قرآنِ کریم میں سے حکم یا تلاوت، کسی بھی چیز کے غائب ہونے کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ہے نقل ـــ اور عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال نسخ آیات کا عقیدہ لازم ہی مانا جائے، تو جس آئت کا حکم منسوخ ہو اُسکی تلاوت بھی منسوخ ہونی چاہیئے۔ اور جس کی تلاوت منسوخ ہو، اُسکا حکم بھی منسوخ ہونا چاہیئے۔ لیکن یہاں کسی قاعدہ قانون کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ کہیں آئت موجود ہے اور حکم غائب، اور کہیں حکم موجود ہے اور آئت غائب۔ العیاذ باللہ

بنی اسرائیل کیطرح سوال نہ کیا کرو

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی فہرست میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اُنکا معمول تعمیلِ حکم کی بجائے حضرت موسیٰ پر سوال در سوال کرتے رہنا بتایا گیا ہے۔ اِسلئے آگے

پڑھنے سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آنحضورؐ پر بنی اسرائیل جیسے طنزیہ الفاظ کیساتھ سوال کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَکُمۡ کَمَا
کیا ارادہ کرتے ہو تم یہ کہ سوال کرو پیغمبر اپنے سے جیسا
سُئِلَ مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ مَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ
سوال کیا گیا تھا موسٰیؑ پہلے اس سے اور جو کوئی بدل ڈالے کفر کو
بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱۰۸﴾
بدلے ایمان کے پس تحقیق گمراہ ہوا راہ سیدھی سے۔

کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ اپنے رسولؐ پر سوال کرو، جس طرح اس سے پہلے موسٰیؑ پر (بنی اسرائیل کی طرف سے) سوال کئے گئے تھے (تم ایسا نہ کرنا ۵۵/۴) حقیقت یہ ہے کہ (کٹ حجتی کا ایمان کیساتھ کوئی تعلق نہیں) جس شخص نے ایمان کو کفر کیساتھ بدل دیا۔ وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

● اس آیت میں طنزیہ سوالوں سے منع کرنے کے بعد، اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومنوں سے سوال کرانے میں بھی اہلِ کتاب کا ہاتھ ہے، وہ بعض صحابہ کو اس غرض سے سوالوں پر اکساتے تھے، کہ وہ باطل مذاہب کی طرف لوٹ آئیں۔

وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ
دوست رکھتے ہیں بہت اہلِ کتاب میں سے کاش کہ پھیر
مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ
دیں تمکو پیچھے ایمان تمہارے کے کافر حسد سے پاس ہی اپنے
اَنۡفُسِہِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡحَقُّ ۚ فَاعۡفُوۡا
کے سے پیچھے اسکے کہ ظاہر ہوا واسطے انکے حق پس معاف
وَ اصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
کرو اور درگذر کرو یہانتک کہ لاوے اللہ تعالیٰ حکم اپنا (یعنی
عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۹﴾
جہاد کا) تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

اہلِ کتاب کی اکثریت، پیچھے اسکے کہ اُن پر حقیقت عیاں ہو چکی ہے، اپنے حسد کی بدولت یہ چاہتی ہے کہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دے۔ پس ایمان والو! انکو سے درگزر کرو اور انکے توہین آمیز رویّہ کو کوئی وقعت نہ دو ۱۵/۸۵، ۳۳/۴۸، یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر لے آئے (یعنی اُسکے مقررہ قوانین کے مطابق انکے جرائم کی سزا کا وقت آجائے۔ کیونکہ وہ اپنے مقررہ قانونِ مہلت کے خلاف جلدی نہیں کرتا۔ لہٰذا تم بھی جلدی نہ کرو) بلاشبہ وہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین بنانے والا ہے۔

نظامِ ربوبیّت قائم کرو بنی اسرائیل کی کٹ حجتیوں سے صرفِ نظر کی تاکید کے بعد، اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے کرنے کا کام یہ ہے کہ تم اجتماعی نظامِ ربوبیّت قائم کرو (یعنی معاشرہ کے کمزوروں کو انکا حقِ ربوبیّت مہیا کرو)۔

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوۡا
اور قائم رکھو نماز کو اور دو زکوٰۃ کو اور جو کچھ کہ آگے بھیجو گے

(اہلِ کتاب تمہیں بہکا کر باطل دین کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔ اُن سے صرفِ نظر کرو) اور الصّلوٰۃ (نظامِ ربوبیّت)

لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ
واسطے جانوں اپنی کے بھلائی سے پاؤگے اُسکو نزدیک اللہ
اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۱۱۰
تعالیٰ کے تحقیق اللہ ساتھ اُس چیز کے کہ کرتے ہو دیکھنے والا ہے

قائم کرو۔ یعنی اجتماعی طور پر معاشرہ کے کمزوروں کو فربہی دو۔ اور (اس کیلئے تم جو کچھ خرچ کروگے وہ تمہاری ہی جانوں کیلئے ہوگا) جو کچھ تم اپنی جانوں کیلئے آگے بھیجوگے۔ اُسے اللہ کے ہاں موجود پاؤگے۔ بلاشبہ تم جو بھی کام کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُسے دیکھنے والا ہے۔

اقامت صلوٰۃ وایتاءِ زکوٰۃ کی اصطلاح، قرآن کریم کی رُو سے ایک ایسا اجتماعی نظام ہے، جو صلوٰۃ موقّت سے شروع ہوتا ہے۔ جسے مسجدی نظام بھی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ آگے چل کر آیت نمبر ۱۱۴ میں مسجد کا نام لیکر اسے مسجد ہی سے متعلق بتایا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر نظامِ ربوبیت کی ابتداء صلوٰۃ موقّت سے ہوتی ہے، یعنی خدا تعالیٰ کی حاضری اور نوعِ انسانی کی خدمت کے مقدس جذبہ کے ماتحت مومنین، روزانہ صبح کی صلوٰۃ مسجد میں اکٹھے ہوکر ادا کرتے ہیں۔ اور حلقۂ مسجد کے جملہ افراد کی ترقی ہوتی ضرورتوں میں ایک دوسرے کے ممدّ و معاون بنتے ہیں تفصیل آیت نمبر ۱۱۴ کے ضمن میں آگے آرہی ہے۔

اہلِ اسلام کے مقابلے پر یہود و نصاریٰ کی الگ الگ کوشش

سابقہ آیات کریمات میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی طویل فہرست کے بعد اہلِ کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ کے متعلق کہ وہ اہلِ اسلام کو، اسلام سے بہکانے، اور انہیں اپنے اپنے مذہب کی طرف لوٹانے کی کوشش کرتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ اہلِ اسلام کو جنت نہیں ملیگی۔ جنت یا تو یہود کا حق ہے یا نصاریٰ کا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اِس چیز کو اُن کی محض خوش فہمی قرار دیکر حقیقتِ حال کا اعلان فرمادیا ہے کہ، دُنیا اور آخرت کی جنت، نفسانی خواہشات سے الگ رہکر، اپنی رضا کو احکام خداوندی کے تابع کردینے کا بدلا ہے۔ محض عقیدت مندی کے خیالی محل تعمیر کرنے کا صلہ جنت نہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ
اور کہا انہوں نے ہرگز نہ داخل ہوگا بہشت میں مگر جو
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا
کوئی ہو دیگا یہود یا عیسائی یہ ہیں آرزوئیں اُنکی کہہ لاؤ دلیل
بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۱۱۱
اپنی اگر ہو تم سچے۔

اور اہلِ کتاب کہتے ہیں کہ نہیں داخل ہوگا جنت میں، مگر وہ، کہ یا وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو ($\frac{۲}{۱۳۵}$) یہ اُن کی محض کھوکھلی اور باطل) امیدیں ہیں۔ اے رسول کہہ دیجئیگا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی دلیل لاؤ (ملا)

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ (مل) تِلْكَ اسم اشارہ مؤنث بعید، بمعنی مذکورہ بالا۔ اَمَانِیُّ اُمْنِیَّۃٌ کی جمع ہے۔ اِسکا سہ حرفی مادہ م-ن-ی ہے۔ اور بنیادی معنی ہے کسی چیز کا اندازہ کرنا۔ ظن و تخمینہ۔ خواہش محض۔ باطل آرزو۔ نیز اس کا معنی تلاوت کرنا بھی ہے ($\frac{۲۲}{۵۲}$)

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ | هَاتُوا، مصدر مُهَاتَاةٌ بمعنی دینا ہے، امر جمع مذکر ہے (المنجد) یعنی تم اپنی دلیل دو۔

بُرہان کا مادہ ہے۔ ب۔ ر۔ ہ برہٌ جس کا معنی ہے روشن ہونا اور برہنٌ کا معنی ہے مضبوط ہونا۔ قرآن کریم کے لئے آیا ہے، قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ ۴/۱۷۴ تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل قاطعہ قرآن عظیم آگیا ہے، یعنی ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور نازل کیا ہے۔ اس طرح اہل کتاب سے انکی کتاب کی دلیل مانگی گئی ہے۔ اب هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ، کے جواب میں نہ وہ محرّف کتابیں پیش کر سکتے تھے نہ منسوب روائتیں کیونکہ جیسے کہ آئت نمبر ۱۱۳ میں آگے آرہا ہے وہ خود ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اپنی اپنی کتابوں کی سند سے ہی ایسا کرتے ہیں۔ نیز ایک دوسرے کو گمراہ ٹھہرانے والے دونوں گروہ عقل کی رُو سے بھی ایک سچّے کے ثابت نہیں ہوتے۔ لہذا اس آئت میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ، مسلمانوں کو بہکانے کے لئے الگ الگ کہتے تھے کہ جنّت صرف یہود و نصاریٰ کا حق ہے۔ لیکن:-

اس سے اگلی آئت میں فیصلہ دیدیا گیا ہے، کہ جنّت، بدلہ ہے اطاعت خداوندی کا۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
بلکہ جو شخص کہ سونپ دیوے منہ اپنا واسطے اللہ کے اور وہ
فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
ہو نیکی کرنے والا۔ پس واسطے اسکے ثواب اسکا ہے نزدیک پروردگار
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ۱۱۲ ع ۱۴
اسکے کے اور نہیں ڈر اوپر انکے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

ہاں دُنیوی اور اُخروی جنّت اُس گروہ کا حصّہ ہے، جس نے اپنے آپکو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار کر دیا، یعنی وہ (معاشرہ میں) حسن و توازن پیدا کرنے والا ہے۔ پس اس کیلئے (قیام توازن کا) اجر اسکے پروردگار کے ہاں محفوظ ہے۔ اور انہیں جزا سے محروم ہونے کا خوف بھی نہیں ہوگا۔ اور نہ اعمال کے ضائع ہو جانے کے غم میں وہ غمگین ہونگے۔

مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ | اَسْلَمَ کا سہ حرفی مادہ س۔ ل۔ م سلم ہے۔ اسکا بنیادی معنی ہے سلامتی میں آجانا۔ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جانا۔ اسی مادہ سے سِلْم، سُلَّم، اسلام اور تسلیم کے الفاظ مشتق ہیں۔ سِلْم کا معنی ہے صلح و صفائی، ظاہر ہے کہ صلح صفائی امن و سلامتی کا ذریعہ ہے۔ سُلَّمٌ کا معنی ہے سیڑھی یعنی کسی بلندی پر پہنچنے کا قابل اعتماد اور امن بدوش ذریعہ۔ اسلام اور تسلیم کا معنی ہے مطیع و فرمانبردار ہونا۔ مُسْلِم کا معنی ہے فرمانبردار، مطیع و منقاد۔

وَجْهَهٗ کا سہ حرفی مادہ ہے و۔ ج۔ ہ۔ اسکا بنیادی معنی ہے سامنے والی چیز۔ چنانچہ اس لفظ کا معنی سامنے، روبرو، طرف وغیرہ اسی بنیاد پر لیا جاتا ہے۔ وجہ النّہار کا معنی ہے دن کا سامنے کا حصّہ یعنی پہلا حصّہ۔ ہر چیز کے افضل و اشرف حصّہ کو بھی وجہ کہتے ہیں اسطرح قوم کا سردار وجہ القوم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ سامنے والی چیز کی رعائت سے، چہرہ چونکہ ہر وقت سامنے رہتا ہے، اسلئے اسے بھی وجہ کہتے ہیں۔ اور اس سے آگے چونکہ پورا جسم بھی سامنے رہتا ہے۔ اسلئے جزء کے بعد کل پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ اور وجہ کا معنی ذات ہوا، یعنی اپنا آپ۔ چنانچہ اس آئت مجیدہ میں مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کا معنی لکھا گیا ہے، جس نے اپنے آپکو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار

کردیا۔

یہود و نصاریٰ خود ایک دوسرے کو گمراہ ٹھہراتے ہیں

اگلی آیت مجیدہ میں ھَاتُوا بُرْھَانَكُمْ کے جواب میں خود ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ دلیل کیا لائینگے۔ جو خود ایک دوسرے کو غلط نظریات اور باطل تصوّرات کے حامل قرار دیتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى
اور کہا یہود نے نہیں نصاریٰ اوپر کسی چیز کے
عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ
اور کہا نصاریٰ نے نہیں یہود اوپر کسی چیز کے اور
عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ
وہ پڑھتے ہیں کتاب اسی طرح کہا ان لوگوں نے
قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ
جو نہیں جانتے مانند بات ان کی کے پس اللہ حکم
فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا
کرے گا درمیان ان کے دن قیامت کے بیچ اُس چیز
فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ ۱۱۳
کے کرتے بیچ اُسکے اختلاف کرتے۔

(یہ کیا دلیل لائینگے) جبکہ یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں ہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں حالانکہ وہ (دونوں اپنے اپنے زعم میں) اللہ تعالیٰ ہی کی کتاب پڑھتے ہیں اسیطرح وہ لوگ جو کتاب کے مسائل کو چھپاتے ہیں (یعنی اُن کے علماء، جو عوام میں سند مانے جاتے ہیں، مگر) وہ بھی انہی کے قول کی مثل کہتے ہیں (ایک دوسرے کو لاشئے قرار دینا، دلیل کا بدل نہیں ہوسکتا) پھر اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان قیامت کے دن اُن مسائل کا فیصلہ کر دے گا، جن میں وہ آپس میں جھگڑا کرتے چلے آرہے ہیں۔

عَلِمَ لَيَعْلَمُ کا معنی ظاہر کرنا بھی ہے

آیات کریمات $\frac{۳}{۱۴۲}$ اور $\frac{۹}{۱۶}$ میں عَلِمَ لَيَعْلَمُ کا معنی ثابت ہے ظاہر کرنا۔ اسیطرح يَعْلَمُونَ کا معنی ہے وہ ظاہر کرتے ہیں، اور لَا يَعْلَمُونَ کا معنی ہے وہ ظاہر نہیں کرتے، چھپاتے ہیں۔ $\frac{۹}{۱۶}$ میں آیا ہے:۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جٰهَدُوا مِنْكُمْ۔ دیکھئے یہاں يَعْلَمِ اللّٰهُ کا معنی ہے اللہ نے ابھی ظاہر نہیں کیا۔ اسکے برعکس اگر یہ معنی لیا جائے کہ ابھی اللہ نے جانا نہیں، تو علمِ الٰہی پر زد پڑتی ہے۔

ربوبیت کا مسجدی نظام۔ مسجد مومنوں کا دیوانِ عام ہے

اوپر آیت نمبر ۱۱۰ میں حکم دیا گیا ہے، اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ، جس کا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ لیکن تصریفِ آیات کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اسطرح ہمارا مقصد صلوٰۃِ موقّت، یعنی نماز کی اہمیت کو ضائع یا کم کرنا نہیں۔ اگلی آیت نمبر ۱۱۴ کی رُو سے ثابت ہے کہ ہموار و متوازن معاشرہ کا مرکزی مقام مسجد ہے۔ اور نظامِ ربوبیت، صلوٰۃِ موقّت (نماز) ہی

سے شروع ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم کی رُو سے یہ تصوّر ہرگز صحیح نہیں ہے کہ نماز پڑھی اور گھر چلے آئے۔ اور سمجھ لیا کہ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ کا حکم پورا ہو چکا۔

● یاد رہے کہ صلوٰۃ موقّت (نماز) قرآنی معاشرہ کی وُہ ماڈل صُورت ہے جسے خداوند تعالیٰ مسجد سے باہر معاشرہ میں قائم رکھنا چاہتا ہے۔ یعنی جس طرح نماز کی صف میں اعلیٰ و ادنیٰ اور بندہ و صاحب کی کوئی تمیز موجود نہیں ہوتی۔ اسیطرح وُہ چاہتا ہے کہ معاشرہ میں حقیقی طور پر کوئی اُونچ نیچ باقی نہ رہے، وہ یہ نہیں چاہتا کہ مسجد میں آکر تو ایاز و محمود ایک صف میں کھڑے ہو جائیں مگر مسجد سے باہر جا کر پھر محمود محمود ہو اور ایاز ایاز، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ جسطرح مسجد میں محمود محمود نہیں تھا اور ایاز ایاز نہیں تھا اُسی طرح معاشرہ میں بھی یہ امتیاز ختم ہو کر اسلامی مساوات کی صرف زبانی رٹ نہ لگائی جائے۔ بلکہ پُورا معاشرہ حقیقتاً توازن و مساوات کا پیکرِ محسوس بنا ہوُا ہو۔

● یہ تو ہم ابتدا ہی میں واضح کر چکے ہیں، کہ خداوند تعالیٰ قرآنی معاشرہ کو اُس مقام پر لیجانا چاہتا ہے جہاں ہر چیز بصُورتِ محسوس اللہ تعالیٰ کی قرار پائے۔ ایسا نہ ہو کہ مکان کے دروازہ پر تو لکھا ہے :۔ درحقیقت مالکِ ہر شے خدا است، ایں امانت چند روزہ نزدِ ما است ــ یعنی فی الحقیقت ہر چیز کا مالک خُدا تعالیٰ ہے۔ یہ مکان یا کوٹھی، صرف چند روزہ امانت ہے جو میرے پاس ہے ــ اور اُس خداوندی امانت کا کرایہ خود اُسی کی مجبور مخلوق سے سَو دوسو، چار سو روپیہ ماہوار وصُول کیا جا رہا ہو۔ العیاذُ باللہِ!

● المختصر! مسجدی نظام میں پوُری آبادی، مسجدی حلقوں میں تقسیم ہو کر اپنی اپنی مسجد سے متعلق ہو جاتی ہے۔ ہر شخص کو صُبح کی نماز مسجد میں ادا کرنی ہوتی ہے :۔ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا ۱۷/۷۸ ۔ بلاشبہ فجر کی نماز کا پڑھنا حاضر کیا گیا ہے ــ صلوٰۃ کے باقی وقتوں میں ہر شخص اپنے کاروباری مقام پر ہوتا ہے لیکن فجر کے وقت سب گھر پر ہوتے ہیں۔ اِس روزانہ حاضری کی غرض بتائی گئی ہے :۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۞ ۳/۲۰۰ ایمان والو! خود ثابت قدم رہو، دُوسروں کو ثابت قدم رکھو ، اور آپس میں رابطہ قائم کرو، اور قائم رکھو، یعنی اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

● اِسیطرح باہمی رابطے کیلئے فجر کی صلوٰۃ کو حلقۂ مسجد کے نمازیوں کیلئے مخصوص کیا گیا ہے ۱۷/۷۸ تاکہ حلقہ کے جملہ مومنین ایک دُوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوں۔ اِس شرکت میں ایک دُوسرے کی مالی بدنی ہر قسم کی مدد ضروری ہے یہی ہے اقامتِ صلوٰۃ کیساتھ ایتاءِ زکوٰۃ کا مفہوم۔ اور جس مسجد میں ایسا نظام قائم ہو، قرآن کی اصطلاح میں وُہ مسجد آباد ہے۔ اور جو کوئی اِس نظام کو ختم کر کے انفرادی تصوّرات "نماز پڑھی اور چلے گئے" کا نظام قائم کرے وہ مسجد کو برباد کرتا ہے۔

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ
اور کون ہے بہت ظالم اُس شخص سے کہ منع کرتا ہے مسجدوں منع کرتا ہے کہ اُن میں اُسکے اسم کا ذکر نہ ہو۔ اور اِسطرح اُنکی

اور اُس سے بڑھکر کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں سے

فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ
اللہ کی سے کہ ذکر کیا جاوے بیچ اُن کے نام اُسکا اور سعی کرتا ہے
لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي
بیچ خرابی اُسکی کے یہ لوگ نہیں لائق تھا واسطے اُن کے یہ کہ داخل
الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ
ہوں اس میں مگر ڈرتے ہوئے واسطے اُنکے بیچ دُنیا کے رسوائی ہے
عَظِيمٌ ○ ۱۱۴
اور واسطے اُنکے بیچ آخرت کے عذاب ہے بڑا۔

خرابی کی کوشش کرتا ہے۔ (چاہیئے یہ کہ اہلِ مسجد میں اتنی قوت موجود ہو کہ) ایسے لوگ مسجدوں میں داخل نہ ہوں، مگر خوفزدہ ہو کر آئیں۔ ایسے لوگوں کے لئے (ہمارے قانون میں) دُنیا میں رسوائی، اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔

أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ مسجدوں میں اللہ کے اِسم کے ذکر کرنے کی خبر دیگئی ہے۔ یہ ہے صلوٰۃ موقت ۴/۱۰۳ جو مقررہ اوقات پر فرض ہو جاتی ہے۔ اِسکا ایک حِصّہ کچھ پڑھنے سے متعلق ہے۔ ۱۷/۱۱۰ میں آنحضور کو حکم ہُوا ہے کہ نہ صلوٰۃ کو اونچی آواز کیساتھ ادا کیا کریں نہ مخفی کیساتھ، بلکہ درمیانی آواز رکھا کریں اور ۴۲/۱۹-۲۰ میں سُنّتِ رسُول کے طور پر بتایا گیا ہے کہ صلوٰۃ میں اللہ کے حضور رَبَّنَا رَبَّنَا کے الفاظ میں دعائیں کیجایا کریں۔ نیز اِن آیات ۴۲/۱۹-۲۰ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضور رَبَّنَا رَبَّنَا کے خطاب کیساتھ قرآنی دُعائیں پڑھا کرتے تھے ــــ یہاں تک ہے مسجد میں ادا کیجانیوالی صلوٰۃ کا ایک گوشہ۔ اور اِسی کا دُوسرا حصّہ ہے اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ کے بعد عین متصل اٰتُوا الزَّكٰوةَ کا حکم۔ اِتصالِ حُکم کے مطابق قولی صلوٰۃ کے ساتھ عین متصل زکوٰۃ ادا کیجائیگی زکوٰۃ کا مُطلق معنیٰ ہے نشو ونما پانا۔ بڑھنا۔ پھُولنا۔ اِسطرح اٰتُوا الزَّكٰوةَ کا معنیٰ ہے نشو ونما دو۔ پس صلوٰۃِ موقّت کیساتھ عین متصل مسجد ہی میں معاشرہ کے اُن افراد کے نشو ونما کا سامان کرنا لازم ہے جو نشو ونما سے محرُوم ہوں۔ جن کی ضروریات رُبُوبیت رُکی ہُوئی ہوں۔ اور جیسے کہ اُوپر عرض کیا جا چکا ہے، یہی ہے اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کے اِتصالی حکم کی شکل محسُوس اور بس۔ اِیتاءِ زکوٰۃ کا روایتی مفہوم بالکل غلط ہے کہ سال بھر خود عیش کرتے رہو۔ سال کے بعد اگر کچھ بچ رہے تو چالیسواں حِصّہ دیدو۔ نہ بچے تو فریضۂ زکوٰۃ ختم۔

أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ آیت مجیدہ کے اِن الفاظ میں لازم کیا گیا ہے کہ مسجدی نظام میں اِتنی طاقت ہونی چاہیئے کہ اوّل تو تخریب پسند عناصر مسجد میں داخل ہی نہ ہونے پائیں۔ اور اگر کوئی آئے بھی تو اُسکی مرکزی قوّت کے خوف سے لرزہ براندام اور خائف رہے۔ تاکہ وہ کوئی تخریبی اقدام کرنے کی جُرأت ہی نہ کرسکے اور اگر جرأت کر بیٹھے تو اِس نظام میں اِتنی طاقت موجود ہو کہ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ کے الٰہی فیصلے کے مطابق اُسے رُسوا کُن سزا دے سکے۔

روایتی شانِ نزُول اِس آیت کے شانِ نزُول میں مفسّرینِ کرام عجیب و غریب اضطراب میں گرفتار ہوئے ہیں۔

جیسے کہ صاحب تفسیر نعیمی نے صفحہ ۷۲۹ پر تفسیر روح البیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت عیسائی بادشاہ خطیوس کے حق میں اتری تھی، جس نے بیت المقدس کو تباہ کیا تھا۔ تفسیر کبیر میں ہے یہ آیت بخت نصر کے حق میں نازل ہوئی تھی جس نے بیت المقدس کو برباد کیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں آئی تھی جنہوں نے مسلمانوں کو بیت الحرام میں نماز سے روکا تھا۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ آیت مدینہ منورہ کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ وہ تحویل قبلہ کے بعد بیت اللہ شریف کے دشمن ہو گئے تھے۔ (ملخص)" — دیکھا آپ نے! کہ شان نزولوں کی کثرت تعبیر نے حقیقت کے خواب کو کسطرح پریشان سے پریشان تر کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ بات بالکل سیدھی سادھی ہے۔ کہ آیت نمبر ۱۱۰ میں اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا حکم عام دیا گیا ہے۔ اور اس آیت میں صلوٰۃ کو مسجد سے متعلق بنایا گیا ہے جسطرح اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا حکم عام ہے۔ اسیطرح یہ خبر بھی عام بصیغہ جمع دی گئی ہے کہ مسجدوں کو ہمیشہ آباد رکھا جانا چاہیئے۔ جو فرد یا گروہ مسجدوں میں اللہ کے اسم کا ذکر کرنے سے روکے، اس سے بڑھکر کوئی ظالم نہیں۔ خدا جانے عام خبر کو شان نزول کے دائرہ میں محدود و مقیّد کرنے کی کوشش کیوں کیجاتی ہے؟ حالانکہ سیاق کلام سے ثابت ہے کہ دور آیت نمبر ۴۰ سے آیت نمبر ۱۰۰ تک مسلسل ساٹھ آیتوں میں یہود کا ذکر ہے۔ اور ۱۰۱ سے ۱۱۳ تک اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا مشترکہ تذکرہ ہے۔ اور سباق کلام میں پھر آیت نمبر ۱۴۶ تک یہود و نصاریٰ ہی کا ذکر چل رہا ہے۔ تو اس سلسلہ کو توڑ کر خطیوس اور بخت نصر کی طرف سند بیان کو خواہ مخواہ پیوند لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ المختصر! یہود و نصاریٰ کی نافرمانیوں کی فہرست میں، جن کیساتھ آیت نمبر ۱۰۵ میں مشرکین مکہ کو بھی شامل بنایا گیا ہے، بیت الحرام سے روکنا بھی شامل فہرست ہے۔ یہ ہی نہیں بلکہ ان تینوں گروہوں کی مخالفت اور آخری پیغمبر مسجد بیت الحرام سے روکنا ہی آنحضورؐ کی ہجرت کا باعث ہوا جیسے کہ اگلی آیت میں ہجرت ہی کی خبر دی گئی ہے۔

وَلِلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ ٭ فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا
اور واسطے اللہ کے ہے مشرق اور مغرب پس جدھر
فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ○ ۱۱۵
کو منہ کرو تم پس وہیں ہے منہ اللہ کا تحقیق اللہ وسعت دینے والا جاننے والا ہے۔

اور ایمان والو! (اگر مسجد حرام میں مخالفین ربوبیت اللہ کے نام کا ذکر اور نظام ربوبیت کے قیام میں حارج ہوں۔ اور تمہارا عرصۂ حیات تنگ کر دیں تو کوئی بات نہیں) مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے (تم ہجرت کر کے) جدھر کو بھی رُخ کرو گے وہیں اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔[عنہ] وہ بڑا وسعت دینے والا، جاننے والا ہے۔

عنہ حبشہ کی ہجرت کی بھی اسی آیت مجیدہ سے تائید ہوتی ہے۔

یہود و نصاریٰ کا فقدان بصیرت

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کے اس عقیدے کے مطابق کہ وہ حضرت عزیرؑ کو، اور یہ حضرت مسیحؑ کو خدا تعالیٰ کا بیٹا ٹھہراتے ہیں۔ ان کے فقدان بصیرت پر تعجب کے ساتھ کہا جا رہا ہے:۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ
اور کہا اُنہوں نے کہ پکڑ لی ہے اللہ نے اولاد پاکی ہے اُسکو
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ ۱۱۶
بلکہ واسطے اُسکے ہے جو کچھ بیچ آسمانوں کے اور زمین کے ہے سب واسطے اُسکے فرمانبردار ہیں۔

اور (یہ نہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ) وہ کہتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے (عزیر اور مسیح کو ۹ بت) بیٹا پکڑا ہے۔ (حالانکہ بیٹے کی ضرورت اُسے ہوتی ہے جسے بڑھاپے اور موت کا خطرہ ہو۔ بڑھاپے میں لاٹھی پکڑنے والے کی ضرورت پیش آئے، اور مرجائے تو وہ اُسکا جانشین بنے) وہ اِن عوارض سے سو فیصدی پاک و منزّہ ہے۔ بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اُسی کا ہے۔ اور یہ سب کے سب اُسکی اطاعت کرنیوالے ہیں۔

● اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اُسے اتنی عظیم الشان کائنات بنانے میں کسی مددگار کی ضرورت نہیں پڑی۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى
پیدا کرنیوالا آسمانوں کا اور زمین کا اور جب مقرر کرتا
اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۱۱۷
ہے کچھ کام پس سوائے اسکے نہیں کہ کہتا ہے واسطے اُسکے ہو پس ہو جاتا ہے۔

وُہ اکیلا ہی آسمانوں اور زمین کو ازسرِ نو بنانیوالا ہے۔ بلکہ دائِمی اِس کائنات کو ازسرِ نو تیار کرنے میں مادہ کی موجودگی کی بھی حاجت نہیں تھی، مادہ اُسکے ارادہ سے پیدا ہو گیا) حقیقت یہ ہے کہ جب وُہ کسی کام کو ازسرِ نو شروع کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ تو زبانِ بے زبانی سے کہتا ہے ہو جا۔ پس وُہ ہو جاتا ہے۔

کُن فیکون ـ تخلیق بالارادہ اور تخلیق بالمادہ

قرآن کریم میں کُن فیکون کا جملہ تخلیقِ کائنات کی مختلف حالتوں پر استعمال ہُوا ہے۔ جس وقت کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ تو مادہ کو ارادہ سے پیدا کیا۔ اور پھر ہر چیز کی تخلیق مادہ سے شروع کی جس مقام پر ابتدائے کائنات، یعنی تخلیق بالارادہ کا ذکر ہے وہاں کُن بزبانِ بے زبانی مقصود ہے۔ اور جہاں تخلیق بالمادہ کا ذکر ہے، وہاں کُن بزبانِ قانونِ مشیّت مذکور ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی کوئی مادی زبان نہیں کہ ہماری طرح کُن کہتا ہو۔

ہر چیز کُن ہی کیساتھ عالمِ وجود میں آرہی ہے

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝
۱۶/۴۰ = سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو اُسے بزبانِ بے زبانی کہتے ہیں ہو جا۔ وُہ ہو جاتی ہے۔

ہر چیز کی موت و حیات بھی کُن کے ساتھ ہو رہی ہے

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝
۴۰/۶۸ = وُہ اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ پھر جب وُہ (کسی کی موت یا حیات کا) فیصلہ کرتا ہے۔ تو سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ قانونِ مشیّت کی زبان میں کہتا ہے ہو جا۔ وُہ اُس کے قانونِ مشیّت کی منزلیں طے کرتا ہُوا موجود ہوتا ہے۔

قیامت بھی کُن کیساتھ برپا کر دی جائیگی

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ؕ ۶/۷۳ اور وُہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے اور وُہ قیامت کے دِن کہیگا ہو جا تو قیامت برپا ہو جائیگی۔

نظریۂ ہمہ اوست

یہ ہے ابتداء و انتہاءِ کائنات کے متعلق فیصلۂ خداوندی۔ مگر دوسری طرف کائنات کی ابتداء پر غور کرنے والوں میں سے ایک وُہ ہیں جو کہتے ہیں، کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا فرمایا، تو اُس وقت چونکہ اسکی اپنی ذات کے سوا کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ اِسلئے ہر چیز کو خُود اپنے آپ میں سے پیدا کیا۔ حتّٰی کہ انسان کو خود اپنی ہی صُورت پر پیدا فرمایا۔ اِسے نظریۂ ویدانت یا ہمہ اوست کہا جاتا ہے۔

آتما پرماتما اور مادہ انادی ہیں

دُوسری قسم کے منکر وُہ ہیں، جو کہتے ہیں کہ تین چیزیں آتما، پرماتما اور مادہ ازلی ابدی ہیں۔ اِن لوگوں نے خدا تعالیٰ کو مادہ پیدا کرنے سے قاصر خیال کیا۔ اور رُوح کا الگ وجود تسلیم کر کے تین چیزوں کو ایک سطح پر لے آئے۔ فرق صرف یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ مادہ اور آتما پر، پرماتما غالب آیا، اور دُنیا بنا ڈالی۔ ورنہ ہیں تینوں ہی ازلی ابدی۔ استغفر اللہ!

کائنات کا خالق کوئی نہیں

تیسری قسم کے منکر کہتے ہیں کہ کائنات خود ازلی ابدی ہے۔ اِسکا خالق کوئی نہیں۔ اُن کے ہاں مکافاتِ عمل کی صُورت یہ ہے کہ مجرم وُہ ہے جو پکڑا جائے۔ اگر پکڑا نہ جائے، یا جھوٹی شہادتوں، یا رشوت، سفارش کیساتھ سزا سے بچ جائے، تو قصّہ ختم۔ اب اُسے کوئی سزا دینے والا نہیں۔

المختصر یہ ہیں ابتداء و انتہاءِ کائنات کے متعلق تین مشہور نظریئے۔ لیکن تخلیق بالا مادہ اور تخلیق بالمادہ کے فیصلہ کُن نیکون کی وضاحت اُوپر گزر چکی ہے کہ اِس کائنات کی خالق ایک وراء الوراء ہستی موجود ہے۔ جس نے مادہ کو ارادہ سے، اور کائنات کو مادہ سے پیدا فرمایا ہے۔

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہِ راست کلام کیوں نہیں کرتا

سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے:۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُكَلِّمُنَا
اور کہا اُن لوگوں نے جو نہیں جانتے کیوں نہیں کلام
اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ
کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس نشانی اسیطرح
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ
کہا تھا اُن لوگوں نے جو پہلے اُنسے تھے مانند بات اُنکی کے

اور (یہود و نصاریٰ کے) وُہ لوگ جو مسائل کو ظاہر نہیں کرتے (یعنی اُنکے علماء) وُہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (رسول سے کلام کرتا ہے) ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ اور یا ہماری طرف کوئی نشانی آجائے۔ اِن سے پہلوں نے بھی اِن کے قول کے مانند کہا تھا۔ اُن کے قلوب باہم ایک جیسے ہوگئے ہیں۔ بلاشبہ ہم نے یقین کرنیوالوں کے لئے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ (ہماری

قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ ۱۱۸

یکساں ہوئے دل اُنکے تحقیق بیان کر دیں ہم نے نشانیاں واسطے اُس قوم کے کہ یقین لاتے ہیں۔

آئتیں کیا واضح نشانیاں نہیں؟)

اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ پر واضح کیا گیا ہے:۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ○ ۱۱۹

تحقیق بھیجا ہم نے تجھکو ساتھ حق کے خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا، اور تو نہیں پوچھا جاویگا رہنے والوں دوزخ کے سے۔

اے رسولؐ! بلاشُبہ ہم نے آپ کو حق، قرآن دیکر، اُس کے عالمین کیلئے بہتر جزا کی خوشخبری دینے والا، اور اسکے مخالفین کے لئے بُری سزا سے آگاہ کرنیوالا بنا کر بھیجا ہے۔ (لوگ اسکا انکار کرکے جہنّم کا ایندھن کیوں بنتے ہیں)۔ اہلِ جحیم کے متعلق آپ سے سوال نہیں کیا جائیگا۔

وَلَا تَسْئَلْ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ اِس آئت کے متعلق تفسیر نسفی صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے کہ اِسکی ایک قرأت تا کی زبر کیساتھ ہے، وَلَا تَسْئَلْ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ یعنی اے رسولؐ آپ اہلِ جحیم کے متعلق سوال ذکر یں ــ کیوں؟ ــ اِس کیوں کا جواب اسی صفحہ پر اِس آئت کے شانِ نزول کے ماتحت تفاسیر رُوح البیان، عزیزی اور مدارک کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ "ایک بار حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے تھے کہ کاش میں اپنے والدین کا انجام معلوم کر لوں، تب یہ آئت اُتری اُسکے بعد حضور نے کبھی اپنے والدین کا ذکر نہیں فرمایا" ــــ افسوس ہے کہ سیاقِ کلام میں مسلسل یہود و نصارٰی کی نافرمانیوں کا ذکر ہے جن کی بدولت اُنہیں جہنّمی ٹھہرا کر آنحضورؐ کو تسلّی دیگئی ہے کہ، قیامت کے دن اِن کے جہنّم داخل ہونے کے متعلق آپ سے سوال نہیں کیا جائیگا لیکن پہلے تو، لَا تُسْئَلُ فعل نفی مجہول کو لَا تَسْئَلْ فعل نہی معروف میں بدل دیا گیا ہے۔ اور پھر نفسِ مضمون کے خلاف حضور کے والدین کو، اہلِ جحیم ٹھہرا دیا ہے۔ العیاذُ باللہ۔ اِس پر اگرچہ صاحب تفسیر نے اختلاف کیا ہے۔ مگر مُلّا علی قاری سے نقل بھی کر دیا ہے کہ، آنحضور کے والدین نہ زندگی میں مومن تھے نہ موت کے وقت (صفحہ ۴۴) ـــ اور امام اعظم رحمت اللہ علیہ کا فیصلہ، فقہ اکبر کے حوالے سے لکھا ہے، کہ حضور کے والدین نے کفر پر وفات پائی (صفحہ ۴۶) مگر جلال الدین سیوطی کا قول درج ہے۔ کہ یہ روائت ضعیف ہے۔

یہود و نصارٰی چاہتے تھے کہ آنحضورؐ اُنکے دین کی اتباع فرمائیں اِس پر تو آپ علیحدگی میں غور فرماتے رہیں کہ آئتِ بالا میں تصرّف، اور آنحضور کے والدین کے ایمان میں بلاوجہ اختلاف کیوں کیا گیا ہے؟ ہم آپ پر واضح کرتے ہیں کہ سلسلۂ کلام میں ابھی یہود و نصارٰی کا تذکرہ بدستور چل رہا ہے:۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى

اور ہرگز نہ راضی ہونگے تجھ سے یہود اور نصارٰی

اور اے رسولؐ! یہود و نصارٰی اُسوقت تک آپ پر راضی نہیں ہونگے جبتک کہ آپ اُنکے دین کی اتباع نہ فرمائیں آپ

حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ
یہانتک کہ پیروی کرے تو دین اُن کے کی کہہ تحقیق ہدایت
الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ
اللہ کی وہی ہے ہدایت اور اگر پیروی کریگا تو خواہشوں اُن کی
جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
پیچھے اُس چیز کے کہ آئی تیرے پاس علم سے نہیں ہے واسطے
وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ ۱۲۰
تیرے اللہ سے کوئی دوست اور کوئی مددگار۔

کہہ دیجیئگا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اور دشمن لیجیئگا کہ ہمارے قانون میں لچک ہرگز موجود نہیں، بیشک اگر آپ بھی، اسکے بعد، کہ آپکے پاس علم آچکا ہے، اُنکی خواہشوں کی اتباع کریں، تو آپکے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار ہے $\frac{13}{14}$ ۔

اہلِ کتاب میں مومن بھی موجود ہیں | اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ کتاب میں ایک گروہ متبعین کتاب کا بھی ہے :۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ
جو لوگ کہ دی ہے ہم نے اُن کو کتاب پڑھتے ہیں
تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ یَّكْفُرْ
اسکو حق پڑھنے اُسکے کا یہ لوگ ایمان لاتے ہیں ساتھ اُسکے
بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ۱۲۱
اور جو کوئی کفر کرے ساتھ اُسکے پس یہ لوگ ہیں ٹوٹا پانیوالے۔

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (اُن میں ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ) وُہ اسطرح کتاب کی اتباع کرتے ہیں جیسا اتباع کرنیکا حق ہے، وُہ اِس کتاب قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں $\frac{13}{14}$، $\frac{5}{82-83}$، $\frac{9}{20}$، $\frac{28}{52-53}$، اور اُن کا جو گروہ اِس کا اِنکار کرتا ہے پس وُہی ہیں گھاٹا پانے والے۔

تلاوت کا معنٰی اِتباع کرنا بھی ہے | قرآنی لغت کی روشنی میں تلاوت کا ایک معنٰی اتباع کرنا، پیچھے پیچھے آنا بھی ہے۔ سورہ الشمس میں آیا ہے :۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ $\frac{91}{1-2}$ = شہادت ہے سورج کی جب وُہ روشن ہوتا ہے۔ اور شہادت ہے چاند کی جب وُہ (تَلٰهَا) اُسکے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ اُس کی اتباع کرتا ہے۔

بنی اسرائیل سے خطاب کا اعادہ | اِس سے اگلی دو آیتوں میں بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے پھر آیت مجیدہ $\frac{2}{48}$ کا اعادہ کیا گیا ہے کہ سفارش و شفاعت کا سہارا چھوڑ کر عملی زندگی اختیار کرو۔ اور یاد رکھو کہ روزِ مکافات کوئی کسی کی سفارش وغیرہ کام نہیں آئیگی :۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ
اے بیٹو یعقوبؑ کے یاد کرو نعمت میری جو

اے بنی اسرائیل میری اُس (قانونی) نعمت کو یاد رکھو جو میں نے تم پر فرمائی۔ یہ کہ تمہیں (حضرت موسیٰ اور دیگر

أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝ ۱۲۲
انعام کی میں نے اوپر تمہارے اور یہ کہ بزرگی دی میں نے

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ
تم کو اوپر عالموں کے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کفایت کریگا

شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنفَعُهَا
کوئی جی کسی جی سے کچھ اور نہ قبول کیا جاویگا اس سے بدلا

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ ۱۲۳
اور نہ فائدہ دیگی اسکو شفاعت اور نہ وہ مدد دیئے جاوینگے۔

ضابطہ کی اتباع کی بدولت ہم نے دیگر اقوام پر فضیلت بخشی، (تمہیں زمین کی حکومت عطا فرمائی ۲۶/۱۲۰ ۵/۲۰ لیکن جسطرح تمہاری بدعنوانیوں کی بدولت تم سے حکومت چھن گئی۔ نہ تمہارا یہ زعم باطل کام آیا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں ۵/۱۸، اور نہ کوئی ذہنی سفارش و شفاعت ہی تمہاری حکومت باقی رکھ سکی، اسیطرح روزِ مکافات بھی کوئی سفارش اور شفاعت کام نہیں آئیگی۔ اب پھر ذہنی ابراہیم و موسٰی والا ۵۳/۱۹ ضابطۂ حیات نازل ہو چکا ہے۔) اسلئے اسوقت سے ڈر جاؤ جب کوئی شخص کسی مجرم ربوبیت کا معمولی سا بدلا بھی نہ بن سکیگا اور نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائیگا، اور نہ کوئی شفاعت ہی فائدہ دیگی اور نہ ہی وہ مدد دیئے جائینگے۔ (یہ نظام اس دنیا میں بھی ہمارے رسول کے ہاتھوں قائم ہوگا، اور قیامت کو بھی انہی قوانین کے مطابق فیصلے کئے جائینگے۔

شفاعت ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل کو سب سے بڑا فخر اولادِ اسرائیل ہونے کا ہے لیکن اگلی آیت مجیدہ میں توجہ دلائی گئی ہے کہ، ذرا غور سے کام لو ہمارے ہاں تو اسرائیل کے دادا ابراہیم کی شفاعت بھی کسی کام نہیں آئی تھی۔ جب ہم نے انہیں اقوامِ عالم کی امامت کا منصب عطا فرمایا تو آپنے اپنی اولاد کیلئے امامت کیلئے سفارش فرمائی، مگر ہم نے صاف کہدیا، کہ عالی امامت کا منصب آپکی اولاد کے فرمانبرداروں کو پہنچیگا، ظالموں، نافرمانوں کو ہرگز نہیں پہنچیگا۔ یعنی محض کسی نبی یا بزرگ کی اولاد ہونا، ہمارے ہاں کوئی وجہِ شرف و مجد نہیں ہے۔

وَإِذِ ابْتَلٰى إِبْرٰهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمٰتٍ
اور جسوقت آزمایا ابراہیم کو رب اسکے نے ساتھ کئی

فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ
باتوں کے پس پورا کیا انکو کہا تحقیق میں کرنیوالا ہوں تجھکو واسطے

وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ ۝ ۱۲۴
لوگوں کے امام کہا اور اولاد میری سے کہا نہیں پہنچیگا عہد میرا ظالموں کو۔

اور (غور کرو کہ) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ابراہیم (جیسی مخصوص شخصیت ۱۶/۱۲۰) کو اسکے پروردگار نے اپنے قوانین علم و عمل کے ذریعہ نمایاں ظاہر کیا۔ چونکہ اس نے انہیں پورا کر دیا یعنی بے لوث نظام قائم کر دکھایا۔ اسلئے اسکے رب نے فرمایا کہ میں تجھے نوعِ انسانی کا امام ٹھہراتا ہوں۔ (یعنی آپکو دیکھیا انسانیت کے مرکزی مقام امن عالم کے ضامن بیت الحرام کا صدر مقرر کرتا ہوں جسطرح لوگوں کے جھگڑے طے کرنے کیلئے ہر ریاست کے اندر داخلی عدالتوں کا قیام ضروری ہے

اسیطرح ریاستوں ریاستوں کے باہمی تنازعے طے کرنے کے لئے بیت الحرام عالمی عدالت ہے۔ اسکا امام، صدر اور قاضی آپ کو مقرر کیا جاتا ہے) آپنے عرض کیا کہ بار الہٰا! یہ امامت اقوام میری اولاد کو بھی ملتی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عہد ظالموں نافرمانوں کو ہرگز نہیں پہنچیگا۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ [۲-۱۲۴] علہ اِبْتَلٰی مادہ ب۔ل۔و سے ہے۔ اِسکے دو بنیادی معنے ہیں معلوم کرنا اور ظاہر کرنا جب یہ مادہ خدا تعالیٰ کیلئے استعمال ہو تو دوسرے معنے ظاہر کرنا ہی مراد ہوتے ہیں معلوم کرنا نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، اسے سب کچھ معلوم ہے۔ (بحوالہ مفردات امام راغب مترجم کتبہ قاسمیہ لاہور صفحہ ۷۴)

لَا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ [۲/۱۲۳] **تا ...... هُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ** ان کلمات خداوندی کو بیت الحرام کے عالمی امن مرکز میں پورا کرنے پر حضرت ابراہیم کو امامت عالم عطا ہوئی۔ کہ کسی بھی مجرم کی حمایت بجائے مجرم کے سزا سے بچ جانے کے یہی چار طریقے ہیں، جو آیت مجیدہ لَا تَجْزِىْ ...... الخ میں مذکور ہوئے ہیں:۔

۱۔ زید کی جگہ بکر کا پکڑا جانا۔ ۲۔ کسی امیر وزیر کی شفاعت و سفارش کا پہنچ جانا۔ ۳۔ رشوت دیکر چھوٹ جانا ۴۔ عزیز و اقارب کی مدد کا پہنچ جانا ــــ پس لَا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ کے امن پرور، یہی وہ کلمات تھے جو حضرت ابراہیم سلام علیہ نے پورے کر دیئے۔ مسجد بیت الحرام میں آپنے جو نظام قائم کیا اُس میں مجرم کی غیر مجرم سے تبدیلی، مجرم کو سفارش یا رشوت لیکر چھوڑ دینا اور اسکی مدد وغیرہ ہر چیز، کاغذوں میں نہیں بلکہ عملاً موقوف کر دی گئی تھی۔ اسی چیز کا صلہ تھا اقوام عالم کی امامت۔ اور یہی کلمات، بیت الحرام کی بین الاقوامی عدالت کا منشور قرار پائے کہ، مجرم خواہ کوئی وہ ہو یا قوم اسکی جگہ کسی اور فرد یا قوم کو پکڑا نہ جائے نہ مجرم کی سفارش یا رشوت قبول کیجائے۔ اور نہ مجرم کی کسی قسم کی مدد کیجائے۔ اِس منشور کو تسلیم کرکے ہر قوم خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اِس عالمی ادارے کا ممبر بن سکتی ہے۔ اور جو لَا تَجْزِىْ .... الخ کو تسلیم نہ کرے وہ اسکا ممبر نہیں بن سکتی۔

اِسلام میں اِنسان پرستی کی گنجائش نہیں حضرت ابراہیم سلام علیہ کو، جس امامت عالمی کا منصب سونپا گیا۔ اسکی وضاحت ہو چکی۔ یہاں اِنسان پرستی مطلوب نہیں، جیسے کہ خدا تعالیٰ نے خود آنحضور کو [۱۶/۱۲۳] میں اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا کے الفاظ میں، اور امت مسلمہ کو فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا [۳/۹۵] کے الفاظ میں حکم دیا ہے۔ کہ ابراہیم حنیف کی ملت کی اتباع کرو۔ لہذا یاد رہے کہ ملت ابراہیم سے مراد، خدا تعالیٰ کا نازل کردہ وہ ضابطہ حیات ہے جس کی اتباع خود حضرت ابراہیم سلام علیہ بھی زندگی بھر فرماتے رہے۔ جسطرح آپ کو لِلنَّاسِ اِمَامًا کہا گیا ہے اسیطرح

جملہ انبیاء سلام علیہم کو بھی امام بتایا ہے:۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ۲۱/۷۳ ۔ اور ہم نے جملہ انبیاء کو امام بنایا۔ وہ ہمارے امر، کتاب کیساتھ عوام کی رہنمائی کرتے تھے۔ پس اصل امام کتاب خداوندی ہے، جیسے کہ قرآن کریم کے متعلق فرمایا۔ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۱۱/۱۷ ۴۶/۱۲، اب قرآن امام ہے اور اس سے پہلے موسٰی کی کتاب امام تھی۔

سیاق وسباقِ کلام، اور مسئلہ امامت

اِس آئت مجیدہ سے بعض لوگوں نے ایک ایسی امامت کا تصور پیدا کر رکھا ہے جسے نبوت سے افضل قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ حضرتِ ابراہیم نبی تو پہلے ہی تھے۔ اب اگر امامت نبوت سے کمتر مانی جائے، تو فرمانبرداری کے صلے میں عطاءِ امامت لاشئے ہو کر رہ جاتی ہے ۔۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ امامتِ ابراہیم سے جس سلسلۂ امامت کی سند پکڑی جاتی ہے اس میں ہونیوالے امام کیلئے نبی ہونا ضروری قرار نہیں دیا گیا، نیز وہ امامت اگرچہ مرکزیت حاصل نہ بھی کر پائے۔ اور اسیطرح پشتیں گذر جائیں، تو پھر بھی اُسے امامتِ ابراہیمی ہی سے متعلق مانا جاتا ہے۔ لیکن نہائت افسوس کیساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ سیاق وسباقِ آیات کیساتھ امامت کا وہ تصور ٹھیک نہیں بیٹھتا جس کا تعلق نہ بیت اللہ کی مرکزیت سے ہو نہ عالمی اجتماعیت سے۔ کیونکہ اگلی آیات کریمات کی رُو سے، یہاں جس امامت کا ذکر ہے۔ یہ مسلم وغیر مسلم جملہ اقوام عالم کی امامت ہے۔ جس کا تعلق ۳/۹۶، ۵/۹۷ اور ۲۲/۲۶ کے مطابق صرف اور صرف بیت الحرام کے ساتھ ہے، جسے آئتِ ذیل کیمطابق پوری نوعِ انسانی کا مرکزی مقام ٹھہرایا گیا ہے:۔

● اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ ۳/۹۶، بلاشبہ نوعِ انسانی کیلئے (امنِ عالم کا ضامن) جو اوّلین گھر مقرر کیا گیا وہ مکہ میں ہے۔ پوری نوعِ انسانی کیلئے بابرکت اور عالمین کیلئے ہدائت ہے، یعنی چاہیئے کہ اقوامِ عالم کے نام یہیں سے ہدایات جاری ہوا کریں۔ نیز اسی اوّلین گھر کو خدا تعالٰی کی طرف سے پوری نوعِ انسانی کو پیروں پر کھڑا کرنے کا ضامن قرار دیا گیا ہے:۔

● جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ ۵/۹۷، اللہ تعالٰی نے کعبہ (عالمی مرکز) بیت الحرام کو نوعِ انسانی کے قیام (یعنی ہر قوم اور ہر فرد کو پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے مقرر کیا ہے) ۔۔ اِسی عالمی مرکز کے متعلق بالتمیز ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۳/۹۷، جو قوم اِس (کے نظام) میں داخل ہو گئی وہ امن میں آگئی ۔۔ اِسی امن کیلئے ارشاد ہوا ہے:۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ۲۲/۲۷، تمام لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجیگا۔ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ تاکہ سب لوگ اپنے فائدوں کے لئے حاضر ہوا کریں۔

یہ ہے سیاق وسباق، نفسِ مضمون، اور تصریفِ آیات کی رُو سے لِلنَّاسِ اِمَامًا یعنی امامتِ عالم کا قرآنی تصور، جسے کہیں تو دو رکعت کی امامت بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اور کہیں اِسے صرف قربِ قیامت کیساتھ مختص کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ وہ امامتِ عالم ہے، جو حضرتِ ابراہیم سلام علیہ کو سونپی گئی تو اُس کی شکل مشہود سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں بہ بتائی گئی ہے:۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا
اور جب کیا ہم نے کعبہ کو جائے ثواب واسطے لوگوں کے
وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ
اور امن والا اور پکڑو تم مقام ابراہیم کو جائے نماز اور عہد کیا ہم نے
اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ
طرف ابراہیم کے اور اسمٰعیل کے یہ کہ پاک رکھو گھر میرے کو
لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ ۱۲۵
واسطے طواف کرنیوالوں کے اور اعتکاف کرنیوالوں کے اور رکوع سجود کرنیوالوں کے ۔

اور خصوصاً وُہ وقت قابلِ ذکر ہے۔ جب ہم نے (ابراہیم کو امامت عالم سونپ کر اُسکے عمل کے مطابق) اپنے گھر بیت الحرام کو تمام لوگوں کے عالمی اجتماع[۱] کا مقام، اور حصولِ امن کا ضامن پایا۔ اور (مومنوں کو حکم دیا کہ) مقامِ ابراہیم کو جائے صلوٰۃ قرار دو (نماز اسکی طرف رُخ کرکے ادا کیا کرو) اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جب (ابراہیم نے الصّلوٰۃ نظامِ ربوبیّت قائم کرنے کیلئے اپنے بیٹے کو بیت الحرام کے نزدیک مکہ معظمہ میں آباد کیا تھا۔ تو) ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں سے وعدہ لیا کہ میرے گھر کو آنے جانے والوں اور صلوٰۃ موقت کا قیام، رکوع اور سجدہ ادا کرنیوالوں کیلئے پاک رکھنا۔

[۱] فعل ثلاثی مجرّد کے خاصہ وجدان کی بحث دیباچہ کے عنوان نمبر ۴۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا مثابۃ ظرفِ مکان کا سہ حرفی مادہ ث۔ و۔ ب، ثوب ہے۔ جس کا بنیادی معنٰی ہے جانا اور واپس آجانا۔ کپڑے کو ثوب اسلئے کہا جاتا ہے کہ اسکے بُننے میں نال بار بار جاتی اور واپس آجاتی ہے۔ اور جمع ہوکر کپڑا تیار ہو جاتا ہے۔ اسطرح ثوب کا معنٰی جمع ہونا بھی لیا جاتا ہے۔ چنانچہ عربوں کے ہاں لوگوں کو جمع کرنے کیلئے کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہوکر کپڑا لہرایا جاتا ہے۔ اِن دلائل کی رُو سے مثابۃ للنّاس کا معنٰی لکھا گیا ہے عالمی اجتماع کا مقام۔ اور اسکے بعد آیا ہے اَمْنًا۔ للہذا یہ مفہوم صحیح ہے کہ ایسے اجتماع کا مقام جس کی غرض امنِ عالم کا قیام و دوام ہو۔ ۹۵ میں مکہ معظمہ کو وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ کہا گیا ہے امن دینے والا شہر۔ امنِ عالم کا علمبردار شہر۔

حضرت ابراہیم کی دُعا، کہ مکہ معظمہ امنِ عالم کا ضامن ہو

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بیٹے کو مکہ معظمہ میں آباد کرنے اور اُسے امنِ عالم کا مرکز قرار دینے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی دُعا بھی مذکور ہے۔ اور حضورؐ کے ایک بشری تقاضے کا بھی ضمناً ذکر کر دیا گیا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا
اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے رب میرے کر اس شہر کو امن
اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ
والا اور رزق دے رہنے والوں اسکے کو میووں سے جو کوئی ایمان
مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ
لاوے اُن میں سے ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے کہا اور جو کوئی

اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جب ابراہیمؑ نے حضورِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار، اِس شہر کو امنِ عالم کا ضامن بنا دے اور اسکے اہل (یعنی اِس مرکز کیساتھ وابستہ ہونیوالوں) میں سے، جو روزِ مکافات پر (اللہ اور) ایمان لائیں اُنہیں میووں کا رزق[۲] عطا کرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اپنی اپنی کوشش کیمطابق) انہیں بھی رزق ملیگا ۳ۜ ۶ۜ اور جو انکار کرنے والے ہیں انہیں بھی

فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ
کفر کرے پس فائدہ دونگا اسکو تھوڑا پھر بے بس کرونگا اسکو
وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○ ۱۲۶
طرف عذاب آگ کے اور بری ہے جگہ پھر جانے کی

(میں انہیں بھی قانونِ مشیت کے مطابق یعنی انکی کوشش کے ثمر کے طور پر، دنیا کے قلیل عرصہ کیلئے فائدہ دونگا۔ پھر روزِ مکافات انکی نافرمانیوں کی بدولت آگ کے عذاب میں بیقرار کر دونگا۔ حقیقت یہ ہے کہ نافرمانوں کے پھر کر جانے کی جگہ بہت بری ہے۔

● اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ نے بیت الحرام کے مرکزی نظام کے مذکورہ قواعد وضوابط کو بلند کیا، تو دونوں نے عجز و نیاز کیساتھ حضورِ خداوندی میں دعا کی۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ
اور جب اٹھاتے ابراہیمؑ بنیاد کعبہ کی اور اسمٰعیلؑ بھی
وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ
اے رب ہمارے قبول کر ہم سے تحقیق تو ہی ہے سننے والا
الْعَلِيمُ ○ ۱۲۷
جاننے والا۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے ہمارے گھر (کی عالمی مرکزیت) کے قواعد (وضوابط) کو بلند کیا۔ (چاروں طرف چرچا کیا) تو ہمارے حضور دعا کی، اے ہمارے پروردگار تو ہم سے یہ ہماری حقیر محنت قبول فرما، بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (تو ہمارے لفظوں کو سننے کے ساتھ جانتا بھی ہے کہ ہماری غرض ذاتی مفاد نہیں بلکہ انسانی خدمت ہے)

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا
اے رب ہمارے اور کر ہم کو مطیع واسطے اپنے اور اولاد
أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا
ہماری سے ایک جماعت فرمانبردار واسطے اپنے اور دکھا ہم کو
إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○ ۱۲۸
طرح عبادت ہماری کی اور پھر آ اوپر ہمارے تحقیق تو ہی ہے
پھر آنے والا مہربان۔

اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار رکھنا۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک امتِ مسلمہ پیدا کیجیو جو خاص تیری ہی فرمانبرداری کرنیوالی ہو) اور اے ہمارے پروردگار ہمیں (عالمی مرکز کی اہم ذمہ داری) کے طور طریقے سمجھا دے۔ اور اس سلسلے میں جہاں تقاضائے بشریت ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہمیں معاف فرمائیو۔ بیشک تو معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

رفع قواعد رفع بمعنی بلند کرنا، اور قواعد جمع ہے قاعدہ بمعنی بنیاد کی۔ اس آیت سے یہ مراد لی گئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے بیت اللہ کی عمارت کو بنیادوں سے اٹھا کر تعمیر کیا۔ اور اسکے ضمن میں یہ افسانہ سنایا جاتا ہے۔ کہ جس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے۔ وہ دیواروں کے بلند ہونے کیساتھ ساتھ بغیر کسی سہارے کے خود بخود اوپر کو بلند ہوتا چلا جاتا تھا۔ لیکن یاد رہے کہ یہاں کعبہ کی دیواروں کو بلند کرنے کا ذکر نہیں اور نہ ہی یہ چیز وجۂ فضیلت ہے کیونکہ آپکے بعد کعبہ مکرمہ کئی مرتبہ تعمیر کیا جا چکا ہے۔ جو اسوقت تعمیرِ ابراہیم کی نسبت بہترین فنِ تعمیر کا منظر پیش کر رہا ہے۔ اصل وجۂ فضیلت کعبہ معظمہ میں داخلی طور پر نظامِ ربوبیت کا قیام تھا۔ اور خارجی طور پر اسے عملاً عالمی مرکز بنا کر دکھانا تھا، کہ یہ عملاً

قِیٰمًا لِّلنَّاسِ، مَثَابَةً لِّلنَّاسِ اور ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے۔ حضرت ابراہیم نے یہ کام سرانجام دیا۔ اور اسکے لئے اقوام عالم میں اس کے قواعد وضوابط کا خوب چرچا کرکے انہیں بروئے کار لائے پس قواعد یعنی مرکزی ممبرشپ کے قواعد وضوابط ہے، اور رفع بمعنی چرچا کرنا ہے۔ جیسے خود آنحضور کے ذکر خیر کے چرچا کیلئے رفع ہی کا لفظ لایا گیا ہے :- وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۹۴/۴

بعثت محمدی کیلئے حضرات ابراہیم واسمٰعیل سلام علیہما کی دُعا

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بعثت محمدی کیلئے حضرات ابراہیم واسمٰعیل کی دُعا مذکور ہے :-

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا
اے رب ہمارے اور بھیج ان کے پیغمبر ان میں سے پڑھے
عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
اوپر انکے آیتیں تیری اور سکھلاوے انکو کتاب اور حکمت اور پاک
وَیُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ ۱۲۹
کرے انکو تحقیق تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

۱۵ ع ۱۵

اے ہمارے پروردگار! قرآن مکہ والوں میں (ہماری اولاد یعنی بنی اسمٰعیل میں سے) اپنا ایک رسول مبعوث فرمائیو۔ جو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے، اور انہیں حکمت الی کتاب ۲/۳۶ کی تعلیم دے۔ اور انہیں معاشرہ کی بدحالیوں سے پاک کرے ۹/۱۰۳۔ بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔ (بلاشبہ وہ اتنی بڑی ذمہ داری کا حامل رسول بھی، زندگی کے ہر قدم پر حکمت کیساتھ ہی آگے بڑھتا ہوا غالب آئیگا)

ملت ابراہیمی سے اعراض محض بیوقوفی ہے

آیات بالا میں اجتماعی نظام ربوبیت اور امن عالم کیلئے بیت الحرام میں عالمی امن کونسل کا قیام، اور اسکے ساتھ والبتہ ہونا ملّت ابراہیمی بتائی گئی ہے! اور اس کے بعد اگلی آیات کریمات میں بتایا گیا ہے کہ ملّت ابراہیم سے منہ موڑنیوالے یعنی اجتماعیّت سے اعراض کرکے انفرادیت اختیار کرنیوالے بیوقوف ہیں :-

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ
اور کون شخص پھر جاتا ہے دین ابراہیم کے سے مگر جس نے
سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ
بیوقوف کیا جان اپنی کو اور تحقیق پسند کیا ہم نے اسکو بیچ دنیا کے
فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ ۱۳۰
اور تحقیق وہ بیچ آخرت کے البتہ صالحوں سے ہے۔
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ
جب کہا اسکو پروردگار اُسکے نے کہ مطیع ہو کہا مطیع ہوا میں
لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ۱۳۱
واسطے پروردگار عالموں کے

ابراہیم کے مذکورہ بالا (امن بدوش) مسلک سے اُس شخص کے سوا کون اعراض کرتا ہے کہ جس نے اپنے آپکو بیوقوف بنالیا ہو۔ بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو دنیا میں برگزیدہ ٹھہرایا تھا۔ اور بلاشبہ آخرت میں بھی اُسکا شمار معاشرہ کی اصلاح کرنیوالوں میں سے ہوگا۔ (نیز اُن لوگوں کی برگزیدگی ہماری طرف سے کسی رعایت یا ناجائز جھکاؤ کی بدولت نہیں تھی، بلکہ ابراہیم کی فرمانبرداری کا یہ عالم تھا کہ :-

جب اُسکے رب نے اُسے کہا کہ (خالص میرا) فرمانبردار ہوجا تو فرمانبردار ہو گیا اور، کہا میں عالمین کی ربوبیّت کرنیوالے کیلئے فرمانبردار ہو گیا ہوں (یعنی ربوبیّت عالمینی ہی کی بنیادوں پر مرکزی نظام قائم کرونگا)

حضرت ابراہیم و یعقوب سلام علیہما کی وصیت اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں حضرت ابراہیم سلام علیہ کے متعلق موت تک کے وقت کیلئے خدا تعالیٰ کا فرمانبردار بنے رہنے کی خبر دیگئی ہے۔ کہ وہ صرف خود ہی آخری دم تک فرمانبردار نہیں رہے۔ بلکہ اپنی اولاد کو بھی فرمانبرداری کی وصیّت فرمائی؛۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ
اور نصیحت کی ساتھ اسکے ابراہیم نے بیٹوں اپنے کو اور یعقوب
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا
نے اے بیٹو میرے تحقیق اللہ نے پسند کیا ہے واسطے تمہارے دین
وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ۱۳۲
پس نہ مرو تم مگر اور تم مطیع ہو۔

اور ابراہیمؑ (اپنی پوری زندگی میں بھی عموماً نصیحت کرتے رہے) اور خصوصاً آپنے موت سے پہلے بھی، اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی اور اسیطرح یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ اے میرے بیٹو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنا نازل کردہ دین (اسلام) ہی پسند فرمایا ہے پس تم (مرنا، مگر اس حالت میں کہ تم خالص اُسی کے فرمانبردار ہو۔ (یعنی جب موت کا کوئی پتہ نہیں کہ کس وقت کوئی حادثہ پیش آجائے، اسلئے تم زندگی کا ہر لمحہ اور ہر ساعت اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری ہی میں گزارنا۔)

● اِس سے اگلی آیت مقدسہ میں سیاق کلام کے مطابق بنی اسرائیل اور اہلِ کتاب کو، اور پھر قرآن کریم کے ہر قاری کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے ؛۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ
کیا تھے تم حاضر جسوقت کہ آئی یعقوب کو موت جسوقت
اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا
کہا اُسنے واسطے بیٹوں اپنے کے کس چیز کی عبادت کرو گے تم پیچھے
نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
میرے کہا انہوں نے عبادت کرینگے ہم معبود تیرے کو اور معبود
وَاِسْحٰقَ اِلٰــهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ ۱۳۳
باپوں تیرے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے کو معبود ایک کو اور ہم اسکے اُسکے مطیع ہیں۔

(اے بنی اسرائیل و اہلِ کتاب!) جسوقت یعقوبؑ پر موت کا وقت آیا، تو کیا تم اُسوقت حاضر تھے؟ (تم ہرگز حاضر نہیں تھے، ہم ہی اُسوقت حاضر و ناظر تھے،) جب یعقوبؑ نے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی فرمانبرداری کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تیرے الٰہ کی اور تیرے باپ اسحٰق، چچا اسمٰعیل اور دادا ابراہیم کے الٰہ، الٰہِ واحد کی فرمانبرداری کرینگے۔ اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں۔

عہ وَصِيَّةٌ ۔ وَصّٰى کا سہ حرفی مادہ و۔ص۔ی = وَصِی ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے کوئی نیک بات پیش کرنا۔ کسی امر کے پیش آنے سے پہلے اُسکی روک تھام کیلئے ناصحانہ انداز میں ہدایت دینا۔ قرآنی لُغت کی رُو سے امر اور حکم بھی اِس مادہ میں شامل ہے۔ جب یہ مادہ خدا تعالیٰ کیطرف سے مستعمل ہو تو اُسکا معنیٰ ہوتا ہے حکم دینا۔ جیسے کہ ارشاد ہُوا ہے: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ

فِیْ اَوْلَادِکُمْ 4/11 ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ تمہارا ترکہ آن میں اِس اِس طرح تقسیم کیا جائے
سورہ شوریٰ میں بھی مادہ وحی کے متبادل معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ 42/13 ۔ ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اُسی دین کی شرح فرمائی ہے، جس کی نوح کو وصیّت فرمائی تھی۔ اور وُہی دین جو اَے رسول آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ دیکھئے! اِس آیت مجیدہ میں وحی اور وصیّت مترادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی یہاں وصّٰی بمعنی اَوْحیٰ آیا ہے۔

سلسلۂ درس کی آیت زیرِ نظر میں، حضرت ابراہیم اور یعقوب سلام علیہما کی جس وصیّت کا ذکر ہے۔ ہم نے اسکا مفہوم لکھا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو زندگی بھر بھی وحدتِ باری کی نصیحت کرتے رہے، اور موت سے پہلے بھی وحدتِ باری اور اللہ کی خالص فرمانبرداری کی نصیحت فرمائی۔ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ میں بھی اِس مادہ کا استعمال موت سے پہلے کی نصیحت کیلئے ہوا ہے۔ اور 2/180 کے الفاظ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا اِۨ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ، میں بھی وصِیَّۃ کا لفظ موت سے پہلے کی نصیحت کیلئے آیا ہے۔ یعنی حکم دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت حاضر ہو تو اگر وہ مال چھوڑ رہا ہو، تو اُس پر، والدین اور اقربا کے حق میں وصیّت کرنا فرض کر دیا گیا ہے۔ یہ تو ہُوا وصیّت کا معنی موت سے پہلے کی نصیحت۔ اور زندگی بھر کیلئے نصیحت کرتے رہنے کے معنوں میں یہ لفظ، سورہ عصر میں آیا ہے۔ جہاں جماعت مومنین کی خصوصیّت بتائی گئی ہے۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ 103/3 ۔ اور وہ ایک دوسرے کو زندگی بھر حق پر استقامت کرنے کی نصیحت کرتے رہتے ہیں۔

المختصر! قرآنی لغت کے مطابق، وصیّت کے تین مشہور معنے یہ ہیں۔

۱۔ مرنے سے قبل والدین اور اقربا کے حق میں اپنے ترکہ کے متعلق وصیّت کرنا۔ کہ اسے وارثوں میں تقسیم کرنے سے پہلے اس میں سے اسقدر مال ماں کو یا باپ کو فلاں بھائی کو یا فلاں بہن کو، فلاں بیٹے کو یا فلاں بیٹی کو دیدیا جائے۔ 2/180 (اس مسئلہ کی پوری تفصیل آیت متعلقہ کی تفسیر کے ضمن میں آگے آرہی ہے)

۲۔ زندگی بھر کے لئے، اپنوں اور بیگانوں سب کو اللہ کے دین کی نصیحت کرتے رہنا۔ 103/3

۳۔ جب یہ مادہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے منسوب ہو تو اسکا معنی ہوتا ہے حکم دینا۔ وحی کرنا۔ احکام نازل کرنا۔ 42/13

● اِس سے اگلی آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے کہ تم حضرت اسرائیل اور اُن کے آباؤ اجداد کی سفارش و شفاعت پر تکیہ کئے ہوئے ہو۔ حالانکہ:۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ

یہ تھی ایک اُمت تحقیق گزر گئی واسطے اُنکے تھا جو کچھ

وُہ ہمارے برگزیدہ بندوں کی ایک جماعت تھی۔ جو گزر گئی ہے، جو اعمال اُنہوں نے کئے، وُہ اُن کے کام آئیں گے اور

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا

کمایا انہوں نے اور واسطے تمہارے جو کچھ کمایا تم نے اور نہ

يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۳۴

پوچھے جاؤ گے تم اس چیز سے کہ تھے وہ کرتے ۔

جو عمل تم بجا لاؤ گے ، وہ تمہارے لئے ہیں ۔ (تم سے تمہارے عملوں کی باز پرس ہو گی) تم سے یہ سوال نہیں کیا جائیگا کہ وہ کیا عمل بجا لاتے تھے ۔

اہل کتاب کیا چاہتے ہیں؟

اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو مخاطب کر کے تکرار تاکیدی کے انداز میں کہا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو تمہارا ایمان لانا گوارا نہیں ۔ وہ تمہیں الگ الگ ، اپنے اپنے دین میں واپس لے جانا چاہتے ہیں :۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا

اور کہا انہوں نے ہو جاؤ موسائی یا عیسائی راہ پاؤ گے تم

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ

کہہ بلکہ پیروی کرتے ہیں ہم دین ابراہیم حنیف کی اور نہ تھا

الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۱۳۵

مشرکوں سے ۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ

کہہ ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور جو کچھ اتاری گئی

اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

طرف ہماری اور جو کچھ اتاری گئی طرف ابراہیم کے اور اسماعیل کے

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ

اور اسحاق کے اور یعقوب کے اور اولاد اسکی کے اور جو کچھ دیئے گئے موسیٰ

اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اور عیسیٰ کو اور جو کچھ دیئے گئے پیغمبروں کو پروردگار اپنے سے نہیں جدائی ڈالتے

اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ ۱۳۶

ہم درمیان کسی کے ان میں سے اور ہم واسطے اسکے مطیع ہیں ۔

اور (ایمان والو! تمہیں) یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ تو پھر ہدایت پاؤ گے ۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ نصرانی ہو جاؤ تو پھر ہدایت پاؤ گے ۔ اے رسول! آپ اعلان کر دیجئیگا کہ ہدایت (نہ یہودیت میں ہے نہ نصرانیت میں ہے) بلکہ ہدایت ملت ابراہیم یعنی اس ضابطے میں ہے ، جسکی اتباع خود ابراہیم حنیف کیا کرتے تھے حقیقت یہ ہے کہ وہ مشرک نہیں تھے (لیکن یہود و نصاریٰ عزیر و مسیح کو خدا کے بیٹے ٹھہرا کر شرک کرتے ہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ شرک سے ہدایت میسر نہیں آ سکتی) — (ایمان والو! یہود و نصاریٰ کے جواب میں) کہا کرو ، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں ۔ اور اس کتاب قرآن پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے ۔ اور جو (کتابیں) ابراہیم اور اسماعیل ، اور اسحاق ، اور یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل ہوئی تھیں ۔ اور جو کتابیں انکے رب کی طرف سے موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی تھیں ۔ اور جو جملہ انبیاء کو دی گئی تھیں ۔ (سب نبیوں کی کتابوں پر ایمان لائے) ہم نبیوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے (ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سب نبیوں کو ایک ہی کتاب دی گئی تھی ، جو اس وقت قرآن کریم کی صورت میں نازل ہوئی ہے) ہم اس (ایک ہی کتاب کے نازل کرنے والے) ایک ہی خدا کے فرمانبردار ہیں ۔

● آیت بالا میں صحابہ کے ایمان کی تصدیق کے بعد، اگلی آیت مجیدہ میں مومنین کو بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ اُسوقت ہی ہدایت پا سکتے ہیں، جب نبیوں اور کتابوں پر اُسطرح ایمان لائیں جسطرح تم لائے ہو۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ ا
پس اگر ایمان لاویں ساتھ اس چیز کے کہ ایمان لائے ہو
هْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ
ساتھ اُسکے پس تحقیق راہ پا ئینگے اور اگر پھر جاویں پس سوائے
فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝
اسکے نہیں کہ وہ بیچ خلاف کے ہیں پس شتاب کفایت کرے گا
تجھ کو اُن سے اللہ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۱۳۷

ایمان والو! اگر اہلِ کتاب اُسطرح ایمان لائیں جسطرح تم لائے ہو، تو پھر یقیناً ہدایت پا سکتے ہیں۔ اور اگر روگردانی کریں تو جان لو کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ (اے رسول آپ بوقت ضرورت ہجرت کر جائیں) پھر آپ کو اُن سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ، وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

تم اپنے آپ کو باطل پیشواؤں کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہو، حالانکہ رنگ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہمنشین پر ہمنشین کا، شاگرد پر اُستاد کا، اور مرید پر پیر کا رنگ ضرور چڑھ جاتا ہے۔ لیکن اس فطری چیز کو نگاہ کا کرشمہ ٹھہرانا رہبانیت کا قدیمی عقیدہ ہے کہ، پیر ایک نگاہ میں مرید کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ اسی ضمن میں کالا، سبز، جوگیا یا سفید کوئی سا رنگ مختلف خانقاہوں کیطرف سے لباس کیلئے مختص کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ عیسائی پیشوائیت نے لباس کیلئے سفید رنگ کا انتخاب کر رکھا ہے۔ اور مریدین کو تثلیث کے رنگ میں رنگنے کیلئے بپتسمہ کے نام سے رنگدار پانی کے چھینٹے دیتے ہیں۔ اپنے رنگ میں رنگ سکنے اور رنگ دینے کا عقیدہ تصوف کی جان ہے۔ لیکن اگلی آیت مقدسہ میں اس عقیدے کا ابطال کر دیا گیا ہے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ز
رنگ دیا ہے ہم کو اللہ نے اور کون ہے بہتر خدا سے رنگ
وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ۝ ۱۳۸
میں اور ہم اُسی کی عبادت کرنیوالے ہیں۔

(ایمان والو ان کے الگ الگ خانقاہی رنگوں، اور اپنے رنگ میں رنگنے کا ڈھونگ فریب محض ہے، ان سے کہہ دو کہ) رنگ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اور (بتاؤ تو سہی کہ) رنگ کے لحاظ سے اللہ سے بڑھکر کون اچھا رنگ چڑھانے والا ہے۔ (اور کہہ دو کہ نگاہوں کیساتھ رنگ نہیں چڑھا کرتے۔ بلکہ فرمانبرداری اور اطاعت کیساتھ رنگ چڑھتے ہیں) اسلئے ہم اُس احسن رنگ والے ہی کی خالص فرمانبرداری کرنیوالے ہیں۔

● اِس سے آگے پھر ارشاد فرمایا:۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰہِ وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ۚ
کہہ کیا جھگڑتے ہو تم ہم سے بیچ اللہ کے اور وہ ہے پروردگار ہمارا
وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ۚ وَنَحْنُ لَہٗ مُخْلِصُوْنَ ○
اور تمہارا، اور واسطے ہمارے ہیں عمل ہمارے اور واسطے
تمہارے ہیں عمل تمہارے ۔ اور ہم واسطے اُسکے اخلاص
کرنیوالے ہیں۔ ۱۳۹

اے رسولؐ! ان سے کہہ دیجئیگا کہ کیا تم ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ (نہ وہ ذاتی طور پر کسی کا سگا ہے نہ سوتیلا۔ تم کہتے ہو کہ تم اُسکے پیارے ہو) حقیقت یہ ہے کہ، وہ ہمارا بھی اور تمہارا بھی ایک جیسا رب ہے ۔ (اسکے ہاں عمل کی قیمت ہے، بے عملی کی نہیں، نتیجہ اعمال ہی کا مرتب ہوتا ہے) حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں۔ اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔ (تم اللہ کا بیٹا ٹھہرا کر عزیر و مسیح کو اسکی الوہیت میں شریک کرتے ہو) لیکن ہم خالصۃً اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سب یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ وہ سب نصرانی تھے

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کی بے عقلی کی انتہا بتائی گئی ہے ۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ
کیا کہتے ہو تم تحقیق ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ
وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کَانُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ
اور اولاد اُس کی تھے یہود یا نصاریٰ کہہ کیا تم بہت جانتے
قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰہُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ
ہو یا اللہ اور کون ہے بہت ظالم اس شخص سے کہ چھپاتا ہے
کَتَمَ شَھَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ وَمَا اللّٰہُ
گواہی جو پاس اُس کے ہے اللہ کی طرف سے اور نہیں اللہ بیخبر
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ۱۴۰
اس چیز سے کہ کرتے ہو تم۔

(اے یہود و نصاریٰ) کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور اُن کی اولاد سب یہودی اور نصرانی تھے (تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ وغیرہ کسطرح یہودی یا نصرانی ہو سکتے ہیں جبکہ وہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ سے پہلے گزر چکے تھے) اے رسولؐ! ان سے کہہ دیجئیگا کہ کیا حقیقت کو تم خوب جانتے ہو یا اللہ؟ اور اُس سے بڑھکر کون ظالم ہے، کہ اُس کے پاس اللہ کی شہادت موجود ہو اور وہ اُسے چھپالے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُس سے بے خبر نہیں ۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر اُن کے زعم باطل کا بطلان کیا گیا ہے کہ جن بزرگوں پر تم تکیہ کئے ہوئے ہو وہ گزر چکے ہیں وہ تمہارے کسی کام نہیں آئینگے۔ حضرات ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد ایک مقدس جماعت تھی۔ جو گزر گئی ہے ۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
یہ ایک امت تھی کہ تحقیق گزر گئی واسطے اُن کے ہے
وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
جو کچھ کیا انہوں نے اور واسطے تمہارے ہے جو کمایا تم نے
اور نہ پوچھے جاؤ گے تم اُس چیز سے کہ تھے وہ کرتے۔ ۱۴۱

(دوبارہ سن لو کہ، جن کی شفاعت اور کفارہ وغیرہ پر تم آسرا کئے ہوئے ہو) وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی ہے۔ جو اعمال انہوں نے کئے تھے۔ وہ صرف اُنہی کے لئے ہیں (اُن میں سے تمہیں مطلقاً کوئی حصہ نہیں ملیگا)، اور جو اعمال تم کرتے ہو، وہ صرف تمہارے لئے ہیں۔ (تم سے تمہارے ہی اعمال کی بازپرس ہوگی)، تم سے اُنکے متعلق ہرگز نہیں پوچھا جائیگا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے

ع ۱۶ / ۱۴

ربطِ کلام تحویلِ قبلہ نہیں ہجرت اِس سے اگلی آیت مجیدہ :- • سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ .... الخ کے ربط کے لئے سیاقِ کلام پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ :-

• تحریکِ ربوبیت کے اوّلین منکر و مخالف یہودی تھے۔ جنہیں کہا گیا۔ • وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۲/۴۱

• نیز اِس انکار و مخالفت میں نصاریٰ کو بھی اِنکے ساتھ شامل بتایا گیا ہے • نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ۲/۱۰۱

• پھر آیت نمبر ۱۰۵ میں مشرکینِ مکہ کو بھی اُن کا ہمنوا کہا گیا ہے۔ • مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ ۲/۱۰۵

• گویا خبر دیگئی ہے کہ زمانۂ رسالت کے تین بڑے گروہ آنحضور کے مخالف تھے۔ جو ایمان والوں کو واپس اپنے دین میں لیجانا چاہتے تھے۔ • وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۲/۱۰۹

• آیت نمبر ۱۱۵ میں کہا گیا ہے کہ جب مخالفت ناقابلِ برداشت ہو جائے تو اِس حقیقت کے مطابق کہ مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ کا ہے، محفوظ مقام پر ہجرت کر جایئے۔ • وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۲/۱۱۵

• آیت نمبر ۱۲۰ میں صاف کہدیا گیا ہے۔ کہ اے رسولؐ! یہود و نصاریٰ اُسوقت تک راضی نہیں ہونگے، جب تک کہ آپ اُنکے دین کی اتباع نہ کریں۔ • وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۲/۱۲۰

• اور آیت نمبر ۱۳۷ میں فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ کے الفاظ کیساتھ وضاحت کیگئی ہے۔ کہ مخالفینِ ربوبیت انتہائی شقاوت میں ہیں۔ ان کے اندر آپ کی مخالفت کا لاوا پک رہا ہے۔

• ایسا وقت، وہ وقت ہوتا ہے جب ہجرت کر جانا لازم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب ۸/۳۰ کے مطابق آنحضور کیلئے عمر قید، قتل اور جلاوطنی کے منصوبے تیار ہو گئے۔ اور مومنوں کیلئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا، تو آنحضورؐ اور صحابہؓ بیت الحرام مکہ معظمہ کے دائمی مرکز سے، مدینہ منورہ کے عارضی مرکز کیطرف ہجرت فرما گئے۔ چنانچہ جیسے کہ آپ دیکھینگے کہ اِس عنوان کی ایک ایک آیت ہجرت کی تائید کرتی ہے، آیت مجیدہ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ ہجرت ہی سے متعلق ہے لیکن روایات نے اِسکے ساتھ، تحویلِ قبلہ کا ایک

ایسا قصّہ چسپاں کر رکھا ہے، جس سے ناموسِ رسالت بُری طرح داغدار ہوتی ہے۔ چنانچہ تقریبًا تمام مفسّرین نے اس آیت کو مسئلہ تحویل قبلہ کا موضوع قرار دیا ہے۔ بخاری شریف کتاب الایمان میں آیا ہے :-

"حضرتِ براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے۔ اور سب سے پہلے میرے ننھال جو انصار تھے، کے پاس اُترے۔ وہاں آکر آپنے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی۔ مگر آپ کو یہ بات پسند تھی۔ کہ آپ کا قبلہ بیت الحرام ہو۔ چنانچہ ایسا ہوگیا۔ تو آپ نے کچھ لوگوں سمیت سب سے پہلے نماز عصر قبلہ رُخ پڑھی"۔ —— تفسیر نعیمی پارہ دوم کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے :-

"معراج کے بعد جبتک کہ (آنحضور کا) مکہ مکرّمہ میں قیام رہا۔ بیت المقدس ہی کیطرف منہ کرکے نماز ہوتی رہی، مگر کعبہ معظّمہ کو سامنے لیکر، یعنی (آپ) بیت المقدس کیطرف اِسطرح منہ کرتے تھے کہ کعبہ معظّمہ بھی سامنے آجاتا۔ مدینہ منوّرہ پہنچکر، چونکہ اسطرح دو قبلوں کا اجتماع ناممکن تھا۔ لہذا بیت المقدّس کیطرف نماز ہوتی رہی۔ مگر حضور کو شوق یہ تھا کہ کعبہ ہمارا قبلہ ہو۔ چنانچہ ہجرت سے ایک سال ساڑھے پانچ مہینے کے بعد...... آپ نماز ظہر پڑھا رہے تھے۔ دو رکعتیں بیت المقدّس کیطرف ہوچکی تھیں کہ عین نماز کی حالت میں جبریل علیہ السلام یہ آیت لائے قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ...... الخ، فورًا آپ معہ صحابہ کرام جانب کعبہ پھر گئے"۔ —— المختصر اس روائتی قصّے پر غور فرمائیں، کہ آنحضورؐ اپنی پوری مکّی زندگی، اور سترہ ماہ تک مدنی زندگی میں بھی بیت المقدس کیطرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے لیکن خواہش یہ تھی کہ آپکا قبلہ بیت الحرام ہو۔ اسیطرح روائتی تفاسیر نے آیت مجیدہ سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ کے متعلق یہ تصوّر دیا ہے کہ خداتعالیٰ نے آپ کی خواہش کو شرفِ قبولیّت بخشنے سے پہلے مطلع کر دیا کہ قبلہ کی تبدیلی کے بعد بیوقوف لوگ مسلمانوں کو طعنے دینگے، کہ انہیں اُس قبلے سے، جس پر یہ تھے، کس نے پھیر دیا ہے۔ لیکن سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ کیا آنحضور کا بیت المقدس کو قبلہ تسلیم کرنا ممکن بھی ہے یا نہیں ؟

دعوتِ غور وفکر

کہا جاتا ہے کہ بیت المقدس یہود و نصارٰی کا قبلہ تھا۔ جس کیطرف حضور کئی سال نماز ادا کرتے رہے۔ یہ تو ہم آگے چل کر ثابت کرینگے، کہ کیا یہ خداتعالیٰ کا مقرر کردہ عالمی قبلہ تھا، یا یہود و نصارٰی کا خود تراشا ہُوا تاریخی مرکز تھا۔ یہاں یہ امر زیر غور ہے کہ رسولِ عربی سلامٌ علیہ نے بلا حکم خداوندی یہود و نصارٰی کے قبلہ کو اپنا قبلہ متعیّن کسطرح کرلیا، جبکہ آپکا اقرار ذیل قرآن کریم میں تکرار کیساتھ قیامت تک کیلئے موجود و محفوظ ہے :- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ٦/٥٠ ١٠/١٥ - یہ ایک یقینی امر ہے کہ میں اُسی چیز کی اتباع کرتا ہوں، جو میری طرف وحی کیجاتی ہے ــــ آنحضور کے اس دعوے کے مطابق ہمارا فرض ہے کہ وحی الٰہی قرآن کریم کو ایک ایک لفظ کرکے دیکھیں، پوری طرح چھان بین کریں، کہ کیا کسی آیت مجیدہ میں آنحضور کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ فی الحال بیت المقدس کو قبلہ بنالیں، پھر سے بدل دیا جائیگا۔ یا قرآن کریم سے کہیں اتنا بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیت المقدس کو کبھی بھی خداتعالیٰ کیطرف سے کسی بھی نبی کا قبلہ قرار دیا گیا ہو؟ - یاد رہے کہ یہ دونوں چیزیں قرآن کریم میں بائے بسم اللہ سے سین والنّاس تک کہیں بھی نہیں ملتی۔ پس آنحضور کے اعلانِ مبارک ٦/٥٠ اور ١٠/١٥ کے مطابق ثابت ہُوا کہ آپنے کبھی بھی بیت المقدس کیطرف نماز نہیں پڑھی تھی۔ اور تحویل قبلہ کے

پورے کے پورے قصّے کو حقیقت کیساتھ کوئی بھی تعلق نہیں۔

بنابریں، لامحالہ ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں نے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ عالمی مرکز کی بغاوت کر کے بیت المقدس کو اپنا الگ قومی مرکز خود بنا لیا ہوا ہے۔ اور یہ امر کبھی بھی ممکن نہیں کہ آنحضورؐ نے یہودیوں کے خود ساختہ قبلہ کو ایک دن کے لئے بھی اپنا قبلہ قرار دے لیا ہو۔

خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ قبلہ صرف اور صرف بیت الحرام ہے

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ۳/۹۶ ۔ بلاشبہ پہلا گھر جو لوگوں کیلئے مقرر کیا گیا وہ مکّہ میں ہے۔ بابرکت اور ساری دُنیا کیلئے ہدایت ہے۔ اس آیت مقدّسہ سے ثابت ہُوا کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے حضرت آدمؑ سے آنحضورؐ تک صرف اور صرف ایک ہی مرکز مقرر کیا گیا ہے جو مکّہ معظمہ میں ہے۔

اِس مرکزِ قبلے کو توڑا کس نے؟

قرآن کریم کے اِن دلائل قاطعہ کے خلاف، جیسے کہ تفسیر نعیمی پارہ دوم کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے کہ حضرتِ موسیٰ سلام علیہ کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ اب اگر ایک سیکنڈ کیلئے اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بیت الحرام کو اوّلین مرکز مقرر کرنیوالے نے قرآن بھر میں اِسکے بدلنے کی خبر نہیں دی۔ تو معاذاللہ معاذاللہ حضرتِ موسیٰ سلام علیہ نے اِس بغاوت کی جسارت فرمائی تھی؟ — پھر یہ چیز بھی غور طلب ہے کہ بیت المقدس کے متعلق تو بتایا جاتا ہے کہ اِسکی تعمیر حضرتِ سلیمان سلام علیہ نے حضرت موسیٰ کی وفات سے برسوں بعد فرمائی تھی تو بیت المقدس عالم وجود میں آنے سے پہلے ہی حضرتِ موسیٰ کا قبلہ کسطرح مقرر ہوگیا۔ جب ان تمام سوالوں کا جواب نفی ہی میں ملتا ہے تو ثابت ہُوا کہ نہ حضرت موسیٰ نے ملّتِ ابراہیم کے خلاف بیت الحرام کی مرکزیت کو توڑا تھا۔ اور نہ اُن کی زندگی میں بیت المقدس یہودیوں کا قبلہ مقرر ہُوا تھا۔ اور نہ نبیِ اکرم نے ایک دن کیلئے بھی اسکی طرف نماز پڑھی تھی۔

لفظ قبلہ کی لغوی تحقیق

لفظ قبلہ کا سہ حرفی مادہ ق۔ب۔ل = قبل ہے — اِسکا بنیادی معنی ہے آمنے سامنے ہونا۔ جیسے کہ وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ۱۰/۸۷ کا معنی ہے، اپنے گھروں کو آمنے سامنے بناؤ۔ ۵۶/۱۵ میں ہے کہ متقی جنت میں بھائیوں کیطرح آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہونگے۔ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ۔ پس قبلہ کا معنیٰ ہے وہ چیز، جو ہر وقت سامنے رہے۔ اِسطرح بیت الحرام چونکہ ہر آن سامنے رکھنے کی چیز ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ اسے ہر آن ذہنی اور عملی طور پر سامنے رکھنا مقصود ہے۔ نیز چونکہ اِسے مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ۲/۱۲۵، مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۳/۹۷ اور قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ۵/۹۷ کے مطابق عالمی مرکزیّت کا شرفِ عظیم حاصل ہے۔ اِسلئے بیت الحرام اہلِ اِسلام کے ہر فرد کا مطمع نظر، اور نصب العین ہے، اور عملی طور پر ہر وقت اپنے سامنے رکھنے کی چیز ہے، بس یہی ہے قبلہ کا صحیح مفہوم نیز چونکہ صلوٰۃ موقّت کی ادائیگی کیلئے اجتماعیت کے پیشِ نظر، ایک جہت کا تعیّن لازم ہے۔ اِسلئے صلوٰۃ اِسی کی طرف مُنہ کر کے ادا کی جاتی ہے۔

قبلہ کا اصل مقام قبلہ کا اصل مقام صرف جہت صلوٰۃ نہیں، بلکہ اہل اسلام کا مرکز اور پوری نوع انسانی کے لئے امن عالم کا ضامن ہونا ہے۔ چونکہ حضورؐ کی مکی زندگی میں، بیت الحرام میں مشرکین کا زور تھا۔ وہ اسکے اندر تالیاں سیٹیاں بجا بجا کر صلوٰۃ ادا کیا کرتے تھے ۸/۳۵۔ اسکی تولیت انہی کے پاس تھی۔ اسلئے بیت الحرام میں مرکزی نظام قائم نہ ہو سکا۔ بلکہ مخالفت اس حد تک شدت اختیار کر گئی کہ ۸/۳۰ کے مطابق آنحضورؐ کیلئے قید، قتل اور جلا وطنی کے منصوبے بنائے گئے تو ۲/۱۱۵ کے حکم کے مطابق، آنحضورؐ مع صحابہؓ ہجرت فرما گئے۔ اس پر خبر دیگئی ہے کہ مخالف بیوقوف نہیں جانتے کہ مسلمان خواہ کہیں بھی ہوں انکا مرکز بیت الحرام ہی ہے۔ نیز وہ اسے ضرور ضرور حاصل کرنیوالے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کس چیز نے انکے قبلہ بیت الحرام سے پھیر دیا ہے۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ نبیؐ اکرم نے نماز کا رُخ بدل دیا تھا۔ بلکہ جیسے کہ آیت مجیدہ کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے، کہ بیوقوفوں کے طنز کے جواب میں حکم ہوا ہے، اے رسولؐ! آپ کہدیجئیگا کہ مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہ جدھر کو چاہے ہماری رہنمائی فرمائے۔ اس سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ مخالفوں کا طنز و طعن حضورؐ کی نقل مکانی پر تھا، نماز کی جہت پر نہیں تھا۔ جہت صلوٰۃ تو نہ کبھی بدلی ہی تھی۔ اور نہ اس پر مخالفین کوئی پابندی لگا ہی سکتے تھے کہ اس طرف نماز نہ پڑھو۔ اور اسی نقل مکانی کے بعد آنحضورؐ بیت الحرام کی واپسی کیلئے سر اٹھا کر خاموش دُعائیں فرمایا کرتے تھے۔ ربط آیات متقدمات میں دیکھئے، کسطرح آنحضورؐ کی، فتح مکہ کی تمنا اور بیقراری کا تذکرہ واضح کر رہا ہے۔ کہ یہ آیات کریمات تحویل قبلہ سے نہیں، بلکہ ہجرت سے متعلق ہیں:۔

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ
شتاب ہے کہ کہیں گے بیوقوف لوگوں میں سے کس چیز نے
عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ
پھیر دیا ان کو قبلے ان کے سے جو تھے وہ اوپر اسکے کہہ واسطے
وَالْمَغْرِبُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝
اللہ کے ہے مشرق اور مغرب راہ دکھاتا ہے جسکو چاہتا ہے طرف راہ سیدھی کے۔
۱۴۲

بیوقوف لوگ جو نہیں جانتے کہ بیت الحرام کی مرکزیت دائمی ہے، (آپ کی ہجرت پر) بلاشبہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان قبلہ مکہ معظمہ سے، جہاں یہ تھے، (دوسرے مرکز مدینہ کی طرف) کس نے موڑ دیا ہے۔ اے رسولؐ! کہدیجئیگا کہ مشرق و مغرب (ساری دنیا) اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جو کوئی چاہتا ہے، اسے صراط مستقیم کی رہنمائی کر دیتا ہے۔

؎ مضارع پر سَ داخل ہو تو یا مستقبل قریب کا فائدہ دیتا ہے۔ اور یا حال کے معنوں میں زور پیدا کر دیتا ہے۔ اسلئے سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ کا معنی لکھا گیا ہے بلاشبہ بیوقوف کہتے ہیں۔ دلیل کیلئے دیکھئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۱۳

ہجرت کرنا سُنتِ انبیاء ہے ہجرت کیا ہے؟ قرآن کریم کی رُو سے ہجرت کامیابی کی کلید ہے، جیسے کہ حضرت موسیٰ و ہارون سلام علیہما نے فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۲۰/۴۷ کے الفاظ میں فرعون سے ہجرت کی اجازت مانگی تو وہ، فوراً ہجرت کے صحیح نتیجے پر پہنچ گیا۔ اور کابینہ سے کہا کہ یہ دونوں سیاستدان جو خود اہل مصر

سے نکلنے کی اجازت مانگ رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنی سیاست کیساتھ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دینے کا ارادہ رکھتے ہیں ۲۰/۱۱۴ ۔ اسی طرح سلسلۂ درس کی اگلی آیت مبارکہ میں آنحضور کی ہجرت مقدسہ کے متعلق، کہا جارہا ہے کہ ہم نے، تم سے ہجرت کروا کر، دراصل تمہیں بیت الحرام کا وارث اور اس عالمی مرکز کا متولی ٹھہرا دیا ہے۔ کہ تم اقوام عالم کے نگران بن جاؤ۔ کہ کوئی قوم، کسی قوم پر ظلم زیادتی نہ کرنے پائے۔ اور تمہارا نگران ہمارے ضابطے کیساتھ ہمارا رسول ہو۔ تم خود اس کی حدود سے نکلو، اور نہ کسی کو اس کی حدیں پھاندنے دو۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا
اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت بیچ کی یعنے بہتر تو کہ ہو
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ
تم گواہ اُوپر لوگوں کے اور ہووے پیغمبر اوپر تمہارے گواہ اور
شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ
نہیں کیا تھا ہم نے قبلہ جو تھا تو اوپر اُسکے مگر تو کہ جانیں ہم اس شخص
اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ
کو کہ پیروی کرتا ہے رسول کی اس شخص سے جو پھر جاتا ہے اوپر
عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى
دونوں ایڑیوں اپنی کے اور یہ ہے البتہ بڑی بات مگر اوپر ان
الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ
لوگوں کے کہ راہ دکھائی اللہ نے اور نہیں ہے اللہ کہ ضائع کرے
اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴۳
ایمان تمہارا تحقیق اللہ ساتھ لوگوں کے البتہ شفقت کرنیوالا مہربان ہے۔

اور اسی طرح ہم نے صراطِ مستقیم (ہجرت) کی رہنمائی کر کے تمہیں وسطی، یعنی بین الاقوامی، مرکزی اُمت قرار دیا ہے، تاکہ تم امامت اُمم کے منصب جلیلہ کے مطابق، لوگوں کے نگران بن جاؤ (اقوام عالم کا کنٹرول تمہارے ہاتھ میں ہو۔ کوئی قوم کسی قوم پر ظلم نہ کرنے پائے) اور تمہارا نگران ہمارا رسول ہو، (جس پر وہ ضابطہ نازل کیا گیا ہے، جو پوری نوع انسانی کا قیامت تک کیلئے نگران ہے)، اور اے رسول! ہم نے اس عارضی مرکز کو جس پر آپ اب ہیں اس لئے مقرر کیا ہے، کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ (ایمان کے دعویداروں میں سے)، کون گھر بار چھوڑ کر، ہمارے رسول کی پیروی (میں ہجرت) کرتا ہے۔ اور کون (مال اور جائیدادوں کی محبت میں اُلجھ کر) باطل دین کی طرف پھر جاتا ہے۔ بیشک (سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کرنا) بہت بڑی بات ہے۔ مگر اُن کے لئے کچھ بھی نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت پہ پایا ہے۔ اور (ایمان والو! مدینہ منورہ کا عارضی مرکز، مکہ معظمہ کے دائمی مرکز سے ہٹانے کیلئے نہیں بنایا گیا) کیونکہ خدا تعالیٰ ایسا نہیں ہے جو تمہارے ایمان ضائع کر دے بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلدی بخشش کرنیوالا مہربان ہے۔

● دیکھا آپ نے! دائمی مرکز بیت الحرام کی مرکزیت کو ذہنی طور پر چھوڑ دینے کو کس طرح ضیاع ایمان کا موجب ٹھہرایا گیا ہے؟

ضروری نوٹ آیت بالا میں وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ، جملہ معترضہ ہے جس میں ہجرت کے نتیجے کی وضاحت کی گئی

ہے کہ اگرچہ بظاہر تم بیت الحرام سے نکل آئے ہو لیکن دراصل نتیجہ یہ ہو گا کہ مخالفین کو اس مرکز سے نکلنا پڑیگا۔ اور اسکی تولیت تمہیں میسر آئیگی۔ اس طرح اس جملہ معترضہ کو الگ کر کے تقدیر کلام یہ ہے :۔ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ...... وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا ...... الخ۔ بیوقوف لوگ بلاشبہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس قبلہ مکہ معظمہ سے، جہاں یہ تھے، کس نے ہٹا دیا ہے؛ اے رسول کہدیجیئگا کہ مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جو چاہتا ہے اللہ اسکی رہنمائی کرتا ہے ..... اور اس عارضی مرکز کو جس پر آپ اب ہیں، ہم نے اسلئے مقرر کیا ہے کہ ہم ظاہر کر دیں، کون دگھربار چھوڑ کر، رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون مال کی محبت میں پھنس کر باطل مذہب کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً اس جملہ میں لَكَبِيرَةً چونکہ منصوب ہے اسلئے كَانَتْ کی خبر ہے۔ كَانَتْ فعل ناقص اپنے اسم ضمیر ھِیَ مستتر اور اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر اِنْ کی خبر ہے، اور محلاً مرفوع ہے۔ لام مفتوح اِنْ مخففہ کی وجہ سے داخل ہوئی ہے۔ اِنْ مخففہ کا اسم منصوب الْهِجْرَةَ محذوف ہے۔ اور تقدیر کلام ہے :۔ "اِنَّ الْهِجْرَةَ كَانَتْ (ھِیَ) لَكَبِيرَةً"

● اس سے اگلی آیت مجیدہ کو سامنے لانے سے پہلے، پھر سمجھ لیجیئگا، کہ آیت مجیدہ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ تحویل قبلہ سے متعلق نہیں، بلکہ ہجرت سے متعلق ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں اسی نظریئے کی تائید ہو رہی ہے۔ کہ آنحضورؐ نے مخالفین ربوبیت سے تنگ آکر ہجرت تو فرمائی لیکن خیال ہر وقت اسی طرف لگا رہتا تھا۔ کہ کب مکہ فتح ہو، اور دائمی مرکز کی تولیت کفار سے نکل کر مسلمانوں کی طرف منتقل ہو۔

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ ج
تحقیق دیکھتے ہیں ہم پھرنا منہ تیرے کا بیچ آسمان کے پس البتہ
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ
پھر دینگے ہم تجھکو اس قبلہ کیطرف کہ پسند کرے تو اسکو پس پھیر لو منہ اپنے کو
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا
طرف اسکے اور تحقیق وہ لوگ کہ دیئے گئے ہیں کتاب البتہ جانتے ہیں یہ کہ
وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
وہ حق ہے پروردگار اُن کے سے اور نہیں اللہ بےخبر اس
لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝
چیز سے کہ کرتے ہیں وہ۔
۱۴۴

ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھتے ہیں پس ہم ضرور ضرور اس مرکز قبلہ کی تولیت آپ کو عطا فرمائینگے۔ جس پر آپ ہمارے حکم ۲/۱۲۵ کے مطابق راضی ہو چکے ہیں۔ پس آپ اپنی توجہ کو مسجد حرام کی بازیابی کی طرف پھیر لیں۔ اور ایمان والو! تم بھی جہاں کہیں ہو اپنی توجہ مسجد حرام کی بازیابی کی طرف پھیر لو۔ اور جو لوگ کتاب دیئے گئے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ بیت الحرام ہی اُن کے رب کی طرف سے (مقرر کردہ) سچا دائمی مرکز ہے۔ (جسے کبھی کسی زمانے میں بھی نہیں بدلا گیا ۳/۹۶) لیکن (اس کے خلاف) جو وہ عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے بےخبر نہیں ہے۔

سب نے اپنے الگ الگ قومی قبلے قومی مرکز بنالئے ہوئے ہیں۔

اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہود ونصاریٰ وغیرہ سب نے عالمی مرکز کے خلاف اپنے الگ قومی مرکز بنالئے ہوئے ہیں۔ نہ وہ آپ کے مرکز کی اتباع کرنیوالے ہیں۔ اور نہ آپ اُن کے مرکز کی اتباع کرنیوالے ہیں نیز وہ آپس میں ایک دوسرے کے مرکزوں کی اتباع کرنیوالے بھی نہیں۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ
اور اگر لاوے تو اُن لوگوں کو کہ دیئے گئے ہیں کتاب ساتھ
اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ
ساری نشانیوں کے نہیں پیروی کرینگے قبلہ تیرے کی اور نہیں تو
وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ
پیروی کرنیوالا قبلے اُن کے کی اور نہیں بعض اُنکے پیروی کرنیوالے
اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ
قبلہ بعضے کی اور اگر پیروی کرے گا تو خواہشوں اُنکے کی پیچھے
اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۱۴۵ۘ
اس چیز کے کہ آئی تیرے پاس علم سے تحقیق تو اسوقت ظالموں سے ہے۔

اے رسولؐ! اگر آپ اپنے قبلہ (بیت الحرام کی دائمی عالمی مرکزیّت کے) تمام نشان بھی ان پر واضح کردیں۔ تو پھر بھی یہ آپکے عالمی قبلہ کی پیروی نہیں کرینگے۔ اور نہ آپ ہی کبھی بھی ان کے (کسی) قومی قبلہ کی اتّباع کرنیوالے ہیں۔ بلکہ وہ تو خود ایک دوسرے کے قبلوں (قومی مرکزوں) کی اتّباع کرنیوالے بھی نہیں اور اگر آپنے (قرآن حکیم کا یقینی) علم آ چکنے کے بعد، اُنکی خواہشات کی پیروی کی (یعنی عالمی مرکز کی بجائے آپنے بھی کوئی قومی مرکز بنالیا)، تو بلاشبہ آپ بھی اُس وقت بے ٹھکانہ کام کرنے والوں میں سے ہوجائینگے۔

پھر غور فرمائیں کہ یہاں کسی ایک قبلہ کا ذکر نہیں بلکہ بہت سے الگ الگ قبلوں کا ذکر ہے

دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں یہود ونصاریٰ، بلکہ اور بھی بہت سی قوموں کے الگ الگ قبلوں کی خبر دیگئی ہے۔ جس سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہاں سب کے الگ الگ قبلوں، قومی مرکزوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ نماز کی الگ الگ سمتوں کے متعلق نہیں بتایا جا رہا۔ اور مذکورہ بالا پُورا مضمون، آنحضورؐ کے عارضی مرکز کے قیام اور دائمی عالمی مرکز کی وضاحت اور بازیابی کی خوشخبری سے متعلق ہے۔ ورنہ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اگر بقول بعضے یہاں نماز کی جہت کا ذکر ہے تو نماز کی جہت کیلئے اہل کتاب نے بیت المقدس کے ساتھ اور کون کونسے اور کتنے قبلے بنا رکھے ہیں؟ اور اس طرح جب حقیقت یہ ہے، کہ آیات مقدسات ہجرت سے متعلق ہیں، تحویلِ قبلہ سے نہیں، تو دوپہر کے سورج کی طرح ثابت ہُوا کہ آنحضورؐ نے کبھی بھی بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے کوئی ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔ اور تحویلِ قبلہ کے روائتی قصّے کا قرآن کریم کے ساتھ کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہیں۔ لہٰذا آنحضورؐ نے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۲/۱۲۵ کے حکم کے مطابق شروع ہی سے بیت الحرام کو جہتِ صلوٰۃ قرار دیا تھا، اور بس۔

اہلِ کتاب اس قبلہ کو خوب پہچانتے ہیں اس سے اگلی آیت مجیدہ میں، قبلہ بیت الحرام کے متعلق فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا قبلہ بھی، جو خدا تعالیٰ کی طرف سے عالمی مرکز کے طور پر مقرر کیا گیا تھا، یہی تھا۔ وہ اس قبلہ کو۔ اس طرح پہچانتے ہیں، جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں:۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا
جو لوگ کہ دی ہم نے انکو کتاب پہچانتے ہیں اسکو جیسا کہ پہچانتے
يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ
ہیں بیٹوں اپنوں کو اور تحقیق ایک فرقہ ان میں سے البتہ چھپاتے
الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ ۱۴۶
ہیں حق کو اور وہ جانتے ہیں ۔

وہ لوگ جنہیں (قرآن سے پہلے) الکتاب دی گئی تھی، وہ اس قرآن کو (اور اس رسولؐ کو) اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں ۱۴۶/۲، لیکن ان میں ایک گروہ (علماءِ سُو کا) ہے۔ جو حقیقت کو چھپاتے ہیں۔ اور (نادانی کی وجہ سے نہیں چھپاتے، بلکہ) وہ جانتے ہیں۔ (کہ قرآن کریم اور آنحضور سلام علیہ کی تشریف آوری کی خبر تورات اور انجیل مجملہ کتب سماوی میں موجود ہے)

● سورہ اعراف میں ہے:۔ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۱۵۷/۷۔ اہلِ کتاب اس رسولؐ کو اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ نیز سورہ فتح میں آنحضورؐ و صحابہ کرام کے متعلق درج ہے:۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۲۹/۴۸۔ حضورؐ اور آپکے صحابہ کا تذکرہ تورات میں بھی درج ہے اور انجیل میں بھی درج ہے۔ نیز آیت صدر کا تکرار بعینہٖ نقل مطابق اصل ۲۰/۶ میں بھی آیا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۲۰/۶

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں، اس مشاہداتی حقیقت کے مطابق کہ منکرین و مخالفین کے جھٹلانے اور شک کرنے سے ذہن پر جو اثر ہوتا ہے۔ اسکے پیش نظر آنحضور سلام علیہ کو کہا جا رہا ہے:۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۱۴۷ ع
حق ہے پروردگار تیرے کی طرف سے پس مت ہو
شک لانے والوں سے ۔ ربع

اے رسولؐ! حق قرآن کریم (حقیقتاً) آپ کے رب کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔ (مخالفوں کے جھٹلانے اور شور مچانے پر) آپ کہیں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

ہر گروہ نے ایک سمت مقرر کر رکھی ہے سیاقِ کلام کے مطابق، کہ اُوپر یہود و نصاریٰ اور دیگر جملہ فرقوں کے الگ الگ قومی مرکزوں قبلوں کا ذکر آچکا ہے۔ اگلی آیت میں تکرار تاکیدی کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ ہر گروہ کے لئے ایک مرکز ہے۔ اور ہر گروہ اپنے اپنے ہی قبلے کی طرف مڑنے والا ہے لیکن اُن کے الگ الگ مراکز چونکہ قومی مرکز ہیں۔ اسلئے اُن میں انسانی بھلائی مفقود ہے۔ اس کے برعکس، عالمی مرکز کا تصور چونکہ نوعِ انسانی کی بھلائی کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس لئے ایمان والوں کو حکم ہوا ہے کہ تم بھلائی میں آگے بڑھتے چلے جاؤ:۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ
اور واسطے ہر کسی کے ایک طرف ہے وہ منہ پھیرتا ہے
أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ
ادھر پس دوڑو بھلائیوں کو جہاں کہیں کہ ہو تم لے آئیگا تمکو
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ ۱۴۸
اللہ سب کو تحقیق اللہ تعالیٰ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

اور ایمان والو! (سن لو کہ) ہر قوم کی ایک الگ سمت ہے جس کی طرف وہ مڑنے والی ہے۔ تم بھلائیوں میں سبقت لیجاؤ۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اکٹھا کرکے (عالمی مرکز پر) لے آئیگا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے۔ (وہ ہر کام اپنے قانون مشیت کے مطابق ہی کرتا ہے)۔

● آنحضورؐ معہ صحابہؓ، فتح مکہؐ کے لئے بیتاب تھے۔ لیکن باوجود اس کے کہ آیت نمبر ۱۴۴ میں آنحضورؐ کو خوشخبری دیدی گئی ہے، فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا، کہ ہم ضرور ضرور آپ کو بیت الحرام کی تولیت عطا فرمائینگے، جس پر آپ ہمارے حکم $\frac{2}{125}$ کے مطابق راضی ہو چکے ہیں۔ لیکن اس آیت نمبر ۱۴۸ کے آخری الفاظ میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ اگر کسی معجزاتی طریقے سے فتح چاہو، تو ہرگز نہیں ہو گی۔ کیونکہ ہم نے جو قانون مقرر کر رکھے ہیں، ہم اُن کی مخالفت ہرگز نہیں کرتے۔ جملہ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کے مفہوم میں، کیا کچھ پوشیدہ ہے؟۔ ابھی جنگ بدر اور اُحد میں اُن سے نبرد آزما ہونا ہے۔ جبتک دشمنوں کی طاقت ختم نہ ہوگی، کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ سیدھے ہاتھوں بیت الحرام کی چابیاں تمہارے حوالے کر دینگے؟

اِس سے اگلی آیات کریمات میں آنحضورؐ اور صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے

ہر جہت سے مسجد حرام کی بازیابی پر نگاہ رکھو کہا گیا ہے کہ (بیت الحرام کے متعلق نماز کی جہت کے علاوہ اِسوقت کرنے کا کام یہ ہے کہ) آپ جہاں سے بھی نکلیں یعنی آپ جو بھی قدم اُٹھائیں، اپنی توجہ ہر آن مسجد حرام کی طرف رکھیں جس کی ابتدائی کڑی اُسے غیروں کے قبضہ سے آزاد کرانا، اور آخری کڑی، اُسے امن عالم کا ضامن، عالمی مرکز قرار دینا ہے $\frac{2}{125}$، $\frac{3}{97}$، $\frac{5}{97}$ - چنانچہ ارشاد ہوا ہے :-

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
اور جہاں سے نکلے تو پس پھیر لے منہ اپنے کو طرف مسجد
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ
حرام کے اور تحقیق وہ البتہ حق ہے پروردگار تیرے کی طرف سے
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○ ۱۴۹
اور نہیں اللہ غافل اس چیز سے کہ کرتے ہو تم۔

اے رسولؐ! آپ جو بھی قدم اٹھائیں، اپنی توجہ مسجد حرام (سے متعلقہ مسائل) کیطرف پھیر لیا کریں۔ اور بلاشبہ وہ عالمی مرکز آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور ایمان والو! تم جو بھی کام کرتے ہو اللہ اُس سے غافل نہیں۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ
اور جہاں سے نکلے تو پس پھیر منہ اپنے کو طرف مسجد

اور اے رسولؐ! آپ جو بھی قدم اٹھائیں اپنی توجہ مسجد حرام کیطرف پھیر لیں۔ اور ایمان والو! تم بھی جہاں کہیں ہو، اپنی توجہ اُسی کی

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا
حرام کے اور جہاں کہیں ہو تم پس پھیر لو منہ اپنے کو طرف اُس کے
وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ
تو کہ نہ ہو واسطے لوگوں کے اوپر تمہارے حجت (یعنی جھگڑا) مگر
حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ
جنہوں نے ظلم کیا اُن میں سے پس مت ڈرو اُن سے اور ڈرو
وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
مجھ سے اور تو کہ پوری کروں میں نعمت اپنی اوپر تمہارے
تَهْتَدُونَ ۝ ۱۵۰
اور تو کہ تم راہ پاؤ۔

طرف پھیرے رہو تاکہ (تمہاری مسلسل جد و جہد کی بدولت) تم پر لوگوں کا غلبہ نہ ہو (یعنی وہ تمہاری فوقی تجاری ۸/۴۰ کی بدولت تم سے ڈرتے رہیں) ماسوا اُنکے جنہوں نے اُن میں سے تم پر ظلم کیا پس تم اُن سے نہ ڈرو، میری مخالفت سے ڈرو۔ تاکہ میں تم پر اپنی نعمت (اسلامی سلطنت جو مدینہ منورہ میں قائم ہو چکی ہے۔ مگر فتح مکہ اور بیت الحرام کی بازیابی کے بغیر ادھوری ہے) پوری کر دوں۔ اور تاکہ اسی طرح تم کامیاب ہو جاؤ (یعنی تمہاری کامیابی اسی طرح بشکل مشہود نمایاں ہو جائے)۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ
جیسا بھیجا ہم نے بیچ تمہارے پیغمبر تم میں سے پڑھتا ہے
آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
اوپر تمہارے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا
وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ ۱۵۱
ہے تم کو کتاب اور حکمت اور سکھاتا ہے تم کو جو کچھ نہیں تھے تم جانتے۔

جس طرح کہ ہم نے تمہارے درمیان تمہیں میں سے اپنا رسول (بصورت موجود) بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں معاشی بدحالی سے پاک کرتا ہے (۹/۱۰۳) اور تمہیں پُرحکمت کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ یعنی تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم جانتے نہیں تھے

مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

آیات بالا میں "مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ" کے الفاظ محاورۃً استعمال ہوئے ہیں۔ مِنْ حَيْثُ کی عمومیت اور "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" کے مطابق اس کا لفظی معنی یہ بنتا ہے کہ اے رسول! آپ جہاں سے بھی نکلیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیا کریں۔ یعنی آپ جہاں سے بھی نکلیں، منہ بیت الحرام کی طرف ہو۔ اب سمجھنا یہ ہے کہ کیا اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کمرے سے نکلیں، باورچی خانے سے نکلیں صحن سے نکلیں، غسلخانے سے نکلیں، بیت الخلاء سے نکلیں، جہاں سے بھی نکلیں، آپ کا منہ بیت الحرام کی طرف پھر جانا چاہیئے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ یہ تصور سو فیصدی نہیں، بلکہ کئی سو فیصدی ناممکن العمل ہے۔ پس ظاہر ہے کہ یہاں مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ بطور محاورہ آیا ہے۔ اور اس آیت میں حکم یہ دیا گیا ہے کہ آپ جو بھی قدم اٹھائیں، اور آپ کے سامنے جو بھی پروگرام ہو، اس کی غرض و غایت مرکزی نظام ربوبیت کا قیام، بیت الحرا کی بازیابی اور اس کی عالمی مرکزیت کو بروئے کار لانا ہو۔ اور ہر قدم اسی منزل مقصود

کی طرف اُٹھتا چلا جائے۔ اور یہی حکم حضورؐ کے علاوہ صحابہ کرامؓ کو بھی دیا گیا تھا۔

نعمت بمعنی آزاد حکومت ۲/۱۵۰

سیاقِ کلام کے مطابق وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ کے الفاظ میں نعمت سے مراد آزاد اسلامی مملکت ہے، جو عوام ہوں یا صحابہ رسولؐ، خود انسانی کوششوں ہی سے قائم ہوتی ہے نعمت کا معنی آزاد حکومت آیت ذیل میں پیچھے گزر چکا ہے۔ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ ۲/۴۰۔ اے بنی اسرائیل۔ میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا فرمائی۔ اور نعمت کی تعریف اِس سے اگلے الفاظ میں کر دی ہے وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ۔ اور بیشک میں نے تمہیں آزاد حکومت عطا کر کے، ہم عصر اقوام پر فضیلت بخشی تھی۔ اِسی نعمت کی تکمیل کا یہاں مشروط وعدہ کیا جا رہا ہے کہ یہ اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جبتک کہ تمہیں تمہارا مرکز بیت الحرام واپس نہ ملے۔ اور وہ اِسی طرح مل سکتا ہے کہ رسولؐ اور مومنین کی توجہ ہر لحظہ مسجدِ حرام کی بازیابی پر مرکوز ہو، چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ وَلَا تَکۡفُرُوۡنِ ۱۵۲ ع ۱۸/۵ ۲

پس یاد کرو مجھ کو یاد کروں گا میں تم کو اور شکر کرو واسطے میرے اور مت کفر کرو۔

پس ایمان والو! تم مجھ (یعنی میرے نازل کردہ ضابطۂ حیات کو) یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ یعنی میرے احکام کی فرمانبرداری کرو۔ (میں اُسکا ثمر عطا کروں گا) ـــــ فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ کے الفاظ اَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ ۲/۴۰ کے لفظاً متبادل اور معنًا مترادف ہیں، یعنی جس طرح بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کو کہا گیا ہے کہ تم میرے قانون کو یاد رکھو۔ یعنی اس پر عمل کرو میں تمہیں بھرپور بدلہ عطا کروں گا۔

فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ وَلَا تَکۡفُرُوۡنِ ۲/۱۵۲
اللہ کی یاد، اُسکے ضابطے کی اتباع ہے

اللہ کے ذکر کا جہاں تک محض زبان زبانی سے تعلق ہے، قرآن کریم نے اُسے صرف اور صرف صلوٰۃ موقت (نماز) تک محدود رکھا ہے۔ جیسے کہ ۲/۲۳۹ میں ذکر کا لفظ صلوٰۃ کا متبادل آیا ہے۔ حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم سفر میں ہو، اور تمہیں کوئی خطرہ لاحق ہو جائے تو پیادہ پا یا سواری پر جس حالت میں تم ہو، نماز ادا کر لیا کرو۔ اور جب امن کی حالت ہو تو ارشاد ہوا ہے۔ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمۡ ۲/۲۳۹ پھر تم اللہ کا ذکر (صلوٰۃ ادا) کیا کرو، اُس طرح، جس طرح کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے ـــــ اس طرح اذکارِ صلوٰۃ کے سوا زبانی اللہ، اللہ، اللہ، اللہ کے وِرد وظائف کا قرآن کریم کے ساتھ مطلقاً کوئی تعلق نہیں۔ آیت زیرِ نظر میں فَاذۡکُرُوۡنِیۡ سے ہرگز ہرگز یہ مراد نہیں کہ تسبیح لیکر، اور ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جاؤ اور اللہ، اللہ، اللہ اللہ کرتے رہو۔ بلکہ اگلے الفاظ میں

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ کہکر ذکر کی تعریف کردی ہے۔ کہ میرا ذکر اور میری یاد یہ ہے کہ میرا شکر کرو، کفر نہ کرنا۔ اب مصیبت یہ ہے کہ شکر کا معنی بھی زبانی زبانی شکر کرنا ہی لیا گیا ہے، کہ یہ کہا جائے حَمْدًا لِلّٰهِ وَشُكْرًا لِلّٰهِ۔ حالانکہ شکر کا معنی ہے ایسی انتھک کوشش کرنا، کہ اس کا بھرپور نتیجہ بصورتِ مشہود ابھر کر سامنے آجائے، جیسے کہ قرآنی لغت نے خود فیصلہ دیدیا ہے، وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ $\frac{۱۴}{۷}$۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب تمہارے پروردگار نے اعلان کر دیا۔ کہ اگر تم شکر کروگے تو میں تمہیں اور زیادہ دونگا۔

اب بتائیے! کیا کھیت سے فصل، اللہ تعالیٰ کا زبانی زبانی شکر ادا کرنے سے میسّر آتی ہے، یا یہ نعمت اس کے قوانینِ مشیّت کے مطابق ہل چلانے، بیج بونے، پانی دینے، کھادیں ڈالنے، اور کاٹنے گاہنے کے بعد عطا کی جاتی ہے؟ اور اسی طرح خدا تعالیٰ کی ہر نعمت، کیا زبانی زبانی شُكْرًا لِلّٰهِ کہنے سے میسّر آتی ہے؟ یا اس کے حصول سے متعلقہ قوانین پر عمل کرنے ہی سے ملتی ہے؟ ۔ فلہذا جب حقیقت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ہر نعمت اس کے ضابطہ پر عمل کرنے ہی کا ثمر ہے۔ تو یہ چیز کھل کر عیاں ہو چکی، کہ شکر کا معنی، کائنات کے ہر مقام اور ہر گوشے میں قوانینِ خداوندی کی اتّباع کرنا ہے، خواہ وہ اس کے ضابطہ طبیعات سے متعلق ہوں جنہیں خدا تعالیٰ نے کتابِ کائنات میں محفوظ کر رکھا ہے۔ اور خواہ وہ اس کی نزولی ہدایات کا حصّہ ہوں، جو اس کی نازل کردہ کتابِ مقدّس قرآن کریم میں موجود ہیں۔

صلوٰۃ واستقامت کامیابی کا زینہ ہے

اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں ایمان والوں کو مخاطب کرکے واضح کیا گیا ہے کہ نظامِ ربوبیّت ($\frac{۹۰}{۱۴ تا ۱۶}$) اور بیت الحرام کی عالمی مرکزیّت $\frac{۲}{۱۲۵}$، $\frac{۳۷}{۹۷}$، $\frac{۵}{۹۷}$ کا قیام اس قدر مشکل گھاٹی ہے کہ، اس میں بھوک پیاس کے علاوہ، فصلوں، پھلوں اور مالوں کا نقصان برداشت کرنیکے ساتھ ساتھ جانیں بھی قربان کرنا پڑتی ہیں۔ اسلئے اجتماعیّت اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔ اجتماعیّت کیلئے صلوٰۃ موقّت کے اجتماعات میں بدوام حاضر رہنے اور اجتماعی فیصلوں پر صبر و استقامت کے ساتھ جانیں تک قربان کرنے کیلئے تیار رہتے ہوئے مجھ ہی سے مدد مانگا کرو۔ میں استقامت کرنیوالوں کے ساتھ ہوں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو مدد چاہو ساتھ صبر کے اور نماز
وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ ۱۵۳
کے تحقیق اللہ ساتھ صبر کرنیوالوں کے ہے

ایمان والو! استقامت اور اجتماعیّت (صلوٰۃِ موقّت) کے ساتھ مدد طلب کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مستقل مزاج رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

نوٹ اس آیتِ مجیدہ میں اِسْتَعِيْنُوْا بصیغہ امر وارد ہوا ہے، جو صلوٰۃِ موقّت سے متعلق ہے۔ اور جیسے کہ اس کی وضاحت اپنے مقام پر آگے آرہی ہے، صلوٰۃِ موقّت میں، صرف قرآنی دعائیں ہی پڑھنے کا حکم ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ $\frac{۲۰}{۷۳}$، اور چونکہ قرآن بھر میں، اِسْتَعِيْنُوْا کے امر کی تعمیل کیلئے قرآنی الفاظ، اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، صرف اور صرف سورۃ

فاتحہ میں آئے ہیں۔ اسلئے اس آئت مجیدہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃِ موقت میں سورہ فاتحہ کی تلاوت اِسْتَعِيْنُوْا کے فرمان کے مطابق فرض ہے۔

● اس سے اگلی آئت مجیدہ میں کہا گیا ہے کہ اس راہ میں جو افراد کام آجائیں انہیں مُردے نہ کہنا، بلکہ وہی تو قوموں کو زندہ کرنیوالے ہیں۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۱۵۴

اور مت کہو واسطے اُن لوگوں کے کہ مارے جاتے ہیں بیچ راہ اللہ تعالیٰ کے کہ مُردے ہیں بلکہ زندہ ہیں اور لیکن نہیں تم سمجھتے۔

اور جو اللہ کی راہ میں (یعنی نظام ربوبیت کے مخالفوں سے لڑتے ہوئے) مارے جائیں، انہیں مُردے نہ کہنا، بلکہ وہ زندہ (قوموں کو) زندہ (کرنیوالے) ہیں۔ ولیکن تمہیں شعور نہیں۔ (کہ قوموں کی زندگی کا راز افراد کی قربانیوں ہی میں مضمر ہے)

مقتولین فی سبیل اللہ کی تعریف

اس نازک مسئلہ کو سمجھنے کیلئے ۴/۷۵ کے ان الفاظ پر غور فرمائیں :- وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج = ایمان والو! تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں قتال نہ کرو گے، جبکہ کچھ مرد، عورتیں اور بچے کمزور کر دیئے گئے ہوں۔ اور وہ پکار پکار کر کہہ رہے ہوں کہ اے ہمارے پروردگار، ہمیں ان ظالموں کی بستی سے نکال لے ـــــ اس آئت کی رُو سے مستضعفین کی مدد کیلئے لڑنا قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اور اس راہ میں جو مارے جائیں وہ مقتولین فی سبیل اللہ ہیں۔ اب مستضعفین کی تعریف سورہ قصص میں ملاحظہ فرمائیں۔ فرعون کے متعلق ارشاد ہوا ہے :- جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ۲۸/۴ اُس کے عوام کے گروہ بنا رکھے تھے۔ ایک گروہ کو حقِ ربوبیت سے محروم کرکے کمزور کر دیا تھا، پس ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی رُو سے مستضعفین وہ ہیں، جنہیں محروم ربوبیت کرکے کمزور کر دیا گیا ہو۔ لہٰذا اُن کا حقِ ربوبیت دلانے کیلئے، غاصبین ربوبیت کے ساتھ لڑنے کو ۴/۷۵ میں قتال فی سبیل اللہ کہا گیا ہے پس مقتولین فی سبیل اللہ وہ ہیں، جو غاصبین حقوقِ ربوبیت کیساتھ جنگ کرتے ہوئے قتل ہو جائیں۔

سلسلۂ درس کی آئت بالا نمبر ۵ ا میں مقتولین فی سبیل اللہ کے اس احترام کی بدولت کہ وہ قوم کو زندہ کرنیوالے، اور ملت کا سرمایۂ صد افتخار ہیں، انہیں طبعی موت مرنیوالوں کی مانند مُردے کہنے سے احتراماً روک دیا گیا ہے۔ لیکن اس آئت سے روایات نے تصور یہ لیا ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ، فی الحقیقت زندہ ہیں۔ جیسے کہ ۳/۱۶۹ میں انہی کے متعلق کہا گیا ہے :- بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۔ اسکا مفہوم یہ لیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ یُرْزَقُوْنَ فعل مضارع ہے۔ جو حال اور استقبال دونوں کیلئے آتا ہے۔ لیکن ۲۲/۵۸ میں اس پر لامِ تاکید اور نونِ مشددہ لاکر فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ یہ مستقبل کیلئے ہے۔ اور مقتولین فی سبیل اللہ کو زمانۂ حال میں رزق نہیں دیا جاتا، بلکہ زمانۂ مستقبل میں جب وہ قیامت کو اُٹھائے جائینگے رزق دیا جائیگا۔ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا

حسنات = اور جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں، پھر وہ قتل کئے جائیں یا مرجائیں، انہیں اللہ تعالیٰ اچھا رزق دیگا۔
آیت مجیدہ ۳/۱۶۹، جس میں ۲۲/۵۸ کے فیصلے کے مطابق یرزقون بصیغہ حال نہیں، بلکہ بصیغہ استقبال آیا ہے۔ پوری آیت مجیدہ یہ ہے:۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ = اور اس کا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے = اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے جائیں اُن کے متعلق گمان بھی نہ کرنا کہ وہ مُردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ وہ اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں ۔۔ رزق دیئے جاتے ہیں کے متعلق تو سطور بالا میں ۲۲/۵۸ کی رُو سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ یرزقون فعل مضارع حال نہیں۔ بلکہ استقبال کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ مقتولین فی سبیل اللہ کیلئے لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ کے الفاظ میں مضارع پر لام تاکید اور نون مشدّدہ لاکر اسے حال کے دائرے سے خارج کر دیا ہے۔ اب رہا اس تاکید کا سوال، کہ آیت زیر نظر ۲/۱۵۴ میں مقتولین فی سبیل اللہ کیلئے کہا گیا ہے کہ انہیں مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور ۳/۱۶۹ میں حکم دیا ہے کہ اُن کے متعلق مُردہ ہونے کا گمان بھی نہ کرنا۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ہم نے اَحْيَآءٌ صفت مشبّہ کو اُسی طرح اسم فاعل کے معنوں میں لیا ہے زندہ کرنیوالے جس طرح انبیاء صفت مشبّہ کا معنی بصورت اسم فاعل صحیح ہے خبر پانیوالے۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ اگر اَحْيَآءٌ کا معنی "زندہ" لیا جائے، تو مقتولین فی سبیل اللہ اور طبعی موت مرنیوالوں کے درمیان ایک حد فاصل قائم ہو جاتی ہے کہ وہ زندہ اور یہ مُردے ہیں لیکن اہل روایات کے ہاں طبعی موت مرنیوالوں کو بھی زندہ مانا گیا ہے۔ جیسے کہ قبرستان میں جاکر کہا جاتا ہے السلام علیکم یا اہل القبور۔ اِس پر سوال آتا ہے کہ اسطرح پھر مقتول فی سبیل اللہ کیلئے:۔
بل اَحْيَآءٌ کی تخصیص کیا ہوئی؟ اگر اسکا یہ جواب دیا جائے کہ شہید کی رُوح زندہ ہے تو پھر بھی بات نہیں بنتی، کیونکہ رُوح سب کی زندہ مانی جاتی ہے۔ اور اگر یہ جواب دیا جائے کہ شہید علیم اپنی باطنی زندگی میں زندہ ہیں، تو غیر شہید جنہیں السّلام علیکم کہا جاتا ہے وہ بھی باطنی زندگی میں زندہ ثابت ہوتے ہیں۔ شہیدوں کیلئے بَلْ اَحْيَآءٌ کی تخصیص پھر بھی قائم نہیں رہتی۔ جس کا قائم رکھنا لازم ہے تاکہ بَلْ اَحْيَآءٌ کے الفاظ کی حاکمیت ضائع نہ ہونے پائے۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے:۔ جسم سے الگ رُوح کوئی چیز نہیں۔ زندگی عناصر کے اجزاءِ ترکیبی کا نتیجہ ہے، اور اُن کا بے کار ہو جانا موت ہے۔ نیز عنوان نمبر ۲ میں واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم میں حقیقت اور مجاز دونوں انداز سے الفاظ کا استعمال موجود ہے پس یہاں باندازِ مجاز کہا گیا ہے کہ مقتولین فی سبیل اللہ، خود تو قتل ہو جانے، مرجانے، فوت ہو جاتے ہیں لیکن قوم کو زندہ کر جاتے ہیں پس یہ ہے بَلْ اَحْيَآءٌ کی تخصیص، جو قیامت تک قائم رہیگی۔ اور آیت صدر میں مقتولین فی سبیل اللہ کو اُن کے علو مرتبہ کی بدولت، کہ وہ قوموں کو زندہ کرنیوالے ملّت کا سرمایۂ صد افتخار ہیں مُردہ کہنے اور گمان کرنے سے احتراماً روک دیا گیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی تین آیتوں میں واضح کیا گیا ہے کہ:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ
اور البتہ آزمائینگے ہم تم کو ساتھ ایک چیز کے ڈر سے اور بھوک

اور ضرور ضرور ہم تمہاری استقامت کو دشمن کے خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان کے ساتھ ظاہر

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ
سے اور کمی مالوں سے اور جان کے سے اور پھلوں کے سے

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۱۵۵
اور خوشخبری دے صبر کرنے والوں کو

کرینگے۔ اور اے رسول! آپ مستقل مزاج رہنے والوں کو خوشخبری دیدیں (نہ وُہی تو کامیاب ہونیوالے۔ اور مُردہ قوموں کو زندہ کرنے والے ہیں)

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ
وہ لوگ کہ جب پہنچتی ہے اُن کو مصیبت کہتے ہیں تحقیق

وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ ۱۵۶
ہم واسطے اللہ کے ہیں اور تحقیق ہم طرف اسکے پھر جانیوالے ہیں

یہ وُہ لوگ ہیں کہ جب اُن پر مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کیلئے ہیں۔ اور اُسی کیطرف لَوٹ جانیوالے ہیں۔ (یعنی وُہ مصائب سے گھبرا کر کوشش نہیں چھوڑ دیتے)۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ
یہ لوگ اوپر اُن کے ہے درُود پروردگار اُنکے سے

وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ ۱۵۷
اور رحمت اور یہ لوگ وُہی ہیں راہ پانیوالے

یہی وُہ لوگ ہیں، جن پر اُنکے پروردگار کیطرف سے عام رحمتیں (امن واتحاد) اور مخصوص رحمت (تمکّن فی الارض عطا کیا جاتا ہے)[1] اور یہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔

[1] صلوٰۃ ورحمت مترادف المفہوم ہیں۔ لہٰذا آیت مجیدہ کے الفاظ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ میں واوٗ خصوص برعموم کے طور پر آئی ہے۔ خوف کا امن میں بدل جانا، باہمی اتحاد اور یک جہتی وغیرہ عام رحمتیں ہیں اور آزاد حکومت کا قیام، جو کوشش ہی کے ساتھ میسّر آتا ہے، یعنی خلافتِ ارضی خداتعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔

صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں

سیاقِ کلام کے مطابق آیت نمبر ۱۴۴ میں بیت الحرام کی واپسی کی مشروط خوشخبری دیگئی ہے۔ کہ تم جو بھی قدم اٹھاؤ، اس مہم کو نگاہوں کے سامنے رکھو۔ اِس طرح مسلسل جدّ و جہد کیساتھ تمہیں بیت الحرام کی تولّیت عطا کی جائیگی۔ اور آیاتِ بالا میں عام قانون کے انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ مستقل مزاج رہنے والے اور مصائب کی شدّت کے باوجود دست گام نہ ہونیوالے ہی کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اسی طرح سعیٔ مسلسل کیساتھ، جب فتح و کامرانی کے بعد بیت الحرام کی عالمی مرکزیت قائم ہوجائے تو اہلِ عالم کے اِس مرکزی مقام بیت الحرام میں سالانہ اجتماع کے دَوران اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھنے کیلئے گئے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ
تحقیق صفا اور مروہ نشانیوں اللہ کی سے ہیں پس جو کوئی

بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ پھر جو شخص (سالانہ اجلاس کیلئے) بیت الحرام کی حاضری کا ارادہ

حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ
حج کرے گھر کا یا عمرہ کرے پس نہیں گناہ اوپر اسکے یہ کہ طواف
يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ
کرے بیچ ان دونوں کے اور جو کوئی خوشی سے بھلائی کرے
شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۱۵۸
پس تحقیق اللہ قدردان ہے جاننے والا

کرے یا دورانِ سال ہنگامی اجلاس میں حاضر ہو تو کوئی ہرج نہیں کہ وہ (صفا اور مروہ) دونوں میں آیا جایا کرے۔ اور جو کوئی اپنی خوشی کے ساتھ بھلائی یعنی اصلاح کے کاموں میں حصہ لے تو اللہ تعالیٰ قدردانی کرنیوالا اور جاننے والا ہے۔ (یعنی اُسکے ہاں قدردانی کی ہے جو اُس کی رضا کیلئے بھلائی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون رضاءِ الٰہی کا طلبگار رہے اور کون نام نمود کا)۔

اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا طَوَّفَ کا سہ حرفی مادہ = ط۔ و۔ ف ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے نگرانی کرنا حفاظت کرنا ہے۔ الطائف چوکیدار کو کہتے ہیں۔ چوکیدار چونکہ رات بھر اپنے حلقۂ حفاظت میں بار بار آتا جاتا رہتا ہے۔ اسلئے اس کے معنے آنے جانے کے ہیں۔ جیسے کہ سورہ نور میں ملازموں کو طَوّٰفُوْنَ (۲۴/۵۸) آنے جانے والے کہا گیا ہے الگ کے گرد دائرہ باندھ کر چکر لگانے والے نہیں کہا گیا۔ اِس لفظ سے بیت الحرام کے گرد چکر کاٹنا مُراد لینا صحیح نہیں۔ جبکہ صفا مروہ کے گرد چکر نہیں کاٹے جاتے۔ بلکہ وہاں آیا اور جایا جاتا ہے۔

شَعَآئِرِ اللّٰهِ شعائر کا سہ حرفی مادہ ش۔ ع۔ ر = شعر ہے۔ اس کا بنیادی معنی ہے بال (۱۶/۸۰) اب بال چونکہ ایک باریک چیز ہے۔ اِس طرح باریک بینی، دانائی اور معاملہ فہمی کیلئے اِسی مادہ سے لفظ شعور مشتق ہے۔ بیوقوفوں کیلئے آیا ہے وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (۲/۱۲) پھر شعور کا لفظ پہچان کیلئے بھی آیا ہے۔ اور جس چیز پر کوئی نشان ہو یا جس نشان سے کوئی چیز پہچانی جائے اُسے شعیرہ کہتے ہیں۔ اور شعیرہ کی جمع ہے شعائر۔ پس صفا مروہ کو بیت الحرام کے نشان بتایا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ لوگ کئی مصنوعی مکے اور نقلی بیت اللہ بنایا کرینگے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے چاچڑ دانگ مدینہ دستے کوٹ مٹھن بیت اللہ۔ پس اصلی اور نقلی بیت اللہ کے امتیاز کیلئے صفا مروہ جیسی دو پہاڑیوں کو شعائر اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ نشانیاں بتایا گیا ہے۔ (مادہ ش۔ ع۔ ر کی مزید بحث الشعراء کے ضمن میں اپنے مقام پر آگے آئیگی انشاء اللہ)۔

حج کی غرض ربوبیت عامہ ہے اِسے چھپانے والے محروم ربوبیت اور محروم امامت رہیں گے

سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سیاقِ کلام کے مطابق بتایا گیا ہے کہ بیت اللہ کے اجتماع کی اصل غرض ربوبیت عالمینی کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا ہے۔ اِسے چند رسموں کے پردوں میں چھپا دینا، خدا تعالیٰ کے ہاں بھی موجب بیزاری ہے۔ اور اقوام عالم بھی اُن سے بیزار ہونگی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ
تحقیق جو لوگ کہ چھپاتے ہیں جو کچھ کہ اتارا ہم نے دلیلوں
وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ
سے اور ہدائت سے پیچھے اسکے کہ بیان کیا ہم نے اسکو واسطے
اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ○
لوگوں کے کتاب میں، یہی لوگ ہیں کہ لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت
کرتے ہیں اُن کو لعنت کرنیوالے۔
۱۵۹

بلا شبہ جو لوگ اُن دلائل و ہدائت کو، جو ہم نے نازل فرمائی ہیں (چند رسموں کے پیچھے) چھپا لیتے ہیں، پیچھے اس کے کہ ہم نے انہیں اپنی کتاب میں بالوضاحت بیان کر دیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے بیزار ہے، اور (اُن کی بدمعاملگی کی بدولت) بیزار ہونیوالے بھی اُن سے بیزار ہونگے۔ (لعن کا معنٰی بیزاری ہے)۔

● اِس کے بعد اِس بیزاری سے بچنے کا ایک ہی طریقہ بتایا گیا ہے:-

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ
مگر جنہوں نے توبہ کی اور نیکی کی اور بیان کیا پس یہ لوگ
اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○
ہیں کہ پھر آتا ہوں میں اوپر اُن کے اور میں ہوں پھر آنیوالا
مہربان ۔
۱۶۰

اللہ تعالیٰ اور اقوامِ عالم کی بیزاری سے صرف اور صرف وہ لوگ بچ سکینگے جو اقرارِ جرم کریں، اور اپنی اِصلاح کریں (یعنی ربوبیّت عامہ کے درسِ اوّل ۱/۱ کو اپنا شعار بنائیں) اور (اسلام کی بنیادی تعلیم ربوبیّت کی) وضاحت کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں، کہ ہم اُن کی طرف رحمت کے ساتھ لوٹ آئینگے۔ کیونکہ ہم لوٹ آنیوالے مہربان ہیں۔

● اور اِس کے برعکس منکرین کے متعلق ارشاد فرمایا:-

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ
تحقیق جو لوگ کہ کافر ہوئے اور مر گئے اور وہ کافر
اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ
رہے یہ لوگ اوپر اُن کے ہے لعنت خدا کی اور فرشتوں
اَجْمَعِیْنَ ○ ۱۶۱
کی اور آدمیوں کی سب کی۔
خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ
ہمیشہ رہینگے بیچ اس کے نہیں ہلکا کیا جاویگا اُن سے
وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ○ ۱۶۲
عذاب اور نہ وہ ڈھیل دیئے جاوینگے

بلا شبہ جو لوگ (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطے کو چھپا کر اُسکا عملاً) انکار کرتے، اور عملی انکار ہی کی حالت میں مر جاتے ہیں، اُن سے اللہ تعالیٰ بھی بیزار ہوتا ہے (یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم رہتے ہیں) اُن سے اللہ کے ملائکہ بھی بیزار ہوتے ہیں (یعنی تنزیلی ضابطے کو چھپانے والے اُسکے خلاف عمل کرنے پر اُنکی ضمیریں اُن پر لعنت کرتی ہیں) اُن سے پوری کی پوری اقوامِ عالم بھی بیزار ہوتی ہیں۔ (یعنی اُن کی بدمعاملگی اقوامِ عالم میں زبان زدِ عوام ہوتی ہے) جبتک وہ اپنی حالت خود نہ بدلیں ۱۳/۱۱ اُسوقت تک وہ اِس عذاب میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ اُن سے عذاب کم نہیں کیا جاتا! اور نہ انہیں مہلت دی جاتی ہے۔

اللہ، ملائکہ اور النّاس کی بیزاری

اِس آیت کی تفسیر لکھنے کیلئے غرقِ ندامت ہو کر قلم اٹھایا جا رہا ہے بیت الحرام کو خدا تعالیٰ نے ۲/۱۲۵ میں مَثَابَةً لِّلنَّاسِ، ۳/۹۶ میں بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کہہ کر، پوری نوعِ انسانی کیلئے اوّلین بیت الامن قرار دیا ہے ۳/۹۷ میں بھی اِسے مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا کے الفاظ میں بلاتمیز سب لوگوں کیلئے جو اِس کے نظام میں داخل ہو جائیں ضامنِ امن بتایا ہے۔ ۵/۹۷ میں بھی جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ کے الفاظ میں اِسے پوری نوعِ انسانی کو اُن کے قدموں پر کھڑے کرنے کا ضامن ٹھہرایا ہے۔ لیکن حج کو، جو اقوامِ عالم کی سالانہ امن کانفرنس ہے چند رسموں کا مجموعہ ٹھہرا کر بیت الحرام کی مذکورہ عالمی مرکزیت، اور اِس کی اصل قرآنی شان کو حج کی چند رسموں کے پردوں میں چھپا دیا گیا ہے۔ اور سمجھے بیٹھے ہیں کہ حج، اور بیت الحرام سے متعلقہ مذکورہ آیات کریمات ۲/۱۲۵، ۳/۹۶، ۳/۹۷، ۵/۹۷ اور ۲۲/۲۸ کا مقصد پورا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ امنِ عالم کی ضامن قوم آج خود ہر آن دشمنوں کے خوف و ہراس میں گرفتار ہے۔ ہر گری ہوئی قوم کو قدموں پر کھڑا کرنیوالے، آج خود قدموں پر کھڑا ہونے کیلئے دوسروں کی امداد کے منتظر رہنے پر مجبور ہیں۔ جس قوم کو بیت الحرام کے ذریعہ اقوامِ عالم کی امامت کا منصب جلیلہ عطا کیا گیا تھا، اور جس قوم کو اقوامِ عالم کے جھگڑوں کا منصف۔ قاضی اور جج مقرر کیا تھا۔ آج وہ اپنے جھگڑے دوسری اقوام سے طے کرانے کیلئے مجبور ہے۔ کیوں؟ اِسلئے کہ اِس سے اللہ بیزار ہے۔ (ہمارے اِن الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کرنا بھی غلط ہے کہ جن قوموں کی طرف ہمیں رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اُن پر اللہ راضی ہے، ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ اُن پر راضی ہوتا ہے، جو تسخیرِ کائنات کے بعد اُس کا استعمال تعمیرِ انسانیت کیلئے کریں تخریبِ انسانیت کیلئے نہ کریں۔ مغربی اقوام، تسخیرِ کائنات کی بدولت مادی نعمتوں سے سرفراز ہونے کے باوجود، انکارِ ربوبیّتِ عامہ کی بدولت خود قسم قسم کے مصائب و آلام میں گرفتار ہیں۔ اِس عنوان کی مزید وضاحت اپنے مقام پر آگے آئیگی انشاء اللہ!

ملائکہ کی بیزاری

اِس آیت کی رُو سے دوسرے نمبر پہ ہے ملائکہ کی بیزاری۔ ملائکہ کیا ہیں؟ یہاں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قوتیں مراد ہیں، جو ارض و سماوات یعنی کائنات بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر فرد و بشر کے اندر بھی موجود ہیں، اور باہر بھی۔ جب کوئی شخص اُس ضابطہ کے مطابق عمل بجا لاتا ہے، جو خدا تعالیٰ نے خود بذریعہ تنزیل نازل فرمایا ہے، تو اس پر اِسکے داخلی ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ یعنی اِس کے ذہن میں امن و اطمینان کی فراوانی ہوتی اور کامیابی و کامرانی کے مژدے سنائے جا رہے ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ ۴۱/۳۰ = بیشک جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ پھر وہ اِس پر استقامت دکھاتے (ربوبیّتِ عامہ کے کام کرتے) ہیں۔ اُن پر (نظم و ضبط، عزم و استقلال اور ذہنی اطمینان و سکون کے عظیم الشان) ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ جو (بزبانِ حال کہتے ہیں)، کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ۔ اور اُس جنّت (متوازن معاشرہ) کی خوشخبری

لو، جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے۔

اِسکے برخلاف جو لوگ ربوبیّت عامہ کے تنزیلی ضابطے کو چُھپاتے ۱۵۹/۲، اور انفرادی مفاد پرستی کے حامل غیر تنزیلی قوانین پر عمل کرکے عوام کے حقوقِ ربوبیّت غصب کرتے ہیں، اُن سے مذکورہ بالا سب ملائکہ بیزار ہو جاتے ہیں۔ اسکی محسوس صورت یہ ہے کہ اُن کے داخلی مَلَک یعنی اُن کی ضمیریں اُن پر لعنت کرتی ہیں۔

اَلنّاس اقوامِ عالم کی بیزاری تیسرے نمبر پر اِس آیت کی رُو سے وَالنَّاسِ اَجمعین کی بیزاری کی خبر دیگئی ہے۔ واضح رہے کہ جو قومیں بین الاقوامی تجارت میں نمونہ کے مطابق مال سپلائی نہیں کرتیں۔ اقوامِ عالم اُن سے بیزار ہو جاتی ہیں جن کے سپلائی کردہ مال کا وزن اُوپر لکھے ہوئے وزن سے کم ہو۔ ناپ اُن کے لکھے ہوئے ناپ کے مطابق نہ ہو، اقوامِ عالم اُن سے بیزار ہو کر تجارتی تعلقات منقطع کر لیتی ہیں۔ اِس گوشے میں بھی ہم دُوسری قوموں کی اقتدا میں، اِس مقام پر مشکل پہنچ پائے ہیں کہ تجارت کا مال وزن میں زیادہ ناپ میں بڑھتی اور کوالٹی میں سیمپل کے عین مطابق ہو۔ المختصر النّاس یعنی اقوامِ عالم اُن لوگوں سے بیزار ہو جاتی ہیں، جو حُسنِ معاملہ سے یا تو بے خبر ہوں، اور یا جان بُوجھکر اعلیٰ اقدار کی پامالی کو اپنا شعار ٹھہرائیں۔

اَلنَّاس کے لفظ میں، بیگانوں کے علاوہ اپنے بھی شامل ہیں۔ چُنانچہ معاشرہ کے داخلی اُمور میں رشوت لئے بغیر فرضِ منصبی ادا نہ کرنا۔ اشیاءِ خوردنی میں ملاوٹ، کم تولنا، ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع طلبی، جملہ افعالُ النَّاس کی بیزاری کا موجب ہیں۔ رشوت دیکر کام کرانیوالا، راشی سے۔ خریدار ملاوٹ کرنیوالے دکاندار سے، اور پورا معاشرہ ذخیرہ اندوز اور منافع خور سے بیزار ہوتا، اور اُس پر لعنتیں بھیجتا ہے۔ یہ ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ کا مفہوم۔ اِس سے آگے، ایسے لوگوں کی ایک عجیب وغریب اعتقادی غلطی کی وضاحت کیگئی ہے۔

وہ الٰہ واحد کیساتھ اَور اِلٰہ ٹھہرالیتے ہیں اگلی آیات کریمات میں ایسے لوگوں کی پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کیساتھ اور اِلٰہ ٹھہرالیتے ہیں۔ اور اُن کے بتائے ہُوئے نظریات وعقائد کو قلوب واذہان پر سوار کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اِلٰہ صرف ایک ہے، جس کی ہستی کے بیّن ثبوت کائنات بھر میں بکھرے پڑے ہیں۔

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
اور معبود تمہارا معبود ایک ہے نہیں کوئی

19 الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ ۱۶۳ ع
معبود مگر وہ بے بخشش کرنے والا مہربان۔

حقیقت یہ ہے کہ تمہارا الٰہ، اِلٰہِ واحد ہے۔ اُس صاحبِ رحمتِ عامہ اور بخششِ خاصہ (۱/۲) کے سوا کوئی اور اِلٰہ موجود ہی نہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
تحقیق بیچ پیدائش آسمانوں کے اور زمین کے
وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ
اور آنے جانے رات کے اور دن کے اور کشتیوں
الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ
کے جو چلتی ہیں بیچ دریا کے ساتھ اس چیز کے کہ نفع
وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ
دیتی ہے لوگوں کو اور جو کچھ کہ اتارا اللہ نے آسمان سے
فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ
پانی پس جلایا ساتھ اسکے زمین کو پیچھے موت اسکی
فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ
کے اور بکھیرے بیچ اسکے ہر جانور سے اور پھیرنے باؤں
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ
کے اور بادلوں کے جو حکم کے باندھے ہیں درمیان آسمان کے
الْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ۝ ۱۶۴
اور زمین کے البتہ نشانیاں ہیں واسطے اس قوم کے کہ عقلمند ہیں۔

بلاشبہ (اللہ کی پہچان کیلئے) آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے بدل بدل کر آنے میں؛ اور سمندروں میں جہازوں کے چلنے میں، کہ وہ لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اور اللہ جو آسمان سے پانی برساتا ہے، اور جو زمین کے مُردہ (بیکار) ہوجانے کے بعد اُس پانی کیساتھ اُسے زندہ کردیتا ہے، اور جو اُس نے زمین میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دیئے ہیں۔ اور ہواؤں کے رُخ بدل بدل کر چلانے میں، اور آسمان اور زمین کے درمیان بادلوں کو انسانیت کی خدمت کیلئے متعیّن کردینے میں عقلمندوں کے لئے، خداتعالیٰ کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

(نوٹ) اِس سے اگلی آیات کریمات میں، پیشوائیت کے ہر گوشۂ پیری مُریدی کے طویل تذکرے میں اس مکتب فکر کی کھلی وضاحت آرہی ہے۔ سیاق کلام کے مطابق، کہ پیچھے یہود و نصاریٰ کا ذکر موجود ہے۔ مگر چہ قلعی اُنکی کھولی گئی ہے۔ لیکن یہ آیات آج ہماری حالت پر بھی منطبق ہورہی ہیں۔ قرآن کریم کسی خاص زمانے کیلئے نہیں یہ ہر زمانے کی خرابیوں کو اُجاگر کرتا چلا جاتا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی قوم میں ہوں۔ اگلی آیت میں لفظ اَنداد، نِد کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے وہ لوگ جنہیں صفاتِ الٰہی میں شریک ٹھہرا لیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ
اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہے کہ پکڑتا
دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ
ہے سوائے اللہ کے شریک۔ محبت کرتے ہیں اُن سے

(۲/۱۶۴ کی مذکورہ بالا صفاتِ خداوندی کی ظاہر اور واضح نشانیوں کے باوجود) لوگوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مخصوصہ میں اُسکے ساتھ اوروں کو بھی شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ اور اُن سے اِس طرح محبت کرتے ہیں (گویا کہ

كَحُبِّ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۗ
جیسا محبت خدا کی اور جو لوگ کہ ایمان لائے ہیں زیادہ ہیں
وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ
محبت میں واسطے اللہ کے اور کاشکے کہ جانیں وہ لوگ
الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ
کہ ظالم ہیں جب دیکھینگے عذاب یہ کہ قوت واسطے اللہ کے
اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ ۱۶۵
ہے ساری اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا
ہے ۔

انہیں بھی خدا تعالیٰ کیساتھ حاضر و ناظر، حامی ناصر و دستگیر و مشکلکشا ٹھہرا کر اپنے اذہان میں اُن کی بھی اُسی طرح پرستش کرتے، اور اُن سے بھی اسیطرح محبت کرتے ہیں) جس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ کی جاتی ہے (یعنی اُن کے پیش کردہ نظریات و عقائد کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ عقائد و نظریات پر فوقیت دیتے ہیں)۔ اور اُن کے برعکس، جو لوگ صحیح طور پر ایمان لاتے ہیں، وُہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت ہی سخت ہیں۔ (وُہ صفاتِ خداوندی میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں ٹھہراتے) اور کاشکے ظالم لوگ (یعنی صفاتِ خداوندی میں غیر اللہ کو شریک کرنیوالے) غور کریں کہ جب وُہ عذاب کو دیکھینگے اور پھر جان لینگے کہ پوری کی پوری طاقت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے (ہم نے غیر اللہ کو غلط طور پر صاحبِ قوت ٹھہرا لیا تھا۔ اور وہ جان لینگے کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ عذاب کرنے کی رُو سے بہت ہی سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بندے ٹھہرا کر، جن کیساتھ بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ کیجاتی ہیں وُہ قیامت کو کسی کام نہیں آئینگے

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے والوں، اور شریک ٹھہرائے گیوں کی، قیامت کی باہمی بیزاری کا نقشہ کھینچا گیا ہے :-

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ
جس وقت بیزار ہو گئے وُہ لوگ کہ پیشوا تھے اُن
اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ
لوگوں سے کہ پیروی کرتے تھے اُن کی اور دیکھینگے عذاب کو
الْاَسْبَابُ ۝ ۱۶۶
اور کٹ جاوینگے اُن کے علاقے ۔

خصوصًا وُہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب قیامت کے دن وُہ لوگ جن کی اتباع کیجاتی ہے، اُن لوگوں سے بیزار ہو جائینگے جو اتباع کرتے ہیں۔ اور اسوقت وہ (دونوں گروہ) عذاب کو دیکھ لینگے، اور (عذاب سے بچنے کے جو ذرائع اُنہوں نے قلوب و اذہان میں بٹھا رکھے ہیں وُہ) سب اسباب منقطع ہو جائینگے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً
اور کہینگے وُہ لوگ کہ پیروی کرتے تھے کاشکے ہو واسطے

اور غیر اللہ کی اتباع کرنیوالے کہینگے، کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ دُنیا میں لَوٹ کر جانا ہو۔ تو ہم اسی طرح ان سے بیزار

فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ
ہمارے پھر جانا طرف دُنیا کے پس بیزاری کریں ہم اُن سے جیسا
يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ
کہ بیزار ہوئے وہ ہم سے اِسی طرح دکھلا دیگا اُنکو اللہ تعالیٰ عمل
وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۱۶۷ ع
اُنکے افسوس اُوپر اُنکے اور نہیں وہ نکلنے والے آگ سے۔

ہو جائیں، جسطرح آج یہ ہم سے بیزار ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِسی طرح اُنہیں (دُنیا میں بھی) اُنکے اعمال کو ضائع ہوتے دکھاتا ہے۔ اِن پر اَن گنت حسرتیں ہیں۔ کہ وہ اِس آگ سے نکلنے والے ہیں ہی نہیں۔

اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہ کی تعریف آیت بالا کے الفاظ میں

آیت نمبر ۱۶۵ میں جنہیں اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہ کہا ہے، اُوپر آیت نمبر ۱۶۶ میں اُنہی کو اَلَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا کے الفاظ میں متبوعین بتایا ہے اور اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہ ٹھہرانے والوں کو اَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا کے الفاظ میں تابعین ظاہر کیا ہے۔ پس اِس آیت کی رُو سے ثابت ہے، کہ جنہیں خدا تعالیٰ کیساتھ واجب الاتباع ٹھہرا لیا جائے، اور اُن کے ارشادات کو بلا سند کتاب اللہ حجت مانا جائے، وہ متبوعین اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہ ہیں۔ اور اُنہیں اِس مقام پر فائز تسلیم کرنیوالے یعنی اُن کے تابعین، مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے مصداق غیر اللہ کو اللہ کے نِدّ ٹھہرانے والے ہیں۔

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ

سیاقِ کلام کے مطابق کہ اُوپر پیشوائیت کا ذکر چلا آ رہا ہے، مفہوم صاف ہے کہ، کروڑوں روپے کے خرچ سے متوفی بزرگوں کیلئے شبانہ روز روضے، مزار اور آستانے تیار ہوتے رہتے ہیں، لیکن قوم کے کروڑوں افراد کرایہ داری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور پائے جاتے ہیں۔ متوفی بزرگوں کی چونے اور سیمنٹ کی قبروں پر زر بفت کے غلاف چڑھتے رہتے ہیں۔ اور غربا کی بہو بیٹیاں، جو قوم ہی کی چشم و چراغ اور عزت و ناموس ہیں، سردی گرمی کے مناسب لباس سے محروم پائی جاتی ہیں۔ اربوں روپیہ ہر سال عرسوں اور مجاوروں پر خرچ ہو جاتا ہے لیکن قوم بدستور اقوامِ عالم کی پس ماندہ قوم بنی چلی جاتی ہے۔ اِس طرح شبانہ روز بصورتِ ضیاعِ اعمال حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں اِن پر اَن گنت حسرتیں برستی رہتی ہیں۔

اللہ کے حلال کو حرام نہ ٹھہراؤ

اگلی آیت مجیدہ میں سیاقِ کلام کی رُو سے اللہ کے نِدّ ٹھہرانے، اور يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ کے مطابق، اُنہیں خدا تعالیٰ کے مقام پر فائز کرنیوالوں کے متعلق خبر دیگئی ہے، کہ وہ اپنے ٹھہرائے ہوئے انداد، شریکوں کے حکم سے اللہ کے حلال کو حرام بھی قرار دیتے ہیں۔ مثلاً درگاہ شریف سے تعویذ حاصل کرنیوالوں کو حکم ہوتا ہے کہ کوئی پھل، کوئی سبزی یا کوئی دال چھوڑ دو۔ ورنہ تعویذ اثر نہیں کریگا۔ وہ کہتا ہے کہ امرود، بینگن یا مسور کی دال اپنے اُوپر حرام کرتا ہوں۔ لیکن خداوندِ عالم کا ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ
اے لوگو کھاؤ اس چیز سے کہ بیچ زمین کے ہے
حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ
حلال پاکیزہ اور مت پیروی کرو قدموں شیطان کی
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ ۱۶۸
تحقیق وہ واسطے تمہارے دشمن ہے ظاہر۔

لوگو! زمین کی پیداوار سے ہر چیز جو حلال اور موافق مزاج ہو کھاؤ۔ اور (کسی چیز کو حرام ٹھہرا کر) شیطان کی پیروی نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمہارا (چھپا دشمن نہیں بلکہ) ظاہر دشمن ہے۔ (طیّب کا معنی ہے، جسم کو فربہی دینے والا یعنی موافق مزاج)

عہ اس آئت میں کُلُوْا کے بعد اسکا مفعول نباتًا محذوف ہے۔ اور تقدیر کلام ہے کُلُوْا نَبَاتًا مِّمَّا يُزْرَعُ فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ حکم عام مخصوص البعض ہے۔ زمین کی پیداوار میں سے بھنگ پوست وغیرہ کو $\frac{۵}{۹۰}$ میں حرام قرار دیدیا گیا ہے انکا استعمال $\frac{۲}{۱۷۳}$، $\frac{۵}{۳}$ اور $\frac{۱۶}{۱۱۵}$ کے مطابق بحالتِ اِضطراب جائز ہے۔ بشرطیکہ انکا عادی نہ ہو جائے۔
تعویذ گنڈوں کے متعلق آئت مجیدہ $\frac{۲}{۱۰۲}$ میں وضاحت گزر چکی ہے کہ یہ کاروبار ہاروت ماروت شیطانوں نے حضرتِ سلیمانؑ کے ذمّہ لگا کر شروع کیا تھا۔ اور $\frac{۲}{۱۴}$ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ کے الفاظ میں، خود خدا تعالیٰ نے، خلوت نشینوں کو شیطان قرار دیا ہے۔ اور انہی کے متعلق اگلی آئت مجیدہ میں بتایا جا رہا ہے کہ، وہ برائی اور بیحیائی کا حکم کرتے ہیں۔ اور اللہ کے ذمّہ وہ کچھ لگانے کا حکم دیتے ہیں، جو تم جانتے ہی نہیں :۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ
سوائے اسکے نہیں کہ حکم کرتا ہے تمکو ساتھ برائی کے اور بیحیائی
وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ ۱۶۹
کے اور یہ کہ کہو تم اوپر اللہ کے جو کچھ کہ نہیں جانتے تم۔

وہ (شیطان، خدا کے حکم سے باہر جانیوالا، تمہارا ظاہر دشمن) تمہیں برائی اور بیحیائی کا حکم کرتا ہے۔ (عورتوں اور مردوں کو مخلوط صورت میں عرسوں اور مجھنڈاروں پر حاضر ہونے کا حکم دیتا ہے) اور تمہیں حکم کرتا ہے کہ تم اللہ کے ذمّہ وہ کچھ لگاؤ جو تم جانتے نہیں۔ (یعنی وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی اللہ کے حلال کو حرام کرنے پر اعتراض کرے تو تم کہا کرو کہ ان بزرگوں کے حکم سے حلال چیزوں کو حرام کرنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہوا ہے $\frac{۶}{۱۴۰}$)

قرآن کریم کے مقابلے پر آبائی متوارث طور طریقوں کی اتباع کرنا ضروری جانتے ہیں

اس سے اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ طور طریقے جو یقینًا مُنزل مِنَ اللہ نہیں ہیں۔ اگر ان اندادًا مِّن دُوْنِ اللہ کی پیروی کرنیوالوں کو کہا جائے کہ انہیں چھوڑ کر اس چیز یعنی قرآن کریم کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کرینگے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے :۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ
اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُنکے پیروی کرو اُس
قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا
چیز کی کہ اُتارا اللہ نے کہتے ہیں بلکہ پیروی کرینگے ہم اُس چیز
أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا
کی کہ پایا ہم نے اُوپر اُسکے باپوں اپنوں کو کیا اگرچہ ہوں باپ
وَلَا يَهْتَدُونَ ۝ ۱۷۰
اُنکے نہ سمجھتے کچھ اور نہ راہ پاتے تھے۔

اور جب اُنہیں کہا جائے کہ اُس چیز کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُنہی طور طریقوں کی پیروی کرینگے، جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، اور اگرچہ اُن کے باپ دادے ذرا بھی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ پائی ہو۔

● بات بڑی موٹی سی ہے، کہ غیر اللہ کو اللہ کے حکم میں شریک ٹھہرا کر، انہیں، اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانے تک کے اختیارات کا مالک جاننے والے آباؤاجداد کے متعلق کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ $\frac{۲}{۱۶۴}$ میں مذکور خدا تعالیٰ کی واضح نشانیوں کو، جو ہر آن اُنکے گرد و پیش موجود تھیں، نظر انداز کرنیوالے، کسی معمولی عقل کے بھی مالک ہوسکتے تھے۔

یہ ڈھور ڈنگروں کی طرح آواز پر لگے ہوئے ہیں اگلی آیت مجیدہ میں اِن پیری مُریدی کے چکر میں پھنسے ہوئے لوگوں کے متعلق، جو قرآن کریم کے مقابلے پر آبائی متوارث طور طریقوں کی اتباع پر اڑے ہوئے ہوں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ڈھور ڈنگروں کی طرح اپنے پیشواؤں کی آواز پر لگے ہوئے ہیں یعنی جس طرح صبح کو چرواہا مویشیوں کو چراگاہ میں لیجا کر، ایک قسم کی بولی بولتا ہے اور وہ سب بکھر جاتے ہیں۔ اور جب شام ہوتی ہے تو ایک قسم کی آواز دیتا ہے، اور وہ سب اکٹھے ہوجاتے ہیں۔ انہیں اپنی کوئی عقل نہیں ہوتی:۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي
اور مثال اُن لوگوں کی کہ کافر ہوئے مانند مثال اُس شخص
يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمٌّ
کے کہ چلاتا ہے ساتھ اُس چیز کے کہ نہیں سنتا مگر بلانا اور پکارنا
بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ ۱۷۱
بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں پس وہ نہیں سمجھتے۔

اور اِن لوگوں کی مثال، جو (باپ دادا کے طور طریقوں کو ترجیح دیکر مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ (قرآن کریم کا) انکار کرتے ہیں، (اُن میں سے پیشوا کی حالت اُس چرواہے کی سی ہے، جو پکارتا ہے اُسے (یعنی اپنے مویشیوں کو) جو سوائے دُعا اور ندا (یعنی نزدیک سے دعوت، اور دُور سے بلاوے کی آواز) کے کچھ نہیں سُنتے بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ اسلئے وُہ عقل نہیں کرتے۔

● دیکھئے! اِس آیت مجیدہ میں کس وضاحت کیساتھ پیشوا کی مثال چرواہے کیساتھ، اور مریدوں کی مثال ڈھور ڈنگروں کیساتھ دیکر واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح چرواہے کے مویشی اُس کی دُعا اور ندا پر لگے ہوئے ہوتے ہیں، چرواہے کے سوا کسی دوسرے کی نہیں سُنتے۔ اُسی طرح مرید، اپنے پیر کی دُعا اور ندا پر لگے ہوئے ہوتے ہیں، پیر کے سوا کسی کی نہیں سنتے، بہرے، گونگے اور اندھے

ہو رہتے ہیں۔

دُعا کا معنیٰ ہے نزدیک سے پکارنا۔ ۲/۱۸۶ میں آیا ہے اِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ ۔ مَیں قریب ہوں، دُعا کرنے والے کی دُعا کو قبول کرتا ہوں، اور نِدا کا معنیٰ ہے دُور سے آواز دینا۔ چنانچہ صبح کے وقت چرواہا قریب سے آواز دیتا ہے اور وُہ بکھر جاتے ہیں، اور شام کو دُور سے پکارتا ہے، نِدا کرتا ہے اور وُہ سب اکٹھے ہو کر اُسکے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح پیشوا جب مُریدوں کے ہاں تشریف لیجاتے ہیں تو، قریب سے دعوت دیتے ہیں کہ عُرس شریف پر مرد عورتیں سب حاضر ہونا۔ اور جب گھر بیٹھے پیغام، چِٹھی یا اشتہار دیتے ہیں تو دُور سے نِدا کرتے ہیں۔ اور سب مُرید اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور جب عُرس ختم ہو جاتا ہے۔ تو پھر چرواہے کی طرح جب اجازت ملتی ہے تو بکھر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام نہ کرنیکے حکم کا دوسرا حصہ جو بہیمۃ الانعام سے متعلق ہے

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کے نام حکم جاری کیا گیا ہے :-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو کھاؤ پاکیزہ سے اُس چیز کو
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ
کہ دیا ہم نے تم کو اور شکر کرو واسطے اللہ کے اگر ہو تم اُسی کو
تَعْبُدُوْنَ ۝ ۱۷۲
عبادت کرتے۔

ایمان والو! اگر تم (اللہ کے ندٹھہرانیوالوں کے برخلاف) خالص اللہ ہی کے فرمانبردار ہو تو (بہیمۃ الانعام) جو ہم نے تمہیں عطا فرمائے ہیں۔ اُن میں سے ہر موافق مزاج جانور کا گوشت کھایا کرو (کسی ٹھہرائے ہوئے شریک کے کہنے پر کسی حلال کو حرام نہ کر دینا) اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہنا۔[علہ] (یعنی حصولِ نعماء کیلئے اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق بھرپور کوشش کرتے رہنا۔ تعویذ گنڈوں سے کوئی کام کبھی بھی سرانجام نہیں ہوگا)

نوٹ اِس آیت میں کُلُوْا کے بعد بہیمۃ الانعام محذوف ہے، جو ۵/۱ میں مذکور ہے۔ اور تقدیرِ کلام ہے۔ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ (اَیْ مِنْ) بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔۔۔ واضح رہے کہ اگر اِس آیت میں ۵/۱ والے مفہوم بہیمۃ الانعام کو، جو یہاں محذوف ہے، ظاہر نہ کیا جائے۔ تو اِس سے آگے، اِنَّمَا کے حصر کیساتھ جن چار چیزوں کی حُرمت بیان ہُوئی ہے اُن کے سِوا اور کوئی چیز حرام ثابت نہیں ہوتی۔ (حلّت و حُرمت کی پُوری وضاحت ۵/۱ کی تفسیر میں آئیگی انشاء اللہ)

علہ شکر کا معنیٰ ہے زیادہ سے زیادہ محنت اور بھرپور کوشش کرنا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے، دیباچہ کا عنوان ۲۵/۲، اور تفسیر آیت مجیدہ ۲/۱۵۲ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۔ واضح رہے کہ پیر و مُرید کے تذکرہ میں، اگر عنوانِ بالا نہ لایا جاتا تو یقیناً اِس میں کمی رہ جاتی۔ لیکن خدائے علّام الغیوب خُوب جانتا ہے کہ اُسکے ٹھہرائے ہُوئے حلال جانوروں کے گوشت بھی، پیروں کے حکم سے حرام ٹھہرا دیئے جاتے ہیں۔ پیر صاحب تعویذ دیتے وقت حکم دیتے ہیں گائے کا گوشت چھوڑ دو۔ ورنہ تعویذ بے اثر ہو کر رہ جائیگا چنانچہ مومنوں کو حکم دیدیا گیا ہے کہ اگر ہمارے فرمانبردار ہو تو ہمارے ٹھہرائے ہوئے حلال جانوروں کا موافق مزاج گوشت کھایا کرو

اور اگلی آیت میں بتا دیا ہے کہ وہ حرام نہیں، بلکہ اُن کی یہ چیزیں، اور یہ حالتیں حرام ہیں:۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ
سوائے اسکے نہیں کہ حرام کیا اوپر تمہارے مُردار اور لہو اور

الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ
گوشت سُور کا اور جو کچھ پکارا جاوے اوپر اسکے واسطے غیر اللہ کے

غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ
پس جو کوئی بے بس ہو نہ حد سے نکل جانیوالا اور نہ زیادتی کرنیوالا

غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ ١٧٣
پس نہیں گناہ اوپر اسکے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ تمہارے لئے حلال جانوروں (بہیمۃ الانعام ۵) کا مُردہ، خون، غدود کا گوشت اور وہ جانور یا گوشت جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ حرام کیا گیا ہے۔ ہاں جو کوئی بھوک سے بیقرار ہو جائے تو جان بچانے کیلئے کھالے، نہ خدا تعالیٰ کا باغی ہو کر اور نہ اُنکا عادی بن کر۔ ایسے لوگوں پر کوئی گناہ نہیں۔ بالتحقیق اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

نوٹ بہیمۃ الانعام کی تفصیلی بحث ۵ کی تفسیر میں آگے آئیگی۔ یہاں اتنا سمجھ لیجئیگا۔ کہ قرآن کریم نے چارپایوں کو الانعام ۵، اور الجوارح ۵، یعنی شکار اور شکاری کی دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ الانعام چارہ خور ہیں اور الجوارح گوشت خور ——
اس سے آگے الانعام کی پھر دو قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک بہیمہ اور دوسری غیر بہیمہ۔ بہیمہ وہ ہیں جن کے دو معدے ہیں۔ اور وہ جگالی کرتے ہیں۔ اور غیر بہیمہ وہ ہیں جن کا ایک معدہ ہے اور جگالی نہیں کرتے۔

لحم الخنزیر نمبر ۱ لحم الخنزیر کا معنیٰ لکھا گیا ہے غدود کا گوشت۔ حالانکہ عام مترجمین نے اس کا معنی سُور کا گوشت لیا ہے۔ پہلے نمبر پہ سُور کا گوشت معنی لینا اسلئے غلط ہے کہ آیت جیسہ میں اِنَّمَا کے حصر کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ مُردہ، خون، لحم خنزیر اور غیر اللہ کی طرف منسوب حرام ہیں۔ اس طرح حصر کو قائم رکھتے ہوئے جانوروں میں سے صرف سُور ہی حرام ٹھہرتا ہے اور باقی سب جانور کتا، بلا، بجو، بندر، ریچھ وغیرہ حلال ٹھہرتے، اور قرآن کریم میں تناقض پیدا ہوتی ہے۔ کہ ایک طرف ۵ میں صرف بہیمۃ الانعام حلال ٹھہرائے ہیں اور دوسری طرف صرف سُور کو حرام قرار دیا ہے۔ گویا چارپایوں میں سے صرف سُور حرام ہے۔
دوسرے نمبر پر سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱ اور ۳ اس کی مخالفت کرتی ہیں، جن میں چارپایوں کی حلت و حرمت کا فیصلہ دیا گیا ہے:۔ أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ۵ = تمہارے لئے بہیمہ قسم کے چارپائے، سوائے اُنکی اُن چیزوں اور حالتوں کے جو تم پر پڑھی جائیں، حلال کئے گئے ہیں۔ یہاں اِلَّا مَا يُتْلَىٰ کے الفاظ میں استثنٰی کی خبر دیگئی ہے، آگے ۵ میں اُسکی تلاوت بالفاظ ذیل موجود ہے:۔ ● حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۵ = تمہارے لئے بہیمۃ الانعام میں سے حرام کیا گیا ہے ہر قسم کا مُردہ، ہر قسم کا خون اور لحم الخنزیر، اور وہ بہیمۃ الانعام جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ اور جو گلا گھٹ کر مر جائے۔ اور جو لاٹھی مارنے سے مر جائے، اور جو گر کر مر جائے، اور جو سینگ

لگنے سے مرجائے، اور جسے درندہ کھالے سوائے اس کے کہ تم اسے ذبح کر لو۔ اور جو کسی استھان (خانقاہ) پر ذبح ہو، اور یہ کہ تم اس کے گوشت کو قرعہ کے تیروں سے تقسیم کرو۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ اِلَّا مَا یُتْلٰی ؎ کے مطابق، اِن گیارہ شقّوں میں، حلال جانوروں ہی کے حرام ہونے کی حالتوں، یا اُنہی کی بعض چیزوں کی حرمت کی خبر دیگئی ہے۔ کیونکہ جو جانور سرے سے ہیں ہی حرام، اُن کے متعلق اتنی لمبی فہرست بیان کرنا بیکار محض ہے۔ کہ حرام جانور مرجائے تو حرام، حرام جانور کا خون حرام، حرام جانور کا لحم خنزیر حرام، حرام جانور غیر اللہ کی طرف منسوب ہو تو حرام، گلا گھٹنا حرام، لاٹھی سے مرا حرام، سینگ لگا حرام، علیٰ ہذا القیاس۔ اب چونکہ الیا عبث فعل خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ پوری فہرست حلال جانوروں، بہیمۃ الانعام ہی سے متعلق ہے، اور لحم الخنزیر بھی اُسی طرح حلال جانوروں کا حصہ ہے جس طرح خون۔ مثلاً حلال جانور بلا ذبح مرجائے تو حرام ہو جاتا ہے لیکن اگر ذبح کر لیا جائے تو دو چیزوں کے سوا حلال ہو جاتا ہے یعنی ذبح کے وقت جو خون نکلا وہ بھی حرام ہے۔ اور اس سے آگے، گوشت میں جو لحم خنزیر ہے، یعنی چھیچھڑے وغیرہ غدود کا گوشت وہ بھی حرام ہے۔ خنزیر کا معنی سؤر بھی ہے اور غدود بھی۔ لیکن حلال جانوروں سے متعلقہ حرمت کی فہرست میں غدود کا گوشت ہی شمار ہو سکتا ہے جسے حلال میں سے حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ سؤر کا گوشت جو غیر بہیمۃ الانعام ہونے کی بدولت پہلے ہی حرام ہے اس فہرست میں شمار ہو ہی نہیں سکتا۔ پس چونکہ ؎ میں لحم الخنزیر کا معنی غدود کا گوشت ثابت ہے۔ اس لئے آیت زیر بحث $\frac{2}{172}$ میں بھی غدود کا گوشت ہی مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام ٹھہرانے کا سبب صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کو چھپانا ہے۔

سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۱۶۸ میں پیروں کے حکم سے زمین کی پیداوار میں سے بعض کو حرام ٹھہرا دینے کا ذکر آیا ہے اور آیت نمبر ۱۷۲ میں حلال جانوروں میں سے بعض کے گوشت کو حرام کر دینے کی خبر دیگئی ہے۔ اور آیت نمبر ۳، ؎ میں ضمناً، حلال جانوروں کی اُن حالتوں کا ذکر آیا ہے جن میں وہ حرام ہو جاتے ہیں، اور اُن کی اُن چیزوں کی وضاحت کیگئی ہے، جو حرام ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ حلّت و حرمت تک کے مسائل میں تصرّف کی جرأت اِس چیز کا نتیجہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو چھپا لیا جاتا ہے۔ اور اُنہیں چھپا کر دُنیا کا مال حاصل کیا جاتا ہے، چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ	بیشک۔ جو لوگ اُس چیز کو چھپا لیتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے
تحقیق جو لوگ کہ چھپاتے ہیں جو کچھ کہ اُتارا اللہ نے	اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہے۔ اور وہ اِس کے بدلے دُنیا کا
الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ	حقیر مال حاصل کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نہیں کھاتے، مگر
کتاب سے اور مول لیتے ہیں بدلے اُس کے مول تھوڑا یہ لوگ نہیں	اپنے پیٹوں میں آگ کے انگارے بھرتے ہیں۔ اور (اللہ
مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ	تعالیٰ اُن سے اسقدر ناراض ہے کہ) قیامت کے دن اُن سے
کھاتے بیچ پیٹوں اپنے کے مگر آگ اور نہ بات کریگا اُن سے	کلام تک نہیں کریگا۔ اور نہ اُنہیں، (جو دُنیا میں پاک بنے بیٹھے

اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ
اللہ دن قیامت کے اور نہ پاک کریگا اُن کو اور واسطے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ۱۷۴
اُنکے عذاب ہے درد دینے والا

ہیں) پاکیزہ ٹھہرائیگا حقیقت یہ ہے کہ (اللہ کے قانون میں) اُن کیلئے دردناک عذاب ہے۔

کتاب کو چھپانے کے مختلف طریقے

اِس آیت مجیدہ میں، دُنیا کے غیرمال کیلئے اللہ کی کتاب کے احکام کو چھپانا خدا تعالیٰ کی اُس انتہائی ناراضگی کا موجب ٹھہرایا گیا ہے، کہ وہ ایسے لوگوں سے قیامت کو کلام تک نہیں کریگا۔ اب اللہ کی کتاب کو چھپانے کا اوّلین طریقہ تو وہ ہے، جو قرآن کریم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ مجمل اور غیر مفصّل ہے۔ کتب روایات کا محتاج ہے۔ اِس طرح یہ چھپ گیا اور روائتیں سامنے آگئی ہیں۔ دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایکے ظاہری معنوں سے الگ باطنی معنوں کا تصوّر دیدیا جائے کہ کتاب کے نازل کرنیوالے کا اصل مطلب اُن میں پوشیدہ ہے اور تیسرا طریقہ یہ عقیدہ ہے، کہ اِس کی تلاوت سے اِنسان کے سب گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اِس طرح کتاب کی غرض ختم ہو جاتی ہے کہ لوگ سمجھیں اور عمل کریں۔ بلکہ گناہ بخشانے کیلئے محض تلاوت پر زور پڑ جاتا ہے۔ قرآن کریم کیساتھ یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ العیاذ باللہ!

اِس سے آگے ارشاد ہوا ہے :-

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ
یہ لوگ ہیں جنہوں نے مول لیا گمراہی کو بدلے ہدایت
بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ
کے اور عذاب کو بدلے بخشش کے پس کیا صبر کرتے ہیں
اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ○ ۱۷۵
وہ اُوپر آگ کے

یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی، اور مغفرت کے بدلے عذاب خریدا ہے۔ پھر کسقدر تعجب انگیز ہے یہ چیز کہ، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں آگ پر استقامت کئے ہوئے پایا ہے۔ (یعنی کمائے کوئی اور عیش کوئی اُڑائے۔ یہ لوگ اتنی شدید آگ پر مطمئن ہو چکے ہیں)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ
یہ اسواسطے ہے کہ اللہ نے اُتارا کتاب کو ساتھ حق کے
وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ
اور تحقیق جنہوں نے اختلاف کیا بیچ کتاب کے البتہ بیچ خلاف
شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ○ ۱۷۶ ع ۲۱/۵
دُور کے ہیں۔

یہ سب کچھ اِسلئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی کتاب نازل کردی ہے۔ مگر بِلاشبہ جو لوگ کتاب میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ وہ (ایسی ہی) دُور کی شقاوت میں چلے جاتے ہیں۔

● اِس آیت مجیدہ میں کسی حسرت آمیز لہجہ میں افسوس کا اظہار کیا گیا ہے، جس کا ذکر حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ کے الفاظ ۲/۱۶۷

میں اُوپر گزر چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بچارے مُریدوں کا، اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی بال بچوں کے مُنہ سے چھین کر، مرفّہ الحال پیروں کی نذر کرتے چلے جانا، بے بہی انتہائی حسرت انگیز۔ جیسے کہ سورہ انعام میں انہی لوگوں کے متعلق خبر دیگئی ہے:۔

● وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۤؤُهُمْ ۶/۱۳۷ = اور اسی طرح بہت سے شریک ٹھہرانے والوں کیلئے اُن کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے اُن کی اولاد کا قتل کرنا مُزیّن کر دیا ہے۔ اور اِس قتلِ اولاد کی وضاحت اگلی آیت مجیدہ میں کیگئی ہے:۔ ● قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۤءً عَلَى اللّٰهِ ۶/۱۴۰ = بیشک وہ لوگ خسارہ میں رہتے ہیں۔ جو بلا سند علمِ الٰہی، بیوقوفی کیساتھ اولاد کو قتل کرتے ہیں۔ یعنی جو کچھ انہیں اللہ دیتا ہے، اُسے اللہ کے ذمہ لگا کر اولاد کیلئے حرام کر دیتے ہیں۔ کسقدر حسرت بدوش ہیں ان لوگوں کے حالات، کہ پیشواؤں کے حکم سے قتلِ اولاد تک گوارا کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اِس چیز کو افتراۤءً علی اللہ، ذمہ لگانے ہیں اللہ تعالیٰ کے، کہ اُس نے اِنہیں بچوں کے پیٹ کاٹ کر پیروں کیلئے سامانِ تعیش مہیّا کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔

واضح رہے کہ ۶/۱۳۷ کے مطابق، یہ سب کچھ اُن کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے اُنکے ذہنوں میں بٹھا رکھا ہوتا ہے۔

وجہِ فضیلت فرائضِ منصبی کی ادائیگی ہے لمبی لمبی ریاضتیں اور چلّہ کشیاں نہیں

مُریدوں کے اذہان پر مشائخ کی عظمت کا سکّہ کئی کئی سو منکوں کی لمبی لمبی تسبیحوں، اور اپنے اپنے پیر خانے کی طرف مُنہ کر کے لمبے لمبے ورد وظائف کے ذریعہ بٹھایا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اگلی آیت مجیدہ میں، حقیقت کا اظہار بالفاظِ ذیل کیا ہے:۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ
نہیں بھلائی یہ کہ پھیر دو تم مُنہ اپنے کو طرف مشرق کے
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ
اور مغرب کے اور لیکن بھلائی اُسکو ہے جو ایمان لایا ساتھ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۤئِكَةِ وَالْكِتٰبِ
اللہ کے اور دن پچھلے کے اور فرشتوں کے اور کتاب کے
وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي
اور پیغمبروں کے اور دیا مال اوپر محبت اُسکی کے قرابت
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ
والوں کو اور یتیموں کو اور فقیروں کو اور مسافروں کو اور
وَالسَّاۤئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
سوال کرنے والوں کو اور بیچ چھڑانے گردنوں کے اور قائم کیا نماز کو

یہ کوئی بھلائی نہیں کہ تم مشرق کی طرف مُنہ کرتے ہو، یا مغرب کی طرف۔ بھلائی اُن لوگوں کے لئے ہے، جو اللہ پر، روزِ آخرت پر، اُسکے ملائکہ پر، اُس کی کتاب پر، اور اُس کے نبیوں پر ایمان لائیں۔ اور اللہ کی محبت میں اپنے قریبیوں، یتیموں (یعنی بے سہارا لوگوں)، مسکینوں، (یعنی جن کا چلتا کاروبار کسی وجہ سے ساکن ہو جائے) اور مسافروں اور محتاجوں (یعنی جن کی آمدنی اُن کے خرچ سے کم ہو)، اور مقروضوں کی گردنیں آزاد کرانے میں مال خرچ کریں۔ اور (اجتماعیت کے قیام کے لئے) نظامِ صلوٰۃ قائم کریں اور معاشرہ کے کمزوروں کو نشوونما دیں۔ اور جب بھی کوئی وعدہ کریں تو اُسے پورا کریں۔ اور وہ تکلیف و ضرر کے وقت میں مستقل مزاج رہنے والے ہوں۔

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا
اور دیا زکوٰۃ کو اور پورا کرنے والے ساتھ عہد اپنے
عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
کے جب عہد کریں اور صبر کرنے والے بیچ فقر کے اور بیماری
وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا
کے اور وقت لڑائی کے یہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ بولا اور
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ ۱۷۷
یہ لوگ وہی ہیں پرہیزگار۔

خصوصاً اُس (اہم) وقت میں کہ جب دشمن سے جنگ ہو رہی ہو۔ یہی ہیں وہ لوگ جو (عملاً) اپنے ایمان کو سچا کر دکھاتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہر قسم کے خطرات سے بچنے والے ہیں۔

غور فرمائیے گا کہ آیت بالا میں امورِ ذیل کی وضاحت کی گئی ہے :۔

● یہ کوئی بھلائی نہیں ہے کہ تم مشرق کی طرف رُخ موڑتے ہو یا مغرب کی طرف۔ لیکن (جب ہم نے نماز کیلئے مقامِ ابراہیم بیت الحرام کو قبلہ مقرر کر دیا ہے $\frac{۲}{۱۲۵}$ ، تو سمت کے اختلاف کا کیا معنیٰ ؟ الگ الگ سمتیں مقرر کرنا، گویا الگ الگ قبلے ٹھہرانا ہے۔ بگوشِ ہوش سُن لو کہ بھلائی ہے عقائد کی درستی اور فرائضِ منصبی کی بجا آوری میں، اِسلئے بھلائی اُنہیں میسر آئیگی، جو عقائد کی رُو سے :۔

● اللہ پر ایمان لائیں (کہ دُنیا کی سب نعمتیں دینے والا اللہ تعالیٰ ہے $\frac{۱}{۲}$)

● اور روزِ مکافات پر ایمان لائیں (کہ اِن نعمتوں کے بے جا تصرّف کی جوابدہی کیلئے اُسکے حضور ضرور ضرور حاضر ہونا ہے۔ $\frac{۱}{۴}$)

● اور ملائکہ پر ایمان لائیں (کہ وہ سب الگ الگ وہی کام کرتے ہیں جو اُنہیں حکم دیا گیا ہے $\frac{۱۶}{۵۰}$ نیز وہ انسان کے لئے سجدہ ریز ہیں $\frac{۲}{۳۴}$ ۔

● اور میری نازل کردہ اکلوتی کتاب پر ایمان لائیں (کہ یہ مفصّل ہے $\frac{۶}{۱۱۴}$ ، مُبین ہے $\frac{۱۵}{۱}$ و $\frac{۲۷}{۱}$ ، تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے $\frac{۱۶}{۸۹}$ ، محفوظ ہے $\frac{۴۱}{۴۱-۴۲}$ ، مکمل ہے $\frac{۶}{۱۱۵}$ ، کافی ہے $\frac{۲۹}{۵۱}$ ، یہی کتاب سب نبیوں کو ملی تھی $\frac{۲۶}{۱۹۶}$ وغیرہ وغیرہ)

● اور میرے جملہ انبیاء پر ایمان لائیں (کہ وُہ ایک ہی ضابطۂ حیات لیکر آئے تھے $\frac{۲}{۲۱۳}$ ، سب کی طرف یہی ربوبیت بدوش ضابطۂ حیات نازل ہُوا تھا $\frac{۲۶}{۱۹۶}$ ، سب سچّے اور خدا تعالیٰ کے سو فیصدی فرمانبردار تھے، اُن پر کبھی بھی خدا تعالیٰ ناراض نہیں ہُوا تھا ، اِس طرح عقائد کی درستی کے بعد، فرائضِ منصبی کی ادائیگی کا نمبر ہے کہ)۔

● اللہ کی محبّت میں، اُسکی خوشنودی کیلئے قریبیوں کو مال دیں، (یعنی پہلے نمبر پر اُن کے مال میں اُن کے نادار قریبیوں کا حق ہے)۔

● اور یتیموں کو مال دیں (یعنی جو لوگ معاشرہ میں بے سہارا ہو جائیں اُن کیلئے سہارے مہیا کریں)۔

● اور مسکینوں کو مال دیں (یعنی جو لوگ معاشرہ میں کاروباری لحاظ سے ساکن ہو جائیں۔ اُنکی رُکی ہوئی گاڑی کو متحرک کر دیا کریں)

● اور مسافروں کو مال دیں (یعنی اگر کوئی مسافر حادثاتی طور پر بے خرچ ہو جائے، تو اُسکی نسلو روپے کی گھڑی بیس روپیہ میں ہتھیانے کی بجائے اُسے اُسکے گھر پہنچانے کا انتظام کریں۔

● اور محتاجوں کو مال دیں (یعنی جن کی آمدنی اُن کی ضروریات کیلئے کافی نہ ہو، اُن کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بجائے اُن کی آمدنی میں اضافے کی صورت پیدا کریں۔

● اور قرض داروں کی گردنیں آزاد کرائیں (یعنی معاشرہ میں کوئی مقروض نہ ہو، کہ اُسکی کمائی قرضخواہ لے جائے اور اُسکے بال بچے ضروریاتِ زندگی سے محروم رہ جائیں)۔

● خصوصًا صلوٰۃِ موقت کا اجتماعی نظام قائم کریں، یعنی ہر کمزور کو سامانِ نشوونما پہنچنے کا معقول انتظام کریں۔

● (اور اُنکا امتیازی نشان یہ ہو کہ) جب بھی کوئی وعدہ کریں تو اُسے پورا کریں۔

● اور مصائب و مشکلات کا مقابلہ ثابت قدمی کیساتھ کیا کریں خصوصًا جنگ[1] کے زمانہ میں خوف و ہراس کو پاس تک نہ پھٹکنے دیں۔

● یہی وہ لوگ ہیں، جو عمل کیساتھ اپنے ایمان کو سچا کر دکھاتے، یعنی دعویٰ ایمان میں یہی لوگ سچے ہیں۔ اور یہی لوگ معاشرہ کے داخلی اور خارجی جملہ خطرات سے بچنے والے ہیں۔

[1] وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ کے الفاظ میں حین الباس پر واؤ خصوص بر عموم لاکر وضاحت کر دیگئی ہے کہ آیت مجیدہ کے آخری الفاظ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ، ایسے لوگ جنگ تک کے مخصوص خطرات سے بھی محفوظ رہنے والے ہیں۔ جنگ کے زمانہ ہی کیلئے رمضان کے مہینے میں بھوک پیاس کی سالانہ ٹریننگ کا حکم دیا گیا ہے جو $\frac{2}{183 \text{ تا } 187}$ میں آگے آ رہا ہے۔

اب آیت بالا کی رُو سے بتائیگا، کہ پیشوائیت، جس کا اپنے مریدوں کیساتھ بھی یہ سلوک ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کا ہزاروں اور لاکھوں کا بینک بیلنس موجود ہوتا ہے۔ مگر مقروض مرید کو ان دعویدارانِ اِتقا کی طرف سے صرف خلاصیٔ قرضداران اسلام کی دُعا کیساتھ مطمئن کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ آیت بالا میں متقیوں کی تعریف یہ بتائی گئی ہے کہ وہ قریبیوں، بے سہارا لوگوں، جن کے کاروبار ساکن ہو جائیں، مسافروں، محتاجوں اور مقروضوں کی مدد مال کیساتھ کرتے ہیں، نہ تعویذ گنڈوں کیساتھ، اور نہ زبانی زبانی دعاؤں کیساتھ

یہ ہے قرآنی معاشرہ کا ابتدائی خاکہ قاتل سے قصاص لینا فرض ہے

آیت بالا میں پیشوائیت کی تردید کیساتھ، قرآنی معاشرہ کا ابتدائی خاکہ بھی پیش

کیا گیا ہے ۔ جو صلوٰۃ موقّت کے مرکزی نکتہ سے شروع ہوتا اور مذکورہ بالا خطوط پر متشکّل ہوتا ہوا پورے معاشرے پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ انسانیت کا کوئی گوشہ بھی حقوق ربوبیّت سے محروم نہیں رہتا۔ جیسے کہ دیباچہ میں پوری صراحت کیساتھ واضح کیا جا چکا ہے، کہ محولہ بالا نماکہ قرآنی معاشرہ کا عبوری دَور ہوتا ہے، جس میں ابھی ذاتی ملکیت کا تصوّر باقی ہوتا ہے ۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ قرآنی معاشرہ کو اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ۹/۱۱۱ کے اُس مقام پر لے جانا چاہتا ہے، جہاں ہر چیز خدا تعالیٰ کی ہو جاتی ہے ۔ اور ایمان والوں کو اسکے عوض ہموار معاشرہ جنّت میسّر آتی ہے، ذاتی املاک کے خاتمہ سے ہر قسم کے جرائم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دھوکا فریب، چوری چکاری، ڈکیتی اور جیب تراشی کا وجود، ذاتی املاک کے خاتمے سے خود بخود نیست و نابود ہو جاتا ہے ۔قتل و غارتگری عنقا ہو جاتے ہیں ۔ اسکے برعکس جبتک ذاتی ملکیت کا تصوّر باقی ہو، جرائم کے مواقع باقی رہتے ہیں۔ چوریاں اور ڈکیتیاں بھی ہوتی ہیں، قتل بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جبتک قتل کا وجود باقی ہو قاتل سے قصاص لینا فرض قرار دیا گیا ہے ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو لکھا گیا ہے اوپر تمہارے برابری
فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی
کرنا بیچ مارے گیوں کے آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے
بِالْاُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ
غلام کے اور عورت بدلے عورت کے پس جو کوئی معاف کیا جاوے
بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِکَ
واسطے اسکے خون بھائی اسکے سے کچھ پس پیروی کرنا ہے ساتھ
تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ فَمَنِ
اچھی طرح کے اور ادا کرنا ہے طرف اسکے ساتھ نیکی کے یہ آسانی
اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○
ہے پروردگار تمہارے کی طرف سے اور رحمت پس جو کوئی زیادتی
کرے پیچھے اسکے پس واسطے اسکے عذاب ہے درد دینے والا ۔
۱۷۸

ایمان والو! قاتلوں کا پیچھا کرنا تم پہ فرض کر دیا گیا ہے (یعنی قاتل کو تلاش کر کے جان کا بدلہ جان؛ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۵/۴۵ فرض ہے، اِس ضمن میں اعلیٰ ادنیٰ کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جائیگا اگر قاتل آزاد قوم کا فرد ہے تو وہ آزاد ہی سزا پائیگا۔ اور اگر قاتل ذمّی ہو، تو وہ ذمّی ہی سزا کا مستوجب ہوگا۔ نیز اگر قاتلہ عورت ہو تو وہ عورت ہی سزایاب ہوگی ۔ ز قتل بالعمد ہو تو جان کا بدلہ جان ہی ہوگا ۴/۹۲ ۔ اور اگر سہواً قتل ہو گیا ہو تو مقررہ خون بہا دلایا جائیگا) پھر جو قاتل اپنے بھائی مقتول کے وارث (یا دم توڑنے سے پہلے خود مقتول کی طرف سے قصاص) یا مقررہ خون بہا میں سے کچھ معاف کر دیا جائے (تو کوئی ہرج نہیں) پھر مقتول کے وارث پر بھی لازم ہے کہ زرِ خون بہا کا مطالبہ عام دستور کے مطابق کرے ۔ اور قاتل پر بھی فرض ہے کہ واجب الادا رقم احسن طریقے کیساتھ ادا کر دے ۔ یہ (قتل بلا عمد کے سلسلے میں تخفیف کا قانون) تمہارے پروردگار کیطرف سے ایک رحمت ہے پھر فریقین میں سے جو کوئی فیصلہ ہو چکنے کے بعد نافرمانی کریگا یعنی اگر قاتل خون بہا ادا نہ کرے، اور وارث خون بہا لیکر پھر بھی ارادہ

قتل کرے تو ہمارے قانون میں انکے لئے دردناک عذاب ہے۔ (یعنی وہ سخت سزا کے مستوجب ہونگے)

(نوٹ، خون بہا کا قانون قتل سہو کیلئے ہے، قتل بالعمد کیلئے نہیں۔ (پوری تفصیل آگے چلکر ۴/۹۲ میں آئیگی انشاءاللہ!)

ع۱ قصاص کا سہ حرفی مادہ ق۔ص۔ص = قصص ہے۔ اسکا بنیادی معنی ہے تعاقب کرنا پیچھا کرنا۔ اس طرح اس آیت کی رُو سے معاشرہ کا فرض قرار دیا گیا ہے کہ قاتل کا پیچھا کیا جائے۔ صحیح قاتل کو تلاش کرکے قرار واقعی سزا دی جائے۔ بالفاظِ دیگر، صرف اتنے سے اس حکم کی تعمیل نہیں ہوجاتی، کہ پولیس نے کسی شخص کو قاتل کی حیثیت سے گرفتار کرکے عدلیہ کے حوالے کر دیا۔ عدالت میں وہ قاتل ثابت نہیں ہوا، وہ بری ہوکر گھر آگیا، اور سمجھ لیا گیا کہ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ کا حکم ختم ہوگیا ہے اب ہر طرف خاموشی چھا جائے، گویا کہ قتل ہوا ہی نہیں تھا۔ واضح رہے کہ قصاص کا معنی ہی یہ ہے کہ جبتک صحیح قاتل تلاش ہوکر سزایاب نہ ہوجائے اسوقت تک قصاص، یعنی قاتل کا تعاقب جاری رہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا ہے:۔ ● وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا ۱۷/۳۳ = یعنی جو شخص ظلم کیساتھ قتل کیا جائے، ہم نے اسکے ورثا کیلئے قاتل کے خلاف نظامِ معاشرہ کو پشت پناہ اور حمایتی مقرر کر دیا ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ:۔ ● اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ ۱۷/۳۳ = بلاشبہ، مقتول ہماری طرف سے منصور مدد کیا گیا ٹھہرایا گیا ہے۔ اور مقتول کی مدد اسکے سوا نہیں ہے کہ قاتل کی تلاش کرکے اُسے سزا دی جائے۔

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ۔ ان الفاظ کا یہ مفہوم غلط ہے کہ اگر کسی آزاد کو کوئی عبد قتل کردے تو آزاد مقتول کے بدلے کسی غیر قاتل آزاد کو تختۂ دار پر چڑھا دیا جائے، یا اگر کوئی آزاد کسی عبد کو قتل کردے تو عبد مقتول کے بدلے کسی بےگناہ عبد کو سُولی دیدیا جائے۔ بلکہ بِالْحُرِّ کا الف لام بھی عہدی ذکری ہے۔ اور بِالْعَبْدِ کا الف لام بھی عہدی ذکری ہے۔ فی الحقیقت یہاں بین الاقوامی قانون بتایا گیا ہے۔ کہ قاتل کی حیثیت سے آزاد ہو یا ذمّی، دونوں ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی حُرّ کسی ذمّی کو قتل کر دے تو اُسکا حُر ہونا، جُرمِ قتل میں کوئی رعائت نہیں دلا سکتا۔ اور اسی طرح اگر کوئی ذمّی کسی آزاد کو قتل کردے تو اسکے ذمّی ہونے سے، اُسے بھی کوئی رعائت میسّر نہیں آسکتی۔ اسلامی معاشرہ میں اگر کسی آزاد کو ذمّی کے قتل میں کوئی رعائت دیجائیگی، تو مخالف معاشروں میں وہی سلوک ذمّی مسلمانوں کیساتھ کیا جائیگا۔ المختصر! قرآن کریم نے آزاد اور ذمّی میں فرق کئے بغیر قصاص لینے کی اہمیت کو سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں باندازِ ذیل بیان کیا ہے:۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي
اور واسطے تمہارے بیچ برابری کے زندگی ہے
الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ۱۷۹
اے عقل والو تو کہ تم بچو۔

اور عقلمندو! تمہارے لئے قاتل کی مستقل تلاش اور اُسے قرار واقعی سزا دینے ہی میں زندگی ہے۔ تاکہ تم (آئندہ) دن کے قتل کی دار داتوں سے) بچ جاؤ۔

خدا تعالیٰ کے ہاں انسانی زندگی کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ ارشاد ہوا ہے:۔ ● وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ $\frac{۱۷}{۷}$ = اور بالتحقیق ہم نے بنی آدم کو واجب التکریم ٹھہرایا ہے۔ مُولی گاجر کی طرح کاٹ پھینکنا اسکی انتہائی توہین، اور بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دینا خدا تعالیٰ کی انتہائی نافرمانی ہے۔ پھر ایک قتل سے سینکڑوں قتلوں کی بنیاد پڑتی ہے:۔ ● مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا $\frac{۵}{۳۲}$ = جس شخص نے ایک انسانی جان کو قتل کیا، تو گویا (یوں سمجھو کہ) اُس نے پوری نوع انسانی کو قتل کر دیا۔ اِس آیت میں اِس چیز کی خبر دی گئی ہے کہ اگر قتل کا انفرادی بدلہ لینا شروع ہو جائے، تو ایک قتل کے عوض، قاتل اور مقتول دونوں کے خاندانوں اور دونوں قبیلوں کے ہزاروں افراد شمشیر بکف نکل آتے ہیں، اور مزید سینکڑوں قتل ہو جانے کے باوجود اوّلین قاتل پھر بھی ممکن ہے کہ زندہ بچ رہے۔ فلہٰذا اِس چیز کو قانونی شق قرار دیدیا گیا ہے کہ قاتل سے بدلہ معاشرہ لے، اور اُسوقت تک قاتل کا تعاقب جاری رہے جبتک وُہ گرفتار ہو کر سزا نہ پالے۔ اِس طرح مقتول کے وُرثاء کے جذبات ٹھنڈے ہو جائینگے۔ اور قتل کی وباء آگے نہ بڑھنے پائیگی۔

مرنیوالے پر وصیّت کرنا فرض ہے

اُوپر چونکہ مقتول کا ذکر آیا ہے۔ اِسلئے ساتھ ہی اگلی آیت مجیدہ میں مرنیوالے کے آخری فرض منصبی کی وضاحت بھی کر دی ہے:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ
لکھا گیا اوپر تمہارے جس وقت حاضر ہو ایک
الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ
تمہارے کو موت اگر چھوڑ جاوے مال وصیّت کرنا
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ
واسطے ماں باپ کے اور قرابت والوں کے ساتھ اچھی
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۞ ۱۸۰
طرح کے حق ہوا اُوپر پرہیزگاروں کے۔

ایمان والو! تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آ جائے۔ تو (اگر ابھی قرآنی معاشرہ اپنی انتہائی منزل $\frac{۹}{۱۱۱}$ کے مقام پر نہیں پہنچا، اور ابھی ذاتی ملکیّت کا تصوّر باقی ہے تو) اگر وہ کوئی مال چھوڑ رہا ہو، تو اپنے والدین اور اقرباء کے حق میں اُن کے وقتی حالات کے مطابق وصیّت کر جائے۔ یہ چیز خطرات سے بچنے والوں کیلئے فرض ہے۔

وصیّت کا حکم والدین اور اقرباء کیلئے ہے۔ اور $\frac{۴}{۱۱-۱۲}$ میں متوفّی کے ترکہ کے حقدار بھی والدین اور اقرباء ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب $\frac{۴}{۱۱-۱۲}$ میں مال متروکہ کے حقداروں کے حصّے مقرّر کر دیئے گئے ہیں تو پھر وصیّت کا کیا مطلب؟ ۔ اِس کا جواب بڑا عام اور مشاہداتی ہے، کہ اقرباء اور والدین، یعنی اولاد، بہن بھائی اور ماں باپ، جن کے $\frac{۴}{۱۱-۱۲}$ میں الگ الگ حصّے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اُن میں ہر بیٹے کا حصّہ باہم برابر ہے۔ لیکن ایسے دو بیٹوں کے درمیان مساوی تقسیم ہرگز ہرگز مبنی بر انصاف نہیں، جن میں ایک بی۔اے کر کے صاحب روزگار ہو چکا ہو۔ اور دوسرا ابھی پرائمری کا طالب علم ہو۔ پس موخرالذکر

کے وقتی حالات کے مطابق لازم آتا ہے کہ وصیت میں اسکے لئے بی۔اے تک کی تعلیم اور حصول ملازمت کا خرچ اسکے مقررہ حصہ سے الگ محفوظ کر دیا جائے۔ یہی حکم ہے والدین یا بہن بھائیوں کے وقتی حالات کے مطابق وصیت کر جانے کا۔ مثلاً ایک بھائی مقروض اور دوسرا آسودہ حال ہے تو مقروض کیلئے کسی رقم کا وصیت میں مختص کر دینا وصیت کی اصل غرض و غائت ہے۔ اس طرح متوفی اپنے سرمایہ دار بھائی کے مقابلے پر مقروض بھائی، یا مالدار بیٹے کے مقابلے پر محتاج بیٹے، اور محتاج والدین کے حق میں مناسب وصیت کر سکتا ہے۔

وصیت کا بدلنا گناہ ہے۔ اگر وصیت کرنیوالا کسی طرف جھک گیا ہو، تو وصیت کی اصلاح کر لی جائے

تقاضائے حالات کے مطابق متوفی کو جو حق وصیت دیا گیا ہے۔ اس پر اس خطرہ کے پیش نظر، کہ اگر کوئی فریق وصیت کو بدل ڈالے اور یا خود صاحب وصیت کسی طرف کو ناجائز طور پر جھک گیا ہو۔ تو ارشاد ہوتا ہے:

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ
پس جو کوئی بدل ڈالے اسکو پیچھے اسکے کہ سنا اسکو
اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
پس سوائے اسکے نہیں کہ گناہ اسکا اوپر ان لوگوں کے ہے
عَلِيْمٌ ۝ ۱۸۱
جو بدل ڈالتے ہیں اسکو تحقیق اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

پھر جو کوئی اس وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالے پھر سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ اسکا گناہ بدلنے والوں ہی پر ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ
پس جو کوئی ڈرے وصیت کرنے والے سے کجی کو یا
اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ
گناہ کو پس اصلاح کر دے درمیان انکے پس نہیں گناہ اوپر
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۱۸۲ ع ۲۲ ۶
اسکے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

پھر جو کوئی وصیت کرنے والے کے متعلق ناجائز طرفداری یا گناہ کا خوف کرے، تو وہ فریقین کے درمیان اصلاح کرا دے۔ پھر اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

● وصیت کے متعلق ۵/۱۰۶ میں حکم دیا گیا ہے کہ اسکے دو عادل گواہ ہونے چاہئیں۔ لیکن آیت بالا میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے وصیت لکھی نہیں گئی، تو اگر گواہ اسے بدل دیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گنہگار ہیں۔ نیز اگر وہ باہمی متفقہ منصوبے کی بدولت دنیا میں قانون کی زد سے بچ جائیں، تو قیامت کی عدالت میں ضرور سزایاب ہونگے۔ دوسرے نمبر پر اگر وصیت کرنیوالے نے کسی فریق کا حق دبا کر کسی فریق کو ناجائز فائدہ پہنچا دیا ہو تو مرکزی نظام پر فرض کیا گیا ہے کہ جس فریق

کا حق دبا لیا گیا ہے۔ اُنکی دادرسی کیلئے، پس ماندگان کے وقتی حالات کے مطابق وصیّت کی اصلاح کرکے، فریقین میں مصالحت کرادے۔

مومن مرد عورتیں سب مجاہدین سال میں ایک ماہ بھوک پیاس برداشت کرنے کی مشق کیا کریں

اِس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۱۷۷ کے ساتھ ہے جسمیں ہر تکلیف و مصیبت میں عموماً، اور ایّام جنگ میں خصوصاً، ثبات و استقلال کو نیکی بھلائی، اور کامیابی کی کنجیں بتایا گیا ہے۔ اب چونکہ ایّام جنگ میں مجاہدین کیلئے خصوصاً اور عامۃ النّاس کیلئے عموماً، ایسے ہنگامی حالات کا پیدا ہونا لازم ہے کہ کسی وقت سامانِ خورد و نوش میں کمی واقع ہو جائے، یا رسل و رسائل میں بے قاعدگی کی بدولت کچھ عرصہ بھوک پیاس برداشت کرنی پڑ جائے۔ اِسلئے ایسے حالات کے مقابلہ کیلئے ٹریننگ کے طور پر حکم دیا جا رہا ہے کہ سال میں ایک مہینہ روزے رکھ کر بھوک پیاس برداشت کرنے کی مشق کیا کریں۔ نیز روزہ، ربوبیّتِ عامہ کیلئے بھی ممد و معاون بنتا ہے کیونکہ روزہ دار کو، عملاً پتہ چلتا ہے کہ، معاشرہ کے جن افراد کو ناہموار معاشرہ کی غلط بخشیوں کی بدولت کئی کئی وقت کھانا میسّر نہیں آتا، اُن پر کیا گزرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو لکھا گیا اوپر تمہارے روزہ جیسا کہ

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

لکھا گیا تھا اوپر اُن لوگوں کے جو پہلے تم سے تھے تو کہ تم پرہیزگاری کرو۔ ۱۸۳

ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا اُسی طرح فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ تم (بھوک پیاس کے عادی ہونے کی بدولت وقت پڑنے پر اِنکے مضر اثرات سے) بچ جاؤ۔

أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

روزے دن گنتی کے ہیں جو کوئی ہو تم میں سے بیمار یا اوپر

مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ

سفر کے پس گنتی ہے دنوں اور سے اور اوپر اُن لوگوں کے

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ

کہ طاقت رکھتے ہیں اسکی بدلا ہے کھانا ایک فقیر کا پس جو کوئی

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا

کرے زیادہ نیکی پس وہ بہتر ہے واسطے اُسکے اور یہ کہ روزہ رکھو تم بہتر ہے

خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ۱۸۴

واسطے تمہارے اگر ہو تم جانتے

روزے گنتی کے دِنوں کے ہیں۔ پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو (روزے نہ رکھے اور تندرست ہو کر یا سفر سے واپس آکر چھوٹے ہوئے روزوں کی) گنتی بعد کے دنوں میں روزے رکھ کر پوری کر لیا کرے۔ اور جو لوگ سفر اور بیماری کے بعد روزہ کی طاقت پالیں۔ تو پھر اگر روزہ نہ رکھیں تو فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں پھر جو کوئی خوشی خاطر بھلائی کرے (یعنی ایک آدمی سے زیادہ کا کھانا فدیہ دیدے) تو اُسکے لئے اچھا ہے لیکن اگر تم روزہ ہی رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ روزے کی اصل غرض بھوک پیاس برداشت کرنے کا عادی بنانا

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ | اس جملے کا معنی عام تراجم میں یہ لکھا ہے: "اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں اُن پر فی روزہ ایک مسکین کا کھانا ہے"۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں، وہ تو فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیدیا کریں اور جن میں روزے کی طاقت نہ ہو وہ روزے رکھا کریں۔ جو کسی بھی صورت میں مبنی بر انصاف نہیں۔ اس سلسلے میں غلطی یہ لگی ہے کہ يُطِيقُونَهُ باب افعال سے ہے ثلاثی مجرد سے نہیں۔ اسلئے اسکا یہ معنی، کہ جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو، وہ فدیہ دیدیا کرے، غلط ہے۔

اسکے برعکس دوسرے نمبر پر جن مترجمین نے اسے باب افعال تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اس باب کے خاصہ سلب ماخذ کو اختیار کرکے یہ معنی لیا ہے، کہ جن لوگوں میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، وہ فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیدیا کریں۔ اس ترجمے سے یہاں تک تو بات بن گئی ہے لیکن اس سے اگلے حکم وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ کیسا تھ فٹ نہیں بیٹھتی۔ کیونکہ جن بیچاروں میں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں، انہیں فدیہ کی رعائت دینے کے بعد، پھر یہ حکم دینا کہ تم روزے ہی رکھو تو بہتر ہے، معقولیت پر مبنی نہیں۔ اور تیسرے نمبر پر اس خامی کو دور کرنے کیلئے بعض مترجمین نے يُطِيقُونَهُ کا یہ معنی لکھا ہے کہ جو لوگ روزے کو بمشقت نباہ سکتے ہوں، وہ فدیہ دیدیا کریں۔ لیکن پہلے نمبر پر تو یہ معنی يُطَوَّقُونَ کا ہو سکتا ہے، يُطِيقُونَ کا نہیں۔ اور دوسرے نمبر پہ یہ ترجمہ نفس مضمون ہی کے خلاف ہے۔ کیونکہ مشقت کا عادی بنانے ہی کیلئے تو روزوں کی مشق کرائی جاتی ہے مشقت کی رعائت روزے کا مطلب ہی فوت کردیتی ہے۔ نیز یہ امر ممکن ہی نہیں کہ روزہ مطلقاً تکلیف نہ دے۔ اور روزے کا دن، بالکل اُسی دن کی طرح بلا تکلیف گزر جائے، جس طرح بلا روزہ کا سارا دن کھاتے پیتے گزر جاتا ہے اسلئے یہ مفہوم بھی غلط ہے۔

پس عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کا وہ مفہوم، جس پر مذکورہ بالا کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا، باب افعال کے قاعدہ جدان کے مطابق ہی لیا جانا صحیح ہے، جو اوپر درج کیا گیا ہے۔ کہ بیمار جب صحتیاب ہوکر، اور مسافر سفر سے واپس آکر روزہ رکھنے کی کھوئی ہوئی طاقت پالے تو رمضان کے بعد، چھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی پوری کرلیا کرے۔ اور اگر روزہ نہ رکھے، تو فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ کے طور پر ادا کرے۔ لیکن واضح رہے کہ، بہتر صورت، جس کی سفارش کیگئی ہے، وہ ہے، وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ = اور یہ کہ اگر روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ باقی رہے وہ لوگ جو روزہ رکھنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے اور اُنکی طاقت کے لوٹ آنے کی اُمید بھی نہیں، یعنی بوڑھے اور دائم المریض، وہ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کے حکم عام کی رُو سے پہلے ہی مستثنے ہیں۔

روزے پورے رمضان کے ہیں | اس سے اگلی آیت مجیدہ میں أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ گنتی کے تیس یا انتیس دن ہیں، پورے رمضان کے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ
مہینہ رمضان کا وہ جو اُتارا گیا ہے بیچ اسکے قرآن مجید | وہ گنتی کے دن رمضان کا مہینہ ہے۔ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔ جو تمام نوعِ انسانی کیلئے ہدائت اور

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى
ہدائت واسطے لوگوں کے اور دلیلیں ہدائت کی سے
وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
اور معجزے سے پس جو کوئی حاضر ہو تم میں سے اس مہینے میں
فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ
پس چاہیئے کہ روزہ رکھے اُسکو۔ اور جو کوئی ہو بیمار، یا
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ
اُوپر سفر کے پس گنتی ہے دِنوں اور سے ارادہ کرتا ہے اللہ
وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
تعالیٰ ساتھ تمہارے آسانی کو اور نہیں ارادہ کرتا ساتھ تمہارے
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
دُشواری کو اور تو کہ پُورا کرو گنتی کو۔ اور تو کہ بڑائی کرو اللہ کی
تَشْكُرُوْنَ ○ ۱۸۵
اُوپر اسکے کہ ہدائت کیا تمکو اور تو کہ تم شکر کرو۔

ہدائت کے واضح دلائل، اور حق و باطل میں فرق کرنیوالا ہے، پھر تم میں جو کوئی اِس مہینے میں حاضر ہو وُہ اُس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی تم میں سے بیمار یا مُسافر ہو تو وُہ (مذکورہ بالا طریقے کے مطابق) بعد کے دِنوں میں گنتی پوری کر لیا کرے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے، تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ (اس حُکم کی غرض یہ ہے) تاکہ تم گنتی پُوری کر لیا کرو۔ اور اُسکے حُکم کی اِس طرح تعمیل کرکے کہ جس طرح اُس نے تمہاری رہنمائی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا عملاً اظہار کیا کرو۔ اور تاکہ تم (بھوک پیاس کے عادی ہونے کی بدولت، ناسازگار وقتوں میں بھی) بھرپور محنت کر سکو۔

● اِس آئت میں فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ کے بعد آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے، تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اِس سے عیاں ہے کہ بیمار و مُسافر کیلئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آسانی کر دی ہے کہ تمہیں تکلیف بھی نہ ہو، اور روزوں کی گنتی بھی پُوری ہو جائے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ۔۔۔ الخ کے الفاظ منسوخ نہیں ہوئے

قرآن محل کراچی کی مطبوعہ مترجم بخاری شریف جلد دوم کے صفحہ نمبر ۳۳۲ پر لکھا ہے کہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ..... الخ کے الفاظ آئتِ بالا میں آمدہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ سے منسوخ ہیں۔ لیکن جیسے کہ دیباچہ کے عنوان نمبر ۲۷ ناسخ منسوخ میں بوضاحت ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآن حکیم کا کوئی ایک لفظ بھی منسوخ نہیں۔ کُتب روایات نے ناسخ و منسوخ کا شاخسانہ از خود کھڑا کرکے آیات کریمات کو منسوخ ٹھہرانا شروع کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آئت مجیدہ $\frac{2}{183}$ میں روزوں کی فرضیت کا حکم ہے، $\frac{2}{184}$ میں بتایا گیا ہے کہ یہ چند گنتی کے دِن ہیں۔ اور ساتھ ہی استثنٰے بیان کر دی کہ بیمار اور مُسافر روزہ نہ رکھے۔ اِس سے آگے ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ۔۔۔ الخ کہ جب یہ صحتیاب ہو کر اور سفر سے واپس آکر، روزے کی کھوئی ہوئی طاقت پا نے کے بعد اگر روزہ نہ رکھیں تو فی روز ایک مسکین کو کھانا فدیہ دیں۔ اگر فدیہ میں زیادتی کریں تو اچھا ہے۔ لیکن روزہ رکھیں تو بہتر ہے۔ اِسکے بعد

آئت بالا ۲/۱۸۵ میں وضاحت کیگئی ہے کہ وُہ گنتی کے دِن رمضان کا مہینہ ہے۔ اور اِس پُورے مہینے کے متعلق فرمایا ہے :-
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، جو کوئی اِس مہینے میں حاضر ہو اِس پُورے مہینے کے روزے رکھے ۔۔۔ اِس طرح بتائیے کہ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ منسوخ کِس طرح ہو گئی ؟

یہاں روایات کو غلطی اِس طرح لگی کہ پہلے تو وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کے حکم کو سیاقِ کلام کے خلاف حکم عام قرار دیدیا ہے۔ اور پھر اِس سے مفہوم یہ لے لیا گیا ہے کہ پہلے پہل مالداروں کو اجازت تھی کہ وہ روزے نہ رکھیں اور فی روزہ ایک مسکین کا کھانا دیدیا کریں۔ لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ معاذ اللہ یہ معلوم ہُوا کہ مالدار تو فدیہ دیکر روزے کی مشقت سے بچ گئے اور مارے گئے وُہ غریب جو فدیہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اِسلئے اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم واپس لے کر تصحیح فرمادی۔ العیاذُ باللہ ۔۔۔ اِسکے علاوہ اِس اعتراض کو دُور کرنے کیلئے روایات کی طرف سے جتنے بھی مفہوم پیش کئے گئے ہیں۔ اُن پر سیر حاصل بحث اُوپر گزر چکی ہے۔ اور حقیقت نکھر کر عیاں ہو چکی ہے کہ آئت مجیدہ ۲/۱۸۴ کے الفاظ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ ..... الخ بیمار و مسافر سے متعلق ہیں اور یہ ہرگز ہرگز منسوخ نہیں۔

روزہ رکھنا، بھوک پیاس کے برداشت کرنے کی مشق ہے، یہ کوئی پُوجا پاٹھ نہیں

مذاہبِ عالم میں چونکہ روزوں کو محض پوجا پاٹھ ٹھہرا دیا گیا ہے۔ اور اِس کی اصل غرض مفقود ہو چکی ہے۔ اسلئے جبکہ روزوں کے کچھ مسائل اُوپر گزر چکے ہیں اور کچھ ابھی باقی ہیں تو عین درمیان میں اس غلط فہمی کو دُور کر دیا گیا ہے۔ کہ روزے رکھوانے کی غرض کوئی پُوجا پاٹھ نہیں۔ بلکہ دراصل یہ بھوک پیاس کو برداشت کرنے کی ایک سالانہ ٹریننگ ہے۔

نظریۂ تصوّف اور ویدانت میں چونکہ یہ مانا گیا ہے کہ بھوک پیاس کی ریاضت اور تپسیا کے ساتھ جسم کو تکلیف دینے سے خدا تعالیٰ۔ ایشور پرما تما خوش ہوتا، اور اُسکا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اِس نظریہ کے ابطال کیلئے بالذات خصوصی ارشاد ہُوا ہے :-

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ
اور جب سوال کریں تجھ کو بندے میرے مجھ سے پس تحقیق
أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي
میں نزدیک ہوں جواب دیتا ہوں پکارنے کا پکارنیوالے کو جب
وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۞ ۱۸۶
پکارتا ہے مجھکو پس چاہیئے کہ قبول کریں حکم میرے کو اور ایمان لاویں ساتھ میرے تاکہ وہ بھلائی پاویں۔

اے رسول! جب آپ سے لوگ میرے متعلق سوال کریں (کہ کیا روزوں کی بھوک پیاس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے) تو آپ کہدیجیگا (کہ اُس نے کہا ہے) میں از خود قریب ہوں (رگِ جان سے بھی قریب ۵۰/۱۶) جو کوئی مجھے پکارتا ہے، تو میں داخلے قانونِ مشیّت کی زبان میں، اُسے جواب دیتا ہوں۔ پس چاہیئے کہ وہ میرے قوانین کو قبول کریں۔ اور مجھ پر ایمان لائیں۔ تاکہ وہ حقیقت کو سمجھ سکیں۔

ترکِ لذّات کوئی عبادت نہیں

آئتِ بالا میں بھوک پیاس کو ذریعہ تقرّب نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ اللہ کے

جملہ قوانین کو اپنے اُوپر حاوی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اِسی چیز کو وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، پُورے کے پُورے احکام کے سامنے جھک جا اور نزدیک ہو۔ یعنی وہ تو پہلے ہی نزدیک ہے۔ تجھے اُسکی فرمانبرداری کے ذریعہ اُسکے قریب ہونا ہے۔ پس روزے رکھکر یہ سمجھ لینا کہ روزوں کی غرض پُوری ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ خوش ہوگیا ہے۔ اور مجھے قربِ خداوندی مُیسّر آچکا ہے۔ یہ فلسفۂ ویدانت تو ہو سکتا ہے، جسمیں جسم کو تکلیف دینا اور ترکِ لذّاتِ نعما خداوندی کو عبادت قرار دیا گیا ہے، قرآنی تعلیم ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قرآن ربوبیّت عامہ کا علمبردار ہے۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۲/۲۹ = اے نوعِ انسانی اللہ ہی تو ہے جس نے زمین میں جتنی بھی نعمتیں پیدا کی ہیں، سب کی سب تمہارے ہی لئے پیدا کی ہیں۔ پس روزوں کے احکام کے عین درمیان میں انہیں پوجا پاٹھ کے درجے سے خارج کرکے، عقلمندوں کیلئے وضاحت کردیگئی ہے کہ انکی غرض ایامِ جنگ کیلئے بھوک پیاس برداشت کرنے کا عادی ہونا ہے۔ اِس سے اگلی آیت میں روزوں سے متعلقہ زمانۂ جہالت کے طور طریقوں کی مذمت فرمائی گئی ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ
حلال کی گئی واسطے تمہارے رات روزے کی رغبت کرنا
نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ
طرف بیویوں اپنی کے وہ پردہ ہیں واسطے تمہارے اور تم پردہ
لَّهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ
ہو واسطے انکے جانا اللہ تعالیٰ نے یہ کہ تم تھے خیانت کرتے جانوں
فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ
اپنی کو پس پھر آیا اوپر تمہارے اور معاف کیا تم سے پس اب ملا کرو
وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا
اُن سے اور ڈھونڈو جو لکھدیا ہے اللہ نے واسطے تمہارے اور کھاؤ
حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ
اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہوجاوے واسطے تمہارے تاگا سفید تاگے کالے
الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ
سے فجر سے پھر پورا کرو روزے کو رات تک اور مت ملو ان سے
إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ
اِس حالت میں کہ، جب ہو تم ٹھہرے ہوئے۔

تمہارے لئے روزوں کی راتیں تمہاری بیویوں کیساتھ بے حجابی کیلئے حلال کیگئی ہیں۔ وہ تمہارا پردہ ہیں۔ اور تم انکا پردہ ہو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم (قبل نزولِ قرآن، ایکدوسرے سے جُدا رہ کر) ایک دُوسرے کے جنسی حقوق کی خیانت کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ تمہاری طرف رجوع برحمت ہوا اور تمہیں قبل ایمان کی خطائیں معاف فرمائیں۔ پس اب تم (قرآن کریم پر ایمان لانے کے بعد) اپنی بیویوں سے ملا کرو۔ اور جو کچھ تمہارے لئے تمہارے پروردگار نے فرض کیا ہے (اولاد) طلب کیا کرو اور روزوں کی راتوں میں رات کی سیاہ دھاری سے فجر کی سفید دھاری کے نمودار ہونے تک کھاتے پیتے رہا کرو اور پھر روزے کو رات تک پُورا کیا کرو۔ نیز (جنسی ملاپ کے متعلق سُن لو کہ) جب تم میاں بیوی کبھی مسجد میں شب باش ہو۔ جیسے ہو تو جنسی رغبت نہ کرنا۔ مذکورہ بالا سب اللہ تعالیٰ کی حدّیں ہیں، پس ان کے قریب تک نہ جانا۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اسی طرح لوگوں کیلئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وہ (ایام

فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا

بیچ مسجدوں کے یہ ہیں حدیں اللہ کی پس نہ نزدیک جاؤ ان کے

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ نشانیاں اپنی واسطے لوگوں

يَتَّقُوْنَ ○ ۱۸۷

کے تو کہ وہ بچیں۔

جنگ کے خطرناک اوقات سمیت ہر قسم کے خطرات سے بچ جائیں۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۲/۱۸۳ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۲/۱۸۷ روزوں کے حکم کی ابتدا میں بھی ان کی غرض اتقا بتائی گئی ہے، اور ابھی غرض کے اظہار پر اس عنوان کو ختم کیا گیا ہے۔ عام طور پر تتقون اور یتقون کا مفہوم روزہ دار کا متقی بن جانا لیا جاتا ہے اور متقی کا مفہوم زبان زد عوام ہے، نماز روزے کا پابند ہونا۔ حالانکہ پیچھے ۲/۱۷۷ میں قرآنی معاشرہ کا خاکہ پیش کرکے اخیر پر وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ کے جملہ میں حین الباس پر واؤ خصوص بر عموم لا کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ متقون وہ ہیں، جو جنگ تک کے خطرہ سے محفوظ ہوں۔ یعنی انکے ہاں جنگی خطرات سے محفوظ رہنے کا سو فیصدی معقول انتظام ہر آن موجود ہوتا ہے۔ پس صیام کی سالانہ ٹریننگ، چونکہ ہے ہی ایام جنگ کیلئے بھوک پیاس کے عادی ہونے کی مشق، اسلئے روزوں کے احکام و مسائل کی ابتدا و انتہا میں جو لعلکم تتقون اور لعلھم یتقون آیا ہے۔ اسکا معنی جنگی خطرات سمیت ہر خطرے سے محفوظ رہنا ہے۔ قرآن کریم نے اسکی انتہائی صورت یہ بیان کی ہے کہ ۔ ایمان والو! دشمنوں کے مقابلہ کیلئے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ فوجی طاقت تیار رکھو۔ اور تمہارے ہاں ذرائع رسل و رسائل کی وہ بہتات ہو، جس سے تمہارے اور اللہ کے دشمن لرزہ بر اندام رہیں ۸/۶۰۔

کالا دھاگا اور سفید دھاگا ۱؎ سلسلۂ درس کی آیت بالا میں آمدہ الفاظ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ کے متعلق روایات نے یہ تاثر دیا ہے کہ جب یہ الفاظ نازل ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے معاذ اللہ ان الفاظ سے پورہ پھٹنا مراد لینے کی بجائے سحری کا وقت پہچاننے کیلئے دو دھاگے رکھ لئے۔ ایک کالا اور ایک سفید۔ جبتک ان میں تمیز نہ ہوتی، اسوقت تک کھاتے پیتے رہا کرتے تھے۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے انہیں پوری طرح سمجھانے کیلئے، ان کی اس حرکت کے بعد مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ نازل کئے۔ افسوس ہے کہ صحابہ کرام کے متعلق بتایا یہ گیا ہے کہ انہیں خود اپنی زبان کے الفاظ کے حقیقی اور مجازی استعمال تک کی خبر بھی نہیں تھی۔ (دیکھئے بخاری شریف قرآن محل کراچی جلد دوم صفحہ نمبر ۲۲۵) نیز اس روایت میں یہ تصور دیا گیا ہے کہ قرآن کریم کا نزول آیت آیت کرکے بھی نہیں ہوا تھا۔ بلکہ یہ لفظ لفظ کرکے نازل ہوا تھا۔ جیسے مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ۔ لیکن روائتی تصور کے مطابق، قرآن کریم خود تو نازل ہوا ہے لفظ لفظ کرکے اور لوگوں کو چیلنج کرتا ہے، کہیں ایک سورت کے لانے کا اور کہیں پوری دس سورتوں کا ۱۱/۱۳ ، ۲/۲۳

اعتکاف آیت بالا ۲/۱۸۷ کے الفاظ "وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ" سے یہ نظریہ قائم کرنا کہ یہاں رمضان کے مہینے میں مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کا حکم یا جواز ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر میاں بیوی دونوں کو مسجد میں اعتکاف کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہاں رمضان کی راتوں میں اختلاط باہمی سے پرہیز کریں، اور آیت مجیدہ کے مذکورہ الفاظ کا تقاضا پورا ہو سکے ۔۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن الفاظ میں احترامِ مسجد کیلئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کبھی زندگی میں ایسا موقع آجائے کہ کسی سفر میں، یا کبھی ہنگامی حالات کی بد دلت تمہیں میاں بیوی کو مسجد میں رات گزارنی پڑجائے تو مسجد کا احترام ملحوظ رکھنا۔ قرآن میں لفظ آیا ہے عاکف[۱]، جسے روایات نے تحریف لفظی کرکے بلاوجہ اعتکاف بنالیا ہے۔

روزے کا ایک اہم فلسفہ رمضان شریف کے روزوں میں حلال کھانے حلال پینے اور حلال بیوی سے پرہیز کی مشق کا حکم دینے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ یاد رکھو، جب ہم نے مہینہ بھر کے مخصوص وقفہ کیلئے بھوک پیاس کی شدّت کے باوجود حلال چیزوں سے رُک رہنے کی مشق کا حکم دے رکھا ہے، تو سمجھ لو کہ وُہ ناجائز مال جو تم پر سدا سدا کیلئے حرام کیا جا چکا ہے۔ وُہ تمہارے لئے ایک سیکنڈ کیلئے بھی کبھی حلال نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے :-

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
اور مت کھاؤ مال اپنے درمیان اپنے ساتھ باطل کے
وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا
اور مت پہنچ لیجاؤ اُن کو طرف حاکموں کے تو کہ کھاؤ ایک ٹکڑا
مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ
مال لوگوں کے سے ساتھ گناہ کے اور تم
تَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۸۸ ع ۲۳/۷
جانتے ہو۔

اور تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں (رشوت، ملاوٹ، دھوکا، فریب) کیساتھ نہ کھاؤ اور نہ حکّام کو (رشوت کا) مال دیا کرو، تاکہ تم اُن کی مدد سے گناہ کیساتھ لوگوں کا مال کھا جاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اگر اِس طرح تمہارا مال کھایا جائے تو تم برداشت کروگے؟)

ہلال تاریخیں بتاتے ہیں روزے چونکہ رمضان کے فرض کئے گئے ہیں، جو ایک قمری مہینہ ہے اسلئے اگلی آیت مجیدہ میں اِس وضاحت کیلئے کہ رویتِ ہلال سے رمضان شروع اور رویتِ ہلال ہی پر ختم ہو جائیگا، نیز چونکہ لوگ چاندوں میں سے بعض کو سعد اور بعض کو نحس خیال کرتے ہیں، اسلئے اِسکے ضمن میں لوگوں کا سوال مع جواب درج قرآن کردیا گیا ہے :-

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ
پوچھتے ہیں تجھ کو چاندوں سے کہہ وُہ وقت ہیں

اے رسولؐ! لوگ آپ سے ہلالوں کے (سعد و نحس ہونے کے) متعلق سوال کرینگے۔ آپ کہدیجئیگا، کہ ہلال (جب ایک

[۱] [illegible]

مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ
واسطے لوگوں کے اور حج کے اور نہیں بھلائی بیچ اسکے کہ
بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ
آؤ تم گھروں میں پیٹھ اُن کی سے دلیکن بھلائی واسطے
الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا
اس شخص کے ہے کہ پرہیزگاری کرے اور آؤ گھروں میں
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ۱۸۹
دروازوں انکے سے اور ڈرو اللہ سے تو کہ تم فلاح پاؤ۔

سے ہیں۔ وہ سب کے سب) لوگوں کو تاریخیں بتانے کیلئے ہیں۔ اور حج کی تاریخوں کی وضاحت کیلئے ہیں[1]) اور ایمان والو! یہ کوئی بھلائی نہیں کہ (اگر تمہیں حج پر روانہ ہو چکنے کے بعد کسی ضروری کام کیلئے واپس آنا پڑے تو) تم پچھواڑوں سے گھروں میں آؤ۔ بلکہ بھلائی یہ ہے کہ تم قانونِ خداوندی کی مخالفت سے بچتے رہو۔ پس گھروں میں دروازوں کی طرف سے آیا کرو (اور پھر سُن لو) اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچتے رہو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

[1] ہلال کہتے ہیں نئے چاند کو۔ پس ایامِ حج، جن کی گنتی $\frac{2}{196}$ میں عشرۃ کاملۃ یعنی دس دن بتائی گئی ہے، یہ عشرۂ مبارکہ ذی الحج کے ہلال ہیں، جو رؤیت سے شروع ہو کر دس ذی الحج پر ختم ہو جاتے ہیں۔

توہمات سے پرہیز کا حکم

سفر پر روانہ ہونے کیلئے الگ الگ ملکوں کے الگ الگ توہمات ہیں۔ ہمارے ہاں یہ وہم چل رہا ہے کہ سفر پر روانہ ہوں تو اگر کوئی پیچھے سے بُلا لے، یا آگے سے بلی نکل جائے تو، اِن چیزوں کو نحس شمار کرتے اور سفر ملتوی کر دیتے ہیں۔ آیتِ بالا میں جو حکم دروازوں کے راستے گھروں میں داخل ہونے کا' حج کے ذکر میں دیا گیا ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربوں کے ہاں یہ وہم موجود تھا کہ جب حج پر روانہ ہو جائیں۔ تو اگر کوئی چیز گھر بھول گئی ہو۔ تو اُسے لینے، یا کسی اور ضروری کام کیلئے گھر واپس جانا پڑ جاتے تو دروازے کی بجائے پچھواڑے سے جایا کرتے تھے۔ خداوندِ عالم نے اِس عجیب و غریب توہم سے منع کر دیا ہے۔ پس اِس ایک ہی حکم میں ہر ملک کے جُدا جُدا توہمات کی نفی موجود ہے۔ نیز اِس سے اگلی آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب جب جہاد کیلئے نکلتے تھے تو پھر بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ خداتعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اِن توہمات سے پرہیز رکھو، ایسا نہ ہو کہ دشمن تمہارے سر پر چڑھا آرہا ہو اور تم سعد و نحس شگونوں کے چکر میں پڑے ہوئے ہو۔ بلکہ جو لوگ تمہارے ساتھ جنگ چھیڑ دیں اور اُسوقت تمہارے لئے جنگ کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ ہو تو تم بھی اُن سے لڑو $\frac{22}{39}$ ۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ
اور لڑو بیچ راہ اللہ کے اُن لوگوں سے جو لڑتے ہیں تمسے
وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ ۱۹۰
اور مت زیادتی کرو تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا زیادتی کرنیوالوں کو۔

جو لوگ (تم پر ظلم کرنے کیلئے طاغوت کی راہ میں) تم سے لڑیں، تم اُن سے (بچاؤ کرنے کیلئے) اللہ کی راہ میں لڑو۔ اور تم ظلم زیادتی نہ کرنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

دشمن قوم سے پُوری طرح ہوشیار رہو

نیز فرمایا کہ جو قوم تم سے لڑائی چھیڑ دے۔ تم اُس سے پُوری طرح ہوشیار رہو۔ اور اُنہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ اور جس مقام سے اُنہوں نے تمہیں نکالا ہو، تم اُنہیں وہاں سے نکال کر دم لو۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْ
اور مار ڈالو تم اُن کو جہاں پاؤ اُن کو اور نکال دو اُنکو
هُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ
جہاں سے نکال دیا تم کو اور کفر سخت تر ہے قتل سے اور
مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ
مت لڑو اُن سے نزدیک مسجدِ حرام کے یہاں تک کہ لڑیں
الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ
تم سے بیچ اس کے پس اگر لڑیں تم سے پس مار دو اُن کو
فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۱۹۱
اسی طرح ہے سزا کافروں کی۔

اور جنگ چھیڑنے والوں کو جہاں پاؤ اُن سے لڑو۔ اور جس مقام سے اُنہوں نے تمہیں نکالا ہے اُنہیں وہاں سے نکال کر دم لو۔ کسی کو بے گھر کرنا قتل سے بڑا جرم ہے۔ لیکن مسجدِ حرام کے پاس، اُسوقت تک اُن سے لڑائی نہ کرنا، جبتک کہ وہ تمہارے ساتھ اِسکے پاس لڑنا نہ شروع کریں۔ پھر اگر وہ مسجدِ حرام (عالمی امن مرکز کا احترام ضائع کرکے) تم سے وہاں لڑنا شروع کر دیں، تو تم بھی وہیں دفاع کرو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔

۱۹۲ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
پس اگر باز رہیں پس تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر اگر وہ (مسجدِ حرام کے قریب لڑائی سے) باز آجائیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بچانیوالا مہربان ہے۔ (پھر تم بھی اُن سے ہاتھ اٹھا لو)۔

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں وضاحت کیگئی ہے کہ جنگ چھیڑنے والی قوم کیساتھ مسجدِ حرام کی حرمت کیلئے، اُن سے اِس کے پاس جنگ نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ جنگ چھیڑنے والوں کے اِرادے کیا کچھ نہیں ہوتے۔ اِسلئے جنگ کو اُسوقت تک جاری رکھو کہ دشمن کی طاقت ختم ہو جائے، اور وہ فتنہ انگیزیوں کے قابل نہ رہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ
اور لڑو اُن سے یہانتک کہ نہ رہے کفر اور ہووے
الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا
دین واسطے اللہ کے پس اگر باز رہیں پس نہیں زیادتی کرنا مگر
عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۱۹۳
اُوپر ظالموں کے

اور جارح قوم کیساتھ اُسوقت تک لڑتے رہو کہ (اُسکی طاقت ختم ہو جائے۔ اور) آئندہ کیلئے جنگ کا خطرہ باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو جائے (یعنی دین کے معاملہ میں کسی پر کوئی جبر واکراہ نہ کر سکے ۲/۲۵۶) پھر اگر وہ دین میں اکراہ سے باز آجائیں تو پھر تمہیں جبر واکراہ کرنے والوں کے سوا کسی سے جنگ کی اجازت نہیں۔

جنگ میں وقفہ پیدا کرنے سے صُلح کے امکانات آسان ہو جاتے ہیں

پچھلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مسجد

حرام ہے جسے امن عالم کا مرکز ٹھہرایا گیا ہے۔ اِسکی حرمت کے پیش نظر اُسکے قریب جنگ نہیں کی جانی چاہیئے۔ کسی جاری جنگ کو بند کرنے کی یہ مخصوص حکمت عملی ہے۔ کیونکہ جنگ اگر کسی وجہ سے رُک جائے تو فریقین کو خالی الذہن ہوکر غور وفکر کا موقعہ ملتا اور صلح ممکن ہو جاتی ہے۔ یہ تو ہوئی مسجد حرام، یعنی عالمی امن کے مرکزی مقام کی حرمت، خداوند عالم نے سال کے بارہ مہینوں میں سے چار ماہ کیلئے جنگ کو لازمًا بند کرنے کا حکم دیکر، سالانہ عالمی امن اجتماع کی حرمت کی بھی وضاحت کر رکھی ہے کہ، جنگ خواہ زمین کے کسی بھی حصّے میں ہو رہی ہو حرمت کے مہینے آنے پر فورًا بند کر دی جائے ۹/۳۶۔ یہ وقفہ بھی صُلح کے امکان کا معاون ہے کہ جنگ کی گرما گرمی سے نکل کر صلح کیلئے غور کیا جاسکے لیکن اگلی آیت مجیدہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر دشمن حرمت کے مہینوں میں بھی جنگ بند نہ کرے، یا تم پر حرمت ہی کے مہینوں میں حملہ کر دے تو تم کو بھی اِنہی مہینوں میں دفاعی جنگ کی اجازت ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ
مہینہ حرمت والا بدلے مہینے حرمت والے کے ہے اور
قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ
حرمتوں کا بدلا ہے پس جو کوئی زیادتی کرے اوپر تمہارے پس
بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
زیادتی کرو تم اوپر اُسکے ساتھ مانند اُس کے کہ زیادتی کی اوپر تمہارے
اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۹۴
اور ڈرو اللہ سے اور جانو کہ تحقیق اللہ ساتھ پرہیزگاروں کے ہے۔

حرمت کے مذکورہ بالا مہینے (رمضان) کا بدلہ یہی حرمت والا مہینہ ہے۔ اور (باقی) تین حرمت والے مہینوں کا بدلہ بھی وہی مہینے ہیں۔ پھر جو کوئی تم پر (حرمت کے اِن چار مہینوں میں ۹/۳۶) جنگ کی زیادتی کرے، تو تم بھی اسی طرح جنگ کی زیادتی کرو جس طرح تم پر کی جائے۔ اور اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچتے رہو، اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کی مخالفت سے بچنے والوں کیساتھ ہے۔

(نوٹ) حرمت کے مہینوں کی بحث آیت نمبر ۲۱۷ میں آگے آرہی ہے۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لیجیئے گا کہ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ میں الف لام عہدی ذکری ہے اور ماقبل مذکور ہے شَهْرُ رَمَضَانَ ۲/۱۸۵۔ اِسلئے ثابت ہوا کہ رمضان شریف بھی حرمت والا مہینہ ہے۔ اور یہ چار حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔

جنگی ضروریات کیلئے مال خرچ کرتے رہو

سورۃ انفال آیت نمبر ۶۰ میں ارشاد ہوا ہے کہ دشمن کے مقابلے کیلئے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ فوجی طاقت تیار کرو تاکہ تمہارا دشمن، تمہاری طاقت کے تصوّر ہی سے لرزہ براندام رہے۔ اِس حکم کی مکلّف پوری اُمّت ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا
اور خرچ کرو بیچ راہ اللہ کے اور مت ڈالو ہاتھوں
بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ
اپنے کو طرف ہلاکت کے اور نیکی کرو تحقیق اللہ دوست رکھتا

اور اللہ کی راہ میں (جنگی ضروریات کیلئے زیادہ سے زیادہ) مال خرچ کرتے چلے جاؤ اور جنگی تیاری میں کمی کرکے اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈال دینا۔ اور اِس کمی کو پورا کرتے رہو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کمیاں پوری کرنیوالوں کو

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○ ۱۹۵ پسند کرتا ہے۔
ہے نیکی کرنیوالوں کو۔

عـ۵ اَحْسِنُوْا کا معنیٰ لکھا گیا ہے کمی پوری کرو۔ مادہ ح۔س۔ن = حسن کا بنیادی معنیٰ ہے توازن قائم رکھنا۔ اور توازن اُسی وقت بگڑتا ہے۔ جب کسی ایک طرف کا پلڑا جُھک جائے اور دُوسری طرف کمی واقع ہو جائے۔ قرآن کریم نے انفاقِ مال کے دو گوشے بیان کئے ہیں:۔

۱۔ معاشرہ کو متوازن رکھنے کیلئے۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ $\frac{۲}{۲۱۹}$ = لوگ آپ سے پوچھینگے کہ وہ کس حد تک مال خرچ کرنے چلے جائیں۔ آپ کہدیجیئگا، ضرورت سے زائد سب کچھ دیدو۔ تاکہ یہ مال معاشرہ کے اُس پلڑے میں ڈالکر معاشرہ کو متوازن کر دیا جائے جس میں کمی واقع ہو چکی ہے۔

۲۔ دُشمن کے مقابلے کیلئے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ $\frac{۸}{۶۰}$ = اور دُشمنوں کے مقابلے کیلئے زیادہ سے زیادہ فوجی قوّت تیار کرتے رہو ۔۔۔ اِس طرح قرآنِ مجید نہ فوجی تیاریوں میں کمی رکھنے کی اجازت دیتا ہے نہ عوام کے حقوقِ ربوبیّت میں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی آیت بالا میں فوجی طاقت میں کمی کرنے کو ہلاکت اور تباہی کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے اگلی آیت میں سیاقِ کلام کے مطابق، حج اور عمرہ کا تعارف عالمی جنگوں کے خاتمہ کیلئے، عالمی امن مرکز کی سالانہ کانفرنس کے طور پر کرایا گیا ہے۔

(نوٹ) اگلی آیتوں میں حج کا مضمون ہے۔ اِسلئے آگے بڑھنے سے پہلے ذیل کے حقائق بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

جنگوں کے خاتمہ کیلئے حج کی عالمی امن کانفرنس

حضرتِ انسان نے جب سے شعور کی آنکھ کھولی ہے۔ یہ انفرادی طور پر بھی باہم دست و گریبان ہے۔ اور قومی اور مُلکی سطح پر بھی ایک قوم دُوسری قوم سے اور ایک مُلک دُوسرے مُلک سے برسرِ پیکار ہے۔ انفرادی جھگڑوں کیلئے ہر مُلک میں داخلی عدالتیں قائم کی جاتی ہیں۔ اور مُلکوں مُلکوں کے تنازعے فی زمانہ نام نہاد سلامتی کونسل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن نتیجہ یہ ہے کہ امنِ عالم مفقود، اور ہر طرف توپیں آگ اُگلتی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مسجدِ حرام کو امنِ عالم کا مرکز بتایا ہے $\frac{۲}{۱۲۵}$، $\frac{۳}{۹۷}$۔ اِسے پُوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ضامن ٹھہرایا ہے $\frac{۵}{۹۷}$، اور پُوری نوعِ انسانی کے بار بار آنے جانے اور فائدہ اُٹھانے کا مقام ٹھہرایا ہے $\frac{۲}{۱۲۵}$، $\frac{۲۲}{۲۸}$۔ چنانچہ اِسے پُوری نوعِ انسانی کے امن کا اوّلین واحد مرکز بتایا ہے $\frac{۳}{۹۶}$۔ اور پُوری نوعِ انسانی کو مذکورہ بالا فائدے اُٹھانے کیلئے، اِسکی سالانہ حج کانفرنس میں حاضری کی دعوت دیکر $\frac{۲۲}{۲۷}$، قوموں قوموں اور مُلکوں مُلکوں کے جھگڑے تنازعے توپوں اور ٹینکوں کے ذریعہ نہیں، بلکہ مرکز کے فیصلے کے مطابق، بلا جنگ و جدال طے کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ حج سالانہ امن کانفرنس ہے۔ اور عمرہ وُہ اجتماع ہے، جو کسی ممبر قوم کی درخواست پر دورانِ سال، کسی بھی وقت ہنگامی طور پر بلایا جائے۔ اور حج کیساتھ تمتّع بالعمرہ یہ ہے کہ کوئی فرد یا قوم مقرّرہ پروگرام کے علاوہ کوئی ہنگامی مسئلہ پیش کرکے زیرِ غور لانا چاہے۔

یہی ہے بیت الحرام کی عالمی مرکزی حیثیت، جسے قرآن کریم نے اجاگر کر رکھا ہے۔

حج کی سالانہ عالمی کانفرنس کیلئے، جسمیں اقوامِ عالم کی امامت، امّتِ مسلمہ کو مسجدِ حرام کی تولیّت کے ذریعہ عطا کیگئی ہے، رمضان سے ذی الحج تک کے چار مہینوں کیلئے پورے کرۂ ارض کی جنگوں کو بند کرنے کا حکم ۹؎، اسلئے دیا گیا ہے کہ ہر چار طرف کے راستے، ہر چار طرف سے آنیوالوں کیلئے پُر امن اور صاف ہو جائیں۔ نیز حج کے سالانہ امن اجتماع میں شامل ہونیوالوں کو حکم دیا گیا ہے کہ بلا ہدی (بلا تحفہ) یعنی خالی ہاتھ کوئی نہ آئے۔ ہدی کی پھر دو قسمیں ہیں۔ نقد و جنس اور خوراک کے جانور۔ دوسری قسم کیلئے قرآن کریم میں مخصوص لفظ قلائد لایا گیا ہے یعنی پٹے والے جانور۔ ہدی کی ہدایت اسلئے کیگئی ہے کہ مہانوں کے خرچ کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ اور ہدیا کا مرکز میں پہنچانا اسقدر لازم قرار دیا ہے کہ اگر عازمین حج میں سے کوئی فرد یا گروہ فیصلۂ حج کے بعد کسی وجہ سے رُک جائے یا روک لیا جائے تو ہدی نہیں رُک سکتی اسے مرکز ہی میں پہنچانا ہوگا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ اسی عنوان سے شروع ہوئی ہے:۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ

اور پورا کرو حج کو اور عمرہ کو واسطے اللہ کے پس اگر گھیرے

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ

جاؤ تم پس جو کچھ میسّر ہو قربانی سے اور مت منڈواؤ سر اپنوں کو

حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

یہاں تک کہ پہنچے قربانی جگہ حلال ہونے اپنے کی پس جو کوئی ہو

مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ

تم میں سے بیمار یا اسکو ایذا ہو سر اسکے سے پس بدلا ہے روزے

صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ

سے یا خیرات سے یا ذبح سے پس جب امن میں ہو تم پس جو

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

کوئی فائدہ اٹھاوے عمرہ سے ساتھ حج کے پس جو کچھ میسّر ہو

مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ

قربانی سے پس جو کوئی نہ پاوے پس روزے تین دن کے

أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ

بیچ حج کے اور سات روزے جب پھر جاؤ تم یہ

اور حج اور عمرہ کو ذاتی اغراض سے الگ رہکر امنِ عالم کے قیام کیلئے، خالص اللہ ہی کیلئے پورا کیا کرو۔ پھر اگر تم کسی وجہ سے روک لئے جاؤ، تو ہدی جو تم میسّر کر چکے ہو (مرکز میں پہنچا دو)، اور اُسوقت تک سر نہ منڈانا (حجامت نہ بنوانا) جبتک کہ ہدی اپنے مقام پر (یعنی بیت الحرام نہ پہنچ جائے)، پھر جو کوئی تم سے بیمار ہو، یا اُسکے سر میں کوئی تکلیف ہو، (اور وہ حجامت بنوانے کیلئے مجبور ہو جائے) تو اسکا فدیہ ایک روزہ ہے، یا صدقہ اور یا مرکز میں کوئی بدنی خدمت پیش کرے۔ پھر جب تم امن میں ہو، تو تم میں سے جو فرد یا گروہ حج کیساتھ، عمرہ کا فائدہ بھی اُٹھائے (یعنی کوئی نیا مسئلہ بحث و تحقیق کیلئے پیش کرے تو کچھ ہدیہ دے۔ پھر جو کوئی ہدیہ نہ پائے ایامِ حج میں تین دن کے روزے رکھے، اور واپس آکر سات روزے گھر میں رکھے۔ یہ حج کے پورے دس دن ہیں۔ یہ احکام اُن لوگوں کیلئے ہیں، جن کے اہل و عیال مسجدِ حرام، مکّہ معظّمہ کے رہنے والے نہیں (یعنی باہر سے آنے والوں کیلئے)۔ اور اللہ تعالیٰ کے حج و عمرہ سے متعلقہ احکام

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ
دس ہوئے پورے یہ واسطے اس شخص کے ہیے کہ نہ ہوں
اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَ
اہل اسکے رہنے والے مسجد حرام کے اور ڈرو اللہ سے
اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
اور جانو تحقیق اللہ تعالےٰ سخت عذاب
الْعِقَابِ ۝ ۱۹۶
والا ہے۔

ع ۲۴

کی مخالفت سے بچتے رہو۔ اور جان لو کہ (اگر تم نے اقوام عالم کی امامت کے مقدس فریضہ کو انجام نہ دیا تو تم سے یہ منصب چھین کر سخت عذاب میں مبتلا کر دیگا۔ کیونکہ) اللہ تعالےٰ سخت عذاب کرنیوالا ہے۔

علہ بال کٹوانا اور حجامت بنوانا فراغت کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔ اب چونکہ مکہ معظمہ پہنچتے ہی اوّلین فرض ھدی کا مرکز میں پہنچانا ہے۔ اسلئے خدا تعالیٰ کے ہاں اس اوّلین فریضہ کی انجام دہی کے بعد ہے، وہ اوّلین فراغت، جو عازمین حج کو سفر کے خاتمہ پر میسّر آتی ہے! اسلئے ارشاد ہُوا ہے کہ مکہ پہنچنے پر ھدی یعنی تحائف کو اپنے مقام پر پہنچانے سے پہلے حجامت وغیرہ کے فراغت کے کاموں میں نہ لگ جانا۔

حج کے مہینے جانے پہچانے ہیں

سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حج سے متعلقہ مزید ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت کیگئی ہے کہ حج کے مہینے متعین معلوم ہیں:۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ
حج کے مہینے ہیں معلوم پس جو کوئی مقرر کرے
فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ
بیچ اُنکے حج پس نہ رغبت کرنا (طرف عورتوں کے)
فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ
اور گناہ کرنا اور نہ جھگڑنا بیچ حج کے اور جو کرو گے تم بھلائی
اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى
سے جانتا ہے اسکو اللہ اور خرچ راہ لیا کرو پس تحقیق بہتر
وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ ۱۹۷
فائدہ خرچ کا بچنا ہے سوال گناہ سے اور ڈرو مجھ سے اے صاحبو عقل کے۔

حج کے مہینے (متعین) معلوم ہیں علہ پس جو کوئی ان مہینوں میں اپنے آپ پر حج فرض کرلے تو (جان لو کہ) حج میں نہ جنسی میلان کی اجازت ہے۔ نہ احکام حج کی حدود شکنی اور لڑائی جھگڑے کی۔ اور حج میں تم نوع انسانی کی بھلائی کیلئے جو کچھ بھی کروگے اللہ اسے جانتا ہے۔ اور حج کیلئے زادِ سفر لے کر آنا۔ بلا شبہ قوانین خداوندی کی مخالفت سے بچتے رہنا بہتر زادِ راہ ہے اور اے عقلمندو! (عالمی امن اجتماع کے سربراہو) بین الاقوامی مسائل پر غور کرتے وقت میرے احکام کی مخالفت سے بچتے رہنا۔

۱؎ آیتِ بالا میں تصدیق کیگئی ہے کہ حج کے مہینے جو خدا تعالیٰ کیطرف سے سابقہ اُمتوں پر مقرر کئے گئے تھے، اُن میں کوئی ردّوبدل نہیں ہوا، وہ بالکل وہی ہیں ۔ نیز اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ کے الفاظ میں بتایا ہے کہ یہ کم ازکم تین ہیں ۔ اب چونکہ 9/36 میں حُرمت کے مہینوں کی تعداد بتائی گئی ہے چار، جو 9/36 کے مطابق مُسلسل ہیں کٹویں نہیں ۔ اور اِن میں جنگ کرنا حرام ہے ۔ اِن چار مہینوں میں سے آیتِ بالا کے الفاظ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ کے مطابق تین مہینے حُرمت والے تو ہُوئے حج کے ۔ اور چوتھا حُرمت والا مہینہ آپ آیت نمبر ۱۹۴ میں اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ کے الفاظ پر الف لام عہدی ذکری ، اور ماقبل مذکور شَهْرُ رَمَضَانَ کی صُورت میں دیکھ چکے ہیں رمضان کا مہینہ ۔ پس تین مہینے حج کے اور چوتھا مہینہ رمضان کا ، پُورے چار ، از رمضان تا ذی الحج ثابت ہوئے ، جو مسلسل آتے ہیں کٹویں نہیں ۔ کُتُبِ روایات نے مُحرّم اور رجب کو حُرمت کے مہینوں میں داخل کر کے اِنہیں فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ 9/5 کا مخالف بنا دیا ہے ۔ آیت کہتی ہے کہ یہ چاروں مُسلسل گزر جاتے ہیں لیکن اِدھر روائت کے بتائے ہوئے مُحرّم اور رجب کے درمیان ، صفر تا جمادی الثانی مزید پانچ مہینے حائل ہیں ۔ حالانکہ اِس پر قرآنِ کریم نے نہایت سخت تنبیہ کی ہے ۔ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ 9/37 = سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ حُرمت کے مہینوں کو آگے پیچھے کرلینا کُفر کی زیادتی ہے ۔

حج کوئی یاترا نہیں ہے کہ اِس میں تجارت حرام ہو

پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ جبتک مرکز میں ہدی نہ پہنچائی جائے ، اُسوقت تک حجامت کی بھی اجازت نہیں 2/196 ۔ اور اِس کے بعد عشرۂ حج میں مُلکوں کے نمائندوں اور عام حاجیوں کیلئے لازم ہے کہ حج کی تمام مجلسوں عرفات اور مشعر الحرام میں جن کا ذکر آگے آرہا ہے باقاعدہ حاضر رہیں ، اب اِسکے بعد باری آتی ہے واپسی کی ۔ تو واپسی کیلئے ارشاد ہوا ہے کہ تجارت یا کوئی اور کاروبار کرنے کی اجازت ہے ۔ کیونکہ حج کوئی یاترا نہیں کہ درشن اور زیارت ، یا صرف خرچ کرنے کے سوا کسی فائدے کی اجازت نہ ہو ۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا
نہیں اوپر تمہارے گناہ یہ کہ ڈھونڈو فضل پروردگار
مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ
اپنے کے سے پس جب پھر و تم عرفات سے پس یاد کرو
فَاذْکُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْکُرُوْهُ
اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے اور یاد کرو اُسکو جیسا
کَمَا هَدٰىکُمْ ۚ وَاِنْ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ ۝
ہدائت کیا تم کو اور تحقیق تھے تم پہلے اِس سے البتہ گمراہوں سے ۔
198

اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو ۔ (صرف عشرۂ حج میں پابندی ہے) پھر جب تم اجتماعِ عرفات سے (باہمی تعارف کے بعد) لَوٹو تو مشعر الحرام کے مقام پر بھی (جہاں زیرِ غور معاملات پر عقل و شعور کیساتھ غور کے بعد فیصلے دیئے جاتے ہیں) اللہ کے قانون کو اچھی طرح یاد رکھنا ۔ اور اللہ تعالیٰ کو اِس طرح یاد رکھو ، جس طرح اُس نے تمہیں (آیاتِ بالا میں) ہدائت دی ہے اور بلاشبہ تم نزولِ قرآن سے پہلے بھٹکے ہوؤں میں سے تھے ۔ (حقیقتِ حج سے بالکل بے خبر تھے)

پچھلی آیت مجیدہ میں حج کے سربراہوں کے نام مشعر الحرام سے متعلقہ مخصوص ہدایات جاری کرنے کے بعد کہ مسائل زیر غور پر کسی طرف کو جھکاؤ کے بغیر قوانین خداوندی کی مخالفت سے ڈرتے ہوئے فیصلے دیا کریں، اگلی آیت مجیدہ میں اُنہی کو واضح کیا گیا ہے کہ تم بھی عوام ہی کے افراد ہو۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ
پھر پھرو جہاں سے پھرتے ہیں لوگ اور بخشش
وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۹۹
مانگو اللہ تعالیٰ سے تحقیق اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر تم بھی وہاں اُسی عوامی حیثیت کیساتھ لوٹا کرو، جس حیثیت علٰے سے تمام لوگ لوٹ کر آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ (کے قانون) سے سب کیلئے حفاظت طلب کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنے قانونِ مساوات کیساتھ سب کی) حفاظت کرنیوالا مہربان ہے۔

علٰے ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ، کا معنی عام تراجم میں یہ لیا گیا ہے کہ جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں تم بھی اُسی جگہ سے لوٹو۔ حالانکہ یہ مفہوم مشاہدۃً قرآن کریم کے خلاف ہے۔ کیونکہ حج میں لوگوں کی حالت تو یہ ہے، کہ وہ لاکھوں جانوروں کو بیکار ذبح، اور دین کی نذر کر کے لوٹتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے مذبوحہ جانوروں کو کھانے اور محتاجوں کو کھلانے کا حکم دیا ہے۔ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۲۲/۲۸ ـــ نیز لوگ تو مٹی کے شیطانوں کو پتھر مار کر لوٹتے ہیں جس کا قرآن کریم میں مطلقاً حکم نہیں۔ نیز نفس امّارہ کی اطاعت کرتے رہنا، اُسکے حکموں کی اتّباع کرنا اور مٹی کے شیطان بنا کر انہیں پتھر مارنا، کس قدر مضحکہ خیز عمل ہے۔ اور اِس عمل کو رسولِ اکرم کی طرف منسوب کرنا کتنی جرأت۔

چنانچہ مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ کا معنی اُوپر لکھا گیا ہے، جس حیثیت سے سب لوگ لوٹتے ہیں، اے سربراہانِ حج تم بھی اُسی حیثیت سے لوٹو۔ اپنے آپ کو عوام سے افضل و برتر شمار کر کے قرآنی مساوات کو بدنام نہ کرنا۔ لفظ حَيْثُ عربی زبان میں تین طریقوں پر استعمال ہوتا ہے۔ زمان کیلئے یعنی جب کے معنوں میں بھی۔ اور مکان کیلئے یعنی جہاں کے مفہوم میں بھی۔ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ ۲/۵۸ ـ اِس میں سے کھاؤ جب چاہو، اور جہاں سے چاہو ـــ اور حَيْثُ کا تیسرا استعمال اظہارِ حیثیت کیلئے ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ اَنَا جِئْتُ اِلَيْكَ مِنْ حَيْثُ الرَّفِيْقِ = میں تیرے پاس تیرے دوست کی حیثیت سے آیا ہوں۔

حج کے فیصلوں پر پورا پورا عمل کرو

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جب تم اپنے اپنے مناسک ادا کر کے واپس لوٹو، تو اللہ تعالیٰ کو اپنے باپوں کی طرح یاد رکھو۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
پس جب کر چکو تم عبادتیں اپنی پس یاد کرو اللہ کو جیسا
كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ
یاد کرتے تھے تم باپوں اپنوں کو یا زیادہ تر یاد کرنا پس

اور جب تم حج سے متعلقہ اپنے اپنے فرائضِ منصبی ادا کر چکو (تو یہ نہ سمجھ لو کہ کام ختم ہوا۔ اب اجتماع میں کیئے گئے فیصلوں پر عمل درآمد کیلئے) اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد رکھو، جس طرح تم اپنے باپوں کو یاد رکھتے ہو (جس طرح ہر شخص

مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ

پس بعضے لوگوں میں سے وہ شخص ہے کہ کہتا ہے اے رب

فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ ۲۰۰

ہمارے دے ہمکو بیچ دنیا کے اور نہیں واسطے اُسکے بیچ آخرت کے کچھ حصّہ۔

ایک اکلوتے باپ کا بیٹا بنتا ہے۔ اُسی طرح ایک اکلوتے اللہ کے بندے بنو۔ اور انفرادی مفاد کیلئے، اجتماع حج کے فیصلوں کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کو بھلا نہ دینا پھر لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو (کھلے بندوں) کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا ہی میں دیدے۔ ایسے گروہ کیلئے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا

اور بعضے اُن میں سے وہ شخص ہے کہ کہتا ہے اے

حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ۲۰۱

رب ہمارے دے ہمکو بیچ دنیا کے نیکی اور بیچ آخرت کے نیکی اور بچا ہم کو عذاب آگ سے۔

اور اُن میں ایک گروہ ہے، جو کہتا ہے کہ اے ہمارے پروردگار، ہمیں دنیا میں بھی حلال رزق دے۔ اور آخرت میں بھی اچھا اجر عطا فرمائیو۔ اور ہمیں دنیا اور آخرت دونوں کی آگ کے عذاب سے بچالے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ

یہ لوگ واسطے اُن کے حصّہ ہے اُس چیز سے جو کمایا

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ۲۰۲ (النصف)

اُنہوں نے اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب کا۔

مذکورہ دونوں گروہ ایسے ہیں، کہ دونوں کو الگ الگ اُنکے اعمال کے مطابق حصّہ دیا جاتا ہے، اور دیا جائیگا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سریع الحساب ہے

اِس جملے سے بعض لوگ قیامت کے انکار کی دلیل پکڑتے ہیں۔ یعنی، جونہی کوئی فرد مرتا ہے تو اُسی وقت اللہ تعالیٰ حساب لے لیتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اُوپر دنیا اور آخرت کی جزا سزا کا ذکر آیا ہے۔ دنیا کی بعض سزائیں ایسی ہیں کہ آگ میں انگلی ڈالنے سے، فوراً انگلی جل جاتی ہے سنکھیا کھانے اور ریل کے نیچے سر دینے سے فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔ دنیا میں تو سریع الحساب کی تفسیر ایسے عالمی مشاہدات ہیں۔ اور آخرت کی حالت یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص مرتا ہے، تو اُسکے لئے موت اور قیامت (یوم الحساب) کا درمیانی فاصلہ ایک سیکنڈ ہی کے برابر ہوگا۔ موت کا ذائقہ ابھی منہ ہی میں ہوگا کہ قیامت کی بعثت اور حساب کتاب شروع ہو جائیگا۔ پس اس آیۂ مجیدہ میں قیامت کے انکار کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سریع الحساب ہے۔

حج سے متعلقہ ایک رعائت

اگر کسی شخص یا گروہ کو واپسی کی جلدی ہو، اور وہ حج کا عشرہ پورا نہ کر سکتا ہو تو دو دن کی رعائت دی گئی ہے۔ وہ آٹھ دن کے بعد واپس جا سکتا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ
اور یاد کرو اللہ کو بیچ دنوں گنے ہوئے کے
فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ
پس جو کوئی جلدی کرے بیچ دو دن کے پس نہیں گناہ
وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى
اوپر اسکے اور جو کوئی پیچھے رہے پس نہیں گناہ اوپر اسکے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ۲۰۳
یہ واسطے اس شخص کے ہے کہ پرہیزگاری کرے اور ڈرو اللہ سے اور جانو یہ کہ تم طرف اسی کے اکٹھے کئے جاؤگے۔

اور (ایمان والو! پھر سن لو کہ امامت اقوام عالم کے مقدس فریضہ کیلئے) حج کے گنے ہوئے دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کو خوب یاد رکھا کرو (تاکہ کسی جانب جھک نہ جاؤ۔) پھر جو شخص یا گروہ دو دن کی جلدی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو کوئی، دو دن زائد رہنا چاہے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ دونوں صورتوں میں اصل غرض قانونِ خداوندی کی حفاظت ہو۔ اور جان لو کہ تم جوابدہی کیلئے اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤگے۔

آیتِ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کے آٹھ دن کے اجتماعات میں ضروری کام ختم کر دیا جاتا ہے۔ کہ اگر کوئی چلا بھی جائے تو نہ اسکا کوئی ہرج ہوتا ہے، نہ باقی اقوام و افراد کا۔ اور اسی طرح عشرہ کا ماہ کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا گروہ دو دن زائد رہنا چاہے، یا کسی وجہ سے رہنے کیلئے مجبور ہو تو کوئی ہرج نہیں لیکن شرط یہ لگائی گئی ہے، کہ دونوں صورتوں میں اصل غرض، تعمیر و اصلاح ہو، تخریب و فساد نہ ہو۔

مروجہ قربانی یعنی جانوروں کو ذبح کر کے گڑھوں میں پھینک دینا اسراف محض ہے

حج سے متعلقہ مسائل میں سے ہدی کا مسئلہ انتہائی اہم ہے' اسے عرفِ عام میں قربانی کہا جاتا ہے۔ اور اسکی عملی صورت یہ ہے کہ حج کے موقع پر لاکھوں جانور ذبح کر کے گڑھوں، کھائیوں اور خندقوں کی نذر کر دیئے جاتے ہیں لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنی جملہ نعمتوں کے متعلق حکمِ عام نافذ کر رکھا ہے:۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ $\frac{۷}{۳۱}$ = کھاؤ پیئو لیکن اسراف نہ کرنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس آیہ مبارکہ کی رو سے جانوروں کو ذبح کر کے گڑھوں میں پھینک، دینا یقیناً یقیناً اسراف بھی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بھی۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا خدا تعالیٰ نے اس حکمِ عام سے استثنے کے طور پر حج کے ایام میں اس عجیب و غریب اسراف کو جائز قرار دیا ہے؟ اس ضمن میں قرآنِ حکیم کا وہ حکم ملاحظہ فرمائیں جو ہدی کے جانوروں کے متعلق دیا گیا ہے۔ اور جس کا تعلق صرف ایامِ حج کی غذائی صورت کیساتھ ہے:۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ ۝ $\frac{۲۲}{۲۷-۲۸}$ = اے رسول! لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجیئگا۔ تاکہ لوگ اپنے فائدوں کیلئے آپ کے پاس پیادہ پا، اور ہر تھکی ہاری سواری پر دور دراز سے آئیں۔ اور جگالی کرنیوالے جانور جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں ان پر اللہ کے نام

کا ذکر کریں۔ (ذبح کریں) پھر اے ایمان والو! اُن ذبح کئے ہوئے جانوروں میں سے تم خود بھی کھاؤ، اور بھوک کے محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح حج کے موقعہ پر ذبح کئے گئے اونٹوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ ۲۲/۳۶ = اور اُونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیاں ٹھہرایا ہے، اُن میں تمہارے لئے بہت بھلائی ہے (وہ تمہیں اور تمہارے مال واسباب کو لق ودق صحراؤں میں ہفتہ ہفتہ اور عشرہ عشرہ بے آب و گیاہ سفر کرکے منزلِ مقصود پر پہنچا دیتے ہیں) پس اُن کی مشکیں باندھ کر اُن پر اللہ کا نام لیا کرو۔ پھر ذبح کرنے کے بعد جب اُنکی کروٹیں ٹھنڈی ہو جائیں تو اُن میں سے خود بھی کھاؤ، اور محتاج سوالی کو بھی کھلاؤ۔ پس ثابت ہُوا کہ حج کے ضمن میں بھی لَاتُسْرِفُوْا کے حکم میں کوئی استثنائی صُورت موجود نہیں۔

● المختصر! ایامِ حج میں بھی مہمانوں کی ضرورت سے زائد جانوروں کو ذبح کرکے بیکار پھینکنے کا نہ کوئی حکم ہے نہ اجازت، خدا تعالیٰ کوئی دیوی دیوتا نہیں، جو بُت پرستوں کے عقیدہ کے مطابق بتوں کے سامنے خون بہانے سے خوش ہوتا ہے۔ اور جتنا زیادہ سے زیادہ بہایا جائے، اُتنا زیادہ سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں ایامِ حج میں ذبح کئے گئے جانوروں کے متعلق صاف کہدیا ہے :۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۲۲/۳۷ = اللہ کے پاس اِن کا گوشت پہنچتا ہے، نہ خون۔ بلکہ اُسکے پاس تمہارا تقوٰی پہنچتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ تقوٰی سے مُراد خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اُسکے احکام کی مخالفت سے بچنا تو ہوسکتا، اُسکی حکم عدولی اور نافرمانی ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اب اِس ضمن میں آپ اللہ تعالیٰ کا حکم اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ، حج کے موقعہ پر ذبح کئے گئے جانوروں کے متعلق فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ اور فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ یعنی خود کھانے اور بھوک کے محتاجوں کو کھلانے کا حکم تو بتکرار موجود ہے لیکن ہزاروں لاکھوں تو رہے ایک طرف، کسی ایک جانور کو بھی ذبح کرکے ریت کی نذر کرنے کا حکم قرآن بھر میں موجود نہیں پس آیاتِ بالا کی رُو سے تقوٰی یہی ہے کہ حج کا موقعہ ہو یا کسی اور تقریب کا، اُتنے جانور ذبح کئے جائیں جتنی ضرورت ہو۔

حج میں ذبیحہ کیلئے کوئی دن مخصوص نہیں

قرآن کریم نے حج کی سالانہ امن کانفرنس میں مہمانوں کی طرف سے پیش کئے گئے مال کو ہدی اور قلائد کے الفاظ سے متعارف کیا ہے۔ ہدی کا معنی ہدیہ اور تحفہ ہے۔ جو اگر نقد وجنس کی صُورت میں ہو تو قرآن کی زبان میں ہدی کہلاتا ہے۔ اور جانوروں کی صُورت میں ہو تو قلائد۔ اب ظاہر ہے کہ تحفہ ہونے کی صُورت میں جانوروں کے تحائف بھی مرکز میں پیش کر دیئے جائینگے۔ اور مرکز، خدا تعالیٰ کے حکم لَاتُسْرِفُوْا کے ماتحت مہمانوں کی وقتی ضرورت کے مطابق ذبح کرائیگا۔ اور یہ سلسلہ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ کے مطابق حج کے پورے ایامِ معلومٰت میں حسبِ ضرورت جاری رہیگا۔ تاکہ فَكُلُوْا مِنْهَا ۲۲/۲۸ اور ۲۲/۳۶ کے تقاضے پورے ہوسکیں۔ یعنی اُنہیں کھایا جائے ضائع نہ ہوں۔ فلہٰذا ذبح (قربانی) کیلئے حج کے دِنوں میں سے کسی ایک، یا دو دِنوں کی تخصیص، اور ضرورت سے

زائد جانوروں کا ذبح کرنا، جو کھائے نہ جائیں خدا تعالیٰ کے حکم عام كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا 7/31 کے بھی خلاف ہے۔ اور ایام حج میں ذبح کئے گئے جانوروں سے متعلق مخصوص حکم فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ 22/28 اور 22/36 کے بھی خلاف ہے۔ فلہٰذا نہ یہ سنتِ رسول ہو سکتا ہے نہ آثارِ صحابہؓ۔

گھر گھر قربانی کا بھی قرآن حکیم میں کوئی حکم موجود نہیں

افسوس ہے کہ قربانی کا نظریہ، ایام حج اور مقام حج میں عملاً پیش کردہ عالم النظیر اسراف کی مقامی حدوں کو پھاند کر گھر گھر کے ذبیحہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ حالانکہ حج کے موقعہ پر بھی ہدیہ کے جانوروں کے ذبیحہ کے متعلق قرآنی وضاحت آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں، کہ یہ جانور وقتی ضرورت کے مطابق ذبح کرنے کیلئے ہیں، صرف زیادہ سے زیادہ خون بہا کر خندقوں اور کھائیوں میں پھینکنے کیلئے نہیں ہیں۔ اب اس سے آگے سوال آتا ہے، قربانی کی اس مروجہ رسم کا، جو حج کے مہینے میں گھر گھر بپا آ رہی ہے۔ اس ضمن میں آیاتِ ذیل کو بالترتیب بغور ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن کریم نے مہمانوں کی ضرورت کے مطابق ہدی کے ذبح ہونے کا مقام صرف اور صرف بیتِ عتیق، کعبہ مکرمہ بتایا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ 2/196 = اور حج اور عمرہ کو خالصۃً اللہ تعالیٰ کیلئے پورا کیا کرو۔ پھر اگر تم (کسی وجہ سے روک لئے جاؤ) تو پھر جو ہدیہ تم نے میسر کیا ہے کعبہ بھیج دو۔ اور اس وقت تک سر کے بال نہ کٹوانا جب تک ہدی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے ـــــ اب اگر آئین خداوندی میں گھر گھر کی قربانی جائز ہوتی تو حکم دیدیا جاتا کہ ہدی کے جانور کو گھر پہ ذبح کر دینا۔ گھر گھر کی قربانی کے عدم جواز کا مسئلہ تو اس ایک آیت ہی سے صاف ہو چکا لیکن مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں:۔

زمانۂ رسالت میں مدینہ منورہ میں بھی گھر گھر قربانی نہیں ہوا کرتی تھی

ہجرت سے قبل آنحضورؐ کی مکی زندگی نیز ہجرت کے بعد اور فتح مکہ کی درمیانی مدنی زندگی کے متعلق سورہ فتح میں خبر دیگئی ہے کہ کفارِ مکہ نے جو اس دور میں کعبہ منظمہ پر قابض تھے، ہدی کے جانوروں کو اپنے مقام بیت الحرام تک پہنچنے سے روک دیا ہوا تھا۔ چنانچہ انکے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ 48/25 = یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ضابطۂ خداوندی سے انکار کیا اور تمہیں بھی مسجد حرام سے روک دیا۔ اور ھدی (قربانی) کو بھی روک دیا کہ وہ اپنے حلال ہونے کی جگہ پہ پہنچے ـــــ اب اس سے آگے صرف سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ جس مقام کو 2/196 اور 48/25 میں ھدی کا محِل، حلال ہونے کی جگہ بتایا ہے۔ اُسکا نام کیا ہے۔ اِسکے لئے دیکھئے سورہ حج کی آیتِ ذیل، ھدی ہی کے جانوروں کے متعلق وضاحت کیگئی ہے کہ جب تک یہ تمہارے پاس موجود ہوں، یا تم نے انہیں گھر پہ پال رکھا ہو تو ان کی پوجا نہ شروع کر دینا کہ کعبہ کی طرف منسوب کرنے کی بدولت اِن سے کام لینا ہی چھوڑ دو۔

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۲۲/۳۳ = ان کے ذبح ہونے کے وقت تک تمہارے لئے ان سے فائدے اٹھانے کا حق مسلّم ہے۔ اور پھر۔ ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ○ ۲۲/۳۳ = پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ بیتِ عتیق، پرانا گھر بیت الحرام ہے ـــ دیکھئے آیاتِ بالا سے ذیل کے حقائق نکھر کر عیاں ہو چکے ہیں:۔

۱۔ اگر کوئی عازمِ حج، کسی وجہ سے رُک جائے تو جو ہدی (قربانی) اس نے میسّر کر رکھی ہے۔ خواہ وہ گھر پالی گئی ہو یا خریدی گئی ہو۔ تو ہرگز اجازت نہیں ہے کہ اُسے گھر پر ذبح کر دیا جائے۔ ہدی (قربانی) ہر حال میں اپنے محِل، اپنے مقام (اپنے حلال ہونے کی جگہ) پر پہنچے گی۔ اور رُکے ہوئے عازمِ حج کو حاجیوں کیساتھ ہم آہنگی قائم رکھنے کیلئے اُسوقت تک سر کے بال نہیں کٹوانے ہونگے جبتک کہ ہدی کا مال اور جانور اپنے مقام پر نہ پہنچ جائیں۔ ۲/۱۹۶

۲۔ اب چونکہ ہدی کا مقام صرف اور صرف بیت الحرام ہے، اسلئے جبتک کعبہ معظمہ پر کفار کا قبضہ تھا، اُسوقت تک آنحضورؐ کی مکی اور مدنی زندگی میں بھی قربانی مطلقاً رکی ہوئی تھی۔ ۴۸/۲۵

۳۔ ہدی کے محِل، مقام، حلال ہونے کی جگہ کا نام بیتِ عتیق، یعنی وہی پرانا قدیمی گھر ہے، جو إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ ۳/۹۶ کی قرآنی خبر کے مطابق قدیم ہی سے لوگوں کیلئے عالمی امن کا مرکز قرار دیا جا چکا ہے۔

۴۔ مکہ معظمہ میں بھی ہدی کے جانور حسبِ ضرورت ذبح کئے جائیں، بلا ضرورت ذبح کر کے ریت کی نذر نہیں کئے جائینگے۔

پس گھر گھر قربانی خلافِ قرآن، خلافِ سُنت اور اسراف محض ہے۔

(نوٹ) مروّجہ قربانی کو حضرتِ اسماعیل سلام علیہ کے ذبح کی یادگار بتایا جاتا ہے۔ اس مسئلہ کی بحث، آیات متعلقہ کی تفسیر کے ضمن میں اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

رجوع الی المطلب

آیاتِ کریمات ۱۹۶ تا ۲۰۳ میں حج کے مسائل بیان کرنے کے بعد اگلی آیت میں آنحضور سلام علیہ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ میدانِ عمل میں آپ کو دو قسم کے لوگ ملینگے۔ ایک تو ہونگے چرب زبان، جھگڑالو اور فسادی۔ اور دوسرے ہونگے خدا تعالیٰ کی رضا پر اپنے نفس کو قربان کرنیوالے۔ پس دونوں قسم کے افراد پر الگ الگ نگاہ رکھنی ہوگی:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ
اور بعض لوگوں میں سے وہ شخص ہے کہ خوش لگتی ہے
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي
تجھ کو بات اُسکی بیچ زندگانی دُنیا کے اور گواہ کرتا ہے اللہ کو
قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ○ ۲۰۴
اوپر اس چیز کے کہ بیچ دل اُسکے ہے اور وہ بہت جھگڑالو ہے۔

اور اے رسولؐ! لوگوں میں سے بعض وہ ہے جس کی دنیوی زندگی کی باتیں آپ کو تعجب میں ڈال دینگی۔ اور وہ اپنے قلب میں پوشیدہ فساد کو اصلاح بتلانے (۲/۱۲) پر اللہ کو گواہ ٹھہرائیگا۔ حالانکہ وہ ہوگا انتہائی جھگڑالو۔

آگے بتایا گیا ہے کہ اگر آپ اسکی چرب زبانی، اور اصلاحِ عام کے جھوٹے دعووں میں آکر اُسے زمین کے کسی حصّہ کا انتظام سونپ دیں تو وہ فساد برپا کردیگا۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا
اور جب حاکم ہوتا ہے کوشش کرتا ہے بیچ زمین کے
وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
تو کہ فساد کرے بیچ اُسکے اور ہلاک کرے کھیتی کو اور جانوروں کو
الْفَسَادَ ۝ ۲۰۵
اور اللہ نہیں دوست رکھتا فساد کرنا۔

اور جب اُسے زمین کی تولیّت دیجائے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے۔ اور فصلوں کو برباد، اور نسلوں کو ہلاک کردے۔ (ایسے لوگوں سے محتاط رہیگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (۲/۲۲۳ میں عورت کو حرث کہا ہے۔ اور نسل مرد سے چلتی ہے۔ انہیں ناقابل اولاد بنا دینا بھی یُھلک الحرث والنسل میں داخل ہے)

اِسکے بعد فرمایا کہ ایسے شخص کو اگر سمجھایا جائے تو اِسے اپنی بے عزّتی خیال کرتا ہے۔ کہ کیا میں فسادی ہوں؟

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ
اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُسکے ڈر اللہ سے پکڑتی
الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ
ہے اسکو عزت ساتھ گناہ کے پس کفایت ہے اسکو دوزخ
الْمِهَادُ ۝ ۲۰۶
اور البتہ بُرا ہے بچھونا۔

اور جب اُسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر (فساد نہ پھیلا) تو اُسے گناہ کے ساتھ ساتھ، جھوٹی عزّت پکڑ لیتی ہے (یعنی وُہ اس نصیحت کو بے عزّتی خیال کرتا ہے، ایسے لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ اِن سے محتاط رہیئے) پس اُن کے لیئے جہنّم کافی ہے (انکے اعمال کی کھیتی جھلس چکی ہے) اور اُنکا ٹھکانہ بہت بُرا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ
اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہے کہ بیچتا ہے جان
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ
اپنی کو واسطے چاہنے رضامندی اللہ کے اور اللہ شفقت
بِالْعِبَادِ ۝ ۲۰۷
کرنیوالا ہے ساتھ بندوں کے۔

اور لوگوں میں سے بعض وُہ ہے، جو اپنی نفسانی خواہشات کے بدلے اللہ تعالیٰ کی رضا خریدتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ، اپنے (ایسے) بندوں پر بخشش کرنیوالا ہے۔

اطاعتِ خداوندی میں پوری طرح داخل ہوجاؤ

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں حکمِ عام کے طور پر اطاعتِ خداوندی میں پوری طرح داخل ہونے اور نفسِ امّارہ کی پیروی سے منع کردیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي
اے لوگو جو ایمان لائے ہو داخل ہو بیچ اسلام کے سارے
السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
اور مت پیروی کرو قدموں شیطان کی تحقیق وہ واسطے
الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ۲۰۸
تمہارے دشمن ہے ظاہر۔

ایمان والو! (احکامِ خداوندی کی پوری پوری اطاعت یکسانقد) پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے چال چلن کی پیروی نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ
پس اگر ڈگ جاؤ تم پیچھے اسکے کہ آویں تمہارے پاس
الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۲۰۹
دلیلیں پس جانو یہ کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا۔

پھر اگر تم اسکے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلائل آچکے ہیں، پھسل گئے۔ تو (ہمارے قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتے)، جانتے رہو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ (اسکے جملہ قوانین غلبہ اور حکمت کی بنیادوں پر قائم ہیں)

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ
نہیں انتظار کرتے مگر یہ کہ آوے انکے پاس اللہ
فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ
بیچ سایوں کے بادلوں سے اور فرشتے اور تمام کیا جاوے کام
الْاَمْرُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ ۲۱۰
اور طرف اللہ کے پھیرے جاتے ہیں سب کام۔
۷۵ ع

یہ لوگ ایمان لانے میں اس چیز کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود بھی بادلوں کے سائے میں اِنکے پاس آجائے۔ اور بہت سے ملائکہ بھی آجائیں اور معاملہ ختم ہو جائے۔ حالانکہ مجملاً امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جاتے ہیں۔ (یعنی اُس نے اپنے کاموں کی تکمیل کیلئے، جو قوانین خود مقرر کر رکھے ہیں، ہر کام اُنہی کے مطابق انجام پذیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خواہشوں کیلئے اپنے قوانین بدلتا نہیں)

آیت بالا میں وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ کے الفاظ میں اس حقیقت کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے امور کو انہی قوانین کے مطابق انجام دیتا ہے، جو اُس نے خود مقرر کر رکھے ہیں۔ لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا۔ جو اُنہوں نے توہم پرستی کے ماتحت قائم کر رکھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کے رتھ میں بیٹھ کر، فرشتوں کے جلوس میں آیا کرتا ہے۔ اور اس طرح آخری فیصلہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے :۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ
سوال کر بنی اسرائیل سے کتنی دیں ہم نے انکو نشانیاں
مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ
ظاہر اور جو کوئی بدل ڈالے نعمت

اے مخاطب! بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ اُن کے پاس کتنی واضح دلیلیں آئی تھیں۔ یعنی اُس قوم سے پوچھ جس نے اللہ کی نعمت، اُسکے قانون کو اُس کے آنے کے بعد بدل دیا تھا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ گرفت کی رُو سے

اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ
اللہ کی کو پیچھے اسکے کہ آئی اُسکے پاس پس تحقیق اللہ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ۲۱۱
تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

بہت ہی سخت ہے۔

آیتِ بالا میں بنی اسرائیل کے حالات کو درسِ عبرت قرار دیا گیا ہے کہ جبتک انہوں نے قوانینِ خداوندی کی اتباع کی اُس وقت تک انہیں عالمین پر فضیلت دیگئی ۲/۴۷۔ اور جب قوانینِ خداوندی کی مخالفت پر اُتر آئے تو ذلّت و مسکنت گلے کا ہار ہوگئی۔ اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ لوگ نعماءِ خداوندی میں تصرّف اِسلئے کرتے ہیں کہ وہ اُخروی زندگی کو بھُولکر صرف دُنیوی زندگی کی رنگینیوں میں کھو جاتے ہیں :-

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
زینت دی گئی واسطے اُن لوگوں کے کہ کافر ہوئے زندگی
وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ
دُنیا کی اور ٹھٹھا کرتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں
اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ
اور جو لوگ کہ پرہیزگار ہیں اُوپر اُنکے ہیں دن قیامت کے اور اللہ
مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ۲۱۲
رزق دیتا ہے جسکو چاہتا ہے بے شمار۔

ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنیوالوں کیلئے (انکے پیشواؤں کی طرف سے) دُنیوی زندگی ہی کو مزیّن کر دیا گیا ہے۔ اِسلئے وہ اُن لوگوں کا تمسخر اُڑاتے ہیں، جو اُخروی زندگی پر ایمان لائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ قیامت کے دن (کی عدالتِ خداوندی میں) اُنہی کو فوقیت حاصل ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ اُس قوم کو بیحساب رزق عطا کرتا ہے، جو اُسکے قوانینِ مشیّت کے مطابق عمل کرتی ہے۔

رزق سے متعلقہ قوانینِ مشیّت | مشاہدہ گواہ ہے کہ رزق کی فراوانی اُن اقوام کے ہاں ہے جنہوں نے رزق سے متعلقہ اُن قوانینِ خداوندی کا کھوج لگالیا ہے، جو اُس رازقِ مطلق نے اِس کائنات میں خود مقرر کر رکھے ہیں۔ یعنی زمین کو زیادہ سے زیادہ نرم کرنا۔ اعلیٰ قسم کے بیج بونا، اچھے سے اچھا کھاد ڈالنا۔ اور آبپاشی کے لئے بارش کا انتظار کرنے کی بجائے، خدا تعالیٰ کے زمینی خزائنِ آب سے ٹیوب ویل کے ذریعہ میٹھے پانی کو قابو میں لاکر کھیتوں کو بر وقت سیراب کر لینا۔ یہ ہیں رزقِ بے حساب سے متعلقہ خدا تعالیٰ کے قوانینِ مشیّت جنہیں اُس نے کائنات کے گوشے گوشے میں موجود کرکے نوعِ انسانی کیلئے مسخر کر دیا ہوا ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳

رزقِ بے حساب میں پوری نوعِ انسانی برابر کی حصہ دار ہے | آیتِ بالا میں رزقِ بے حساب کو، قوانینِ مشیّت پر زیادہ سے زیادہ عمل کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے، لیکن اُسے انفرادی زندگی کو مزیّن کرنے پر صرف کرنے کو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب قرار دیا ہے۔ اِسی چیز کی وضاحت اگلی آیت مجیدہ میں کیگئی ہے۔

کہ پوری نوعِ انسانی ایک ہی سطح کی ایک ہی جماعت ہے۔ رزقِ بے حساب کی تقسیم میں ناہمواری کا تصوّر خداوندی تصوّر نہیں ہے۔ اِسی ہموار تقسیم لعنی ربوبیّتِ عامہ کی تعلیم کیلئے ابتدا ہی سے انبیاء سلام علیہم کی بعثت کا سلسلہ جاری کر دیا گیا تھا، کہ نوعِ انسانی کے بالادست افراد جب بھی تعلیمِ ربوبیّت میں اختلاف پیدا کرتے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے اوّلین درس کیساتھ نئے نبی بھیج دیئے جاتے تھے:۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ
تھے لوگ اُمت ایک پس بھیجا اللہ نے پیغمبروں کو
اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ
خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور اُتاری ساتھ
مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
اُنکے کتاب ساتھ حق کے تو کہ حکم کریں درمیان لوگوں کے
فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ
بیچ اُس چیز کے کہ اختلاف کرتے ہیں بیچ اُسکے اور نہیں اختلاف
اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ
کیا بیچ اُسکے مگر اُن لوگوں نے جو دیئے گئے تھے پیچھے اُس کے
الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ
جو آئیں اُن کے پاس دلیلیں سرکشی سے درمیان اپنے پس راہ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ
دکھائی اللہ نے اُن لوگوں کو کہ ایمان لائے ہیں واسطے اسچیز
بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى
کے کہ اختلاف کیا اُنہوں نے بیچ اُسکے حق سے ساتھ حکم اپنے کے
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۲۱۳
اور اللہ تو ہدایت کرتا ہے جسکو چاہے طرف راہ سیدھی کے۔

نوعِ انسانی (عزت و عظمت ۱/۲، اور ضروریات زندگی ۲/۴ کے لحاظ سے) ایک ہی جماعت ہے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو مبعوث فرمایا جو فرمانبرداروں کو خوشخبری دینے والے اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرانیوالے تھے۔ اور اُن سب کیساتھ اپنی ایک ہی کتاب نازل فرمائی۔ تاکہ وہ لوگوں میں اُن مسائل کا فیصلہ کر دے، جن میں انہوں نے اختلاف کرلیا ـــ اور واضح دلائل آچکنے کے بعد، اُن لوگوں نے جنہیں ابتدائی انبیاء[۳] کے ذریعہ کتاب دیگئی تھی۔ باہمی بغاوت (یعنی غصب حقوقِ ربوبیّت) کیساتھ اُس کتاب میں اختلاف پیدا کرلیا تھا پھر اللہ[۱۴] نے اپنے قانون کے مطابق (اپنے نئے نبیوں کے ذریعہ) اُن مسائل میں ایمان لانے والوں کی رہنمائی فرمائی، جن میں لوگوں نے اختلاف پیدا کرلیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی طرف اُنہی لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، جو ہدایت کے خود طلبگار ہوتے ہیں۔

ہر نبی وحدتِ انسانی کا داعی تھا

آیتِ بالا میں وضاحت کیگئی ہے کہ ابتدائی انبیاء سمیت سب کے سب نبیوں کو ایک ہی کتاب اور ایک ہی شریعت ۲۴/۱۳ دیگئی تھی۔ اور ہر نبی نوعِ انسانی میں انسانی سطح اور تقسیمِ رزق کی رُو سے وحدت پیدا کر کے چلا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں پھر اُونچ نیچ اور ناہموار تقسیم

کی تمیز پیدا کرلی جاتی۔ اور اس طرح نئے مبعوث ہونیوالے نبیؐ اور آپ کے صحابہؓ کو اس تمیز کو ختم کرنے اور انسانی وحدت کو پھر سے قائم کرنے میں انتہائی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا۔ خدا تعالیٰ نے نوع انسانی کی سطحی وحدت، اور ضروریات زندگی کی ہموار تقسیم کو جنّت قرار دیا ہے $\frac{20}{118-119}$۔ چنانچہ اس ارضی جنّت کے حصول کیلئے آنحضور سلامٌ علیہ اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی بہت سے شدائد و مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ مخالفین ربوبیّت کیساتھ بدر، اُحد اور احزاب کی دفاعی جنگیں لڑنا پڑیں چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے:۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ

کیا گمان کیا تم نے یہ کہ تم داخل ہو بہشت میں اور

وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط

ابھی نہیں آئی تم کو حالت اُن لوگوں کی کہ گزرے پہلے تم سے

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۤءُ وَالضَّرَّاۤءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى

لگی اُن کو فقیری اور بیماری اور ہلائے گئے یہاں تک

يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

کہ کہا پیغمبر نے اور اُن لوگوں نے کہ ایمان لائے ساتھ اُسکے

مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ط اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○ ۲۱۴

کب ہوگی مدد اللہ کی خبردار ہو تحقیق مدد اللہ کی نزدیک ہے

کیا تم نے گمان کرلیا ہے کہ تم (دُنیوی یا اُخروی) جنّت میں داخل ہوجاؤ گے، حالانکہ ابھی تم پر اُن لوگوں جیسے حالات نہیں آئے، جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ انہیں تنگیں اور تکلیفیں پہنچیں۔ اور وہ اسقدر جھٹکائے گئے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے تھے پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئیگی۔ اللہ کے رسول[1] نے کہا، خبردار! اللہ کی مدد عنقریب آیا چاہتی ہے۔

[1] متیٰ نصر اللہ، مومنوں اور رسول[3] کا مشترکہ قول نہیں۔ اس عدم اشتراک کی مثال وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا $\frac{2}{135}$ میں دیکھئے جس کا معنی یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں یہودی ہوجاؤ تو ہدایت پاؤگے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ نصرانی ہوجاؤ تو ہدایت پاؤگے۔

راہِ خداوندی میں خرچ کردہ مال والدین، اقربا، یتامیٰ، مساکین اور ابن سبیل کیلئے ہے

جس جنّتی معاشرہ کیلئے آنحضور سلامٌ علیہ نے صحابہؓ سمیت مذکورہ بالا مصائب و شدائد برداشت کئے $\frac{33}{11}$، اُسکے متعلق آنحضور[3] کو عوام کے متعدد سوالات مع جوابات، پہلے ہی مطلع کیا جاچکا تھا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَاۤ

سوال کرتے ہیں تجھکو کیا خرچ کریں۔ کہہ جو کچھ

اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَ

خرچ کرو تم مال پس واسطے ماں باپ کے اور قرابت

قْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط

والوں کے اور یتیموں کے اور فقیروں کے اور مسافروں کے

اے رسولؐ! لوگ آپ سے سوال کرینگے کہ وہ کن کن کیلئے مال خرچ کریں۔ آپ کہدیجئیگا کہ تم جو مال خرچ کروگے، وہ (بالترتیب) والدین، قریبیوں، معاشرہ کے بے سہارا لوگوں، معاشرہ میں کسی بھی وجہ سے ساکن ہوجانیوالوں اور مسافروں کیلئے ہے۔ اور تم جو بھی بھلائی کا کام کروگے پس اللہ تعالیٰ

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ ۲۱۵
اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی سے پس تحقیق اللہ تعالیٰ ساتھ اُسکے جاننے والا ہے۔

اُسے اچھی طرح جاننے والا ہے۔

ع مَاذَا يُنْفِقُوْنَ کا جملۂ استفہام، آیت بالا کے علاوہ $\frac{۲}{۲۱۹}$ میں بھی آیا ہے۔ اِس دو مرتبہ کے تکرار، اور اس کے الگ الگ جوابات نے 'ماذا' کے معنے اُجاگر کر رکھے ہیں۔ کہ یہاں مَاذَا يُنْفِقُوْنَ کا معنی ہے "وہ کن کن کیلئے مال خرچ کریں"۔ اور $\frac{۲}{۲۱۹}$ میں مَاذَا يُنْفِقُوْنَ کا معنی ہے "وہ کتنا مال خرچ کریں"۔ ویسے مَا بمعنی کیا اور ذَا بمعنی والا، اور مَاذَا کا لفظی معنی ہے کیا والا۔ اور اِس کیا والا میں کن کن اور کتنا کے ہر دو استفہام کی وسعت موجود ہے۔

مالی قربانی آیت بالا میں مالی قربانی کے مصرف کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ ناہموار آہنی معاشروں میں جو افراد محروم ربوبیت رہکر دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتے، اور بھیک مانگتے ہوئے پائے جاتے ہیں، جنّتی معاشرہ میں ایسے لوگوں کے حقوق اجتماعی نظام میں محفوظ کر دیئے جائینگے۔ اور اِس نظام کے قیام کیلئے خرچ کیا ہُوا مال ضائع نہیں کیا جائیگا۔ بوڑھوں، بے سہاروں، بیکار ہو جانیوالوں اور اِس جنّتی معاشرہ میں باہر سے آنیوالوں کو ضروریات زندگی مہیا کرنے پر خرچ کیا جائیگا! دراِس طرح جنّتی معاشرہ کا اوّلین نشان یہ ہوگا، کہ اُس میں کوئی اِنسان کسی انسان کے آگے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتا ہُوا نہیں پایا جائے گا۔

جانی قربانی اِس سے اگلی آیت کریمہ میں وضاحت کیگئی ہے کہ اِس جنّت بدوش نظام کے قیام کیلئے صرف مالی قربانی ہی آخری حد نہیں۔ بلکہ اگر مخالف طاقتیں اِسکی راہ میں رُکاوٹ بنکر، جارحیّت کی مرتکب ہوں۔ تو اُن کے دفاع $\frac{۲۲}{۳۹}$ کیلئے جانی قربانی بھی دینا ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ
لکھی گیا اُوپر تمہارے لڑنا اور وہ کروہ ہے واسطے تمہارے
وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ
اور شاید یہ کہ کروہ رکھو تم ایک چیز کو اور وہ بہتر ہو واسطے
وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ
تمہارے اور شاید یہ کہ دوست رکھو ایک چیز کو اور وہ بُری
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۲۱۶ ع
ہو واسطے تمہارے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ایمان والو تم پر ($\frac{۲۲}{۳۹}$ دفاعی، اور $\frac{۴}{۷۵}$ امدادی) جنگ فرض کر دیا گیا ہے — اور تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اُسے ناپسند کرتے ہو ع۔ لیکن ممکن ہے کہ کسی چیز کو تم ناپسند کرتے ہو (یعنی قتال) لیکن وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ممکن ہے کوئی چیز تم پسند کرتے ہو (یعنی جنگ سے مطلق پرہیز) مگر وہ تمہاری اجتماعی زندگی کیلئے بُرا ہو۔ (جان لو کہ ہر چیز کے اچھے بُرے گوشوں کو) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آیت بالا میں اِس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ اسلام باہمی جنگ و جدال کو وا فتنہ ناپسند کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی تم پر حملہ آور ہو

$\frac{۲۲}{۳۹}$، اور یا تمہارے افراد پر کہیں ظلم ہو رہا ہو، اور وُہ تمہاری مدد کے طلبگار ہوں $\frac{۴}{۷۵}$۔ تو ایسے موقعوں پر تمہارے لئے دفاعی اور امدادی جنگ فرض کر دی گئی ہے، جو بجائے امن کیلئے ہے، اجراء فساد کیلئے نہیں۔

حُرمت کے مہینوں میں قتال حرام ہے

آیت نمبر ۱۹۴ میں حُرمت کے مہینوں کا ذکر آ چکا ہے جو حج کی سالانہ امن کانفرنس میں شمولیت کیلئے رمضان المبارک ($\frac{۲}{۱۹۴}$) اور حج کے تین مہینوں ($\frac{۲}{۱۹۷}$) میں جنگ کرنا بین المملکتی طور پر حکماً بند کر کے $\frac{۹}{۳۶}$، امن کانفرنس میں شامل ہونیوالوں کیلئے راستوں کو پُر امن کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت ذیل میں تکرار تاکیدی کے طور پر عوام کے سوال معہ جواب سے آنحضور کو مطلع کیا جا رہا ہے:۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ
سوال کرتے ہیں تجھ سے مہینے حُرمت والے سے لڑنا بیچ اُسکے

فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ
کہ لڑنا بیچ اُسکے گناہ ہے بڑا اور بند کرنا راہ خدا کی سے اور کفر

اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ
کرنا ساتھ اُسکے اور بند کرنا مسجد حرام سے اور نکال دینا

اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ
لوگوں اُسکے کا اُس سے بہت بڑا گناہ ہے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اور کفر

مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى
بہت بڑا گناہ ہے قتل سے اور ہمیشہ ملیں گے جو لڑتے جاوینگے تم سے

يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ
یہاں تک کہ پھیر دیویں تم کو دین تمہارے سے اگر کر سکیں اور جو کوئی پھر

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ
جاوے گا تم میں سے دین اپنے سے پس مر جاوے اور وُہ کافر ہو

ھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي
پس یہ لوگ کھوئے گئے عمل اُن کے بیچ دنیا کے اور آخرت کے

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ
اور یہ لوگ ہیں رہنے والے آگ کے اور وہ بیچ اُسکے ہمیشہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۲۱۷
رہینگے

(اے رسُول !) لوگ آپ سے حُرمت کے ہر مہینے کے متعلق سوال کرینگے کہ اُس میں جنگ کرنا کیسا ہے۔ آپ کہہ دیجئیگا کہ حُرمت کے ہر مہینے میں جنگ کرنا گناہ کبیرہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اور اُسکا انکار کرنا، اور مسجد حرام سے روکنا، اور اُسکے اہل کو اُس سے نکال دینا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ (یہ سب کام فتنہ انگیزی پر مبنی ہیں) حقیقت یہ ہے کہ فتنہ انگیزی لڑائی سے بھی بڑا گناہ ہے اور (یاد رکھو کہ تم پر جارحانہ حملے کرنیوالے، جنگ سے) باز نہیں آئینگے۔ حتیٰ کہ اگر وہ طاقت پالیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ لیکن (یاد رکھو کہ) تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر گیا، پھر وُہ مر گیا اور وہ کافر ہی رہا۔ تو ایسے لوگ وُہ ہیں کہ اُن کے اعمال دُنیا[1] اور آخرت دونوں میں ضائع ہو گئے۔ اور یہی لوگ دُنیا اور آخرت میں اہل نار ہیں۔ وُہ اُس میں ہمیشہ رہینگے۔ (اُنہیں کچھ ذلت کیلئے اسلامی قوانین پر عمل کرنا بھی کوئی فائدہ نہیں دیگا)

۱۔ مرتدین کیلئے حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا سے مراد یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اسلامی ریاست میں اُن سے کلیدی آسامیوں کے حقوق چھین جائینگے۔

اہلِ نار — قرآن کریم نے ضروریاتِ زندگی خوراک، لباس، علاج اور رہائش کے مساویانہ انداز سے میسّر آنے کو جنّت کہا ہے $\frac{20}{118-119}$۔ اور $\frac{59}{20}$ میں جنّت کی ضد بتائی ہے نار۔ فلہٰذا اِس تقابلِ ضدّین کی رُو سے نار کا معنیٰ ہُوا ضروریاتِ زندگی خوراک لباس، علاج اور رہائش کا غیر مساویانہ انداز سے میسّر آنا۔ پس قرآنی اصطلاح کی رُو سے جُملہ ناہموار معاشرے نار ہیں اور اِن میں رہنے والے اہلِ نار۔ اِسی نار کو سورہ ہمزہ میں حُطمہ کہا ہے:۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

● وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۨ ○ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ○ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخْلَدَہٗ ○ $\frac{104}{1-2-3}$ = تباہی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب جُو کیلئے جو مال کو جمع کرتا، اور اُسے گِنتا رہتا ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ اُسکا مال اُسے ہمیشہ خوش رکھیگا۔

● کَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ ○ $\frac{104}{4}$ = ہرگز نہیں۔ یہ انفرادی طور پر مال جمع کرنیوالا ضرور ضرور حُطمہ میں پھینکا جائیگا۔

● وَمَاۤ اَدْرٰىکَ مَا الْحُطَمَۃُ ○ $\frac{104}{5}$ = اور کیا ہے وہ ذات، جو اے رسُول! آپ پر واضح کرتی ہے کہ حُطمہ کیا ہے

● نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ ○ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ ○ $\frac{104}{6-7}$ = وہ اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہُوئی (اور ناہموار نظاموں کی) دہکائی ہُوئی آگ ہے، جو ذہنوں میں شعلہ زن رہتی ہے۔

● اِنَّہَا عَلَیْہِمْ مُّؤْصَدَۃٌ ○ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ○ $\frac{104}{8-9}$ = بیشک وہ آگ اُن پر اُن کے لمبے لمبے ارادوں کی بدولت مسلّط ہو جاتی ہے۔

● دیکھئے! یہ دُنیا کی اُس نار کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جو ناہموار معاشرہ میں ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے مالدار کے ذہن کو جلاتی رہتی ہے۔ ہر مالدار اپنے سے اُوپر کے مالدار سے جلتا رہتا ہے۔ اور یہ آگ ذاتی ملکیّت کو بڑھانے کے لمبے لمبے ارادوں اور لمبی لمبی آرزوؤں میں چھپی ہوئی ناہموار معاشرہ کے ہر ہر فرد کو جلا رہی ہے ـــــ یہ تو ہُوئی دُنیا کی نار، جو اُسوقت تک ٹھنڈی نہیں ہو سکتی، جبتک ہموار معاشرہ قائم ہو کر ناہموار ذاتی املاک کا تصوّر ختم نہ ہو جائے۔ یعنی ہر چیز کے سرچشمے قومی ملکیّت ٹھہریں، اور ذاتی املاک ہموار ضروریاتِ زندگی تک محدود ہو جائیں۔ تقسیمِ رزق کی رُو سے نہ کوئی فردِ واحد پورے معاشرہ میں دُوسروں سے افضل پایا جائے۔ اور نہ دُوسروں کیلئے احساسِ کمتری کے جہنّم کا مُوجب بنے۔

باقی رہی اُخروی نار اور اُخروی جنّت! ـــــ قرآن کریم نے اُخروی جنّت کا نقشہ بھی بالکل اِسی انداز سے کھینچا ہے کہ میوہ جات و مشروبات، اور رہنے کے پُرفضا مسکن، بیٹھنے کے اطلس و زربفت کے فرش، مرصّع تخت اور صوفے، سیر و تفریح کیلئے باغات اور چشمے، جُملہ اہلِ جنّت کو مساویانہ انداز سے میسّر آئینگے۔ اب تقابلِ ضدّین کے اصُول کے مطابق کہ نار، جنّت کی ضد ہے۔ نار کی تعریف کُھل کر عیاں ہو رہی ہے کہ وہاں نہ باغوں کے سائے اور میوہ جات میسّر آئینگے۔ نہ وہاں ٹھنڈے اور خوش ذائقہ مشروب ہونگے۔ نہ پُرفضا مسکن ہونگے، نہ سیر و تفریح کیلئے باغات اور چشمے۔ المختصر! اہلِ جنّت کو ایسے کرّہ جات میں جگہ دیجائیگی، جن کی آب و ہوا لَا شَمْسًا وَّلَا زَمْہَرِیْرًا $\frac{76}{13}$ کی مصداق ہوگی، نہ شدّت کی گرمی نہ شدّت کی سردی، نعمائے خداوندی کی بہتات ہوگی۔ اور اہلِ نار کو ایسے کرّوں میں رکھا جائیگا، جن کی آب و ہوا جھُلس دینے والی شدید گرم، نہ وہ

زمین باغات کی حامل ہو سکیگی، اور نہ وہاں ٹھنڈا پانی میسر آئیگا۔ ہر طرف دھول اُڑتی اور لو چلتی ہوگی۔ گرمی اسقدر شدید کہ گویا جلدیں پگھل رہی ہوں اور پانی اتنا گرم کہ پینے والے کی گویا انتڑیاں کٹ کر بہہ جائیں۔ جہنم اور نار کے متعلق جو انتہائی خوفناک الفاظ آئے ہیں، اُنکی تفسیر اپنے اپنے مقام پر آیاتِ متعلقہ کے ضمن میں آگے آتی چلی جائیگی۔ یہاں مختصر تھا کہ ضمناً پیش خدمت کر دیا گیا ہے۔

عَودالی المقصود آیت ما سبق میں بتایا گیا ہے کہ مخالفین کی ساری تگ و تاز کی غرض صرف یہ ہے کہ ایمان والوں کو اُن کے ربوبیّتِ عامہ کے ضامن دین سے پھیر دیں لیکن جو لوگ اِس امن بدوش روش سے پھر جائیں اُنکے جملہ اعمال، جو اُنھوں نے کچھ عرصہ مومن رہکر انجام دیئے تھے، سب ضائع ہو جائینگے۔ اسکے برعکس، اگلی آیت مجیدہ میں دین اللہ پر دوام کرنیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا
تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور جن لوگوں نے وطن
وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ
چھوڑا اور جہاد کیا بیچ راہ اللہ کے یہ لوگ امیدوار ہیں مہربانی
رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ ۲۱۸
خدا کی کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بیشک جو لوگ ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا [۲] ۔ یہ لوگ وہ ہیں جو (دنیا اور آخرت دونوں میں) اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ (انہیں دنیا و آخرت کے عذاب سے) بچانیوالا مہربان ہے۔

صحابہ کرامؓ کو ہجرت و جہاد سے غلبہ و اقتدار میسر آیا آیت بالا میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی دنیوی اور اُخروی کامیابی کی خبر دیگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں ہجرت و جہاد کرنا نبیوں کی سُنّت اور کامیابی کا زینہ ہے۔ چنانچہ مہاجرین رضی اللہ عنہم کے متعلق سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے:۔
وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ $\frac{16}{41}$ = اور جن لوگوں نے ظلم کئے جانے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی، ہم انہیں ضرور ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانہ عطا فرمائینگے۔ اور اُنکا اُخروی اجر بہت بڑا ہوگا۔۔۔ اِنہی کے متعلق سورہ حج میں ارشاد ہوا ہے أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ $\frac{22}{39}$ = جن لوگوں پر لڑائی ٹھونسی گئی ہے، انہیں لڑنے کی اجازت دیجاتی ہے۔ اسلئے کہ بیشک اُن پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرنے (یعنی دشمنوں پر غالب کرنے) کا قانون بنانیوالا ہے۔
آیات مذکورۃ الصدر سے عیاں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت آئی۔ وہ غالب و کامران ہوگئے۔ اور قرآنی معاشرہ قائم ہو گیا۔

خمر و میسر اِس طرح جب اِسلامی معاشرہ عالم وجود میں آجائے، تو دو چیزوں خمر و میسر کی ممانعت سرِ فہرست رکھدی گئی ہے۔ خمر ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس سے دماغ ماؤف ہوجائے۔ اور میسر، جو مادہ، ی۔س۔ر۔ یسر سے مشتق ہے، ہر اُس مال کو کہا جاتا ہے، جو بلا مشقّت حاصل ہوتا ہو۔ خمر کے دائرہ میں شراب، بھنگ، گانجہ اور چرس افیون وغیرہ سب شامل ہیں، اور میسر میں سرکاری عمّال کی بڑی بڑی تنخواہیں، مکانوں کے کرائے، ناجائز نفع اندوزی، سمگل اور بلیک، علماء و مشائخ کے حضور میں پیش کی جانیوالی نذر نیازیں، اور مریدوں کی فصلوں اور مویشیوں میں مقررہ حصّے، کارخانہ داروں کا مزدوروں کی، اور زمینداروں کا مزارعوں کی خون پسینے کی کمائی کا سکنا۔ وغیرہ، سب میسر میں داخل ہے، جو بلا مشقت میسر آتا ہے۔ جوئے کا مال بھی چونکہ جیتنے والوں کو بلامشقت حاصل ہوتا ہے اِس لئے یہ بھی میسر میں داخل ہے — میسر کا معنیٰ صرف جوا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ خمر و میسر دونوں چیزیں قوموں کی تباہی کا موجب ہیں۔ خمر کے استعمال سے قوائے عملیہ مضمحل و بیکار ہوجاتے ہیں۔ اور میسر جس کی بدولت مزدوروں اور کاشتکاروں کے خون پسینے کی کمائی شبانہ روز، کارخانہ داروں، زمینداروں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ہاں بلا مشقت پہنچتی رہتی ہے، معاشرہ کے داخلی بغض کا موجب ہے۔ جو کبھی تو مذہب کے پیش کردہ نظریۂ قسمت و تقدیر کے خلاف لادینی کمیونزم کے لاوے کی صورت میں پھوٹ پڑتا ہے۔ اور کبھی محروم ربوبیّت افراد کے احتجاجوں کی صورت میں توڑ پھوڑ کرتا ہوُا، معاشرہ کے امن کو تباہ و برباد کردیتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں خمر و میسر ہی کے متعلق ارشاد ہوُا ہے:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ

سوال کرتے ہیں تجھ کو شراب سے اور جوئے سے۔ کہہ

فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ

بیچ اِن دونوں کے گناہ ہے بڑا اور فائدہ ہے واسطے لوگوں

اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ

کے اور گناہ ان دونوں کا بہت بڑا ہے نفع ان دونوں کے سے

قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

اور سوال کرتے ہیں تجھکو کیا خرچ کریں۔ کہہ زیادہ حاجت سے

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۲۱۹

اِسیطرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ واسطے تمہارے نشانیاں تو کہ تم فکر کرو۔

(اے رسُولؐ لوگ آپ سے نشہ آور چیزوں، اور بلا مشقت میسّر ہونیوالے مال کے متعلق سوال کرینگے۔ آپ کہہ دیجئیگا کہ یہ دونوں کبیرے گناہ ہیں۔ اگرچہ اِن میں بعض لوگوں کے لئے فائدے ہیں۔ لیکن اِن کا نقصان، اِن کے فائدوں سے بہت بڑا ہے۔ نیز لوگ آپ سے سوال کرینگے کہ وہ کتنا مال خرچ کریں۔ آپ کہہ دیجئیگا کہ ضرورت سے زائد سب کچھ دیدو۔ اللہ تعالیٰ اِسی طرح اپنی آیتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم حقیقتِ حال پر تفکر کیا کرو)

ضرورت سے زائد سب کچھ دیدو آیت بالا میں قُلِ العَفْوَ کے خداوندی ارشاد سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کا جائز

حق ضروریاتِ زندگی کے دائرہ ہی میں محدود ہے۔ اور اسکے بعد ارشاد ہوا ہے :- وَكَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ یعنی وضاحت کر دیگئی ہے، کہ تم غور کرو، کیا ضروریاتِ زندگی چند بالا دست افراد ہی کا حق ہے یا پورے عوام کا؟ اور جب پورے عوام کا حق ہے تو ضرورت سے زائد مال جو محرومِ ربوبیّت افراد کا حصّہ میسر کے انداز میں تمہارے تصرّف میں آگیا ہے۔ اسے اسکے حقداروں کیلئے مرکزی نظام کے حوالے کر دو۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اسی تفکّر کو دُنیا اور آخرت دونوں پر پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے :-

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ
بیچ دُنیا کے اور آخرت کے اور سوال کرتے ہیں تجھ کو
الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ
یتیموں سے، کہ سنوارنا واسطے اُن کے بہتر ہے اور اگر
ملا لو تم اُن کو پس بھائی ہیں تمہارے اور اللہ جانتا ہے بگاڑنے
الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ
والے کو سنوارنے والے سے۔ اور اگر چاہتا اللہ البتہ محنت دیتا
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ ۲۲۰
تم کو تحقیق اللہ غالب ہے حکمت والا۔

(چاہیئے کہ تم صرف دُنیا ہی پر نگاہ نہ رکھو، بلکہ دُنیا اور آخرت، دونوں پر تفکّر کیا کرو۔ نیز اے رسُول! لوگ آپ سے بے سہارا لوگوں کے متعلق سوال کرینگے۔ آپ کہہ دیجئیگا کہ اُنکی اصلاح (یعنی اُنکی کمیاں پوری کرنا) بہتر ہے اور اگر تم اُنہیں (اپنے اپنے خاندانوں میں) مخلوط کرلو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ مُفسد کو مُصلح سے (الگ کر کے) ظاہر کر دیتا ہے۔ اور اگر اللہ کے قانونِ مشیّت میں ایسا ہوتا، تو وہ تمہیں (ناہموار قانون دیکر) مشکل میں ڈال دیتا۔ (لیکن اُس نے ربوبیّت بدوش قانون نازل کر کے تمہاری مشکلوں کا حل پیش کر دیا ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

یتیموں کی اصلاح

آیتِ بالا میں یتیموں کی اصلاح کا حکم عام دیا گیا ہے۔ یتیم کا مطلق معنیٰ ہے بے سہارہ ہو جانا اس طرح معاشرہ کا ہر بے سہارہ فرد یتیم ہے۔ جن بچوں کے باپ فوت ہو جائیں انہیں اسلئے یتیم کہا جاتا ہے کہ وہ بھی بے سہارہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جن عورتوں کے شوہر فوت ہو جائیں، انہیں بھی يَتَامَى النِّسَاءِ 4/127 کہا گیا ہے۔ ان سب کی اصلاح اسلامی معاشرہ کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ لفظِ اصلاح کا ایک مفہوم، حضرتِ زکریّا کے ذکر میں بتایا گیا ہے کمی پوری کرنا۔ آپکے ہاں اولاد نہیں تھی، جو آپکے علم کی وارث ہوتی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی زوجہ محترمہ میں نسائیت کی رُو سے کسی قسم کی کمی ہو چکی تھی۔ آپنے وارث کیلئے دُعا فرمائی۔ تو اسکے متعلق ارشاد ہوا ہے :-
فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ 21/90 - پس ہم نے زکریّا کی دُعا قبول فرمائی اور اُسے یحییٰ عطا فرمایا، یعنی ہم نے اُسکی بیوی کی وہ کمی پوری کر دی جو اولاد کی راہ میں حائل تھی۔ پس اصلاح بتا لی سے مُراد، معاشرہ کے ہر بے سہارا فرد کی کمی پوری کرنا ہے۔ اس طرح بیوہ عورتوں کی اصلاح یہ ہے کہ اُنکے نکاح کر کے اُنکی اس کمی

کو پورا کیا جائے جو سابقہ شوہر کے فوت ہونے سے واقع ہوگئی ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں نکاح کے متعلق بنیادی اہم ہدایات دیدی گئی ہیں:۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ
اور مت نکاح کرو شرک کرنے والیوں کو جب تک
وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ
کہ ایمان لاویں اور البتہ لونڈی ایمان والی بہتر ہے
اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى
شرک کرنے والی سے اور اگرچہ خوش لگے تم کو اور مت نکاح
يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ
کردو شرک کرنے والوں کو جب تک کہ ایمان لاویں اور البتہ
مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ
غلام ایمان والا بہتر ہے شرک کرنیوالے سے اور اگرچہ
اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ
خوش لگے تم کو یہ لوگ بلاتے ہیں طرف آگ کے اور اللہ بلاتا
وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ
ہے طرف بہشت کے اور بخشش کے ساتھ حکم اپنے کے اور بیان
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ 221
کرتا ہے نشانیاں اپنی واسطے لوگوں کے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

ع ۲۷

اور مشرکہ عورتوں سے اُسوقت تک نکاح نہ کرنا جبتک کہ وہ مومنہ نہ ہو جائیں۔ قرآنی نظام سے با قبل کی لونڈی جو ایمان لاچکی ہے مشرکہ خاندانی عورت سے بہتر ہے، اگرچہ تمہیں اس مشرکہ کا سلیقہ کتنا ہی اچھا لگتا ہو۔ اور اسی طرح مومنہ خواتین کا نکاح مشرکوں کیساتھ نہ کرنا، جبتک وہ ایمان نہ لے آئیں سابقہ غلام جو ایمان لے آیا ہے مشرک خاندانی مرد سے بہتر ہے اگرچہ وہ کتنا ہی اچھا لگتا ہو۔ مشرک مرد اور مشرکہ عورتیں (ناہموار قانون کے ذریعہ) جہنم کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے (ہموار) قانون کے ساتھ جنت و عافیت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے: تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

● آیتِ بالا میں ازدواجی زندگی کو فریقین کی ایمانی ہم آہنگی کیساتھ مشروط کر دیا ہے۔ تاکہ پورا گھر جنت و عافیت کی جیتی جاگتی تصویر بنا رہے۔ بصورتِ دیگر میاں بیوی کا نظریاتی اختلاف پورے گھر کو جہنم بنا کر رکھ دیگا۔ اس طرح نکاح کے بعد سوال آتا ہے جنسی مقاربت کا۔ اس ضمن کی ضروری ہدایت اگلی آیت میں دیگئی ہے:۔

وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى
اور سوال کرتے ہیں تجھکو حیض سے کہہ کہ وہ ناپاکی ہے

اے رسول! لوگ آپ سے عورتوں کی ماہواری کی حالت کے متعلق سوال کرینگے۔ آپ کہہ دیجئیگا کہ وہ بیماری

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُو
پس کنارہ کرو عورتوں کو بیچ حیض کے اور مت نزدیک
هُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ
جاؤ اُن کے یہاں تک کہ پاک ہوں پس جب نہا لیں۔
فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۚ
پس جاؤ اُن کے پاس اس جگہ سے کہ حکم کیا تم کو اللہ نے
إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ
تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور
الْمُتَطَهِّرِينَ ○ ۲۲۲
دوست رکھتا ہے پاکی کرنیوالوں کو۔

کے دِن میں۔ پس تم بیویوں کی ماہواری کی حالت میں اُن سے الگ رہا کرو۔ اور جبتک شفایاب نہ ہوجائیں اُنکے قریب نہ جایا کرو۔ پھر جب وہ شفایاب ہوجائیں، تو اُن کے پاس اُس فطری طریقے سے آؤ، جس کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (اگر تم اس سے پہلے غلط کاری کے مرتکب رہے ہو تو۔ باز آجاؤ) بیشک اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ
بی بیاں تمہاری کھیتیاں ہیں واسطے تمہارے پس جاؤ
أَنّٰى شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا
کھیت اپنے میں جسطرح چاہو تم اور آگے بھیجو واسطے جانوں
اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ
اپنی کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو یہ کہ تم ملنے والے ہو اُس
الْمُؤْمِنِينَ ○ ۲۲۳
سے اور خوشخبری دے ایمان والوں کو۔

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ پس تم اپنی کھیتیوں میں آیا کرو، (زچگی، ماہواری، اور حمل کے سوا) جب تم چاہو۔ اور اپنی جانوں کیلئے (طلبِ اولاد کی غرض کو) مقدم رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو (بیویوں کو محض کھلونے تصور نہ کرنا)، اور جانے رہو کہ تم (اِس عمل سمیت ہر عمل کی جوابدہی کیلئے) اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونیوالے ہو۔ اور اے رسول! (ہمارے احکام پر ایمان لانے (اور) اُن پر عمل کرنے) والوں کو (ہماری خوشنودی) کی خوشخبری دے دیجئیگا۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ
اور مت کرو اللہ کو نشانہ واسطے قسموں اپنی کے
أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ
یہ کہ بھلائی نہ کرو اور پرہیزگاری اور صلح کرو درمیان لوگوں کے

اور ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا بہانہ نہ بنالو کہ تم نیکی، خداخوفی اور لوگوں میں صلح نہ کراؤ گے۔ اور (صلح کرانے میں تمہیں فریقین کی جو سخت سُست باتیں سُننی پڑتی ہیں) اللہ تعالیٰ اُنہیں سُننے والا ہے (اور اِس سلسلے

وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝ ۲۲۴
اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا۔

میں تمہیں جو کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے) اُسے اچھی طرح جاننے والا ہے۔ (تمہیں اسکا اجر ضرور دیا جائیگا)

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اسی ضمن کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے:۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِيۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ
نہیں پکڑتا تم کو اللہ ساتھ بے قصد کے بیچ قسموں تمہاری
وَلٰكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا كَسَبَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ
کے لیکن پکڑتا ہے تمکو ساتھ اُس چیز کے کہ کماتے ہیں دل تمہارے
وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ۝ ۲۲۵
اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لغو قسموں (یعنی جو بھلائی نہ کرنے اور صلح نہ کرانے کیلئے کھائی جائیں۔ اُنکے توڑ دینے) پر نہیں پکڑیگا۔ لیکن اُن قسموں پر پکڑیگا، جو نیک کاموں کے خلاف قصد و ارادہ کیساتھ کھائی ہوں۔ (یعنی کمی شعوری کی بدولت نیک کاموں کے خلاف کھائی گئی قسموں کے توڑنے کا تمہیں کوئی کفارہ نہیں پڑیگا) کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا بُردبار ہے۔

● اِس سے اگلی آیت میں اُس قسم کا ذکر ہے جو شوہر اپنی بیویوں سے ناراضگی کیلئے کھا لیتے ہیں کہ اُن سے کبھی راضی نہیں ہونگے:۔

لِلَّذِيۡنَ يُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِهِمۡ تَرَبُّصُ
واسطے اُن لوگوں کے کہ قسم کھاتے ہیں عورتوں اپنی
اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ
سے انتظار کرنا ہے چار مہینے کا پس اگر پھر آویں پس تحقیق اللہ
رَّحِيۡمٌ ۝ ۲۲۶
بخشنے والا مہربان ہے۔

جو لوگ بیویوں سے ناراضگی کی قسم کھا لیتے ہیں اُنکے لئے چار ماہ کی مُہلت ہے۔ اگر اِس مُہلت میں لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

عہ ایلا کا مطلق معنیٰ قسم کھانا ہے۔ خواہ کسی قسم کی ہو۔ (دیکھئے المنجد مطبوعہ دارالاشاعت کراچی صفحہ ۷۷)

ایلاء کا معنیٰ ناراضگی کی قسم ہے جنسی علیحدگی نہیں

سباقِ کلام پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایلاء محض ناراضگی کی قسم ہے، جنسی علیحدگی نہیں۔ کیونکہ جس جوڑے کی جنسی علیحدگی، اہتمام قسم کیساتھ چار ماہ کیلئے واقع ہو چکی ہو۔ اب اگر اُنکے درمیان طلاق ہو جائے۔ تو عدّت کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ تین قروء یا تین ماہ کی عدّت اظہار حمل کیلئے ہے۔ لیکن اگر ایلاء سے مُراد جنسی علیحدگی ہو تو چار ماہ کی علیحدگی سے اظہار حمل ہو چکتا ہے، اور مزید تین قروء کی عدّت عبث محض ٹھہرتی ہے۔ قرآن کریم میں اگرچہ حاملہ کی عدّت تا وضع حمل الگ مذکور ہے ۶۵؎ لیکن حمل کی حالت میں جنسی علیحدگی چونکہ حکماً لازم آتی ہے۔ اسلئے آیت بالا میں شوہر سے یہ کہنا غلط ہے کہ اگر وہ قسم توڑ کر جنسی رجعت کرلے تو اللہ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔ بلکہ اب تو اُسے حاملہ کے نزدیک نہ جانے کی قسم کو مزید پکا کرنا

چاہیئے ۔ لہٰذا ان حقائق وشواہد کی روشنی میں ایلاء کا معنیٰ صرف ناراضگی ہے، جنسی علیحدگی نہیں۔ چنانچہ ناراضگی ہی کی قسم کھانے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ
اور اگر قصد کریں طلاق کا پس تحقیق اللہ سننے والا
سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ ۲۲۷
جاننے والا ہے۔

اور اگر عورتوں سے ناراضگی کی قسم کھانیوالے طلاق کا ارادہ کرلیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

● آیتِ بالا کے آخری جملہ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ میں وضاحت کر دیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ طلاق جائز دی جارہی ہے یا ناجائز۔ پس طلاق دہندہ کو اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ کسی نئی نویلی دلہن کے ناجائز شوق میں بیگناہ بیوی کو طلاق دینا انتہائی ظلم ہے۔ کیونکہ کسی عورت کیلئے اُسکی ہم جھولیوں اور خوش لبتی سہیلیوں میں طلاق کا طعنہ ہی ذلت کیلئے کچھ کم نہیں۔ اگر چہ اُسے طلاق بے قصور ہی کیوں نہ دیگئی ہو۔

طلاق کیا ہے؟

مادہ ط۔ل۔ق = طلق کا بنیادی معنیٰ ہے کسی بندھن سے آزاد ہو جانا۔ گرامر کی رُو سے لفظ طلاق کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو طلَق مصدر ہے بمعنی آزاد ہو جانا اور دوسرے یہ لفظ طَلَّقَ سے اسم ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ موخر الذکر انداز میں باب تفعیل متعدی بدو مفعول سے آیا ہے۔ کیونکہ طلاق دیگئی عورتوں کو مطلوقات نہیں بلکہ مطلّقات کہا گیا ہے۔ اِس لحاظ سے قرآنی طلاق کا مفہوم منکوحہ عورت کو قیدِ نکاح سے آزاد کرانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے کوئی طلاق دہندہ، محکمہ عائلی قوانین کے دخل کے بغیر از خود طلاق نہیں دے سکتا۔ قرآن کریم نے اِس قضیئے کو مقام ذیل سے شروع کیا ہے :۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ ۴/۳۵ = اور (اے جماعت مومنین!) اگر تمہیں اِن دونوں (میاں بیوی) میں عداوت کا خوف ہو تو ایک شخص کو شوہر کے کنبے سے منصف مقرر کرلو اور ایک کو بیوی کے کنبے سے۔ پھر اگر یہ دونوں اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ تعالےٰ اُن دونوں میں صلح کی توفیق ارزانی فرمائیگا ۔۔ یعنی شوہر اپنے ارادۂ طلاق سے شعبہ طلاق کے افسر متعلقہ کو مطلع کریگا۔ اور وہ فریقین کے کنبوں سے حکمین کے تقرر کا حکم دیگا۔ پھر اگر فریقین کے حکمین صلح کی کوشش میں ناکام رہ جائیں تو وہ اپنی رپورٹ افسر متعلقہ کو پہنچائینگے۔ اور طلاق کا فیصلہ افسر متعلقہ کی طرف سے نافذ ہوگا۔ جیسے کہ سورۂ طلاق میں آنحضور سلام علیہ کو سربراہِ نظام کی حیثیت سے حکم ہوا ہے :۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ ۶۵/۱ = اے نبی! جب آپ مومنوں کی بیویوں کو (فریقین کے حکمین کیساتھ ملکر) طلاق دلوائیں۔ یعنی انہیں اُنکے شوہروں سے جدا کرائیں تو اُن کی عدت کیلئے جدا

کرائیں۔ اور عدّت کا صحیح شمار کریں ـــــ یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ کا خطاب بصیغۂ واحد آیا ہے۔ مگر طَلِّقُوْا کا حکم بصیغۂ جمع وارد ہوا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملۂ طلاق کے حکمین کیساتھ مل کر طلاق کا فیصلہ دینے کا حکم آنحضورؐ کو دیا گیا ہے۔ پس آیت مجیدہ ۶۵/۱ کی رُو سے اکیلے شوہر کو طلاق دینے کے اختیار کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ فیصلہ فریقین کے حالات کے مطابق ہی دیا جائیگا۔ افسرِ متعلقہ کی طرف سے فریقین میں سے کسی پر حالات کے خلاف دباؤ ڈالا ہی نہیں جاسکتا۔

عدّت کے ایّام میں مطلّقہ کو گھر سے نکالا نہیں جائیگا

اب چونکہ عدّت کے اندر مطلّقہ کسی اور شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اسلئے اِس مدّت کا نان نفقہ سابقہ شوہر کے ذمّہ رکھ کر ارشاد ہوا ہے:۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۶۵/۱ = اور اللہ (کے قانونِ ربوبیّت کی مخالفت) سے بچتے رہنا۔ مطلّقہ عورتوں کو اُنکے سابقہ گھروں سے نہ نکالنا۔ اور نہ وہ خود ہی نکلیں۔ سوائے اِس صُورت کے کہ وہ بیحیائی کی مرتکب ہوں (ایسی صورت میں اُن کا نان نفقے کا حق ضائع ہوجائے گا۔ اور انہیں گھروں سے نکال دیا جائیگا)

ــــ بُيُوْتِهِنَّ میں اضافت بادنیٰ تعلق ہے۔ اِسلئے اِسکا معنیٰ لکھا گیا ہے اُنکے سابقہ گھر۔

مختلف عورتوں کی عدّت مختلف ہے

● جن عورتوں کا ماہواری کورس ختم نہ ہُوا ہو اُنکی عدت تین قروء ہے ۲/۲۲۸

● جن عورتوں کا ماہواری کورس ختم ہوچکا ہو۔ یا جنہیں مطلقاً آتا ہی نہ ہو۔ اُنکی عدّت تین ماہ ہے ۶۵/۴۔

● حاملہ عورتوں کی عدّت تا وضعِ حمل ہے۔ خواہ وہ وقفہ تین ماہ سے زائد ہو یا کم ۶۵/۴۔ اور :۔

● جن عورتوں سے خلوت ہوئی نہ ہو۔ اُنکی عدّت مطلقاً کوئی نہیں ۳۳/۴۹ ـــــ عدم خلوت کی حالت میں عدم عدّت کے خداوندی فیصلے سے ثابت ہوتا ہے کہ تین مرتبہ کی ماہواری کے انتظار کی غرض صرف اظہارِ حمل ہے۔

عود الی المقصود

مطلّقہ عورت کے حاملہ یا غیر حاملہ ہونے کے شبہ کو دور کرنے کیلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت نمبر ۲۲۸ میں انتہائی کھلے لفظوں میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ
اور طلاق والیاں انتظار کریں ساتھ جانوں اپنی کے تین
قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ
حیض تک اور نہیں حلال واسطے اُنکے یہ کہ چھپادیں جو کچھ پیدا کیا
فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
ہے اللہ نے بیچ رحموں اُنکے کے اگر ہیں ایمان لاتی ساتھ اللہ کے

اور مطلّقہ عورتیں اپنے لئے تین قروء (تین ماہواریوں) کا انتظار کریں۔ اور اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں۔ تو اُنکے لئے اُس بچے کو چھپانا حلال نہیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُنکے رحموں میں پیدا کر دیا ہے۔ اور اُنکے شوہر اُنکی مذکورہ حالتِ حمل میں (غیر حاملہ عورتوں کی نسبت) لوٹا لینے کے زیادہ

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ
اور دن پھیلے کے اور خاوند انکے بہت حقدار ہیں ساتھ پھیر لینے انکے
اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ
کے بیچ اسکے اگر چاہیں صلح کرنا اور واسطے انکے ہے مانند اسی کے
بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ
جو اوپر انکے ہے ساتھ اچھی طرح کے اور واسطے مردوں کے
وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ ۲۲۸ ع ۱۲
اُوپر انکے درجہ ہے اور اللہ غالب ہے حکمت والا۔

حقدار ہیں۔ بشرطیکہ وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اور اگر طلاق کی محرک عورت ہو تو) عورتوں کو بھی شوہروں کو لوٹا لینے کا اُسی طرح کا حق ہے۔ جس طرح انہیں لوٹا لینے کا مردوں کو حق ہے۔ لیکن مردوں کو اُن پر ایک درجہ دیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

● آئت بالا میں طلاق دہندہ کو غیر حاملہ مطلقہ عورتوں کی نسبت حاملہ مطلقہ عورتوں کو لوٹا لینے کا زیادہ حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔ کیونکہ آپکے پاس اُنکی نسلی امانت موجود ہے۔ نیز اس آئت میں عورتوں پر مردوں کے جس درجہ کی خبر دیگئی ہے اُسکی وضاحت $\frac{۴}{۳۴}$ میں درج ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ = مرد عورتوں کے قوّام یعنی اُنکی ضروریاتِ زندگی کے ضامن ہیں۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ (ان میں سے) مردوں کی ایک فضیلت یہ ہے کہ وہ اُن پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اِس آئت میں فریقین کو اپنے اپنے مقام پر افضل بتایا گیا ہے جو کام خدا تعالیٰ نے مرد کے ذمّہ لگائے ہیں اُنہیں عورت سرانجام نہیں کر سکتی۔ اور جو کام عورت کے سپرد کئے ہیں، وہ مرد کے بس کے نہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے افضل ہیں۔ نوعِ انسانی ہونے کی بدولت عورت اور مرد کے مدارج میں کوئی فرق نہیں اور نہ ہی عورت کا اس صنف سے ہونا وجۂ کمتری ہے کہ اُسے اولاد پیدا کرنے کی ذمّہ داری سونپی گئی اور اس پر نسوانی عوارضات لازم کر دیئے گئے ہیں۔

دو مرتبہ کی طلاق کے بعد فریقین کو لوٹایا جا سکتا ہے تیسری مرتبہ کے بعد نہیں

آئتِ ماقبل ۲۲۸ میں عدّت کے اندر جو فریقین کو لوٹا لینے کا حق دیا گیا ہے۔ اِس ضمن میں جو لوگ عدّت کے اندر بلا نکاح رجعت کے قائل ہیں اُنکا نظریہ بھی غلط ہے۔ اور جو لوگ عدّت کے اندر نکاح کی اجازت نہیں دیتے اُنکا نظریہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ اگر فریقین طلاق کے بعد ایک ہی مہینے میں تجدیدِ نکاح پر رضامند ہو جائیں تو اُنہیں بلا ضرورت تین قروء کی طویل انتظار میں مبتلا کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن رجعت، تجدیدِ نکاح ہی کیساتھ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ طلاق نکاح کی ضد ہے۔ جب افسرِ متعلقہ تک کی طرف سے حکمین کی کوششوں کے بعد بھی طلاق ہی کا فیصلہ ہو گیا تو نکاح کے بغیر لوٹا لینے کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوگا۔ اگلی آئتِ مجیدہ میں روایات کے پیدا کردہ اِس بحران کو بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ کہ اگر عدّت گزر جائے تو پھر حلالہ کے بغیر نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ
یہ طلاق دو بار ہے پس بند کر رکھنا ساتھ اچھی طرح کے یا
اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا
نکال دینا ساتھ اچھی طرح کے اور نہیں حلال واسطے تمہارے یہ کہ
مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا
لے لو کچھ سے کہ دیا ہے تم نے انکو کچھ مگر یہ کہ ڈریں دونوں یہ کہ نہ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ
قائم رکھینگے حدوں اللہ کی کو پس اگر ڈرو تم یہ کہ نہ قائم رکھینگے حدیں
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ
اللہ کی کو پس نہیں گناہ اوپر ان دونوں کے بیچ اس چیز کے بدلہ
حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ
دے عورت ساتھ اسکے - یہ ہیں حدیں اللہ کی پس مت گزرو ان سے
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۲۲۹
اور جو کوئی گزر جاوے حدوں اللہ کی سے پس یہ لوگ وہی ہیں ظالم -

اَلطَّلَاقُ دو مرتبہ ہے - پس (دو مرتبہ کی طلاق کے بعد) یا تو مطلقہ کو معروف طریقہ (تجدید نکاح) کیساتھ روک لینا ہے - اور یا حُسن کارِدانہ کیساتھ (یعنی انکے حقوق و واجبات ادا کرکے) رخصت کر دینا ہے - اور جو مال تم نے بیویوں کو دیا ہُوا ہے - (اگرچہ وہ کوئی خزانہ ہی ہو بہ ہے اگر جدائی کے محرک تم ہو تو) اس میں سے کچھ بھی واپس لینا تمہارے لئے حلال نہیں سوائے اسکے کہ اگر ان میاں بیوی کو یہ خوف لاحق ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ازدواجی حدّوں کو قائم نہیں رکھ سکتے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ عورت شوہر کا مال فدیۃً (بطور تاوان) واپس کر دے - مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں - پس جو لوگ اللہ کی حدوں کو پھاندتے ہیں وہی تو ظالم ہیں -

● اللہ کی حدیں یہ ہیں کہ میاں بیوی بن کر رہیں - اب اگر طلاق شوہر دے تو ارشاد ہُوا ہے کہ جو کچھ بیوی کو دیا ہُوا ہے سب کچھ چھوڑنا پڑیگا اور اگر طلاق کی طلبگار بیوی ہے تو تاوان کے طور پر اُسے شوہر کا دیا ہُوا سارا مال واپس کرنا ہوگا - نیز افتدت بہ میں ضمیر کا مرجع مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ یعنی وہ مال ہے جو شوہر نے بیوی کو خانہ آبادی کیلئے دیا ہُوا ہے - پس ظاہر ہے کہ اگر خانہ بربادی کی محرک بیوی ہے تو اُسے اِسکا فدیہ ادا کرنا ہوگا - لیکن شوہر کو اپنے دیئے ہوئے مال سے زائد مانگنے اور طلاق کو سودابازی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں - قانونی اور عدالتی طور پر وہ اپنے دیئے ہوئے مال ہی کی واپسی کا حقدار ہے - دیکھئے ! قرآن کریم نے میاں بیوی، دونوں کیلئے حدّیں مقرر کر دی ہیں - اس ضمن کی یہ صورت بھی آیت بالا کے ماتحت آجاتی ہے کہ اگر شوہر نے محبت میں آکر بیوی کے نام ساری جائیداد لگوا دی ہے - لیکن اب اُسکی بیوی اِس خیال کے مطابق کہ جائیداد میرے نام ہے، طلاق نہیں مانگتی لیکن خاوند کو ناجائز تنگ کرتی ہے - تو شوہر کو حق دیا گیا ہے کہ افسر متعلقہ طلاق کے ہاں طلاق کی تحریک کیساتھ ساتھ اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کرے - آیت بالا ایسی بیوی سے شوہر کا مال فدیۃً واپس دلاتی ہے -

(نوٹ) سطورِ ذیل میں آپ کو حقِ تجدید نکاح بلا فصل، اور حقِ تجدید نکاح بالفصل کے الفاظ ملینگے - مطلقہ کے حقِ تجدید نکاح

بلا فصل سے یہ مُراد ہے کہ اُسے طلاق کی عدّت گزر جانے کے متصل مابعد بھی سابقہ شوہر سے تجدید نکاح کا حق حاصل ہو۔ اور حق تجدید نکاح بالفصل سے یہ مُراد ہے کہ طلاق کے بعد سابقہ شوہر سے اُسوقت تک تجدید نکاح کا حق حاصل نہ ہو، جبتک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ اور وہ اُسے طلاق نہ دیدے، یا وہ مر نہ جائے۔

تین طلاق کا قرآنی خاکہ

● اسلامی فقہوں میں تین طلاق کا یہ طریقہ درج ہے کہ اگر کوئی شوہر بیک وقت تین تین طلاق کہہ دے۔ تو بعض کے ہاں یہ تین طلاقیں متصور ہوتی ہیں۔ لیکن بعض اسے ایک ہی طلاق شمار کرتے ہیں۔ اُن کے ہاں تین طلاق کا یہ انداز ہے کہ ہر ماہ ایک طلاق دی جائے، اور تین طلاقیں تین مہینوں میں ختم کی جائیں۔ لیکن قرآن کریم کی رُو سے یہ دونوں صورتیں غلط ہیں۔

● تین طلاق کی صحیح صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد پہلی مرتبہ کی طلاق پہلی اور ایک ہے اگرچہ لفظ طلاق کی گردان تین مرتبہ نہیں بلکہ سَو مرتبہ بھی کیوں نہ کیگئی ہو۔ طلاق کی عدّت تین ماہواریاں ہے۔ اب اگر یہ جوڑا بلا فصل یا بالفصل پھر تجدید نکاح کرکے دوسری مرتبہ میاں بیوی بن جائے اور پھر دوبارہ طلاق ہو جائے تو یہ دوسری طلاق ہوگی۔ پھر اگر دوسری طلاق کے بعد اُس جوڑے کا پھر بلا فصل یا بالفصل تیسرا نکاح ہو جائے اور اسکے بعد پھر طلاق ہو جائے تو یہ تیسری طلاق ہوگی۔ جس کے بعد اس جوڑے کو حق نکاح بلا فصل حاصل نہیں، جبتک کہ وہ تین مرتبہ کی مطلقہ عورت کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ، طلاق نہ دیدے یا مر نہ جائے۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے۔

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ
پس اگر طلاق دی اُسکو پس نہیں حلال ہوتی واسطے
حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا
اُسکے پیچھے اُسکے یہانتک کہ نکاح کرے اور خصم سے سوائے
جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ
اُسکے پس اگر طلاق دے وہ اُسکو پس نہیں گناہ اوپر اُن دونوں کے
يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ
یہ کہ پھر آویں پس اگر جانیں یہ کہ قائم رکھیں حدیں اللہ کی
يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ○ ۲۳۰
اور یہ ہیں حدیں اللہ کی بیان کرتا ہے اُسکو واسطے اُس قوم کے کہ جانتی ہے۔

پھر (اگر ایسا ہو کہ کوئی جوڑا دو مرتبہ کے طلاق کا حق رجعت بلا فصل یا بالفصل استعمال کرکے تیسری مرتبہ کے نکاح کے بعد میاں بیوی بن چکا ہے تو پھر) اگر شوہر تیسری مرتبہ طلاق دیدے تو وہ عورت اُسکے لئے اُسوقت تک حلال نہیں، جبتک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔ (یعنی تیسری مرتبہ کی طلاق کے بعد کسی جوڑے کو حق نکاح بلا فصل حاصل نہیں)، پھر اگر اسکا نیا شوہر اُسے (اِس متعلقہ کے ذریعہ مذکورہ قرآنی طریقہ سے) طلاق دیدے تو اِس سابقہ جوڑے پر کوئی حرج نہیں اگر وہ رجعت کرلیں۔ بشرطیکہ وہ گمان کرتے ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم رکھینگے۔ پس یہ ہیں (مسئلہ طلاق کے متعلق) اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں جنہیں وہ اس قوم کیلئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے جو جانتے ہیں (کہ اللہ اپنی کتاب کی تبیین بھی آپ ہی کرتا ہے)

قرآن کریم میں حلالہ جیسے غیرت کش نکاح کی اجازت ہرگز ہرگز موجود نہیں

● روائتی فقہوں میں ایک ایسے نکاح کی اجازت بھی موجود ہے جس پر کوئی غیرت مند باپ اپنی بیٹی کیلئے، اور کوئی غیور بھائی اپنی بہن کیلئے رضا مند ہوہی نہیں سکتا، کہ اُسکی بیٹی یا بہن کا نکاح صرف ایک مرتبہ کے خلوت و اختلاط کیلئے باندھا جائے۔ اور منکوحہ کو ایک مرتبہ کے جنسی اختلاط کے عوض دی جارہی ہو مہر کی رقم، خواہ وہ روائتی مقدار کے مطابق صرف بتیس روپے ہی کیوں نہ ہو۔ ۳۲ روپے۔

واضح رہے کہ نکاح کی ضد ہے طلاق اور قرآن کریم کی رُو سے ایک نکاح کی طلاق بھی ایک ہے تین نہیں ہیں۔ تین طلاقیں تین نکاحوں کی متقاضی ہیں۔ اب چونکہ ایک وقت پر صرف ایک ہی نکاح ہو سکتا ہے۔ اِسلئے ایک نکاح کی طلاق بھی ایک ہے اور ایک طلاق کے بعد تین قروء کی عدّت لازم ہے۔ نیز سابقہ شوہر اور سابقہ بیوی کو $\frac{2}{229}$ کے فیصلہ کے مطابق عدّت کے اندر اور عدّت کے بعد تجدیدِ نکاح کی اجازت ہے ——— اِسطرح اگر طلاق کی عدّت کے بعد سابقہ جوڑا دوسری مرتبہ نکاح کرکے پھر سے میاں بیوی بن چکا ہے تو اب ایک طلاق مکمل ہو چکی ہے۔ اور اِس دوسرے نکاح کے بعد اگر پھر کبھی طلاق تک نوبت پہنچ جائے، اور طلاق کی عدّت بھی گزر جائے تو میاں پہنچکر دو طلاقیں مکمل ہونگی۔ اور اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ $\frac{2}{229}$ کے مطابق، کہ دو مرتبہ کی طلاق کے بعد دو مرتبہ تک امساک کی اجازت ہے یعنی سابقہ شوہر مذکورہ بالا قرآنی طریقے کے مطابق دو مرتبہ کی طلاق کے بعد تجدیدِ نکاح کیساتھ اپنی مطلقہ کو روک سکتا ہے۔ تو اِس طرح اگر اِس قرآنی رعائت سے دو مرتبہ فائدہ اُٹھایا جا چکا ہے۔ کہ پہلی طلاق کے بعد تجدیدِ نکاح کر لیا۔ اور اِسکے بعد اگر پھر کبھی طلاق تک نوبت پہنچ گئی۔ اور دوسری طلاق کے بعد بھی تجدیدِ نکاح کرکے امساک کی آخری رعائت حاصل کر لی گئی ہے۔ تو اب اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ کی حد ختم ہو چکی ہے۔ یعنی اب اگر کسی وقت پر شوہر تیسری مرتبہ بھی طلاق دیدے تو اب اِس جوڑے کو حقِ نکاح بلافصل حاصل نہیں۔ جبتک کہ مطلقہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ اور اُس سے نکاح کرنیوالا بوجہ عدم نباہ طلاق نہ دیدے۔

لیکن روائتی تفاسیر نے پہلے تو اِس تین طلاق کے قرآنی تصوّر کو، جو عملی طور پر کئی برسوں کے بعد حدِ تکمیل کو پہنچتا ہے، شوہر کی زبان سے طلاق طلاق طلاق کی تین مرتبہ کی گردان، اور عرضی نویس کے لکھے ہوئے **تین طلاق** کے الفاظ میں ختم کر دیا ہوا ہے۔ یعنی شوہر نے طلاق طلاق طلاق کی گردان کر دی اور عرضی نویس نے تین طلاق کے الفاظ لکھ دیئے تو تین طلاقیں ختم ہو گئیں لیکن اُدھر اگر حالات یہ ہوں کہ اِس جوڑے کی علیحدگی سے کئی خاندانوں میں عداوت کی آگ بھڑک اُٹھی ہو۔ دوسری طرف اِس جوڑے کے تین چار بچے ہوں۔ جن کے تاریک مستقبل کا تصوّر فریقین کو مجبور کرتا ہو کہ تجدیدِ نکاح ہو جائے تو قرآن حکیم نے اِنکی مشکلات کے حل کے طور پر اِس قضیئے کو تین مرتبہ کے نکاح اور دو مرتبہ کی طلاق پر اِس طرح پھیلا دیا ہوا ہے کہ دو مرتبہ کی طلاق کے بعد فریقین کو حقِّ نکاح بلافصل اور بالفصل عطا کر رکھا ہے اور تیسری طلاق کے بعد صرف حقِّ بالفصل دیا ہے لیکن روایات نے پہلی ایک طلاق کو شوہر کی تین مرتبہ

کی طلاق طلاق کی گردان کیساتھ تین قرار دیکر، پھر چوتھے نکاح بالفصل کی اجازت کو نئے جوڑے کے صرف ایک مرتبہ کی خلوت واختلاط کیساتھ مشروط کر کے، آیاتِ قرآنیہ کا وہ مذاق اڑایا ہے، جسکی مثال ممکن نہیں۔ روائتی تفاسیر کی زبان میں اسے حلالہ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں پہنچکر روائتی تصوّر کے سامنے پھر ایک مشکل آکھڑی ہوئی۔ کہ حلالہ کے طور پر جس شخص کیساتھ مطلّقہ کا نکاح اِس غرض سے کیا جائیگا کہ وہ خلوت واختلاط کے بعد طلاق دیدے، تاکہ سابقہ شوہر کیساتھ تجدیدِ نکاح کا دروازہ کھل سکے۔ اب اگر نیا شوہر طلاق نہ دے تو حلالہ کی غرض فوت ہو جاتی ہے۔ اسلئے نکاح حلالہ میں یہ غیرت کُش شرط لازم رکھی گئی کہ یہ ایک رات کا نکاح ہوگا۔ اور نئے خاوند، یعنی ایک رات کے شوہر کو ایک رات کی خلوت واختلاط کے بعد لازماً طلاق دینا ہوگی۔ العیاذ باللہ! قرآن کہتا ہے :۔ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا $\frac{2}{231}$ = اللہ تعالیٰ کی آیات کریمات کیساتھ مذاق نہ کرو۔ یہ ہے قرآنی مفہوم کو اُسکے اپنے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق نہ سمجھنے کا نتیجہ، کہ حلالہ جیسی بے غیرتی تک روایات کے ذریعہ اسلام میں در آمد ہو چکی ہوئی ہے۔

تکرارِ تاکیدی آئتِ بالا کے اخیر پر نکاح بالفصل سے متعلقہ ہدایات کی وضاحت کے بعد اگلی آئت کریمہ میں تکرارِ تاکیدی کے انداز میں پھر اُسی رعائت کا اعادہ کیا گیا ہے، جو اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کے الفاظ میں عام مطلّقہ عورتوں کو دیگئی ہے :۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں وقت اپنے کو
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ
پس بند رکھو اُن کو ساتھ اچھی طرح کے یا نکال دو اُن کو
بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا
ساتھ اچھی طرح کے اور مت بند رکھو اُن کو ایذا دینے کو تاکہ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ
زیادتی کرو اور جو کوئی کریگا یہ پس تحقیق ظلم کیا اُس نے جان اپنی کو
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا
اور مت پکڑو آیتوں اللہ کی کو ٹھٹھا اور یاد کرو نعمت اللہ
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ
کی کو اوپر اپنے اور جو کچھ اُتارا ہے اوپر تمہارے
مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ
کتاب سے اور حکمت سے نصیحت کرتا ہے تمکو ساتھ اسکے

اور (پھر سُن لوکہ) جب تم بیویوں کو طلاق دو، پھر وُہ اپنی عدّت کو پہنچ جائیں (یعنی عدّت پُوری کرلیں)، تو پھر اُنہیں یا تو معروف طریقے کیساتھ (یعنی تجدیدِ نکاح کیساتھ) روک لیا کرو، اور یا معروف طریقے کیساتھ (یعنی اُنکا جملہ مال اسباب حوالے کر کے) رُخصت کر دیا کرو۔ لیکن انہیں تکلیف پہنچانے کیلئے نہ روکنا، کہ اُن پر زیادتی کرو۔ اور جو کوئی ایسا کریگا، پس وُہ بلا شُبہ اپنے آپ پر خُود ظلم کریگا۔ (آئندہ کیلئے اُسے رشتہ ملنا مُشکل ہو جائیگا)، اور ایمان والو! اللہ کی آئتوں کا مذاق نہ اُڑایا کرو۔ اور اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی یعنی اس نے تم پر جو حکمت والی کتاب نازل کی ہے۔ (القرآن الحکیم $\frac{36}{2}$ کے قوانین) کو یاد رکھو۔ وُہ تمہیں اِسی اکلوتی کتاب کے ساتھ نصیحت کرتا ہے۔ پس تم اللہ تعالٰے کے قوانین کی مخالفت سے بچو، اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بہت اچھی طرح

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۳۱
اور ڈرو اللہ سے اور جانو یہ کہ اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے۔ || جانتا ہے۔ ع ۲۹ / ۱۴

● آیت مجیدہ کے آخری الفاظ میں تنبیہ کیا گیا ہے کہ طلاق کے ضمن میں تم جو ظلم و زیادتی، عوام سے چھپا کر بھی کروگے، اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی، پس اگر تم دنیا میں اسکی سزا سے بچ جاؤ تو آخرت کو ہرگز نہیں بچ سکوگے ۔۔۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر مذکورہ بالا الفاظ کو سہ گانہ تکرار کیساتھ دہرایا گیا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا
اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچ جاویں وقت اپنے
تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا
کو پس مت منع کرو اُن کو یہ کہ نکاح کریں خاوندوں اپنے سے
بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ
جب راضی ہوں آپس میں ساتھ اچھی طرح کے یہ بات نصیحت کیا جاتا ہے
كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ
ساتھ اسکے جو کوئی ہو تم میں سے ایمان لاتا ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے
ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ
کے یہ بہت پاکیزہ ہے واسطے تمہارے اور بہت پاک ہے اور اللہ
اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۳۲
جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اور (تیسری مرتبہ پھر سن لو کہ) جب تم بیویوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو بھی پہنچ جائیں (یعنی عدت بھی پوری کرلیں)، تو پھر (ایمان والو!) اگر وہ سابقہ میاں بیوی معروف طریقہ (یعنی تجدید نکاح) پہ باہم راضی ہوجائیں، تو مطلقہ عورتوں کو سابقہ شوہر کیساتھ نکاح کرنے سے منع نہ کرنا۔ تم میں سے جو، اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ انہیں مذکورہ بالا امر کی نصیحت کرتا ہے۔ تمہارے لئے یہی چیز بڑھنے پھولنے کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ نیز جان لو کہ عنوانِ طلاق کے فائدہ مند گوشوں کو) اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (اسلئے اللہ کے احکام ہی کی پیروی کیاکرو)۔

عـــہ ازکیٰ کا معنی لکھا گیا ہے "بڑھنے پھولنے کے لحاظ سے زیادہ بہتر" یہ لفظ مادہ ز۔ک۔و = زکو سے اسم تفضیل ہے اس مادہ کا بنیادی معنی ہے بڑھنا پھولنا۔ زَکَا المَالُ کا معنی ہے مال بڑھا۔ زَکَا الزَّرعُ کا معنی ہے کھیتی بڑھی پھولی اور زَکَا الرَّجُلُ کا معنی ہے، آدمی بڑھا پھولا خوشحال ہوا۔

● آیت بالا کے مضمون پر شاہدت گواہ ہیں، کہ طلاق کے سلسلے میں فریقین اپنی اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ اصلاح احوال اور تقاضائے وقت کے مطابق، عدت کے اندر اور عدت کے بعد تجدید نکاح کی اجازت ہے یعنی اِس قضیئے کا وہ حل ہی بہتر ہے جس کی تاکید متصل و مسلسل آیات کریمات میں سہ گانہ تکرار کیساتھ کیگئی ہے۔ کیونکہ اگر گرماگرمی میں عدت بھی گزر گئی ہے۔ تو اب اگر عدت کے بعد تجدید نکاح کی اجازت نہ ہو تو ممکن ہے کہ فریقین کی اِس علیحدگی کی بدولت میاں بیوی سے متعلقہ متعدد خاندانوں میں بغض و عداوت قائم ہوجائے، اور وہ ہمیشہ کیلئے موجب فساد بنی رہے۔ دوسری طرف اس جوڑے کی اولاد کا مستقبل

تاریک ہو جاتا ہے۔ بچے بچارے ناکردہ گناہ کے عوض سوتیلی ماں کی معاندانہ روش کے جہنّم میں جا گرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تین مرتبہ کے مسلسل تکرار کیساتھ ذیل کے مختلف انداز میں وضاحت کیگئی ہے کہ:۔

- اگر عدّت گزر گئی ہے تو کیا ہوُا، اِس جوڑے کا اب بھی نکاح ہوسکتا ہے ۲/۲۳۱ + ۲/۲۳۲
- اور یہ ایک مرتبہ کی طلاق کی عدّت گزر جانے پر ہی نہیں۔ اگر کبھی دوسری مرتبہ بھی طلاق ہو جائے اور عدّت بھی گزر جائے، تو پھر بھی نکاح ہوسکتا ہے ۲/۲۲۹۔
- اگر مطلقہ عورتیں اپنے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو انہیں تنگ نہ کرو۔ روکو مت ۲/۲۳۲
- اگر یہ جوڑا اپنی رضا و رغبت کیساتھ تجدیدِ نکاح کرنا چاہتا ہے تو مطلّقہ عورتوں کو اس سے منع نہ کرو ۲/۲۳۲ یعنی اُنہیں طعنے مت دو کہ اب تو کس منہ سے اُسکے گھر آباد ہوگی جس نے تجھے طلاق دیدی ہے وغیرہ وغیرہ:۔

مسئلہ رضاعت

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ اگر عدّت کے بعد تجدیدِ نکاح نہ ہو سکے۔ اور مطلّقہ کی گود میں بچہ ہو، تو اُس بچّے کا حقِ رضاعت بتایا گیا ہے کہ مائیں اپنے بچّوں کو دو سال کامل دُودھ پلائیں لیکن اب جبکہ طلاق اور علیحدگی ہوچکی ہے۔ تو دُودھ پلائی کی اُجرت بچّے کا باپ ادا کریگا۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ

اور بچّے والیاں دُودھ پلادیں اولاد اپنی کو دو

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّ

برس پُورے واسطے اُس شخص کے جو ارادہ کرے یہ کہ پُورا

ضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ

کرے دُودھ پلانا اور اُوپر اُس شخص کے کہ لڑکا ہے اُس کا کھلانا اُنکا اور پہنانا اُنکا

بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا

ساتھ اچھی طرح کے نہیں تکلیف دیا جاتا

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ

ہے کوئی جی مگر طاقت اپنی۔ نہ ضرر دی جائے ماں ساتھ بچّے

بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ

اپنے کے، اور نہ بچّے والا۔ اور اُوپر وارث کے ہے مثل اُسکی پھر اگر

اور ماؤں کو چاہیئے کہ اُس شخص کیلئے، جو مدّتِ رضاعت کو پُورا کرنا چاہے، اپنے بچّوں کو دو سال کامل دُودھ پلائیں۔ اور جس کا بچّہ ہے، دُودھ پلانے والیوں کا کھانا کپڑا اُسکے ذِمّہ ہے۔ (یہ کھانا کپڑا اُسکی بساط کے عین مطابق ہونا چاہیئے کیونکہ ہمارے قانون میں) کوئی نفس وُسعت سے بڑھکر تکلیف نہیں دیا جاتا۔ (پس چاہیئے کہ) نہ بساط سے کم درجے کا روٹی کپڑا دیکر بیٹے کیلئے ماں کو تکلیف دی جائے، اور نہ باپ سے اُسکی بساط سے بڑھیا درجے کا کھانا کپڑا طلب کرکے، بیٹے کیلئے اُسے تکلیف دی جائے۔ اور (اگر بچّے کا باپ فوت ہو جائے) تو بچے کے وارث پر بھی دُودھ پلائی کی اُجرت بساط کے مطابق کھانا کپڑا ہے۔ پھر اگر (دو سال کے اندر دُودھ پلوانے والا، اور دُودھ پلانے والی) دونوں باہمی رضا و مشورہ کیساتھ دُودھ چھڑانے

أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ
ارادہ کریں دودھ چھڑانا رضامندی سے آپس میں اور مصلحت سے
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا
پس نہیں گناہ اوپر ان دونوں کے اور اگر ارادہ کرو تم یہ کہ دودھ
أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا
پلاؤ تم اولاد اپنی کو پس نہیں گناہ اوپر تمہارے جب سونپ دو
آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا
تم جو کچھ دینا کیا ہے ساتھ اچھی طرح کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو
أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○ ۲۳۳
یہ کہ اللہ ساتھ اس چیز کے کہ کرتے ہو تم دیکھنے والا ہے۔

کا ارادہ کریں تو اُن دونوں پر کوئی حرج نہیں۔ اور (ایمان والو) تم جب بھی اپنے بچوں کو کسی عورت سے دودھ پلوانا چاہو تو جب وہ اُجرت جو دستور کے مطابق دینے ہو تسلیم کرو تو تم پر دودھ پلوانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے ڈرتے رہو۔ اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ، تمہارے اعمال کو جو تم بجا لاتے ہو دیکھنے والا ہے۔

● دیکھئے! دودھ چھڑائی کو باہمی رضا و مشورہ پر موقوف رکھا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ دو سال سے کم وقفہ میں بھی اگر بچّے کی صحت متقاضی ہو تو، دودھ چھڑایا جا سکتا ہے۔ دو سال کی عمر تک بچے کے دانت نکل آتے ہیں اور معدہ دوسری غذائیں ہضم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسلئے رضاعت کا زیادہ سے زیادہ وقفہ دو سال مقرر کیا گیا ہے۔

مسئلہ طلاق کا ملخص

● اعلانِ طلاق کے بعد عدّت کے اندر اندر بھی اور عدّت کے بعد بھی تجدیدِ نکاح کی اجازت ہے، لیکن یہ اجازت بلا فصل دو مرتبہ کی طلاق تک کی ہے۔ تیسری مرتبہ کیلئے بلا فصل نہیں ——— بالفاظِ دیگر مطلّقہ عورت کو دو مرتبہ کی طلاق کی عدّت کے بعد سابقہ شوہر کیساتھ تجدیدِ نکاح کا حق بلا فصل و بالفصل حاصل ہے یعنی وہ کسی اور کیساتھ بھی نکاح کر سکتی ہے اور سابقہ شوہر کیساتھ بھی۔

● طلاق دینے والا شوہر بیوی سے زرِ مہر اور مزید دیا ہوا مال واپس نہیں لے سکتا۔ خواہ وہ ایک خزانہ ہی کیوں نہ ہو $\frac{۲}{۲۰}$ سوائے اس صورت کے کہ شوہر اپنی بیوی کو آباد رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن بیوی طلاق کی طلبگار رہے۔ اور یا وہ طلاق تو نہیں مانگتی، لیکن شوہر کو تنگ کرتی ہے۔ ان حالات میں شوہر اپنا مال واپس لے سکتا ہے، جو اُس نے خانہ آبادی کیلئے بیوی کو دیا ہوا تھا لیکن وہ سودابازی کے طور پر، اپنے دیئے ہوئے مال سے زائد طلب کرنے کا مجاز نہیں $\frac{۲}{۲۲۹}$۔

● اگر کبھی ایسا ہو کہ شوہر کی پوری جائیداد مکان اور زمین وغیرہ بیوی کا مہر مقرر ہو چکا ہو۔ اور یا شوہر نے نکاح کے بعد بیوی کے نام ہبہ کر دیا ہو تو ایسی حالت میں بیوی، اس خیال سے سرکشی اختیار کرتی ہے کہ شوہر اُسے طلاق دینے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر طلاق دے تو قلّاش ہو جائیگا۔ قرآن کریم میں سرکش بیوی کو طلاق دینے کے ساتھ ساتھ طلاق دہندہ کو قانوناً حق دیا گیا ہے کہ وہ ایسی بیوی کو طلاق بھی دے سکتا ہے اور اپنا مال بھی واپس لے سکتا

ہے۔

● تین طلاقیں نہ شوہر کی زبان کی تین مرتبہ کی گردان سے وارد ہوتی ہیں، نہ عرضی نویس کے تین طلاق لکھنے سے، بلکہ تین ماہواری کورس ہر طلاق کی الگ الگ عدّت ہے۔ لیکن یہ رعائت دو مرتبہ کی طلاق تک ہے۔ بالفاظ دیگر دو مرتبہ کی طلاق تک فریقین کو تجدید نکاح کا حق بالفصل بھی حاصل ہے اور بلافصل بھی۔ لیکن اگر تیسری مرتبہ کے تجدید نکاح کے بعد طلاق ہو جائے، تو اب سابقہ شوہر سے نکاح بلافصل نہیں ہو سکتا، جبتک کہ مطلّقہ کسی اور سے نکاح نہ کرے! اور وہ بوجہ عدم نباہ طلاق نہ دیدے۔ غیر حاملہ مطلّقہ کی عدّت تین ماہواریوں میں اسکا نان نفقہ سابقہ شوہر پر ہوگا! اور اسیطرح حاملہ مطلّقہ کا نان و نفقہ وضع حمل تک سابقہ شوہر پر ہوگا۔ اور وضع حمل کے بعد اگر بچّے کا باپ دُودھ پلوانا چاہے تو خرچ ادا کر کے پلوا سکتا ہے۔

● اگر کوئی مطلّقہ پہلی ہی طلاق کی عدّت گزارنے کے بعد کسی اور آدمی سے نکاح کرنا چاہے تو بھی کر سکتی ہے۔ اور اگر دُوسری طلاق کی عدّت گزارنے کے بعد کسی اور سے نکاح کرنا چاہے تو بھی کر سکتی ہے۔ سابقہ شوہر سے اسکا دو مرتبہ کی طلاق تک تجدید نکاح بلافصل کیساتھ ساتھ، حقّ تجدید نکاح بالفصل بھی محفوظ ہے، خواہ اس نے پہلی یا دُوسری مرتبہ کی طلاق کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کر لیا ہو۔ اب اگر اُسکا نیا خاوند اُسے طلاق دیدے، یا مر جائے تو سابقہ شوہر سے اُسکا نکاح ہو سکتا ہے $\frac{۲}{۲۲۹}$ لیکن اگر تیسری مرتبہ کے نکاح کے بعد بھی طلاق ہو جائے تو یہ تیسری طلاق ہے۔ اب اس جوڑے کو صرف نکاح بالفصل کا حق حاصل ہے لیکن اس قانونی وُسعت سے حلالہ جیسے یک شبی نکاح کا جواز اخذ کرنا آیاتِ قرآنیہ کیساتھ مذاق محض ہے! اُدھر حکم ہوتا ہے لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا $\frac{۲}{۲۳۱}$۔

● اگر مطلّقہ کی گود میں بچّہ ہے۔ اور عدّت کے بعد بھی تجدید نکاح نہیں ہو سکا، اور یا تیسری مرتبہ طلاق ہو گئی ہے۔ لیکن سابقہ شوہر اپنے بچّے کو دودھ پلوانا چاہتا ہے۔ تو عورت پر لازم کیا گیا ہے کہ کم از کم دو سال تک بچّے کو دُودھ پلائے۔ اور نفقۂ رضاعت میں دُودھ پلانے والی کا کھانا کپڑا بچّے کے باپ کے ذِمّہ ہوگا۔ مگر فریقین پر لازم ہے کہ نہ اپنے بچّے کو دُودھ پلوانے والا، اپنی بساط سے گھٹیا درجے کا کھانا کپڑا دے۔ اور نہ دُودھ پلانیوالی اُس سے اُسکی بساط سے بڑھیا درجے کا کھانا کپڑا طلب کرے۔ دو سال کے اندر باہمی رضا و مشورہ کیساتھ بچّے کا دُودھ چھڑایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ بچّے کی صحت اِس امر کی اجازت دیتی ہو۔

بیوہ کی عدّت

آیاتِ بالا میں چونکہ مطلّقہ کی عدّت کا تعیّن گزر چکا ہے۔ اِس لئے قرآن کریم نے اگلی آیت مجید میں اپنے اسلوبِ بیان کے مطابق ساتھ ہی بیوہ کی عدّت کی وضاحت بھی کر دی ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ	اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ
اور جو لوگ کہ مر جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بی بیاں	جائیں۔ وُہ بیوائیں اپنی جانوں کیلئے چار ماہ اور دس راتوں کا

أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ
اپنی انتظار دیویں جانوں اپنی کو چار مہینے اور دس دن کا
وَّعَشْرًا ۚ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ
پس جب پہنچیں وقت اپنے کو پس نہیں گناہ اوپر تمہارے
عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ
بیچ اس چیز کے کہ کرتی ہیں بیچ جانوں اپنی کے ساتھ اچھی
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ ۲۳۴
طرح کے اور اللہ ساتھ اسچیز کے کہ کرتے ہو تم خبردار ہے۔

انتظار کریں۔ پھر جب وہ مذکورہ بالا عدّت کو پہنچ جائیں (یعنی عدّت پوری کر لیں) تو پھر تم پر اس امر میں کوئی حرج نہیں، جو وہ اپنے لئے معروف طریقے کیساتھ کریں (یعنی نکاح کر لیں) اور تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

● بیوہ کی عدّت مطلّقہ سے چالیس دن زیادہ مقرر کیگئی ہے۔ عدّت کی غرض ہے اظہارِ حمل، جو تین ماہ میں یقینًا ہو جاتا ہے اب بیوہ کو چونکہ شوہر کی موت کا صدمہ ہوتا ہے اسلئے صدمے کے دنوں میں پیٹ کے بچّے کی نشوونما یقینًا رُک جاتی ہے اسلئے صدمے کے چالیس دن اصل عدّت پر بڑھا دیئے گئے ہیں تاکہ اصل عدّت قائم رہے۔ اور اگر بیوہ حاملہ ہے۔ تو حمل اچھی طرح نمایاں ہو جائے۔

● آیت مجیدہ کے آخری جُملہ میں تنبیہ کیا گیا ہے کہ بیوہ عورتیں جس جگہ اپنی رضا و رغبت سے نکاح کرنا چاہیں، تو اگر تم اُنہیں اُنکی رضا کے خلاف تنگ کرو گے تو تمہارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم ہوگے۔

نکاح کا سلسلہ باقاعدہ منگنی سے شروع کیا کرو

اس سے اگلی آیت میں کنواری اور بیوہ سب لڑکیوں کی شادی کا سلسلہ منگنی سے شروع کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے:۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ
اور نہیں گناہ اوپر تمہارے بیچ اسچیز کے کہ ظاہر کیا
مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ
تم نے ساتھ اُسکے منگنے عورتوں کے یا چھپا رکھا تم نے بیچ جانو
عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ
اپنی کے جانتا ہے اللہ یہ کہ تم البتہ ذکر کرو گے اُنکا اور لیکن
لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا
وعدہ دو اُن کو چھپے ہوئے مگر یہ کہ کہو اُن کو ایک بات

اور اس امر میں تمہارے لئے کوئی حرج نہیں جو تم عورتوں کی منگنی کو ظاہر کر دیتے ہو یا (تقاضائے حالات کے مطابق کچھ عرصہ کیلئے) چھپا رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تم پر ظاہر کرتا ہے کہ تم ضرور ضرور اُن عورتوں سے بھی ذکر کرو گے (جن کی منگنی طے کر رہے ہو) ولیکن اے نکاح کے طلبگارو! تم اُن عورتوں کیساتھ شادی کا چھپا وعدہ نہ کرنا۔ سوائے اسکے کہ اُن کے وارثوں کیساتھ دستور کے مطابق (منگنی کی) بات چیت کیا کرو۔ اور جبتک بیوہ عورت کی عدّت پوری

مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ
اچھی طرح سے اور مت حکم کرو گرہ نکاح کی یہاں تک کہ پہنچے
حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
لکھا ہوا حکم خدا کا وقت اپنے کو اور جانو کہ تحقیق اللہ جانتا ہے
يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا
جو کچھ بیچ جی تمہارے کے ہے پس ڈرو اس سے اور جانو
أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ ۲۳۵ ع ۳۰ / ۱۴
یہ کہ اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے۔

نہ ہو جائے۔ اسوقت تک نکاح کا ارادہ نہ کرنا۔ اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہارے ذہنوں میں چھپا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بھی جانتا ہے۔ پس اُسکے قانون کی مخالفت سے ڈر جاؤ۔ اور جانے رہو کہ (اگر تم بُرے ارادوں سے باز آجاؤ تو) اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا بُردبار ہے۔

● اس آیت مجیدہ میں منگنی کو جائز قرار دینے کیساتھ ساتھ یہ بھی تاکید کیگئی ہے کہ جس لڑکی کی منگنی کی جارہی ہو اُسے بھی اس سے مطلع کیا جانا ضروری ہے۔ نیز اس آیت میں لڑکی کے والدین سے الگ شادی کے چھپے وعدوں، یعنی کورٹ میرج سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے! قرآن کریم کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ ناتجربہ کار نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی نسبت اُنکے والدین اُنکے لئے یقیناً یقیناً، زندگی کا بہتر ساتھی تلاش کر سکتے ہیں۔

طلاق بلا مس خداوند علیم وخبیر سے نوع انسانی کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اِنکے ہاں ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ نکاح ہوتے ہی دُولھا اور دُلہن کے دُرثاء میں اختلاف پیدا ہو جائیں، اور دُلہن کی رُخصتی کے بغیر ہی طلاق تک نوبت پہنچ جائے۔ چنانچہ اگلی آیت مسئلہ طلاق کے اِس گوشہ کی وضاحت کرتی ہے:۔

لَّا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ
نہیں گناہ اوپر تمہارے یہ کہ طلاق دو تم عورتوں کو
مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ
جتنک کہ نہ ہاتھ لگایا اُن کو یا نہیں مقرر کیا واسطے اُنکے مقرر
وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ
کرنا اور فائدہ دو اُن کو اوپر کشائش والے کے ہے قدر اُسکی
قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى
اور اوپر تنگی والے کے ہے قدر اُسکی فائدہ دینا ساتھ اچھی طرح
الْمُحْسِنِينَ ۝ ۲۳۶
کے حق ہے اوپر نیکی کرنیوالوں کے۔

تم پر کوئی حرج نہیں اگر تم عورتوں کو اِس حالت میں طلاق دو کہ تم نے اُن سے مس نہیں کی اور مہر مقرر نہیں کیا۔ تو اُنہیں کچھ فائدہ دے دیا کرو۔ یہ امر زیادہ مال والے پر اُسکی بساط کے مطابق فرض ہے اور کم مال والے پر اُسکی حیثیت کے مطابق۔ یہ فائدہ معروف قاعدے کیمطابق دیا جانا، معاشرہ میں حسن و توازن قائم رکھنے والوں پر فرض ہے۔

اس آیت میں اِس امر کی وضاحت کی گئی ہے، جب نکاح ہُوا مگر مہر کا تعین نہیں ہُوا اور نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ اگلی آیت میں اُس حالت کی تصریح درج ہے کہ نکاح ہُوا، مہر بھی بندھا لیکن بلا مس طلاق ہو گئی۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْ
اور اگر طلاق دو اُن کو پہلے اس سے کہ ہاتھ لگاؤ اُن کو
هُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ
اور تحقیق مقرر کر لیا واسطے اُن کے کچھ مقرر کرنا پس آدھا اس
مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ
چیز کا کہ مقرر کیا ہے تم نے مگر یہ کہ معاف کر دیں وہ یا معاف
بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ
کرے وہ شخص کہ بیچ ہاتھ اُسکے ہے گرہ نکاح کی اور یہ کہ معاف
لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ
کرو تم نزدیک تر ہے واسطے پرہیزگاری کے اور مت بھول جاؤ
اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۲۳۷
بزرگی درمیان اپنے تحقیق اللہ ساتھ اس چیز کے کہ کرتے ہو دیکھنے والا ہے۔

اور اگر تم اُنہیں مس سے پہلے طلاق دو اور تم نے مہر مقرر کیا ہے، تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے، اُسکا نصف اُنکا حق ہے۔ سوائے اِسکے کہ وہ مطلقہ عورتیں (اپنے نصف مہر کا حق برضا و رغبت) معاف کر دیں۔ اور یا (شوہر) جسکے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے (وہ اپنا نصف حق) معاف کر دے۔ (یعنی پورا مہر ادا کر دے)۔ اور حقیقت یہ ہے کہ پورا مہر ادا کرنا تقوٰی سے زیادہ قریب ہے۔ اور آپس میں اپنے بزرگوں کی فضیلت کو نہ بھولنا۔ بلاشبہ تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُنہیں دیکھنے والا ہے۔

● آیت بالا میں "وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ" کا جملہ بہت غورطلب ہے۔ طلاق کی مجلسوں میں جذبات کا بے قابو ہو جانا لازمی امر ہے۔ لیکن فریقین کے افراد پر اُنکے بڑے بزرگوں ہی کا اثر ہو سکتا ہے، جو اُنکے جذبات کو مشتعل نہ ہونے دیں لیکن یہ اِسی صورت میں ممکن ہے کہ مسئلہ طلاق جیسی تلخ مجلسوں میں بھی بزرگوں کا ادب و احترام بدستور ملحوظ رکھا جائے۔ اِسی لئے ارشاد ہُوا ہے کہ اپنے بزرگوں کی فضیلت اور ادب و احترام کو نہ بھولنا۔ اور اِسکا نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ جذبات بھڑکنے پائینگے اور نہ مسائل زیر بحث سلجھنے کی بجائے اُلجھتے چلے جائینگے۔

صلوٰۃ موقّت کی حفاظت کرو

اِسی ضمن میں عین مسائل طلاق کے دوران، اگلی آیت مجیدہ میں حفاظت صلوٰۃ کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔ اِسکی حکمت بھی یہی ہے۔ کہ جب طلاق کی تلخ مجلس گرم ہے۔ فریقین میں کسی پہلو بات طے نہیں ہو پاتی۔ مزاج میں دونوں طرف تلخی اور گرمی ہے۔ اور اُدھر صلوٰۃ موقّت کا وقت آ گیا ہے۔ تو اب اِس فریضۂ خداوندی کو مقدّم جانو۔ نتیجہ یہ ہو گا، اُٹھو گے، مسجد میں آؤ گے، وضو کرکے ٹھنڈے ہو گے۔ حضورِ خداوندی میں حاضر ہو کر دست بستہ اقرار کرو گے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ = ہم تیری

ہی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو اب نتیجہ یہ ہوگا کہ جب ادائے صلوٰۃ کے بعد یہ صلوٰۃ گزار مومن واپس آئینگے، تو مجلس طلاق کا رنگ ہی بدلا ہوا ہوگا۔ مزاج میں سکون و متانت ہوگی اور الجھا ہوا مسئلہ فوراً سلجھ جائیگا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ
محافظت کرو اُوپر نمازوں کے اور اُوپر نماز
الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○ ۲۳۸
بیچ والی کے ——— اور کھڑے ہو واسطے اللہ کے چپکے۔

اور سب صلوٰتوں کی حفاظت کرو، خصوصاً صلوٰۃ وسطیٰ[1] کی۔ اور قیام صلوٰۃ میں اللہ کے حضور دعا کرتے ہوئے کھڑے ہوا کرو۔[2]

[1] صلوٰۃ وسطیٰ فجر کی نماز ہے۔ کیونکہ یہی قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۱۷/۷۸ کی تخصیص اِسی پر وارد ہوئی ہے۔

[2] قٰنِتِيْنَ کا معنیٰ لغت کی رو سے دعا کرتے ہوئے بھی صحیح ہے اور فرمانبرداری کرتے ہوئے بھی ٹھیک ہے۔ لیکن یہاں چونکہ قیام صلوٰۃ کی قید موجود ہے، جو بجائے خود فرمانبرداری میں داخل ہے۔ اسلئے یہاں قٰنِتِيْنَ کا معنیٰ دعا کرتے ہوئے ہی لگ سکتا ہے جو مقتضیٰ مقام کے بھی عین مطابق ہے۔

صلوٰۃ موقت کی قضا کوئی نہیں

آیات نمبر ۲/۱۸۴-۱۸۵ میں روزہ کے متعلق گزر چکا ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار یا مسافر ہو تو روزہ قضا کر سکتا ہے۔ لیکن صلوٰۃ موقت یعنی نماز کی قضا کوئی نہیں۔ جیسے کہ ارشاد ہوا ہے:۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ
پس اگر ڈرو تم پس پیادہ پڑھ لو یا سواری پر۔ پس جب
اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ
امن میں آؤ پس یاد کرو اللہ کو جیسا سکھایا ہے تمکو جو کچھ
تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ ۲۳۹
نہیں تھے تم جانتے۔

پھر اگر تمہیں ادائے صلوٰۃ میں کوئی خوف لاحق ہو جائے تو اگر تم پیادہ پا سفر کر رہے ہو تو پیادہ پا چلتے چلتے ادا کر لیا کرو اور اگر سواری پر ہو تو سواری پر بیٹھے بیٹھے۔ پھر جب تم امن میں آجاؤ تو (پورے آداب و شرائط کیساتھ) اُس طرح اللہ کا ذکر کیا کرو جس طرح اُس نے تمہیں تعلیم دی ہے جسے تم نہیں جانتے تھے۔

دیکھیئے گا! اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جب دورانِ سفر یہ حالت ہو کہ اگر سفر ترک کرکے پورے آداب و شرائط کیساتھ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں تو کسی دشمن یا موذی جانور درندہ وغیرہ کا خوف ہے۔ اور اگر منزل تک پہنچنے کا انتظار کرتے ہیں تو صلوٰۃ ضائع ہوتی ہے۔ تو ایسے وقت پر آداب و شرائط تو معاف ہو سکتے ہیں، صلوٰۃ کا وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح ۴/۱۰۱ تا ۱۰۳ میں میدانِ جنگ کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ صلوٰۃ میں قصر یعنی کمی تو کیجا سکتی ہے لیکن صلوٰۃ قضا نہیں ہو سکتی۔ جبتک ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی اور فوجیں آمنے سامنے پڑی ہیں۔ اُسوقت تک کیلئے فوج کو دو حصوں

میں تقسیم ہونے، اور باری باری سے امام صلوٰۃ کیساتھ قصر صلوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔ اور جب جنگ شروع ہو جائے تو صلوٰۃ کا وقت آنے پر، ہر مجاہد اپنی اپنی جگہ پر کھڑے بیٹھے یا لیٹے جس حالت میں ہو اللہ کا ذکر کر لیا کرے۔ اور اخیر پر وضاحت کر دیگئی ہے کہ اتنے تکلفات اسلئے لازم قرار دیئے گئے ہیں ۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۴/۱۰۳ = بلاشبہ مومنوں پر صلوٰۃ اپنے اپنے مقررہ وقتوں پر فرض قرار دیگئی ہے۔

گمشدہ شوہر کی بیوی ایک سال انتظار کرے

آیت نمبر ۲۳۴ میں متوفی شوہر کی بیوی کی عدّت بیان ہوئی ہے چار ماہ دس راتیں۔ اور متوفی شوہروں کیلئے الفاظ آئے ہیں وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا...... ۲/۲۳۴ = اور جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو انکی بیویاں چار ماہ دس راتوں کا انتظار کریں۔ بسلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۲/۲۴۰ میں پھر یہی الفاظ آئے ہیں وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا، لیکن اسکے بعد اس آیت میں متوفی کی بیوی کے لئے ایک سال تک نان نفقہ ادا کرنے اور گھر سے نہ نکالنے کا حکم ہوا ہے۔ اس پر سابقہ تفسیروں نے الفاظ کے حقیقی اور مجازی استعمال کے فرق کو نظر انداز کرکے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ۲/۲۴۰ میں بیوہ کی عدّت ایک سال مقرر فرمائی تھی۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس حکم کو واپس لیا، یعنی آیت نمبر ۲/۲۴۰ کو منسوخ کرکے ۲/۲۳۴ میں بیوہ کی عدّت ایک سال کی بجائے چار ماہ دس دن مقرر فرمائی۔ العجب!

● تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر سابقہ تفسیروں کا یہ تصور ایک سیکنڈ کیلئے صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ناسخ آیت کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ آیت سے پہلے نازل فرمایا تھا جو ابھی نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ نازل ہونے سے پہلے ہی منسوخ ہو چکی تھی؟ اور اگر وہ نزول سے پہلے ہی منسوخ ہو چکی تھی تو اسکے نازل کرنے کا فائدہ؟

● اور اسکے برعکس اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو پہلے آیت نمبر ۲۳۴، اور بعد میں آیت نمبر ۲۴۰ نازل فرمائی تھی تو ماننا پڑیگا کہ معاذ اللہ رسول مقبول نے قرآن حکیم کے اپنے نسخہ امام میں ناسخ آیت کو آگے اور منسوخ کو پیچھے کر دیا تھا۔ اور یا پھر نظریۂ روایات کے مطابق آنحضور سلام علیہ تو قرآن حکیم کی الگ الگ آیتوں کو ہڈیوں پتوں پراگندہ حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمع تو کر دیا مگر اس طرح کہ ناسخ آیت کو آگے کر دیا۔ اور منسوخ کو پیچھے! العیاذ باللہ! دیباچہ کے عنوان نمبر ۲، ناسخ و منسوخ میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کی کوئی ایک آیت بھی منسوخ نہیں! اور ناسخ و منسوخ کا نظریہ بالکل بے بنیاد ہے۔

حقیقت حال

جیسے کہ پیش لفظ کے عنوان نمبر ۴ میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ قرآن کریم میں الفاظ کا استعمال حقیقت اور مجاز دونوں صورتوں میں ہوا ہے۔ لہٰذا آیت نمبر ۲۳۴ میں يُتَوَفَّوْنَ کے الفاظ بطور حقیقت آئے ہیں۔ اور بیوہ کی عدّت چار ماہ دس راتیں بیان ہوئی ہیں۔ لیکن آیت نمبر ۲۴۰ میں وہی يُتَوَفَّوْنَ کے الفاظ بطور مجاز آئے ہیں۔ یہاں جن

شوہروں کا ذکر ہے وہ فی الحقیقت فوت نہیں ہوئے لیکن وہ اپنی بیویوں کیلئے متوفی شوہروں کی مانند ہو چکے ہیں یعنی جس طرح حقیقی متوفی شوہر کی بیوی کو شوہر کی طرف سے جنسی حقوق اور ضروریاتِ زندگی میسر نہیں آتیں۔ یہی حالت لاپتہ یعنی مجازی متوفی شوہر کی بیوی کی ہوتی ہے۔ پس آیت نمبر ۲۴۰ میں لاپتہ شوہروں کو اسی طرح بطورِ مجاز متوفی کہا گیا ہے۔ جسطرح ہر سوئے ہوئے آدمی کو بطورِ مجاز متوفی قرار دیا گیا ہے:- وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ ۶/۶۰ = اور وہ اللہ ہی ہے، جو تمہیں رات کیوقت فوت کر دیتا ہے۔ پس جسطرح ہر سویا ہوا آدمی زندہ ہوتے ہوئے مُردوں کی مانند ہوتا ہے۔ اسیطرح لاپتہ شوہر زندہ ہوتے ہوئے، بیوی کیلئے مُردوں کی مانند ہو جاتا ہے۔ جسطرح متوفی کی بیوی شوہر کے جنسی حق اور حقِ نان نفقہ سے محروم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح لاپتہ شوہر کی بیوی کو بھی شوہر کا جنسی حق اور حقِ نان نفقہ میسر نہیں آتا۔

ربطِ آیات اب یہاں پہنچکر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت نمبر ۲۳۹ میں صلوٰۃ موقت (نماز) کا ذکر ہے اور ۲۴۰ میں گمشدہ شوہر کی بیوی کی عدت بیان کیگئی ہے۔ اِن دونوں آیتوں میں باہم ربط کیا ہے؟ یعنی کہاں نماز اور کہاں گم شدہ شوہر کی بیوی کا مسئلہ۔ واضح رہے کہ آیت نمبر ۲۳۹ میں نماز کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ اگر دورانِ سفر کسی موذی جانور یا دشمن کا خطرہ ہو تو چلتے چلتے نماز ادا کر لیا کرو۔ اور اُسکے بعد آیا ہے فَإِذَا أَمِنتُمْ، پھر جب تم امن میں آ جاؤ تو پوری ہدایات کے مطابق نماز ادا کیا کرو۔ اب أَمِنتُمْ کے اُلٹ ممکن صورت یہ ہے کہ اگر خطرہ وارد ہو چکا ہے۔ یعنی کسی درندہ نے پھاڑ کھایا ہے، یا کسی دشمن نے مار ڈالا ہے یا قید کر دیا ہے اور کسی کو حقیقتِ حال کی خبر نہیں ہو سکی۔ تو اُسے مجازی متوفی قرار دیکر، اُسکی بیوی کی ایک سال عدت مقرر کر دی گئی ہے۔

لاپتہ شوہر کی بیوی کیلئے فقہوں کے فیصلے لاپتہ شوہر کی بیوی کا مسئلہ معاشرہ کا انتہائی اہم مسئلہ ہے جسمیں صنفِ نازک کے جنسی حق اور ضروریاتِ زندگی کے پیدائشی حقوق کا سوال ہے لیکن اس ضمن میں امام اعظم[1] علیہ الرحمتہ کی طرف منسوب ہے کہ آپنے فیصلہ دیا کہ وہ نوّے سال کیلئے لاپتہ شوہر کا انتظار کرے۔ حالانکہ اگر کسی عورت کا بیس سال کی عمر میں شوہر لاپتہ ہو جائے۔ اور اُس پر نوّے سال کا انتظار لازم کر دیا جائے تو اُسے ایک سو دس برس کی عمر میں پہنچ کر، نکاحِ ثانی کی اجازت اُسوقت دی جا رہی ہوتی ہے، جب اُسے شوہر کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی۔ امام مالکؒ[2] کی طرف منسوب ہے کہ آپنے چار سال کی انتظار لازم ٹھہرائی ہے۔ لیکن خداتعالیٰ نے لاپتہ شوہر کو مجازی متوفی قرار دیکر ارشاد فرمایا ہے:-

<u>وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ</u>
<u>اور جو لوگ کہ مر جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے</u>
<u>أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ</u>
ہیں بی بیاں وصیّت کر جاویں واسطے بیبیوں اپنی کے فائدہ دینا ایک

اور تم میں سے جو لوگ روک لئے جائیں (یعنی لاپتہ ہو جائیں) اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں۔ اُنکی بیویوں کیلئے حکم ہے کہ اُنہیں ایک سال تک ضروریاتِ زندگی مہیا کی جائیں اور اُنہیں اُنکے گھروں سے نکالا نہ جائے۔ پھر اگر ایک سال کے بعد

غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
برس تک نہ نکال دینا پس اگر نکل جاویں پس نہیں گناہ اوپر
فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ
تمہارے بیچ اُس چیز کے کہ کیا اُنہوں نے بیچ جانوں اپنی کے
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ ۲۴۰
اچھی طرح سے اور اللہ غالب ہے حکمت والا۔

اگر وُہ نکل جائیں تو تم پر کوئی حرج نہیں جو وُہ اپنی جانوں کیلئے معروف طریقہ کیساتھ (نکاح ثانی) کرلیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

● واضح رہے کہ لاپتہ شوہر کی بیوی ایک سال تک شوہر کے مال سے نان نفقہ حاصل کریگی۔ لیکن اگر شوہر کا مال کوئی نہ ہو تو شوہر کے ورثاء ایک سال کا بوجھ اُٹھائینگے۔ اگر وارث کوئی نہ ہو یا بوجھ اُٹھانے قابل نہ ہوں تو پھر ایک سال کا نان نفقہ مرکز کے ذمہ ہوگا۔ غرض یہ کہ لاپتہ شوہر کی بیوی کیلئے ایک سال کا انتظار فرض ہے۔

(نوٹ) بخاری شریف مترجم مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد سوم کے صفحہ نمبر ۱۹۸ پر بھی لکھا ہے :" اور ابن مسیبؒ نے کہا کہ اگر کوئی شخص میدانِ جنگ میں گم ہو جائے تو اسکی بیوی ایک سال تک انتظار کرے"۔ خدا جانے اِس روایت کی موجودگی کے باوجود لاپتہ شوہر کی بیوی کیلئے ائمہ رحمت اللہ علیہم کی طرف نوّے سال تک کی انتظار کیوں منسوب ہے؟

ربطِ کلام واضح رہے کہ لاپتہ شوہر کی بیوی کا تذکرہ مطلقہ اور بیوہ کی الگ الگ عِدّتوں کے فیصلہ کے عین متصل مابعد، اِس ربط کے مطابق وارد ہوا ہے کہ جس طرح نکاح ثانی کیلئے مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی الگ الگ عِدّتیں لازم ہیں۔ اِسی طرح لاپتہ شوہر کی بیوی کیلئے بھی اُسکے جنسی حقوق، اور ضروریاتِ زندگی کے تحفظ کیلئے اُسکے ایامِ تجرد کی عدت مقرر کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ لاپتہ شوہر کو مجازاً متوفّی قرار دیکر اُسکی بیوی کیلئے ایک سال کی عِدّت مقرر کر دیتی ہے: تاکہ اُسکو اِس عِدّت کے بعد نکاح ثانی کا قانونی حق مُیسّر آجائے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر مطلقہ عورتوں کو رخصت کرنے وقت اُنکے ساتھ حُسنِ سلوک کا چہارگانہ تکراری حکم دیا گیا ہے:-

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا
اور واسطے طلاق والیوں کے فائدہ دینا ہے ساتھ اچھی
عَلَى الْمُتَّقِينَ ○ ۲۴۱
طرح کے لازم ہوا اوپر پرہیزگاروں کے۔

اور مطلقہ عورتوں کو قرآنی معروف طریقہ کے مطابق مال و متاع دینا، اور دیا ہوا مال واپس نہ لینا لازم ہے! اور یہ حکم اُن لوگوں پر فرض ہے جو خدا تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ
اسیطرح بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے نشانیاں اپنی

اور اللہ تعالیٰ اِسی طرح اپنی آیتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔

تَعْقِلُوْنَ ۝ ۲۴۲ ع (یعنی بے عقلوں کا اس کتاب کیساتھ کوئی تعلق نہیں)
تو کہ تم سمجھو۔

عقل سے کام لیا کرو

آیت مجیدہ کے آخری جملہ میں عقل سے کام لینے کے تاکیدی حکم پر غور کرنے سے یہ امر کھل کر سامنے آ رہا ہے کہ لاپتہ شوہر کی بیوی کو نوے سال کی انتظار کا پابند کرنا، جب یقیناً یقیناً خلافِ عقل ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ نہ تو اس حکم کو رسولِ معقول کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے۔ اور نہ کسی ایسے شخص کی طرف، جسکے دماغ میں معمولی سی عقل بھی موجود ہو۔

اس سے اگلی آیات کریمات کا ربط۔ زندہ رہنے کیلئے عسکری طاقت لازم ہے

اس سے اگلی آیتوں میں زمانہ داؤد سلام علیہ کے بنی اسرائیل کا واقعہ درج ہے جنہیں دشمنوں نے انکے گھروں سے نکال دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی معرفت انہیں دشمن قوم سے جہاد کرنے، اور اپنے مکان واپس لینے کا حکم دیا۔ اسی طرح محمد رسولِ مقبول اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی دشمنوں نے گھروں سے نکال دیا تھا۔ حضور معہ صحابہ کرام مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ اور ۲/۱۴۴ کے مطابق آنحضور مکہ معظمہ کی بازیابی کیلئے ملتجی نگاہوں کیساتھ اپنے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ۔ اور اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم آپ کو ضرور ضرور اس قبلہ مرکز کی تولیت عطا فرمائینگے، جسے آپنے ہمارے حکم کیمطابق پسند فرمایا ہے۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۲/۱۴۴ اب چونکہ اس بازیابی کیلئے ۹/۵ کے مطابق انتہائی فوجی طاقت کی ضرورت تھی۔ اسلئے حضور فوجی قوت کی فراہمی کے اہم فریضہ کی ادائیگی میں مصروف ہونے کیساتھ ساتھ ہر آن حضورِ الٰہی میں فتح و نصرت کیلئے مجسم دعا بھی بنے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کو خواب بھی مکہ معظمہ کی فتح اور بازیابی ہی کے آتے تھے جنہیں اللہ نے سچا کر دکھایا۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ۴۸/۲۷

● نیز اگلی آیات کریمات میں بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کرکے قیامت تک کی قوموں کی رہنمائی کر دیگئی ہے کہ اگر عسکری طاقت مہیا نہ کروگے تو دشمن تمہیں گھروں سے نکال دیا کرینگے۔ اور اگر تمہاری مجبوری یا کمزوری کے باعث کبھی ایسا واقعہ ہو جائے تو اپنے ملک بستیوں اور گھروں کی بازیابی کیلئے پھر فوجی قوت کی فراہمی اور اسکے استعمال ہی کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ جہاد کے اہم حکم سے غافل اُن بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہونے ہوئے دشمن کے خوف سے گھر چھوڑ کر نکل گئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ
کیا نہ دیکھا تو نے طرف اُن لوگوں کے کہ نکلے گھروں
دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ
اپنے سے اور تھے وہ ہزاروں ڈر موت کے سے

اے مخاطب! کیا تو نے اُن لوگوں کی طرف غور نہیں کیا۔ (یعنی تجھے اُن پر غور کرنا چاہیئے) جو موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر نکل بھاگے۔ حالانکہ وہ ہزاروں کی گنتی میں تھے پھر اللہ نے انہیں (اپنے نبی کی معرفت) کہا کہ دشمن کے

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ

پس کہا واسطے اُن کے اللہ تعالیٰ نے مر جاؤ پھر جلا دیا اُنکو تحقیق

لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

اللہ البتہ صاحب فضل کا ہے اوپر لوگوں کے و لیکن اکثر لوگ

لَا يَشْكُرُوْنَ ○ ۲۴۳

نہیں شکر کرتے۔

مارے) مرجاؤ۔ اس پر (اُنہوں نے دشمنوں کا مقابلہ کرکے گھر واپس لے لئے تو) اللہ نے اُنہیں زندہ کر دیا۔ (یعنی اُنہیں پھر سے عزت کی زندگی عطا ہوئی) بلا شبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربانی کرنیوالا ہے لیکن اکثر لوگ (اُسکے قوانین کی مخالفت کرکے) اُسکی ناشکری کرتے ہیں۔

● سے یاد رہے کہ وہ مُوْتُوْا کے حکم سے طبعی موت مر گئے تھے۔ اور نہ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ کی خبر میں وہ طبعی طور پر زندہ کئے گئے تھے۔ بلکہ یہاں باعزت قومی زندگی کا ذکر ہے جسے وہ کھو بیٹھے تھے۔

● اس سے اگلی دو آیتوں میں اُنکو دیگئی ہدایات کا اجمالی تذکرہ بالفاظِ ذیل آیا ہے:۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ

اور لڑو بیچ راہ اللہ کے اور جانو یہ کہ اللہ تعالیٰ سننے

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ۲۴۴

والا جاننے والا ہے۔

اور اللہ نے حکم دیا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ اور جانتے رہو کہ (اس حکم کے حق میں، یا اِسکی مخالفت میں تم جو کچھ بھی کہو گے اُسے) اللہ سننے والا ہے۔ (اور جو کچھ تمہارے ذہنوں میں پوشیدہ ہے اُسے) جاننے والا ہے۔

● قتال فی سبیل اللہ کے حکم کی تعمیل کیلئے چونکہ عسکری قوت مہیا کرنا فرض ہے ۔ اور قوت چونکہ روپے پیسے کے بغیر مہیا نہیں ہوتی۔ اِسلئے ارشاد ہوا ہے:۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

کون شخص ہے وہ جو قرض دے اللہ تعالیٰ کو قرض اچھا

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ

پس دوگنا کرے اسکو واسطے اُسکے دوگنا بہت اور اللہ تنگ

وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ ۲۴۵

بند کرتا ہے اور کشادہ کرتا ہے اور طرف اُسکی پھیر جاؤ گے۔

جو شخص کہ (دشمن کے مقابلے پر قوت مہیا کرنے کیلئے) اللہ تعالیٰ کو اچھا قرضہ دیگا۔ اللہ تعالیٰ اُسکے لئے (فتح کے بعد) اُس مال کو کئی گنا زیادہ کر دیگا۔ اور اللہ تعالیٰ (جنگی ضرورتوں کیلئے مال دینے والوں میں سے منافقوں کے مال) قبض کرتا اور مومنوں کے مال زیادہ کرتا ہے۔ اور تم نے آخرت کی جوابدہی کیلئے اُسی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

● دیکھئے! آیت بالا میں جنگی ضرورتوں کیلئے قرضہ دینے والوں کے متعلق قبض و بصط کے دو قانون بیان ہوئے ہیں۔ جیسا ظاہر ہے کہ جس شخص نے جنگی قرضہ دینے کے ساتھ ساتھ ہر لحاظ سے دین کی فتح اور غلبہ کیلئے کوشش کی ہے۔ وہ اضافے کا حقدار ہے۔ لیکن جس کسی نے اِدھر قرضہ بھی دیا ہے اور اُدھر دشمن قوم کیلئے جاسوسی کے فرائض بھی ادا کر رہا ہے۔ اُسکا دیا ہوا مال، اور جملہ خدمات ضائع ہو جاتی ہیں۔

اجمال کے بعد تفصیل آیات بالا میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ موت کے ڈر سے گھر چھوڑ کر بھاگ جانیوالے کون تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کیسا تھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔ پھر اُن کو فتح کے بعد عزت کی زندگی عطا فرمائی۔ اگلی آیات کریمات میں بتایا گیا ہے کہ یہ زمانۂ داؤد علیہ السلام کے بنی اسرائیل تھے :-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ
کیا نہ دیکھا تو نے طرف سرداروں کے بنی اسرائیل سے پیچھے
بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا
موسیٰ کے جب کہا انہوں نے واسطے نبی اپنے کے مقرر کر واسطے
مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ
ہمارے بادشاہ کہ لڑیں ہم بیچ راہ اللہ کے کہا آیا نزدیک ہو
اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۗ قَالُوْا
تم اگر لکھا جاوے اوپر تمہارے لڑنا یہ کہ نہ لڑو تم کہا انہوں نے
وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ
اور کیا ہے ہمکو یہ کہ نہ لڑینگے ہم بیچ راہ اللہ کے اور تحقیق
اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۗ فَلَمَّا كُتِبَ
نکالے گئے ہم گھروں اپنے سے اور بیٹوں اپنے سے پس جب
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ
لکھا گیا اوپر اُنکے لڑنا پھر گئے مگر تھوڑے ان میں سے اور
عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ۲۴۶
اللہ جانتا ہے ظالمین کو۔

اے مخاطب! کیا تو نے موسیٰ کے بعد والے بنی اسرائیل کے سرداروں کے حالات پر غور نہیں کیا، جب اُنہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک سپہ سالار مقرر فرمایئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑائی کریں۔ نبی نے فرمایا، ہو سکتا ہے کہ اگر تمہیں لڑائی کا حکم دیا جائے تو تم لڑائی نہ کرو۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اس حالت میں اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں کہ ہم اپنے گھروں اور اولادوں سے نکال دیئے گئے ہیں لیکن جب اُن پر لڑائی فرض کیگئی تو اُن کی اکثریت اپنے عہد سے پھر گئی۔ مگر اُن میں سے تھوڑے سے ثابت قدم رہے، حقیقت یہ ہے کہ (اپنے عہد سے پھر جانیوالے) ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ
اور کہا واسطے اُن کے نبی اُن کے نے تحقیق اللہ نے مقرر
لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۗ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ
کیا ہے واسطے تمہارے طالوت کو بادشاہ کہا انہوں نے کیونکر ہوگی
الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
واسطے اُسکے بادشاہی اوپر ہمارے اور ہم بہت حقدار ہیں ساتھ

اور اُنکے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے لئے مَلِکُ الْقِتَال (سپہ سالار) مقرر کیا ہے۔ بنی اسرائیل کے سرداروں نے کہا کہ اُسے ہم پر حکومت کا حق کس طرح ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ہم اُسکی نسبت زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ اُسے مالی وسعت نہیں دیگئی۔ نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلے پر اُسے اِسلئے پسند فرمایا

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ
بادشاہی کے اس سے اور نہ دیا گیا وہ کشائش مال
إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ
بے کہا تحقیق اللہ نے پسند کیا اس کو اوپر تمہارے
بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ
اور زیادہ دی اس کو کشادگی بیچ علم کے اور بدن کے
يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ
اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۲۴۷
کشائش والا جاننے والا ہے

ہے کہ اسے جنگی معلومات اور جسمانی طاقت میں تم سے زیادہ پایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے قانونِ مشیئت کے مطابق ہی ملک (حکم) عطا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ (قانونِ مشیت کے مطابق ہی) وسعت دینے والا ہے۔ (اور) خوب اچھی طرح جاننے والا ہے۔

عہ أَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا استفہام انکاری ہے یعنی بنی اسرائیل کے سرداروں نے کہا کہ طالوت کو ہم پر حاکمیت کا حق نہیں لیکن نبی نے کہا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ
اور کہا واسطے انکے نبی ان کے نے تحقیق
مُلْكِهٖٓ أَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ
نشانی پادشاہی اسکی کی یہ کہ آوے تمہارے پاس صندوق
سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا
بیچ اسکے تسکین ہے پروردگار تمہارے سے اور باقی سے
تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ
اس چیز سے کہ چھوڑ گئی قوم موسیٰ کی اور قوم ہارون کی اٹھا
الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ
لاویں اسکو فرشتے تحقیق بیچ اسکے البتہ نشانی ہے واسطے
إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۴۸ ع ۹/۱۶
تمہارے اگر ہو تم ایمان والے

اور ان کے نبی نے انہیں یہ بھی بتایا کہ طالوت کی حکومت کا نشان یہ ہو گا کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا۔ (یعنی ایک محفوظ مملکت تمہارے قبضہ میں آجائیگا) جس میں تمہارے ربوبیت کرنیوالے کیطرف سے (پورے عوام کیلئے) تسکین ہوگی اور وہ (ساری سابقہ حکومت بھی تمہارے پاس واپس) آجائیگی جو آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون نے پیچھے چھوڑی تھی۔ اس (صندوق کیطرح محفوظ حکومت) کو ملائکہ (صفت نیک عمّال) اٹھائینگے (چلائینگے) بلا شبہ اگر تم مومن ہو تو تمہارے لئے (طالوت کے) اس تقرر میں (اسکی خوبیوں کا) ایک واضح نشان ہے۔

تابوت سکینہ ● تابوت کا معنیٰ ہے صندوق۔ اور سکینہ کا معنی ہے اطمینان، تسکین اور تسلّی۔ جس

حکومت کی سرحدیں مضبوط ہوں، اور وہ دشمن کے جارحانہ حملوں سے محفوظ ہو اُسے اصطلاحاً صندوق کہا گیا ہے۔ اور اگر اُسکا داخلی نظام عوام کے حقوقِ ربوبیتِ عامہ کی بنیادوں پر قائم کیا گیا ہو تو یہ ہے اُس صندوق کا داخلی سکون (سکینہ) اور ایسی ہی حکومت کیلئے، جو اِن داخلی اور خارجی خوبیوں سے معمور ہو اصطلاحی طور پر لایا گیا ہے یَاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَکِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ تمہارے لئے خارجی طور پر مضبوط حکومت قائم ہو جائیگی۔ اور داخلی طور پر اُس میں تمہارے رب کیطرف سے (یعنی سامانِ ربوبیت کے لحاظ سے) پوری تسکین میسر ہوگی۔

تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِکَةُ • ایسی حکومت اُسوقت تک قائم نہیں ہو سکتی جبتک کہ اِسکے عمّال نیچے سے اُوپر تک سب کے سب ذاتی منفعت کوشیوں کے بہیمانہ اوصاف سے مبرّا نہ ہوں۔ ایسے ہی عمّال کو آئتِ بالا میں ملائکہ صفت ہونے کی بدولت ملائکہ کہا گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عمّالِ حکومت ہی کسی حکومت کو حکومتِ الٰہیہ بھی بنا دیتے ہیں اور شیطانی حکومت بھی بناکر رکھ دیتے ہیں۔ المختصر آئتِ بالا میں حضرتِ طالوت کی عملی قابلیت کی بدولت حکومت کی سرحدوں کے صندوق کیطرح مضبوط ہو جانے کی وضاحت کیگئی ہے۔ اور حضرتِ موسیٰ اور ہارون کے اُن مفتوحہ علاقوں کی واپسی کی خبر بھی دیگئی ہے جو لبعد والوں کی نااہلی کی بدولت بنی اسرائیل کے قبضہ سے نکل چکے تھے۔

روائتی مفہوم اب آئتِ بالا کے الفاظ تابوت سکینہ، بقیہ آلِ موسیٰ و ہارون اور حمل ملائکہ کا روائتی مفہوم ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر مظہری کے صفحہ ۱۵۳ پر لکھا ہے "بعض کہتے ہیں اِس سے مراد یہ ہے صندوق جو شمشاد کی لکڑی کا تھا اور اُس پر سنہرا کام ہوا تھا۔ تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا۔ یہ روائت ابنِ منذر نے وہب بن منبہ سے نقل کی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ پر ایک تابوت نازل کیا تھا جسمیں انبیاء کی تصویریں تھیں پہلے تو وہ حضرت آدمؑ کے پاس رہا پھر حضرت شیثؑ کے پاس۔ اور پھر انبیاء میں میراث در میراث ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچ گیا پھر موسیٰ نے توراۃ اور اپنا کچھ سامان اُس میں رکھدیا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو انبیاء بنی اسرائیل میں ایک کے بعد دوسرے کو ملتا رہا۔ اور بعض کا قول ہے کہ وہ توراۃ ہی کا ایک صندوق تھا۔ بنی اسرائیل جب کہیں لڑائی میں جاتے تو اُسے اپنے آگے رکھتے تھے۔ اِسکی برکت سے اُنکی فتح ہو جاتی تھی۔ اور جب یہ صندوق چلتا تو یہ بھی چلتے تھے اور جب وہ ٹھہر جاتا تو یہ بھی ٹھہر جاتے تھے۔"

• یہاں پہنچکر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ صندوق خود بخود کسطرح چلتا تھا۔ اور خود بخود کسطرح ٹھہر جاتا تھا۔ اِسکا جواب بھی تفسیر مظہری کے اِسی صفحہ پر بالفاظ ذیل درج ہے۔ "ابنِ عساکر نے کلبی سے، انہوں نے ابی صالح سے انہوں نے ابنِ عباسؓ سے روائت کی ہے کہ سکینہ زبرجد یا یاقوت کی ایک تصویر تھی جو تابوت میں رکھی ہوئی تھی۔ اِسکا سر اور دُم شکل بلّی کے سر اور دُم کے تھے اور اُسکے دو بازو تھے۔ وہ روتی تھی تو تابوت دشمن کیطرف دوڑتا تھا۔ اور لوگ اِسکے پیچھے پیچھے دوڑتے تھے۔ اور جب تابوت ٹھہر جاتا تو یہ بھی ٹھہر جاتے تھے۔ اور پھر مدد (الٰہی) نازل ہوتی .... بعض کا قول ہے کہ اِس صندوق میں دو تختیاں توراۃ پوری اور

اُن تختیوں کے ٹکڑے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں۔ اور موسیٰ علیہ السّلام کا عصا، اور آپکے دونوں جُوتے، اور ہارُون کا عمامہ اور اُنکی لاٹھی اور اُس مَنّ کا ایک قفیز تھا جو بنی اسرائیل پر آسمان سے نازل ہوتا تھا" —— یہ ہے روائتی تفسیر جس کی رُو سے فیصلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں کہ تابوت کے اندر کی سکینہ کیا تھی کیا وہ بلّی کی چیخنے چلّانے والی تصویر تھی، تورات کی تختیاں تھیں یا حضراتِ موسیٰ و ہارون سلامٌ علیہما کے کپڑے جوتے اور لاٹھیاں تھیں؟ ● تعجب انگیز یہ امر ہے کہ ایسی تفسیروں کو رسولی تفاسیر قرار دیدیا گیا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک آیت کی رسولی تفسیر صرف ایک ہو سکتی ہے یا متعدد؟ کیا رسولی تفسیر میں بعض بعض کے اقوال کی گنجائش بھی باقی رہ جاتی ہے؟

حقیقت حال یہ ہے کہ: ● قرآنِ کریم قوموں کے عروج و زوال کی وضاحت کرتا اور اُن اصول و قواعد سے نوعِ انسانی کو روشناس کراتا ہے، جو عروج و زوال کا باعث بنتے ہیں سلسلۂ درس کی اگلی آیات میں آپ دیکھینگے کہ حضرتِ طالوتؑ کی سپہ سالاری کے ضمن میں کسطرح ہر قسم کے جنگی اصول اُجاگر کیئے گئے ہیں۔ تاکہ قیامت تک کی اُمّت اُن پر عمل کرکے کامیاب و کامران ہوتی رہے لیکن جیسے کہ آپ اُوپر دیکھ چکے ہیں کہ روائتی تفسیر نے معاذ اللہ معاذ اللہ حضراتِ موسیٰ و ہارون اور داؤد و سلیمان سلامٌ علیہم کی کامیابیوں کا سہرا تابوت سکینہ کے سر باندھ رکھا ہے یعنی یہ کہ اُن میں کوئی قابلیّت نہیں تھی العیاذ باللہ! فتح و نصرت تابوتِ سکینہ میں چیخنے چلّانے والی بلّی کی تصویر کی بدولت تھی اب نہ اِس اُمّت کے پاس تابوتِ سکینہ ہو، نہ یہ قوم، اقوامِ عالم کے مقابلے پر کامیاب ہو سکے لیکن اِس روائتی نظریہ کے برعکس اگلی آیاتِ کریمات میں حقیقتِ حال ملاحظہ فرمائیں کہ جب حضرت طالوت بنی اسرائیل کی اُس فوج کو لیکر روانہ ہوئے جو عدوِ قتال کے قائم ابھی تو ارشاد ہوا ہے:۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ
پس جب جدا ہوا طالوت ساتھ لشکروں کے کہا تحقیق اللہ
مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي
آزمانے والا ہے تم کو ساتھ ایک نہر کے پس جو کوئی پیئے اس میں سے پس نہیں
وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ
مجھ سے اور جو کوئی نہ چکھے گا اسکو پس تحقیق وہ مجھ سے ہے مگر جو کوئی بھر
غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ
لے ایک چلو ساتھ ہاتھ اپنے کے پس پی گئے اس میں سے مگر تھوڑے ان میں سے
فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا
پس جب پار اترا اس سے وہ اور جو لوگ کہ ایمان لائے تھے ساتھ اسکے کہنے لگے

پھر جب طالوت بنی اسرائیل کے لشکروں کو لیکر روانہ ہوئے تو آپنے فرمایا کہ بلا شبہ اللہ تعالےٰ تمہیں ایک نہر کے متعلق ایک امتناعی حکم کے ساتھ ظاہر کرنے والا ہے کہ تم میں سے کون اپنے امیر جہاد کا فرماں بردار ہے اور کون نافرمان ہے) پھر جس نے اُس نہر میں سے ایک چلّو سے زائد پانی پی لیا۔ وہ میرا ساتھی نہیں ہوگا۔ (اُسے الگ کردُونگا) لیکن اُن میں سے تھوڑے سے افراد کے سوا سب نے (جی بھر کر) پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور اُن کے مومن ساتھی (نہر) پار کر گئے تو (اُن میں سے) اُنہوں (یعنی پانی پی جانے والوں) نے کہا کہ

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ
نہیں طاقت ہم کو آج کے دن ساتھ جالوت کے اور لشکروں اسکے کے
قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ
کہا ان لوگوں نے جو جانتے تھے یہ کہ وہ ملنے والے ہیں اللہ کے
كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ
بہت ہوا کہ جماعت تھوڑی غالب آئی ہے جماعت بہت پر
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۲۴۹
ساتھ حکم اللہ کے اور اللہ ساتھ صبر کرنیوالوں کے ہے

آج ہم میں جالوت اور اُس کے لشکروں کے ساتھ (جنگ کرنے کی) طاقت نہیں۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا یقین کامل تھا (یعنی جنہوں نے نہر سے متعلقہ حکم میں طالوتؑ کی نافرمانی نہیں کی تھی) انہوں نے کہا کہ بہت سے چھوٹے لشکر اللہ تعالیٰ کے قانونؑ (ثبات قدمی) کے ذریعہ کثیر لشکروں پر غالب آتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ ثابت قدم رہنےؑ والوں کے ساتھ ہے۔

علہ اذن یعنی قانون کیلئے دیکھئے آیت مجیدہ ۷/۵۸۔ علہ صبر یعنی ثابت قدمی کیلئے دیکھئے آیت مجیدہ ۳/۱۴۶۔

بزدلوں کی دو مرتبہ کی چھانٹی

• آیات بالا سے عیاں ہو چکا ہے کہ اُس جارح قوم کے مقابلہ کیلئے جو بنی اسرائیل پر حملہ آور ہوئی تھی اور یہ موت کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے ۲/۲۴۳، جب اللہ کے نبی نے اُنہیں تیار کیا تو بعض وہ تھے کہ جنگ کا حکم ملتے ہی وعدہ قتال سے پھر گئے ۲/۲۴۶ انہیں الگ کر دیا گیا۔ یہ تھی بزدلوں کی پہلی چھانٹی۔ اِسکے بعد جن لوگوں نے نہر کا پانی پی کر اپنے سپہ سالار کی نافرمانی کی، جو جنگی علوم میں ماہر تھا (بسطۃً فی العلم)۔ تو جب نہر پار اُترے تو اُنکے پیٹ بوجھل ہو گئے! اوّل تو نہروں اور دریاؤں کے پانی میں مٹی کی کثرت موجود ہوتی ہے جو پیٹ میں گرانی پیدا کر دیتی ہے۔ دُوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن نے اُس میں کچھ ملا دیا ہو۔ اسلئے پانی پینے والوں نے کہا کہ آج ہم میں جالوت کے لشکروں کیساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں۔ انہیں بھی الگ کر دیا گیا۔ یہ دُوسری چھانٹی تھی لیکن مستقل مزاج مجاہدوں کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ پس یہ ثابت قدمی ہی فتح و کامرانی کا عظیم ترین راز ہے۔ دو مرتبہ کی چھانٹی کی بدولت فوج میں لڑنے مرنے کی سوچ تھی، حقیقت میں فتح و نصرت کو یقینی بنایا جا رہا تھا۔ چنانچہ اگلی آیات کریمات میں طالوتؑ اور جالوت کے جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے:۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا
اور جب ظاہر ہوئے واسطے جالوت کے اور لشکروں اسکے کے کہا
رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
انہوں نے اے پروردگار ہمارے ڈال اوپر ہمارے صبر اور ثابت رکھ قدم ہمارے
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۲۵۰
اور مدد دے ہم کو اوپر قوم کافروں کے۔

اور جب طالوت اور اُنکے لشکر، جالوت اور اُسکے لشکروں کے مقابلہ پر نکلے تو سب نے حضورِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے ہماری ربوبیت کرنیوالے ہمیں ثابت قدمی کیلئے وقف کر دے! اور ہمارے قدموں کو دشمن کے مقابلہ پر ثابت کر دے۔ اور (ضابطۂ ربوبیت کا) انکار کرنیوالی قوم کے مقابلے پر ہماری مدد فرما۔

دُعائے استقامت

● خداوندِ عالم نے اِس کائنات کو چونکہ عالمِ اسباب پیدا کیا ہے۔ اسلئے ہر مقام پر مادی اسباب کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ اسی لئے خود صاحبِ رسول کو بھی حکم ہوا تھا کہ دشمنوں کے مقابلہ کیلئے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت مہیا کرتے چلے جاؤ۔ تاکہ تمہارے اور اللہ کے دشمن تمہاری فوجی طاقت سے گھر بیٹھے لرزہ براندام رہیں ۸۔۶۰ پس قرآنِ کریم کی رُو سے نہ تو مادی اسباب کو نظرانداز کرنا ہی جائز ہے اور نہ ہر طرح کی مادی تیاری پر من کل الوجوہ بھروسہ کرنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ کسی نہ کسی گوشے میں کمی رہ جانا بالبشری تقاضا ہے۔ اسی لئے حضرت طالوتؑ نے جہاں فوجی سامان تیر تفنگ نیزے بھالے اور تلواریں وغیرہ اُس وقت کے مکمل فوجی ہتھیار مہیا فرمائے تھے وہاں فوج میں سے بزدلوں اور حکم عدولوں کی پوری طرح چھانٹی بھی کر دی تھی۔ لیکن اِس پوری تیاری کے باوجود حضورِ الٰہی میں یہ دعا بھی فرمائی تھی:۔

● رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ٥ ——غور فرمائیں! یہ دُعا رَبَّنَا کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ حضرت طالوتؑ کی یہ جنگ ربوبیتِ عامہ کے قیام کیلئے تھی۔ اور مدِّمقابل یعنی جالوت غاصب ربوبیت تھا جس نے بنی اسرائیل کے گھروں تک پر قبضہ کر رکھا تھا۔

● ایسی جنگیں ہی وہ جنگیں ہیں جنہیں قرآنِ کریم جہاد فی سبیل اللہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے ۴/۷۵ ۲۲/۹ ۳۱-۴۳۔ مذکورہ بالا جنگ میں جہاں ایکطرف طاغوتی لشکروں کی کثرت اور ربانی فوجوں کی قلت تھی۔ اگلی آیت مجیدہ میں اس جنگ کا نتیجہ بالفاظ ذیل بیان ہوا ہے:۔

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ
پس شکست دی انکو ساتھ حکم اللہ کے اور قتل کیا داؤد نے
جَالُوتَ وَآتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ
جالوت کو اور دی اسکو اللہ نے پادشاہی اور حکمت اور سکھایا
مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
اسکو جو کچھ چاہا اور اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ کا لوگوں کو بعضے آنکے کو
بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو
ساتھ بعضے کے البتہ بگڑ جاتی زمین ولیکن اللہ صاحب
فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ○ ۲۵۱
فضل کا ہے اوپر عالموں کے۔

پس اُن قلیل ربانی لشکروں نے، اُن (کثیر طاغوتی فوجوں) کو شکست فاش دیدی۔ اور جالوت کو داؤدؑ نے قتل کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کو حکومت اور حکمت عطا فرمائی تھی۔ اور اُسے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تعلیم دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا بعض (یعنی ظالموں) کو، بعض کے ذریعہ (یعنی اُن سے طاقتوروں یا منتقل مزاجوں) کے ذریعہ دفع کرنے کا دستور نہ ہوتا زمین فساد سے بھرپور ہو جاتی۔ ولیکن اللہ ذاتی تمام اہلِ عالم کے لئے صاحبِ فضل ہے۔

● واضح رہے کہ اِس قصّہ کی غرض نزول، اقوامِ عالم پر اِس امر کی وضاحت کرنا ہے کہ اگرچہ قوانینِ مشیت کیمطابق ہر قوم کو مادی طاقت کیساتھ حکومت میسر آجاتی ہے لیکن یہ بھی قانونِ مشیت ہے کہ جب کسی قوم کا پیمانۂ ظلم لبریز ہو جاتا ہے تو کسی اور قوم کے

ذریعہ اُسے الگ کر دیا جاتا ہے ۔ اب اِس سے اگلی اور عنوان زیرِ نظر کی آخری آئت مجیدہ میں خود آنحضورؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے :۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ
یہ نشانیاں ہیں اللہ کی پڑھتے ہیں ہم انکو اوپر تیرے ساتھ حق کے
وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ۲۵۲
اور تحقیق تو البتہ بھیجے ہوؤں سے ہے۔

اے رسولؐ! یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم آپ پر حق کیساتھ (یعنی صحیح واقعات اور صحیح قوانین کے ساتھ) پڑھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ بھی ہمارے رسولوں میں سے ایک رسولؐ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے جملہ رسولؐ ایک سے ایک افضل ہیں

● واضح رہے کہ آئت نمبر ۲۴۳ تا ۲۵۲ میں قتال فی سبیل اللہ کا عنوان تھا۔ جسکی آخری آئت میں چونکہ آنحضورؐ کے متعلق ارشاد ہوا ہے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ اِسلئے اگلی آئت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر اپنے رسولوں کے مدارج کی وضاحت فرما دی ہے کہ وُہ سب ایک سے ایک افضل تھے۔ اُن میں سے گھٹیا قسم کا رسولؐ ہرگز ہرگز کوئی نہیں تھا۔ حضرات ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، موسٰیؑ اور عیسٰیؑ سلامٌ علیہم کا تذکرہ اپنے اپنے مقام پر آیات نمبر ۸۳ تا ۱۴۰ میں پیچھے گزر چکا ہے۔ اور حضرات موسٰیؑ، ہارونؑ اور داؤدؑ سلامٌ علیہم کا ذکر عین متصل آیاتِ بالا میں موجود ہے۔ اب اِنسانی ذہن میں جو یہ سوال پیدا ہونا ممکن ہے کہ اللہ کے رسولوں میں مدارج کے لحاظ سے کونسا رسولؐ افضل اور کونسا کمتر ہے معاذ اللہ۔ اِس کا جواب دیا جا رہا ہے :۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ
یہ پیغمبر بزرگی دی ہم نے بعضے اُن کو اوپر بعض
عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ
کے۔ اُن میں سے بعض وہ ہیں کہ باتیں کی اللہ نے اُن سے اور بلند
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
کیا بعضے اُنکے کو درجوں میں۔ اور دی ہم نے عیسٰی بیٹے مریم کے کو
الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ
دلیلیں ظاہر اور قوت دی ہم نے اُس کو ساتھ جان پاک کے اور اگر
شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ
چاہتا اللہ نہ لڑتے وہ لوگ کہ پیچھے اُن سے تھے پیچھے اسکے کہ

(ربع الاول)

مذکورہ بالا سب (ہمارے ہی) رسولؐ ہیں۔ ہم نے اُن میں سے ایک کو ایک پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمائی۔ اور بعض کو (دوسرے طریقوں سے) درجوں میں بلند کیا۔ خصوصًا عیسٰیؑ ابن مریم کو بھی واضح دلائل عطا فرمائے۔ یعنی اپنی پاکیزہ تعلیم کے ساتھ اُن کی مدد فرمائی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (لوگوں سے زبردستی فرمانبرداری کرانا) چاہتا، تو (اِن رسولوں سے) بعد والے لوگ آپس میں (ہرگز) لڑائیاں نہ کرتے (خصوصًا

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا
آئیں اُن کے پاس دلیلیں ظاہر ولیکن اختلاف کیا انہوں نے
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ
پس بعضے اُن میں سے وہ شخص ہے کہ ایمان لایا اور بعضے اُن میں سے وہ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
ہے کہ کافر ہوا۔ اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے۔ اور لیکن اللہ
يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ ۲۵۳ ع ۳۲ / ۱
کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔

واضح دلائل آ چکنے کے بعد۔ ولیکن رسولوں کے بعد والوں نے آپس میں خود اختلاف پیدا کرلیا۔ پھر اُن میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو ضابطۂ ربوبیت پر ایمان لائے اور بعض وُہ تھے جنہوں نے اس کا انکار کردیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (زبردستی ہدایت دینا) چاہتا تو وُہ آپس نہ لڑتے۔ ولیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جس کا (اپنے مقررکردہ قانونِ مشیت[1] کے مطابق ہی) ارادہ کرتا ہے۔

● ملہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار وارادے کیساتھ اُسکی فرمانبرداری یانافرمانی، جو چاہے خودکرے۔ چنانچہ نوعِ انسانی کو ارشاد ہوا ہے۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۴۱ = فرمانبرداری یا نافرمانی کے اچھے یا بُرے عمل جیسے بھی چاہو اپنے اختیار وارادہ کیساتھ خود کرو۔ (اللہ تعالیٰ نہ زبردستی فرمانبرداری کراتا ہے نہ نافرمانی)۔

انبیاء کے مدارج کتبِ روایات کے آئینے میں

● آیت بالا کے الفاظ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کا معنیٰ اُوپر دیا گیا ہے کہ ہم نے اپنے رسولوں میں سے ایک کو ایک پر فضیلت عطا فرمائی ہے ایسی چیز کی تائید لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۲/۲۸۵ کے الفاظ میں بزبانِ رسول کریم و صحابہ کرام موجود ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے لیکن کتبِ روایات اِس آیۂ جلیلہ سے یہ تصور دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو بعض سے افضل قرار دیا ہے اور بعض کو بعض سے کمتر معاذ اللہ استغفر اللہ۔

● چنانچہ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ امر تسر ربع چہارم کے صفحہ ۲۱ پر فضیلتِ انبیاء کے باب میں بخاری مسلم کی متفق علیہ روایت درج ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضور نے فرمایا۔ لا اقول ان احد افضل من یونس بن متی = میں نہیں کہتا کہ یونس بن متی سے کوئی رسول بھی افضل ہے ـــ نیز اسی روایت میں درج ہے کہ آنحضور نے فرمایا۔ لاتخیروني علی موسٰی = مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔

● دیکھئے! اس روایت میں بارشادِ رسول بتایا گیا ہے کہ آنحضور سے حضرت موسیٰ افضل تھے اور سب رسولوں سے حضرت یونس افضل تھے لیکن اسکے برعکس اہلِ روایات کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ رسول عربی سب سے افضل ہیں۔ حالانکہ مشکوٰۃ شریف کی اسی روایت کے آخر میں آیا ہے لاتخیروا بین الانبیاء = نبیوں میں کسی کو کسی پر فضیلت نہ دینا۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

قتال وجہاد کیلئے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو

● مذکورہ بالا جملہ معترضہ کے بعد پھر اصل مضمون قتال فی سبیل اللہ کی طرف رُخ کرکے بتایا گیا ہے کہ مال کے بغیر نہ سامانِ حرب مہیا کیا جا سکتا ہے نہ جنگ کامیاب ہوسکتی ہے۔
چنانچہ اگلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اُس چیز سے کہ دیا ہم نے تم کو
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا
پہلے اس سے کہ آ جائے وہ دن کہ نہیں خرید فروخت بیچ اُسکے اور نہیں دوستی
شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۲۵۴
اور نہ سفارش اور کافر وہی ہیں ظالم۔

ایمان والو! ہم نے جو تم کو رزق دیا ہے اُس میں سے (جہاد و قتال کیلئے بھی) اُس وقت کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کر دو۔ کہ اُس میں نہ کوئی سودا بازی ہو سکیگی نہ کوئی دوستی کام آئیگی اور نہ کسی کی شفاعت فائدہ دے سکیگی حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے انکار کر بیٹھے ہیں وہی تو ظالم ہیں۔

قیامت کی عدالت میں شفاعت کیوں فائدہ نہ دے سکیگی

• سفارش و شفاعت کی ضرورت اُس حاکم کو ہوتی ہے جو مقدمہ زیر سماعت کی حقیقت سے بیخبر ہو۔ پس چونکہ خدا تعالیٰ ہر وقوعہ کا خود عینی گواہ ہے اسلئے اُسے کسی شفاعتی کی ضرورت نہیں جو اُسے یہ بتا سکے کہ عدالت میں حاضر ملزم کیطرف منسوب جرم کی حقیقت یوں نہیں یوں ہے اسی لئے سورہ زمر میں ارشاد ہے:۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۳۹/۴۴ = اے رسول! اعلان کر دیجئے کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور یہ اسلئے ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر موجود ہے۔ اسلئے وہ کسی بھی وقوعہ کی حقیقت سے بیخبر نہیں۔ اور اگلی آیت مجیدہ میں اس خدشہ کو بھی دُور کر دیا ہے کہ نیند ہر حاضر کو بھی غافل کر دیتی ہے لیکن اللہ وہ ہے کہ اُسے نہ نیند آتی ہے نہ اُونگھ۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ
اللہ نہیں کوئی معبود مگر وہ۔ زندہ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا
لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي
نہیں پکڑتی اُسکو اُونگھ اور نہ نیند۔ واسطے اُسی کے ہے جو کچھ بیچ
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ
آسمانوں کے اور جو کچھ بیچ زمین کے ہے۔ کون ہے وہ جو
يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
سفارش کرے نزدیک اُسکے مگر ساتھ حکم اُسکے کے۔ جانتا ہے جو کچھ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ
آگے اُنکے ہے اور جو کچھ پیچھے اُن کے ہے۔ اور نہیں گھیرتے
بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ
ساتھ کسی چیز کے علم اُسکے سے مگر ساتھ اُس چیز کے کہ چاہے

اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے کہ اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے قابل نہیں۔ از خود زندہ اور قائم بالذات ہے۔ (نیز ایسا گواہ کہ کبھی غافل نہیں ہوتا۔ کیونکہ) نہ اُسے اُونگھ پکڑتی ہے نہ نیند۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اُسی کی ملکیت ہے۔ کون ہے جو اُسکے قانون کے بغیر اُسکے حضور کسی کی سفارش کر سکے (اُسے سفارش کی ضرورت ہی نہیں) کیونکہ وہ تو لوگوں کے آگے پیچھے کو (یعنی ہر کسی کے حالات کو) خود اچھی طرح جانتا ہے۔ (اُسکا علم سب پر محیط ہے) اور لوگ اُس کے علم میں سے کسی چیز کو بھی احاطہ میں نہیں لے سکتے۔ سوائے اسکے کہ خود اللہ تعالیٰ نے جو (اپنے قانون مشیت کے مطابق نوع انسانی کو) دینا چاہا ہے۔ اُسکی

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ ۲۵۵

سمالیا ہے کرسی اسکی نے آسمانوں کو اور زمین کو۔ اور نہیں تھکاتی اسکو نگہبانی اُن دونوں کی اور وہ ہے بلند مرتبہ بڑا۔

کرسی (یعنی حکومت) آسمانوں اور زمین سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ (وہ آسمانوں اور زمین کی پوری پوری حفاظت کررہا ہے) اُسکے لئے اِن دونوں کی حفاظت کچھ بھی گراں نہیں۔ اور وہی عالیشان اور عظمت والا ہے۔

ــہ کرسی کا معنی ہے تخت۔ اور تخت چونکہ ہوتا ہے حکومت کا۔ اِسلئے یہاں کرسی بمعنی حکومت لکھا گیا ہے۔ نیز اللہ کی کرسی بمعنی تخت، یعنی بیٹھنے کی چیز اِسلئے بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مادی جسم نہیں جسے تخت یا کرسی وغیرہ کی ضرورت ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ امرتسر ربع چہارم کے صفحہ ۱۲۲ پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تخت اُونٹ کے کوہان کی شکل کا سات آسمانوں سے اُوپر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے بیٹھنے سے چرچراتا ہے جیسے اُونٹ کا کجاوا اپنے سوار کے بوجھ سے چرچر کرتا ہے۔

● آیتِ بالا میں، لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے شفاعتیوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے۔ کہ وہ اللہ کے علم میں سے صرف اُتنے ہی کے مالک ہوسکتے ہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق اُنہیں میسّر آسکتا ہے۔ اِس سے شفاعت کا معنی اپنے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ کو خبر دینا ثابت ہوتا ہے۔ یعنی جو واقعہ خود دیکھا، اُسی کے متعلق شفاعت کرسکتے ہیں کہ بارِ الہا! واقعہ یوں ہُوا تھا۔ لیکن چونکہ اللہ کے سوا کوئی بھی حاضر وناظر نہیں ہے۔ اِسلئے اُس اللہ کے حضور میں جو خود علیم و علاّم اور حاضر وناظر ہے کوئی بھی شفیع نہیں بن سکتا۔ باقی رہا شفاعت کا یہ روائتی مفہوم، کہ رسُولِ مقبول قیامت کی عدالتِ عالیہ میں مجرموں کو بخشوا لینگے۔ اِن معنوں میں شفاعت عدل کی ضد ٹھہرتی ہے۔ یعنی شفاعت ہوگی تو عدل اُڑ جائیگا۔ اور عدل ہوگا تو شفاعت غائب۔ اِسلئے چونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خود عادل ہے اور لوگوں کو بھی عدل ہی کا حکم دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۱۶/۹۰ پس ثابت ہُوا کہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں عدل ہوگا شفاعت بمعنی مجرموں کو بخشوا لینا ہرگز نہیں ہوگا۔

شفاعت کا سہ حرفی مادہ ش ۔ ف ۔ ع ۔ شفع ہے۔ اِسکا بنیادی معنی ہے جوڑہ۔ ۸۹/۳ میں وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ بمعنی جفت اور طاق کے تقابل کیساتھ اِنہی معنوں کی وضاحت کردیگئی ہے۔ شفع الشَّیْءَ کا معنی ہے جوڑا بنایا۔ عَیْنٌ شَافِعَۃٌ کا معنی ہے ایک چیز کو دو دیکھنے والی آنکھ۔ ہر پڑوسی پر اُسکے پڑوسی کا حقِ شفع مسلّم ہے۔ یعنی پڑوسی پڑوسی اپنے مقام کی رُو سے ایک ہی سطح کے جوڑے شمار ہوتے ہیں۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کی سطح کا کوئی فرد و بشر ہے ہی نہیں۔ اِسلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کو حقِ شفع حاصل نہیں کہ کسی کا شفیع بن کر اللہ تعالیٰ کے بالمقابل آسکے۔ اور اُسے بتاسکے کہ فلاں مُلزم پر لگایا گیا الزام غلط ہے۔ واقعہ چونکہ یوں نہیں بلکہ یوں ہے۔ اِسلئے مُلزم کو سزا نہیں دی جانی چاہیئے۔ اور یا شفاعت کے روائتی مفہوم کے مطابق شفیع یہ کہے کہ یہ شخص ہے تو حقّا سچا مُجرم لیکن تو اپنے عدل و انصاف کا قانون توڑ کر اِسے سزا نہ دے۔ پس روایات کا پیش کردہ شفاعت کا مفہوم دونوں صورتوں میں غلط ہے کہ نہ کوئی فرد اُس علیم و علاّم اور حاضر و ناظر کو حقیقتِ واقعہ سے آگاہ کرنے

کیلئے شفیع ہوسکتا ہے۔ اور نہ سچّے مجرم کو سزا سے بچانے، یعنی اللہ سے اُسکا قانونِ عدل و انصاف تڑوانے کیلئے۔

● آنحضور سلامٌ علیہ کو روایات نے شفیع ٹھہرایا ہے لیکن قرآن کریم میں آپکی متعدد صفات، رؤف، رحیم، کریم، خاتم النبیین وغیرہ تو آئی ہیں، لیکن قرآن بھر میں آپکے لئے شفیع کا لفظ کہیں نہیں آیا۔ باقی رہا آیت بالا میں عنوانِ شفاعت کے ماتحت اِلَّا بِاِذْنِہٖ کی قرآنی تفسیر کا سوال۔ اِس کیلئے ۵/۱۱۶ میں حضرت مسیح کے متعلق مذکور ہے کہ قیامت کو اُن سے پوچھا جائیگا، کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ دو الٰہ اور ٹھہرالو۔ تو آپ کہینگے، میں نے نہیں کہا تھا۔ اِن لوگوں نے خود ہی تین خداؤں کا عقیدہ گھڑ لیا تھا۔ اور اسی طرح جب آنحضور سے آپ کی اُمت کے متعلق پوچھا جائیگا تو آپ کہینگے ، یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ۲۵/۳۰ = اے میرے پروردگار! میں نے انہیں قرآن چھوڑ دینے کو نہیں کہا تھا۔ میری اِس قوم نے خود ہی اِس قرآن کو اس طرح پکڑا ہوا تھا جس طرح چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ہے اپنی اپنی اُمت کے متعلق انبیا سلامٌ علیہم کی شفاعت، جس کی خبر قرآنِ کریم میں مذکور ہے۔ اور جس کے متعلق درج ہے لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۷۸/۳۸ = وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کلام نہیں کرینگے۔ اور بات صحیح صحیح کرینگے

اللہ کے دین میں زبردستی نہیں ہے

آیتِ بالا میں عدمِ شفاعت کے اعلان کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اسکی وجہ بیان کیگئی ہے کہ اللہ کے دین میں جبر کوئی نہیں۔ ہم نے حق و باطل کو اپنی کتابوں کے ذریعہ نکھار کر رکھ دیا ہوا ہے۔ جو چاہے خود ہدایت کی راہ اختیار کرے اور جو چاہے خود گمراہ ہو جائے۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ
نہیں زبردستی بیچ دین کے تحقیق ظاہر ہو گیا ہے راہ پانا
مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ
گمراہی سے پس جو کوئی کفر کرے ساتھ شیطان کے اور ایمان لاوے ساتھ
بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی
اللہ کے پس تحقیق پکڑ رکھا اُس نے کڑا مضبوط نہیں ٹوٹنا واسطے اُسکے
لَا انْفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۲۵۶
اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اللہ کے دین میں جبر نہیں۔ گمراہی سے ہدایت نکھر کر عیاں ہو چکی ہے۔ پس جس نے خود باطل پیشوا کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اُس نے ایک مضبوط ہنڈل کو تھام لیا جس کیلئے ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

یعنی باطل پیشوا طاغوت، جو جو کچھ اللہ اور اُسکے رسولوں کے ذمہ لگا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اُنہیں وہ سنتا ہے اور جو جو کرتوتیں وہ اِس سلسلے میں کرتے ہیں اُنہیں وہ خوب خوب جانتا ہے۔

لفظ طاغوت کا سہ حرفی مادہ ط - غ - و = طغو ہے۔ اس کا بنیادی معنیٰ ہے قانونِ خداوندی کی سرکشی کرنا اُسکی حدیں توڑنا۔ اور طاغوت اُسے کہتے ہیں، جسے عوام پر اثر و اقتدار حاصل ہو۔ خواہ وہ ملکی حکومت کے ذریعہ ہو، یا عقیدۃً پیشوائیت

کے ذریعہ۔ لوگ اِن طاغوتوں کو اپنے حاجت روا اور مددگار تسلیم کرتے ہیں لیکن اگلی آیٔت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے کہ جو لوگ ضابطۂ خداوندی پر ایمان لے آئیں، اُنکا مددگار اللہ تعالیٰ ہے، اُنہیں طاغوتوں سے ڈرنا نہیں چاہیئے ۔۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ
اللہ دوست دار ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے نکالتا
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓــــُٔــهُمُ
ہے اُن کو اندھیروں سے طرف روشنی کے اور جو لوگ کہ کافر ہوئے
الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى
دوست اُنکے شیطان ہیں نکالتے ہیں اُن کو روشنی سے طرف
الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا
اندھیروں کے یہ لوگ ہیں رہنے والے آگ کے وہ بیچ اُس کے
خٰلِدُوْنَ ۝ ۲۵۷
ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ع ۳۴ / ۲

جو لوگ (طاغوتوں سے منہ موڑکر) ضابطۂ الٰہی پر ایمان لاتے ہیں۔ اُنکا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ وُہ اِنہیں (ناہموار قوانین) کے اندھیروں سے نکالکر (اپنے ضابطہ کے) نور میں لے آتا ہے۔ اور جو لوگ (اس ضابطے کا) انکار کرتے ہیں، اُنکے مددگار (اُنہیں گمراہ کرنیوالے) طاغوت ہیں۔ وہ اُنہیں ضابطۂ الٰہی کے نور سے، ناہموار قوانین کے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔ وُہ (طاغوت اور اُن سے مدد مرادیں مانگنے والے) سب اہلِ نار ہیں۔ وہ اُنہیں ہمیشہ رہینگے۔

ناہموار معاشرہ النار ہے

قرآن کریم میں النَّار، الجنّۃ کی ضد بیان ہوئی ہے لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ ۵۹/۲۰ = اہلِ نار اور اہلِ جنّت باہم برابر نہیں ہیں۔ اہلِ جنّت کامیاب ہیں ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کامیابی و کامرانی کی وضاحت اہلِ جنت کی تعریف کرتے ہوئے ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ میں بیان کی ہے کہ، جنت وہ ریاستی نظام ہے جسمیں ربوبیّتِ عامہ کی یہ حالت ہو کہ اُس میں نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا، نہ بے علاج ہو نہ بے مکان۔ پس النَّار، الجنّۃ کی ضد ہونے سے، وہ ناہموار ریاستی نظام ہے، جس میں بھوکے ننگے، بے علاج اور بے مکان افراد موجود ہوں۔ چنانچہ اِس سے اگلی آیٔت مجیدہ میں ربوبیّتِ عامہ کے ایک ڈاکو طاغوت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جسے حضرت ابراہیم سلام علیہ نے درسِ ربوبیت دیا لیکن نشۂ اقتدار کی بدمستی میں اُس طاغوت پر اُنکی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہُوا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ
کیا نہ دیکھا تو نے طرف اس شخص کے کہ جھگڑا ابراہیم سے
رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ
بیچ پروردگار اُسکے کے اسواسطے کہ دی اُسکو اللہ نے بادشاہی جس وقت
الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ
کہا ابراہیم نے پروردگار میرا وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے کہا میں جلاتا

اے رسول! کیا آپنے اُس شخص پر غور نہیں کیا جسے اللہ تعالیٰ نے (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق) حکومت دیا گیا پایا تھا، جس نے ابراہیم کیسا تھ اُسکے رب (کی ربوبیّتِ عامہ) کے بارے میں جھگڑا کیا۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ابراہیم نے اُس سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔ اُس نے کہا میں (بھی) زندہ کرتا اور موت

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ
ہوں اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے پس تحقیق اللہ لاتا ہے سورج کو
الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ
مشرق سے پس لے آ تو اُسکو مغرب سے پس بھونچکا ہُوا وہ جو
الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
کافر تھا اور اللہ تعالےٰ نہیں راہ دکھاتا قوم ظالموں
الظّٰلِمِيْنَ ۚ ۲۵۸
کو۔

دیتا ہوں (جسے چاہوں زندہ رکھوں، جسے چاہوں مروا دوں) ابراہیم نے کہا، بلاشبہ اللہ (جو میرا رب ہے) سورج کو مشرق سے لاتا ہے۔ تو اُسے مغرب کی طرف سے لے آ۔ اِس پر وہ جس نے (رب العلمین کی ربوبیت کا) انکار کیا تھا لاجواب ہوگیا۔ (اب اُسے نظریہ ربوبیّت عامہ کو مان لینا چاہیئے تھا لیکن وہ نہ مانا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (ایسے) بے ٹھکانا کام کرنیوالوں کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● اِس طرح جب لاجواب ہو چکنے کے باوجود، اُس نے نظریہ ربوبیّتِ عامہ کو تسلیم نہ کیا۔ تو حضرت کی طرف سے اس کے بعد کی تبلیغ محذوف ہے، جو اگلی آیت مجیدہ سے عیاں ہے کہ آپنے اُسے آگاہ کیا کہ اگر تجھے ربوبیّت عامہ کی مخالفت کی سزا اِس دُنیا میں نہ مِل سکی۔ تو یاد رکھ کہ تُو مرنے کے بعد جوابدہی کیلئے اُٹھایا جائیگا۔ لیکن اُس نے دُوسری زندگی کا بھی انکار کردیا کہ ایسا کبھی کبھی ہوسکتا ہے کہ گلی سڑی ہڈیوں پر گوشت چڑھ جائے۔ اِن محذوفات کا واضح جواب تو خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ مُردہ ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر نہیں دکھاتا۔ اپنے رسول یا کتاب ہی کے ذریعہ قیامت کی جوابدہی کی خبر دِتیا ہے چنانچہ مذکورہ بادشاہ پر حضرتِ ابراہیم کے ذریعہ دلائل قاطعہ کیساتھ اتمام حجّت کردیگئی، کہ اِس طرح اگر کوئی شخص لاجواب کر دینے والے دلائل کے بعد بھی رب العلمین کو نہ مانے، اور ربوبیّتِ عامہ کی مخالفت کے اُخروی عذاب کیلئے دوبارہ زندہ کیئے جانے کو تسلیم نہ کرے۔ تو پھر یا تو مذکورہ دلائل قاطعہ کیساتھ قیامت کی جوابدہی کیلئے دوبارہ زندہ کیا جانا منوایا جاسکتا ہے اور یا:۔

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ
یا مانند اس شخص کے کہ گزرا اُوپر ایک گاؤں کے اور وہ گرا
عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ
ہُوا تھا اوپر چھتوں اپنی کے کہا کیونکر زندہ کریگا اسکو اللہ تعالےٰ
مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ
پیچھے موت اسکی کے پس مار ڈالا اسکو اللہ نے سو برس پھر جلایا اسکو
قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ
کہا کتنی دیر رہا تو کہا رہا میں ایک دن یا تھوڑا دن سے۔

یا اُس شخص کی مانند ہو جو ایک ایسی لبتی سے گزرے جو چھتوں پر گری پڑی ہو۔ وہ کہے کہ اِس لبتی کے اِس طرح اُجڑ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اِسے دوبارہ کس طرح آباد کریگا پھر اُسے اللہ سو سال کیلئے مار ڈالے (اور اپنی قانونی رفتار کیساتھ سو سال میں اُس لبتی کو آباد کرلے) پھر اسکے بعد اُسے زندہ کرے۔ اللہ اُس سے کہے تو کتنا عرصہ (مرا) رہا۔ وہ کہے ایک دِن یا دِن کا کچھ حصّہ، اللہ کہے بلکہ تو سو سال مرا رہا ہے۔ دیکھ (اتنے عرصے میں لبتی آباد ہو چکی ہے لیکن) تیرا کھانا

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ

کہا بلکہ رہا تو سو برس، پس دیکھ طرف کھانے اپنے کے اور پینے اپنے

وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ

کے کہ نہیں سڑا اور دیکھ طرف گدھے اپنے کے اور تو کہ

وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ ۖ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ

کریں ہم تجھ کو نشانی واسطے لوگوں کے اور دیکھ طرف ہڈیوں

كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا

کے کہ کیونکر چڑھاتے ہیں ہم ان کو پھر پہناتے ہیں ہم انکو گوشت

تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ

پس جب ظاہر ہوا واسطے اسکے کہا جانتا ہوں میں تحقیق اللہ تو

شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ ۲۵۹

اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

اور پانی بوسیدہ نہیں ہوا۔ اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ تاکہ ہم تجھے لوگوں کیلئے ایک نشانی ٹھہرائیں، اور (گدھے کی پراگندہ) ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کس طرح انہیں اکٹھا کرتے اور ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پھر جب (گدھے کی ہڈیوں کا اکٹھا ہونا اور ان پر گوشت چڑھنا) اسکے لئے عملاً واضح ہو جائے تو پھر وہ کہے میں نے جان لیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے اور پیمانے مقرر کرنیوالا ہے۔

ماضی برائے مضارع آیت بالا، اَوْ كَالَّذِیْ حرفِ تشبیہ برائے مثال سے شروع ہوتی ہے۔ اور چونکہ مثال کا عطف مثال ہی پر ہوتا ہے۔ جیسے کہ دیباچہ کے عنوان نمبر ۱۳ میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اس مثال کا عطف ۲/۱۹ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ ...... الخ پر ہے۔ اور اس مثال کا عطف ۲/۱۷ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ...... الخ کی مثال پر ہے۔ پس اس آیت میں ربوبیت عامہ کی جزا یا سزا کے مذکورہ بالا منکر کے انکار پر بطور مثال بیان کیا گیا ہے کہ یا تو مذکورہ طریقہ سے، جیسے کہ حضرت ابراہیم کے ذریعہ کیا گیا، کہ دلائل قاطعہ کیساتھ حقیقتِ ربوبیت نمایاں کی جائے۔ اور یا پھر کسی کو اس طرح سو سال کیلئے مار کر، پھر زندہ کرکے اور پھر اسکی آنکھوں کے سامنے ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر منوایا جائے کہ منکر کو فی الفور قائل کیلئے اس طرح زندہ کر لیا جائیگا۔ لیکن یہ قانونِ خداوندی کے سو فیصدی خلاف ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہاں اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ فعل ماضی آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گزر چکا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے، کہ فعل ماضی پر اسم موصول داخل ہو تو اسے مضارع بنا دیتا ہے۔ یہاں مَرَّ فعل ماضی پر اَلَّذِیْ اسم موصول داخل ہوا ہے۔ اسلئے یہ واقعہ نہیں بلکہ اسی طرح کی مثال بیان ہو رہی ہے جیسے کہ اس آیت مجیدہ کے معطوف علیہ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۲/۱۷ میں اِسْتَوْقَدَ فعل ماضی پر اَلَّذِیْ اسم موصول داخل ہوا ہے۔ اور جس طرح وہاں کوئی واقعہ بیان نہیں ہوا کہ کسی نے آگ جلائی تھی جسے اللہ نے بجھا دیا تھا۔ اسی طرح یہاں کوئی واقعہ بیان نہیں ہوا کہ کوئی شخص مردہ بستی پر سے گزرا۔ اور اسے اللہ نے اس کے یہ کہنے پر کہ اللہ اس بستی کو کس طرح زندہ کریگا، سو سال کیلئے مار ڈالا تھا۔ پھر زندہ کیا تھا۔ اور اسکی آنکھوں کے سامنے گدھے کی بکھری ہوئی ہڈیوں کو جمع کیا تھا۔ ان پر گوشت چڑھایا

تھا۔ اور پھر اُس نے تسلیم کیا تھا کہ واقعی اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

روائتی تفسیر روائتی تفاسیر نے اِس آئت مجیدہ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عزیرؑ کسی اُجڑی ہوئی بستی پر سے گزرے۔ اور کہا کہ اِسے اللہ تعالیٰ کس طرح آباد کریگا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں سو سال کیلئے فوت کر دیا۔ پھر اُنہیں زندہ کر دیا۔ اور پُوچھا کہ آپ کتنا عرصہ مرے رہے ہیں۔ آپنے فرمایا ایک دِن یا دِن کا کوئی حصّہ۔ اللہ نے فرمایا نہیں آپ سو سال مرے رہے ہیں۔ دیکھ لیجئے بستی آباد ہو چکی ہے۔ آپکا کھانا اور پانی سو سال میں خراب نہیں ہُوا۔ آپکے گدھے کی ہڈیاں بکھر چکی ہیں۔ دیکھئے ہم آپکی نگاہوں کے سامنے اِن پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ آخر جب اللہ تعالیٰ نے ایسا کر کے دکھا دیا تو آپنے فرمایا کہ اب میں نے جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یعنی وہ قیامت کو ہمیں ضرور زندہ کریگا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبیوں کو قیامت منوانے کیلئے اِس طرح ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر دکھانے کی ضرورت ہے۔ تو یہ عملی مشاہدہ، ربوبیت اور قیامت کے ہر منکر کو مُوماً، اور اُس منکر بادشاہ کو خصوصاً دکھانا چاہیئے تھا۔ جس نے حضرت ابراہیم کے ذریعہ لاجواب ہو چکنے کے باوجود انکار کر دیا تھا۔

● افسوس ہے کہ روائتی تفاسیر نے حضرت عُزیرؑ ہی کیساتھ ایسا نظریہ منسوب نہیں کیا۔ بلکہ اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں حضرت ابراہیم سلام علیہ کیساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ منسوب کر رکھا ہے کہ آپنے حضورِ خداوندی میں عرض کیا کہ بار اِلٰہا! تو مُردوں کو کس طرح زندہ کریگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا اِس پر تیرا ایمان نہیں۔ آپنے فرمایا ایمان تو ہے لیکن اطمینانِ قلب کیلئے سوال کیا ہے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندے لیجئے۔ پھر اُنہیں مار کر، اور اُنکا گوشت باہم ملا کر اُسے سب پہاڑوں پر رکھ دیجئے اور پھر اُنہیں آواز دیجئے۔ تو ہر پرندے کے گوشت کے ٹکڑے الگ الگ پہاڑ سے اُڑ کر، اور اکٹھے ہو کر زندہ ہو جائینگے اور آپ کی طرف دوڑتے ہُوئے آجائینگے۔ چنانچہ روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم کے اطمینانِ قلب کیلئے ایسا ہی کر کے دکھایا گیا تھا۔

● لیکن اِس پر بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبیوں کے اطمینانِ قلب کیلئے کہ واقعی اللہ تعالیٰ قیامت کو مُردے زندہ کریگا۔ عملی طور پر مُردوں کو زندہ کر کے دکھانے کی ضرورت ہے تو یہ عملی مشاہدہ ہر منکرِ قیامت کو قیامت منوانے کیلئے دکھایا جانا چاہیئے۔ اور ہر مومن کے سامانِ اطمینانِ قلب کیلئے سب کی آنکھوں کے سامنے مُردے زندہ کئے جانے چاہئیں۔ تاکہ خدا تعالیٰ پر سے اتمامِ حجّت ختم ہو جائے۔ مقامِ افسوس ہے کہ اِن آیاتِ کریمات کی روائتی تفاسیر سے انبیاء سلام علیہم کی توہین ہوتی ہے کہ مُردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھے بغیر اُنہیں اطمینانِ قلب مُیسّر نہیں آتا تھا۔ العیاذ باللہ!

حقیقتِ حال اب آئیے حقیقتِ حال کی طرف! آئت نمبر ۲۵۸ میں حضرت ابراہیمؑ، اور ربوبیّت عامہ اور قیامت کی بازپُرس کے منکر بادشاہ کا مکالمہ گزر چکا ہے کہ آپنے اُسے دلائلِ قاطعہ کیساتھ لاجواب کر دیا۔ لیکن وہ ایمان نہ لایا۔ اِس پر خدا تعالیٰ نے آئت نمبر ۲۵۹ میں بطورِ مثال بیان کیا ہے کہ ہمارا قانونِ تبلیغ تو صرف

دلائل قاطعہ کیساتھ لاجواب کرنا ہے۔ اور اگر یہ کافی نہیں تو پھر یہ ہو سکتا ہے کہ ہر کسی کی آنکھوں کے سامنے مُردہ ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر دکھایا جائے۔ تاکہ وہ قیامت پر ایمان لے آئے۔ لیکن اس طرح ربوبیّت اور قیامت منوانا اللہ کا قانون ہی نہیں اس ضمنی وضاحت کے بعد اس سے اگلی آیت مجیدہ نمبر ۲۶۰ میں حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کی اُس مایوسی کا تذکرہ اور اُسکا حل بیان ہُوا ہے۔ جو آپ پر اُسوقت وارد ہوئی، جب آپ قوم کے ستارہ پرستوں کو بھی لاجواب کر چکے کہ یہ سورج چاند ستارے جو طلوع و غروب کی زنجیروں میں جکڑے ہُوئے ہر آن خود گردش میں ہیں یہ معبود نہیں ہو سکتے۔ اور قوم کے بُت پرستوں پر بُتوں کی بے بسی اس طرح عیاں کردی کہ آپنے بڑے بُت کی موجودگی میں، اُسکے ماتحت عملے کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ اور وہ انہیں بچا نہ سکا۔ لیکن قوم اِس کے باوجود نہ ستارہ پرستی سے باز آئی نہ بُت پرستی سے۔ اِسکے بعد باری تھی مُلک کے بادشاہ کی، جو خود عوام کا رب بنا بیٹھا تھا۔ آپنے اُسے بھی لاجواب کر دیا۔ لیکن وہ بھی ایمان نہ لایا۔ اور چاروں طرف آپکے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ ایسے وقت پر ہجرت لازم ہو جاتی ہے۔ اب یہ پوری قوم سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کی مصداق ہو چکی، تو آپنے مایوسانہ انداز کیساتھ حضورِ الٰہی میں عرض کیا کہ بارِ الٰہا! تو اِن ایمانی مُردوں کو کسطرح زندہ کریگا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ

اور جب کہا ابراہیم نے اے رب میرے دکھلا دے مجھکو کیونکر

الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ

جِلاتا ہے مُردوں کو کہا کیا نہیں ایمان لایا تو کہا بلکہ لایا ہوں لیکن تو

قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ

کہ آرام پکڑے دِل میرا کہا پس لے چار جانوروں سے پس صورت

اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

پہچان رکھو طرف اپنے پھر کر دے اوپر ہر پہاڑ کے اُن میں سے ایک

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ

ٹکڑا بلا اُن کو چلے آوینگے تیرے پاس دوڑتے اور جان یہ کہ اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۲۶۰ ع ۳۵

غالب ہے حکمت والا۔

اور وُہ وقت قابل ذکر ہے جب (پوری قوم سے مایوس ہوکر) ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار مجھے سمجھا کہ تو ایمانی مُردوں کو کس طرح زندہ کریگا۔ اللہ نے فرمایا کیا تو نہیں مانتا (کہ ایمانی مُردے زندہ ہو جائینگے) آپنے کہا ہاں مانتا ہوں اور لیکن (یہ سوال اسلئے کیا ہے کہ) میرا قلب مطمئن ہو جائے اللہ نے فرمایا (مثال کے طور پر) تُو چار پرندے (غیر اللہ کی تقلید سے آزاد افراد) انتخاب کر۔ پھر اُنہیں اپنے ساتھ ہلا لے (یعنی اُنہیں اپنی تعلیم دے) پھر اُن میں سے ہر ایک کو الگ الگ پہاڑ پر (ایمانی مُردوں کے الگ الگ سنگلاخ علاقوں میں) متعیّن کر۔ پھر اُنہیں بُلا۔ وُہ تیری طرف دوڑتے ہُوئے آئینگے۔ اور جانے رہ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

تحفظ ناموس رسالت

اِس آیت کا آخری جملہ ہے:۔ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ جس سے ظاہر ہے حضرتِ ابراہیم کو تبلیغ کا پُرحکمت طریقہ سکھایا گیا ہے۔ اور آپکا سوال ایمانی مُردوں کو زندہ

کرنے کے متعلق تھا۔ قیامت کے طبعی مُردوں کے متعلق نہیں تھا۔ لیکن روایات نے جو تصوّر دیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے قیامت کے مُردوں کے زندہ ہونے پر اطمینانِ قلب کیلئے چاہا تھا کہ اُنہیں مُردے زندہ کر کے دکھائے جائیں۔ یہ چیز تو ناموسِ رسالت ہی کے خلاف ہے کہ حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کو قیامت کی بعثت پر قلبی اطمینان مُیسّر نہ ہو۔ اور آپ یہ چاہتے ہوں کہ جبتک اُنہیں مُردے زندہ کر کے نہ دکھائے جائیں اُنہیں اطمینانِ قلب مُیسّر نہیں آئیگا۔ اور ساتھ ہی روایات کا یہ تصوّر بھی انتہائی گھناؤنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ جاریہ کے خلاف حضرت ابراہیمؑ سے چار پرندوں کا قیمہ بنوایا، اور باہم مخلوط کروا کے اُسے الگ الگ پہاڑ پر رکھوا کر آواز دلوائی تو وہ زندہ ہو کر آپکے پاس آ گئے۔

● واضح رہے کہ نہ انبیاء سلامٌ علیہم کا ایمان اسقدر کمزور ہوتا ہے کہ جن غائب اُمور پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، اُنہیں عملاً دیکھے بغیر اُنہیں اطمینانِ قلب ہی مُیسّر نہ ہو۔ یعنی جس قلبِ اطہر پر وحیِ الٰہی کا نزول ہوتا ہو کیا یہ چیز ممکن ہو سکتی ہے کہ وُہی قلب قیامت کے بارے میں تذبذب کا شکار ہُوا رہے؟ نیز یہ چیز بھی امکان سے باہر ہے کہ انبیاء سلامٌ علیہم مُردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کیلئے یعنی خدا تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کی مخالفت کے متمنّی ہوں۔ بلکہ انبیاءؑ کی بعثت کی اکلوتی غرض ایمانی مُردوں کو زندہ کرنا ہوتا ہے۔ جیسے کہ خود رسولِ اکرمؐ کے فرضِ منصبی کی خبر بالفاظِ ذیل دیگئی ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۸/۲۴ = اے ایمان کے دعویدارو! اللہ کی دعوت کو قبول کرو، جو اُس نے اپنے رسولؐ کی معرفت دی ہے، جسوقت کہ رسول تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہیں زندہ کر دے ـــ تو اب بتایئے یہ کونسی زندگی ہے، جو زندوں کو دی جا رہی ہے۔ یاد رہے کہ طبعی مُردوں کو ضابطۂ خداوندی کی رُو سے، قیامت سے پہلے زندہ کرنے کا تصوّر ہی باطل ہے۔ دنیا کے اندر زندہ انسانوں کو جونسی زندگی انبیاء سلامٌ علیہم اور اُنکی تعلیم کے ذریعہ دیجاتی ہے، وُہ صرف ایمانی زندگی ہے، جو صرف اُن افراد کو مُیسّر آتی ہے، جو انبیاءؑ کی لائی ہوئی تعلیم پر ایمان لاتے اور اُس پر عمل کرتے ہیں۔

ایک مخصوص اندازِ تبلیغ ابراہیم سلامٌ علیہ نے اگرچہ قوم پر مشاہدۃً ثابت کر دیا کہ نہ اُنکے خود تراشیدہ بُت معبود ہو سکتے ہیں نہ چاند سورج اور ستارے وغیرہ لیکن قوم چڑ گئی، خود حضرت کے والد نے کہا کہ ہم تجھے پتھر مار مار کر مار ڈالینگے ۱۹/۴۶۔ جس زمانے میں حالات اِس حد تک پہنچ جائیں، کہ حقیقت اسلاف پرستی کی نذر ہو جائے۔ تو ایسے وقت پر اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ قوم کے وُہ افراد، جو اسلاف کے باطل عقائد کی قید سے پرندوں کی طرح آزاد ہوں اُنہیں اپنے ساتھ ملا لیں۔ جو افراد آپ سے ہِل مِل جائینگے، وہ پرندوں کی طرح ایسے مانوس ہو جائینگے کہ بلانے جانے پر دُور دراز اور سنگلاخ مقامات سے بھی دَوڑ کر آپکے پاس آ جائینگے۔

● افراد کو ہِلانے اور مانوس کرنے کا طریقہ ضروریاتِ زندگی کی فراوانی ہے، جیسے کہ پرندوں کو ہِلانے کیلئے اُن کی خوراک اور باحفاظت رہائش کا انتظام کر دینا ہی کافی ہو جاتا ہے۔ جو شخص اُنہیں خوراک دیتا ہے۔ اُسکے ساتھ ایسے مانوس ہو جاتے ہیں کہ اُسکے

ہاتھوں پر آبیٹھتے، اُسکے سر اور کندھوں کیساتھ کھیلتے، بلکہ اُسکے جسم کے ایک ایک حصّے کیساتھ اٹھکیلیاں کرتے ہیں۔ یہی حالت انسان کی ہے جس شخص سے اُسے ضروریاتِ زندگی مُیسّر آئیں اُس سے ہِل مِل جاتا ہے۔ اُسکی ہر بات، خواہ وہ اُسکے آبائی عقیدہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، غور سے سُنتا ہے۔

● پس یاد رہے کہ وحی الٰہی کے پیغام کو بغور و توجّہ سُننا ہی ہدائت پانے کا پہلا قدم ہے جب کسی چیز پر غور کیا جائے تو اُسکی اچھائیاں اور بُرائیاں نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہیں۔ آیت زیر بحث میں حضرتِ ابراہیم کو اِس اندازِ تبلیغ کی تعلیم دیگئی ہے کہ قوم کے فائدوں کے سامان عام کرکے اُنہیں اپنے ساتھ ہِلا مِلا لیں۔ اس طرح جب وہ اپنے اپنے فائدوں کی خاطر آپکے قریب آجائینگے تو آپ کی ہر بات توجّہ سے سُنینگے۔ اور جب آپکی تبلیغ پر غور کرنے لگیں گے، تو راہِ ہدائت نمایاں ہوجائیگی۔

حضرت یوسفؑ کی تبلیغ قید خانے میں

حضرتِ یوسفؑ کو خواب کی تعبیروں کا ملکہ حاصل تھا۔ آپکے جیل کے دو ساتھیوں کو جب اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کی غرض لاحق ہوئی۔ تو دونوں آپ کے قریب آئے۔ حصولِ مطلب کیلئے آپکی تعریف کی :۔ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۱۲/۳۶ = بیشک ہم آپکو احسان کرنیوالوں میں سے دیکھتے ہیں۔ آپنے اِس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے، کہ اب چونکہ اُنہیں ذاتی غرض لاحق ہے۔ اِسلئے اب یہ میری بات کو ضرور سُنیں گے۔ خواہ وہ اُنکے آبائی متوارث عقائد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ آپنے فرمایا کہ تمہاری خوابوں کی تعبیر تو میں کھانا آنے سے پہلے بتا دونگا۔ لیکن پہلے میری ایک بات سُن لو۔

یہ کہا اور بالفاظِ ذیل تبلیغ شروع کر دی کہ ذرا غور سے سُن لو:۔ "میں نے اُن لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہُوا ہے، جو اللہ کو نہیں مانتے اور قیامت کے منکر ہیں۔ میں اپنے آباء ابراہیم، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے دین کی پیروی کرتا ہوں۔ ہمارے لیئے یہ لائق نہیں کہ ہم اللہ کیساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرائیں ...... ۱۲/۳۸ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا ہر کسی کے الگ الگ رب ہونا یہ بہتر ہے یا سب کا ایک اللہ رب ہو یہ بہتر ہے ۱۲/۳۹۔ جن سے تم اللہ کے سوا مدد مُرادیں مانگتے ہو وہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ وہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیئے ہوئے ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ اللہ کے سوا کوئی صاحبِ حکم نہیں اُس نے حکم دیدیا ہُوا ہے، کہ اُسکے سوا کسی سے مدد مُرادیں نہ مانگا کرو۔ یہی دینِ قیّم ہے۔ لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے ۱۲/۴۰"

● اِس مکمل تبلیغ کے بعد آپنے اُن کی خوابوں کی تعبیر بتائی۔ اب چونکہ اُن کی ذاتی غرض و منفعت خوابوں کی تعبیر معلوم کرنا تھا۔ اُسکے حصول سے ماقبل اُنہوں نے اُس تبلیغ کو، جو اُنکے باپ دادا کے دین کے خلاف تھی بصد غور و توجّہ سُنا۔ حضرتِ یوسفؑ کی تبلیغ کامل طور پر اُس وقت کامیاب ہوئی جب آپنے تقسیمِ رزق کا چودہ سالہ کنٹرول کیا۔ اور ہر نزدیک و دُور سے لوگ اپنی منفعت کے کیلئے آپکی طرف کھچے چلے آنے لگے۔ نیز سُنّتِ یوسفی تو آپ قید خانے کے دو ساتھیوں کی تعبیرِ خواب کے واقعہ میں دیکھ چکے ہیں کہ آپنے اُنہیں تعبیریں بعد میں بتائیں اور تبلیغِ توحید کے فرائض پہلے انجام دیئے۔ اِسی طرح غلّہ کے دورِ کنٹرول میں بھی آپ

ہر قریب آنیوالے کو پہلے پیغام توحید پہنچا کر فرائض نبوت و رسالت ادا کرتے تھے۔ اور بعد میں غلہ دیا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج کے دور میں مبلغین توحید ہونے چاہئیں محکمہ خوراک کے افسر، خوراک کے ڈپو ہولڈر، پولیس کے افسر، اور یونین کونسلوں کے چیئرمین جن کیساتھ عوام کے مفاد وابستہ ہیں۔ اور عوام اُنکی تبلیغ کو بغور سن سکتے ہیں۔

● المختصر آیت بالا زیر نظر میں حضرت ابراہیم سلام علیہ پر تمثیلی انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ عوام کو مختلف قسم کے مفادات کے ذریعہ اپنے ساتھ ہلالیں۔ لوگ آپکی بات غور سے سنیں گے۔ اور سننے والوں میں جن کے قلوب تعصب کی بیماری سے پاک ہیں وہ آپ کی دعوت قبول کرکے آپکے ساتھی بن جائینگے۔ آپ انہیں جب بھی بلائینگے تو وہ اگر کسی پہاڑ یا سنگلاخ وادی میں بھی ہونگے تو آپ کے پاس دوڑتے ہوئے پہنچ جائینگے۔ روائتی تفاسیر نے اس تمثیلی انداز کو واقعہ کا رنگ دیکر چار پرندوں مُرغ، مور، کوّا اور کبوتر کا قصّہ چسپاں کر رکھا ہے کہ آپنے انہیں پکڑا، ذبح کیا، قیمہ بنایا پھر اُسے باہم مخلوط کرکے بہت سے غولے تیار کیئے۔ اور الگ الگ سب پہاڑ پر رکھ کر آواز دی اور وہ زندہ ہوکر آپ کے پاس پہنچ گئے۔

غلطی کہاں لگی ہے؟

اخیر پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آیت زیر نظر میں نہ پرندوں کو ذبح کرلے کے الفاظ ہیں نہ قیمہ بنالے کے۔ تو مذکورہ روائتی مفہوم کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ آیت مجیدہ میں فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ کے بعد ہے فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ = چار پرندے لے، پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کرلے۔ اسکے بعد ہے ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا۔ لفظی ترجمہ یہ ہے :- پھر ٹھہرا اُن چاروں میں سے ایک ایک پرندہ ہر ایک پہاڑ پر۔ پھر اُنہیں آواز دے، تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئینگے ــــ یاد رہے کہ یہاں جُزْءًا اور كُلِّ جَبَلٍ کا مقامی مفہوم لینے میں روائتی تفاسیر کو غلطی لگی ہے۔

جُزْءًا۔ جُز کا معنٰی ہے حصّہ۔ اگر کسی ایک سالم چیز کی جُز کا ذکر ہو، مثلاً خربوزہ وغیرہ۔ تو اُسکی قاشیں اُسکے جُز ہوتے ہیں۔ لیکن اگر خربوزوں کے کسی ڈھیر کی جُزوں کا ذکر ہو تو ثابت خربوزے اُس ڈھیر کے حصّے یعنی جُز ہونگے۔ اسی طرح اگر کسی ایک پرندے کے جُز، یعنی حصّے بنانا مطلوب ہو تو اُسے ذبح ہی کرکے حصّے کیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر پرندوں کی کسی جماعت کے جُز بنانا مطلوب ہو تو سالم پرندے اُس جماعت کے جُز یا حصّے ہونگے۔ سورہ حجر میں اہل جہنم کے متعلق مذکور ہے کہ جہنم کے ہر دروازے کیلئے اہل جہنم میں سے ایک ایک جُز یعنی الگ الگ افراد کی ایک ایک جماعت ہوگی۔ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۱۵/۴۴ دیکھئے !! اہل جہنم کے قیمہ کیئے ہوئے الگ الگ غولے، الگ الگ دروازوں کیلئے مخصوص نہیں کیئے جائینگے۔ بلکہ نافرمانوں کی قسمیں ہونگی جو ذبح اور قیمہ کرکے نہیں، بلکہ سالم افراد جہنم میں داخل کیئے جائینگے۔ اسی طرح چار پرندوں کی جُزیں یا حصّے چار سالم پرندے ہو سکتے ہیں۔ قیمہ کو ٹے ہوئے غولے نہیں۔

كُلِّ جَبَلٍ۔ کُل اکائی کو کہتے ہیں جسکی وضاحت آگے آرہی ہے۔ روائتی تفاسیر میں علٰی کُلِّ جَبَلٍ کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ تمام پہاڑوں پر۔ اب پرندے چار اور پہاڑ بے شمار۔ اس طرح اگر چار سالم پرندے ایک ایک کرکے تمام پہاڑوں پر رکھے

جائیں تو پورے نہیں آتے۔ اسلئے چار پرندوں کو تمام پہاڑوں پر رکھنے کی خاطر روائتی تفاسیر کیلئے اسکے سوا چارہ نہیں تھا کہ پرندوں کو قیمہ بنائیں اور اُسکا ایک ایک غلولہ دنیا کے ہر ایک پہاڑ پر رکھیں ـــــ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کیا ایشیا، یورپ، امریکہ، افریقہ اور آسٹریلیا تمام براعظموں کے ہر ایک پہاڑ پر غلولے رکھے گئے تھے۔ کیا کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر بھی کوئی غلولہ رکھا گیا تھا؟ - یا کم از کم حجاز و شام کے تمام پہاڑوں ہی پر رکھدیئے گئے ہوں؟ غور فرمائیں! کسقدر ناممکن العمل ہے یہ تصوّر، جو کُلِّ جَبَلٍ کے مفہوم سے لیا گیا ہے۔

پس دُنیا کے تمام پہاڑوں پر گوشت کے غلولے رکھنے کا تصوّر غلط ہے۔ آئت مجیدہ میں ذبح اور قیمہ کے نہ الفاظ موجود ہیں نہ اُنکے قرائن۔ تو خدا جانے ایسے چیستانی تصوّرات قرآن کریم کی طرف کس طرح منسوب کئے جا چکے ہیں۔ حالانکہ ایک چھٹی جماعت کا طالب علم بھی کُل بمعنی اکائی جانتا ہے، جب وہ پرندوں کے سوالات حل کرتے ہوئے پہلی ہی سطر پر لکھتا ہے:-

فرض کیا کل پرندے = اکائی

علم ریاضی کی شہادت کے مطابق یہ چیز عالمگیر مسلّہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ کُل کو اکائی یا اکائی کو کُل کہا جاتا ہے۔ اس طرح جب کُل = چار پرندے ہوں تو اس اکائی کی جُزویں چار سالم پرندے ہونگے قیمہ کو ٹے ہوئے نہیں ہونگے۔ نیز جب پرندوں کی اکائی یعنی کُل چار ہو تو کُلِّ جَبَلٍ کے الفاظ میں کُل پہاڑ بھی چار ہونگے ـــــ اور اس طرح ایک ایک پہاڑ پر ایک ایک سالم پرندہ رکھنے کا تصوّر دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ آئت مجیدہ میں چار پرندوں ہی کو اپنے ساتھ ملانے اور چار پہاڑوں ہی پر رکھ کر بلانے کا حکم دیا گیا ہو۔ نبیوں کے فرائضِ منصبی انسانوں کی تبلیغ توحید ہوتی تھی۔ پرندوں کو ہلا کر، پہاڑوں پر رکھ کر، اور اپنی آواز کیساتھ حاضر کر کے دکھانا نہیں۔ المختصر، آئتِ بالا میں طیر سے مُراد اعتقاداتِ باطلہ کی قید سے آزاد افراد ہے۔ جن پر تبلیغ کا اثر ممکن ہوتا ہے۔ پھر انہیں اپنے ساتھ ہلانا یعنی انہیں ضروریاتِ زندگی مہیا کر کے متبع بنانا، اور الگ الگ سنگلاخ علاقوں میں جہاں دینِ حقّہ کی مخالفت میں لوگ پہاڑوں جیسے سخت ہوں تبلیغ کیلئے بھیجنا ہے۔ نیز چار کے عدد کے انتخاب کی حکمت بالغہ یہ ہے کہ چار سُو فریضۂ تبلیغ لازم ہے۔ تو گویا واضح کیا گیا ہے کہ چاروں طرف مبلغ بھیجکر فریضۂ تبلیغ ادا فرمائیں۔ جو لوگ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کی ایمانی موت کی حد تک نہیں پہنچے، وہ ضرور ضرور ایمانی زندگی پائینگے۔ انہیں ہم آپکو ایمانی لحاظ سے زندہ کر کے دکھا دینگے۔ چنانچہ حضرتِ ابراہیمؑ نے اِسی طرح فریضۂ تبلیغ ادا فرمایا۔ اور ایمانی مُردوں کو ایمانی زندگی دلوائی۔ اللہ تعالیٰ صاحب حکمت ہے، اُسکے ہر حکم میں حکمت موجود ہے۔

عَودالی المقصود

آیاتِ بالا میں منکرینِ ربوبیّت کو قیامت کی بازپرس سے متنبہ کرنے کیلئے اُس طاغوت کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرتِ ابراہیمؑ کے دلائلِ قاطعہ کے ذریعہ لاجواب ہو چکنے کے باوجود نظریۂ ربوبیّت عامہ پر ایمان نہ لایا۔ اِسکے بعد ۲/۲۶۴ میں مذکورہ مخصوص تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اِسکے بعد جب اسلامی معاشرہ میں مومنوں کی شمولیت ہو جاتے

تو یہ امر کسی وضاحت کا محتاج نہیں کہ مال خرچ کئے بغیر معاشرہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ نیز یاد رہے کہ سورہ بقر کی ابتدائی آیات میں آنحضور پر واضح کیا گیا ہے کہ آپکو سلسلۂ تبلیغ کے دوران تین قسم کے لوگ ملیں گے:۔

۱۔ مومن　　۲۔ کافر　　۳۔ منافق

اور لف نشر غیر مرتب کیمطابق آیات نمبر ۲/۱۷ تا ۲۰ میں منافقوں کی دو مثالیں بیان ہوئی ہیں۔ آیات نمبر ۲/۱۷۱ و ۲۵۹ میں کافروں کی دو مثالیں لائی گئی ہیں۔ اسکے بعد باری تھی مومنوں کی سلسلۂ درس کی اگلی آیات نمبر ۲/۲۶۱ و ۲۶۵ میں مومنوں کی دو مثالیں بیان کیگئی ہیں۔ جن کے متعلق پہلے نمبر پر ارشاد ہوا ہے:۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
مثال اُن لوگوں کی کہ خرچ کرتے ہیں مال اپنے بیچ راہ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ
اللہ کے جیسے مثال ایک دانہ کی کہ اُگا دے سات بالیں۔ بیچ
سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ
ہر بال کے سو دانے اور اللہ تعالیٰ دونا کرتا ہے واسطے جس کے
يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
۲۶۱
چاہے اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔ اُن کے خرچ کرنے کی مثال ایک دانے کی سی ہے۔ (جو زمین میں بویا جاتا ہے) وہ سات بالیں پیدا کرتا ہے۔ ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے قانون مشیت کے مطابق اُس فرد یا قوم کیلئے اضافہ کرتا ہے، جو خود چاہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت دینے والا خوب جاننے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ
وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے بیچ راہ اللہ
اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ
کے پھر نہیں لاتے پیچھے اس چیز کے کہ خرچ کرتے ہیں احسان
اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
اور ایذا واسطے اُنکے ہے ثواب اُنکا نزدیک پروردگار انکے
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ۲۶۲
کے اور نہیں خوف اوپر اُن کے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر جن پر مال خرچ کرتے ہیں، نہ اُن پر احسان دھرتے ہیں اور نہ اُنہیں طعنے دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ اور (اس انفاق مال کے عوض) نہ اُنہیں مستقبل میں ضیاع اجر کا خوف لاحق ہوگا۔ اور نہ ماضی میں کئے ہوئے اعمال کیلئے غمگین ہونگے۔

● سیاق کلام یہ ہے کہ پہلے تبلیغ توحید و تبلیغ ربوبیت عامہ کے ذریعہ مومنوں کی جماعت عالم وجود میں آئیگی۔ اور اُسکے بعد معاشرہ کی تشکیل شروع ہوگی۔ اب معاشرہ کی تشکیل کیلئے لازمی طور پر مالداروں کو اپنے مال خرچ کرنے ہونگے۔ اسلئے آیاتِ بالا میں مال خرچ کرنے والوں پر واضح کردیا گیا ہے کہ یہاں تمہارے مال ضائع نہیں ہونگے

ایک ایک دانے کے سات سات سو دانے بنیں گے۔ جو لوگ اسلامی معاشرہ کی تکمیل سے پہلے ہی فوت ہو جائیں۔ اور انہوں نے تشکیلِ معاشرہ کیلئے مال خرچ کیا ہو، تو انکا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ رہیگا۔ جو انہیں دوسری زندگی میں ضرور ملیگا۔ اور جو لوگ زندہ رہیں، انہیں قرآنی معاشرہ میں کسی بھی مقام پر نہ ضیاعِ اجر کا کوئی خوف ہوگا کہ گردشِ ایام کی زد میں نہ آجائیں۔ اور نہ اللہ کی راہ میں دیئے ہوئے مال کا غم ہوگا کہ آج اگر وہی مال اپنے لئے محفوظ کیا گیا ہوتا تو کام آتا۔ بالفاظِ دیگر قرآنی معاشرہ خواہ جس مقام پر بھی ہو، اسکے حاملین لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ کے مصداق ہوتے ہیں یعنی نہ انہیں آئندہ کیلئے کسی آنیوالے خطرے کا خوف ہوتا ہے نہ ماضی میں خرچ کئے گئے مال کا غم۔ اُن پر معاشرہ کو جو کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اُسکے عوض اُن پر نہ احسان دھرا جاتا ہے۔ اور نہ انہیں غیر قرآنی معاشرہ کی طرح ہر آن طعنوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اگر انفرادی طور پر انکی مدد ہوتی ہو تو خدمت کرنیوالے مومن، اسے انکا حق جانتے ہیں۔ اور اگر اجتماعی نظام قائم ہو چکا ہے تو پھر انکی ضروریاتِ زندگی مرکزی نظام کے ذمہ آتی ہیں کہ، انکے لئے بدستور کام و طعام مہیا کرتا رہے۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں انفرادی صدقہ دینے والوں کو صدقہ کی ادائیگی کے بعد احسان دھرنے اور طعنہ دینے کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ اس سے مخاطب کی خودداری مجروح ہوتی ہے۔ حالانکہ مخاطب کی خودی کو مجروح کرلنے سے بہتر تو یہ ہے کہ صدقہ نہ دیا جائے، بلکہ کوئی مفید مشورہ دینا ہی اُس سے کہیں بہتر ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ
بات اچھی اور بخشش دینا بہتر ہے اُس خیرات سے کہ
صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ۝ ۲۶۳
پیچھے اس کے ہو ایذا اور اللہ بے پرواہ ہے تحمل والا۔

ایسے صدقے سے، جسکے پیچھے طعنہ لگا ہُوا ہو، اس سے بہتر ہے کہ (صدقہ دینے کی بجائے) کوئی معروف بات کہہ دی جائے۔ اور (مخاطب کیلئے نقصانات سے) بچاؤ کے سامان کر دیئے جائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے محتاج اور درگزر کرنیوالا ہے۔

● یعنی اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ صدقہ دینے والے بے محتاج نہیں۔ بے محتاج اللہ تعالیٰ ہے۔ اُن کے پاس جو مال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے ان کا نہیں۔ نیز نا ہموار معاشرہ میں وہ خود بھی تو آنیوالے خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اور انکا صدقہ کے بعد طعنہ زنی کا فعل، اللہ تعالیٰ کے ہاں اسقدر ناپسندیدہ ہے کہ اگر وہ درگزر کرنیوالا نہ ہو تو فوراً پکڑ لے۔

اپنے صدقات کو ضائع نہ کر دیا کرو اس سے اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جبتک صدقات کا اجتماعی نظام $\frac{9}{114}$ قائم نہ ہو۔ اُسوقت تک جو تم انفرادی صدقات ادا کرتے ہو، انہیں باطل نہ کر دینا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت باطل کرو خیرات اپنی کو

ایمان والو! اپنے دیئے ہوئے صدقوں کو مخاطب پر احسان دھر کر اور اسے طعنہ زنی کی ایذا دیکر اُس شخص کی طرح ضائع

بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ
ساتھ احسان اور ایذا کے مانند اس شخص کے کہ خرچ کرتا ہے مال اپنے
وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ
کو واسطے دکھلانے لوگوں کے اور نہیں ایمان لاتا ساتھ اللہ کے
صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ
اور دن پچھلے کے پس مثال ہے اسکی جیسے مثال صاف پتھر کی اوپر اسکے ہو
صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ
مٹی پس پہنچے اسکو مینہ پس چھوڑ دے اسکو صاف نہیں قدرت پاتے اوپر
لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۝۲۶۴
کسی چیز کے اس چیز سے جو کمایا انہوں نے اور اللہ نہیں راہ دکھاتا قوم
کافروں کو۔

نہ کر دیا کرو۔ جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کیلئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پس اُسکی مثال ایک پتھر جیسی ہے کہ اُس پر کچھ مٹی ہو۔ (وہ اُس مٹی میں کوئی بیج بوئے) پھر اُس پر بارش برسے (وہ مٹی معہ بیج بہ جائے) پھر وہ اُسے چٹیل پتھر چھوڑ جائے۔ اُس مٹی پر اُنہوں نے جو محنت کی اُس میں سے وہ کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنیوالوں کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● آیت بالا میں دکھلاوے کیلئے مال خرچ کرنیوالوں، اور خرچ کرکے احسان جتانے والوں اور طعنہ دینے والوں کیمتعلق وضاحت کیگئی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا جو $\frac{۲}{۲۶۱}$ کے مطابق ایسا عظیم الشان عمل ہے کہ ایک ایک دانے کے سات سات سو دانے بنتے ہیں لیکن ریا و ایذا کی بدولت یہ پورے اعمال اس طرح ضائع ہو جاتے ہیں جیسے کہ پتھر پر کچھ مٹی ہو اس میں بیج بو دیا جائے لیکن بارش جو رحمت باری بن کر کھیتوں کو سر سبز و شاداب کرتی ہے، جب اس پر برسے تو پوری مٹی کو معہ بیج بہالے جائے اور پیچھے پتھر کا پتھر باقی رہ جائے۔

صدقات کی غرض مخاطبوں کو اُنکے قدموں پر کھڑا کرنا ہے

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کی صفات مخصوصہ کے طور پر ادائے صدقات کی اصل غرض بیان ہوئی ہے:-

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ
اور مثال اُن لوگوں کی کہ خرچ کرتے ہیں مال اپنے واسطے
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
چاہنے رضامندی خدا کے اور ثابت کرنے کے جانوں اپنی سے جیسے
كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ
مثال ایک باغ کی کہ بلندی پر ہو پہنچا اُس کو مینہ پس لایا

اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اُسکی رضا کیلئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اپنے (معاشرہ کے) افراد کو اُنکے قدموں پر کھڑا کرتے ہیں۔ اُن (کے انفاق مال) کی مثال ایسے باغ کی ہے، جو اُونچے زرخیز ٹیلے پر واقع ہو۔ اُس باغ پر مینہ برسے تو وہ عام حالات سے دُگنا پھل دیتا ہے۔ اور اگر مینہ نہ برسے تو اُسکے لئے شبنم (کی نمی) ہی کافی

أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ

میوہ اپنا دوگنا پس اگر نہ پہنچے اسکو مینہ پس شبنم کفایت ہے

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۲۶۵

اور اللہ ساتھ اس چیز کو کہ کرتے ہو تم دیکھنے والا ہے۔

ہوتی ہے۔ اور تم (تعمیرِ معاشرہ کیلئے) جو بھی عمل کرتے ہو اُسے اللہ دیکھنے والا ہے۔

● آیتِ بالا میں صحیح قرآنی معاشرہ کی تصویر کھینچی گئی، اور اپنی رضا بتا دیگئی ہے۔ کہ اُسکی راہ میں خرچ کئے گئے مال سے ایسی جنت بنائی جانی چاہیئے جو تَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ کی مثال ہو یعنی اُس میں کوئی فرد بھی ایسا نہ ہو، جو اپنے قدموں پر قائم نہ ہو۔ یعنی کوئی کسی کا دستِ نگر نہ ہو اور انفاقِ مال فی سبیل اللہ یعنی ادائے صدقات سے جو کام انجام ہو رہا ہو۔ وہ یہی ہو کہ محروم و مجبور افراد کو اُنکے قدموں پر کھڑا کیا جا رہا ہو۔ یعنی خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کرنے جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ بنالو جس میں إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ۝ $\frac{۲۰}{۱۱۸-۱۱۹}$ کے خداوندی حکم کے مطابق نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا، نہ بے علاج ہو نہ بے مکان۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ناہموار معاشرہ کے لازمی خطرات کے پیشِ نظر بتایا گیا ہے کہ:۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن

کیا چاہتا ہے کوئی تم میں سے یہ کہ ہو واسطے اُسکے باغ

نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

کھجوروں سے اور انگوروں سے چلتی ہیں نیچے اُسکے سے نہریں۔

لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ

واسطے اُسکے ہے بیچ اُسکے سب میووں سے اور پہنچے اسکو

وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ

بڑھاپا اور واسطے اُسکے اولاد ہے ناتوان پس پہنچا اسکو بگولا

فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ

بیچ اُسکے آگ تھی پس جل گیا اسیطرح بیان کرتا ہے اللہ واسطے

الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۲۶۶ ع ۲۶

تمہارے نشانیاں تو کہ تم فکر کرو۔

کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرتا ہے کہ اُسکا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو (کہ آبپاشی کیلئے) اُس کے اندر نہریں بہتی ہوں۔ اُسکے لئے اُس میں ہر قسم کے میوہ جات موجود ہوں۔ لیکن اُسے بڑھاپا آجائے، اور اُس کی اولاد (کم عمر) کمزور ہو۔ پھر اُس باغ کو ایسی لُو پہنچ جائے جس میں آگ ہو۔ پھر وہ اُسے جلا (کر راکھ کر) دے۔ اللہ تعالیٰ اسیطرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر سے کام لیا کرو۔ (اور جب یقیناً یقیناً تم میں سے کوئی بھی ایسی حالت کو پسند نہیں کرتا۔ تو پھر جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ کا نظامِ ربوبیت کیوں قائم نہیں کرتے؟)

جنّتی اور جہنّمی معاشرہ کا تقابل

آیتِ بالا میں واضح کیا گیا ہے کہ اجتماعی نظام جس میں فرد فرد کی ضروریاتِ زندگی مرکز کی ذمہ داری میں داخل ہوں۔ وہ ایسے باغ کی مانند ہوتا ہے) جو ایک

زرخیز ٹیلے پر واقعہ ہو، یعنی سطح کی بلندی کی بنا پر وہ سیلابوں اور طوفانوں سے بھی محفوظ ہو، اور لو کے جھلس دینے والے جھونکوں سے بھی، اگر مینہ برسے تو پھل دوگنا ہو جائے۔ اور اگر نہ برسے تو رات کی شبنم بھی اسکی سیرابی کیلئے کافی ہو۔ یعنی یہ اس نظام کی مثال پیش کیگئی ہے، جس میں ہر شخص کی ضروریاتِ زندگی اسکے پیدائشی حق کے طور پر مسلّمہ ہوں۔ اور ضروریاتِ زندگی کی کمی کا اسے کبھی خطرہ ہی نہ ہو۔ اور اسکے برعکس انفرادی نظام کی مثال یہ دیگئی ہے کہ گزر اوقات کیلئے ایک باغ ہے۔ خود بوڑھا ہو گیا ہے، بچے کم عمر اور کمزور ہیں۔ لو کے جھونکے نے باغ جھلس کر رکھ دیا ہے۔ تو اب اسکا کوئی پرسانِ حال نہیں ہو گا۔ لیکن جَنَّۃٍ بِرَبْوَۃٍ یعنی اجتماعی نظام میں تو نہ کسی بوڑھے کو خطرہ ہے کہ وہ گلیوں اور بازاروں میں تباہ حال ٹھوکریں کھایا کریگا۔ اور نہ کمزور بچوں کو خوف ہے کہ پانچ سال کی عمر میں پنکھا کھینچنے کی مشقت کے بغیر روکھی روٹی بھی میسر نہیں آئیگی۔ پس بتایا گیا ہے کہ کون ہے جو ان یقینی حالات میں اجتماعی نظام سے منہ موڑ کر اپنے بڑھاپے اور اپنی کم عمر اولاد کو در در کی ٹھوکروں کے حوالے کرنا پسند کرے۔ اب غور کرکے دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ تمہارے بڑھاپے اور تمہارے کمزور و ضعیف نابالغ بچوں کی ضروریات کے یقینی انتظام کیلئے ہموار و متوازن آئین نازل کر دیا ہے۔

ناہموار معاشرہ سے متعلق احکام

اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں وضاحت کیگئی ہے کہ اگر تم ہموار اور صحت مند اجتماعی نظام تک ابھی نہیں پہنچے، یا ناہموار نظام پر مطمئن ہو چکے ہو تو، غلط معاشرہ کی غلط بخشیوں نے جن افراد کو ان کے پیدائشی حقوقِ ربوبیّت سے محروم کر رکھا ہے۔ خصوصًا بوڑھے اور بچے اگر محرومِ ضروریات پائے جاتے ہیں، تو ہو سکتا ہے کہ کل کو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو کہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تمہارے بچے کمزور و ضعیف ہوں۔ اور تمہارا ذریعہ معاش ختم ہو جائے۔ اسلئے آج ایسے بے بسوں اور بیکسوں کیلئے اس مال میں سے خرچ کرو، جو تم کماتے اور ہم اسے پیدا کرتے ہیں:۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو پاکیزہ سے طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم جو کچھ کمایا تم نے اور اس چیز سے کہ نکالا ہے ہم نے مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ واسطے تمہارے زمین سے اور مت قصد کرو خبیث کا تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن اس میں سے کہ خرچ کرو اسکو اور نہیں تم لینے والے اسکے مگر یہ کہ	ایمان والو! جو کچھ تم کسبِ حلال سے کماتے ہو۔ اور (نیز معدنیات اور اناج) ہر چیز جسے ہم تم سب کیلئے زمین سے نکالتے ہیں، اُن میں سے اچھی اور کار آمد چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو۔ اور اُن میں سے جو تم راہِ خدا میں دینے ہو ردی (اور بیکار) چیزیں دینے کا ارادہ نہ کرو۔ کیونکہ اگر وہی چیزیں تمہیں دی جائیں تو تم انہیں لینے والے نہیں ہو، سوائے اسکے کہ تم ان کے لینے میں غفلت کر جاؤ اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ بے محتاج اور

تُنْفِقُوْا فِیْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۲۶۷
آنکھ موند لو بیچ آپکے؛ اور جانو یہ کہ اللہ تعالیٰ بے پروا ہے تعریف کیا گیا۔

صاحب حمد ہے۔ (تم جو بھی خرچ کروگے، تمہارے اپنے ہی فائدے کیلئے ہوگا)

● آیت بالا میں ناہموار معاشرہ کی تصویر کھینچی گئی ہے کہ باسی روٹی، پھٹا پرانا کپڑا، اور اُتار پھینکے ہوئے جوتے راہِ خدا میں دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ انفرادی نظام کے ناہموار معاشرے میں کچھ بعید نہیں کہ یہی حالت تمہاری ہو جائے، اور یہی ردّی چیزیں تمہیں دی جارہی ہوں۔ یہ تو ہوئی مَا كَسَبْتُمْ کی حالت۔ اور مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ حکام کے گھر بیٹھے تیل کے کنستر پہنچتے رہتے ہیں، اور عوام بیچاروں کو ایک بوتل کیلئے گھنٹوں قطار میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ سرمایہ داروں کے ہاں سوئی گیس پرانی بھی ہو چکی ہے۔ مگر عوام اُسکے فوائد سے کیا، نام تک سے بے خبر پائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے زمینداروں کے ٹیوب ویل چل رہے ہوتے ہیں، مگر چھوٹے بیچارے رہٹ اور بیلوں ہی کے چکّر میں پھنسے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ انفرادی اور سرمایہ داری نظام ہی کی بدولت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان جملہ خرابیوں اور ناہمواریوں کا آخری حل $\frac{9}{111}$ میں پیش کر دیا ہے کہ مَا كَسَبْتُمْ اور مِمَّآ اَخْرَجْنَا مِّنَ الْاَرْضِ، ہر چیز قومی ملکیت قرار دی جائے۔ اور بلا تمیز ہموار تقسیم کیساتھ معاشرہ کو ہمیشہ جنّت بدوش رکھا جائے۔

نفس کی شرارت

اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ انسان کو اُس کا نفس امّارہ (شیطان) اُسے بھوک ننگ کا وعدہ دیتا ہے:۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُكُمْ
شیطان وعدہ دیتا ہے تمکو فقر کا اور حکم کرتا ہے تمکو
بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ
ساتھ بےحیائی کے اور اللہ تعالیٰ وعدہ دیتا ہے تم کو بخشش کا اپنی طرف
وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۲۶۸
سے اور فضل کا اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔

(یاد رکھو کہ) شیطان تمہیں (اجتماعی نظام سے روک کر انفرادیت کے ذریعہ) محتاجی کا وعدہ دیتا ہے (اور تمہیں بخیلی؎ ذاتی مفاد طلبی انفرادیت) کا حکم کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہیں (اجتماعی نظام کے ذریعہ ہمیشہ کیلئے محتاجی و محرومی سے) محفوظ کرنے کا، اور اپنے فضل (یعنی غنی معاشرہ) کا وعدہ دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت دینے والا، خوب جاننے والا ہے۔

● آیت بالا کے آخری الفاظ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ میں واضح کیا گیا ہے کہ بلا تمیز ہر ایک کیلئے دائمی وسعت اُس اجتماعی نظام ہی میں مرکوز ہے، جو خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ بڑھکر جاننے والا ہے کہ انفرادی اور سرمایہ داری نظام میں امن و توازن قائم نہیں رہ سکتا۔ حکّام اپنی جگہ آئین کا مذاق اُڑاتے رہتے ہیں اور عوام اپنی جگہ قانون کی دھجیاں بکھیرتے رہتے ہیں کیونکہ دونوں کی غرض الگ الگ ذاتی مفاد ہی ہوتی ہے۔

؎ الفحشا کا معنی لکھا گیا ہے بخیلی ذاتی مفاد طلبی۔ اسکا سہ حرفی مادہ ف۔ ح۔ ش۔ فحش ہے جسکا بنیادی معنی

برائی بخیلی اور کمینگی ہے۔ یہ لفظ ہر ایک برائی کے لیئے استعمال ہوتا ہے، بُری باتوں کو فحش کلامی کہا جاتا ہے۔ ہر بُرے کام کو الفحشاء کہتے ہیں خصوصًا کنجوسی اور بخیلی بھی فحش کہلاتی ہے۔ بخیل کو فاحش کہا جاتا ہے۔ یہاں بُری چیزیں راہِ خدا میں دینے کو الفحشاء کہا گیا ہے۔ جو نفس کی انتہائی برائی اور کمینگی کی دلیل ہے۔ نفس انسانی ہمیشہ اجتماعی نظام کے خلاف ذاتی مفاد طلبی کا حکم کرتا ہے۔ جو حقیقت کی رُو سے انتہائی برائی ہے۔

ع۲ مغفرت کا معنیٰ لکھا گیا ہے فقر و محتاجی سے محفوظ کرنا۔ اسکا سہ حرفی مادہ غ۔ف۔ر = غفر ہے۔ اسکا بنیادی معنیٰ ہے بچانا، حفاظت کرنا، مغفر کہتے ہیں لوہے کی اُس ٹوپی کو جو لڑائی کے وقت سر کو بچانے اور محفوظ کرنے کیلئے پہن لیتے ہیں۔ یہاں چونکہ فقر کے مقابلے پر مغفرت اور فضل لایا گیا ہے۔ اِسلئے یہاں مغفرت کا معنیٰ ہے فقر و فاقہ سے بچانا، بھوک ننگ اور محتاجی سے محفوظ کرنا۔

● اِس سے اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا حکمت بھرا ضابطہ ۳۶/۲ عطا فرمایا ہے، جس سے معاشرہ میں سے فقر و فاقہ ختم ہو جاتا اور ہر طرف خیر کثیر میسّر آتی ہے:۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ
دیتا ہے حکمت جس کو چاہے اور جو کوئی دیا گیا حکمت
الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ
پس تحقیق دیا گیا بھلائی بہت اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر صاحب
إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ○ ۲۶۹
عقل کے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حکمت بھرے ضابطہ ۳۶/۲ کے ذریعہ اُس قوم کو حکمت عطا کرتا ہے جو حکمت کی خود طلبگار ہو اور جس قوم کو حکمت دی جائے۔ بلاشبہ اُسے خیر کثیر دیدیگئی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے حکمت والے ضابطہ سے ارباب عقل و بصیرت ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

● دیکھیئے گا آیت بالا میں اجتماعی نظام کو خیر کثیر اور اسکے طلبگاروں کو عقلمند کہا گیا ہے۔ اور اسکے برعکس انفرادی مفاد طلبی کو اسلئے بے عقلی اور بے وقوفی قرار دیا گیا ہے کہ انفرادی نظام میں اگر آج زبوں حالی کا شکار ہے، تو کل کو پھر بھی ایسے ہی حالات آ جاتے ہیں۔ خیر کثیر اُس قوم کو میسّر آتی ہے جس میں اجتماعی نظام قائم ہوتا اور ہر فرد و بشر زبوں حالی اور فقر و فاقہ سے ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جاتا ہے

بگڑے ہوئے معاشرے کو بتدریج سدھارتے چلے جاؤ

آیاتِ بالا میں عوام کے علاوہ بوڑھوں اور بچوں کی زبوں حالی کے خصوصی تذکرہ، اور اِسکے انسداد کی خاطر اجتماعی نظام کے قیام کیلئے انفاقِ مال یعنی مال خرچ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اور اگلی آیت مجیدہ میں بگڑے ہوئے معاشرہ کو انفاقِ مال کے ساتھ بتدریج سُدھارتے چلے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس میں نذروں کا ذکر بانداز خصوص وارد ہوا ہے:۔

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ‌ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ۝۲۷۰

اور جو خرچ کرو تم کچھ خرچ کرنا یا منت مانو تم کچھ منت سے پس تحقیق اللہ جانتا ہے اُسکو اور نہیں واسطے ظالموں کے کوئی مدد دینے والا

اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کروگے خصوصاً نذروں کے مال میں سے جو بھی نذر تم پیش کروگے (یعنی جو مال آنیوالے خطرات کی روک تھام کیلئے اپنے اُوپر خود لازم کرکے ادا کروگے) انہیں اللہ تعالیٰ ظاہر کردیگا (یعنی وہ رفاہی امور پر خرچ ہوکر عملاً نمایاں ہو جائینگے) حقیقت یہ ہے کہ مال کو بے ٹھکانہ خرچ کرنیوالوں کا کوئی مددگار نہیں۔

علہ نذر کا معنیٰ لکھا گیا ہے، آنیوالے خطرات کی روک تھام کیلئے اپنے اُوپر خود لازم کرکے مال پیش کرنا۔ اسکا سہ حرفی مادہ ن۔ ذ۔ ر = نذر ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے حفظ ما تقدّم کے طور پر آنیوالے خطرات سے ڈرنا، خوف کھانا۔ انذار کا معنیٰ ہے آنیوالے خطرات سے ڈرانا، آگاہ کرنا۔ اِس طرح نذر اُس مال کو کہتے ہیں، جسے حفظ ما تقدّم کے طور پر کسی خطرے کی روک تھام کیلئے اپنے اُوپر خود واجب قرار دیا جائے۔ مثلاً محلّے میں کوئی گڑھا ہے جس میں بارش کا پانی بھر جانے سے بچوں کے گرنے کا خطرہ لاحق ہے۔ اِس پر کوئی شخص اِس خطرے کی روک تھام کیلئے اُس گڑھے کو بھرنے کا خرچ اپنے ذمّہ لیکر ادا کردیتا ہے۔ اِسے نذر کہتے ہیں۔ یا اگر محلّے میں بچوں کا سکول یا ہسپتال موجود نہیں ہے۔ اِسکے لئے زیادہ مال کی ضرورت ہے۔ یہ ایک شخص کی طاقت سے باہر ہے لیکن کوئی شخص اِسکے لئے کچھ رقم اپنے اُوپر واجب کرکے رقم معہ تجویز پیش کرتا ہے اِسے نذر کہتے ہیں۔ اِس پر باقی افراد بھی کچھ رقمیں خود بخود اپنے اوپر لازم قرار دے لیتے ہیں، اور بقایا خرچ بیت المال سے ادا کرکے سکول اور ڈسپنسری قائم کردی جاتی ہے۔ یہ عوام کا اپنے اُوپر خود واجب کردہ مال نذر کہلاتا ہے۔ جس کے متعلق ارشاد ہُوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ظاہر کردیگا۔ یعنی جب سکول یا ڈسپنسری عالمِ وجود میں آجائیگی، تو عوام کے نذرانے بشکلِ مشہود ظاہر ہوکر سامنے آجائینگے۔

● افسوس ہے کہ نذر کا معنیٰ خدا تعالیٰ کو پیش کیگئی رشوت قرار دیا جا چکا ہے۔ چور پکڑا جائے تو نذر مانتا ہے، یعنی اپنے اُوپر لازم کرتا ہے کہ اگر سزا سے بچ گیا تو اللہ کے نام کی دیگ چڑھاؤنگا۔ قاتل نذر مانتا ہے کہ بری ہوگیا تو ہزار روپیہ مسجد کو دونگا لیکن یاد رہے کہ خدا تعالیٰ نہ رشوت لیکر چوری کی سزا معاف کرتا ہے نہ قاتلوں سے اپنا قانون واپس لیتا ہے۔ بلکہ اُسکا فیصلہ یہ ہے کہ چور کو چوری کی سزا دی جائے اور قاتل کو قتل کردیا جائے۔ اللہ سے اُسکا قانون بدلوانے کیلئے رشوت دینا نذر نہیں ہے اور آگے بڑھیں تو اللہ تعالیٰ کو جو رشوت پیروں اور قبروں کے ذریعہ دی جائے اُسے نذرانے کہا جاتا ہے۔ یعنی عورتیں نذر مانتی ہیں کہ میرا بیٹا پاس ہوگیا تو فلاں مزار پر پراٹھے چڑھاؤنگی۔ مروجہ نذریں اور نذروں کا مفہوم نہ قرآن کریم کی رُو سے صحیح ہے نہ عربی زبان کی رُو سے۔

علہ ظالمین۔ ظلم کا مطلق معنیٰ ہے بے ٹھکانہ کام کرنا۔ اور ظالم کہا جاتا ہے بے ٹھکانہ کام کرنیوالے کو۔ آیت بالا میں

چونکہ انفاق مال اور نذرانوں کا ذکر آیا ہے جس میں آنیوالے خطرات سے خوف کھانے اور بچنے کیلئے مال خرچ کرنا خود اپنے آپ پر لازم کیا جاتا ہے ۔ اسلئے اسکے برخلاف جو لوگ فضول رسموں پر مال خرچ کرکے اپنے آپکو خود تباہ کرلیتے ہیں، آیت بالا میں انہیں ظالم قرار دیکر ارشاد ہوا ہے کہ جو لوگ فضولیات سے بچکر، اپنی مدد آپ نہیں کرتے ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔

صدقہ کے مال کیساتھ حاجتمندوں کو انکے پیروں پر کھڑا کیا جائے

چونکہ صدیوں کا ناہموار معاشرہ ، نہ آنا فانا درست ہوجاتا ہے اور نہ آنیوالے جملہ خطرات، جن میں معاشرہ کے بعض افراد کا حادثتہً بدحالی کا شکار ہوجانا بھی شامل ہے، کی روک تھام راتوں رات ہوسکتی ہے ۔ اسلئے، جبتک آنیوالے خطرات کا مکمل انتظام نہیں ہوجاتا ۔ اسوقت تک کیلئے حکم دیا گیا ہے کہ ضرورتمندوں کی فوری مدد صدقات کے مال کیساتھ کی جایا کرے ۔ جو ظاہر اور چھپاکر، دونوں طریقوں سے ادا کیئے جاسکتے ہیں :-

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ
اگر ظاہر کرو تم خیرات کو پس اچھا ہے وہ اور اگر چھپاؤ
تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ
تم انکو اور دو انکو فقیروں کو پس وہ بہتر ہے واسطے تمہارے
وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا
اور دور کریگا تم سے برائیاں تمہاری اور اللہ ساتھ اسچیز کے
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ ۲۷۱
کہ کرتے ہو تم خبردار ہے۔

اگر تم (ضرورتمندوں کو) صدقات ظاہرا طور پر دو تو یہ بھی بہتر ہے ۔ (تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو) اور اگر تم چھپاکر، اور براہ راست خود محتاجوں کو دیدو تو یہ بھی تمہارے لیے بہتر ہے ۔ (تاکہ چھپاکر دینے سے حاجتمندوں کی خودی مجروح نہ ہونے پائے) اسطرح اللہ تم سے تمہاری بدحالیاں دور کردیگا حقیقت یہ ہے کہ تم جو بھی عمل بجا لاتے ہو اللہ اُن سے پورا پورا باخبر ہے۔

● دیکھئے! اس آیت میں صدقات کو معاشرہ کی بدحالیاں دور کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ صدقات بھیک کے طور نہیں بلکہ محتاجوں کی احتیاج دور کرنے، یعنی انہیں پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے ادا کیئے جائینگے ۔ ظاہر ہے کہ معاشرہ میں سے جسقدر بھوک ننگ ختم ہوجائیگی، اسی قدر جرائم ختم ہوتے چلے جائینگے اور معاشرہ بدحالیوں سے پاک ہوتا چلا جائیگا۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور کی اس مخفی تمنا کی خبر دیگئی ہے، کہ آپ چاہتے تھے ، کہ سب کے سب لوگ ہدایت پالیں لیکن آپ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے :-

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
نہیں اوپر تیرے ہدایت کرنا اُن کا ولیکن اللہ تعالیٰ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
ہدایت کرتا ہے جس کو چاہے اور جو کچھ خرچ کرو تم مال سے پس

اے رسول! ان لوگوں کی ہدایت آپکے ذمہ نہیں ۔ (آپکے ذمہ صرف پیغام پہنچانا ہے $\frac{5}{99}$) اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت اُسے دیتا ہے جو خود ہدایت لینا چاہتا ہے ۔ اور (ایمان والو! حاجتمندوں کو پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے) تم جو

فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ
نفع ہے واسطے جان تمہاری کے اور نہ خرچ کروگے تم مگر واسطے
وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ
چاہنے رضامندی اللہ کے اور جو کچھ خرچ کروگے تم بھلائی سے
اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ۲۷۲
پورا پہنچایا جاوے گا طرف تمہارے اور تم نہیں ظلم کئے جاؤگے۔

مال خرچ کروگے، وہ تمہارے اپنے ہی (عوام کے) لئے ہے اور نہ خرچ کیا کرو تم کچھ بھی۔ مگر اللہ کی رضا جوئی کیلئے خرچ کیا کرو۔ اور تم جو مال (نظام معاشرہ کو بطور قرضہ) ادا کروگے، وہ تمیں پورا پورا واپس کردیا جائیگا۔ اور تم ظلم نہیں کئے جاؤگے۔

● ہ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ میں تُنْفِقُوْنَ خبر بمعنی انشاء ہے۔ یعنی حکم دیا گیا ہے کہ اپنی بڑائی اور نمود و نمائش کیلئے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے مال خرچ کیا کرو۔

● آیت بالا میں حاجتمندوں کو پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے ایک اجتماعی نظام کی خبر دیگئی ہے، جو اس مخصوص مہم کی انجام ہی کیلئے مالداروں سے قرضے لیتا اور انہیں پورے پورے واپس کرتا ہے۔ یعنی کسی بھی مال پر سود کا تصوّر غلط قرار دیا گیا ہے، خواہ وہ مال حکومت سے عوام نے حاصل کیا ہو، خواہ عوام سے حکومت نے لیا ہو۔ اُن کی واپسی پوری کی پوری ہوگی، نہ کم نہ زیادہ۔

حاجتمندی کا نشان گداگری نہیں

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں وضاحت کیگئی ہے کہ صدقات کے مال اُن لوگوں پر خرچ کئے جائینگے، جو دین اللہ کے کاموں میں رُکے ہوئے ہیں، وہ ان مصروفیات کی بدولت کاروبار نہیں کرسکتے۔ اُنکی حالت اُنکے چہروں سے عیاں ہے، کہ یہ حاجتمند ہیں۔ اگرچہ وہ دستِ سوال دراز نہ کرتے ہوں۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
خیرات واسطے اُن فقیروں کے ہے جو بند کئے گئے ہیں بیچ راہ اللہ کے
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ
نہیں سکتے چلنا بیچ زمین کے جانتا ہے اُن کو جاہل دولتمند بے سوال
اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا
سے پہچانتا ہے تو اُن کو ساتھ چہرے اُنکے کے نہیں مانگتے
يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
لوگوں سے لپٹ کر اور جو کچھ خرچ کروگے تم مال سے پس تحقیق اللہ
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ ۲۷۳ ع
ساتھ اُسکے جاننے والا ہے۔

صدقوں کے مال اُن محتاجوں کیلئے بھی ہیں، جو اللہ کی راہ میں پابند ہوجائیں — وہ روزی کمانے کیلئے زمین میں چل نہ سکتے ہوں۔ اُنکے سوال نہ کرنے کی بدولت بے خبر آدمی اُنہیں آسودہ حال گمان کرتا ہو۔ اے رسُول! آپ اُنہیں اُنکے چہروں سے پہچان لینگے۔ (اگرچہ) وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور (اے ایمان والو) تم جو بھی مال خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُسے اچھی طرح جاننے والا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ
جو لوگ کہ خرچ کرتے ہیں مال اپنے رات کو اور
وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ
دن کو چھپے اور ظاہر پس واسطے اُنکے ہے ثواب اُنکا
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ
نزدیک پروردگار اُن کے کے اور نہیں ڈر اُوپر اُن کے اور
یَحْزَنُوْنَ ○ ۲۷۴
نہ وہ غمگین ہونگے۔

اور جو لوگ اپنے مال (اصلاحِ معاشرہ کیلئے) شبانہ روز خرچ کرتے ہیں۔ (محتاجوں کی خودی کو مجروح نہ کرنے کیلئے اُنہیں براہِ راست تو) چھپا کر دیتے ہیں۔ اور (دوسروں کی ترغیب کیلئے) مرکزی نظام کو اعلانیہ ادا کرتے ہیں۔ اُن کیلئے اُنکا اجر اُنکے رب کے ہاں محفوظ ہے اور اُنہیں (اس متوازن نظام میں) نہ ضیاعِ اجر کا کوئی خوف ہوگا۔ اور نہ وہ اپنے خرچ کئے ہوئے مال کے لئے غمگین ہونگے۔

صدقاتی اور سُودی معاشرہ کا تقابل

صدقات کے مال سے، چونکہ آئندہ آنیوالے ہر قسم کے خطرات کی روک تھام کا مکمل انتظام ہوجاتا ہے، یعنی ہر کسی کی ضروریات، بروقت اور باقاعدہ پُوری ہوتی ہیں اسلئے مستقبل کا خوف قرآنی معاشرہ کے ہر فرد کیلئے ختم ہوجاتا ہے۔ اور چونکہ اُنکے خرچ کئے ہوئے مال کا ثمرہ ہموار و متوازن معاشرہ کی صُورت میں ہر آن اُنکے سامنے موجود ہوتا ہے۔ اسلئے ماضی کا غم بھی اُنکے قریب تک نہیں بھٹک سکتا۔ یہ ہے لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ کی عملی تفسیر، جو صدقاتی نظام کی رُو سے بروئے کار آتی ہے۔ لیکن سُودی نظام کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اُس میں پُورا معاشرہ محتاجی کے دائرہ میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ بڑے بڑے لوگ بینکوں سے سُودی روپیہ لیکر کاروبار کرتے ہیں لیکن مستقبل کا خوف ہر آن دامنگیر رہتا ہے کہ کاروبار میں گھاٹا نہ پڑجائے، مال کو آگ نہ لگ جائے، چور اور ڈاکو لوٹ کر نہ لے جائیں وغیرہ وغیرہ۔ اور جب اِن خطرات میں سے کوئی خطرہ لاحق ہوجاتا ہے تو ماضی کا غم بھی ستانے لگتا ہے کہ فلاں وقت پر فلاں قدم نہ اُٹھایا جاتا تو آج یہ حال نہ ہوتا۔ بینک والے قُرقی لے آتے ہیں؛ اور یہ دیوالہ نکالنے کیلئے وکلاء کیساتھ مشورے کر رہا ہوتا ہے۔ یہ تو ہوئی مالداروں کی کیفیت، جو نہ مستقبل کے خوف سے محفوظ ہوتے ہیں نہ ماضی کے غم سے۔

● اب آیئے سُودی نظام میں بسنے والے غریبوں کی طرف جو قریباً قریباً ہر آن محتاجی ہی کے دائرے میں محدود رہ کر زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ جب بھی سو پچاس روپے کی نہ ٹلنے والی ضرورت پیش آئی، مثلاً ماں مرگئی یا والد انتقال کر گیا تو اب دفن کفن بھی پچاس ساٹھ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس پر سرمایہ دار کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے لیکن وہ نہیں دیکھتا کہ یہ بیچارہ کس اہم ضرورت میں گرفتار ہے۔ بلکہ عام دستور سے زیادہ سُود کا مطالبہ کرتا ہے۔ چنانچہ سود خور کی ایسی ہی ذہنی کیفیت کو اگلی آیت مجیدہ میں شیطانی خبط کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ
جو لوگ کہ کھاتے ہیں سود نہیں کھڑے ہونگے
اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ
یعنی قبروں سے مگر جیسا کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص کہ باؤلا کرتا
الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ
ہے اسکو شیطان آسیب سے یہ اسواسطے ہے کہ کہا انہوں نے سوا
الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ
اسکے نہیں کہ بیچنا ہے مانند سود کے اور حلال کیا اللہ نے بیچنا اور
فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی
حرام کیا سود کو پس جو کوئی آوے اسکے پاس نصیحت رب اسکے سے
فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَمَنْ
پس باز رہا پس واسطے اسکے ہے جو کچھ پہلے ہو چکا اور حکم اسکا طرف
عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا
اللہ کے ہے اور جو کوئی پھر کرے پس وہی ہیں رہنے والے آگ
خٰلِدُوْنَ ۝ ۲۷۵
کے وہ بیچ اسکے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

جو لوگ سود کھاتے ہیں، (وہ زیادہ سے زیادہ شرح سود کے تقرر کیلئے) نہیں کھڑے ہوتے مگر اس شخص کی طرح کھڑے ہوتے ہیں جسے نفس شیطان نے انگیخت دیکر (زیادہ سے زیادہ سود حاصل کرنے کیلئے) خبطی کر دیا ہو۔ یہ اسلئے کہ وہ کہتے ہیں تجارت (کا نفع بھی تو) سود کی مانند ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت (کے نفع) کو حلال ٹھہرایا ہے۔ اور (روپے کے نفع یعنی) سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر (سود خوروں میں سے) وہ شخص جس کے پاس اسکے رب کی طرف سے اسکا نصیحت نامہ آ چکا، اگر وہ سود خوری سے باز آیا۔ تو اسکے لئے ہے جو گزر چکا۔ یعنی اسکا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ (وہ اسکا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کریگا) اور جن لوگوں نے پھر سود خوری کی۔ پس وہی لوگ اہل نار (جہنمی معاشرے والے ہیں) وہ اسکی سزا میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ـــہ ربٰو کا لفظی معنیٰ ہے وہ بڑھوتی، جو کسی حاجتمند سے روپوں کے استعمال کے عوض حاصل کی جائے۔ ۳/۱۳۰ میں اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کے الفاظ میں ربٰو کے معنے بتا دیئے گئے ہیں، بڑھوتی ہی بڑھوتی، جسے خدا تعالیٰ نے حرام قرار دیدیا ہے۔ اسکی حرمت کی تین ظاہر وجہیں ہیں:-

۱- تجارت کا نفع حلال اور سود حرام اسلئے ہے کہ تجارت کے مال پر جو نفع حاصل کیا جاتا ہے، وہ اس مال کو خرید نے، اٹھانے، لانے، سنبھالنے اور بیچنے کی محنت کا عوض ہوتا ہے۔ لیکن روپوں کے نفع یعنی حصول سود میں سود خور کو کوئی معمولی سی محنت بھی نہیں کرنی پڑتی۔

۲- تجارت میں نفع کا امکان بھی ہوتا ہے اور نقصان کا بھی۔ یعنی تجارت کے مال کا بھاؤ گر جائے تو سرمایہ دار کو گھاٹا پڑ رہا ہوتا ہے اور غریب عوام کو چیزیں سستے داموں میسر آ رہی ہوتی ہیں۔ لیکن سود کے معاملہ میں نقصان کا تصور تک موجود نہیں ہوتا۔ اور ہر حال میں اصل زر پر سود کی بڑھوتی حاجتمند مقروض بیچارے ہی کو ادا کرنی ہوتی ہے

خواہ اُسکی ادائیگی میں اُسے گھر کے معمولی اثاثہ تک سے محروم ہونا پڑے۔

قرضہ بلا سُود کا انتظام کیا جائے

۳- تیسرے نمبر پر سُود کی حرمت کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ سُودی معاشرہ میں باہمی محبت ہمدردی اور ایک دوسرے کی مصیبت کا احساس ختم ہو جاتا، اور انسان مقام انسانیت تک سے گر جاتا ہے۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ نے قرآنی معاشرہ کے ابتدائی مراحل میں بھی غرباء کی ضرورتوں سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اُنہیں سُود کے ذریعہ غریب سے غریب تر کرتے چلے جانے کے قلع قمع کیلئے سُودی نظام کو ختم کر کے صدقاتی نظام قائم کرنے کا حکم دیا ہے یعنی وضاحت کیگئی ہے کہ معاشرہ کے مالداروں سے صدقات وصول کر کے ایک بیت المال قائم کیا جائے! اور جب کسی حاجتمند کو کوئی ضرورت لاحق ہو تو اُسے بلا سُود قرضہ میسّر آتا ہے۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:-

یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ

مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیراتوں کو

وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ ○ ۲۷۶

اور اللہ نہیں دوست رکھتا ہے ہر ایک کفر کرنیوالے گنہگار کو۔

اللہ تعالیٰ، سُود (کی بنیادوں پر قائم نظام) کو ملیا میٹ کرتا، اور صدقات (کی بنیادوں پر قائم نظام) کو بڑھاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ (سُودی نظام کے حامی اور صدقاتی نظام کے) ہر شدید منکر اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔

● دیکھئے! اِس آئت مجیدہ میں صدقات کو سُود کی، اور سُود کو صدقات کی ضد بتایا گیا ہے۔ اب چونکہ ظاہر ہے کہ سُود حاجتمندوں سے اُسوقت وصول کیا جاتا ہے جب وہ ضرورت واحتیاج کی بدولت قرضہ اُٹھانے پر مجبور ہو جاتے اور ناچار سُود دینا پڑتا ہے پس ثابت ہوا کہ سُود کو مٹانے اور صدقات کو بڑھانے کی غرض یہ ہے۔ کہ ضرورتمندوں کو قرضے بلا سُود مہیا کرنے کیلئے سُودی نظام ختم کر کے، صدقاتی نظام قائم کیا جائے۔ اگلی آئت مجیدہ میں سُودی نظام کے خاتمہ اور صدقاتی نظام کے قیام کو ایمان کے بعد اعمالِ صالح، اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کی ایک شق بیان کیا ہے:-

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ

تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور کام کیئے اچھے اور

اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ

قائم رکھا نماز کو اور دیا زکوٰۃ کو واسطے اُن کے ہے ثواب اُنکا

عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ

نزدیک پروردگار اُن کے کے اور نہیں ڈر اُوپر اُن کے اور نہ

یَحۡزَنُوۡنَ ○ ۲۷۷

وہ غمگین ہونگے۔

بیشک جو لوگ (سُودی کی بجائے صدقاتی نظام پر) ایمان لائینگے، اور اِس طرح معاشرہ کی اصلاح کرینگے یعنی (اپنی ادا کردہ) صلوٰۃ کو قائم کرینگے۔ اور محرومین ربوبیت کو اُنکا حقِّ نشوونما (حقِّ زکوٰۃ) ادا کرینگے، اُنہیں مستقبل کے خطرات کا کوئی خوف ہوگا۔ اور نہ وہ ماضی میں کیئے ہوئے اعمال کیلئے غمگین ہونگے۔

● اِس اصولی وضاحت کے بعد پھر ناہموار معاشرہ کے ابتدائی اصلاحی پروگرام کی طرف رُخ کیا گیا ہے کہ:-

اب سُود کے بقایاجات سب چھوڑ دینے ہونگے

سابقہ سود خوروں کو، جو دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اُن کے قرضہ جات اصلزر معہ سُود مقروضین کے ذمہ باقی ہوں

ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے ایمان کی شرطِ اول یہ ہے کہ بقایا سُود چھوڑ دو:-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا
اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو
مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ۲۷۸
جو باقی رہا سُود سے اگر ہو تم ایمان والے۔

اے ایمان کے دعویدارو! اگر تم واقعۃً مومن ہو تو اللہ تعالیٰ (کے ضابطے کی) مخالفت سے بچ جاؤ، اور (مقروضین کے ذمہ) سُود میں سے جو کچھ باقی ہے وُہ اُنہیں چھوڑ دو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ
پس اگر نہ کرو گے تم پس خبردار ہو جاؤ ساتھ لڑائی کے
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اللہ سے اور رسول اُسکے سے اور اگر توبہ کرو تم پس واسطے تمہارے
اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○ ۲۷۹
ہیں اصل مال تمہارے نہ ظلم کرو تم اور نہ ظلم کئے جاؤ گے۔

پھر اگر تم ایسا نہ کرو (یعنی باقی سود نہ چھوڑو) تو سُن لو کہ اللہ کا، اُسکے رسول کی معرفت تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اور اگر تم (سود لینے سے) توبہ کرو، تو تمہارے اصلزر تمہارے لئے محفوظ ہیں۔ نہ (اصل رقم پر بڑھوتی وصول کرکے) تم ظلم کرو۔ اور نہ (تمہاری اصل رقم ضائع ہونے سے) تم ظلم کئے جاؤ۔

قرضداروں کو تنگ نہ کیا کرو

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ باقی سُود چھوڑ کر قرضداروں پر کوئی احسان نہیں کیا گیا۔ بلکہ ظلم سے ہاتھ کھینچ لیا گیا ہے۔ اِسلئے اب اصلزر کی وصولی میں بھی سختی نہ کرنا۔ اگر مقروض بچارے ناہموار نظام کے ہاتھوں مفلوک الحال ہو چکے ہیں تو اُنہیں فوری ادائیگی پر مجبور نہ کرنا:-

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى
اور اگر ہو قرضدار تنگی والا پس ڈھیل دینا ہے
مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
فراغت تک اور یہ کہ خیرات کرو بہتر ہے واسطے تمہارے
تَعْلَمُوْنَ ○ ۲۸۰
اگر ہو تم جانتے۔

اور اگر تمہارے قرضدار تنگدست ہیں تو اُنہیں اُس وقت تک مُہلت دینا لازم ہے کہ اُنہیں رقم مُیسّر آجائے اور اگر تم (اُنکی زبوں حالی کے تحت اصل رقم بھی) صدقہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ بشرطیکہ تم جانتے ہو (کہ معراجِ انسانیت مفلوک الحال قرضہ داروں کو قرضہ کی رقم معاف کر دینا ہے وصول کرنا نہیں)

ـــ آیتِ بالا میں وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ جن میں مفلوک الحال قرضداروں سے اپنی اصل رقم وصول کرنے کی بجائے، وصول نہ کرنے کو بہتر بتایا گیا ہے۔ حالانکہ ظاہری طور پر قرضہ دینے والے کیلئے اپنی اصل رقم وصول کرنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ دی ہوئی رقم واپس آجائے اور بال بچوں کے کام آجائے لیکن واضح

رہے کہ قرآن کریم ربوبیّتِ عالمینی کا علمبردار ہے ۱/۱، سرمایہ داری کا نہیں۔ قرآن کے میزان میں عدل و انصاف ہے العفو ۲/۲۱۹۔ یعنی ترازو کے بھاری پکڑے سے نکال کر ہلکے پکڑے میں ڈالنا۔ تاآنکہ معاشرہ کے ترازو کی ڈنڈی سیدھی ہو جائے۔ نہ قرآن کریم ناہموار معاشرہ کا حامی ہے نہ سرمایہ دار اور سرمایہ داری کا۔ بلکہ وہ پورے معاشرہ کے ایک ایک فرد کی خوشحالی کا ضامن ہے۔ چنانچہ سورہ رُوم میں ارشاد ہوا ہے :-

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ = اور جو مال تم سود کی صورت میں دیتے ہو کہ لوگوں کا انفرادی مال بڑھتا جائے، وہ اللہ کے ہاں بڑھتا نہیں بڑھتا۔ (یعنی یہ نظام، رضاء خداوندی کے خلاف ہے) اور جو مال تم لوگوں کی نشوونما کیلئے دیتے ہو (اللہ کے نزدیک وہ مال بڑھتا ہے) اس میں تم اللہ کی صحیح رضا کا ارادہ کرتے ہو۔ پس ایسا (نظام قائم کرنے کیلئے مال خرچ) کرنیوالے ہی وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُنکا مال دُگنا ہوگیا۔ ۳۰/۳۹

واضح رہے کہ اس آیت میں سود کو زکوٰۃ اور رضاء الٰہی کی ضد بتایا گیا ہے اور پیچھے ۲/۲۷۶ میں اسے صدقات کی ضد کہا ہے۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ۔ پس ثابت ہوا کہ رضاء الٰہی یہ ہے کہ سودی نظام مطلقاً ختم کر کے زکوٰۃ و صدقات کا نظام قائم کیا جائے، جس میں پورے معاشرہ کے فرد فرد کی صحیح صحیح نشوونما کا انتظام ہو۔ اسی لئے آیت زیر بحث میں صدقاتی نظام کی ابتدائی کڑی کے طور پر حکم دیا گیا ہے کہ مفلوک الحال قرضداروں سے قرضہ وصول کرنے کی بجائے صدقہ کر دینا چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اُنکے اس انسانیت نواز عمل کو ضائع کر دیا جائیگا۔ بلکہ سودی نظام کو رضاء الٰہی کے خلاف قرار دینے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اس جہنمی نظام کے اُخروی عذاب سے بچنے کی "تاکید" اور مفلوک الحال قرضداروں کو اصل رقم چھوڑ دینے والوں کو خبر دیگئی ہے کہ اُنہیں اس انسانیت نواز عمل کا اجر قیامت کی عدالت عالیہ میں پورا پورا عطا کیا جائیگا :-

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ
اور ڈرو اُس دن سے کہ پھیرے جاؤ گے بیچ اسکے طرف
ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ
اللہ کے پھر پورا دیا جائیگا ہر جی کو جو کچھ کمایا ہے اور وہ نہیں
لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ۲۸۱
ظلم کئے جاوینگے۔

اور ایمان والو! (مفلوک الحال قرضداروں کو قرضے صدقہ کر کے) اُس دن کے عذاب سے بچ جاؤ، جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جانیوالے ہو۔ پھر ہر جان کو اسکا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا جو اُس نے کمایا ہے۔ اور وہ ظلم نہیں کئے جائینگے۔ (جو مال اُنہوں نے اللہ کی رضاجوئی کیلئے یہاں صدقہ کئے ہیں، وہاں اُن مالوں کا پورا پورا بدلہ دیدیا جائیگا)

قرضے بلا سود دیا کرو لیکن قرضدار سے رسید لکھوالیا کرو

آیاتِ ماسبق میں سود کی حرمت اظہر من الشمس ہوچکی ہے۔ اور یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ۲/۲۷۶ کے الفاظ میں سود کے انسانیت کش انفرادی نظام کی جا بجا صدقات کا انسانیت نواز اجتماعی نظام قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس میں ضرورتمندوں کو صدقہ کی رقموں سے قائم کردہ بیت المال سے بلا سود قرضے میسّر آیا کریں۔ لیکن جتبک اجتماعی بیت المال قائم نہ ہو، اُس وقت تک ضرورتمندوں کو انفرادی طور پر بھی اصحابِ استطاعت سے بلا سود ہی قرضے دیئے جانے ضروری قرار دیئے گئے ہیں۔ تاکہ کسی کی ضرورت واحتیاج رُکی نہ رہے۔ البتہ اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ قرضہ دیتے وقت واپس ادائیگی کی مدّت متعیّن کرکے باضابطہ رسید لکھوالیا کرو:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب معاملت کرو تم ساتھ
بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ
قرض کے ایک وقت مقرر تک پس لکھ رکھو اُس کو اور
بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ
چاہیئے کہ لکھے درمیان تمہارے لکھنے والا ساتھ انصاف کے
اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ
اور نہ انکار کرے لکھنے والا یہ کہ لکھے جیسا سکھایا اُسکو
وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ
اللہ تعالیٰ نے پس چاہیئے کہ لکھ دے اور مطلب کہے وہ
رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ
شخص اُوپر اسکے ہے حق اور چاہیئے کہ ڈرے اللہ پروردگار
عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ
اپنے سے اور نہ کم کرے اُس میں سے کچھ پس اگر ہو وہ شخص
اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَ
کہ اوپر اسکے ہے حق بیوقوف یا ناتوان یا نہیں سکتا یہ کہ مطلب
اسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ
کہے وہ پس چاہیئے کہ مطلب والی اسکا ساتھ انصاف کے اور گواہ کرلو دو شاہد کو مردوں اپنے سے

ایمان والو! جب تم آپس میں مقررہ مدّت کیلئے دین کا معاملہ کرو تو اُسے لکھ لیا کرو۔ (یعنی رسید لکھوالیا کرو) اور چاہیئے کہ کاتب (عرضی نویس) اُسے منصفانہ انداز کیساتھ (واضح اور غیر مبہم الفاظ میں) لکھے۔ اور چاہیئے کہ کاتب اِس دستاویز کو اُسطرح لکھنے سے انکار نہ کرے، جس طرح اُسے منصفانہ طور پر لکھنے کی اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے (حکم دیا ہے)۔ اور چاہیئے کہ قرضہ جس کے ذمّہ آیا ہے۔ وہ (یعنی قرضہ لینے والا ہر چیز اور ہر شرط) خود املا کرائے۔ اور چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے (کوئی غلط، مبہم یا فریب دِہ الفاظ نہ لکھوائے) یعنی رسید سے متعلقہ کوئی بھی چیز کم نہ کرے۔ پھر اگر (قرضہ لینے والا) جس پر قرض کی واپسی لازم آئی ہے بے سمجھ یا کمزور ہو، یا وہ رسید لکھوانے کی طاقت سمجھ نہ رکھتا ہو، تو چاہیئے کہ اُسکا کوئی خیرخواہ کاتب سے منصفانہ رسید لکھوائے۔ اور اپنے میں سے دو کامل (یعنی معتبر) مردوں کی گواہی ثبت کروالیا کرو۔ پھر اگر دو مرد میسّر نہ آئیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ کرلیا کرو جنہیں تم گواہی کیلئے پسند کرو۔ (عورتیں دو اسلئے) کہ اگر اُن دونوں میں سے ایک عورت کوئی بات بھول جائے تو دوسری اُسے یاد

فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ
پس اگر نہ ہوں دو مرد پس ایک مرد اور دو عورتیں اُن میں
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ
سے کہ پسند کرتے ہو تم شاہدوں میں سے اگر ہو یہ کہ بھول جاوے
اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى
ایک اُن میں سے پس یاد دلادے ایک اُن دو میں سے دوسری
وَلَا یَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا
کو اور نہ انکار کریں شاہد جب بلائے جاویں اور مت کاہلی
تَسْــٴَـمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِیْرًا اَوْ كَبِیْرًا اِلٰۤى
کرو یہ کہ لکھو اسکو چھوٹا یا بڑا ایک مدت تک اسکے یہ بہت انصاف
اَجَلِهٖؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ
ہے نزدیک اللہ کے اور بہت درست کرنیوالا ہے واسطے شہادت کے
لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ
اور بہت نزدیک ہے اس سے کہ نہ شک میں پڑو مگر یہ کہ ہو
تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِیْرُوْنَهَا بَیْنَكُمْ فَلَیْسَ
سوداگری ہاتھوں ہاتھ پھراتے ہو اسکو درمیان اپنے پس نہیں
عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَاؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا
اوپر تمہارے گناہ یہ کہ نہ لکھو تم اسکو اور شاہد کر لو جب سودا کرو
تَبَایَعْتُمْ وَلَا یُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ
تم اور نہ ایذا پہنچایا جاوے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر کرو تم
وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْؕ وَاتَّقُوا
پس تحقیق وہ گنہگاری ہے ساتھ تمہارے اور ڈرو اللہ سے
اللّٰهَؕ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ○
اور سکھاتا ہے تم کو اللہ اور اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے
۲۸۲
والا ہے۔

کرادے۔ اور اسکے بعد اگر کبھی تنازعہ کی صورت میں) گواہوں کو گواہی کیلئے بلایا جائے تو لازم ہے کہ وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ اور (ایمان والو!) معیّنہ مدّت کیلئے اُدھار لین دین کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، اُسکے لکھنے میں سستی نہ کرنا یہ طریق کار اللہ کے نزدیک منصفانہ شہادت کیلئے مستحکم اور اس امر کے بہت قریب ہے کہ تمہارے درمیان تنازعے پیدا نہ ہوں۔ سوائے اسکے کہ تجارتِ حاضرہ، یعنی دست بدست لین دین کا معاملہ ہو تو اگر اُسے نہ لکھو تو کوئی حرج نہیں۔ نیز سودا کرتے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو۔ (یعنی بیعانہ بھی لکھوا کر شہادتیں ڈلوا لیا کرو) اور چاہیئے کہ کاتب اور گواہ کو (گواہی سے روکنے کیلئے، یا گواہی دے چکنے کے بعد) تکلیف نہ دی جایا کرے (ورنہ وہ ان تکالیف سے بچنے کیلئے گواہی دینے سے پرہیز کرنے پر مجبور ہو جائینگے) اور اگر تم ایسا کروگے تو جان لو کہ تمہارا یہ عمل (قانون کی) حدیں پھاندنا ہے پس اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو، اور (جانے رہو کہ) اللہ تمہیں مذکورہ بالا احکام کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

لہ ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی اسلئے نہیں رکھی گئی کہ عورت کا درجہ مرد سے آدھا ہے۔ بلکہ یہ اسلئے کہ صنفِ نازک کو طبعی طور پر ایسے عوارض بھی لاحق ہیں، جن سے ان کی یادداشت پر برا اثر پڑنے کا احتمال موجود ہے۔

کاتب نہ ملے تو مال گروی لے لیا کرو آیت بالا میں اُدھار لین دین کو باضابطہ لکھنے کی تاکید کی گئی ہے لیکن اگر یہ لین دین بحالتِ سفر ہو رہا ہو، اور کاتب میسّر نہیں تو حکم ہوتا ہے ؛۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمۡ تَجِدُوۡا كَاتِبًا

اور اگر ہو تم اوپر سفر کے اور نہ پاؤ تم لکھنے والا پس

فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ ؕ فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا

گروی ہے قبضہ کی ہوئی پس اگر امین جانے بعض تمہارے بعض

فَلۡيُؤَدِّ الَّذِى اؤۡتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ

کو پس چاہیئے کہ ادا کرے وہ شخص کہ امین جانا گیا ہے امانت اپنی کو

رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكۡتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنۡ يَّكۡتُمۡهَا

اور چاہیئے کہ ڈرے اللہ پروردگار اپنے سے اور مت چھپاؤ گواہی کو اور

فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ۝

جو کوئی چھپاویگا اسکو پس تحقیق وہ گنہگار ہے دل اسکا اور اللہ ساتھ

اس چیز کے کہ کرتے ہو جاننے والا ہے۔ ۲۸۳ ع

اور اگر تم سفر میں ہو۔ اور کاتب نہ ملے تو قرضہ کی رقم کے بدلے کوئی چیز با قبضہ رہن کر لیا کرو۔ پھر (اے ایمان والو! جب گروی کے معاملہ میں)، اگر تم میں سے کوئی شخص (یعنی قرض لینے والا) تمہارے کسی شخص (یعنی قرض دینے والے کو اپنا گروی کا مال قرضہ کی رقم کے عوض) بطور امانت دیتا ہے۔ تو چاہیئے کہ جب گروی کے مال کا مالک قرضہ کی رقم واپس کر دے تو وہ اسکی امانت واپس کر دیا کرے۔ اور چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ یعنی اپنے پروردگار کی مخالفت سے بچے۔ اور (اے گواہو! اگر لین دین کے معاملوں میں تنازعہ پیدا ہو جائے تو) تم گواہی کو نہ چھپانا۔ پھر جس کسی نے گواہی کو چھپایا، اسکا قلب گنہگار ہے۔ اور تم جو بھی عمل کرو گے، اللہ تعالیٰ اُسے اچھی طرح جانتا ہے۔

● آیت بالا میں جہاں عدم موجودگی کاتب کی صورت میں قرضہ لینے والے پر پابندی لگا دی گئی ہے کہ وہ کوئی مال گروی دیکر قرضہ حاصل کرے۔ اُسکے ساتھ ساتھ قرضہ دینے والے اور گروی کا مال حاصل کرنیوالے پر بھی پابندی لگا دی ہے کہ اب اُسکے لئے یہ روا نہیں کہ سو روپیہ دیکر ڈیڑھ سو روپیہ کا زیور وصول کر چکا ہے تو اب اُسکی واپسی کو ضروری نہ سمجھے! وہ اسکا مال ہضم کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔ چنانچہ اس مال کو قرضہ دینے والے کے پاس بطور امانت قرار دیا گیا ہے جس کی واپسی ضروری ہے۔

● نیز اگر وہ چیز بلا مشقت آمدنی دینے والی ہے، مثلاً مکان، گودام، دُکانیں وغیرہ۔ تو اُنکی آمدنی کھانا بھی سُود ہی میں شمار ہوگا۔ اسلئے جو آمدنی اُسے گروی کے مال سے حاصل ہو، وہ اصلِ زر میں سے منہا کرکے باقی رقم، قرضہ کی رقم متصوّر ہوتی رہیگی۔ اور اگر اُس فائدے سے قرضہ کی پوری رقم ادا ہو جائے۔ تو اُسکے بعد گروی کا مال فوراً واپس کر دینا ہوگا۔ زمین کی بٹائی چونکہ بلا مشقت حاصل ہوتی ہے۔ اِسلئے وہ بھی سُود میں داخل ہے۔ لہٰذا حرام ہے اِس

طرح اگر گروی کا مال زمین ہے۔ تو اگر گروی لینے والا اُسے بٹائی پر دیگا، تو وہ بھی سُود شمار ہوگا۔ جو اصلاً زر سے منہا ہوتا چلا جائیگا۔ اور رقم پوری ہو چکنے پر زمین واپس کر دینا ہوگی۔ ہاں اگر گروی لینے والا خود کاشت کرے تو اب چونکہ زمین کی آمدنی بلا مشقت حاصل نہیں ہوگی۔ اسلئے یہ سُود شمار نہیں ہوگی۔ اُدھر زمین گروی دینے والا بھی گروی کی رقم سے تجارت کے ذریعہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

ہر چیز کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے ذاتی املاک کا تصور مطلقاً غیر قرآنی ہے،

بعض علماء کرام، مذکورہ بالا آیتیں، سرمایہ دارانہ نظام کو، قرآنی اور اسلامی نظام ثابت کرنے کیلئے، بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر معاشرہ میں غریب اور امیر دونوں طبقے موجود ہونگے، تو پھر ہی اِن آیتوں پر عمل ہو سکیگا کہ:۔

۱۔ اصحابِ ثروت نادار حاجتمندوں کو بلا سُود قرضے دیا کریں۔
۲۔ قرضہ کی واپسی کی مدّت مقرر کی جائے۔
۳۔ قرضہ کی رقم اور واپسی کی مقررہ مدّت باقاعدہ طور پر کاتب سے لکھوائی جائے۔
۴۔ دو مرد گواہ کئے جائیں۔
۵۔ اگر دو مرد میسّر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنیں۔
۶۔ تنازعہ کی صورت میں دو گواہ مرد عورتیں گواہی دیں۔
۷۔ اگر سفر کا دَوران ہو اور کاتب نہ ملے تو کوئی چیز با قبضہ رہن رکھی جائے
۸۔ گروی کا مال جس کے قبضہ میں دیا جائیگا، وہ اُس مال کا امین ہوگا اُسے یہ امانت اُسکے مالک کو واپس کرنا ہوگی۔
۹۔ گواہ اور کاتب گواہیوں کو چھپائیں نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اُنکے قلب گنہگار ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مقامِ افسوس

افسوس کا مقام ہے کہ آیاتِ بالا، اور اِن جیسی دیگر آیات مقدسات سے سرمایہ داری نظام کو قرآنی اور اسلامی نظام ثابت کرتے وقت قرآن کریم کے اوّلین درس الحمد للہ رب العلمین کو کیوں فراموش کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ اس حالت کو ربوبیّت عالمینی کہنا ہی سو فیصدی غلط ہے کہ معاشرہ میں غریب اور امیر دو طبقے موجود ہوں، ایک طبقہ کو صرف زندہ رہنے کیلئے بھی ضروریاتِ زندگی باقاعدگی کیساتھ میسّر نہ آتی ہوں۔ اور اُنہیں آئے دن قرضہ اُٹھانے کیلئے مجبور ہونا پڑے۔ اور قرضہ لے چکنے کے بعد پھر وہ بچارے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کاٹ کر قرضہ کی ادائیگی کی فکر میں شبانہ روز پھنسے رہیں۔ اور اِس طرح وہ ہوں اور قرضخواہوں کے روز روز کے تقاضے۔

● واضح رہے کہ آیاتِ بالا میں مذکور احکام اور اِس جیسے دیگر حکموں کے متعلق قرآن کریم کا پہلا اعلان، جس کا اقرار قرآن کریم کے قاری سے ابتداءِ تلاوت ہی میں لے لیا جاتا ہے۔ یعنی الحمد للہ رب العلمین ایک فیصلہ کن اعلان ہے کہ قرآنی نظام میں ربوبیّتِ عامہ

کے لحاظ سے ہر فرد و بشر کا حق سوفیصدی مساوی ہے ۔۔۔ پھر ۲/۲۹ میں بھی اسی چیز کا اعلان بالفاظِ ذیل کیا گیا ہے :-

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۲/۲۹

= وہ اللہ ہی عظیم الشان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ وہ سب کا سب، تم سب کے سب کیلئے پیدا کیا ہے۔

نیز ۲/۳۶ میں ارشاد فرمایا ہے :- وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ -

= اے نوعِ انسانی! اس زمین میں تم سب کے سب کے آخری دم تک کیلئے حقِ رہائش بھی ہے۔ اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی۔

پس ان آیات کریمات کی رُو سے کسی ریاست کا وہ نظام، جس میں عوام کا بلا کرایہ حقِّ رہائش تسلیم نہ کیا گیا ہو یعنی کچھ لوگ مالک مکان ہوں اور کچھ کرایہ دار، وہ نظام کس طرح آیاتِ بالا کے تقاضے پورے کرسکتا ہے؟ نیز جس نظام میں ایک طبقے کو آئے دن ضروریاتِ زندگی کیلئے قرضے اُٹھانے کیلئے مجبور ہونا پڑتا ہو، اُس نظام کو کس طرح "نظامِ ربوبیت" کہا جاسکتا ہے۔

لہٰذا حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ جب تک قرآنی نظام قائم نہیں ہوتا۔ اور ابھی غیر قرآنی معاشرے کے قائم کردہ ذاتی املاک ختم نہیں ہوئے۔ اُس وقت تک کیلئے صدقات، وراثت، قرضہ، رہن، کاتب، گواہ اور گروی کے مال وغیرہ سے متعلقہ احکام نازل کردیئے گئے ہیں ایسی آیات کریمات سے نہ امیر و غریب کی موجودگی رضاءِ الٰہی ٹھہرتی ہے۔ نہ یہ آیتیں ذاتی املاک کیلئے دلیل ثابت ہوتی ہیں۔ جیسے کہ ان عبوری احکام کو آیت نمبر ۲۸۳ میں وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ کے الفاظ پر ختم کرنے کے عین متصل بعد اگلی آیت نمبر ۲۸۴ شروع ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ اللہ کے املاک پر انسانی ملکیت کا تصور ہی بے بنیاد ہے۔ یہ کون ہوتے ہیں حقِ ملکیت جتانے والے، زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے، سب کا سب تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے :-

لِّلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَ
واسطے اللہ تعالیٰ کے ہے جو کچھ بیچ آسمانوں کے اور جو
إِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم
کچھ بیچ زمین کے ہے اور اگر ظاہر کرو جو کچھ بیچ جی تمہارے کے
بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن
ہے یا چھپاؤ اُس کو حساب لیویگا تم سے ساتھ اُس کے اللہ
يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ۲۸۴
پس بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب کریگا جس کو چاہے
اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اور تم (اسکے حقِ ملکیت کے خلاف اپنا حق ثابت کرنے کیلئے) جو کچھ اپنے ذہنوں میں چھپاتے ہو یا اُسے ظاہر کرتے ہو، اللہ ہر چیز کا تم سے حساب لیگا۔ پھر (ٹھیک ٹھیک حساب کے بعد) جسے عذاب سے بچائیگا تو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی بچائیگا۔ اور جسے عذاب کرے گا اُسے قانونِ مشیت کے مطابق ہی عذاب کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عذاب و ثواب سمیت ہر چیز کے پیمانے (قوانین) مقرر کرنیوالا ہے۔

سورۃ البقرہ کا آخری رکوع۔ خود رسولِ مقبول اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اسی ضابطے پر ایمان تھا

● سورہ بقرکی ابتدا میں عام مومنوں کی شان بیان ہوئی ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ ۲/۴ = اور وہ لوگ اُس ضابطۂ حیات پر ایمان لاتے ہیں، جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ اِس سورت مجیدہ کا خاتمہ بھی اسی ضابطۂ خداوندی پر، خود رسولِ مقبول اور صحابہ کے ایمان کی وضاحت پر کیا گیا ہے۔ نیز ساتھ ہی ایمان کی باقی سب شقیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ
ایمان لایا پیغمبر ساتھ اُس چیز کے کہ اُتاری گئی ہے طرف
وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ
اُسکے پروردگار اُسکے سے اور مسلمان ہر ایک ایمان لائے ساتھ اللہ
وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ
کے اور فرشتوں اسکے کے اور کتابوں اُسکی کے اور رسولوں اُسکے کے
مِّنْ رُّسُلِہٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا
نہیں جدائی ڈالتے ہم درمیان کسی کے پیغمبروں اُسکے سے اور کہا
غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ○
انہوں نے سُنا ہم نے اور مانا ہم نے بخشش مانگتے ہیں ہم تیری
اے رب ہمارے اور طرف تیرے ہے پھر آنا۔ ۲۸۵

اللہ کا رسولؐ خود بھی اُس ضابطۂ حیات پر ایمان لایا ہے، جو اُسکی طرف نازل ہوا ہے۔ اور جملہ مومنین بھی ایمان لائے ہیں اللہ پر (اِس طرح کہ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کا خالق ہونے کے علاوہ ہر چیز کا مالک بھی وہی ہے ۲/۲۸۴ + ۴/۱۳۱ + ۴/۱۳۲)، نیز اُسکے ملائکہ پر (اِسطرح کہ وہ وہی کام کرتے ہیں جو حکم دیئے گئے ہیں ۱۶/۵۰۔ وہ انسان کیلئے سجدہ ریز ہیں ۲/۳۴ + ۷/۱۱)، اُسکی کتابوں پر (اِسطرح کہ سب میں ضابطۂ ربوبیت عامہ ہی نازل کیا گیا ہے ۲۶/۱۹۶ ۸۷/۱۸-۱۹) نیز اُسکے رسولوں پر (اِس طرح کہ جملہ اقوام کو ضابطۂ ربوبیت رسولوں ہی کے ذریعہ دیا گیا تھا ۲/۲۱۳ + ۱۰/۱۹ + ۵۷/۲۵ + ۴۲/۱۳)، وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے (سب ایک سے ایک افضل تھے ۲/۲۵۳۔ اُن میں کوئی بھی گھٹیا قسم کا رسول ہرگز نہیں تھا۔ بارِ الٰہا!) ہم نے تیرا پیغام سُنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے پروردگار معاف کرنا تیرا کام ہے۔ (ہم قیامت پر بھی ایمان لائے ہیں کہ اعمال کی جوابدہی کیلئے) تیری طرف لوٹ آنا ہے۔

نوٹ رسولِ مقبول اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مشترکہ دعا کا چھوٹا سا حصّہ آیت بالا میں آیا ہے۔ اور دعا کا بڑا حصّہ اگلی آیت میں باقی ہے۔ جس کی ابتدا میں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا کے الفاظ جملہ معترضہ کے طور پر لائے گئے ہیں۔ جن میں اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی فرد پر اُسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ جملہ عموماً اُن مقامات پر آیا ہے جہاں اِس مقام کی مانند، اعمال کی جوابدہی کا ذکر ہو ۶/۱۵۲ + ۷/۴۲ + ۲۳/۶۲ وغیرہ۔ جملہ معترضہ کی غرض اِس امر کا اعلان عام ہے کہ سورہ بقر میں جملہ احکام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حرام، حلال، یمین، دین، نکاح، طلاق، عدّت،

رضاعت اور جنگ جہاد وغیرہ، جو نافذ کئے گئے ہیں۔ ان سب کے متعلق سورت مجیدہ کے تعاقب پر وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ تمام اوامر و نواہی، انسانی قوتِ تعمیل کے عین مطابق اور طبعی تقاضوں کے عین موافق ہیں جس ذاتِ مقدس نے یہ احکام نازل فرمائے ہیں اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اسے استطاعت بخشی ہے۔ وہ اسکی طاقتِ تعمیل اور طبعی تقاضوں سے خوب واقف ہے۔ اس نے کوئی بھی حکم اس کی طاقت کے خلاف ہرگز نہیں دیا۔ پس قیامت کی پرسش اعمال بھی ہر شخص کی طاقتِ تعمیل کے مطابق ہی ہوگی۔ کیونکہ غیر متوازن اور غلط انتظاموں کی غلط بخشیوں کی بدولت بعض افراد کی مضمر صلاحیتیں، جو اللہ تعالیٰ نے ہر فرد و بشر کو مساویانہ انداز سے عطا فرمائی ہیں، دب کر رہ جاتی ہیں۔

سورہ بقرہ کی آخری آیات کریمات اور انکے مفہوم کے متعلق روایات و تفاسیر کا دیا ہوا عجیب و غریب تصور

سورہ بقرہ کی آخری آیات مقدسات میں جیسے کہ آپ خود دیکھ چکے ہیں کہ غلط معاشرہ کی درستی کے اصول بیان کئے گئے ہیں لیکن بخاری شریف کتاب التفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے درج ہے "انہوں نے بیان کیا کہ جب سورہ بقرہ کی آخری چند آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو اس کا مطلب سمجھایا۔ اسکے بعد شراب کی تجارت سے منع فرما دیا گیا" بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد دوم صفحہ ۴۹، تعجب اس امر کا ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات کریمات میں شراب کا ذکر تک موجود نہیں لیکن آنحضور سلام علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان آیتوں کا مطلب سمجھایا اور شراب کی تجارت سے منع کر دیا۔

شراب کی حرمت آیت نمبر ۲۱۹ میں مذکور ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ شراب اور اسکی تجارت تو اس آیت کی رو سے حرام ہو چکی۔ تو پھر ان آیات کریمات کے نزول پر شراب کی تجارت کے حرام ٹھہرانے کے کیا معنے جن میں شراب کا تذکرہ تک موجود نہیں۔ اس پر معترض سوال کر سکتا ہے کہ اسطرح جب ۲/۲۱۹ میں خمر و میسر کے متعلق نازل ہوا تھا:۔ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ = ان دونوں میں کبیرہ گناہ ہے۔ تو کیا آنحضور نے اسوقت شراب اور اسکی تجارت کو حرام نہیں بتایا تھا؟ نیز معترض دوسرا سوال یہ کر سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شراب کو کبیرہ گناہ بتایا تھا، تو اسوقت آنحضور نے کونسی چیز کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا؟ جبکہ شراب کی تجارت اسوقت حرام کیگئی جب سود کی حرمت کی آیتیں نازل ہوئیں۔ ان سوالوں کا جواب تو ہے کوئی نہیں مگر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قرآن کریم کا صحیح مفہوم رسول مقبول خوب سمجھتے تھے۔ آپنے جو سمجھا اور سمجھایا وہی ٹھیک ہے۔ کیا تصور ہے یہ؟ کہ معاذ اللہ معاذ اللہ رسول مقبول سلام علیہ نے سود کا معنیٰ شراب کی تجارت سمجھا اور سمجھایا تھا۔ العجب!

حقیقت یہ ہے کہ ایسی ہی منسوب الی الرسول روایتوں کی بدولت قرآن کریم کے متعلق یہ نظریہ قائم ہو چکا ہے کہ اسکے الفاظ کے ظاہری معنے کچھ اور ہیں اور باطنی کچھ اور ہیں۔ جیسے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات کریمات میں سود کی مذمت بیان کرکے صدقاتی نظام کے ساتھ مرکزی بیت المال کے قیام کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ ضرورت مند افراد کو بلا سود قرضہ ملتا رہے۔ حتیٰ کہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اگر نا ہموار معاشرہ کے تقاضے ہوئے قرضدار بچارے تنگدستی کا شکار ہوں تو فراخی میسر آنے تک قرضوں کی وصولی میں مہلت دی جایا کرے

اور اگر قرضے معاف ہی کر دیئے جائیں تو یہ بہت ہی بہتر ہے۔ روایات نے اس انسانیت نواز تصور کو آنحضورؐ کی طرف یہ حکم منسوب کرکے گم کرنے کی کوشش کی ہے، کہ جب سورہ بقرکی آخری آئتیں نازل ہوئیں تو آنحضور نے ان کا مطلب سمجھایا اور شراب کی تجارت کو حرام کر دیا۔ کاش کہ سادہ لوح مسلمان روایات کے اس دام ہمرنگ زمین کو پہچاننے کی کوشش کریں، جس میں صدیوں سے گرفتار چلے آرہے ہیں۔

رجوع الی المقصود

سورہ بقر کی آخری آئت مجیدہ اور روائی تراجم

سورہ بقر کی آخری آئت مجیدہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کے جس جملہ سے شروع ہوتی ہے، سابقہ تراجم میں اسی آئت کے اگلے الفاظ کا ترجمہ اسکے اولین اعلان لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا کے خلاف درج ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے آئت مجیدہ کے ابتدائی الفاظ میں یہ انسانیت نواز اور حقیقت بدوش اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اسکی طاقت سے زائد بوجھ ڈالتا ہی نہیں۔ تو پھر کیا ایسا تصور کیا جا سکتا ہے کہ رسولِ مقبول اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس اعلان پر یقین نہ آیا ہو اور اُنہوں نے حضورِ الٰہی میں دعا کی ہو کہ یا الٰہا! ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈالیو، جس کے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ رسولی دُعا کے چند الفاظ یہ ہیں:۔

وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ۲/۲۸۶

دُعا کے ان الفاظ کا معنیٰ مروجہ تراجم میں یہ لکھا ہے:۔ جس طرح تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر بوجھ ڈالا تھا، اُسطرح ہم پر نہ ڈالنا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم سے تو وہ بوجھ نہ اُٹھوانا، جس کے اُٹھانے کی ہم میں قوت نہ ہو۔ اس ترجمہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام پر اُن کی طاقت سے بڑھکر بوجھ ڈالا، اور اس اعلانِ عام لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کی خلاف ورزی کی تھی؟ جس کا قصہ اس آئت ۲/۲۸۶ کے علاوہ، ۶/۱۵۲، ۷/۴۲ اور ۲۳/۶۲ میں بھی، یعنی چار گنا تکرار تاکیدی کیسا تھ اعلانِ عام کر رکھا ہے، کہ ہم کسی نفس پر اُسکی طاقت سے زائد بوجھ ڈالتے ہی نہیں۔ اب آیئے اصل مضمون کی طرف:۔

دُعا کیا ہے؟

دُعا اپنے آپ کیلئے عمل کی تحریک ہوتی ہے

اگلی آئت مجیدہ کا ترجمہ اور مفہوم لکھنے سے پہلے اس امر کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ دُعا کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اُسکا قانون تبدیل کرنے کو کہہ رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم کھیت میں بالترتیب نہ ہل چلائیں نہ بیج اور کھاد ڈالیں، نہ پانی دیں، لیکن دُعا کرنے بیٹھ جائیں کہ یا الٰہا ہمارے کھیت کو لہلہاتی فصلوں سے بھر دے۔ تو اس دُعا کی

غرض اسکے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ ہم اللہ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ فصلوں کی پیدائش کا جو قانون تو نے مقرر کر رکھا ہے اُسے ہم بے عملوں کیلئے بدل دے۔ اب بتایئے! کہ ہماری اِس دُعا کے بدلے کون ہے جو ہمیں دیوانہ نہیں کہیگا۔ پس یاد رہے، دُعا کا مقام یہ ہے کہ مطلوبہ چیز سے متعلقہ قوانین خداوندی پر سو فیصدی عمل کرنے کا عزم صمیم ارادوں میں موجزن ہو۔ مطلوبہ مقصد کے قوانین متعلقہ پر عمل بھی کرتے چلے جائیں اور دُعا بھی کرتے جائیں رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ = اے ہمارے پروردگار ہم سے ہمارا عمل قبول فرما، بلاشبہ تُو سننے والا، اور خوب جاننے والا ہے۔ اور ساتھ ساتھ اپنی کمزوری، بھول اور خطا کا اقرار و اعتراف بھی کرتے جائیں رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا = اے ہمارے پروردگار اگر ہم تیرے قانون کی تعمیل میں بھول جائیں یا خطا کر جائیں تو بھول اور خطا کے بدلے گرفت نہ کیجیو۔ (کیونکہ ہم بھول اور خطا سے مبّرہ نہیں ہیں)

دُعا کے متعلق دو نظریئے

دُعا کے متعلق ذیل کے دو نظریئے چل رہے ہیں:۔

۱۔ پہلا یہ کہ خود تو کچھ نہ کریں اور صرف دُعا کر لیا کریں۔ چنانچہ سمجھا گیا ہے کہ جن لوگوں کی دُعا قبول ہوتی ہے، دولت، رزق، اولاد، ملازمت وغیرہ سب کچھ اُن سے دُعا کرانے سے میسّر آ جاتا ہے۔ لیکن اِس واہمہ کے ماتحت ہوتا یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے ایسے افراد کی تلاش جاری رہتی ہے، جن کے متعلق مشہور ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ فلاں ننگے، فلاں پاگل، فلاں مجذوب الحواس، فلاں گدی نشین یا فلاں بزرگ کی دُعا قبول کرتا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اگر صرف دُعا کیساتھ مقاصد حاصل ہوسکتے ہوں، تو رسولِ مقبولؐ سے بڑھکر کون ہوسکتا ہے، جن کی دُعا یقیناً مقبول ہو۔ اگر یہ مفروضہ درست ہوتا تو حضور سلامٌ علیہ جنگِ اُحد میں صرف دُعا فرماتے اور آپ کو معہ صحابہؓ شکست نہ ہوسکتی۔ پس دُعا کے متعلق یہ نظریہ مطلقاً غلط ہے کہ قوانینِ خداوندی کی مخالفت کے باوجود صرف دُعا کرنے، یا کسی بزرگ سے دُعا کروانے سے مقاصد حل ہو جاتے ہیں۔

۲۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ دُعا مطلقاً بیکار محض ہے۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں، اُس سے زائد کچھ میسّر نہیں آتا۔ حالانکہ ہم تو صرف ہل چلاکر، اور بیج بوکر پانی دے دیتے ہیں۔ اسکے بعد بیجوں کے انکھوں کو پھاڑ کر انگوری نکالنے سے شروع کرکے، فصلوں کے پکانے تک کا سارا باقی کام اللہ تعالیٰ اپنے جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے کروا تا ہے۔ ہوا، بادل، بجلی، سورج، چاند، ستارے سب خدا تعالیٰ کے عظیم لشکر ہیں، جن سے وہ انسانی کمیاں پوری کروا تا رہتا ہے۔

دُعا کا اہم فلسفہ

اُوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ دُعا اپنے آپ کیلئے، مطلوبہ چیز سے متعلقہ قوانینِ مشیت پر عمل کرنے کی اہم تحریک ہے۔ دوسرے نمبر پر اسکا مخصوص اہم فلسفہ یہ ہے کہ مومن اور کافر یعنی اللہ کے حضور دُعا کرنے والا، اور نہ کرنے والا، دونوں قانونِ مشیت کے مطابق فصلیں وغیرہ حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لشکر دونوں کی کمیاں پوری کرنے میں لگے رہتے ہیں لیکن دُعا کرنے والا تقسیم کار کے مطابق اُس میں اللہ تعالیٰ کا حصّہ تسلیم کرتا ہے۔ اور اپنی دُعا کے اقرار کے مطابق حاصل شدہ نعمتوں میں سے اللہ کا حصّہ ادا کرتا، اور اپنے حصّے کو اللہ کے حکموں کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ لیکن دُعا نہ کرنیوالا یعنی وہ فرد، جو حاصل شدہ نعمت کو صرف اپنی ہی محنت کا ثمر قرار دیتا ہے، نہ وہ اللہ کا حصّہ ادا کرنا لازم سمجھتا ہے، نہ اپنے حصّے کو اللہ کے حکموں کے مطابق خرچ کرنے پر کوئی پابندی

تسلیم کرتا ہے۔ یہی تصورِ ربوبیّتِ عامہ کی مخالفت اور فساد فی الارض کا موجب ہے۔

● المختصر! دعا کے متعلق نہ پہلا نظریہ ہی درست ہے کہ خود کچھ نہ کریں اور نہ قوانینِ جاریہ کی پابندی نہ کریں اور صرف دعائی پر تکیہ کئے بیٹھے رہیں۔ اور نہ دوسرا نظریہ ہی صحیح ہے کہ دعا بیکار محض ہے۔ آنحضور سلامٌ علیہ سمیت جملہ انبیا کی دعائیں قرآنِ حکیم میں موجود و محفوظ ہیں مسئلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تقسیمِ کار کی رُو سے جو کام ہمارے سپرد کیا ہے، اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق اُسکی تعمیل بھی کریں اور دُعا بھی کیا کریں۔ کہ بار الہا! تیرے قانون کی تعمیل میں ہم سے اگر بھول یا خطا ہو جائے تو ہمیں معاف فرمائیو۔ آیت بالا $\frac{2}{285}$ میں آنحضور سلامٌ علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مشترکہ دُعا کے ابتدائی الفاظ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، یعنی ہم نے سُنا ہے اور اطاعت میں لگ گئے ہیں"۔ انتہائی اہم، اور بے حد غور طلب ہیں۔ سُنا اور اطاعت کی کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضور مع صحابہؓ ہر کام کی تکمیل کیلئے قوانینِ خداوندی ہی کی تعمیل فرمایا کرتے تھے۔ نہ محض دُعاؤں پہ بھروسہ تھا اور نہ اپنی سعی و کوشش کو خطا و نسیان سے مبرا قرار دیتے تھے بلکہ دعائیں بھی اس امر کا اقرار کہ ہم تیرے قانون پر عمل پیرا ہیں۔ اور اسکے ضمن میں خطا و نسیان کی معافی چاہتے ہیں پس اسوۂ رسول اور سُنّتِ رسول اظہر من الشمس ہے کہ آنحضور مع صحابہ اپنے فرضِ منصبی قیامِ نظامِ ربوبیّت کا کام، شروع کرنے، اور ہر قسم کے وسائل و ذرائع پر نگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ سے مدد بھی طلب فرماتے رہے۔ خصوصًا نظامِ ربوبیّت کے قیام میں، منکرینِ ربوبیّت کے مقابلہ پر فتح و نصرت کیلئے مدد کی دُعا بھی بدستور فرماتے رہے۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○

● جیسے کہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ دُعا اپنے آپ کیلئے مطلوبہ مقصد سے متعلقہ قوانینِ خداوندی پر عمل کرنے کی تحریک ہے۔ اِس قرآنی مسلمہ کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور نے دشمن کے مقابلہ کیلئے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوت مہیا فرمائی تھی۔ کیونکہ اسکے بغیر فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کی دُعا محض دیوانہ پن ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے ارشادِ باری ہے:-

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ $\frac{8}{60}$ =

(مفہوم) اور تم میں جتنی بھی استطاعت ہے، دشمنوں کے مقابلہ کے لئے، مقدور بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوت تیار کرتے جاؤ۔ خصوصًا تمہارے ہاں گھوڑے (ذرائع رسل و رسائل) کی اِس قدر بہتات ہو کہ تم اُس کے ساتھ اللہ کے دشمنوں یعنی اپنے دشمنوں کو لرزہ براندام رکھو۔ وہ تمہاری عسکری قوت کے خوف سے گھر بیٹھے ہی کانپتے رہیں ـــــ پس قرآنِ کریم کے اِن فیصلوں نیز عالمی مشاہدات، اور حضور و صحابہ کی دُعا کے اتصال سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے، وہ یہی اور صرف یہی ہے کہ عمل بھی کرو، اور دُعا بھی کرتے رہو۔ دُعا کے اِس قرآنی مقام اور دُعا کی اِن قرآنی شرائط کے مطابق، اب آنحضور کی دُعا پر مشتمل سورہ بقرہ کی آخری آیت مجیدہ کا ترجمہ اور مفہوم ملاحظہ فرمائیں:-

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا
نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جی کو مگر طاقت اس کی پر

مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا
واسطے اُس کے ہے جو کچھ کمایا اُس نے اور اُوپر اُس کے ہے

لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا
جو کمایا اس نے اے رب ہمارے مت پکڑ ہم کو اگر بھول گئے ہم

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ
یا خطا کی ہم نے اے رب ہمارے اور مت رکھ اُوپر ہمارے بوجھ جیسا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا
رکھا تو نے اسکو اوپر اُن لوگوں کے کہ پہلے ہم سے تھے اے رب

تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ
ہمارے اور مت اٹھوا ہم سے وہ چیز کہ نہیں طاقت واسطے

عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ
ہمارے ساتھ اُسکے اور معاف کر ہم سے اور بخش ہم کو

مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
اور رحم کر ہم کو تو ہے دوستدار ہمارا پس مدد دے ہمکو اوپر قوم

الْكٰفِرِيْنَ ۝ ع ۴۰ ۸
کافروں کے ۲۸۶

اللہ تعالیٰ کسی فرد پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ جو کوئی اچھے اعمال بجا لائیگا، اُسکا اچھا بدلہ اُسی کیلئے ہے۔ اور جو بُرے عمل کریگا اُسکا وبال اُسی کی جان پر ہوگا۔ (نہ کوئی کسی کے کام آئیگا، نہ کسی کے بدلے پکڑا جائیگا ٢/٤٨ + ٢/٢٥٤)، رسولِ مقبول اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے سُنا ہے اور اطاعت میں لگ گئے ہیں ٢/٢٨٥، تعمیل قانون میں) اگر ہم سے کوئی بھول یا خطا ہو جائے تو اس پر ہمیں گرفت نہ فرمانا۔ (تیرے قانون میں کمی کرنا ہمارا ارادہ نہیں۔ پس) اے ہمارے پروردگار! (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم تیرے قوانین پر عمل کریں اور) تو ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالے، جو تُو نے ہم سے پہلے گزرے ہوئے اُن لوگوں پر (اُن کی بداعمالیوں کی بدولت) ڈالا تھا (جو تیرے قوانین کی مخالفت کرنیوالے تھے) اور اے ہمارے پروردگار! (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم ایسے اعمال کریں کہ) تُو ہم سے وہ بوجھ نہ اُٹھوائیے، جس کے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ بارِ الٰہا! تُو ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائیو (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم تیرے قوانین کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں کی کمی پوری کرلیا کریں۔ اور اس طرح (تُو ہمیں ہماری کوتاہیوں کے مُضرّ اثرات سے) محفوظ فرمائیو یعنی ہم پر رحمت کیجیو۔ تو ہی ہمارا مددگار و کارساز ہے (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم تیرے قوانین پر عمل کرکے تجھے اپنا مددگار بنائے رکھیں۔ تو ہر کسی کمزور کیسا تھ ہی اُسکا مددگار بنتا ہے نیز جب ہم تیرے قانون کے مطابق مقدور بھر عسکری طاقت مہیا کرکے دشمنوں کے مقابلے پر اُترا کریں، اُس وقت) تُو نظریہ ربوبیت کا انکار کرنیوالی قوم کے مقابلے پر ہماری مدد فرمائیو۔

ع۵ خدا تعالیٰ کو مددگار بنانے کا نسخہ سورہ انعام میں قرآن کریم نے خود واضح کر رکھا ہے :-

وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ ۶/۱۲۷ =

اور وہ اللہ، لوگوں کا اُن اعمال کیساتھ مددگار رہے، جو وُہ خود بجا لاتے ہیں۔

بالفاظ دیگر خدا تعالیٰ کی مدد اُسوقت آتی ہے، یعنی خدا تعالیٰ اُسوقت مددگار بنتا ہے، اور وہ ہماری مدد اُسوقت کرتا ہے، جب ہم اُسکے قانون کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اِسطرح دشمن کے مقابلے پر خدا تعالیٰ کو مددگار بنا لے کا ذریعہ چونکہ مقدور بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوت مہیا کرنا بتایا گیا ہے ۔ اِس لیئے ، قیامت تک کی نوعِ انسانی کو دریں حقیقت دینے کیلئے، کہ دشمن کا مقابلہ پوری فوجی قوت کیساتھ کرنا اور اُسکے حضور فتح و نصرت کی دُعائیں بھی کرتے رہنا ہے خدا تعالیٰ نے سورۂ بقر کو آنحضور سلام علیہ کی دُعاءِ مبارکہ کے اِن الفاظ پر ختم کیا ہے :- فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ یعنی سورہ بقر کا انتہائی آخری سبق یہ ہے کہ قوموں کی دوڑ میں صفِ اوّل میں آنے کیلئے زیادہ سے زیادہ عسکری قوت مہیا کرتے رہو۔ اور اِسطرح دشمنانِ ربوبیت کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ کو اپنا مددگار بنائے رکھو۔ تاکہ تم قوموں کی دوڑ میں صرفِ صفِ اوّل ہی میں نہ رہو، بلکہ اقوامِ عالم کی سیادت و امامت ہمیشہ کیلئے تمہارے قبضۂ اقتدار میں رہے۔ اور یہی وہ مقصد ہے جس کیلئے تمہیں اپنی کتاب دیگر لوگوں کیلئے نمونہ ٹھہرایا گیا ہے :-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۳/۱۱۰

رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ○ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ ○ ۲۳/۹۷-۹۸

WWW.EBOOKSLAND.BLOGSPOT.COM

قرآن کریم کا مفسّر اِس کا نازل کرنیوالا آپ ہے

● قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی قولی، اور کائنات اُسکی فعلی کتاب ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر، عالمی مُشاہدات کی صُورت میں اُس کی فعلی کتاب میں، اور تصریفِ آیات کے ذریعہ اُسکی قولی کتاب میں موجود ہے۔ اِس کتابِ مقدّس کا مفسّر خود صاحب کتاب ہے۔ ہم مفسّرینِ قرآن نہیں، بلکہ خادمینِ قرآن بتصریفِ آیات الفرقان ہیں۔

● یہ قرآنِ کریم پر پڑے ہُوئے روایات کے دبیز پردوں کو چاک کرنے کی مخلصانہ کوشش ہے۔ نیز یہ حرفِ آخر نہیں، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دعوتِ تفقّہ فی القرآن بتصریفِ آیات الفرقان ہے۔

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰۔ این سمن آباد لاھور

بمعاونت

ملک سُلطان محمود صاحب لاہور

اُنظُر کَیفَ نُصَرِّفُ الاٰیٰتِ لَعَلَّهُم یَفقَهُونَ ۝ ٦/٦٥

اے مخاطب!

غور کر کہ ہم اپنی آیتوں کو کس طرح پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔
تاکہ لوگ تصریفِ آیات کے ساتھ قرآنِ کریم میں تفقّہ کیا کریں۔

ترجمۃُ القرآن بتصریفِ آیات الفرقان

المعروف بہٖ

تفسیر القرآنؐ بالقرآن

جلد دوم مشتمل بر سورہ آلِ عمران و سورہ نساء

شائع کردہ

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰۔ این سمن آباد لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات و مسائل متعلقہ آیات مجید سورۂ آل عمران

عنوان	صفحہ
قرآن فہمی کے قرآنی اصول	۲
سورہ آل عمران	۳
یُصوّرکم فی الارحام ۳/۶ نوٹ ۱	۶
طریقۂ تفہیم قرآن کی وضاحت	۶
محکمات و متشابہات ۳/۷	۷
راسخون فی العلم نوٹ ۲	″
محکمات و متشابہات کی پہچان نوٹ ۳	″
آنحضورؐ کے دشمنوں کی شکست کی پیشگوئی ۳/۱۲	۱۰
جہنم بمعنی شکست ۳/۱۲ نوٹ ۱	″
اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ۳/۱۸	۱۳
الٰہ واحد کی شہادت اسکی اپنی کتاب میں موجود ہے ۴/۱۶۶	″
ملائکہ کی شہادت	۱۴
اولوا العلم کی شہادت ۱۳/۴۳	۱۵
دنیا و آخرت میں مکافات عمل ۳/۱۹	۱۶
انّ اللہ سریع الحساب	۱۷
منکرین قیامت کو رسول اکرمؐ کا جواب ۳/۲۰	۱۸
تعزّ من تشاء و تذلّ من تشاء ۳/۲۶	۲۲
اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ	″
زمین کے وارث کون ہیں؟	۲۲
حصول حکومت کے ذرائع	۲۳
قانون مشیت کی ایک نمایاں مثال ۳/۲۷	۲۴
امن دشمن اقوام سے دوستی نہ کرنا ۳/۲۸	۲۵
کیا کافروں سے مطلقاً دوستی نہیں؟ ۳/۲۸	۲۶
مفاد پرستی کا فساد چھپا کر امن کا اعلان	۲۷
قیامت کی یاد	″
اتباع رسولؐ ۳/۳۱	۲۸
والدۂ مریمؑ کی اللہ کے حضور منت نوٹ ۱	۳۱
حضرت مریمؑ کی پیدائش ۳/۳۶	۳۲
حضرت زکریاؑ مریمؑ کے کفیل بنے ۳/۳۷	″
حضرت زکریاؑ کا احساس ذمہ داری ۳/۳۷	۳۳
ولادت یحییٰؑ	″
حضور الٰہی میں دُعا براہ راست کی گئی	
کسی کا وسیلہ درمیان میں نہیں لایا جائیگا	۳۴
یفعل ما یشاء کا صحیح قانون مشیت کے مطابق ہے مخالف نہیں	۳۵
حضرت مریمؑ کو ان کی غیر اسلامی رسم توڑنے کیلئے چن لیا گیا تھا ۳/۴۲	۳۶
وحی نبیوں کو ہوتی تھی جو صرف مرد ہوتے تھے ۱۲/۱۰۹	″
حضرت مریمؑ کے کفالت نامے پر دستخط ۳/۴۴	۳۷
مسئلہ ولادت مسیحؑ	″
ولادت مسیحؑ سے متعلقہ سورہ مریم کی آیات مجیدہ	۳۸
روحنا ۹/۱۷ کی بحث	۴۰
فتمثّل لہا بشرا سویا ۱۹/۱۷ کی بحث	″
روائتی تفاسیر کی جھلک	۴۱
سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم کا تقابل	۴۲
مسّنی بشر ۳/۴۷ و ۱۹/۲۰ کی بحث	۴۳
ھو علیّ ھیّن نوٹ ۲	۴۴
قال کذٰلک نوٹ ۳	″
حضرت یحییٰؑ اور حضرت مسیحؑ کی خوشخبری کا تقابل	۴۵
یخلق ما یشاء ۳/۴۷ کی بحث	۴۶
آیۃ للنّاس ۱۹/۲۱ کی بحث	″
رحمۃ منّا ۱۹/۲۱ کی بحث	۴۷
کن فیکون ۳/۴۷ ″ ″	″
نگاہ بازگشت	۴۸
حضرت مریمؑ کا وضع حمل نوٹ ۱	۴۹
حضرت مسیحؑ کا قوم سے خطاب ۱۹/۳۰	۵۰

عنوان	صفحہ
فی المہدِ صبیًّا ۱۹/۲۹ نوٹ ع۱	۵۱
حضرت مسیحؑ اللہ کے بیٹے نہیں تھے	۵۲
حضرت مسیحؑ کا نسب نامہ بالفاظِ جلالین وکمالین	″
حضرت مریمؑ پر یہودیوں کا بہتانِ عظیم	۵۴
ایک اعتراض کا جواب حضرت مسیحؑ کو ماں کیطرف کیوں منسوب کیا گیا ہے؟	″
حضرت مسیحؑ ایمانی مُردوں کو زندہ کرتے تھے ۳/۴۹	۵۷
حضرت مسیحؑ نے نظامِ ربوبیت قائم کیا۔ نوٹ ع۱	۵۹
حواری کون تھے؟ ۳/۵۲	۶۰
حواریوں کا اقرارِ ربوبیت ۳/۵۳	″
اِنّی متوفّیک۔ نوٹ ع۱	۶۱
ورافعک۔ نوٹ ع۲	۶۲
حضرت مسیحؑ کا غلبہ اور بنی اسرائیل کی شکست ۶۱/۱۴	″
حضرت مسیحؑ نوعِ آدم میں سے تھے، مافوق البشر نہیں تھے۔	۶۴
اِنّ مَثَلَ عیسٰی کمثلِ آدمَ ۳/۵۹ کی بحث نوٹ ع۱ و ع۲	۶۵
آیتِ مباہلہ نہیں آیتِ ابتہال ۳/۶۱	۶۷
بابِ افتعال اور بابِ مقابلہ کی گردان کا تقابل ۳/۶۱	″
مباہلہ کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟	۶۸
مادہ بہل کی لغوی تحقیق	۶۸
ولادتِ مسیحؑ پر کائناتی مشاہدہ	۶۹
آیتِ ابتہال کا روائتی شانِ نزول	″
غیر اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا نہ ٹھہرایا جائے ۳/۶۴	۷۱
اپنے اپنے باطل عقائد پر بزرگوں کو بطور دلیل پیش کرنا ۳/۶۵	۷۲
انبیاءؑ کے لائے ہوئے ضابطہ کی اتباع ہی انبیاءؑ کی اتباع ہے ۳/۶۸	۷۳
نبوت وہبی ہے کسبی نہیں ۳/۷۴	۷۶
مقامِ افسوس (ہم کیا ہیں؟)	۷۷
اللہ تعالیٰ کیساتھ کیا ہوا وعدہ ۱/۱	۷۸
آیتِ مجیدہ ۳/۸۱ انتہائی اہم ہے	۸۰
یہ ۳/۸۱ کا عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا	۸۱
یہ پیغمبروں کا عہد کس سے لیا گیا تھا؟	″
سوائے اسلام کے کوئی دین قبول نہیں ۳/۸۵	۸۴
اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کا ذریعہ توبہ اور اصلاح ہے ۳/۸۹	۸۵
قتلِ مرتد کا نظریہ غیر قرآنی ہے ۳/۸۹	″
حضرت یعقوبؑ کے بوجہ عدمِ موافقت مزاج کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے سے وہ چیز امت کیلئے حرام نہیں ہوگئی تھی نوٹ ع۱	۸۷
اللہ کے قانون میں انبیاء کا دخل نہیں ۳/۹۳	۸۸
فلاحِ انسانی کا اولین مرکز بیت الحرام ہے نوٹ ع۱ و ع۲	۸۹
حج، عالمی اسلامی امن کانفرنس ہے، نوٹ ع۲	۸۹
اعتصام بالکتب ہی اعتصام باللہ ہے ۳/۱۰۳	۹۱
ہدایت کیا اور ذریعہ ہدایت کیا ہے؟	۹۲
حبل اللہ کی تعریف	″
فرقہ بندی شرک ہے ۳۰/۳۱-۳۲	″
جماعتی نظام کے قیام کا حکم ۳/۱۰۴	″
غیر معنی مال ۲/۱۸۰ نوٹ ع۱	۹۳
مسئلہ قتلِ مرتد کی تردید ۳/۱۰۶	۹۴
اصحابِ رسولؐ خیرِ امۃ تھے ۳/۱۱۰	۹۵
قرآن مجید اور یہودی حکومت کا قیام ۳/۱۱۲	۹۶
اللہ تعالیٰ کا قانونِ عروج و زوال جملہ اقوام کیلئے یکساں غیر متبدل ہے۔	″
اہلِ کتاب میں مومن موجود تھے ۳/۱۱۳	۹۷
منکرینِ ربوبیت کو رازدار نہ بنانا ۳/۱۱۸	۹۸
جنگِ احد میں بعض صحابہؓ کی سستی ۳/۱۲۲	۱۰۰
اللہ کی مدد انسانی اعمال ہی کی بدولت آتی ہے۔	″
جنگِ بدر میں صحابہؓ کی ثبات قدمی ہی کا نتیجہ تھا فتحِ عظیم	″
ملائکہ ۳/۱۲۴	۱۰۱
ملائکہ کی مدد کے متعلق مزید آیات قرآنیہ	۱۰۲
جنوداً لم تروھا ۳/۲۶ کی بحث	۱۰۳
اُنیس یا ننانوے کا پھیر آیت نمبر ۹	۱۰۶
روائتی ملائکہ	۱۰۸
اللہ کے الگ الگ رحمت و عذاب کے پیمانے	۱۱۰

عنوان	صفحہ
نظامِ ربوبیّتِ عامہ	۱۱۰
سود کی مذمّت نوٹ ۲-۱ ؏	۱۱۱
مغفرت یعنی بچاؤ کی صحیح صورت	۱۱۲
مومن غصّے کو پی جاتے ہیں نوٹ ۲ ؏	۱۱۳
غم سستی ہی کا نتیجہ ہوتا ہے، نوٹ ۲ ؏	۱۱۶
جنّت کا داخلہ یونہی نہیں ملجائیگا ۳/۱۴۲	۱۱۸
متنِ قرآن میں الف زائدہ۔ نوٹ ۱ ؏	۱۱۹
کتٰبًا مؤجّلًا کی بحث نوٹ ۲-۳ ؏	۱۲۰
بریں یعنی مستقل مزاج ۳/۱۴۶	۱۲۱
ثواب الدنیا کا معنی آزاد حکومت	۱۲۲
جنگِ اُحد میں سستی کرنیوالوں کی معافی کا اعلانِ عام ۳/۱۵۲	۱۲۳
جنگِ فشل یعنی جنگِ اُحد کی تفصیل	〃
جنگِ اُحد میں سستی کرنیوالوں کی معافی کے اعلان کا تکرار ۳/۱۵۵	۱۲۵
جنگِ اُحد میں منافق شامل ہی نہیں ہوئے تھے ۳/۱۵۶	۱۲۶
کیا یہ صحابہ منافق تھے؟	۱۲۷
جنگِ اُحد میں سستی کرنیوالوں کی معافی کے اعلان کے بعد انہیں مجلسِ مشاورت کا رکن بنانے کا حکم ۳/۱۵۹	〃
ایک تاریخی تنازعہ کا قرآنی فیصلہ	۱۲۸
اگر قرآنِ حکیم کو حکم مانا جاتا تو نہ ہی صحابہ کو منافق قرار دیا جاتا اور نہ مسئلہ خلافت متنازعہ قرار پاتا۔	۱۲۹
غنیمت کا مال چھپایا نہ جائے۔ بلکہ سارے کا سارا بیت المال میں جمع کرایا جائے	۱۳۰
آنحضورؐ کے والدین مومن تھے ۳/۱۶۴	۱۳۱
جنگِ اُحد میں جو تکلیف پہنچی وہ صحابہ کی ایک جماعت کی غلطی کا نتیجہ تھا ۳/۱۶۵	۱۳۲
اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ کا قرآنی مفہوم ۳/۱۶۵	۱۳۳
مقتولین فی سبیل اللہ ۳/۱۶۹-۱۷۰	۱۳۵
اللہ کی نعمت و فضل یعنی خود کفیل آزاد حکومت ۳/۱۷۱	۱۳۶
کافر فتح قائم نہ رکھ سکے ۳/۱۴۷	۱۳۷
زمانۂ رسالت میں ہی منافق، نکھر کر نمایاں ہو چکے تھے ۳/۱۷۹	۱۳۹
مسندِ خلافت پر منافقوں کے قبضہ کا تصوّر تک افترائی محض ہے	〃
ہر چیز کا مالک صرف اللہ تو ہے ۳/۱۸۰	۱۴۰
کیا اللہ تعالیٰ محتاج ہے جو قرضہ مانگتا ہے ۳/۱۸۱	۱۴۱
سوختنی قربانی بہتان محض ہے ۳/۱۸۳	۱۴۲
موجودہ بائیبل اصل تورات نہیں	۱۴۳
آیتِ مجید ۳/۱۸۳ سوختنی قربانی سے متعلقہ ایک اہم نوٹ	۱۴۴
اسی آیت سے متعلقہ ایک ضروری سوال کا جواب	۱۴۶
سوختنی قربانی سے متعلقہ ایک ضروری نوٹ	〃
قُرۡبَانًا قُرۡبَانًا۔ نوٹ ۱ ؏	۱۴۷
اہلِ کتاب سے لیا گیا عہد ۳/۱۸۷	۱۴۹
قرآنِ کریم اور علمِ طبیعات	۱۵۳
روائتی تفاسیر کا علمِ طبیعات، زمین گائے کے سینگوں پر ہے، سمندر کا مدوجزر اسی گائے کے سانس سے پیدا ہوتا ہے	۱۵۴
روائتی تفاسیر کا ابلیس نوٹ ۵ ؏	۱۵۶
تخلیقِ خداوندی میں تفکر ۳/۱۹۱	۱۵۷
سورہ ھمزہ۔ حطمہ کی تعریف	۱۵۸
صحابہؓ کو انکے استقلال کی بدولت ہی حکومت عطا ہوئی تھی۔ نوٹ ۱تا۳ ؏	۱۶۱
جنّت یعنی متوازن معاشرہ نوٹ ۳ ؏	〃
تحریک کی کامیابی سے ماقبل دور کے متعلق ہدایات	۱۶۳
ابرار کی تعریف ۲/۱۷۷	۱۶۵
اہلِ کتاب سب ایک سے نہیں	۱۶۶
قرآن مجید کے غیر اللہ شارع اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں ۴۲/۲۱	۱۶۸
کیا یہ ٹھیک ہے کہ جو مر گیا اُسکی قیامت ہوگئی ۳/۱۹۹ + ۶/۶۲	〃
نتیجہ صریح	۱۷۰
علیین اچھے اور سجین بُرے لوگوں کے اعمالناموں کے نام ہیں ۸۳/۱۸+۹	۱۷۱
سورہ آلِ عمران کا ملخص	۱۷۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات و مسائل متعلقہ آیات مجید سورۃ النساء

عنوان	صفحہ
سورۃ النسآء	۱۷۵
نوعِ انسانی زمین سے پیدا کی گئی تھی نوٹ ۲-۱/۴	۱۷۶
نفسِ واحدہ ۴/۱	۱۷۷
اللہ تعالیٰ کی مفت نعمتیں نوٹ ۲-۱/۴	〃
عورت کا مقام	۱۷۸
جہاد اور مومن کا چولی دامن کا ساتھ	〃
یتیموں کے مال بدل نہ لینا ۴/۲	۱۷۹
بیوہ عورتیں بھی یتیموں میں شامل ہیں	〃
ایک سے زائد نکاح یتیموں سے انصاف کی شرط کیساتھ مشروط ہے ۴/۳	۱۸۰
ما ملکت ایمان سے لونڈیوں کا جواز خلافِ قرآن ہے	۱۸۱
آنحضورؐ ہر قسم کی غلامی کے پٹے اتارنے کیلئے مبعوث ہوئے تھے	〃
آنحضورؐ سے بڑا متقی کون ہے؟	۱۸۲
ما ملکت کے تین قرآنی معنے	〃
یتیموں کے مال انہیں اسوقت واپس کرو جب وہ شعور کو پہنچ جائیں ۴/۶	۱۸۸
مسئلہ وراثت کی تمہید	۱۸۹
یتیموں کا مال کھانیوالے اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں ۴/۱۰	۱۹۰
تقسیمِ وراثت کا پہلا اصول	۱۹۱
〃 〃 دوسرا 〃	۱۹۲
〃 〃 تیسرا 〃	۱۹۳
〃 〃 چوتھا 〃	〃
〃 〃 پانچواں 〃	۱۹۴
ایک بیٹا اور متعدد بیٹیاں	۱۹۵
اولاد وارث اور ماں باپ ذوالفروض	۱۹۸
اولاد نہ ہو تو والدین وارث ہوتے ہیں	〃
اصل وارث یا باپ ہے یا بیٹے	۲۰۰
ماترک کی بحث اور ترتیب تقسیم	۲۰۳
کلالہ کی بحث۔ بااولاد و بے اولاد	۲۰۴
من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین	۲۰۸
اخیافی بہن بھائی	۲۰۹
نظریہ سرمایہ داری پر ضرب عظیم	۲۱۰
مسئلہ وراثت کے اصول ایک نظر میں	۲۱۱
یتیم پوتے کا مسئلہ	۲۱۳
عورتوں کی عورتوں سے جنسی تسکین	۲۱۴
مردوں کی مردوں سے جنسی تسکین	〃
توبہ کے قرآنی اصول ۴/۱۸-۱۷	۲۱۵
ایک مرد کی صرف ایک بیوی ۴/۲۰	۲۱۸
حرام عورتوں کی قرآنی فہرست ۴/۲۳	۲۲۰
دین کا شارع اللہ تعالیٰ ہے	۲۲۱
نکاح والی عورت سے نکاح حرام ہے	۲۲۲
متعہ حرام ہے ۴/۲۴	۲۲۳
متعہ کا مروّجہ مفہوم	〃
نکاح اور مسافحت کا فرق	۲۲۴
متعہ کا جواز روایات کی رو سے	〃
قرآن کریم سے متعہ کے جواز کی کوشش	۲۲۶
استمتعتم کی صرفی تحقیق	〃
متعہ کا مہر	〃
نومسلمہ کیلئے زنا کی سزا نصف	۲۲۷
بدکاری کی سزا	۲۲۸
کتبِ روایات کی بوالعجبی آیت رجم	〃
خواہشات کی پیروی کرنیوالے وہ ہیں جو عوام پر بوجھ بنے ہوئے ہیں	۲۳۱
اقتصادی قتل نظامِ سرمایہ داری	۲۳۲
میاں بیوی کی الگ الگ فضیلت	۲۳۴
حقوقِ ربوبیت کے خلاف افیون	۲۳۵
ایک سچا واقعہ	۲۳۶

عنوان	صفحہ
میاں بیوی کے فرائض کی تقسیم کار	۲۳۷
شوہر کو بیوی کی نافرض شناسی کا خوف	
ہو تو سمجھانا ہے مارنا نہیں ۴/۳۴	۲۳۸
الرّجال قوامون علی النسآء	〃
ناچاقی ہو تو دو منصف مقرر کئے جائیں ۴/۳۵	۲۴۰
قیامت کو ہر اُمت پر گواہ اُسی میں سے ہو گا	۲۴۳
قیامت کو کوئی بات چھپ نہ سکیگی	۲۴۴
صلوٰۃِ موقّت معاشرہ کی اصلاح کا	
نقطۂ آغاز ہے	۲۴۵
بحالت سکر نماز کے قریب نہ جاؤ ۴/۴۳	۲۴۶
سُکٰری کا لغوی مفہوم	۲۴۷
اذکارِ صلوٰۃ کے معنے جاننا ضروری ہے،	۲۴۸
اجتماعاتِ صلوٰۃ کی غرض	〃
زمانۂ رسالت کے اہل کتاب	۲۴۹
یہودی محرّفِ کتاب ہیں ۴/۴۶	۲۵۰
شرک معاف نہیں ہو گا	۲۵۱
شرک کیوں ظلمِ عظیم ہے	۲۵۲
رِجبت کا معنی بزرگوں کے بت نوٹ ۱	۲۵۴
سابقہ انبیاء اور نظامِ ربوبیّت نوٹ ۱	۲۵۵
کوئی نااہل اور رشوت خور عامل عوام	
پر مسلّط نہ کیا جائے	۲۵۷
قرآنی حکومت کی اطاعت ہر فردِ	
معاشرہ پر فرض ہے	۲۵۸
اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول	۲۵۹
زمانۂ رسالت کے منافقین	۲۶۰

عنوان	صفحہ
باہمی جھگڑوں کے بعد حضور رسالت میں حاضری	۲۶۲
طاغوتوں کی عدالتیں	۲۶۳
مرکزی اتھارٹی کی اپیل کوئی نہیں	۲۶۴
منافقوں کی ایک اور پہچان	〃
اللہ و رسول کی اطاعت سے صدیق،	
شہید، صالح تو ہو سکتا ہے نبی نہیں ہو سکتا ۴/۶۹	۲۶۵
اکتسابی نبوّت کا تصوّر غیر قرآنی ہے	〃
ملک کا دفاع ۴/۷۱	۲۶۷
کمزوروں کی مدد کیلئے جنگ کا حکم ۴/۷۵	۲۶۸
الٰہی پروگرام اور مومنوں کا فریضہ	۲۶۹
اللہ اور طاغوت کی جنگ	〃
موت ایک دن آکر رہیگی	۲۷۰
بھلائی برائی قوانینِ الٰہی کے مطابق آتی ہے،	۲۷۱
قوانینِ خداوندی کی محکمیت ۴/۷۹	۲۷۲
اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے	۲۷۳
منافق سازشیں کرتے تھے ۴/۸۱	〃
توکّل کا قرآنی مفہوم نوٹ ۱	۲۷۴
تدبّر فی القرآن کی تاکید	〃
قرآن مجید میں اختلاف نہیں ہے ۴/۸۲	〃
افواہوں پر کان نہ دھرو تصدیق کرو	۲۷۵
جنگی تجاویز	۲۷۶
منافق نفاق چھوڑیں تو برداشت ممکن نہیں	۲۷۷
منافق تمہیں بھی کافر بنانا چاہتے ہیں	۲۷۸
منافقوں کو گرفتار کر لو۔ نوٹ ۱	〃
منافقوں کی ایک اور قسم ۴/۹۱	۲۸۰

عنوان	صفحہ
کوئی مومن کسی مومن کو قتل نہ کرے	۲۸۰
مومن کے قتل بالعمد کی سزا ابدی جہنم	۲۸۱
مومن کے سہواً یا عمداً قتل کرنے کی	
سزا ایک نظر میں	۲۸۲
نام نہاد اسلامی تاریخ	〃
قرآن اور نام نہاد اسلامی تاریخ کا تقابل	۲۸۳
تحفظِ ناموسِ صحابہؓ	۲۸۴
نا پہچان مومنوں کی تصدیق کر لیا کرو	۲۸۵
مجاہد اور قاعد برابر نہیں ۴/۹۵	۲۸۶
قرآنی تعلیم کا بنیادی نقطہ ربوبیّتِ	
عالمینی ہے	۲۸۷
ہجرت کا حکم، اللہ کی زمین بہت	
وسیع ہے ۴/۹۷	〃
ملائکہ بمعنی فوج نوٹ ۱	〃
کمزور ہجرت سے مستثنیٰ ہیں ۴/۹۸	۲۸۸
کفّار مہاجروں کا پیچھا کرتے ہیں	۲۸۹
نماز کی اہمیت ۴/۱۰۱	〃
جنگ میں نماز ترک نہ کرنا البتہ	
کم کر لینا۔	۲۹۰
قصر صلوٰۃ کی عملی صورت	〃
نماز میدانِ جنگ میں بھی معاف نہیں	۲۹۱
قرآن کریم کی رُو سے دو رکعتیں	〃
قصر نماز کا روائتی مفہوم	۲۹۲
قصر نماز، میدانِ جنگ اور فتنہ کفّار	
کیساتھ مشروط ہے	〃

عنوان	صفحہ
عین دورانِ جنگ کی صلوٰۃ	۲۹۳
میدانِ جنگ میں بھی کیوں نماز معاف نہیں	〃
کیا صلوٰۃِ موقّت سے حکومت کے ہنگامی اجتماعات مراد لئے جا سکتے ہیں؟	۲۹۴
رسولؐ تمہیں اسلئے بلاتا ہے کہ تمہیں قومی زندگی عطا کرے۔ نوٹ ؏	۲۹۵
فتح کے بعد مفتوحہ قوم کی طاقت ختم کردو ۴/۱۰۴۔ غرض جہاد	۲۹۶
منافق، لوگوں سے چھپتے ہیں، مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتے ۴/۱۰۸	۲۹۷
جن اعمال کی سزا دُنیا میں نہ ملے، قیامت کو ضرور مل کر رہیگی	۲۹۸
استغفار کا صحیح مفہوم	۲۹۹
خود جُرم کرکے اوروں کے ذمہ لگانیوالے دوہری سزا کے مستحق ہیں	۳۰۰
کتاب و حکمت ایک چیز ہے۔ دو نہیں ہیں۔	۳۰۱
علمِ کُلّی۔ آنحضورؐ کے علمِ غیب کی غلط دلیل ۴/۱۱۳	〃
تجویزوں کیساتھ صدقہ بھی پیش کیا کرو ۴/۱۱۴	۳۰۲
مومنوں کی تجویزوں اور مشورے بلا صدقہ نہیں ہوتے	〃
حضورؐ کی مشاورت میں طے شدہ امر کی مخالفت رسولِ مقبول کی مخالفت ہے	۳۰۳
بلا توبہ و اصلاح شرک معاف نہیں ہوگا	۳۰۳
لوگ مردنما عورتوں سے مرادیں	〃
مانگتے ہیں ۴/۱۱۷-۱۱۸	۳۰۴
مِن دُونِ اللہ کا معنی اللہ کیساتھ نوٹ	〃
مریدوں کی کمائی کھانیوالے مرد نہیں عورتیں ہیں	۳۰۵
ابلیس کا مخصوص اعلان	〃
پیروں کا مقررّہ حصّہ	۳۰۶
ادلے باندھنے والے پیر	۳۰۷
لفظ جہنم کی قرآنی لغت	۳۰۸
جہنم بمعنی غیر متوازن معاشرہ ۱۴/۲۹	〃
جہنم بمعنی شکست ۳/۱۲	〃
جہنم بمعنی جرائم کی سزا۔ اگر دُنیا میں نہ ملے تو قیامت کو ضرور ملیگی ۲۰/۷۴	〃
جہنم مجرموں کے پیچھے لگی ہوئی ہے ۴۵/۱۰	۳۰۹
جہنم بُرا ٹھکانہ ہے۔ بُری جگہ ہے	
جہنم ایک آگ ہے	〃
جہنم اور جحیم مترادف الفاظ ہیں	〃
جہنم بمعنی قید خانہ ۱۷/۸	۳۱۰
جھوٹی امیدیں دلانے والوں سے جنت نہیں ملتی۔ نہ دنیوی نہ اُخروی	〃
اعمالِ صالحہ کیساتھ مومن ہونے کی شرط کیوں؟	۳۱۲
ملتِ ابراہیمؑ کی اتباع لازم ہے ۴/۱۲۵	〃
کیا ملتِ ابراہیمؑ دینِ الٰہی سے جدا ہے،	۳۱۳
قرآن مجید کی رُو سے عورت کا صحیح مقام	۳۱۳
بیوہ عورتیں یتیموں میں شامل ہیں	۳۱۴
بے سہارا عورتوں اور بچوں کے حقوق کی حفاظت	〃
یتیم یعنی بیوہ عورتوں کے متعلق ارشادِ خداوندی ۴/۱۲۷	۳۱۵
اگر بیوی کو شوہر کی نا فرض شناسی کا خوف ہو تو دو منصف مقرر کرکے عورت کی دادرسی کرکے صلح کرادی جائے ۴/۱۲۸	〃
ایک بشری تقاضے کا انسداد	۳۱۶
ہنگامی حالات میں ایک سے زائد بیویوں میں انصاف نہ کرسکوگے مگر ایسا نہ ہو کہ ایک کو معلّق کرکے رکھ دو ۴/۱۲۹	۳۱۷
عورت کے یتیم کے تین اہم گوشے	〃
امنِ عالم کا ایک ہی نسخہ ہے اجتماعیت سابقہ اہلِ کتاب کو بھی یہی دیا گیا تھا	۳۱۸
قرآن مجید کیطرف سے اجتماعیت کیلئے چار مرتبہ پے در پے تاکید	〃
لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کا چار مرتبہ تکرار	۳۱۹
حقیقت اظہر من الشمس ہے	〃
کرۂ ارض کی پوری نعمتیں پوری نوعِ انسانی کا مساوی حق ہیں	〃
ذاتی ملکیت کے متعلق ایک اہم سوال کا جواب	۳۲۰

مضمون	صفحہ
زکوٰۃ مرکزِ ملت کا فریضہ ۲۲/۱۴	۳۲۰
گواہی ہمیشہ سچی دیا کرو۔ خواہ تمہارے	
اپنے یا تمہارے والدین کے خلاف ہو	۳۲۱
ایمان کی پانچ شقیں	۳۲۲
ایمان باللہ کی تعریف	۳۲۳
ایمان بالملائکہ " "	"
ایمان بالکتب " "	"
ایمان بالرسل " "	"
ایمان بالیوم الآخر " "	"
ایمان کی عملی تصدیق	"
دین میں جبر نہیں ہے	۳۲۴
کتب روایات کا مسئلہ قتل مرتد آیات	
قرآنیہ کی کھلی مخالفت ہے	"
بار بار ایمان لانیوالے اور کفر کرنیوالے	
منافق ہیں	۳۲۵
جہاں آیاتِ قرآنیہ کی مخالفت ہو	
رہی ہو وہاں مت بیٹھا کرو۔	۳۲۶
منافق صلوٰۃ موقت سے جی چراتے ہیں	۳۲۷
اعتصام بالکتب ہی اعتصام باللہ ہے نوٹ	۳۲۹
عیب پوشی ۱۴۸/۴	۳۳۰
اللہ اور رسول میں فرق کرنیوالے	
اللہ اور رسول کا انکار کرتے ہیں	۳۳۱
مومن اللہ اور رسول میں فرق نہیں کرتے ۱۵۲/۴	۳۳۳
بنی اسرائیل کا ایک عجیب و غریب سوال	
انکے بزرگوں کی گوناگوں عہد شکنیاں	۳۳۴

مضمون	صفحہ
یہودیوں کا حضرت مریم پر بہتانِ عظیم نوٹ	۳۳۵
حضرت مسیح نہ قتل ہوئے نہ مصلوب ۱۵۷/۴	"
ولکن شُبِّہَ کا مفہوم	۳۳۶
حضرت موسیٰ کی ہجرت	۳۳۷
حضور نبی کریم کی ہجرت	"
حضرت مسیح کی ہجرت	"
حضرت مسیح کے متعلق روائتی تصور	۳۳۸
حضرت مسیح کے متعلق عیسائیوں کے الگ	
الگ عقائد کے متعلق قرآنی فیصلے	"
حضرت مسیح کی قیامت کے گواہی۔ نوٹ	۳۳۹
فلما توفیتنی ۱۱۷/۵ کی بحث	۳۴۰
یہودیوں کی خود حرام کردہ اشیاء	۳۴۲
یہودیوں کے راسخون فی العلم	۳۴۴
وحی نبوت کا ایک ہی طریقہ ہے	۳۴۵
وحی کے لغوی معنے	۳۴۸
وحی نبوت	"
وحی اشارت	"
وحی جبلت	"
وحی شیطانی	۳۴۹
اللہ تعالیٰ کی گواہی نوٹ	۳۵۰
ملائکہ کی گواہی نوٹ	۳۵۱
مسئلہ ربوبیت اور رسالت انبیاء۔ نوٹ	۳۵۲
{ یہ پہلا سبق ہے کتاب ہدیٰ کا	
{ کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا	"
سب کچھ اللہ کا یعنی عوام کیلئے ہے	۳۵۴

مضمون	صفحہ
اجتماعی ملکیت کی یگانہ تکرار تاکید	۳۵۴
مسجدیں اللہ کی ہیں یعنی اسکے	
بندوں کیلئے ہیں	۳۵۶
جرائم کی سزا سے بچنے کے حیلے	"
نصاریٰ کی تثلیث انجیل کا حکم نہیں	"
روح منہ اللہ کی تعلیم قرآن۔ نوٹ	۳۵۸
ملٰئکۃ المقربون انبیاء۔ نوٹ	۳۵۹
اللہ کی عبدیت سے انکار موجب عذاب ہے	۳۶۰
قرآن کریم نور ہے	۳۶۱
تورات و انجیل بھی نور تھیں	۳۶۲
قرآنی حکومت اللہ کا فضل و رحمت ہے	۳۶۵
طاغوتی حکومتوں میں سیاسی و اقتصادی	
مشکلیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔	"
مسئلہ وراثت کا تتمہ	۳۶۷
متوفی کلالہ بے اولاد کی تقسیم وراثت	۳۶۸
متوفی کلالہ مرد بے اولاد کی دو بہنیں	۳۶۹
متوفی مرد یا متوفیہ عورت کلالہ بے اولاد	
کی دو سے زائد بہنیں	"
متوفی مرد یا متوفیہ عورت کلالہ بے	
اولاد کے ملے جلے بہن بھائی	۳۷۰
اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں کھول کھول کر	
بیان کرتا ہے تاکہ تم بھٹک نہ جاؤ	"

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کریم کا مفسّر خود اللہ تعالےٰ ہے

جیسے کہ ارشادِ گرامی ہے:-

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝

(۲۵/۳۳)

اور (اے رسولؐ!) لوگ آپؐ کے پاس اسکی مثل نہیں لائینگے

مگر

آپؐ کے پاس اپنا حق (قرآن مجید) اور اسکی احسن تفسیر بھی ہم ہی لاتے ہیں

(صفحہ ۱۷۳ تا ۱۷۵ بھی ملاحظہ فرمائیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن فہمی کے قرآنی اصول

• تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اوّل کے شروع میں ۱۲۸ صفحات کا دیباچہ دیا گیا ہے جس میں قرآن کریم کو سمجھنے کے وہ اصول درج ہیں جو قرآن کریم نے خود پیش کئے ہیں۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم میں جو اِسوقت آپکے ہاتھوں میں ہے، بعض مقامات پر مذکورہ بالا دیباچہ کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ قارئین کرام کو وہ حوالہ جات مذکورہ دیباچہ میں درج محولہ عنوان میں ملینگے۔

بحمداللہ • ذاتِ باری کے فضل و احسان کیساتھ تفسیر القرآن بالقرآن کی دوسری جلد طبع ہوکر منظرِ عام پر آگئی ہے۔ اِس کا اندازِ تفسیر یہ ہے:۔

۱۔ اِس میں دائیں طرف قرآن مجید کا عربی متن ہے۔ اور متن کے بین السطور ہر عربی لفظ کا اُردو ترجمہ اُس لفظ کے نیچے لکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مفہوم بندی یا جگہ کی عدم گنجائش کی بدولت کسی عربی لفظ کا اُردو ترجمہ اُس کے آگے پیچھے ہو گیا ہو۔ ورنہ کوشش یہی کیگئی ہے کہ ہر لفظ کا ترجمہ اُسکے عین نیچے آئے۔

۲۔ عربی متن اور لفظی ترجمہ کے بالمقابل بائیں طرف با محاورہ ترجمہ درج ہے جس میں بریکٹوں کے استعمال کی غرض ترجمہ کے محذوف مفہوم کو نمایاں کرنا ہے۔

۳۔ دائیں طرف کے عربی متن کے وضاحت طلب الفاظ پر الگ الگ اِسطرح کے ۱ ۲ ۳ نمبر لگا دیئے گئے ہیں۔ اور بائیں طرف انہی عربی الفاظ کے اُردو ترجمہ کے الفاظ پر بھی وہی نمبر اِسطرح کے ۱ ۲ ۳ لگائے گئے ہیں۔ اور آیت مجیدہ کے خاتمہ پر نمبر زدہ الفاظ کے تفسیری نوٹ بھی بالترتیب ساتھ ہی دے دیئے گئے ہیں۔ اِسطرح: ۔ ۱ ۲ ۳ وغیرہ۔

۴۔ بائیں طرف کے با محاورہ ترجمہ میں جہاں عام تراجم سے اختلاف کیا گیا ہے۔ وہاں بھی یہی انداز اختیار کیا ہے کہ متن کے عربی الفاظ اور مقابل کے اُردو ترجمہ پر مذکورہ بالا انداز کے نمبر لگا کر ساتھ ہی تفسیری نوٹ میں ترجمہ کے اختلاف کی وہ دلیل دیدی گئی ہے جس کی رُو سے اختلاف حق بجانب ہے۔

۵۔ الفاظ اور جملوں کی تفسیر کیلئے ہر مقام پر تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز اختیار کیا ہے۔ اور مناسب مقامات میں اُس پر صحیفۂ فطرت (کائنات) کی مشاہداتی آیات کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔

(ادارہ بلاغ القرآن)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ

● یہ قرآن مجید کی تیسری سورت مجیدہ ہے۔ چونکہ اس میں آلِ عمران کا تذکرہ ہے اسلئے اسی نام سے منسوب ہے۔ اسکی دو سَو آیتیں ہیں۔ سابقہ سورۃ البقرہ کیساتھ اسکا ربط یہ ہے: جن مسائل کا ذکر اُس میں اجمالاً آیا ہے، اِس میں تفصیلاً دیدیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں زیادہ تر خطاب یہود کیساتھ ہے اور اِس میں زیادہ تر نصاری کیساتھ۔ سورۃ البقرہ میں وحدتِ باری کے مقابلہ پر گائے پوجا اور عام بُت پرستی کی تردید فرمائی ہے، اِس میں مسیحی عقیدہ ابن اللہ اور حضرت مسیح کی الوہیت کی مذمت کیگئی ہے۔ سورۃ البقرہ میں خانہ کعبہ کی مرکزیت اجاگر کیگئی ہے اور اِس میں اُسکے تاریخی شواہد پیش کئے گئے ہیں۔ البقرہ میں جنگ کی ضرورت و اہمیت نمایاں فرمائی اور اِس میں صحابہ کی اُن دو جنگوں کا ذکر ہے، جن میں سے ایک میں فتح اور دوسری میں شکست ہوئی تھی۔ اور ان تذکار جلیلہ میں وضاحت کردیگئی ہے کہ فتح کے اسباب کیا ہوتے ہیں۔ اور کن وجوہات کی بنا پر شکست ہو جاتی ہے۔

● اِس سورہ مجیدہ میں قرآن کریم کے متعلق وضاحت کردیگئی ہے کہ اِس میں آیات محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی۔ دوسری قسم کی آیتیں ذاتِ باری ہی کیطرف سے ہیں۔ جو لوگ محکمات سے الگ کرکے متشابہات کی پیروی کرنے ہیں اُنکے اذہان ٹیڑھے ہیں۔ متشابہات کا مفہوم خود اللہ تعالیٰ نے محکمات میں محفوظ کردیا ہوا ہے۔ محکمات و متشابہات کی مکمل بحث دیباچہ کے صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● نیز اِس سورت مجیدہ میں رسولِ مقبول سلام علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تاریخ کا کچھ حصہ بھی آگیا ہے، یعنی قرآن کریم کے نزولِ اُخری میں سے جنگِ بدر و اُحد کے ضروری واقعات بھی درج کرداد یئے گئے ہیں، کہ کِسطرح اللہ تعالیٰ نے میدانِ بدر میں صحابہ کی مدد فرمائی جب وہ کمزور تھے۔ اور کِسطرح اُحد میں ہزیمت سے دوچار ہوئے، جو اُنکی اپنی سہو کا نتیجہ تھا۔ اِس سورت میں ان تاریخی واقعات کی جھلک اور فرضِ منصبی میں سستی کرنیوالے صحابہ کی معافی کا اعلانِ عام بھی درج کرداد یا گیا ہے تاکہ آنیوالی نسلیں نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم و تکریم میں کمی کرنے پائیں، اور نہ اُنکی شان میں کسی قسم کے نا ملائم الفاظ زبان پر لا سکیں — کاش کہ اگر صحابہ کرام کے مخالف حضرات اِس سورت کی محولہ آیات پر تصریف آیات کیساتھ غور فرمائیں تو شانِ صحابہ نکھر کر سامنے آجائے۔ ایک پرانی مخاصمت ختم ہوجائے اور فرزندانِ ملت کے صدیوں سے بچھڑے ہوئے دو بھائی، آپس میں گلے مل جائیں۔

● سورہِ آل عمران کا خاتمہ اِس اہم حکم پر ہوا ہے کہ پوری اُمت ایک مضبوط مرکز کے ذریعہ خود بھی ثابت قدم رہے اور دائرہ ایمان میں داخل ہونیوالے جملہ افراد کو بھی ثابت قدم رکھے۔ اُمت کا باہمی ربط و ضبط کبھی نہ ٹوٹنے پائے۔ اِسی سے اُمت ہر قسم کے داخلی اور خارجی خطرات سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ اور یہی ہے قوموں کی کامیابی اور عروج کا اہم ترین راز۔

(نوٹ) قرآن مجید میں انبیاء کرام کے اسماءِ گرامی کیساتھ سَلٰمٌ آیا ہے :۔ سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ، سَلٰمٌ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ، سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ، سَلٰمٌ عَلٰی اِلْ یَاسِیْنَ، سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۷۹-۱۰۹-۱۲۰-۱۳۰-۱۸۱ / ۳۷ حضرت یحییٰ کیلئے آیا ہے سَلٰمٌ عَلَیْهِ ۱۹/۱۵ اسلئے تفسیر القرآن بالقرآن میں انبیاء کے نام پر لکھا گیا ہے جو سَلٰمٌ عَلَیْهِ کا مخفف ہے۔ نیز تفسیر میں جگہ بہ جگہ ہندسے دیئے گئے ہیں جو سورت کا نمبر / آیت کا نمبر ہیں مثلاً ۴/۱ سے پہلی سورت کی پہلی آیت اور ۴/۲ سے چوتھی سورت کی چھٹی آیت مجیدہ مراد ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
ساتھ نام اللہ رحمان رحیم کے

1 الٓمّٓ ۚ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ
الٓمّٓ اللہ نہیں حاکم سوائے اس

2 الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ
خود زندہ خود قائم کے

نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا
نازل کی تُجھ پر یہ کتاب ساتھ حق کے تصدیق کرنیوالی واسطے

3 بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۙ
اُسکے جو درمیان ہاتھوں اُسکے ہے اور نازل کی تورات اور انجیل

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ
اس سے پہلے ہدایت لوگوں کیلئے اور نازل کیا فیصلہ

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ
بیشک جو لوگ انکار کریں ساتھ آیتوں اللہ کے واسطے اُنکے سزا ہے

4 شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○
سخت اور اللہ غالب ہے صاحب بدلے کا

اللہ صاحب بخشش عامہ، اور صاحب رحمتِ خاصہ کے (بابرکت) نام کیساتھ پڑھیگا!

اے امین! لبِ القلب! مرسل! محمّد[عله] (حمد در حمد کئے ہوئے) اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ وُہ از خود زندہ ہے۔ (نیز ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے) از خود قائم بالذات ہے۔

اے رسوؐل! اُس (حیّ و قیوم) نے آپ پر اپنی حقیقت بردوش کتاب نازل فرمائی ہے۔ جو (اُن کتابوں کی) تصدیق کرنیوالی ہے، جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کیلئے توراۃ اور انجیل نازل فرمائی۔ اور (پھر یہ قرآن کتاب فیصل نازل فرمائی)۔

بیشک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اُن کیلئے سخت عذاب ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (مجرموں کو سزا دینے میں) غالب ہے۔ اور ہر مجرم کی پوری پوری سزا دینے والا ہے۔

• دیکھئے! یہ سورۂ مقدسہ کی ابتدائی آیاتِ کریمات ہیں، جن میں وحدتِ باری کے بعد اس اہم ترین امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ نوعِ انسانی کی رہنمائی کیلئے صرف مُنزّل من اللہ کتاب کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم سے پہلے بھی انسانی ہدایت کیلئے توراۃ و انجیل وغیرہ تمام کتابیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ اور سلسلۂ ہدایت کی آخری کتاب

عله۔ حروفِ مقطعات کی بحث دیباچہ کے صفحہ ل، پر ملاحظہ فرمائیں

قرآن کریم بھی اُسی کیطرف سے نازل کیگئی ہے ۔
نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۳/۳ کے الفاظ انتہائی اہم اور غور طلب ہیں جن سے بالوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے جملہ مندرجات حق ہیں یعنی کائناتی مشاہدات ہر دور میں اُنکی تصدیق کرتے چلے جا رہے ہیں اور کرتے چلے جائینگے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سابقہ کتب انجیل و تورات حق نہیں ہیں۔ اگر وہ حق ہیں تو نزولِ قرآن کی کیا ضرورت تھی۔ اسکا جواب خود آیاتِ بالا نمبر ۳-۴ میں گزر چکا ہے کہ قرآن سے پہلے تورات و انجیل کو بھی لوگوں کی ہدایت کیلئے نازل کیا گیا تھا جو حق ہی تھیں لیکن اِن کتابوں کے اہلِ حضرات کے متعلق خبر دیگئی ہے يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۴/۴۶ وہ اللہ کے پاک کلام کی اُسکے اصل مقامات سے تحریف کرتے ہیں۔ اور تحریف کا یہ عمل بدستور جاری ہے جس پر بائیبل کے مختلف ایڈیشن خود گواہ ہیں کہ ہر نیا ایڈیشن سابقہ ایڈیشن سے متعدد مقامات پر مختلف ہوتا ہے۔ پھر اناجیلِ اربعہ میں سے متی مرقس لوقا اور یوحنا کی انجیلیں تو ہیں، لیکن مسیح کی انجیل کوئی نہیں پھر اِن اناجیل کی نمایاں تحریفی حالت یہ ہے کہ اِنکا اصل متن غائب ہے۔ حالانکہ کسی کتاب کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ اُسکا متن ہی ہو سکتا ہے۔ اِسلیئے ان حالات میں اب ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی، جسے تحریف سے محفوظ رکھنے کیلئے اُسکے متن کی حفاظت کردی گئی ہو۔ چنانچہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۱۵/۹ کی ضمانت کیساتھ قرآن کریم کو نازل کرکے اُسے فرقان ۲۵/۱ بھی قرار دیدیا ہے اسمیں قیامت تک کوئی ردّ و بدل بھی نہیں کر سکیگا اور جتنی تحریف من اللہ میں سابقہ اہلِ کتاب نے کر رکھی ہے یہ اُسکا فرق بھی نمایاں کرتا رہیگا المختصر، سابقہ کتب تورات انجیل وغیرہ سب حق ہی نازل ہوئی تھیں۔ مگر اہلِ کتاب نے اُن میں تحریف کردی ہوئی ہے! اسلیئے اب قیامت تک کیلئے خداوندی رہنمائی قرآن کریم سے ملتی رہیگی سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اگرچہ سابقہ کتب میں تحریف بڑے ازدارانہ انداز سے کیگئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں، کیونکہ :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي بیشک اللہ نہیں پوشیدہ رہتی ہے اُس سے کوئی چیز بیچ الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۵ زمین کے اور نہ بیچ آسمان کے	بلا شبہ اللہ وہ ہے کہ اُس سے نہ کوئی زمین کی چیز مخفی رہتی ہے نہ آسمان کی۔ (تو اسطرح جب وہ ہر مجرم کی حقیقتِ جرم سے پوری طرح باخبر ہے۔ تو اُسکی عدالت سے کسی مجرم کا بچ نکلنا ہرگز ممکن نہیں۔ جبکہ اُسکے ہاں نہ رشوت راہ پا سکتی ہے نہ سفارش ۲/۴۸ + ۲/۲۵۴)

● اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وہ خوردبینی جرثومہ بھی مخفی نہیں جو ماں کے پیٹ، رحم اور غول کے متعدد پردوں اور اندھیروں میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ اِن اندھیروں اور پردوں میں بھی قسم قسم کی تصویریں بناتا رہتا ہے :-

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ وُہ، وُہ ہے جو تصویریں بناتا ہے تمہاری بیچ رحموں کے	(اے نوعِ انسانی!) وہ اللہ ہی ہے جو ہر ماں کے رحم میں اپنے قانونِ مشیت کیمطابق جسطرح چاہتا ہے تمہاری

كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ
جیسے چاہتا ہے نہیں حاکم سوائے اُس غلبے والے

الْحَكِيْمُ ۝۶
حکمت والے کے

تصویریں بناتا ہے۔ اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ وہ ارحموں کے متعدد اندھیروں میں تصویریں بنانے پر) غالب بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی۔ (یعنی اپنے حکمت بھرے قانونِ جاریہ کیمطابق ہی جُدا جُدا تصویریں بناتا ہے)

● ؎۱ نوعِ انسانی کے ہر فرد کی الگ الگ تصویر یعنی جُدا جُدا حُلیہ غالب حکمت والے کی ایک عظیم حکمت ہے جس میں اُسکی صفت عزیزؒ ذُوانتقام کا مخصوص عمل دخل ہے۔ ہر انسان کا الگ الگ حلیہ ہی وہ حکمتِ بالغہ ہے جسکی بدولت مظلوم، ظالم کو اور شاہد اپنے مشہود کو دنیا اور آخرت کی عدالت میں پہچان سکتا ہے۔ مجرم کی شناختی پریڈ کیلئے اُسکی الگ تصویر، یعنی اُسکے الگ حُلیے کی ضرورت ہے۔ جو مصوّرِ رحمٰن نے رحمِ مادر ہی میں پوری کردی ہوئی ہے۔ دستاویزوں میں حُلیہ اور جسم کا کوئی مخصوص نشان لکھا جاتا ہے۔ انسان کے ہاتھ پیروں کی انگلیوں کے نشان بھی اسی لئے باہم مختلف ہیں۔ اس دُنیا میں ہاتھوں اور پیروں کی گواہی انگوٹھوں کی ریکھوں کے الگ الگ نشانات ہیں، جو دستاویزوں پر انگوٹھا لگوا کر لی جاتی ہے۔ خواندہ افراد کے دستخط بھی ہاتھوں کی گواہی ہے۔ حکومتیں ایسے مخصوص کالج قائم کرتی ہیں جنمیں انگوٹھوں کی ریکھوں اور دستخطوں کی پہچان کا علم سکھایا جاتا ہے۔ قاتل قتل کرکے فرار ہو جائے تو اُسکی گرفتاری کیلئے اُسکا حُلیہ شائع کیا جاتا ہے۔ تھانوں میں اُسکی تصویر (فوٹو) کی کاپیاں رکھدی جاتی ہیں۔ نیز مجرم مفرور کی تصویر اشتہاروں میں چھاپکر شہروں کے چوکوں میں چسپاں کردی جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ مصوّرِ رحمٰن کی الگ الگ تصویر کشی کی بدولت ہے۔ ہر انسان کی تصویر اُس نے اوّلین خوردبینی جرثومے میں موجود ہوتی ہے۔ اور ہر انسان شکمِ مادر سے ایک الگ تصویر (حلیہ) لیکر پیدا ہوتا ہے۔ اللہ عزیز ذوانتقام نے اتنا عظیم نظام اسلیئے قائم کر رکھا ہے تاکہ کوئی مجرم جرم کرکے غیر مجرموں میں غلط ملط نہ ہو سکے۔ پھر ذاتِ باری نے فوٹو اور ٹیلیویژن کا انتظام بھی اپنی صفتِ مصوّری کے تحت اس کائنات میں روزِ آفرینش سے رکھدیا ہوا ہے تاکہ مجرم کے اقدامِ جرم کی پوری فلم تیار ہو جائے۔ غرض یہ کہ مجرم جرم کی سزا سے بچ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ خود بھی عادل ہے۔ اُسکی عدالت میں کوئی مجرم سزا سے ہرگز نہیں بچ سکیگا۔ نیز اُس نے دُنیوی حاکموں کو بھی عدل ہی کا حکم دیا ہے اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؏۵۔ اور مجرموں کی تشخیص کیلئے اُس مصوّرِ رحمٰن نے رحمِ مادر ہی میں ہر انسان کی الگ تصویر بنادی ہے۔ نیز ہر مجرم و غیر مجرم کے حُلیے کو محفوظ کرنے کیلئے اس کائنات میں فوٹوکشی کا سامان بھی مہیا کردیا ہے اور اقدامِ جرم کی پوری فلم تیار کرنے کیلئے ٹیلیویژن کے اسباب بھی روزِ آفرینش سے ہی پیدا کر دیئے ہوئے ہیں۔ نیز گوناگون سائنسی عجائبات کے خالق نے قرآن کریم میں صدیوں پیشتر اُن علوم کی خبر دیدی ہوئی ہے جو قیامت تک معلوم ہوتے رہیں گے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ؏ ۳/۱۹۱۔

طریقۂ تفہیمِ قرآن کی وضاحت

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں باوضاحت بتادیا گیا ہے کہ قرآن کریم میں دو قسم کی آیتیں ہیں محکمات اور متشابہات۔ لیکن اصل کتاب محکمات ہیں۔ متشابہات نہیں۔

هُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ
وُہ ہے جس نے نازل کی اوپر تیرے اپنی کتاب اس میں سے
اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ
آئتیں ہیں محکم وہ اصل کتاب ہیں اور دوسری
مُتَشٰبِهٰتٌؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ
مانند ہونیوالی پھر جو لوگ کہ بیچ قلوب انکے ٹیڑھ ہے
فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ
پس وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی اُس میں تلاش فتنہ
وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا
اور تلاش اسکی تاویل کیلئے۔ اور نہیں جانتا اُسکی تاویل سوائے
اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ
اللہ کے۔ اور پکے بیچ علم کے کہتے ہیں
اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ
ایمان لائے ہم ساتھ اسکے سب طرف سے ہے ہمارے رب کے۔ اور نہیں نصیحت لیتے
اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ۷
مگر صاحب عقل کے

اے رسولؐ! وہ اللہ ہی ہے جس نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے (قرآن حکیم)۔ اُسمیں سے ایک قسم کی آئتیں محکمات ہیں بس وہی اصل کتاب ہیں۔ (ہر مسئلہ کی عمارت محکمات ہی کی بُنیادوں پر اُٹھائی جائیگی)، اور دُوسری قسم کی آئتیں ہیں متشابہات۔ (یعنی محکمات کے ساتھ ملتی جلتی۔ مگر اُن سے محکمات کے خلاف شُبہ پیدا ہوتا ہے)، پھر جن لوگوں کے ذہن ٹیڑھے ہیں۔ وہ اُن میں سے فتنہ اور من مانی تاویل تلاش کرنے کیلئے اُس چیز کی اتباع کرتے ہیں، جس سے محکمات کے خلاف شُبہ پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ اُن کی تاویل اللہ کے سوا نہ کوئی جانتا ہے (نہ ظاہر کرتا ہے[1])

اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں[2]۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن کیساتھ ایمان لائے۔ یہ سارے کا سارا ہمارے پروردگار کا نازل کردہ ہے۔ (یعنی وہ متشابہات کو محکمات کی مثل و مانند جانتے، اور متشابہات کو محکمات کے ماتحت رکھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ صاحبِ عقل ہیں) حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم سے صاحبِ عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں[3]۔

● [1] فعل عَلِمَ یَعْلَمُ کا معنی جاننا بھی ہے اور ظاہر کرنا بھی۔ $\frac{3}{142}$ + $\frac{9}{16}$۔

● [2] راسخون فی العلم کا معنی ہے جو علم میں پختہ اور ثابت ہوں۔ اور علم کی تعریف $\frac{1}{24}$ میں بیان ہوئی ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ ۔ اور تو اُس چیز کے پیچھے نہ پڑنا جس کا تجھے علم نہ ہو۔ (علم کے دروازے یہ ہیں کہ) بلاشبہ کان آنکھیں اور دماغ، ان سب چیزوں کے متعلق سوال کیا جائیگا کہ، جو تمہارے عقائد و نظریات، خدا تعالیٰ کے عطا کردہ اِن میزانوں پر پُورے نہیں اُترتے تھے، تم اُنکے پیچھے کیوں پڑے رہے۔

● پس راسخون فی العلم وہ ہیں جو سمع بصر اور فؤاد کی شہادت کی پابندی کریں۔ اور محکمات و متشابہات دونوں قسم کی آیات کریمات کو مُنزل مِن اللہ مانیں لیکن محکمات کو اصل کتاب مانتے ہوئے متشابہات کو اُنکے ماتحت رکھیں۔

● [3] دیباچہ کے عنوان نمبر ۱۳ میں محکمات و متشابہات کی وضاحت کیا جا چکی ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات کریمات متشابہ ہیں، جنہیں:

ا۔ بعض الفاظ یا اصطلاحیں بطور مجاز استعمال ہوئی ہیں۔ مثلاً یدُ اللہ اور وجہُ اللہ کے مرکب اضافی سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی مجسم شخصیت ہے اور اُسکے ہاتھ منہ وغیرہ بھی ہیں۔ یہاں یَد بمعنی طاقت ہے ہاتھ نہیں۔ اور وجہ

بمعنی رضا ہے چہرہ نہیں۔ ہاتھ منہ چہرہ وغیرہ سب دیکھنے کی چیزیں ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کے یہ اعضاء ہوتے تو دکھائی دیتے لیکن ۶/۱۰۴ میں کہدیا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ اُسے نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں نہ عقل پا سکتی ہے۔ پس یدُ اللہ اور وجہُ اللہ بطور مجاز استعمال ہوئے ہیں۔

ب۔ وہ آیات کریمات جن کا معنیٰ قواعدِ عرب کی رُو سے ایک سے زائد ہو ہی نہیں سکتا، وہ محکمات ہیں۔ اور جن کے ایک سے زائد معنے لیئے جا سکتے ہوں، وہ متشابہات ہیں۔ مثلاً یَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ۴۲/۱۳ کا قواعد کی رُو سے صرف ایک ہی معنیٰ لیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسکی رہنمائی کرتا ہے جو خود اُسکی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ آیت محکم ہے اور اسکے برعکس قواعد کی رُو سے، وَاَنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ ۲۲/۱۶ کے دو معنے ہو سکتے ہیں یعنی یہ معنیٰ بھی صحیح ہے "بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت دیتا ہے جس کیلئے خود اللہ ارادہ کرتا ہے" اور یہ معنیٰ بھی درست ہے کہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُس شخص کو ہدایت دیتا ہے جو شخص خود ہدایت حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے" پس ۴۲/۱۳ محکم ہے اور ۲۲/۱۶ متشابہ ہے۔

ج۔ وہ آیات کریمات محکمات ہیں جو قرآنِ کریم کے دیباچہ یعنی اسکی فہرست اور پیش لفظ سورۃ فاتحہ کے سات عنوانات کی تائید کرتی ہیں۔ اور جو آیتیں بظاہر ان عنوانات کی مخالفت کرتی ہوں، وہ متشابہات ہیں۔ اُنکا جو مفہوم عنوانات سورہ فاتحہ کے مطابق ہوگا وہ صحیح ہے اور جو اُنکی مخالفت کرتا ہو وہ غلط ہے۔

د۔ نیز جس آیت کا مفہوم مشاہداتِ عالم کی مخالفت کرتا ہو وہ آیت متشابہ ہے۔ اُسکا وہ مفہوم صحیح ہے جو عالمی مشاہدات کے مطابق ہو

● پس قرآن کریم کی رُو سے راسخون فی العلم وہ ہیں جو آیات متشابہات کا وہ مفہوم قرآن کریم سے تلاش کرتے ہیں، جو محکمات اور قرآنی منشور سورہ فاتحہ کے سات عنوانات کے مطابق ہو۔ اسکے برعکس بعض لوگ کچھ مخصوص افراد کو راسخون فی العلم قرار دیکر، اُنہیں اللہ تعالیٰ کیطرح آیات متشابہات کا عالم ٹھہرا لیتے اور آیت مجیدہ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ میں اِلَّا اللّٰهُ کے بعد والے میم کے وقف لازم کو اڑا کر مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ آیات متشابہات کی تاویل اللہ اور راسخون فی العلم جانتے ہیں۔ حالانکہ میم کا وقف لازم جو اللہ اور راسخونَ فی العلم کے درمیان فصل کیلئے آیا ہے اگر اسے اُڑا کر اللہ اور راسخون فی العلم میں وصل کر دیا جائے تو اسی آیت مجیدہ میں کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ اللہ سمیت راسخونَ فی العلم یہ کہتے ہیں کہ محکمات اور متشابہات سب ہمارے رب کی نازل کردہ ہیں۔ حالانکہ یہ مفہوم مطلقاً غلط ہے، کیونکہ اللہ کا کونسا رب ہے جس کیطرف سے قرآن کریم اور آیاتِ محکمات و متشابہات نازل ہوئی ہوئی ہیں۔ فلہذا میم کے وقف لازم برائے فصل کو نظر انداز کرنا بھی غلط ہے۔ اور راسخونَ فی العلم کو وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ میں اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک کرنا بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ اسی چیز کی تائید کرتی ہے:-

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا رب ہمارے نہ ٹیڑھے یا ذہن ہمارے پیچھے جب ہدایت دی تو نے ہمیں	(وہ راسخونَ فی العلم کہتے ہیں کہ ہماری آرزو ہے کہ) اے ہمارے پروردگار تو ہمارے ذہنوں میں ٹیڑھا

وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ
اور عطا کر واسطے ہمارے طرف اپنی سے رحمت بیشک تو ہے
الْوَهَّابُ ۸
عطا کرنے والا

پن نہ پائے، پیچھے اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دے دی ہے۔ اور تو ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما۔ بلا شبہ تو ہی تو (اپنی طرف سے رحمت) عطا کرنیوالا ہے۔

● غور فرمائیگا! کہ اگر اللہ اور راسخون فی العلم کے درمیان وقف کو اڑا دیا جائے۔ تو مفہوم یہ بنتا ہے کہ خود اللہ بھی اور راسخون فی العلم بھی، سب کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار اسکے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دیدی ہے، ہماری آرزو ہے کہ ہمارے قلوب اسکے بعد ٹیڑھے نہ ہونے پائیں۔ اب چونکہ یہ دعا، یہ تمنا، اور یہ آرزو خدا تعالیٰ کیطرف منسوب کرنا شان باری کے منافی ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا کے متکلم بھی صرف راسخون فی العلم ہی ہو سکتے ہیں اللہ نہیں ہو سکتا۔ اور رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا.... الخ کا متکلم بھی اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں ہو سکتا، صرف راسخون فی العلم ہی ہو سکتے ہیں۔ فلهذا ثابت ہوا کہ متشابہات کی تاویل بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اسے اپنی محکمات میں ظاہر بھی اسی نے کر دیا ہے۔ راسخون فی العلم انکی تاویل کو ہرگز نہیں جانتے البتہ وہ اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں کہ محکمات و متشابہات انکے پروردگار ہی کی نازل کردہ ہیں! وہ متشابہات کی تاویل کیلئے انہیں محکمات کے ماتحت رکھکر، محکمات ہی سے تلاش کرتے ہیں اس سے اگلی آیت کریمہ میں راسخون فی العلم کی ایک دعا بیان ہوئی ہے۔

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ
رب ہمارے بیشک تو جمع کرنیوالا ہے لوگوں کو اسدن کو نہیں شک
فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۹ ع ۹
بیچ اسکے۔ بیشک اللہ نہیں کرتا خلاف اپنے وعدہ کے

اے ہمارے پروردگار! بیشک تو لوگوں کو اسدن جمع کرنیوالا ہے جسکے واقع ہونے میں شک نہیں۔ (یہ لوگ فرد شکست خوردہ جمع ہونگے) بیشک اللہ تعالیٰ اپنے عہد کیخلاف نہیں کرتا۔ (اس نے اپنے عہد كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۳ کیمطابق ضرور ضرور کافروں کے مقابلے پر مومنوں کی مدد کرنا اپنے ذمہ لے رکھا ہے)۔

● علہ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ سے عام طور پر قیامت کا دن مراد لیا جاتا ہے۔ لیکن سیاق کلام اسکی تائید نہیں کرتا جیسے کہ آگے آیت نمبر ۱۱ میں كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ کے الفاظ میں کاف حرف تشبیہ لا کر ثابت کیا گیا ہے کہ اسدن سے مراد شکست کا دن ہے، قیامت کا نہیں۔ کیونکہ آل فرعون کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انہیں انکی سرکشیوں کی بدولت پکڑ لیا گیا اور یہ دنیوی گرفت تھی اُخروی نہیں تھی۔ نیز آیت نمبر ۱۲ میں زمانہ رسالت کے کافروں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ تم عنقریب شکست کھا جاؤ گے یہ بھی دنیوی شکست کا عذاب تھا۔ آخرت کا نہیں اگلی آیت مجیدہ میں انہی کافروں کے متعلق خبر دی گئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ
بیشک جو لوگ انکار کریں ہرگز نہیں کفایت کرینگے ان سے

بلاشبہ جو لوگ ہماری نازل کردہ کتاب ۳ کا انکار کرتے ہیں۔ انہیں (شکست کے دن) اللہ کے عذاب سے بچانے میں نہ انکی

أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ

مال اُنکے اور نہ اولاد اُنکی طرف سے اللہ کی کچھ بھی

وَأُولَٰٓئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝ ١٠

اور وہ لوگ، وہی ہیں ایندھن آگ کا

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ

مانند حالت لوگوں فرعون کے اور جو لوگ تھے پہلے اُنکے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ

جھٹلایا آیتوں ہماری کو پھر پکڑا انکو اللہ نے بدلے گناہوں اُنکے

وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ١١

اور اللہ بہت سخت ہے سزا دینے میں

اولادیں ذرہ بھر فائدہ دے سکیں گی نہ مال۔ بیشک یہ لوگ جہنم کی آگ کا ایندھن ہیں (اسوقت ناہموار معاشرہ کے جہنم میں جل رہے ہیں اور اُسدن جس کے واقعہ ہونے میں کوئی شک نہیں شکست کے جہنم میں جلیں گے)۔

ان منکروں کی مثال قوم فرعون اور اُن سے پہلی قوموں جیسی ہے کہ اُنہوں نے ہماری آیتوں کو (اس حد تک) جھٹلایا (اور مخالفت کی کہ اُنکی سرکشیوں کی سزا کا دن آگیا) پس اللہ نے انہیں اُنکے انکار کے بدلے پکڑ لیا۔ (کسی قوم پر آندھی اور زلزلہ آیا اور کوئی قوم پانی میں غرق کر دی گئی) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو عذاب کرنے میں بہت سخت ہے۔

● اِس سے اگلی آیت مقدسہ میں رسول اکرم سلام علیہ کی زبانِ فیض ترجمان سے اعلان کروا دیا گیا ہے۔ کہ آنحضور کے مخالف عنقریب شکست یاب ہو جائینگے اِس آیت مجیدہ سے کھل کر ثابت ہو چکا ہے کہ آیاتِ ماسبق میں کافروں کیلئے قیامت کے عذاب کا نہیں بلکہ دنیاوی شکست کا ذکر ہے۔

قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ

کہہ واسطے اُنکے جنہوں نے انکار کیا عنقریب تم مغلوب ہو گے اور جمع کئے جاؤ گے

إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ ١٢

بیچ آگ کے۔ اور ہے بُرا ٹھکانہ

اے رسول! منکرینِ ربوبیت کو کہہ دیجئیگا۔ کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے۔ اور عنقریب شکست[1] کی آگ میں اکٹھے کئے جاؤ گے اور وہ (شکست کی زمین) بہت بُری زمین[2] ہے۔

● [1] یہاں جہنم کا معنی شکست ہے۔

● [2] مہاد کا معنی پست زمین (المنجد صفحہ ۱۲۳۳) جس زمین (میدان) میں شکست ہو جائے آیت بالا میں اُسے جہنم اور بئس المہاد کہا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ قوموں کی تاریخ میں سب سے بڑا دن اور سب سے بڑا میدان (زمین) وہ ہے جس میں اُنہیں شکست ہو جائے۔ اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ کے اسی جنگ کا نقشہ پیش کیا گیا ہے، جس کے متعلق کفار کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے اور شکست کے جہنم میں اکٹھے کئے جاؤ گے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ

بیشک ہے واسطے تمہارے نشانی بیچ دو گروہوں کے مقابلے کے،

فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ

ایک گروہ لڑتا تھا بیچ راہ اللہ کے۔ اور دوسرا انکاری تھا

بیشک تمہارے لئے اُن دو جماعتوں میں ایک واضح نشان ہے، جو باہم متقابل آئیں۔ ایک (مومنوں کی جماعت تھی جو ذاتی مفاد کیلئے نہیں بلکہ نفاذِ ربوبیت کیلئے) اللہ کی راہ میں لڑی تھی اور دوسری ضابطۂ ربوبیت کی منکر تھی۔ اُن (دشمنوں نے) اُن (کافروں)

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ
وہ دیکھتے تھے اُنہیں دوگنے اپنے سے دیکھنا آنکھوں کا۔ اور اللہ قوت دیتا ہے
بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً
ساتھ اپنی مدد کے جسے چاہے۔ بیشک بیچ اسکے البتہ عبرت ہے
لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾
واسطے عقلمندوں کے

کو آنکھوں کیساتھ اپنے سے دُوگنے دیکھ لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق اُن لوگوں کو اپنی مدد کیساتھ طاقت دیتا ہے (جو اپنے اعمال کیساتھ اللہ کی مدد چاہتے ہیں)۔ بلاشبہ اس امر میں عقلمندوں کیلئے سامانِ عبرت ہے۔ (کہ اللہ تعالیٰ اُنکی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۲۲/۴۰)

● اس آیت مجیدہ میں يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ کے الفاظ سے چونکہ قواعد کے لحاظ سے دو معنے برآمد ہوتے ہیں پہلے یہ کہ کافروں نے مومنوں کو اپنے سے دُوگنا دیکھا اور دُوسرے یہ کہ مومنوں نے کافروں کو اپنے سے دُوگنے دیکھ لیا۔ اسلئے یہ آیت مجیدہ متشابہ ہے جسے آگے چلکر ۳/۱۲۳ نے محکم کردیا ہے جسمیں اسی جنگ کا ذکر جنگ بدر کے نام سے کیا گیا ہے اور صحابہ کو کہا گیا ہے۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ اور بیشک اللہ نے میدانِ بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالت یہ تھی تم وہاں بہت تھوڑے تھے۔ اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوا ہے کہ جملہ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ میں يَرَوْنَ کا فاعل صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں کافر نہیں۔ نیز کمزوری کی حالت میں مومنوں کا دُگنے کافروں پر غالب آنا ۸/۶۶ میں بتایا گیا ہے:۔ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ = اللہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر تم میں سو ثابت قدم مجاہدین ہوں تو اللہ کے قانونِ مشیت کے مطابق دوسو پر غالب آئینگے اور اگر ہزار ہوں تو دو ہزار پر بھاری ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ اُن ثابت قدم مجاہدوں کیلئے ہے جو ۸/۱۶ کے مطابق میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھانیوالے نہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں دنیا کے مال کی اُن مخصوص چیزوں کی فہرست دیگئی ہے جنہیں انسان کے سامنے اسکا نفس امارہ بھی اور عوام کے باطل پیشوا بھی مزین کرکے پیش کرتے ہیں۔ اور لوگ اِن چیزوں کی محبت میں پھنس کر ضابطۂ خداوندی سے غافل ہو کر ہر قسم کے جرائم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ اِنہی چیزوں کی اندھا دُھند محبت قوموں کے زوال کا باعث بنتی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ
مزین کیا گیا واسطے لوگوں کے محبت کرنا خواہشوں کا، عورتوں کی
وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ
اور بیٹوں اور خزانوں جمع کئے ہوؤں سونے کے
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ
اور چاندی کے اور گھوڑوں نشان کئے ہوؤں اور مویشیوں اور کھیتی کی

انسانوں کیلئے (خود اِنکے اپنے نفسوں کی طرف سے) بیویوں سے خواہشات کے اندھا دُھند شوق میں (جو شکست کا موجب بنے) نیز بیٹوں اور سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانوں خصوصاً نشان زدہ گھوڑوں اور عموماً جملہ مویشیوں اور کھیتی میں زینت قرار دیگئی ہے۔ مذکورہ بالا سب چیزیں محض دنیا کی زندگانی کا سامان ہیں۔ (اگر انہیں اللہ کے حکم اور اُسکی حدود میں رہکر حاصل اور صرف کیا جائے تو)

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ
یہ ہے فائدہ زندگی دنیا کا۔ اور اللہ ہے اُسکے پاس اچھا
الْمَاٰبِ ۱۴ ۵
ٹھکانہ

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگوں کیلئے بہتر ٹھکانہ ہے۔ (ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی ہموار معاشرہ کی جنّت میسّر آتی ہے اور دوسری زندگی میں بھی نعماءِ خداوندی کی فراوانی ہوگی)

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خود آنحضور سلامٌ علیہ کی زبانِ مبارک سے دُنیوی نعمتوں کی نسبت اُخروی نعمتوں کی فضیلت کا اعلان کرادیا گیا ہے:۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۗ لِلَّذِيْنَ
کہہ کیا میں خبر دوں تم کو بہتر کی اس سے واسطے اُنکے جو
اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
بچتے ہیں۔ پاس رب اُنکے ہیں باغات چلتی ہیں بیچ اُن کے نہریں
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ
ہمیشہ رہنے والے اُن میں اور جوڑے پاکیزہ اور خوشنودی طرف سے
اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ ۱۵ ۵
اللہ کے اور اللہ ہے دیکھنے والا بندوں کو

اے رسوؐل! (دنیا کے ناجائز مال کی محبت میں پھنسے ہوئے لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز کی خبر دوں، جو اُن لوگوں کیلئے ہے، جو ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔ اُنکے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے باغات ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ اُن باغوں میں پاکیزہ ساتھی اور رضائے الٰہی کا پورا سامان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے جملہ اعمال کو خوب خوب دیکھنے والا ہے۔

● اگلی آیت مجیدہ میں اِنہی تقوٰی شعار افراد کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ اللہ کی ربوبیت عالمینی پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اپنی خطاؤں کیلئے طلبِ مغفرت، نیز ناہموار معاشرہ اور شکست کی آگ سے بچنے کیلئے دُعا بھی کرتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ صرف دعاؤں سے اللہ کی مدد نہیں آتی۔ ارشادِ باری ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۴۰/۲۲ ۔ اور بیشک اللہ اُس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے۔ اسلئے دُعا اپنے آپ کو عمل کرنے کی تحریک ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ
جو لوگ کہتے ہیں رب ہمارے! بیشک ہم ایمان لائے پس معاف فرما
لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۱۶
واسطے ہمارے خطائیں ہماری اور بچا ہم کو عذاب آگ سے

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے حضور (صلوٰۃ موقّت میں) کہتے ہیں۔ اے ہماری نشوونما کا سامان کرنیوالے بلاشبہ ہم تیری ربوبیت پر ایمان لائے پس ہماری خطائیں معاف فرما، اور ہمیں ناہموار معاشرہ اور شکست کی آگ سے بچا

● نیز فرمایا:۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ
ثابت قدم رہنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنیوالے

(وہ) قانونِ خداوندی کی راہ میں پیش آنیوالی مشکلوں کا سینہ تان کر مقابلہ کرنیوالے۔ سچ بولنے والے اور اللہ کی فرمانبرداری کرنیوالے

وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۱۷

اور خرچ کرنیوالے مغفرت طلب کرنیوالے سحریوں کے وقت

ہیں۔ (قانونِ خداوندی کے نفاذ کیلئے) مال خرچ کرنیوالے اور سحریوں کیوقت طلبِ مغفرت کرتے (بستر سے الگ ہو جاتے ہیں ۳/۱۶)

۱ • اَلصّٰبِرِيْنَ ...... الخ کے مذکورہ بالا الفاظ موضع جر میں مذکورہ دعا ۳/۱۶ کیطرح اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا کی صفت ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے مذکورہ بالا انعامات ایسے متقی لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں جو قانونِ خداوندی کی راہ میں پیش آنیوالی مشکلوں کا سینہ تان کر مقابلہ کرنیوالے سچ بولنے والے، اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنیوالے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مذکورہ بالا بیان پر اللہ تعالیٰ کی، ملائکہ کی یعنی تمام کائناتی قوتوں اور اُن لوگوں کی شہادت پیش کیگئی ہے، جو کتابِ کائنات کا علم حاصل کرتے ہیں جو متعصب نہیں ہوتے۔ بلکہ انصاف پر قائم رہتے ہیں۔ کتابِ کائنات کا علم حاصل کرنے ہی سے خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کا حقیقی علم حاصل ہوتا ہے دیکھئے! اللہ ملائکہ اور اولوا العلم یعنی اُنکی شہادت جو صحیفۂ فطرت کا علم رکھتے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

گواہی دیتا ہے اللہ بیشک یہ کہ نہیں کوئی حاکم مگر وہ اور کائناتی قوتیں

وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اور صاحبِ علم جو قائم ہیں انصاف پر، گواہی دیتے ہیں نہیں کوئی حاکم مگر وہ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۱۸

النصف

غالب حکمت والا

(خود) اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے ۲ یہ کہ بلاشبہ خود اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ۳۔ اور ملائکہ (یعنی کارگاہِ کائنات میں کام کرنیوالی تمام قوتیں ۴) گواہی دے رہی ہیں کہ وہ سب اللہ ہی کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں) اور اصحابِ علم کا ہر فرد جو انصاف پر قائم ہے وہ بھی یہی گواہی دیتا ہے ۵ (کہ) اُس اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ وہ غالب ہے اُسکا غلبہ حکمت کی اساس پر ہے۔

* سامنے ترجمہ میں ہر فردِ واحد کے الفاظ اسلئے آئے ہیں کہ اولوا العلم جمع کے بعد قَآئِمًا واحد کا صیغہ آیا ہے جو شَهِدَ فعل یا فاعل میں مستتر ضمیر فاعل سے حال ہے۔ اور اسکے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا تکرار عبث نہیں، بلکہ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ کے اظہار کیلئے لایا گیا ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور اولوا العلم تقویٰ شعار افراد کی مشترکہ شہادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے دعووں میں پورا پورا غالب ہے۔ مگر اسکا غلبہ حکمت یعنی دانائی کی بنا پر ہے۔ عقل و بصیرت کے خلاف ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شہادت اسکی اپنی کتاب میں موجود ہے

۲ ۴/۱۶۶ میں ارشاد ہوا ہے:- لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ ویکن اللہ اُس مقدس کتاب کیساتھ گواہی دیتا ہے جو اُس نے اے رسول! آپکی طرف نازل فرمائی ہے۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی مادی جسم اور نہ مادی زبان ہے کہ آپکے ساتھ بآواز گواہی دیتا ہو۔ اُسکی گواہی بذریعہ تنزیلِ آنحضور کیطرف نازل کردہ کتاب میں موجود ہے۔ الٰہ واحد پر دوسری گواہی ہے ملائکہ کی اور تیسری ہے اولوا العلم کی۔ اِنکی وضاحت بالترتیب نوٹ نمبر ۳ و ۴ میں ملاحظ فرمائیں۔

اِلٰہ کا معنی ہے صاحبِ حکم

۳ • عام تراجم میں لفظ اِلٰہ کا ترجمہ معبود کر دیا گیا ہے، جو خود عربی کا لفظ ہے۔ اسطرح عربی کا ترجمہ عربی میں کر دینے سے اِس لفظ کا صحیح مفہوم نکھر کر سامنے نہیں آتا۔ بلکہ اس امر کی ضرورت باقی رہتی

ہے کہ لفظ معبود کا معنی واضح کیا جائے۔

• لفظ معبود، عَبَدَ یَعْبُدُ عِبَادَۃً سے اسم مفعول ہے بمعنی عبادت کیا گیا۔ لفظ عبادت کا سہ حرفی مادہ ع ب د = عبد ہے، عبد کہتے ہیں بندے کو۔ پس معبود کا معنی ہوا وہ ذات، جس کا بندہ بنا جائے۔ جس کا حکم مانا جائے، یعنی حاکم۔ شاہ عبد القادر مرحوم نے بھی سورہ قصص کی آیت نمبر ۸۸ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں اِلٰهَ کا معنی حاکم لکھا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اِلٰه، معبود اور حاکم تینوں الفاظ کا ایک ہی معنی ہے صاحبِ حکم اسی چیز کی تائید آیات ذیل میں موجود ہے:۔

• اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰ + ۱۲/۶۷ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۴۷/۱۹ کا ایک ہی مفہوم ہے، کہ اللہ کے سوا کوئی صاحب حکم نہیں، کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں — والدین اور انبیاء سلام علیہم کی اطاعت اسلئے لازم ہے۔ کہ انکی اطاعت کا حکم انکی الگ الگ حدود و قیود کے اندر خود صاحب حکم نے دے رکھا ہے۔ انبیاء سلام علیہم کے متعلق خود ارشادِ باری ہے کہ وہ جو بھی حکم دیتے تھے، خدا تعالیٰ کا نازل کردہ ہوتا تھا لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ ۲۱/۲۷۔ وہ اپنے قول میں بھی اپنے خالق و مالک سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ والدین کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ .... فَلَا تُطِعْهُمَا ۳۱/۱۵ = اور اگر والدین اس چیز کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے تو پھر اُن کی اطاعت نہ کرنا۔

ملائکہ کی شہادت ۳

• اللہ کے سوا حاکم کوئی نہیں اِس امر پر اللہ تعالیٰ کی شہادت بصورتِ تنزیل کی وضاحت آیت نمبر ۱ میں گزر چکی ہے۔ دوسرے نمبر پر ہے ملائکہ کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی صاحب حکم نہیں اِس پر شاہد گواہ ہے کہ اِس کارگاہ میں کام کرنیوالی ہر کائناتی قوت جو ہر ساعت اللہ تعالیٰ کے حکم (یعنی اسکے قانون) کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے، بزبانِ حال گواہی دے رہی ہے کہ صاحبِ حکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ملائکہ کے دن رات کے عمل ہی کو انکے حالی تکلم کے الفاظ میں انکی تسبیح بتایا گیا ہے:۔ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۲/۳۰ = ہم تیری تحمید و تقدیس کیساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں۔ اسی تسبیح کو سمجھانے کیلئے سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا ہے:۔

• تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۱۷/۴۴ = یہ بیشمار فضائیں اور زمین اور جو کچھ بھی اُن دونوں کے درمیان موجود ہے، سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ یعنی موجودات کی ایک ایک چیز معروفِ تسبیح ہے۔ لیکن تم اُن کی تسبیح کو سمجھنے کیلئے تفقہ نہیں کرتے۔ (یعنی تمہیں کائنات کی ایک ایک چیز کی تسبیح کو سمجھنے کیلئے تفقہ کرنی چاہیئے)۔

• اب رہا یہ سوال کہ موجوداتِ عالم کی تسبیح کو کس طرح سمجھا جا سکتا ہے؟ — اسکا جواب سورۂ نور میں دیا گیا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۰ ۲۴/۴۱ = اے مخاطب! کیا تو نے غور نہیں کیا (یعنی تجھے غور کرنا چاہیئے) کہ بلاشبہ اللہ وہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کا ہر جاندار عموماً، اور صفیں باندھکر اُڑنے والے پرندے خصوصاً، اُس کی تسبیح کرتے ہیں بلاشبہ اُن میں سے ہر جاندار اپنی صلوٰۃ و تسبیح کو خوب جانتا ہے۔ (اور ان کی تسبیح کیا ہے؟) اللہ جانتا ہے، جو وہ الگ الگ کام کرتے ہیں۔

• دیکھئے: یہاں تسبیح کا بدل آیا ہے۔ ما یفعلون۔ پس ثابت ہوا کہ ہر جاندار کا وہ کام جو اُسے خالقِ موجودات کیطرف سے تفویض کیا گیا ہے۔ یعنی اُسکا فرضِ منصبی ہی اسکی تسبیح ہے۔

• اسی طرح ملائکہ کی تسبیح اُنکے فرائضِ منصبی ہیں :۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ۱۶/۴۹ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ ۱۶/۵۰ = اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے جانداروں اور کائناتی قوتوں میں سے سب اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور وہ تکبّر نہیں کرتے۔ وہ اپنے بلند و بالا پروردگار سے ڈرتے ہیں اور اُنہیں جو جو حکم دیا گیا اُسکے مطابق عمل کرتے چلے جارہے ہیں۔

• اب حضرتِ انسان کے فرائض میں داخل ہے کہ ۲/۳۰ کے حکم خداوندی کے مطابق ہر جاندار اور بے جان اور جملہ کائناتی قوتوں کے فرائضِ منصبی کو جاننے کیلئے تفقّہ کرے اور اُن سے بذریعہ تسخیر کام لے۔ یہی ہے ملائکہ کا سجدہ بحضورِ آدم، جس کی خبر ۲/۳۴ + ۷/۱۱ + ۱۵/۲۹-۳۰ + ۱۷/۶۱ + ۱۸/۵۰ + ۲۰/۱۱۶ + ۳۸/۷۴ میں بدیں الفاظ دی گئی ہے :۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے جملہ ملائکہ (کائناتی قوتوں کو زبانِ حال کہا) کہ سب کی سب نوعِ آدم کیلئے سجدہ ریز ہو جاؤ (اُسکے تابع تسخیر ہو جاؤ) تو ابلیس کے سوا سب ملائکہ نوعِ آدم کے تابع تسخیر ہو گئے۔ یہ ہے ملائکہ کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی صاحب حکم نہیں۔

اولوا العلم قائماً بالقسط کی شہادت

• آیت زیرِ بحث میں حاکمیتِ خداوندی پر تیسری شہادت اُن افراد کی لائی گئی ہے جو اولوالعلم اور قائماً بالقسط ہیں۔ اِس پر پہلا سوال یہ ہے کہ اولوالعلم کون ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت کی شہادت کیلئے پیش کیا ہے۔ اسکا جواب سورہ رعد میں دیا گیا ہے :۔

• وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۱۳/۴۳ = اور کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں۔ کہدیجئے کہ تمہارے اور میرے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے اور وہ کافی گواہ ہے جس کے پاس کتاب کائنات کا علم ہے۔ چونکہ قرآن کریم کتاب کائنات کے خلاف ایک لفظ نہیں کہتا، اِسلئے وہ لوگ جو اولوالعلم ہیں یعنی کتابِ کائنات کا علم رکھتے ہیں وہ شبانہ روز کے سائنسی تجربات کیساتھ، بصورتِ مشاہدات گواہی دیتے چلے جارہے ہیں کہ یہ کائنات اپنے بنانیوالے کے غیر متبدل قوانین کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور اِس بھری کائنات کا واحد حاکم اللہ تعالیٰ ہے۔

• یورپ کے غیر مسلم مفکرین و مدبرین جو کل تک خالقِ کائنات کی ہستی میں شک لانے کے نظریہ کے حامل تھے۔ آج مشاہدات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اِس چیز کے قائل ہوتے چلے جارہے ہیں کہ اِس کائنات کا کنٹرول ایک ایسی ذات کے قبضۂ قدرت میں ہے جس کے قوانین ہرگز ہرگز تبدیل نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اتنا بڑا حسابدان ہے کہ کروڑوں برس سے سورج چاند ستارے وغیرہ اجرامِ فلکی کو جس مدار پر چلا دیا ہے اور اُنکا سال بھر کا جو چکر روزِ ازل سے مقرر کر دیا ہے، اس میں کروڑوں برس کے بعد بھی نہ کوئی خامی پائی گئی ہے نہ خرابی۔ اور نہ اجرامِ فلکی کے سالانہ ادوار میں آجتک ایک سکینڈ تک کا فرق آیا ہے یعنی کروڑوں سال سے سال کے چاروں موسم بہار، گرما، خزاں اور سرما اپنے اپنے وقت پر بدستور آتے چلے جارہے ہیں۔

• نیز قرآن کریم نے اُولوالعلم حضرات پر قائماً بالقسط کی قید لگا کر واضح کر رکھا ہے کہ اُولوالعلم میں سے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ خدائے واحد کی گواہی نہیں دینگے۔ کیونکہ ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی سے عقل و بصیرت کے سُوچ آف ہو جاتے ہیں۔ کائنات کا علم ہونے کے ساتھ ساتھ اُولوالعلم کا قائماً بالقسط ہونا بھی ایک شرط ہے۔ یعنی عالمی مشاہدات کی رُو سے خدا تعالیٰ کی حاکمیت کی گواہی وہ دیتے ہیں جو ضدی اور متعصب نہیں، بلکہ انصاف پر قائم ہیں۔

رجوع الی المطلب • ہم عرض کر رہے ہیں کہ الٰہ کا معنیٰ ہے حاکم۔ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی وضاحت کیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین صرف اسی کی فرمانبرداری ہے۔ واضح رہے کہ متوازن معاشرہ کے قیام کے وہ اصول جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں وہ اللہ کی فرمانبرداری کے قوانین ہیں۔ وہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ آیت ذیل میں اسلام کو اللہ کا پسندیدہ دین کہا گیا ہے چونکہ اسلام کا معنیٰ ہے گردن نہادن، گردن الدینا، یعنی احکام الٰہی کے سامنے سر رکھدینا ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَ
بیشک ہے دین نزدیک اللہ کے اسلام اور
مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ
نہ اختلاف کیا اُن لوگوں نے جو دیئے گئے تھے کتاب، مگر پیچھے
مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۗ وَ مَنْ يَّكْفُرْ
اسکے کہ آیا انکے پاس علم سرکشی کرتے ہوئے آپس میں اور جو کوئی انکار کرے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ۱۹
ساتھ آیتوں اللہ کے پس ہے اللہ بہت جلد حساب لینے والا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین صرف اسلام (یعنی خالص اللہ کی فرمانبرداری کرنا) ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے خدا تعالیٰ کیطرف سے اُسکا نازل کردہ علم (کتاب) آچکنے کے بعد صرف آپس کی سرکشی کی بدولت اختلاف پیدا کر لیا ہے۔ اور جو قوم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتی ہے (اُسے جان لینا چاہئیے کہ) اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (وہ قوم فرعون اور عاد و ثمود کیطرح دنیا میں بھی پکڑ لیتا ہے۔ اور قیامت کا روزِ مکافات بھی کوئی دور نہیں ہے)

• جس طرح پیدائش سے پہلے کا لاکھوں برس کا وقفہ ہر شخص کیلئے ایک ثانیہ کے برابر بھی نہیں۔ اسیطرح موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کا وقفہ بھی ہر متوفی کیلئے ایک لحظہ کے برابر ہوگا۔ قیامت کی بعثت پر ایسا معلوم ہوگا کہ ابھی مرے تھے اور ابھی اُٹھا لیا گیا ہے۔ یعنی موت کا ذائقہ ابھی منہ میں ہوگا کہ قیامت برپا ہو جائیگی

دُنیا اور آخرت میں مکافاتِ عمل کا نظریہ • اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ کے الفاظ میں دنیا اور آخرت دونوں جگہ پر مکافاتِ عمل کا تصور دیا گیا ہے۔ جیسے کہ پیچھے ۳/۱۱ میں آلِ فرعون اور سابقہ نافرمان اُمتوں کی دنیوی سزا کا ذکر گزر چکا ہے اور آگے ۳/۲۲ میں حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ آیا ہے۔ لیکن بعض لوگ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ سے یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ جو شخص مرجاتا ہے اُسے فوراً دوسرا جسم مل جاتا ہے اور فوراً اُسکا حساب شروع ہو جاتا ہے۔

لیکن قرآن کریم پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کا ایک مخصوص دور ہے جسمیں صدیوں کے متوفی لوگوں کے گلے سڑے جسم، اُنکی گلی سڑی ریزہ ریزہ شدہ ہڈیاں، بلکہ جسم کا پورا پورا صحیح سالم کرلیا جائیگا۔ جیسے کہ سورہ قیامت میں بالفاظ صریح ارشاد ہوا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ ۷۵/۱-۴ ۔ اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ پڑھ تو اے صاحب قرآن! یوم قیامت کی شہادت ہے۔ اور (گناہوں پر) ملامت کرنیوالی ضمیر انسانی کی شہادت ہے۔ کیا نافرمان انسان نے گمان کر رکھا ہے کہ ہم اسکی ہڈیوں کو جمع نہیں کرینگے۔ ہاں ہم تو اس پر قادر ہیں کہ ہم اُسکا پورا پورا درست کرینگے۔

• دیکھیے! ان آیات کریمات میں بالوضاحت بتا دیا گیا ہے کہ صدیوں کی گلی سڑی ہڈیاں اور جسم کا پورا پورا برابر کرلیا جائیگا یہی تصور جب آنحضرت سلامٌ علیہ نے عوام کے سامنے پیش کیا تو منکرینِ قیامت نے اس پر بہت تعجب کیا۔ خداوند تعالیٰ نے اُن کی آپس کی گفتگو کو اسطرح بیان کیا ہے:-

• وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝ ۳۴/۷-۸ ۔

• (مفہوم) اور ضابطۂ خداوندی کے منکر (ایکدوسرے سے) کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہیں ایک ایسا شخص بتائیں، جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم (گل سڑ کر) ریزہ ریزہ ہو جاؤگے۔ تو تمہیں دوبارہ پیدا کرلیا جائے گا۔ اُس نے (اس نظریے کا) اللہ پر بہتان باندھ لیا ہے۔ اور یا اُسے جنون ہوگیا ہے۔ (اے رسول! آپ کا دماغ خراب نہیں ہوا) بلکہ اعمال کے انجام (یعنی جزا سزا کے منکر لوگ) عذاب اور دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

• غور فرمائیں! ان آیات کریمات میں صراحتاً بتایا گیا ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ نے نوعِ انسانی کو یہی نظریہ پیش فرمایا تھا کہ اسی جسم کی صدیوں کی گلی سڑی ہڈیوں کو، جو اگرچہ ریزہ ریزہ ہو چکی ہونگی، اعمال کی جوابدہی کیلئے دوبارہ زندہ کرلیا جائیگا۔ اور جس زمانے میں یہ چیز بروئے کار لائی جائیگی اُسی کو یَوْمُ الْقِيٰمَةِ دوبارہ اُٹھنے کا زمانہ یا یوم الدین، یعنی دنیوی اعمال کی جزا سزا کا زمانہ کہا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ

• اب رہا یہ سوال کہ اگر اعمال کی جوابدہی قیامت کو ہونیوالی ہے، جو متوفّی افراد کی یوم وفات سے لکھوکھہا سال بعد برپا ہوگی۔ تو پھر اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ کا مفہوم کیا ہوا۔ جبکہ اسکا لفظی ترجمہ صاف صاف یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے جواباً عرض ہے کہ اس جملے کا یہ مفہوم نہیں کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو اُسی وقت اُسکا یوم القیامت، یوم الدین یا یوم الحساب قائم ہو جاتا ہے۔ بلکہ مفہوم یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص کوئی اچھا یا بُرا عمل بجا لاتا ہے تو اُسی وقت اُس عمل کا اچھا یا بُرا بدلہ، عمل بجالانیوالے کے حساب میں درج ہو جاتا ہے

اور یہ اچھا یا بُرا بدلہ دیا جائیگا یَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ کو (۱۴/۴۱)۔ یعنی جس دور میں اُس حساب کو، جو ہر عمل کی بجاآوری پر فوراً درج حساب ہو جاتا تھا، قائم کیا جائیگا، بروئے کار لایا جائیگا۔ قرآن کریم کی رُو سے یَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ وہ ہے جب اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے جملہ افراد کو اکٹھا کرلیگا۔ دیکھئے دلائل القرآن بتصریف آیاتِ الفرقان:۔

• قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۲۵/۲۶ = اے رسول کہدیجیئیگا کہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جو تمہیں زندگی دیتا ہے۔ پھر تمہیں موت دیتا ہے۔ اور پھر قیامت کے دن (جس کے برپا ہونے) میں کوئی شک نہیں، تم سب کو اکٹھا کریگا ــ نیز فرمایا:۔

• وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۲۵/۱۷ ۔ اور وہ دِن قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ انہیں (یعنی غیر اللہ سے مُرادیں مانگنے والوں کو) اور جن سے مُرادیں مانگتے ہیں، سب کو اکٹھا کرلیگا۔

• وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۳۴/۴۰ = اور وہ دِن قابلِ ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سب کو جمع کرلیگا۔

نیز اسی یوم القیامت کے منکرین کے متعلق سورہ واقعہ میں قیامت ہی کے حالات کے ضمن میں ارشاد ہوا ہے:۔

• وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۵ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۵ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۵ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۵ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۵ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۵ ۵۶/۴۷ تا ۵۰ = اور جہنمی لوگ کہا کرتے تھے کیا جب ہم مر جائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے تو پھر کیا ہم بھی اور ہمارے باپ دادے بھی اُٹھائے جائینگے۔ اے رسول! کہدیجیئیگا، بلا شبہ (تم اور تمہارے باپ دادے) پہلے پچھلے سب کے سب (قیامت) کے متعینہ اور معلومہ دِن کو بالضرور جمع کئے جانیوالے ہیں۔

• اب آیاتِ بالا پر غور کرنے سے بالصراحت ثابت ہوا کہ یوم القیامت، یوم الدین اور یوم الحساب وہ متعینہ اور معلومہ دن ہے جب اگلے پچھلے متوفی لوگ جن کی ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو چکی ہونگی، اسلاف و اخلاف سب کے سب مکافاتِ عمل کیلئے جمع کرلئے جائینگے۔ پس اسطرح بھی وہ نظریہ مطلقاً غلط ثابت ہوتا ہے کہ سریع الحساب کا یہ مفہوم ہے کہ جو مر جاتا ہے اُسکا فوراً حساب لے لیا جاتا ہے۔

منکرینِ قیامت کو بارشادِ الٰہی رسُول مقبول کا جواب

• سلسلۂ درس کی گزشتہ آیت مجیدہ میں دنیا اور آخرت میں اعمال کے حساب اور جزا سزا کی خبر دیگئی ہے۔ غرض یہ کہ لوگ دنیا و آخرت دونوں کے مکافاتِ عمل کے خداوندی قانون کو ہمیشہ یاد رکھیں اور نیک اعمال بجا لائیں۔ اگلی آیت مجیدہ منکرینِ قیامت کو آنحضور سے کہلوا دیا گیا ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِىَ

پھر اگر وہ جھگڑیں آپ سے تو کہہ دیں میں نے فرمانبردار کی اپنی رضا

(اے رسُول!) اگر لوگ آپکے ساتھ (یوم حساب کے بارے میں) جھگڑا کریں تو آپ کہدیجیئیگا کہ میں نے اور میری پیروی

لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا
واسطے اللہ کے! اور جو میرا تبع ہے! اور کہہ واسطے اُنکے جو دیئے گئے
الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا
کتاب اور جنہیں دیئے گئے، کیا تم فرمانبردار ہوئے پھر اگر وہ فرمانبردار ہو گئے
فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ
تو ہدایت پائی۔ اور اگر اعراض کریں تو سوائے اسکے نہیں کہ آپ پر ہے پہنچانا۔
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۲۰ ع ۲/۱۱ ۱۰
اور اللہ ہے دیکھنے والا بندوں کو

کرنیوالے ہر شخص نے اپنی رضا کو اللہ کا فرمانبردار کر لیا ہے! اور آپ اُن لوگوں سے جنہیں کتاب دیگئی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) اور اُمّیّین[1] سے، جنہیں کتاب نہیں دیگئی، پوچھیگا۔ کیا تم اللہ کے فرمانبردار ہو گئے ہو۔ پھر اگر وہ خالص اللہ کے فرمانبردار ہو جائیں۔ تو ہدایت پالینگے۔ اور اگر وہ (اللہ کی خالص فرمانبرداری سے) اعراض کریں تو بلاشبہ آپ کے ذمہ (جبراً منوانا نہیں) ہمارا پیغام پہنچانا ہے[2] ۵/۹۲ ، اور (ہر کسی کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

• [1] اُمّی کا لفظ جب اہل کتاب کے مقابلے پر آئے تو اس سے مراد ہوتے ہیں بنی اسماعیل جنہیں قرآن سے پہلے کتاب نہیں دیگئی۔

• [2] رسولوں کا کام جبراً منوانا نہیں صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے دیکھئے! ۵/۹۹+۹۲ + ۱۳/۴۰ + ۱۶/۸۲ + ۲۴/۵۴ + ۲۹/۱۸ + ۳۶/۱۷ + ۴۲/۴۸ + ۴۴/۱۷

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اُن لوگوں کیلئے عذاب الیم کی وعید درج ہے، جو اللہ تعالیٰ کی آیات بیّنات کا انکار کرتے اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت کی ناحق مخالفت کرتے ہیں۔ اس آیت میں یَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ کے الفاظ آئے ہیں۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی رسولوں کا غالب آنا سو فیصدی لازم تھا ۲۱/۵۸ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۔ اسلئے کوئی نبی قتل نہیں ہوا۔ مکمل بحث سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۶۱، ۸۷ و 91 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ[1]
بیشک جو لوگ انکار کریں ساتھ آیتوں اللہ کے اور مخالفت کریں
النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ
نبیوں کی ناحق اور مخالفت کریں ان لوگوں کی
يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ
جو حکم کرتے ہیں انصاف کا لوگوں میں سے پس بشارت دے انہیں
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۲۱
عذاب کی دردناک

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات بیّنات کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے نبیوں کی ناحق مخالفت کرتے ہیں۔ نیز اُس مقدس جماعت کی ناحق مخالفت کرتے ہیں، جو لوگوں میں سے انصاف کا حکم دیتے ہیں۔ اسے رسول! انہیں دردناک عذاب کی خبر دیدیں۔

• [1] قتل کا معنیٰ لڑائی کرنا بھی ہے۔ جیسے کہ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ کا مفہوم یہ ہے کہ فتنہ پردازی لڑائی سے بھی بدتر ہے۔ لہٰذا فتنہ پردازی کی اجازت نہیں دی گئی۔ کیونکہ فتنہ پردازی جنگ کے بغیر ختم نہیں ہو سکتی۔ اسطرح آیت بالا کا مفہوم یہ ہے کہ بلاشبہ کفار انبیاء اور عدل و انصاف کا حکم دینے والوں کے ساتھ بلاوجہ لڑائیاں کرتے تھے۔ حالانکہ وہ عدل و مساوات کا حکم کرتے تھے۔

• انبیاء سلامٌ علیہم کی لائی ہوئی ربّانی تعلیم کی مخالفت انبیاء کی مخالفت ہے۔ جو ہر دَور میں ہورہی ہوتی ہے۔ چنانچہ آیت بالا میں مخالفینِ انبیاء و مبلّغینِ بالقسط کو دنیا و آخرت میں عذاب الیم کی خبر دیگئی ہے۔ اِسی چیز پر مشاہداتِ عالم گواہ ہیں کہ انبیاء سلامٌ علیہم کی مخالفت، یعنی اُنکے لائے ہُوئے اجتماعی پروگرام کو چھوڑنے ہی کا نتیجہ ہے کہ اقوامِ عالم، باوجود اسکے کہ تسخیر کائنات کے ذریعہ زمین و آسمان کی بے پناہ نعمتیں حاصل کرتی چلی جارہی ہیں، مگر لوگ اسکے باوجود ہر آن عذاب الیم میں مبتلا ہیں۔ کرّۂ ارض کا کوئی حصّہ ایسا نہیں، جہاں جنگ کے مہیب بادل نہ منڈلا رہے ہوں۔ چنانچہ اِس اگلی آیت میں خبر دیگئی ہے کہ ضابطۂ خداوندی کا انکار کرکے انبیاء سلامٌ علیہم کی عملاً مخالفت کرنیوالوں کے بڑے بڑے تسخیری اعمال دنیا میں بھی ضائع ہوچکے ہیں اور قیامت میں ضائع ہوجائینگے۔ دنیا میں اِن کا امن و سکون برباد اور باہمی جنگ و جدال جاری ہے اور انہیں آخرت کا عذاب بھی ہوگا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي
وُہی لوگ ہیں جو ضائع ہوگئے اعمال اُنکے بیچ
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۲۲○
دنیا کے اور آخرت کے۔ اور نہیں واسطے اُنکے کوئی مددگار

یہی وہ لوگ ہیں کہ اُن کے اعمال دُنیا میں بھی ضائع ہو چکے ہیں۔ اور آخرت میں بھی ضائع ہوجائینگے۔ اور اِن (اللہ کی آیتوں کا انکار کرکے انبیاء کی مخالفت کرنیوالوں) کا دُنیا اور آخرت میں کوئی مددگار نہیں۔

• اِس سے اگلی آیت میں یہود کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُنہیں کتاب خداوندی کی فرمانبرداری کی بدولت حکومتِ ارضی میں حصّہ ملا تھا جو کتاب کی نافرمانی کی بدولت چھن گیا۔ اور اب بھی اُن کی حالت یہ ہے کہ جب اُنہیں پھر سے کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تو مُنہ موڑ کر چلے جاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ
کیا نہیں غور کیا اُن لوگوں نے جو دیئے گئے حصّہ
الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ
کتاب کا وہ بُلائے جاتے ہیں طرف کتاب اللہ کے تاکہ فیصلہ کرے درمیان اُنکے
ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۲۳○
پھر مُنہ موڑا ایک گروہ نے اُن میں سے اور وہ ہیں اعراض کرنیوالے

اے رسُول! کیا آپنے اُن لوگوں پر غور نہیں کیا، (یعنی آپکو غور کرنا چاہیئے) کہ جنہیں کتاب میں سے حصّہ دیا گیا۔ (کتاب کی اتباع میں حکومت ملی ۷/۱۲۷ + ۲۶/۵۹ + ۴۴/۴۸)۔ وہ کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں، تاکہ وہ کتاب اُن کے آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کردے، پھر اُن میں سے ایک فریق مُنہ موڑ کر چل دیتا ہے۔ اور وُہ ہیں ہی اعراض کرنیوالے۔

• بلاشبہ اللہ کی کتاب اجتماعیّت کے ذریعہ زمین کا وارث بنا دیتی ہے۔ لیکن انفرادی فائدوں کی چاشنی اسقدر محبوب و مرغوب ہوتی ہے کہ اِس تجربہ کے باوجود کہ انفرادیت نے خود غرضی کے جہنّم میں پھینک دیا ہُوا ہے پھر بھی انفرادیّت چھوڑ کر اجتماعیّت کیطرف رُخ نہیں کرتے۔ اِس سے اگلی آیت میں اہلِ کتاب کے علماء و مشائخ کے دیئے ہُوئے اُس نظریئے کی خبر دی گئی ہے جو عوام کے اذہان میں پوری طرح راسخ ہوچکا ہے کہ اُنہیں آخرت

کا عذاب صرف چند دنوں کیلئے ہوگا۔ یعنی اُن کے نبی شفاعت کرکے اُنہیں چھڑا لینگے۔ اسلئے چند دنوں کے عذاب کے ڈر سے دُنیا کے فائدوں سے کنارہ کشی کیوں اختیار کی جائے؟

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ
یہ اسلئے کہ بیشک کہتے ہیں وہ کہ نہیں چھوئیگی ہمیں آگ
إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم
مگر دن گنتی کے۔ اور دھوکا دیا اُنہیں ۔ بیچ دین اُن کے
مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۲۴
جو افترا کرتے تھے

(آخرت کے) مذکورہ بالا (عذاب سے بے خوفی) اسلئے ہے کہ وہ کہتے ہیں، ہمیں آخرت کی آگ کا عذاب نہیں مس کریگا مگر صرف چند روز (۲/۸۰)۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنہیں، اُن کے دین میں اُن کے اُس (باطل عقیدے) نے دھوکا دیدیا ہوا ہے، جو وہ خود افترا کرلیا کرتے تھے (کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں ۵/۱۸ ہمیں چند دنوں کے سوا مزید عذاب نہیں دیا جائیگا ۲/۸۰) علہ

علہ افسوس ہے کہ چند دنوں کے عذاب کا عقیدہ صرف یہود و نصاریٰ ہی میں نہیں۔ بلکہ یہ اہلِ اسلام کے ہاں بھی راہ پا چکا ہے۔ کتبِ روایات کی روایتِ شفاعت میں مذکور ہے کہ جب دوزخی دوزخ میں چلے جائینگے تو رسولِ مقبول اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرکے اپنی اُمّت کو دوزخ سے نکلوا لینگے۔ مسئلہِ شفاعت کی وضاحت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۵ میں گزر چکی ہے۔

● اس سے اگلی آیت کریمہ میں اہلِ کتاب کے مذکورہ بالا عقیدے کے بطلان کے طور پر انکے متعلق باندازِ مخصوص ارشاد ہُوا ہے:۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ
پھر کیا ہوگا جب ہم جمع کرینگے انکو اُسدن نہیں شک بیچ اسکے
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
اور پورا بدلہ دیا جائیگا ہر نفس جو کسب کیا اس نے اور وہ نہیں
يُظْلَمُونَ ۲۵
کئے جائینگے ظلم

پھر اُسدن اُن کا کیا حال ہوگا، جس کے برپا ہونے میں کوئی شک نہیں، جب ہم (تمام لوگوں کے ساتھ) اُنہیں بھی جمع کرلینگے۔ اور ہر شخص کو پُورا پُورا بدلہ دیا جائے گا اُن اعمال کا جو وہ خود بجا لایا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ (جزا سزا کے فیصلے میں) ظلم نہیں کئے جائینگے۔

● علہ کیف جب استفہام کیلئے ہو تو اسکے بعد کبھی فعل محذوف ہوتا ہے اور کبھی ظاہر، جیسے كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ ۲/۲۸ میں کیف استفہامیہ کے بعد تکفرون فعل ظاہر ہے۔ لیکن یہاں استفہام انکاری کا فعل محذوف ہے۔ اور تقدیرِ کلام یہ ہے كَيْفَ يُخْرِجُونَ أَنْفُسَهُمْ مِنَ النَّارِ، أَيْ لَا طَاقَةَ لَهُمْ أَنْ يُخْرِجُوا أَنْفُسَهُمْ مِنَ النَّارِ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِعَذَابِ الْخُلْدِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ۔ اس آیت مجیدہ میں یہود کے اِس عقیدہ کی تردید کیگئی ہے کہ ہم چند دن آگ میں رہینگے۔ یعنی واضح کردیا

گیا ہے کہ وہ ہرگز اپنے آپ کو آگ سے نکال نہیں سکینگے جب ہم انہیں اُسدن آگ میں پھینک دینگے جسمیں کوئی شک نہیں۔

● آیاتِ بالا میں قیامت کی عدالتِ عالیہ کے منصفانہ فیصلوں کی خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں دُنیوی حکومتوں کے متعلق ایک واضح اعلان کرادیا گیا ہے، کہ خدا تعالیٰ جس بھی خطّہ ارضی کی حکومت جسے عطا کرتا ہے، اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چھین لیتا ہے، "قانونِ مشیّت کے مطابق ہی چھین لیتا ہے۔ اس نازک ترین مسئلہ کو آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے قُل منظر لاکر حل کرادیا گیا ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس کے ضمن میں جھٹ سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے حکومت عطا کرے، جس سے چاہے چھین لے۔ لیکن حقیقتِ حال یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا قانون حکومتیں دیتا اور چھینتا ہے۔ اُسکا ہر فعل اُس کے قانون کیمطابق ہوتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ
کہ اے اللہ مالک ملک کے دیتا ہے تو ملک مطابق مشیت کے
مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز
جسے چاہے اور چھین لیتا ہے ملک مطابق مشیت کے جس سے چاہے
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط
اور غلبہ دیتا ہے مطابق مشیت کے جسے چاہے و ذلیل کرتا ہے مطابق مشیت کے
بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۲۶
قبضے تیرے میں ہے بھلائی بیشک تو ہر چیز کے پیمانے مقرر کرنیوالا ہے

اے رسولؐ! یوں کہیگا کہ اے میرے اللہ، مُلک کا مالک صرف تُو ہے۔ تو جسے (اپنے مُلک کے کسی حصہ کی) حکومت عطا کرتا ہے، اپنے قانونِ مشیت ہی کے مطابق عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چھین لیتا ہے، اپنے قانونِ مشیت ہی کیمطابق چھین لیتا ہے یعنی جسے غلبہ عطا کرتا ہے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق ہی عطا کرتا ہے۔ اور جسے تو ذلیل کرتا ہے اُسے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق ہی ذلیل کرتا ہے۔ بھلائی تیرے قبضے میں ہے (جو تیرے قوانین کے مطابق حاصل ہوتی ہے)، بیشک تُو ہر چیز کی قدریں (پیمانے اور قوانین) مقرر کرنیوالا ہے۔

ایک غلط فہمی کا اظہار

یاد رہے کہ یہ وہ آیت مجیدہ ہے، جس کا غلط مفہوم اخذ کر کے خدا تعالیٰ کو ایک بے اصول (راجہ یا مغرور تھانیدار کی حیثیت دیدی گئی ہے۔ کہ اگر راجہ جی کا مزاج ٹھیک ہے تو کسی کے سلام کرنے پر اُسے جاگیر بخش دی۔ اور اگر مزاج خراب ہے تو سلام نہ کرنے کے عوض میں کاٹھ مار کر عمر قید کر دیا۔ اسیطرح مغرور تھانیدار خوشامدیوں پر خوش ہوا تو شہر بھر میں من مانیاں کرنے کی چھٹی دیدی۔ اور صرف سامنے سے گزرنے پر مزاج بگڑ گیا تو حوالات میں بند کر دیا۔ بالفاظِ دیگر کوئی اصول نہیں، کوئی قانون نہیں اسیطرح سابقہ تفاسیر نے آیت بالا کی غلط تفسیر کی بدولت خدا تعالیٰ کو بھی بے اصول بنا کر رکھدیا ہے کہ اگر جی میں آیا تو کسی بدمعاش ڈاکو کو بادشاہت دیدی اور چاہا تو کسی شریف آدمی کو زمین پر پٹخ دیا۔

زمین کے وارث کون ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ بے اصول ہے نہ اصول شکن۔ اُس نے ہر چیز کے لئے قوانین و ضوابط مقرر کر دیئے ہیں۔ وراثتِ ارضی کے متعلق واضح الفاظ میں فیصلہ دیدیا ہے:-

● اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ $\frac{21}{105}$ = بلا شبہ (میرے قانون کے مطابق) زمین کے وارث میرے

وہ بندے ہیں جو اس میں اصلاح کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی چیز کو جمہوری طرزِ حکومت کی خبر دیتے ہوئے اسطرح بیان کیا گیاہے کہ تمہاری ریاست کا صدر وہ ہونا چاہیئے، جو تم میں سب سے زیادہ تقوٰی شعار ہے:۔

• اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۴۹/۱۳ ۔ اللہ کیطرف سے (فیصلہ یہ ہے کہ) تمہارا سب سے زیادہ مکرّم (یعنی تمہارا صدر و سربراہ) وہ ہے جو تم میں قوانینِ خداوندی کی سب سے زیادہ نگہداشت کرنیوالا ہے۔ پس وراثتِ ارضی کے متعلق خداوندی فیصلہ صرف یہ ہے کہ زمین کے وارث وہ ہونے چاہئیں جو اصلاح فی الارض کی صلاحیت رکھتے ہوں اور صدارت وامارت کی خدمات اُس شخص کے سپرد کی جائیں جو سب سے بڑھکر قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والا ہے۔

حصولِ حکومت کے ذرائع

اس خداوندی فیصلے کو ذہن میں رکھکر اب آیئے حصولِ حکومت کے اُن ذرائع پر غور کریں جو قرآن کریم اور عالمی مشاہدات میں موجود ہیں۔ قرآن کریم میں فرعون جیسے ظالم شخص کی حکومت کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اور حضرت داؤد وسلیمان اور مسیح محمد سلام علیہم کی حکومتوں کی خبر بھی درج ہے۔ اب اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ فرعون کو بھی اللہ ہی نے ملک عطا فرمایا تھا اور داؤد وسلیمان کو بھی اُسی نے حکومت عنایت کی تھی تو قرآن حکیم کا اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۲۱/۱۰۵ والا فیصلہ مذاق محض بن کر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ فرعون کے متعلق قرآن کریم کا اپنا فیصلہ موجود ہے:۔
اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۲۸/۴۔ بیشک وہ مفسدوں میں سے تھا۔ اب مُفسد چونکہ مصلح کی ضد ہے۔ اسلئے ظاہر ہے کہ فرعون کو حکومت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی تھی۔ بلکہ:۔

• حصولِ حکومت کا مطلق قانونِ مشیت یہ ہے کہ یہ طاقت ہی کیساتھ حاصل ہوگی۔ فرعون، چنگیز اور ہلاکو جیسے مفسدین نے بھی طاقت ہی کیساتھ حکومت حاصل کی تھی، اور حضرات داؤد وسلیمان اور مسیح محمد سلام علیہم جیسے مصلحین نے بھی طاقت ہی کیساتھ اصلاحی پرچم بلند کیئے تھے۔ چنانچہ حضرت داؤد کو قرآن کریم میں دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ کہا گیا ہے ۳۸/۱۷ = طاقتوں والا داؤد
نیز یاد رہے کہ حصولِ حکومت کیلئے درکار طاقت وقوت کی پھر دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ عوامی اتحاد اور مادی اسباب کی قوت۔ یہ وہ طاقت ہے جسکے ساتھ حضرت موسیٰ و داؤد اور مسیح محمد سلام علیہم نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومتِ الٰہیہ ہے۔ جس میں ربوبیت کی رُو سے صدر وعوام ایک ہی سطح کے افراد ہوتے ہیں۔

۲۔ ذاتی استبداد اور مادی اسباب کی قوت۔ یہ وہ طاقت ہے، جسکے ساتھ فرعون ہامان اور چنگیز وہلاکو جیسے مفسدین نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومت شیطانیہ ہے جس میں بالادست افراد کے ہاں نعماءِ خداوندی کی فراوانی ہوتی ہے، اور عوام بنیادی ضروریاتِ زندگی تک سے محروم پائے جاتے ہیں۔ اور یہ دونوں قسم کی حکومت خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانینِ مشیت، یعنی عوامی اتحاد + مادی اسباب یا ذاتی استبداد + مادی اسباب ہی کے ذریعہ ملتی ہے۔ اور الگ اُنہی کے فقدان ہی کی بدولت چھن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کوئی بے اصول ہستی نہیں کہ کبھی مُصلحین کو برسرِ اقتدار لاتا ہے اور کبھی حکومت مُفسدوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ پس آیتِ مجیدہ ۳/۲۶ زیرِ نظر کا روائتی ترجمہ مطلقاً غلط ہے کہ اے اللہ تو جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ تو جسے حکومت دیتا ہے اپنے

قوانینِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے اور جس سے چھین لیتا ہے، اپنے قانونِ مشیّت ہی کے مطابق چھین لیتا ہے۔

قانونِ مشیّت کی ایک زندہ مثال

• سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں مذکورہ بالا تصور کی تاکید کیگئی ہے، کہ بھری کائنات میں جو کچھ بھی انجام پذیر ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانینِ مشیّت ہی کے مطابق ہو رہا ہے یعنی کائنات کے پورے لیل و نہار قوانینِ مشیّت ہی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں آیتِ بالا تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ کے عین متصل مابعد آنحضور ہی کی زبانِ مبارک سے ذیل کے غیر مبہم الفاظ میں اعلان کروا دیا گیا ہے:-

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي
داخل کرتا ہے تو رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے تو
اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ
رات میں اور نکالتا ہے تو زندہ مردہ سے اور نکالتا ہے تو
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ
مُردہ کو زندہ سے اور تو رزق دیتا ہے مطابق مشیّت کے بے
حِسَابٍ ۲۷۵
حساب

اے میرے اللہ! تُو اپنے مقرر کردہ قانونِ مشیّت کے مطابق رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔ اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تُو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق مُردہ (یعنی غلام قوموں) میں سے زندہ (یعنی آزاد افراد) نکالتا ہے اور زندہ (یعنی آزاد قوموں) میں سے مُردہ (یعنی غلام افراد) نکالتا ہے۔ اور جسے (یعنی آزاد قوموں کو) تُو بے حساب رزق عطا کرتا ہے، اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی عطا کرتا ہے۔

دیکھئے! آیتِ مجیدہ کے ابتدائی الفاظ میں دن رات کو گھٹانے اور بڑھانے کا فاعل خدا تعالیٰ کو بتایا گیا ہے جبکہ قانونِ مشیّت محدود ہے

عله بے حساب رزق کی مثال یوں سمجھئے، عام قاعدہ یہ ہے کہ کرۂ ارض کی جملہ اقوام اپنی محنت کے مطابق اُجرت پاتی چلی جا رہی ہیں لیکن آزاد ممالک کی آزاد اقوام کو سابقہ اقوام کے دفینوں اور پہاڑوں کی کانوں سے جو مال میسر آتا ہے وہ محنت و اُجرت کے عوامی پیمانوں کیمطابق نہیں بلکہ بغیر حساب میسر آتا ہے۔ چاہیئے تو یہ کہ جہاں سو مزدور کام کریں وہاں زیادہ سے زیادہ سو خاندانوں کی ضرورت کے مطابق اُجرت ملے لیکن سونے چاندی کی کانوں، تیل اور پٹرول کے ذخیروں میں سو مزدور کام کرتے ہوتے ہیں تو لاکھوں کروڑوں کا مال بے حساب مل جاتا ہے پس تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ رضاءِ الٰہی کے مطابق قائم ہونیوالے معاشرہ میں محنت بقدرِ ہمت اور اُجرت بقدرِ ضرورت بے حساب دینے کا نظام قائم ہونا چاہیئے۔ کرۂ ارض کے غیر الٰہی نظاموں میں مزدور کو اپنے خودساختہ قوانین کے حساب سے اتنی کم اُجرت ملتی ہے جس سے کنبہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ رضاءِ الٰہی یہ ہے کہ ہر کنبہ کے ذمہ دار فرد کو اسکی محنت کی اُجرت خودساختہ پیمانوں کے حساب سے نہیں، بلکہ لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ۲۰ کے خداوندی فیصلے کے مطابق بغیر حساب (باقی برحاشیہ صفحہ ۲۵)

جیسے کہ عالمی مشاہدات کی شہادت یہ ہے کہ کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر دن رات کا گھٹنا بڑھنا خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ طبعی قوانین کے مطابق مختلف ہے۔ نصف کرہ شمالی میں ۲۱ ستمبر سے دن گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ اور نصف کرہ جنوبی میں اسی تاریخ سے رات گھٹنی شروع ہوتی ہے۔ اور یہ اختلافِ لیل و نہار کرۂ ارض کے ہر منطقے پر خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہمیشہ جاری رہتا ہے جن میں آج تک کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نصف کرہ شمالی میں ۲۱ جون کو سب سے چھوٹا دن ہو گیا ہو اور ۲۱ دسمبر کو سب سے چھوٹی رات ہو گئی ہو۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین نہ اپنا مقام ہی تبدیل کرتے ہیں نہ وقت، بلکہ ہر کام اپنے مقام اور وقت کے مطابق انجام پذیر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ اختلافِ لیل و نہار کا عمل جو کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر اپنے اپنے مختلف اندازوں پر قوانینِ جاریہ کے مطابق سرانجام ہو رہا ہے، اُسکا فاعل خدا تعالیٰ کو کیوں ٹھہرایا گیا ہے۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ تو دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔

• واضح رہے کہ یہاں كَيْفَ يَشَآءُ کے الفاظ محذوف و مقدر ہیں۔ اور آیت مجیدہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ تو اپنی غیر متبدل مشیت کے طبعی قوانین کے مطابق ہر آن رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا چلا جا رہا ہے پس جسطرح گردشِ لیل و نہار خدا تعالیٰ کے مقررہ قوانین کے مطابق جاری ہے۔ اُسیطرح مالکِ ارض و سماوات کے قوانینِ مشیت کے مطابق اقوامِ عالم کو زمین کی حکومت ملتی بھی چلی جا رہی ہے، اور چھنتی بھی چلی جا رہی ہے۔ خدا تعالیٰ کسی لاؤ بالی راجے یا نواب جیسا بے اصول نہیں کہ خوش ہوا تو گاؤں بخش دیئے اور ناراض ہوا تو کاٹ مار دیا۔ حکومت کے متعلق مشیتِ خداوندی کی وضاحت گزر چکی ہے کہ طاقت ہی کیساتھ حاصل ہوتی ہے، خواہ عوامی اتحاد، مادی اسباب کی طاقت ہو خواہ ذاتی استبداد، مادی اسباب کی طاقت ہو، مگر رضاء الٰہی یہ ہے کہ حکومت اتحادی ہو جیسں ملک کا صدر، پورے سرکاری ملازم اور ریاست کے پورے عوام کا حقِ ربوبیت متوازن و مساوی تسلیم کیا گیا ہو۔

امن دشمن اقوام کیساتھ دوستی نہ کرنا

• آیاتِ ماسبق میں حصول و ضیاعِ حکومت، اور اقوام کی قومی زندگی اور موت کے قوانینِ مشیت کی وضاحت کے بعد، کہ دنیا میں رحمانی اور شیطانی حکومتیں رب تعالیٰ کے قوانینِ مشیت کے مطابق ہی قائم ہوتی رہینگی۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ پہلی قسم کی حکومت وہ ہوگی جو ربوبیتِ عالمینی پر ایمان رکھتے ہوئے امنِ عالم کی علمبردار ہوگی، اور دوسری قسم ربوبیتِ عالمینی کی منکر ہو کر فسادکی موجد۔ اسلئے جماعت مومنین کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اقوامِ عالم میں سے اُن قوموں کے ساتھ جو نظریۂ ربوبیتِ عالمینی پر ایمان نہ رکھتی ہوں، اُنہیں دوست نہ بنائیں۔ کیونکہ ایسی قوموں کی دوستی موجبِ امن نہیں ہو سکتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴) دی جانی چاہیئے، جس سے پورے کنبہ کی ضروریاتِ زندگی خوراک، لباس، رہائش اور تعلیم و علاج باقاعدہ میسر آتی رہیں۔ ظاہر ہے کہ دس افراد کا ذمہ دار فرد، دس افراد کی ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لئے سعی و محنت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى کے الفاظ میں دس افراد کی ضروریاتِ زندگی اُسکا حق قرار دیا ہے، جو اُس کی محنت کے حساب سے نہیں بلکہ بغیر حساب ملنا لازم ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ
نہ پکڑیں مومن کافروں کو دوست
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ
سوائے مومنوں کے اور جو کوئی کرے گا ایسا۔ پس نہیں وہ
مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ
اللہ سے بیچ کسی چیز کے سوائے اسکے کہ بچو تم ان سے پورا پورا بچنا۔
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۲۸
اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنے قانون سے۔ اور طرف اللہ کے ہے لوٹ کر جانا

حکم دیا جاتا ہے کہ جماعتِ مومنین[۱] اُن اقوام سے دوستی نہ رکھے جو (ربوبیتِ عالمینی کا) انکار کرنیوالے[۲] ہیں سوائے اُن اقوام کے جو نظریہ ربوبیتِ عالمینی پر ایمان[۳] لے آئیں۔ اور جو فرد یا گروہ ایسا کریگا، وہ جان لے کہ اُسکا اللہ تعالیٰ کیساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ تم اُن (کے بُرے عزائم کے خطرات) سے اسطرح بچ جاؤ، جو بچنے کا حق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے قوانین کی مخالفت کے نتائج[۴] سے ڈراتا ہے۔ کیونکہ (اعمال کی اُخروی جوابدہی کیلئے) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

• ۱-۲-۳ آیت بالا کے ۱ کے المومنون سے جماعت مومنین مسلمین مراد ہے، جو قرآن کریم کے ہر نظریے پر سو فیصدی ایمان لے آئے۔ لیکن اسکے ۳ کے المومنین سے مُراد غیر مسلموں میں سے وہ اقوام ہیں جو اس نظریے پر ایمان رکھتی ہوں کہ امن عالم کا قیام اسکے بغیر ممکن نہیں کہ ریاست کے ایک ایک فرد کے بنیادی حقوقِ ربوبیت تسلیم کئے جائیں — اور اس آیت کے ۲ کے الکفرین سے مُراد وہ غیر مسلم اقوام ہیں جو عوام کے بنیادی حقوق کی منکر ہوں۔ اُن سے دوستی قائم کرنے سے اسلئے منع کر دیا گیا ہے کہ عوام کے حقوقِ ضروریاتِ زندگی تسلیم کئے، اور مہیا کئے بغیر، کسی بھی خطۂ زمین پر حقیقی اور پائیدار امن قائم نہیں ہو سکتا۔

• ۴ یہاں نفس بمعنی قانون ہے۔ اللہ اپنے آپ سے نہیں بلکہ اپنے قانون کی مخالفت کے بُرے نتائج سے ڈراتا ہے۔

کیا مطلق کافروں سے دوستی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے

• آیت بالا $\frac{۳}{۲۸}$ کے مذکورہ مفہوم کے خلاف جو مفہوم روائتی تراجم و تفاسیر نے دیا ہے کہ مومنوں کو ہر قسم کے کافروں سے دوستی نہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ مشاہداتی طور پر ناممکن العمل ہونے کیساتھ ساتھ اسوۂ رسُول کے بھی خلاف ہے۔ جیسے کہ سورۂ انفال میں خبر دیگئی ہے کہ رسُولِ مقبول نے بعض کافر اقوام کیساتھ صلح کے معاہدے کئے ہُوئے تھے۔ چنانچہ زمانۂ رسالت میں جن مومنین نے مکہ معظمہ سے ہجرت نہیں کی تھی یعنی وہیں رہ گئے تھے۔ اور وہاں رہتے ہُوئے اپنا الگ داخلی نظام قائم کیا ہوا تھا۔ اُن کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ $\frac{۸}{۷۲}$ = اور (اے ہجرت کرنیوالو مہاجرو! اور اے نصرت کرنیوالو انصارو!) جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی۔ وہ جبتک ہجرت کریں اُسوقت تک تمہارے ذمّہ اُن کی نگرانی کی کوئی چیز نہیں۔ اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں، تو اُن کی مدد کرنا تمہارا فرض ہے۔ سوائے اِسکے کہ اگر اُنکا تنازعہ کسی ایسی قوم سے ہو جن کے اور تمہارے درمیان (جنگ نہ کرنے یعنی صلح کا)

عہد وپیمان موجود ہو۔ تو تم اُس قوم کے خلاف، غیر مہاجر مومنوں کی مدد نہیں کر سکتے۔

● اب دیکھئے! کہ اگر آیت مجیدہ ۳/۲۸ میں کافروں سے مطلقاً دوستی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہوتا۔ تو مکہ کے غیر مہاجر مومنوں کی مدد کے مقابلے پر کافروں کیساتھ کئے گئے عہد وپیمان کو ترجیح نہ دی جاتی۔ بلکہ تنبیہ کیا جاتا کہ کافروں کے ساتھ یکسُوئی دوستی اور عہد وپیمان کو توڑ دو۔ یہ ہمارے حکم ۳/۲۸ کے خلاف ہے۔

مفاد پرستی کا فساد چھپا کر، امن کا اعلان کرنا

● اقوامِ عالم کا دستور یہ ہے کہ ہر طرف جنگیں بھی چھیڑی ہوئی ہوتی ہیں اور ہر طرف امن امن کا ڈھنڈورا بھی پیٹا جا رہا ہوتا ہے۔ جو قومیں عوام کے حقوقِ ضروریاتِ زندگی کو تسلیم نہیں کرتیں۔ اگرچہ اُنکے ذہنوں میں ذاتی یا طبقاتی مفاد پوشیدہ ہوتا ہے۔ لیکن اُن کی بھی زبان اور قلم سے یہی اعلان جاری رہتا ہے کہ ہم دُنیا سے غربت، بیماری اور ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے متمنی ہیں۔ ایسے مفسد لوگ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۲/۱۱ کا منافقانہ اعلان کرنیوالے اور منکرینِ رُبوبیت کے ساتھ چھپی دوستی رکھنے والے زمانۂ رسالت میں بھی موجود تھے۔ جن کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ
کہہ دیجئے! اگر تم چھپاؤ جو ذہنوں تمہارے میں ہے یا اُسے ظاہر کرو
یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی
جانتا ہے اُسے اللہ۔ اور وہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو ہے
الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ۲۹
زمین میں۔ اور اللہ ہے ہر چیز کے اندازے مقرر کرنیوالا

(اے رسُول! لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ (انفرادی مفاد کا جذبہ) جو تمہارے ذہنوں میں موجود ہے۔ خواہ تم اُسے چھپاؤ یا ظاہر کرو۔ اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے۔ (تمہارے پوشیدہ عزائم چیز ہی کیا ہیں) وہ تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ہر چیز سے باخبر ہے۔ نیز (باخبر ہی نہیں بلکہ) اللہ ہر چیز کے خود قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔ (اُس نے ہر چیز کو اپنے قوانین کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے)

قیامت کی یاد

خداوند عالم چونکہ نافرمان افراد واقوام کو اِس دُنیا میں اُسوقت تک نہیں پکڑتا، جبتک کہ اُسکے قوانینِ مشیت کیمطابق کسی قوم کے جرائم کی سزا مرتب نہ ہو جائے۔ اِسطرح بعض افراد کی سزا چونکہ اُنکی زندگی میں مرتب نہیں ہوتی اور وہ زندگی بھر برائیاں کرتے رہتے ہیں۔ تا آنکہ بلا سزا دُنیا سے چلے جاتے ہیں۔ اِسلئے اِس پر یہ تصوّر پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ جسکی لاٹھی اُسکی بھینس کے خود ساختہ اصول پر عمل کرتے چلے جائیں۔ اِسلئے خدا تعالیٰ کا قاعدہ کلیہ ہے کہ اپنی کتاب مقدّس میں ایسے لوگوں کو ساتھ کے ساتھ اُخروی عدالت کی خبر بھی دیتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ
جس دن پائیگا ہر نفس جو عمل کیا اُس نے اچھا

وہ دن قابلِ ذکر ہے جسمیں ہر شخص اپنے ہر اُس عمل کو حاضر پائیگا، جو وہ بھلائی میں سے بجا لایا۔ نیز اپنے ہر

مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ
حاضر کیا ہوا اور جو عمل کیا اس نے برا۔ چاہیگا کہ کاش ہوتا
بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ
اُس برے عمل اور اُسکے درمیان لمبا فاصلہ۔ اور ڈراتا ہے تم کو اللہ
نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۳۰
اپنے قانون سے اور ہے اللہ بہت مہربان بندوں پر ع

اُس عمل کو بھی موجود پائیگا جو وہ برائی میں سے بجا لایا تھا۔ (برے اعمال کی سزا کے متعلق)، وہ آرزو کریگا، کاش کہ اُس سزا کے، اور اُسکے درمیان بہت ہی دوری ہو حقیقت یہ ہے کہ (قیامت کی بار بار یاد دلا کر) اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے قانون (کی مخالفت کے برے نتائج) سے ڈراتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے۔

• اس سے اگلی آیت میں قوانین خداوندی کی مخالفت کی عملی صورت کی وضاحت خود آنحضورؐ کی زبان مبارک سے بالفاظِ ذیل کرائی گئی ہے:-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ
کہدیجئیگا، اگر ہو تم محبت کرتے اللہ سے تو اتباع کرو میری
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
محبت کریگا تم سے اللہ۔ اور معاف کریگا خطائیں تمہاری اور ہے اللہ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳۱
معاف کرنے والا مہربان

اے رسولؐ! کہدیجئیگا کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو میری پیروی کرو (چونکہ میں قرآن کریم کی پیروی کرتا ہوں ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۴۶/۹ اسلئے میری پیروی قرآن کریم کی پیروی ہے)، اسطرح اللہ تمہیں پسند کریگا اور تمہاری خطائیں معاف کردیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

اس آیت کریمہ سے اتباع رسولؐ کے پردے میں کتب روایات کی اتباع کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے

اتباعِ رسولؐ

حالانکہ خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں رسولِ مقبول سے خود اعلان کروا رکھا ہے:-

• اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۴۶/۹ = میں نہیں اتباع کرتا مگر صرف اُسکی جو میری طرف وحی کیا گیا ہے۔ اور اس سوال کا جواب بھی کہ آپ پر کیا وحی کیا گیا تھا، خود آپ ہی سے کہلوا دیا گیا ہے۔ اور اُسکی خود ہی تصدیق بھی کردی گئی ہے:-

• وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ۶/۱۹ اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔
• اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۱۲/۳ اور تیری طرف ہم نے یہ قرآن وحی کیا ہے۔

ان ہر سہ آیات کریمات کے اتصال سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ مقبول وحی کی اتباع کرتے تھے اور آپ پر قرآن کریم وحی کیا گیا تھا جس کی تائید و تصدیق خدا تعالیٰ اور رسولِ مقبول ہر دو کے بیانات سے بیّن ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اصل متبوع وحی الٰہی ہے جس کے تابع خود رسولِ مقبول بھی تھے۔ اسطرح اگرچہ رسولِ مقبول ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ہمارے اندر اصل متبوع وحی الٰہی قرآن کریم اپنے صحیح متن کیساتھ موجود و محفوظ ہے اور قیامت تک موجود و محفوظ رہیگا۔ پس آیت زیر بحث ۳/۳۱ میں اتباع رسولؐ کی صورت میں اتباعِ قرآن کا حکم دیا گیا ہے، کتب روایات کی اتباع کا حکم ہرگز نہیں دیا گیا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو دوبارہ حکم ہوا ہے کہ آپ کہدیجئیگا کہ لوگو! اللہ کی اطاعت

اسکے رسول کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات کے ذریعہ کرو۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا
کہدیجیئیگا اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر روگردانی کریں

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۳۲
توبیشک اللہ نہیں پسند کرتا انکار کرنیوالوں کو

اے رسول! کہدیجیئیگا کہ اللہ کی اطاعت اسکے رسول کے ذریعہ[علہ] کرو۔ (کیونکہ اُسنے اپنا حکمنامہ اپنے رسول ہی کے ذریعہ تم تک پہنچایا ہے) پھر اگر لوگ (ہمارے حکمنامہ کی اطاعت) روگردانی کریں تو (اعلان کردیجیئیگا کہ) اللہ تعالیٰ انکار کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

● علہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کی مفصل بحث دیباچہ کے عنوان نمبر ۲۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس جملہ میں واؤ بمعنی بذریعہ ہے جسکی وضاحت قرآن کریم نے وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ $\frac{9}{3}$ میں کردی ہے کہ اللہ اور رسول کا اعلان ایک ہے دو نہیں ہیں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ: حج اکبر کے دن اللہ کا اعلان ہے اسکے رسول کے ذریعہ کہ بیشک اللہ اور اسکا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں جسطرح یہاں روز روشن کیطرح عیاں ہے کہ رسول کا اعلان اللہ کا اعلان ہے الگ نہیں تھا۔ اسی طرح رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے الگ ہرگز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اطاعت ہوتی ہے حکم کی۔ اور حکم ہے صرف اللہ تعالیٰ کا۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ $\frac{6}{57}$ + $\frac{12}{40}$ + $\frac{12}{67}$ نیز فرمایا:- لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا $\frac{18}{26}$ = اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ (حتّٰی کہ کوئی نبی رسول بھی اللہ کے حکم میں ہرگز شریک نہیں تھا۔ پس اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جسے وہ کراتا ہے اپنا حکمنامہ بھیجکر اپنے نبیوں کے ذریعہ۔ اللہ کے نبی رسول چونکہ اللہ کے سو فیصدی فرمانبردار تھے، اسلئے وہ $\frac{6}{56}$ + $\frac{12}{40}$ + $\frac{12}{67}$ کے تکراری اعلان کے مطابق اپنی نہیں، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے۔ اسکے علاوہ قرآن مجید میں اطاعت رسول سے مراد آپ کے وہ احکام بھی ہیں جو آپ بحیثیت صاحب امر دیا کرتے تھے یعنی انتظامی امور سے متعلقہ احکام یعنی وہ امور جن میں آنحضور کو صحابہ کیساتھ مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا:- شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ $\frac{3}{159}$ = آپ صحابہ کیساتھ دنیٰ امور میں مشورہ کیا کریں۔ پھر باہمی مشورہ کے بعد جس کام کا ارادہ فرمائیں تو اللہ کے قانون پر بھروسہ کیا کریں۔ صاحب امر ہونے کی حیثیت سے آنحضور کے پانچ مقام تھے۔

● ۱ ● ۲ پہلا یہ کہ آپ قرآنی ریاست کے صدر تھے۔ اور دوسرا یہ کہ آپ قاضی القضاۃ یعنی مقدموں کے فیصلے کی رُو سے آخری اتھارٹی تھے۔ آپکا فیصلہ مقدمہ کے ہر دو فریق کو تسلیم کرنا لازم تھا۔ اسکے ضمن میں مومنوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:- فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا $\frac{4}{65}$ پس تیرے پروردگار کی شہادت ہے کہ یہ لوگ اُسوقت تک مومن نہیں ہوسکتے، جبتک کہ اپنے جھگڑوں میں آپکو حاکم نہ ٹھہرائیں پھر یہ کہ جو فیصلہ آپ کریں اُس پر ذہنوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اُسے اسطرح تسلیم کریں جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔ اسی کے ضمن میں خود آنحضور کو حکم دیا گیا ہے:- فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ $\frac{5}{48}$ = آپ صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قرآن کریم کیساتھ فیصلے کیا کریں۔

● ۳ آپ کا تیسرا مقام تھا سپہ سالار کا۔ چنانچہ مورچوں کی تقسیم آپ کا کام تھا۔ اور آپکا حکم ماننا سو فیصدی لازم تھا۔ جیسے

کہ میدانِ بدر میں ہر سپاہی کیلئے اُسکا مقام آپنے خود مقرر فرمایا تھا:- وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۳/۱۲۱ - اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب آپ صبح سویرے اپنے اہل سے (میدانِ جہاد میں پہنچ گئے) آپ مومنوں کو لڑائی کے ٹھکانوں (مورچوں) پر متعین فرمارہے تھے۔ یہ تعین آنحضورؐ فرماتے تھے جو بذریعہ وحی نہیں ہوتا تھا۔ اور اسیطرح مالِ غنیمت کی تقسیم بھی بذریعہ وحی نہیں ہوتی تھی، یہ بھی خود آنحضورؐ کا کام تھا۔ چنانچہ مومنوں کو حکم ہوا ہے:- وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۵۹/۷ اور مالِ فے (یا مالِ غنیمت) میں سے تمیں جو مال اللہ کا رسول دے وُہ لے لیا کرو، اور جس مال سے منع کردے اُس سے رُک جایا کرو یعنی جس جس کو اللہ کا رسول جتنے جتنے مال کا حقدار قرار دے اُسے اُتنا ہی لینا چاہیئے۔ آنحضورؐ کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اِسکی غرض بتائی گئی ہے:- كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۵۹/۷ : تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال تمہارے مالداروں ہی میں گھومتا رہے اور غربا بیچارے محروم رہ جائیں۔

● ۴ چوتھا مقام آنحضورؐ کا تھا امیرِ صلوٰۃ کا، کہ آپ کی موجودگی میں کوئی اور شخص امیرِ صلوٰۃ کے فرائض ادا نہیں کرسکتا تھا۔ سورہ نسآء میں ارشاد ہوا ہے:- وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ۴/۱۰۲ : اور اے رسول! جب آپ خود اِن میں موجود ہوں تو اِن کیلئے آپ خود صلوٰۃ کھڑی کیا کریں۔

● ۵ پانچواں مقام تھا آپکا منبر کے خطیب کا، جسکی خبر سورہ جمعہ میں دیگئی ہے کہ شروع شروع میں کچھ مومنوں کی حالت تھی:- وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا ۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۶۲/۱۱ - اور جب دیکھتے ہیں تجارت یا کھیل تماشا تو اُس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔

● پس اِن الگ الگ حیثیات کی رُو سے آپکے فیصلوں کا ماننا صحابہؓ کیلئے فرض تھا۔ اور آپکے بعد آپکے جانشین اولی الامر ریاست کے صدر، عدالت کے قاضی القضاۃ، میدانِ جہاد کے سپہ سالار، ممبر کے خطیب اور صلوٰۃ موقت کے امیر کے وہی فرائض انجام دینگے جو آنحضورؐ انجام فرمایا کرتے تھے۔ اور ہر زمانے کے مومنوں پر الگ الگ اُن کی اتباع و اطاعت فرض ہوگی۔ ضابطۂ الٰہی میں نہ دخل آنحضورؐ کو تھا نہ آپکے جانشینوں کو ہوگا۔

● چونکہ پیچھے مسلسل حکومتِ ارضی کا ذکر چلا آرہا ہے اسلئے اگلی آیت مجیدہ میں خلافتِ ارضی کیلئے جن افراد کو منتخب کیا گیا تھا۔ اُنکا ذکر لایا گیا ہے:-

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ بیشک اللہ نے پسند کیا آدم کو اور نوح کو اور آل اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۳۳ ابراہیم کو، اور آلِ عمران کو مقابلے لوگوں کے	بیشک اللہ تعالیٰ نے (خلافتِ ارضی کیلئے) منتخب فرمایا، آدمؑ کو، نوحؑ کو اور آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمران کو لوگوں کے مقابلے پر ۔ ۱

● ۱ حضرت آدمؑ اللہ کے نبی اور پہلے ارضی خلیفہ تھے۔ نوحؑ کی قوم نے نوحؑ کی مخالفت کی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اُسے غرق کردیا تو حضرت نوحؑ نے متوازن اسلامی معاشرہ قائم کیا۔ ظاہر ہے کہ اُنہوں نے جو طوفان کے بعد بستی بسائی تھی۔ اُس میں مجلہ اہل بستی

کا خوراک لباس علاج اور رہائش کا مساویانہ حق تسلیم کیا گیا تھا۔ آل ابراہیم کے متعلق سورہ نسآء میں ارشاد ہُوا ہے :- وَاٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا ۴/۵۴۔ اور ہم نے آل ابراہیم کو ایک عظیم حکومت عطا فرمائی۔ حضرات موسیٰ اور داؤد و سلیمان سلامٌ علیہم آل ابراہیم کے چشم و چراغ تھے۔ اور اسیطرح آل عمران میں حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ نے بنی اسرائیل کو شکست دیکر ایسی سلطنت قائم کی تھی جسمیں نظام ربوبیت کی رُو سے سب کا مساوی حق تھا۔ حضرت مسیح کی جنگ کا ذکر ۶۱/۱۴ میں آیا ہے جس کی تفصیل جلد اوّل میں ۲/۸۷ کے تحت گزر چکی ہے۔ ملاحظہ فرما کر تسلّی فرمالیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں حضرات آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انکے بعض بعض کی اولاد تھے سب نوع آدم تھے۔ اُن میں سے مافوق البشر کوئی بھی نہیں تھا۔

ذُرِّیَّۃً ۢ بَعْضُھَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ
اولاد تھے بعض اُن کے بعض کی اور اللہ سُننے والا

عَلِیْمٌ ۳۴
جاننے والا ہے

اِن میں سے بعض، بعض کی ذرّیت (یعنی بعض بعض کے حقیقی بیٹے، پوتے پرپوتے) تھے (اِن سب کے سب کے اقوال افعال میں مُطلقاً فرق نہیں تھا ۲/۲۸۵) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی باتوں کو سُننے۔ اور ارادوں کو جاننے والا ہے۔[۱]

[۱] • اِن اللہ کے پسندیدہ گروہوں میں سے ایک گروہ آل عمران کا ذکر اگلی آیت مجیدہ میں انتہائی پسندیدہ اور خصوصی انداز کیساتھ کیا گیا ہے کہ حضرت عمران کی بیوی۔ جو اگرچہ ایک عورت تھی، اُسکے ذہن میں تبلیغ اسلام کا اسقدر وسیع جذبہ موجود تھا۔ کہ اُس نے اپنے اُس بچے کو جو ابھی اُس کے رحم میں تھا۔ دینِ الٰہی کی خدمت کے لئے وقف کردیا۔ دیکھئے! کس پیارے انداز میں بیان کیا گیا ہے :-

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ
جب کہا زوجۂ عمران نے اے میرے رب بیشک میں نے نذر کیا

لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ
تیرے لئے جو ہے میرے پیٹ میں آزاد کیا ہُوا پس تو قبول فرما مجھ سے بیشک تُو ہی

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۳۵
سُننے والا جاننے والا

وہ وقت قابل ذکر ہے جب زوجۂ عمران نے حضور الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! بلاشبہ میں نے اپنے اُس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے (اپنے حقوق سے) آزاد کر کے تیرے دین کی خدمت کیلئے تیری نذر کردیا ہے۔ پس تُو میرا یہ حقیر نذرانہ قبول فرما۔ بلاشبہ تُو سُننے والا جاننے والا ہے (تُو میرے الفاظ کو سنتا اور میری نیّت کو جانتا ہے)

• جیسا کہ اگلی آیت سے عیاں ہوگا کہ یہ بچہ جسے پیدائش سے پہلے ہی دین اللہ کیلئے وقف کردیا گیا تھا حضرت مریمؑ تھیں۔ آیت مجیدہ میں اُن کی والدہ کیلئے اِمْرَاَتُ عِمْرٰنَ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِمْرَاَتُ کا لفظ بیوی کیلئے آتا ہے، جیسے اِمْرَاَتَ فِرْعَوْنَ، اِمْرَاَتُ نُوْحٍ وغیرہ۔ لیکن یہاں پر یہ مغالطہ رفع کرنا ضروری ہے کہ آیت مجیدہ کے الفاظ کے مطابق جب حضرت مریمؑ کی والدہ عمران کی بیوی تھیں تو حضرت مسیح عمران کے نواسے ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن آل عمران کے لفظ کے مطابق آپ عمران کی ذریت سے تھے نواسے نہیں تھے۔ اسلئے ثابت ہوتا ہے کہ والدۂ مریمؑ کے شوہر عمران، آل عمران کے ایک فرد تھے، جن کا نام مُلکی رواج کے مطابق دادا پردادا کے نام پر عمران رکھا گیا تھا۔ جیسا کہ آیت مجیدہ ۱۹/۲۸ میں مریمؑ کو یَآاُخْتَ هٰرُوْنَ کہا گیا ہے۔ یہ ہارون اپنے اُس بڑے

بزرگ حضرت ہارونؑ کی آل میں سے تھے۔ جو حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے۔ نیز حضرت مریمؑ کے شوہر یعنی حضرت مسیحؑ جن کے بیٹے تھے، وہ بھی اپنے بڑے بزرگ عمران کی اولاد میں سے ثابت ہوتے ہیں پس اسطرح حضرت مسیحؑ اپنے اُس بڑے بزرگ حضرت عمران کی آل میں سے تھے۔ جن کا ذکر آلِ ابراہیمؑ کے بعد آلِ عمران کے الفاظ میں آیا ہے۔ یہاں آل کا معنی اولاد ہے۔ کیونکہ آلِ ابراہیمؑ سے بھی اُن کی اولاد مقصود ہے حضرات داؤد، سلیمان اور موسیٰ سلام علیہم جنہیں خلافتِ ارضی عطا کی گئی تھی۔

حضرت مریمؑ کی پیدائش

• زوجۂ عمران کا خیال تھا کہ اُسکے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ لیکن وہ بچہ جب پیدا ہوا، تو وہ لڑکی تھی۔ اس پر اُسے کچھ خفت تو محسوس ہوئی۔ مگر اپنے وعدہ کے مطابق لڑکی ہی کو خدمتِ دین کیلئے پیش کردیا۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَآ
پھر جب جنا اُس نے اُسے تو کہا اے میرے رب بیشک میں نے جنی
أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ
لڑکی۔ اور اللہ خوب جانتا ہے اُسے جو اُسنے جنا۔ اور نہیں لڑکا
كَالْأُنثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا
مانند لڑکی کے اور بیشک میں نے نام رکھا اسکا مریم اور میں اُسے دیتی ہوں پناہ
بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ ۳۶
تیری اور اس کی اولاد کو بھی شیطان مردود سے

پھر جب زوجۂ عمران نے اُسے جنا تو وہ لڑکی تھی اُسنے کہا کہ اے میرے پروردگار! میں نے لڑکی جنی ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ خوب جانتا ہے، جو کچھ اُسنے جنا۔ اُسکا ذہنی بیٹا اس بیٹی کے برابر نہیں ہوسکتا تھا۔ زوجۂ عمران نے کہا، میں نے بچی کا نام مریم رکھا ہے۔ اور اے میرے پروردگار! بیشک میں اُسے اور اُسکی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے بچانے کیلئے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

• آگے بڑھنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ مندرجہ بالا آیت مجیدہ کے ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ جملہ معترضہ ہیں جنمیں خدا تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ زوجۂ عمران کے ہاں پیدا ہونیوالی لڑکی اُسکے ذہنی لڑکے سے بہتر تھی۔ یہ اسلئے کہ مریمؑ منذورہ تھی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اُس معاشرہ کی اِس غیر اسلامی رسم کو توڑنیوالا تھا جو منذورہ لڑکیوں کی شادی میں حائل تھی۔ مریمؑ وہ پہلی منذورہ تھی جسکی شادی کے ذریعہ جہالت کی مذکورہ رسم توڑی گئی۔ چنانچہ والدۂ مریمؑ کا نذرانہ قبول کیا گیا۔ اور قبولیت کی سند کے طور پر اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کفالتِ مریمؑ کے بہت سے دعویداروں کے باوجود مریمؑ منذورہ حضرتِ زکریاؑ کی کفالت میں آئیں، جنہوں نے اُنکی بہترین تربیت فرماکر اُنہیں بہترین معلمہ بھی بنا دیا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا
پس اللہ نے قبول کیا اُسے قبول کرنا اچھا اور اُسکی
نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ .....
کی اچھی تربیت کی اور اُسکی کفالت کی زکریا نے

پھر مریمؑ کو اُسکے پروردگار نے (اُسکی ماں کے) اچھے نذرانے کے طور پر قبول کیا۔ اور اُسکی اچھے طریقے سے پرورش فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ مریمؑ کی کفالت زکریاؑ نے کی تھی۔

احساسِ ذمّہ داری

مریمؑ جوان ہوگئیں تو حضرت زکریاؑ نے انہیں ایک الگ محراب میں مقیم کر دیا جہاں اُنکے پاس صرف عورتیں ہی آتی اور دین سیکھا کرتی تھیں۔ اسطرح وہ مریمؑ کیلئے کھانے کی کچھ چیزیں لے آتی تھیں۔ زکریا سلامٌ علیہ اُنکی خبرگیری کیلئے اُنکے پاس آتے تو پوچھتے کہ مریمؑ! یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آتی ہیں۔ آپ فرماتیں، شاگرد عورتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بھیج دیتا ہے۔ اِس واقعہ کو قرآن کریم نے بالفاظ ذیل بیان کیا ہے:-

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا

جب داخل ہوتا اُسکے پاس زکریا محراب میں پاتا اُسکے پاس

رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

کھانے کی چیزیں۔ کہا اے مریم کہاں سے آتی ہے یہ۔ کہتی وہ ہے طرف سے

اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ۳۷

اللہ کی بیشک اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہے، بلا حساب

جب حضرت زکریاؑ مریمؑ کے پاس محراب میں جاتے تو اُن کے پاس کھانے کی چیزیں پڑی ہوئی پاتے۔ آپ پوچھتے مریم! یہ (رزق) تیرے پاس کہاں سے آتا ہے۔ وہ کہتیں اللہ بھیج دیتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جسے (اُجرت کے پیمانوں کیساتھ ناپے بغیر یعنی) رزق بغیر حساب دیتا ہے، اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی دیتا ہے۔

• حضرتِ زکریاؑ کا مذکورہ بالا سوال اَنّٰی لَكِ هٰذَا اس چیز کی خبر دیتا ہے کہ آپ پر جو کفالتِ مریمؑ کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی، آپ اُسے ہر وقت نگاہوں کے سامنے رکھتے تھے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرتِ مریمؑ بہترین معلّمہ اور مبلّغہ بن چکی تھیں اور سنِ بلوغ کو پہنچنے تک عورتوں کی تبلیغ اور درس و تدریس کا کام سنبھال چکی تھیں۔

ولادتِ یحییٰؑ

اِس سے اگلی چار آیات کریمات میں حضرتِ یحییٰؑ کی ولادت کا ذکر ولادتِ مسیحؑ کے ذکر سے ماقبل جملہ معترضہ کے طور پر آیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ولادتِ مسیحؑ کیساتھ ولادتِ یحییٰؑ کا ایک خاص تعلق ہے۔ جس کا ذکر آگے اپنے مقام پر آرہا ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کیا جاتا ہے کہ ولادتِ مسیح کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ مذکور ہے۔ سورہ آلِ عمران اور سورہ مریم میں۔ اور دونوں مقامات پر ولادتِ مسیح کے تذکرہ سے پہلے ولادتِ یحییٰ کا ذکر لایا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب مریمؑ صدیقہ کو حضرتِ زکریاؑ نے ایک الگ محراب میں الگ کر دیا، جہاں اُنہوں نے عورتوں کے درس تدریس کا کام سنبھال لیا۔ تو آپ عورتوں کی تبلیغ کی طرف سے مطمئن ہوگئے لیکن آپ اپنے بعد مردوں کی تبلیغ اور درس و تدریس کے متعلق مطمئن نہیں تھے۔ کیونکہ مردوں میں آپکے بعد سلسلۂ تبلیغ کو جاری رکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اِسلئے آپ نے حضرتِ مریمؑ کی تبلیغی کامیابیوں کو دیکھ کر، محرابِ مریمؑ ہی میں خدا تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی:-

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي

وہاں دعا کی زکریا نے رب اپنے سے۔ کہا اے رب عطا کر واسطے میرے

مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ ۳۸

طرف اپنی سے بیٹا پاکیزہ بیشک تو ہے سننے والا دعا کا

وہاں زکریاؑ نے اپنے رب کے حضور دُعا فرمائی کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے ایک پاکیزہ بیٹا عطا فرما۔ بلاشبہ تُو دُعا کو سننے والا ہے۔

دُعا حضورِ الٰہی میں براہِ راست کی جائیگی۔ کسی نبی وَلی کا وسیلہ درمیان میں نہیں لایا جائیگا۔

• حصولِ اولاد کیلئے حضرتِ زکریاؑ کی دُعا آپکے سامنے ہے۔ جیسے تبادل الفاظ کیساتھ 19/5 اور 21/89 میں دہرایا بھی گیا ہے۔ نیز بیٹے ہی کیلئے حضرت ابراہیمؑ کی دُعا 37/100 میں مذکور ہے لیکن نہ حضرتِ ابراہیمؑ اپنی دعا میں اپنے بزرگ حضرتِ نوحؑ کا وسیلہ لائے تھے۔ نہ حضرت زکریا نے اپنے بزرگ حضرت ابراہیمؑ کا وسیلہ پیش کیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا میں کسی نبی ولی کا وسیلہ لانا خلافِ اسلام ہے۔ اور بات بھی بڑی سیدھی سی ہے کہ جب حضرات ابراہیم اور زکریا سلامٌ علیہم جیسے نبی تو خود خدا تعالیٰ کے محتاج تھے اور خود اُس سے بیٹے مانگتے تھے۔ تو پھر وہ وسیلہ کسطرح ہو سکتے ہیں؟ لیجئے اب دعاءِ زکریا کا جواب ملاحظہ فرمائیے:۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ ؏
پس مخاطب ہوئیں وحی لانیوالی قوتیں جب وہ کھڑے دعا کر رہے تھے
فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ
بیچ محراب کے۔ بیشک اللہ آپکو بشارت دیتا ہے یحییٰ کی۔ تصدیق کرنے والا
بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ
اللہ کے ارشادات کی۔ اور سردار اور پابندِ شریعت اور نبی، ہوسے
الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۳۹
صالحین کے

پھر حضرتِ زکریا سے اللہ کی وحی لانیوالی قوتوں کے ذریعہ اُسی وقت مخاطب ہوا جبکہ وہ محراب میں کھڑے دعا کر رہے تھے۔ کہ اے زکریا! بلاشبہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے۔ جو ارشاداتِ الٰہیہ کے مطابق (سابقہ نبیوں کی) تصدیق کرنے والا ہوگا۔ قوم کا سردار ہوگا۔ نیز قوانینِ الٰہیہ کا پورا پابند ہوگا یعنی نبی ہوگا۔ اور اُس گروہ میں سے ہوگا جو معاشرہ کی اصلاح کرنیوالے ہیں۔

؏ یہاں یُصَلِّیْ بمعنی نماز پڑھ رہا نہیں بلکہ دُعا کر رہا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ایسا بے اصول نہیں کہ حضرت زکریا صلوٰۃ ادا کر رہے ہوں اور وہ عین دورانِ صلوٰۃ ہی اپنا پیغام بھیجدے۔ نیز واضح رہے کہ اللہ کے پیغام اُسکی پیغام رساں قوتوں ملائکہ ہی کے ذریعہ آتے تھے۔ جو ظاہری کانوں سے نہیں بلکہ بصیرت کے کانوں ہی کیساتھ سُنے جاتے تھے۔ نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اپنی آدمی زبان ہے نہ اُسکے ملائکہ کی کہ اُسکا پیغام باآواز ہو۔ حضرتِ زکریا کو جب بیٹے کی خوشخبری دیگئی تو آپ نے اپنے حالات کے مطابق انتہائی تعجب کے عالم میں عرض کیا:۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ
کہا اے رب کسطرح ہوگا میرے لئے بیٹا جبکہ بلاشبہ پہنچا مجھے
الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ
بڑھاپا اور بیوی میری ہے بانجھ۔ کہا ایسا ہی ہے۔ اللہ
يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝ ۴۰
کرتا ہے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق

حضرت زکریا نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میرے ہاں بیٹا کسطرح ہوگا، جبکہ خود مجھکو بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اللہ نے فرمایا، ایسا ہی ہے (واقعی آپ بوڑھے ہیں اور آپکی بیوی بانجھ ہے۔ لیکن) اللہ تعالیٰ ہر کام قانونِ مشیت کے مطابق ہی کرتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرتِ زکریا نے پہلے تو طیب بیٹے کیلئے دعا فرمائی لیکن جب منظور ہوگئی تو جھٹ کہدیا کہ میرے ہاں بیٹا کسطرح ہوگا جبکہ میں بوڑھا اور بیوی بانجھ ہو چکی ہے۔ کیا اللہ کا نبی پہلے بھول گیا تھا کہ ہم دونوں بوڑھے

ہو چکے ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اَنّٰی استفہام کے بعد اگر جملہ منفی ہو تو استفہام انکاری ہوتا ہے یعنی اَنّٰی امر محال کیلئے کلام میں تاکید پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں مفہوم یہ ہے کہ میرے ہاں بیٹا، سلسلۂ تولید کی راہ میں حائل ان رکاوٹوں کو دُور کئے بغیر نہیں ہوگا۔ اسکے جواب میں ارشاد ہوا ہے کَذٰلِکَ = ایسا ہی ہے، اللہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی ہر کام انجام دیتا ہے۔ سورہ مریم میں آیا ہے:- ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ ۹/۱۹ = ان رکاوٹوں کو دُور کرنا میرے لئے آسان ہے۔ چنانچہ حضرتِ زکریاؑ میں چونکہ مردمی بالکل ناپید نہیں تھی۔ اسلئے انہیں تبلیغی کام سے تین دن کی چھٹی کروا کر بیوی کیطرف رجوع کر دیا۔ اور بیوی جو بیمار تھی اُسے علاج کے ذریعہ اولاد کے قابل کر دیا۔ سورۂ انبیاء میں اسی چیز کی خبر دیگئی ہے:-

• وَزَکَرِیَّآ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۸۹-۹۰/۲۱ اے صاحبِ قرآن! زکریا کا وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب اُس نے اپنے رب کو پکارا، کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا۔ تو بہتر وارث عطا کرنیوالا ہے۔ پس ہم نے اُسکی دُعا قبول فرمائی۔ اور اُسے اسطرح یحییٰؑ عطا کیا کہ ہم نے اپنے قانونِ شفا کے مطابق، اُسکے لئے اُسکی بیوی کی اصلاح کر دی۔

• دیکھئے! اس آیت مجیدہ ۹۰/۲۱ نے، ۴۰/۳ کے الفاظ اَللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ میں مذکور اللہ کے قانونِ مشیت کی تفسیر کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ زکریاؑ کو بیٹا، اپنے مقرر کردہ قوانینِ مشیت کے مطابق ہی عطا فرمایا تھا جس پر اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کے الفاظ شاہد ہیں۔

یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ کا معنٰی قانونِ مشیت کے مطابق ہے، اس کے خلاف ہرگز نہیں

• یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ کا معنٰی روایتی تراجم میں یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قوانینِ جاریہ کے خلاف کرتا ہے جسطرح چاہتا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم اس تصوّر کا حامل نہیں جب حضرتِ داؤدؑ نے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ کسطرح ہمارا سپہ سالار ہو سکتا ہے جبکہ اُسکے پاس تو مال ہی کوئی نہیں! اس پر حضرت داؤد نے فرمایا:- اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَیْکُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۲۴۷/۲ = اللہ نے اُسے تمہارے مقابلے پر اسلئے پسند فرمایا ہے کہ اُسے علم اور صحت میں زیادہ فراخی دی ہے اور اسکے بعد آیا ہے:- وَاللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْکَهٗ مَنْ یَّشَآءُ ۲۴۷/۲ = اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک اُسے دیتا ہے جسے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق چاہتا ہے۔ اب دیکھئے کہ سپہ سالاری کیلئے اللہ کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ یہ منصب اُسے دیا جانا چاہئے جو جنگی علم بھی رکھتا ہو اور جسم کے لحاظ سے بھی تنومند اور جفاکش ہو — اب آیئے سلسلۂ درس کیطرف۔ اگلی آیت مجیدہ میں حضرتِ زکریاؑ کو تین دن کیلئے تبلیغی کام سے چھٹی کرنیکا حکم دیا گیا ہے:-

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا
کہا اے رب میرے ٹھہرا واسطے میرے کوئی نشانی کہا نشانی تیری یہ ہے کہ

تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ
تو نہ کلام کرے لوگوں سے تین دن مگر اشاروں سے اور یاد رکھ رب اپنے کو

زکریاؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی ٹھہرائیگا۔ حکم ہُوا تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تُو تین دن کیلئے لوگوں کیساتھ اشاروں کے سوا کلام نہ کرنا ۱۹/۱۰۔ اور اپنے پروردگار کو خوب یاد رکھنا۔ اور اپنے فرائضِ منصبی دن کے پچھلے حصّے اور صبح کو (بہ آں بدستور)

كَثِيرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۴۱ ع ۱۱/۱۲
بہت اور اپنا فرضِ منصبی ادا کیا کر شام اور صبح کو

ادا کرتے رہنا۔

• یہاں سَبِّحْ سے مراد صلوٰۃِ موقت نہیں بلکہ فرائضِ منصبی کی ادائیگی ہے۔

حضرت مریمؑ کو اُس غیر اسلامی رسم کو توڑنے کیلئے چن لیا گیا جو اُس معاشرہ میں رائج تھی کہ منذورہ لڑکیوں کی شادی نہیں کیجاتی تھی

• حضرت یحییٰ کی پیدائش کے ضمنی ذکر کے بعد اگلی آیتِ مجید میں حضرت مریمؑ کو جب وہ بالغ ہو گئیں تو حضرت ذکریا کی معرفت پیغام دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے منذورہ لڑکیوں کو کنواری رکھنے کی غیر اسلامی رسم کو توڑنے کیلئے چن لیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ
اور جب (ذکریا کی معرفت) ملائکہ نے مریم کو کہا بیشک اللہ نے

اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِينَ ۴۲
پسند کیا تجھے اور پاکیزہ ٹھہرایا تجھے اور پسند کیا تجھے مقابل عورتوں جہانوں کے

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی پیامبر ساں قوتوں نے حضرت ذکریا کی معرفت حضرت مریم کو کہا کہ اللہ نے تجھے پسند کیا، پاکیزہ ٹھہرایا اور تجھے (منذورہ لڑکیوں کی عدمِ نکاح کی جاہلانہ رسم کو توڑنے کیلئے) اس زمانے کی عورتوں سے چن لیا ہے۔

وحی نبیوں کو ہوتی تھی اور نبی صرف مرد ہوتے تھے

• آگے بڑھنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ عوام سے خطاب کرنے کیلئے نبیوں کو بطور نمائندہ منتخب کیا کرتا تھا! ور اُن کے ذریعہ عوام سے خطاب کرتا تھا۔ اور وہ مرد ہی ہوا کرتے تھے جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے :- وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِيٓ إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرٰى $\frac{12}{109}$ = اور اے رسولؐ ہم نے آپ سے پہلے بھی بستیوں والوں میں سے نہیں بھیجا کسی کو مگر مردوں ہی کو بھیجا تھا کہ ہم اُنکی طرف وحی کرتے تھے۔ پس اس خداوندی کلیّہ کے مطابق ثابت ہوا کہ حضرت مریم کو وحی نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ نہ آپ نبیہ تھیں۔ اور نہ مرد تھیں کہ اُنکی طرف وحی ہوتی اور اللہ کا پیغام براہِ راست اُنکی طرف آتا۔ چونکہ اُس وقت کے نبی تھے حضرت ذکریا سلام علیہ اس لئے مریم کے نام کا پیغام حضرت ذکریا کے پاس آتا تھا، اور وہ اللہ کا پیغام اُنکو پہنچا دیتے تھے۔ پس واضح رہے کہ آیتِ بالا $\frac{3}{42}$ میں وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ کے الفاظ میں حضرت ذکریا کا واسطہ محذوف ہے۔ چنانچہ پیغامِ خداوندی کا بقیہ حصّہ یہ ہے :-

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي
اے مریم اپنے رب کی فرمانبردار رہ اور اسکے سامنے سجدہ ریز ہو جا

مَعَ الرّٰكِعِينَ ۴۳
اور اللہ کے قانون کے سامنے جھکنے والوں کیساتھ جھک جا۔

حضرت ذکریا کی معرفت کہا گیا کہ) اے مریمؑ اپنے پروردگار کی فرمانبردار بنی رہ۔ اُسکے قوانین کے سامنے پوری طرح سجدہ ریز ہو جا۔ اور خصوصًا قانونِ خداوندی کے سامنے جھکنے والوں کیساتھ تو بھی جھک جا۔

• بعض مترجمین نے وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرّٰكِعِينَ سے یہ مراد لی ہے کہ مریم صدیقہ کو صلوٰۃ موقت (نماز) کا حکم دیا گیا تھا۔

اگر یہ نظریہ صحیح تسلیم کیا جائے تو اس پر سوال پڑتا ہے۔ کہ کیا اللہ کے رسول زکریا سلام علیہ نے مریم کو بالغ ہونے تک صلوٰۃ موقوت کی تعلیم نہیں دی تھی؟ نیز کیا اللہ تعالیٰ صلوٰۃ کا حکم الگ الگ مردوں اور عورتوں کے نام الگ الگ جاری کیا کرتا ہے۔ کہ اے فلاں عورت صلوٰۃ ادا کیا کر۔ اور اے فلاں مرد صلوٰۃ ادا کیا کر۔ پس واضح ہے کہ آیت بالا میں وَاسْجُدِی اور وَارْكَعِی میں نماز کا حکم نہیں بلکہ قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکنے کا حکم ہے یعنی منذورہ پر بھی دوسری عورتوں کیطرح نکاح کر کے رب تعالیٰ کے عائلی قوانین کی پابندی سو فیصدی لازم ہے۔

کفالت نامے پر دستخط • اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مریم صدیقہ کی کفالت کے سلسلے میں کچھ جھگڑے کی صورت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن آخری فیصلہ یہ ہوا۔ کہ مریم کی کفالت حضرت زکریا کریں گے۔ اس آخری فیصلے کو ضبطِ تحریر میں لا کر تمام جھگڑنے والوں سے دستخط لئے گئے۔ چنانچہ آنحضور کو مخاطب کر کے خبر دی گئی ہے کہ اے صاحب قرآن:-

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ

یہ ہیں خبریں غیب سے۔ وحی کرتے ہیں ہم طرف تیری

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ

اور نہیں تھا تو انکے پاس جب وہ دستخط کر رہے تھے اپنے قلموں سے کہ ان میں سے

يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۴

کون ہوگا کفیل مریم کا! اور آپ اسوقت بھی انکے پاس نہیں تھے جب وہ جھگڑتے تھے

(صاحبِ قرآن! سابقہ واقعات کا) مذکورہ بالا بیان غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ آپ اسوقت انکے پاس موجود نہیں تھے جب (کفالتِ مریم کے متعلق جھگڑنے والے) دستخط دے رہے تھے کہ مریم کا کفیل کون ہوگا! اور آپ اسوقت بھی انکے پاس موجود نہیں تھے، جب وہ (اس سے قبل اس معاملے میں) جھگڑ رہے تھے۔

• اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ کا لفظی معنیٰ ہے: "جب وہ اپنے اپنے قلم پیش کر رہے تھے"۔ قلم پیش کرنا محاورہ ہے دستخط دینے کا اسلئے معنیٰ لکھا گیا ہے: جب وہ دستخط دے رہے تھے۔ لیکن روایاتی تراجم میں يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ کا معنیٰ یہ لکھا ہے کہ کفالتِ مریم کے جھگڑے کا فیصلہ یہ ہوا کہ سب دریا میں قلم ڈالیں جسکا قلم پانی کے بہاؤ کے الٹی طرف جائے وہ مریم کا کفیل ہو۔ اسطرح بقول روایات حضرتِ زکریا اسلئے حضرت مریم کے کفیل مقرر ہوئے تھے کہ آپکا قلم دریا میں الٹے پانی بہ گیا تھا۔ یا للعجب!

مسئلہ ولادتِ مسیح • اس سے اگلی آیات کریمات میں ولادتِ مسیح کا وہ عظیم مسئلہ مذکور ہے جس کے متعلق عوام مترجمین و مفسرین نے یہ تاثر دیا ہے کہ آپ معاذ اللہ بلا باپ پیدا ہوئے تھے۔ حالانکہ آیت ماسبق میں وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کے الفاظ میں حضرت مریم کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ تیرا منذورہ، معلمہ اور مبلغہ ہونا تجھے نکاح کے عائلی قوانین کی زد سے مستثنیٰ نہیں ٹھہرا سکتا۔ اسلئے تجھے بھی منذورہ ہونے کے باوجود قانونِ خداوندی کے سامنے جھکنے والوں کیساتھ جھکنا ہوگا یعنی تجھے کنواری نہیں رکھا جائیگا۔ بلکہ تجھے بھی قیدِ نکاح میں لایا جائیگا۔ قرآنِ کریم میں یہ عنوان سورہ مریم میں بھی آیا ہے۔ اس سورت میں اسے اسوقت سے شروع کیا گیا ہے کہ جب مریم منذورہ معلمہ مبلغہ ہونے کیساتھ ساتھ سنِ بلوغ کو بھی پہنچ گئیں۔ اور علیحدہ مکان میں عورتوں کی تعلیم و تبلیغ کا کام شروع کر دیا تو اسوقت انکے کفیل حضرتِ زکریا کے فریضۂ کفالت کے مطابق حکم لڑکی کے وارث کا فرض ہے کہ جب

وہ بالغ ہوجائے تو اُسکے نکاح کا انتظام بھی کرے اور منگنی کے وقت لڑکی کی رضا حاصل کرنے کیلئے اُس سے منگنی کا ذکر بھی کرے، جیسے کہ ارشادِ باری ہے :۔ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ ۲/۲۳۵ ۔ اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے کہ تم منگنی کا ذکر لڑکیوں سے ضرور کروگے پس خبر دیگئی ہے کہ حضرت زکریا نے مریم کی منگنی کا اہتمام بھی کیا اور اُنکی رضا حاصل کرنے کیلئے اُن سے اُسکا ذکر بھی کیا۔ ہم سورہ مریم کو شروع سے پیش کرتے ہیں تاکہ ولادتِ یحییٰ کا جو ذکر سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے اُسے آپ سورہ مریم کے الفاظ میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ولادتِ یحییٰ کے ذکر کے بعد ولادتِ مسیح سے متعلقہ سورہ مریم اور سورہ آل عمران، دونوں سورتوں کی آیتیں متقابل پیش کیجائینگی۔ اور پھر سلسلۂ درس کا تسلسل سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۱ سے شروع کیا جائیگا۔

سورہ مریم

• خداتعالیٰ نے سورہ مریم میں بھی مسئلہ ولادتِ مسیح کو شروع کرنے سے پہلے اُسیطرح ولادتِ یحییٰ کا ذکر کیا ہے جسطرح سورہ آل عمران کی آیات نمبر ۳۸ تا ۴۱ میں گزر چکا ہے۔ وجہ یہ کہ ولادتِ یحییٰ اور ولادتِ مسیح میں ایک خصوصی مماثلت ہے۔ لیجئے یہ ہے سورہ مریم:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ صاحبِ بخشش عامہ و رحمتِ خاصہ کے نام کیساتھ پڑھیگا

كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ ۱۹/۲

اے کریم! ہادی، عبد، صدّیق! تیرے رب کی رحمت کا ذکر کیا جارہا ہے جو اُس نے اپنے بندہ زکریا پر فرمائی۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۱۹/۳

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اُسنے اپنے پروردگار کو مخفی آواز میں پکارا

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۱۹/۴

اُس نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار بیشک میں ہوں کہ میری ہڈیاں کمزور ہوچکی ہیں۔ اور سر کے بال سفید ہوچکے ہیں۔ (اس حالت میں ایک مراد مانگتا ہوں) حقیقت یہ ہے کہ اے میرے پروردگار! میں تیرے حضور دعا کرنے کے بعد تیرے دربار سے کبھی بھی نامراد نہیں لوٹا۔

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۱۹/۶

(نیز عرض کیا کہ) بیشک میں خوف کرتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں میں میری دینی وراثت کے قابل کوئی نہیں۔ اور ادھر میری حالت یہ ہے کہ) میری بیوی بانجھ ہے پس تو اپنی جناب سے ایک وارث عطا فرما۔ جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو۔ (یعنی جو دینِ یعقوب کا مبلغ ہو) اور اے میرے پروردگار! تو اُسے اپنا پسندیدہ ٹھہرا ہو۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۱۹/۷

(ارشاد ہوا کہ) اے زکریا! بلاشبہ ہم تجھے ایک بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جسکا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے یہ نام کسی کا نہیں رکھا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ 19/8

زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے ہاں بیٹا کس طرح پیدا ہو گا جبکہ (حالت یہ ہے کہ) میری بیوی بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ 19/9

فرمایا ایسا ہی ہے ۔ واقعی تو بوڑھا ہے اور تیری بیوی بانجھ ہے۔ تیرا رب فرماتا ہے کہ ان (رکاوٹوں کا دور کرنا) میرے لئے آسان ہے اس سے پہلے میں نے تجھے پیدا کیا تھا اس حالت میں کہ تو کوئی چیز نہیں تھا

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ 19/10

زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی ٹھہرا۔ حکم ہوا کہ تین رات (اشاروں کے سوا 3/41) لوگوں کیساتھ کلام نہ کرنا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ 19/11

اسکے بعد زکریا محراب سے نکلکر قوم کیطرف آئے اور انہیں اشارہ سے کہا کہ (میں تین دن رات کلام نہیں کرونگا) تم صبح اور دن کے پچھلے حصے میں اپنے فرائض منصبی ادا کرتے رہنا۔

• حضرت یحیٰی پیدا ہوئے اور جوان ہو گئے۔ آپکے نام حکم اور آپکی شخصیت کی وضاحت اسطرح کی گئی ہے:۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ 19/12

(ہم نے یحیٰی کو حکم دیا کہ) اے یحیٰی ہماری کتاب کو مضبوط تھامے رہنا اور ہم نے اسے بچپن (ہی) سے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ عطا کر دیا تھا

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۗ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ 19/13

اور ہم نے اسے اپنی طرف سے نرم دل، پاکیزہ اور متقی پایا تھا۔ (یعنی وہ ہمارے قوانین کی پوری پوری نگہداشت کرنیوالا تھا)

وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ 19/14

نیز وہ اپنے ماں باپ کیساتھ نیکی کرنے والا تھا۔ اور نافرمان وسرکش ہرگز نہیں تھا۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ 19/15

اور اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا۔ اور جس دن فوت ہوا۔ اور جس دن دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائیگا۔

• سورۂ مریم کی اس سے اگلی آیات کریمات میں حضرت مریم کا ذکر شروع ہوتا ہے لیکن واضح رہے کہ اس سورت مقدسہ میں وہ تمام واقعات حذف کر دیئے گئے ہیں جو ولادت مریم اور انکے جوان اور مبلغہ و معلمہ بننے تک کے سورہ آل عمران میں درج ہیں یعنی سورہ مریم میں سورہ آل عمران میں مذکور واقعات سے اگلے واقعات درج ہیں۔ آل عمران کی آیت نمبر ۴۳ میں حضرت مریم کے نام پیغام ہے کہ تو قانون خداوندی کے سامنے جھکنے والوں کیساتھ جھک جا۔ یہ حضرت زکریا کے ذریعہ مریم کے نام نکاح کا حکم تھا کہ جسطرح نکاح کے خداوندی حکم کے سامنے ہر کسی نے سر تسلیم خم کر رکھا ہے تو بھی اس پر عمل کر جیسا کہ فریضۂ کفالت کی رو سے حضرت زکریا کے فرائض میں داخل تھا کہ جس طرح انہوں نے مریم کی بہترین تعلیم و تربیت فرمائی تھی جب آپ جوان ہو جائیں، تو انکے نکاح کا انتظام کریں۔ اور ان سے انکی منگنی کا ذکر

کریں ۲/۲۳۵۔ چنانچہ جب مریمؑ نے مشرقی مکان میں عورتوں کی تبلیغ و تعلیم، یعنی زنانہ مدرسہ کا فریضہ ادا کرنا شروع کردیا۔ اور وہ بالغ بھی ہوچکی تھیں، سورہ مریم کی اگلی آیت میں اُسوقت کا ذکر کیا گیا ہے:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ ۱۹/۱۶

اے رسولؐ! اِس کتاب قرآن کریم میں مریمؑ کا اُسوقت کا ذکر کیجئے (لکھ دیجئے کہ) جب وہ (اپنے فریضۂ تعلیم و تبلیغ کیلئے) مشرقی مکان میں الگ ہوگئی۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۪ قف ص

پس اُس نے (سن بلوغ کو پہنچکر) اُن (ہیکل میں آنیوالے نامحرموں) سے پردہ اختیار کرلیا۔

• ادھر جب حضرت مریمؑ بالغ ہوگئیں تو اُدھر حضرت زکریاؑ نے اپنے فریضۂ کفالت کے مطابق اُن کی منگنی کا انتظام فرمایا۔ اور حکم باری ۲/۲۳۵ کے مطابق لڑکی کے ورثاء کا جو فرض ہے کہ منگنی کا ذکر لڑکی سے بھی کریں۔ اسکے لئے اللہ نے حضرت زکریاؑ کو حکماً مریمؑ کے پاس بھیجا۔ جس کی خبر بالفاظ ذیل دیگئی ہے:۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۱۹/۱۷

سو اُسوقت) ہم نے مریمؑ کیطرف اپنے تعلیم پانیوالے (رسول زکریاؑ) کو بھیجا پس اُس نے اُس سے ایک بشر سوی (کامل مرد) کے حالات بیان کئے۔

رُوْحَنَا ۱ • روح کا معنی ہے اللہ کی تعلیم:۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۴۲/۵۲ = اور اسیطرح ہم نے (اے رسولؐ) آپکی طرف اپنی تعلیم اپنے امر کے مطابق وحی فرمائی ہے۔ عربی قواعد کے مطابق اسم بمعنی اسم فاعل بھی آتا ہے روح کا معنی اللہ کی تعلیم پانیوالا بھی ہے جضرت مسیحؑ کو بھی اللہ کی تعلیم پانیوالا (روح) کہا گیا ہے۔ آیت بالا میں روح یعنی اللہ کی تعلیم پانیوالا حضرت زکریاؑ کو کہا گیا ہے۔ جو حضرت مریمؑ کے کفیل تھے۔ جب اُنہوں نے حضرت مریمؑ کی منگنی کا اہتمام کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُنہی کو مریم کی رضا حاصل کرنے کیلئے اُنکے پاس بھیجا۔ آپنے اُن سے ہونیوالے شوہر کے حالات بیان کئے۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۲ • سابقہ تراجم میں فَتَمَثَّلَ لَهَا کا مفہوم غلط لیا گیا ہے، کہ جبریلؑ ایک نوجوان کی شکل بنکر مریمؑ کے پاس آئے اور کہا کہ میں تجھے بیٹا دینے آیا ہوں منتہی الارب مطبع اسلامیہ لاہور کی جلد چہارم صفحہ ۱۱۴ پر تمثل کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی داستان زدن (حالات بیان کرنا) بھی مذکور ہے۔ اسکا سہ حرفی مادہ م۔ث۔ل ہے۔ یہ لفظ تشبیہ کیلئے بھی آتا ہے اور حالات بیان کرنے کیلئے بھی مثل بمعنی حالات خود قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۲/۲۱۴ = کیا تم نے گمان کرلیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔ حالانکہ تمہیں ابھی اُن لوگوں جیسے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ دیکھئے! یہاں مثل کا معنی حالات ہے مثال نہیں اِسوقت ہمارے سامنے شاہ عبدالقادر اور مولوی احمد علی لاہوری مرحوم کا ترجمہ موجود ہے دونوں اصحاب نے مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ کا ترجمہ پہلے لوگوں کے حالات ہی لکھا ہے! اسطرح تمثل کا معنی باب تفعل کے خاصہ تعدیہ کے مطابق ہوا حالات بیان کرنا۔ اور اِسطرح فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا کا معنی ہوا اُس اللہ کے رسولؐ نے مریمؑ کے سامنے ایک بشر کامل کے

حالات بیان کئے۔ (مکمل تفصیل آگے آرہی ہے)۔

روایتی تفاسیر کی ایک جھلک

• اس قرآنی تفسیر کے برعکس سابقہ تفاسیر و تراجم کی بوالعجبی ملاحظہ فرمائیں کہ تمثّل کا مصدری معنی متشکل ہونا لیا گیا ہے۔ اور مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ جبریل امین ایک نوجوان کی شکل بنکر حضرت مریم کے پاس آیا اور کہا لِاَھَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا = میں اسلئے آیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا دوں! وہ بیٹا کس طرح دیا؟ اسکے متعلق لکھا ہے کہ جبریل نے پھونک ماری اور مریم صدیقہ حاملہ ہو گئیں۔

• اس تصور نے اور کیا کیا گل کھلائے ہیں؟ اسکی مثال ۹ اور ۱۲ جنوری ۱۹۶۳ء کے سہ روزہ الیشیا کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں جسمیں "دعوت" دہلی کے حوالے سے لکھا ہے کہ قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:- "مریم عذرا کے سامنے جس شبیہہ (صورت) مبارک نے نمایاں ہو کر پھونک ماردی وہ شبیہہ محمدی تھی۔ اس ثابت شدہ دعوی سے متین طور پر خود بخود کھل جاتا ہے کہ مریم صدیقہ اس شبیہہ کے سامنے بمنزلہ زوجہ کے تھیں جبکہ وہ اسکے تصرف سے حاملہ ہوئیں۔ (بحوالہ طلوع اسلام مارچ ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۵)

• دیکھا آپنے کہ ایک غلط تصور نے بات کہاں سے کہاں تک پہنچا دی ہے۔ مریم صدیقہ کو معاذ اللہ معاذ اللہ شبیہہ محمدی کی بیوی بنادیا گیا ہے۔ اور مسیح سلامٌ علیہ کو اسکا بیٹا۔ چنانچہ اس سوال کے جواب میں کہ حضرت مسیح کس کے بیٹے تھے، قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں:- "پس حضرت مسیح کی ابنیت (یعنی بیٹا ہونے) کے دعویدار ایک حد تک ہم بھی ہیں۔ مگر ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) مانکر نہیں بلکہ ابن احمد کہکر (یعنی احمد عربی کا بیٹا کہکر) خواہ وہ ابنیت تمثالی ہی ہو"۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ!

• کیا خوب ہے یہ تصور و تخیل، جو فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا کا غلط مفہوم لیکر بیان کیا گیا ہے کہ مریم صدیقہ معاذ اللہ معاذ اللہ، رسولِ عربی احمد سلامٌ علیہ کی تمثالی بیوی ہیں اور مسیح سلامٌ علیہ رسول اکرمؐ کے تمثالی بیٹے ہیں۔ غور فرمائیں! کیا چیستان بنا کر رکھدیا گیا ہے قرآن کریم کی آیات کریمات کو، کہ تمثالی بیوی اور تمثالی بیٹا تو چھ سو سال پہلے پیدا ہوتے ہیں۔ اور تمثالی شوہر اور تمثالی باپ چھ سو سال بعد عالم وجود میں آتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح سمیت سب کے سب نبی، آنحضورؐ سے پہلے گزر چکے ہیں! اور سب کا شمار آنحضورؐ کے آباؤ اجداد میں ہوتا ہے۔ اور ان سب کی مائیں آنحضورؐ کی مائیں تھیں لیکن دیکھئے کہ حضرت مسیح کی ماں کو جو آنحضورؐ کی بھی ماں ہیں بیوی بنا دیا ہے، اگرچہ تمثالی ہی قرار دیگئی ہے۔ العیاذ باللہ!

رجوع الی المطلب

• اب پھر آیئے! اپنے مضمون کیطرف۔ ۱۹/۷ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ جب حضرت زکریا نے حکمِ باری کیمطابق حضرت مریم کے سامنے بشر سوی (یعنی آپکے ہونیوالے شوہر کامل مرد کے) حالات بیان کئے یعنی اپنے فریضۂ کفالت ۳۷/۳ اور حکم باری ۲۳۵/۲ کیمطابق ان سے انکی منگنی کا ذکر کیا تو حضرت مریم نے اپنی رضامندی کا جن الفاظ میں اظہار فرمایا، انکی خبر بالفاظِ ذیل دیگئی ہے:-

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۱۸/۱۹	مریم نے کہا بیشک میں آپکی (تعلیم و تربیت) رحمان کی پناہ میں ہوں۔ بلاشبہ آپ ایک متقی شخص ہیں۔

• اگرچہ اُس معاشرہ میں منذورہ لڑکیوں کی شادی منع تھی یعنی انہیں کنواری (بے شوہر) رکھا جاتا تھا لیکن حضرت مریم نے حضرت زکریا کی صحیح اسلامی تربیت کا ذکر کرکے عرض کیا کہ میں آپکی تعلیم و تربیت کی بدولت اللہ کی پناہ میں ہوں یعنی میں قانون خداوندی سے سرتابی ہرگز نہیں کرونگی۔

• ملہ مِن بمعنی سے اور مِنکَ بمعنی تجھ سے۔ تیری تعلیم و تربیت کی بدولت۔

• ملہ یہاں اِن شرطیہ نہیں ہے بلکہ اِنَّ کا مخفف ہے۔ اِن تاکیدیہ بمعنی اِنَّ بلا ورود صلہ لام ۸۷/۷ میں آیا ہے وَاِن کَانَ طَآئِفَۃٌ مِّنْکُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِہٖ وَطَآئِفَۃٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا۔ اور بیشک تم میں سے ایک گروہ اُس پر ایمان لایا جس کیساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ نے انکار کر دیا۔ آیت صدر ۱۹/۱۸ میں حضرت مریم نے حضرت زکریا کی دی ہوئی تعلیم و تربیت کی تعریف کی جو حضرت زکریا کے کامل اتقا کا ثبوت تھا۔ حضرت مریم نے آپکے اتقا کا اقرار کیا۔ اور اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ کے الفاظ میں ہونیوالے مذکورہ شوہر کیساتھ شادی کی رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اِس پر ساتھ ہی حضرت زکریا نے فرمایا کہ منگنی کی اِس نسبت کا فیصلہ میرا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ میں اِس سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اور ساتھ ہی بیٹے کی خوشخبری بھی دیدی۔ اِس عنوان کو اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم اور سورہ آل عمران دونوں میں بالفاظ ذیل ارشاد فرمایا ہے۔ دونوں آیات کریمات کے الفاظ بالمقابل درج کیے جاتے ہیں:-

سورہ مریم	سورہ آل عمران
قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ۖ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ۱۹/۱۹	اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ ۖ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ۳/۴۵
(مفہوم) زکریا نے کہا سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ (اس مخصوص پیغام میں بھی) میں اللہ کا رسول ہوں۔ (اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں) تاکہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹے کی خوشخبری دوں۔	(مفہوم) ملائکہ نے (اللہ کا پیغام دیتے ہوئے حضرت زکریا کی معرفت) کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے کلام پانیوالے بیٹے کی خوشخبری دیتا ہے جسکا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔

• دیکھئے بالمقابل آیات کریمات میں دائیں طرف اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ کے الفاظ میں حضرت زکریا رسول کے مظہر تکلم کے ساتھ حضرت مریم کو پاکیزہ بیٹے کی خوشخبری دیگئی ہے اور بائیں طرف حضرت زکریا کا تکلم محذوف ہے جس کی واضح دلیل پیچھے گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام اپنے ملائکہ کے ذریعہ اپنے نبی رسول ہی کیطرف نازل کرتا تھا۔ کسی غیر نبی کیطرف پیغام بھی اپنے نبی رسول ہی کے ذریعہ بھیجا جاتا تھا۔ حضرت مریم چونکہ نبیہ نہیں تھیں۔ اِسلئے اُن کے نام جو منگنی کا پیغام بھیجا گیا تھا، ملائکہ کے ذریعہ حضرت زکریا رسول ہی کیطرف بھیجا گیا تھا۔

• ملہ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا کا معنی مروجہ تراجم میں یہ لکھا ہے "تاکہ میں تجھے پاکیزہ بیٹا دوں" ۔ یہ معنی از روئے قرآنِ کریم غلط ہے۔ کیونکہ تصریف آیات کے ذریعہ اسکی متقابل آیت مجیدہ ۳/۴۵ میں صاف ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے کلام پانیوالے مسیح عیسیٰ ابن مریم کی خوشخبری دیتا ہے۔ اسلئے لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا میں لفظ بِشَارَۃً محذوف ہے اور تقدیر کلام یہ ہے۔ لِاَهَبَ لَکِ بِشَارَۃَ غُلٰمٍ زَکِیٍّ۔

• ۵۱ کَلِمَۃٍ مِّنْہُ کا معنی سمجھنے لکھا ہے اپنی (اللہ) کیطرف سے کلام پانیوالا۔ یہاں کَلِمَۃٍ اسم بمعنی اسم فاعل ہے۔ اور اس سے اگلے الفاظ میں صاف ملتا ہے کہ اُسکا نام مسیح عیسٰی ابن مریم ہوگا۔ اس خوشخبری پر حضرت مریم نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ میں منذورہ ہوں۔ منذورہ کی شادی معاشرہ میں منع ہے۔ معاشرہ کے لوگ اس منگنی کو نکاح تک کسطرح پہنچنے دیںگے اس میں بے اندازہ رکاوٹیں کھڑی کرینگے۔ چنانچہ مریم نے نکاح کی خبر اور بیٹے کی خوشخبری کے جواب میں ارشاد فرمایا:-

سورہ مریم

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۱۹/۲۰

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۱۹/۲۱

(مفہوم) مریم نے کہا میرے ہاں بیٹا کسطرح ہوگا جبکہ (میرا منذورہ ہونا میرے نکاح میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اسطرح) نہ مجھے میرے شوہر نے مس کیا اور نہ میں بدکارہ ہوں اللہ کے رسول زکریا نے کہا کہ ایسا ہی ہے۔ (بیشک تیرا منذورہ ہونا تیرے نکاح میں بہت بڑی رکاوٹ ہے) تیرا پروردگار کہتا ہے کہ اس رکاوٹ کو دور کرنا میرے لئے آسان ہے (اس بشر بیٹے کی غرض یہ ہے کہ ہم لوگوں کیلئے نشانی ٹھہرائیں (کہ یہ ہے منذورہ منکوحہ کا بیٹا) اور اپنی طرف سے رحمت ٹھہرائیں۔ (یعنی وہ دکھیا انسانیت کو رحمت بھرا قانون عطا کرے) حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک فیصلہ شدہ امر ہے (جو ہو کر رہیگا)۔

سورہ آل عمران

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۳/۴۷

(مفہوم) مریم نے کہا میرے ہاں بیٹا کسطرح ہوگا جبکہ (میرا منذورہ ہونا میرے نکاح میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اسطرح) نہ مجھے میرے شوہر نے مس کیا (اور نہ میں بدکارہ ہوں ۱۹/۲۰) حضرت زکریا نے کہا ایسا ہی ہے۔ (بیشک تیرا منذورہ ہونا تیرے نکاح میں بڑی رکاوٹ ہے) اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے قانون مشیت کیمطابق ہی پیدا کرتا ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں (کہ اپنے قانون مشیت کی زبان سے) کہتا ہے ہوجا۔ پس وہ (اسکے قانون مشیت کیمطابق اپنی مقررہ مدت کے بعد) ہوجاتا ہے (پس تمام رکاوٹیں دور ہوجائینگی اور یہ کام ہو کر رہیگا)۔

نوٹ • آیات بالا کے ضمنی نوٹ نمبر ۱ تا ۲ صفحہ ۴۶ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان نمبروں کے مطابق بغور ملاحظہ فرمائیں:-

مَسَّ بَشَرٌ ۱ • مسّ بشر سے مراد شوہر کی مس ہے جنسیات کے ضمن میں مس کا لفظ منکوحہ جوڑے کیلئے آتا ہے۔ قرآن نے حرامکاری کو مس کے لفظ سے بیان نہیں کیا حرامکاری کیلئے الفحشا یا البغا کا لفظ لایا گیا ہے سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ ۲۴/۳۳ ۔ اور اپنی ملازموں کو حرامکاری کیلئے مجبور نہ کرو۔ اسکے برعکس سورہ مجادلہ ۵۸/۲-۴ میں منکوحہ جوڑے کے اسی فعل کو مس کے لفظ میں بیان کیا گیا ہے بیوی کو ماں کہنے کا کفارہ بتایا گیا ہے کہ:- • وہ ایک گردن آزاد کریں مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا (مس سے پہلے پہلے
اگر اسکی طاقت نہ ہو، تو پھر حکم ہوا ہے کہ:- • دو ماہ کے پے در پے روزے رکھیں مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا " " " "
اگر اسکی بھی طاقت نہ ہو، تو پھر حکم ہوا ہے کہ:- • ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں (مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا۔ محذوف)

• اسیطرح ۳۳/۴۹ میں ارشاد ہوا ہے:- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ...... ایمان والو جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو۔ اور پھر اگر مس سے پہلے طلاق دیدو تو پھر ...... انکی عدت شمار نہ کیا کرو۔

• اب چونکہ آیاتِ بالا سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی لغت میں منکوحہ جوڑے کے باہمی اختلاط کو مس، اور حرامکاری کو البغا کہا جاتا ہے۔ اسلئے جب مریم صدیقہ نے کہا :۔ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا تو اسکا معنیٰ صاف ہے کہ نہ میرے نکاح کی رکاوٹ کا دور ہونا ممکن ہے اور نہ میں حرامکارہ ہوں پس یہاں لفظ البشر سے ہونیوالا شوہر مراد ہے۔ کوئی عام مرد مراد نہیں۔ عام مرد کی نفی تو لَمْ اَكُ بَغِيًّا کے الفاظ میں الگ مذکور ہے۔ بالفاظِ دیگر کسی غیر مرد کے متعلق تو حضرت مریم کیلئے تصور تک پیدا نہیں ہوتا۔

۲ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ

• هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ کا مفہوم یہ لکھا گیا ہے کہ مریم کے منذورہ ہونے کی بدولت اسکے نکاح کی راہ میں معاشرہ کی جو قدیمی رسم حضرت مریم کو سدِ سکندری دکھائی دیتی تھی۔ اسکے متعلق کہا گیا کہ اسکا دور کرنا میرے لئے آسان ہے۔ اسکے برعکس روایات نے جو هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ کا یہ مفہوم لیا ہے کہ حضرتِ مسیح کو باپ کے بغیر پیدا کرنا میرے لئے آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا تصور تک نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے قانون کو توڑ دے جبکہ اسکا اعلان عام ہے :۔ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ١٠/٦٤ = اللہ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ٦/١١٥ = اسکے قوانین کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ ٥٠/٢٩ = میرا قانون خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا۔ نیز واضح رہے کہ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ کا جملہ حضرت یحییٰ کی پیدائش کے ذکر میں بھی آیا ہے کہ حضرت یحییٰ کی پیدائش میں جو رکاوٹ ہے اسکا دور کرنا میرے لئے آسان ہے۔ وہاں رکاوٹ تھی زوجۂ زکریا کا بیمار ہونا چنانچہ سورہ انبیاء میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ٢١/٩٠ = اور ہم نے اسے (زکریا کو) یحییٰ عطا فرمایا یعنی اسکی (بیمار) بیوی کی اسکے لئے اصلاح کر دی پس جسطرح حضرت یحییٰ کی پیدائش کے ذکر میں هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ کا معنیٰ ، پیدائشِ یحییٰ میں حائل مادی رکاوٹ کو دور کرنا ہے۔ اسی طرح حضرتِ مسیح کی پیدائش میں جو مریم کے منذورہ ہونے کی بدولت نکاح مریم میں رکاوٹ تھی اسکا دور کرنا مفہوم ہے۔

۳ قَالَ كَذٰلِكِ

• ولادتِ مسیح کے ضمن میں جملہ قَالَ كَذٰلِكِ سے عام مترجمین نے یہ تصور اخذ کیا ہے کہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ مریم کے ہاں بیٹا بلا اختلاط شوہر ہی پیدا ہوگا لیکن پہلے اس سلسلے کی اصولی بحث ملاحظہ فرمائیں۔ اور پھر اس جملہ کے مختلف قرآنی استعمالات سے ثابت کیا جائیگا کہ یہ جملہ قانونِ جاریہ کی تائید کرتا ہے مخالفت نہیں کرتا۔

• قرآن کریم میں انسانی پیدائش کا نقشہ اسطرح کھینچا گیا ہے کہ ایک وقت وہ تھا، جب صفحۂ ہستی پر انسان کا ذکر تک نہیں تھا:۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ٧٦/١ ۔ پھر اسکا ذکر کیا گیا :۔ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ٣٨/٧١ ۔ پھر اسکی افزائش نسل کا قانون مقرر کیا گیا :۔ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ٣٢/٧-٨ ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ انسان کی ابتدائی پیدائش کا ذریعہ زمین ہے :۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ٧١/١٧ ۔ اور نسلی پیدائش کا ذریعہ عورت ہے :۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ٢/٢٢٣ ۔ اور اس ذریعہ یعنی عورت کا تاکیدی اور وضاحتی اعلان کرتے ہوئے صاف کہدیا کہ بیوی کے بغیر خود اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بیٹا پیدا نہیں ہو سکتا :۔ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ٦/١٠١ = اللہ کا بیٹا کسطرح ہو سکتا ہے جبکہ اسکی بیوی ہی کوئی نہیں — دیکھئے ان الفاظ میں کس وضاحت کیساتھ اعلان کر دیا گیا ہے کہ مرد کے ہاں بیوی کے بغیر، اور عورت کے ہاں شوہر کے بغیر اولاد ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی۔

کیونکہ وضاحت کر دیگئی ہے کہ اگر خود اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بیٹے کی پیدائش کا سوال پیدا ہو جائے، تو پھر بھی اُسکے اپنے مقرر کردہ جوڑے کے قانون پر عمل درآمد کئے بغیر اُسکے ہاں بھی بیٹا پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس جبکہ قانون کی پابندی کے سلسلے میں خود خالق کائنات کی یہ حالت ہے تو دُنیا کے کسی بھی مرد یا عورت کے متعلق کسطرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ قانونِ مشیّت پر عمل درآمد کئے بغیر کسیں بھی کوئی بچہ پیدا ہو گیا ہو۔

• سلسلۂ پیدائش کے ضمن میں قانونِ مشیّت کی پابندی کی اس اصولی تفصیل کے بعد اب آیئے جملہ قَالَ کَذٰلِكِ کی طرف۔ واضح رہے کہ یہ جملہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے لیکن کسی بھی مقام پر مشیّتِ الٰہی کے قانونِ جاریہ کی مخالفت نہیں کرتا، مثال کے طور پر دیکھئے آیاتِ ذیل۔ حضرتِ ابراہیمؑ کے مہمانوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

• وَبَشَّرُوهُ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ٥ فَأَقْبَلَتِ امْرَاَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ٥ قَالُوا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ط إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ٥ $\frac{۵۱}{۲۸ تا ۳۰}$ = اور اُنہوں نے (ابراہیمؑ کو) ایک صاحب علم بیٹے کی خوشخبری دی۔ اُنکی بیوی (اپنے آپ سے) باتیں کرتی ہوئی آگے بڑھی ——— پھر (نسوانی دستور کے مطابق) حیرت کیساتھ اپنے چہرے پر ہاتھ مارا اور کہا (کیا) بڑھیا بانجھ (بیٹا جنے گی یعنی بڑھیا بانجھ بیٹا نہیں جن سکتی) اُنہوں نے کہا، کَذٰلِكِ ایسا ہی ہے۔ (تو نے سچ کہا ہے لیکن) بلاشبہ اللہ تعالیٰ حکمت والا اور علم والا ہے۔ (وہ اپنے حکمت بھرے قانون کیساتھ بوڑھے مردوں اور بانجھ عورتوں سے یکساں دُور کر کے اُنہیں اولاد پیدا کرنے کے قابل بنا دیتا ہے)۔

• اب چونکہ حضرتِ ابراہیمؑ کے ہاں بڑھیا بانجھ کی اصلاح کے بعد اُسی کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوئی مشیّت کے قانونِ جاریہ ہی کے مطابق ہوئی تھی۔ اسلئے ثابت ہوا کہ قَالُوا کَذٰلِكِ کے الفاظ نے قانونِ مشیّت کی تصدیق کیساتھ ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ محترمہ کے اس یقین کی بھی تصدیق کر دی ہے کہ بڑھیا بانجھ کا جبتک بانجھ پن قائم رہے، اولاد پیدا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے قانون کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو اپنے قوانین تسفادا اصلاح $\frac{۲۱}{۹}$ کے مطابق دُور کر دیا۔ شوہر میں مردمیت، اور بیوی میں نسائیت آگئی، اور قانونِ جاریہ کے مطابق ہی حضرتِ اسحاقؑ پیدا ہوئے۔

• واضح رہے کہ قَالَ کَذٰلِكِ کا جملہ حضرتِ مسیحؑ کی خوشخبری کے ضمن کے علاوہ حضرتِ یحییٰؑ کی خوشخبری میں بھی آیا ہے۔ لہٰذا قرآنِ کریم کے دونوں مقامات بالمقابل لائے جا رہے ہیں، تاکہ حقیقت نکھر کر عیاں ہو جائے:-

حضرتِ یحییٰؑ کی خوشخبری	حضرتِ مسیحؑ کی خوشخبری
قَالَ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِي عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ٥ قَالَ كَذٰلِكَ ج قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ $\frac{۱۹}{۸-۹}$	قَالَتْ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَّلَمْ أَكُ بَغِيًّا ٥ قَالَ كَذٰلِكِ ج قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ $\frac{۱۹}{۲۰-۲۱}$
(مفہوم) زکریاؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار میرے ہاں بیٹا کسطرح ہو گا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے۔ اور خصوصًا	(مفہوم) مریمؑ نے کہا، میرے ہاں بیٹا کسطرح پیدا ہو گا جبکہ میرے سندورہ ہونے سے نہ شوہر کی مس ممکن ہے اور نہ میں بدکارہ ہوں۔ اللہ

میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ اللہ کے بھیجے ہوئے نے کہا کہ ایسا ہی ہے۔ تیرے رب نے کہا ہے کہ میرے لئے وُہ (یعنی قانونِ مشیت کی راہ میں حائل شدہ رکاوٹوں کو دُور کرنا) آسان ہے۔

کے رسول زکریا نے کہا کہ ایسا ہی ہے۔ تیرے رب نے کہا کہ میرے لئے وُہ (یعنی تیرے نکاح کی راہ میں حائل قدیمی رسم کی رکاوٹ کو دُور کرنا) آسان ہے۔

• ہر دو سمت کے متقابل الفاظ پر غور فرمائیں کہ حضرتِ یحییٰ کی پیدائش کے سلسلے میں حضرتِ زکریا نے دو رکاوٹیں بیان کی ہیں، اُنکا بڑھاپا، اور بیوی کا بانجھ پن۔ اور اسیطرح حضرتِ مسیح کی پیدائش میں حضرتِ مریم نے دو رکاوٹیں بیان کی ہیں شوہر کی عدم مس، اور خود اُن کا بدکارہ نہ ہونا۔ لیکن، حضرت مریم کے بدکار ہونے :-
کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اِسلئے، فی الحقیقت ایک ہی رکاوٹ تھی منذورہ کے عدمِ نکاح کی پُرانی رسم۔ جسے اللہ تعالےٰ نے دُور کر دیا۔ حضرتِ مریم کا نکاح ہوگیا اور حضرتِ مسیح اللہ تعالیٰ کے قانونِ جاریہ کے مطابق پیدا ہوئے۔

یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ

• یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ کے الفاظ سے بھی روایتی تفاسیر نے یہ تصوّر پیدا کیا ہے کہ حضرتِ مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ جسطرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ مَا یَشَآءُ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کی مطابقت مراد ہے مخالفت مراد نہیں۔ ارشادِ باری ہے :- اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ ۵۴/۴۹ = بیشک ہم نے ہر چیز کو اپنے مقررہ پیمانے (قانون) کے مطابق پیدا کیا ہے۔ نیز فرمایا :- قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۶۵/۳ = بیشک اللہ نے ہر چیز کیلئے الگ الگ پیمانہ (قانون) مقرر کر رکھا ہے۔ اب اِن آیات کریمات کے مطابق یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ پر غور فرمائیں۔ یَشَآءُ (مشیٔی) ایک ہی مادہ ش۔ی۔ء سے ہیں جب ۵۴/۴۹ + ۶۵/۳ کے مطابق ہر چیز کیلئے اللہ تعالیٰ نے خود قاعدے قانون مقرر کر دیئے ہیں تو یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ کا معنیٰ صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی پیدا کرتا ہے اپنے خود مقرر کردہ قوانینِ مشیت ۵۴/۴۹ + ۶۵/۳ کے مطابق ہی پیدا کرتا ہے پس یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ کے الفاظ سے یہ تصوّر اخذ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ مسیح کو اپنے خود مقرر کردہ قانونِ مشیت کے خلاف بغیر باپ کے پیدا کیا تھا، خود آئینِ قرآنی کے خلاف ہے۔

اٰیَۃً لِّلنَّاسِ

• یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ کے علاوہ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ کے الفاظ سے بھی یہ دلیل پکڑی جاتی ہے کہ حضرتِ مسیح چونکہ اللہ کی نشانی تھے اسلئے آپ بلا باپ کی پیدائش تھے۔ العیاذُ باللہ۔ لیکن واضح رہے کہ اگر مسیح کو اللہ تعالےٰ کی نشانی مانکر بلا باپ کی پیدائش مانا جائے تو حضرت مریم کو بھی بلا باپ ماننا لازم آتا ہے۔ کیونکہ سورہ مومنون میں مسیح کیساتھ مریم کو بھی اللہ کی نشانی کہا گیا ہے :- وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّہٗٓ اٰیَۃً ۲۳/۵۰ = اور ہم نے ابنِ مریم اور اُسکی ماں دونوں کو اپنی نشانی ٹھہرایا۔ لیکن دلائلِ بالا کے مطابق وَلِنَجْعَلَہٗٓ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا ۱۹/۲۱ سے یہ مراد نہیں کہ حضرتِ مسیح کو بلا باپ پیدا کیا گیا تھا اور حضرتِ مریم کو بلا شوہر بیٹا دیا گیا تھا۔ بلکہ یہ ماں بیٹا اِس جہت سے اللہ تعالیٰ کی واضح نشانی قرار دیئے گئے ہیں کہ مریم منذورہ کے ذریعہ اُس معاشرہ کی منذورہ لڑکیوں کو بلا نکاح رکھنے کی پُرانی رسم کو توڑا گیا۔ اور حضرتِ مسیح اُس رسم کو توڑنیوالی منذورہ منکوحہ کے بیٹے تھے۔ آج بھی عیسائیوں کے ہاں مشنری کیلئے مختص کردہ منذورہ قسم کی لڑکیوں کی شادی نہیں کیجاتی بلکہ اُنہیں

فن بنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ طریقہ دین اللہ سے بغاوت پر مبنی ہے۔ جیسے حضرت مریم کے ذریعہ توڑا گیا۔ اور رباہبانیوں کو اس عظیم دینی خدمت کے بدلے الگ الگ مخصوص نشانی ٹھہرایا گیا ہے۔

رَحْمَةً مِّنَّا • اصل رحمت اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جس کے ذریعہ دکھیا انسانیت کو اُنکے کھوئے ہوئے انسانی حقوق بنیت بو بیسّر آتے ہیں۔ اب چونکہ دکھیا انسانیت کا مونس و غمخوار اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانون نوعِ انسانی کو صرف نبی رسولوں کے ذریعہ ہی دیا جاتا تھا اسلئے سب نبیوں کو رحمت قرار دیا گیا ہے۔ آنحضورؐ کے متعلق آیا ہے :- وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۲۱/۱۰۷ اور اسیطرح مسیح کو رَحْمَةً مِّنَّا کہا گیا ہے۔

كُنْ فَيَكُوْنُ • کُنْ فَیَکُوْنُ کے جملے سے جو ولادتِ مسیح کے تذکرہ میں بھی وارد ہوا ہے، عام طور پر یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہے، کہتا ہے کُن پھر وہ کام اپنی لازمی مدّت اور متعلقہ ذرائع کے بغیر چشم زدن میں ہو جاتا ہے۔ یہ مفہوم قرآن کریم اور عالمی مشاہدات کی رُو سے غلط ہے۔ کیونکہ ابتدائے آفرینش ہی سے ہر چیز سلسلۂ ارتقا کی منازل طے کرتی ہوئی درجۂ تکمیل تک پہنچی ہے۔ مثلاً زمین و آسمان چھ دن میں تیار ہوئے تھے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۷/۵۴، لیکن ایک دن کی مقدار بتائی گئی ہے :- اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۲۲/۴۷ - بلاشبہ تیرے رب کے ہاں ایک دن کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہے، جو تم شمار کرتے ہو۔۔۔ پس ثابت ہوا کہ زمین و آسمان چھ ہزار سال میں تیار ہوئے تھے۔ تو اسطرح کُن فیکون کی مشاہداتی تفسیر یہ ثابت ہوئی کہ کائنات چھ ہزار سال کی ارتقائی منازل طے کر کے موجودہ صورت میں آئی تھی۔ واضح رہے کہ کُن فیکون کی فا میں ہر کام کیلئے مدّت کا وقفہ محذوف و مقدّر ہے، جو خدا تعالیٰ نے اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہر کام کیلئے الگ الگ مقرر کر رکھا ہے۔ مادہ خرگوش کی مدّتِ حمل ایک ماہ، بھیڑ بکری کی چھ ماہ، گائے بھینس کی دس ماہ اور عورت کی نو ماہ، صاحبِ مشیّت کی خود مقرر کردہ ہے۔

• المختصر! اللہ تعالیٰ کی مستقل سنّت ہے :- اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۲/۱۱۷ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اپنے قانونِ مشیّت کی زبان سے کہتا ہے کُن۔ پھر وہ اپنی مقررہ مدّت و ذرائع کیساتھ ہو جاتا ہے۔ اسی چیز کی مزید تشریح آیت ذیل میں کر دی گئی ہے :- اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۱۶/۴۰ ہمارا قول کسی چیز کیلئے سوائے اسکے نہیں ہوتا کہ جب ہم اُسکا ارادہ کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں ہو جا۔ پھر وہ ہو جاتی ہے۔۔۔ اس آیت مجیدہ میں وضاحت کیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی طرح فاعل بالفعل نہیں، بلکہ فاعل بالارادہ ہے جسکی وضاحت بنی اسرائیل کی بدحالی کے ضمن میں کیگئی ہے کہ جب فرعون نے بنی اسرائیل کو زمین میں کمزور کر دیا تو ارشاد ہوا ہے :- وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۲۸/۵ اور ہم نے ارادہ کیا کہ جنہیں زمین میں کمزور کر دیا گیا ہے، ان پر احسان کریں یعنی انہیں زمین کے امام اور وارث بنا دیں۔ اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ قریباً پون صدی کے بعد پورا ہوا۔ سب سے پہلے حضرت موسیٰ کو پیدا کیا گیا، فرعون کے گھر میں پالکر جوان کیا، دس سال تک مدین میں رکھا۔ پھر نبوت عطا فرمائی تو آپنے بنی اسرائیل کی آزادی کی مہم شروع کی کئی برسوں کے بعد فرعون غرق ہوا اور پھر کہیں جا کر بنی اسرائیل آزاد ہوئے۔ اس مثال سے ثابت ہوا کہ اللہ کا ارادہ اور کُن فیکون اُسکے مقرر کردہ اسباب و علل

اور اُنکی مقررہ مدّت کیساتھ وابستہ ہے۔ نیز اسی ضمن میں :-

• موت وحیات کا پورا نظام جو قانونِ مشیت و اسبابِ علل کی زنجیروں میں جکڑا ہوا شبانہ روز چل رہا ہے۔ یہ سارے کا سارا نظام، خدا تعالیٰ کے کُن فیکون کا مظہر ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری :- هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ ۴۰/۶۸ = وہ اللہ ہی ہے جو پیدا کرتا اور موت دیتا ہے۔ پھر جب وہ موت وحیات میں سے کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ اُسے کہتا ہے ہوجا۔ پس وہ ہو جاتا ہے ۔۔ دیکھئے اس آیت مجیدہ میں موت وحیات کے پورے نظام کائنات کو کُن فیکون کا مظہر بنایا گیا ہے۔ جس پر مشاہدات گواہ ہیں کہ ہر پیدائش اور ہر موت قوانینِ مشیت کے مطابق ہی ہو رہی ہے۔ خلافِ مشیت نہ کوئی موت واقعہ ہوتی ہے نہ پیدائش۔ اور یہ سب کُن فیکون ہی کے مظہر ہیں۔ پس ثابت ہُوا کہ پیدائشِ مسیحؑ کے تذکرہ میں جو کُن فیکون کا جُملہ آیا ہے، اُس میں آپ کو بلا باپ کی پیدائش نہیں بتایا گیا۔ بلکہ جسطرح ابتدائے آفرینش سے آجتک کی جملہ پیدائشیں کُن فیکون کا مظہر ہیں، اور خدا تعالیٰ کے قوانینِ مشیت کے مطابق ہی ہوتی چلی آرہی ہیں۔ اُسیطرح حضرت مسیح کی پیدائش بھی کُن فیکون کی مظہر ہے۔ آپ قانونِ مشیت کے مطابق، میاں بیوی کے اختلاط ہی کیساتھ رحمِ مادر میں پہنچے تھے۔ اور قانونِ مشیت یعنی دردِ زہ ہی کیساتھ پیدا ہوئے تھے ۱۹/۲۲ :

نگاہِ بازگشت

• اُوپر وضاحت کی جاچکی ہے کہ آیات کریمات میں آمدہ الفاظ کے صحیح معنوں کے دلائلِ قاطعہ کیمطابق حضرتِ مسیح کی پیدائش عین قانونِ جاریہ کے مطابق ہوئی تھی۔ آپکو اور آپکی والدہ محترمہ کو اللہ تعالیٰ کی نشانی ٹھہرایا گیا ہے۔ نیز جب حضرتِ مریمؑ پیدا ہوئیں تو وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۳/۳۶ کے الفاظ میں حضرتِ مریمؑ کو آپ کی والدہ کے ذہنی بیٹے سے بہتر ٹھہرایا گیا تھا کہ آپکے ذریعہ معاشرہ کی اِس غیر اسلامی قدیمی رسم کو توڑنا تھا جو منذورہ لڑکیوں کا نکاح نہ کرنے کی سند قرار دی جارہی تھی۔ چنانچہ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي ۳/۳۵ کے مطابق جب مریمؑ منذورہ لڑکی کی حیثیت سے حضرتِ زکریاؑ کی کفالت میں آئیں، تو حضرت نے اُنکی بہترین تربیت فرمائی۔ علمِ دین کے زیور سے آراستہ کیا۔ معلّمہ اور مبلّغہ بنایا۔ عورتوں کی تعلیم و تبلیغ کیلئے الگ زنانہ مدرسہ جاری کر کے دیا۔ اب آپ بالغ ہوچکی تھیں۔ اِسلئے اُن کا نکاح کرنے کیلئے منگنی کا اہتمام کیا۔ اور اللہ کے حکم کے مطابق بالغ مریمؑ سے نکاح کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے اُنکے ہونیوالے شوہر کے حالات بیان کیئے۔ حضرت مریمؑ نے رضامندی دینے کیساتھ ہی معاشرہ میں منذورہ لڑکیوں کے عدمِ نکاح کی قدیمی رسم کے نکاح کی راہ میں حائل ہونے کا خطرہ ظاہر کیا۔ لیکن حضرتؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے لئے اِس رکاوٹ کو دُور کرنا آسان ہے۔ چنانچہ وہ رکاوٹ دُور ہوگئی۔ اور حضرتِ زکریاؑ نے ارشادِ خداوندی کے مطابق ایک بشرِ سوی ۱۹/۱۷ کیساتھ اُنکا نکاح کر دیا۔ پھر کیا ہُوا؟

فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ ۱۹/۲۲	پھر مریمؑ نے (قانونِ جاریہ کیمطابق) پاکیزہ بیٹے کا بوجھ اُٹھایا پھر (جب وہ بوجھ نمایاں ہوگیا) تو اُسکے ساتھ کنارے والے مکان میں الگ ہوگئی۔

• یہ مکان ایک پُر فضا بالا خانہ تھا۔ کھجور کا درخت بالا خانے کے صحن سے ملحق، نیچے پانی کا چشمہ حتّٰی کہ قانونِ مشیت

کے مطابق حاصل کردہ امانت کو قانونِ مشیت کے مطابق وضع کرنے کا وقت آگیا۔ اور اسطرح جب مریم کو دردِ زِہ کی تکلیف ہوئی تو وہ بیقرار ہوکر بالاخانہ کے صحن میں بڑھی ہوئی شاخ کیطرف کھلی فضا میں تشریف لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیقراری کے منظر کو بالفاظِ ذیل بیان فرمایا ہے:-

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ○ ۱۹/۲۳

پھر (حمل کے اس عرصہ کے بعد جو وضع حمل کیلئے مقرر ہے) مریم کو دردِ زِہ کی (بیقراری) کھجور کی شاخ کیطرف لے آئی۔ اس نے شدت درد میں کہا، کاش میں اس (جانکاہ تکلیف) سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہوجاتی۔

• آگے بڑھنے سے پہلے یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اگر بقول کسے حضرت مریم کا حاملہ ہونا قانونِ مشیت کا محتاج نہیں تھا تو وضع حمل کیوں قانونِ مشیت کا محتاج ہوا۔ کیوں نہ وضع حمل مکھن سے بال نکلنے کا مصداق ہوا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسطرح حضرت مسیح کا وضع حمل اللہ تعالیٰ کے قانونِ جاریہ کے مطابق ہوا، اسیطرح قرارِ حمل بھی قانونِ مشیت کے عین مطابق ہی ہوا تھا۔ حضرت مریم چونکہ پلوٹھی حاملہ تھیں، اسلئے قانونِ جاریہ کے مطابق پہلا وضع حمل پوری شدت درد ہی کیساتھ ہورہا تھا۔ چنانچہ جب آپ کی بیقراری کی خبر آپکے کفیل حضرتِ زکریا کو ہوئی تو آپنے شفقتِ بزرگانہ کے مطابق بالاخانے کے نیچے سے تسکین و تسلی اور ضروری ہدایات کے الفاظ میں کہلا بھیجا۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ○ ۱۹/۲۴

پھر (مریم کے اظہار اضطراب پر آپکے کفیل زکریا نے) نیچے سے کہلا بھیجا کہ غم نہ کر۔ (تو جانتی ہے کہ) تیری رہائش گاہ کے نیچے تیرے پروردگار نے چشمہ جاری کر رکھا ہے۔ (اگر پیاس ہو تو تازہ پانی منگا کر پینا)

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ○ ۱۹/۲۵

اور (کھجور کا درخت تیرے گھر میں ہے) تو کھجور کی شاخ کو اپنی طرف ہلاتی ہے تو وہ تجھ پر تازہ کھجوریں گراتی ہے۔

• واضح رہے کہ شدتِ درد کے عالم میں کھجور سے کھجوریں جھاڑنے کو نہیں کہا گیا۔ بلکہ ان الفاظ میں مریم کو کھجوریں کھانے کی ترغیب دیگئی ہے۔ اور دایہ وغیرہ کو ہدایت کیگئی ہے کہ دردِ زِہ کی شدت کو کم کرنے کیلئے تازہ کھجوریں کھلائی جائیں، جو گرم بھی ہوتی ہیں اور ملین بھی۔ یاد رہے کہ اس آیت میں هُزِّيْٓ تا رُطَبًا جَنِيًّا کے الفاظ وضع حمل سے متعلقہ وقتی ہدایات ہیں۔ اگلی آیت میں پھر تاکید کیگئی ہے:-

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ○ ۱۹/۲۶

پھر (وضع حمل کے بعد بھی) تو (تازہ کھجوریں) کھانا، اور (چشمہ کا تازہ پانی) پینا۔ اور (بیٹے کو دیکھ کر) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا۔ (لیکن زچگی کے ایام میں زیادہ باتیں نہ کرنا) جب تو

کسی کو آتا دیکھے تو (اشارہ سے) کہدینا کہ میں نے رحمان کے ہاں منت مانی ہے کہ آج کسی سے کلام نہ کرونگی۔ (تاکہ زیادہ باتوں کیساتھ تیری صحت پر بُرا اثر نہ پڑے)۔

• آیت بالا میں زچگی کی حالت سے متعلقہ ہدایات دیگئی ہیں۔ جن سے کسی بھی صاحب عقل و دانش کو انکار نہیں۔ اگرچہ کفیل و نگران کیطرف سے وضع حمل سے بہت پہلے بھی حاملہ کو مذکورہ ہدایات دی جاچکی ہوتی ہیں لیکن زچہ کیلئے بروقت یاددہانی بھی ضروری ہوتی ہے۔

حضرت مسیحؑ کا قوم سے خطاب

• واضح رہے کہ حضرت مسیحؑ قانون مشیت کے مطابق ہی پیدا ہوئے۔ ماں کا دودھ پیا۔ بڑے اور جوان ہوگئے۔ خدا تعالیٰ کی پیشنگوئی کے مطابق نبی ہوئے، کتاب ملی معاشرہ کی برائیوں اور بُرے عقیدوں کے خلاف تبلیغ شروع کی۔ ماں اپنے بیٹے کو سواری پر سوار کر کے قوم کے پاس لائیں۔ قوم جن عقائد و اعمال کو صحیح خیال کرتی چلی آرہی تھی، حضرت مسیحؑ نے انہیں غلط قرار دیا۔ اس پر قوم نے مریمؑ کو کہا کہ تو (یہ بیٹا) ایک عجیب چیز لائی ہے، جس نے جملہ نظریات کو باطل قرار دیدیا ہے:۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ[1] قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ﴿19/27﴾

پھر (جب مسیحؑ نبی ہوئے تو) مریمؑ انہیں (اپنی قوم کے غلط عقائد کی تردید کی تبلیغ کیلئے سوار کرکے قوم کے پاس لائیں تو انہوں نے (مسیحؑ سے جب اپنے عقائد کی تردید سنی تو) کہا[2] اے مریمؑ! تو (یہ بیٹا) ایک عجیب چیز لائی ہے (جو ہمارے عقائد کی جملہ عمارتوں کو یکسر منہدم کر رہا ہے)

یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿19/28﴾

(انہوں نے کہا) اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ بُرا آدمی تھا۔ اور نہ تیری ماں (مروجہ عقائد کی) باغی تھی۔ (وہ دونوں باغی اور مخالف نہیں تھے۔ تُونے بیٹے کو ایسی تعلیم دیکر معاشرہ کی بغاوت کیوں کی ہے)

• [1] تَحْمِلُهٗ کا یہ معنی غلط ہے کہ مریمؑ شیر خوار مسیحؑ کو گود میں اٹھا کر لے گئیں۔ صحیح معنی یہ ہے کہ جب حضرت مسیحؑ صاحب نبوت ہوئے تو (انہیں تبلیغ کیلئے سوار کرکے قوم کے پاس لائیں۔ تَحْمِلُهٗ کے مادہ حمل کا معنی سوار کرنا خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ لِتَحْمِلَهُمْ 9/92 تاکہ تو انہیں سوار کرے۔ • [2] یہاں یہ الفاظ محذوف ہیں:۔ اِذَا سَمِعُوْا كَلَامَهٗ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ ..... جب انہوں نے مسیحؑ کا کلام سُنا تو کہا اے مریمؑ!

• اہلِ روایات نے اس آیت کا یہ مفہوم لیا ہے کہ قوم نے کہا، نہ تیرا باپ ہی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکارہ عورت تھی۔ تو حرامکاری کرکے یہ ناجائز بیٹا کہاں سے لے آئی ہے۔ آیت بالا کا یہ مفہوم مطلقاً غلط ہے، کیونکہ بَغِیًّا کا معنی صرف بدکار نہیں۔ بلکہ معاشرہ کے قانون کی باغی بھی ہے۔ یہ لفظ جنسی بغاوت کے علاوہ قانونی بغاوت کیلئے بھی آتا ہے۔ چنانچہ ملک کے قانون کی مخالفت کرنیوالے کو باغی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ قانون کے باغی کا بدکار ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ مریمؑ کو قوم نے اپنے معاشرہ کے قانون کا باغی قرار دیا تھا، زناکار نہیں کہا تھا۔ جیسے کہ مریمؑ کے دلائے ہوئے حضرت مسیحؑ کے جواب سے ظاہر ہے کہ قوم کا اعتراض معاشرہ کے

رائج عقائد و نظریات کی بغاوت ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مریمؑ نے قوم کے مذکورہ بالا اعتراض کا جواب خود نہ دیا۔ بلکہ مسیحؑ کیطرف اشارہ کر کے قوم سے کہا کہ اس سے جواب سنو۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ نے قوم کے اعتراض کے جواب میں اپنی نبوت اور عطائے کتاب کا اعلان کر کے یہ ثبوت پیش کیا کہ میں تمہارے عقائد و نظریات کی تردید از خود نہیں کر رہا۔ بلکہ مجھے خلعت نبوت سے نوازا گیا ہے مجھے کتاب دیگئی ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ خدا تعالیٰ کی کتاب انجیل کی رُو سے کہتا ہوں۔ اب اگر قوم کا اعتراض بقول روایات حضرت مسیحؑ کی پیدائش کے متعلق ہوتا، کہ تو یہ کیا عجیب چیز لائی ہے۔ یعنی بے باپ کا بیٹا، ناجائز بیٹا۔ تو حضرت مسیح کو اس سوال کا یہ جواب دینا چاہیئے تھا کہ میں اپنی ماں کے ہاں معجزانہ طور پر بلا باپ پیدا ہوا ہوں۔ میری ماں سو فیصدی پاکباز ہے لیکن انہوں نے ماں کی برّیت کا اعلان کرنے کی بجائے کیا جواب دیا؟ حضرت مریمؑ نے حضرت مسیحؑ کی طرف اشارہ کیا۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ عـلـه صَبِيًّا ۝ $\frac{19}{29}$

(قوم کے اعتراض کے جواب میں) مریم نے مسیح کیطرف اشارہ کیا (اس سے پوچھو)۔ انہوں نے کہا کہ ہم (بڑے بڑے عالم) اس سے کیا کلام کریں جو ابھی کل کا بچہ ہے۔

• علہ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا کے الفاظ محاورہ کے طور پر آئے ہیں۔ ان سے مراد گود کا بچہ نہیں۔ کیونکہ گود کے بچے کو نہ کتاب دیجاتی ہے اور نہ اُس پر صلوٰۃ و زکوٰۃ فرض ہوتی ہے لیکن حضرت مسیحؑ نے کہا :-

قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ $\frac{19}{31}$

مسیحؑ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے۔ اور مجھے نبی بنایا ہے! اور میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھے بابرکت ٹھہرایا ہے۔ (یعنی میں ایک بابرکت قانون لیکر آیا ہوں) اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں جبتک زندہ رہوں صلوٰۃ قائم کروں اور زکوٰۃ دیتا رہوں۔

• دیکھا آپنے! کیا اس جواب کے مطابق حضرت مسیحؑ دودھ پینے بچے تھے؟ کیا انہیں شیر خوارگی کے عالم میں کتاب نبوت مل چکی تھی۔ یا کیا آپنے شیر خوارگی ہی کے عالم میں معاذ اللہ جھوٹ بولا تھا کہ مجھے کتاب دیگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ اس وقت حضرت مسیحؑ دودھ پیتے بچے ہی تھے اور نہ آپنے جھوٹ بولا تھا۔ آپ جوان ہو چکے تھے۔ آپکو کتاب و نبوت مل چکی تھی۔ آپ پر صلوٰۃ و زکوٰۃ فرض ہو چکی تھی۔ اگلی آیت میں ہے کہ حضرت مسیحؑ نے مزید فرمایا :-

وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِىْ ؗ وَلَمْ يَجْعَلْنِىْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ $\frac{19}{32}$

اور میں اپنی ماں کیساتھ نیک سلوک کرنیوالا ہوں! اور مجھے اللہ نے سرکش اور بدنہاد نہیں ٹھہرایا۔

وَالسَّلٰمُ عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝ ۳۳ $\frac{19}{33}$

مجھ پر اس دن بھی سلام تھا جب میں پیدا ہوا۔ اسدن بھی سلام ہوگا جب میں مرونگا! اور اسدن بھی سلام ہوگا جب میں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤنگا۔

• آیاتِ بالا سے مزید ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس جواب کے وقت دودھ پینے گود کے بچے نہیں تھے۔ بلکہ ایسے جوان تھے کہ جب بیٹے پر ماں باپ کی خدمت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ وقت تھا، جب آپکے والد فوت ہو چکے تھے۔ صرف ماں زندہ تھی۔ ورنہ بَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ کی بجائے بَرًّۢا بِوَالِدَيَّ آتا۔ عام مفسرین کو دھوکا، قوم کے بڑے بڑے علماء کے جواب سے لگتا ہے، جو اُنہوں نے کہا تھا:- كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا = کہ ہم اتنے بڑے بڑے علماء اس سے کیا کلام کریں جو ابھی کل کا بچہ ہے۔ یہ بالکل اسیطرح کی اصطلاح ہے جیسے ہمارے معاشرہ میں جب کسی بڑے بوڑھے کو کسی نوجوان کے مقابلے پر لایا جائے، تو وہ کہتا ہے کہ اس کل کے بچے کیساتھ بحث و تمحیث کرنا میری توہین ہے، جسکے ابھی دودھ کے دانت بھی نہیں نکلے۔

حضرت مسیحؑ اللہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ حضرت یعقوبؑ کے پوتے اپنے باپ کے بیٹے تھے

• بے باپ کا تو اہلِ عقل و دانش کے نزدیک سوال تک ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپکے متعلق اصل جھگڑا، آپکو شریکِ الوہیت کرنے کا ہے۔ نصاریٰ نے آپکو اللہ کا بیٹا بنا کر شریکِ الوہیت ٹھہرالیا۔ اور اسیطرح جب اللہ کو اُنکا باپ ٹھہرالیا گیا، تو اصل باپ کا تصور گم کرنے کیلئے آپکو معاذ اللہ کنواری مریم کا بیٹا ظاہر کیا۔ حالانکہ قرآنِ کریم کی رُو سے آپ، حضرات نوحؑ، ابراہیمؑ اور داؤدؑ کی نسل سے اُنکے دَور کے پوتے پر پوتے تھے۔ جیسے کہ سورہ انعام میں آیا ہے:- وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ...... وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ...... $\frac{6}{84 \text{ تا } 87}$ = اور نوحؑ کی ذریت میں سے تھے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ۔ اور اسیطرح ہم محسنین کو جزا دیتے ہیں۔ اور زکریاؑ، یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ سب صالحین میں سے تھے ..... اور اُنکے باپ اور بیٹے ..... ان آیاتِ کریمات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ سمیت جملہ انبیاء کے الگ الگ باپ تھے۔ اور حضرت عیسیٰؑ سمیت مذکورہ بالا سب نبی حضرت نوحؑ کے بعد حضرت داؤدؑ کی اولاد تھے۔

• نیز سورہ آل عمران میں حضرت مسیحؑ کے متعلق بالتصریح اعلان کیا گیا ہے:- اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ $\frac{3}{59}$ = بیشک عیسیٰؑ کا حال نوعِ آدم کے حال جیسا ہے یعنی حضرت مسیحؑ نوعِ آدم سے الگ قسم کی مخلوق نہیں تھے جسطرح جملہ نوعِ آدم کا کوئی فرد بغیر باپ کے نہیں ہے، اسیطرح حضرت مسیحؑ بھی بغیر باپ کے نہیں تھے۔ اس آیت مجیدہ $\frac{3}{59}$ کی تفسیر معہ تفسیر کُنْ فَیَکُوْن اپنے مقام پر سلسلہ درس کی سورہ آل عمران کی آیت نمبر $\frac{3}{59-60}$ کے ماتحت صفحہ ۹۵ پر آگے آرہی ہے۔

حضرت مسیحؑ کا نسب نامہ بالفاظِ تفسیر جلالین و کمالین

• سورہ مریم میں حضرت مسیحؑ کے ذکر سے ماقبل حضرات زکریاؑ اور یحییٰؑ کا ذکر آیا ہے $\frac{19}{2 \text{ تا } 15}$ - اور آپکے ذکر کے بعد حضرات ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، موسیٰؑ، اسماعیلؑ، ادریسؑ، آدمؑ اور نوحؑ کا ذکر آیا ہے $\frac{19}{41 \text{ تا } 57}$۔ اور اسکے بعد $\frac{19}{58}$ میں ارشاد ہوا ہے:- اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآئِيْلَ ...... $\frac{19}{58}$ - اس آیت مجیدہ میں حضرت مسیح سلام علیہ کو حضرت ابراہیمؑ و اسرائیلؑ کی اولاد بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر جلالین و کمالین مطبوعہ مجتبائی پریس، میں اسکے صفحہ ۲۵۵ پر اس آیت $\frac{19}{58}$ کی تفسیر جلالین کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:-

"اُولٰٓئِكَ مبتدأ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ صفة له مِنَ النَّبِيّٖنَ بيان لهم وهو في معنى الصفة وما بعده الى جملة الشرط صفة للنبيين فقوله مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ اي ادريس وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ في السفينة اي ابراهيم ابن ابنه سام وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اي اسمٰعيل واسحٰق ويعقوب وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِسْرَآءِيْلَ وهو يعقوب اي موسٰى وهٰرون وزكريا ويحيٰى وعيسٰى"

• دیکھئے! جلالین کے اِس اقتباس کے چوکھٹے میں لائے گئے الفاظ میں اصحاب جلالین نے صاف لکھا ہے کہ حضرات موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ حضرتِ اسرائیل (یعقوب) کی اولاد تھے ـــ اسی صفحہ پر جامع البیان میں 19/58 کی یہ تفسیر درج ہے :-

"اُولٰٓئِكَ الانبياء المذكورون في تلك السورة الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ نعما ظاهرة وباطنة مِنَ النَّبِيّٖنَ بيان للموصول مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ بدل منه باعادة الجار وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اي من ذرية من حملنا مع نوح من سفينة سوے ادريس فانه جد نوح فهو من ذرية آدم وابراهيم من ذرية من حمل مع نوح وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ عطف على ابراهيم فموسٰى وهٰرون وزكريا ويحيٰى وعيسٰى من ذرية اسرآءيل ...."

• دیکھئے! جامع البیان! اقتباس کے چوکھٹے میں لائے گئے الفاظ میں، کس طرح صاف صاف لکھا ہے کہ حضرات موسیٰؑ، ہارونؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ اور عیسیٰؑ حضرت اسرائیل کی اولاد تھے ـــ غور فرمائیں کہ یہاں اِن نحوی علماء کو علمِ نحو نے حضرت مسیحؑ کے نسب نامہ کے اظہار کیلئے مجبور کردیا ہے کہ آپ حضرت یعقوبؑ کی اولاد تھے۔ جس سے کھل کر ثابت ہوچکا کہ حضرت مسیحؑ کے والد اولادِ یعقوب کے ایک فرد تھے۔ یہ ہے حضرت مسیح کا نسب نامہ جو ہمیشہ باپ کی نسبت سے ہوتا ہے ماں کی نسبت سے کبھی ہوا ہی نہیں۔

• سورۂ مریم کے سلسلۂ درس کی اگلی آیتوں میں حضرت مسیح کے ذکر کے بعد اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صُلبی بیٹا بھی کوئی نہیں۔ اور وہ کسی کو بیٹا یعنی متبنّیٰ بھی ہرگز نہیں بناتا۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ○ 19/34

مذکورہ بالا (کوائف والا تھا) عیسیٰؑ بیٹا مریمؑ کا۔ (مذکورہ) قولِ حق ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ (اور مسیحؑ کو اللہ کا بیٹا ٹھہراتے ہیں)

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ 19/35

اللہ کیلئے یہ لائق نہیں کہ وہ کسی کو بھی بیٹا بنائے۔ وہ بیٹے (اور بیوی سے) پاک ہے 6/101۔ وہ (موت و حیات سمیت 6/68 علہ) جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے (قانونِ مشیّت کی زبان سے) کہتا ہے ہوجا پھر وہ (اُسکے قانونِ مشیّت کی منزلیں طے کرکے) ہوجاتا ہے

علہ • آیتِ مجیدہ 6/68 کی مکمل بحث کُن فیکون کی ذیلی سُرخی کے تحت صفحہ 27 پر گزر چکی ہے۔

• اِس سے اگلی آیت میں حضرت مسیحؑ کی بعثت کی غرض، اور آپ کی تحریک کا خلاصہ، بلاتمیزِ اعلیٰ وادنیٰ ربوبیتِ عامہ خود اُنہی کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے :-

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ علہ 19/36

اور (مسیحؑ نے قوم سے کہا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور بلاتمیزِ اعلیٰ وادنیٰ تم سب کا بھی رب ہے پس اُسی کے قانون کی فرمانبرداری کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

۴۸ • اِس آیت مجیدہ کے بعینہٖ یہی الفاظ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۵ میں بھی آئے ہیں۔ جو معہ تفسیر اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

مریمؑ پر یہودیوں کا بہتانِ عظیم

• ولادتِ مسیحؑ بے باپ کے ثبوت میں قرآنِ کریم سے ایک دلیل یہ لائی جاتی ہے کہ یہودیوں نے مریمؑ پر حرامکاری کا بہتان باندھا تھا۔ قرآنِ کریم نے سورہ نساءؔ میں اُسکی تصدیق کی ہے :- وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ ۴/۱۵۶ اور (اللہ تعالیٰ اُن سے بیزار ہوا) اُنکے انکار کی بدولت اور اُنکے اُس عظیم بہتان کی بدولت، جو اُنہوں نے مریمؑ پر باندھا تھا۔ اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ "مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا" کی وضاحت تو حضرتِ مسیحؑ کے جواب میں صفحہ ۵۰ پر گزر چکی ہے کہ الفاظِ بالا میں قوم نے حضرت مریمؑ پر معاشرہ کے مروجہ عقائد و نظریات کی بغاوت کا الزام لگایا تھا۔ جس کا جواب اُنہوں نے حضرتِ مسیحؑ سے دلوایا کہ میں بحیثیت نبی اور صاحبِ کتاب ہونے کے تمہارے عقائد و نظریات کی تردید کرتا ہوں۔ لیکن ۴/۱۵۶ میں مذکور بہتان اگر حضرت مریمؑ پر یہودیوں کا لگایا ہوا جنسی بغاوت ہی کا تسلیم کیا جائے، تو یہ مریمؑ کی وفات کے بعد اُسوقت کا ہو سکتا ہے، جب نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو بے باپ کی پیدائش ظاہر کیا، تو یہودیوں نے کہا کہ پھر تو وہ ناجائز پیدائش ہی ہو سکتا ہے۔ اور مریمؑ معاذ اللہ بدکارہ ہوگی۔

• سورہ نساءؔ ۴/۱۵۶ میں جہاں یہودیوں کے مریمؑ پر بہتانِ عظیم کا ذکر ہے۔ وہاں ۴/۱۵۲ تا ۱۵۹ یہودیوں کے اُن جرائم کی فہرست بیان ہوئی ہے، جو اُنکے مختلف زمانوں کے الگ الگ آباؤ اجداد نے الگ الگ وقتوں میں کئے تھے۔ مثلاً یہودیوں کا بچھڑے کی پوجا کرنا ۴/۱۵۳۔ سبت کے متفقہ دار اجتماع کی خلاف ورزی کر کے مچھلیاں پکڑنے چلے جانا ۴/۱۵۴۔ اللہ تعالیٰ سے کئے گئے عہد کو توڑ دینا ۴/۱۵۵۔ اور حضرتِ موسیٰؑ کے بعد آنیوالے متعدد نبیوں کی مخالفت کرنا ۴/۱۵۵۔ اور اس سے آگے ہے مریمؑ پر بہتانِ عظیم باندھنا ۴/۱۵۶۔ پس اس آیت میں یہودیوں کے مریمؑ پر جس بہتانِ عظیم کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اُسوقت ہی کا ہے جب نصاریٰ نے مسیحؑ کو کنواری کا بیٹا بتایا تو اِسکے جواب میں اُنہوں نے مریمؑ کو بدکارہ کہا۔ لہٰذا اِس آیت ۴/۱۵۶ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مریمؑ نے بلا شوہر بیٹا جنا تھا۔ اور یہودیوں نے اُس پر بدکاری کا بہتان باندھا تھا۔ آج بھی اگرچہ قرآنِ کریم میں کُن فیکون بدستور درج ہے۔ لیکن آج اگر کوئی کنواری، خواہ کتنی ہی نیک چلن ہو، حاملہ ہو جائے اور بچہ جنے تو کون ہوگا جو اُسے بدکارہ نہ کہیگا؟

ایک اور اعتراض کا جواب

• حضرت مسیحؑ کو بے باپ ثابت کرنے کیلئے کہا جاتا ہے کہ اگر مسیحؑ بے باپ پیدا نہیں ہوئے تھے تو قرآنِ کریم میں اُنہیں مسیحؑ ابنِ مریمؑ کیوں کہا گیا ہے۔ جبکہ ۳۳/۴ میں حکم دیا گیا ہے کہ جنہیں تم متبنّٰی بنا لیتے ہو، اُنہیں اپنے بیٹے نہ کہا کرو، بلکہ :- اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۳۳/۵۔ اُنہیں اُن کے باپوں کے نام کیساتھ پکارا کرو۔ یہ طریقہ اللہ کے نزدیک مبنی بر انصاف ہے۔

• جواباً عرض ہے کہ اِس آیت مجیدہ میں کسی بچے کو اُس شخص کیطرف منسوب کرنے سے منع کیا گیا ہے، جو اُسکا باپ نہیں۔ یعنی کسی کی ولدیت بدلنے سے منع کیا گیا ہے۔ ماں کے نام کیساتھ پکارنے سے نہیں روکا گیا۔ حضرتِ ہارونؑ کو جب حضرت موسیٰؑ ناراض ہوئے تو آپنے اُن سے کہا کہ اے میری ماں کے بیٹے مجھ پر ناراض نہ ہو ۲۰/۹۴۔ اگر حضرتِ مسیحؑ کو ماں کیطرف منسوب کر کے پکارنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا باپ کوئی نہیں تھا۔ تو کیا حضرت موسیٰؑ کا بھی باپ کوئی نہیں تھا جبکہ خود حضرتِ ہارونؑ نے اُنہیں ماں کا بیٹا فرمایا یَبْنَؤُمَّ ۲۰/۹۴۔

نیز قرآن کریم میں حضرت موسیٰ کی ماں ہی کا ذکر ہے۔ باپ کا نہیں حتیٰ کہ ماں ہی آپ کو صندوق میں بند کرکے دریا میں ڈالدیتی ہے۔ کیا ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا باپ کوئی نہیں تھا؟

● اب آیئے اس مسئلہ کیطرف کہ حضرت مسیح کو ماں کی نسبت سے کیوں پکارا جاتا ہے؟ — یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ والدین میں سے جو فرد بھی معاشرے کا مشہور فرد ہو، اولاد اُسکے نام سے منسوب ہوتی ہے۔ مثلاً ایڈورڈ ہفتم کو ملکہ وکٹوریہ کا بیٹا اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی نسبت معاشرہ میں زیادہ معروف تھی۔ اسیطرح حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کو بنی فاطمہ اسلئے کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ رسولِ اکرم کی بیٹی ہونے کے لحاظ سے اپنے شوہر کی نسبت زیادہ معروف تھیں پس جسطرح حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کو بنی فاطمہ کہنے سے اور جسطرح ایڈورڈ ہفتم کو ملکہ کا بیٹا کہنے سے نہ حضرت علیؓ کی نفی ہوجاتی ہے اور نہ ایڈورڈ ہفتم کے باپ کی نفی ہوتی ہے — اسیطرح مسیحؑ ابن مریم کہنے سے اُنکے متعلق یہ تصور قائم کرنا مطلقاً غلط ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ اُنکا باپ کوئی نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریمؑ منذورہ مبلغہ اور معلمہ ہونے کی بدولت اپنے خاوند کی نسبت بہت زیادہ مشہور معروف خاتون تھیں۔ اسلئے مسیح سلام علیہ معاشرہ میں اُنہی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ اور قرآن کریم نے آپکو اُسی نام سے متعارف کرایا ہے، جس نام سے آپ معاشرہ میں معروف تھے۔

سورۂ آل عمران کے سلسلۂ درس کی طرف رجعت

● مسئلۂ ولادتِ مسیح کی وضاحت کیلئے سورہ آل عمران اور سورہ مریم کا تقابل اور اس مسئلہ سے متعلقہ سورہ مریم کی ابتدائی ۳۶ آیات کریمات کی تفسیر کے بعد اب پھر سورہ آل عمران کے سلسلۂ درس کی طرف رُخ کیا جاتا ہے، جس کا ترجمہ اور تفسیر صفحہ نمبر ۴۷ پر آیت نمبر ۴۴ تک گزر چکا ہے۔ اب اُس تسلسل کو قائم کرتے ہوئے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۴۵ سے شروع کیا جارہا ہے۔ سابقہ آیات میں حضرت مریمؑ کو حضرت زکریاؑ کے ذریعہ پیغام دیا گیا ہے کہ ایک عظیم الشان منذورہ مبلغہ اور معلمہ ہونے کے باوجود تجھے بھی اللہ تعالیٰ کے عائلی قوانین کے سامنے اُسیطرح جھکنا ہے جسطرح سب لوگ جھکے ہوئے ہیں۔ یعنی یہ حضرت مریمؑ کیطرف آپ کے کفیل حضرت زکریاؑ کیطرف سے شادی کا پیغام تھا۔ اگلی آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیغام رسان نوتوں ملائکہ نے مریمؑ کو حضرت زکریاؑ کے ذریعہ بیٹے کی خوشخبری دی۔ واضح رہے اللہ اپنا پیغام اپنے نبیوں ہی کی طرف بھیجتا تھا، جو غیرنبیوں کیطرف نبیوں ہی کے ذریعہ پہنچایا جاتا تھا۔ ذیل میں قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ میں حضرت زکریاؑ کا واسطہ محذوف ہے:۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ جب کہا ملائکہ نے اے مریم بیشک اللہ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ خوشخبری دیتا ہے تجھے ساتھ کلمہ کے اپنی طرف سے نام اسکا مسیح عیسیٰ بیٹا مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ مریم کا ہوگا۔ باوقار بیچ دنیا کے اور آخرت کے، اور میں سے	وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ملائکہ نے (حضرت زکریاؑ کے ذریعہ) کہا کہ اے مریمؑ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے کلام پانیوالے (بیٹے) کی خوشخبری دیتا ہے، جس کا نام مسیح عیسیٰ ابنِ مریمؑ ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں باوقار، اور مقربین میں سے ہوگا۔

الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ ۴۵

مقربین میں سے

• وجیھًا فی الدنیا کی تفسیر میں ہے کہ باہمی جنگ میں بنی اسرائیل کو شکست اور مسیح کو فتح نصیب ہوئی۔ تفصیل صفحہ ۶۲ پر آگے آرہی ہے۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ

اور کلام کریگا لوگوں سے بچپن میں اور ہوگا ادھیڑ عمر کا اور میں سے

الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۴۶

اصلاح کرنیوالوں کے

اور وہ بچپن میں لوگوں سے کلام کریگا (یعنی اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچائیگا) اور وہ پختہ کار ہوگا۔ نیز وہ معاشرہ کی اصلاح کرنیوالوں میں سے ہوگا۔

• فی المھد بچپن کیلئے محاورۃً آیا ہے۔ • کھلًا یعنی ادھیڑ عمر والا۔ ادھیڑ عمر کو پہنچنا محاورہ ہے پختہ کار ہوچکنے کا۔

• جب حضرت مریم کو بیٹے کی خوشخبری دیگئی تو آپنے اپنے منذورہ ہونے کی بدولت شادی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے پیش نظر یہ کہا:۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ

کہا مریم نے اے میرے رب کیونکر ہوگا میرے لئے بیٹا حالانکہ نہیں چھوا مجھے

بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا

شوہر نے۔ کہا ایسا ہی ہے۔ اللہ پیدا کرتا ہے جو قانون مشیت ہے جب

قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۴۷

وہ فیصلہ کرتا ہے کسی امر کا تو سوائے اسکے نہیں کہ اُسے کہتا ہے ہوجا۔ پھر وہ ہوجاتا ہے

مریم نے کہا، اے میرے رب میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا جبکہ (میرا منذور ہونا، میرے نکاح میں عظیم رکاوٹ ہے اسطرح نہ تو مجھے شوہر کی مس ممکن اور نہ میں بدکارہ ہوں) (حضرت زکریا نے) کہا ایسا ہی ہے (بیشک تیرا منذورہ ہونا تیرے نکاح میں رکاوٹ ہے جسکا دور کرنا اللہ کیلئے آسان ہے) اللہ تعالیٰ جسے پیدا کرتا ہے اپنے قانون مشیت کیمطابق پیدا کرتا ہے جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو قانون مشیت کی زبانی کہتا ہے ہوجا۔ وہ ہوجاتا ہے

• واضح رہے کہ مس بشر، قال کذالک، یخلق ما یشآء اور کن فیکون کی قرآنی تفسیر بالترتیب صفحہ ۴۳-۴۴-۴۶-۴۷ پر گزر چکی ہے۔ قارئین کرام دوبارہ ملاحظہ فرما کر ذہن میں تازہ کرلیں۔

• اوپر بتایا جاچکا ہے کہ حضرت مریم سے ملائکہ کا خطاب حضرت زکریا کی معرفت ہوا تھا یعنی آیت ماقبل ۴۵ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ میں حضرت زکریا کا واسطہ محذوف ہے جسکی تائید آیت بالا میں قال فعل واحد مذکر لاکر کردیگئی ہے کہ حضرت مریم سے مخاطب ایک مذکر حضرت زکریا تھے یعنی ملائکہ بصورت جمع کا خطاب حضرت مریم کیطرف بذریعہ حضرت زکریا تھا۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۴۵-۴۶ کیساتھ ہے اور حضرت زکریا کے ذریعہ، ملائکہ کیطرف سے اللہ کے پیغام میں اُسی بیٹے کی صفات بیان کیگئی ہیں جس کی خوشخبری آیات ماقبل ۴۵ ۴۶ میں دیگئی ہے:۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَ

اور سکھائیگا اللہ اسے کتاب اور دانائی اور تورات اور

اور اللہ تعالیٰ اُسے (یعنی مسیح ابن مریم کو، اپنی حکمت بھری کتاب، یعنی تورات اور انجیل کی تعلیم دیگا

الْإِنْجِيلَ ۚ ۴۸
انجیل

(نوٹ، قرآن انجیل تورات زبور سب ایک ہی کتاب کے الگ الگ نام ہیں ۲۶/۹۱ یعنی ایک ہی کتاب مختلف زبانوں میں نازل ہوئی تھی۔

● ۱ حکمت، اللہ کی کتاب سے الگ چیز نہیں بلکہ کتاب کے اندر موجود ہے، جیسے کہ یٰسٓ ۰ والقرآن الحکیم سے خود قرآن ہی حکمت والا ثابت ہے، قرآن سے الگ حکمت کوئی نہیں۔

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم
اور ہوگا رسول طرف بنی اسرائیل کے۔ (کہیگا) بیشک میں تمہارے پاس آیا
بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ
ایک نشانی تمہارے رب کیطرف سے بیشک میں پیدا کرتا ہوں واسطے تمہارے مٹی میں سے
كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ
صورت پرندے کے پھر پھونکتا ہوں اس میں پھر وہ ہو جاتا ہے پرندہ اذن
اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ
اللہ سے اور میں ٹھیک کرتا ہوں مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اور زندہ کرتا ہوں مردوں
بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ
کو ساتھ اذن اللہ کے۔ اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کرتے ہو
فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم
بیچ گھروں اپنے کے بیشک اس بیان میں ایک نشانی ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم
مُّؤْمِنِينَ ۴۹
ایمان لانے والے

اور وہ مسیح بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔ (اُن سے کہیگا) میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل لیکر آیا ہوں۔ بیشک (میں تمہارے تقلید کی کیچڑ میں پھنسے ہوئے افراد کو) تمہارے لئے ۲ (غیر اللہ کی فرمانبرداریوں کے) کیچڑ سے نکالکر پرندوں کیطرح (غیر اللہ کی بدل سے) آزاد کردونگا۔ پھر اُسے اللہ کی تعلیم دونگا۔ پھر وہ اللہ کے اذن (قانون) سے اُڑتے پرندوں کیطرح ہو جائینگے (وہ تمہاری رہنمائی کے قابل ہو جائینگے) نیز میں اُن مادر زاد ایمانی اندھوں کو (یعنی جنہوں نے ہدایت کی روشنی دیکھی ہی نہیں) ایمانی بینا کردونگا اور برص کے ایمانی مریضوں کو (یعنی نہ مومن ہیں نہ کافر) اُنکی ایمانی برص (منافقت دُور کرکے) شفایاب کردونگا۔ نیز میں ایمانی مُردوں کو اللہ کے اذن (قانون) کے مطابق ایمانی لحاظ سے زندہ کردونگا۔ اور تمہیں اس چیز سے باخبر کردونگا کہ جو تم کھاتے ہو (حلال ہے یا حرام) اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو (وہ ربوبیت عامہ کے منافی ہے یا مطابق) اور اگر تم ماننے والے ہو تو بیشک مذکورہ بالا بیان میں تمہارے لئے ایک واضح دلیل ہے۔ ۳

● ۲ تمہارے لئے لکم سے مراد یہ ہے کہ حضرت مسیح نے فرمایا کہ میں آبائی تقلید کے کیچڑ میں پھنسے ہوؤں میں ربانی تعلیم پھونک کر انہیں تمہارے لئے پرندوں کیطرح آزاد کردونگا یعنی پھر وہ تمہاری رہنمائی کے قابل ہو جائینگے۔ اس سے آپکے مبلغ صحابہ مراد ہیں۔

● ۳ روائتی تراجم میں اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کیا گیا ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کی اجازت کیساتھ مٹی کے پرندے بناکر ان میں پھونک مارتے تھے وہ زندہ ہوکر اُڑ جاتے تھے۔ مگر یہ نظریہ غور طلب ہے کہ پرندوں کے پیدا کرنے کا خداوندی قانون تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نر و مادہ کے ملاپ سے انڈے، اور انڈوں سے بچے پیدا کرتا ہے۔ جو پیدا ہونے سے کئی دن بعد اُڑنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اسطرح اگر حضرت مسیح کو پھونک مار کر چشم زدن میں اُڑا کر دکھا دینے والا مانا جائے تو معاذ اللہ معاذ اللہ ایک طرف خدا تعالیٰ کے قانون کی مخالفت ہوتی ہے اور دُوسری طرف حضرت مسیح خدا تعالیٰ سے بڑے خالق ثابت ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ نفخ کا معنیٰ پھونک مارنا بھی ہے اور تعلیم دینا بھی۔ جیسے کہ ہم کہتے ہیں تو نے زید کے کان میں کیا پھونک دیا ہے کہ وہ بہت ہوشیار ہو گیا ہے۔ اسیطرح أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ

...... الخ کا مفہوم یہ ہے کہ تمہاری حالت طین یعنی کیچڑ کی سی ہو چکی ہے کہ جہاں لیپ دیا وہیں چمٹ گئے۔ جو عقیدہ کسی نے بنا کر دے دیا اُسی سے وابستہ ہو گئے۔ لیکن میں ایسی تعلیم تمہیں دونگا کہ تمہارا ہر فرد، جو اس تعلیم پر عمل کریگا، اُڑتے پرندوں کیطرح آزاد ہو جائیگا یعنی تقلید کی دلدل سے نکل کر ہر عقیدے کو عقل و بصیرت کیمطابق قبول کرنے کی دعوت دیگا۔

● اس آئت مجیدہ میں مٹی کے پرندوں کے علاوہ باقی سب چیزیں بھی مجاز کے انداز میں بیان ہوئی ہیں۔ اگر انہیں حقیقت پر محمول کر کے یہ مفہوم لیا جائے کہ واقعی مسیح سلام علیہ مادرزاد اندھوں کو بینا، کوڑھوں کو اچھا اور مُردوں کو زندہ کر سکتے تھے۔ تو آپکا فریضہ تبلیغ دین نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ بلکہ آپ کا فرض یہ ہونا چاہیئے تھا کہ آپ کرۂ ارض کا سفر اختیار کرتے اور زندگی بھر اندھوں کو آنکھیں دیا کرتے، کوڑھوں کو اچھا اور مُردوں کو زندہ کیا کرتے۔ اتنے بڑے حکیم حاذق کو معاشرے کی اصلاح کا کام سونپ دینا، بالکل ایسا ہے، جیسے ایک سول سرجن کو انتظامیہ کا کام سونپ دیا جائے۔ اور نتیجہ یہ ہو کہ اِدھر مریض صحت کو ترستے رہیں اور اُدھر انتظام بھی صحیح نہ ہو سکے۔ حالانکہ آئتِ بالا کی ابتداہی میں مذکور ہے کہ حضرتِ مسیح سلام علیہ کو بنی اسرائیل کیطرف خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانیوالا مقرر کیا گیا تھا۔ اور اُس پیغام میں یہ خوبی تھی کہ ایمانی اندھے بینا ہو جاتے تھے۔ ڈھلمل یقین، پختہ یقین ہو جاتے، جنہیں برص کی بیماری کیساتھ تشبیہ دیگئی ہے، یعنی نہ سارے سفید نہ سارے کالے۔ نہ مومن نہ کافر۔ ایسے لوگ بھی اُس تعلیم سے اچھے ہو سکتے تھے۔ اور ایمانی مُردے اُس ربانی تعلیم سے ایمانی زندگی پاتے تھے۔ یہی حال رسولِ اکرم سلام علیہ کی تعلیم کا تھا۔ کہ آپ بھی حضرتِ مسیح کیطرح ایمانی مُردوں کو زندگی عطا کیا کرتے تھے۔ دیکھیئے ارشادِ باری:۔ یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ $\frac{۸}{۲۴}$ = اے ایمان والو! جب اللہ اپنے رسول کے ذریعہ تمہیں زندہ کرنے کیلئے بُلائے تو اُسکا کہا مانا کرو۔

● اب بتایئے! کیا یہ ایمانی زندگی ہی نہیں ہے جو طبعی زندوں کو دی جا رہی ہے۔ اور جس کیلئے صرف حضرتِ مسیح ہی نہیں بلکہ جملہ انبیاء سلام علیہم مبعوث فرمائے گئے تھے۔ حضرتِ مسیح بھی جملہ انبیاء کیطرح ایمانی اندھوں کو اللہ کی تعلیم کے ساتھ ایمانی بصیرت عطا فرماتے تھے۔ ایمانی برص والوں کو اچھا، اور ایمانی مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ کیچڑ کیطرح تقلید کے مشرکانہ نظریات میں لپٹے ہوئے تھے، اُنہیں بلند پرواز پرندوں کیطرح فکری بلندی عطا کرتے تھے۔ جس سے وہ خود بھی کسی عقیدے کو عقل و بصیرت پر پرکھے بغیر قبول نہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی تبلیغ کرتے۔ دین اللہ کے مبلغ پیدا کرنا انبیاء کا فریضہ تھا۔ چنانچہ حضرتِ مسیح نے بھی صحابہ کی مبلغ جماعت پیدا فرمائی تھی۔

● اس سے اگلی آئت مجیدہ میں حضرتِ مسیح کے اُس خطاب کا بقیہ حصہ درج ہے جو آئت نمبر ۴۹ ماسبق میں گزر چکا ہے۔ حضرتِ مسیح نے مزید فرمایا:۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ اور تصدیق کرنیوالا ہوں جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی یعنی تورات۔ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ وَجِئْتُكُمْ اور تاکہ حلال بتاؤں تمہیں بعض جو حرام کی گئیں تم پر اور لایا ہوں تمہارے پاس	اور میں اُس چیز کی تصدیق کرنیوالا ہوں، جو مجھ سے پہلے آچکی ہے یعنی تورات۔ اور میں اسلئے تمہارے پاس آیا ہوں کہ وہ بعض چیزیں جو تم پر (تمہارے پیشواؤں کی طرف سے) حرام کر دی گئی ہیں انہیں ضابطہ الٰہی کے مطابق حلال ٹھہراؤں۔ پس تم

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ قف فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ ۵۰
ایک نشانی تمہارے رب کیطرف سے ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری

اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو (میں تم سے اپنی نہیں اللہ ہی کی اطاعت کراؤنگا $\frac{3}{49}$)

• آج مسلمان قوم کا بھی یہی حال ہے کہ اِن کے مذہبی پیشوا کسی کو تعویذ دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایک چیز اپنے اوپر حرام کرلو۔ ورنہ تعویذ اثر نہیں کریگا اسطرح مخاطب پر گائے کا گوشت مسور کی دال یا بینگن وغیرہ میں سے کوئی چیز حرام کردیجاتی ہے۔ چاند کی گیارھویں تاریخ کا دودھ عوام پر حرام ٹھہرا دیا جاتا ہے بعض لوگوں کے بعض کھیتوں کی پیداوار اپنے لئے حلال اور انکے لئے حرام کردی جاتی ہے۔ یہی حال بنی اسرائیل کا تھا۔ حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ میں ایسی سب چیزیں تمہارے لئے حلال ٹھہراؤنگا۔

• اس سے اگلی آیت میں آپؑ پوری قوم سے کہتے ہیں کہ میں ربوبیت عامہ کا پیغام لیکر آیا ہوں۔ اور ربوبیت کے لحاظ سے تم میں اور مجھ میں سرِمو فرق نہیں۔ ضروریاتِ زندگی کا حق جیسا میرا ہے، بالکل ویسا حق تمہارا ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسا میرا رب ہے، ویسا ہی تمہارا رب ہے:-

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا
بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اسی کا حکم مانو یہی ہے
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ ۵۱
راستہ سیدھا

(اور مسیحؑ نے کہا کہ اے قوم!) بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور بلاتمیز اعلیٰ و ادنیٰ تم سب کا بھی رب ہے پس اسی کے قانون کی فرمانبرداری کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

• یہ آیت مجیدہ حضرت مسیح کیطرف سے بالکل انہی الفاظ میں سورۂ مریم $\frac{19}{36}$ میں بھی آئی ہے

• دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں آیاتِ ماسبق کی رُو سے تعلیم عیسوی کا لُبّ لباب پیش کرکے بتا دیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت میں رکاوٹ بن کر بیٹھے ہوئے تھے کبھی سرمایہ داری اور ذخیرہ اندوزی ربوبیتِ عامہ میں مانع تھی۔ اور کہیں مذہبی پیشواؤں نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو مریدوں پر حرام ٹھہرا دیا ہوا تھا۔ لوگ مختلف اقسام کے کیچڑوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ مسیحؑ نے اُن پر واضح کردیا کہ اِن تمام غیراللہ پابندیوں کو دُور کرکے قوم کے گلے سے تمام انسانی پٹے اُتار دونگا۔ اور ایک ایسا نظام قائم کرونگا جس میں ربوبیت کے لحاظ سے تم میں اور مجھ میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہوگا۔ یعنی حقوقِ ربوبیت کی رُو سے ریاست کے صدر (سربراہ) اور عوام ایک سطح پر ہونگے۔ اس تکراری آیت مجیدہ میں جو حضرت مسیحؑ ہی کے الفاظ میں $\frac{19}{36}$ میں بھی آئی ہے کھول کر بتا دیا گیا ہے کہ حقوقِ ربوبیت کی رُو سے صدر و عوام کا ایک سطح پر ہونا، اور ریاست میں حاکم صرف اللہ تعالیٰ کو ماننا ہی صراطِ مستقیم ہے، سیدھی راہ ہے۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اُس مہم کا ذکر ہے، جو حضرت مسیحؑ نے نظامِ ربوبیت کے قیام کے لئے چلائی تھی۔ چنانچہ جب آپ نے اللہ کا پیغامِ وحدت و ربوبیت لوگوں تک پہنچایا۔ تو سرمایہ داروں اور ذخیرہ اندوزوں نے اِسے قبول نہ کیا۔ اب آپ نے قوم میں سے اللہ تعالیٰ کی وحدت و ربوبیت کے مومنوں کو الگ کرلیا تاکہ منکرینِ ربوبیت کا مقابلہ کرکے حکومتِ الٰہیہ قائم کی جاسکے۔ اور جاگیرداری، زمینداری، سرمایہ داری اور ذخیرہ اندوزی جیسے غریب کش نظریات کا خاتمہ کیا جاسکے۔ آپ کی اس مہم کا نقشہ اگلی آیت مجیدہ میں اسطرح کھینچا گیا ہے :-

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ
پھر جب محسوس کیا عیسیٰ نے اُن میں انکار تو کہا کون ہے
اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ
مددگار میرا طرف اللہ کی۔ کہا سفید کپڑے والوں نے ہم ہیں مددگار اللہ کے
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۵۲
ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور تو گواہ رہ کہ بےشک ہم فرمانبردار ہیں

پھر جب عیسیٰ ؑ نے بنی اسرائیل میں نظامِ ربوبیت کا انکار محسوس کیا تو انہوں نے اعلان فرمایا، کون ہے (یعنی ہے کوئی) جو اللہ کے قانونِ ربوبیت کے نفاذ میں میرا مددگار بنتا ہے۔ (اس پر) حواریوں (یعنی جو مسیح کی تعلیم سے غیر اللہ کی غلاظتوں سے بکلّی سفید ہو چکے تھے۔ انہوں) نے کہا ہم اللہ کے قانون کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ اور آپ گواہ ہیں کہ بےشک ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

حواری کون تھے؟

• لفظ حواری کا مادہ ح۔و۔ر = حور ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ سفید ہونا ہے۔ حُوّاریٰ میدے کو کہتے ہیں۔ سفید فام عورتوں کو حواریات کہا جاتا ہے۔ سفیدی میں چونکہ داغ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اسلئے جن لوگوں کی زندگی صاف ہوتی ہے۔ انہیں حواری کہا جاتا ہے۔ حواری کا لفظی معنیٰ چونکہ سفید یا دُھلا ہُوا ہے، اسلئے سابقہ تفاسیر میں حواریوں سے مُراد دھوبیوں کا ایک گروہ لیا گیا ہے لیکن مسیح کے صحابہ کو حواری اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ غیر اللہ کی غلاظتوں سے بکلّی پاک صاف ہو چکے تھے۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں حضرت مسیح کے صحابہؓ، غیر اللہ سے پاک صاف یعنی حواریوں کی دُعا درج ہے، جو نظامِ ربوبیت کے قیام کیلئے انہوں نے فرمائی ہے۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا
اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ساتھ اسکے جو نازل کیا تو نے اور اتباع کی ہم نے
الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۳
تیرے رسول کی۔ پس تو لکھ لے ہمیں ساتھ گواہوں کے

(صحابۂ مسیح نے حضورِ الٰہی میں عرض کیا) اے ہم سب کے پروردگار! ہم سب تیرے اُس قانونِ ربوبیت پر ایمان لائے ہیں جو تو نے نازل کیا ہے۔ اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی ہے پس تو ہمیں ربوبیت عامہ کے گواہوں میں لکھ لے۔

ربوبیتِ عامہ کا اقرار

• رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ کے الفاظ میں رب تعالیٰ کے حضور دُعا کرنیوالے اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ تو ہم سب کا برابر کا رب ہے۔ کیونکہ رَبَّنَا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اور "اے ہم سب کے رب" کہنے والے رب تعالیٰ کو پورے معاشرے کا رب تسلیم کرتے ہیں صرف بالادستوں کا نہیں۔ پس آیت مجیدہ کا یہی مفہوم صحیح ہے۔ "اے ہم سب کے پروردگار! ہم سب تیرے قانونِ ربوبیت پر ایمان لائے ہیں جو تو نے نازل فرمایا ہے"۔ یاد رہے کہ رب تعالیٰ کا نازل کردہ ضابطۂ حیات جو ابتدائے آفرینش سے نازل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اگرچہ وہ مختلف زبانوں اور مختلف زمانوں میں نازل ہُوا لیکن وہ ایک ہی ضابطہ تھا۔ جو قرآن کریم میں موجود ہے ۲۲ قرآن کریم اقرارِ ربوبیتِ عالمینی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ + سے شروع اور اقرارِ ربوبیتِ عالمینی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۱۱۴ پر ختم ہوتا ہے۔ یعنی اپنے قاری سے اپنے پہلے ہی سبق میں ربوبیتِ عالمینی کا اقرار لے لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ عالمین کا رب ہے۔ صرف عیّاروں، مکّاروں، سرمایہ داروں اور ذخیرہ اندوزوں ہی کا رب نہیں۔ پس ضابطۂ خداوندی کی رو سے صرف وہ نظام، نظامِ ربوبیت کہلا سکتا ہے جسمیں معاشرہ کے ایک ایک فرد کی ضروریاتِ زندگی کا قانونی حق تسلیم کیا گیا ہو۔ اسی نظام کیلئے حضرتِ مسیح سلام علیہ نے ربوبیتِ عامہ کا اعلان کیا۔ لیکن مخالفوں نے آپکے خلاف بڑی تجویز کی۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ
تجویز کی اُنہوں نے اور تجویز کی اللہ نے اور ہے اللہ بہتر
الْمٰكِرِيْنَ ۵۴ ع الثلثة
تجویز کرنیوالوں کا

اور (مخالفین) نے نظریۂ ربوبیت عامہ کے خلاف) تجویز کی اور اللہ تعالیٰ نے (اُن کے خلاف) تجویز کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر تجویز کرنیوالا ہے۔ (یعنی اللہ کی تجویز ضابطۂ ربوبیت کے مطابق حضرت مسیح نے معاشرہ قائم کر دکھایا)

● دشمنوں کی تجویز انبیاء سلام علیہم کو قتل کرکے انہیں ناکام کرنے کی ہوتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی تجویز یہ ہوتی تھی کہ وہ انبیاء ہجرت کرواکر انہیں کامیاب کر دیتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح نے بھی ایسا ہی کیا۔ آپ معہ والدہ اور صحابہ ایک پُرفضا ٹیلے (ربوہ) پر ہجرت فرما گئے، جہاں مصفّٰی پانی کا چشمہ بھی جاری تھا ۲۳/۵۰۔ لیکن دشمنوں نے جیسے کہ اُن کی عادت ہے آپ کا پیچھا کیا۔ لیکن انہیں شکست فاش ہوئی۔ اور حضرت مسیح کامیاب ہوئے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اسی عظیم کامیابی کی بشارت دی گئی ہے

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ
جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بیشک میں تجھے پورا کرنیوالا اور بلند کرنیوالا ہوں
اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ
اپنی طرف اور پاک کرنیوالا ہوں تجھے اُن لوگوں سے جنہوں نے انکار کیا اور بنانے والا
اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
ہوں تیری اتباع کرنیوالوں کو اوپر اُنکے جنہوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک
ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ
پھر ہے طرف میری لوٹنا تمہارا پھر فیصلہ کرونگا تمہارے درمیان اس میں کہ ہو تم
فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۵۵
بیچ اس کے اختلاف کرتے

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ، بلاشبہ میں آپ کو مخالفوں کے مقابلے پر ثابت قدم رکھنے والا ہوں۔ اور آپکو اپنی طرف اُٹھانیوالا (یعنی ہجرت کرنیوالا) ہوں۔ اور آپکو کافروں کی بری تجویز کے شر سے پاک کرنے، یعنی بچانے والا ہوں۔ اور اُن لوگوں کو جو آپ کی اتباع کرتے رہینگے، منکرینِ ربوبیت کے مقابلے پر قیامت کے دن تک غالب رکھنے والا ہوں۔ پھر (نظامِ ربوبیت سے اختلاف کرنے والو! سن لو کہ) تمہارا لوٹ کر آنا میری ہی طرف ہے۔ پھر میں تمہارے درمیان اس چیز کا فیصلہ کرونگا، جسمیں تم خود اختلاف پیدا کر لیا کرتے تھے۔

● ملہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کا معنی لکھا گیا ہے بلاشبہ میں تجھے دشمنوں کے مقابلے پر ثابت قدم رکھنے والا ہوں۔ مُتَوَفِّیْ اسم فاعل ہے تَوَفّٰی باب تفعّل سے۔ اس کا ثلاثی مجرد ہے وَفٰی یَفِیْ وَفَاءً۔ اور مادہ ہے و۔ف۔ی۔ اس مادہ کا بنیادی معنی ہے پورا ہونا مکمل ہونا۔ وَفَی الشَّیْءُ کا معنی ہے وہ چیز پوری یا مکمل ہوگئی۔ اسطرح کسی چیز کا مکمل ہو جانا اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ وہ عمل جو اسکے مکمل کرنے کیلئے جاری تھا ختم ہو چکا ہے۔ اسطرح کسی چیز کے خاتمہ کیلئے بھی یہی مادہ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ موت یعنی انسانی زندگی کے خاتمے کیلئے بھی وفات کا لفظ مستعمل ہے۔ اس مادہ کے بنیادی معنوں کے مطابق وفاء العہد کا معنی ہے اس نے عہد پورا کیا۔ اور وفاء الفرض کا معنی ہے اُس نے اپنا فرض پورا کیا۔ لیکن چونکہ فرض ادا ہوتا ہے ثابت قدمی کیساتھ۔ اسلئے اس مادہ کا

کا ایک معنیٰ ثابت قدم رہنا بھی ہے۔ نیز چونکہ مُتَوَفِّی باب تفعّل سے ہے۔ اسلئے آیت بالا میں اِنِّی مُتَوَفِّیکَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے بلاشبہ میں آپ کو ثابت قدم رکھنے والا ہوں۔

• ۲ اور اِنِّی مُتَوَفِّیکَ کے بعد ہے وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔ اس کا معنیٰ لکھا گیا ہے" آپکو اپنی طرف اُٹھانیوالا ہوں یعنی اپنے دین کیلئے ہجرت کروانے والا ہوں"۔ ہجرت حضرت ابراہیمؑ کے یہ الفاظ آئے ہیں:۔ اِنِّی ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ ۳۷/۹۹ = بیشک میں اپنے پروردگار کیطرف ہجرت کرنیوالا ہوں ۔۔ روائتی تراجم میں رَافِعُکَ اِلَیَّ کا معنیٰ مذکور ہے کہ میں تجھے اپنی طرف اُٹھانیوالا ہوں۔ اور اسکا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو دو ہزار سال سے اُوپر اُٹھا کر چوتھے آسمان پر مقیم کر رکھا ہے۔ حالانکہ اس تصور کے مطابق خود خدا تعالیٰ کو بھی چوتھے آسمان پر مقیم ماننا پڑیگا، کیونکہ رَافِعُکَ کے بعد آیا ہے اِلَیَّ۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے ۴/۵۔ نیز اگر رَافِعُکَ کا معنیٰ آسمان کیطرف اُٹھا نا لیا جائے تو حضرت ادریسؑ کو بھی کو کسی اُونچے مکان پر زندہ اُٹھایا گیا ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ اُن کیلئے بھی آیا ہے:۔ وَرَفَعْنٰهُ مَکَانًا عَلِیًّا ۱۹/۵۷۔ پھر حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے تصور کے مطابق پہلے اللہ تعالیٰ کو اُسکی شان کے خلاف صرف آسمان پر ماننا پڑتا ہے۔ حالانکہ وہ ہر جگہ موجود ہے ۲/۱۱۵۔

• ۳ وَمُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کا معنیٰ سیاق کلام کے مطابق، کہ ماقبل مخالفوں کی تجویز کا ذکر مَکَرُوْا کے الفاظ میں موجود ہے۔ اسلئے یہ لکھا گیا ہے"میں آپکو مخالفوں کی تجویز کے شر سے پاک کرنے یعنی بچانیوالا ہوں"۔

مسیح سلام علیہ کا غلبہ اور بنی اسرائیل کی شکست

• سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ ۳/۵۴ ماسبق میں حضرت مسیحؑ کے خلاف مخالفین کی بُری تجویز اور اللہ تعالیٰ کی احسن تجویز کا ذکر گزر چکا ہے۔ اور آیت نمبر ۳/۵۵ ماسبق میں حضرت مسیحؑ کی ہجرت اور آپکے مخالف بنی اسرائیل کے مقابلے پر آپ کی فتح و کامرانی کی پیشینگوئی فرمائی گئی ہے۔ یہ مقابلہ کسطرح ہوا۔ اور مسیح سلام علیہ اپنے صحابہؓ (حواریوں) سمیت بنی اسرائیل پر کسطرح غالب آئے۔ اسکا ایک مخصوص انداز کیساتھ تذکرہ ۵/۱۱۱ تا ۱۱۴ سورہ مائدہ میں بھی آیا ہے جس کی بحث سورہ مائدہ میں آئیگی۔ یہاں پر سورہ صف کا آخری رکوع پیش خدمت ہے جسمیں اس مقابلے کا نقشہ اسطرح کھینچا گیا ہے کہ رسول عربی سلام علیہ کے صحابہ کو، اور اُن کے بعد قیامت تک کے مومنوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے:۔

• یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ ۶۱/۱۴

(مفہوم) اے ایمان والو! اللہ کے دین کے اسیطرح مددگار بن جاؤ۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم نے جب اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ اللہ کے نظام ربوبیت کے قیام میں میرا کون مددگار ہے۔ تو آپکے حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ پھر (دعوت عیسوی کے جواب میں بنی اسرائیل کے دو گروہ ہوگئے) ایک گروہ آپ پر ایمان لایا (اور مسیح کا ساتھی بنا) اور ایک گروہ نے انکار کر دیا (اور آپکا دشمن ہوگیا) پھر ہم نے دشمنوں کے مقابلے پر ایمان والوں کی مدد فرمائی۔ اور وہ دشمنوں پر غالب آئے۔

• فی الحقیقت انبیاء کی ہجرت ہی میں اُنکی فتح و کامرانی پوشیدہ ہوتی تھی۔ حضرت مسیحؑ نے ہجرت کرکے ربوہ نامی پُرفضا مقام کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اِسکی خبر آیت ذیل میں دیگئی ہے:۔ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ع ۲۳/۵۰ = اور ہم نے ابن مریم اور اُسکی ماں کو (اہلِ عالم کیلئے ثبات قدمی کی) ایک نشانی ٹھہرایا۔ اور اُنہیں ربوہ (نامی ایک پُرفضا ٹیلے) پر جہاں پانی اور رہائش کا معقول انتظام تھا ٹھکانہ عطا فرمایا۔ جہاں اُنہوں نے نظام ربوبیّت قائم کیا۔ لیکن جیسے کہ مُشرکینِ مکّہ کی مخالفت کی آگ آنحضور سلامٌ علیہ کی ہجرت کے بعد بھی ٹھنڈی نہ ہوئی اور اُنہوں نے آپ پر پے در پے متعدد جارحانہ حملے کیئے اِسیطرح حضرت مسیحؑ اور اُنکے صحابہ حواریوں کی ہجرت کے بعد بنی اسرائیل نے بھی آپ پر جارحانہ حملہ کیا، جس میں مسیحؑ اور آپکے حواری غالب آئے فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ۰ ۱۴/۶۱ سلسلۂ درس کی اگلی دو آیتوں میں مومنوں و مخالفوں کے متعلق ایک مستقل قانون کی وضاحت کردیگئی ہے:۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا
پس جو لوگ انکار کرینگے پھر میں عذاب کرونگا اُنہیں عذاب سخت

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۰ ۵۶
بیچ دنیا کے اور آخرت کے۔ اور نہیں واسطے اُن کے کوئی مددگار

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور اعمال کرینگے معاشرہ کی اصلاح کے

فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۰ ۵۷
پس وہ پورا دیئے جائینگے اجر انکا۔ اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو

پس (فیصلہ دیا جاتا ہے) جو لوگ میرے ضابطۂ ربوبیّت کا انکار کرینگے۔ میں اُنہیں دُنیا میں بھی سخت عذاب میں مبتلا کرونگا۔ اور آخرت میں بھی سخت عذاب دونگا۔ اور اُن کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

اور جو لوگ (میرے ضابطۂ ربوبیّت عامہ پر) ایمان لائینگے اور (اُسے بروئے کار لاکر) معاشرے کی اصلاح کرینگے۔ پس وہ اپنا پُورا پُورا اجر دیئے جائینگے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

• آیاتِ بالا میں انبیاء سلامٌ علیہم کے مشن ربوبیّتِ عامہ کے مُنکروں کو ظالم کہا گیا، اور اُن سے بیزاری کا اعلانِ عام کیا گیا ہے۔ کیونکہ انبیاء سلامٌ علیہم کی بعثت اور نزولِ کتاب کی غرض ہی امنِ عامہ یعنی نظامِ ربوبیّتِ عامہ کا قیام ہے۔ جیسے کہ ہم قارئینِ کرام کے ذہنوں میں قرآنِ کریم کے درسِ اوّل کو پھر تازہ کرتے ہیں کہ اِسکا اوّلین درس ہی الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۱/۱ کے الفاظ میں ربوبیّتِ عالمینی ہے لیکن سرمایہ داری نظام شروع ہی سے اِس نظام کا مخالف چلا آیا ہے چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں مخالفوں کی جارحیّت کا مقابلہ، قرآنِ کریم کے حکمت بھرے قانون ہی کیساتھ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے:۔

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۰ ۵۸
وہ ہے جو ہم پڑھتے ہیں اوپر تیرے۔ آیتوں اور نصیحت حکمت والی سے

(اے رسُول!) مذکورہ بالا بیان جو ہم نے آپ پر تلاوت فرمایا ہے۔ یہ ہماری واضح نشانیاں اور حکمت سے بھرپور نصیحت نامہ ہے۔

• دیکھیئے آیتِ بالا میں رسُول اکرم کو مخاطب کرکے واضح کیا گیا ہے کہ صاحبِ قرآن! حضرت مسیح سلامٌ علیہ کا قصّہ جو

آیاتِ بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ حکمت سے لبریز نصیحت نامہ ہے۔ بالفاظِ دیگر آنحضرتؐ پر واضح کیا گیا ہے کہ آپکو بھی اپنے حواریوں، یعنی صحابہؓ سمیت نظامِ ربوبیّت کے مخالفوں سے نبرد آزما ہونا ہوگا۔ ابتدائے آفرینش ہی سے، انبیاء سلامٌ علیہم کا یہ دستور چلا آیا تھا کہ جس قوم میں پیدا ہوتے، اُسی قوم سے تبلیغ وحدت و ربوبیّت کی ابتدا کرتے تھے۔ لیکن نتیجہ یہ ہوتا کہ کچھ لوگ مان لیتے اور کچھ مخالف ہو جاتے جب قوم کی مخالفت بڑھ جاتی تو حکم خداوندی کے مطابق ساتھیوں سمیت ہجرت کر جاتے کیونکہ زمین میں فساد کرنا انبیاء کی سُنّت نہیں۔ انبیاء سلامٌ علیہم فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ۱۵/۸۵ کے الٰہی حکم کے مطابق نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بغیر کسی جنگ و جدال کے قوم سے علیحدہ ہو جاتے، یعنی ہجرت کر کے کسی دوسرے مقام پر پہنچ جاتے تھے اسطرح مخالفوں کیساتھ جنگ کی نوبت اُسوقت آتی تھی، جب وہ جارحانہ طور پر لشکر لیکر چڑھ دوڑتے تھے۔ اُسوقت اللہ کے نبیوں کو مدافعانہ جنگ کیلئے مجبوراً مقابلے پر آنا پڑتا تھا۔

• حضرتِ موسیٰؑ نے رات کو ہجرت فرمائی۔ فرعون کو خبر ہوئی تو خود لشکر لیکر چڑھ آیا۔ لڑائی تک نوبت نہ آئی اور وہ اپنے لشکروں سمیت غرق ہو گیا ۲۶/۶۶-۶۰۔ حضور رسالتمآب سلامٌ علیہ نہایت امن کے ساتھ ہجرت کر کے ساتھیوں سمیت مدینہ منوّرہ پہنچ گئے لیکن مخالفوں نے متعدد بار جارحانہ حملے کئے۔ کئی بار لشکر لیکر چڑھ دوڑے۔ اور متعدد بار رحمتِ عالم کو مدافعت کیلئے مقابلے پر آنا پڑا۔ اِن مدافعانہ جنگوں ہی کیلئے خدا تعالیٰ نے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ فوجی طاقت مہیا کرنے کا حکم دے رکھا ہے:۔ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸/۶۰ = مخالفوں کے مقابلے کیلئے اپنی پوری استطاعت کیساتھ فوجی قوت تیار رکھو۔ خصوصاً الخیل، گھوڑے یعنی تیز ترین سواریوں کی اسقدر فراوانی مہیا کرو۔ کہ تم اِس قوّت کے ساتھ اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوفزدہ رکھو۔ یہی وہ فوجی طاقت تھی، جو سرکارِ مدینہ نے مدینہ میں مہیا کی اور دشمنوں پر غالب آئے اور یہی طاقت سرکارِ ربوہ نے مہیا کر کے بنی اسرائیل پر فتح پائی اور ربوبیّتِ عامہ کی اساس پر معاشرہ قائم کیا۔ جملہ انبیاء کا فریضہ ہی یہ تھا۔ کہ عوام کو شرک اور معاشی ناہمواری کی غلاظت سے پاک کر کے عملاً ثابت کر دکھائیں کہ اللہ ربّ العٰلمین ہے۔

حضرتِ مسیحؑ نوعِ آدم میں سے تھے، مافوق البشر نہیں تھے۔

• انبیاء سلامٌ علیہم کی تحریک ہمیشہ بے سروسامانی کے عالم سے شروع ہو کر ہر مشکل کا مقابلہ کرتی ہوئی کامیاب و کامران ہوا کرتی تھی۔ اس کامیابی کی بدولت دورِ صحابہؓ کے بعد کے لوگ اُنہیں مافوق البشر ہستیاں قرار دینا شروع کر دیتے تھے۔ یہی حال حضرتِ مسیحؑ کا ہے۔ کہ آپ کی مذکورہ بالا عظیم الشان کامیابی کی بدولت بعد والوں نے آپ کو مافوق البشر قرار دیا۔ آپ کے ساتھ قسم قسم کے الوہاتی تصورات چسپاں کئے گئے۔ آپ کو اور مریمؑ صدیقہ کو اللہ تعالیٰ کا حصہ مانکر تین الٰہوں کا عقیدہ قائم کر لیا قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۵/۷۳، اسطرح تین الٰہ بنائے گئے۔ ایک گروہ اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اُس نے مسیح کو عین اللہ قرار دیدیا۔ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۵/۷۲۔ چنانچہ اگلی آیاتِ کریمات میں وضاحت کیگئی ہے کہ حضرتِ مسیحؑ کوئی مافوق الانسان ہستی نہیں تھے۔ بلکہ وہ بھی نوعِ آدم ہی تھے۔ نہ آپ اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں تیسرے حصے کے حصہ دار تھے

اور نہ ہی عین اللہ تھے ۵/۴۲ :-

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۵۹

بیشک حال[۱] عیسٰی کا نزدیک اللہ کے مانند حال آدم[۲] کے پیدا کیا اسے مٹی سے پھر اسے کہا ہو جا پھر وہ ہو گیا۔

بلا شبہ عیسٰی کا حال[۱] اللہ کے ہاں نوع آدم[۲] کے حال جیسا ہے۔ اللہ نے نوع آدم کو مٹی (زمین) سے پیدا کیا تھا۔ پھر (یعنی زمین سے پیدا کرنے کے بعد) اُسے کہا (مکمل) ہو جا۔ پھر وہ (اپنی ارتقائی منزلیں طے کر کے موجودہ صورت میں صحیح سالم[۳]) ہو گئی۔

• م۱ لفظ مَثَل کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی حال بھی ہے۔ دیکھئے آیت ذیل :- أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم ۲/۲۱۴ = کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ تم پر ابھی وہ حال نہیں آیا جو تم سے پہلے لوگوں پر آیا تھا۔ یہاں مَثَل بمعنی حال ہے مثال نہیں۔

• م۲ لفظ آدم اسم جنس ہے۔ اور یہاں نوع آدم مراد ہے، وہ فرضی آدم مراد نہیں، جسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جب نوع انسانی کو پیدا کرنا چاہا تو ایک مرد کا بُت بنایا اور اُس میں جان ڈالی۔ اُسکی پسلی سے اُسکی بیوی نکالی۔ خود اُسی کے جسم سے نکلی ہوئی عورت کیساتھ جو بیٹی ہی ہو سکتی ہے، اُسکا نکاح کیا۔ پھر اُس جوڑے میں سے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اُن بہن بھائیوں کا باہم نکاح شروع کیا۔ اور اسطرح نوعِ انسانی کی افزائش نسل ہوئی۔ حالانکہ نہ باپ بیٹی کا نکاح کبھی بھی جائز ہو سکتا ہے نہ بہن بھائی کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۱/۶۴ + ۳۵/۴۳۔ نوع آدم کی اوّلین تخلیق زمین میں سے ہوئی بہت سے مرد عورتیں مختلف خطّہائے زمین سے پیدا کئے گئے :- هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا ۱۱/۶۱ = اُس اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کر دیا۔ نیز ۲۰/۵۵ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ۔ اور ۵۳/۳۲ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ۔ اور ۷۱/۱۷ وَاللَّهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا میں بھی اِسی چیز کی تائید و توثیق موجود ہے۔ اِسطرح جب زمین سے پیدا ہونیوالے مرد عورتیں، اپنی ارتقائی منازل طے کر کے صحیح سالم ہو گئے۔ تو ہر خطّہ کی نوع میں اُنہی میں سے اوّلین نبی پیدا کئے گئے جنہوں نے نوعِ آدم کو عائلی قوانین سے متعلقہ خداوندی ضابطہ سے آگاہ کیا۔ کہ نہ باپ بیٹی کا نکاح روا ہے نہ بہن بھائی کا۔ یہ زمین سے پیدا ہونے والی مخلوق نوعِ آدم کہلائی۔ اور ہر خطّہ کی نوعِ آدم میں مبعوث کئے جانیوالے نبی، سب آدم کہلائے۔ اسطرح زمین سے پیدا ہونے والی مخلوق کی اولاد کو قرآن کریم میں بنی آدم کہا گیا ہے۔ زمینی مخلوق میں ہر جگہ الگ الگ نبی کی بعثت کی تفصیلی خبر جلد اوّل میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲/۲۱۳ کے سامنے کے ترجمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

• م۳ نوعِ آدم کو زمین سے پیدا کر چکنے کے بعد پھر کُن کا حکم اِس امر کی دلیل ہے کہ نوعِ آدم اپنی ابتدائی پیدائش کے بعد بارِ تعالیٰ کے قانونِ کُن کے مطابق ارتقائی منازل طے کر کے موجودہ شکل و صورت میں صحیح سالم ہوئی تھی۔ زمینی پیدائش کے بعد ارتقائی منازل کی خبر مختلف آیات کریمات میں موجود ہے۔ جیسے کہ سورہ نوح میں ارشاد ہوا ہے :- وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۷۱/۱۴ = اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مختلف اطوار سے یعنی مختلف ارتقائی منازل سے گزار کر پیدا کیا۔ سورہ اعراف میں فرمایا ہے :- وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ۷/۱۱ = اور بیشک ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر (ارتقائی منازل سے گزار کر) تمہاری صورتیں مکمل کیں۔

رجوع الی المقصود • سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ پر واضح کیا گیا ہے کہ مسیحؑ کی حقیقت وہی ہے جو آپکے پروردگار نے بیان کر دی ہے۔ لوگ اُنہیں عین اللہ، یا تین اِلٰہوں کا تیسرا، قرار دیکر شک کرتے ہیں آپ کبھی بھی شک نہ لائیگا۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ۶۰
حق تیرے رب کیطرف سے ہے پس نہ ہونا تو شک لانیوالوں سے

اے رسولؐ! مذکورہ بالاحقیقت تیرے رب کیطرف سے ہے پس تو شک لانیوالوں سے نہ ہو جانا۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو اس تنازعہ کا حل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ آپ سے جھگڑا کریں کہ مسیحؑ بالضرور خود اِلٰہ یا شریکِ الوہیت ہیں۔ تو آپ انہیں یہ دعوت دیجئیگا کہ آؤ ہم اپنے اپنے مردوں، عورتوں اور بچوں کو اکٹھا کر کے لے آئیں۔ اور غور کر کے دیکھ لیں، کہ یہ لوگ بلے باپ کے جس چور دروازے کے ذریعہ مسیحؑ کو اللہ کا بیٹا ٹھہرا کر اُسے شریکِ الوہیت بناتے ہیں کیا ان میں کوئی بچہ ایسا ہے، جو بلا باپ پیدا ہوا ہو۔ یا کوئی عورت ایسی ہے، جس نے کبھی بھی بلا اختلاط شوہر کوئی بچہ جنا ہو۔ اور یا کوئی مرد ایسا ہے، کہ جس کی ماں بہن یا بیٹی نے کبھی کوئی بچہ بلا باپ جنا ہو۔ کیا ایسا ہونا ممکن ہے ؟

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ
پھر جو کوئی جھگڑے تجھ سے بیچ اسکے پیچھے اسکے کہ آگیا پاس تیرے
الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ
علم۔ تو کہدے کہ آؤ بلائیں ہم بیٹوں اپنوں کو اور بیٹوں تمہاروں کو
وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا[۱] وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ
اور عورتوں اپنی کو اور عورتوں تمہاری کو اور مردوں اپنوں کو اور مردوں تمہارے کو
نَبْتَهِلْ[۲] فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ ۶۱
پھر ہم آزادانہ غور کریں پھر ٹھہرائیں بیزاری اللہ کی اوپر جھوٹوں کے

پھر اے رسولؐ! جو کوئی گروہ، علم آچکنے کے بعد، آپکے ساتھ اس مسئلہ (یعنی مسیحؑ کی الوہیت) کے بارے میں جھگڑا کرے تو آپ کہہ دیجئیگا کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو، اور تمہارے بیٹوں کو اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو۔ اپنے مردوں کو اور تمہارے مردوں کو۔ پھر ہم (اس مسئلہ پر) آزادانہ غور کریں[۲] (یعنی مسیحؑ کی بشریت اور الگ الگ ان تینوں صنفوں کی بشریت پر غور کر کے فیصلہ کریں، کہ کیا مسیحؑ اِلٰہ ہو سکتا ہے۔ پھر مشاہدے کی رُو سے) جھوٹوں پر اللہ کی بیزاری[۳] کا اعلان کریں۔

[۱] • ابناء بمعنی بیٹے اور نساء بمعنی عورتیں کی رعایت سے انفس کا معنی لکھا گیا ہے مردوں۔ اپنے اپنے بیٹوں اور اپنی اپنی عورتوں کیساتھ اپنے اپنے مردوں ہی صحیح ہے جبکہ نفس بمعنی فرد ہے، مرد ہو یا عورت۔ لیکن یہاں چونکہ عورتیں الگ شمار کر دیگئی ہیں۔ اسلئے بھی یہاں انفس بمعنی مردوں ہی درست ہے۔

[۲] • ابتہال کا معنی لکھا گیا ہے آزادانہ غور کرنا۔ اسکا سہ حرفی مادہ ہے ب۔ ہ۔ ل = بھل، جسکا بنیادی معنی ہے رائے اور ارادہ میں آزاد چھوڑنا۔ تاج العروس میں لکھا ہے اَبْهَلَ النَّاقَةَ کا معنی ہے اونٹنی کو تھن باندھے اور مہار ڈالے بغیر آزاد چھوڑ دیا۔ پس یہاں چونکہ فَمَنْ حَآجَّكَ کے مطابق ایک جھگڑے کے فیصلے کیلئے اپنے اپنے بچوں عورتوں اور مردوں کو اکٹھا کرنے کو کہا گیا ہے۔ اسلئے یہاں مسئلہ زیر بحث کے مطابق ان پر آزادانہ غور کرنا ہی مقصود ہے۔

آئتِ مباہلہ نہیں آئتِ ابتہال (ع۲)

• اس آئت کو دوسرے مکاتیب فکر میں آئتِ مباہلہ کہا جاتا ہے، حالانکہ اس آئت میں مادہ ب۔ ہ۔ ل بہل کے باب افتعال کا چودھواں صیغہ آیا ہے نَبْتَهِلْ اس طرح اس آئت کو زبردستی آئتِ مباہلہ قرار دے لیا گیا ہے۔ حالانکہ نہ یہ باب مفاعلہ سے ہے، اور نہ اسے آئتِ مباہلہ کہا جا سکتا ہے ذیل میں مادہ بہل کے باب افتعال اور باب مفاعلہ دونوں ابواب کی فعل مضارع معروف کی گردان حاضرِ خدمت ہے خود فیصلہ کریں کہ لفظ نَبْتَهِلْ باب افتعال سے ہے مفاعلہ سے ہرگز نہیں۔

صیغوں کے نام	باب افتعال	باب مفاعلہ
واحد مذکر غائب	يَبْتَهِلُ	يُبَاهِلُ
تثنیہ 〃 〃	يَبْتَهِلَانِ	يُبَاهِلَانِ
جمع 〃 〃	يَبْتَهِلُوْنَ	يُبَاهِلُوْنَ
واحد مؤنث غائب	تَبْتَهِلُ	تُبَاهِلُ
تثنیہ 〃 〃	تَبْتَهِلَانِ	تُبَاهِلَانِ
جمع 〃 〃	يَبْتَهِلْنَ	يُبَاهِلْنَ
واحد مذکر مخاطب	تَبْتَهِلُ	تُبَاهِلُ
تثنیہ 〃 〃	تَبْتَهِلَانِ	تُبَاهِلَانِ
جمع 〃 〃	تَبْتَهِلُوْنَ	تُبَاهِلُوْنَ
واحد مؤنث مخاطب	تَبْتَهِلِيْنَ	تُبَاهِلِيْنَ
تثنیہ 〃 〃	تَبْتَهِلَانِ	تُبَاهِلَانِ
جمع 〃 〃	تَبْتَهِلْنَ	تُبَاهِلْنَ
واحد مذکر و مؤنث متکلم	اَبْتَهِلُ	اُبَاهِلُ
تثنیہ و جمع مذکر و مؤنث متکلم	نَبْتَهِلُ	نُبَاهِلُ

اب غور فرمائیں

کہ:۔

• مادہ بہل کے باب افتعال اور مفاعلہ دونوں کی گردانیں آپکے سامنے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آئتِ بالا کا وہ لفظ جسکی رُو سے اس آئت کو آئتِ مباہلہ قرار دیا جا چکا ہے، نَبْتَهِلُ ہے یہ باب افتعال کی گردان کا آخری صیغہ ہے یعنی یہ لفظ باب افتعال سے متعلق ہے مفاعلہ سے نہیں۔ نَبْتَهِلْ مجزوم اس لئے ہے کہ امر کا جواب مضارع میں ہے۔

• گذارش ہے کہ اگر آئتِ بالا میں آنحضور کو مباہلہ کا حکم دیا گیا ہوتا تو یہاں باب مفاعلہ کے صیغہ جمع متکلم سے نُبَاهِلْ آنا چاہیئے تھا نہ کہ نَبْتَهِلْ۔

• عربی دان حضرات کو اس سے مطلقاً جائے انکار نہیں کہ لفظ نَبْتَهِلْ، اِبْتَهَلَ يَبْتَهِلُ اِبْتِهَالًا سے ہے بَاهَلَ يُبَاهِلُ مُبَاهَلَةً سے ہرگز نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جس دعوے کی بنیاد ہی صحیح ثابت نہیں ہوتی وہ کس طرح صحیح قرار دیا جا سکتا ہے؟

• نیز اللہ تعالیٰ کے نبی رسول ضابطۂ خداوندی کے منکروں کو اپنی طرف اسلئے نہیں بلاتے تھے کہ آؤ ایک دوسرے پر لعنت بھیجکر مسائل حل کریں۔ وہ تو کائنات کے ٹھوس دلائل پیش کیا کرتے تھے جضرت ابراہیم نے منکر بادشاہ کے سامنے یہ مشاہدہ پیش کیا کہ میرا رب زندگی اور موت دیتا ہے۔ اس پر جب جاہل بادشاہ نے قانونِ حیات و ممات کو نہ سمجھتے ہوئے یہ کہا کہ میں بھی زندہ رکھتا اور مارتا ہوں۔ تو معاً ایک ایسا مشاہدہ پیش کیا کہ وہ لاجواب ہوکر مبہوت ہوگیا۔ آپنے فرمایا کہ میرے پروردگار نے نظامِ شمسی قائم کیا ہے۔ وہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے۔ اگر تجھ میں طاقت ہے تو مغرب سے لاکر دکھا دے ۲/۲۵۸ دیکھئیگا! کہ حضرت ابراہیم نے اپنے مدِمقابل کو کائناتی مشاہدات کے ٹھوس دلائل کیساتھ لاجواب کیا۔ یہ نہیں کہا کہ آؤ مباہلہ کرکے ایک دوسرے پر لعنت برسائیں اور اسطرح مسئلہ حل ہو جائیگا۔ العیاذُ باللہ!

مباہلے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

• آیت مجیدہ زیربحث کا صحیح مفہوم صفحہ ۶۶ پر گزر چکا ہے۔ لیکن روائتی ترجموں میں ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ کا معنیٰ، الفاظ کے معمولی تغیر کیساتھ یہ لکھا ہے کہ پھر ہم اللہ سے دعا کریں، عاجزی کریں، رجوع کریں، پھر ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ٹھہرائیں —— یہ کچھ تحریر کرنے کے بعد کسی بھی مفسر نے یہ نہیں لکھا کہ اسطرح ابتہال کرنے، یعنی دعا، عاجزی، اور رجوع کرنے، اور جھوٹوں پر لعنت ٹھہرانے کا نتیجہ لعبوت محسوس کیا نکلتا ہے، جس سے سب لوگ جان لیں کہ مباہلہ کرنیوالے دو فریقوں میں سے فلاں فریق سچا اور فلاں جھوٹا ہے —— کہا جاتا ہے کہ جھوٹا شخص سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے۔ لیکن یہ ایک عجیب و غریب نظریہ ہے کہ حق و باطل کی تمیز کے لئے کسی شخص کی موت کا انتظار کیا جائے۔ بالفرض اگر جھوٹا آدمی فریقِ ثانی کی زندگی میں مرجائے، مگر مرے تاریخ مباہلہ سے دس بارہ سال کے بعد، تو اسطرح تحقیقِ مسئلہ کی صورتِ محسوس یہ سامنے آتی ہے کہ تاریخ مباہلہ سے دس بارہ سال کے بعد جاکر کہیں سچ جھوٹ کا فیصلہ ہوگا۔ اب بتائیے کہ اس عرصہ میں جو لوگ گمراہ مرجائینگے۔ ان کا وبال کس پر ہوگا۔ نیز سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انبیاء سلام علیہم مباہلے کرکرکے طالبانِ حق کو سالہا سال کے انتظار میں مبتلا کر دیا کرتے تھے؟ کہ کب فریقِ مخالف ان کی زندگی میں مرے اور کب حق و باطل کا فیصلہ ہو۔ اور کب طالبانِ حق، حق کی راہ اختیار کریں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مباہلہ کے قائل حضرات نے اپنے سینکڑوں، ہزاروں اختلافی مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو بھی مباہلہ کی مدد سے حل کرکے آئے دن کی سرپھٹول ختم کرلی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مسائل کا حل دلائلِ قاطعہ ہیں مباہلہ نہیں۔

مادہ بہل کی لغوی تحقیق

• واضح رہے کہ مندرجہ بالا نظریات جو عقل کے ترازو پر کسی بھی صورت میں پورے نہیں اترتے کتبِ روایات کے پیدا کردہ ہیں۔ اور محض اندھی عقیدت کے بل بوتے پر قائم ہیں۔ آئیے ہم آپ پر مادہ ب۔ ہ۔ ل بہل کے بنیادی معنے واضح کرتے ہیں:۔

• اس مادہ کے بنیادی معنے ہیں آزاد ہونا۔ لازم اور متعدّی دونوں صورتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بَهَلَهٗ یا اَبْهَلَهٗ دونوں کے معنے ہیں، اس نے اسے چھوڑ دیا، آزاد کر دیا۔ اَبْهَلَ النَّاقَةَ کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے اونٹنی کو بلا مہار اور بغیر تھن باندھے چھوڑ دیا —— باب استفعال، اِسْتَبْهَلَ الْوَالِيُ الرَّعِيَّةَ کا معنیٰ ہے کہ حاکم نے رعایا کو آزاد چھوڑ دیا یعنی قانونی گرفت ڈھیلی

کردی ہے — بَاھِلٌ (اسم فاعل) آزاد کو کہتے ہیں جو قیدی نہ ہو۔ اور بَاھِلَۃٌ اُس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو، یعنی جو ازدواجی زندگی سے آزاد ہو — پس مذکورہ بالا لغوی تحقیق سے ثابت ہُوا کہ مادہ بھل کے معنوں میں بنیادی تصور آزادی کا ہے۔ تو اسطرح آیت زیر بحث کے سیاق و سباق کے مطابق عیاں ہے کہ آیت نمبر ۵۹ کے مطابق حضرت مسیح بھی نوعِ آدم ہیں۔ آپ کی طرف منسوب کردہ نظریہ الوہیت، عین خدا ۵ہ اور ایک تہائی خدا ۳ہ کی تردید، اور جس چور دروازہ سے یہ نظریہ داخل کیا گیا ہے کہ مسیحؑ بلا باپ پیدا ہوئے تھے، اسلئے خدا کے بیٹے اور صاحب الوہیت ہیں، ایک ایک تصور کا بطلان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ کا حال بالکل بنی آدم کے حال جیسا ہے۔ آپ بنی آدم ہی کے ایک فرد تھے جسطرح نوعِ آدم کے افراد پیدا ہوتے ہیں۔ آپ بھی بالکل اُسیطرح پیدا ہُوئے تھے، اُسیطرح بڑھے، جوان ہُوئے۔ بیمار ہوتے اور تندرست ہوتے تھے۔ کھاتے پیتے اور بول و براز کے جملہ عوارضات سے بھی بری نہیں تھے۔ اور کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ کے الٰہی فیصلہ سے بھی مستثنےٰ نہیں تھے۔

کائناتی مشاہدہ

• اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کے شواہد کے باوجود اگر کوئی گروہ حضرت مسیحؑ کو الٰہ منوانے اور بلا باپ کی پیدائش کہکر اللہ کا بیٹا ٹھہرانے پر بضد ہو تو آیت بالا زیر بحث نمبر ۶۱ میں آنحضور کو مشاہداتی فیصلے کی ترکیب بتائی گئی ہے کہ آپ اِن جھگڑنے والوں سے کہدیجئے کہ آؤ ہم اور تم اپنے اپنے بچے، اپنی اپنی عورتیں اور اپنے اپنے مرد لے آئیں، سب کو اکٹھا کریں۔ اور اسکے بعد آیا ہے ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ پھر ہم دونوں گروہ ملکر مُباہلہ نہیں بلکہ ابتہال کریں یعنی سب آزادانہ طور سے سب بچوں، عورتوں اور مردوں پر غور کرکے دیکھ لیں کہ کیا کوئی بچہ بلا باپ پیدا ہُوا ہے؟ کیا کسی عورت نے بلا اختلاط کوئی بچہ جنا ہے؟ ۔ کیا کسی مرد کی ماں، بہن یا بیٹی کے ہاں کبھی کوئی بچہ بلا باپ پیدا ہُوا ہے۔ کیا ان میں سے کوئی اللہ کا بیٹا اور الٰہ ہو سکتا ہے؟ پھر اس مشاہداتی تجربہ کی رُو سے ہم جس نتیجے پر پہنچیں، اُس کی رُو سے جھوٹوں پہ اللہ کی بیزاری کا اعلان کردیں۔

• اِسطرح حق و باطل کا فیصلہ موقعہ ہی پر ہو جائیگا، نام نہاد مُباہلہ کی رُو سے حق و باطل کا فیصلہ کسی فریق کی موت، یعنی کب مرے کے انتظار پر موقوف نہیں رہیگا۔ اور یہ طریقۂ ابتہال ہر مسئلے کی آزادانہ تحقیق کیلئے قیامت تک کام دیتا چلا جائیگا۔

• فلہذا حضرت مسیح سلامٌ علیہ سے متعلقہ ہر مسئلے کا فیصلہ آیت نمبر ۵۹ کے فیصلہ کے مطابق کہ آپ عام نوعِ آدم کیطرح کے ایک فرد تھے۔ اور آیت نمبر ۶۱ کے فیصلے کے مطابق کہ اپنے بیگانے بچوں، عورتوں اور مردوں کو نگاہ میں رکھ کر فیصلہ کرلو کہ کیا نوعِ آدم ہوتے ہُوئے، مسیح سلامٌ علیہ بلا باپ، اللہ کے بیٹے اور الٰہ ہو سکتے ہیں؟

روائتی شانِ نزول

• آیت زیر بحث کے اس واضح اور غیر مبہم مفہوم کے باوجود، کُتب روایات نے اِسکی طرف ایک شانِ نزول، اور انتہائی عجیب و غریب قصہ چسپاں کر رکھا ہے۔ اسوقت ہمارے سامنے شاہ عبد القادر کی اصلی تفسیر موضح القرآن مطبوعہ لاہور کھلی پڑی ہے۔ اُسکے صفحہ ۷۵ پر آیت بالا کی تفسیر بالفاظ ذیل درج ہے:۔

"جب یہ آیت خدا تعالیٰ نے بھیجی، تب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن ہی (یعنی نجران کے) نصاریٰ کے عالموں کو بُلا کر فرمایا کہ جتنا میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ اور دلیلیں مضبوط سُناتا ہوں، تم زیادہ جھگڑتے ہو۔ اور دشمن ہوتے ہو۔ اب آؤ، ہم تم

اسطرح قسم کریں اور جھوٹوں پر لعنت کریں خدا تعالیٰ کی۔ تو سچا اور جھوٹا سب پر معلوم ہو۔ نصاریٰ کے عالموں نے یہ بات قبول کی۔ اور راضی ہوتے اور ایک دن ایک مکان مقرر کیا۔ اور دوسرے دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسینؓ کو دیں لیا۔ اور حضرت امام حسنؓ کا ہاتھ پکڑا۔ اور حضرت فاطمہ زہراؓ کو اپنے پیچھے۔ اور حضرت مرتضیٰ علیؓ کو اُن کے پیچھے لیکر چلے۔ اور فرمایا ان سب کو، کہ جب میں دعا کروں تو تم چاروں آمین کہیو۔ اُنہوں نے قبول کیا۔ اور ادھر جو نصاریٰ کے بڑے بڑے عالم آئے اور ان کو دیکھا اور پکارا اپنی قوم کو کہ اے یارو! ان کے مقابلے سے ڈرو۔ جو ہم یہ کئی صورتیں دیکھتے ہیں، اگر یہ خدا سے دُعا کریں تو پہاڑ زمین سے اکھڑ کر اڑ جائے۔ اگر تم ان سے مقابلہ کروگے تو ایک نصرانی زمین پر نہ رہیگا۔ آخر کو صلح اس بات پر ٹھہری، جو ہر برس میں دو بار دو ہزار دینار، اور تیس زرہ دیا کرینگے جزیہ یہ بات لکھ کر صلح ٹھہری اور نصاریٰ نے جزیہ دینا قبول کیا اور مقابلہ نہ کیا۔" (اصل تفسیر موضح القرآن مطبوعہ لاہور صفحہ ۷۵)

● پس:-

برادران عزیز! یہ ہے روایتی شان نزول جسکے ذریعہ ایک ایسی آیت مجیدہ کی دائمی افادیت کو ایک فرضی قصے کیساتھ ختم کردیا گیا ہے، جو ہر متنازعہ مسئلہ کو عالمی مشاہدات کے میزان پر تول کر فیصلہ کرنے کی رہنمائی کرتی ہے۔ یہ وہ آیت ہے، جسکے لمبے اور واضح سیاق، اور غیر مبہم سباق کیساتھ فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی ابنیت اور الوہیت، دونوں کو مشاہدات کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لو، اپنے بیگانے سب بچے، عورتیں اور مرد سب پر نگاہ دوڑالو، کیا کوئی بلا باپ، اللہ کا بیٹا، یا الٰہ ہے؟ کہ مسیح جوانی جیسے نوع آدم تھے۔ کیا بلا باپ، اللہ کے بیٹے اور شریک الوہیت ہو سکتے تھے۔

● افسوس کہ اس آیت مجیدہ پر یہ نظریہ سوار کردیا گیا ہے کہ عیسائیوں کے مقابلے پر مسیحؑ کی عدم الوہیت کا فیصلہ کرنے کے لئے رسول اکرم سلام علیہ دو نواسوں، ایک صاحبزادی اور ایک داماد کو ساتھ لیکر تشریف فرما ہو گئے۔ نجران کے عیسائی علماء نے انکی عظمت کو تسلیم کرکے یہ تو مان لیا کہ یہ صورتیں اگر دُعا کریں تو پہاڑ اکھڑ کر اڑ پھر جائینگے۔ لیکن پھر بھی وہ مسلمان نہ ہوئے۔ کیا عجیب قصہ ہے؟ انہوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ اگر ہم ان کے مقابلہ پر آئینگے تو روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں رہیگا، لیکن اسلام نہ لائے بلکہ عیسائیوں کا وجود زمین پر باقی رکھنے کیلئے سال میں دو مرتبہ دو دو ہزار دینار اور تیس تیس زرہیں بطور جزیہ دینا قبول کیا۔ بالفاظ دیگر اس نظریاتی جنگ کا مال غنیمت بتایا گیا ہے چار ہزار دینار اور ساٹھ عدد زرہیں سالانہ۔ معاذ اللہ استغفر اللہ!

● یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مباہلہ کا حکم اُسی ذات مقدس بار یتعالیٰ کی طرف سے متصور ہو سکتا ہے جس نے عقائد و نظریات کی جنگ کیلئے للکار کر کہا ہے :- هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۲/۱۱۱ = اگر تم سچے ہو تو واضح دلائل پیش کرو۔ اور میدانی جنگوں کیلئے حکم دیا ہے :- وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ ۸/۶۰ اور دشمن کے مقابلہ کیلئے پوری استطاعت بھر فوجی طاقت مہیا کرتے چلے جاؤ۔

● اس وضاحت کے بعد کہ آیت ابتہال کو انتہائی دھاندلی کیساتھ آیت مباہلہ بنا دیا گیا ہے، اب پھر

رجوع الی المقصود سلسلۂ درس کی طرف رجوع کریں۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق جو وضاحت آیات اسبق میں کیگئی ہے، اسی کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں بطور تاکید ارشاد ہوا ہے :-

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ ۚ وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ
بیشک یہ البتہ یہی قصہ (مسیح کا) ہے سچا اور نہیں کوئی بھی الٰہ
اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۶۲
سوائے اللہ کے۔ اور بیشک اللہ بیشک وہی ہے غلبے والا حکمت والا

بلاشبہ مسیح کے متعلق یہی فیصلہ سچا ہے (کہ وہ بنی آدم کا ایک پاکیزہ رسول تھا) اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ دنیا میں موجود ہی نہیں۔ (اور مسیح کو الٰہ ٹھہرانیوالے بگوش ہوش سن لیں کہ) بلاشبہ اللہ ہی غلبے والا حکمت والا ہے۔

• اس سے اگلی آیت میں مسیح کو الٰہ ماننے والوں کے متعلق فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ یہ لوگ فسادی ہیں، نیز انہیں وعید سنائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی فساد انگیزیوں کو خوب جانتا ہے۔ یہ لوگ مسیح کو گناہوں کا کفارہ قرار دیکر بھاری سزا سے بچ نہیں سکتے۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ
پھر اگر وہ منہ موڑیں (حقائق سے) تو بیشک ہے اللہ خوب جاننے والا
بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ۶۳ ع ۶/۱۴
فساد کرنے والوں کو

پھر اگر یہ لوگ (مذکورہ حقائق اور عالمی مشاہدات کے باوجود حقیقت سے) روگردانی کریں تو پھر (انہیں جان لینا چاہیئے کہ) اللہ تعالیٰ فساد کرنیوالوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ (یہ لوگ کفارہ وغیرہ کے منگھڑت عقیدوں کی بدولت اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے)

غیر اللہ کو حاجت روا اور مشکلکشا نہ ٹھہرایا جائے

• اللہ کے نبیوں یا اُسکے صالح بندوں کو شریکِ الوہیت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ لوگ اُن سے مرادیں مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ انہیں کارگاہِ کائنات میں مختارِ عام قرار دیدیا جاتا ہے۔ یہی حال اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا ہے کہ انہوں نے الگ الگ حضرت عزیر و مسیح کو اللہ کا بیٹا ٹھہرا کر حاجت روا اور مشکلکشا قرار دے رکھا ہے ۹/۳۰۔ اب چونکہ یہ چیز عقیدہ الوہیت کے منافی ہے ۵/۴۶، اسلئے رسولِ اکرم کو حکم دیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب کو دوسری دعوت آپ یہ دیں، کہ آؤ ہم اُس مسئلہ پر متفق ہو جائیں، جو ہمارے اور تمہارے درمیان بطور قدرِ مشترک موجود ہے۔ وہ یہ کہ نہ اللہ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، اور نہ غیر اللہ کو حاجت روا اور مشکلکشا قرار دیں، تم بھی اِس پر معروفِ عمل ہو جاؤ۔

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا
کہدیجئیگا! اے اہل کتاب آؤ طرف ایسی بات کے جو برابر ہے درمیان ہمارے
وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَـعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ
اور درمیان تمہارے۔ یہ کہ ہم عبودیت کریں سوائے اللہ کے اور نہ ہم شریک کریں ساتھ اسکے
شَيۡـئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ
کسی چیز کو اور نہ ٹھہرائے بعض ہمارا بعض کو حاجت روا سوائے اللہ کے
فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ۶۴
پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہدو گواہ رہو یہ کہ ہم بلاشبہ اللہ کے فرمانبردار ہیں

(اے رسول!) کہدیجئیگا! کہ اہلِ کتاب آؤ ہم سب ایک ایسے مسئلہ پر متفق ہو جائیں، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترکہ مسلّم ہے۔ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی اطاعت نہ کریں۔ اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہمارا بعض، بعض کو اللہ کیساتھ روزی رساں اور حاجت روا، مشکلکشا نہ ٹھہرائے۔ پھر اے رسول! اگر یہ لوگ اِن حقائق سے روگردانی کریں۔ تو آپ اپنے صحابہ سمیت) اعلان کر دیں، کہ تم گواہ رہو، کہ ہم (مذکورہ بالا حقائق کی رُو سے) اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

• آیت بالا میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے عزیرؑ و مسیحؑ کو اللہ کے بیٹے ٹھہرا کر ذیل کی مستقل اقدار کو پامال کر رکھا ہے:-

۱- وہ اللہ کے سوا اُن غیر اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں، جنہوں نے عزیرؑ و مسیحؑ کی ابنیت کا نظریہ پیش کیا تھا۔

۲- نیز اُنہوں نے اللہ کیساتھ عزیرؑ و مسیحؑ کو اُسکا شریکِ الوہیت ٹھہرا رکھا ہے۔

۳- اللہ کے سوا اُسکے بندوں یعنی حضرات عزیرؑ و مسیحؑ کو روزی رساں، حاجتروا اور مشکلکشا قرار دیدیا ہے۔ اور یہ نظریہ مزید آگے چلتا ہے۔ کہ اِنکے احبار و رُہبان اِنکے حاجتروا اور مشکلکشا ہیں اور یہ اُنکی مدد کے محتاج ہیں۔

ایک اہم سوال

• اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مذکورہ بالا عقائد صرف یہود و نصاریٰ ہی کو مشرک ٹھہراتے ہیں؟ یا اِن کی زد میں جو قوم بھی آجائے مشرک ٹھہرتی ہے؟ کیا اگر یہی اعمال و عقائد مسلمانوں میں موجود ہوں کہ یہ غیر اللہ کتابوں کے ذریعہ غیر اللہ کی اطاعت بھی کر رہے ہوں، آنحضورؐ یا آپکے کسی صحابیؓ کو مشکلکشا، اور اُمت کے کسی بزرگ کو دستگیر ٹھہرا کر شرک فی الصفات بھی کر رہے ہوں۔ اور اِس سے آگے ہر دور کے مشائخ کو عوام کا حاجتروا بھی قرار دے رکھا ہو تو کیا آیتِ بالا کی زد مسلمانوں پر نہیں پڑتی ہے؟ — اِس سوال کا جواب قانونِ الٰہی کی ہمہ گیری سے پوچھئے، جس کی رُو سے نہ پسرِ نوحؑ کو کوئی رعایت دی کہ وہ ایک نبی کا بیٹا تھا۔ اور نہ ابِ ابراہیمؑ کو اِس سے مستثنےٰ ٹھہرایا گیا کہ وہ ایک نبی کا اب تھا۔

اپنے اپنے عقائد پر اپنے اپنے بزرگوں کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کی ایک اور بڑی فاش غلطی کی خبر دیگئی ہے۔ کہ یہودی کہتے تھے کہ حضرتِ ابراہیمؑ یہودی تھے اور عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے لیکن انہیں اتنی بھی عقل نہیں تھی کہ حضرت ابراہیمؑ تو تورات و انجیل کے نزول سے پہلے کے گزر گئے ہوئے تھے:-

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ
اے اہلِ کتاب! کیوں تم جھگڑتے ہو بیچ ابراہیم کے حالانکہ
مَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا
نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر بعد اُسکے کیا پھر نہیں
تَعْقِلُوْنَ ۝ ۶۵
تم عقل کرتے

اے اہلِ کتاب! (یہودیو اور نصرانیو!) تم ابراہیمؑ کے متعلق (یہ کہکر کہ وہ یہودی تھے اور نصرانی تھے) کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ (جن نبیوں کی تم اُمت ہو. وہ نبی اور اُن پر جو کتابیں نازل ہوئی تھیں تورۃ و انجیل، نہیں نازل ہوئی تھیں وہ مگر ابراہیمؑ کے بعد نازل ہوئی تھیں. (پھر اتنی بڑی غلط بیانی کرتے ہوئے، تم کیوں عقل نہیں کرتے۔

• اِس سے آگے ارشاد فرمایا کہ تم جن چیزوں کو جانتے ہو، اُن میں بھی جھگڑتے ہو، اور جن کو نہیں جانتے، اُن میں بھی جھگڑا کرتے ہو۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ
وہ ہو تم (وہ ہو کہ) جھگڑتے ہو بیچ اُسکے کہ تمہارے واسطے تمہارے ساتھ اُسکے

تم وہ لوگ ہو کہ جس چیز کا تمہیں علم ہے (کہ تورٰۃ و انجیل حضرت ابراہیمؑ سے بعد کی کتابیں ہیں، اور حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ

عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ
علم پھر کیوں جھگڑتے ہو تم بیچ اُسکے کہ نہیں ہے واسطے تمہارے ساتھ اس کے علم

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ ٦٦
اور اللہ جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے

وعیسیٰؑ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پھر تم ابراہیمؑ کو یہودی یا نصرانی بتاکر خواہ مخواہ) جھگڑتے ہو۔ پھر تم اُس امر میں، جس کا تمہیں علم نہیں کیوں جھگڑتے ہو؟[1] (یعنی جن امور کا تمہیں علم نہیں، اُن میں تمہیں نہیں جھگڑنا چاہیئے) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

● [1] فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ استفہام انکاری ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ جن امور کا تمہیں علم نہیں، اُن میں تمہیں ہرگز نہیں جھگڑنا چاہیئے:۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّ
نہیں تھا ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی اور

لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٦٧
لیکن تھا ہر باطل دین سے منہ موڑنیوالا اللہ کا فرمانبردار اور نہیں تھا وہ شرک کرنیوالوں سے

(سُن لوکہ) ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ بلکہ وہ ہر دینِ باطل سے منہ موڑ کر دینِ حق کیطرف جھکنے والے اور اللہ تعالیٰ کے پُورے پُورے فرمانبردار تھے۔ اور وہ (اللہ تعالیٰ کی ذات صفات اور اُسکے حکم میں کسی کو بھی) شریک کرنیوالے نہیں تھے۔

● یہود و نصاریٰ حضرتِ ابراہیمؑ کو بالترتیب یہودی اور نصرانی کہکر آپکے ساتھ اپنے اپنے تقرّب کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ آیتِ بالا میں حضرتِ ابراہیمؑ کیساتھ اُنکے جذبۂ تقرّب کا ردّ نہیں کیا گیا۔ بلکہ طریقۂ تقرّب کو غلط قرار دیا ہے۔ جیسے کہ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۳/۹۵ کے الفاظ میں اتباعِ ملّتِ ابراہیمؑ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اِسی اتّباع کو تقرّبِ ابراہیمی کا ذریعہ بتایا ہے:۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ
بیشک قریب ترین لوگوں سے ساتھ ابراہیم کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اتباع کی اُسکی اور

هٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ٦٨
یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے (ابراہیم کے قریب ہیں) اور اللہ ہے مددگار مومنوں کا

بلا شبہ تمام لوگوں میں سے ابراہیمؑ کے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں، جو اُس (کی ملّت ۳/۹۵) کی اتباع کرتے ہیں۔ اور یہ نبیؐ (کی)، اور اُنکے ساتھی مومن بھی (ابراہیمؑ کے بہت زیادہ قریب ہیں) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے۔

انبیاءؑ کے لائے ہوئے ضابطے کی اتباع ہی انبیاءؑ کی اتباع ہے

● اس آیت میں آنحضورؐ کو حضرتِ ابراہیمؑ کا قریب ترین شخص اسلئے بتایا گیا ہے کہ آپ ملّتِ ابراہیمؑ پیروکار تھے۔ جیسے کہ خود آنحضورؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے:۔ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۶/۱۶۱ = صاحبِ قرآن کہدیجیئے کہ مجھے میرے پروردگار نے صراطِ مستقیم پر چلا دیا ہے۔ جو مضبوط دین ہے۔ جو ملّتِ ابراہیمؑ ہے۔ یعنی وہ ہی راستہ ہے جو ابراہیمؑ نے اختیار کیا تھا۔

● نیز صحابہؓ کو بھی حضرتِ ابراہیمؑ کا اقرب کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہ پاکیزہ جماعت رسولؐ اکرم کی متبع تھی۔ یعنی اس تسلسل کے ماتحت کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسولِ اکرمؐ کے، اور آنحضورؐ ملّتِ ابراہیمؑ کے متبع تھے۔ اسطرح وہ بھی ملّتِ ابراہیمؑ کے متبع اور آپکے اقرب تھے۔ واضح رہے کہ اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ انبیاء سلام علیہم کی قربت اُنکے لائے ہوئے ضابطے کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ نسلی یا

خونی رشتے سے ہرگز حاصل نہیں ہوتی۔ جیسے کہ حضرتِ نوحؑ کا بیٹا اور حضرتِ ابراہیمؑ کا اَبّ قریب ترین خونی رشتے کے باوجود اسلئے اُنکے غیر اقرب قرار پائے تھے کہ وہ اُنکی ملّت کے مُتبع نہ ہوئے۔

• آگے بڑھنے سے پہلے علماءِ روایات کی پیدا کردہ اِس غلط فہمی کا دُور کرنا ضروری ہے کہ آنحضورؐ کی اتباع واطاعت کتبِ روایات کی اتّباع واطاعت سے ہوتی ہے لیکن جیسے کہ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۶ زیرِ بحث میں آیا ہے۔ کہ ابراہیمؑ کے اَولیٰ یعنی اقرب وہ لوگ ہیں جو اتَّبَعُوْہُ یعنی جو اُسکی اتباع کرتے ہیں۔ اور اِسکے آگے آیا ہے وَھٰذَا النَّبِیُّ۔ اور یہ نبی ؐ بھی حضرت ابراہیمؑ کے اَولیٰ واقرب ہیں۔ پس ثابت ہُوا کہ آنحضورؐ، حضرتِ ابراہیمؑ کے مُتبع تھے۔ لیکن آنحضورؐ کے پاس حضرت ابراہیمؑ کیطرف منسوب روایات کا کوئی مجموعہ نہیں تھا۔ کہ آپ روایاتِ ابراہیمیؑ کی اتّباع کر کے ابراہیمؑ کے متبع بنے ہوں۔ تو اسطرح سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی چیز تھی جس کی اتّباع کر کے آپ متبع ابراہیم ہُوئے تھے۔ اسکا جواب $\frac{۶}{۱۰۶}$ + $\frac{۱۰}{۱۰۹}$ + $\frac{۳۳}{۲}$ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ = اے رسُولؐ اُس کتاب کی اتّباع کر، جو تیری طرف وحی کیگئی ہے۔ اِس حکم کی تفصیلی صورت کا اعلان قرآن کریم کے متعدد مقامات پر بالفاظِ ذیل درج ہے :۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ $\frac{۶}{۵۰}$ + $\frac{۱۰}{۱۵}$ + $\frac{۴۶}{۹}$ = نہیں میں اتباع کرتا مگر صرف اُس کتاب کی جو میری طرف وحی کیگئی ہے۔ اور اسی چیز کی اتّباع کا حکم مومنوں کو دیا گیا ہے :۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۔ ایمان والو! اُس کتاب کی اتّباع کرو، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیگئی ہے۔

• واضح رہے کہ مَا یُوْحٰی اور مَآ اُنْزِلَ کی اتباع ہی انبیاءؑ کی اتباع ہے۔ اور جملہ انبیاءؑ کیطرف مَا یُوْحٰی اور مَآ اُنْزِلَ صرف اور صرف ایک ہی کتاب ہے۔ جیسے کہ $\frac{۲}{۲۱۳}$ میں فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ کے الفاظ میں وضاحت کر دیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا اور اُن سب کیساتھ اپنی ایک ہی کتاب نازل فرمائی۔ بالفاظِ دیگر چونکہ حضرتِ ابراہیمؑ سمیت جملہ انبیاءؑ کی طرف قرآنِ کریم ہی کا ضابطۂ حیات نازل کیا گیا تھا۔ پس ثابت ہُوا کہ قرآنِ کریم کی اتّباع ہی حضرت ابراہیمؑ سمیت جملہ انبیاءؑ کی اتّباع ہے۔ اِسی کی اتباع ملّتِ ابراہیمؑ یعنی ضابطۂ ابراہیمی کی اتّباع ہے۔ اِسی کی اتباع اسوۂ ابراہیمی $\frac{۶۰}{۴}$ کی اتّباع ہے اور اسی کی اتباع اسوۂ محمّدیؐ کی اتّباع ہے $\frac{۳۳}{۲۱}$

رجوع الی المقصود | • اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب کے مخفی ارادوں سے خبردار کیا گیا ہے۔ کہ وہ اہلِ اسلام کو گمراہ کرنے کے متمنّی ہیں۔ اور وہ اپنے آپکو الگ الگ ابراہیمی ظاہر کر کے اپنے ارادوں کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں :۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَکُمْ ط
چاہتا ہے ایک گروہ اہلِ کتاب کا، کاش کہ گمراہ کریں تم کو
وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۶۹ ○
اور نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے افراد کو اور وہ شعور نہیں رکھتے

(ایمان والو!) اہلِ کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ وہ (کسی طرح) تمہیں گمراہ کر دیں۔ حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ) وہ تمہیں گمراہ نہیں کرتے، بلکہ اپنے ہی افراد کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور وہ اسکا شعور نہیں رکھتے۔

• وہ اپنے ہی افراد کو گمراہ کرتے ہیں کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ، جو لوگ اُنکے دام فریب میں آتے تھے، وہ مومن نہیں بلکہ اُن کے اپنے افراد تھے۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ
اے اہل کتاب کیوں تم کفر کرتے ہو ساتھ آیتوں اللہ کے

وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ۝ ۷۰
اور ہو تم خود گواہ

اے اہل کتاب! (یہود و نصاریٰ) تم اللہ کی واضح نشانیوں کا کیوں انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تم خود انکے گواہ ہو (یعنی تمہاری کتابوں توراۃ و انجیل میں رسولِ عربی کی آمد کی گواہی موجود ہے)

$\frac{48}{29}$ + $\frac{7}{157}$

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَلْبِسُونَ ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ
اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو سچ کو ساتھ جھوٹ کے

وَتَكْتُمُونَ ٱلْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ۷۱ ع ۱۵
اور چھپاتے ہو سچ کو اور ہو تم جانتے

اے اہل کتاب! (یہود و نصاریٰ) تم حق کو باطل میں کیوں ملاتے ہو۔ اور (اس آمیزش کیساتھ) حق کو کیوں چھپاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو (کہ توراۃ و انجیل کی خبر کے مطابق یہ رسول اور یہ کتاب آنیوالے تھے جو آگئے ہیں)۔

• اگلی آیت مجیدہ میں اُس طریقے کی وضاحت کی گئی ہے، جس کیساتھ اہل کتاب مومنوں کو گمراہ کرنے کی کوشش ناکام کیا کرتے تھے۔

وَقَالَت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ ءَامِنُوا۟
اور کہتا ہے ایک گروہ اہل کتاب میں سے ایمان لاؤ

بِٱلَّذِىٓ أُنزِلَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَجْهَ ٱلنَّهَارِ
ساتھ اسکے کہ نازل کیا گیا اوپر ان کے جو ایمان لائے پہلے حصے دن کے

وَٱكْفُرُوٓا۟ ءَاخِرَهُۥ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ ۷۲
اور انکار کرو پچھلے حصے اسکے تاکہ وہ لوٹ آئیں

اور اہل کتاب کا ایک گروہ اپنے ساتھیوں کو یہ کہتا ہے کہ مومنوں پر جو کتاب نازل ہوئی ہے۔ تم اس پر دن کے پہلے حصے میں ایمان لے آیا کرو۔ اور پچھلے حصے میں اس کا انکار کر دیا کرو۔ تاکہ (تمہاری دیکھا دیکھی) مومن بھی قرآن کا انکار کرکے تمہاری طرف لوٹ آئیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوٓا۟ إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ
اور نہ ایمان لاؤ مگر واسطے اسکے جو اتباع کرے دین تمہارے کی کہو

إِنَّ ٱلْهُدَىٰ هُدَى ٱللَّهِ أَن يُؤْتَىٰٓ أَحَدٌ مِّثْلَ
بیشک ہدایت اللہ کی ہدایت ہے کہ دی جائے کسی کو مانند اس کے

مَآ أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَآجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ قُلْ
جو تم کو دیگئی یا وہ جھگڑتے ہیں تم سے تمہارے رب کے ہاں کہ

إِنَّ ٱلْفَضْلَ بِيَدِ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ وَٱللَّهُ
بیشک فضل ہے قبضہ میں اللہ کے عطا کرتا ہے جسے عطا کرنا ہے چاہتا اور اللہ

نیز وہ (ایکدوسرے کو کہتے ہیں کہ) تم کسی کے دین پر ایمان نہ لاؤ سوائے اُسکے جو تمہارے دین کی پیروی کرے۔ (اے رسول) کہدیجیگا کہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کیطرف سے ہو۔ (اے یہود! تمہاری حاسدانہ باتوں سے اللہ کی مشیت نہیں بدل سکتی)، کہ جسطرح تمہیں کتاب دیگئی ہے اُسطرح کسی اور (یعنی بنی اسماعیل) کو نہیں دیجا سکتی۔ اور (نہ تمہارے اس خطرہ کے پیشِ نظر بھی) کہ وہ اللہ کے حضور تم سے جھگڑینگے (تمہیں انکارِ کتاب اللہ کا مجرم ٹھہرائینگے)، اللہ کی مشیت نہیں رک سکتی کہ بنی اسماعیل کو کتاب نہ دیجائے۔ اے رسول! کہدیجیگا کہ فضل

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ۚ ۷۳
وسعت دینے والا بڑھکر جاننے والا

یعنی عطاءِ کتاب) اللہ کے اپنے قبضے میں ہے، جسے عطا کرتا ہے عطا کرتا ہے قانونِ مشیت کیمطابق۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت دینے والا بڑھکر جاننے والا ہے۔

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو
خاص کرتا ہے اپنی رحمت سے جسے (خاص کرتا ہے) قانونِ مشیت سے اور بے اللہ (؟)

الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ ۷۴
فضل بہت بڑے کا

وہ جسے چاہتا ہے نیت کیمطابق، اپنی رحمت کیلئے (نبوت کیلئے) مختص کر لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

نبوّت وہبی ہے کسبی نہیں

• ۳:۷۳ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ کے الفاظ میں فضل سے مراد کتاب و نبوت ہے۔ اور يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ کے الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے کہ نبوّت وہبی ہے کسبی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کیطرف سے اُسکے اپنے انتخاب کے مطابق عطا کی جاتی تھی۔ خود محنت مشقت، ریاضت عبادت اور چلہ کشی وغیرہ کے ذریعہ حاصل نہیں کی جاسکتی تھی۔ حتیٰ کہ ہونیوالے نبی کو خبر تک نہیں ہوتی تھی کہ وہ نبی ہونیوالا ہے۔ جیسے کہ خود آنحضور سلام علیہ کو کہا گیا تھا۔ مَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۲۸/۸۶ = اے رسول آپ کو یہ امید نہیں تھی کہ آپ کی طرف کتاب نازل کی جائیگی۔ مگر یہ فضل آپ پر آپکے رب کی رحمت سے ہوا ہے۔

• نیز مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ۵۲/۴۲ کے متعلق واضح کرنا ضروری ہے کہ اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ آپ کتاب اور ایمان کو نہیں جانتے تھے۔ اس سے آنحضرت کے متعلق یہ نظریہ قائم کرنا غلط ہے کہ آپ مطلقاً ان پڑھ تھے۔ حتیٰ کہ ایمان تک سے بھی واقف نہیں تھے۔ حالانکہ یہ بتایا گیا ہے کہ نبوّت سے پیشتر آپکا قلب شیشے کیطرح شفاف تھا، جس میں کسی سابقہ کتاب اور کسی مروّجہ ایمان کے غلط اثرات کا گزر تک نہیں تھا یعنی جس قلب پر قرآن نازل ہونیوالا تھا، وہ قرآن ہی کیلئے خالی رکھا گیا تھا۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اس امر کی خبر دیگئی ہے کہ اہلِ کتاب کے بعض لوگ تو لین دین کے کھرے تھے، لیکن بعض اہلِ اسلام کی مخالفت میں اسقدر آگے بڑھ چکے تھے کہ وہ مسلمانوں کا مال کھاجانا حلال جانتے تھے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ
اور اہلِ کتاب سے وہ ہے اگر تو اُسے امانت دے کوئی خزانہ
يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ
واپس کردے تجھے۔ اور اُن میں سے وہ ہے اگر تو اُسے امانت دے ایک دینار
لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ
نہ لوٹائے تجھے صرف تیری بسوائے اسکے کہ تو ہمیشہ اور اُسکے رہے کھڑا۔ یہ

اور (اے رسول!) اہلِ کتاب میں سے بعض تو ایسا ہے کہ اگر آپ اُسے کوئی خزانہ بھی امانت کے طور پر دیدیں تو آپ کو واپس لوٹا دیگا، اور بعض ایسا ہے کہ اگر آپ اُسے صرف ایک دینار بھی امانت دیں تو وہ آپ کو اسوقت تک واپس نہیں کریگا جبتک آپ (تقاضے کیلئے) اسکے سر پہ نہ کھڑے رہیں۔ اُن کا یہ دستور اسلئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اُمیوں کا مال کھا جانے

بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ
اسلئے کہ بیشک وہ کہتے ہیں نہیں اوپر ہمارے بیچ اُمیّوں کے کوئی راستہ
وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ۷۵
اور وہ کہتے ہیں اوپر اللہ کے جھوٹ اور وہ جانتے ہیں

میں ہم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ حالانکہ وہ (حقوق العباد کو) جانتے ہیں۔ (کہ کسی قوم کو بھی کسی قوم کا مال کھانے کا حق ہرگز حاصل نہیں)

● اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اہل کتاب نے اُمیّوں کی امانتیں کھا جانا اجتماعی طور پر جائز قرار دے رکھا ہے اگرچہ وہ ایک دینار بھی کیوں نہ ہو کسی قوم میں معدودے چند افراد کا ایماندار ہونا یعنی امانتیں نہ کھانا قوم کے کیریکٹر یا کردار کی بلندی کا ثبوت نہیں ہوا کرتا۔ یہود کا مشترکہ عقیدہ یہ ہے کہ ہر حال میں انکی نجات ہو جائیگی ،۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۲/۸۰

مقام افسوس ● جسطرح اہل کتاب مسلمانوں کا مال کھا جانا حلال جانتے ہیں اسیطرح خود مسلمانوں میں بھی یہی غلط نظریہ چل رہا ہے کہ کافروں کا مال کھا جانا حلال ہے۔ اور حقوق العباد کے اس خداوندی قانون وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ کو توڑنے کیلئے اہل کتاب نے تو اللہ تعالیٰ پر یہ جھوٹ باندھا ہے کہ اُنہیں اُمیّوں کا مال کھانے کی اجازت خود اللہ نے دے رکھی ہے لیکن اس سلسلے میں مسلمانوں نے بھی آنحضور سلام علیہ پر بہتان باندھ رکھا ہے کہ انکے لئے کافروں کا مال کھانا آنحضور نے حلال فرمایا ہے۔ بخاری شریف جلد اوّل قرآن محل کراچی کے صفحہ ۲۲۲ پر آنحضور کیطرف منسوب کیا گیا ہے :۔

"عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا وَصَلَّوْا صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَاَكَلُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَآءُهُمْ وَاَمْوَالُهُمْ
انسؓ ابن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا مجھے اُسوقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبتک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ کہدیں۔ پھر جب وہ یہ کہہ دیں اور ہمارے جیسی نماز پڑھیں، ہمارے قبلے کیطرف منہ کریں۔ اور ہمارا ذبیحہ کھائیں تو ان کے خون اور مال ہم پر حرام ہو گئے "

معاذ اللہ! استغفر اللہ ● اللہ تعالیٰ کے مقدس رسول جناب محمد عربی سلام علیہ پر لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۲/۲۵۶ کی مخالفت کا الزام، آنحضور پر کتب روایات کے لگائے ہوئے الزاموں میں سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء سلام علیہم کی بعثت کی غرض عظیم ہی یہ تھی کہ کرۂ ارض کے ایک ایک فرد کے حقوق محفوظ ہو جائیں، خواہ عقیدہ کے لحاظ سے وہ کسی بھی مکتب فکر کا حامل کیوں نہ ہو۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ایسے باطل نظریات کی تردید کیلئے اعلان عام کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے، جو اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور اُسکے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں ،۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ
ہاں جو کوئی پورا کرتا ہے وعدہ اپنا اور بچتا ہے پس بیشک اللہ

ہاں (اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم وہ ہے جو اُسکے ساتھ کئے ہوئے) اپنے وعدے کو پورا کرتی ہے۔ اور اُسکے قوانین کی مخالفت

یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ ۷۶ پسند کرتا ہے بچنے والوں کو	سے بچتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اُسکے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کیساتھ کیا ہوا وعدہ

• آیت بالا کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا وعدہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کیساتھ کیا جاتا ہے اور جسکی وفا محبت الٰہی کا موجب بنتی ہے؟ جواباً عرض ہے کہ ربّ العزت نے سورہ فاتحہ میں مومنوں سے ذیل کے وہی سات وعدے لئے ہیں جو سابقہ اُمتوں سے اُنکی کتابوں میں لئے گئے تھے:۔

۲/۱۔ اللہ تعالیٰ کو رب العلمین ماننا۔ اور حصولِ نعماءِ خداوندی کیلئے، قوانینِ قدرت کے مطابق ہمیشہ کوشش کرتے رہنا۔ ۱/۱-۲

۳۔ قیامت کو برحق ماننا اور یقین رکھنا کہ قیامت کی عدالت میں ضرور ضرور باز پُرس ہوگی کہ نعماءِ خداوندی کو نظامِ ربوبیت عامہ کے ضمن میں، پوری نوعِ انسانی، یا کم از کم اپنی حدودِ ریاست میں مساوی تقسیم کا انتظام کیا تھا یا نہیں۔ ۱/۳

۴۔ صرف اللہ تعالیٰ کو حاکمِ حقیقی تسلیم کرنا۔ اُسی کی فرمانبرداری کرنا۔ اور ہر مشکل میں صرف اُسی کو مشکلکشا اور حاجت روا جاننا اور صرف اُسی سے غائبانہ مدد طلب کرتے رہنا۔ غیر اللہ کو غائبانہ مدد کے اسباب پیدا کرنیوالا قرار نہ دینا۔ اور عبادت و استعانت کو متحدہ انداز میں صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص رکھنا۔ ۱/۴

۵۔ مذکورہ بالا چاروں نظریات کو صراطِ مستقیم جاننا اور خدا تعالیٰ سے اسی پر چلتے رہنے کی دعا کرتے رہنا۔ ۱/۵

۶۔ اللہ تعالیٰ کو پورے عالمین کا رب ماننے، حصولِ نعماء کیلئے مسلسل کوشش کرنے، قیامت کی باز پُرس پر ایمان اور عبادت و استعانت کو خالص اللہ کیلئے مختص کرنے کو نبیوں کی راہ تسلیم کرنا۔ یعنی اس چیز پر ایمان رکھنا کہ یہی وہ سیدھی راہ ہے، جس پر اپنے اپنے وقت میں تمام نبی رسول چلتے رہے تھے۔ ۱/۶

۷۔ انبیاء سلامٌ علیہم کے متعلق عقیدہ رکھنا کہ وہ خدا تعالیٰ کے سو فیصدی فرمانبردار تھے۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کا غضب کبھی نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اُنہوں نے خدا تعالیٰ کا راستہ کبھی گم نہیں کیا تھا۔ ۱/۷

• یہ ہے سات پاکیزہ وعدوں کا مجموعہ جس میں پورا اسلام معہ عقائد و اعمال موجود ہے۔ اِن وعدوں کی وفا ہی محبت الٰہی کا موجب ہے اور اِن وعدوں کی مخالفت سے عملاً بچنے والے متقی ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کو خدا تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ بسلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِن وعدوں کو دُنیا کے حقیر مال کے چند روزہ حصول کے عوض فروخت کرنیوالوں کو وعید سنائی گئی ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ بیشک جو لوگ بیچتے ہیں عہد اللہ کو اور اپنی قسموں کو ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَ بدلے مال حقیر کے وہی ہیں کہ نہیں حصہ واسطے اُنکے بیچ آخرت کے اور	بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کیساتھ کئے گئے وعدہ اور اپنی قسموں کو دُنیا کے حقیر مال کے بدلے بیچ دیتے ہیں۔ آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کو (ناراض ہوگا کر) اُن سے کلام تک نہیں کریگا۔ اور نہ اُن کی طرف

لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا
نہ کریگا کلام اُن سے اللہ اور نہ دیکھے گا طرف اُنکی دن قیامت کے اور نہ
يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۷
پاک ٹھہرائیگا انہیں اور واسطے اُنکے عذاب ہے دردناک۔

بنظرِ التفات دیکھیگا! اور نہ انہیں گناہوں سے پاکیزہ ٹھہرائیگا حقیقت یہ ہے کہ ان (ربوبیتِ عامہ کے منکروں) کیلئے دردناک عذاب ہے۔

● سلہ آخرت کا معنیٰ انجام اور مستقبل بھی ہے۔ اِسطرح لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عہدشکنی کرنیوالی قوموں کا مستقبل تباہ ہوجاتا ہے۔ اُن کی تجارت برباد ہوجاتی ہے۔ اور پوری قوم اقتصادی بدامنی کا شکار ہوکر رہ جاتی ہے۔ صحیح قیادت تک کی پیش نہیں جاتی کیونکہ قوم کی اکثریت بددیانت ہوچکی ہوتی ہے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہل کتاب کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اُس کتاب کو اللہ کی کتاب بتاتے ہیں، جو اللہ کی طرف سے نہیں آئی:-

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ
اور بیشک اُن میں ہے ایک گروہ پیچ دیتے ہیں بالوں اپنی کو تھم ایک کتاب کے
لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ
تاکہ تم گمان کرو اُسے اللہ کی کتاب میں سے اور نہیں وہ اللہ کی کتاب میں اور کہتے ہیں
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى
کہ وہ طرف اللہ سے ہے اور نہیں وہ طرف اللہ سے اور وہ کہتے ہیں اُوپر
اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۸
اللہ کے جھوٹ اور وہ جانتے ہیں۔

اور بیشک اہل کتاب میں ایک گروہ ایسا ہے جو (اپنی لکھی ہوئی) کتاب پیش کرکے، اپنی زبان کو اس طرح پیچ دیکر کلام کرتا ہے کہ تم اُس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کا حصّہ سمجھنے لگو۔ حالانکہ وہ اللہ کی کتاب کا حصّہ نہیں ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب، اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے نازل شدہ نہیں ہے۔ اور وہ اُس کتاب کو اللہ تعالیٰ کیطرف منسوب کرکے جھوٹ بولتے ہیں اور وہ جانتے ہیں (کہ وہ مُنزّل من اللہ نہیں ہے)۔

ہم مُسلمان بھی یہود و نصاریٰ سے کم نہیں ہیں

● یہودیوں نے اپنی روایات کی کتاب تالمود کو منزّل من اللہ قرار دے رکھا ہے اور نصاریٰ نے چاروں انجیلوں کو خدا تعالیٰ کیطرف منسوب کر رکھا ہے، جو الگ الگ لوقا، متی، مرقس اور یوحنا کی نازل کردہ ہیں۔ اور اُن چاروں کو ایک کتاب کہا جاتا ہے جسمیں مسیح کو اللہ، اور اللہ کو تین میں کا تیسرا بتایا گیا ہے لیکن اِس سلسلے میں مسلمان بھی اُن سے پیچھے نہیں ہیں۔ انہوں نے روایات کی کم ازکم چھ کتابوں کو وحیِ خفی کے نام سے منزّل من اللہ قرار دے رکھا ہے:۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ = حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ روایات کی جملہ کتابیں نہ جبریل کی لائی ہوئی ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہیں۔ بلکہ وہ سینکڑوں اور ہزاروں راویوں کیطرف سے نازل کردہ ہیں لیکن یہود و نصاریٰ سمیت سب لوگوں کے ایسے باطل نظریات کی تردید کردی گئی ہے کہ جملہ انبیاء کو صرف ایک ہی حکمت بھری کتاب دی جایا کرتی تھی۔ اور اللہ کے نبیوں کی یہ شان ہرگز نہیں تھی کہ وہ لوگوں سے اپنی عبدیت کرواتے بلکہ وہ اللہ کی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو رب والے بناتے تھے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:-

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
نہیں لائق واسطے کسی بشر کے کہ دے اُسے اللہ کتاب اور فیصلے کرنا
وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ
یعنی نبوت۔ پھر وہ کہے لوگوں کو ہو بندے میرے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ
سوائے اللہ کے اور لیکن ہو رب والے بسبب اس کے ہو تم
تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ ۷۹
پڑھتے کتاب اللہ کی اور بسبب اسکے ہو تم اُسی کا درس دیتے

کسی بشر کیلئے یہ لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے کتاب اور حکم یعنی قانون و نبوّت عطا فرمائے، پھر وہ لوگوں کو یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (یعنی میرا حکم مانو) بلکہ اُس کے لئے یہ لائق ہے کہ وہ یہ کہے کہ لوگو! رب والے بن جاؤ۔ (نظامِ ربوبیّت قائم کرو) اسلئے کہ تم اللہ کی کتاب کا علم حاصل کرتے اور اُسی کتاب کا درس دیتے ہو۔ (جو ربوبیّتِ عامہ کا درس دیتی ہے)

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ
اور نہ وہ حکم کرے تم کو کہ ٹھہراؤ ملائکہ صفت بندوں و نبیوں کو
اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۠ ۸۰
حاجت روا۔ کیا وہ حکم کریگا تم کو کفر کا پیچھے اسکے کہ ہو تم مسلمان
ع ۱۴

اور اُسے یہ بھی لائق نہیں کہ تمہیں یہ حکم دے کہ تم ملائکہ صفت (عباد الرحمٰن $\frac{۲۳}{۱۹}$) اور نبیوں کو روزی رساں مان لو۔ کیا (نبی کی یہ شان ہے کہ) اسکے بعد کہ تم مسلمان ہو چکے ہو تمہیں کفر کا حکم دے۔ (ہرگز نہیں)

● غور فرمائیں کہ آیاتِ بالا میں وضاحتاً بتا دیا گیا ہے کہ نبیوں کا کام کتاب اللہ کی تعلیم دینا ؛ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مشکلکشا اور حاجت روا منوانا ہوتا تھا۔ وہ اپنے آپکو حاجت روا نہیں منواتے تھے نیز وہ ربوبیّت عامہ ہی کے داعی ہُوا کرتے تھے۔ اس وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل سے لئے گئے ایک مخصوص وعدے کا ذکر کیا گیا ہے کہ اُنکے پاس جب بھی کوئی رسُول آئے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرے، تو اُن پر لازم ہے کہ وہ ضرور ضرور اُس پر ایمان بھی لائیں اور اُسکی تحریکِ ربوبیّت میں اُس کی ضرور ضرور مدد بھی کریں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ
اور جب لیا اللہ نے وعدہ نبیوں کا بیشک جو دی میں نے تم کو
مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ
کتاب اور دانائی۔ پھر اگر آئے پاس تمہارے کوئی رسول تصدیق کرنیوالا اُسکا
لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ
جو ہے پاس تمہارے ضرور ایمان لاؤگے ساتھ اسکے اور ضرور مدد کروگے اُسکی کہا کیا اقرار کیا تم نے
وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ
اور پکڑا تم نے اُوپر اسکے عہد میرا۔ کہا انہوں نے اقرار کیا ہم نے
قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۸۱
کہا پس گواہ رہو۔ اور میں ساتھ تمہارے ہوں گواہوں میں سے

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ نے (اپنے نبی کے ذریعہ بنی اسرائیل سے)[علہ] نبیوں کا عہد لیا کہ بیشک میں نے جو تمہیں کتاب حکمت عطا کی ہے پھر اگر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اُس کتاب کی تصدیق کرنیوالا ہو جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم اُس پر ضرور ضرور ایمان لاؤگے اور ضرور ضرور اُس کی مدد کروگے۔ (نیز) فرمایا کیا تم نے اقرار کیا۔ اور اس پر میرا عہد قبول کیا۔ انھوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا پس تم گواہ رہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ (اس عہد کے) گواہوں میں سے گواہ ہوں۔

● علہ اللہ نبیوں ہی کے ذریعہ عہد لیتا تھا۔ یہاں حضرت موسیٰ کا ذریعہ حذف ہے۔

ایک ضروری وضاحت

• واضح رہے کہ آئت بالا سے ما قبل مسلسل پندرہ آئتیں ۶۴ تا ۷۸، جو قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ سے شروع ہوتی ہیں، اور اِن پوری آئتوں میں بنی اسرائیل ہی کا مسلسل تذکرہ چلا آرہا ہے، اس امر پر گواہ ہیں کہ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ ..... الخ میں مذکور عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا جو نبیوں پر ایمان لانے اور اُنکی مدد کرنے کے متعلق تھا۔ اِسکے برعکس روایاتی تفاسیر و تراجم میں اِس آئت کا ایسا چیستانی معنی درج ہے، جبکا نہ سیاقِ کلام اور حقیقتِ حال ہی کیساتھ کوئی تعلق ہے۔ اور نہ ہی وہ مشاہدہ کی رُو سے ممکن العمل ہے۔ روائتی تفاسیر و تراجم میں آئت مجیدہ کا یہ معنی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کو اُنکے پیدا ہونے سے پہلے جمع کرکے اُن سے نبی عربی سلامٌ علیہ کے متعلق یہ وعدہ لیا تھا، کہ جب وہ تمہارے پاس آئیں، اور تمہاری کتاب کی تصدیق کریں تو تم اُن پر ایمان لانا اور اُنکی مدد کرنا۔ آئت مجیدہ کا یہ روائتی معنی سرسری مشاہدہ کی رُو سے ہی سو فیصد غلط ہے۔ کیونکہ نہ رسُول اکرم کسی بھی نبی کے پاس آئے تھے اور نہ کسی بھی نبی نے اُن کی مدد کی تھی۔ تو اسطرح جب آنحضور کی بعثت ہی تمام نبیوں کے بعد ہونیوالی تھی تو اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے انبیاء سلامٌ علیہم سے اِس ڈرامائی قسم کے عہد لینے کا فائدہ؟

یہ عہد بنی اسرائیل ہی سے لیا گیا تھا

• آئت مجیدہ کے الفاظ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ ۳/۸۱ کا بعض مفسرین نے مذکورہ قسم کا ڈرامائی معنی ہی لیا ہے۔ اور بعض نے صحیح مفہوم بھی لکھا ہے۔ یاد رہے کہ اِس جملے میں مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ مضاف مضاف الیہ ہے اور اِس کا معنی ہے نبیوں کا عہد۔ قواعد کی رُو سے اِس اضافت کے دو مفہوم ہیں:۔

۱۔ نبیوں سے لیا ہُوا عہد۔ اور ۲۔ نبیوں کے متعلق لوگوں سے لیا ہُوا عہد۔

• شاہ اشرف علیؒ صاحب تھانوی۔ مولوی احمد علیؒ صاحب لاہوری۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ نے ذیل کے الفاظ میں پہلا معنی ہی لیا ہے، جو ہرگز صحیح نہیں:۔

• "اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء سے۔" (ترجمہ اشرف علیؒ صاحب تھانوی)

• "اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا۔" (ترجمہ احمد علیؒ صاحب لاہوری)

• "جب خدا نے ہر ایک نبی سے وعدہ لیا۔" (ترجمہ ثناء اللہ صاحب بحوالہ مواہب بروائت ابن عباسؓ حسن بصریؒ و قتادہؒ)

• "اور جسوقت خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا۔" (ترجمہ مقبول احمد صاحب شیعہ)

لیکن شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبان نے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ کا صحیح معنی لکھا ہے:۔

• "اور جب لیا اللہ نے اقرار نبیوں کا۔" (ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ صاحب دہلوی)

• "اور جب لیا اللہ نے عہد پیغمبروں کا۔" (ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ صاحب دہلوی)

پیغمبروں کا عہد کس سے لیا گیا تھا؟

• اب رہا یہ سوال کہ جب قرآنی منشا اور مشاہدہ کیمطابق مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ کا مفہوم نبیوں سے لیا گیا عہد نہیں، بلکہ اُنکے متعلق دیا گیا عہد ہے تو یہ عہد کس سے لیا گیا تھا؟ اِسکی وضاحت پیچھے بھی کر دیگئی ہے کہ سیاقِ کلام کیمطابق یہ عہد بنی اسرائیل سے بذریعہ موسیٰ سلامٌ علیہ لیا گیا تھا۔

کیونکہ اس سے ماقبل پندرہ آیتوں میں مسلسل بنی اسرائیل کا ذکر چل رہا ہے۔ جسمیں بالوضاحت بتایا گیا ہے کہ انکے بعض تو معاملات کے کھرے تھے لیکن بعض ایک چونی بھی لیکر واپس نہ کرنا حلال جانتے تھے ۳/۷۵۔ نیز وہ اللہ کے عہد کو حقیر مال کے عوض بیچ دیتے تھے ۳/۷۷۔ پس ربطِ کلام کی رُو سے یہ عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا عہد ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر نے اس آیت کی تفسیر موضح القرآن میں بالآخر اسی چیز کا اقرار بالفاظ ذیل کیا ہے :۔ "اللہ نے اقرار لیا نبیوں کا یعنی نبیوں کے مقدمہ میں بنی اسرائیل سے اقرار لیا۔ (مترجم نسخۂ قرآن اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ شائع کردہ انجمن خدام الدین لاہور صفحہ ۹۹ و مترجم نسخہ تاج کمپنی صفحہ ۹۶)

• یہاں تک آپ سمجھ چکے ہیں کہ اکثر تراجم نے جس عہد کو انبیاؑ سے لیا گیا بتایا ہے۔ وہ نبیوں سے نہیں

مزید غور فرمایئے بلکہ نبیوںؑ سے متعلق بنی اسرائیل سے لیا گیا عہد تھا۔ آیت زیر بحث ۳/۸۱ میں دو جملے مزید ایسے ہیں جنہیں روائتی تراجم میں ٹھوکر کھائی گئی ہے۔ پہلا ہے لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ۔ اور دوسرا ہے ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ۔ پہلے جملے میں عطاءِ کتاب و حکمت کا مفعول انبیاء سلامٌ علیہم کو ٹھہرا کر یہ مفہوم لیا گیا ہے کہ یہ عہد انبیاء ہی سے انکی پیدائش سے ماقبل لیا گیا تھا۔ حالانکہ کتاب و حکمت انبیاء کی معرفت عوام کو دی جاتی ہے۔ جیسے کہ پیچھے ۳/۱۳ میں عطاءِ کتاب کے متعلق بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے وَمَآ اُوْتِيْتُمْ اور جو تم دیئے گئے۔ نیز ۲/۲۳۱ میں قرآن کے متعلق عوام کو کہا گیا ہے۔ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ۔ اللہ تعالیٰ کی سنّت ہی یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب اپنے نبیوں کے ذریعہ ہی لوگوں کو دیتا ہے۔

؎۱ واضح رہے کہ آیت مجیدہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ۳/۸۱ میں انبیاء سے لئے گئے عہد کا ذکر ہرگز نہیں۔ کیونکہ نبیوں سے لئے گئے عہد کا ذکر قرآن مجید میں بالفاظ ذیل موجود ہے :۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۳۳/۷-۸ ء اور جب ہم نے نبیوں سے انکے الگ الگ زمانوں میں انکا (یعنی انکے فرائض منصبی کا) عہد لیا۔ اور اے رسول تجھ سے بھی اور نوحؑ سے بھی اور ابراہیمؑ اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ سے بھی اپنے اپنے وقت پر عہد لیا۔ یعنی سب سے پکا عہد لیا (کہ وہ ہماری رسالت کو لوگوں تک ضرور پہنچا دینگے) یہ اسلئے تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سچوں سے انکے سچ کے متعلق سوال کرے (انہیں جزا دے، اور جھوٹوں سے انکے جھوٹ کے متعلق سوال کرے) اور اللہ نے انکار کرنیوالوں کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہ ہے وہ عہد جو نبیوں سے لیا گیا تھا۔

• اب آیئے آیت مجیدہ کے جملہ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ کیطرف۔ اس جملہ میں لفظ رَسُوْلٌ نکرہ ہے۔ اور بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا کہ تمہارے پاس کوئی بھی رسول آئے تو تم اس پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا۔ لیکن روائتی تراجم نے رسولؐ سے رسول عربی مراد لے رکھا ہے صرف اس عجیب و غریب تصوّر کو صحیح ثابت کرنے کیلئے جو عملاً غلط ثابت ہو چکا ہے کہ نہ رسولِ کریمؐ کسی بھی نبی کے پاس آئے تھے اور نہ کسی نبیؑ نے آپ کی مدد فرمائی تھی۔ اس جملے میں رسول کو نکرہ بمعنی کوئی رسول، شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ اشرف علی صاحب نے بالفاظ ذیل تسلیم کیا ہے :۔

• محترم تھانوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں : "پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے"۔ (مترجم نسخہ قرآن مطبوعہ ملک دین محمد لاہور صفحہ ۷۹)

● اور شاہ عبد القادر مرحوم نے لکھا ہے :- "پھر آوے تم پاس کوئی رسول" (مترجم نسخۂ قرآن مطبوعہ تاج کمپنی صفحہ ۹۶)

● لیکن افسوس ہے کہ اِن حضرات نے بھی رَسُوْلٌ کا معنی اگرچہ کوئی رسول لکھا ہے۔ لیکن پھر مفہوم وہی بیان کیا ہے کہ اِس آیت ٣/٨١ میں نبیوں ہی سے لیئے گئے عہد کا ذکر ہے کہ تمہارے پاس رسول عربی آئیں تو اُن پر ایمان بھی لانا۔ اور اُنکی مدد بھی کرنا۔ حالانکہ اِس نام نہاد عہد کے متعلق بیان کیا جاچکا ہے کہ حقتعالیٰ اِس حقیقت سے ہرگز بے خبر نہیں تھا کہ رسول اکرم تو کسی بھی نبیؑ کی زندگی میں آنیوالے نہیں تھے۔ تو اُن سے وُہ ایسا بے معنی عہد کیوں لینے لگا تھا۔ جسکا مشاہدۂ پردۂ کار آنا بالکل بالکل ناممکن تھا۔ نیز واضح رہے کہ جسطرح آیت زیربحث ٣/٨١ کا سیاقِ کلام بھی اِسی امر کی وضاحت کرتا ہے کہ یہ عہد نبیوں سے نہیں، بلکہ نبیوں کے متعلق بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا، اِسیطرح اِسکا سباق بھی اِسی مفہوم کی تائید کرتا ہے :-

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
پھر جو کوئی رُوگردانی کرے پیچھے اِسکے پس وہ لوگ تو وہی ہیں

الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۲
حدیں پھاندنے والے

پھر اِس (پختہ عہد) کے بعد جو لوگ روگردانی کرینگے، وہی تو اللہ تعالیٰ کی حدّوں کو پھاندنے والے ہیں۔

● اِس آیت مجیدہ میں مَنْ تَوَلّٰى کے الفاظ نے مطلقاً فیصلہ کر دیا ہے کہ ٣/٨١ کا عہد اُن لوگوں سے لیا گیا تھا۔ جن میں بعض تو ایسے تھے جو روگردانی، عہد شکنی کرنیوالے نہیں تھے لیکن بعض ایسے تھے جو روگردانی کرکے اللہ تعالیٰ کی حدّوں کو توڑنیوالے تھے۔ اور یہ تصوّر جماعت انبیاء کے متعلق قابلِ قبول ہی نہیں کہ اُن میں سے کچھ نبی عہد شکن بھی ہوسکتے تھے جنہیں معاذاللہ معاذاللہ فاسق کہا گیا ہو۔ بلکہ یہ عہد شکن بنی اسرائیل ہی تھے۔ جن کے متعلق اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ اِسلام کے سوا کسی اور دین کے طلبگار ہیں :-

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ
کیا پھر وہ غیر دین اللہ کا تلاش کرتے ہیں، حالانکہ واسطے اُسکے فرمانبردار ہے

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ
جو ہے بیچ آسمانوں کے اور زمین کے، خوشی سے اور ناخوشی سے اور طرف اُسکے

يُرْجَعُوْنَ ۝۸۳
وہ لوٹے جائینگے

کیا یہ (نبیوں سے متعلقہ لئے گئے عہد کو توڑنیوالے) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کی تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ جو بھی جاندار آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں، سب خوشی اور ناخوشی کیساتھ اُسی (کے طبعی قوانین) کے فرمانبردار ہیں۔ اور (حالت یہ ہے کہ) یہ (غیر اسلام دین کے طلبگار) اعمال کی جوابدہی کیلئے اُسی کیطرف لوٹائے جائینگے۔

● آیتِ بالا میں زمانۂ رسالت کے بنی اسرائیل کے متعلق جو اپنے آباؤ اجداد میت انبیاءؑ سے متعلقہ عہد کو توڑنیوالے تھے، وضاحتاً بتا دیا گیا ہے کہ وہ دینِ اسلام کی پابندیوں کو قبول نہیں کرتے تھے۔ اور کسی ایسے دین کی تلاش میں تھے جسمیں ایسی پابندیاں موجود نہ ہوں نیز اِس آیت میں انبیاءؑ سے متعلقہ عہد کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ اُن پر ایمان لانے اور اُنکی مدد کرنے کی عملی صورت یہ ہے

کہ آپکے لائے ہوئے دین کو جو انکی کتابوں میں ہوتا تھا، قبول کیا جائے ۔ اُن کتابوں پر اسطرح عمل کیا جائے جسطرح جملہ ذی حیات (طبعی قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے) اُسکے سو فیصدی فرمانبردار ہیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں خود آنحضور سلام علیہ اور آپکے صحابہؓ کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ جملہ انبیاء کی کتابوں پر ایمان لا چکے تھے :۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ
کہہ ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور اُسکے جو نازل ہوا اوپر ہمارے اور جو نازل ہوا

عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ
اوپر ابراہیم کے اور اسمٰعیل کے اور اسحٰق کے اور یعقوب کے اور اُن کی اولاد کے

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا
اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور تمام نبیوں کو اُنکے رب کیطرف سے نہیں

نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۸۴
ہم فرق کرتے درمیان کسی ایک کے اُن میں اور ہیں ہم واسطے اُسکے فرمانبردار

(اے رسولؐ!) کہدیجیئیگا کہ (میں اور میرے پیروکار) ہم سب اللہ پر ایمان لائے۔ اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لائے ہیں۔ اور جو کتابیں ابراہیمؑ پر، اسمٰعیلؑ پر، اسحاقؑ پر، یعقوبؑ پر، اور اولادِ یعقوبؑ پر نازل ہوئی تھیں، اور جو کتابیں موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو، اور جملہ انبیاء کو اُنکے رب کی طرف سے دیگئی تھیں، سب پر ایمان لائے ہیں۔ ہم اِن رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے۔ ہم سب اُس (اللہ ہی) کے فرمانبردار ہیں۔

• دیکھئے! اس آیت میں وضاحت کر دیگئی ہے کہ جملہ انبیاؑ کو دینِ اسلام ہی دیا گیا تھا، وہ اُن کی کتابوں میں محفوظ تھا۔ جو کتابیں بائیبل کے نام سے اسوقت موجود ہیں، اُن کے متعلق قرآنِ کریم نے خبر دی ہے کہ اہلِ کتاب نے اُن میں تحریف کر رکھی ہے اور بدستور تحریف کرتے چلے جا رہے ہیں، جیسے کہ ہر ایڈیشن سابقہ ایڈیشن سے مختلف ہوتا ہے :۔
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۴/۴۶ حفاظتِ خداوندی کے مطابق تحریف سے مبرا صرف قرآن کریم ہے :۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۰ ۱۵/۹ پس اللہ تعالیٰ کا خالص دینِ اسلام اِسوقت صرف قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اور یہی وہ دینِ خالص ہے، جو سابقہ انبیاء کی کتبِ مقدسہ میں نازل ہوا تھا۔ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۰ ۲۶/۱۹۶ نیز فرمایا۔ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۰ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۰ ۸۷/۱۸-۱۹

• اِسی دین کو جو سابقہ صحف میں تھا، جو اسوقت قرآنِ کریم میں محفوظ ہے، دینِ اسلام کہا ہے، اور اسی کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ
اور جو کوئی تلاش کریگا سوا اسلام کے کوئی دین پس ہرگز نہیں قبول ہوگا

مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۰ ۸۵
اُس سے۔ اور وہ ہوگا بیچ آخرت کے گھاٹا پانے والوں سے

اور جو کوئی بھی (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین) اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کریگا۔ پس وہ اُس سے ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔

• اگلی آئت مجیدہ میں عام اصول بتا دیا گیا ہے کہ جو لوگ آنحضورؐ پر ایمان لانے کے بعد انکار کردیں، انہیں اللہ تعالیٰ ہدائت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ
کسطرح ہدائت کرے اللہ اس قوم کو کہ کفر کیا انہوں نے بعد ایمان اپنے کے
وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ
اور گواہی دی کہ بیشک رسول عربی سچے ہیں اور آئی ان کے پاس واضح دلیلیں
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ٨٦
اور اللہ نہیں ہدائت کرتا قوم ظالموں کو۔

اللہ تعالیٰ اُس قوم کو کسطرح ہدائت یافتہ ٹھہرائے (یعنی اُسے ہرگز ہدائت یافتہ نہیں ٹھہرائیگا) جس نے ایمان لانے کے بعد انکار کردیا حالانکہ اُنہوں نے گواہی دی کہ بلاشبہ رسول عربی سچے رسول ہیں اور اُنکے پاس ہماری واضح دلیلیں بھی آئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں کو ہدائت یافتہ ٹھہراتا ہی نہیں۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ
یہی وہ لوگ ہیں کہ بدلہ انکا ہے یہ کہ اوپر انکے ہے بیزاری اللہ کی اور
الْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ٨٧
ملائکہ کی اور لوگوں کی سب کی۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ (قیامت کے دن) اُن سے اللہ تعالیٰ بھی بیزار ہوگا، نیز اُسکے رسولؐ بھی بیزار ہونگے اور جُملہ (نیک لوگ) بھی بیزار ہونگے۔ • علٰہ ملائکہ یعنی نیک لوگ۔ سورہ یوسف میں حضرت یوسفؑ کیلئے مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۳۱|۱۲ کا لفظ آیا ہے۔ ملائکہ یعنی رسل بھی ہیں۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا
ہمیشہ رہنے والے بیچ اسکے۔ نہ ہلکا کیا جائیگا اُن سے عذاب اور نہ
هُمْ يُنْظَرُوْنَ ٨٨
وہ مہلت دیئے جائینگے

وہ اللہ تعالیٰ کی بیزاری میں ہمیشہ رہینگے۔ اُن سے عذاب کبھی ہلکا نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی اُنہیں ڈھیل دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کا ذریعہ صرف توبہ اور اصلاح ہے

• اگلی آئت مجیدہ میں ایسے لوگوں کیلئے باریتعالیٰ کی بیزاری اور عذاب سے بچنے کا یہ ذریعہ بتایا گیا ہے کہ ضابطۂ الٰہی اور آنحضورؐ کی رسالت کے انکار سے توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا
سوائے اُنکے جو توبہ کریں پیچھے اسکے اور اپنی اصلاح کرلیں
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٨٩
تو بیشک اللہ معاف کرنیوالا مہربان ہے

سوائے اُن لوگوں کے جو مذکورہ بالا جُرم (یعنی ایمان لانے کے بعد کفر کیا)، تو اُس کے بعد توبہ کریں۔ (یعنی پھر ایمان لائیں) اور (ضابطۂ الٰہی کے عین مطابق) اپنی اصلاح کرلیں۔ تو پھر اُن کیلئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے

قتل مرتد کا نظریہ غیر قرآنی ہے

• آئت بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد پھر کافر ہوجائے تو اُس کیلئے پھر بھی ایمان لانے کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن کُتب روایات کا کہنا یہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوجائے وہ مُرتد ہے، اور واجب القتل ہے۔ حالانکہ اگر روائتی نظریہ کے مطابق مُرتد کو قتل

کردیا جائے تو اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا کا خداوندی اعلان معہ اگلی آئت ذیل بیکار محض ثابت ہوتا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ
بیشک جو لوگ انکار کریں بعد ایمان لانے اپنے کے
ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ
پھر زیادہ ہو جائیں انکار کی رُو سے ہرگز نہیں قبول ہوگی توبہ ان کی
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۹۰
اور وہی تو ہیں گمراہ ہونے والے

بیشک جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائیں، پھر (اگر وہ توبہ اور اصلاح نہ کریں اور) کفر ہی میں ترقی کرتے چلے جائیں۔ (حتیٰ کہ اُن کی موت کا وقت آجائے تو) اُنکی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہیں ہوگی (کیونکہ) ایسی لوگ تو گمراہ ہیں۔

• سورۂ نساء میں یہ مغالطہ بھی دُور کر دیا گیا ہے کہ صرف ایک مرتبہ ایمان لانے کے بعد کفر کرنے سے توبہ مردود نہیں ٹھہرتی۔ بلکہ متعدد بار ایمان لانے اور کفر کرنے پر بھی توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ عدم قبولیّت توبہ کا فتویٰ اُسوقت کیلئے ہے، جب کوئی شخص کفر کرلے کے بعد پھر کفر ہی میں ترقی کرتا چلا جائے:- اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ۝ 4/137

• دیکھئے اِس آئت مجیدہ میں وضاحت کر دی گئی ہے ایک مرتبہ کے ایمان لانے اور کفر کرنے سے عدم مغفرت کا فتویٰ صادر نہیں ہوتا بلکہ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ 2/256 کے مطابق دینی آزادی ہر حال میں قائم رہتی ہے۔ خواہ کتنی مرتبہ ایمان لائے اور کتنی مرتبہ کفر کرے۔ ایسے لوگوں کی سزا قتل نہیں بلکہ عدم اعتماد ہے۔ اسلامی ریاست میں ایسے لوگوں پر کڑی نظر رکھی جائیگی۔ عدم مغفرت کا فتویٰ اُس پر لگتا ہے جو کفر کرنے کے بعد پھر کفر ہی میں ترقی کرتا چلا جائے، اور تا دمِ مرگ کفر ہی پر اڑا رہے۔ بسلسلۂ درس کی آئت بالا میں لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ موت کے وقت کیلئے کہا گیا ہے جیسے کہ 4/18 میں عدم قبولیّت توبہ کا وقت بتایا گیا ہے موت کا وقت:- وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ 4/18 :- اُن لوگوں کیلئے توبہ نہیں ہے جو بُرے اعمال بجا لاتے ہیں حتیٰ کہ اُن میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے اور وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ اُن لوگوں کیلئے توبہ ہے جو مر جائیں اور وہ کافر ہی ہوں —— دیکھئے یہاں وضاحت کر دی گئی ہے کہ عام بدعمل ہو یا کافر جب موت کا وقت آجائے تو پھر کسی کی بھی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا قتلِ مُرتد کا نظریہ مطلقاً غیر قرآنی اور دوبارہ سہ بارہ ایمان لانے کے وہ مواقع چھین لینے کے مصداق ہے، جو اُسے قرآن کریم نے عطا کئے ہیں۔ پس عدم قبولیّتِ توبہ کا وقت ایک مرتبہ ایمان لانے کے بعد انکار کرنے کا وقت نہیں، بلکہ موت کا وقت ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں ارشاد ہُوا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ
بیشک جو لوگ انکار کریں اور مر جائیں حالانکہ وہ کافر ہی ہوں

بیشک جو لوگ کفر کریں اور وہ اِس حالت میں مر جائیں۔ کہ وہ بدستور کافر ہوں۔ تو (قیامت کے دن) اُن میں سے

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا
تو ہرگز نہیں قبول کیا جائیگا اُن میں سے کسی ایک سے بھی زمین بھر سونا اگر
وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ
اگرچہ وہ فدیہ دے ساتھ اُسکے یہی لوگ ہیں کہ واسطے اُنکے ہے عذاب دردناک اور
مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ 91
نہیں واسطے اُن کے کوئی مددگار

ع 11

کسی ایک سے بھی زمین بھر سونا بھی قبول نہیں کیا جائیگا۔ اگرچہ وہ اُسے فدیہ کے طور پر پیش کرے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اُنکے لئے دردناک عذاب ہے اور اُن کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔

• ضابطۂ الٰہی قرآنِ کریم کا انکار کرنیوالوں، اور اُس پر تادمِ مرگ قائم رہنے والوں کیلئے قیامت کے دردناک عذاب کی خبر دینے کے بعد، اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو مخاطب کر کے یہ کہا گیا ہے کہ تم بھی صرف زبانی زبانی ایمان لانے سے قیامت کی عدالت میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔ جب تک ہمارے نازل کردہ ضابطے پر عمل نہ کرو۔ اور اِسے جاری کرنے کے لئے اپنی عزیز ترین چیز تک خرچ نہ کردو:-

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا
ہرگز نہ پہنچو گے تم بھلائی کو حتیٰ کہ خرچ کرو اُس سے کہ
تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ 92
محبت کرتے ہو تم، اور جو تم خرچ کرتے ہو کوئی چیز۔ تو بیشک اللہ اُسے خوب جاننے والا ہے

(ایمان والو!) تم اُس وقت تک بھلائی کو ہرگز ہرگز نہیں پہنچو گے۔ جبتک اُس چیز میں سے نہ خرچ کرو جس سے تم محبت کرتے ہو۔ اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے (کہ تم اپنی پسندیدہ چیزیں خرچ کرتے ہو یا ناکارہ اور بوسیدہ)۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر بنی اسرائیل کیطرف رُخ کیا گیا ہے۔ اور اُنکے ایک مخصوص اعتراض کا جواب دیا گیا ہے:-

عہ • گزشتہ آیت نمبر ۸۳ میں بنی اسرائیل کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ اسلام کے سوا کسی اور دین کے متلاشی تھے۔ یعنی اُنہوں نے تورٰۃ کے سوا اور کتابوں کو دین کا ماخذ قرار دیا ہوا تھا۔ اور اِسطرح حلّت و حُرمت تک کے مسائل میں بھی تحریفِ تورٰۃ کے مرتکب ہو چکے ہوئے تھے۔ کچھ حلال چیزوں کو اُنہوں نے از خود حرام قرار دے لیا تھا۔ اور اِس خود ساختہ حُرمت کو نبیوں کی سُنّت بتاتے تھے۔ جیسے کہ حضرتِ یعقوبؑ۔ بعض چیزیں اِسلئے نہیں کھاتے تھے کہ وہ اُن کے مزاج کے موافق نہیں تھیں۔ لیکن بنی اسرائیل نے بعد کے کسی زمانے میں سُنّتِ یعقوبؑ کے نام سے اُن چیزوں کو مستقل طور پر اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اِسی چیز کی خبر دیگئی ہے کہ تورٰۃ مقدّس میں تمام حلال کھانے بنی اسرائیل کیلئے حلال تھے۔ حضرتِ اسرائیل، یعنی یعقوب سلامٌ علیہ نے نزولِ تورٰۃ سے پہلے بعض چیزیں اپنے اختیار و سُنّت کے طور پر نہیں۔ بلکہ ناموافقتِ مزاج کی بدولت اپنے لئے حرام ٹھہرائی ہوئی تھیں:-

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
تمام کھانے تھے حلال واسطے بنی اسرائیل کے
اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ
مگر جو حرام کیا اسرائیل نے اپنی جان پر پہلے اِس سے کہ نازل ہوئی

(تورٰۃ مجیدہ میں) بنی اسرائیل کیلئے تمام (قرآنی حلال) کھانے حلال ٹھہرائے گئے تھے۔ اور اسرائیلؑ نے (یعنی یعقوبؑ نے کچھ کھانے ناموافقتِ مزاج کی بدولت) اپنے اُوپر نزولِ تورٰۃ سے پہلے حرام کئے ہوئے تھے۔ (اِسطرح حضرتِ

التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ
تورات ، کہہ پس لاؤ تورات پھر پڑھو اس کو
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۹۳
اگر ہو تم سچے

یعقوبؑ کا کچھ کھانوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرانا حلّت و حرمت کے ربّانی حکم میں حائل نہیں ہوسکتا۔ قانون وہی ہے جو توراۃ میں نازل کیا گیا تھا۔) لے رسّول! آپ حلّت و حرمت کی تصدیق کیلئے بنی اسرائیل سے، کہیئے کہ اگر تم سچے ہو تو اصل توراۃ لاؤ اور اسے پڑھو۔

آیت بالا میں وضاحتاً بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون

اللہ کے قانون میں انبیاء کا کوئی دخل نہیں

توراۃ میں موجود تھا حضرتِ یعقوبؑ کا بوجہ عدم موافقت مزاج کسی چیز کو اپنے لئے حرام ٹھہرالینا، سنّتِ رسول کے نام سے بھی کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتا۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے کہ اللہ کے دین (قانون) میں حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے :-

● اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ‎$\frac{۶}{۵۷}$ + $\frac{۱۲}{۴۰}$ + $\frac{۱۲}{۶۷}$‎ = اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں — حتّٰی کہ خود آنحضورؐ کو مطلع کیا گیا ہے۔
● لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ‎$\frac{۳}{۱۲۸}$‎ = اے رسّول ہمارے حکم میں آپکا (بھی) کوئی حصہ نہیں۔
● اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے ذمہ افترٰی باندھکر سُنتِ رسّول کے نام سے قوانینِ الٰہیہ میں ردّ و بدل کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
پھر جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ پیچھے اس کے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ۹۴
پس وہی تو ظالم ہیں

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد (کہ قانونِ الٰہی میں انبیاء کا کوئی حصہ نہیں) پھر جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھینگے (کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو قانونی اختیارات دے رکھے ہیں) پس وہی تو ظالم ہیں۔

ؔ ظلم کا معنیٰ ہے بے ٹھکانہ کام کرنا۔ ایک کی چیز کو دوسرے کو سونپ دینا۔ اسطرح الٰہی اختیارات کو اُس کے رسّولوں کی طرف منسوب کرنا بھی بے ٹھکانہ کام یعنی ظلم ہے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں رسّولِ اکرمؐ کی زبانی اقرار لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ قانون صرف اللہ کا ہے اُس میں ردّ و بدل کا کوئی نبی بھی مجاز نہیں۔ نیز اگلی آیت مجیدہ میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق اعلان کیا گیا ہے کہ وہ بھی اللہ کے کسی حکم میں اپنا کوئی حکم شریک کرنیوالے نہیں تھے۔ ایمان والو! تم بھی ابراہیمؑ حنیف کی راہ اختیار کرتے ہوئے مشرک فی الحکم سے بچتے رہو :-

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
کہہ سچ فرمایا ہے اللہ نے پس پیروی کرو طریقے ابراہیم

کہدیجئیگا! (اے رسّول!) اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے (کہ اللہ کے قانون میں کوئی حصہ دار نہیں۔ یہی دین ابراہیمؑ

حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ ۹۵
مخلص کی۔ اور وہ نہیں تھا شرک کرنیوالوں سے

حنیف تھا) پس ایمان والو! اسی دین کی پیروی کرو جس کے ہر دینِ باطل سے کٹ کر دینِ حق کیطرف جھکنے والے ابراہیم پیروکار تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ (احکامِ الٰہی میں کسی اور کا حکم شامل کرکے) شرک فی الحکم کرنیوالوں میں سے ہرگز نہیں تھے۔

• آیت بالا میں چونکہ حضرت ابراہیم کا ذکر آیا ہے۔ اسلئے اس مطابقت کے لحاظ سے اگلی آیت مجیدہ میں اُس مرکزی مقام کا ذکر، اُسکی اہمیت اور اُسکے متعلقہ احکام دیدیئے گئے ہیں، جسے حضرت ابراہیم از سر نو آباد فرمایا تھا، یعنی بیت اللہ شریف؛ جو پوری نوعِ انسانی کے امن کی ضمانت کے علمبردار کی حیثیت سے آجتک مکّہ معظمہ میں موجود ہے۔ اور قیامت تک موجود رہے گا۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ
بیشک وہ پہلا گھر جو ٹھہرایا گیا لوگوں کیلئے البتہ وہ مکہ میں ہے
مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۝ ۹۶
با برکت اور ہدایت واسطے عالمین کے

بلا شبہ پہلا گھر (اوّلین مرکزی مقام) جو لوگوں (کے نام ہدائت نامے جاری کرنے) کیلئے وضع کیا گیا تھا وہ مکہ معظمہ میں ہے برکت والا، اور دنیا بھر کے لوگوں کیلئے (امن کے لئے) ہدائت نامے جاری کرنے کا مرکز ٹھہرایا گیا ہے۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ سے سابقہ مترجمین نے ایک ایسی ٹھوکر کھائی ہے کہ مسئلے کی حقیقت ہی مطلقاً بدل گئی ہے۔ یعنی بیت اللہ شریف کو صرف زیارت گاہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ اور حج کو صرف زیارت کا سفر۔ حالانکہ حقیقتِ حال اسکے بالکل برعکس ہے۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ
بیچ اسکے ہیں نشانیاں کھلی مقام ابراہیم کا۔ اور جو داخل ہوا اُس میں ہوا امن والا
وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ
اور ہے واسطے اللہ کے اوپر لوگوں کے لازم ارادہ کرنا اللہ کے گھر کا جو پائے طاقت طرف اسکی
سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ ۹۷
راہ کی۔ اور جو کوئی انکار کرے تو اللہ بے محتاج ہے لوگوں سے

ہدائت عالمین کے اس مرکز میں اُس ابراہیم کا ایک مقام ہے۔ (جو ہر دینِ باطل سے کٹ کر دینِ حق کی طرف جھکنے والا تھا) اور جو شخص بھی اس نظام میں داخل ہوا وہ امن پانیوالا ہوا۔ اور جو اس مرکز تک پہنچنے کی طاقت پاوے، اُس پر لازم ہے ارادہ کرنا اللہ کے گھر کا خالص اللہ کیلئے (یعنی عوام کی بھلائی کیلئے) اور جو کوئی اسکی مرکزیت کا انکار کریگا (اُسکا اپنا نقصان ہوگا)۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اقرار و انکار سے بے نیاز ہے۔

• ۱؎ حج نوعِ انسانی کی بھلائی کیلئے ایک سالانہ عالمی پروگرام ہے۔ اگرچہ یہ مفہوم حج کے عمومی مفہوم سے مختلف ہے، لیکن اس پر سورۂ حج کی آیت ذیل گواہ ہے:-

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ ۲۲/۲۸ = تاکہ لوگ (بیت الحرام کے عالمی مرکز میں) اپنے فائدوں کیلئے حاضر ہوا کریں۔

• ۲؎ سلسلۂ درس کی آیت بالا ۳/۹۷ کے آخر میں وضاحت کردیگئی ہے کہ جو فرد یا قوم اس عالمی مرکز کا انکار کریگی، وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکیگی بلکہ خود ہی امن کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو جائیگی۔ اللہ تعالیٰ کے اس بیان پر کرۂ ارض کا چپہ چپہ گواہ ہے کہ بیت اللہ کی

مرکزِ ثبت کے مقابلے پر جنیوا اور نیویارک کو عالمی مرکز قرار دیکر پوری دنیا کو فتنہ و فساد کا جہنم بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ امنِ عالم کا اصل علمبردار ضابطۂ خداوندی ہے جو قرآن کریم سے پہلے توراۃ و انجیل وغیرہ کتبِ الہٰیہ میں محفوظ تھا۔ بیت اللہ کا عالمی مرکز بھی ضابطۂ خداوندی کے نفاذ کے ذریعہ ہی امن کا ضامن ہے جس کی ایک ایک شق پر عمل کرنا ضروری ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل نے ضابطۂ الہٰی ہی سے رُوگردانی کر رکھی تھی اسلئے اگلی آیت میں اُنہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جن کی ضابطۂ الہٰی کی مخالفت کی رُو سے یہ حالت تھی کہ حضرت یعقوبؑ نے جو چیز عدم موافقتِ مزاج کی بدولت اپنے اُوپر حرام کر رکھی تھی، اُنہوں نے اُسے سُنتِ پیغمبر قرار دیکر سب پر حرام ٹھہرا لیا ہُوا تھا۔ اور اسطرح توراۃ مقدس کے احکام کو پس پشت پھینک دیا تھا۔ چنانچہ اُنہی کے متعلق آنحضورؐ کو حکم ہوتا ہے:۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
کہدیجیئیگا! اے اہلِ کتاب! کیوں کرتے ہو انکار ساتھ آیتوں
اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۹۸
اللہ کے۔ حالانکہ اللہ گواہ ہے اُس پر جو بھی عمل تم کرتے ہو

اے رسولؐ! کہدیجیئیگا کہ اے اہلِ کتاب تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو۔ (یعنی تمہارا عمل کتاب اللہ کے خلاف کیوں ہوگیا ہے، جانتے رہو کہ) جو بھی عمل تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ انکا خود بھی گواہ ہے۔ (اسلئے تم اپنے عملوں کی سزا سے بچ نہ سکوگے)۔

● اہلِ کتاب میں سے جو لوگ آنحضورؐ اور ضابطۂ قرآنی پر ایمان لاتے تھے، مذکورہ لوگ انہیں اس سے روکتے تھے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
کہدیجیئیگا کہ اے اہلِ کتاب! کیوں روکتے ہو تم راہ
اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ
اللہ سے انہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ تلاش کرتے ہو تم اسمیں کجی۔ حالانکہ ہو تم گواہ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۹۹
اور نہیں ہے اللہ غافل اُس سے جو تم عمل کرتے ہو

اے رسولؐ! اہلِ کتاب سے کہدیجیئیگا کہ تم اُن لوگوں کو اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو، جو اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ تم الہٰی ضابطے میں کجی تلاش کرتے ہو۔ حالانکہ اس پر تم خود گواہ ہو۔ (یعنی جو کتابیں تمہیں دیگئی ہیں اُن میں اس رسولؐ اور اس کتاب کی آمد کی خبر درج ہے ۶/۱۵)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن عملوں سے ہرگز غافل نہیں، جو تم بجالاتے ہو۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو واضح کیا گیا ہے کہ خبردار رہو کہ اگر تم نے اہلِ کتاب کی اطاعت کی تو وہ تمہیں مُرتد کردینگے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اگر تم نے اطاعت کی اُس گروہ کی اُن
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
لوگوں میں سے جو دیئے گئے تھے کتاب وہ پھیر دینگے تم کو پیچھے ایمان تمہارے کے
كٰفِرِيْنَ ۱۰۰
انکار کرنیوالے

ایمان والو! اگر تم نے اُن لوگوں میں سے (بہکانے والے) گروہ کی جنہیں کتاب دیگئی ہے، اطاعت کی تو وہ تمہیں ضابطۂ الہٰی (قرآن کریم) پر ایمان لانے کے بعد پھر دینِ باطل کی طرف لوٹا کر کافر کردینگے۔ (یعنی وہ تمہیں لوٹا کر دوبارہ اپنے باطل مذہب میں لے جائینگے)۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
اور کسطرح تم کفر کرو گے حالانکہ وہ ہو تم کر پڑھی جاتی ہیں اوپر تمہارے
اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ
آیتیں اللہ کی اور ہے بیچ تمہارے رسول اسکا۔ اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو
فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۱۰۱ ع ۱۰
پس تحقیق وہ رہنمائی کیا گیا طرف راستے سیدھے کے

اور ایمان والو! تم کسطرح (اللہ کی کتاب کا) انکار کروگے جبکہ تم وہ ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں (اور تمہارے درمیان اُس کا رسُول خود موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے اللہ (یعنی اُسکی کتاب ۳/۱۰۳) کو مضبوط پکڑ لیا پس وہ بلاشبہ سیدھی راہ کیطرف چلا دیا گیا۔

● ملہ اعتصام باللہ کا معنیٰ لکھا گیا ہے اعتصام بکتٰب اللہ۔ کیونکہ اللہ کو پکڑنے کی عملی صورت ۳/۱۰۳ میں آگے قریب ہی اِن الفاظ میں بتا دیگئی ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ
اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، ڈرو اللہ سے جو حق ہے ڈرنے کا اُ
لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۱۰۲
نہ مرنا تم مگر اس حالت میں کہ ہو تم مسلمان

ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے قانون کی اُس طرح نگہداشت کرو، جو نگہداشت کرنے کا حق ہے۔ (کسی کے بہکانے میں نہ آنا ۳/۱۰۰)۔ اور مرتے دم تک ضابطۂ الٰہیہ پر پوری طرح عامل رہکر اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بنے رہنا۔

اعتصام بالکتٰب ہی اعتصام باللہ ہے

آیت نمبر ۱۰۱ میں جو اعتصام باللہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جس کا معنیٰ ہم نے اعتصام بالکتٰب لکھا ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اِس امر کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ اللہ کی کتاب ہی وہ چیز ہے، جس کے ساتھ اعتصام کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتصام کرنا ہے۔ نیز اِس امر کی بھی وضاحت کر دیگئی ہے کہ اعتصام بالکتٰب ہی سے فرقہ بندی ختم ہوتی ہے۔ اور اعتصام بالکتٰب ہی کو ترک کرنے سے فرقہ بندی پیدا ہوتی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص
اور مضبوط پکڑے رہو رسّی اللہ کی سب ملکر اور نہ ہو جانا فرقہ فرقہ
وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ
اور یاد کرو نعمت اللہ کی جو ہوئی اوپر تمہارے جب تھے تم دشمن پھر اُلفت
بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ
ڈالی بیچ اذہان تمہارے کے پھر ہو گئے تم ساتھ نعمت اُسکی کے بھائی بھائی اور تھے تم
عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط
اوپر کنارے گڑھے آگ کے سے۔ پھر بچا لیا تم کو اُس سے۔
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۱۰۳
اسطرح بیان کرتا ہے کھول کھول کر اللہ واسطے تمہارے آیتیں اپنی تاکہ تم ہدایت پاتے رہو

اور (ایمان والو!) اللہ کی کتاب کو سب ملکر مضبوطی کیساتھ تھامے رہو۔ اور (آپس میں افتراق پیدا کرکے) فرقے فرقے نہ ہو جانا۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت (قرآن کریم) کو یاد کرو جو تم پر (نازل) کیگئی ہے۔ (ایک وقت وہ تھا) جب تم ایکدوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذہنوں ملہ میں اُلفت ڈالدی۔ پھر تم اللہ کی نعمت (قرآنی تعلیم) کیساتھ بھائی بھائی بن گئے۔ (تمہاری حالت یہ تھی کہ) تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر اُس نے تمہیں آگ (یعنی باہمی جنگ و عداوت) سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسطرح تمہارے لئے اپنی آیتیں کھول کھولکر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت پاتے رہو۔ ملہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوط تھام کر ہمیشہ کیلئے فرقہ بندی سے بچتے رہو)۔

• ؎ قلب کا لفظ جب بغض و محبت یا عقل و فکر کیلئے استعمال ہو تو اُسکا معنی ذہن اور دماغ ہوتا ہے دل نہیں ہوتا۔ جیسے کہ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا ۷/۱۷۹ میں بتا دیا گیا ہے کہ اُنکے پاس قلب یعنی دماغ ہیں مگر وہ اُنکے ساتھ تفقہ نہیں کرتے۔

ہدائت کیا ہے اور ذریعہ ہدائت کیا ہے؟ ۱۰۳

• دیکھا آپنے! کہ آیتِ بالا میں کس وضاحت کیساتھ بتایا گیا ہے کہ فرقہ بندی سے بچنا اور بھائی بھائی بنکر رہنا ہدائت ہے۔ پس اِس سے ثابت ہُوا کہ فرقہ بندی کو قائم رکھتے ہُوئے، اپنے آپکو ہدائت یافتہ سمجھنا محض خود فریبی ہے۔ نیز خدا تعالیٰ نے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا کے الفاظ میں اِس چیز کی وضاحت بھی کر دی ہے کہ فرقہ بندی سے بچنے کا واحد ذریعہ صرف حبل اللہ یعنی قرآن کریم ہی کو مل کر مضبوط تھامے رہنا ہے۔

حبل اللہ کی تعریف

• بعض لوگ حبل اللہ میں قرآنِ کریم کیساتھ کتبِ روایات کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ اور بعض لوگ اسمیں کچھ بزرگوں کو شامل کرتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں تصوّر حقیقت سے دُور ہیں۔ کیونکہ جب زمانۂ رسالت میں اعتصام بحبل اللہ کا حکم دیا گیا تو اُسوقت نہ کتبِ روایات کا وجود موجود تھا نہ انکے بزرگوں کا۔ قرآن کریم نے خود اِس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ اعتصام بحبل اللہ سے مراد اعتصام بالکتب ہے۔ حضرتِ یحییٰ سلامٌ علیہ کو حکم ہُوا يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۱۹/۱۲ = اے یحییٰ ہماری کتاب کو مضبوطی کیساتھ تھامے رہنا۔ پس ثابت ہُوا کہ حبل اللہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کی اتباع انبیاء سلامٌ علیہم پر بھی فرض تھی۔ اس خالص اتباع میں کسی بھی شخصیت یا کسی غیر اللہ کتاب کو شامل کرنا شرک فی الحکم ہے ۱۸/۲۶۔ خود آنحضورؐ بھی کتاب اللہ کے متبع تھے ۶/۵۰ ، ۱۰/۱۵ ، ۴۶/۹۔ پس کتب اللہ کی اتباع ہی رسول اللہ کی اتباع ہے۔

فرقہ بندی شرک ہے

• آیتِ بالا ۳/۱۰۳ میں جو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی کتاب کو مضبوط تھام کر فرقہ بندی سے بچتے رہو اِسی کے متعلق سورہ روم میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ فرقہ بندی شرک ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝

۳۰/۳۱-۳۲ = اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جانا۔ جو اپنے دین میں اختلاف پیدا کر کے فرقے فرقے ہو جاتے ہیں۔ ہر فرقے کے پاس (غیر قرآن) جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ وہ اُسی پر اِترا تا رہتا ہے۔

فرقہ بندی کی ضد جماعتی نظام کا حکم ہے

• آیاتِ بالا میں فرقہ بندی سے بچنے کے تاکیدی حکم کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں پورے اتفاق و اتحاد کو قائم رکھنے کیلئے جماعتی نظام کا حکم دیتے ہُوئے ارشاد ہُوا ہے:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ وَ ؎	اور ایمان والو! چاہیئے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو عوام کو بھلائی کی طرف بُلائے۔ اور نیکیوں کا حکم کرے اور بُرے کاموں سے حکماً روک دے۔ حقیقت یہ ہے کہ فلاح و بہبود کو پہنچنے والے یہی لوگ ہیں، (جن میں ایسی جماعت
اور چاہیئے کہ ہو تم میں سے ایک جماعت جو بلائیں طرف بھلائی کے اور	
يَاْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَ	
حکم کریں ساتھ احکام قرآنی کے اور منع کریں منہیات قرآنیہ سے اور	

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ۱۰۴

ہیں وہی لوگ فلاح پانیوالے

موجود ہو)۔

• ملہ خیر کا معنیٰ مال و متاع بھی ہے ۔ جیسے کہ ۲/۱۸۰ میں ارشاد ہوا ہے :۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ ۔ تم میں جس کسی پر موت کا وقت آجائے ، اگر وہ خیر یعنی مال و متاع چھوڑ رہا ہو تو اُس پر فرض کیا گیا ہے کہ اپنے والدین اور اقربا کے حق میں وصیت کر جائے۔

• اسطرح جب خیر کا معنیٰ مال بھی ہے ۔ تو آیت بالا میں ایک ایسی جماعت قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے ، جو پورے معاشرہ کے مال و دولت کی امین ہو ، معاشرے کا سارا مال بیت المال کی صورت میں اُس جماعت کے پاس جمع ہوتا رہے ۔ اور وہ پورے عوام کو يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ کرے یعنی سب کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن ہو ۔ سب کو بلا بلا کر ضروریاتِ زندگی ادا کرے ۔ اور پھر اُسے حق ہو يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا ۔ اِس آیت میں اجتماعی نظامِ ربوبیت کے قیام کا حکم دیا گیا ہے جس کی رُو سے عوام میں سے ہی ایک نیکوکار جماعت پورے معاشرہ کے عوام کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن ٹھہرتی ہے ۔ اُنکا ایک صدر و سربراہ ہوتا ہے :۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۴۹/۱۳ ۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں ایسی اجتماعی نظام کی مخالفت سے اور انفرادی نظام کے قیام سے مطلقاً روک دیا گیا ہے :۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ

اور نہ ہو تم مانند اُن لوگوں کے کہ متفرق ہوئے اور اختلاف پیدا کیا

بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ

پیچھے اسکے جو آئیں انکے پاس دلیلیں ، اور وہی ہیں کہ واسطے اُن کے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ۱۰۵

ہے عذاب بہت بڑا

(مذکورہ بالا اجتماعی نظام قائم کرنا) اور اُن لوگوں جیسے نہ ہو جانا ، جنہوں نے فرقہ بندی پیدا کر کے اختلاف پیدا کر لیا ۔ پیچھے اِسکے کہ اُن کے پاس خود بیان کرنے والی (آیتیں اللہ تعالیٰ کی) آگئیں ۔ اِس لئے یہی لوگ ہیں کہ واسطے اُن کے بہت بڑا عذاب ہے ۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آیاتِ البیّنہ کی مخالفت کی جزا سزا صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ قیامت کے دارالجزا میں بھی دیکھا جائیگی :۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ

اُس دن سفید ہونگے چہرے اور سیاہ ہونگے چہرے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ

پھر جو لوگ کہ سیاہ ہونگے چہرے اُنکے (اُنسے کہا جائیگا) کیا تم نے انکار کیا

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

پیچھے ایمان لانے کے پس چکھو عذاب اِس سبب سے کہ تھے تم

یوم مکافاتِ عمل میں کچھ چہرے سفید (خوش و خرم) ہونگے اور کچھ چہرے سیاہ (پژمردہ) ہونگے ۔ پھر وہ جن کے چہرے مُرجھائے ہوئے ہونگے (اُن سے کہا جائیگا) کیا تم نے (ہمارے ضابطۂ ربوبیت پر) ایمان لانے کے بعد انکار کر دیا تھا ۔ پس اپنے انکار کی بدولت جو تم کیا کرتے تھے ، ہمارے عذاب کا مزہ چکھو۔

تَكْفُرُوْنَ ۝ ۱۰۶
انکار کرتے

مسئلہ قتلِ مرتد کی تردید

● آیتِ بالا میں اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ کے الفاظ سے کھُل کر عیاں ہوتا ہے کہ کُتب روایات کا یہ مسئلہ مطلقاً غلط ہے کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائیں، مرتد ہو جائیں، واجب القتل ہیں۔ یہ تصوّر مطلقاً غیر قرآنی ہے۔ کیونکہ آیتِ بالا میں ارتداد کی سزا دُنیا میں قتل کرنا نہیں بتائی گئی، بلکہ قیامت کا عذاب بتایا گیا ہے۔ چنانچہ مرتدین کی اُخروی سزا کی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں ضابطۂ ربوبیّت پر ایمان لانے والوں یعنی سفید چہرے والوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِىْ رَحْمَةِ
اور جو لوگ کہ سفید ہونگے چہرے اُنکے۔ وہ ہونگے بیچ رحمت

اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۱۰۷
اللہ کے۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اور وہ لوگ جن کے چہرے سفید (خوش و خرّم) ہونگے وہ اللہ کی رحمت (یعنی اُسکی نعمتوں) میں ہونگے۔ اور وہ اُن (اللہ کی نعمتوں) میں ہمیشہ رہینگے۔

● هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ کے جملہ سے روایتی تفاسیر میں جو یہ تصوّر دیا گیا ہے کہ قیامت کی زندگی ابدی ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی غلط اور غیر قرآنی ہے۔ کیونکہ اُخروی زندگی کی میعاد آسمانوں اور زمین کی موجودگی تک ہے۔ سورہ ہُود میں ارشاد ہُوا ہے:۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ ..... خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۱۱/۱۰۶-۱۰۷ ۔ پھر جو شقی لوگ ہیں پس وہ آگ میں ہونگے ...... ہمیشہ رہنے والے اُن میں جبتک آسمان اور زمین قائم ہیں ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۱۱/۱۰۸ ۔ اور جو لوگ سعید ہیں، پس وہ ہونگے جنّت میں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں جبتک آسمان اور زمین قائم ہیں ۔ ان آیتوں کی پُوری تشریح اپنے مقام پر سورہ ہُود میں آئیگی انشاء اللہ!

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی عدالت میں عدل کریگا۔ وہ بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا:۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ
مذکورہ بالا اللہ کی آیتیں ہیں۔ پڑھتے ہیں ہم انہیں آپ پر ساتھ حق کے

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۰۸
اور نہیں اللہ ارادہ کرتا ظلم کا واسطے لوگوں کے

(اے رسُول!) مذکورہ بالا آیتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں، جنہیں ہم آپ پر ٹھیک ٹھیک تلاوت کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ (لوگ خود بُرے عمل کرکے سزا کے مستحق ہوتے ہیں) اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم کرنے کا ارادہ ہرگز نہیں رکھتا۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں تصریح کردیگئی ہے کہ اُوپر کی آیات کریمات میں ربوبیّتِ عامہ ہی کا ذکر چلا آرہا ہے جس کی مخالفت ضابطۂ ربوبیّت کی مخالفت ہے:۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَ

اور صرف اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے بیچ آسمانوں کے اور بیچ زمین کے اور

اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ ١٠٩ ع ۱۱ / ۲

طرف اللہ کے پھیرے جائینگے سب کام

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ (اس نے یہ سب کچھ نوعِ انسانی کی ضروریاتِ ربوبیّت کیلئے پیدا کیا ہے ۲/۲۹) اور (ربوبیّتِ عامہ میں بیجا تصرف کی جوابدہی کیلئے) جملہ امور اللہ ہی کیطرف لوٹ کر آئینگے۔

● چونکہ صحابۂ رسول کی مقدس جماعت نے ضابطۂ ربوبیّت پر عمل کیا اور اسے عملاً نافذ کرکے ایک ایسا معاشرہ متشکل کر دکھایا جسمیں کوئی فردِ واحد ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں تھا۔ اسلئے اگلی آیتِ مجیدہ میں صحابہ کی پاکیزہ جماعت کی تعریف کیگئی ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

ہو تم بہترین ایک جماعت نکالی گئی واسطے لوگوں کے

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

حکم کرتے ہو قرآنی احکام کا اور منع کرتے ہو قرآنی منہیات سے اور

وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا

ایمان لاتے ہو ساتھ اللہ کے! اور اگر ایمان لاتے اہلِ کتاب، ہوتا بہتر

لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ

واسطے اُنکے۔ اُن میں سے ایمان لانیوالے ہیں! اور اکثر اُنکے ہیں

الْفٰسِقُوْنَ ۝ ١١٠

حدیں پھاندنے والے

(اے صحابۂ رسول!) تم ایک بہترین جماعت ہو جو لوگوں کی (بھلائی) کیلئے (رسولِ اکرم کے ذریعہ) پیدا کیگئی ہے۔ تم لوگوں کو قرآنی احکام کا حکم کرتے ہو اور قرآنی منہیات سے روکتے ہو۔ اور تم (ضابطۂ ربوبیّت پر عمل کرکے اپنے اللہ رب العالمین پر عملاً) ایمان لاتے ہو۔ اور اگر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) بھی ایمان لائیں (جیسے تم ایمان لائے ہو ۲/۱۳۷) تو ہو بہتر اُن کیلئے۔ اُن میں سے تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ اور اُن کی اکثریت (ضابطۂ الٰہی کا انکار کرکے اللہ تعالیٰ کی) حدیں پھاندنے والی ہے۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں اہلِ کتاب میں سے یہود کی مخالفت کے ضمن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے وضاحت کردیگئی ہے:-

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ

ہرگز نہیں ضرر دینگے تمکو سوائے زبانی ایذا کے! اور اگر لڑینگے تم سے

يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ١١١

پھیر دینگے تمہاری طرف پیٹھیں ہی۔ پھر نہیں مدد کئے جائینگے

(ایمان والو! یہ اہلِ کتاب) تمہیں زبانی طعن زنی کے سوا ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکینگے۔ اور اگر تمہارے ساتھ لڑائی کرینگے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر (میدانِ جنگ سے بھاگ جائینگے)۔ پھر (اس شکست کے بعد) اُنکی کوئی مدد نہیں کیجائیگی۔

● نیز یہودیوں کے متعلق اعلان کردیا گیا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہونگے اُن پر ذلت مسلط رہیگی، جس سے نکلنے کے دو راستے ہونگے، یا تو دینِ اللہ کیطرف لوٹ کر ضابطۂ الٰہیہ کے ساتھ منسلک ہوجائیں اور یا لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین میں سے کسی قانون کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیں:-

ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا
ماری گئی اوپر اُنکے ذلت جہاں بھی وہ پائے جائیں سوائے
بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ
ساتھ رسی کے اللہ کی یا رسی میں سے لوگوں کی۔ اور آ گئے
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ
ساتھ غضب اللہ کے ۔ اور ماری گئی اوپر اُن کے محتاجی
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
یہ اسلئے کہ بیشک وہ تھے کفر کرتے ساتھ آیتوں اللہ کے اور
يَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
لڑائی کرتے انبیاء سے بلا وجہ۔ یہ اسلئے کہ وہ کرتے تھے نافرمانی
وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ۝١١٢
اور کرتے تھے سرکشی

وہ (کرۂ ارض پر) جہاں کہیں بھی پائے جائیں۔ اُن پر ذلت ماردیگئی ہے (یعنی ذلت اُنکے گلے کا ہار بنادیگئی ہے) سوائے اسکے کہ یا تو وہ اللہ کی رسّی (اُسکی کتاب) کو مضبوط تھام لیں ۳/۱۰۳۔ اور یا لوگوں کی رسّی (یعنی لوگوں کے بنائے ہوئے قانون میں سے کسی قانون) کا سہارا لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کی بدولت) اللہ کے غضب کے مستحق ہوچکے ہیں۔ اور محتاجی اُن پر واجب کردیگئی ہے۔ یہ اِسلئے ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے آرہے ہیں۔ اور وہ نبیوں کے ساتھ بلا وجہ لڑائی کرتے تھے۔ (نیز) اسلئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدوں کو پھاندتے تھے۔

قرآن اور یہودی حکومت کا قیام

• اس آیت مجیدہ کی رُو سے دو چیزوں کی وضاحت ضروری ہے۔ پہلی یہ کہ جب فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہوئی تو غیر مسلموں کیطرف سے اعتراض کیا گیا کہ مسلمان تو کہتے تھے کہ یہودیوں کی حکومت کبھی قائم نہیں ہوگی۔ اِسکا جواب اللہ تعالیٰ نے آیت بالا میں چودہ سو سال پیشتر سے بالفاظِ ذیل دے رکھا ہے ۔ اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ = کہ ذلت سے نکلنے کے دو راستے ہیں۔ یا تو وہ پوری طرح اللہ کی کتاب کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور یا کسی قوم کے بنائے ہوئے قانون کیساتھ منسلک ہو جائیں۔ چنانچہ جب یہودیوں نے اقوامِ عالم کے بنائے ہوئے اِس قانون کا سہارا لیا کہ جس علاقے میں کسی قوم کی آبادی کی کثرت ہو۔ وہاں اُنہیں حکومت قائم کرنے کا حق ہے۔ اِسطرح فلسطین کے اُس علاقے میں جہاں اُنکی کثرت بنائی گئی، وہاں اُنکی حکومت قائم ہوگئی۔ قرآن کریم میں یہودی حکومت کے قیام کے قانون حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ کی خبر صدیوں سے درج ہے، جسکی رُو سے موجودہ اسرائیلی حکومت قائم ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قانونِ عروج و زوال تمام قوموں کیلئے یکساں غیر متبدل ہے

• آیتِ بالا سے متعلقہ دوسری چیز وضاحت طلب یہ ہے کہ آیات اللہ کے جس انکار اور اللہ تعالیٰ کی جن نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت ذِلت کو یہودیوں کے گلے کا ہار بنا دیا گیا تھا۔ اُنہی نافرمانیوں کی مرتکب جو قوم بھی ہوگی، وہ ذِلت کی سزا سے ہرگز نہیں بچ سکیگی۔ اِسکے مطابق بتانا یہ ہے کہ اگر مسلمان قوم بھی آیات اللہ کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے اُسی الٰہی قانون کی زد میں آجائے، جسکی زد میں قوم بنی اسرائیل آئی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ کا غیر متبدل قانون اِنہیں بھی معاف نہیں کریگا۔ کیونکہ نہ کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی سگی ہے اور نہ سوتیلی۔ ذات باری کیطرف سے ہر قوم کے عروج و زوال کے فیصلے

ہر قوم کے اپنے اعمال کے مطابق سرزد ہوتے چلے آرہے ہیں:۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۳/۱۱۔
بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم میں عروج یا زوال کی رُو سے کوئی تغیر اُسوقت تک نہیں پیدا کرتا جبتک کہ وہ اپنے اندر عروج یا زوال کی رُو سے
خود تغیر نہیں پیدا کرتے۔ نیز فرمایا:۔ هُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۱۲۷/۶ اللہ تعالیٰ قوموں کا اپنے عملوں کے ذریعہ
اُنکا مددگار ہے۔

رجوع الی المطلب ● سلسلۂ درس کی آیت صدر ۱۱۲/۳ میں بنی اسرائیل کی ذلت کی استثنائی صورت بیان کرنے کے بعد
یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ زمانۂ رسالت کے سب یہودی ایک جیسے نہیں تھے۔ اُن میں ایک جماعت اللہ کے
دین پر قائم بھی تھی:۔

لَیْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ
نہیں ہیں برابر۔ اہلِ کتاب میں سے ہے ایک جماعت قائم،
یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَهُمْ یَسْجُدُوْنَ ۱۱۳
پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی ابتدائی رات میں اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔
یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَاْمُرُوْنَ
وہ ایمان لاتے ہیں ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے اور وہ حکم کرتے ہیں
بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ
نیکیوں کا اور منع کرتے ہیں بُرے کاموں سے اور وہ جلدی کرتے ہیں بھلائیوں میں
وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۱۱۴
اور ہیں وہ نیکوکاروں میں سے

سب اہلِ کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔ اُن میں ایک جماعت (اللہ کے دین پر) قائم ہے۔ وہ رات کی ابتدائی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں۔ اور وہ سجدہ کرتے (یعنی اللہ تعالیٰ کی ہر عمل میں فرمانبرداری بھی کرتے اور صلوٰۃ موقت نماز بھی ادا کرتے) ہیں۔
وہ (اہلِ کتاب کا مذکورہ بالا گروہ) اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہیں اور خود سُرعت کیساتھ بھلائیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اور وہ ایسے لوگوں میں سے ہیں جو معاشرہ کی اصلاح کرنے والے ہیں۔

وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ
اور جو عمل کرتے ہیں بھلائی سے۔ اللہ اُسے ضائع نہیں کریگا! اور اللہ
عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ۱۱۵
ہے خوب جاننے والا بچنے والوں کو

اور وہ لوگ جونسا عمل بھلائی کا (یعنی قیام ربوبیت عامہ کیلئے)[عله] بجالاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ) اُسے ہرگز ضائع نہیں کریگا (اُسکا بدلہ اُنہیں ضرور دیا جائیگا) اور اللہ تعالیٰ خوب خوب جاننے والا ہے اُن لوگوں کو جو ضابطۂ الٰہی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

[عله] ● یہاں تک تو زمانۂ رسالت کے اہلِ کتاب کے تقویٰ شعار افراد کی تعریف بیان کیگئی ہے اور اُنکے اُن اعمال کے اجر کا یقین دلایا
گیا ہے جو وہ خیر کیلئے بجالاتے ہیں۔ ہم نے خیر کا معنیٰ لکھا ہے نظامِ ربوبیت، یعنی ضابطۂ الٰہی کے مطابق قائم کردہ وہ نظام جس میں ہر فرد
معاشرہ کو خیر یعنی ضروریاتِ زندگی کے مطابق مال میسر آتا رہے۔ قرآنِ کریم میں خیر بمعنی مال سورہ بقرہ کی آیت ذیل میں آیا ہے
جو پیچھے صفحہ ۳۵۹ پر بھی گزر چکی ہے:۔
● كُتِبَ عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَیْرَا ۨ الْوَصِیَّةُ ..... ۱۸۰/۲ جب تم میں سے کسی پر موت کا

وقت آجائے۔ اگر اُس نے خیر یعنی مال چھوڑا ہو تو اُس پر وصیّت کرنا فرض کیا گیا ہے۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں دین اللہ کی مخالفت کرکے مال جمع کرنیوالوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اُنہیں اُنکے مال اور اولاد کوئی فائدہ نہیں دینگے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ
بیشک جو انکار کریں ہرگز فائدہ نہیں دیگا انہیں مال اُن کا
وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ؕ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ
اور نہ اولاد اُن کی طرف سے اللہ کچھ بھی۔ اور وہی ہیں صاحب
النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○ ۱۱۶
آگ وہ بیچ اسکے رہنے والے سدا

بیشک جو لوگ (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ نظامِ ربوبیّت عامہ کا) انکار کرتے ہیں۔ اُنہیں ہرگز فائدہ نہیں دیگا اُنکا (جمع کیا ہؤا مال) اور نہ فائدہ دیگی اُنہیں اُن کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی۔ یعنی وہ لوگ (دنیا میں بھی جہنّمی معاشرہ میں ہونگے۔ اور آخرت کو بھی) ناکامی کی آگ والے ہونگے۔ وہی تو ہیں جو اُس ناکامی کی آگ میں ہمیشہ رہینگے۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اُن لوگوں کی مثال بیان کیگئی ہے جو صرف دنیا کے نام نمود کیلئے مال خرچ کرتے ہیں۔ اُنکی زندگی کی کھیتیاں اُنکے اپنے ظلم کی بدولت برباد ہو جاتی ہیں:۔

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا
مثال اُس مال کی جو خرچ کرتے ہیں اسلامی حیاتی دنیا کے
کَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا
مانند مثال ہوا کے ہے کہ بیچ اسکے تیز سردی ہو وہ پہنچے ایسی قوم کی کھیتی کو کہ ظلم کیا
اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَکَتْہُ ؕ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ وَلٰکِنْ
اپنی جانوں پر پھر وہ اُسے برباد کرگئی۔ اور نہیں ظلم کیا اُن پر اللہ نے ولیکن
اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ○ ۱۱۷
وہ آپ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں

(ربوبیّتِ عامہ کے خلاف) اپنی اِس زندگی کی نمائش کیلئے[علم] لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُسکی مثال ایسی ہے کہ ایک ہوا ہو۔ اُسمیں تیز سردی ہو۔ وہ ہوا ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا (یعنی کھیتی کی حفاظت نہ کی) پھر وہ ہوا اُس کھیتی کو برباد کر جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر ظلم نہیں کیا (یعنی اللہ نے اُنکی کھیتی کو برباد نہیں کیا) بلکہ ایسے لوگ (قانونِ الٰہی سے غفلت برت کر اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں

• ہلہ فی معنی کیلئے۔ دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۹۵۔ بحوالہ ۲/۴۳

مُنکرینِ ربوبیّت کو رازدار نہ بنایا جائے

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں دو قومی نظریہ کے مطابق کافر اور مومن حکومتوں کے باہمی تعلقات کی وضاحت کیگئی ہے اور کافروں کے مخفی بُغض کی خبر دیتے ہوئے انتہائی وضاحت کیساتھ ایمان والوں کو ہدایت کیگئی ہے کہ وہ اپنوں کے سوا غیروں کو رازدار نہ بنائیں۔ کیونکہ وہ اُنکے رازوں سے واقف ہوکر اُنکی حکومت کی خرابی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھینگے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ
اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ بنانا رازدار سوئے

اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنوں کے سوا کسی اور (یعنی ربوبیّتِ عامہ کے منکروں) کو رازدار۔ (اسطرح تمہارے راز پاکر) وہ تمہاری

دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ
اپنوں کے۔ نہ کمی کرینگے تمہاری خرابی میں۔ پسند کرتے ہیں جو تمہیں تکلیف دے
قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِي
بیشک ظاہر ہوا بغض ان کا ان کے مونہوں سے۔ اور جو کچھ چھپایا ہے
صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ إِنْ
انکے ذہنوں نے بہت بڑا ہے۔ بیشک بیان کیں ہم نے تمہارے لئے نشانیاں اگر
كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ ۱۱۸
ہو تم عقل رکھتے۔

خرابی میں کوئی کمی نہیں کرینگے۔ وہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو تمہیں تکلیف دے۔ بیشک انکا بغض و عناد ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ان کے ذہنوں نے چھپایا ہوا ہے وہ اس سے بھی بہت بڑا ہے۔ (یعنی تمہارے خلاف انکے خفیہ منصوبے بہت بڑے خطرناک ہیں وہ تمہاری حکومت کا نام و نشان مٹا دینا چاہتے ہیں) بیشک ہمنے تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کر بیان کردی ہیں بشرطیکہ تم عقل سے کام لیتے ہو۔

● آیت بالا میں منکرین ربوبیت کے عمومی ظاہری اور باطنی بغض و عداوت کی خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے منکرین کے منافقانہ غیض و غضب کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے اور مومنوں کو انکی سادہ لوحی سے بھی آگاہ کردیا گیا ہے کہ غور تو کرو کہ تم کس سے دوستی کرتے ہو:۔

هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ
تم وہ ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے اور نہیں محبت کرتے وہ تم سے
وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ۚ وَإِذَا لَقُوكُمْ
اور تم ایمان لاتے ہو کتابوں سب پر۔ اور جب وہ ملتے ہیں تم سے
قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ
کہتے ہیں ایمان لائے ہم اور جب علیحدہ ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں انگلیاں تمہارے خلاف
مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
ساتھ غصے کے۔ کہدے اے رسول مرجاؤ اپنے غصے میں۔ بیشک اللہ خوب جاننے والا
بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ ۱۱۹
جو کچھ ہے تمہارے ذہنوں میں۔

(ایمان والو! تم اتنے سادہ لوح ہو کر) کہ تم وہ ہو۔ ان سے دوستی کرتے ہو تم لیکن وہ تم سے (مطلقاً) محبت نہیں کرتے اور تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو (مگر وہ سب کتابوں کو نہیں مانتے) مگر جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہاری کتاب پر ایمان لائے ہیں۔ اور جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو تمہاری مخالفت کے غصے میں انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ (اے رسول! آپ) کہہ دیجیئگا کہ اپنے غصے میں مر مٹو۔ بیشک اللہ تعالیٰ اذہان کی پوشیدگیوں تک کو خوب اچھی طرح جانتا ہے (کہ تم ظاہر کیا کرتے ہو اور چھپاتے کیا ہو)۔

● اس سے اگلی مجیدہ میں پھر مومنوں کو مخاطب کرکے مخالفین ربوبیت کی ذہنی پوشیدگیوں سے مزید آگاہ کیا گیا ہے کہ:۔

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ
اگر مس کرے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں۔ اور اگر
تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا
پہنچے تم کو کوئی برائی تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر تم ثابت قدم رہو

(ایمان والو!) اگر تمہیں کوئی بھلائی میسر آئے تو وہ انہیں بری لگتی ہے۔ اور اگر (کبھی ایسا ہو کہ) تمہیں کوئی برائی پہنچے تو اس پر وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تم ثابت قدم رہو اور بچاؤ طلب کرو (یعنی دفاعی تیاریاں مکمل رکھو) تو انکی بری

وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور چاہو حفاظت تو نہ نقصان دیگی تمکو انکی تجویز کچھ بھی . بیشک اللہ ہے

بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۱۲۰ ع

ساتھ اسکے جو وہ عمل کرتے ہیں گھیر نے والا

ع ۱۲ ۱۱ ۳

تجویزیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائینگی . بیشک اللہ اُن کے تمام عملوں (یُری تجویزوں اور تدبیروں) کا پوری طرح احاطہ کرنیوالا ہے ۔ • ؎ یہاں تَتَّقُوْا بمعنی بچاؤ طلب کرو ، سے مُراد ہے دفاعی تیاریاں مکمل رکھو ۔

• آئت مجیدہ ۱۱۸ تا ۱۲۰ میں مسلسل حکم دیا گیا ہے کہ کافروں (ربوبیت عامہ کے منکروں) کو دوست نہ بناؤ . انکا بُغض و عناد اُنکے مُنہ کے الفاظ سے عیاں ہے . نیز اُنہوں نے تمہارے خلاف ذہنوں میں بہت بڑی بڑی تجویزیں چھپائی ہوئی ہیں . اُنکے شر سے بچتے رہو اور اپنی دفاعی تیاریاں مکمل رکھو . کاش کہ اگر مسلمان حکومتیں آپسمیں ایکدوسرے کو راز دار بنائیں ، پورا اتحاد قائم کریں اور سب ملکر دفاعی تیاری اور عزم و استقلال قائم رکھیں . نیز خود اپنے ہاں نظامِ ربوبیت قائم کریں تو ہو نہیں سکتا کہ منکرینِ ربوبیت مسلمانوں کو کوئی زک پہنچا سکیں . دفاعی تیاریاں اسلئے ضروری ہیں کہ مخالف قومیں کسی بھی وقت پر حملہ آور ہو سکتی ہیں . جیسے کہ سلسلۂ درس کی اگلی آئتوں میں ایک ایسی جنگ کی تاریخ بیان کیگئی ہے کہ مخالفینِ ربوبیتِ عامہ نے آنحضورؐ پر حملہ کر دیا . آپ مدافعت کیلئے مقابلہ پر آئے مگر مجاہد صحابہ کے دو دستوں نے لڑائی میں کمزوری دکھائی تھی :-

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور جب آپ صبح کو اپنے اہل سے نکلے . ٹھکانہ دیتے تھے مومنوں کو

مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۱۲۱

بیٹھنے کی جگہ واسطے لڑائی کے . اور اللہ ہے خوب سننے والا خوب جاننے والا

اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ

جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ دونوں ہمت ہار دیں اور اللہ ہے

وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۱۲۲

مددگار ان دونوں کا . اور اوپر اللہ کے بھروسہ کرتے ہیں مومن ۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (اے رسولؐ !) آپ صبح کے وقت اپنے اہل (گھر) سے نکلے . آپ مومن مجاہدوں کو میدانِ جنگ میں مناسب مقامات پر متعین کرتے تھے . اور اللہ تعالیٰ (ہر بات کو) خوب سُننے والا . اور ہر عمل کو خوب خوب جاننے والا ہے .

(اے ایمان والو !) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تم میں سے دو جماعتوں نے ہمت ہارنے کا ارادہ کیا . حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنکا مددگار ؎ ہے (پس وہ ثابت قدم ہو گئے) اور مومن اللہ تعالیٰ ہی (کے قانون) پر بھروسہ کرتے ہیں .

اللہ کی مدد انسانی اعمال کی بدولت آتی ہے

• ؎ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ کی دو جماعتوں نے ہمت ہارنے کا ارادہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ اُنکا مددگار کسطرح بنا . اسکا جواب ذیل کے اصولی اعلان میں دیا گیا ہے :- لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۶/۱۲۷ = نوعِ انسانی کیلئے اللہ کے ہاں (اُسکے نازل کردہ ضابطۂ حیات کے مطابق) سلامتی کا گھر ہے (یعنی سلامتی ہی سلامتی ہے) اور وہ اُنکا مددگار ہے ساتھ اُن عملوں کے جو وہ خود بجالاتے ہیں ـــ اِس اعلانِ خداوندی کے مطابق ثابت ہوا کہ صحابہؓ کی مذکورہ بالا دو جماعتوں نے دُون ہمتی کا صرف ارادہ کیا . لیکن فوراً ہی ثابت قدم ہو گئے ، اللہ تعالیٰ اُنکا مددگار ہو گیا اور فتحیاب ہوئے .

جنگِ بدر میں صحابہؓ کی ثابت قدمی کا نتیجہ تھا فتحِ عظیم

• سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں جنگِ بدر

کی مختصر تاریخ بیان ہوئی جب صحابہؓ کمزور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی ثبات قدمی کی بدولت اُن کی مدد فرمائی اور وہ فتحیاب ہوئے:۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ
اور البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں حالانکہ تھے تم کمزور

فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ ۱۲۳
پس بچو تم اللہ (کی مخالفت) سے تاکہ تم اپنے اعمال کا پورا بدلہ پاؤ

اور (یاد کرو کہ) اللہ تعالیٰ نے بدر (کے میدانِ جنگ) میں تمہاری (ثباتِ قدمی کی بدولت) تمہاری مدد فرمائی۔ حالانکہ تم اُس وقت کمزور تھے پس اللہ (کے قانون کی مخالفت) سے بچتے رہو تاکہ تم (ہر مقام پر) اپنے اعمال کے بھرپور ثمر سے بہرہ یاب ہوتے رہو۔

• نَصَرَكُمُ اللّٰهُ کا معنیٰ لکھا گیا ہے:۔ اللہ نے تمہاری ثابت قدمی کی بدولت تمہاری مدد فرمائی۔ اُوپر ۶/۱۲۷ سے بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ اللہ کی مدد انسان کے اپنے اعمال کیساتھ مشروط ہے هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۶/۱۲۷۔ آیت بالا میں نصر کا لفظ آیا ہے۔ اِس مادہ کے تحت سورہ حج میں صحابہؓ ہی کے ذکر میں ارشاد ہوا ہے:۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۲۲/۴۰ = اور بیشک اللہ تعالیٰ اُس قوم کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتی ہے۔ میدانِ جنگ میں اپنی مدد آپ کرنے کا تصوّر اِسکے سوا نہیں کہ جہاں قدم جم جائیں، جان جائے مگر قدم نہ اُکھڑیں۔ جنگِ بدر میں صحابہؓ کی اِسی ثبات قدمی کی بدولت انہیں عظیم الشان فتح نصیب ہوئی تھی۔

• اللہ معنی اللہ کا قانون کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۶ • شکر معنی اعمال کا بھرپور بدلہ پانا کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۳

• جنگ میں ثابت قدمی کلید کامیابی ہے۔ سلسلۂ درس کی اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کے وہ الفاظ بیان کئے گئے ہیں جو آنحضورؐ نے صحابہؓ کو ثابت قدم رکھنے کیلئے بحیثیتِ سپہ سالارِ لشکر، تھوڑے اور کمزور صحابہؓ کی ہمت بندھائی اور حوصلہ افزائی کیلئے عین میدانِ جنگ میں ارشاد فرمائے تھے:۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ
جب کہا آپ نے واسطے مومنوں کے کیا کافی نہیں کہ مدد کرے تمہاری

رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۞ ۱۲۴
رب تمہارا ساتھ تین ہزار ملائکہ پے در پے آنیوالوں کے

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (اے رسولؐ!) آپ نے مومنوں سے کہا کہ (دشمن کی کثرت سے نہ گھبراؤ) کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار کائناتی قوتوں کیساتھ جو پے در پے نازل ہونے والی ہوں۔

• سورہ انفال میں جنگِ بدر کے تذکرہ میں مزید ارشاد ہوا ہے:۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۞ ۸/۹ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے پھر اُس نے جواباً ارشاد فرمایا، بیشک میں پے در پے آنیوالی ایک ہزار کائناتی قوتوں کیساتھ تمہاری مدد کرنیوالا ہوں۔

ملائکہ

• اگلی آیتِ مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کی کائناتی قوتوں کی مدد کو صحابہؓ کی ثابت قدمی کے ساتھ بالفاظِ ذیل مشروط کیا گیا ہے۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا[۲] وَتَتَّقُوْا[۳] وَيَاْتُوْكُمْ
ہاں اگر تم ثابت قدم رہو اور بچاؤ چاہو اور وہ آجائیں تم پر
مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ
طرف سے جوش اپنے کے یہ۔ تو مدد کریگا تمہاری رب تمہارا ساتھ پانچ ہزار
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ[۴] ۱۲۵ الربع
کا مناتی قوتوں کے پہنچائی گئی

ہاں، اگر تم ثابت قدم رہو[۲] اور بچاؤ کے جملہ لوازمات پورے رکھو[۳]۔ اور وہ (تمہارے دشمن) تم پر اپنے اس جوش کیساتھ ٹوٹ پڑیں تو تمہارا رب عین وقت پر پہنچنے والی[۴] کا مناتی قوتوں کیساتھ تمہاری مدد کریگا۔

• [۲] تَصْبِرُوْا کا سہ حرفی مادہ ص۔ ب۔ ر = صبر ہے۔ جسکا بنیادی معنی ہے حصولِ مقصد کی راہ میں پیش آنیوالی مشکلات کا پوری ثابت قدمی اور استقلال کیساتھ مقابلہ کرنا تفصیل کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۲۔

• [۳] تَتَّقُوْا کا سہ حرفی مادہ و۔ ق۔ ی = وقی ہے جس کا بنیادی معنی ہے بچنا، اور بچنے کیلئے ہر مقام پر چونکہ بچاؤ کا سامان مہیا کرنا ضروری ہے یعنی ہر مقام کے مطابق سامان کے بغیر بچاؤ نا ممکن ہے۔ اسلئے جب تَتَّقُوْا کو اِنْ شرطیہ کیساتھ مشروط کیا گیا ہے، تو اسکا یہ معنی لکھا گیا ہے کہ: ۔ اگر تم بچاؤ کے جملہ لوازمات پورے رکھو تو اللہ تعالیٰ اپنی مخفی قوتوں کیساتھ تمہاری مدد کریگا۔ بچاؤ کے لوازمات کا حکم سورہ انفال میں دیا گیا ہے :۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸/۶۰ = اور دشمن کے مقابلے کیلئے پوری استطاعت کیساتھ فوجی قوت تیار کرتے رہو۔ خصوصًا ذرائع رسل و رسائل کی تمہارے ہاں بہتات ہو، جس کے ساتھ تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو لرزاتے اور دہلاتے رہو۔

• [۴] مُسَوِّمِيْنَ کا سہ حرفی مادہ س۔ و۔ م = سوم ہے جسکا بنیادی معنی پہنچنا بھی ہے اور پہنچانا بھی۔ لازم و متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے نیز اسکا معنی نشان لگانا بھی ہے۔ لیکن یہاں ۳/۱۲۵ میں مسوّمین بصیغہ اسم فاعل کا معنی ہے پہنچنے والے۔ قرآن کریم ۲/۴۹ میں يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ کے الفاظ میں یہ مادہ متعدی صورت میں استعمال ہوا ہے، جیسے بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے کہ آلِ فرعون تمہیں برا عذاب پہنچاتے تھے۔ نیز ۷/۱۴۱ میں بھی يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ کے الفاظ آئے ہیں۔

ملائکہ کی مدد سے متعلقہ مزید متعدد آیاتِ قرآنیہ

• ا سورہ انفال آیت نمبر ۱۱۔۱۲ میں جنگ بدر ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:
• اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۚ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۸/۱۱-۱۲ = وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ نے تم پر امن کی نیند مسلط کی (تمہیں تازہ دم کر دیا)۔ اور تم پر آسمان سے پانی نازل کیا (اسطرح تمہارے لئے میدانِ جنگ میں پانی کا ذخیرہ بھی جمع کر دیا۔ اور ریتلے

میدان کو جس میں گھوڑوں کے پاؤں دھنستے تھے پانی کیساتھ ٹھوس کردیا) تاکہ تمہیں ذہنی کمزوریوں سے پاک کردے۔ اور لے جائے
تم سے شیطانی وسوسے (جو کم ہمتی پیدا کرتے ہیں) اور تاکہ اس بارش کے پانی کیساتھ (میدانِ جنگ میں) تمہارے قدموں کو ثابت کردے
وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (اے رسُول) تیرے رب نے (تیرے ہی ذریعہ) ملائکہ کو (یعنی میدانِ جہاد کے فوجی سرداروں کو)[*] وحی کی،
کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومن مجاہدوں کو ثابت قدم رکھو۔ میں عنقریب کافروں کے اذہان میں تمہارا رعب ڈال دونگا پس تم کافروں
کی گردنیں مارو اور اُنکے ایک ایک پورے پر ضربیں لگاؤ
● [*] یہاں ملائکہ کا معنی فوجی سردار ہے۔ جیسے کہ سورہ زخرف میں آیا ہے کہ فرعون نے حضرتِ موسٰیؑ کے متعلق کہا۔
فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْجَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ٥ $\frac{۴۳}{۵۳}$ = پس اِسکے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں
اور اِسکے ساتھ پرا باندھے ہوئے فوجی سردار کیوں موجود نہیں ہیں۔ — پس آیتِ مجیدہ $\frac{۹}{۱۱}$ میں ملائکہ سے مراد کائناتی قوتیں
ہیں، نیند کی مخفی قوت جو دکھائی نہیں دیتی، سمندروں سے بادلوں کی صورت میں پانی کو اُٹھا لانیوالی، اور پھر بارش برسانے والی ہزاروں
قوتیں، جن کے ذریعہ میدانِ بدر میں ذہنی ناسازگاری ختم کرکے صحابہؓ کے قلوب کو ثبات عطا فرمایا گیا۔ اور $\frac{۹}{۱۲}$ میں ملائکہ کا معنی ہے فوجی۔
سردار، جنہیں آنحضورﷺ کے ذریعہ حکم دیا گیا کہ مومنوں کے اپنے اپنے دستے کے قلوب میں ثبات پیدا کئے رہو۔ تمہاری ثابت قدمی کی وجہ سے
میں کافروں کے ذہنوں میں تمہارا رعب ڈال دونگا۔ تم کافروں کی گردنیں مارو اور اُنکی پوری قوت ختم کردو۔
٢ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ
الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ٥ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا
مَا تَدَّعُوْنَ ٥ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ٥ $\frac{۴۱}{۳۰ تا ۳۲}$ = بیشک جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے یعنی (وہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ
ربوبیت پر ایمان لاتے ہیں)، پھر اُس پر استقامت کرتے (یعنی نظامِ ربوبیت کے قیام میں لگ جاتے ہیں) اُن پر (اطمینان وسکون کی) کائناتی
قوتیں نازل ہوتی ہیں (جو بزبانِ حال کہتی ہیں کہ) خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ۔ اور خوشخبری پاؤ جنّت (متوازن معاشرہ) کی جس کا تم وعدہ
دیئے جاتے ہو۔ ہم (اطمینان وسکون کی مخفی قوتیں) تمہاری دوست ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تمہیں اِس (دنیا کے متوازن معاشرے
میں بھی اور اُخروی جنّت) میں بھی وہ کچھ میسّر آئیگا جو تمہارے جی چاہینگے۔ یہ (متوازن معاشرہ اور اُخروی جنّت) بخشش عطا کرنیوالے،
رحمت کرنیوالے کی طرف سے تمہاری مہمانی ہے — ان آیاتِ مجیدہ میں ذہنی سکون واطمینان کی مخفی کائناتی قوتوں کو ملائکہ کہا ہے

جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔

٣ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ
عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ٥ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ
جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ٥ $\frac{۹}{۲۵-۲۶}$ = بیشک اللہ نے تمہاری مدد کی بہت جگہوں
پر، خصوصًا حُنین کے دن، جب تمہیں اپنی کثرت پر تعجّب تھا۔ پھر تمہاری کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے
باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ یعنی تم میدان سے پیٹھ پھیر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول اور مومنوں پر اپنی تسکین نازل فرمائی یعنی ایسے

لشکر نازل کیئے جنہیں تم نے دیکھا نہیں تھا۔ اور (اسطرح) اُس نے کافروں کو شکست کا عذاب دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ (ضابطۂ ربوبیت کا) انکار کرنیوالوں کی سزا یہی ہے۔

● آیت بالا کے داخلی الفاظ کے مطابق چونکہ جنگِ حُنین کے وقت مسلمانوں کی کثرت ہو چکی ہوئی تھی۔ اسلئے یہاں جنودًا لّم تروھا سے مُراد دُور کے علاقہ کے مومن مجاہدین ہیں جو عین موقعہ پر کمک کی صورت میں پہنچ گئے، جنہیں صحابہ نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ واضح رہے چونکہ آیاتِ بالا $\frac{9}{25-26}$ میں ملائکہ کا لفظ مطلقاً نہیں آیا۔ اسلئے یہاں جنودًا لّم تروھا سے مُراد دُور کے مومن مجاہدوں کے لشکر ہیں جو بروقت پہنچ گئے۔

● اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى

$\frac{9}{40}$ = اگر تم اُسکی مدد نہ کرو (تو کوئی بات نہیں) پس بیشک اللہ تعالیٰ نے اُس (رسول) کی مدد کی اُسوقت جب اُسے کافروں نے اُسکے گھر سے نکالدیا۔ وہ دو میں کا دُوسرا تھا جب وہ دونوں دشمنوں کے انبوہ* میں گھر گئے۔ جب اُس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے (کیونکہ ہم نے اپنی کسی ذاتی غرض کیلئے ہجرت نہیں کی، اللہ تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کے قیام کیلئے کی ہے۔ اسلئے وہ ضرور ہماری مدد کریگا)۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُس پر ذہنی تسکین نازل کی، یعنی ایسے لشکروں کیساتھ اُسکی مدد کی جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔ اور (اسطرح اللہ نے) ضابطۂ ربوبیت کا انکار کرنیوالوں کیطرف سے آنحضورؐ کے قتل کے بنائے گئے منصوبے کو ناکام کردیا۔ (یعنی آپ اپنے ساتھی سمیت بخیریت تمام مدینہ منورہ پہنچ گئے) یہاں جنودًا لّم تروھا سے مراد بروقت پہنچنے والے مدنی مومن ہیں جو آنحضورؐ کے استقبال کیلئے آئے تھے۔ یہاں بھی ملائکہ کا لفظ نہیں ہے۔

● *غار کا معنی عربی زبان میں "گروہِ بسیار از مردم و لشکر" بھی ہے۔ منتہی الارب جلد سوم صفحہ ۴۴۲۔

● يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۞ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۞

$\frac{33}{9 \text{ تا } 11}$ = اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کی جب تم پر دشمنوں کے لشکر چڑھ آئے تو ہم نے اُن پر آندھی بھیج دی۔ (یعنی آندھی میں موجود اپنے وہ) لشکر بھیج دیئے جو تم نے نہیں دیکھے۔ (جنہوں نے دشمن کے خیموں کی طنابیں اکھیڑ پھینکیں۔ اس طرح وہ ہمت ہار بیٹھے اور ناکام لوٹ گئے) اور اللہ تعالیٰ نے اُن کاموں کو دیکھ لیا جو تم (اپنے بچاؤ کیلئے) کرتے تھے۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (تمہارے دشمن) تم پر تمہارے اوپر کیطرف سے بھی آگئے۔ اور تمہارے نیچے سے بھی آگئے اور جب (منافقوں کی) نظریں ٹیڑھی ہوگئیں اور اُنکے کلیجے منہ کو آگئے۔ اور تم (یعنی تمہارے اندر رہنے والے منافق) اللہ کے متعلق بُرا گمان کرنے لگے۔ وہاں مومنوں کو ظاہر کردیا گیا اور وہ (منافق) ہلائے گئے سخت ہلایا جانا۔ اِس آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جنگِ احزاب کے موقعہ پر ایک شدید آندھی کے ذریعہ صحابہ کی مدد کیگئی تھی، جس میں اللہ کے مخفی لشکر موجود تھے۔

۶ هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ
الْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ
اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ۴۸/۴تا۷

(مفہوم) وہ اللہ ہی ہے جس نے مومنوں کے ذہنوں میں تسکین نازل کی (کہ اللہ کی مدد اُنکے ساتھ ہے) تاکہ بڑھ جائیں اُنکے ایمان ساتھ ایمان کے۔ اور اللہ ہی کی ملکیت ہیں آسمانوں اور زمین کے (مخفی) لشکر۔ اور ہے اللہ تعالیٰ حکمت والا، بڑھکر علم والا۔ تاکہ وہ مومنین اور مومنات کو (اُنکے اعمال کے ذریعہ) ایسے باغوں (متوازن معاشرہ) میں داخل کرے جس کی سطح میں (ضروریات زندگی کی) نہریں بہتی ہیں۔ وہ (صحابہؓ اور صحابیات) اُس میں ہمیشہ (تازیست) رہنے والے ہیں۔ اور تاکہ وہ (اللہ) اُن کی بدحالیاں اُن سے دُور کردے۔ اور عذاب کرے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو (۳۳/۶۰-۶۱) اور مشرکوں کو بھی جو اللہ کے متعلق بُرا گمان کرتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ مومنوں کی مدد نہیں کریگا)۔ اُن پر بُرائی کا چکّر ہے۔ اور اللہ اُن سے ناراض اور بیزار ہوگیا۔ اور اُنکے لئے تیار کیا جہنم (دنیا میں شکست ۳/۱۲ آخرت میں ناکامی) کا عذاب۔ اور اللہ ہی کی ملکیت ہیں آسمانوں اور زمین کے (مخفی) لشکر۔ اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ (وہ ایمان والوں کو بھی حکمت ہی کے ذریعہ کافروں کے مقابلے پر غلبہ حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے)

۷ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْــــًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى ۝
۵۳/۲۶ - اور آسمانوں میں بہت سی ہیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخفی کائناتی قوتیں، کہ اُنکی عملی شفاعت کسی کیلئے اُسوقت تک کوئی فائدہ نہیں دیتی جبتک کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص کیلئے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق راضی نہ ہوجائے ـــــ اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ پوری فضا ملائکہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی مخفی کائناتی قوتوں) سے بھری پڑی ہے۔ مگر اُن سے فائدہ اُسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کسی کائناتی قوت کو اللہ تعالیٰ کے معیّنہ قانون کے مطابق مسخر کرکے تابع فرمان کیا جائے۔ جیسے بجلی، ایتھر، ریڈیائی لہریں اور شعاعیں وغیرہ۔ اب غور فرمائیں کہ جب انہیں مسخر کرلیا گیا ہے تو اُنکی شفاعت جو وہ نوعِ انسانی کے لئے بذریعہ عملِ تسخیر کرتی ہیں فائدہ بخش ہوچکی ہے۔ ارشادِ باری ہے :- سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ ۴۵/۱۳ = اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کردیا ہے (اپنے جملہ جنود السمٰوٰت والارض) کو، جو جو بھی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں ـــ اس آیت مجیدہ ۵۳/۲۶ میں اُن کائناتی مخفی قوتوں کو ملائکہ کہا گیا ہے جن سے پوری فضائیں معمور ہیں۔

۸ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ
اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ۴۲/۵ = قریب ہے کہ فضائی کُرّے اپنے اوپر سے پھٹ جائیں (مگر) حالت یہ ہے کہ ملائکہ

(کائناتی قوتیں) اپنے رب کی عملی حمد کیساتھ ہر آن اپنے فرائضِ منصبی ادا کر رہی ہیں۔ اور جو جاندار زمین میں ہیں اُنکے لئے بچاؤ چاہتی ہیں۔ خبردار! بلاشبہ اللہ تعالیٰ بچاؤ دینے والا، رحمت کرنیوالا ہے۔ اِس آیۂ مجیدہ میں زمینی مخلوق کو فضائی کرّوں کے پھٹ کر گر جانے سے بچاؤ دینے والی اُن قوتوں کو ملائکہ کہا گیا ہے جن میں سرِفہرست کرّہ جات سماویہ کی الگ الگ کششِ ثقل ہے۔ جو جملہ کرّہ جات کے اجزاء کو بکھرنے، پھٹنے نہیں دیتی۔ اور پھر وہ الگ الگ قوتیں ہیں جو الگ الگ اجرامِ فلکی کو الگ الگ اپنے اپنے مدار پر محوِ گردش رکھتی ہیں۔ یہی ہے اِن ملائکہ کا یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ، کہ وہ اپنے اپنے مندرجہ بالا الگ الگ عمل کیساتھ اجرامِ فلکی کو پھٹنے نہیں دیتیں اور اِسطرح زمین پر بسنے والے جانداروں کی حفاظت کرنے پر مامور ہیں۔

۹ سورۂ مدثر میں ضابطۂ ربوبیّت کے منکر سربراہِ ریاست کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ ۷۴ / ۱۸ تا ۲۵ = اُس نے تفکر کیا اور اندازہ (یعنی قانون) مقرر کیا۔ پس اُسے اللہ کی مار اُس نے کیسا (ناہموار اور غیر متوازن) قانون مقرر کیا۔ اُسے پھر خدا کی مار اُس نے کیسا (ربوبیّت کے خلاف ناہموار اور غیر متوازن) قانون مقرر کیا۔ اُس نے پھر (دوبارہ) ضابطۂ الٰہی پر غور کیا۔ پھر (اِس سے) تیوڑی چڑھائی اور منہ لبسورا۔ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔ پھر کہا کہ یہ (متوازن ربوبیّت کا نظریہ) جھوٹ ہے جو چلا آرہا ہے۔ نہیں ہے یہ قول (اللہ کا بلکہ) یہ قول ہے بشر کا (کہ معاشرہ کا قانون ہر کسی کیلئے متوازن ربوبیّت کا حامل ہونا چاہیئے)۔ اِسکے بعد ارشاد ہوا ہے:۔

• سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝ ۷۴ / ۲۶ تا ۳۱

(مفہوم) میں اُسے ضرور سقر (ناہموار معاشرہ) میں جلاؤنگا۔ اور کیا ہے وہ ذات جو اے رسُول آپکو بتاتی ہے کہ سقر کیا ہے۔ (سقر کی تعریف یہ ہے کہ) وہ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے (نہ زندہ نہ مُردہ) نوعِ بشر کو جھلس دینے والی۔ (یعنی ناہموار جہنمی معاشرہ، سقر میں رہنے والوں کی صلاحیتیں جھلس کر رہ جاتی ہیں) اُس سقر (جہنمی معاشرہ) پر اُنیس (نگران عمّال) ہوتے ہیں (جو اُنیس بیس کے ابلیسی چکّر میں پھنسے رہتے ہیں)۔ اور نہیں پایا[۱] ہم نے اہلِ نار (یعنی غیر متوازن معاشرہ کے نگران عمّال[۲]) کو مگر ملائکہ[۳] (یعنی ایک ہی نہج پر کام کرنیوالے[۴]) اور نہیں پایا ہم نے اُن (ناہموار معاشرۂ سقر کے خود غرض اور غافل عمّال) کی اُنیس کی گنتی مگر ضابطۂ ربوبیّت کا انکار کرنیوالوں کیلئے عذاب۔ تاکہ اُنیس بیس کے ابلیسی چکّر میں پھنسے ہُوؤں کی پریشانیوں کو دیکھ کر اہلِ کتاب یقین کرلیں (کہ نوعِ انسانی کی مشکلوں کا حل صرف نظامِ ربوبیّت ہے) اور مومنوں کے ایمان زیادہ ہو جائیں۔ نیز اہلِ کتاب اور مومن (عقیدۂ ربوبیّت میں) شک نہ لائیں۔ اور (ضابطۂ ربوبیّت کے منکر) جن کے ذہنوں میں نفاق کی بیماری ہے، یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ (اُنیس کی گنتی کی ضرب المثل بیان کرکے) کیا غلط

مثالشؔ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اِسیطرح گمراہ پاتا ہے (بعض کو) اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق، اور ہدائت یافتہ پاتا ہے (بعض کو) اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق۔ اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو (جو کائناتی قوانین سے غافلؔ ذاتی منفعت کے چکّر میں پھنسے ہُوؤں کیلئے آندھی اور سیلاب کی صورت میں عذاب لاتے ہیں، یعنی ہوا پانی وغیرہ کی مخفی قوتیں) مگر اُنہیں وہی جانتا ہے۔ اور نہیں ہے یہ (قانونِ مشیّت کا ہر گوشہ) مگر نوعِ بشر کیلئے ایک نصیحت وعبرت ہے۔ (تاکہ انفرادی منفعت کوشی کو چھوڑ کر لوگ اجتماعی نظامِ ربوبیّت کو اپنائیں)۔

• ع۱ جَعَلْنَا کا معنٰی لکھا گیا ہے (پایا ہمنے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اصحابِ نار نہیں بناتا۔ لوگ بُرے عملوں کیساتھ خود اصحابِ نار بنتے ہیں۔

• ع۲ نار یعنی غیر متوازن معاشرہ کی آگ، جو ذہنوں کو جلاتی ہے ۶-۱۰۴ میں بالفاظ ذیل مذکور ہے:۔ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ ۝ وہ اللہ کی قرار دی ہُوئی (لوگوں کی ناہموار معاشرہ کی خود اپنی) بھڑکائی ہُوئی آگ ہے، جو ذہنوں کو جلاتی ہے

• ع۳ یہاں اصحابِ نار سے مراد نار کے نگران یعنی جہنمی معاشرہ کے عمّال ہیں۔ چنانچہ یہاں تمام مترجمین نے اصحابِ نار کا معنٰی دوزخ کے داروغے ہی لکھا ہے۔

• ع۴ ملائکہ کا سہ حرفی مادہ م۔ل۔ک = ملک ہے جسکا بنیادی معنٰی ہے ایک ہی صفت کا ملکا ہونا۔ کائنات کی ہر قوت چونکہ ایک ہی قسم کے ملکے کے مطابق کام کرتی ہے اِسلئے ہر کائناتی قوت ملک ہے۔ ناہموار معاشرہ کے نگران (سربراہ اور اُسکا عملہ، عمّال) چونکہ ذاتی منفعت کوشی کی ایک ہی نہج پر کام کرتے چلے جاتے ہیں، خواہ غریب عوام بلک بلک کر اور سسک سسک کر مر رہے ہوں لیکن اُنکی منفعت کوشی کی روش میں مطلقًا کوئی فرق نہیں آتا۔ اِسلئے اُنکے اِس ایک ہی نہج پر کام کرتے چلے جانے کے مخصوص ملکے کے مطابق اُنہیں ملائکہ کہا گیا ہے۔

• ع۵ ناہموار معاشرہ کے نگران عمّال کی گنتی ۱۹ ضرب المثل کے طور پر بیان کیگئی ہے، جو مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا کے الفاظ سے عیاں ہے کہ یہاں ۱۹ کا عدد ضرب المثل کے طور پر آیا ہے اور یہی ضرب المثل ناہموار معاشرہ کی اساس وبنیاد ہے کہ جب کسی کے پاس ۱۹ روپے جمع ہوجائیں تو وہ مزید ایک روپیہ کے حصول کیلئے سرگرداں رہتا ہے تاکہ ۲۰ پورے ہوجائیں۔ اِسی طرح جب کسی کے پاس ۹۰ روپے جمع ہوجائیں تو مزید دس روپیہ کیساتھ اُنہیں ۱۰۰ بنانے کیلئے سرگرداں پھرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ایسے لوگ ۱۰۰ کو ہزار بنانے کی دُھن میں اور پھر ہزاروں لاکھوں کروڑوں کے بینک بیلنس میں تبدیل کرنے کے جنون میں پاگل ہُوئے رہتے ہیں۔ یہ ہے اُنیس کے چکّر کی ضرب المثل کی عملی صورت۔ جسے ننانوے کا پھیر بھی کہا جاتا ہے۔

• ع۶ جو معاشرہ ذاتی منفعت کوشی کی اساس پر قائم ہوتا ہے، اُسکے عمّال ذاتی جائیدادیں کھڑی کرنے کی فکر میں کائناتی قوانین سے غافل رہتے ہیں، جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لشکر جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، کبھی تو سیلاب کی صورت میں اُنکی ہزاروں بستیوں کو بہا کر لے جاتے ہیں اور کبھی آندھی اور زلزلے کی صورت میں تباہی مچا دیتے ہیں۔ لیکن جب کوئی ایسا عذاب گزر جاتا ہے تو اِس معاشرہ کے حکّام آئندہ کیلئے انسدادی اقدام کرنے کی بجائے پھر ذاتی نفع اندوزی اور سیاسی جوڑ توڑ میں مبتلا ہوجاتے ہیں

روائتی ملائکہ • اُوپر نو آیات کریمات میں حقیقت اور مجاز کے انداز میں بیان کیگئی کائناتی قوتوں (ملائکہ) کی قرآنی تفصیل بیان کیگئی ہے۔ لیکن اسکے برعکس ملائکہ کے متعلق روائتی تصور یہ ہے کہ وہ نور کی پیدائش ہیں اور ہر قسم کی شکلیں بدل لیتے ہیں یعنی بقولِ روایات کبھی تو کوئی ملک، نوجوان آدمی بنکر حضرت مریم کے پاس پہنچ جاتا ہے تاکہ معاذ اللہ معاذ اللہ پھونک مار کر انہیں حاملہ کر جائے۔ اور کبھی بقولِ روایات ہزاروں کی تعداد میں مسلح سپاہی بنکر میدانِ بدر میں مومنوں کی مدد کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن میدانِ اُحد میں انہی بدری مجاہدوں کیلئے ہرگز نہیں آتے۔ چنانچہ روائتی تصور کے مطابق میدانِ بدر میں صحابہ کو ہزارہا ملائکہ کی مدد کی بدولت فتح ہوتی ہے اور جنگ اُحد میں انکی مدد نہ آنے کی بدولت شکست ہو جاتی ہے افسوس ہے کہ اس روائتی تصور سے نہ صرف یہ کہ جنگِ بدر میں صحابہ کے عزم واستقلال کی نفی ہو جاتی ہے۔ بلکہ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ ۲/۲۴۹ کا الٰہی اعلان بھی غلط ثابت ہوتا ہے جسمیں کہا گیا ہے کہ: بارہا چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آتی ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کیساتھ ہے۔ یعنی، میدانِ بدر میں اگر تین ہزار یا پانچ ہزار ملائکہ سپاہی بنکر شریک جنگ ہوئے تھے تو چھوٹی اور کمزور جماعت، بڑی اور طاقتور جماعت پر غالب نہیں آئی تھی۔ بلکہ ملائکہ کی پانچ ہزار کی ایک کثیر جماعت غالب آئی تھی۔

• لیکن حقیقت حال اس آیت مجیدہ ۲/۲۴۹ کے آخری جملہ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ میں نمایاں کرکے فتح وشکست کا الٰہی قانون بتا دیا گیا ہے۔ کہ میدانِ جہاد میں ثابت قدم رہنے والے مجاہدوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت ونصرت نصیب ہوتی ہے چنانچہ جنگِ بدر میں ثابت قدمی ہی کا نتیجہ تھی فتح اور عدم ثبات قدمی کا نتیجہ تھی شکست، جنگِ اُحد میں۔

رجوع الی المطلب • اب پھر آیئے اپنے سبق کیطرف بسلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں، جنگِ بدر میں آنحضورؐ کی طرف سے صحابہ کی ہمت افزائی اور اللہ کی مدد کو انکے لئے خوشخبری اور باعثِ تسکینِ قلوب قرار دیا گیا اور موجب ثبات قدمی بتایا گیا ہے:-

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ
اور نہیں ٹھہرایا اسے اللہ نے مگر خوشخبری اسلئے تمہارے اور تاکہ مطمئن ہو

قُلُوبُكُم بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ
اذہان تمہارے ساتھ اسکے۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے

الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ ۱۲۶
غالب حکمت والے سے

اور نہیں ٹھہرایا اللہ نے (نبی کیطرف سے صحابہ کی ہمت افزائی کو) مگر بشارتؑ تمہارے لئے۔ اور تاکہ مطمئن رہیں اذہان تمہارے ساتھ اس خوشخبری کے۔ اور نہیں ہے مدد مگر اس اللہ کیطرف سے ہے (اسکے قانون کے مطابق ۶/۱۲۷ + ۲۲/۴۰) جو غالب حکمتؑ والا ہے۔ (پس جنگ میں بھی غلبہ حکمت ہی کیساتھ میسر آتا ہے)۔

• عـلـہ جنگِ بدر میں کائناتی قوتوں کی مدد کو فتح کی خوشخبری سورہ انفال میں بھی بتایا گیا ہے:- وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۸/۱۰ = اور نہیں ٹھہرایا اللہ نے اسے مگر صرف خوشخبری۔ اور تاکہ اس خوشخبری کیساتھ تمہارے قلوب مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ کیطرف سے اسکے قانون کے مطابق آتی ہے۔

بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (پس سوچ لو کہ غلبہ حکمت یعنی دانائی ہی کیسا تھ حاصل ہوتا ہے)

● چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں میدانِ جنگ کی حکمت بتائی گئی ہے کہ دشمن کے لشکر کی ایک طرف کو کاٹ دیا جائے تاکہ وہ کمزور ہو جائے:-

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْ يَكْبِتَهُمْ
تاکہ کاٹ دے ایک طرف کے کافروں کو اور یا انہیں ہلاک کردے

فَيَنقَلِبُوا۟ خَآئِبِينَ ۝ ۱۲۷
پھر وہ لوٹ جائیں شکست خوردہ

(یہ خوشخبری اور حوصلہ افزائی اسلئے تھی کہ مجاہدوں کے ہاتھوں) اللہ تعالیٰ میدانِ جنگ میں ایک طرف کے کافروں (منکرین ربوبیت) کو دوسری طرف کے کافروں سے قطع کردے یعنی انہیں کمزور کردے[علے]۔ پھر اسطرح وہ سب کے سب شکست کھا کر واپس لوٹ جائیں۔

● علے یکبتھم میں آمدہ مادہ ک۔ب۔ت ۔ کبت کا بنیادی معنیٰ ذلیل و خوار کرنا بھی ہے اور کمزور کرنا بھی۔ یہاں میدانِ جنگ کی مناسبت سے کافر فوج کے عین جگر میں گھس کر انہیں دو ٹکڑے کر دینا اور ایک طرف کو دوسری طرف سے قطع کرکے کمزور کرنا ہی صحیح معنیٰ ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مکّہ کے حملہ آوروں میں سے بعض، بعد میں مسلمان ہو گئے تھے چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَىْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ
نہیں ہے واسطے تیرے حکم میں سے کچھ۔ یا لوٹ آئے اُن پر (اللہ)

أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ ۝ ۱۲۸
یا عذاب کرے انہیں بیشک وہ ظالم ہیں

(اے رسول!) آپکے لئے ہمارے حکم میں سے کچھ نہیں ہے۔ (اللہ ہی انکے متعلق فیصلہ کریگا) کہ انہیں (توبہ کے بدلے) معاف کردے یا (سرکشی کے بدلے) عذاب کرے۔ بیشک (اس وقت) وہ سب ظالم ہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں وجہ بیان کیگئی ہے کہ حکم کے معاملہ میں خود آنحضورؐ تک کو بھی کیوں نہ دخل نہیں دیا گیا۔ حکم کا حق صرف کائنات کے مالک کا ہے:-

وَلِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن
اور واسطے اللہ ہی کے ہے جو بیچ آسمانوں اور بیچ زمین کے ہے۔ معاف کرتا ہے جسے

يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ
اپنی مشیت سے اور عذاب کرتا ہے جسے اپنی مشیت سے اور ہے اللہ بخشنے والا

رَّحِيمٌ ۝ ۱۲۹
مہربان

ع ۱۳ ۴

واسطے اللہ ہی کے ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے (لہٰذا کائنات میں حکم کا حق بھی اُسی کا ہے ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰): وہ جسے عذاب سے بچاتا ہے بچاتا ہے قانونِ مشیت کے مطابق[علے]۔ اور جسے عذاب کرتا ہے، عذاب کرتا ہے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق۔ (اس نے عذاب و ثواب کے الگ الگ قانون مقرر کر رکھے ہیں ۲/۲۸۴[علے۳])۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ وہ بچانیوالا مہربان ہے۔ (لوگ اپنے عملوں سے خود عذاب کے مستحق ہوتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کے بخشش و عذاب کے الگ الگ پیمانے ہیں

● ہمارے روایتی تراجم میں یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اور یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ کا یہ معنی لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بخشش و عذاب کا کوئی قانون نہیں۔ وہ ایک لاابالی ہستی ہے جی میں آیا تو گنہگار کو بے توبہ بخش دیا اور جی میں آیا تو نیکوکار کو موردِ عذاب قرار دیدیا۔ برادرانِ عزیز! مَنۡ یَّشَآءُ کے الفاظ میں مشیتِ الٰہی کا ذکر ہے جس کے متعلق سورہ بقرہ کی آیت ذیل میں آیت بالا ہی کے الفاظ آئے ہیں لیکن اُس میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بخشش و عذاب کے الگ الگ پیمانے مقرر کر رکھے ہیں :-

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡهُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝ ۲/۲۸۴ = واسطے اللہ ہی کے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (لہٰذا آسمانوں اور زمین میں حکم کا حق بھی اُسی کا ہے) اور جو کچھ تمہارے ذہنوں میں چھپا ہوا ہے اگر تم اُسے ظاہر کرتے ہو یا اُسے چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے چھپے اعمال کا بھی حساب لیگا۔ پھر (ٹھیک ٹھیک حساب لینے کے بعد) جسے عذاب سے بچائیگا تو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق بچائیگا اور جسے عذاب کریگا، اُسے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی عذاب کریگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشش و عذاب سمیت ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ میں لفظ قدیر مادہ قدر سے ہے جسکا معنی ہے ٹھیک ٹھیک اندازے پیمانے اور قوانین مقرر کرنا، اور کُلِّ شَیۡءٍ کی قید سے ثابت ہے کہ اُس نے بخشش و عذاب کے بھی قوانین مقرر کر رکھے ہیں جن کے خلاف نہ وہ بخشش کرتا ہے نہ عذاب۔

● دیکھئے! اِس آیت مجیدہ میں بخشش و عذاب کو پہلے نمبر پر اعمال کے حساب کیساتھ مشروط کیا گیا ہے اور اسکے بعد اعلانِ عام کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بخشش و عذاب سمیت ہر چیز کے قوانین مقرر کر رکھے ہیں۔ جو فرد یا قوم دنیا اور آخرت میں بخشش کی مستحق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے مقررہ قوانینِ بخشش کے مطابق ہی ہوتی ہے اور جو عذاب کی مستحق ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قوانینِ عذاب کے مطابق ہی مستحق ہوتی ہے۔

نظامِ ربوبیتِ عامہ

● صفحہ ۹۹ پر ہم آیت نمبر ۳/۱۱۸ کے ترجمہ میں لکھ آئے ہیں کہ غیروں (یعنی ربوبیتِ عامہ کے منکروں) کو رازدار نہ بناؤ۔ صفحہ ۱۰۱ پر آیت نمبر ۱۲۱ کی تمہیدی سطور میں بھی مخالفینِ رسالت کو ربوبیتِ عامہ کے منکر لکھا گیا ہے۔ نیز صفحہ ۱۰۹ پر آیت نمبر ۱۲۳ میں میدانِ بدر میں آنحضورؐ کے مدِّمقابل آنیوالے کافروں کو بھی منکرینِ ربوبیتِ عامہ ہی لکھا گیا ہے۔ کافر کا معنی عام طور پر اللہ کا منکر لیا جاتا ہے لیکن آنحضورؐ کے مدِّمقابل اللہ کے منکر نہیں تھے بلکہ ربوبیتِ عامہ کے منکر تھے۔ کیونکہ انکا اللہ تعالیٰ پر ایمان کا ثبوت تو آیتِ ذیل میں موجود ہے :-

وَاِذۡ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنۡ کَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِکَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۝ ۸/۳۲ = اور جب اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے اللہ اگر یہ قرآن سچا ہے تیری طرف سے (اور ہم اس پر ایمان نہیں لاتے) تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا اور یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ لہٰذا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ نظامِ ربوبیتِ عامہ کے منکر تھے۔ معاشی طبقات کو اللہ تعالیٰ کا نظام جانتے تھے۔ ہم مسلسل لکھتے چلے آرہے ہیں کہ جملہ انبیاء کیطرح آنحضورؐ کا مشن بھی

نظامِ ربوبیّتِ عامہ کا قیام تھا۔ چنانچہ جنگِ بدر کے ذکر کے بعد اور جنگ جہاد کے باقی مسائل سے قبل سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں نظامِ ربوبیّت کے بدترین دشمن سُودی نظام کی تردید کرتے ہُوئے مومنوں پر واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ جنگ کیوں برپا ہُوئی ہے۔ کیوں انسانی جانوں کا ضیاع کیا گیا؟ اور کیوں انسانی خُون بہایا گیا ہے؟ صرف نظامِ ربوبیّت کے قیام کیلئے اور سُودی نظام کو مٹانے کیلئے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا
اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ کھاؤ سود دُگنا
مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ ۱۳۰
دُگنا اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

اے ایمان والو! مت کھاؤ سود (جو اصلذر سے بھی) دُگنا ہو جاتا ہے[1] (اور پھر اس سے بھی) دُگنا ہو جاتا ہے[2] اور اللہ تعالیٰ (کے قانونِ ربوبیّتِ عامہ[3] کی مخالفت سے) بچو تاکہ تم (زندگی کے ہر گوشے میں) کامیاب ہو جاؤ۔

وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۚ ۱۳۱
اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے

اور (سُودی نظام کی) اُس آگ سے[4] بچو جو نظامِ ربوبیّت کا انکار کرنیوالوں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

● ۱-۲ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کے الفاظ میں سُودی نظام کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ شیطانی نظام شیطان کی آنت کی طرح اتنا لمبا ہوتا چلا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص سود خوار سے ایک سو روپیہ سُود پر لے تو سُود کی صورت میں سَو روپیہ ادا کر چکنے کے باوجود سَو روپیہ اصلذر باقی چلا آ رہا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ دو صد روپیہ سُود ادا کر چکنے پر بھی قرضدار کی جان نہیں چھوٹتی حالانکہ وہ اصل رقم ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ ادا کر چکا ہوتا ہے۔ نیز اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کا دوسرا مفہوم سود در سود بھی ہے کہ اگر قرضدار بیچارہ ایک سال یا دو سال کا سود ادا نہیں کر سکا تو سود خوار سود کی رقم کو اصلذر میں جمع کر لیتا ہے اور اسکے بعد اصلذر کیساتھ ساتھ سود پر بھی سود شمار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

● نکتہ ۳ واضح رہے کہ جو معاشرہ سُودی نظام کی اساس پر چل رہا ہو اُس میں ہمیشہ عدم اطمینان کی حالت طاری رہتی ہے۔ جس فرد کو انتہائی کامیاب خیال کیا جاتا ہو۔ اگر اُسکے اندر بھی جھانک کر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی غیر مطمئن ہے اور اپنے آپ کو ناکامیاب ہی مانتا ہے۔ اسی حقیقت کو وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کے الفاظ میں اُجاگر کیا گیا ہے کہ فوز و فلاح اور کامیابی کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو اور سُودی نظام کو ختم کرکے صدقاتی نظام جاری کرو۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں کھلے لفظوں میں ارشاد ہُوا ہے۔ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ۲/۲۷۶ = اللہ تعالیٰ سُود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ یعنی یہ حکم دیتا ہے کہ ضرورتمندوں کی ضرورتیں سُودی نظام کیساتھ نہیں بلکہ صدقاتی نظام کیساتھ پُوری کی جایا کریں۔ جبتک صحیح قرآنی معاشرہ قائم نہیں ہوتا اُسوقت تک ضرورتمندوں کو صدقاتی فنڈ بیت المال میں سے بلا سود قرضہ دیا جائے، جسے وہ انتہائی آسان قسطوں میں ادا کر دیا کریں۔

● نکتہ ۴ جو لوگ سُودی نظام پر بضد ہوں اُنہیں وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ کے الفاظ میں تنبیہ کیا گیا ہے کہ سُودی نظام ایک ایسی آگ ہے جو صدقاتی نظامِ ربوبیّت کے منکروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ سودی معاشرے میں اس چیز کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے کہ جو شخص آج سُود لے رہا ہے، کل خود سود دینے پر مجبور ہو جائیگا۔ آج وہ بیچارے ضرورتمندوں کا خون

چوس رہا ہے تو کل کو اسکا خون چوسا جائیگا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں سودی نظام کے ترک کرنے کو اللہ و رسول کی اطاعت بتایا، اور تکرار "تاکیدی کیساتھ اسی کو کامیابی کا زینہ قرار دیا ہے :۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۱۳۲
اور اطاعت کرو اللہ کی بذریعہ اسکے رسول کے تاکہ تم رحم کیئے جاؤ

اور اطاعت کرو اللہ کی اسکے رسول کے ذریعہ[1] (جو اسکا نازل کردہ ضابطہ تمہارے پاس لایا ہے) تاکہ تم سب کے سب رحم کیئے جاؤ

● علہ واؤ بمعنی کے ذریعہ، کیلئے دیکھیئے دیباچہ کا صفحہ ۵

● دیکھیئے! آیاتِ بالا میں سود سے اجتناب کے حکم کیساتھ ہی اللہ کی یعنی اسکے رسول (کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات) کی اطاعت کے عین متصل حکم سے کھل کر عیاں ہو چکا، کہ اللہ اور اسکے رسول کے ذریعہ اسکے ضابطے کی اطاعت سودی نظام ترک کیئے بغیر ناممکن ہے۔

مغفرت یعنی بچاؤ کی صحیح صورت

● واضح رہے کہ سود خوار انسانی ہمدردی سے مطلقاً کورا ہوتا ہے۔ جذبۂ اخوت اس میں نام تک کو بھی باقی نہیں ہوتا۔ اسلئے سودی نظام میں معاشرہ کے مصائب سے بچاؤ کی صورت نہیں ہوتی۔ اگلی آئت مجیدہ میں اسی کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
اور دوڑو طرف بچاؤ کے، طرف سے اپنے رب کی اور طرف جنت کے
عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ
کہ نمایاں ہونا اسکا آسمانوں اور زمین کی مانند ہے - وہ تیار کیگئی ہے
لِلْمُتَّقِيْنَ ۱۳۳
واسطے بچنے والوں کے

اور دوڑ کر آؤ طرف بچاؤ[1] کے جو تمہارے رب کیطرف سے ہے اور دوڑ کر آؤ طرف جنت[2] کے کہ اسکا (جنت کی حیثیت سے نمایاں ہونا) مانند نمایاں ہونے[3] آسمانوں اور زمین کے ہے۔ (وہ جنت) تیار کیگئی ہے اُن لوگوں کیلئے جو (سودی نظام سمیت ہر مفر نظام کی برائیوں سے) بچنے والے ہیں[4]۔

● علہ لفظ مغفرت کا سہ حرفی مادہ غ۔ ف۔ ر = غفر ہے۔ جسکا بنیادی مصدری معنی ہے بچانا اور چھپا لینا۔ اسطرح مغفرت کا معنیٰ ہے بچاؤ۔ دنیا کے غلط معاشرہ کے شر سے بچنا مغفرت ہے۔ اور دوسری زندگی میں مغفرت سے مراد ہے اخروی ناکامی و نامرادی سے بچ جانا۔ اور یہ بچاؤ (مغفرت) نہ دنیا میں بلا سعی و کوشش، یعنی بلا اعمال صالح ہوتا ہے اور نہ دوسری زندگی میں اس زندگی کے اعمال صالح کے بغیر میسر آئیگا۔ پس سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ کا معنیٰ یہ ہے کہ دوڑ دوڑ کر اور بھاگ بھاگ کر ایسے اعمال بجا لاؤ جن کا نتیجہ اس دنیا کی زندگی میں خطرات سے بچاؤ ہوا اور اخروی زندگی میں کامیابی۔

● علہ۲ جنت کی تعریف سورہ طٰہٰ میں بالفاظ ذیل آئی ہے :۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ ۲۰ / ۱۱۸-۱۱۹ = اے نوعِ انسانی بیشک نہ تو اس میں بھوکا رہیگا نہ ننگا۔ اور بیشک تو اس میں نہ پیاسا ہوگا اور نہ دھوپ میں جلیگا (یعنی تو جنت میں بے مکان نہیں ہوگا)۔ پس اس آیۂ مبارکہ کے مطابق دنیا کا وہ معاشرہ جس میں ہر فردِ انسانی کو خوراک لباس اور مکان حسب ضرورت بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ باقاعدہ اور مسلسل میسر آئے وہ جنت ہے۔ نیز اخروی جنت کی تعریف بھی بالکل یہی ہے کہ

اُس میں کوئی فردِ واحد بھی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں ہوگا۔

● عہ۳ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ میں لفظ عرض کا معنٰی روائتی تفاسیر میں یہ درج ہے کہ اُخروی جنت اتنی وسیع ہوگی کہ اُسکا عرض یعنی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہوگی۔ لفظ عرض کا معنٰی چوڑائی بھی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہاں عرض معنٰی چوڑائی نہیں۔ بلکہ عرض معنٰی سامنے ہونا اور نمایاں ہونا ہے۔ سورہ ہود میں آیا ہے:۔ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ ۱۱/۱۸ = اور وُہ اپنے رب کے حضور حاضر کئے جائینگے۔ سامنے لائے جائینگے۔ پیش کئے جائینگے۔ آئتِ زیرِ بحث میں صدقاتی نظام کو جو سُودی نظام کی ضد ہے جنّتی نظام کہا گیا ہے۔ اور اعلان کیا گیا ہے کہ ربوبیّتِ عامہ کی اساس پر قائم ہونیوالے معاشرہ کا جنّت ہونا اسطرح نمایاں ہے جسطرح آسمان اور زمین نمایاں ہیں یعنی جس معاشرہ میں نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا۔ اور نہ پیاسا ہو نہ بے مکان، وُہی تو جنّت ہے ۲۰/۱۱۸-۱۱۹

● عہ۴ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ دُنیا کا جنّتی معاشرہ ہو یا اُخروی جنّت، بُرے نظاموں اور بُرے عملوں سے خود بچنے کا نتیجہ ہوگی۔ صرف آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت یا اسماءِ الٰہی کے وِرد وظائف سے ہرگز میسّر نہیں آئیگی۔ متّقین کا معنٰی ہے خود بچنے والے۔ یعنی ایسے اعمال بجالانیوالے جن کا لازمی نتیجہ دُنیا کے مصائب سے بچاؤ اور حفاظت ہو۔ اوراِن اعمال میں سرِفہرست ہے نظامِ ربوبیّت کے قیام اور سُودی نظام کے دفعیّہ کیلئے مال خرچ کرنا۔ چنانچہ متّقین کی تعریف بیان کرتے ہوئے اگلی آئت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وہ لوگ خرچ کرتے ہیں۔ بیچ خوشی کے اور تکلیف کے وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اور وہ ضبط کرنیوالے ہیں غصّے کو اور معاف کرنیوالے ہیں لوگوں کو وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۱۳۴ اور اللہ ہے پسند کرتا احسان کرنیوالوں کو	(متّقین) وہ لوگ ہیں جو (بچاؤ حاصل کرنے کیلئے) مال خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی۔عہ۱ اور وہ لوگ غصّے کو ضبط کرنیوالے ہیں۔عہ۲ اور وہ اُن لوگوں کو معاف کرنیوالے ہیں (جو جُرم کرنے کے بعد توبہ کرکے اپنی اصلاح کریں۔عہ۳) اور اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو معاشرہ میں توازُن پیدا کرنیوالے ہیں۔عہ۴

● عہ۱ نوعِ انسانی کی عمومی عادت یہ ہے کہ خوشی اور راحت کے وقت میں مال مست ہوکر رہ جاتے ہیں اور مال کیساتھ اتنی محبّت ہوتی ہے کہ ایک پیسہ بھی عوامی فلاح اور معاشرہ کی اصلاح کیلئے خرچ نہیں کرتے۔ مگر جب خطرے کا وقت آئے تو تھوڑا بہت مال خرچ کرنے کیلئے تیار ہوجاتے ہیں لیکن آئتِ بالا میں متّقین کی صفت یہ بیان کیگئی ہے کہ وہ حصولِ بچاؤ کیلئے یعنی دفاعی ضروریات اور معاشرہ کی خرابیوں کی اصلاح کیلئے خوشی اور خطرہ ہر وقت پر مسلسل مال خرچ کرتے چلے جاتے ہیں۔

● عہ۲ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ۔ غصّہ ایسی بُری چیز ہے جو بنتے بنائے کام کو آنِ واحد میں بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ لیکن وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ کے الفاظ میں متّقین یعنی بچاؤ حاصل کرنیوالوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ غصّے پر ہمیشہ قابو پائے رہتے ہیں۔ نہ غصّے میں بے قابو ہوتے ہیں اور نہ بنا بنایا کام بگاڑ کر کوئی نیا خطرہ مول لیتے ہیں۔ اِسی عنوان کو ذیل کے حکم میں

باندازِ ذیل بیان فرمایا ہے:۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ۲۳/۹۶ = اے رسول! (اگر کوئی شخص آپ کیساتھ بداخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہے تو) آپ احسن طریقے سے اُسکا دفاع فرمائیں۔ وقتی طور پر غصّے کو ضبط کرکے اپنے آپکو قابو میں رکھنا وقتی طور پر دفاع کی بہترین صورت ہے متّقین اِس صفت کے حامل اور اِس پر پُوری طرح عامل ہوتے ہیں۔

● ۳۳ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ بھی غصّے پر ضبط کی ایک احسن صورت ہے۔ مثلاً بھائی بیٹے یا بیوی سے کوئی غلطی ہوجائے تو اس غلطی پر بھائی باپ یا شوہر کو جو غصّہ آتا ہے۔ اگر اُس غصّے پر کنٹرول کیا جائے تو غلطی کرنیوالا غلطی پر نادم ہو کر معافی کا خواستگار ہوتا ہے اور حالات فوراً معمول پر آجاتے ہیں لیکن اسکے برعکس اگر غصّے پر قابو نہ پایا جائے اور فریقِ متقابل کو مسلسل کوسنے چلے جائیں، حتّٰی کہ وہ معافی کا طلبگار ہو رہا ہو مگر اِدھر مُنہ سے جھاگ جاری ہو، تو بھائی بیٹا یا بیوی اُس ادب احترام تک کو بھول جاتے ہیں جسے وہ کبھی بھی ترک کرنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ اِسلئے متّقین کی ایک شان یہ بیان کیگئی ہے کہ وہ غصّے پر قابو پائے رہتے ہیں اور جن سے غلطی ہو جائے اگر وہ غلطی پر نادم ہوں تو فوراً معاف کر دیتے ہیں۔

● معافی کا الٰہی قانون یہ ہے:۔ اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًۢا بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۶/۵۴ = بیشک شان یہ ہے کہ تم میں جو کوئی نادانستہ طور پر غلطی کرے پھر اگر توبہ کرکے اصلاح کرلے تو اللہ تعالیٰ بچاؤ دینے والا (معاف کرنیوالا) مہربان ہے۔ واضح رہے کہ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ سے یہ مطلب اخذ کرنا مطلقاً غلط ہے کہ ہر عادی مجرم کو معاف کرتے چلے جانا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ۶/۵۴ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ معافی وہ لوگ ہیں جو نادانستہ طور پر غلطی کریں (بِجَھَالَۃٍ)۔ لیکن جو لوگ عادی مجرم ہوں جن کا روزمرّہ کا دستور ہو کم تولنا، ملاوٹ کرنا اور جیبیں کاٹنا وغیرہ ایسے لوگ چونکہ نادانستہ غلطی کے زمرہ سے خارج ہیں اِسلئے وہ معافی کے دائرہ سے بھی خارج ہیں۔

● ۳۴ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے، اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو معاشرہ میں توازن پیدا کرتے ہیں۔ یعنی مُحسنین کا معنیٰ لکھا گیا ہے توازن پیدا کرنیوالے مُحسنین کا لفظی ترجمہ ہے حُسن پیدا کرنیوالے۔ احسان پیدا کرنے والے۔ حُسن اور احسان ایک ہی مادہ ح۔س۔ن سے مشتق ہیں۔ اِس مادہ کا بنیادی معنیٰ ہے کسی چیز کا اپنی حیثیت میں ہر لحاظ سے متوازن ہونا۔ نہ ضرورت سے بڑی۔ نہ ضرورت سے چھوٹی۔ نہ ضرورت سے کم نہ ضرورت سے زیادہ۔ چنانچہ حَسِین اُسے کہا جاتا ہے جسکے جملہ اعضاء متوازن ہوں نہ بڑے نہ چھوٹے، نہ کم نہ زیادہ۔ مُحسنین کا لفظ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگوں کیلئے آیا ہے یہ ہے لفظ کا معنیٰ، اپنے مادہ کے بنیادی معنوں کی رُو سے ہے۔ آیتِ مجیدہ کے سیاق و سباق کے مطابق سُودی نظام کے ردّ کے ذکر میں آنے کی بدولت اِسکے سوا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں پسند کرتا ہے جو سُودی نظام جیسے غیر متوازن معاشرہ کی بجائے صدقاتی اور ربوبیّت بدوش نظام قائم کرکے معاشرہ کے ایک ایک گوشے کو متوازن کرنیوالے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں متّقین کے متعلق یہ خبر دیگئی ہے کہ ہونے کو وہ بھی بشر ہیں۔ سہو و خطا سے مبرّا نہیں ہوتے۔ لیکن اگر اُن سے کوئی غلطی ہوجائے تو اللہ کی نصیحت کو یاد کرتے ہیں۔ اور تائب ہو کر فوراً باز آجاتے ہیں اور اُس غلطی پر اصرار ہرگز نہیں کرتے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا

اور وہ لوگ جب کرتے ہیں کوئی گناہ یعنی اگر ظلم کریں

اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ

جانوں اپنی پر تو یاد کرتے ہیں اللہ کو پھر بچاؤ طلب کرتے ہیں اپنے گناہوں سے

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا

اور کون ہے بچاؤ دینا گناہوں سے سوائے اللہ کے۔ اور وہ ہرگز نہیں کرتے اصرار

عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۳۵

اوپر اسکے جو کیا انہوں نے اور وہ جانتے ہیں

اور (متقی) وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کریں کوئی گناہ یعنی جب اپنی جانوں پر (گناہ کے ذریعہ) ظلم کر بیٹھیں تو (جلدی ہی $\frac{۱}{۲۷}$) اللہ (کی نصیحت) کو یاد کرتے ہیں۔ پھر (توبہ اور اپنی اصلاح کیساتھ $\frac{۶}{۴۵}$) اپنے گناہوں (کی سزا) سے بچاؤ طلب کرتے ہیں اور کون ہے سوائے اللہ کے جو گناہوں (کی سزا) سے بچاؤ دینے والا ہے۔ اور وہ (متقی لوگ گناہ کرنے (اور توبہ و اصلاح کرنے) کے بعد ہرگز اُن افعال پر اصرار نہیں کرتے (یعنی اُنکا ہرگز اعادہ نہیں کرتے جن سے تائب ہوئے تھے) اور وہ جانتے ہیں (کہ توبہ کے بعد گناہ کا اعادہ کرنے سے توبہ مردود ہو جاتی ہے)

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

یہی لوگ ہیں کہ اُن کی جزا ہے بچاؤ طرف سے اُنکے رب کے

وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اور باغات کہ چلتی ہیں نیچے اُنکے سے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہیں

فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ ۱۳۶

بیچ اُنکے۔ اور اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا

یہی وہ لوگ ہیں کہ (اُنکی توبہ اور اصلاح کے بدلے) اُنکی جزا اُنکے رب کیطرف سے گناہ کی سزا سے بچاؤ ہے۔ اور ایسے باغات ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ (ایسے لوگ جن سے اگر قصور ہو جائے تو اُسے تسلیم کر لیں) وہ ان باغات، جنّتی معاشرہ میں ہمیشہ رہینگے[۱]۔ اور حقیقت حال یہی ہے کہ اچھا اجر اچھے عمل کرنیوالوں ہی کیلئے ہے۔

● [۱] خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کا ایک مفہوم تو ہے اُخروی جنّت میں اُسوقت تک رہنا، جبتک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں $\frac{۱۱}{۱۰۸،۱۰۷}$ اور دُوسرا مفہوم ہے دُنیوی جنّت یعنی متوازن معاشرہ میں اُسوقت تک رہنے کا کہ جبتک اُس معاشرہ کے حکّام خصوصًا، اور عوام عمومًا غلطی کرنے کے بعد اُسکا اعتراف کریں اور توبہ کے بعد ہرگز ہرگز اصرار نہ کریں۔ بالفاظ دیگر جس ریاست کے حکّام غلطی کا اعتراف کریں اور آئندہ کیلئے اُس سے کنارہ کش رہیں تو اُنکی حکومت کا تختہ ہرگز نہیں اُلٹایا جاتا۔ اُن پر لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی حالت طاری رہتی ہے اور اُنہیں اپنی حفاظت کیلئے باڈی گارڈز بھی نہیں رکھنے پڑتے۔ اِسکے برعکس جو لوگ حکومت کو باوا کی جاگیر قرار دیکر من مانیاں کرتے ہیں، وہ بے خوف نہیں ہوتے ہیں کہیں جانا ہو تو باڈی گارڈز کے بغیر قدم نہیں اُٹھا سکتے اور ایسے لوگوں کی حکومتوں کے تختے آئے دن اُلٹائے جاتے رہتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ایسے ہی ربوبیّت عامہ کے منکرین کے آثار زمین میں چل پھر کر دیکھنے اور عبرت حاصل کرنیکا حکم دیا گیا ہے:-

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

بیشک گزر گئے پہلے تم سے بہت زمانے پس سیر کرو بیچ زمین کے

(اے مخاطبین!) تم سے پہلے بہت سے زمانوں کے لوگ گزر گئے ہیں۔ پس تم (عبرت حاصل کرنے کیلئے) زمین میں سیر کرو پھر

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ۱۳۷

پھر دیکھو کیا ہوا تھا انجام جھٹلانے والوں کا

بنظرِ تعمق غور کرو کہ جو لوگ (نظامِ ربوبیت کو) جھٹلانے والے تھے، اُنکا کیا بُرا انجام ہوا تھا۔[علہ]

● علہ جھٹلانیوالوں کے بُرے انجام سے عبرت حاصل کرنا تقاضائے عقل بھی ہے اور حکمِ باری بھی یعنی حکم دیا گیا ہے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ نظامِ ربوبیت کے منکروں کا کیا حال ہوا تھا یعنی جن حکام نے عوامی حقوقِ ربوبیت کا انکار کر کے عوام کے حقوق غصب کئے اور صرف اپنی عیش کیلئے سر بفلک محلات تعمیر کرتے چلے گئے۔ اُنکا یہ حال ہوا، کہ آرامگاہوں اور شاہ نشینوں کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ قوم کو بھی تباہ کر گئے اور آج اُنکے سر بفلک محلات میں بھی اُلّو بول رہے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ مضمون لوگوں کیلئے وضاحت، ہدایت اور نصیحت ہے:-

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ۱۳۸

یہ بیان ہے واسطے لوگوں کے اور ہے ہدایت و نصیحت واسطے بچنے والوں کے

یہ ہے حقیقت جو لوگوں کیلئے کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہے اور ہدایت اور نصیحت (کا سامان ہے)، اُن لوگوں کیلئے جو ہر قسم کے خطرات سے (عملاً)[علہ] بچنا چاہتے ہیں۔

● علہ کون ہے جو خطرات سے بچنا نہ چاہتا ہو۔ لیکن مسلمانوں میں صدیوں کی روش یہ چل رہی ہے کہ زبانی زبانی دعاؤں کیساتھ تو ہر قسم کے خطرات سے بچاؤ طلب کرتے ہیں لیکن عمل کیطرف معمولی توجہ تک دینا اُن کے شعار سے خارج ہے۔ لیکن واضح رہے کہ مولوی اور پیر حضرات سے دعائیں منگوانے اور خود اونچی آواز میں آمین آمین کہتے چلے جانے سے نہ خطرات ٹل سکتے ہیں اور نہ ہی صرف دعائیں اور اونچی آمین سے مغفرت یعنی بچاؤ اور حفاظت میسر آتی ہے۔ پیچھے سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۱۳۶ میں اللہ تعالیٰ کا اعلان گزر چکا ہے نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ اچھا بدلہ عمل کرنیوالوں کا حصّہ ہے۔ نیز اگلی آیت مجیدہ میں بھی صرف دعاؤں اور اونچی آمین کا نہیں بلکہ کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ ہر کام کو اُسکے وقت پر کرنا۔ نہ سستی کرنا اور نہ غم کھانا۔ ہر غم تمہاری سستی ہی کا نتیجہ ہوگا۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۳۹

اور نہ کرنا سستی اور نہ کھانا غم۔ اور تم ہی ہو گے غالب اگر ہو تم ماننے والے

اور (ایمان کے دعویدارو! ہر کام کو اُسکے وقت پر کیا کرو۔ اس میں)، نہ تم سستی کیا کرو۔ اور نہ (اپنی سستی کے بدلے میں) غم کھایا کرو۔ تم ہی[علہ] غالب ہو گے اگر (تم ہمارے اس حکم کے) ماننے والے ہو۔[علہ]

● علہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کے جملے میں اَنْتُمْ ضمیر مقدم نے حصر کا فائدہ دیا ہے اسلئے اسکا معنٰی لکھا گیا ہے "تم ہی غالب ہو گے"۔

● علہ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے جملے میں غلبہ مشروط کر دیا گیا ہے مومنین کیساتھ۔ مومنین مومن کی جمع ہے۔ اور معنٰی ہے ایمان لانیوالے، حکم ماننے والے۔ اور قریب ترین مذکور ہے حکم امتناہی لَا تَهِنُوْا کا جس کی خلاف ورزی کا لازمی نتیجہ بتایا گیا ہے غم میں مبتلا ہونا۔ اسلئے قریب ترین حکم امتناہی کے مطابق لکھا گیا ہے کہ اگر تم ہمارے اس حکم کے ماننے والے ہو کہ ہر کام کو اُسکے وقت

پر کرنے میں سُستی نہ کرو گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ نیز اس آیت مجیدہ میں ایک ٹھوس قرآنی حقیقت کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ غم میں مبتلا ہونا خود اپنی سُستی ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ربطِ کلام کے مطابق اگلی آیت مجیدہ میں جنگِ اُحد کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں صحابہ کو اُن کے بعض کی سُستی کی بدولت تکلیف پہنچی تھی:-

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ
اگر پہنچا تم کو زخم پس ضرور پہنچا قوم مخالف کو بھی
قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ
زخم مانند اسکے۔ اور مذکورہ دنوں کو ہم پھیرتے ہیں بیچ
النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
لوگوں کے۔ اور تاکہ ظاہر کرے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور ٹھہرائے تم میں سے
شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ ۱۴۰
گواہ۔ اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو

(ایمان والو!) اگر تمہیں (تمہاری سُستی کی بدولت مخالفوں کے ہاتھوں) زخمِ شکست پہنچا ہے تو بیشک اسی قوم کو ایسا ہی زخم (تمہارے ہاتھوں) پہنچا تھا۔ اور مذکورہ قسم کے دنوں کو ہم اپنے قانونِ فتح و شکست کے مطابق[1] پھیرتے رہتے ہیں۔ (جو قوم بھی سُستی کریگی، اُسے زخم کھانے ہی پڑینگے)۔ اور تاکہ اللہ مومنوں کو ظاہر کر دے[2] (کہ وہ تکلیف اُٹھانے کے بعد بھی ثابت قدم رہتے ہیں)۔ اور تاکہ تمہیں میں سے بعض کو گواہ ٹھہرائے[3]۔ (اس پر) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں (سُستی کرنیوالوں[4]) کو پسند نہیں کرتا۔

[1] فتح و شکست کے قانون کی وضاحت آیت نمبر ۱۶۵ کی تفسیر میں آگے آرہی ہے۔
[2] یَعْلَمَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے ظاہر کرے اللہ۔ فعل عَلِمَ یَعْلَمُ کا معنیٰ جاننا بھی ہے اور ظاہر کرنا بھی ہے۔ جب اس فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اسکا مصدری معنیٰ جاننا نہیں ہوتا، بلکہ ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ ثبوت آیت نمبر ۱۴۲ میں آگے آرہا ہے۔
[3] جن صحابہ کی سُستی کی بدولت شکست ہوئی تھی۔ وہ اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ شکست کا غم اپنی ہی سُستی کا نتیجہ ہوتا ہے۔
[4] یہاں ظٰلِمِیْن کا معنیٰ لکھا گیا ہے سُستی کرنیوالے۔ یہ اسلئے کہ ظلم کا لفظی معنیٰ ہے بے ٹھکانہ کام کرنا۔ اور واضح رہے کہ میدانِ جنگ میں اُس فرض سے جو سالارِ لشکر کی طرف سے کسی مجاہد کو سونپا گیا ہو سُستی کرنا بے ٹھکانہ کام ہے، ظلم ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اس تکلیف اور شکست کی بھٹی میں سے گزر کر خالص ترین سونا کندن ہو گئے اور کافروں کا خاتمہ کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ
اور تاکہ صاف کر دے اللہ اُن کو جو ایمان لائے اور مٹا دے
الْكَافِرِينَ ۝ ۱۴۱
کافروں کو

اور (یہ شکست ایک عبرت ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ پائے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں (شکست کی بھٹی سے گزرنے کے بعد) صاف[1] (کندن کیطرح) اور (اِن عبرت حاصل کرنیوالے صحابہ کے ہاتھوں) نیست و نابود[2] کر دے ربوبیّت عامہ کے منکروں کو[3]۔

[1] وَلِيُمَحِّصَ کا سہ حرفی مادہ م۔ح۔ص = محص ہے۔ جسکا بنیادی معنیٰ ہے آگ میں ڈالکر صاف کرنا۔ مَحَصَ الذَّهَبَ بِالنَّارِ کا معنیٰ ہے سونے کو آگ میں ڈالکر اور اُسے تپا کر ہر قسم کے میل کچیل سے صاف کر کے کندن بنا دیا۔
[2] یَمْحَقَ کا سہ حرفی مادہ ہے م۔ح۔ق = محق۔ اس مادہ کا بنیادی معنیٰ ہے مٹا دینا نیست و نابود کر دینا۔ مَحَقَ ماضی

کا معنی ہے مٹا دیا۔ محو کر دیا۔ ہلاک کر دیا۔ فناء کر دیا۔ ختم کر دیا۔

۳۱ کفرین کی وضاحت پہلے بھی کی جا چکی ہے کہ سلسلۂ مضمون میں سیاق و سباق کے مطابق کافر وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ضابطۂ ربوبیّت عامہ کا انکار کرتے ہیں۔ آنحضورؐ اور صحابہؓ کے مدمقابلین کے متعلق ۸/۳۲ میں خبر دی گئی ہے کہ اُنہوں نے کہا تھا، اے اللہ اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے اور ہم اس حق پر ایمان نہیں لائے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ تفصیل صفحہ ۱۱۱ پر گزر چکی ہے۔ المختصر آنحضورؐ کا اور آپکے صحابہؓ کا قوم سے اختلاف ذاتِ باری کے متعلق صرف اتنا تھا کہ وہ اللہ کیساتھ اُسکی صفات میں اپنے بزرگوں کو شریک کرتے تھے ۱۷/۴۶ + ۳۹/۴۵ اور ربوبیّت عامہ کے منکر تھے۔ اگلی آیت مجیدہ میں صحابہؓ پر واضح کیا گیا ہے کہ قیامِ ربوبیّت کی مہم کوئی آسان راہ نہیں بلکہ انتہائی صبر آزما کٹھن منزل ہے:-

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا
کیا گمان کیا تم نے کہ داخل ہو گے جنت میں اور ابھی نہیں
يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ
ظاہر کیا اللہ نے اُن لوگوں کو کہ جہاد کیا تم میں سے اور نہیں ظاہر کیا
الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۱۴۲
ثابت قدم رہنے والوں کو

(اے جماعتِ صحابہ) کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے (یعنی وہ متوازن معاشرہ یونہی قائم ہو جائیگا جسمیں ہر ایک کے حقوقِ ربوبیت محفوظ ہوں) حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے اُنکو ظاہر نہیں کیا جو اسکے لئے کوشش کرتے ہیں اور ابھی ظاہر نہیں کیا اُنکو جو (اس راہِ پُرخار میں پیش آنیوالے) مصائب کا مقابلہ سینہ تان کر کرتے ہیں۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں صحابہؓ کے پاکیزہ جذبات کی خبر دی گئی ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جان تک دینے کے متمنی تھے:-

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ
اور بے شک تھے تم تمنا کرتے موت کی پہلے اس کے کہ
تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ
تم نے ملاقات کی اُس سے۔ پس تم نے دیکھا اُسے اور تھے تم
تَنْظُرُوْنَ ۝ ۱۴۳
دیکھتے

ع ۱۴ ۵

اور بیشک تم (میدانِ جنگ میں) موت کیساتھ ٹکرانے سے پہلے (اللہ کی راہ میں) موت کی تمنا کرتے تھے۔ پس تم نے اُسے (میدانِ جنگ میں) دیکھ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم (اللہ کی راہ میں جان دینے کا موقع میسّر آنے کے منتظر تھے۔

• عنه واؤ بمعنی اظہارِ حقیقت کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۸۵

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں واضح کیا گیا ہے کہ متوازن معاشرہ قائم کرنے کیلئے انتھک محنت کرنا ہوگی۔ اگر خود رسولِ اکرمؐ یعنی تحریکِ ربوبیّت عامہ کے داعی فوت بھی ہو جائیں تو پھر بھی اس مہم کو آگے چلانا ہوگا۔ اگر تم بددل ہو گئے تو اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے:-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
اور نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسول بیشک گزر گئے اُن سے پہلے
الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ
بہت رسول ۔ کیا پھر اگر وہ مرجائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم مڑجاؤ گے اپنی ایڑیوں پہ
وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ
اور جو کوئی مڑجائے اپنی دونوں ایڑیوں پہ پس ہرگز نہیں ضرر دیگا اللہ کو کچھ
وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۞ ۱۴۴
اور ضرور جزا دیگا اللہ شکر کرنیوالوں کو

اور (اے جماعتِ صحابہ) نہیں ہیں محمدؐ مگر صرف اللہ کا پیغام پہنچانے والے ہیں ۔ بلاشبہ اُن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں (یہ بھی گزر جائیں گے) کیا پھر اگر وہ مرجائیں یا (بفرضِ محال) قتل کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر مڑجاؤ گے (یعنی اپنے سابقہ باطل دین میں چلے جاؤ گے)؟ اور (یاد رکھو کہ) جو کوئی مڑجائے اپنی دونوں ایڑیوں پر (یعنی اپنے سابقہ باطل دین میں لوٹ جائے) تو وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیگا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھرپور محنت کرنیوالوں کو ضرور پورا پورا بدلہ دیتا ہے ۔

• ۱ اَفَائِنْ میں آمدہ گول نشان والا الف زائدہ ہے جو پڑھا نہیں جاتا ۔ کلام میں زور پیدا کرتا ہے ۔ یہاں اِن شرطیہ سے ماقبل آیا ہے شرط میں زور پیدا کیا ہے ۔ کہ آنحضورؐ نے فوت تو ضرور ہو جانا ہے ۔ ایسے الف زائدہ ۳/۱۴۴ ۳/۱۵۸ ۷/۱۰۳ ۵/۲۹ ۹/۴۷ ۱۱/۹۸ ۱۳/۳۰ ۱۸/۱۴ ۱۸/۲۳ ۲۷/۲۱ ۳۰/۳۹ ۳۷/۶۸ ۲۷/۴ ۲۷/۲۱ ۴۹/۱۱ ۵۹/۱۳ ۴۶/۴ ۴۷/۱۵-۱۶ میں بھی آئے ہیں ۔
• ۲ قرآنی لغت میں قتل کا معنیٰ لڑائی بھی ہے ۔ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۲/۱۹۱ کے الفاظ میں قتل بمعنی لڑائی ہے ۔ اور اسطرح اَوْ قُتِلَ کا معنیٰ یہ بھی ہے کہ "یا اسکے خلاف لڑائی چھڑ جائے" تو کیا تم لڑائی کے خوف سے دینِ اللہ سے پھر جاؤ گے ۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ ۵/۶۷ کے مطابق آنحضورؐ لوگوں سے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھے ۔
• ۳ انقلاب علیٰ اعقاب عربی زبان کا محاورہ ہے جس کا معنیٰ ہے سابقہ مذہب میں لوٹ جانا ۔
• ۴ واؤ بمعنی اظہارِ حقیقت کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۸۵ ۔
• ۵ مضارع پر سَ داخل ہو تو حال اور تاکید کے معنے بھی دیتا ہے تفصیل کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۹۴ ۔
• شکرین کا معنیٰ ہے حصولِ مطلب کیلئے بھرپور محنت کرنیوالے ثبوت کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۳
• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ربطِ کلام کے مطابق کہ جب آیت نمبر ۱۴۴ میں موت کا ذکر آیا ہے اسلئے موت کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ
اور نہیں ہے اسلئے کسی شخص کیلئے کہ مرجائے مگر مطابق قانونِ اللہ کے
كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ
لکھے ہوئے مقررہ کے ۔ اور جو کوئی ارادہ کرے فائدہ دنیا کا ہم اسے دیں گے
مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ
اُس سے ۔ اور جو کوئی ارادہ کرے فائدہ آخرت کا دیں گے ہم اسے اس سے

اور کسی شخص (مومن) کو یہ لائق نہیں کہ وہ مرجائے (یعنی خود اپنی جان ختم کرلے ، خودکشی وغیرہ کے ذریعہ یوش سے عاری ہو کر طبعی موت سے پہلے پہلے) مگر اللہ کے قانون کے مطابق (اللہ کی راہ میں موت حاصل کرے ۔ اللہ کی راہ میں مرنے کے احکام قرآن مجید میں) لکھے ہوئے ہیں ۔ اور جو کوئی ارادہ کرے فائدہ دنیا کا ، اُسے ہم اُس میں سے دینگے ۔ اور جو کوئی ارادہ کرے فائدہ آخرت کا تو

وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۰ ۱۴۵

اور ضرور بدلہ دیتا ہے اللہ بھرپور کوشش کرنیوالوں کو | دینگے ہم اُسکو اُس میں سے۔ اور ضرور ضرور اللہ تعالیٰ بھرپور محنت کرنیوالوں کو (بھرپور محنت کا) پُورا پُورا بدلہ دیتا ہے۔

• ملہ بِاِذْنِ اللّٰہ کے جملے میں ہے با بمعنی کیساتھ۔ اِسکے قرآنی ثبوت کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۹۲ اور اِذن کا معنیٰ ہے قانون۔ اِسکے قرآنی ثبوت کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۵۔

• ملہ ۳ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا میں کِتٰبًا مصدر مفعول مطلق ہے اور مُؤَجَّلًا اسکی صفت ہے۔ اور مطلب ہے کُتِبَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے حکم کے مطابق (جب کفار کیساتھ جنگ شروع ہو جائے) تو اِس مقرّرہ وقت پر مومنوں کیلئے اللہ کی راہ میں مرنا (جانی قربانی دینا) فرض کیا گیا ہے۔ یہ تو ہے کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا کا صحیح معنیٰ لیکن روائتی تراجم میں اسکا معنیٰ لیا گیا ہے موت کا لکھا ہوا وقت۔ اور اِس سے تصور یہ قائم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کی موت کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ مگر قرآن مجید میں بعض جگہ کِتٰبًا کا معنیٰ کسی شرط کیساتھ مشروط کر کے مقرر کیا ہوا بھی ہے۔ سورہ مائدہ میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے قوم سے کہا يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۵/۲۱ = اے میری قوم اُس ارضِ مقدس میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اِس لفظی ترجمہ کے مطابق اِس حکم کیساتھ ہی ارضِ مقدس کا بنی اسرائیل کیلئے لکھے جانے کا تصوّر سامنے آتا ہے۔ لیکن بنی اسرائیل نے کہا کہ اِس زمین میں ایک جابر قوم رہتی ہے جبتک وہ اُس میں سے نکل نہ جائے اُسوقت تک ہم اُس میں داخل نہیں ہونگے۔ اسکے جواب میں حضرتؑ نے فرمایا کہ تم ایک مرتبہ اُس زمین میں داخل ہو جاؤ تو تم غالب آجاؤگے لیکن بنی اسرائیل نہ مانے اور ارضِ مقدس میں داخل نہ ہوئے۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ وہی زمین جو بنی اسرائیل کیلئے لکھ دی گئی تھی اُن پر چالیس سال کیلئے حرام کر دیگئی۔ ۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۵/۲۶ = فرمایا کہ اب وہ زمین اُن پر چالیس سال کیلئے حرام کر دیگئی ہے۔

• دیکھئے! آیتِ بالا سے کھُل کر عیاں ہو چکا ہے، کہ وہی ارضِ مقدس جس کیلئے كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے الفاظ آئے ہیں بنی اسرائیل کی بزدلی کی بدولت اُن پر چالیس سال کیلئے حرام کر دیگئی تھی۔ لہذا ثابت ہوا کہ كَتَبَ اللّٰهُ مشروط تھا۔ اگر بنی اسرائیل ارضِ مقدس میں داخل ہو جاتے تو وہ زمین اُنکے لئے لکھ دی جاتی۔ لیکن جب اُنہوں نے بزدلی دکھائی تو وہی زمین اُن پر چالیس سال کیلئے حرام کر دیگئی۔ بس یہی حال ہے کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا کی ایک صورت کا کہ یہ عام حالات میں مشروط ہے کہ اگر کسی شخص کی موت کے اسباب مہیا ہو جائیں تو اسبابِ موت کے اثرات کے انتہائی وقت پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ مثلاً بس کے حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں بیک وقت درجنوں افراد۔ لیکن اُن میں سے بعض تو بال بال بچ جاتے ہیں بعض موقعہ ہی پر ہلاک ہو جاتے ہیں، بعض ہسپتال میں پہنچکر دم توڑ دیتے ہیں اور بعض کو کئی دن کے بعد موت آتی ہے۔ یہ سب کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا کی تفسیر ہوتے ہیں کہ جن پر موت کے اسباب وارد ہی نہیں ہوتے، یعنی حادثے کے وقت کسی اوٹ میں آجاتے ہیں، تو وہ بال بال بچ جاتے ہیں۔ اور جن پر موت کے اسباب کا شدید ورود ہوتا ہے وہ موقعہ پر ہی ہلاک ہو جاتے ہیں، اور جن پر موت کے اسباب چند گھنٹے یا چند دن کے بعد پورے وارد ہوتے ہیں وہ چند گھنٹوں یا چند دِنوں کے بعد مر جاتے ہیں۔ اجل کا ایک معنیٰ ہے غائتِ وقت، انتہاءِ وقت۔ لہذا موت کے ضمن میں کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا کا مفہوم

ہے موت کی انتہاءِ وقت۔ پس موت کے مختلف اسباب حادثہ، بیماری، آگ، پانی، آندھی، تیز دھار کی ضرب یا بندوق کے فائر وغیرہ کے ذریعہ جب اسبابِ موت کے اثرات کا انتہائی وقت آتا ہے تو موت کا واقعہ ہونا اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا قانون ہے۔ یہ روائتی تصور غلط ہے کہ ہر شخص کی موت کا وقت اور سبب خود اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہوا ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص کی موت کا ایک قاتل کے ہاتھوں واقع ہونا خود اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہوا ہو تو قاتل کو انعام ملنا چاہیئے نہ کہ سزائے موت ۔۔ پس صحیح قرآنی تصور یہ ہے کہ موت کیلئے اللہ تعالیٰ نے مشروط قانون مقرر کر رکھے ہیں۔ قانونِ الٰہی کے مطابق موت کے اسباب میں سے جب کوئی سبب وارد ہوتا ہے تو اُسکے انتہائی اثرات کے وقت پر اُسوقت موت واقع ہوتی ہے جب اسبابِ زندگی میں سے کوئی سبب باقی نہیں رہتا۔

• ملک جو شخص صرف دُنیا کی زندگی کیلئے کوشاں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق اسکی محنت کا پھل اُسے بھی دیتا رہتا ہے اور جو شخص اُخروی زندگی کو نگاہوں میں رکھکر ربوبیّتِ عامہ کو مطمع نظر قرار دیتا، اور اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق اُسے بھی اُسکا حصّہ عطا کرتا ہے لیکن چونکہ ربوبیّتِ عامہ کو زندگی کی اساس مقرر کرنا انتہائی کٹھن منزل ہے۔ جس کیلئے انتہائی مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔ اسلئے اگلی آیت مجیدہ میں صحابہؓ کی حوصلہ افزائی کیلئے سابقہ انبیاءکے صحابیوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ

اور کتنے ہی نبی ہوئے کہ قتال کیا ساتھ انکے ربّانی بہت سوں نے

فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا

پھر نہ ہوئے وہ سست اُس سے جو پہنچا انہیں بیچ راہ اللہ کے اور نہ ہوئے کمزور

وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۱۴۶

اور نہ جھک گئے۔ اور اللہ پسند کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں کو۔

اور (دلے صحابہؓ) کتنے ہی نبی ہوئے کہ اُنکے ساتھ ملکر قتال کیا بہت سے ربّانیوں (اُنکے صحابیوںؓ) نے پھر جو تکلیفیں اُنہیں اللہ کی راہ میں پہنچیں اُن سے نہ وہ سست ہوئے نہ کمزور اور نہ ہی ہمت ہار بیٹھے۔ (یہ لوگ تھے صٰبرین یعنی مشکلوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنیوالے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ سابقہ انبیاء کے مذکورہ بالا قسم کے مستقل مزاج اور ثابت قدم صحابی یہ دُعا کرتے تھے:۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا

اور نہیں تھا قول انکا مگر یہ کہ کہتے تھے اے رب ہمارے

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ

چھپالے واسطے ہمارے قصور ہمارے۔ اور زیادتیاں ہماری بیچ کام ہمارے کے اور

ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۱۴۷

مضبوط رکھ قدم ہمارے اور مدد کر ہماری مقابلے قوم کافروں کے

اور نہیں تھا اُن کا قول سوائے اِسکے کہ کہا اُنہوں نے اے رب ہمارے چھپالے ہماری تدبیری کوتاہیوں کو (جن کے ہم مرتکب ہوگئے) اور ہماری زیادتیوں کو جو ہم سے ہمارے کام میں واقع ہوئیں اور ثابت قدم رکھیو ہمیں تو مقابلے پر اِس قوم کے جو (نظامِ ربوبیّتِ عامہ کا) انکار کرنیوالی ہے۔

● اِس سے اگلی آیت میں سابقہ نبیوں کے صحابیوں کی انتھک محنت کے ثمر کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں دنیا اور آخرت کی کامیابی عطا فرمائی ؎۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ
پھر عطا کیا اُنہیں اللہ نے فائدہ دُنیا کا اور بہتر فائدہ
الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ؑ ۱۴۸ ع ۱۵
آخرت کا۔ اور اللہ پسند کرتا ہے توازن قائم کرنیوالوں کو

پھر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اُنکی (انتھک محنت کے بدلے میں) (اِس) دُنیا کا فائدہ بھی عطا فرمایا۔ اُنہیں آزاد حکومت میسّر آئی ؑ اور بہتر فائدہ عطا کرتا ہے آخرت کا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں پسند کرتا ہے جو (اقتدار ملنے پر) معاشرہ میں توازن قائم کرنیوالے ہیں ؑ۔

ثَوَابَ الدُّنیا کا معنٰی ہے آزاد حکومت

● ؑ یہاں ثواب الدنیا کا غیر مبہم مفہوم ہے آزاد اسلامی حکومت۔ کیونکہ جن صحابہؓ کی حوصلہ افزائی کیلئے سابقہ انبیاء کے صحابیوں کی انتھک محنت کا ذکر کیا جا رہا ہے، اُنہیں آزاد قرآنی حکومت خلافت علیٰ منہاج النبوۃ عطا کیگئی تھی ۲۲/۴۱ + ۲۴/۵۵

● ؑ چنانچہ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ کے الفاظ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو حکومت ملنے کے بعد یعنی رزق کے سرچشموں پر قابض ہونے کے بعد معاشرہ میں حُسن و توازن قائم کرتے ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں صحابہؓ کو تنبیہ کیا گیا ہے کہ اگر تم نے ضابطہ الٰہی کے منکروں کی اطاعت کی تو وہ تمہیں تمہارے سابقہ باطل دین کی طرف لوٹا دینگے۔ تمہاری محنت ناکام ہو جائیگی اور تم خسارہ پانیوالے ہو جاؤ گے ؎۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ
اے وہ جو ایمان لائے ہو اگر تم نے اطاعت کی اُنکی جنہوں
كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا
نے انکار کیا۔ وہ تمہیں لوٹا دینگے اوپر تمہاری ایڑیوں کے پھر پھر جاؤ گے تم
خٰسِرِيْنَ ۝ ۱۴۹
گھاٹا پانیوالے ہو کر

اے وہ لوگو! (جو ضابطہ الٰہی پر) ایمان لائے ہو۔ اگر تم نے اُن لوگوں کی اطاعت کی جنہوں نے ضابطہ الٰہی کا انکار کیا ہے تو وہ تمہیں تمہارے سابقہ باطل مذہب میں لوٹا لے جائینگے پھر اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری سب کوششیں رائیگاں جائینگی) اور تم لوٹ جاؤ گے گھاٹا پانیوالے ہو کر۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۱۵۰
بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ بہتر ہے مددگاروں کا

(کوئی اور تمہاری مدد نہیں کریگا) بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ سب مددگاروں سے بہتر مددگار ہے۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
ہم ضرور ڈالینگے بیچ اذہان اُنکے جو کافر ہوئے رعب تمہارا
بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ
اس سبب سے کہ اُنہوں نے شرک کیا ساتھ اللہ کے کہ نہیں نازل کی ساتھ اسکے

(اے ایمان والو!) ہم ضرور ضرور تمہارا رُعب ڈالدینگے اُنکے ذہنوں میں جنہوں نے ضابطہ الٰہی کا انکار کیا ہے۔ یہ اِسلئے کہ وہ اللہ کیساتھ شرک کرتے ہیں ؑ، جس کی کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کی۔ اور اِن شرک کرنیوالوں کا ٹھکانہ آگ (یعنی

سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ وَبِئْسَ مَثْوَى
کوئی دلیل ۔ اور اُنکا ٹھکانہ آگ ہے ۔ اور بُرا ہے ٹھکانہ
الظّٰلِمِيْنَ ○ ۱۵۱
ظالموں کا

شکست کا جنم) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن بے ٹھکانہ کام (یعنی شرک) کرنیوالوں کا ٹھکانہ بہت ہی بُرا ہے۔

• مشرک چونکہ اپنے متوفی بزرگوں کی جھوٹی مدد پر بھروسہ رکھتے ہیں خود کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ اور مومن چونکہ ۶۰ کے قرآنی حکم وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ کے مطابق قوت تیار کرتے ہیں۔ اسلئے کافروں پر مومنوں کا رعب پڑنا لازمی امر ہے۔
• اِس سے آگے پھر اُسی جنگ کیطرف رُخ کیا گیا ہے، جسکا ذکر آیت نمبر ۱۲۲ میں آیا ہے، جس میں کچھ صحابہؓ سے وقتی غلطی سرزد ہوئی تھی:۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ
اور بیشک سچا کیا تمہارے لئے اللہ نے وعدہ اپنا جب تم قتل کرتے تھے انہیں
بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ
ساتھ حکم اسکے۔ تا آنکہ جب کمزوری دکھائی تمنے اور جھگڑنے بیچ فرض اپنے کے اور نافرمانی کی
مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۗ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا
پیچھے اسکے جو دیکھا تمنے وہ جس سے محبت کرتے ہو تم میں سے جو ارادہ کرتا ہے دُنیا کا
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ
اور تم میں سے جو ارادہ کرتا ہے آخرت کا۔ پھر پھیر دیا تم کو اُن سے
لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ
تاکہ تمہیں ظاہر کرے! اور بیشک معاف کیا اللہ نے تمہیں اور ہے اللہ صاحب فضل
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ۱۵۲
اُوپر مومنوں کے

اور بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنا (فتح کا) وعدہ تم پر اُسوقت پورا کردیا جب تم اُنہیں (یعنی ربوبیت عامہ کے منکروں کو) اللہ کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔ تا آنکہ جب کمزوری دکھائی تمنے (یعنی تمہارے کچھ افراد نے) اور جو فریضہ تمہارے سپرد ہوا تھا اُس میں تمنے (یعنی تمہارے کچھ افراد نے) جھگڑا کیا۔ اور نافرمانی کی تمنے (اپنے کمانڈر ہمارے رسول کی) اس فتح کے دیکھنے کے بعد جسے تم پسند کرتے ہو۔ تم میں سے وہ ہیں جنہوں نے دُنیا کا ارادہ کیا (یعنی مالِ غنیمت جمع کرنے کا) اور تم میں سے وہ ہیں جنہوں نے ارادہ کیا بہتر انجام کا۔ پھر اللہ نے تمہیں پھیر دیا اُن سے، تاکہ تمہیں ظاہر کردے (کہ تمہاری اپنی غلطی سے فتح شکست میں تبدیل ہوگئی) اور بیشک اللہ نے معاف کیا تم کو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر صاحبِ فضل ہے (یعنی مومنوں، صحابۂ رسول پر اپنے فضل و رحمت کی بارشیں برسانے والا ہے۔

معافی کا عام اعلان

• مذکورہ بالا جنگ میں جن صحابہؓ سے غلطی سرزد ہوئی اُنکے متعلق وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کے الفاظ میں عام معافی کا اعلان کیا گیا ہے۔ اور وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ میں اُنہیں مومنین کہکر وضاحت کردیگئی ہے کہ وہ منافق نہیں تھے۔

غزوۂ فشل یعنی جنگِ اُحد کی تفصیل

• آیت بالا میں اُس جنگ کی تفصیل پیش کیگئی ہے جو جنگِ اُحد کے نام سے معروف ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے اسے غزوۂ فشل کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اِس میں صحابہ کی ایک

جماعت کی اُس کمزوری کا تذکرہ ہے جو فَشِلْتُمْ کے الفاظ میں بیان ہُوا ہے جس کی بدولت صحابہؓ کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی تھی۔ حَتّٰٓی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک جماعت کو آنحضورؐ نے ایک مخصوص اہم جنگی مقام پر متعین فرمایا تھا۔ لیکن جب صحابہؓ نے دشمنوں کو قتل کرنا شروع کیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو اُس جماعت نے سمجھا کہ اب فتح ہوگئی ہے اِسلئے اُس جماعت کے ایک حصّے نے اُس مقام کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا مگر دوسرے حصّے نے اُن کے ساتھ اتفاق نہ کیا۔ اور اُنکا باہمی تنازعہ ہُوا وَتَنَازَعْتُمْ۔ لیکن باہمی فیصلہ اُس مقام کو چھوڑ دینے کا ٹھہرا۔ حتّٰی کہ اُس مقام کو چھوڑ دیا گیا۔ اُنکے اِس فعل کو قرآنِ کریم نے عَصَیْتُمْ کے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ تم نے اپنے سالارِ لشکر کی نافرمانی کی۔ اور نتیجہ یہ ہُوا کہ اُسی مقام سے جب وہ غیر محفوظ ہوگیا تو دشمن نے اچانک حملہ کرکے صحابہؓ کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا۔ اور ایسی بھاگڑ مچی کہ کچھ صحابی میدان چھوڑ کر پہاڑی پر چڑھ گئے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ
جب تم چڑھے جارہے تھے اور نہیں دیکھتے تھے مڑ کر کسی ایک کو اور ہمارا رسول

یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ فَاَثَابَکُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّکَیْلَا
بُلاتا تھا تمکو پیچھے تمہارے۔ پھر پہنچایا تمکو غم ساتھ غم کے۔ تاکہ نہ

تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا مَآ اَصَابَکُمْ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌ
تم کھاؤ تم اوپر اسکے جو کھویا تم نے اور نہ جو پہنچا تمکو۔ اور بیشک اللہ خبردار

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۵۳
ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو

(اے جماعتِ صحابہؓ) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تم (تمہارے بعض پہاڑی پر) چڑھے جارہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے۔ حالانکہ ہمارا رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے بُلاتا تھا۔ پھر تمہاری کمزوری کی بدولت پہنچایا (اللہ نے) تمہیں غم کے بعد غم۔ (ہمارا رسول اسلئے تمہیں بلاتا تھا) تاکہ تم اُس پر غم نہ کرو جو مصیبت تم پر (تمہاری اپنی غلطی کی بدولت) آئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ پُورا پُورا باخبر ہے اُس سے جو تم عمل کرتے ہو۔

● جب آنحضورؐ نے صحابہؓ کو پیچھے سے بلایا تو اُس حیات افروز آواز کا صحابہؓ پر کیا اثر ہُوا؟ اِسکا جواب اگلی آیت مجیدہ میں دیا گیا ہے:-

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَۃً
پھر نازل کیا اوپر تمہارے پیچھے غم کے امن،

نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآئِفَۃً مِّنْکُمْ وَطَآئِفَۃٌ قَدْ
نیند کہ ڈھانپا اُس نے ایک گروہ تمہارے کو۔ اور تھا ایک گروہ بیشک

اَھَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ
پست ہمت کر دیا تھا اُنہیں اُنکے نفسوں نے۔ گمان کرتے تھے ساتھ اللہ کے خلافِ حق

ظَنَّ الْجَاھِلِیَّۃِ ......
گمان جاہلیّت کا

پھر اللہ نے تم پر غم کے بعد امن نازل کیا۔ (دشمن میدان چھوڑ کر واپس چلا گیا اور تم واپس میدان میں لَوٹ آئے) تم میں سے (اُس) ایک گروہ پر نیند غالب آئی (جسے جنگ کی محنت شاقہ نے چُور کر دیا تھا) اور تمہارا ایک گروہ وہ تھا کہ اُنہیں اُنکے نفسِ امارہ نے پست ہمت کر دیا تھا۔ اور وہ اللہ کے متعلق جاہلیت کے زمانے کا غلط گمان کرنے لگے تھے (کہ اللہ اُنکی مدد نہیں کریگا۔ اور دشمن اُنہیں نیست و نابود کر دیگا لیکن اللہ نے اِسطرح اُنکی مدد فرمائی کہ دشمن فتح کو برقرار نہ رکھ سکا اور فوراً واپس لوٹ گیا)۔

..... يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ
اُنہوں نے کہا کیا ہے واسطے ہمارے فیصلہ جنگ میں کچھ۔ کہدے بیشک
الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا
فیصلہ سارے کا سارا ہے واسطے اللہ کے۔ چھپاتے تھے بیچ ذہنوں اپنوں کے جو نہیں
يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ
ظاہر کرتے تھے واسطے تیرے اُنہوں نے کہا کاش کہ ہوتا واسطے ہمارے فیصلے میں سے
شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ
کچھ تو نہ قتل ہوتے ہم یہاں۔ کہدے اگر رہتے تم بیچ گھروں اپنوں کے
لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ
تو ضرور نکل آتے وہ لوگ کہ فرض کیا گیا اوپر انکے لڑنا، طرف اپنے بستروں کے
وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي
اور تاکہ ظاہر کرے اللہ جو ہے بیچ اذہان تمہارے کے اور تاکہ خالص کرے جو ہے بیچ
قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۱۵۴
ذہنوں تمہارے کے! اور ہے اللہ خوب جاننے والا جو کچھ ہے ذہنوں میں

اُنہوں نے کہا کاش کہ جنگ کرنے یا نہ کرنے کے فیصلے میں ہمارا کوئی حصہ ہوتا کہدیجیگا (اے رسولؐ!) فیصلے کا حق پورے کا پورا اللہ کیلئے ہے۔ (اُس نے شوریٰ کا حکم دیا ہے ۳/۱۵۹ شوریٰ میں جنگ کرنے کے متفقہ فیصلے پر عمل کرنا لازم ہے)۔ وہ (کمزور ایمان والے) اپنے ذہنوں میں وہ کچھ چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر جنگ کرنے یا نہ کرنے کے فیصلے میں ہمارا کوئی حصہ ہوتا تو آج یہاں ہم (یعنی ہمارے ساتھی اسطرح بیدردی کیساتھ) قتل نہ ہوتے۔ کہدیجیگا کہ اگر تم اپنے گھروں میں رہتے تو بھی وہ مومن جن پر لڑائی فرض کیگئی تھی (وہ جو جنگ کے پتھریلے میدان کو راحت بخش بستر جانتے ہیں) وہ ضرور اپنے ان بستروں (میدانِ جنگ) کیطرف نکل آتے۔ اور یہ اسلئے تاکہ ظاہر کرے اللہ جو کچھ تمہارے ذہنوں میں (دور جہالت کا غلط گمان) ہے اور تاکہ کندن کرے تمہارے ایمان کو جو تمہارے اذہان میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذہنوں[1] کی مخفی چیزوں تک کو خوب خوب جاننے والا ہے۔

● [1] قلوب قلب کی جمع ہے۔ قلب کا معنیٰ دماغ اور ذہن ہے، دل نہیں۔ کیونکہ اچھے یا بُرے خیالات ذہن میں ہوتے ہیں دل میں نہیں ہوتے۔ دل تو جسم میں خون پہنچانے کا صرف ایک پمپ ہے

عام معافی کے اعلان کا تکرار

● اِس سے اسی آیت مجیدہ میں اُن صحابہؓ کیلئے جن سے غزوۂ اُحد میں غلطی ہوئی تھی عام معافی کے اعلان کا تکرار کیا گیا ہے۔ تاکہ اہلِ اسلام کی آنیوالی نسلیں اِن صحابہؓ پر زبانِ طعن دراز کرنے کی جرأت نہ کر سکیں:-

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ
بیشک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تم میں سے جس دن ٹکرائیں دو جماعتیں
إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ
سوائے اسکے نہیں کہ بہکایا انہیں شیطان (نفس) نے بوجہ بعض عمل کے جو انہوں نے کیا
وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۱۵۵
اور بیشک درگزر کیا اللہ نے اُن سے بیشک اللہ ہے معاف کرنیوالا بُردبار
ع

(اے جماعت صحابہؓ) بیشک تم میں سے جو لوگ (جنگِ اُحد میں) پیٹھ پھیر گئے تھے اُس دن جب دو فوجیں آپس میں ٹکرائی تھیں سوا اسکے نہیں ہے کہ (انہیں اُنکی اپنی غلطی کے باعث) جو کسب اُنہوں نے خود کیا تھا، شیطان (یعنی اُنکے اپنے نفسِ امّارہ) نے بہکا دیا تھا۔ اور (چونکہ اُنکی خطا بلا ارادہ تھی اسلئے) اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بالتحقیق معاف کر دیا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا بُردبار ہے۔

منافق تو غزوۂ فشل (جنگِ اُحد) میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے

● غزوۂ فشل میں غلطی کرنیوالے صحابہؓ کیلئے عام معافی کے تکرار کے بعد جماعت مومنین کو ہدایت کیگئی ہے کہ تم اُن لوگوں یعنی منافقوں کی مانند نہ ہو جانا جو اس جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے :۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ ہونا تم اُن لوگوں کیطرح کہ انکار
وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا
کیا اور کہا متعلق اپنے بھائیوں کے جب جہاد کے سفر پر نکلے یا ہوئے وہ
غُزًّی لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ
لڑائی کرنیوالے۔ اگر رہتے ہمارے پاس نہ مرتے اور نہ مارے جاتے: تاکہ ٹھہرائے
اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ
اللہ اُسے حسرت بیچ اذہان اُنکے! اور ہے اللہ زندگی دینے اور موت دینے والا
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ ۱۵۶
اور ہے اللہ ساتھ اُسکے جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ ہو جانا تم مانند اُن (منافقوں) کی جنہوں نے (جہاد فی سبیل اللہ سے) انکار کیا۔ (یعنی گھر بیٹھ رہے) اور اُنہوں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہ جب اُنہوں نے جہاد کیلئے سفر اختیار کیا یا وہ اللہ کی راہ میں لڑنیوالے ہوئے تو کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو مارے نہ جاتے اور نہ قتل کئے جاتے۔ (ایمانِ والِاتم آہنی عزم و استقلال کیساتھ جہاد کرتے رہنا) تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری کامیابی کے ذریعہ منکروں کے ذہنوں میں ٹھہرائے دائمی حسرت و افسوس (کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں شکست ہوا کرے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے (اپنے قانون کے مطابق ہی) زندگی دینے والا اور موت دینے والا۔ اور جو بھی عمل تم بجا لاتے ہو وہ اُنہیں خوب دیکھنے والا ہے

● اِس آیتِ مجیدہ سے ثابت ہے کہ غزوہ فشل (جنگ اُحد) میں کوئی منافق شامل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ جسطرح ہم جنگ میں شامل نہیں ہوئے، اگر یہ لوگ بھی ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے باقی مومنوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا ہے :۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ
اور البتہ اگر قتل ہو جاؤ تم بیچ راہ اللہ کے یا مر جاؤ تم،
لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا
البتہ مغفرت طرف اللہ سے اور رحمت بہتر ہے اُس سے جو
یَجْمَعُوْنَ ۝ ۱۵۷
وہ جمع کرتے ہیں

اور (ایمان والو!) بیشک اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کئے جاؤ یا (میدانِ جہاد یا سفرِ جہاد میں طبعی موت) مر جاؤ تو بلاشبہ (تمہارے اللہ کی راہ میں یعنی نظامِ ربوبیت کے قیام کی کوشش میں کام آنے سے تمہارے حصے کی) اللہ کیطرف سے مغفرت اور رحمت اُس مال سے بہتر ہے جو وہ (جہاد سے پیچھے رہنے والے منافق) جمع کرتے ہیں۔

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَی اللّٰهِ
اور البتہ اگر تم مر جاؤ یا قتل کئے جاؤ۔ ضرور طرف اللہ کے

اور (پھر سن لو کہ) اگر تم (اللہ کی راہ میں) مر جاؤ یا قتل کئے جاؤ (تو یہ نہ سمجھ لینا کہ تمہیں کوئی اجر نہیں ملیگا) بلاشبہ تم ضرور

تُحْشَرُوْنَ ۱۵۸ o
اکٹھے کیے جاؤ گے

ضرور اپنے اعمال کی بہتر جزا کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کو اکٹھے کیے جاؤ گے۔

• لَاْاِلَى اللهِ کے ابتدائی لام کیساتھ آمدہ گول نشان والا الف زائدہ ہے جو لکھا جاتا ہے پڑھا نہیں جاتا۔ کلام میں زور اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ (کلام میں زور پیدا کرنے کیلئے اور بھی بہت سے الف زائدہ آئے ہیں۔ دیکھئے صفحہ ۱۱۹ سطر ۱۰-۱۱)

کیا یہ صحابہ منافق تھے؟ العیاذ باللہ!

• اِس سے آگے یہ اہم مسئلہ آ رہا ہے کہ اُن صحابہؓ کے متعلق جو غزوۂ قتال (جنگ اُحد) میں پیٹھ دکھا گئے تھے، اور جن کیلئے اِس بنا پر کہ اُنکا یہ فعل اسلامی فوج کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہیں تھا، ایک سہو تھی، پیچھے آیت نمبر ۱۵۲ میں وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کے الفاظ میں معافی کا اعلان کیا گیا ہے اور پھر آیت نمبر ۱۵۵ میں وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ کے الفاظ میں اعلانِ معافی کا تکرار گزر چکا ہے، اُنہی صحابہؓ کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں خود رسولِ مقبول کو تاکید کیگئی ہے کہ آپ بھی اُنہیں معاف فرمائیں۔ اور صرف معاف ہی نہ فرمائیں بلکہ اُنہیں اپنی مجلسِ مشاورت میں شامل کر کے اپنی پاکیزہ کابینہ کا رُکن بنا کر اہم معاملات میں اُن سے مشورے کیا کریں۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ
پس ساتھ رحمت اللہ کی سے آپ نرم مزاج ہیں اُن کیلئے۔ اور اگر
كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ
ہوتے آپ تندخو سخت ذہن والے البتہ بھاگ جاتے آپکے پاس سے
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ
پس آپ بھی درگزر کریں اُن سے اور بچاؤ کا سامان کریں واسطے اُنکے اور مشورہ کریں ساتھ
فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ
بیچ معاملوں کے۔ پھر جب آپ کام کا ارادہ کریں تو بھروسہ کریں اللہ کے قانون پر، بیشک
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۱۵۹ o
اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اپنے قانون پر بھروسہ کرنیوالوں کو

پس (اے رسولؐ) اللہ کی رحمت سے آپ اِن (صحابہؓ) کے لئے نرم مزاج ہیں۔ (بالفرضِ محال) اگر آپ تندخو، سخت مزاج ہوتے تو (وہ مزاج کی تندی و سختی کو برداشت نہ کرتے ہوئے) آپکے پاس سے ضرور ضرور بھاگ جاتے۔ پس آپ بھی اُنہیں معاف فرمائیں۔ اور اُنکے لئے بچاؤ کے سامان کریں۔ اور اُن سے اہم معاملات میں مشورے فرمایا کریں (یعنی اُنہیں اپنی مجلسِ مشاورت کے رُکن بنالیں) پھر مشورہ کے بعد جو کام طے پا جائے) تو جب آپ اُس کام کا ارادہ کریں تو اللہ (کے قانون) پر[1] بھروسہ کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے (مقرر کردہ) قانون پر بھروسہ کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

• دیکھئے! جن صحابہؓ کو مجلسِ مشاورت کا رُکن بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا وہ منافق ہو سکتے ہیں؟۔ اِن صحابہؓ کو منافق کہنے والے حضرات آیتِ بالا کے الفاظ شَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ پر غور کر کے اپنے نظریہ اور عقیدہ پر نظرِ ثانی کی زحمت فرمائیں۔

• [1] توکل علی اللہ کا معنیٰ ہے اللہ کے قانون پر بھروسہ کرنا۔ توکل کا معنیٰ اِسی آیت کے الفاظ شَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ میں نمایاں کر دیا گیا ہے۔ کہ جب کسی مہم، کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے مجلسِ مشاورت کا بورڈ بٹھا کر معاملہ درپیش کے ہر پہلو پر نگاہ رکھتے ہوئے قانونِ الٰہی کے مطابق لائحہ عمل مرتب کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو پھر جب اُس کام کو شروع کیا جائیگا تو کیا طے شدہ لائحہ عمل کے

مطابق عمل کیا جائیگا یا اندھا دُھند اور بے سوچے سمجھے؟ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۳۔ المختصر! آنحضورؐ کے نام مذکورہ صحابہؓ کے متعلق ہدایات جاری کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں خود صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کے قانون پر بھروسہ کرکے اللہ کی مدد حاصل کرتے رہو۔

إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ
اگر مدد کرے تمہاری اللہ۔ تو نہیں کوئی غالب تم پر

وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ۗ
اور اگر وہ مدد چھوڑ دے تمہاری تو کون ہے جو مدد کرے تمہاری پیچھے اس کے۔

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۶۰﴾
اور اوپر اللہ کے بھروسہ کرتے ہیں مومن

(ایمان والو!) اگر اللہ (تمہارے اپنے اعمال کی بدولت ۶/۱۲۷ + ۲۲/۴۰) تمہاری مدد کرے۔ تو پھر (دنیا کی کوئی طاقت) تم پر غالب نہیں آسکتی[1]۔ اور اگر وہ (تمہارے عملوں کی بدولت) تمہاری مدد چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اسکے بعد تمہاری مدد کرے حقیقت یہ ہے کہ (مومن یعنی) امن کے ضامن[2] لوگ اللہ تعالیٰ کے قانون ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (تاکہ اللہ تعالیٰ انکی مدد نہ چھوڑ دے)۔

• ۱ إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ سے یہ مطلب اخذ کرنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جب جی چاہے مدد شروع کر دیتا ہے اور جب جی چاہے مدد چھوڑ دیتا ہے۔ ۶/۱۲۷ میں آیا ہے :- وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ اور وہ اللہ انکا مددگار ہے اُن عملوں کیساتھ جو خود بجا لاتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص آری کیساتھ درخت کا ٹہنا، تنے کیطرف بیٹھنے کی بجائے ٹہنے کیطرف بیٹھ کر کاٹنا شروع کردے تو اللہ تعالیٰ ہرگز اسکی مدد نہیں کریگا۔ ٹہنے کے کٹنے کیساتھ ہی اُسے بھی فوراً زمین پر پٹخ دیگا۔

• ۲ لفظ مومن کا سہ حرفی مادہ ا م ن = امن ہے اور مومن کا ایک معنٰی امن دینے والا، امن کا ضامن بھی ہے۔ چونکہ کائنات میں نظامِ ربوبیت کے قیام کے بغیر ہرگز امن قائم نہیں ہوسکتا۔ اسلئے ربوبیتِ عامہ پر ایمان لانیوالے اہلِ عالم کو امن دینے والے، امن کے ضامن ہوتے ہیں۔ اب امن چونکہ اللہ تعالیٰ کے کائناتی قوانین ہی پر عمل کرنے سے میسّر آتا ہے۔ اسلئے مومنین کی تعریف یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین پر پورا پورا بھروسہ کرتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد انکے شامل حال رہے۔ غزوہ فشل (جنگ اُحد) کا واقعہ آپ پچھلی آیاتِ کریمات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ صحابہؓ جیسی پاکیزہ جماعت کے کچھ افراد سے جب اللہ کے قانون کی مخالفت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی مدد چھوڑ دی اور انہیں شکست ہوگئی۔ بالفاظِ دیگر قانونِ الٰہی میں ہرگز ہرگز لچک موجود نہیں ہے۔

ایک تاریخی تنازعہ کا قرآنی فیصلہ

• اہلِ اسلام کے دو گروہوں میں صحابہؓ کے متعلق یہ تنازعہ چل رہا ہے کہ بقول ایک گروہ کے جنگِ اُحد میں جو صحابی میدان سے بھاگ گئے تھے وہ معاذ اللہ معاذ اللہ منافق تھے۔ اور انہی بھگوڑے منافقوں نے رسولِ اکرمؐ کی وفات کے بعد خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ اس مسئلے پر فریقین کے ہزاروں مناظرے اور مباحثے ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ متفقہ طور پر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ حالانکہ قرآنِ کریم نے چودہ سو سال پیشتر سے فیصلہ کر دیا ہوا ہے کہ غزوۂ فشل (جنگِ اُحد) میں لشکرِ صحابہؓ کے صرف چند افراد نے غلطی کی تھی ۳/۱۵۲۔ جس کی بدولت فاتح صحابہؓ کی فتح مبدل بشکست ہوگئی ۳/۱۵۲۔ جب دشمن نے غیر محفوظ مقام سے اچانک حملہ کر دیا، اور اسلامی لشکر میں بھاگڑ مچ گئی تو کچھ صحابیؓ میدان چھوڑ کر پہاڑی پر چڑھ گئے ۳/۱۵۳۔

• لیکن آنحضورؐ نے پکارا تو واپس لوٹ کر میدان میں ڈٹ گئے ۔ پھر اللہ کی مدد شامل حال ہوگئی، دشمن میدان چھوڑ کر چلا گیا ۳/۱۵۴ ۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ صحابہ کا قصور معاف کیا ۳/۱۵۲ ۔ پھر اسی معافی کا اعادہ فرمایا ۳/۱۵۵ ۔ پھر آنحضورؐ کو حکم دیا کہ آپ بھی انہیں معاف فرمائیں ۳/۱۵۹ ۔ اور ساتھ ہی حکم دیدیا کہ آپ انہیں نہ صرف یہ کہ معاف فرمائیں ۔ بلکہ انہیں اپنی مجلس مشاورت کے رکن مقرر کرکے ان سے اہم امور میں مشورے بھی لیا کریں ۔ ۳/۱۵۹

افسوس کہ اگر قرآن کریم کو حکم مانا جاتا تو نہ صحابہ کو منافق قرار دیا جاتا اور نہ خلافت کا مسئلہ متنازعہ قرار پاتا

• اب اہل بصیرت و دیانت خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیا آیات بالا کی روشنی میں صحابہ کو منافق کہا جا سکتا ہے ؟ اور کیا ان قرآنی فیصلوں کی موجودگی میں یہ فاسد نظریہ جنم لے سکتا ہے کہ آنحضورؐ کی وفات کے بعد مسند خلافت پر منافقوں نے قبضہ کر لیا تھا ۔ صحابہ کی تعریف و توصیف اور ان کی ارفع شان کے تذکرے سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے ۔ ذیل میں صرف تین آیتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ واضح رہے کہ یہ امر اہل علم سے ہرگز پوشیدہ نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم مہاجر و انصار کے دو حصوں میں منقسم ہیں ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کے صحابہ کو صاحب جنت اور صاحب فوز عظیم بھی قرار دیا ہے ۔ اور رضی اللہ عنہم اور رضوا عنہ کا سرٹیفکیٹ بھی عطا فرمایا ہے :۔

۱ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۹/۱۰۰ = اور مہاجرین و انصار میں سے جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت و نصرت کی اور جنہوں نے بعد میں انکی اس نیکی میں پیروی کی یعنی بعد میں وقتاً فوقتاً ہجرت اور نصرت کرتے رہے اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہوگیا اور وہ سب کے سب اللہ پر راضی ہوگئے ۔ اور اللہ نے ان کیلئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں ۔ وہ ان میں ہمیشہ رہینگے ۔ اور یہی تو بڑی کامیابی ہے ۔

۲-۳ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ مِنْكُمْ ۸/۷۴-۷۵ = اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہجرت اور جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجروں کو جگہ دی اور انکی مدد کی یہ سب مہاجر و انصار حقے سچے مومن ہیں ۔ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور بعد میں ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ملکر جہاد کیا ۔ وہ بھی تمہیں میں سے ہیں ۔ (وہ بھی حقے سچے مومن ہیں) ۔

اب بتائیے !

• کیا قرآن کریم کی روشنی میں مہاجرین و انصار میں سے کسی ایک صحابی کو بھی منافق کہنے کی گنجائش موجود ہے ؟ ہرگز نہیں ۔ صحابہ کی پاکیزہ جماعت کو منافق قرار دینے کی وجہ اسکے سوا نہیں کہ قرآن کریم کو حکم نہیں مانا گیا ۔ بلکہ تمام نہاد اسلامی تاریخ کو قرآن کریم پر حاکم قرار دیدیا گیا ہے ۔ حقیقت کی رو سے صحابہ کرام سب حقے سچے مومن تھے ۔ جن میں سے بعض سے غزوہ فشل (جنگ احد) میں بتقاضائے بشریت غلطی ہوئی تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے انکی غلطی کو بھی بیان کر دیا ہے ۔ اور معافی کے اعلان کا بھی تین مرتبہ تکرار فرمایا ہے ۳/۱۵۲ ۳/۱۵۵ ۳/۱۵۹ ۔

غنیمت کا مال چھپایا نہ جائے بلکہ سارے کا سارا بیت المال میں جمع کرایا جائے

• جنگ کے ذکرِ جمیل کیساتھ ہی اگلی آیتِ مجیدہ میں مالِ غنیمت کے متعلق بھی حکم دیدیا گیا ہے کہ اُس میں سے کسی بھی چیز کو چھپانے کا حق نہ خود رسُولِ مقبول کو تھا اور نہ کوئی صحابی اُسکا حق رکھتا تھا۔ سارے کا سارا مالِ غنیمت عوامی خزانے بیت المال میں جمع کیا جانا ضروری ہے۔ فلھذا ارشاد ہُوا ہے:۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ[1] وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ
اور نہیں لائق نبی کے کہ چھپالے! اور جو کوئی چھپائے آئے گا
بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا
ساتھ اُسکے جو چھپایا دن قیامت کے پھر پورا دیا جائیگا ہر شخص کو جو
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ۱۶۱
کمایا اُس نے اور وہ ظلم نہیں کئے جائینگے۔

اور نہیں لائق نبی کیلئے بھی کہ وہ (مالِ غنیمت میں سے) کچھ چھپالے[1]۔ اور جو کوئی (خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی) جو کچھ بھی اُس نے چھپایا قیامت کے دن اُسکے حساب کیلئے حضورِ الٰہی میں حاضر ہوگا۔ پھر (یاد رکھو کہ) ہر شخص پُوری پُوری جزا اور سزا دیا جائیگا اُس عمل کے بدلے جو اُس نے خود کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ (قیامت کی عدالت میں) لوگوں کیساتھ ظلم نہیں کیا جائیگا۔

• [1] يَغُلَّ کا سہ حرفی مادہ ہے غ-ل-ل = غلل۔ اِسکا بنیادی معنٰی ہے چھپالینا۔ بددیانتی یعنی خیانت کرنا۔ سیاقِ کلام کے مطابق جبکہ ماقبل جنگ کا تذکرہ ہے، اِسلئے یہاں مالِ غنیمت کو نہ چھپانے کی تاکید کیگئی ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم کی رُو سے مالِ غنیمت لُوٹ کا مال نہیں ہے کہ جو کچھ کسی کے ہاتھ آگیا وہ اُسکا ہوگیا۔ بلکہ غنیمت کا سارا مال سب کے سب مجاہد سالارِ لشکر کے سامنے ڈھیر کردینگے۔ جسے قرآنی انداز کے مطابق تقسیم کیا جائیگا۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کی تفصیل سورہ انفال کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

• اگلی آیتِ مجیدہ میں مالِ غنیمت میں خیانت کرنیوالوں کو اللہ تعالٰی کے انتہائی غصّے اور ناراضگی کا موردِ محل ٹھہرایا گیا ہے:۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ
کیا پھر جس نے اتباع کی رضا اللہ کی ہے مانند اُسکے جو آیا ساتھ غصے
مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ[1] وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ۱۶۲
کے اللہ کے اور ٹھکانہ اُسکا مقام سزا ہے! اور وہ ہے بُری جگہ پھر جانے کی

پھر جس نے اللہ کی رضا کی اتباع کی (مالِ غنیمت میں خیانت نہیں کی)، کیا وہ اُس شخص کی مانند ہے، کہ (جو خیانت کرکے) اللہ تعالٰی کے غصے کا مستحق ہُوا۔ اُسکا ٹھکانہ سخت سزا[1] کا مقام ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ پھر کر جانے کی بہت بُری جگہ ہے۔

• [1] لفظ جہنم کا معنٰی اِسکی تعریف بِئْسَ الْمَصِيْرُ سے عیاں ہے کہ جو شخص ایسے اعمال بجالائے جن کی پاداش اللہ تعالٰی کی ناراضگی ہے تو اُسے دُنیا میں بھی اور اُخروی زندگی میں بُری جگہ میں پھیر دیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ نظامِ ربوبیت کے انکار کا نتیجہ ہے اللہ کی ناراضگی۔ کیونکہ نظامِ ربوبیت کے خلاف انفرادی مفادات کی اساس پر قائم کردہ نظاموں میں دنیا میں بھی دھوکا فریب اور دھندبازی لوٹ کھسوٹ جاری رہتی ہے۔ ایسے معاشروں میں جس طرف کو بھی پھریں خواہ وہ کوئی سرکاری دفتر ہو یا نجی ادارہ۔ ہر جگہ مہذب ڈاکوؤں سے پالا پڑتا ہے۔ دفتروں میں رشوت کے ذریعہ کپڑے اُتارے جاتے ہیں اور نجی اداروں اور دکانوں پر ملاوٹ اور بلیک مارکیٹنگ

کے ذریعہ کھال اُدھیڑی جاتی ہے۔ اِسلئے دُنیا میں تو غیر متوازن معاشرہ جہنّم ہے، بِئْسَ الْمَصِيْرُ یعنی بُری جگہ پھر جانے کی۔ اور اُخروی زندگی میں جہاں اِس دنیا کے بُرے اعمال کے بدلے ناکامی ونامرادی بطور سزا میسّر آئیگی وہ بھی جہنّم ہوگی۔ لغت مراۃ القرآن میں جہنّم کا معنٰی لکھا ہے دارُالعقاب یعنی سزا کا گھر۔ نیز ۳/۱۰۱ میں صفحہ ۱۱ پہ گزر چکا ہے، جہنّم بمعنی شکست کی آگ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں رضاءِ الٰہی کی اِتّباع کرنیوالوں اور اُسکی ناراضگی والے عمل بجالانیوالوں دونوں قسم کے لوگوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
وہ ہیں کہ الگ الگ انکے درجے ہیں پاس اللہ کے اور ہے اللہ دیکھنے والا

بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۶۳
ساتھ اسکے جو وہ عمل کرتے ہیں

مذکورہ بالا لوگ (رضاءِ الٰہی کی اِتّباع کرنیوالے اور اللہ کی ناراضگی خریدنے والے) اللہ تعالٰی کے ہاں اُنکے الگ الگ درجے ہیں۔ اور اللہ تعالٰی خوب خوب دیکھنے والا ہے (اُن اچھے اور بُرے اعمال کو) جو وہ الگ الگ بجالاتے ہیں۔

آنحضورؐ کے والدین مومن تھے

● آیتِ بالا میں چونکہ اچھے اور بُرے یعنی مومن اور کافر دونوں قسم کے لوگوں کے الگ الگ مدارج کی خبر دیگئی ہے اِسلئے ذہنوں میں اُبھرنے والے اِس سوال کا جواب، کہ کیا آنحضورؐ کے والدین کا شمار مومنوں میں تھا یا کافروں میں، اگلی آیتِ مجیدہ میں دیدیا گیا ہے کہ اُن کا شمار کافروں میں نہیں تھا۔ کُتبِ روایات کا اُنہیں کافر بنانا بہتان محض ہے :۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ
بیشک احسان کیا اللہ نے اوپر مومنوں کے جب مبعوث کیا بیچ اُن کے

رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
رسول اپنا میں سے جانوں انکی کے پڑھتا ہے اوپر انکے آیتیں اسکی اور نشوونما کرتا ہے انکی

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
اور سکھاتا ہے انہیں اللہ کی کتاب یعنی دانائی ! اور بیشک وہ تھے اس سے پہلے

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۱۶۴ (النصف)
البتہ بیچ جستجو ظاہر کے

بیشک اللہ تعالٰی نے مومنوں[1] پر احسان فرمایا جب اُس نے اُن کے اندر اُنکی جانوں میں سے ایک رسُول مبعوث فرمایا ہے۔ وہ رسُول اُن پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے۔ اور (اُن میں نظامِ ربوبیت قائم کرکے اُنہیں اقتصادی بدحالیوں سے) پاک کرتا ہے۔ اور تعلیم دیتا ہے اُنہیں اللہ کی کتب یعنی[2] دانائی کی۔ حالانکہ بیشک وہ اِس (مذکورہ رسُول کی آمد) سے پہلے (اِس کھُلی جستجو[3] میں تھے، کہ ایک رسُول دُعائے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ ۲/۱۲۹ کے مطابق اُن میں مبعوث ہونیوالا ہے)۔

● علہ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ مومنین کا وجود مقدّم ہے اور اُن پر کیا گیا احسان موخّر ہے۔ بالفاظ دیگر جن نفوس میں آنحضورؐ مبعوث کئے گئے تھے وہ بھی ایک مومن جماعت تھی اور جن دو مومن افراد (والدین) کی جانوں میں سے آپ پیدا کیے گئے تھے وہ بھی اِس مومن جماعت کے افراد تھے۔ اور یہ مومن جماعت وہی تھی جس کے متعلق حضرات ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے دعا فرمائی تھی :۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ...... رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ۲/۱۲۸-۱۲۹ : اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنے فرمانبردار رکھیو۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمّتِ مسلمہ بنائیو...... اے ہمارے رب اُن (اُمّتِ مسلمہ کے افراد)

میں اپنا رسولؐ مبعوث فرمائیو — پس قرآن کریم کے ان دلائل قاطعہ کے مطابق نہ صرف آنحضورؐ کے والدین ہی مومن تھے۔ بلکہ دعائے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے مطابق نزولِ قرآن کے وقت ایک مومن جماعت بھی موجود تھی۔ جو لوگ بعثت محمدیؐ کے وقت مذکورہ مومن جماعت کی موجودگی تسلیم نہیں کرتے، انہیں اس امر کی قرآنی دلیل لانی چاہیئے کہ حضرات ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی مذکورہ بالا دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔

● ع۲ واؤ بمعنی یعنی کیلئے دیکھو دیباچہ کا صفحہ ۸۶ ● ع۳ واؤ بمعنی حالانکہ کیلئے دیکھیئے دیباچہ کا صفحہ ۸۶

● ع۴ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کے جملہ میں ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کے مروجہ ترجمہ سے کہ "وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے" بالکل یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ وہ مومن نہیں بلکہ گمراہ تھے۔ اور ساتھ ہی قرآنِ کریم میں تضاد ثابت ہوتا ہے کہ ایک طرف تو اُمّتِ مسلمہ کے وجود کی خبر دیتا ہے جس میں سے آپؐ پیدا ہوئے اور دوسری طرف انہیں کھلے گمراہ قرار دیتا ہے۔ واضح رہے کہ آیت بالا میں ضَلٰل کا معنی گمراہی ہے اور نہ قرآن کریم میں تضاد موجود ہے۔ بلکہ یہاں اُسی طرح ضَلٰل بمعنی جستجو ہے جسطرح آیاتِ ذیل میں بالفاظِ ذیل موجود ہے:۔

۱۔ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ $\frac{12}{95}$ یہ جملہ حضرت یعقوبؑ کو اُنکے بیٹوں نے کہا تھا، جس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ تو بڑی پرانی گمراہی میں مبتلا ہے۔ بلکہ اِسکا معنی یہ ہے کہ ابا جان! آپ یوسفؑ کی پرانی جستجو میں ہیں۔

۲۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى $\frac{93}{7}$ ۔ اور (اے رسولؐ!) اللہ نے آپکو ہدایت کا متجسس پایا پس آپکی رہنمائی فرمادی۔

غزوۂ فشل (جنگِ اُحد) میں جو تکلیف ہوئی تھی وہ صحابہؓ کی ایک جماعت کی اپنی غلطی کا نتیجہ تھا

● سلسلۂ درس کی اگلی دو آیات کریمات ۱۶۶/۱۶۵ میں شکست خوردہ صحابہؓ کو مخاطب کرکے واضح کیا گیا ہے کہ جو تکلیف تمہیں غزوہ فشل (جنگِ اُحد) میں پہنچی ہے وہ تمہارے اپنے ہی افراد کی غلطی کا نتیجہ تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقررہ قوانین کی مخالفت کبھی نہیں کرتا۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ
کیا اور جب پہنچی تکلیف تمکو، بیشک پہنچائی تم نے اس سے دو چند

قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
کہا تمنے کہاں سے آئی یہ۔ کہدے تحقیق وہ ہے طرف تمہارے افراد کی بیشک اللہ

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۱۶۵
ہے اوپر ہر چیز کے اندازے مقرر کرنیوالا

(ایمان والو!) اور کیا جب تم پر (شکست کی) مصیبت آئی بیشک تم (اپنی دشمنوں کو) اس سے دو چند تکلیف پہنچا چکے ہو تم نے کہا یہ (شکست) کہاں سے (کس طرف سے) آئی ہے۔ کہہ دیجیئیگا کہ یہ (شکست) تمہارے اپنے افراد[1] کی طرف سے آئی ہے (اور عین اللہ کے قانون کیمطابق آئی ہے)۔ بیشک اللہ تعالےٰ (فتح و شکست سمیت ہر چیز کے) اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے[2]۔

● ع۱ اَنْفُسِكُمْ کا معنی لکھا گیا ہے (تمہارے اپنے افراد)۔ نفس کا معنی ایک شخص بھی ہے، جس کی جمع عموماً نفوس آتی ہے لیکن قرآنِ کریم چونکہ صرف نحو کی غلطیاں بھی نکالتا ہے۔ اِسلئے یہاں ثابت کیا گیا ہے کہ نفس کی جمع اَنْفُس کا معنی افراد بمعنی اشخاص بھی ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کے کچھ افراد کی غلطی سے شکست ہوئی تھی سارے کے سارے صحابہؓ سے غلطی ہرگز سرزد نہیں ہوئی تھی۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

عنه ● اِس جُملہ کا معنیٰ عموماً یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جیسا چاہے ویسا کرے یعنی وہ خود اپنے مقرر کردہ قوانین کے خلاف بھی کرتا ہے، لیکن اوّل تو اس ترجمہ میں قدیر کا معنیٰ قادر لکھ دینا علمی خیانت کے مترادف ہے۔ کیونکہ قادر اور قدیر دونوں عربی کے الفاظ ہیں مادہ ق۔ د۔ ر = قدر ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے اندازہ، پیمانہ اور قانون۔ اور اسی مادہ سے **قَادِر** بروزن فَاعِل، اسم فاعل ہے، یعنی اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا۔ اور اسی مادہ سے **قَدِیر** بروزن فعیل صفت مشبّہ ہے۔ یعنی بالکل صحیح صحیح اندازے، پیمانے اور قانون متعین کرنیوالا۔ اور اب یہاں ۳/۱۶۵ میں چونکہ جنگِ اُحد کی شکست کا ذکر کر کے صحابہؓ پر واضح کیا گیا ہے کہ یہ شکست تمہارے اپنے ہی کچھ افراد کی سُستی اور غلطی کی بدولت آئی ہے اور اس خبر کے بعد لایا گیا ہے جملہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اسلئے بالوضاحت ثابت ہوا کہ اس جملہ کا معنیٰ اسکے سوا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔ اسلئے فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے معیّنہ قوانین کے مطابق آتی ہے۔ جنگِ بدر میں جب تمہارے اپنے اعمال اللہ کے فتح کے قانون کے مطابق تھے کہ تم نے خود انتہائی ثابت قدمی اور پامردی کا مظاہرہ کیا تھا تو فتح ہوئی تھی۔ لیکن جب اس جنگِ اُحد میں تمہارے اپنے بعض افراد نے سُستی اور کمزوری دکھائی ہے، اسلئے شکست ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین میں ہرگز ہرگز لچک موجود نہیں۔ یہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے برگزیدہ افراد کا لحاظ بھی نہیں کرتا۔

● چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں تکرار تاکیدی کے طور پر پھر اسی چیز کا اعادہ کیا ہے کہ جنگ کے دن تمہیں تکلیف اللہ کے قانون کے مطابق پہنچی تھی۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ
اور جو پہنچا تمہیں جسدن ٹکرائیں دو فوجیں پس تھا مطابق قانون
اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ ۱۶۶
اللہ کے اور تاکہ ظاہر کرے مومنوں کو

اور جو مصیبت تمہیں اُس دن پہنچی تھی جس دن دو فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ پس وہ اللہ کے قانون کے مطابق[1] پہنچی تھی۔ اور (جنگ اسلئے فائدہ مند ہوئی) تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں[2] کو ظاہر کرے (اور منافق نمایاں ہو جائیں)۔

● عله اِذن یعنی قانون کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے ۶/۵ میں کر دی ہے تفصیل و تشریح کیلئے ملاحظہ فرمائیں دیباچہ کا صفحہ ۵۵

● عله۲ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جنگِ اُحد میں شامل صحابی سب مومن تھے اُن میں کوئی ایک بھی منافق نہیں تھا۔ کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں وضاحتاً بتا دیا گیا ہے کہ منافق تو جنگِ اُحد میں مطلقاً شریک ہی نہیں ہوئے تھے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
اور تاکہ ظاہر کرے انکو کہ نفاق کیا۔ اور کہا گیا واسطے انکے آؤ
قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ
لڑو بیچ راہ اللہ کے اور دفاع کرو۔ کہا اگر ہم جانتے

اور تاکہ (اللہ تعالیٰ) اُن لوگوں کو بھی ظاہر کرے جنہوں نے نفاق کیا (یعنی جو منافق تھے) حالانکہ انہیں کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں (اللہ کے دشمنوں کیساتھ) لڑائی کرو۔ اور (جبکہ دشمن نے جارحانہ حملہ کر دیا ہے تو) تم مدافعانہ جنگ کرو۔ تو

قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ

لڑنا پیروی کرتے تمہاری وہ تھے واسطے کفر کے اُس دن زیادہ قریب اُن میں سے

لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ

واسطے ایمان کے وہ کہتے ہیں ساتھ مونہوں اپنوں کے وہ کچھ جو نہیں بیچ

قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ ۱۶۷

ذہنوں اُنکے کے اور ہے اللہ خوب جاننے والا ساتھ اُسکے جو وہ چھپاتے ہیں

اُنہوں نے کہا کہ اگر ہم لڑنا جانتے (یعنی اگر فنِ حرب سے واقف ہوتے) تو ضرور ضرور ہم تمہاری پیروی کرتے (یعنی لڑنے کیلئے گھروں سے نکلتے) اُن میں سے بعض اُس دن ایمان کی نسبت کفر کے بہت زیادہ قریب تھے۔ یہ (منافق) مُنہ سے وہ کچھ کہتے ہیں جو اُنکے اذہان میں نہیں ہوتا۔ (وہ مُنہ سے کچھ کہتے ہیں اور ذہنوں میں کچھ اور ہوتا ہے)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں منافقوں کا ایک نشان یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مارے جانیوالوں کے متعلق ذیل کا بُرا تأثر دیتے ہیں:۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا

اُنہوں نے کہا متعلق بھائیوں اپنوں کے اور خود بیٹھے رہے اگر اطاعت کرتے ہماری

مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ

نہ قتل ہوتے۔ کہہ پھر تم دُور کرو اپنے نفسوں سے موت کو۔ اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۱۶۸

ہو تم سچے

(یہ منافق) وہ لوگ ہیں جو خود تو گھروں میں بیٹھے رہے! اور اپنے اُن بھائیوں کے متعلق (جو جنگ میں شریک ہوئے اور اللہ کی راہ میں مارے گئے) یہ کہا کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے (ہماری طرح گھروں سے نہ نکلتے اور جنگ میں شریک نہ ہوتے) تو مارے نہ جاتے (اے رسُول!) کہدیجیئے کہ تم اگر اپنے قول میں سچے ہو تو موت کو اپنی جانوں سے ٹال کر دکھاؤ۔ (موت تو ہر کسی پر آکر رہیگی پھر مرنے سے ڈرنے کا کیا مطلب)۔

● ربطِ کلام کے مطابق اگلی آئت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُنکے متعلق گمان تک نہ کرو کہ وہ طبعی موت مر گئے ہیں۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔ اُنکے پسماندگان کی بسر اوقات کیلئے جسطرح مقتولین فی سبیل اللہ کی زندگی میں وظائف دیئے جاتے تھے اُسیطرح اُنکے بعد بھی دیئے جائینگے۔ اگرچہ اُنکے بچے یتیم ہو چکے ہیں اور بیویاں بیوہ نیز اگرچہ مقتولین کا ترکہ بھی اُنکے وارثوں میں تقسیم ہو جائیگا بیوگان سے نکاح بھی کیا جا سکیگا، لیکن مقتولین فی سبیل اللہ، اللہ تعالیٰ کی میزان میں زندہ شمار ہونگے۔ اُنکا وظیفہ اُن کے پسماندگان کو باقاعدہ اور مسلسل ملتا رہیگا۔ پس اِسی نہج سے سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں مقتولین فی سبیل اللہ کو مُردہ گمان کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ

اور نہ تم گمان کرو اُنہیں جو قتل ہوئے بیچ راہ اللہ کے مُردے

بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ ۱۶۹

بلکہ ہیں زندہ۔ نزدیک اپنے رب کے رزق دیئے جائینگے۔

اور اُن لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے تھے مُردے گمان بھی نہ کرو (کہ وہ بھی طبعی موت مر گئے ہیں)۔ بلکہ (اپنی جان قربان کرکے قوموں کو زندہ کرنیوالے مُردے نہیں) اللہ کے نزدیک (قوموں کو) زندگی دینے والے ہوتے ہیں۔ وہ رزق دیئے جائینگے (اگلی زندگی میں)

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ خوش ہونیوالے ساتھ اسکے جو دیگا انہیں اللہ فضل اپنے سے اور خوشخبری دیتے ہیں بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ انہیں جو نہیں ملے ساتھ انکے پیچھے اُن کے۔ کہ نہیں خوف عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ۱۷۰ اوپر اُن کے اور نہ وہ غم کھائینگے۔	وہ خوش ہونیوالے ہیں اُس پر جو دیگا انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور وہ اپنے اُن لوگوں کو جو انہیں اُنکے پیچھے سے نہیں ملے۔ (یعنی جو اُنکے پیچھے زندہ رہے۔ اپنی جان نچھاور کرکے) انہیں (بزبانِ حال) خوشخبری دیتے ہیں کہ نہ اُن پر (اب دشمن کے حملے کا) خوف ہے اور نہ وہ (اپنے کئے ہوئے اعمال پر) غم کھائینگے۔

مقتولین فی سبیل اللہ

• ملہ مقتولین فی سبیل اللہ کا مسئلہ انتہائی نازک مسئلہ ہے کہ دھڑ تن سے جدا ہے۔ دفن کفن کی تیاریاں ہیں۔ بچے یتیم اور بیوی بیوہ ہو چکی ہے۔ مقتول فی سبیل اللہ کا ترکہ بھی یقیناً تقسیم ہو جائے گا۔ بیوی عدت گزار کر نکاح کر سکتی ہے۔ اُن پر مُردوں سے متعلقہ پورے مسائل کا نفاذ ہو چکا۔ مگر حکم ہوتا ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ کو مُردہ گمان بھی نہ کرو۔ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ حقیقی زندگی ہے یا مجازاً زندہ منوایا گیا ہے؟ اِن سوالوں کا جواب بالکل سیدھا سا ہے کہ مقتولین فی سبیل اللہ قتل ہونے کے باوجود اگر فی الواقعہ زندہ ہوں تو کسی غیر کی کیا مجال ہے کہ اُنکی زندگی میں اُنکی بیوی سے نکاح پر نکاح کر سکے۔ کس کی مجال کہ اُنکے زندہ ہوتے ہوئے اُنکے بچوں کو یتیم قرار دے اور اُنکا ترکہ تقسیم کرکے اپنا حصہ لے جائے۔ لہذا جب یہ سب کچھ ہوتا چلا آتا ہے۔ تو صاف ظاہر ہے کہ مقتولین فی سبیل اللہ کو احتراماً مُردہ کہنے اور گمان کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ جیسے کہ ایک بہت دُور کی مثال کیساتھ سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک بکرا طبعی موت مر جاتا ہے۔ اُسے کھلے بندوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مُردہ ہے مر گیا ہے۔ لیکن اِسکے مقابلے پر ایک بکرا اللہ کے نام کیساتھ ذبح ہو کر نوعِ انسانی کو غذائی فائدہ پہنچاتا ہے۔ اُسے نہ مُردہ کہا جا سکتا ہے اور نہ گمان ہی کیا جا سکتا ہے کہ یہ مر گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر جسطرح مذبوحہ بکرے کو نہ مُردہ کہا جاتا ہے اور نہ مُردہ گمان ہی کیا جا سکتا ہے۔ اُسیطرح مقتولین فی سبیل اللہ کو، جو نوعِ انسانی کے چھنے ہوئے حقوقِ ربوبیت دِلانے کیلئے جان قربان کرکے پوری قوم کو دشمن کے شر سے بچاتے اور اُسے عزت کی زندگی دیتے ہیں، انہیں بھی نہ مُردہ کہنے کی اجازت ہے نہ گمان کرنے کی۔

• ملہ يُرْزَقُوْنَ فعل مضارع سے عام تراجم میں یہ مفہوم اخذ کیا گیا ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ زندہ ہیں اور وہ رزق بھی دیئے جاتے ہیں لیکن اِسطرح پھر وہی سوال سامنے آجاتا ہے کہ اگر مقتولین فی سبیل اللہ کھاتے پیتے اور زندہ ہیں تو اُنکی بیویوں کیساتھ نکاح پر نکاح کیوں کیا جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی نکاح یا تو طلاق کیساتھ ٹوٹتا ہے اور یا موت کیساتھ۔ واضح رہے کہ خود آیت مجیدہ کے اندر اَلَّذِيْنَ قُتِلُوْا کے الفاظ میں وضاحتاً بتا دیا گیا ہے کہ اُن پر موت وارد ہو چکی ہے۔ قتل ہو چکے ہیں۔ فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اِسلئے انہیں طبعی مُردے نہ کہو، اور نہ گمان کرو۔ اب رہا يُرْزَقُوْنَ کا سوال۔ اِسکا فیصلہ ۲۲/۵۸ میں دیا گیا ہے:- وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ط = اور جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں پھر وہ قتل کئے جائیں یا راستے کی تکلیفوں کی تاب نہ لا کر مر جائیں انہیں اللہ تعالیٰ اچھا رزق دیگا (قیامت کی زندگی میں)۔

● دیکھئے! یہاں يُرْزَقُوْنَ میں لامِ تاکید اور نون مشدّدہ لا کر فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ مقتولین فی سبیل اللہ کو رزق ، دیا جا رہا نہیں بلکہ دیا جائیگا اسوقت جب انہیں دوبارہ زندہ کیا جائیگا، قیامت کی دوسری زندگی میں۔

● ۳۱ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ میں اٰتٰی ماضی مضارع کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۲۵/۳۰ قَالَ ماضی مضارع کا فائدہ دیتی ہے کہ قیامت کو آنحضور کہینگے کہ اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن کو اسطرح پکڑا ہوا تھا جیسے چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔

● ۳۲ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کے بعد جو لوگ پیچھے رہے، اللہ کی راہ میں جان دینے والے انہیں یہ بشارت دیگئے کہ انکی جان نثاری کا ثمر انہیں یعنی ان پیچھے رہنے والوں کو یہ ملیگا جو ان سے ملحق نہیں ہوئے کہ نہ ان پر خوف ہوگا نہ حزن۔ جو لوگ جنگ میں قتل فی سبیل اللہ سے بچ گئے۔ انہی پیچھے رہنے والوں کیلئے مزید بشارت کی خبر سلسلۂ درس کی اگلی ملحقہ آیت مجیدہ میں بالفاظِ ذیل دیگئی ہے :۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّ
وہ خوشخبری دیتے ہیں نعمت اللہ کی سے اور فضل سے اور
اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ۱۷۱
بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا اجر مومنوں کا

ع

وہ (اللہ کی راہ میں قتل ہونیوالے بزبانِ حال) خوشخبری دیتے ہیں اللہ کی نعمت (آزاد حکومت ۳۳) کی یعنی اللہ کے فضل ۳۴ کی حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اللہ کی نعمت و فضل یعنی آزاد حکومت

● ۳۳ نعمت اور فضل کا ایک معنی قرآن کریم میں ثابت ہے آزاد حکومت۔ جیسے کہ سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے :۔ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۞ ۲/۴۷ = اے بنی اسرائیل! میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمایا تھا۔ یہ کہ میں نے تم کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرکے اور تمہیں آزاد حکومت عطا فرما کر تمہیں لوگوں پر فضیلت دی۔ دیکھئے، اس ایک ہی آیت میں نعمت اور فضل کے الفاظ لاکر ان کا معنی بتا دیا گیا ہے آزاد حکومت۔ اور عطاءِ فضل کی وضاحت کرتے ہوئے آلِ فرعون کے متعلق کہا گیا ہے :۔ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۞ ۲۶/۵۷ تا ۵۹ = پس ان (آلِ فرعون) کو نکالدیا ہم نے باغوں، چشموں، خزانوں اور نفیس محلات سے۔ ایسا ہی ہوا۔ اور ہم نے ان سب کا وارث بنا دیا بنی اسرائیل کو۔ نیز ۷/۱۳۷ + ۴۴/۲۵-۲۶ بھی دیکھئے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں جنگِ احد کے زخم خوردہ صحابہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ
جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا بذریعہ اسکے رسول کے پیچھے اسکے

(صحابہ میں سے) ان لوگوں کیلئے جنہوں نے (غزوۂ احد میں) زخم کھانے کے بعد اللہ کے رسول کے ذریعہ اللہ کا حکم مانا۔ ان

مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ
جو پہنچا اُنہیں زخم۔ واسطے اُن کے جو احسان کریں اُن میں سے
وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ ۱۷۲
اور بچیں اجر ہے بہت بڑا

میں سے اُن لوگوں کیلئے جنہوں نے توازن قائم کیا اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچتے رہے (اللہ تعالیٰ کے ہاں) بہت بڑا اجر ہے۔ (یعنی دنیا کی سرفرازی اور اُخروی جنت اُنکا حصہ ہے)۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اُنہی صحابہ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ اُنہیں جنگ سے پہلے لوگوں نے یہ کہکر خوفزدہ کیا تھا کہ تمہارے مقابلے کیلئے بہت بڑی فوج جمع ہوئی ہے۔ ڈر جاؤ اور مقابلے کیلئے مت نکلو۔ لیکن خوفزدہ ہونے کی بجائے اِس خبر سے اُنکا ایمان اور بڑھ گیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ
یہ وہ لوگ ہیں کہ کہا واسطے اُنکے لوگوں نے بیشک لوگ بلاشبہ
جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا
جمع ہوئے واسطے تمہارے پس ڈرو اُن سے۔ پس زیادہ کیا اُنہیں ایمان میں اور کہا
حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۱۷۳
کافی ہے ہمیں اللہ اور وہ ہے بہتر کارساز

یہ وہ (مومن صحابہ) ہیں کہ (جنگ سے پہلے) لوگوں نے اُنہیں کہا کہ بلاشبہ بہت سے لوگ (تمہارے ساتھ جنگ کرنے کیلئے) جمع ہو چکے ہیں۔ پس تم اُن سے ڈر جاؤ۔ لیکن (اِس خبر نے) اُنہیں ایمان میں اور زیادہ کر دیا۔ اور اُنہوں نے (جذبۂ ایمانی کیساتھ) کہا کہ ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے (جو اپنے قانون کے مطابق مدد کرتا ہے) اور وہی (اپنے قانون کے مطابق ہمارا) کارساز ہے ۳۹۔

کافر فتح قائم نہ رکھ سکے

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اگرچہ اِس جنگ میں کافروں نے مومنوں کو بہت تکلیف پہنچائی تھی، اور ایک مرتبہ مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی تھی۔ لیکن کفار اپنی فتح کو قائم نہ رکھ سکے، دراصل وہ حواس باختہ ہو چکے تھے۔ کہ اپنا مال و متاع میدان میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اُنکا وہ مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اور مسلمان اُس مال کیساتھ لدے پھدے واپس گھروں کو لوٹے۔ حتیٰ کہ حصولِ مالِ غنیمت میں اُنہیں مطلقاً کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ
پھر وہ لوٹے ساتھ نعمت اللہ کی کے اور فضل کے۔ نہ
يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ
پہنچی اُنہیں کوئی تکلیف۔ اور پیروی کی اُنہوں نے رضا اللہ کی اور ہے اللہ
ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۱۷۴
صاحب فضل بڑے کا

پھر وہ (صحابہ) اللہ کی نعمت اور اُسکے فضل (یعنی مالِ غنیمت) کیساتھ واپس لوٹے۔ اُنہیں (حصولِ غنیمت میں) کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ اُنہوں نے رضاءِ الٰہی کی پیروی کی۔ (یعنی قانونِ خداوندی کے مطابق مالِ غنیمت حاصل اور تقسیم کیا)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ شیطان صفت آدمی جس نے صحابہ کو کافروں کی جمعیت سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنے دوستوں (منافقوں) کو ڈراتا ہے مومنوں کو نہیں۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو اُس سے نہ ڈرنا۔

إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ص
سوائے اسکے نہیں کہ یہ اللہ کا نافرمان ڈراتا ہے دوستوں اپنوں کو
فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ٥ ١٧٥
پس نہ ڈرو اُن سے بلکہ ڈرو مجھ سے اگر ہو تم مومن

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں یہ تمہیں ڈرانیوالا شیطان (یعنی اللہ تعالیٰ کا سرکش انسان) ڈراتا ہے صرف اپنے دوستوں (یعنی منافقوں) کو۔ پس اگر تم مومن ہو تو ایسے لوگوں سے نہ ڈرو۔ بلکہ مجھ سے (میری مخالفت سے) ڈرو۔

● اسکے بعد اگلی آیت مجیدہ میں خود آنحضور سلام علیہ کو تسلی دیگئی ہے کہ جو لوگ ایمان کی بجائے کفر کی طرف دوڑتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یعنی انہیں آپکے مقابلے پر دنیا میں بھی ذلت آمیز شکست نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی وہ دردناک عذاب کے مستحق ہونگے:۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ج
اور نہ غمگین کریں تجھے وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں بیچ کفر کے
إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ط يُرِيدُ اللّٰهُ أَلَّا
بیشک وہ ہرگز نہ ضرر دینگے اللہ کو کچھ بھی۔ ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ نہ
يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ
ٹھہرائے واسطے انکے کوئی حصہ بیچ آخری نتیجے کے! اور ہے واسطے انکے عذاب
عَظِيمٌ ٥ ١٧٦
بڑا

پس (اے رسول!) وہ لوگ جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں آپ کو غمگین نہ کریں۔ (یعنی آپ انکی کفر پسندی پر غمگین نہ ہوں) بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو (یعنی اسکے دین کو) کوئی بھی ضرر نہیں پہنچا سکینگے۔ (یعنی انکے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف کئے گئے تمام منصوبے ناکام ہو جائینگے) اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا ہے کہ نہ ٹھہرائے انکے لئے کوئی حصہ انجام کار میں۔ (یعنی آنحضور کیساتھ جو کفار کی جنگ جاری ہے، اسکا انجام یہ ہو کہ انہیں شکست فاش ہو اور انکی طاقت کا پوری طرح خاتمہ ہو جائے) حقیقت یہ ہے انکے لئے (آخری نتیجہ شکست فاش) کا عذاب عظیم ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں تکرار تاکیدی کے طور پر آیت بالا ہی کے الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ اور با انداز تائید ارشاد ہوا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا
بیشک جو لوگ خریدیں کفر بدلے ایمان کے ہرگز نہ ضرر دینگے
اللّٰهَ شَيْئًا ج وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥ ١٧٧
اللہ کو کچھ۔ اور واسطے اُن کے ہے عذاب دردناک

بیشک جو لوگ ایمان کے بدلے کفر خریدتے ہیں وہ ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکینگے (یعنی انہیں آنحضور کے مقابلے پر انجام کار شکست فاش کا سامنا کرنا ہوگا) کیونکہ (قانون الٰہی کے مطابق انجام کار) انکے لئے دردناک عذاب ہے۔

● اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی تائید مزید کے طور پر شکست سے ماقبل کی مہلتی مدت کے متعلق بھی بالفاظ ذیل وضاحت کردگئی ہے:۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ
اور نہ گمان کریں وہ جو کفر کرتے ہیں بیشک یہ کہ ہم جو ڈھیل دیتے ہیں واسطے انکے

اور ضابطہ الٰہی کا انکار کرنیوالے یہ گمان نہ کریں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دیتے ہیں تو یہ انکے لئے بہتر ہے۔ (ہرگز بہتر نہیں) سوائے اسکے

خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا

بہتر ہے واسطے اُنکے جانوں اُنکے سوائے اسکے نہیں کہ ہم ڈھیل دیتے ہیں واسطے اُن کے تاکہ وہ زیادتی کریں

إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ ١٧٨

گناہوں میں۔ اور واسطے اُنکے ہے عذاب رسوا کرنیوالا

نہیں ہے کہ ہم انہیں اسلئے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ (انہیں مزید غور و فکر کا موقعہ میسّر آئے۔ پھر یا تو نافرمانیوں سے باز آجائیں اور یا) نافرمانیوں میں پوری طرح زیادتی کرلیں حقیقت یہ ہے کہ اُنکے لئے (شکست کا) رسواکن عذاب ہے۔

زمانۂ رسالت میں منافق نکھر کر الگ ہو چکے تھے

● اگلی آئت مجیدہ میں پھر واضح کیا گیا ہے کہ زمانۂ رسالت میں مومنوں سے منافق بالکل نکھار کر الگ کر دیئے گئے تھے۔ اور وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا بھی دیئے گئے تھے:۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ

نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے مومنوں کو اُوپر اُس کے کہ ہو تم

عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ

اوپر اُسکے یہاں تک کہ متمیز کر دے خبیث کو طیب سے۔ اور نہیں ہے

اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي

اللہ کہ مطلع کرے تم کو اوپر غیب کے اور لیکن اللہ پسند کرتا ہے

مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ

رسولوں اپنے سے جسے چاہے۔ پس ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے اور رسولوں اُسکے کے

وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ ١٧٩

اور اگر تم ایمان لاؤ اور بچو تو واسطے تمہارے بدلہ ہے بڑا

اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اس حالت میں چھوڑ دے جسمیں تم اب ہو (کہ مومن اور منافق غیر متمیّز ہیں) یہانتک کہ وہ ناپاک اور پاکیزہ (یعنی ایک ایک منافق اور ایک ایک مومن) کو نکھار کر الگ الگ کر دیگا۔ اور نہیں ہے اللہ ایسا کہ تمہیں غیب سے مطلع کرے اور لیکن اللہ تعالیٰ (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق اپنے بندوں میں سے) جنہیں چاہتا ہے اپنے رسولوں کی حیثیت سے چُن لیتا ہے۔ (اُن پر اپنی کتاب نازل کرتا ہے جسمیں اُنہیں غیب کی خبریں بتاتا ہے) پس چاہیئے کہ تم اللہ اور اُسکے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اور اگر تم (اللہ اور اُسکے رسولوں پر) ایمان رکھو اور ضابطۂ الٰہی کی مخالفت سے بچو تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

مسندِ خلافت پر منافقوں کے قبضے کا تصور تک افترٰی محض ہے

● اِس آئت مجیدہ کے مطابق جب منافقوں کو مومنوں سے نکھار کر رکھ دیا گیا تھا تو اسطرح وہ آیاتِ ذیل کے مطابق اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ بھی چکے تھے اور جس مکتبِ فکر کی اساس اس تصور پر قائم ہے کہ آنحضورؐ کی وفات کے بعد مسندِ خلافت پر منافقوں نے قبضہ کر لیا تھا، مطلقاً باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ۹ + ۶۶ میں ارشاد ہوا ہے:۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ = اے نبی منافقوں اور کافروں کیساتھ جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔ اُنکا آخری مقام شکست ہے اور بُری جگہ ہے پھر جانے کی یہ آئتیں سلسلۂ درس کی آئت زیرِ نظر کی تائید کرتی ہیں کہ منافق عیاں ہو چکے تھے، اِسی لئے تو اُن پر پوری سختی کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں۔ اُنہیں جو سزا دیگئی اُسکا حکم سورہ احزاب کی آئت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:۔

● لَّئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۝ مَّلْعُونِينَ ۖ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ۝ ۶۱-۶۰/۳۳ = اگر منافق یعنی جن کے

اذہان میں نفاق کی بیماری ہے، اور شہر میں غلط خبریں اڑانیوالے باز نہ آئے تو ہم آپکو انکے پیچھے لگا دینگے۔ وہ اس شہر میں آپکے پاس نہیں رہینگے مگر تھوڑا عرصہ ملعون ہو کر رہینگے۔ (لازم ہے کہ) جہاں کہیں پائے جائیں گرفتار کر لئے جائیں اور اسطرح قتل کئے جائیں کہ انکی بوٹیاں اڑا دی جائیں ۔ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا کا معنیٰ اسکے سوا نہیں کہ انکے پرخچے اڑا دیئے جائیں۔ پس قرآن کریم کی رو سے جب منافقوں کا اتنا برا انجام ہوا تو ثابت ہوا کہ خلافت پر انکے قابض ہونے کا تصور تک بھی مطلقاً افترٰی محض ہے۔ منافق چونکہ قیامِ ربوبیت میں خارج تھے اسلئے انکی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں بخل کرنیوالوں کو مخاطب کیا گیا ہے:۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ
اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں ساتھ اسکے جو دیا انہیں اللہ نے
مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ
فضل اپنے سے کہ وہ بہتر ہے واسطے انکے۔ بلکہ وہ برا ہے واسطے انکے
سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ
ضرور طوق کئے جائینگے جو بخل کیا ساتھ اسکے دن قیامت کے اور ہے واسطے اللہ کے
مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
میراث آسمانوں کی اور زمین کی! اور اللہ ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو
خَبِيْرٌ ۠ ۱۸۰ ع ۱۸/۹
ہے باخبر

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال میں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں (اپنے قانونِ مشیت کے مطابق) اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، کہ وہ (انکا بخل کرنا، مال بچانا) انکے لئے بہتر ہے (ہرگز بہتر نہیں)، بلکہ وہ انکے لئے برا ہے۔ قیامت کے دن ضرور ضرور وہ مال، جو انہوں نے بخل کر کے جمع کیا انکے ساتھ طوق کئے جائینگے (یعنی قیامت کے دن وہ مال انکے گلے کا ہار ہو کر باعثِ عذاب بن جائیگا) اور حقیقت یہ ہے کہ (مال تو اللہ کا ہے۔ انکا تو کچھ بھی نہیں کیونکہ) آسمانوں اور زمین کی میراث خالصۃً اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ اور (اس میراثِ الٰہی پر غاصبانہ قبضہ جمانے کیلئے) جو جو بھی عمل تم بجا لاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔[۲]

ہر چیز کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے

• ؏ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں جار مجرور مقدم نے حصر پیدا کر دیا ہے اور اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ اس حصر نے حضرتِ انسان کو میراث ارضی وسماوی کے حق سے خارج کر دیا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت و میراث ہے۔ نوعِ انسانی کے ہر فرد کا حق صرف ضروریاتِ زندگی ہیں۔ اس امر کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جملہ کے دو مرتبہ تکرار کیساتھ بالفاظِ ذیل فرما رکھی ہے:۔

• وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ = اور اے نوعِ انسانی زمین میں تمہارا حقِ ملکیت صرف یہ ہے کہ تمہیں اس زمین میں آخری دم تک کیلئے رہنے کا مکان بھی (بلا کرایہ) میسر ہو اور ضروریاتِ زندگی بھی تمہیں آخری دم تک پوری طرح میسر آتی رہیں ۔ نوعِ انسانی کے اس حقِ ملکیت کی خبر پر ذیل کے سوالوں کا پیدا ہونا ناگزیر ہے کہ اگر نوعِ انسانی کا قرآنی حق صرف مکان اور ضروریاتِ زندگی ہے تو پھر قرآن کریم میں صدقات، خیرات، زکوٰۃ اور تقسیمِ وراثت کے مسائل کیوں بیان کئے گئے ہیں۔ اسکا جواب مشاہدے کی رو سے بالکل صاف ہے کہ قرآنی معاشرہ ایک دن، ایک ماہ یا ایک سال میں متشکل نہیں ہو سکتا۔ اس میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اسلئے قرآن کریم نے اس مجبوری دور کیلئے نہ صرف اسکے متعلقہ جملہ مسائل بیان کر دیئے ہیں بلکہ ہر گوشے سے متعلقہ

احکام بھی دیدیئے ہیں۔ المختصر: لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۳/۱۸۰ کے الفاظ نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک وارث اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے اور وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ کے الفاظ نے نوع انسانی کے حق ملکیت کی وضاحت کردی ہے۔ اور غیر متوازن معاشرے کو متوازن کرنے کیلئے آیت بالا میں مال خرچ کرنے میں بخل کرنے سے منع کردیا گیا ہے:۔

کیا اللہ تعالیٰ محتاج ہے جو قرضہ مانگتا ہے؟

● غیر متوازن معاشرے کو متوازن کرنے، یعنی ضروریاتِ زندگی سے محروم افراد کو ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کیلئے قرآن کریم میں اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کے الفاظ بتکرار لائے گئے ہیں۔ یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت لاحق ہوگئی ہے اسلئے اُسے قرضہ دو۔ بلکہ معاشرہ کے محروم و محتاج افراد کی احتیاج رفع کرنے کیلئے جو مال خرچ کیا جاتا ہے قرآن کریم میں سے اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کی اصطلاح میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کے الفاظ سے زمانۂ رسالت کے یہودیوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔ وہ ہم سے قرض مانگتا ہے:۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ
بیشک سُن لی ہے اللہ نے بات اُن لوگوں کی، کہا بیشک اللہ ہے
فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ
محتاج اور ہم ہیں دولتمند۔ ضرور لکھتے ہیں ہم جو وہ کہتے ہیں اور
قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا
مخالفت کرنا اُن کا نبیوں کی ناحق۔ اور ہم کہینگے چکھو
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۱۸۱
عذاب جلانے والا

بیشک اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی یہ بات سُن لی ہے جو اُنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں (کیونکہ وہ اَقْرِضُوا اللّٰهَ کے الفاظ میں ہم سے قرضہ مانگتا ہے)۔ ہم اُن کی یہ بات بھی ضرور ضرور لکھتے ہیں اور اُنکا نبیوں کی ناحق مخالفت کرنا بھی ضرور لکھتے ہیں۔ اُنکے ان جرائم کی پاداش میں قیامت کو) ہم اُن سے یہ کہینگے کہ آج اُس عذاب کا مزہ چکھو جو جلانے والا ہے۔ (یعنی قیامت کو اُنہیں آگ کے عذاب میں گرفتار کردیا جائیگا)۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ
مذکورہ سزا ہے بسبب اُس کے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے۔ اور بیشک اللہ نہیں ہے
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۱۸۲
ظلم کرنیوالا واسطے بندوں کے

(اور اُنہیں یہ بھی کہدیا جائیگا کہ) مذکورۂ بالا سزا بدلہ ہے اُسکا جو تم نے آگے بھیجا (یعنی جو بُرے عمل تم دُنیا میں بجالائے یہ اُنکی سزا ہے) حقیقت یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ (بلاوجہ عذاب کا فیصلہ دیکر) اپنے بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں ہے۔

● ملہ اہلِ قواعد نے لکھا ہے کہ مضارع پر سَ داخل ہو تو مستقبل قریب کا فائدہ دیتا ہے لیکن قرآن کریم میں مضارع پر داخل ہونیوالا سَ مضارع حال تاکید کیلئے بھی آتا ہے۔ جیسے کہ اس آیت میں بھی سَنَكْتُبُ کا یہ معنی غلط ہے کہ ہم عنقریب لکھینگے۔ کیونکہ اچھے بُرے اعمال تو ہر آن ساتھ کے ساتھ لکھے جاتے چلے جارہے ہیں۔ سَ کی بحث کیلئے دیباچہ کا دیکھئے صفحہ ۹۴۔

• ۱۸۱ ذُوْقُوْا بھی ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ جس کا لفظی معنیٰ ہے چکھو۔ اور اصطلاحی معنیٰ ہے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ۔

• ۱۸۲ قرآن کریم میں جو آگ کے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ دنیا میں قومی سطح پر قوموں قوموں کی باہمی جنگ میں کسی قوم کا شکست کھا جانا آگ کا عذاب ہے جو ذہنوں کو جلاتا رہتا ہے۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـئِدَةِ ۱۰۴/۶-۷ یہ اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ آگ ہے جو ذہنوں کو جلاتی ہے۔ اسکے علاوہ اُخروی زندگی میں بھی جنت و نار کی خبر دی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اہلِ جنت کو اُن جنتی کرّوں میں رکھا جائیگا جن میں پھلدار باغوں کی بہتات ہے، اُن میں بہتی نہروں (قدرتی دریاؤں) کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ جہاں آب و ہوا معتدل، بہتے چشمے، لمبے سائے اور پھلوں کی کثرت ہے۔ اسکے برعکس اہلِ نار کو اُن گرم کرّوں میں دھکیل دیا جائیگا جہاں ایسی شدید گرمی ہے جو جلد کو جھلس کر رکھدے۔ سائے مفقود، پانی گرم جو انتوں تک کو جلا دے۔ اور جن کرّوں کی پیداوار صرف کڑوی تھوہر ہے۔ اہلِ نار یعنی گرم کرّوں والوں کی کھانی کڑوی تھوہر اور گرم پانی ہوگا۔

سوختنی قربانی بہتان محض ہے

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہودیوں کے ایک اور بہتان کی خبر دی گئی ہے جو انہوں نے رسولِ اکرم پر ایمان لانے سے گریز اختیار کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ پر باندھ رکھا تھا۔ انہوں نے حضور سے یہ کہا کہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ لیا ہوا ہے کہ ہم اسوقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جبتک وہ ایسی قربانی کرکے نہ دکھائے کہ اُسے آگ کھا جائے یعنی وہ رسول قربانی کرے۔ اور آسمان سے آگ آئے اور قربانی کے مذبوحہ جانور کو کھا جائے۔

گزارش ہے کہ قرآن کریم میں کسی بھی نبی رسول کے متعلق یہ خبر نہیں دی گئی کہ اس نے کوئی جانور ذبح کیا ہو اور آسمان سے آگ آئی ہو جو اس ذبح کردہ جانور کو کھا گئی ہو۔ یہودیوں کے ہاں نبیوں کیطرف سے دی گئی قربانی کے مقبول و مردود کی یہ نشانی بتائی جاتی ہے کہ جو قربانی مقبول ہو اُسکی حالت یہ ہوتی ہے کہ آسمان سے آگ آتی ہے اور اُس مذبوحہ جانور کو کھا جاتی ہے اور جس مذبوحہ کیلئے نہ آسمان سے آگ آئے اور نہ اُسے جلا کر کھا جائے وہ نامقبول و مردود ہوتی ہے لیکن واضح رہے کہ قرآن کریم میں ایسی قربانی کا تصور تک موجود نہیں۔ حج کے موقعہ پر جو حلال جانور ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ آسمانی آگ کیساتھ جلا کر راکھ کرنے کیلئے نہیں بلکہ انکی غرض خود کھانا اور بھوکوں کو کھلانا بتائی گئی ہے:۔

• وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۲۲/۲۸ = اور چاہیئے کہ اجتماع حج میں شریک ہونیوالے حج کے معلومہ دنوں میں جگالی کرنیوالے چوپایوں کو اللہ کے نام کیساتھ ذبح کیا کریں (پھر ایمان والو!) اس میں سے تم خود بھی کھایا کرو اور بھوکے محتاجوں کو بھی کھلایا کرو۔

• اسکے برخلاف اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنے کی یہ غرض قرآن بھر میں کہیں بھی مذکور نہیں کہ آسمان سے آگ آئے، اُسے وہ کھا جائے، اور بھوکے محتاجوں کے تنور شکم بھوک کی آگ میں بدستور جلتے رہیں۔ سوختنی قربانی کا جو ذکر موجودہ بائبل میں درج ہے وہ بھی یہودیوں کی تحریف کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے انکے متعلق خبر دی ہے:۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۵/۱۳ = وہ کلام الٰہی میں تحریف کرکے اُسے اصل مفہوم سے ہٹا دیتے ہیں۔ جیسے کہ سوختنی قربانی کے شاخسانے سے مذبوحہ جانور کو خود کھانے اور بھوکوں کو کھلانے کے الٰہی مفہوم سے ہٹا کر نام نہاد آسمانی آگ کے کھا جانے کے مقام پر پہنچا دیا گیا ہے۔

موجودہ بائیبل اصل تورات نہیں

• واضح رہے کہ جب کسی کتاب کا ترجمہ کرتے وقت اُسکا متن الگ کر دیا جائے اور صرف ترجمہ ہی کو کتابی شکل دیدی جائے تو اسطرح اوّل تو اُسکے قاری کیلئے کوئی موقعہ باقی نہیں رہتا کہ اس امر کی پڑتال کر سکے کہ کیا ترجمہ اپنے متن اور اُسکے سیاق وسباق کے مطابق ہے یا نہیں۔ مزید برآں یہ کہ پھر جب مجرد ترجمے پر صدیاں گزر جائیں اور اُسکے متعدد ایڈیشن شائع ہو جائیں تو یہ صدیوں بعد کا مجرّد ترجمہ اصل متن سے بالکل مختلف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صدیوں بلا متن چکر کاٹنے میں یکے بعد دیگر متعدد مولفین کے ذاتی رجحانات کا دخل اور کاتبوں کے بشری تقاضوں کی بدولت کتابت کی غلطیوں سے بات کچھ کی کچھ بن جاتی ہے۔ قرآن کریم نے جہاں یہودیوں کو فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا کا چیلنج دیا ہے، یعنی جہاں یہ کہا ہے کہ تورات لاؤ اور اسے اور میرے سامنے پڑھو، وہاں اس امر کا اعلان ہے کہ اصل کتاب لاؤ جو تحریف سے محفوظ ہو۔ لیکن قرآن شاہد ہے کہ زمانۂ رسالتِ محمدی میں بھی اصل تورات موجود نہیں تھی۔ کیونکہ قرآن کریم نے کہیں نہیں بتایا کہ وہ اس چیلنج کے جواب میں تورات لائے اور پڑھکر بتایا کہ اصل تورات کی رُو سے متنازعہ مسئلے اسطرح ہیں۔

• پس اس محرّف تورات ہی کا مسئلہ ہے سوختنی قربانی کا جسمیں اس چیتانی تصور کو انبیاء سلام علیہم کیطرف منسوب کرنے کے ساتھ ساتھ خود اللہ تعالیٰ پر بھی بہتان باندھا گیا ہے کہ اُس نے تورات میں یہودیوں سے وعدہ لے رکھا ہے کہ وہ صرف اُس نبی پر ایمان لائیں جو ایسی قربانی لا کر دکھائے جسے آگ کھا جائے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ آیت مجیدہ اور اُسکا مفہوم پیش کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس آیت مجیدہ میں ایک جزا کی شرط محذوف ہے اور ایک شرط کی جزا حذف ہے آیت مجیدہ کے الفاظ آپکے سامنے آ رہے ہیں۔ اُن میں فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ جزا ہے جس کی شرط محذوف ہے۔ اور اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ایک شرط ہے جس کی جزا مقدر ہے۔ (دلائل اپنے مقام پر آگے آ رہے ہیں) پہلے آپ ذیل میں آیت مجیدہ معہ متقابل کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ ترجمہ کے وہ الفاظ جو خطوط وحدانیوں کے اندر ہیں، اور جن پر خط کھینچ دیئے گئے ہیں وہ محذوفات کا ترجمہ ہیں۔ خطوط وحدانی ۱ کے الفاظ شرط محذوف کا اور خطوط وحدانی ۲ کے الفاظ جزا محذوف کا اردو ترجمہ ہیں۔ آئیے! اب آیت مجیدہ پورے غور کیساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ
جو لوگ کہتے ہیں کہ بیشک اللہ نے عہد لیا ہے طرف ہماری کہ ہم نہ ایمان لائیں

لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ
واسطے کسی رسول کے حتیٰ کہ وہ لائے ہمارے پاس ایک قربانی کھا جائے اسے آگ۔ کہہ

قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ
بیشک آئے تمہارے پاس رسول پہلے مجھ سے ساتھ دلائل کے اور ساتھ اسکے جو

قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۱۸۳
کہتے ہو تم پھر کیوں مخالفت کی تم نے اُنکی۔ اگر تم ہو سچے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیشک ہم سے اللہ نے وعدہ لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر اُسوقت تک ایمان نہ لائیں جبتک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے۔ (اے رسول! آپ انہیں کہدیجیئے کہ (اگر ایسا ہی ہے کہ) بیشک تمہارے پاس مجھ سے پہلے رسول واضح دلائل اور وہ چیز بھی لائے تھے جو تم کہتے ہو۔ تو پھر تم نے رسولوں کی مخالفت[۱] کیوں کی تھی۔ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو (تو اصل تورات لاؤ اور اپنا دعویٰ پڑھکر ثابت کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے مذکورہ وعدہ لے رکھا ہے)۔ (۱ قتل کا لغوی معنیٰ مخالفت کرنا بھی ہے)

آیت مجید ۳/۱۸۳ سے متعلقہ اہم نوٹ

• سوختنی قربانی کے جیبناتی تصور کے متعلق آیت بالا پر بنظرِ تعمق غور فرمائیں :-
• آیت زیرِ بحث میں فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ کا جُملہ جزا ہے۔ اِسکی فا جزائیہ ہے اور اِس جزا کی شرط قل کے بعد اِنْ کَانَ کَذَا محذوف ہے۔ اور تقدیرِ کلام یہ ہے :- قُلْ اِنْ کَانَ کَذَا قَدْ جَآءَکُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ وَبِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ۔ اور اِسکا اُردو ترجمہ یہ ہے کہ کہدیجیئیگا اے رسول! اگر ایسا ہے کہ مجھ سے پہلے بیشک تمہارے پاس ایسے رسول آئے تھے، جو واضح دلائل کیساتھ ساتھ وہ سوختنی قربانی بھی لائے تھے جو تم کہتے ہو تو پھر تم ایسے رسولوں کی مخالفت کیوں کرتے تھے ـ بنی اسرائیل کی حضرتِ موسیٰ کی مخالفت ضرب المثل ہے۔ ہر بات پر اُن کے حکم کی مخالفت، کبھی تو یہ کہتے کہ اے موسیٰ ہمیں ایک بُت بنا دیجئے جس کی ہم پُوجا کریں۔ اور جب آپ کتاب لکھوانے کیلئے طُور پر گئے تو بچھڑے کی پُوجا شروع کردی۔

• المختصر: الفاظِ بالا میں فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ کا جُملہ فا جزائیہ سے شروع ہوتا ہے اور اِسکی شرط محذوف ہے اِنْ کَانَ کَذَا ۔ اور اسیطرح اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کا جُملہ شرطیہ ہے اور اِسکی جزا محذوف ہے فَاْتُوْا بِکِتٰبِکُمْ فَاتْلُوْهَا : اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنی غیر محرّف کتاب لاؤ اور پڑھکر ثابت کرو کہ تم سے اللہ نے مذکورہ وعدہ لے رکھا ہے۔

• اب رہا یہ سوال کہ کیا عربی ادب میں کسی شرط کی جزا اور کسی جزا کی شرط کا محذوف ہونا مسلّم ہے؟ جواباً عرض ہے کہ شرط کی جزا محذوف ہونا تو قرآنِ کریم میں عام ہے۔ جیسے کہ ۱۳/۳۱ کے جُملہ شرطیہ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ .... الخ کی یہ جزا محذوف تو مولوی اشرف علی صاحب، مولوی احمد علی صاحب، مولوی ثناء اللہ صاحب اور مولوی مقبول احمد صاحب سب نے تسلیم کی ہوئی ہے کہ اگر کوئی پڑھنے کی چیز ایسی ہوتی کہ اُسکے ساتھ پہاڑ چلائے جا سکتے، زمین کی مسافت قطع کیجا سکتی یا مُردوں سے باتیں کی جاسکتیں تو اس قرآن کیساتھ بھی ایسا کیا جا سکتا۔ اب رہا کسی جزا کی شرط کا محذوف ہونا تو اِسکے لئے دیکھئے نحو کی مشہور کتاب مُغنی اللّبیب مطبوعہ مصر کا صفحہ ۱۷۴، جس پر حذفِ جُملہ شرط کا الگ باب باندھکر جزا مذکور کی شرط محذوف کو تسلیم بھی کیا ہے۔ اور قرآنِ کریم سے اِسکی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ ذیل میں صاحب مُغنی اللّبیب کی پیش کردہ قرآنی مثالوں میں سے صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے :-

• وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۴۲/۸ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ ۴۲/۹۔
اِن آیتوں کا لفظی ترجمہ یہ ہے :- اور جو ظالم ہیں اُنکا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار ہے۔ ۴۲/۸ کیا اُنہوں نے اللہ کے سوا کوئی اور کارساز بنالئے ہیں بس اللہ ہی (معہ اُنکے سب کا) کارساز ہے۔

• دیکھئے اِس لفظی ترجمہ کے مطابق آیت نمبر ۴۲/۸ اور ۴۲/۹ میں تضاد ثابت ہوتا ہے۔ کہ ۴۲/۸ میں کہا گیا ہے کہ ظالموں کا کوئی ولی نہیں۔ اور ۴۲/۹ میں کہا گیا کہ اُنکا بھی اللہ ولی ہے۔ فلہٰذا لازم آتا ہے کہ اِس تضاد کو دُور کیا جائے۔ صاحبِ مُغنی اللّبیب نے اِس تضاد کو اِسطرح دُور کیا ہے کہ خط کشیدہ جُملہ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ کی ابتدائی فا کو جزائیہ مانکر اِسکی شرط محذوف ذیل کے خط کشیدہ الفاظ میں بانداز ذیل نکالی ہے :- اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۚ اِنْ اَرَادُوْا اَوْلِیَآءَ بِالْحَقِّ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ۔

اِسکا مفہوم یہ ہے :- کیا اِن ظالموں نے اللہ کے سوا کوئی کارساز بنا رکھے ہیں؟ یعنی انہیں اللہ کے سوا کوئی کارساز نہیں بنانا چاہیئے۔ اگر وہ اولیاءِ حق کا ارادہ کریں تو اللہ ہی ہے جو تمام لوگوں کا کارساز ہونے کی صورت میں اُنکا کارساز بھی وہی ہے۔

• دیکھئے بجملہ اگر آئت مجیدہ ۴۲/۹ میں جملہ شرطیہ محذوف نہ مانا جائے جسکی جزا فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ ہے تو آیاتِ مجیدہ ۴۲/۸ اور ۴۲/۹ کا تضاد رفع نہیں ہوتا۔ اِسیطرح آئتِ زیرِبحث ۳/۱۸۴ میں فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ جو فا سے شروع ہونیوالا جملہ جزائیہ ہے اگر اسکی شرط محذوف نہ مانی جائے تو اِس آئت کا اگلی آئت کیساتھ تضاد و تخالف ثابت ہوتا ہے۔ دیکھئے آئتِ زیرِبحث ۳/۱۸۳ میں جملہ شرطیہ محذوف نہ ماننے سے اسکا مفہوم یہ بنتا ہے :-

• اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۳/۱۸۳ = جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیشک ہم سے اللہ نے وعدہ لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر اُسوقت تک ایمان نہ لائیں جبتک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے اے رسول! کہدیجئیگا کہ بیشک مجھ سے پہلے رسول تمہارے پاس آیات بینات لیکر آئے اور وہ چیز بھی لیکر آئے جو تم کہتے ہو یعنی سوختنی قربانی۔ تو پھر تم نے ایسے رسولوں کی مخالفت کیوں کی تھی۔

• اب غور طلب یہ چیز ہے کہ اِس مفہوم میں تو رسولِ اکرم کی زبانِ اقدس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سے پہلے رسول آیات بینات اور سوختنی قربانی دونوں چیزیں لائے تھے۔ لیکن اِس سے اگلی آئت مجیدہ ۳/۱۸۴ میں کہا گیا ہے کہ نہ آنحضورؐ اور نہ آپ سے پہلے کوئی نبی رسول واضح دلائل کے سوا سوختنی قربانی لائے تھے۔ بلکہ وہ تو صرف آیات بینات اور سورہ مجیدہ پر مشتمل صرف روشن کتاب لائے تھے۔ لہذا اِس تضاد کو رفع کرنا ضروری ہے۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ
پس اگر آپکو جھٹلایا ہے تو بیشک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے
جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۱۸۴
جو لائے واضح آئتیں اور سورتیں یعنی ایک کتاب روشن۔

پس (اے رسول!) اگر انہوں نے (سوختنی قربانی کی آڑ میں) آپکو جھٹلا دیا ہے تو (غمگین نہ ہوئیگا) تحقیق آپ سے پہلے رسول بھی جھٹلائے گئے تھے۔ جو واضح آئتیں اور سورتیں یعنی (وہ سب) ایک ہی روشن کتاب ۳/۱۸۴ لیکر آئے تھے ۱

• ۱ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ الگ الگ تین چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک ہی چیز ہے کتاب منیر۔ بینات آیات کی صفت ہے اِس سے مُراد ہیں اللہ کی آئتیں۔ زُبر کا معنٰی ہے ٹکڑے، حصے۔ اِن سے مراد ہیں کتاب کی سورتیں اور والکتب المنیر سے ماقبل واؤ تفسیر ہے۔ اور آئت مجیدہ کا معنٰی یہ ہے کہ سابقہ رسول بھی رسولِ اکرم کیطرح اللہ کی کتاب ہی لائے تھے جو سورتوں اور آئتوں پر مشتمل ہوتی تھی۔

• حقیقت یہ ہے کہ اگر سابقہ رسولوں کو کتابِ مُنیر روشن کتاب کے سوا کوئی سوختنی قربانی دیگئی ہوتی تو آنحضورؐ کو بھی دیجاتی۔ کیونکہ آپ بھی تو رسولوں میں سے ایک رسول تھے۔ يٰسۗ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ۳۶/۱تا۳ = اے سیدا قرآن حکیم کی شہادت ہے کہ آپ رسولوں میں سے ایک رسول ہیں۔

• آیت بالا کے الفاظ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ پر غور فرمائیں۔ یہودیوں نے صرف آنحضورؐ ہی کو نہیں جھٹلایا بلکہ آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھی جھٹلایا تھا۔ اور جو وجہ آپکو جھٹلانے کی تھی آیت بالا کے الفاظ سے وہی وجہ پہلے رسولوں کو جھٹلانے کی ثابت ہے۔ کیونکہ اِن الفاظ کے بعد بالوضاحت بتا دیا گیا ہے کہ اے رسولؐ! آپ سے پہلے جن رسولوں کو جھٹلایا گیا تھا وہ بھی تو ہماری آیتیں سورتیں یعنی کتابِ مُنیر ہی لیکر آئے تھے۔ اگر کتابِ مُنیر کیساتھ سابقہ رسولوں کو سوختنی قربانی بھی دیگئی ہوتی تو آیت بالا ۳/۱۸۴ میں یہ آنا چاہیئے تھا۔ جَآءُو بِالْبَيِّنٰتِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ وَالْقُرْبَانِ تَاْكُلُهُ النَّارُ۔ لیکن برادرانِ عزیز! انبیاء سلام علیہم کو کتابِ منیر کے سوا کسی نام نہاد سوختنی قربانی دیئے جانے کا نہ یہاں ذکر ہے اور نہ پورے قرآن بھر کسی جگہ پر اسکا معمولی سا اشارہ ہی موجود ہے پس سوختنی قربانی کا شاخسانہ یہود کا خود افتری کردہ اور تحریف فی التوراۃ ہے۔

ایک ضروری سوال کا جواب

• اِس سلسلے میں ایک سوال یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ آیت مجیدہ زیر بحث ۳/۱۸۴ میں اِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ شرط موخر کی جزا مقدم موجود ہے فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ۔ یعنی جب یہاں شرط موخر کی موجود ہے تو شرط موجود کی جزا اور جزا موجود کی شرط محذوف نکالنا کسطرح صحیح ہو سکتا ہے؟ — جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم کا ٹھوس دعویٰ ہے کہ اِس میں تضاد و تخالف ہرگز نہیں ۴/۸۲۔ لیکن اگر مذکورہ شرط کی جزا محذوف اور مذکورہ جزا کی شرط محذوف نہ نکالی جائے تو اِسطرح چونکہ آیت مجیدہ ۱۸۳ اور ۱۸۴ میں تضاد و تخالف ثابت ہے۔ اِسلیئے اِس تضاد کو دُور کرنے کیلئے ہر دو محذوفات نکالنے لازم بھی ہیں اور صحیح اور درست بھی۔

سوختنی قربانی کے متعلق ایک ضروری نوٹ

• واضح رہے کہ سوختنی قربانی کا تصور یکسر غیر قرآنی ہے۔ کیونکہ قربانی کی قبولیت کا یہ نشان کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ بھوک کے محتاج بھوک کے جہنم میں جلتے رہیں اور قربانی کے جانور کو آگ جلا کر راکھ کر دے بھر یہ تصور ہر مقام پر فِٹ نہیں بیٹھتا۔ کیونکہ لفظ قُربان جو آیت زیر بحث ۳/۱۸۴ میں آیا ہے اسکا معنیٰ کسی جانور کی قربانی ہے ہی نہیں۔ کیونکہ نہ تو آیت زیر بحث کے سیاق سباق میں کسی جانور کو ذبح کرنیکا اشارہ تک موجود ہے اور نہ قرآن کریم میں کعبہ کی نیاز کے جانوروں کیلئے قرآن بھر میں کہیں قُربان یا قربانی کا لفظ ہی آیا ہے۔ اسلامی مرکز یعنی خانہ کعبہ میں پہنچائے جانیوالے جانوروں کو قرآن کریم میں ہدی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے نیز انہیں قلائد بھی کہا ہے ۵/۲

• قُربان یا قربانی کا مطلق معنیٰ ہے اللہ کے قریب ہونے کا ذریعہ۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے قریب ہونے کا ایک ہی نسخہ بتایا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ = اے رسولؐ! ہمارے قانون کی پوری پوری اطاعت کر اور قریب ہو۔ دیکھا آپنے کہ قرآن کریم کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ہر عمل ہی قربانی ہے۔

• بتائیے! اگر کسی آدمی کے پاس صرف دو روٹیاں ہوں جنہیں وہ خود نہ کھائے اور بھوک کے محتاج کو کھلا دے تو کیا یہ قربانی نہیں۔ اور کیا اس عمل کی بدولت وہ اللہ کے قریب نہیں ہوا۔ اِسیطرح اگر کسی مومن کے جسم پر پیوند لگا لباس ہے لیکن جب اُسے نیا لباس میسر آتا ہے تو اُسے ایک ایسے آدمی کو پہنا دیتا ہے جس کے جسم پر پیوند لگا لباس بھی موجود نہیں۔ اور خود پیوند لگے لباس پر قناعت کر لیتا ہے تو کیا یہ قربانی نہیں۔ اور کیا اس عمل کی بدولت اُسے اللہ کی قربت نصیب نہیں ہوتی۔ اب رہا ان قربانیوں کی قبولیت اور عدم

قبولیت کا سوال؟ تو اس مقام پر قبولیت کا یہ معیار کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ قربانیوں کی روٹیوں اور کپڑوں کو تو آسمان سے آگ آ کر جلا کر راکھ کر دے اور بھوکے اور ننگے بیچارے منہ تکتے رہ جائیں۔ دیکھئے! سوختنی قربانی کا تصور کس طرح خود بخود غلط اور خود تراشیدہ ثابت ہوتا چلا جا رہا ہے۔

● سورہ مائدہ میں نوع آدم کے دو افراد کا قصہ درج ہے کہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کیلئے کچھ قربان کیا۔ قَرَّبَا قُرْبَانًا ۵/۲۷۔ قربانی کا قرآنی مفہوم آپ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کے الفاظ میں دیکھ چکے ہیں "قوانین الٰہی کی اطاعت کرنا"۔ یعنی کوئی شخص جتنا زیادہ قوانین الٰہیہ کا مطیع ہوگا، اتنا زیادہ اللہ کے قریب ہوگا۔ تو اس طرح دونوں نے اطاعت الٰہی کا الگ الگ عمل کیا۔ لیکن ایک کا قبول ہوا، اور دوسرے کا قبول نہ ہوا۔ قرآن کریم کے اس مقام پر بھی قربانی کی قبولیت کا نشان آگ کا آنا اور کھا جانا نہیں بتایا گیا۔ اور نہ وہاں جانوروں کے ذبح کرنے کا ہی ذکر ہے کہ ایک کا جانور آگ کھا گئی اور دوسرے کا وہیں پڑا رہا۔ پھر سنئے گا کہ قربانی نام ہے قوانین الٰہی کی اطاعت کا۔ اور قبولیت و عدم قبولیت کا نشان ہے اعمال کے ثمر کا میسر آنا یا نہ آنا۔

● یعنی جسے اسکے عمل کا ثمر میسر آیا اسکا عمل اللہ کے ہاں قبول ہوا اور جسے اپنے عمل کا ثمر میسر نہ آیا اسکا نامقبول ہوا۔ مثلاً دو بھائی الگ الگ اپنے اپنے کھیت میں گندم بوتے ہیں۔ وقت آرام اور بیج قربان کرتے۔ سحری کے وقت اٹھ کر کھیت میں جاتے اور ہل چلاتے ہیں۔ دو دو من گندم قربان کر کے مٹی میں ملا دیتے ہیں۔ ایک بھائی کو جیٹھ کے مہینے میں فصل کامل میسر آتی ہے۔ اور دوسرے کو میسر نہیں آتی یا کم میسر آتی ہے۔ تو گویا ایک کی قربانی مقبول اور دوسرے کی نامقبول ہوئی۔ الفاظ قرآنیہ میں قبولیت کا نشان اتقا بتایا گیا ہے یعنی قوانین الٰہی کی مخالفت سے بچنا۔ آیت مجیدہ ۵/۲۷ کے الفاظ یہ ہیں:-

● وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۘ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۵/۲۷ = اور اے رسول! انہیں پڑھ کر سنائیے دو بنی آدم کی سچی سچی خبر کہ جب ان دونوں نے اللہ کے قریب ہونے کیلئے الگ الگ عمل کئے تو ان دونوں میں سے ایک کا عمل قبول ہوا اور دوسرے کا قبول نہ ہوا۔ اس (دوسرے) نے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا۔ (پہلے نے) کہا سوا اسکے نہیں کہ اللہ تعالیٰ انکے اعمال قبول کرتا ہے جو قوانین الٰہیہ کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جو کسان ہل چلانے کے بعد ناقص بیج بو دیگا، اسکی محنت و قربانی قبول نہیں کی جائیگی۔ حتیٰ کہ اگر بیج بھی اچھا بویا ہے لیکن اگر بعد کے درمیانی مراحل میں کہیں بھی قوانین الٰہیہ سے غفلت برتیگا تو اسکی قربانی قبول نہیں ہوگی۔ اگر کھیتی کی حفاظت نہیں کی تو اسے مویشی برباد کر جائینگے یا چڑیاں چگ جائینگی۔ اور اگر بر وقت پانی نہیں دیا تو سورج کی تمازت سے پوری فصل جھلس کر راکھ ہو جائیگی۔ آیت مجیدہ ۵/۲۷ کیساتھ روائتی تفاسیر نے یہ چیستانی قصہ چسپاں کر رکھا ہے کہ بابا آدم کے ہاں روزانہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوا کرتی تھی۔ آپ ایک دن کے لڑکے کیساتھ دوسرے دن کی لڑکی کا نکاح کر دیتے تھے (معاذ اللہ! بہن بھائی کا نکاح) ایک لڑکے کیساتھ پیدا ہونیوالی لڑکی زیادہ خوبصورت تھی اسلئے اس نے اصرار کیا کہ میں تو اپنے ساتھ پیدا ہونیوالی لڑکی سے شادی کرونگا۔ اس جھگڑے کو چکانے کیلئے حضرت آدمؑ نے کہا کہ تم دونوں قربانی کرو، جس کی قبول ہوئی وہ اس لڑکی سے شادی کریگا۔ ایک کی قبول ہوئی اس نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ اور پھر بھائی کی لاش کو اٹھائے اٹھائے پھرتا رہا۔ ایک کتے

نے قبر کھودنے کا طریقہ سکھایا اور اُس نے بھائی کی لاش کو دفن کیا۔ اِس حیرانی قصّے کی مکمل بحث اپنے مقام پر آیات مجیدہ $\frac{5}{31}$ ۲۷ تا ۳۱ کی تفسیر میں آگے آئیگی انشاء اللہ!

رجوع الی المطلب • قربانی کی قرآنی تفصیل میں ہم دُور نکل گئے ہیں سلسلۂ درس آئت نمبر ۱۸۴ پر چل رہا ہے جسمیں وضاحت کر دیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی رسُولوں کی صداقت کا یہ نشان ہرگز نہیں تھا کہ وہ جانوروں کو ذبح کر کے اور جلا جلا کر دکھایا کریں بلکہ وہ سلسلۂ درس کی آئت زیر بحث کے الفاظ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ $\frac{3}{184}$ کے مطابق ایک روشن کتاب لاتے تھے جس کا ایک ایک حکم ہمیشہ ہمیشہ سے آفتاب و ماہتاب سے بڑھکر روشن چلا آرہا ہے۔ یہ نورمبین تورات و انجیل کے بعد اب قرآن حکیم کی دفتین میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اِس روشن کتاب میں قیامت کو اعمال کی باز پرس کو تکرار کثیر دہرایا گیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں مَوت کو یقینی قرار دینے کے ساتھ ساتھ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں پُورے پورے عدل کی خبر دیگئی ہے:۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ
ہر جان چکھنے والی ہے موت کو۔ اور سوائے اسکے نہیں کہ تم پورا دیئے جاؤ گے
اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ
اجر اپنے دن قیامت کے۔ پھر جو شخص بچایا گیا آگ سے
وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ
اور داخل کیا گیا جنت میں پس تحقیق وہ ہُوا کامیاب اور نہیں ہے زندگی دُنیا کی
اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ $\frac{3}{185}$
مگر سامان دھوکے کا

(اے تمام لوگو! اچھی طرح سُن لو کہ یقیناً) ہر جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے! اور یہ ایک یقینی امر ہے کہ تم سب (مرنے کے بعد) قیامت کے دن (زندہ کئے جاؤ گے اور اپنے) اپنے عملوں کا پورا پورا بدلہ دیئے جاؤ گے۔ پھر (اُس دن) جو کوئی (اپنے عملوں کی بدولت) آگ سے بچا لیا جائیگا اور جنت میں داخل کیا جائیگا پس وہ اُس دن کامیاب ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس دُنیا کی زندگی[1] (یعنی اجتماعیت کے خلاف انفرادی مفاد پرستی کی زندگی) نہیں ہے کچھ بھی مگر اسکا سامان دھوکا اور فریب محض ہے[2]۔

[1] • دُنیا کا لفظ د۔ن۔و = دنو سے ہے جس کا بنیادی معنٰی ہے نزدیک ہونا۔ اسطرح اسکا معنٰی ہے نزدیک ترین چیز۔ اور ادنٰی کا مصدری معنٰی ہے کسی چیز کو نزدیک لانا۔ $\frac{33}{59}$ میں يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ میں يُدْنِيْنَ کا لفظ مادہ دنو سے ہے اور اِس جُملے کا معنٰی یہ ہے کہ عورتیں اپنی چادریں اپنے نزدیک کر لیا کریں یعنی اپنے اُوپر اوڑھ لیا کریں۔ $\frac{30}{3}$ میں اَدْنَى الْاَرْضِ کا معنٰی ہے قریب کی زمین۔ پس دُنیا کا معنٰی جب قریب کی چیز ہُوا تو حیٰوۃُ الدُّنیا کا معنٰی ہُوا قریب کی زندگی۔ اور اِس قریب کی زندگی حیٰوۃُ الدُّنیا کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ نے آخرت کی زندگی کی کامیابی کو منزلِ مقصود قرار دیا ہے۔ حیٰوۃُ الدُّنیا ایک قرآنی اصطلاح ہے جسکا معنٰی ہے ذاتی مفاد کیلئے پرائے حقوق کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ناجائز طور پر متاعِ دُنیا جمع کرتے چلے جانا۔

[2] • اِس دُنیا کی زندگی میں جو مال صرف اِسی زندگی کے مفاد کیلئے حاصل کیا جائے اُسے آئت بالا میں متاع الغرور بتایا گیا ہے۔ کیونکہ ارض و سماوات کے خزانے پُوری نوعِ انسانی کا مساوی حق ہیں۔ اگر مساویانہ انداز کیساتھ صرف اپنا حق لیا جائے اور پرائے حق سے اجتناب کیا جائے تو یہی مال متاع الغرور کی بجائے حسنہ بن جاتا ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری ہے:۔

• لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۱۶/۳۰ : واسطے اُن لوگوں کے۔ جو اس دُنیا میں توازن قائم کرتے ہیں، اِس دُنیا میں بھی متاعِ دُنیا متوازن ہے۔ اور جو لوگ اجتماعیت سے الگ ہو کر انفرادی مفاد پرستی کیلئے متاع الدنیا حاصل کرتے ہیں، اُنکا وہ مال جو برائے حقوق کی پرواہ نہ کر کے ذاتی مفاد کیلئے جمع کیا جائے متاع الغرور ہے محض دھوکے کا سامان ہے۔ یہ چند روزہ زندگی تو خواب کیطرح گزر جائیگی مگر اللہ تعالیٰ کی عدالتِ عالیہ میں بُری طرح شرمسار ہونا پڑیگا۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کہا گیا ہے کہ تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں کے ذریعہ اُجاگر کیا جائیگا کہ تم کس قسم کے مال اکٹھے کرتے ہو اور کیا اپنی جانوں کو ذاتی مفاد پرستی کیلئے خرچ کرتے ہو یا نظامِ ربوبیت کے قیام کیلئے۔ ساتھ ہی بتا دیا گیا ہے کہ خبردار رہو، تمہیں نظامِ ربوبیت کے قیام کے ضمن میں اہلِ کتاب کیطرف سے بہت سے طعن طنوڑ سے اور بہت سخت سست سُننا پڑیگا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَ

البتہ تم ظاہر کئے جاؤگے بذریعہ مالوں اپنوں کے اور جانوں اپنی کے اور

لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

تم ضرور سنوگے اُن لوگوں سے کہ دیئے گئے ہیں کتاب پہلے تم سے

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا

اور اُن لوگوں سے کہ شرک کیا طعنے بہت۔ اگر تم ثابت قدم رہو

وَتَتَّقُوْا ۱ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۱۸۶

اور بچاؤ چاہو۔ تو بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

(اے ایمان والو!) تم ضرور ضرور اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعہ ظاہر کئے جاؤ گے (کہ تم مال کسطرح حاصل کرتے ہو اور جانیں کس غرض کیلئے لڑاتے ہو) اور تم اُن لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے، اور اُن لوگوں سے بھی جو اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں، ضرور ضرور سُنوگے بہت زیادہ ایذا کی باتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تم (اپنی مہم کی انجام دہی کیلئے ٹھنڈے دماغ کیساتھ طعنے سُنتے ہوئے) ثابت قدم رہے اور اپنے بچاؤ کا سامان کرتے رہے[۱] تو بیشک یہ بڑا ہمت کا کام ہے (کامیابی یقیناً تمہارے قدم چومیگی)

• [۱] اِس آیت مجیدہ میں تَتَّقُوْا کے الفاظ میں دشمن سے بچنے کیلئے بچاؤ کے سامان مہیا کرنے کو مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْر کہا گیا ہے جس پر عالمی مشاہدہ ہے کہ دُنیا میں کامیاب وہی قومیں ہیں جو بچاؤ کے زیادہ سے زیادہ سامان تیار کرتی ہیں۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب سے لئے گئے اس وعدے کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کے احکام کو لوگوں تک ضرور ضرور پہنچا دینگے اور اُسے ہرگز چھپا ئینگے نہیں۔ مگر اُنہوں نے اِس وعدے کو یکسر بھلا دیا۔ اور دُنیا کے حقیر مال کیلئے اللہ کے احکام میں ردّ و بدل کر دیا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور جب لیا اللہ نے وعدہ اُن لوگوں سے جو دیئے گئے کتاب

لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ

ضرور ظاہر کرینگے اسکو واسطے لوگوں کے اور نہ چھپائینگے اسے پھر ڈالدیا اُسے پیچھے

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں (کے عالموں) سے عہد لیا جو (تم سے پہلے) کتاب دیئے گئے تھے۔ کہ تم ضرور اُسے لوگوں پر ظاہر کرو گے اور اُسے چھپاؤ گے نہیں لیکن اُنہوں اِس وعدہ کی مخالفت کرتے ہوئے اُس) کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا

ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ ۱۸۷

پیٹھوں اپنی کے اور خریدی بدلے اُسکے قیمت حقیر۔ بہت بُرا ہے جو وہ خریدتے ہیں

اور اُسکے بدلے حقیر قیمت[4] وصول کی۔ (سرمایہ داروحکام سے مل ملاکر عوام کے حقوقِ ربوبیت کی ناہمواری کو اللہ کے ذمہ لگایا) پس کتنی بُری اور حقیر قیمت ہے جو اُنہوں نے اللہ کے احکام کو چھپاکر حاصل کی ہے۔

• ملہ یہاں اگرچہ لفظ اُوْتُوا الْكِتٰبَ کے ہیں یعنی جنہیں کتاب دیگئی تھی۔ لیکن یہاں مُراد ہیں اہلِ کتاب کے عالم لوگ۔ کیونکہ کتاب کو نہ چھپانے بلکہ اُسے بیان کرنے کے جس عہد کا ذکر کیا گیا ہے وہ عام لوگوں سے متعلق نہیں، بلکہ اہلِ کتاب کے علماء سے متعلق ہے کتاب کو بیان کرنا یا اُسکے احکام کو چھپالینا علماء کا کام ہے۔ اہلِ کتاب کے علماء اہلِ کتاب کا ایک جُز ہیں بعض دفعہ ذکر کیا جاتا ہے کُل کا مگر مقصود ہوتی ہے کُل کی وہ جُز جس کے متعلق کچھ کہا گیا ہو۔

• ملہ یہاں لَتُبَيِّنُنَّهٗ کا معنیٰ چھپانے کی ضد سے عیاں ہے ظاہر کرنا۔

• ملہ ثمنِ قلیل کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اگر اللہ کے کسی حکم کو چھپانے کی قیمت ہفت اقلیم بھی حاصل کیجائے تو، اللہ تعالیٰ کی میزان میں حقیر ترین چیز ہے۔

• دُنیا کے اربابِ ثروت کا بہت پُرانا دستور ہے کہ اپنے مفاد کے تحفظ کیلئے علماء کو جاگیریں دیکر کتاب اللہ کے احکام میں تحریف کرواتے چلے آرہے ہیں، چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا کہ یہ لوگ ہر لحظہ نگاہوں کے سامنے تو رکھتے ہیں اپنے ذاتی مفاد مگر ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ سب کچھ عوام کی بھلائی کیلئے کر رہے ہیں۔ اور ہر آن چاہتے ہیں کہ اگرچہ وہ عوام کی بھلائی کا کوئی کام نہ کریں۔ مگر اُنکی ہر جگہ تعریف کی جایا کرے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ

نہ گمان کریں وہ لوگ جو خوش ہوتے ہیں ساتھ اُسکے جو کرتے ہیں اور

يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ

وہ چاہتے ہیں کہ تعریف کیے جائیں ساتھ اُسکے جو نہیں کیا اُنہوں نے پس تو نہ گمان کر اُنہیں

بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۱۸۸

ساتھ بچنے کے عذاب سے۔ اور واسطے اُنکے ہے سزا دردناک۔

نہ گمان کریں وہ لوگ جو فخر کرتے ہیں اُن (کاموں) پر جو وہ کرتے ہیں[1] (کہ گویا اللہ تعالیٰ اُنکی نیت کو نہیں جانتا) حالانکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اُن کاموں کو بھی جو وہ نہیں کرتے (اُنکی طرف منسوب کرکے) اُنکی تعریف کی جائے۔ پس اے رسُول آپ اُنکے متعلق یہ گمان نہ فرمائیں کہ وہ (ہمارے عذاب سے) بچ جائینگے حقیقت یہ ہے کہ اُنکے لئے (اُنکے جرائم کا بدلہ) دردناک سزا ہے۔

• ملہ لفظ اَتَوْا کا سہ حرفی مادہ ا۔ت۔ی = اتی ہے۔ یہ مادہ ذیل کے متعدد مختلف و متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں ایک مصدری معنیٰ کرنا بھی ہے۔ یہاں بِمَآ اَتَوْا کا معنیٰ ہے جو کیا اُنہوں نے۔ لیکن اَتَوْا فعل ماضی چونکہ فعل مضارع يَفْرَحُوْنَ کے ماتحت آیا ہے اسلئے مضارع کا فائدہ دیتا ہے اور اسکا معنیٰ ہے۔ جو وہ کرتے ہیں۔ اس مادہ کے متعدد مختلف مصدری معنے یہ ہیں:۔

• آنا۔ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ ۹/۷ = آئے اُنکے پاس رسُول + تَاْتِيَنَا اٰيَةً ۲/۱۱۸ = آئے ہمارے پاس کوئی نشانی۔

• جانا۔ اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۲۶/۱۰ = کہ جا ظالم قوم کے پاس۔ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ ۲۶/۱۶ = جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس۔

• دینا۔ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ ۳/۸۱ = جو دی میں نے تم کو کتاب۔

• لانا۔ فَاٰتَتْ اُکُلَهَا ضِعْفَیْنِ ۲/۲۶۵ = پس لایا وہ باغ اپنا پھل دگنا۔

• کرنا۔ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ ۴/۱۵ = وہ عورتیں اگر کریں بیحیائی + وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا ۴/۱۶ = اور جو دو مرد کریں اس بیحیائی کو۔ واضح رہے کہ آیتِ بالا ۳/۱۸۸ میں لفظ اَتَوْا کا مصدری معنیٰ ہے کرنا

آسمانوں اور زمین کا اصل حاکم اللہ تعالیٰ ہے

• قرآنِ حکیم کی مرکزی تعلیم یہ ہے کہ نوعِ انسانی اس امر کو ہر آن پوری طرح ذہن نشین کئے رہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ ریاستی نظام کو صحیح رکھنے کیلئے جن لوگوں کو اقتدار میسر آتا ہے، وہ عوام کے حاکم نہیں ہوتے، بلکہ خادم ہوتے ہیں جن کے کندھوں پر متوازن نظام کے قیام کی عظیم ذمہ داری کا بوجھ ڈالدیا گیا ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم کی رُو سے مُلک کے پورے رزق اور رزق کے تمام سرچشموں میں پورے عوام متوازن انداز کیساتھ برابر کے حقدار ہیں۔ اسلئے لازم ہے کہ اربابِ اقتدار ریاست کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر من مانیاں نہ کرتے پھریں۔ ایسا نہ ہو کہ عوام بیچارے ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں اور سربراہ و حکام عیش کوشیوں کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہوں۔ چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں یہی کہا گیا ہے کہ تم حاکم نہیں ہو حاکم تو صرف اللہ تعالیٰ ہے:-

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى
اور واسطے اللہ کے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی۔ اور ہے اللہ اوپر
كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۱۸۹ ع ۱۹/۱۰
ہر چیز کے پیمانے مقرر کرنیوالا

اور صرف اللہ ہی کیلئے ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی۔ (اسکی حکومت میں مطلقاً کوئی شریک نہیں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے، پیمانے اور قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے

• وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں وَلِلّٰهِ جار مجرور مقدم نے حصر پیدا کیا ہے اسلئے اسکا معنیٰ لکھا گیا ہے :- اور صرف اللہ ہی کیلئے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی۔ یہ جملہ اسیطرح کے جار مجرور مقدم کے حصر کیساتھ قرآنِ کریم میں تکرارِ کثیر آیا ہے۔ اسیطرح ذیل کا جملہ بھی قرآن مجید میں جار مجرور مقدم کے حصر کے تکرار کثیر کیساتھ آیا ہے :- لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ = آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ لہٰذا اسطرح آسمانوں اور زمین کی کسی بھی چیز پر نوعِ انسانی کا حقِ ملکیت قرار دینا اور اسے نوعِ انسانی کے مصرف سے الگ کرکے غریب عوام کا استحصال کرنا شرک ہے۔

• اللہ تعالیٰ نے اس تصوّر کو قارئینِ قرآن کے ذہنوں میں اس شدت کیساتھ ٹھونسنے کا اہتمام فرمایا ہے کہ سورہ نساء کی تین آیتوں ۱۲۶، ۱۳۱، اور ۱۳۲ کی باہم قریب اور قریب ترین آیات مقدسہ میں چار مرتبہ کے پے در پے تکرار کیساتھ یہی جملہ لایا گیا ہے لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ = آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ دیکھئے! یہ ہے آیتِ مجیدہ ۴/۱۲۶ :-

• وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ۴/۱۲۶ = اور حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ

بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اللہ اُوپر ہر چیز کے احاطہ کئے ہُوئے ہے (یعنی اُسکی ملکیت پر جو کوئی اپنا حقِّ ملکیت جما بیٹھے وہ اُسے اچھی طرح جانتا بھی ہے اور اُسکو اِس شرک کی پُوری پُوری سزا دینے کی طاقت رکھتا ہے)۔

● اِس سے آگے اِسی ضمن کی دُوسری قریبی آیت ذیل ہے ۴/۱۳۱۔ جو شروع بھی لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ سے ہوتی ہے اور ختم بھی ہوتی ہے اِسی جملے پر۔ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِیَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ۰ ۴/۱۳۱ = اور حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ کی ملکیت ہے۔ اور البتہ تحقیق ہم نے اُن لوگوں کو بھی یہی وصیّت کی ہے، جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں۔ اور تمہیں بھی یہی وصیّت کی ہے کہ (اللہ تعالیٰ کے حقِّ ملکیت میں شرک نہ کرنا) اور اگر تم اسکا انکار کرو تو (تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی) پس (تیسری مرتبہ پھر سُن لو کہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو (ان چیزوں کی ضرورت سے) بے محتاج ہے اور بہت تعریفوں والا ہے۔ (آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اُس نے تمہارے مشترکہ استعمال کیلئے پیدا کی ہیں اُسے اِن چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے)۔

● واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس تبلیغ وضاحت پر بھی بس نہیں کی، بلکہ اِس سے اگلی آیت مجیدہ ۴/۱۳۲، جو اِس سے قریب ترین متصلہ اگلی آیت ہے، اِسے پھر اِسی جملے سے شروع کیا ہے:- وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۰ ۴/۱۳۲ = اور (چوتھی مرتبہ پھر سُن لو کہ) حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اور کافی ہے اللہ کارساز۔ (یعنی انسان کی صحیح کارسازی اللہ تعالیٰ کے معیّنہ اسی اصول میں مُضمر ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کو تسلیم کیا جائے)۔

● ۲۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کے جُملے میں اللہ تعالیٰ نے اِس چیز کی وضاحت کر دی ہے کہ وُہ خُود ہی ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔ اب اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اٹل فیصلہ کر دیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک صرف اور صرف وہ خود ہے تو پھر اِس زمین میں نوعِ انسانی کے حقِّ ملکیت کے متعلق اُس نے کیا اندازہ پیمانہ اور قاعدہ قانون متعیّن فرمایا ہے۔ اِس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے ۲/۳۶ + ۷/۲۴ میں جار مجرور مقدّم کے حصری کیساتھ دیدیا ہُوا ہے:- وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ = اور (اے نوعِ انسانی!) زمین میں تمہارا حقِّ ملکیت صرف اور صرف یہ ہے کہ اِس میں تم سب کو بلا کرایہ مکان بھی میسّر ہو اور ضروریاتِ زندگی بھی سب کو زندگی کے آخری سانس تک متوازن اور مسلسل ملتی رہیں۔ دیکھئے لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ میں بھی جار مجرور مقدّم کا حصر ہے اور وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ میں بھی جار مجرور مقدّم کا حصر ہے۔ نیز دونوں جملوں کے ابتدائی الفاظ لِلّٰهِ اور لَكُمْ دونوں میں لامِ ملکیت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے پُوری کائنات اور انسان کا حقِّ ملکیت ہے زندگی کے آخری دم تک بلا کرایہ مکان اور متوازن ضروریاتِ زندگی۔ پس واضح رہے کہ اِن آیاتِ قرآنیہ کے مطابق کرۂ ارض سے اُس وقت تک فتنہ و فساد ختم نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ نوعِ انسانی اللہ تعالیٰ کے حقِّ ملکیت اور اپنے حقِّ ملکیت کی حدود کی نگہداشت نہ کرے، اور جبتک حقِّ ملکیت کے اِس شرک سے کنارہ کش نہ ہو جائے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۳/۱۹۰ میں عقلمندوں کا نشان بتایا گیا ہے۔ کہ وہ

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کی ہر ایک چیز کو صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت مانتے ہیں۔ اور اشیاءِ کائنات کو اپنی ملکیت قرار دینے کی بجائے، مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کی تخلیق میں غور کرتے رہتے ہیں اور اس عظیم کارگاہِ حیات کے متعلق اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کی ہر چیز اپنے اپنے مقام پر فِٹ بھی ہے اور ضروری بھی ہے۔ خالقِ کائنات نے اس کی کوئی بھی چیز عبث اور بیکار ہرگز پیدا نہیں فرمائی:-

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
بیشک بیچ پیدائش آسمانوں اور زمین کے اور بیچ گھٹنے بڑھنے
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۱۹۰
رات اور دن کے البتہ نشانیاں ہیں واسطے عقلمندوں کے

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس حکیمانہ انداز کیساتھ پیدا فرمایا ہے) اور رات اور دن کے مسلسل گھٹنے اور بڑھتے رہنے میں بلاشبہ عقلمندوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (جو ان پر غور کرتے ہیں)۔

● دیکھئے! آیت بالا میں آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر تفکر، اور رات اور دن کے مسلسل گھٹتے بڑھتے رہنے کے اسباب پر غور کرنا عقلمندوں کا نشان بتایا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر عقلمند وہ ہیں جو غور کرتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کو کسطرح ٹھیک ٹھیک پیدا فرمایا ہے، نیز وہ اُن طبیعاتی اسباب پر غور کرتے ہیں جن کے ذریعہ رات اور دن کا تسلسل جاری ہے۔ اِن الفاظ میں زمین کی محوری گردش پر غور کرنے کی دعوت دیگئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے معیّنہ اور مقرر کردہ اُن اسباب پر غور کرنا جن کی بدولت دن اور رات الگ الگ دو حصّوں میں مسلسل تقسیم ہوتے چلے آرہے ہیں نیز اِخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ کے الفاظ میں زمین کی سالانہ گردش پر غور و فکر کی دعوت بھی موجود ہے جس کے مطابق دن رات مسلسل گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں یعنی اُن قدرتی مخفی اسباب کو معلوم کرنے کی تاکید کیگئی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اِن امُور یعنی دن رات کے گھٹنے بڑھنے کی اساس و بنیاد قرار دیا ہے۔

قرآن کریم اور علم طبیعات

● سورہ انبیاء اور سورہ یٰسٓ میں بتایا گیا ہے کہ جملہ اجرامِ فلکی فضا میں گھوم رہے ہیں:-

● وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۭ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۭ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ ۳۶ تا ۳۸ = اور جو سورج ہے، وہ اپنے اُس مدار پر محوِ گردش ہے جو اُسکے لئے مقرر کیا گیا ہے یہ غالب علم والے کیطرف سے معیّن کردہ اندازہ ہے۔ اور جو چاند ہے، اُسکے لئے ہم نے منزلیں مقرر کردی ہیں حتیٰ کہ وہ کھجور کی کہنہ شاخ کی شکل میں لوٹ آتا ہے۔ سورج کیلئے یہ لائق نہیں کہ وہ چاند کو پکڑ لے (اِن دونوں کیلئے فضا میں الگ الگ راستے مقرر کئے گئے ہیں) اور نہ رات دِن سے آگے نکل جانیوالی ہے حقیقت یہ ہے کہ جملہ اجرام فلکی فضا میں (الگ الگ اپنے اپنے مدار پر) گھوم رہے ہیں۔

روائتی تفاسیر اور علمِ طبیعات۔ زمین گائے کے سینگوں پر ہے۔ اور سمندر کا مدّ و جزر اُسی گائے کے سانس سے پیدا ہوتا ہے۔

● یہ تو ہوا قرآنِ کریم کی رُو سے علمِ طبیعات کا آئینہ، کہ زمین سمیت جملہ اجرامِ فلکی اپنے اپنے مدار پر فضا میں محوِ گردش ہیں لیکن اب روائتی تفاسیر کا علمِ طبیعات ملاحظہ فرمائیے کہ آنحضور سلام علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذمہ یہ لگایا گیا ہے کہ زمین فضا میں محوِ گردش نہیں بلکہ ایک فرشتے کے ہاتھوں اور

ایک گائے کے سینگوں پہ ٹکی ہوئی ہے۔ اسوقت ہمارے سامنے مطبع مرتضوی دہلی کی مطبوعہ جامع التفاسیر کھلی پڑی ہے، جس کے پارہ تبٰرک الذی کے صفحہ ۲۵۰/۲ پر سورہ نون کے پہلے حرف مقطعہ نٓ کی تفاسیر کے ضمن میں بحوالہ تفاسیر بحر العلوم اور معالم التنزیل بروایت حضرت کعبؓ احبار یہ درج ہے کہ:۔

● "روایت کیا مفسروں نے کہ حق تعالیٰ نے بعد پیدا کرنے زمین کے، ایک فرشتے کو زیر عرش حکم کیا تو (اس نے) ساتوں زمینوں نیچے جا کر زمین کو لیے دونوں ہاتھوں پر اُٹھایا۔ ایک ہاتھ اُسکا مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں۔ لیکن اُسکے قدموں کیلئے ٹھہرنے کی جگہ نہ تھی۔ حق تعالیٰ نے ایک گائے جنت سے بھیجی کہ چالیس ہزار سینگ اور چالیس ہزار پاؤں رکھتی ہے۔ اور جواہر سبز کہ دل اُسکا بمسافت پانچ سو برس کے ہے، جنت سے لا کر درمیان کوہان اور کان اُس گائے کے رکھا گیا۔ اور قدم اُس فرشتے کے اُس ہاتھ پر ٹھہرے۔ اور سینگ اُس گائے کے اطراف زمین سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ اور نتھنے گائے کے دریا (سمندر) میں ہیں۔ ہر روز ایک بار دم لیتی ہے۔ مدِ بحر یعنی پھیلنا دریا (سمندر) کا اُسکے دم لینے سے ہے۔ اور جب دم (سانس) اندر لے جاتی ہے، جزرِ بحر یعنی سمٹنا اُس (سمندر) کا اُس سے ہوتا ہے۔ (اس سے آگے جامع التفاسیر کے زیر نظر اقتباس میں یہ لکھا ہے):۔

● اور چونکہ گائے کے پاؤں کیلئے جگہ ٹھہرنے کی نہ تھی۔ حق تعالیٰ نے صخرہ یعنی پتھر کا ٹکڑہ بقدر دل ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے پیدا کیا۔ اور اُس گائے کے پاؤں کے نیچے رکھا۔ اور اُسکے پاؤں اُس پتھر پر ٹھہرے۔ اور صخرہ، کہ بیچ قول لقمان فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ کے مذکور ہے۔ وہ یہی صخرہ ہے۔ اور (اب) چونکہ صخرہ کے ٹھہرنے کی جگہ نہ تھی، حق تعالیٰ نے نون یعنی مچھلی بڑی پیدا کی اور اُس صخرہ کو اُسکی پیٹھ پر رکھا۔ اور تمام بدن مچھلی کا خالی ہے۔ اور وہ مچھلی دریا میں پشت ہوا پر اور ہوا قدرت الٰہی پر ہے بوجھ ساری دُنیا کا اور اُن چیزوں کا کہ دُنیا میں ہیں، دو حرف ہیں کتاب اللہ سے۔ فرمایا اُسکو جبار یعنی کہا اللہ تعالیٰ نے کُن، یعنی ہو جا تو بس ہو گئی۔ کہا کعبؓ احبار نے کہ جس مچھلی کی پیٹھ پر زمین ہے، اُسکو وسوسہ دلایا ابلیس نے، کہا اُسکو کہ آیا جانتی ہے تو کہ کیا تیری پیٹھ پر ہے اے لیوثا! طرح بطرح کی اُمتیں اور جانور اور درخت۔ کاش کہ جھرجھڑا کر پھینک دے تو اُن کو اپنی پیٹھ سے تو اچھا ہے۔
(اس سے آگے لکھا ہے کہ):۔

● پس قصد کیا لیوثا نے اس بات کے کرنے کا۔ پس بھیجا اللہ تعالیٰ نے ایک جانور کہ داخل ہوا اُس مچھلی کے نتھنے میں۔ پس پہنچا وہ اُس مچھلی کے دماغ تک۔ پس فریاد کی مچھلی نے اُس سے طرف اللہ تعالیٰ کے۔ پس حکم کیا اُس جانور کو نکلنے کا۔ پس نکلا وہ۔ کہا کعبؓ نے پس قسم ہے اُس ذات کی، کہ جان میری اُسکے ہاتھ میں ہے۔ بلاشبہ وہ مچھلی دیکھتی ہے طرف اُس جانور کے اور وہ جانور اُس مچھلی کو دیکھ رہا ہے کہ اگر وہ مچھلی کرے کچھ اس میں سے یعنی جھرجھڑا دے مخلوق کے پھینکنے کیلئے۔ تو بیٹھ جاوے وہ اسکے نتھنے میں جیسے کہ پہلے تھا۔ بحر فقط" (یعنی بحوالہ بحر العلوم معالم التنزیل حاشیہ تفسیر جامع التفاسیر) شاہ عبدالعزیز رحمت اللہ علیہ نے بھی یہ قصہ اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے"۔

(جامع التفاسیر کا اقتباس ختم ہوا۔ اب ضمنی فٹ نوٹ ملاحظہ فرمائیں)

● قرآن کہتا ہے کُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۲۱/۳۳ + ۳۶/۴۰ کہ زمین سمیت تمام اجرام فلکی فضا میں معلق ہیں اور محو گردش ہیں۔

لیکن ملاحظہ فرمایا آپنے روائتی تفاسیر کا علم الافلاک کہ زمین ایک فرشتے کے ہاتھوں پر، اور ایک گائے کے سینگوں پر ٹکی ہوئی ہے۔

• ۲۲ پھر اُس گائے کے چالیس ہزار سینگ ہیں جو اطراف زمین سے باہر نکلے ہوئے بھی ہیں۔ افسوس ہے کہ جن لوگوں نے اِسوقت زمین کا چپہ چپہ چھان مارا ہے اُنہیں زمین کے اطراف میں محوّلہ بالا چیستانی گائے کے چالیس ہزار سینگوں میں سے کوئی ایک سینگ بھی آجتک نہیں ملا۔

• ۲۳ نیز روائتی تفاسیر کا علم البحور یعنی سمندروں کا علم بھی آپنے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ سمندر میں جو مدّ و جذر پیدا ہوتا ہے، الگ الگ اُس گائے کے سانس لینے سے پیدا ہوتا ہے۔ جب محوّلہ بالا گائے سانس باہر نکالتی ہے تو سمندر میں مدّ یعنی پھیلاؤ پیدا ہوتا ہے اور جب وہ اپنا سانس اندر لے جاتی ہے تو سمندر میں جذر یعنی سکیڑ پیدا ہوتا ہے۔ یہاں پہنچکر ہوسکتا ہے کہ آپ یہ سوال کریں کہ جب گائے نے بقولِ تفسیر بحر العلوم اور معالم التنزیل، زمین کو اُسکے سمندروں سمیت اپنے سینگوں پر اٹھایا ہوا ہے اور مشاہدہ یہ ہے کہ سمندر سطح زمین کے اوپر واقع ہیں۔ تو اسطرح محوّلہ گائے کے سانس کا زمین کے ہزاروں میل موٹے دَل میں سے گزر کر سطح زمین کے سمندروں تک پہنچنا ممکن ہی نہیں۔ تو پھر یہ امر کسطرح ممکن ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا گائے کا سانس سمندر کے پانی پر اثر انداز ہو کر اُس میں مدّ و جذر پیدا کر سکے۔

• آپکے اِس سوال کا عجیب و غریب جواب بھی اقتباس بالا کے اندر موجود ہے کہ اگرچہ گائے نے زمین کو اپنے چالیس ہزار سینگوں پر اُٹھایا ہوا ہے، اور نیز اگرچہ سطح زمین پر کے سمندر گائے کے نتھنوں کی پہنچ سے مطلقاً باہر ہیں، لیکن وہ گائے ایسی عجیب الخلقت ہے کہ زمین گائے کے سینگوں پر ہے اور گائے کے نتھنے سطح زمین کے ہزاروں میل موٹے دَل کو پار کر کے سطح زمین پر کے سمندروں کے پانی کے اندر گھسے ہوئے ہیں۔ العجب ثم العجب! چنانچہ جب وہ گائے سانس باہر نکالتی ہے تو سمندروں میں مدّ آتی ہے اور جب وہ اپنا سانس اندر لے جاتی ہے تو سمندروں میں جذر پیدا ہوتی ہے۔ کیا مدّ و جذر کے اِس روائتی فارمولے کو کرّۂ ارض کے ماہرین علم طبیعات قبول کرنے کو تیار ہوسکتے ہیں؟ نیز کیا یہی وہ چیستانی علم الطبیعات ہے جو حضرت کعبؓ احبار کی روائت سے آنحضور سلام علیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ!

• ۲۴ صَخرَۃ کا معنی ہے کوئی پتھر۔ لیکن روائتی تفاسیر نے سورہ لقمان $\frac{۳۱}{۱۶}$ میں مذکور حضرت لقمان نے بیٹے کو جو نصیحت فرمائی اور کہا تھا کہ:۔ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنۡ تَكُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ فَتَكُنۡ فِیۡ صَخۡرَةٍ اَوۡ فِی السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِی الۡاَرۡضِ یَاۡتِ بِهَا اللّٰهُ $\frac{۳۱}{۱۶}$ = اے میرے بیٹے اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ کسی پتھر میں بھی ہو (یعنی وہ کسی پتھر کی کھوہ کی انتہائی پوشیدگی میں کیا گیا ہو) یا وہ فضاؤں میں انتہائی مخفیانہ انداز سے کیا گیا ہو۔ یا زمین کے کسی مخفی مقام پر کیا گیا ہو تو پھر بھی اللہ تعالیٰ اُسے مکافاتِ عمل کے دن حساب میں لے آئیگا۔ یہ ہے سورہ لقمان میں مذکور لفظ صَخرہ کا قرآنی مفہوم۔ لیکن اقتباس بالا میں روائتی تفاسیر نے مذکورہ چیستانیات کے ساتھ ہی $\frac{۳۱}{۱۶}$ سورہ لقمان میں مذکور لفظ صَخرہ کا یہ چیستانی مفہوم پیش کر دیا ہے کہ یہ وہی صَخرہ ہے جو روائتی تفاسیر کی محوّلہ بالا چالیس ہزار پیروں اور چالیس ہزار سینگوں والی چیستانی گائے کے ٹھہرنے کیلئے پیدا کیا گیا تھا۔ وہ مذکورہ گائے کے چالیس ہزار پیروں کے نیچے ہے۔ غور فرمایا آپنے کہاں اِس مسئلہ کی تفسیر القرآن بالقرآن کہ زمین سمیت جملہ اجرام فلکی فضا میں محو گردش ہیں:۔ كُلٌّ فِیْ

فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ٢١/٣٣ + ٣٦/٤٠ ۔ مگر روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ زمین فضا میں محوِ گردش نہیں، بلکہ ایک فرشتے کے دو ہاتھوں اور ایک گائے کے چالیس ہزار سینگوں پر پڑی ہوئی ہے۔ اور وہ گائے اُسی صخرہ پر اپنے چالیس ہزار پاؤں ٹکائے کھڑی ہے۔ جس کا ذکر ٣١/١٦ میں فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ میں ہے۔

• ۵ روائتی تفاسیر کا ابلیس بھی ایک خوب تر اور عجیب ترین معمہ ہے کہ وہ صخرہ، جس پر اللہ تعالیٰ نے بقول روائتی تفاسیر اُس گائے کو کھڑا کیا ہوا ہے جس نے زمین کو اپنے چالیس ہزار سینگوں پر اُٹھا رکھا ہے، جب اُس صخرہ کو لیوثا نامی روائتی مچھلی کی پشت پر رکھا تو جھٹ ابلیس آگیا اور لیوثا کو یہ کہکر ورغلانا شروع کر دیا کہ تیری پیٹھ پر تو سات زمینیں رکھدی گئی ہیں۔ تو ذرا اپنے جسم کو جھرجھرا اور اسے اپنی پیٹھ سے نیچے پھینک دے۔ یہاں پر سائل سوال کر سکتا ہے کہ بقولِ روایات ابلیس تو راندۂ درگاہ اُسوقت ہوا جب اُس نے حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا۔ اِس سے پہلے تو وہ بقولِ روایات معلّم الملکوت تھا۔ تو اِسطرح جب ابھی نوعِ آدم پیدا ہی نہیں ہوئی تھی اور ابلیس ابھی معلّم الملکوت کے عہدہ ہی پر فائز تھا تو اُسوقت اُس نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کیوں کی؟ افسوس ہے کہ روائتی تفاسیر میں خود اپنے پیش کردہ تصوّرات کے سیاق و سباق میں بھی تطابق پیدا کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی گئی۔ اور ہم ہیں کہ سبحان اللہ سبحان اللہ کہکر ہر چیز کو تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔

• ۶ اقتباس بالا میں مذکورہ زمین کے قیام کا عجیب و غریب اہتمام بتایا گیا ہے کہ زمین گائے کے سینگوں اور فرشتے کے دو ہاتھوں پر ہے۔ فرشتہ ایک یاقوت کے ٹکڑے پر کھڑا ہے جو جنّت سے لُڑھکا کر گائے کے کوہان اور کانوں کے درمیان رکھا ہوا ہے۔ اور گائے صخرہ (پتھر) پر کھڑی ہے۔ اور صخرہ لیوثا مچھلی کی پیٹھ پر دھرا ہوا ہے۔ جب ابلیس نے لیوثا کو ورغلایا تو اُس نے ارادہ کیا کہ جسم کو جھرجھرا کر زمین سمیت صخرہ گائے اور فرشتے کو نیچے پھینک دے، تو معاً اللہ تعالیٰ نے ایک جانور پیدا کیا جو مچھلی کے نتھنوں میں پہنچکر اُسکے لئے وجۂ عذاب بنا۔ مچھلی نے تنگ آکر اپنے ارادے سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ جانور کو نکلنے کا حکم دیا۔ مگر مچھلی کے سامنے بٹھا دیا تاکہ وہ جب بھی جھرجھرانے کا ارادہ کرے تو یہ اُسکے بھیجے میں گھُس کر اسکا دماغ درست کر دے۔ اور اب حالت یہ ہے کہ مچھلی اُس جانور کو دیکھ رہی ہے اور وہ جانور مچھلی کو دیکھ رہا ہے۔ — برادرانِ عزیز! كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ٢١/٣٣ + ٣٦/٤٠ کے مطابق قرآنی علمِ طبیعات تو یہ ہے کہ زمین سمیت سب کے سب اجرامِ فلکی فضا میں محوِ گردش ہیں۔ سب کے سب اپنے اپنے اُن مداروں پر چل رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُنکے لئے الگ الگ مقرر کر رکھے ہیں۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ٣٦/٣٨ — لیکن غور فرمائیں کہ اِس نظامِ ربانی کے خلاف روائتی تفاسیر کے بتائے ہوئے اِس نظام سے معقول نظام اور کونسا ہو سکتا ہے کہ لیوثا مچھلی اور مذکورہ جانور آمنے سامنے پڑے ہیں، دونوں ایکدوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔ اور مذکورہ جانور ہر آن اِس گھات میں ہے کہ اگر لیوثا ذرا بھی جھرجھرانے کا ارادہ کرے تو وہ اُسکے نتھنوں میں گھُس کر زمین کو گرنے سے بچالے۔ یا للعجب ثم یا للعجب!

رجوع الی المطلب

• ہم نے سلسلۂ درس کو آیت مجیدہ ۱۹۰ پر چھوڑا تھا جسمیں عقلمندوں کا نشان بتایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات اور دن کے گھٹنے بڑھنے میں اُنکے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ بالفاظِ دیگر سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ زیرِ بحث ٣/١٩٠ میں آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر اور رات دن کے گھٹنے بڑھنے پر عقلمندوں کو غور کرنے کی دعوت دیگئی ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِنہی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ صلوٰۃِ موقت کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں

ادا کرنے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کر کے ذیل کے صحیح نتیجے پر پہنچتے ہیں:۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ
وہ لوگ ذکر کرتے ہیں اللہ کا کھڑے اور بیٹھے اور
عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
اوپر کروٹوں اپنی کے اور وہ تفکر کرتے ہیں بیچ تخلیق آسمانوں کے
وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ
اور زمین کے۔ رب ہمارے نہیں پیدا کیا تو نے یہ غلط۔ پاک ہے تو
فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۱۹۱
پس بچا ہم کو سزا آگ سے

(یہ عقلمند) وہ لوگ ہیں جو اپنے اللہ (خالق کائنات) کا کھڑے بیٹھے اور لیٹے ذکر کرتے ہیں۔ (یعنی صلوٰۃ موقت بھی باقاعدہ ادا کرتے ہیں $\frac{۲}{۲۳۹}$ عل۱) اور وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں تفکر یعنی غور بھی کرتے ہیں (اور غور و فکر کے صحیح نتیجے پر پہنچنے کے بعد بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے نشو و نما دینے والے تو نے یہ (یعنی اس کارخانۂ کائنات کی کوئی چیز بھی) غلط پیدا نہیں کی۔ (سب کچھ اپنے مقام پر صحیح اور فٹ ہے) پس (ہماری آرزو یہ ہے عل۲ کہ ہم ایسا نظام قائم کریں کہ) تو ہمیں (ناہموار معاشرہ کی) آگ کے عذاب سے بچالے۔

● عل۱ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ کا معنی لکھا گیا ہے کہ وہ اللہ کا ذکر یعنی صلوٰۃ موقت ادا کرتے ہیں۔ ذکر بمعنی صلوٰۃ $\frac{۲}{۲۳۹}$ سے ثابت ہے:۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ...... فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ $\frac{۲}{۲۳۸-۲۳۹}$۔ دیکھئے ان آیات کریمہ کے تین جملے ہیں۔ پہلے جملے میں جس چیز کو صلوٰۃ کہا ہے۔ اسی چیز کو تیسرے جملے میں ذکر کہا گیا ہے۔ اور آیت مجیدہ کا مفہوم یہ ہے:۔ حفاظت کرو تمام صلوٰتوں کی خصوصًا درمیانی صلوٰۃ کی حفاظت کیا کرو...... پھر اگر تمہیں کوئی خوف لاحق ہو تو اللہ کا ذکر کر لیا کرو یعنی دعاءِ صلوٰۃ ادا کر لیا کرو۔ اگر تم پیدل چل رہے ہو تو پیدل چلتے چلتے اور اگر سوار ہو تو سواری کی حالت میں۔ پھر جب تمہیں امن میسر آجائے تو اللہ کا ذکر (صلوٰۃ ادا) کیا کرو پورے آداب و شرائط کیساتھ جسطرح تمہیں اللہ نے تعلیم دی ہے۔

● عل۲ پیشتر ازیں اس امر کی وضاحت کیجا چکی ہے کہ دعا اپنے آپکو مطلوبہ چیز کے حصول کیلئے کائناتی قوانین پر عمل کرنے کی تحریک ہوتی ہے۔ اس آیت میں بھی آگ کے عذاب سے بچنے کے ان احکام ربانی پر عمل کرنے کی تحریک ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھے ہیں۔ آگ کا عذاب دنیا میں بھی آتا ہے اور آخرت میں بھی آئیگا۔ چنانچہ دنیا و آخرت دونوں مقامات کی آگ سے بچنے کیلئے یہ قرآنی دعا سورہ بقرہ میں سکھائی گئی ہے:۔

● رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ $\frac{۲}{۲۰۱}$ = اے ہماری نشو و نما کا سامان کرنیوالے ہمیں دنیا میں بھی حسنہ (سامانِ نشو و نما) عطا فرما۔ اور آخرت میں بھی حسنہ (سامانِ نشو و نما) عطا فرمائیو۔ اور ہمیں دنیا اور آخرت کے آگ کے عذاب سے بچائیو۔ ان دعاؤں میں اپنے آپکو تحریک سکھائی گئی ہے کہ باریتعالیٰ ہم نشو و نما کا ایسا اجتماعی نظام کرینگے جس کی بدولت ہم دنیا میں بھی نشو و نما کی محرومی کی آگ کے عذاب سے بچ جائیں اور آخرت کی محرومی کی آگ سے بھی محفوظ ہو جائیں۔

● سورہ ھمزہ میں ناہموار معاشرہ کو انتہائی کھلے انداز میں آگ کہا گیا ہے۔ اور اسے ایسی آگ بتایا گیا ہے جو پورے افرادِ معاشرہ

کے ذہنوں میں ہر آن بھڑکتی رہتی ہے :۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۖ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۠ $\frac{104}{1 \text{ تا } 9}$ = اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ پڑھیگا اے صاحبِ قرآن! تباہی ہے ہر اُس غیبت کرنیوالے طعنہ دینے والے کیلئے، جو مال جمع کرتا اور اُسے گن گن کر رکھتا ہے۔ اور وہ گمان کرتا ہے کہ اُسکا مال اُسے ہمیشہ رکھیگا۔ یوں نہیں (بلکہ) وہ ضرور حطمہ میں پھینکا جائیگا۔ اور کیا ہے وہ ذات جو آپکو بتاتی ہے کہ حطمہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی (مقرر کردہ ناہموار معاشرہ کی دھکتی ہوئی) آگ ہے، جو ذہنوں کو جلاتی ہے۔ بیشک وہ (ناہموار معاشرہ کے) تمام لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے، بیچ اُنکے لمبے لمبے ارادوں کے۔

● ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ پر پوری طرح غور فرمائیں کہ یہ آگ وہ ہے جو ذہنوں کو جلاتی ہے جسم کو نہیں۔ اور اُن لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے جو ہر آن لمبے لمبے ارادے لئے رکھتے ہیں۔ یہ ذہنوں کو جلانے والی آگ جو لمبے لمبے ارادوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کے ہر آن ذہنوں کو جلاتی رہتی ہے، غیر متوازن معاشرہ ہی کی آگ ہے کہ ہر شخص مکان، کوٹھی، باغ، زمین اور بڑی بڑی جائیدادوں کے حصول کے لمبے لمبے ارادوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اور ہر شخص اپنے سے زیادہ مال والے کو دیکھ کر جلتا رہتا ہے۔ اور یہ آگ جسم کو نہیں، ذہنوں کو جلاتی ہے تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۔ سلسلۂ درس کی آیت زیر بحث ۱۹۱ میں عقلمندوں کا نشان بتایا گیا ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق پر غور کر کے اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اِس کارگاہِ حیات کی کوئی چیز بھی بیکار پیدا نہیں کی گئی۔ ہر چیز اپنے مقام پر صحیح، فٹ اور ضروری ہے۔ کسی بھی چیز میں کوئی نقص موجود نہیں۔ اِسی چیز کو سورۂ ملک میں بالفاظ ذیل بیان کیا گیا ہے:۔

● فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۚ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ $\frac{67}{3\text{-}4}$ = اے مخاطب! پس تو اپنی نگاہِ بصیرت کو (کائنات کے طول و ارض کیطرف) پھیر۔ کیا تو اس میں کہیں بھی کوئی نقص پاتا ہے؟ پھر دوسری مرتبہ دوبارہ اپنی نگاہِ بصیرت کو پھیر لے۔ (مگر نتیجہ یہ ہوگا کہ کارخانۂ قدرت میں عیب تلاش کرنے کے ضمن میں) وہ تیری طرف ناکام اور تھکی ہاری لوٹ آئیگی۔ (کارگاہِ حیات کے کسی گوشے میں بھی اُسے اللہ کی تخلیق میں کوئی عیب دکھائی نہیں دیگا۔ بلکہ ہر چیز مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کی جیتی جاگتی تصویر بن کر سامنے آئیگی۔

● واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی آیت زیر نظر $\frac{3}{191}$ میں جو دعائیہ الفاظ آئے ہیں۔ وہ فلسفۂ دعا کے مطابق اپنے آپکو عمل کی تحریک ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ عقلمند لوگ یہ چاہتے ہیں کہ زمین میں ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جسمیں سب لوگ عدمِ توازن کی آگ سے محفوظ ہوں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں عقلمندوں کی دعا کے باقی الفاظ باندازِ ذیل بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں اپنے آپ کو عمل ہی کے ذریعہ حصولِ مدعا کی تحریک مضمر ہے :۔

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ رب ہمارے بیشک تو نے جسے داخل کیا آگ میں پس بیشک تو نے رسوا کیا اُسے	(وہ عقلمند لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ) اے ہمارے نشوونما دینے والے بیشک جس قوم کو تو نے (اُسکے اپنے عملوں کی بدولت ناہموار معاشرہ کی) آگ میں

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ١٩٢
اور نہیں واسطے ظالموں کے کوئی مددگار

داخل کیا۔ تو بیشک تو نے اسے (اگی اپنی کرتوتوں ہی کی بدولت) ذلیل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظالموں (یعنی غیر متوازن معاشرہ والوں) کا کوئی بھی مددگار نہیں ہے۔[۲]

• [۱] واضح رہے کہ بندوں پر جو بھی ذلت و رسوائی اور تکلیف و مصیبت آتی ہے وہ انکے اپنے ہی ہاتھوں کی پیدا کردہ ہوتی ہے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ $\frac{۲۲}{۳۰}$ = لوگو! تم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی پیدا کردہ ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو تمہارے بہت سے قصور معاف کرتا رہتا ہے۔۔۔ وہ ناہموار معاشرہ، خود انسانوں ہی کے ہاتھوں عالم وجود میں آتا ہے جسمیں سب لوگوں کے ذہن جلتے رہتے ہیں $\frac{۴}{۱۰۲}$۔

• [۲] کسی بھی معاشرہ میں، عوام کے مجبور افراد کی مدد، خود معاشرہ میں تسلیم کئے گئے قوانین کے مطابق کیجاتی ہے لیکن ناہموار معاشرے میں اوّل تو نوعِ انسانی کے مجبور افراد کے حقوقِ ربوبیت متوازن انداز کیساتھ تسلیم ہی نہیں کئے جاتے۔ پھر دوسرے یہ کہ ناہموار معاشرہ میں چونکہ ہر فرد انفرادی منفعت کوشی میں سرگرداں رہتا ہے اسلئے حقیقتاً کوئی بھی کسی کا مددگار نہیں ہوتا۔ ہر شخص اپنے فائدے کو دوسرے کے جائز حقوق تک پر ترجیح دیتا ہے۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں ایک اجتماعی نظام کے قیام کا حکم دیا گیا ہے، جسمیں انفرادیت کا تصور تک موجود نہ ہو۔ اور یہی ایک صورت ہے معاشرہ کے افراد کے ایکدوسرے کے مددگار بننے کی، کہ اجتماعی نظام میں ہر شخص دوسرے شخص کے معاون و مددگار کی حیثیت سے اپنا فرضِ منصبی ادا کرتا ہے۔

• سلسلۂ درس کی اگلی دو آیتوں میں $\frac{۳}{۱۹۰}$ والے اُولی الالباب کی دعا کے وہ باقی الفاظ بیان ہوئے جو رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سے شروع کر کے صلوٰۃِ موقت میں پڑھے جائینگے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ
رب ہمارے بیشک سنا ہمنے ایک پکارنیوالا پکارتا ہے واسطے ایمان کے یہ کہ
اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ
ایمان لاؤ ساتھ رب اپنے کے پس ہم ایمان لائے رب ہمارے ڈھانپ واسطے ہمارے قصور ہمارے اور
كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ ١٩٣
دور کر ہم سے بدحالیاں ہماری اور فوت کر ہمیں ساتھ نیکوں کے
رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ
رب ہمارے اور دے ہمیں جس کا وعدہ کیا تو نے ہم سے بذریعہ رسولوں اپنے کے اور
لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ١٩٤
نہ رسوا کر ہمیں دن قیامت کے بیشک تو نہیں خلاف کرتا وعدہ کے

(وہ عقلمند لوگ حضورِ الٰہی میں کہتے ہیں) اے رب ہمارے بلاشبہ ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار کو، جو پکارتا ہے ایمان کیلئے۔ یہ کہ ایمان لاؤ اپنے نشوونما دینے والے پر (یعنی ربوبیتِ عامہ کی اساس پر نظامِ معاشرہ قائم کرو) پس ہم ایمان لائے ہیں۔ اے نشوونما دینے والے (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم ایسے عمل بجالائیں جن کی بدولت) تو ہمارے قصور ڈھانپ لے اور ہم سے ہماری بدحالیاں دور کردے! اور ہمارا انجام نیک لوگوں کیساتھ کر۔

اے رب ہمارے[۱] (ہماری آرزو ہے کہ ہم ربوبیتِ عامہ کو شعار بنائیں) اور تو عطا کر ہمیں وہ (جنّت ہموار معاشرہ $\frac{۲۰}{۱۱۸-۱۱۹}$) جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعہ وعدہ[۲] کیا ہے۔ اور تو ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجیو۔[۳] بلاشبہ تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔[۴]

● ۱۹۱-۱۹۳ رَبَّنَا کے دعائیہ الفاظ میں لفظِ رب کا بنیادی معنیٰ ہے ربوبیّتِ عامہ، یعنی نشوونما کے لحاظ سے نقطۂ آغاز سے شروع کرکے ربوبیّت کے نقطۂ انجام تک پہنچانیوالا۔ نیز اس امر کی بھی ماقبل وضاحت کیجا چکی ہے کہ دعا اپنے آپ کیلئے عمل کی تحریک ہوتی ہے۔ اِسلئے رَبَّنَا کے بنیادی معنوں کے مطابق آیت مجیدہ کا یہی معنیٰ صحیح ہوسکتا ہے کہ ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم ربوبیّتِ عامہ کو اپنا شعار بنائیں۔ اور تو ہمیں وہ جنّت یعنی ہموار معاشرہ عطا کرے جسکا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ کررکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اوّلین وعدہ سورہ طٰہٰ میں مذکور ہے ۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ $\frac{۲۰}{۱۱۸-۱۱۹}$ = (اے نوعِ آدم) بلاشبہ تیرے ایک ایک فرد کا پیدائشی حق ہے کہ تو اس جنّت (ہموار معاشرہ) میں نہ بھوکا رہے نہ ننگا۔ نہ تو پیاسا رہے اور نہ (بے مکان ہوکر) تو دھوپ میں جلے۔

● ۱۹۴ "اور تو ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجیو" کے دعائیہ الفاظ بھی اپنے آپکو عمل کی تحریک ہیں اور اِنکا مفہوم یہ ہے کہ :۔ بارِ الٰہا! ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم ایسے عمل بجالائیں، جنکی بدولت ہم قیامت کی رسوائی سے بچ جائیں۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ تو اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ جو لوگ رسوائی والے عمل بجالاتے ہیں تو انہیں انکے اپنے اعمال ہی کی بدولت دنیا میں بھی رسوا کرتا ہے اور قیامت کو بھی رسوا کریگا۔ اور تو رسوائی سے انہی لوگوں کو بچائیگا جو ایسے عملوں سے پرہیز کرتے ہیں جن کا نتیجہ تیرے قانون کے مطابق ذلت و رسوائی ہے۔ اور $\frac{۶}{۳۴}$ + $\frac{۹}{۱۱۵}$ + $\frac{۱۰}{۶۴}$ + $\frac{۱۸}{۲۷}$ کے مطابق تیرے قوانین ہرگز بدلنے والے نہیں۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ تخلیقِ کائنات میں تفکر کرنیوالوں اور مندرجہ بالا دعاؤں کے مطابق عمل کرنیوالوں کی دعائیں اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔ سابقہ صفحات میں وضاحت کیجا چکی ہے کہ قبولیّتِ دعا کا مظہر نشان یہ ہے کہ جو بھی عمل کیا جائے اسکا مثبت نتیجہ مشکل مشہود سامنے آجائے۔ چنانچہ اگلی آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجرت اور قتال فی سبیل اللہ کے عمل کا مثبت نتیجہ بھی بیان کردیا گیا ہے کہ انہیں بہتی نہروں والی جنتیں یعنی ایسا ہموار معاشرہ عطا کرنے کا وعدہ کیا جارہا ہے، جسمیں ضروریاتِ زندگی بہتی نہروں کی مانند ہر فردِ معاشرہ کو متوازن انداز کیساتھ میسّر ہونگی :۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ
پھر قبول کرتا ہے واسطے انکے رب انکا بیشک میں نہیں ضائع کرتا عمل
عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ
عمل کرنیوالے کا تم میں سے، مذکر ہو یا مؤنث۔ بعض تمہارے ہیں بعض سے
فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ
پھر جنہوں نے ہجرت کی اور وہ نکالے گئے گھروں اپنے سے اور
اُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ
وہ ایذا دیے گئے بیچ راہ میری کے اور قتل کیا اور قتل ہوئے۔ ضرور ضرور دور کردونگا

پھر (دعا کیساتھ عمل کرنیوالوں کی) دعا قبول کرتا ہے انکا پروردگار (اور کہتا ہے کہ) بیشک میں نہیں ضائع کرتا کسی بھی عمل کرنیوالے کا کوئی بھی عمل تم میں سے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ (حقیقت یہ ہے کہ) تم سب مرد اور عورتیں آپسمیں ایکدوسرے کا حصّہ ہو۔ پھر (تم میں سے) جن لوگوں نے اللہ کے دین $\frac{۱۱۰}{۹}$ ربوبیّتِ عامہ کے قیام کیلئے ہجرت کی، یعنی وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور انہیں میری راہ (قیامِ ربوبیّتِ عامہ) میں تکلیفیں دی گئیں۔ (ان پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا پھر ان پر جارحانہ حملے ہوئے اسلئے) انہوں نے دشمنوں کو قتل بھی کیا اور خود

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ[٣] وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
اُن سے بدحالیاں اُنکی اور ضرور داخل کرونگا اُنہیں باغوں میں بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ
نیچے سے اُنکے نہریں ۔ بدلہ ہے طرف سے اللہ کے

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ ۱۹۵
اور اللہ ۔ طرف سے اُسکی ہے اچھا بدلہ

قتل بھی ہوئے[٢] ۔ میں ضرور ضرور اُنکی بدحالیاں[٣] دُور کر دُونگا ۔ اور ضرور اُنہیں ایسے باغوں (متوازن معاشرہ) میں داخل کرونگا جنکی سطح میں نہریں بہتی ہونگی (ضروریاتِ زندگی ہر فردِ معاشرہ کو بہتی نہروں کیطرح مسلسل و متوازن میسر آئینگی) ۔ یہ بدلہ ہوگا اللہ کیطرف سے (خود اُنکے اپنے اعمال کا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ وہ ہے جس کے پاس (اُسکی راہ میں تکلیفیں برداشت کرنیکا) اچھا بدلہ ہے[٥] ۔

[١] ● صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب اللہ کی راہ، یعنی قیامِ نظامِ ربوبیّت میں بے پناہ تکلیفیں دی گئیں، حتّٰی کہ اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تو اُنہیں ہجرت کرنا پڑی، یعنی اُن پر جینا مشکل کر کے اُنکے گھروں سے نکالدیا گیا ۔ آنحضور[ﷺ] کیساتھ بھی یہی سلوک ہوا ۔ آپ کیلئے ذیل کے تین فیصلے کئے گئے :۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ $\frac{٣٠}{٨}$ = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (اے رسُول!) آپکے متعلق نظامِ ربوبیّت کے منکرین نے یہ تجویز کی کہ یا تو آپکو عمر قید کیا جائے ۔ یا آپکو قتل کر دیا جائے اور یا (آپ پر عرصۂ حیات تنگ کر کے) آپکو نکالدیا جائے ۔

[٢] ● لیکن جب آنحضور[ﷺ] اور صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ پہنچ گئے تو پھر وہاں بھی منکرینِ ربوبیّتِ عالمینی نے اُنہیں چین نہ لینے دیا ۔ بلکہ پے در پے جارحانہ حملے کرتے رہے $\frac{٧}{٨-٧}$ + $\frac{٣}{١٦٥}$ + $\frac{٣٣}{١٠}$ ۔ اسلئے آنحضور[ﷺ] اور صحابہ[رض] کو مدافعانہ جنگیں لڑنا پڑیں ۔ جن میں صحابہ[رض] نے دشمنوں کو قتل بھی کیا اور خود قتل بھی ہوتے رہے ۔

[٣] ● لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ کا معنٰی لکھا گیا ہے کہ میں اُنکی بدحالیاں دُور کر دُونگا ۔ لفظ سَیِّاٰت کا سہ حرفی مادہ ہے س ۔ و ۔ ء = سوء ۔ جس کا بنیادی معنٰی ہے بُرا، خراب، بد رنگی ۔ بدحالی ۔ $\frac{١٣}{٢٥}$ میں سُوْٓءُ الدَّارِ کے الفاظ آئے ہیں یعنی بُرا گھر ۔ بُرا گھر وہ ہوتا ہے جسمیں ضروریاتِ زندگی میسر نہ آئیں ۔ جسمیں خوشحالی کی بجائے بدحالی کا دَور دورہ ہو ۔ اب آیئے لفظ لَاُكَفِّرَنَّ کیطرف جس کا الگ معنٰی لکھا گیا ہے ۔ ضرور میں دُور کر دونگا ۔ اِس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ک ۔ ف ۔ ر = کفر ۔ جس کا بنیادی معنٰی ہے ڈھانپنا، دُور کرنا ۔ انکار کرنا ۔ آیتِ بالا میں اسکا معنٰی ہے دُور کرنا ۔ المختصر آیتِ بالا میں انسانی معاشرہ کی بدحالیوں کو دُور کرنے کا ایک ہی نسخہ بتایا گیا ہے کہ توازن بدوش حقیقی معاشرہ قائم کیا جائے جسمیں ضروریاتِ زندگی بہتی نہروں کیطرح میسر آتی ہوں ۔

● روایتی تفاسیر و تراجم میں جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ سے صرف اُخروی جنّت مُراد لی جاتی ہے ۔ حالانکہ اِس سے دُنیوی متوازن معاشرہ بھی مُراد ہے ۔ سورہ مائدہ میں بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے :۔ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ $\frac{٥}{١٢}$ = اور البتہ تحقیق اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل سے ایک پکا عہد لیا ۔ اور اُن میں (انتظامی سہولت کیلئے) بارہ منتظم مقرر کئے ۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ بیشک میں تمہارے ساتھ

ہوں - اگر تم نے اجتماعی نظام قائم کیا اور معاشرہ کے دُبلوں کو فربہی دی اور میرے رسولوں (موسیٰؑ و ہارونؑ) پر ایمان لائے اور اُنکی مدد کی اور (محروموں محتاجوں کی مدد کیلئے) اللہ تعالیٰ کو اچھا قرضہ دیا تو میں ضرور ضرور تمہاری بدحالیاں دُور کر دونگا - اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرونگا جن کی سطح میں نہریں بہتی ہونگی (یعنی تمہیں ضروریات زندگی سے معمور بہتی نہروں والا متوازن معاشرہ عطا کر دونگا) پھر جو کوئی بہتی نہروں والے باغات (متوازن معاشرہ) میسّر آنے کے بعد کفرانِ نعمت کریگا (یعنی ذاتی مفاد پرستی کی طرف جُھکیگا - پس بلاشبہ وہ دُور کی گمراہی میں گمراہ ہو جائیگا۔

• دیکھئے ! اِس آیت مجیدہ میں فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کے الفاظ میں کُھل کر بتا دیا گیا ہے کہ یہاں جن بہتی نہروں والے باغوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ اُس مقام سے متعلق ہیں جہاں اِن باغوں کے مُیسّر آنے کے بعد کفر کرنے کا موقعہ موجود ہوگا - اور وہ مقام ہے دُنیا کا کہ یہاں متوازن معاشرہ (بہتی نہروں والے باغات) میسّر آنے کے بعد کفر کیا جاسکتا ہے - اُخروی جنّت میں تو فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کا کوئی موقعہ نہیں ہوگا کہ وہاں کوئی شخص انفرادی مفاد پرستی کے جُرم کا ارتکاب کرسکے - وہاں تو ہر طرف سلامًا سلامًا کی گونج اُٹھ رہی ہوگی - پس ثابت ہُوا کہ آیاتِ بالا ۵/۱۲ اور ۳/۱۹۵ میں جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ایک قرآنی اصطلاح ہے جو دنیا کے متوازن معاشرہ کیلئے بھی آتی ہے۔

• وہ ہموار معاشرہ جسے قرآنی اصطلاح میں جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کہا گیا ہے، انسان کے اپنے اعمال کا بدلہ ہے - ثواب کہتے ہیں کسی عمل کے بدلے کو - مثلاً اگر آپ روزانہ صبح کو سیر کرتے ہیں تو اِس عمل کا ثواب یہ ہے کہ آپ کی صحت اچھی رہیگی - آیتِ بالا میں ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ نتیجہ بتایا گیا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اپنے مذکورہ بالا اعمال، ہجرت و قتال فی سبیل اللہ کا - ثواب کا سہ حرفی مادہ ہے ث - و - ب - ثوب، جسکا بنیادی معنٰی ہے لوٹ آنا - ثَابَ بمعنی عَادَ - ثَابَ الْمَرِیْضُ کا معنٰی ہے بیمار کی صحت لوٹ آئی - اب جسطرح صحت کا لوٹنا علاج، پرہیز اور سیر وغیرہ اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے اسیطرح آیتِ بالا میں جنّتی معاشرہ، صحابہ کرام کے طویل اور صبر آزما مصائب برداشت کرتے ہوئے مسلسل عمل کرتے چلے جانے کے بدلے کی خوشخبری دیگئی ہے - نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق سُورہ حج میں بھی بتایا گیا ہے :-

• اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ ...... ○ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ ۲۲/۴۱ - ۳۹ اُن لوگوں کو جن پر جارحانہ حملوں کے ذریعہ جنگ ٹھونسی گئی ہے، لڑنے کی اجازت اسلئے دیگئی ہے کہ اُن پر (حملہ کرکے) ظلم کیا گیا ہے - اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُنکی مدد کے صحیح صحیح پیمانے مقرر کرنیوالا ہے - یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ناحق اُنکے گھروں سے نکالا گیا ہے، صرف اِس قصور پر کہ اُنہوں نے یہ کہا کہ ہمارا نشوونما دینے والا اللہ ہے (ہم نظامِ ربوبیّت قائم کرینگے) .... یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ہم اُنہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائیںگے تو وہ صلوٰۃ (یعنی اجتماعی نظام) قائم کرینگے اور معاشرہ کے دُبلوں کو فربہی دینگے اور قرآنی اوامر کا حکم کرینگے اور قرآنی ممنوعات سے منع کرینگے - دیکھئے اِس آیت مجیدہ میں اَقَامُوا الصَّلٰوةَ کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ نماز قائم کرینگے - کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز کے تو شروع ہی سے پابند تھے - تو اسطرح سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ اور کونسی صلوٰۃ تھی جو صحابہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں قائم کی - اسکا جواب اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ کے اتصال میں دیا گیا ہے کہ وہ ایسا اجتماعی نظامِ ربوبیّت قائم کرینگے جس میں معاشرہ کے ہر دُبلے کو فربہی دینگے - لفظ صلوٰۃ کے سہ حرفی مادہ ص - ل - و کا بنیادی معنٰی ہے

ایکدوسرے کے ساتھ ساتھ چلنا۔ گھڑ دوڑ میں اگلے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پیچھے آنیوالے گھوڑے کو مصلّی کہتے ہیں۔ اور لفظ زکوٰۃ کے سہ حرفی مادہ ز۔ک۔و کا بنیادی معنٰی ہے دُبلے کو فربہی دینا۔

عٰ۵ سلسلۂ درس کی زیرِ بحث آیت مجیدہ ۳/۱۹۵ کو شروع کیا گیا ہے فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ سے کہ مذکورہ دُعائیں کرنیوالوں کی دُعائیں اُنکا ربّ قبول کرتا ہے اور ساتھ ہی کہدیا گیا ہے لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُمْ کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنیوالے کے عمل ضائع نہیں کرونگا۔ اور آیت مجیدہ کے اخیر میں اعلان کردیا ہے وَاللّٰهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ اور اللہ ہی وہ ہے کہ اُسکے پاس عملوں کا اچھا بدلہ ہے۔ پس آیت مجیدہ کے ابتدائی اور انتہائی الفاظ کے اتصال سے کھُل کر ثابت ہوچکا کہ زری دُعائیں، اعمال کے نتیجے فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ کی مستحق نہیں، بلکہ دُعاؤں کے مطابق عمل کرنے سے عملوں کا بہتر نتیجہ قبولیّتِ دُعا کا مظہر ہوتا ہے۔ فلھذا صرف دُعائیں کرتے رہنا، نیز علماء و مشائخ سے دُعائیں کرواتے رہنا اور باہم ملکر اُونچی آواز میں آمین کہتے رہنا، غرض دُعا نہیں۔ بلکہ دُعا حصولِ مُدعا کیلئے مسلسل عمل کرتے چلے جانے کی اپنے آپکو تحریک محض ہے۔ واضح رہے کہ اسلام ایک انقلابی تحریک ہے، یہ کوئی جمودی نتیجہ ہرگز نہیں۔

تحریک کی کامیابی سے ماقبل کے دَور سے متعلقہ ہدایات

• سلسلۂ درس کی اگلی آیات کریمات میں آنحضور سلامٌ علیہ اور آپکے بعد قیامت کی ہر فعّال جماعت کے متحرک فرد کو مخاطب کرکے اِس امر کی تاکید کیگئی ہے کہ انقلابی تحریک کی کامیابی سے ماقبل مُنکرینِ ربوبیّت کی دُنیوی شان و شوکت تمہیں کہیں دھوکے میں نہ ڈالدے کہ تحریکِ ربوبیّت ناکام رہیگی۔ بلکہ چند روزہ فائدوں کے بعد مخالفینِ ربوبیّت کیلئے شکست کا عذاب لازم ہے۔ وہ دُنیا کے قلیل فائدے کے بعد شکست کے جہنّم میں دھکیلے جائینگے جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي

نہ دھوکا دے تجھے چلنا پھرنا اُن لوگوں کا کہ انکار کیا، بیچ

الْبِلَادِ ۱۹۶

شہروں کے

(اے رسُول!) جن لوگوں نے ضابطۂ ربوبیّت کا انکار کیا ہے اُنکا شہروں میں (آخری فتح تک کے وقفے میں شان و شوکت کیساتھ) چلنا پھرنا آپکو دھوکے میں نہ ڈالدے۔ (وہ بالضرور شکست یاب اور ناکام و نامراد ہونگے)۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ[1]

فائدہ بہت تھوڑا۔ پھر ٹھکانہ اُنکا ہے شکست کا جہنّم

(اِن منکرینِ ربوبیّت کیلئے چند روزہ) تھوڑا سا فائدہ ہے۔ پھر اُنکا (بدلہ) مقامِ شکست کا جہنّم[1] ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۱۹۷

اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے

عٰ۱ • جہنّم بمعنی شکست ۳/۱۲ میں صفحہ ۱ پر گزر چکا ہے۔

مومنینِ ربوبیّت کیلئے تکرارِ تاکیدی کے طور پر متوازن معاشرہ کے بہتی نہروں والے باغات کی خوشخبری

• ربوبیّتِ عامہ کے منکروں کے بُرے انجام کی خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں مومنینِ ربوبیّت کیلئے تکرارِ تاکیدی کے طور پر دوبارہ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یعنی ضروریاتِ زندگی سے معمور

متوازن معاشرے کی خوشخبری دیگئی ہے ۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ
لیکن جو لوگ بچے مخالفت سے رب اپنے کی، ہیں واسطے انکے
جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ [2]
باغات چلتی ہیں نیچے سے انکے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں
فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ
اُن میں۔ مہمانی ہے طرف سے اللہ کی۔ اور جو ہے پاس اللہ کے وہ بہتر ہے
لِّلْاَبْرَارِ ۱۹۸
واسطے نیکو کاروں کے

لیکن (منکرینِ ربوبیّت کے برعکس) جو لوگ اپنے رب کی مخالفت سے بچ گئے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے ضابطۂ ربوبیّت کو تسلیم کرلیا ہے[1])۔ اُنکے لئے باغات ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں (یعنی ضروریاتِ زندگی کیساتھ بہتی نہروں والا متوازن معاشرہ میسّر آئیگا)۔ وہ اُن میں ہمیشہ (تا زیست[2]) رہنے والے ہیں۔ (یہ متوازن معاشرہ) اُنکے لئے اللہ کیطرف سے مہمانی ہے[3]۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے (یعنی ربوبیّتِ عامہ) وہ بہتر ہے اُن لوگوں کیلئے جو (پورے معاشرے کیلئے) کشادگی اور فراخی کے طلبگار ہیں[4]۔

● [1] اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ کا معنی لکھا گیا ہے ۔ وہ لوگ جو اپنے رب کی مخالفت سے بچ گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ضابطۂ ربوبیّت کو تسلیم کرلیا ہے ۔ اِتّقا کا بنیادی معنی ہے بچنا۔ اسلئے اِتّقاءِ رب کا لفظی معنی تو ہے رب سے بچنا۔ لیکن لفظ رب کے بنیادی معنوں کی رُو سے رب سے بچنے کا صحیح مفہوم ہے رب تعالیٰ کے قانونِ ربوبیّتِ عامہ کی مخالفت سے بچنا۔ اور اس اِتّقا کا نتیجہ بتایا گیا ہے ضروریاتِ زندگی کیساتھ بہتی ہوئی نہروں والا متوازن معاشرہ میسّر آنا۔ پس عام تراجم میں جو اتَّقُوْا رَبَّكُمْ کا یہ معنیٰ لیا گیا ہے کہ ۔ اپنے رب سے ڈرو اُسکا مفہوم یہ ہے کہ اپنے رب کے نازل کردہ نظامِ ربوبیّت کی مخالفت کی سزا سے ڈر جاؤ، جو ایسے غیر متوازن معاشرے کی صورت میں مسلّط کی جاتی ہے کہ جسمیں ہر شخص خواہ وہ مالدار ہو یا غریب، اپنے اپنے مقام پر پریشانی، عدم اطمینان اور باہمی حسد و بغض کی اُس آگ میں جل رہا ہوتا ہے جو سب کے ذہنوں میں بھڑکتی رہتی ہے [۲/۱۰۴]۔

● [2] اس آیت مجیدہ میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے آیا ہے جس کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ تا زیست متوازن معاشرہ کی بہتی نہروں والے معاشرہ میں رہینگے۔ نیز پیچھے [۳/۷۲] کے حوالے سے بھی ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب خلافتِ ارضی ملی تو اُنہوں نے ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جسمیں ہر دُبلے کو فربہی دیگئی یعنی معاشرہ کے ہر فرد کو اُسکے قدموں پر کھڑا کر دیا گیا۔ ان آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم کے دورِ اقتدار میں ایسا وقت ہرگز نہیں آیا جب صحابہ کرام دُنیا کے مال کیلئے آپسمیں دست و گریبان ہو گئے ہوں۔ اور معاشرہ کا توازن یعنی جنتی انداز، بگڑ کر پھر سے عدم توازن یعنی جہنمی انداز پر آگیا ہو۔ ان آیاتِ قرآنیہ کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں غیر متوازن معاشرہ یقیناً صحابہ کے دورِ خلافت کے بعد کی پیداوار ہے اور تاریخ کے اوراق میں جو صحابہؓ کے متعلق باہمی جنگ و جدال کا تصوّر دیا گیا ہے۔ وہ افترٰی محض ہے اہلِ اسلام کیلئے قرآنی خبریں اور ناموسِ صحابہؓ، تاریخ کے غیر یقینی مندرجات سے زیادہ عزیز ہونی چاہیئے۔

● [3] نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کا معنی لکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ کیطرف سے مہمانی حقیقت کی رُو سے تو اللہ تعالیٰ نے بھری زمین میں جتنی بھی نعمتیں پیدا فرمائی ہیں وہ سب کی سب کرّہ ارض کے اِس مہمان نوعِ آدم ہی کیلئے پیدا کی ہیں۔ بالفاظ دیگر پورا

کرۂ ارض اس مہمانِ ارضی کی مہمانی کیلئے اللہ تعالیٰ کیطرف سے بچھا ہُوا دسترخوان ہے۔ لیکن اس مہمانِ ارضی نے دوسرے مہمانوں کا حق مارنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے بچھے ہُوئے دسترخوان کی نعمتوں پر نہ صرف غاصبانہ قبضہ جمانا شروع کر رکھا ہے بلکہ اسی بچھے ہوئے دسترخوان کو خُون آلود بھی کرتا چلا آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہمانی ربوبیّتِ عامہ پر ایمان لانیوالوں کا حق قرار دیا ہے۔ غاصبوں کا نہیں قرار دیا۔

ابرار کی تعریف

غاصب لوگ ابرار کی صف میں شمار نہیں ہوتے۔ لفظ ابرار کا سہ حرفی مادہ ب۔ ر۔ ر = بِرّ ہے۔ ۲/۱۷۷ میں اس مادہ کی تعریف یوں بیان ہُوئی ہے :۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ ۲/۱۷۷ = یہی نیکی نہیں کہ تم صلوٰۃِ موقّت (نماز) کی ادائیگی کے وقت (اگر تم بیت اللہ شریف سے مغرب کیطرف ہو تو) اپنے مُنہ مشرق کیطرف کرتے ہو یا (اگر تم بیت اللہ شریف کے مشرق کیطرف ہو تو) مُنہ مغرب کیطرف کرتے ہو۔ بلکہ بِرّ یہ ہے کہ جو اللہ، قیامت، ملائکہ، کتاب اور نبیوں پر ایمان لایا اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے محرومِ ربوبیّت قریبیوں کو دیا، بے سہارا لوگوں کو دیا، جن کا کاروبار ساکن ہو جائے انہیں دیا، اور مسافروں کو دیا اور عام محتاجوں کو دیا اور لوگوں کی گردنیں آزاد کرانے میں خرچ کیا یعنی اجتماعی نظام قائم کیا اور مُعاشرہ کے دُبلوں کو فربہی دی اور جو اپنے وعدوں کو جب وہ وعدہ کرلیں تو پُورا کرتے ہیں۔ اور وہ ثابت قدم رہنے والے ہیں مصائب اور تکالیف میں خصوصًا ثابت قدم رہنے والے ہیں دشمن سے لڑائی کے وقت یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کی عملی تصدیق پیش کی اور یہی لوگ ہر قسم کے خطرات سے بچنے والے ہیں۔

• غور فرمائیں کہ آیتِ بالا میں ابرار کی تعریف بیان کیگئی ہے پس سلسلۂ درس کی آیتِ مجیدہ زیرِ نظر میں جو کہا گیا ہے نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ = متوازن معاشرہ، اللہ تعالیٰ کیطرف سے متوازن مہمانی ہے۔ نیز جو فرمایا ہے وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ، تو آیتِ بالا ۲/۱۷۷ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مہمانی اور اللہ کیطرف سے بہتر بدلہ متوازن معاشرۂ ابرار کا حق ہے، یعنی اُن لوگوں کا، جو عقیدہ کے لحاظ سے :۔

۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں کہ اس کائنات کا حقِ ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اُنکا حق صرف ضروریاتِ زندگی ہیں۔

۲۔ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں کہ اس دُنیا کی زندگی کے اعمال کیلئے حضورِ الٰہی میں ضرور ضرور جوابدہ ہونا ہے۔

۳۔ ملائکہ یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوتوں پر ایمان رکھتے ہوں کہ یہ سب اُنکی خدمت کیلئے پیدا کیگئی ہیں۔ ان میں سے کسی کو معبود نہیں بنانا۔ بلکہ انہیں مسخر کرکے اُن سے خدمت لینی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان رکھتے ہیں کہ نوعِ انسانی کے جُملہ مصائب کا حل صرف اس کتاب میں ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے جُملہ نبیوں پر ایمان رکھتے ہوں کہ باریتعالیٰ نے اپنی کتاب ہمیشہ، صرف اور صرف اُنکے ذریعہ پہنچائی ہے۔ اور اپنے نبیوں رسُولوں کے علاوہ کسی اور کو اپنا پیغام ہرگز ہرگز نہیں دیا۔

۶۔ پھر وہ ان عقائدِ کاملہ کے ساتھ ساتھ اللہ کی محبّت میں مال خرچ کرتے ہوں محرومِ ربوبیّت قریبیوں پر، بے سہارا لوگوں پر، اُن پر جن کا کاروبار ساکن ہو جائے، مسافروں پر، عام محتاجوں پر اور اُن پر جن کی گردن غلامی کی صورت میں کسی کے پنجے میں پھنسی ہُوئی ہو اور

یا قرضے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہو۔

• نیز وہ لوگ صلوٰۃ موقت کے ذریعہ ایسا اجتماعی نظام قائم کریں جسمیں ہر دیلے کو قربی دیں۔

• جب کسی سے وعدہ کریں تو اُسے اسطرح پورا کریں کہ جان جائے مگر وعدہ خلافی نہ ہونے پائے۔

• نیز وہ متوازن معاشرہ کے قیام کی راہ میں آنیوالے جملہ مصائب اور تکالیف کا عزم و استقلال کیساتھ مقابلہ کریں خصوصاً جب دشمن کیساتھ جنگ چھڑ جائے تو پوری ثابت قدمی کیساتھ پوری کی پوری قوم بلا انتشار مقابلے پر سیسہ پلائی دیوار بنکر ڈٹ جائے۔

• اِن نو اوصاف والے لوگ قرآنِ کریم کی میزان میں ہیں **ابرار**۔ اور ایسے ہی لوگ متوازن معاشرہ یعنی اللہ تعالیٰ کی متوازن مہمانی کے حقدار ہیں۔

رجوع الی المطلب • سلسلۂ درس کی آیت بالا ۳/۱۹۸ میں ابرار یعنی متوازن معاشرہ قائم کرنے کی تڑپ رکھنے والے حضرات کی عملی کوشش کا ثمر اللہ تعالیٰ کی متوازن مہمانی کی خوشخبری دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب کے ان قلیل افراد کی بھی خبر دیدی گئی ہے جو زمانہ رسالتِ محمدی میں سابقہ انبیاء کے اصل دین سے واقف بھی تھے اور اس پر قائم بھی تھے لیکن چونکہ متوازن معاشرہ قائم کرنا قلیل و ضعیف افراد کے بس کا روگ نہیں، اسلئے وہ بیچارے بھی اکثریت کے غیر متوازن قوانین کی چکی میں پستے چلے جا رہے تھے۔ چنانچہ انکے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ
اور بیشک بیچ اہلِ کتاب کے البتہ وہ گروہ ہے جو ایمان لاتے ہیں ساتھ اللہ کے
وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ
اور اسکے جو نازل ہوا طرف تمہاری اور جو نازل ہوا طرف اُن کی۔ عاجزی کرنیوالے
لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ
واسطے اللہ کے نہیں لیتے بدلے آیتوں اللہ کے مول تھوڑا یہی لوگ ہیں کہ
لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
ہے واسطے انکے بدلہ اُن کا نزدیک رب اُن کے۔ بیشک ہے اللہ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ۱۹۹
جلد کرنے والا حساب کا

اور بلاشبہ اہلِ کتاب میں ایک جماعت الیسی بھی ہے جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اُس (عظیم الشان کتاب) پہ بھی ایمان لاتے ہیں جو (اے صحابہ) تمہاری طرف نازل ہوئی ہے اور اس (عظیم الشان کتاب) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو انکی طرف نازل ہوئی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنیوالے ہیں (یعنی صلوٰۃ موقت بھی ادا کرتے ہیں (۳/۱۱۳) اور اُس میں کئے گئے وعدہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر بھی عمل کرتے ہیں اسطرح) وہ اللہ کی آیتوں کو دنیا کے حقیر مال کے عوض بیچتے نہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ انکے لئے انکے رب کے ہاں انکے عملوں کا اچھا بدلہ ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے۔ (یعنی ہر انسان کے اچھے اور برے عملوں کا اچھا یا برا حساب اُسکے اعمالنامے میں فوراً محفوظ کر لیتا ہے)

اہلِ کتاب سب ایک سے نہیں ہیں • ۱۔ آیت بالا میں اہلِ کتاب کے جس نیکوکار گروہ کی خبر دیگئی اُسی کے متعلق پیچھے آیت مجیدہ نمبر ۳/۱۱۳ میں گزر چکا ہے:۔

• لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۳/۱۱۳

سب ایک سے نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اللہ کے دین پر قائم ہے۔ وہ رات کی ابتدائی گھڑیوں میں (صلوٰۃ موقت میں) اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری کرنیوالے ہیں۔ (یعنی صلوٰۃ موقت میں کئے گئے وعدہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے مطابق فرمانبرداری بھی صرف اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں۔ اور مدد مُرادیں بھی صرف اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں یعنی غیراللہ سے ہرگز ہرگز مُرادیں نہیں مانگتے ــ اہل کتاب کے اسی گروہ کے متعلق سورہ مائدہ میں بھی بالفاظ ذیل خبر دیگئی ہے:- *

• وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ○ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ○ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ○ ۵/۸۴تا۸۵ = اور جس وقت وہ سُنتے ہیں (قرآن مجید کو) جو رسُول کیطرف نازل ہُوا ہے تو (اے رسُول!) آپ دیکھتے ہیں انکی آنکھوں کو کہ آنسوؤں کیساتھ بہ رہی ہوتی ہیں۔ یہ اسلئے کہ اُنہوں نے حق کو پہچان لیا ہے*۔ وُہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم (تیرے قرآن اور تیرے رسُول پر) ایمان لائے ہیں۔ تو ہمیں (اسکے) گواہوں میں لکھ لے۔ اور کیا ہے (رکاوٹ) ہمارے لئے کہ ہم اس حق (قرآن) پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آگیا ہے۔ حالانکہ ہم (پہلے ہی سے) یہ طمع رکھتے ہیں کہ ہمیں ہمارا نشوو نما دینے والا اُس قوم میں داخل کرے جو صالحین ہیں (یعنی جو معاشرہ کی اصلاح کرنیوالے ہیں)۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُنکے کہنے کے مطابق (اُنکے عملوں کا) بدلہ دیا کہ (اُنہیں داخل کیا) ایسے باغوں میں کہ جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ (یعنی اُنہیں صحابہ صالحین میں داخل کیا۔ اور اُنہیں ایسا متوازن معاشرہ عطا فرمایا جو آنحضورؐ اور آپکے صحابہ صالحین نے قائم کیا۔ جسمیں ضروریاتِ زندگی ہر فردِ معاشرہ کو بہتی نہروں کی صورت میں متوازن انداز کیساتھ با افراط میسّر آتی تھیں

• * یہاں پر مِمَّا عَرَفُوا کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ کیونکہ یہاں مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب قرآن مجید پر اسلئے فوراً ایمان لے آئے کیونکہ اُنہوں نے اسے پہچان لیا تھا۔ اب پہچانا اُس چیز کو جاتا ہے جسے پہلے دیکھا ہُوا ہو یا کوئی کلام ہو تو اُسے اگر پہلے سُنا ہُوا ہو تو فوراً پہچان لیا جاتا ہے۔ تو اسطرح یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو اُنکے لئے اسکے نزول سے پہلے ہی کی جانی ہوئی چیز کسطرح کہا جا سکتا ہے؟ اسکا جواب باریتعالیٰ نے سورۂ شوریٰ میں دیدیا ہے کہ جملہ انبیاءؑ کیطرف جو الگ الگ کتابیں نازل کیگئی تھیں اور یہ قرآن مجید بھی جو آنحضورؐ کیطرف نازل کیا گیا ہے۔ ان سب میں ایک ہی دین، ایک ہی شریعت اور ایک ہی تعلیم نازل فرمائی گئی تھی۔ فرق صرف زبانوں کا تھا کہ الگ الگ انبیاءؑ کی الگ الگ کتابیں جس جس قوم کیطرف نازل کیگئی تھیں اُس اُس قوم کی زبان میں نازل ہُوئی تھیں۔ پس سورۂ شوریٰ کی آیت ذیل میں دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے صرف ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت نازل ہُوئی تھی۔ الگ الگ نبیوں کی الگ الگ شریعتیں نہیں تھیں:-

• شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ۴۲/۱۳ = (ایمان والو) تمہارے لئے اللہ نے دین کی وُہی شرع کردی ہے جس کی وصیّت اُس نے نوحؑ کو کی تھی۔ اور یہ وُہی دین معہ شرع ہے جو (اے رسُول) ہم نے آپکی طرف وحی فرمایا ہے۔ اور یہ وہی دین معہ شرع ہے جسکی وصیّت ہم نے ابراہیمؑ کو کی تھی، اور یہ وُہی

دین مشروع ہے جسکی وصیت ہم نے موسیٰ کو کی تھی اور عیسیٰ کو کی تھی۔ اس آیت کریمہ کے مطابق یہ عمومی نظریہ مطلقاً غلط ثابت ہوتا ہے جو کہا جاتا ہے کہ ہر نبی کو الگ الگ شریعت دی گئی تھی۔ یا یہ کہ آنحضورؐ کی شریعت سابقہ انبیاء کی شریعتوں سے الگ ہے۔ مثلاً حضرت آدمؑ کی شریعت میں بہن بھائی کا نکاح جائز وحلال تھا۔ اور باقی شریعتوں میں حرام۔ سابقہ شریعتوں میں بیک وقت دو سگی بہنوں سے نکاح حلال تھا مگر شریعت محمدی میں حرام ہے۔ یہ جملہ تصورات آیت بالا $\frac{42}{13}$ کے مطابق مطلقاً غلط ہیں۔ کیونکہ $\frac{42}{13}$ کے ارشادِ خداوندی کے مطابق جملہ انبیاءؑ کا ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت تھی۔ نیز:۔

• سورہ شعراء میں ارشاد ہوا:۔ اِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ٥ $\frac{26}{196}$ = بیشک سابقہ کتابوں میں بھی یہ قرآن کریم ہی موجود تھا۔ یعنی جو دین مشروع قرآن مجید میں ہے وہی دین مشروع سابقہ کتابوں میں تھا۔

قرآن مجید کے غیر اللہ شارع اللہ کے شریک ہیں

• نیز واضح رہے کہ قرآن کریم کا شارع صرف اور صرف خود اللہ تعالیٰ ہے سورہ شوریٰ ہی میں قرآن کریم کی غیر الٰہی شرع کو بالفاظ ذیل شرک بتایا گیا ہے:۔

• اَمْ لَہُمْ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوْا لَہُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِہِ اللّٰہُ ۭ وَلَوْلَا کَلِمَۃُ الْفَصْلِ لَقُضِیَ بَیْنَہُمْ ۭ $\frac{42}{21}$ = کیا انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرا لیے ہیں جو انکے لیے دین کی شرع کرتے ہیں جس کی اللہ نے ہرگز اجازت نہیں دی۔ اور اگر (قیامت کی عدالت) کا فیصلہ نہ کر دیا گیا ہوتا تو (انکا جرم اتنا سنگین ہے کہ) انکا فیصلہ فوراً کر دیا جاتا۔ اس وقت اہل کتاب کے جس مومن گروہ کا ذکر چل رہا ہے اسکی خبر سورہ قصص میں بھی بالفاظ ذیل دی گئی ہے:۔

• اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰہُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ہُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ٥ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْہِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِہٖٓ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہٖ مُسْلِمِیْنَ ٥ $\frac{28}{52\text{-}53}$ = وہ لوگ جنہیں ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب وہ (قرآن) اُن پر پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بیشک یہ ایک سچی کتاب ہے جو ہمارے نشو ونما دینے والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ بیشک ہم تو اسکے (نزول) سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں — زمانۂ نزول قرآن کا اہل کتاب کا مذکورہ بالا گروہ وہ تھا جو سابقہ انبیاء کی صحیح تعلیم ربوبیت عامہ کا نہ صرف واقف ہی تھا۔ بلکہ متوازن نظام ربوبیت کے قیام کا متمنی بھی تھا۔ چنانچہ اہل کتاب کی یہ جماعت قرآن سنتے ہی فوراً ایمان لائی۔ متوازن معاشرہ کے قیام میں ممد ومعاون ہوئی اور پھر آنحضورؐ اور صحابہؓ کے قائم کردہ اس متوازن نظام کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئی جس میں ضروریاتِ زندگی معاشرے میں نہروں کیطرح بہ رہی تھیں۔

• (نوٹ) یہاں آیت مجیدہ $\frac{3}{199}$ کا ضمنی نوٹ ۱ ختم ہوا ہے۔ اب ضمنی نوٹ ۲ ملاحظہ فرمائیں:۔

کیا یہ ٹھیک ہے کہ جو مر گیا اسکی قیامت ہو گئی؟

• ۲ سَرِیْعُ الْحِسَابِ $\frac{3}{199}$ اور ھُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ $\frac{6}{62}$ کے جملوں سے اہل اسلام میں ایک مفہوم یہ پیدا ہو چکا ہے کہ جو مر گیا اسکی قیامت ہو گئی یعنی اللہ تعالیٰ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اور اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ہے، وہ ہر مرنیوالے سے موت کے فوراً بعد حساب لے لیتا ہے اور اسی وقت جزا سزا کا حکم سنا دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس نظریے کو قبول کر لیا جائے تو مکافاتِ عمل کے گوشے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جزا سزا کے عقیدے پر مطلقاً کوئی زد نہیں پڑتی یعنی نیکوکاروں کو نیک کاموں کی نیک جزا اور بدکاروں کو برے کاموں کی بری سزا کا نظریہ

بالکل اپنے مقام پر قائم رہتا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن کریم کی متعدد آیات کریمات موت کے فوراً بعد حساب کی مخالفت کرتی ہیں، اسلئے اس نظریے کو زیر بحث لانا ضروری ہوگیا ہے۔ فلہذا بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

• حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم مکافات عمل کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کے ایک اجتماعی دن کا تصور پیش کرتا ہے۔ جسے اس نے قیامت کے نام سے موسوم کیا ہے۔ سورۂ مومنون میں ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے بعد کی منزلوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

• ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ $\frac{۲۳}{۱۶-۱۵}$ = پھر تم (پیدا ہونے کے بعد کی منزلیں طے کرنے کے بعد) مرجاتے ہو۔ اور پھر (مرنے کے بعد) تم قیامت کو اٹھائے جاؤگے۔ اسیطرح سورہ عبس میں ارشاد ہوا ہے

• مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝ $\frac{۸۰}{۱۸ تا ۲۲}$ = انسان کو اللہ کس چیز سے پیدا کرتا ہے۔ نطفہ سے، اسے پیدا کرتا اور اسکا صحیح اندازہ کرتا ہے۔ پھر اسکے (پیدا ہونے کی راہ) آسان کردیتا ہے۔ پھر پیدا کرنے کے بعد کی منزلوں میں سے گزارنے کے بعد اسے موت دیتا ہے پھر اسے گڑھے میں (قبر میں) ڈلواتا ہے۔ پھر جب اپنے قانون مشیت کیمطابق چاہیگا نوع انسانی کو زندہ کریگا۔

• اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ میں اِذَا سے کونسا وقت مراد ہے؟۔ کیا موت کیساتھ ہی دوبارہ زندہ کرلیا جاتا ہے؟ یا اس میں کوئی وقفہ موجود ہے۔ آیت بالا $\frac{۸۰}{۲۱}$ میں موت کے بعد فَاَقْبَرَهٗ کے الفاظ میں قبر کے لمبے عرصے کی خبر دیگئی ہے اور $\frac{۲۳}{۱۶}$ میں زندہ کئے جانے کے وقت کو ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ کے الفاظ میں قیامت کا دن یا قیامت کا وقفہ کہا ہے۔ قیامت کا لفظ قیام سے متعلق ہے۔ یعنی وہ دن جب مرنے کے بعد پھر قیام ہوگا، یعنی جب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرکے، اٹھا کر کھڑا کردیا جائیگا۔

• جو مرگیا اسکی قیامت ہوگئی، یعنی اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ اور سَرِيْعُ الْحِسَابِ نے مرنیوالے سے مرنے کے بعد فوراً حساب لے لیا کے نظریہ کے مطابق امر واقعہ اسطرح سامنے آتا ہے کہ جب ایک اچھے بھلے نوجوان کے دل کی حرکت بند ہوجاتی اور وہ مرجاتا ہے تو اسکی اڑہائی من کی لاش ابھی قبر میں صحیح سالم پڑی موٹی ہوتی ہے مگر اسکا حساب کتاب ہوجاتا اور اسے جزا سزا کیلئے جنت یا جہنم میں بھیج دیا جاتا ہے لیکن قرآن کریم کی متعدد آیات یہ کہتی ہیں کہ قیامت یعنی زندہ کرکے کھڑا کئے جانے کا دن اسوقت آئیگا، جب پرانے مُردوں کی ہڈیاں بھی گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہوچکی ہونگی:۔

• وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ $\frac{۳۴}{۸-۷}$ = اور ضابطۂ ربوبیت کے منکر آپس میں ایکدوسرے کو کہتے ہیں کہ کیا تمہیں ہم ایک ایسے شخص کی خبر دیں جو یہ کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤگے اور تمہاری ہڈیاں گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہوجائینگی تو تم نئے سرے سے پیدا کرلئے جاؤگے۔ یا تو اس نے اللہ کے ذمہ اس بات کا افترٰی باندھا ہے اور یا اسکا دماغ چل گیا ہے۔ (سورہ مومنون میں ہے):۔

• قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ $\frac{۲۳}{۸۲}$ = کافر کہتے ہیں کیا جب ہم مرجائینگے اور گل سڑ کر مٹی اور ہڈیاں ہوجائینگے تو کیا اسوقت ہم (اعمال کی جوابدہی کیلئے دوبارہ پیدا کرکے) اٹھائے جائینگے؟ (سورہ صٰفٰت میں ہے):۔

۳ وَقَالُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَ
اٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۝ ۳۷/۱۵ تا ۱۸ ۔ اور (ضابطۂ ربوبیّت قرآن کریم کے منکر) کہتے ہیں کہ یہ تو
کھلا جھوٹ ہے، کیا جب ہم مرجائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائینگے تو کیا ہم بھی (اعمال کی جوابدہی کیلئے دوبارہ زندہ کرکے) کھڑے
کرلئے جائینگے۔ اور ہمارے پہلے آباؤاجداد بھی اٹھالئے جائینگے۔ اے رسول آپ ان سے کہدیجیئیگا کہ ہاں (تم بھی اور تمہارے پہلے آباؤ
اجداد بھی زندہ کرکے حاضر کرلئے جاؤگے) اور تم ضرور ذلیل ہونیوالے ہو۔ (اسیطرح سورہ بنی اسرائیل میں ہے) :۔
۴ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ
حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ
۱۷/۴۹ تا ۵۱ ۔ اور (ضابطۂ ربوبیّت کے منکر) کہتے ہیں، کیا جب ہم (مرجائینگے اور) گل سڑ کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہوجائینگے تو کیا دوبارہ نئی
تخلیق میں پیدا کرکے کھڑے کرلئے جائینگے۔ (اے رسول!) آپ کہدیجئیگا کہ (ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہونا تو کوئی بات نہیں) اگر تم پتھر یا لوہا
بھی ہوجاؤ، یا اس سے بھی کوئی بڑی سخت تخلیق میں چلے جاؤ جو تمہارے ذہن میں ہو (تو پھر بھی اعمال کی جوابدہی کیلئے زندہ کرلئے جاؤگے)
پھر اس پر وہ یہ کہینگے کہ ہمیں کون دوبارہ زندہ کریگا۔ تو آپ کہدیجئیگا کہ وہی دوبارہ زندہ کرلیگا جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے۔
● اس سلسلے کی مزید آیات پیش کرنے سے پہلے ۱۷/۵۱ کی تائیدی آیت مجیدہ ملاحظہ فرمائیں :۔
● مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ ۲۰/۵۵ ۔ ہم نے تمہیں زمین میں سے پہلی مرتبہ پیدا
کیا تھا اور اس زمین ہی میں تمہیں لوٹا دیتے ہیں۔ اور اس زمین میں سے ہی تمہیں ہم دوبارہ نکال لینگے۔ اس تائیدی آیت کے بعد عنوان
زیر بحث کی پانچویں اور آخری آیات کریمات ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ واقعہ میں منکرینِ ضابطۂ ربوبیّت کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے
دارالجزا میں انہیں گرم ہوا اور گرم پانی اور دھوئیں کے گرم سائے کی سزا دیجائیگی۔ کیوں؟ اسلئے کہ :۔
۵ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۝ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۥ اَىِٕذَا مِتْنَا
وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۥ اِلٰى
مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ۵۶/۴۵ تا ۵۰ ۔ بیشک وہ اس سے پہلے مُترف (یعنی عوام کا استحصال کرنیوالے، دوسروں کی کمائیاں کھانیوالے) تھے۔
اور وہ بڑے گناہ (شرک حق ملکیت) پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائینگے، تو
کیا پھر ہم (دوبارہ زندہ کرکے) کھڑے کردیئے جائینگے۔ (اے رسول!) آپ اپنے زمانے کے ایسا کہنے والے لوگوں کو، کہدیجئیگا کہ بیشک پہلے
اور پچھلے سب لوگ، معلوم کرائے گئے دن (قیامت کو) ضرور ضرور جمع کئے جانیوالے ہیں۔
نتیجہ صریح ● پس مندرجہ بالا کثیر تکراری آیات کریمات سے ثابت ہوا کہ یہ نظریہ کہ جب بھی کوئی شخص مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ
جو سَرِيْعُ الْحِسَاب اور اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْن ہے فوراً اسکا حساب لے لیتا اور جزا و سزا کا حکم سناکر جنت اور جہنم میں بھجوا دیتا ہے؛
از روئے قرآن کریم غلط ہے۔ کیونکہ آیات بالا میں تکرارِ کثیر بتا دیا گیا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے اور لوگ اپنے اپنے طریقے سے اسکی تجہیز و
تکفین کردیتے ہیں۔ تو پھر اسے قیامت کے معلومہ دن کو زندہ کرکے اٹھایا جائیگا، خواہ اسوقت اس پر کتنا زیادہ وقت بھی کیوں نہ گزر چکا ہو۔

کہ وہ مٹی اور ہڈیاں ہو چکا ہو۔ فلہذا سَرِيعُ الْحِسَابِ اور اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ کا وہ معنی صحیح ہے جو آیت زیر بحث ۳/۱۹۹ کے متن کے سامنے لکھا گیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے یعنی وہ ہر انسان کے اچھے اور برے اعمال کا اچھا اور برا حساب اسکے اعمالنامے میں فوراً محفوظ کر دیتا ہے۔

علییّن اچھے لوگوں کے اور سجّین برے لوگوں کے اعمالناموں کے نام ہیں

● اوپر چونکہ اعمالناموں کا ذکر چل گیا ہے، اسلئے اعمالنامے کے متعلق بھی قرآنی تحقیق پیش خدمت ہے۔ انسان جو بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی کاناتی قوتیں اسکے ذہن میں لکھتی چلی جاتی ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جسے ہر آن پڑھ بھی ہر آن بخوبی پڑھ لیتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا ہے:۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ ۱۷/۱۳-۱۴ = اور ہر انسان کیلئے ہم نے اسکے اعمالنامے کو اسکی گردن میں باندھ دیا ہے۔ (جب بھی وہ ذرا گردن جھکا کر دیکھتا ہے تو فوراً اسکا اعمالنامہ اسکے سامنے آجاتا ہے) قیامت کے دن ہم اسکا اعمالنامہ کھلی کتاب کی صورت میں اسکے سامنے کر دینگے۔ (اور کہا جائیگا) اپنا اعمالنامہ خود پڑھ لے۔ (یہ) آج کے دن تیرے لئے حساب کی رو سے کافی ہے۔

● سورہ کہف میں اعمالنامے کے متعلق درج ہے کہ جب قیامت کو مجرم اپنا اعمالنامہ پڑھینگے تو کہینگے:۔ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ ۱۸/۴۹ = اور وہ کہینگے کہ افسوس ہے ہم پر کہ یہ کیسا اعمالنامہ ہے کہ اس نے کوئی بڑا یا چھوٹا عمل نہیں چھوڑا، مگر سب کو محفوظ کر لیا ہے۔ اور جو بھی انہوں نے کیا سب کو (لکھا ہوا) حاضر پائینگے۔ اور تیرا رب کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کریگا۔

● سورہ مطففین میں ارشاد ہوا ہے:۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَي النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰۗىِٕكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ ۸۳/۱تا۹ = اللہ رحمان و رحیم کے نام سے پڑھیگا (اے رسول!) تباہی ہے کم تولنے والوں کیلئے۔ وہ لوگ کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا انہوں نے یقین نہیں کیا کہ بلاشبہ وہ مرنے کے بعد (اعمال کی جوابدہی کیلئے) ایک بڑے دن کو اٹھا کھڑے کئے جائینگے جس دن لوگ عالمین کی نشوونما کرنیوالے کے حضور (اعمال کی جوابدہی کیلئے) کھڑے ہونگے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے (کہ جب ناپ تول کر لو، تو پورا لو اور جب دو تو کم دو۔ سب لوگوں کے اعمال انکے اعمالناموں میں لکھے جاتے ہیں) بیشک فجّار (یعنی کم تولنے والوں سمیت ہر قسم کی نافرمانی کرنیوالوں) کا اعمالنامہ سجّین میں ہے۔ اور (اے رسول!) کیا ہے وہ ذات جو آپکو واقف کرتی ہے کہ سجّین کیا ہے۔ وہ ایک کتاب ہے جسمیں (نافرمانوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں) — اس سے آگے علییّن کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

● كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ ۸۳/۱۸تا۲۰ = ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ (تم ناپ تول میں لو پورا، اور دو کم) بیشک ابرار (یعنی ناپ تول میں پورا لینے اور پورا دینے والوں) کا اعمالنامہ علییّن میں ہے۔ اور (اے رسول!) کیا ہے وہ ذات جو آپکو واقف کرتی ہے کہ علییّون کیا ہے۔ وہ ایک کتاب ہے جسمیں (ابرار پورا تولنے والوں سمیت ہر قسم کا نیک کام کرنے والوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں)۔

• المختصر: قرآن کریم میں علیین اور سجین کہا گیا ہے ابرار اور فجار کے الگ الگ اعمالناموں کی کتابوں کو۔ جو کتاب مرقوم کے الفاظ سے عیاں ہے۔ مگر اہل روایات کے ہاں علیین وہ اعلیٰ مقام بتایا جاتا ہے جہاں مرنے کے بعد نیک لوگوں کی روحیں رکھی جاتی ہیں۔ اور سجین وہ برا مقام بتایا جاتا ہے، جہاں مرنے کے بعد برے لوگوں کی روحیں پھینکی جاتی ہیں۔ بالفاظ دیگر روایات کے مطابق علیین اور سجین اچھے برے اعمالناموں کی کتابیں نہیں، بلکہ الگ الگ اچھی بری روحوں کے ٹھہرانے کی جگہیں ہیں۔ معاذ اللہ!

سورہ آل عمران کا ملخص

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ، سورہ آل عمران کی آخری آیت مجیدہ ہے جس میں ربوبیت عامہ کے متوازن نظام کے قیام کے تصور کو انتہائی اختصار کیساتھ اور انتہائی بلیغ انداز میں، کوزے میں سمندر کی مثال کے طور پر سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا[1] اصْبِرُوا[2] وَصَابِرُوا[3] وَرَابِطُوا[4] وَاتَّقُوا اللَّهَ[5] لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۲۰۰ ع

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ثابت قدم رہو اور ثابت قدم رکھو اور مربوط ہو جاؤ اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ ربوبیت پر ایمان لائے (اور اسطرح امن عالم کے ضامن ہوئے ہو[1]، نظام ربوبیت کے قیام کی راہ میں پیش آنیوالے مصائب کے مقابلے پر، خود بھی ثابت قدم رہو[2] اور دوسروں کو بھی ثابت قدم رکھو[3]۔ اور آپس کا رابطہ ہمیشہ قائم رکھو[4]۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو[5] تاکہ تم (نظام ربوبیت کے قیام میں) کامیاب ہو جاؤ۔

• [1] لفظ آمَنُوا کا سہ حرفی مادہ ا م ن ہے = امن ہے جس کا بنیادی معنی امن ضد فساد ہے۔ اور کسی حقیقت کو مان لینے سے چونکہ فساد مٹ جاتا اور امن قائم ہو جاتا ہے۔ اسلئے اسکا معنی ماننا بھی لیا جاتا ہے۔ اسلئے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کا معنی لکھا گیا ہے:- اے وہ لوگو! جو ضابطۂ ربوبیت عامہ پر ایمان لائے ہو۔ اور اس حقیقت کو مانکر امن عالم کے ضامن بنے ہو۔ واضح رہے کہ امن عالم اسوقت تک ہرگز قائم نہیں ہو سکتا جبتک ربوبیت عامہ پر سب سے پہلے ایمان نہ لایا جائے۔ اور پھر اس پر عملدرآمد نہ کیا جائے کہ نوع انسانی کے ہر فرد کو متوازن انداز کیساتھ ضروریات زندگی میسر آرہی ہوں۔

• [2] صبر کا معنی ہے منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ میں جو مصائب حائل ہوں انکا مقابلہ کرنے کیلئے ثابت قدم ہو جائیں۔ لفظ صبر کی قرآنی تحقیق کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۲۔

• [3] صَابِرُوا فعل امر متعدی ہے، جسکا مصدری معنی ہے دوسروں کو ثابت قدم رکھنا۔

• [4] رَابِطُوا بھی فعل امر متعدی ہے مادہ ر ب ط = ربط سے۔ اسکا بنیادی مصدری معنی ہے آپس میں اسطرح گتھ جانا۔ جیسے کہ مکی کے بھٹے پر مکی کے دانے آپس میں ایکدوسرے کے اندر گھسے ہوئے ہوتے ہیں۔ مکی کا ہر دانہ درحقیقت گول شکل کا ہوتا ہے۔ لیکن انکے آپس میں ایکدوسرے کیساتھ گتھ جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گول دانے آپس کے دباؤ کیساتھ چورس ہو جاتے ہیں۔ پس رَابِطُوا کے حکم میں مسلمانوں کو آپس میں اسطرح مربوط ہو کر رہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ انکے اندر داخلی انتشار کا گزر تک نہ ہو اور دشمن کے مقابلے پر انکے باہمی ربط کی عملی شکل یہ ہو کہ ہمیشہ سیسہ پلائی دیوار بن کر رہیں۔

• [5] اتَّقُوا اللَّهَ کا صحیح مقامی مفہوم یہ ہے کہ مندرجہ بالا احکام بجا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے تباہ کن نتیجے سے بچ جاؤ۔

قومی عروج کا قرآنی نسخہ

• ۷ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ کے الفاظ میں فلاح و کامیابی کو اتقاء کیساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ اور اتقا کے مقامی شرائط عین ماقبل بیان کر دیئے گئے ہیں کہ اسلامی معاشرہ کا ہر فرد خود بھی اپنے دشمنوں یعنی ضابطۂ ربوبیت کے منکروں کے مقابلے پر ثابت قدم رہے اور دوسروں کو بھی ثابت قدم رکھے۔ نیز آپس کا ربط و ضبط کبھی بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ یعنی داخلی طور پر انتشار و اختلاف کا نام و نشان تک موجود نہ ہو اور دشمن کے مقابلے پر پوری قوم ہر آن سیسہ پلائی دیوار بنی رہے۔ پس واضح رہے کہ یہی اِتَّقُوا اللّٰہَ کے فعل امر کی تعمیلی صورت۔ اور یہی ہے قوموں کے عروج کا وہ مجرب نسخہ کہ اس پر اگر کافر بھی عمل کرے تو کامیابی اُسکے قدم چومتی ہے۔ فتح و نصرت ہمیشہ اُسکے ہمرکاب رہتی ہے۔ نوع انسانی کی تاریخ اور کرۂ ارض پر بسنے والی موجودہ قومیں لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ کے قرآنی نسخے کے عملی نتیجے پر گواہ ہیں کہ ہر وہ قوم کامیاب و کامران ہے جسکا ایک ایک فرد:۔

۱ اِصْبِرُوْا کے قرآنی حکم کے مطابق خود بھی ثابت قدم رہے۔ اور

۲ صَابِرُوْا کے ارشاد الٰہی کے مطابق دوسروں کو بھی ثابت قدم رکھے۔ نیز

۳ رَابِطُوْا کے ارشادِ ربانی کے مطابق اُس قوم کے ربط باہمی کی عملی صورت یہ ہو کہ اُس میں داخلی انتشار کا تصور تک موجود نہ ہو، اور وہ دشمن کے مقابلے پر سیسہ پلائی دیوار بنی رہے۔

ایک ضروری نوٹ

• تفسیر زیر نظر میں قرآن کریم کی مرکزی تعلیم ربوبیتِ عالمینی کے تصور کو ہر مقام پر قائم رکھا گیا ہے۔ پہلی جلد کے شروع میں جو دیباچہ شائع کیا گیا ہے اسمیں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کا مرکزی نقطہ ربوبیتِ عالمینی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیتِ عالمینی ہی کے تصور سے شروع ہوتی ہے اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۱۱۴ کے الفاظ میں ربوبیتِ ناس یعنی نوع انسانی کی ربوبیت کے تصور ہی پر ختم ہوتی ہے بالفاظ دیگر پورا قرآن کریم ربوبیتِ عالمینی اور ربوبیتِ ناس کی دو قوسوں میں گھرا ہوا ہے۔ اسکی ابتدا بھی ربوبیت ہے اور اسکی انتہا بھی ربوبیت ہے۔ نیز یہ عظیم الشان اور لاریب کتاب کسی بھی مقام پر ربوبیتِ عالمینی کے اُس تصور سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتی، جسے یہ اپنے قاری کے ذہن میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱ کے الفاظ کے ذریعہ اپنے اولین سبق ہی میں پوری طرح جاگزیں کر دیتی ہے کہ:۔

سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پورے عالمین کا ربّ ہے

رَبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ۝ ۲۳/۹۷-۹۸

(لِلّٰہِ الْحَمْد کہ بعونہٖ تعالیٰ سورہ آل عمران کی تفسیر القرآن بالقرآن ختم شد)

سُورَةُ النِّسَآءِ

• سورہ نسآء قرآن مجید کی چوتھی سورت ہے۔ یہ ۱۷۶ آیات کریمات پر مشتمل ہے۔

• چونکہ اس میں عورتوں سے متعلقہ متعدد مسائل پر تفصیلی بحث درج ہے۔ اسلئے اس کا نام سورۂ نسآء ہے (یعنی عورتوں کی سورت)۔ چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے کہ :-

• عورت کا مقام کیا ہے ؟
• عورت وراثت میں کس حصّے کی وارث ہے ؟
• کون کونسی عورتیں نکاح کیلئے حرام ہیں؟
• عورتوں کیساتھ نکاح کی شرائط کیا ہیں؟
• نکاح کے بعد عورت کے مرد پر کیا حقوق ہیں؟
• عورت پر مرد کے کیا حقوق ہیں ؟
• ایک سے زائد عورتوں سے کن حالات میں نکاح جائز ہے؟
• نکاح کے بعد اگر میاں بیوی کے مزاج میں اختلاف پایا جائے تو اُن میں موافقت پیدا کرنے کیلئے کون سے وسائل اختیار کئے جانے چاہئیں۔ علیٰ ہذا القیاس، چونکہ اس سورت میں عائلی زندگی کے متعلق عورتوں کے بیشتر مسائل کا صحیح صحیح حل پیش کیا گیا ہے۔ اسلئے اس سورت نے سورۂ نسآء نام پایا ہے۔

• اس سورت مجیدہ میں وراثت کے مسائل کی بھی پوری تفصیل درج ہے۔ یاد رہے کہ مسئلۂ وراثت کا بھی عورت کے مسائل کیساتھ ذیل کا مخصوص تعلق ہے :۔ کرّۂ ارض کی بیشتر قومیں ایسی ہیں جنہوں نے عورتوں (لڑکیوں) کو حقِ وراثت سے مطلقاً محروم کر رکھا ہے سورہ نسآء میں انہیں نہ صرف حقِ وراثت ہی عطا کیا گیا ، بلکہ ان کیلئے متوفّی کے پسماندگان میں عورتوں کی ہر ممکن صورت کیلئے انکے حصص کا تعین کرکے اُس ظلم کا انسداد کر دیا گیا ہے جو اس گوشے میں ان پر ہوتا چلا آ رہا تھا۔

• عورت کی زندگی میں چونکہ یہ امر بھی ناممکنات میں سے نہیں ہے کہ اُسکا شوہر طبعی موت مر جائے یا میدانِ جنگ میں نقدِ جان کا ہدیہ حضورِ الٰہی میں پیش کرکے بیوی اور بچوں کو یتیم چھوڑ جائے۔ اسلئے اس مسئلہ پر بھی اسی سورت مجیدہ میں روشنی ڈالی گئی ہے کہ بیواؤں اور یتیموں کے مسئلے کا صحیح حل کیا ہے۔ یہ عنوان بھی عورتوں ہی سے متعلق ہے۔ المختصر! سورہ نسآء کا مرکزی نقطہ عورت ہے، جس کے گرد اس سورۃ مجیدہ کے تمام عنوان چکر لگاتے ہیں۔ چنانچہ :-

• اس سورت مجیدہ کے ابتدائی الفاظ میں عورت کے مقام کی وضاحت کیگئی کہ یہ مرد کا سو فیصدی صحیح ساتھی ہے۔ عورت اور مرد ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں۔ ایک ہی درخت کی دو شاخیں اور ایک ہی جسم کے دو بازو ہیں۔ یہ دونوں نوعیں ایک ہی جرثومۂ حیات کی پیداوار

ہیں، جسمیں اللہ تعالیٰ نے ایسی خاصیت ودلیعت فرما رکھی ہے کہ یہ ایک ہی جرثومہ ہے جس سے یا لڑکا پیدا ہوتا ہے یا لڑکی۔ اور یہ انداز پیدائش ایسا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں اُسوقت بھی یہی تھا جب نوع انسانی کو پہلی مرتبہ زمین سے پیدا کیا گیا تھا[۱]۔ اور اُسکے بعد جب انسان نطفے سے پیدا ہونے شروع ہوئے تو پھر بھی آجتک وہی انداز موجود ہے۔ ایک ہی جرثومۂ حیات ہے، جسمیں مذکر بننے کی صلاحیت بھی موجود ہے اور مونث بننے کی خاصیت بھی محفوظ ہے[۲]۔

[۱] سورہ نساء کو شروع کرنے سے پہلے ذہن میں تازہ کریں کہ آیاتِ ذیل کے مطابق نوعِ آدم ابتداءً زمین میں سے پیدا کیگئی تھی:۔

• مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۲۰/۵۵ ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا تھا۔ اور اسی میں تمہیں لوٹا دیتے ہیں اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ نکال لینگے۔

• هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ۱۱/۶۱۔ اُس اللہ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کر دیا۔

• وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۷۱/۱۷۔ اور اللہ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے ٹھیک ٹھیک پیدا کرنا۔ اس آیت مجیدہ میں نوعِ انسانی کی اولین پیدائش کیلئے نباتاً کے موزون ترین الفاظ، نباتات کیساتھ ذیل کی مشابہت کیلئے لائے گئے ہیں۔ واضح رہے کہ جسطرح نباتات کا بیج (جرثومۂ حیات) مٹی کے اندر پرورش پاکر پیدا ہوتا ہے اُسیطرح نوعِ آدم کی ابتدائی تخلیق اُن بشری جرثوموں سے، زمین (مٹی) ہی میں ہوئی تھی، جن میں خدا تعالیٰ نے مذکر و مونث دونوں صنفیں بننے کی صلاحیت رکھی ہوئی تھی۔ یہی خاصیت نطفہ کے جرثومہ ہائے حیات میں موجود ہے کہ ایک ہی جرثومہ ہے جس سے لڑکا بھی بنتا ہے اور لڑکی بھی بنتی ہے۔

[۲] جرثومۂ حیات میں مذکر و مونث دونوں صنفوں کے مشترکہ خواص کی بین دلیل یہ ہے کہ داڑھی اور مونچھیں جو خالصۃً مردوں کا حصہ ہیں، یہ بعض عورتوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اسکے علاوہ مردوں میں سے ہر ایک کے سینے پر عورتوں جیسی چھاتیوں کے دو نشانوں کی موجودگی بھی، جو خالصۃً عورتوں کا حصہ ہیں، جرثومۂ حیات میں مذکر مونث کے دونوں خواص کی خبر دیتے ہیں۔ المختصر، قرآن کریم نے اس امر کی خبر دی ہے کہ مرد اور عورت ایک ہی جرثومہ کی پیداوار ہیں۔ دونوں واجب التکریم ہیں، عورت، مرد کی نسبت نہ ناقص ہے نہ حقیر و ذلیل۔ عورت کو حقیر جاننا ظلم عظیم ہے۔ رحم مادر میں ایک ہی جرثومہ کی جونسی صنف پرورش کے لحاظ سے غالب آتی ہے۔ اُس صنف کا بچہ پیدا ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچے کی پیدائش یعنی وضع حمل تک کسی صنف کا غلبہ نہیں ہو پاتا۔ اور بچہ نہ لڑکا ہوتا ہے نہ لڑکی، اُسے عرفِ عام میں زنخہ کہا جاتا ہے۔ لیکن زنخوں کی بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ بعض کی صنفی نشو و نما لڑکا بنتے بنتے رکی ہوئی ہوتی ہے اور بعض کی لڑکی بنتے بنتے نا تمام رہ گئی ہوتی ہے۔ سورہ نساء کو اللہ تعالیٰ نے اسی عنوان سے شروع فرمایا ہے کہ مرد اور عورت دونوں ایک ہی جرثومہ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور جرثومۂ حیات ہی کو نفسِ واحدہ کہا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ساتھ نام اللہ رحمٰن رحیم

(اے صاحب قرآن! پڑھیگا اس سورت مجیدہ کو بھی نعمت تعلیم[۱] عطا کرنیوالے اور محنت کا پورا بدلہ دینے والے اللہ کے نام کیساتھ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ

اے نوعِ انسانی! بچو رب اپنے (کی ربوبیت کی مخالفت) سے جس نے

اَے نوعِ انسانی! اپنے رب (کی ربوبیت کی مخالفت) سے بچو۔ جو وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

پیدا کیا تم کو حقیقت ایک سے اور پیدا کیا اُس میں جوڑا اُس کا

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا

اور پھیلائے دونوں سے مرد بہت سے اور عورتیں اور بچو (مخالفت)

اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ

اللہ سے ۔ جو وہ ہے کہ سوال کرتے ہو ساتھ اُسکے اور بچو (مخالفت) قرابت سے بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ ۱

اللہ ہے اُوپر تمہارے خبر رکھنے والا

پیدا کیا تم کو ایک ہی جنس (جوہر ارضی سے ۲۳/۱۲) ۔ اور اُسی جوہرِ ارضی (جرثومۂ حیات) میں اُسکا جوڑا (مذکر اور مونث) پیدا کیا ۔ اور اِن دونوں صنفوں (مذکر اور مونث) میں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں (پیدا کرکے زمین میں) پھیلا دیئے ۔ اور ڈرو اللہ (کے احکام کی مخالفت) سے ۔ جو وہ عظیم الشان ذات ہے کہ آپس میں سوال کرتے ہو اُسکے (نام کے) ساتھ ۔ اور بچو (مخالفت) قرابت سے ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم سب کے سب کی پوری پوری خبر رکھنے والا ہے۔

● ع۱-۲ یہ پوری کائنات جو نوعِ انسانی کیلئے مفت کی نعمتوں سے بھری پڑی ہے ۔ ہوا پانی مٹی آگ ، سورج چاند ستارے ، دریا پہاڑ اور اِن کے مخفی خزانے ، نیز خود رو پھل اور اجناس سب کی سب نعمتیں جو مفت عطا کی گئی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کے ماتحت مل رہی ہیں رحمان رب العالمین ہے جو ہر چیز کی نشوونما کو نقطۂ آغاز سے شروع کرکے نقطۂ تکمیل تک پہنچانیوالا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کی عطا میں وہ نعمتیں جو ہمارے نقطۂ آغاز ہی سے بلا محنت ملتی چلی آرہی ہیں ۔ نوعِ انسانی کو جب اِس دنیا میں پیدا کیا گیا تو یہ اِس نوع کا نقطۂ آغاز تھا ۔ چنانچہ اسکے گرد ہر چہار طرف مفت کی نعمتیں بکھری پڑی تھیں قسم قسم کے خود رو پھل کھانے کیلئے ۔ بہتے چشموں کا پانی پینے کیلئے ، پہاڑوں کی غاریں اور درختوں کے سائے رہنے کیلئے ۔ اِسطرح جب نوعِ انسانی آگے بڑھی اور اُس نے مفت کی نعمت مٹی سے گھر بنانے شروع کئے ، زمین کو پھاڑ کر اُس میں فصلیں اگانی شروع کیں اور قسم قسم کے باغات لگائے یعنی اللہ تعالیٰ کی مفت نعمتوں میں اپنی محنت شامل کردی تو اللہ تعالیٰ نے غاروں کی بجائے خوبصورت گھر اور خود رو پھلوں کی بجائے انواع و اقسام کے لذیذ ترین پیوندی پھل اور قسم قسم کی اجناس کے ڈھیر عطا فرمائے ۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم کے مطابق میسر آرہا ہے ۔ اور آتا رہیگا۔

● اِسیطرح جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ اُسکی دنیوی زندگی کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفت ربوبیتِ عالمینی کے مطابق اُسکی پیدائش سے پہلے ہی اُسکی ربوبیت کے نقطۂ آغاز کے طور پر اُسکی ماں کی چھاتی پر دودھ کی دو نہریں بہا دیتا ہے ۔ یہ مفت کی نعمت بھی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے مطابق میسر آتی ہے حتیٰ کہ جب ابھی دودھ کی یہ دو نہریں زور دں چل رہی ہوتی ہیں کہ بچے کے دانت اُگنا شروع ہو جاتے ہیں ، اُدھر دودھ کی نہریں خشک ہوتی ہیں اور اِدھر بچے کا مُنہ دانتوں سے بھر چکا ہوتا ہے تاکہ اب جو اُسے ٹھوس غذا ملنے والی ہے وہ اُسے بآسانی چبانے کے قابل ہو جائے ۔ نوعِ انسانی اپنے ابتدائی دورِ آفرینش میں جبتک محنت کرنے کے قابل نہیں ہو پائی تھی ، ہر فردِ انسانی کو اُسکے نقطۂ آغاز سے لیکر نقطۂ انجام تک ربوبیت کے مفت سامان میسر تھے ۔ اور جب سے اِس نے اللہ کی مفت نعمتوں میں اپنی محنت شامل کردی ہے اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحیمیت کے مطابق ہر مقام پر اِسکی محنت کا پورا ثمر عطا کرتا چلا آرہا ہے یعنی یہ جتنی زیادہ سے زیادہ ریسرچ کیلئے دماغی محنت ، اور ریسرچ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے جسمانی کوشش کرتا چلا جارہا ہے اللہ اِسکی محنت کا زیادہ سے زیادہ ثمر عطا کرتا چلا آرہا ہے ۔ اور عطا کرتا چلا جائیگا۔

• ۲۳ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کے صفت موصوف میں تنوین تعریف جنس کی آئی ہے۔

• ۴ اب چونکہ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ سے مراد وہ جرثومۂ حیات ہے جسمیں مذکر اور مونث دونوں صنفوں کے خواص موجود ہیں۔ اور جس سے پہلی مرتبہ زمین میں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کی گئی تھیں۔ اسلئے مِنْهُمَا تثنیہ سے مراد جنس جوڑا ہے۔ روایات کا بتایا ہُوا وہ ایک جوڑا نہیں ہے، جس کی مونث معاذاللہ معاذاللہ بقول روایات اپنے شوہر سے روزانہ دو بچے حاصل بھی کرتی تھی اور روزانہ دو بچوں کے وضع حمل کے فرائض بھی ادا کرتی تھی۔ العیاذ باللہ!

• ۵ رَقِيْبًا مادہ ر-ق-ب۔ رقب سے ہے جس کا معنیٰ گردن بھی ہے اور گردن میں رسّی ڈالنا بھی ہے۔ حفاظت و نگہداشت کرنا بھی ہے۔ اب چونکہ کسی چیز کی حفاظت کرنیوالے کا اس چیز سے پورا پورا باخبر ہونا لازمی ہے۔ اسلئے رقیب کے معنے باخبر کے بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کیلئے یہی معنے فٹ آتے ہیں۔ جیسے کہ ۵/۱۱۶-۱۱۷ میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کو حضرت مسیحؑ سے پوچھیگا کہ کیا تُونے اپنی قوم کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو الٰہ اور بنالو۔ تو وہ کہینگے کہ یارِ الٰہا! تُو شرک سے پاک ہے۔ مجھے یہ لائق نہیں تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ... جبتک میں ان میں موجود رہا اُسوقت تک میں اُن پر گواہ تھا، لیکن فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۵/۱۱۷ پھر جب تُونے مجھے فوت کر دیا تو تُو اُن سے باخبر تھا۔ (کہ اُنہوں نے کب مجھے اور میری ماں کو تیرے ساتھ دو الٰہ اور ٹھہرالیئے تھے) کیونکہ تُو ہر چیز پر گواہ ہے۔

عورت کا مقام

• سورہ نسآء کی آیت اوّل زیرِ نظر میں مرد عورت کو ایک ہی جرثومۂ حیات کی پیداوار بتا کر اس امر کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ اصل و بنیاد کے لحاظ سے عورت مرد بالکل ایک ہیں۔ ان میں سرِمو فرق نہیں۔ دونوں ایک ہی سطح کے واجب التکریم ہیں ۱۷/۷۰۔ عورت کی صنف، مرد کی نسبت گھٹیا یا ناقص ہرگز نہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں یہی ارشاد ہُوا ہے:۔

• وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۱۷/۷۰ اور بیشک ہمنے (عورت مرد) نوعِ آدم (کی دونوں صنفوں) کو واجب التکریم قرار دیا ہے۔ پس یاد رہے کہ معاشرہ میں عورت کو حقیر جاننا، اُسے صرف روٹی کپڑے کی ملازمہ قرار دینا، اُسکے مساوی انسانی حقوق سے انکار کرنا اُسے لونڈی بنانا اور بھیڑ بکری کیطرح بیچنا اور خریدنا وغیرہ تمام تصورات یکسر غیر قرآنی اور خدا تعالیٰ کی مخالفت پر مبنی ہیں۔ قرآن کریم نے عورت کو مرد کا متوازن و باوقار شریکِ کار ٹھہرایا ہے۔

• سورہ نسآء کی دوسری آیت مجیدہ میں سب سے پہلے عورتوں کے اُس گوشے سے بحث کیگئی ہے جو اِن کی زندگی کا انتہائی گھناؤنا اور دُکھ دہ حصّہ ہے ۔۔ وہ ہے اِن کا بیوہ ہو کر بے سہارا ہو جانا۔ اور اُنکے یتیم بچوں کا اِن بے سہارا عورتوں کیساتھ دربدر ٹھوکریں کھاتے پھرنا۔ اس المناک حالت کی پریشانیوں کو وہی عورتیں جانتی ہیں جو خدانخواستہ مذکورہ حالات سے دوچار ہو جاتی ہیں۔

مومن اور جہاد کا چولی دامن کا ساتھ ہے

• نیز مومن مردوں کی زندگی میں کسی بھی وقت پر کم نہیں میدانِ جہاد میں پہنچکر حضورِ الٰہی میں نقدِ جان کا نذرانہ پیش کرنا ازبس لازمی ہے یعنی مومن کی شان یہ ہے کہ وہ دینِ حق کی خاطر، اللہ کی راہ میں جان دینے کیلئے ہر آن تیار رہتا ہے۔ جُونہی کسی مخالف طاقت نے اسلامی سلطنت کیطرف بُری نگاہ سے دیکھا۔ یا کسی علاقے کی کسی مومن جماعت، فرد یا ضعیف کمزور مرد، عورتوں اور بچوں پر دستِ تظلم دراز کیا۔ تو اسلامی ریاست میدانِ

جہاد میں کود پڑی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ میدانِ جنگ میں قتل کرنا اور قتل ہونا دونوں صورتیں ممکن ہیں ۹/۱۱۱۔ اسلئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا وقت آجائے کہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مومن مرد میدانِ جنگ میں شہید ہو جائیں۔ اور سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں تو اس صورتِ حال سے کسطرح نپٹا جا سکیگا، جبکہ معاشرہ کا ہر بالغ مرد شادی شدہ ہو۔ اور اِدھر سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان عورتیں بے خاوند ہو چکی ہوں۔ انہیں معاشرہ میں کھپانے کا طریقہ کیا ہو گا نیز ہزاروں یتیم بچوں کے مستقبل کو سنوارنے کی کیا صورت ہو گی؟ یتیموں کے متعلق یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ اُنکی دو صورتیں ہو سکتی ہیں :-

۱ پہلی یہ کہ اُنکے والد اُنکے لئے کچھ مال متاع اور نقدی وغیرہ چھوڑ گئے ہوں۔ تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ جبتک وہ بالغ ہو کر سوجھ بوجھ کو نہ پہنچ جائیں۔ اُسوقت تک اُنکے مال کی حفاظت اور اُنکے وقفِ قبل بلوغ کے اخراجات کا صحیح صحیح انتظام کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے ضروری امر یہ ہے کہ جس فرد کو یتیموں اور اُنکے مال متاع اور نقد و جنس کا نگار ڈین (سرپرست) بنایا جائے وہ پوری دیانتداری کیساتھ مال کی حفاظت اور یتیموں کی پرورش کرے۔ اس ضمن کی ہدایات آیت نمبر ۲-۵-۶ میں آرہی ہیں۔

۲ دوسرے نمبر پر یتیموں کی حالت یہ ہو سکتی ہے کہ اُنکے والد کوئی مال متاع اور نقدی وغیرہ نہیں چھوڑ گئے۔ اُنکی پرورش الگ الگ اُن افراد کے ذمہ آتی ہے جو الگ الگ اُنکی ماؤں کیساتھ نکاح کریں۔ اس ضمن کی ہدایات آگے آیت نمبر ۳، ۴ میں آرہی ہیں، بالترتیب بغور ملاحظہ فرمائیں :-

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا

اور دیدو یتیموں کو مال اُن کے اور نہ تبدیل کرنا

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى

(اپنا) بُرا مال ساتھ اچھے مال اُنکے، اور نہ کھاؤ مال اُن کے ساتھ

اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۲

مالوں اپنوں کے۔ بیشک یہ گناہ ہے بڑا

اور (ایمان والو! جب تمہارے پاس یتیموں کے مال امانت رکھے جائیں) تو جب وہ سوجھ بوجھ کو پہنچ جائیں تو تم اُنکے مال اُنہیں واپس دیدیا کرو۔ اور نہ تبدیل کرنا اپنی ناقص چیزوں کو اُنکی عمدہ چیزوں کے ساتھ۔ اور نہ کھا جانا اپنے مالوں کیساتھ ملا کر اُن کے مالوں کو بیشک وہ (یتیموں کے مالوں کو تبدیل کر لینا، یا اُنکے مالوں کو اپنے مالوں کیساتھ ملا کر کھا جانا) بہت بڑا گناہ ہے۔

• اِس سے آگے آیت نمبر ۳ کو سامنے لانے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ

بیوہ عورتیں بھی یتیموں ہی کی فہرست میں شامل ہیں

عربی زبان میں یتیم کا مطلق معنیٰ ہے بے سہارا ہو جانا۔ اسطرح جن بچوں کے باپ مر جائیں کیونکہ وہ بے سہارا ہو جاتے ہیں۔ اسلئے اُنہیں یتیم کہا جاتا ہے۔ اِسیطرح جن عورتوں کے خاوند مر جائیں چونکہ وہ بھی بے سہارا ہو جاتی ہیں۔ اسلئے اُنہیں بھی یتیم ہی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت نمبر ۳ میں بیوہ عورتوں کو یتیم عورتوں کے نام سے معاشرہ میں کھپانے اور اُنہیں اُنکا ازدواجی حق دلانے کیلئے ایک ہنگامی قانون بتایا گیا ہے۔ یعنی ایسی حالت میں کہ جب معاشرہ میں کسی حادثہ، جنگ جہاد یا کسی وباء کی بدولت بیوہ عورتوں کی تعداد اِس حد کو پہنچ جائے کہ جبتک ایک مرد ایک سے زائد عورتوں سے نکاح نہ کرے، اُسوقت تک اُن یتیم (یعنی بے سہارا بیوہ) عورتوں کو اُنکا ازدواجی حق میسر نہ آسکتا ہو، تو ایک وقت پر ایک سے زائد نکاح کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ چار چار تک نکاح کر کے یتیم (یعنی بے سہارا بیوہ) عورتوں کو اُنکا ازدواجی حق دلایا جائے۔ چنانچہ ایسے ہی ہنگامی حالات کے متعلق

یتیموں کے مالوں کو سنبھالنے اور جب وہ سوجھ بوجھ کو پہنچ جائیں تو واپس کر دینے کا حکم دینے کے بعد، اس حقیقت کے مطابق کہ بچوں کے یتیم ہونے کیساتھ ہی انکی مائیں، عورتیں بھی تو بیوہ (یتیم بے سہارہ) ہو جاتی ہیں، انکا سہارا بنانے اور انکا ازدواجی حق دلانے کیلئے اگلی آیت نمبر ۳ میں ارشاد ہوا ہے :-

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا
اور اگر خوف کرو تم کہ نہ انصاف کرو گے یتیم عورتوں میں تو نکاح کرو
مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ
جو پسند کریں تمہیں عورتوں میں سے دو دو۔ اور تین تین۔ اور چار چار
فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ
پھر اگر خوف کرو تم کہ نہ عدل کرو گے تو ایک (خاندانی عورت) یا جسکے مالک ہوئے
اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ ۳
دائیں ہاتھ تمہارے یہ اسلئے ہے تاکہ تم عائلی عدم توازن سے بچو

اور اگر (تمہارے معاشرہ کی یہ حالت ہو کہ تمہارا کوئی مرد غیر شادی شدہ نہیں اور) تمہیں خوف ہو کہ یتیم (بیوہ عورتوں کا ازدواجی حق دیکر انکے بارے میں) توازن قائم نہیں کر سکتے تو (بیوہ) عورتوں میں سے جو تمہیں پسند کریں ۱۹/۲ ۔ دو دو، تین تین یا چار چار تک نکاح کیا کرو۔ (تاکہ وہ معاشرہ میں سما جائیں اور انہیں انکا جنسی حق بھی مل جائے) پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ ایک سے زائد بیویوں میں عدل نہ کرو گے تو ایک ہی بیوی ہو (خاندانی) یا (ایک مفتوحہ قوم کی) جو تمہارے دائیں ہاتھ کے ذریعہ سے ایمان لائی ہوں۔ یہ (بیوہ یتیم عورتوں کے جنسی حقوق مہیا کرنے کیلئے ایک سے زائد نکاح کا ہنگامی حکم) اس امر کے قریب ہے کہ تم عائلی عدم توازن سے بچے رہو۔

● علہ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں ما موصولہ ہے۔ اور طَابَ کے فعل میں ھُوَ، لیکن یہاں ھُنَّ ضمیر مستتر ہے کیونکہ ھُنَّ ضمیر مستتر مبیّن ہے اور مِنَ النِّسَآءِ بصیغہ جمع مونث اسکا بیان ہے مُبیّن اور بیان ملکر فعل طَابَ کا فاعل ہے اور جمع مونث کیلئے فعل مذکر کا استعمال قرآن کریم میں موجود ہے، جیسے قَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ ۱۲/۳۰ — پس طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ما موصولہ کا۔ صلہ اور موصول ملکر ہوا مبدل منہ، جس کا بدل ہے مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ - اسلئے بدل اور مبدل منہ ملکر فَانْكِحُوْا کی ضمیر مستتر (انتم) کا مفعول ہے۔ نیز مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں واؤ جمع کی نہیں بلکہ بمعنی اَوْ ہیں یعنی نکاح کرو ان یتیم عورتوں کیساتھ جو تمہیں پسند کریں دو دو۔ یا تین تین۔ یا چار چار۔ اسکے برعکس اسکا دو دو اور تین تین اور چار چار معنی لینا غلط ہے۔ کیونکہ یہ ۲+۳+۴ = ۹ بن جاتی ہیں۔

● واضح رہے کہ اس آیت مجیدہ میں پسند کا حق عورتوں کو دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں غور کرلیں کہ کیا وہ چار تک کی صورت میں متحد رہکر ایک مرد کے نکاح میں امن و صلح کیساتھ وقت گزار سکینگی یا نہیں۔

برادران عزیز! مندرجہ بالا آیت مجیدہ ہی وہ آیت ہے جس سے فقہوں نے ہنگامی کی بجائے عام حالات میں چار تک بیویوں کی اجازت کا جواز اخذ کر رکھا ہے۔ حالانکہ فَانْكِحُوْا حکم ہے، اجازت نہیں۔ اور حکم بھی **فان خ** ائیہ کیساتھ مشروط ہے، غیر مشروط نہیں۔ جب کسی معاشرہ میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ کسی بھی وجہ سے عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جائے تو انہیں انکا جنسی حق مہیا کرنے کیلئے ایک سے زائد نکاح کا مشروط حکم دیدیا گیا ہے۔ تاکہ معاشرہ ہر قسم کی خواہشات سے محفوظ رہ سکے۔

● **یاد رہے کہ**:۔ "اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی" شرط ہے اور "فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ" اسکی جزا ہے جبتک شرط قائم نہ ہو مشروط قائم نہیں ہو سکتا۔ (فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ)۔ اسلئے اس آیت مجیدہ سے یتیم (بیوہ بے سہارا) عورتوں کیساتھ عدم انصاف کی شرط قائم ہوئے بغیر یعنی ہنگامی حالات کے سوا عام حالات میں ایک سے زائد بیوی کا جواز اخذ کرنا بھی عربی ادب کا خون کرنے کے مصداق ہے۔ اور فَانْکِحُوْا کے حکم کو، اسکی فا جزائیہ سے الگ کرکے ایسے عام حالات میں ایک سے زائد بیوی کی اجازت قرار دینا بھی ظلم عظیم ہے۔ اجازت کیلئے قرآن حکیم میں اُذِنَ کا لفظ بھی موجود ہے [۲۲/۳۹] اور لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ [۲/۱۹۸] کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی فلاں کام کی تمہیں اجازت ہے، یا کوئی حرج نہیں کہ فلاں کام تم اسطرح کرلیا کرو۔

● المختصر: آیت بالا میں ہنگامی حالات کیلئے ایک سے زائد نکاح کا مشروط ہنگامی حکم دیا گیا ہے۔ عام حالات میں صرف ایک بیوی کی اجازت ہے جو آیت بالا کے لفظ **فَوَاحِدَةً** سے عیاں ہے۔ کہ جبتک معاشرہ کے حالات پر مذکورہ بالا ہنگامی حالات وارد نہ ہوں اُسوقت تک ایک مرد کیلئے یا تو صرف ایک خاندانی بیوی کی اجازت ہے، اور یا مفتوحہ قوم کی ایک منکوحہ عورت کی۔

مَا مَلَکَتْ اَیْمَان سے لونڈیوں کا جواز خلافِ قرآن ہے

● مَا مَلَکَتْ یَمِیْن یا مَا مَلَکَتْ اَیْمَان کے الفاظ ایک قرآنی اصطلاح ہیں، جن سے لونڈی غلام کے جواز کی غلط دلیل پکڑی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ لونڈی غلام کا تصور قرآن کریم کے قطعی خلاف ہے۔ معاشرہ میں لونڈی غلام کی درآمد کے صرف دو راستے ہیں، پہلا یہ کہ بدقماش قسم کے لوگ گلیوں اور محلوں سے بچے اغوا کرکے لیجاتے اور انہیں بڑے بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں، اسطرح جن ملکوں میں لونڈی غلام کی خرید و فروخت ہوتی ہے، یہ لڑکے اور لڑکیاں وہاں کے بازاروں میں بھیڑ بکری کیطرح بکتے رہتے ہیں۔ اسیطرح افریقہ کے بعض پسماندہ علاقوں سے بھی بچے حاصل کرکے بیچے جاتے ہیں جو لونڈی غلام کہلاتے ہیں، قرآن حکیم نے **وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ** [۱۷/۷۰] کے الفاظ میں پوری نوع آدم کو واجب التکریم ٹھہرا کر نوع انسانی کی خرید و فروخت کے تصور تک کو توہین آدمیت قرار دیدیا ہے۔

● اسیطرح معاشرہ میں لونڈی غلام کی درآمد کا دوسرا راستہ ہے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا، لیکن قرآن کریم نے اس راستے کو بھی ذیل کے حکم کیساتھ بند کردیا ہے۔ فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِکَ [۴۷/۴] پھر (ایمان والو) جب تم کافروں کے بالمقابل آؤ تو انکی گردنیں مارو۔ اسطرح جب تم انہیں شکست دیدو۔ تو انہیں سختی کیساتھ قید کرلو۔ پھر اسکے بعد ان قیدیوں کو یا تو احسان کرکے چھوڑ دینا ہے اور یا فدیہ لیکر رہا کردینا ہے حتیٰ کہ جنگ ختم ہوجائے جنگی قیدیوں کیلئے بس یہی حکم ہے۔

● یہ ہے برادران عزیز! جنگی قیدیوں کے متعلق احساناً یا فدیتہً صرف اور صرف رہا ہی کردینے کا خداوندی حکم۔ تو اسطرح معاشرہ میں لونڈی غلام کی درآمد کے دونوں راستے اللہ تعالیٰ نے بند کردیئے ہوئے ہیں۔ اور وہ لونڈی غلام جو نزول قرآن سے ماقبل لوگوں کے ہاں موجود تھے۔ انہیں آزاد کرنے کو اللہ تعالیٰ نے باندازِ ذیل شرط اتقاء ٹھہرا دیا ہے۔

آنحضور، نوع انسانی کی گردن سے ہر قسم کی غلامی کے پٹے اُتارنے کیلئے مبعوث ہوئے تھے

● نزول قرآن سے پہلے نوع انسانی کے گلے میں بتوں، استھانوں، علماء، مشائخ

اور غلامی کے دیگر جتنے بھی پٹے پڑے ہوئے تھے۔ آنحضورؐ کو ہر قسم کی غلامی کی زنجیریں کاٹنے کیلئے بھیجا گیا تھا۔

• وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۷/۱۵۷ = اور وہ (نبی امی) نوعِ انسانی کے تمام بوجھ اور زنجیریں اتارتا ہے جو اِن پر پڑی ہوئی ہیں ۔ پھر سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے :۔

• لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ..... أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۲/۱۷۷

(مفہوم) بھلائی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق کیطرف کرتے ہو یا مغرب کیطرف ۔ ولیکن بھلائی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کریں۔ جزا سزا کے دن، اللہ کے ملائکہ، اور اسکے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائیں۔ اور اللہ کی محبت میں اپنا مال قریبیوں، یتیموں، مسکینوں، درماندہ حاجت مندوں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں خرچ کریں..... یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کی عملی تصدیق پیش کی اور یہی لوگ متقی ہیں۔

رسولِ اکرمؐ سے بڑھکر بڑا متقی کون ہو سکتا ہے

• آیتِ بالا میں متقی کی تعریف میں ایک شق بیان ہوئی ہے غلاموں کو آزاد کرانا (یہاں خبر بمعنی انشاء کے انداز میں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے)۔ اب یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ حضورؐ مدنی سرکارؐ اوّل نمبر کے متقی تھے۔ اور آپ کی آخری زندگی میں آنحضورؐ کو اتنا مال دیدیا گیا تھا کہ آپکو غنی کر دیا گیا تھا۔ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۹۳/۸ = اور اللہ نے آپکو معاشرہ کی ربوبیتِ عامہ کے بوجھ تلے دبا ہوا پایا پھر آپکو غنی کر دیا (بے نیاز کر دیا)۔ پس اِن آیات کریمات کی روشنی میں رسولِ عربیؐ جیسے عظیم المرتبت متقی اور غنی کی قلمرو میں کیا ممکن ہے کہ کوئی لونڈی یا غلام رہ گیا ہو جسے آپ نے اسکے مالک سے خرید کر آزاد نہ کر دیا ہو؟ بالفاظِ دیگر آنحضورؐ کی مملکت کے آخری دور میں آپ کی قلمرو میں کوئی لونڈی غلام موجود نہیں تھا۔ قرآنی شرطِ اتقاء کے مطابق لونڈی غلام کا وجود حکماً ممنوع قرار دیدیا گیا تھا۔

• لیکن افسوس ہے کہ آنحضورؐ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد مسلمانوں میں پھر لونڈی غلام کا جواز مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُ کے قرآنی الفاظ سے اخذ کیا گیا جس کے متعلق پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ اِسکے قرآنی مفہوم تین ہیں، جو بعد میں پیش کئے جائیں گے۔ پہلے ہم لونڈی غلام کے مسئلہ کے متعلق یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مغربی ممالک میں صرف انسانی سطح پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ انسان، انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ۱۸۳۵ء میں ولیم چہارم نے قلمروِ برطانیہ میں غلامی اور غلاموں کی خرید و فروخت کو خلافِ قانون قرار دیدیا۔ جو آجتک برطانوی آئین میں خلافِ قانون چلی آرہی ہے۔ ۱۸۶۳ء میں ابراہام لنکن نے امریکہ میں غلاموں کی آزادی کیلئے تحریک شروع کی اور ۱۸۶۵ء میں غلامی اور غلاموں کی خرید و فروخت امریکہ میں بھی خلافِ قانون قرار دیدی گئی۔ اور پھر اِس تحریکِ آزادیٔ غلاماں کی سوسالہ سالگرہ پر ۱۶ اگست ۱۹۶۳ء کو آزادیٔ غلاماں کے یادگاری ٹکٹ جاری کئے گئے۔ جن پر کٹی ہوئی زنجیر کی فوٹو دی گئی تھی اور کٹی ہوئی زنجیر کے نیچے انگریزی کے جلی الفاظ میں لکھا ہوا تھا۔ "اعلانِ آزادی ۱۸۶۳ء"۔

مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کے تین قرآنی مفہوم

• قرآن کریم میں اِس قرآنی اصطلاح کے تین قرآنی مفہوم آئے ہیں۔ پہلے اِن الفاظ کا لفظی

معنی ملاحظہ فرمائیں :- مَلَکَتْ کا لفظ عربی گرامر میں صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف ہے۔ جس کا معنی ہے "مالک ہوئی" : کون مالک ہوئی ؟ اَیْمَانُکُمْ ۔ تمہارے داہنے ہاتھ ۔ مونث فعل کیلئے مذکر فاعل اسلئے آیا ہے کہ عربی گرامر میں صیغہ جمع مذکر کیلئے فعل واحد مونث بھی آتا ہے ۔ جیسے قَالَتِ الْیَهُوْدُ ۲/۱۳ میں جمع مذکر کیلئے قَالَتْ فعل واحد مونث آیا ہے ۔ آیت زیر بحث میں اَیْمَانُکُمْ چونکہ جمع مذکر کا صیغہ ہے اسلئے اسکے لئے مَلَکَتْ فعل واحد مونث آیا ہے ۔ پس مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کا معنی ہوا :- وہ چیز جس کے مالک ہوئے تمہارے داہنے ہاتھ ۔

اب اس اصطلاح کے تین قرآنی معنے ملاحظہ فرمائیں :-

۱ - پہلے نمبر پر یہ اصطلاح اُن مردوں عورتوں کیلئے آئی ہے جو زمانۂ نزولِ قرآن سے قبل مسلمانوں نے خریدے ہوئے تھے یعنی وہ اُنکے مملوکہ تھے اور وہ سابقہ معاشرہ میں لونڈی غلام کی حیثیت سے رہ رہے تھے ۔ ان میں سے جن عورتوں کیساتھ قبل اسلام سے مسلمانوں کے جنسی تعلقات قائم تھے قرآن کریم نے اُنہیں توڑا نہیں ۔ (کیونکہ اکثر صاحب اولاد ہو چکی ہوئی تھیں) اُن میں سے جو بنے نکاح تھیں اُنکے نکاح کروا دیئے (کیونکہ نکاح کے بغیر بیوی نہیں ہو سکتی) ۔ اور اُنہیں بیوی کے حقوق عطا فرمائے ۔ ثبوت کیلئے اسی آیت مجیدہ ۴/۳ کے وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں جنمیں ہنگامی حالات کی بدولت ایک سے زائد چار تک نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ۔ اور اُسکے بعد ارشاد ہوا ہے : فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۴/۳ ۔ پھر اگر تمہیں خطرہ ہو کہ تم ایک سے زائد بیویوں میں انصاف نہ کر دگے تو پھر ایک ہی خاندانی بیوی رکھو اور یا وہ عورت کہ اُسکے مالک ہوئے تمہارے دائیں ہاتھ ۔

● دیکھئے : آزاد خاندانی عورت اور مَا مَلَکَتْ اَیْمَان کے درمیان واؤ نہیں اَوْ آیا ہے ۔ یعنی یا ایک آزاد عورت یا ایک مملوکہ یعنی زمانۂ کفر کی خریدی ہوئی عورت ۔ (اسلام کی حالت میں کسی لونڈی کو خریدنے کا نہیں ، بلکہ خرید کر آزاد کرنیکا حکم ہے ۸۹/۵) ۔ آیت مجیدہ ۴/۳ میں آزاد اور غلام عورت کو جمع کرنا بھی منع ہے ۔ لیکن جو زمانۂ قبل اسلام میں جمع ہو چکی تھیں ، اُنکی معافی دیدی گئی ۔ جیسے کہ قرآن کریم کی رو سے ایک سے زائد نکاح کے ہنگامی حکم کی تعمیل میں دو سگی بہنوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن اگر زمانۂ جہالت سے کسی کے ہاں دو سگی بہنیں موجود تھیں تو اُنکے لئے معافی دیدی گئی تھی ۔ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۴/۲۳ ۔

● یاد رہے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ازدواج کیساتھ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کے الفاظ آئے ہیں ۔ مگر ہر جگہ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ آیا ہے ، یعنی بیوی یا مملوکہ عورت ۔ اِس سے ثابت ہے کہ بیوی ایک ہی ہوگی خواہ آزاد خاندانی ہو یا مملوکہ ۔ قرآن بھر میں صرف ایک جگہ پر اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ آیا ہے :- قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ ۳۳/۵۰ ۔ بیشک ہم نے ظاہر کر دیا ہے ، جو کچھ ہم نے (اُن مومنوں) پر اُنکی بیویوں اور مملوکہ عورتوں کے متعلق فرض کیا ہے — یہاں اَوْ کی بجائے واؤ اسلئے آئی ہے کہ یہاں سابقہ معاشرہ کی اُن مملوکہ عورتوں کو بیویوں کیساتھ رکھنے کی اجازت عیاں ہے جو مسلمانوں کے گھر میں زمانۂ جہالت کے وقت سے موجود تھیں ۔

● لیکن یاد رہے کہ زمانۂ نزولِ قرآن سے پہلے آزاد بیوی اور مملوکہ عورت کے حقوق مساوی نہیں تھے ۔ مملوکہ کو بیوی کا مقام حاصل نہیں تھا قرآن کریم نے سابقہ مملوکہ عورتوں کو بیوی کا مساوی مقام عطا فرمایا ۔ جیسے کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ ۴/۳ میں فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کے الفاظ میں فَوَاحِدَةً ، آزاد بیوی اور مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مملوکہ عورت کو ایک سطح پر رکھا

گیا ہے کہ بیا ایک آزاد بیوی ہو یا ایک مملوکہ بیوی۔ یہ ہے، مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کا ایک مفہوم یعنی وہ مملوکہ عورتیں جو زمانۂ جہالت میں خریدی گئی تھیں اور اُن کے ساتھ مالکوں کے جنسی تعلقات قائم تھے۔ قرآن کریم نے اُنہیں منکوحہ بھی بنایا اور بیوی کا درجہ بھی عطا کیا۔ اور اس سے آگے :۔

۲۔ دُوسرے نمبر پر مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُ سے قرآن کریم نے وہ عورتیں مراد لی ہیں جو غیر مسلم معاشرہ سے مسلمان ہو کر اور ہجرت کرکے مسلمانوں کے پاس آجائیں۔ اِس مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے ۴/۲۴-۲۳ پر غور فرمائیں، جہاں حرام عورتوں کی فہرست بیان کرتے ہُوئے ارشاد ہُوا ہے کہ تمہارے لئے تمہاری ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں، بھتیجیوں، بھانجیوں، دُودھ ماؤں، دُودھ بہنوں، ساسوں۔ جن منکوحہ عورتوں سے خلوت ہوئی اُن کی گود کی لڑکیوں سگے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنا اور ہنگامی حالات کے حکم ۴/۳ کے مطابق ایک سے زائد عورتوں کیساتھ نکاح کرتے ہُوئے بیک وقت دو سگی بہنوں کا ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام کر دیا گیا ہے۔ لیکن جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا ۴/۲۳۔ نیز نکاح والی عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے لیکن نکاح والی اُن عورتوں سے نکاح جائز ہے جو مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ہوں :۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۴/۲۴ = اور نکاح والی اُن عورتوں سے نکاح جائز ہے جو مسلمان ہو کر تمہارے پاس آجائیں۔۔۔ یہ وہ عورتیں ہیں جو کافر معاشرہ میں خاوند رکھتی ہوں۔ لیکن مسلمان ہو جائیں اور ہجرت کرکے مسلم معاشرہ میں آجائیں۔ زمانۂ رسالت میں جو ایسی عورتیں آنحضورؐ کی خدمت میں پہنچی تھیں اُنکے متعلق حکم دیدیا گیا تھا :۔

• يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ۶۰/۱۰ = اے ایمان والو جب ایمان کی دعویدار مہاجرہ عورتیں کافر معاشرہ سے ہجرت کرکے تمہارے پاس آئیں تو تم اُن کا امتحان کر لیا کرو (کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جاسوسہ بن کر آئی ہوں) اللہ تو اُنکے ایمان کو جانتا ہے۔ (تم بھی اچھی طرح جانچ کر لو) پھر اگر تم اُنہیں مومنہ پاؤ تو اُنہیں کفار کیطرف نہ لوٹانا۔ یہ مومنہ عورتیں کافر شوہروں کیلئے حلال نہیں۔ اور نہ وہ اِنکے لئے حلال ہیں۔ اور اُنکے شوہروں نے جو کچھ اُن پر خرچ کیا ہو وہ اُنہیں دیدیا کرو۔[1]

• [1] لین دین کے معاملے میں قرآن کریم کی پالیسی بڑی محتاط ہے۔ کسی کا حق ضائع نہیں کرتا۔ چنانچہ مومنہ عورتوں کے کافر شوہروں نے اُن سے نکاح کرتے وقت جو کچھ خرچ کیا ہو، اُنکا وہ حق اُنہیں واپس دلاتا ہے۔ اِسیطرح ۶۰/۱۰ کے اگلے الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی مومنہ عورت کافر ہو کر کافروں کے پاس چلی جائے تو تم نے جو کچھ اُس پر خرچ کیا ہو وہ تمہارا حق ہے، لے لیا کرو۔ نیز قرآن کریم نے تو زمانۂ جہالت میں خریدے ہُوئے غلاموں کے نام نہاد مالکوں کا حق بھی تسلیم کیا ہے کہ غلام آزاد کرائے جانے چاہئیں اُنکے مالکوں کو اُنکی خرچ کی ہُوئی قیمت ادا کر کے۔

• **المختصر**: مَا مَلَكَتْ اَيْمَان کی دوسری قسم میں وہ عورتیں جو کافر معاشرہ میں کافر خاوند رکھتی ہوں لیکن وہ، مسلمان ہو کر یا مسلمان ہونے کیلئے مسلم معاشرہ میں آجائیں۔ مروّجہ فقہوں میں، مَا مَلَكَتْ اَيْمَان سے جو بلا نکاح جنسی تعلقات قائم کرنے کا تصور دیا گیا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ غلط ہے، بلکہ اُس سے اسلام اور قرآن کی عصمت داغدار ہوتی ہے۔

۳۔ تیسرے نمبر پر مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے قرآن کریم نے وہ ملازم مراد لئے ہیں جو مالکوں کے کام کاج میں تو اُنکے شریک ہوتے ہیں، لیکن سرمایہ دارانہ معاشرہ میں اُنہیں برابر کا نفع نہیں دیا جاتا۔ ارشاد باری ہے :۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ

فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۱۶/۷۱ ۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو (اپنی منشاء کے خلاف) بعض پر رزق میں افضل پایا ہے۔ پھر جو لوگ (غلط نظام کی بدولت) افضل پائے گئے ہیں۔ وہ اپنے رزق کو اپنے مَا مَلَکَتْ ایمان (ملازموں) کیطرف لوٹانیوالے نہیں۔ حالانکہ وہ اس رزق میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ پھر کیا یہ (اللہ کے رزق کے غاصب) اللہ کی نعمت پر (اللہ کے رزق کی غلط تقسیم کیلئے) جھگڑتے ہیں؟

• ۱؎ فَضَّلَ باب تفعیل سے ہے، جس کے خاصہ وجدان کے مطابق وَاللّٰهُ فَضَّلَ کا معنیٰ ہے :۔ "اور اللہ نے افضل پایا ہے"۔ افضلیت کا حق نہیں دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ تصور صحیح تسلیم کیا جائے کہ اُس نے بعض کو زیادہ رزق خود دیا ہے اور بعض کو ضروریات زندگی سے خود محروم کیا ہے تو وہ ربّ العلمین نہیں رہتا۔ کیونکہ ناہموار و غیر متوازن رزق کی ابلیسی تقسیم کا مشاہدہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کے کتوں کو دودھ بالائی میسر آتی ہے اور بعض کے بیمار بچوں کو دودھ کا جائز حق نہیں ملتا۔ بلکہ وہ بلا دوا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اِن چیزوں کا فاعل اللہ تعالیٰ اسلئے نہیں تسلیم کیا جا سکتا، کیونکہ وہ بلا امتیاز سب کا رب، ربّ العلمین ہے۔ پھر جو لوگ رزق میں افضل پائے جاتے ہیں، اُنکی اکثریت اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو دھوکا فریب رشوت ملاوٹ بلیک، ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کے ذریعہ مال اکٹھا کر کے رزق میں افضلیت حاصل کرتے ہیں اور یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی انتہائی نافرمانی پر مبنی ہیں۔

• مَا مَلَکَتْ اَیْمَان کی اِس قسم کی خبر آیت ذیل میں بھی مفہوم بالا ہی کے الفاظ میں دیگئی ہے۔

• ضَرَبَ لَکُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِکُمْ ؕ هَلْ لَّکُمْ مِّنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ شُرَکَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰکُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ کَخِیْفَتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۰ ۳۰/۲۸ ۔ (لوگو!) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارا آپس کا حال بیان کرتا ہے۔ کیا تم اپنے ملازموں کو اُس رزق میں برابر کے حصہ دار بناتے ہو؟ جو ہم تمہیں عطا کرتے ہیں (ہرگز نہیں بناتے ہو) پس حقیقت یہ ہے کہ تم اِس رزق میں برابر کے حصہ دار ہو۔ تم اپنے ملازموں (کی برابری سے) اُسیطرح ڈرتے ہو، جسطرح تم (سرمایہ دار آپس کی (برابری) سے ڈرتے ہو۔ اِسی طرح ہم عقلمندوں کیلئے اپنی آیتیں کھول کھولکر بیان کرتے ہیں۔

• ۲؎ هَلْ لَّکُمْ مِّنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ شُرَکَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰکُمْ، استفہام انکاری ہے، جسمیں حصر استفہامی کے ساتھ ملازموں کے حق مارنے والے کہا گیا ہے اُنکے نام نہاد مالکوں کو۔ یہ رزق کی ناہمواری اور ملازموں کے حقوق کا غصب و نہب اللہ تعالیٰ کا فعل ہرگز نہیں بلکہ یہ سرمایہ داروں کا فعل ہے۔ آیاتِ بالا ۱۶/۷۱ اور ۳۰/۲۸ کا مضمون واحد ہے۔

• المختصر اِن ہر دو آیتوں میں مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ سے وہ لوگ مراد ہیں جو کام میں تو سرمایہ دار کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ مگر وہ اُنہیں کام کے ماحصل میں شریک نہیں گردانتے۔ اُنہیں نوکر اور ملازم شمار کرتے ہیں۔ اور محنت کا ثمر خود کھاتے رہتے ہیں۔ اور انہیں صرف اتنا دیتے ہیں کہ وہ اُنکے کل کے استحصال کیلئے زندہ رہ سکیں۔

• یہ ہیں تین مفہوم قرآن کریم کی رُو سے مَا مَلَکَتْ اَیْمَان کے۔ اِن تینوں مفاہیم میں داہنے ہاتھ کے مالک ہونے کا تصور موجود ہے۔ پہلے معنوں میں مملوکہ لونڈیاں اور غلام چونکہ خریدے جاتے تھے اسلئے انہیں مَا مَلَکَتْ اَیْمَان کہا گیا ہے۔ دوسرے نمبر پر غیر مسلم معاشرہ سے آئی ہوئی مہاجرہ عورتیں چونکہ ہجرت کر کے اپنے آپکو مسلمانوں کے اَیْدِی، ہاتھوں، قبضے میں دے دیتی ہیں۔ اپنے ولی وارثوں کو پیچھے چھوڑ کر مسلمانوں کو اپنا ولی وارث

قرار دیتی ہیں اسلئے اُنہیں مَا مَلَکَتْ اَیْمَان کہا گیا ہے۔ اور تیسرے نمبر پر کاروباری ملازم چونکہ ناہموار معاشرہ کی مجبوریوں کی بدولت اپنے آپکو نام نہاد مالکوں کے ہاتھوں میں دیدیتے ہیں اسلئے اُنہیں بھی مَا مَلَکَتْ اَیْمَان کہا گیا ہے۔ اب آگے بڑھنے سے پہلے وہ آئت مجیدہ ملاحظہ فرمائیں جس سے اسلام میں لونڈیوں کا نہ صرف دائمی جواز اخذ کیا جاتا ہے، بلکہ یہ تصور بھی دیا جاتا ہے کہ خود آنحضورؐ کے گھر میں بھی دو لونڈیاں موجود تھیں اور آپکو مزید لونڈیوں سے متمتع ہونے کی اجازت بھی دیدیگئی تھی العیاذ باللہ۔ آئت مجیدہ یہ ہے :-

● لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ۞ ۳۳/۵۲ ـــ اس آئت مجیدہ کا روائتی ترجمہ یہ ہے :- نہیں حلال واسطے آپکے اسکے بعد کوئی عورت! اور نہ یہ کہ آپ انکے ساتھ دوسری عورتیں تبدیل کریں اگرچہ آپکو اُنکا حُسن کتنا بھلا لگتا ہو سوائے آپکی مملوکہ عورتوں کے۔ (یعنی آپکی مملوکہ عورتیں ان عورتوں کے سوا آپکے لئے حلال ہیں)۔

● پس اسطرح اس آئت مجیدہ سے یہ تصور اخذ کیا گیا ہے کہ آنحضورؐ کو بیویوں کے بدلنے سے تو منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن مزید لونڈیوں کی اجازت دیدیگئی تھی۔ اور اسی آئت مجیدہ سے اُمت کیلئے لاتعداد لونڈیاں رکھنے کی اجازت اخذ کیگئی ہے۔ العیاذ باللہ! لیکن واضح رہے کہ جب قرآن حکیم نے اسلامی معاشرہ میں لونڈی غلام کی درآمد کے تمام دروازے ہی بند کر دیئے ہیں ۴۷/۴ + ۴/۲۴۔ اور خود آنحضورؐ نے اپنی قلمرو کے سب لونڈی غلاموں کو آزاد کر کے قرآنی ریاست سے لونڈی غلام کا وجود ہی ختم کر دیا تھا ۲/۱۷۷ + ۹۰/۱۳۔ تو پھر نئی لونڈیاں لانے کا تصور تک بھی کسطرح پیدا ہو سکتا ہے۔ اس سے وضاحتاً ثابت ہُوا کہ آئت مجیدہ ۳۳/۵۲ کا روائتی ترجمہ غلط ہے جسمیں یہ تصور دیا گیا ہے کہ آنحضورؐ کو بیویاں بدلنے سے تو منع کر دیا گیا تھا لیکن معاذ اللہ لونڈیوں کی عام اجازت دیدیگئی تھی۔

● اب آیئے آئت مجیدہ کے صحیح مفہوم کیطرف! یہ ہے آئت مجیدہ معہ صحیح قرآنی مفہوم :-

● لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ **إِلَّا** مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ط وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ۞ ۳۳/۵۲ :- (اے نبیؐ!) آپکے لئے اِن (آپکی موجودہ بیویوں) کے سوا کوئی عورت حلال نہیں۔ اور نہ آپکے لئے یہ حلال ہے کہ آپ اِن کو دوسری عورتوں کیساتھ تبدیل کریں (یعنی آپ اِن میں سے کسی کو طلاق دیکر بھی نئی بیوی نہیں لا سکتے) اگرچہ آپ کو دوسری عورتوں کا حُسنِ سلیقہ کتنا ہی اچھا لگتا ہو۔ **اور** خصوصاً آپکے لئے مَا مَلَکَتْ يَمِينُكَ بھی حلال نہیں (یعنی وہ عورتیں بھی حلال نہیں جو غیر مسلم معاشرہ سے آکر اپنے آپکو آپکی ولائت میں دیدیں)۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔

● آئت مجیدہ کے متن میں **إِلَّا** اور ترجمہ میں اِلَّا کے معنی **اور** کے الفاظ جلی قلم کیساتھ آپکی خصوصی توجہ کیلئے لکھے گئے ہیں۔ روائتی تراجم میں اِلَّا استثنائیہ تسلیم کر کے آنحضورؐ کیلئے، اور پھر آپکے ذریعہ پوری اُمت کیلئے لاتعداد لونڈیوں کا جواز اخذ کیا گیا ہے لونڈی غلام کا تصور چونکہ قرآن کریم کی مرکزی تعلیم احترامِ انسانیت ۱۷/۷۰ کے بھی خلاف ہے۔ اور آنحضورؐ کے اُس عظیم انسانیت نواز عمل، جسے آپنے اپنی قلمرو کے تمام لونڈی غلام آزاد کر کے انجام دیا تھا، کے بھی خلاف ہے، اسلئے ہم نے **اِلَّا** کو **عاطفہ** تسلیم کر کے یہ معنی لکھا ہے :- اور خصوصاً آپ کیلئے مَا مَلَکَتْ يَمِينُكَ بھی حلال نہیں (یعنی وہ عورتیں بھی حلال نہیں جو غیر مسلم معاشرہ سے آکر اپنے آپکو آپکی ولائت میں دیدیں۔

● اب آیئے حرف اِلَّا کیطرف کہ ہم نے اسے کس قرآنی سند کے مطابق عاطفہ قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں اِلَّا پانچ معنوں میں آیا ہے۔

۱۔ **استثنٰی کیلئے**۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۴۷/۱۹ = پس جانتے رہ کہ کوئی الٰہ نہیں ہے موجود سوائے اللہ کے۔

۲۔ **استغراق کیلئے**۔ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ ۳۸/۱۴ ۔ کوئی قوم ایسی نہ تھی جس نے رسولوں کو نہ جھٹلایا ہو۔

۳۔ اِنْ لَّا کے معنوں میں۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ۹/۴۰ ۔ اگر تم نے اُسکی مدد نہ کی تو اللہ اُسکی مدد کر چکا ہے۔

۴۔ **تاکید کیلئے**۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۸۷/۶-۷ ۔ اے نبی! بیشک ہم آپکو پڑھاتے ہیں پھر آپ بھولتے نہیں۔ یقیناً اللہ نے یہی چاہا ہے کہ آپ بالکل نہ بھولیں۔ یہاں اِلَّا تاکید کیلئے آیا ہے۔ اگر یہاں استثنائیہ لیا جائے تو یہ مفہوم بنتا ہے کہ آپ قرآن کریم کا اُتنا حصہ بھول جاتے ہیں جتنا اللہ چاہتا ہے۔ اِسطرح چونکہ آنحضورؐ میں نسیان تسلیم کرنا پڑتا۔ اور سلسلۂ نبوت و رسالت ہی بے اعتبار ہو کر رہ جاتا ہے، اِسلئے یہاں استثنائیہ معنٰی مطلقاً غلط ہے۔ اور صحیح معنٰی اِلَّا تاکیدیہ کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہی یہ ہے کہ آپ ہرگز ہرگز نہ بھولیں۔ نیز اِس آیت مجیدہ ۸۷/۷ میں حق بھی تاکید کیلئے آیا ہے۔ اِسکی تفصیل دیباچہ کے عنوان نمبر ۳۱/۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ **عطف کیلئے** یعنی اور کے معنوں میں۔ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ ۲۷/۱۰-۱۱ ۔ بیشک میں وہ ہوں کہ میری طرف سے بھیجے ہوئے (مرسل) ڈرا نہیں کرتے۔ اور نہ میرا وہ بندہ ڈرتا ہے جو کبھی زیادتی کر بیٹھے اور بعد میں قرآنی اعمالِ صالحہ کیساتھ برائی کو نیکی میں بدل لے۔ یہاں اِلَّا عاطفہ ہے۔ اگر عاطفہ نہ مانا جائے تو آیت مجیدہ کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ اللہ کے مرسل تو نہیں ڈرتے جو ظلم نہیں کرتے۔ مگر جو ظلم کرتے اور ظلم کے بعد برائیوں کو نیکیوں کیساتھ بدلتے ہیں وہ ضرور ڈرتے ہیں۔ دیکھئے! یہاں اِلَّا کو عاطفہ تسلیم کئے بغیر انبیاء سلام علیہم کی عصمت محفوظ نہیں رہتی۔

● پس جسطرح ۲۷/۱۱ میں اِلَّا عاطفہ ہے۔ اُسیطرح ۳۳/۵۲ میں اِلَّا عاطفہ ہے اور آنحضورؐ پر واضح کیا گیا ہے کہ آپکے لئے وہی بیویاں حلال ہیں جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہوئے ہیں ۳۳/۵۰ (یعنی جن سے آپ نکاح کر چکے ہوئے ہیں) اِنکے سوا کوئی عورت نکاح کیلئے حلال نہیں۔ اور نہ آپ اِن میں سے کسی بیوی کو طلاق دیکر کسی اور عورت کیساتھ بدل ہی سکتے ہیں۔ اور نہ ہی آپ کیلئے مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ نکاح کیلئے حلال ہیں، جو کافر معاشرہ میں سے مومن ہو کر آپ کی ولایت میں آ چکی ہوں۔

● مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کی اِس طویل تفسیر القرآن بالقرآن کے بعد اب آیئے اصل سلسلۂ درس کیطرف۔ پیچھے صفحہ ۱۸۱

رجوع الی المطلب پر سورہ نسآء زیر بحث کی آیت نمبر ۳ کی تفسیر میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ہنگامی حالات میں یتیم (بے سہارہ) عورتوں کیساتھ ایک سے زائد نکاح کر کے اُنہیں جزوِ معاشرہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگلی آیت نمبر ۴ میں اِس خطرے کا سدِباب کر دیا ہے کہ مبادا لوگ یتیم (بیوہ بے سہارا) عورتوں سے نکاح کرتے وقت یہ خیال نہ کریں کہ اِن کا وارث کون ہے جو زرِ مہر کی ادائیگی کا سوال اُٹھائے گا؟ کہیں اِن سے بلا مہر نکاح کرنا نہ شروع کر دیں۔ یا اِن کا مہر مقرر کرنے کے بعد اُس کی ادائیگی ضروری نہ سمجھیں۔ اور یا اِسے بوجھ خیال کریں۔ اِس لئے ارشاد ہوا ہے:-

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ	اور (ایمان والو!) اِن عورتوں (سے نکاح کرتے وقت) اُنہیں اُنکے مہر خوشی خوشی ادا کیا کرو (کیونکہ عورتوں کا مہر تحفہ ہے چٹی نہیں) پھر اگر وہ اُس
اور دو عورتوں کو مہر اُنکے خوشی خوشی پھر اگر وہ خوشی سے واسطے تمہارے	

عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓئًا مَّرِيٓئًا ۝ ۴

چھوڑ دیں کچھ اُس میں سے خود، تو کھاؤ مزیدار خوشگوار

میں سے کچھ اپنی خوشی کیساتھ خود چھوڑ دیں تو اُسے (دونوں ملکر) کھاؤ مزیداری اور خوشگواری کیساتھ۔

• اِس سے اگلی دو آیات کریمات میں پھر متوفی حضرات کے یتیم بچوں کیطرف رُخ کرکے اُن کے متعلق ذیل کی اہم ہدایات بالفاظِ ذیل جاری کیگئی ہیں:۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ

اور نہ دینا (یتیم) بیوقوفوں کو اپنے وہ مال جن کا ٹھہرایا

اللَّهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَ

اللہ نے تمہیں امین اور کھلاؤ اُنہیں اُس میں سے اور پہناؤ اُنہیں اور

قُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ ۵

کہو اُنہیں بات جانی پہچانی

اور (ایمان والو!) اپنے وہ مال جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں امین ٹھہرایا ہے (یعنی یتیم بچوں کے مال جو تمہارے پاس امانت ہیں وہ) بے سمجھ یتیموں کے حوالے نہ کرنا۔ اور اُن میں سے اُنہیں تم کھانا بھی کھلاتے رہو۔ اور اُن میں سے اُنہیں کپڑے بھی پہناتے رہو۔ اور یاد رکھنا کہ اُن سے ہمیشہ معروف (یعنی نصیحت آمیز، اصلاحی اور تعمیری) گفتگو کرتے رہنا۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ج

اور آزماتے رہو یتیموں کو حتیٰ کہ وہ پہنچ جائیں (عمر) نکاح کو

فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوٓا إِلَيْهِمْ

پھر اگر پاؤ تم اُن میں سوجھ بوجھ تو واپس کردو طرف اُن کی

أَمْوَالَهُمْ ج وَلَا تَأْكُلُوهَآ إِسْرَافًا وَّبِدَارًا

مال اُنکے۔ اور نہ کھانا اُنہیں فضول خرچی کرتے ہوئے اور جلدی کے ساتھ

أَنْ يَّكْبَرُوا ط ......

کہ وہ بڑے نہ ہو جائیں

اور تم اُن یتیموں کی (جن کے مال تمہارے پاس امانت پڑے ہیں)، آزمائش کرتے رہنا (کہ کیا ان میں سوجھ بوجھ آگئی ہے یا نہیں) حتیٰ کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم (مسلسل آزمائش کے ذریعہ) اُن میں عقل کی پختگی (مال کو سنبھالنے کی قابلیت) پاؤ تو اُنکے مال اُنہیں لوٹا دیا کرو۔ اور تم (یتیموں کے مال کے امین مختار ہونے کی حیثیت میں) اُنکے مالوں کو (اُنکے بالغ ہونے تک) کھا نہ جانا فضول خرچی کرتے ہوئے اور جلد سے کہ وہ بڑے (بالغ) نہ ہو جائیں (یعنی اُنکے بالغ ہونے سے پہلے ہی فضول خرچی کیساتھ اُنکے مال ختم نہ کردینا)۔

• آیت مجیدہ کے اِس حصے میں یتیم کے مال کے امین و مختار کو ہدایت کیگئی ہے کہ وہ فضول خرچی کرکے یتیم کے بالغ ہونے تک یعنی اُسوقت سے پہلے پہلے کہ وہ اپنے مال کا حساب مانگنے کے قابل ہو جائے ختم نہ کردینا۔ کہیں اُسکے بالغ ہونے پر یہ نہ کہنا کہ تم اپنا مال کھا چکے ہو۔ اور اسطرح اُسے بالغ ہونے سے پہلے ہی قلاش بنا کر نہ رکھ دینا۔ اِسی امین و مختار کے متعلق آیت مجیدہ کے اگلے حصے میں مزید ہدایات بالفاظِ ذیل جاری کیگئی ہیں:۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ج وَمَنْ كَانَ

اور جو کوئی ہو غنی پس چاہیئے کہ وہ معاف کردے۔ اور جو کوئی ہو

فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ط فَإِذَا دَفَعْتُمْ

محتاج پس چاہیئے کہ وہ کھائے مناسب۔ اور جب واپس دو تم

اور جو (مختار و امین) بے محتاج ہو تو چاہیئے کہ وہ یتیم کے مال کی دیکھ بھال مفت کرے۔ کوئی معاوضہ نہ لے۔ اور جو (مختار و امین) محتاج ہو تو چاہیئے کہ کھائے مناسب طریقے کیساتھ۔ (یعنی اُسکی اُس محنت کا معاوضہ مقرر کردیا جائے جو وہ یتیم کے مال کی دیکھ بھال

اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِمۡ ؕ وَ
اُن کو مال اُن کے تو گواہ کر لیا کرو اُن پر (دو) گواہ ۲/۲۸۲ اور

كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ۝۶
کافی ہے اللہ حساب لینے والا

کرتا ہے) اور جب تم اُنکے مال اُنکی طرف لوٹاؤ تو اُن پر دو گواہ (۲/۲۸۲) حاضر کرلیا کرو۔ (اور اُسے لکھ لیا کرو ۲/۲۸۲ تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہونے پائے) حقیقت یہ ہے کہ (اگر تم دنیا میں حساب نہ چکاؤ تو قیامت کو) حساب لینے کیلئے اللہ کافی ہے۔

مسئلہ وراثت کی تمہید

• اُوپر آپ دیکھ چکے ہیں کہ سورہ نسآء کی آیت نمبر۲ سے ۶ تک اُن یتیم (بیوہ بے سہارا عورتوں) اور اُن یتیم بے سہارا بچوں کے مسائل بیان کئے گئے ہیں، جو کسی شخص کے فوت ہو جانے پر بیک وقت یتیم ہو جاتے ہیں۔ عورتیں ہو جاتی ہیں یتیم بیوہ بے سہارا، اور اولاد رہ جاتی ہے یتیم کمزور بے سہارا۔ چنانچہ آیت نمبر۲ میں متوفی کے چھوڑے ہوئے یتیموں کے مال کے متعلق اُس مال کے مختار (گارڈین) کو کہا گیا ہے کہ اپنے ناقص مال کیساتھ اُنکے عمدہ مال کو تبدیل نہ کرلینا۔ اور اپنے مالوں کیساتھ ملاکر، یتیموں کے مالوں کو کھا نہ جانا۔ نیز آیت نمبر۵۔۶ میں اُنہی کو ہدایت کیگئی ہے کہ یتیموں کے مال اُنہیں اُسوقت لوٹانا، جب اُن میں عقل کی پختگی پیدا ہو چکی ہو۔ اور وہ مال کو سنبھالنے کے قابل ہو چکے ہوں۔ اِسطرح اُن کی اُس وقت تک آزمائش کرتے رہیں جبتک کہ وہ نکاح کی عمر کو نہ پہنچ جائیں۔

• اب چونکہ متوفی کے مالِ وراثت کا ذکر آگیا ہے۔ اِس لئے اگلی آیات کریمات میں تقسیم وراثت کے تمہیدی مسائل بیان ہوئے ہیں:۔

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَ
واسطے مردوں کے ہے حصہ اُس میں سے جو چھوڑ جائیں والدین اور

الۡاَقۡرَبُوۡنَ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ
قریبی۔ اور واسطے عورتوں کے ہے حصہ اُس میں سے جو چھوڑ جائیں

الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ ؕ
والدین اور قریبی۔ اُس میں سے کہ تھوڑا ہو یا زیادہ

نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۝۷
حصہ مقررہ

(یاد رکھو کہ) والدین اور قریبی جو مال چھوڑ جائیں، اُسمیں مردوں کیلئے بھی (اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ) حصہ ہے نیز والدین اور قریبی جو مال چھوڑ جائیں۔ اُس میں عورتوں کیلئے بھی (اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ) حصہ ہے۔ اُس چھوڑے ہوئے مال میں سے خواہ اُسکی مقدار قلیل ہو یا کثیر (یعنی وہ مال خواہ کم ہو یا زیادہ اُسمیں مردوں اور عورتوں دونوں صنفوں کو) اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصّے کا حق ہے (یعنی مال متروکہ کے مرد بھی وارث ہیں اور عورتیں بھی وارث ہیں)

• آیتِ بالا میں عورتوں کیساتھ کیگئی سابقہ معاشروں کی ایک اور بے انصافی کا انسداد بھی کر دیا گیا ہے کہ حقِ وراثت کے لحاظ سے عورتیں (بیٹیاں) بھی مردوں (بیٹوں) کیساتھ برابر کی شریک ہیں۔ سابقہ قوانین میں بیٹیوں کو والدین اور قریبیوں کے مال متروکہ میں حقِ وراثت سے محروم کر دیا گیا تھا۔

• نیز قرآن کریم ہر مقام پر معاشرہ کے محتاجوں پر نگاہ رکھتا ہے۔ اِسلئے جبتک معاشرہ قرآنی خطوط پر متشکل نہ ہو جائے اُسوقت تک کیلئے متوفی کے اُن قریبیوں کے متعلق، جن کا ترکہ میں حقِ وراثت موجود نہیں، نیز معاشرہ کے عام محتاجوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ
اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت (متوفی) کے قریبی اور
الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ
بے سہارا افراد اور وہ جن کے کاروبار بند ہو چکے ہوں۔ تو دیا کرو انہیں
مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ٨
اُس میں سے اور کہا کرو اُنہیں بات مناسب

اور جب تقسیم وراثت کے موقعہ پر (متوفی کے محتاج) قریبی آجائیں (جن کا مال متروکہ میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہے) اور بے سہارا اور وہ معذور لوگ آجائیں جو کاروبار کے قابل نہیں یا جن کے کاروبار ساکن[1] ہو گئے ہوں۔ تو اُس مال میں سے اُنہیں بھی کچھ دیدیا کرو۔ اور (اُنہیں جھڑکنا مت) بلکہ اُن سے معروف گفتگو کیا کرو (جس سے اُنکی خودداری مجروح نہ ہونے پائے)۔

● [1] مسکین کا لفظ مادہ س ۔ ک ۔ ن وسکن سے ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے ساکن ہو جانا۔ رُک جانا یعنی جو لوگ معاشرہ میں کسی بھی وجہ سے ساکن ہو گئے ہوں، جن کا کاروبار رُک گیا ہو وہ مسکین ہیں معذور اور دائم المریض وغیرہ جو کام کاج کے قابل نہیں ہوتے سب مساکین کی فہرست میں شامل ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں وراثت کا مال تقسیم کرنے والوں کو ہدایت کیگئی ہے کہ وہ انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اور ڈریں اِس امر سے کہ ہو سکتا ہے، وہ بھی مرتے وقت اپنے پیچھے، کچھ کم عمر اور کمزور بچے چھوڑ کر جا رہے ہوں :-

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ
اور چاہیئے کہ ڈریں یہ لوگ کہ اگر چھوڑ جائیں پیچھے اپنے
ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا
بچے کمزور۔ خوف کریں اُن کا ۔ پس چاہیئے کہ ڈریں
اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ٩
اللہ سے اور چاہیئے کہ کہیں سیدھی بات

اور چاہیئے کہ (مال متروکہ تقسیم کرنیوالے اِس امر سے) ڈریں کہ اگر یہ خود (مرتے وقت) اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جائیں، جن کے متعلق اُنہیں خوف ہو کہ (اُنکے بعد اُنکے حقوق پامال نہیں ہونے جائیں)۔ تو چاہیئے کہ وہ (کسی تقسیم وراثت میں) خود اللہ سے ڈریں اور چاہیئے کہ (کسی بھی فریق کیطرف نہ جُھکیں)، بالکل انصاف کی بات کیا کریں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ربط کلام کے مطابق اعلان کیا گیا ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھانے میں وہ پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں :-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا
بیشک جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کا نا جائز طریقہ سے
اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۗ وَسَيَصْلَوْنَ
سوائے اسکے نہیں کہ وہ کھاتے ہیں بیچ پیٹوں اپنوں کے آگ اور وہ ضرور داخل ہونگے
سَعِيْرًا ١٠ ع ١٢
آگ میں

بیشک جو لوگ یتیموں کے مال نا جائز طریقوں سے کھاتے ہیں[2]۔ سوائے اِسکے نہیں ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور وہ ضرور ضرور داخل ہونگے (دُنیا میں نفس لوّامہ کی ملامت کی) آگ میں۔ (اور دُوسری زندگی میں ضرور ضرور داخل ہونگے جہنم کی آگ میں)۔

● [2] یتیموں کے مال کے متعلق آیت نمبر ۶ میں گزر چکا ہے کہ اگر اُسکی دیکھ بھال کرنیوالا محتاج ہے تو وہ اُس میں سے اپنا حق الخدمت

لے سکتا ہے۔ یہ ہے قرآن کریم کی رُو سے جائز طریقہ کہ یتیم کے مال کی حفاظت کی جائے۔ اور اگر اُسکا کوئی کاروبار ہے تو اُسے چلانے کے معاوضہ کے سوا یتیموں کا مال کھا لینے کے تمام طریقے ظُلمًا کی زد میں آتے ہیں۔

• ۲ یا کلون فی بطونہم نارا کے الفاظ میں نار کا مجازی معنی مقصود ہے۔ یہ فی الحقیقت آگ کے انگارے نہیں ہوتے۔ اس طرح قرآن کریم میں متعدد مقامات پر نار کا لفظ مجاز کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ مثلاً کُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰہُ ۵/۶۴ جب لوگ لڑائی کیلئے آگ دہکاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُسے بجھا دیتا ہے۔ المختصر! نار کا لفظ قرآن مجید میں مجازی طور پر بھی متعدد مقامات پر استعمال ہُوا ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن کے ضمن میں ۴/۲ + ۵/۶۴ کو مثال مان کر لفظ نار کے حقیقی اور مجازی استعمال پر بنظرِ غائر توجہ دینا ضروری ہے۔

• سلسلۂ درس کی اگلی دو آیتوں ۱۱-۱۲ میں حق تعالیٰ نے وراثت کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ اور صرف دو آیتوں

نوٹ میں اُن تمام حالتوں سے متعلقہ وراثتی مسائل کا حل دیدیا گیا ہے جو متوفی کے پسماندگان کی ممکن ہو سکتی ہیں مثلاً:-

۱ اگر متوفی کی اولاد صرف ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو پھر اندازِ تقسیم کیا ہوگا۔ ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیاں ہوں یا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو پھر تقسیم کے الگ الگ کیا طریقے اختیار کئے جائینگے۔ نیز اگر ایک بیٹا اور بہت سے بیٹیاں ہوں یا بہت سے بیٹے اور بہت سی بیٹیاں ہوں پھر کیا طریق کار ہوگا؟

۲ اگر متوفی کی اولاد کیساتھ اُسکے ماں باپ بھی موجود ہوں تو اُنہیں کیا ملیگا۔ اگر اولاد نہیں اور ماں باپ ہیں تو پھر اندازِ تقسیم کیا ہوگا؟

۳ متوفی مرد کی بیوہ کو کیا ملیگا؟ - اگر اولاد ہے تو پھر کیا اور اگر نہیں ہے تو پھر کیا؟ اور اسیطرح اگر متوفیہ کی اولاد ہے تو اُسکا شوہر کتنا حصہ پائیگا۔ اور اگر اولاد نہیں ہے تو پھر کتنے حصے کا حقدار ہوگا؟

۴ اگر متوفی کے ماں باپ نہیں ہیں۔ اولاد اور بہن بھائی ہیں تو پھر اندازِ تقسیم کیا ہوگا۔ اور اگر نہ ماں باپ ہیں نہ اولاد بلکہ صرف بہن بھائی ہیں تو پھر ترکہ تقسیم کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائیگا؟ - المختصر اللہ تعالیٰ نے متوفی کے پسماندگان کی ہر ممکن صُورت کیلئے تقسیمِ وراثت کا حل صرف دو آیتوں ۴/۱۱-۱۲ میں سمیٹ کر رکھدیا ہے۔ جن کی تفسیر القرآن بالقرآن کیلئے پہلے مسئلۂ وراثت کے پانچ قرآنی اصول ملاحظہ فرمائیں، تاکہ مسئلۂ وراثت کا ہر گوشہ اچھی طرح ذہن نشین ہوتا چلا جائے۔ یہ پانچوں اصول مسئلۂ وراثت کی دو آیتوں ۴/۱۱-۱۲ ہی سے اخذ کئے گئے ہیں۔ قرآن حکیم کا اندازِ بیان ایسا معجزانہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث کی مختلف شقیں اور اصول ایک ساتھ بیان کرتا چلا جاتا ہے - ان اصولوں کے ثبوت ۴/۱۱-۱۲ کی تفسیر میں خود بخود نکھر اور اُبھر اُبھر کر سامنے آتے چلے جائینگے۔

پہلا اصول

• حقِ وراثت والدین، اولاد اور اخوت کو حاصل ہے۔ زوجین کا تعلق محض عہدی ہے۔

• مسئلۂ وراثت کو سمجھنے کا پہلا قرآنی اصول یہ ہے کہ حقِ وراثت پانیوالے صرف متوفی کے والدین اور اقرب ہیں ۴/۷۔ اقرب مشتمل ہیں صُلبی اولاد اور سگے بہن بھائیوں پر۔

۱- **والدین** یعنی ماں باپ میں دادا، دادی، پردادا، پردادی وغیرہ اُوپر تک سب۔ اور ماں، نانی، پرنانی وغیرہ سب اُوپر تک

شامل ہیں۔ اگر باپ موجود نہ ہو تو اُسکی جگہ پڑ دادا، دادی موجود ہیں وہ آجاتے ہیں۔ اور اگر دادی دادا کی جگہ پردادا پردادی موجود ہوں، تو وارث ٹھہرتے ہیں۔ اور اسیطرح اگر ماں موجود نہ ہو تو اُسکی جگہ، نانا نانی، اور اگر وہ نہ ہوں تو اُنکی جگہ، پرنانا پرنانی لے لیتے ہیں۔ والدین کے بعد باری آتی ہے اقرب کی جنہیں اللہ تعالیٰ نے مشتمل کیا ہے **اولاد اور اخوت پر۔**

۲۔ **اولاد** مشتمل ہے بیٹے اور بیٹی پر۔ بیٹے میں پوتا پرپوتا اور پوتی پرپوتی سب شامل ہیں۔ اور بیٹی میں دوہتا پردوہتا۔ اور دوہتی پردوہتی وغیرہ سب شامل ہیں۔ اگر بیٹا مرگیا ہو تو اُسکی جگہ پر پوتے پوتیاں آجاتی ہیں۔ اور اگر پوتے پوتیاں نہ ہوں تو اُنکی جگہ، پرپوتے پرپوتیاں لے لیتی ہیں۔ اور اسیطرح اگر بیٹی مرگئی ہو تو اُسکی جگہ پر دوہتے دوہتیاں آجاتی ہیں۔ اور اگر دوہتے دوہتیاں نہ ہوں تو اُن کا مقام، پردوہتے پردوہتیاں لے لیتی ہیں۔

۳۔ **اخوت** مشتمل ہے بھائی اور بہن پر۔ اگر بھائی نہ ہو تو اُسکی جگہ پر اُسکی اولاد آجاتی ہے بھتیجے بھتیجیاں۔ وہ نہ ہوں تو پر بھتیجے اور پربھتیجیاں وغیرہ۔ اور اگر بہن نہ ہو تو اُسکی جگہ لے لیتے ہیں بھانجے بھانجیاں۔ اگر وہ نہ ہوں تو اُنکی اولاد میں سے نیچے کیطرف جس درجے پر کوئی موجود ہو اپنے سے اُوپر والے کی جگہ پر آجاتا ہے۔

● تو اسطرح تقسیم وراثت کے ضمن میں مندرجہ بالا ضمنی اصول ہمیشہ قائم رہیگا کہ حق وراثت پانیوالوں میں سے اگر کوئی فرد فوت ہوچکا ہو، خواہ وہ اُوپر کیطرف کا ہو یعنی والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں، اور خواہ نیچے کیطرف کا ہو کوئی بیٹا یا بیٹی، اور خواہ دائیں بائیں کی جانب کا ہو کوئی بھائی یا بہن، تو اُوپر والوں کی جگہ، بتدریج اُوپر والے لیتے چلے جائینگے۔ اور نیچے والوں کی جگہ پر بتدریج نیچے والے آتے چلے جائینگے اور دائیں بائیں والوں کی جگہ پر بتدریج اُنکی اولادیں آتی چلی جائینگی۔ پس یاد رکھیئے کہ اس ضمنی اصول کو **اصولِ قائم مقامی** کہا جاتا ہے جو بلے سے ثابت ہے کہ اگر متوفی کا کوئی اقرب فوت ہوچکا ہوا ہو تو اُس سلسلے کا دُوسرا فرد جو اُسکا قائم مقام ہوتا ہے، وہ متوفی کا اقرب ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کریم اقرب ہی کو وراثت میں حصّہ دیتا ہے۔

۴۔ **زوجین**۔ والدین اور اقرب اولاد اور بھائی بہن تو ہوئے نسبی رشتہ دار۔ اب آیئے اُس رشتہ داری کیطرف جو ایک وقتی عہد یعنی عہدِ نکاح کے ذریعہ قائم ہوتی اور طلاق کے ذریعہ ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ ہے رشتہ زوجین۔ یعنی میاں بیوی کا رشتہ۔ قرآن کریم نے متوفی اور متوفیہ کے ترکہ میں فریق ثانی کا حصّہ مقرر کردیا ہے۔ اگر کسی متوفی شوہر کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو وہ اُس مقررہ حصّہ میں برابر کی شریک ہوتی ہیں نیز زوجین کے ضمن میں اصولِ قائم مقامی داخل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ میاں بیوی کا رشتہ نسبی نہیں محض عہدی ہے۔

● **حق وراثت پانیوالوں کے دو حصّے ہیں:۔ وارث اور ذوالفروض۔**

۲۔ دُوسرا اصول

● متوفی کے ترکہ میں سے حق وراثت پانیوالے چار گروہ ہوں، والدین، اولاد، اخوت اور زوجین ہیں سے زوجین چونکہ نسبی رشتہ دار نہیں۔ بلکہ صرف عہدی ہیں۔ اسلئے قرآن کریم نے میاں اور بیوی کیلئے فریق ثانی کے ترکہ میں سے مخصوص حصے مقرر کردیئے ہیں جو تقسیم وراثت کی کسی بھی صورت میں تبدیل نہیں ہوتے اور تقسیم وراثت کی ہر صورت میں زوجین کے حصّے ذوالفروض کے حصول کیساتھ مشترکہ طور پر نکالے جاتے ہیں۔

● باقی تین گروہوں میں سے والدین، اولاد اور اخوت کی مختلف ممکن صورتوں کے مطابق قرآن حکیم نے انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا ہے

وارث اور ذوالفروض ۔ یعنی متوفی کے پسماندگان کی مختلف ممکن صورتوں میں، اِن میں سے صرف ایک گروہ وارث ٹھہرتا ہے، اور صرف ایک ذوالفروض ہوتا ہے۔ مثلاً اولاد اور والدین ہوں تو اولاد وارث اور والدین ذوالفروض ہوتے ہیں۔ اولاد اور اخوت ہو تو اولاد وارث اور اخوت ذوالفروض ہوتی ہے۔ ذوالفروض کے حصّے زوجین کیساتھ مشترکہ طور پر نکالے جاتے ہیں اور باقی ترکہ وارث گروہ میں قرآن کریم کے معیّنہ حصص کے مطابق تقسیم ہو جاتا ہے۔ نیز جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ذوالفروض گروہ کا ذکر کیا ہو، اور وارث گروہ کا ذکر نہ کیا ہو تو وہاں پر وارث گروہ کی موجودگی یقینی ہے۔ **وارث** گروہ کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ اس گروہ کے مذکر کا حصّہ مونث کے حصّے سے دُگنا ہوتا ہے۔ یعنی وارث گروہ کے مذکر و مونث کے حصّوں میں ۲ : ۱ کی نسبت ہوتی ہے۔ اور **ذوالفروض** گروہ کی پہچان قرآن کریم کی بتائی ہوئی یہ ہے کہ اُسکے مذکر اور مونث کے حصّے باہم برابر ہوتے ہیں۔

● **وارث گروہ کے مذکر بھی وارث ہیں اور عہدی مونث کے سوا مونث بھی وارث ہیں**

۳۔ تیسرا اصول

● تیسرا اصول یہ ہے کہ وارث گروہ کے مذکر اور مونث کا حقِ وراثت مساوی ہوتا ہے۔ فرق صرف حصّۂ وراثت میں ہے حقِ وراثت میں نہیں یعنی جہاں وارث گروہ کے ملے جُلے مذکر مونث کی جماعت موجود ہو تو پوری جماعت وارث ہوتی ہے۔ اگر ایک یا دو یا دو سے زائد مذکر ہوں تو الگ الگ صورتوں میں مذکر وارث ہوتے ہیں۔ اگر ایک یا دو یا دو سے زائد مونثیں ہوں تو مونثیں وارث ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر متوفی کے وارثوں میں صرف ایک بیٹا، دو بیٹے، یا بہت سے بیٹے ہیں تو الگ الگ صورتوں میں صرف ایک بیٹا، صرف دو بیٹے اور صرف بہت سے بیٹے بھی وارث ہیں۔ اور اگر متوفی کے بعد وارث گروہ اولاد میں صرف ایک بیٹی، صرف دو بیٹیاں، یا صرف بہت سی بیٹیاں ہوں تو الگ الگ صورتوں میں صرف ایک بیٹی بھی وارث ہے، صرف دو بیٹیاں بھی وارث ہیں اور صرف بہت سی بیٹیاں بھی وارث ہیں۔ اسیطرح جس مقام پر بہن بھائی وارث ہوں تو اگر ملے جُلے بہن بھائیوں کی جماعت ہو تو جماعت وارث ہوتی ہے۔ اگر ایک بھائی ہو تو اکیلا وارث ہوتا ہے۔ اگر دو یا دو سے زائد صرف بھائی ہوں تو الگ الگ وہ وارث ہوتے ہیں۔ اگر بہنوں کی جماعت ہو تو جماعت وارث ہوتی ہے، اگر اکیلی بہن ہو تو اکیلی وارث ہوتی ہے۔ اگر دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں تو الگ الگ وہ وارث ہوتی ہیں لیکن :-

● واضح رہے کہ جہاں والدین وارث ہوں۔ وہاں اگر متوفی کا والد اور والدہ دونوں موجود ہوں تو دونوں وارث ہوتے ہیں اور برابر برابر حصّہ پاتے ہیں۔ اکیلا والد موجود ہو تو وارث ہوتا ہے لیکن اگر باپ نہ ہو اور اکیلی ماں ہو تو چونکہ وہ عہدی مونث ہے یعنی وارث مذکر کیساتھ اُسکا صرف عہدی رشتہ ہے اسلئے جب وہ اکیلی ہو تو قرآن کریم نے اُسے ذوالفروض قرار دیا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیلی بحث آیت مجیدہ ۱۱ کے حصّہ نمبر ۳ میں آگے آرہی ہے۔

● نیز واضح رہے کہ جس صورت میں متوفی کے بعد صرف ایک کے سوا کوئی دُوسرا حقدار فرد موجود ہی نہ ہو تو، کلالہ بے اولاد کی بہن کے سوا سارے مال کا حقدار وہی ہوگا، خواہ وہ مذکر ہو یا مونث۔ یعنی متوفی کا بیٹا ہو یا بیٹی، باپ ہو یا ماں۔ بہن ہو یا بھائی۔ نیز جہاں ذکر تو ہو ایک فرد کی موجودگی کا، لیکن اگر اُسے سارے ترکہ کی بجائے کسی حصّے کا مالک ٹھہرایا گیا ہو تو وہاں پر دُوسرے حقدار کی موجودگی یقینی ہوگی۔ وراثت کے قرآنی اصولوں کے مطابق معمولی سا غور کرنے پر دُوسرا حقدار نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

۴۔ چوتھا اصول ● **متوفی کی اوّلین وارث اولاد ہے۔** اولاد نہ ہو تو والدین یا اکیلا والد وارث ہے۔ اولادُ

والدین یا اکیلا والد نہ ہو تو اخوت وارث ہے۔

• چوتھا اصول یہ ہے کہ:-

اگر متوفی کے پسماندگان میں اولاد موجود ہے تو اُسکی موجودگی میں نہ اخوت وارث ہوتی ہے نہ والدین۔ بالفاظِ دیگر متوفی کی اوّلین وارث اولاد ہے۔ اولاد نہ ہو تو ماں باپ دونوں وارث ہوتے ہیں۔ اکیلا باپ ہو تو وارث ہوتا ہے۔ لیکن اگر اکیلی ماں ہو تو چونکہ اسکا تعلق ساتھی حقدار مذکر کیساتھ عددی ہے نسبی نہیں، اِسلئے وارث نہیں ہوتی۔ بلکہ اِس صورت میں قرآنِ کریم نے اُسے ۱/۳ حصّے کی ذوالفروض قرار دیا ہے۔ اِس مسئلہ کی وضاحت سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۴/۱۱ کے حصّہ نمبر ۶ میں آگے آرہی ہے۔ اولاد نہ ہو تو والدین کی موجودگی میں بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا۔ البتہ، باپ نہ ہونے کی صورت میں اکیلی ماں ہو تو بہن بھائی وارث ہوتے ہیں۔ اور ماں ۱/۶ حصّے کی ذوالفروض ہوتی ہے۔

• اولاد کی موجودگی میں اولاد وارث اور ماں باپ ذوالفروض ہوتے ہیں، مگر جہاں اولاد کی موجودگی میں ماں باپ نہ ہوں اور اخوت موجود ہو تو اولاد وارث اور بہن بھائی ذوالفروض ہوتے ہیں۔ یہ صورت کلالہ با اولاد کی ہے ۴/۱۲۔

• اور جس صورت میں متوفی کی نہ اولاد ہو نہ والدین — اور صرف اخوت ہو تو قرآنِ کریم نے متوفی کی اس صورت کو بھی کلالہ ہی کہا ہے (یعنی کلالہ بے اولاد)۔ متوفی کے پسماندگان کی اِس حالت کی وضاحت سورہ نساء کی آخری آیت مجیدہ نمبر ۱۷۶ میں آئی ہے کلالہ بے اولاد کی صورت میں قرآنِ کریم نے ہر مقام پر مذکر کا حصّہ مؤنث سے دُگنا قرار دیا ہے۔ یہانتک کہ اگر کسی صورت میں دو بہن بھائی کلالہ موجود ہیں۔ تو اُن میں سے اگر بہن مرجائے تو بھائی اُسکے سارے ترکہ کا وارث ہوتا ہے اور اگر بھائی مرجائے تو بہن کو ترکہ کا نصف ملتا ہے۔ چونکہ آیت مجیدہ ۴/۱۷۶ میں اخوت وارث ہے۔ اسلئے اس حالت یعنی کلالہ بے اولاد کی صورت میں بہن بھائیوں کے حصّوں میں ہر مقام پر ایک اور دو کی نسبت قائم رکھی گئی ہے۔

پانچواں اصول ۵

• تقسیمِ وراثت کے وقت سب سے پہلے متوفی کی وصیت اور قرضہ ادا کیا جائیگا۔

• قرآنِ کریم کی رُو سے تقسیمِ وراثت کا پانچواں اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے متوفی کی وصیت اور قرضہ ادا کیا جائیگا۔ اور اسکے بعد جو مال باقی بچے اُس میں سے بیک وقت زوجین کے پسماندہ فرد، اور ذوالفروض کے حصّے ادا کرکے باقی مال وارث گروہ کے مذکر مؤنث میں دو ایک کی نسبت سے تقسیم ہو جائیگا۔ اکیلا مذکر سارا مال پائیگا۔ دو یا دو سے زائد مذکروں میں مساوی تقسیم ہوگا۔ عددی مؤنث کے سوا، اکیلی مؤنث ہو تو سارا مال وُہ پائیگی۔ دو یا دو سے زائد مؤنثیں ہوں تو باقی مال کو وُہ آپس میں برابر برابر تقسیم کرینگی۔

• برادرانِ عزیز! یہ ہیں تقسیمِ وراثت کے پانچ بُنیادی قرآنی اصول جن کی وضاحت اُنہی آیات کریمات ۴/۷، ۴/۱۱، ۴/۱۲ میں موجود ہے جن میں متوفی کے پسماندگان کی جُملہ مختلف صورتوں کا اندازِ تقسیم بھی بتا دیا گیا ہے۔

رجوع الی المطلب
ایک ضروری نوٹ

• ابتدائی مضمون میں مسئلۂ وراثت کی ابتدائی آیات کریمات ۴/۷ تا ۴/۱۰ کا مفہوم درج کیا جاچکا ہے۔ اِس سے آگے بالترتیب آیات مجیدہ ۴/۱۱ و ۴/۱۲ زیرِ بحث ہیں۔ کیونکہ اِن آیات مقدسات کے الگ الگ حصّے الگ الگ مسئلۂ وراثت کی الگ الگ شقوں کی وضاحت پر مشتمل ہیں، اسلئے ہر حصّے کے شروع میں نمبر دیدیئے گئے ہیں۔ قارئین کرام

اِن نمبروں کو ذہن میں محفوظ رکھیں، تاکہ آگے چلکر جہاں جہاں اِن میں سے کسی نمبر کا حوالہ دیا گیا ہو، اُس آئت مجیدہ کے متعلقہ حصّے کو آپ سامنے لا سکیں۔ دیکھئے: یہ ہے ۱۱ؓ کا حصّہ نمبر۱ جسمیں پہلے اصول کی اس شق کی وضاحت کیگئی ہے کہ جب کوئی گروہ وارث ہو تو مذکر کا حصّہ مونث سے دُگنا ہوتا ہے:-

(۱۱ؓ حصہ نمبر۱) يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡ ۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِ ۚ......

وصیت کرتا ہے تمہیں اللہ بیچ اولاد تمہاری کے — ذکر کا حصّہ ہے مانند حصّے دو مونثوں کے

(ایمان والو!) اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے متعلق حکم دیتا ہے کہ (جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اُسکے ترکہ میں اُس کی اولاد کے) ایک مذکر کا حصّہ دو مونثوں کے حصّے کے برابر ہے۔

• یہ آئت مجیدہ بیک وقت دو فائدے دیتی ہے۔ پہلا یہ کہ اس سے ثابت ہے کہ اگر متوفی کی اولاد میں بیٹے بیٹیاں ملے جُلے ہوں تو اُن میں مال وراثت دو ایک کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔

• اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر متوفی کی اولاد ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو بیٹے کا حصّہ دونوں بیٹیوں کے برابر ہوگا۔ یہ تو ہوئی متوفی کی اولاد کی اِس صورت کی وضاحت کہ جب اولاد میں صرف ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں، آئت مجیدہ کے اگلے حصّے میں اولاد کی اُس حالت کی وضاحت درج ہے کہ اگر ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو پھر تقسیم وراثت کی کیا صورت ہوگی؟

ایک بیٹا اور متعدد بیٹیاں

• واضح رہے کہ یہ مسئلۂ وراثت کا اہم ترین اور نازک ترین گوشہ ہے، کیونکہ مشاہدات کی رُو سے یہ بھی ممکن ہے کہ متوفی کی اولاد ایک بیٹا اور دس بیس بیٹیاں ہوں۔ ایک بیٹا اور آٹھ آٹھ نو نو بیٹیاں تو عام پائی جاتی ہیں۔ تو اسطرح ایک بیٹا اور بیس بیٹیوں کی صورت میں اکیلے بیٹے کو وراثت کا صرف گیارھواں حصّہ ملتا ہے۔ یعنی اگر گیارہ ہزار روپیہ ترکہ ہو تو بیٹے کو صرف ایک ہزار ملیگا۔ اور باقی دس ہزار بیس بیٹیاں لے جائینگی۔ اگر ایک بیٹا اور بارہ بیٹیاں ہوں تو اکیلا بیٹا ساتواں حصّہ پاتا ہے، یعنی سات ہزار میں سے ایک ہزار۔

• **فلہٰذا** اسی چیز کے انسداد کیلئے خدا تعالیٰ نے آئت مجیدہ زیرِ نظر ۱۱ؓ کے اگلے حصّہ نمبر۲ میں اکیلے بیٹے کیلئے وراثت کا ایک تہائی حصّہ محفوظ کر دیا ہے اور دو تہائی حصّہ اُن سب بیٹیوں کو دیدیا ہے جو دو سے زائد درجنوں کی تعداد میں بھی کیوں نہ ہوں۔ پس، ایک بیٹا اور دو بیٹیوں کی صورت میں اندازِ تقسیم کے بعد اگلی آئت مجیدہ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر متوفی کا ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو:-

(۱۱ؓ حصہ نمبر۲) فَإِن كُنَّ نِسَآءٗ فَوۡقَ ٱثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ......

پھر اگر ہوں عورتیں زائد دو سے — تو واسطے اُنکے ہیں دو تہائیاں اُسکی جو متوفی نے چھوڑا

پھر اگر وہ (متوفی کے پسماندگان میں ایک بیٹے کیساتھ) دو سے زائد عورتیں (بیٹیاں) ہوں تو اُن سب کیلئے (اُس ترکہ میں سے) جو متوفی چھوڑ جائے دو تہائی حصّہ ہے۔ (ایک تہائی حصہ اکیلے بیٹے کا ہے)۔

• **غور فرمائیگا!** کہ "فَوۡقَ ٱثۡنَتَيۡنِ" کے الفاظ لاکر، دو سے زائد بیٹیوں کے متعلق احکام بیان کرنے سے صاف عیاں ہے

کہ آئت مجیدہ کے حصہ نمبر۱ میں ایک بیٹا اور دو بیٹیوں کے متعلق احکام دیئے گئے ہیں۔ اور آئت مجیدہ کے اِس مندرجہ بالا حصہ نمبر۲ میں ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیوں کے متعلق وضاحت کیگئی ہے۔ کیونکہ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ کے الفاظ نے دو بیٹیوں کو آئت مجیدہ کے حصہ نمبر۲ کے زمرہ سے خارج کر دیا ہے۔ نیز یہ بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن کریم میں فَوْقَ کا لفظ بلاوجہ لایا گیا ہو۔ اور نہ ہی فَوْقَ اثْنَتَيْنِ کا معنیٰ عربی قواعد کی رُو سے دو یا دو سے زائد بیٹیاں صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے

● حقیقت یہ ہے کہ ۱۲؎ کے حصہ نمبر۱ میں ایک بیٹا اور دو بیٹیوں کے متعلق وضاحت کرنے کے بعد، ۱۲؎ کے مندرجہ بالا حصہ نمبر۲ میں ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیوں سے متعلقہ احکام دیئے گئے ہیں۔ اور اِسکے بعد ۱۲؎ کے حصہ نمبر۳ مندرجہ ذیل میں متوفی کی اولاد کی اِس حالت کی وضاحت کیگئی ہے کہ اگر ایک بیٹا اور صرف ایک بیٹی ہو تو اِس صورت میں اُسے دو تہائی کے نصف حصہ سے زائد نہیں ملیگا۔

(۱۲؎ حصہ نمبر۳) وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ مثہ...... علہ

اور اگر ہو بیٹی ایک تو واسطے اُس کے ہے دو تہائی کا نصف (ایک تہائی)

اور اگر (متوفی کی اولاد میں) ایک بیٹا اور (صرف) ایک بیٹی ہو تو اُس کا حصہ (دو بیٹیوں کے حصے دو تہائی کا) نصف ہے۔ (ایک تہائی)

● مثہ یہاں اَلنِّصْفُ کا الف لام عوض مضاف الیہ ہے ثُلُثَيْنِ۔ اور تقدیر کلام ہے فَلَهَا نِصْفُ الثُّلُثَيْنِ یعنی ایک بیٹے کے ساتھ ایک بیٹی ہو تو اُسکا حصہ دو بیٹیوں کے حصہ مذکورہ بالا ثُلُثَيْنِ ، دو تہائی کا نصف ہے ایک تہائی۔

● علہ آئت مجیدہ ۱۲؎ کے حصہ نمبر۲ میں فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ کا معنیٰ عام تفسیروں میں یہ لیا گیا ہے کہ یہاں اُس حالت کا ذکر ہے کہ جب متوفی کے پسماندگان میں دو یا دو سے زائد صرف بیٹیاں ہوں تو اُنہیں دو تہائی حصہ ملیگا اور باقی ایک تہائی متوفی کے دُور کے رشتہ دار لے جائینگے اور اِس آئت مجیدہ ۱۲؎ کے حصہ نمبر۳ کے الفاظ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ کا معنیٰ عام تفسیروں میں یہ لیا گیا ہے کہ یہاں اُس حالت کا ذکر ہے کہ جب متوفی کی صرف ایک بیٹی ہو تو اُسے نصف ترکہ دیا جائیگا اور باقی نصف حصہ متوفی کے دُور کے رشتہ دار لینگے۔ حصہ نمبر۲ و ۳ کے یہ مفہوم تین وجوں سے غلط ہیں :-

● پہلی یہ کہ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ کا دو یا دو سے زائد معنیٰ مُراد لینا عربی ادب کا خُون کرنے کے مصداق ہے۔ اور

● دوسری یہ کہ آئت مجیدہ ۱۲؎ کے مطابق اگر اولاد ملے جُلے بیٹے بیٹیاں ہوں تو تب بھی وارث ہوتے ہیں، صرف ایک بیٹا یا ایک سے زائد صرف بیٹے ہوں تب بھی وہ وارث ہوتے ہیں نیز اگر صرف ایک بیٹی ہو تو تب بھی وہ وارث ہوتی ہے اور اگر دو یا دو سے زائد صرف بیٹیاں ہوں تو تب بھی وہ وارث ہوتی ہیں۔ حقِ وراثت کے ضمن میں بیٹوں اور بیٹیوں میں فرق کرنا، یعنی جب اولاد صرف ایک بیٹی اور دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو اُنہیں وارث کی بجائے ذوالفروض قرار دینا آئت مجیدہ ۱۲؎ کی مخالفت ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے بیٹوں بیٹیوں کے حقِ وراثت میں فرق نہیں بتایا، حصہ وراثت میں فرق بتایا ہے، کہ جب ملے جُلے بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو بیٹے کا حصہ بیٹی کے حصے سے دُگنا ہوگا۔ اِسکے برعکس جب اولاد صرف ایک بیٹی یا ایک سے زائد صرف بیٹیاں ہوں تو وہ اُسیطرح

وارث ہوتی ہیں جسطرح جب اولاد صرف ایک بیٹا یا ایک سے زائد صرف بیٹے ہوں تو وہ وارث ہوتے ہیں، کیونکہ اولاد کے زمرے میں جسطرح بیٹا اور بیٹے شامل ہیں اُسیطرح بیٹی اور بیٹیاں بھی شامل ہیں۔ جیسے کہ باری تعالیٰ نے یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ کے الفاظ میں وضاحت فرمادی ہے کہ بیٹے اور بیٹیاں دونوں صنفیں اولاد ہیں۔

• نیز یاد رہے کہ دو یا دو سے زائد بیٹوں کی صورت میں وصیت اور قرضہ کی ادائیگی اور بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصّے نکالکر باقی سارے مال کے وارث بیٹے ٹھہرتے ہیں اور وہ باقی سارا مال اُن میں مساوی تقسیم ہوتا ہے۔ اِسیطرح اگر دو یا دو سے زائد صرف بیٹیاں ہوں تو اِس صورت میں بھی مذکورہ بالا حصّے نکالکر باقی سارے مال کی وارث بیٹیاں ہونگی اور اُن میں وہ باقی سارا مال مساوی تقسیم کیا جائیگا۔ اور اِسیطرح، جیسے کہ اکیلے ایک بیٹے کی صورت میں مذکورہ بالا حصّے نکالکر باقی سارے مال کا وارث اکیلا بیٹا ہوتا ہے۔ اُسیطرح اکیلی بیٹی ہونے کی صورت میں مذکورہ حصّے نکالکر باقی سارے مال کی وارث اکیلی بیٹی ہوگی۔

• تیسری وجہ اکیلی، دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو حقِ وراثت سے محروم کرنے کے نظریہ کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اِسکی رُو سے جب ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے تو مالِ وراثت کبھی بڑھ جاتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے۔ اور اِسطرح اِس نظریے کی بدولت غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقعہ میسر آتا ہے کہ: "قرآن کے خدا کو معاذاللہ چوتھی جماعت کے طالب علم جتنا بھی حساب نہیں آتا"۔ کیوں؟ ۔ اِسلئے کہ بیٹی اور بیٹیوں کو حقِ وراثت سے محروم کرنیوالے نظریہ کے مطابق حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اولاد صرف ایک لڑکی ہے۔ ماں باپ بھی ہیں اور بیوی بھی ہے تو اِس صورت میں ترکہ کا $\frac{1}{24}$ حصّہ فالتو بچ جاتا ہے دیکھئے حساب:۔

کل ترکہ = ۱ بیٹی کا روائتی حصّہ = $\frac{1}{2}$ ماںباپ کا حصّہ = $\frac{1}{3}$ بیوی کا حصّہ = $\frac{1}{8}$

اِن سب کو حصّے دیکر۔ کل ترکہ $1-\frac{1}{2}-\frac{1}{3}-\frac{1}{8}=\frac{24-12-8-3}{24}=\frac{1}{24}$ یعنی ← $\frac{1}{24}$ بچ رہا۔

• اور اِسیطرح دو یا دو سے زائد بیٹیوں کی صورت میں جب میراث تقسیم کی جائے تو $\frac{1}{8}$ حصّہ گھٹ جاتا ہے دیکھئے حساب:۔

کل ترکہ = ۱ دو یا دو سے زائد بیٹیوں کا روائتی حصّہ = $\frac{2}{3}$ ماںباپ کا حصہ = $\frac{1}{3}$ بیوی کا حصّہ = $\frac{1}{8}$

اِن سب کو حصّے دینے میں:۔ $1-\frac{2}{3}-\frac{1}{3}-\frac{1}{8}=\frac{24-16-8-3}{24}=-\frac{3}{24}=-\frac{1}{8}$ یعنی ← $\frac{1}{8}$ گھٹ گیا۔

• اور اگر عورت متوفیہ کی وراثت تقسیم کی جارہی ہو تو ایک بیٹی کی صورت میں $\frac{1}{12}$ گھٹ جاتا ہے، دیکھئے حساب:۔

کل ترکہ = ۱ بیٹی کا روائتی حصّہ = $\frac{1}{2}$ ماںباپ کا حصّہ = $\frac{1}{3}$ شوہر کا حصّہ = $\frac{1}{4}$

اِن سب کو حصّے دینے میں:۔ $1-\frac{1}{2}-\frac{1}{3}-\frac{1}{4}=\frac{12-6-4-3}{12}=-\frac{1}{12}$ یعنی ← $\frac{1}{12}$ گھٹ گیا

• اور اِسیطرح متوفیہ کی تقسیمِ وراثت کے وقت دو یا دو سے زائد بیٹیوں کی صورت میں $\frac{1}{4}$ حصّہ گھٹ جاتا ہے دیکھئے حساب:۔

ترکہ = ۱ دو یا دو سے زائد بیٹیوں کا روائتی حصّہ = $\frac{2}{3}$ والدین کا حصّہ $\frac{1}{3}$ شوہر کا حصّہ = $\frac{1}{4}$

اِن سب کو حصّے دینے میں:۔ $1-\frac{2}{3}-\frac{1}{3}-\frac{1}{4}=\frac{12-8-4-3}{12}=-\frac{3}{12}=-\frac{1}{4}$ یعنی ← $\frac{1}{4}$ گھٹ گیا

فلسفہ زادہ نظریہ ہی مطلقاً غلط ہے، جس کی رُو سے:۔

• کبھی تو مالِ وراثت بچ رہتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے! اور اس کمی بیشی کی رُو سے کہیں تو ورثاء کو قرآن کریم کے مقرر کردہ حصے سے کم ملتا ہے۔ اور کہیں زیادہ۔ حالانکہ چوتھی جماعت کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ اگر کسی مقدار کے صحیح حصے کئے جائیں تو وہ مقدار پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔ نہ بچ رہتی ہے نہ گھٹ جاتی ہے۔

• حقیقت یہ ہے کہ ایک بیٹی اور دو یا دو سے زائد بیٹیوں کی صورت میں انہیں حقِ وراثت سے محروم کر کے مخصوص حصوں کا ذو الفروض بنا دینا ہی وہ بنیادی غلطی ہے جو مندرجہ بالا غلط صورتیں پیدا کرتی ہے۔ حالانکہ بڑی موٹی سی بات ہے کہ جب بیٹے اور بیٹیاں دونوں صنفیں اولاد میں شامل ہیں تو خواہ وہ ملے جُلے بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو بھی وارث ہیں۔ صرف ایک بیٹا یا ایک بیٹی ہو تو بھی وہ الگ الگ وارث ہیں۔ اور اسیطرح اگر دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو بھی وہ الگ الگ وارث ہیں۔ اور تقسیم کے وقت وصیت اور قرضہ کی ادائیگی اور بیک وقت زوجین و ذو الفروض کے حصے نکالکر ایک بیٹی ہو تو وہ پُورے ترکہ کی وارث ہے۔ دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو وہ بھی پُورے باقی مال کی وارث ہیں۔

اولاد وارث اور ماں باپ ذو الفروض

• آیتِ مجیدہ زیرِ نظر ۱۱ کے اگلے حصہ نمبر ۴ میں ماں باپ کے حصے بنائے گئے ہیں! اور ساتھ ہی پیچھے بیان کردہ مسئلہ وراثت کے پہلے اصول کی اس شق کی وضاحت بھی کر دیگئی ہے کہ جب کوئی گروہ ذو الفروض ہو تو اُسکے مذکر و مونث کے حصے باہم برابر ہوتے ہیں۔ نیز اس میں پانچویں اصول کی وضاحت بھی موجود ہے کہ ترکہ میں سے ذو الفروض کے حصے، وراثت کے وارثوں میں تقسیم کرنے سے پہلے نکالے جائینگے۔ اور ساتھ ہی اس حصہ نمبر ۴ میں چوتھے اصول کا ثبوت بھی موجود ہے کہ اولاد کی موجودگی میں اگر والدین بھی موجود ہوں تو وہ وارث نہیں ہوتے۔ بلکہ ذو الفروض ہوتے ہیں اور اُنکے مذکر و مونث کے حصے برابر ہوتے ہیں:۔

(۱۱ حصہ نمبر ۴) وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا
اور واسطے والدین اُسکے کے واسطے ہر ایک کے دونوں میں سے
السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ ....
چھٹا چھٹا اس میں سے جو باقی بچے، اگر ہو واسطے اُسکے اولاد

اور اُس (متوفی) کے والدین میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا چھٹا حصہ ہے اُس مال کا جو وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد متوفی نے چھوڑا ہو۔ بشرطیکہ اُس کی اولاد ہو۔

• آیتِ مجیدہ کے اس حصہ میں مِمَّا تَرَكَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ والدین کا چھٹا چھٹا حصہ ترکہ میں سے دیا جائیگا۔ اور یہ ایسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ وارثوں یعنی اولاد میں ترکہ بعد میں تقسیم کیا جائیگا۔ پہلے والدین (یعنی ذو الفروض) کے مقررہ حصے ادا کئے جائینگے۔ (مسئلہ وراثت کے ضمن میں مَّا تَرَكَ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کی وضاحت آگے آرہی ہے)۔

اولاد نہ ہو تو والدین وارث ہوتے ہیں

• آیتِ مجیدہ ۱۱ کے اگلے حصہ نمبر ۵ میں پانچویں اصول کی اس شق کا ثبوت ہے کہ اگر متوفی کی اولاد نہ ہو تو پھر والدین وارث ٹھہرتے ہیں۔ نیز اس حصے میں پہلے اصول کی اس شق کی وضاحت بھی موجود ہے کہ جب بھی گروہ (والدین) اولاد کی موجودگی میں ذو الفروض تھا تو حصہ نمبر ۴ میں مذکر و مونث

(ماں اور باپ) کے حصّے باہم برابر تھے لیکن اولاد کی عدم موجودگی میں جب یہی گروہ (والدین) وارث ٹھہرا تو اب مذکر مونث کے حصّے برابر نہیں رہے۔ بلکہ اب وارث ہونے کی بدولت (مذکر) باپ کا حصّہ (مونث) ماں کے حصّے سے دُگنا ہوگیا ہے:۔

(۱۱ حصہ نمبرہ) فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ
پھر اگر نہ ہو واسطے اُسکے اولاد
وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ.........
اور وارث ہوں اُسکے والدین اُسکے تو ہے واسطے ماں اُسکی کے ایک تہائی

پھر اگر متوفی کی اولاد نہ ہو اور (اس صورت میں) اُسکے وارث اُسکے والدین ہوں تو اُس (متوفی) کی ماں کیلئے (ماں نرک کا) ایک تہائی حصّہ ہے (اور باپ کیلئے دو تہائی)

دیکھئیگا! اِن الفاظ میں کسطرح وارث اور ذوالفروض کا قرآنی کلیہ سورج کیطرح عیاں ہے کہ آئت مجیدہ کے حصہ نمبر ۴ میں جب اولاد موجود تھی تو والدین ذوالفروض تھے، یعنی اُنکے حصّے مقرر تھے اور مذکر مونث کا حصّہ باہم برابر تھا چھٹا چھٹا۔ لیکن آئت مجیدہ ۱۱ کے اس حصہ نمبر ۵ میں جب متوفی کی اولاد موجود نہیں تو والدین وارث ٹھہرے ہیں (اصولِ وراثت کے مطابق مذکر کا حصہ مونث سے دُگنا ہوگیا ہے۔

● علہ یہاں وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ شق ماقبل میں جہاں والدین کیساتھ اولاد موجود تھی وہاں اولاد وارث تھی۔ اور یہاں اولاد کی عدم موجودگی میں والدین وارث ہیں پس اِس حقیقت حال کے مطابق ۱۱ حصہ نمبر ۵ کی تقدیر کلام یہ ہے:۔

● فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ (وَارِثًا) لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ (فَاِنْ وَّرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ) فَـ(ثَابِتٌ) لِاُمِّهِ الثُّلُثُ۔

واضح رہے کہ:۔ اِس جملہ کے الفاظ، فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ میں لَمْ يَكُنْ، کان فعل ناقص سے فعل ماضی منفی بکلمہ ہے جو مضارع يَكُنْ پر لَمْ داخل ہونے سے بنا ہے۔ وَلَدٌ مرفوع فعل ناقص کا اسم ہے۔ مگر اسکی خبر منصوب وَارِثًا محذوف ہے۔ جو وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ کے الفاظ کے مطابق نکھر کر عیاں ہورہی ہے۔ اب اِس جملہ کی ترکیب نحوی ملاحظہ فرمائیں:۔

فَا عاطفہ ۔ اِنْ شرطیہ ۔ لَمْ يَكُنْ، فعل ناقص ۔ (وَارِثًا) فعل ناقص لم یکن کی خبر محذوف ۔ لَهٗ جار مجرور ۔ وَلَدٌ فعل ناقص لم یکن کا اسم

→ شرط ←

وَ حالیہ ۔ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ، جملہ فعلیہ خبریہ ۔ (فَاِنْ وَّرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ) شرط محذوف ۔ فَـ (ثَابِتٌ) لِاُمِّهِ الثُّلُثُ

→ جزا ←

● پس شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ بربنائے عطف فاعل يُوْصِيْ کا مفعول پنجم ہوا۔

(نوٹ) واضح رہے، چونکہ مندرجہ بالا جملہ ۱۱ کے پہلے چار دل حصّوں میں يُوْصِيْ کے الگ الگ چار مفعول گزر چکے ہیں۔

اِسلئے یہ پانچواں مفعول ہے۔ ۴/۱۱ کے سابقہ چاروں حصّوں کی ترکیب نحوی اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔ جہاں اِس پُوری آئت مجیدہ کی ترکیب نحوی پیش کی جائیگی یہاں حِصہ نمبر ۵ کی ترکیب الگ پیش کرنے کی غرض یہ ہے کہ قارئین کرام پر عیاں ہوجائے کہ فعل ناقص لَمۡ یَکُنۡ کی خبر وارثًا محذوف ہے جسکا اظہار لازمی ہے کیونکہ پورے جملہ ۴/۱۱ حصہ نمبر ۵ میں فعل ناقص لَمۡ یَکُنۡ کی خبر ظاہراً مذکور نہیں۔

باپ کی عدم موجودگی میں اگر ماں کیساتھ بہن بھائی ہوں تو بہن بھائی وارث اور ماں ذوالفرض ہوتی ہے

• آئت مجیدہ ۴/۱۱ کے اِس سے اگلے حصہ نمبر ۶ میں متوفی کے پسماندگان کی اِس صورت کی وضاحت درج ہے کہ اگر باپ فوت ہوچکا ہو اور دادا دادی پردادا پردادی میں سے بھی کوئی نہ ہو۔ متوفی کی صرف ماں اور بہن بھائی ہوں تو اُسوقت بہن بھائی وارث ہوتے ہیں اور ماں ۱/۶ حصہ کی ذوالفرض ہوتی ہے۔ یہاں چونکہ اِس سوال کا پیدا ہونا لازم ہے کہ جب پچھلی شق میں اولاد کی عدم موجودگی میں وَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ کے الفاظ میں باپ اور ماں دونوں کو وارث ٹھہرایا گیا ہے کہ اگر ماں اور باپ دونوں ہوں تو دونوں وارث ہیں اور اُن میں ضمنی تقسیم دو ایک کی نسبت سے ہوگی، دو تہائیاں باپ کی اور ایک تہائی ماں کی لیکن اگر باپ نہیں ہے اکیلی ماں اور اُسکے ساتھ متوفی کے بہن بھائی ہیں تو ایسی صورت میں ماں کا چھٹا حِصہ کیوں؟ - اُسے اِسلئے ذوالفرض ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ جس مذکر کیساتھ اُسکے حِصّے کا نصف حِصہ پاتی ہے، اُسکے ساتھ اُس کا عہدی تعلق ہے نسبی نہیں۔ اور عہدی رشتہ داری کے متعلق آگے ۴/۱۲ میں وضاحت آرہی ہے کہ وہ ہمیشہ ایکدوسرے کے ذوالفرض ہوتے ہیں وارث نہیں ہوتے چنانچہ اولاد کی عدم موجودگی میں جب باپ بھی نہ ہو۔ بلکہ اکیلی ماں اور بہن بھائی ہوں تو ارشاد ہوتا ہے:-

(۴/۱۱ حصہ نمبر ۶) فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ
پھر اگر ہوں واسطے اُسکے بہن بھائی
فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ
تو واسطے ماں اُسکی کے چھٹا حصہ ہے بعد وصیت کے جو وصیت کیگئی ہو ساتھ اُسکے
اَوۡ دَيۡنٍ ؕ
یا بعد قرضہ کے

پھر (ایسی صورت میں کہ جب متوفی کی اولاد نہیں ہے) اگر اُسکے بہن بھائی ہیں (اور اکیلی ماں موجود ہے) تو متوفی کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ (یعنی وہ چھٹے حِصّے کی ذوالفرض ہے اور بہن بھائی وارث ہیں۔ باقی بہن بھائیوں کو ملیگا)۔ یہ تقسیم متوفی کی کیگئی وصیت کی ادائیگی کے بعد عمل میں آئیگی۔ یا اگر قرضہ ہو تو قرضہ کی ادائیگی کے بعد (دونوں چیزیں ہوں تو دونوں کی ادائیگی کے بعد)

• واضح رہے کہ آئت مجیدہ ۴/۱۱ کا مذکورہ بالا حِصہ نمبر ۶ بھی مسئلہ وراثت کا ایک انتہائی اہم گوشہ ہے جسمیں سابقہ تفاسیر نے مختلف نظریات پیش کئے ہیں لیکن حقیقت الفاظ کے پردوں سے پھُوٹ پھُوٹ کر عیاں ہورہی ہے۔ کہ جب یہاں پر ماں کا چھٹا حِصہ مقرر کرکے اُسے ذوالفرض قرار دیدیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہاں ماں اکیلی ہے۔ باپ موجود نہیں۔ اور ماں کو اُسکے شوہر کی عدم موجودگی میں ذوالفرض اِسلئے ٹھہرایا گیا ہے کہ اُسکا اپنے ساتھی مذکر کیساتھ نسبی رشتہ نہیں بلکہ عہدی ہے۔

متوفیوں کے اصل وارث یا تو اُنکے باپ ہیں اور یا اُنکے بیٹے ہیں

• آئت زیر بحث ۴/۱۱ کے ساتویں اور آخری حِصّے میں اکیلی ماں کے عدم وارث ہونے یعنی شوہر کی عدم موجودگی میں ذوالفرض ٹھہرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ مرنیوالوں کے اصل وارث یا تو ماں باپ ہیں اور یا بیٹے ہیں۔ ماؤں کا تعلق چونکہ اپنے ساتھی

اصل وارث مذکرّوں کیساتھ عہدی ہے، یعنی میاں بیوی کا۔ اسلئے جب وہ اکیلی ہوں تو ۱/۲ حصّے کی ذوالفروض ہوتی ہیں لیکن بیٹیوں کا تعلق چونکہ اپنے ساتھی اصل وارث مذکرّوں کیساتھ نسبی ہے۔ یعنی بہن بھائیوں کا۔ اسلئے وہ اکیلی بھی ہوں تو انہیں وارث ٹھہرایا گیا ہے۔ نیز آیت مجیدہ ۴/۱۱ کے آخری حصّۂ ذیل میں اس عمومی تصوّر کو بھی باندازِ مخصوص باطل ٹھہرایا گیا ہے کہ نفع صرف بیٹوں سے پہنچتا ہے بیٹیوں سے نہیں۔ اسی تصور کے ماتحت زمانہ قبل نزولِ قرآن کے معاشروں نے بیٹیوں کو والدین کے ترکہ سے محروم قرار دے رکھا تھا۔ یہ صرف قرآن کریم ہے جس نے بیٹیوں کو حقِ وراثت دلایا اور کہدیا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپوں اور بیٹوں میں سے نفع کے لحاظ سے تمہارے لئے کون اقرب ہے۔

(۴/۱۱ حصہ نمبر۷) اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا

باپ تمہارے اور بیٹے تمہارے نہیں

تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ

جانتے تم کون ہے ان میں سے زیادہ قریب واسطے تمہارے نفع کی رُو سے

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

مقررہ حصّے ہیں طرف اللہ سے۔ بیشک اللہ ہے بڑھکر علم والا

حَكِيْمًا ۝ ۱۱

حکمت والا

(حقیقت یہی ہے کہ) تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے (تمہارے اقرب ہیں یعنی اصل وارث یہی ہیں لیکن) تم نہیں جانتے کہ ان میں نفع کے لحاظ سے تمہارے لئے اقرب کون ہے۔ (ممکن ہے کہ تمہیں بیٹوں کی بجائے بیٹیوں سے نفع حاصل ہو۔ اسلئے یاد رکھو کہ مندرجہ بالا سب حصّے) اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ (یہ سب حصّے علم و حکمت کے مطابق ہیں۔ کیونکہ انہیں متعین کرنیوالا) اللہ تعالیٰ صاحب علم و حکمت ہے۔ (بہت بڑھکر جاننے والا اور بہت بڑھکر حکمت والا ہے)۔

● آیت مجیدہ ۴/۱۱ ختم ہوئی۔ اسکے سات حصّوں میں سے پہلے چھ حصّوں میں جیسے کہ آپ دیکھ چکے ہیں مسئلہ وراثت کی چھ شقیں بیان کی گئی ہیں اور ساتویں آخری حصّے میں متوفی کے اصل ورثا دئیے گئے ہیں مرنیوالوں کے باپ یا بیٹے جن سے نفع کی امید کیجاتی ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ باپ ترکہ کی بجائے قرضہ چھوڑ جائے اور بیٹے فائدہ کی بجائے نقصان پہنچا رہے ہوں۔ اور بُرے وقت یا بڑھاپے میں بیٹی خدمت گزار ثابت ہو۔ چنانچہ آیت مجیدہ ۴/۱۱ کے آخری جملہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا کے الفاظ میں وضاحت کردیگئی ہے کہ آیت زیر بحث کے چھ حصّوں میں ورثاء اور ذوالفروض کے جو الگ الگ حصّے مقرر کئے گئے ہیں سو فیصدی علم و حکمت کی اساس پر قائم ہیں۔

● اب آگے بڑھنے سے پیشتر پوری آیت مجیدہ ۴/۱۱ کے وراثت سے متعلقہ چھ جملوں کی ترکیب نحوی ملاحظہ فرمائیں تاکہ

ترکیب نحوی محذوفات نکھر کر سامنے آجائیں۔ جملہ اوّل:۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ج کی تقدیر کلام یہ ہے:۔

جملہ فعلیہ مُفسَّر — تفسیر

● يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ (اِذَا مَاتَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ) مِيْرَاثٌ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔

خبر مقدم محذوف — مبتدا موخر

● پس مبتدا مع خبر جملہ اسمیہ تفسیریہ ہو کر فعل یُوْصِيْ کا مفعول اوّل ہوا۔

● جملہ دوم:۔ فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ۔ کی تقدیر کلام یہ ہے:۔

جملہ اسمیہ شرط — جملہ اسمیہ جزا

● فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ (وَارِثَاتٌ مَعَ الذَّکَرِ الْمَذْکُوْرِ) - فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ

عطف — خبر کُنَّ مقدم — اسم کُنَّ محذوف — خبر مقدم — مبتدا موخر

● پس شرط معہ جزا جملہ شرطیہ ہوکر، بربنائے عطف فا، فعل یُوْصِیْ کا مفعول دوم ہُوا۔

● جملہ سوم:۔ وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ کی تقدیر کلام یہ ہے:۔

جملہ اسمیہ شرط — جملہ اسمیہ جزا

● وَاِنْ کَانَتْ (وَارِثَةٌ) وَاحِدَةً (مَعَ الذَّکَرِ) فَ (ثَابِتٌ) لَهَا نِصْفُ (حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ)

عطف — کانت کا اسم محذوف — کانت کی خبر — جزائیہ — خبر مقدم محذوف — مضاف — مضاف الیہ محذوف

● پس، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوکر بربنائے عطف واؤ فعل یُوْصِیْ کا مفعول سوم ہُوا۔

● جملہ چہارم:۔ وَلِاَبَوَیْهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ کَانَ لَهٗ وَلَدٌ۔ کی تقدیر کلام یہ ہے:۔

جملہ جزا مقدم — جملہ شرط موخر

● وَ لِاَبَوَیْهِ (ثَابِتٌ) لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ کَانَ (وَارِثًا) لَهٗ وَلَدٌ

عطف — خبر مقدم محذوف — مبتدا موخر — شرطیہ — فعل ناقص — کان کی خبر — کان کا اسم

● پس شرط معہ جزا، جملہ شرطیہ ہوکر، بربنائے عطف واؤ، فعل یُوْصِیْ کا مفعول چہارم ہُوا۔

● جملہ پنجم:۔ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ۔ کی تقدیر کلام یہ ہے:۔

● فَ اِنْ لَّمْ یَکُنْ (وَارِثًا) لَهٗ وَلَدٌ وَ وَرِثَهٗ اَبَوٰهُ (فَاِنْ وَّرِثَهٗ اَبَوٰهُ) فَ (ثَابِتٌ) لِاُمِّهِ الثُّلُثُ

عطف — یکن کی خبر محذوف — یکن کا اسم — حالیہ — جملہ فعلیہ خبریہ — شرط محذوف — جزائیہ — خبر محذوف — مبتدا موخر

● پس شرط معہ جزا جملہ شرطیہ ہوکر، بربنائے عطف فا، فعل یُوْصِیْ کا مفعول پنجم ہُوا۔

● جملہ ششم:۔ فَاِنْ کَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ۔ کی تقدیر کلام یہ ہے:۔

شرط — جزا

● فَ اِنْ کَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ (وَارِثًا) فَ (ثَابِتٌ) لِاُمِّهِ السُّدُسُ (مِمَّا تَرَكَ)

عطف — شرطیہ — فعل ناقص — کان کا اسم — کان کی خبر محذوف — جزائیہ — خبر محذوف مقدم — مبتدا موخر

● پس شرط معہ جزا جملہ شرطیہ ہوکر، بربنائے عطف فا، فعل یُوْصِیْ کا مفعول ششم ہُوا۔

بیوی اور شوہر کے حصّے

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں چھ حصّے ہیں، جن میں الگ الگ شوہر اور بیوی کے حصّوں اور

کلالہ یا اولاد کی وراثت کی طرزِ تقسیم کی وضاحت کیگئی ہے۔ اِن چھ حصّوں کے شروع میں بھی الگ الگ نمبر لگا دیئے گئے ہیں تاکہ آپ غور فرمائیں:۔

۱

(۱۲/۴ حصہ نمبر۱) وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ
اور واسطے تمہارے ہے نصف اسکا جو چھوڑیں بیویاں
إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ج ......
تمہاری اگر نہ ہو واسطے انکے اولاد

اور (اے بیویوں کے خاوندو!) جو مال تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں۔ اُس میں تمہارا حصّہ مالِ متروکہ کا نصف ہے بشرطیکہ اُنکی کوئی اولاد نہ ہو۔

(۱۲/۴ حصہ نمبر۲) فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ
پھر اگر ہو واسطے انکے اولاد تو ہے واسطے تمہارے
الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ
چوتھا حصّہ اسکا جو وہ چھوڑ جائیں بعد وصیّت کے جو انہوں نے کی ہو
بِهَا أَوْ دَيْنٍ ط......
ساتھ اسکے یا قرضہ ہو

پھر اگر (ایسی صورت ہو کہ تم میں سے) اُنکی اولاد ہے تو پھر اُس مال میں سے جو وہ چھوڑ جائیں تمہارا حصّہ ایک چوتھائی ہے اُس وصیّت (کی ادائیگی) کے بعد جو انہوں نے کی ہو۔ (اور یا (اگر اُنکا کوئی قرضہ ہو تو اُس) قرضہ کی ادائیگی کے بعد (باقی مال میں سے تمہارے حصّے نکالے جائینگے)۔

● یہ تو ہُوا متوفیہ بیوی کے مالِ متروکہ میں سے اُسکے شوہر کا حصّہ۔ آیتِ زیرِ نظر کے تیسرے حصّے میں متوفی شوہر کے مال میں اُسکی بیوی کا حصّہ بتایا گیا ہے:۔

۳

(۱۲/۴ حصہ نمبر۳) وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ
اور واسطے انکے چوتھائی ہے اس میں سے جو تم چھوڑ جاؤ
إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ج ......
اگر نہ ہو واسطے تمہارے اولاد

اور اُن (تمہاری بیویوں) کے لئے ایک چوتھائی حصّہ ہے اُس مال میں سے جو تم چھوڑ جاؤ۔ بشرطیکہ نہ ہو تمہاری اولاد (کسی بھی بیوی میں سے)۔

(۱۲/۴ حصہ نمبر۴) فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ
پھر اگر ہو واسطے تمہارے اولاد تو ہے واسطے اُنکے
الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ
آٹھواں حصہ اُس سے جو تم نے چھوڑا۔ بعد وصیّت کے جو تم وصیّت کرو
بِهَا أَوْ دَيْنٍ ط......
ساتھ اسکے یا قرضہ ہو۔

پھر اگر تمہاری اولاد ہو (کسی بھی بیوی سے)، تو تمہاری بیویوں کیلئے آٹھواں حصّہ ہے اُس مال سے جو تم مرنے کے بعد چھوڑ جاؤ۔ (لیکن یہ حصّہ نکالا جائیگا) اُس وصیّت کے بعد جو تم نے کی ہو۔ یا اگر قرضہ ہے تو اُسکی ادائیگی کے بعد۔ (اور اگر وصیّت اور قرضہ دونوں ہوں تو دونوں کی ادائیگی کے بعد)۔

مَا تَرَكَ کی بحث اور وراثت کی ترتیبِ تقسیم

● غور فرمائیگا کہ آیتِ مجیدہ ۱۲/۴ کے مندرجہ بالا چار حصّوں میں مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ، مِمَّا تَرَكْنَ، مِمَّا تَرَكْتُمْ اور مِمَّا تَرَكْتُمْ ایک

ہی آیت مجیدہ میں چار مرتبہ کے تکرار کیساتھ آیا ہے ۔ اور یہ چاروں مقامات بیوی اور شوہر یعنی عہدی رشتہ داروں کے حصوں کی وضاحت سے متعلق ہیں ۔ اور ان چار حصوں میں مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوۡصِيۡنَ بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ اور دو مرتبہ تُوۡصُوۡنَ بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ کے الفاظ آئے ہیں جن میں پیچھے بیان کیئے گئے مسئلہ وراثت کے پانچویں اصول کی وضاحت موجود ہے کہ تقسیم وراثت کے وقت سب سے پہلے متوفّی اور متوفیہ کی وصیّت اور قرضہ ادا کیا جائیگا اور اسکے بعد جو کچھ باقی بچے اُس میں سے عہدی رشتہ داروں یعنی میاں یا بیوی کا حِصّہ نکالا جائیگا ۔

• لیکن پیچھے آیت مجیدہ ۴/۱۱ حِصّہ نمبر ۴ میں ذوالفروض کے حِصّے بتاتے ہوئے بھی مِمَّا تَرَكَ آیا ہے ۔ اور حِصّہ ۶ میں لایا گیا ہے: مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُّوۡصِيۡ بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ ، یعنی ذوالفرض ماں باپ کا چھٹا چھٹا حِصّہ ، یا اکیلی ماں ہو تو اُسکا چھٹا حِصّہ اُس وصیّت کی ادائیگی کے بعد نکالا جائیگا جو متوفّی نے کی ہو ۔ نیز اگر متوفّی کا قرضہ ہو یا دونوں چیزیں ہوں تو دونوں کی ادائیگی کے بعد اِن کے یعنی ذوالفروض کے حِصّے نکالے جائینگے ۔ اب چونکہ زوجین کے حِصّوں اور ذوالفروض کے حِصّوں دونوں پر وصیّت اور قرضہ کی ادائیگی کی قید موجود ہے اِسلئے ثابت ہُوا کہ وصیّت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد زوجین اور ذوالفروض کے حِصّے بیک وقت نکالے جائیں گے ۔

• پس ثابت ہُوا کہ ۴/۱۱ حِصّہ نمبر ۲ میں جہاں وُرثا کے حِصّے بیان کرتے ہوئے مَا تَرَكَ کے الفاظ آئے ہیں ، وہاں مَا تَرَكَ سے وہ مال مراد ہے جو وصیّت اور قرضہ ادا کرنے کے بعد زوجین اور ذوالفروض کے حِصّے ادا کر چکنے کے بعد باقی بچے ۔ یہ ہے وہ راثت کا قرآنی طریقۂ تقسیم کہ پہلے وصیّت اور قرضہ ادا کیا جائے گا ۔ اُسکے بعد زوجین اور ذوالفروض کے حِصّے نکالے جائینگے اور باقی مال وُرثاء میں قرآن کے متعیّنہ حِصّوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائیگا ۔ یعنی :۔

• وصیّت اور قرضہ کی ادائیگی بھی ہو جائیگی ، زوجین [۲] ، ذوالفروض [۳] اور وارث [۴] سب قرآن کریم کے متعیّن کردہ اپنے صحیح حِصّے بھی پا لینگے ۔ اور تقسیم وراثت کی کسی بھی صورت میں کسی بھی مقام پر یہ نہیں ہوگا کہ کہیں تو مال متروکہ گھٹ جائے یا کہیں تقسیم ختم ہو چکنے کے بعد کچھ مال فالتو بچ رہے ۔ اور پھر ایسا کرنا پڑے کہ الجبرا اور حساب نکالکر بیٹھ جائیں اور مالِ وراثت میں حِصّے پانے والوں کے حِصّوں کی نسبتیں نکالیں ۔ اور اِن نسبتوں کے مطابق یا تو اُنہیں اُنکے اُن حِصّوں سے جو اللہ تعالٰی نے مقرر فرمائے ہیں کچھ زیادہ دیں ، یا کچھ کم ۔ اور اسطرح غیر مسلموں کیلئے یہ کہنے کا موقعہ بہم پہنچائیں کہ مسلمانوں کے خدا کو چوتھی جماعت کے طالب علم جتنا بھی حساب نہیں آتا ۔ کیونکہ کسی مقدار کی صحیح تقسیم وہی ہوتی ہے جسمیں نہ کچھ باقی بچے اور نہ کچھ گھٹ جائے ۔

کلالہ کی بحث

• آیت مجیدہ ۴/۱۲ کے اگلے حِصّہ نمبر ۵ میں کلالہ کی تقسیم وراثت کا ذکر ہے ۔

• کلالہ کے ضمن میں عمومی نظریہ یہ ہے کہ کلالہ صرف اُسے کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو نہ والدین ۔ صرف بہن بھائی ہوں ۔ واضح رہے کہ اِس نظریہ کی بدولت کلالہ سے متعلقہ دو آیات مجیدہ ۴/۱۲ اور ۴/۱۷۶ میں عجیب و غریب تضاد پیدا ہوتا ہے جو آگے مذکور ہے ۔ حالانکہ قرآن کریم میں تضاد و تخالف کا شائبہ تک موجود نہیں ۔ لَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا ۴/۸۲ = اگر قرآن غیر اللہ کیطرف سے ہوتا تو اس میں لوگ تھوڑا نہیں بلکہ ، بہت سا اختلاف موجود پاتے ۔

کلالہ کی دو قسمیں ہیں۔ بااولاد اور بے اولاد

• گذارش ہے کہ قرآنِ کریم میں متوفی کلالہ کی تقسیم وراثت کا ذکر دو جگہ پر آیا ہے ۴/۱۲ میں اور ۴/۱۷۶ میں۔ اور دونوں جگہ پر طرزِ تقسیم ایک دوسری سے بالکل مختلف ہے پس کلالہ سے متعلق دو الگ الگ اندازِ تقسیم کی قرآنی خبر اس امر کی شاہد عادل ہے کہ کلالہ کی دو قسمیں ہیں ایک نہیں۔

آئت مجیدہ ۴/۱۲ اور ۴/۱۷۶ کا فرق

• کلالہ کی الگ الگ دو قسموں کو ذہن نشین کرنے کیلئے ہر دو آیات کریمات کا مفہوم بغور ملاحظہ فرمائیں لیکن سورۂ مجیدہ کے درس کے تسلسل کے مطابق پہلے آئت مجیدہ ۴/۱۲ کے وہ بقیہ حصے پیش کرنا ضروری ہیں، جن میں ایک قسم کے کلالہ کی تقسیم میراث کا ذکر آچکا ہے اور ۴/۱۷۶ اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

کلالہ کی قرآنی تعریف

• پیشتر ازیں عرض کیا گیا ہے کہ کلالہ کے متعلق عمومی نظریہ یہ ہے کہ کلالہ اُسے کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو نہ والدین، بلکہ صرف بہن بھائی ہوں۔ تو اسطرح قرآنی اصولِ وراثت "وارث اور ذوالفروض" کے مطابق ظاہر ہے کہ جہاں متوفی کے اصل وارث یعنی والدین اور اولاد دونوں موجود نہ ہوں تو وہاں پر لامحالہ اُسکے بہن بھائی وارث ہوتے ہیں۔ کیونکہ اولاد اور والدین کے بعد اقرب گروہ بہن بھائیوں کا ہے۔ مگر واضح رہے کہ آئت مجیدہ ۴/۱۲ کے حصہ نمبر۵ میں (جو آگے آرہا ہے) کلالہ کی جس قسم کا ذکر ہے چونکہ اُس میں بہن بھائی مذکر مونث کا حصہ برابر ہے اسلئے معلوم ہوا کہ وہاں بہن بھائی ذوالفروض ہیں۔ وہ اصل وارث گروہ اولاد یا والدین میں سے اولاد موجود ہے۔ جیسے کہ اگلے صفحہ پر دیکھیں ۴/۱۲ کے حصہ نمبر، کی ترکیب نحوی سے کھل کر ثابت ہو رہا ہے۔

• کلالہ کی دوسری قسم کا ذکر ۴/۱۷۶ میں ہے جہاں بہن بھائی وارث ہیں کیونکہ وہاں وارث کی قرآنی شرط کے مطابق بھائی کا حصہ بہن سے دُگنا ہے۔ فلہٰذا متوفی کلالہ کی قرآنی تعریف یہ ہے کہ کبھی تو اسکے بہن بھائی وارث ہوتے ہیں یعنی نہ اسکے ماں باپ موجود ہوتے ہیں نہ اولاد۔ اور کبھی اُسکے بہن بھائی ذوالفروض ہوتے ہیں۔ وہاں متوفی کے اصل وارثوں میں سے صرف اولاد ہوتی ہے والدین موجود نہیں ہوتے۔ اب آپ وہ آئت مجیدہ ملاحظہ فرمائیں جسمیں متوفی کلالہ کے بہن بھائی ذوالفروض ہیں۔ اور وارث گروہوں میں سے اولاد موجود ہے:۔

(۴/۱۲ حصہ نمبر۵) وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً
اور اگر ہو متوفی مرد وارث کیا گیا، کلالہ
أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ
یا وہ عورت ہو۔ اور ہو واسطے اسکے بھائی یا بہن تو ہے واسطے ہر ایک کے
مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ
اُن دونوں کے چھٹا چھٹا۔ پھر اگر ہوں وہ زیادہ اس سے
فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ......
تو وہ ہیں سب شریک بیچ ایک تہائی کے

اگر متوفی کلالہ مرد ہو کہ (اُسکے مرنے پر) اُسکا وارث کیا جاتا ہے (اُسکی اولاد کو) یا وہ کلالہ عورت ہو (بااولاد) اور اُس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو اُن دونوں میں سے ہر ایک کیلئے (متوفی یا متوفیہ کلالہ کے ترکہ سے) چھٹا چھٹا حصہ ہے پھر اگر وہ (یعنی اُسکے بہن بھائی) اس سے زیادہ تعداد میں ہوں تو پھر وہ سب کے سب (متوفی مرد یا متوفیہ عورت کے ترکہ کی) ایک تہائی میں برابر کے حصہ دار ہیں۔

• اِس آئت مجیدہ میں یُورَثُ کا لفظ انتہائی غور طلب ہے:۔

● ع۵ یُوْرَثُ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول یعنی مَالَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ متعدی بدو مفعول ہے۔ ایک مفعول تو ہے خود کلالہ جس پر وارث کیے جانے کا فعل وارد ہوتا ہے۔ اور دوسرا مفعول ہے اسکی اولاد، جسے اسکا وارث بنایا جا رہا ہے۔ یُوْرَثُ کا لفظی معنی ہے :۔ وہ وارث کیا جاتا ہے، یعنی کلالہ مرد یا عورت مرجائے تو اسکے وارث گروہ کے افراد اسکی میراث میں سے اپنا اپنا حصہ پاتے ہیں۔ دیکھیے! یُوْرَثُ کے لفظ میں متوفی کلالہ کے ورثاء کی موجودگی کی خبر دیگئی ہے اور بہن بھائیوں کے حصے باہم برابر بتا کر اعلان کر دیا ہے کہ یہاں کلالہ کے بہن بھائی وارث نہیں بلکہ ذوالفروض ہیں۔ اب ۴/۱۲ کے حصہ نمبر ۵ متعلقہ مسئلہ کلالہ بااولاد کی ترکیب نحوی مع تقدیر کلام بغور ملاحظہ فرمائیں :۔

وَاِنْ کَانَ رَجُلٌ اَوِامْرَاَۃٌ کَلٰلَۃً یُّوْرَثُ (اَوْلَادَہٗ) وَ(مَوْجُوْدٌ) لَہٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ

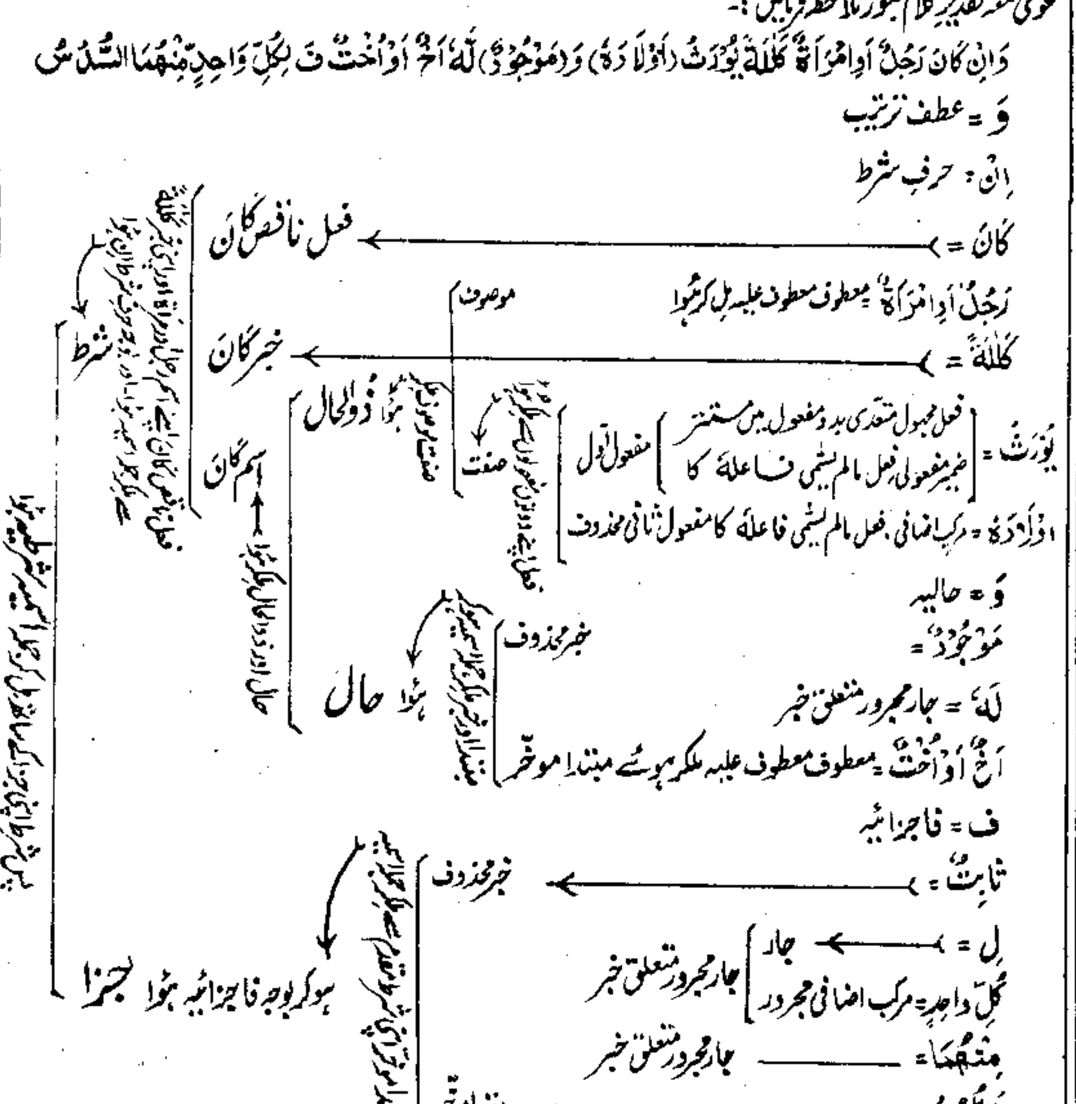

● قارئین کرام! آیت مجیدہ متعلقہ کلالہ بااولاد کی ترکیب نحوی پہ گہرا غور فرمائیے اور دیکھیے کہ یہاں کس طرح متوفی کا وارث

گروہ اولاد بکھر کر عیاں ہو رہا ہے جس پر قرآن کریم کی خود آیت زیر نظر بھی شاہد عادل ہے اور مسئلۂ وراثت کے تتمہ کی حامل آیت مجیدہ ۴/۱۷۶ بھی کھلا گواہ ہے۔

● آیت زیر نظر کے وہ الفاظ شاہد ہیں جن میں بہن بھائیوں کی موجودگی کی خبر کے بعد مذکر مؤنث یعنی بہن بھائیوں کا حصہ باہم برابر بتایا گیا ہے جو ذو الفروض کا نشان ہے۔ اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ متوفّی کے ترکہ پانیوالوں میں سے کوئی گروہ ذو الفروض اُسوقت ہی ہو سکتا ہے جب کوئی وارث گروہ موجود ہو۔ اب یہاں چونکہ متوفّی کلالہ کی ایک قسم کے ترکہ کی طرزِ تقسیم بتائی گئی ہے اور دوسری قسم ۴/۱۷۶ میں مذکور ہے۔ جہاں کلالہ کی دوسری قسم کی وضاحت اِن لفظوں میں درج ہے :۔ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ ۴/۱۷۶ کہہ دیجیئے اے رسول! کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے کلالہ کے متعلق فتویٰ دیتا ہے کہ اگر مرد (کلالہ اس حالت میں) مرجائے کہ اُس کی اولاد نہ ہو۔

● پس ۴/۱۷۶ کے الفاظ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ سے بصورت نصف النہار ثابت ہوتا ہے کہ ۴/۱۷۶ میں کلالہ بے اولاد کے ترکہ کا طریق تقسیم بتایا گیا ہے۔ اور آیت مجیدہ ۴/۱۲ میں کلالہ با اولاد کے ترکہ کے طرزِ تقسیم کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ فلہذا ترکیب نحوی اور خود قرآن کریم کی تصریف آیات، دونوں کے دلائل قاطعہ سے ثابت ہوا کہ کلالہ کی جس قسم کا ذکر ۴/۱۲ میں ہے وہ کلالہ با اولاد ہے۔ اُس کی اولاد وارث ہے اور بہن بھائی ذو الفروض ہیں کیونکہ ۴/۱۲ میں مذکر مؤنث بہن بھائیوں کا حصہ باہم برابر برابر بتایا گیا ہے۔ نیز یہ امر بھی بالکل واضح ہے کہ یہاں پر وارث گروہ ماں باپ ہرگز موجود نہیں۔ کیونکہ ماں باپ کی موجودگی میں بہن بھائیوں کو قرآن کریم کی رُو سے کچھ نہیں ملتا۔ مگر یہاں چونکہ بہن بھائیوں کو حصہ دیا گیا ہے۔ اسلئے یہاں پر وارث گروہ ماں باپ کی موجودگی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ متوفّی کے پسماندگان میں جو وارث گروہ موجود ہے وہ ماں باپ نہیں اولاد ہے۔ آیت مجیدہ کے اگلے حصہ میں وصیت اور قرضہ کا تکرار تاکیدی لایا گیا ہے :۔

(۴/۱۲ حصہ نمبر ۶) مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصٰى بِهَآ
پیچھے وصیت کے جو وصیت کی اُنہوں نے ساتھ اُسکے
أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ .....
یا قرضہ۔ نہ ضرر دیا گیا ہو۔

(بہن بھائی ذو الفروض کے حصے متوفّی کلالہ کے ترکہ سے، متوفّی کی اُس وصیت جو اُس نے کی ہو۔ اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد (اسطرح) نکالے جائیں کہ (وراثت میں سے حصہ پانے والے کسی فرد یا گروہ کو) کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے[ع۱]۔

● ع۱ غَيْرَ مُضَآرٍّ کے الفاظ میں تاکید کی گئی ہے کہ تقسیم وراثت کے سلسلے میں کسی فرد یا گروہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے۔ واضح رہے کہ غَيْرَ مُضَآرٍّ میں سرِفہرست ہے وصیت کا انسداد، کہ اگر متوفّی نے غلط وصیت کی ہو یعنی کسی ایسے فرد کو کچھ مال دلایا گیا ہو جو اُسکا حقدار نہیں تو ۲/۱۸۲ کے مطابق وصیت کو صحیح کرا لیا کرو۔ فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۲/۱۸۲ ۔ پھر جو کوئی وصیت کرنیوالے کے متعلق (ناجائز) طرفداری یعنی گناہ کا خوف کرے، تو اگر وہ فریقین کے درمیان صلح کرا دے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں ۔۔۔ پس اگر وصیت میں کسی کی طرفداری کی گئی ہو تو اُسکی اصلاح کرانا ضروری ہے۔ تاکہ غَيْرَ مُضَآرٍّ کے قرآنی حکم کے مطابق کسی گروہ کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔

مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ کا تکرار انتہائی غور طلب ہے

• $\frac{4}{12}$ کے حصہ نمبر ۲ پر بنظر تعمق غور فرمائیں۔ یہاں پھر وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد بہن بھائیوں یعنی ذوالفروض کے حصے نکالنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن $\frac{4}{12}$ حصہ ۲ میں زوجین کے حصے وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد نکالنے کا حکم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد زوجین اور ذوالفروض کے حصے بیک وقت نکالے جائینگے۔ اور باقی مال وارث گروہ میں خداوندی ہدایات کے مطابق تقسیم کیا جائیگا۔ اسی کے ضمن میں مَا تَرَكَ کی بحث صفحہ ۲۰۳ پر بیان کر دیگئی ہے۔

ایک مرتبہ پھر غور فرمائیں

• واضح رہے کہ $\frac{4}{12}$ کے حصہ نمبر ۵، جس میں کلالہ کی ایک قسم کی تقسیم وراثت کا طریق بتایا گیا ہے۔ اگر وہاں یہ تسلیم کیا جائے جو اکثر مفسّرین کا خیال ہے کہ یہاں متوفی کلالہ کی اولاد موجود نہیں۔ ماں باپ اور بہن بھائی ہیں تو یہ صورت تو پیچھے $\frac{4}{11}$ کے حصہ نمبر ۵ میں گذر چکی ہے کہ اولاد کی عدم موجودگی میں وارث ماں باپ ہوتے ہیں۔ اور بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا۔ ایک تہائی ماں لیتی ہے اور دو تہائیاں باپ۔ تو اسطرح ثابت ہوا کہ یہاں $\frac{4}{12}$ حصہ نمبر ۵ میں بہن بھائیوں کے ساتھ وارث گروہ ماں باپ ہرگز نہیں بلکہ اولاد ہے اور بہن بھائی ذوالفروض ہو کر مذکر مونث برابر حصہ پا رہے ہیں۔ اس مسئلہ کو ایک اور انداز سے بھی بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ جہاں متوفی کی اولاد اور ماں باپ ہوں، وہاں اولاد وارث اور ماں باپ مذکر مونث برابر برابر $\frac{1}{6}$، $\frac{1}{6}$ کے ذوالفروض ہوتے ہیں۔ اور جہاں متوفی کی اولاد اور بہن بھائی ہوں وہاں اولاد وارث اور بہن بھائی مذکر مونث برابر برابر $\frac{1}{6}$، $\frac{1}{6}$ کے ذوالفروض ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ماں باپ کی عدم موجودگی میں اُنہی کا چھٹا چھٹا حصہ بہن بھائیوں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ جیسے کہ ذیل کے مشترک جملہ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ سے بالوضاحت ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا ذیل میں اولاد کے ساتھ الگ الگ والدین اور بہن بھائیوں کی موجودگی کے متعلق اُن کے ایک ہی حصص کے خداوندی فیصلے کا تقابل ملاحظہ فرمائیں:۔

• جب اولاد اور ماں باپ ہوں تو اولاد وارث ہوتی ہے اور ماں باپ کو مَا تَرَكَ کا چھٹا چھٹا حصہ ملتا ہے } :۔ وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ($\frac{4}{11}$ حصہ نمبر ۴)

اور :۔

• جب اولاد اور بہن بھائی ہوں تو اولاد وارث ہوتی ہے اور بہن بھائی کو مَا تَرَكَ کا چھٹا چھٹا حصہ ملتا ہے } :۔ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ($\frac{4}{12}$ حصہ نمبر ۵)

دیکھا آپ نے!

• لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ کے الفاظ نے کسطرح حقیقت کے چہرہ سے نقاب الٹ کر رکھدی ہے کہ جب اولاد اور ماں باپ ہوں تو اولاد وارث ہوتی ہے اور ماں باپ ذوالفروض کی حیثیت سے چھٹا چھٹا مساوی حصہ پاتے ہیں۔ اور جب اولاد اور بہن بھائی ہوں تو وہاں بھی اولاد وارث ہوتی ہے اور بہن بھائیوں کو ذوالفروض کی حیثیت سے ماں باپ والا ہی چھٹا چھٹا حصہ منتقل ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں ماں باپ ہرگز موجود نہیں ہیں۔

• نیز $\frac{4}{12}$ حصہ نمبر ۵ میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگر متوفی کلالہ کے بہن بھائی ایک سے زائد ہوں تو وہ سب کے سب

۱/۶ + ۱/۶ یعنی چھٹے چھٹے کے مجموعہ ایک تہائی میں برابر کے شریک ہونگے :۔ فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ
(۴/۱۲ حصہ نمبر ۵)

المختصر: • مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہوا کہ آیت مجیدہ ۴/۱۲ کے حصہ نمبر ۵ میں اولاد اور بہن بھائی ہیں۔ اولاد وارث ہے۔ اور متوفی کے بہن بھائی ذوالفروض ہو کر چھٹا چھٹا حصہ پاتے ہیں۔ پس یہ نظریہ مطلقاً غلط ہے کہ ۴/۱۲ کے مذکورہ حصے میں بہن بھائیوں کیساتھ والدین ہیں۔

دُور دراز کے رشتہ دار • واضح رہے کہ تقسیم وراثت کے سلسلے میں **وارث** اور **ذُوالفروض** کے بنیادی قرآنی فیصلے کے خلاف، جو مفکر حضرات متوفی کے پسماندگان کی ہر صورت میں نہ وارث گروہ کا تعین کرتے ہیں اور نہ بالترتیب وصیت اور قرضہ کی ادائیگی، نہ باقی میں سے زوجین اور ذوالفروض کے حصص اور نہ پھر باقی کو وارثوں میں تقسیم کرنے کے قائل ہیں۔ وہ ایسی صورتوں میں جہاں صرف ذوالفروض کے حصے بیان ہوئے ہیں۔ انکے حصے نکالکر باقی ترکہ کیلئے متوفی کے دُور دراز کے نسلی رشتہ داروں کو کھینچ لاتے ہیں، اور باقی مال اُنکا حق قرار دیتے ہیں۔

• اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں مذکورہ بالا صورت ۴/۱۲ حصہ نمبر ۵ میں اگر اصل وارث گروہ، جو یہاں پر اولاد ہے، سامنے نہ لایا جائے اور صرف بہن بھائیوں کو ایک تہائی دینے کے بعد باقی دو تہائیاں متوفی کے اُن رشتہ داروں کو دیدی جائیں، جو کہیں دسویں یا رھویں پشت میں جا ملتے ہیں تو یہ کہاں کا انصاف ہوگا کہ سگے بہن بھائی تو ایک تہائی حصہ پائیں اور دسویں پشت والا، خواہ وہ اکیلا ہی ہو، دو تہائیاں لے جائے۔ جیسے کہ ۴/۱۲ حصہ نمبر ۵ کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے۔ العجب ثم العجب

اخیافی بہن بھائی • نیز یہاں پر یہ تسلیم کرنا بھی، جیسے کہ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں پر ایک تہائی حصہ اخیافی بہن بھائیوں کو دیا گیا ہے، (جو متوفی کی والدہ کے دوسرے شوہر سے ہوں)، اسلئے غلط ہے کیونکہ ارشادِ باری ہے، متوفی کے ترکہ کا حقِ وراثت اقرباء اور والدین کو حاصل ہے۔ اسلئے کسی غیر باپ کے بیٹے بیٹیاں کسی بھی مقام پر کس طرح اقرب ہوسکتے ہیں جن کی نسل ہی متوفی کی نسل سے مختلف ہو؟

کلالہ کی بحث کا خلاصہ • آیت مجیدہ ۴/۱۲ حصہ نمبر ۵ کا خلاصۂ بحث یہ ہے :۔
اس آیت مجیدہ میں متوفی کے پسماندگان کی اُس صورت کا ذکر ہے کہ اُن میں اولاد اور بہن بھائی ہیں۔ اولاد وارث ہے۔ اور بہن بھائی ذوالفروض ہیں۔ بہن بھائی اکیلے اکیلے ہوں تو اَنْ یَكُ کا چھٹا چھٹا حصہ پاتے ہیں۔ اگر دو سے زائد ہوں تو سب ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ چونکہ پسماندگان کی اس صورت کے لحاظ سے بھی قرآن کریم نے متوفی کو **کلالہ** کہا ہے اور آیت مجیدہ ۴/۱۷۶ میں بھی جہاں متوفی کے صرف بہن بھائی ہیں، نہ اولاد ہے نہ ماں باپ، پسماندگان کی اس صورت میں بھی قرآن کریم نے متوفی کو **کلالہ** ہی کہا ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی

رُو سے کلالہ کی دو قسمیں ہیں:- **کلالہ با اَولاد** اور **کلالہ بے اَولاد**

• کلالہ با اولاد کی وضاحت ، ۴/۱۲ حصہ نمبر ۵ کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔ اسلئے وصیّت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد زوجین اور ذوالفرض کے حصے مشترک نکالے جائینگے بہن بھائیوں کو ایک تہائی ملیگا۔ اور باقی ترکہ اولاد میں اُسکی ہر موجودہ صورت کی رُو سے قرآنی ہدایات کے مطابق تقسیم ہو گا۔ یعنی :- اگر اولاد اکیلا بیٹا ہے تو باقی سارا مال وہ پائیگا۔ اور اگر اکیلی بیٹی ہے تو باقی سارا مال وہ پائیگی۔

• اگر دو یا دو سے زائد بیٹے ہیں تو باقی سارا مال بیٹوں میں مساوی تقسیم ہو گا۔ اور اگر دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہیں تو باقی سارا مال بیٹیوں میں مساوی تقسیم ہو گا۔

• اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو یا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو بیٹے کا حصہ بیٹی کے حصے سے دُگنا ہو گا۔

• لیکن اگر متوفی کا ایک بیٹا اور دو سے بیٹیاں زائد ہوں تو بیٹیاں خواہ درجنوں بھی کیوں نہ ہوں، وہ سب دو تہائی میں برابر کی شریک ہونگی اور ایک تہائی اکیلا بیٹا ہر حالت میں ضرور پائیگا۔ تقسیم وراثت کی یہ وہ صورتیں ہیں جن کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:-

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
مذکورہ بالا حدیں ہیں اللہ کی اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ اور اُسکے رسول کی

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
داخل کریگا اُسے باغوں میں بہتی ہیں نیچے اُن کے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۴/۱۳
ہمیشہ رہنے والے اُن میں۔ اور مذکورہ بالا کامیابی ہے بڑی

(اے ایمان والو!) مذکورہ بالا حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہیں پس جو قوم اِن کی حفاظت کرکے) اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کریگی۔ اُسے اللہ تعالیٰ (دُنیا و آخرت میں ہموار جنتی معاشرہ یعنی) ایسے باغات میں داخل کریگا، جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے۔ اور مذکورہ بالا باغات میں داخلہ ہی تو بڑی کامیابی ہے۔

• جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کی وضاحت ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ میں جنت کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اِس طرح بیان کی ہے کہ:- اے نوعِ آدم جنت وہ ہے جسمیں نہ تُو بھوکا رہیگا نہ ننگا، نہ بے مکان ہو کر دھوپ میں جلے۔ یعنی جنت وہ ہے جسمیں ضروریاتِ زندگی کی نہریں بہتی ہوں۔ دنیا میں جب قرآنی معاشرہ قائم ہو تو مذکورہ اصطلاح اُس پر بھی صادق آتی ہے اور اُخروی جنت پر بھی جسمیں بھوک ننگ اور بے مکان ہونے کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

نظریۂ سرمایہ داری پر ضربِ عظیم

• قرآن کریم کا مرکزی مسئلہ ربوبیتِ عالمینی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱/۱ یعنی وہ ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی تاکید کرتا ہے جسمیں کوئی فردِ انسانی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ پایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنی معاشرہ کی آخری حد بتائی ہے ساری فاضلہ دولت بیت المال میں جمع کرا دینا:-

• وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ ۲/۲۱۹-۲۲۰ = اور (اے رسول!) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کتنا مال خرچ کریں۔ آپ اُن سے کہدیں کہ ضرورت سے

زائد سارے کا سارا۔ اللہ تعالیٰ اسیطرح اپنی آیتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے متعلق تفکر کرو (اور اس صحیح نتیجے پر پہنچو کہ ہموار و متوازن معاشرہ کے قیام کے بغیر) نہ دنیا میں حقیقی امن قائم ہو سکتا ہے نہ آخرت کی کامیابی ممکن ہے۔

• پس ۲/۲۱۹ کے مطابق ضرورت سے زائد مال جمع کرنا قرآنی معاشرہ کے خلاف ہے۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۹/۳۴ = اور جو لوگ خزانہ کرتے ہیں سونے اور چاندی کا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ آپ اُنہیں دردناک عذاب کی خبر دیدیں۔

• اِن آیاتِ قرآنیہ سے کھل کر ثابت ہوا کہ تقسیم وراثت کا مسئلہ عبوری دَور کا ہے۔ جو لوگ عبوری دَور میں تقسیم وراثت کے قرآنی احکام پر عمل کرنے کیلئے تیار نہ ہوں وہ جنتی معاشرہ کے قیام کیلئے **العفو** ۲/۲۱۹ کے مطابق پوری فاضل دولت کی قربانی کب کر سکینگے۔ آیتِ بالا ۴/۱۳ زیر نظر میں اِسی چیز کی خبر دیگئی ہے کہ پھلوں سے لدے ہوئے باغوں اور بہتی نہروں والے معاشرہ میں وہی لوگ داخل ہو سکینگے جو تقسیمِ وراثت کی قرآنی حدوں کی حفاظت کرینگے۔

• تقسیم وراثت کے مسائل میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم نے کسطرح متوفی کے مال کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے نظریہ سرمایہ داری پر ضرب عظیم لگائی ہے۔ اِس زندگی میں جہاں متوفی اپنے سگے بھائیوں سے اپنی جس مالیت اور بینک بیلنس کو چھپا چھپا کر رکھتا تھا۔ انہی میں بہن بھائیوں کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ وہی مال جسے حقیقی ماں باپ سے مخفی رکھا ہوا تھا۔ اولاد نہ ہونے کی صورت میں سارے مال کا وارث ماں باپ کو ٹھہرا دیا ہے۔ اور اگر اولاد موجود بھی ہو تو پھر بھی ماں باپ کو ایک تہائی مال کا حقدار قرار دیا ہے۔

• المختصر! مال کی ناجائز محبت سے علیحدگی کا سبق مسئلہ وراثت کا بنیادی نقطہ ہے۔ جیسے کہ وراثت کا مال حقداروں سے چھین کر کھا جانیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ ۸۹/۱۹-۲۰ اور تم مال کی ناجائز محبت میں اسطرح پھنسے ہو۔ کہ وراثت کا مال بھی سارے کا سارا خود کھا جاتے ہو۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت ۴/۱۴ میں انہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ

اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ اور اسکے رسول کی اور توڑے حدیں اسکی

يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ

وہ داخل کریگا اسے آگ میں ہمیشہ رہنے والا اُس میں اور واسطے اسکے عذاب ہے

مُّهِيْنٌ ۴/۱۴ ع ۲ ع ۱۴

رسوا کرنے والا

اور جو قوم اللہ کے احکام کی نافرمانی کرے جو اُس نے اپنے رسول کے ذریعہ بھیجے ہیں۔ اور وہ اللہ کی مذکورہ حدوں کو توڑے تو اللہ تعالیٰ (اسکے بدلے) اُسے جہنمی معاشرہ (آگ) میں داخل کریگا وہ اُس میں ہمیشہ رہیگی۔ اور اُسکے لئے (اُسکی سرکشیوں کے بدلے) رسواکن عذاب ہے۔

مسئلہ وراثت کے اصول اور سرٹیچ کی طرز تقسیم ایک نظر میں

• قرآن کریم نے وارث اور ذوالفروض کے نظریہ کو مسئلہ وراثت کی بنیاد قرار دیا ہے اور بالترتیب اولاد، والدین اور اخوت کو وارث ٹھہرایا ہے

متوفی کی اولین وارث اولاد ہے، جو کبھی بھی ذوالفروض نہیں ہوتی۔ والدین اور اخوت کہیں وارث ہوتے ہیں اور کہیں ذوالفروض ٹھہرتے ہیں ۴/۱۱-۱۲، ۱۷۶۔ (۴/۱۷۶ کی وضاحت اپنے مقام پر آگے آرہی ہے)۔

۲ زوجین میں سے کسی کو بھی وارث نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ ہر مقام پر اُنکے ایک ہی مقررہ حصّے بتا دیئے ہیں ۴/۱۲۔

۳ وصیت اور قرضہ تقسیمِ وراثت کی ہر صورت میں سب سے پہلے متوفی کی وصیت اور قرضہ ادا کیا جائیگا۔ اُسکے بعد جو مال باقی بچے اس میں سے بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصّے نکال کر باقی مال وارث گروہ میں قرآنی ہدایات کے مطابق تقسیم کیا جائیگا ۴/۱۱-۱۲۔ یہ ہے قرآنی اندازِ تقسیم جس میں کسی بھی سٹیج پر نہ کبھی مال گھٹ جاتا ہے اور نہ کبھی فالتو بچ رہتا ہے۔ اور نہ غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقعہ ملتا ہے کہ "قرآن کے خدا کو چوتھی جماعت کے طالب علم جتنا بھی حساب نہیں آتا"۔

۴ اولاد ہر مقام پر وارث ہوتی ہے۔ اگر متوفی کے والدین موجود ہوں تو اولاد کی موجودگی میں وہ ذوالفروض ہوتے ہیں اور چھٹا چھٹا حصّہ پاتے ہیں ۴/۱۱۔ اگر اولاد بیٹوں بیٹیوں پر مشتمل ہو تو ایک بیٹے کا حصّہ دو بیٹیوں کے برابر ہوتا ہے ۴/۱۱۔

۵ اگر صرف ایک بیٹا یا صرف ایک بیٹی ہو تو وہ الگ الگ صورتوں میں مالِ متروکہ میں سے وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصّے ادا کر کے باقی سارے مال کے وارث ہوتے ہیں ۴/۱۱۔ بیٹے اور بیٹی کے حقِ وراثت میں کوئی فرق نہیں یعنی اگر اکیلا بیٹا ہو تو سارے مال کا وہ وارث ہوتا ہے اور اگر اکیلی بیٹی ہو تو سارے مال کی وہ وارث ہوتی ہے۔

۶ اگر دو یا دو سے زائد صرف بیٹے ہوں، نیز اگر دو یا دو سے زائد صرف بیٹیاں ہوں تو وہ الگ الگ صورتوں میں وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصّے ادا کرنے کے بعد پورے باقی مال کے وارث ہوتے ہیں ۴/۱۱۔

۷ اگر اولاد ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو بیٹے کا حصّہ بیٹی سے دُگنا ہو گا ۴/۱۱۔

۸ اگر اولاد ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو بیٹے کا حصّہ دونوں بیٹیوں کے برابر ہو گا ۴/۱۱۔

۹ اگر اولاد ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو تمام بیٹیوں کو خواہ وہ درجنوں بھی کیوں نہ ہوں وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد اور بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصّے ادا کرنے کے بعد باقی مال کا دو تہائی حصّہ انہیں ملیگا اور ایک تہائی حصّہ ہر حال میں اکیلا بیٹا پائیگا۔ ۴/۱۱

۱۰ والدین، اولاد کی موجودگی میں ذوالفروض ہوتے ہیں ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصّہ ملتا ہے۔ اگر ماں اور باپ دونوں موجود ہوں تو دونوں اپنا چھٹا چھٹا حصّہ پاتے ہیں۔ اگر اُن میں سے کوئی ایک اکیلا ہو تو وہ صرف اپنا چھٹا حصّہ پاتا ہے ۴/۱۱۔

۱۱ اگر اولاد نہ ہو تو والدین وارث ہوتے ہیں۔ اور بالترتیب وصیت و قرضہ اور زوجین کے حصّے نکال کر باقی مال آپس میں ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم کرتے ہیں۔ باپ دو تہائیاں لیتا ہے اور ماں کو ایک تہائی ملتا ہے ۴/۱۱۔ اولاد کی عدم موجودگی کی بدولت جب ماں باپ وارث ہوں تو بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا پورا مال ماں باپ لیتے ہیں۔ ایک تہائی ماں اور دو تہائیاں باپ۔ ۴/۱۱ حصّہ نمبرہ۔ واضح رہے کہ جہاں ماں باپ دونوں موجود ہوں وہاں بہن بھائیوں کا حصّہ ماں باپ کے حصّے میں موجود ہوتا ہے۔ مگر انہیں ملتا اسوقت ہے جب ماں یا باپ فوت ہوں تو اُسکے بعد۔

• ۲۔ لیکن اگر اکیلی ماں ہو تو وہ چھٹے حصّے کی ذوالفروض ہوتی ہے اور بہن بھائی وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصّے ادا کرکے باقی پورے مال کے وارث ہونگے جسے وارث گروہ کے اصول کے مطابق مذکر مونث میں دو ایک کی نسبت سے تقسیم کرینگے۔ اکیلا بھائی یا اکیلی بہن ہو تو سارا مال الگ الگ وہ لینگے۔ اور اگر ایک سے زائد صرف بہنیں یا صرف بھائی ہوں تو وہ الگ الگ سارا مال مساوی تقسیم کرینگے۔

• ۳۔ زوجین کا رشتہ چونکہ عہدی ہے اسلئے وہ کبھی بھی وارث نہیں ٹھہرتے۔ ہر سٹیج کیلئے انکے ایک ہی حصّے مقرر ہیں ۴/۱۲۔

• ۴۔ متوفی شوہر کی اگر اولاد ہو تو بیوی کا حصّہ، وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد آٹھواں ہے، اگر اولاد نہ ہو تو چوتھا ۴/۱۲۔

• ۵۔ متوفیہ بیوی کی اگر اولاد ہو تو شوہر کا حصّہ وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد چوتھا ہے۔ اگر اولاد نہ ہو تو نصف ۴/۱۲۔

• ۶۔ کلالہ مرد عورت کی قرآن مجید نے دو قسمیں بتائی ہیں کلالہ با اولاد۔ اور کلالہ بے اولاد

• ۷۔ کلالہ با اولاد خواہ مرد ہو یا عورت، اگر اسکا صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو وہ چھٹا چھٹا حصّہ پاتے ہیں۔ اکیلا بھائی ہو تو چھٹا حصّہ پاتا ہے۔ اکیلی بہن ہو تو چھٹا حصّہ پاتی ہے۔ اگر ایک سے زائد بھائی، یا ایک سے زائد بہنیں یا ملے جلے بھائی بہنیں ہوں تو وہ سب ہر حالت میں ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوتے ہیں ۴/۱۲

• ۸۔ کلالہ بے اولاد اگر صرف دو سگے بہن بھائی ہوں تو اگر بہن مرجائے تو بھائی اسکے سارے مال کا وارث ہوتا ہے۔ اور اگر بھائی مرجائے تو بہن اسکے نصف ترکہ کی وارث ٹھہرتی ہے۔ اگر متوفی مرد یا متوفیہ عورت کلالہ بے اولاد کی دو بہنیں ہوں تو انہیں دو تہائی ملتا ہے لیکن اگر ملے جلے بہت سے بہن بھائی ہوں تو بھائی کا حصّہ بہن سے دگنا ہوتا ہے۔ (کلالہ بے اولاد کی تفصیل ۴/۱۷۶ میں اپنے مقام پر گئے رہی ہے)

• قائم مقام کے قرآنی نظریہ کے مطابق جسکی وضاحت صفحہ ۱۹۲ پر گزر چکی ہے اگر متوفی کی اولاد نہ ہو اور اولاد کی اولاد موجود ہو تو وہ اپنے والدین کے مقام پر آجاتی ہے اسیطرح اگر ماں باپ نہ ہوں دادی دادا اور نانی نانا موجود ہوں تو وہ اپنے بیٹے بیٹی کا مقام لے لیتے ہیں اسیطرح اگر بہن بھائی نہ ہوں تو بھتیجے بھتیجیاں اور بھانجے بھانجیاں اپنے باپ یا ماں کی جگہ پر آجاتے ہیں۔ بس۔

یتیم پوتے کا مسئلہ

• یتیم پوتے پوتیاں اور یتیم دوہتے دوہتیاں اپنے اپنے باپ اور اپنی اپنی ماں کے مقام پر آجاتے ہیں اگر متوفی کا کوئی بیٹا یا بیٹی اسکی زندگی میں فوت ہو چکا ہو تو انکی اولاد یعنی یتیم پوتے پوتیاں اور یتیم دوہتے دوہتیاں قرآن کریم کی رو سے محروم الارث نہیں بلکہ یتیم بھتیجے بھتیجیاں اور یتیم بھانجے بھانجیاں بھی اپنے اپنے ماں باپ کے قائم مقام ہوکر اپنے اپنے ماں باپ کا حصّہ پاتے ہیں۔ اگر باپ کی زندگی میں فوت ہونیوالے بیٹے کی اولاد، اور بہن بھائی کی زندگی میں فوت ہونیوالے بہن بھائیوں کی اولاد تعداد میں ایک سے زائد بہن بھائی ہوں تو بالترتیب اپنے متوفی دادا دادی اور متوفی چچا پھوپھی کی وراثت میں سے اپنے باپ یا ماں کے حصّے کو آپسمیں قرآنی کلیہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کے مطابق مذکر مونث دو ایک کی نسبت سے تقسیم کرینگے۔ واضح رہے کہ یتیم پوتے پوتیوں، اور یتیم دوہتے دوہتیوں، نیز یتیم بھتیجے بھتیجیوں اور یتیم بھانجے بھانجیوں کا مسئلہ کوئی پیچیدہ نہیں مسئلہ وراثت سے متعلقہ پیچھے بیان کئے گئے جن مقامات پر متوفی کے بیٹے بیٹیاں، یا بہن بھائی اسکے ترکہ سے حصّہ پاتے ہیں اگر ان مقامات پر کوئی بیٹا، بیٹی، بھائی یا بہن متوفی کی زندگی میں مرچکا ہو تو انکی اولاد اپنے اپنے باپ اور ماں کی قائم مقام ہوکر اپنے اپنے باپ اور ماں کا حصّہ پائیگی۔ اور بس۔

• مسئلۂ وراثت کی تفصیل سورہ نسآء زیر بحث کی آئت نمبر ۱۱ تا ۱۴ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب پھر آئیے

رجوع الی المطلب سلسلۂ درس کیطرف۔ جیسا کہ سورہ نسآء کی ابتداء میں بتایا جاچکا ہے کہ اس سورت مجیدہ نے نسآء نام اسلئے پایا ہے کہ اس میں عورتوں سے متعلقہ ہر گوشے کے مسائل کی وضاحت درج ہے۔ اور اس میں عورتوں کے تمام کھوئے ہوئے حقوق بحال کر دیئے گئے ہیں۔ مسئلۂ وراثت میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کیساتھ برابر کا حق وراثت عطا کیا گیا ہے۔ فرق صرف حصۂ وراثت میں ہے۔ اب سلسلۂ درس کی اگلی آیات کریمات میں جنسیات سے متعلقہ عورتوں مردوں کے اہم گوشے کی وضاحت کیگئی ہے اور مستورات کے ایک مخفی قبیح فعل کو حرام قرار دیا گیا ہے:۔

عورتوں کی عورتوں کیساتھ جنسی تسکین • جنسی تسکین کیلئے بعض شریر عورتیں کسی آلے کیساتھ مذکر و مونث کیطرح آپس میں باہم جنسی فعل کی کوشش شروع کر دیتی ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسی عورتیں خطرناک اور قابل سزا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ظاہری صورت میں عورتوں عورتوں کا باہم خلوت میں بیٹھنا، بغلگیر ہونا اور آپس میں لپٹ جانا کوئی معیوب معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ ان خلوتگاہوں میں عورتوں عورتوں کی باہمگر میل نشینی، بغلگیری اور لپٹ جھپٹ وغیرہ مذکر مونث جیسی حرکات پر مشتمل جنسی تسکین کے حصول کی صورت اختیار کر جائے تو یہ سب حرکات فواحشات کے زمرہ میں آجاتی ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسی عورتوں کو علیحدہ علیحدہ انکے اپنے اپنے گھروں میں نظر بند کر دو۔ تاکہ یہ بدطینت عورتیں، شریف زادیوں اور عصمت مآب خواتین میں مذکورہ بالا بیحیائی پھیلانے کا موجب نہ بنیں اور معاشرہ فواحشات آلودہ ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ ۱۵ میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ
اور جو عورتیں لائیں بیحیائی۔ میں سے عورتوں تمہاری کے
فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا
تو گواہ لیا کرو اوپر ان کے چار اپنے میں سے پھر اگر وہ گواہی دیں
فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ
تو روک رکھا کرو انہیں بیچ گھروں انکے یہانتک کہ پورا کرے انہیں موت
اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۱۵
یا بنائے اللہ واسطے انکے کوئی سبیل

اور (اے ایمان والو) تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں باہمگر بیحیائی کا ارتکاب کریں۔ تو (اُن کے اس فعل پر) اپنے ہی (مرد عورتوں میں سے) چار گواہوں کی گواہی لیا کرو۔ پھر اگر چار گواہ گواہی دیدیں، تو ایسی عورتوں کو اُن کے گھروں میں الگ الگ نظر بند کر دیا کرو۔ یہانتک کہ انہیں (یعنی ان بدطینت عورتوں کو اس نظر بندی ہی میں) موت آجائے اور یا اللہ تعالیٰ انکی رہائی کی کوئی اور سبیل بنا دے (یعنی وہ توبہ کرلیں اور ان کے نکاح ہو جائیں)۔

مردوں مردوں کا باہمگر جنسی تسکین کے حصول کی کوشش کرنا • اوپر عورتوں عورتوں کے باہمگر جنسی تسکین کے حصول کی سزا بیان کیگئی ہے اور عین ربط کے مطابق اگلی آئت مجیدہ میں اُن مردوں مردوں کے باہمگر جنسی تسکین کے حصول کی سزا بیان ہو رہی ہے، جو باہمگر اُس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں جو فطری طور پر صرف منکوحہ عورتوں کیساتھ کرنے کی اجازت ہے:۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ
اور جو دو مرد لائیں دونوں سے تم میں سے۔ تو سزا دو دونکو پھر اگر
تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
دونوں توبہ کریں اور اصلاح کرلیں تو اعراض کرو اُن سے۔ بیشک اللہ ہے
تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ ١٦
معاف کرنیوالا مہربان

اور تمہارے مردوں میں سے جونسے دو مرد باہم گر اس فعل (غیر فطری جنسی تسکین) کے مرتکب ہوں۔ تو انہیں قرآنی سزا دیا کرو۔ (سو سو کوڑے لگاؤ $\frac{۲۴}{۲}$) پھر (اُن پر کڑی نگاہ رکھو) اگروہ توبہ کرکے دونوں اپنی اصلاح کرلیں (یعنی نیک چلنی کا عملی ثبوت پیش کریں) تو پھر اُن سے اعراض کرنا (یعنی پھر اُن کی نگرانی چھوڑ دینا)۔ بیشک اللہ تعالیٰ (توبہ اور اصلاح کرنیوالے لوگوں کو) معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

قرآنی اسلوب بیان ● قرآنِ کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ذکر آجائے تو ساتھ ہی اُسکے ضروری متعلقات کی وضاحت بھی کردیتا ہے۔ چنانچہ اس آئت مجیدہ میں چونکہ توبہ کا ذکر آیا ہے۔ اِسلئے اگلی آئت مجیدہ میں اس امر کی توضیح کردی گئی ہے کہ توبہ کا قرآنی قانون صرف اُن لوگوں کیلئے ہے جو بھول کر خطا کریں۔ اُنکے لئے نہیں جو گناہ کے عادی ہوکر مسلسل گناہ کرتے رہیں:۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
سوائے اسکے نہیں کہ توبہ اُوپر اللہ کے واسطے اُن لوگوں کے ہے جو عمل کریں
السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ
بُرا ساتھ نادانی کے پھر توبہ کریں قریب سے
فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
تو وہ ہیں کہ رجوع برحمت ہوتا ہے اللہ اوپر اُنکے۔ اور ہے اللہ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ١٧
بڑھکر علم والا اور حکمت والا

(ایمان والو سُن لوکہ) بیشک بیشک اللہ تعالیٰ پر اُن لوگوں کی توبہ کا قبول کرنا لازم آتا ہے، جو نادانی کیسبب بُرا عمل کربیٹھیں پھر وہ جلدی ہی لوٹ آئیں (یعنی بُرے عمل سے رُک جائیں۔ اور اپنی اصلاح کرلیں)۔
پس یہی لوگ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رجوع برحمت ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ (نے اس فیصلے سمیت تمام فیصلے علم و حکمت کی بنا پر کر رکھے ہیں۔ کیونکہ وہ) بہت بڑھکر علم رکھنے والا اور صاحب حکمت ہے

● واضح رہے کہ لفظ توبہ کی لغوی تحقیق آگے چل کر اپنے مقام پر پیش کی جارہی ہے۔ پہلے سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ پیش کیجاتی ہے۔ جس میں اُسی مضمون کو منفی صورت میں پیش کیا گیا ہے، جو آئتِ بالا میں مثبت انداز میں پیش ہوا ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری:۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ
اور نہیں ہے توبہ واسطے اُن لوگوں کے کہ عمل کریں بُرے
حَتّٰٓي اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ
یہانتک کہ جب حاضر ہو کسی اُنکے پر موت۔ کہے بیشک میں توبہ کرتا ہوں اب

اور اُن لوگوں کیلئے توبہ نہیں ہے (یعنی اُن لوگوں کی توبہ اللہ کے ہاں قبول نہیں جو مسلسل) بُرے عمل کرتے رہیں یہانتک کہ (اسی حالت میں) اُن میں سے کسی پر موت آجائے۔ تو اُسوقت کہے کہ مَیں اب توبہ کرتا ہوں (اب گناہوں سے کنارہ کش ہوتا ہوں)

بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶/۵۴﴾ ۔ شان یہ ہے کہ تم میں سے جو کوئی برا عمل کرے نادانی سے (جان بوجھ کر نہیں) پھر وہ توبہ کرے (لوٹ آئے) اور اپنی اصلاح کرلے تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

● تَابَ اِلَیْہِ کا معنیٰ ہے وہ اسکی طرف لوٹ آیا۔ اور تَابَ عَلَیْہِ کا معنیٰ ہے وہ اسکی طرف رجوع برحمت ہوا۔ جیسے کہ ۲/۵۴ میں فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِكُمْ کا معنیٰ ہے کہ لوٹ آؤ اپنے پروردگار (کے نازل کردہ ضابطۂ حیات) کیطرف۔ اور ۴/۱۷ میں یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ کا معنیٰ پیچھے گزر چکا ہے :۔ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع برحمت فرمائیگا۔ واضح رہے کہ فعل تَابَ یَتُوْبُ کا صلہ اِلٰی بندوں کیلئے آتا ہے۔ توبہ کرنے کیلئے یعنی برے اعمال سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطۂ حیات کیطرف لوٹ آنے کیلئے۔ اور اسکا صلہ عَلٰی اللہ تعالیٰ کیلئے آتا ہے، اسکے نازل کردہ ضابطے کیطرف لوٹ آنیوالے بندوں پر رجوع برحمت ہونے کیلئے۔

● نیز ہر تقاضائے وقت کے مطابق ناسازگار حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے ضابطۂ الٰہی پر عمل کرنیوالوں پر اللہ تعالیٰ کے رجوع برحمت فرمانے کیلئے بھی تَابَ یَتُوْبُ کا صلہ عَلٰی آتا ہے۔ جیسے کہ جب آنحضورؐ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے انتہائی ناسازگار حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے عین تقاضائے وقت کے مطابق ہجرت فرمائی، مکی صحابہ نے انتہائی تنگی کے وقت میں آنحضورؐ کی اتباع کی اور مدنی صحابیوں نے مہاجرین کی مدد کی تو اسوقت کیلئے سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے :۔

● لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹/۱۱۷﴾ ۔ اللہ تحقیق رجوع برحمت ہوا ہے اللہ اپنے نبی کے اور اوپر مہاجرین و انصار کے، جنہوں نے نبی کی اتباع کی تنگی کے زمانے میں، پیچھے اسکے کہ انکے ایک فریق کے ذہن قریب تھا کہ پھر جائیں۔ پس اللہ ان سب پر رجوع برحمت ہوا۔ بیشک وہ ان سب پر (یعنی نبیؐ، مہاجرین اور انصار کے مذکورہ بالا عظیم کردار کی بدولت) شفقت کرنیوالا مہربان ہے۔

نگاہِ بازگشت

● سورت مجیدہ زیر بحث النسآء کی ابتدائی آیات کریمات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ سورت اپنے نام کے مطابق عورتوں سے متعلقہ احکام کی حامل ہے۔ چنانچہ آیت نمبر ا میں عورت اور مرد کو ایک ہی جرثومۂ حیات کی پیدائش بتا کر اس نظریئے کا بطلان کردیا گیا ہے جو عورت کو حقیر قرار دیتا ہے۔ اور اعلان کردیا ہے کہ عورت مرد دونوں یکساں طور پر واجب التکریم ہیں نیز یہ بھی ابتداء ہی میں بتایا جا چکا ہے کہ عورت کی زندگی کا انتہائی گھناؤنا گوشہ وہ ہے جب اسکا خاوند فوت ہوجاتا ہے، جس سے وہ بھی بیوہ بے سہارا یتیم ہوجاتی ہے اور اسکے بچے بھی بے سہارا یتیم ہوجاتے ہیں۔ اسلئے آیت نمبر ۲-۵-۶ میں یتیموں سے متعلقہ جملہ مسائل کی وضاحت کردیگئی ہے۔ اور خود بیوہ بے سہارا یتیم عورتوں کو انکا حق زوجیت دلانے کیلئے ان ہنگامی حالات میں جب کبھی جنگ وباء یا کسی بھی وجہ سے یتیم بیوہ بے سہارا عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے بڑھ جائے تو ایک سے زائد دو دو یا تین تین یا چار چار تک نکاح کرکے بیوہ بے سہارا یتیم عورتوں کو معاشرہ میں کھپانے کا حکم آیت نمبر ۳-۴ میں دیدیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی مردوں کی وفات کی بدولت پیدا ہونیوالے بیوہ بے سہارا یتیم عورتوں اور بے سہارا یتیم بچوں کے مسائل بیان کرنے کے بعد عین ربط کے مطابق آیت نمبر ۷ تا ۱۴ میں مرنیوالوں کے چھوڑے ہوئے مال کے وارثوں، ذوالفروض اور زوجین کی ہر ممکن صورت کی طرز تقسیم کی وضاحت فرمادی ہے

• اسکے بعد پھر عورتوں ہی کے مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے عورتوں کا عورتوں سے جنسی تسکین حاصل کرنا۔ اُس سے متعلقہ حکم آئت نمبر ۱۵ میں دینے کے بعد، اسی ربط کے مطابق مردوں کے مردوں سے جنسی تسکین حاصل کرنے سے متعلقہ حکم آئت نمبر ۱۶ میں نازل کر دیا ہے۔ اور اِن گناہوں کے ذکر کے بعد عین ربط کے مطابق مسئلہ توبہ کی حقیقت آئت نمبر ۱۷-۱۸ میں نمایاں کر دی گئی ہے۔ اور اسکے بعد اگلی آئت مجیدہ نمبر ۱۹ میں پھر عورتوں ہی سے متعلقہ باقی مسائل کیطرف رُخ کرتے ہوئے اِس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ ہونیوالی بیوی کی رضامندی نکاح سے قبل حاصل کرنا ضروری ہے۔ جسطرح مردوں کو پسند کا حق حاصل ہے۔ اُسیطرح عورتوں کو بھی پسند کا حق دیا گیا ہے چنانچہ نکاح کے طلبگار مومنوں کو حکم ہُوا ہے:۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ
اے ایمان کے دعویدارو! نہیں ہے حلال واسطے تمہارے یہ کہ
تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا
وارث بنو عورتوں کے جبراً۔ اور نہ روکو انہیں تاکہ لے لو
بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ
کچھ حصہ اُس سے جو دیا ہے تم نے انہیں سوائے اسکے کہ وہ لائیں بیحیائی
مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ
ظاہر۔ اور مِل کر رہو اُن سے ساتھ معروف طریقے کے۔ پھر اگر
كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ
تم کراہت کرو اُن سے تو ہو سکتا ہے کہ تم کراہت کرو اُس چیز سے حالانکہ
يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ ۱۹
ٹھہرائی ہو اللہ نے بیچ اُسکے بھلائی بڑی

اے ایمان کا دعویٰ کرنیوالو! (یعنی امن کے ضامن بننے والو!) تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں (کی رضامندی کے بغیر) بجبرو اکراہ اُن سے نکاح کرو۔ اور (یہ بھی تمہارے لئے حلال نہیں کہ انہیں جبراً روک رکھو) مت روکو انہیں تاکہ تم نے جو مال انہیں دیا ہے (انہیں روک کر) اُس میں سے کچھ لے لو۔ سوائے اسکے کہ اگر وہ کھُلی بیحیائی کی مرتکب ہوں۔ (اس صورت میں انہیں دیا ہُوا مال تم واپس لے سکتے ہو اور (حکم دیا جاتا ہے کہ) تم اُنکے (یعنی اپنی بیویوں کے) ساتھ معروف طریقے سے رہو سہو۔ پھر اگر تم اُن سے کراہت کرو۔ تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک ایسی چیز سے کراہت کرو، کہ اُس میں اللہ تعالیٰ نے (تمہارے لئے) بہت زیادہ بھلائی رکھی ہو۔ (یعنی اُس سے تمہیں اولاد میسر آئے جو افزائش نسل کا موجب بھی ہو اور بڑھاپے میں خدمت بھی کرے)۔

ایک مرد کی صرف ایک بیوی

• اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے کہ پھر اگر تم نے کراہت کرتے ہُوئے بیوی کو طلاق دیکر کسی دُوسری عورت کے ساتھ بدلنا ہی ہو تو جو مال تم نے سابقہ بیوی کو دیا ہے اگر وہ کوئی خزانہ بھی ہو تو واپس نہ لینا:۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ
اور اگر ارادہ کرو تم تبدیل کرنیکا بیوی اور کو جگہ بیوی پہلی کے
وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ
حالانکہ دیا ہو تم نے کسی ایک کو اُن میں سے خزانہ۔ تو نہ لینا اُس میں سے

اور اگر (یہ حالت ہو کر) تم اپنی سابقہ بیوی کی جگہ کوئی اور بیوی تبدیل کرنے کا ارادہ کرو، حالانکہ اُن میں سے کسی کو تم نے (یعنی اُسکے شوہر نے اُسے اگر) کوئی خزانہ بھی دیا ہو تو اُس میں سے کچھ بھی واپس نہ لینا۔

شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۲۰
کچھ بھی ۔کیا تم لوگے اُسے ساتھ بہتان اور گناہ ظاہر کے

کیا تم وہ مال لوگے بیوی پر بدکاری کا بہتان باندھنے کا ظاہر گناہ کرکے؟ (ہرگز ایسا نہ کرنا تم تو امن کے ضامن ہونے کے دعویدار ہو۔ حالانکہ یہ اقدام امن پر نہیں بلکہ فساد پر مبنی ہے)۔ ؎

• ؎ آیتِ بالا میں مومنوں کو مخاطب کرکے اَتَاْخُذُوْنَهٗ کے استفہام انکاری کیساتھ کہا گیا ہے کہ کیا تم بیویوں پر بدکاری کا الزام لگا کر اپنا دیا ہُوا مال واپس لوگے؟۔ ایسا نہ کرنا۔ تم تو ایمان کے دعویدار ہو یعنی دنیا بھر کے امن کے ضامن ہو۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر اور فساد کیا ہو سکتا ہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق تو دو محض کراہت کی بدولت۔ اور اُس پر بہتان لگا کر اُسکی آئندہ کی ساری زندگی اغذار کرکے رکھدو۔ نیز اِس آیت میں استبدالِ زوج کے الفاظ سے یہ بھی بصورت نصف النہار عیاں ہے کہ عام حالات میں بیوی تبدیل تو کیجا سکتی ہے لیکن ایک سے زائد بیویاں بیک وقت نکاح میں نہیں رکھی جاسکتیں۔ پیچھے آیت مجیدہ ۴۳ میں چار تک کا حکم ہنگامی حالات کے لئے دیا گیا ہے عام حالات کیلئے نہیں۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بیوی پر بہتان باندھکر ظلم کیساتھ مال حاصل نہ کرنے کے لئے نکاح کا میثاقِ غلیظ، پکا عہد یاد کرایا گیا ہے۔

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى
اور کیسے تم لوگے اُسے حالانکہ بیشک پایا فیض بعض تمہارے نے طرف

بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۲۱
بعض سے اور لیا بیویوں نے تم سے عہد پکا۔

اور کس طرح تم لوگے (اپنا دیا ہُوا مال واپس اپنی بیویوں سے) جبکہ حالت یہ ہے کہ فیض حاصل کیا ہے تم نے آپس میں۔ (یعنی تم باہم جنسی تعلقات قائم کر چکے ہو۔ اور ایمان کے دعویدار) (نکاح کے وقت) تمہاری بیویوں نے تم سے اپنے الٰہی حقوق کا پختہ عہد لیا تھا۔

حرام عورتوں کی قرآنی فہرست

• اِس سے اگلی تین آیات کریمات میں اُن عورتوں کی فہرست درج کردی گئی ہے جن سے نکاح کرنا از روئے قرآن کریم حرام ہے۔ چنانچہ سرِ فہرست لایا گیا ہے سوتیلی ماں، یعنی باپ کی منکوحہ عورت کو۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ
اور نہ نکاح کرنا جس سے نکاح کیا باپوں تمہاروں نے میں سے عورتوں کے

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ
مگر جو گزر چکا ہے۔ بے شک وہ ہے بےحیائی اور مکروہ

وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۲۲ ع ۱۴
اور بُری ہے راہ

اور نہ نکاح کرنا اُن عورتوں سے جن کے ساتھ تمہارے باپوں نے نکاح کیا۔ مگر جو ایسے نکاح (تم نزولِ قرآن سے پہلے زمانۂ جہالت میں) کرچکے ہو (اُن پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی)، بیشک وہ بےحیائی اور مکروہ کام ہے۔ اور بہت بُری راہ ہے۔ ؎

• ؎ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ قبل نزولِ قرآن میں عربوں ۔۔ ہاں باپ کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کا رواج تھا۔ زمانۂ جہالت میں کئے گئے ایسے نکاحوں کو اسلئے بحال رکھا گیا ہے کہ اِس قسم کی ایسی عورتیں جن سے نکاح

اور اسکے بعد اولاد کا سلسلہ جاری ہو چکا ہو، انہیں طلاق دلوانا چونکہ مزید خرابیوں کا موجب ہو سکتا تھا، اسلئے اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کے الفاظ میں ایسی تمام خرابیوں کی روک تھام کردی گئی ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں سوتیلی ماؤں کے سوا باقی حرام عورتوں کی مفصل فہرست بالفاظِ ذیل پیش کیگئی ہے جو انتہائی قابلِ توجہ ہے:-

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ

حرام کیگئی ہیں اوپر تمہارے مائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری اور بہنیں تمہاری

وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ

اور پھوپھیاں تمہاری اور خالائیں تمہاری اور بیٹیاں بھائی کی اور بیٹیاں بہن کی

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ

اور مائیں تمہاری جنہوں نے دودھ پلایا تم کو اور بہنیں تمہاری دودھ شریک

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ

اور مائیں بیویوں تمہاری کی اور لڑکیاں پالی ہوئی تمہاری جو ہوں بیچ گود تمہارے کے

مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

اُن بیویوں تمہاری سے کہ داخل ہوئے تم ساتھ انکے۔ پھر اگر نہیں ہو تم

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِ

داخل تم ساتھ انکے پھر نہیں ہرج اوپر تمہارے اور بیویاں بیٹوں

كُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ

تمہاروں کی جو ہیں میں سے تمہاری پشت کے اور یہ کہ تم جمع کرو درمیان

الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

دو بہنوں کے۔ مگر جو گزر چکا۔ بیشک اللہ ہے بچاؤ دینے والا

رَّحِيْمًا ۙ ۲۳

مہربان

حرام کیگئی ہیں تم پر تمہاری مائیں (دادیاں نانیاں سب اوپر کی)[1] تمہاری بیٹیاں (پوتیاں نواسیاں پر پوتیاں پر نواسیاں وغیرہ سب نیچے کی)[2] اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہارے بھائیوں کی بیٹیاں (پوتیاں پر پوتیاں نواسیاں سب نیچے کی)[3] اور تمہاری بہنوں کی بیٹیاں (بھانجیاں پر بھانجیاں سب نیچے کی) اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو۔ (اور انکی مائیں دادیاں نانیاں وغیرہ)[4]۔ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں (اور انکی بیٹیاں پوتیاں نواسیاں وغیرہ)[5] اور تمہاری بیویوں کی مائیں (دادیاں نانیاں وغیرہ سب اوپر کی)[6] اور تمہاری وہ بیویاں جن سے تم نے خلوت کی ہو انکی سابقہ شوہر سے گود کی بیٹیاں کہ تم نے انہیں پالا ہے۔ (ان بیٹوں کی بیٹیاں پوتیاں نواسیاں وغیرہ سب نیچے کی)[7] پھر اگر تم نے نکاح کے بعد خلوت نہیں کی تو منکوحہ غیر مدخولہ بیوی کی بیٹی تم پر حرام نہیں۔ اور حرام کیگئی ہیں تم پر بیویاں تمہارے اُن بیٹوں کی جو تمہارے صلب سے ہوں۔ اور تم پر یہ بھی حرام کیا گیا ہے کہ تم ہنگامی حالات میں بیک وقت ایک سے زائد نکاح کرتے وقت دو سگی بہنوں کو جمع کرو)۔ مگر جو گزر چکا۔ (جنہیں تم زمانہ جہالت میں جمع کر چکے ہو اس پر کوئی گرفت نہیں)[8]۔ بیشک اللہ تعالیٰ بچاؤ عطا[9] فرمانیوالا اور بہت بڑھکر رحم فرمانیوالا ہے۔

● [1] اُمَّهٰتُكُمْ میں مائیں دادیاں نانیاں پر دادیاں پرنانیاں وغیرہ سب شامل ہیں اور سب حرام ہیں۔ اور یہ انتہائی عام فہم مسئلہ کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ دادی یعنی باپ کی ماں اور نانی یعنی ماں کی ماں بھی بدرجۂ اولیٰ مائیں ہیں نیز پر دادی یعنی دادے کی ماں اور پرنانی یعنی نانی کی ماں بھی بدرجۂ اولیٰ مائیں ہیں۔ اور ان سب پروالی ماؤں سے نکاح کرنا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ کے حکم خداوندی کے مطابق منع ہے۔ جو لوگ قرآن کریم کو ناکافی ثابت کرنے کیلئے اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو دادی پر دادی

کی حُرمت بیان نہیں کرتا۔ اُنہیں اس عام فہم مسئلہ ہی پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا دادی، یعنی باپ کی ماں، ماں نہیں ہے؟ العجب!

• ۵۷ اِسی طرح بَنٰتُکُمۡ کے الفاظ میں بیٹیاں، پوتیاں پرپوتیاں نواسیاں پرنواسیاں نیچے کی سب شامل ہیں اور یہ سب حرام ہیں اور یہ انتہائی عام مسئلہ بھی کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ پوتیاں پرپوتیاں وغیرہ نیچے کی سب بیٹیاں ہی تو ہیں اور حرام ہیں۔ جو لوگ قرآن کریم کو نامکمل ثابت کرنے کیلئے اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ پوتی پرپوتی کی حُرمت بیان نہیں کرتا۔ اُنہیں اس انتہائی عام فہم مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا بیٹے کی بیٹی اور بیٹی کی بیٹی بیٹی نہیں ہے؟ العجب!

• ۵۸ یہی صورت ہے بَنٰتُ الۡاَخِ کی کہ اس میں بھتیجیاں اور پربھتیجیاں وغیرہ نیچے کی سب شامل ہیں اور سب حرام ہیں۔

• ۵۹ نیز بَنٰتُ الۡاُخۡتِ میں بھانجیاں اور اُنکی بیٹیاں پربھانجیاں وغیرہ نیچے کی سب شامل اور سب حرام ہیں۔

• ۶۰ اُمَّهٰتُکُمُ الّٰتِیۡۤ اَرۡضَعۡنَکُمۡ کے الفاظ میں جب دودھ مائیں حرام ہیں تو عام فہم اصولِ بالا کے مطابق دودھ ماؤں کی اُوپر کی سب مائیں بھی حرام ہیں۔ کیونکہ سب نے بالترتیب اپنی اپنی ماں کا دودھ پیا ہے۔ اور دودھ کا اشتراک اُوپر تک موجود ہے۔

• ۶۱ اَخَوٰتُکُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ کے الفاظ میں جب دودھ بہن حرام کر دیگئی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ دودھ بہن کی بیٹی پوتی بھی حرام ہے۔ کیونکہ اُن سب کی اصل یہ دودھ ماں ہے اور وہ سب اسی اصل کی فرع ہیں۔ اسیطرح:-

• ۶۲ جب اُمَّهٰتُ نِسَآئِکُمۡ کے الفاظ میں ساسیں یعنی بیویوں کی مائیں حرام قرار دیدیگئی ہیں تو ظاہر ہے کہ اُنکی مائیں اور نانیاں دادیاں اُوپر کی سب حرام ہیں جسطرح ساسیں مائیں ہیں اسیطرح وہ سب مائیں ہیں۔

• ۶۳ رَبَآئِبُکُمۡ میں جب منکوحہ مدخولہ بیویوں کی سابقہ شوہر کی بیٹیاں حرام کر دیگئی ہیں تو مندرجہ بالا عام فہم مسئلہ کے مطابق اُنکی بیٹیاں پوتیاں اور نواسیاں وغیرہ نیچے کی سب حرام ہیں۔

• ۶۴ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ سے جو یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ سابقہ شریعتوں میں ہنگامی حالات کے بغیر عام حالات میں بھی ایک سے زائد نکاح کرنے کی اجازت تھی۔ یہ مطلقاً غلط ہے کیونکہ آنحضوؐر کو جو دین اور شریعت دیگئی تھی وہی سابقہ انبیاء کو دیگئی تھی:-

• شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوۡحًا وَّ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ وَ مَا وَصَّیۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسٰۤی ۴۲/۱۳ = ایمان والو! اللہ نے تمہارے لیئے اُسی دین کی شرع فرمائی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور اے رسوؐل! یہ اُسی دین کی شرع ہے جو ہم نے آپکی طرف وحی کیا ہے۔ اور یہ اُسی دین کی شرع ہے جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو دیا تھا — نیز فرمایا ہے:-

• لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۴ = اللہ تعالٰی کے کلمات، دین، شریعت کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

• لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ ۶/۱۱۵ = اللہ تعالٰی کے کلمات، دین، شریعت کو کوئی بدلنے والا ہے ہی نہیں۔

• مَا یُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَیَّ وَ مَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ۵۰/۲۹ = میری طرف سے بات، دین، شریعت بدلی نہیں جاتی اور نہ میں اپنی بات، دین، شریعت کو بدلکر اپنے بندوں پر ظلم کرنیوالا ہوں۔

• آگے بڑھنے سے پہلے یہ چیز بھی ذہن نشین فرما لیجئیگا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ الگ الگ نبیوں

دین کا شارع صرف اللہ تعالٰی ہے | کی الگ الگ شریعتیں تھیں اور نبیوں کو دین کا شارع کہا جاتا ہے، یہ نظریہ قرآن کریم کی رُو سے

نہ صرف یہ کہ غلط ہے، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے۔ سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے:۔

• اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۲۱/۴۲ کیا ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں جو اُن کیلئے دین کی شرع کرتے ہیں۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ اور (غیر اللہ کو دین کا شارع ٹھہرانا وہ ظلم عظیم ہے کہ) اگر فیصلے کا دن مقرر نہ کر دیا ہوتا تو اُنکے درمیان یہاں ہی فیصلہ کر دیا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظالموں (یعنی دین اللہ کے غیر اللہ شارع ٹھہرانیوالوں) کیلئے دردناک عذاب ہے۔

• پس آیاتِ بالا کی رُو سے سابقہ انبیاء کو دیگئی شریعتیں عین قرآنی شریعتیں تھیں۔ کسی بھی شریعت میں دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں جو منع کیا گیا ہے، یہ ہنگامی حالات میں ایک سے زائد نکاح کے وقت کیلئے ہے۔ اور اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ میں اس امر کی خبر دیگئی ہے کہ عرب میں نزولِ قرآن سے پہلے بیک وقت ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا بھی اُنکا معاشرتی رواج تھا اور بیک وقت دو سگی بہنوں کو جمع کرنا بھی اُنکے معمولات میں داخل تھا۔ اور یہ بالکل اُسیطرح ہے جسطرح پچھلے آیت نمبر ۲۲/۴ میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ عرب نزولِ قرآن سے پہلے باپ کی منکوحہ مدخولہ یعنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیا کرتے تھے جسطرح یہ چیز کسی سابقہ شریعت کی نہیں تھی، اُسیطرح ایک سے زائد نکاح اور دو سگی بہنوں کا اجتماع بھی کسی الٰہی شریعت کے مطابق نہیں تھا۔

• سوتیلی ماں اور دو سگی بہنوں کے قبل نزول کے نکاحوں کو قرآنِ کریم نے الگ الگ ۲۲/۴ میں اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کیساتھ اسلئے ناقابلِ گرفت قرار دیا ہے کہ اگر انہیں طلاقیں دلوا دی جاتیں تو ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔ کیونکہ اُنکے ہاں اولاد کا سلسلہ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی موجودگی اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ہی کی متقاضی تھی۔

• اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کے الفاظ میں اِسی اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کیطرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ برآنے والے مصائب سے حفاظت اور بچاؤ عطا فرمانیوالا ہے۔ اسلئے اُس نے ان چھوٹے چھوٹے بچوں کی ماؤں کو اُنکے سابقہ حال پر رکھ کر انہیں ایک نئی مصیبت سے بچا لیا ہے۔

نکاح والی عورت بھی نکاح کیلئے حرام ہے

• آیتِ بالا زیرِ بحث ۲۳/۴ میں اُن عورتوں کی مکمل فہرست دیدیگئی ہے جن کیساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ انکے سوا جن عورتوں کیساتھ نکاح کی اجازت دیگئی ہے۔ اگلی آیتِ مجیدہ میں ساتھ ہی، اُنہی کے متعلق واضح کر دیا گیا ہے کہ ان حلال عورتوں میں سے جو نکاح والیاں ہوں، وہ بھی ایک مخصوص استثنے کیساتھ حرام ہیں:۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ

اور نکاح والیاں میں سے عورتوں کے سوائے اُن کے جو مالک ہوئے

اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ ....

دائیں ہاتھ تمہارے۔ لکھا ہوا ہے اللہ کا اوپر تمہارے

اور حلال عورتوں میں سے تم پر (وہ عورتیں بھی حرام ہیں) جو نکاح والیاں ہوں۔ سوائے نومسلمہ بیاہی ہوئی عورتوں کے (جو مسلمان ہو کر تمہارے داہنے ہاتھ یعنی تمہارے قبضہ میں آجائیں۔ تم اُنکا امتحان کر لو ۱۰/۶۰۔ اور اسطرح اُنکا ازدواجی حق مہیا کرنا اسلامی معاشرہ کے ذمہ ہو جائے)۔ یہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کر دیا ہے۔

علہ • مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کی مکمل بحث پیچھے پہ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں گزر چکی ہے۔ ذہن میں دوبارہ تازہ فرمالیں صفحہ ۱۸۱پر۔

متعہ حرام ہے

• نکاح کی غرض مستی جھاڑنا نہیں۔ بلکہ:۔ افزائش نسل اور عمر بھر کیلئے ایکدوسرے کی زندگی کا ساتھی بنکر رہنا ہے۔ چنانچہ آئت مجیدہ کے اگلے الفاظ میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا
اور حلال کیگئی ہیں واسطے تمہارے سوائے مذکورہ بالا کے۔ یہ کہ طلب کرو تم
بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط فَمَا
ساتھ مالوں اپنوں کے۔ قیدِ نکاح میں رہنے والے نہ پانی بہانیوالے۔ پھر جو
اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
فائدہ اٹھاؤ تم ساتھ اسکے ان سے تو دے دو انہیں مہر ان کا
فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ
مقرر کیا ہوا اور نہیں ہرج تم پر بیچ اسکے کہ تم راضی ہوئے ساتھ اسکے پیچھے
الْفَرِيْضَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۲۴
مقرر کرنے مہر کے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہے بڑھکر علم والا حکمت والا

اور مذکورہ بالا عورتوں کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لئے حلال کیگئی ہیں۔ (شرط) یہ ہے کہ تم اُن سے نکاح کی طلب اپنے مال کیساتھ کرو۔ اور غرضِ نکاح، عمر بھر قیدِ نکاح میں رہنا ہو۔ صرف پانی بہانا نہ ہو (یعنی صرف وقتی طور پر جنسی تسکین غرضِ نکاح نہ ہو) پھر اُن عورتوں میں سے جن سے نکاح کا فائدہ اٹھاؤ تو اُنکے مہر جو مقرر کئے گئے ہوں اُنہیں بوقتِ نکاح بروقت دیدیا کرو۔ اور اس امر میں تم پر کوئی ہرج نہیں کہ مہر مقرر ہو چکنے کے بعد کسی امر پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ (یعنی کچھ رقم تمہاری بیویاں تمہیں اپنی خوشی سے واپس کر دیں)علہ بیشک اللہ تعالیٰ بڑھکر جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (یعنی اُسکے مذکورہ بالا جملہ احکام علم وحکمت کی اساس پر قائم ہیں۔

علہ • فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ کے الفاظ ہیں، جو فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً کے بعد آئے ہیں، اور جن میں باہمی رضامندی کیساتھ مقررہ زرِ مہر میں سے کچھ واپس لے لینے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے بھی فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کا معنیٰ دائمی نکاح ثابت ہے۔ کوئی نام نہاد میعادی نکاح (متعہ نامی) ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو عورت ایک دن کیلئے نکاح کرتی اور زرِ مہر حاصل کرتی ہے۔ اور جس لے اگلے دِن قیدِ نکاح سے خود بخود آزاد ہو جاتا ہے اُسے اپنے ایک دِن کے شوہر کیساتھ خاک محبت ہوگی کہ وہ اپنے مقررہ مہر میں سے ایک دِن کے خاوند کو کچھ دیدے۔

• واضح رہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ کے الفاظ سے متعہ کے نام نہاد نکاح کا جواز اخذ کرتا ہے حالانکہ یہاں مندرجہ بالا دلیل کی رُو سے بھی کسی میعادی نکاح کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ایک دِن کی بیوی، ایک دن کے شوہر کو اپنے مقررہ مہر میں سے پھوٹی کوڑی بھی واپس کرنے کیلئے تیار نہیں ہو سکتی۔ نیز واضح رہے کہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کی الگ بحث اپنے مقام پر آگے آ رہی ہے۔ کہ اِن لفظوں میں متعہ کا جواز اخذ کرنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔

متعہ کا مروجہ مفہوم

• مروجہ اصطلاحات میں متعہ کی تعریف یہ بیان کیگئی ہے کہ یہ ایک میعادی نکاح ہے: جو میعاد ختم ہونے پر بلا طلاق خود بخود ٹوٹ جاتا ہے۔ مثلاً ایک سال کا نکاح، چھ ماہ کا نکاح، ایک ماہ، ایک ہفتہ یا ایک دن کا نکاح

معاذ اللہ استغفر اللہ! مسلمانوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اوائل اسلام میں اس قسم کے نکاح کی اجازت تھی۔ جو زمانۂ رسالت ہی میں موقوف ہوگئی تھی۔ مگر دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ موقوف نہیں ہوئی تھی — واضح رہے کہ میعادی نکاح کا نظریہ آیت بالا کے مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ کے الفاظ کی سو فیصدی ضد ہے۔ کیونکہ اسلام میں ایک سیکنڈ کیلئے بھی کسی بھی متعینہ مدت کیلئے کئے گئے کسی میعادی نکاح کا تصور تک نہیں کیا جاتا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کسطرح نظریۂ متعہ کا بطلان کر رکھا ہے؟

• مُحۡصِنِیۡنَ کا لفظ مادہ ح۔ص۔ن حصن سے صیغہ جمع مذکر اسم فاعل ہے۔ حصن کہتے ہیں قلعے کو۔ اور مُحۡصِنِیۡنَ اسم فاعل کا معنیٰ ہے خود بھی قلعۂ نکاح میں قلعہ بند ہونیوالے اور بیویوں کو بھی نکاح کے قلعہ میں قلعہ بند رکھنے والے اور اس آیت سے اگلی آیت ۴/۲۵ میں منکوحہ عورتوں پر مُحۡصَنٰتٍ بصیغہ اسم مفعول قید لگا دی گئی ہے کہ وہ قلعہ بند رکھی جانیوالی ہوں۔ اس سے صرف دائمی نکاح مراد ہے کیونکہ ساتھ ہی غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ کی شرط لگا دی گئی ہے کہ صرف وقتی مستی جھاڑنے والیاں نہ ہوں — پس قرآن کریم کی بیان کردہ، نکاح کی مذکورہ بالا حدود و قیود کے مطابق یہ تصور کسی طرح بھی صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کہ مومن مرد عورتیں ایک دن کیلئے میاں بیوی بنیں، جو کھلے بندوں وقتی طور پر مستی جھاڑنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ اور مُحۡصَنٰتٍ غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ کی قرآنی شرط کے مطابق کسی جوڑے کے نکاح کی زنجیریں یا تو طلاق کیساتھ ٹوٹ سکتی ہیں اور یا شوہر کی فوتیدگی کے بعد عدت گزار کر بیوہ کے کسی دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد ٹوٹ سکتی ہیں۔

نکاح اور مسافحت کا فرق

• آیت بالا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کو حصن اور شوہروں کو مُحۡصِنِیۡنَ قرار دینے کے بعد اُن پر غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ کی شرط بھی عائد کر دی ہے۔ اور یہی شرط اگلی آیت مجیدہ ۴/۲۵ میں بیویوں کو مُحۡصَنٰتٍ قرار دیکر اُن پر بھی غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ کی شرط لگا دی ہے —— مُسٰفِحِیۡنَ اور مُسٰفِحٰتٍ کے الفاظ، مادہ س۔ف۔ح۔ سفح سے الگ الگ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر، اور اسم فاعل جمع مونث ہیں۔ اور سفح کا بنیادی معنیٰ ہے بہا دینا۔ ضائع کر دینا۔ اسطرح غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ کا معنیٰ یہ ہے کہ نکاح کرنیوالے مرد محصن بنکر رہیں، محض مادۂ تولید کے بہانے والے نہ ہوں یعنی شرط یہ لگائی ہے کہ نکاح کی غرض صرف مستی جھاڑنا نہیں، بلکہ قلعۂ نکاح میں محصن، قلعہ بند ہو کر رہنا اور افزائش نسل ہے۔ اسکے برعکس ایک دن، ایک ہفتے یا ایک مہینے کے نکاح کی غرض مستی جھاڑنے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اِسلئے متعہ نکاح کے ضمن میں ہرگز نہیں آ سکتا۔ کیونکہ ایسے ننگِ زماں فعل کی غرض صرف مادۂ تولید کا بہانا ہی ہو سکتی ہے، افزائش نسل ہرگز نہیں۔

• پس قرآن کریم کے الفاظ مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ اور مُحۡصَنٰتٍ غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ کے مطابق ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی رو سے متعہ سو فیصدی حرام ہے۔ اور اِسے نکاح کے نام سے موسوم کرنا سو فیصدی غلط ہے۔ نیز متعہ کے جواز سے متعلقہ وہ تمام روایتیں بھی غلط ہیں جو حضور رسولِ اکرم سیّدنا محمد و احمد عربی سلامٌ علیہ کیطرف منسوب کیگئی ہیں۔ اللہ بچائے توہینِ رسالت کے اس جرمِ عظیم سے۔

متعہ کے جواز کی کوشش روایات کی سند سے

• متعہ کے مسئلہ کو مسلمانوں کا ایک گروہ تو قرآن کریم سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ متعہ کو رسول اکرم نے اپنی زندگی میں چار مرتبہ حلال ٹھہرایا اور چار مرتبہ حرام ٹھہرایا تھا۔ انکا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ کے چوتھی مرتبہ حرام ٹھہرانے کے باوجود کچھ صحابہ اور صحابیات پھر

بھی مُتعہ کرتے رہے۔ حتّیٰ کہ حضرت ابُوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی بدستور مُتعہ ہوتا رہا۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اِسکی حُرمت کا بر سرِ منبر اعلان فرمایا۔ لیکن پھر بھی بعض صحابہؓ اور صحابیاتؓ پر بدستور عامل رہے۔ حتّیٰ کہ تابعین میں بھی مُتعہ بعض کے ہاں بدستور جاری رہا۔ چنانچہ:-

● ذیل میں موطا امام مالکؒ کا حوالہ پیشِ خدمت ہے جس میں خود آنحضور سیّدنا محمّد و احمدِ عربی کی زبانِ فیض ترجمان سے مُتعہ کی چار مرتبہ کی حلّت و حُرمت کا تصوّر پیش کیا گیا ہے۔ موطا امام مالکؒ مترجم مطبوعہ آرام باغ کراچی کے صفحہ ۵۰۴، سطر ۱ تا ۱۰ پر بالتفصیل درج ہے :-

" ائمۂ اربعہ اور جمہور کے نزدیک مُتعہ ناجائز ہے۔ اوائلِ اسلام میں مُتعہ درست تھا۔ پھر خیبر کے روز حرام ہُوا۔ پھر عمرۂ قضا میں درست ہُوا۔ پھر فتحِ مکّہ کے دن حرام ہُوا۔ پھر جنگِ اوطاس میں درست ہُوا۔ پھر حرام ہُوا۔ پھر جنگِ تبوک میں درست ہُوا۔ پھر حجّۃ الوداع میں حرام ہُوا۔ اِس بار بار کی حلّت و حُرمت سے لوگوں کو شبہ باقی رہا۔ بعض لوگ مُتعہ کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات ہُوئی۔ اور حضرت ابُوبکرؓ کی خلافت میں بھی ایسا ہی رہا۔ اِسکے بعد حضرت عمرؓ نے اِسکی حُرمت بر سرِ منبر بیان کی تب سے لوگوں نے مُتعہ کرنا چھوڑ دیا۔ مگر بعض صحابہؓ اِسکے جواز کے قائل رہے۔ جیسے جابرؓ بن عبداللہ، عبدؓاللہ بن مسعود، ابوسعید، معاویہ، اسماء بنت ابُوبکر، عبدؓاللہ بن عباسؓ، عمرؓو بن حویرث اور سلمہؓ بن الاکوع اور ایک جماعت تابعین میں سے بھی مُتعہ کے جواز کی قائل ہُوئی ہے۔"

● یہ موطا امام مالکؒ کا اقتباس ہے۔ کیا سمجھے آپ ؟ مُتعہ حلال ہے یا حرام ؟ آج حلال، کل حرام۔ پرسوں حلال، اترسوں حرام پھر حلال پھر حرام ۔۔ یہ اللہ کا دین ہے یا مذاق ؟ ۔۔ اور کیا اسلام میں عورت کا کوئی مقام ہے یا یہ صرف ایک کھلونا ہے ۔۔ پھر اگر رسُول مقبول کی سند سے بفرضِ محال مذکورہ بالا ناقابلِ قبول تصوّر ایک سیکنڈ کیلئے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آپؐ نے معاذاللہ معاذاللہ مُتعہ کو چار مرتبہ حلال اور چار مرتبہ حرام قرار دیا تھا۔ حالانکہ حضور اللہ کے رسُول تھے آپ کو نہ اللہ کے کسی حلال کو حرام کرنے کا حق حاصل تھا اور نہ اللہ کے کسی حرام کو حلال ٹھہرانے کا۔ لیکن پھر بھی اقتباسِ بالا کے مطابق یہ تو ماننا ہی پڑیگا کہ آخری مرتبہ مُتعہ حرام ہُوا تھا، حلال نہیں ہُوا تھا۔ لیکن بقولِ اقتباس پھر بھی بعض صحابہ مُتعہ پر عامل رہے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ آخر کار جب حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں مُتعہ کی حُرمت بر سرِ منبر بیان فرمائی تو اقتباسِ بالا کے مطابق پھر بھی بہت سے جلیل القدر صحابیؓ اور صحابیاتؓ مُتعہ کرتے رہے اور تابعین میں بھی مُتعہ ہوتا رہا۔

● نیز مذکورہ بالا موطا امام مالکؒ کے صفحہ ۵۰۴ کی سطر اوّل پر لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک مُتعہ ناجائز یعنی حرام ہے! اور اُسی صفحہ کی سطر ۱۹ پر درج ہے کہ "مُتعہ کرنیوالے پر بالاتفاق (ائمہ) زنا کی حد لازم نہیں آتی۔ حضرت عمرؓ نے ڈرانے کیواسطے یہ کہا، تاکہ لوگ مُتعہ سے باز رہیں"۔ اب بتائیے مُتعہ حرام ہُوا یا حلال ؟ اور حضرت عمرؓ کی پوزیشن کیا ثابت ہُوئی جن کے یہ ذمہ لگایا گیا ہے کہ آپ نے محض ڈرانے کیلئے مُتعہ کو حرام ٹھہرا دیا تھا۔ العیاذ باللہ!

برادرانِ عزیز! مُتعہ کی حقیقت وہی ہے جو آیتِ مجیدہ زیرِ بحث ۴/۲۴ کے الفاظ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ سے ظاہر ہے، مُتعہ حرام ہے ہرگز حلال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقدس رسُول نے کبھی ایک سیکنڈ کیلئے بھی مُتعہ کو حلال نہیں قرار دیا تھا۔ کتبِ روایات کا وہ مواد جس سے

ناموسِ رسُول، ناموسِ صحابہ و صحابیات داغدار ہوتی ہے وہ ہرگز صحیح نہیں ہیں۔

متعہ کے جواز کی کوشش قرآن کریم سے

• سطورِ بالا میں آپ اہلِ اسلام کے ایک گروہ کا نظریہ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ متعہ بسندِ رسُول مقبول چار مرتبہ حلال ہُوا اور چار مرتبہ حرام ٹھہرایا گیا۔ حجۃ الوداع میں آخری مرتبہ حرام ٹھہرانے کے باوجود ائمہ اربعہ کے ہاں اس حرام جنسی فعل کی کوئی سزا نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے محض ڈرانے کیلئے اسکی برسرِ منبر حرمت بیان کی تھی۔ اب آیئے اُس گروہ کے دلائل کیطرف جو ایک دن، دو دن، ایک ہفتہ اور ایک مہینہ، ایک سال کے میعادی نکاح کا ثبوت قرآن کریم سے پیش کرتا ہے۔ سیّد مقبول احمد صاحب کی مترجم حمائل شریف کے صفحہ ۱۲۹ پر فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ کا معنی لکھا ہے۔ پھر ان میں سے جن سے تم متعہ کرو تو مقرر کیا ہُوا مہر اُنکو دیدو۔

• پس فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ کے قرآنی الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کیا گیا ہے کہ ان الفاظ میں ایک دن، دو دن، ایک ہفتہ، ایک مہینہ، چھ ماہ، ایک سال وغیرہ کے میعادی نکاح کی اجازت دیگئی ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ماقبل دائمی نکاح کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اُس پر مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کی قید لگا کر میعادی نکاح سے مطلقاً روک دیا گیا ہے تو پھر کسطرح باور کیا جا سکتا ہے کہ ان الفاظ میں متعہ نامی کسی میعادی نکاح کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ اُسکا مہر بروقت ادا کر دیا کرو۔

• واضح رہے کہ جس لفظ سے متعہ یعنی میعادی نکاح کا جواز اخذ کیا جاتا ہے۔ وہ ہے:۔

اِسْتَمْتَعْتُمْ کی صرفی تحقیق

اِسْتَمْتَعْتُمْ۔ اس میں فعل اِسْتَمْتَعَ بابِ استفعال سے ہے۔ جس کا ایک ما مطلب ماخذ ہے۔ اور یہاں ماخذ ہے متع یعنی فائدہ اُٹھانا۔ اور چونکہ سیاقِ کلام میں مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کی شرط سے مشروط صرف دائمی نکاح کا ذکر ہے۔ اسلئے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ کا معنی اظہر من الشمس ہے کہ:۔

• پھر مذکورہ بالا حلال عورتوں میں سے جن سے تم دائمی نکاح کے فائدے کی طلب کرو تو اُنکے مہر، بوقتِ نکاح، بروقت ادا کر دیا کرو۔ غور طلب امر یہ ہے کہ نہ قواعدِ عرب کی رُو سے یہاں کسی میعادی نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے اور نہ سیاقِ کلام سے۔ تو پھر خدا جانے اسلام جیسے ارفع و اعلیٰ دین میں میعادی نکاح جیسا ادنیٰ ترین نظریہ کسطرح داخل کر دیا گیا ہے۔

متعہ کا مہر

• پس فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً سے نکاح کا مہر مراد ہے۔ اور فریضۃً میں اس امر کی خبر موجود ہے کہ مہر ہر مقام پر ہونیوالے شوہر کی حیثیت کے مطابق مقرر کیا جائیگا۔ اور نکاح سے ماقبل اسکا تعین ہو چکا ہونا ضروری ہے۔ پس کہا گیا ہے کہ ہونیوالی بیوی کا جو مہر مقرر ہو چکا ہے وہ نکاح کے وقت پُورے کا پورا ادا کر دیا کرو۔ ان لفظوں میں مہر نصف معجّل و نصف غیر معجّل کے مروجہ انداز کا ابطال کیا گیا ہے۔ لیکن فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً کو اگر متعہ کے مہر پر چسپاں کیا جائے تو ذیل کا منظر سامنے آتا ہے کہ:۔

• متعہ کا میعادی نکاح اگر ایک دن کیلئے ہوگا تو ظاہر ہے کہ اُسکا مہر ایک ہفتہ کے متعہ کے مہر سے کم ہوگا۔ اور اسیطرح ایک ہفتہ کے متعہ کا مہر ایک مہینے کے متعہ سے کم۔ تو اب غور طلب یہ امر ہے کہ ایسے نکاحوں کو جن میں مہر کی کمی بیشی شوہر کی حیثیت پر موقوف نہ ہو، بلکہ وقفۂ نکاح کی کمی بیشی کے مطابق عورت کے مہر کی مقدار گھٹتی بڑھتی چلی جائے، کوئی باغیرت باپ یا بھائی اپنی بیٹیوں اور بہنوں

کیلئے ایسے مہر برداشت کرسکتا ہے ؛ اور کم وبیش وقفۂ نکاح کے مطابق گھٹنے بڑھنے والا کم وبیش نام نہاد مہر، مہر کہلا سکتا ہے ؟ فَتَدَبَّرُوْا

رجوع الی المطلب

• مہر کی ادائیگی کو بروقت لازم قرار دینے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جو افراد ملکی مومنہ عورتوں کا مہر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ کافر معاشرہ سے آئی ہوئی نو مسلمہ عورتوں سے نکاح کریں جن کا مہر انکی حسب حیثیت مقرر ہو سکے ۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ
اور جو کوئی نہیں طاقت رکھتا تم میں سے یہ کہ وہ نکاح کرے
الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ [1]
خاندانی عورتوں مومنہ عورتوں سے پھر جو مالک ہوئے داہنے ہاتھ تمہارے
مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ
میں سے لازمہ عورتوں مومنہ سے اور اللہ جانتا ہے ساتھ ایمان تمہارے کے
بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ [2]
بعض تمہارے میں سے بعض کے ہیں پھر نکاح کرو ان سے ساتھ اجازت اہل انکے
وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ [3] مُحْصَنٰتٍ
اور دو انکو مہر انکے ساتھ طریقے جانے پہچانے کے قیدِ نکاح میں رہنے والیاں
غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ ....
نہ پانی بہانے والیاں اور نہ پکڑنے والیاں چھپے یار

اور جو کوئی تم میں سے اس چیز کی طاقت نہ رکھتا ہو کہ وہ نکاح کرے، خاندانی مومنہ عورتوں سے ۔ تو وہ کافر معاشرہ سے آئی ہوئی نو مسلمہ [1] خواتین، تمہاری مومنہ ملازمہ عورتوں سے (جن کے ایمان کا امتحان تم ملازم رکھکر کر چکے ہو ہے) نکاح کرلیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے ۔ (نو مسلم مرد عورتوں سمیت) تم سب ایکدوسرے میں سے ہو (یعنی ایمان کی رُو سے تم سب برابر ہو) پھر تم کافر معاشرہ سے آئی ہوئی نو مسلمہ عورتوں کیساتھ انکے وارثوں کی [2] اجازت کیساتھ نکاح کرنا (چھپا نکاح LOVE MARRIAGE (لَو میرج) نہ کرنا ۔ اور انکے مہر معروف طریقے کے مطابق (نکاح کے وقت بروقت) [3] ادا کرنا ۔ (شرط یہ ہے کہ) وہ نکاح دوام میں رکھی جانیوالیاں ہوں ۔ نہ صرف وقتی مستی جھاڑنیوالیاں اور نہ چھپے یار پکڑنیوالیاں ہوں ۔

• [1] مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کی بحث پیچھے آیت نمبر ۳ میں گزر چکی ہے صفحہ ۱۸۱ پر ۔

• [2] فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ کے الفاظ میں چھپے نکاح یعنی وارثوں کی اجازت کے بغیر کی جانیوالی شادی (لَو میرج) ہر حال میں مطلقًا حرام قرار دیدیگئی ہے ۔ غیر معاشرہ سے آئی ہوئی نو مسلمہ عورتوں کا اوّلین وارث مرکزِ ملّت ہے ۔ اور دوسرے نمبر پر مسلم معاشرہ کے وہ افراد انکے اہل وارث ہیں جنہیں مرکزِ ملّت انکے گارڈین ولی وارث مقرر کرے ۔

• [3] وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کے الفاظ میں نو مسلمہ خواتین کا حقِ مہر خاندانی مسلمہ خواتین کیساتھ برابر قرار دیا ہے ۔ باقی رہا مہر کی مقدار کا تعیّن وہ ہر مقام پر نکاح کے طلبگار مرد کی وسعت کے مطابق کم وبیش ہوگا، خواہ ہونیوالی بیوی خاندانی مومنہ عورت ہو یا نو مسلمہ خاتون ۔

نو مسلمہ خاتون کیلئے نصف سزا

• اوپر چونکہ آیت مجیدہ کے آخری الفاظ میں چھپی آشنائی سے منع کر دیا گیا ہے اسلئے عین ربطِ کلام کے مطابق اگلے الفاظ میں غیر مسلم معاشرہ سے آئی ہوئی نو مسلمہ خواتین کیلئے اگر وہ

بےحیائی کی مرتکب ہوں تو انکے لئے خاندانی عورت کی نسبت نصف سزا مقرر کیگئی ہے۔ یعنی سو کوڑوں کی بجائے نومسلمہ عورت کو پچاس کوڑے:۔

فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ

پھر جبکہ نکاح کرلیں تو پھر اگر آئیں ساتھ بےحیائی کے

فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ

تو اوپر انکے ہے آدھی سزا جو اوپر خاندانی عورت کے ہیں سے عذاب کے

ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا

وہ ہے واسطے اُسکے جو ڈرے بےحیائی سے تم میں سے۔ اور یہ کہ تم صبر کرو تو

خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۲۵ ع

بہتر ہے واسطے تمہارے۔ اور اللہ ہے بچانیوالا مہربان

پھر جب وہ (نومسلمہ خواتین) نکاح کرلیں۔ پھر اگر وہ بےحیائی لائیں (یعنی بدکاری کا ارتکاب کریں)

تو انکے لئے اُس سزا سے نصف سزا مقرر کیجاتی ہے جو خاندانی شادی شدہ عورتوں کیلئے مقرر ہے[ل]۔

مذکورہ بالا حکم (یہ) غیرمسلم معاشرہ سے آئی ہوئی نومسلمہ خاتون سے نکاح کرنے کا حکم تم میں سے اُسکے لئے ہے جو (خاندانی عورت سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا اور) جنسی بےراہ روی سے ڈرتا ہے۔ اور یہ کہ تم صبر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے[ل]۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر خطرے سے بچانیوالا مہربان ہے۔

بدکاری کی سزا

• لہ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ کے الفاظ میں ما ملکت ایمانکم کیلئے اُس سزا سے نصف سزا مقرر کیگئی ہے جو محصنٰت یعنی خاندانی عورتوں کیلئے قرآن کریم میں مذکور ہے۔ سورہ نور میں بدکاری کی سزا سو سو کوڑہ مقرر ہے:۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىۡ فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ [۲۴/۲] = بدکار مرد عورت دونوں کو الگ الگ سو سو کوڑے اسطرح لگاؤ کہ ضرب مضروب کی جلد پر اثر کرے۔ جَلۡدَةٍ، مادہ ج۔ل۔د = جلد سے ہے۔ اسلئے جَلۡدَةٍ سے مراد وہ ضرب ہے جو نہ اتنی نرم ہو کہ جلد پر اثر انداز ہی نہ ہو، اور نہ اتنی شدید ہو کہ جلد کو پھاڑ کر گوشت میں زخم کردے۔

• پس ثابت ہوا کہ نومسلمہ شادی شدہ عورت اگر بدکاری کی مرتکب ہو تو اسکی سزا پچاس کوڑے ہے۔

کتبِ روایات کی بوالعجبی

• قرآن کریم نے بدکار مرد عورت خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، دونوں کی سزا الگ الگ سو سو کوڑے مقرر کی ہے [۲۴/۲]۔ لیکن کتب روایات کہتی ہیں کہ کوڑوں کی سزا صرف غیر شادی شدہ بدکار مرد عورت کیلئے ہے۔ انکا کہنا ہے کہ شادی شدہ بدکار مرد عورت کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کریم کے طول و عرض میں بدکاری کی سزا سنگساری کہیں مذکور نہیں۔ سنگساری کی سزا کا شاخسانہ کتب روایات کا خود تراشیدہ ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ زیر آیت مجیدہ [۴/۲۵] میں شادی شدہ نومسلمہ عورت کی سزا خاندانی مسلمہ عورت کی سزا کا نصف بتائی گئی ہے۔ تو اب اگر بقول روایات شادی شدہ خاندانی عورت کی سزا سنگساری تسلیم کی جائے تو نومسلمہ شادی شدہ عورت کی سزا نصف سنگساری کا پیمانہ کونسا ہوگا؟ جس سے ناپ کر نصف سزا دی جاسکے۔

• لیکن اب چونکہ عملی صورت میں نصف سنگساری احاطۂ امکان ہی سے باہر ہے، اسلئے ثابت ہوا کہ یہ ناممکن العمل حکم حکم خداوندی ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ کتب روایات کی گوناگوں بوالعجبیوں میں سے ایک بوالعجبی ہے۔

آیتِ رجم

• نیز کتب روایات کی جرأت بیباک ملاحظہ ہو کہ نصف سنگساری کا ناممکن العمل حکم ذات باری کیطرف منسوب

کر رکھا ہے۔ تجرید بخاری شائع کردہ ملک دین محمد لاہور کے صفحہ ۱۰۴ پر حضرت عمرؓ سے روائت ہے:- "یقیناً اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کیساتھ مبعوث فرمایا۔ اور اُن پر اپنی کتاب نازل فرمائی۔ اسی نازل شدہ میں آئت رجم بھی ہے"۔ لیکن روائت کے برعکس مشاہدہ کی حالت یہ ہے کہ قرآن کریم میں آئت رجم یعنی ایسی کوئی آئت موجود ہی نہیں جسمیں یہ حکم دیا گیا ہو کہ شادی شدہ بدکاروں کو سنگسار کیا کرو۔ تو اس سے ثابت ہُوا کہ قرآنِ کریم میں آیۂ رجم نام کی کوئی آئت نازل نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے:- اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ۱۵/۹ = بیشک اپنے نصیحت نامہ قرآن کریم کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اِسکی حفاظت کرنیوالے ہیں۔ اگر مانا جائے کہ قرآن میں آیۂ رجم نازل ہُوئی تھی تو اللہ تعالیٰ کا وعدۂ حفاظتِ قرآن جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ!

• ۴ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ کے الفاظ میں ایک عظیم معاشرتی مسئلہ کیلئے مشورہ دیا گیا ہے کہ کافر معاشرہ سے آئی ہوئی نومسلمہ خواتین اگرچہ نکاح کیلئے حلال ہیں، لیکن اُنکے ساتھ نکاح کرنے سے پرہیز بہتر ہے۔ اُنکا نکاح کافر معاشرہ سے آئے ہُوئے نومسلم مردوں کیساتھ کیا جانا صحیح ہے۔ یاد رہے کہ میاں بیوی کے باہمی نباہ کے سلسلے میں طرزِ تمدن اور طریقِ بود و باش کی ہم آہنگی نہائت ضروری ہے۔ بعض دفعات یہی اختلاف میاں بیوی کے باہمی نباہ کی راہ میں سنگِ گراں بن جاتا ہے۔ اِسلئے کہا گیا ہے:- وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اور یہ کہ تم صبر کرو، انتظار کرو کہ تمہیں تمہاری زندگی کا ایسا ساتھی میسر آ جائے جس کی طرزِ بود و باش کی ہم آہنگی فریقین کی ازدواجی زندگی میں خوشگواریوں کا موجب ہو سکے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

• واضح رہے کہ کافر معاشرہ سے آئی ہُوئی نومسلمہ عورتوں سے اگر بدکرداری کا ارتکاب سرزد ہو تو اُن کی نصف سزا بھی اِسلئے مقرر کیگئی ہے کہ اُن پر اُس کافر معاشرہ کا اثر موجود ہوتا ہے جسمیں بےحیائی کو بےحیائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ جیسے کہ فی زمانہ عیسائی قوموں میں جنسی بے راہ روی کو جسے فریقین باہمی رضامندی سے اختیار کریں جرم نہیں سمجھا جاتا۔

• آیاتِ بالا میں بیان کئے گئے عائلی قوانین کے متعلق اگلی آئتوں میں ارشاد ہُوا ہے کہ سابقہ اُمتوں پر بھی یہی قوانین نازل کئے گئے تھے:-

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ
ارادہ کرتا ہے اللہ کہ بیان کرے واسطے تمہارے اور رہنمائی کرے تمہاری طریقے
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
اُن لوگوں کے جو ہوئے پہلے تم سے اور رجوع برحمت ہو تم پر اور ہے اللہ بڑھکر جاننے والا
حَكِيْمٌ ۝ ۲۶
حکمت والا

(مذکورہ بالا قوانین کی وضاحت کے ذریعہ) اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ وہ تم پر اُن مومنوں کے طور طریقے واضح کرے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اُنہی طور طریقوں کی راہنمائی کرے۔ اور اسطرح وہ (اپنے رحمت بھرے قوانین کیساتھ) تم پر رجوع برحمت ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑھکر جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

• سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ کے الفاظ میں اِس امر کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ ماقبل بیان کئے گئے عائلی قوانین جن میں حرام عورتوں کی فہرست بھی شامل ہے، یہ وہی ہیں جو سابقہ اُمتوں پر نازل کئے گئے تھے یعنی جسطرح مذکورہ بالا حُرمت قرآن کریم میں حرام

ہیں۔ اسیطرح سابقہ منزل من اللہ کتابوں میں بھی حرام تھیں جسطرح سوتیلی ماں سے نکاح کرنا۔ ہنگامی حالات میں دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا اور بہن بھائی کا نکاح قرآنِ کریم میں حرام ہے اسیطرح سابقہ منزل من اللہ کتابوں میں بھی حرام تھا۔ دو بہنوں کا اجتماع اور بھائی بہن کا نکاح سابقہ منزلی کتابوں کیطرف منسوب محض اور اُن پر بہتانِ عظیم ہے۔

ایک ضروری نوٹ

• یہاں تک آپ دیکھ چکے ہیں کہ آیت نمبر ۱۹ سے لیکر ۲۴ تک حرام عورتوں کی فہرست اور نکاح کے ضمن میں ضروری ہدایات دینے کے بعد آیت نمبر ۲۶ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ تمہیں اُن لوگوں کے راستوں کی راہنمائی فرمائے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس سے آگے آیت نمبر ۲۷ تا ۳۱ میں جملہ معترضہ کے طور پر انسانی ضعیف الاعتقادی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مقابلے پر عوام کو گمراہ کرکے اُنکے مال کھانیوالوں کے ارادوں کی خبر دیگئی ہے۔ اور ساتھ ہی تجارت کے پردے میں عوام کے اقتصادی قاتلوں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ اور ۲۷ تا ۳۱ کے بعد آیت نمبر ۳۲ میں پھر میاں بیوی کے مسائل کیطرف رجوع فرمایا ہے۔ اِس نوٹ کو ذہن میں رکھیں اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اپنی خواہشوں کی اتباع کرنیوالوں کے ارادہ کا قرآنی تقابل ملاحظہ فرمائیں:-

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ وَيُرِيْدُ
اور اللہ ارادہ کرتا ہے کہ رجوع برحمت ہو اوپر تمہارے اور ارادہ کرتے ہیں
الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا
وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں خواہشوں کی، کہ تم جھک جاؤ جھک جانا
عَظِيْمًا ۝ ۲۷
بڑا

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ (اپنے رحمت بھرے قانون کیساتھ) تم پر رجوع برحمت ہو۔ لیکن وہ لوگ جو (محض) اپنی خواہشوں کی اتباع کرتے ہیں (وہ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم (ضابطۂ خداوندی سے ہٹ کر غیر اللہ قوانین) کی طرف جھک جاؤ، بہت بڑا جھک جانا۔ (یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تم پوری طرح غیر قرآنی قوانین کے دائرے میں محدود ہو جاؤ)

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے ارادے کا تکرار تاکیدی کیساتھ مخصوص متبادل الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی نوعِ انسانی کے عوام کی ضعیف الاعتقادی کی خبر دیگئی ہے کہ خواہشات کی پیروی کرنیوالے اِنکی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اِنکا استحصال کرتے اور اُن پر بوجھ بنے رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ عوام پر سے اِن کے تمام بوجھ اُتار دے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ
ارادہ کرتا ہے اللہ کہ ہلکا کردے تم سے ۔ اور پیدا کیا گیا ہے
الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝ ۲۸
انسان کمزور

اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ (اپنے نازل کردہ وحی کے قانون کیساتھ) تم سے بوجھ ہلکے کرے لیکن انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے (یعنی وحی الٰہی سے دور رہکر ضعیف الاعتقادی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خواہشات کی پیروی کرنیوالوں کے بوجھ نیچے اور مسلّط کئے رہتا ہے)

• علہ انسان جو فضاؤں اور خلاؤں کو مسخر کرکے چاند تک جا پہنچا ہے۔ جس نے کائنات کی مہیب قوتوں پر قابو پایا اور پا رہا ہے، یہ انسان جسمانی اور ذہنی لحاظ سے کمزور نہیں۔ صرف اعتقادی کمزوری کا شکار ہو جاتا ہے۔ کہیں سورج چاند ستاروں کی پوجا کرتا ہوا

پایا جاتا ہے۔ اور کہیں گائے اور سانپ کو دیوتا مانتے ہوئے ہے۔ اور اسیطرح اپنی خواہشوں کی اتباع کرنیوالوں کے جنگل میں گرفتار ہو کر یہ تو انہیں اپنے اُوپر بوجھ بنائے ہوئے ہے۔ اور وُہ اِن سے نذریں وصول کرتے چلے جاتے ہیں۔

خواہشات کی پیروی کرنیوالے کون ہیں؟ وہ لوگ جو لوگوں پر بوجھ بنے ہوئے ہیں

• یہاں پہنچکر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواہشات کی پیروی کرنیوالے کون ہیں؟ اِس سوال کا جواب خود آیت مجیدہ کے اندر موجود ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں پر بوجھ بنے ہوتے ہیں۔ لوگوں کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اُٹھاکر اُنکا مال کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عوام پر سے اُنکے بوجھ اُتار نے کا ارادہ کرتا ہے۔ یہ پیر قسم کے لوگ ہیں۔ جو عوام کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں۔ تعویذ، گنڈے، دم، جھُو وغیرہ کے ذریعہ یہ تصوّر دیکر کہ اپنی کھیتی، جنس اور مویشی میں سے ہمارا مقررہ حصہ ہمیں دیتے رہو، تو تمہاری کھیتیوں، مویشیوں اور جنسوں میں برکت ہوگی۔ چنانچہ ضعیف لوگ (یعنی ضعیف الاعتقاد لوگ) اُنہیں ہر چیز سے حصہ ادا کرتے ہوئے اُنہیں اپنے اُوپر بوجھ بنائے رہتے ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ہر طریقے سے ناجائز مال کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ
اے وہ لوگو جو ایمان لاتے ہو نہ کھاؤ اپنے مالوں کو

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ
آپس میں ساتھ جھوٹ کے سوائے اسکے کہ ہو تجارت ساتھ رضامندی کے

مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
بیچ تمہارے۔ اور نہ قتل کرو اپنے لوگوں کو۔ بیشک اللہ ہے

بِكُمْ رَحِيمًا ۲۹
ساتھ تمہارے مہربان

اے ایمان والو! آپس میں ایکدُوسرے کے مال ناجائز طریقوں (رشوت بلیک دھاندلی، سود اور فریق ثانی کی ذہنی مجبوری سے فائدہ اٹھانے) کے ذریعہ نہ کھایا کرو۔ سوائے ایسی تجارت کے جس پر تم میں سے (بائع اور مشتری دونوں کسی مجبوری کے بغیر) راضی ہو اور دبا درہے کہ تجارت کے پردے میں) اپنے افراد کو قتل نہ کرنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ (جائز نفع کی اجازت کیساتھ بائع اور مشتری دونوں پر) رحمت کرنیوالا (مہربان) ہے۔

قتل مجازی

• ملہ آیت بالا میں ناجائز طریقوں سے مال کھانے کو فریق ثانی کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ جو بطور مجاز اقتصادی قتل کی خبر دے رہا ہے۔ اب ذرا غور فرمائیں کہ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ کے جملے میں کسطرح ہر قسم کے ناجائز طریقوں سے مال خوری حرام قرار دیدی گئی ہے۔ خواہ وہ رشوت ہو یا بلیک، ذخیرہ اندوزی ہو یا ملاوٹ، اور یا مشتری کی ذہنی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھانا، یعنی ادھار کے خریدار کو اُسکی ضرورت کی چیزیں مہنگے بھاؤ دینا وغیرہ سب باطل کی فہرست میں شامل ہیں کیونکہ ان ظلموں کی زد، جن افراد پر پڑتی ہے وہ یقیناً اقتصادی طور پر قتل ہو رہے ہوتے ہیں۔ نیز دیکھئے! کہ اِس اقتصادی قتل کی مختلف ممکن شقوں میں سے باری تعالیٰ نے بطور خصوص إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ کے الفاظ میں رضامندانہ تجارت کی اجازت دینے کے بعد کسطرح ساتھ ہی تجارت کے ذریعہ خریدار کے اقتصادی قتل سے منع کر رکھا ہے۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ اور خصوصاً تجارت کے پردے میں ناجائز نفع خوری کیساتھ آپس میں ایکدُوسرے کو قتل نہ کرتے رہنا۔

تجارتی منافع

• مقامِ افسوس ہے کہ سابقہ تفسیروں نے "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" کے الفاظ سے صدیوں سے یہ تصور دے رکھا ہے کہ ۱ دس بارہ روپے میں خریدی ہوئی چیز بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی کیساتھ بیس روپیہ، پچاس روپیہ بلکہ سَو دوسَو روپے میں بھی فروخت کی جائے تو جائز اور حلال ہے۔ ۲ اور اسیطرح اگر سَو دوسَو روپے کی قیمت کی کوئی چیز اگر باہمی رضامندی کیساتھ پچیس روپیہ میں خرید لی جائے تو درست ہے یعنی:۔

۱ سرمایہ دار لوگ جومئی جون کے مہینوں میں لاکھوں من گندم بیس پچیس روپیہ فی من خرید کر اُسے چھپا لیتے ہیں۔ وہ اسطرح دسمبر جنوری تک مصنوعی قحط پیدا کرکے اگر اُسے پچاس ساٹھ روپیہ فی من فروخت کریں تو جائز اور حلال ہے یعنی قحط زدہ لوگ بخوشی خاطر پچاس ساٹھ روپے من آٹا خرید رہے ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

۲ اور اسیطرح اگر کوئی مسافر کسی وجہ سے دورانِ سفر بے خرچ ہوجائے، اُسکے پاس دواڑھائی سَو روپے کی گھڑی ہو۔ اگر وہ اپنی وقتی مجبوری کی بدولت اُسے بیچنا چاہے تو اُس دواڑھائی سَو روپے کی چیز کو تیس پینتیس روپیہ میں خرید لینا بھی حلال ہے۔ کیونکہ گھڑی کا مالک اپنی رضامندی سے دواڑھائی سَو روپے کی چیز بیس پچیس روپے میں بیچ رہا ہوتا ہے۔ معاذ اللہ

عوام کا اقتصادی قتل

• برادرانِ عزیز! بائع یا مشتری کسی بھی فریق کی مجبوری سے فائدہ اُٹھاکر بیس پچیس روپیہ من کی خریدی ہوئی گندم پچاس ساٹھ روپیہ فی من بیچنا بھی حرام ہے۔ یہ غریب عوام کا اقتصادی قتل ہے وہ بیچارے اپنی وقتی مجبوری کے ماتحت بیس پچیس روپے من کی گندم چالیس پچاس روپے من خرید رہے ہوتے ہیں، برضا و رغبت ہرگز نہیں۔ نیز کسی بے خرچ مسافر کی دواڑھائی سو روپے کی گھڑی تیس چالیس روپے میں خریدنا بھی حرام ہے۔ وہ بیچارہ بھی اپنی وقتی مجبوری کے ماتحت اپنی عزت و آن کو بچانے کیلئے اِس اقتصادی قتل کو قبول کر رہا ہوتا ہے، برضا و رغبت ہرگز نہیں۔

• ایسی خرید و فروخت جس پر کوئی فریق اپنی وقتی مجبوری کی بدولت رضامند ہو رہا ہو، وہ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ کے ضمن میں ہرگز نہیں آسکتی۔ بلکہ ایسی خرید و فروخت کو آیت مجیدہ زیرِ بحث ۲۹ میں بے لوث رضامندانہ تجارت کی اجازت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے "وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" کے الفاظ میں ایکدوسرے کا اقتصادی قتل قرار دیا ہے۔

• فلہٰذا قرآنِ کریم کی رُو سے ایسی بیع و شرٰی مطلقًا حرام ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ عام چیزوں کے علاوہ اُن چیزوں کا نرخ بھی مقرر کرے جن کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ اسکے برعکس جو حکومت سرمایہ داروں کو لامحدود نفع اندوزی کی کھُلی چھُٹی دیدے۔ وہ حکومت بھی عوام کی اقتصادی قاتل ہے۔ اور اگر سرمایہ دار، حکومت کے مقررہ نرخوں سے زائد قیمتیں وصول کریں تو وہ بھی عوام کا خون چُوسنے اور اُنکے اقتصادی قتل کے مجرم ہیں۔

نظامِ سرمایہ داری

• سرمایہ دارانہ نظام میں من مانی نفع اندوزی کی بنیاد ہی اِس چیز پر قائم ہوتی ہے کہ عوام کو وقتی مجبوریوں میں مبتلا کر دیا جائے یعنی سرمایہ دار لوگ پہلے تو اپنے سرمایہ کے زور سے تجارتی مال کے ذخیرے خود خرید کر بلاک کر لیتے ہیں اور پھر جب مال کے ضرورتمند اِن سے خریدنے آتے ہیں تو ایک ایک روپیہ کے دس دس بیس بیس بنائے جاتے ہیں۔ اور اسطرح جب خریدار بیچارے اپنی مجبوری کے باعث سرمایہ دار کو مُنہ مانگے دام دینے پر رضامند نہیں بلکہ مجبور ہو جاتے ہیں تو سرمایہ دار سمجھ لیتے

ہیں کہ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" کی قرآنی شرط یہی ہے۔ حالانکہ ایسی ہی سرمایہ دارانہ چالوں کیساتھ غریب عوام کی جیبیں کاٹنے والوں کو آیتِ بالا میں عوام کے **اقتصادی قاتل** قرار دیا گیا ہے۔ نیز سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اِس انتباہ کے باوجود جو لوگ ایسی خونی یعنی اقتصادی قتل پر مبنی تجارت سے باز نہیں آئینگے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق آگ کی سزا کے مستوجب ہونگے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا
اور جو کوئی فعل کریگا مذکورہ بالا سرکشی اور ظلم کے ساتھ
فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى
پس ہم ڈالینگے اُسے آگ میں۔ اور ہے مذکورہ کام اُوپر
اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ ۳۰
اللہ کے آسان

اور (یا درکھو کہ) جو کوئی مذکورہ بالا فعل کا مرتکب ہوگا جو سرکشی اور ظلم ہے۔
تو ہم ضرور ضرور اُسے آگ (یعنی ناہموار معاشرہ کے جہنم میں داخل کرینگے)۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے (کوئی مشکل نہیں بلکہ بالکل) آسان ہے۔

• ۱؎ قرآن مجید میں نار کا لفظ حقیقی اور مجازی دونوں صورتوں میں استعمال ہُوا ہے۔ سورہ مائدہ میں نار بمعنی جنگ بیان ہوا ہے كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ ۵/۶۴ = لوگ جب جنگ کی نار (آگ) دھکاتے ہیں۔ سورہ نسآء میں یتیموں کے مال کو نار کہا گیا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۴/۱۰ = بیشک جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ جو ظلم ہے۔ سوائے اسکے نہیں کہ وہ اپنے پیٹوں میں نار (آگ) کھاتے ہیں۔ نیز قرآن کریم میں لفظ نار، جنّت کی ضد بھی بیان ہُوا ہے:۔

• لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ ۵۹/۲۰
= اصحاب نار اور اصحٰب جنت باہم برابر نہیں ہیں۔ (اللہ تعالیٰ کے ہاں) اصحٰب جنت کامیاب ہونیوالے ہیں۔

• اِسطرح جب ثابت ہوچکا کہ نار کا معنیٰ جنّت کی ضد ہے۔ تو اب جنّت جس کا معنیٰ باغ ہے۔ اُسکا ایک مخصوص معنیٰ ایسا نظام' ایسا معاشرہ بھی ہے جسمیں نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا، نہ بے علاج ہو، نہ بے مکان:۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا۱؎ فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۲؎ ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ = اے نوعِ آدم! تیرا حق ہے کہ نہ تُو اِس (جنّت) میں بھوکا رہے نہ ننگا، نہ تو اس میں پیاسا رہے، (یعنی نہ بے علاج ہو) اور نہ تُو دھوپ میں جلے (یعنی بے مکان بھی نہ ہو۲؎)۔

• ۱؎ لَا تَظْمَؤُا میں علاج کی پیاس کا ذکر ہے۔ کیونکہ پیاس کا تو بھوک کے رفع کیساتھ ساتھ ہی رفع ہونا لازم ملزوم ہے جب کسی مہمان کو کھانا کھلایا جائے تو پانی، کھانے کیساتھ ہی دیدیا جاتا ہے۔ چونکہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں خوراک لباس علاج اور مکان برابر کی اہمیت کے حامل ہیں، اسلئے لَا تَظْمَؤُا کے الفاظ میں جنت کی تعریف میں خوراک اور لباس کے بعد علاج کی اہمیت اُجاگر کرتے ہُوئے کہا گیا ہے کہ جنت وہ ہے جسمیں کوئی دوا کا پیاسا، یعنی بے علاج بھی نہ ہو۔

• ۲؎ وَلَا تَضْحٰى کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ جنّت وہ ہے جسمیں تُو دھوپ میں بھی نہ جلے۔ اب مکان ہی وہ چیز ہے جو خاندانوں کو دائمی طور پر دھوپ میں جلنے سے بچا سکتا ہے ۔ پس جب جنّت وہ ہے جسمیں نہ انسان بھوکا ہو نہ پیاسا۔ نہ بے علاج ہو نہ بے

مکان تو اسکی ضد نار کا معنیٰ کھل کر عیاں ہو چکا، وہ مقام یعنی وہ معاشرہ جس میں پوری انسانیت کیلئے بھوک ننگ بیماری سے بچانے اور بے کسی کے بلا کرایہ اپنے مکان کا انتظام نہ ہو۔ بالفاظِ دیگر نار اُس جہنمی معاشرہ کو کہا گیا ہے جس میں اکثریت بھوک ننگ بے علاجی اور بے مکانی کی گوناگوں بدحالیوں کی آگ میں جھلس رہی ہو۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں تجارت کے پردے میں باہمی قتل مجازی کو گناہ کبیرہ بتانے کے بعد اعلان کیا گیا ہے کہ اگر تم تجارت کے ذریعہ ایکدوسرے کے اقتصادی قتل سے باز آجاؤ تو ہم تمہاری بدحالیاں دور کر کے تمہیں باعزت معاشرہ میں داخل کر دینگے :۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ
اگر تم باز رہو اس کبیرہ گناہ سے کہ تم روکے گئے ہو اُس سے

نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا
ہم دور کر دینگے تم سے بدحالیاں تمہاری اور ہم داخل کرینگے تم کو جگہ

كَرِيْمًا ۝ ۳۱
عزت والی

اگر تم اُس گناہ کبیرہ (تجارت کے پردے میں ایکدوسرے کے اقتصادی قتل) سے باز آجاؤ جس سے تم منع کئے گئے ہو تو ہم تم سب کی بدحالیاں دور کر دینگے (یعنی ضرورت کی ہر چیز خوراک لباس علاج اور رہائش سب کو باقاعدہ میسر آنی شروع ہو جائیگی) اور ہم تمہیں عزت کے مقام (باعزت جنتی معاشرہ) میں داخل کر دینگے۔

میاں بیوی کی الگ الگ باہمی فضیلت

• جیسا کہ صفحہ ۲۲۰ پر دیئے گئے ایک ضروری نوٹ میں لکھا جا چکا ہے کہ آیت نمبر ۲۶ سے ۳۱ تک میں جملہ معترضہ کے طور پر چند ضروری ہدایات دی گئی ہیں۔ اور اگلی آیت مجیدہ میں پھر میاں بیوی کے باہمی تعلقات کے ایک اہم گوشے کی طرف رُخ کیا گیا ہے۔ جس کا ربط آیات مجیدہ ۱۹ تا ۲۵ کیساتھ ہے۔ جن میں حرام عورتوں کی فہرست، شرائطِ نکاح کی وضاحت مع حرمت متعہ، اور ہونیوالی بیویوں کے زرِمہر کی بروقت ادائیگی کے تاکیدی حکم کے علاوہ میاں بیوی کے متعلق ادرمیتہ سے مسائل کی تصریح کیگئی ہے۔ اسی کے ضمن میں زوجین کی ازدواجی زندگی کا ایک اہم گوشہ ہے "میاں بیوی کی الگ الگ باہمی فضیلت"۔ افسوس ہے کہ مذاہب عالم میں شوہر کو بیوی کا حاکم اور بیوی کو شوہر کی محض خادمہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ لیکن قرآن کریم وہ عظیم الشان عادل کتاب ہے جس نے ہر دو اصناف کو واجب التکریم قرار دیا اور دونوں کے متعلق اعلان کر رکھا ہے :۔

• وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۱۷ ۔ اور بیشک ہم نے نوعِ آدم کے مرد و عورت دونوں کو یکساں واجب التکریم قرار دیا ہے فلہذا قرآن کریم کی رو سے اس چیز کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا کہ عورت کوئی گھٹیا صنف ہے اور مرد بڑھیا۔ بلکہ ضابطۂ خداوندی نے جیسے کہ آپ پیچھے $\frac{4}{24\text{-}25}$ میں دیکھ چکے ہیں نکاح کے وقت خصوصیت کیساتھ عورت کی عزت افزائی کے طور پر میاں بیوی کا باہمی تناسب اسطرح قائم کیا ہے :۔

$$\text{شوہر + زرِمہر = بیوی } \frac{4}{24\text{-}25}$$

• چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں جن سے ایک عظیم غلطی کھائی گئی ہے۔ جن میں میاں بیوی دونوں کو تاکید کیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایکدوسرے پر جو الگ الگ فضیلت عطا فرمائی ہے، فریقین میں سے کسی جانب سے بھی اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے :۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ
اور نہ تمنا کرو جو فضل کیا اللہ نے ساتھ اُسکے بعض تمہارے کو
عَلٰی بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ
اوپر بعض کے واسطے مردوں کے حصہ ہے اُس سے جو وہ کمائیں
وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ
اور واسطے عورتوں کے حصہ ہے اُس سے جو وہ کمائیں۔ اور مانگو اللہ سے
مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ
میں سے فضل اُسکے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہے ساتھ ہر چیز کے
عَلِیْمًا ۳۲
خوب جاننے والا

اور تم (دونوں میاں بیوی) آپسمیں اُس فضیلت (کو پامال کرنے) کی تمنا نہ کرنا جو اللہ نے تمہیں ایکدوسرے پر الگ الگ عطا فرمائی ہے۔ (نیز حقوقِ ملکیت میں میاں بیوی باہم مساوی ہیں۔ بیوی بھی اپنی حدود میں رہکر کمائی کرسکتی ہے) جو کچھ مرد کمائے وہ اُسکی ملکیت ہے اور جو کچھ عورت کمائے وہ اسکی ملکیت ہے۔ تم دونوں اللہ تعالیٰ سے اُسکا فضل مانگتے رہو۔ (یعنی تم دونوں اپنے اندر زیادہ سے زیادہ اکتسابی صلاحیتیں پیدا کرتے چلے جاؤ) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے۔ (یعنی وہ دونوں صنفوں کی مضمر صلاحیتوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے، کیونکہ اُن صلاحیتوں کو اللہ نے خود پیدا فرمایا ہے)۔ ؏۳

اِس آیتِ مجیدہ سے حقوقِ ربوبیت کے خلاف عوام کو افیون پلانے کا کام لیا گیا ہے

• ؏۳ اِس آیتِ مجیدہ کے الفاظ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ سے سابقہ تفاسیر نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ اِس میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص مالدار ہے تو یہ اُس پر اللہ کا فضل ہے تم اُس فضل کی تمنا نہ کرنا جو تم سے الگ اللہ نے اُس پر کیا ہے۔ اور اِسطرح بھوکے ننگے عوام کو اِس آیتِ مجیدہ کے الفاظ کی افیون پلا دیگئی ہے کہ وہ اپنی بھوک ننگ کو اللہ کی دین سمجھیں اور اُسی میں حالِ مست رہیں۔ حالانکہ حقوقِ ربوبیت کے لحاظ سے کسی بھی فردِ انسانی کو کسی بھی فردِ انسانی پر کوئی فضیلت نہیں دی گئی۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:۔

• وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ = اے نوعِ انسانی! تم سب کا اِس زمین میں زندگی کے آخری دم تک کیلئے حقِّ مستقر بھی مسلّم ہے اور حقِ متاع بھی مسلّم ہے یعنی تمہارے ایک ایک فرد کو زندگی کے آخری دم تک کیلئے مکان بھی بلا کرایہ میسّر آنا چاہیئے اور ضروریاتِ زندگی بھی آخری دم تک کیلئے —— بدستور —— اور —— مسلسل میسّر آتی رہنی چاہئیں۔ نوعِ انسانی کے یہ بنیادی حقوق اسلامی حکومت کے ذمّہ ہیں کہ وہ ایسا متوازن نظام قائم کرے کہ ریاست کا کوئی فرد بھی نہ متوازن خوراک سے محروم ہو نہ مناسب علاج سے، نہ موسم کے مطابق لباس کا محتاج ہو اور نہ ہی بے مکان ہو۔

• فرعون جو اپنے زمانے میں ایک عظیم ریاست کا بادشاہ تھا اُس نے اپنے عوام کے ایک حصّے کو اُسکے حقوقِ ربوبیت سے محروم کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے فسادی (غاصب) قرار دیا ہے:۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ..... اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے زمین میں سرکشی کی یعنی اپنے عوام کو گروہوں میں تقسیم کردیا ایک گروہ کو (اسکے حقوقِ ربوبیت غصب کرکے) کمزور کردیا ..... بیشک وہ فسادیوں میں سے تھا۔

• افسوس ہے کہ سلسلۂ درس کی آئت زیرِ بحث ۴/۳۲ سے سابقہ تفاسیر نے بھوکے ننگے عوام کے مقابلے پر رزق میں ظالموں اور فسادیوں کی فضیلت کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے [illegible] میں ظلم، نفاق اور بادشاہِ وقت کی سرکشی اور طغیانی بتایا ہے۔ نیز سابقہ تفاسیر نے آئت مجیدہ ۴/۳۲ سے یہ تصور دیا ہے کہ اگر کسی شخص کو رزق میں صاحبِ فضیلت دیکھو تو تم اسکی فضیلت کی تمنا نہ کرنا۔ حالانکہ فرعون اور اسکی قوم کو جو بنی اسرائیل کے مقابلے پر رزق میں فضیلت حاصل تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرات موسیٰ و ہارون اپنے دونبی بھیجکر فرعون اور اسکی قوم کی فضیلت کے خلاف نہ صرف یہ کہ خود تمنا دلوائی، بلکہ خود مہم چلوا کر فرعون کو اسکے لشکروں سمیت غرق کر دیا اور اسکی فضیلت حکومت اور رزق کی فراوانی کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا: فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ...... وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ ۷/۱۳۶-۱۳۷ ۔ پس ہم نے انہیں سمندر میں غرق کر دیا اور اس قوم کو انکی حکومت کا وارث بنایا جو (انہی یعنی فرعونی حکومت کے ہاتھوں) کمزور کر دیئے گئے تھے۔ بالفاظِ دیگر قرآنی حقیقت یہ ہے کہ کسی کو حقوقِ ربوبیت سے محروم حکومت کرتی ہے اللہ نہیں کرتا۔ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ ایسا متوازن نظام قائم کرے جسمیں کوئی بھی فردِ انسانی اپنے حقوقِ ربوبیت سے محروم نہ ہونے پائے۔

• پھر سابقہ تفاسیر نے کسی صاحبِ فضل کے فضل کی تمنا تک کرنے سے روک دیا ہے۔ حالانکہ قرآنِ حکیم نے انتھک محنت اور کوشش کی تاکید کرتے ہوئے فیصلہ دیدیا ہے :- وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۵۳/۳۹ ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کیلئے وہی کچھ ہے جتنی کہ وہ کوشش کرتا ہے۔ المختصر آئت مجیدہ ۴/۳۲ غریبوں کیلئے بطور افیون نازل نہیں کیگئی۔ بلکہ اس میں اسکے اپنے سیاقِ کلام اور خود آئت مجیدہ کے داخلی الفاظ کے مطابق میاں بیوی کی باہمی فضیلت جو دونوں کو الگ الگ ایکدوسرے پر عطا کیگئی ہے، اسکی پامالی اور خلاف ورزی سے منع کیا گیا ہے۔ جیسے کہ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ، ان الفاظ میں میاں بیوی کی الگ الگ صلاحیتوں کی خبر دیگئی ہے کہ اللہ کے فضل کے حصول کیلئے دونوں میں اکتسابی صلاحیتیں موجود ہیں۔ عورت بھی بہترین ڈاکٹر بن سکتی ہے بہترین فلاسفر بن سکتی ہے۔ بہترین دستکارہ اور بہترین ڈیزائنر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پس کہا گیا ہے کہ فریقین کی مضمر صلاحیتوں کو اجاگر ہونے دو، پامال نہ کر دینا۔

• ۲۳ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ کے الفاظ میں یہ نہیں کہا گیا کہ تم اللہ کے فضل کیلئے اللہ تعالیٰ سے صرف سوال کرتے رہو، دعائیں مانگتے رہو۔ بلکہ جیسے کہ دعا اپنے آپکو حصولِ مدعا کی تحریک ہوتی ہے، یہ کہا گیا ہے کہ تم الگ الگ اپنے اندر زیادہ سے زیادہ اکتسابی صلاحیتیں پیدا کرتے چلے جاؤ۔

• ۲۴ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا صرف ایمان لانے ہی کیلئے نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ بلکہ سیاقِ کلام کے مطابق اسکا مفہوم یہ ہے کہ جس اللہ نے مردوں اور عورتوں کے اندر جو جو الگ الگ مضمر صلاحیتیں موجود کر دی ہوئی ہیں وہ انہیں خوب خوب جانتا ہے۔ اور تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے نصیحت کرتا ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کو بھی نہ ادنیٰ خیال کرو اور نہ مضمر صلاحیتوں سے عاری۔ واضح رہے کہ مذکر یا مونث اگر اسے اسکی مضمر صلاحیتوں کے مطابق ترقی کے مواقع مہیا کئے جائیں تو وہی فرد جسے نکما اور فضول سمجھ لیا گیا ہو وہی معاشرہ میں ستارہ بنکر چمک اٹھتا ہے۔

ایک سچا واقعہ | • ایک بالکل ناخواندہ عورت جسے خاوند نے جاہل اور احمق قرار دے رکھا تھا۔ اسی نے شوہر سے آزاد

ہو کر پڑھنا شروع کیا اور چند ہی برسوں میں ڈسپنسر بنی اور بالآخر ترقی کرتے کرتے ایم ۔ بی ۔ بی ۔ ایس ڈاکٹر بن کر پاکستان کے ایک سرکاری زنانہ ہسپتال کی انچارج ہوئی ۔ یہ ہمارا چشم دید واقعہ ہے ۔

مالِ وراثت میں بھی مرد عورت دونوں کے حقوق محفوظ ہیں

• چونکہ سلسلۂ درس کی آیتِ زیرِ بحث ۴/۳۲ میں مرد عورت کے الگ الگ حقوق ملکیت کی وضاحت کیگئی ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ = جو مرد کمائیں اُس میں اُنکا حصہ ہے اور جو عورتیں کمائیں اُس میں اُنکا حصہ ہے ۔ اِسلیئے اگلی آیت مجیدہ ۴/۳۳ میں فریقین کے اُن وراثتی حقوق کا بھی ضمناً ذکر کر دیا گیا ہے جو آیت مجیدہ ۴/۱۱-۱۲ میں پیچھے گزر چکے ہیں کہ والدین اور اقرباء کے مال متروکہ میں مرد عورت دونوں کے حصے مقرر کیئے جا چکے ہیں اور خود میاں بیوی کے چھوڑے ہوئے مال میں اُنکا الگ الگ حصہ مقرر ہے :-

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ
اور واسطے ہر ایک کے ٹھہرائے ہم نے وارث اُس سے جو چھوڑیں والدین

وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ
اور قریبی ۔ اور وہ جن سے عقد باندھیں دائیں ہاتھ تمہارے

فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
پس دو اُن کو حصے اُن کے ۔ بیشک اللہ ہے اوپر ہر چیز کے

شَهِيْدًا ۳۳ ع ۵/۲
گواہ

اور ہم نے (مرد عورت سب کے حقوق وراثت محفوظ کر کے) ہر ایک کے وارث مقرر کر دیئے ہیں اُس سے جو والدین اور قریبی چھوڑ جائیں ۔ اور وہ افراد جن سے تم آپس میں عقدی رشتے قائم کرتے ہو ۔ پس اُنہیں (ایکدوسرے کے مال متروکہ میں سے) اُنکے حصے دیا کرو ۔ (اس پر تم عمل کرو یا نہ کرو ۔ وہ اللہ اسے خوب جانتا ہے ، کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خود (عینی) گواہ ہے ۔

میاں بیوی کے فرائض کی تقسیمِ کار

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں شوہر کے فرائض مقرر کیئے گئے ہیں کہ بیوی کی ضروریات زندگی کا ضامن وہ ہے ۔ کیونکہ بیوی بیشتر وقت کیلیئے فطری طور پر معذور ہو کر رہ جاتی ہے ۔ ماہواری عارضے کے علاوہ حمل ، وضع حمل اور رضاعت وغیرہ اسکے فطری عوارض میں شامل ہیں ۔ اجرائے نسل کے ضمن میں مرد پر عورت کو کتنی فضیلت ہے کہ اسکے بغیر اجرائے نسل بالکل ناممکن ہے ۔ نیز بچہ کی پیدائش کے بعد رضاعت وغیرہ کے فرائض بھی شوہر ادا نہیں کر سکتا ۔ اولاد کی اولین تربیت گاہ آغوشِ مادر ہے ، فلہٰذا تقسیم کار کے لحاظ سے گھر کی سلطنت کے داخلی فرائض بیوی کے ذمہ ہیں قَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ۳۳/۳۳ " تم اپنے گھروں میں قرار و سکون اختیار کرو ۔ اور گھر بلو سلطنت کے خارجی فرائض کا ذمہ دار شوہر ہے ۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے :-

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ
مرد قائم کرنے والے ہیں عورتوں کو کیونکہ فضیلت دی

مرد (شوہر اپنی بیویوں) عورتوں کو کھڑا کرنیوالے (سہارا دینے والے) ہیں ، اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے (میاں بیوی دونوں)

اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ
اللہ نے بعض اُنکے کو اوپر بعض کے اور کیونکہ مردوں نے خرچ کیا مالوں اپنوں سے

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ
پس نیک عورتیں ہیں فرض شناس حفاظت کرنیوالیاں علیحدگی میں کیونکہ حفاظت کی

اللّٰهُ ۚ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ
اللہ نے۔ اور وہ عورتیں کہ خوف کرو تم اُنکی فرض فراموشی کا تو سمجھاؤ اُن کو

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ
اور الگ کردو اُن کو بیچ بستروں کے اور بیان کرو اُن سے (وجہ اس کی)

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۗ اِنَّ
پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو نہ تلاش کرنا خلاف اُنکے کوئی راستہ بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ ۳۴
اللہ ہے بلند شان عظمت والا

کو ایک دوسرے پر الگ الگ فضیلت عطا فرمائی ہے[۲] اور (مردوں کی فضیلت) اِسلئے ہے کہ وہ (عورتوں پر) اپنے مالوں میں سے مال خرچ کرتے ہیں پھر (عورتوں کو یہ فضیلت ہے کہ) نیکو کار عورتیں فرض شناس[۳]، (خاوندوں کی) عدم موجودگی[۴] میں اُنکے مالوں (اور اپنی عصمت کی) حفاظت کرنیوالیاں ہیں کیونکہ اللہ نے اُنہیں حفاظت کی صلاحیت عطا کی ہے اور وہ عورتیں جن سے تمہیں اُنکی فرض فراموشی[۵] کا خوف لاحق ہو جائے تو اُنہیں نصیحت کرو۔ (اگر نہ مانیں) تو (احتجاج کے طور پر) اُنہیں اپنے بستروں سے الگ کردو[۶] اور اُن سے (اِس علیحدگی کی) وجہ بیان کرو[۷]۔

پھر اگر وہ تمہارا کہا مانیں (یعنی تمہاری نصیحت اور احتجاج کے اثر سے فرض فراموشی ترک کردیں[۸]) تو پھر اُن کے خلاف کوئی راہ تلاش نہ کرنا[۹]۔ بیشک اللہ تعالیٰ (جو ایسے حکمت بھرے محکم نازل کرتا ہے) بہت بلند شان اور بڑی عظمت والا ہے۔

[۱] • اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ کا معنی سابقہ تفاسیر نے لکھا ہے :۔ مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اور اِسی تصور کے تحت اگلے الفاظ وَاضْرِبُوْهُنَّ سے اُنہیں مارنے پیٹنے کا جواز حاصل کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہاں وَاضْرِبُوْهُنَّ کا معنی اُنہیں مارنا نہیں بلکہ اُن سے بستر الگ کرنے کی وجہ بیان کرنا ہے جسکی تفصیل ضمنی نوٹ ۷ میں آگے آرہی ہے۔ پس قَوّٰمُوْنَ کا معنی حاکم ہرگز نہیں بلکہ لفظ قَوّٰمُوْنَ قوّام کی جمع ہے، جسکا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ و۔م = قوم۔ اِسکی ماضی ہے قَامَ بمعنی وہ کھڑا ہوا۔ اس سے اسم فاعل ہے قَائِمٌ = کھڑا ہونیوالا۔ اور قائم سے اسم مبالغہ ہے قوّام بمعنی بہت بڑھکر کھڑا ہونیوالا یعنی اپنے ساتھ دوسروں کو بھی کھڑا کرنے والا۔ قَامَ بمعنی اعتدال بھی ہے۔ اِسکے مطابق قوّام کا معنی ہے بڑھکر اعتدال قائم کرنیوالا۔ فلهذا اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ کا معنی ہوا، مرد عورتوں کو سہارا دینے والے ہیں۔ متوازن رکھنے والے ہیں۔ اور صنفی لحاظ سے بھی یہی معنی صحیح اور فِٹ آتا ہے۔ کیونکہ عورت ہر مہینے میں آٹھ دس دن کیلئے ماہواری عارضہ میں مبتلا رہتی ہے۔ اور پھر ایّامِ حمل، وضع حمل اور ایّامِ نفاس وغیرہ ایسے عوارض ہیں جو عورتوں کی صنف کیساتھ لازم ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِن دنوں میں عورتوں کو لازمی طور پر سہارے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

[۲] • فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کے الفاظ سے بصورتِ نصف النہار عیاں ہے کہ الگ الگ انداز کیساتھ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو ایکدوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہوئی ہے۔ قرآن مجید کے اِن الفاظ کے مطابق بھی مردوں کے عورتوں پر حاکم ہونے کا نظریہ سو فیصدی غلط ہے۔ کیونکہ اِن الفاظ میں کھُل کر عیاں کردیا گیا ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم نہیں بلکہ اپنے

اپنے اپنے دائرہ میں دونوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دیگئی ہے. بالفاظِ دیگر دونوں ہی ایکدوسرے سے افضل ہیں۔ اور واضح رہے کہ یہی معنے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ۱۷/۷۰ کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، جسمیں اعلان کیا گیا ہے کہ پوری نوعِ آدم یعنی مردوں اور عورتوں سب کو واجب التکریم ٹھہرایا گیا ہے۔ اِن میں سے کوئی بھی ایکدوسرے کا محکوم نہیں۔

• ۳ قٰنِتٰتٌ کا معنیٰ لکھا گیا ہے فرض شناس بیویاں۔ اِس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ ن۔ ت = قنت، جس کا بنیادی معنیٰ ہے فرضِ منصبی اور فرضِ منصبی ادا کرنا۔ اُس فرض کی ادائیگی میں لگے رہنا، جو اُس پر اُسکے خالق کی طرف سے فرض کیا گیا ہو۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے :- بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ ۲/۱۱۶ = بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، سب کا سب اُس (اللہ ہی) کی ملکیت ہے۔ (آسمانوں اور زمین کی) ہر چیز اُسی کی فرمانبردار ہے یعنی ہر چیز اپنے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں مصروفِ عمل ہے۔

• ۴ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ کا معنیٰ لکھا گیا ہے، خاوند کی عدم موجودگی میں اُسکے مال اور اپنی عصمت (جو خاوند کی امانت ہے) کی حفاظت کرنیوالیاں ہیں۔ عورت کی جبلت میں پاکبازی اور امانتداری کے جوہر کی فراوانی رکھدی گئی ہے۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ غریب ترین شوہر تک کی امانت بنکر زندگی گزار دینا اِسکا شعار ہے۔ خصوصاً شوہر کے غیب یعنی اسکی عدم موجودگی میں پاکبازی کا مرقع ثابت ہونا اسکی فطرت ہے۔ لفظ غیب، حاضر کی ضد ہے۔ واضح رہے کہ عورتوں کی اِسی مخصوص صفت کو اُجاگر کرکے اِسے فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ پر بطور دلیل لایا گیا ہے کہ صرف مرد ہی کو عورتوں پر فضیلت حاصل نہیں، بلکہ عورتوں کو بھی مردوں پر فضیلت حاصل ہے جن عورتوں میں حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ کی مخالفت پائی جاتی ہے وہاں خدا تعالیٰ کا کوئی باغی عنصر اثر انداز ہوچکا ہوتا ہے۔

• ۵ نُشُوْزَهُنَّ کا معنیٰ لکھا گیا ہے "اُنکی فرض فراموشی"۔ مروجہ تفاسیر و تراجم میں اِسکا معنیٰ لیا گیا ہے خاوند کی نافرمانی۔ یہ اُسی غلطی کا نتیجہ ہے جو خاوند کو عورت کا حاکم ٹھہرانے میں کیگئی ہے۔ حالانکہ آگے چلکر ۴/۱۲۸ میں یہی لفظ نشوز مردوں کیلئے بھی آیا ہے :- وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا = یعنی اگر بیوی کو اپنے خاوند سے نشوز کا خوف لاحق ہو جائے ـــ اسطرح اگر نُشُوْزَهُنَّ کا معنیٰ عورتوں کیطرف سے خاوندوں کی نافرمانی کرنا مانا جائے تو ۴/۱۲۸ میں نُشُوْزًا کا معنیٰ مردوں کیطرف سے عورتوں کی نافرمانی کرنا ماننا پڑیگا۔ نیز اگر اِس سے عورت پر مرد کی حاکمیت کا تصوّر اخذ کیا جائے تو مرد پر عورت کی حاکمیت بھی تسلیم پڑتی ہے فلہذا حقیقت یہ ہے کہ لفظ نشوز کا سہ حرفی مادہ ن۔ ش۔ ز = نشز ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے کسی چیز کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا۔ اور جب یہ لفظ میاں یا بیوی پر بولا جائے تو اسکا معنیٰ صاف ہے فرض ناشناسی کے ذریعہ اپنے مقام سے ہٹ جانا یعنی اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کرنا۔

• ۶ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ کے الفاظ، ترتیب کے لحاظ سے فَعِظُوْهُنَّ کے بعد آئے ہیں، یعنی پہلے اُنہیں نصیحت کرو کہ اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی کرنے سے باز آجائیں۔ لیکن اگر اُن پر زبانی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہو تو احتجاج کے طور پر اُنہیں خوابگاہوں سے الگ کردو۔ تاکہ یہ عملی اقدام اُن پر اثر انداز ہوسکے۔

• ۷ وَاضْرِبُوْهُنَّ کے الفاظ، ترتیب کے لحاظ سے وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ کے بعد آئے ہیں کہ تم اُنہیں بستروں سے الگ

کرنے کے بعد ساتھ ہی اُن پر اِس اقدام کی وجہ بیان کرو کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے؛ تاکہ تمہارا یہ اقدام اثرانداز اور کامیاب ہو جائے مادہ ضرب کا مصدری معنٰی بیان کرنا بھی ہے، جیسے کہ سورہ حج میں آیا ہے:- ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۲۲/۷۳ = ایک مثال بیان کی جاتی ہے اُسے کان کھول کر سنو ـــ افسوس ہے کہ سابقہ تفسیروں نے وَاضْرِبُوهُنَّ کا معنٰی لیا ہے کہ انہیں مارو پیٹو۔ یہ اُسی بنیادی غلطی کا نتیجہ ہے جو اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ سے مردوں کو عورتوں کا حاکم ٹھہرانے میں کی گئی ہے۔ اور وَاضْرِبُوهُنَّ پر ذیل کا ایک عجیب و غریب شانِ نزول بھی چسپاں کیا گیا ہے۔ اِس وقت تفسیر حسینی ہمارے سامنے کھلی پڑی ہے، جس کے صفحہ ۹۷ پر لکھا ہے:-

• (اردو ترجمہ) حبیبہ زوجہ سعد بن ربیعہ یا جمیلہ زوجہ ثابت بن قیس نے شوہر کی نافرمانی کی۔ اور شوہر نے اُسکے منہ پر تھپڑ مارا۔ وہ اپنے باپ کے پاس شکایت لیگئی۔ باپ بیٹی کو لیکر حضور رسالت میں حاضر ہُوا اور شکایت کی۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ قصاص لیا جائے۔ لیکن باپ بیٹی نے طلبِ قصاص کی غرض سے ابھی مسجد کے دروازہ کیطرف رُخ کیا ہی تھا کہ جبریلؑ آئت مجیدہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ لیکر آئے، کہ مرد عورتوں پر مسلّط ہیں اور اُنکی معیشت کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے باپ بیٹی کو آواز دی اور کہا کہ میں نے کچھ اور چاہا تھا اور اللہ نے کچھ اور چاہا ہے" ـــ واضح رہے کہ جو چیز آنحضورؐ کیطرف خلافِ قرآن منسوب ہو، وہ آنحضورؐ کا عمل ہرگز نہیں ہو سکتا۔

• ؎ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ کا معنٰی یہ نہیں ہے کہ اگر وہ تمہاری حاکمیت تسلیم کرلیں۔ بلکہ اِسکا معنٰی سیاقِ کلام کے مطابق یہ ہے کہ جب وہ تمہاری نصیحت بالبستر سے علیحدگی کے احتجاج کی بدولت تمہارا کہا مان لیں یعنی فرض فراموشی کو چھوڑ کر فرض شناس ہو جائیں۔ تو:-

• ؎ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا = پھر اُنکے خلاف کسی بھی قسم کی کوئی راہ تلاش نہ کرنا۔ لیکن اگر مذکورہ بالا طریقے سے میاں بیوی ازخود پُرسکون زندگی کی راہ تلاش نہ کر سکیں تو سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں فریقین کا جھگڑا نپٹانے کیلئے ذیل کا طریقہ بتایا گیا ہے:-

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا

اور اگر خوف کرو تم شقاوت کا بیچ دونوں کے تو مقرر کرو ایک ثالث

مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ

میں سے اہل شوہر کے اور ایک ثالث میں سے اہل بیوی کے۔ اگر ارادہ کریں دونوں

اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اصلاح کا تو موافقت پیدا کریگا اللہ بیچ دونوں کے۔ بیشک اللہ ہے

عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۳۵

خوب جاننے والا باخبر

اور (قرآنی معاشرہ کے اِس گوشہ کے عاملو!) اگر تمہیں اِس بات کا خوف لاحق ہو جائے کہ کسی جوڑے (میاں بیوی) میں شقاوت ؎ پھوٹ پڑی ہے تو ایک ثالث ؎ مقرر کرو خاوند کے خاندان سے اور ایک ثالث مقرر کرو بیوی کے خاندان سے۔ اگر وہ ثالث دونوں ارادہ کرینگے ؎ اصلاح کا تو اللہ تعالیٰ اُن دونوں (میاں بیوی) میں موافقت پیدا کریگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑھکر جاننے والا باخبر ہے۔ (وہ اُنکی نیتوں کو جانتا ہے کہ کیا وہ فی الواقعہ صلح کرانا چاہتے ہیں یا اُنکے ارادے ہی ٹھیک نہیں ؎)۔

• ملہ شقاق کا سہ حرفی مادہ ش۔ق۔ق یشقق ہے جسکا بنیادی معنی ہے پھٹ جانا۔ الگ الگ ہو جانا۔ دشمنی پیدا ہونا۔ آئتِ بالا میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی میاں بیوی کے درمیان پھوٹ اور باہمی علیحدگی کا خوف پیدا ہو جائے تو دونوں کے خاندانوں سے الگ الگ دو ثالث مقرر کر لو جو اُنکی صلح کرا دیں۔

• ملہ حَكَمًا کا معنی یہاں پر حاکم نہیں، بلکہ خود آئت مجیدہ کے اگلے الفاظ اِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا کے مطابق ثالث اور مصلح ہے جو اُن دونوں کی الگ الگ شکایات سُنکر اُن میں صلح کرا دیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ اگر دونوں ثالث نیک نیت اور حقیقی طور پر صلح کن اور صلح جو ہونگے، تو اللہ تعالیٰ متنازعہ جوڑے میں باہمی موافقت پیدا کر دیگا۔ اور بصورتِ دیگر اگر ثالث خود مُصلح نہیں ہونگے تو وہ خود ہی صلح اور اصلاح کے جملہ امکانات ختم کر کے رکھ دینگے۔

• ملہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا کے الفاظ میں اِس امر کی خبر دیگئی ہے کہ اگر ثالث دونوں، یا اُن میں سے کوئی ایک بظاہر صلح جوئی کا مظاہرہ کرتا اور بباطن صلح کی راہ میں خود روڑہ بنا ہُوا ہو، تو الگ الگ اکیلے یا دونوں کو جان لینا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ اُنکی اِس منافقت سے بھی باخبر ہے، اُنہیں ایسے اقدام سے باز رہنا چاہیئے۔

قرآن کریم کی بنیادی تعلیم

• واضح رہے کہ اِس سے آگے سلسلۂ درس کی اگلی آئتوں میں ایک طویل جملہ معترضہ لایا گیا ہے جو آئت نمبر ۱۲۷ تک پھیلا ہُوا ہے۔ اور عنوانِ بالا جسمیں عورت کیطرف سے نشوز یعنی فرض فراموشی کے خطرے کا حل بتایا گیا ہے۔ آئت نمبر ۱۲۸ میں پھر اِسی عنوان کیطرف رُخ کر کے مرد کیطرف سے نشوز یعنی فرض فراموشی کا حل واضح فرمایا ہے۔ اِس طویل جملہ معترضہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بنیادی تعلیم، خالص اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور معاشرہ کے اصلاحی احکام کیساتھ باندازِ ذیل شروع کیا ہے:۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ
اور حکم مانو اللہ کا اور نہ شریک لاؤ ساتھ اُسکے کسی چیز کو اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
ساتھ والدین کے احسان کرنا اور ساتھ صاحب قرابت کے اور بے سہارا اور

الْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ
وہ جن کا کاروبار ساکن ہو جائے اور ہمسایہ قریبی اور ہمسایہ اجنبی

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ
اور ہمسایہ دُور کا اور بیٹا راستے کا۔ اور مالک ہُوئے دائیں ہاتھ تمہارے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ۳۶
بیشک اللہ نہیں پسند کرتا اُسے جو ہے اِترانے والے فخر کرنیوالا

اور (ایمان والو! اکیلے) اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ اور اُسکے ساتھ کسی بھی چیز (زندہ یا مردہ انسان کسی جانور، کسی قبر یا مزار کسی بُت یا استھان) کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اور نیک سلوک کرنا اپنے ماں باپ کیساتھ، اور اپنے قرابتداروں کیساتھ اور بے سہارا لوگوں کیساتھ اور اُنکے ساتھ جن کا کاروبار (کسی بھی وجہ سے) ساکن ہو جائے۔ اور ہمسایہ قرابتدار کیساتھ اور ہمسایہ اجنبی کیساتھ۔ اور ہمسائے دُور کیساتھ۔ اور مسافر کیساتھ اور اپنے ملازموں کیساتھ (سب کیساتھ حُسنِ سلوک کیا کرنا)۔

بیشک اللہ تعالیٰ شیخی خوروں اور فخر کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا، (جو مذکورہ بالا افراد کے حقوق دبانے پر فخر کرتے ہیں)۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ
جو لوگ بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو ساتھ بخل کے
وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا
اور چھپا لیتے ہیں جو دیا انہیں اللہ نے، میں سے فضل اپنے کے۔ اور تیار کیا ہم نے
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ ۳۷
واسطے منکروں کے عذاب ذلیل کرنیوالا

یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بخل کرتے ہیں (یعنی معاشرہ کے حاجتمندوں پر مال خرچ نہیں کرتے) اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنیکا حکم دیتے ہیں (کہ معاشرہ کے حاجتمندوں پر مال خرچ نہ کرو) اور (خود ذخیرہ اندوزی کرکے) چھپا لیتے ہیں وہ مال جو اللہ نے انہیں اپنے کائناتی خزانوں سے عطا کیا ہے[۱][۲] حقیقت یہ ہے کہ ہمنے (اپنے ضابطے کا) انکار کرنیوالوں کیلئے ذلیل کرنیوالے عذاب کا فیصلہ تیار کر رکھا ہے[۳]

● ۱ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ میں يَكْتُمُوْنَ مادہ ک۔ت۔م و کتم سے ہے۔ جسکا معنی ہے چھپا لینا۔ سیاق کلام کے مطابق جہاں آیت نمبر ۲۹ میں ایسی تجارت سے منع کیا گیا ہے جس سے عوام کا اقتصادی قتل ہو رہا ہو، یہاں کتم کا معنی ذخیرہ اندوزی بھی ہو سکتا ہے جس کے ذریعہ عوام کیضرورت کی چیزیں چھپا لی جاتی ہیں تاکہ اس مصنوعی قحط کے ذریعہ عوام سے منہ مانگے دام وصول کرکے انکا اقتصادی قتل کیا جائے۔

● ۲ مِنْ فَضْلِهٖ سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ خزانے ہیں جو اس نے اپنی کائنات میں پھیلا دیئے ہیں۔ سرمایہ دار اللہ کے فضل کو ذخیرہ اندوزی کیساتھ روک لیتے اور عوام سے چھپا کر، ہر ضرورت کی چیز کا مصنوعی قحط پیدا کرکے تجارت کے پردے میں عوام کا اقتصادی قتل جاری رکھتے ہیں۔

● ۳ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔ رسواکن عذاب انکے لئے ہے جو ضابطہ الٰہی کا انکار کرنیوالے ہیں۔ ذلت عزت کی ضد ہے۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ وہ قومیں جو اپنے ہی معاشرہ میں اقتصادی قتل کی اساس پر قائم کردہ تجارت کے ذریعہ خود اپنے افراد کی مہذب ڈکیتی میں مصروف ہوتی ہیں۔ انکا مطمع نظر صرف حصول زر ہوتا ہے۔ ایسی قوموں کو اقوام عالم کی برادری میں انتہائی ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ بیرونی ممالک کیساتھ بھی تجارتی لین دین کرتے ہیں تو تجارتی مال میں ملاوٹ کرتے اور مقررہ معیار سے گرا ہوا مال سپلائی کرکے خود اپنے آپ کو اور اپنے ملک کو اقوام عالم میں ذلیل کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ دشمن ممالک تو پہلے ہی دشمن ہوتے اور انہیں ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن تجارتی بددیانتی کی بدولت پوری قوم دوست ممالک کی نگاہوں سے بھی اشک ندامت بنکر گر جاتی اور خداوندی فیصلے کے مطابق رسواکن عذاب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

دکھاوے کیلئے مال خرچ کرنیوالوں کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں ہے

● آیت بالا میں معاشرہ کے مہذب ڈاکوؤں اور بخل کے ذریعہ حاجتمندوں پر مال خرچ نہ کرنیوالوں کے ذکر کے بعد اگلی آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو کچھ نہ کچھ خرچ تو کرتے ہیں۔ مگر صرف نمود و نمائش کیلئے اور چاہتے ہیں کہ ہر طرف انکی سخاوت کا چرچا ہو۔ ایسے لوگوں کو اللہ اور قیامت کا منکر قرار دیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا
اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں مال اپنے دکھانے لوگوں کو اور نہیں

اور جو لوگ اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتے ہیں (اللہ کے ہاں انکی کوئی قیمت نہیں) حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ
ایمان رکھتے ساتھ اللہ کے اور نہ ساتھ دن آخرت کے اور جو کوئی کہ ہو
الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۞ ۳۸
شیطان واسطے اُسکے ساتھی پس بُرا ہے وہ ساتھ کی رُو سے

نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر جسمیں اعمال کا موازنہ کیا جائیگا ہے، اُنکا موازنۂ اعمال ہلکا ہوگا) حقیقت یہ ہے کہ (ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہوتا ہے) اور جسکا ساتھی شیطان ہو، وہ (شیطان) رفاقت کی رُو سے بہت ہی بُرا ہے۔

● اللہ تعالیٰ کا ہر باغی شخص شیطان ہے جو اللہ کی راہ میں غریبوں کی بھلائی کیلئے مال خرچ کرنے سے منع کرتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہُوا ہے:۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
اور کیا والا ہے اوپر اُنکے اگر ایمان لائیں ساتھ اللہ کے اور دن آخرت کے
وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ
اور خرچ کریں اُس سے جو رزق دیا اُنہیں اللہ نے اور ہے اللہ ساتھ اُنکے
عَلِيْمًا ۞ ۳۹
جاننے والا

اِس میں اُنکا کیا ہرج ہے اگر وہ اللہ پر اور آخرت (یعنی نتیجے) کے دن پر بھی ایمان لائیں (کیونکہ اللہ اور آخرت تو ناقابلِ انکار حقائق ہیں) نیز اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے (اُسکی راہ میں معاشرہ کے حاجتمندوں پر) خرچ کریں۔ (اور نمود و نمائش کے طلبگار نہ ہوں) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ہر عمل کو خُوب خُوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اِس عوامی غلط عقیدے کا بطلان کیا گیا ہے کہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ مومن کو اللہ تعالیٰ نے خود مومن بنایا ہے اور کافر کو اللہ تعالیٰ نے کافر و بخیل وغیرہ خود بنایا ہے۔ اِس غیر قرآنی اور باطل عقیدے کے مطابق ظاہر ہے کہ اگر اللہ نے کسی شخص کو کافر بخیل اور جہنّمی خود بنایا ہو تو یہ اُس پر بہت بڑا ظلم ہے۔ مگر ارشادِ باری ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ
بیشک اللہ ظلم نہیں کرتا مقدار ذرّہ کے اور اگر
تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا
ہو نیکی، تو زیادہ کرتا ہے اُسے اور دیتا ہے میں سے طرف اپنی کے بدلہ
عَظِيْمًا ۞ ۴۰
بڑا

بیشک اللہ تعالیٰ (وہ ہے کہ) وہ کسی پر ذرّہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا (لیکن لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں ۴۴/۱۰) بلکہ اگر لوگوں کا کوئی نیک عمل ہو تو اللہ تعالیٰ (اُسے اپنی طرف سے) بڑھا دیتا ہے ۶/۱۶۰۔ اور اپنی طرف سے اُسکا بہت بڑا بدلہ عطا فرماتا ہے۔

قیامت کے دن ہر اُمّت پر اُنہی میں سے گواہ لایا جائیگا

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ہر اُمّت صرف قانونِ خداوندی پر عمل کرنے کی مکلف قرار دیگئی ہے۔ قیامت کے دن ہر زمانے کے نیک لوگ اُس زمانے کے لوگوں پر بطور گواہ لائے جائینگے۔ اور ہر نبیؑ اپنے زمانے کے نیک لوگوں پر گواہ ہوگا کہ اللہ کا پیغام اُسکی مخلوق تک پہنچ چکا تھا چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ
پھر کیا حال ہوگا جب لائینگے ہم میں سے ہر اُمت کے ایک گواہ اور
جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ ۴۱
لائینگے ہم ساتھ تیرے ان پر گواہ

پھر (قیامت کے دن) جب ہم ہر اُمت میں سے (اُس زمانہ کا) گواہ لائینگے۔ اور (اے رسول!) آپکو ہم (ان آپکے زمانے کے لوگوں) پر گواہ لائینگے۔ (کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام یعنی نازل کردہ ضابطۂ حیات سب لوگوں تک پہنچ چکا تھا)۔

اُس دن کوئی بات چھپ نہ سکیگی

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنی نافرمانیوں پر افسوس تو کرینگے لیکن اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپا نہیں سکینگے۔ ملاحظہ فرمائیں ارشادِ باری:۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ [1]
اُسدن چاہینگے وہ جنہوں نے انکار کیا اور نافرمانی کی رسول کی
لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ [2] وَ[3]لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ
کاش برابر ہو جائے ساتھ اُنکے زمین اور نہ چھپائینگے وہ اللہ سے
حَدِيْثًا [4] ۝ ۴۲ ع ۶
کوئی بات

اُس (قیامت کے) دن وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا، یعنی اُس ضابطے کی نافرمانی کی جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ نازل فرمایا ہے۔ وہ آرزو کرینگے کہ کاش اُن پر زمین برابر ہو جائے (یعنی وہ زمین میں غرق ہو جائیں اور اُنکے اُوپر زمین باہم ملکر برابر ہو جائے) کیونکہ وہ اُسدن اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی چیز چھپا نہیں سکینگے (سب کچھ کھل کر عیاں ہو جائیگا)۔

• ۱ اَلرَّسُوْل کا معنی بشری رسول بھی ہے اور وہ تنزیلی کتاب بھی، جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے اُسکے بشری رسول ہی کے ذریعہ نازل کیگئی ہوتی ہے۔ بشری رسول کی نافرمانی اللہ کی کتاب کی نافرمانی ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ کا رسول اللہ تعالیٰ کی کتاب کا سو فیصدی متبع ہوتا ہے۔ جیسے کہ خود آنحضور کا اعلان قرآن کریم میں موجود ہے:۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۔ ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۴۶/۹ = سوائے اسکے نہیں کہ میں صرف اور صرف اُس ضابطے کا متبع ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

• ۲ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ کا معنی صاف ہے کہ قیامت کی ناکامی پر ضابطۂ الٰہی کے نافرمان آرزو کرینگے کہ وہ زمین میں غرق ہو جائیں اور اُنکے غرق ہونے کے بعد زمین اُن پر برابر ہو جائے۔ تاکہ اُسدن ناکامی کی ندامت سے بچ جائیں۔ لیکن ایسی آرزوئیں اُسدن ہرگز پوری نہیں ہو سکینگی۔ عمل کا وقت آج ہی میسر ہے۔ جو کوئی چاہے توشۂ آخرت آج تیار کر سکتا ہے۔

• ۳ واؤ بمعنی کیونکہ کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۸

• ۴ قیامت کے دن کسی بات یا کسی عمل کا چھپ سکنا صرف محال ہی نہیں بلکہ مکمل طور پر ناممکن ہے جس ذاتِ باری نے اِس دنیا میں ہر آواز کو محفوظ کرنے کیلئے ٹیپ ریکارڈ کا سامان اِس کائنات میں مہیا کر رکھا ہے۔ اور ہر انسان کے ہر عمل کو فلم کی صورت میں محفوظ کرنے کیلئے ٹیلیویژن کے پورے اسباب اِس کائنات میں مہیا کر دیئے ہوئے ہیں، کیا قیامت کو ایسا ہونا ناممکن ہے کہ جو کچھ کسی نے کیا ہو عدالتِ خداوندی میں اُسکے اپنے ہاتھ اور پیروں کے ٹیپ سے سب کچھ اُسے سنوا دیا جائے۔ جیسے کہ سورہ یٰسین میں آیا ہے:۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ۳۶/۶۵ = اُس

دن ہم اُنکے مُونہوں پر مُہر کر دینگے اور ہم سے کلام کرینگے اُنکے ہاتھ اور گواہی دینگے اُنکے پیر، جوکچھ کہ وہ کسب کیا کرتے تھے۔
اور اسی طرح جوجوعمل کوئی شخص دُنیا کی زندگی میں بجالایا ہو، وہ سب کچھ اُسکے دیکھتے دیکھتے اُسکی نظروں کے سامنے ٹیلیویژن فلم کی صورت میں حاضر کر دیا جائیگا۔

صلوٰۃ موقّت معاشرہ کی اِصلاح کا نقطۂ آغاز ہے

• آیاتِ مجیدہ مذکورہ بالا میں معاشرہ کے اقتصادی اور عائلی گوشوں کے اصلاحی قوانین کی وضاحت کے بعد اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا جارہا ہے کہ قرآنی معاشرہ کے قیام و استحکام کے لئے صلوٰۃ موقّت کو (جسے عرف عام میں نماز کہا جاتا ہے) بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ واضح رہے کہ صلوٰۃ موقت ہی وہ چیز ہے کہ اگر اسے معاشرہ کی اصل و بنیاد قرار دیا جائے۔ اور صلوٰۃِ موقت (نماز) کی غرض و غائت قرآنی معاشرہ کا قیام و استحکام ہو تو نہ صرف یہ کہ معاشرہ ہی قرآنی خطوط پر تشکل ہو جاتا ہے، بلکہ صلوٰۃ (نماز) پر وارد کیا گیا آئے دِن کا یہ اعتراض بھی رفع ہو جاتا ہے کہ نماز ایک عمل بیکار ہے جس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جسطرح سابقہ اُمتوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کیا اُن میں ایسے ناخلف پیدا ہوئے، فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ:۔

• کہ جنہوں نے اصل مقصدِ صلوٰۃ کو ضائع کرکے اپنی اپنی خواہشوں کی پیروی شروع کر دی:۔ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ ۱۹/۵۹۔ ان آیات کریمات سے ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃِ موقت کی غرض و غائت لوگوں کی ذاتی خواہشوں کی ضد ہے لوگ چاہتے ہیں کہ ہر جائز اور ناجائز طریقے سے مال حاصل کیا جائے۔ مگر صلوٰۃ اس سے منع کرتی ہے۔ حضرت شعیبؑ نے جب قوم کو ذخیرہ اندوزی اور تول میں ڈنڈی مار کر روپیہ اکٹھا کرنے سے منع کیا تو قوم نے کہا:۔

• قَالُوا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۱۱/۸۷ = قوم نے کہا اے شعیبؑ کیا تیری صلوٰۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اُنکی فرمانبرداری چھوڑ دیں جن کے ہمارے آبا و اجداد کیا کرتے تھے اور ہم وہ انداز بھی چھوڑ دیں جو ہم اپنے مالوں (کے کمانے اور خرچ کرنے) میں اختیار کئے ہُوئے ہیں۔

• دیکھا آپنے! کہ صلوٰۃ (نماز) کا تعلق ایمانیات اور معاشرہ کے ہر گوشہ کیساتھ برابر کا قائم ہے۔ بالفاظِ دیگر صلوٰۃ (نماز) ایک عظیم اجتماعی نظام کا نقطۂ آغاز ہے جس کے مومن کہلانیوالے عوام، ایمان و اعمال ہر دو کے لحاظ سے ایک ہی نقطۂ نگاہ کے حامل ہوتے ہیں۔ کوئی فرد یہ کہہ کر کہ فلاں عقیدہ چونکہ ہمارے آباؤ اجداد کا ہے، اسلئے یہ صحیح ہے، نہ عقیدہ کے لحاظ سے کتابِ خداوندی کی مخالفت کرسکتا ہے، اور نہ مال کما لے اور نہ اُسے خرچ کرنے کے ضمن میں من مانے انداز اختیار کرسکتا ہے۔ بلکہ صلوٰۃ موقت کے اُس اجتماعی نظام میں جو مسجد کے اندر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے سے شروع ہوتا ہے، کوئی شخص ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور دوسرے فریب کارانہ ہتھکنڈوں کیساتھ ایسا تجارتی انداز اختیار نہیں کرسکتا جس سے عوام کا اقتصادی قتل واقع ہو۔ اور نہ کوئی شخص اپنے کمائے ہوئے مال میں سے اللہ کے حق زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی سے انکار کرسکتا ہے قرآنی معاشرہ خدمتِ خلق کے جذبہ پر قائم ہوتا ہے، جسمیں نہ کوئی بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا نہ بے مکان ہوتا ہے نہ بے علاج ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ اور ۱۱/۸۷ کے مطابق اِس نظامِ صلوٰۃ میں، حضرت شعیبؑ کی صلوٰۃ ہر ہر فرد پر پابندی عائد کرتی ہے کہ خالص قرآنی عقیدہ اپنایا جائیگا

اور ہر ذریعہ معاش میں خواہ وہ تجارت ہو یا زراعت، صنعت ہو یا ملازمت، مزدوری ہو یا دستکاری، ہر مقام پر، وہ خالص قرآنی انداز اختیار کرنا ہوگا جس میں عوام کے اقتصادی قتل کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔ بلکہ ہر شخص دوسرے کو فائدہ پہنچا رہا ہو اور ہر طرف سے سلامًا سلامًا کی عملی گونج اٹھ رہی ہو۔

• اُوپر بتایا جا چکا ہے کہ اِس قرآنی نظام کا نقطۂ آغاز ہے صلوٰۃِ موقّت، جو ظاہری اور باطنی طہارت کیساتھ اجتماعی طور پر مسجد میں اور انفرادی طور پر ہر جگہ ادا کیجاسکتی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صلوٰۃِ موقّت سے متعلقہ چند ضروری ہدایات بالفاظ ذیل نازل کیگئی ہیں:۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقْرَبُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَ (ش)
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ قریب جانا صلوٰۃ کے اور
أَنتُمْ سُكَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُواْ (ط) مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا
ہو تم بے خبر حتیٰ کہ تم جانو جو تم کہتے ہو اور نہ بحالتِ جُنب
إِلَّا عَابِرِى سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُواْ ۚ وَإِن كُنتُم
سوائے عبور کرنیوالے راستہ کے۔ حتیٰ کہ تم غسل کرلو۔ اور اگر ہو تم
مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ
بیمار یا اوپر سفر کے یا آئے کوئی ایک میں سے تمہارے۔ میں سے
ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُواْ مَآءً
جائے ضرور کے یا تم ہم آغوش ہوئے عورتوں سے پھر نہ پایا تم نے پانی
فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ
تو ارادہ کرو مٹی پاک کا پھر پونچھ لیا کرو ساتھ مونہوں اپنوں
وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ۝ ۴۳
اور ہاتھوں اپنوں۔ بیشک ہے اللہ درگزر کرنیوالا بچانیوالا

ایمان والو! جب (تم صلوٰۃِ موقّت اور معاشرہ کے باہمی تعلق سے) بے خبر ہو تو اُسوقت تک صلوٰۃِ موقّت (نماز) کے قریب نہ جانا جبتک کہ (جو کہتے ہو اُسے) عملًا ظاہر نہ کرو۔ (ط) (یعنی جو کچھ اللہ کے حضور حاضر ہو کر کہہ رہے ہو اُسکے مطابق تمہاری ذمہ داریاں کیا ہیں) اور نہ جنابت کی حالت میں صلوٰۃ کے قریب جانا جبتک کہ غسلِ جنابت نہ کرلو سوائے اِسکے کہ تم سفر میں ہو۔ اور اگر تم بیمار ہو (کہ پانی مضر ہے) اور یا تم سفر میں ہو۔ اور یا یہ کہ تم میں سے کوئی شخص قضاءِ حاجت سے فارغ ہو کر آئے، اور یا تم نے عورتوں سے ہم آغوشی کی ہو۔ پھر تم اگر (ایسے مقام پر ہو، یا ایسے حالات میں ہو کہ تم غسل اور طہارت کیلئے) پانی نہ پاؤ۔
تو (اِن حالات میں نماز کیلئے (ش) وضو کرنے کی بجائے اور غسلِ جنابت کی بجائے تیمّم کرلیا کرو۔ یعنی) پاک مٹی کیساتھ نجاست صاف کرلیا کرو۔ پھر اسکے بعد اپنے مونہوں اور ہاتھوں کو (کپڑے کیساتھ) پونچھ لیا کرو۔ بیشک اللہ مجبوریوں میں درگزر کرنیوالا اور مضرات سے بچانیوالا ہے۔ • سُکارٰی کی بحث آگے آ رہی ہے۔

• ط تَعْلَمُوْا کا سہ حرفی مادہ ع۔ل۔م = علم ہے، جسکا بنیادی معنی جاننا بھی ہے اور ظاہر کرنا بھی۔ قرآن مجید میں علم بمعنی ظاہر کرنا ۳/۱۴۲ اور ۹/۱۶ میں آیا ہے:۔ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ ٱلْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ ٱلصَّٰبِرِينَ ۝
۳/۱۴۲ = کیا تم نے گمان کرلیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے اُن کو ظاہر نہیں کیا جو جہاد کرتے ہیں اور نہ انہیں ظاہر کیا ہے جو ثابت قدم ہیں۔
• دیکھئے! چونکہ یہاں "اللہ نے ابھی جانا نہیں" معنی لگ ہی نہیں سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو از خود اچھی طرح جانتا ہے۔

اِسلئے یہاں لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ کا صحیح معنی ہے، ابھی اللہ نے ظاہر نہیں کیا۔

صلوٰۃ (نماز) اصلاحی پروگرام کا اقرار نامہ ہے

• ﷲ اللہ ربّ العزّت کو معلوم تھا کہ سابقہ اُمتوں کیطرح مسلمان بھی نماز کی ادائیگی کو صرف حصولِ ثواب کا ذریعہ ٹھہرا کر اِسکے اصل مقصد، اصلاحِ معاشرہ کو نظر انداز کر دینگے۔ اِسلئے اُس نے زمانۂ رسالت کے مسلمانوں یعنی صحابہ ہی کو آیتِ بالا کے پہلے مخاطب ٹھہرا کر واضح کر رکھا ہے کہ اُسوقت تک نماز کے قریب نہ جانا جبتک تم یہ نہ جانو کہ اللہ تعالیٰ سے کیا کہہ رہے ہو اور خود اپنے کہے کے مطابق کیا کیا ذمہ داریاں خود اپنے ذمہ لے رہے ہو۔ مثلاً نماز میں اقرار کیا جاتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱/۱ = سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔ اِس اقرار کے مطابق ہم ربوبیتِ عالمین کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے۔

• نیز ہم اقرار کرتے ہیں:۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۱/۴ = ہم تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اِس اقرار کے مطابق نہ ہم ذخیرہ اندوزی کر سکتے ہیں نہ گراں فروشی، کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ہیں۔ نہ اِس اقرار کے مطابق ہم کسی غیر اللہ سے خواہ وہ کتنا ہی نیک آدمی ہو، غائبانہ مدد مانگ سکتے ہیں۔ پس لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ جبتک تم صلوٰۃ میں کئے گئے وعدوں کی ذمہ داریوں کو نہیں جانتے کہ انہیں نبھانا ہے، اُسوقت تک نماز کے قریب نہ جانا۔ صلوٰۃ (نماز) محض نام نہاد ثواب کے حصول کا ذریعہ نہیں، بلکہ اصلاحی پروگرام کا اقرار نامہ ہے۔

سُکٰرٰی کا لغوی مفہوم

• سُکٰرٰی جمع ہے سُکْرَانُ اور سکرانۃٌ کی۔ اِسکا سہ حرفی مادہ س۔ک۔ ر = سکر ہے جسکا بنیادی معنی ہے عقل پر پردہ ڈال دینا یعنی ایسی بے خبری جو خبیر ہونے ہوتے عقل پر کسی خارجی اثر کی بدولت مسلّط ہو جائے۔ مثلاً:۔

۱ کسی نشہ آور چیز کے خارجی اثر سے ایک اچھا بھلا سمجھدار اور باخبر آدمی، بے سمجھ اور بے خبر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اُسے اتنی بھی خبر نہیں رہتی کہ کیا بک رہا ہے۔ کس سے مخاطب ہے۔ ماں باپ اُستاذ تک کی عزت و حرمت اور ماں بہن تک کی عصمت سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ ایسی نشہ آور چیزوں کی خبر قرآنِ کریم نے بالفاظِ ذیل دی ہے:۔ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۱۶/۶۷ = اور تم کھجور اور انگور کے میووں سے نشہ آور مشروب بھی بناتے ہو اور انہیں رزقِ حسن کے طور پر بھی استعمال کرتے ہو۔

۲ دوسرے نمبر پر کسی شدید جسمانی تکلیف کے خارجی اثر سے جو بے ہوشی چھا جاتی ہے، اُسے بھی سُکر کہا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں نزع کے وقت کی بیہوشی کو جو نزع کی تکلیف کی بدولت وارد ہوتی ہے سَكْرَةُ الْمَوْتِ کہا گیا ہے ۵۰/۱۹

۳ تیسرے نمبر پر کسی اچانک شدید مصیبت کے وقت جب انسان کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں، قرآنِ کریم نے ایسی حالت کو بھی سُکٰرٰی کی حالت کہا ہے۔ قیامت کی حاضری کے وقت جب لوگوں پر شدید پریشانی کا عالم ہوگا اُسوقت کے متعلق سورہ حج میں ارشاد ہوا:۔ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰی وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰی وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ۲۲/۲ = اور اے رسول! تو اُسوقت لوگوں کو مدہوش دیکھیگا اور وہ مدہوش نہیں ہونگے۔ ولیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے (جس کی بدولت اُنکے اوسان خطا ہو چکے ہونگے)۔

● چوتھے نمبر پر ایسی حالت میں کہ جس وقت انسان پر شہوانی جذبات کا غلبہ ہو جاتا، اور وہ فعلِ بد کے ارتکاب پر آمادہ ہو کر شرفِ انسانی تک سے بیخبر ہو چکتا ہے ۔ قرآن کریم نے ایسی حالت کو بھی سُکر ہی کے لفظ سے بیان کیا ہے ۔ چنانچہ حضرت لُوطؑ کے پاس جب انکے مہمان آئے تو اُنکی قوم، حضرت کے مہمانوں سے خلافِ فطری فعل کی غرض سے اُمڈ آئی تو اُس قوم کی اُس حالت کو بھی اللہ تعالےٰ نے سُکر ہی کہا ہے ۔ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ۱۵/۷۲ = بیشک وہ اپنے شہوانی جذبات کی مستی میں مدہوش تھے ۔

اب غور فرمائیں

● آیاتِ بالا کی روشنی میں بالصراحت ثابت ہُوا کہ سُکر اور سُکٰرٰی کا معنیٰ صرف شراب یا کسی اور نشہ آور چیز کی مستی اور بیہوشی ہی نہیں، بلکہ اِسکا معنیٰ ہر وہ مستی، بیہوشی اور بیخبری ہے، جو کسی خارجی چیز کے استعمال، کسی شدید جسمانی تکلیف ۔ کسی شدید ذہنی کوفت اور کسی شدید جذبے کی بدولت پیدا ہوتی ہے ۔

● نیز آئتِ سُکر زیرِ بحث ۴۳ کے سیاق و سباق سے بصورت نصف النّہار عیاں ہے کہ اس سے ماقبل بھی اصلاحِ معاشرہ کا تذکرہ ہے اور اِسکے مابعد بھی آپ دیکھینگے کہ قانونِ الٰہی کی اطاعت کی تاکید کیگئی ہے ۔ تو اِسطرح چونکہ درمیان میں شراب کو وقتی طور پر حلال ٹھہرا کر جیسا کہ کتب روایات میں آیا ہے کہ یہ آئت اُسوقت نازل ہوئی جب ابھی شراب حرام نہیں کیگئی تھی، نشۂ شراب میں بدستور کو اجتنابِ صلوٰۃ کا ایسا حکم دینا جس کا شراب کی مستی میں بدمست افراد کو یاد رہنا بھی ممکن نہیں، شانِ باری کے صرف بعید ہی نہیں ۔ بلکہ قرآنِ کریم کے ربط کو بھی مجروح کرنے کا موجب ہے ۔ فلھذا اِس آئت مجیدہ میں لفظ سُکٰرٰی کو نشۂ شراب سے متعلق ٹھہرانا بھی غلط ہے اور اِس آئت پر چسپاں کیا گیا یہ شانِ نزول بھی غلط بلکہ اللہ تعالیٰ اور صحابہؓ کرام پر بہتانِ محض ہے کہ کسی دعوت میں صحابہؓ نے شراب نوشی کے بعد نشہ کی حالت میں معاذ اللہ معاذ اللہ ایک دوسرے پر دعوت کی پس خوردہ ہڈیاں اُچھالیں اور نماز میں جب نشہ کی حالت میں غلط قرآن خوانی کے مرتکب ہُوئے تو اللہ تعالیٰ نے شراب سے نہیں بلکہ نشۂ شراب میں نماز کے نزدیک آنے سے روک دیا ۔ اگر یہ شانِ نزول صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ نے شراب کو کیوں نہ حرام کر دیا ؟

● برادرانِ عزیز! شراب شیطانی فعل ہے ۵/۹۰، جسے اللہ تعالیٰ کی شریعت میں ابتدائے آفرینش سے لیکر آجتک کبھی ایک سیکنڈ کیلئے بھی حلال نہیں ٹھہرایا گیا ۔ اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ تصوّر صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کبھی بھی شرابنوشی کی تھی، نشہ کی حالت میں ایکدوسرے پر ہڈیاں اچھالی تھیں یا وہ غلط قرآن خوانی جیسے جُرمِ عظیم کے مرتکب ہُوئے تھے ۔

اذکارِ صلوٰۃ کے معنے جاننا

● لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ کا ایک معنیٰ یہ بھی لیا جاتا ہے کہ جبتک نمازی اذکارِ صلوٰۃ کے معنے نہ جانتا ہو، اُسوقت تک نماز کے قریب نہ جائے گذارش ہے کہ اذکارِ صلوٰۃ کے معنے جاننا تو نہایت ضروری امر ہے ۔ لیکن آئتِ بالا سے یہ مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا ۔ کیونکہ اِس آئت کے اوّلین مخاطب صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن کی مادری زبان ہی عربی تھی ۔ اِسلئے وہ اذکارِ صلوٰۃ کے معنوں کو تو خوب خوب جانتے تھے لہٰذا اُنہیں یہ حکم دینا مطلقًا غلط ہے کہ اُسوقت تک نماز کے قریب نہ آنا جبتک اذکارِ نماز کے معنے نہ یاد کر لو ۔

اجتماعاتِ صلوٰۃ کی غرض

● اللہ تعالیٰ نے اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۱۰۳/۴ کے الفاظ

میں ہر مومن پر صلوٰۃِ موقّت فرض کر دی ہے اور نماز با جماعت کی تاکید یہانتک فرمائی ہے کہ اگر تم میدانِ جنگ میں بھی ہو اور نماز باجماعت ادا کرنا ممکن تو ہے مگر خطرہ ہے کہ دشمن نماز کی حالت میں حملہ کر دے تو آدھے آدھے ہو کر باجماعت نماز ادا کیا کرو۔ نماز کے وقتوں کا تعین بھی ذاتِ باری نے خود کر دیا ہے فجر۔ دلوک اور عشا ۱۱/۱۱۴ + ۷۸/۱۷۔ اور ظہر و عشا کے کاروباری وقتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے فجر کی نماز کو خصوصیت کیساتھ مل کر ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے ۷۸/۱۷۔ کیونکہ فجر کے وقت ہر شخص عموماً گھر پر موجود ہوتا ہے اور اپنے حلقے کی مسجد کے اجتماعِ صلوٰۃ الفجر میں بآسانی شامل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا روزانہ صلوٰۃِ فجر کے اجتماع میں اُس حلقہ کے کسی بھی فرد کی رُکی ہُوئی ضرورت کو جملہ افراد مل کر پُورا کر سکتے ہیں۔ یہ ہے اجتماعاتِ صلوٰۃ کی غرض، جس سے روزِ روشن کیطرح عیاں ہے کہ صلوٰۃ کی ادائیگی کی غرض کوئی نام نہاد حصولِ ثواب نہیں۔ بلکہ یہ رفاعِ عامہ کیلئے مومنوں کا ایک بنیادی اجتماع ہے۔ اور ہموار متوازن معاشرہ کے قیام و استحکام کا نقطۂ آغاز ہے۔ اور جب صلوٰۃِ موقّت کی اساس پر ایسا متوازن معاشرہ قائم ہو جائے جسمیں کسی کی ضرورت صرف فجر کی نماز تک رُکی رہ سکتی ہو تو پھر ہر طرف ثواب ہی ثواب بکھرا پڑا ہو گا۔ ثواب کا لفظی معنی ہے فائدہ۔ ثَوَابَ الدُّنْيَا ـــ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۱۴۸/۳ کے قرآنی الفاظ کے مطابق ثواب صرف قیامت کیساتھ وابستہ نہیں۔ قرآن کریم نے ایسے اعمال کا حکم دے رکھا ہے، جن کا ثواب (فائدہ) دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملیگا۔

زمانۂ رسالت کے اہلِ کتاب

• آیتِ بالا میں صلوٰۃِ موقّت کی حقیقت عیاں کرنے اور طہارت سے متعلقہ مسائل کی وضاحت کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں رُوئے سخن زمانۂ رسالت کے اہلِ کتاب کیطرف کیا گیا ہے جنہیں قرآن سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ
کیا نہیں غور کیا تو نے طرف اُن لوگوں کے کہ دیئے گئے حصہ، میں سے
الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ
کتاب کے۔ وہ خریدتے ہیں گمراہی اور ارادہ کرتے ہیں کہ
تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ؁ ۴۴
تم بھی بھٹک جاؤ راہ سے

(اے رسُول!) کیا آپنے اُن لوگوں پر غور نہیں کیا (یعنی آپکو اُن لوگوں پر غور کرنا چاہیئے)، جو دیئے گئے ہیں حصہ ہماری کتاب (توراۃ۔ انجیل وغیرہ۔ اُنکی حالت یہ ہے کہ) وہ گمراہی خریدتے ہیں۔ اور ارادہ کرتے ہیں کہ (ایمان والو!) تم بھی سب (اُن کا کہا مان کر اُن کیطرح) سیدھے راستے سے گمراہ ہو جاؤ۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
اور اللہ خوب جانتا ہے ساتھ دشمنوں تمہاروں کے! اور کافی ہے اللہ
وَلِيًّا ۡ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ؁ ۴۵
کارساز اور کافی ہے اللہ مدد گار

اور (ایمان والو! جان لو کہ یہ اہلِ کتاب تمہارے دشمن ہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور (تم اُن سے کسی بھی بھلائی کی امید نہ رکھنا) اللہ تعالیٰ کافی ہے تمہارا کارساز بھی اور کافی ہے تمہارا مددگار بھی۔

• اُوپر والی دو آیتوں میں چونکہ اہلِ کتاب کی دشمنی کا ذکر آیا ہے۔ اسلئے ساتھ ہی اگلی آیتِ مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے یہودیوں کی اُس مخصوص گستاخی کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ جو وہ حضورِ رسالتمآبؐ میں کیا کرتے تھے۔ وہ قرآن مجید سُننے کے بعد فوراً نافرمانی کا اعلان

کر دیتے، اور جب آنحضورؐ کو مخاطب کرتے تو زبانوں کو پیچ دیکر راعنا کے لفظ بمعنی ہماری رعائت کیجئے، کو آنحضورؐ کی تحقیر کیلئے راعینا کہا کرتے تھے بمعنی ہمارا گڈریا۔ العیاذ باللہ۔ سورہ بقرہ آئت نمبر ۱۰۴ میں بھی یہ عنوان گزر چکا ہے جسمیں مومنوں کو کہا گیا ہے کہ تم راعنا مت کہا کرو، تاکہ زبان کے پیچ کا احتمال ہی ختم ہو جائے۔ تم آنحضورؐ کو انظرنا کہا کرو بمعنی ہماری طرف بھی نظر عنائت فرمایئے تفصیل کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد اول میں آئت مجیدہ ۲/۱۰۴ ملاحظہ فرمائیں سلسلۂ درس کی آئت ذیل میں اس عنوان کو باندازِ ذیل بیان کیا گیا ہے :۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ
میں سے اُن لوگوں کے جو یہودی ہوئے بدل دیتے ہیں کلام کو سے

مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ
مقام اُسکے، اور کہتے ہیں سُنا ہمنے اور نہ مانا ہم نے اور سُن

غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا
نہ سُنایا گیا اور (کہتے ہیں) راعنا پیچ دیکر ساتھ زبانوں اپنی کے اور طعن

فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا
بیچ دین کے۔ اور اگر بیشک وہ کہتے سُنا ہمنے اور اطاعت کی ہم نے

وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ
اور سُنیئے اور دیکھئے ہمیں البتہ ہوتا اچھا واسطے اُن کے اور بہت درست۔

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ
و لیکن بیزار ہوا اُن سے اللہ بوجہ کفر اُنکے۔ پس نہیں وہ ایمان لاتے

اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ۴۶
مگر تھوڑا

(اہل کتاب میں سے) وہ لوگ جو یہودی کہلاتے ہیں اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے کلام کو (شرارت کیساتھ) بدل ڈالتے ہیں اُسکے اصل مقام سے۔ اور (رسُول مقبول سے مخاطب ہوکر) کہتے ہیں کہ ہمنے (آپکا پیغام) سُن لیا ہے اور نافرمانی کی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ تو سُن (ہماری بات)۔ نہ ہو تو سُنایا گیا۔ اور کہتے ہیں (آنحضورؐ کو) راعنا اپنی زبانوں کے پیچ کیساتھ۔ اور طعن دیتے ہیں (آپ کو) دین میں۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ وہ (سُنا ہمنے اور نافرمانی کی ہم نے کی بجائے یہ) کہتے کہ سُنا ہمنے اور اطاعت کی ہمنے۔ اور کہتے کہ آپ سُنیئے اور ہماری طرف نظر (کرم) فرمایئے۔ تو یہ اُن کے لئے اچھا ہوتا اور بڑھکر درست ہوتا۔
(لیکن چونکہ انہوں نے کفر کیا، اسلئے) اللہ تعالیٰ اُنکے کفر کی بدولت اُن سے بیزار ہو گیا۔ پس (ایسے گستاخ لوگ) نہیں ایمان لاتے مگر بہت تھوڑا۔ (یعنی جس مسئلے کی اُنکے مفاد پر زد نہیں پڑتی اُسے مانتے ہیں اور باقی سب کا انکار کر دیتے ہیں)۔

• اس سے اگلی آئت مجیدہ میں اہل کتاب کو براہِ راست مخاطب کر کے اُنکے بزرگوں کی کرتوتیں بھی یاد دلائی گئی ہیں اور نصائح بھی کیگئی ہیں :۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا
اے وہ لوگو! جو دیئے گئے ہو کتاب ایمان لاؤ ساتھ اُسکے جو

نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ
اُتارا ہمنے سچا کرنیوالا واسطے اُسکے جو ہے پاس تمہارے پہلے اسکے کہ ہم مٹا دیں

اے وہ لوگو! جو (قرآن سے پہلے) کتاب دیئے گئے ہو۔ (جس طرح تم سابقہ کتب پر ایمان لائے ہو اُسیطرح) اس کتاب پر بھی ایمان لاؤ جو ہم نے نازل فرمائی ہے۔ تصدیق کرنیوالی ہے اُس (غیر محرف کتاب کی) جو تمہارے پاس تھی۔ اُس وقت سے پہلے (ایمان

وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا
چہرے ۔ پھر ہم لوٹا دیں انہیں ا ُن کی پیٹھوں ا ُلٹے یا بیزار ہوں ہم اُن سے جیسے
لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ
بیزار ہوئے ہم والوں دِن آرام کے ۔ اور ہے حکم اللہ کا
مَفْعُوْلًا ۝ ۴۷
ہوا ہُوا

(اور) جب ہم تمہارے وجیہ افراد (سرداروں) کو ذلیل کر دیں۔ پھر ہم اُنہیں (شکست دیکر) اُلٹے پاؤں لوٹا دیں۔ اور اُن سے ہم اُسیطرح بیزار ہو جائیں جسطرح ہم (تمہارے اسلاف) یوم سبت کے سلسلے میں نافرمانی کرنیوالوں سے بیزار ہو گئے تھے ۲/۶۵۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا حکم نافذ ہُوا ہُوا ہی ہے۔ (یعنی اللہ تعالٰی کا معیّنہ ہر قانون انسانی اعمال کا نتیجہ برآمد کرکے ہی رہتا ہے)

• ۱؎ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ کا معنیٰ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کے مطابق یہ ہے کہ قرآن کریم اُس غیر محرّف کتاب کی تصدیق کرتا جو تمہارے پاس تھی جسمیں تم نے من مانی تحریف کرلی ہے۔ اِس پر موجودہ تورات شاہد ہے کہ یہ محرّف ہے۔ اصلی نہیں ہے۔

• ۲؎ وُجُوْهًا کا سہ حرفی مادہ و۔ج۔ہ = وجہ ہے۔ اِسکا لفظی معنٰی ہے چہرہ۔ اور مجازی معنے ہیں، عزّت والا، پُر وجاہت فرد۔ سردار۔ یہاں وُجُوْهًا سے مراد اہلِ کتاب کے وہ سردار ہیں جو اپنی قوم کو قرآن کریم کیطرف آنے نہیں دیتے تھے۔ اُنہی کے متعلق سورہ آلِ عمران میں خبر دیگئی ہے کہ وہ قوم کو کہتے تھے کہ اس قرآن پر دِن کے پہلے حصّے میں ایمان لایا کرو اور پچھلے حصّے میں انکار کر دیا کرو تاکہ جو لوگ اِس پر ایمان لائے ہیں وہ بھی لوٹ آئیں :- وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ۳/۷۲

• ۳؎ نَّطْمِسَ کا سہ حرفی مادہ ط۔م۔س = طمس ہے۔ جسکا معنٰی ہے ہلاک کرنا۔ ذلیل کرنا۔ نابینا کر دینا۔ نابینا آدمی کو طمیس کہتے ہیں۔ یہ مادہ لازم اور متعدی دونوں صورتوں میں مستعمل ہے۔ اِسکا ایک معنٰی دفع دُور ہونا بھی ہے۔ جیسے کہ لَا اَدْرِيْ اَيْنَ طَمَسَ کا معنٰی ہے ۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں دفع ہو گیا ہے۔

• ۴؎ یہاں اَوْ کا معنی اور ہے۔ جیسے کہ ۲/۲۳۶ میں آیا ہے :- لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ ۲/۲۳۶۔ کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم بیویوں کو مس کرنے سے پہلے طلاق دو اور تم نے اُنکا مہر مقرر نہ کیا ہو۔ تو اُنہیں کچھ مال دیدو۔ زیادہ وسعت والے پر اُسکی وسعت کے مطابق فرض ہے۔ اور کم وسعت والے پر اُسکی وسعت کے مطابق فرض ہے ۔ دیکھئے یہاں اَوْ کا معنیٰ یا لگ نہیں سکتا کہ تم مس سے پہلے طلاق دو، یا تم نے مہر نہ باندھا ہو، یہاں یا کا کوئی مقام نہیں۔

شرک معاف نہیں ہوگا

• سلسلۂ درس کی آیاتِ بالا میں چونکہ اہلِ کتاب کے سرداروں کے شرک کا تذکرہ آیا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں کے مطابق اللہ کے کلام میں تحریف کر لیتے تھے، اِسطرح اللہ کے احکام میں اپنی خواہشات کو شامل کرنا شرک فی الحکم ہے، اور شرک خواہ کسی بھی قسم کا ہو، شرک فی الذات، شرک فی الصفات، شرک فی الحکم، اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ معاف نہیں ہوگا :-

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَ
بیشک اللہ نہیں معاف کرتا کہ شرک کیا جائے ساتھ اُسکے اور
يَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ
معاف کرتا ہے جو ہو سوا اُسکے واسطے اُسکے جو خود چاہتا ہے اور جو شرک کرتا ہے
بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيمًا ۴۸
ساتھ اللہ کے پس بیشک اُس نے افترٰی کیا گناہ بڑا

بیشک اللہ تعالیٰ نہیں معاف کرتا یہ کہ شرک کیا جائے ساتھ اُسکے (اُسکی ذات صفات یا حکم میں ۱) شرک بہت بڑا ظلم ہے ۱۳/۳۱) اور وہ معاف کرتا ہے سوائے اُسکے اِس شخص کیلئے جو توبہ کرکے اور آئندہ کیلئے اپنی اصلاح کرکے (خود چاہتا ہے ۲)۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرتا ہے تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ افترٰی باندھکر بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

۱ • اِسکا ایک موزوں مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ اُسکے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے سوائے اسکے کہ کوئی شخص کسی اور کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے یا خود شراکت کرے جیسے کہ حضرت موسٰی نے حضرت ہارون کے متعلق دعا کی تھی۔ أَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ۲۰/۳۲ = اُسے میری مہم میں شریک کر۔

۲ • لِمَن يَشَاءُ میں يَشَاءُ کا فاعل اللہ تعالیٰ نہیں کہ وہ کوئی بے اصول ہستی ہے جسے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے جسے نہیں چاہتا اُسے معاف نہیں کرتا۔ بلکہ اِسکا فاعل وہ ہے جو فرد شرک کرتا ہے۔ اب اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ توبہ کے قانون کے مطابق توبہ اور اصلاح کیساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کردیتا ہے۔ اور جو کوئی توبہ اور اصلاح نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اُسے ہرگز معاف نہیں کرتا۔

شرک کیوں ظلم عظیم ہے؟ • سورہ حج میں مشرک کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ جس نے اللہ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، اُسکی حالت یہ ہے کہ انسانیت کے بلند ترین مقام سے حیوانیت کے پست ترین مقام میں جاگرا۔

• وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۲۲/۳۱ = اور جو اللہ کیساتھ شرک کرتا ہے اُسکی مثال ایسی ہے کہ وہ آسمان سے گرتا ہے۔ پھر اُسے پرندے اُچک کرلے جاتے ہیں۔ یا ہوا اُسے کسی دُور جگہ میں پھینک دیتی ہے۔

• واضح رہے کہ مشرک کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کبھی وہ سورج چاند ستاروں کو دیوتا مانتا ہے کبھی گائے کی پُوجا کرتا اور کبھی کسی گھوڑے کو زیور پہنا کر اُس سے مرادیں مانگتا ہوا پایا جاتا ہے۔ حالانکہ ارشادِ خداوندی ہے کہ کائنات کی ہر ایک چیز اِس انسان کی خدمت کیلئے پیدا کیگئی ہے:۔ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ = اور (اے نوعِ انسانی!) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کردیا گیا ہے۔ سورج چاند ستارے گائے گھوڑا وغیرہ سب سے تم نے الگ الگ کام لینے ہیں۔ نہ کہ اُنہیں اپنا کارساز و حاجت روا مان کر اُنکی پُوجا شروع کردینی ہے۔ جس نے ایسا کیا وہ انسانیت کے بلند ترین مقام سے گرکر حیوانیت کے پست ترین مقام پر آگیا۔ اب اُسے خونخوار پرندے اُچک کرلئے جارہے ہوتے، اور پیری مریدی کے پردے میں اُسکا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے ہوتے ہیں۔

• ایسا شخص ایک اللہ کی چوکھٹ چھوڑ کر، آستانوں، مزاروں اور درگاہوں وغیرہ کی غیر اللہ چوکھٹوں پر سرِ نیاز جھکا رہا ہوتا ہے

اور نتیجہ یہ کہ خواہ اسکے اپنے بچوں کو پیٹ بھر کھانا میسر نہ ہو، مگر اُسے آستانہ کی نیازوں، ششماہیوں اور سالانہ عرسوں کے بوجھ تلے پستے ہی رہنا ہوتا ہے۔ نیز اگرچہ مشرک ہزاروں لاکھوں روپوں کے خرچ سے بزعم خویش بڑے بڑے اعمال صالح بجالا رہا ہوتا ہے۔ لیکن اُسکے عقیدۂ شرک کی بدولت اللہ تعالیٰ کے ہاں اُنکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی قیامت کے دار البقا میں ان اعمال کا کوئی اجر میسر آسکیگا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اُنہی لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو یہ سمجھ کر کہ اُنکے مشائخ اُنکا تزکیہ کر کے اُنہیں پاک کر دیتے ہیں، اپنے آپکو اور اپنے مشائخ کو پاکیزہ ٹھہراتے ہیں لیکن ارشادِ باری یہ ہے کہ خود کو پاکیزہ کہنا پاکیزگی کی سند نہیں۔ بلکہ پاکیزہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ پاکیزہ ٹھہرائے۔ یہود و نصاریٰ کے موجودہ علماء و مشائخ کی مانند، زمانۂ رسالت کے یہود و نصاریٰ بھی اپنے آپکو پاکیزہ ٹھہراتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ
کیا نہیں غور کیا تو نے طرف اُنکے جو پاکیزہ ٹھہراتے ہیں اپنے آپکو
بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ
بلکہ اللہ پاکیزہ ٹھہراتا ہے اُسے جو خود چاہتا ہے اور نہیں ظلم کئے جائینگے
فَتِيۡلًا ۝ ۴۹
دھاگہ بھر

(اے رسول!) کیا آپنے اُن لوگوں پر غور نہیں کیا جو اپنے آپکو پاکیزہ ٹھہراتے ہیں (یعنی آپکو اُن پر غور کرنا چاہیئے کہ یہ شرک کی غلاظتوں میں غرق پاکیزہ ہرگز نہیں ہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ اُنہیں پاکیزہ ٹھہراتا ہے جو خود غیر اللہ کی غلاظتوں سے پاک ہونا چاہتے ہیں! درحقیقت یہ ہے کہ (اللہ کیطرف سے پاک ناپاک ٹھہرانے میں) اُن پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔

● اس سے اگلی آیت میں ہے کہ یہود و نصاریٰ کے مشائخ نے اپنے آپکو پاکیزہ ٹھہرانے کی سند ذاتِ باری کیطرف منسوب کر کے اللہ تعالیٰ پر افترا باندھا ہوا تھا:۔

اُنۡظُرۡ كَيۡفَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ
غور کر کسطرح بہتان باندھتے ہیں اوپر اللہ کے جھوٹ
وَكَفٰى بِهٖۤ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۝ ۵۰ ع
اور کافی ہے ساتھ اُسکے گناہ ظاہر

(نیز غور فرمایئے کہ یہ اللہ کی سند کیساتھ اپنے آپکو پاکیزہ ٹھہرانے والے) کسطرح اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھتے ہیں (کہ اللہ ہی نے بزرگوں کو اپنی خدائی اور بے پروائی سے حصہ دیا ہے) حقیقت یہ ہے کہ (اللہ کے ہاں اُنکی ناپاکیزگی کیلئے) اُنکا یہ ظاہر گناہ ہی کافی ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہل کتاب کے ایسے ہی بہتانات کی خبر دیگئی ہے جو اُنہوں نے اللہ کے ذمہ لگا کر باطل پیشواؤں کو خدائی اختیارات سونپ رکھے تھے:۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ
کیا نہیں غور کیا تو نے طرف اُن لوگوں کی جو دیئے گئے حصہ میں سے کتاب کے
يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ وَيَقُوۡلُوۡنَ
ایمان لاتے ہیں ساتھ باطل پیشواؤں یعنی حدود شکنوں کے اور کہتے ہیں

(نیز) کیا آپنے اُن لوگوں پر غور نہیں کیا جنہیں کتاب سے حصہ دیا گیا ہے (تورات انجیل۔ آپ کو اُن پر غور کرنا چاہیئے کہ) وہ ایمان لانے میں اپنے باطل پیشواؤں (یعنی اُن پر جو اللہ تعالیٰ کی معین کردہ حدیں توڑنیوالے ہیں۔ اور وہ ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے

لِلَّذِينَ كَفَرُوا هٰؤُلَاءِ أَهْدٰى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا

متعلق اُنکے جو کافر ہُوئے، یہ ہیں زیادہ ہدایت یافتہ اُن سے جو ایمان لائے ہیں

سَبِيلًا ۵۱

راہ کی رُو سے

ضابطۂ خداوندی کا انکار کیا ہے، یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اُن سے جو ایمان لاتے ہیں، سیدھے راستے کی رُو سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

• ۱؎ جبت کا معنٰی ہے بزرگوں کے بُت نیز وہ چیز جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ اِس کا معنٰی سحر یعنی دھوکا بھی ہے۔ اب چونکہ اہلِ کتاب بُت پرست تو تھے نہیں۔ اسلئے یہاں جبت سے مُراد وہ باطل پیشوا ہیں جو اسلاف کی بزرگی کے سہارے عوام کے پیشوا بنے ہُوئے تھے۔ جو بالکل سحر یعنی سراپا دھوکا ہی دھوکا تھے کہ وہ لوگوں کی مُرادیں پُوری کر سکتے ہیں یا لوگوں کو پاک کر سکتے ہیں، نیز وہ اس لحاظ سے بھی جبت تھے کہ اُن میں مطلقاً کوئی بھلائی نہیں تھی۔ بلکہ اُلٹے، وہ اپنے مریدوں پر بوجھ بنے ہُوئے تھے۔

• ۲؎ یہ واؤ تفسیری ہے یعنی یعنی۔ تفصیل کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد اول کیساتھ منسلکہ دیباچہ کا صفحہ ۸۶ ملاحظہ فرمائیں۔

• ۳؎ طاغوت کا لفظ سہ حرفی مادہ ط۔غ۔ و = طغو سے ہے جس کا معنٰی ہے سرکشی کرنا۔ حدود سے تجاوز کرنا۔ حدود شکنی کرنا۔ اب چونکہ یہودیوں کے باطل پیشوا اللہ تعالیٰ کی حدّوں کو توڑ کر عوام کا بھائی اور عوامی خدمتگار بننے کی بجائے اُلٹے اُن پر بوجھ بنے ہُوئے تھے۔ اِسلئے اُنہیں طاغوت حدود شکن باطل پیشوا کہا گیا ہے۔ اور سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِن حدود شکنوں سے بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے:۔

أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ

یہی وہ لوگ ہیں کہ بیزار ہوا اُن سے اللہ۔ اور جس سے بیزار ہوا

اللّٰهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۵۲

اللہ پھر نہیں پائیگا تُو واسطے اُسکے کوئی مددگار

یہی (اللہ تعالیٰ کی حدّیں توڑنیوالے) ہیں وہ لوگ، کہ اللہ اُن سے بیزار ہُوا۔ اور جو کوئی ایسا ہو کہ بیزار ہوگیا اُس سے اللہ۔ تو پھر (اے رسُول قیامت کی عدالتِ عالیہ میں) تُو اُسکے لئے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیگا۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہودیوں کی تنگ نظری نمایاں کیگئی ہے کہ اگر اِنہیں حکومت میسّر آجائے تو یہودیوں کے سوا کسی کو بنیادی حقوق تک نہ دیں:۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا

کیا واسطے اُنکے حصّہ ہے (بیچ) حکومت کے۔ پھر اُسوقت نہ

يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۵۳

دیں۔ لوگوں کو تِل بھر بھی

(نیز غور فرمایئے!) کیا (اسوقت) اِن (یہودیوں) کو حکومت میں سے کوئی حصّہ میسّر ہے؟ (ہرگز نہیں) پھر جب ایسا ہو تو یہ (اپنی قوم یہود کے سوا باقی) لوگوں کا (کوئی بنیادی حق) تِل بھر بھی نہیں دینگے۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل (یہودی) اِس چیز پر حسد کرتے ہیں کہ بنی اسمٰعیل کو کتاب اور حکومت کیوں دیگئی ہے۔ حالانکہ اِس سے پیشتر اِن کے بزرگوں بنی اسحٰق کو کتاب بھی دیگئی تھی اور اُنہیں میں سے داؤد و سلیمانؑ کو حکومت بھی دیگئی تھی:۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ
کیا وہ حسد کرتے ہیں لوگوں کا اوپر اسکے جو عطا کیا انہیں

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ
اللہ نے، میں سے فضل اپنے۔ پس تحقیق دی ہے آل ابراہیم کو

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۵۴
کتاب و حکمت اور دی ہم نے اُن کو سلطنت بڑی

کیا یہ (بنی اسرائیل یہودی)، لوگوں (یعنی بنی اسماعیل) کا حسد کرتے ہیں (اس کتاب اور سلطنت) پر جو اللہ نے دی انہیں اپنے فضل سے۔ پس بیشک (اس سے پہلے) ہم نے آلِ ابراہیم (بنی اسحاق) کو دی تھی، کتاب بھی اور حکمت بھی۔ اور ہمنے انہیں (یعنی اُنہی کے افراد داؤد، سلیمان اور ذوالقرنین) کو ایک عظیم سلطنت بھی عطا فرمائی تھی [1]

• [1] سابقہ انبیاء میں سے بہت سے نبیوں نے باقاعدہ حکومتِ الٰہیہ قائم کی تھی۔ جیسے کہ حضرتِ نوحؑ نے طوفان اُترنے کے بعد جو اپنے کشتی والے افراد پر مشتمل بستی بسائی وُہ یقیناً حکومتِ الٰہیہ کی بنیادوں پر قائم تھی۔ اور حضرات ہودؑ اور صالحؑ کی قوموں کی تباہی کے بعد جو نظام اِن حضرات نے قائم کیا، یقیناً وہ بھی حکومتِ الٰہیہ کا مظہر تھا۔ اسیطرح حضرات موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ اور ذوالقرنین جو آلِ ابراہیمؑ سے تھے اُنکی قائم کردہ سلطنتوں میں بھی اقتدارِ اعلیٰ اللہ کی کتاب ہی کو حاصل تھا۔ اسیطرح بنی اسرائیل کو حضرتِ موسیٰؑ کی مساعیٔ جمیلہ کی بدولت جو حکومت میسّر آئی، اُسے تو یہودیوں نے اپنی بداعمالیوں کی بدولت ضائع کر دیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرتِ مسیحؑ کے بعد سلسلۂ نبوت بنی اسحاق کی بجائے بنی اسماعیل کے فردِ محترم رسُولِ عربی کی طرف منتقل فرمایا۔ اور جب ایک طویل جدّ و جہد کے بعد آنحضورؐ نے قرآنی حکومت قائم فرمائی تو یہودیوں نے حسد کرنا شروع کر دیا کہ بنی اسحاق کی بجائے بنی اسماعیل کو نبوت و حکومت کیوں عطا کیگئی ہے۔ چنانچہ سابقہ آیت میں یہودیوں کے حسد اور اس خبر کے بعد کہ اس سے پہلے آلِ ابراہیمؑ میں سے بنی اسحاق کو نبوت و حکومت عطا کیگئی تھی، اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اُنہی میں سے یعنی آلِ ابراہیمؑ کی شاخ آلِ اسحاق میں بعض لوگ آنحضورؐ اور قرآنِ کریم پر ایمان لے آئے ہیں اور بعض مُڑ گئے ہیں:-

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ
پھر میں سے انکے ہیں جو ایمان لائے ساتھ اسکے اور بعض انکے ہیں جو

صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۵۵
مُڑ گئے اِس سے، اور کافی ہے شکست جلانے کی رُو سے

پھر اُن (آلِ ابراہیم و آلِ اسحقؑ، یہودیوں) میں سے وہ بھی ہیں جو اس (قرآن) کیساتھ ایمان لائے ہیں اور اُن میں سے وہ بھی ہیں جو اس سے مُڑ گئے ہیں۔ (انکار کر دیا ہے) اور (انکار کرنیوالوں) کیلئے جلانے کی رُو سے شکست کی آگ کافی ہے۔

• [2] لفظ جہنّم کا سہ حرفی مادہ بعض لغتوں میں ج۔ ھ۔ م = جھم ہے جس کا معنی ہے تیوری چڑھانا۔ بُرا منہ بنانا۔ اب چونکہ ماقبل آیاتِ کریمات میں یہودیوں کے حسد کا ذکر کیا گیا ہے، اور حسد سے بغض و عداوت کا اجراء ہوتا ہے۔ اسلئے ظاہر ہے کہ یہاں یہودیوں کی شکست کی خبر دیگئی ہے، جسکا لازمی نتیجہ تیوری چڑھانا، بُرا منہ بنانا اور جل بُھن کر راکھ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ سورہ احزاب میں اہلِ کتاب کی شکست فاش کی خبر دیگئی ہے:- وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۳۳/۲۶ = اور جن اہلِ کتاب (یہودیوں) نے تمہارے دشمنوں کی مدد کی۔ اللہ نے انہیں اُن کے پہاڑی قلعوں سے اُتار لیا اور اُنکے ذہنوں میں تمہارا رعب ڈال دیا۔ بعض کو تم نے قتل کر دیا اور بعض کو قید کر لیا۔ بعض لغتوں نے جہنم کا

لفظ عبرانی کے الفاظ جی صنوم کا مرکب بتایا ہے جو علاقہ فلسطین میں ایک وادی ہے، جہاں قدیم زمانہ میں بتوں کے سامنے انسانی قربانی آگ میں جلائی جاتی تھی۔ اِسطرح جہنم کا معنی وہ مقام ہوا جہاں انسانیت جل رہی ہو۔ قرآن کریم نے جہنم کا لفظ قیدخانے کے طور پر استعمال کیا ہے:۔ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ ۱۷/۸ اور ہم نے جہنم کو (یعنی جہنمی معاشرہ کو) جسمیں انسانیت جل رہی ہوتی ہے ایک قیدخانہ پایا ہے۔ یہ تو ہوئے لفظ جہنم کے مختلف قرآنی معنے جن میں جلنے بھننے کا تصور دیا گیا ہے۔ مگر:۔

● آیت بالا ۴/۵۵ میں مراد وہ شکست فاش ہے جو مذکورہ بالا آیت مجیدہ ۳۳/۲۶ کے مطابق یہودیوں کو آنحضورؐ اور صحابہؓ کے ہاتھوں نصیب ہوئی جسمیں انہیں اپنے پہاڑی قلعے چھوڑ کر صحابہؓ کے بالمقابل آنا پڑا۔ اور انکے افراد قتل بھی ہوئے اور قید بھی ہوئے۔ اور اُن کی پوری کی پوری طاقت ختم ہوگئی۔ جہنم بمعنی شکست ۳/۱۲ کی تفسیر میں پیچھے گزر چکا ہے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اُن تمام لوگوں کی شکست کی خبر دیگئی ہے، جو آنحضورؐ کی زندگی میں ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنیوالے تھے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ
بیشک جو لوگ انکار کریں ساتھ آیتوں ہماری کے ضرور
نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ
ہم جلائینگے انہیں آگ میں۔ جب گل جائینگی جلدیں اُن کی ،
بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ
بدل دینگے ہم انہیں جلد کی رو سے سوائے اسکے تاکہ چکھیں عذاب ،
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ۵۶ الربع
بیشک اللہ ہے غالب حکمت والا

بیشک جو لوگ ہماری آیتوں کا انکار کریں ضرور ہم جلائینگے انہیں شکست کی آگ میں۔ جب ختم ہو جائینگی قوتیں اُن کی تو، بدل دینگے ہم اُن کو قوت کے لحاظ سے بجائے سابقہ قوتوں کے۔ تاکہ وہ (ہر بار شکست) کے عذاب کا مزہ چکھیں۔ (تاآنکہ اِس غالب حکمت کیساتھ اُن کی پوری فوجی طاقت ختم ہوجائے) بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

● ۱ یہاں نار کا معنی حقیقی آگ نہیں جسطرح كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ ۵/۶۴ میں جنگ کو آگ کہا گیا ہے اِسطرح سیاق کلام کے مطابق جنگ میں یہودیوں کے شکست کھا جانے کو بھی آگ کا عذاب کہا گیا ہے۔

● ۲ نَضِجَتْ کا لفظ مادہ ن۔ض۔ج : نضج سے ہے جس کا بنیادی معنی ہے گل جانا۔ سڑ جانا۔ ختم ہو جانا۔

● ۳ جُلُوْدُ جلد کی جمع ہے جو مادہ ج۔ل۔د : جلد سے ہے۔ جسکے بنیادی معنے ہیں کھال، جلد، قوت۔ جَلُدَ ماضی کا معنی ہے وہ صاحب قوت ہوا۔ اِسطرح كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ کا معنی ہے کہ جب انکی سابقہ جمع کی ہوئی فوجی قوتیں ختم ہوجائینگی تو بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا تو ہم پائینگے انہیں بدلے ہوئے قوت کے لحاظ سے غَيْرَھَا، سابقہ قوتوں کی بجائے یعنی وہ ایک مرتبہ شکست کھانے کے بعد پھر نئی قوت پیدا کر کے مقابلے پر آئینگے اور ہر بار شکست کی آگ کا عذاب چکھینگے۔ تاآنکہ انکی جُلُوْد، تمام قوتیں پوری طرح ختم ہو جائینگی اور وہ شکست فاش کے عذاب کا مزہ چکھ لینگے۔

● یہ تو ہوگا اہلِ کتاب کے اُن لوگوں کا انجام جو ضابطۂ الٰہی کا انکار کر کے بد مقابل بنینگے۔ اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں

اہل کتاب کے اُن لوگوں کا ذکر ہے جو ایمان لاکر مومنوں کی جماعت میں شامل ہو جائینگے ۲۸/۵۲ ، وہ جنتی معاشرہ کی خوشگواریوں میں ہونگے :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور جو لوگ ایمان لائیں اور عمل کریں اصلاح والے
سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
ضرور ہم داخل کرینگے اُنکو باغوں میں چلتی ہونگی میں سے نیچے اُنکے نہریں
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ
رہنے والے بیچ اُنکے ہمیشہ واسطے اُنکے بیچ اُنکے ساتھی ہونگے پاکیزہ
وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۵۷
اور ہم داخل کرینگے اُنکو سایوں گھنے میں

اور (اہل کتاب میں سے) جو لوگ ضابطۂ الٰہی پر ایمان لائینگے اور اصلاح والے عمل بجا لائینگے۔ ہم ضرور اُنہیں (جنتی معاشرہ) ایسے سدا بہار باغوں میں داخل کرینگے، (جن کے خشک ہونے کا خطرہ ہی نہ ہوگا) اُنکی سطح میں نہریں بہتی ہونگی۔ (اس میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے (اُس معاشرہ کا دفاع اتنا مضبوط کہ کوئی دشمن اُنہیں گھروں سے نکال نہ سکیگا) اُس میں اُنکے ساتھی سب پاکیزہ ہونگے۔ (سب ذاتی مفاد کی غلاظت سے پاک ہونگے) اور ہم اُنہیں گھنے سایوں میں داخل کرینگے۔ (جہاں کوئی جسمانی اور ذہنی جلن ہوگی،

کوئی نااہل اور رشوت خور عامل اور جج عوام پر مسلط نہ کیا جائے

• یہ ہے قرآنی معاشرہ کی تعریف پیچھے متعدد مقامات پر جنت کی تعریف ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ کے حوالے سے گزر چکی ہے کہ جنت وہ ہے جس میں کوئی بھوکا ہو نہ ننگا، نہ کوئی بے علاج ہو نہ بے مکان۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ایسی جنت (قرآنی معاشرہ) سے متعلقہ ایک ضروری حکم دیا گیا ہے کہ عوام پر نہ کوئی نااہل رشوت خور سرکاری کارندہ اور نہ رشوت خور قاضی (جج) مسلط کیا جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ
بیشک اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ دیا کرو امانتیں
اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ
طرف اہل اُن کے، اور جب تم کوئی فیصلہ کرو درمیان لوگوں کے
اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ
یہ کہ تم فیصلہ کرو ساتھ عدل کے بیشک اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تمکو
بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۵۸
ساتھ اُسکے بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا

(ایمان والو!) بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں (اگر وہ مال ہے تو مال کے) مالکوں کو دو۔ (اور اگر وہ ملازمتیں یا عہدے یعنی قومی امانتیں ہیں) تو اُنکے اہل افراد کو دیا کرو۔ (نااہل عمال کو عوام پر مسلط نہ کرنا[۱]) اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل کیساتھ فیصلے کرنا[۲]۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے[۳] (تاکہ تمہارا معاشرہ عدم توازن سے بچا رہے) بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (یعنی جو کچھ تم علیحدگی میں کہتے ہو اُسے سنتا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اُسے دیکھتا ہے)۔

• ۱-۲-۳ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا اور تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ کے ربط و وصل سے ثابت ہے کہ نااہل عمال اور نااہل ججوں قاضیوں کے تقرر سے منع کیا گیا ہے اور اسے ایک عمدہ نصیحت کا نام دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قانون کی حاکمیت وہاں ہی قائم ہوتی ہے جہاں حکومت کے عمال اور قاضی رشوت سے پاک اور اپنے اپنے عہدے کے اہل ہوں۔

قرآنی حکومت کی اطاعت ہر فردِ معاشرہ پر بارشادِ الٰہی فرض ہے

• اِسطرح قرآنی ریاست کے قیام کے سلسلے میں نااہل عمّال اور نااہل قاضیوں سے بچنے کی تاکید کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں قرآنی حکومت کی اطاعت اِسطرح فرض کیگئی ہے، کہ جو حکومت رسُولِ اکرم نے قرآنی اساس پر قائم فرمائی تھی۔ اُسکی اطاعت اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کے حکم میں فرض کیگئی ہے۔ اِس جملے کا لفظی معنی ہے "اللہ کی اطاعت کرو اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو"۔ لیکن واضح رہے کہ اِن معنوں کے مطابق الگ الگ دو حکم ماننے پڑتے ہیں یعنی اللہ کا حکم الگ ثابت ہوتا ہے اور رسول کا حکم الگ۔ حالانکہ دو حاکم اور دو حکم ماننا قرآنِ کریم کی محکم آیات کے خلاف ہے:۔

• اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰ + ۱۲/۶۷ میں نفی اثبات کے حصر اور سہ گانہ تکرار تاکیدی کیساتھ کہا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور حاکم ہے ہی نہیں۔ نیز فرمایا۔

• لَا یُشۡرِكُ فِیۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا ۱۸/۲۶ ۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ اِن محکم آیات کریمات کے مطابق جملہ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کا یہ ترجمہ مطلقاً غلط ہے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اُسکے رسول کی۔ بلکہ اِس جملے میں جلی لکھی گئی واؤ کا معنیٰ ہے بذریعہ۔ جیسے کہ:۔

• بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى الَّذِیۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ؕ فَسِیۡحُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ ۹/۱-۲ ، فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَخُذُوۡهُمۡ وَاحۡصُرُوۡهُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ ج ۹/۵ ۔ بیزاری ہے اللہ کی بذریعہ اپنے رسول کے اُن لوگوں سے جن کیساتھ تم نے مشرکوں میں سے عہد کیا تھا۔ (اور اعلان و فیصلہ ہے اللہ کا بذریعہ اپنے رسول کے کہ اے مشرکو!) تم زمین میں چار مہینے حرمت والے چل پھر لو ۹/۱-۲ پھر جب (چار) مہینے حرمت والے گزر جائیں تو اے مومنو! اِن وعدہ شکن مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور گرفتار کرلو۔ اور اُنہیں گھیر لو۔ اور اُنکی گھات میں ہر جگہ بیٹھو۔ اِن آیات کریمات میں مشرکوں کو اللہ اور رسول کیطرف سے الگ الگ دو مہلتیں نہیں دی گئیں۔ بلکہ چار مہینے کی ایک ہی مہلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ دی تھی۔ اِسیطرح آیت ذیل میں بھی جلی لکھی ہوئی واؤ بمعنی بذریعہ آئی ہے:۔

• وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ یَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَكۡبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ۙ وَرَسُوۡلُهٗ ۹/۳ ۔ اعلان ہے اللہ کا اپنے رسول کے ذریعہ حج اکبر کے دن کہ بیشک اللہ اپنے رسول کے ذریعہ مشرکوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے دیکھئے! اِس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے بیزاری کا اعلان اپنے رسول کے ذریعہ کروایا ہے۔ جیسے کہ اظہر من الشمس ہے کہ یہ اللہ اور رسول کے دو اعلان نہیں تھے، بلکہ ایک ہی اعلان تھا، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ کروایا تھا کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے۔ اور اُسکا رسول بھی چونکہ اللہ کا پورا پورا فرمانبردار ہے اِسلئے وہ بھی بحکم باری مشرکوں سے بیزار ہے۔

• فلہٰذا جملہ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ سے نہ الگ الگ دو حاکم مراد ہیں اور نہ الگ الگ دو حکم مقصود ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو جو اُس نے اپنے رسول کے ذریعہ تم پر فرض کی۔ اِسی چیز کو آیت ذیل میں نمایاں کیا گیا ہے۔

• مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ $\frac{4}{80}$ = جس نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ ہی کی اطاعت کی ۔ کیونکہ اللہ نے اپنی اطاعت اپنے رسول ہی کے ذریعہ کرنے کا حکم دیا ہے ۔ یعنی جو ضابطہ اللہ کا رسول لایا ہے تم اُس سے سرِمو تجاوز نہ کرنا ۔ رسول کا معنٰی ہے پیغام لانیوالا ۔ پیغام کے بغیر رسول نہیں ہوسکتا ۔ نیز اگر پیغام لانیوالا ، پیغام سے الگ ہوجائے تو رسول نہیں رہتا ۔ یہ مسئلہ چونکہ شرک اور وحدت سے متعلق ہے ۔ اسلئے اِسکا ذہن نشین کرنا بیحد ضروری ہے ۔

• واضح رہے کہ رسولِ مقبول نے احکامِ الٰہیہ کے نفاذ کیلئے ایک باقاعدہ نظامِ مملکت قائم کر رکھا تھا ۔ اِسلئے اگلی آیت مجیدہ میں جملہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ سے مراد آنحضور کا قائم کردہ وہ مرکزی نظام ہے جسمیں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا تسلیم کیا گیا ہے ، اور اولی الامر سے مراد ہیں سلطنت کے طول و عرض میں آنحضور (یعنی مرکزی اتھارٹی) کے قائم کردہ سرکاری عامل کارندے ۔

• پیشتر اسکے کہ اگلی آیت مجیدہ پوری نقل کرکے اُسکا صحیح مقامی مفہوم عرض کیا جائے

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کیلئے ضمیرِ تثنیہ کی بجائے ضمیرِ واحد کا ورود

مزید تسلی کیلئے قرآنِ کریم کے وہ مقام پیش کئے جاتے ہیں جہاں جملہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے بعد ضمیرِ واحد لاکر اللہ تعالیٰ نے خود فیصلہ دے دیا ہے کہ اس جملے سے اللہ اور رسول کی الگ الگ دو اطاعتیں مراد نہیں بلکہ اطاعت صرف ایک ، اکیلے اللہ تعالیٰ کی ہے :۔

• اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ $\frac{8}{20}$ = اُسکے بھیجے ہوئے رسول کے ذریعہ اکیلے اللہ کی اطاعت کرو اور اِس اکیلی اطاعت سے منہ نہ موڑنا ۔ دیکھا آپنے ! اگر اللہ اور رسول کی الگ الگ دو اطاعتیں ہوتیں تو یہاں ضمیرِ واحد وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ کی بجائے وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُمَا ضمیرِ تثنیہ آنی چاہیئے تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ضمیرِ واحد لاکر فیصلہ کر دیا ہے کہ اطاعت اور حکم صرف ایک اللہ تعالیٰ کا ہے جسکا نفاذ اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ فرمایا ہے ۔ نیز ملاحظہ فرمائیں کہ مزید متعدد مقامات پر تثنیہ کی بجائے ضمیرِ واحد لائی گئی ہے :۔

• سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ $\frac{9}{59}$ — دیکھئے ! یہاں بھی اللہ اور رسول کیلئے "فَضْلِهٖ" میں ضمیرِ واحد آئی ہے :۔ ٥

• اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ $\frac{9}{74}$ — " " " " " " "فَضْلِهٖ" " " " " ٥

• وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ $\frac{9}{62}$ — " " " " " " "يُرْضُوْهُ" " " " " ٥

• واضح رہے کہ ان تمام مقامات پر "اللہ اور رسول" کے الفاظ ایک قرآنی اِصطلاح کے طور پر آئے ہیں ، اور اِس سے مراد اُس نظام کی مرکزی اتھارٹی ہے جو خود رسول اکرم نے ، اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کی بنیادوں پر قائم فرمایا تھا ۔ اب ملاحظہ فرمائیں اگلی آیت مجیدہ ، جسمیں اللہ اور رسول کی اصطلاح قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی کیلئے آئی ہے ۔ اور اولی الامر سے مراد مرکز کیطرف سے متعین کردہ عمال ہیں :۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو

الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ

رسول کی اور صاحبِ امر کی جو تم میں سے ہیں ، پھر اگر تنازعہ کرو تم

اے وہ لوگو ! جو (ہمارے نازل کردہ ضابطہ پر) ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی بذریعہ اطاعت کرنے اُسکے رسول کے ۔ اور اطاعت کرو (اُنکی جو) تم میں سے (تمہارے درمیان مرکز کیطرف سے) صاحبِ امر مقرر کئے گئے ہوں ۔ پھر اگر تم (مرکز کے متعینہ اصحاب امر

فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ
بیچ کسی چیز کے تو لوٹاؤ اُسے طرف اللہ اور رسول کے اگر
كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ
ہو تم ایمان رکھتے ساتھ اللہ اور دن پچھلے کے۔ یہ ہے
خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۵۹ ع ۵
اچھا اور متوازن لوٹانے کی رُو سے

سرکاری عاملوں سے کسی معاملہ میں تنازعہ کرو (یعنی اگر تمہیں عاملوں یا قاضیوں کا کوئی فیصلہ نا منظور ہو) تو اس تنازعہ معاملے کو لوٹاؤ اللہ و رسولؐ کیطرف (یعنی اُس مرکز کیطرف جو اللہ نے خود اپنے رسولؐ کے ذریعہ قائم کیا ہے) بشرطیکہ تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور دن پچھلے پر۔ یہ (اولی الامر کے تنازعوں کو مرکز کیطرف لوٹا کر، مرکز میں اپیل کر کے مرکز سے فیصلے کرانا) متنازعہ معاملوں کو لوٹانے کی رُو سے بہتر بھی ہے اور متوازن بھی ہے۔

• عله اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کے الفاظ سے ثابت ہے سرکاری کارندے اور قاضی جج وغیرہ عوام میں سے ہی مقرر کئے جائینگے۔ یعنی جو عوام کے اپنے افراد اور عوام کے ہمدرد ہوں۔ عوام پر کسی اجنبی کو مسلط نہیں کیا جائیگا جسے عوام سے ہمدردی ہی نہ ہو۔

• عله فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ میں اُن تنازعوں کا تذکرہ ہے، جو مرکز کیطرف سے مقرر کردہ عمّال کے خلاف عوام کو پیدا ہوں۔ خواہ وہ عدلیہ، انتظامیہ، بجلی، پانی، زراعت، صنعت، ریل ڈاک وغیرہ کسی بھی محکمہ کے خلاف پیدا ہوں، اُنکے ازالہ کیلئے مرکز ہی کیطرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اس آیت سے پہلی آیت نمبر ۵۸ میں اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ کے الفاظ میں مرکزی اتھارٹی کو تاکید کیگئی ہے کہ نہ کوئی رشوت خور نااہل عامل عوام پر مسلط ہونے پائے اور نہ کوئی رشوت خور نااہل جج اور قاضی عدلیہ میں متعین کیا جائے اور:۔

• اس تاکید کے بعد آیت بالا نمبر ۵۹ میں عوام کا یہ حق محفوظ کر دیا گیا ہے کہ جہاں کبھی اور جب بھی عوام کو سرکاری عاملوں اور قاضیوں کے خلاف کوئی شکایت پیدا ہو تو وہ مرکزی اتھارٹی کیطرف رجوع کر سکتے ہیں۔ اور مرکزی اتھارٹی کو ہر کسی کی ہر قسم کی شکایت سننے، ہر شکایت کا ازالہ کرنے اور اُسکا صحیح فیصلہ دینے کا پابند کر دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اس قرآنی مرکز کی اوّلین مرکزی اتھارٹی آنحضور رسولِ مقبول اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبی تھے۔ اور آپکے بعد آپکے مقدس جانشین یکے بعد دیگر مرکزی اتھارٹی کے اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔

زمانۂ رسالت کے منافقین کی روش

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں منافقینِ عہدِ رسالت کی روش بتائی گئی ہے کہ قرآن کریم پر ایمان کے دعویدار ہونے کے باوجود اپنے مقدمات کا فیصلہ ملّت کی مرکزی اتھارٹی قرآنی ریاست کے اوّلین صدر و سربراہ حضور رحمتِ عالم، رسولِ اکرم کی بجائے زمانۂ جہالت کے مانے ہوئے باطل پیشواؤں کی طرف لے جاتے تھے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ
کیا نہیں تو نے غور کیا طرف اُن لوگوں کے جو خیال کرتے ہیں کہ بیشک وہ
اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ
ایمان لائے ساتھ اُسکے جو نازل ہوا طرف تیری اور جو نازل ہوا پہلے سے

(اے رسولؐ!) کیا آپنے غور نہیں کیا اُن لوگوں کیطرف جو بزعم خویش دعویدار ہیں اسکے کہ بیشک وہ ایمان لائے ہیں ساتھ اُسکے جو آپ پر نازل ہوا ہے (یعنی قرآن مجید) اور ایمان لائے ہیں ساتھ اُسکے جو آپ سے پہلے نازل ہوا ہے (یعنی توریٰۃ انجیل

قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ

پہلے تیرے، ارادہ کرتے ہیں کہ فیصلے چاہیں طرف سے باطل پیشوا کے

وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ

حالانکہ بیشک وہ حکم دیئے گئے کہ انکار کریں ساتھ اسکے اور ارادہ کرتا ہے

الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۶۰

باطل پیشوا کہ گمراہ کر دے انہیں گمراہی دور کی

وغیرہ) وہ ارادہ کرتے ہیں (اس چیز کا) کہ (اپنے مقدموں کے فیصلے ملت کی مرکزی اتھارٹی یعنی آپ سے کرانے کی بجائے) باطل پیشوا سے فیصلے چاہیں۔ حالانکہ بلاشبہ وہ حکم دیئے گئے ہیں کہ وہ اُس (باطل پیشوا) کا انکار کر دیں۔ اور وہ اللہ کا باغی (باطل پیشوا) ارادہ کرتا ہے کہ انہیں (یعنی بزعم خویش ایمان کے دعویداروں کو) دُور کی گمراہی میں گمراہ کر دے۔

• علہ شیطان کا معنیٰ ۱۴-۲ میں آیا ہے حجروں میں خلوت نشین باطل پیشوا :- وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ؕ اور جب وہ اپنے شیطانوں کی خلوتگاہوں میں جاتے ہیں۔

• اِس سے اگلی آیات کریمات میں اِنہی بزعم خویش ایمان کے دعویدار منافقوں کے متعلق مزید وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے:-

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ

اور جب کہا جائے واسطے انکے آؤ طرف اسکے جو نازل کیا

اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ

اللہ نے اور طرف رسول کے دیکھتا ہے تو منافقوں کو وہ رُکتے ہیں

عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ ۶۱

طرف سے تیری رُک جانا

اور (اے رسولؐ!) جب انہیں کہا جاتا ہے کہ (اپنے مقدمات کے فیصلوں کیلئے اُس (ضابطے) کیطرف آؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے یعنی (اُسے عملاً نافذ کرنیوالے) رسولؐ کیطرف آؤ۔ تو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ (اپنے فیصلے آپکی طرف لانے سے یعنی) آپ سے رُک جاتے ہیں پوری طرح رُک جانا۔ (مقدمے طاغوت کیطرف لے جاتے ہیں)۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا

پھر کیا حال ہو جب پہنچے انکو کوئی مصیبت ساتھ اسکے جو

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖۗ بِاللّٰهِ

آگے بھیجا ہاتھوں انکے نے پھر آئیں تیرے پاس قسم کھائیں ساتھ اللہ کے

اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۶۲

نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر توازن اور موافقت کا

پھر اُنکا کیا حال ہو جب طاغوت کے غلط فیصلے کی بدولت اُن پر کوئی مصیبت آجاتی ہے۔ جو اُنکے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہو (کیونکہ اے رسولؐ یہ بجائے آپکی بجائے طاغوت سے فیصلے خود کرانے جاتے ہیں)۔ اُسکے بعد اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آپکے پاس آئینگے کہ ہم نے (طاغوت سے فیصلہ کرانے میں یہ) ارادہ کیا تھا کہ آپس میں توازن اور میل ملاپ قائم رہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ

یہ وہ لوگ ہیں کہ جانتا ہے اللہ جو ہے بیچ ذہنوں اُن کے

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ

اور اعراض کر طرف سے انکی اور نصیحت کر انکو اور کہہ واسطے اُن کے

(اے رسولؐ!) یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ انکی خلوتوں کو کوئی نہیں جانتا) اللہ تعالیٰ اُنکے ذہنی مخفیات کو بھی جانتا ہے) آپ اِن سے اعراض فرمائیں (یعنی منافقوں کو منہ نہ لگائیں) اور انہیں تنبیہ کریں۔ اور (اِس سلسلے میں) انہیں اُن کے اپنے افراد

فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ۝۶۳
بیچ اُنکے افراد کے بات پہنچنے والی

میں (یعنی انکی قوم میں) اُن سے قطعی بات کہدیں (کہ وہ مومن جماعت کے فرد نہیں ہیں)۔

• ۱؎ اَعۡرِضۡ مادہ ع۔ ر۔ ض = عرض سے فعل امر ہے۔ اعراض کا معنی ہے منہ موڑنا۔ منہ نہ لگانا۔

• ۲؎ عِظۡ مادہ و۔ع۔ظ = وعظ سے فعل امر ہے۔ اسکا بنیادی معنی زجر، توبیخ اور تنبیہ ہے (بحوالہ مفردات امام راغب)

• ۳؎ اَنۡفُسِهِمۡ، نفس کی جمع ہے۔ یہاں جس کا معنی ایک فرد ہے۔ اَنۡفُسٌ جمع کا معنی ہے بہت سے افراد۔ اور اَنۡفُسِهِمۡ کا معنی ہے انکے بہت سے افراد یعنی انکی قوم۔

• قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا کا معنی ہے ایسی بات جو ٹھکانے پر پہنچ جائے قطعی اور آخری بات۔ دوٹوک بات۔

باہمی جھگڑوں کے فوراً بعد آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوا کرو

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں پہلے رفعتِ شانِ رسالت کی وضاحت کیگئی ہے۔ اور اسکے بعد ساتھ ہی بتا دیا گیا ہے کہ آپس کے جھگڑوں کے جو نباہ کن نتائج برآمد ہوتے ہیں اُن سے محفوظ رہنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ لوگ جب ایک دوسرے پر زیادتی کر بیٹھیں تو اللہ کے رسول کو اپنا حاکم مانتے ہوئے اُن سے فیصلہ کرائیں:۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ
اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر تاکہ وہ اطاعت کیا جائے

بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ۲؎
ساتھ حکم اللہ کے۔ اور اگر بیشک وہ جب زیادتی کریں لوگوں اپنوں پر

جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا۳؎ اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ۴؎
آئیں طرف تیری پھر بچاؤ چاہیں اللہ سے اور بچاؤ چاہے واسطے اُنکے

الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ۝۶۴
رسول البتہ پائینگے اللہ کو معاف کرنے والا مہربان

اور (حقیقت یہ ہے کہ) نہیں بھیجا تھا ہم نے کوئی بھی رسول (لوگوں کیطرف) مگر اسلئے کہ اللہ کے قانون۱؎ کے مطابق اُسکی اطاعت کی جائے۔ اسلئے اے رسول! لازم ہے کہ لوگ آپکی اطاعت میں اپنے جھگڑے آپکے پاس لایا کریں) اور اگر ایسا ہو کہ لوگ جب آپسمیں ایک دوسرے۲؎ پر زیادتی کریں تو (جن پر زیادتی ہوئی ہو) وہ (دادرسی کیلئے) آپکے پاس آئیں۔ اور اللہ (کے قانون)۳؎ سے بچاؤ طلب کریں۔ اور رسول (اللہ کے قانون کے مطابق حقدار کی حق رسی کرکے) اُنکے لئے بچاؤ طلب کرتے۴؎۔ تو لوگ اللہ کو معاف کرنیوالا مہربان پائینگے۵؎

• ۱؎ اذن بمعنی اللہ کا قانون۔ دیکھئے دیباچہ منسلکہ تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کا صفحہ ۵۵۔

• ۲؎ اَنۡفُسٌ، نفس کی جمع ہے جبکا معنی ہے ایک آدمی اور انفس کا معنی ہے آدمی بصیغہ جمع۔ اور اَنۡفُسَهُمۡ کا معنی ہے انکے اپنے، آپس کے آدمی۔ اور اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ کا معنی ہے ۔ جب وہ آپسمیں اپنے آدمیوں پر زیادتی کریں۔

• ۳؎ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ کا لفظی معنی ہے وہ اللہ سے بچاؤ طلب کریں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق بچاؤ عطا کرتا ہے اور اسکے خلاف کبھی بھی نہیں کرتا۔ اسلئے اسکا صحیح معنی ہے اللہ کے قانون سے بچاؤ طلب کریں۔ پس فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ کا یہ معنی غلط ہے کہ وہ لوگ رسول کے پاس آکر تسبیح لیکر بیٹھ جائیں اور اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ رَبِّیۡ مِنۡ کُلِّ ذَنۡبٍ وَّاَتُوۡبُ اِلَيۡهِ

کا ورد شروع کر دیں۔

● ۶۴ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا رسول بحیثیت مطاع (حکم) فریقین کے تنازعہ کا صحیح فیصلہ کر کے انکے لیئے بچاؤ طلب کرے۔ اس جملے کا بھی یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ اُدھر جن پر زیادتی ہوئی ہے۔ ایک طرف وہ رسول کے پاس آکر تسبیح لیکر بیٹھے ہوئے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ کا ورد کر رہے ہوں اور دوسری طرف خود رسول مقبول انکے لئے استغفار کا وظیفہ شروع کر دیں۔ بلکہ جیسے کہ استغفار مادہ غفر سے ہے جس کا معنی ہے بچاؤ، حفاظت۔ اسلئے استغفار کا معنی ہے بچاؤ طلب کرنا۔ جو اُن لوگوں کو جن پر زیادتی ہوئی ہو۔ اسکے سوا میسر نہیں آسکتا کہ وہ دادرسی کیلئے اللہ کے رسول کے پاس اپنا مقدمہ لاکر اللہ کے قانون کے مطابق اُس ضرر اور نقصان سے بچنے کیلئے جو اُن پر زیادتی کر کے مسلط کر دیا گیا ہے، حفاظت اور بچاؤ طلب کریں۔ اور جب اللہ کا رسول اُن کا حق انہیں دلا دیگا تو بلاشبہ وہ اُس نقصان کے ضرر سے بچ جائینگے جو اُن پر باہمی زیادتی کے ذریعہ فریقِ مقابل نے ٹھونس دیا ہو۔

● ۶۴ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا کا مفہوم اپنے سیاقِ کلام کے مطابق صاف ہے کہ جب قرآنی حکومت اللہ کے قانون کے مطابق زیادتی کرنیوالے کو سزا دیدے۔ یا جو چیز اُس نے فریقِ ثانی کی غصب کی ہو، وہ اُس سے اُسکے حقدار کو واپس دلا دے تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ مجرم اور ظالم کا جرم معاف کرتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں۔

● واضح رہے کہ اگر کوئی شخص کسی آدمی کا حق چھین لے۔ یعنی اگر وہ کسی کے سَو روپے دبا کر بیٹھ جائے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا شروع کر دے۔ اور خواہ وہ ساری ساری رات استغفار پڑھتا رہے، تو اُسکا جرم اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہرگز معاف نہیں ہوسکتا۔ اور اسیطرح اگر ایسے شخص کیلئے اللہ کے رسول سیدنا محمد واحمد عربی بھی استغفار کرتے رہے ہوں تو پھر بھی اُسکا جرم اللہ کیطرف سے معاف نہیں ہوسکتا۔ جبتک کہ وہ مال جو اُس نے فریقِ ثانی کا غصب کیا ہے، اُسے واپس نہ کیا جائے۔ چنانچہ آیتِ صدر میں باہمی ظلم زیادتیوں کا ایک ہی حل بتایا گیا ہے کہ جس پر زیادتی ہوئی ہو، وہ اللہ کے رسول کے پاس آئے۔ اور اللہ کے قانون کے مطابق دادرسی کا طالب ہو۔ اللہ کا رسول قانونِ خداوندی کے مطابق ظالم کو بھی بلالے۔ اور الگ الگ انکے بیان سنکر حقدار کو اُسکا حق دلا دے تو اسکے بعد ہوگا اللہ معاف کرنے والا مہربان۔ نیز اُس مجرم پر اِس جرم کے ضمن میں دنیا کے علاوہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں بھی کوئی بوجھ باقی نہیں ہوگا۔

● پیچھے آیت نمبر ۶۰ میں واضح کیا جا چکا ہے۔ کہ آنحضور کی مدنی زندگی کے ابتدائی ایام میں بھی لوگوں کے باطل پیشواؤں کی عدالتیں موجود تھیں۔ بعض لوگ اُن سے من مانے فیصلے کرانے کیلئے اپنے مقدمے انکے پاس لے جایا کرتے تھے۔ قرآنِ کریم نے انہیں منافق قرار دیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۶۵ میں صحابہ کیلئے ایمان کا مستقل نشان ہی یہ قرار دیا ہے کہ جبتک وہ اپنے مقدمات کا عدالتِ نبوی سے فیصلہ نہ کرائیں۔ اور آپکے فیصلوں کو بصمیمِ قلب قبول نہ کریں اُسوقت تک مومن نہیں ہوسکتے:۔

طاغوتوں کی عدالتیں

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ	پس (اے رسول) آپکے نشو و نما دینے والے کی شہادت ہے
شہادت ہے رب تیرے کی نہ ایمان لائینگے حتیٰ کہ حاکم کریں آپکو	کہ یہ (طاغوت سے فیصلے کرانیوالے منافق) اُسوقت تک ایمان نہیں

فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

بیچ اُسکے جو جھگڑا کریں آپسیں۔ پھر نہ پائیں۔ بیچ ذہنوں اپنوں کے

حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥ ٦٥

کوئی تنگی بیچ اُسکے جو فیصلہ کریں آپ اور مانیں پورا پورا ماننا

لائینگے جبتک کہ جن معاملوں میں آپسیں جھگڑا کرتے ہیں اُن میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کریں۔ پھر جو فیصلہ آپ کریں اُس سے اپنے ذہنوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ اور اُسے اسطرح تسلیم کریں جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔

مرکزی اتھارٹی کی اپیل کوئی نہیں • پیچھے آیت نمبر ۵۹ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اگر مرکز کی طرف سے معیّن کردہ قاضیوں یعنی ججوں کے فیصلوں کیساتھ کسی فریق کو اختلاف ہو تو اُس اختلاف و تنازعہ کو اللہ و رسول کیطرف لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۴/۵۹ (مفہوم پیچھے گزر چکا ہے)۔ یعنی ماتحت قاضیوں (ججوں) کے فیصلوں کی اپیل تو آنحضورؐ کی مرکزی عدالت میں ہو سکتی تھی۔ لیکن جو فیصلہ آپ کریں، آپکے فیصلے کی کوئی اپیل نہیں تھی۔ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کے الفاظ سے مرکزی اتھارٹی کے اختیارات کی وضاحت کر دیگئی ہے۔ اور اس مرکزی اتھارٹی کی قطعی اطاعت کیلئے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کی مخصوص قرآنی اصطلاح لائی گئی ہے۔ یعنی آنحضورؐ کے قرآنی مرکز کی بلاچون و چرا اطاعت کرو، اُسکے فیصلوں کو اسطرح تسلیم کرنا جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد آپکے مقدس جانشین رضی اللہ عنہم مرکزی اور آخری اتھارٹی تھے۔ اور اسیطرح جب بھی اور جہاں کہیں بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو، جسمیں حکومت کا حق اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے نفاذ کے ذریعہ خالص اللہ تعالیٰ کا تسلیم کیا گیا ہو۔ اُسکا صدر و سربراہ آخری اتھارٹی ہوگی۔ ماتحت قاضیوں (ججوں) کے فیصلوں کی اپیل تو ہو سکیگی مگر اُسکے فیصلوں کی اپیل ہرگز نہیں ہو سکیگی۔

منافقوں کی ایک اور پہچان • پچھلی آیات کریمات میں منافقوں کی ایک پہچان گزر چکی ہے کہ وہ اپنے جھگڑوں کے مقدمے آنحضورؐ کی عدالت میں لانے کی بجائے طاغوتوں یعنی اپنے باطل پیشواؤں کے پاس لے جاتے ہیں ۴/۵۹ تا ۶۵۔ اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کی ایک اور پہچان بتائی گئی ہے کہ جب انہیں انکی قوم سے لڑنے کا حکم دیا جائے یا ہجرت کرنے کا حکم دیا جائے تو نہ اُن سے لڑینگے اور نہ ہجرت کرینگے۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اور اگر یہ کہ ہم فرض کریں اُوپر اُنکے کہ لڑو آدمیوں اپنوں سے

اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ

یا نکلو میں سے گھروں اپنوں کے۔ نہ کریں اُسے۔ مگر تھوڑے

مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ

میں سے اُنکے۔ اور اگر بیشک وہ کریں جو نصیحت کئے جائیں ساتھ اُسکے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ٥ ٦٦

البتہ ہوا اچھا واسطے اُنکے۔ اور سخت از روئے ثبات کے

اور اگر یہ کہ ہم اُن پر فرض کر دیں کہ اپنے آدمیوں، (یعنی اُن) کیساتھ لڑو (جو مسلمانوں کے دشمن ہیں) یا اُن پر فرض کریں کہ تم (اللہ کی راہ میں) اپنے گھروں سے نکلو۔ تو اُن میں سے تھوڑے سے افراد کے سوا ایسا ہرگز نہیں کرینگے۔ (نہ اپنوں سے لڑینگے اور نہ گھروں سے نکلینگے) حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ لوگ وہ کام کریں جسکی وہ نصیحت کئے جاتے ہیں تو اُنکے لئے اچھا بھی ہے۔ اور ثابت قدمی کے لحاظ سے بہت سخت بھی ہے۔ (یعنی یہ عمل دُشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کیلئے بہت سخت اقدام ہے)

وَاِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا

اور اُسوقت البتہ دیں ہم اُن کو طرف سے اپنی بدلہ

عَظِیْمًا ۶۷

بڑا

اور اُسوقت ہم اُن (یعنی مسلمانوں کے دشمنوں اپنے آدمیوں سے لڑنیوالوں اور گھروں سے نکلنے والوں) کو اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرمائیں۔

وَّلَهَدَیْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۶۸

اور البتہ ہدایت دیں ہم اُن کو راستے سیدھے کی

اور ہم اُنہیں سیدھے راستے کی رہنمائی کیلئے رکھیں (یعنی اُنہیں سیدھی راہ پر گامزن رکھیں)۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کی قرآنی اصطلاح استعمال ہوئی ہے پیچھے صفحہ [۲۵۹] پر ۸/۲۰، ۹/۵۹، ۹/۶۲ اور ۹/۷۴ کے حوالوں سے وضاحت کردیگئی ہے کہ اللہ اور رسول کیلئے تثنیہ کی بجائے ضمیر واحد کا آنا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ یہ ایک اصطلاح ہے جس سے دو نہیں بلکہ ایک چیز مراد ہے۔ نیز سیاق وسباق کلام بھی اس امر کی شاہد ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے اُس واحد نظام کی اطاعت مراد ہے جو رسول اکرم نے اپنی زندگی میں اکیلے رب تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کی بنیادوں پر قائم فرمایا تھا۔ مذکورہ بالا اصطلاح کی رُو سے اللہ اور رسول کی صحیح اطاعت وہ ہے جو اکلوتے مرکزی قرآنی نظام کے تحت کی جائے اسی اطاعت کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ

اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ اور رسول کی پس وہ لوگ ہیں ساتھ

الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ

اُن لوگوں کے، انعام کیا اللہ نے اوپر اُنکے، ہیں سے نبیوں کے اور

الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ

سچوں کے اور نگرانوں اور اصلاح کرنیوالوں کے اور بہتر ہیں

اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ۶۹ ع ۹ ۱۱

وہ لوگ رفاقت کی رُو سے

اور جو لوگ (اکیلے اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کی بنیادوں پر رسول اکرم کے قائم کردہ نظام کی اطاعت کے ذریعہ) اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ تو وہ ساتھ ہوتے ہیں اُن لوگوں کے جن پر اللہ نے انعام فرمایا کہ وہ نبیوں میں سے ہیں (یعنی وہ جماعتِ انبیاءؑ ہے) اور جو صدیقین (یعنی سچے) بھی ہیں۔ اور جو شہدآء (یعنی معاشرہ کے نگران) بھی ہیں۔ اور صالحین (یعنی اصلاح کرنیوالے بھی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ (نبیوں کی جماعت جو سچے، معاشرہ کے نگران اور مصلح بھی ہیں) رفاقت کے لحاظ سے بہتر ہیں۔

اکتسابی نبوت کا تصور غیر قرآنی ہے

• آگے بڑھنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اِس آیت مجیدہ سے بعض لوگ [۳۳] کے اِس خداوندی فیصلے کے خلاف کہ رسولِ عربی کے بعد نبیوں کی آمد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند کردیگئی ہے۔ یہ تصور اخذ کرتے ہیں کہ اللہ ورسول کی اطاعت سے ہر شخص جسطرح صالح بھی ہوسکتا ہے، شہید بھی ہوسکتا ہے، صدیق بھی ہوسکتا ہے، اُسیطرح نبی بھی بن سکتا ہے۔ حالانکہ یہاں انبیا سلام علیہم کی صفات بیان کیگئی ہیں کہ وہ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ صدیق بھی ہوتے ہیں شہید بھی ہوتے ہیں اور صالح بھی ہوتے ہیں۔ اِسکی مثال یوں سمجھیئے کہ ایک نبی بحیثیت انسان، انسانیت کے بلند مقام پر پہنچے ہوئے خصائص مخصوصہ کے لحاظ سے صدیق سچا بھی ہوتا تھا۔ شہید، معاشرہ کا نگران بھی ہوتا تھا، اور صالح، معاشرہ کی اصلاح

کرنیوالا، یعنی مصلح بھی ہوتا تھا۔

• چنانچہ آیت مجیدہ زیرِ نظر ۴/۶۹ میں بتایا گیا ہے کہ رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کے قائم کردہ مرکزی نظام کی اطاعت کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد یعنی انبیاء کی معیت حاصل ہوگی۔ نبیوں کے باقی تینوں مراتب ذیل میں بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:۔

• ۱ نبی خود صدیق بھی تھے، واضح رہے کہ ہر نبی کی یہ شان تھی کہ ضابطۂ خداوندی کو عملاً سچ کر دکھایا تھا۔ جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۱۹/۴۱ = بیشک وہ صدیق بھی تھے اور نبی بھی تھے۔

• ۲ نبی خود شہید بھی تھے، یعنی معاشرہ کے نگران اور نمونہ۔ جیسے کہ خود رسولِ اکرمؐ کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا ۲/۱۴۳ = اور اے صحابہ! تمہارا نگران اور نمونہ ہمارا رسول ہو۔

• ۳ نبی خود صالح بھی تھے یعنی معاشرہ کی اصلاح کرنیوالے۔ جیسے کہ حضرت یحییٰؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۳/۳۹ وہ سید، قوانینِ خداوندی کی حدود میں محصور، نبی اور صالحین میں سے ہوگا۔ اب چونکہ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ۲/۲۸۵ کے مطابق سب کے سب نبی رسول فضیلت کے ایک ہی مقام کے حامل تھے۔ اسلئے جو صفت ایک بھی نبی کی بیان ہوئی ہے وہ سب کے سب نبیوں کی ہے۔ فلھذا تمام نبی، نبی ہونے کیساتھ ساتھ صدیق بھی تھے، شہید بھی تھے۔ اور صالح بھی تھے اور آیت زیرِ نظر ۴/۶۹ کے مطابق انبیاء کا قائم کردہ نظام اکیلے رب تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کی اساس پر قائم ہوتا تھا جسمیں کسی جانب جھکاؤ نہیں پایا جاتا تھا یعنی اسطرح انبیاء سلامٌ علیہم ہموار و متوازن نظام کے قیام کے ذریعہ رب تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کو معاشرہ میں عملاً سچ کر دکھاتے تھے۔ جیسے کہ رسولِ عربیؐ نے قرآنی ریاست کے صدر، سربراہ ہونے کے باوجود، عوام ہی کے ایک فرد کیطرح زندگی بسر فرمائی تھی۔ نہ آپکا مکان عوام سے الگ کوئی بنگلہ تھا۔ نہ آپکا لباس عوام سے جدا تھا۔ نہ خوراک عوام سے مختلف تھی اور نہ آپکا علاج عوام سے مخصوص ہوتا تھا۔ یہ ہے انبیاء کی شانِ **صدیقیت**۔

• اسکے بعد باری آتی ہے انبیاء کی شانِ شہادت و صالحیت کی۔ یہ مقدس جماعت خود معاشرہ کی نگران اور عوام کیلئے نمونہ بھی ہوتی تھی یہی ہیں نگران و نمونہ۔ دو معنے لفظ شہید کے۔ اور شبانہ روز معاشرہ کی اصلاح میں سرگرمِ عمل رہنا بھی اُن کا شیوہ تھا۔ اس آیت مجیدہ میں صدیقین، شہدآء اور صالحین تینوں الفاظ نبیین کی صفت واقع ہوئے ہیں۔ نبیین کی ابتداء میں مِنْ حرف جار بیانیہ ہے۔ اور مذکورہ صفات سے ماقبل واؤ کا تکرار برائے جمع صفات آیا ہے۔ پس اس آیت سے حصولِ نبوت کا نظریہ قائم کرنا مطلقاً باطل ہے۔ جسکی دلیل آیت میں آمدہ لفظ **مع** ہے، کہ اُس نظام کی اطاعت کرنیوالوں کو، جو اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کی اساس پر اللہ کے رسولؐ نے قائم فرمایا تھا، نبیوں کی **معیت** میسر آتی ہے نہ کہ **نبوت**۔

• سورہ فتح میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ ۴۸/۲۹ کے مطابق اصحابؓ رسول کو آنحضورؐ کی معیت حاصل تھی نہ کہ نبوت۔ اسیطرح سورہ آل عمران میں انبیاء سابقین کے صحابہ کے متعلق آیا ہے:۔ قٰتَلَ مَعَہٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ ۳/۱۴۶۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق انبیاء کے دوش بدوش لڑنیوالے صحابہ کو اُنکی معیت حاصل تھی، نبی نہیں بن جاتے تھے۔

• علاوہ ازیں کسی ایک شخصیت میں متعدد صفات کے اظہار کیلئے متعدد بار واؤ کا تکرار بطور حرف جمع آتا ہے۔ جیسے کہ

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ...... ۳۳/۳۵ کا مطلب یہ نہیں کہ مسلم اور ہیں اور مومن اور ہیں۔ صابر اور ہیں اور روزہ رکھنے والے اور ہیں۔ بلکہ یہ سب الفاظ صرف مسلمین اور مسلمات کی تعریف میں آئے ہیں۔ اسیطرح آیت زیر بحث ۴/۶۹ میں صدیقین، شہدآء اور صالحین کے الفاظ نبیوں کی تعریف میں آئے ہیں۔ انبیاء کے قائم کردہ متوازن نظام کی اطاعت کرنیوالے نبی نہیں بن سکتے۔ انہیں نبیوں کی معیت حاصل ہوتی ہے، جس کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ ۷۰ ع ۹

مذکورہ بالا ہے فضل طرف سے اللہ کے۔ اور کافی ہے اللہ بڑھکر جاننے والا

مذکورہ بالا (انبیاء) کی معیت جو صدیق شہید اور صالح بھی تھے) اللہ تعالیٰ کا مخصوص فضل ہے۔ (جس سے ہموار و متوازن معاشرہ میسر آتا ہے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے جو بڑھکر جاننے والا ہے۔ (معاشرتی مشکلات کا حل وہی بتا سکتا ہے)۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں جماعت مومنین کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے کہ مذکورہ نظام کے قیام و بقا کیلئے

دفاع دفاعی نظام قائم رکھنا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ ۷۱

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو پکڑو بچاؤ اپنے۔ پھر تم نکلو دستوں کی صورت یا نکلو اکٹھے

اے ایمان والو! (دشمن کے دفاع کیلئے) اپنے بچاؤ کے سامان ہمیشہ ہمیشہ تیار رکھو پھر (جب دشمن تمہیں للکارے تو اُسکے مقابلے کیلئے) تم نکلا کرو خواہ جتھہ بند دستوں کی صورت میں یا اجتماعی فوج کی صورت میں۔

● ساتھ ہی اگلی آیت مجیدہ میں خبردار کر دیا گیا ہے:۔ کہ ان بزدل موقعہ پرست منافقوں سے ہوشیار رہنا جو خود تمہارے اندر موجود ہیں:۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ ۷۲

اور بیشک ہیں سے تمہارے البتہ وہ ہے جو جی چراتا ہے پھر اگر پہنچے تم کو مصیبت۔ کہیگا بیشک انعام کیا اللہ نے اوپر میرے جبکہ تھا میں ساتھ اُن کے حاضر

اور (ایمان والو!) یقیناً تم میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو (جہاد سے) جی چراتا ہے۔ پھر اگر تمہیں (جنگ میں) کوئی تکلیف پہنچے۔ تو یہ کہیگا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام فرمایا ہے کہ میں (میدان جنگ میں) اُن (مومنوں) کے ساتھ حاضر نہیں تھا۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ

اور البتہ اگر پہنچے تم کو فضل طرف سے اللہ کے البتہ ضرور کہیگا

اور البتہ اگر (ایمان والو! جنگ میں) تمہیں اللہ کا فضل ملے (یعنی اگر تمہیں مال غنیمت میسر آئے) اللہ کیطرف سے تو (پھر

كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ
گویا کہ نہیں ہے درمیان تمہارے اور درمیان اسکے کوئی دوستی۔ اے افسوس
كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ ۷۳
ہوتا میں ساتھ انکے تو کامیاب ہوتا کامیابی بڑی

جب اُسے مالِ غنیمت سے حصہ نہیں ملیگا تو) وہ ضرور یہ کہیگا، کہ گویا ایسا ہے جیسے کہ تمہارے اور اُسکے درمیان کوئی دوستی موجود نہیں ہے۔ کاش کہ میں بھی اُن (مومنوں) کیساتھ ہوتا تو میں بھی (مالِ غنیمت پاکر) بڑی کامیابی حاصل کرتا۔

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال وہ لوگ کریں جنہوں نے دُنیا کو آخرت کے بدلے بیچ دیا ہے:۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ
پس چاہیئے لڑیں بیچ راہ اللہ کے وہ لوگ جو بیچتے ہیں
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ
حیاتی دنیا کو بدلے آخرت کے۔ اور جو کوئی لڑے بیچ راہ
اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا
اللہ کے پھر جو قتل ہو جائے یا غالب آئے تو ضرور ہم دینگے اسے بدلہ
عَظِيْمًا ۝ ۷۴
بڑا

پس چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں وہ لوگ (قتال) جنگ کریں جو اپنی دُنیوی زندگی کو (اللہ کے ہاتھ) اُخروی زندگی کے بدلے بیچ دیتے ہیں $\frac{9}{111}$۔ اور جو کوئی (اِس سودے کے ماتحت) اللہ کی راہ میں جنگ کرے، تو پھر (خواہ) وہ قتل ہو جائے یا دشمن پر غالب آجائے، ہم اُسے (دونوں صورتوں میں) اجرِ عظیم عطا فرمائینگے۔ (مومن مجاہدوں میں سے اللہ کے ہاں مقتول فی سبیل اللہ اور فاتح مجاہد دونوں ہی اجرِ عظیم کے مستحق ہیں)۔

● $\frac{1-2-3}{111}$ اِس آئت مجیدہ میں مومنوں کیلئے نتیجۂ جنگ کی دو صورتیں بیان کیگئی ہیں کہ یا تو وہ لڑتے لڑتے جان تک دیدیتے ہیں اور یا دشمن پر غالب آتے اور دشمن کو شکست فاش دیکر کامیاب ہوتے ہیں۔ اِسکے علاوہ مومنوں کیلئے تیسری صورت دشمن سے شکست کھا جانا، قرآن بھر میں کہیں بھی مذکور نہیں۔

جارحانہ جنگ

● آیاتِ بالا میں دفاعی جنگ کے تاکیدی حکم کے بعد اگلی آئت مجیدہ میں مومنوں کو کہا گیا ہے کہ اگر کسی علاقے میں کچھ لوگ ظالم حاکم کے ظلم سے تنگ آکر میرے حضور فریاد کر رہے ہوں تو اُنکی مدد کو پہنچنا تمہا! فرض ہے:۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اور کیا ہے واسطے تمہارے نہ تم لڑو گے بیچ راہ اللہ کے
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ
اور کمزور کیئے گئے ہیں میں سے مردوں اور عورتوں اور بچوں کے
الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ
وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں رب ہمارے نکال ہم کو میں سے اِس بستی

اور (ایمان والو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اُس وقت پر اللہ کی راہ میں نہ لڑو گے۔ جبکہ حالت یہ ہو کہ کمزور کیئے گئے مرد، اور عورتیں اور بچے (ظالم حاکم کے ظلم سے تنگ آچکے ہوں۔ اور فریاد کے طور پر) وہ لوگ یہ کہہ رہے ہوں کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے اِس ظالموں کی بستی سے ہمیں نکال لے (کہ اِسکے رہنے والے

الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ
ظالم ہیں رہنے والے اسکے. اور ٹھہرا واسطے ہمارے طرف سے اپنی،
وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ؕ ۷۵
دوست اور ٹھہرا واسطے ہمارے طرف سے اپنی مددگار

نے ہمیں ظلم کی چکی میں پیس ڈالا ہے)۔ اور اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی دوست ٹھہرا۔ اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی مددگار ٹھہرا۔[۱]

الٰہی پروگرام اور مومنوں کا فریضہ

[۱] • اِس آیت مجیدہ سے صراحتًا ثابت ہوتا ہے کہ خداوندی پروگراموں کی تکمیل مومنوں کا فریضہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا کہ جب ظالم بستی کے مظلوم اور کمزور افراد مجھے پکار رہے ہوں۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا = اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس ظالم بستی سے تو نکال۔ تو اُسوقت ہوتا ہے کہ باری تعالٰی جو مظلوموں کی غائبانہ مدد کرنے پر سو فیصدی قادر ہے، آیت بالا کے الفاظ میں مومنوں کو حکم دیتا ہے کہ تم اُنکی مدد کیلئے میدانِ قتال میں اُترو۔ اسیطرح یاد رکھنا چاہیئے کہ جو جو خداوندی پروگرام نوعِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی سے متعلق قرآن کریم میں مذکور ہے، اُنکی تکمیل مومنوں کے ہاتھوں سے ہوگی خصوصًا باری تعالٰی کا وعدۂ ربوبیتِ عامہ بھی اسلامی حکومت کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوگا۔ جہاں کہیں قحط نمودار ہوتا ہے وہ انسانوں کا اپنا لایا ہوا ہوتا ہے اور اُسکا دفاع بھی انسانی ہاتھوں ہی سے ہوتا ہے۔ قرآنی ضابطے کے مطابق اسلامی حکومت پورے کے پورے عوام کی پوری کی پوری ضروریاتِ زندگی کی ضامن ہے۔ چنانچہ فی زمانہ اس مسئلہ کو عوام خوب اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ قحط پڑجائے تو مسجد میں جاکر اللہ سے نہیں کہتے کہ یا اللہ! آسمان سے دانے برسا۔ بلکہ حکّام وقت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں کہ گندم گندم، آٹا آٹا۔ پھر گندم اور آٹا مہیا کرنا حکومت پر فرض ہوجاتا ہے۔ خواہ اُسے اپنے قیمتی زرِمبادلہ کیساتھ غیرممالک سے درآمد کرنا پڑے۔

اللہ اور طاغوت کی جنگ

• واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی :-
اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مظلوموں کی مدد کیلئے قتال کرنیوالے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اور مظلوموں کو بدستور مظلوم رکھنے کی خاطر جنگ کرنیوالے، طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ بالفاظ دیگر مظلوموں کی مدد کیلئے لڑنا قتال فی سبیل اللہ ہے :-

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
جو لوگ ایمان لائے وہ لڑتے ہیں بیچ راہ اللہ کے
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ
اور جن لوگوں نے انکار کیا، وہ لڑتے ہیں بیچ راہ ظالم حاکم کے،
فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ
پس لڑو تم دوستوں شیطان سے۔ بیشک تجویز شیطان کی

جو لوگ (مظلوموں کی مدد کے مذکورہ بالا حکم پر) ایمان لائے ہیں وہ (ظالم حاکم کے خلاف) اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے (ضابطۂ ربوبیت کا) انکار کیا وہ (مومنوں کے خلاف طاغوت یعنی) ظالم[۱] حاکم کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پس اے ایمان والو! شیطان کے دوستوں (یعنی) ظالم[۲] حاکم کی فوج سے ڈٹ کر لڑو۔ (فتح تمہاری ہی ہوگی)۔ بیشک ظالم حاکم کی تجویز

كَانَ ضَعِيْفًا ؏ ۷۶
ہے کمزور

ع ۱۰

(جو حقوقِ ربوبیت کے غصب کی بنیاد پر قائم ہے، اُس میں قیام کہاں؟ وہ) کمزور رہے ۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں زمانہ رسالت کے اُن لوگوں کا ذکر ہے، جنہیں قرآنی معاشرہ کے قیام کیلئے کہا گیا روزمرہ کے خرچ سے بچاکر، اس نظام کے قیام اور کمزوروں کی مدد کیلئے مال دیا کرو۔ تو وہ اس حکم پر تو عمل کرتے رہے۔ لیکن جب اس نظام کے دشمنوں سے جنگ کرنے کا وقت آیا، اور اُن پر قتال فرض کر دیا گیا تو اُن میں سے بعض لوگ ایسے بھی تھے، جو دشمنوں سے ڈرنے لگے ۔ اور کہا کہ اے ہمارے پروردگار! تُو نے ہم پر قتال (جنگ کرنا) کیوں فرض کر دیا ہے ۔ دیکھئے ارشادِ باری :-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ
کیا نہیں تُو نے غور کیا طرف اُن لوگوں کے، کہا گیا واسطے اُنکے
كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
روکو ہاتھ اپنے اور قائم کرو اجتماعی نظام اور دو
الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ
نشوونما ۔ پھر جب فرض کیا گیا اوپر اُنکے لڑنا اُسوقت ایک گروہ،
مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ
میں سے اُنکے ڈرنے لگا لوگوں سے مانند ڈرنے اللہ کے ۔ بلکہ سخت
خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ
ڈرنا اور کہا اے رب ہمارے کیوں فرض کیا تُو نے اوپر ہمارے لڑنا
لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ
کیوں نہ مہلت دی تُو نے ہمیں طرف مدت نزدیک کے ۔ کہہ سامان
الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ
دنیا کا تھوڑا ہے ۔ اور انجام اچھا ہے واسطے اُسکے جو بچنا چاہے
وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ ۷۷
اور نہ تم ظلم کئے جاؤ گے دھاگہ بھر

(اے رسولؐ!) کیا آپنے اُن لوگوں کے حالات پر غور نہیں کیا، (یعنی آپکو اُن پر غور کرنا چاہیئے کہ) جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھ روک لو (کفایت شعاری کے ذریعہ قرآنی نظام کیلئے مال پس انداز کرو) اور صلوٰۃ (موقت کے اجتماعات میں پابندی کیساتھ ادا کرو) اور اپنے مالوں سے کمزوروں کی نشوونما کیلئے حصہ دیا کرو۔ (تو وہ ایسا کرتے رہے) پھر جب (منکرینِ ربوبیت کیساتھ لڑنے کا وقت آیا اور) اُن پر لڑائی فرض کر دی گئی تو اُن میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو لوگوں سے (دشمنوں سے) اسطرح ڈرتا تھا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اُس سے سخت ڈرنا۔ اور اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار تُو نے ہم پر لڑنا کیوں فرض کر دیا ہے ہمیں قریب کی تھوڑی سی مدت کیلئے مُہلت کیوں نہیں دی (تاکہ ہم کچھ اور فائدہ اُٹھائیں۔ اے رسولؐ! اُنہیں) کہہ دیجئیگا کہ دُنیا کا سامان (خواہ کتنا ہی زیادہ ہو آخرت کے مقابلے پر) تھوڑا ہے۔ اور بہتر انجام اُس کیلئے ہے جو (ضابطۂ الٰہی کی فرمانبرداری کے ذریعہ) خود بچنا چاہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ (آخرت کی عدالتِ عالیہ میں) تم دھاگا بھر (یعنی معمولی سا) ظلم بھی نہیں کئے جاؤ گے۔

مَوت ایک دِن آکر رہیگی

● اس سے اگلی آیت میں اُن لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے جو میدانِ جنگ میں جانے سے اسلئے ڈرتے ہیں کہ کہیں قتل نہ ہو جائیں۔ اُن پر واضح کیا گیا ہے کہ تم موت سے ڈرتے ہو حالانکہ اُس نے تو آکر ہی رہنا ہے :-

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ
جہاں کہیں ہوگے تم پائیگی تم کو موت ۔ اور اگرچہ ہو تم
فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا
بیچ قلعوں مضبوط کے ۔ اور اگر پہنچے اُن کو بھلائی تو کہتے ہیں
هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا
یہ ہے طرف سے نزدیک اللہ سے ۔ اور اگر پہنچے انکو بُرائی ، کہتے ہیں
هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ
یہ ہے طرف سے نزدیک تیرے سے ۔ کہہ سب طرف سے نزدیک اللہ سے
فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ
پھر کیا ہے واسطے اس قوم کے نہیں قریب آتے کہ وہ سمجھیں
حَدِيثًا ۝ ۷۸
بات

(نیز آپ اُن سے کہہ دیجیئگا کہ تم موت سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) تم جہاں کہیں بھی ہو۔ اور اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں بھی ہو، تو موت تمہیں ضرور پالیگی۔ اور (انکی حالت یہ ہے کہ) اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کیطرف سے (آئی) ہے اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں کہ (اے رسول) یہ آپکی طرف سے (آئی) ہے۔ (یعنی یہ آپکی غلط تدبیری کا نتیجہ ہے) آپ کہہ دیجیئگا کہ (حقیقت یہ ہے کہ) بھلائیاں اور تکلیفیں سب اللہ کی طرف سے (یعنی اُسکے قانون کے مطابق آتی) ہیں پھر اس قوم کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ (اس صریح، واضح، غیر مبہم اور موٹی سی) بات پر بھی تفقہ کرنے (اور سمجھنے) کے قریب تک نہیں آتے (کہ بھلائی اور بُرائی سب اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کے مطابق آتی ہیں)۔

بھلائی اور بُرائی اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق آتی ہے

● ۱ اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ منافقوں کو جو بھلائی پہنچتی ہے اُسے تو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور جو انہیں تکلیف پہنچتی ہے، اُسکے متعلق کہتے ہیں کہ اے رسول! آپ کیطرف سے آئی ہے "هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ" لیکن ارشادِ ربانی ہے: "قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ" کہہ دیجیئگا کہ کامرانیاں اور ناکامیاں سب اللہ کیطرف سے آتی ہیں۔ واضح رہے کہ یہ وہ آیت مجیدہ ہے جس سے یہ غلط نظریہ قائم کیا گیا ہے کہ اگر کسی نے کنوئیں سے بچ کر محفوظ راستہ اختیار کرکے اپنے آپکو اُس میں گرنے سے بچا لیا تو یہ بھلائی بھی اللہ کیطرف سے اُسکی تقدیر میں لکھی تھی۔ اور اگر وہ بے احتیاطی سے کنوئیں میں گر کر دونوں ٹانگیں توڑ لیتا ہے تو یہ بُرائی بھی اللہ کیطرف سے اُسکی تقدیر میں پہلے ہی سے لکھی تھی۔ لیکن واضح رہے کہ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ کا یہ مفہوم صحیح نہیں۔ بلکہ اسکا صحیح مفہوم وہ ہے جو اُوپر عربی متن کے بالمقابل خط کشیدہ الفاظ میں لکھا گیا ہے۔ کہ بھلائیاں اور تکلیفیں سب اللہ کیطرف سے اُسکے قانون کے مطابق آتی ہیں۔

● فرض کیجئے کہ سرِ راہ ایک کنواں ہے۔ جو شخص اُس سے بچکر راستہ اختیار کرتا ہے، اُسے حفظ و امن کی جو بھلائی میسر آتی ہے۔ وہ بھی اللہ کے قانون کے مطابق ہوتی ہے کہ اُسکا جسم کنوئیں کے خلا کی زد میں نہیں آیا۔ اور اسکے برعکس بے احتیاطی کی بدولت یا جان بوجھکر کنوئیں میں گرنے والے کو جو تکلیف پہنچتی ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق پہنچتی ہے کہ اُسکا جسم چونکہ کنوئیں کے خلا کی زد میں آگیا، اسلئے اُسکا گرنا بھی لازمی امر تھا۔ اور اسکے بعد سر یا ٹانگوں پر ضرب میں آنا بھی ضروری تھا لیکن بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کنوئیں میں یا چھت سے زمین پر گرنے والا بال بال بچ جاتا ہے۔ تو یہ صورت بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہی عمل میں آتی ہے کہ گرنے والا کسی ایسے مخصوص زاویئے پر گرتا ہے کہ اُسے خراش تک نہیں آتی یا کوئی چیز وقتی بچاؤ کا موجب بن

جاتی ہے، جس کا ہمیں علم نہیں ہوتا۔

• فلہذا کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ کا صحیح قرآنی مفہوم یہ ہے کہ ہر بھلائی اور ہر برائی اللہ تعالیٰ کے قوانینِ مشیت کے مطابق ہی آتی ہے مختلف موقعوں پر جسطرح کے مختلف قوانینِ خداوندی کیساتھ سابقہ پڑتا ہے، اُسیطرح کے مختلف اچھے یا برے نتائج برآمد ہوتے رہتے ہیں۔ لوگ جس چیز کو قسمت اور تقدیر کہکر پہلے سے لکھی ہوئی تصور کرتے ہیں، وہ پہلے سے لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے محکم و اٹل قوانین، اور عصری واقعات کے امتزاج کا نتیجہ بنکر ہر آن لکھی جا رہی ہوتی ہے۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں قوانینِ مشیت کی محکمیت پر دلیلِ قاطع کے انداز میں رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوتا ہے کہ خود آپکو بھی جو بھلائی یا بُرائی پہنچتی ہے وہ بھی قوانینِ مشیت کے مطابق ہی پہنچتی ہے۔ کیونکہ قوانینِ مشیت کسی کی رعائت نہیں کرتے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے، قوانینِ مشیت میں شریک نہیں بنایا:۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز
جو پہنچے آپکو میں سے بھلائی کے، پس طرف سے اللہ کے ہے
وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط وَ
اور جو پہنچے آپکو میں سے برائی کے، پس طرف سے جان تیری کے ہے۔ اور
اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ
بھیجا ہم نے آپکو واسطے لوگوں کے۔ اور کافی ہے اللہ
شَهِيْدًا ○ ۷۹
گواہ

(اے رسول) خود آپکو بھی جو بھلائی پہنچتی ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے (یعنی قوانینِ مشیت کے مطابق) پہنچتی ہے۔ (وہ ان کاموں کا نتیجہ ہوتا ہے جو قوانینِ الٰہی سے ہم آہنگ ہوتے ہیں) اور آپکو جو تکلیف پہنچتی ہے (وہ بھی قوانینِ مشیت کے مطابق پہنچتی ہے تم آپکی طرف سے کسی تدبیری کمزوری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ (ہمارا قانون آپکی رعائت بھی نہیں کرتا۔ کیونکہ) ہمنے آپکو لوگوں کیطرف پیغام رساں بنا کر بھیجا ہے۔ (آپکو قوانینِ مشیت میں دخیل نہیں بنایا) اور اس حقیقت پر اللہ کافی گواہ ہے۔

• ط یہ با زائدہ ہے۔ اسلیئے اسکا معنیٰ نہیں لکھا گیا۔

• اس آیت مجیدہ میں قوانینِ مشیت کی محکمیت اور آنحضورؐ کی بشری حیثیت (۱۸/۱۱۰) کا اعلان کیا گیا ہے۔ لیکن حضورؐ کی رسولی حیثیت یہ ہے کہ آپ احکامِ خداوندی کی تبلیغ میں سو فیصدی امین اور قرآنِ کریم کے فرمانبردار رہتے۔ پیغامِ الٰہی میں مطلقاً کمی بیشی نہیں فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلسلۂ درس کی اگلی عین متصلہ آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے:۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ
جو کوئی اطاعت کرتا ہے رسول کی پس بیشک اطاعت کرتا ہے
اللّٰهَ ج وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ
اللہ کی۔ اور جو کوئی منہ موڑے پس نہیں بھیجا آپ کو اوپر ان کے

(حقیقت یہ ہے کہ) جو کوئی اطاعت کرے اللہ کے رسول کی تو بیشک وہ اطاعت کرتا ہے اللہ کی۔ اور جس نے اللہ کے رسول کی اطاعت سے منہ موڑا، تو (اے رسول!) ہمنے آپ کو لوگوں پر دارو غہ بنا کر نہیں بھیجا۔ (کہ آپ لوگوں سے زبردستی

حَفِيْظًا ۸۰
داروغہ

اطاعت کروائیں)۔

اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے

● اعلانِ خداوندی ہے کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے :۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۶/۵۷ + ۱۲/۶۷،۴ نیز اعلان فرمایا ہے :۔ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۱۸/۲۶ = اور اللہ کسی ایک کو بھی اپنے حکم میں شریک نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اطاعت ہوتی ہے حکم کی پس اطاعت صرف اُسکی ہوگی، جس کا حکم ہوگا۔ پس جبکہ اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں، تو اللہ کے سوا کسی کی اطاعت واجب ہی نہیں۔ پس مُطاعِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور رسُولِ مقبول خود اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے۔ آپؐ چونکہ اللہ کے رسُول، یعنی اُسکا حکم پہنچانیوالے تھے اور اتنے بڑے امین تھے کہ اللہ کے حکم میں اپنا کوئی حکم شریک ہی نہیں کرتے تھے ۱۸/۲۶۔ اسلئے آیتِ بالا ۴/۸۰ میں آنحضورؐ کی اطاعت کو اللہ ہی کی اطاعت قرار دیکر، ایک طرف آنحضورؐ کی شانِ اطاعتِ خداوندی کی انتہا بیان کر دی ہے اور دُوسری طرف وحدتِ حکم و اطاعت کی تائید فرمادی ہے۔ نیز صفحہ ۲۵۹ پر ۸/۲۰ ۔ ۵۹/۹ ۔ ۶۲/۹ اور ۴/۵۹ کے حوالوں سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ میں اللہ کی اطاعت بذریعہ رسُول کا حکم ہے۔ نہ اللہ اور رسُول کے دو الگ الگ حکموں کا تصور دیا گیا ہے اور نہ اللہ اور رسُول کی دو الگ الگ اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے کہ محوّلہ بالا آیتوں میں اللہ اور رسُول کیلئے تثنیہ کی بجائے ضمیرِ واحد آئی ہے :۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ ۸/۲۰ پس اللہ اور رسُول کی دو الگ الگ اطاعتوں کا تصور مطلقًا غیر قرآنی ہے۔ آیتِ بالا ۴/۸۰ میں اسی چیز کا بطلان کرکے اطاعتِ واحدہ کا اعلان کیا گیا ہے کہ ہمارا رسُول خالص ہماری اطاعت کرتا ہے، اسلئے جو کوئی رسُول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اطاعت صرف ایک ہے اللہ کی۔ ایک سے زائد اطاعتوں کا از روئے قرآنِ حکیم تصوّر تک نہیں کیا جاسکتا۔

منافق لوگ آنحضورؐ کے ارشادات گرامی کے خلاف سازشیں کرتے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے اُن لوگوں کی خبر دیگئی ہے جو اپنے آپکو رسُولِ مقبول کا اطاعت گزار بتاتے تھے لیکن جب آنحضورؐ کی مجلسِ مبارکہ سے چلے جاتے تو اپنی مجلسوں میں آپکے ارشادات کے خلاف مشورے اور سازشیں کیا کرتے تھے۔ تاکہ آنحضورؐ کا وقتی منصوبہ ناکام ہوجائے۔ لیکن حکم ہوتا ہے کہ آپؐ اُنکی پرواہ نہ کریں اور اللہ کے قانون پر بھروسہ رکھیں :۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ز فَاِذَا بَرَزُوْا
اور وہ کہتے ہیں اطاعت کرنا۔ پھر جب جاتے ہیں

مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ
طرف سے پاس سے آپکے مشورہ کرتا ہے ایک گروہ، میں سے اُنکے

اور وہ کہتے ہیں (یعنی دعویٰ کرتے ہیں کہ) وہ اطاعت گزار ہیں۔ پھر جب آپکے پاس سے جاتے ہیں تو (اپنی مخصوص مجلسوں میں) اُن میں سے ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ مشورہ کرتا ہے اُسکے خلاف جو آپنے فرمایا ہو۔ (تاکہ آپکا وقتی منصوبہ ناکام

غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ
خلاف اسکے جو آپ کہتے ہیں۔ اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں
فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَ
پس اعراض کیجئے طرف سے انکی اور بھروسہ کیجئے اوپر اللہ کے۔ اور
كَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ ۸۱
کافی ہے اللہ کارساز

ہو جائے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (انکے اعمالناموں میں) لکھتا ہے جو وہ سازشی مشورے کرتے ہیں۔
پس (اے رسول!) آپ انکی پرواہ نہ کریں۔ اور (اپنے منصوبوں کی تکمیل کیلئے) اللہ کے قانون پر بھروسہ کریں اور اللہ کا قانون کارسازی کے لحاظ سے کافی ہے۔

● علہ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ کا یہ عوامی مفہوم غیر قرآنی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قوانینِ فطرت سے بے اعتنائی برتیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں کہ وہ ہمارے کاموں کو اپنے خود متعین کردہ قوانین کے خلاف سنوار دیگا۔ واضح رہے کہ لفظ توکّل کا سہ حرفی مادہ و۔ک۔ل = وکل ہے، جس کا بنیادی معنٰی ہے بھروسہ کرنا۔ اب اگر کوئی شخص درخت کی ٹہنی پر اگلی طرف بیٹھ کر اُسے آری کیساتھ کاٹنا شروع کردے۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھے ہوئے ہو کہ، وہ اُسے گرنے سے بچا لیگا۔ تو ظاہر ہے کہ اُسکا یہ توکّل عَلَى اللَّهِ مطلقاً غلط ہے۔ یقیناً ٹہنی کے کٹنے کیساتھ ہی وہ بھی زمین پر آگریگا۔ کیوں؟ اِسلئے کہ جس اللہ پر وہ توکّل، بھروسہ کئے ہوئے تھا۔ اُسی کا معیّنہ قانون یہ ہے کہ کوئی وزن دار چیز بغیر سہارے کے ٹھہر نہیں سکتی۔ چونکہ جس ٹہنی کے سہارے وہ خود ٹہنی پر ٹھہرا ہوا تھا۔ جب وہ سہارا ہی نہ رہا۔ زمین پر آگرا تو وہ بھی اُسکے ساتھ ہی زمین پر آگریگا۔ پس ثابت ہوا کہ توکّل علی اللہ کا معنٰی یہ ہے کہ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کے خود متعین کردہ قوانین کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور اُسکے قوانین کی محکمیت پر بھروسہ کیا جائے کہ وہ کبھی بھی انسان کو دھوکا نہیں دیتے۔ واضح رہے کہ، انسان کی موجودہ مادی ترقی اللہ تعالیٰ کے قوانین کی محکمیت ہی کی مرہونِ منت ہے۔

تدبّر فی القرآن کی تاکید

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں حکم ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کی گرہ قرآنِ کریم میں تدبّر کئے بغیر نہ باندھنا۔ اور قرآنِ کریم میں تدبّر اِسطرح کرنا کہ اِس میں تضاد پیدا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیں:۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ
کیا پھر نہیں تدبّر کرتے قرآن میں۔ اور اگر ہوتا طرف سے
عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ ۸۲
پاس غیر اللہ کے تو پاتے بیچ اسکے اختلاف بڑا

لوگ (مسائل کے اختلاف کے فیصلے کیلئے) قرآن میں کیوں تدبّر نہیں کرتے۔ (یعنی انہیں ضرور ضرور تدبّر کرنا چاہیئے) حقیقت یہ ہے کہ اگر (قرآن مجید) غیر اللہ کیطرف سے ہوتا تو لوگ اِس میں (تھوڑا نہیں بلکہ) بہت زیادہ اختلاف موجود پاتے۔

قرآنِ کریم میں اختلاف موجود نہیں

● اِس آیتِ مجیدہ میں تدبّر فی القرآن کی تاکید کیساتھ ساتھ اِس امر کی تاکید بھی موجود ہے کہ ایسا تدبّر نہ کرنا جس سے اِسکی آیاتِ کریمات میں تضاد و تخالف پیدا کرکے رکھ دو۔ چونکہ یہ اللہ کیطرف سے ہے اِسلئے اِس میں تضاد موجود نہیں ہے۔ سابقہ آیت میں جو توکّل علی اللہ کا حکم دیا گیا ہے سیاقِ کلام کے مطابق سب سے پہلے اِس مسئلہ کا اختلاف دُور کرنا ضروری ہے۔ کہ کیا صرف تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ کہدینے سے

توکّل علی اللہ کے تقاضے پُورے ہوجاتے ہیں، یا تکمیلِ مقصد کیلئے ہمیں خود کوشش کرنی ہوگی ؟ اور پھر کوشش کے دَوران کیا اللہ تعالےٰ کے قوانینِ فطرت کو نگاہ میں رکھنا ہوگا، یا اُنکی مخالفت کرنے سے توکّل علی اللہ کے تقاضے پُورے ہوجائینگے ؟

افواہوں پر کان نہ دھرو

• منافقوں کیطرف سے آنحضورؐ کے دفنی منصوبوں کے خلاف سازشی مشوروں کی ایک صُورت اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں یہ بتائی گئی ہے کہ وہ آنحضورؐ کے خلاف پھیلائی گئی افواہوں کو بلا تعلّق عام کرتے رہتے تھے :-

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ
اور جب آتی ہے اُنکو کوئی خبر، میں سے امن کے، یا

الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ
یا خوف کے مشہور کرتے ہیں ساتھ اُسکے اور اگر لوٹاتے اُسے طرف رسول کے اور طرف

أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ
اصحابِ امر میں سے اپنے کے البتہ جانتے اُسے جو لوگ تحقیق کرتے ہیں اُسکی

مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ
میں سے اُنکے۔ اور اگر نہ ہو فضل اللہ کا اوپر تمہارے، اور رحمت اُسکی

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ ۸۳
البتہ اتباع کرتے تم افواہ اُڑانیوالے کی مگر تھوڑے

اور (منافقوں کی حالت یہ ہے کہ) جب اُنہیں کوئی خبر دشمن کیطرف سے امن یا خوف کی ملتی ہے تو اُسے (بلا تحقیق) مشہور کر دیتے ہیں۔ (جس سے عوام میں امن کی خبر سے بے پرواہی اور خوف کی خبر سے دہشت پھیل جاتی ہے) اور اگر وہ اُس خبر کو اللہ کے رسُول کیطرف لوٹائیں یا اپنے میں سے رسُول کے مقرر کردہ عمّال کیطرف لوٹائیں تو بیشک اُن میں سے وہ لوگ جو کھوج لگاتے ہیں، وہ اُس خبر کی حقیقت کو جان لیں (تو اچھا ہو)۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُسکی رحمت نہ ہو (جیسے کہ تمہیں خبروں کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے)، تو تم بُری خبر اُڑانیوالے شیطان کی اتباع کرکے نقصان اٹھا لیتے، مگر تھوڑے ہوتے جو اُس غلط خبر کے ضرر سے بچ جاتے۔

• ۱ اُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ کی بحث پیچھے آئت نمبر ۵۹ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ کہ اِس سے وہ ماتحت عمّال مراد ہیں جنہیں خود رسُولِ مقبول نے عوام میں سے مقرر کر رکھا تھا۔ اور آپکے بعد جنہیں آپکے مقدّس جانشین رضی اللہ عنہم متعیّن فرمایا کرتے تھے۔ دشمن امن یا خوف کی جھُوٹی خبریں اُڑا کر عوام میں بے پرواہی اور دہشت پھیلانا چاہتا ہے۔ اِسکا یہ انسداد بتایا گیا ہے کہ عوام میں سے جو شخص کوئی خبر سُنے تو اُسے آگے نہ پھیلائے، بلکہ یا تو آنحضورؐ کے پاس لے جائے اور یا اپنے قریب کے اُس عامل کے پاس لے جائے جو خود مرکزِ ملّت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو۔

• ۲ یَسْتَنْبِطُونَهُ سے مراد یہ ہے کہ ریاست کیطرف سے جو لوگ خبروں کی تصدیق کیلئے مقرر کئے گئے ہیں وہ اُس خبر کا کھوج لگا کر اور پُوری تحقیق کے بعد عوام میں پھیلائیں۔ تاکہ معاشرہ غلط خبر کے ضرر سے بچ رہے۔

• ۳ یہاں شیطان سے مراد ہے معاشرہ میں غلط خبر اُڑانیوالا۔ ویسے اِس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ش - ط - ن = شطن۔ جسکا بنیادی معنٰی ہے، مخالفت کرنا، دُور ہونا۔ شَطَنَ کا معنٰی ہے وہ مخالف ہوگیا۔ شَطَنَ الدَّارُ کا معنٰی ہے گھر دُور ہُوا۔ یہ لفظ عموماً اللہ تعالیٰ اور حق و صداقت سے دُوری کیلئے آتا ہے۔ جیسے کہ شَطَنَ الرَّجُلُ کا معنٰی ہے بَعُدَ عَنِ الْحَقِّ = آدمی حق و صداقت سے دُور ہوگیا۔ اِسطرح شیطان سے مُراد وہ آدمی ہے جو حق و صداقت سے دُور ہوگیا۔ جھُوٹی خبریں اُڑانیوالے کیلئے اسی نہج

سے شیطان کا لفظ لایا گیا ہے۔

• اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں رسولِ اکرم کو مخاطب کر کے قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ دشمن کیطرف سے اُڑائی ہوئی غلط خبروں کے انسداد کریں۔ اور دشمن کیساتھ لڑتے رہیں۔ آپ اپنی جان کے ذمہ دار ہیں۔ مومنوں کو لڑائی کی ترغیب دیتے رہیں۔ فتح آپکے قدم چومیگی:۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ

پس آپ لڑیئے بیچ راہ اللہ کے۔ نہیں مکلف آپ

إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ

مگر آپ کی اپنی جان اور تاکید کیجئے مومنوں کو۔ قریب ہے۔ اللہ

أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ

کہ روک دے لڑائی اُن کی جو کافر ہوئے۔ اور ہے اللہ بہت سخت

بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ۝ ۸۴

لڑائی کی رُو سے اور بہت سخت روکنے کی رُو سے

پس اے رسُول! آپ مظلوموں کی مدد ۷۵/۴ اور ملکی دفاع ۲۲/۴۹ کیلئے) اللہ کی راہ میں لڑتے رہیں۔ نہیں ہیں مکلف سوائے اپنی جان کے۔ اور مومنوں کو (قتال فی سبیل اللہ کی) آپ تاکید کیجئے (یعنی اُنہیں فوجی ٹریننگ دیجئے) قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ روک دے اُن لوگوں کی لڑائی کو جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کیا ہے۔ یعنی وہ ہتھیار ڈال دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ بہت سخت ہے لڑائی کی رُو سے بھی۔ اور بہت سخت ہے روک دینے کی رُو سے بھی۔

• علہ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ کا حکم آنحضور کے نام ۶۵/۸ میں بھی آیا ہے۔ حَرِّضْ کا سہ حرفی مادہ ح۔ ر۔ ض = حرض ہے۔ جسکا بنیادی معنٰی ترغیب دینا اور تاکید کرنا ہے۔ لیکن حَرِّضِ عَلَى الْقِتَالِ کے الفاظ سے عیاں ہوتا ہے کہ میدانِ جنگ میں لڑائی کرنے یعنی قتال کیلئے تاکید و ترغیب سے پہلے لازم ہے کہ جسے ترغیب دی جائے وہ فنونِ حرب میں تاک کیا جا چکا ہو۔ اسلئے حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ کا معنٰی جب جنگ جاری نہ ہو، اُسوقت یہ ہے کہ جنگ کی تیاری کیلئے مومنوں کو فنونِ جنگ کی ٹریننگ دیتے رہیں۔ اور جب جنگ شروع ہو جائے، اُسوقت اِسکا معنٰی یہ ہے کہ مومنوں کو قتال کی ترغیب اور تاکید فرمائیں۔ یہ جنگ اور امن ہر وقت کیلئے ہے۔

جنگی تجاویز • سیاقِ کلام کے ربط و وصل کے مطابق، جبکہ جنگ سے متعلقہ مسلسل عنوان چل رہا ہے اسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جنگی تجاویز پیش کرنیوالوں کو، انتہائی غور و خوض کے بعد ہی پیش کرنی چاہئیں کیونکہ:۔

مَّن يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُ

جو کوئی سفارش کرے سفارش اچھی، ہوگا واسطے اُسکے

نَصِيبٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً

حصہ، میں سے اُسکے۔ اور جو کوئی سفارش کرے سفارش بُری

جو شخص (جنگ کے دوران) کوئی اچھی سفارش کریگا۔ تو (اُسکے اچھے نتیجے میں) اُسکا بھی حصہ ہے۔ اور جو کوئی (جنگ کے دوران) بُری سفارش کریگا۔ تو اُسکے بُرے نتیجے کا بوجھ اُس پر بھی ہوگا۔ (کسی شخص کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ کسی بُری

يَكُن لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
ہوگا واسطے اُسکے بوجھ، میں سے اُسکے۔ اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے
مُّقِيتًا ۝ ۸۵
پیمانے مقرر کرنیوالا

تجویز کے بُرے اثر سے وہ بچ جائیگا)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز کے پیمانے مقرر کرنیوالا (ہر چیز کیلئے قانون متعین کرنے والا) ہے۔

● جنگ اور امن دونوں زمانوں میں داخلی نظم و ضبط کا قیام انتہائی لازمی چیز ہے۔ اِسلئے چونکہ باہمی سلام و تحیّۃ داخلی نظم و ضبط کی ایک ظاہری لازمی علامت ہے۔ اِسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں باہمی سلام کے آداب کی وضاحت کیگئی ہے:۔

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ
اور جب دعا دیئے جاؤ تم ساتھ دعا کے تو دعا دو ساتھ اچھے طریقے
مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ
سے اُسکے۔ یا لوٹا دو اُسی کو۔ بیشک اللہ ہے اوپر ہر
شَيْءٍ حَسِيبًا ۝ ۸۶
چیز کے حساب لینے والا

اور (ایمان والو! باہمی تحیّۃ کے آداب بھی سُن لو) جب تم کسی کیطرف سے نیک دعا کیساتھ دُعا دیئے جاؤ (یعنی جب تمہیں کوئی سلام کہے) تو تم اُس سے بہتر الفاظ میں دعا دیا کرو اور یا وُہی الفاظ لوٹا دیا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ (یاد رکھو کہ دعا سلام تک کا بھی حساب لیا جائیگا)۔

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ
اللہ ہے۔ نہیں کوئی حاکم مگر وہی۔ البتہ وہ جمع کریگا تم کو
إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ
بیچ دن قیامت کے نہیں شک بیچ اُسکے۔ اور کون ہے بڑھکر سچا
مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۝ ۸۷ ع ۱۱ النصف
سے اللہ کے، بات کی رُو سے

(اے پُوری نوعِ انسانی! بغور سُن لو کہ) اللہ ہی وہ ذات ہے کہ اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ وہ تم سب کو (تمہارے اعمال کی جزادہی اور حساب کے لئے پہلے) قیامت کے دن (یعنی جس دِن تم دوبارہ اُٹھائے جاؤگے) ضرور جمع کریگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے بڑھکر بات کی رُو سے کون سچا ہے (کوئی بھی نہیں)۔

منافق جبتک نفاق نہ چھوڑیں اُسوقت تک اُنکی ہدایت ممکن نہیں

● واضح رہے کہ قرآن مجید میں منافقین کے مسئلہ کو بہت اہمیت دیگئی ہے۔ یہ اسلئے کہ یہ لوگ مومنوں کی ترقی کی راہ میں سنگِ گراں بنے رہتے ہیں۔ اِسلئے مومنوں کی جماعت سے منافقوں کا اخراج انتہائی ضروری ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اُنہی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ
پھر کیا ہے واسطے تمہارے بارے میں منافقوں کے دو گروہ ہو گئے ہو

پھر (ایمان والو!) تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

وَاللّٰہُ اَرۡکَسَھُمۡ بِمَا کَسَبُوۡا ؕ
حالانکہ اللہ اُلٹ دیگا اُنکو۔ ساتھ اُسکے جو کسب کرتے ہیں وہ۔
اَتُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَھۡدُوۡا مَنۡ اَضَلَّ اللّٰہُ ؕ
کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ تم ہدایت دو اُسے جسے گمراہ ٹھہرایا اللہ نے
وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ سَبِیۡلًا ۸۸
اور جسے گمراہ ٹھہرائے اللہ۔ تو ہرگز نہ پائیگا تو واسطے اُسکے راہ

اُنہیں (اُنکے منافقانہ عملوں کی بدولت) اُلٹ کو تہ و بالا کردیگا۔
(اُنکے متعلق اچھی رائے رکھنے والو!) کیا تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ اُنہیں راہِ راست پر لے آؤگے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے (اُنکی گمراہی کی بدولت) گمراہ ٹھہرا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے (اُسکی گمراہی کی بدولت) اللہ گمراہ ٹھہرادے اُس کی ہدایت کی کوئی راہ (اے رسولؐ!) آپ بھی نہیں پائینگے۔

مُنافق تو تمہیں بھی کافر بنانا چاہتے ہیں

• آیت بالا میں منافقوں کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ وہ اپنے لئے ہدایت کے تمام راستے خود مسدود کرلیتے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو ضابطۂ خداوندی کی صداقت کو اچھی طرح جانتے ہوئے، اپنے ذاتی فائدوں کیلئے کافروں کیساتھ بھی ملے رہتے ہیں اور مومنوں کیساتھ بھی۔ ایسے لوگوں کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ منافق لوگ دراصل کفار کے ایجنٹ ہوتے ہیں۔ مومنوں میں اسلئے ملے رہتے ہیں کہ اپنے آپکو مومن ظاہر کرکے ذاتی فائدے بھی اُٹھائیں۔ اور ہر ممکن طریقے سے مومنوں کو بھی پھر سے کفر میں لوٹا کر لے جائیں:۔

وَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ کَمَا کَفَرُوۡا
وہ چاہتے ہیں، کاش تم انکار کردو، جیسے انہوں نے انکار کیا۔
فَتَکُوۡنُوۡنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡھُمۡ اَوۡلِیَآءَ
پھر تم ہوجاؤ برابر، پس نہ پکڑو تم، میں سے اُن کے دوست،
حَتّٰی یُھَاجِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا
یہانتک کہ وہ ہجرت کریں بیچ راہ اللہ کے، پھر اگر وہ منہ موڑیں
فَخُذُوۡھُمۡ وَاقۡتُلُوۡھُمۡ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡھُمۡ
تو پکڑلو انکو، اور قتل کرو اُن کو جہاں بھی پاؤ تم اُن کو۔
وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡھُمۡ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ۸۹
اور نہ پکڑو، میں سے اُن کے دوست اور نہ مددگار

(منافق لوگ) یہ چاہتے ہیں کہ کاش ایسا ہو کہ جسطرح انہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کردیا ہے۔ اُسیطرح تم بھی انکار کردو پھر (اس انکار کے ضمن میں) تم دونوں برابر ہوجاؤ۔ پس ایسے لوگوں میں سے اُسوقت تک کسی کو دوست نہ بنانا، جبتک کہ وہ اللہ کے دین کیلئے (سابقہ نظریات سے پوری طرح) ہجرت نہ کرجائیں۔ پھر اگر وہ اس سے روگردانی کریں (یعنی تمہارے اندر رہکر اپنے باطل نظریات کی تبلیغ کریں) تو اُنہیں گرفتار کرلو۔ (پھر اگر وہ فرار ہوکر روپوش ہوجائیں تو اُن کی تلاش کرو اور) اُنہیں جہاں پاؤ قتل کردو[1]۔ اور (اگر وہ فرار ہوکر کہیں الگ ریاست بنالیں تو) اُن میں سے نہ کسی کو دوست بنانا نہ مددگار[2]۔

• [1] اس آیت مجیدہ میں آنحضورؐ سمیت صحابہؓ کو حکم دیا گیا ہے کہ منافقوں کو تلاش کرکے گرفتار کرو اور ایک ایک کو قتل کردو۔ یہی حکم خالص آنحضورؐ کے نام منافقوں کی تلاش، گرفتاری اور قتل کا ۳۳/۶۰-۶۱ میں بھی دیا گیا ہے۔ اس ہدایت

مُسلمہ کے اُن حضرات سے مودبانہ التماس ہے کہ وہ اپنے نظریات پر نظرِ ثانی کریں جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضوؐر کی زندگی میں منافق لوگ آنحضوؐر پر چھائے رہے۔ نفاق کو چھپائے رکھا۔ حتیٰ کہ آنحضوؐر کی وفاتِ مبارکہ کے بعد منافق ہی مسندِ خلافت پر قابض ہوگئے العیاذُ باللہ! ۔ واضح رہے کہ اگر یہ نظریہ صحیح مانا جائے تو آنحضوؐر کی نبوت کی فکر کرنا ہوگی۔ کیونکہ خُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ ۴/۸۹ کے مطابق آنحضوؐر اور صحابہؓ پر فرض کر دیا گیا تھا کہ منافقوں کو گرفتار کرکے ایک ایک کو قتل کردیں۔ لیکن مذکورہ نظریہ کے مطابق آنحضوؐر اور صحابہؓ نے اس حکم کی معاذ اللہ استغفر اللہ! نافرمانی کی۔ حتیٰ کہ منافق، نہ صرف زندہ رہے، بلکہ مسندِ خلافت تک پہنچ گئے۔ واضح رہے کہ قرآن مجید کی آیت زیرِ بحث ۴/۸۹ کے مطابق یا تو صحابہؓ کے اندر آنحضوؐر کی وفاتِ مبارکہ تک منافقوں کی موجودگی کے نظریہ سے توبہ کرنا لازم ہے ورنہ آنحضوؐر کی نبوت کی فکر کرنا ہوگی۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ! کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی تلاش، گرفتاری اور قتل کا حکم دیا تھا جس کی تعمیل نہیں کی گئی تھی۔ نیز واضح رہے کہ پچھلی آیت مجیدہ ۴/۸۸ سے ثابت ہے کہ منافق آنحضوؐر اور صحابہؓ سے مخفی نہیں تھے۔ کیونکہ بتایا گیا ہے کہ اُنکے متعلق صحابہؓ کے دو گروہ ہوگئے تھے۔ پس مجملہ منافق مخفی نہیں تھے بلکہ پوری طرح ظاہر ہو چکے تھے۔ جو اللہ کے مندرجہ بالا حکم ۴/۸۹ کے مطابق گرفتار اور قتل کر دیئے گئے تھے۔

• ع۱ اگر منافقین گرفتاری اور قتل سے فرار ہو کر بفرضِ محال طاقت بنا کر کہیں کوئی حکومت قائم کرلیں تو حکم دیا گیا ہے کہ نہ اُن سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا اور نہ اُنکے ساتھ باہمی مدد کا معاہدہ کرنا۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ دوستی اور معاہدے کی آڑ میں تمہیں انتہائی نقصان پہنچائینگے۔

قرآن کریم کی رُو سے معاہدات کی اہمیت

• مفرور منافقوں کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں صرف ایک استثنیٰ بیان کی گئی ہے کہ ہاں اگر وہ کسی ایسی قوم سے جا ملیں جس کیساتھ تمہارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو تو وہ مذکورہ سزا سے بچ سکتے ہیں:۔

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَکُمْ

سوائے اُن لوگوں کے جو مل جائیں ساتھ اُس قوم کے کہ بیچ درمیان تمہارے

وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ

اور درمیان اُنکے عہد یا وہ آئیں تمہارے پاس کہ تنگ ہوئے ذہن اُنکے

اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

کہ وہ لڑیں تم سے یا وہ لڑیں قوم اپنی سے، اور اگر چاہے اللہ

لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ

طاقت دے انہیں مقابل تمہارے تو ضرور لڑیں تم سے پھر اگر وہ بچیں تم سے

فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ ۙ

پھر نہ لڑیں تم سے اور پیش کریں طرف تمہاری صلح

سوائے اُن لوگوں کے (یعنی منافقوں میں سے وہ لوگ مذکورہ سزا سے مستثنیٰ ہیں) جو اُس قوم کی پناہ میں چلے جائیں کہ تمہارے اور اُنکے درمیان (عدم جنگ کا) معاہدہ ہو۔ یا وہ خود تمہارے پاس آ جائیں (اس حالت میں کہ) اُنکے ذہن لڑائی سے تنگ آ چکے ہوں کہ نہ وہ تمہارے ساتھ لڑینگے اور نہ اپنی قوم کیساتھ اور اگر کہیں وہ اللہ کے قانونِ مشیت کے مطابق تم پر غلبہ پانے کی طاقت پالیں تو وہ ضرور تم سے جنگ کریں پس اگر تمہارے ساتھ لڑنے سے پرہیز کریں۔ تو پھر وہ تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں۔ اور تمہارے سامنے صلح کا (ارادہ) پیش کریں تو پھر (ایسے حالات میں) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اُن کے

فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ٥ ۹۰
پھر نہیں ٹھہرائی اللہ نے واسطے تمہارے خلاف اُنکے کوئی راہ

خلاف لڑائی کا کوئی جواز قرار نہیں دیا۔

مُنافقوں کی ایک اَور قسم

• اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں ایک اَور قسم کے منافقوں کی خبر دیگئی ہے جو مومنوں کیساتھ صُلح جوئی کیساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب اُنہیں کوئی قوم مومنوں کے خلاف اُبھارتی ہے تو وہ ٹوٹنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں:-

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ
ضرور پاؤگے تم دوسرے ارادہ کرتے ہیں کہ یا امن رہیں تم سے
وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا
اور با امن رہیں قوم اپنی سے جب بلائے جائیں طرف لڑائی کے کود پڑیں
فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ
بیچ اسکے پھر اگر نہ پرہیز کریں تم سے اور نہ پیش کریں طرف تمہاری
السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ
صلح اور نہ روکیں ہاتھ اپنے، تو پکڑو انکو، اور قتل کرو اُن کو
حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ
جہاں کہیں پاؤ تم انکو، اور تم ہی ہو کہ ٹھہرایا ہمنے واسطے تمہارے اوپر انکے
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۚ ۹۱ ع ۱۲ / ۹
غلبہ ظاہر

(ایمان والو!) تم ضرور ایک دوسری قسم کے منافق بھی پاؤگے جو ارادہ کرتے ہیں کہ تم سے بھی امن کیساتھ رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن کیساتھ رہیں۔ (مگر اُنکی حالت یہ ہے کہ) جب اُنہیں (تمہارے خلاف) لڑائی کیلئے اُبھارا جائے تو جنگ میں کود پڑیں۔ پھر اگر وہ تمہارے خلاف جنگ کرنے سے پرہیز نہ کریں۔ اور تمہارے سامنے صلح کا پیغام پیش نہ کریں۔ اور تمہارے خلاف اپنے ہاتھ نہ روکیں تو پھر تم اُنہیں جہاں کہیں پاؤ گرفتار کرلو۔ اور اُنہیں قتل کردو[1]۔ تم ہی وہ لوگ ہو کہ ہم نے تمہارے لئے اُنکے خلاف لڑنے کی واضح دلیل ٹھہرا دی ہے (وہ لوگ ضرور تمہارے ہاتھوں شکست فاش پائینگے)۔

• ۱ دیکھئے اِس آئت میں بھی منافقوں کو گرفتار کرنے اور قتل کرنے کا حکم دیاگیا ہے۔

کوئی مومن کسی مومن کو قتل نہ کرے

• منافقوں کے قتل کے حکم کے بعد اگلی آئت میں کہاگیا ہے کہ کوئی مومن کسی مومن کو قتل نہ کرے اور اگر کسی مومن سے کسی مومن کا سہواً قتل واقع ہوجائے تو ایک غلام آزاد کرے اور خون بہا بھی ادا کرے:-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا
اور نہیں لائق واسطے کسی مومن کے کہ وہ قتل کرے کسی مومن کو سوائے
خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
خطا کے۔ اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو خطا سے تو آزاد کرنا ہے ایک گردن

اور کسی مومن کیلئے (یہ روا نہیں کہ) وہ کسی مومن کو (جان بوجھکر) قتل کرے۔ سوائے اِسکے کہ بھول کر قتل ہوجائے۔ اور جو کوئی کسی مومن کو بھول کر قتل کرے تو وہ ایک مومن کی گردن آزاد کرے۔ (یعنی اگر کوئی مومن کسی کافر کی غلامی میں ہو تو

مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ
مومن کا اور خون بہا دینا مقررہ طرف وارث اُسکے ۔ مگر یہ کہ
يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ
وہ معاف کریں۔ پھر اگر ہو بیں سے قوم دشمن تمہاری کے، اور وہ مومن ہو
فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ
تو آزاد کرنا ہے ایک گردن مومن کا۔ اور اگر ہو بیں سے قوم کے
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
کہ ہے درمیان تمہارے اور درمیان اُنکے عہد تو خون بہا دینا مقررہ طرف وارث اُسکے
وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
اور آزاد کرنا ہے ایک گردن مومن کا۔ پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے رکھنا
شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
دوماہ کے پے در پے۔ رجوع کرنا ہے طرف اللہ کی۔ اور ہے اللہ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ۹۲
بڑھکر جاننے والا حکمت والا

اُسکی قیمت ادا کرکے اُسے آزاد کرائے، اور جب غلامی کا دور گزر جائے، تو کسی مومن مقروض کا قرضہ ادا کرے)۔ اور ساتھ ہی مقتول کے وارثوں کو باہمی مسلّمہ معیّنہ خون بہا ادا کرے، سوائے اسکے کہ وہ (برضا و رغبت خون بہا) معاف کردیں۔ پھر اگر وہ تمہاری دشمن قوم سے ہو اور مقتول مومن ہو، تو پھر ایک مومن کی گردن آزاد کرنا ہے (دشمن قوم کو خون بہا ادا نہیں کیا جائیگا)۔ اور اگر مقتول اُس قوم میں سے ہو کہ اُن کے اور تمہارے درمیان صُلح (عدم جنگ) کا معاہدہ ہے تو مقتول کے وارث کو باہمی مسلّمہ مقررہ خوں بہا ادا کرنا ہے۔
اور ایک مومن کی گردن آزاد کرنا ہے (یا ایک قرضدار کا قرضہ ادا کرنا ہے) پھر جو کوئی (گردن آزاد کرنے کی) طاقت نہ پائے تو وہ دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے۔ یہ اللہ (یعنی اسکے امن کے قانون) کیطرف رجوع کرنا ہے[1]۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑھکر جاننے والا اور حکمت والا ہے[2]۔

● [1] بلا ارادہ قتل کی سزا سے بھی کوئی مومن بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر قاتل بلاعمد گردن آزاد کرنے یعنی کسی مومن کو غلامی سے یا مومن مقروض کو قرضہ سے آزاد کرانے کی طاقت نہیں رکھتا تو قتل بلاعمد کی سزا سے پھر بھی بچ نہیں سکتا، اُسے دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے ہونگے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ امن کیطرف رجعت کا ثبوت مہیا ہو جائے۔ اور مقتول کے وارثوں کی آتشِ انتقام ٹھنڈی ہو جائے۔

● [2] اللہ تعالیٰ بہت بڑھکر جاننے والا اور حکمت والا ہے کہ جبتک قاتل بلاعمد کو قانونی سزا نہیں دیجائیگی اُسوقت تک مقتول کے وارثوں کی انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی۔ اور نہ آیندہ کیلئے امن کی ضمانت مہیا ہو سکتی ہے کہ مقتول کے وارث قتل کا بدلہ چکانے کیلئے کوئی ناقضِ امن اقدام نہیں کرینگے۔

مومن کے باارادہ قتل کی سزا ابدی جہنم ہے

● آیتِ بالا میں مومن کے قتل بلاعمد کی سزا بیان کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں مومن کے قتل باارادہ کی سزا دائمی جہنم، اللہ کا غضب و لعنت بیان ہوئی ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ
اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو ارادہ کیساتھ تو اُسکی سزا

اور (بگوش ہوش سن لو کہ) جو کوئی کسی مومن کو ارادے کیساتھ قتل کردے، تو اُسکی سزا (اللہ کی طرف سے)

جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
ناکامی ہے، ہمیشہ رہنا بیچ اسکے اور ناراض ہوا اللہ اوپر اسکے اور
لَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۹۳
ناپسند کیا اسے اور تیار کی واسطے اسکے سزا بڑی

اُخروی ناکامی ہے ۔ اُس میں ہمیشہ رہنا ہے ۔ اور ناراض ہوا اللہ تعالیٰ اُس پر اور
ناپسند کیا اُسے (یعنی اُس سے بیزار ہو گیا) اور تیار کی اللہ نے اُسکے لئے سزا بڑی ۔

کسی مومن کے سہوًا یا عمدًا قتل کی سزا ایک نظر میں

• پیچھے آئت نمبر ۹۲ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اگر کسی مومن کا بلا ارادہ قتل واقع ہو جائے یعنی کسی مومن شکاری نے فائر تو کیا ہرن کو شکار کرنے کیلئے، مگر وہ سہوًا جا لگا کسی مومن کو، تو ایسے بلا ارادہ قتل کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

۱ اگر مقتول مومن اپنے ہی معاشرہ کا فرد ہے تو سہوًا قتل کرنیوالا ایک مومن کی گردن بھی آزاد کرے جس کی دو صورتیں ہیں کہ اگر کوئی مومن کسی کا غلام ہو تو اُسکی قیمت ادا کر کے اُسکی گردن آزاد کرائے اور اگر کوئی غلام نہ ملے تو کسی مومن مقروض کی گردن آزاد کرائے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا کی وہ رقم بھی ادا کرے جو متفقہ طور پر معاشرہ میں مقرر کیگئی ہو۔

۲ اگر مقتول مومن کسی دشمن قوم کا فرد ہو تو سہوًا قتل کرنیوالا مومن ایک مومن غلام یا مقروض کی گردن آزاد کرائے ۔

۳ اگر مقتول مومن اُس قوم کا فرد ہے، جسکے ساتھ مسلمانوں کا صلح کا معاہدہ ہے تو سہوًا قتل کرنیوالا مومن مقتول کے وارثوں کو خون بہا بھی ادا کرے اور ایک مومن غلام یا مومن مقروض کی گردن بھی آزاد کرائے ۔

۴ خون بہا کی رقم اگر مقتول کے وارث معاف کریں تو معاف ہو سکتی ہے لیکن ایک مومن کی گردن آزاد کرانا ضروری ہے۔

۵ اگر کسی مومن کو بلا ارادہ قتل کرنیوالا مومن ایک مومن کی گردن آزاد کرانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اسلامی عدالت کے رُوبرو توبہ کرے اور توبہ کی تصدیق کیلئے مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے —— یہ ہے کسی مومن کے ہاتھ سے کسی مومن کے سہوًا قتل کی دنیوی سزا جس سے قتلِ سہو کی اُخروی سزا باقی نہیں رہتی۔

۶ اِس سے آگے آپ آئت نمبر ۹۳ میں دیکھ چکے ہیں کہ اگر کوئی مومن کسی مومن کو جان بوجھکر قتل کر دے تو اُسکی سزا ہے :۔

ابدی جہنّم —— اللہ کا غضب —— اُسکی لعنت —— اور عذابِ عظیم

اب آیئے نام نہاد اسلامی تاریخ کیطرف

• ہماری نام نہاد تاریخِ اسلام جسے مستشرقین قصاب کی دکان کے نام سے تعبیر کرتے ہیں یہ بتاتی ہے کہ رسُولِ مقبول کی وفاتِ مبارکہ کے بعد صحابۂ رسُول کی تلواریں باہم ایکدوسرے کے مقابلے پر بے نیام ہوگئیں اور معاذ اللہ معاذ اللہ، ثُمّ معاذ اللہ معاذ اللہ صحابہؓ نے صحابہؓ کو قتل کیا۔ حالانکہ قرآن کریم کے لفظوں میں صحابۂ رسُول کو رضی اللہ عنہم کا دائمی سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے۔ اور اُنہیں اُنکی زندگی ہی میں ابدی جنّت کی خبر دیگئی تھی دیکھیئے ارشادِ باری :۔

• وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ 9/100 ؛ اور مہاجرین و

انصار میں سے پہل کرنیوالے بھی اور وہ بھی کہ جنہوں نے ہجرت و نصرت میں اُن کی محسن کارانہ پیروی کی، یعنی سابقون الاولون کے بعد میں ہجرت و نصرت کرنے والے، اِن پہلے اور پچھلے سب مہاجر و انصار (صحابہ) پر اللہ راضی ہوگیا۔ اور وہ اللہ پر راضی ہوگئے۔ اور اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے باغات کا وعدہ کر رکھا ہے، جن کی سطح میں نہریں بہتی ہونگی۔ اور وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے۔

قرآنِ کریم اور نام نہاد اسلامی تاریخ کا تقابل

• آپ ۹/۱۰۰ میں دیکھ چکے ہیں کہ صحابۂ رسول رضی اللہ عنہم میں سے اللہ تعالیٰ نے ہر مہاجر و ناصر کے متعلق عموماً اور سابقون الاولون کے متعلق خصوصاً ابدی جنت کی بشارت کا اعلان کر رکھا ہے۔ لیکن ہماری نام نہاد اسلامی تاریخ کہتی ہے کہ اِن پاکیزہ نفوس نے جن کی تعریف آپ ۹/۱۰۰ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، باہم ایکدوسرے کو ہزارہا کی تعداد میں قتل کیا۔ گویا کہ تاریخ کے مطابق وہ آیت مجیدہ ۴/۹۳ کے مصداق ہوئے۔ جیسے کہ تاریخ نے جنگِ جمل کے نام سے صحابہ صحابہؓ کی باہمی جنگ کا شاخسانہ کھڑا کر کے یہ خبر دی ہے کہ اِس خونریز جنگ میں ایک طرف زوجۂ رسول صف آرا تھیں اور دوسری طرف برادر و داماد رسول نبرد آزما تھے۔ دونوں طرف کی فوجیں مشتمل تھیں اصحابِ رسول پر۔ اِس جنگ میں فریقین کے کتنے مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے؟

جنگِ جمل • اِس سوال کا جواب سید عبدالقادر ایم۔ اے کی مرتبہ تاریخ اسلام حصہ اوّل کے صفحہ ۲۶۳ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں "یہ پہلی خانہ جنگی ہے جس میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ صحابۂ رسول نے بھی ایکدوسرے پر تلوار چلائی ..... دونوں لشکروں کے دس ہزار سپاہی اِس جنگ میں کام آئے۔"

جنگِ صفین • جنگِ جمل کے بعد ہماری نام نہاد تاریخِ اسلام نے جنگِ صفین کے نام سے صحابہ اور صحابہؓ میں ایک ایسی خونریز جنگ کی خبر تراشی ہے، جس میں ایک طرف حضرت علیؓ برادر و دامادِ رسول اور دُوسری طرف حضرت معاویہؓ نسبتی برادرِ رسول کو اسطرح برسرِ پیکار لایا گیا ہے کہ تاریخ اسلام سید عبدالقادر صاحب کے صفحہ ۲۷۷ پر لکھا ہے "اِس میں پینتالیس ہزار سپاہی شامی لشکر کے اور پچیس ہزار لشکرِ خلافت کے مارے گئے"۔ یعنی معاذ اللہ معاذ اللہ دو عظیم صحابیوں کی زیرکمان ایک دُوسرے کے خلاف خونریز جنگ میں دونوں طرف کے ستر ہزار مسلمان قتل ہوئے۔

• اب غور فرمائیں کہ یہ اُنہی صحابہ کو ایکدوسرے کا قاتل بتایا گیا ہے جنہیں ۹/۱۰۰ میں اللہ تعالیٰ کیطرف سے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ اور خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا کا سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے۔

• اب اگر بقولِ نام نہاد تاریخِ اسلام صحابۂ رسول نے جنگِ جمل میں دس ہزار اور جنگِ صفین میں ستر ہزار مسلمانوں کو قتل کیا تھا تو وہ سلسلۂ درس کی آیت زیرِ نظر ۴/۹۳ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ○ کے مصداق ٹھہرتے ہیں۔ معاذ اللہ استغفر اللہ۔ ثم معاذ اللہ استغفر اللہ۔

کیا قاتلوں پر قرآنی حد لگائی گئی تھی؟

• ہماری مروجہ نام نہاد تاریخ اسلام کہتی ہے کہ یہ جنگیں اور یہ قتلِ عظیم غلط فہمی کی بنا پر ہُوا تھا۔ بالفاظِ دیگر یہ قتل بالعمد نہیں بلکہ قتل بلا عمد تھا ــــ اگر اتنے بڑے عظیم قتل کو بلا عمد ہی مان لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ $\frac{4}{92}$ کے قرآنی حکم کے مطابق جنگِ جمل کے بعد دس ہزار کے بلا ارادہ قاتلوں پر اور جنگِ صفین کے ستّر ہزار کے بلا ارادہ قاتلوں میں سے جو جنگ سے زندہ بچ کر آئے تھے، اُن پر قرآنی حد لگائی گئی تھی۔ کیا اُن سب سے غلام آزاد کرائے گئے تھے؟ ــــ کیا اُن سے خوں بہا دلوایا گیا تھا؟ ــــ اور یا کیا اُن سے دو دو ماہ کے پَے در پَے روزے رکھوائے گئے تھے؟ جواب ندارد۔ براہِ کرم جنگِ جمل اور جنگِ صفین کو صحیح ماننے والے اور اِن جنگوں کو صحیح منوانے پر بضد رہنے والے حضرات ٹھنڈے دماغ کیساتھ غور فرمائیں کہ اگر ایسا نہیں کیا گیا تھا تو پھر کیا؟۔

تحفظِ ناموسِ صحابہ

• جنگِ جمل کے فریقین قرآن کریم کے متبع ثابت ہیں یا قرآن کے باغی؟ العیاذ باللہ! ــ افسوس ہے کہ نام نہاد اسلامی تاریخ کے مطابق اُن صحابہ کو ایک دوسرے کے قاتل بنایا گیا ہے۔ جن کے متعلق سورۃ فتح میں ارشاد ہُوا ہے:۔

• مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ $\frac{48}{29}$ = محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو اُنکے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم و کریم ہیں ــــ اِس آیتِ مجیدہ کی رُو سے صحابہ کا اَشِدَّآءُ بَيْنَهُمْ ہونا ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ذیل میں صحابہ کی قرآنی شان اور تاریخی حیثیت سے متعلقہ قرآنی آیات کریمات بالمقابل پیش کیجاتی ہیں:۔

شانِ صحابہ قرآنِ کریم کی رُو سے

• وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا $\frac{9}{100}$

• اور مہاجرین و انصار میں سے پہل کرنیوالے اور وہ بھی، کہ جنہوں نے ہجرت و نصرت میں اُنکی حسن کارانہ اتباع کی اللہ تعالیٰ (پہلے پچھلے مہاجرین و انصار) سب پر راضی ہوگیا اور وہ سب اللہ پر راضی ہوگئے۔ اور اللہ نے اُنکے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہونگی۔ اور وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

شانِ صحابہ نام نہاد تاریخ کی رُو سے

• وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ $\frac{4}{93}$

• اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو ارادے کیساتھ تو اُسکی سزا اُخروی ناکامی (جہنم) ہے۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اُن پر اللہ کا غضب ہے۔ اور اُن پر اُس نے لعنت کی۔ اور اُس نے اُن کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

• اب اِس تقابل کی روشنی میں صحابہ کی شان ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور مروجہ تاریخ کیا کہتی ہے؟۔

۱ • قرآن مجید کہتا ہے کہ صحابہؓ رسول پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا 9/100 • لیکن نام نہاد تاریخ اسلام انہیں اللہ کے غضب کا مستحق ٹھہراتی ہے۔
۲ • " " " " " " جنت کے وارث ہیں 9/100 • " " " " " " اسکے برعکس ثابت کرتی ہے معاذ اللہ!
۳ • " " " " " " جنت میں ہمیشہ رہینگے 9/100 • " " " " " " " " " " " "
۴ • " " " " " " آپس میں رحیم و کریم تھے 48/29 • " " " " " " کے مطابق معاذ اللہ وہ باہم ہزاروں کے قاتل تھے

• ہم سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۹۳ کی تفسیر کے ضمن میں عرض کرتے ہیں کہ:۔

رجوع الی المطلب قرآن کریم کی رو سے ایک ایک مومن باللہ اسلام کا وہ گراں بہا سرمایہ ہے کہ اگر کسی مومن کے ہاتھ سے کوئی مومن سہواً بھی قتل ہوجائے تو یہ بلا ارادہ کا قتل بھی قابلِ معافی نہیں۔ اِسکی سزا ایک گردن کی آزادی اور خون بہا کی ادائیگی ہے۔ اور اگر طاقت نہ ہو تو پے درپے ساٹھ روزے رکھوانے سے قبل اسلامی عدالت میں توبہ کرائی جائیگی لیکن قتل بالعمد ہو تو اُسکی سزا دُنیا میں پھانسی اور آخرت میں دائمی جہنم ہے۔ اِس پر روئے سخن نام نہاد تاریخ اسلام میں مذکور جنگ جمل وصفین کی طرف ہوگیا تھا، جو قرآن کریم کی روشنی میں صحابہؓ رضی اللہ عنہم پر بہتان محض کے سوا کچھ نہیں۔ فلہٰذا آیت مجیدہ 48/29 کے علاوہ 4/92 اور 4/93 کا ایک ایک جملہ نام نہاد تاریخ اسلام کے اُفتری کو طشت از بام کرنے کیلئے کافی ہے۔

• واضح رہے کہ صحابہ کا صحابہ کو جان بوجھ کر قتل کرنے کا تصور کسطرح صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے

ناپہچان مومنوں کی تصدیق کرلیا کرو جبکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ناپہچان اور اجنبی مومنوں کے متعلق بھی حکم ہوتا ہے کہ پہچان کرلیا کرو کسی اجنبی مومن کو قتل نہ کر دینا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ
اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم سفر کرو بیچ راہ
اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ
اللہ کے تو تحقیق کرلیا کرو اور نہ کہنا واسطے اُسکے جو پیش کرے طرف تمہاری
السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ
سلام نہیں ہے تو مومن۔ چاہو گے تم مال حیاتی دنیا کا
فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۚ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ
پس پاس اللہ کے ہے مال غنیمت بہت۔ اسیطرح تھے تم اس سے پہلے
فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
پھر احسان کیا اللہ نے اوپر تمہارے پھر تحقیق کیا کرو۔ بیشک اللہ ہے
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۹۴
ساتھ اُسکے جو تم عمل کرتے ہو باخبر

(ایمان والو) جب تم اللہ کی راہ میں (جنگ کرنے کیلئے) سفر اختیار کرو۔ تو (جو بھی اجنبی آدمی تمہیں ملے اُسکی) تحقیق کرلیا کرو (کہ کیا وہ مومن ہے یا کافر)۔ اور جو شخص تمہیں سلام پیش کرے تو مت کہنا، تو مومن نہیں۔ کیا دُنیا کی زندگانی کا مال چاہو گے؟ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے اللہ کے پاس بہت سامانِ غنیمت ہے۔ تم (اسلام قبول کرنے سے) پہلے ایسے ہی تھے۔ (دنیا کے مال کے لئے بلا تحقیق مار ڈالتے تھے)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا۔ کہ (تمہیں امن پرور ضابطہ عطا فرمایا جس میں حکم دیا گیا ہے کہ) تم ضرور تحقیق کرلیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ اُن اعمال سے پورا پورا باخبر ہے، جو تم بجا لاتے ہو۔

• ۴ - ۱ دیکھا آپنے کہ آئتِ صدر میں دو مرتبہ کے تکرار تاکیدی کیساتھ ارشاد ہوا ہے کہ کسی ایسے شخص کو بھی قتل کرنے کی اجازت نہیں دیگئی جو سلام پیش کرکے اپنے مومن ہونے کی خبر دیتا ہو۔ لیکن جنگ کے ایام میں، خصوصًا جب تم لڑائی کیلئے سفر اختیار کرچکے ہو تو سلام پیش کرنیوالے کی بھی پُوری طرح تحقیق کرلیا کرو کہ وہ فی الحقیقت مومن ہے یا نہیں۔ جنگ کے سفر میں اگرچہ قدم قدم پر دشمن کیطرف سے جاسوسی کا خطرہ موجود ہوتا ہے، لیکن چونکہ ہر اجنبی کو جاسوسی کے شبہ میں قتل کردینے میں اِس امر کا امکان ہوتا ہے کہ اجنبی کہیں واقعتًہ مومن ہو، اور تم اُسے کہیں قتل نہ کرڈالو۔ اِسلئے ایک نا پہچان مومن کو بھی قتل سہو سے بچانے کیلئے حکم دیدیا گیا ہے کہ کسی اجنبی کو بھی بلاتحقیق قتل نہ کردینا۔

• اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں، جنگ میں شریک ہونیوالوں، اور پیچھے گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کے متعلق بالفاظ ذیل وضاحت کیگئی ہے:-

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ

نہیں برابر بیٹھنے والے، میں سے مومنوں کے بغیر

أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

صاحب تکلیف کے، اور جہاد کرنے والے بیچ راہ اللہ کے،

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللّٰهُ

ساتھ مالوں اپنوں کے اور جانوں اپنی کے۔ فضیلت دی اللہ نے

الْمُجٰهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى

جہاد کرنیوالوں کو ساتھ مالوں اپنوں کے اور جانوں اپنی کے، اوپر

الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۚ

بیٹھنے والوں کے درجہ کی رُو سے اور سب سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ أَجْرًا

اور فضیلت دی اللہ نے مجاہدوں کو اوپر بیٹھنے والوں کے اجر

عَظِيْمًا ۝ ٩٥

عظیم کی رُو سے

مومنوں میں سے جو لوگ بغیر کسی جسمانی تکلیف کے (جنگ سے پیچھے گھروں میں) بیٹھنے والے ہیں، اور وہ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنیوالے ہیں، وہ باہم برابر نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں کیساتھ اور اپنی جانوں کیساتھ (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنیوالوں کو (جنگ سے جی چُرا کر پیچھے گھروں میں بیٹھ رہنے والوں پر مدارج کی رُو سے فضیلت دی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کیساتھ اُنکے اعمال کے مطابق بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے (اپنے مالوں اور جانوں کیساتھ جہاد کرنیوالوں کو پیچھے بیٹھ رہنے والوں پر ایک بڑے اجر کی رُو سے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ (پیچھے بیٹھنے والے اِنکے برابر نہیں ہوسکتے)۔

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۚ وَكَانَ

درجے طرف سے اُسکی اور بچاؤ اور رحمت۔ اور ہے

اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ٩٦ ع ١٤ ٥ ١٠

اللہ بچاؤ دینے والا مہربان

(اللہ کی راہ میں مالوں اور جانوں کیساتھ جہاد کرنیوالوں کیلئے) درجات اور (جہاد کے ذریعہ) حفاظت اور رحمت خود اللہ ہی کیطرف سے مقرر کردہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ (اپنے قانون کے مطابق) بچاؤ دینے والا رحمت کرنیوالا ہے۔

قرآنی تعلیم کا بنیادی نقطہ ربوبیّتِ عالمینی ہے

• سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ ملاحظہ کرنے سے پہلے اس چیز کو ذہن میں تازہ کر لیجئیگا کہ قرآنی تعلیم کا بنیادی نقطہ وہی ہے جس سے یہ مقدّس کتاب شروع ہوتی ہے۔ یعنی ربوبیّتِ عالمینی: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱۔ منشاءِ الٰہی یہ ہے کہ پُورے کرّۂ ارض پر ایسا متوازن نظام قائم ہو، جسکی بنیاد اللہ تعالیٰ کی صفت ربُّ العالمینی کے اصول پر رکھی گئی ہو۔ یہ جنگیں جن کے متعلق آیاتِ صدر میں ہدایات دیگئی ہیں، معاشرہ سے عدم توازن کے خاتمہ ہی کیلئے کی جاتی ہیں۔ کیونکہ قرآنی نظریۂ ربوبیّتِ عالمینی کی راہ میں حائل ہونیوالی قوتیں جب جنگ کیلئے مجبور کردیں تو جنگ کرنا ناگزیر ہوجاتا ہے۔ تاکہ معاشرہ کو اُن خطوط پر متشکل کیا جاسکے جس کے مطابق عوام میں کوئی فردِ بشر بھوکا، پیاسا، ننگا اور بے مکان نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کیطرف سے بعثتِ انبیاء کا سلسلہ ہموار (متوازن نظام) کے قیام ہی کیلئے جاری کیا گیا تھا۔ ہر نبی رسول نے گوناگوں مشکلوں اور مخالفتوں کے باوجود غیرمتوازن معاشروں کی مددگار جابر و سرکش قوتوں سے ٹکر لی۔ اور باطل نظاموں کو پاش پاش کرکے ربوبیّتِ عالمینی کی بنیادوں پر متوازن نظام قائم کیا۔ جیسے کہ سیّدنا محمد واحمد عربی سلامٌ علیہ نے بھی ہزارہا مشکلات کا سامنا کرکے قرآنی معاشرہ قائم کیا۔ حتّٰی کہ اسکے لئے آپکو وطنِ عزیز سے ہجرت بھی کرنا پڑی۔ آپ اپنے اس اسوۂ حسنہ کی رُو سے آنیوالی نسلوں کو یہ بتا گئے تھے کہ اگر غیرمتوازن معاشرہ کے خلاف وطن بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دینا ہوگا۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں اسی چیز کی تعلیم دیگئی ہے کہ غیرمتوازن معاشرہ پر مطمئن ہوکر زندگی گزار دینا اور اسکے خلاف جدّوجہد کرنا مومن کی شان نہیں چنانچہ ارشادِ باری ملاحظہ فرمائیں:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ
بیشک وہ لوگ کہ فوت کریں انہیں ملائکہ، جو ظلم کرنیوالے ہیں
اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ
جانوں اپنی پر، کہینگے بیچ کس کے تھے تم، کہینگے تھے ہم کمزور کئے گئے
فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً
بیچ زمین کے۔ کہینگے کیا نہیں تھی زمین اللہ کی کشادہ
فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ
پھر تم ہجرت کرتے بیچ اسکے پس یہ وہ ہیں کہ ٹھکانا انکا ہے غیرمتوازن معاشرہ
وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۙ ۹۷
اور بُری ہے جگہ پھر جانے کی

بیشک جو لوگ (غیرمتوازن معاشرہ پر مطمئن ہوکر) اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، فاتح فوجؔ، انہیں بھی پُورا بدلہ (سزا) دیتی ہے (جب وہ فاتحہ فوج سے فریاد کرتے ہیں کہ وہ بے بس ہیں تو) وہ کہتے ہیں کہ تم یہاں کس حال میں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو زمین میں کمزور کردیا گیا تھا اس پر وہ کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں ہے؟ (اللہ کی زمین تو بلاشبہ کشادہ ہے) پھر تم (کو چاہئیے تھا کہ ایسے معاشرہ سے) اس میں ہجرت کرجاتے۔ یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ (دُنیا میں بھی غیرمتوازن معاشرہ) جہنم ہے اور کتنی بُری ہے پھر کرجانے کی جگہ (جہنم جس کیطرف یہ لوگ اُخروی زندگی میں پھیرے جائینگے)۔ ۹۷

• ۱ قرآن کریم میں ملائکہ کا ایک معنی فوج بھی آیا ہے۔ جیسے کہ سورہ زخرف میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے حضرتِ موسیٰ کے متعلق کہا فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ۴۳/۵۳ = ایسکے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں آ اور اسکے ساتھ پرا باندھے ہوئے فوج کیوں نہیں آئی۔ اب چونکہ فرعون کے پاس سونے کے کنگن بھی تھے اور اسکے ساتھ پرا

باندھے ہوئے فوج بھی آتی تھی۔ اسلئے یہاں ۳۳/۵ میں ملائکہ کا معنیٰ فوج ہے۔ اور اسیطرح سلسلۂ درس کی آیت زیر بحث نمبر ۹۷ میں بھی سیاقِ کلام کے مطابق جبکہ جنگ جہاد کا ذکر چل رہا ہے، اور جنگ میں مال اور جانیں پیش کرنیوالوں کے مدارج عظمیٰ کی خبر قبل آیات نمبر ۹۵-۹۶ میں دیگئی ہے، اسلئے آیت نمبر ۹۷ میں ملائکہ سے مراد فاتح فوج ہے جس سے عوام و خواص سب کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور وہی ہیں جو عوام کیساتھ ہمکلام ہوتے ہیں، موت کے ملائکہ کسی سے گفتگو نہیں کرتے۔

● عـ۲ جہنم کا معنیٰ ناہموار معاشرہ ۱۴/۲۸-۲۹ میں، دَارُ الْبَوَار، تباہی کا گھر، اور بِئْسَ الْقَرَارُ بُرا ٹھکانہ بتایا گیا ہے۔

● عـ۳ واضح رہے کہ آیت صدر نمبر ۹۷ میں غیر متوازن معاشرے پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہنا اور اس معاشرے کو بدلنے کی کوشش نہ کرنا جرم بتایا گیا ہے، جس کی دُنیوی سزا غیر متوازن معاشرہ کا دنیوی عذاب ہے اور اُخروی سزا بھی بھر جانے کی بُری جگہ بتائی گئی ہے۔ لیکن اگلی آیت مجیدہ میں اس جرم کی اُخروی سزا سے اُن لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جو واقعتہً کمزور کر دیئے گئے ہوں:-

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَ
سوائے کمزور کر دیئے گئے، میں سے مردوں اور عورتوں اور

الْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ
بچوں کے (کہ) نہیں طاقت رکھتے بدلنے کی اور نہیں رہنمائی پاتے

سَبِیْلًا ۹۸
راستے کی

(مذکورہ بالا اُخروی سزا سے نہیں بچ سکتا کوئی بھی) سوائے اُن مردوں عورتوں اور بچوں کے جنہیں (ا) باب اقتدار کی طرف سے واقعتہً ایسا کمزور کر دیا گیا ہو کہ نہ وہ (اس غیر متوازن معاشرے کو) بدلنے کی طاقت رکھتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس جہنمی معاشرہ سے ہجرت کر جانے کا کوئی راستہ پاتے ہوں۔ (یعنی اُنکے لئے ہجرت کے بھی تمام راستے مسدود کر دیئے گئے ہوں)۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے۔ کہ مذکورہ بالا قسم کے لوگ ہی وہ ہیں جو واقعتہً کمزور کر دیئے گئے ہوتے ہیں۔ جن میں نہ جابر معاشرہ کو بدلنے کی طاقت ہی چھوڑی گئی ہوتی ہے اور نہ اُنکے لئے ہجرت کر جانے کی کوئی راہ باقی رکھی گئی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن سے ضرور درگزر کریگا۔ یعنی وہ ظالم معاشرہ کیطرف سے دیئے گئے عذاب کے علاوہ اُخروی عذاب کے مستحق نہیں ہونگے:-

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ
پس یہ لوگ ہیں، ضرور ہے اللہ کہ درگزر کرے اُن سے۔ اور

كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ ۹۹
ہے اللہ درگزر کرنیوالا۔ معاف کرنیوالا

پس ضرور اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے درگزر کریگا (جو واقعتہً ایسے کمزور کر دیئے گئے ہوں)۔ اور ہے اللہ تعالیٰ درگزر کرنیوالا بچانے والا۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے سے یقیناً امن و سکون میسر آئیگا۔ اور جو مہاجر راستے کے مصائب کی تاب نہ لاسکیں اور راہ ہی میں فوت ہو جائیں، اُنکا اُخروی اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور ضرور محفوظ رہیگا:-

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي
اور جو کوئی ہجرت کرے بیچ راہ اللہ کے، وہ پائیگا بیچ
الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ
زمین کے پناہ گاہیں بہت سی اور وسعت۔ اور جو کوئی نکلے
مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
میں سے گھر اپنے کے، ہجرت کر کے طرف اللہ کے اور رسول اُسکے کے
ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ
پھر پالے اُسے موت، تو بیشک واقع ہوا اجر اُس کا
عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
اوپر اللہ کے اور ہے اللہ بچانے والا
رَّحِيْمًا ۱۰۰ ع ۱۴
مہربان

(اور ایمان والو سُن لو کہ) جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے، تو وہ یقیناً بہت سی پناہ گاہیں بھی پائے گا اور (رزق کی) وسعت بھی پائے گا۔ اور جو کوئی بھی نکلے۔
اپنے گھر میں سے اللہ اور اُسکے رسول کیطرف ہجرت کر کے (یعنی جو کوئی ظالم و جابر معاشرہ سے ہجرت کر کے اُس نظام کیطرف آجائے جو اللہ کے رسول نے قائم کیا ہے)۔ تو اگر اُسے (راستے ہی میں) موت آجائے تو بلاشبہ اُسکا اجر اللہ تعالیٰ پر واقع ہو گیا۔ (یعنی اُسے اُس کی اِس ہجرت فی سبیل اللہ کا اجر اُسکی دوسری زندگی میں ضرور دیا جائیگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (غیر متوازن معاشرہ میں پھنسے ہوئے لوگوں کو اپنے ضابطہ کے ذریعہ اِس سے) بچانیوالا مہربان ہے۔

کفار مہاجروں کا ضرور پیچھا کرتے ہیں

• قارئین کرام دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ پچھلی آیاتِ کریمات میں مسلسل غیر متوازن معاشرے کو بدلنے کی تاکید کی جارہی ہے۔ حتیٰ کہ اگر اُس معاشرے کو بدلنا ممکن نہ ہو تو آیت نمبر ۹۷ میں غیر متوازن معاشرے پر مطمئن ہو کر جدّ و جہد چھوڑ دینے کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ پھر اگر معاشرے کو بدلنے کی طاقت نہ ہو تو اُس سے ہجرت کر جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ سوائے اِسکے کہ اربابِ اقتدار کیطرف سے ہجرت کے بھی تمام راستے مسدود کر دیئے گئے ہوں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اربابِ اقتدار کے مخالف مومن اُنکے قبضہ سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائیں تو ظالم اربابِ اقتدار ضرور اُن کا پیچھا کرتے ہیں۔ جیسے کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ اور قوم بنی اسرائیل کی انقلابی جماعت کا پیچھا کیا اور سمندر کی شاخ میں غرق ہو گیا۔

• اِسیطرح جب آنحضورؐ اور آپکے صحابہؓ مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تو مشرکین مکہ نے آپ کا پیچھا کیا۔ وہ متعدد بار مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ اور آنحضورؐ کو متعدد بار اُن کے مقابلے پر میدان میں آنا پڑا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں جنگ کے وقت پر آنیوالی صلوٰۃِ موقت کے متعلق تاکید کیگئی ہے۔

صلوٰۃِ موقت نماز کی اہمیت

• متوازن معاشرہ کو قائم کرنے یا قائم شدہ قرآنی معاشرہ کی حفاظت کیلئے جب تمہیں دشمن کے مقابلے پر میدانِ جہاد میں نکلنا پڑے تو ایسی صورت میں جب تمہیں خطرہ ہو کہ اگر پوری اسلامی فوج بیک وقت باجماعت نماز ادا کرنے کیلئے کھڑی ہو جائے تو دشمن نقصان پہنچائیگا تو ایسے خطرناک وقت پر بھی نماز یعنی:-

صلوٰۃ موقت کو ترک کرنا ——— البتہ اُسے کم کر لینا

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ
اور جب چلو تم بیچ زمین کے تو نہیں اوپر تمہارے
جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ
گناہ کہ تم کم کر لو میں سے صلوٰۃ کے۔ بشرطیکہ خوف کرو تم
اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ
کہ نقصان پہنچائیں گے تم کو وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا۔ بیشک انکار کرنیوالے
کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝ ۱۰۱
ہیں واسطے تمہارے دشمن ظاہر

اور (اے ایمان والو!) جب تم (قرآنی متوازن نظام کے مخالفوں کے مقابلے کیلئے جہاد کی) زمین میں نکلو تو اگر تمہیں خطرہ ہو (کہ تمام مومنوں کے بیک وقت صلوٰۃ ادا کرنے سے) ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنیوالے تمہیں نقصان پہنچائیں گے تو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ تم صلوٰۃ (نماز) کم کر لیا کرو۔ (حقیقت یہ ہے کہ) بلاشبہ ضابطۂ الٰہی کا انکار کرنیوالے تمہارے ظاہر دشمن ہیں۔

قصر صلوٰۃ کی عملی صورت ● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں قصر صلوٰۃ (نماز) کو کم کرنے کی عملی صورت خود آنحضورؐ کے نام ذیل کے احکام جاری کر کے، خود حضورؐ کی سنتِ مطہرہ کی صورت میں بالفاظِ ذیل اُجاگر کر دی گئی ہے:-

وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ
اور جب ہوں آپ بیچ اُنکے تو کھڑی کریں واسطے اُنکے
الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَۃٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ
صلوٰۃ۔ پس چاہیئے کہ کھڑا ہو ایک گروہ میں سے اُنکے ساتھ آپکے۔
وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا
اور چاہیئے کہ لئے رہیں ہتھیار اپنے۔ پھر جب سجدہ کر لیں وہ۔
فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَۃٌ
تو چاہیئے کہ ہو جائیں وہ پیچھے تمہارے۔ اور چاہیئے کہ آئے گروہ
اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ
دوسرا کہ نہیں صلوٰۃ کی اُس نے پس چاہیئے کہ وہ صلوٰۃ کرے ساتھ آپکے
وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
اور چاہیئے کہ لئے رہیں زرہیں اپنی اور ہتھیار اپنے۔ چاہتے ہیں وہ کہ انکار کیا،

اور (اے رسولؐ! ان مجاہدوں میں) جب آپ خود موجود ہوں تو چاہیئے کہ اُنکے لئے آپ خود صلوٰۃ کھڑی کیا کریں اور چاہیئے یہ کہ (انکے دو گروہ ہو جائیں) اُن میں سے ایک گروہ آپکے ساتھ (قیامِ صلوٰۃ میں) کھڑا ہو جائے (اور دوسرا پہرہ دیتا رہے) اور چاہیئے کہ وہ (صلوٰۃ گزار مجاہد) اپنے ہتھیار (اور زرہیں) پہنے رہیں۔ پھر جب وہ (قیام اور رکوع کے بعد) سجدے کر چکیں تو پھر چاہیئے کہ (اے مجاہدو!) وہ تمہارے پیچھے (پہرہ پر چلے جائیں) اور چاہیئے کہ آ جائے دوسرا گروہ جس نے صلوٰۃ ادا نہیں کی۔ پھر چاہیئے کہ (اے رسولؐ) وہ گروہ بھی آپکے ساتھ صلوٰۃ ادا کرے۔

اور چاہیئے کہ وہ بھی اپنی زرہیں اور ہتھیار پہنے رہیں کیونکہ جن لوگوں نے ضابطۂ خداوندی کا انکار کیا ہے وہ

لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ
کاش کہ تم غافل ہوجاؤ طرف سے اسلحہ اپنے کے اور سامان اپنے کے
فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا
پھر وہ حملہ کردیں اُوپر تمہارے حملہ کرنا یکبارگی ۔ اور نہیں ہے
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ
گناہ اُوپر تمہارے ، اگر ہو ساتھ تمہارے کوئی تکلیف میں سے بارش کے
اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا
یا ہو تم بیمار ، کہ تم اُتار دو ہتھیار اپنے ، اور لئے رہو
حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا
زرہیں اپنی ۔ بیشک اللہ نے تیار کیا ہے واسطے کافروں کے عذاب
مُّهِيْنًا ۝ ۱۰۲
رُسوا کرنیوالا

تو چاہتے ہیں ، کاش کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ ۔
پھر وہ یکبارگی حملہ کرکے تم پر ٹوٹ پڑیں ۔ اور نہیں
کوئی گناہ تم پر اس حالت میں کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف ہو بارش کی ،
یا تم بیمار ہو ، تو یہ کہ تم اپنے ہتھیار اُتار دو ۔ لیکن (بارش اور بیماری کی حالت میں بھی میدانِ جہاد میں صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے زرہیں پہنے رہنا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے (مذکورہ بالا ہدایتوں میں) ضابطہ ہدایت کا انکار کرنیوالوں (اور تمہارے ساتھ جنگ کرنیوالوں) کیلئے ذلیل کرنیوالا (شکست کا) عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

صلوٰۃِ موقّت (نماز) معہ ارکانِ ثلاثہ قیام رکوع سجدہ ، کی باجماعت ادائیگی تاحدِ امکان میدانِ جنگ میں بھی معاف نہیں

● آیت بالا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ، میدانِ جہاد میں ، جہاں مومن مجاہد دینِ الٰہی کی سربلندی کیلئے اللہ کی راہ میں بیوی ، بچے ، گھر بار سب کچھ چھوڑ کر سر بکف نکل آتے ہیں ، صلوٰۃِ موقّت ، نماز اُسوقت بھی معاف نہیں ہوتی ۔ باجماعت ادا کرنی پڑتی ہے ۔ دُشمنوں کی یکبارگی یلغار کے خطرہ سے محفوظ رکھنے کیلئے صرف اِتنی رعائت دیگئی ہے کہ اسلامی فوج دو حصّوں میں تقسیم ہو جائے ۔ فوج کا ایک گروہ دُشمن کے خطرہ کے پیشِ نظر ، پہرہ دیا کرے اور دُوسرا گروہ امیرِ صلوٰۃ کے پیچھے نہیں ، بلکہ اُسکے ساتھ کھڑا ہوکر (مَعَكَ) قصر نماز ادا کرے ۔ جب پہلا گروہ قیام سے شروع کرکے سجدہ تک ایک رکعت قصر صلوٰۃ ادا کر چکے ، تو وہ گروہ پیچھے پہرے پر چلا جائے اور دُوسرا گروہ امیرِ صلوٰۃ کے ساتھ کھڑا ہوجائے ، اور قیام سے لیکر سجدہ تک وہ بھی ایک رکعت قصر صلوٰۃ ادا کرلے ۔

قرآنِ کریم کی رُو سے صلوٰۃ دو رکعت ہے

● قصر صلوٰۃ کے مذکورہ بالا حکم اور اسکی صحیح عملی شکل پیش کرکے قرآنِ کریم نے ببانگِ دہل اعلان کر رکھا ہے کہ اصلی صلوٰۃ جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے فرض کیگئی ہے وہ صرف دو رکعت ہے ۔ فرض نماز کے نام سے کسی وقت پر دو ، کسی وقت پر تین اور کسی وقت پر چار رکعتوں کا حکم قرآنِ حکیم میں موجود نہیں کیونکہ جب قصر صلوٰۃ کی عملی صُورت کی ابتدا بتائی گئی ہے قیام فَلْتَقُمْ ...... مُعَلَّقًا اُسکی انتہا بتائی گئی ہے سجدہ فَاِذَا سَجَدُوْا [۱۰۲] تو ثابت ہوا کہ قصر صلوٰۃ ایک رکعت ہے جو قیام سے شروع ہوکر سجدہ پر ختم ہوجاتی ہے ۔ تو اسطرح جب قصر نماز ایک رکعت ہوئی تو ثابت ہوا کہ پُوری نماز دو رکعت ہے ـــ نیز اِس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہاں امیرِ صلوٰۃ کے متعلق جو یہ

تصوّر پیدا ہوتا ہے کہ اسکی قصر نہیں۔ واضح رہے کہ یہ حکم عام مخصوص البعض ہے۔ آیت بالا ۴/۱۰۲ میں بطور خصوص آنحضورؐ کیلئے کہا گیا ہے کہ جب آپ موجود ہوں تو آپکی موجودگی میں کوئی اور امیرِ صلوٰۃ نہیں بن سکتا۔ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ میں اِذَا متضمن بمعنی شرط ہے۔ فلہٰذا آنحضورؐ کی موجودگی میں چونکہ کسی اور کو امارتِ صلوٰۃ کا حق نہیں پہنچتا۔ اسلئے آپکی موجودگی میں مجاہدوں کے دونوں گروہوں کو آنحضورؐ ہی ایک ایک رکعت قصر صلوٰۃ پڑھاتے تھے۔ اور جہاں آپ خود موجود نہ ہوتے۔ تو امیرِ جنگ (یہ سالارِ فوج) جسے خود آپنے مقرر کیا ہوتا وہ امیرِ صلوٰۃ ہو کر دونوں گروہوں کو ایک ایک رکعت صلوٰۃ ادا کراتا۔ آنحضورؐ کے بعد یہ خطاب براہِ راست امیرِ جنگ سپہ سالار کیطرف ہے، جو دونوں گروہوں کو ایک ایک رکعت پڑھائیگا۔

قصر نماز کا روائتی مفہوم

• قصر نماز، یعنی نماز کو کم کرنے کے متعلق آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ حکم صرف اسوقت کیلئے ہے جب میدانِ جہاد میں فوجیں آمنے سامنے پڑی ہوں۔ ابھی لڑائی شروع نہ ہوئی ہو۔ مجاہدینِ اسلام کیلئے نماز باجماعت کی ادائیگی ممکن تو ہو۔ لیکن خطرہ یہ ہو کہ اگر پوری فوج ایک ہی بار نماز باجماعت کی ادائیگی کیلئے کھڑی ہو جائے تو دشمن حملہ کر کے نقصان پہنچا دیگا۔ لیکن افسوس ہے کہ روائتی فقہ میں اس مخصوص جنگی حکم کو عام سفروں کے متعلق قرار دیکر، ہر سفر کیلئے حکمِ عام قرار دیدیا گیا ہے کہ ہر مومن مسافر جب گھر سے نکل کر سفر اختیار کرے تو الگ الگ فقہوں کے مطابق الگ الگ مسافت کی مقدار سے قصر نماز شروع کر دیا کرے۔ خواہ وہ اکیلا ہو یا باجماعت۔ لیکن واضح رہے کہ :-

قصر صلوٰۃ کا حکم میدانِ جنگ کیساتھ مخصوص، اور فتنہ کفار کے خطرہ کی شرط کیساتھ مشروط ہے

• قصر نماز کے حکم کو ایک مرتبہ پھر نگاہوں کے سامنے لائیے :-

۱۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ

۲۔ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط ۴/۱۰۱

• دیکھئے! آیت مجیدہ کے اِن دونوں ٹکڑوں میں قصر صلوٰۃ کی اجازت پر الگ الگ دو شرطیں لگائی گئی ہیں۔ اور دونوں ٹکڑوں کی ابتدا میں اِذَا اور اِنْ شرطیہ آئے ہیں۔ نمبر ایک میں آیا ہے اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ = جب تم زمین میں سفر کرو۔ یہ سفر عام نہیں کیونکہ نمبر ۲ میں اِنْ خِفْتُمْ ..... الخ کی شرط لگائی گئی ہے کہ قصر صلوٰۃ کی اجازت اسوقت پر ہے جب تم نے گھر سے نکل کر سفر اختیار کیا ہے۔ اور تمہیں باجماعت نماز کی ادائیگی میں یہ خطرہ لاحق ہو چکا ہے کہ اگر یکبارگی صلوٰۃ باجماعت ادا کی جائے تو دشمن یکبارگی حملہ کر دیگا۔ اور اسی خطرہ کے پیشِ نظر حکم دیدیا گیا ہے کہ آدھے آدھے ہو کر الگ الگ ایک ایک رکعت قصر صلوٰۃ باجماعت ادا کر لیا کرو۔ اور باقی آدھے پہرہ دیتے رہیں۔ اور جو نسے آدھے قصر صلوٰۃ ادا کر رہے ہیں وہ بھی اپنی زرہیں اور اسلحہ پہنے رہیں۔

• فلہٰذا آیاتِ کریمات کے مذکورہ بالا احکام کے مطابق اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ کے الفاظ کو عام سفروں پر محمول کر کے عام سفروں میں قصر صلوٰۃ کا تصوّر پیدا کرنا، خود آیاتِ کریمات کے داخلی ارشاداتِ خداوندی کے بھی خلاف ہے۔ اور آیات کریمات کے سیاق و سباق کے بھی منافی ہے۔

عین دورانِ جنگ کی صلوٰۃ

• واضح رہے کہ مذکورہ بالا آیات مجیدہ $\frac{4}{101-102}$ میں میدانِ جنگ کی اُس حالت سے متعلقہ احکام دیئے گئے ہیں کہ جب ابھی جنگ شروع نہ ہوئی ہو۔ اور نماز باجماعت کی ادائیگی ممکن ہو۔ اس سے اگلی آیت کریمہ میں میدانِ جنگ کے اُسوقت کے مطابق حکم دیا جا رہا ہے جب جنگ شروع ہو چکی ہو۔ اب نماز باجماعت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اب مجاہدینِ اسلام جنگ کی مختلف پوزیشنوں میں کھڑے بیٹھے اور لیٹے مصروفِ پیکار ہیں۔ اس سے پہلے جس وقت کیلئے قصرِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ اُسوقت ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی۔ دونوں فوجوں کے درمیان سلسلۂ نامہ و پیام جاری تھا۔ ہو سکتا تھا کہ گفت و شنید کے ذریعہ صُلح ہو جائے اور جنگ رُک جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ دشمن اسلامی فوج کی شرائط قبول نہ کرے اور مسلمان فوج کو جنگ کرنے ہی کا فیصلہ کرنا پڑے۔

• واضح رہے کہ لفظ صلوٰۃ کا سہ حرفی مادہ ص۔ ل۔ و یعنی صلو ہے، جسکا بنیادی معنی ہے فرضِ منصبی کی ادائیگی $\frac{24}{4}$ ۔ اور صلوٰۃ موقت ہے اپنے اپنے فرضِ منصبی کو پورے صحیح طور پر ادا کرنے کا اللہ کے حضور میں اقرار۔ تو اسطرح جب مجاہدینِ اسلام، میدانِ جہاد میں دشمن فوجوں کے سامنے آموجود ہوئے ہوں۔ تو اُسوقت اُن کی صلوٰۃ یعنی اُن کا فرضِ منصبی ہوتا ہے۔ انتہائی ثابت قدمی کیساتھ دشمن کا مقابلہ کرکے اُسے شکست فاش دینا۔ اور میدانِ جہاد میں صلوٰۃِ موقت اس امر کا اقرار ہوتا ہے کہ ہم پورے عزم و استقلال کیساتھ دشمن کا مقابلہ کرکے اُسے شکست فاش دینگے۔ لیکن فوجوں کے آمنے سامنے پڑے ہونے کے بعد جب دشمن کیساتھ گفت و شنید ناکام ہو جائے۔ وہ مسلمانوں کی شرطیں قبول نہیں کرتا۔ اسلئے جب مجاہدینِ اسلام جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیں تو اُسوقت کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:-

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا
پھر جب فیصلہ کرلو تم اُسوقت کی صلوٰۃ (جنگ) کا تو یاد کیا کرو
اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ
اللہ کو کھڑے کھڑے اور بیٹھے بیٹھے اور اُوپر کروٹوں اپنی کے
فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ
پھر جب اطمینان میں آؤ تم، تو قائم کرو صلوٰۃِ موقت کو، بیشک
الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا
صلوٰۃِ موقت ہے اوپر مومنوں کے فرض کی گئی
مَّوْقُوْتًا ۝ ۱۰۳
مقررہ وقتوں میں

پھر جب تم (ایمان والو!) اُسوقت کی صلوٰۃ (یعنی جنگ کرنے) کا فیصلہ کرلو۔ (اور جنگ شروع ہو جائے تو پھر صلوٰۃ موقت کے وقتوں پر) کھڑے کھڑے اور بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے (جنگ کی جس پوزیشن میں ہو اُسی میں صرف) اللہ کا ذکر کرلیا کرو (صرف اذکارِ صلوٰۃ ادا کرلیا کرو، قیام رکوع سجدہ معاف) پھر جب (جنگ ختم ہو جائے اور) تم اطمینان کی حالت میں آجاؤ تو پھر پوری صلوٰۃ (پورے ارکان و آداب کیساتھ) ادا کیا کرو۔ بیشک صلوٰۃِ موقت مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض کیگئی ہے۔ (جو اس فرضیت کیمطابق میدانِ جنگ میں بھی معاف نہیں ہو سکتی)

میدانِ جنگ میں بھی نماز کیوں معاف نہیں؟

آیاتِ بالا پر ایک لازمی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مجاہدینِ اسلام گھربار، بیوی بچے، مال دولت وغیرہ ہر چیز اللہ کی راہ میں

قربان کر کے زندگی تک بھی نچھاور کرنے کیلئے نقدِ جان کا نذرانہ لیکر میدانِ جہاد میں حاضر ہو جائیں تو ایسے وقت پر بھی نماز کیوں معاف نہیں جبتک جنگ شروع نہ ہوئی اُسوقت تک فتنۂ کفار کے خطرہ سے بچنے کیلئے صرف آدھی صلوٰۃ (نماز) معاف ہے اور عین مقابلۂ کفار کے وقت جب جنگ شروع ہو چکی ہو تو اُسوقت بھی صرف ارکانِ نماز قیام رکوع سجدہ وغیرہ معاف ہوتے ہیں اذکارِ صلوٰۃ خواہ تقاضائے وقت کے مطابق انتہائی اختصار کیساتھ ادا کئے جائیں وہ کیوں معاف نہیں ہوتے۔ اِس سوال کا جواب آیت بالا [۱۰۳/۴] کے آخری الفاظ میں دیا گیا ہے کہ صلوٰۃِ موقت وہ اٹل فریضۂ خداوندی ہے جسے مقررہ اوقات پر اِسطرح فرض کیا گیا ہے کہ کسی بھی صورت میں ٹل نہیں سکتا:۔

• اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ [۱۰۳/۴] = بیشک صلوٰۃِ موقت مومنوں پر مقررہ اوقات پر فرض کر دیگئی ہے (جو ٹل نہیں سکتی)۔ اِسیطرح [۲۳۸-۲۳۹/۲] میں صلوٰۃِ موقت کے اٹل ہونے کی وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے:۔

• حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ [۲۳۸-۲۳۹/۲] = حفاظت کرو تم تمام صلوٰتوں کی خصوصًا صلوٰۃِ وسطیٰ کی۔ اور صلوٰۃ کے وقتوں پر قیامِ صلوٰۃ کیا کرو اللہ کے حضور میں دعائیں کرتے ہوئے۔ پھر اگر (تم سفر میں ہو اور تمہیں کوئی خوف لاحق ہو جائے تو صلوٰۃِ موقت ادا کر لیا کرو اگر تم پیدل سفر کر رہے ہو تو پیادہ چلتے چلتے اور اگر تم سواری پر سفر کر رہے ہو تو سواری پر چلتے چلتے فریضۂ صلوٰۃ ادا کر لیا کرو۔ پھر اِسکے بعد جب تم امن میں آجاؤ تو اُسطرح اللہ کا ذکر کیا کرو (یعنی آداب و شرائط کیساتھ صلوٰۃِ موقت ادا کیا کرو) جسطرح تمہیں اللہ نے تعلیم دی ہے۔ جسے تم نہیں جانتے تھے۔

کیا صلوٰۃِ موقت سے حکومت کے ہنگامی اجتماعات مراد لئے جاسکتے ہیں؟

• صلوٰۃِ موقت (نماز) کے متعلق ایک نظریہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اِسکے متعلق جو کہا گیا ہے:۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا [۱۰۳/۴] اِسکے الفاظ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا کا یہ معنٰی ہے کہ اسلامی حکومت (مرکزِ ملت) کیطرف سے جب کبھی حکم دیا جائے کہ فلاں وقت پر اور فلاں مقام پر لوگ جمع ہو جائیں۔ تو اُس مقرر کئے جانیوالے وقت پر مسلمانوں کے اجتماع میں شریک ہونا مومنوں پر فرض کیا گیا ہے۔ یعنی اِسکے لئے قرآنِ کریم نے اوقات مقرر نہیں کئے۔ واضح رہے کہ یہ تصور بھی غیر قرآنی ہے۔ کیونکہ صلوٰۃِ موقت جو اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا [۱۰۳/۴] کے الفاظ میں فرض کیگئی ہے اِسکے لئے نہ صرف یہ کہ قرآنِ کریم نے خود اوقات متعین کر دیئے ہوئے ہیں [۱۱۴/۱۱]۔ بلکہ اِسکے لئے ایک خاص طریقے کیساتھ مُنہ ہاتھ اور پیر دھونے یعنی وضو کرنے کا حکم بھی دے رکھا ہے [۶/۵]۔

• پھر مزید براں طہارت اور وضو کے علاوہ، اسکی باجماعت ادائیگی، صف بندی، امیرِ صلوٰۃ کی اقتدا، قیام رکوع سجدہ اور اذکارِ صلوٰۃ بھی لازم قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر اذکارِ صلوٰۃ کیلئے پابندی لگا دیگئی ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ۔ صلوٰۃِ موقت میں اذکارِ صلوٰۃ وہ ادا کرنا جن کی خود اللہ تعالٰی نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ لیکن حکومت کیطرف سے کوئی وقت مقرر کر کے بلائے گئے ہنگامی اجتماعات اِن قرآنی شرائط پر ہرگز پورے نہیں اُترتے۔ کیونکہ قرآنِ کریم نے صلوٰۃِ الفجر اور صلوٰۃِ العشآء کے نام [۵۸/۲۴] میں حوالے کے طور

پہ خصوصیتاً بیان کئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ فجر کا وقت خدا تعالیٰ کیطرف سے صلوٰۃِ موقت کا خود مقررہ وقت ہے جس کی ابتدا پَو پھٹنے سے ہوتی ہے اور انتہا طلوعِ آفتاب بتائی گئی ہے۔ لیکن کوئی بھی ہنگامی اجتماعِ عام جس میں صلوٰۃِ موقت (نماز) کیطرح پُوری ملت اسلامیہ کا شامل ہونا فرض کیا گیا ہو کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا، پَو پھٹنے کے وقت پر منعقد نہیں ہو سکتا ہے۔ فلہٰذا اسلامی حکومت کیطرف سے منعقد کئے گئے ہنگامی اجتماعات کو صلوٰۃِ موقت کے اجتماعات قرار دینا غلط ہے۔ کیونکہ ہنگامی اجتماعات کیلئے قرآن مجید میں الگ حکم موجود ہے:-

• يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۸/۲۴ = ایمان والو! جب اللہ رسول (یعنی قرآنی مرکز کی طرف سے) اللہ کا رسول اسلئے بلائے کہ تمہیں زندگی دے۔ (یعنی تمہیں زندہ قوموں کی صف میں کھڑا کر دے) تو اُسکی دعوت کو قبول کیا کرو۔ (یعنی جس وقت اور جس جگہ پر حاضر ہونے کا حکم دیا جائے۔ اُسوقت اور اُس جگہ پر حاضر ہو جایا کرو) پھر ان ہنگامی اجتماعات میں قیام رکوع سجدہ نہیں ہے۔ بلکہ مل بیٹھ کر باہمی مشورے کرتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا ...... وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا ۵۸/۱۱ = ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ اللہ کے رسول کی مجلسوں میں جگہ کھول دو تو کھول دیا کرو۔ اور جب کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو۔ نیز انہی ہنگامی اجتماعات کے متعلق سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے:-

• لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ ۲۴/۶۳ = (ایمان والو:) ہمارے رسول کے بلاوے کو آپس کے باہمی بلاووں کی مانند قرار نہ دینا۔ (رسول کے بلانے پر ٹھیک وقت اور ٹھیک مقام پر ضرور پہنچ جایا کرو۔ اور بلا اجازت رسول کی مجلس سے چلے نہ جایا کرو) بیشک اللہ تعالیٰ تم میں سے اُن لوگوں کو جانتا ہے جو دوسروں کی آڑ لے کر (مجلس نبوی سے) کھسک جاتے ہیں ـــ پس یہ تھے ہنگامی اجتماعات جن کے لئے مختلف موقعوں پر مختلف اوقات مقرر کئے جاتے تھے۔ اِسکے برعکس اجتماعاتِ صلوٰۃ کیلئے مستقل طور پر جو اوقات واذکار اور آداب وشرائط قرآن کریم نے خود مقرر کئے ہیں انکی روشنی میں بھی کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ عام ہنگامی اجتماعات صلوٰۃِ موقت کے اجتماعات ہرگز نہیں تھے۔ انہیں صلوٰۃِ موقت کے اجتماعات قرار دینا صلوٰۃِ موقت کی اہمیت کو ختم کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ جو نہ اکیلے مومن پر سے ٹلتی ہے ۲/۲۳۹۔ اور نہ مومنوں کی جماعت پر سے ۴/۱۰۱-۱۰۲۔ نیز جو نہ بیمار پر سے ٹلتی ہے نہ مسافر پر سے ۴/۴۳۔

• صلوٰۃِ موقت کے اوقات واذکار، آداب وشرائط، طریقۂ وضو وغیرہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کیطرف سے خود متعین کردہ ہے۔ اوقاتِ الصَّلوٰۃ پر بحث ۱۱/۱۱۴ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں اپنے مقام پر آگے آئیگی۔ اور اسیطرح اذکارِ صلوٰۃ کی بحث بھی اپنے اپنے مقام پر آتی چلی جائیگی۔ جبتک محوّلہ بالا مقامات تفسیر القرآن بالقرآن میں نہیں آتے اُسوقت تک ادارہ بلاغ القرآن کے شائع کردہ پمفلٹ "الصَّلوٰۃ" سے استفادہ فرمائیں جسمیں صلوٰۃِ موقت کے ہر گوشے پر سیر حاصل بحث آیاتِ قرآنیہ کی سند کیساتھ پیش کیگئی ہے۔

رجوع الی المطلب | • پیچھے آیاتِ کریمات ۴/۱۰۱ تا ۱۰۲ میں دورانِ جنگ صلوٰۃِ موقت (نماز) کی ادائیگی کی مختلف صورتوں کی وضاحت کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جب تم جنگ میں فتحیاب ہو جاؤ تو دشمن کا پوری طرح

تعاقب کرنا ۔ اور دشمن کی فوجی طاقت کی آخری رمق تک ختم کر کے دم لینا ۔ ورنہ کچھ عرصے کے بعد وہ پھر طاقت پکڑ کر تمہارے مقابلے پر آجائیگا ۔ اس تعاقب کے سلسلے میں اُس وقتی رکاوٹ کو ہرگز خاطر میں نہ لانا کہ دورانِ جنگ تمہارا بہت نقصان ہو چکا ہے ۔ حالانکہ تمہارے مقابلے پر دشمن کا بھی تو نقصان ہُوا ہے ۔ تم قوانینِ خداوندی کی سربلندی کیلئے لڑتے ہو اور کفّار ذاتی بڑائی کیلئے برسرِ پیکار آتے ہیں ۔ اِسلئے جس رحمتِ الٰہی کے تم اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہو، کافر اُسکے اُمیدوار نہیں ۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ

اور نہ تم سُستی کرنا بیچ تلاش کرنے اُس قوم کے ۔ اگر

تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا

تم ہوئے دردرسیدہ تو بیشک وہ بھی ہوئے دردرسیدہ جیسے

تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ

تم ہوئے دردرسیدہ ۔ اور تم امید رکھتے ہو طرف سے اللہ کے جو نہیں امید رکھتے وہ

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۠ ۱۰۴

اور ہے اللہ بڑا جاننے والا حکمت والا

ع ۱۵ ۱۲

اور (ایمان والو! جنگ کے بعد شکست خوردہ) قوم کی تلاش (یعنی اُنکے تعاقب) میں سُستی نہ کرنا ۔ اگر (دورانِ جنگ تمہیں نقصان پہنچا ہے تو یاد رکھو کہ) اُنہیں بھی اُسیطرح نقصان پہنچا ہے جسطرح تمہیں پہنچا ہے ۔ (اس میں تم دونوں برابر ہو) لیکن جس (متوازن معاشرہ) کی تم اللہ سے امید رکھتے ہو ۔ اُسکی وہ امید نہیں رکھتے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بہت بڑھ کر جاننے والا اور حکمت والا ہے ۔ (یعنی اُسکا ہر حکم علم و حکمت پر مبنی ہے)

غرضِ جہاد ● مومنوں کا جہاد و قتال صرف ضابطۂ خداوندی کے نفاذ کیلئے ہوتا ہے ۔ اور اسطرح دشمن کی طاقت ختم کرنے کے بعد ضابطۂ خداوندی کو عملاً بروئے کار لایا جاتا ہے ۔ چنانچہ آیاتِ بالا میں جنگ و جدال اور فتح سے متعلق ہدایات دینے کے بعد اس سے اگلی مسلسل تین آیتوں میں خود آنحضورؐ کو مخاطب کر کے حکم دیا گیا ہے کہ جب فتح و نصرت کے بعد قرآنی معاشرہ قائم ہو جائے، اور عوام کے مقدّمات آپکے حضور میں پیش ہوں تو آپؐ، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سچی کتاب قرآنِ کریم کے ساتھ فیصلے فرمایا کریں ۔ اور آپ عوام کا استحصال کرنے اور اُن کے حقوقِ ربوبیّت میں خیانت کرنے والوں کی طرفداری نہ کرنا ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ

بیشک ہم نے نازل کی طرف آپکی اپنی کتاب ساتھ حق کے تاکہ آپ فیصلہ کریں

بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ

درمیان لوگوں کے ساتھ اُسکے جو سمجھایا آپکو اللہ نے ۔ اور نہ ہونا آپ

لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۙ ۱۰۵

واسطے خائنوں کے جھگڑنے والے

بیشک (اے رسول) ہمنے آپ کی طرف حق و توازن پر مبنی ایک کتاب نازل فرمائی ہے ۔ تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اُنہی ہموار و متوازن قوانین کے تحت فیصلے کیا کریں جو اللہ نے آپ کو (اپنی کتاب میں) سمجھائے ہیں ۔ اور آپ اُن لوگوں کیلئے جھگڑنے والے نہ ہونا جو (عوام کے حقوقِ ربوبیّت غصب کرنے) خیانت کرنیوالے ہیں ۔

وَ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
اور آپ بچاؤ طلب کریں اللہ سے ۔ بیشک اللہ ہے بچاؤ دینے والا
رَّحِيْمًا ۱۰۶
مہربان

اور آپ اللہ تعالیٰ سے (اُسکے غیر متبدل قوانین پر عمل کرکے حفاظت اور) بچاؤ طلب کیا کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ (اپنے غیر متبدل قوانین کے مطابق[۱]) بچاؤ دینے والا، رحم کرنیوالا ہے۔

● واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بھی مانگا جائے حفاظت اور بچاؤ وغیرہ، وہ اُسکے خود متعین کردہ غیر متبدل قوانین پر عمل کرنے ہی سے میسّر آتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اگر کوئی شخص آگ میں انگلی ڈالکر اللہ تعالیٰ سے حفاظت اور بچاؤ طلب کرے تو ہرگز بچاؤ عملاً نہیں کیا جاتا۔ بلکہ آگ میں انگلی ڈالنے سے انگلی کا جل جانا یقینی امر ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں سیاقِ کلام کے مطابق آنحضورؐ کو تکرار تاکیدی کے انداز میں اوپر والا ہی حکم دیا گیا ہے:-

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ
اور نہ جھگڑیں آپ طرف سے اُن لوگوں کی جو خیانت کرتے ہیں
اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا
اپنے افراد کی۔ بیشک اللہ نہیں پسند کرتا اسے جو ہے بڑا خائن
اَثِيْمًا ۱۰۷
بڑا گنہگار

اور (دوبارہ تاکید کیجاتی ہے کہ) آپ اُن لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کرنا (اُنکی طرفداری نہ کرنا) جو اپنے افراد (یعنی اپنے اہلِ معاشرہ کے حقوقِ ربوبیّت غصب کرکے اُن) سے خیانت کرتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے بڑے خائنوں[۱] اور بڑے گنہگاروں[۲] کو (اُنکی خیانت کی بدولت) پسند نہیں کرتا۔

● عـ۱ـلـہ خَوَّانًا مبالغے کا صیغہ ہے بڑھکر خیانت کرنیوالا، اور اَثِیم، فعیل کے وزن پر صفت مشبّہ ہے بڑا گنہگار۔ اِس آئت مجیدہ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے خائنوں اور بڑے گنہگاروں کو پسند نہیں کرتا، چھوٹے چھوٹے خائنوں اور چھوٹے چھوٹے گنہگاروں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ چھوٹے خائنوں اور چھوٹے گنہگاروں کو پسند کرتا ہے نہ بڑے خائنوں اور گنہگاروں کو۔ آئتِ بالا میں خَوَّانًا اَثِيْمًا کے الفاظ اُن لوگوں کی انتہائی برائی کے اظہار کیلئے آئے ہیں جو اپنے ہی نفسوں یعنی اپنے ہی معاشرہ کے اپنے ہی افراد کے حقوقِ ربوبیّت غصب کرکے خیانت کرتے ہیں۔

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں اِنہی خائن سرمایہ داروں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے اُن بُرے ارادوں اور اُن بُری تدبیروں کو، جنہیں یہ عوام سے چھپا کر اپنی خفیہ مجلسوں میں کرتے ہیں، اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اِن بُری تجویزوں کی بات کو بھی پسند نہیں کرتا:-

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ
وہ چھپاتے ہیں (اسے) لوگوں سے، اور نہیں چھپا سکتے

(وہ معاشرہ کے خائن سرمایہ دار عوام کُش تجویزوں کو) عوام سے تو چھپا سکتے ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے (اُنہیں ہرگز)

مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمۡ اِذۡ يُبَيِّتُوۡنَ مَا لَا
سے اللہ اور ہے وہ ساتھ اُنکے جب وہ رات کو تدبیریں کرتے ہیں جو نہیں
يَرۡضٰى مِنَ الۡقَوۡلِ ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ
پسند کرتا میں سے بات کے۔ اور ہے اللہ ساتھ اُسکے جو وہ عمل کرتے ہیں
مُحِيۡطًا ۝ ۱۰۸
گھیرنے والا

نہیں چھپا سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُسوقت بھی اُنکے ساتھ ہوتا ہے، جب وہ رات کو چھپ کر (ایسی مُہلک تجویزیں کرتے ہیں)، جن کی وہ بات تک کو بھی پسند نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گھیرنے والا ہے اُن جملہ اعمال کو جو وہ بجالاتے ہیں۔ (اُنہیں اُنکی سزا ضرور ضرور دیجائیگی)۔

جن اعمال کی سزا دُنیا میں نہ ملے قیامت میں ضرور ضرور مل کر رہیگی

• سرمایہ دار اپنے سرمایہ کی طاقت سے ہمیشہ اپنے اِردگرد ایسے لوگوں کا حلقہ بنائے رکھتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ چوہدری صاحب، خانصاحب، میاں صاحب بڑے غریب پرور ہیں، ہمیشہ مفلسوں اور ناداروں کا خیال رکھتے ہیں اور اِسطرح اُنکی جھوٹی خوشامد، حمایت اور طرفداری میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ سرمایہ کی بدولت پولیس اور کچہریوں میں بھی اُنہیں برتری حاصل رہتی ہے اور اِسطرح اُنہیں غُرباء کا خون چوسنے، اور اُنکے گاڑھے پسینے کی کمائی پر عیش اُڑانے کے مواقع بدستور میسّر رہتے ہیں۔ چنانچہ اِسی ٹھاٹھ کیساتھ اُنکی زندگی گزر جاتی ہے اور اُنہیں اُنکے جرائم کی سزا اِس دُنیا میں نہیں مل پاتی۔ تو کیا اب ایسا ہی ہونا چاہئیے کہ جنہیں دُنیا میں سزا نہیں ملی، اُنہیں دُوسری زندگی میں بھی کوئی سزا نہیں ملنی چاہیئے؟

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں معاشرہ کے خائن مالداروں کے طرفداروں اور اُنکی طرف سے جھگڑنیوالوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ آج تو تم اُنکے طرفدار بن کر عوام سے جھگڑتے ہو۔ اور اُنکے وکیل بن کر اُنہیں دُنیا کی عدالتوں میں سزا سے بچا لیتے ہو۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ کون ہے جو قیامت کی اُخروی عدالت میں اُنکا وکیل بن کر، اور اللہ سے جھگڑ کر، اُنہیں اُنکے اعمال کی سزا سے بچالیگا۔ کوئی نہیں، کوئی نہیں:۔

هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَۤاءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِى
وہ ہو تم، یہ، جو جھگڑتے ہو طرف سے اُن کی، بیچ
الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فَمَنۡ يُّجَادِلُ اللّٰهَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ
زندگی دنیا کے۔ پھر کون ہے جو جھگڑیگا اللہ سے دن قیامت کے
اَمۡ مَّنۡ يَّكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ۝ ۱۰۹
یا کون ہوگا طرف سے اُن کی وکیل

(اے مُجرموں کے طرفدارو! اور اِن کیطرف سے جھگڑنیوالے وکیلو!) تم وہ ہو جو اِن (خائنوں) کیطرف سے (عام مجلسوں اور عدالتوں میں) جھگڑتے ہو۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ) کون ہے جو اُنکی طرف سے قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ کیساتھ جھگڑیگا۔ یا کون ہے جو اُنکی طرف سے (اللہ کے ہاں) وکیل ہوگا۔

• آیتِ بالا میں وضاحتاً بیان کر دیا گیا ہے کہ حقوقِ انسانیت میں خیانت کرنیوالوں کا قیامت کی عدالتِ عالیہ میں کوئی وکیل نہیں ہو سکیگا۔ لیکن اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں عام قانون کی صورت میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ بُرے اعمال بجالانیوالوں کے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے، توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لینا:۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ
اور جو کوئی عمل کرے بُرے یا وہ ظلم کرے نفس اپنے پر پھر
يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ۱۱۰
بچاؤ چاہے اللہ سے وہ پائیگا اللہ کو بچانیوالا مہربان

اور جو کوئی (ایسا) بُرا عمل کرے (جس سے دوسروں کا نقصان ہو) یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے[۱] پھر (اگر وہ اچھے اعمال کے ذریعہ اُس بُرے عمل کے بُرے اثرات سے) بچنا چاہے تو وہ[۲] اللہ تعالیٰ کو بچانیوالا مہربان پائیگا۔

● [۱] يَعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اوّل الذکر کے تحت چوری، خیانت، ملاوٹ بلیک اور سمگل وغیرہ وہ بُرے اعمال آتے ہیں جن سے دُوسروں کا نقصان ہوتا ہے لیکن اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ سے مراد وہ بُرے اعمال ہیں جن کا اثر صرف اپنے آپ پر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر شراب پی لی۔ تو اپنی ہی جیب اور صحت پر ظلم کیا۔ اور اسیطرح کے بُرے اعمال میں قلب و نگاہ کی خیانت، جن سے کسی کا کچھ نہیں بگڑتا، خود اپنی ہی عاقبت خراب ہوتی ہے۔

استغفار کا صحیح مفہوم

● [۲] یاد رہے کہ استغفار کا یہ مفہوم مطلقاً غلط ہے کہ چوری، بدکاری، ملاوٹ، خیانت وغیرہ گناہوں کو بخشوانے کیلئے سَو، دوسَو، پانچ سَو یا ہزار مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ کا وِرد کر لیا جائے تو گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دلیل کے طور پر آیت بالا کے الفاظ اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا پر غور کرنے کیلئے ذیل کی مثال کو سامنے لایئے۔ مثلاً کوئی شخص شراب نوشی کیساتھ اپنی جان پر ظلم کر کے صحت خراب کر لیتا ہے۔ شراب نوشی گناہ ہے۔ اور اس جرم کی سزا صحت کی خرابی خود اپنے آپ پر وارد ہوتی ہے۔ تو اب ظاہر ہے کہ ہزار نہیں، بلکہ لاکھ مرتبہ کے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ کے وِرد ھی سے صحت واپس نہیں آسکتی۔ بلکہ اُسکی ایک ہی صورت ہے کہ شراب پینے سے تائب ہو کر اپنی اصلاح کر لے، یعنی آئندہ کے لئے شراب نوشی مطلقاً چھوڑ دے، تو گئی ہُوئی صحت واپس آسکتی ہے۔ اور ایسی صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو غفورٌ رّحیم پاسکتا ہے۔

● اِسی چیز کی وضاحت $\frac{6}{4/5}$ + $\frac{7}{153}$ + $\frac{16}{119}$ میں کیگئی ہے:- ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ $\frac{16}{119}$ - پھر بیشک تیرا رب اُن لوگوں کیلئے جو نادانی کیساتھ بُرے عمل کر بیٹھیں، پھر اُسکے بعد تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو بیشک تیرا پروردگار اسکے بعد البتہ غفورٌ رّحیم ہے۔ پس محض زبان سے استغفار کے الفاظ دُہراتے رہنا وُہ استغفار نہیں جس کا حکم قرآن کریم میں دیا گیا ہے۔

● اُوپر کی مثال میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جب اپنی جان پر کئے ہُوئے ظلم کا اثر محض استغفر اللّٰہ ربّی کے وِرد سے زائل نہیں ہوتا۔ گناہ معاف نہیں ہوتا، تو اگر کوئی شخص دُوسروں پر ظلم کرے، کسی کا حق مار کر اُسکے بال بچوں کو نانِ جویں تک کا محتاج کر دے تو کیا یہ ظلم محض اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ کے ہزار لاکھ مرتبہ کے وِرد سے معاف ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، جبتک کہ مارا ہُوا حق واپس نہ کیا جائے۔ (یہ ہے توبہ) اور آئندہ کیلئے ایسے بُرے عملوں سے مطلقاً باز آجانا (یہ ہے اپنی اصلاح)۔ قرآن کریم کا بتایا ہُوا گناہوں کی معافی کا مجرّب المجرّب نسخہ صرف یہی ہے۔ پس قانونِ خداوندی کے مطابق اِسکے بغیر کوئی مجرم اپنے جرم کی سزا سے بچ نہیں سکیگا۔ اگر اُسے دُنیا میں سزا نہیں ملی تو اُخروی عدالتِ عالیہ میں مل کر رہیگی، جہاں دُنیوی عدالتوں کیطرح یہ نہیں ہوگا کہ کسی مجرم کی جگہ کوئی غیر مجرم دھر لیا جائے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اعلان کیا گیا ہے:-

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ
اور جو کوئی کماتا ہے گناہ، بس سوا اسکے نہیں وہ کماتا ہے اُسے
عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ۱۱۱
اوپر جان اپنی کے۔ اور ہے اللہ علم والا حکمت والا

اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جرم کرے تو سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ (بغیر استغفار یعنی توبہ اور اصلاح کے بغیر) اُس جرم کی سزا اُسی کی جان پر آئیگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (اُس سے کسی کا کوئی جرم مخفی نہیں۔ اور جرائم کے خاتمے کیلئے یہی حکمت عملی ہے کہ جرائم کی سزا لازمی ہو۔ اگر دنیا میں سزا نہیں ملی تو آخرت کی سزا یقینی مانی جائے)۔

خود جرم کرکے دوسروں کے ذمہ لگانیوالے دوہری سزا کے مستحق ہیں

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں نوعِ انسانی کے اس جرمِ عظیم کی خبر دی گئی ہے، جو عموماً سرمایہ داروں میں پایا جاتا ہے کہ خانصاحب، میاںصاحب، ملک صاحب اپنے جرم کو ملازم کے ذمہ لگا کر خود بری ہو جاتے ہیں۔ چوہدری صاحب خود قتل کرکے گاؤں کے عیسائی سے اقبالِ جرم کروا کر اُسے سزا دلوا دیتے ہیں۔ ضابطۂ خداوندی میں ایسے لوگ دوہری سزا کے مستحق قرار دیئے گئے ہیں۔ جیسے کہ اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظِ ذیل اعلان کیا گیا ہے:۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا
اور جو کوئی کمائے، بھول کر یا جان بوجھ کر گناہ۔
ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا
پھر تہمت لگائے ساتھ اسکے بری ہو کر، پس تحقیق اٹھایا اس نے بہتان
وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ ۱۱۲ ع ۱۶/۸
اور گناہ ظاہر

اور جو شخص گناہ تو خود کرے بھول کر یا جان بوجھ کر پھر اپنے آپ کو اُس سے بری ٹھہراتے ہوئے، اُس جرم کو کسی دوسرے پر بہتان باندھ کر اُسکے ذمہ لگا دے تو پھر (وہ دوہری سزا کا مستحق ہے کیونکہ) بلاشبہ اُس نے کھلے بہتان اور گناہ (کی دوہری سزا کا) بوجھ خود اُٹھالیا ہے۔

احکامِ خداوندی اسکا فضل و رحمت ہیں

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور کو ارشاد ہوا ہے کہ آپ پر اگر حکمت والی کتاب کے نزول کی صورت میں اللہ کا فضل نہ ہوتا تو منافقوں کا ایک گروہ تو آپکو بہکانے کا ارادہ کر چکا تھا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ
اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا اوپر تیرے اور رحمت اُس کی
لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ
البتہ ارادہ کیا ایک گروہ نے اُن میں سے، کہ بہکا دے آپ کو
وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ
اور نہیں وہ بہکاتے مگر لوگوں اپنوں کو اور نہیں وہ ضرر پہنچائینگے آپکو

اور (اے رسول) اگر آپ پر اللہ کا فضل و رحمت (بصورت نزولِ وحی) نہ ہوتا تو اُن میں سے (منافقوں کا) ایک گروہ تو ارادہ کر چکا تھا کہ وہ آپکو (راہِ حق سے) بہکا دے۔
حقیقت یہ ہے کہ نہیں بہکاتے وہ مگر اپنے ہی لوگوں کو (یعنی اپنے جیسے جاہلوں) کو بہکاتے ہیں! اور وہ آپکو کوئی معمولی سا

مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ
سے کوئی چیز۔ کیونکہ نازل کی اللہ نے اوپر آپکے اپنی کتاب اور
الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ
حکمت اور سکھایا آپکو جو نہیں تھے آپ جانتے اور ہے
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ۝ ۱۱۳
الثلثة
فضل اللہ کا اوپر آپکے بہت بڑا

ضرر بھی نہیں پہنچا سکینگے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی حکمت والی کتاب نازل فرمائی ہے (جسمیں حکمت کے تمام اصول نازل کردیئے گئے ہیں جن پر عمل کرکے آپ انکے ضرر سے محفوظ رہینگے)۔ کیونکہ اللہ نے آپکو (اپنی حکمت والی کتاب[1] کے ذریعہ) وہ کچھ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے[2]۔ حقیقت یہ ہے کہ (یہ نزول کتاب حکمت) آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

کتاب و حکمت ایک ہی چیز ہے دو نہیں

[1] الکتٰب والحکمۃ میں واؤ تفسیری ہے یعنی حکمت والی کتاب۔ اس اہم ترین قضیئے کا فیصلہ تفسیر القرآن بالقرآن یعنی تصریف آیات $\frac{9}{65}$ کے انداز میں سورہ یٰسین کی ابتدائی آیات میں کردیا گیا ہے:۔ یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ $\frac{36}{1،3}$ = اے سید! **حکمت والے قرآن** کی شہادت ہے کہ آپ رسولوں میں سے ہیں۔ دیکھیئے! یہاں قرآن الحکیم کا مرکب توصیفی لاکر فیصلہ کردیا گیا ہے کہ قرآن حکیم خود حکمت والا ہے حکمت اسکے اندر موجود ہے اس سے باہر کہیں نہیں ہے۔

علم کلی

• [2] وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کے الفاظ سے بعض حضرات یہ تصور اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم کو مَا كَانَ وَمَا یَكُوْنُ کا علم عطا فرمادیا تھا۔ کیونکہ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں **ما** عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جو آپ نہیں جانتے تھے، آپکو سب کا علم دیدیا گیا تھا۔ یاد رہے کہ یہی عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ **کے الفاظ ما** عموم کیساتھ جمع کے صیغے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے بھی آئے ہیں:۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَكِّیْكُمْ وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ $\frac{2}{151}$ = جیسے کہ (اے صحابہ) ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے اپنا رسول بھیجا ہے، جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے۔ اور تمہاری نشوونما کرتا ہے۔ اور تمہیں حکمت والی کتاب سکھاتا ہے۔ (یعنی اسکے ذریعہ تمہیں وہ کچھ **سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے۔**

• اگر $\frac{4}{113}$ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ سے آنحضور کو علم غیب عطا کرنا مراد لیا جائے تو عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ $\frac{2}{151}$ کے الفاظ سے سب کے سب صحابہ کو بھی علم غیب کا مالک ماننا ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آنحضور کو جو کچھ عطا گیا وہ تھا صرف قرآن کریم جسمیں دین کی ہر وہ چیز درج کردی گئی ہے جو آنحضور اور صحابہ نہیں جانتے تھے۔ اسلئے مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اور مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ کے بعد جار مجرور متعلق فعل مِنَ الدِّیْنِ محذوف ہے۔ اور $\frac{4}{113}$ کا مفہوم یہ ہے کہ "اے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنے دین کے متعلق سب کچھ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے"۔ اور $\frac{2}{151}$ کا مفہوم یہ ہے کہ "اے صحابہ! تمہیں اللہ کے رسول نے دین کے متعلق سب کچھ سکھا دیا ہے جو تم نہیں جانتے تھے"۔ اسکے برعکس اگر آنحضور کو عالم الغیب مانا جائے تو آپ پر اللہ کی وحی جاتی ہوئی چیزوں کو بھیجوانے کا کار عبث ثابت ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بذریعہ وحی نازل کرتا تھا۔ اسے تو آنحضور پہلے ہی جانتے تھے۔ یا للعجب!

صرف تجویزیں اور مشورے بغیر ادائے صدقات اور بلا طلب رضاء الٰہی بیکار ہیں

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کی اِس روش پر روشنی ڈالی گئی ہے جو وہ تجویزیں اور مشورے تو پیش کرتے تھے۔ مگر انہیں عملی جامہ پہنانے کیلئے جیب سے کچھ دینے کا نام تک نہیں لیتے تھے۔ اور اچھی تجویزیں اور مشورے پیش کرنے میں بھی اللہ کی رضا مطلوب نہیں ہوتی۔ بلکہ اُنکا مقصود اپنی بڑائی ہوتی ہے کہ خانصاحب میانصاحب چوہدری صاحب نے کیسی اچھی تجویز پیش کی ہے! اور کیسا عمدہ مشورہ دیا ہے:۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا
نہیں بھلائی بیچ اکثر میں سے مشوروں اُن کے، مگر
مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ
جو مشورہ دے ساتھ صدقہ کے یا معروف طریقہ کے یا اصلاح کرنے درمیان
النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ
لوگوں کے۔ اور جو کوئی عمل کرے مذکورہ چاہتے خوشنودی اللہ کے
فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ ۱۱۴
تو ضرور ہم دینگے اُسے بدلہ بڑا

اِن (منافقوں کے) بیشتر مشوروں میں سے کوئی بھلائی نہیں (اُنکے بعض مشورے ٹھیک ہوتے ہیں مگر اُنکا مقصود ذاتی مفاد اور خلافِ رضاءِ الٰہی ہوتا ہے)۔ ہاں صحیح مشورہ اُسکا ہے، جو مشورہ کے ساتھ صدقہ دے۔ (یعنی اگر کسی اصلاحی کام کا مشورہ دے تو اُسکے ساتھ صدقہ بھی دے ۵۸/۱۲) یا معروف طریقہ کیساتھ (کہ اُن میں صدقہ کی ادائیگی کی طاقت نہ ہو ۵۸/۱۲) اور[۱] (مشوروں اور صدقوں کی غرض) نوعِ انسانی کی اصلاح اور بھلائی ہو۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے ایسا کریگا تو ہم اُسے ضرور اسکا بہت بڑا اجر عطا فرمائینگے۔

• علہ اَوْ بمعنی اور ۲/۲۳۶ میں ملاحظہ فرمائیں:۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۲/۲۳۶ = تم پر کوئی حرج نہیں کہ اگر تم اس حالت میں بیویوں کو طلاق دو کہ تم نے اُنکے ساتھ مس نہیں کی **او**ر اُنکے لئے مہر مقرر نہیں کیا۔ تو اُنہیں فائدہ دو۔ یہ امر زیادہ مال والے پر اُسکی بساط کے مطابق فرض ہے۔ اور کم مال والے پر اُسکی بساط کے مطابق فرض ہے۔ دیکھئے! یہاں اَوْ بمعنی **یا** لگ ہی نہیں سکتا کہ اگر تم نے مس نہیں کیا یا مہر مقرر نہیں کیا تو اپنی اپنی بساط کے مطابق فائدہ دو۔ بلکہ اَوْ بمعنی اور ہی لگ سکتا ہے کہ اگر تم بیویوں کو بلا مس طلاق دو **او**ر تم نے اُنکا مہر مقرر نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں۔ اپنی اپنی بساط کے مطابق بلا مس مطلقہ عورتوں کو کچھ فائدہ ضرور دیا کرو۔

مومنوں کی تجویزیں اور مشورے بلا صدقہ نہیں ہوتے

• واضح رہے کہ قرآنی معاشرہ عوام کے مالوں ہی سے قائم ہوتا ہے:۔ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۝ ۲/۲۱۹۔ اے رسول! لوگ آپ سے پوچھینگے کہ وہ کتنا مال اللہ کی راہ میں دیدیں۔ آپ کہدیجئیگا کہ پورا فاضل مال۔ سورہ مجادلہ میں مشوروں کے متعلق مومنوں کو حکم دیا گیا ہے:۔

• يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۵۸/۱۲ = ایمان والو جب تم ہمارے رسول کے سامنے رفاہِ عامہ کے کسی کام کی کوئی تجویز پیش کرو تو اپنی تجویز اور مشورہ پیش کرنے سے پہلے حضور رسالت میں اُس کام کی تکمیل کیلئے اپنے حصّے کے طور پر صدقہ پیش کیا کرو۔ اور ۴/۱۱۴ کے مطابق یہ سب کچھ محض نمود و نمائش نہ ہو، بلکہ ذٰلِكَ

اِبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۴/۱۱۴، یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضاجوئی کیلئے ہو۔

باہم مشورہ کے بعد جو کچھ طے پا جائے اُسکی مخالفت، خود رسول مقبول کی مخالفت ہے

• سلسلۂ درس کی آیاتِ ماقبل میں سے ۴/۱۱۴ میں رفاہِ عامہ و معاشرہ کے اصلاحی کاموں کیلئے مومنوں کو اجازت دیگئی ہے کہ وہ اپنی اپنی تجویزیں اور مشورے پیش کر سکتے ہیں۔ اور اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ باہمی مشورہ کے بعد جس امر کا حکم اللہ کا رسول نافذ فرمائے تو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کریں اور متفقہ فیصلے کے بعد کوئی اور راہ تلاش کریں تو اُنکا ٹھکانہ جہنم ہے:۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

اور جو کوئی مخالفت کرے اللہ کے رسول کی پیچھے اُسکے کہ ظاہر ہو چکی

لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

واسطے اُسکے ہدایت۔ اور وہ اتباع کرے سوائے راستے مومنوں کے

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ

ہم موڑتے ہیں اُسے جدھر کو وہ مڑتا ہے اور ہم داخل کرینگے اُسے جہنم میں

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۱۱۵ ع ۱۴/۱۷

اور وہ بُری جگہ ہے پھر جانے کی

اور جو کوئی اللہ کے رسول کی مخالفت کرے پیچھے اِسکے کہ اُس کیلئے (وقتی امور پر باہمی مشورہ کے بعد معاملہ زیرِ غور کی) راہ نمایاں ہو چکی ہو۔ اور وہ مومنوں کے (باہمی طے کردہ) راستے کے سوا کسی اور راہ کی اتباع کرے تو ہم اُسے زبردستی وہ ہدایت پر نہیں لاتے۔ بلکہ) اُسے اُسی طرف کو مڑنے دیتے ہیں جدھر کو وہ خود مڑتا ہے۔ اور ہم اُسے (اُسکی اس سرکشی کی پاداش میں) جہنم داخل کرینگے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ) وہ جہنم (غیر متوازن معاشرہ) لوٹ کر جانے کی بُری جگہ ہے۔

• اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں مومنوں اور آنحضور کے متفقہ فیصلے کی مخالفت کو شرک قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ انداز حکومتِ الٰہیہ کی مخالفت پر مبنی ہے۔ بالفاظِ دیگر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ جسمیں وقتی امور کے فیصلے مشاورت ہی کی اساس پر کئے جاتے ہیں ۳/۱۵۹ + ۴۲/۳۸، اُسکی مخالفت کرنیوالے اپنی رائے کو حکومتِ الٰہیہ کے مقابلے پر ترجیح دیتے ہوئے خود اللہ کے شریک بنتے ہیں چنانچہ کہا گیا ہے کہ شرک معاف نہیں ہوگا:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ

بیشک اللہ نہیں معاف کرتا یہ کہ شرک کیا جائے ساتھ اُسکے اور معاف کرتا ہے

مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

جو سوا اُسکے ہو۔ واسطے اُسکے جو خود چاہے۔ اور جو شرک کرے ساتھ اللہ کے

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۱۱۶

پس تحقیق وہ گمراہ ہوا گمراہ ہونا دُور کا

بیشک اللہ تعالیٰ (بلا توبہ اور بلا اصلاح) اس چیز کو معاف نہیں کرتا کہ اُسکے ساتھ (کسی بھی چیز کو ۶/۱۵۱) شریک ٹھہرایا جائے۔ اور معاف کرتا ہے اسکے سوا کے جرائم (کی سزا، اُسے) جو (توبہ اور اپنی اصلاح کرکے ۴/۵) خود بچنا چاہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کیساتھ (کسی بھی چیز کو) شریک ٹھہرائے تو وہ دُور کی گمراہی میں گمراہ ہو جاتا ہے۔ علٰہ

بلا توبہ و اصلاح شرک معاف نہیں ہوگا

علٰہ شرک کے متعلق پیچھے ۴/۴۸ میں آیا ہے وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۰ = اور جس نے اللہ کیساتھ (کسی بھی چیز کو ۶/۱۵۱) شریک ٹھہرایا تو اُس

نے (کھلا کھلا افترا باندھ کر) عظیم گناہ کیا۔ شرک عموماً، اپنے بزرگوں میں خداوندی صفات مان کر یہ کہتے ہوئے کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اُنہیں اپنی صفاتِ مخصوصہ میں سے بے پرواہی اور بے نیازی، یا کائناتی اور تنزیلی قوانین میں ردّوبدل کے اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ یہ کھلا افترا اور گناہ ہے مُشرک کے متعلق سورہ حج میں ارشاد ہُوا ہے :۔

• وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ۲۲/۳۱

اور جو کوئی شرک کرے اللہ کیساتھ، تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اُسے پرندے اُچک کر لیجائیں، اور یا اُسے آندھی نے دُور کے کسی مکان میں جا پھینکا۔ آسمان سے گرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو کائنات کی ہر چیز پر فضیلت عطا فرمائی ہے ۱/۷ بلکہ ارشاد فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اِسکے زیرِ فرمان کر دیا گیا ہے :۔

• وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط ۴۵/۱۳ = اور (اے نوعِ انسانی) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے۔ اللہ نے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ (تمہارے تابع تسخیر کر دیا ہے)۔ بالفاظِ دیگر نوعِ انسانی کا مقام اتنا بلند ہے کہ کائنات کی ہر بلند و بالا چیز سے اِسکا مقام بلند و بالا ہے۔ لیکن جب یہ کائنات کی کسی بھی چیز کو اپنے سے افضل قرار دیکر اُسے اللہ کا شریک ٹھہراتا، یعنی اُس سے مرادیں مانگنا شروع کر دیتا ہے تو انسانی عظمت کی بلندیوں سے ذلت کی پستیوں میں آگرتا ہے۔ اور اتنا ذلیل ہو جاتا ہے کہ اُسے اَلطَّیْرُ شکاری پرندے، یعنی اپنی ہوسِ زر کی تکمیل کیلئے سادہ لوح عوام کا شکار کرنیوالے گدّی نشین اُسے اُچک کر دُور اپنے مکان پر لے جاتے اور اپنا مرید بنا کر اُسکی کمائی میں عمر بھر حصّہ دار بنے رہتے ہیں۔

• المختصر! مُشرک چونکہ نہ اللہ تعالیٰ کو اپنے مقام پر رکھتا ہے اور نہ اپنے آپکو اپنے مقام پر، بلکہ اللہ کو اُسکے مقام سے گرا کر بندوں کے مقام پر لے آتا ہے۔ اور اپنے آپکو انسانیت کے بلند مقام سے گرا کر حیوانیت کے ذلیل مقام پر لا کھڑا کرتا ہے، کہ کسی نہ کسی انسان کی غلامی کا پٹہ گلے میں ڈالے رہتا، اور مشکل وقت پر غیر اللہ سے مرادیں مانگتا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں انہی مُشرکوں غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا

نہیں وہ پکارتے ساتھ اُسکے مگر عورتوں کو۔ اور نہیں وہ پکارتے مگر

شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ

شیطان مردود کو، لعنت کی اُسے اللہ نے۔ اور کہا اُس نے البتہ میں ضرور لونگا

مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ ۱۱۷ - ۱۱۸

میں سے بندوں تیرے حصہ مقرر کردہ

(مُشرک غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والے) نہیں پکارتے اللہ کیساتھ، مگر عورتوں کو پکارتے ہیں (جو عورتوں کیطرح خود کمائی نہیں کرتے بلکہ دُوسروں کی کمائی پر عیش اڑاتے ہیں)۔ اور نہیں پکارتے وہ (مُشرک لوگ مرادیں مانگنے کیلئے) مگر درگاہِ باری سے راندے ہوئے شیطان کو۔ کہ اُس سے اللہ بیزار ہُوا۔ اور اُس نے کہا کہ میں ضرور ضرور تیرے بندوں میں سے (غیر مخلص بندوں سے ۱۵/۴۰) اپنا مقررہ حصّہ وصول کیا کرونگا۔ ۳۰

• ۱ مِنْ دُوْنِهٖ کا ایک معنٰی قرآنی لغت کے مطابق اُسکے سوا کے علاوہ اُسکے ساتھ بھی ہے۔ جیسے کہ ۵/۱۱۶ میں آیا ہے :۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کہیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ (مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ) دو الٰہ اور رب بنالو

• دیکھئے! یہاں مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا معنٰی اللہ کے سوا دو الٰہ اور رب مانگ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ نصارٰی نے اللہ کے سوا نہیں بلکہ اللہ کیساتھ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ، دو الٰہ اور رب کر تین الٰہ بنائے ہوئے ہیں۔ جن کی تائید ۵/۷۳ میں موجود ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۔ بیشک جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے، اُنہوں نے کفر کیا پس ۵/۱۱۶ کی شہادت سے ثابت ہے کہ مِنْ دُوْنِ کا معنی قرآنی لُغت کے مطابق صرف "کے سوا" ہی نہیں، بلکہ "کیساتھ" بھی ہے۔

مُریدوں کی کمائی کھانیوالے مرد نہیں۔ یہ تو عورتیں ہیں

• ۲ٔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کے قاری سے اسکی پہلی ہی سُورت سورہ فاتحہ میں حصر کیساتھ وعدہ لے رکھا ہے:۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ۱/۴ ۔ اے اللہ ہم تیری ہی فرمانبرداری کرینگے اور تجھ ہی سے مرادیں مانگا کرینگے۔ آیات بالا زیر بحث میں اس اوّلین وعدہ کی مخالفت کرنے یعنی غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والوں کو مُشرک قرار دیا گیا ہے۔ اور جن افراد کو پیر و مرشد بنا کر حاجت روا اور مشکلکشا مانا جاتا ہے یعنی جو خود کما کر کھانے کی بجائے مریدوں کی کمائی پر اُسیطرح عیش اُڑاتے ہیں جسطرح عورتیں خاوندوں کی کمائی کھاتی ہیں، اُنہیں عورتیں قرار دیا گیا ہے۔ نیز اُدھر تو بعض پیروں کی حالت یہ بھی ہے کہ وہ عورتوں جیسے کپڑے، اور عورتوں ہی کی مانند ہاتھوں میں چوڑیاں اور گجرے پہنتے ہیں اور کانوں میں بالیاں اور ناک میں بلاکیں آویزاں کرتے ہیں۔

• خود کمائی نہ کرنا اور عورتوں کیطرح مریدوں کی کمائی پر بسر کرنا، سب کے سب پیروں کا مستقل اور دائمی شعار ہے۔ عورتیں تو پھر بھی اپنے گھریلو کام کاج میں دن بھر مصروف رہتی ہیں، لیکن پیری پیشہ حضرات تنکا تک توڑ کر دُوہرا نہیں کرتے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے انہیں عورتیں اِنٰثًا کہا ہے۔ اور چونکہ یہ لوگ مریدوں کے مشکلکشا اور حاجتروا بنے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو شیطان مردود قرار دیا گیا ہے شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۴/۱۱۷ ۔ کیوں؟

• قرآن کریم میں شیطان اُسے کہا گیا ہے جسمیں ابلیسیت بشکل مشہود جلوہ گر ہو۔ ۲/۳۴ میں ابلیس کی دو صفتیں بیان کیگئی ہیں۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ، یعنی انکار و استکبار خاصۂ ابلیسیت ہے۔ پیر حضرات کا عام قاعدہ یہ ہے کہ عوام سے اُونچے بیٹھتے ہیں اپنے برابر بیٹھنے کی کسی کو اجازت نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص اُنکے پلنگ پر اُنکے برابر بیٹھ جائے تو اسے بے ادبی اور گستاخی قرار دیتے ہیں۔ گفتگو کرتے وقت اپنے آپکو جمع کے صیغے میں ہم کہتے ہیں۔ اپنے آپکو مَیں کہنا اُنکی لغت ہی سے خارج ہے۔ پنجابی زبان میں اپنے آپکو اسیں کہتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی اُنکی بات کاٹ دے، یا اُنکی رائے کی مخالفت کر بیٹھے تو اُنکے ہاں ایسا آدمی مردود بلکہ گردن زدنی قرار دیا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا سب چیزیں تکبّر اور انکار کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو جو عورتوں کیطرح دُوسروں کی کمائی کھانیوالا اور تکبّر کا مجسمہ ہو، اِنٰثًا اور شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا قرار دیا ہے۔ اور اُس سے بیزاری کا اعلان فرمایا ہے لَعَنَهُ اللّٰهُ ۴/۱۱۸ ۔ العیاذ باللہ!

ابلیس کا مخصوص اعلان

• ۳ٔ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا کے الفاظ میں ابلیس کے اُس مقررہ حصے کا ذکر کیا گیا ہے جو اُس نے روزِ آفرینش ہی کیا تھا:۔ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ۱۵/۳۹-۴۰ = میں اُن (نوعِ آدم) میں سے تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو گمراہ کرونگا۔ بسلسلۂ درس کی اگلی آئت میں آگے اِس طریقہ کی وضاحت بھی کر دیگئی ہے کہ وہ اپنے مریدوں کی کمائی میں سے ایک مقررہ حصّہ کسطرح وصول کیا کریگا؟ اسکے لئے اگلی آئت کے ملاحظہ فرمائیں الفاظِ ذیل:-

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ
اور البتہ اُنہیں ضرور گمراہ کرونگا۔ اور البتہ ضرور اُنہیں امیدیں دلاؤنگا

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ
اور البتہ ضرور حکم کرونگا اُنہیں۔ پھر وہ ضرور کاٹینگے کان چوپایوں کے

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ
اور البتہ ضرور حکم کرونگا اُنہیں پھر وہ ضرور بدلینگے، پیدائش اللہ کو

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ
اور جو پکڑے شیطان کو کارساز سا تھ اللہ کے، پس تحقیق

خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ ۱۱۹
اس نے گھاٹا کھایا گھاٹا ظاہر

اور (شیطان نے کہا کہ) میں البتہ ضرور گمراہ کرونگا اُنہیں۔ اور البتہ ضرور اُنہیں اُمید دلاؤنگا (کہ اگر میرا مقررہ حصّہ ادا کروگے تو تمہارے مویشیوں اور کھیتی میں برکت ہوگی) اور البتہ ضرور میں اُنہیں حکم کیا کرونگا پھر وہ (میرے حکم کے مطابق میرے نام پر) البتہ ضرور اپنے چارپایوں کے کان کاٹا کرینگے۔ اور البتہ ضرور میں اُنہیں حکم دونگا، تو وہ (میرے حکم سے) اللہ کی پیدائش کو بدلینگے، (اُسے غیر اللہ کیطرف نسوب کرینگے (کہ یہ بیٹا پیروں نے دیا ہے پیراندتہ) اور حقیقت یہ ہے کہ جس کسی نے اللہ کیساتھ (گمراہ کرنیوالے، اپنا مقررہ حصّہ وصول کرنیوالے، جانوروں کے کان کاٹنے اور اللہ کی پیدائش کو بدلنے کا حکم دینے والے) اُس شیطان کو اپنا کارساز بنایا) تو (جان لوکہ) وہ ظاہر گھاٹے میں جا پڑا۔

پیروں کا مقررہ حصّہ • لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۱۱۸/۴ کے الفاظ پر ایک مرتبہ پھر غور فرمائیں۔ یہاں عِبَادِكَ میں اللہ کے مخلص بندے شامل نہیں اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۱۵/۴۰۔ کیونکہ ۱۵/۴۲ کے مطابق اُن پر شیطان کا بس نہیں چل سکتا۔ اسلئے یہاں غیر مخلص بندوں کا ذکر ہے جن پر شیطان کا تسلط ممکن ہے، اور وہ اُن سے اُنکی کمائی میں سے اپنا مقررہ حصّہ وصول کرتا ہے۔ اگر آپ پیروں کے زمیندار مریدوں کو قریب سے دیکھیں تو آپکو معلوم ہوگا کہ ہر وہ جنس جو کھیت میں پیدا ہوتی ہے، اُس میں پیر صاحب کے آستانہ شریف کا حصّہ مقرر ہوتا ہے۔ گندم، دھان، جَو، جوار، مکی، چنے وغیرہ میں سے دو چار دس ٹوپے فی مانی پیر صاحب کا حصّہ کھلیان ہی سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ گائے بھینسوں کے دودھ میں سے ہر مہینے میں ایک دن کا دودھ گیارھویں شریف کے نام سے آستانوں اور پیروں کی نذر مقرر ہو چکا ہے۔ اور پیر صاحبان مریدوں کو وعدہ دیتے چلے آرہے ہیں کہ اگر تم کھیت کی پیداوار اور مویشیوں کے دودھ میں سے مقررہ حصّہ ادا کرتے رہوگے تو فصلوں میں برکت ہوگی اور گائے بھینسیں خوب دودھ دیتی رہینگی (وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ) اور اگر تم نے مقررہ حصّے میں کمی کی تو آئندہ کیلئے فصلیں برباد ہو جائینگی اور گائے بھینسوں کے تھنوں میں خون اُتر آئیگا۔

• چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی پُرفریب جھوٹے وعدوں کیلئے سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں وضاحتًا اعلان کر رکھا ہے کہ یہ سب کچھ فریب محض ہے:-

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا
وہ وعدہ دیتا ہے انہیں اور اُمیدیں دلاتا ہے انہیں۔ اور نہیں

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ۱۲۰
وعدے دیتا اُنہیں شیطان مگر فریب محض

اور وہ (شیطان مریدوں کی کمائی کھانیوالا) انہیں (مریدوں کو) وعدے بھی دیتا ہے اور اُنکی اُمیدیں بھی بندھاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ شیطان اُنہیں جو بھی وعدہ دیتا ہے، وہ فریب محض ہے (اُس میں مطلقاً کوئی سچائی نہیں)۔

نہائت ہی مؤدبانہ گذارش

• آیاتِ بالا میں آپ وضاحتاً ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ بندوں کے مال سے مقررہ حصہ وصول کرنا اور اُنہیں جھوٹی اُمیدیں دلاکر اُنکے مال کھانا، شیطان کا کام بتایا ہے لیکن معاشرہ کے جس گوشے میں یہ شیطانی فعل عملاً پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے، وہ ہے صرف اور صرف پیری مُریدی کا مخصوص گوشہ۔ اِسکے سوا کہیں بھی جھوٹی اُمیدیں بندھاکر لوگوں کی کمائی میں سے مقررہ حصہ ہرگز ہرگز وصول نہیں کیا جا رہا۔ تو اِسطرح اگر شیطان کا لفظ قرآن کریم نے اُن لوگوں کیلئے استعمال کیا ہے، جو جھوٹے وعدے دیکر اور جھوٹی اُمیدیں بندھاکر مریدوں کے مال سے مقررہ حصہ باقاعدہ وصول کر رہے ہیں تو اِس سلسلے میں معاف فرمایئے، یہ فیصلہ قرآنِ کریم کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا ہے، کسی اور کا نہیں۔

اولے باندھنے والے پیر

• معزز قارئین کی معلومات میں اضافے کیلئے واضح کیا جاتا ہے کہ پیر خاندانوں میں سے ایک خاندان وہ ہے جسے علاقہ پنجاب میں "گڑے بنھ" کہا جاتا ہے۔ وہ لوگ اِس جھوٹے اور پُرفریب وعدے کیساتھ عوام کے مالوں سے مقررہ حصہ وصول کرتے چلے آرہے ہیں کہ جو لوگ کھیتی کی پیداوار میں سے ہمارا مقررہ حصہ ادا کرتے رہینگے، اُنکے کھیتوں میں اولے نہیں پڑینگے۔ چنانچہ زمیندار بیچارے اپنی فصلوں اور کھلیانوں کو اولوں سے بچانے کیلئے مذکورہ بالا غلط اُمید دلانیوالوں کو بھی اُنکا مقررہ حصہ ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ قرآنی فیصلے ۱۲۰ کے مطابق یہ سب غلط امیدیں اور جھوٹے وعدے فریب محض ہیں۔ اولے، بارش، برف اور شبنم وغیرہ تمام چیزیں اُس قانونِ خداوندی کے مطابق برستی ہیں جو اِن کیلئے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے۔ کارگاہِ کائنات میں ہر چیز کے قوانین مقرر ہیں کہ بارش کسطرح برستی ہے؟ اولے کیوں پڑتے ہیں؟ اور برف باری کا خداوندی اندازہ کیا ہے؟۔ اِس سلسلے میں یہ دعویٰ کرنا کسقدر غلط اور فریب محض ہے کہ ہمارے دم چھُو کے ساتھ اولے ٹل سکتے ہیں۔ یا اُنکے گرنے کی جگہ بدل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا کے الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ ایسے پُرفریب اور جھوٹے دعوے کرنیوالے شیطان ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں ارشاد ہوا ہے:۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ
یہی ہیں وہ کہ ٹھکانہ اُنکا قیدخانہ ہے۔ اور نہیں وہ پائینگے

عَنْهَا مَحِيْصًا ۝ ۱۲۱
میں سے اُس کے رہائی

(یہ جھوٹی اُمیدیں دلاکر لوگوں کے مال بٹورنے والے) یہی وہ لوگ ہیں کہ اُنکا ٹھکانہ (اُخروی) قیدخانہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ (قیامت کے دِن اُس (اُخروی قیدخانے) سے رہائی نہیں پائینگے۔ (اُس میں ہمیشہ رہینگے)۔

لفظ جہنم کی قرآنی لغت

• ۵۱ لفظ جہنم کے متعلق اہل لغت میں اختلاف ہے۔ بعض اسے عبرانی کے لفظ جی ھنوم سے معرب مانتے ہیں جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ یروشلم کے پاس ایک وادی ہے جہاں بُت پرست لوگ مسافروں کو پکڑ کر بُتوں کے سامنے قربان کیا کرتے تھے۔ عبرانی زبان میں جی کا معنی ہے وادی اور ھنوم اس وادی کا نام تھا۔ اور بعض اسے مادہ ج۔ ہ۔ م۔ جہم سے مشتق بتاتے ہیں، جس کا بنیادی معنی ہے تیوڑی چڑھانا، بُرا منہ بنانا جو انتہائی ذہنی اذیت کا نشان ہے۔ اور تیسرے وہ ہیں جنہوں نے اسے مادہ ج ح م۔ جحم کے مترادف قرار دیا ہے، جس کا بنیادی معنی ہے تنگی، بخل، حسد اور حسد کیساتھ جل بھن جانا۔ تو اسطرح جہنم کا معنی وہ مقام جس کے رہنے والے جلتے رہتے ہوں لیکن جیسے کہ بارہا عرض کیا گیا ہے کہ قرآن کریم متنازعہ الفاظ کی لغت خود پیش کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہنم کے متعدد معنے آئے ہیں، جن میں ایک معنی، تنگی، بخل اور حسد کے تصور کے مطابق ناہموار معاشرہ بھی ہے۔ جس میں غیر متوازن تقسیم رزق کی بدولت بخل حسد بُغض اور ذہنی جلن کا چاروں دَور دَورہ ہوتا ہے۔

جہنم بمعنی غیر متوازن معاشرہ

• غیر متوازن معاشرہ کو جہنم اسلئے کہا گیا ہے کہ اس میں ہر شخص ذہنی جلن میں مبتلا رہتا ہے جہنمی معاشرہ ملوکیت کی پیداوار ہے جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی ضد ہے۔ چنانچہ سورہ ابراہیم میں خلافت الٰہیہ کے غاصب ملوک بادشاہوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ $\frac{۲۸-۲۹}{۱۴}$ = (اے مخاطب!) کیا تو نے غور نہیں کیا اُن لوگوں کیطرف جنہوں نے اللہ کی نعمت کو (اسکے نظام ربوبیت ہی کا) انکار کرکے بدل دیا۔ اور اپنی اپنی قوم کو تباہی کے گھر جہنم میں لا اُتارا۔ اُس میں سب داخل ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ (تباہی کا گھر جہنم، جس میں نوع انسانی کی ضروریات زندگی کے مساویانہ حق $\frac{۲}{۲۹}$ کو بدل دیا گیا ہو۔ اور اُسے غیر متوازن کرکے نوع انسانی کو تباہی کے گڑھے میں ڈالدیا گیا ہو) وہ رہنے کی بہت بُری جگہ ہے۔

جہنم بمعنی شکست

• قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ $\frac{۱۲}{۳}$ = اے رسول! ضابطۂ ربوبیت کا انکار کرنیوالوں سے کہہ دیجئیگا کہ تم ضرور مغلوب ہو جاؤ گے (شکست کھاؤ گے) اور تم شکست کے میدان (جہنم) میں جمع کئے جاؤ گے۔ (یعنی تمہیں میدان شکست میں گرفتار کرلیا جائیگا) اور وہ بہت بُرا مقام ہوگا۔

جہنم بمعنی جرائم کی سزا۔ اگر دنیا میں نہ ملے تو قیامت کو ضرور ملیگی

• قرآن مجید میں جرم اور جہنم کو لازم ملزوم قرار دیا گیا ہے:۔ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰي ۝ $\frac{۷۴}{۲۰}$ = جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئیگا۔ تو بلاشبہ اُسکے لئے (جرموں کی سزا) جہنم ہے۔ اُس میں نہ وہ مریگا نہ زندہ ہوگا۔ نیز فرمایا:۔

• اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ $\frac{۷۴-۷۵}{۴۳}$ = بیشک مجرم جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے۔ اُن سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائیگا۔ اور وہ اُس میں مایوس ہونگے۔ نیز فرمایا کہ قیامت کو کہا جائے

• هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۵۵/۴۳ = یہ ہے جہنّم جسے مجرم جھٹلاتے تھے۔

جہنّم مجرموں کے پیچھے لگی ہوئی ہے

• جھوٹی تہمت لگانیوالے گنہگاروں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے کہ جب اُن پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبّر کیساتھ اصرار کرتے ہیں۔ گویا کہ اُنہوں نے سُنا ہی نہیں:- مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ ۴۵/۱۰ = جہنّم (اُنکے جرائم کی سزا) اُنکے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ اور اُنہیں کوئی فائدہ نہیں دینگے وہ کسب جو اُنہوں نے کئے۔ اور نہ اُنہیں کوئی فائدہ دینگے وہ لوگ جنہیں اُنہوں نے اللہ کیساتھ اپنے مددگار ٹھہرایا ہُوا تھا۔

جہنّم سرکشوں کی گھات میں ہے

• اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۙ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۙ ۷۸/۲۱-۲۲ = بیشک جہنّم سرکشوں کی (سرکشی کی سزا) اُنکی گھات میں لگی ہوئی ہے۔ جن سرکشوں کو دُنیا میں شکست کی صورت میں سزا مل جائے تو یہ بھی جہنّم ہے ۳/۱۲۔ اور اگر دُنیا میں سزا نہ مل سکے تو قیامت کی دُوسری زندگی میں، اُنہیں ضرور مل کر رہیگی۔ جہنّم اُنکی گھات میں لگی ہوئی ہے۔ جس کی زد سے مجرم سرکش ہرگز بچ نہیں سکتے۔ وہ معاشرہ جو نوعِ انسانی کی بداعمالیوں کی سزا کی صُورت میں عذاب کی شکل اختیار کرلیتا ہے، جس میں نوعِ انسانی جل رہی ہوتی ہے، وہ بھی جہنّم ہے۔

جہنّم بُرا ٹھکانہ ہے۔ بُری قرارگاہ ہے رہنے کی بُری جگہ ہے جہنّم ایک آگ ہے

• هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۙ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۳۸/۵۵-۵۶ = بات یہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیشک سرکشوں کیلئے بُرا ٹھکانہ ہے جہنّم۔ وہ اُس میں سب جلتے ہیں پس وہ بہت بُری جگہ ہے۔ ۹/۷۳ + ۶۶/۹ میں جہنّم کیلئے آیا ہے:- بِئْسَ الْمَصِيْرُ = بُری ہے جگہ پھر جانے کی۔ ۳۸/۶۰ میں آیا ہے فَبِئْسَ الْقَرَارُ = بُری قرارگاہ ہے۔ پچھلے صفحہ پر ۱۴/۲۸-۲۹ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ اُس غیر متوازن معاشرہ کو بھی (جسمیں خلافتِ الٰہیہ کے مُنکر بادشاہ قوم کو لا اُتارتے ہیں) بِئْسَ الْقَرَارُ کہا گیا ہے۔ پس دُنیا کی جہنّم (غیر متوازن معاشرہ) بھی نوعِ انسانی کے ہاتھوں قائم ہوتا ہے۔ اور آخرت کی جہنّم بھی نوعِ انسانی ہی کے جرائم کی سزا ہے۔

جہنّم اور جحیم مترادف لفظ ہیں

• سورہ طُور میں ارشاد ہُوا ہے:- يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۵۲/۱۳ = وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب نافرمان جہنّم کی آگ کیطرف بُری طرح دھکیلے جائینگے۔ اور:- اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ...... وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۵۲/۱۷-۱۸ = بیشک ضابطۂ خداوندی کی نگہداشت کرنیوالے جنّت اور نعمتوں میں ہونگے ..... یعنی اُنکے ربّ نے اُنہیں جحیم کے عذاب سے بچالیا۔

• لفظ جحیم کے مادہ جحم کی بحث پچھلے صفحہ پر گزر چکی ہے جس کا بنیادی معنی ہے تنگی، بُخل، حسد اور حسد سے جل بھن جانا۔ نیز اُوپر آپ دیکھ چکے ہیں کہ لفظ جہنّم جحیم کا مترادف ہے ۵۲/۱۳-۱۷-۱۸۔ ۵۲/۱۳ میں نارِ جہنّم کے الفاظ میں اسے آگ کہا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ جہنّم کی آگ نہ لکڑیوں کی ہے نہ اُپلوں کی، نہ وہ آگ کوئلوں کی ہے نہ گیسوں کی۔ بلکہ اس آگ کا ایندھن بنائے گئے ہیں ظالم انسان:-

• وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ ۷۲/۱۵ = بیشک بے انصافی کرنیوالے جہنم کا ایندھن ہیں۔ ۲۱/۹۸ میں آیا ہے :- اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ = تم اور وہ لوگ جن کی تم اللہ کے سوا فرمانبرداری کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں۔

• اِن آیات کریمات پر بنظرِ عمیق غور کرنے سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ جہنم وہ مقام ہے جہاں انسان عدم توازن کی آگ میں جل رہے ہوتے ہیں۔ دُنیا میں یہ آگ وہ لوگ دھکاتے ہیں جن کے قبضے میں ریاست کی باگ ڈور ہوتی ہے اور ملکی وسائل پر اُنکا تسلط ہوتا ہے۔ گروہ ایسا غیر متوازن معاشرہ قائم کرتے ہیں جس کے ذریعہ قوم کو تباہی کے گھر میں لا اُتارتے ہیں وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۱۴/۲۸-۲۹۔ اور قیامت کی جہنم بھی انسان کے اپنے اعمال کی سزا ہوگی۔ دُنیا کی جہنم میں بھی انسان عدم توازن کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ اور قیامت کی جہنم میں بھی نعمایۂ خداوندی کی محرومی کے جہنم میں جلتا رہیگا۔

جہنم بمعنی قید خانہ

• اُخروی جہنم اِس دُنیا کے عملوں کی سزا ہے۔ اِسلئے اُسے قید خانہ بھی کہا گیا ہے :- وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ ۱۷/۸ = اور ہم نے جہنم کو ضابطۂ ربوبیت کا انکار کرنیوالوں کیلئے قید خانہ قرار دیا۔ لفظ حصیر کا سہ حرفی مادہ ح۔ص۔ر = حصر ہے جس کا بنیادی معنی ہے گھیرنا۔ گھیرا ڈالنا۔ قید کرنا۔ اور حصیر کا معنی ہے زنداں قید خانہ۔ ۹/۴۹ میں جہنم کیلئے آیا ہے اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ = بیشک جہنم ضابطۂ ربوبیت کا انکار کرنیوالوں کو گھیرنے والی ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی آیت زیرِ بحث ۴/۱۲۱ میں اِسی قید خانہ کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :- اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا = اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ وہ اِس قید خانے سے رہائی نہیں پائینگے۔ نیز واضح رہے کہ جہنم ضد ہے جنت کی۔ اِسلئے اہلِ جہنم کا تذکرہ کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ جہنم کی ضد اہلِ جنت کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے اصلاح والے ضرور ہم داخل کرینگے انکو جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ باغوں، چلتی ہیں سے نیچے اُنکے نہریں ہمیشہ رہنے والے بیچ اُسکے ہمیشہ۔ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝ ۱۲۲ وعدہ ہے اللہ کا سچا۔ اور کون ہے بڑھکر سچا، سے اللہ بات کی رُو سے	اور جو لوگ (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطۂ ربوبیت پر) ایمان لائیں اور (معاشرہ کی) اصلاح کے کام کریں۔ تو ضرور ہم داخل کرینگے اُنکو ایسے باغوں میں کہ چلتی ہونگی اُنکی سطح میں نہریں۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ وعدہ ہے اللہ کا، حقاً سچا۔ اور (غور کرو) کہ بات کرنے کی رُو سے اللہ سے بڑھکر کون سچا ہے؟ (کوئی نہیں)

جھوٹی اُمیدیں دلانے سے جنت میسّر نہیں آتی۔ نہ دنیوی نہ اُخروی

• سلسلۂ درس کے سیاقِ کلام میں آپ شیطان کے یہ الفاظ ملاحظہ فرما چکے ہیں:- وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ ۴/۱۱۹ = میں اُنہیں ضرور اُمیدیں دلاؤنگا۔ اور اُمیدیں دلانے کی غرض بھی آپ دیکھ چکے ہیں اُنکے مال بٹورنا:- لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ ۴/۱۱۸۔ اُمیدیں دلا کر مال وصول کرنے کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔ میونسپل کمیٹی محصول چُنگی کی صورت میں عوام کے مالوں سے ایک حصّہ یہ اُمید دلا کر وصول کرتی ہے کہ تمہاری گلیوں اور بازاروں کی صفائی رکھی جائیگی۔ روشنی اور آب رسانی کی ذمہ داری لی جائیگی۔ نالیوں کے

پانی اور بارش کے پانی کے نکاس کا باقاعدہ انتظام کیا جائیگا۔ اور حالت یہ ہے کہ یہ گئی گذری کمیٹیاں، سو فیصد نہیں تو پچاس فیصد وعدے ضرور پورے کرتی ہیں۔ اور جس حد تک اُنکے وعدوں کے ایفاء میں کمی ہوتی ہے، اُس حد تک عوام کمیٹی کے ارباب و بست وکشاد سے شکایات کرتے رہتے ہیں کہ فلاں بازار خراب ہے، فلاں گلی ٹوٹی ہوئی ہے۔ اور اِسکے جواب میں صدر بلدیہ کیطرف سے یہ اِنتہار کبھی نہیں دیا جاتا کہ یہ گلی اور بازار اِسلئے خستہ حالت میں ہے کہ اِن کے متعلق اللہ کی مرضی ہی ایسی ہے۔ لہذا اُسکی رضا پر راضی رہو اور شکائت نہ کرو۔

● لیکن اِسکے برعکس زمیندار بیچارے پیر صاحب کا مقررہ حصّہ بھی ادا کرتے رہتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ مویشی مرجاتے ہیں فصلیں خراب ہوجاتی ہیں۔ پکی پکائی پر اولے پڑجاتے ہیں۔ لیکن مرید بیچارے کو اتنی جرأت نہیں ہوتی جو شکائت کر سکے، کہ حضرت صاحب! ایسا کیوں ہوا ہے۔ اوّل تو وہ خود ہی یہ کہکر خاموش ہوجاتا ہے کہ اللہ کی رضا ہی یوں تھی۔ اور اگر وہ شکائت کرنے کی جرأت کر بھی لے، تو پیر صاحب کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کی مرضی ہی ایسی تھی۔ اُسکی رضا پر راضی رہو۔ پھر اِسکے جواب میں اس زبوں حال مُرید کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ یہ کہے، جناب! اگر اللہ کی مرضی، اُسکی رضا اور اُسکے قانون پر ہی ہر چیز موقوف ہے تو آپ ہم سے ایک ایک جنس اور مال مویشی سے حصّہ کیوں وصول کرتے ہیں۔ ہمیں تحفظ کی غلط اور جھوٹی اُمیدیں کیوں دے رکھی ہیں؟ اور ہم سے نذریں نیازیں کیوں وصول کی جاتی ہیں؟

● قیامت کے متعلق بھی پیر صاحبان نے اپنے مریدوں کو غلط امیدیں بندھائی ہوئی ہیں کہ مرید اپنے پیر کا دامن تھام کر جنت میں چلے جائینگے۔ پنجابی میں کہا جاتا ہے:۔ مُرید، پیر دا لڑ پکڑ کے پار ہو جان گے۔ ایسی ہی غلط اور جھوٹی اُمیدوں کا نظریہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ میں بھی چل رہا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں کہا گیا ہے کہ نہ تمہارے پیروں کیطرف سے بندھائی گئی تمہاری اُمیدوں کی کوئی قیمت ہے۔ اور نہ اہلِ کتاب کے پیروں یا درویشوں کی طرف سے بندھائی گئی اُن کی اُمیدوں کی کوئی وقعت ہے۔ بلکہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں بُرے عمل کی سزا ضرور دی جائیگی:۔

لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْکِتٰبِ ؕ
نہیں ساتھ امیدوں تمہاری کے اور نہ ساتھ امیدوں اہل کتاب کی
مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا یَجِدْ
جو کوئی عمل کرے بُرا، وہ بدلہ دیا جائیگا ساتھ اُسکے۔ اور نہیں پائیگا وہ
لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝ ۱۲۳
واسطے اپنے، سوائے اللہ کے کارساز اور نہ مددگار

(ایمان والو! حصولِ جنّت) نہ تمہاری امیدوں پر منحصر ہے اور نہ اہلِ کتاب کی اُمیدوں پر۔ (بلکہ ہمارا اٹل قانون یہ ہے کہ):۔ جو کوئی بُرے عمل کریگا (اُسے بلا توبہ و اصلاح معاف نہیں کیا جائیگا) اُسکی سزا اُسے دیجائیگی۔ اور (اُسکے ٹھہرائے ہوئے اولیاء کارساز و مددگار اُسکے کوئی کام نہیں آئینگے) وہ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی نہ کارساز پائیگا نہ مددگار۔

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کی کارسازی اور مددگاری کی وضاحت بالفاظِ ذیل کیگئی ہے کہ وہ اِنسان کے اپنے اِصلاحی اعمال کی جزا ہے:۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى

اور جو کوئی عمل کرے بیں سے نیکیوں کے بیں سے مرد کے یا عورت کے

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا

اور وہ مومن ہو۔ پس وہ داخل ہونگے جنت میں ۔ اور نہ

يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ ۱۲۴

ظلم کئے جائینگے کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر

اور جو کوئی عمل کرے اصلاح والے (جن سے معاشرہ میں اصلاح ہوتی چلی جائے) خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اور وہ مومن ہو (یعنی اللہ کے نازل کردہ ضابطۂ ربوبیت پر ایمان رکھتا ہو) تو ایسے لوگ (دنیا اور آخرت میں) جنت (متوازن معاشرہ) میں داخل ہونگے۔ اور اُن پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر (یعنی معمولی سا) ظلم بھی نہیں کیا جائیگا۔

اعمالِ صالحہ کیساتھ مومن ہونے کی شرط کیوں؟

● اعمالِ صالحہ کیساتھ مومن ہونے کی شرط اُخروی کامیابی کیلئے لازمی قرار دیگئی ہے۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غیر مومن کے اعمال ضائع ہو جائینگے؟ ۔ اس سوال کا جواب قرآن کریم میں یہ دیا گیا ہے کہ غیر مومن اپنی بڑائی اور نام ونمود کیلئے کچھ اصلاحی کام کرتا ہے: تاکہ اُسکی تعریف کی جائے۔ کہ فلاں صاحب بڑے سخی اور غریبوں کا بڑا خیال رکھنے والے ہیں لیکن مومن چونکہ اپنے نام ونمود کیلئے نہیں بلکہ اللہ کی رضا کیلئے اصلاح کے کام کرتا ہے۔ اسلئے اُسکا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ رہتا ہے۔ اسکے برعکس چونکہ غیر مومن کا مقصد عوام سے تعریف کروانا ہوتا ہے' اور اور چونکہ اُسکا مقصود اُسے اسی دنیا میں مل جاتا ہے۔ اسلئے اُخروی جزا میں اُسکا کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی کھُل کر وضاحت کی گئی ہے کہ حصولِ جزا کی رُو سے دنیا کی تعریف اچھی جزا نہیں۔ بلکہ بہتر جزا ہے صرف حصولِ رضاءِ ذاتِ باری۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ

اور کون ہے بہتر دین کی رُو سے اُس سے جو فرمانبردار کرے منہ اپنا کو

لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

واسطے اللہ کے اور وہ توازن قائم کرنیوالا ہو اور وہ اتباع کرے طریقے ابراہیم

حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ ۱۲۵

حنیف کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ بنالیا اللہ نے ابراہیم کو دوست

اور (اعمال کی) جزا کی رُو سے[1] اُس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے چہرے (یعنی اپنی رضا) کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار کر دیا ہو۔ اور وہ ہو معاشرے میں توازن قائم کرنیوالا[2]۔ یعنی وہ[3] اُس ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرے، جو ہر دینِ باطل سے کٹ کر دینِ حق کیطرف جھکنے والا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو (اُسکی دینِ حق پسندی کی بدولت) اپنا دوست بنایا تھا۔

● [1] دین کا معنٰی بدلہ اور جزا بھی ہے۔ جیسے یوم الدین کا معنٰی ہے بدلے اور جزا کا دن ۱/۴۔

● [2] مُحْسِنٌ مادہ ح۔س۔ن حسن سے اسم فاعل ہے۔ اس مادہ کا معنٰی ہے توازن قائم کرنا۔ ہر چیز کا حُسن اُسکے اجزا کے تناسب وتوازن ہی سے قائم رہتا ہے۔ اسی لئے آیتِ بالا میں مُحسن کا معنٰی معاشرے میں توازن قائم کرنیوالا صحیح ہے۔

● [3] وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا میں ابتدائی واؤ تفسیری ہے کہ ابراہیم کا طریقہ معاشرے میں حُسن پیدا کرنا ہی تھا۔ اسکے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

• علٰے حَنِیۡفًا ، مادہ ح . ن . ف ، حنف سے مشتق ہے جس کا بنیادی معنٰی ہے ایک طرف کو جھکنا ، کٹ جانا ۔ قرآن مجید میں یہ لفظ خالصًا دین حق کیطرف جھکنے کیلئے آیا ہے ۔ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ حُنَفَآءَ ۹۸/۵ = خالص کرنیوالے واسطے اللہ کے دین اسکے کو ، اللہ کے دین کیطرف جھکنے والے ہر دین باطل سے کٹ کر ۔

• مذہبی دنیا میں دین ، مذہب اور ملت تین چیزیں الگ الگ شمار ہوتی ہیں یعنی دین اللہ کا ، مذہب امام ابوحنیفہ کا اور ملت حضرت ابراہیم حنیف کی ۔ لیکن قرآن کریم میں مذہب کا تو ذکر ہی موجود نہیں ۔ یہ غیر قرآنی لفظ ہے ۔ البتہ دین اور ملتِ ابراہیمؑ کے الفاظ قرآن کریم میں موجود ہیں ۔ اور یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ۔

کیا ملّتِ ابراہیم دینِ الٰہی سے الگ ہے ؟

• قُلۡ اِنَّنِیۡ ھَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۬ۚ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ۱۶۱/۶ = کہدیجئے اے رسولؐ ! کہ مجھے میرے رب نے صراطِ مستقیم کی راہنمائی فرمادی ہے ۔ وہی جو دین قیم یعنی ملتِ ابراہیم حنیف ہے ۔ دیکھئے ! یہاں صراطِ مستقیم کا بدل آیا ہے دین قیمؐ اور اسی کا بدل بعد بدل آیا ہے ملتِ ابراہیم حنیفؑ جس سے بالوضاحت ثابت ہوا کہ اللہ کے دین ہی کا ایک نام ہے ملتِ ابراہیمؑ یعنی وہی دین ، کہ حضرت ابراہیمؑ بھی اسی کے پیروکار اور متبع تھے ۔

• سلسلۂ درس کی آیت زیرِ بحث میں اخیر پر آیا ہے وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبۡرٰہِیۡمَ خَلِیۡلًا = اور اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا تھا ۔ کیوں ؟ جنابِ خلیلؑ کے متعدد کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ نظامِ ربوبیت کے قیام کیلئے بیت اللہ شریف کے اس مرکزی نظام کو پھر سے قائم کرنا تھا ، جسے سابقہ انبیاءؑ کے بعد والوں نے ضائع کر دیا تھا ۔ اسی مرکزی نظام کے قیام کے بدلے اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنا دوست اور لوگوں کا امام قرار دیا ۔ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۱۲۴/۲

• اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ معاشرہ کے بالادست لوگ جن نعمتوں پر غاصبانہ قبضہ کرکے عوام کو انکی ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دیتے ہیں ۔ وہ سب کی سب چیزیں اللہ کی ملکیت ہیں اور پوری کی پوری نوعِ انسانی کا ان پر مساویانہ حق مسلّم ہے ۔

وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اور واسطے اللہ کے ہے جو بیچ آسمانوں کے اور جو ہے بیچ زمین کے	حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ، وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ ہی کی ملکیت ہے ۔
وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطًا ۱۲۶ ع ۱۸ / ۱۱ / ۱۵ اور ہے اللہ ساتھ ہر چیز کے گھیرے ہوئے	اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے ۔ (کوئی بھی چیز اسکے احاطۂ اقتدار سے باہر نہیں) ۔

قرآنِ کریم کی رُو سے عورت کا صحیح مقام ۔ اگلی آیت مجیدہ کا تعلق پچھلے آیت نمبر ۱۲ کیساتھ ہے

• واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا ربط سمجھنے کیلئے سورہ نساء زیرِ نظر کی ابتدائی آیتوں کو پھر سے سامنے لانا ضروری ہے ۔ جو پیچھے گزر چکی ہیں ۔ سورہ نساء کی آیت نمبر ۱ میں اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ مرد اور عورت دونوں صنفیں ایک ہی جرثومۂ حیات ، نفسِ واحدہ سے پیدا کیگئی ہیں ۔ بالفاظِ دیگر اصل و بنیاد کی رو سے عورت اور مرد ، دونوں کا مقام ایک ہے ۔ نوع کے لحاظ سے ان میں مطلقًا کوئی فرق نہیں ۔ سورہ

بنی اسرائیل میں دونوں صنفوں کو مساوی طور پر واجب التکریم ٹھہرایا گیا ہے:۔

• وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ۱۷/۷۰ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے عورت مرد (دونوں صنفوں) پوری نوع آدم کو واجب التکریم قرار دیا ہے۔ اسطرح سورہ نسآء کی آیت اوّل میں عورت کے مساویانہ مقام کی وضاحت کے بعد آیت نمبر ۲ میں عورتوں کے اُس گوشے سے بحث کیگئی ہے جو انکی زندگی کا انتہائی گھناؤنا اور المناک حصّہ ہے۔ اور وہ ہے انکا بیوہ ہو کر بے سہارا (یتیم ہو جانا) نیز انکے یتیم بے سہارا بچوں کا ان بے سہارا عورتوں کیساتھ در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرنا۔ چنانچہ آیت نمبر ۲ و ۳ میں یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں ہی سے متعلقہ ہدایات دیگئی ہیں

• چونکہ مومن اور جہاد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسلئے اسلامی ریاست میں کسی بھی وقت پر ممکن ہوتا ہے کہ جونہی کسی مخالف طاقت نے اسلامی ریاست کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھا، یا کسی علاقہ کی کسی مومن جماعت یا فرد، یا ضعیف اور کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں پر دستِ ظلم دراز کیا۔ تو ۴/۷۵ کے مطابق اسلامی ریاست کے مومن ظالم کی کلائی مروڑنے کیلئے میدانِ جہاد میں پہنچ جاتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ۹/۱۱۱ کے مطابق، میدانِ جہاد میں قتل کرنا اور قتل ہو جانا دونوں صورتیں ممکنات میں سے ہیں۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کبھی ایسا وقت آ جائے کہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مومن مرد اللہ کے دین کی حفاظت کیلئے جانیں قربان کر دیں۔ اور سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں تو اُس صورت حال سے کسطرح نپٹا جا سکیگا، جبکہ اِدھر معاشرہ کا ہر بالغ مرد شادی شدہ ہو۔ اور اُدھر سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان عورتیں بے خاوند ہو کر بے سہارا (یتیم[1]) ہو جائیں۔ انہیں انکا ازدواجی حق کسطرح دلایا جائیگا؟ یعنی انہیں معاشرہ میں کسطرح کھپایا جائیگا؟

بیوہ عورتیں بھی یتیموں کی فہرست میں شامل ہیں

• [1] عربی زبان میں یتیم کا مطلق معنی ہے بے سہارا ہو جانا۔ اسطرح جن بچوں کے باپ مر جائیں وہ بھی چونکہ بے سہارا ہو جاتے ہیں اسلئے انہیں بھی یتیم کہا جاتا ہے۔ اور جن عورتوں کے خاوند مر جائیں چونکہ وہ بھی بے سہارا ہو جاتی ہیں اسلئے قرآن مجید انہیں بھی یتیم کہتا ہے ۴/۱۲۷

بے سہارا عورتوں اور بچوں کے حقوق کی حفاظت

• سورہ نسآء کی آیت نمبر ۲ میں یتیم بچوں کے مالوں کی حفاظت کی تاکید کے بعد آیت نمبر ۳ میں بیوہ عورتوں اور انکے بچوں کو معاشرہ میں کھپانے کیلئے ایک ہنگامی قانون بیان ہوا ہے کہ جب معاشرہ میں کسی حادثہ، جنگ جہاد، یا کسی وبا کی بدولت بیوہ عورتوں کی تعداد اس حد کو پہنچ جائے کہ جبتک اصحابِ استطاعت ایک سے زائد عورتوں سے نکاح نہ کریں اُسوقت تک اُن بیوہ (بے سہارا یتیم) عورتوں کو معاشرے میں کھپانا اور انہیں انکا ازدواجی حق دِلانا ممکن نہ ہو۔ تو ایسے وقت پر اُن لوگوں کو، جو مالی اور بدنی طاقت رکھتے ہوں حکم دیا گیا ہے کہ وہ چار چار تک نکاح کر کے معاشرہ کی بیوہ، بے سہارا عورتوں کو انکا ازدواجی حق بھی مہیا کریں۔ اور انکے یتیم بچوں کی پرورش کا بوجھ بھی اٹھائیں سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۲۷ میں ایسی بیوہ بے سہارا عورتوں کو "یَتٰمَى النِّسَآءِ" کہا گیا ہے۔ جن کیساتھ یتیم بچے بھی ہو سکتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر ۳ ہی میں دیئے گئے حکم کو ذیل کے مخصوص تاکیدی الفاظ اور مخصوص تاکیدی انداز کے ساتھ دہراتے ہوئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۴/۱۲۷ میں ارشاد فرمایا ہے:۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ

وہ فتویٰ چاہتے ہیں آپ سے بیچ عورتوں کے۔ کہدیجئیگا اللہ

يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ

فتویٰ دیتا ہے تمہیں بیچ ان کے، اور وہ فتویٰ وہی ہے جو پڑھا گیا اوپر تمہارے بیچ کتاب کے

فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ

بابت یتیم عورتوں کے کہ وہ جو نہیں دیتے تم انہیں، جو فرض ہُوا واسطے اُن کے

وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ

اور تم رغبت رکھتے ہو کہ تم نکاح کرو اُن سے، حالانکہ کمزور

مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ

میں سے بچے (بھی ہیں)، اور یہ کہ تم قائم ہو جاؤ واسطے یتیموں کیساتھ انصاف کے

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ

اور جو تم کام کر دیں سے بھلائی کے، تو بیشک اللہ ہے ساتھ اُسکے

عَلِيْمًا ۝ ۱۲۷

خوب جاننے والا

(اے رسول!) لوگ آپ سے (بے سہارا بیوہ) عورتوں کے متعلق فتویٰ پوچھینگے۔ آپ کہدیجئیگا کہ اللہ

فتویٰ دیتا ہے اُنکے بارے میں (وہی)، جو پڑھا گیا ہے اوپر تمہارے اسی کتاب (کی اسی سورہ مجیدہ کے شروع میں) اُن یتیم عورتوں کے بارے میں۔ وہ کہ جنہیں (تم زمانۂ جہالت کی رسم کے مطابق) انکا وہ (حق مہر) نہیں دیتے جو اُنکے لئے فرض کیا گیا ہے۔

اور تم (بلا ادا حق مہر) اُن سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو۔ حالانکہ (صرف مہر ہی ادا نہیں کرنا بلکہ اُنکے ساتھ) کچھ کمزور بچے بھی ہیں (جن کی پرورش کا بوجھ بھی تمہیں اُٹھانا ہے) اور اللہ حکم دیتا ہے کہ تم یتیموں (کی پرورش) کیلئے انصاف کیساتھ قائم ہو جاؤ۔

اور تم (بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی) بھلائی کیلئے جو کام بھی کروگے۔ تو (جان لو کہ) بلا شبہ اللہ تعالیٰ اُسے خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ (وہ تمہارا اجر ضائع نہیں کریگا)۔

اِس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۳۴ کیساتھ

● واضح رہے کہ آیت نمبر ۳۴ میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی شوہر کی بیوی بدخوئی، یا نا فرض شناسی کرے تو شوہر پہلے تو احتجاج کے طور پر اُس سے خوابگاہ الگ کرلے۔ اور اُس پر واضح کرے کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے پھر اگر وہ اسطرح بھی سیدھی راہ اختیار نہ کرے اور میاں بیوی میں اختلاف کی صُورت پیدا ہو جائے تو دو منصف درمیان میں آجائیں، ایک میاں کے خاندان سے اور ایک بیوی کے خاندان سے۔ اور وہ دونوں اُن میں صلح کرا دیں۔ پس جسطرح آیت نمبر ۳۴ میں بیوی کی بدخوئی اور نا فرض شناسی سے پیدا ہونیوالے حالات کا حل بتایا گیا ہے! اُسیطرح اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۲۸ میں اسی مسئلہ کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اگر شوہر بدخو ہو، یا فرض شناسی سے پہلوتہی کرتا ہو تو پھر بھی وہی صورت اختیار کرنی چاہئے کہ فریقین کے دو منصف اُن دونوں میں صُلح کرا دیں:-

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا

اور اگر عورت خوف کرے طرف سے خاوند اپنے کے بدخوئی کا

اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا

یا نا فرض شناسی کا، تو نہیں گناہ اوپر اُن دونوں کے کہ صلح کرا دیں

اور اگر عورت کی بدخوئی کے برعکس، کسی عورت کو اپنے خاوند سے بدخوئی کا خوف ہو

یا نا فرض شناسی کا خطرہ ہو تو اُن (فریقین کے خاندانوں کے دو منصفوں) پر کوئی حرج نہیں کہ اُن دونوں میں صُلح کرا دیں۔ کیونکہ (ہر حال میں)

بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ
درمیان اُن دونوں کے صُلح کرانا۔ اور صلح اچھی ہے۔ اور حاضر کرتے ہیں
الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ
نفس بخیلی۔ اور اگر تم توازن پیدا کرو اور بچتے رہو تو بیشک
اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ ۱۲۸
اللہ ہے ساتھ اُسکے جو تم عمل کرتے ہو باخبر

صلح اچھی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ (فریقین کے اپنے) نفس ہی بُخل کا ارتکاب کرتے ہیں (جس کی بدولت ایکدوسرے کے حقوق کی یا مالی کے ذریعہ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے) حقیقت یہ ہے کہ اگر تم آپس میں توازن قائم رکھو اور (نفس کے بُخل سے) بچتے رہو تو (اختلاف پیدا نہیں ہوگا۔ جانتے رہو کہ) جو اعمال تم بجالاتے ہو، اللہ تعالیٰ اُن سے پُوری طرح باخبر ہے۔

• ملہ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا میں لفظ عَلَيْهِمَآ میں آمدہ ضمیر تثنیہ مذکر اُن دو منصفوں کی طرف راجع ہے، جن کا ذکر دُور پیچھے آیت نمبر ۳۵ میں بیوی کی بدخوئی کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ عام تراجم میں اس آیت مجید کا یہ معنیٰ درج ہے کہ اگر شوہر کی طرف سے بدخوئی یا نافرض شناسی کا خوف بیوی کو لاحق ہو جائے تو وہ دونوں میاں بیوی کسی طرح خود صُلح کرلیں۔ مگر یہ تصور انتہائی بے انصافی پر مبنی ہے کہ اگر خاوند کو بیوی کیطرف سے بدخوئی یا نافرض شناسی کا خطرہ لاحق ہو تو شوہر پہلے تو احتجاج کرے اور پھر فریقین کے خاندانوں سے دو منصف صُلح کرائیں لیکن اگر بیوی کو خاوند کیطرف سے بدخوئی یا نافرض شناسی کا خوف لاحق ہو تو بیوی بیچاری بے دادو فریاد، کسی نہ کسی طرح خود ہی صُلح کرے۔ شاہ اشرف علی صاحب تھانوی، اور مولوی احمد علی صاحب لاہوری نے یہی مفہوم لکھا ہے، جو انصاف کے خلاف ہونے کی بدولت صحیح نہیں۔ انصاف چونکہ فریقین میں مساوی انداز کا مقتضی ہے۔ اسلئے شوہر یا بیوی، دونوں کی بدخوئی اور نافرض شناسی کے ارتکاب کی صُورت میں صُلح کا وہی انداز ہونا چاہیئے جس کی وضاحت آیت نمبر ۳۴ میں گزر چکی ہے یعنی عورت بھی وہی اندازِ احتجاج اختیار کرے جس کا حق شوہر کو دیا گیا ہے۔ اور اگر بیوی کے احتجاج سے شوہر راہ راست پر نہ آئے تو میاں بیوی کے خاندانوں میں سے دو الگ الگ منصف مقرر کیئے جائیں، جو شوہر کو راہِ راست پر لا کر میاں بیوی کی صُلح کرادیں فلہذا آیت بالا زیرِ نظر نمبر ۱۲۸ میں وَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا میں ھما ضمیر تثنیہ آیت نمبر ۳۵ میں مذکور منصفوں کیطرف راجع ہے۔

• ملہ شُحَّ کا سہ حرفی مادہ ش۔ح۔ح = شُحّ ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے حرص و بُخل۔ حریص و بخیل کو شحیح کہتے ہیں۔

• ملہ تُحْسِنُوْا مادہ ح۔س۔ن = حسن سے ہے جسکا معنیٰ ہے توازن قائم کرنا۔ اپنے اپنے فرائض منصبی باقاعدہ ادا کرتے چلے جانا۔

• ملہ تَتَّقُوْا مادہ و۔ق۔ی = وقی سے مزید فیہ ہے جسکا معنیٰ ہے بچنا۔ پس باہمی اختلافات سے بچنے کیلئے یہ نسخہ بتایا گیا ہے کہ فریقین نفس کی بخیلی سے بچتے رہیں۔ واضح رہے کہ مرد ہو یا عورت، نفسِ انسانی اپنی بڑائی چاہتا ہے۔ اِسی جذبہ کے ماتحت شوہر چاہتا ہے کہ گھر میں اُسکی حکومت ہو۔ اور بیوی چاہتی ہے کہ بالادستی اُسکی تسلیم کی جائے۔ اور اسطرح بلاوجہ اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے تُحْسِنُوْا اور تَتَّقُوْا کا حکم دیکر اعلان کر دیا ہے کہ اگر تم توازن قائم رکھو، اپنے اپنے فرائض منصبی ادا کرتے چلے جاؤ اور اپنی اپنی بڑائی طلب کرنے کی بجائے نفس کی اس شرارت سے بچکر باہمی مشاورت کیساتھ زندگی گزارو، تو اختلاف پیدا ہی نہیں ہونگے۔

ایک اور بشری تقاضے کا انسداد

• سورہ نساء زیر بحث کی آیت نمبر ۳ میں ہنگامی حالات کے مطابق ایک سے زائد نکاح کرنے کا حکم دینے کے بعد یہ پابندی لگائی گئی ہے کہ اگر تم ایک سے زائد بیویوں میں انصاف نہ کر

سکو تو پھر ایک سے زائد نکاح ہرگز نہ کرنا۔ اور یہاں سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ نمبر ۱۲۹ میں اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ اگر تم ایک سے زائد بیویوں میں پورا پورا توازن قائم کرنا چاہو تو بشری تقاضوں کے مطابق کر ہی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کیلئے صرف ایک ہی عورت کا قانون مقرر کیا ہے۔ لیکن ہنگامی حالات میں جب ایک ہنگامی ضرورت کے مطابق ایک سے زائد نکاح کا حکم دیا گیا ہے، تو ایسا نہ ہو کہ تم کسی ایک بیوی کیطرف پورے پورے جھک جاؤ۔ اور دوسری بچاری درمیان میں لٹکی ہوئی ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ ان امور کی وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے:۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ

اور ہرگز نہیں تم طاقت رکھتے کہ عدل کرو درمیان بیویوں کے

وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا

اور اگرچہ حرص کرو تم۔ پس نہ تم جھکنا، پورا جھکاؤ۔ پھر تم چھوڑ دو اُسے

كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

مانند لٹکی ہوئی کے۔ اور اگر تم اصلاح کرو اور بچو، تو بیشک اللہ

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ۱۲۹

ہے بچانیوالا رحم کرنے والا

اور (تمہارا بشری تقاضا یہ ہے کہ) تم ایک سے زائد بیویوں میں (پورا پورا) عدل نہیں کر سکتے۔ لیکن (یاد رکھو کہ) کسی ایک بیوی کی طرف پورے کے پورے نہ جھک جانا۔ کہ دوسری بیوی کو درمیان لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تم اپنی بساط کے مطابق اصلاح کرو اور قانونِ خداوندی کی مخالفت سے بچتے رہو تو (جو کمیاں تقاضائے بشریت رہ جائیں) اللہ تعالیٰ اُنکے ضرر سے بچانیوالا اور رحمت کرنیوالا ہے۔ (قانونِ خداوندی کی نگہداشت کی کمیوں کے ضرر سے بچے رہو گے)۔

عورت کے یتیم کے تین اہم مقامات

● مذاہب عالم میں عورت انتہائی مظلوم ہے کہیں تو اسے متوفی مرد کی متروکہ جائیداد کا درجہ دیدیا گیا ہے۔ اور کہیں اسکے حق نسائیت کو اسطرح پامال کیا گیا کہ اگر یہ بیوہ ہو جائے تو اسے نکاح ثانی کی اجازت ہی نہیں دیجاتی تھی۔ اس سے بھی ذرا اور آگے بڑھے تو بیوہ بچاری کو متوفی شوہر کیساتھ زندہ جلا دیا گیا۔ کیوں؟ اسلئے کہ یہ منحوس ہے۔ ڈائن ہے، اس نے خاوند کو کھالیا ہے۔ پھر اگر بیوہ کو زندہ چھوڑا، تو سہاگنوں کو اسکے سائے تک سے دور رکھا گیا، کہ اسکے منحوس سائے سے انکے سہاگ خراب نہ ہوں۔ لیکن قرآن کریم نے عورت کی:۔

۱۔ بیوگی کو ۲۔ اسکے شوہر کی بدخوئی اور نا فرض شناسی کو ۳۔ اور اسکے مطلقہ ہو جانے کو، ان (تینوں مقامات کو) عورت کا یتیم قرار دیکر ہر مقام پر اسکے حقوق محفوظ کر دیئے ہیں۔ عورت بیوہ ہو جائے تو بھی بے سہارا یتیم ہو جاتی ہے۔ نیز مطلقہ ہو جائے تو پھر بھی بے سہارا یتیم ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم نے بیوہ اور مطلقہ کو نکاح ثانی کا نسوانی حق عطا کرکے پھر سے اُن کا سہارا قائم کر دیا ہے۔ بلکہ بیوہ عورتوں کے متعلق تاکید فرمائی ہے کہ اگر معاشرہ میں انہیں کھپانے کی گنجائش نہ ہو تو اصحاب استطاعت چار چار تک نکاح کرکے انکا ازدواجی حق مہیا کریں ۴/۳۔ نیز انہیں بے سہارا جان کر انکا حق مہر غصب نہ کریں ۴/۱۲۔ اور تیسرے نمبر پر اگر شوہر بدخو، نا فرض شناس اور بکھٹو ہے تو عورت کو باقاعدہ احتجاج کا حق بھی دیا گیا ہے۔ اور معاملے کو فریقین کے دو منصفوں کے ذریعہ سلجھانے کا بھی مساویانہ حکم دے رکھا ہے ۴/۱۲۸۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہونے کے بعد فریقین کے دو منصف صلح کرانے میں

کامیاب نہ ہوسکیں اور طلاق ہو جائے تو فریقین کو جان لینا چاہیئے کہ اللہ کے قانون میں اتنی وسعت موجود ہے کہ مطلقہ اور طلاق دہندہ دونوں الگ الگ شریکِ حیات پسند کر کے اپنی زندگیوں کو پھر سے جنت بداماں بنا سکتے ہیں۔ اللہ کے قانون میں انسانی زندگی کے ہر گوشے کا حل موجود ہے:۔

وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ
اور اگر دونوں جدا جدا ہو جائیں بے نیاز کر دیگا اللہ ہر ایک کو ساتھ

سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِیْمًا ۝ ۱۳۰
وسعت اپنی کے اور ہے اللہ وسعت والا حکمت والا

اور اگر ایسا ہو کہ ہر دو منصفوں کی صلح کی کوشش ناکام ہو جائے۔ (اور میاں بیوی) دونوں جدا جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو بے نیاز کر دیگا۔ (اسکے وسعت والے قانون کے مطابق دونوں الگ الگ شریکِ حیات تلاش کر لینگے) کیونکہ اللہ وسعت دینے والا حکمت والا ہے۔

امنِ عالم کا ایک ہی نسخہ ہے، تم سے پہلے اہلِ کتاب کو بھی یہی دیا گیا تھا

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ ایمان والو! :۔ ذاتی ملکیت کے فساد انگیز نظریہ سے پرہیز کرنا۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ تم سے پہلے اہلِ کتاب کو بھی یہی حکم دیا تھا کہ اللہ کی مخالفت سے بچتے رہو:۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ
اور واسطے اللہ کے ہے جو بیچ آسمانوں کے اور بیچ زمین کے ہے

وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ
اور البتہ تحقیق حکم دیا ہمنے انہیں جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے

وَاِیَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ
اور تمہیں بھی، کہ ڈرو اللہ سے اور اگر تم انکار کرو، تو بیشک

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ
ہے واسطے اللہ کے جو بیچ آسمانوں کے اور جو بیچ زمین کے ہے، اور ہے

اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ۝ ۱۳۱
اللہ بے نیاز تعریف والا

حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اور البتہ تحقیق ہم نے اُن لوگوں کو بھی یہی وصیت کی، جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں (کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے) اور تمہیں بھی یہی وصیت کی ہے کہ اللہ کی مخالفت سے ڈرو (اللہ کی ملکیت کو اپنی ملکیت نہ ٹھہرانا) اور اگر تم اس کا انکار کرو تو یاد رکھو کہ تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل جاتی) بیشک اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور (جانے رہو کہ تم ذاتی ملکیت کا تصوّر پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرو گے تو خود ہی عدم توازن کے جہنم میں جلو گے) اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز اور بحد تعریفوں والا ہے۔

قرآن کریم کی طرف سے ذاتی ملکیت کے تصور کی مسلسل چار مرتبہ، پے در پے مذمت

● اس امر کی شہادت کیلئے عالمی مشاہدات کافی ہیں کہ:۔ کرۂ ارض پر افراد افراد میں، قبائل قبائل میں، قوموں قوموں میں اور ملکوں ملکوں میں جسقدر فسادات کی آگ پھیلی ہوئی ہے، اُسکی اصل بنیاد ذاتی ملکیت کا تصوّر ہے۔ چنانچہ اسی فتنہ انگیز تصور کی نفی کیلئے آپ دیکھ چکے ہیں کہ اُوپر آیت نمبر ۱۲۶ میں ایک مرتبہ اور اگلی آیت نمبر ۱۳۱ میں دو مرتبہ

یعنی مسلسل تین مرتبہ کے تکرار کیساتھ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کے الفاظ میں ذاتی ملکیت کے نظریے کا بطلان کیا گیا ہے۔ لیکن آپ حیران ہو جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ کے تکرار پر بھی بس نہیں فرمائی، بلکہ سلسلۂ درس کی متصلہ اگلی آیت مجیدہ کو چوتھی مرتبہ کے تکرار کیساتھ پھر انہی الفاظ سے شروع فرمایا ہے:۔

وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط

اور واسطے اللہ کے ہے جو بیچ آسمانوں اور جو بیچ زمین کے ہے

وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ۝ ۱۳۲

اور کافی ہے اللہ کارساز

اور (چوتھی مرتبہ کے تکرار کیساتھ سُن لو کہ) جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اور (یہ بھی جان لو کہ تمہاری) کارسازی کیلئے اللہ ہی کافی ہے۔

حقیقت اظہر من الشمس

• قرآن کریم کے متعلق کسی بھی مومن کے ذہن میں یہ خیال راہ نہیں پا سکتا کہ قرآن کریم کے بعض الفاظ، جملے اور آیتیں حادثاتی طور پر محض شعر کا وزن پورا کرنے کیلئے نازل کی گئی ہیں۔ پس آیات بالا میں چار مرتبہ کے تسلسل کیساتھ ان الفاظ کا تکرار لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ، کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ کیا یہ چار گانہ تکرار عبث اور بلا ضرورت ہے؟ اور اگر یہ چار مرتبہ کا تکرار جو کیا آیت نمبر ۱۳۱ میں دو مرتبہ آیا ہے۔ اور اس سے اگلی آیت متعلقہ آیت نمبر ۱۳۲ کو پھر شروع ہی لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ سے کیا گیا ہے۔ بیکار اور عبث نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ ذاتی ملکیت کے اُس تصور کے بطلان پر، جس نے پورے کرۂ ارض کو دہکتا ہوا جہنم بنا کر رکھ دیا ہے باری تعالیٰ نے یکے بعد دیگر چار مہریں ثبت کر کے اعلان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔ اُسکے سوا کوئی ان کا مالک نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ کرۂ ارض پر ذاتی ملکیت کی لکیریں کھینچنا اور اللہ کی ملکیت کو اپنی ملکیت قرار دینا آیات بالا کی کھلی مخالفت ہے۔

کرۂ ارض کی پوری نعمتیں پوری نوعِ انسانی کا مساوی حق ہیں

• اور ثابت ہو چکا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسکی ملکیت میں اسکا کوئی شریک نہیں۔ لیکن چونکہ پوری نوعِ انسانی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اسلئے ہر فرد بشر کو ضروریاتِ زندگی مساوی اور متوازن انداز میں ملنی لازم ہیں کیونکہ خود ذاتِ باری نے اعلان فرما دیا ہے

• ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۝ $\frac{۲}{۲۹}$ = اے نوعِ انسانی! اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے، جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، وہ سب کا سب تم سب کے سب کیلئے پیدا کیا ہے۔ اب غور فرمائیے! کہ وہ نعمتیں جو رب العٰلمین نے پوری نوعِ انسانی کیلئے پیدا فرمائی ہیں۔ انہیں کسی مخصوص طبقے کیلئے مختص کرنا کہ ان کے کتّے بھی، دودھ بالائیاں قبول نہ کریں۔ اور نوعِ انسانی ہی کے ایک طبقے کو نعماءِ خداوندی سے محروم رکھنا کہ اُسکے بیماروں کو دودھ بطور دوائی بھی میسّر نہ آئے، کیا یہ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ $\frac{۴}{۱۳۲+۱۳۱+۱۲۶}$ اور ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا $\frac{۲}{۲۹}$ کی کھلی بغاوت نہیں؟

• نیز اُس رب العٰلمین کے متعلق جس نے اپنی کتاب میں دُنیا کی سب نعمتوں کو سب انسانوں کا مساوی اور متوازن حق قرار دیا ہے

یہ نظریہ پیش کرنا کہ اُس نے خود اپنی مخلوق کے بعض افراد کی قسمت میں نعمتوں کی کثرت لکھی ہے اور بعض کی قسمت میں خود محرومی تحریر فرمائی ہے۔ کیا یہ رب العلمین کی کھلی توہین نہیں؟

● اب اور آگے بڑھئے! زمین کا مالک کون ہے؟ قرآن کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ لیکن اِس ذاتی ملکیت کے خونی تصور کی خون آشامیاں ملاحظہ فرمائیں کہ ایک وہ ہیں جن کی درجنوں دکانیں اور بیسیوں مکانات ہیں۔ اور ایک وہ ہیں جنہیں سر چھپانے کو جھونپڑی تک میسر نہیں۔ حالانکہ ارشادِ باری ہے :- وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ٥ ۲/۳۶ ۔ ۲۴ = اور اے نوعِ انسانی تم سب کا مساوی حق ہے کہ تمہیں زمین میں زندگی کے آخری دم تک کیلئے مستقر (مکان) بھی میسر ہو اور ضروریاتِ زندگی (متاع) بھی آخری سانس تک متوازن انداز سے ملتا رہے۔ یہ ہے قرآن کریم کا بتایا ہوا معاشی نظام۔

ایک اہم سوال کا جواب

● یہاں پہنچکر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ذاتی ملکیت کی نفی صحیح تسلیم کی جائے تو زکوٰۃ، صدقات، تقسیم وراثت وغیرہ کے قرآنی احکام کا کیا بنیگا جبکہ ظاہر ہے کہ ذاتی ملکیت ہوگی تو زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔ غریبوں کیلئے صدقات دیئے جائینگے۔ اور مرنیوالا ذاتی ملکیت چھوڑیگا تو اُس کا ترکہ تقسیم کیا جائیگا — گذارش ہے کہ یہ مسائل اُسوقت تک کیلئے ہیں جبتک قرآنی متوازن معاشرہ ابھی قائم نہ ہُوا ہو۔ جب آنحضورؐ نے قرآنی معاشرہ قائم کیا تو وہ آنِ واحد میں قائم نہیں ہو گیا تھا۔ قرآنی معاشرہ اقامتِ صلوٰۃ اور انفاقِ مال سے شروع ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں مومنوں کی تعریف شروع ہی میں بیان کردی گئی ہے :- يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۲/۳۔ اجتماعاتِ صلوٰۃ میں حاضر ہونے اور مال خرچ کرتے ہیں۔

● اِس مال سے نہ صرف یہ کہ مرکز کو مضبوط کرنا تھا بلکہ معاشرہ کے بھوکے ننگوں کی بھوک ننگ دُور کرنا بھی ضروری تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیتِ عالمینی بشکلِ مشہود نمایاں ہوجائے۔ اِسطرح جب آنحضورؐ نے معاشرہ کے اُمراء سے لگاتار مال لینا شروع کیا تو اِس پر پیدا ہونیوالا سوال معہ جواب یہ ہے :-

● يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ ۲/۲۱۹ = لوگ آپ سے پوچھینگے کہ وہ کس حد تک مال دیتے چلے جائیں آپ کہدیجئیگا! کہ ضرورت سے زائد پورا فاضلہ مال دیدینا ہوگا — اِس آیت مجیدہ سے صاف ظاہر ہے کہ مالداروں کے پاس جمع شدہ مال دراصل اُن لوگوں کا مارا ہُوا حق ہے جو ضروریاتِ زندگی سے محروم ہیں۔

قرآنی معاشرہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی مرکزِ ملت پر فرض ہے

● فریضۂ زکوٰۃ اُسوقت تک مومنوں کے ذمہ ہوتا ہے جبتک صحیح قرآنی نظام قائم نہ ہوجائے۔ جب قرآنی نظام قائم ہوجائے تو ذاتی املاک ختم ہوجاتی ہے۔ ہر شخص متوازن ضروریاتِ زندگی کا حقدار ٹھہرتا ہے اور زکوٰۃ یعنی نشوونما کی ذمہ داری مرکزی نظام پر عائد ہوجاتی ہے۔ صحابۂ رسولؐ کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :- الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ ۲۲/۴۱ = یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ہم اُنہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائینگے تو وہ نظامِ صلوٰۃ (قرآنی اخوت کا اجتماعی نظام) قائم کرینگے۔ اور عوام کی نشوونما کے ضامن ہونگے — اِس آیت پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابۂ رسولؐ

صلوٰۃ وزکوٰۃ کے پابند تو پہلے ہی تھے۔ یہ کونسی صلوٰۃ وزکوٰۃ ہے جو انہوں نے زمین میں اقتدار ملنے کے بعد قائم کی تھی؟ یہ وہی قرآنی نظام تھا جس کی اساس لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ پر قائم ہوئی کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت مانا گیا اور نوعِ انسانی کو متوازن ضروریاتِ زندگی کا حقدار۔ اور یہ ذمہ داری رسُول اکرم اور صحابہ کرام کی قائم کردہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے ذمہ آئی۔

• آیاتِ بالا میں لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کے چار مرتبہ کے مسلسل تکرار کیساتھ ہر چیز کو خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت قرار دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اسکی مخالفت، یعنی ذاتی ملکیت کو اسقدر ناپسند ٹھہرایا گیا ہے کہ اگر قیامت کی مہلت مقرر نہ کر دیگئی ہوتی تو اللہ اس نوع کی جگہ اور مخلوق لے آتا:۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ
اگر اللہ چاہے تو لے جائے تم کو اے نوعِ انسانی اور لے آئے

بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ ۱۳۳
دوسروں کو۔ اور ہے اللہ اوپر اس کے اندازہ کرنے والا

(اللہ کی ملکیت کو ذاتی ملکیت قرار دینا اتنا ناپسندیدہ ہے کہ) اگر اللہ چاہے تو لے نوعِ انسانی تمہیں لے جائے (ختم کر دے) اور دوسری مخلوق لے آئے (جو اللہ کی ملکیت کو اللہ ہی کی ملکیت جانے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کا قانون متعین کرنیوالا ہے (وہ اسلئے اس نوع کو بدل کر دوسری نہیں لاتا، کیونکہ اس نے اسے قیامت تک مہلت دے رکھی ہے)۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اس نوع کے لوگ صرف دنیاوی منفعت کے طلبگار ہیں۔ حالانکہ جو ضابطہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اس میں دُنیوی ضروریاتِ زندگی کا حق بھی مسلّم ہے اور اُخروی سرخروئی اور کامیابی کا راز بھی مضمر ہے:۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ
جو کوئی ہے ارادہ کرتا فائدہ دنیا کا۔ پس ہے پاس اللہ کے

ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا ۢ
فائدہ دنیا کا اور آخرت کا۔ اور ہے اللہ سننے والا

بَصِيْرًا ۝ ۱۳۴ ع ۱۹ / ۱۴
دیکھنے والا

جو فرد یا قوم صرف دُنیوی فائدے کا ارادہ رکھتی ہے (اور اسطرح اللہ کے قوانین سے گریز کرتی ہے وہ سُن لے کہ) بس اللہ کے پاس (یعنی اسکے نازل کردہ قانون میں) دُنیا کا فائدہ بھی موجود ہے اور آخرت کا فائدہ بھی محفوظ ہے)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سُننے والا دیکھنے والا ہے۔ (وہ محرومِ ربوبیت افراد کی فریادیں) سُنتا بھی ہے، اور اُنکی حالتِ زار کو دیکھتا بھی ہے۔

گواہی ہمیشہ سچی دیا کرو خواہ تمہارے اپنے یا والدین کے خلاف ہی کیوں نہ ہو

• بیانات نوعِ انسانی کی مشکلات کے حل کی وضاحت کرنیکے بعد کہ وہ صرف اجتماعی طور پر

ذاتی ملکیت کے تصور سے کنارہ کشی ہے۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں معاشرہ کی ایک اہم شق کیطرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جس سے مخالفت پیدا ہوتی ہے، اور جس سے افراد، اقوام، خاندانوں اور قبیلوں میں دائمی عداوت کی بنیاد قائم ہوتی ہے وہ ہے جھوٹی گواہی:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، ہو جاؤ کھڑے ہونیوالے ساتھ انصاف کے

شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ
گواہی دینے والے واسطے اللہ کے۔ اور اگرچہ ہو خلاف جانوں تمہاری اپنی کے

اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا
یا والدین کے اور قریبیوں کے۔ اگرچہ ہو مالدار

اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا
یا محتاج۔ پس اللہ ہے بہتر دوست دونوں سے۔ پس نہ پیروی کرو

الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا
خواہش کی، کہ نہ کرو انصاف۔ اور اگر گول مول کرو یا اعراض کرو

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ ۱۳۵
تو بیشک اللہ ہے ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو خبردار

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لانے کے دعویدار ہو۔ (جب کبھی گواہی دینے کا موقعہ آئے) تو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے گواہ بن کر عدل و انصاف پر کھڑے ہو جایا کرو۔ خواہ وہ گواہی تمہارے اپنے آپ یا والدین یا قریبیوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ خواہ وہ (جس کی طرف سے تم گواہی دے رہے ہو) مالدار ہو یا غریب، اللہ تعالیٰ اُن دونوں کی نسبت تمہارا بہتر دوست ہے پس تم ہرگز اتباع نہ کرنا خواہش کی کہ تم انصاف نہ کرو (یعنی صحیح گواہی نہ دو)۔ اور اگر تم بیچدار الفاظ میں (گول مول) گواہی دو، یا تم گواہی دینے سے اعراض کرو (تو یاد رکھو کہ اسکے ضمن میں) تم جو بھی صحیح یا غلط عمل کرو گے اللہ تعالیٰ اُس سے پورا پورا باخبر ہے۔ (قیامت کی عدالت میں وہ تمہارے جملہ اعمال بے نقاب کر دیگا)۔

ایمان کی لازمی شقیں ● آیت ما قبل میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ کیساتھ ایمان کے دعویداروں کو مخاطب کرنے کے بعد اگلی متصلہ آیت مجیدہ میں ایمان کی ان لازمی شقیں بیان کی جارہی ہیں جن پر ایمان کی عمارت کھڑی ہوتی ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
اے ایمان کے دعویدارو! ایمان لاؤ ساتھ اللہ اور رسول اسکے کے

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ
اور کتاب کے جو نازل کیگئی ہے اوپر رسول اسکے کے اور اُس کتاب کے

اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ
جو نازل کی اُس سے پہلے۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا اور ملائکہ اسکے کا

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ
اور کتابوں اسکی کا اور رسولوں اسکے کا اور دن پچھلے کا پس تحقیق وہ گمراہ ہوا

اے وہ لوگو جو ایمان لانے کا دعوےٰ کرتے ہو۔ ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے۔ اور ساتھ اُسکے رسول کے، اور ساتھ اُس کتاب کے جو اُس نے اپنے رسول پر نازل کی۔ اور ساتھ اُس کتاب کے جو، اُس نے نازل کی اُس کتاب سے پہلے۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا، اور اُسکی کائناتی قوتوں کا (جو انسان کی خدمت کیلئے پیدا کیگئی ہیں ۲/۳۰)، اور اُسکی نازل کردہ کتابوں کا اور اُسکے بھیجے ہوئے رسولوں کا۔ اور آخرت کے دن کا (جسمیں اس دنیا کے اعمال کی جزا

ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۱۳۶ ۵ — گمراہی دُور کی || سزا دی جائیگی) وُہ دُور کی گمراہی میں گم ہوکر صحیح راہ سے بھٹک گیا۔

● یہ ہیں ایمان کی پانچ لازمی شقیں، جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں کہلا سکتا:۔

۱۔ **ایمان باللہ**۔ ہر مومن کیلئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اِسطرح ایمان لائے کہ اِس دُنیا کا خالق و مالک وُہی ہے اِس کائنات میں اُسی کے قوانین ہر آن جاری وساری ہیں، جن کی زنجیروں میں کائنات کی ہر چیز جکڑی ہوئی مصروفِ عمل ہے ۵۷/۱ + ۵۹/۱ + ۶۱/۱ + ۶۲/۱ + ۶۴/۱۔ اُسکی ذات میں کوئی شریک نہیں ۱۱۲/۱۔ اُسکی صفات میں کوئی شریک نہیں ۳۷/۱۸۰۔ اُسکے حکم میں کوئی شریک نہیں ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰ + ۱۲/۶۷ + ۱۸/۲۶۔

۲۔ **ایمان بالملٰئکۃ**۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوتوں پر اِسطرح ایمان لائے کہ وہ سب کی سب اِسکی خدمت کیلئے پیدا کیگئی ہیں ۲/۳۴ + ۷/۱۱ + ۱۵/۲۹ + ۱۷/۶۱ + ۱۸/۵۰ + ۲۰/۱۱۶ + ۳۸/۷۲۔ تمام کائناتی قوتوں کو بذریعہ تسخیر تابع فرمان بنانا ہے ۴۵/۱۳۔ ان میں سے نہ کسی کو سجدہ کرنا ہے نہ کسی کے سامنے دست بستہ ہونا اور ڈنڈوت بجا لانا ہے۔

۳۔ **ایمان بالکتب**۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر اِسطرح ایمان لائے کہ سب برحق ہیں سب کے اندر واحد مکمل اکمل ضابطۂ حیات، قرآن کریم والا ہی نازل کیا گیا تھا ۴۲/۱۳۔ اپنے اپنے وقت پر یہ اکیلی اکیلی واجب الاتباع امام تھیں ۱۱/۱۷ + ۴۶/۱۲ اور اِسوقت اکیلا قرآن کریم بلاشرکت غیرے واجب الاتباع امام ہے ۷/۳۔

۴۔ **ایمان بالرسل**۔ اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پر اِسطرح ایمان لائے کہ سب کے سب ایک سے رسول تھے ۲/۲۸۵، ان میں سے کوئی بھی گھٹیا قسم کا رسول نہیں تھا۔ ان میں کا ہر رسول ایک سے ایک افضل تھا ۲/۲۵۳۔ اللہ تعالیٰ کے سب کے سب رسول کامیاب و کامران اور غالب تھے ۵۸/۲۱۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سو فیصد فرمانبردار اور نوعِ انسانی میں واجب التکریم تھے ۲۱/۲۶-۲۷ لیکن آنحضور سمیت، سب کے سب اللہ کے بندے بشر تھے ۱۴/۱۱ + ۱۷/۹۳ + ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶۔

۵۔ **ایمان بالیوم الآخر**۔ آخرت کے دن پر اِسطرح ایمان لائے کہ موت کے بعد ہمنے اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے ضرور ضرور دوبارہ پیدا کیا جانا ہے خواہ ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں ۲/۲۸ + ۱۷/۴۹ + ۲۳/۱۶ + ۲۳/۸۲ + ۳۴/۷ + ۳۷/۱۶ + ۷۵/۳-۴۔

ایمان کی عملی تصدیق ● لیکن یاد رہے کہ ان پانچ بنیادی شقوں پر محض زبانی کلامی ایمان نہیں ہوگا۔ ایمان کی تصدیق ہر مومن کا عمل کریگا۔ بصورتِ دیگر اگر اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور آخرت پر زبانی زبانی ایمان اور عملاً انکار ہو تو ایسا ایمان کسی کام نہیں آئیگا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے ایمان کی کوئی قیمت نہیں۔ مثال کے طور پر اللہ پر ایمان کے بعد اگر کوئی شخص عملاً غیر اللہ کو حاکم مانکر، غیر اللہ کے احکام پر عامل رہے، نیز غیر اللہ کو کائناتی امور میں متصرف مانکر غیر اللہ سے مرادیں مانگتا رہے تو ایمان باللہ کے ایسے دعویداروں کے متعلق ارشاد ہوا ہے: ۔ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۱۲/۱۰۶ = اور نہیں ایمان لاتے اکثر لوگوں کے، مگر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہوتے ہیں۔

دین میں جبر نہیں

• آیت بالا ۲۵۶/۲ میں ایمان کی کمل شقیں بیان کرنے کے بعد اگلی آیت میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ دین میں جبر ہرگز نہیں ۔ جو چاہے مذکورہ شقوں پر خود ایمان لائے ، جو چاہے خود انکار کر دے اور یہ ایمان و انکار ایک مرتبہ نہیں ، جتنی مرتبہ چاہے کرتا چلا جائے ۔ قرآن کریم اسکے حق خود اختیاری میں ہرگز روک نہیں بنتا ۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا

بیشک جو لوگ ایمان لائیں ، پھر انکار کر دیں ، پھر ایمان لائیں

ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ

پھر انکار کر دیں ۔ پھر زیادہ ہوں کفر میں ۔ نہیں ہوگا

اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ

اللہ کہ معاف کرے واسطے انکے ، اور نہ رہنمائی کریگا انہیں

سَبِيْلًا ۝ ۱۳۷ ط

راہ کی

بیشک جو لوگ (برضا و رغبت ، بلا کسی دباؤ کے خود) ایمان لائیں ، پھر (ایمان لانے کے بعد خود) انکار کر دیں پھر خود ایمان لائیں پھر خود انکار کر دیں ۔ (تو یہ انکا حق خود اختیاری ہے جس میں کوئی جبر نہیں ۲۵۶/۲) ، پھر اگر وہ کفر میں خود زیادتی اختیار کریں (کفر میں پکے ہو جائیں) ، تو پھر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ انہیں معاف کردے ۔ اور نہ ایسا ہے کہ پھر انہیں اپنے سیدھے راستے کی راہنمائی کرے ۔ (کیونکہ سیدھا راستہ اختیار کرنا بھی انسان کا اپنا کام ہے اور جرم کرنے کے بعد خود توبہ اور اصلاح کر کے مغفرت کا حقدار ہونا بھی انسان کا اپنا کام ہے ۔ اللہ تعالیٰ مجرم کی توبہ اور اصلاح کے بعد غفور الرحیم ہے ۶/۵۴ + ۶/۱۵۴ + ۱۶/۱۱۹) ۔

کتبِ روایات کا مسئلہ قتلِ مرتد آیت بالا ۱۳۷/۴ کی کھلی مخالفت ہے

• کتب روایات کا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو جائے یعنی واپس کفر میں لوٹ جائے ، ارتداد کا مرتکب ہو ، مرتد ہو جائے وہ واجب القتل ہے یعنی اسلام کی رو سے اسکی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے ۔ روایات کا دیا ہوا یہ تصور آیت بالا کی کھلی مخالفت ہے جسمیں ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار غور و خوض کے بعد ایمان لانے اور کفر میں لوٹ جانے ، مرتد ہو جانے پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی ۔ اس بار بار کے ارتداد پر بھی یہ نہیں کہا گیا کہ جب وہ آخری مرتبہ کفر پر پکا ہو جائے تو اسے قتل کر دیا کرو ۔ صرف اسکی اخروی سزا کی خبر دیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ اسے معاف کریگا اور نہ اسے سیدھے راستے کا راہرو ٹھہرائیگا ۔

تصریفِ آیات

• ارتداد کے ضمن میں ذیل کی تصریفِ آیات ملاحظہ فرمائیں کہ کسطرح ارتداد (یعنی ایمان لانے کے بعد پھر کفر میں لوٹ جانے) پر قرآن کریم نے کوئی قدغن نہیں لگائی :۔

۱ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝

۹۰/۳ = بیشک جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائیں ۔ پھر کفر میں زیادتی کر کے پکے ہو جائیں تو انکی توبہ قبول نہیں ہو گی ۔ کیونکہ وہ آخر دم تک گمراہ ہیں ۔ دیکھئے ! ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا سے صاف ظاہر ہے کہ مرتدین واجب القتل نہیں کیونکہ مرتد کے قتل کی صورت میں اسکا کفر میں پکے ہو جانے کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ نیز آیات ذیل میں بھی مرتد کی سزا قتل نہیں بتائی گئی ۔

۲۔ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ۲/۱۰۸ = اور جو کوئی ایمان کو کفر کیساتھ بدل دے (یعنی مرتد ہو جائے) پس وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا۔ اِس آیت میں ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے، ارتداد کا اختیاری حق قائم ہے یہاں بھی ارتداد کی سزا موت نہیں بتائی گئی۔ بلکہ سابقہ ہر دو آیات کریمات ۴/۱۳۷ اور ۳/۹۰ کی مانند مرتد کو صحیح راہ سے بھٹکا ہوا کہا ہے۔

۳۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ۵/۵ = اور جو کوئی ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کرے (مرتد ہو جائے) پس بیشک اُسکا عمل (سابقہ ایمان) ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں گھاٹا پانیوالوں میں سے ہوگا۔

دیکھئے! اِس آیت میں بھی ارتداد کی سزا آخرت کا خسارہ بیان ہوئی ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ اُسے قتل کر دو۔

۴۔ قتلِ مرتد کی تردید میں آیت ذیل ملاحظہ ہو، جو شدید ترین قاطعہ دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ سورہ منافقون میں منافقوں کے اعلانِ ایمان کی تکذیب کرنے اور اُنکی لغو قسموں کی تردید کے بعد ۶۳/۳ میں ارشاد ہوا ہے:۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ ۶۳/۳ = یہ اِسلئے کہ یہ لوگ پہلے ایمان لائے پھر کافر ہو گئے (مرتد ہو گئے) پس اِنکے ذہنوں پر عدمِ تدبر کی مہر لگائی گئی ہے پس وہ تفقہ نہیں کرتے۔ اِس سے اگلی آیت میں اِن مرتدین سے مجتنب رہنے کی تاکید کیگئی ہے:۔ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۶۳/۴ = وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اُن سے بچ کر رہنا۔

● دیکھئے! اِن آیتوں میں اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا کے الفاظ میں کھُل کر مرتدین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اُن سے بچکر رہنے کی تاکید کیگئی ہے۔ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو یہاں اُنکی تفصیل بیان کرنے کے بعد فَاقْتُلُوْهُمْ کا حکم دیا جانا چاہیئے تھا۔ فَاحْذَرْهُمْ کا نہیں۔ فَاحْذَرْهُمْ کے حکم سے، کہ "تو اُن سے بچکر رہنا" روزِ روشن کیطرح عیاں ہے کہ مرتد کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں قتل نہیں۔ بلکہ دینِ الٰہی میں اُنہیں زندہ رہنے کا حق دیا گیا ہے، تبھی تو کہا ہے کہ اُن سے بچکر رہنا۔ بچکر رہنے کا حکم اُنکے متعلق دیا جا سکتا ہے، جنہوں نے زندہ رہنا ہو۔ جنہیں حکومت قتل کر دے اُن سے بچکر رہنے کا کیا مطلب؟

● قرآن کریم میں مزید بہت سی آیتیں موجود ہیں، جن میں مرتدین کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ اور جبتک وہ کُفر میں پکے نہ ہو جائیں، اُسوقت تک اسلام میں واپس لوٹ سکتے ہیں۔

بار بار ایمان لانیوالے اور بار بار کفر کرنیوالے منافق ہیں
وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرتے ہیں

● آیت زیر بحث ۴/۱۳۷ میں منافقوں کا ایک نشان یہ بتایا گیا ہے کہ وہ بار بار ایمان لاتے اور بار بار کفر کرتے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں اُنکا دوسرا نشان یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ ایمان کے دعویدار ہونیکے باوجود مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرتے ہیں:۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا
بشارت دے منافقوں کو کہ بیشک واسطے اُنکے ہے سزا
اَلِيْمَا ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ
دردناک۔ وہ لوگ جو پکڑتے ہیں کافروں کو دوست سوائے

(اے رسُول! آپ اِن بار بار ایمان لانیوالے اور بار بار کفر کرنیوالے) مُنافقوں کو خوشخبری دیدیں کہ بیشک اُن کے لئے دردناک عذاب ہے، اُن لوگوں کو جو مومنوں کے سوا کافروں کو دوست پکڑتے ہیں (یہ بھی اُنکی منافقت کا نشان ہے)

الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ
مومنوں کے۔ کیا وہ تلاش کرتے ہیں پاس انکے عزت پس بیشک ہے عزت
لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ ۱۳۸ - ۱۳۹
واسطے اللہ کے ساری

کیا وہ اُنکے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں۔ (یہ اُنکی خام خیالی ہے) عزت تو پوری کی پوری اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ (یعنی اُسکے قانون کے مطابق ہی عزت ملتی ہے۔ اور اُسکے قانون کے مطابق ہی ذلت ملتی ہے)۔

جہاں آیاتِ قرآنیہ کی مخالفت ہو رہی ہو وہاں مت بیٹھا کرو

• اگلی آئتِ مجیدہ میں منافقوں کا نشان بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کریمات کی تضحیک کرتے ہیں لیکن مومنوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جن مجلسوں میں آیاتِ قرآنیہ کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو تم اُن میں شریک نہ ہونا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم بھی منافقوں کے زمرہ میں شمار کیے جاؤ گے:۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا
اور بیشک نازل کیا جا رہا ہے اوپر تمہارے بیچ کتاب کے کہ جب
سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ
سنو تم آیتیں اللہ کی، انکار کیا جا رہا اُنکا اور مذاق اُڑایا جا رہا
بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ
اُنکا۔ تو نہ تم بیٹھو ساتھ اُنکے۔ یہانتک کہ وہ خود کریں بیچ
حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
بات سوائے اُسکے۔ بیشک تم اسوقت ہو گے مثل انکی۔ بیشک ہے اللہ
جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ
جمع کرنیوالا منافقوں اور کافروں کو بیچ آگ شکست کے
جَمِيْعًا ۝ ۱۴۰
سب کو

اور (اے ایمان والو!) بلاشبہ تم پر کتاب میں نازل کیا جا رہا ہے[1] کہ جب (کبھی ایسی صورت تمہارے سامنے آجائے کہ کسی جگہ پر) تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کریمات کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اور اُنکا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔
تو تم اُن لوگوں کیساتھ نہ بیٹھنا، (جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور اُنکا مذاق اُڑاتے ہیں) یہانتک کہ وہ کسی اور موضوع پر گفتگو کرنے لگیں۔ (اگر تم آیتوں کے انکار اور استہزاء کے وقت وہیں بیٹھے رہو تو) اُسوقت بلاشبہ تم بھی اُنہی کی مانند ہو گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ (آیات کا استہزاء کرنیوالے) منافقوں (اور انکا انکار کرنیوالے) کافروں سب کو جہنم (شکست کی آگ میں) جمع کرنیوالا ہے (سب شکست کھا جائینگے)[2]۔

[1] قَدْ نَزَّلَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے "نازل کیا جا رہا ہے" قواعد میں یہ ماضی ہے۔ لیکن قرآنِ کریم کا اسلوب بیان ہے کہ جو چیز نازل کی جا رہی ہو اُسے تحقیق مزید کیلئے ماضی کے صیغہ میں بیان کرتا ہے۔ جیسے کہ سورہ حج میں آیا ہے:۔ یٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۲۲/۷۳ یہاں ضُرِبَ اگرچہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ مگر معنیٰ یہ ہے: "اے نوعِ انسانی ایک مثال بیان کی جا رہی ہے۔ اُسے غور سے سنو۔ اور اس سے آگے بیان ہوا ہے:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ ..... الخ ۲۲/۷۳

• [2] جہنم کا معنیٰ شکست کی آگ سلسلۂ درس کی اگلی آئتِ مجیدہ سے عیاں ہے جسمیں فتح اور شکست ہی کے متعلقہ وضاحت بالفاظِ ذیل لکھی گئی ہے:۔ (لفظ جہنم کی قرآنی لغت صفحہ ۲۰۸ پر گزر چکی ہے)

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ
اُن لوگوں کو جو انتظار کر رہے ہیں ساتھ تمہارے پھر اگر
كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ
ہو واسطے تمہارے فتح طرف سے اللہ کی کہینگے کیا نہیں ہم ساتھ تمہارے
وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ
اور اگر ہو واسطے کافروں کے حصہ۔ کہینگے کیا نہ حفاظت کی اوپر تمہارے
وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
اور بچایا تم کو مومنوں سے پس اللہ فیصلہ دیگا بیچ تمہارے دن قیامت کے
وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
اور نہیں ٹھہرائیگا اللہ واسطے کافروں کے اوپر مومنوں کے
سَبِيْلًا ۱۴۱ ع ۲۰/۱۷
کوئی راہ

یہ (منافق آیاتِ خداوندی کا تمسخر اُڑانیوالے) وہ ہیں جو تمہارے متعلق انتظار کرتے ہیں (کہ تمہیں شکست ہو جائے) پھر اگر اللہ کیطرف سے (یعنی اللہ کے قانون کے مطابق) تمہیں فتح حاصل ہو تو یہ کہینگے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں (ہمیں بھی مال غنیمت کا حصہ دو)۔ اور اگر (کبھی کوئی وقتی کامیابی) کافروں کے حصے میں آئے تو (انہیں) کہینگے کیا ہم نے تمہاری حفاظت نہیں کی۔ اور کیا ہمنے تمہیں مومنوں سے بچا نہیں لیا پس (اے منافقو!) اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن صحیح صحیح فیصلہ کردیگا۔ اور اللہ تعالیٰ (دنیا میں) کافروں کیلئے مومنوں کے مقابلے پر (فتحیاب ہونے کی) کوئی راہ ہرگز نہیں ٹھہرائیگا۔

منافق صلوٰۃ موقت سے جی چراتے ہیں ● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کا ایک اور نشان بتایا گیا ہے کہ وہ صلوٰۃ موقت (نماز) میں سستی اور بددلی کیساتھ آتے ہیں۔ اور محض دکھاوے کی نمازیں ادا کرتے ہیں۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ
بیشک منافق دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو۔ اور وہ
خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا
دھوکا دیتا ہے انکو۔ اور جب کھڑے ہوتے ہیں بیچ صلوٰۃ کے کھڑے ہوتے ہیں
كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ
سستی کیساتھ۔ دکھاتے ہیں لوگوں کو۔ اور نہیں یاد رکھتے اللہ کو
اِلَّا قَلِيْلًا ۱۴۲ ڮ
مگر تھوڑا

بلا شبہ منافق (یعنی مذکورہ بالا دوغلی روش والے) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (چونکہ وہ اللہ کیساتھ کیا گیا وعدۂ ایمان وفا نہیں کرتے اسلئے) وہ (اللہ) اپنا وعدہ وفا نہیں کرتا اور جب وہ صلوٰۃ (نماز) کیلئے کھڑے ہوتے ہیں (ٹوٹے ہوئے ذہن، بددلی) سستی کیساتھ۔ وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں (کہ وہ بڑے پابندِ صلوٰۃ ہیں) لیکن وہ اللہ (کے قانون اور احکام کو) تھوڑا یاد رکھتے ہیں۔ (اللہ کے احکام کی پابندی نہیں کرتے)

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَ
وہ تذبذب میں ہیں بیچ اسکے، نہ طرف اِدھر کے اور

وہ لوگ (کفر و ایمان کی رو سے) بین بین کے تذبذب میں ہیں۔ نہ (پوری طرح) اِدھر کو ہیں! اور نہ ہی وہ پوری طرح اُدھر

اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ
نہ طرف اُدھر کے۔ اور جسے گمراہ ٹھہرائے اللہ تو نہیں پائے گا تو
لَهٗ سَبِیۡلًا ۝ ۱۴۳
واسطے اُسکے کوئی راہ

کو ہیں حقیقت یہ ہے کہ جسے اللہ گمراہ پائے (اور جو گمراہی میں اتنا شدید ہو چکا ہو کہ اُس نے اپنے اُوپر ہدایت کے دروازے خود بند کر لئے ہوں) تو تُو اُسکے لئے ہدایت کی کوئی راہ ہرگز نہیں پائیگا۔

• علہ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ، جس کا معنی عام تراجم میں یہ لکھا ہے کہ جسے اللہ گمراہ کردے۔ متشابہ آئت مجیدہ ہے جس کا معنی ذیل کی محکم آئت کے مطابق لکھا گیا ہے :۔ قُلۡ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡهَا ۚ ۱۰/۱۰۸ = اے رسُولؐ کہدیجیئے کہ اے نوعِ انسانی بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کیطرف سے حق (قرآن) آگیا ہے۔ پس جو کوئی خود اُس سے رہنمائی حاصل کرے، وہ خود اُسکے اپنے لئے ہوگا۔ اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے اُسکا وبال اُسکی اپنی جان پر ہوگا ـــــ واضح رہے کہ یُضۡلِلِ اللّٰهُ باب تفعیل سے ہے۔ جسکا خاصہ وجدان ہے یعنی کسی چیز کا کسی شخص کے اعمال میں پایا جانا۔

• ایسے گمراہ منافقوں کا نشان پیچھے آئت مجیدہ ۴/۱۳۹ میں بتایا گیا ہے کہ وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کیساتھ دوستی کرتے ہیں۔ اسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں مومنوں کو خصوصی حکم دیا گیا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا تم سوائے مومنوں کے کافروں سے دوستی نہ گانٹھنا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡكٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ نہ پکڑو تم کافروں کو دوست
مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ اَتُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ
سوائے مومنوں کے۔ کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ تم ٹھہراؤ واسطے اللہ کے
عَلَیۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا ۝ ۱۴۴
اوپر اپنے حجت ظاہر

اے وہ لوگو! جو (برضا و رغبت ضابطۂ خداوندی پر) ایمان لائے ہو۔ تم مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنانا۔ (وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہوسکتے)۔ کیا تم (مومنوں کے سوا کافروں کو دوست بنا کر) یہ ارادہ کرتے ہو کہ تم اپنے اُوپر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کھُلی حجت قائم کرو؟

• اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کافروں کو دوست بنانیوالے منافقوں کی حالت یہ ہے کہ وہ تذبذب کے جہنم کے نچلے درجے میں ہیں :۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ
بیشک منافق ہیں بیچ درجے سب سے نچلے، میں سے
النَّارِ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِیۡرًا ۝ ۱۴۵
آگ کے اور نہ پائیگا تو واسطے اُن کے مددگار

بیشک منافقوں (کی حالت یہ ہے کہ تذبذب کی ذلّت) وہ نار (اضطراب) کے انتہائی نچلے درجے میں ہیں۔ (وہ ضرور شکست کھا جائینگے۔ اے رسُولؐ!) آپ اُن کیلئے کوئی مددگار نہیں پائینگے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ
سوائے اُنکے جو توبہ کریں، اور اصلاح کرلیں، اور
اعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ
مضبوط پکڑیں اللہ کو، اور خالص رکھیں دین اپنا واسطے اللہ کے
فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ
پس وہ ہیں ساتھ مومنوں کے، اور ضرور دیگا اللہ
الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ○ ۱۴۶
مومنوں کو بدلہ بڑا

(اُن میں سے) سوائے اُن لوگوں کے جو (اپنے بُرے عقیدہ سے) لوٹ آئیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں اور اللہ (کی کتاب ۳/۱۰۳) کو مضبوط پکڑ لیں۔ اور اپنے دین کو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے خالص رکھیں (یعنی اللہ کے دین میں غیر اللہ کے احکام شامل نہ کریں)۔ پھر وہ لوگ مومنوں کے ساتھی ہیں۔ (اگر وہ ایسا کریں تو جماعتِ مومنین کے افراد ہیں ورنہ جماعتِ مومنین کے افراد نہیں) اور اللہ تعالیٰ ضرور ضرور مومنوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائیگا۔ (یعنی انہیں ضرور کا فروں اور مُنافقوں پہ فتح دیگا)۔

● ؎۱ وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ کا لفظی معنی ہے اور مضبوط پکڑیں اللہ کو۔ اور اللہ کو پکڑنے کی تفسیر خود اللہ تعالیٰ نے ۳/۱۰۳ میں بذریعہ تصریفِ آیات، ذیل کے حکم میں کر رکھی ہے:۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۳/۱۰۳ = سب ملکر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو ـــ اور اللہ کی رسّی کی تفسیر یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ۱۹/۱۲ کے الفاظ میں فرمائی ہے:۔ اے یحیٰی اللہ کی کتاب کو قوت کیساتھ تھام لے۔ پس چونکہ اللہ کی رسّی اللہ کی کتاب ہے۔ فلہٰذا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ ۴/۱۴۶ کی تقدیرِ کلام یہ ہے:۔ وَاعْتَصَمُوْا بِکِتٰبِ اللّٰہِ = اور وہ مضبوط پکڑ لیں اللہ کی کتاب کو، یعنی خالص اللہ کی کتاب پہ عامل ہوجائیں تو پھر وہ مُنافق مذکورہ شکست کے عذاب سے بچ سکتے ہیں۔

● ؎۲ اَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ، اِس جملہ میں دین اسلام کی بنیادی شق بیان کردیگئی ہے جس کی مخالفت سے فرقہ بندی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے:۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ؕ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ ۳۹/۲-۳ = (اے رسُول!) بیشک ہمنے آپ کیطرف اپنی ایک اکلوتی سچی کتاب نازل فرمائی ہے پس آپ اللہ کے دین کو اُسکے لئے خالص رکھتے ہوئے خالص اللہ کی فرمانبرداری کریں۔

● اِس آیتِ مجیدہ سے عیاں ہے کہ اللہ کا خالص دین صرف اُسکی کتاب میں ہے۔ اگر اُسکی کتاب کیساتھ کسی اور کتاب کو شامل کر لیا جائے تو دین ناخالص اور اُمّت فرقہ فرقہ ہوجاتی ہے۔ اور جو لوگ دین کو ناخالص کرکے فرقہ فرقہ ہوجائیں اُنکے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۙ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا ؕ کُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ ○ ۳۰/۳۱-۳۲ = اور تم مشرکوں میں سے نہ ہوجانا۔ اُن لوگوں میں سے کہ جنہوں نے دین میں تفرِقہ پیدا کی اور گروہ گروہ ہوگئے سب گروہ اُس پر اِتراتے ہیں جو الگ الگ اُنکے پاس ہے ـــ یعنی اللہ کی کتاب کیساتھ جو کچھ کسی نے شامل کرکے اللہ کے دین کو ناخالص کرکے فرقہ بندی اختیار کی ہے، وہ اُس اپنی شامل کردہ کتاب پر فخر کرتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے، فلاں کتاب کی مدد کے بغیر قرآن مجید کی سمجھ نہیں آسکتی ـــ پس آیتِ زیرِ نظر میں مُنافقوں پہ شرط لگائی گئی ہے کہ منافقت

سے تائب ہوکر اپنے اعمال کی اصلاح بھی کریں ۔ اور اللہ کے دین کو اُسکے لئے خالص رکھیں یعنی اللہ کی کتاب کیساتھ کسی اور کتاب کو شامل نہ کریں تو پھر شکست کے عذاب سے بچ سکتے ہیں ۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے کہ اگر تم شکر گزاری کے کام کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دیکر کیا کریگا ۔ وہ تو نیک عملوں کی جزا دینے والا ، قدر دان ہے :۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ
کیا کریگا اللہ ساتھ عذاب تمہارے کے اگر شکر کرو تم ، اور

اٰمَنْتُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۱۴۷
ایمان لاؤ تم ۔ اور ہے اللہ قدر دان جاننے والا

(منافقو!) اگر تم شکر گزاری کرو (ایسے عمل بجا لاؤ جن کا اچھا نتیجہ سامنے آجائے) اور تم (ضابطۂ الٰہی پر) ایمان لاؤ ، تو اللہ نے کیا کرنا ہے تمہیں عذاب کرکے ؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ قدر داں ہے[علہ] (اچھے کاموں کی بھرپور جزا دینے والا ہے اور ہر کسی کے اعمال کو) خُوب اچھی طرح جاننے والا ہے ۔

● علہ شکر کا معنیٰ ایسی بھرپور محنت کرنا ہے ، جسکا بھرپور نتیجہ سامنے آجائے ۔ اور بھرپور محنت کا بھرپور اجر دینا بھی اِسکا معنیٰ ہے ۔ جب بندے کیطرف سے ہو تو بھرپور محنت کرنا مراد ہوتی ہے اور جب اللہ کیطرف سے ہو تو محنت کا بھرپور اجر دینا مراد ہوتا ہے کَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا کا مفہوم یہی ہے ۔

عیب پوشی

● قرآن مجید میں جگہ بہ جگہ منافقوں کا ذکر پھیلا ہُوا ہے ۔ اُنکے ظاہر نشان بتا دیئے گئے ہیں ۔ اُنکے اطوار و خصائل کی تفصیل کر دیگئی ہے مگر کسی ایک منافق کا بھی نام نہیں بتایا گیا ۔ اِس میں اللہ کی صفت عیب پوشی کارفرما ہے ۔ اِسیطرح وہ اپنے بندوں کو بھی حکم دیتا ہے کہ بلا وجہ عیب جوئی اور نکتہ چینی نہ کیا کریں کسی کے عیب بیان نہ کریں ۔ جس کسی میں کوئی عیب پائیں تو اُسکے سامنے اُس عیب کی بُرائی بیان کریں تاکہ وہ اُس سے باز آجائے ۔ اِسطرح اِس عیب پوشی کے ذریعہ معاشرہ خوشگوار رہتا ہے ۔ جو کوئی عمومی نصیحت کے ذریعہ باز نہ آئے ، وہ قانون کی زد میں آکر اپنے آپکی تشہیر بھی آپ کر دیتا ہے اور سزا بھی پاتا ہے ۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں پرائے عیوب کی تشہیر کو انتہائی ناپسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے ۔ سوائے اُس شخص کے کہ اُس پر ظلم کیا گیا ہو ۔ صرف اُسے تشہیر کی اجازت دیگئی ہے :۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ
نہیں پسند کرتا اللہ ظاہر کرنا بُرائی کا

مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا
ساتھ بات کے ۔ مگر جس پر ظلم ہُوا ۔ اور ہے اللہ خوب سُننے والا

عَلِيْمًا ۱۴۸
خُوب جاننے والا

نہیں پسند کرتا اللہ کہ ظاہر کی جائے بُرائی (کسی شخص کی) بات کیساتھ ۔[علہ] (یعنی کسی کی برائی کا چرچا کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ عمل ہے) سوائے اُس شخص کے کہ جس پر ظلم ہُوا ۔ (وہ اپنی دادرسی کیلئے ظالم کے ظلم کو ظاہر کرسکتا ہے) ۔ اور ہے اللہ خوب خُوب سُننے والا ۔ (اسلئے اُس نے اپنے ضابطۂ انصاف کے مطابق ، ظالموں کو ظلم کی سزا دینے کا حکم نازل کر دیا ہے ۴۲/۴۰ علہ)

• ۱ مِنْ حرفِ جار کا معنیٰ ساتھ بھی ہے۔ جیسے یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ ۴۲/۴۵ کا معنیٰ ہے وہ کنکھیوں کیساتھ دیکھتے ہیں۔

• ۲ اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم نے ہر جرم کے متعلق جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دینے کا حکم دے رکھا ہے۔ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۴۲/۴۰ کسی برائی (جرم) کی سزا جرم کے مطابق ہے جس پر ظلم ہوا ہو اسے تشہیرِ ظلم کا حق دیا گیا ہے تاکہ معاملہ حکام تک پہنچا کر مجرم کو اسکے جرم کے مطابق سزا دلوادی جائے۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں ایکدوسرے کی نیکیوں کو ظاہر کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے مگر انہیں چھپانے سے منع بھی نہیں کیا گیا:-

اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا
اگر تم ظاہر کرو بھلائی یا چھپاؤ اسکو یا درگزر کرو
عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ۱۴۹
طرف سے برائی کے تو بیشک اللہ ہے درگزر کرنیوالا، اندازہ کرنیوالا

(ایمان والو!) اگر تم (دوسروں کی) نیکی ظاہر کردو یا اسے چھپاؤ (تو دونوں صورتوں میں کوئی مضائقہ نہیں)۔ اور اگر تم دوسروں کی برائی سے درگزر کردو (یعنی انہیں معاف کردو) تو بیشک اللہ تعالیٰ بھی درگزر کرنیوالا، صحیح صحیح قانون متعین کرنیوالا ہے۔[۱]

• ۱ اللہ تعالیٰ نے کیا ٹھیک ٹھیک قانون متعین فرمایا ہے کہ اگر کسی زیادتی کرنیوالے کو تم معاف کردو، تم درگزر کرو تو اللہ تعالیٰ بھی اسے معاف کرنیوالا اور درگزر کرنیوالا ہے۔ معافی اور درگزر ایسے احسن اقدام ہیں جن سے معاشرہ میں خوشگوار اور افرادِ معاشرہ میں نفرت وعداوت کی بجائے شفقت ومحبت پیدا ہوتی ہے۔

اللہ اور رسول میں فرق کرنیوالے اللہ اور رسول کا انکار کرنیوالے ہیں

• آیاتِ بالا میں معاشرہ کے ایک اہم گوشہ سے متعلقہ ہدایات جاری کرنے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں پھر ایمان کی ایک اہم شق کی وضاحت کیگئی ہے کہ اللہ اور رسول میں فرق کرنا، گویا اللہ اور رسول کے انکار کے مترادف ہے۔ یہ شق انتہائی اہم عنوان کی حامل ہے اسلئے اس پر پوری طرح غور فرمائیں:-

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ
بیشک جو لوگ انکار کرتے ہیں ساتھ اللہ اور رسولوں اسکے اور
یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ
ارادہ کرتے ہیں کہ فرق کریں بیچ اللہ اور رسولوں اسکے اور
یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ
کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں ساتھ بعض کے اور انکار کرتے ہیں ساتھ بعض کے اور
یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۱۵۰
ارادہ کرتے ہیں کہ پکڑیں درمیان اسکے راہ

بیشک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کا، اور انکار کرتے ہیں اسکے رسولوں کا۔ یعنی وہ اس چیز کا ارادہ کرتے ہیں کہ وہ اللہ اور اسکے رسولوں میں فرق کریں (اللہ کے حکم الگ بتائیں اور رسولوں کے حکم الگ بتائیں) اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں (کی شریعت) کو مانتے ہیں اور بعض (کی شریعت) کا انکار کرتے ہیں۔[۱] اور وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اسکے بین بین راہ اختیار کریں (کہ مختلف رسولوں کی الگ الگ شریعتیں ہیں حالانکہ سب رسولوں کی شریعت ایک ہے[۲]

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا
وہ لوگ وہی ہیں، کافر سچے ۔ اور تیار کیا ہم نے

لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۰ ۱۵۱
واسطے کافروں کے عذاب دردناک

مذکورہ لوگ سچے کافر ہیں ۔ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے (اللہ اور اسکے رسولوں میں فرق کرنیوالوں اور بعض رسولوں کا انکار کرنیوالے) کافروں کیلئے دردناک عذاب ۔

• عـلہ وَیُرِیْدُوْنَ، کی واؤ تفسیری ہے یعنی اللہ اور رسولوں میں فرق کرنے کو اللہ اور اسکے رسولوں کا انکار قرار دیا گیا ہے ۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں اللہ اور اسکے رسولوں میں کس انداز سے فرق کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے ۔ کیا اللہ کے رسولوں کو بھی اللہ ہی ماننا چاہئے تاکہ نہ اللہ اور اسکے رسولوں میں فرق پیدا ہو، اور نہ آیاتِ بالا کے مطابق کفر لازم لائے؟ اِس سوال کا جواب قرآن کریم کی روشنی میں عیاں ہے کہ اللہ کے رسول، سب کے سب اسکے بندے تھے ۱۱/۳ ، اللہ نہیں تھے اسلئے انہیں اللہ ماننا تو بجائے خود انتہائی درجے کا کفر ہے پس ثابت ہوا کہ یہاں اللہ اور اسکے رسولوں میں جس فرق کی نشاندہی کیگئی ہے وہ اسکے سوا ہے ۔ پس وہ یہی ہوسکتا ہے کہ اللہ اور اسکے رسولوں کے الگ الگ حکم بنا کر اللہ اور اسکے رسولوں میں فرق پیدا کیا جائے ۔ کیونکہ اللہ کے رسولوں کا، اللہ کے حکم سے، اپنا الگ کوئی حکم ہوتا ہی نہیں یعنی حکم کے لحاظ سے اللہ اور اسکے رسولوں میں کوئی فرق نہیں ۔ بصورتِ دیگر اللہ، اللہ ہے اور اسکے رسول، رسول ہیں ۔

• رسول اللہ کا معنیٰ ہی اللہ کا حکم پہنچانیوالا ہے، اپنا حکم دینے والا نہیں، کیونکہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ۴۰/۱۲ اور لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا ۲۶/۱۸ کے مطابق اللہ کے سوا کسی کا حکم مطلقًا ہے ہی نہیں ۔ یعنی حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، جو لوگوں تک پہنچا ہے صرف اسکے رسولوں کے ذریعہ، اور جو رسولوں کی زندگی میں بھی، اور انکے بعد بھی اللہ کی کتاب کے اندر موجود ہوتا ہے پس یہاں اللہ اور رسولوں میں جس فرق کرنے کو کفر بنایا گیا ہے، وہ صرف وہ ہے ۔ جو انبیاء کی امتیں اللہ اور اسکے رسولوں میں اِسطرح پیدا کر لیتی ہیں کہ یہ حکم اللہ نے دیا ہے اور یہ حکم اسکے رسول نے دیا ہے یہی فرق کرنا کفر بنایا گیا ہے، ورنہ اِسکے سوا، اللہ اور اسکے رسولوں میں، اللہ و بندہ خالق و مخلوق اور مُرسِل و مُرسَل کا فرق نہ کرنا تو بجائے خود عظیم الشان کفر ہے ۔

• عـلـہ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ اور یَتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا کا باہمی ربط معلوم کرنا انتہائی ضروری ہے ۔ واضح رہے کہ بعض نبیوں پر ایمان لانے اور بعض کا انکار کرنے، اور اسکے بین بین راستہ اختیار کرنے کو جب مشاہدات کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو صاف عیاں ہے کہ کوئی بھی اہلِ کتاب ایسا نہیں جو اپنے نبی رسول سے پہلے والے رسولوں کا انکار کرنے کا کوئی بھی بین بین راستہ اختیار کئے ہوئے ہو ۔ بلکہ سب کے سب جملہ انبیاءِ ماسبق پر ایمان رکھتے ہیں ۔ یہودی لوگ حضرت موسیٰؑ سے پہلے والے رسولوں کو مانتے ہیں، عیسائی حضرت مسیحؑ سے پہلے کے سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمان آنحضورؐ سے ماقبل کے تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ۔ لہٰذا اِس مشاہدے کے مطابق یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ پھر وہ کونسی صورت ہے جو آیاتِ بالا میں بیان ہوئی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسولوں میں سے بعض پر ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں ۔ اور اِسطرح وہ اِسکے بین بین راستہ اختیار کرتے ہیں ۔ اِس سوال کا جواب صاف ہے کہ اللہ کے رسول، اللہ کا ضابطۂ حیات لوگوں تک پہنچانے کیلئے مبعوث کئے جاتے تھے جو مکمل شرع سمیت سب کی طرف ایک ہی نازل کیا گیا تھا ۱۳/۲۲ (تفصیل آگے آرہی ہے) ۔ لیکن اِسکے برعکس:-

● کہا یہ جاتا ہے کہ ہر رسول کو اللہ کیطرف سے الگ الگ شریعت دیگئی تھی ہم اپنے رسول کی شریعت کو مانتے ہیں اور باقی رسولوں کی شریعتوں کا ہمیں انکار ہے ۔ وہ الگ الگ اُنکی الگ الگ اُمتوں کیلئے تھیں ۔ آیات بالا میں الگ الگ رسولوں کی الگ الگ شریعتوں کے تصور کو غلط بتایا گیا ہے ، یعنی ہر اُمت کے اپنے رسول کی الگ شریعت کے تصور کو باطل قرار دیکر ، صرف اپنے رسول کی شریعت پر ایمان لانے کے بین بین کے راستے کو رسولوں کا انکار بتایا ہے ۔ یہ اسلئے کہ اللہ کے سب کے سب رسولوں کو ، اللہ کا ایک ہی دین اور دین کی ایک ہی شرع (شریعت) عطا فرمائی گئی تھی ! ۔

● شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ
۴۲/۱۳ = (ایمان والو !) اللہ نے تمہارے لئے اُسی دین کی شرع کر دی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا ۔ اور (اے رسول !) اُسی دین کی شرع کر دی ہے جو ہمنے آپکی طرف وحی کیا ہے ۔ اور اُسی دین کی شرع کر دی ہے جس کا حکم ہمنے ابراہیمؑ ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا ۔

● پس آیت بالا ۴۲/۱۳ کے مطابق ثابت ہوا کہ سب کے سب رسولوں کو دین بھی ایک ہی دیا گیا تھا اور دین کی شرع (شریعت) بھی ایک ہی دیگئی تھی ۔ اِسلئے سلسلۂ درس کی آیت بالا ۴/۱۵۰ میں رسولوں کی ایک اکلوتی شریعت کے اِنکار کو خود رسولوں کا انکار کہا گیا ہے اور سب رسولوں کی ایک شریعت پر ایمان لانے کی بجائے صرف اپنے اپنے رسول کی شریعت پر ایمان لانے کو اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا کے الفاظ میں بین بین کا راستہ اِسلئے کہا گیا ہے کہ کہا یہ جاتا ہے کہ سابقہ نبیوں کی شریعتیں سب صحیح تھیں لیکن ہمیں اُن سے اِسلئے انکار ہے کہ وہ سابقہ اُمتوں کیلئے تھیں ، ہمارے لئے نہیں تھیں ، چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اِس نظریہ کی ضد بیان کر کے مومنوں کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ نہ وہ اللہ اور اُسکے رسولوں کے الگ الگ حکم بتا کر ، اُسکے رسولوں میں فرق کرتے ہیں اور نہ اللہ کے رسولوں کی الگ الگ شریعتوں کا تصور پیدا کر کے بعض نبیوں کی شریعتوں کے اِنکار کی صورت میں بعض رسولوں کے انکار کے مرتکب ہوتے ہیں ! ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ
اور جو لوگ ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور اُسکے رسولوں کے ، اور
لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ
نہیں فرق کرتے بیچ کسی ایک کے اُن میں ، وہ لوگ ہیں ، ضرور
يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
دیا جائیگا اُنکو بدلہ اُنکا ۔ اور ہے اللہ معاف کرنیوالا
رَّحِيْمًا ۱۵۲ ع ۲۱
مہربان

اور (اِسکے برعکس ، جو لوگ ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور (ایمان لائے ساتھ) اُسکے جملہ رسولوں کے اور وہ نہیں فرق کرتے اُن میں سے کسی ایک میں بھی یہ وہ لوگ ہیں کہ ضرور ضرور دیا جائیگا اُنہیں اجر اُن کا ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ خطائیں معاف کرنیوالا مہربان ہے ۔

بنی اسرائیل کا ایک عجیب و غریب سوال، اُنکے بزرگوں کی عجیب و غریب عہد شکنیاں

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کا ایک عجیب و غریب سوال اور اُسکا جواب مذکور ہے۔ اور ساتھ ہی متصلہ آیات کریمات میں بنی اسرائیل کے بزرگوں کی عجیب عجیب عہد شکنیوں کی تفصیل اور اُن سے حکومت چھن جانے اور اُن پر غلامی مسلط ہونے کی وجہ بیان ہوئی ہے:۔

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ
سوال کرتے ہیں تجھ سے اہلِ کتاب کہ تو نازل کرے اوپر اُن کے
كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰى اَكْبَرَ
ایک کتاب طرف سے آسمان کی پس تحقیق سوال کیا موسیٰ سے، زیادہ بڑا
مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ
مذکورہ سوال سے پس کہا انہوں نے دکھا ہمکو اللہ ظاہر، پس پکڑا اُن کو
الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا
بجلی نے بوجہ ظلم اُنکے کے پھر پکڑا انہوں نے بچھڑا، پیچھے اسکے جو
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَ
آئیں اُنکے پاس دلیلیں۔ پھر درگزر کیا ہم نے، اُس سے، اور
اٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ ۱۵۳
دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ ظاہر

سوال کرتے ہیں آپ سے (اے رسُول! یہودی) اہلِ کتاب کہ آپ اُن پہ آسمان سے کتاب نازل کریں۔ پس (اِس سے پہلے اِن کے بڑوں نے) بالتحقیق موسیٰ پر اِس سے بڑا سوال کیا تھا۔ (جب حضرت موسیٰ کتاب لکھوانے کیلئے ستر آدمیوں کو طُور پر لیگئے) تو انہوں نے کہا کہ ہمیں دکھا دیئے اللہ تعالےٰ ظاہر (کھُلا کھلا) پھر اُنکے اِس ظلم (غلط سوال) کے بدلے اُنہیں بجلی نے آلیا۔ پھر اُنکے بعد والوں نے واضح دلائل آچکنے کے باوجود بچھڑے کو (معبود) ٹھہرا لیا۔ (اور اِس طرح کھُلے شرک کے مُرتکب ہُوئے) پھر ہمنے اس سے درگزر کیا۔ اور (اُنکے خلاف) ہمنے حضرت موسیٰ کو ظاہر غلبہ عطا فرمایا۔ (یعنی آپ کے سب سے بڑے دشمن فرعون سمیت سب مخالف شکست کھا کر ناکام و نامراد ہوگئے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل سے لئے گئے میثاقِ غلیظ کا ذکر آرہا ہے۔ جسے بنی اسرائیل نے پکّا عہد کرنے کے باوجود وفا نہ کیا:۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَ
اور بلند کیا ہمنے اوپر اُنکے طُور کو، وقت اُنکے پکے عہد کے اور
قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ
کہا ہمنے واسطے اُنکے داخل ہو دروازہ میں فرمانبردار ہوکر اور کہا ہمنے واسطے اُنکے
لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا
نہ سرکشی کرو بیچ ہفتے کے، اور لیا ہمنے اُن سے پکّا عہد
غَلِيْظًا ۝ ۱۵۴
گاڑھا

اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب) ہمنے اُنکے پکے عہد کے وقت، اُن پر طُور کو بلند کیا، (یعنی وہ اُسوقت دامنِ طُور میں ایسے مقام پر تھے جہاں طُور پہاڑ کی چٹانیں اُنکے اُوپر جھکی ہوئی تھیں) نیز (ایک موقعہ پر) ہمنے اُنہیں کہا کہ (ارضِ مقدس کی بستی کے دروازے میں فروتنی کیساتھ داخل ہونا۔ اور (ایک موقعہ پر) ہمنے انہیں کہا کہ ہفتہ وار اجتماع کے دِن کی خلاف ورزی نہ کرنا، اور اُن سے (مذکورہ تمام کاموں کا) پکّا گاڑھا عہد لیا۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں نے اِن تمام وعدوں کو ایک ایک کرکے توڑ دیا اور عذاب کے مستحق ہو گئے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ
پھر بوجہ توڑنے اُنکے وعدوں اپنوں کے، اور کفر اپنے کے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ
ساتھ آیتوں اللہ کے، اور قتل کرنے اپنے نبیوں کو ناحق، اور
قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ
قول اُنکے ہمارے اذہان لپٹے ہوئے ہیں۔ بلکہ مُہر لگی پائی اللہ نے اُن پر بوجہ کفر انکے
فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ۱۵۵
پھر وہ نہیں ایمان لاتے، مگر تھوڑا

پھر اُنکے اس پختہ عہد کو توڑ دینے کے باعث، اور اُنکے اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے کی بدولت، اور (کتوبی کے بعد آنیوالے) اللہ کے نبیوں کی ناحق مخالفت کرنے کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ نے اُن پر غلامی، ذلت اور رسوائی کا عذاب نازل کیا ۲/۵۹) پھر اُنکے اِس قول کے باعث کہ ہمارے ذہنوں پر پردہ ہے (ہم پر اثر نہیں ہوگا۔ بات یہ نہیں) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اُن کے ذہنوں پر اُنکے انکار کی بدولت عدم تدبر کی مُہر لگی ہوئی پائی ہے پس وہ شاذ و نادر ہی ایمان لاتے ہیں۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا
اور بوجہ انکار اُن کے اور قول اُن کے اُوپر مریم کے بہتان
عَظِيْمًا ۝ ۱۵۶
بڑا

نیز اُنکے (اللہ کی آیتوں کے) انکار کی بدولت اور اُن کے قول مریمؑ پر بہتانِ عظیم کی بدولت (اُن پر سہنے غلامی کا عذاب نازل فرمایا ۲/۵۹)۔

● ۱ جس بہتان کی یہاں خبر دیگئی ہے۔ اُسکی حقیقت یہ ہے کہ عام اُمتوں کی طرح جب عیسائیوں نے اپنے نبی کی شان بڑھا چڑھا کر بیان کرنا شروع کی اور حضرت مسیحؑ کو کنواری مریمؑ کا جنا ہوا خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا تو اُنکی مقابل قوم یہودیوں نے کہا کہ کنواری نے بغیر ناجائز بچہ جنا تھا۔ یہودیوں کا مریمؑ پر یہ بہتان حضرت مسیحؑ کے بعد کا ہے۔ کیونکہ اُنہیں اُنکی زندگی میں خدا کا بیٹا نہیں کہا گیا تھا۔ آپ کی موت کے بعد ہی عیسائیوں نے آپکو کنواری کا جنا ہوا خدا کا بیٹا قرار دیا تھا۔ اور آپ کی موت کے بعد ہی مریمؑ پر یہودیوں نے ناجائز بچہ جننے کا بہتان لگایا تھا۔ پیدائش مسیح کی مکمل بحث پیچھے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۳/۴۵ کی تفسیر میں گزر چکی ہے سلسلہ درس کی اگلی آیت میں یہودیوں کے متعلق مزید ارشاد ہوا ہے۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
اور اُنکے قول، بیشک قتل کیا ہم نے مسیح عیسیٰ بیٹے مریم کے،
رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ
رسول اللہ کو، حالانکہ نہیں قتل کیا اُسکو، اور نہیں صلیب دی اُسکو
وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ
ولیکن مشکل ہو گیا واسطے اُنکے اور بیشک جو لوگ اختلاف کرتے ہیں بیچ اسکے

اور بوجہ اُنکے اس قول کے کہ بلاشبہ ہمنے مریمؑ کے بیٹے مسیح عیسیٰؑ اللہ کا رسول (ہونے کے مدعی) کو قتل کر دیا ہے (اُن پر عذاب نازل ہوا) حالانکہ اُنہوں نے نہ اُسے قتل ہی کیا تھا اور نہ اُنہوں نے اُسے صلیب دی تھی۔
ولیکن (اپنے اس ارادے کو پورا کرنا) اُنکے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ اور بیشک جو لوگ اسکے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ بیشک وہ

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ
البتہ بیچ شک کے ہیں متعلق اسکے نہیں واسطے انکے متعلق اسکے کوئی علم

اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ ۱۵۷
سوائے پیروی گمان کے اور قتل کیا اسے یقینا

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا [۳]
بلکہ اُٹھا لیا اسے اللہ نے طرف اپنی اور ہے اللہ غالب

حَكِيْمًا ۱۵۸
حکمت والا

اِسکے متعلق شک میں ہیں (وہ حقیقت حال سے بے خبر ہیں)۔ انہیں اسکے متعلق کوئی علم نہیں ہے۔

سوائے پیروی ظن گمان کے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنہوں نے یقیناً اُسے قتل نہیں کیا تھا۔

بلکہ اللہ نے اُسے اپنی طرف اُٹھا لیا (یعنی ہجرت کروا کر بلند کر دیا [۳] غالب کر دیا۔ اسکے دشمن مغلوب ہو گئے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کرنیوالا حکمت والا ہے۔

• [۱] شُبِّهَ لَهُمْ کا معنیٰ لکھا گیا ہے مشکل ہو گیا اُنکے لئے۔ شُبِّهَ مجہول کا صیغہ ہے باب تفعیل اور مادہ ش۔ ب۔ ہ = شبہ سے۔ اس مادہ کا معنیٰ مشکل ہونا بھی ہے۔ ثبوت کیلئے دیکھئے المنجد مطبوعہ دارالاشاعت کراچی کا صفحہ ۵۱۵ کالم ۳ سطر ۱۹-۲۰ "شُبِّهَ الشَّیْ مشکل ہونا"۔

• [۲] صلیب کے مسئلہ میں اختلاف یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں، ہمنے مسیح کو صلیب دیکر لعنتی موت مار دیا ہے۔ اسلئے لعنتی موت مرنیوالا نبی نہیں ہو سکتا۔ لیکن عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح لعنتی موت نہیں مرے بلکہ وہ ہمارے گناہوں کے بدلے مصلوب تو ہوئے، مگر تیسرے دن زندہ ہو کر اپنے باپ۔ خدا کے پہلو میں جا بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے قول کو غلط قرار دیکر پہلے تو عقیدۂ قتل و صلیب کا بطلان کیا ہے مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ۔ اور پھر دونوں گروہوں کو بے خبر قرار دیکر اعلان کر دیا ہے کہ وہ محض ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں۔

• [۳] بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کا معنیٰ لکھا گیا ہے:۔ بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اُٹھا لیا (یعنی ہجرت کروا کر بلند کر دیا، غالب کر دیا)۔ رَفَعَ اِلَيْهِ کا معنیٰ آسمان کیطرف اُٹھا لینا اُسوقت صحیح ہو سکتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کو کسی آسمان پر مقیم مانا جائے، چونکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و موجود ہے اسلئے آسمان کیطرف اُٹھا لینے کا معنیٰ غلط ہے۔ قرآن کریم میں "اللہ کیطرف یا رب کیطرف" کی اصطلاح انبیاء کی ہجرت کیلئے بھی آئی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کرنے وقت ارشاد فرمایا:۔ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ [۳۷/۹۹] بیشک میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ تو کیا حضرت ابراہیمؑ آسمان پر چڑھ گئے تھے؟

• پھر حضرت ادریسؑ کیلئے بھی رفع کا لفظ آیا ہے:۔ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا [۱۹/۵۷] کیا ان لفظوں کا یہی معنیٰ ہے کہ ہم نے ادریسؑ کو اُونچے مکان پر آسمان کیطرف اُٹھا لیا؟ واضح رہے کہ انبیاء کیلئے رفع کا لفظ اصطلاحاً ہجرت کے ذریعہ بلند کرنے کیلئے آتا ہے! اور اس سے نبی رسولوں کی فتح مراد ہوتی ہے! انبیاء کیلئے ایسے وقت پر ہجرت لازم ہو جاتی ہے جب قوم کیطرف سے اُنکے قتل کے منصوبے تیار کئے جا رہے ہوں:۔

ہجرتِ ابراہیمؑ

• جب حضرت ابراہیمؑ کے متعلق انکی قوم نے فیصلہ کیا:۔ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ [۳۷/۹۷] انہوں نے کہا اس (ابراہیم) کیلئے ایک مکان بناؤ اور اُسے آگ میں ڈالدو، مگر ہمنے انہیں (ناکام کر کے) ذلیل کر دیا۔

یعنی وہ ارادہ ہی کرتے رہگئے اور حضرت ابراہیمؑ یہ کہکر ہجرت فرما گئے :۔ وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ○ ۳۷/۹۹ = آپنے فرمایا کہ بیشک میں اپنے رب کیطرف جارہا ہوں۔ وہ ضرور میری رہنمائی کریگا" ـــ اور آپ اللہ کیطرف چلے گئے، یعنی قوم سے ہجرت فرما گئے۔ قوم کے مقابلے پر فتحیاب ہوئے۔

حضرت موسٰیؑ کی ہجرت

• حضرت موسٰیؑ نے بھی ہجرت فرمائی اور آپکی ہجرت ہی آپکی کامیابی کا زینہ بنی۔ فرعون نے اُن کا پیچھا کیا مگر وہ غرق ہوگیا اور حضرت موسٰیؑ فتحیاب ہوئے۔

آنحضورؐ نبی اکرمؐ کی ہجرت

• اسیطرح جب آنحضورؐ کیلئے آپکی قوم نے فیصلہ:۔ وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ۸/۳۰ = اور (اے رسولؐ!) وہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جن لوگوں نے (قرآنی ضابطے) کا انکار کیا، جب اُنہوں نے آپکے متعلق تجویز کیا کہ آپکو عمر قید کر دیا جائے، یا آپکو قتل کر دیا جائے اور یا آپکو جلا وطن کر دیا جائے ـــ اِس پر خبر دیگئی ہے:۔ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ○ ۸/۳۰ = اُس وقت حالت یہ تھی کہ اُنہوں نے بھی تجویز کی اور اللہ نے بھی تجویز کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجویز کرنیوالوں میں سے بہتر تجویز کرنیوالا ہے۔ (مکّہ والے آپکے متعلق تجویزیں کرتے رہگئے اور آنحضورؐ ہجرت فرماکر مدینہ منوّرہ پہنچ گئے حضرت ابراہیمؑ کی کامیابی کا راز بھی ہجرت میں تھا۔ اور آنحضورؐ کی کامیابی بھی ہجرت ہی میں مضمر تھی۔ مکّہ والوں نے فرعون کی سُنّت ادا کی۔ آپکا پیچھا کرکے بار بار حملہ آور ہوتے رہے۔ بالآخر انہیں شکست فاش ہوئی! اور آنحضورؐ فتحیاب ہوگئے۔

حضرت مسیحؑ کی ہجرت

• اسیطرح حضرت مسیحؑ کی عظیم الشان فتح کا راز بھی آپکی ہجرت میں مضمر تھا۔ جسکی خبر بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ آیۃ کے الفاظ میں دیگئی ہے کہ مخالفوں کیلئے قتل وصلیب کے منصوبے کو پورا کرنا مشکل ہوگیا وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ ہم نے انہیں اپنی طرف اُٹھالیا، جسطرح قوم کے ارادۂ قتل کے وقت حضرت ابراہیمؑ اللہ کیطرف چلے گئے (یعنی ہجرت کرگئے) اِسیطرح قوم کے ارادۂ قتل وصلیب کے وقت حضرت مسیحؑ اللہ کیطرف چلے گئے ہجرت کرکے کامیاب ہوگئے اور ربوہ کو اپنا صدر مقام قرار دیا ۲۳/۵۰۔ دشمن نے فرعون کی سُنّت ادا کرکے پیچھا کیا۔ آپ پر حملہ آور ہوئے مگر شکست کھائی۔ آپکی مکمل فتح اور کافروں کی مکمل شکست کی خبر سورہ صف میں بانداز ذیل دیگئی ہے:۔

• یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ○ ۶۱/۱۴ = اے ایمان والو! (اے صحابہ رسولؐ!) دین اللہ کے اسطرح مددگار بن جاؤ جیسے کہ عیسٰیؑ بن مریمؑ نے اپنے صحابہ سے کہا تھا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ (کے دین) کیلئے۔ آپکے صحابہ نے کہا ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں پس ہوا یہ کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ آپ پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کردیا۔ پھر ہم نے دشمنوں کے مقابلے پر ایمان والوں کی مدد کی اور وہ اُن پر غالب آگئے۔ (آپکے دشمن شکست یاب اور آپ فتحیاب ہوگئے۔ پھر کیا ہوا؟

ظفرمند و ظفریاب مسیحؑ ابن مریمؑ نے نظامِ ربوبیت کی اساس پر حکومتِ الہٰیہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کی۔ سلطۃ علی المسیح

حضرت مسیحؑ کے متعلق روایاتی تصور

● اب غور فرمائیں کہ جب آیتِ بالا ۴/۶۱ سے حضرت مسیحؑ کی مکمل ظفرمندی اور عظیم فتح بصورتِ نصف النہار ثابت ہے تو پھر کسطرح باور کیا جا سکتا ہے کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی روائتی تفسیر کے مطابق دشمنوں نے حضرت مسیحؑ کو صلیب دینے کیلئے قید کر لیا۔ مگر اللہ نے اس بیگناہ کی بجائے کسی اور بیگناہ کو آپکی شکل میں تبدیل کر کے سُولی پر چڑھوا دیا تھا۔ اور حضرتؑ کو آسمان پر اُٹھا لیا تھا۔ پھر اگر آپ کو صلیب سے بچانے کیلئے آسمان پر اُٹھایا جانا صحیح مان لیا جائے تو پھر ۴/۶۱ میں جو دشمنوں کے مقابلے پر حضرت مسیحؑ کی عظیم الشان فتح کی خبر دیگئی ہے، دشمنوں کیساتھ یہ لڑائی کب ہوئی تھی؟ اور آپنے یہ عظیم الشان فتح کب پائی تھی؟ اور یا یہ کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپکی فتح کی ۴/۶۱ کی غلط خبر نازل کر دی ہے؟ العیاذ باللہ!

● سلسلۂ درس کی اس سے اگلی آیت مجیدہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اگرچہ مسیحؑ کی طرف منسوب کردہ افسانۂ صلیب کی حقیقت کا نام و نشان تک موجود نہیں۔ لیکن نصاریٰ کی حالت یہ ہے کہ ان میں کا ایک ایک فرد موت سے پہلے مسیحؑ کے مصلوب ہونے پر ضرور ایمان لاتا ہے اور لاتا رہیگا۔ اور اُدھر مشاہدہ بھی گواہ ہے کہ عیسائیوں کے ہاں یہ مستقل دستور ہے کہ ہر عیسائی کی موت کے وقت اُنکا پادری خود آکر مرنیوالے سے صلیب کے کفارہ پر تجدیدِ ایمان کراتا ہے۔ اور عیسائیوں نے اس غلط محض اور منگھڑت واقعۂ صلیب کو پوری قوم کی بخشش کا ذریعہ قرار دے رکھا ہے۔ حالانکہ اگلی آیت مجیدہ میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن حضرت مسیحؑ ان کے خلاف شہادت دینگے کہ میں نے انہیں ایسے عقائد کی تعلیم نہیں دی تھی۔ بلکہ ان لوگوں نے تثلیث، ابن اللہ اور کفارہ صلیب وغیرہ کے عقائد خود گھڑ لئے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ
اور نہیں کوئی میں سے اہلِ کتاب کے۔ مگر ضرور ایمان لائیگا
بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ
ساتھ اسکے، پہلے موت اپنی کے اور دن قیامت کے ہوگا وہ
عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ ١٥٩
اوپر اُن کے گواہ

اور یہ اہلِ کتاب (عیسائی جنہوں نے مسیحؑ کو مصلوب مان رکھا ہے، یہاں اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ) انکا ہر ایک شخص اپنی موت سے پہلے ضرور ضرور اس کیساتھ (یعنی مسیحؑ کے مصلوب ہونے پر) ایمان لایا کریگا۔ حالانکہ قیامت کے دن وہ (مسیحؑ) ان پر گواہ ہوگا۔ (اُنکے خلاف گواہی دیگا کہ میں نے انہیں ان مشرکانہ عقائد کی تعلیم نہیں دی تھی)[۱]

مسیحؑ سے متعلقہ عیسائیوں کے الگ الگ اعتقادات کے متعلق قرآنی فیصلے

● [۱] حضرت مسیحؑ کو عیسائیوں نے متعدد انداز کیساتھ اپنے گناہوں کا کفارہ قرار دے رکھا ہے۔ ان میں سے سرفہرست ہے حضرت مسیحؑ کا مصلوب ہو کر تیسرے دن زندہ ہو جانا۔ دوسرا یہ ہے کہ بعض عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کو عین اللہ مان رکھا ہے اور تیسرا یہ ہے کہ بعض نے انہیں اللہ کا بیٹا ٹھہرایا اور باپ بیٹا روح القدس یا باپ بیٹا اور مریمؑ

کی تثلیث کو توحید قرار دے رکھا ہے۔ اِن ہر سہ باطل عقائد میں سے اوّلین عقیدۂ صلیب کا بطلان تو آپ آیات بالا ۴/۱۵۷-۱۵۸ میں اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ دُوسرے اور تیسرے عقیدہ کے بطلان کا اعلان ذیل میں بالترتیب ۵/۷۲ اور ۵/۷۳ میں ملاحظہ فرمائیں:۔

• ۵/۷۲ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۵/۷۲ = بیشک کُفر کیا اُن لوگوں نے، جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیحؑ ابن مریمؑ ہی ہے۔ حالانکہ خود مسیحؑ نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل، تم صرف اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ صرف اُسی کو الٰہ مانو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔

• ۵/۷۳ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ ۵/۷۳ = بیشک کُفر کیا اُن لوگوں نے، جنہوں نے کہا کہ اللہ تین اِلاہوں (یا باپ بیٹا روح القدس یا باپ بیٹا اور مریمؑ) میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اِلٰہ واحد کے سوا اور کوئی اِلٰہ دنیا میں موجود ہی نہیں ـــ یہ ہے عیسائی حضرات کے ہر سہ عقائد کا بطلان۔ اب ملاحظہ فرمائیں حضرت مسیحؑ کی وہ گواہی جس کی خبر سلسلۂ درس کی آیت بالا ۴/۱۵۹ میں دیگئی ہے کہ حضرت مسیحؑ قیامت کے دِن عیسائی حضرات کے خلاف گواہی دینگے۔ قرآن کریم نے اِسے ۵/۱۱۶-۱۱۷ میں ایک مکالمے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ دیکھئے اِرشادِ باری ہے:۔

• وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ ۵/۱۱۶ = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ (قیامت کے دِن) کہیگا۔ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ! کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ ساتھ دو الٰہ اور ٹھہرالو ـــ حضرت مسیحؑ جواباً عرض کرینگے:۔

• قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۵/۱۱۶ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۵/۱۱۷

(مفہوم) حضرت مسیحؑ جواباً عرض کرینگے کہ (اے اللہ) تُو پاک ہے (ہر قسم کے عُیوب سے اور لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے تمام شریکوں سے) میرے لئے یہ لائق نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی تھی تو تُو خود جانتا ہے۔ جو کچھ میرے جی میں ہے تُو اُسے جانتا ہے۔ جو کچھ تیرے جی میں ہے میں اُسے نہیں جانتا۔ بیشک تُو ہر قسم کی پوشیدگیوں کو بہت بڑھکر، اور خُوب خُوب جاننے والا ہے۔

میں نے اُنہیں وہی بات کہی تھی، جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی یہ کہ (صرف اور صرف اللہ ہی کو الٰہ مانو، اور) اللہ ہی کی فرمانبرداری کرو، جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے۔ میں جبتک اُن میں رہا تو میں اُن پر گواہ تھا۔ مگر جب تُو نے مجھے فوت کر دیا۔ تو اِسکے بعد تُو اِن کا نگران تھا۔ (چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ تجھے ایک مانتے اور تیرے ساتھ دو الٰہ اور نہ ٹھہراتے) حقیقت یہ ہے کہ تُو ہر چیز کا خود بڑھکر گواہ ہے۔

حاصل کلام

• آیاتِ بالا ۱۵۷-۱۵۸ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے عقیدۂ صلیب وکفارہ کی تردید اسطرح کی ہے کہ حضرت مسیحؑ نہ قتل ہوئے تھے اور نہ صلیب دیئے گئے تھے، اسلئے گناہوں کے کفارہ کا تصور از خود باطل ہوچکا پھر آیت مجیدہ ۵/۱۷ میں مسیحؑ کے متعلق عین اللہ ہونے کی تردید کردی گئی ہے اور ۴/۱۷۱ میں باپ بیٹا روح القدس یا باپ بیٹا اور کنواری مریم کی تثلیث کے عقیدے کا بطلان کرکے اُسے کفر قرار دیدیا گیا ہے۔ اور آیات مجیدہ ۵/۱۱۶-۱۱۷ میں قیامت کی باز پرس کی خبر اِسطرح دیگئی ہے کہ حضرت مسیحؑ، جنہیں نصاریٰ نے اپنے گناہوں کا کفارہ قرار دے رکھا ہے۔ وہ اُنکے گناہوں کا کفارہ بننے کی بجائے اُلٹا اُنکی مخالفت کرینگے، اور اُنکے عقیدۂ تثلیث کی تردید کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمائینگے کہ میں نے اِن کو تین خداؤں کی تعلیم نہیں دی تھی۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کی بحث

• آگے بڑھنے سے پہلے آیت مجیدہ مندرجہ بالا ۵/۱۱۷ کے جلی اور خط کشیدہ الفاظ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي پر روشنی ڈالنا ضروری ہے کہ اسکا سیدھا سادہ معنی یہ ہے کہ "جب تو نے مجھے فوت کردیا" بنز انہی معنوں کی خود بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کی جلد دوم صفحہ ۸، پر باب ۳۰۶ "قَوْلِهِ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ" کا الگ باب باندھا گیا ہے جسمیں حضرت ابن عباسؓ سے روایت درج ہے جس کے اردو ترجمہ کے خود بخاری شریف کے آیت بالا سے متعلقہ عنوان میں آنحضورؐ کا قول صفحہ ۹، پر بالفاظ ذیل درج ہے کہ قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ:۔

• "پھر چند آدمی میری اُمت کے لائے جائینگے اور فرشتے اُنکو دوزخ کیطرف لے چلینگے تو میں عرض کرونگا کہ اے رب یہ تو میرے صحابی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا ہاں، مگر تم کو معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کام کئے۔ اُسوقت میں حضرت عیسیٰ کیطرح عرض کرونگا کہ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ آخر آیت تک"۔ (یعنی فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ تک)

• دیکھئے! بخاری شریف کے اس اقتباس سے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ کا معنی صاف عیاں ہورہا ہے کہ آنحضورؐ عرض کرینگے کہ بارِالٰہا جب تُو نے مجھے فوت کردیا تو اُنکے بعد تو اِن کا نگران تھا ـــ لیکن افسوس ہے کہ جب یہی جملہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي حضرت مسیحؑ کے متعلق قرآن مجید ۵/۱۱۷ میں آیا ہے تو وہاں اسکا معنی جب تُو نے مجھے فوت کردیا کی بجائے یہ لیا جاتا ہے کہ جب تُو نے مجھے آسمان پر اُٹھالیا۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی جملہ جو ایک ہی مقصد کے اظہار کیلئے الگ الگ دو جگہ پر استعمال ہُوا ہے تو اُس کا ایک ہی معنی لیا جانا ضروری ہے۔ یعنی اگر حضرت مسیحؑ کیلئے اِسکا معنی آسمان پر اُٹھانا لیا جائے تو آنحضورؐ کیلئے بھی یہی معنی لیا جانا چاہیئے کہ جب تُو نے مجھے آسمان پر اُٹھالیا۔ اور اگر اِسکا معنی آنحضورؐ کیلئے یہ لیا جائے کہ جب تُو نے مجھے فوت کردیا تو حضرت مسیحؑ کے لئے بھی یہ معنی لیا جانا ضروری ہے کہ آپ قیامت کو عرض کرینگے کہ بارِالٰہا! جب تُو نے مجھے فوت کردیا تو پھر تُو اِنکا نگران تھا۔ مجھے کوئی معلوم نہیں کہ اِن لوگوں نے مجھے اور میری ماں کو تیرے ساتھ دو اِلٰہ ادر ٹھہرا لئے تھے۔

• واضح رہے کہ تَوَفَّيْتَنِي کا سہ حرفی مادہ ہے و۔ف۔ی = وفی، جس کا بنیادی معنی ہے پُورا کرنا، مکمل کرنا۔ قرآن کریم میں آیا ہے

• اَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ ۲/۴ = پورا کرو میرا عہد • اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۵/۱ = پورے کرو وعدوں کو
• فَاَوْفِ لَنَا الْکَیْلَ ۱۲/۸۸ = پورا کر ہمارے لئے پیمانہ • وَاِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰیٓ ۵۳/۳۷ = اور ابراہیم جس نے پورا کیا (عہد اپنا)

یہ مادہ قرآن کریم میں موت کے معنوں میں بالفاظ ذیل آیا ہے :-
• یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ ۴/۱۵ = پورا کر دے انہیں موت • وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ ۲/۲۳۴ = اور وہ لوگ جو تم میں سے مر جائیں۔
• اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا ۳۹/۴۲ = اللہ تعالیٰ موت کے وقت ہر شخص کو پورا کر دیتا ہے، فوت کر دیتا ہے۔

نیز یہ مادہ پورا بدلہ دینے کے معنوں میں بھی قرآن کریم میں بالفاظ ذیل آیا ہے :-
• لِیُوَفِّیَھُمْ ۴۶/۱۹ = تاکہ وہ پورا پورا اجر دیئے جائیں • فَیُوَفِّیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ ۳/۵۷ = پھر وہ انہیں انکے پورے پورے اجر عطا کریگا۔
• لَیُوَفِّیَنَّھُمْ رَبُّکَ اَعْمَالَھُمْ ۱۱/۱۱۱ = البتہ ضرور دیگا تیرا رب انہیں انکے اعمال کا پورا پورا بدلہ۔

المختصر • مادہ وفی، آسمان پر اٹھائے جانے کے معنوں میں قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا۔ اور نہ اسکے بنیادی معنوں میں آسمان پر اٹھائے جانے کا تصور موجود ہے۔ حضرت مسیح کیلئے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے الفاظ اسیطرح آپ کی وفات کے معنوں میں آئے ہیں، جسطرح بخاری شریف میں یہی فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے الفاظ آنحضور کیلئے موت کے معنوں میں آئے ہیں۔ موت کے وقت انسان دنیوی زندگی کے لحاظ سے پورا ہو جاتا ہے۔ اسلئے اسکے لئے فوت ہونے مرجانے کیلئے یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ ۴/۱۵ اور وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ ۲/۲۳۴ کے الفاظ آئے ہیں، یعنی جو لوگ تم میں سے پورے ہو جائیں، جنہیں موت پورا کر دے۔ موت انسانی زندگی کی آخری منزل ہے۔ اسلئے اسکے لئے مادہ وفی استعمال ہوتا ہے کہ وہ پورا ہو گیا۔ لیکن آسمان پر اٹھایا جانا انسانی زندگی کی بھی نہ آخری نہ درمیانی کوئی بھی منزل نہیں، اور نہ کسی نبی رسول کی نبوت و رسالت کی کوئی بھی منزل ہے آسمان پر اٹھایا جانا۔ اسلئے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کا یہ معنی کہ پھر جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا، لغت عرب قرآنی لغت اور مادہ و۔ف۔ی کے بنیادی معنوں، ہر سہ کی رو سے مطلقاً غلط ہے۔ حضرت مسیح سلامٌ علیہ جملہ انبیاء کیطرح کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ کے زمرہ میں داخل ہو چکے ہیں اور اب آپ قیامت ہی کو اٹھائے جائینگے (سلامٌ علیٰ مسیح)

رجوع الی المطلب • اب ہم اپنے قارئین کرام کو سلسلۂ درس کی اگلی آیات کریمات کیطرف دوبارہ لے جانے کیلئے یاد کراتے ہیں کہ آیت نمبر ۱۵۳ سے اہل کتاب یہودیوں کا ذکر چل رہا ہے، اور انکی بدعنوانیوں اور سرکشیوں کی فہرست بتائی جارہی ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ ۴/۱۶۰ میں بتایا جارہا ہے کہ یہود نے بعض ایسی چیزوں کو از خود اپنے اوپر علماء سوء کے کہنے پر حرام کر لیا ہوا تھا، جو اس ضابطۂ خداوندی میں بھی جو انکی طرف تورات کی صورت میں نازل ہوا، اور سابقہ جملہ کتب سماوی میں بھی حلال تھیں :-

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا ۱

پھر بوجہ ظلم کے، ان لوگوں کے، جو یہودی ہوئے، حرام بائیں ہمنے

• پس وہ لوگ جو یہودی کہلائے، انکے اپنے ظلم (یعنی مسئلہ حلت و حرمت کے متعلق غلط اعتقاد) کی بدولت ہمنے ان پاکیزہ

عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ
اُوپر اُنکے ، پاکیزہ چیزیں جو حلال کیگئی تھیں واسطے اُنکے اور بوجہ روکنے اُنکے
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۙ ۱۶۰
سے راستے اللہ کے زیادہ

چیزوں کو اُن کیلئے خود حرام کیا ہُوا پایا جو اُنکے لئے حلال کیگئی تھیں۔ اور اس سبب سے کہ وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے بہت زیادہ روکتے تھے (اُن پر ذلّت کا عذاب نازل ہوا)

• علہ حَرَّمْنَا باب تفعیل سے ہے، جس کا ایک معنی اس مادہ کے خاصہ وجدان کے مطابق کسی میں کسی چیز کا پایا جانا بھی ہے۔ اس لئے اسکا معنی لکھا گیا ہے کہ ہم نے اُنکے لئے حرام کیا ہُوا پایا اُن طیبات کو جو اُنکے لئے ضابطۂ خداوندی میں حلال کیگئی تھیں۔ اگر فَبِظُلْمٍ۔۔۔ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ کا یہ مفہوم لیا جائے کہ یہودیوں کے ظلم و تعدّی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے بعض طیبات حرام کردی تھیں تو لازماً ایسا کیا جانا حضرت موسٰیؑ کی زندگی میں متصوّر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی وحی اللہ کے نبی ہی پر آتی ہے۔ غیر نبی پر نہیں آتی۔ لیکن یہ امر ممکن ہی نہیں کہ حضرت کی زندگی میں ساری کی ساری اُمّت سرکش ہوگئی ہو۔ جیسے کہ بنی اسرائیل اہلِ کتاب کے متعلق قرآن کریم ۳/۱۱۴ + ۵/۸۳ + ۲۵/۵۲ میں بتایا گیا ہے کہ صحیح دین پر قائم اہلِ کتاب زمانۂ رسالتِ محمّدی تک موجود تھے۔ تو اسطرح جب زمانۂ موسوی میں سارے بنی اسرائیل کا نافرمان ہوجانا، قرآن کریم کی رُو سے مطلقاً غلط ہے تو پھر مذکورہ نظریہ کے مطابق طیبات کو صرف سرکشوں کیلئے حرام کیا جانا صحیح ہوسکتا تھا۔ اُن فرمانبرداروں کیلئے طیبات کا حرام کرنا ظلمِ عظیم ہے جو زمانۂ رسالتِ موسوی سے لیکر زمانۂ رسالتِ محمدی کے طویل عرصہ میں ناکردہ گناہ کے بدلے سزایاب رہے۔ اور ایسا ظلمِ عظیم اللہ تعالیٰ کیطرف منسوب کیا ہی نہیں جاسکتا۔ پس حقیقت وہی ہے جو اُوپر لکھی گئی ہے کہ حضرتِ موسٰیؑ کے بعد علماءِ بنی اسرائیل نے غلط تفقہ کے ذریعہ مسئلہ حلّت و حرمت میں بیجا مداخلت کرکے بعض طیبات کو یہودیوں کیلئے حرام کردیا۔

یہودیوں کی حرام کردہ چیزوں کی تفصیل

• یہودیوں کے علماء نے اپنی غلط تفقہ کی بدولت جو چیزیں حرام ٹھہرائیں اُن کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں بالفاظ ذیل پیش فرمائی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ یہ چیزیں اُن کے اُن علماء نے حرام ٹھہرائی تھیں، جو انسان کے ہر اچھے بُرے فعل کو اللہ تعالیٰ ہی کا فعل قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے! ارشادِ باری ہے :۔

• وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ ۶/۱۴۶ ۔

اور اُن لوگوں پر جو یہودی ہُوئے ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام پایا۔ اور گائے اور بکری میں سے ہم نے اُن پر اُن کی چربی حرام پائی، سوائے اُسکے جو اُنکی پیٹھوں یا انتڑیوں نے اُٹھائی ہُوئی ہو۔ اور یا ہڈیوں کیساتھ لگی ہوئی ہو۔ یہ سزا ہم نے اُنہیں اُنکی اپنی بغاوت (غلط تفقہ) کی بدولت پائی تھی۔ اور بلاشبہ ہم سچے ہیں (ہم کسی پر طیبات کو ہرگز حرام نہیں کرتے)۔

• اس سے آگے آیت نمبر ۶/۱۴۸ میں بالفاظِ ذیل فیصلہ دیدیا ہے کہ یہ چیزیں خود اُنہوں نے حرام ٹھہرائی تھیں ہم نے حرام نہیں کی تھیں :۔

● سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ ۶/۱۴۸

(مفہوم) جن لوگوں نے (اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانے کا) شرک کیا ہے، (اے رسولؐ!) وہ ضرور کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے، اور نہ ہمارے آباؤ اجداد شرک کرتے۔ اور نہ ہی ہم (طیّبات میں سے) کوئی چیز حرام کرتے۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی (ہمارے ضابطے کو) جھٹلایا تھا۔ (ہماری طیّبات کو خود حرام کر کے اُسے ہماری مشیّت قرار دیا تھا) یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ (اے رسولؐ! آپ اُن سے) کہیے گا کہ اگر تمہارے پاس کوئی علم (کی دلیل) ہے تو اُسے ہمارے لئے نکال کر لاؤ۔ (لیکن تم علمِ الٰہی، کسی آسمانی کتاب کی دلیل ہرگز نہیں لا سکتے، کیونکہ) تم نہیں (پیروی) کرتے مگر صرف ظنّ و گمان کی (تمہارے پاس روایات کا ظنّی علم ہے) اور نہیں ہو تم مگر اٹکل پچو باتیں کرتے ہو۔

دیکھا آپنے کہ — ● آیاتِ بالا سے کس طرح کھل کر عیاں ہو چکا ہے کہ مذکورہ الطیّبات کو یہودیوں نے روایات کے ظنّی اور اٹکل پچو علم کے ساتھ علمائے سُوء کے کہنے پر از خود حرام کر رکھا تھا۔ اللہ نے حرام نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر نہیں خود اُن کی طرف سے حرام کیا ہوا پایا۔ اور وہ اپنے خود حرام قرار دادہ پر مُصر تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت ہی یہی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کی معرفت اُنہیں چیلنج دیا کہ اگر تمہارے پاس یقینی علم (کوئی دلیل قطعی) ہے تو نکال کر لاؤ۔ مگر وہ نہ لا سکے جس پر اللہ تعالیٰ نے اُن پر اِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ ۶/۱۴۸ کا فتویٰ لگا دیا ہے کہ تمہارے پاس اس حرام دادہ کی کوئی علمی دلیل نہیں۔ تم ظنّی علم (روایات) کی اتّباع کرتے ہو۔ اور محض اٹکل پچو باتوں سے کام نکالتے ہو۔

● پس ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ چیزوں کو اُنکے لئے خود حرام قرار دیا ہوتا تو پھر علمی دلیل لانے کے چیلنج کی کیا ضرورت تھی۔ پس روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ حَرَّمْنَا کا صحیح معنیٰ باب تفعیل کے خاصہ (وجدان) کے مطابق، خود اُن کی طرف سے حرام کیا ہوا پایا ہے۔ حرام کیا ہرگز نہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں یہودیوں کی مزید خطرناک سرکشیوں کی خبر دی گئی ہے، جو اُن کیلئے نزولِ عذاب کا باعث ہوئیں:-

وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ

اور لینے اُنکے بیاج کے، حالانکہ بیشک منع کئے گئے وہ اُس سے

وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ

اور کھانے اُنکے مال لوگوں کے ساتھ جھوٹ کے اور تیار کیا ہمنے واسطے کافروں کے

مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ ۴/۱۶۱

میں سے اُنکے، عذاب دردناک

اور (اُن پر ذِلّت کا عذاب نازل کیا گیا بسبب) اُن کے بیاج لینے کے، حالانکہ بیشک وہ اُس سے منع کر دیئے گئے تھے۔ نیز بوجہ اُنکے جھوٹ (ناجائز طریقوں) کے ساتھ لوگوں کا مال کھانے کے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمنے اُن میں سے اُن لوگوں کیلئے جو ہمارے ضابطے کا انکار کرنیوالے ہیں، دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (یعنی ہمارے قانون میں ایسے لوگ دردناک عذاب کے مستحق ہیں)۔

یہودیوں کے راسخون فی العلم

• اوپر آیت نمبر ۱۵۳ سے ۱۶۱ تک یہودیوں کی نافرمانیوں کی فہرست بیان کرکے انکے کیلئے دردناک عذاب کی خبر دیگئی ہے۔ اور سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اہل کتاب میں سے علماء حسن کی خبر دیگئی ہے۔ جو اللہ کے نازل کردہ یقینی علم کتاب میں پکے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو زمانۂ رسالت محمدی میں توراۃ کی تعلیم کے مطابق اللہ کے دین پر قائم تھے $\frac{3}{113}$۔ جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے کیونکہ وہ اس تعلیم کو پہلے ہی پہچانتے تھے $\frac{5}{83}$۔ نیز کیونکہ انہوں نے اس رسول مکی کی خبر اپنی کتاب تورات و انجیل میں لکھی ہوئی پائی تھی $\frac{7}{157}$۔ اسلئے انہوں نے کہا تھا کہ ہم تو پہلے ہی کے مسلمان (فرمانبردار) ہیں۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
مگر جو پکے ہیں بیچ علم کے، بیچ ان میں سے اور سب مومن
يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ
ایمان لاتے ہیں ساتھ اسکے جو نازل ہوا طرف تیری اور جو نازل ہوا
مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
سے پہلے تیرے۔ اور قائم کرنیوالے الصلوٰۃ کے اور دینے والے زکوٰۃ کے،
وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ
اور وہ ایمان لانیوالے ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے۔ وہ لوگ ہیں
سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۱۶۲ ع ۲۲ ۱۰ ۲
ضرور دینگے ہم ان کو بدلہ بڑا

لیکن (مذکورہ بالا باغی یہودیوں میں سے) جو اللہ کے علم (کتاب) میں پکے ہیں، (وہ خصوصاً) اور دوسرے مومنین (عموماً) سب ایمان رکھتے ہیں اُس (کتاب) پر جو آپ کی طرف نازل کیگئی ہے اور جو کتابیں (اے رسول!) آپ سے پہلے نازل کیگئی ہیں۔ اور (خاص کر ہم تعریف کرتے ہیں[1]) قیام صلوٰۃ کرنیوالوں کی۔ کیونکہ وہی[2] لوگ زکوٰۃ دینے والے (زکوٰۃ کا نظام قائم کرنیوالے) ہیں۔ اور وہ ایمان رکھنے والے ہیں اللہ کیساتھ اور رسولوں کی جوابدہی کیلئے) آخرت کے دن کیساتھ۔ مذکورہ بالا وہ لوگ ہیں کہ) ہم انہیں عنقریب (انکے عملوں کا) بہت بڑا اجر عطا فرمائینگے۔

• [1] وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ، چونکہ بحالت نصبی آیا ہے، اسلئے یہاں نصب مخصوص بالمدح ہے یعنی لفظ "نَمْدَحُ" محذوف ہے اور تقدیر کلام یہ ہے: وَنَمْدَحُ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ۔

• [2] وَالْمُؤْتُوْنَ سے ماقبل "هُمْ" ضمیر مبتدا محذوف ہے۔ اور الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ..... الخ اسکی خبر ہے۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیات کریمات میں بتایا گیا ہے کہ جو دین آنحضورؐ کیطرف نازل کیا گیا ہے کوئی نیا نہیں، بلکہ وہی ہے جو سابقہ انبیا کو دیا گیا تھا:-

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ
بیشک وحی کی ہمنے طرف تیری جسطرح وحی کی ہمنے طرف نوح کے
وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
اور نبیوں میں سے بعد اسکے۔ اور وحی کی ہمنے طرف ابراہیم کے

(اے رسول! آپ کوئی نرالی قسم کے رسول نہیں[46]) بیشک ہمنے آپ کی طرف بھی اسیطرح وحی فرمائی ہے جسطرح ہمنے نوح کیطرف وحی کی تھی۔ اور جسطرح اسکے بعد والے نبیوں کیطرف ہمنے وحی کی تھی اور خصوصاً وحی کی ہم نے ابراہیم کیطرف

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ
اور اسمٰعیل کے اور اسحاق کے اور یعقوب کے اور اسکی اولاد کے اور
عِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ۚ
عیسٰی کے اور ایوب کے اور یونس کے اور ہارون کے اور سلیمان کے
وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ ۱۶۳
اور دی ہمنے داؤد کو زبور

اور اسمٰعیل کیطرف، اور اسحٰق کیطرف، اور یعقوب کیطرف، اور اسکی اولاد (میں سے نبیوں) کیطرف۔ اور (وحی کی ہمنے) عیسٰی کیطرف۔ اور ایوب کیطرف۔ اور یونس کیطرف اور ہارون کیطرف اور سلیمان کیطرف۔ اور داؤد کو ہمنے اپنی کتاب زبور عطا فرمائی تھی۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ
اور رسولوں کیطرف بیشک ذکر کیا ہم نے انکا اوپر تیرے اس سے پہلے
وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ ؕ وَکَلَّمَ اللّٰہُ
اور اُن رسولوں کو نہیں ذکر کیا ہمنے انکا اوپر تیرے ، اور کلام کی اللہ نے
مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ۚ ۱۶۴
موسٰی سے کلام کرنا

اور بیشک بہت سے رسولوں (کیطرف ہمنے وحی کی)، جن کا بالتحقیق اس سے پہلے ہمنے آپ پر ذکر کر دیا ہے۔ اور بہت سے رسولوں (کیطرف ہمنے وحی فرمائی کہ) نہیں ذکر کیا ہمنے آپ سے انکا (اس سے پہلے) اور اللہ تعالیٰ نے موسٰی کیساتھ کلام فرمائی (اپنے مخصوص طریق کیساتھ) کلام کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا وحی کا ایک ہی طریقہ ہے

• آیات بالا میں آیت نمبر ۱۶۳ کو اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ سے شروع فرمایا ہے، یعنی :- اے رسول! بلاشبہ ہمنے آپکی طرف اُسیطرح وحی فرمائی ہے، جسطرح نوحؑ کیطرف وحی کی تھی۔ اور اُسکے بعد حضرت نوحؑ کے بعد والے تمام نبیوں کا ذکر کیا گیا ہے وَالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ کے الفاظ میں اور اُسکے بعد خصوصی کے طور پر حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، اسباط، عیسٰیؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کے اسماء گرامی بیان کرنے کے بعد حضرت داؤدؑ کے متعلق باندازِ خصوصی ارشاد ہوا ہے وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔

• واضح ہے کہ آیت مجیدہ ۱۶۳ کے ابتدائی الفاظ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ کے مطابق، اسکے بعد مذکور جملہ انبیاء نوحؑ تا داؤدؑ کی طرف جسطرح وحی کیگئی تھی، آنحضورؐ کیطرف بھی اُسیطرح وحی کیا جانا ثابت ہے حضرت داؤدؑ کی خصوصیت عطاءِ زبور بھی کَمَآ اَوْحَیْنَآ میں داخل ہے جیسے کہ $\frac{۲۶}{۱۹۶}$ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی زبور سمیت سابقہ جملہ زبر میں قرآنِ مجید ہی نازل کیا تھا۔

• وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ $\frac{۲۶}{۱۹۲}$ = اور بلاشبہ وہ (قرآن) بالتحقیق رب العالمین کیطرف سے نازل ہوا ہے۔

• وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ۝ $\frac{۲۶}{۱۹۶}$ = اور بلاشبہ وہ (قرآن) بالتحقیق تمام پہلی زبوروں (کتابوں) میں موجود ہے۔

• پس سطورِ بالا میں تعریفِ آیات کے قرآنی اسلوب کے مطابق ثابت ہوا کہ آنحضورؐ کیطرف سابقہ جملہ رسولوں ہی کی واحد کتاب نازل کیگئی تھی۔ اور آپ کی طرف بھی اُسیطرح وحی کیگئی تھی جسطرح جملہ رسولوں، خصوصًا مذکورہ بالا انبیاء نوحؑ تا داؤدؑ کیطرف وحی کیگئی تھی۔

اب آیئے آیت مجیدہ ۱۶۴ کے مندرجات کی طرف!

• آیت نمبر ۱۶۴ میں رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جملہ مذکور و غیر مذکور انبیاءؑ کو اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ کے ضمن میں بیان کر دیا ہے کہ آنحضورؐ کیطرف بالکل اسی طرح وحی کیگئی تھی جسطرح جملہ انبیاءؑ از نوحؑ تا عیسیٰؑ کیطرف وحی ہوئی تھی۔ اور اس آیت نمبر ۱۶۴ کے آخر پر اسی کَمَآ اَوْحَیْنَآ کے ضمن میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کیساتھ کلام فرمایا، اپنے اسی مخصوص اندازِ تکلم کیساتھ۔

• واضح رہے کہ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ کے مطابق آنحضورؐ کیطرف بھی کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا کے انداز سے وحی فرمائی گئی تھی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جسطرح جملہ انبیاءؑ کیطرف وحی کیگئی تھی، اسیطرح آنحضورؐ کیطرف وحی کیگئی، یا دوسرے لفظوں میں جس طرح آنحضورؐ کی طرف وحی کیگئی تھی اسیطرح جملہ انبیاءؑ کیطرف وحی فرمائی گئی تھی۔

• پیچھے عنوان قائم کیا گیا ہے "وحی کا ایک ہی طریقہ ہے"۔ قرآن کریم سے جملہ انبیاءؑ کیلئے وحی کا ایک ہی طریقہ ثابت ہے، جیسے کہ سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے :۔

• وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا (۱) اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (۲) اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا (۳) فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ (۴) ط

۴۲/۵۱ • آیت مجیدہ کا مفہوم عرض کرنے سے پہلے چند امور کی وضاحت ضروری ہے :۔

• پہلا یہ کہ آیت مجیدہ میں دو اَوْ عاطفہ بمعنی واؤ اور ایک فَا آئی ہے۔ جنہوں نے اسے چار جملوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ناظرین کی آسانی کیلئے چاروں جملوں پر الگ الگ خط کھینچکر نمبر لگا دیئے گئے ہیں۔ واضح رہے کہ پہلے تین جملوں میں پہلا جملہ معطوف علیہ ہے اور دوسرا اور تیسرا دونوں معطوف ہیں۔

• دوسرے نمبر پر یہ بتانا ضروری ہے کہ قواعد کی رُو سے یہ امر مسلّم ہے کہ اگر معطوف، معطوف علیہ کے فعل کے ماتحت ہو تو جملہ معطوفہ میں معطوف علیہ کا فعل مع جملہ متعلقات محذوف و مقدر ہوتا ہے۔ قواعد کے اسی قاعدے کے مطابق آیت مجیدہ کا خط کشیدہ جملہ ۲ جو جملہ ۱ کا معطوف ہے اور جو اپنے معطوف علیہ کے فعل یُکَلِّمَ کے ماتحت ہے، اس میں یہی فعل مع جملہ متعلقات مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا محذوف و مقدر ہے۔

• تیسرے نمبر پر بتانا ضروری ہے کہ قواعد کی رُو سے یہ امر مسلّم ہے کہ اگر معطوف اپنا الگ فعل رکھتا ہو۔ یعنی وہ معطوف علیہ کے فعل کے تحت نہ ہو تو معطوف علیہ کے فعل کے متعلقات معطوف کے فعل کے متعلقات مانے جاتے ہیں۔ لہٰذا قواعد کے اسی قاعدے کیمطابق جملہ ۳ جو جملہ ۱ کا معطوف ہے اور اپنا الگ فعل یُرْسِلَ رکھتا ہے۔ اس میں معطوف علیہ کے فعل کے متعلقات مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ .... مع ضمیرہٗ و حرفِ استثنیٰ اِلَّا محذوف و مقدر ہے۔

• چوتھے نمبر پر یہ بتانا ضروری ہے کہ آیت مجیدہ کے خط کشیدہ الفاظ ۱ میں اَنْ حرفِ ناصبہ آیا ہے جس نے یُکَلِّمَ فعل

• اَوْ بمعنی واؤ قرآن کریم میں موجود ہے۔ جیسے کہ آیت مجیدہ لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَھُنَّ فَرِیْضَةً ۲/۲۳۶ میں شاہ اشرف علی، مولوی احمد علی اور صاحب تفسیر نعیمی نے اَوْ کا معنی اور لکھا ہے (اسوقت یہ تینوں تراجم ہمارے سامنے کھلے پڑے ہیں)

مضارع کی میم کو زبر دی ہے۔ اگر اَنْ نہ آتا تو اس میم پر پیش ہوتی۔ یاد رہے کہ اسی اَنْ ناصبہ نے آیت مجیدہ کے تیسرے خط کشیدہ جملہ ۳ میں یُرْسِلَ فعل مضارع کی لام کو زبر دی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ تیسرا جملہ دو وجوں سے جملہ اوّل کے ماتحت ہے۔ پہلی یہ کہ وہ اسکا معطوف ہے۔ اور دوسری یہ کہ اسکے فعل مضارع یُرْسِلَ پر اسیطرح اَنْ ناصبہ کا عمل موجود ہے جسطرح جملہ اوّل کے فعل مضارع یُکَلِّمَہٗ پر ہے۔

• تو اب قواعد کے مذکورہ بالا مسلمات کی رُو سے آیت زیر بحث کی تقدیر کلام یہ ہے:۔

• مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّرْسِلَ اللّٰہُ اِلَّا رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ ۴۲/۵۱ (مفہوم) اور نہیں لائق واسطے کسی بشر کے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے۔ مگر وہ کلام کرتا ہے صرف وحی کے طریقے سے (یعنی اللہ تعالیٰ صرف پیغام بھیج کر ہی کلام کرتا ہے۔
اور نہیں لائق واسطے کسی بشر کے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے مگر وہ کلام کرتا ہے اسطرح کہ خود پسِ پردہ رہتا ہے اور نہیں لائق واسطے کسی بشر کے کہ اللہ تعالیٰ بھیجے اُسکو (اپنا پیغام) مگر (وہ بھیجتا ہے اپنا پیغام معرفت) رسول (پیغام رساں ملک جبریل) کے۔ پس وہ وحی کرتا ہے اپنے اِذن (قانون) کے مطابق جو وہ خود چاہتا ہے۔ بیشک وہ اللہ بلند شان حکمت والا ہے۔

• دیکھا آپنے! کہ ان چاروں جملوں میں کلام کے ایک ہی طریقے کی وضاحت کیگئی ہے۔

• کہ اللہ تعالیٰ صرف وحی ہی کے ذریعہ اپنے بندوں (رسُل انبیاء) سے کلام کرتا ہے ——— اور خود پسِ پردہ ہی رہتا ہے۔ اور اپنی وحی اپنے رسول (پیغام رساں ملک جبریل) کے ذریعہ کرتا ہے ——— وحی الٰہی کی یہی ایک اکلوتی صورت ہے جسکی وضاحت ۲/۹۷ کی محکم آیت مجیدہ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ میں موجود ہے۔ اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء وسلام علیہم کیساتھ اسی اکلوتے طریقے سے کلام فرمایا تھا۔

وحی الٰہی صرف قرآن کریم ہے

• افسوس ہے کہ بعض لوگ آیت مجیدہ ۴۲/۵۱ سے تین قسم کی وحی مراد لیکر کتُب روایات کو وحی کی ایک قسم قرار دیتے ہیں حالانکہ آپ اُوپر دیکھ چکے ہیں کہ ۴۲/۵۱ میں اَوْ بمعنی یا تک ہی نہیں سکتا۔ کہ وحی کی تین قسمیں تسلیم کی جائیں۔ نیز اگر کتُب روایات کو وحی الٰہی قرار دیا جائے، جو سراسر ظنّی ہیں، یقینی نہیں۔ تو آیاتِ ذیل کی مخالفت لازم آتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اعلان کر رکھا ہے کہ آنحضورؐ کیطرف صرف قرآن کریم ہی وحی کیا گیا تھا۔

• اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ ۱۲/۳۔ اے رسُول! ہم نے آپکی طرف یہ قرآن وحی فرمایا ہے ——— نیز آنحضورؐ کا اعلان بھی یہی ہے
• وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۶/۱۹۔ اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں بھی صرف اِس قرآن کیساتھ تمہیں تمہارے فرائض منصبی سے آگاہ کروں۔ اور جس شخص تک یہ قرآن پہنچے وہ بھی اسی قرآن کیساتھ لوگوں کو اُن کے فرائض منصبی بتائے۔ پس قرآن کریم کے سوا کسی اور چیز کے وحی الٰہی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وحی کے لغوی معنے ۔ وحی نبوت، وحی اشارت وحی جبلت اور وحی رحمانی کی ضد وحی شیطانی

• آگے بڑھنے سے پہلے لفظ وحی کے لغوی معنے اور قرآن مجید میں اس لفظ کے مختلف استعمالات ملاحظہ فرمائیں ۔ آلات تکلم یعنی لب، زبان اور کام و دہن کے واسطہ کے بغیر جو کلام کیا جائے، اُسے ازروئے لغت وحی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی اِس لفظ کو ذیل کے متعدد انداز میں استعمال کیا گیا ہے :-

۱ وحی نبوت یا وحی رحمانی :- اسکی مکمل بحث اُوپر گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو بطور نبی رسول منتخب کرکے، اپنے ملک رسول (جبریل) کے ذریعہ اُسکے قلب پر اپنے پیغامات، یعنی اپنی تعلیم بلا آواز وحی کرنا ۲/۹ ۔ اور خود ہمیشہ ہی پس پردہ رہنا ۴۲/۱۳ ۔ یہ انداز وحی حضور خاتم النبیین پر ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا گیا ہے۔

۲ وحی اشارت :- حضرت زکریاؑ کو جب حضرت یحییٰؑ کی خوشخبری دی گئی، تو آپ نے عرض کیا کہ بار الٰہا میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمائیں تو ارشاد ہوا۔ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۝ ۱۹/۱۰ = اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے لئے یہ نشانی مقرر کیگئی ہے کہ تو پوری تین راتیں (زبان سے) کلام نہ کرے ۔ اور اِس زبان سے کلام نہ کرنے کو اگلی آیت مجیدہ ۱۹/۱۱ میں وحی کے لفظ میں بیان کیا گیا ہے، فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ۝ = پھر (زکریاؑ) محراب سے نکل کر اپنی قوم کیطرف آیا اور اُنہیں (زبان کے واسطہ کے بغیر اشاروں کیساتھ) وحی کی کہ صبح اور پچھلے پہر (ہر آن) اپنے فرض منصبی ادا کرتے رہو۔ سورہ آل عمران میں حضرت زکریاؑ کی اِسی وحی یعنی تکلم بلا واسطہ لب و زبان کو اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۳/۴۱ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ۔ یہ کہ تو تین دن تک لوگوں سے اشاروں کے سوا کلام نہ کرے پس وحی کا ایک قرآنی معنیٰ ہے، اِشاروں کیساتھ کلام کرنا۔

۳ وحی جبلت :- سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے :- وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۱۶/۶۸-۶۹ = اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو (جبلت میں) وحی کر دی ہے کہ تو پہاڑوں، درختوں اور چھتوں پر گھر بنایا کر۔ پھر تو ہر ہر میوے سے کھایا کر اور اللہ کی راہ پر اُسکی فرمانبردار ہو کر چلا کر۔ اُنکے پیٹوں سے مختلف رنگوں کا مشروب (شہد) نکلتا ہے، اُس میں نوع انسانی کیلئے شفا ہے۔ بیشک اِس بیان میں تفکر کرنیوالوں کیلئے نشانی ہے ۔ اب دیکھئے! کہ پہاڑوں، درختوں اور چھتوں پر گھر بنانا بھی اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی جبلت میں رکھ دیا ہوا ہے۔ اور جملہ میوہ جات کو چوسنا اور اُنکی مٹھاس کو اپنے پیٹ سے نکالکر اپنے چھتوں میں بھرنا بھی سب کچھ اُسکی جبلت ہی میں رکھ دیا ہوا ہے۔ جسکے لئے اَوْحٰی کا لفظ لایا گیا ہے۔ اِسے وحی جبلت کہا جاتا ہے۔ ہر جاندار کی جبلت میں اللہ تعالیٰ نے جو جو خاصیت ودیعت فرمائی ہے وہ ہر ایک اللہ تعالیٰ کی وحی جبلت ہے۔

• سورہ حٰم سجدہ میں ارشاد ہوا ہے :- وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۴۱/۱۲ = اور اللہ نے ہر سماوی کرہ اور ہر سماوی فضا میں اُسکا فرض منصبی وحی کیا (اُسکی خلقت ہی میں ودیعت کر دیا) نیز سورہ الزلزال میں زمین کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

• اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ بِاَنَّ رَبَّكَ **اَوْحٰى** لَهَا ۙ ‏$\frac{99}{1 \text{ تا } 5}$ = وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب زمین کو ہلایا (کھنگھالا) جائیگا، پوری طرح ہلایا (کھنگھالا) جانا۔ اور زمین اپنے تمام بوجھ (معدنی ذخیرے) اُگل دیگی۔ اور انسان کیگا کہ (اب) اسکے پاس کیا ہے۔ اس دور میں زمین اپنی (اپنے ایک حصے کی) خبریں (اپنے دوسرے حصوں میں) بیان کیا کریگی۔ یہ اسلئے کہ تیرے رب نے اُسے وحی کردی ہُوئی ہے۔ (یہ سب کچھ اُسکی جِبلت میں رکھدیا ہُوا ہے)۔

۵ وحی شیطانی :۔ سورۃ الانعام میں اُن مخالفینِ انبیاءؑ کی ملمع کی ہوئی پُرفریب تعلیم کو وحی شیطانی کہا گیا ہے، جو انبیاءؑ کی تعلیم کو بے اثر کرنے کیلئے اُسوقت کے باطل پیشوا اپنے عقیدتمندوں کو دیا کرتے تھے اور وہ لوگ انبیاءؑ کی دشمنی میں پیش پیش رہتے تھے۔ ارشادِ باری ہے :۔

• وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ‏$\frac{6}{109}$ = اور وہ اللہ کی پکی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر اُنکے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ ضرور اُسکے ساتھ ایمان لائینگے۔ اے رسولؐ! کہدیجئیگا کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔ اور تمہیں کیا خبر ہے کہ جب نشانیاں آئیں تو وُہ پھر بھی ایمان نہیں لائینگے ۔ چنانچہ اسکے بعد ارشاد ہُوا ہے :۔

• وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْۤا ‏$\frac{6}{111}$ اور اگر ہم اِن پر اُنکے (ذہنی) ملائکہ اُتار دیں۔ اور (اُنکے مطالبہ کے مطابق) مُردے اُن سے باتیں کریں۔ اور (اُن کی مطلوبہ) چیزیں ہم اُنکے سامنے اکٹھی کردیں تو پھر بھی ایمان نہیں لائینگے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ ‏$\frac{6}{112}$ = اور اسیطرح ہم نے ہر نبی کے دشمن پائے شیطان عوام میں سے اور باطل پیشواؤں میں سے جو ایک دوسرے کو فریب دینے کیلئے ملمع کی ہوئی باتیں سکھاتے تھے۔

رجُوع الی المطلب • اب پھر آئیے اپنے درس کیطرف۔ پیچھے سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۱۶۴۔۱۶۵ میں متعدد انبیاءؑ کے اسماءِ گرامی لیکر ارشاد ہُوا ہے کہ اے رسولؐ آپکی طرف بھی اُسیطرح وحی کیگئی ہے، جسطرح جملہ سابقہ رسولوں کیطرف وحی کیگئی تھی۔ سورہ زخرف میں خود آپ سے اعلان کروا دیا گیا ہے :۔

• قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ‏$\frac{46}{9}$ = اے رسولؐ! کہدیجئیگا کہ میں سابقہ رسولوں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔ سب رسولؐ ایک جیسے ہیں ‏$\frac{2}{285}$۔ اور میں بھی رسولوں میں سے ایک ہوں ‏$\frac{36}{3}$ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجید نمبر ۱۶۶ میں رسولوں ہی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ	(بھیجے ہمنے لوگوں کیطرف) اپنے بہت سے رسولؐ اچھے کاموں کے اچھے بدلہ کی خوشخبری دینے والے اور بُرے کاموں کے بُرے انجام سے ڈرانے والے
رسول بشارت دینے والے اور انذار کرنیوالے، تاکہ نہ ہو	

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ
واسطے لوگوں کے اُوپر اللہ کے کوئی دلیل بعد رسولوں کے۔ اور ہے اللہ
عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ۱۶۵
غالب حکمت والا

تاکہ لوگوں کیلئے رسولوں کے بعد، اللہ کے ذمہ کوئی دلیل باقی نہ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ (یہ اُسکی حکمت کاملہ ہے کہ نوعِ انسانی کی ہدایت کیلئے اپنے رسول بھیجتا رہا جو لوگوں تک اللہ کی کتاب پہنچاتے رہے)۔

• واضح رہے کہ اللہ کے رسولوں کا فریضہ تھا لوگوں تک اللہ کا پیغام یعنی اُسکی کتاب پہنچانا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کتاب ہی کیساتھ گواہی دیتا ہے اور اللہ کی جو گواہی قرآن کریم میں درج ہے۔ اُسکی تصدیق مشاہداتِ عالم کرتے ہیں یعنی قرآن کریم کی شہادت مشاہداتِ عالم کے خلاف نہیں عین مطابق ہے:-

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ ۲
لیکن اللہ گواہی دیتا ہے ساتھ اُسکے جو اُس نے نازل کیا طرف تیری
اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۴
نازل کیا اُسکو ساتھ علم اپنے کے۔ اور کائناتی قوتیں گواہی دیتی ہیں
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ ۱۶۶
اور کافی ہے اللہ گواہ

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے[1] (اے رسول ربوبیت عالمین کی[2])، اُس کتاب کیساتھ جو اُس نے آپ پر نازل فرمائی ہے[3]۔ اللہ نے اُسے اپنے علم کے مطابق نازل کیا ہے[4]۔ اور گواہی دیتی ہیں تمام کائناتی قوتیں[5] (جو اس کائنات میں سرگرم عمل ہیں) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہے بہت بڑا گواہ[6]۔

• [1] اَللّٰهُ يَشْهَدُ کا معنیٰ ہے، اللہ گواہی دیتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ کی گواہی ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے۔ نوعِ انسانی جو بھی عمل بجالاتی ہے اُسکا جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہورہا ہے، سب کا سب اُسکے لگے بندھے قوانین کے مطابق ہورہا ہے۔ لہلہاتی فصلیں، لدے پھدے باغات، چلتے کارخانے، دوڑتی ریلیں اور بسیں، اُڑتے طیارے سب اللہ تعالیٰ کی شہادت کے مظہر ہیں کہ جبتک وہ اُسکے قانون کے مطابق مصروفِ عمل ہوتے ہیں اُسوقت تک ورکنگ آرڈر میں رہتے ہیں، جونہی کہیں قانونِ خداوندی کی مخالفت ہوتی ہے فصلیں ماری جاتی ہیں، باغات کے پھل کانے پڑجاتے ہیں۔ کارخانہ کھڑا ہوجاتا اور بس رُک جاتی ہے، ہوائی جہاز اُڑتا اُڑتا رُک کر گرپڑتا اور سینکڑوں جانیں ضائع کرنے کا موجب بنتا ہے۔ اِسیطرح قوموں کے عروج و زوال اور مذکورہ تمام چیزوں کی ہر حالت اللہ تعالیٰ کی حالی شہادتیں ہیں، جو کرۂ ارض کے گوشے گوشے، کونے کونے، بلکہ چپے چپے پر ہر آن بزبانِ حال جاری ہیں۔

• [2] يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ کا معنیٰ یہ ہے کہ (اے رسول!) اللہ تعالیٰ اُس عظیم الشان کتاب کیساتھ گواہی دیتا ہے جو اُس نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔ اِن الفاظ سے بصورت نصف النہار عیاں کردیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں بھی، جو اُس نے اپنے آخری نبی پر نازل فرمائی ہے کوئی خبر، کوئی حکم، کوئی شہادت کائناتی مشاہدات کے خلاف

نازل نہیں فرمائی۔ اِسکی ایک ایک آئت بلکہ اِسکا ایک ایک لفظ کائناتی مشاہدات کے مطابق ہے۔ اِس میں کوئی چیستانی اور دیو مالائی داستانیں نازل نہیں کی گئیں جو قرآن کریم میں تو افسانوی انداز کیساتھ موجود ہوں۔ مگر مشاہدات میں اُنکا وجود موجود ہی نہ ہو۔ مثلاً بے باپ کی پیدائش، کسی چٹان میں سے کسی حاملہ اونٹنی کا پیدا ہونا اور چٹان میں سے پیدا ہوتے ہی بچہ جن دینا، کسی سونٹے کا اژدہا بن جانا، پہاڑ پر ڈنڈا مارنے سے چشموں کا جاری ہو جانا۔ ڈنڈا مارنے سے پانی کا پھٹ جانا اور اس میں سڑکیں تیار ہو جانا، آگ کی جلانے کی خاصیت زائل ہو جانا وغیرہ جیسے چیستانی بیانوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب صد فیصد پاک ہے۔ اِس میں وہی قانون درج ہے جو کائنات میں جاری ہے اور اس میں وہی بیان دیئے گئے ہیں جو جزوِ کائنات ہیں۔

• ۳ﮯ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب، قرآن کریم جو آنحضور پر نازل کی گئی ہے اُسے اپنے علم کے مطابق نازل فرمایا ہے۔ علم کا معنیٰ قانون بھی قرآن مجید میں موجود ہے:۔ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ ۴۱/۴۷ = اور نہیں نکلتے پھل اپنے غلافوں سے اور نہ کوئی مونث حمل اُٹھاتی ہے اور نہ وہ اُسے وضع کرتی ہے، مگر یہ سب کچھ اُسکے علم، اُسکے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

• ۴ﮯ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يَشۡهَدُوۡنَ کا معنیٰ ہے:۔ "اور کائناتی قوتیں گواہی دیتی ہیں"۔ واضح رہے کہ یہ جملہ واؤ عطف کے ذریعہ جملہ معطوفہ ہے اور اِسکا جملہ معطوف علیہ ہے اَللّٰهُ يَشۡهَدُ۔ اِسطرح اللہ کی گواہی اور ملائکہ کی گواہی، معطوف، معطوف علیہ کی صورت میں مساوی انداز کیساتھ بیان ہوئی ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی شہادت جو، مشاہدات کی حالی زبان سے جاری ہے وہ ملائکہ، یعنی کائناتی قوتوں کے ذریعہ ہی مصروفِ عمل ہے۔ کائنات کے ہر عمل میں کوئی نہ کوئی کائناتی قوت کام کر رہی ہوتی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی شہادت کیساتھ ساتھ کائناتی قوتوں کی شہادت کو مساوی انداز کیساتھ بیان کیا ہے۔

• سائنس کی حیرت انگیز ایجادات ہیں ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ایٹمی تعمیری یا تخریبی ایجادات۔ ان تمام چیزوں میں الگ الگ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ، اُسکی کائناتی قوتیں مصروفِ عمل ہیں۔ کرۂ ارض کے اربوں کھربوں ریڈیو سیٹوں میں بیک وقت ایک ہی آواز کو پہنچانیوالی بھی اللہ تعالیٰ کی کائناتی قوت ہے۔ اور ٹیلی ویژن کے لاکھوں سیٹوں میں ایک ہی تصویر کو بیک وقت متحرک کھانیوالی بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوت ہی ہے۔ نوعِ انسانی کو فضاؤں اور خلاؤں کی سیر کرانیوالی بھی اللہ تعالیٰ کی کائناتی قوتیں ہیں جو اللہ ہی کے قانون کے مطابق مصروفِ عمل ہیں۔ اور اپنے اپنے عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہمنوا ہو کر بزبانِ حال گواہیاں دے رہی ہیں اور دیتی چلی جائینگی۔

• ۵ﮯ آئت مجیدہ کے اخیر پر یہ جملہ آیا ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا۔ شہید کا لفظ شاہد اسم فاعل سے فعیل کے وزن پر صفت مشبہ ہے بمعنیٰ بہت بڑھ کر بڑا گواہ۔ کائناتی قوتوں کی گواہی اُسوقت بصورتِ مشہود سامنے آتی ہے، جب حضرتِ انسان اُنہیں مسخر کرکے ۴۵/۱۳ اُن سے کام لیتا ہے۔ اِسلئے اُنہیں الگ الگ شاہد کا مقام حاصل ہے۔ لیکن چونکہ اللہ کی پیدا کردہ کائنات کے ہر عنصر میں اللہ کی عطا کردہ قوت ہر وقت موجود ہوتی ہے خواہ اُس سے کام لیا جا رہا ہو یا نہ لیا جا رہا ہو۔ اِسلئے اِن قوتوں کا خالق و مالک شہید ہے، بہت بڑھکر بڑا اور پورا پورا صحیح صحیح گواہ ہے۔ لیکن:۔

• واضح رہے کہ آیت مجیدہ زیر نظر کے الفاظ اَللّٰہُ یَشْہَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْکَ کے مطابق آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ کی گواہی بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْکَ یعنی قرآن کریم کیساتھ منسلک کر دیگئی ہے۔ اور یہ چیز دوپہر کے سورج کیطرح عیاں ہے کہ قرآن کریم "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" سے شروع ہوتا اور رَبِّ النَّاسِ پر ختم ہوتا ہے۔ اور ہر مقام پر ربوبیتِ عالمینی کی تائید کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن کریم کی تعلیم کا نقطۂ ماسکہ ربوبیتِ عامہ ہے۔ ہر نبی کی قوم نے ربوبیتِ عامہ ہی کا انکار کیا تھا۔ فرعون، بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت غصب کرنے میں اپنے آپکو حق بجانب سمجھتا تھا۔ اِسلئے حضرت موسٰیؑ نے اُس سے صرف یہ مطالبہ کیا کہ جب تو انکے حقوقِ ربوبیت تسلیم نہیں کرتا تو انہیں اپنے ملک سے پُرامن ہجرت کرنے کی اجازت دیدے:۔

• اَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۱۰۵/۷ = بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیجدے (تاکہ وہ کسی اور جگہ سے اپنے حقوقِ ربوبیت حاصل کرلیں)۔

• حضرت صالحؑ کی قوم چشموں اور چراگاہوں پر قابض تھی۔ اُس نے غرباء کے مویشیوں کو نہ چشموں سے پانی پینے کا حق دیا ہوا تھا نہ چراگاہ سے چُگنے کا۔ حضرت نے اُنہیں مساواتِ ربوبیت کا درس دیا۔ اسکے ضمن میں تبلیغِ ربوبیت کے کام آنیوالی اُونٹنی کو نشانی ٹھہرایا گیا کہ اُسے کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے لیکن قوم نے مساوی حقوقِ ربوبیت کے نظریہ کی مخالفت کرکے اُسکی ٹانگیں کاٹ دیں تاکہ چشموں اور چراگاہوں پر غاصبانہ قبضہ قائم رہے۔

• حضرت نوحؑ نے جب ربوبیتِ عالمینی کا درس دیا تو بھوکے ننگے لوگ آپکے گرد جمع ہوگئے۔ اِس پر قوم کے سرداروں نے کہا:۔

• وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا ۱۱/۲۷ = اور نہیں دیکھتے ہم تجھے مگر تیری پیروی صرف اُن لوگوں نے کی ہے جو ہمارے رذیلے ہیں جو ہمارے معاشرہ کے ادنٰے، کمینے، بھوکے ننگے محرومِ ربوبیت ہیں۔

• خود آنحضورؐ کی قوم بھی ربوبیتِ عالمینی کی منکر تھی۔ اللہ نے اُنہیں آنحضورؐ کی معرفت اپنی کتاب کا اوّلین درس ہی ربوبیتِ عالمینی کا دیا۔

• اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱/۱ = سب اچھی تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو عالمین کی ربوبیت کرنیوالا ہے۔ حالی مرحوم نے اِس جملہ کا یہ ترجمہ کیا ہے:

یہ پہلا سبق ہے کتابِ ھُدیٰ کا   کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

اللہ کی راہ سے روکنا گمراہی ہے

• آیت بالا ۱۶۶/۴ میں اللہ تعالیٰ اور اُسکی کائناتی قوتوں، جو برآنِ نظامِ ربوبیت میں لگی ہوئی ہیں، کی شہادت کے بعد اُن لوگوں کو جو اللہ کی راہ یعنی ربوبیتِ عالمینی کی راہ سے روکتے ہیں دُور کی گمراہی میں گمراہ قرار دیا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ بیشک جن لوگوں نے انکار کیا اور روکا طرف سے راستے	بیشک جن لوگوں نے (مذکورہ بالا خداوندی شہادت کا) انکار کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستے (ربوبیتِ عامہ) سے روکا۔

اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۱۶۷ ○ | بلاشبہ وہ گمراہی میں بہت دُور تک چلے گئے۔

اللہ کے، بیشک وہ گمراہ ہو گئے گمراہی دُور کی

چونکہ اللہ کی راہ، ربوبیّتِ عالمین کی راہ ہے۔ اِس لئے اگلی آیت میں اِسی چیز کی خبر انتہائی وضاحت کیساتھ کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔ اور اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا کی خبر کیساتھ، ربوبیّتِ عالمین کا انکار کر کے لوگوں پر ظلم کرنیوالوں کی یہ سزا مقرر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہرگز معاف نہیں کریگا۔ اور اُنہیں قیامت کی عدالت میں جنّت کی سیدھی راہ کی بجائے جہنّم کیطرف بھیج دیگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ
بیشک جو لوگ انکار کرتے ہیں اور ظلم کرتے ہیں ہرگز نہیں ہوگا اللہ
لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۱۶۸ ○
کہ معاف کرے واسطے اُنکے اور نہ یہ کہ راہنمائی کرے اُنہیں راستے کی
اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ
سوائے راستے جہنّم کے۔ رہیں گے وہ بیچ اُس کے ہمیشہ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ ۱۶۹
اور ہے یہ اوپر اللہ کے آسان

جو لوگ (اللہ کے قانون ربوبیّتِ عالمین ؐ کا) انکار کر کے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ہرگز معاف نہیں کریگا اُنہیں اللہ تعالیٰ اور نہ ہی اُنہیں (قیامت کو جنّت کے) راستے کی رہنمائی کریگا (یعنی اُنہیں جنّت میں نہیں بھیجیگا)۔
سوائے جہنّم کی راہ کے (یعنی اللہ تعالیٰ اُنہیں جہنم رسید کریگا)، وہ اُس میں ہمیشہ رہینگے۔
اور (ایسے ظالم مجرموں کو سزا دینا، دُنیا میں جن کی ہوا کو بھی کوئی نہیں پا سکتا) اللہ کیلئے آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کیلئے کونسا امر مشکل ہے؟

• اِس آیت مجیدہ کا آخری جُملہ ہے:۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی امر مشکل ہے ہی نہیں تو منکرین ربوبیّت کو سزا دینے کے متعلق باندازِ خصوص یہ کیوں کہا گیا ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ پر آسان ہے —— واضح رہے کہ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا کا جُملہ قرآن کریم میں اُن امور کیلئے آیا ہے جو دُنیا میں مشکل ترین تصوّر کئے جاتے ہیں۔ مثلاً:۔

• نظامِ ملوکیّت کا قاعدہ ہے کہ اگر بادشاہ یا صدرِ مملکت کی ملکہ سے کوئی قانون شکنی، بلکہ شدید ترین جُرم بھی ہو جائے تو اُسے عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ بالفاظِ دیگر مُلک کی ملکہ کو سزا دِلوانا دُنیا والوں کیلئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تصوّر کیا جاتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے قرآنی ریاست کے صدرِ اوّل جناب محمد رسُول اللہ سلامٌ علیہ کی ازواجِ مطہرات کے متعلق سورہ احزاب میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہ قانون شکنی کریں تو نہ صرف یہ کہ وہ سزا سے بچ نہیں سکتیں، بلکہ اُنہیں دُگنی سزا دیجائیگی ۳۳/۳۰۔ یعنی جو کام دُنیا والوں کیلئے انتہائی مشکل ہے، یعنی صدر کی بیوی، ریاست کی ملکہ کو سزا دِلوانا، وہ اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات کیلئے جُرم کی دُگنی سزا مقرر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۳۳/۳۰ اور یہ کام اللہ کیلئے آسان ہے۔

• پس اسیطرح آیت مجیدہ زیرِ نظر ۴/۱۶۹ میں اُن لوگوں کے متعلق جو عوام کے حقوقِ ربوبیّت پر ڈاکہ ڈالکر سرمایہ جمع کرتے ہیں

اور کسی سرمائے کے زور سے اپنے آپکو دنیوی سزا سے اسطرح محفوظ کر لیتے ہیں کہ دنیا میں انکی ہوا کیطرف بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اسطرح ان پر یہ جملہ صادق آتا ہے کہ انہیں سزا دینا کوئی آسان کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انکے متعلق بھی ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں جہنم رسید کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے:۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ ۴/۱۶۹

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں وضاحتاً اعلان کر دیا گیا ہے کہ:۔

سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے یعنی عوام کیلئے ہے لوگو! تمہارے پاس تم سب کی ربوبیت کے ضامن اللہ تعالیٰ کیطرف سے اسکا رسول اسکا پیغام لیکر آگیا ہے۔ لہذا اسکے پیغام ربوبیت پر ایمان لاؤ۔ لیکن اگر تم اسکا انکار کر دو۔ تو تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کا ہے، پوری نوعِ انسانی کا ہے۔ بالفاظِ دیگر نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کا حق ربوبیت مسلم ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ
اے نوعِ انسانی! بیشک آیا تمہارے پاس رسول ساتھ حق کے
مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ
طرف سے رب تمہارے کے پس ایمان لاؤ بہتر ہے واسطے تمہارے۔ اور اگر
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
تم انکار کرو۔ تو بیشک واسطے اللہ کے ہے جو بیچ آسمانوں اور زمین کے ہے
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ۱۷۰
اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

اے نوعِ انسانی بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول تمہارے رب کیطرف سے حق (قرآن ۲۵/۴۲) لیکر آگیا ہے۔
پس تم اس (ضابطۂ ربوبیت) پر ایمان لاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ (اس میں ہر کسی کا حق ربوبیت محفوظ ہے ۱/۱) اور اگر تم (اس ضابطۂ ربوبیت کا) انکار کردو (تو تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی)۔ پس بیشک آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کا ہے (یعنی تم سب کی ضروریاتِ زندگی کیلئے مشترک ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑھکر جاننے والا حکمت والا ہے۔

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

• واضح رہے کہ یہ جملہ اسی سورہ نسآء میں پیچھے آیت مجیدہ نمبر ۱۲۶ میں ایک مرتبہ، پھر اگلی آیت نمبر ۱۳۱ میں دو مرتبہ اور اسکی ملحقہ آیت نمبر ۱۳۲ میں ایک مرتبہ اسطرح آیا ہے کہ آیت نمبر ۱۳۱، اسی جملہ، وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ سے شروع ہوتی اور اسی جملہ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ پر ختم ہوتی ہے۔ اور اسکی ملحقہ آیت مجیدہ ۱۳۲ پھر اسی جملہ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ سے شروع ہوتی ہے۔ نیز واضح رہے کہ دو باہم ملحقہ متصل آیتوں ۴/۱۷۰ کے بعد اگلی آیت مجیدہ ۴/۱۷۱ میں یہی تکرار بالفاظِ ذیل آرہا ہے:۔ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ۔

• اب غور طلب یہ امر ہے کہ آیاتِ مجیدہ ۱۲۶ تا ۱۳۲ میں ایک ہی جملہ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ کا چار مرتبہ کا تکرار، اور باہم ملحقہ صرف دو آیتوں ۱۳۱-۱۳۲، اور ۱۷۰-۱۷۱ میں اسی جملہ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ کا

مسلسل تکرار کیا بے معنی اور عبث ہے۔ کیا یہ معاذ اللہ معاذ اللہ قرآن مجید کو علمی سطح سے گرانے کیلئے لایا گیا ہے؟

• واضح رہے کہ :-

• کسی کلام میں تکرار یا تو متکلم کے ذہنی انتشار و نسیان اور اسکی ادنیٰ شخصیت کا مظہر ہوتا ہے۔ اور با معقول شخصیت کیطرف سے تاکید کے اظہار کیلئے لایا جاتا ہے اور اگر دو سے زائد مرتبہ کا تکرار وارد ہو تو تاکید در تاکید اور تاکید مزید کا فائدہ دیتا ہے۔ اب چونکہ قرآن مجید کلام ہے اللہ تعالیٰ کا، جو ذہنی انتشار اور نسیان کے عیوب سے صد فیصد مبرا ہے۔ اس پر وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۱۹/۶۴، اور وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۴/۱۲۲ کے قرآنی الفاظ شاہد ہیں۔

• فلہذا ثابت ہوا کہ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کا بار بار کا تکرار جو آیات بالا کے علاوہ قرآن مجید میں ۲/۲۸۴ + ۳/۱۰۹ + ۳/۱۲۹ + ۴/۱۲۶ + ۱۰/۵۵ + ۲۴/۶۴ + ۳۱/۲۶ + ۵۳/۳۱ متعدد بار آیا ہے، یہ تکرار تاکیدی ہے۔ اسی کے مترادف الفاظ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ آیات ذیل ۲/۱۱۶ + ۱۰/۶۸ + ۱۴/۲ + ۱۶/۵۲ + ۲۰/۶ + ۲۲/۶۴ + ۳۴/۱ + ۳۹/۴۴ + ۴۲/۴ + ۴۲/۵۳ اور ۴۳/۸۵ کے عظیم وکثیر تکرار کیساتھ وارد ہوئے اور مفہوم دونوں قسم کے جملوں کا یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب کا سب اللہ کی ملکیت ہے۔ اور یہ قرآن کریم کے اوّلین درس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا تکرار تاکیدی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب کے طول وعرض میں پھیلا کر اس امر کی تاکید فرمائی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور چونکہ مخلوق بھی ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی ہے یعنی وہ سب کا ایک جیسا رب العلمین ہے۔ اسلئے تم اللہ کی ملکیت پر اپنی ملکیت نہ جما لینا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں کو اسکی ساری مخلوق پر متوازن انداز کیساتھ تقسیم کرنا۔

• اس عظیم تکرار تاکیدی سے ذاتی ملکیت کی نفی اور ہر فرد کے حق ضروریات زندگی کا اثبات عیاں ہے۔ ذات باری نے اسی مفہوم کو ذیل کی آیات کریمات میں مزید نکھار کر بیان کر دیا ہے :-

• وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۳/۱۸۰ = اور (سن لو کہ) آسمانوں اور زمین کی میراث صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور تم جو بھی عمل اسکے حق میراث کو توڑنے کیلئے کرو گے وہ اسے خوب جاننے والا ہے۔

• اس آیت مجیدہ کے آخری جملے میں تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میراث وملکیت میں خیانت نہ کرنا۔ اللہ کی نعمتوں کو اسکی مخلوق میں اسطرح متوازی انداز کیساتھ تقسیم کرنا کہ کوئی فرد بشر ضروریات زندگی سے محروم نہ پایا جائے اور اوّلین درس قرآنیہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق پوری دنیا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمینی کی منہ بولتی تصویر بن جائے۔

• سورہ نجم میں جملہ زیر بحث کی غرض بتائی گئی ہے :-

• وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۵۳/۳۱ = حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب کا سب اللہ ہی کی ملکیت ہے (اس حقیقت کے اعلان کی غرض یہ ہے تاکہ) جو کوئی اس حقیقت قرآنی کے خلاف برا عمل کرے اسے بری سزا دی جائے۔ اور جو کوئی اس پر عمل کر کے معاشرہ میں حسن توازن پیدا کرے اسے اسکا اچھا بدلہ دیا جائے۔

مسجدیں اللہ کی ہیں یعنی اُسکے بندوں کیلئے ہیں

• اللہ کی ملکیت اُسکے بندوں کی مشترکہ ضروریات کیلئے ہے۔ اِسکے ثبوت میں ایک اور قرآنی مثال ملاحظہ فرمائیں جس پر معاشرہ میں باقاعدہ اور مسلسل عمل درآمد ہوتا چلا آرہا ہے۔ سورہ جن میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ ۷۲/۱۸ = اور یہ کہ بلاشبہ مسجدیں اللہ کی ملکیت ہیں ۔ اب اِس خداوندی ملکیت کی عملی صورت یہ ہے کہ کوئی بھی مسجد یا اُسکا کوئی حصّہ کسی فرد کی ذاتی ملکیت نہیں مانا جاتا۔ بلکہ مسجدیں پورے عوام کی مشترکہ سجدہ گاہیں تسلیم کی جاتی ہیں۔ اِسیطرح مسجد حرام کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ یہ تمام لوگوں کے لیے مشترکہ طور پر قِیٰمًا لِّلنَّاسِ ۵/۹۷ اور مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ ۲/۱۲۵ ہے۔ پس غور فرمائیں کہ کسطرح باندازِ بلیغ وضاحت کردیگئی ہے کہ مسجدِ حرام ہے تو اللہ کی۔ مگر اُسکی عملی صورت یہ ہے کہ وہ اَلنَّاس، پُوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے اور اُنکے فائدوں کیلئے ہے۔ پس اس قرآنی مثال سے بدرجۂ اَولیٰ ثابت ہُوا کہ قرآن حکیم نے جو، لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کا کیثر تکراری اعلان کر رکھا ہے، اُس سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں نوعِ انسانی میں اِس توازن کیساتھ تقسیم کی جانی لازم ہیں کہ کسی فرد کی کوئی وقتی ضرورت رُکی ہُوئی نہ ہو۔ اور کرۂ ارض کا ہر گوشہ بزبانِ حال پکار رہا ہو:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جرائم کی سزا سے بچنے کے حیلے

• آگے بڑھنے کے پہلے سلسلۂ درس کی آیتِ بالا کے آخری جملے کو پھر نگاہوں کے سامنے لائیں۔ دیکھئے! ارشاد ہُوا ہے:۔ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۰ ۴/۱۷۰ = اور اگر تم ضابطۂ ربوبیّت کا انکار کر دو (تو تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اور (اِس حقیقت کا اظہار) عین اللہ کے علم اور حکمت کے مطابق ہے یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ذاتی ملکیت کا تصوّر اور اِسکے نتیجے کے طور پر اکثریت کی ضروریاتِ زندگی سے محرومی فسادِ عالم کی جڑ ہے۔ اِسلئے اُس نے اپنی حکمت کیساتھ فساد کی جڑ کاٹ دی ہے۔

• نیز سابقہ صفحہ پر آپ ۳۱/۵۳ کے حوالہ سے دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ربوبیّتِ عالمینی کی مخالفت کو موجبِ سزا اور اِسکی موافقت کو موجبِ جزا قرار دیا ہے۔ اب چونکہ عوام کے حقوقِ ربوبیّت غصب کرتے ہُوئے اُن پر ایسے ایسے ظلم توڑے جاتے ہیں کہ زمین و آسمان کانپ اُٹھتے ہیں، جیسے کہ ایک طرف استحصالی گروہ کے کتّوں کے برتنوں میں اُنکی ضرورت سے زائد دودھ اُنکے پیروں کی ٹھوکریں کھا رہا ہوتا ہے۔ اور دُوسری طرف غریب عوام کے بیمار بچّے دُودھ کے ایک گھونٹ کو ترستے ہوئے خشک لب دم توڑ رہے ہوتے ہیں۔

نصارٰی کی تثلیث انجیل کا حکم نہیں بلکہ خود تراشیدہ اور افترٰی علی اللہ ہے۔

• نوعِ انسانی نے اس قسم کے گوناگون ظلموں کی سزا سے بچنے کیلئے کفارہ اور شفاعت وغیرہ کے عقیدے ایجاد کر رکھے ہیں۔ جیسے کہ نصارٰی نے حضرت مسیحؑ کو مصلوب مانکر کفارہ کا عقیدہ ایجاد کیا، اور اُنہیں اللہ کیساتھ برابر کا اِلٰہ قرار دے رکھا ہے تاکہ اپنے جُرموں کی سزا سے بچ جائیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں نصارٰی کے عقیدۂ تثلیث کا بطلان

کیا گیا اور اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ تثلیث وکفارہ کا عقیدہ نصاریٰ کا افتراء ہے، انجیل کا حکم نہیں :-

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا

اے اہل کتاب نہ حد سے نکلو بیچ دین اپنے کے اور نہ کہو

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

اوپر اللہ کے سوائے سچ کے، سوائے اسکے نہیں کہ مسیح عیسیٰ بیٹا مریم کا

رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ

بھیجا ہوا اللہ کا اور اسکا کلام پانیوالا تھا پیش کیا اسے طرف مریم کے، اور

رُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

تعلیم پانیوالا طرف سے اُسکی پس ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے اور رسولوں اُس کے کے

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا

اور مت کہو تین ہیں۔ باز آجاؤ۔ بہتر ہے اسطے تمہارے، سوائے اسکے نہیں کہ

اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ

اللہ ہے حاکم اکیلا - وہ پاک ہے کہ ہو واسطے اُس کے بیٹا

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَ

واسطے اُسی کے ہے جو ہے بیچ آسمانوں کے اور جو ہے بیچ زمین کے۔ اور

كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۠ 171 ع ۲۳

ہے کافی اللہ کارساز

اے اہل کتاب (تمہیں جو دین اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ذریعہ دیا ہے) اُس میں (ردّ و بدل کر کے) غلو نہ کرو۔ اور نہ کہو اوپر اللہ کے سوائے حق کے۔ (تم نے مسیح کو خدا کا بیٹا اور اُسے اپنے گناہوں کا کفارہ غلط طور پر خود ٹھہر الیا ہے) سوائے اسکے نہیں کہ مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا، اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) اور اُسکی طرف سے کلام پانیوالا[۱] تھا۔ اُسکی (خوشخبری) مریم کو دی گئی تھی۔ یعنی وہ ہس اللہ کیطرف سے اُسکی تعلیم پانیوالا تھا۔ (اُسے اللہ کیطرف سے وحی کی جاتی تھی) پس تم اکیلے اللہ کے ساتھ اور اُسکے تمام رسولوں کیساتھ ایمان لاؤ۔ اور مت کہا کرو کہ تین خدا ہیں (تمہارا تثلیث کا عقیدہ مطلقاً غلط ہے) اس سے باز آجاؤ اپنے لئے نیک اعمال بجالاؤ۔ سوائے اسکے نہیں کہ اللہ اکیلا ہی الٰہ ہے (جس کی عبودیت اختیار کی جائے) وہ پاک ہے اس چیز سے کہ اسکا بیٹا ہو۔ اُسی کی ملکیت ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور (مسیح کارساز نہیں) کارسازی کی رُو سے اکیلا اللہ ہی کافی ہے۔

اٰمِنُوْا، اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ میں خَيْرًا منصوب ہے۔ اسکا نصب مفعول بہ ہونے کی بدولت ہے۔ اسکا عامل فعل حذف ہے اِفْعَلُوْا خَيْرًا لَّكُمْ - وایمان لاؤ (باطل عقائد چھوڑ دو) اپنے لئے اعمال صالح بجالاؤ۔

• ۱۷۱ واضح رہے کہ :-

• كَلِمَتُهٗ سے حضرت مسیح مراد ہیں، جو حضرت مریم کو عطا کئے گئے تھے نیز حضرت مریم کو حضرت مسیح ہی کی خوشخبری دی گئی تھی :-

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ

۳/۴۵ = (اے مریم!) بیشک اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے ایک کلام پانیوالے کی خوشخبری دیتا ہے کہ اُسکا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ جو دنیا اور آخرت میں پُر وقار ہوگا اور اللہ کے مقربین میں سے ہوگا

• یہاں کلمہ بمعنی کلام پانیوالا بطور اسم فاعل استعمال ہوا ہے۔ جیسے کہ هُوَ اُذُنٌ ۹/۶۱ کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ کان ہے بلکہ اسکا

معنی یہ ہے کہ وہ کان والا، سُننے والا ہے، صرف سُنی سنائی باتیں کرتا ہے۔

• ۱۲۳ اِسیطرح رُوحٌ مِّنْہُ کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ حضرت مسیحؑ اللہ تعالیٰ کی رُوح بمعنی جان تھے، جو بقول کسے جسم کے اندر داخل ہوتی ہے تو جسم زندہ ہو جاتا ہے اور نکل جاتی ہے تو جسم مر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق جسم اور رُوح کا تصوّر ہی مطلقاً غلط ہے۔ پھر رُوحٌ مِّنْہُ سے حضرت مسیحؑ کو اللہ کی رُوح میں سے قرار دینا، حضرت مسیحؑ کو اللہ کا حِصّہ قرار دینا ہے۔ جو اللہ احد و احد کے جُزو مقرر کرنے کے مصداق نہ صرف غلط بلکہ مُشرکانہ تصوّر ہے۔

• حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں رُوح کا لفظ اللہ تعالیٰ کی تعلیم، اُسکی وحی کیلئے آیا ہے۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے :۔

! یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ ۱۶/۲ = اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کو اپنی روح (تعلیمِ وحی) کیساتھ اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔

! یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ۴۰/۱۵ = اللہ تعالیٰ اپنے امر سے اپنی رُوح (تعلیمِ وحی) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے پیش کرتا ہے (نازل کرتا ہے)۔

! وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۴۲/۵۲ = اور (اے رسُول!) اِسیطرح ہم نے آپکی طرف اپنے امر سے (روح) تعلیمِ وحی فرمائی ہے — دیکھئے! اِن ہر سہ آیاتِ کریمات میں دوپہر کے سورج کیطرح اللہ کی رُوح بمعنی اُسکی تعلیم، اُس کی وحی ثابت ہے۔ اب جو آیتِ مجیدہ زیرِ بحث میں حضرت مسیحؑ کو رُوحٌ مِّنْہُ کہا گیا ہے یہاں بھی رُوح، اسم بطور اسم فاعل استعمال ہُوا ہے۔ اللہ کیطرف سے رُوح، یعنی اللہ کی تعلیم پانیوالا۔

• ۱۲۴ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ میں لفظ اٰلِھَتُنَا محذوف، اور تقدیرِ کلام یہ ہے :۔ وَلَا تَقُوْلُوْا اٰلِھَتُنَا ثَلٰثَۃٌ = مت کہا کرو کہ ہمارے اِلٰہ تین ہیں۔ اِسی چیز کی سورہ مائدہ میں بالفاظِ ذیل وضاحت موجود ہے :۔ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ م ۵/۷۳ = بیشک اُن لوگوں نے کُفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ اِن آیاتِ کریمات میں نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کی تردید کیگئی ہے۔ جنہوں نے باپ بیٹا اور روح القدس، یا باپ بیٹا اور مریم کو تین خدا ٹھہرا لیا ہُوا ہے۔

• لیکن افسوس ہے کہ جو لوگ حضرت مسیحؑ کو اللہ کی رُوح میں سے بنا کر اللہ کا حِصّہ قرار دیتے ہیں، اُنہیں بھی اپنے نظریہ پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ نظریہ بھی دو الٰہوں کا غمّاز ہے۔

• ۱۲۵ دیکھئے! اِس آیتِ مجیدہ میں پھر پہلی آیت کے عین متصل اُسی جملہ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کو لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کے الفاظ میں تکرار تاکید سی، تاکید در تاکید در تاکید مزید کے طور پر لایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، یعنی پُوری نوعِ انسانی کی متوازن ضروریاتِ زندگی کیلئے ہے۔ اِس پر کسی خاص فرد، خاص گروہ یا خاص قوم کی اجارہ داری تسلیم کرنا، یا الگ الگ افراد کی ڈنگ الگ مختلف اور متضاد قسمت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا قرآن کریم کے خلاف ہے۔

• ۱۶ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا آیت بالا کا آخری جملہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی کفائت وکالت کی خبر میں نصاریٰ کو تنبیہ کیا گیا ہے کہ تم نے جو حضرتِ مسیح کو کارساز قرار دے رکھا ہے یہ غلط ہے۔ کیونکہ وکالت (کارسازی) کی رُو سے اکیلا اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ اسکے سوا کسی اور کو کارساز قرار دینا اللہ تعالیٰ کے اختیاراتِ خصوصی میں شریک قرار دینا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرتِ مسیح کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ نہ اِلٰہ تھے نہ وکیل و کارساز۔ وہ اللہ کے بندے تھے۔ انہیں بندہ ہونے میں عار نہیں ہوگی۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ

نہیں عار سمجھیگا مسیح کہ ہو بندہ واسطے اللہ کے اور

لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ

نہ رسول قریب کئے ہوئے۔ اور جو کوئی عار سمجھے اپنے بندہ ہونے سے

وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۱۷۲

اور تکبر کرے تو ضرور اکٹھا کریگا انکو طرف اپنی سب کو

(حقیقت یہ ہے کہ) مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں سمجھیگا۔ (یعنی قیامت کو بھی اپنے بندہ ہونے کا اقرار کریگا) اور نہ (اللہ کے) مقرب رسول اپنے آپ کے بندہ ہونے کو عار سمجھیں گے اور جو کوئی اپنے اللہ کا بندہ ہونے کو عار سمجھیں اور تکبر کریں تو اللہ تعالیٰ اُن سب کو (اعمال کی جوابدہی کیلئے) ضرور اپنی طرف اکٹھا کریگا۔

• ۱۷ یہاں مَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ کے الفاظ، حضرات انبیاء کیلئے بطور مجاز آئے ہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح کی عبدیت کے اظہار کیساتھ ساتھ باقی انبیاء کی عبدیت کا بھی اعلان کر دیا گیا ہے۔ تاکہ حضرت عُزیرؑ کی عبدیت بھی عیاں ہو جائے، جنہیں یہود نے خدا کا بیٹا بنا رکھا ہے — یہاں پر عوام کے ذہنی ملائکہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور نہ یہاں قرآنی ملائکہ، کائناتی قوتیں زیر بحث ہیں کیونکہ یہاں فَسَيَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا کے الفاظ سے عیاں ہے کہ یہ صرف وہی حضرات ہیں جو قیامت کی جوابدہی کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور اکٹھے کئے جائینگے۔ نہ روائتی ملائکہ بقولِ روایات قیامت کی جوابدہی کے مکلّف ہیں اور نہ قرآنی ملائکہ۔ اسلئے کُھل کر ثابت ہوا کہ آیت زیر بحث میں ملائکہ کا لفظ مسیح نبی کیساتھ باقی انبیاء کیلئے بطور مجاز لایا گیا ہے، جو میدانِ قیامت میں جمع کئے جائینگے۔

• واضح رہے کہ:۔

• اس وسیع و عریض کائنات میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ملائکہ تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ملکہ ہی نہیں رکھتے۔ بھری دُنیا میں صرف حضرتِ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نافرمانی دونوں کام کرنے کا ملکہ رکھتا ہے۔ اسی نوعِ انسانی کی رہنمائی کیلئے اسی نوع میں سے انبیاء سلام علیہم بھیجے جایا کرتے تھے۔ آیت بالا میں انہیں مجازاً ملائکہ مقرب کہا گیا ہے کہ اُن میں اگرچہ نافرمانی کا ملکہ موجود تھا لیکن انہیں اپنے آپ پر پورا پورا کنٹرول تھا۔ اگرچہ حضرات انبیاء بشری تقاضوں سے مبرا نہیں تھے، مگر وہ سب کے سب ارادے کیساتھ کوئی معمولی سی نافرمانی بھی نہیں کرتے تھے۔ اس مقدس جماعت کی عظمتِ ناموس پر ذیل کے قرآنی الفاظ قیامت تک گواہ رہینگے۔

• عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ ۲۱/۲۷-۲۶

(مفہوم) وہ اللہ کے واجب التکریم بندے تھے۔ وہ بات میں بھی اپنے خالق و مالک سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اور عمل کے لحاظ سے اُنکا ایک ایک قدم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اٹھتا تھا۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۳۷/۱۸۱-۱۸۲

اللہ تعالیٰ کی عبدیت سے انکار و تکبر، موجب عذاب الیم ہے

• سلسلۂ درس کی آیت بالا میں حضرت مسیحؑ اور جملہ انبیاء سلام علیہم کے متعلق اس امر کی وضاحت کرنے کے بعد کہ وہ سب اللہ کے عبد تھے۔ اُنہوں نے زندگی بھر کبھی اللہ کی عبودیت سے انکار نہیں کیا تھا۔ اور قیامت کو بھی اللہ کی عبودیت کو عار نہیں جانیںگے۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عبدیت سے انکار و تکبر کرنیوالوں سے قیامت کی باز پُرس کی خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں باعمل مومنین کے بہتر اجر کی خبر دیگئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبدیت سے عار و استکبار کرنیوالوں کیلئے تکرار تاکیدی کے طور پر مفصلاً عذابِ الیم کی خبر دیگئی ہے:-

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پھر جو لوگ ایمان لائیں اور عمل کریں اصلاح کے،	پھر جو لوگ ایمان لائیں (ضابطۂ الٰہی پر) اور معاشرہ کی اصلاح کے کام کریں۔
فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ پس پورا دیگا اُن کو اجر اُن کا اور زیادہ کریگا ان کو میں سے	تو اللہ تعالیٰ اُنہیں اُنکا پورا پورا بدلہ دیگا۔ اور اُنہیں اپنے فضل سے زیادہ کریگا
فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فضل اپنے کے۔ اور جو لوگ عار جانیں اور بڑائی چاہیں	اور جو لوگ (انبیاءؑ کو اللہ کے بندے ماننے کو) عار سمجھیں[۱] اور اپنی بڑائی چاہیں[۲]،
فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ عذاب کریگا اُن کو، عذاب دردناک۔ اور نہ پائینگے واسطے لیئے	تو (اللہ تعالیٰ) اُنہیں دردناک سزا کیساتھ عذاب کریگا۔ اور وہ اپنے لئے سوائے اللہ کے (اپنے خودساختہ خیرخواہوں اور مددگاروں میں سے) کسی ایک کو بھی نہ خیرخواہ پائینگے اور نہ مددگار[۳]۔
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ ۱۷۳ اپنے سوائے اللہ کے دوست اور نہ مددگار	

• [۱] وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا کا معنی لکھا گیا ہے، جو لوگ اللہ کے نبیوں کو اللہ کے بندے ماننے کو عار سمجھیں۔ ان الفاظ کے اِس مفہوم کی صحت کا ثبوت پورا سیاقِ کلام ہے جس میں حضرت مسیحؑ اور جملہ انبیاءؑ کو اللہ کے بندے بتایا گیا ہے۔ اور وضاحت کر دیگئی ہے کہ قیامت کو حضرت مسیحؑ سمیت باقی جملہ انبیاء سلام علیہم بھی اپنے، اللہ کے بندے ہونے کو ہرگز باعثِ عار نہیں جانیںگے۔ اب اِس سیاق کے مطابق اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا کے الفاظ پر غور فرمائیں۔ اِن لفظوں کا مطلق معنی یہ ہے: "جو لوگ عار جانیں"۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز کو عار جانیں؟ اِس سوال کا جواب سیاقِ کلام میں موجود ہے کہ جو لوگ انبیاء کے اللہ کے بندے ہونے کو عار جانیں۔ یعنی اُنکے ہاں انبیاءؑ کو بندوں کی بجائے ما فوق الانسان مانا جائے۔

• [۲] اِسْتَنْكَفُوْا کے عین متصل مابعد آیا ہے وَاسْتَكْبَرُوْا۔ اِسکا مطلق معنی یہ ہے کہ: "اور اُنہوں نے اپنی بڑائی چاہی" اِن الفاظ میں ایک خطرناک گوشے کا انکشاف کیا گیا ہے۔ کہ یہ لوگ انبیاءؑ کو ما فوق الانسان ہستیاں کہکر خود اپنی بڑائی کے

طلبگار ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ اِن الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ ما فوق الانسان ہونے کا تصوّر شروع تو کیا جاتا ہے حضرات انبیاءؑ سے، مگر اِس تصوّر کو آگے بڑھا کر غیر انبیاء بزرگوں کو بھی ما فوق الانسان کی سطح پر لے آیا جاتا ہے۔ ہر دَور کے لوگ اپنے بزرگوں کو ما فوق الانسان بناتے چلے آتے ہیں، اور اسطرح جو لوگ آج خود تو اپنے مُنہ سے ما فوق الانسان نہیں بنتے، صرف اپنے بزرگوں کو ما فوق الانسان بناتے ہیں۔ کل کو اُنکی وفات کے بعد اُنکے جانشین اُنہیں ما فوق الانسان ٹھہرا دیتے ہیں۔ ھٰذا القیاس ہر بزرگ کا جانشین اپنے سلف بزرگ کو ما فوق الانسان ٹھہراتا چلا جا رہا ہوتا ہے۔

• اِس نظریئے کو آیتِ بالا میں موجب عذاب الیم قرار دیا گیا ہے۔ دُنیا میں اِس نظریہ کا نقصان عیاں ہے کہ، جو قوم اپنے بزرگوں کو ما فوق الانسان مانتی ہے، وہ اُنکی طرف عجیب و غریب کرامتیں منسوب کر کے خود بے عمل اور جامد ہو جاتی ہے۔ ہر کام میں خدا تعالیٰ کے خود متعین فرمودہ مادی ذرائع کو پسِ پُشت پھینک کر بزرگوں کی کرامتوں پر بھروسہ کئے رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دُوسری قومیں جو اللّٰہ تعالیٰ کے عظیم مادی شاہکاروں کو مسخر کر کے چاند اور مریخ کے سفر اختیار کرتے ہُوئے عروج و کمال کی بلندیوں کو چھو رہی ہوتی ہیں، مگر یہ انتہائی پسماندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں گری ہوتی ہے۔

• ۱۷۳ لَا یَجِدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا پر غور کرنے سے ظاہر ہے کہ جب قیامت میں عمل کا موقع ہی کوئی نہیں کیونکہ وہ دار الجزا ہے۔ اِسلئے اللّٰہ تعالیٰ کی ولایت و نصرت حاصل کرنے کے مواقع صرف اور صرف دُنیا میں ہیں۔ جو دار العمل ہے۔ پس بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مذکورہ عذاب الیم سے بچنا چاہتے ہیں، وہ دُنیوی زندگی میں انبیاءؑ کے ما فوق الانسان ہونے کے عقیدہ سے رجوع کریں۔ اور جسطرح نبیوں نے اپنے ذاتی اعمال کے ذریعہ دُنیا و آخرت کی سُرخرُوئی حاصل فرمائی تھی۔ اُسیطرح وہ بھی جمود کی دلدلوں سے نکل کر عمل کی پہنائیوں میں سرگرم تگ و تاز ہو جائیں۔ تاکہ دُنیا کی کامیابی اور اُخروی فلاح دونوں سعادتیں حاصل کر سکیں۔

قرآن کریم نورِ مبین ہے

• سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اس ظلم و استحصال کے اندھیروں میں ڈوبی ہُوئی دنیا میں پُوری نوعِ انسانی کیلئے روشنی کا مینار جس سے انسانی راہِ حیات کا ہر خطرناک موڑ پُوری طرح نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے، اُسکی نازل کردہ کتاب قرآن کریم ہے۔ چنانچہ قیامت تک کی پُوری نوعِ انسانی کو مخاطب کر کے ارشاد ہُوا ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ اے نوعِ انسانی! بیشک آگئی تمہارے پاس دلیل قاطع مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا طرف سے رب تمہارے کے، اور نازل کی ہم نے طرف تمہاری روشنی مُّبِیْنًا ۱۷۴ ظاہر	اے پُوری نوعِ اِنسانی بلا شُبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (خداوندی حقائق کا مجموعہ قرآن کریم، ہر متنازعہ مسئلہ کے حل کیلئے بصورتِ) دلیل قاطع آگیا ہے یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک ظاہر نُور، (روشنی کا مینار) نازل کر دیا ہے۔ (تاکہ تم ہر قسم کے اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آجاؤ ۱۴/۱)

• ملہ یہاں بُرھان سے مراد قرآن کریم ہے ۔ اس پر اسلاف و اخلاف کے سب کے سب مترجمین و مفسرین صد فیصد متفق ہیں ۔ لیکن نُوراً مُّبِيْنًا سے بعض مترجمین و مفسرین نے آنحضورؐ مراد لیا ہے ۔ اور اسکے ساتھ ذیل کی آیت مجیدہ کو ملاکر آنحضورؐ کو بشر کی بجائے نور قرار دیدیا ہے :۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۵/۱۵ ۔ اس آیت کے الفاظ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ سے بھی آیت بالا زیر بحث ۴/۱۷۴ کیطرح آنحضورؐ ہی مراد لئے گئے ہیں۔

• ملہ مگر دونوں مقامات پر غلطی یہ کیگئی ہے کہ ہر دو آیتوں کے درمیان میں آمدہ واؤ کو عطف مغائرت قرار دیدیا ہے ۔ یعنی آیت نمبر ۴/۱۷۴ میں نور کو برہان سے اور ۵/۱۵ میں نور کو کتاب سے الگ چیز قرار دیا گیا ہے ۔ حالانکہ دونوں آیتوں میں واؤ تفسیری یعنی یعنی ہے ۔ اور دونوں آیتوں کا الگ الگ ایک ہی مفہوم یہ ہے :۔

• اے نوعِ انسانی بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کیطرف سے برھان آیا ہے ۔ یعنی ہمنے تمہاری طرف ظاہر نور نازل فرمایا ہے ۴/۱۷۴

• بیشک تمہارے پاس اللہ کیطرف سے نور یعنی کھول کھولکر بیان کرنیوالی کتاب آگئی ہے ۵/۱۵

اللہ کیطرف سے نازل ہوتی تھی اُسکی کتاب نبی نازل نہیں بلکہ مبعوث کیے جاتے تھے

• دیکھئے ! ۴/۱۷۴ میں نور کے متعلق ارشاد ہوا ہے اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۔ یعنی نور کا نازل کیا جانا بتایا گیا ہے ۔ اور اسیطرح سورہ اعراف میں بھی نور کے نازل کرنے کی خبر دیگئی ہے :۔ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۷/۱۵۷ ۔ اور انہوں نے اتباع کی اُس نور کی جو (رسول) کیساتھ نازل کیا گیا ہے ۔ اسیطرح سورہ تغابن میں بھی نور کا نازل کیا جانا بتایا گیا ہے :۔

• فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۶۴/۸ = پس ایمان لاؤ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسول کیساتھ اور اُس نور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے ۔ دیکھا آپنے ! کہ ہر مقام پر نور کے نازل کرنے کی خبر دیگئی ہے نبیوں کے نازل کرنے کی کہیں بھی خبر نہیں آئی ۔ پس آیت زیر بحث ۴/۱۷۴ میں نور سے مراد آنحضورؐ نہیں بلکہ قرآن کریم ہے ۔ کیونکہ آنحضورؐ مبعوث ہوئے تھے ، نازل نہیں ہوئے تھے ۔ نازل ہوا تھا قرآن کریم ۔

تورۃ اور انجیل بھی اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نور تھیں

• اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۵/۴۴ = بیشک ہمنے تورٰۃ نازل فرمائی تھی اُس میں ہدایت اور نور تھا ۔

• وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۵/۴۶ = اور ہمنے (عیسٰیؑ) کو انجیل عطا فرمائی ، اُس میں ہدایت اور نور تھا ۔

• اب غور فرمائیں کہ اِن آیات کریمات میں تورٰۃ اور انجیل کو بھی نور کہا گیا ہے ۔ یہ نور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں تھیں ، جو انسانی زندگی کی تاریک راہوں کو روشن کرنیوالی تھیں ۔ اللہ کے نبی بشر تھے ۱۴/۱۱ + ۱۸/۱۱۰ + ۱۷/۹۳ ، نور نہیں تھے بلکہ اُن میں سے ہر نبی صاحبِ نور تھا ۔ ہر نبی کیساتھ نور نازل کیا گیا تھا :۔ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۶۴/۸ ۔ اَلنُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۷/۱۵۷

• اللہ کے جملہ نبی رسول نوع اور جنس کے لحاظ سے صد فیصد بشر تھے ۔ پیدا ہوئے ، طبعی زندگی کی تمام منزلیں بچپن ، جوانی اور بڑھاپا طے کیں ، اور بالآخر فوت ہوگئے ۔ یہ جملہ صفات نوعِ بشری کی ہیں ، نور کی نہیں ۔ نور ، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب

قرآن مجید ہے، جس نے کائنات کی تاریک راہیں روشن کر کے خطرے کا ہر مقام نمایاں کر رکھا ہے۔ مگر ولئے حسرتا! کہ نوعِ انسانی ہر آن خطروں ہی کی طرف رواں دواں چلی جا رہی ہے۔

• واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ ۴/۱۷۵، درحقیقت سورہ نسآء کی آخری آئت ہے۔ اس سے اگلی آئت مجیدہ ۴/۱۷۶، اُس مسئلہ وراثت کا تتمہ ہے جو ۴/۱۱ تا ۴/۱۴ میں سورت مجیدہ کی ابتداء میں گزر چکا ہے۔ پس سورہ نسآء کے اخیر میں اِس آئت مجیدہ کے مختصر اور جامع الفاظ میں قرآنی نظام کا خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔ لہذا اِس کا مفہوم اور اِسکے ضمنی نوٹ بغور ملاحظہ فرمائیں۔ دیکھئے! اِسکے ابتدائی الفاظ ہی میں تکرار تاکیدی کے طور پر بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُسکی کتاب پر ایمان لانے اور کتاب کو عملاً تھامے رکھنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور فضل میسر آتا، اور ہر قسم کے خطرات سے محفوظ سیدھی راہ، صراطِ مستقیم کی نشاندہی نصیب ہوتی ہے:۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ
پھر جو لوگ ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور مضبوط پکڑا اُس کو
فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ
تو ضرور داخل کریگا اُنہیں بیچ رحمت کے طرف اپنی، اور فضل کے
وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ؕ ۱۷۵
اور رہنمائی کریگا اُنہیں طرف اپنی راستہ سیدھا

پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں (اُسکے حکم کے مطابق اللہ، ملائکہ، کُتب، رُسل اور قیامت پر ایمان لائیں)، اور اُس (کی کتاب) کو مضبوط تھام لیں۔ تو وہ ضرور اُنہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کریگا۔ (اُنکی تمام سیاسی اور اقتصادی مشکلیں دُور کر دیگا) اور وہ اُنہیں اپنی طرف سیدھے راستے کی راہنمائی کریگا (جو سیاسی اور اقتصادی خطرات سے بھی محفوظ ہوگا۔ اور اُخروی زندگی کی کامیابی بھی میسر آئیگی)۔

(نوٹ) اِس آئت مجیدہ کے ضمنی نوٹ ذرا لمبے ہیں۔ نمبروار بغور ملاحظہ فرماتے چلے جائیں:۔

• ۱ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ کا معنیٰ لکھا گیا ہے کہ وہ اللہ پر یعنی اُسکے حکم کے مطابق اللہ، ملائکہ، کُتب، رُسل اور قیامت پر ایمان لائیں۔ اِن معنوں کی صحت کیلئے واضح رہے کہ اِس آئت مجیدہ میں ایمان کی رُو سے صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کو دُنیوی و اُخروی سعادت کیلئے کافی جاننا، مطلقاً غلط، اور تعلیم قرآنی کے صد فیصد خلاف ہے۔ فہم قرآن کیلئے تصریفِ آیات کے قرآنی اصول کو ہر آن نگاہوں میں رکھنا لازم ہے۔ پس غور فرمائیں کہ آئت زیر بحث میں اللہ پر ایمان لانے اور اُسے مضبوط تھام لینے کا نتیجہ دو چیزیں بیان ہوئی ہیں:۔

۱۔ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ = تو اللہ اُنہیں ضرور اپنی طرف سے رحمت اور فضل میں داخل کریگا۔

۲۔ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا = اور رہنمائی کریگا اُنہیں اپنی طرف سیدھے راستے کی۔ • واضح رہے کہ صراطِ مستقیم اور رحمت و فضل لازم و ملزوم ہیں۔ اصل چیز ہے صراطِ مستقیم کا میسر آنا۔ جس کا تعلق ایمان اور عمل دونوں کیساتھ وابستہ ہے۔ ایمان کے ضمن میں اِسی سورہ نسآء کی آئت نمبر ۱۳۶ میں پیچھے گزر چکا ہے:۔

• وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۴/۱۳۶ = اور جس نے اِنکار کیا اللہ کا، اور اُسکے ملائکہ کا، اُسکی کتابوں کا، اُسکے رسولوں کا، اور یوم آخرت کا، تو وہ (صراطِ مستقیم سے بھٹک کر) دُور

کی گمراہی میں گمراہ ہو گیا۔

• دیکھئے! تصریف آیات کے قرآنی اسلوب کے مطابق، صراطِ مستقیم کو پانے اور اس سے بھٹک کر گمراہ ہو جانے سے بچنے کیلئے اکیلے اللہ پر ایمان لانا کافی نہیں بتایا گیا، بلکہ ایمان کی پانچ شقیں بتائی گئی ہیں۔ اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور قیامت پر ایمان لانا۔ پس تفسیر القرآن بالقرآن کے مطابق ۵/۱۷۵ کے الفاظ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ کا جو یہ مفہوم اوپر لکھا گیا ہے، صحیح ہے :۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں (اُسکے حکم کے مطابق اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور قیامت پر ایمان لائیں)۔

• ۲ـ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ کا معنی لکھا گیا ہے۔ "اور اُسکی کتاب کو مضبوط تھام لیں"۔ اس مفہوم کی صحت کا ثبوت بھی قرآن کریم کی تصریف آیات میں موجود ہے۔ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ کا لفظی معنی ہے:۔ "اور اُس (اللہ) کو مضبوط تھام لیں" ـــ اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑنا، اُسے مضبوط تھامنا تو ممکن ہی نہیں، کیونکہ وہ کوئی مادی شئے تو ہے نہیں، جسے مضبوط پکڑا جاسکے۔ اِسلئے وَاعْتَصَمُوْا کا قرآنی معنی بھی قرآنی تصریف آیات کیساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ باری ہے :۔

• یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۰ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۰ ۳/۱۰۲-۱۰۳ = ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے اِسطرح بچو جو بچنے کا حق ہے۔ اور تم نہ مرنا مگر اِس حالت میں کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو۔ اور اللہ کی رسّی کو مضبوط تھام لو ـــ دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں اعتصام بحبل اللہ کا حکم دیا گیا ہے حبل کا لفظ مجاز کے طور پر کتاب کیلئے استعمال ہوا ہے جسکی وضاحت سورہ مریم میں بالفاظ ذیل کر دیگئی ہے :۔

• یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ط ۱۹/۱۲ = اے یحییٰ کتاب کو قوت کیساتھ پکڑ لے ـــ غور فرمایئے! کہ اس آیت مجیدہ میں، وَاعْتَصِمُوْا کی بجائے خُذْ بِقُوَّۃٍ آیا ہے، اور حَبْلِ اللّٰہِ کی بجائے کتاب کا لفظ لایا گیا ہے۔

• پس تصریف آیات کے قرآنی فیصلے کے مطابق سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ ۵/۱۷۵ میں وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ کا یہ معنی صد فیصد صحیح ہے :۔ "اللہ کی کتاب کو مضبوط تھام لو" ـــ لیکن یہاں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کی کتاب قرآن مجید کو دونوں ہاتھوں کیساتھ مضبوط پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے؟ اور کیا اِسطرح کتابُ اللہ کو دونوں ہاتھوں کیساتھ مضبوط پکڑنے سے اللہ کی رحمت اور فضل میں داخلہ مل جائیگا۔ اور کیا اس سے صراطِ مستقیم کی رہنمائی ہو جائیگی؟ ہرگز نہیں۔

• برادرانِ عزیز! یہاں پھر تصریف آیات کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ انعام میں ارشاد ہوا ہے :۔

• وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْہُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۰ ۶/۱۵۵ = اور یہ کتاب (قرآن مجید) بابرکت ہے جسے خود ہمنے نازل کیا ہے۔ پس تم صرف اسی کی اتباع کرو۔ (یعنی اس میں درج حکموں پر عمل کرو) اور (اس میں جن کاموں سے منع کیا گیا ہے۔ اُن سے) بچو، تاکہ تم رحم کئے جاؤ ـــ حاصل کلام یہ کہ اعتصام بحبل اللہ سے مراد اعتصام بکتب اللہ ہے۔ اور اعتصام بالکتب کا معنی ہے، کتاب میں درج اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنا۔ اور جن اعمال سے اُس نے منع کر دیا ہے اُن سے بچتے رہنا۔ اور اسی چیز کا نتیجہ ۵/۱۷۵ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کی جزا کے طور پر اپنی رحمت اور فضل میں داخل کر دیگا۔ اور صراطِ مستقیم کی رہنمائی فرمائیگا۔

قرآنی حکومت اللہ کا فضل و رحمت ہے

● ۱۷۵ فَسَیُدۡخِلُهُمۡ فِیۡ رَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَفَضۡلٍ کا معنی لکھا گیا ہے :۔ تو وہ انہیں ضرور اپنی رحمت اور فضل میں داخل کر دیگا ۔ (انکی تمام سیاسی اور اقتصادی مشکلیں دور کریگا)
۔۔ اس مفہوم کی صحت کیلئے تصریف آیات کا خداوندی فیصلہ ملاحظہ فرمائیں :۔

● حضرت داؤد سلام علیہ کو اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی عطا فرما رکھی تھی ، جس کی خبر خود آپؑ ہی کو مخاطب کرکے بالفاظ ذیل دیگئی ہے :۔ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰكَ خَلِیۡفَةً فِی الۡاَرۡضِ فَاحۡكُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ ۳۸/۲۶ = اے داؤد ! بلاشبہ ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے (زمین کی حکومت عطا فرمائی ہے) پس تو لوگوں میں حق کیساتھ (یعنی ہماری کتاب کیساتھ) فیصلے کیا کر۔

● سورۂ سبا میں حضرت داؤد کی اِسی خلافت ارضی (یعنی زمینی اقتدار) کو اپنا فضل قرار دیا ہے :۔ وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ ۳۴/۱۰ اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضل (خلافت ارضی ، زمین کے ایک حصّے کی حکومت عطا فرمائی تھی) ۔۔۔ اب ظاہر ہے کہ جس قوم کو خود اللہ کیطرف سے اُسکے فضل کیساتھ ، ارضی اقتدار عطا کیا گیا ہو ۔ اظہر من الشمس ہے کہ اُسکی سیاسی اور اقتصادی تمام مشکلیں اُسیطرح دُور ہو جائینگی ۔ جسطرح حضرت داؤد کی قوم کی جملہ سیاسی اور اقتصادی مشکلیں دُور ہوگئی تھیں ۔ مُلکی دفاع اِسقدر مضبوط تھا کہ کسی بیرونی حملہ کا خطرہ موجود نہ تھا ۔ اور ریاست کا داخلی نظام اسقدر متوازن ربوبیت عالمینی کی اساس پہ قائم تھا کہ اندرونی خلفشار کے پیدا ہونے کا امکان تک موجود نہ تھا ۔ نیز اقتصادی لحاظ سے بھی آپکی حکومت پوری طرح دوسری حکومتوں سے مضبوط اور بے محتاج تھی ۔

● یہاں پہنچکر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ تو اللہ کے نبی تھے ، اُنہیں جو حکومت عطا ہوئی تھی اُسے تو اللہ کی رحمت اور فضل کہنا بجا ہے ۔ غیر نبیوں کیلئے یہ لفظ کسطرح استعمال کیا جا سکتا ہے ؟ اِسکا جواب تصریف آیات کے ذریعہ سورہ بقرہ میں موجود ہے ، جہاں بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے :۔

● یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡكُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۲/۴۷ = اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو ، جو میں نے تم پر ارزانی فرمائی ۔ اور بیشک میں نے تمہیں اُس زمانے کے لوگوں پر فضیلت عطا کی (یعنی ارضی اقتدار عطا فرمایا) ۔۔۔ پس جو بھی حکومت کتاب اللہ کی اساس پہ قائم ہو اور اُس میں کتابُ اللہ کا قانون نافذ کیا جائے ۔ وہ فضل خداوندی اور اُسکی رحمت ہے ۔ ایسے نظام میں بسنے والوں کی جملہ سیاسی اور اقتصادی مشکلیں یقیناً دُور ہو جاتی ہیں ۔

طاغوتی حکومتوں میں سیاسی اور اقتصادی مشکلیں کبھی ختم نہیں ہوتیں

● اِسکے برعکس جو حکومتیں ظلم و تشدد کیساتھ حاصل کی جاتی ہیں ۔ اور جبر و استبداد کی اساس پہ قائم ہوتی ہیں ، نیز اُن میں جابرانہ غیر متوازن نظام قائم کیا جاتا ہے ایسی حکومتوں میں بسنے والوں کی نہ سیاسی مشکلیں حل ہوتی ہیں نہ اقتصادی ۔ بلکہ نت نئے سورج نئی سیاسی مشکلات جنم لیتی رہتی ہیں ، اور اقتصادی اُلجھنیں دِن بدن مزید اُلجھتی چلی جاتی ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر متوازن نظام نت نئے فساد خود پیدا کرتا ہے ۔ طاغوتی حکومتیں جو جبر و استبداد کی اساس پہ قائم ہوتی ہیں ، اُنہیں اللہ کیطرف سے اتمام حجت کیلئے لمبی مہلت دی جاتی ہے تاکہ مُلکی اقتدار جو اُنہیں کسی نہ کسی طرح میسّر آگیا ہے ، اُسکے ساتھ عوام کی خدمت کریں ۔ نوعِ آدم

کے حقوقِ ربوبیّت بحال کرکے احترامِ آدمیت کا ثبوت دیں۔ لیکن جب وُہ لمبی مُہلت سے بھی رجوع الی اللہ نہیں کرتیں تو کسی دوسری قوم سے اُنکا بیٹا یا نچا کرا دیا جاتا اور پھر اُس قوم کی مُہلت کی ابتدا ہوجاتی ہے۔ فراعنہ مصر نے غیر متوازن نظام کے ذریعہ بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت پر ڈاکہ ڈالے رکھا۔ لیکن بالآخر فرعونیت کے آخری نمائندے کو لشکروں سمیت غرق کر دیا گیا۔ اور اُسکی حکومت بنی اسرائیل کو دیدی گئی۔ ارشادِ باری ہے:۔

• فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ○ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ○ 7/136-137 = پھر ہمنے (لمبی مُہلت کے بعد) اُن سے انتقام لیا۔ پھر اُنہیں ہمنے سمندر میں ڈبو دیا۔ اِس سبب سے کہ اُنہوں نے ہماری آیتوں کی عملاً تکذیب کی تھی اور وہ ان سے غافل رہے تھے۔ اور (اُنکے بعد) ہمنے اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا جس کے اندر ہمنے (رباتی کی نباتات اور زرخیز مٹی کی) برکت رکھی ہوئی ہے، اُس قوم کو وارث بنادیا جو اُس زمین میں (حاکم قوم کیطرف سے) کمزور کر دیئے گئے تھے۔

• بنی اسرائیل کی اِسی وراثتِ ارضی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت اور فضل قرار دیا ہے:۔

• یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ○ 2/47+122 = چنانچہ بنی اسرائیل کو بھی لمبی مہلت دیگئی اور بالآخر اُنکی عملاً تکذیبِ آیات کی بدولت اُن سے بھی نعمت و فضل (ارضی حکومت) چھین لی گئی۔

• فی زمانہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ سرکش طاغوتی حکومتیں دن بدن ترقی پر جا رہی ہے۔ اِنہیں کیوں تباہ نہیں کیا جاتا؟ اُن حضرات کو غور کرنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں سرکش طاغوتی قوموں کی نافرمانیوں اور پھر اُنکی تباہی کے جو قصص بیان کیئے گئے ہیں، وہ محض قصّہ گوئی کے انداز میں نہیں لائے گئے۔ اُن قوموں کو بھی لمبی مہلت دیگئی تھی۔ اور موجودہ اقوام کو بھی لمبی مہلت دیگئی ہے۔ جُوں جُوں کسی قوم کا پیمانۂ ظلم لبریز ہوتا چلا جاتا ہے، اُسکی تباہی کے سامان خود اُسی کے ہاتھوں تیار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ختم ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حلیم و بُردبار ہے۔ اُسکی مُہلت کا ایک ایک دن ایک ایک ہزار سال کے برابر ہے:۔

• یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○ 32/5

• وہ (اللہ) امور کی تدبیر کرتا ہے آسمان سے زمین تک، پھر (اُسکی تدبیر) اُسکی طرف عروج کرتی ہے (مکمل ہوجاتی ہے) ایک دن میں کہ اُسکی مقدار اُس ایک ہزار سال کے برابر ہے جو تُم شمار کرتے ہو۔

المختصر! • سورہ مجیدہ النسآء کے اخیر میں اللہ کے فضل و رحمت (خلافتِ ارضی) کو اُسکی نازل کردہ کتاب پر سو فیصد عمل کرنے کیساتھ مشروط کرکے امنِ عالم اور ربوبیّتِ عالمینی کا درسِ عام دیدیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ نہ ربوبیّتِ عامہ کے متوازن نظام کے بغیر دُنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کی اساس پر قائم کیگئی حکومت کے بغیر نظامِ ربوبیّت بروئے کار آسکتا ہے۔

مسئلہ وراثت کا تتمہ

• سورۂ نسآء کی آخری آیت مجیدہ ۴/۱۷۶ مسئلہ وراثت کا تتمہ ہے۔ پچھلے آیات مجیدہ ۴/۱۱ ۴/۱۲ میں مسئلہ وراثت کی باقی تمام شقیں بالوضاحت بیان کر دیگئی ہیں۔ صرف ایک شق کلالہ بے اولاد باقی تھی جسے مسئلہ وراثت کے تتمہ کے طور پر اس آیت میں بیان کرکے سورہ نسآء کو ختم کر دیا گیا ہے۔ کلالہ بے اولاد کے مال متروکہ کی تقسیم مندرجہ ذیل بتائی گئی ہے:۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۗ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي
فتویٰ پوچھتے ہیں تجھ سے ۔ کہدیجئے اللہ فتویٰ دیتا ہے تمہیں بارہ میں
الْكَلٰلَةِ ۚ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ
کلالہ کے ۔ اگر مرد مرجائے ، نہیں واسطے اُسکے اولاد ۔ اور
لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَ
واسطے اُسکے ہو ایک بہن تو واسطے اُسکے آدھا ہے جو اُسنے چھوڑا ۔ اور
هُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ
وہ وارث ہوتا ہے اُس بہن کا ، اگر نہ ہو واسطے اُسکے اولاد۔
فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۗ
پھر اگر ہوں دو بہنیں ، تو واسطے اُنکے دو تہائی ہے اُس سے جو اُسنے چھوڑا
وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ
اور اگر ہوں بھائی بہن بہت سے مرد اور عورتیں تو واسطے ایک مذکر کے ہے
مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۗ
برابر حصہ دو مونثوں کے ۔ بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے تاکہ تم گمراہ نہ ہو
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۱۷۶ ع ۲۴/۵
اور ہے اللہ ساتھ ہر چیز کو خوب جاننے والا

(اے رسول!) لوگ آپ سے فتویٰ پوچھیں گے (کلالہ کے متعلق) آپ کہدیجئیگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کلالہ مرد اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اُسکی اولاد نہ ہو۔ اور اُسکی ایک بہن ہو تو اُس (بہن) کیلئے اُس مال کا نصف ہے جو اُس نے چھوڑا ہو۔ اور (اگر کلالہ عورت مرجائے اور اُسکا ایک بھائی ہو تو) وہ اُسکے سارے مال کا وارث ہے ، اگر اُسکی اُس بہن کی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر (کلالہ متوفی بھائی کی بہنیں) دو مونث ہوں تو اُن کیلئے اُس کا مال دو تہائی حصہ ہے جو اُسنے چھوڑا ہو۔ اور اگر (متوفی کلالہ بے اولاد (مرد یا عورت کے) بہن بھائی بہت سے مرد عورتیں ہوں، تو ایک مذکر کیلئے حصہ ہے دو مونثوں کے برابر۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب اچھی طرح جاننے والا ہے۔ (یعنی جو حصے اُسنے مقرر کئے ہیں علم کے عین مطابق ہیں)۔

• اس آیت مجیدہ کی تفسیر کیلئے اسے پانچ حصوں میں تقسیم کرکے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ الگ الگ ہر حصے کی تفسیر ذہن نشین کرنے میں آسانی رہے:۔

۴/۱۷۶ ۔ حصہ نمبر ۱:۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۗ ...... (اے رسول!) لوگ آپ سے (کلالہ کی دوسری قسم بے اولاد کے متعلق) فتویٰ پوچھتے ہیں

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۚ ...... کہدیجئیگا! کہ (فتویٰ دینا اللہ ہی کا حق ہے) اللہ تمہیں کلالہ کے متعلق فتویٰ دیتا ہے

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ...... اگر کوئی مرد کلالہ مرجائے کہ اُسکی اولاد نہ ہو

وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ	اور اُسکی ایک ہی بہن ہو تو، بہن کیلئے مال متروکہ کا نصف ہے

• غور فرمائیں کہ :۔
متن کے خط کشیدہ الفاظ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ سے کھُل کر عیاں ہوتا ہے کہ یہاں کلالہ بے اولاد کا ذکر ہے۔ اور کلالہ کی ایک قسم ازروئے قرآن کلالہ با اولاد بھی ہے۔ مزید وضاحت کیلئے آئت مجیدہ کا اس سے اگلا حصہ ملاحظہ فرمائیں جسمیں کلالہ عورت کا ذکر ہے۔ اور اِن شرطیہ لاکر بالوضاحت بتادیا گیا ہے کہ کلالہ کی ایک قسم بے اولاد بھی ہوتی ہے۔ اور ایک با اولاد بھی :۔

۴/۱۷۶ کا حصہ نمبر ۲ :۔

وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ	اور (جب کلالہ عورت مرجائے تو) اگر اُسکی اولاد نہ ہو (اور اُسکا ایک ہی بھائی ہو تو) وُہ اُسکے سارے ترکہ کا وارث ہے۔

دیکھیئے! آئت مجیدہ کے اِس حصہ میں اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ کے جملے نے شک وشبہ کے تمام پردے چاک کرکے پوری طرح کھولکر بیان کردیا ہے کہ کلالہ بے اولاد بھی ہوتا ہے اور با اولاد بھی ہوتا ہے۔

متوفی کلالہ بے اولاد کی طرز تقسیم

• آئت مجیدہ کے مندرجہ بالا حصّوں میں کلالہ متوفّی کی وُہ صُورت بیان ہوئی ہے کہ صرف دو بہن بھائی ہیں۔ دونوں کلالہ ہیں۔ بھائی کا بہن کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور بہن کا بھائی کے سوا اور کوئی نہیں۔ دونوں کے نہ ماں باپ ہیں نہ اولاد۔ تو ایسی صورت کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اگر بھائی کلالہ مرجائے تو اُسکی بہن نصف ترکے کی وارث ہوگی اور اگر بہن کلالہ مرجائے تو اُسکا بھائی سارے مال متروکہ کا وارث ہے۔
(نوٹ) اگرچہ یہاں کلالہ مرد وعورت کے زوجین کا ذکر موجود نہیں لیکن ۴/۱۲ کے مطابق اظہر من الشمس ہے کہ اگر وہ موجود ہونگے تو اپنا اپنا حصہ پائینگے۔ اور اگر نہ ہونگے نہیں پائینگے۔

اب آئت مجیدہ کے مندرجہ بالا حصّوں پر غور فرمائیں

• اِن حصّوں سے وضاحتًا ثابت ہے کہ متوفّی اور متوفّیہ کلالہ بے اولاد کے نہ ماں باپ ہیں نہ اولاد ہے۔ تو اب قرآنی کُلیہ کے مطابق متوفّی اور متوفّیہ کے بہن بھائی ہی وارث ہیں۔ اور قرآنی کُلیہ کے مطابق جب بہن بھائی وارث ہوں تو لازمًا بہن (مؤنث) کا حصّہ بھائی (مذکر) کے حصہ سے نصف ہوتا ہے ۔۔۔ قرآن کریم نے اپنے اسی کُلیہ کے مطابق بہن کا حصہ بھائی کے حصّے کا نصف قرار دیا ہے۔ یعنی اگر بہن کلالہ بے اولاد مرجائے تو بھائی کُل ترکہ کا وارث ہوتا ہے۔ اور اگر بھائی کلالہ بے اولاد مرجائے تو بہن نصف کی وارث ہوتی ہے۔ نیز اگر متوفی بھائی کلالہ بے اولاد کی بجائے متوفیہ بہن کلالہ بے اولاد مرجائے تو اُسکی ایک بہن ہو تو پھر بھی بہن نصف ترکہ ہی کی وارث ہوگی۔

باقی نصف کون لیگا؟

• اِس سوال کا جواب مسئلۂ وراثت سے متعلقہ اِس بنیادی قرآنی کُلیہ میں موجود ہے کہ متوفّی کے وارث یا تو اُسکے بیٹے پوتے پر پوتے ہیں اور یا باپ دادا، پردادا :۔ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ۴/۱۱۔ پس کلالہ بے اولاد کی جب صرف اکیلی بہن موجود ہو تو باقی نصف متوفّی کا چچا یا اُسکی اولاد کو ملیگا۔ وہ نہ ہوں تو اگر

دادا کے بھائیوں میں سے کسی کی اولاد میں کوئی موجود ہو تو وہ پائیگا۔ وہ نہ ہو تو اگر پردادا کے بھائیوں میں سے کسی کی اولاد میں سے کوئی موجود ہو تو وہ حقدار ہوگا۔ علیٰ ہٰذا القیاس یہ نصف متوفی کے آبآء دادا، پردادا وغیرہ اوپر والوں میں سے کسی چچا دادا، چچا پردادا اور چچا پر پردادا وغیرہ کی اولاد میں سے کوئی موجود ہو یا موجود ہوں تو وہ وارث ہوگا یا وارث ہونگے۔ اور اگر چچا دادا، چچا پردادا، اور چچا پر پردادا وغیرھم کی اولاد میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو تو باقی نصف بھی متوفی کی موجود وارث بہن ہی کو ملیگا۔ کیونکہ قرآنی کلمہ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ کے دائرہ سے باہر جانا خلاف قرآن ہے۔

متوفی کلالہ مرد بے اولاد کی دو بہنیں

• آیت مجیدہ زیر نظر ۴/۱۷۶ کے اگلے حصے میں بتایا گیا ہے کہ اگر متوفی مرد کلالہ بے اولاد کی بہنیں دو ہیں تو انہیں ترکہ کا دو تہائی ملیگا۔ اور اس صورت میں بھی باقی ایک تہائی متوفی کلالہ کے چچا یا اسکی اولاد کو ملیگا۔ انکی غیر موجودگی میں اگر چچا دادا، چچا پردادا وغیرہ اوپر والوں میں سے کسی کی اولاد ہو تو وہ وارث ہوگی۔ اگر کوئی بھی موجود نہ ہو تو باقی ایک تہائی بھی متوفی کی موجود وارث دو بہنوں کو ہی ملیگا۔ کیونکہ قرآنی کلمہ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ کے دائرہ سے باہر جانا خلاف قرآن ہے۔

۴/۱۷۶ حصہ نمبر ۳:-

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۔۔۔۔۔

پھر اگر ہوں دو بہنیں تو واسطے دونوں کے دو تہائی اُس میں سے جو چھوڑا

پھر اگر (متوفی مرد کلالہ بے اولاد کی) دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کیلئے مال متروکہ کی دو تہائیاں ہیں۔

علاوہ ازیں اگر متوفی یا متوفیہ کے زوجین موجود ہوں تو وہ اپنا قرآنی حصہ پائینگے۔ شوہر ½ اور بیوی ¼۔ اور اگر نہ ہوں تو نہیں پائینگے۔ نیز اگر دو کلالہ بہن بھائیوں یا دو بہنوں کی بجائے صرف دو بھائی کلالہ بے اولاد ہوں، تو وہ ایکدوسرے متوفی بھائی کا پورا پورا ترکہ پائینگے۔ اور اگر صرف دو بہنیں کلالہ بے اولاد ہوں تو اگر چچا، دادا چچا، پردادا چچا پر پردادا چچا وغیرہ کی اولاد میں سے کوئی موجود ہو تو اکیلی بہن ترکہ کا نصف لیگی، اور دو بہنیں ترکہ کا دو تہائی لینگی۔ اور الگ الگ صورتوں میں باقی نصف یا ایک تہائی وہ لینگے۔ اور اگر ان چچا آباء کی اولاد میں سے مطلقاً کوئی فرد موجود نہ ہو تو پھر الگ الگ صورتوں میں اکیلی بہن یا دو بہنیں الگ الگ سارے ترکہ کی وارث ہونگی۔

متوفی مرد یا متوفیہ عورت کلالہ بے اولاد کی دو سے زائد بہنیں

• سطور بالا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اگر متوفی مرد کلالہ بے اولاد کی ایک بہن ہو تو ترکہ کا نصف پاتی ہے۔ دو ہوں تو دو تہائیاں لیتی ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بہنیں دو سے زیادہ ہوں تو پھر تقسیم کی کیا صورت ہوگی؟

• اِس سوال کے جواب کیلئے اِس چیز پر غور فرمائیں کہ جب ایک بہن اور دو بہنوں کے حصوں کی وضاحت کردیگئی ہے تو ایک بھائی اور دو بھائیوں کے حصوں کی وضاحت کیوں نہیں کیگئی؟ اِسکا جواب بالکل واضح ہے کہ اِن صورتوں میں تقسیم وراثت میں

کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ ایک بھائی ہو یا دو، کل ترکہ کے وارث ہوتے ہیں پس اسی اصول کے مطابق متوفی کے دو سے زائد بھائیوں یا دو سے زائد بہنوں کی صورت میں تقسیم وراثت کا ذکر اسلئے نہیں کیا گیا کہ تقسیم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اگر دو سے زائد بھائی ہوں تو وہ پورے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں۔ اور اگر دو سے زائد بہنیں ہوں تو وہ دو تہائی میں برابر کی وارث ہوتی ہیں۔

متوفی مرد یا متوفیہ عورت کالہ بے اولاد کے ملے جلے بہن بھائی

• یہانتک آپ متوفی مرد کالہ بے اولاد اور متوفیہ عورت کالہ بے اولاد کی ایک بہن، دو بہنیں یا دو سے زائد بہنوں کی صورت میں تقسیم وراثت کی الگ الگ صورتیں ملاحظہ فرماچکے ہیں آیت مجیدہ زیر نظر کے اگلے حصے میں اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ اگر متوفی مرد یا متوفیہ عورت کالہ بے اولاد کے پسماندگان میں ملے جلے بہن بھائی ہوں تو بھائی کا حصہ بہن کے حصہ سے دگنا ہوگا:۔

۴/۱۷۶ کا حصہ نمبر ۴:۔

وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً

اور اگر ہوں بھائی بہن مرد اور خواتین

فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ ......

تو واسطے مذکر کے، مانند حصہ دو مونثوں کے ہے

اور اگر (متوفی کالہ یا متوفیہ کالہ کے) بہن بھائی (ملے جلے) مرد عورتیں ہوں۔ تو ایک مذکر (یعنی ایک بھائی) کا حصہ دو مونثوں (یعنی دو بہنوں) کے برابر ہوگا۔

• آیت مجیدہ زیر بحث ۴/۱۷۶ کے آخری جملہ میں، جو سورہ نسآء کے بھی انتہائی آخری الفاظ ہیں مسئلہ وراثت کی تمام مختلف شقوں کے متعلق خصوصاً، اور سورہ نسآء میں درج جملہ مسائل کے متعلق اعلان کر دیا گیا ہے کہ پورا پورا علم رکھنے والے اللہ نے کھول کھولکر بیان کر دیا ہے:۔

۴/۱۷۶ کا حصہ نمبر ۵:۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ

بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے تاکہ نہ بھٹکو تم اور ساتھ اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۧ ۱۷۶ ۲۴

ساتھ ہر چیز کے خوب جاننے والا

ع ۵ / ۴

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (جملہ مسائل کو) کھولکر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم (صحیح راہ سے) بھٹک نہ جاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب اچھی طرح جاننے والا ہے۔

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۲۳/۹۷-۹۸

قرآن کریم

اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب ہے

اور

صحیفۂ فطرت

اللہ تعالیٰ کی فعلی کتاب ہے

• قرآن کریم کی تفسیر توضیح مشاہدات عالم کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب کائنات صحیفۂ فطرت میں، اور تصریف آیات کے ذریعہ اسکی قولی کتاب خود قرآن کریم میں موجود ہے

فالھذا۔

ہم مُفسّرینِ قرآن نہیں

خادمینِ قرآن متصریفِ آیات الفرقان ہیں

یہ ایک مُسلّمہ امر ہے کہ:-

کسی کتاب کے شارح اور مُفسّر کا علم، صاحب کتاب کے علم سے یا تو زیادہ ہونا لازم ہے، یا کم از کم اُسکے برابر،

مگر چونکہ

نہ کسی فردِ بشر کا علم، اللہ تعالیٰ کے علم سے زیادہ ہے، نہ برابر، یہی وجہ ہے

کہ

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کا شارح اور مُفسّر خود آپ ہے

چنانچہ قرآن مجید کے غیر اللہ شارعین کے متعلق ارشاد فرمایا:-

• اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡ بِهِ اللّٰهُ ؕ

۴۲/۲۱ - کیا اُنکے لئے اللہ کے شریک ہیں، جو اُن کیلئے اللہ کے دین کی شرع کرتے ہیں جس کی اللہ نے ہرگز اجازت نہیں دی
• نیز دین اللہ کے غیر اللہ شارع اللہ کو اسقدر ناگوار ہیں کہ آئت مجیدہ کے اگلے الفاظ میں ارشاد ہوا ہے:۔

• وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۴۲/۲۱ =

اور اگر نہ ہوتا فیصلہ (اللہ کیطرف سے فیصلے کے دن کا) تو ان (غیر اللہ شارعین قرآن) کا یہیں فیصلہ کر دیا جاتا۔ بلا شبہ ظالموں (بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں) کیلئے دردناک عذاب ہے۔

• پیچھے واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ کسی کتاب کا شارع اور مفسّر وُہ ہو سکتا ہے جو یا تو صاحب کتاب کے علم سے زیادہ علم رکھتا ہو اور یا کم از کم صاحب کتاب جتنا علم رکھتا ہو۔ مگر جب یہ امر بصورت نصف النہار عیاں ہے کہ کوئی فردِ بشر نہ اللہ تعالیٰ کے علم سے زیادہ علم کا مالک ہو سکتا ہے اور نہ اُسکے برابر کا، لہٰذا کسی بڑے سے بڑے متبحر عالم بزرگ کے متعلق بھی تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا کہ وُہ مفسّر قرآن ہونے کا دعویٰ کر سکے، یا اُسے مفسّر قرآن سمجھا جا سکے۔

• جسطرح ۴۲/۲۱ میں غیر اللہ شارعین دین (قرآن) سے بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے اُسیطرح اِس امر کی بھی بالفاظ ذیل وضاحت کر دی گئی ہے کہ اپنے دین (قرآن کریم) کا شارع خود اللہ تعالیٰ ہے:۔

• شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ..... ۴۲/۱۳ =

(ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے) تمہارے لئے اپنے اُس دین کی خود شرع کر دی ہے جس کی وصیت اُس نے نوحؑ کو فرمائی اور اُسی دین کی شرح کر دی ہے جو (اے رسولؐ!) ہم نے آپکی طرف وحی فرمایا ہے۔

• اور اِس چیز کا فیصلہ بھی باریتعالیٰ نے خود کر رکھا ہے کہ آنحضورؐ کیطرف صرف یہ قرآن مجید ہی وحی کیا گیا تھا:۔

• نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ ۱۲/۳ =

(اے رسولؐ!) ہم آپ پر ایک احسن قصّہ بیان کرتے ہیں۔ اِسلئے کہ ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن وحی فرمایا ہے۔

علمآء کا بورڈ

● ادارہ بلاغ القرآن کی شائع کردہ یہ تفسیر القرآن بالقرآن علماء کے اس بورڈ کی بشری کاوش کا نتیجہ ہے جو صرف خدمتِ قرآن کے جذبہ سے معمور ہیں جنہیں نہ نام ونمود کی خواہش ہے نہ علمی حلقوں میں شہرت کی طلب۔

● یہی وجہ ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن زیر نظر کو ادارہ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ علمآء کے بورڈ نے اپنے اسماء گرامی شائع کرنے کی اجازت بھی نہیں دی۔

WWW.EBOOKSLAND.BLOGSPOT.COM

جَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْجَزَآء

(ادارہ)

حرفِ آخر نہیں

یہ

• قرآن کریم پر صدیوں کے پڑے ہوئے روایات کے دبیز پردوں کو چاک کرنے کی مخلصانہ کوشش ہے۔حرفِ آخر نہیں، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دعوت تفقّہ فی القرآن بتصریفِ آیات الفرقان ہے۔ اِس میں پائی جانے والی ہر خُوبی کتاب الٰہی کی اپنی خوبی ہے۔ اور اگر اس میں کوئی کمی یا خامی پائی جائے، وُہ ہماری کمزوری اور سہو ہے۔قُرآن کریم ہر قسم کی کمیوں اور خامیوں سے پاک و مُنزّہ ہے۔

WWW.EBOOKSLAND.BLOGSPOT.COM

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰۔ این سمن آباد لاہور

بمعاونت

ملک سُلطان محمود صاحب لاہور

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝
وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝
فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝
لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝

۵۶ الواقعہ
۷۷ - ۸۳

مفہوم

۱-: میں نجوم کے مشرق و مغرب کی طرف باقاعدگی کے ساتھ سفر کرنے والوں کی شہادت پیش کرتا ہوں۔
۲-: کاش تم جانتے کہ وہ کتنی بڑی شہادت ہے۔ (کہ پیغمبر عربی کی تعلیم انسانی موت و حیات کا مکمل دستور العمل ہے۔)
۳-: یقیناً وہ قرآن بہت عظمت والا ہے۔
۴-: وہ محفوظ کتاب میں موجود ہے۔
۵-: اس (قرآن) کی حقیقت کو وہی لوگ پاتے ہیں۔ جو کفر و شرک کی تمام نجاستوں سے پاکیزہ ہیں۔ یعنی جسم و جان سے ستھرے ہوں۔
۶-: اور اس کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے۔
۷-: کیا اس حدیث (قرآن کریم) کے بارہ میں تم مداہنت سے کام لیتے ہو۔

امتِ مسلمہ (اہل الذکر و القرآن) (پاکستان)

فہرستِ مضامین تفسیر القرآن بالقرآن۔ (جلد سوم)

مضامین	صفحہ
قرآن فہمی کے قرآنی اصول	۲
سورۃ المائدہ	۳
سابقہ سورت کے ساتھ ربط	۴
بہیمۃ الانعام جگالی کرنے والے چوپائے۔	۶
حلت کا تمیزی نشان جگالی ہے	۸
حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی	۱۰
نیازِ کعبہ کے تحائف کی بے حرمتی	۱۲
نیازِ کعبہ، قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی۔	۱۳
قصدِ بیت اللہ کرنے والوں کی بے حرمتی	۱۳
ایامِ حج میں بری شکار حرام ہے	۱۴
دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کرو	۱۵
بھلائی میں تعاون اور برائی میں عدم تعاون۔	۱۶
لحم الخنزیر، ایک غلط فہمی کی وضاحت	۱۹
تکمیلِ دین	۲۰
حرام شکاری جانوروں کے ذریعہ شکار حلال۔	۲۱
سدھائے ہوئے کتے کا پکڑا ہوا شکار۔	۲۲
جبلی تعلیم۔ ذبح کے بغیر شکار حلال نہیں۔	۲۲
اہلِ کتاب کے کھانے اور رشتے	۲۳
وضو کا حکم	۲۴
تیمم سے مراد مٹی ملنا نہیں	۲۸
مسئلہ تیمم پر روایات کی حاشیہ آرائی	۲۹
اللہ کی نعمت اُس کا قانون ہے۔	۳۰
ہر فرد کا حصہ ضروریاتِ زندگی ہیں	۳۶
امن و سکون کا قرآنی نسخہ	″
یہود و نصاریٰ سے اتمامِ حجت	۳۸
نُورٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ میں واؤ تفسیری ہے۔	۳۹
آنحضور صلعم کی بشریت	″
آنحضور صلعم کی اتباع	۴۰
وفاتِ مسیح علیہ السلام و مریم رضہ	۴۱
یہود و نصاریٰ کا دعویٰ ابن اللہ	۴۲
لمبی غلامی کے گہرے اثرات	۴۵
اشرف المخلوقات انسان ہے۔ گویا نہیں ہے۔	۵۲
بھائی کا قتل واقعہ بنی اسرائیل ہے	۵۳
ایک جان کا قتل نوعِ انسانی کا قتل ہے۔	۵۴
سود خوری کی سزا	۵۶
قرآنِ کریم وحشیانہ سزاؤں کا حامل نہیں	۵۷
اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا صحیح نہیں	″
قرآنِ کریم زندگی اور آزادی کا ضامن ہے	۵۸
اتقوا، اور وسیلہ کا مفہوم	۶۰
جَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ کا مفہوم	۶۱
جملہ انبیاء کا دین اور شریعت ایک تھی۔	۶۵
قید خانے نہیں اصلاح خانے	۶۶
یہود کی مفاد پرستی	۶۸
اصل توریت میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا۔	۶۹
فیصلے صرف منزل من اللہ کے ساتھ کئے جائیں۔	۶۹
اصل انجیل میں بھی ہدایت و نور تھا	۷۰

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
قرآن حکیم توریت وانجیل کا نگہبان ہے	۷۱	المیسر کیا ہے؟ الانصاب کیا ہیں؟	۹۷	توہماتی دلدلوں سے نکلو	۱۱۱
آنحضورؐ کو صرف ما انزل اللہ کے		الازلام کیا ہیں ؟	۹۸	بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کیا	۱۱۱
ساتھ فیصلے کرنے کا تکراری حکم۔	۷۳	خمر و میسر دونوں منبع بغض وعداوت	۹۹	ہیں ؟	
کیا یہودی سچ مچ بندر بن گئے تھے؟	۷۹	ہیں۔		باپ، دادا کا تواتر کوئی سند نہیں	۱۱۲
اس پر دو ضمنی سوالوں کے جوابات	۸۰	غلط معاشرہ کا واحد قرآنی حل	۱۰۰	شہادت کی تحقیق، اپیل کا حق	۱۱۴
یہود کے علماء ومشائخ کی غباوت	۸۱	نظام صلوٰۃ یعنی متوازن معاشی		قرآنی فہم کے متعلق ایک اہم آیت مجیدہ	۱۱۵
اللہ کے دو ہاتھ	۸۲	نظام۔	۱۰۰	بنی اسرائیل کا ہموار معاشرہ کا انکار	۱۱۸
اللہ کے دو ہاتھ اُس کی صفاتِ		قرآنی معاشرہ کے تدریجی مراحل	۱۰۱	حواریوں کا ہموار معاشرہ کا شوق	″
رحمانیت ورحیمیت ہیں۔	۸۳	مومنوں کے انقام کا امتحان	۱۰۲	ہموار معاشرہ ہی عید ہے۔	۱۱۹
مساوی تقسیم رزق کا پہلا نمبر ہے	۸۴	ایامِ حج میں بری شکار منع کیوں؟	۱۰۳	عید کا قرآنی مفہوم	۱۲۰
ایمان کی پانچ شرطیں	۸۸	ایامِ حج میں بحری شکار کی اجازت	۱۰۴	نزول بمعنی انسان کی محنت کا بدلہ	۱۲۲
نصاریٰ کے دو عقیدے	۸۹	مرکزیتِ بیت الحرام کی اہمیت	۱۰۵	نزول من الشئ کی قرآنی اصطلاح	″
حضرت مسیحؑ کا حقیقی مقام	۹۰	پوری نوعِ انسان کو قدموں پر		نصاریٰ کے ہر سہ عقائد کا بطلان	۱۲۴
الوہیت کھانا کھانے سے صد بعید		کھڑا کرنے کے چار اہم ذرائع	۱۰۵	قیامت کی کامیابی اعمال صالحہ کا	
پاک ہے۔	۹۱	حرمت والے مہینے ہدی اور قلائد	۱۰۶	نتیجہ ہے۔	۱۲۵
نفع یا نقصان پہنچانا مسیحؑ ومریمؓ		شعائر اللہ ہیں۔		مسئلہ جبر واختیار	۱۲۶
سمیت کسی کے بھی قبضے میں نہیں۔	۹۱	حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی	۱۰۶	لفظ قدیر کی قرآنی لغت	۱۲۷
یہودی مسلمانوں کے شدید ترین دشمن		ہدی کی بے حرمتی، قلائد کی بے حرمتی	۱۰۶	**سورۃ الانعام**	۱۲۹
ہیں۔	۹۳	ایک لمحۂ فکریہ، تکوینی نظام کی شہادت	۱۰۷		
سارے عیسائی مسلمانوں کے دوست	۹۴	کثرت صداقت کی دلیل نہیں	۱۰۸	اندھیرے بہت سے مگر روشنی ایک	۱۳۱
نہیں ہیں۔		قرآن حکیم مکمل ضابطۂ حیات ہے	۱۰۸	انسان کی طبعی عمر	۱۳۳
اللہ کے حلال کو ٹھہراتی والی قسمیں	″	شخصی آزادی	۱۰۹	نظریۂ وحدت الوجود	۱۳۴
کفارہ ادا کرکے توڑ دیا کرو۔	۹۶	لباس اور حجامت	″	نظام ربوبیت کے قیام کی پیشگوئی	۱۳۵
ہر نشہ آور چیز حرام ہے، الخمر کیا ہے؟	۹۷	بال کٹوانا یا منڈانا	۱۱۰	آنحضورؐ کے مخالف ہلاک کر دیے گئے تھے	۱۳۶

مضامین	صفحہ
لکھی ہوئی کتاب کے نزول کا مطالبہ	۱۳۸
انبیاء کا کوئی قلعہ تھا اور نہ محل اور نہ دیوان خانہ۔	۱۴۰
ربوبیتِ عامہ کا قرآنی تصور	۱۴۲
قربِ الٰہی	۱۵۰
ضابطۂ الٰہی ہر استحصالی گروہ کے مفاد سے ٹکراتا ہے۔	۱۵۴
انسان کے سوا کوئی نوع صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں ہے۔	۱۵۷
جو کوئی ہدایت پاتا ہے خود پاتا ہے۔ اور جو گمراہ ہو جاتا ہے خود ہو جاتا ہے۔	۱۵۹
اِنشاء کا قرآن کا مفہوم	۱۶۰
قوانینِ جاریہ میں کافر مومن کی کوئی تمیز نہیں۔	۱۶۱
تصریفِ آیات کا مخصوص قرآنی اسلوب	۱۶۴
تفقہ فی القرآن بذریعہ تصریفِ آیات	۱۶۵
آنحضور کا طریقۂ درسِ قرآن بھی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ تھا۔	۱۶۵
قابلِ اتباع صرف قرآن حکیم ہے۔	۱۶۷
جماعت صرف سچے اور پکے مومنوں کی کے ساتھ بنتی ہے۔	۱۶۸
سلامِ مسنون	۱۶۹
بلا توبہ و اصلاح مغفرت نہیں۔	۱۷۱

مضامین	صفحہ
جس کی عبادت اسی سے دعاء	۱۷۳
عبادت اور دعا باہم مترادف ہیں۔	۱۷۴
حکم بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور غیب کی چابیاں بھی صرف اسی کے پاس ہیں۔	۱۷۴
اور ہر خشک و تر چیز اس کے علم میں موجود ہے۔	۱۷۵
جملہ مصائب سے نجات دہندہ، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔	۱۷۹
آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک سے اعراض (۷/۹۸)	۱۸۲
گڑھا کھانا اور گرم پانی سزا ہے غیر اللہ سے مدد و مرادیں مانگنے کی۔	۱۸۴
کُن فیکون اور نفخِ صور	۱۸۵
نفخِ صور۔ نفخِ اوّل	۱۸۸
نفخِ صور کے متعلق سائنسدانوں کے سوال کا جواب۔	۱۸۹
صور کیا ہے؟ ایک علمی نکتہ	۱۹۱
نفخِ ثانی	۱۹۲
ایک اہم اعتراض کا جواب	〃
نفخِ ثانی کے متعلق سائنسدانوں کا اہم مشاہداتی سوال۔	۱۹۵
کس قانون کے مطابق مردوں کو زمین سے نکال لیا جائے گا	۱۹۶
مادۂ مبارکہ کیا ہے؟	۱۹۷

مضامین	صفحہ
شعور کی واپسی	۱۹۸
قیامت کو صرف انسان زندہ کئے جائیں گے حیوانات نہیں۔	۲۰۰
ولادت حضرت ابراہیم کے متعلق تفسیر موضح القرآن۔	۲۰۶
قوم کا حضرت ابراہیم کے ساتھ جھگڑا سب نبیوں کو ایک ہی دین ملا تھا۔	۲۰۹
بفرضِ محال اگر نبی بھی شرک کرتے تو ان کے عمل بھی ضائع ہو جاتے۔	۲۱۰
سلسلۂ انبیاء ختم ہو چکا ہے۔	۲۱۰
تحفظِ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم	۲۱۱
قرآنِ کریم کی اتباع ہی ہدایت انبیاء اور ملتِ ابراہیم کی اتباع ہے	۲۱۳
آنحضور کے اعلانات متعلقہ عدم حصولِ اجرِ رسالت	۲۱۵
مودۃ فی القربیٰ کے متبادل قرآنی الفاظ۔	۲۱۶
اللہ تعالیٰ گٹھلیوں اور بیج کو پھوڑنے والا ہے۔	۲۲۳
اللہ تعالیٰ صبحوں کو پھاڑنے والا ہے۔ (۹/۹۷)	۲۲۳
ستارے راہ نمائی کے لئے ہیں	۲۲۷
نفسِ واحدہ کی تفسیر ۷/۹۹	۲۲۷

مضامین	صفحہ
مسئلہ تخلیق نوع آدم	۲۲۷
کیا ہر بیوی اپنے شوہر ہی سے نکلی ہوئی ہے؟	۲۳۰
مسئلہ حیوانات کا حصولِ رزق	۲۳۵
مسئلہ نوعِ انسانی کا حصولِ رزق	۲۳۶
مُسْتَقَرّ و مُسْتَوْدَع کی تفسیر	״
مستودع کا متبادل قرآنی مفہوم	۲۳۸
سائنسی معلومات کو نہ ماننے والے اور اُن پر نہ عمل کرنے والے محروم رہتے ہیں۔	۲۴۰
مسئلہ جن کی بحث	۲۴۱
شہروں اور دیہاتوں کے جن و انسان ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔	۲۴۲
مجرم انسان جنوں اور انسانوں کے ہاں پناہ لیتے ہیں۔	״
جن سواریوں کے محتاج ہیں	۲۴۳
جنوں اور انسانوں کی خوراک ایک	״
اولاد کے لئے قانونِ الٰہی صرف زوجیت ہے۔	۲۴۴
اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی عقل پا سکتی ہے۔	۲۴۵
اللہ کے ساتھ انسان کا تعلق صرف عبودیت کا ہے۔	۲۴۶
آنحضورؐ بحکم خداوندی تصریفِ آیات کے ساتھ درسِ قرآن دیا کرتے تھے	۲۴۷
مسئلہ تبیینِ قرآن۔ قرآن کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے اور خود قرآن کے اندر کر دی ہے۔	۲۴۸
قرآن مجید کی تفسیر بھی خود اللہ تعالیٰ نے آپ کر دی ہے۔	۲۴۹
قرآن مجید کی شرح بھی اللہ نے آپ کر دی ہے۔	۲۵۰
قرآنِ کریم کی روایتی تفسیر بھیڑ پکڑے لے جاگا۔	۲۵۱
واجب الاتباع صرف قرآن کریم ہے	״
دوسروں کے معبودوں کو بُرا مت کہو ورنہ وہ تمہارے معبود کو بُرا کہیں گے۔	۲۵۲
معجزات اور قرآنِ کریم	۲۵۴
جغرافیہ اور سائنس اللہ کے معجزے ہیں۔	״
کفار کا طلبِ معجزات	״
اللہ تعالیٰ کیا کچھ نہیں کر سکتا؟	۲۵۵
انسانوں اور جنوں میں سے نبیوں کے مخالفین۔	۲۵۶
اللہ تعالیٰ کا حکم نامہ صرف قرآنِ کریم ہے۔	۲۵۸
اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرنا (۶/۱۲۰)	۲۶۰
ضابطۂ خداوندی کی مخالفت کرنے والے بڑے بڑے بزرگوں کے لباس میں بستی بستی اور قریہ قریہ موجود ہیں۔	۲۶۲
زمانۂ رسالت میں یہ حالت یہود و نصاریٰ کے بزرگوں کی تھی۔	۲۶۳
خود فریبی کی انتہا	״
آیاتِ قرآنیہ مفصل ہیں۔ اور ذریعہ ہدایت و نصیحت ہیں۔	۲۶۴
صلوٰۃ موقت نماز کی جزئیات	۲۶۵
کائناتی و تنزیلی توافیق	۲۶۶
سرمایہ دار اور ان کے مددگار کیا کسب کرتے اور کیا چالیں چلتے ہیں؟	۲۶۷
ایک اہم اعتراض کا جواب	۲۶۹
پیروں کی نذر میں قتلِ اولاد ہے	۲۷۲
ہر چیز کو پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔	۲۷۵
اللہ کا حصہ (زکوٰۃ) آمدنی میں سے ادا کرنا ہے بچت میں سے نہیں	۲۷۶
اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانا شیطانی فعل ہے۔	۲۷۷
شرک کے تین اقسام ہیں	۲۸۳

مضامین	صفحہ
شفیع صرف اللہ تعالیٰ ہے	۳۶۷
ایک غلطی کا ازالہ	۳۶۸
سورۂ ھود	۳۷۶
سورۂ مومنون	۳۷۷
مسئلہ بشریت انبیاء اور قرآن کریم۔	۳۷۷
حضرت نوح کو طوفان سے کس طرح بچایا گیا؟	۳۷۸
قوم نوح کے پانچ بیر	"
کیا طوفان نوح ساری زمین پر آیا تھا؟	"
کیا کشتی نوح میں ہر نوع کے جوڑے سوار کیے گئے تھے؟	۳۷۹
حضرت نوح کی بسائی ہوئی متوازن بستیاں قوم عاد نے بھی اللہ کے شریک بنا رکھے تھے؟	۳۸۱
سورۂ ہود	۳۸۳
سورۂ شعراء	۳۸۴
قوم عاد ایک جابر قوم تھی - وہ اپنی فتح کی یادگاریں بڑے بڑے مینار بنایا کرتے تھے۔	۳۸۴
سورۂ حم سجدہ	۳۸۵
سورۂ قمر	۳۸۶
سورۂ الذاریات	"
سورۂ احقاف	"

مضامین	صفحہ
سورۂ الحاقہ سات راتیں	۳۸۶
آٹھ دن متواتر آندھی چلتی رہی	۳۸۷
حضرت ہود اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون جاریہ کے مطابق نجات دی تھی۔	"
قوم ثمود بھی آبائی تواتر کی قائل تھی۔	۳۹۱
قوم ثمود کو تین دن کی مہلت دی گئی تھی۔	۳۹۲
سورۂ شعراء	۳۹۲
سورۂ نمل	۳۹۳
سورۂ قمر	۳۹۴
سورۂ الشمس	۳۹۵
قوم ثمود کے جرائم	"
ناقہ صالح کی حقیقت	۳۹۶
روایاتی تفسیر	"
قوم لوط کا تذکرہ	"
سورۂ ھود	۳۹۷
قوم لوط پر لائے گئے عذاب کی تفصیل۔	۴۰۰
المختصر	۴۰۲
ایک اہم سوال کا جواب	۴۰۳
دو اور اہم سوالات	"
دوسرا اہم سوال	۴۰۴
سورۂ فیل	۴۰۶

مضامین	صفحہ
انگوٹھی کا نگینہ	۴۰۸
ایک اہم آخری سوال	۴۰۹
قوم شعیب	۴۱۱
عبادت کا معنی ہے حکم ماننا - اور الٰہ کا معنی ہے حاکم۔	۴۱۱
قوم شعیب مومنوں کو دھمکیاں دیتی تھی۔	۴۱۲
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کا صحیح مفہوم	۴۱۴
حضرت شعیب کی ہجرت	۴۱۶
سورۂ ہود	"
صلوٰۃ موقت کی حقیقت کو بدل دینا	۴۱۷
سابقہ امتوں کی پرانی روش ہے	
صلوٰۃ پوجا پاٹ نہیں ہے۔	"
بے روح نماز	۴۱۸
رجوع الی المقصود	"
سورۂ حجر	۴۱۹
سورۂ شعراء	"
سورۂ عنکبوت	۴۲۰
افراد معاشرہ کی ذمہ داری سربراہِ مملکت پر ہے۔	۴۲۲
قوم فرعون	۴۲۳
ناہموار تقسیم رزق فساد ہے اور ناہموار تقسیم کرنیوالے فسادی ہیں۔	۴۲۴

مضامین	صفحہ
شرک فی الذات	۲۸۳
شرک فی الصفات	"
شرک فی الحکم	۲۸۴
قتل میں الا بالحق کی استثنیٰ	۲۸۷
تمام نبیوں کو ایک ہی کتاب دی گئی تھی ۔	۲۹۰
ملائکہ	۲۹۳
عوام کے ذہنی ملائکہ	۲۹۴
ملائکہ کے متعلق ایک اہم سوال	۲۹۵
مسئلہ توبہ	۲۹۶
جب عذاب آجائے تو پھر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا ۔	۲۹۷
جب موت حاضر ہو جائے ۔ تو پھر بھی ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا ۔	"
شکست اور گرفتاری کے بعد بھی ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہے ۔	"
روایتی تفاسیر	۲۹۸
دجال اور دابۃ الارض	۲۹۹
اللہ تعالیٰ کی مخصوص شفقت	۳۰۲
مسئلہ زکوٰۃ	۳۰۳
عشر، دسواں حصہ زکوٰۃ ہے	"
سورۃ اعراف	
تعارف	۳۰۹

مضامین	صفحہ
ربط (اعراف با سورۃ انعام)	۳۱۰
منزل من اللہ بھی صرف قرآن کریم ہے ...اور واجب الاتباع بھی صرف اور صرف قرآن کریم ہے ۔	۳۱۲
ایک نکتہ لطیف	۳۱۳
اتباعِ رسول سے	"
ایک تاریخی المیہ (پہلی دلیل اور دوسری دلیل)	۳۱۴
قرآن کریم قوموں کے عروج و زوال کے اصول اور قواعد سے بحث کرتا ہے ۔	۳۱۵
عذاب آ چکنے پر اعترافِ جرم	"
قیامت کی عدالت میں رسولوں اور اُن کی امتوں سے الگ الگ جواب طلبی ۔	۳۱۶
قیامت ایک یقینی چیز ہے ۔	۳۱۷
رجوع الی المطلب	۳۱۹
شکر کے قرآنی معنے	۳۲۰
طبقاتی نظام فرعونی نظام ہے ۔	۳۲۱
نوعِ انسانی میں نفسِ امارہ کو پیدا کرنے کا فلسفہ ۔	۳۲۲
ابلیس، نفس امارہ کی پہلی فریب کاری	۳۳۲
پوری نوعِ انسانی کے لئے اس عنوان کے ابتداء میں بھی اور انتہا میں بھی	۳۳۸

مضامین	صفحہ
ساری حقوق انسانی کا اعلان	۳۳۸
اُخروی عدالت کی حاضری کو ہمیشہ یاد رکھو ۔	۳۳۸
لباس التقویٰ اور جسمانی لباس	۳۳۹
آباؤ اجداد کا تواتر، دلیل صداقت نہیں ۔	۳۴۴
الفحشاء بمعنی غصبِ حقوقِ ربوبیت	۳۴۴
صلوٰۃ اور ربوبیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے ۔	۳۴۶
ترکِ زینت اور ترکِ غذا کا	۳۴۷
عقیدہ مطلقاً غیر قانونی ہے اور غیر قرآنی ہے ۔	۳۴۸
دیکھا آپ نے کہ :۔	۳۴۹
ایک لمحہ فکریہ	۳۵۰
اللہ تعالیٰ نے کیا حرام کیا ہے ؟	۳۵۰
اقوام عالم کے عروج و زوال کے اٹل خداوندی قوانین ۔	۳۵۲
قیامت کا عذاب	۳۵۶
رجوع الی المقصود ۔	۳۵۷
جملہ معترضہ کی اہم قرآنی مثال	۳۶۰
اصحاب اعراف	۳۶۲
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اپنے علم کے مطابق مفصل کر دیا ہے ۔	۳۶۵
اللہ کے علم سے کس کا علم افضل ہے ۔	۳۶۶

مضامین	صفحہ
قصۂ موسیٰ و فرعون کا پس منظر و پیش منظر	۴۲۵
نہ فرعون خود اللہ کی ہستی کا منکر تھا۔ نہ اُس کے سردار اور نہ اُسکی ساری قوم۔	۴۲۶
قصۂ موسیٰ و فرعون کو سمجھنے کا بنیادی نکتہ	،،
عصا کے قرآنی معنوں کو سمجھنے میں رکاوٹ	۴۲۸
کاف حرف تشبیہ کی قرآنی مثالیں	۴۲۹
عصا بمعنی قانونِ ربوبیتِ عالمینی بھی ہے	،،
ید بیضاء	،،
دیکھئے	۴۳۰
حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل کس لئے واقعۃً تباہ حال ہو چکی تھی۔	۴۳۱
لفظ سحر کی معنوی تحقیق	۴۳۲
تعمیر بذریعہ تصریف آیات	۴۳۳
دلائل کا تقابل تھا۔ شعبدہ بازی کا مقابلہ نہیں تھا۔	۴۳۵
زمین کی وراثت طاقت سے ملتی ہے	۴۳۹
فرعونیوں پر قحط کا عذاب	۴۳۹
طوفان، ٹڈی دل، چڑیاں، مینڈکوں اور فسادِ خون کی متعدد بیماریوں کے عذاب	۴۴۰
بڑا ہو علاقائی تعصب کا، فرعونیوں نے اُس کی حد کر دی۔	۴۴۱
موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں	۴۴۳
کیا پوری قوم بنی اسرائیل سے ہجرت کرائی گئی	،،
غیر دانشمندانہ ہجرت کے خوفناک نتائج	،،
آنحضورؐ نبی اکرم کی ہجرتِ مبارکہ	،،
حکومتِ فرعون کے وارث بنی اسرائیل ہوئے	۴۴۴

مضامین	صفحہ
بنی اسرائیل کا ایک عجیب واقعہ	۴۴۵
حضرت موسیٰ نے اللہ کو دیکھنے کا سوال کیوں کیا؟	۴۴۸
تجلی ربہٗ کا روایتی مفہوم	۴۴۹
بچھڑے کی پوجا	۴۵۲
سامری کا بائیکاٹ	۴۵۶
کتاب لکھوانے کیلئے ستر کاتبوں کو چُن گیا تھا	۴۵۷
رجوع الی المقصود	۴۵۸
آنحضورؐ آخری نبی رسول تھے باقی سب نبی اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ مگر آنحضورؐ کو پوری نوعِ انسانی کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔	۴۶۳، ۴۶۴
آیت خاتم النبیین	۴۶۵
لفظ خاتم کی بحث	،،
آنحضورؐ کیلئے خاتم النبیین بہ تا مکسور کیوں نہیں آیا؟	۴۶۶
تمسک بالکتاب	۴۷۲
آیت الست	۴۷۳
عہد الست کیا ہے؟	۴۷۴
قرآن کریم اہل قواعد کی غلطیاں نکالتا ہے	۴۷۵
ہر شخص اپنے رب کی ربوبیت کا خود گواہ ہے	۴۷۶
برادرانِ عزیز	۴۷۷
اسلاف کا تواتر حجت نہیں	۴۷۸
[illegible] کی روایتی تفسیر	۴۷۹
ایک لمحۂ فکریہ	۴۸۳
الساعۃ بمعنی قیامت	۴۸۷

مضامین	صفحہ
الساعۃ بمعنی کوئی بھی وقفہ	۴۸۸
الساعۃ بمعنی ایک لمحہ	،،
الساعۃ بمعنی انقلاب کی گھڑی	،،
الساعۃ بمعنی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی دنیوی سزا کی گھڑی۔	،،
حقیقت نیمروز	۴۹۰
نہ اپنے لئے نہ تمہارے لئے	۴۹۱
مسئلہ حیات النبیؐ۔ حاضر و ناظر	۴۹۱
مسئلہ بشر و نور	۴۹۲
روایتی تفسیر	۴۹۵
قرآنی اسلوب بیان کو راہ نما اصول بنایا جائے۔	،،
رجوع الی المطلب	۴۹۶
قرآنِ کریم سے خلاف کفارِ مکہ کا منشور	۵۰۱
اللہ تعالیٰ کی قربت	۵۰۳
عبادت کا معنی	۵۰۴
تسبیح کا معنی	،،
ہر چیز کی تسبیح کو جاننا انسانی فریضہ ہے۔	۵۰۵
آگ، پتھر	۵۰۶
تسخیر کائنات	،،
بجلی، پانی	،،
ایٹم	۵۰۷
سجدہ کا معنیٰ	،،
ایک لمحۂ فکریہ	۵۰۸
حاصل کلام یہ کہ	۵۰۹

اُنظُر کَیفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّھُمْ یَفْقَھُوْنَ

اے مخاطب!

غور کرو کہ ہم آیات کو کسطرح پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ
تصریفِ آیات کے ساتھ قرآنِ کریم میں تفقہ کیا کریں

ترجمۃ القرآن بتصریف آیاتِ الفرقان

المعروف بہ

تفسیر القرآن بالقرآن

جلد سوم

مشتمل بر تفسیر سورۃ المائدہ، الانعام اور اعراف

شائع کردہ

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰-این سمن آباد لاہور

WWW.EBOOKSLAND.BLOGSPOT.COM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن فہمی کے قرآنی اصول

• تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اوّل کے شروع میں ۱۲۸ صفحات کا دیباچہ دیا گیا ہے، جس میں قرآنِ کریم کو سمجھنے کے وُہ اصول درج ہیں جو قرآنِ کریم نے خود پیش کیئے ہیں۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد سوم میں جو اسوقت آپکے ہاتھوں میں ہے، بعض مقامات پر مذکورہ بالا دیباچہ کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ قارئین کرام کو وُہ حوالے مذکورہ دیباچہ میں درج ملیں گے۔

اَلحمدُ لِلّٰہ • ذاتِ ارحم الراحمین کے فضل و احسان سے تفسیر القرآن بالقرآن کی تیسری جلد طبع ہو کر منظرِ عام پر آگئی ہے۔ اس کا اندازِ تفسیر بھی یہ ہے:۔

۱۔ اس میں دائیں طرف قرآن مجید کا عربی متن ہے اور متن کے بین السطور ہر عربی لفظ کا اردو ترجمہ اُس لفظ کے نیچے لکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مفہوم بندی یا جگہ کی عدم گنجائش کی بدولت کسی عربی لفظ کا اردو ترجمہ اُس کے آگے پیچھے ہو گیا ہو، ورنہ کوشش یہی کی گئی ہے کہ ہر لفظ کا ترجمہ اُس کے عین نیچے آئے تاکہ ہر غیر عربی دان بھی ہر لفظ کا لغوی ترجمہ بخوبی جان سکے۔

۲۔ عربی متن اور لفظی ترجمہ کے بالمقابل بائیں طرف با محاورہ ترجمہ ہے۔ جس میں بریکٹوں کے استعمال کی غرض ترجمہ کے محذوف مفہوم کو نمایاں کرنا ہے۔

۳۔ دائیں طرف کے عربی متن کے وضاحت طلب الفاظ پر الگ الگ اس طرح کے ۱ ۲ ۳ نمبر لگائے گئے ہیں اور آیت مجیدہ کے خاتمہ پر نمبر زدہ الفاظ کے وضاحتی نوٹ بھی بالترتیب ساتھ ہی دیدئے گئے ہیں، اس طرح:۔ ؎۱ ؎۲ ؎۳ وغیرہ۔

۴۔ بائیں طرف کے با محاورہ ترجمہ میں جہاں عام تراجم سے اختلاف کیا گیا ہے، وہاں بھی یہی انداز اختیار کیا ہے کہ متن کے عربی الفاظ اور مقابل کے اردو ترجمہ پر مذکورہ بالا انداز کے نمبر لگا کر ساتھ ہی وضاحتی نوٹ میں ترجمہ کے اختلاف کی وُہ دلیل درج کی گئی ہے جس کی رُو سے اختلاف حق بجانب ہے۔

۵۔ الفاظ اور جملوں کی تفسیر کیلئے ہر مقام پر تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز اختیار کیا ہے اور مناسب مقامات پر صحیفۂ فطرت کی مشاہداتی آیات مجیدہ بطورِ دلیل لائی گئی ہیں۔

(ادارہ بلاغ القرآن)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الۡمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ

• یہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآن مجید کی پانچویں سورت مجیدہ ہے ۔ چونکہ اس کے شروع میں المائدہ یعنی دسترخوان کی نعمتِ عظمٰی حلال چوپایوں کا نشانِ حلّت بتایا گیا ہے جن کا گوشت نوعِ انسانی کے دسترخوان کی زینت بنتا ہے اور اس کے اخیر پر حضرت مسیحؑ کے ذکر میں اُس ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے المائدہ کا لفظ لایا گیا ہے جو پوری نوعِ انسانی کے لئے بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ سب کے دسترخوان کا ضامن ہے ، اسلئے اِس سورۃ مجیدہ کا نام نامی سورۃ المائدہ شریفہ ہے ۔

• اِس سورۃ مجیدہ کی ۱۲۰ آیتیں ہیں ۔ اس سے ماقبل سورۃ نساء یَآیُّھَا النَّاسُ کے خطاب سے شروع ہوئی تھی اور یہ یَآیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡآ کے خطاب سے شروع ہوئی ہے سورۃ نِساء میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ضمناً بھی آیا تھا اور خطاباً بھی ۔ حالانکہ اگرچہ وہ یَآیُّھَا النَّاس کے خطاب سے شروع ہوئی تھی مگر خدا تعالیٰ نے اپنے مخصوص اسلوب بیان کے مطابق پوری نوعِ انسانی سے متعلقہ مسائل بھی بیان فرمائے اور اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے متعلقہ بھی ۔ واضح رہے چونکہ قرآنِ کریم فی ذاتہٖ پوری نوعِ انسانی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے اسلئے کوئی سورۃ خواہ کسی بھی خطاب سے شروع ہوتی ہو ، اُس میں نوعِ انسانی کے لئے احکام بھی موجود ہوتے ہیں اور اُن کی اتباع کرنیوالی یا مخالفت کرنیوالی سابقہ اقوام کے حالات بھی برائے عبرت موجود ہوتے ہیں ۔

• فلہذا یہ سورت مجیدہ اگرچہ یَآیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے الفاظ میں اہلِ ایمان کے نام کے خطاب سے شروع ہوئی ہے لیکن اِس میں بھی اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے حالات بھی درج ہیں ، ان کے نام بالواسطہ اور بلاواسطہ خطاب بھی ہیں اور ان کے بزرگوں کے نیکوکاروں کے حالات بھی درج ہیں اور نافرمانوں کے بھی ۔

• جیسے کہ زیرِ بحث سورۃ مجیدہ میں یَآاَھۡلَ الۡکِتٰبِ کا بلاواسطہ خطاب یہود و نصاریٰ کے نام آیت نمبر ۱۵ + ۱۹ میں دو مرتبہ آیا ہے اور قُلۡ یَآاَھۡلَ الۡکِتٰبِ کا بالواسطہ خطاب آیت نمبر ۵۹ + ۶۸ + ۷۷ میں آیا ہے ۔ یہودیوں کے بزرگوں کی مذمت بھی اِس سورۃ مجیدہ میں جگہ جگہ موجود ہے ۔ اور نصاریٰ کے بزرگوں میں سے جنہوں نے حضرت مسیحؑ کو خود خدا یا تین خداؤں میں کا تیسرا قرار دیا ، انہیں حقیقت حال کا کافر قرار دیا ہے : لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ ۘ ۷۳ لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ؕ ۷۲ لیکن نصاریٰ

میں سے جو حقیقت شناس افراد زمانۂ رسالت محمدیؐ کے وقت موجود تھے، اور جو قرآن کریم کو سُن کر فوراً ایمان لے آئے، اُن کی خبر ۵/۸۳ میں بالفاظ ذیل موجود ہے :- وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ٥ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ٥ ۵/۸۳-۸۴ اور جب وہ سنتے ہیں جو رسولؐ عربی کی طرف نازل ہُوا ہے تو تُو دیکھتا ہے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں، اسلئے کہ انہوں نے حق، قرآن کو پہچان لیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم اس حق پر ایمان لائے تو ہمیں اس کے گواہوں میں لکھ لے۔ اور کیا رکاوٹ ہے ہمارے لئے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں، جبکہ ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمارا نشوونما دینے والا ہمیں صالحین کی قوم (صحابہؓ رسولؐ) میں داخل کر دے۔

● پھر اگرچہ سورہ مائدہ شریفہ یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کے خطاب سے شروع ہُوئی ہے۔ لیکن اسی خطاب کو متعدد بار دُہرا دُہرا کر ایمان والوں کے نام مختلف احکام جاری کئے گئے ہیں۔ چنانچہ یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا خطاب آیت نمبر ۱-۲-۶-۸-۱۱-۳۵-۵۴-۵۷-۸۷-۹۰-۹۴-۹۵-۱۰۱-۱۰۵-۱۰۶ وغیرہ میں بار بار دُہرایا گیا ہے۔ اور جہاں آنحضورؐ کے نام کا خطاب ناگزیر تھا وہاں مظہر و محذوف دونوں انداز سے آنحضورؐ کو مخاطب فرمایا گیا ہے۔ مظہر خطاب کی مثال آیت نمبر ۴۱ اور ۶۷ میں موجود ہے :- يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۵/۴۱ اے رسولؐ! آپ کو وہ لوگ غمگین نہ کر دیں جو انکار میں جلدی کرتے ہیں۔

● دوسرا مظہر خطاب یہ ہے :- يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ٥ ۵/۶۷ اے رسولؐ! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے ربّ کیطرف سے نازل ہُوا ہے۔ اُسے لوگوں تک پہنچا دیجئے گا۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (یاد رکھئے کہ) آپ نے اس کارِ رسالت کو انجام نہیں دیا۔ (ہمارا پیغام اگرچہ مُلا، پیر اور سرمایہ دار، تینوں با اثر گروہوں کیخلاف ہے اور وہ اس کے عوض آپ کو ایذا پہنچانے کی پوری کوشش کریں گے۔) لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھیگا۔ بیشک انکار کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● آنحضورؐ کے نام قُل کے لفظ کیساتھ سات مرتبہ خطاب کیا گیا ہے۔ المختصر! قرآن کریم کی ذاتی حیثیت کو نگاہوں میں رکھنے سے حقیقت حال بصورت نصف النہار عیاں ہوجاتی ہے کہ سورۃ کے ابتدائی خطاب کا مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ساری سورۃ شریفہ میں یہی خطاب جاری رہے گا۔ اسی خطاب کو بار بار دہرایا بھی جاتا ہے اور حسب ضرورت اُسے بدلا بھی جاتا ہے۔

سابقہ سورت کیساتھ ربط

● سورۃ مائدہ کا سابقہ سورۃ کیساتھ مرکزی ربط یہ ہے کہ سورۃ نساء میں ذاتی ذاتی ملکیت کی نفی کی گئی ہے (دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم میں تفسیر آیات نمبر ۱۲۶-۱۳۱

۱۳۲ ۔اور اس سورۃ مجیدہ المائدہ میں حضرت مسیحؑ کی سُنّتِ مُبارکہ کی سند سے ایک ایسے معاشرہ کے قیام کی خبر دی گئی ہے جس میں ہر فردِ معاشرہ کے مائدہ (دسترخوان یعنی (ضروریاتِ زندگی میں سے) خصوصاً ضرورتِ خوراک کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور ہر فردِ معاشرہ سُکھ کا سانس لینے کے قابل ہو جاتا ہے ۔ قرآن کریم نے ایسے معاشرہ کو سورۃ طٰہٰ کی آیات نمبر ۱۱۸ - ۱۱۹ میں جنّت کہا ہے اور سورہ مائدہ میں اُسے المائدہ کے نام سے منسوب کیا ہے ، یعنی بچھا ہُوا دسترخوان کہ جس سے کسی کو روکا جا سکے اور نہ کسی کی کوئی احتیاج باقی رہے ۔

● اِس سورۃ مجیدہ کی آیات نمبر ۱۲ - ۱۳ میں آزاد اسلامی حکومت اور متوازن معاشرہ کو جنّت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔ اور تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰ پر سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۲ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ قرآن کریم نے فتح کی ضد شکست کو جہنّم کہا ہے ۔

● دُنیوی جنّت یعنی مائدہ کی پُوری تفصیل اپنے مقام پر آیت مجیدہ $\frac{5}{111 \text{ تا } 115}$ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں آگے آ رہی ہے سورۃ مجیدہ کے سلسلہ وار اور گہرے مطالعہ سے دُنیوی جنّت و جہنّم کی حقیقت نکھر کر سامنے آتی چلی جائیگی اِنشاءَاللّٰہ ! اُخروی جنّت و جہنّم اپنے مقام پر برحق ہے ، جس کے انکار سے ایمان رُخصت ہو جاتا ہے ۔ لیکن اس سورۃ مجیدہ میں دُنیوی جنّت و جہنّم کی بھی پُوری وضاحت کر دی گئی ہے جو آیت ۱۲ - ۱۳ ہی سے شروع ہو جاتی ہے ۔ اور اخیر تک مسلسل چلی جاتی ہے ۔

تصریفِ آیات کا قرآنی اسلوب

● سورۃ مائدہ شریفہ میں تصریفِ آیات کیساتھ سُود خور کی سزا بھی بتا دی گئی ہے جو آیات نمبر ۳۳ - ۳۴ میں مذکور ہے ۔ قرآن کریم نے سود خوروں کو اسلامی حکومت کے باغیوں ، ڈاکوؤں کی سطح کے مجرم قرار دیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے باغی ، قانون شکن ، غیر مہذب ڈاکو ہیں ، مگر سُود خور مہذّب ڈاکو ہیں ۔ وُہ ڈاکو رات کو ڈکیتی کی وارداتیں چھُپ چھُپ کر کرتے ہیں مگر سود خور یہ وارداتیں سفید چادروں پر گاؤ تکیئے لگائے کھُلے بندوں دِن دہاڑے کرتے ہیں ۔ قرآن کریم نے سُود خوروں کو خدا تعالیٰ کے باغی قرار دیا اور ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے $\frac{2}{279}$ ۔ یہ بحث سورۃ مائدہ کی آیات متعلقہ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں تصریفِ آیات کے ذریعہ اپنے مقام پر تفصیلاً آ رہی ہے ۔

نبیوں سے بازپرس

● سورۃ مائدہ کے اخیر میں حضرت مسیحؑ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ قیامت کو اُن سے پُوچھا جائیگا کہ کیا تم نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کیساتھ ملا کر تین اِلٰہ بنا لو ۔ وہ جواب دینگے کہ میں نے ایسا نہیں کہا تھا ۔ بالفاظِ دیگر سورۃ مجیدہ کا خاتمہ اِس وضاحت پر کیا گیا ہے کہ نبیوں کو شفیع یا اُن کیطرف منسوب صلیب وغیرہ کو کفّارۂ گناہ قرار دینے سے نجات ممکن نہیں بلکہ صرف اور صرف اطاعت پر منحصر ہے ، چنانچہ ضابطۂ خداوندی کی اطاعت پر زور دیتے ہُوئے سُورۃ زیرِ نظر کو یوں شروع کیا گیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو پورے کرو عہد

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى

حلال کئے گئے واسطے تمہارے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے سوائے اسکے جو پڑھا جائیگا

عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ

اوپر تمہارے نہ حلال کرنیوالے شکار کے اور جب ہو تم بحالت حرمت

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ ۱

بیشک اللہ حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

ایمان والو! سب عہد پورے کرو (جو بہلے ضابطہ قرآن مجید کی رُو سے تم پر لازم آتے ہیں ۔ اِسی ضمن میں) تمہارے لئے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے حلال کئے گئے ہیں (اُن میں سے) سوائے اُسکے جو تم پر پڑھا جائیگا ۔ اور جب تم حرمت کی حالت (یعنی ایّام حج) میں ہو تو (مذکورہ حلال جانوروں کے) شکار کو حلال جاننے والے نہ ہونا ۔ (اِس عہد کو بھی پورا کرو) بلا شبہ اللہ تعالیٰ وہی حکم کرتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے ۔ (اُس کا ہر ارادہ تمہاری آسانی کے لئے ہے) ۔

● علہ اوفوا بالعقود میں وہ تمام عہد آ گئے جو الّذین اٰمنوا میں موجود ہیں کہ مومن خدا تعالیٰ کی پوری فرمانبرداری کا عہد کرتا ہے ۔

● عله لبھیمه کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے "جگالی کرنیوالے"۔ اسکی مکمل بحث آگے الگ سرخی کے تحت آ رہی ہے ۔

● عله انعام کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے "گھاس خور چوپائے" ثبوت کیلئے ملاحظہ فرمائیں الانعام کی قرآنی لغت ۔ سورۃ طٰہٰ میں آیا ہے :۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ $\frac{۲۰}{۵۳-۵۴}$ = اور وہ (اللہ) آسمان سے پانی نازل کرتا ہے ۔ پھر ہم اُس کیساتھ (زمین سے) مختلف اقسام کی نباتات نکالتے ہیں ۔ نباتات کو تم خود بھی کھاؤ اور اپنے گھاس خور چوپایوں کو بھی چراؤ ——— اِس آیت مجیدہ سے قرآنی لغت کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ الانعام وہ چوپائے ہیں جو زمین سے پیدا شدہ نباتات (گھاس وغیرہ) چرتے ہیں ۔ اب نباتات خور چوپایوں میں گائے ، بھینس ، اونٹ ، بھیڑ بکری بھی ہیں اور گھوڑا گدھا وغیرہ بھی گھاس خور ہونیکی بدولت الانعام میں شامل ہیں ۔

بھیمۃ الانعام سے مُراد ہے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے

● اُوپر $\frac{۲۰}{۵۳-۵۴}$ کی قرآنی لغت کیساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ الانعام کا قرآنی معنیٰ ہے نباتات یعنی گھاس چرنے والے چارپائے ۔ اُوپر سورۃ مائدہ کی آیت ۱ میں کہا گیا ہے کہ تمہارے لئے بھیمۃ الانعام حلال کئے گئے ہیں ۔ یعنی الانعام میں سے بھیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے حلال فرمائے گئے ہیں ۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھیمۃ الانعام کی پہچان کیا ہے ؟ اسکے جواب کیلئے پہلے خدا تعالیٰ کا سورۃ نور میں ساری مخلوق کے متعلق ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیں :۔

● وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

یَمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ ؕ ۲۴/۴۵ = اور اللہ نے ہر جاندار پانی سے پیدا کیا ہے ۔ پھر اُن میں سے بعض وہ ہے جو پیٹ کے بل چلتا ہے ، اور اُن میں سے بعض وہ ہے جو دو پیروں پر چلتا ہے اور بعض وہ ہے جو چار پیروں پر چلتا ہے ۔ اُن میں پیٹ کے بل رینگنے والے سانپ ، بچھو وغیرہ ہیں ۔ دو پیروں پر چلنے والے پرندے اور چار پیروں پر چلنے والے ہیں بھیڑ بکری ، گائے بھینس ، گھوڑا گدھا ، کتا بلا اور شیر چیتا وغیرہ ۔ اسی سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۵ میں جو آگے آرہی ہے ، چوپایوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں شکاری اور شکار ۔ مُوذی اور غیر مُوذی یعنی درندے اور چرندے ۔ قرآن مجید نے ان کے الگ الگ نام بتائے ہیں ۔ الجوارح اور الانعام ۔ زخم دینے والے گوشت خور (یعنی شکاری) اور گھاس کھانیوالے (یعنے شکار) آیت زیر بحث ۵/۱ میں جو کہا گیا ہے اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ ۔ تو اس سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ الانعام ، یعنی گھاس کھانیوالے چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے کھانے کے لئے حلال کئے گئے ہیں ۔ الجوارح یعنی زخم دینے والے شکاری ، گوشت خور چوپائے مطلقاً حرام ہیں ۔ اُنکی کوئی بھی قسم حلال نہیں خواہ وہ شیر چیتا وغیرہ قسم کے اُونچے درجے کے شکاری چوپائے ہوں ، خواہ لومڑ اور گیدڑ وغیرہ قسم کے نچلے درجے کے شکاری گوشت خور چوپائے ہوں ۔ اس تمہید کے بعد :-

● یہاں پہنچ کر ابھی سابقہ سوال بدستور قائم ہے کہ جب آیت مجیدہ ۵/۱ میں الانعام یعنی گھاس خور چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے چوپائے حلال کئے گئے ہیں تو ان کی قرآنی پہچان کیا ہے ؟ اسکے لئے قرآن مجید کے مستقل اسلوب تفسیر ، تصریف آیات ۵/۴۵ + ۵/۱۰۱ کے مطابق ذیل کی متقابل آیات مجیدہ ملاحظہ فرمائیں ۔ دائیں طرف آیت مجیدہ ۵/۱ درج ہے اور بائیں طرف اسکی تفسیر کرنیوالی آیات مجیدہ ۶/۱۴۲ تا ۱۴۴ درج ہیں :-

آیت حلت بھیمۃ الانعام

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا .... اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ ۵/۱

(مفہوم) ایمان والو! .... تمہارے لئے الانعام (یعنی گھاس چرنیوالے) چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے چوپائے حلال کئے گئے ہیں ۔

آیات تفسیر بھیمۃ الانعام

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَۃً وَّفَرْشًا ؕ کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ــ ۝ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ــ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ۶/۱۴۲ تا ۱۴۴

(مفہوم) اور گھاس چرنیوالے چوپایوں میں سے کچھ لدو ہیں اور کچھ پست قد ہیں ۔ اللہ نے جو تمہیں چرنیوالے چوپائے عطا کئے ہیں اُن میں سے آٹھ قسمیں کھایا کرو ، بھیڑ نر مادہ کی قسم ، بکری نر مادہ کی قسم ، اُونٹ نر مادہ کی قسم اور گائے نر مادہ کی قسم ۔

● اب غور فرمائیں کہ دائیں طرف بھیمۃ الانعام کو حلال بتایا گیا ہے۔ اور بائیں طرف آٹھ قسمیں۔ بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے نر مادہ کے کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ آٹھوں قسمیں بھیمۃ الانعام ہیں۔ نیز یاد رہے کہ اَلضَّانِ، اَلْمَعْزِ، اَلْاِبِلِ اور اَلْبَقَرِ میں الف لام عہدی ذہنی ہے، جس میں اثنین کی قرآنی خبر کے مطابق نر و مادہ دونوں شامل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ہر وُہ چوپایہ بھیمۃ الانعام میں شامل ہے جو اِن آٹھ قسموں میں اُس صفت کے لحاظ سے شامل ہو، جو مذکورہ آٹھوں قسموں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔ اب اور آگے پڑھئے۔

● اوپر ۲۰/۲۲ کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے کہ گھاس کھانے والے سب چارپائے الانعام میں داخل ہیں۔ لیکن ۵/۱ کی قرآنی خبر کے مطابق الانعام میں سے حلال صرف بھیمۃ الانعام ہیں۔ گھوڑا، گدھا اور خچر بھی چونکہ گھاس کھاتے ہیں، لہٰذا یہ الانعام میں تو شامل ہیں۔ مگر حلال نہیں ہیں۔ کیونکہ ۷۹/۴۰ میں بتایا گیا ہے کہ:۔ "تمہارے لئے اللہ نے الانعام پیدا کئے ہیں جن میں سے بعض سواری کے لئے ہیں اور بعض کھانے کے لئے ہیں۔ نیز ۱۶/۸ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کے لئے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ تینوں نوعیں گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کیلئے حلال ہیں کھانے کے لئے نہیں۔

حلت کا تمیزی نشان جگالی ہے

● اب بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے کھانے کے لئے حلال ہیں اور گھوڑا گدھا خچر وغیرہ سواری کیلئے حلال مگر کھانے کیلئے حرام ہیں پس قرآنِ کریم کی رو سے چوپایوں کا مخصوص تمیزی نشان وُہ ہے جو بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے اور گھوڑے خچر اور گدھے میں مشترکہ طور پر نہیں پایا جاتا۔ وُہ ہے جُگالی اور صرف جُگالی جو اول الذکر گھاس خور چوپایوں میں قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے اور موخر الذکر گھاس خور چوپایوں سے قدرِ مشترک کے طور پر غائب ہے۔

● آپ حلال جانوروں کے اس تمیزی نشان جُگالی کو لے کر کرۂ ارض کے گرد گھوم جائیں۔ آپ کو حلال و حرام چوپایوں میں امتیاز کرنے میں رائی برابر بھی دقت پیش نہیں آئے گی۔ نہ آپ کو غیر ملکی چوپایوں کا نام دریافت کرنا پڑے گا، نہ کسی کے عربی نام کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ فقہ کے حلال و حرام کی فہرستوں کے دفتر اپنے ساتھ اُٹھائے پھرنے کی زحمت گوارا کرنا پڑے گی۔ یہ ہے قرآنِ کریم کا بتایا ہوا حلال و حرام چوپایوں کا تمیزی نشان۔ اس کے برعکس جو لوگ قرآنِ حکیم کو نامکمل قرار دے کر کتا، بلا، ریچھ، بندر وغیرہ کی حرمت کی سند غیر اللہ کتابوں سے حاصل کرتے ہیں، ہمارا یہ چیلنج ہے کہ اپنی فہرستیں دیکھ کر بتائیں کہ جنوبی امریکہ کا جاگور، تاپیر، الاما، الپاکا، ریّا، کنڈر، ارمادلو اور سلوتھ حلال ہیں یا حرام؟ نیز سائبیریا کا ڈینڈیر، آسٹریلیا کا کنگرو اور افریقہ کا زیبلا کون سی فہرست میں درج ہیں؟ حلال کی فہرست میں یا حرام کی فہرست میں؟

● پورے حتم و یقین کیساتھ کہا جاسکتا ہے کہ فقہ کی حلال و حرام کی فہرستیں مذکورہ بالا جانوروں کی حلّت و حرمت کا فیصلہ دینے سے یکسر قاصر ہیں، کیونکہ وہ حلّت و حرمت کے تمیزی نشان کی نشاندہی کرنے کی بجائے جانوروں کے ناموں کیساتھ حلال اور حرام کی خبر دیتی ہیں اس لئے کرۂ ارض کے تمام چوپایوں کی حلّت و حرمت کی خبر دینا فقہ کے بس کا روگ نہیں۔ یہ خداوند عزّ و جلّ کی پاک کتاب قرآن کریم ہی کی شان ہے جس نے پورے کرۂ ارض پر پائے جانیوالے چوپایوں کی حلّت و حُرمت کا تمیزی نشان بتا کر فیصلہ کر دیا ہے کہ نہ چوپایوں کے مُلکی نام دریافت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اُن کے عربی ناموں کے کھوج لگانے سے کوئی غرض ہے۔ کیوں کہ حلّت و حرمت کے قرآنی تمیزی نشان سے اس راستے کی تمام رکاوٹوں کو دُور کر کے رکھدیا گیا ہے کہ ہر جُگالی کرنیوالا چوپایہ حلال ہے اور نہ کرنے والا حرام۔

جُگالی کرنیوالے چوپایوں کا ایک مخصوص تمیزی نشان

● پھر ذاتِ باری نے جُگالی کرنے والے چوپایوں میں ایک مخصوص نشان یہ رکھدیا ہے کہ جتنے بھی جگالی کرنیوالے چوپائے ہیں۔ اُن سب کے سامنے کے نیچے کے دانت تو ہوتے ہیں مگر اُوپر کے دانت ہرگز نہیں ہوتے۔ چوپایوں کی حلّت کے اس مخصوص خداوندی نشان نے اس گوشے میں مزید آسانی پیدا کر دی ہے کہ بالفرض آپ کسی غیر مُلک کے جنگل میں موجود ہیں۔ آپ کسی جنگلی چوپائے کا شکار کرتے ہیں۔ وہ زخمی ہو کر آپ کے قبضے میں آجاتا ہے۔ اب آپ کے لئے یہ امر صد فیصد ناممکن ہے کہ آپ اُسے جگالی کرتے ہوئے دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچیں کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ اس لئے ذاتِ باری کے پیدا کردہ جُگالی کرنیوالے چوپایوں کے اس مخصوص نشان کو دیکھ لیں کہ اُس کے سامنے کے نیچے والے دانت موجود اور اوپر والے ندارد ہیں تو بڑے شوق سے ذبح کر کے کباب بنائیں اور جنگل میں حلال کبابوں کیساتھ بھوک مٹائیں۔ المختصر! حلال چوپایوں کا مشترکہ نشان جگالی ہے اور جگالی کرنیوالے چوپایوں کا مشترکہ نشان ہے سامنے کے اوپر والے دانتوں کا نہ ہونا۔

رجوع الی المطلوب

● آیت مجیدہ ۵ میں چوپایوں کی حلّت و حُرمت کا تمیزی نشان بتاتے اور حلّت و حُرمت کے حُکم کی پوری پوری پابندی کی تاکید کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے وہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کے شعائر یعنی اُس کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔ یوں تو ساری کائنات شعائر اللہ ہے۔ یہاں پر چند ایک بیان ہوئی ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ	اے وہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید) پر ایمان لائے ہو تم اللہ کی جملہ نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ حلال کرو نشانیوں اللہ کو اور	اور نہ حرمت والے (کسی بھی) مہینے کی بے ادبی اور نہ

لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ
نہ مہینے حرمت والے کو اور نہ ھدی کو اور پٹے والے جانوروں کو
وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنْ
اور نہ آنیوالوں گھر حرمت والے کو۔ چاہتے ہیں وہ فضل طرف سے
رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ
رب اپنے کے اور مطابق رضا کے۔ اور جب حلال ہو جاؤ تم تو شکار کرو۔
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ
اور نہ مجرم کرے تم کو دشمنی اس قوم کی کہ روکا انہوں نے تم کو طرف سے
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ
مسجد حرمت والی کے کہ تم زیادتی کرو۔ اور تم تعاون کرو اوپر بھلائی
وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ
کے اور بچاؤ کے۔ اور نہ تعاون کرو تم اوپر گناہ اور ظلم کے
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾
اور بچو مخالفت اللہ سے۔ بلاشبہ اللہ سخت ہے عذاب کرنے میں۔

بیت اللہ کے تحائف[2] کی اور نہ حج کے موقعہ پر بیت اللہ میں پیش کئے جانیوالے جانوروں[3] کی۔ اور نہ بیت الحرام میں آنیوالوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں[4] (یعنی جو اجتماع حج میں رضاء الٰہی کے مطابق تلاش معاش کرتے ہیں، اور جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ تو پھر تمہیں (بری) شکار کرنے کی اجازت ہے۔ (ایام حج میں (بری) شکار کرنا حرام کر دیا گیا ہے)[5] اور یاد رکھو کہ تمہیں اس قوم کی دشمنی جس نے تمہیں حرمت والی مسجد (بیت اللہ شریف سے) روکدیا تھا۔ اس جرم کی مجرم نہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ زیادتی کر دینے[6] (دشمنوں کیساتھ بھی انصاف کرنا) اور تم (آپس میں ایکدوسرے کیساتھ بھی، اور دوسری قوموں کیساتھ بھی) بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنا اور گناہ کے کاموں اور ظلم و سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کرنا[7] اور بچو تم اللہ تعالیٰ (کے حکموں) کی مخالفت سے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (مجرموں[8] کو) عذاب کرنے میں بہت سخت ہے۔

حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی نہ کرو

● ع۱ آیت بالا میں ذات باری نے اپنی نشانیوں کی بے حرمتی سے انتہائی سختی کیساتھ منع فرمایا ہے۔ اور ان میں سرفہرست بیان فرمایا ہے حرمت والے مہینوں کو۔ واضح رہے کہ قرآن کریم امن عالم کا علمبردار ہے۔ باری تعالیٰ نے عالمی امن قائم رکھنے کے لئے حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس کا حکم دے رکھا ہے اور اس سالانہ امن کانفرنس کے قیام کے لئے چار مہینوں کے لئے جنگ کرنا مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے۔

● إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۙ ۹ ۳۶ بلاشبہ اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب (کائنات) میں مہینوں کی گنتی اس دن بارہ ہے جب اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ (قیام امن عالم

کیلئے) یہی قانون سیدھا ہے (جس میں کوئی پیچ وخم نہیں ہے)۔ اسی سورہ توبہ میں، امنِ عالم میں خلل ڈالنے والے مفسدوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے :-

• فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۹/۲

پس تم (حرمت کے) چار مہینے زمین میں چل پھر لو۔ اور جانتے رہو کہ تم اللہ کو عاجز کرنیوالے نہیں ہو۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید) کے منکروں کو رسوا کرنیوالا ہے۔ آگے اسی سورہ توبہ کی آئت نمبر ۵ میں مومنوں کو ارشاد ہوا ہے :-

• فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ۹/۵ = (ایمان والو!) پھر جب حرمت والے) چار مہینے گزر جائیں تو (فسادی) مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو ـــــ المختصر! باری تعالیٰ نے سال میں چار مہینوں کیلئے حکماً جنگ بندی مقرر فرما دی ہے تاکہ حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس کے لئے عام راستے محفوظ اور بے خطر ہو جائیں اور متحارب قوموں کے تمام متنازعہ مسائل امن کانفرنس میں پیش کرکے بلا جنگ وجدال طے کئے جائیں۔ آئت بالا میں خداوند تعالیٰ نے امنِ عالم کے قیام کے لئے حرمت والے چار مہینوں کو جن میں حکماً جنگ بندی کردی گئی ہے۔ اپنے شعائر میں سرِ فہرست رکھا ہے۔

حرمت والے مہینے کون کونسے ہیں

• کتبِ روایات نے حرمت والے مہینے یہ بتائے ہیں :- محرم، رجب، ذیقعد اور ذی الحج۔ لیکن چونکہ یہ مسلسل اور متواتر نہیں، بلکہ کٹویں ہیں، یعنی محرم اور رجب کے درمیان پانچ مہینوں کا فاصلہ ہے۔ اس لئے یہ قرآنی میزان پر پورے نہیں اترتے۔ کیونکہ آپ اوپر دیکھ چکے ہیں، ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حرمت کے چار مہینوں میں سالانہ عالمی امن کانفرنس کیلئے کوئی جنگ نہ کی جائے۔ لیکن جب چار مہینے حرمت والے گزر جائیں = فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ تو فسادی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو تاکہ فساد ختم ہو جائے۔ اب غور فرمائیں کہ ارشادِ باری ہے جب حرمت کے چار مہینے گزر جائیں مگر چونکہ حرمت کے روائتی چار مہینے گزارتے ہوئے نو مہینے گزر جاتے ہیں، اس لئے یہ غیر قرآنی اور خود ایجاد کردہ ہیں۔ قرآن مجید نے جو حرمت کے چار مہینے بتائے ہیں وہ کٹویں نہیں ہیں، بلکہ حج کے مہینے کیساتھ مسلسل مربوط ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان کے مطابق حرمت کے چار مہینوں کی نشاندہی باندازِ ذیل کی ہے :-

قرآن مجید کے بتائے ہوئے حرمت کے چار مہینے

• سورہ بقرہ میں روزوں کی گنتی بتاتے ہوئے ارشاد ہوا :- شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۲/۱۸۵ روزوں کی گنتی رمضان کا پورا مہینہ ہے (۲۹ یا ۳۰ دن)۔ باری تعالیٰ نے رمضان شریف سے متعلقہ مسائل کی وضاحت کے بعد

جنگ جہاد کے مسائل بیان کرتے ہوئے حرمت والے مہینوں کا ذکر بانداز ذیل فرمایا ہے :۔

● اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۲/۱۹۴ حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہی ہے اور (تین) حرمت والے مہینوں کا بدلہ بھی وہ تین مہینے ہیں ۔ (اگر دشمن حرمت والے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو تم حرمت والے مہینوں ہی میں اُس سے بدلہ چکا لیا کرو ۔ یعنی حرمت کے مہینوں ہی میں اُس کے دانت توڑ دیا کرو) ۔

اَب غور فرمائیں

● آیتِ بالا ۲/۱۹۴ میں اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ کے الفاظ آئے ہیں ۔ یہاں الشہر کا الف لام عہدی ذکری ہے کیونکہ ما قبل ذکر آ چکا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ کے الفاظ میں ماہِ رمضان کا ۔ پس حرمت کا پہلا مہینہ تو ہُوا رمضان شریف کا اور اُس کے بعد آیا ہے حُرُمٰت بصیغہ جمع ۔ چونکہ حرمت والے مہینوں کی گنتی ۹/۳۶ میں چار بتا دی گئی ہے ۔ اس لئے حُرُمٰت کی جمع سے تین ہی مہینے حرمت والے مراد ہیں نیز چونکہ ۹/۵ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ کے الفاظ سے ثابت ہے کہ حرمت والے مہینے پے در پے آتے ہیں ۔ جو یکے بعد دیگرے مسلسل گزر جاتے ہیں ، اس لئے بصورتِ نصف النہار ثابت ہوا کہ باقی تین مہینے رمضان شریف کے ساتھ والے عین اگلے ہیں ۔ شوال ، ذی قعد اور ذی الحج ۔ رمضان کے بعد یہ تینوں مسلسل اور مربوط ہیں ۔ پس قرآن مجید کے مطابق حرمت والے چار مہینے ہیں ۔

● رمضان ، شوال ، ذیقعد اور ذی الحج جو مسلسل ہیں اور یکے بعد دیگر یکبارگی گزر جانے کی بدولت قرآنی میزان پر پورے اُترتے ہیں ۔ سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ ۵/۲ میں ان کے متعلق ارشاد ہُوا ہے کہ اگر دشمن حرمت والے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو تم نے مار نہیں کھانا ۔ بلکہ اُنہی مہینوں میں اُس کے حملہ کا دندان شکن جواب دینا ہے

نیازِ کعبہ کے تحفوں کی بے حرمتی نہ کرو

● ۵/۲ لفظ ھدی کا سہ حرفی مادہ ھ ۔ د ۔ ی = ھدی ہے جس کا مصدری معنی آگے ہوتا ہے ۔ اسی لئے راستہ بتانے والے کو جو راستہ بتاتے وقت آگے آگے ہوتا ہے ھَادِیٌ کہتے ہیں نیز تحفہ چونکہ آگے رکھا جاتا ، آگے پیش کیا جاتا ہے اس لئے تحفے کی ہر چیز کو ھدیہ کہتے ہیں جس کی جمع ہے ھدی ۔ آیتِ صدر میں اَلْھَدْیَ پر الف لام تخصیص کا آیا ہے ۔ اس لئے یہاں الھدی سے مراد وُہ تحائف ہیں جو نیازِ کعبہ کے لئے حاجی لوگ حج کے موقعہ پر اپنے ساتھ لے جائیں ۔ خواہ وُہ از قسم نقدی ، کپڑا ، جنس ہوں یا از قسم ذبح کئے جانیوالے چوپائے ہوں ۔ آیت مجیدہ میں ان تحائف کی بے حرمتی کرنے سے منع کیا گیا ہے ۔ نیازِ کعبہ کی ھدی کی بے حرمتی یہ ہے کہ اُسے جائز مقام پر خرچ کرنے کی بجائے ناجائز خرچ کیا جائے ۔ واضح رہے کہ حج چونکہ سالانہ عالمی امن کانفرنس ہے اس لئے اس موقعہ پر پیش کی جانیوالی سب کی سب ھدی یا تو مہمانوں کی خدمت پر خرچ ہونی چاہئیں اور یا

کعبہ مکرمہ کے عالمی امن مرکز کو اس قدر مضبوط کرنے پر خرچ کی جانی چاہئیں کہ پوری دُنیا میں یہ مرکز سب سے زیادہ طاقتور ہوتا کہ وُہ سالانہ عالمی امن کانفرنس میں کئے گئے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کی طاقت بھی رکھتا ہو یو۔این۔او کے عالمی امن مرکز کی طرح نہ ہو کہ وُہ فیصلہ تو کر دے کہ بھارت کشمیر میں رائے شماری کرائے۔ مگر اپنے اِس فیصلے پر عمل کرانے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح یو۔این۔او یہ فیصلہ تو کر دے کہ اسرائیلی حکومت عربوں کے دبائے ہوئے علاقے خالی کر دے مگر خالی کرا نہ سکے۔ پس الھدی کی بے حرمتی یہ ہے کہ عالمی امن مرکز کے کرتا دھرتا اُس مال کو اس طرح خرچ کریں کہ وُہ خُود تو عیش کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور عالمی امن مرکز کرہِ ارض کی بیشتر حکومتوں سے کمزور رہے۔ حتیٰ کہ خود اہلِ اسلام کو اپنے متنازعہ فیہ مسائل کیلئے کسی اور نام نہاد امن مرکز کی طرف رجوع کرنا پڑے۔

نیازِ کعبہ یعنی قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی نہ کرو

● ۳ لفظ القلائد جمع ہے القلادہ کی، جس کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ل۔د = قلد، جس کے بنیادی معنے بٹی ہوئی رسّی کے ہیں۔ الاقلید کہتے ہیں اونٹ کی نکیل کی رسّی کو۔ چونکہ دیہاتیوں کے ہاں بٹی ہوئی رسی چوپایوں کے گلے میں ڈالی جاتی ہے اس لئے جو رسّی چوپایوں کے گلے میں ڈالی جائے اسے بھی قلادہ کہا جاتا ہے۔ پھر گھر میں پالے جانیوالے جانوروں کے گلے میں جو شوق کیساتھ خوب صورت پٹہ یا گانی وغیرہ ڈالی جاتی ہے اُسے بھی قلادہ کہا جاتا ہے، جس کی جمع ہے قلائد۔ آئت زیرِ بحث میں چونکہ قلائد پر الف لام تخصیص کا آیا ہے، القلائد کی صُورت میں، اس لئے اس سے مراد ہیں وُہ چوپائے جو پٹہ ڈالکر نیازِ کعبہ کیلئے گھر پر پالے جائیں۔ پھر چونکہ نیازِ کعبہ کیلئے گھر پر پالنے کی بجائے بازار سے بھی حلال چوپائے خرید لئے جاتے ہیں۔ اس لئے القلائد سے وُہ تمام حلال چوپائے بھی مراد ہیں جو نیازِ کعبہ کے طور پر پیش کئے جائیں جنہیں عرفِ عام میں قُربانی کے جانور کہا جاتا ہے۔ اب القلائد یعنی قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی یہ ہے کہ انہیں ذبح کر کے چھوڑ دیا جائے اور پھر انہیں ریت میں دبا دیا جائے۔ آئت زیرِ نظر میں اس بے حرمتی سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔

بیتُ اللہ کا قصد کرنیوالوں کی بے حرمتی نہ کرو

● ۴ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ کا معنیٰ ہے بیت اللہ شریف کا قصد کرنیوالے۔ آمّین اسم فاعل ہے اَمّ سے، جس کا مصدری معنیٰ ہے قصد کرنا۔ یہاں بیت اللہ شریف کا قصد کرنیوالوں میں سے یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا کے الفاظ میں اُن لوگوں کو مخصوص کر دیا گیا ہے جو حج کے سفر میں اللہ کی رضا کے مطابق اُس کا فضل تلاش کریں یعنی وُہ اللہ کی رضا کے مطابق کسی بھی جائز طریقے سے کاروبار کر کے تلاشِ معاش کر سکتے ہیں۔ اہلِ اسلام کے ہاں یہ غیر قرآنی عقیدہ چل رہا ہے کہ حج کے سفر میں کاروبار کرنا حرام ہے۔ حالانکہ آئتِ بالا کے علاوہ سورہ بقرکی آئتِ ذیل نمبر ۲/۱۹۸ میں بھی حج

کے سفر میں حاجیوں کیلئے کاروبار، محنت مشقّت اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ تلاشِ معاش کی اجازت ہے:۔ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ تم پر کوئی ہرج نہیں ہے کہ تم حج کے سفر میں (اللہ کی رضا کے مطابق ($\frac{۵}{۲}$) کام کرکے) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

● پس ایسے حاجیوں کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع کردیا گیا ہے جو حج کے سفر میں ایّام حج سے ماقبل یا مابعد محنت مشقّت، دستکاری یا تجارت کے ذریعہ تلاشِ معاش کریں۔ ایسے لوگوں کو طعنے دینا کہ تم ایسے بھوکے ننگے اور قلّاش ہو یا اتنے لالچی اور حریص ہو کہ حج کے سفر میں بھی کمائی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو، یہ ان کی بے حرمتی ہے جس سے منع کردیا گیا ہے۔ اگر سفرِ حج میں کسی حاجی کا سفر خرچ ختم ہوجائے تو بجائے اس کے کہ وہ دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرے، کیا یہ بہتر نہیں کہ وہ محنت مشقّت یا صنعت و تجارت میں سے جو فن بھی جانتا ہو، اُسکے ذریعہ سفر خرچ بنا کر کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے بچ جائے۔ اور اگر وہ زیادہ مال کما کر گھر بھی لے آئے تو آیت مجیدہ $\frac{۲}{۱۹۸}$ اور $\frac{۵}{۲}$ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے۔ اور ایسے حاجیوں کو طعنے دیکر اُن کی بے حرمتی، بے عزتی اور رسوائی سے مطلقاً منع کردیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے جسمانی محنت یا فنی مہارت کیساتھ کما کر اپنی آن اور عزتِ نفس کو محفوظ کرنیوالے افراد بھی شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

ایّامِ حج میں برّی شکار حرام ہے

● عـ۵ـہ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایامِ حج میں برّی شکار نہ کیا جائے، بلکہ اس عشرہ کے بعد جب حج سے فارغ ہوجائیں تو پھر برّی شکار کریں۔ کیونکہ ایّامِ حج میں جب دُور دُور اطراف و اکناف سے حاجی لوگ بیت اللہ شریف کے اردگرد جمع ہوں تو ممکن ہے کہ شکاری فائر تو کرے یہ سمجھ کر کہ وہ ہرن وغیرہ کسی شکار کو نشانہ بنا رہا ہے، مگر وہ کوئی آدمی ہو جو قضاءِ حاجت کیلئے دور نکل آیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امنِ عالم اس قدر عزیز ہے کہ حج کی سالانہ امن کانفرنس میں شریک ہونیوالے ہر فرد کو بھی شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں میں داخل کر رکھا ہے۔ چونکہ ایّامِ حج میں برّی شکار کے ذریعۂ کسی بھی ایسے فرد کی بے حرمتی کا احتمال ہے اس لئے برّی شکار حرام کردیا گیا ہے۔

● اسی سورہ مائدہ کی آیت نمبر $\frac{۵}{۱}$ میں بھی غیر محلّی الصّید وانتم حرمٌ (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے) کے الفاظ میں بھی ایامِ حج میں برّی شکار حرام کردیا گیا ہے اور آگے آیت نمبر $\frac{۵}{۹۵}$ میں بھی تکرارِ تاکیدی کے طور پر ارشاد ہوا ہے:۔

● یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط $\frac{۵}{۹۵}$ = ایمان والو! جب تم ایّامِ حج میں ہو تو (برّی) شکار مت مارا کرو۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ سوال بار بار ابھر رہا ہو کہ ہمنے اَلصَّیْد کا معنیٰ برّی شکار کیوں

کیا ہے جبکہ یہاں بری کیلئے متن میں کوئی لفظ مذکورہ بالا آئتوں میں سے کسی بھی آئت میں نہیں آیا۔ جواباً عرض ہے کہ الصید پر الف لام تخصیص کا آیا ہے جس سے مراد بری شکار ہے اور اس پر قرآنی دلیل اگلی آئت نمبر ۹۶/۵ میں بالفاظ ذیل موجود ہے ● أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۹۶/۵ اور تمہارے لئے (ایام حج میں) بحری شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدے کیلئے اور تم پر بری شکار (ایام حج میں) حرام کردیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص ایام حج میں جان بوجھ کر بری شکار کرے تو وہ قرآنی سزا کا مستحق ہے

● اگر کوئی شخص دوران ایام حج بری شکار کرے تو اسے ضابطۂ خداوندی میں ذیل کی سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے ۔ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۹۵/۵ اور جو کوئی تم میں سے اُسے (بری شکار کو) جان بوجھ کر مارے تو اسکا بدلہ چار پایوں میں سے اُس کی مثل ہے جو مارا ہے۔ جس کا فیصلہ تم میں سے دو عدل والے (منصف) کریں۔ یہ ہدیہ کعبہ پہنچنے والا ہو۔ یہ کفارہ ہے مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے رکھنا تاکہ وہ اپنے جرم (کی سزا) کا مزہ چکھے۔ جو اِس سے پہلے گزر گیا۔ وہ اللہ نے معاف کر دیا ہے۔ اور جو کوئی اس کے بعد اس کا اعادہ کرے تو اللہ اُسکو اُسکی سزا دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب سزا دینے والا ہے۔

دشمنوں کیساتھ انصاف کرنا

● ٦/٥ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ ..... الخ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد ہوا ہے کہ کفارِ مکہ، جنہوں نے تمہیں مسجدِ حرام سے روک کر اپنی دشمنی کا ثبوت پیش کیا تھا، اقتدار میسر آنے کے بعد تمہارے لئے یہ لائق نہیں کہ تم کو ان کی دشمنی، اس جرم کا مجرم کر دے کہ تم اُن پر زیادتی کرو۔ بلکہ تم ان سے انصاف ہی کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ضابطہ ہی امن وسلامتی کا ہے۔ اِس کی رُو سے ہر مجرم کو اُسکے جرم سے ذرہ بھر بھی زائد سزا نہیں دی جاتی۔ بلکہ اگر مجرم تائب ہو کر آئندہ کیلئے اصلاح کا اقرار کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔ اور اس چیز کی تاکید قرآن مجید کے اولین مخاطبین صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کو تاکید کی گئی ہے اور ان کے بعد ہر اُس قوم کو جو ضابطۂ خداوندی قرآن حکیم پر ایمان لائے، تاکید ہے کہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد دورِ جہالت کے طور طریقے مطلقاً ترک کردے۔ یعنی جو غیر مسلم اربابِ اقتدار کا طریقہ ہے کہ دشمن کیساتھ انصاف کرنا ضروری سمجھا ہی نہیں جاتا۔ بلکہ کسی فرد بشر کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ اس کے حکموں کے مطابق دشمنوں پر بھی زیادتی نہ کرے، بلکہ اُن کے ساتھ بھی پورا پورا انصاف ہی کرتا ہو۔

بھلائی کے کاموں میں تعاون کرو اور برائی کے کاموں میں ہرگز تعاون نہ کرنا

• وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ کا تعلق بھی سابقہ ہشق سے ہے جس میں دشمنوں کیساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم چونکہ انسان کی انفرادیت اور اجتماعیت دونوں سے متعلقہ احکام دیتا ہے۔ اس لئے انفرادی طور پر بھی اگر دو دوست ہیں اور ان کا کوئی مشترکہ دشمن ہے۔ اب اگر ان میں سے ایک دوست بھلائی کے کاموں میں دوسرے دوست سے تعاون کا طلبگار ہوتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ ضرور تعاون کرو۔ لیکن اگر ان میں سے ایک دوست اپنے مشترکہ دشمن پر گناہ وظلم کیساتھ زیادتی کرنے میں دوسرے دوست کے تعاون کا طلب گار ہو، تو ارشاد ہوتا ہے کہ ہرگز ہرگز تعاون نہ کرنا۔

• اور اسی طرح اجتماعی طور پر اگر دو دوست سلطنتیں ہیں اور کوئی سلطنت اُن کی مشترکہ دشمن ہے۔ اب اگر اُن میں سے ایک دوست سلطنت بھلائی کے کاموں میں اپنی دوست سلطنت سے تعاون کی متمنی ہو تو ارشاد ہوا ہے کہ ضرور ضرور تعاون کرو لیکن اگر ایک دوست سلطنت مشترکہ دشمن سلطنت پر گناہ وظلم کیساتھ زیادتی کرنے میں تعاون کی طلب گار ہو تو ارشاد باری ہے کہ اپنی دشمن سلطنت کے مقابلے پر بھی تعاون ہرگز ہرگز نہ کرنا۔

• یہی حال صدرِ ریاست اور اُسکے عمّال وعوام کا ہے، کہ صدرِ مملکت اصلاحی احکام نافذ کرے تو اس کے عمّال اور عوام کو حکم ہوتا ہے کہ بِرّ وتقوٰی یعنی بھلائی اور بچاؤ کے کاموں میں ضرور ضرور تعاون کرو۔ لیکن اگر صدرِ مملکت بھی گناہ اور ظلم پر مبنی احکام صادر کرے تو حکم ہوتا ہے کہ نہ اس کے عمّال اُس کے ساتھ تعاون کریں نہ عوام۔

• عـــ۸ آیتِ مجیدہ ۲/۵ زیرِ بحث کے آخری جملے یہ ہیں:- وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ چونکہ یہ آیتِ مجیدہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے خطاب سے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے ان دونوں جملوں کا معنیٰ یہ ہے کہ:۔ اے ایمان والو! بچو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنے احکام کی مخالفت کرنیوالوں کو) سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

خلاصۂ بحث

• المختصر! آیتِ بالا ۲/۵ زیرِ نظر میں اللہ تعالیٰ نے شعائر اللہ یعنی اپنی نشانیوں کی بے حرمتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اپنی ان گنت نشانیوں میں سے ذیل کی چند نشانیاں (یعنی شعائر اللہ) پیش فرمائی ہیں:۔

۱۔ حرمت والے مہینے اللہ کی نشانی ہیں۔ اُن میں جنگ چھیڑنا، ان کی بے حرمتی ہے۔ لیکن اگر دشمن حرمت کے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو حرمت والے مہینوں ہی میں اُسکو دندان شکن جواب دینا ـــــ حرمت والے مہینے کی بے حرمتی اُس نے کی ہے تم نے نہیں کی۔

۲۔ نیازِ کعبہ کے تحائف (ھدی) اللہ کی نشانی ہیں اُنہیں بے جا استعمال کرنا، ان کی بے حُرمتی ہے۔ یعنی بیت اللہ کے عالمی امن مرکز کے اربابِ بست وکشاد خود تو عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور یہ عالمی امن مرکز نہ عالمی مرکز بن سکے نہ طاقتور۔ ان تحائف سے مرکز کو طاقتور سے طاقتور بناتے چلے جاؤ تاکہ یہ فی الواقعہ عالمی امن مرکز بن سکے۔

۳۔ نیازِ کعبہ کے طور پر پیش کئے جانیوالے القلائد (عرفِ عام کے مطابق قربانی کے) جانور اللہ کی نشانی ہیں، انہیں ضرورت سے زائد ذبح کر کے ریت کی نذر کر دینا ان کی بے حُرمتی ہے۔ انہیں اتنے ذبح کرو جتنے کھائے جا سکیں۔ جو جانور بچ رہیں ان کی خطیر رقوم کیساتھ مرکز کو مضبوط اور مضبوط تر کرتے چلے جاؤ تاکہ یہ فی الواقعہ مضبوط عالمی مرکز بن جائے۔

۴۔ حجِ بیت اللہ کا قصد کرنیوالوں میں سے جو لوگ جائز طریقے سے تلاشِ معاش کریں وہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں یعنی اللہ کی نشانی ہیں۔ انہیں طعنے دینا ان کی بے حرمتی ہے۔ دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے کما کر سفر خرچ کی کمی پوری کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

۵۔ ایامِ حج میں بری شکار کی حرمت بھی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ ایام حج میں بری شکار کر کے اس حرمت کی بے حرمتی نہ کرنا۔ جب حج سے فارغ ہو جاؤ تو پھر بری شکار کر سکتے ہو۔ ان ایام میں بحری شکار حلال ہے $\frac{5}{96}$۔

۶۔ اے صحابۂ رسول ﷺ! تمہارے جن دشمنوں نے تمہیں بیت اللہ شریف سے روکدیا تھا۔ جب وہ مغلوب ہو جائیں تو تم اُن کے ساتھ بھی انصاف کرنا۔ دشمنوں کیساتھ انصاف کرنا بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ اس حکم کی مخالفت کر کے اس کی بے حرمتی نہ کرنا۔ تمہیں اُس قوم کی دُشمنی بے انصافی کا مجرم نہ بنا دے جس نے تمہیں بیت اللہ سے روکدیا تھا۔

۷۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں انداز سے بھلائی اور تقویٰ کے کاموں میں ایکدوسرے کیساتھ تعاون کرنا اور گناہ وظلم کے کاموں میں تعاون نہ کرنے کا خداوندی حکم بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ اس حکم کی مخالفت کر کے اس کی بے حرمتی نہ کرنا۔

● اخیر پر ارشاد ہوا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ حکموں کی مخالفت سے بچو (ورنہ یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ اُس کے احکام کی مخالفت کرنیوالوں کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

● دیکھیئے! آیت بالا ۲ میں آیت ۱ کے اوّلین حکم اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کے ماتحت مندرجہ بالا تمام احکامِ خداوندی کو پورا کرنے اور اللہ کی منہیات سے پوری طرح احتراز کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اب اگلی آیت

مجیدہ میں ، آیت اوّل کے جملہ "اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ" والی استثنا کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں کہ ان چیزوں کی وضاحت کر دی گئی ہے جو خود حلال جانوروں کی حرام ہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ
حرام کیا گیا تم پر ہر قسم مردہ۔ اور خون اور
لَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ
گوشت غدود کا اور جو منسوب ہوا غیر اللہ کی طرف سامنا کرکے
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا
اور گلا گھٹا اور چوٹ لگا اور گر کر مرا اور سینگ لگا اور جسے
أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى
کھایا درندے نے سوائے جو ذبح کیا تم نے اور جو ذبح ہوا اوپر
النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ
مزار کے اور یہ کہ تقسیم کرو تم ساتھ فالوں کے۔ یہ ہے
فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
قانون شکنی۔ آج مایوس ہو گئے وہ لوگ جو کافر ہوئے ، سے
دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ
دین تمہارے۔ پس نہ ڈرو ان سے اور ڈرو مجھ سے ہر زمانہ
أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
مکمل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا اور پوری کی میں نے اوپر تمہارے
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي
نعمت اپنی اور پسند کیا میں نے واسطے تمہارے فرمانبرداری کو دین۔ پھر جو ہو بے چین
مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۳ بخشنے والا رحمت فرمانے والا ہے۔
قرار بھوک سے نہ جھکنے والا واسطے گناہ کے پس بیشک اللہ بچانے والا مہربان

(ایمان والو!) حرام کیا گیا ہے تم پر (جگالی کرنے والے چوپایوں کا (ہر قسم کا مردہ[۱] اور ہر قسم کا خون[۲] اور غدود[۳] کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ کیطرف منسوب کیا گیا ہو[۴]، اور وہ جو گلا گھٹ کر مر گیا[۵] اور وہ جو چوٹ لگنے سے مر گیا[۶] اور وہ جو گر کر مر گیا[۷] اور وہ جو سینگ لگ کر مر گیا[۸] اور جسے کسی درندے نے کھا لیا[۹] سوائے اس کے جسے تم نے (ذبح کرکے خون سے) پاک کر لیا۔ اور وہ جو کسی استھان خانقاہ پر ذبح ہوا[۱۰] اور یہ کہ (انکا گوشت) تم قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کرو[۱۱] یہ سب حدود شکنی ہے۔ آج کے دن وہ لوگ جنہوں نے ضابطہ الٰہی کا انکار کیا ہے تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں۔ پس تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو (اے نوعِ انسانی!) ہر زمانے میں میں نے تمہارے لئے تمہارا ضابطۂ حیات مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت (کتاب) پوری کر دی۔ اور تمہارے لئے اپنی فرمانبرداری کو اپنا ضابطہ حیات پسند فرمایا۔ پھر جو کوئی بھوک سے بے چین ہو جائے (تو جان بچانے کیلئے مذکورہ بالا حرام چیزیں کھا سکتا ہے مگر) وہ گناہ (نافرمانی) کی طرف جھکنے والا نہ ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ (مجبوری کی حالت میں جان بچانے کیلئے) بچاؤ دینے والا ہے۔

● عنہ [۱ تا ۱۱] یہ ہے ۵ میں آمدہ الا ما یتلی علیکم کی تفصیل کہ جگالی کرنے والے حلال جانوروں میں مذکورہ بالا نمبر زدہ گیارہ چیزیں حرام ہیں۔

لحم الخنزیر

• اس آیت مجیدہ میں آمدہ مرکّب اضافی لحم الخنزیر سے عام تراجم میں سؤر کا گوشت مراد لیا گیا ہے۔ اور اس طرح سؤر کی حُرمت اس آیت سے ثابت کی جاتی ہے۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے ۵/۱ میں گھاس کھانیوالے چوپایوں میں سے بہیمہ قسم یعنی جگالی کرنیوالوں کو حلال بتا کر غیر بہیمہ یعنی جگالی نہ کرنیوالوں کی حُرمت کا اعلان کر رکھا ہے تو پھر سؤر کو، جو غیر بہیمہ میں داخل ہونے کی بدولت ۵/۱ میں حرام ثابت ہو چکا، باقی حرام جانوروں سے الگ طور پر پھر حرام بتانے کا کیا مطلب؟

• یاد رہے کہ آیت بالا ۵/۳ میں اِلّا ما یتلیٰ علیکم کی تفصیل درج ہے۔ حلال جانوروں کے اندر جو چیزیں حرام ہیں اور یا جن صورتوں میں وُہ حلال ہوتے ہوئے حرام ہو جاتے ہیں اُن کی فہرست دیدیگئی ہے۔ مُردہ ۱۔ خون ۲۔ لحم الخنزیر ۳۔ غیر اللہ کی طرف منسوب ۴۔ گلا گھونٹ کر مرا ۵۔ چوٹ لگنے سے مرا ۶۔ گر کر مرا ۷۔ آپس میں لڑ کر سینگ لگنے سے مرا ۸۔ درندے کا کھایا ۹۔ خانقاہ پر ذبح کیا گیا ۱۰۔ اور فال کے تیروں سے تقسیم کیا گیا ۱۱۔ پس جب اس آیت مجیدہ میں لحم الخنزیر سمیت گیارہ صورتیں حلال جانوروں ہی کے بعض حصّوں اور بعض حالتوں کی حُرمت کی ہیں تو ثابت ہوا کہ لحم خنزیر بھی حلال جانوروں ہی کا حرام بتایا گیا ہے اور وُہ ہے غدود کا گوشت۔

ایک غلط فہمی کی وضاحت

• مَا اُھِلَّ لِغَیرِ اللّٰہِ بِہٖ میں آمدہ مَا عمُوم کے سہارے لحم خنزیر سے سؤر کا گوشت مراد لیکر سؤر کی حُرمت لی جاتی ہے۔ کیونکہ اس مَا عموم سے غیر اللہ کی طرف منسوب پیر ا بٹھے، پتاشے مٹھائی وغیرہ ہر چیز حرام ہو جاتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے، چونکہ ما اُھِلَّ لِغَیرِ اللّٰہِ بِہٖ سے بہیمۃ الانعام کے سوا ہر چیز مُراد ہے۔ اس لئے لحم الخنزیر سے مراد سؤر کا گوشت ہے۔ لیکن عربی ادب کا قاعدہ ہے کہ جب مَا عمُوم کسی دائرہ میں محدود ہو تو اُس دائرہ کے اندر ہی عمُوم کا فائدہ دیتا ہے۔ لہٰذا یہاں مَا عام ہے لیکن حلال کے دائرے میں محدود جانوروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ گائے، بھینس، بھیڑ بکری وغیرہ کوئی سا حلال جانور بھی غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ دائرے میں محدود مَا عمُوم کی مثال اسی آیت مجیدہ میں مَا اَکَلَ السَّبُعُ اور مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ کے جملوں میں مذکور ہے۔ جن میں اگرچہ مَا عام ہے لیکن درندہ کھا جائے یا کسی استھان پر ذبح ہو، کے جملوں سے یہاں حلال جانوروں کے سوا کھیر پتاشوں کا کسی مزار پر ذبح ہونا یا درندوں کا کھا جانا مراد لیا ہی نہیں جا سکتا۔

مُردہ خون اور غدود کے گوشت کی یکجے بعد دیگرے حرمت قابل غور ہے

• حلال جانور پہلے نمبر پر اُسوقت حرام ہو جاتا ہے جب وُہ مر جائے، یعنی وُہ ذبح نہ کیا گیا ہو۔ یہ اس لئے کہ خون حرام ہے جو بلا ذبح کئے مر جانے سے اُس کے اندر رہ جاتا ہے اور جب ذبح کر کے خون نکال دیا جائے تو حرام خون تو نکل گیا لیکن باقی گوشت میں ابھی اور حرام چیزیں موجود ہیں، وُہ ہے لحم خنزیر یعنی

غدود کا گوشت، جھلیاں اور پھیپھڑے وغیرہ۔ جن میں حلال جانور کو ذبح کر لینے کے باوجود اُس کا وُہ گوشت بھی حرام ہے جہاں جانور کو چوٹ لگی ہو اور اُس مقام پر خُون جم گیا ہو۔ اور اس سے آگے ہے حلال جانوروں یا ان کے گوشت کو فال کے تیروں کیساتھ تقسیم کرنے کا مسئلہ۔ واضح رہے کہ قرعہ اور فال کے ذریعہ تقسیم کا سوال پیدا ہی اُس وقت ہوتا ہے جب دونوں ڈھیر برابر نہ ہوں اور کسی ایک ڈھیر کے متعلق الگ الگ فریقین یہ چاہتے ہوں کہ یہ مجھے ملے۔ قرعہ اور فال میں ایک تو قسمت وتقدیر جیسے قاطع ایمان نظریے کا عمل دخل ہے کہ جونسا ڈھیر یا جانور کسی کی قسمت میں ہو گا مل جائیگا اور دوسرے یہ کہ جس شخص کو ناقص مال ملتا ہے اُس کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے قرعہ کے طریقے سے جانوروں یا ان کے گوشت کو تقسیم کرنے سے خود جانوروں یا گوشت کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حرام تو ہوئی قرعہ اندازی، اس سے حلال جانور حرام کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس سوال کا جواب بھی اسی آیت مجیدہ میں موجود ہے کہ جس طرح حرام تو ہے کسی استھان، مزار یا خانقاہ پر جانور ذبح کرنا۔ تو جس طرح اِس حرام فعل سے کسی مزار پر کے مذبوحہ حلال جانور کو حرام ٹھہرا دیا گیا ہے جس پر یہ حرام فعل وارد ہوا ہے، اُسی طرح قرعہ اندازی کا حرام فعل بھی جن حلال جانوروں یا گوشت پر وارد ہو گا وُہ بھی حرام ہو جائیں گے۔

تکمیلِ دین

• آیت زیر بحث ۵ میں جو آیت کا یہ ٹکڑا آیا ہے آلیوم اکملتُ لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت، اس کے متعلق روائتی تفاسیر میں بتایا گیا ہے کہ آج دن تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا گیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی گئی ہے سے مراد یہ ہے کہ یہ آیت نزول کے لحاظ سے بالکل آخری آیت ہے۔ اس نظریہ پر متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں:۔

• ۱ پہلا یہ کہ کیا سابقہ اُمتوں اور رسولوں کو کامل دین نہیں دیا گیا تھا، جو کامل دین اس اُمت کو ملا ہے۔

• ۲ پھر جیسے کہ روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ مکمل دین اِس آخری اُمت ہی کو دیا گیا ہے تو آیاتِ ذیل کی مخالفت لازم آتی ہے:۔ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۴۲/۱۳۔ ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے اُسی دین کی وُہی شرع کر دی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور وہی شرع جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ اور وہی شرع جس کا حکم ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔ پھر سورہ انعام میں حضرت ابراہیمؑ سمیت اٹھارہ نبیوں کے نام لیکر آنحضورؐ کو حکم ہُوا ہے:۔ اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ ۶/۹۰ یہ وُہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی تھی۔ اے رسولؐ! آپ اُنکی ہدایت کی اقتداء فرمائیں۔ کیا ان الفاظ میں آنحضورؐ کو نامکمل اور ناقص دین کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ العیاذ باللہ!

• ۳ پھر اگر اتممت علیکم نعمتی کے الفاظ سے یہ مانا جائے کہ یہ منزل کے لحاظ سے آخری آیت مجیدہ ہے تو

آئت ذیل کا کیا بنیگا۔

● وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۶/۱۱۶ اور تیرے پروردگار کے کلمات صدق و عدل کیساتھ ختم ہو چکے ہیں۔ بتائیے! یہ آئت آخری ہے یا الیوم اکملت والی؟

● برادران عزیز! حقیقت حال وُہی ہے جو عرض کر دی گئی ہے کہ یہاں اَلْيَوْمَ کا معنیٰ آج دِن نہیں۔ بلکہ ہر دِن ہر زمانہ ہے۔ یعنی سابقہ تمام رسولوں ؑ اور اُمتوں کو کامل دین دیا گیا تھا۔ الیوم میں الف لام استغراق کا ہے اور یوم کا معنیٰ ہے زمانہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں، ہر نبی اور ہر اُمت کو کامل دین عطا فرمایا تھا، اور وُہ ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت عطا فرمائی گئی تھی جیسے کہ ۴۲/۱۳ کے حوالہ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا میں بھی اوپر گزر چکا ہے اور ۶/۹۱ کا حوالہ بھی اوپر دیا جا چکا ہے کہ آنحضورؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ سابقہ انبیاء کی ہدائت کی اقتداء فرمائیں۔

● ۶/۱۱۵ میں بھی اس چیز کی تائید موجود ہے:۔ تمّت کلمت ربّك صدقا وّعدلاً ط لا مبدّل لكلمٰته۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات قوانین (ہر دور میں) مکمل طور پر عطا کئے گئے ہیں۔ اُسکے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں نہ وُہ تبدیل ہوتے ہیں ۶/۳۴ اور نہ خود اللہ تعالیٰ انہیں بدلتا ہے ۵۰/۲۹

حرام شکاری جانوروں کے ذریعہ شکار حلال ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں شکاری جانوروں کے ذریعہ بہیمہ قسم کے حلال جانوروں کا شکار کرنا حلال ٹھہرایا گیا ہے۔ بشرطیکہ اُنہیں سدھایا جا چکا ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ
سوال کرینگے آپ سے کیا حلال ہُوا واسطے اُن کے کہدیجئے حلال کیا گیا
لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ
واسطے تمہارے پاکیزہ اور جو سدھاتے ہو تم میں سے شکاری جانوروں کے
مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا
سدھاتے ہوا نہیں جیسے کہ تعلیم دی تمکو اللہ نے۔ پس کھاؤ اُس
مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
سے جو وہ روکیں واسطے تمہارے اور کرو ذکر نام اللہ کا
عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝
اوپر اُس کے اور ڈرو اللہ سے بیشک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے

(اے رسول ؑ!) لوگ آپ سے سوال کریں گے کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ آپ فرما دیجئے گا کہ تمہارے لئے صحت بخش (گوشت) حلال کیا گیا ہے۔ اور (تمہارے لئے حلال جانوروں کا وہ شکار بھی حلال کیا گیا ہے) جو تم شکاری جانوروں کو تعلیم دیتے ہو، کتّوں کو سدھانیوالے ہو کر۔ تم اُنہیں تعلیم دیتے ہو اُس (جبلّی علم) سے جو اللہ نے تمہیں (جبلّی طور پر) سکھایا ہے۔ پس اُس شکار کو کھایا کرو جسے وہ تمہارے لئے روک رکھیں اور اُس پر اللہ کے نام کا ذکر کیا کرو (یعنی اللہ کے نام کیساتھ ذبح کریا کرو)

اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت سے بچو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے۔

سدھائے ہوئے کتے کا پکڑا ہوا شکار

● عـ۱ قاموس القرآن کے صفحہ ۴۹۵ پر مکلّبین کا معنیٰ لکھا ہے "مُکلّبین :۔ کتے کو شکار سکھلانے والے۔ تکلیب سے اسم فاعل جمع مذکر بحالت نصبی و جرّی۔ واحد مکلّبٌ"۔ کتا بھی شکاری جانور ہے۔ بہت جلد سدھایا جا سکتا ہے، دوسرے شکاری جانوروں کے ساتھ ساتھ سدھائے ہوئے کتوں کا شکار بھی حلال قرار دیا گیا ہے۔ کتوں کو سدھانے والوں کیلئے خاص لفظ لایا گیا ہے مُکلّبین۔ شکاری جانوروں کو سدھانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وُہ شکار کو کھائیں نہیں۔ صرف پکڑ رکھیں، تاکہ اُسے ذبح کر لیا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ جب سدھایا ہوا کتا یا دوسرا شکاری جانور شکار کو پکڑیگا تو یقیناً اُس کے دانت شکار کے جسم میں پیوست ہوں گے۔ اس طرح کتا اور دوسرے شکاری جانور کھانے کیلئے ضرور حرام ہیں مگر ان سے شکار کو پکڑنے کی خدمت لینا حلال اور جائز ہے۔

جبلّی تعلیم

● عـ۲ مِمّا علّمکم اللہ۔ شکاری جانوروں کو سدھانے کی تعلیم نوعِ انسانی کو بذریعہ وحی نہیں دی گئی۔ بلکہ یہ تعلیم انسانی جبلّت میں رکھ دی گئی ہے۔ اور جبلّی تعلیم کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ہر قسم کی صنعت و حرفت کا کام نوعِ انسانی اسی خداوندی جبلّی تعلیم کے ذریعہ سرانجام دے رہی ہے اور اِس میدان میں شبانہ روز ترقی بھی اِسی خداوندی تعلیم کے ذریعہ کرتی چلی جا رہی ہے۔ تار برقی، وائرلیس، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹیلیویژن وغیرہ، آئے دن کی نئی سے نئی ایجادیں سب اسی جبلّی تعلیم کی مظہر ہیں۔

ذبح کے بغیر شکار حلال نہیں

● عـ۳ واذکروا اسم اللہ علیہ کے جملہ میں شکار کو ذبح کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ ذبح کا معنیٰ ہے شاہ رگ کو حلق کی طرف سے کاٹنا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ جسم کا سارا خون جو حرام ہے پوری طرح بہہ جائے۔ شکار کے ضمن میں یہ نظریات محلِ نظر ہیں جو یہ کہا جاتا ہے کہ تیر یا گولی کا نشانہ کرتے وقت بسم اللہ پڑھ دی جائے اور یا شکار کو پکڑنے کے لئے کتا چھوڑتے وقت اللہ کے نام کا ذکر کر لیا جائے تو شکار حلال ہوتا ہے۔ کیوں کہ شکار اُس وقت تک حلال نہیں ہوتا جب تک کہ ذبح کرکے اُسکا خون خارج نہ کر دیا جائے۔ نہ تیر یا گولی سے جسم کا سارا خون خارج ہو سکتا ہے نہ شکاری جانور کے پکڑنے سے بلکہ سارا خون صرف شاہ رگ کاٹنے سے خارج ہو سکتا ہے۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مسئلہ حلّت کے ضمن میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جو اہل کتاب دینِ اللہ پر قائم ہیں، اِن کے کھانے بھی حلال ہیں اور رشتے بھی۔ مگر ان سے وُہ مشرک اہل کتاب ہرگز مراد نہیں جو حضرات عزیرؑ و مسیحؑ کو خدا کے بیٹے بنائے بیٹھے ہیں۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ

آج دن (زمانۂ رسالتِ محمدیؐ میں حِکمائی کرنے والے جانورں

آج حلال کئے گئے واسطے تمہارے پاکیزہ کھانے اور کھانا اُن لوگوں کا

أُوتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ

جو کتاب دیئے گئے حلال ہے واسطے تمہارے اور کھانا تمہارا حلال ہے ان کیلئے

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور پاکدامن عورتوں میں سے مومنہ عورتوں کے اور پاکدامن عورتوں میں سے

الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوْهُنَّ

ان لوگوں کے جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے ۔ جب تم دو انہیں

أُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا

مہران کا نکاح میں رکھنے والے نہ مستی جھاڑنے والے اور نہ

مُتَّخِذِيْٓ أَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ فَقَدْ

رکھنے والے چھپی آشنائی ۔ اور جو کوئی انکار کرے بعد ایمان کے پس تحقیق

حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

ضائع ہوا عمل اسکا اور وہ بیچ قیامت کے ہیں ۔ میں سے گھاٹا پانیوالوں کے

سمیت) تمام صحت بخش چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں ۔ اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں انکا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے ۔ اور حلال ہیں تمہارے لئے مومنہ پاکدامن عورتوں میں سے اور حلال ہیں واسطے تمہارے پاکدامن عورتیں اُن لوگوں کی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے علہ جب ادا کردو تم اُنہیں اُنکا زرِ مہر ۔ اس شرط پر کہ ہو تم انہیں قیدِ نکاح میں رکھنے والے نہ صرف وقتی مستی جھاڑنیوالے ۔ اور نہ ہی ہو تم چھپی آشنائی رکھنے والے ۔ اور (یاد رکھو کہ) جو کوئی ایمان لانے کے بعد عملاً انکار کریگا تو یقیناً یقیناً اُس کا عمل ضائع ہو جائیگا ۔ اور بلاشبہ وہ قیامت کے دارالجزاء میں نقصان اُٹھانیوالوں میں سے ہوگا ۔ (نجات نہیں پائیگا) ۔

ع ۵
۵

اہلِ کتاب کا کھانا اور رشتے

● علہ آیت بالا میں :- جن اہل کتاب کا کھانا اور عورتیں ، مومنوں کیلئے حلال بتائی گئی ہیں وہ ، وہ اہل کتاب نہیں ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے خود کافر اور مشرک قرار دیا ہے :-

● وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۹/۳۰ اور کہا یہودیوں نے کہ عزیر ؑ اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے کہ مسیح ؑ اللہ کا بیٹا ہے ۔ پس ظاہر ہے کہ اللہ کے بیٹے ٹھہرانے والے یقیناً مُشرک ہیں اور اُدھر ارشاد باری ہے :- إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ۹/۲۸ بلاشبہ مشرک نجس ہیں ۔ تو بتائیے ! کیا ناپاکوں کا کھانا مومنوں کے لئے حلال کیا گیا ہے ! ہرگز نہیں ۔

● ۲/۲۲۱ میں ارشاد ہوا :- وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ اور مُشرکہ عورتوں کے نکاح مومن مردوں سے نہ کرنا جبتک وہ ایمان نہ لے آئیں ۔ اور مُشرک مردوں کے نکاح مومنہ عورتوں سے نہ کرنا جبتک وہ مومن نہ ہو جائیں ۔

• پس اہلِ روایات کا یہ مسئلہ قرآن کریم کے صد فیصد خلاف ہے کہ مُشرک یہود و نصاریٰ کا کھانا بھی حلال ہے اور اُن کی عورتیں بھی حلال ہیں۔ حالانکہ اس غلط مسئلہ کی بدولت یہود و نصاریٰ اپنی عورتیں جاسوسی کیلئے مسلمانوں کے نکاح میں دیدیتے ہیں جو بروقت جاسوسی کرکے اہلِ اسلام کو نقصان پہنچاتی چلی آرہی ہیں۔ فاعتبروا!

• یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آیتِ مجیدہ ٥/٥ میں جو اہلِ کتاب کا کھانا اور عورتیں حلال بتائی گئی ہیں اُس سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب آیاتِ ذیل میں دیا گیا ہے:۔

• لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ٣/ ١١٣-١١٤

(مفہوم) سب ایک سے نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو رات کی ابتدائی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور حضورِ الٰہی میں سجدۂ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے، نیکیوں کا حکم اور برائیوں سے منع کرتے ہیں وُہی اہلِ کتاب صالح لوگ ہیں۔

• اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ ٢٨/ ٥٢-٥٣ وُہ لوگ جنہیں اِس (قرآن) سے پہلے کتاب دی گئی ہے (اُنکا ایک گروہ) اِس پر ایمان لاتا ہے۔ اور جب وُہ اُن پر پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بیشک وُہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ بیشک ہم اس سے پہلے فرمانبردار ہیں ——— اہلِ کتاب کے مومن گروہ کی یہی خبر ٥/ ٨٢-٨٣ میں بھی دی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جن اہلِ کتاب کا کھانا اور اُن کی عورتیں حلال ٹھہرائی گئی ہیں وُہ خدا کے بیٹے ٹھہرانے اور ایک کی بجائے تین خدا ماننے والے نہیں۔ بلکہ یہ وُہ لوگ تھے جو زمانۂ رسالتِ محمدیؐ میں اصل دین پر قائم تھے۔ قرآن کریم نے اُنہیں اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ بتایا ہے۔ کاش کہ مسلمان اس غلط مسئلہ سے توبہ کرکے اس کے مضر اثرات سے محفوظ ہو جائیں۔

وضو کا حکم

• سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں صلوٰۃِ موقّت یعنی نماز کی ادائیگی کیلئے وضو کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ حِلّت و حرمت کے مسائل کے بعد آیتِ وضو کا کیا مقام ہے؟ یعنی حلال و حرام کی وضاحت کے ساتھ وضو کے مسئلہ کا کیا ربط ہو سکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ سورہ مائدہ کی پہلی آیت کے پہلے جملے میں ارشاد ہوا ہے "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" ٥/١ ایمان والو! قبولِ ایمان کی رُو سے جس قدر عہد تم پر لازم آئیں سب کے پورے کرتے رہو اور اِس حکم کے بعد حِلّت و حرمت

سے متعلقہ متعدد عہدوں کی وضاحت کرنے کے بعد ساتھ ہی ساتھ صلوٰۃِ موقّت کے اُس عہد کیطرف رُخ کیا گیا ہے جو پیچھے ۴/۱۰۳ میں اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۰ کے الفاظ میں لیا گیا ہے کہ بلاشبہ مومنوں پر صلوٰۃ مقررہ وقتوں پر فرض کر دی گئی ہے۔ فلہذا اگلی آیت مجیدہ میں اسی عہد صلوٰۃِ موقّت کے متعلق واضح کیا گیا ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم کھڑے ہو واسطے صلوٰۃ کے

فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا

تو دھو لیا کرو منہ اپنے اور بازو اپنے سمیت کہنیوں کے اور مسح کرو

بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا ؕ

سروں اپنے کا۔ اور دھو لو پیر اپنے مع ٹخنوں کے اور اگر ہو تم جنبی تو پاک ہو جاؤ

وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ

اگر تم ہو بیمار یا اوپر سفر کے یا آئے ایک بھی تم سے تمہارے میں سے جائے ضرورت کے

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا

یا تم نے ملاپ کیا بیویوں سے پھر تم نہ پاؤ پانی تو ارادہ کرو مٹی

طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ مِّنْہُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ

پاکیزہ پھر پونچھ لو مونہوں اپنوں اور ہاتھوں اپنوں کو اس سے نہیں ارادہ کرتا اللہ

لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ

کہ ٹھہرائے اوپر تمہارے سے کوئی تنگی ولیکن ارادہ کرتا ہے کہ پاک کرے تم کو

وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ

اور تاکہ پوری کرے نعمت اپنی اوپر تمہارے

لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝ ۶

تاکہ تم شکر گزار ہو

اے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو (ہمارے عہد) صلوٰۃ کی ادائیگی کا ارادہ کرو تو اپنے مونہوں کو دھو لیا کرو۔ اور دھو لیا کرو اپنے بازوؤں کو کہنیوں سمیت۔ اور اپنے سروں کو پونچھ لیا کرو۔ اور پیروں کو ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو علہ

اور اگر تم بحالت جنابت ہو تو پاک ہو لیا کرو عکہ (یعنی غسل کر لیا کرو) اور اگر تم بیمار ہو (یا پانی کا استعمال مضر پڑتا ہے اور تم سفر پر ہو، یا تم میں سے کوئی شخص قضاءِ حاجت سے فارغ ہوا ہو، یا تم نے بیویوں سے اختلاط کیا۔ اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاکیزہ مٹی کا قصد کیا کرو۔ (یعنی غلاظت کو پاکیزہ مٹی کیساتھ دور کر لیا کرو) پھر اپنے مونہوں (چہرں) اور بازوؤں کو گرد و غبار سے پونچھ لیا کرو عہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی بھی تنگی کا ارادہ نہیں کرتا اور لیکن وُہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں نجاست سے پاک کرنے اور تم پر (اس گوشے میں بھی) اپنی قانونی نعمت پوری کر دے علہ (تاکہ تم پر ادائے صلوٰۃِ موقّت میں کوئی تنگی نہ رہے) تاکہ تم شکر گزاری کرتے رہو۔

● وضو کے متعلق دو مکاتب فکر میں بہت پرانا جھگڑا

چل رہا ہے ایک طرف وضو میں پیروں کو دھویا جاتا ہے اور دوسری طرف پیروں پر مسح کیا جاتا ہے اور پیروں پر مسح کرنے کی یہ دلیل لائی جاتی ہے کہ جب اَرْجُلَكُمْ معطوف ہے رُءُوْسِكُمْ کا اور رُءُوْسِ مفعول ہے فعل امر اِمْسَحُوْا کا، تو اس سے ثابت ہُوا کہ جس طرح سر کے مسح کا حکم دیا گیا ہے، اُسی طرح پیروں کے بھی مسح ہی کا حکم ہے، کیونکہ معطوف اور معطوف الیہ ایک حکم میں ہوتے ہیں۔

● اس سلسلے میں سمجھنے کی چیز یہ ہے کہ اَرْجُلَكُمْ، رُءُوْسِكُمْ کا معطوف ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ عربی قواعد کا یہ غیر متبدّل قاعدہ ہے کہ معطوف کے اعراب اپنے معطوف علیہ کے اعراب کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ رُءُوْسِ، جسے معطوف علیہ قرار دیا جاتا ہے مجرور ہے اور اَرْجُلَ جسے معطوف ٹھہرایا جاتا ہے منصوب ہے پس رُءُوْسِ اور اَرْجُلَ بوجہ عدم مطابقت اعراب باہم معطوف معطوف علیہ نہیں ہیں۔ بلکہ اَرْجُلَكُمْ معطوف ہے وُجُوْهَكُمْ اور اَيْدِيَكُمْ کا۔ کیونکہ اعراب کی مطابقت ان میں ہے رُءُوْسِ اور اَرْجُلَ میں ہرگز نہیں۔ ہاں اگر اَرْجُلَكُمْ کی بجائے اَرْجُلِكُمْ ہوتا تو پھر یہ یقیناً یقیناً معطوف ہوتا رُءُوْسِكُمْ کا اور پیروں کا مسح کیا جاتا۔

زیر زبر کا فرق ● عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے یعنی اُسکے آخری حرف پر ہمیشہ پیش آتی ہے اور مفعول ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ یعنی اُس کے آخری حرف پر زبر آتی ہے۔ جیسے کہ آیت زیر بحث ۶ میں پہلا فعل امر ہے اِغْسِلُوْا اور وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اس کے دونوں مفعول منصوب ہیں، یعنی وُجُوْهَ کے آخری حرف ہ پر بھی زبر ہے اور اَيْدِيَ کے آخری حرف يَ پر بھی زبر ہے۔ پس وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ بوجہ مطابقت اعراب باہم معطوف معطوف علیہ ہیں۔ اور جس طرح یہاں مُونہوں کے لئے دھونے کا حکم ہے، اُسی طرح بازوؤں کیلئے بھی دھونے کا حکم ہے۔ لیکن آیت زیر نظر کے دوسرے فعل امر اِمْسَحُوْا کا مفعول منصوب نہیں۔ آپ پوچھیں گے کہ یہاں اِمْسَحُوْا فعل کا مفعول رُءُوْسِكُمْ، سِ کی زیر کیساتھ کیوں آیا ہے؟ حالانکہ مندرجہ بالا قاعدے کے مطابق مفعول منصوب ہونا چاہیے تھا۔ یعنی رُءُوْس کے سین پر زبر آنی چاہیے تھی۔

● یہ وہ اہم ترین سوال ہے، جس کے صحیح جواب پر وضو میں پیروں کے دھونے یا مسح کرنے کے متنازعہ مسئلہ کے صحیح فیصلے کا انحصار ہے۔

● جواباً عرض ہے کہ یہاں عربی قواعد کے ایک دوسرے قاعدے نے اثر انداز ہو کر سِ کی زبر کو زیر کے ساتھ تبدیل کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب کسی اسم پر کوئی حرف جار داخل ہوتا ہے تو اُسے مجرور کر دیتا ہے یعنی اُس کے مقامی اعراب کو بدل کر اُسکے آخری حرف کے نیچے زیر لے آتا ہے، جیسے کہ رُءُوْسَ کا مقامی اعراب سَ کی زبر ہے، لیکن اگر باء حرف جارہ داخل نہ ہوتی تو اِمْسَحُوْا رُءُوْسَكُمْ ہوتا۔ یاد رہے کہ یہاں سَ

کے نیچے زیر بائے جارہ کے داخل ہونے کی بدولت آئی ہے۔ لیکن ایک بات اور بھی یاد رکھیگا، اگرچہ بِرُءُوسِکُمْ بائے جارہ کی بدولت مجرور ہو کر آیا ہے۔ لیکن محلاً منصوب ہے۔ یعنی رُءُوس مفعول ہی ہے امْسَحُوا کا۔ اور سروں کے مسح کرنے ہی کا حکم دیا گیا ہے۔

● اب غور طلب یہ امر ہے کہ آیت مجیدہ میں بِرُءُوسِکُمْ کے بعد آیا ہے وَ اَرْجُلَکُمْ۔ عربی قواعد کے غیر متبدل قاعدہ کے مطابق اگر اَرْجُلَ، بِرُءُوسِ کا معطوف ہوتا تو اَرْجُلِ آتا۔ اور جس طرح بِرُءُوسِکُمْ محلاً منصوب ہے اُسی طرح اَرْجُلَکُمْ بھی محلاً منصوب ہوتا۔ لیکن چونکہ خداوندی تنزیل میں اَرْجُلَکُمْ، لام کی زبر کیساتھ آیا ہے۔ اس لئے بدرجہ اتم ثابت ہوا کہ نہ اَرْجُلَکُمْ، بِرُءُوسِکُمْ کا معطوف ہے اور نہ پیروں کے مسح کا حکم ہے۔ بلکہ یہ اُس معطوف علیہ کا معطوف ہے جس کے ساتھ اِس کے اعراب مطابق ہیں۔ وہ ہے اَیْدِیَکُمْ جو خود معطوف ہے وُجُوْهَکُمْ کا۔ اور یہ دونوں مفعول ہیں فعل امر اغْسِلُوْا کے۔ پس مطابق اعراب کی سند کیساتھ اَرْجُلَکُمْ اُسی فعل امر کا مفعول معطوف ہے۔ جس کے مفعول، اس کے معطوف علیہ وُجُوْهَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ ہیں۔ اور چونکہ وُجُوْهَکُمْ اُسی فعل امر کا مفعول معطوف ہے جس کے مفعول، اس کے معطوف علیہ وُجُوْهَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ ہیں اور چونکہ وُجُوْهَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ دونوں مفعول ہیں فعل امر اغْسِلُوْا کے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ جس طرح مونہوں اور بازؤں کے دھونے کا حکم ہے۔ اُسی طرح پیروں کے بھی دھونے کا حکم دیا گیا ہے، مسح کرنے کا نہیں۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

● یہاں پہنچ کر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیروں کو دُھلوانا ہی مقصود تھا تو خدا تعالیٰ نے اَرْجُلَکُمْ کو اغْسِلُوْا کے مفعول کی شکل میں وُجُوْهَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ وَ اَرْجُلَکُمْ کیوں نازل نہ فرمایا؟ جواباً عرض ہے کہ وضو کی ترتیب کو قائم رکھنے کے لئے پہلے مونہوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر کہنیوں سمیت بازؤں کو پھر سر کے مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد پیروں کو دھونے کا۔ اگر وُجُوْهَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ کیساتھ ہی وَ اَرْجُلَکُمْ نازل ہوتا تو وضو کی ترتیب یہ ہو جاتی کہ پہلے منہ دھوتے، پھر بازو دھوتے، پھر پیر دھوتے اور اخیر پر سر کا مسح کرتے۔ اس طرح چون کہ خداوندی ترتیب متبدل ہو کر رہ جاتی، اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی پسندیدہ ترتیب کے مطابق الفاظ کو ترتیب دی ہے۔

جنب بمعنی بدخوابی بھی ہے

● ع۲ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا کے حکم میں بدخوابی بھی شامل ہے جس کی بدولت غسل واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بیویوں سے خلوت کا ذکر اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کے الفاظ میں الگ مذکور ہے۔ جس میں بدخوابی شامل ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ قرآن کریم کا مخصوص

اسلوب بیان ہے کہ اس نے بد خوابی اور بیویوں کی مقاربت کا الگ الگ ذکر کر کے واضح کر دیا ہے کہ دونوں حالتیں جنب کی ہیں اور دونوں میں غسل لازم ہے۔ نیز جلد دوم میں آئت مجیدہ ۴/۴۳ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ وہاں بھی من وعن یہی وضاحت موجود ہے۔

● ۳ فَاطَّهَّرُوا سے مراد غسل کرنا ہے۔ بعض حلقوں میں غسل جنابت کے خلاف جراثیم پائے جاتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ فاطّھروا کے الفاظ سے بصورت نصف النہار ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے جنابت کو ناپاک قرار دیا ہے۔ جیسے کہ وضو کے لئے جن اعضا کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے وہ ناپاک نہیں ہوتے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ منہ اور کہنیوں سمیت بازو ناپاک ہوتے ہیں۔ پاک اعضاء کو صلوٰۃ کے تقدس کے لئے دھونے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں فَاغْسِلُوا آیا ہے فَاطَّهَّرُوا نہیں آیا۔ اس کے برعکس جنابت کو ناپاکی قرار دے کر فَاطَّهَّرُوا کا حکم نافذ کیا گیا ہے کہ اگر تم جنابت سے ہو تو پاک ہو جاؤ اور اس حکم کے تحت پورے جسم کا غسل کیا جائیگا۔ سورہ نساء ۴/۴۳ میں فَاطَّهَّرُوا کی بجائے تَغْتَسِلُوا آیا ہے۔ نیز یہاں فَاطَّهَّرُوا کے الفاظ سے صرف اعضاءِ مخصوصہ کی طہارت کا حکم اخذ کرنا اپنے آپ کو مقام انسانیت تک سے گرا دینے کے مصداق ہے۔ کیونکہ جنسی فراغت کے بعد اعضاءِ مستعملہ کی عدم طہارت کی ضرورت کا تصور تو ڈھور ڈنگروں کیلئے ہے۔ نوعِ انسانی تو جنسی فراغت کے بعد جبلّی طور پر ہی اعضاءِ مستعملہ کی فوری طہارت کیلئے بے چین ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فَاطَّهَّرُوا کے الفاظ میں پورے جسم کے غسل کا حکم دیا گیا ہے۔

تیمم کا معنی مونہوں اور ہاتھوں پر مٹی ملنا نہیں بلکہ انکے لئے مسح یعنی اُن پر سے گرد و غبار کو صاف کرنا ہے

● تیمم کی مروجہ شکل یہ ہے کہ وضو کے لئے پانی نہ ملے تو مونہوں اور بازوؤں پر مٹی مل لی جاتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ قرآنی الفاظ اس تصور کے حامل نہیں۔ وہاں الفاظ یہ ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی قضاءِ حاجت سے فارغ ہوا ہو یا بیوی سے مقاربت کرے اور پانی نہ پائے تو پاکیزہ مٹی کا قصد کرے۔ یعنی پاکیزہ مٹی کیساتھ آلائش صاف کرے اور اس کے آگے ارشاد ہوا ہے:۔ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ؕ۔ دیکھیے یہاں پاکیزہ مٹی کے استعمال کے بعد فا آئی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ پاکیزہ مٹی کے استعمال کے حکم کے بعد فاء تعقیب لا کر ارشاد ہوا ہے:۔ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم پھر غلاظت کو صاف کرنے کے لئے حسب ضرورت پاکیزہ مٹی کے استعمال کے بعد اپنے مونہوں اور بازوؤں کو مٹی یعنی گرد و غبار سے صاف کر لیا کرو (کپڑے کے ساتھ پونچھ لیا کرو)۔ مسح کا معنی مفردات امام راغب مطبوعہ اہلحدیث اکیڈمی کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۹۹۰ کالم ۲ پر اس کے سہ حرفی مادہ م۔س۔ح کے ماتحت لکھا ہے۔ "اَلْمَسْحُ کے معنے کسی چیز پر ہاتھ پھیرنے اور اس سے نشان اور آلائش

صاف کر دیئے گئے ہیں ...... چنانچہ محاورہ یہ ہے مَسَحْتُ یَدِیْ بِالْمِنْدِیْلِ میں نے رومال کیساتھ ہاتھ پونچھا" ـــــ پس ان لغوی دلائل سے عیاں ہے کہ مسح کا معنیٰ مٹی پونچھنا ہے، ملنا نہیں۔ اور پونچھنے کا عمل کسی کپڑے یا رومال وغیرہ ہی سے ہوگا۔

مٹی میں بھی طہارت سے متعلقہ اجزاء موجود ہیں

● اب مٹی کے اجزا پر غور فرمائیں۔ جس ذاتِ مقدس نے نجاست و آلائش کو مٹی کیساتھ صاف کرنے کا حکم دیا ہے، اُس نے اس میں ایسے کیمیادی اجزاء بھی رکھ دیئے ہیں، جو غلاظت کے مضر اثرات کو زائل کر دیتے ہیں۔ تجربہ کے طور پر اگر کچھ غلاظت کو مٹی میں دبا دیا جائے تو چند دن کے بعد کھود کر دیکھیں تو غلاظت کا وجود معدوم ہو چکا ہوگا۔ پس پاکیزہ مٹی کا استعمال مذکورہ تجربہ سے بھی ثابت ہوا کہ صرف غلاظت کو صاف کرنے کیلئے ہے مُونہوں اور ہاتھوں پر ملنے کیلئے نہیں۔ مُونہوں اور بازوؤں پر کپڑے کیساتھ مسح کرنا ہے۔ مُنہ اور بازوؤں پر مٹی ملنا قرآنِ کریم کی رُو سے نہ تیمّم ہے نہ مسح۔

● ۶ـــ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ میں آمدہ لفظ حرج کا معنیٰ ذہنی تنگی بھی ہے۔ جیسے کہ ۴/۶۵ میں آنحضرت ؐ کے فیصلوں کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں کو چاہیے کہ آپ ؐ جو فیصلے کریں، اُس سے کوئی ذہنی تنگی محسوس نہ کریں۔ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ ۴/۶۵

مسئلۂ تیمّم پر کتبِ روایات کی حاشیہ آرائی

● آگے بڑھنے سے پہلے پر کتبِ روایات کی طبع آزمائی کا نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ وضو سے متعلقہ جملہ احکام ۵/۶ میں دے دیئے گئے ہیں اور اسی آیت مجیدہ میں اُس حالت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ جس جگہ پانی میسّر نہ ہو تو وہاں غلاظت کو پاکیزہ مٹی کیساتھ رفع کر لیا کرو اور اس کے بعد مُونہوں اور بازوؤں کو کپڑے کیساتھ پونچھ لیا کرو۔ لیکن کتبِ روایات نے یہ تاثر دیا ہے کہ باری تعالیٰ نے وضو کا حکم تو نازل کر دیا مگر یہ نہ بتایا کہ جہاں پانی نہ ملے وہاں کیا کرنا ہوگا۔ چنانچہ بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۰ پر کتاب تیمّم کی پہلی ہی روایت میں لکھا ہے کہ تیمّم سے متعلقہ حکم اُسوقت نازل ہوا جب ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اس لئے آنحضورؐ نے اُس کی تلاش کیلئے قیام فرمایا۔ اس مقام پر پانی نہیں تھا۔ اس لئے صحابہؓ بہت پریشان ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی کہ دیکھا آپ کی بیٹی نے کیا کیا ہے۔ رسولِ خدا اور صحابہؓ کو وہاں ٹھہرا لیا ہے، جہاں پانی نہیں ہے۔ اس سے آگے مترجم بخاری شریف کے اردو ترجمہ کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:۔

"عائشہؓ کہتی ہیں کہ ابوبکرؓ مجھ پر غصّے ہوئے اور جو کچھ اللہ نے چاہا کہ وہ کہیں انہوں نے کہا۔ اور اپنے

ہاتھ سے میرے کولہے میں کونچے دینے لگے ۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے زانو پر سر مبارک رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے اس وجہ سے میں حرکت نہ کر سکی ۔ چونکہ آنحضرت ؐ ایسے مقام پر مقیم ہو گئے تھے جہاں پانی نہ تھا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آئت تیمم نازل فرمائی " (مذکورہ بخاری شریف صفحہ ۲۰۱)

● آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ طہارت ، وضو اور تیمم کے تمام مسائل ایک ہی آئت مجیدہ ۵/۶ میں نازل کر دئے گئے تھے ۔ اور عقل سلیم بھی اسی چیز کو تسلیم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ، جو علیم و خبیر ہے اُسکے متعلق اس امر کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا کہ وُہ وضو کا حکم تو نازل کر دے مگر جہاں پانی موجود نہ ہو اُس کے متعلق کچھ نہ بتائے ، بلکہ اُسے شانِ نزول کے اسباب کی انتظار میں یونہی چھوڑ دے ۔ افسوس ہے کہ مذکورہ شانِ نزول باری تعالیٰ کو عام قانون سازوں جتنی عقل کا مالک بھی قرار نہیں دیتا جو قانون بناتے وقت اُس کی متعلقہ ہر ممکن صُورت کی وضاحت کر دیتے ہیں ۔ اللہ علیم و علّام نے وضو کے حکم کے ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ جہاں پانی نہ پاؤ وہاں تیمم اور مسح کر لیا کرو ۔

صلوٰۃ موقّت نماز کے آداب میں سے وضو اور تیمم کی وضاحت کے بعد ، جس سے صلوٰۃ کی ادائیگی کو ایسے مقام پر بھی آسان کر دیا گیا ہے جہاں پانی نہ ملتا ہو ۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں پھر نوع انسانی کی اصل صلوٰۃ نظامِ ربوبیّت کے قیام کی تاکید کی گئی ہے ۔ کیوں کہ صرف صلوٰۃِ موقّت کی ادائیگی کے بعد یہ سمجھ لینا غلط ہے کہ ہمارا کام ختم ہو چکا ہے ۔ بلکہ اصل مقصد اُس پکّے وعدے کو عملی جامہ پہنانا ہے جو ضابطۂ خداوندی قرآنِ کریم کے اوّلین سبق الحمد للہ ربّ العالمین کے الفاظ میں کیا جاتا ہے ۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ

اور یاد رکھو نعمت اللہ کی اوپر تمہارے اور وعدہ

الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ ۙ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

جو پکا کیا تم کو ساتھ اسکے جب کہا تم نے سُنا ہم نے اور اطاعت

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ

کی ہم نے ۔ اور ڈرو اللہ سے ۔ بیشک ہے اللہ جاننے والا ساتھ والی

الصُّدُوْرِ ۝ ۷

ذہنوں کی کو ۔

اور (ایمان والو !) اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت [عله] (آئینِ قرآنیہ) کو ہمیشہ یاد رکھو جو اُس نے تم پر فرمائی ہے ۔ اور اُس عہد کو بھی ہمیشہ یاد رکھو جس کے ساتھ اللہ نے تمہیں پکّا کیا ہے (یعنی قرآن مجید کا اوّلین عہدِ ربوبیّت) [عنه] جب تم نے کہا کہ سُنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے [عله] پس اس عہدِ واثق کی مخالفت سے بچتے رہنا ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ایک ایک فرد کی) ذہنی پوشیدگیوں کو بھی خُوب خُوب جاننے والا ہے ۔

اللہ کی نعمت اُس کا قانون ہے | ● اللہ تعالیٰ نے اپنی جس نعمت کو یاد رکھنے کا حکم دیا ہے وہ اُس

کے متعلق پیچھے سیاق کلام ۵/۳ میں حلال جانوروں میں حرام کی فہرست بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :-
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ میں نے ہر زمانے میں تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور تم پر اپنی قانونی نعمت پوری کر دی اور اس کے بعد آئت نمبر ۵/۶ میں بھی وضو اور تیمم اور مسح کے مسائل بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :- مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی قسم کی تنگی کا ارادہ نہیں کرتا ولیکن وُہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں پاکیزہ کرے اور تم پر اپنی قانونی نعمت پوری کر دے۔ پس آئت زیر بحث ۵/۷ میں قانونی نعمت کو یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ ہمارا ہر عمل خدا تعالیٰ کے نازل کردہ قانون، ضابطہ حیات قرآن مجید کے مطابق ہو۔

ع۲ ● مِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ سے مراد وُہ اوّلین عہدِ ربوبیّتِ عالمین ہے جو خدا تعالیٰ اپنی کتاب کے اوّل سبق الحمد للہ رب العٰلمین کے اِس عہد واثق کیساتھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالمین کا رب ہے۔ ہم معاشرہ میں نظامِ ربوبیّتِ عامہ قائم کریں گے۔ اس عہد کے اوّلین پابند صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ حضرتِ عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں رات کو گشت کرکے پتہ لگاتے تھے کہ کوئی فرد معاشرہ ضروریات ربوبیّت سے محروم تو نہیں۔ اگر کوئی فرد محروم پایا جاتا تو سامانِ ربوبیّت اپنی پیٹھ پر لاد کر پہنچایا کرتے تھے۔

● ع۳ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کے الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو ارشاد ہوا ہے کہ اُس وقت کو بھی یاد رکھو جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے قرآنِ کریم کا پیغام سُنا اور اطاعت کی ہے۔ پس وَاتَّقُوا اللّٰہَ کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے کئے ہوئے اس عہد کو یاد رکھنا۔ بھول نہ جانا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم ہوتا ہے کہ جب تمہیں حکومت میسّر آئے تو جس قوم نے تم پر ظلم زیادتی کرکے تمہیں مسجدِ حرام سے روک دیا، وطنِ مالوف مکّہ معظمہ سے نکالدیا تھا۔ اُسکے ساتھ بھی ناانصافی نہ کرنا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ ہو جاؤ کھڑے

لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ
واسطے اللہ کے گواہی دینے والے ساتھ انصاف کے اور نہ مجرم کرے تم کو

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ
دشمنی کسی قوم کی اوپر اس کہ نہ کرو تم عدل۔ عدل کرنا وہ ہے بہت قریب

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ (کی رضا اور خوشنودی) کیلئے انصاف کیساتھ (سچی) گواہی دینے والے ہو جاؤ۔ اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی (جس نے تم پر ظلم زیادتی کی ہے، تمہیں گھروں سے نکالدیا ہے) اس کے جُرم کا مجرم نہ کر دے کہ تم اُسکے ساتھ انصاف نہ کرو (یاد رکھو! اُن کے ساتھ بھی) انصاف ہی کرنا وُہ (یعنی انصاف کرنا ہی) بہت قریب ہے۔ تقویٰ شعاری کے (یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے

لِلتَّقْوٰی ز وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا

واسطے بچنے کے - اور ڈرو اللہ سے - بیشک اللہ تعالیٰ باخبر ہے

تَعْمَلُوْنَ ۝ ۸

ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو

بچنے کی یہی صورت ہے کہ دشمنوں سے بھی انصاف کرو) بیشک تم اس (حکم کی اطاعت یا نافرمانی میں) جو بھی کام کرو گے اللہ اُس سے خوب خوب باخبر ہے

● آئت بالا میں حکمِ عام مخصوص البعض کے طور پر صحابہؓ کے خطاب کے بعد اگلی آیات مجیدہ میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے:-

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وعدہ کیا اللہ نے اُن سے جو ایمان لائیں اور عمل کریں اچھے

لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ ۹

واسطے اُنکے بچاؤ ہے اور بدلہ ہے بڑا

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ

اور جو لوگ انکار کریں اور جھٹلائیں آئتوں ہماری کو

اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝ ۱۰

وہی لوگ ہیں والے جہنم کے

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کیساتھ وعدہ کر رکھا ہے جو ایمان لائیں اور معاشرہ کی اِصلاح کے اعمال انجام دیں - اُن کے لئے (ہر قسم کے مصائب و خطرات سے) بچاؤ ہے اور اُن کے عملوں کا بہت بڑا بدلہ ہے-

اور جو لوگ اِنکار کریں اور ہماری (تنزیلی اور تکوینی) آئتوں کو جھٹلائیں - وُہ لوگ وہی ہیں جن کے اعمال (اس دنیا میں اکارت گئے اور قیامت میں) ناکامی کی آگ میں جلیں گے۔

● عٰلہ جحیم کا سہ حرفی مادہ ج - ح - م = جحم ہے - اس کا بنیادی معنیٰ ہے رُک جانا - تنگ ذہن ہو جانا - اس تنگ ذہنی کی بدولت چونکہ حاسد آتشِ حسد میں جل بھن جاتا ہے - اس لئے جحیم کا معنیٰ مجازی آگ بھی لیا جاتا ہے - نیز اصلی آگ کے لئے بھی مستعمل ہے - قیامت کی سزا کے لئے جو النّار ، الجحیم اور الجہنّم کے الفاظ آتے ہیں اُن کی وضاحت اپنے مقام پر بالتفصیل آگے آ رہی ہے - سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے ایک خاص واقعہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے :-

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو نعمت کو

اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا

اللہ کی اوپر تمہارے جب ارادہ کیا ایک قوم نے کہ بڑھائے

اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ فَکَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ ۚ وَاتَّقُوا

طرف تمہاری ہاتھ اپنے - پس روکدیئے ہاتھ اُن کے طرف سے تمہاری

اے وُہ لوگو جو (ضابطۂ خداوندی قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو جو اُس نے تم پر فرمائی کہ جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائے - (یعنی تمہارے ساتھ جنگ کرے) پھر (اللہ تعالیٰ نے) تمہاری طرف بڑھنے سے انکے ہاتھ روکدیئے (تمہاری فوجی تیاری کو دیکھ کر اُنکے حوصلے پست ہو گئے) پس اللہ کے

اللّٰهُ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۱
اللہ سے ۔ اور اوپر اللہ کے پس چاہیئے بھروسہ کریں مومن
ع ۲

قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو اور چاہیئے کہ مومن اسی طرح اللہ کے قانون پر بھروسہ کریں (یعنی ہمیشہ کیل کانٹے سے تیار رہا کریں۔) علہ

● علہ اللہ تعالیٰ پر توکل کا یہ مفہوم نہیں کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہیں اور زبانی زبانی اللہ توکل، اللہ توکل کا ورد کرتے رہیں۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے قانون پر بھروسہ کرکے اُس پر پُورا پُورا عمل کیا جائے۔ دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کا خداوندی قانون یہ ہے کہ فوجی تیاری ہمیشہ کے لئے مکمل رکھی جائے جیسے کہ سورہ انفال میں ارشاد ہوا ہے:۔

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴿۸: ۶۰﴾ اور ایمان والو! دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو اور ذرائع رسل ورسائل کی فراوانی بھی تیار کرتے رہو۔ تم (اس فوجی قوت) کیساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔

● یہ ہے اللہ پر توکل کہ فوجی قوت ہر آن کیل کانٹے کیساتھ اس قدر تیار ہو کہ دشمن گھر بیٹھے کانپتا رہے۔ جب آنحضور صلعم نے اِسی مکمل فوجی تیاری کیساتھ مکّہ معظمہ پر حملہ کیا تو دشمن کو مقابلے کی ہمت نہ ہوئی اور بیت الحرام کی چابیاں بلا جنگ وجدال آنحضور صلعم کے حوالے کردیں۔ اِسی طرح کے ایک اور واقعہ کی خبر آیت بالا ۵/۱۱ میں دیگئی ہے کہ ایک قوم نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اُن کی فوجی تیاری کو دیکھ کر رُک گئی۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۷ کیساتھ ہے۔ جس میں عہدِ ربوبیّت عامہ کے پکّے "میثاق" کو یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ماضی کے ایک واقعۂ بنی اسرائیل سے لئے گئے میثاق کو بطور مثال بیان کیا گیا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہُوا ہے:۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ
اور بیشک لیا اللہ نے پکّا عہد بنی اسرائیل سے
وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ
اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ نگران ۔ اور کہا
اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ
اللہ نے بیشک میں ساتھ ہوں تمہارے البتہ اگر قائم کروتم اجتماعی نظام
اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ
اور دو فوجی بولوں کو اور ایمان لاؤ ساتھ رسولوں میرے اور مدد کرو تم اُن کی

اور البتّہ تحقیق اللہ نے بنی اسرائیل سے پکّا عہد لیا اور اُن میں ہمنے (قیامِ ربوبیّت کے لئے اُن کے بارہ قبیلوں کے) بارہ نگران مقرر کئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے (اپنے نبی کی معرفت) اُن سے کہدیا کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم (صلوٰۃ موقّت کے ذریعہ) اجتماعی نظام قائم کرو، اور اپنے کمزوروں کو فوجی دو علہ اور میرے رسولوں صلعم پر ایمان بھی لاؤ اور ان کی مدد بھی کرو (اندر کمزوروں کی کمزوری دور کرنے کیلئے)

وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ

اور قرض دو اللہ کو قرض اچھا ۔ ضرور دور کروں گا تم سے

سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

بدحالیاں تمہاری اور ضرور داخل کروں گا تمکو باغوں جاری ہیں نیچے ان کے

۱۲ الْأَنْهَارُ فَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

نہریں پھر جس نے انکار کیا پیچھے اسکے میں سے تمہارے پس تحقیق گمراہ ہوا سیدھی راہ سے

اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض بھی دو، تو میں ضرور ضرور تمہاری بدحالیاں دور کر دونگا اور ضرور ضرور تمہیں ایسے باغات[۲] میں داخل کردونگا کہ اُن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں[۳]۔ پھر (ان باغوں میں داخل ہونے) کے بعد[۴] تم میں سے جس نے (اجتماعیت کا) انکار کیا تو بلاشبہ وُہ سیدھی راہ[۵] سے بھٹک گیا۔ (وُہ جہنم کی سزا کا مستحق ہے)[۶]

• ۱؎ الزّکوٰۃ کے سہ حرفی مادہ ز۔ک۔و کا بنیادی معنیٰ ہے بڑھنا پھولنا، نشوونما پانا۔ کمزور کا طاقتور اور دُبلے کا فربہ ہونا۔ جیسے کہ زَکَا الزَّرْعُ کا معنیٰ ہے۔ کھیتی بڑھی۔ زَکَا الرَّجُلُ، آدمی مالدار ہوا۔ فربہ ہوا۔ اَلزَّکٰوۃُ کا مصدری معنیٰ ہے کمزور کو نشوونما دینا۔ دُبلے کو فربہ کرنا۔ اس مادہ کا معنیٰ پاک کرنا بھی ہے۔ آنحضور کو حکم ہوا ہے۔

• خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا ۹/۱۰۳ اے رسول! آپ مالداروں کے مالوں سے صدقات وصول کریں اور اُس مال کیساتھ کمزوروں کو مالی کمزوری سے پاک کریں اور اُس کے ساتھ اُن کی نشوونما کریں، اُنکے دُبلوں کو فربہی عطا فرمائیں۔ اس آیت مجیدہ میں طہارت بالمال اور تزکیٰ بالمال کے حکم سے بصورت نصف انتصار عیاں ہے کہ طہارت کا معنیٰ مالی کمزوری سے پاک کرنا اور زکوٰۃ کا معنیٰ کمزوروں کو نشوونما اور دُبلوں کو فربہی دینا ہے۔ اس مادہ کا معنیٰ نیک اعمال کیساتھ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرنا بھی ہے۔

• ۲؎ اقرضوا اللہ قرضاً حسناً کے الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ یہ قرضِ حسنہ غریبوں، کمزوروں اور دُبلوں کی غریبی اور کمزوری دُور کرنے کے لئے مانگا جارہا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے قرض کی کیا حاجت ہے؟

• ۳؎ جنّتٍ تجری من تحتھا الانھر ہموار و متوازن نظامِ ربوبیّت کیلئے ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ جنّت کی اُخروی زندگی میں تو ظاہر ہے کہ ضروریاتِ زندگی کی بے پایاں فراوانی ہوگی جسکیلئے دُودھ اور شہد کی بہتی نہروں کی اصطلاح ۴۷/۱۵ میں آئی ہے۔ مگر یاد رہے کہ دُنیا میں بھی ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے بھی جنّتٍ تجری من تحتھا الانھر کی اصطلاح مستعمل ہے۔ جیسے کہ آیتِ بالا ۵/۱۲ میں بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے کہ اگر تم نے اجتماعی نظام قائم کیا تو ہم تمہیں ضرور ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کی سطح میں نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ دُنیوی جنّت کا ذکر ہے۔ کیونکہ ا۔

• ۴؎ فمن کفر بعد ذٰلک کے الفاظ سے بھی عیاں ہے کہ کفر کرنا یا نہ کرنا صرف دُنیا میں ممکن ہے جو دارالعمل ہے۔ اُخروی زندگی جو دارالجزا ہے اُس میں انکار کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

• فقد ضلّ سواء السّبیل سے بھی دُنیوی زندگی ثابت ہے۔ کیونکہ گمراہ ہونا یا نہ ہونا بھی دُنیوی زندگی ہی سے

متعلق ہے ۔ یعنی اس زندگی میں جنّت ہموار و متوازن معاشرہ کا قیام ہے جس کی اساس اجتماعیت پر قائم ہوتی ہے اور اس سیدھی راہ سے بھٹک جانا، گمراہ ہو جانا ہے انفرادیت، جس میں سب کچھ طاقتور سمیٹتے چلے جاتے ہیں اور کمزور بیچاروں کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔

● بنی اسرائیل کو مذکورہ جنّت حضرت موسیٰؑ کے قائم کردہ نظامِ ربوبیّت کے ذریعہ میسر آئی، جس کی شکل محسوس آزاد اسلامی حکومت تھی جس کا ذکر آیاتِ ذیل میں آیا ہے۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۲/۴۷+۱۲۲ اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور بیشک میں نے تمہیں اہلِ جہان پر فضیلت بخشی (یعنی تمہیں حکومت عطا فرمائی) سورہ شعراء میں خبر دی گئی ہے:

● فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ وَّکُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ۝ کَذٰلِکَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝ ۲۶/۵۷ تا ۵۹

پس ہم نے قومِ فرعون کو لدے پھدے باغوں اور بہتے چشموں، اور بھرے خزانوں اور نفیس محلّات سے نکال باہر کیا۔ ایسا ہی ہوا اور ان سب چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا ــــــ لیکن سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے قیامِ نظامِ ربوبیّت کے پکّے عہد کو توڑ دیا، اجتماعیّت کی بجائے انفرادیّت کی گمراہی میں گم ہو گئے تو اُن پر غلامی کی لعنت مسلّط کر دی گئی ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا
پھر بوجہ توڑنے ان کے عہد اپنا لعنت کی ہمنے انکو اور پایا ہمنے
قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ
ذہنوں انکے کو سخت ۔ وہ بدلتے ہیں کلام کو سے موقعہ اسکے کے
وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ
اور بھلا دیا حصّہ جو نصیحت کئے گئے ساتھ اسکے اور نہ ٹلے گا تو خبر پایا کیگا
عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ
اوپر خیانت اُن کی اُن ہی سے مگر تھوڑے ان میں سے درگذر کر تو
عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝
اُن سے اور الگ ہو جا۔ بیشک اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنیوالوں کو

پھر (عطاءِ جنّت کے بعد) اس سبب سے کہ بنی اسرائیل نے (ربوبیّت عالمینی کے پکّے وعدے کو توڑ دیا تو ہم نے اُنہیں ملعون کر دیا۔ (اُن سے حکومت چھین گئی اور غلامی کی سزا اُن پر مسلّط کر دی گئی) ہمنے ان کے ذہنوں کو سخت پایا[عملہ]۔ وہ ہمارے کلام کو اُسکے اصل مقام سے بدل دیتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے اُس حصّے کو بھلا دیا جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی[عملہ۲] اور اے رسول[۳]! آپ اُن کی خیانتوں سے تھوڑے افراد کے سوا ضرور خبر پاتے رہیں گے۔ سو اِن سے درگزر فرمائیں اور اِن سے الگ ہو جائیں (یہی حسن کا رازِ انداز ہے) بیشک اللہ تعالیٰ احسان
۱۳ کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

● عملہ جعلنا قلوبھم قسیۃ ۔ ہمنے جعلنا کا معنیٰ لکھا ہے پایا۔ اگر اس کا معنیٰ کر دیا صحیح مانا جائے

تو سوال پیدا ہوتا ہے جس کے ذہن کو خود اللہ تعالیٰ نے سخت کر دیا ہو۔ تو پھر اگر وُہ ہدایت نہ پائے تو اُس کا کیا قصور؟ پس چونکہ اس طرح جزا سزا کا سارا قانون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس لئے مرقومہ ترجمہ صحیح ہے جس کی علمی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید ہماری صرف ونحو کی غلطیاں بھی نکالتا ہے۔ مروّجہ گرامر میں ثلاثی مجرّد کا خاصہ وجدان نہیں مانا گیا۔ لیکن آیت بالا ۵/۱۳ میں جَعَلَ۔ یَجْعَلُ بروزن فَعَلَ۔ یَفْعَلُ کے باب کا خاصہ وجدان بالصراحت ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ لَعَنّٰھُمْ کی وجہ بیان ہوئی ہے بنی اسرائیل کا اپنا نقضِ میثاق اور اللہ کے کلام میں تحریف کی وجہ بتائی گئی ہے۔ بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی۔ جس کی بدولت وُہ کلامِ الٰہی میں تحریف کرتے تھے۔ چونکہ آیت زیرِ نظر میں بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی مقدّم اور تحریف کلام موخر ہے۔ پس جعلنا قلوبھم قسیۃ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ ہم نے ان کے ذہنوں کو سخت کر دیا۔ بلکہ صحیح معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے اُن کے ذہنوں کو سخت پایا اور اس قساوتِ قلبی کا یہ نتیجہ تھا کہ وُہ کلامِ خداوندی میں تحریف کیا کرتے تھے۔

ہر کسی کا حصّہ اسکی ضروریاتِ زندگی ہیں

• ۱۲ نسوا حظا مما ذکروا بہ کے الفاظ نقضِ میثاق کے بدل کے طور پر آئے ہیں۔ کہ ربوبیّت عالمینی کی رُو سے عہد تو یہ لیا گیا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کا حِصّہ اُس کی ضروریاتِ زندگی ہیں تاکہ کسی زیر دست و کمزور انسان کے حقوقِ ضروریات غصب نہ ہونے پائیں۔ لیکن وُہ اپنے کئے ہوئے عہدِ ربوبیّت کو توڑ کر اس نصیحت کو بھول گئے کہ اُن کا حِصّہ، حصّہ مذکورہ سے زائد نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کے بالادست افراد نے انفرادی مفاد کے پیچھے پڑ کر زیر دست عوام کو فقر و فاقہ کے جہنّم میں دھکیل دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذلّت و غلامی کی لعنت اُن پر مسلّط ہوئی۔

امن وسکون کا قرآنی نسخہ

• آگے بڑھنے سے پہلے اس حقیقت کا عیاں کرنا ضروری ہے کہ مشاہدہ کی رُو سے کرۂ ارض پر صرف اسلامی ممالک ہی وُہ ہیں جن میں آئے دن حکومتوں کے تختے الٹتے رہتے، اور داخلی انتشار کے لاوے پھوٹتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جتنی غیر مسلم حکومتیں ہیں، اُن میں امن وسکون ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلم ممالک کے سوا باقی کرۂ ارض دو نظاموں میں بٹا ہوا ہے، ایک تو ہیں اشتراکی ممالک جن میں عوام کی ضروریاتِ زندگی، خوراک، لباس، علاج، تعلیم اور رہائش کی پوری پوری ذمہ داری اُٹھائی گئی ہے۔ اور دُوسرے ہیں سرمایہ داری نظام کے حامل، اُن میں بھی تعلیم و علاج تو سرکاری ہے اور باقی ضروریاتِ زندگی کیلئے عوام کو اتنی مزدوری یومیہ دی جاتی ہے۔ کہ وُہ بافراغت زندگی بسر کر رہے ہیں۔

• لیکن اسلامی ممالک میں عوام کی ضروریاتِ زندگی کی ضمانت حکومتوں نے چونکہ اپنے ذمہ نہیں لی، اس لئے ان ملکوں میں استحصالی نظام جاری ہے۔ جس کی بدولت عوام کو اتنی مزدوری یومیہ نہیں دی جاتی کہ انہیں بافراغت ضروریاتِ زندگی میسر آتی رہیں چونکہ ہر طرف انفرادیت کی حکمرانی ہے اس لئے اوپر کے طبقے میں حصولِ اقتدار

کے جوڑ توڑ جاری رہتے ہیں اور باقی طبقوں میں حصولِ زر کی دوڑ دوڑی جا رہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں داخلی سکون کی بجائے انتشار کا دور دورہ رہتا ہے۔ اور اُوپر والوں کے مسلسل جوڑ توڑ کی بدولت آئے دِن اسلامی حکومتوں کے تختے اُلٹتے رہتے ہیں۔

● المختصر! امن و سکون کا قرآنی نسخہ وہی ہے جس کا یہ تکراری اعلان کتابِ لاریب میں موجود ہے:۔ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اَے نوعِ آدم تیرا پیدائشی حق ہے کہ زمین میں تجھے رہنے کیلئے مکان بھی بلا کرایہ میسّر اور آخری دم تک کے لئے تجھے ضروریاتِ زندگی بھی مسلسل ملتی رہیں۔ بغض و عداوت کے سوتے پھوٹتے ہیں، ہموار و متوازن ضروریاتِ زندگی کے میسّر نہ آنے سے؛ کہ بعض کے ہاں ضروریاتِ زندگی کے ٹھوکریں کھا رہی ہوں اور بعض اِن سے محروم محض ہو کر رہ جائیں۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آیتِ مجیدہ ۵/۱۳ میں یہودیوں کی عہد شکنی کا ذکر تھا۔ اگلی آیتِ مجیدہ میں نصاریٰ کے متعلق بتایا گیا ہے:۔

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا

اور ہی سے جن لوگوں نے کہا بیشک ہم نصرانی ہیں۔ لیا ہم نے

مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ؕ

پکا عہد ان کا۔ پھر وہ بھول گئے حصہ جو نصیحت کیے گئے ساتھ اسکے

فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی

پس ڈالدی ہمنے درمیان انکے دشمنی اور بُغض تک

یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا

دِن قیامت، اور عنقریب خبر دیگا ان کو اللہ ساتھ اسکے جو

كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۱۴

تھے بناوٹیں بنایا کرتے۔

اور (یہود کے بعد دوسرے اہلِ کتاب کا بھی حال سن لو) کہ اُن میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں، ہمنے اُن سے (بھی یہود کی طرح ربوبیّتِ عامہ کا) پکا عہد لیا۔ پھر وہ بھی اپنے اُس حصّے کو بھول گئے جس کی اُنہیں نصیحت کی گئی تھی علہ پھر ہمنے اُن کے درمیان قیامت تک کے لئے عداوت اور بُغض کے آنار پائے علہ (یہ تو ہُوا دُنیوی عذاب) اور (اُخروی عذاب کے لئے قیامت کو) عنقریب اللہ تعالیٰ اُنہیں (اُن کی اُن مکاریوں کی) خبر دیگا جو وُہ بناوٹیں بنایا کرتے تھے۔

● علہ نسوحظا مما ذکروا بہ کے وہی الفاظ نصاریٰ کے لئے استعمال ہوئے ہیں جو یہود کیلئے آئے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دو اقوام کی خداوندی کتابوں میں اُن سے اُن کے حصّہ، یعنی حقوقِ ربوبیّت کا عہد لیا گیا تھا۔ جسے دونوں قوموں نے بھلا دیا۔ اور غیر متوازن نظام قائم کر لئے۔

● علہ فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیٰمۃ ۔ میں اُنکی جس باہمی عداوت کا ذکر کیا گیا ہے وُہ بھی غیر متوازن نظاموں ہی کا نتیجہ ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا جو باہمی گٹھ جوڑ مشاہدہ موجود ہے، اِس آیت کی رُو سے اُس کا کیا جواب ہے؟ جواباً عرض ہے کہ آیتِ بالا میں تو اُن کی ذہنی پوشیدگیوں کی خبر دی

گئی ہے کہ ان میں سے جس قوم کو موقعہ میسر آتا ہے دوسری کو کمزور اور زیردست بنا دیتی ہے۔ مگر قرآن کریم نے یہ بھی خبر دیدی ہے کہ وُہ اہل اسلام کے مقابلے پر باہمی عداوت کو چھپا کر ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں جیسے کہ اسی سورہ مائدہ کی آئت نمبر ۵۱ میں ارشاد ہوا ہے۔

● یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۵/۵۱ ایمان والو! یہود اور نصارٰی کو دوست نہ بنانا۔ وُہ آپس میں ایکدوسرے کے دوست ہیں ـــ بالفاظ دیگر یہود و نصارٰی میں اہل اسلام کے مشترکہ دشمن ہونے کے باوجود قیامت تک کیلئے نہ مٹنے والی دُشمنی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ عیسائیوں نے یہودیوں کو کرۂ ارض پر بکھیر کر ذلیل و خوار کر دیا تھا۔ مگر اب عرب مسلمانوں کے مقابلے پر اُنہی کو اسرائیلی ریاست کی صورت میں بطور ہتھیار استعمال کیا جا رہا ہے۔

یہود و نصارٰی سے اتمام حجت

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں یہود و نصارٰی دونوں کو مخاطب کر کے قبولِ ہدایت کیلئے اتمامِ حُجّت کر دیگئی ہے کہ اب ہمارا رسول آپکا

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا
اے والو کتاب کے بیشک آیا طرف تمہاری رسول ہمارا
یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ
بیان کرتا ہے واسطے تمہارے بہت اس سے جو ہو تم چھپاتے سے
الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ؕ قَدْ جَآءَکُمْ
کتاب کے اور درگذر کرتا ہے سے بہت کے۔ بیشک آیا پاس تمہارے
مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝ ۱۵
طرف سے اللہ کے نور یعنی کتاب خود بیان کرنیوالی۔
یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ
راہنمائی کرتا ہے ساتھ اسکے اللہ جو اتباع کرتا ہے رضا اسکی
السَّلٰمِ وَیُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ
راہیں سلامتی کی۔ اور نکالتا ہے انہیں، ہیں سے اندھیروں کے طرف روشنی کے
بِاِذْنِہٖ وَیَھْدِیْھِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ ۱۶
ساتھ قانون اپنے اور راہنمائی کرتا ہے طرف راہ سیدھی کے۔

اے اہل کتاب (خصوصاً یہودیو اور نصرانیو!) بلاشبہ تمہارے پاس ہمارا بھیجا ہوا رسول آچکا ہے۔ تم نے جو کچھ کتاب میں سے چھپایا ہوا ہے، اُس میں سے بہت سا حصّہ کھول کر بیان کرتا ہے اور بہت سے حصّے سے (جسے تم نے چھپایا نہیں) درگزر کرتا ہے عِلہ بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی یعنی خود بیان کرنے والی کتاب آ گئی ہے عِلہ

اُس کیساتھ اللہ رہنمائی کرتا ہے سلامتی کی راہوں کی اُنہیں جو اُس کی رضا (یعنی قرآن کریم) کی پیروی کرتے ہیں عِلہ (اور قرآن کریم کی روشنی کیساتھ) نکالتا ہے اُنہیں، اندھیروں سے (اور لاتا ہے) طرف روشنی کے اپنے قانون کیساتھ اور ان کی رہنمائی کرتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔

● عِلہ یہود و نصرٰی نے کتبِ الٰہیہ کے جن مسائل کو بگاڑ لیا ہے۔ قرآن کریم نے اُنکی خبر دیدی ہے اور جنہیں

نہیں بگاڑا اُن سے درگزر کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم سابقہ کتب الٰہیہ کا مصدق بھی ہے اور مہیمن بھی ہے ۵/۴۸

نورٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ میں واؤ تفسیری ہے

● عہ۲ ان الفاظ میں آمدہ واؤ کو بعض لوگ واؤ مغائرت قرار دے کر نور سے مراد لیتے ہیں رسولِ عربی سلام علیہ۔ اور کتٰبٌ مُّبِیْنٌ سے مراد لیتے ہیں قرآن کریم۔ حالانکہ قرآن بھر میں آنحضورؐ کو کہیں بھی نور نہیں کہا گیا۔ اور اس کے برعکس قرآن مجید کو متعدد بار نور کہا گیا ہے۔ جیسے کہ ۴/۱۷۴ میں واؤ تفسیری کے انداز میں فیصلہ کن الفاظ موجود ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ؀ اے نوعِ انسانی! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل آگئے ہیں (قرآن کریم) یعنی ہمنے تمہاری طرف نورِ مبین (قرآن کریم) نازل کر دیا ہے۔ دیکھئے! یہاں برہان اور نورِ مبین ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جو بذریعہ تنزیل آئی تھی، بذریعہ بعثت نہیں۔ نیز آیت ذیل میں نور کو بشری رسولؐ سے الگ چیز بتایا گیا ہے۔

● فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا۔ ۶۴/۸ پس ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے بشری رسول کیساتھ اور ایمان لاؤ اُس نور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے۔ اس آیت مجیدہ میں نور کی یہ صفت خاص کر دی گئی ہے کہ وُہ بذریعہ تنزیل آیا تھا۔ حالانکہ بشری رسولؐ بذریعہ تنزیل نہیں، بلکہ بذریعہ بعثت آیا کرتے تھے۔ اس لئے کسی بھی بشری رسولؐ کو نور قرار دینا خلافِ قرآن ہے۔

آنحضورؐ کی بشریت

● سورہ کہف، سورہ حٰم سجدہ اور سورہ بنی اسرائیل میں آنحضورؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶ اے رسولؐ کہہ دیجئیگا کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں ـــ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۱۷/۹۳ اے رسولؐ کہہ دیجئیگا کہ میرا رب پاک ہے۔ میں تو نہیں ہوں مگر ایک بشر رسولؐ ہوں۔

● عہ۳ سُبُلَ السَّلٰمِ یعنی سلامتی کی راہیں نور ہی کی بدولت میسّر آتی ہیں۔ کیوں کہ اندھیروں میں انسان کبھی تو راستے کے اینٹ پتھروں کیساتھ ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اور کبھی کھائی، خندق یا گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اور اُوپر آپ دیکھ چکے ہیں نور صرف قرآن کریم ہے۔

● عہ۴ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ کے الفاظ میں رضوانِ الٰہی کی اتّباع کی خبر دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ رضوانِ الٰہی ۳/۴ صرف تنزیلِ خداوندی ہے۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:۔ پیروی کرو صرف اُسکی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اور اُسکے سوا کے خیرخواہوں کی پیروی نہ کرنا۔ خود آنحضورؐ کو بھی بتکرار ارشاد ہوا ہے وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۳۳/۲ + ۱۰/۱۰۹ اے رسولؐ پیروی کیجئے اُس کی (یعنی قرآن کریم کی) جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے۔

● نیز بتکرارِ کثیر آنحضورؐ سے بھی اعلان کرا دیا گیا ہے :- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ٦/٥٠ + ١٠/١٥ + ٦/٢٠٣ + ٩/٤٦

آنحضورؐ کی اتباع

● اس ضمن میں آخری سوال یہ ہے کہ ٣/٣١ میں ارشاد ہوا ہے :- قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ کہہ دیجئیگا اے رسولؐ! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اس کا کیا جواب ہے۔ یہاں دیکھنا یہ ہے کہ جب اُوپر کی آیاتِ کثیرہ ٤٣/٢ + ١٠/١٠٩ + ٦/٥٠ + ١٠/١٥ + ٣/٢٠٣ + ٤٦/٩ سے بار بار ارشادِ الٰہی اور باعلانِ رسولؐ مقبول عیاں ہے کہ آنحضورؐ قرآنِ کریم کی اتباع (پیروی) کرتے تھے تو بصورتِ نصف النّہار ثابت ہو چکا کہ قرآنِ کریم کی پیروی ہی رسولؐ مقبول کی پیروی ہے۔ اس کے ضمن میں جن کتابوں کو احادیث کے نام سے اتباعِ رسولؐ کا نام دیدیا گیا ہے وُہ کُتب احادیث نہیں بلکہ کُتب روایات ہیں۔ کیونکہ وُہ آنحضورؐ کے دو سو سال بعد سُنے سنائے غیر یقینی طریقے سے جمع کی گئی تھیں۔ وہ آنحضورؐ کی طرف منسوب ہیں جیسے کہ علماءِ کرام روائت بیان کرنے کے بعد خود کہتے ہیں اَوْ كَمَا قَالَ، یا جس طرح نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا۔ اَوْ شک کیلئے آتا ہے یقین کیلئے نہیں آتا۔

● سلسلۂ درس کے سیاق کلام میں چونکہ ذکر ہو رہا تھا نصاریٰ کا۔ اس لئے اگلی آئت مجیدہ میں اُنہی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

البتہ تحقیق کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ ہے وہ

الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ

مسیح بیٹا مریم کا۔ کہہ پھر کون اختیار رکھتا ہے

مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ

مقابلے اللہ کے کچھ اگر وہ ارادہ کرتا کہ ہلاک کرے مسیح

ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ؕ

بیٹے مریم اور ماں اسکی کو اور جو بیچ زمین ہے سارا

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ

اور واسطے اللہ کے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی اور جو ہے

یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ١٧

بیچ دونوں کے پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے قانون ساز

بیشک (وحدت باری کا) انکار کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ وُہ مریمؑ کا بیٹا مسیحؑ اللہ ہے (اے رسولؐ!) کہہ دیجئیگا کہ (مسیح کس طرح اللہ ہو سکتا ہے جبکہ وُہ موت کے قانون ٣/١٨٥ ـ ٢١/٣٥-٣٤ ٢٩/٥٧ کے مطابق فوت ہو چکا ہے بلکہ اگر اللہ تعالےٰ یہ ارادہ کرتا کہ مسیحؑ ابن مریمؑ، اُسکی ماںؑ، اور ہر جاندار جو زمین میں موجود ہے سب کے سب کو ہلاک کردے تو اُسکے مقابلے پر کسے ذرا سا بھی اختیار حاصل ہے (کہ اُسے روک سکتا) حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں میں جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے۔ وُہ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قانون بنانے والا ہے۔

صحت مفہوم کے دلائل

• آیت بالا کا مندرجہ بالا مفہوم :۔
مشاہدہ کائنات اور قواعدِ عرب کے عین مطابق ہے کہ حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ محترمہؓ فوت ہو چکے ہیں۔ مسیحؑ اللہ نہیں تھے۔ اللہ تو وُہ ہے جس نے اپنے غیر متبدّل قانون کے مطابق دونوں ماں بیٹوں کو فوت کر دیا تھا۔ بلکہ اگر وُہ ان کی ہلاکت کے ساتھ ہی یہ بھی ارادہ کرتا کہ زمین میں جو کچھ ہے سب کو ہلاک کردے تو کوئی بھی اُس کے ارادے میں مخل نہیں ہو سکتا تھا۔ کیوں؟ اس کیوں کا جواب للہ ملک السمٰوٰت والارض وما بینھما کے الفاظ میں دیدیا گیا ہے کہ آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے اندر جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے اور وُہ ہر چیز کے صحیح صحیح اور غیر متبدّل قوانین بنانیوالا ہے۔ موت کا قانون بھی اسی کا متعین کردہ ہے۔ مسیحؑ و مریمؓ اگرچہ انتہائی برگزیدہ انسان تھے مگر موت کے قانونِ خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے تھے؟

وفات مسیح و مریمؑ

• افسوس ہے کہ حضرت مسیحؑ کو خدا تعالیٰ کے غیر متبدّل قانون کے خلاف زندہ اور چوتھے آسمان پر مقیم مانا جاتا ہے۔ اور ان کی زندگی پر آیتِ بالا کے الفاظ ذیل کو مروجہ ترجمہ کیساتھ بطور دلیل لایا جاتا ہے: قل فمن یملک من اللہ شیئًا ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم وامّہ ۵/۱۷
کہدے پھر اللہ کے سامنے کس کا بس چلتا ہے اگر وُہ چاہے کہ مسیح مریم کے بیٹے اور اُس کی ماں اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کر دے۔ (ترجمہ مولوی احمد علی صاحب مرحوم لاہوری)

• اس ترجمہ کے الفاظ "اگر چاہے" سے دلیل لائی جاتی ہے کہ حضرت مسیح زندہ ہیں۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ زمین کی ہر مخلوق کو جو زندہ ہے مسیح کو بھی ہلاک کر دے جو زندہ ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت مسیح کو زندہ ماننے والے بھول گئے ہیں کہ اس آیت میں مسیح علیہ سلامؑ کیساتھ ساتھ حضرت مریمؓ بھی ایک ہی ضمن میں مذکور ہیں اور مذکورہ بالا ترجمہ کا ملخص یہ ہے "مسیحؑ اسکی والدہ زمین کے تمام لوگوں کو اگر اللہ چاہے تو ہلاک کر دے"

• اگر اس ترجمے کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت کی زندہ زمینی مخلوق کیساتھ ساتھ حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہؓ دونوں زندہ تھے، اور اب بھی صرف مسیحؑ ہی زندہ نہیں بلکہ اُن کی والدہ بھی زندہ ہے۔ لیکن جبکہ حضرت مریمؓ کو زندہ نہیں مانا جاتا تو جس قاعدے کے مطابق حضرت مریمؓ کو فوت شدہ مانا جاتا ہے اُسی قاعدہ کی رُو سے حضرت مسیحؑ بھی فوت شدہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر آیت زیر بحث کی سند کیساتھ حضرت مسیحؑ کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہو تو حضرت مریمؓ کا زندہ ہونا بھی ثابت ہوگا۔

مزید تحقیق

• آیت بالا ۵/۱۷ سے حضرت مسیحؑ کو زندہ ثابت کرنے کی راہ میں ناقابلِ انکار حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریمؓ کا متوفّی ہونا جملہ مکاتبِ فکر میں ایک متفقہ مسلّمہ امر ہے۔ اور

اس چیز سے بھی انکار کی گنجائش موجود نہیں کہ آیت صدر میں حضرات مسیحؑ و مریمؑ کو ایک ہی مقام دیا گیا ہے، یعنی اس آیت مجیدہ کی رُو سے اگر زندہ مانا جائیگا تو دونوں کو، اور متوفی مانا جائیگا تو دونوں کو۔ ان میں سے ایک کو مردہ اور ایک کو زندہ مانا ہی نہیں جا سکتا۔ اب چونکہ حضرت مریمؑ متفقہ مسلہ کے مطابق فوت ہو چکی ہیں جنہیں زندہ کیا ہی نہیں جا سکتا، اس لئے ثابت ہوا کہ حضرت بھی فوت ہو چکے ہیں۔ اور آیت مجیدہ کے الفاظ اِنْ اَرَادَ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ اگر اللہ ارادہ کرے یا چاہے، بلکہ صحیح معنیٰ اس کا یہ ہے کہ "اگر اللہ چاہتا یا اگر ارادہ کرتا" اور آیت مجیدہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:-

● اگر اللہ تعالیٰ مسیحؑ اور اس کی ماں کی ہلاکت کیساتھ یہ بھی ارادہ کرتا کہ تمام زمینی مخلوق کو ہلاک کر دے تو کسے اختیار تھا کہ اُسے روک سکتا۔ کیوں کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی ہر چیز پر خدا تعالیٰ کی حکمرانی ہے۔

وفات مسیح و مریمؑ کے مزید دلائل

● اسی سورہ مائدہ میں آگے چل کر ارشاد ہوا ہے:-

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۵/۷۵

نہیں ہیں مسیحؑ ابن مریمؑ مگر صرف اللہ کے رسول، اُن سے پہلے والے سب رسولؑ فوت ہو چکے ہیں ــــ عین یہی الفاظ آنحضورؐ کے متعلق سورہ آل عمران میں آئے ہیں:- مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ

نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسولؐ۔ اُن سے پہلے والے سب رسولؑ فوت ہو چکے ہیں۔ اب ان دونوں آیات مجیدہ ۵/۷۵ اور ۳/۱۴۴ کا تقابل ملاحظہ فرمائیں۔ جس طرح حضرت مسیحؑ سے پہلے والے سب رسولؑ یقیناً یقیناً بلا اختلاف فوت ہو چکے ہیں اُسی طرح جناب رسولؐ مقبول سے پہلے والے سب رسولؑ بھی معہ حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں، مسیحؑ سمیت اُن میں سے کوئی بھی زندہ نہیں، پس حضرت مسیحؑ کو زندہ قرار دینا خلافِ قرآن ہے۔ آپؑ موت کے غیر متبدل قانونِ خداوندی کے مطابق فوت ہو چکے ہوئے ہیں۔ ۳/۱۴۴

● دوسرے نمبر پر اسی آیت مجیدہ میں حضرت مسیحؑ و مریمؑ کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد اخیر پر جملہ لایا گیا ہے:- وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ "حقیقت یہ ہے اللہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین متعین کرنیوالا ہے۔" اس جملہ میں خود اپنے متعین کردہ موت کے قانون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کے لئے تکرار تاکیدی کے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں:- كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ ۲۱/۳۴-۳۵ ۲۹/۵۷ پس آیت مجیدہ کے اخیر پر تعینِ قوانین کے اعلان سے بھی ثابت ہوا کہ ہر نفس کیلئے موت کا قانون ہے زندہ اُٹھائے جانے کا کوئی نہیں۔

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم سب اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں

● سابقہ آیات مجیدہ میں نصاریٰ کا یہ دعویٰ، کہ مسیحؑ ہی اللہ ہے، کی تردید کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اُنکے اِس عجیب و غریب دعویٰ کا بُطلان کیا گیا ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے

پیارے ہیں ۔ چنانچہ بزبان تنزیل ارشاد ہوا ہے :-

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا
اور کہا یہود نے اور نصاریٰ نے ہم ہیں بیٹے
اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
اللہ کے اور پیارے اسکے - کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تمکو
بِذُنُوْبِكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ
بدلے گناہوں تمہارے - بلکہ تم بندے ہو ان ہی سے جو پیدا کیے
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ
بچا دیتا ہے واسطے اسکے جو چاہتا ہے اور عذاب کرتا ہے
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اُسے جو چاہتا ہے ۔ اور ہے واسطے اللہ کے حکومت آسمانوں
وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ ۱۸
اور زمین کی اور جو اُن کے اندر ہے اور طرف اسی کے رجوع کا جگہ ہے
● يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا
اے والو کتاب کے بیشک آیا تمہارے پاس رسول ہمارا
يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا
بیان کرتا ہے واسطے تمہارے اوپر خاتمہ کے بیچ سے رسولوں
مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ
کے - کہ تم کہو نہیں آیا ہمارے پاس ہیں سے خوشخبری دینے
بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اور ڈرانیوالا - اور ہے اللہ اوپر تمام چیزوں کے

اور یہود و نصاریٰ (دونوں الگ الگ) کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں اور ہم سب اس کے پیارے ہیں۔ کہہ دیجئیگا (اے رسولؐ! اگر ایسا ہے تو) پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے بدلے عذاب کیوں دیتا ہے۔ (نہ تم اللہ کے بیٹے ہو نہ اُس کے پیارے) بلکہ تم سب بندے ہو، اُسی مخلوق میں سے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ وہ اللہ جسے بچا دیتا، اپنے قانونِ مشیت کے مطابق دیتا ہے اور جسے عذاب دیتا ہے اپنے قانون کے مطابق ہی عذاب دیتا ہے۔ (یاد رکھو ک) آسمانوں اور زمین اور اُن دونوں کے اندر جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ کی حکمرانی ہے اور (اعمال کی جوابدہی کے لئے اُسی کی عدالت عالیہ میں تم سب نے) حاضر ہونا ہے۔

اے اہلِ کتاب! (دوبارہ سن لو کہ) تمہارے پاس ہمارا پیغام پہنچانیوالا آگیا ہے۔ وہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے (وہ آیا ہے) رسولوں کے خاتمے پر (یعنی وہ آخری رسولؐ ہے) نہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی نیک اعمال کی نیک جزا کی خوش خبری دینے والا آیا ہے اور نہ بُرے عملوں کی بُری سزا سے ڈرانیوالا آیا ہے۔ پس تمہارے پاس ہمارا خوش خبری دینے والا اور ڈرانیوالا آگیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین

قَدِیْرٌ ۝
قانون بنانے والا

۱۹ ع
متعین فرمانے والا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت کریمہ میں یہودیوں کو حضرت موسیٰ سلامؑ علیہ کے الفاظ میں اپنی نعمت یاد کرائی گئی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ
اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے اے قوم
اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ
میری یاد کرو نعمت اللہ کی اوپر تمہارے جب ٹھہرائے بیچ
فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ
تمہارے انبیاء اور ٹھہرایا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو
مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ۲۰
جو نہیں دیا گیا کوئی ایک میں سے جہانوں کے

اور وُہ وقت قابل ذکر ہے جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تم پر ارزانی فرمائی جب اُس نے تم میں نبی مبعوث فرمائے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ (حکومت عطا فرمائی) اور تمہیں وُہ کچھ دیا جو (اس زمانے اور اُس علاقے کے) کسی شخص (یا قوم) کو نہیں دیا گیا تھا۔

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ
اے میری قوم داخل ہو جاؤ ارض مقدس میں
الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی
جو لکھ دی اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ پھرنا اوپر
اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ۝ ۲۱
پیٹھوں اپنی کے ۔ پھر تم لوٹو گے گھاٹا پانے والے

(وُہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب حضرت موسیٰ سلامؑ علیہ نے اپنی قوم سے کہا) اے میری قوم ارضِ مقدّس میں داخل ہو جاؤ، جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور پیٹھ موڑ کر (میدان سے) بھاگ نہ آنا ۔ ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اس پر مدتوں کی غلامی میں رہنے والے سہل انگار یہودیوں نے انتہائی نامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ
کہا انہوں نے اے موسیٰ بیشک بیچ اس کے ایک قوم ہے جنگجو
وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ
اور بیشک ہم ہرگز نہ داخل ہوں گے بیچ اس کے حتیٰ کہ وہ نکل جائیں اس سے
یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ ۲۲
پھر اگر وہ نکل جائیں اس سے تو بیشک ہم داخل ہو جانے ہوں گے

(بنی اسرائیل نے) کہا اے موسیٰؑ! اُس میں ایک بڑی جنگجو قوم ہے بیشک ہم اُس میں اسوقت تک داخل نہ ہونگے جبتک کہ وُہ لوگ اُس میں سے نکل نہ جائیں! پھر اگر وُہ نکل جائیں تو پھر ہم بیشک اُس میں داخل ہونے والے ہوں گے۔

لمبی غلامی کے گہرے اثرات

● جب حضرت موسٰیؑ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ زمین لکھ دی ہے تو اُن کی حالت یہ تھی کہ وہ جنگ کے بغیر قبضہ چاہتے تھے۔ اگر سابقہ قوم اُس سے خود بخود نکل جائے تو وہ پھر اس زمین کا انتظام سنبھال لیتے۔ بالفاظ دیگر فرعون کی طویل غلامی نے جنگ سے گریز پائی ان کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ لہذا اُنہوں نے ارضِ مقدّس کی طرف منہ نہ کیا۔ حالانکہ معلوم ہوتا ہے اُس وقت مذکورہ زمین کے حکمرانوں کی حالت اسقدر کمزور ہو چکی تھی کہ صرف شہر میں داخل ہونے ہی سے قبضہ میسّر آسکتا تھا۔ جیسے کہ اسی چیز کی خبر اگلی آیت مجیدہ میں حضرات موسٰیؑ و ہارونؑ دونوں بھائیوں نے بنی اسرائیل کو وضاحتاً دے دی تھی:-

قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ

کہا دو مردوں نے ان میں سے اُن کے جو ڈرتے تھے، انعام فرمایا

اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا

اللہ نے اوپر دونوں کے داخل ہو اُوپر اُن کے دروازے سے پھر جب

دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ

داخل ہو گئے تم اُن پر تو بیشک تم غالب ہونے والے ہو اور اوپر اللہ کے بس کرو توکل اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۳

ہو تم مومن

اُن میں سے اُن دو آدمیوں نے، جو (اللہ سے) ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر انعام نبوّت فرمایا تھا کہا تم اُن (بستی والوں) پر داخل ہو جاؤ پھر جب تم ان پر داخل ہو گئے، تو پھر بلا شبہ تم آخر غالب آجاؤ گے اور بس تم اللہ (کے قانون پر) بھروسہ کرو اگر تم اللہ کے قانون پر ایمان رکھتے ہو۔

● حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم عیش پرستیوں کے چکر میں پڑ کر عوام کے حقوقِ ربوبیّت سے غافل ہو جاتی ہے تو اسوقت اپنے اس جرم کی بدولت یقیناً میزانِ خداوندی میں قابلِ سزا ٹھہرتی ہے۔ ایسی قوم پر اس حد تک غفلت چھا جاتی ہے کہ جو، اور جیسی بھی قوم اُس وقت اُس کی طرف بڑھتی ہے اُس کے لئے داخلے کے تمام دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اس کے مقابلے کے لئے اپنے عشرتکدوں سے باہر نکلنے تک کی زحمت گوارا نہیں کر سکتی۔ اور اگر مقابلے پر آ بھی جائے تو دُم دبا کر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتی ———
یہی حال اُس وقت ارضِ مقدّس کے حکمرانوں کا تھا۔ کردار کے لحاظ سے صدر دروازے تک پہنچنے میں کوئی مزاحمت کرنیوالا موجود نہیں تھا۔ شہر میں داخلہ ہی فتح کا نشان تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے جنہیں فرعون کی غلامی نے جہانبانی کے نام تک سے ناآشنا کر دیا تھا، اور جو دشمن کے مقابلے کے تصوّر تک سے کانپتے تھے ایسی سستی فتح بھی قبول نہ کی۔ صرف شہر کے دروازے سے داخلے تک سے اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ حضرت

موسیٰؑ کو یہ جواب دیا:۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا

کہا اے موسیٰ بیشک ہم ہرگز نہ داخل ہونگے اُس میں کبھی

مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ

جبتک وہ موجود ہیں بیچ اسکے پس جا تو اور تیرا رب

فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ ٢٤

پس لڑو تم دونو بیشک ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں۔

انہوں (بنی اسرائیل) نے کہا اے موسیٰؑ ہم کبھی بھی اُس (شہر) میں داخل نہیں ہوں گے جبتک کہ وُہ قوم اُس میں موجود ہے۔ پس جا تو اور تیرا رب، پھر تم دونوں (اُس قوم سے) لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھیں گے۔ (اور جب تو اُس قوم کو وہاں سے نکال دیگا تو ہم داخل ہو جائیں گے)

● قوم کی اس مثالی بزدلی پر حضرت موسیٰؑ بے حد پریشان ہوئے اور حضورِ الٰہی میں دردمندانہ انداز میں عرض کیا:۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ

کہا اے میرے رب بیشک میں نہیں مالک مگر اپنا اور بھائی اپنے کا

فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ٢٥

پس فرق کر تو درمیان ہمارے اور درمیان قوم فاسقوں کے۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا اے میرے پالنے والے میں تو اپنے آپ اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ پس تو ہمارے اور اس حدود ناآشنا قوم کے درمیان خود فرق کر دے۔

● اس کے جواب میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ

کہا پس بیشک وہ حرام کر دیگئی اُوپر اُن کے چالیس

سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

سال کیلئے سرگرداں پھرینگے بیچ زمین کے۔ پس نہ افسوس کر اوپر قوم

الْفٰسِقِيْنَ ۝ ٢٦ ع

فاسقوں کے

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ اے موسیٰؑ (یہ ارض مقدس جو اُن کے لئے لکھدی گئی ہوئی ہے۔ اُن کی نامردی کی بدولت) اُن پر چالیس سال کیلئے حرام ہو چکی ہے۔ سرگرداں پھریں گے زمین میں پھر آپ حدود ناآشنا قوم پر افسوس نہ کریں۔

● آیت ٢٥ میں ارشاد ہوا ہے کہ ارضِ مقدس بنی اسرائیل کیلئے لکھدی گئی ہے۔ مگر اس آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اُن کی بزدلی اور نامردی کی بدولت اب اُن پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔ چالیس سال کی سزا سے صاف ظاہر ہے کہ اس عرصے میں دورِ غلامی کی پیداوار اور ذلت کے ٹکڑوں سے پلے ہوئے نامرد بزدل مر کر ختم ہو جائیں اور آزادی کی پیداوار نئی نسل جو آزاد فضا میں پل کر جوان ہوئی وُہ چالیس سال کے بعد اس زمین مقدس کو اپنی جدّوجہد کیساتھ حاصل کرے گی۔

● واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی مشروط ہے اور ہر وُہ چیز جو وُہ عطا فرماتا ہے وُہ بھی مشروط ہوتی ہے۔

۱ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۲۲/۴۰ اور ضرور ضرور اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے نیز
۲ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۶/۱۲۸ وَاللّٰہ لوگوں کا مددگار ہے اُنہی اعمال کیساتھ جو وُہ خود بجالاتے ہیں۔

۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۝ ۱۳/۱۱ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اُسوقت نہیں بدلتا جبتک کہ وُہ اپنی حالت کو خود نہیں بدلتی۔

۴ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ = ۱۵/۲۱ اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے موجود ہیں مگر ہم اتنا ہی دیتے ہیں جتنا نوعِ انسانی خود معلوم کرتی ہے۔

۵ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ ۵۳/۳۹ اور یہ کہ انسان کیلئے وہی کچھ ہے جس کیلئے وُہ خود کوشش کرے

• بنی اسرائیل کیلئے ایک سنہری موقعہ تھا کہ جسے اُنہوں نے اپنی بُزدلی اور نامردی کی بدولت ضائع کر دیا۔ اس لئے وہی حکومت جو اُنہیں چالیس سال پیشتر مل رہی تھی، چالیس سال کے بعد ملی۔ پس واضح رہے کہ ارضِ مقدّسہ کے لئے جو کَتَبَ لَكُمْ کے الفاظ آئے ہیں، وُہ مشروط تھے۔ اگر بنی اسرائیل میسّر آمدہ موقعہ سے فائدہ اٹھا کر شہر میں داخل ہونے کی جُرأت کرتے، تو اُسی وقت وُہ علاقہ زیرِ نگیں ہوجاتا۔ بصورتِ دیگر چالیس سال کے بعد میسّر آیا مگر بلا خود اُنکی کوشش ہی کی بدولت کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر عطا انسان کی اپنی جدّوجہد کیساتھ مشروط ہے۔

• آیاتِ بالا میں اگرچہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے لیکن اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکمرانی اور جہانبانی بُزدلوں اور نامردوں کا حصّہ نہیں، بلکہ اُن لوگوں کا حصّہ ہے جو ایک طرف تو دشمن کے حالات سے ہر آن باخبر رہیں، اور دُوسری طرف موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کیلئے ہر وقت تیار ہوں۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اٹل ہے اور اٹل رہے گا۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور ؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس امر کے اعلان کیلئے بنی اسرائیل کو نوعِ آدم کے دو افراد کا واقعہ سنائیں کہ نہ کوئی فرد یا قوم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور پیاری ہے اور نہ اُسے کسی قوم کیساتھ کوئی ذاتی عناد ہے، بلکہ جو فرد بھی اُسکے قانون کے مطابق عمل کرتا ہے اُس کی محنت مقبول یعنی ثمربار ہوتی ہے اُسے خدا تعالیٰ کی قربت نصیب ہوتی ہے، اور جو اُس کے قوانین کی مخالفت کرتا ہے اُس کی محنت نامقبول یعنی ثمرور نہیں ہوتی اور نہ اُسے قرب حاصل ہوتا ہے۔

• زیرِ بحث آیۂ الٰہی اگلی آیت مجیدہ انتہائی قابلِ غور ہے۔ اسکے ساتھ حضرت آدم ؑ کے دو بیٹوں کا وہ بنادوٹی قصہ چسپاں کیا گیا ہے۔ جو محرّف بائیبل میں درج ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ

اور پڑھ اور پر ان کے خبر دو بیٹوں نوعِ آدم کی ساتھ سچ کے

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ

جب دونوں قریب ہو گئے قریب ہونا پھر قبول ہوا ایک سے دونوں میں سے اور نہ

يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ

قبول ہوا سے دوسرے کے۔ کہا ضرور قتل کر دوں گا تجھے کہا

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ۲۷

سوائے اسکے نہیں قبول کرتا اللہ سے بچنے والوں کے

پرشیگاد (اے رسول) اُن (بنی اسرائیل) پر بنی نوعِ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر، جب وہ دونوں الگ الگ ایسا عمل بجالائے کہ اس سے قربت نصیب ہو (اُنکی محنت ثمرور ہو) پس اُن میں سے ایک کا عمل قبول ہوا (اس کی محنت ثمر بار ہوئی) عل۲ اور دوسرے کا عمل نامقبول ہوا۔ اُس نے (مقبول عمل والے کو) کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا عل۳ اُس نے کہا سوائے اس کے کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے عمل قبول کرتا ہے جو اُسکے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں عل۱

● عل۱ اس آیت مجیدہ کی ابتدا میں واؤ آئی ہے اُس کا عطف آیت نمبر ۱۸ پر ہے جس میں اہلِ کتاب کے اِس دعوے کا ذکر ہے کہ وُہ اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں، اس آیت میں ایک واقعہ بیان کرکے واضح کر دیا گیا ہے کہ نہ کوئی فرد یا قوم اللہ کی اولاد ہے نہ پیاری ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قربت اُنہیں میسّر ہے جو متقین ہیں۔ یعنی جو قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

● عل۲ کتبِ تفاسیر نے اس واقعہ کو حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصّہ قرار دیا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ جب قرآن کریم کی رُو سے نوعِ آدم کی پیدائش کسی ایک شخص کا بُت بنانے سے ثابت ہی نہیں ہوتی بلکہ $\frac{11}{61}$ $\frac{20}{55}$ اور $\frac{41}{18}$ کی قرآنی شہادت کے مطابق نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق زمین سے بتائی گئی ہے تو ثابت ہوا کہ زیرِ بحث قصّہ نوعِ آدم کے دو افراد کا ہے، حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا نہیں۔

● عل۳ قَرَّبَا قُرْبَانًا کے الفاظ سے کتبِ تفاسیر نے جانوروں کی قُربانی مُراد لیکر یہ تصوّر دیا ہے کہ مذکورہ افراد نے الگ الگ جانوروں کو ذبح کیا تھا۔ ایک کی قربانی مقبول ہُوئی اور دُوسرے کی رد کر دی گئی۔ اس کے ضمن میں واضح کیا جاتا ہے کہ جانوروں کو خدا کے نام پر ذبح کرنے کیلئے قرآن بھر میں ہرگز کہیں بھی قربانی کا لفظ نہیں آیا۔ خداتعالیٰ خون بہانے سے خوش نہیں ہوتا۔ بُت پرست اقوام بزعم خویش اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے مینڈھے اور بکرے کے علاوہ گھوڑے اور بھینسے تک کو دیوی دیوتاؤں کے چرنوں پر بھینٹ چڑھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ ایسے تصوّرات سے پاک و منزّہ ہے۔ حج کے موقعہ پر غذائی ضروریات کیلئے ذبح کئے جانیوالے جانوروں کیلئے بھی قربانی کا لفظ نہیں آیا، بلکہ ھدی اور قلائد کے الفاظ آئے ہیں، ھدی کا معنیٰ ہے تحفہ اور قلائد کا معنیٰ ہے گھر میں پالے ہوئے جانور۔

● ۵ روایاتی تفاسیر پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جانوروں کی متصوّرہ قُربانی کے مقبول یا مردُود قرار دیئے جانے کا پیمانہ کونسا ہے، جس سے ناپ کر مذکورہ دو افراد نے جان لیا کہ فلاں کی قربانی مقبول ہوئی ہے اور فلاں کی مردُود۔ واضح رہے کہ قَرَّبَا قُرْبَانًا سے مراد ہر دو افراد کے اعمال ہیں جن میں وقت اور محنت قربان کی۔ مثلاً دونوں نے الگ کاشت کی۔ ایک نے بروقت زمین تیار کی۔ عمدہ اور صحت مند بیج ڈالا۔ بروقت پانی دیتا رہا۔ کھیتی کی رکھوالی کی۔ اس طرح اُس نے جس قدر وقت اور محنت کی قربانی دی وُہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوئی، اور قبولیت کی شکلِ محسوس یہ سامنے آئی، کہ اُسکا کھیت ثمرور فصل کیسا تھ لہلہا اُٹھا۔ اور آخری نتیجے کے طور پر اُس نے اُسے کاٹا، گاہا اور ڈھیروں اناج کی بوریاں بھر کر گھر لے گیا۔

● اس کے برعکس دوسرے نے مذکورہ بالا قانونی مراحل میں سُستی کی۔ نہ اچھی طرح زمین تیار کی نہ اچھا بیج ڈالا۔ نہ بروقت پانی دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے جو وقت اور محنت کی قربانی دی وُہ نامقبول ہوئی۔ اور نامقبولیت کی شکلِ محسوس یہ تھی کہ ناقص فصل پیدا ہوئی۔ اور آخری نتیجہ کے طور پر اُسے اتنی کم پیداوار میسّر آئی کہ قربان کیئے گئے بیج کی واپسی بھی مشکل ہو گئی۔

● ۶ لَأَقْتُلَنَّكَ کے الفاظ میں انسانی دستور کے ایک گھناؤنے گوشے کی خبر دی گئی ہے کہ جب کوئی شخص خود قوانینِ خداوندی کی مخالفت کر کے یعنی اُن سے اعراض برت کر اپنے آپ کو محنت کے ثمر سے خود محروم کر لیتا ہے تو پھر دوسروں کے خلاف، جو قوانینِ خداوندی پر عمل کر کے محنت کے ثمر سے بہرہ ور ہوتے ہیں، حسد کی آگ بھڑکا لیتا ہے، خود تو اُس میں جل رہا ہوتا ہے مگر دُوسرے کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ آیتِ زیرِ بحث میں ثمر سے محروم فرد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس نے دُوسرے سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا۔ میں نہیں دیکھ سکتا کہ تو ثمرِ محنت سے بہرہ ور ہو اور میں محروم پھرتا رہوں یہ ہے برادرانِ عزیز! بیج، وقت اور محنت کے مقبول یا نامقبول ہونے کا وہ پیمانہ جس سے دونوں نے معلوم کر لیا کہ کس کی بیج، محنت اور وقت کی قربانی مقبول ہوئی ہے اور کس کی نامقبول۔

● ۷ يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ کے الفاظ سے روائتی تفاسیر نے یہ تصوّر دیا ہے کہ قُربانی اُن کی منظور ہوتی ہے جو متقی ہیں اور متقی کا معنیٰ یہ لیا جاتا ہے کہ جو نماز روزہ کا پابند ہو۔ لیکن واضح رہے کہ نماز روزہ کی پابندی بھی اگرچہ اِتقا میں داخل ہے۔ لیکن لفظ متقین کا مطلق معنیٰ ہے بچنے والے۔ کس چیز سے بچنے والے؟ قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے۔

● اب قوانینِ خداوندی دو حصّوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک تو ہیں اللہ تعالیٰ کے وُہ قوانین جو اِس بھری دنیا میں ہر آن جاری وساری ہیں۔ جو لوگ اِن کی مخالفت سے بچتے ہیں وُہ یقیناً یقیناً دُنیوی خطرات سے بچنے

والے، یعنی متّقین ہیں۔ قوانینِ خداوندی کے اِس گوشے میں مومن اور کافر کا کوئی امتیاز موجود نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی کا منکر بھی کائناتی قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچیگا تو یقیناً یقیناً اُس کا بہتر ثمر پائے گا۔ اور جو کوئی اُن کی مخالفت سے نہیں بچیگا، خواہ وُہ مومن اور مسلمان ہی کیوں نہ کہلاتا ہو، اُسے ضرور ضرور محرومی وناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ قوانینِ خداوندی میں مطلقاً کوئی لوچ لچک موجود نہیں۔ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ضرور ضرور ہاتھ جل جاتا ہے اور آگ اور دیگر ضرر رساں چیزوں سے بچنے والے قوانینِ خداوندی کے اس گوشے کے متّقین ہیں۔

● قوانینِ خداوندی کا دوسرا حصہ وُہ ہے جسکو اُس نے اپنی کتابوں کی صورت میں نازل فرمایا ہے جو اسوقت اُس کی کتابِ لاریب قرآن مجید میں موجود و محفوظ ہے۔ خدا تعالیٰ کے تنزیلی قوانین پر عمل کرنے سے دُنیوی معاشرہ بھی جنّت بداماں ہو جاتا ہے اور اُخروی زندگی کی کامیابی بھی مقدّر ہو جاتی ہے۔

● آیتِ بالا میں تو خود اپنے غلط عمل کی بدولت محروم ہو جانے والے (یعنی جس کی قربانی قبول نہ ہوئی اُس) کی قتل کی دھمکی کی خبر ہے مگر اگلی آیت میں دوسرے کا جواب مذکور ہے کہ اگر تو میرے قتل کیلئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تیرے قتل کیلئے ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا:۔

لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا

البتہ اگر تو بڑھائے طرف میری ہاتھ اپنا کہ تو مجھے قتل کرے نہیں ہیں

بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ

بڑھانے والا ہاتھ اپنا طرف تیری کہ تجھے قتل کروں۔ بیشک میں ڈرتا ہوں

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○

۲۸

اللہ سے پالنے والا جہانوں کا

اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ

بیشک میں ارادہ کرتا ہوں کہ تو اٹھائے گناہ میرا اور گناہ اپنا پھر تو ہو جائیگا

مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ○ ۲۹

میں سے والوں آگ کے اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا۔

(اُس نے مزید کہا کہ) اگر تو میرے قتل کیلئے میری طرف ہاتھ بڑھائیگا تو میں تیرے قتل کے لئے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا [1] کیونکہ بیشک میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو جہانوں کو پالنے والا ہے [2] (میں اس چیز سے بچنے والا ہوں، متقی ہوں کہ قتلِ ناحق کے ذریعہ اُسکے عذاب کا مستحق ٹھہروں)۔

میں چاہتا ہوں (کہ زیادتی ہو تو تیری طرف ہو۔ اس طرح) میرے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہو اور اپنے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہو [3] پھر تو ہو جائیگا آگ والوں میں سے۔ اور یہی ہے سزا بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں کی [4]

● [1] مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ جسے قتل کی دھمکی دی گئی تھی اُس نے کہدیا کہ میں تجھے ہرگز قتل کرنا نہیں چاہتا۔ اگر تو قتل کے لئے وار کریگا تو میں صرف اُس سے بچاؤ کی کوشش کروں گا۔

میرا ارادہ قتل ہرگز نہیں ہوگا۔

● عہ۲ اِنِّیٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ اُس کا صرف بچاؤ کی کوشش کرنا اور قتل کے ارادہ کے جواب میں اُسکا ارادۂ قتل نہ کرنا اس لئے تھا کہ وُہ ربّ العلمین سے ڈرتا تھا۔ یعنی وُہ قوانینِ خداوندی کے تنزیلی گوشے کی رُو سے بھی متقی تھا۔ جس میں حکم دیا گیا ہے کسی جان کو ناحق قتل نہ کرنا۔ ارادہِ قتل کا مجرم، قاتل اُس وقت ٹھہرتا ہے جب وُہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا چکے۔ اِس سے پہلے پہلے وُہ صرف ارادہِ قتل کے جرم کی سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، واجب القتل نہیں ٹھہرتا۔

● عہ۳ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ کے الفاظ میں کہنے والے نے یہ کہا کہ تیرا ارادہ قتل ہے، میرا ارادہ قتل نہیں۔ میں صرف اپنا بچاؤ کرونگا۔ اس طرح اگر تُو مجھے قتل کر دے تو میرے قتل کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا اور اگر میرے ہاتھ سے تجھے کوئی زخم آجائے یا تو میرے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو یہ بھی تیرا ہی گناہ قرار پائیگا۔ اور اس گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہی ہوگا۔

● عہ۴ فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے دُنیوی یا اُخروی سزا کا مستحق دونوں صورتوں میں تُو ہوگا۔ کیوں کہ تُو جارح ہوگا اور میں مدافعت کرنیوالا۔ لیکن اس نصیحت و وضاحت کے باوجود اُس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔

فَطَوَّعَتْ لَہٗ نَفْسُہٗ قَتْلَ اَخِیْہِ فَقَتَلَہٗ
پھر مطیع کیا واسطے اسکے نفس اسکے نے قتل کرنا بھائی اپنے کا پھر اسکو قتل کر دیا
فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ ۳۰
پس ہو گیا نقصان اٹھانے والوں میں

پھر اُس کے نفسِ (امّارہ) نے اُسے اپنے بھائی کو قتل کرنے کیلئے اپنا مطیع کر لیا۔ لہٰذا اُس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ (اس طرح) وُہ خود ہی خسارہ پانیوالوں میں سے ہوگیا۔

● اس طرح جب اُس نے اپنی آتشِ حسد کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اور مقتول کی لاش کو کہیں دفن کر دیا۔ لیکن واضح رہے کہ ایسے وقتوں پر مجرم سے کوئی نہ کوئی ایسی خامی رہ جاتی ہے جو سراغرسانی کے ضمن میں ممدّ و معاون بنتی ہے اور ماہر سراغرساں، عام لفظوں میں کھوجی یا سب انسپکٹر پولیس، اُس خامی کی مدد سے لاش برآمد کر لیتے ہیں۔ مجرم نہیں جانتا کہ اُس سے کون سی خامی رہ گئی ہوئی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اس چیز کی خبر دی گئی ہے کہ قاتل نے لاش کو چھپا تو دیا لیکن ایک تیز فہم کھوجی سراغرساں نے لاش برآمد کر لی۔ اور اُسے بتا دیا کہ اُس نے کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیا تھا۔ تاکہ اُس کا قتل کا جرم ثابت نہ ہونے پائے۔ اس پر قاتل نے اپنی خامی پر افسوس کیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْأَرْضِ
پھر مقرر کیا اللہ نے کھوجی کھودتا تھا بیچ زمین کے
لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْاَةَ اَخِيْهِ ۚ قَالَ
تاکہ ظاہر کرے کس طرح چھپائی لاش بھائی اپنے کی کہا
يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا
اے افسوس کیا عاجز ہوا میں کہ ہو جاؤں میں مانند اس
الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْاَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ
کھوجی کے پھر چھپاتا لاش بھائی اپنے کی پھر ہو گیا
مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۛ ۳۱
میں سے شرمساروں کے

پھر اللہ تعالیٰ (کے قانون کے مطابق سراغ لگانے کیلئے حکومت) نے ایک تیز فہم آدمی (کھوجی) کو مقرر کیا[علہ] جو (لاش کو برآمد کرنے کے لئے جگہ جگہ سے) زمین کو کھودتا تھا[۲] تاکہ قاتل پر ظاہر کر دے کہ اُس نے کس طرح اپنے بھائی کی لاش[۳] کو چھپا دیا تھا۔ (اس پر اُس نے) کہا ہائے افسوس کہ میں عاجز ہو گیا۔ کہ میں ہوتا اس تیز فہم آدمی جیسا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا (اس طرح کہ یہ سراغ نہ لگا سکتا)۔ پھر (جب لاش برآمد ہو گئی تو وہ) شرمسار ہونے والوں سے ہو گیا۔

اشرف المخلوقات انسان ہے کوّا نہیں

● علہ غراباً سے کتب تفاسیر نے کوّا پرندہ مراد لیا۔ اور اس پر یہ واقعہ چسپاں کر رکھا ہے کہ حضرت آدمؑ کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ لاش کو دفن کس طرح کیا جاتا ہے۔ اس لئے اُٹھائے اُٹھائے پھرتا رہا۔ ایکدن کیا دیکھتا ہے کہ ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو مار ڈالا اور اُس کی لاش کو زمین کھود کر دفن کر دیا اس پر وہ نادم ہوا اور کہا ہائے افسوس میں اس کوّے جتنی عقل بھی نہیں رکھتا لیکن واضح رہے کہ انسان کی نسبت کوّے کو عقلمند تسلیم کرنے میں مشاہدہ معارض ہے کہ اشرف المخلوقات انسان ہے کوّا نہیں۔ آئے دن نئی ایجادیں انسان کر رہا ہے کوّے نہیں کر رہے۔ اس لئے قواعدِ عرب کے مطابق جہاں مشاہدہ معارض ہو وہاں حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنے لینا لازم ہے۔ غُراب کے حقیقی معنے ہیں کوّا۔ اب اس کے مجازی معنوں پر غور فرمائیں:۔

● لُغت منتہی الارب جلد چہارم کے صفحہ ۳۰۴ پر غراب کا معنیٰ لکھا ہے "تیزیٔ ہر چیز" اس سے عقل کی تیزی اور زیادتی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس لئے رَجُلٌ "غرابٌ" تیز فہم آدمی کو کہا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں غراباً صفت آئی ہے اپنے موصوف رَجُلاً کی۔ عربی ادب، خصوصاً قرآن کریم میں موصوف محذوف رکھ کر، موصوف کیلئے صرف صفت بار ہا مستعمل ہے۔ جیسے کہ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ کیلئے صرف بَیِّنٰت صفت ۲/۸۷ ، ۲/۱۵۹ اور ۵/۲۲ میں آئی ہے۔ جس طرح ان آیات مجیدہ میں بَیِّنٰت سے مراد آیٰت بَیِّنٰت ہے۔ اُسی طرح آیت زیر بحث میں غُراباً سے مراد ہے رَجُلاً غراباً ہے، تیز فہم، بہت ذہین، بہت عقلمند آدمی یعنی کھوجی، جو صرف

پیروں کے نشانات کے ذریعہ و قرینہ کا کھوج لگا کر مال مسروقہ اور مقتولوں کی لاشیں برآمد کر دیتا ہے ۔ یہاں سیاقِ کلام کے مطابق جہاں ایک قتل کا واقعہ بیان ہوا ہے ، لاش کا کھوج لگا کر قاتل کا پتہ لگانے کیلئے سراغرساں یعنی کھوجی مراد ہے ۔

● یہاں پہنچ کر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعۂ قتل کو قرآنِ کریم میں ، جو ایک نصیحت نامہ ہے ، (۳۸ ؍ ۲۹ ، ۱۹) نازل کرنے کی کیا غرض ہے ؟ کیا اس سے نوعِ آدم کی ہجو اور کوّوں کی فضیلت بتانا مقصود ہے ۔ یا یہ کہ مقتولوں کی لاش اور مال مسروقہ کی برآمدگی کیلئے کھوجیوں کی خدمات حاصل کرنے کی نصیحت کی گئی ہے ۔ اِس کا جواب عقل والوں کی طرف سے تو یہی ہو سکتا ہے ۔ کہ اِس واقعہ کے نزول کی غرض موخر الذکر ہی ہو سکتی ہے ۔ جو واقعتًہ نصیحت بھی ہے اور قیامت تک کیلئے کارآمد اور سودمند بھی ۔

عٓ۲ فَبَعَثَ اللّٰہُ کا لفظی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ، بھیجا ، مقرر فرمایا ۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں ہر اُس کام کو جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُس کی رضا کے مطابق انجام دیا جائے ۔ اُسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے ۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ ؑ کیلئے کوہ طور پر ستر کاتبوں نے کتاب لکھی تھی لیکن چونکہ یہ عمل اللہ کے حکم اور اس کی رضا کے مطابق تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی طرف منسوب کیا ہے ۔ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ (۷ ؍ ۱۴۵) اور موسیٰ ؑ کیلئے کتاب کو تختیوں پر ہم نے لکھا ۔ اسی طرح چونکہ مقتول کی لاش اور قاتل کے کھوج کے لئے حکومت کا کھوجی مقرر کرنا ، قانونِ خداوندی اور اس کی رضا کے مطابق ہے اس لئے اِسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا = چنانچہ جب لاش برآمد ہوئی ، تو قاتل شرمسار ہو گیا ۔

● اس سے آگے اگرچہ قاتل کو اُس کے جُرمِ قتل کی پاداش میں قتل کر دینے کا ذکر موجود نہیں لیکن عدمِ ذکر عدمِ وجود کی دلیل نہیں ہوتا ۔ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کا خداوندی قانون قرآن مجید میں موجود ہے اسلئے قاتل کو جُرمِ قتل کی پاداش میں سزائے موت دیدی گئی (۵ ؍ ۴۵) ۔

● عٓ۳ يَبْحَثُ کے مادہ ب ۔ ح ۔ ث کا معنیٰ ہے ، کریدنا ۔ يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ کا معنیٰ ہے کہ کھوجی نے زمین کو جگہ بہ جگہ کرید کر کھود کر لاش برآمد کر دی ۔ اس مادہ سے بحث و مباحثہ بھی آیا ہے ۔ بحث میں بھی کرید کی جاتی ہے ● عٓ۴ سَوْأَةَ کا معنیٰ لاش تمام مفسرین کے ہاں متفقہ مسلّم ہے ۔

● عٓ۵ يُوَارِي کے سہ حرفی مادہ و ۔ ر ۔ ی کا معنیٰ چھپانا ہے ۔ مذکورہ لاش کو دفن کر کے چھپا دیا گیا تھا ۔

بھائی کے قتل کا واقعہ قوم بنی اسرائیل کا ہے ۔

● کتبِ تفاسیر نے اِس واقعہ کو حضرتِ آدم ؑ کے دو بیٹوں ہابیل قابیل کے نام سے پیش کیا ہے اور اِسے تخلیق نوعِ آدم کے بالکل ابتدائی دور کیطرف منسوب کر رکھا ہے لیکن واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ

ببانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ یہ واقعہ حضرت آدم کے وقت کا نہیں بلکہ اس کا تعلق بنی اسرائیل کیساتھ ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ
سے وقت مذکورہ بالا لکھا ہم نے اوپر بنی اسرائیل

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ
بیشک یہ کہ جس نے قتل کیا ایک جان کو بغیر کسی جان کے یا فساد

فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ
بیچ زمین پس گویا کہ قتل کیا اس نے انسانوں سب کو اور جس نے

اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا
زندہ رکھا اسے تو گویا زندہ رکھا انسانوں سب کو اور البتہ تحقیق آئے انکے پاس رسول ہمارے

بِالْبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝
ساتھ دلائل کے پھر بیشک اکثریت میں سے انکے پیچھے اسکے بیچ زمین کے حد سے نکلنے والے ہیں

۳۲

مذکورہ بالا وجہ[1] سے ہمنے بنی اسرائیل پر (بھی اپنا فیصلہ) فرض کر دیا تھا کہ جو کوئی کسی ایک جان کو بغیر اس کے کہ اُس نے کسی جان کو قتل کیا ہو، یا زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے (کسی ایک جان کو قتل کر دے) تو گویا اُس نے ساری نوع انسانی کو قتل کر دیا[2] اور جس نے ایک جان کو زندہ (بچالیا) تو گویا اس نے ساری نوعِ انسانی کو زندہ رکھا اور بیشک اُن (بنی اسرائیل) کے پاس ہمارے بہت سے رسول[3] واضح دلائل لیکر آئے۔ پھر اس کے بعد ان میں اکثر لوگ قتل ناحق کے ذریعہ فساد فی الارض کرکے حد سے نکلنے والے ہیں۔

● [1] مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ کے الفاظ سے کھُل کر عیاں ہو رہا ہے کہ بھائی کا بھائی کو قتل کرنے کا مذکورہ قِصّہ بنی اسرائیل کے زمانہ کا ہے حضرت آدم سلامٌ علیہ کے زمانے کا نہیں۔

● کسی جان کو ناحق قتل کرنے کو پوری نوعِ انسانی کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے بھی ثابت ہوا کہ مذکورہ قِصّہ انسان پر کوّے کی فضیلت جتاتے کیلئے نہیں نازل کیا گیا۔ بلکہ ناحق قتل کو مطلقاً روکنے کیلئے بطورِ عبرت نازل کیا گیا ہے۔ کہ بھائی کو سرِعام قتل کی دھمکی دینے والا جب قتل کا ارتکاب کر چکا تو اپنے جرمِ قتل کو چھپانے کیلئے لاش کو دفن کرکے چھپا دیا۔ باری تعالیٰ کے قانونِ عدل و انصاف کے مطابق ذہینِ انسانی، کھوجی کے ذریعہ لاش برآمد کرلی گئی اور قاتل کو جان کے بدلے جان کی سزا دیدی گئی۔

ایک جان کا قتل پوری نوعِ انسانی کا قتل ہے

● [2] قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا کے الفاظ میں قتلِ انسانی کو اِس لئے ایک متعدی جُرم قرار دیا گیا ہے کہ ایک قتلِ ناحق ہوجائے تو قاتل اور مقتول کے خاندانوں میں دائمی عداوت قائم ہوجاتی ہے اور آگے دونوں فریقین کے ہاتھوں فریقین کے بے گناہ افراد قتل ہوتے رہتے ہیں۔ دونوں خاندانوں کے دوست اور دشمن خاندان الگ الگ دھڑوں میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہی سلسلہ دو قوموں یا دو ملکوں میں چل جائے تو دونوں قوموں اور ملکوں کی

دوست اور دشمن قومیں اور ملک الگ الگ قوموں اور ملکوں کے دھڑوں میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اور پورے کرۂ ارض پر اس قدر شدید تناؤ پیدا ہو جاتا ہے کہ پوری نوع انسانی اپنے آپ کو موت کے مُنہ میں محسوس کرنے لگتی ہے۔ اسی نقشہ کو خدا تعالیٰ نے ایک قتل ناحق کو فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ اس آیت مجیدہ میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ قتل ناحق سے پوری پوری پرہیز کی جائے اور اگر کسی شخص سے کوئی قتل ناحق ہو جائے۔ اور وُہ اپنے جُرم کو چھپانے کیلئے لاش کو دفن بھی کر دے تو ماہر کھوجیوں کی خدمات حاصل کرکے لاش برآمد کر لی جائے اور قاتل کو گرفتار کرکے اُسے قانونی سزا دی جائے تاکہ مقتول کے ورثاء کا جذبۂ انتقام ٹھنڈا ہو جائے اور قتل کا جُرم، متعدی جُرم کی شکل اختیار نہ کرنے پائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سیاق کلام کے عین مطابق اسلامی حکومت کے باغیوں، ملک میں قتل و غارت اور دہشت گردوں کے ذریعہ فساد پھیلانیوالوں اور خدا تعالیٰ کے مخصوص دشمن سُود خواروں کی سزا بیان کی گئی ہے۔

إِنَّمَا جَزَآؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَ

سوائے اسکے نہیں کہ سزا اُن لوگوں کی جو جنگ کریں اللہ

رَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ

اور رسول اسکے سے اور کوشش کریں بیچ زمین کے فساد کی یہ کہ

يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ

قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا قطع کیے جائیں ہاتھ اُن کے

مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذٰلِكَ لَهُمْ

اور پیر انکے بوجہ بغاوت کے یا جلاوطن کیے جائیں سے زمین کے۔ مذکورہ واسطے انکے

خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ

رسوائی ہے بیچ دنیا کے اور واسطے انکے بیچ آخرت کے عذاب ہے

عَظِيمٌ ۝ ٣٣

بڑا

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا

سوائے اُن کے جو توبہ کریں سے پہلے کہ تم قابو پاؤ

سوائے اس کے نہیں کہ اُن لوگوں کی سزا جو اللہ اور اُس کے رسول کیساتھ جنگ کریں ۱؎ (یعنی اسلامی حکومت کے باغی اور سُود خوار) اور وُہ لوگ جو (قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے ذریعہ) زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کریں، یہ ہے کہ یا تو وُہ قتل کر دیئے جائیں یا صلیب دے دیئے جائیں یا روک دئے جائیں اُن کے ہاتھ اور پیر (یعنی قید کر دیئے جائیں) ۲؎ بوجہ ان کی بغاوت کے۔ اور یا زمین میں سے جلاوطن کر دئے جائیں۔ یہ سزا ان کی دنیا کی رسوائی کیلئے ہے اور ان کیلئے اُخروی زندگی میں بہت بڑا عذاب ہے۔

سوائے ان لوگوں کے (یعنی وُہ لوگ اس سزا سے

عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اُن پر (قابو پا) لو - پس جانے رہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بچا دینے والا ہے

آیت نمبر ٣٤ ع ٩

مستثنےٰ ہیں جو اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم انہیں گرفتار کر لو (گرفتاری کے بعد کی توبہ قبول نہ ہوگی) پس جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ (اپنے توبہ کے قانون کے ذریعہ مجرموں کو بھی) بچا دینے والا مہربان ہے ۔ ع۳ه

● عه يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے الفاظ سے دو گروہ مراد ہیں :-

(الف) پہلا گروہ تو وہ ہے جس کی تعریف يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا کے الفاظ میں کر دی گئی ہے کہ وہ اسلامی حکومت میں فساد پھیلاتے ہیں۔ قانون کو ہاتھ میں لیتے اور دن دہاڑے نیکوں کو لوٹتے پھرتے ہیں، اور اُنکی راہ میں جو مزاحم ہو اُسے موت کے گھاٹ اُتارتے چلے جاتے ہیں۔ اِسکے ضمن میں ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جو فساد فی الارض کرتا ہے اِس آیت مجیدہ میں ایسے لوگوں کو اسلامی حکومت کے باغی قرار دیا گیا ہے۔

(ب) دوسرا گروہ ہے سُود خوروں کا جسے سورۃ بقرہ میں خود اللہ تعالیٰ نے يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے زمرہ میں شامل کر رکھا ہے۔ دیکھئے! ارشاد باری تعالیٰ ہے :- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۲۷۹/۲ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم سچے مومن ہو تو (اپنے قرضداروں سے زمانہ کفر میں جتقدر سُود تم لے چکے، لے چکے، اب اسلام قبول کرنے کے بعد نہیں) باقی سُود چھوڑ دو - اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ تمہارا اللہ اور رسول کیساتھ اعلانِ جنگ ہے۔

سُود خوری کی سزا

● اب غور فرمائیں کہ ۲۷۹/۲ میں سُود خور، بارشادِ الٰہی فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے زمرہ میں شامل ہیں۔ اِن کھلے بندوں اللہ و رسول ؐ کا اعلان جنگ ہے۔ اور آیت زیر بحث ۳۳/۵ میں اِس جرم کی سزا کا اعلان کیا گیا ہے :- اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ...... الخ - یہ اعلان اِنَّمَا کلمہ حصر سے شروع کیا گیا ہے اور ترجمہ یہ ہے :- سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں (یعنی یہ پکی بات ہے، پتھر پر لکیر ہے جو کبھی مٹ نہیں سکتی کہ) جو لوگ اللہ اور اِسکے رسول ؐ کیساتھ جنگ کریں اُن کی سزا یہ ہے ...... بالفاظ دیگر اسلامی حکومت کے باغیوں اور سُود خوروں کیلئے ذیل کی تین سزائیں مقرر کیگئی ہیں :-

ا- اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا - پہلی - یہ کہ انہیں قتل یا صلیب کے ذریعہ سزائے موت دی جائے۔

ب- اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ - دوسری یہ کہ یا اُن کے ہاتھ، پاؤں روک دیئے جائیں - یعنی قید کر دیا جائے۔

ج- اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ - تیسری یہ کہ یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔

● سُود خوری کی یہ سزا محترم محمد اسلم مخدوم صاحب شادیوال ضلع گجرات (پنجاب پاکستان) کے تفکر فی القرآن کا نتیجہ ہے - آپنے ۱۹۷۴ء میں "سُود کی سزا قرآن حکیم میں موجود ہے" کے نام سے ایک کتابچہ بھی شائع کیا تھا جو تعریف آیات

کے قرآنی اسلوب کی اساس پر لکھا گیا، اِنَّ الْقُرْآنَ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا کے ایسے حقیقت بدکش دلائل کا حامل ہے کہ انکار کی گنجائش تک موجود نہیں بلاشبہ عصرِ حاضر کی یہ ایک عظیم ریسرچ اور قابلِ قدر کارنامہ ہے جَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَآءِ۔

قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا حامل نہیں

● آیت زیر بحث کے ان الفاظ او تقطع ایدیھم وارجلھم مِنْ خلافٍ سے روایتی تفاسیر نے یہ وحشیانہ مفہوم لیا ہے کہ اللہ و رسول سے متحارب افراد کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں قطع کر دیا جائے۔ حالانکہ یہ تصور خود آیت زیر بحث ۳۴/۵ کے آخری جملہ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کے خلاف ہے کہ ہاتھ پاؤں کٹوا دینے کے بعد غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کا کون سا مقام باقی رہ جاتا ہے۔

● واضح رہے کہ عربی زبان میں قطع کا معنیٰ روکنا بھی ہے۔ جیسے کہ سورہ عنکبوت میں قوم لوط کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انہیں حضرت لوطؑ نے کہا: اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۲۹/۲۹ کیا تم وہ ہو جو جنسی تسکین کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو اور راستہ روک کر راہگیروں کو لوٹتے ہو ــــ پس قطع اید وارجل کا معنیٰ ہاتھوں اور پیروں کا کاٹنا نہیں، بلکہ ہاتھ پیروں کو روک دینا ہے اور اس سے مراد قید کرنا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا ہرگز حامل نہیں۔

اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا تصوّر بھی ایک غلط تفہیم کا نتیجہ ہے

● ۳۳/۵ تقطع ایدیھم وارجلھم کے بعد جو مِنْ خِلَافٍ کے الفاظ آئے ہیں، ان میں مِنْ سببیہ ہے اور خلافٍ بمعنی مخالفت و بغاوت ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے باغیوں کی یہ سزائیں ان کی مخالفت و بغاوت کی وجہ سے مقرر فرمائی گئی ہیں۔ مِنْ سببیہ کی مثال ۲۵/۷۱ میں بالفاظ ذیل موجود ہے جہاں قوم نوحؑ کے غرق کئے جانے کا سبب بیان کیا گیا ہے مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِہِمْ اُغْرِقُوْا وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے۔

● پس مِنْ خِلَافٍ سے یہ بہیمانہ تصور اخذ کرنا غلط تفہیم ہی کی بدولت ہے کہ اسلامی حکومت کے باغیوں کے اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ صحیح مفہوم جس سے دامنِ قرآن و اسلام پر سے بہیمانہ سزاؤں کا داغ بھی دُھل جاتا ہے یہ ہے کہ مذکورہ تین سزاؤں کے تعین کا سبب خود اُن کی بغاوت ہے۔

● اسلامی سلطنت کے باغیوں اور سُود خوروں کی مذکورہ بالا سزا کی تین صورتوں پر غور فرمائیں!۔

۱۔ پہلی صورت ہے قتل یا صلیب یعنی سزائے موت۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر مجرم اس قدر خطرناک ہو کہ اس کے زندہ رہنے سے ملکی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو تو اُسے سزائے موت ہی دی جائیگی۔

۲۔ دُوسری صُورت ہے عمر قید کرنا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر مجرم کو موت کی سزا دینے سے کسی داخلی یا خارجی انتشار کا خطرہ لاحق ہو تو پھر سزائے موت کی بجائے عمر قید کی اجازت دے دی گئی ہے۔

۳۔ اور تیسری صورت ہے جلا وطنی کی۔ اگر باغی کو زندہ رکھنے میں کوئی داخلی یا خارجی خطرہ لاحق نہ ہو کہ وُہ غیر ملکی طاقتوں سے مل کر ملک کے خلاف سازشیں کر کے اس کی سالمیت کے لئے خطرہ پیدا نہ کر سکے گا تو اُسے مُلک بدر کر دینے کی اجازت ہے۔

قرآن کریم زندگی اور آزادی کا ضامن ہے

● اسلامی حکومت کے لئے خطرناک ترین افراد کی مذکورہ بالا سزاؤں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم نوعِ انسانی کی زندگی اور آزادی کا ضامن ہے۔ قید و بند اور موت کی سزا انسان اپنے آپ پر خود مسلّط کر لیتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ملک کے باغی تک کے لئے بھی اگر اُس سے خطرہ نہ ہو تو اُسے زندہ اور آزاد رکھنے کیلئے جلا وطنی کی سزا دیگئی ہے۔ قید کرنا اور موت کی سزا دینا خدا وند غفورٌ رحیم کی شان رحیمی کے خلاف ہے۔ اس لئے آیت مجیدہ میں غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ قید و بند اور قتل و صلیب کی سزا مِنْ خِلَافٍ دی جا رہی ہے، یعنی جو مجرموں کی اپنی خطا و بغاوت کی بدولت ہے۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جانتے رہو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بچاؤ دینے والا مہربان ہے۔

باغیوں اور سُود خوار دں کیلئے توبہ کی گنجائش

● ۳۴ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا کے الفاظ میں مذکورہ ہر سہ سزاؤں کے مستحق افراد کیلئے بھی توبہ کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ مگر گرفتار ہونے کے بعد نہیں۔ کیونکہ جب مجرم گرفتار ہو کر اپنے اوپر کسی ایک سزا کو مسلّط ہوتا ہوا دیکھے گا تو منافقانہ طور پر توبہ کر سکتا ہے۔ اس لئے توبہ کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ باغی اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے از خود توبہ کر کے اسلامی حکومت کا مطیع و فرمانبردار ہونے کا اعلان کر دے اور سود خوار سود خواری ترک کر کے، سودی کاروبار سے از خود توبہ کر لے۔ تو پھر اعلان کیا گیا ہے فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

● افسوس اس امر کا ہے اللہ تعالیٰ نے تو مذکورہ سزاؤں کے مستحق افراد کیلئے بھی توبہ کی گنجائش رکھ کر اپنے غفورٌ رحیم ہونے کا اعلان فرمایا ہے مگر روائتی تفاسیر کی غلط تفہیم زندہ انسانوں کے اُلٹے ہاتھ پیر کاٹنے کا تصوّر پیدا کرتی ہے۔ چور کی سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنے اور آئت زیر بحث سے باغیوں کیلئے اُلٹے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنے کا تصوّر قرآن اور اسلام کے دامن پر وُہ داغ ہے جس کی بدولت مہذّب اور ترقی یافتہ قومیں جو صرف انسانی سطح پر کھڑے ہو کر غور کرتے ہوئے انسانی حقوق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو چکی ہیں، قرآن کریم کو بہیمانہ سزاؤں کا حامل سمجھ کر اس سے دور ہٹ جاتی ہیں۔ اگر گہری نظر کیساتھ غور کیا جائے تو قرآن کریم کو وحشیانہ سزاؤں کا حامل قرار دینے والی تفہیم ہی قرآن اور اسلام کے فروغ کی راہ میں سدِّ سکندری بن کر کھڑی ہو گئی ہے۔

● سُود خواری بھی ایک تاریخی المیہ بن کر رہ گئی ہے کہ قرآن کہتا ہے، کوئی شخص اُسوقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وُہ سود خواری کو ترک نہ کرے اور اگر وُہ ترک نہیں کرتا تو اس کا اللہ و رسول کیساتھ اعلانِ جنگ ہے۔

مگر ادھر پورا اسلامی معاشرہ سودی کاروبار پر چل رہا ہے ۔ العیاذُ باللہ!

پس چہ باید کرد ● سُود کی لعنت سے آزاد ہونے کیلئے لازم ہے کہ معاشرہ کا پورا ڈھانچہ تبدیل کیا جائے ۔ کوئی ملک اُس وقت تک اسلامی نہیں ہو سکتا جبتک اُس میں سودی نظام کی بجائے صدقاتی نظام قائم نہ ہو۔ کیونکہ ارشاد باری ہے یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ۲/۲۷۶ اللہ تعالی سُودی نظام کو مٹاتا اور اور صدقاتی نظام کو بڑھاتا ہے ۔ یعنی اللہ حکم دیتا ہے کہ سُودی نظام کو ختم کر کے صدقاتی نظام قائم کیا جائے ۔ اسکی محسوس شکل یہ ہے کہ خزانہ کا نام بیت المال رکھا جائے ۔ المال سے مراد ہے عوام کا مال ۔ اور بیت المال کا معنیٰ ہے عوام کے مال کا گھر ۔ اِسے صرف عوام اور مُلک کی فلاح کے لئے مختص کیا جائے ۔ نظامِ مساوات قائم کر کے حصولِ زر کی دوڑ ختم کر دی جائے ۔ معیارِ زندگی میانہ روی قرار دیا جائے اور اس پر سب سے پہلے اربابِ اقتدار عامل ہو کر عوامی میانہ معیارِ زندگی پہ اُتر آئیں ۔ انفرادی جائز ضرورتوں کے لئے بھی بیت المال سے بلا سود یعنی صدقاتی قرضہ دیا جائے اور کاروبار کے لئے بلا سُود صدقاتی قرضہ جات بیت المال ہی سے ملیں ۔ اس طرح یمحق اللہ الربٰوا اور یُربی الصدقٰت کی عملی تفسیر سامنے آسکتی ہے ، جو اُسوقت تک ہرگز ہرگز بردئے کار نہیں آسکتی جبتک حصولِ زر کی دوڑ ختم کر کے ہر کسی کو صرف ضروریاتِ زندگی کا حقدار قرار نہ دیا جائے ۔ اور یہ سب کچھ حکومتی سطح پر کیا جائے ۔ جبتک معاشرہ کے پورے ڈھانچے کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالا جائے اُسوقت تک اللہ و رسُول کیساتھ اعلان جنگ پر مبنی سُودی نظام ہرگز ختم نہیں ہو سکتا ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا رابطہ آیت نمبر ۲۷ کیساتھ ہے ۔

پیچھے ۵/۲۷ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ حصولِ قربِ الٰہی کے ضمن میں دو بھائیوں کا قصہ گزر چکا ہے ۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک بھائی نے قوانینِ خداوندی کے مطابق عمل کیا ۔ وقت اور محنت کی قربانی دی ۔ اور صحیح نتیجہ کے ظہور کی شکل میں اُس کی محنت قبول ہوئی ۔ دوسرے نے قوانینِ خداوندی سے اعراض برتا اور غلط نتیجہ کی صُورت میں اُس کی محنت نامقبول ٹھہری ، رد کر دی گئی ۔ اس ردّ و قبول کو ۵/۲۷ میں خدا کے قرب اور عدمِ قرب کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ، یعنی دونوں کے متعلق آیا ہے قَرَّبَا قُرْبَانًا ۔ یعنی دونوں نے حصولِ قُرب کے لئے الگ الگ عمل پیش کیا اور نتیجہ کے طور پر بتایا گیا ہے فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۵/۲۷ کہ ایک عمل برائے حصولِ قرب قبول ہُوا اور دوسرے کا نامقبول ۔ اگلی آیت مجیدہ ۵/۳۵ میں بھی یہی فیصلہ دیا گیا ہے کہ قربِ الٰہی کا ذریعہ اللہ کے قوانین میں مسلسل جدوجہد کرتے رہنا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ	اے وُہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ (کے مقررہ کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین) کی
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور	

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا

تلاش کرو طرف اُسکے قرب کا ذریعہ اور کوشش کرو

فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ۲۵

بیچ راہ اُسکی تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

مخالفت سے بچتے رہو اور اس کی طرف اُس کے قرب کا عملی ذریعہ ۱ تلاش کرو یعنی ۲ اس کی راہ میں (تلاشِ قرب کیلئے اُس کے قوانین کے مطابق کوشش کرتے رہو) تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ (تمہیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے)۔ ۴

● ۱ اس آئتِ مجیدہ کو عرفِ عام میں آئتِ وسیلہ کہا جاتا ہے اور اس سے مُراد یہ لے لیگئی ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے پیر پکڑنا ضروری ہے جو خود تو کوئی کام نہ کرتا ہو۔ مُریدوں کی کمائی پر عیش اڑاتا ہو۔ یہ ہے روائتی تفاسیر کی رو سے وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کا مفہوم۔ لیکن:۔

● ۲ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ میں آمدہ درمیانی واؤ تفسیری ہے وسیلہ کا معنیٰ ذریعہِ قرب ہے۔ اور تفسیر جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی اللہ کے قرب کا ذریعہ، اُسکے قوانین کے مطابق مسلسل اور انتھک کوشش کرتے رہنا ہے۔

● اس آئت کے مرقومہ مفہوم کی صحت معلوم کرنے کیلئے اِتَّقُوْا، اَلْوَسِيْلَةَ اور جَاهِدُوْا کے بنیادی معنوں کا جاننا ضروری ہے:۔

اِتَّقُوْا ● یہ مصدر اِتِّقَاءٌ سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے۔ اس مصدر کا معنیٰ ہے بچنا، ڈرنا۔ اور اِتَّقُوا اللہَ کا معنیٰ ہے تم سب بچو اللہ سے یا ڈرو اللہ سے اب کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی ضرر رساں یا خوفناک ذات تو ہے نہیں جس سے بچا یا ڈرا جائے۔ اس لئے اِتَّقُوا اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت سے بچو۔ قوانینِ الٰہی کی مخالفت کی تباہ کاریوں سے ڈرو، بچو۔ اب یہ امر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قوانینِ خداوندی کے دو حصے ہیں، تنزیلی اور تکوینی۔ تکوینی وُہ ہیں جو مشاہداتِ عالم میں شبانہ روز جاری ہیں اور تنزیلی وُہ ہیں جو اِس وقت قرآن حکیم میں محفوظ ہیں۔ پس آئت مجیدہ زیرِ نظر ۳۵/۵ میں اِتَّقُوا اللہ کا معنی ہے:۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو۔

اَلْوَسِيْلَةَ ● اس لفظ کا سہ حرفی مادہ و۔ س۔ ل = وسل ہے۔ اس کا بنیادی معنیٰ ہے اعمال کے ذریعہ قرب حاصل کرنا۔ المنجد میں صفحہ ۱۳۶۸ پر ہے:۔ وَسَلَ يَسِلُ وَسِيْلَةً" وَوَسَّلَ وَ تَوَسَّلَ اِلَى اللهِ بِعَمَلٍ اَوْ وَسِيْلَةٍ عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا۔ اِسی چیز کی ۹۶/۱۹ میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کے الفاظ میں موجود ہے، سجدہ کر، یعنی قوانینِ خداوندی کی اطاعت کر اور قریب ہو جا۔ بالفاظِ دیگر قربِ الٰہی کے اُسی ذریعہ کو ۹۶/۱۹ میں واضح کیا گیا ہے جس کا حکم وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

میں دیا گیا ہے کہ قوانینِ الٰہی کی اطاعت کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بناؤ اور اسی چیز کی وضاحت واؤ تفسیری کی صورت میں وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں اس کے قوانین کے مطابق کوشش کرتے چلے جاؤ۔ تاکہ فلاح پاؤ۔ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو جاؤ۔

جَاهِدُوْا ● اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ج ۔ ہ ۔ د = جہد۔ اس کا بنیادی مصدری معنیٰ ہے انتھک کوشش کرنا خواہ حصولِ مقصد کیلئے مخالف طاقتوں سے جنگ بھی کرنا پڑے۔ مگر یاد رہے کہ انسانی کوشش، خواہ جنگ و جدال سے اِدھر اُدھر تک کی ہو اور خواہ اس کے لئے میدانِ جنگ میں اترنا بھی پڑے، مقبول وہی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے کائناتی اور تنزیلی قوانین کے مطابق ہو۔ اس لئے جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اس کے قوانینِ تکوینی اور تنزیلی کے مطابق انتھک کوشش کرتے چلے جاؤ۔ بس یہی ہے فلاح و کامیابی کا ابدی راز۔ لہٰذا آیتِ وسیلہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ٥/٣٥ کا صحیح مفہوم، جو قیامت تک کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دیتا چلا جائیگا یہ ہے :-

● ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو، اور اس طرح اس کے قوانین کی اطاعت ہی کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بناؤ۔ یعنی اس کے قوانین کے مطابق انتھک کوشش کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

● آیتِ مجیدہ کا آخری جملہ بھی وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کے عین مطابق مفہوم پیش کرتا ہے۔

٭ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ عربی زبان میں فلاحۃ" کاشتکاری کو اور فلّاح کاشتکار کو کہتے ہیں۔ جب کھیتی پک کر تیار ہو جائے تو اسے الفلاح یعنی کامیابی کہتے ہیں اور مُفْلِحُوْنَ ان کاشتکاروں کو کہا جاتا ہے جن کی محنت ٹھکانے لگے اور وہ اپنی محنت کا ثمر، اناج کی صورت میں اپنے گھر لے آئیں۔ اس طرح ایک مُفلح جسے اپنی صحیح محنت کا ثمر میسّر آئے وہ مقرّب ہے، اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔ اسی طرح ہر وہ محنت کش جو قوانینِ خداوندی کے مطابق انتھک محنت کر کے اپنی محنت کے ثمر سے بہرہ ور ہو جاتا ہے وہ مقرّب ہے بشرطیکہ اس نے کہیں کوئی ہیرا پھیری نہ کی ہو۔ یہ ہے آیتِ وسیلہ کا صحیح مفہوم جسے روایتی تفاسیر نے پیر پکڑنے کی دلیل بنا دیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ کا ربط آیت نمبر ٣٣ کیساتھ ہے جس میں آنحضور ﷺ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کے باغیوں کی سزا مقرر کرنے کے بعد اعلان کر دیا گیا ہے کہ بلا توبہ سزا معاف نہیں ہو گی۔ اگلی آیتِ مجیدہ میں مجرموں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر ان کے پاس زمین بھر کی پوری دولت ہو اور اتنی ہی اور بھی ہو اور وہ اسے فدیہ میں دیکر اخروی عذاب سے بچنا چاہیں تو ہرگز بچ نہ سکیں گے :-

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ اَنَّ لَہُمۡ
بیشک جن لوگوں نے انکار کیا اگر یہ کہ واسطے ان کے ہو
مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا وَّ مِثۡلَہٗ مَعَہٗ لِیَفۡتَدُوۡا
جو بیچ زمین کے ہے سارا۔ اور مثل اس کی ساتھ اس کے تاکہ وہ فدیہ دیں
بِہٖ مِنۡ عَذَابِ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنۡہُمۡ
ساتھ اس کے بدلے سزا دن قیامت کے نہ قبول ہوگا ان سے
وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۳۶
اور واسطے ان کے سزا ہے دردناک

بیشک جو لوگ (ضابطہ خداوندی کا) انکار کریں اگر (بفرضِ محال) اُن کے پاس اتنا سارا مال ہو جو زمین میں ہے اور اُتنا ہی اور بھی ہو اور وُہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کیلئے سارے کا سارا فدیہ میں دیدیں تو اُن سے قبول نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ اُن کے لئے (اُس دن) دردناک عذاب ہوگا۔ (اُخروی عذاب سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اس دنیا میں توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلی جائے)۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِنہی لوگوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وُہ عذاب سے نکلنے کی کوشش کریں گے مگر نکل نہ سکیں گے:۔

یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ وَ مَا
ارادہ کرینگے وہ کہ نکلیں بیچ سے آگ کے اور نہیں
ہُمۡ بِخٰرِجِیۡنَ مِنۡہَا ۫ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ۳۷
وہ نکلنے والے بیچ سے اس کے اور واسطے ان کے عذاب ہے قائم رہنے والا

وُہ جلانے والے عذاب میں سے نکلنے کی کوشش کریں گے لیکن وُہ اس سے نکلنے والے نہیں ہوں گے۔ کیوں کہ اُن کے لئے (ٹلنے والا عذاب نہیں۔ بلکہ) قائم رہنے والا عذاب ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط ۳۳ کیساتھ ہے، جس میں اسلامی ریاست کے باغیوں کی سزا کے سلسلے میں قطع یدورجل یعنی عمر قید کا ذکر گزر چکا ہے۔ چنانچہ جس طرح اسلامی ریاست کے لیے تو یہ باغی اور سُود خور کی سزا اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا یعنی عمر قید ہے۔ اُسی طرح اسلامی ریاست میں چور اور چورنی کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں، بلکہ جُرم کی نوعیت کے مطابق قید کرنا ہے:۔

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقۡطَعُوۡۤا
اور چور مرد اور چور عورت کاٹ دو
اَیۡدِیَہُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ ؕ
قوت دونوں کی بدلہ اس کا جو کمایا انہوں نے عبرت طرف اللہ کے
وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ۳۸
اور ہے اللہ غالب حکمت والا۔

اور چور مرد اور چورنی عورت (دونوں کے لئے چوری کی سزا یہ ہے کہ دونوں کی چوری کی طاقت قطع کردو (انہیں قید کردو) اللہ کی طرف سے اِن دونوں کیلئے قطع ید کا حکم سزا مطابق اندازۂ جُرم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑھ کر غالب اور بڑا حکمت والا ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ
پھر جو کوئی توبہ کرے بعد چوری اپنی کے اور اصلاح کرے
فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
تو بیشک اللہ رجوع برحمت ہوگا اوپر اسکے بیشک ہے اللہ چھپانیوالا مہربان

پھر جو کوئی (ان میں سے) اپنے ظلم (یعنی چوری کرنے کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو پھر بلاشبہ اللہ تعالیٰ عیب پوشی کرنیوالا ہے۔ بہت بڑھ کر مہربانی فرمانے والا ہے۔

● عٰلہ عربی زبان میں ید کا معنی ہاتھ بھی ہے اور طاقت بھی ہے۔ جیسے کہ حضرت داؤد ؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۳۸/۱۷ ہمارے طاقتور بندے داؤد کا ذکر کیجئے ــــ دیکھئے! یہاں ذَا الْاَيْدِ کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ حضرت داؤد کے ہاتھ بصیغہ جمع تین چار یا پانچ سات تھے۔ بلکہ آپ کو آپ کی ملکی، فوجی، علمی، اخلاقی اور نبوت و رسالت کی متعدد طاقتوں کے لحاظ سے ذا الاید یعنی بہت سی قوتوں والا کہا گیا ہے۔

● عٰلہ قطع کا معنی کاٹنا بھی ہے اور روکنا بھی ہے۔ جیسے کہ حضرت لوط ؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اغلام باز بھی ہو اور لوگوں کو لوٹنے کے لئے ان کا راستہ بھی کاٹتے ہو۔ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۲۹/۲۹ ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ یہاں قطع سبیل کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ قوم لوط ؑ کدال کیساتھ راستے کاٹتے تھے۔ بلکہ راستہ روک کر لوگوں کو لوٹتے تھے۔ پس الفاظ کی لغت کے مطابق قطع ید کا معنی چور کے ہاتھ روک دینا، یعنی اسکی اصلاح کیلئے قید کر دینا ہے۔ ہاتھ کاٹ کر لنجے اور بھیک منگے بنانا نہیں۔

● یوں تو قطع ید کی وضاحت آیت نمبر ۵/۳۳ میں کھل کر دی گئی ہے کہ اسکا معنی اور مفہوم بہیمیت یعنی زندہ انسانوں کے ہاتھ کاٹکر انہیں بیکار و معذور کر دینا نہیں بلکہ قید کرنا ہے۔ لیکن ان ہر دو آیات مجیدہ ۵/۳۸-۳۹ کے داخلی چار جملوں کی ترتیب اور انکا باہمی ربط چور کا ہاتھ کاٹنے کے کھل کر خلاف جاتا ہے۔ ہم نے پچھلے صفحہ پر ان جملوں پر خط کھینچ کر ایک سے چار تک نمبر لگا دیئے ہیں تاکہ ربط و مفہوم سمجھنے میں آسانی رہے۔ ذیل میں ہر چہار جملوں کو بالترتیب زیر بحث لایا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ چور کے ہاتھ کاٹ ڈالنا چاروں جملوں کے خلاف ہے۔ یاد رہے کہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا کے بعد عین متصل پہلے نمبر پر یہ جملہ مبارکہ آیا ہے۔

(۱) جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (مفہوم) یہ قطع ید کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے، سزا اندازہ جرم کیمطابق ہے (نہ کم نہ زیادہ)۔ دیکھئے! ان الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ چور مرد ہو یا عورت، انکی سزا عین جرم کے برابر ہوگی۔ تو اب بتائیے کہ اگر ایک ہزار روپے کے چور کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے اور ایک لاکھ دو لاکھ یا دس لاکھ روپے کے چور کا بھی پنجہ الگ کر دیا جائے تو جزآءً بما کسبا کے خداوندی حکم کی تعمیل یعنی سزا مطابق جرم کے سلسلے

میں ہم نے کیا کیا ؟ ۔ نیز چوری کی کم و بیش مالیت کے عوض اگر ہاتھ کاٹنے کے مقام کو دو چار انچ نیچے اوپر کرنے لگیں تو بتائیے کہ سزا باندازۂ جرم کی تعمیل کس طرح مضحکہ خیز بن کر رہ جاتی ہے ۔ کیونکہ بازو سے پنجہ خواہ کسی بھی مقام سے الگ کیا جائے ، لنجا ہو جانے کے نتیجے میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ یعنی پانچ سو روپیہ کے چور کو بھی لنجا اور پانچ لاکھ کے چور کو بھی لنجا کر دینے میں جَزَآءً بِمَا كَسَبَا کے خداوندی حکم کے تعمیلی تقاضے ہرگز پورے نہیں ہوتے ۔

● فلہٰذا جیسے کہ آیۂ مجیدہ کے ترجمہ میں لکھا گیا ہے کہ قطع ید کا معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ چوری کرنے کی طاقت کو روک دینا ہے ۔ جس کی صورت محسوس یہ ہے کہ مجرم کو اس کے جرم کے مطابق قید کر کے معاشرہ سے الگ کر دیا جائے ۔ اور اس طرح جَزَآءً بِمَا كَسَبَا کی تعمیلی صورت یہ ہوگی کہ اگر پانچ سو روپے کے چور کو تین ماہ قید کی سزا دی گئی ہے تو ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ روپے کے چوروں کو سزا اندازہ جرم کے مطابق بالترتیب بڑھتی چلی جائے گی ۔ پس ثابت ہوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا کا معنیٰ ہاتھ کاٹنا لینا ، متصلہ اوّلین جملہ جَزَآءً بِمَا كَسَبَا کے خلاف ہے ۔ اس کے بعد متصلہ دوسرا جملہ یہ ہے :۔

۲۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۔ اس جملہ کے مطابق غور طلب یہ امر ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دینے اور اس کے بیوی بچوں کو فاقوں کے جہنم میں دھکیل دینے اور انہیں بھک منگے بنا کر معاشرے پر بوجھ بنا دینے میں کون سی حکمت ہے ؟ حکمت کا معنیٰ یہ ہے کہ نقصان بھی نہ ہو اور کام بھی سُدھر جائے ۔ قرآنی حکم قید کر دینے میں وُہ حکمت پوشیدہ ہے جس میں نہ افراد معاشرہ کے ہاتھ کاٹ کر انہیں ناکارہ کر دینے کا تصوّر ہے اور نہ آئے دن ہاتھ کٹوں اور بھک منگوں میں اضافہ کرنے کا ۔ یاد رہے کہ قید خانوں میں (جنہیں صحیح طور پر اصلاح خانے بنایا جانا ضروری ہے ' اور ان کے نام بھی جیل خانوں کی بجائے اصلاح خانے رکھنا لازم ہے) چوروں کی اصلاح کرنا ہی وُہ حکمت ہے جو مذکورہ بالا جملہ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کے تقاضے پورے کر سکتی ہے کہ چور ، کچھ عرصہ معاشرہ سے الگ اصلاح خانے میں رہ کر پھر سے شریف شہری بن جائے ۔ پس ثابت ہوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا کے الفاظ سے چور کا پنجہ الگ کر دینے کا تصوّر ، اس کے دوسرے متصلہ جملہ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کے بھی خلاف ہے ۔ فلہٰذا یکسر غلط ہے ۔

۳۔ تیسرے نمبر پر متصلہ جملہ آیا ہے :۔ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۔ پھر جو شخص چوری کرنے کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس پر رجوع برحمت ہوگا ۔ یعنی اسے معاف کر دے گا ۔ اب غور فرمائیں کہ " اگر چور پکڑا ۔ مال برآمد کیا اور ہاتھ کاٹ ڈالا " ، ہی آیت زیر بحث کی تعمیلی صورت صحیح ہو تو بتائیے کہ چور کو توبہ اور اصلاح کا موقعہ کب ملیگا ؟ نیز بتائیے کہ ہاتھ کاٹ ڈالنے کے بعد وُہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو پھر کیا فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ کا یہ مفہوم ہو سکیگا کہ اسے کٹا ہوا ہاتھ واپس مل جائیگا !

● فلهذا جب چور کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا تصوّر تیسرے متصلہ جملہ کیساتھ بھی فِٹ نہیں بیٹھتا تو ثابت ہُوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا سے ہاتھ کاٹ ڈالنے کا مفہوم اخذ کرنا غلط ہے۔

۴۔ اس سے اگلا چوتھا اور آخری متصلہ جملہ ہے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ عیبوں کو ڈھانپنے والا مہربان ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توبہ اور اصلاح کے بعد کٹا ہوا ہاتھ واپس نہیں مل سکتا تو عیب پوشی کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کٹا ہوا ہاتھ عمر بھر کیلئے جرم پر پردہ پڑنے نہیں دیگا۔ وُہ ہمیشہ کیلئے اس امر کا ڈھنڈورچی بنا رہیگا کہ یہ چور ہے۔ اس طرح توبہ اور اصلاح کے باوجود تائب اور مصلح کو معاشرہ میں اس کا کھویا ہُوا عزت مقام دوبارہ ہرگز میسّر نہیں آسکتا۔ پس چونکہ ہاتھ کاٹنے کا نظریہ آیت مجیدہ کے چاروں متصلہ جملوں کے خلاف ہے۔ اس لئے بدرجہ اتم ثابت ہوا کہ قطع ید کا معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں، وُہ طاقت روکدینا ہے جو چوری پر اکساتی ہو اور اُس کی عملی صورت چور کو قید کر کے اُس کی اصلاح کرنا ہے۔

جملہ انبیاء کا دین اور شریعت ایک تھی

● اب سطور ذیل میں یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ سابقہ انبیاء کے ہاں بھی چور کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ قید کرنا ہی تھی۔ اور آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاءؑ کی شریعت ایک تھی اُس میں سرِمُو فرق نہیں تھا، جیسے کہ سُورہ شوریٰ میں ارشاد ہُوا ہے۔

● شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى .... ۴۲/۱۳ (ایمان والو!) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنے دین کی وہی اکلوتی شرع کردی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور اے رسولؐ! وُہی شریعت جو ہمنے آپکی طرف وحی فرمائی ہے۔ اور وہی شریعت جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا ـــــ اس آیت مجیدہ سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاء کرام کو شریعتِ واحدہ عطا کیگئی تھی۔ اور اس کے بعد اب دیکھئے کہ سورہ یوسفؑ میں شریعتِ یعقوبی کی سزا بتائی گئی ہے چور کو قید کرنا۔

● فرزندانِ یعقوبؑ جب دوسری مرتبہ غلہ لینے کیلئے مصر تشریف لے گئے تو اُن کے چھوٹے بھائی پر چوری کا الزام آگیا۔ اس پر اُن سے پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں چور کی سزا کیا ہے؟ تو برادرانِ یوسفؑ نے جواب دیا۔ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○ ۱۲/۷۵ انہوں نے کہا جس کی بوری میں چوری کا پیمانہ پایا گیا ہے وُہ اپنی جزا آپ ہے (یعنی وُہ قید کر دیا جائے) ہم اپنی شریعت (یعقوبی) میں چوروں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

● دیکھا آپنے کہ شریعتِ یعقوبی میں جو آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاء کرام کی اکلوتی شریعت ہے، چور کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں تھی بلکہ قید کرنا تھا۔ چنانچہ برادرِ یوسفؑ شریعتِ یعقوبی کے مطابق قید کر لیا گیا تھا، اس کا ہاتھ

کاٹا نہیں گیا تھا۔ پس جملہ انبیاء کی الٰہی شریعت کے قرآنی کلیہ کے مطابق بھی ثابت ہُوا کہ ۵ کے الفاظ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا کا قرآنی معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ اُس قوت کو روک دینا ہے جو چوری پر اُکساتی ہے۔ جس کی مختلف صورتیں اظہر من الشمس ہیں کہ اگر چور بیکار و بے روزگار ہے تو اُسے وقفۂ سزا کے بعد روزگار مہیا کیا جائے۔ اور اگر وُہ کوئی کام نہیں جانتا تو اُسے اصلاح خانے میں کوئی ایک ہنر سکھایا جائے۔ اگر چور کے پیچھے کوئی رسّہ گیر طاقت ہے تو اُسے پوری طرح ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ چور کو قید کرنا اور رسّہ گیروں سے چشم پوشی کرنا فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا کے خلاف ہے۔ فی الحقیقت رسّہ گیر ادارے چور ساز ادارے ہیں۔ انکا خاتمہ لازم ہے۔

قید خانے نہیں اصلاح خانے

● قرآنی ہدایات کیمطابق قید خانوں یعنی جیل خانوں کا نام اور کام دونوں کو تبدیل کرنا لازم۔ کیونکہ چوری کے جُرم یا دوسرے جُرموں کے مُجرموں کو غرضِ اصلاح کے بغیر قید کر دینا بھی خلافِ قرآن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لاریب اصلاحِ معاشرہ کی اور امنِ عالم کی علمبردار ہے۔ اگر کوئی مجرم سال دو سال کی قید کاٹ کر معاشرہ میں لَوٹ کر آنے کے بعد چور کا چور ہی رہے تو ظاہر ہے وقفۂ قید مطلقاً بیکار ہی چلا گیا۔ پس جتنے وقفہ کیلئے کسی مجرم کو معاشرہ سے الگ کر کے اصلاح خانے میں رکھا جائے، لازم ہے کہ اُس وقفے میں مجرم کی پُوری طرح اصلاح کر دی جائے، تاکہ وُہ جیل یعنی اصلاح خانے سے واپس آکر مجرمانہ عادات و خصائل سے پوری طرح الگ ہو چکا ہو۔ فلھذا لازم ہے کہ وُہ سرکاری ادارے جن میں مجرموں کو قید کیا جائے، انکا نظام بھی ایسی بُنیادوں پر تبدیل کیا جائے کہ اس ادارے یعنی محکمہ جیل کا اوڑھنا بچھونا ہی اصلاحِ مجرمین ہو۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ ان اداروں کا نام جیل خانوں اور قید خانوں کی بجائے اصلاح خانے رکھا جائے۔

● چوری کی صحیح قرآنی سزا کی وضاحت کے بعد پروردگارِ عالم نے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور ؐ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے، یعنی پُوری نوعِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی کے لئے ہے۔ اس میں بے جا تصرّف کرنیوالوں کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی سزا مقرر کرتا اور معاف کرتا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ

(اے رسول ؐ!) کیا نہیں جانا تو نے بلاشبہ اللہ واسطے اُسکے حکومت

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ

ہے آسمانوں اور زمین کی۔ عذاب کرتا ہے جسے چاہے

وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اور معاف کرتا ہے واسطے جس کے چاہے۔ اور اللہ واسطے ہر

(اے رسول ؐ!) کیا آپ نے جانا نہیں (یعنی آپکو جاننا چاہیے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ وُہ ہے کہ واسطے اُسی کے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔ اور وُہ جسے عذاب کا حکم دیتا ہے تو قانونِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے اور جسے معاف کرتا ہے تو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی معاف کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قانون متعیّن

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ۴۰
چیز کے قانون بنانے والا ہے۔ کرنے والا ہے۔

● سزا کا قانون اُن لوگوں کیلئے جو ربوبیت عالمینی میں رکاوٹ بنتے ہیں اور معاف انہیں کیا جاتا ہے جو تائب ہو کر راہِ راست پر آجاتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور صلعم کے تسکین قلب کے لئے ارشاد ہوا کہ جو لوگ ضابطۂ خداوندی کے انکار میں جلدی کرتے اور جھوٹ بولتے ہیں آپ اُن کے لئے غمگین نہ ہوں:-

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ
اے ہمارے رسول! نہ غمگین کریں تجھے وہ لوگ جو جلدی کرتے

فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ
بیچ انکار کے ہیں سے اُن کے کہا ایمان لائے ہم ساتھ مونہوں اپنے کے اور

تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ
ایمان لاتے ذہن اُنکے اور ہیں سے یہودیوں کے سُننے والے

لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ
واسطے جھوٹ کے۔ سُننے والے واسطے دوسری قوم کے نہیں آئے پاس تیرے

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ
تبدیل کرتے ہیں کلام کو سے پیچھے مقام اسکے کے وہ کہتے ہیں

اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ
اگر دیئے جاؤ تم یہ تو لے لو اُسے اور اگر نہ دیئے جاؤ

فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ
تو بچ جاؤ جو کوئی ارادہ کرے اللہ اسکی سزا کا تو نہیں تو مالک واسطے

لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ
اسکے سے اللہ کے کچھ وہی لوگ ہیں نہیں ارادہ کرتا اللہ

اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۚۖ وَّ
کہ پاک ٹھہرائے اذہان انکے۔ واسطے انکے بیچ دنیا کے رسوائی ہے

لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ ۴۱
واسطے انکے بیچ آخرت کے سزا ہے بہت بڑی۔

اے ہمارے رسول! وہ لوگ آپ کو غمگین نہ کریں (یعنی آپ اُن سے غمگین نہ ہوں) جو (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات کے) انکار میں جلدی کرتے ہیں، اُن لوگوں میں سے جو مُنہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے اذہان ہرگز ایمان نہیں لاتے۔ اور یہودیوں میں سے بھی وہ لوگ (آپکو غمگین نہ کریں) جو جھوٹ بولنے کیلئے (آپ سے قرآن مجید سُنتے ہیں یعنی آپ سے سُنتے ہوئے کے خلاف) اُس قوم کے آگے جھوٹ بولنے کیلئے سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے۔ وہ لوگ ہمارے کلام کو اصل مقام سے بدل دیتے ہیں (اپنی قوم کو) کہتے ہیں کہ اگر تم رسول کی طرف سے یہ دیئے جاؤ (جو ہم کہتے ہیں) تو لے لیا کرو۔ اور اگر تمہیں یہ تعلیم نہ دی جائے تو اُس سے بچ جاؤ۔ (اے رسول!) جس کسی کو اللہ تعالیٰ اُسکی گمراہی کی سزا دینے کا ارادہ کرے تو اُس کیلئے (اُس سزا سے بچانے کا) آپکو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ مذکورہ بالا وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے (اُن کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت) اُنکے قلوب کو پاکیزہ ٹھہرانے کا ارادہ نہیں کیا۔ اُن کے لئے (اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق) اس دنیا میں بھی رُسوا کن سزا ہے۔ اور آخرت میں اُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

● سابقہ آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے یہودیوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضورؐ کی خدمت میں جاسوسی کرنے کیلئے آتے تھے۔ وہ مُنہ سے تو ایمان کا اقرار کرتے مگر اُن کے اذہان مُطلقاً انکاری تھے۔ آپ کے کلام اور آپکے پروگرام کو مخالف قوم تک پہنچانے کیلئے حاضر ہُوا کرتے۔ اگلی آیت مجیدہ میں تکرار تاکیدی کے طور پر ارشاد ہُوا ہے کہ وہ آپکے کلام کو اسلئے سنتے تھے کہ اُس میں جھوٹ ملا کر لوگوں تک پہنچائیں اور معاذ اللہ حرام مال کھانے کیلئے آنحضورؐ کو سند بنائیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ
سننے والے ہیں واسطے جھوٹ کے کھانیوالے ہیں حرام کے
فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ
پس اگر آویں پاس تیرے پھر فیصلہ کر درمیان اُنکے یا اعراض
عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ
کر اُن سے - اور اگر تو اعراض کرے اُن سے تو نہ
يَّضُرُّوْكَ شَيْــًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ
تکلیف دینگے تجھے ذرہ بھر - اور اگر فیصلہ کرے تو تو فیصلہ کرنا
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ ۴۲
درمیان اُنکے ساتھ انصاف کے - بیشک اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنیوالوں کو

(دوبارہ سُن لیجئے گا کہ یہودی لوگ) قرآن کو سنتے ہی ہیں اس کے ذمہ جھوٹ لگانے کے لئے۔ اور وُہ حرام کھانیوالے ہیں۔ پھر (اے رسولؐ!) اگر وُہ (یہودی اپنے جھگڑوں کے فیصلے کرانے کیلئے) آپکے پاس آئیں، تو پھر آپ کو اختیار ہے کہ اُن کے فیصلے کریں یا اُن سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ اُن سے اعراض فرمائیں تو وُہ لوگ آپ کو ذرّہ بھر بھی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ اُن کے درمیان مقدمات کے فیصلے کریں تو انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف (کیساتھ فیصلے) کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

یہود کی مفاد پرستی

● آیات بالا میں ایک طرف تو یہودیوں کی یہ حالت بیان کی گئی ہے کہ وُہ قرآنی احکام کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو کچھ آنحضورؐ سے سُنتے اُسے بدل کر اپنی قوم کو سُناتے تھے اور خود توراۃ مقدّس کے احکام کو بھی اپنے ڈھب کے مطابق تبدیل کر رکھا تھا ۵/۱۳ دوسری طرف یہ بھی بتا دیا ہے کہ وُہ اپنے باہمی مقدمات کے فیصلے کرانے کے لئے آنحضورؐ کی عدالت میں لایا کرتے تھے۔ اگلی آیت مجیدہ سے ظاہر ہے کہ اُن کا ایمان نہ توراۃ مقدّس پر ہے نہ قرآن مجید پر۔ بلکہ ان کا ایمان مفاد پرستی کے گرد گھومتا ہے۔ اگر اپنے محرف قوانین میں فائدہ دیکھا تو اُدھر کو جُھک گئے اور قرآنی احکام میں فائدہ نظر آیا تو اپنے مقدّمے آنحضورؐ کے پاس لے آتے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا
اور وہ کیسے حاکم بنائیں تجھکو اور پاس اُنکے ہے توراۃ بیچ اسکے
حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ
حکم ہے اللہ کا - پھر وہ پھر جاتے ہیں بعد اس کے

اور (اے رسولؐ!) یہ یہودی لوگ اپنے مقدمات میں آپکو کس طرح حاکم ٹھہراتے ہیں، حالاں کہ اُن کے پاس تورات ہے (اگرچہ انہوں نے اُس میں ردّ وبدل

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۴۳
اور نہیں ہیں وہ علی ایمان لانیوالے

کر لیا ہے۔ ۵ لیکن کہتے بھی ہیں کہ) اس میں اللہ کے احکام ہیں۔ پھر اس کے (یعنی یہ کہنے کے) بعد بھی وُہ اُس سے اعراض کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وُہ مومن نہیں ہیں۔

اصل توراۃ میں ہدایت بھی ہے اور نُور بھی ہے فیصلے منزل من اللہ کیساتھ کیے جائیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ اصل تورات میں بھی ہدایت و نور نازل فرمایا گیا۔ اور اصل انجیل میں بھی ہدایت و نور نازل ہوا تھا۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ
بیشک ہم نے نازل کیا توراۃ کو بیچ اُسکے ھدایت اور نور ہے
يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ
فیصلے کرتے تھے ساتھ اسکے نبی جنہوں نے فرمانبرداری کی واسطے اُن لوگوں کے
هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا
جو یہودی ہوئے اور مشائخ اور علماء اسلئے کہ
اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ
حفاظت کرائے گئے سے کتاب اللہ کی اور تھے وہ اوپر اُس
شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ
کے گواہ۔ پس نہ ڈرو لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے
وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ
اور نہ بیچو آئتیں میری قیمت تھوڑی۔ اور جو لوگ نہ
يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۴۴
فیصلہ کریں ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے پس وہی وہ ہیں کافر۔

بیشک ہمیں نے تورات کو نازل فرمایا ہے۔ اُس میں (ہماری تمام کتابوں کی طرح) ہدایت بھی ہے اور ہر مسئلہ کے حل کیلئے) روشنی بھی ہے۔ ہمارے بہت سے نبی جنہوں نے ہماری فرمانبرداری کی اسی (غیر محرّف تورات) کیساتھ یہودیوں کے (جھگڑوں کے) فیصلے کرتے رہے تھے۔ اور ان کے مشائخ و علماء بھی (اسی کیساتھ ان کے فیصلے کرتے رہے تھے) یہ اس لئے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (توراۃ مقدّس) کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وُہ اُس پر خود گواہ تھے (انہیں کہ دیا گیا تھا کہ) لوگوں سے مت ڈرو (بلکہ صرف میرے قانون کی مخالفت سے ڈرو۔ اور میری آئتوں کو دنیا کے حقیر مال کے عوض نہ بیچنا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کیساتھ جھگڑوں کا فیصلہ نہیں کرتے۔ وُہ ہی تو کافر ہیں۔

توراۃ میں بھی قرآنی احکام ہی تھے

سورہ شعرآء میں اس امر کی وضاحت کردی گئی ہے کہ قرآن کریم سے پہلی مجلد کتب

الٰہی میں قرآنی قوانین ہی نازل کیے گئے تھے۔ وَإِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ ۝
عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ وَإِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْأَوَّلِيْنَ ۝ ٢٦ / ١٩٢ تا ١٩٦
یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔ رُوح الامین اسے لیکر آپکے قلبِ اطہر پر نازل ہوا تاکہ آپ منذرین میں سے ہو جائیں۔ اس کی زبان عربی مبین ہے۔ یہی احکام سابقہ جملہ کتابوں میں تھے۔

● نیز سورہ شوریٰ ٤٢/١٣ کے حوالے سے پیچھے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جملہ انبیاء سلامٌ علیہم کو ایک ہی دین اور اصلی وہ ایک ہی شریعت عطا کی گئی تھی جو دین اور شریعت آنحضور ﷺ کو دی گئی ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اسی امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ جو قوانین سابقہ اُمتوں پر فرض کیے گئے تھے، وہی قوانین قرآنِ کریم میں بالفاظِ ذیل موجود ہیں:-

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ
اور فرض کیا ہم نے اوپر ان کے بیچ اسکے بیشک جان بدلہ جان
وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ
اور آنکھ بدلہ آنکھ اور ناک بدلہ ناک اور کان
بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ
بدلہ کان اور دانت بدلہ دانت اور زخموں کا بدلہ ہے
فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ
پھر جو کوئی صدقہ کرے ساتھ اسکے تو وہ کفارہ ہے واسطے اُسکے اور جو نہ فیصلے کریں
بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ٤٥
ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے پس یہی وہ ظالم ہیں۔

اور ہم نے اُس (توراۃ) میں اہلِ کتاب) پر فرض کر دیا کہ جان کا بدلہ جان ہے (یعنی جو شخص کسی شخص کو قتل کر دے تو اُس کے بدلے اُسے قتل کر دیا جائے) اور (اسی طرح) آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے۔ اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے۔ اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں کا بدلہ بھی لیا جانا فرض ہے۔ پھر اگر مُجرم کو وُہ شخص خود معاف کر دے جس پر ان میں سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو اسکا معاف کر دینا مُجرم کا کفارہ ہو جائیگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ نہ فیصلے کریں اُس ضابطہ کیساتھ جو اللہ نے نازل کیا ہے تو (وُہی لوگ) وُہی لوگ تو ظالم ہیں۔

انجیل مقدس میں بھی ہدایت و نور تھا

● حقیقی تورات کی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں انجیل مقدس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس میں بھی ہدایت و نور نازل کیا گیا تھا۔ وُہ بھی قرآنی دین ہی کی حامل تھی:-

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ
اور بھیجا ہم نے اوپر راستے اُنکے عیسیٰ بیٹے مریم کو
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَ
تصدیق کرنیوالا واسطے اسکے جو پہلے اسکے تھا، میں سے تورات کے اور

اور ہمنے (توراۃ والے نبیوںؑ کے بعد) اُنہی کے راستے پر مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو (نبی بنا کر) بھیجا جو تصدیق کرنیوالا تھا اُس (تعلیم) کی جو اُس سے پہلے تورات میں (نازل کی گئی) تھی۔ اور ہمنے اُسے انجیل

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ

دی ہم نے اسکو انجیل ۔ بیچ اسکے ہدایت ہے اور نور

وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اور تصدیق کرنیوالی واسطے اسکے جو آگے ہے توراۃ کے

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ۴۶

اور ہدایت اور نصیحت واسطے تقویٰ شعاروں کے

عطا فرمائی۔ اُس میں (بھی تورات کی طرح ہر مسئلہ انسانی کیلئے) ہدایت اور روشنی تھی۔ اور وُہ اُسی تعلیم کی تصدیق کرنیوالی تھی جو اُس سے پہلے تورات میں (نازل کی گئی) تھی۔ اور وُہ تقویٰ شعار لوگوں کے لئے (مکمل طور پر) ہدایت اور نصیحت ہے۔

● علہ توراۃ مقدّس بہت سے انبیاء کے صحف مبارکہ کا نام ہے۔ اسی لئے ۵/۴۴ میں ارشاد ہوا ہے کہ تورات کیساتھ بہت سے نبی لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے ــــــ آیتِ بالا میں انجیل مقدّس کی تعریف کے بعد اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ

اور چاہیئے کہ فیصلہ کریں اہل انجیل ۔ ساتھ اسکے جو نازل کیا

اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اللہ نے بیچ اسکے۔ اور جو نہ فیصلہ کریں ساتھ اسکے جو نازل

فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ۴۷

کیا اللہ نے پس وُہی وُہ حد سے بھاندنے والے ہیں۔

اور اہل انجیل پر لازم ہے کہ وُہ اُن (قوانین) کے ساتھ مقدموں کے فیصلے کیا کریں جو خود اللہ تعالیٰ نے انجیل کے اندر نازل فرمائے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اُس ضابطے کیساتھ فیصلے نہ کریں جو خود اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ وُہی وُہ تو اللہ تعالیٰ کی حد پھاندنے والے ہیں۔

قرآنِ حکیم توراۃ و انجیل کا نگہبان ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم تورات و انجیل کا نگہبان ہے۔ یہ اس لئے کہ پیچھے متعدد بار بتایا گیا ہے کہ توراۃ و انجیل میں یہود و نصاریٰ نے اپنے حسب منشا تحریف کر لی ہُوئی ہے۔ حضرت مسیح ؑ و عزیر ؑ کو خدا تعالیٰ کے بیٹے قرار دیا۔ نصاریٰ نے صلیب کا عقیدہ ایجاد کر کے اُسے گناہوں کا کفارہ ٹھہرالیا ہے۔ وُہ غیر اللہ ضابطوں کیساتھ فیصلے کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضور صلعم کے نام خصوصی حکم جاری کیا گیا ہے کہ آپ مقدموں کے فیصلے صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کیساتھ کیا کریں:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

اور نازل کی ہم نے طرف تیری کتاب ساتھ حق کے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

تصدیق کرنیوالی واسطے اُسکے جو پہلے ہے کتاب کے

اور (اے رسول ؐ) ہمنے آپ کی طرف (قرآنِ کریم اپنی لاریب) کتاب حق کیساتھ نازل فرمائی ہے۔ جو تصدیق کرنیوالی ہے اُن کی جو اُس سے پہلے کتابیں (نازل کی گئی تھیں) اور یہ اُن پر نگہبان ہے (اہل کتاب نے جو اُن میں تحریف کر رکھی ہے ۵/۱۳، ۴/۴۶ یہ اُن کی تصحیح کرنے

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ

اور نگہبان اُوپر اُسکے پس فیصلے کر درمیان اُنکے ساتھ اُسکے جو نازل کیا

اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ

اللہ نے اور نہ پیروی کرنا خواہشوں اُنکی جب آچکا تیرے پاس سے

الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ

حق کے ۔ واسطے سب کے ٹھہرایا ہمنے واسطے تمہارے ایک شریعت اور طریقہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

اور اگر چاہے اللہ (زبردستی) البتہ کردے تم کو جماعت ایک

وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا

اور لیکن تاکہ ظاہر کرے تم کو بیچ اُسکے جو دیا تمکو پس آگے بڑھو

الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

نیکیوں میں ۔ طرف اللہ کے لوٹنا ہے تم سب کو ۔

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ۴۸

پھر وہ خبر دیگا تم کو اُسکی جسمیں تم اختلاف کیا کرتے ۔

والی ہے) پس اے رسول ؐ! آپ اُن کے درمیان فیصلے فرمایا کریں اُس ضابطہ کیساتھ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور آپ اِس کے بعد، کہ آپ کے پاس حق قرآن آچکا ہے، اُن (اہلِ کتاب) کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ ہم نے سب کیلئے ایک ہی شریعت یعنی ایک ہی طریقہ مقرر فرمایا ہے ۔ اور اگر ہم زبردستی چاہتے (یعنی اگر ہمارا قانونِ مشیّت یہ ہوتا کہ سب کو زبردستی راہِ راست پر لایا جائے) تو ہم اعمال کی رُو سے بھی تم سب کو ایک جماعت بنا دیتے (سب نیکوکار ہو جاتے) اور لیکن (ہمارا قانونِ مشیّت یہ ہے کہ تم اچھے یا بُرے عمل جیسے چاہو خود کرو) علہ تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اُس میں تم کو (تمہارے اپنے عملوں کے مطابق) ظاہر کرے ۔ پس تم نیکیوں میں آگے بڑھو ۔ (اعمال کی جواب دہی کیلئے) تم سب کا لوٹ کر آنا اللہ ہی کی طرف ہے علہ۲ پھر وہ تمہیں خبر دے گا اُس چیز کی جس میں تم (مفاد پرستی کیلئے) خود اختلاف کیا کرتے تھے ۔

● علہ "اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ" ۴۰/۴۱ "اچھے یا بُرے جیسے عمل تم خود چاہو کرو" کے خداوندی اعلان کے مطابق حضرت انسان کو عمل بجا لانے میں صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے ۔ اِسی لئے وضاحت فرما دی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ زبردستی ہی کے مطابق دین میں راست پر لانا چاہتا تو اعمال کی رُو سے بھی پوری نوعِ انسانی ایک ہی گروہ ہوتی ۔ دین میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۲/۲۵۶ کے مطابق جبر نہیں ہے اس لئے نوعِ انسانی کو عمل بجا لانے میں صاحبِ اختیار بنا کر حکم دیدیا گیا ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ نیکیوں میں آگے بڑھو ۔ اعمال کی جوابدہی کے لئے تم نے ضرور اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے ۔

● علہ۲ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ طرف اللہ کے ہے لوٹ کر آنا تمہارا ۔ چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا اور دنیا میں بھیجا ہے ۔ چنانچہ بے پایاں نعمتوں کیساتھ نوازا اور حکم دیا ہے کہ ان میں بے جا تصرّف نہ کرنا ۔ کیوں کہ یہ پوری نوعِ انسانی کے لئے پیدا کی گئی ہیں ۲/۲۹ ۔ اس لئے باری تعالیٰ نے ایک دن مقرّر کر رکھا ہے، جس میں ہر فردِ بشر نے اپنے اپنے اچھے بُرے اعمال کی جواب دہی کے لئے عدالتِ خداوندی میں حاضر ہونا اور اچھا یا بُرا پورا پورا بدلہ پانا ہے ۔

آنحضورؐ کو صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کیساتھ فیصلے کرنیکا تکراری حکم

● پچھلی آیات کریمات میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کیساتھ فیصلے کرنیوالے کافر ہیں ۴۴، ظالم ہیں ۴۵، فاسق ہیں ۴۷۔ اسی ضمن میں آنحضورؐ کو آیت بالا ۴۸ میں حکم دیا گیا ہے فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اے رسولؐ! آپ صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ یعنی اُس ضابطے کیساتھ فیصلے کیا کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۴۹ میں اِسی حکم کو تکرار تاکیدی کے طور پر باندازِ مخصوص دُہرایا گیا ہے:۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا

اور یہ کہ فیصلے کر درمیان اُن کیساتھ اُسکے جو اُتارا اللہ نے اور نہ

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ

پیروی کر خواہشوں اُنکی اور احتیاط کر اُن سے یہ کہ

يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ

وہ بہکا دیں آپکو سے بعض حصے اُسکے جو اُتارا اللہ نے طرف تیری

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ

پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لے یقیناً ارادہ کرتا ہے اللہ کہ

يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

پہنچائے انکو مصیبت بوجہ بعض گناہوں اُنکے حقیقت یہ ہے کہ اکثر بیچ

النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ ۴۹

لوگوں کے البتہ حدیں پھاندنے والے ہیں

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ

کیا پھر فیصلہ جاہلیت کا چاہتے ہیں وہ ۔ اور کون ہے بہتر

مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ۵۰

اللہ سے فیصلہ کرنے میں واسطے اُس قوم کے جو یقین کرتی ہے

ع ۱۱

اور (اے رسولؐ! دوبارہ تاکیداً حکم دیا جاتا ہے) کہ آپ ان کے درمیان مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (یعنی اُس ضابطے) کیساتھ فیصلے فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اُن کی خواہشوں کی اتباع نہ کرنا۔ اور ان سے محتاط رہنا، ایسا نہ ہو کہ وہ آپکو اُس (ضابطے) کے کسی حصے سے بہکا دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے۔ پھر اگر وہ (اس پر ایمان لانے کے بعد پھر جائیں) تو جان لیجئے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے بدلے ان پر (اپنا قانونی) عذاب لے آئے۔ اور بلاشبہ نوعِ انسانی کے اکثر لوگ (فرمانبردار نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والے ہیں۔

کیا (یہ غیر منزّل من اللہ کے ساتھ فیصلہ کرنے والے) زمانۂ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُس قوم کے لئے جو اللہ کے فیصلوں پر یقین رکھنے والی ہے، اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے دینے والا کون ہے؟ (کوئی بھی نہیں ہے)

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ایمان والوں کے نام حکم جاری کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بنائیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بناؤ یہودیوں
وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
اور نصاریٰ کو دوست بعض انکے ہیں دوست
بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ
بعض کے اور جو دوست بنائے انہیں تم میں سے تو بیشک وہ انہی میں سے
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۵۱
بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت یافتہ ٹھہراتا قوم ظالموں کو

اے وہ لوگو! (جو ہمارے نازل کردہ ضابطہ حیات پر) ایمان لائے ہو، یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنے دوست نہ بنانا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں (وہ تمہارے دوست نہیں ہوسکتے) اور تم میں سے جو کوئی انہیں (یہود کو یا نصاریٰ کو) دوست بنائے تو (وہ جان لے کہ) بیشک وہ انہی میں سے ہے، بیشک اللہ اُس قوم کو ہدایت یافتہ نہیں قرار دیتا، جو قوم کہ بے ٹھکانہ کام کرنیوالی ہے۔ (ربع)

● اگلی آیت مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کو دوست بنانا نفاق کی علامت بتائی گئی ہے۔ چنانچہ کھُل کر بیان کر دیا گیا ہے۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ
پھر تو دیکھتا ہے وہ جو اذہان جن کے بیماری ہے، جلدی کرتے ہیں
فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ
متعلق انکے کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ آجائے ہم پر گردش
فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ
پس قریب ہے اللہ کہ آئے ساتھ فتح کے یا حکم ہی سے
عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ
طرف اپنی پھر وہ ہو جائیں اوپر اسکے جو چھپایا نیچ اپنے
اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ ۵۲
آپ کے شرمسار

(اے رسولؐ!) پھر آپ اُن لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے ذہنوں میں منافقت کی بیماری ہے۔ کہ وہ اُن (یہود و نصاریٰ کی دوستی) میں جلدی کرتے ہیں۔ اور کہتے یہ ہیں کہ ہم اِس چیز سے ڈرتے ہیں کہ (اُن سے کٹ کر) ہم پر کوئی گردش (مصیبت) نہ آجائے۔ پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ (مومنوں کیلئے) فتح لے آئے یا اپنی طرف سے کوئی اور امر بھلائی کا لے آئے۔ پھر وہ ان باتوں کو جنہیں وہ اپنے ذہنوں میں چھپائے ہوئے ہیں (جب وہ عیاں ہو جائینگی) تو اپنے آپ میں شرمسار ہو جائیں گے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ
اور کہینگے وہ لوگ جو ایمان لائے، کیا یہی ہیں وہ لوگ جو
اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ
قسمیں کھاتے تھے ساتھ اللہ کے پکی قسمیں اپنی بیشک وہ ہیں ساتھ تمہارے
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ ۵۳
ضائع ہو گئے اعمال اُن کے پھر ہو گئے وہ گھاٹا پانیوالے

اور وہ لوگ جو (منافقوں کے مقابلے پر صحیح طور پر) ایمان لائے ہیں وہ کہیں گے کہ کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کی قسمیں کھاتے تھے۔ بڑی پکی قسمیں کہ بلاشبہ وہ (یہود و نصاریٰ کیساتھ نہیں بلکہ وہ) تمہارے ساتھ ہیں (اُن کی نافرمانیوں کی بدولت) برباد ہوگئے اُن کے اعمال، اور وہ خسارہ پانیوالے ہوگئے۔

● ان آیات کریمات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا ایمان کے صد فیصد منافی اور کھلی منافقت ہے۔ اور اُن کی دشمنی سے ڈر کر اُن سے دوستی کرنا ہرگز سُودمند نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فیصلہ دے دیا ہے کہ وُہ مومنوں کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے۔ بالفاظِ دیگر اگر مومن اُن سے دوستی پیدا بھی کر لیں تو یاد رکھیں کہ وُہ بھی مومنوں کی بھلائی نہیں چاہیں گے، بلکہ ان سے دوستی پیدا کرنیوالے اُلٹے خدا تعالیٰ کے نافرمان بھی ٹھہریں گے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کی اُس قوم کو برسرِ اقتدار لے آئے گا جو اُس سے محبت کرتی ہے اور وُہ اُس سے محبت کرتا ہے، یعنی یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا خدا تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کا ثبوت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جو پھر جائے تم میں

عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ

سے دین اپنے تو عنقریب آئیگا اللہ ساتھ قوم کے محبت کرتا ہے اُن

وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ

اور وہ کرتے ہیں اُس سے نرم اوپر مومنوں کے، غالب

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اوپر کافروں کے ۔ وہ جہاد کرتے ہیں بیچ راہ اللہ کے

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

اور نہیں ڈرتے ملامت سے ملامت کرنیوالے کی یہ فضل ہے اللہ کا

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

دیتا ہے اُسے جسے چاہے ۔ اور ہے اللہ فراخی والا

عَلِيْمٌ ○ ۵۴

جاننے والا

اے وُہ لوگو! جو (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات پر) ایمان لائے ہو، تم میں جو اپنے دین سے پھر جائے[1] (تو وُہ اپنا ہی نقصان کرے گا) اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے مقابلے کے لئے اُس قوم کو (صحابہؓ کو انکے مقابلے کیلئے میدان میں) لے آئیگا جس سے وُہ محبت کرتا ہے اور وُہ اس سے محبت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ۹/۱۰۰) جو مومنوں کے سامنے نرم ہیں اور کافروں کے مقابلے پر غالب (بہت سخت ہیں ۴۸/۲۹) وُہ اللہ کی راہ میں (جانوں اور مالوں کیساتھ) جہاد کرتے ہیں۔ ۹/۱۱۱۔ اور وُہ ملامت کرنیوالوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فضیلت ہے۔ وُہ جسے دیتا ہے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت عطا کرنے والا اور بہت بڑھ کر جاننے والا ہے۔ (قانونِ مشیت کے خلاف کچھ نہیں دیتا)

● [1] صحابہ رسول صلعم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو ایمان لانے کے بعد دین سے پھر گیا ہو۔ آیت بالا میں جو ارتداد کے مقابلے پر ایسی جماعت کو لانے کی خبر دی گئی ہے جو آپس میں یعنی مومنوں کے مقابلے

نرم اور کافروں کے مقابلے پر غالب ہو۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی جماعت ہے جس کی نشانی بتائی گئی ہے۔

یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کہ اللہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ نشان صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کا ہے جس کے لئے متبادل الفاظ ۹۸:۸ میں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ آتے ہیں۔ دوسرا نشان اس جماعت کا بتایا گیا ہے :۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ؛ یہ بھی صحابہؓ ہی کی نشانی ہے جس کے لئے متبادل الفاظ ۴۸:۲۹ میں آتے ہیں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کہ وہ کافروں کے مقابلے پر بڑے سخت ہیں اور مومنوں کے مقابلے پر یعنی آپس میں بڑے رحیم و کریم ہیں۔

● ۵:۵۴ یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم جو نئی لائی جانیوالی قوم کی صفات سے صد فیصد متصف تھے تو پھر کچھ لوگوں کے دین سے پھر جانیوالوں کے مقابلے پر کسی نئی قوم کے لانے کا کیا مطلب؟ اسکا جواب صاف ہے کہ اگر بفرضِ محال کوئی فرد یا جماعت دین سے پھر جائے تو خدا تعالیٰ اپنی محبّ و محبوب جماعت صحابہ کو اُن کے مقابلے پر لے آئیگا جو کافروں کے مقابلے پر بہت سخت ہے۔ دورِ صحابہ میں دین سے پھر جانیوالے اسلام اور اہلِ اسلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ صحابۂ رسولؐ میں سے تو کوئی بھی مرتد نہیں ہوا تھا، البتہ تاریخِ اسلام میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ آنحضورؐ کی وفاتِ مبارکہ کے بعد خلافتِ اوّل کے دور میں کچھ نو مسلم دیہاتی دین سے پھر گئے تھے۔ تو اس وقت اُن کے ضرر سے اسلام اور اہلِ اسلام کو محفوظ رکھنے والے صحابہ کرام ہی تھے جن کی تعریف يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ بھی بیان ہوئی ہے اور اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۴۸:۲۹ بھی بتائی گئی ہے۔ اُسے مرتدین کے مقابلے پر لانے کی خبر دی گئی ہے اور جب کچھ لوگ مرتد ہو گئے تو انہیں ان کے مقابلے پر لے آیا گیا۔ اور وہ غالب ہوئے۔

● پچھلی آیات کریمات میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر واضح کیا گیا ہے یہود و نصاریٰ کا تمہارے دوست ہونے کا تو تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا جو تمہارے ساتھ شامل ہی نہیں ہوئے، تمہارے تو وہ منافق بھی دوست نہیں جو تمہارے ساتھ شامل ہو چکے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ تمہارا دوست اللہ اور رسولؐ ہے اور تمہارے ساتھ شامل ہونیوالوں میں سے وہ لوگ تمہارے دوست ہیں جو ایمان لانے کے بعد قوانین الٰہی کے سامنے جھکے ہوئے ہوں، صلوٰۃ قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، تاکہ نظامِ ربوبیت قائم ہو جائے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ

بلاشبہ دوست تمہارا اللہ ہے اور رسول اس کا اور جو لوگ

اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

ایمان لائے وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں اجتماعی نظام اور دیتے ہیں

سوائے اس کے نہیں کہ (یہود و نصاریٰ اور منافقین تمہارے دوست نہیں) تمہارا دوست خود اللہ تعالیٰ ہے اور اُسکا رسولؐ ہے۔ اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائیں۔ اور اجتماعی نظام قائم کریں۔ اور

الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ ۵۵	(معاشرہ کے کمزوروں کی فربہی کے لئے) زکوٰۃ دیں۔
نشوونما اور وہ جھکنے والے ہیں ۔	اور وُہ قوانینِ الٰہی کے سامنے جھکے ہوئے ہوں۔

● یہ تو ہُوا آیت بالا ۵۵ کا صحیح مفہوم جو سیاق کلام کے عین مطابق ہے اور اگلی آیات مجیدہ میں بھی آپ دیکھیں گے کہ یہ مفہوم سیاقِ کلام کے بھی عین مطابق ہے۔ کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتوں میں بھی یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کر دیا گیا ہے، جو دینِ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ زمانہ شاہد ہے کہ یہ لوگ آج تک ایک ہی کوشش میں مصروف پائے گئے ہیں کہ اسلام کی بیخ کنی کر دی جائے۔ مگر اس صحیح مفہوم کے خلاف ایک مکتبِ فکر کے ہاں آیت مجیدہ ۵۵ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی کیوں کہ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سائل نے سوال کیا۔ آپ اُس وقت حالتِ رکوع میں تھے، آپ نے اُسی حالت میں اُنگلی سے انگوٹھی اتار کر سائل کے حوالے کر دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ بیشک تمہارا ولی اللہ اور اُس کا رسول ؐ ہے اور وُہ مومن تمہارے ولی ہیں جو صلوٰۃ قائم کرتے اور بحالتِ رکوع زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اسکی علمی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

● ۱ پہلے یہ کہ آیت مجیدہ میں اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ آیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ حقیقی ولی یعنی دوست صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ کا رسولؐ اور مومنین بشری دائرہ میں محدود رہ کر دوست ہیں ___ سب کو ایک سطح کے ولی قرار نہیں دیا گیا

● ۲ دوسرے نمبر پر یہ کہ آیت مجیدہ کے الفاظ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ میں سات جمع کے صیغے آئے ہیں۔ اگر اس آیت مجیدہ پر کوئی شانِ نزول چسپاں کیا بھی جائے تو وُہ ایک شخص کے متعلق نہیں ہو سکتا بلکہ ایک جماعت کے متعلق تسلیم کرنا پڑیگا۔ لیکن واضح رہے کہ علمی لحاظ سے اس آیت میں کسی واقعہ کی خبر نہیں دی گئی۔ بلکہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا کا معنی ہے اور جو لوگ ایمان لائیں۔ لفظ اٰمَنُوا صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے جس کا معنی ہے جو زمانہ ماضی میں ایمان لائے۔ لیکن یہاں چونکہ فعل ماضی 'اٰمَنُوا' پر اَلَّذِيْنَ اسم موصول داخل ہوا ہے، اس لئے یہ فعل مضارع ہو گیا ہے۔ اور اُس کے بعد جو آیا ہے دوسرا اَلَّذِيْنَ، اس کے بعد تمام افعال آئے ہی بصیغہ مضارع ہیں يُقِيْمُوْنَ اور يُؤْتُوْنَ، پس ثابت ہوا کہ یہاں نہ ماضی کے افعال ہی آئے ہیں اور نہ ماضی کا کوئی قصہ بیان ہوا ہے کہ اُسے عربی قواعد کی حدود و قیود کو پھاند کر کسی ایک شخصیت کے لئے شانِ نزول قرار دیدیا جائے۔ بلکہ بتایا یہ گیا ہے اللہ کے بعد اسکا رسولؐ اور مومن بھی تمہارے دوست ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے قانون پر پوری طرح جھکے ہوئے اجتماعی نظام قائم کرتے اور معاشرہ کے کمزوروں کی فربہی کے لئے زکوٰۃ دیتے ہیں۔

● المختصر آیت مجیدہ ۵۵ میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مومنوں کا حقیقی ولی دوست صرف اللہ تعالیٰ

ہے۔ اور اُسکے بعد اللہ کا رسولؐ اور باقی مومن جو اللہ کے قانون پر پوری طرح جھکے ہوئے نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کریں وہ اپنی حدود میں تمہارے دوست ہیں۔ اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے ایسے لوگ حزب اللہ ہیں:

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ
اور جو دوستی کریں اللہ اور اُسکے رسول اور اُن سے جو
اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
ایمان لائے پس بیشک گروہ اللہ کا وہی ہیں
الْغٰلِبُوْنَ ۝۵۶ ع
غالب آنیوالے

اور (حقیقت یہ ہے کہ) جو لوگ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسولؐ کیساتھ اور اُن لوگوں کیساتھ جو ایمان لائیں اور (اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کے ذریعہ) اللہ، اُسکے رسولؐ اور مومنوں کیساتھ دوستی کریں (وہ سب مل کر اللہ کا گروہ ہیں) پس بیشک اللہ کا گروہ ہی غالب ہونیوالے ہیں — نیز فرمایا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ پکڑو اُن کو جو
اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ
پکڑتے ہیں دین تمہارے کو مذاق اور کھیل میں سے اُن کے جو
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ
دیئے گئے کتاب سے پہلے تمہارے اور کفّار کو دوست
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۵۷
اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے

اے وہ لوگو! جو ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات پر ایمان لاتے ہو اُن لوگوں کو جو تمہارے دین کو مذاق اور کھیل ٹھہراتے ہیں دوست نہ بناؤ۔ اُن میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور کفّار کو بھی دوست نہ بناؤ۔ (وہ ہرگز تمہارے خیرخواہ نہیں) اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ (جو لوگ تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اُن سے دوستی کیسی)؟

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب اور کفّار کی ایک اور مذموم حرکت بالفاظِ ذیل بیان کی گئی ہے:-

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا
اور جب بلاتے ہو تم طرف صلوٰۃ کے پکڑتے ہیں وہ اسے
هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
مذاق اور کھیل - یہ اسلئے کہ بیشک وہ قوم ہیں جو نہیں
يَعْقِلُوْنَ ۝۵۸
عقل کرتے -

اور (ایمان والو!) جب تم ایکدوسرے کو صلوٰۃ کیلئے بلاتے ہو تو وہ (اہلِ کتاب اور کفّار) اُسکا مذاق اڑاتے اور اُسے کھیل محض قرار دیتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام جو معاشرہ کو متوازن کرتا ہے کیا یہ کھیل مذاق کے قابل ہوسکتا ہے)؟ — نیز فرمایا:-

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ
کہ اے اہل کتاب کیا تم بدلہ لیتے ہو ہم سے

اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ
مگر یہ کہ ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور جو نازل ہوا طرف ہماری اور جو نازل ہوا اس سے

قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۵۹
پہلے ۔ اور بیشک اکثریت تمہاری نافرمان لوگوں کی ہے

اور (اے رسولؐ!) کہدیجیئگا کہ اے اہل کتاب کیا تم ہم سے اس چیز کا انتقام لیتے ہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ کیساتھ۔ اور اس (لاریب کتاب) کیساتھ جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور اُن (مقدس کتابوں) کیساتھ جو اس سے پہلے (اللہ کی طرف سے) نازل ہو چکی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم میں اکثریت نافرمانی کرنیوالوں کی ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہل کتاب کے سرکش گروہوں میں سے ایک اور شدید سرکش و نافرمان جماعت کی خبر دیگئی ہے۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً
کہدے کیا میں خبر دوں تم کو بدتر سے اسکے بلحاظ سزا کے

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَیْهِ
نزدیک اللہ کے۔ جو لعنت کی اللہ نے اور ناراض ہوا اوپر اُسکے

وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِیْرَ وَ عَبَدَ
اور ٹھہرایا میں سے اُنکے بندر اور سوٴر اور اطاعت کی

الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ
سرکش پیشوا کی۔ وہ ہیں بدتر از روئے مکان کے اور گمراہ ہوئے

عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ۝۶۰
سے راہ سیدھی کے

کہدیجیئگا کیا میں تمہیں بتاؤں جو اللہ کے نزدیک (اپنی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت) سزا پانے کے لحاظ سے اس سے بدتر ہے۔ (وہ احکامِ الٰہی کی نافرمان تمہاری آبائی قوم تھی) جس پر اللہ ناراض ہوا اور اس پر غضبناک ہوا۔ اور اُن میں سے بعض پر (اُنکی نافرمانی کی بدولت غلامی مسلط ہوگئی)۔ اُنہیں اللہ نے بندروں اور سوٴروں (کی طرح فاتح قوم کے اشاروں پر ناچتے ہوئے) پایا۔ کیونکہ اُنہوں نے اللہ کو چھوڑکر سرکش حکام کی فرمانبرداری کی۔ وہ مرتبے کے لحاظ سے بہت برے اور سیدھی راہ سے زیادہ بھٹکے ہوئے تھے۔

کیا اللہ کے نافرمان یہودی سچ مچ بندر اور سوٴر بن گئے تھے؟

● ۲ جَعَلَ کا معنی بنایا کی بجائے پایا لکھا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ضابطہ کے نافرمان یہودیوں کو سچ مچ بندر اور سوٴر نہیں بنا دیا تھا بلکہ اُنہیں بندروں کی طرح قلندروں کے اشاروں پر ناچنے والے اور سوٴروں کی طرح بے غیرت پایا تھا کہ وہ بیٹیوں کی ناموس تک کو اربابِ اقتدار کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔ بندہ اور بندر اگرچہ قریب الخلقت ہیں، مگر بندے سے بندر بن جانا قانونِ خداوندی سے خارج ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کریم دیومالائی کہانیاں ہرگز نہیں سناتا، بلکہ قوموں کے عروج و زوال سے بحث کرتا ہے۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ قوم بنی اسرائیل زوال کی اس انتہاء گہرائی میں پہنچ چکی تھی کہ شدہاں

کی طرح حکام کے اشاروں پہ ناچتی اور سؤروں کی طرح بے غیرت ہو گئی تھی۔

دو ضمنی سوالوں کے جوابات

● اس مفہوم پہ دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں پہلا یہ کہ آیت بالا میں اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ آیا ہے كَالْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ تو نہیں آیا کہ اسکا معنی بندروں اور سؤروں کی مثل لیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ جَعَلَ کا معنی بنایا کس دلیل سے لیا گیا ہے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان سمیت ہر زبان میں اظہارِ تشبیہ کیلئے حرفِ تشبیہ لایا بھی جاتا ہے اور نہیں بھی لایا جاتا۔ مثلاً ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ زید شیر جیسا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ زید شیر ہے۔ اسی طرح عربی میں یہ بھی کہا جاتا ہے اَلزَّيْدُ كَالْاَسَدِ اور یہ بھی کہا جاتا ہے اَلزَّيْدُ اَسَدٌ۔ آخری جملے میں کاف حرفِ تشبیہ محذوف و مقدر ہے۔ اس میں زید کو شیر جیسا ہی کہا گیا ہے۔ سچ مچ کا شیر نہیں کہا گیا۔ اسی طرح آیت زیرِ نظر میں اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ کا حرف کاف تشبیہ محذوف ہے اور عربی قاعدہ کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل بندروں کی طرح ذلیل اور سؤروں کی طرح بے غیرت ہو گئی تھی۔

● اب آیئے دوسرے ضمنی سوال کی طرف کہ جَعَلَ کا معنی بنایا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جواباً عرض ہے کہ عربی ادب میں جَعَلَ کا معنی بنایا خود قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ [۱۶/۸۱] یہاں اگر جَعَلَ کا معنی بنایا لیا جائے تو یہ معنی بنتا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے کُرتے بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور زرہیں بنائی ہیں جو تمہیں جنگ میں دشمن کے وار سے بچاتی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ کُرتے اور زرہیں تو ہم خود بناتے ہیں، اللہ بنا کر نازل نہیں کرتا۔ اسلئے یہاں مفہوم صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس ایسے کُرتے پائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کُرتے پائے ہیں (زرہیں) جو تمہیں جنگ میں تلوار سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اپنے ضابطہ کے نافرمان یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے بندر اور سؤر نہیں بنایا تھا بلکہ انہیں بندروں اور سؤروں کی طرح ذلیل اور بے غیرت ہوتے ہوئے پایا تھا۔ یہ ذلت یہودیوں کے اپنے کردار کا نتیجہ تھی۔

● پچھلے صفحہ پر آیت زیرِ نظر کے متن میں وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ کی واؤ جلی لکھی گئی ہے۔ اور اسکا معنی لکھا گیا ہے کیونکہ واؤ بمعنی کیونکہ [۲/۱۰۸] میں آیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۳۱ صفحہ نمبر ۸۴۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے یہودیوں کی منافقت کو صحابہ رضی اللہ عنہم پہ بالفاظِ ذیل واضح کر دیا گیا ہے:-

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا
اور جب آتے ہیں تمہارے پاس کہا ایمان لائے ہم اور بیشک داخل ہوئے
بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
ساتھ کفر کے اور وہ بیشک خارج ہوئے ساتھ اسی کے اور اللہ جانتا ہے

اور (ایمان والو!) جب وہ (یہودی) تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اس رسول اور اس کتاب پر) حقیقت یہ ہے کہ بیشک وہ داخل ہوتے ہیں تمہارے پاس کفر ہی کیساتھ۔ اور بیشک تمہارے پاس سے چلے جاتے ہیں

بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ ۶۱
ساتھ اسکے جو تھے وہ چھپاتے

اُسی کفر کیا تھو۔ (وہ کفر کو چھپاتے ہیں) حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپایا کرتے تھے۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ
اور دیکھتا ہے تو بہت ان میں سے جلدی کرتے ہیں بیچ گناہ کے

وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا
اور سرکشی کے ۔ اور کھانے میں حرام مال کے البتہ بُرا ہے جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۶۲
تھے وہ عمل کرتے

اور (اے رسول!) آپ اُنکی اکثریت کو دیکھتے ہیں کہ وہ گناہ (کے کاموں) اور (اللہ کی) نافرمانیوں اور حرام مال کھانے میں جلدی کرتے ہیں۔ (کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے) بلاشبہ بہت بُرا ہے جو وہ عمل کر رہے تھے۔

● لفظ سُحت کا مادہ س۔ ح۔ ت ہے۔ جس کا مطلق معنی حرام کمائی کرنا ہے۔ اس میں چوری، رشوت، ملاوٹ اور ناجائز نفع اندوزی وغیرہ سب شامل ہیں۔ اگلی آیت میں یہود کے علماء و مشائخ کی خبر دی گئی ہے کہ وہ اُنہیں برائیوں سے منع نہیں کرتے ہے۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ
کیوں نہیں منع کرتے انہیں رب والے اور علماء سے

قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ
بات اُنکی گناہ کی، اور کھانے مال حرام سے ۔ البتہ بُرا ہے

مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ۶۳
جو وہ بناوٹ بناتے ہیں

ان یہودیوں کو ان کے مشائخ (جو رب والے بنے بیٹھے ہیں) اور (انکے) علماء اُنہیں کیوں منع نہیں کرتے اُنکی گناہ کی باتوں سے اور حرام مال کھانے سے۔ بلاشبہ بہت بُرا ہے جو وہ لوگ (ان چیزوں کے جواز کیلئے) بناوٹ بناتے ہیں (یعنی کتاب خداوندی کے مسائل کو اُنکی خواہشوں کے مطابق موڑ لیتے ہیں)

علماء و مشائخ کی بناوٹ

● آیت بالا میں جو خبر دی گئی ہے کہ یہود کے علماء و مشائخ اُنہیں بُرے عملوں اور حرام مال کھانے سے منع نہیں کرتے۔ اور ساتھ ہی اُنکی تصنع اور بناوٹ کا اظہار فرمایا ہے اس پر اگر بادنیٰ تامل غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مقتدیوں اور مریدوں سے نذریں نیازیں وصول کر کے اُنکے بُرے اعمال کا جواز اُن کتابوں سے پیش کرتے تھے جو اُنہوں نے محرّف توراۃ کی شکل میں لکھ لی تھیں۔ اصل توراۃ میں ایسی کوئی سند موجود نہیں تھی۔ سلسلہ درس کی آیت مجیدہ میں یہودیوں کا ایک عجیب و غریب قول درج ہے ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ
اور کہا یہودیوں نے ہاتھ اللہ کا بندھا ہے بندھے ہیں

اور یہودیوں کا کہنا ہے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ اُنکے اپنے ہاتھ بندھے

أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ
ہاتھ اُنکے اور لعنت کئے گئے بسبب اُسکے جو کہا - بلکہ دونوں ہاتھ اُسکے
مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ
کھلے ہیں دونوں - وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور البتہ زیادہ کرتا ہے
كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ
بہتوں کو بیچ سے اُنکے وہ جو نازل ہوا طرف تیری سے رب تیرے کے
طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ
طغیان اور انکار میں - اور ڈالدی ہمنے درمیان اُنکے عداوت اور
الْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا
بغض تک دن قیامت کے - جب وہ دہکاتے ہیں
نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ
آگ واسطے لڑائی کے بجھا دیتا اُسے اللہ - اور کوشش کرتے ہیں
فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
بیچ زمین کے فساد پھیلانا - حالانکہ اللہ نہیں پسند کرتا
الْمُفْسِدِينَ ۝ ٦٤
فساد کرنے والوں کو

ہوئے ہیں۔ اور اُنہوں نے جو لیا کہا ہے، اُسکی بدولت وہ لعنت کئے گئے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اور وہ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتا ہے۔ اور (اے رسولؐ!) حقیقت یہ ہے کہ جو (ضابطۂ ربوبیت) آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل ہوا وہ (اُنکے خبثِ باطن کی بدولت) اُنہیں سرکشی اور انکار میں زیادہ کردیگا۔ اور (اسی کی بدولت) اللہ نے اُنکا آپس کا بغض وعناد قیامت کیلئے (یعنی ہمیشہ کیلئے) عیاں کردیا ہے۔ جس وقت بھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُسے (۲۲/۴ کے مطابق دُوسری اقوام کے ذریعہ) بجھا دیتا ہے۔ (یہودیوں کا حال یہ ہے کہ) وہ زمین میں فساد ہی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں (اُنکا شغل ہی یہی ہے) مگر اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ کے دو ہاتھ

● یہودیوں میں جو لوگ غلط معاشرہ کی غلط بخشیوں کی بدولت غریب ہوئے وہ کہتے کہ اللہ ہمیں اسلئے نہیں دیتا کہ اُسکا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ اِسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہاتھ اُنکے اپنے بندھے ہوئے ہیں۔ یعنی ایسا معاشی نظام قائم کر رکھا ہے کہ کسی کو ضروریاتِ زندگی کشادہ میسر آتی ہیں اور کسی کو تنگی کیساتھ۔ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ تو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دونوں ہاتھوں کیساتھ خرچ کر رہا ہے وہ ضروریاتِ زندگی بدستور مہیا کر رہا ہے۔ متوازن اور مساوی تقسیم ریاست کے مرکزی نظام کی ذمہ داری ہے۔ غربت اور امارت اُسکی پیدا کردہ ہے اللہ کی نہیں۔ جیسے کہ سورہ قصص کی آیت نمبر ۲۸/۴ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے اپنے عوام کو دو طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک طبقے کو اللہ نے نہیں بلکہ فرعون نے کمزور کر دیا تھا۔

● اس سلسلے کا اہم اور لازمی سوال یہ ہے کہ اللہ کے دو ہاتھ کونسے ہیں جو ہر آن کھلے ہوئے ہیں اور وہ اُنکے ساتھ مسلسل خرچ کر رہا ہے یعنی وہ عطاءِ رزق میں مسلسل مصروف ہے؟ اِسکے لئے قرآنِ کریم کی اوّلین آیت مجیدہ کی طرف

رجوع فرمائیں:- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ ۲-۱ سب تعریفیں اچھی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں جو بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ پورے عالمین کی ربوبیت کرنیوالا ہے۔ جو رحمان اور رحیم ہے۔ یعنی وہ عالمین کو سامانِ ربوبیت اپنی دو صفتوں رحمان اور رحیم کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ واضح رہے کہ رحمان اور رحیم دونوں الفاظ مادہ ر۔ح۔م۔ رحم سے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ جو نعمتیں ہمیں بلا محنت مل رہی ہیں مثلاً ہوا، روشنی، تمازت، برودت، اناج اور پھل پیدا کرنیوالی وہ مخفی طاقتیں جو کائنات میں مہیا کر دیگئی ہیں، سب کی سب اللہ کی صفت رحمان کے ماتحت میسر ہیں جن کے حصول کیلئے ہمیں نہ کوئی محنت کرنی پڑتی ہے، نہ انہیں کوئی وقت خرچ کر کے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی ان پر روپیہ پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اور اسکے برعکس جو نعمتیں اپنی محنت کے بغیر میسر نہیں آتیں، جیسے کہ بارش کے پانی، سورج کی کیمیائی کرنوں، سورج کی دھوپ اور تمازت، رات کی نمی ٹھنڈک، چاند ستاروں، زمینی اور فضائی سینکڑوں طاقتوں کے صفت میسر آنیوالے اثرات اسی کھیت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اسی کھیت کا دامن لہلہاتی فصلوں سے بھر دیتے ہیں جس میں انسانی محنت نے مٹی میں بروقت ہل چلا کر بیج اور کھاد ڈالدیا ہو۔ اور دوسری طرف قسم قسم کے میوہ دار درخت خود لگا رکھے اور انہیں بیماریوں سے بچانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اسکے برعکس اس کھیت میں کبھی فصل نہیں اگتی جس میں انسانی محنت شامل نہ ہوئی ہو۔

● یہی حال ہماری مصنوعات کا ہے کہ لکڑی، لوہا، تانبہ، سیسہ وغیرہ خام مال ہمیں اللہ تعالیٰ کے دستِ رحمانیت سے ملتا ہے اور ان کی مصنوعات جن میں ہماری محنت شامل ہوتی ہے، وہ اسکے دستِ رحیمیت سے میسر آتی ہیں۔ لوہے سے ہمیں سوئی سے لیکر ہوائی جہاز تک میسر ہے۔ لکڑی سے ایندھن سے لیکر میز، کرسیاں، پلنگ دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ۔ اور اسی طرح تانبہ سیسہ جست پلاٹینم وغیرہ سینکڑوں معدنیات جو اللہ تعالیٰ کے رحیمیت کے ہاتھ سے میسر ہیں انکی مصنوعات، ہماری اپنی محنت کیساتھ خدا تعالیٰ کے دستِ رحیمیت سے مل رہی ہیں۔

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ رحمانیت و رحیمیت کے دو ہاتھ جو ہر آن کھلے ہوئے ہیں

● آیت مجیدہ زیرِ نظر ۶۴ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ سے مراد یہ ہے کہ:-
ہاتھ انکے بندھے ہوئے ہیں جو نعماءِ خداوندی کو پوری نوعِ انسانی تک پہنچنے نہیں دیتے۔ بامحنت اور بلا محنت نعمتوں کی تقسیم میں اللہ کے قانونِ ربوبیت کو بھلا کر، ناہموار تقسیم رزق کے قوانین بنا کر انسانی اکثریت کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کر رکھا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں یہودیوں کیساتھ نصاریٰ کو بھی شامل کر کے دونوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ ||| اور اگر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) ہمارے ضابطے

اور اگر یہ کہ اہلِ کتاب ایمان لاتے اور بچتے تو ضرور دور کرتے ہم

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ ٦٥

بدحالیاں اُنکی اور داخل کرتے اُنہیں باغوں نعمتوں میں

پر ایمان لاتے اور اُسکی مخالفت سے بچتے تو ہم اُنکی بدحالیاں دُور کر دیتے۔ اور اُنہیں نعمتوں والے باغات (متوازن معاشرہ) میں داخل کرتے (جس میں سب کیلئے مساوی نعمتیں ہیں)۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ تورات و انجیل میں قرآنِ کریم والا ہی متوازن قانون نازل فرمایا گیا تھا:-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ

اور اگر بلاشبہ قائم کرتے توراۃ اور انجیل کو اور جو

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ

نازل ہوا طرف اُنکی طرف سے رب اُنکے البتہ کھاتے اوپر اپنے سے اور

مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ

نیچے سے قدموں اپنے کے - اُن میں سے ایک گروہ میانہ رو ہے اور کثرت سے

مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ○ ٦٦ ع ۱۰ / ۱۴

اُن میں جو بُرے کام کرتے ہیں

اور اگر (یہود و نصاریٰ) قائم کرتے احکام تورات کے اور انجیل کے، اور جو اُنکی طرف اُنکے رب کی طرف سے تورات و انجیل کے بعد) نازل ہُوا تو وہ اپنے اوپر سے (پھلدار درختوں کے میوے) بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے (زمین کے پیدا کردہ اناج بھی) کھاتے۔ اُن میں ایک گروہ میانہ رَو بھی موجود ہے۔ لیکن اُنکے اکثر لوگ بُرے عمل بجالاتے ہیں۔

مساوی تقسیم رزق پہلا نمبر ہے اپنے اوپر اور نیچے سے رزق حاصل کرنا

● علہ مساوی تقسیم رزق کا نمبر رزق حاصل کرنے کے بعد آتا ہے۔ جو قومیں حصولِ رزق کے ضمن میں قوانینِ خداوندی کے مطابق جدّ و جہد نہیں کرتیں، یعنی نہ پھلدار درختوں کی کاشت کی طرف توجہ دیتی ہیں اور نہ زمین سے زیادہ سے زیادہ فی ایکڑ پیداوار حاصل کرتی ہیں وہ اپنے اوپر کی طرف سے آنیوالے رزق سے بھی محروم رہتی ہیں اور نیچے کی طرف سے حاصل ہونیوالے رزق کو بھی حسبِ ضرورت نہیں پا سکتیں، بلکہ دوسری قوموں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے یا قیمتی زرِ مبادلہ ادا کر کے رزق حاصل کرنے کیلئے مجبورِ محض بنی رہتی ہیں۔ توراۃ و انجیل اور قرآنِ کریم، ہر کتابِ خداوندی میں، زیادہ سے زیادہ رزق حاصل کرنے کی جدّ و جہد پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

● پیچھے صفحہ ۸۲ پر بتایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھوں، دستِ رحمانیت اور دستِ رحیمیت کیساتھ سامانِ ربوبیت لُٹا رہا ہے۔ جو قومیں توراۃ و انجیل اور قرآنِ حکیم کے واحد قانونِ حصولِ رزق پر عمل کرتی ہیں وہ آج بھی اپنے اُوپر سے میووں کا وافر رزق حاصل کر رہی ہیں اور اپنے پیروں کے نیچے سے اجناس کے بے پناہ ذخائر سے بہرہ یاب ہو رہی ہیں۔ حصولِ رزق کا قانون نزولِ توراۃ و انجیل کے وقت بھی یہی تھا، نزولِ قرآن کے وقت بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اُوپر اور نیچے سے حصولِ رزق اُن اقوام و افراد کا مقدّر ہے جو اس گوشہ

سے متعلقہ اُن قوانینِ خداوندی پہ صد فیصد عمل کریں جو کائنات میں شبانہ روز جاری و ساری ہیں۔

● اُوپر اور نیچے سے حصولِ نعماءِ خداوندی میں فضائی برکات اور زمینی اثرات بھی شامل ہیں، اِنکے حصول کا بھی وُہی قانونِ جاریہ مقرر ہے کہ جو قومیں اِنکے حصول کے مستور خداوندی قوانین پہ سے پردے ہٹانے کی انتھک کوشش کرتی ہیں، وُہی انہیں حاصل کر سکتی ہیں، اِسکے برعکس جو قومیں تقدیر و مقدر کے غیر قرآنی نظریہ کو نگاہوں میں رکھ کر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہیں اُنہیں اِن نعماء سے کچھ نہیں ملتا۔ بلکہ اس ضمن میں بھی وہ کوشش کرنے والی اقوام کی محتاج ہوتی ہیں۔ نیز واضح رہے کہ اس کوشش کے سلسلے میں خداوندی قانونِ جاریہ نے کافر و مومن کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ اگر صحیح جدّ و جہد کرنیوالی قوم کافر بھی ہو تو اُسے صحیح کوشش کا ثمر ضرور عطا کیا جاتا ہے اور اِسکے برعکس مذکورہ سعی و کوشش سے دُور رہنے والی قوم اگر مومن بھی کہلاتی ہو تو محروم محض کر دی جاتی ہے۔

● قرآنِ کریم کی رُو سے اس گوشے کا مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے قوانینِ تنزیلی اور تکوینی دونوں پر صد فیصد ایمان لانے کیساتھ ساتھ اُن پہ شبانہ روز عمل بھی کرتا ہو۔ ایمان کی شرط ہے کہ میوے درختوں سے اور فصلیں زمین ہی سے میسّر آتی ہیں اور اِنکے حصول کیلئے قوانینِ جاریہ کے مطابق انسان کو خود محنت کرنا ہوتی ہے۔

رجوع الی المطلب

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۶۷ کا تعلق یہود و نصاریٰ کے اِسی عمل کیساتھ ہے کہ انہوں نے توراۃ و انجیل کی تحریف تو کر رکھی تھی۔ مگر جب انہیں بذریعہ قرآنِ حکیم دوبارہ ہدایت پانے کا موقعہ میسّر آیا تو اِسکی بھی مخالفت شروع کر دی۔ لیکن اُنکی شدید مخالفت کے باوجود آنحضورﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپؐ کی طرف جو ضابطۂ حیات آپکے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اُسے یہود و نصاریٰ سمیت بلا کم و کاست سب لوگوں کو پہنچا دیجئیے گا۔

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ
اے رسُولؐ! پہنچا دے جو نازل ہُوا طرف تیری سے
رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ
ربّ تیرے۔ اور اگر نہ کیا تُو نے یہ تو نہ پہنچایا تو نے پیغام اُسکا
وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
اور اللہ بچانیوالا تجھے سے لوگوں کے، بیشک اللہ نہیں رہنمائی کرتا
الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝٦٧
قوم انکار کرنیوالوں کی

اے رسُولؐ! (جو ضابطۂ حیات) آپکی طرف آپکے ربّ کی طرف سے نازل کر دیا گیا ہے۔ اُسے (بلا خوف و خطر) لوگوں تک پہنچا دیجئیے۔ اگر آپنے اِسے لوگوں تک نہ پہنچایا تو (جان لیجئیے کہ) آپنے فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا۔ اور (آپکو دشمن ضرر نہیں پہنچا سکیں گے) اللہ تعالیٰ آپکو لوگوں سے محفوظ رکھیگا بیشک جو لوگ حقائق کا انکار کرنیوالے ہیں اللہ تعالیٰ (اُنکے انکار کی بدولت) اُنکی رہنمائی نہیں کرتا۔ (وہ اِنکار کر کے خود محروم ہدایت ہو جاتے ہیں)۔

● یہود و نصاریٰ کی شدید مخالفت کی بدولت اگر اِن لوگوں کیلئے سلسلۂ تبلیغ بند کر دیا جاتا تو اُن میانہ رو اہلِ کتاب کا

حق تبلیغ فائع ہو جاتا ۔ جن کی اہلِ کتاب میں موجودگی کی خبر پیچھے آیت نمبر ۶۶ میں دیگئی ہے ۔ اسلئے ارشاد ہوا کہ جو لوگ حقائق کو مانتے ہی نہیں وہ تو یقیناً محروم ہدایت رہینگے ۔ مگر آپ تبلیغ جاری رکھیں تاکہ جو میانہ رو جماعت ہے ۔ مِنۡهُمۡ اُمَّةٌ مُّقۡتَصِدَةٌ ؕ وہ محروم ہدایت نہ رہ جائے ۔

● اس آیت مجیدہ کے متعلق ایک تصور یہ ہے کہ یہ آنحضورؐ کے بعد آپکی خلافت کے فیصلہ کیلئے نازل ہوئی تھی ۔ لیکن حقیقت نیمروز یہ ہے کہ نہ اس میں خلافت کا ذکر ہے اور نہ ہی کسی صحابیؓ کا نام موجود ہے کہ آپ اُسکے حق میں اعلانِ وصایت فرمادیں ۔ نیز واللہ یعصمک من الناس کے الفاظ سے یہ تصور پیدا کرنا بھی الفاظِ منزلہ کے خلاف ہے کہ آنحضورؐ کو خلافت کے متعلق اعلان کرنے میں اُن صحابہؓ کرام سے خطرہ تھا جو آپکے بعد منصبِ خلافت پر نظریں جمائے ہوئے تھے ۔ ایسا تصور صحابہؓ رسولؐ سے متعلقہ قرآنی اعلان کے صد فیصد خلاف ہے جس میں خود خدا تعالیٰ نے جملہ اصحابِ رسولؐ مہاجرین و انصار کو جنتی بھی قرار دیا ہے اور اُنہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا سرٹیفکیٹ بھی عطا فرمارکھا ہے ۔

● وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ

○ ۹/۱۰۰ اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت اور اولیت کرنیوالے بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے اُنکی حسن کارانہ اتباع کی (بعد میں ہجرت اور نصرت کی) اللہ اُن سب پر راضی ہو گیا اور وہ سب کے سب اللہ پر راضی ہو گئے ۔ اور اُنکے لیئے اللہ نے ایسے باغات تیار کر دیئے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں ۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے ۔

● اس فیصلہ کن آیت مجیدہ کے مطابق آنحضورؐ کی نیابت و خلافت کے متعلق صحابہؓ کرام کو مطعون کرنا اس آیت مجیدہ کے انکار کے مصداق ہے ، کیونکہ اگر آیت بالا کو کسی ایسے صحابیؓ کے حق میں اعلانِ وصایت سے متعلق مانا جائے جسے آنحضورؐ کی وفات کے عین بعد مسندِ خلافت میسر نہیں آئی تو پرائے حق کو غصب کرنیوالے جنتی نہیں ہو سکتے ۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اُنکے جنتی ہونے کا اعلان کر رکھا ہے ۹/۱۰۰ ، اسلئے ثابت ہوا کہ اس آیت مجیدہ کو خلافت سے متعلق قرار دینا قرآنی مفہوم میں اختلافات پیدا کرنے کا مرتکب ہونا ہے ۔ آیت نمبر ۵/۶۷ یہود و نصاریٰ کے حقائق سے انکار اور آنحضورؐ کی مخالفت کی خبر دیتی ہے ۔ نیز آنحضورؐ کو انکی مخالفت کے شر سے محفوظ رکھنے کی خبر دیگئی ہے نہ کہ صحابہؓ کے شر سے جن کی تعریف کیساتھ قرآن کریم بھرا پڑا ہے ۔

● آیت زیرِبحث ۵/۶۷ کی حقیقت اِسکے اپنے سیاق و سباق سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے ۔ کہ اس آیت سے ۵۳ آیتیں ماقبل آیت نمبر ۱۴ سے یہود و نصاریٰ کا ذکر شروع ہوا ہے جو اس آیت سے اٹھارہ آیات بعد آیت نمبر ۸۵ تک چلا گیا ہے ۔ یعنی اُنکا ذکر باستثنائے جملہ معترضہ ۷۲ آیتوں میں پھیلا ہوا ہے ۔ پس سیاق و سباقِ کلام کی شہادت کے مطابق اِس

عظیم مسلسل مضمون کا مسئلہ خلافت سے کیا تعلق ہے؟ ثبوت کیلئے سلسلہ درس کی اگلی اٹھارہ آیتوں میں یہود و نصاریٰ کا ذکر موجود ہے:-

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى
کہہ اے اہل کتاب نہیں ہو تم اوپر کسی چیز کے یہانتک

تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ
کہ تم قائم کرو توراۃ اور انجیل کو - اور جو نازل کیا گیا

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
طرف تمہاری سے رب تمہارے کے - اور ضرور زیادہ کریگا بہتوں کو ان میں سے

مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ
جو نازل ہوا طرف تیری طرف سے رب تیرے کے ، سرکشی اور کفر میں

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ٦٨
پس تو انکار کرنیوالی قوم پر افسوس نہ کر

(اے رسولؐ!) کہدیجیئے، اے اہل کتاب تم دونوں اسوقت تک ہدایت پر نہیں ہو سکتے جبتک کہ تم الگ الگ توراۃ و انجیل کے احکام پر قائم نہ ہو جاؤ- یعنی اُس اصل توراۃ و انجیل[1] کے احکام پر جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی تھی- اور (اے رسولؐ!) جو کچھ آپ پر آپکے رب نے نازل فرمایا ہے، وہ اُن (یہود و نصاریٰ) کی اکثریت کو سرکشی اور نافرمانی میں زیادہ کر دیگا- پس آپ انکار کرنے والی قوم پر افسوس نہ کریں- (وہ اپنی ضد اور تعصب کی بدولت خود ہی محروم ہدایت ہو چکے ہیں)-

● ؎۱ یہاں اصل توراۃ و انجیل پر ایمان لانے اور اُنکے احکام پر عمل کرنے کی تاکید کیگئی ہے- واضح رہے کہ اصل توراۃ و انجیل پر ایمان لانے سے آنحضورؐ پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے- جیسے کہ قرآن کریم کہتا ہے توراۃ و انجیل میں آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خبر مذکور ہے- اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ٧/١٥ جو لوگ ہمارے رسولؐ نبیؐ کی اتباع کرتے ہیں، وہ اپنے ہاں اُسے توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں- آپکی اور آپکے صحابہؓ کی خبر ٩/١١١ اور ۴۸/٢٩ میں بھی درج ہے، مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ، اُنکا ذکر توراۃ میں بھی درج ہے اور انجیل میں بھی-

● ان آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل توراۃ و انجیل پر قائم ہونے سے آنحضورؐ پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے- اسی لیئے کہا گیا ہے کہ اے یہود و نصاریٰ اصل توراۃ و انجیل کے احکام پر قائم ہوئے بغیر تم ہرگز ہدایت نہیں پا سکتے- اس طرح یہود و نصاریٰ کی سرکشیوں کے بیان کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں نجات کا عام قانون بیان کیا گیا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ
بیشک جو لوگ ایمان لائیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی ہوئے

وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ

بیشک وہ لوگ جو (منافقانہ طور پر) ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے- اور جو صابی ہوئے اور جو نصاریٰ کہلائے ان میں سے جو بھی صحیح طور پر اللہ اور آخرت کے دن (یعنی

اور نصرانی ہوئے، جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور عمل کیا
صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝۶۹
اچھا پس نہیں خوف اوپر اُنکے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

جزا سزا کے دن) پر ایمان لائیں اور پھر اصلاح کے کام کریں اُن پر نہ آخرت کی رسوائی کا خوف ہوگا اور نہ وہ اپنے کئے ہوئے اعمال پر غمگین ہونگے۔

ایمان کی پانچ شرطیں

● $\frac{5}{69}$ وہ آیت مجیدہ ہے کہ ترجمان القرآن ابو الکلام مرحوم کے صفحہ ۷۲۳ پر اسکا یہ مفہوم لیا گیا ہے کہ عالمگیر صداقتیں جملہ مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں۔ مسلمان ہوں یا یہودی صابی ہوں یا نصرانی، ہندو ہوں یا زرتشتی، جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا خواہ وہ نبیوں، کتابوں اور ملائکہ کا منکر ہی ہو۔ لیکن یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب میں ایمان کی پانچ شرطیں بیان کر کے اعلان کیا گیا ہے کہ اعمال صالح کیساتھ جو ایمان کی شرط لگائی گئی ہے، اُس میں اللہ تعالیٰ کو اپنے اپنے انداز پر ماننے سے ایمان کے قرآنی تقاضے پورے نہیں ہوتے کہ نصاریٰ خدا تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا مانیں تو بھی ٹھیک ہے، یہودی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیں اور ہندو رام، کرشن اور برہما کو ایشور پرماتما کا اوتار مانیں تو بھی صحیح ہے۔ العیاذ باللہ!

● اسی طرح آخرت کے ماننے کا الگ الگ یہ انداز ہے کہ نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کردہ صلیب کو، یہودیوں نے اپنے آپکو خدا کے بیٹے اور محبوب قرار دینے کو اور ہندوؤں نے اپنے مُردوں کی ہڈیوں کو گنگا سپرد کو دینے کو قیامت کا حل قرار دے رکھا ہے۔ ایسا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کو حکم ہوا ہے:۔

● فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ $\frac{2}{137}$ پھر اگر وہ اُس طرح ایمان لائیں، جس طرح (اے صحابہؓ!) تم ایمان لائے ہو تو ضرور ہدایت پائیں۔ پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو بلا شبہ وہ ضد اور تعصب میں ہیں۔

● اب رہا یہ سوال کہ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایمانی شقیں صرف دو تھیں، ایمان باللہ (۱) اور ایمان بالقیامت (۲)؟ تو اس کے لیئے آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں، جس میں آنحضورؐ اور صحابہ کرام کے ایمان کی وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے:۔

● آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ $\frac{2}{285}$ مکف
ایمان لایا رسولؐ اُس پر جو اُسکی طرف نازل ہوا اور اُسکے صحابہ مومن بھی۔ سب کے سب اللہ پر، اُسکے ملائکہ پر، اُسکی تمام کتابوں پر، اُسکے تمام رسولوں پر ایمان لائے۔ یہاں ایمان بالآخرت محذوف ہے۔ اور آیت ذیل میں ایمان کی پانچوں شقیں یکجا بیان کر دیگئی ہیں:۔ (۱) (۲) (۳) (۴) (۵)

● وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ $\frac{4}{136}$ جو کوئی انکار کرے اللہ کا، اور اُسکے ملائکہ کا، اور اُسکی کتابوں کا، اور اُسکے رسولوں کا اور یوم آخرت کا تو وہ

دُور کی گمراہی میں گمراہ ہوگیا۔ پس ثابت ہوا کہ ایمان کی شقیں از روئے قرآنِ حکیم پانچ ہیں جن پر عملِ صالح کی شرط کیساتھ نجاتِ اُخروی کو مشروط کیا گیا ہے۔ صرف اپنے اپنے انداز پر خدا تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان لانے کو اعمالِ صالح کی شرط کیساتھ اُخروی نجات مشروط نہیں۔

● نجاتِ اُخروی سے متعلقہ اِس جملۂ معترضہ کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں تسلسلِ کلام کے مطابق بنی اسرائیل ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَآ
بلاشبہ لیا ہمنے عہد بنی اسرائیل سے اور بھیجے ہمنے
اِلَیْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى
طرف اُنکی رسول۔ جب بھی آیا اُنکے پاس کوئی رسول ساتھ اُسکے نہیں چاہتے
اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ ۷۰
جی اُنکے۔ ایک گروہ کو جھٹلاتے اور ایک سے لڑائی کرتے

اور بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا (کہ وہ ہمارے رسولوں پر ایمان لاتے رہینگے) اور ہم اُنکی طرف رسول بھیجتے رہے۔ مگر جب بھی کوئی رسول اُنکی طرف وہ تعلیم لیکر آتا جسے اُنکے جی پسند نہیں کرتے تھے (یعنی قانونِ مساوات) تو وہ اُن (رسولوں) کی کسی جماعت کو جھٹلاتے اور کسی جماعت کیساتھ جدال و قتال بھی کرتے۔ ۱؎

● ۱؎ مادہ ق۔ ت۔ ل = قتل کا معنیٰ جنگ کرنا بھی ہے۔ اللہ کے رسول مقتول یعنی مغلوب نہیں ہوسکتے تھے جیسے کہ آیتِ ذیل میں موجود ہے:- كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۵۸/۲۱ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، فرض کردیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب رہینگے۔ قتلِ انبیاء کی تفصیلی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اول کے صفحہ ، پر ملاحظہ فرمائیں۔ اگلی آیت بھی اسی چیز کی تائید کرتی ہے:-

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ
اور گمان کیا کہ نہ ہوگا جنگ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے پھر
تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ
لوٹ آیا اللہ اوپر اُنکے۔ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے اکثر اُن میں سے
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۷۱
اور اللہ دیکھنے والا ساتھ اُسکے جو وہ عمل کرتے تھے

اور اُن (رسولوں کو جھٹلانے اور اُن سے لڑنے والے بنی اسرائیل) نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ (انکا رسولوں سے) مقابلہ نہ ہوسکیگا، (کیونکہ وہ طاقت کے نشے میں) اندھے بہرے ہوچکے تھے۔ (لیکن انہیں شکست ہوئی ۵۸/۲۱ پھر اُنہیں معاف کر دیا (اُنہیں ذمیوں کی مراعات عطا فرمائیں۔ لیکن طاقت میسر آنے پر) اُنکی اکثریت پھر اندھی بہری ہوگئی۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کرتے تھے۔

نصاریٰ کے دو عقیدے

● یہودیوں کی نافرمانیوں کے ذکر کے بعد:- اگلی دو آیتوں میں نصاریٰ کے دو عقیدے بتائے گئے ہیں کہ مسیح ہی اللہ ہے اور دوسرا یہ کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ
۱۱ بیشک وہ لوگ کفر کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ جو ہے

بلاشبہ کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ وہی ہے مسیح
ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا
بیٹا مریم کا حالانکہ کہا مسیح نے اے بنی اسرائیل فرمانبرداری کرو
اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ
اللہ کی ۔ رب میرا اور رب تمہارا ۔ بیشک جس نے شرک کیا ساتھ اللہ کے پس تحقیق
حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا
حرام کر دی ۔ اللہ نے اوپر اسکے جنت اور ٹھکانہ اسکا ہے آگ ۔ اور نہیں
لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝ ۷۲
واسطے ظالموں کے کوئی مددگار۔

تو وہ مسیح ابن مریمؑ ہی ہے ۔ (حالانکہ مسیح نے انہیں (یہ تعلیم نہیں دی تھی) مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل خالصۃً اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو ۔ جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ایک جیسا رب ہے (جس طرح میں اُسکی ربوبیت کا حقدار ہوں اُسی طرح تم اُسکی ربوبیت کے حقدار ہو) بیشک جس نے اللہ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اُس پر جنت حرام کر دی ۔ اور اُسکا ٹھکانہ آگ ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ (آخرت کے دارالجزا میں) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ
بیشک کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ ہے تیسرا تین کا
وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا
حالانکہ نہیں کوئی الٰہ سوائے الٰہ ایک کے ۔ اور اگر نہ باز آئیں
عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ
اُس سے جو کہتے ہیں ۔ البتہ مس کریگا جنہوں نے کفر کیا اُن میں سے عذاب
أَلِيمٌ ۝ ۷۳
دردناک

بیشک کفر کیا جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تین میں کا تیسرا ہے (اللہ مسیح اور مریمؑ میں کا تیسرا) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک اکیلے فرمانبرداری کیئے جانیوالے، الٰہِ واحد کے سوا اور کوئی الٰہ (فرمانبرداری کیا جانیوالا) ہے ہی نہیں ۔ اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور کفر کرنیوالوں کو (آخرت کے دارالجزا میں) دردناک عذاب پہنچیگا۔

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ
کیا پھر نہیں رجوع کرتے طرف اللہ کے اور نہیں بخشش مانگتے اُس سے
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ۷۴
حالانکہ اللہ معاف کرنیوالا مہربان ہے

پھر (کیوں) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور کیوں اُس سے بخشش طلب نہیں کرتے ۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانیوالا اور بے حد مہربانی کرنیوالا ہے۔

حضرت مسیحؑ کا حقیقی مقام

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہ محترمہ کے حقیقی مقام کی وضاحت کیگئی ہے کہ نہ مسیح اللہ تھے اور نہ وہ تین خداؤں میں سے تیسرے تھے۔ اور نہ ہی آپکی والدہ تین خداؤں میں سے ایک تھی ۔ بلکہ مسیحؑ تو صرف اللہ کے رسولؑ تھے ۔ اور حضرت مریمؑ ایک راستباز خاتون تھیں ۔ دونوں ماں بیٹا اللہ کے بندے تھے ۔ دونوں کھانا کھاتے تھے یعنی دونوں جملہ بشری عوارضات کے حامل تھے۔

اسلئے وہ کس طرح خدا یا خدا کے حصے ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنکی بشریت کو نصاریٰ کے عقیدہ کے بطلان کیلئے بطور دلیل وبرہانِ قاطع پیش کیا ہے:-

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
نہیں تھے مسیح بیٹے مریم کے مگر صرف رسول۔ بیشک

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ
گزر گئے پہلے اُن سے بہت رسول۔ اور اُنکی ماں سچی تھی

كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ
تھے دونوں کھانا کھاتے۔ غور کر کس طرح ہم بیان کرتے ہیں واسطے اُنکے

الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝ ۷۵
نشانیاں پھر غور کر کس طرف کو وہ الٹے پھرے جاتے ہیں۔

نہیں تھے حضرت مسیح بیٹے مریمؑ کے مگر صرف رسول تھے بیشک (حقیقت یہ ہے کہ) اُن سے پہلے بہت رسولؑ گزر چکے ہیں۔ اور اُنکی والدہ محترمہ راستباز خاتون تھیں۔ وہ دونوں بندے تھے اور وہ دونوں (بشری تقاضوں کے مطابق) کھانا کھاتے تھے۔ (اے مخاطب!) غور کر کہ ہم اُن (نصاریٰ) کیلئے اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں (کہ مسیح و مریم بندے تھے خدا نہیں تھے)۔ پھر غور کر کہ وہ اِسکے باوجود) کس طرف کو اُلٹے پھرے جارہے ہیں۔

کھانا کھانا بشری تقاضا ہے اُلوہیت اس سے صد فیصد پاک ہے

● سورہ انعام میں آیا ہے: قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۶/۱۴ اے رسولؐ! کہدیجیگا۔ کیا میں اللہ کیساتھ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے کوئی اور (الٰہ ٹھہرالوں) حالانکہ (لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے الٰہ کھانا کھاتے ہیں)۔ اور اُسکی حالت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کھلاتا ہے، خود کھلایا نہیں جاتا۔ وہ خود نہیں کھاتا۔ کھانا کھانے کیساتھ بول وبراز بھی لازم وملزوم ہیں۔ باری تعالیٰ نے مسیح و مریم کے کھانا کھانے کو اُنکی عدم اُلوہیت کی ناقابلِ تردید دلیل پیش فرمائی ہے۔

نفع یا نقصان پہنچانا مسیح و مریمؑ سمیت کسی کے بھی قبضے میں نہیں

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں مسیح و مریمؑ سمیت تمام لوگوں کے متعلق، لوگ جن کی نفع کے حصول اور ضرر سے بچنے کیلئے عبودیت کرتے ہیں، وضاحت کردیگئی ہے کہ دنیا بھر میں کسی ایک کو بھی یہ اختیارات حاصل نہیں۔ نفع نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے:-

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ
کہہ کیا تم فرمانبرداری کرتے ہو ساتھ اللہ کے جو کہ نہیں مالک

لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
واسطے تمہارے ضرر کے اور نفع کے۔ اور ہے اللہ ہی خوب سننے والا

الْعَلِيمُ ۝ ۷۶

(اے رسولؐ!) کہدیجیگا کہ کیا تم اللہ کیساتھ اُنکے بندے بنتے ہو جو تمہارے لئے کسی بھی ضرر کا اختیار رکھتے ہیں نہ فائدے کا۔ حقیقت یہ ہے کہ (نفع نقصان کا اختیار رکھنے والا صرف اور صرف اللہ ہے) کیونکہ وہی خوب خوب سننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے۔

خوب جاننے والا ہے

● اس طرح حضرت مسیحؑ و مریمؑ کی الوہیت کی کلی نفی کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں اہلِ کتاب کو غلو فی الدین سے منع فرمایا ہے:-

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ
کہہ اے اہلِ کتاب نہ کرو مبالغہ بیچ دین اپنے بغیر

الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ
حق کے اور نہ کرو پیروی خواہشوں اس قوم کی بیشک گمراہ ہوئے سے پہلے

وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ۷۷
اور گمراہ کیا بہتوں کو اور گمراہ ہوئے سے راہ سیدھی

(اے رسولؐ!) کہہ دیجیئے کہ اے اہلِ کتاب اپنے دین میں ناحق مبالغہ آرائی نہ کرو۔ (بندوں کو خدا نہ بناؤ) اور اس قوم کی پیروی نہ کرو، جو (خدا کے بیٹے کا عقیدہ ایجاد کر کے) پہلے خود گمراہ ہوئے۔ اور پھر بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

ع ۱۴

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس قوم پر حضرت داؤدؑ و مسیحؑ دونوں نے لعنت بھیجی تھی:-

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ
لعنت کیے گئے جنہوں نے کفر کیا میں سے بنی اسرائیل کے

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ
اوپر زبان داؤد اور عیسےٰ بن مریم کے۔ وہ

بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۷۸
بسبب اسکے جو نافرمانی کی اور تھے کرتے سرکشی

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے (ضابطۂ خداوندی کا) انکار کیا اُن پر حضرات داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کیگئی تھی۔ وہ اسلئے کہ وہ لوگ اللہ کی حدیں پھاندتے تھے۔ (ضابطۂ خداوندی کی عملاً مخالفت کرتے تھے)

كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ
تھے نہ رکتے سے برائی کے کہ کرتے تھے اسے

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۷۹
البتہ برا ہے جو تھے وہ کیا کرتے

تھے وہ ایسے کہ برائی سے باز نہیں آتے تھے مسلسل برائی کرتے جاتے۔ بیشک کسقدر برا ہے جو وہ فعل (ضابطۂ الٰہی کے خلاف) کیا کرتے تھے۔

تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ
دیکھتا ہے تو بہتوں کو میں سے انکے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ
البتہ برا ہے جو آگے بھیجا واسطے اپنے جانوں انکی نے کہ ناراض ہوا

دیکھتا ہے تو اے دیکھنے والے اُن میں سے اُنکی کثرت کو کہ وہ دوستی کرتے ہیں اُن سے جو ضابطۂ الٰہی کے منکر ہیں۔ البتہ کتنا برا ہے جو اُنکے نفس نے اُنکے لئے آگے بھیجا ہے۔ ایسے کہ ناراض ہوا اللہ اُن پر اور وہ عذاب میں ہمیشہ

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۸۰
اللہ اوپر اُنکے اور بیچ عذاب کے وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں

رہنے والے ہیں۔

● آگے فرمایا۔
وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ
اگر ہوتے ایمان لاتے ساتھ اللہ کے اور نبی کے اور جو نازل ہوا
اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
طرف اسکے نہ بناتے اُنہیں دوست ۔ ولیکن بہت ہیں سے اُنکے
فٰسِقُوْنَ ۝۸۱
بے حد بے پھاندنے والے

اگر وہ ایسے ہوتے کہ ایمان لاتے ساتھ اللہ کے اور نبی (مکی) کے اور ساتھ اس (کتاب کے) جو نازل ہوئی طرف اُسکے، تو یہ اُن (مذکورہ کافروں) کیساتھ دوستی نہ کرتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِن میں سے اکثریت خداتعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والی ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ
البتہ پائیگا تو سخت لوگوں میں سے عداوت میں واسطے انکے جو
اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ
ایمان لائے، یہودی ہیں اور وہ بھی جنہوں نے شرک کیا اور تو پائیگا
اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا
قریب تر انکے محبت میں واسطے انکے جو ایمان لائے جنہوں نے کہا
اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ
بیشک ہم نصرانی ہیں۔ وہ اسلئے کہ اُن میں عالم ہیں اور
رُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۸۲
خداخوف ہیں اور بیشک وہ نہیں تکبر کرتے

البتہ (اسے مخاطب!) تو ضرور پائیگا مومنوں کیلئے عداوت میں سخت ترین یہودیوں کو اور اُنکو جنہوں نے شرک کیا۔ اور ضرور پائیگا تو قریب تر محبت میں واسطے ایمان والوں کے اُنہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ وہ اسلئے کہ اُن میں ایک گروہ علماء ربانی کا بھی ہے اور ایک گروہ ان میں وہ ہے جو اللہ سے ڈرنیوالے ہیں۔ اور وہ بلاشبہ تکبر نہیں کرتے (وہ لوگ حقیقت شناس، حقیقت پسند اور خداخوف ہیں، وہ پہلے ہی سے مومن ہیں)۔

یہودی مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں

● علہ اشد الناس عداوۃ کے الفاظ میں یہودیوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں۔ اسکے برعکس
● علہ زمانہ رسالت کے عیسائیوں کے ایک گروہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان کی محبت میں سب سے قریب ہیں۔
یہاں اس چیز کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ یہودیوں کے متعلق قیامت تک کیلئے بتادیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے شدید ترین دشمن رہینگے۔ اور عیسائیوں کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ وہ قیامت تک مسلمانوں سے محبت کرینگے بلکہ اُن میں سے زمانہ رسالت کے صرف ایک گروہ کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ اُن میں نیک عالموں اور خداخوف پیروں کا ایک گروہ موجود ہے۔ وہ محبت میں

مسلمانوں کے بہت قریب تر ہے چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت سے ثابت ہے کہ جب انہوں نے قرآن مجید سنا تو انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں:-

وَاِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ تَرٰۤى
اور جب سنیں جو نازل ہوا طرف رسول کے دیکھتا ہے تو
اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ
آنکھیں انکی بہتی ہیں سے آنسوؤں بسبب اسکے پہچانا انہیں سے
الۡحَـقِّ‌ۚ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ۝۸۳
حق کے کہتے ہیں رب ہمارے ایمان لائے ہم پس لکھ لے ہم کو ساتھ گواہوں کے

اور جب وہ نیکو کار نصاریٰ سنتے ہیں جو رسول عربی کی طرف نازل ہوا۔ تو (اے رسول!) آپ دیکھتے ہیں کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس سبب سے کہ انہوں نے حق (قرآن) کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں اسکی تصدیق کرنیوالوں میں لکھ لے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الۡحَـقِّ ۙ
اور کیا واسطے ہمارے نہ ایمان لائیں ہم ساتھ اللہ کے اور جو آیا ہمارے پاس حق سے
وَنَطۡمَعُ اَنۡ يُّدۡخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الصّٰلِحِيۡنَ‏ ۝۸۴
اور ہم طمع کرتے ہیں کہ داخل کرے ہمکو رب ہمارا ساتھ قوم نیکوں کے

اور کیا عذر ہے اب ہمارے لئے کہ ہم ایمان نہ لائیں اس پر جو حق (قرآن) ہمارے پاس آگیا ہے۔ حالانکہ ہم طمع کرتے ہیں ہمارا رب ہمیں صالحین کی قوم (صحابۂ رسولؐ) میں داخل کرلے۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوۡا جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ
پھر جزا دی انہیں اللہ نے بسبب اسکے جو کہا انہوں نے باغات، چلتی ہیں ان میں سے
تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ وَذٰ لِكَ جَزَآءُ
نیچے انکے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے بیچ انکے۔ اور مذکورہ بالا بدلہ ہے
الۡمُحۡسِنِيۡنَ‏ ۝۸۵
احسان کرنیوالوں کا

پھر جزا عطا فرمایا اللہ نے انہیں ہموار و متوازن معاشرہ، (دنیا اور آخرت میں) جس میں (ضروریاتِ زندگی کی) نہریں بہتی ہیں۔ وہ اسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور مذکورہ بالا جزا (اللہ کی طرف سے معاشرہ میں) توازن قائم کرنیوالوں کی ہے۔

سارے عیسائی مسلمانوں کے دوست نہیں

● آگے بڑھنے سے پہلے اس غلط فہمی کا دور کرنا ضروری ہے کہ آیت نمبر ۸۲ میں جو نصاریٰ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ محبت میں مسلمانوں کے قریب تر ہیں تو یہ عام عیسائیوں کے متعلق کہا گیا نہیں بلکہ بیت اللہ رسالت کے کچھ حق شناس عیسائی علماء و مشائخ تھے جو غیر محرف انجیل مقدس میں آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خوشخبری پڑھ کر آپکی آمد کے منتظر تھے۔ جب انہوں نے آنحضورؐ کی زبانِ صدقِ ترجمان سے قرآنِ حکیم سنا تو فوراً پہچان لیا کہ یہ اسی ذات کا نازل کردہ کلام ہے، جس نے انجیل پاک نازل فرمائی تھی۔

● اُن پاک لوگوں کو انجیل کی خوشخبری سے جس کا حوالہ باری تعالیٰ نے ۷/۱۸۷ + ۹/۱۱۱ + ۴۸/۲۹ میں نازل فرما رکھا ہے، جان لیا کہ وہ مقدس ہستی جو مسیحؑ کے بعد تشریف لانیوالی ہے وہ اور اُسکے ساتھی سب صالحین ہونگے، اس لئے وہ اپنے اذہان

میں یہ طمع لئے ہوئے تھے کہ وہ اُس مقدس جماعت میں داخل ہو جائینگے۔ چنانچہ جب اُنوں نے آنحضور ؐ کی زبانِ صدق ترجمان سے کلامِ صدق ترجمان سنا تو آنکھوں میں صدق و محبت کے آنسو اُمنڈ آئے، قرآن پر اور جس ذات پہ نازل ہوا تھا بلا توقف ایمان لے آئے۔ اور آنحضور ؐ کی مقدس جماعت میں شامل ہو کر سرگرم عمل ہو گئے۔ اس خالص اور سچے ایمان ہی کی جزا خدا تعالیٰ کی طرف ہمیشہ کی جنت اور رضی اللہ عنہم اور رضوا عنہ کی سند زندگی ہی میں عطا کر دیگئی۔ یہ بیان زمانہ رسالت کے مذکورہ عیسائی حضرات کا ہے۔ نہ تو یہ زمانہ رسالت کے تمام عیسائیوں کا ہے اور نہ قیامت تک کے عیسائیوں کا۔ جیسے کہ مشاہدہ گواہ ہے کہ عیسائی قوم عموماً اہلِ اسلام کی انتہائی دشمن ہے، اسلامی ممالک میں سازشیں اور انتشار پیدا کرنا، اسکا مستقل کردار ہے۔ مذکورہ بالا چند افراد کے سوا زمانہ رسالت کے باقی عیسائیوں سمیت سب انکار کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۤىِٕكَ

اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلائیں آئتیں ہماری وہ سب

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ۸۶ ع ۹/۱

صاحب ہیں آگ کے

(یہ تو ہوئے ایمان لانیوالے) اور (اُنکے سوا) جنوں نے ہمارے ضابطے کا انکار کیا اور ہماری آئتوں کو جھٹلایا وہ سب اہلِ جحیم ہیں (دنیا میں ناہموار معاشرہ کی آگ میں جلینگے اور قیامت کو ناکامی کی آگ میسر آئیگی۔

تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہونا

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب کی اُس نافرمانی کے متعلق خبر دیگئی ہے جو اُنوں نے اللہ کی حلال چیزوں کو حرام ٹھرا لیا تھا۔ اہلِ اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ

اے وہ جو ایمان لائے ہو نہ حرام کرنا پاکیزہ چیزیں جو حلال کیں

اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ سرکشی کرنا۔ بیشک اللہ نہیں پسند کرتا

الْمُعْتَدِيْنَ ۝ ۸۷

سرکشوں کو

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ الٰہی کیساتھ) ایمان لائے ہو نہ تم حرام کرنا اُن پاکیزہ (صحت بخش چیزوں) کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں۔ اور اُسکی نافرمانی نہ کرنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ

اور کھاؤ میں سے جو رزق دیا تم کو اللہ نے حلال اور پاک، اور

اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ ۸۸

ڈرو اللہ سے جس کے تم ساتھ اُسکے ایمان والے ہو

اور کھاؤ اُس میں سے جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے حلال اور صحت بخش۔ اور اُس اللہ کے نازل کردہ ضابطے کی مخالفت سے بچو، تم جس کیساتھ ایمان لانیوالے ہو کر ایمان لا چکے ہو۔

● ع۱۔ اہلِ کتاب کے یہودیوں کے متعلق ۶/۱۴۶ + ۱۶/۱۱۸ میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے ناخنوں والے جانور اور گائے، بھیڑ بکریوں کی پشت، ہڈیوں اور انتڑیوں کی چربی کے سوا باقی چربی حرام کر رکھی تھی۔

حلال کو حرام ٹھہرانیوالی قسمیں کفارہ ادا کرکے توڑ دیا کرو

● ربطِ کلام کے مطابق اگلی آیت میں اس مشکل کا حل بتایا گیا ہے جو بعض لوگ قسمیں کھا لیتے ہیں کہ فلاں حلال چیز عمر بھر نہ کھاؤں گا۔ نیز جو لوگ تعویز گنڈے استعمال کرتے ہیں، تعویز نویس انہیں کہتے ہیں کہ گائے کا گوشت نہ کھانا ورنہ تعویز اثر نہیں کریگا۔ اور یا کہتے ہیں کہ کوئی ایک سبزی یا پھل یا کوئی دال کھانا چھوڑ دو۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ تعویز حاصل کرنیوالے مرد و عورتیں گائے کا گوشت، بینگن، امرود یا مسور کی دال نہ کھانے کی قسم کھا لیتی ہیں۔ اہلِ اسلام میں ایسی روش یہود و نصاریٰ کے ہاں سے درآمد کردہ ہے۔ قرآنِ کریم نے ہر مشکل کا مقابلہ اللہ کے خود پیدا کردہ مادی ذرائع کیساتھ کرنے کی تاکید کی ہے، اسکے برعکس تکوینی قوانین کا توڑ تعویز گنڈے سے نہیں بتائے۔

● چنانچہ حلال کو حرام کرنے کیلئے کھائی ہوئی تمام قسموں کے متعلق تاکید کیگئی ہے کہ اگر یونہی مذاق کے طور پر قسم کھائی ہے تو اُسے بلا توقف توڑ ڈالو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور اگر پکے ذہنی ارادہ کیساتھ قسم کھائی ہے تو اُسے کفارہ ادا کرکے توڑ دو، اور اللہ کی حلال کردہ نعمتوں کا فوراً استعمال شروع کردو۔ اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانا کفر کے مترادف ہے:۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ
نہیں پکڑتا تم کو اللہ ساتھ لغو کے بیچ قسموں تمہاری کے اور

لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ
لیکن پکڑیگا تم کو ساتھ اسکے جو پکا کیا تم نے قسم کو پس کفارہ اسکا

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ
کھانا کھلانا دس مسکینوں کو بیچ سے درمیانہ جو تم کھلاتے ہو

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ
اپنا اپنے کو یا کپڑے پہنانا یا آزاد کرنا ایک گردن کا۔ پھر جو نہ

يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ
پائے تو روزے رکھنا ہے تین دن۔ یہ کفارہ ہے قسموں تمہاری کا

اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
جب تم قسم کھالو۔ پھر تم حفاظت کرو اپنی قسموں کی، اسی طرح بیان کرتا ہے

(ایمان والو!) اللہ تعالیٰ تمہاری مہمل قسموں پر کوئی مواخذہ نہیں کرتا۔ و لیکن اُن قسموں پر گرفت کریگا، جو تم نے (کسی حلال کو حرام کرنے کیلئے) محکم ارادہ کیساتھ کھائی ہوں۔ پھر قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔ یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا ہے اور یا ایک غلام یا مقروض کی گردن آزاد کرانا ہے۔ پھر جو کوئی یہ چیزیں نہ پائے (یا متوازن معاشرہ قائم ہو چکا ہو اور کوئی مسکین یا غلام اور مقروض معاشرہ میں موجود نہ ہو تو پھر تین روزے رکھنا ہے۔ مذکورہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم نے حلفیہ کھائی ہوں۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (یعنی قسموں سے بچو تمہاری تو بات ہی قسم ہے) اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اُسکے حلال کو استعمال میں لاکر اُسکے شکر گزار بنے رہو۔

اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ۝۸۹

اللہ واسطے تمہارے آیتیں اپنی تاکہ تم شکر کرو

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

● پیچھے آیت نمبر ۸۷ میں طیبٰت یعنی پاکیزہ، صحت بخش چیزوں کو حرام کرنے سے منع کیا گیا ہے، اسی ربط کے مطابق سلسلہ درس کی اگلی آیت میں حرام چیزوں کی مختصر فہرست پیش کیگئی ہے ہر نشہ آور چیز، بلا محنت مال، وہ مقامات جہاں کسی کے نام کا جھنڈا گاڑ کر نذریں وصول کرنے کا اڈا بنالیا جائے۔ اور جوئے کے تیر، ان سب چیزوں کو اہل اسلام، یعنی اُن لوگوں پر جو اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور قیامت پر ایمان لاچکے ہیں حرام کر دیا ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ [1] وَالۡمَیۡسِرُ [2]

اے وہ جو ایمان لائے ہو بلا شبہ نشہ آور چیزیں اور بلا محنت مال

وَالۡاَنۡصَابُ [3] وَالۡاَزۡلَامُ [4] رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ [5]

اور استھان اور جوئے کے تیر ناپاکی ہیں، ہیں سے عمل شیطان کے

فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝۹۰

بچو اس سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو سوائے اسکے نہیں کہ وہ ہر چیز جو دماغ کو ڈھانپ لے[1] (ماؤف کردے) اور ہر وہ مال جو بلا محنت حاصل ہو[2] خصوصاً وہ مقام جہاں نذریں وصول کرنے کیلئے جھنڈے گاڑے جائیں[3]، اور جوئے کے تیر[4] یہ سب ایک ہی سطح کے ناپاک شیطانی اعمال ہیں[5]۔ پس ان سے بچو تاکہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔

الخمر کیا ہے؟

● ۱ لفظ خمر کا سہ حرفی مادہ خ، م، ر ہے، جس کا بنیادی مفہوم ہے ڈھانپ لینا چنانچہ اسی مادہ سے لفظ خمار ہے جس کا معنی ہے وہ بڑی اوڑھنی جو عورتوں کے سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ جمع کے صیغے میں آیا ہے۔ وَلۡیَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوۡبِهِنَّ ۲۴/۳۱ اور چاہیے کہ عورتیں جب باہر نکلیں تو اپنی بڑی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔ لہذا خمر ہر اُس کھانے پینے کی چیز کو کہا جاتا ہے جو انسانی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اس میں شراب، بھنگ، گانجہ، افیون، چرس، نبیذ اور بھنگ کے پکوڑے وغیرہ شامل ہیں۔

المیسر کیا ہے؟

● ۲ لفظ میسر کا سہ حرفی مادہ ی۔ س۔ ر۔ یسر ہے جس کا بنیادی معنٰی ہے آسانی اور میسر ہر اُس مال کو کہتے ہیں جو اُس مشقت کے بغیر آسانی سے حاصل ہو جو اُتنا مال حاصل کرنے کیلئے لازمی ہوتی ہے۔ رشوت یا ملاوٹ کے ذریعہ حاصل کردہ مال، مکانوں کے کرائے، غیر اللہ کی نذریں، سود، مزدوروں اور کاشتکاروں کی محنت سے کارخانہ داروں اور زمینداروں کو گھر بیٹھے حاصل ہونے والا مال سب میسر میں شامل ہیں۔ جوا بھی اسی لئے میسر کے زمرے میں آتا ہے کہ جیتا ہوا مال بھی محنت کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔

انصاب کیا ہیں؟

● ۳ لفظ انصاب، نصب کی جمع ہے اسکا مصدری معنٰی ہے گاڑنا۔ اس طرح ہر وہ مکان جہاں

نذریں نیازیں وصول کرنے کیلئے جھنڈا گاڑ دیا جائے خواہ وہاں کوئی بُت ہو یا مزار یا محض کوئی آستانہ ہو جہاں لوگوں کی مرادیں پوری کرنے کا تصور دیا گیا ہو، اُسے نصب کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے نذریں نیازیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، اور اُنکے چڑھانے کا مقام صرف اور صرف بیت اللہ شریف ہے۔ اسکے برعکس الف ننگے اور مجذوب الحواس کی اقامت گاہ پر جھنڈا گاڑ کر نیازیں وصول کرنے کا اڈا انصب ہے۔ کسی پیر نے عوام سے ڈبے رکھوا کر جھنڈا گاڑ دیا کہ ان میں ڈالی گئی رقم میں سے خرچ کرتے رہو مگر ختم نہ ہوگی۔ اور جب پولیس دخل انداز ہوئی، تو ڈبے پیر صاحب کا فراڈ بے نقاب ہوگیا۔ اسی طرح بعض مقامات پر روپے اور زیورات دُگنے کرنے کا تصور دیکر روپیہ اور زیورات ہڑپ کر لئے جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ایک طرف تو اعتقادی خمار ہے جو عقل کو ڈھانپ لیتا ہے کہ کیا کسی ڈبے میں رکھی گئی رقم کے متعلق سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ ختم نہ ہوگی؟ اور کیا روپیہ کبھی دُگنا ہو سکتا ہے؟ اور دوسری طرف یہ سارا مال بلا مشقت حاصل کرنے کی بدولت میسر ہے، جسے آیتِ مجیدہ $\frac{۵}{۹۰}$ میں ناپاک اور عملِ شیطان قرار دیا گیا ہے۔

ازلام کیا ہیں؟ ● جوا کھیلنے کیلئے کچھ پانسے بنائے ہوئے ہوتے ہیں جنہیں ہاتھ میں پکڑ کر زمین پر پھینکا جاتا ہے اور اُنکی اُلٹ سیدھ کے مطابق ہار جیت مقرر کیگئی ہوتی ہے۔ عربوں کے ہاں تیروں کیساتھ جوا کھیلا جاتا تھا جس کا تیر آگے نکل جاتا وہ داؤ پر لگایا گیا سارا مال لے لیتا تھا۔ چونکہ ایسا مال بھی بلا مشقت حاصل ہوتا ہے اسلئے اِسے بھی عملِ شیطان اور ناپاک قرار دیدیا گیا ہے۔ لفظ ازلام کی واحد ہے زلم، جس کا سہ حرفی مادہ ز-ل-م ہے، اِس مادہ کا بنیادی مصدری معنی گناہ کرنا بھی ہے اور ناک کاٹ دینا بھی ہے۔ جس کا تیر پیچھے رہ جاتا، داؤ پر لگائے ہوئے مال کی ہار کی صورت میں مجازی طور پر اُسکی ناک بھی کٹ جاتی تھی اور وہ مال کے ضیاع کی صورت میں گناہ کا مرتکب بھی ہوتا تھا۔

● مثلاً آیتِ صدر $\frac{۵}{۹۰}$ میں خمر، میسر، انصاب اور ازلام چاروں چیزیں بصورتِ مُبتدا لاکر اِن سب کی واحد خبر لائی گئی ہے رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۔ یعنی یہ چاروں ایک ہی سطح کی قلبی نجاست ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ چاروں چیزیں انسانی عقل کو ڈھانپ لیتی ہیں، ماؤف کر دیتی ہیں۔ پہلے نمبر پر خمر یعنی نشہ آور اشیاء سے تو بالفعل دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے نمبر پر بلا مشقت مال حاصل کرنیوالے کا دماغ انسانی سطح پر نہیں رہتا۔ مالک مکان کرایہ دار کو، زمیندار مزارع کو اور کارخانہ دار مزدوروں کو اور پیر مُریدوں کو ایک سیکنڈ کیلئے بھی اپنی سطح کے انسان سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ عقل میں فتور آجاتا ہے۔ دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔

● اور اس سے آگے تیسرا نمبر ہے انصاب کا جن سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں بھی وہی حال ہے کہ جونہی کسی نصب، آستانہ یا درگاہ سے منسلک ہوئے دماغ ماؤف ہوگیا۔ پیر صاحب خود عرصہ دراز سے بیمار پڑے ہیں لیکن اُنہی سے اپنی بیماری کیلئے پانی دم کرایا جا رہا ہے۔ پیر صاحب خود بے اولاد ہیں مگر اولاد کیلئے اُنہی سے تعویذ لئے جا رہے ہیں۔ یہ عجب

کی خود بیوی کے ساتھ ناچاکی ہے مگر خانگی حالات کے سُدھار کیلئے اُنہی سے دعا کرائی جارہی ہے ۔ کیا دماغ ماؤف نہیں ؟ اس سلسلے کی آخری چیز ہے ازلام یعنی جوئے کے تیر ۔ یاد رہے کہ جُوا بھی دماغ کو معطّل کر کے رکھ دیتا ہے ۔ کل بیوی کی بالیاں بیچ کر ہرادی تھیں اور آج اُس بچاری کا ہار بیچ کر ہرا دیا ہے ۔ کیا یہ عقل گم کردگی کی علامت نہیں تو اور کیا ہے ؟ قربان جائیے ذات باری کے ، کس طرح خمر ، میسر ، انصاب اور ازلام کو ایک ہی سطح کا شیطانی عمل قرار دیکر واضح کر رکھا ہے کہ جس طرح خمر عقل کو ڈھانپ لیتا ہے ، اسی طرح باقی تینوں بھی عقل پر چھا جاتی ہیں ۔

خمر اور میسر دونوں منبع بُغض و عداوت ہیں

● سلسلہ درس کی اگلی آیت بینہ میں خمر و میسر کی ایک خصوصیت بیان کیگئی ہے کہ ان سے باہمی بغض و عداوت پیدا ہوتا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :-

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ
بیشک ارادہ کرتا ہے شیطان کہ ڈالدے درمیان تمہارے
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ
عداوت اور بغض بذریعہ نشہ آور بلا مشقت مال کے اور روکدے تم کو سے ذکر
اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱
اللہ کے اور سے مرکزی نظام کے ۔ پس کیا تم باز آنیوالے ہو

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ شیطان (نفس امارہ) ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے درمیان نشہ آور چیزوں اور بلا مشقت مال حاصل کرنے کے ذریعہ دشمنی اور نفرت پیدا کردے اور تمہیں اللہ کے ذکر (قرآنی تعلیم) سے روکدے ۔ خصوصاً تمہیں (ذاتی مفاد کے چکر میں پھنسا کر متوازن معاشرہ ، نظام) صلوٰۃ سے روکدے ۔ پھر اس وضاحت کے باوجود کیا تم خمر و میسر سے باز آنیوالے ہو ؟

● نشہ کا عادی تو صرف نشہ کا دوست ہے ۔ نشہ نہ ملے تو والدین اور اولاد تک کا دشمن ہے ۔ پُورا خاندان جائے بھاڑ میں ، گھر کے برتن اور بستر تک بیچ کر نشہ پورا کرتا ہے ۔ اسی طرح کارخانہ دار کو مزدور کیا تو ، زمیندار کو مزارع کیا تو کوئی ہمدردی نہیں ہوتی جن کی کمائی مُیسر پہ یہ لوگ دادِ عیش دیتے ہیں ۔ اِن فریقین کے اذہان میں ایکدوسرے کی پوشیدہ عداوت ہر آن موجود ہوتی ہے ۔

● کارخانہ دار اور زمیندار ، مزدوروں مزارعوں کے زور بازو کا کمایا ہُوا لکھوکھا روپیہ سمیٹے چلے جاتے ہیں مگر انہیں اتنی اُجرت دیتے ہیں کہ وہ صرف زندہ رہ سکیں ۔ مزدور بیچارہ ہزار کہتا رہے کہ میرا چار سو روپیہ ماہوار میں گزارہ نہیں ہوتا مگر کارخانہ دار کے کان پر جُوں تک نہیں رینگتی ۔ اور یہی حال زمیندار کا ہے کہ جانتے بُوجھتے مزارعوں کی معاشی حالت کو تنگ کئے رکھتے ہیں ۔

● اِنہی حقائق کے مطابق ۵/۹۱ میں خبر دیگئی ہے کہ خمر و مُیسر باہمی بغض و عناد پیدا کرتے ہیں ۔ نشے کے عادی فرد اور اُسکے اپنے افرادِ کُنبہ میں عناد پرورش پا رہا ہوتا ہے ، کارخانہ دار اور مزدوروں میں ، زمیندار اور مزارعوں میں دائمی عداوت کے جذبات موجزن رہتے ہیں ۔ لیکن بچارے مزدور اور مزارع اپنی کمزوری اور بے بسی کی بدولت اُنکے ظلم

ظلم کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔

غلط معاشرہ کا واحد حل

● آیت زیر بحث میں ایسے غلط معاشرہ کا ایک ہی حل بتایا گیا ہے اقامتِ صلوٰۃ اور استفہام انکاری کے حصر فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ میں اس نظام کے مخالف نظام سے باز رہنے کی تاکید تنبیہی کیگئی ہے۔ اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ استفہام کے ذریعہ کیگئی تنبیہ ہے سزنابی اللہ تعالیٰ کی انتہائی ناراضگی کا موجب ہوتی ہے۔ عالمِ اسلام پر جو ہر وقت مصائب و ادبار کے بادل چھائے رہتے ہیں کیا اِنکی وجہ یہی تو نہیں کہ ہر اسلامی ریاست، ہر مسلمان قوم اور ہر مسلمان فرد اجتماعی نظام کی بجائے اس انفرادی مفاد پرستی کا پرستار ہو چکا ہے، جس کے متعلق مُتنبہ کیا گیا ہے فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ کیا تم اس سے باز آنیوالے ہو تو کیا ہم باز آنے کیلئے تیار ہیں؟

نظامِ صلوٰۃ، یعنی متوازن معاشی نظام اللہ کے رسول ؐ کے ہاتھوں قائم ہوگا

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظِ مخصوص حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ؐ کیساتھ مل کر نظامِ صلوٰۃ (متوازن معاشرہ) قائم کرو۔ جس میں نہ انفرادی مفاد کوشی کی گنجائش ہو گی۔ نہ اس میں کوئی بالا دست ہو گا، نہ زیر دست۔ نہ اس میں خمر، میسر، انصاب اور ازلام جیسے دماغ کو ماؤف کرنے والے انسانیت سوز تصورات راہ پا سکینگے۔ اور نہ اُن کی بدولت معاشرہ کے ہر گوشے میں بُغض و عناد در پردہ پرورش پا رہے ہونگے۔ ارشاد ہُوا ہے:-

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا

اور حکم مانو اللہ کا بذریعہ حکم کے رسول کے، اور بچ جاؤ

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

پھر اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ بیشک اوپر رسول ہمارے کے پہنچا دینا ہے

الْمُبِیْنُ ۹۲

ظاہر

(ایمان والو! خمر، میسر، انصاب اور ازلام سے بچو) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو بذریعہ اطاعت کرنے اُسکے رسول ؐ کے اور (اللہ کے احکام کی مخالفت سے) بچو، اگر تم نے روگردانی کی، تو جانتے رہو کہ (انہی اندھیر گردیوں میں پھنسے رہوگے) اسکے سوا کوئی بات نہیں کہ ہمارے رسول ؐ کے ذمہ ہمارے پیغام کو ظاہر طور پر پہنچا دینا ہے۔

● اس حکم کے مطابق ظاہر ہے کہ جب لوگ اللہ کے رسول ؐ کیساتھ مل کر اللہ کی اطاعت کرینگے تو یقیناً یقیناً ہموار و متوازن معاشرہ عالمِ وجود میں آئیگا جس میں نہ انفرادی کارخانہ داریوں، زمینداریوں، جاگیرداریوں اور مشیخیت کے ذریعہ حاصل کردہ میسر یعنی مُفت کے مال کے حصول کی گنجائش ہو گی اور نہ اس نظام میں کوئی نشہ آور چیز راہ پا سکے گی۔

● اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کی مفصل بحث کیلئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۲۶ صفحہ ۵۹ ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں اتنا عرض کرنا ہے درمیانی واؤ کا معنیٰ ہے "بذریعہ" (قرآنی سند کیلئے دیباچہ کا صفحہ ۸۷) اس قسم کی آیتوں سے اللہ اور رسولؐ کی دو الگ الگ اطاعتیں تسلیم کرنا ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰ + ۱۸/۲۶ کے خلاف ہیں جہاں حصر کیساتھ کہہ دیا گیا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (متنبہ رہو کہ) اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں۔ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۱۸/۲۶ وہ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ پس اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اکیلے اللہ کی اکلوتی اطاعت کرو اُسکے بھیجے ہوئے رسولؐ کے ذریعہ۔ اور اللہ کے رسول لائے ہیں اللہ کی کتاب قرآن کریم جس میں اللہ تعالیٰ کی واحد فرمانبرداری کے جملہ احکام محفوظ موجود ہیں۔ آپ نے انہی کی فرمانبرداری کرائی تھی۔

قرآنی معاشرہ بتدریج ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آخری منزل تک پہنچ جائیگا

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خبر دیگئی ہے کہ رسولؐ مقبول کے ذریعہ اطاعت کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان و اتقاء میں بتدریج آگے آگے بڑھتے چلے جائینگے۔ رسولؐ اکرم کے قائم کردہ متوازن نظام میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہیں ہوگی، اور ایمان و اتقاء ترقی کرتے کرتے حسن و توازن کی آخری منزل تک پہنچ جائینگے۔

● محوّلہ آیت مجیدہ پیش کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ہو سکتا ہے کسی قاری کے ذہن میں یہ سوال کروٹیں لے رہا ہو کہ جملہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کیساتھ ہموار و متوازن معاشرہ کے قائم کرنے کا کیا تعلق؟ جواباً عرض ہے کہ خدا تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ۲۸/۵۱ اور بیشک ہم نے اپنے قول قرآن مجید کو باہم متوصّل کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق ہر مقام پر سیاق و سباق کلام کی مطابقت لازم ہے۔ سیاقِ کلام میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ناہموار معاشرہ کی چار اہم شقوں خمر، میسر، انصاب اور ازلام سے منع کر کے، استفہامیہ انداز میں ارشاد فرمایا ہے کہ کیا تم ان سے باز آنے والے ہو؟

● اور ساتھ ہی نفسِ امارہ شیطان کی خبر دیگئی ہے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہدایت کردہ نظامِ صلٰوۃ یعنی متوازن معاشرہ سے روکتا ہے۔ یہ تو ہوا سیاقِ کلام اور سباقِ کلام یعنی اگلی آیت مجیدہ میں بھی ایسے ہی متوازن معاشرہ کی یہ اہم خبر دیگئی ہے کہ اللہ کے رسولؐ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرہ میں کھانے پینے کی چیزیں بافراغت میسر آئینگی۔ تنگی اور دشواری کا گزر تک نہ ہوگا۔ اتقا کی دشوار گزار منزلیں بآسانی طے ہوتی چلی جائینگی:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	جو لوگ (ضابطۂ خداوندی پر) ایمان لائیں اور
نہیں اُوپر اُنکے جو ایمان لائے اور عمل کئے اچھے	اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں (جب وہ میسر یعنی استحصال)

جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
کوئی حرج بیچ اسکے کھائیں جب جو بچیں اور ایمان لائیں اور عمل کریں
الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ
اچھے پھر بچیں اور ایمان لائیں پھر بچیں اور معلوق کریں
وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۹۳
اور ہے اللہ پسند کرتا کمال کرنیوالوں کو
ع ۱۲/۷/۲

سے بچ جائیں اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں تو اُنکے لئے با فراغت کھانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہیگی (کیونکہ ترکِ استحصال ہی سے متوازن معاشرہ قائم ہوجائیگا جس میں ہر فرد کو بافراغت کھانے کو ملیگا) پھر وہ (استحصال سے) اور زیادہ بچیں اور اس پر ایمان میں مزید پختہ ہوجائیں۔ پھر (استحصال، مُیسر سے اور زیادہ بچیں اور (معاشرہ میں مکمل حُسن و توازن پیدا کریں (تو اللہ اُنہیں پسند کریگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاشرہ میں توازن پیدا کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

اٰمَنُوْا اور ثُمَّ اتَّقَوْا کا تین مرتبہ تکرار

● آیتِ زیرِ نظر میں کھانے کی فراغت اور مُیسر یعنی استحصال سے بچنے کے تین مرتبہ کے تکرار کی خبر سے دوپہر کے سُورج کی طرح عیاں ہے کہ قرآنی ہموار و متوازن معاشرہ کی راہ میں رکاوٹ صرف سرمایہ دارانہ استحصالی نظام ہے۔ جس میں ہر طرف مُیسر یعنی استحصال کی چکی چل رہی ہوتی ہے۔ مُزارعے کماتے ہیں اور زمیندار عیش کرتے ہیں۔ مزدوروں کی خون پسینے کی کمائی کو شبانہ روز کارخانہ دار سمیٹا چلا جاتا ہے۔ مُریدوں کی محنتِ شاقہ کے ماحصل میں پیر صاحبان مُفت کے حصّہ دار بنے رہتے ہیں۔ اسلئے استحصال کے خاتمہ پر تکرار زور دیا گیا ہے۔

● نیز تین مرتبہ کے ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا کے تکرار سے ثابت و بیّن ہے کہ اہلِ ایمان جُوں جُوں استحصال سے بچنے اسکا خاتمہ کرتے چلے جائینگے تُوں تُوں متوازن معاشرہ اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہُوا آخری منزل پر پہنچ جائیگا ورنہ صاف ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ کے اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت کے بعد ثُمَّ کی ترتیب و تراخی کیا تھی پھر تین مرتبہ کے ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا کا کیا مطلب؟

مومنوں کے اِتّقا کا امتحان

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں سورۃ مائدہ کی سابقہ آیتوں میں مربوط و مسلسل مضامین کی وضاحت کے بعد سورۃ مائدہ کی آیتِ اوّل اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ کی طرف رُخ کیا گیا ہے۔ جس میں جُگالی کرنے والے چوپایوں کو حلال قرار دیکر، اُنہی میں سے استثنیٰ بیان ہُوئی ہے اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۵ یعنی بھیمۃ الانعام کی وہ چیزیں حرام ہیں جو تم پر پڑھی جائینگی۔ اور اُنکا اُس حالت شکار کرنا بھی حرام ہے جس وقت کہ تم ایّامِ حج میں بیت الحرام سے سالانہ اجتماع کے لئے آئے ہوئے ہو۔ مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ کی وضاحت تو ۵ میں گزر چکی ہے کہ بھیمۃ الانعام کا مُردہ، خون، غدود کا گوشت، غیر اللہ کی طرف منسوب کردہ، گلا گھٹ کر مرا، لاٹھی مارنے سے مرا، گر کر مرا،

سینگ لگنے سے مرا، درندے کے مارنے سے مرا، کسی استھان پر ذبح ہوا اور جوئے کے تیروں کیساتھ تقسیم کیا گیا، سب حرام ہیں۔ اسکے بعد ایام حج میں حلال جانوروں کے شکار کی مخالفت کا مخصوص حکم منفصلاً آیت مجیدہ نمبر ۹۴ میں بالفاظ ذیل نافذ فرمایا گیا ہے:-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو البتہ ظاہر کریگا تمکو اللہ ساتھ ایک چیز کے

مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ

میں سے شکار کے پہنچیں اس تک ہاتھ تمہارے اور تیر تمہارے تاکہ ظاہر کرے

اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ

اللہ اسے جو ڈرتا ہے اُس سے غیر حاضری میں۔ پھر جو کوئی سرکشی کرے پیچھے

ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۴

اُسکے پس واسطے اُسکے سزا ہے دردناک

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ الٰہی پر ایمان لائے ہو تمہیں اللہ تعالیٰ (تمہارے اتقا کو) ایک چیز کیساتھ ظاہر کرتا ہے (وہ بہیمۃ الانعام کا شکار ہے کہ ایام حج میں) اُس تک تمہارے ہاتھ بھی پہنچتے ہوں اور تمہارے تیر بھی پہنچتے ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کرے اُس شخص کو جو اللہ سے تنہائی میں ڈرتا ہے (جب اللہ کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو) پھر جو کوئی اس حکم کے بعد نافرمانی کریگا تو اُسکے لئے (ضابطۂ الٰہی میں) دردناک عذاب ہے۔

● علہ علیمۃ کا مصدری معنی ظاہر کرنا $\frac{۲}{۱۴۱}$ + $\frac{۹}{۱۹}$ میں موجود ہے لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ، ابھی اللہ نے جانا نہیں، یہ معنی غلط ہے۔ اور ابھی ظاہر نہیں کیا ٹھیک ہے۔

ایامِ حج میں برّی شکار منع کیوں؟

● ایام حج میں برّی شکار اسلئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اُن دنوں میں بیت الحرام کے گرد و نواح میں لاکھوں افراد کا اجتماع ہوتا ہے۔ جن میں اکثر افراد کا ضروریات کے مطابق (قضاءِ حاجت وغیرہ کیلئے) ادھر اُدھر دور نکل جانا بھی ممکن ہے۔ ایسے حالات میں برّی شکار کی اجازت خطرناک ہے کہ شکاری جس چیز کو دور سے شکار سمجھ رہا ہو وہ کوئی انسانی جان نہ ہو، اور یہ اُس پر تیر چلا دے یا فائرنگ کر دے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کے حفظ ماتقدم کیلئے، ایمان والوں کے نام اعادۂ خطاب کیساتھ ارشاد ہوا ہے:-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ قتل کرنا برّی شکار جبکہ

اَنْتُمْ حُرُمٌ ۗ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ

تم حالت احرام میں ہو اور جو اُسے قتل کرے تم میں سے ارادۃً تو سزا ہے

مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

مانند جو قتل کرے میں سے چوپائے کے فیصلہ کریں ساتھ اُسکے دو عدل والے تم میں

اے ایمان والو! نہ قتل کرنا برّی شکار کو جب تم (ایام حج میں) حالتِ احرام میں ہو۔ اور جو کوئی اُسے تم میں سے جان بوجھ کر قتل کرے تو اُسکی سزا اُس (سزا) کے مثل ہے جو کسی چوپائے کو قتل کیا ہو۔ اِس سزا کا فیصلہ تم میں سے دو صاحبِ عدل افراد کریں کہ کونسا چوپایہ مقتول جانور کے برابر کا ہے) وہ نیازِ کعبہ ہوگا (جو بیت الحرام کے

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ
ہدیہ پہنچنے والا کعبہ کو - یا بدلہ ہے کھانا مسکینوں کا
اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ
یا بدلہ ہے اُسکا روزے رکھنا - تاکہ وہ چکھے سزا اپنے جرم کی۔
عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ
معاف کیا اللہ نے اُسے جو ہو چکا - اور جو کوئی اعادہ کرے تو انتقام لیگا اللہ اُس سے۔
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ ۹۵
اور اللہ غالب بدلہ لینے والا

بیت المال میں پہنچایا جائیگا) یا اُسکا کفارہ (دو اصحابِ عدل کی مقررہ تعداد کے) مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے - یا اِسکے برابر (دو اصحابِ عدل کے فیصلے کے مطابق) روزے رکھنا ہے تاکہ مجرم اپنے جرم کی سزا کا مزہ چکھے - اِس حکم سے پہلے جو کچھ ہو چکا، اُسے اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے - اور جو کوئی دوبارہ ایسا کرے تو اُس سے اللہ ضرور ضرور بدلہ لیگا (سزا دیگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب سزا دینے والا ہے۔

● لہ ایّامِ حج میں برّی شکار کرنے کیلئے قتل کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے کہ اُن ایّام میں برّی شکار کرنا منع ہے - حالانکہ ایّامِ حج کے سوا باقی دنوں میں نہ برّی شکار ممنوع اور نہ اسے ایک چوپایہ کے قتل کے مصداق قرار دیا گیا ہے - ممنوعہ ایّام میں شکار کو قتل قرار دیکر قانون کی اہمیت بتائی گئی ہے - اگرچہ شکار کرنے والے سے کسی انسانی جان کو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں پہنچتی - لیکن اگر قانون شکنی کی سزا نہ دیجائے تو قانون بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔

● ۲ یَحْکُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ کے الفاظ میں یہ فیصلہ کرنا دو اصحابِ عدل پر منحصر کر دیا گیا ہے کہ وہ مجرم کے جرم کی نوعیت کے مطابق فیصلہ دینگے کہ یہ قتل کس حلال چوپائے کے قتل کے برابر ہے - مجرم کو ویسا ہی ایک چوپایہ نیازِ کعبہ کے طور پر بیت الحرام کے بیت المال میں پہنچانا ہوگا - اور دو اصحابِ عدل ہی فیصلہ دینگے کہ مجرم اتنے مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر مجرم اِن چیزوں کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر دو منصف فیصلہ کرینگے کہ مجرم اپنے جرم کے کفارہ کے طور پر اتنے روزے رکھے - یہ سب کچھ اصحابِ عدل کی صوابدید پر منحصر کر دیا گیا ہے۔

ایّامِ حج میں بحری شکار کی اجازت

● برّی شکار چونکہ تیر یا بندوق سے کیا جاتا ہے اسلئے اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ غلطی سے کوئی انسانی جان شکار نہ ہو جائے، اسلئے اسے جرم قرار دینے کے بعد بحری شکار کی اجازت اسلئے دیدی گئی ہے کہ وہ کانٹے یا جال سے کیا جاتا ہے، جس میں کسی انسانی جان کو کسی قسم کی گزند پہنچنے کا احتمال نہیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ
حلال کیا گیا واسطے تمہارے شکار دریا کا اور کھانا اُسکا فائدہ واسطے تمہارے
وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ
اور واسطے مسافر کے - اور حرام کیا گیا اوپر تمہارے شکار خشکی کا جبتک ہو تم

تمہارے لئے (ایّامِ حج میں) دریا کا شکار کرنا بھی حلال کیا گیا ہے اور اُسکا کھانا بھی - یہ تمہارے لئے بھی فائدہ ہے اور ہر مسافر کیلئے بھی فائدہ ہے - اور تم پر خشکی کا شکار اُس وقت تک حرام کیا گیا ہے جبتک کہ تم حالتِ احرام میں ہو - اور اُس

حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيٓ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝۹۶

حالتِ احرام میں۔ اور ڈرو اللہ سے جو طرف اُسی کے تم اکٹھے کئے جاؤ گے

ذات (کے احکام کی مخالفت) سے بچو جس کی طرف تم سب (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جاؤ گے۔

اہمیتِ مرکزیتِ بیت الحرام

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کعبہ مکرمہ کو پوری نوعِ انسانی کے مرکزی مقام کی حیثیت دی گئی ہے تاکہ پوری نوعِ انسانی کو اپنے قدموں پر کھڑا کیا جائے۔ اعلیٰ وادنیٰ کا امتیاز ختم ہو جائے۔ کوئی بالادست فرد یا قوم کسی زیر دست فرد یا قوم کے پیدائشی حقوقِ ربوبیت پر ڈاکہ نہ ڈال سکے:۔

جَعَلَ اللّٰهُ الۡكَعۡبَةَ الۡبَيۡتَ الۡحَـرَامَ قِيٰمًا

ٹھہرایا اللہ نے کعبہ گھر عزت والا کھڑا کرنا

لِّلنَّاسِ وَالشَّهۡرَ الۡحَـرَامَ وَالۡهَدۡىَ

نوعِ انسانی کو اور مہینے حرمت والے اور تحائف

وَالۡقَلَاۤئِدَ ؕ ذٰ لِكَ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ

اور پٹے والے جانور یہ اسلئے کہ بیشک اللہ جانتا ہے

مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَاَنَّ

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں اور بیشک

اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝۹۷

اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے کعبہ مکرمہ کو جو اُسکا حرمت والا گھر ہے، نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنیوالا ٹھہرایا ہے۔ اور حرمت والے (۴ چار) مہینوں کو بھی (جن میں جنگ کرنا حرام کر دیا گیا ہے) اور (کعبہ مکرمہ پہنچائے جانیوالے تحائف کو بھی اور پٹے والے جانور (جو حج کے موقعہ پر کعبہ مکرمہ پہنچائے جاتے ہیں) اُنکو بھی نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے والے ٹھہرایا ہے۔ وہ اسلئے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ (کائنات کی) ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کے چار اہم ذرائع

● آیتِ بالا میں کعبہ بیت الحرام، حرمت والے چار مہینے، نیازِ کعبہ کے تحائف اور نیازِ کعبہ کے جانور، سب کو قیٰمًا لِّلنَّاس قرار دیا گیا ہے۔ لفظ قیٰمًا مادہ ق۔و۔م قوم سے ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے کھڑا ہونا۔ تو گویا اَلنَّاس یعنی پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ذریعہ ہیں مذکورہ بالا چاروں چیزیں خالصتہً حج بیت اللہ سے متعلق ہیں۔

۱۔ کعبہ بیت الحرام ہے نوعِ انسانی کا امن مرکز $\frac{۲}{۱۲۵}$ + $\frac{۳}{۹۷}$ جہاں حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس منعقد ہو گی۔

۲۔ حرمت کے چار مہینے وہ ہیں کہ ان میں جنگ بند کر کے سالانہ امن کانفرنس میں اطراف واکناف سے آنیوالوں کیلئے چاروں راستوں کو پُرامن بنانا مقصود ہے۔ یعنی ان کا تعلق بھی عالمی امن مرکز کیساتھ ہے۔

۳۔ نیازِ کعبہ کے تحائف جو عالمی امن مرکز میں حج کے موقعہ پر پہنچائے جاتے ہیں نقدی اور اجناس وغیرہ۔

۴۔ نیازِ کعبہ کے جانور جو حج کی سالانہ کانفرنس میں عالمی امن مرکز میں پیش کئے جاتے ہیں، اس پورے تردد

تکلّف کی غرض وغایت ہے اقوامِ عالم کا سالانہ اجتماعِ حج ۔ اور اس اجتماع کی غرض ہے قِيٰمًا لِّلنَّاسِ یعنی پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنا ۔ جس میں نہ کوئی بالا دست رہے نہ زیر دست ۔

● **المختصر** ! حج کی غرض یہ ہے کہ قوموں کے وہ مسائل جن کیلئے وہ جنگ کی آگ بھڑکاتی ہیں ، اللہ کے مقدس گھر میں حاضر ہوکر مرکز کے حکم کے مطابق ختم کر دیئے جائیں ۔ ہر حکومت ، مرکز کے حکم کی پابند ہو تاکہ کرۂ ارض سے جنگ وجدال کا مطلقاً خاتمہ ہو جائے ۔ چار ماہ کیلئے حکماً جنگ بند کر کے جب وہ اللہ کے گھر میں اُسکے حضور حاضر ہونگے تو فریقین کا ضد اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو جانا بہت ممکن ہو جائیگا ۔ امن کانفرنس میں متنازعہ مسائل پیش کئے جائینگے اور مرکز اُنکا صحیح فیصلہ دے گا نتیجہ یہ کہ ضد وتعصب کی بدولت بچھڑی ہوئی سلطنتیں ، قومیں اور ملک گلے مل جائیں گے ۔

حرمت والے مہینے ہدی اور قلائد شعائر اللہ ہیں ● سورۂ مائدہ کی ابتدا میں حکم دیا گیا ہے ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ ۵/۲ ایمان والو ! بے حرمتی نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی یعنی نہ حُرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کرنا نہ نیازِ کعبہ کے تحائف کی ، اور نہ نیازِ کعبہ کے جانوروں القلائد کی ۔

۱ ۔ حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی ● حُرمت والے چار مہینے شعائر اللہ ہیں ۵/۲ ، انکی حرمت ہے ان مہینوں میں جنگ نہ چھیڑنا اور چھڑی ہوئی جنگ کو بند کر دینا ۔ اور انکی بے حرمتی ہے ان میں جنگ چھیڑ دینا یا چھڑی ہوئی جنگ کو بند نہ کرنا ۔

۲ ۔ ہدی کی بے حرمتی ● ہدی یعنی نیازِ کعبہ کیلئے پیش کئے گئے تحائف نقدی ، اسلحہ اور اجناس بھی شعائر اللہ ہیں ۵/۲ ، انکی حُرمت ہے انہیں حکم الٰہی ۵/۹۷ کے مطابق نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کیلئے صرف کرنا ـــــ اور انکی بے حرمتی ہے اس قرآنی غرض کو پس پشت پھینک کر اسکے سوا دوسرے کاموں پر خرچ کر دینا ۔ اور یہ بھی کہ ہدی اور قلائد کو ایک ٹھہرا کر نیازِ کعبہ کیلئے صرف جانور قرار دیدینا اور نحلۃ المسلمین کے ہدیوں ، نذروں یعنی نقدی اور اجناس وغیرہ کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے خالص کعبہ مکرمہ کیلئے مختص کر رکھا ہے ۲۲/۲۹ انہیں درختوں ، آستانوں ، درگاہوں اور قبروں پر چڑھاوے چڑھانا ۔

۳ ۔ قلائد کی بے حرمتی ● قلائد سے مُراد ہیں وہ جانور جو نیازِ کعبہ کیلئے حج کے موقعہ پر عالمی امن مرکز میں پیش کئے جائیں ، وہ بھی شعائر اللہ ہیں ، اُنکی حرمت یہ ہے کہ اُنہیں ضرورت کے مطابق ذبح کیا جائے اور کھایا جائے ۔ اور اُنکی بے حرمتی ہے ضرورت سے زائد ذبح کرنا اور کھانے کی بجائے ریت میں دبا دینا یا خندقوں اور کھائیوں میں پھینک دینا ۔

ایک لمحۂ فکریہ

● یہاں پہنچ کر عقلمندوں کیلئے عموماً اور علماءِ کرام کیلئے خصوصاً ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ ۵/۲ میں دیئے گئے حکم کہ شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرنا، انکی بے حرمتی کرکے اس حکم کی نافرمانی تو نہیں کر رہے؟ ۲۲/۳۲ میں شعائر اللہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے وَمَن يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ ○ ۲۲/۳۲ اور جو کوئی شعائر اللہ کی عظمت کرے تو بیشک یہ قلوب کے تقویٰ کے کاموں میں سے ہے۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق کیا شعائر اللہ کی بے حرمتی کرنا قلوب کے تقویٰ سے صد فیصد محرومی نہیں؟ جس کا جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ بیت الحرام، حرمت والے مہینوں، ہدی اور قلائد کو ۵/۹۷ کے مطابق نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ذریعہ ٹھہرایا ہے مگر نوعِ انسانی تو دور کی چیز ہے، خود مسلمان بھی اپنے قدموں پر کھڑے ہوئے نہیں پائے جاتے۔ فاعتبروا یاولی الابصار!

تکوینی نظام کی شہادت

● آیت زیرِ نظر ۵/۹۷ کے آخری الفاظ میں خدا تعالیٰ نے اپنے تکوینی نظام کو بطور شہادت پیش کیا ہے ۔ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ـ مذکورہ مرکزی نظام کی ہدایت اسلئے کیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور بیشک اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ دیکھو کس طرح اتنے بڑے بڑے کرہ جات سورج، چاند ستارے ایک مرکزی نظام کی حدود میں محدود رہکر پُر امن چل رہے ہیں۔ ان میں کبھی تصادم نہیں ہوا۔ اسی طرح اے نوعِ انسانی تم بھی بیت الحرام کے مرکزی نظام کے ماتحت اپنی حدود میں محدود رہکر پُر امن رہو۔ جنگ وجدال کی بھٹیاں نہ دہکایا کرو۔ اگر کوئی تنازعہ کھڑا ہو جائے تو حرمت کے چار مہینوں میں حکماً جنگ بند کرکے حج کی سالانہ امن کانفرنس میں حاضر ہو کر مرکز سے فیصلے کرا لیا کرو۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ اگر تم حدود شکنی کرو تو اللہ کے قانون میں تمہارے لیئے سخت سزا بھی موجود ہے اور اگر باز آجاؤ تو تمہیں ہر قسم کے فساد اور تباہی سے بچاؤ بھی محفوظ ہے اللہ کے قانون میں رحمت بھی ہے اور عذاب بھی ہے:

اِعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ
جانے رہو بیشک اللہ سخت ہے سزا کے دینے میں اور بیشک
اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ ۹۸
اللہ ہے بخشنے والا مہربان

جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین میں عدل و انصاف ہے اندھیر گردی اور دھاندلی نہیں، جو لوگ بد اعمالیوں کی بدولت سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں تو جانتے رہو کہ اللہ انہیں سزا دینے میں بہت سخت ہے اور (جو لوگ بخشش کے حقدار ہوں) انہیں ہر قسم کا بچاؤ دینے والا بھی ہے بڑھکر رحمت کرنیوالا بھی ہے۔

رسول کے ذمہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے

● رسول اور انبیاء اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتے رہے اور لوگوں تک بلا کم و کاست

پہنچاتے رہے جس قوم نے انکا کہنا مانا اور اُنکے ساتھ مل کر منزل من اللہ نظام کو بروئے کار لائی، تو وہ اُس نظام کی خوشگواریوں اور شادابیوں سے سرفراز ہوئی، اور جو قومیں اُنکے پیغام پر ایمان نہ لائیں اور نبی رسول کا ساتھ نہ دیا وہ دنیا میں بھی عذاب کے پنجے پڑیں اور آخرت کا عذاب بھی ان کے لئے لازم قرار پایا۔ اس کے برخلاف ایک تیسری قسم کے لوگ بھی تھے جو ذہن میں کفر چھپا کر جھوٹے ایمان کا اظہار کرتے رہے۔ تسلسلِ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں اُنہیں مخاطب کیا گیا ہے کہ جو کچھ تم ذہنوں میں چھپاتے ہو، اللہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اُسے بھی جانتا ہے۔ ہمارے رسول کے ذمہ اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، لوگوں کو زبردستی مومن اور نیکوکار بنانا ہرگز نہیں ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
نہیں اوپر رسول کے مگر پہنچانا۔ اور اللہ جانتا ہے
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝۹۹
جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

ہمارے رسول کے ذمہ صرف ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے (دین میں جبر نہیں ہے $\frac{۲}{۲۵۶}$) اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو (کہ تم ایمان لے آئے ہو) وہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو (کہ تم منافقت کرتے ہو) اُسے بھی جانتا ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ
کہہ نہیں برابر بدکار اور نیکوکار اور اگرچہ
اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي
حیرت زدہ کرے تجھ کو کثرت بدوں کی، پس ڈرو اللہ سے اے
الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰ ع ۱۳ / ۳
عقل والو ۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

کہہ دیگا اے رسول کہ اے مخاطب! بدعمل اور نیکوکار ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اگرچہ تجھے بُروں کی کثرت حیرت زدہ کردے۔ پس عقل والو! اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو تاکہ تم (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہو جاؤ۔

کثرت صداقت کی دلیل نہیں ● اس آیتِ مجیدہ میں بدعملوں کی کثرت پر حیرت زدہ ہونے سے منع کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ اپنی کثرت کی بدولت بھلے معلوم ہوتے ہوں۔ صداقت کی دلیل کثرت نہیں بلکہ ضابطۂ الٰہی کی اطاعت ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ ہر زمانے میں قلیل تعداد میں پائے گئے اور پائے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم مکمل ضابطۂ حیات ہے ● تسلسلِ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنبیہ کیا گیا ہے کہ زمانۂ نزولِ قرآن میں مسائل کی کرید نہ کرنا۔ جن مسائل میں تمہاری شخصی آزادی برقرار رکھی گئی ہے اگر تم نے اُسکے متعلق سوال کئے تو تمہیں پابند کر دیا جائے گا اور وہ تمہارے لئے ناگوار ہوگا۔ دیکھئے الفاظِ قرآنیہ انتہائی غور طلب ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ منزلہ قرآن کریم پر) ایمان لائے

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ سوال کرو ان چیزوں سے کہ

إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْئَلُوا عَنْهَا

اگر ظاہر کیا جائے واسطے تمہارے، بُرا لگے تمکو اور اگر تم سوال کرو اُن سے

حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ

جب نازل ہو رہا ہے قرآن ظاہر کردیا جائیگا واسطے تمہارے، درگزر کیا اللہ نے

عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ ۱۰۱

اُس سے اور ہے اللہ بچاؤ دینے والا بُردبار

ہو! اُن مسائل کے متعلق سوال نہ کرنا (جو تمہاری شخصی آزادی پر چھوڑ دیئے گئے ہیں) اگر تمہارے لئے ظاہر کردیئے جائیں تو تمہارے لئے برے ہونگے (ناگوار ہونگے) اور اگر اس وقت میں کہ جس میں قرآن کریم نازل ہو رہا ہے اُنکے متعلق سوال کرو تو تمہارے لئے ظاہر کردیئے جائینگے۔ اللہ نے (تمہاری انفرادی پسند کو برقرار رکھنے کیلئے) خود درگزر فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ بچاؤ دینے والا بہت ہی بُردبار ہے۔

● ۱۔ یہاں تُبْدَ لَكُمْ کا مفہوم ہے تمہارے لئے نازل کردیئے جائینگے، جس پر حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ کے الفاظ شاہد ہیں۔

● ۲۔ تَسُؤْكُمْ کا لفظی معنی ہے وہ تمہیں برا لگیگا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہاری شخصی آزادی پر پابندی کے احکام نازل کردیئے جائیں تو تمہاری روزمرہ کی زندگی میں دشواری پیدا ہو جائیگی۔ جیسے کہ بعض اسلامی حلقوں میں یہ پابندی پائی جاتی ہے کہ اُٹھو تو یوں، بیٹھو تو یوں، لیٹو تو یوں، بیت الخلاء میں جاؤ تو یہ پڑھو، باہر نکلو تو یہ پڑھو وغیرہ ایسی پابندیاں وہ ہیں جو روزمرہ کی زندگی کو دشوار اور ناگوار بنا دیتی ہیں۔

شخصی آزادی ● آیت بالا میں ہر اس مسئلہ کے متعلق جس کی تفصیل قرآن میں نہ دیگئی ہو، فیصلہ کردیا ہے کہ وہ معاذ اللہ معاذ اللہ غلطی سے نہیں رہ گئی، بلکہ باندازِ عفو و رحمت ہر شخص کی انفرادی پسند کا حق برقرار رکھا گیا ہے۔ مثلاً کھانے کی چیزوں پر صرف حَلٰلًا طَيِّبًا کی قید لگائی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ کی حلال کردہ چیزیں جو حلال طریقے سے حاصل کی گئی ہوں کھاؤ۔ اور طیب بھی ہوں۔ یعنی تمہارے موافق مزاج بھی ہوں۔ اس حکم سے ثابت ہے کہ گائے کا گوشت، مسور کی دال، بینگن، بھنڈی وغیرہ ہر حلال چیز جس کے موافق مزاج نہ ہو تو اُسے نہ کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ ہاں اُنکو حرام ٹھہرانا منع ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو حرام یا حلال ٹھہرانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

لباس اور حجامت ● کھانے پینے کے علاوہ معاشرہ کے بیسیوں مسائل ہیں کہ اگر اُن پر پابندی لگادی جائے تو نہ صرف یہ کہ فرد کی شخصی آزادی سلب ہو جائے، بلکہ پورا معاشرہ شدید ترین جکڑبندیوں میں جکڑ کر رہ جائے۔ مثلاً لباس کے متعلق یہ پابندی لگادی جائے کہ صرف عربی قسم کا لباس ہی پہنا جائے لمبا چوغا تو کرۂ ارض کی پوری آبادی کیلئے دشوار ہو جائیگا۔ قرآن حکیم نے لباس کے ضمن میں صرف دو پابندیاں لگائی ہیں۔ کہ وہ ننگ پن کو ڈھانپے اور خوبصورت ہو۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۲۶/۷ اے نوعِ آدم بیشک ہم نے تم پر لباس پہننے کا حکم نازل کیا ہے اسلئے کہ وہ تمہارے ننگ پن کو ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو ــــــ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ کے الفاظ میں اس سے آگے تمام سوالوں سے منع کردیا ہے کہ یہ سوال نہ کرنا تہبند پہنیں یا شلوار، پاجامہ پہنیں یا پتلون، قمیض پہنیں یا کرتہ

کوٹ پتلون یا شیروانی، ٹوپی اوڑھیں یا پگڑی ۔ یہ تمام چیزیں مختلف افراد کی شخصی پسند اور مُلکی آب و ہوا اور وقتی حالات کے مطابق آزاد چھوڑ دی گئیں ہیں ۔ کیونکہ اسلام عالمگیر دین ہے ۔ اور دائرۂ اسلام میں کرۂ ارض کے ہر ملک کے افراد نے داخل ہونا ہے ۔

● یہی حال عورتوں کے لباس کا ہے ۔ انہیں ہر قطع کا شریفانہ لباس پہننے کی اجازت ہے کہ وہ اُنکا ننگ بھی ڈھانپے اور خوبصورت ہو ۔ ایسا تنگ بھی نہ ہو اور اتنا باریک بھی نہ ہو کہ پہنا ہُوا بھی ہے اور جسم کے تمام اعضاء الگ الگ تھرکتے ہُوئے دکھائی بھی دے رہے ہیں ۔ ایسا گندہ اور بُری قطع کا بھی نہ ہو کہ بدصورت دکھائی دے ۔ زیورات کے متعلق بھی عورتوں کی پسند پر صرف یہ قدغن لگائی گئی ہے :۔ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ ۲۴/۳۱ اور وہ اپنی زینت نامحرموں پر ظاہر نہ کریں ۔

بال کٹوانا یا منڈانا

● نیز بالوں کے متعلق یہ خبر دیگئی ہے :۔ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ ۴۸/۲۷ یعنی سروں کو منڈاتے ہُوئے یا کتراتے ہُوئے ۔ یعنی بالوں کو منڈانے یا کترانے کی اجازت تو دیدیگئی مگر یہ قید نہیں لگائی کہ بال مشرقی قطع کے کٹوائے جائیں یا مغربی طرز کے ۔ ڈاڑھی کے بال ضرور منڈائے جائیں یا ضرور کٹوائے جائیں کٹوائے جائیں تو کس قطع کے کٹوائے جائیں ۔ بلکہ ہر ملک، ہر قوم کے ہر فرد کی ذاتی پسند پر چھوڑ دئے گئے ہیں ۔ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ کے الفاظ منڈانے اور کٹوانے کا عمل سر کے بالوں پر وارد ہوگا ۔ ٹھوڑی بھی سر کا حصہ ہے جہاں بال موجود ہیں ۔ اسلیئے ڈاڑھی کے مسئلہ کو بھی منڈانے اور کٹوانے کی قید کیساتھ ہر قطع و وضع کی ڈاڑھی کی اجازت ہے جسے کوئی ملک قوم یا فرد پسند کرے ۔ شرط یہ ہے کہ وضع خوبصورت ہو قطع خوش کن ہو ۔ نہ یہ کہ ڈاڑھی اس انداز کی ہے کہ بالوں کا ایک پھندنا سا ٹھوڑی کے نیچے لٹک رہا ہے اور دو پھندنے دائیں بائیں کانوں کے پاس آویزاں ہیں ۔ پس اس شخصی آزادی کے بعد حجامت سے متعلقہ مزید سوال کرنے سے منع کر دیا گیا ہے ۔

● یہی حال عبادات و معاملات سے متعلقہ مسائل کا ہے کہ جو کچھ بیان کر دیا گیا ہے اُس سے نہ بے اعتنائی کی جائے اور نہ اُس پر کچھ اپنی طرف سے بڑھایا جائے ۔ صلوٰۃ موقّت (نماز) کو جن حدود میں محدود اور جن شرائط کیساتھ مشروط کر دیا گیا ہے اُنکے اندر رہا جائے ۔ خداوندی حدود و مشروط کو نہ توڑا جائے ۔ حاصل کلام یہ کہ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ کے حکم میں واضح کر دیا گیا ہے کہ حلال و حرام، لباس، حجامت کھانے پینے کے طور طریقوں، عبادات و معاملات کے مسائل میں جو پابندیاں لگائی گئی ہیں اُنکے اندر رہکر اپنی شخصی پسند کے مطابق عمل کرتے چلے جاؤ ۔ مسائل کی بے جا کرید کر کے دین میں مشکلات پیدا نہ کرو ۔

لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ کی روائتی تفسیر

● آیت مجیدہ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ ..... کا شانِ نزول بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے عربی متن کے سامنے اردو ترجمہ

میں لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے آنحضورؐ سے مذاق کے طور پر کچھ سوال کئے "ایک آدمی نے پوچھا حضورؐ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا فلاں شخص تیرا باپ ہے، کیونکہ لوگ اُسے حرامی کہا کرتے تھے۔ آپ نے اُسے وہی نام بتایا جس کی طرف وہ منسوب کیا جاتا تھا" اِس پر یہ آیت اُتری کہ سوال کرو گے تو بتا دیا جائیگا اور تمہیں بُرا لگیگا۔ کہ پہلے تو سائل کا حرامی ہونا مشکوک تھا مگر اب مصدقہ ہو گیا۔ العیاذ باللہ!

● مولوی احمد علی لاہوری مرحوم نے اِس آیت ۵/۱۰۱ کا مفہوم حاشیہ پر بالکل ٹھیک لکھا ہے جو الفاظِ قرآنیہ اور تصریفِ آیات کے عین مطابق ہے:۔ "صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ سوالات کرنے سے روکا گیا ہے کہ جو حکم ملے فقط اُسکی تعمیل کرو۔ ورنہ جو پوچھو گے تو جواب ملیگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری آزادی کا دائرہ تنگ ہو جائیگا اور تم تکلیف اُٹھاؤ گے" یہی مفہوم صحیح ہے، جزاہُ اللہُ احسن الجزاء۔ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز ایسا ہے جیسے اگر بلاغ القرآن اپنائیے یا مولوی احمد علی مرحوم، نتیجہ ایک ہی برآمد ہوگا۔

توہماتی دلدلوں سے نکلو

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں توہماتی دلدلوں سے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، بعض لوگوں نے آبائی متوارث طریقے سے بعض جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ اُنکے متعلق جب قرآنِ کریم نے فیصلہ دیا کہ نہ وہ حرام ہیں نہ مقدس کہ اُنہیں کھایا نہ جائے تو وہ آبائی رسم کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ ارشاد ہوا ہے:۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا

بیشک سوال کیا اسکا ایک قوم نے سے پہلے تمہارے پھر وہ ہوگئے

بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّ

ساتھ اسکے انکار کرنیوالے۔ نہیں ٹھہرایا اللہ نے بیچ سے بحیرہ کے اور

لَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ

نہ سائبہ کے اور نہ وصیلہ کے اور نہ حام کے ولیکن

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

جن لوگوں نے کفر کیا اُنہوں نے بہتان باندھا اوپر اللہ کے جھوٹ

وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ۱۰۲-۱۰۳

اور اکثریت اُنکی عقل نہیں رکھتے

بیشک سوال کیا اِس کا تم سے پہلے ایک قوم نے۔ (پھر جب ہم نے اپنی کتاب میں فیصلہ دیدیا) تو وہ اِس کا انکار کرنے والے ہو گئے۔ اللہ نے بحیرہ کو حرام کیا ہے نہ سائبہ کو اور نہ حام کو۔ ولیکن (حقیقت یہ ہے کہ) جن لوگوں نے (اللہ کے فیصلے کا) اِنکار کیا، اُنہوں نے اِنکی حرمت کا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا بہتان باندھا ہے۔ اُنکے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (کہ یہ حلال جانور حرام کس طرح ہو سکتے ہیں)۔

(نوٹ:۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی وضاحت نیچے ملاحظہ فرمائیں)

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کیا ہیں

● بحیرہ کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ب۔ ح۔ ر۔ بحر ہے عربوں کے ہاں بحیرہ اُس اُونٹنی کو کہتے ہیں جو دس بچے جن چکے۔ یعنی اُسنے بچوں کا سمندر کہا جاتا تھا۔

● سائبہ کے لفظ کا سہ حرفی مادہ س-ی-ب = سیب ہے ۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے جاری ہونا۔ جیسے کہ سَیَبَ السَّماءُ کا معنیٰ ہے پانی جاری ہو گیا۔ اس طرح سائبہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی اولاد سے اولاد پیدا ہونی شروع ہو چکی ہو۔

● وصیلہ کا لفظ مادہ و-ص-ل = وصل سے ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے ملنا، ملانا، ملا ہوا پانا۔ اس طرح وصیلہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جو ہر بار مسلسل دو دو بچے جننے والی ہو یعنی جس کے ہر حمل میں دو بچوں کا وصل پایا جائے۔

● حام کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ح-م-ی = حمی ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے معاون ہونا۔ حمایت اور حامی کے الفاظ اسی مادہ سے مشتق ہیں۔ اسی طرح عربوں کے ہاں اُس اونٹ کو حام کہتے ہیں جو اونٹنیوں کو حاملہ کرنے میں پورا حامی ہو۔ کمزوری نہ دکھاتے۔

● اِن چار قسم کے اونٹ اونٹنیوں کو اُن کی کثرتِ اولاد کی مخصوص خدمت کے باعث مقدس خیال کیا جاتا اور اُن کا کھانا حرام قرار دیدیا گیا تھا۔ اِن جانوروں کا گوشت نہ کھانا شخصی آزادی کی رُو سے تو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے مگر اِن جانوروں کو دوسرے جانوروں سے الگ طور پر مقدس قرار دیتے ہوئے توہمات کی دلدل میں پھنس کر اُنہیں حرام قرار دے دینا خداوندی فیصلے کی نافرمانی ہے کیونکہ ۵/۱ کے حکم اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ میں داخل ہونے کی بدولت یہ سب جانور حلال ہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ توہمات کی دلدلوں سے نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ جب اُنہیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے تقدس کی نفی کر دی گئی تو اُنہوں نے کہا کہ ہم اُس راہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ

اور جب کہا جائے واسطے اُنکے آؤ طرف اُسکے جو نازل کیا اللہ نے

وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

اور طرف رسول کے تو کہتے ہیں کافی ہے ہمارے لئے جو پایا ہم نے اوپر اُسکے

آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

باپ دادا اپنوں کو۔ اور اگرچہ تھے باپ دادا اُنکے نہیں جانتے تھے

شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ○ ۱۰۴

کچھ بھی اور نہ وہ ہدایت پاتے تھے۔

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس (لاریب کتاب) کی طرف جو اللہ تعالیٰ (نے اپنے رسولؐ کی طرف نازل فرمائی ہے) اور آؤ اُسکے رسولؐ کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی راستہ کافی ہے جس پر ہم نے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ اور اگرچہ اُنکے آباؤ اجداد نہ تھے کچھ بھی جانتے اور نہ وہ تھے کہ راہ ہدایت کو پاتے۔

باپ دادا کا تواتر کوئی سند نہیں

● باپ دادا کے عمل کو سند ٹھہرانے کے واہمہ کو باطل قرار دیتے ہوئے اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا:

سبیلہ :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اوپر تمہارے ہیں عمل تمہارے
لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ
نقصان دیگا تمکو جو گمراہ ہوا جب ہدایت پاؤ تم طرف اللہ کے ہے
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝١٠٥
لوٹ جانے کی جگہ تمہاری سب کی پھر وہ خبر دیگا تم کو جو تم عمل کیا کرتے تھے

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ لاریب قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو تمہارے اعمال کی جوابدہی تمہاری جانوں پر ہے۔ جب تم (توہمات باطلہ کو چھوڑ کر) ہدایت پالو تو جو گروہ (اپنے باپ دادا کے اعمال کو سند ٹھہراتا ہے) وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیگا۔ (تم اُن سے ڈرو مت۔ اعمال کی جوابدہی کیلئے) تم سب کی لوٹ کر جانے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر وہ تمہیں اُسکی صحیح خبر دیگا جو تم عمل کیا کرتے تھے۔

● اس آیت مجیدہ میں آباؤ اجداد کی روش کے تواتر کو سند ٹھہرانے کی تردید کر کے قرآنی سند کی تائید کر دی گئی ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ تم صرف اپنے اعمال کے جوابدہ ہو۔ اور تمہارے باپ دادے اپنے اعمال کے جوابدہ ہونگے۔ قیامت کی عدالت عالیہ میں تم نے اور تمہارے باپ دادوں، سب نے حاضر ہونا ہے۔ پھر جو عمل تم تواتر کی سند سے صحیح تسلیم کر کے کیا کرتے تھے یا جو تم نے قرآن مجید کو سند مان کر اعمال کئے تھے، اللہ تعالیٰ تمہیں اُن سب سے مطلع کر دیگا۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت بالا سے یہ ہے کہ اُوپر قیامت کی حاضری کا ذکر ہے جس کا مقام موت کے بعد کا ہے۔ اسلئے موت سے متعلق ایک اہم حکم دیا گیا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو گواہ ٹھہرانا ہے درمیان تمہارے جب
حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ
حاضر ہو ایک تمہارے پر موت - وقت وصیت کے
اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ
دو صاحب عدل کے میں سے تمہارے یا دو دوسرے میں سے غیر تمہارے
اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ
اگر تم سفر کر رہے ہو بیچ زمین کے۔ پھر آجائے تم کو
مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ
مصیبت موت کی۔ (گواہی کیلئے) روک لو دونوں کو سے بعد

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ لاریب قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو۔ تمہارے درمیان گواہ ٹھہرانا لازم ہے جب تم میں سے کسی پر موت آجائے۔ تو (وصیت کرنا فرض ہے $\frac{۲}{۱۸۰}$) وصیت کے وقت دو گواہ اپنے میں سے صاحب عدل مقرر کرنے ہیں یا غیروں میں سے دو صاحب عدل۔ اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو پھر تم پر موت کا وقت آجائے۔ پھر گواہی دینے کے وقت مقررہ گواہوں کو گواہی دینے کیلئے (فجر کی صلوٰۃ) (نماز) کے بعد روک لیا کرو۔ (فجر کی نماز آیت ذیل کے مطابق سب کی حاضری کا وقت ہے اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا $\frac{۱۷}{۷۸}$ اسلئے سب لوگ نماز کے بعد چلے جائینگے لیکن گواہوں کو گواہی دینے کیلئے روک لیا جائیگا)

الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا
نماز کے - پھر وہ دونوں قسم کھائیں ساتھ اللہ کے اگر تم شک کرو - نہیں
نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ
ہم بیچیں گے ساتھ اُسکے کوئی قیمت اور اگرچہ ہو والا قرابت کا - اور نہ چھپائینگے
شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ○ ۱۰۶
گواہی اللہ کی - ہم ہونگے اُسوقت البتہ میں سے گنہگاروں کے

پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں (یہ کہتے ہوئے کہ) اگر تم شک کرو تو حقیقت یہ ہے کہ ہم اس قسم کو کسی بھی قیمت پر نہیں بیچیں گے، اگرچہ (ہماری گواہی جس کے خلاف پڑتی ہو) وہ ہمارا قریبی ہی ہو - اور ہم اللہ کی گواہی کو چھپائینگے نہیں - (اگر ہم ایسا کریں تو) اُس وقت ہم ضرور گنہگاروں میں سے ہونگے -

شہادت کی تحقیق اپیل کا حق

● سلسلہ درس کی اگلی آیت میں قاضی یا جج کا فرض بتایا گیا ہے کہ جو شہادت دیگئی ہے اُسکی تحقیق کرے - کسی فریق کی طرف سے مشکوک اطلاع ملنے پر مزید گواہ لائے جائیں۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ
پھر اگر اطلاع دیجائے اوپر اسکے کہ بیشک وہ دونوں مستحق ہیں گناہ کے تو دو اور دوسرے
يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ
وہ کھڑے ہوں جگہ اُن دونوں کی، میں سے اُن کے جو مستحق ہیں اوپر اُنکے
الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ
زیادہ قریبی - پھر وہ قسم کھائیں ساتھ اللہ کے البتہ گواہی ہماری
اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا
زیادہ سچی ہے گواہی اُن دونوں کی اور نہیں کریں گے ہم زیادتی بیشک ہم اُسوقت
لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ ۱۰۷
البتہ ظالموں میں سے ہونگے

پھر اگر اسکے بعد (کسی طرف سے) یہ اطلاع دی جائے کہ دونوں گواہ (غلط گواہی دیکر) گناہ کے مستحق ہوتے ہیں تو دو دوسرے گواہ اُنکی جگہ کھڑے ہوں جو گناہ کے مستحق ہوئے ہیں، وہ دونوں زیادہ قریب ہوں شہادت کے - پھر وہ دونوں خدا کی قسم اُٹھاکر کہیں کہ ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے - اور ہم حقیقت حال سے تجاوز نہیں کریںگے - اگر ہم ایسا کریں تو بلاشبہ ہم ظالموں (بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں) سے ہونگے -

● اس آیت مجیدہ میں اُس فریق کو جس کا حق جھوٹی گواہی کے ذریعہ دبا لیا گیا ہو اپیل کا حق دیا گیا ہے - اور سابقہ گواہوں کی گواہی باطل ثابت کرنے کیلئے اُنکی جگہ ایسے دو گواہ اور لانے کا حکم دیا گیا ہے جو وصیت کے وقت موجود تھے اور سابقہ گواہوں کی نسبت حقیقت شہادت کو زیادہ بہتر جانتے ہوں - گواہوں پر اور گواہ لانے کی ایک اور غرض اگلی آیت میں بتائی گئی ہے:-

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ
وہ زیادہ قریب ہے کہ لائیں ساتھ گواہی کے اوپر حقیقت اُسکی کے

مذکورہ حکم اسلئے دیا گیا ہے کہ دونوں گواہ گواہی کو اُسکی اصلیت پر لائیں - اور اِس چیز سے ڈر جائیں کہ اُنکی

اَوْ یَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ ؕ وَ
یا وہ ڈریں کہ لوٹائی جائیگی قسم بعد قسم انکی کے اور
اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ
ڈرو اللہ سے اور سنو ۔ اور نہیں اللہ ہدایت دیتا قوم
الْفٰسِقِیْنَ ۝ ۱۰۸ ع ۱۴
حد سے تجاوز کرنے والوں کو

قسم کے بعد کوئی اور قسمیں لوٹائی جائینگی ۔ (یعنی اُنکی غلط شہادت کی پڑتال کی جائیگی) اور اللہ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو (اور سچی شہادتیں دیا کرو) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والی قوم کو ہدایت یافتہ قرار نہیں دیتا۔

ایک اہم آیت مجیدہ ● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں رسل انبیاء کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب کو جمع کر لیا جائیگا ۔ اور اُن سے پوچھا جائیگا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے بعد تمہیں کس طرح قبول کیا گیا تھا وہ کہینگے کہ ہم نہیں جانتے ۔ چنانچہ آگے چل کر آیت نمبر ۱۱۶ ۔ ۱۱۷ میں بتایا گیا ہے، قیامت کو جماعت انبیاء میں سے حضرت مسیح سے پوچھا جائیگا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو الٰہ بنا لو ۔ تو وہ کہینگے بار الٰہا میں نے نہیں کہا تھا ۔ جبتک میں اُن میں رہا میں اُنکا نگران تھا جب تو نے مجھے فوت کر دیا تو پھر اُن پر تو نگران تھا مجھے معلوم نہیں کہ اُنہوں نے میرے بعد میری دی ہوئی تعلیم میں کیا تبدیلی کر لی تھی ۔ اِن آیات مجیدہ میں اِس عوامی عقیدہ کی تردید ہو گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندگی میں بھی غیب جانتے تھے اور وفات کے بعد بھی غیب دان ہیں ۔ دیکھئے ارشاد باری ہے :-

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ
جس دن جمع کریگا اللہ رسولوں کو تو کہیگا ۔ کس طرح قبول کئے گئے تم
قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝
کہینگے نہیں علم واسطے ہمارے ۔ بیشک تو ہی خوب جاننے والا ہے غیبوں کا
۱۰۹

وہ (قیامت کا) دن قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ سارے رسولوں کو (دوبارہ پیدا کر کے) جمع کریگا اور اُن سے کہیگا (کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے بعد) کس طرح قبول کیا گیا تمہا کو تو وہ کہینگے کہ ہم نہیں جانتے (کہ ہمارے بعد ہماری قوموں نے کیا کیا) غیبوں کا خوب جاننے والا تو صرف تو ہی ہے ۔

● اِس آیت مجیدہ کے الفاظ مَاذَآ اُجِبْتُمْ سے یہ مفہوم اخذ کرنا مطلقاً غلط ہے کہ رسل انبیاء سے اُنکی زندگی کے متعلق پوچھا جائیگا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا' یا تم کس طرح قبول کئے گئے تھے ۔ تو وہ کہینگے ہم نہیں جانتے ۔ حالانکہ حضرت نوح نے زندگی میں حضور خداوندی میں ایک طویل فریاد کی تھی ۔ کہ بار الٰہا میں نے اپنی قوم کو دن کو بھی تبلیغ کی رات کو بھی خفیہ بھی کی اور ظاہر بھی، مجمع کو بھی کی اور اکیلے اکیلے کو بھی ۔ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۷۱ مگر میری تبلیغ نے انہیں نہ کیا زیادہ مگر مجھ سے بھاگ جانے میں ۔ حتیٰ کہ حضرت نوح نے عرض کیا ۔ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۵۴ بیشک میں مغلوب ہو گیا ہوں میری مدد فرما ۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ایک عظیم طوفان کے ذریعہ پوری نافرمان قوم کو غرق کر دیا ۔ یہ

سب کچھ حضرت نوحؑ نے خود کہا اور یہ اُن کے ساتھ واقعہ ہُوا۔ کیا وہ قیامت کو کہہ سکتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ زندگی میں مجھے کیا جواب دیا گیا یا مجھے کس طرح قبول کیا گیا تھا۔ پس اِن حقائق کے قرائنِ ثابتہ کے مطابق مَاذَآ اُجِبْتُمْ کے بعد بَعْدَ کُمْ کے الفاظ محذوف و مقدّر ہیں۔

● قیامت کے دِن رسولوں سے مخاطب ہونے کے متعلق اگلی آیتِ مجیدہ میں حضرت مسیحؑ سے ایک طویل خطاب کرنے کی خبر دی گئی ہے:۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ

جب کہیگا اللہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے یاد کر

نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ

نعمت میری اوپر تیرے اور اوپر تیری ماں کے جب مدد دی تجھے ساتھ

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ

تعلیم پاک کے۔ تو کلام کرتا تھا لوگوں سے بیچ کم عمری کے اور

كَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

ادھیڑ عمر میں یعنی جب سکھائی میں نے تجھے کتاب باحکمت یعنی تورات

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ

اور انجیل اور جب تو پیدا کرتا میں سے کیچڑ کے شکل صورت پرندے

بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ

ساتھ قانون میرے پھر تو پھونکتا بیچ اُس کے پھر ہو جاتا پرندہ ساتھ قانون میرے اور تو

الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

ٹھیک کرتا مادر زاد اندھوں کو اور برص والوں کو ساتھ قانون میرے اور جب تو نکالتا مردے

بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ

ساتھ قانون میرے اور جب روک دیا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

آیا تو اُن کے پاس ساتھ دلائل کے تو کہا جنہوں نے انکار کیا اُن میں سے

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ۱۱۰

نہیں یہ مگر جھوٹ ہے ظاہر

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (قیامت کو) اللہ تعالیٰ کہیگا اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر میری اُس نعمت کو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کی۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے اپنی پاک کلام (اپنی کتاب) کیساتھ تیری مدد کی۔ تو کلام کرتا تھا لوگوں سے (میرا پیغام پہنچاتا تھا لوگوں کو) کم عمری میں بھی اور ادھیڑ عمر میں بھی۔ یعنی وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے سکھائی تجھے کتاب حکمت والی تورات اور انجیل۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تو تقلید کی کیچڑ میں پھنسے ہوؤں کو میرے قانون کے مطابق تقلید کی کیچڑ سے نکال کر پرندوں کی طرح آزاد کر دیتا تھا۔ پھر تو اُن میں میری کتاب کی تعلیم پھونکتا تھا۔ پھر وہ میرے قانون کے مطابق پرندے کی طرح آزاد ہو جاتا تھا۔ اور تو میرے قانون کے مطابق اُن مادر زاد (ایمانی) اندھوں کو ایمانی بینا کر دیتا تھا اور برص کے ایمانی مریضوں کو (جو نہ مومن ہوتے نہ کافر) اُنکی ایمانی برص (منافقت) کو میرے قانون کے مطابق دور کر دیتا تھا۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تو میرے قانون کیساتھ ایمانی مُردوں کو (کفر کی موت سے) نکالتا تھا۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک دیا (انہیں شکست دیدی ۶۱/۱۴) جب تو اُنکے پاس (تورات و انجیل کے) دلائل لیکر آیا تو جن لوگوں نے انکار کیا اُنہوں نے کہا یہ تو کھلا جھوٹ ہے۔ (اس کے بعد اُنکے ایک گروہ نے آپ سے جنگ کی مگر وہ شکست کھا گئے حضرت مسیحؑ اور آپکے حواری فتحیاب ہُوئے ۶۱/۱۴)

● ۱؎ روح بمعنی وحی کی تعلیم اور قدس بمعنی پاکیزہ۔ پس روح القدس کا معنیٰ پاکیزہ تعلیم ہے۔ روح بمعنی وحی کے لئے دیکھئے آیات مجیدہ ۱۶/۲ + ۱۷/۸۵ + ۴۰/۱۵ اور ۴۲/۵۲ - ۴۲/۵۲ میں آیا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور اے رسولؐ اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنی روح (کتاب لاریب) وحی فرمائی۔

● ۲-۳؎ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ سے یہ تصور لینا کہ آپ نے جھولے میں باتیں کی تھیں وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۳۵/۴۳ کے مطابق صحیح نہیں۔ کہ اے مخاطب! تو اللہ کی سنت جاریہ میں کبھی تبدیلی نہیں پائیگا۔ نبی کا تکلم اللہ کا پیغام پہنچانا ہوتا ہے۔ مھدًا کا معنیٰ محاورہ کے طور پر کم عمر نوجوان کا کار تبلیغ بجالانا ہے۔ جیسے کہ کم عمر نوجوان کو جھولے کا بچہ محاورۃً کہا جاتا ہے۔ اِسکے علاوہ حضرت مسیحؑ کیلئے جو کھلاً کا لفظ آیا ہے اِس سے ثابت ہے کہ آپ ادھیڑ عمر تک کارِ تبلیغ بجالاتے رہے، آپکا نوجوانی ہی میں کار تبلیغ سے الگ ہو جانا یا الگ کر لیا جانا ازروئے قرآن غلط ہے۔

● ۴؎ کتاب و حکمت ایک چیز ہے دو نہیں۔ ۳۶/۲ میں والقرآن الحکیم کے الفاظ سے ثابت ہے قرآن حکمت والا ہے حکمت قرآن کے اندر ہے باہر نہیں۔ کتاب و حکمت کی درمیانی واؤ تفسیری ہے یعنی کتاب حکمت والی۔

● ۵؎ طین کا معنیٰ کیچڑ ہے، کیچڑ کے کھلونے ہی بنائے جا سکتے ہیں، اور کھلونوں میں زندگی کا پیدا ہونا تو سنت جاریہ ۳۵/۴۳ ہی کے خلاف ہے۔ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو توہمات کے کیچڑ سے نکال کر آزاد ذہن سے سوچنے والے آزاد انسان بنا دیا تھا۔ تاکہ وہ ہر مسئلہ کو آزاد ذہن کیساتھ سوچنے سمجھنے کے بعد عقیدہ میں رکھیں۔

● ۶؎ اللہ کا اذن اُسکا قانون ہے، جیسے سورہ اعراف ۷/۵۷-۵۸ میں آیا ہے:۔ ہم بارشیں برساتے ہیں، اُسکے ذریعہ اپنے رب کے قانون کیساتھ بِاِذْنِ رَبِّهٖ عمدہ زمین عمدہ فصل پیدا کرتی ہے، اور ناقص زمین ناقص پیداوار جھاڑ بوٹ وغیرہ ہی اُگاتی ہے۔ اچھی زمین سے اچھی اور ناقص زمین سے ناقص پیداوار کا پیدا ہونا اللہ کا قانون ہے، جیسے کہ بِاِذْنِ رَبِّهٖ کے الفاظ میں قانون کیلئے اذن کا لفظ لایا گیا ہے پس قرآنی لغت کے مطابق اذن بمعنی قانون بھی ہے۔

● ۷؎ یہاں نفخ کا معنیٰ ہے تعلیم دینا۔ ۱۵/۲۹ + ۳۸/۷۲ میں ملائکہ سے بزبانِ حال یہ کہنے کی خبر دی گئی ہے:۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ ۱۵/۲۸-۲۹، میں نوعِ بشر کو بدبودار سڑے ہوئے کیچڑ سے پیدا کرنیوالا ہوں۔ پھر جب پیدا کرنے کے بعد ارتقائی منازل سے گزار کر صحیح سالم کر لوں اور پھر جب اُس میں اپنی روح (تعلیم ۱۶/۲ + ۴۰/۱۵) نفخ کر دوں۔ تو تم اُسکے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیدا کر چکنے اور صحیح سالم کر چکنے کے بعد روح پھونکنے کا کیا مطلب؟ اسکا جواب اِسکے سوا نہیں کہ جب اللہ کا شاہکارِ عظیم نوعِ انسانی (اپنے الگ انسانی جرثومہ سے پیدا ہونے کے بعد) ارتقائی منازل طے کر کے موجودہ شکل میں آئی۔ تو اب اُسے تعلیم ربّانی کی ضرورت تھی جو انبیاءؑ کے ذریعہ نفخ ہوئی۔ اور انسان ملائکہ سے سجدہ کروانے کے قابل ہو گیا چنانچہ اُسوقت سے لیکر آجتک ملائکہ اُسکے سامنے سجدہ ریز ہیں اور بدستور سجدہ ریز ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

● ۸ طَارَ یَطِیْرُ کا مطلقاً معنیٰ ہے ہوا میں آزاد اُڑنا۔ طَیْر بمعنی پرندہ اور آزاد ذہن والا انسان بطور محاورہ آتا ہے۔

● ۹ الاکمہ کا معنیٰ ہے مادر زاد اندھا۔ یہاں یہ لفظ محاورہ کے طور پر اس شخص کیلئے آیا ہے جسے الٰہی تعلیم پہنچی ہی نہ ہو۔

● ۱۰ ابرص بمعنی پھلبہری والا یعنی وہ جسے وحی کی تعلیم پہنچی مگر وہ آدھا سیاہ آدھا سفید تذبذب کا شکار ہو گیا۔

● ۱۱ یہاں الموتیٰ سے حقیقی مُردے مراد نہیں وہ تو قیامت کو نکالے جائینگے یہاں ایمانی مُردوں کو ایمانی زندگی دینا مراد ہے۔ جیسے کہ زمانۂ رسالتِ محمدی کے کمزور ایمان والوں کو کہا گیا۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۸/۲۴ اے ایمان کے دعویدارو! جب اللہ اپنے رسول کے ذریعہ بلائے تو اسکے بلاوے کو قبول کیا کرو تاکہ وہ تمہیں ایمانی زندگی عطا کرے۔

● ۱۲ اِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کی تفسیر ۶۱/۱۴ میں آئی ہے فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ۝ ہم نے مسیحؑ اور اُسکے صحابہؓ کی دشمنوں کے مقابلے پر مدد کی اور وہ غالب آ گئے۔

● ۱۳ تقابلِ ضدین کے ذریعہ لفظ سحر کا معنیٰ سکرار بنا دیا گیا ہے جھوٹ۔ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۝ ۴۶/۷ جب اُنکے پاس حق آیا تو کافروں نے کہا یہ کھلا جھوٹ ہے۔

قومِ بنی اسرائیل نے ہموار معاشرہ کا انکار کیا

● آیتِ بالا کے آخری الفاظ میں جو بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیش کردہ دلائل کو انکار کرنیوالوں نے کھلا جھوٹ قرار دیا۔ اُسکی تفصیل اگلی آیاتِ مجیدہ میں آئیگی۔ کہ جب حضرت مسیحؑ نے ہموار معاشرہ کی تشکیل کا تصور پیش کیا تو اسے جھٹلا دیا گیا۔ واضح رہے کہ حضرت مسیحؑ نے ہموار معاشرہ کو اپنا مطمحِ نظر قرار دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ ۳/۵۱ + ۵/۱۱۷ + ۱۹/۳۶ بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے میری تحریک کے نتیجے میں جو معاشرہ قائم ہوگا، اس میں مجھے کوئی خاص رعائتیں میسر نہ ہونگی۔ ربوبیت کے لحاظ سے معاشرہ میں میرا اور تمہارا ایک ہی مقام ہوگا۔ لیکن قوم نے کہا یہ تو کھلا جھوٹ ہے، کیا کبھی معاشرہ کے تمام لوگوں کو ایک سطح پر لایا جا سکتا ہے؟

ہموار معاشرہ کا شوق

● ربطِ کلام کی اسی موافقت کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی تین آیاتِ مجیدہ میں اصحابِ مسیحؑ کے شوق کا ذکر کیا گیا ہے جو اُن میں ہموار معاشرہ قائم کرنے کا پیدا ہوا۔ ملاحظہ ہو ارشادِ باری:-

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا

اور جب وحی کی میں نے طرف حواریوں کے کہ ایمان لاؤ

بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا

ساتھ میرے اور ساتھ رسول میرے کہا ایمان لائے ہم اور تو گواہ رہ ساتھ اسکے بیشک ہم

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے (اپنے نبی مسیحؑ کے ذریعہ) حواریوں کی طرف وحی فرمائی کہ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ ایمان لاؤ۔ اُنہوں نے کہا ہم تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائے۔ اور (اے اللہ!) تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار

مُسْلِمُوْنَ ۝ ۱۱۱
فرمانبردار ہیں

ہیں (تیرے رسول مسیحؑ کی لائی ہوئی تعلیم ربوبیت کے قیام کیلئے ہمہ تن معروف ہیں)۔

● حضرت مسیحؑ کے مقدس صحابہؓ حواریوں نے ہموار معاشرہ کی ابتدائی ہدایات یعنی آپس میں معاشی مساوات قائم کرنے کی ابتدا کردی۔ یہ ہے بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ کا مفہوم۔ مسلمون فرمانبرداروں کو کہا جاتا ہے صرف زبانی زبانی ایمان لانیوالوں کو نہیں۔ اُنہیں یہ شوق پیدا ہوا کہ اِس معاشی مساوات کی اساس پر ایک حکومت پیدا ہو جائے جس میں سب لوگوں کے کھانے پینے کا بافراغت انتظام ایک بچھے ہوئے دستر خوان کی صورت میں ہر آن موجود ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے حضرت مسیحؑ سے بالفاظ ذیل درخواست کی:۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ بیٹے مریمؑ کے

هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً
کیا طاقت رکھتا ہے رب تیرا کہ نازل کرے اوپر ہمارے دستر خوان

مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۱۲
میں سے آسمان کے۔ کہا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم مومن

وہ وقت قابل ذکر ہے جب (صحابہؓ مسیحؑ) حواریوں نے کہا کہ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کیا تیرے رب میں یہ طاقت ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان نازل کرے (یعنی مساوی تقسیم رزق کا آسمانی نظام قائم ہوجائے جس میں کوئی محروم ربوبیت نہ ہو) مسیحؑ نے کہا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ کے قانونِ ربوبیت کی مخالفت سے) بچو (نزولِ مائدہ ہو جائیگا)۔

● اِس پر حضرت کے صحابہؓ نے جو نظام ربوبیت کے قیام کیلئے ہمہ تن معروف عمل تھے، عرض کیا کہ مائدہ کے متعلق ہمارا ارادہ یہ ہے:۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ
کہا اُنہوں نے ہمارا ارادہ ہے کہ ہم کھائیں بیچ سے اُس کے اور اطمینان پائیں

قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ
دل ہمارے اور ظاہر کریں ہم کہ بیشک سچ کہا تو نے اور ہم ہوں

عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ۱۱۳ الربع
اوپر اُسکے بیچ سے گواہوں کے

(حواریوں نے) کہا ہم سب کا ارادہ یہ ہے کہ ہم سب اُس (دستر خوان) سے مساوی طور پر کھائیں۔ اور (معاشی مسئلہ کی طرف سے) ہم سب کے اذہان مطمئن ہو جائیں۔ اور ہم عملاً ظاہر کردیں کہ آپ نے سچ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے ($\frac{19}{36}$ + $\frac{2}{5}$) اور ہم سب اِس (منصفانہ مساوی تقسیم رزق پر خود عیسیٰ) گواہ ہو جائیں۔

ہموار معاشرہ ہی عید ہے

● اِس پر حضرت مسیحؑ نے حضورِ الٰہی میں نزولِ مائدہ (یعنی ہموار و متوازن معاشی نظام کے قیام) کیلئے دعا فرمائی۔ دعا اپنے انکو حصولِ مقصد کیلئے سرگرمِ عمل رہنے کی تحریک ہوتی ہے۔ آپنے عرض کیا:۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ ۱۱ کہا مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہ اے اللہ ہم سب کے (ایک

کہ عیسیٰ بیٹے مریم نے اے اللہ رب ہم سب کے نازل کر عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا اوپر ہمارے دسترخوان طرف سے آسمان کے ہو جائے واسطے ہمارے عید لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ ۖ وَارْزُقْنَا واسطے پہلوں ہمارے اور پچھلوں ہمارے اور نشانی طرف سے تیرے اور ہمیں رزق دے وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ○ ۱۱۴ حقیقت یہ ہے کہ تو رزق دینے والوں بہتر رزق دینے والا ہے	جیسے) رب ہم پر آسمان سے ایسا دسترخوان نازل فرما کہ وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں سب کیلئے عید ہو جائے۔ (یعنی بار بار لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی بن جائے۔ سب کا معاشی مسئلہ حل ہو جائے) اور وہ تیرے قانونِ ربوبیت کی ظاہر نشانی ہو۔ (یعنی ہمیں، سب کو متوازن و ہموار رزق عطا فرما) حقیقت یہ ہے کہ تو سب رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے ؎

● خیر الرازقین کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ کرۂ ارض پر تقسیمِ رزق کے جتنے بھی نظام ہیں یا ہونگے، اُن سب سے بہتر نظام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے ہموار و متوازن۔

عید کا قرآنی مفہوم

● لفظ عید کا سہ حرفی مادہ ع۔ و۔ د = عود ہے۔ اِس کا مصدری معنیٰ ہے لوٹ لوٹ کر آنا۔ اِسی مادہ سے مشتق ہے لفظ اعادہ۔ عربی ادب میں عید کا بنیادی معنیٰ ہے لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی۔ آیتِ بالا میں چونکہ عید کا لفظ المائدہ یعنی بچھے ہوئے دسترخوان کے ضمن میں آیا ہے۔ اسلئے یہاں عید کا معنیٰ صرف وہ خوشی نہیں جو سال کے بعد ایک مرتبہ آئے، بلکہ اس سے مراد وہ لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی ہے جو ہر روز ناشتہ، نہار، عصرانہ اور عشائیہ کی صورت میں مسلسل چار مرتبہ لوٹ لوٹ کر آتی رہے۔ اور یہی صورت، اطمینانِ قلب کی مشاہداتی تفسیر ہے۔ (جبتک معاشی مسئلہ حل نہ ہو، اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوتا)

● آیاتِ بالا سے روایاتی تفاسیر نے یہ تاثر دیا ہے کہ حواریوں کی اِس درخواست پر کہ کیا آپکا رب آسمان سے مائدہ نازل کر سکتا ہے، حضرت مسیح نے حضورِ الٰہی میں نزولِ مائدہ کی دعا فرمائی کہ اُن پر آسمان کا پکا پکایا کھانا نازل ہوا کرے، حالانکہ جب ۳۵/۴۳ فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا کے مطابق اللہ تعالیٰ کی سُنّتِ جاریہ میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ آپکی نزولِ مائدہ کی دعا کا یہ مفہوم ہو کہ باری تعالیٰ اپنی سنت کو بدل کر آسمان سے روٹیاں نازل کرے۔)

● حقیقت یہ ہے کہ دعا اپنے آپکو عمل کی تحریک ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص یہ دعا کرتا ہے کہ بارالٰہا میرے کھیت کو لہلہاتی فصل کیا تمہ بھر دے۔ تو اُسکا یہ مطلب اخذ کرنا عقل سے دوری و مجبوری کی دلیل ہے کہ وہ کھیت میں ہل نہیں چلائیگا، بیج نہیں ڈالیگا، پانی نہیں دیگا، یہ سب کام اللہ تعالیٰ خود کر کے فصل پیدا کر دیگا۔ بلکہ اُسکی دعا کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ مقدور بھر سارے کام اللہ کے قانون کے مطابق ہمہ تن مصروفیت کیا تھ کریگا۔

● موجودہ سائنسی دور میں قوانینِ ہماریہ کی اہمیت سائنٹک اُجاگر ہو چکی ہے کہ جس کھیت سے کل تک دس بارہ من فی

اکٹھا پیدا وار میسر آتی تھی، آج اعلیٰ بیج اور عمدہ کھاد اور بھرپور محنت کے ذریعہ ذاتِ باری سے جو معاوضہ طلب کیا جا رہا ہے وہ ساٹھ ستر من فی ایکڑ عطا فرما رہا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں کیساتھ مل کر نظامِ ربوبیت کے قیام کی انتھک کوشش کے بعد عرض کیا کہ بارِ الٰہا! میں اور میرے حواری تیرے تکوینی قوانین کے مطابق حصولِ رزق کیلئے بھرپور محنت کر رہے ہیں۔ اور اس محنت کے ماحصل کو تیرے تنزیلی قوانین کے مطابق پورے معاشرہ میں مساوی انداز کیساتھ تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ ہر شخص کا معاشی مسئلہ حل ہو جانے سے اُسے اطمینانِ قلب نصیب ہو۔ اور وہ عملاً ہموار و متوازن تقسیم رزق تیری ربوبیت عامہ کی ایسی نشانی بنے جو بشکلِ مشہود موجود ہو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ صرف لفظاً نہ ہو بلکہ عملاً سامنے آجائے۔ یہی ہے وہ عید جس کی طلب حضرت مسیحؑ نے حضورِ خداوندی سے فرمائی۔ جس کے حصول کیلئے انتھک کوشش جاری تھی۔ اس پر جنابِ باری سے جو جواب ملا، وہ اٹل قانونِ الٰہی کے مطابق انتہائی غور طلب ہے:-

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ
کہا　اللہ نے بیشک میں نازل کرنے والا ہوں اُسے اوپر تمہارے پھر جو

یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ
کفر کریگا　بعد کو　تم میں سے تو بیشک میں عذاب دونگا اُسے عذاب　نہ

اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۱۵ ع ۵
کیا میں نے　کسی ایک کو میں سے　جہانوں کے

(اس پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (تمہاری بھرپور محنت اور انتھک کوشش کی بدولت) میں اُسے (مائدہ یعنی ہموار معاشرہ کو) تم پر نازل کرنیوالا ہوں۔ پھر اُسکے بعد جو کوئی کفر کریگا (یعنی اپنے حصے سے زیادہ لیگا) تو اُسے عذاب دونگا جو جہانوں میں کسی کو نہ دیا گیا ہو۔

● ہموار معاشرہ قائم ہو چکنے کے بعد پھر ذاتی مفاد پرستی کی بدولت اُس میں شگاف پیدا کرنیوالے کی جو سخت ترین سزا بتائی گئی ہے، وہ سزا موت تک ہو سکتی ہے کہ ایسے افراد کو جو متوازن معاشرہ کو پھر ناہموار و غیر متوازن کرنے کی کوشش کریں اُنہیں گولی مار دی جائے۔ اور دوسرے نمبر پر ایسی قوم جو متوازن معاشرہ کو غیر متوازن معاشرہ میں تبدیل کر دے اُسکے لئے قوانینِ خداوندی میں غلامی اور ذلت کی بدترین سزا ہے۔ آج وہی نصاریٰ جن پر حضرت مسیح اور آپکے حواریوںؓ پر نزولِ مائدہ ہو گیا۔ یعنی ہر فردِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن حکومتِ وقت ٹھہری تھی اور ہر فردِ معاشرہ اطمینانِ قلب سے مالا مال تھا۔ جب سے یہ قوم ذاتی مفاد پرستیوں میں اُلجھ گئی ہے۔ اُسوقت سے اِس کی حالت یہ ہے کہ دنیا بھر کی نعمتوں کی موجودگی کے باوجود اطمینانِ قلب کی اُس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو چکی ہے، جس کی خبر تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا سے عیاں ہے۔ نوعِ انسانی کے افراد سے آگے قوموں کے حقوقِ ربوبیت کی غصب پسندی ہر وقت کانٹوں پر لوٹا رہی ہے۔

● یہود و نصاریٰ ہوں یا مسلمان، خدا تعالیٰ کے قوانین سب کیلئے ایک ہیں۔ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ کی

طرح آنحضور ﷺ کی سرکار اور آپکے صحابہؓ کی کوششوں سے مسلمانوں پر بھی نزولِ مائدہ ہوا یعنی ہر فردِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن قرآنی حکومت تھی۔ جیسے کہ تاریخ کا مشہور ترین واقعہ اس پر گواہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے کندھوں پر اٹھا کر آٹا دال ضرورتمندوں کے گھر خود پہنچایا کرتے تھے۔ لیکن جب سے مسلمانوں نے ذاتی مفاد پرستی اختیار کر رکھی ہے، انکی درجنوں اسلامی سلطنتیں بھی دنیا میں پسماندگی کی ذلت کا شکار ہو چکی ہیں۔

نزول بمعنی انسانی محنت کا بدلہ

● نزولِ مائدہ کے سلسلے میں سب سے بڑا دھوکا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً کے بعد مِّنَ السَّمَاءِ الفاظ سے لگتا ہے کہ جو چیز آسمان سے نازل ہوئی وہ کوئی پکا پکایا کھانا یا روٹی ہی ہو سکتی ہے۔ قرآنِ کریم میں نزول کے مصدری معنے پیدا کرنے کے بھی ہیں۔ اور ایک معنی یہ بھی آیا ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخفی خزانوں میں محفوظ کر رکھی ہیں انسان اُنکی تلاش کرے اور اللہ اُسے عطا فرمائے۔ جیسے کہ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ ۵۷/۲۵ کا معنی یہ ہے کہ ہم نے لوہا پیدا کیا ہے اور دوسرا معنی یہ ہے:۔ انسان نے ہمارے مخفی خزانوں سے لوہا تلاش کیا اور ہمنے اُسے عطا فرمایا۔

● نزول کے اِن معنوں کی تائید آیتِ ذیل میں موجود ہے:۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۱۵/۲۱ اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن ہم نازل (یعنی عطا) اُتنا ہی کرتے ہیں، جتنا انسان تلاش کے بعد معلوم کرتا ہے۔ پس آیتِ مجیدہ ۵۷/۲۵ + ۱۵/۲۱ کے مطابق ثابت ہوا کہ نزول کا ایک مصدری معنیٰ انسان کی اپنی محنت کا ظہور بھی ہے۔

نزول من السّماء کی اصطلاح

● نزول من السّماء ایک قرآنی اصطلاح ہے، جس سے یہ غلط تصور پیدا کر لیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ پر آسمان سے پکے پکائے کھانے کا طشت نازل ہوا تھا۔ اور خود نصاریٰ آجتک جھگڑتے چلے آرہے ہیں کہ آسمان سے نازل شدہ خوان کی روٹی خمیری تھی یا فطیری۔ قرآنِ کریم نے نزول من السّماء کو انسان کے اپنے اعمال کے ثمر کا ظہور بتایا ہے۔ جیسے کہ قومِ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۲/۵۹ پس ہم نے نافرمانی کرنیوالوں کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت اُن پر آسمان سے ذلت نازل فرمائی۔ دیکھئے! جس طرح بنی اسرائیل پر ذلت اُنکی اپنی نافرمانیوں کا ثمر بتایا گیا ہے کہ وہ بارش کی طرح آسمان سے نہیں برسی تھی۔ اُسی طرح حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ پر بچھا ہوا دسترخوان (ہموار معاشرہ) آسمان سے نہیں برسا تھا بلکہ اُنکے اپنے اعمال اور جدوجہد کا ثمر تھا جسے آسمان سے نازل ہونے کی قرآنی اصطلاح میں بیان کیا گیا ہے۔

● اِس اصطلاح کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ کی محنت و کوشش سے معاشرہ میں ایسا متوازن و ہموار معاشی نظام قائم ہوا جو ہر کسی کیلئے بچھے ہوئے دسترخوان کی مانند تھا۔ جس پر سے قیامِ معاشرہ

میں آگے بڑھ کر کام کرنیوالے اوّلین افراد بھی مساوی کے حقدار تھے جنہوں نے اسکے قیام میں تکلیفیں برداشت کیں اور وہ افراد بھی مساوی کے حقدار تھے جو بعد میں شامل ہوئے ۔ یعنی معاشرہ کا اوّل و آخر اور اعلیٰ و ادنیٰ سب کو معاشی لحاظ سے بہرہ یاب ہونے کا قانونی حق حاصل تھا ۔ یہ تھی اُن سب اوّل و آخر اور اعلیٰ ادنیٰ کی بار بار لوٹ کر آنیوالی عید، جس پر سب کے قلوب مطمئن تھے ۔ اور یہ ہموار و متوازن معاشرہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمینی کی بشکلِ مشہود دکھائی دینے والی نشانی تھی وَاٰیَةً مِّنْكَ ۵/۱۱۴ ۔

● آیاتِ بالا میں متوازن معاشرہ کو اللہ کی نعمت یعنی ہر فردِ معاشرہ کیلئے روزانہ لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی عید بتانے کے بعد پھر ۵/۱۰۹ میں مذکور قیامت کے دِن تمام رسولوں کو جمع کر لیا جائیگا اور اُن سے جواب طلبی کی جائیگی ، حضرت مسیحؑ سے آپ کی قوم کے متعلق کی جانیوالی جواب طلبی کا نقشہ بالفاظِ ذیل کھینچا گیا ہے :-

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ
اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا

اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ
تو نے کہا لوگوں کو پکڑو مجھے اور میری ماں کو دو الٰہ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ
سوا تھ اللہ کے ۔ کہا تو پاک ہے نہیں لائق واسطے میرے کہ

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ
کہوں وہ جو نہیں واسطے میرے ساتھ حق ۔ اگر میں نے وہ کہا تو مزور تو جانتا ہے اُسے

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ
تو جانتا ہے جو بیچ جی میرے ہے اور نہیں جانتا میں جو بیچ جی تیرے ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ 116
بیشک تو ہی بہت بڑھکر جاننے والا ہے غیبوں کا

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ کہیگا (قیامت کو) اے عیسیٰ بیٹے مریمؑ کے کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیسا تھ دو الٰہ اور ٹھہرالو۔

(عیسیٰ) کہیگا اے اللہ تو (شریکوں سے) پاک ہے میرے لئے یہ لائق نہیں تھا کہ میں وہ کچھ کہتا، جس کا مجھے حق نہیں (میرا حق صرف تیرا پیغام پہنچانا تھا) اگر میں نے اُسکے خلاف کچھ کہا تو تو اُسے جانتا ہے ۔ تو اُسے جانتا ہے جو میرے جی میں ہے میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے ۔ بیشک تو غیبوں کو بہت بڑھکر جاننے والا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ
نہیں کہا میں نے واسطے اُنکے سوائے جو حکم کیا تو نے مجھے ساتھ اُسکے کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ
بندگی کرو اللہ کی ۔ رب میرا اور رب تمہارا ۔ اور تھا میں اُو پر اُنکے

میں نے اُنہیں اُسکے سوا نہیں کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ (اکیلے) کی فرمانبرداری کرو ۔ جو میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے ۔ اور میں اُن پر اُسوقت تک نگران تھا جبتک میں اُن میں رہا ۔ پھر جب تو نے مجھے

شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ
نگران۔ جبتک رہا میں بیچ اُن کے۔ پھر جب تو نے مجھے فوت کر دیا، تھا تو ہی
أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ ۱۱۷
تو ہی نگران اور اوپر اُنکے۔ اور تو اوپر ہر چیز کے گواہ ہے

فوت کر دیا تو اُن پر صرف اور صرف تو ہی نگران تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تو اوپر ہر چیز کے خود عینی گواہ ہے۔

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ
اگر تو عذاب کرے تو بیشک وہ ہیں بندے تیرے اور اگر تو معاف کرے
لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ۱۱۸
واسطے اُنکے تو بیشک تو تو ہے غالب حکمت والا

(بارِ الٰہا) اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں (جنہوں نے توبہ نہیں کی وہ ضرور عذاب کے مستحق ہیں) اور جنہیں تو معاف کرے (وہ وہی ہونگے جنہوں نے توبہ کر لی) بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

● اسکے جواب میں حضورِ خداوندی سے آپکو یہ جواب ملیگا کہ آج کے دن سچے ہی اپنی سچائی کی بدولت فائدے میں رہینگے:۔

قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ
کہیگا اللہ یہ وہ دن ہے فائدہ دیگی سچوں کو
صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا
سچائی اُنکی واسطے اُنکے باغات ہیں چلتی ہیں سے نیچے
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللَّهُ
نہریں ہمیشہ رہنے والے اُس میں ہمیشہ۔ راضی ہوا اللہ
عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ ۱۱۹
اُن سے اور راضی ہوئے وہ اُس سے وہی کامیابی ہے بڑی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائینگے (کہ ہمارے قانون میں کوئی لچک نہیں ہے) آج کا دن وہ ہے کہ سچے ایمان والوں ہی کو اُنکی صداقت فائدہ دیگی۔ اُنکے لئے ایسے باغات ہیں کہ اُنکی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (اُنکے نیک اعمال کی بدولت) اللہ اُن پر راضی ہو چکا اور وہ (اُسکے ضابطہ پر عمل کرکے) اُس پر راضی ہو چکے۔ وہ (مذکورہ رضاءِ الٰہی کا حصول ہی) سب سے بڑی کامیابی ہے۔

نصاریٰ کے سہ عقائد کا ابطلان

● پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ آیت نمبر ۷۲ میں نصاریٰ کے عقیدہ "مسیح ابن اللہ" کا ابطلان کیا گیا ہے اور آیت نمبر ۷۳ میں عقیدہ تثلیث کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اور اِس آیت نمبر ۱۱۹ میں نصاریٰ کے عقیدہ کفارہ کو غلط ٹھہرا دیا ہے اور اُنکی اُس بنیادی چیز کو ہی افترائی محض قرار دیدیا ہے جس پر مروجہ مسیحیت کی بنیاد قائم ہے کہ مسیحؑ کی صلیب پر ایمان لانا جملہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ آیت نمبر ۱۱۶۔ ۱۱۷ میں خود مسیحؑ ہی کی زبان سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ وہ قیامت کو اُنکی سفارش کرنے کی بجائے یہ اعلان کرینگے کہ جب تک میں اِن میں موجود رہا میں نے انہیں عقیدہ تثلیث ایجاد نہیں کرنے دیا۔ یہ میرے بعد کی پیداوار ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے آیۂ بالا میں اعلان کر دیا ہے کہ قیامت کو صرف سچوں کو اُنکے سچے اعمال ہی فائدہ پہنچا سکینگے، کفارہ کے

عقیدہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ ایجادِ بندہ ہے۔

● مختلف اُمتوں کے ہاں قیامت کی نجات کیلئے

قیامت کی کامیابی اعمال صالح کیساتھ والبتہ ہے

الغرض اور سفارش کے مختلف عقائد چل رہے ہیں۔ مگر خود حضور خاتم النبیین رحمتہ للعلمین کے متعلق بھی خداوندِ عالم نے بتادیا ہے کہ قیامت کو آپ بھی اپنی اُمت کا حال دیکھ کر ارشاد فرمائینگے:۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ۲۵/۳ اور (قیامت کو رسولِ عربی) کہینگے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے (میرے بعد) اس قرآن کو (چھوڑ دیا تھا) اس طرح پکڑا ہوا تھا جس طرح چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سورہ مائدہ کی آخری آیت ہے جس میں ایسے دو مسائل کا فیصلہ دیدیا گیا ہے جو ہر معاشرہ میں فساد کی جڑ ہیں۔ پہلا مسئلہ ہے ذاتی ملکیت کا اور دوسرا ہے نیکی اور برائی کا پہلے سے لکھا ہوا ہونا۔ زمین و آسمان کی ہر چیز کو ملکیت قرار دیا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی۔ اور ہر چیز کے وقوع کیلئے اللہ تعالیٰ نے قوانین متعین کئے ہیں

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ہے واسطے اللہ کے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی

وَمَا فِيْهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۲۰

اور جو ہے درمیان اُن دونوں کے اور وہ ہر چیز کے قانون متعین کرنیوالا ہے

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور وہ بھی جو اُن دونوں کے درمیان ہے، سب کے سب پر اللہ کی حکومت ہے (سب اُسی کی ملکیت ہے) اور وہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔ ع۱۶

● اس حقیقت سے کسی بھی حقیقت شناس فرد کی مجالِ انکار نہیں کہ معاشرہ میں ذاتی ملکیت کا تصور فساد کی جڑ ہے۔ اور ہر فردِ معاشرہ کا ضروریاتِ زندگی کا مساوی طور پر حقدار ہونا ضامنِ امن ہے۔ ذاتی ملکیت کا نامراد تصور، زیادہ سے زیادہ مال جمع کرکے عوام کے استحصال کی ایسی راہیں کھول دیتا ہے کہ ہر طرف لوٹ کھسوٹ مچی ہوتی ہے۔ اسلئے قرآنِ کریم میں ہر فردِ انسانیہ کا حق بتایا گیا ہے:۔

● وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اور اے نوعِ انسانی تمہارا حق ہے کہ زمین میں تمہارا مکان (بلا کرایہ) اپنا ہو اور زندگی کے آخری سانس تک تمہیں ضروریاتِ زندگی میسر آتی رہیں۔ پس خدا تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں مکان اور جملہ ضروریاتِ زندگی سے کوئی شخص محروم نہ پایا جائے۔ اور کسی فردِ معاشرہ کو استحصال کے مواقع میسر نہ ہوں۔ اِن حدود میں رہکر معاشرہ سے شر و فساد مطلقاً ختم ہو جاتا ہے اور ہر طرف امن ہی امن کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔

● دوسری چیز جو معاشرہ کو شر و فساد سے معمور کر رکھ دیتی ہے وہ ہے یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ پہلے

سے لکھ دیا ہوا ہے کہ فلاں مالدار ہوگا اور فلاں بھوکا ننگا۔ اُس نے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ فلاں نیکوکار ہوگا اور فلاں بدکار۔ واضح رہے کہ معاشی ناہمواری کو پہلے ہی سے خود لکھ دینا تو اللہ تعالیٰ کی صفتِ اوّل ربّ العٰلمین ہی کے خلاف ہے۔ اور ہر فرد کے متعلق پہلے ہی سے لکھ دینے کا نظریہ کہ فلاں نیکوکار ہوگا اور فلاں بدکار خدا تعالیٰ کے پورے قانونِ مکافاتِ عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی لکھ کر برائیاں کرواتا ہے اور خود ہی سزا دیتا ہے۔ العیاذُ باللہ! دونوں نظریے از روئے قرآنِ کریم غلط ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ سے جملہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ معاشرہ میں معاشی ناہموار ی حکومتیں پیدا کرتی ہیں، اللہ نہیں کرتا۔ جیسے کہ ۲۸/۴ میں فرعون کے متعلق بتایا گیا:۔ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ۔ فرعون نے عوام کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک طبقہ کو اُس نے معاشی کمزوری کا شکار کر دیا تھا۔ اِسکے برخلاف انبیاء سلام علیہم نے جو نظام قائم فرمایا اُس میں معاشی طبقات موجود نہیں تھے۔ حقِ ربوبیّت کے لحاظ سے جملہ افرادِ معاشرہ ایک ہی سطح کے حقدار تھے صرف تقسیم مدارجِ اعمال کے لحاظ سے تھی۔ پس ثابت ہُوا کہ معاشی ناہمواری سُنّتِ فرعون ہے۔ اور:۔

مسئلہ جبر و اختیار

● اِس مسئلہ کے ضمن میں ہر کسی انسان کی قسمت میں لکھا ہُوا ہے کہ وہ اتنی چوریاں، اتنی بدکاریاں کریگا۔ اتنے قتل اور اتنے ڈاکے ماریگا، یا یہ کہ نوعِ انسانی کا خدمتگار اور نیکوکار ہوگا۔ نیز یہ کہ ہر انسان اپنے متعلق خدا تعالیٰ کے لکھے پر عمل کرنے کیلئے مجبورِ محض ہے غلط ہے۔ قرآنِ کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبعی زندگی میں مجبور اور عملی زندگی میں با اختیار ہے۔ طبعی زندگی میں قانونِ خداوندی کے مطابق موت ہی کی طرف بڑھتا چلا جارہا ہے اور عملی زندگی میں شَآءَ شِئْتُمْ ۴۱/۴۰ کے مطابق اچھے یا بُرے جیسے بھی عمل کرتا ہے خود کرتا ہے اور جزا سزا کا خود مستحق ٹھہرتا ہے:۔

● مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ۴۱/۴۶ جو کوئی اچھے عمل کریگا خود کریگا اُسکی جزا اُسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی بُرے عمل کریگا، خود کریگا، اُسکی سزا اُسکے اوپر ہے۔ تیرا رب (خود بُرے عمل کروا کر) بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں۔

● حضرتِ انسان کے لئے تو جبر و اختیار کی یہ حدیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ مگر اسکے علاوہ کائنات کی ہر چیز کیلئے الگ الگ قوانین مقرر کر دیئے گئے ہیں جن کی زنجیروں میں جکڑی ہُوئی ہر چیز مصروفِ عمل ہے۔ سورہ مائدہ کے آخری جملہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ میں مذکورہ نظامِ خداوندی کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح انداز سے پیمانے اور قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔ اس جُملہ کی قرآنی لغت سورہ آلِ عمران میں موجود ہے کہ جنگِ اُحد میں چند صحابہؓ کی غلطی سے شکست ہوگئی تو صحابہؓ نے کہا یہ کہاں سے آگئی تو بتایا گیا ہے:۔

لفظ قدیر کی قرآنی لغت • اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۳/۱۶۵ = اور کیا جب تمہیں شکست کی مصیبت آئی، حالانکہ تم اس سے دگنی شکست انہیں دے چکے ہو۔ تم نے کہا یہ شکست کہاں سے آگئی (اے رسولؐ!) کہدیجئے گا کہ یہ تمہارے افراد کی طرف سے آئی ہے (یونہی نہیں آگئی)۔

• اس سے آگے آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۳/۱۶۵ = بیشک اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے۔ (جنگِ بدر میں جب تمہارے عمل ہمارے فتح کے قانون کے مطابق تھے تو فتح ہوگئی تھی، مگر جب جنگِ اُحد میں تمہارا عمل شکست کے قانون کے مطابق ہوا ہے تو شکست ہوگئی ہے۔ ہمارے قانون میں لوچ لچک ہرگز نہیں ہے)۔

• سورہ مائدہ کی آخری آیت مجیدہ میں معاشرہ کی دو بنیادی برائیوں ذاتی ملکیت اور پہلے سے لکھی ہوئی برائیوں کے فساد انگیز نظریہ کی جڑ کاٹ دیگئی ہے کہ ذاتی ملکیت پیدا کرنے اور بڑھانے کیلئے نوعِ انسانی ہر ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے میں لگی ہوتی ہے اور پہلے سے لکھی ہوئی برائیوں کے نظریہ سے انسان برائیوں پر دلیر ہوجاتا ہے کہ یہ سب کچھ میری قسمت میں پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ العیاذ باللہ!۔

• رضاءِ الٰہی یہ ہے کہ نوعِ انسانی ناجائز طریقوں سے مال حاصل نہ کرے اور برائیوں سے کنارہ کش ہوجائے تاکہ معاشرہ جنت بدوش ہوجائے اور ہر طرف سلامًا سلامًا کی گونج اُٹھ رہی ہو۔

رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۲۳/۹۷-۹۸

بحمد اللہ!

سورۃ المائدہ ختم شد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ہ ۲۵/۳۳

(اے رسولِ مقبولؐ) لوگ آپ کے پاس اُس کی مثل نہیں لائیں گے۔ مگر ہم آپ کے پاس اپنا حق (قرآن مجید) اور اُس کی احسن تفسیر لائے ہیں۔

سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ

فَاسْتَمْسِکْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْکَ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ہ
وَاِنَّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ۴۳/۴۴

ترجمہ:۔ (اے رسولؐ) تو اس کلام کو جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے۔ مضبوطی سے پکڑ لے۔ کیونکہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔
اور یہ (کلام) آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے تذکرہ ہے۔ تم سب سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَكِّيَّةٌ

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ

● یہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآن مجید کی چھٹی سورہ مجیدہ ہے۔ انعام نام پانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم ربوبیتِ عالمین کا علمبردار ہے جو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ یعنی ربوبیتِ عالمین سے شروع ہوتا اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی آخری سورت پر یعنی ربوبیتِ النّاس پر ختم ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن کریم ربوبیتِ عامہ ہی کی دو بڑی کڑیوں میں گھرا ہوا ہے۔ سورہ انعام سے پہلی ملحقہ سورت مجیدہ "المائدہ" یعنی "کھانوں سے چنے ہوئے دسترخوان" کے نام سے موسوم ہے جو ربوبیتِ عامہ ہی سے متعلق ہے۔ اِس سورہ مبارکہ انعام نے بھی ربوبیتِ عامہ ہی کی اساس پر اَلْاَنْعَام نام پایا ہے کہ المائدہ یعنی دسترخوان کی بہترین نعمت گوشت ہے جو اُن چارہ خور چوپاؤں سے بافراط میسر آتا ہے جن کے حلال ہونے کی خبر سورہ مائدہ کی ابتدا ہی میں دیدی گئی ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ ۵/۱ -

● واضح رہے کہ قرآن مجید کی پانچ سورتیں ایسی ہیں جو حمدِ باری یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہیں۔ سورہ فاتحہ ۱/۲
سورہ انعام، سورہ کہف، سورہ سبا، اور سورہ فاطر۔ بالفاظِ دیگر پورا قرآن مجید پانچ حمدوں کے پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے نمبر پر تو سارے کا سارا قرآن مجید ہی اوّلین سورہ فاتحہ کی ابتدا میں آمدہ حمدِ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر و تفصیل ہے۔ اور دوسرے نمبر پر قرآن کریم کی پانچ سورتوں کی ابتدا میں انہی مقدس الفاظ کا اعادہ کر دیا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر جہاں خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کائنات کا گوشہ گوشہ بزبانِ حال خدا تعالیٰ کی حمد و ستائش میں ہر لحظہ مصروف عمل ہے، اُسی طرح اُسکی قولی کتاب کا ہر حصہ اپنے قاری کے ذریعہ بزبانِ قال مصروف حمد ہے۔

● آگے بڑھنے سے پہلے قرآن مجید کی پانچوں سورتوں کی ابتدائی حمد کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں پہلی سورت کی حمد یہ ہے:-

● اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام کے تمام جہانوں کی ربوبیت کا سامان مہیا کرنے والا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسلئے لائقِ حمد و ستائش ہے کہ وہ عالمین کیلئے سامانِ نشو و نما مہیا کرنے کا ضامن ہے)۔ قرآن کریم میں نازل کردہ حمدِ ثانی سورہ انعام کی ابتدا میں بالفاظِ ذیل مذکور ہے:-

۲ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۶/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے (اس عظیم کائنات میں سب کے سب) آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ـــ تیسری حمد سورہ کہف کے ابتدائی الفاظ ذیل میں نازل فرمائی گئی :۔

۳ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا ۱۸/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ) پر (۴۷/۲) اپنی کتاب نازل فرمائی اور اُس میں کوئی ٹیڑھ پن نہیں رکھا۔ (نوعِ انسانی کی رشد و ہدایت کیلئے ایک متوازن ضابطۂ حیات عطا کر دیا ہے ـــ چوتھی حمد سورہ سبا کی ابتدا میں آئی ہے :۔

۴ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَهُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَةِ ؕ وَ هُوَ الۡحَكِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ۳۴/۱ = سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو وہ عظیم الشان ذات ہے کہ جو کچھ بھی پورے کے پورے آسمانوں اور پوری زمین میں ہے سب کا سب اُسی کی ملکیت ہے اور آخرت میں بھی صرف اُسی کے لئے حمد و ستائش ہے اور وہ بہت بڑا حکمت دانا اور بہت بڑھ کر صحیح صحیح خبریں رکھنے والا ہے ـــ پانچویں حمد سورہ فاطر میں آئی ہے :۔

۵ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۳۵/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو سب کے سب آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے ـــ اِن پانچوں حمدوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سب کی سب حمد و ستائش کا سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے ۶/۱ + ۳۵/۱ اِس پوری کائنات کی جملہ موجودات کا حال وہی اکیلا جاننے والا ہے ۳۴/۱ اور وہی ایک اکیلا ہے جو پوری کائنات کے پورے عالمین کیلئے سامانِ نشو و نما مہیا کرنیوالا ہے ۱/۱ اور وہی عظیم الشان ذات ہے جس نے نوعِ انسانی کیلئے ایک ہی متوازن ضابطۂ حیات سابقہ انبیاء پر نازل فرمایا ۲۶/۱۹۶ ۔ اور اسی کو آخری بار اپنے پاکیزہ بندے جناب محمد رسول اللہ کے ذریعہ عطا فرما دیا ۱۸/۱ ۔

سورہ انعام میں تخلیقِ کائنات، وحدتِ باری، فرائضِ رسالت معہ آنحضور سلامٌ علیہ کے دائرۂ اختیارات کی وضاحت، کفایتِ قرآن اور ملتِ ابراہیمؑ کی توضیح، آنحضور سلامٌ علیہ کا خالص قرآن کریم کا متبع ہونا، لوگوں کے ایمان نہ لانے کی بدولت آپکے رنجیدہ خاطر رہنے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے تسلی و تشفی، روزِ مکافات اور جملہ انبیاء سلامٌ علیہم پر بھی قانونِ مکافاتِ عمل کے لاگو ہونے کی وضاحت وغیرہ بہت سے مسائل کی تفصیل و تشریح کر دی گئی ہے۔ اِسی سورہ مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت فرمانا اپنے ذمہ فرض قرار دے رکھا ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ لیکن چونکہ اُس نے نوعِ انسانی کو اعمال کے لحاظ سے صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا ہے، اسلئے جب انسان سرکشی اور نافرمانی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت کی بدولت توبہ اور اصلاح کی گنجائش رکھ دی ہے۔ لیکن جب انسان نافرمانیوں اور سرکشیوں پر استقامت کر کے اپنے لئے توبہ کا دروازہ خود بند کر لیتا ہے تو گویا وہ رحمتِ خداوندی سے اپنے آپکو خود محروم کر لیتا، اور خود ہی عقوبتِ خداوندی کا مستحق مظہرتا ہے۔ چنانچہ یہ سورہ مجیدہ حمدِ باری سے شروع ہو کر متعدد مسائل کی تشریح، اچھے اور بُرے لوگوں کے حالات بیان کرتی ہوئی اِس عنوان پر آ کر ختم ہوتی ہے کہ انسان خود ہی رحمتِ باری کا مستحق مظہرتا ہے اپنے اچھے عملوں کیساتھ اور خود ہی

اُسکی عفو بن وسزا کا مستحق بنتا ہے اپنے بُرے عملوں کیساتھ - اللہ تعالیٰ انسان کو اُسکے اپنے ہی اچھے اور بُرے عملوں کا بدلہ دیتا ہے - اسطرح وہ سریع العقاب بھی ہے اور غفور رحیم بھی ہے اِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ۶/۱۶۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
سب تعریف واسطے اللہ کے جس نے پیدا کیا آسمانوں
وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۖ ثُمَّ
اور زمین کو اور ٹھہرایا اندھیرا اور روشنی پھر بھی
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ ۱
جو لوگ انکار کرتے ہیں ساتھ رب اپنے کے برابر کرتے ہیں

(کائنات کے ہر گوشے میں) سب کی سب حمد و ستائش صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا - اور (اُن میں نظامِ شمسی اور قمری قائم کر کے اندھیرے اور روشنی پیدا فرمائی[علے] (اِن اندھیروں اور روشنی کے ذریعہ وہ ربوبیتِ عالمین کے لیئے فصلیں اور پھل پیدا کرتا ہے) پھر بھی حقائق کا انکار کرنے والے (اوروں کو) اپنے ربوبیت کرنے والے کے برابر قرار دیتے ہیں -

● علے جعل الظلمت والنور سے غلط عقائد اور توہمات کے اندھیرے اور اُنکے مقابلے پر قرآنی رشد و ہدایت کی روشنی بھی مراد ہے لیکن چونکہ عین متصل ماقبل ذکر ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا' اسلیئے یہاں سر فہرست وہ اندھیرا اور روشنی مراد ہے جو تخلیقِ ارض و سماوات سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظامِ شمسی اور قمری کے قیام اور زمین کی محوری گردش کے ذریعہ ایسا نظام قائم کر دیا ہے' جس کی بدولت سورج کے سامنے والے حصۂ زمین پر روشنی ہوتی ہے اور جو حصہ سورج کے سامنے سے گزر جاتا ہے وہاں اندھیرا ہوتا ہے - رات کے وقت چاند کی روشنی بھی سورج کی ہے چاند کی نہیں پھر ظلمت کا لفظ چونکہ بصیغہ جمع آیا ہے اسلیئے واضح کر دیا گیا ہے کہ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے مجازی اندھیرے ہیں جو کفر، شرک، منافقت، باطل رسومات اور خود ایجاد کردہ توہمات کی پیداوار ہیں - لوگ اُنہیں روشنی ٹھہراتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھیرے قرار دیا ہے' جن میں نوعِ انسانی ٹھوکریں کھا رہی ہے -

اندھیرے بہت سے مگر روشنی ایک

● لیکن یاد رہے کہ ظلمت بصیغہ جمع کے مقابلے پر النور بصیغہ واحد لا کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ النور صرف اور صرف قرآن اکیلا ہے جس کے مقابلے پر کفر، شرک، بدعت، باطل آبائی رسومات اور ہر قسم کے توہمات کے سب اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں - باری تعالیٰ نے قرآن کریم کو متعدد مقامات پر رشد و ہدایت دینے والا نور قرار دیا ہے :-

۱- يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ ۴/۱۷۵ اے نوعِ انسانی! بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل قاطع آ گئی ہے یعنی ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کر دیا ہے -

۲- فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

۷/۱۵۷ پس جو لوگ اُس (ہمارے رسُول کی سلام علیہ) پر ایمان لائیں اور اُسکی تعظیم کریں اور اُسکی مدد کریں اور اُس نور کی اتباع کریں جو اُسکے ساتھ نازل کیا گیا ہے وُہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہیں۔

۳- فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ۶۴/۸ پس ایمان لاؤ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسُول (محمد عربی) کیساتھ اور اُس نور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے ـــ دیکھئے! ان آیات کریمات میں اُس چیز کو نور بتایا گیا ہے جو آنحضور نبی اکرم پر نازل فرمایا گیا ہے اور وہ ہے صرف قرآنِ کریم ۴۷/۲ پس حصُولِ رُشد وہدایت کیلئے قرآن کریم نور ہے۔ روشنی ہے اور یہی واجب الاتباع ہے۔

رجُوع الی المطلب ● سلسلۂ درس کی آیت اوّل ۹/۱ میں تخلیق کائنات کا ذکر کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں انسانی تخلیق کا تذکرہ لایا گیا ہے کہ اللہ نے انسان کی ابتدا مٹی سے کی اُسکے بعد نطفہ سے پیدا کرکے موت کے حوالے کر رہا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓی
وہی ہے جس نے پیدا کیا تمکو میں سے گیلی مٹی کے پھر مقرر کردی
اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ
معیاد - اور معیاد ہے نام رکھی گئی اُسکے ہاں پھر تم
تَمْتَرُوْنَ ۲
شک کرتے ہو

(اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے (اے نوعِ انسانی!) تمہیں گیلی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر (تمہاری طبعی زندگی کی) میعاد بھی مقرر کردی۔ اور اُسکے ہاں (مکافاتِ عمل کیلئے) نام رکھی ہوئی (یعنی قیامت کی) میعاد بھی مقرر کردیگئی ہے۔ پھر بھی تم ہو کہ (اُس کی جوابدہی میں) شک کرتے ہو۔

● ۱ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ سے مراد یہ نہیں کہ اوّلین انسان کا بُت بنایا گیا تھا۔ بلکہ مِنْ طِیْنٍ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ نوعِ انسانی کو گیلی مٹی سے یعنی زمین میں سے پیدا کیا گیا تھا۔ جیسے کہ قرآنِ کریم کے چار مقامات پر اسکی تائید کی گئی ہے:-

۱- هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا ۶۱/۱۱ اُس نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کردیا۔

۲- وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۱۷/۷۱ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا ٹھیک ٹھیک پیدا کرنا۔

۳- هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۳۲/۵۳ وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا تھا

۴- مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۵۵/۲۰ ہم نے تمہیں اس (زمین) میں سے پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹا دیتے ہیں اور اسی میں سے (قیامت کو) تمہیں دوبارہ نکال لینگے۔

● دیکھئے آیات کریمہ مذکورہ بالا میں بار بار بتایا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کو زمین میں سے پیدا کیا گیا ہے۔ (مزید وضاحت کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم کا صفحہ ۱۷۵ کی نیچے سے دوسری سطر مع صفحہ ۱۷۶ ، ۱۸۱ ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مستقل قانون بنایا ہے کہ ہر فرد بشر زندگی گزار کر بالآخر مرجاتا ہے

یہاں اجل کا معنیٰ ہے عمر کی انتہا۔ اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی الگ الگ عمر لکھ دی ہے کسی کی ایک دن یا ایک گھڑی اور کسی کی ایک سال اور کسی کی سو سال؟

انسان کی طبعی عمر

● انسان کی طبعی عمر کی وضاحت سورۂ حج میں کر دی گئی ہے بڑھاپے تک۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۲۲/۵

(مفہوم) بیشک ہم نے تمہاری ابتدائی پیدائش مٹی سے کی۔ پھر افزائش نسل نطفہ سے ٹھہرائی۔ پھر رحم مادر میں جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے نقش نمایاں اور غیر نمایاں سے تاکہ ہم تم پر واضح کر دیں (کہ ہم اربوں کھربوں صورتیں ایک دوسری سے مختلف بنا سکتے ہیں) اور ہم اپنے قانون مشیت کے مطابق تمہیں ایک مقررہ مدت کیلئے مادر کے رحم میں رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں ہم بچے کی صورت میں پیدا کرتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ پھر تم میں سے بعض ایسے ہیں جو (حوادثات کے ہاتھوں طبعی عمر تک پہنچنے سے) روک لئے جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو (اپنی طبعی عمر یعنی) ناکارہ عمر تک پہنچ جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے باوجود کچھ نہ جانیں۔

● دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں انسان کی طبعی عمر بتائی گئی ہے وہ وقفہ جس میں انسان ایک عالم فاضل ہوتے ہوئے سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اگر اس سے پیشتر کوئی بیماری، حادثہ، ایکسیڈنٹ وغیرہ پیش آجائے تو اسے مَنْ يُّتَوَفّٰى کے الفاظ میں بصیغہ مجہول مالم یسمّ فاعلہٗ بیان کیا گیا ہے۔ ان بیماریوں اور حادثوں پر قابو پانا انسانی فریضہ ہے تاکہ ہر انسان اپنی طبعی عمر پا سکے۔ حادثات پر قابو پانے کیلئے چوکوں میں سپاہی کھڑا کرنا، تاکہ مخالف سمتوں سے آنیوالی گاڑیاں ٹکرانے نہ پائیں، یہ بھی ہر انسان کے طبعی عمر تک پہنچنے میں ایک صحیح پیش رفت ہے، نیز سڑکوں اور ریل کی لائنوں کو ڈبل کر کے حادثات کو روکنا بھی اسی سمت کا ایک اہم اقدام ہے۔

● اسکے علاوہ بیماریوں پر قابو پانے کیلئے ماڈرن تشخیص گاہوں میں اعلیٰ ترین آلات نصب کرنا بھی اسی سمت کو اہم پیش رفت ہے اور ہر پیدا ہونیوالے بچے کو ہر بیماری کے کامیاب ٹیکے لگانا بھی انسان کو اسکی طبعی عمر تک پہنچنے کی راہ سے رکاوٹیں دور کرنے کا قابل قدر اقدام ہے۔ جیسے کہ چیچک کے کامیاب ٹیکوں کی بدولت ۱۹۷۸ء سے اشتہار دیدیا گیا ہے کہ چیچک کا ایک بیمار دکھاؤ اور پانچ ہزار روپیہ انعام پاؤ۔ ٹی بی کا علاج ایجاد ہو چکا ہے، کینسر، دمہ اور فالج وغیرہ جو مَنْ يُّتَوَفّٰى کے فاعلوں میں سے ہیں، ان امراض اور حوادثات پر قابو پالینا انسان پر لازم ہے۔ جب ایسا کر لیا گیا تو ہر شخص طبعی عمر کو پہنچیگا لیکن یاد رہے کہ موت کا علاج کوئی نہیں، ہر کسی کو یقیناً یقیناً موت کا مزہ چکھنا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ ۲۱/۳۵ ۲۹/۵۷ -

● اَجَلٌ مُّسَمًّى سے مراد ہے نام رکھا ہوا وقفہ جیسے قرآن مجید میں يَوْمُ الْقِيٰمَةِ، يَوْمُ الْاٰخِرَةِ اور يَوْمُ الدِّيْنِ کے متعدد

ناموں سے مسمّٰی کیا گیا ہے۔ لفظ اجل کا معنی ہے مدت، میعاد، عمر کی انتہاء اور اس زندگی کے اعمال کا انجام، جس کا فیصلہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں سنایا جائیگا۔ اُس عدالت میں کسی مجرم کا کوئی جرم کسی بھی صورت میں چھپا نہیں رہیگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر مجرم کے جرم کا خود عینی گواہ ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور وہ ہمارے مخفی اور ظاہر جملہ اعمال کو خوب خوب جانتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۙ

اور وہ اللہ ہے بیچ آسمانوں کے اور بیچ زمین کے

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝ ۳

وہ جانتا ہے پوشیدگی تمہاری اور ظاہر تمہارا اور وہ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو

اور وہ اللہ (موجود) ہے سارے کے سارے آسمانوں میں بھی اور (ہر جگہ) زمین میں بھی۔ اور وہ جانتا ہے اُن اعمال کو بھی جو تم چھپ کر کرتے ہو اور اُن اعمال کو بھی جو تم ظاہر اً کرتے ہو۔ اور وہ جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو۔

نظریۂ وحدتُ الوجود ● ہُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ کے الفاظ سے یہ تصور اخذ کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں ہر چیز اللہ کا نظریۂ "وحدت الوجود" مطلقاً غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادے سے مادہ کو خود عالم وجود میں لایا۔ پھر مادہ سے کائنات کے متعدد عناصر پیدا کئے۔ انسان کو پیدا کر کے مادہ کے جملہ عناصر اسکے حوالے کر دئیے، جنہیں یہ تصرف میں لا کر آئے دن محیر العقول ایجادات کو عالم وجود میں لا رہا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا ہے کہ انسانوں میں بھی ایسے صنعت کار موجود ہیں جو مادہ کے مختلف عناصر سے حسین وجمیل مصنوعات تیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لوہے سے، لکڑی سے، تانبے۔ یورینیم وغیرہ سے عمدہ سے عمدہ چیزیں تیار کر رہے ہیں۔ وہ اپنی مصنوعات کے خالق ہیں۔ لیکن احسن الخالقین اللہ تعالیٰ ہے جس نے مادہ اور اُسکے جملہ عناصر پیدا کئے ہیں۔ انسان لوہے، لکڑی، تانبے اور یورینیم وغیرہ کی مصنوعات تو بنا سکتا ہے، لوہا، لکڑی، تانبہ اور یورینیم وغیرہ نہیں بنا سکتا۔

● پس احسن الخالقین کی قرآنی خبر کے مطابق نہ صرف یہ کہ اللہ کے سوا اور وجود اس کائنات میں موجود ہیں، بلکہ وہ مادہ کے مختلف عناصر پر صنعت کاری کر کے اپنی مصنوعات کے محدود خالق بھی ہیں۔ اسکے علاوہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کیلئے آیا ہے وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۷/۱۵۱ ۔ اور تو رحم کرنیوالوں سے بہت بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں رحم کی صفت بھی رکھدی ہے۔ بہت سے انسان جذبۂ انتقام پر قابو پا کر شدید ترین مخالفوں تک کو معاف کر دیتے ہیں، جیسے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضور نے شدید ترین مخالفت کا ارتکاب کرنیوالوں پر رحم کر کے معاف کر دیا تھا۔

● اِسکے علاوہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، میں نے انسانوں کو پیدا کیا، حیوانوں کو پیدا کیا، نباتات وجمادات کو پیدا کیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے غلط دعویٰ کیا ہے؟ اور کیا اُسکے پیدا کردہ وجود موجود نہیں جو وحدت الوجود کے قائل حضرات کی آنکھوں کے سامنے ہیں؟ پس از روئے قرآن نظریہ وحدت الوجود یکسر غلط اور ذاتِ باری کی پاک شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ نظریۂ وحدت الوجود کو مشاہدات کی کسوٹی پر کسنے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ

دنیا میں قاتل بھی موجود ہیں اور مقتول بھی موجود ہیں - ظالم بھی موجود ہیں اور مظلوم بھی موجود ہیں - کاذب بھی موجود ہیں اور مکذب بھی موجود ہیں تو اس طرح اگر سب کے سب کو اللہ تعالیٰ ہی کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑیگا کہ اس کائنات میں معاذ اللہ معاذ اللہ قاتل بھی اللہ ہے اور مقتول بھی اللہ ہے - ظالم بھی اللہ ہے اور مظلوم بھی اللہ ہے - کاذب بھی اللہ ہے اور مکذب بھی اللہ ہے - موسیٰ بھی اللہ تھا اور فرعون بھی اللہ تھا - آنحضور بھی اللہ تھے اور ابوجہل بھی اللہ تھا - اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ -

● سلسلۂ درس کی اگلی دو آیات مجیدہ میں رب تعالیٰ کی آیات مبارکہ کا انکار کرنیوالوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ صرف یہ کہ انکا انکار کرتے ہیں - بلکہ اُن کا مذاق بھی اڑاتے ہیں - یاد رہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار کا ذکر ہو، وہاں اُسکی نازل کردہ عام آیتوں کا انکار مقصود ہوتا ہے اور جہاں رب تعالیٰ کی آیاتِ مبارکہ کے انکار کا ذکر ہو، وہاں اُسکی نازل کردہ اُن آیتوں کا انکار مقصود ہوتا ہے جن میں پوری نوعِ انسانی کا متوازن حقِ ربوبیت مذکور ہو دیکھئے ارشاد باری:-

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ
اور نہ آئی پاس اُنکے کوئی آیت میں سے آیتوں

رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۴
رب اُنکے - مگر ہیں وہ اُس سے اعراض کرنیوالے

اور اُن کے پاس کوئی بھی آیت اُن کے رب کی طرف سے (ربوبیتِ عامہ کی تاکید میں) نہیں آئی کہ اُنہوں نے اُس کا انکار نہ کیا ہو -

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ
پس جھٹلایا حق کو جب پاس آیا اُنکے

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ
پس عنقریب آئینگی پاس اُنکے خبریں جو تھے وہ ساتھ اُسکے

يَسْتَهْزِئُونَ ۵
مذاق اڑایا کرتے

پھر جب اُن کے پاس حق آ گیا ہے تو اُنہوں نے جھٹلا دیا ہے - پھر یہ لوگ خبردار ہو جائیں - (بگوشِ ہوش سن لیں) کہ جس انقلابِ ربوبیت کا یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں - (اُس کے جیتے مشہود واقع ہونے کی) خبریں اُن کے پاس آ کر رہینگی -

نظامِ ربوبیت کے قیام کی پیشگوئی

● اِن آیات مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضور کے مدِمقابل قیام نظامِ ربوبیتِ عامہ کو جھٹلانے کے بعد اُس کا یہ کہہ مذاق اڑاتے ہیں کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ عوام و خواص، سب ایک سطح پر آ جائیں، مالک و مملوک اور اعلیٰ و ادنیٰ سب کے حقوق مساوی قرار پا جائیں؟ مگر پیش گوئی کر دی گئی ہے کہ ایک دن آنیوالا ہے کہ آنحضور کے ہاتھوں ایسا نظام قائم ہو جائیگا کہ اُس میں نہ صرف یہ کہ سب کے حقوق مساوی قرار دے دیئے جائیں گے بلکہ مالک و مملوک اور اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز یکسر اٹھا دی جائیگی - اور یہ خبر تمہارے کانوں

تک ضرور پہنچ جائیگی۔ چنانچہ اس بوڑھے آسمان نے دیکھ لیا کہ آنحضورؐ کے قائم کردہ نظام معاشرہ میں وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ ۱۷/۷۰ کے قرآنی اعلان کے مطابق اعلیٰ و ادنیٰ کا تصور ختم کر دیا گیا۔ اور نیز وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۞ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ کی قرآنی خبر کے مطابق ہر فردِ معاشرہ کو زمین میں بلا کرایہ اپنے مکان اور زندگی کے آخری سانس تک ضروریاتِ زندگی باقاعدہ ملتے رہنے کا صرف اعلان کر دیا گیا تھا، بلکہ اُسے عملاً نافذ کر دیا تھا۔ یعنی مملکتِ مصطفویؐ میں نہ کوئی کرایہ دار تھا اور نہ ضروریاتِ زندگی کے مساوی اور متوازن حق سے محروم۔ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۔ سَلٰمٌ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ۔ سَلٰمٌ عَلٰى رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

آنحضورؐ کے مخالف ہلاک کر دئیے گئے تھے

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں یہ پیشگوئی بھی موجود ہے کہ آنحضورؐ کے وُہ مخالف جو مخالفت پر ڈٹے رہے وہ اُسی طرح ہلاک کر دیئے جائینگے جسطرح سابقہ انبیاؑ کی مخالف قومیں ہلاک کر دیگئی تھیں:-

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ
کیا اُنہوں نے غور نہیں کیا کتنے ہلاک کیے ہمنے پہلے اُنکے — میں سے

قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ
زمانے - اقتدار دیا ہمنے اُنہیں بیچ زمین کے — جو نہیں اقتدار دیا ہمنے تمہیں

وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۖ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ
اور بھیجا ہمنے آسمان — اُوپر اُنکے — موسلا دھار — اور بنائیں ہمنے نہریں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ
چلتی — میں سے ماتحت اُنکے - پھر ہلاک کیا ہمنے اُنکو بسبب گناہوں اُنکے

وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۞ ۶
اور پیدا کیا ہمنے میں سے — بعد اُنکے — زمانہ — دوسرا

کیا اُنہوں نے غور نہیں کیا (یعنی اُنہیں غور کرنا چاہیئے) کہ ہمنے اُن سے پہلے کے کتنے زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کر دیا جنہیں ہمنے (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق) اسقدر اقتدار دیا تھا جو تمہیں نہیں دیا گیا اور ہمنے اُن پر (اپنے قانون کے مطابق) پے در پے بارشیں برسائیں۔ اور ہم نے پایا کہ اُن کے ماتحت نہریں بہتی تھیں (یعنی نہروں پر اُن کا کنٹرول تھا، جب چاہتے تھے بہا لیتے تھے اور جب چاہتے تھے بند کر دیتے تھے، اُنکا رُخ دوسری طرف کر دیتے تھے) پھر ہمنے اُنہیں اُنکے گناہوں (عدمِ قیامِ نظامِ ربوبیّت) کی بدولت ہلاک کر دیا اور اُنکی جگہ دوسرے زمانہ کے لوگوں کو پیدا کر لیا۔ (اسی طرح اُنہیں بھی ہلاک کر دیا جائے گا اور ربوبیّت کے حامی دوسرے زمانہ کے لوگ لے آئے جائیں گے۔

● مَکَّنّٰهُمْ میں مشیّت محذوف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا ہر کام اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق کرتا ہے۔ حکومت اُس قوم کو ملتی ہے جو ایسے عمل کرے جن کے مطابق حکومت میسّر آسکتی ہے۔ حصولِ حکومت کے دو ذرائع ہیں:-

۱- پہلا ہے **عوامی اتحاد اور مادی اسباب کی قوت**۔ یہ وہ طاقت ہے جس کیساتھ حضرات موسیٰ، داؤد، مسیح اور محمد سلامٌ علیہم نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومتِ الٰہیہ ہے جس میں ربوبیّت کی رُو سے صدر و عوام ایک ہی سطح کے افراد ہوتے ہیں۔

۲- اور دُوسرا ہے **ذاتی استبداد اور مادی اسباب کی قوت**۔ یہ وہ طاقت ہے جس کیساتھ فرعون، ہامان اور چنگیز و

ہلاکو جیسے مفسدین نے حکومت حاصل کی تھی - یہ حکومت شیطانیہ ہے جس میں بالادست افراد کے ہاں نعماءِ خداوندی کی فراوانی ہوتی ہے اور عوام ضروریاتِ زندگی تک سے محروم پائے جاتے ہیں -

(نوٹ) یہ ایک لمبا مضمون ہے اسکی تفصیل تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ ۳/۲۶ کی وضاحت تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۲ - ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

● ۲ے أَرْسَلْنَا السَّمَاءَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے آسمان کو بھیجا - ارسالِ سماء ایک عربی محاورہ ہے، جس کا مفہوم ہے بارشوں کا پے در پے اور موسلا دھار برسنا - گویا کہ آسمان ہی کو بھیج دیا گیا ہے -

● ۳ے جَعَلْنَا الْأَنْهٰرَ میں فعل جعل کا مصدری معنیٰ پایا ہے - وہ نہریں جو حکومت کے ماتحت چلتی ہیں، یعنی جن پر حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے کہ جب اور جس طرف کو چاہیں بہالیں - انہیں حکومتیں خود کھودتی ہیں اور ان پر ہیڈ اور بیراج بناکر کنٹرول کرتی ہیں - (فعل جعل کی مفصل توضیح تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۱۰۵ دیباچہ پر ملاحظہ فرمائیں) -

● ۴ے فَأَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوبِهِمْ کے الفاظ میں جو بتایا گیا ہے کہ ہم نے انہیں انکے گناہوں کی بدولت ہلاک کر دیا، اس کے ضمن میں یاد رہے کہ ہلاکت ان گناہوں کی بدولت لازم نہیں آتی ہے کہ کوئی قوم خدا کو نہیں مانتی، یا شراب وکباب کی عادی ہے - بلکہ ہلاکت اور ضیاعِ حکومت اس گناہ پر لازم ہو جاتی ہے کہ عوام کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دیا جائے - قرآن کریم میں فراعنۂ مصر کی حکومت کا ذکر موجود ہے، جو قرآنی خبر کے مطابق حضرت یوسف سلامٌ علیہ کے زمانہ سے قائم تھی، مگر حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں چھینی گئی - یہ کئی ہزار سالہ حکومت قائم کیوں رہی؟ اسلئے کہ اسکے حکمرانوں نے عوام کے حقوقِ ربوبیت کو کسی نہ کسی حد تک قائم رکھا - قرآنی خبر کے مطابق دورِ یوسفی والے فرعون کو جب سات موٹی گائیوں کو سات دُبلی گائیوں کے کھا جانے کی خواب آئی اور ساتھ ہی سات سِٹے ہرے اور سات سِٹے خشک دیکھے - تو چونکہ سِٹوں کا تعلق اناج کیساتھ ہے اور اناج کا تعلق ربوبیتِ عامہ کیساتھ ہے اسلئے وہ بیقرار ہو گیا - اپنے دانشوروں سے خواب کی تعبیر دریافت کی، مگر بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی - آخر جب حضرت یوسفؑ نے خواب کی صحیح تعبیر بتائی تو اس نے آپ ہی کو غلّے کے اس چودہ سالہ کنٹرول کا ناظمِ اعلیٰ بننے کی دعوت دیدی - اور جب حضرت مصر کے سیاہ وسفید کو آپکے حوالے کر دینے کے متعلق ارشاد فرمایا تو خزانہ سمیت سلطنتِ مصر کے جملہ اختیارات آپ کے قدموں میں ڈالدیئے گئے -

● اس نے نہ صرف آپکو غلّے کے چودہ سالہ کنٹرول کا ناظمِ اعلیٰ بنادیا، بلکہ آپکو ایسا عزیزِ مصر قرار دیا کہ خود بھی آپکے ماتحت ہو گیا - تو یاد رہے کہ ایسے ربوبیتِ عامہ کے خدمتگار حاکموں کو نہ ہلاک کیا جاتا ہے نہ ان سے حکومت چھینی جاتی ہے اگرچہ وہ خدا کو بھی نہ مانتے ہوں اور شراب وکباب کے بھی عادی ہوں - لیکن جب اسی ملک مصر کے خاندانِ فراعنہ ہی کے ایک فرعون نے دورِ موسوی میں عوام کو ان کے حقوقِ ربوبیت سے یکسر محروم کر دیا، تو حکومت بھی چھین لی گئی اور ہلاک بھی کر دیا گیا - اسی مسئلہ کے ضمن میں دورِ حاضرہ ۱۹۷۹-۸۰ء کے مشاہدات گواہ ہیں کہ جن ممالک میں عوام کے مزدوروں کو معقول اُجرتیں دی جاتی ہیں چھو

اُنکے حقوقِ ربوبیت اس اقدام کی بدولت بآسانی میسر آتے ہیں، اُن ملکوں کے حکمران اگرچہ خدا تعالیٰ کے منکر ہیں یا تین خدا مانتے ہیں اور شراب کباب کے بھی دائمی عادی ہیں اُنکی حکومتیں امن و سکون کیساتھ چل رہی ہیں۔ اور جن ملکوں میں مزدوروں کو اُجرت صرف اتنی دی جاتی ہے کہ وہ کل کی مزدوری کیلئے زندہ رہ سکیں، اُن ملکوں میں آئے دن حکمران ہلاک اور حکومت کے تختے اُلٹتے رہتے ہیں۔ خواہ وہ حکمران مسلمان بھی کہلاتے ہیں اور اللہ و رسول ﷺ پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔

● المختصر! آیت زیر بحث ۶/۶ میں نظامِ ربوبیتِ عامہ کے مخالفوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ غور کریں، جس طرح عوام کے حقوقِ ربوبیت کے سابقہ مخالفوں کو ہلاک کر دیا جاتا رہا ہے تمہیں بھی ہلاک کر دیا جائیگا۔ چنانچہ ہوا یہ کہ آنحضور ﷺ کے مخالف آپکی زندگی میں ہلاک کر دیئے گئے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۵۹/۲

لکھی ہوئی کتاب کے نزول کا مطالبہ

● سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے مخالفوں کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ آپ پر لکھی لکھائی کتاب نازل ہوتی اور آپ پر اُن کا کوئی ذہنی ملک کیوں نازل نہیں ہوا۔ اسکا اوّلین جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون اور سُنّت کو کبھی نہیں بدلتا ۲۹/۵ + ۴۳/۳۵ ، اور عوام کے ذہنی ملائکہ جو بقول اُنکے اپنی نوع تبدیل کر لیتے ہیں، اپنی شکلوں میں دکھائی نہیں دیتے تو جب وہ انسانی شکل میں آئیں تو پھر بھی یہ لوگ یہی کہینگے کہ یہ تو بشر ہے ملک نہیں۔ ان لوگوں کا نوعیں بدل جانے کا عقیدہ ہی ازروئے قرآن غلط ہے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۳۰/۳۰۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔ اب ملاحظہ فرمائیں ارشادِ باری:۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ

اور اگر نازل کرتے ہم اوپر تیرے کتاب بیچ کاغذ کے

فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

پھر وہ چھوتے اُسے ساتھ ہاتھوں اپنے کے البتہ کہتے وہ جو لوگ کافر ہو گئے

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ ۷

نہیں ہے یہ مگر جھوٹ ہے کھلا

(یہ لوگ کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب کا مطالبہ کرتے ہیں) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے۔ پھر یہ لوگ اُسے اپنے ہاتھوں کے ساتھ چھو لیتے، تو انکار کرنیوالے پھر بھی (اُسکے مندرجات کو) کہتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے ۶/۱

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ

اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل ہوا اوپر اسکے ملک

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا

اور اگر نازل کرتا ہم ملک، البتہ فیصلہ ہو جاتا کام۔ پھر نہ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (مدّعیِ رسالت ﷺ) پر (اسکی مدد کے لئے اور لوگوں کو ڈرانے کے لئے ۲۵/۷) کوئی ملک کیوں نازل نہیں ہوا۔ اور اگر ہم اپنا کوئی ملک (یعنی اپنی کوئی کائناتی قوت آندھی یا بجلی وغیرہ) نازل کر دیں تو اُن کا کام ہی تمام کر

يُنظَرُونَ ○ ۸
وہ مہلت دئے جائیں

دیا جائے پھر ان (تجتیاں کرنے والوں کو مہلت نہ دی جائے

● ۱؎ سحر کا معنیٰ جادو نہیں کیونکہ جادو کا تو دنیا میں وجود ہی موجود نہیں۔ سحر کا معنیٰ از روئے قرآنی تصریف آیات جھوٹ ہے۔ قرآنی دلائل کیلئے دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے شروع میں دئے گئے دیباچہ کا صفحہ ۵۵۔

● ۲؎ آیت نمبر ۸ میں ملائکہ کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اگر کوئی ملک نازل کر دیا جائے تو نزولِ ملک کے طلبگاروں کو مہلت نہیں دی جاتی، فوراً ہلاک کر دئے جاتے ہیں۔ ملک کا لفظی معنیٰ ہے ایک ہی نہج پر عمل کرنے والا ایک ہی منکا مالک۔ کائناتی قوتیں بجلی آندھی زلزلہ وغیرہ مہلک ملک ہیں کہ جب وہ کسی مجرم قوم پر نازل کئے جائیں تو پھر اُسے مہلت نہیں دی جاتی۔ اُسکا کام تمام کر دیا جاتا ہے۔ (ملائکہ کی تفصیل وضاحت کیلئے دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کا صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۸)

● آیت بالا میں آپنے دیکھ لیا ہے کہ باری تعالیٰ نے ملائکہ کی حقیقت تو بیان کر دی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں نوع بدلنے والے لوگوں کے ذہنی ملائکہ کے نزول کا مطالبہ کرنے والوں کی بے عقلی نمایاں کیگئی ہے کہ اگر بفرضِ محال ہم اپنے ملک کو انکا ذہنی ملک بنا کر آنحضورؐ پر نازل کریں، تو چونکہ اُنکے عقیدہ کے مطابق وہ پھر ایک انسان کی شکل والا ہوگا۔ تو بات پھر بھی نہ بنی وہ انکے سامنے انسانی شکل ہی میں آئیگا۔ اور یہ لوگ پھر شبہ میں پڑ کر کہینگے یہ تو بشر ہے ملک نہیں:۔

وَلَوْ جَعَلْنَٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَٰهُ رَجُلًا
اور اگر بناتے ہم اُسے ملک البتہ بناتے اُسے آدمی

وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ○ ۹
اور مشتبہ کر دیتے ہم اُن پر اُسے جسے وہ خود مشتبہ کرتے ہیں۔

اگر ہم اُس کو (یعنی اپنے کسی ملک کو انکا ذہنی) ملک بنا دیں تو (انکے تصوّر کے مطابق) اُسے آدمی بنا دیں۔ پھر ہمنے اُسے اُنکے لئے مشتبہ کر دیا، جیسے وہ مشتبہ کرتے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ
اور البتہ تحقیق مذاق اُڑایا گیا ساتھ رسولوں کے جو تھے پہلے تیرے

فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا
پھر گھیر لیا انکو جو لوگ مذاق کرتے تھے ان میں سے جو تھے

بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ○ ۱۰ ع
ساتھ اُسکے مذاق کرتے

اور بیشک اے رسولؐ! آپ سے پہلے رسولوں کیساتھ تمسخر کیا گیا تھا پھر ان میں سے جو لوگ تمسخر کرتے تھے، انہیں اُسی (بُرے عمل کے بُرے نتائج) نے گھیر لیا، جس کیلئے وہ (رسولوں سے) تمسخر کیا کرتے تھے۔

● ۳؎ جعلنٰہ اور لجعلنٰہ میں ہ کی دونوں ضمیریں اُس ملک کی طرف پھرتی ہیں جس کا ذکر پچھلی آیت میں گزر چکا ہے کہ وہ تو نافرمانوں کو ہلاک کرنے والا ہے آندھی، بجلی، زلزلہ وغیرہ کہ جب اُسے بطور عذاب بھیجا جائے پھر نافرمانوں کو مہلت ہرگز ہرگز

نہیں دی جاتی بنگر ۸۔

● ۲ اس لفظ مَلَکًا سے عوام کا ذہنی مَلک مُراد ہے۔ کیونکہ مَلک کو مَلک بنانے کا کیا مطلب ؟ دیکھئے اُن آیات مجیدہ نمبر ۸ و ۹ میں کھل کر واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے مَلک اُسکی کائناتی قوتیں ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے بصُورتِ عذاب بھیجی جاتی ہیں تو پھر نافرمانوں سرکشوں کو ڈھیل نہیں دی جاتی' اُنہیں اپنے ملائکہ کے ذریعے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور وُہ ملائکہ جن کے متعلق یہ نظریہ چل رہا ہے کہ وہ اپنی نوع بدل لیتے ہیں وہ عوام کے ذہنی ملائکہ ہیں۔ قانونِ خداوندی میں تو کسی نوع کے تبدیل ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا $\frac{30}{30}$ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔

● ۴ یہاں بِہٖ کی ضمیر اُس بُرے فعل کی طرف پھرتی ہے جس سے انبیاء سلامٌ علیہم لوگوں کو منع کرتے تھے اور لوگ یہ کہہ کر رسولوں کا مذاق اُڑاتے تھے کہ ان اعمال پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے $\frac{7}{28}$ $\frac{21}{43}$ لیکن ہونا یہ تھا کہ اُنہی کے بُرے عملوں کا بُرا انجام اُنہیں گھیر لیتا تھا۔ بُرے اعمال کی بُری خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا کہ اے رسُولؐ! سب لوگوں سے کہدیجیئےگا کہ زمین میں چل پھر کر خود دیکھ لو کہ خداوندی حقائق کو جھٹلانیوالوں کا بالآخر انجام کیا ہُوا تھا۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا
کہدیجیئےگا! پھرو بیچ زمین کے پھر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ○ ۱۱
کیا ہُوا انجام جھٹلانیوالوں کا

کہدیجیئےگا (اے رسولؐ!) سیر کرو زمین میں، پھر (بچشمِ خود دیکھ لو کہ (خداوندی حقائق کو) جھٹلانیوالوں کا کیا انجام ہُوا تھا (بڑی بڑی قوموں کے عالیشان محلات کے کھنڈرات اُن کی تباہی و بربادی کی منادی کر رہے ہیں)۔

انبیاء سلامٌ علیہم کا نہ کوئی قلعہ تھا نہ محل تھا، نہ دیوانخانہ

● زمین پر چل پھر کر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جتنے بڑے بڑے قلعے، اُونچے اُونچے محل اور نفیس دیوانخانے اُجڑے پڑے ہیں، اُن میں سے کوئی بھی نہ کسی نبیؐ رسولؐ کا کوئی قلعہ ہے نہ محل ہے نہ دیوانخانہ، بلکہ سب کے سب اُن سرکش حکمرانوں کے ہیں جن کے عوام کو نہ صرف یہ کہ رہنے کی معقول سی جھونپڑی میسّر نہیں تھی، بلکہ اُنہیں ضروریاتِ زندگی بھی بافراغت مہیّا نہیں تھیں۔ آیتِ بالا میں اس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ بچشمِ خویش دیکھ لو کہ جتنے بھی آثار پائے گئے ہیں سب مکذبینِ ربوبیت کے ہیں۔ سربفلک محلات، نفیس دیوانخانے، اُونچے اُونچے مقبرے جن میں آج سانپ بچھوؤں حشرات الارض چیل کوؤں اور اُلّوؤں کا بسیرا ہے، سب کے سب اُن لوگوں کے تعمیر کردہ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی زمین پر ذاتی ملکیت کی لکیریں کھینچیں، عوام کے حقوقِ ربوبیت کو دبا کر اُنکے بال بچوں کے پیٹ کاٹے اور اپنے لئے سربفلک محلات کھڑے کر لئے۔ اپنے مُردوں کی لاشوں پر لاکھوں روپوں کی عمارتیں بنائیں اور یہ تک نہ دیکھا کہ لاکھوں زندہ جانیں کچی جھونپڑی سے بھی محروم ہیں۔ دُنیا کے مال نے اسقدر اندھا اور عقل سے کورا کر دیا کہ مکانوں کی ضرورت زندوں کو ہوتی ہے مُردوں کو نہیں ہوتی۔ اللہ کے رسولؐ اور اُنکے متبع چونکہ ربوبیتِ عامہ کے علمبردار تھے، اسلئے زمین پر اُنکا نہ کوئی قلعہ ملیگا نہ محل نہ مقبرہ، اُنکی یادگار ربوبیت

عامہ کی علمبردار صرف اور صرف مسجدیں تھیں گی ۔ مسجد سلیمانی بیت المقدس اور مسجد نبوی مدینہ منورہ۔ المختصر! سیروا فی الارض کے الفاظ اس چیز کی دعوت دیتے ہیں کہ لوگو! بچشم عبرت دیکھ کر غور کرو کہ جن قلعوں اور محلوں میں کل با ادب باملاحظہ ہوشیار! عالم پناہ تشریف لاتے ہیں کے غلغلے بلند ہوتے تھے آج وہاں اُلو بول رہے ہیں۔ کہاں ہیں وہ جو اللہ کی زمین کے مالک بنے ہوئے تھے۔ زمین و آسمان کا مالک تو اکیلا خلاقِ عالم ہے۔ اسی چیز کو سلسلۂ دروس کی اگلی آیت مجیدہ میں استفہامی حصر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کہہ واسطے کس کے ہے جو بیچ آسمانوں اور زمین کے ہے	(اے رسولؐ! غاصبینِ ربوبیت سے) پوچھئے گا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے۔ آپ ہی جواب بھی خود دے دیجئے گا کہ سب کا سب صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے ؏۱
قُلْ لِّلّٰهِ ؕ ...... کہہ واسطے اللہ کے ہے	

● لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم میں سورہ نساء کی آیات مجیدہ ۱۳۱-۱۲۶ ۱۳۲ کے تحت صفحہ ۳۱۸-۳۱۹ پر گزر چکی ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا حقِ ملکیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اُسکے اس حق میں کوئی شریک نہیں لیکن چونکہ نعماءِ ارضی و سماوی کے استعمال کی اُسے مطلقاً ضرورت نہیں اور وہ ربّ العٰلمین ہے اس لئے ارض و سماء کی ہر چیز پورے عالمین کی ضروریاتِ زندگی کیلئے ہیں۔ نوعِ انسانی کے ہر فردِ بشر کا ان میں مساوی حق ہے۔ یہ نہیں کہ بالادست اور استحصال پسندوں کے ہاں انکی فراوانی ہو اور زیردست بیچارے استحصال کا شکار بن کر محرومِ محض بنے رہیں۔ چنانچہ اسی چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پوری نوعِ انسان کیلئے عام ہے جو لوگ اس پر بند باندھ کر عوام کے حقوقِ ربوبیت پر ڈاکہ ڈالینگے وہ اپنے آپکو خود اُخروی خسارے کا مستحق بنا لینگے۔ قیامت کو انہیں جوابدہی کے لئے جمع کر لیا جائے گا۔

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ لکھا اُس نے اوپر اپنے آپ کے رحمت کرنا۔ ضرور جمع کریگا تم کو	اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمانا اپنے آپ پر فرض کر رکھا ہے (پھر اے لوگو اُسکی رحمت یعنی نعماءِ خداوندی سے عوام کو محروم کرنے والو!) تمہیں اللہ تعالیٰ جوابدہی کیلئے قیامت کے دِن میں ؏۱ ضرور ضرور جمع کریگا، جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جن لوگوں نے (ربوبیتِ عامہ میں تمیز کر کے) اپنے آپکو خسارہ دیا ہے وہی ہیں جو (ربوبیت و قیامت پر) ایمان نہیں لاتے۔
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا بیچ دن قیامت کے نہیں شک بیچ اُسکے۔ جنہوں نے خسارہ دیا	
اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۲ اپنے آپکو پس وہی ایمان نہیں لاتے	

● ؏۱ یہاں اِلٰی بمعنی فی ہے۔

● اگلی آیت مجیدہ قیامت ہی سے متعلق ہے کہ اُس دِن کوئی مجرم اپنے جرم چھپا نہیں سکیگا کیونکہ رات کے اندھیروں

اور دن کے اُجالوں میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے' اللہ ہر بات کو خوب خُوب سُننے والا ہے اور ہر چیز کو خُوب خُوب جاننے والا ہے :-

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ
اور واسطے اُسی کے ہے جو واقع ہو بیچ رات کے اور دن کے

اور رات کے اندھیروں اور دن کے اُجالوں میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے۔ وہ اُس اللہ ہی کیلئے ہے (اُس سے پوشیدہ نہیں) کیونکہ وہ خُوب خُوب سُننے والا ہے نیز خُوب خُوب اور صحیح صحیح جاننے والا ہے

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ۱۳
اور وہ خوب خوب سُننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے

● ۱ لہٗ جار مجرور برائے حصر واقع ہوتا ہے۔ یہاں اسکا مفہوم یہ ہے کہ رات کے اندھیروں میں لوگ جو کام چھپ چھپ کر کرتے ہیں یا دن کی روشنی میں کُھلے بندوں کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

● ۲ مَا سَكَنَ کا لفظی معنیٰ ہے جو ٹھہرا۔ یہاں آیت مجیدہ کے آخری جملہ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ کے مطابق مفہوم یہ ہے جو کچھ رات کے اندھیرے یا دن کے اُجالے میں واقع ہوتا ہے' اُس سے مخفی نہیں۔ سب کچھ اُسکے لئے ہونا محلِ نظر ہے۔ کیونکہ نیک کاموں اور نیک لوگوں کا اُسکے لئے ہونا تو صحیح ہوا۔ لیکن بُرے لوگوں اور بُرے کاموں کا اُسکے لئے ہونا تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

● ۳،۴ سمیع اور علیم دونوں الفاظ فعیل کے وزن پر صفت مُشبّہ ہیں۔ اسلئے ان کے معنے یہی ہیں کہ وہ اللہ خُوب خُوب سُننے والا ہے اور خُوب خُوب اور صحیح صحیح جاننے والا ہے۔ نہ اُسکے سُننے میں کسی ابہام کا گزر ہو سکتا ہے نہ اُسکے جاننے میں۔ بلکہ وہ تو علیمٌ بذات الصّدور ہے۔ یعنی کسی بات یا کسی فعل کے کرنے سے پہلے جو کچھ لوگوں کے اذہان میں موجود ہوتا ہے وہ اُسے بھی جانتا ہے۔

ربوبیّت عامہ کا قرآنی تصوّر

● یہاں پہنچ کر یہ ہو سکتا ہے کہ قارئینِ کرام کے اذہان میں یہ تصوّر کروٹیں لے رہا ہو کہ یونہی ربوبیّت عامہ کی رٹ لگائی جارہی ہے' حالانکہ آیات بالا میں ربوبیّت کیلئے کوئی واضح الفاظ موجود نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ اوّل تو قرآن مجید شروع ہی ربوبیّتِ عالمین سے ہوتا ہے' اس لئے اس کی ساری تعلیم ربوبیّتِ عامہ ہی کی اساس پر قائم ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر یہ کہ سورہ مجیدہ زیر بحث سورہ انعام کی آیتِ اوّل ہی میں ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ کے الفاظ میں ربوبیّتِ عامہ ہی کے منکروں کا ذکر لایا گیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہم بارہا اُجاگر کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں اللہ کے انکار کا ذکر ہو وہاں اُسکی ہستی کا انکار مقصود ہوتا ہے اور جہاں رب کا انکار مذکور ہو وہاں اُسکی ربوبیّتِ عامہ کے انکار کی خبر دی جارہی ہوتی ہے۔ اب اس امر کے ثبوت میں کہ آیاتِ بالا میں ربوبیّت عامہ کا مذکرہ چل رہا ہے' خداوندِ عالم نے ذہنوں میں اُٹھنے والے وسوسوں کا جواب اگلی آیت میں بالفاظِ ذیل دے دیا ہے :-

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ
کہہ کیا سوا اللہ پکڑوں میں کوئی مددگار پیدا کرنے والا

۱ کہہ دیجئے گا (اے رسولؐ!) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور مددگار

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۚ
آسمانوں کا اور زمین کا اور وہ کھلاتا ہے اور نہیں کھلایا جاتا

ٹھہرالوں شروع سے بنانیوالا آسمانوں کا اور زمین کو ۔ اور اُسکی شان یہ ہے کہ وہ کھلاتا ہے لیکن کھلایا نہیں جاتا ۔ خود نہیں کھاتا

● ۱؎ اب یُطْعِمُ کے مفہوم پر غور فرمائیں کہ وہ کھلاتا ہے ۔ کیا اُسکے کھلانے کے دائرہ میں صرف بالادست افراد ہی آتے ہیں یا زیر دست بھی اِس میں برابر کے شریک ہیں ؟ یاد رہے کہ زمین کا طبقاتی نظام جس میں مالک جامِ صحت نوش کرتا اور نوکر خونِ جگر پیتا ہے ۔ مالک آموں کے ٹوکروں سے لطف اندوز ہوتا اور ملازم چھلکے باہر پھینکنے کی خدمت بجالاتا ہے اگر اسے هُوَ يُطْعِمُ کی تفسیر مانا جائے تو اللہ ربّ العٰلمین نہیں رہتا ۔ اور قرآن کریم کا پہلا سبق اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہی مشاہدات کی کسوٹی پر غلط ہو جاتا ہے اس لئے سرمایہ دارانہ طبقاتی نظام تو هُوَ يُطْعِمُ کی تفسیر ہو نہیں سکتا ۔ ہاں حضرت عمرؓ کے یہ تاریخی الفاظ اس کی عملی تفسیر ہو سکتے ہیں کہ دریائے فرات پر اگر کوئی کتیا بھی بھوکی رہگئی تو قیامت کو مجھے جوابدہ ہونا پڑیگا ۔ المختصر ! هُوَ يُطْعِمُ کے الفاظ نے ثابت کر دیا ہے کہ ابتداءِ سُورت ہی سے ربوبیتِ عالمین زیرِ بحث ہے ۔ اور مسئلہ ہی سارا ربوبیتِ عالمین یعنی مساوی تقسیم رزق کا ہے ۔ چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں اِسی هُوَ يُطْعِمُ کی عملی تفسیر یعنی مساوی تقسیم رزق ہی کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری بتایا گیا ہے :-

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ ۱؎
کہہ بیشک میں مجھ کو حکم دیا گیا ہوں کہ ہو جاؤں میں پہلا

مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۲؎ ۝
جو فرمانبردار ہُوا اور نہ ہونا تو میں سے مشرکوں کے ۱۴

کہہ دیجئے گا (اے رسولؐ !) بیشک میں یہ حکم دیا گیا ہوں کہ میں مذکورہ بالا حکم مساوی تقسیم کا ۲؎ پہلا اور اوّل نمبر کا فرمانبردار بنوں ۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) تُو (ناہموار تقسیم رزق پر عامل ہو کر) مشرکوں میں سے نہ ہو جانا ۳؎

● ۱؎ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ کے الفاظ میں لفظ اَوّل کے بیک وقت دو مفہوم ہیں ، پہلا شخص اور عمل کے لحاظ سے پہلے نمبر پر آنیوالا ، یعنی عمل کے لحاظ سے آپ اپنے دور کے اللہ تعالیٰ کے چوٹی کے فرمانبردار تھے ، اور پہلے فرمانبردار تھے ۔

● ۲؎ مَنْ اَسْلَمَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے جو فرمانبردار ہُوا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا مقصود ہے مگر جو حکم قریب کے الفاظ بالا هُوَ يُطْعِمُ سے عیاں ہے وہ سرِ فہرست رہیگا کہ آنحضورؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ نظامِ ربوبیت قائم کرنے میں اوّل درجے کے فرمانبردار بنیں ۔ چنانچہ آنحضورؐ نے مندرجہ بالا حکم اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ کے مطابق اوّل نمبر کے فرمانبردار بن کر دکھایا ۔ اور ایسا نظامِ ربوبیت قائم کیا جس میں نہ کوئی بھوکا تھا نہ ننگا ۔ نہ کوئی بے علاج تھا نہ بے مکان سلٰمٌ علیٰ محمد

● ۳؎ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ، جو اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ کی ضد کے طور پر آیا ہے ، اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نظامِ ربوبیت کے خلاف طبقاتی نظام قائم کرنا شرک ہے اور ایسا نظام قائم کرنیوالے مشرکوں کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں ۔ واضح رہے کہ مساویانہ نظامِ ربوبیت وہ خداوندی نظام ہے جسے جملہ انبیاء سلامٌ علیہم

نے اپنے اپنے دور میں بحکم خداوندی قائم کیا تھا۔ مگر طبقاتی نظام فرعونی ہے جیسے کہ سورۂ قصص کی ابتدا میں آیا ہے:۔
إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے (مصر کی) زمین میں سرکشی اختیار کی اور اپنی رعیت کو طبقات میں تقسیم کر دیا، اُن میں سے ایک طبقے کو کمزور کر دیا۔۔۔ پس عوام کو طاقتور اور کمزور یعنی امیر و غریب کے حصوں میں بانٹ دینا فرعونی نظام ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کا اعلان درج ہے کہ اگر میں مساویانہ نظام قائم نہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو میں بھی بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں:۔

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي ۱
کہہ بیشک میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں میں اپنے رب کی

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۲ ○ ۱۵
عذاب دن بڑا

(اے رسولؐ!) کہہ دیجیئے گا (اعلان کر دیجیئے گا) کہ اگر میں بھی اپنے رب کی نافرمانی (یعنی نظام ربوبیت قائم نہ) کروں تو بیشک میں بھی بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۲

● ۱ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّي کے الفاظ میں رب کی نافرمانی سے مُراد نظام ربوبیت کا انکار اور عدم قیام ہے۔
● ۲ إِنِّي أَخَافُ ...... عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ کے الفاظ میں اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ قیامت کی عدالت خداوندی میں کسی نبی رسولؐ کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں برتی جائیگی۔ سورۂ اعراف میں قیامت کی پرسش اعمال کے متعلق ارشاد ہوا۔ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۔ ۷/۶ پس ہم ضرور ضرور سوال کریں گے اُن سے بھی جن کی طرف رسولؐ بھیجے گئے تھے اور ہم ضرور ضرور سوال کریں گے اُن سے بھی جنہیں (رسول بنا کر) بھیجا گیا تھا۔ اور بہتر نتیجہ کی خبر سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں مذکور ہے:۔

مَّن يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ
جو کوئی کردہ پھیر دیا گیا اُس سے اُس دن تو بیشک اُس نے رحم کیا اُس پر

وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ○ ۱۶
اور یہ مذکورہ بات ہی ہے کامیابی کھلی

(حقیقت یہ ہے کہ جس کسی سے اُس دن (قیامت کو) وہ (عذاب) پھیر دیا گیا تو بلا شبہ اُس پر اُس (اللہ) نے رحم کیا۔ اور وہ مذکورہ (عذاب کا پھیرا جانا) ہی کھلی کامیابی ہے۔

● واضح رہے کہ قیامت کے عذاب کے مقابلے پر دُنیا میں جائز ناجائز جاگیروں اور جائدادوں کی فراہمی اور دُنیوی عیش پسندی کو کھلی کامیابی قرار نہیں دیا گیا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں دُنیا اور آخرت کے عذاب و ثواب کا قانون اسی کے ماتحت بتایا گیا ہے۔ اور خود آنحضورؐ کو مخاطب کر کے وضاحت کر دی گئی کہ آپکو بھی ضرر یا راحت ہمارے قانون کے مطابق ہی میسر آئے گی۔ ہمارے ہاں کسی کے لئے کوئی رعایت مقرر نہیں کی گئی۔ ہم ہر چیز کے قانون مقرر کر دیئے ہیں اور ہم خود اُس کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں کرتے:۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ
اور اگر مس کرے تجھے اللہ ساتھ ضرر کے تو نہیں کھولنے والا
لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى
واسطے اس کے سوا اس کے اور اگر وہ مس کرے تجھے ساتھ خیر کے پس وہ اوپر
كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ ۱۷
ہر چیز کے قانون بنانے والا ہے

اور (اے رسول!) اگر اللہ تعالیٰ (اپنے قانون کے مطابق) آپکو بھی ضرر پہنچائے تو اُسے دفع کرنیوالا کوئی نہیں ہے سوائے اُسکے (یعنی ضرر اُس کے قانون کے مطابق ہی دفع ہو سکتا ہے) اور اگر وہ آپکو (اپنے قانون کے مطابق) کوئی بھلائی پہنچائے (تو اُسکے خلاف کوئی روکنے والا نہیں) کیونکہ وہ (اللہ) ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔

● ۱ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کا ذکر محذوف ہے۔ جیسے کہ ۴۲/۳۰ میں ضمنی فیصلہ دیدیا گیا ہے:۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ (اے نوعِ انسانی!) تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے تو وہ (اللہ کے قانون کے مطابق) تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تو اپنے قانون کے مطابق تمہاری بہت سی غلطیوں کو معاف کرتا چلا جاتا ہے۔

● آیتِ بالا میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قانون کے دائرے سے آزاد نہیں ٹھہرایا گیا ہے جس کی عملی صورت جنگِ اُحد کے ذکر میں بیان کیگئی ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کے ایک دستے کی غفلت سے عقبی درہ غیر محفوظ ہو گیا تو دشمن نے لشکرِ اسلام پر پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا اور اس اپنی ہی غفلت کی بدولت شکست ہو گئی جس کا ذکر سورہ آلِ عمران میں بالفاظِ ذیل موجود ہے:۔

● اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ ۳/۱۶۵ = اور کیا جب تمہیں شکست کی تکلیف پہنچی حالانکہ تم اُنہی کو (جنگِ بدر میں) دوگنی شکست دے چکے تھے۔ تو تم نے کہا یہ شکست کہاں سے آئی۔ کہہ دیجئیگا یہ تمہارے اپنے ہی افراد (کی غفلت) کی بدولت آئی ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (فتح و شکست سمیت) ہر چیز کے قانون متعین کرنیوالا ہے۔ (ہمارے قانون کے مطابق جنگِ بدر میں تمہاری ہی استقامت کی بدولت فتح ہوئی تھی اور جنگِ اُحد میں تمہاری ہی غفلت کی بدولت شکست ہو گئی ہے۔ ہمارے قانون میں کوئی لوچ لچک موجود نہیں ہے) ۔۔۔ قانون کی بالادستی ہی کی خبر اگلی آیتِ مجیدہ میں مذکور ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے قانون سے مستثنیٰ نہیں:۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ[1] فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ
اور وہ غالب ہے اوپر بندوں اپنے اور وہ
الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ○ ۱۸
بڑا حکمت والا بڑا خبردار ہے

حقیقت یہ ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے سب کے سب بندوں پر غالب ہے[1] (اُسکے قانون کے دائرہ سے کوئی بھی خارج نہیں) اور اُس کا غلبہ کسی آمریت کی بنا پر نہیں بلکہ حکمت و علم کی بنا پر ہے کیونکہ وہ بہت بڑھکر حکمت والا اور خوب خوب خبر رکھنے والا ہے۔

● ۱ یہاں پر لفظ قاہر کا معنیٰ عوامی تصور کے مطابق قہر، غضب اور ظلم کرنیوالا نہیں۔ بلکہ غالب ہے کیونکہ عربی ادب

ہیں مادہ ق ۔ ہ ۔ ر ۔ قہر کا بنیادی معنیٰ ہے، اوپر پکڑ لینا ۔ غالب آنا ۔ مجرم کو واقعی سزا دینا وغیرہ، یہ مادہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اسکے مذکورہ معنے مقصود ہوتے ہیں اور اگر بندوں کی طرف منسوب ہو تو اُسکے معنے ناجائز غلبہ یعنی ظلم زیادتی ہوتے ہیں ۔ جیسے کہ ۹۳/۹ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ، پھر جو یتیم ہے اُس پر کسی بھی قسم کی زیادتی نہ کرنا ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۹ کا ربط آیت نمبر ۱۴ کیساتھ ہے جس میں آنحضورؐ سے اعلان کرادیا گیا ہے کیا میں آسمانوں اور زمین کو نئے سرے سے بنانیوالے کے سوا کسی اَور کو کارساز ٹھہرالوں کہ اُسکی شان یہ ہے کہ وہ کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا، کھانے پینے کی احتیاج سے صد فیصد بری ہے ۔ کھلاتا ہے، یُطْعِمُ کی تفسیر آیت نمبر ۱۴ میں تفصیلاً گزر چکی ہے کہ اللہ کے کھلانے کا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ اُس میں اعلیٰ و ادنیٰ سب شامل ہیں یعنی حقِ طعام میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں ۔ لیکن سرمایہ دارانہ ادیان اس مساوات کو تسلیم نہیں کرتے، حتیٰ کہ سابقہ خداوندی کتابوں میں نظریۂ قسمت کے ذریعہ سرمایہ دارانہ نظام داخل کرکے ناہموار نظام کی خدائی سند حاصل کرلی گئی تھی، جو اسلام میں بھی درآمد کی جاچکی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے کسی کی قسمت میں بھوک ننگ لکھ رکھی ہے اور کسی کی قسمت میں عیش و عشرت ۔ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز ٹھہرالوں کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں نے اللہ کے سوا بھی کارساز ٹھہرا رکھے تھے ۔

● جب آنحضورؐ نے قرآن مجید کا نظریۂ ربوبیت و وحدت پیش کیا تو قرآن کے پیش کردہ ضابطے کے مقابلے پر اپنے بزرگوں کی سند پیش کیگئی کہ وہ غیر اللہ کو کارساز ٹھہراتے تھے ۔ اللہ کی کتاب کے مقابلے پر کسی اور کی سند لانے کو اللہ کیساتھ شریک قرار دیا گیا ہے چنانچہ اگلی آیت میں چار مرتبہ کے قُلْ کے تکرار کیساتھ اعلان کرادیا گیا ہے کہ قرآن مجید وحیِ الٰہی ہے اس کے سوا کسی اور کو سند قرار دینا شرک ہے :-

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڐ
کہہ کونسی چیز سب سے بڑی شہادت کی رُو سے ۔ کہہ اللہ ہے

شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ
سب سے بڑا گواہ درمیان میرے اور درمیان تمہارے شان یہ ہے کہ وحی کیا گیا طرف میری

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ
یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں ساتھ اسی کے اور جس کو پہنچے

اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً
کیا بیشک تم البتہ گواہی دیتے ہو کہ بلاشبہ ساتھ اللہ کے الٰہ ہیں

اُخْرٰى ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
دوسرے کہہ نہیں گواہی دیتا میں ۔ کہہ سوائے اسکے نہیں وہ الٰہ ایک ہے

(اے رسولؐ! منکرینِ ربوبیت سے) پوچھئے گا کہ گواہی کی رُو سے کونسی چیز بڑی ہے ۔ آپ ہی کہہ دیجیئے گا کہ شہادت کی رُو سے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے[1] اور شان یہ ہے کہ میری طرف (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ قرآن وحی کیا گیا ہے[2] (اسکی وحی کی غرض یہ ہے کہ) میں تمہیں اسی کیساتھ تمہارے فرائضِ منصبی سے آگاہ کروں[3] اور جس جس تک یہ پہنچے (وہ بھی اسی کے ساتھ لوگوں کو فرائضِ منصبی سے آگاہ کرے[4]) ۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ بیشک اللہ کے ساتھ اور بھی فرمانبرداری کے قابل ہیں[5] ۔ کہہ دیجیئے گا کہ میں ایسی گواہی ہرگز نہیں دیتا ۔ کہہ دیجیئے گا سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ وہ اللہ ہی ایک اکیلا فرمانبرداری کے لائق ہے[6] ۔

وَاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ ۱۹
اور بیشک بری ہوں اُس سے جو تم شریک ٹھہراتے ہو

اور بیشک میں اُن سے بری (بیزار) ہوں جن کو تم اللہ کیساتھ شریک کرتے ہو۔ ؎

● ۱ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ کے قُل کے الفاظ میں آنحضورؐ کو حکم ہوا کہ کہدیجیئگا کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضورؐ کے مدِمقابل خدا تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے بلکہ اُن لوگوں نے اپنے بزرگوں کو اللہ کے حکم میں شریک بنا رکھا تھا جیسے کہ آگے نمبر ۶ میں بتادیا گیا ہے کہ وہ مشرک تھے۔

● ۲ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ آنحضورؐ پر صرف قرآن وحی کیا گیا تھا اور اُسکا نسخہ امام ہر وقت آپکے پاس موجود ہوتا تھا جس کی طرف آپ اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔

● ۳ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ میں آمدہ ضمیر بہٖ نے حصر پیدا کر دیا ہے کہ اس کا غرضِ وحی و نزول یہ ہے کہ میں اسی کتابِ خداوندی کیساتھ انذار کروں، تمہارے فرائضِ منصبی سے تمہیں آگاہ کرتا رہوں۔

● ۴ وَمَنْۢ بَلَغَ بھی حصر کے ماتحت آیا ہے کہ جس جس تک یہ قرآن پہنچے وہ بھی اسی کیساتھ لوگوں کو اُنکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرے۔

● ۵ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى کے الفاظ سے عیاں ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفین نے اللہ تعالیٰ کیساتھ اور الٰہ فرمانبرداری کے قابل قرار دے رکھے تھے، قرآن کریم کی تعلیم چونکہ اُنکے بزرگوں کی تعلیم اور اُن کے تواتر کے خلاف تھی، اسلئے وہ قرآن کریم کو اللہ کی طرف سے وحی کردہ کتاب تسلیم نہیں کرتے تھے۔

● ۶ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کے قُل کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ آنحضورؐ سے ایک اکیلے الٰہ کی فرمانبرداری کیئے جانے کا اعلان کرلیا گیا تھا کہ لوگ اگر بہت سے الٰہ فرمانبرداری کے لائق تسلیم کرتے ہیں تو آپ ایک الٰہ کا اعلان کر دیجیئگا۔

● ۷ وَاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ کے الفاظ میں وضاحت کردیگئی ہے آنحضورؐ کے مدِمقابل اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل تو تھے مگر اُسکے حکموں میں اپنے بزرگوں کو شریک کر رکھا تھا۔ نوعِ انسانی کا یہ بہت پرانا قاعدہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی لکھی ہوئی کتابوں یا اُنکے بعد کے جمع کیئے ہوئے اُنکے ملفوظات کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر حاکم قرار دے لیتے تھے۔ یہودیوں کے ہاں تالمود نامی وہ کتاب ہے جس میں حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کردہ اقوال درج ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر حاکم ٹھہرا کر کتابِ خداوندی میں تحریف لفظی تک کر رکھی ہے۔ اور نصاریٰ کی اناجیل تک میں حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کردہ اقوال بھر دیئے گئے ہیں۔

● آنحضورؐ انہی لوگوں کے اندر پیدا ہوئے، بڑھے، جوان ہوئے، اُنہی سے محمدؐ کہلایا یعنی تعریف در تعریف کیا ہوا۔ آپ اُنکے لیئے اجنبی نہیں تھے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی دھوکا فریب نہیں کیا۔ چنانچہ ۱۰/۱۶ میں آنحضورؐ سے چیلنج دلوایا گیا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ پھر بلاشبہ میں نے تمہارے درمیان ایک عمر گزاری ہے، پھر تم کیوں عقل نہیں کرتے۔ (کیا میں نے کبھی جھوٹ بولا تھا کہ میں نے قرآن کریم کو خود گھڑ کر اللہ کے ذمہ لگا دیا ہو)

حسب عادت بولا ہو)۔ اسکے جواب میں تاریخ شاہد ہے نہ کسی طرف سے کوئی جواب ہی آیا اور نہ ہی آپکی پوری زندگی پر کوئی انگلی ہی اُٹھ سکی۔ آنحضورؐ کی اِسی جان پہچان کے متعلق سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں محاورہ کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ لائے گئے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا
وہ لوگ جنہیں دی ہم نے اپنی کتاب وہ پہچانتے ہیں اُسے جیسے

يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
وہ پہچانتے ہیں بیٹوں اپنوں کو۔ جن لوگوں نے خسارہ دیا اپنے آپ کو

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ ع ۱۰/۸
پس وہی نہیں ایمان لاتے

وہ لوگ جنہیں ہمنے اپنے (رسولوں کی معرفت) کتاب دی ہے (یہود و انصاریٰ کو) وہ اسے (ہمارے مکی نبیؐ کو) اسطرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (مگر پھر بھی یقین نہیں کرتے کہ یہ سچا ہے) جو لوگ (خداوندی ہدایت نامہ آجانے کے باوجود محرومِ ہدایت رہے) اُنہوں نے خود اپنے آپکو خسارے میں رکھا پس وہی لوگ (متوازن ضابطۂ حیات قرآن کریم پر) ایمان نہیں لاتے۔

● آیتِ بالا میں جہاں ہدایتِ الٰہی پر ایمان نہ لانیوالوں کو اپنے آپکو خسارہ پہنچانیوالے قرار دیا ہے، وہاں ساتھ ہی اگلی آیتِ مجیدہ میں جھوٹے مدعیانِ نبوّت اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانیوالوں، دونوں کو سب سے بڑھ کر ظالم اور غیر فلاح یافتہ ٹھہرایا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
اور کون ہے بڑھ کر ظالم اُس سے جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱
یا جھٹلائے آیتیں اُسکی بیشک وہ نہیں کامیاب ٹھہراتا ظالموں کو

اور اُس سے بڑھ کر کون ہے ظالم جو اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھے (کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے) اور وہ بھی جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیتوں کو جھٹلائے (دونوں ظالم ہیں) بیشک وہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو کامیاب نہیں ٹھہراتا۔

● اگلی آیتِ مجیدہ میں قیامت کی عدالتِ عالیہ میں سب کو حاضر کرنے اور اپنے اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو سامنے لانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
اور جس دن ہم جمع کریں گے اُن سب کو پھر ہم کہیں گے واسطے اُن لوگوں کے

اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۲۲
کہ شریک کیا تھا کہاں ہیں شریک تمہارے ٹھہرائے ہوئے جنہیں تھے تم گمان کرتے

اور وہ دن قابلِ ذکر ہے جب ہم (قیامت کو) سب کے سب شریک ٹھہرانے والوں کو جمع کرینگے پھر ہم اُنہیں کہینگے کہاں ہیں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک جنہیں تم اپنے زعمِ باطل میں ہمارے شریک سمجھا کرتے تھے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا
پھر نہیں ہوگا اظہار اُن کا مگر یہ کہ کہیں گے

پھر نہیں ہوگا اظہار (یعنی بیان) اُن کا، سوائے اسکے کہ وہ یہ کہینگے

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝۲۳
قسم ہے اللہ رب ہمارے کی نہیں تھے ہم شرک کرنیوالے

ہمارے رب تعالیٰ کی قسم ہے کہ ہم مشرک نہیں تھے ۲ (دہم شرک تو نہیں کیا کرتے تھے)

● ۲؎ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ میں فتنہ کا لفظ مادہ ف۔ ت۔ ن۔ فتن سے مشتق ہے۔ اسکا بنیادی معنی ہے ظاہر کرنا۔ چنانچہ سونا پرکھنے کی کھسوٹی کو فتانہ کہتے ہیں، جو سونے کے متعلق ظاہر کرتی ہے کہ اس میں اتنا کھوٹ ہے۔ بزرگوں کو خدا کے شریک ٹھہرانے والے اس عمل کو نہ شرک مانتے ہیں نہ شرک کہتے ہیں، بلکہ اُن کا زعم باطل یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن بزرگوں کو یہ اختیار عطا کر رکھے ہیں کہ وہ مشکلیں حل کر سکتے ہیں، غائبانہ مدد کر سکتے اور مُرادیں پُوری کر سکتے ہیں، اُنکے ارشادات مطلقاً واجبُ الاطاعت ہوتے ہیں۔ اُنکے فرمودات و ملفوظات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر پرکھنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ وہ کتابِ خداوندی کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، اُن پر بلاحیل و حُجت عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس جھُوٹے عقیدے کے مطابق ایسے لوگ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں بھی اللہ اور رب تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہینگے کہ باری تعالیٰ ہم شرک تو نہیں کیا کرتے تھے۔ اِس پر ارشاد ہُوا ہے :۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۴
غور کر کس طرح جھوٹ بولیں گے اُوپر اپنے آپکے اور گم ہو جائیگا اُن سے جو تھے افترا کیا کرتے

(اے مخاطب!) غور کر کہ وہ کس طرح اپنے آپ پر (مزید بوجھ ڈالتے ہُوئے) جھوٹ بولینگے (کہ زندگی بھر غیروں کو اللہ کا شریک قرار دئیے رکھا مگر قسمیں کھا کھا کر کہینگے کہ ہم شرک نہیں کیا کرتے تھے) حالانکہ (قیامت کو) سبھی گم ہو جائینگے جن کا وہ افترا کیا کرتے تھے ۳

● ۱؎ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ میں جو حرفِ جار عَلٰی آیا ہے اِسکے مطابق یہ معنی صحیح ہے کہ وہ اپنے آپ پر مزید بوجھ ڈالتے ہُوئے جھوٹ بولینگے۔ کیونکہ قرآن مجید میں حرفِ جار لِ جزا کیلئے آتا ہے اور عَلٰی سزا، بوجھ اور وبال کیلئے آتا ہے، جیسے کہ ۴۱/۴۶ میں آیا ہے :۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا، جو کوئی صلاحیت بخش عمل بجا لایا، اُن کی جزا اُس کے اپنے لئے ہے اور جس نے بُرے عمل کئے، اُنکی سزا، اُنکا بوجھ، اُن کا وبال اُسکے اپنے آپ پر ہوگا۔

● زندگی بھر تو غیروں کو اللہ کیساتھ حاجت روا، مشکلکشا ٹھہرایا، اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر مان کر، غیب دان اور مختارِ کل جان کر اُن سے زندگی بھر مدد و مُرادیں مانگتے رہے، مگر ان افعال کو زندگی بھر شرک تسلیم نہ کیا۔ یہانتک کہ قیامت کے متعلق بھی یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ ہم اپنے بزرگوں کا دامن تھام کر جنّت میں پہنچ جائینگے، اِس باطل تصور کا بُطلان ان الفاظ میں مکمل کر دیا گیا ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ، حالانکہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں وہ لوگ جن کے متعلق اُنہوں نے افترا باندھ رکھا تھا کہ وہ قیامت کے دن مدد کیلئے پہنچ جائینگے، اپنا دامن تھما کر جنّت میں لے جائینگے، وہ گم ہو جائیں گے کوئی بھی مدد کو نہیں پہنچیگا مگر پھر بھی یہ لوگ حضورِ الٰہی میں اُسی کو اللہ اور رب کہہ کر اُسی کی جھوٹی قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے ہوں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ یہ اِتنا بڑا دھوکا اُسی باطل عقیدے ہی سے لگتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور ولیوں کا حاضر

ناظر، غیب دان، مشکل کشا اور مختارِ کل بنایا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبیوں کی دعاؤں سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، مشکل وقت پر حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت ایوبؑ سب نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی، حضرات ابراہیمؑ و زکریاؑ حصولِ اولاد کیلئے حضورِ الٰہی میں گڑگڑائے، ان قرآنی شواہد سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ اگر وہ مختارِ کل اور مشکل کشا ہوتے تو خود مشکلوں میں کیوں گرفتار ہو جاتے اور اپنی مشکلوں میں حضورِ الٰہی میں کیوں دست بدعا ہوا کرتے۔ خود خاتم النبیینؐ کی دعائیں قرآن مجید میں موجود ہیں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمائیو۔

قربِ الٰہی

● سورہ زمر میں آیا ہے کہ غیر اللہ کو مددگار قرار دینے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ان بزرگوں کی فرمانبرداری اسلئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۳۹/۳ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت کا ایک ہی نسخہ بتایا ہے:۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ (اے قربتِ الٰہی کے طلبگار!) اللہ تعالیٰ کا پورا پورا فرمانبردار ہو اور قریب ہو جا۔ یہ عقیدہ بھی عجیب و غریب ہے کہ بزرگوں کے اقوال و ملفوظات کو کلام الٰہی قرآنِ کریم سے بالا و برتر سمجھا جائے، یعنی یہ نہ دیکھیں کہ کیا بزرگوں کے اقوال قرآن کریم کے خلاف تو نہیں۔ اگر خلاف ہیں تو ہو سکتا ہے وہ بزرگوں کے قول نہ ہوں، اُنکی طرف غلط طور پر منسوب ہو چکے ہوں۔ تو اس طرح کلامِ خداوندی کی مخالفت بھی ہو رہی ہو اور اللہ تعالیٰ کا قرب بھی میسر آ جائے۔ یا للعجب!

● قربِ خداوندی کے متعلق کھلے لفظوں میں وضاحت کر دی گئی ہے:۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۵۰/۱۶ ہم تو اس (انسان کے ہر ایک فرد) کی شاہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ یہ خود اللہ تعالیٰ سے دُور رہتا ہے۔ اِسے چاہیئے کہ یہ خود اُسکے قریب ہو جائے جس کا ایک ہی قرآنی طریقہ اوپر بیان ہو چکا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ تعالیٰ کا پورا پورا فرمانبردار ہو اور اُسکے قریب ہو جا۔ جتنا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے اُتنا ہی وہ اُسکے قریب ہے۔

● قربِ الٰہی کے اس طریقے کی وضاحت سورہ بقرہ کے ان الفاظ میں کھل کر دی گئی ہے:۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۲/۱۸۶ اے رسولؐ! جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں (کہ کیا وہ قریب ہے) تو (آپ کہہ دیجئے گا کہ وہ کہتا ہے) میں قریب ہوں (اتنا قریب کہ) جب بھی کوئی دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اُسے (اپنے قانونِ جاریہ کی زبان میں اُسی وقت) جواب دیتا ہوں (کہ میرے قانون کے مطابق حصولِ مقصد کیلئے سرگرمِ عمل ہو جا، تیری مراد پوری ہو جائے گی) پس چاہیئے کہ وہ میرے جواب کو عملاً قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں (کہ میں نے ہر چیز کے حصول کے لئے قوانین متعین کر دیئے ہیں، اُن پر عمل کریں) تاکہ وہ صحیح راہ پا سکیں۔ اس آیتِ مجیدہ میں بالتفصیل بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ صرف اُس کی فرمانبرداری ہے اور اسکے قانونِ جاریہ پر ہمہ تن مصروفِ عمل ہو جانا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کے مدِّ مقابلین کے ایک گروہ کے متعلق خود آنحضورؐ کو مخاطب کر کے ذیل کی خبر دی گئی ہے:-

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى
اور ان میں سے انکے جو کان لگاتے ہیں طرف تیری اور ڈالا ہمنے اوپر

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ
اذہان انکے پردہ کہ وہ نہ سمجھیں اسے اور بیچ کانوں انکے بوجھ ہے

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا
اور اگر دیکھیں تمام نشانیاں نہ ایمان لائیں ساتھ انکے یہاں تک کہ جب

جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ
آتے ہیں پاس تیرے جھگڑتے ہیں تجھ سے کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا نہیں

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ۲۵
یہ مگر کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی

اور اُن (آپکے مخالفوں) میں سے بعض وہ ہیں جو آپکا کلام سُننے کیلئے آپکی طرف کان لگاتے ہیں لیکن ہمنے اُن کے ذہنوں پر عدم تدبّر کے پردے پڑے ہوئے پائے ہیں،ؑ اسلئے وہ ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید کو) نہیں سمجھتے۔ اور اُنکے کانوں میں بوجھ ہے وہ (سُنتے ہی نہیں)۔ اور اُنکی (مخالفت برائے مخالفت کی) حالت یہ ہے کہ اگر وہ تمام دلائل دیکھ بھی لیں تو پھر بھی اس قرآن کیساتھ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپکے پاس آتے ہیں جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کر دیا ہے، تو وہ آپ سے جھگڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو صرف پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

● ملہ واضح رہے کہ ایسے افعال جن کے مروّجہ ترجمہ سے یہ تصوّر برآمد ہو، کہ اللہ تعالیٰ ذہنوں پر مُہریں لگا دیتا ہے یا اُن پر پردے ڈال دیتا ہے کہ وہ ہدایت پر نہ آسکیں، ایسے افعال میں خاصا وجدان موجود ہوتا ہے، جیسے کہ آیت بالا میں آیا ہے جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً، اسکا یہ معنی نہیں ہے کہ ہمنے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُنکے ذہنوں پر پردے ڈال دئیے ہیں کہ وہ نہ سمجھ سکیں۔ بلکہ خاصۂ وجدان کے مطابق اسکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہمنے اُنکے ذہنوں پر عدم تدبّر کے پردے پڑے ہوئے پائے ہیں، اِس سبب سے وہ قرآن کو نہیں سمجھتے —— اگلی آیت مجیدہ میں اُنکی اِس روش کی غرض بتائی گئی ہے خود بھی نہ ماننا اور لوگوں کو بھی اس سے روکنا:-

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ
اور وہ روکتے ہیں اس سے اور خود بھی رکتے ہیں اُس سے اور

اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ۲۶
نہیں ہلاک کرتے وہ کسی کو مگر اپنے آپکو اور وہ نہیں شعور رکھتے

اور وہ (قرآنِ کریم کو پرانے لوگوں کی کہانیاں بتاکر) لوگوں کو بھی اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اِس سے رُک رہتے ہیں اور وہ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپکو لیکن وہ اس چیز کا شعور نہیں رکھتے —— اگلی آیت میں انہی کا قیامت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے:-

وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا
اور تو دیکھے جب کھڑے کئے جائیں اوپر آگ کے پھر وہ کہیں گے

اور (اے مخاطب!) کاش کہ تو تصوّر کی نگاہ سے دیکھے جب وہ آگ (کے کنارے پر) کھڑے کئے جائیں گے پھر وہ کہیں گے

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا
کاش ہم لوٹائے جائیں اور نہ ہم جھٹلائیں گے ساتھ آیتوں رب اپنے

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۷
اور ہم ہوں گے بیچ سے مومنوں کے

کاش کہ ہم واپس بھیج دیئے جائیں۔ اِسکے بعد ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں گے۔

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اِن لوگوں کی یہ تمنّا بھی جھوٹ محض ہے اِنکا یہ کہنا بھی غلط ہے۔ بلکہ:۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ
بلکہ ظاہر ہوا واسطے اُنکے جو تھے چھپاتے سے پہلے اِسکے

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
اور اگر لوٹائے جائیں البتہ اعادہ کریں واسطے اُسکے جو منع کئے گئے اُس سے

وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ۲۸
اور بیشک وہ البتہ جھوٹے ہیں

(اُنکی اس بات میں کوئی صداقت نہ ہوگی) بلکہ اس سے پہلے جو کچھ وہ چھپا کر عمل کرتے تھے وہ ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور اگر وہ واپس لوٹائے جائیں تو پھر بھی وہی اعمال کریں گے جن سے وہ منع کئے گئے ہیں۔ اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔

وَقَالُوْا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ
اور کہتے ہیں، نہیں وہ مگر زندگی دُنیا کی اور

مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ ۲۹
نہیں ہم ساتھ اُٹھائے جانے والے

حقیقت یہ ہے کہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہماری صرف دُنیا ہی کی زندگی ہے (خوب اِستعمال اور نفع اندوزی کرنی چاہیئے) حقیقت یہ ہے کہ ہم عملوں کی جوابدہی کے لیے ہرگز اُٹھائے جانیوالے نہیں۔

● اس سے اگلی آیت میں پھر نگاہِ تصوّر کے ساتھ اسی منظر کو دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ اللہ کے حضور کھڑے کئے جائینگے ہے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ
اور کاش دیکھے تُو جب وہ کھڑے کئے جائینگے سامنے رب اپنے

قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا
کہے گا کیا نہیں یہ ساتھ حق کہیں گے ہاں اور قسم ہے رب ہمارے کی

قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ (۳۰)
کہے گا پس چکھو عذاب کو بسبب اسکے تھے تم اِنکار کرتے

ع

اور (اے مخاطب کاش کہ تُو تصوّر کی نگاہ سے (دوبارہ) دیکھے جب وہ اپنے رب (یعنی نظامِ ربوبیّت کا حکم دینے والے) کے حضور کھڑے ہوں گے۔ وہ کہے گا کیا (یہ روز مکافات) سچا نہیں ہے۔ وہ کہینگے ہاں قسم ہے رب ہمارے کی سچا ہے وہ کہے گا اب مزہ چکھو عذاب کا بسبب اِس کے کہ تم اپنے رب یعنی نظامِ ربوبیت کا انکار کرتے تھے۔

● اگلی آیتِ مجیدہ میں قیامت کو جھٹلانے والوں کے متعلق بتایا گیا ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ[1] اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى
بیشک گھاٹا پایا، جنہوں نے جھٹلایا کو حاضری اللہ کی یہانتک کر
اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا
جب آئیگی اُنکے پاس قیامت اچانک کہینگے اے افسوس ہمیں
عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَ
اوپر اسکے جو کمی کی ہمنے بیچ اسکے اور وہ اُٹھائیں گے بوجھ
هُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ ٣١
اپنا اُوپر پیٹھوں اپنی کے خبردار بُرا ہے جو وہ اٹھائینگے

بلاشبہ وہ لوگ خسارے میں رہے جنہوں نے اعمال کی جوابدہی کے لئے) اللہ کے حضور حاضر ہونے کو جھٹلایا۔ حتیٰ کہ جب اُنکے پاس قیامت کی گھڑی اچانک آجائیگی تو وہ کہینگے افسوس ہے ہم پر کہ اسکی تیاری میں ہمنے کمی کی۔ حالت یہ ہوگی کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اُٹھائے ہُوئے ہوں گے۔ (قیامت کو کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائیگا) خبردار (بگوش ہوش سُن لو کہ) کتنا بُرا ہے وہ بوجھ جو وہ اُٹھائے ہُوئے ہونگے۔

● [1] لِقَآءِ اللّٰهِ سے مُراد اللہ کا دیدار نہیں، بلکہ اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کے دن اُس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار یعنی اُسکے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۶/۱۰۳ اُسے نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ کوئی عقل اُسے پا سکتی ہے، وہ ہر آنکھ کو دیکھتا ہے اور ہر عقل کو پاتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی دُعا فرمائی رَبِّ اَرِنِیْ لیکن جواب ملا لَنْ تَرٰىنِیْ ۷/۱۴۳ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھیگا۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے یا دکھا سکنے کا دعوٰی کرنے والوں کو حضرت موسیٰ سلام علیہ کے واقعہ سے غلط فہمی دور کر لینی چاہیئے۔

● قرآن مجید میں لِقَآءَ نَا، لِقَآءِیْ اور لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا اور لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا کے الفاظ صرف اپنے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے اللہ تعالیٰ کیساتھ ملاقات کرنے کے معنوں میں آئے ہیں۔ جن لوگوں کے متعلق آیا ہے کہ وہ لقاء اللہ اور بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ کی اُمید نہیں رکھتے، اس سے مُراد یہ ہے کہ وہ قیامت کی باز پُرس کے منکر ہیں۔ جیسے کہ سُورہ سجدہ میں ایسے ہی لوگوں کا قول اور اللہ تعالیٰ کا جواب درج ہے:۔ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ۳۲/۱۰ اور وہ کہتے ہیں کیا جب ہم (مرنے کے بعد گل سڑ کر) زمین میں گم ہو جائینگے تو کیا ہم نئی زندگی کیساتھ زندہ کئے جائینگے؟ (اُنکا یہ سوال یونہی نہیں) بلکہ وہ اپنے رب کے حضور اعمال کی جوابدہی کے منکر ہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں دُنیا کی زندگی اور اُخروی زندگی کا تقابل پیش کر کے اسی چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے:۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ
اور نہیں زندگی دُنیا کی کھیل اور غفلت

اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی (میں مستغرق ہو جانا) نہیں ہے کچھ بھی مگر محض کھیل اور فرائض منصبی سے غفلت ہے۔ اور

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ
اور البتہ گھر آخرت کا اچھا ہے واسطے انکے جو بچتے ہیں
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲
کیا پھر نہیں تم عقل کرتے

یقیناً یقیناً (اس زندگی کے اچھے عملوں کے) انجام کا گھر ان لوگوں کے لئے اچھا ہے جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔ کیا پھر تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے (کیوں نیک اعمال کے ذریعہ قیامت کی تیاری نہیں کرتے؟)۔

● اگلی آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے انکار کرنے پر آنحضورؐ غمگین ہو جاتے تھے۔ اسلئے آپؐ کی تسکین و تسلّی کے لئے ارشاد فرمایا:۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ
بیشک ہم جانتے ہیں بیشک وہ البتہ غمگین کرتا ہے آپکو جو وہ کہتے ہیں
فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ
پس بیشک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو اور لیکن وہ ظالم ساتھ آیتوں کے
اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳
اللہ کی جھگڑا کرتے ہیں

(اے رسولؐ!) بیشک ہم جانتے ہیں کہ بلا شبہ آپ کو وہ چیز غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں (کہ یہ قرآن، مدّعیٔ رسالت نے خود گھڑ لیا ہے) پس بیشک وہ آپکو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کے ساتھ جھگڑتے ہیں (کیوں کہ یہ اُن کے آبائی عقائد و اعمال کی مخالفت کرتی اور اُن کے مفاد سے ٹکراتی ہیں)۔

ضابطۂ الٰہی، ہر استحصالی گروہ کے ذاتی مفاد سے ٹکراتا ہے

● قرآن کریم چونکہ نہ علماء و مشائخ کے اِس مفاد کے حق میں ہے کہ لوگ کمائیں اور یہ بیکار بیٹھے کھائیں نہ سُود خور کو اجازت دیتا ہے کہ وہ قرضدار کا خون چوستا رہے، نہ اپنے نفع خوروں کے حق میں ہے کہ وہ عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی ضروریاتِ زندگی کا ذخیرہ کر کے کئی گنا نفع کی صُورت میں چُوستا رہے۔ نہ جاگیردار کو اجازت دیتا ہے کہ اُسکے پاس ضرورت سے زائد مکان ہوں اور وہ کرایہ کے نام پر مُفت خوری کرتا رہے۔ نہ زمیندار کو اجازت دیتا ہے کہ سر سے لیکر پیروں تک پسینے میں شرابور ہو کر کاشت تو کریں مزارعے مگر فصل پکنے پر غلے کی بوریاں اُسکے ہاں پہنچ جایا کریں۔ اور اسی طرح نہ سلطان و سربراہ کو یہ چھٹی دیتا ہے کہ ملک کی دولت جو ملکی عوام ہی کا مال ہے اُس میں سے وہ اور اُسکے کارندے تو تنخواہوں اور سفر خرچوں کی صورت میں لُوٹ کا سا حصہ پائیں، مگر ملکی عوام ضروریاتِ زندگی خوراک لباس اور علاج سے محروم پائے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کریم نے اپنے اوّلین منشور کا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ میں اعلان کیا تو چونکہ ربوبیّتِ عالمینی کا تصوّر مندرجہ بالا تمام گروہوں کے مفاد سے ٹکراتا ہے۔ اسلئے سب کے سب بیک وقت اُس کی مخالفت پر اُتر آئے۔ اس کے برعکس حضور پاکؐ کو تو سب لوگ قبل نبوّت ہی سے بے لوث کردار کا حامل تسلیم کرتے تھے۔ اسلئے آیت بالا ۶/۳۳ میں آنحضورؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے کہ یہ ظالم غاصبینِ ربوبیّتِ عامہ آپ کو نہیں جھٹلا بلکہ آیاتِ قرآنیہ کو جھٹلاتے ہیں جو اُن کی گدیوں، اجارہ داریوں، سُود خواریوں، من مانی نفع اندوزیوں اور ناجائز جمع مال کے قدری نظریات پر برق بن کر گرتی اور جلا کر راکھ کر دیتی ہیں۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بھی آنحضورؐ کو تسلی دی گئی

ہے کہ ان گروہوں کی طرف سے یہ اندازِ تکذیب کوئی نیا نہیں، آپ سے پہلے جملہ انبیاءِ کرام کو اسی طرح جھٹلایا گیا تھا۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا
اور بیشک جھٹلائے گئے رسول سے پہلے آپکے پس ثابت قدم رہے
عَلٰى مَا كُذِّبُوا وَاُوْذُوا حَتّٰى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ
اور پھر جو جھٹلائے گئے اور ستائے گئے حتیٰ کہ آئی اُن کے پاس مدد ہماری اور
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی
نہیں کوئی بدلنے والا کلمات اللہ کو اور بیشک آئی پاس تیرے خبر
الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ۳۴
رسولوں کی

اور (اے رسولؐ!) بیشک آپ سے پہلے بھی ہمارے رسولؑ جھٹلائے گئے تھے۔ اور ایذا دئیے گئے تھے۔ پھر وہ سب اُس ضابطۂ حیات پر ثابت قدم رہے جس کی بدولت وہ جھٹلائے گئے۔ یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد آگئی (یقیناً آپ کی بھی مدد و نصرت کی جائے گی) کیونکہ ہمارے کلمات (ہمارے وعدوں) کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اور بیشک آپکے پاس ہمارے رسولوں کی (مدد کی) خبر پہنچ چکی ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مادی معجزات کی نفی کرتے ہوئے آنحضورؐ کو ارشاد ہوا ہے کہ اگر آپکو اپنے مخالفین کا حقائق سے انکار کرنا ناگوار گزرتا ہے اور آپ اس سے غمگین ہوتے اور اندر ہی اندر مضطرب و بیقرار رہتے ہیں تو اُن کے لئے یہ معجزہ لے آئیے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ
اور اگر ہے گراں اوپر تیرے منہ موڑنا اُنکا۔ پھر اگر
اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا
طاقت ہے تجھے کہ تو تلاش کرے کوئی سرنگ بیچ زمین کے یا کوئی سیڑھی
فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ
بیچ آسمان کے پھر لے آئے پاس کوئی معجزہ اور اگر زبردستی چاہتا اللہ ضرور جمع کرتا انہیں
عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
اوپر ہدایت کے، پس تو نہ ہو میں سے
الْجٰهِلِيْنَ ۝ ۳۵ (النصف)
بے خبروں کے

اور (اے رسولؐ!) اگر آپ پر انکار و گردانی کرنا گراں گزرتا ہے تو پھر اگر آپ میں طاقت ہے کہ آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کریں پھر اُن کے لئے کوئی معجزہ لے آئیں اور اگر اللہ تعالیٰ (انسان کا اختیار و ارادہ سلب کرکے معجزات کے ساتھ مومن بنانا) چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پھر (جب اُس نے اختیار و ارادہ ہی کے ساتھ ایمان لانا پسند فرمایا ہے تو) آپ بے خبروں میں سے نہ ہو جانا (جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سب کو راہ راست پر کیوں نہیں لے آتا)۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی تاکید کی گئی ہے کہ تبلیغ قرآنی کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو غور سے سنتے ہیں، لیکن جو مردہ ذہن ہیں چونکہ وہ قرآن کریم کو بغور سنتے ہی نہیں، اسلئے ایمان نہیں لاتے، وہ دوسری زندگی میں

حضورِ الٰہی میں حاضر کئے جائینگے۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ
سوائے اسکے نہیں قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو غور سے سنتے ہیں

وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ
اور جو مردہ ذہن ہیں اٹھائیگا انہیں اللہ پھر طرف اسی کے

يُرْجَعُونَ ۝٣٦
وہ پھیرے جائیں گے

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ (آپ کی دعوت کو) وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (خالی الذہن ہوکر) سنتے ہیں۔ اور جو مُردہ ہیں (یعنی خالی الذہن ہوکر سنتے ہی نہیں وہ ایمان نہیں لاتے) انہیں اللہ تعالیٰ اٹھائیگا (مرنے کے بعد) پھر وہ جوابدہی کیلئے اُسی کی طرف لوٹائے جائینگے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ
اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل کیا گیا اوپر اسکے کوئی معجزہ

مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن
طرف سے رب اسکے کہہ بیشک اللہ قانون بنانیوالا اوپر اسکے کہ

يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝٣٧
نازل کرے کوئی معجزہ اور لیکن اُن کی اکثریت نہیں جانتی

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (مدعیٔ نبوت) پر کوئی معجزہ اُسکے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئیگا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اسکے (یعنی معجزے نازل کرنے کے) قانون بنانیوالا ہے، اور لیکن اُنکی اکثریت نہیں جانتی (کہ اُس نے معجزات نازل کرنے کا کوئی قانون نہیں بنایا)

● آیاتِ بالا میں انسان کے اختیار وارادہ کی خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں باقی سب جانداروں پرندوں وغیرہ کے متعلق بتادیا گیا ہے کہ اگرچہ وہ بھی تمہاری طرح کی الگ الگ نوعیں ہیں، لیکن انہیں صاحبِ اختیار وارادہ نہیں بنایا گیا۔ وہ اپنی الگ الگ جس جس فطرت پر پیدا کئے گئے ہیں، وہ اسی کے گرد جمع رہتے اور اسی کے مطابق زندگیاں بسر کر رہے ہیں :۔

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ
اور نہیں ہیں سے کوئی جاندار بیچ زمین کے اور نہ پرندے

يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ
اڑتے ہیں ساتھ اپنے پروں کے مگر نوعیں ہیں مثل تمہاری

مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ
نہیں کمی کی ہم نے بیچ کتاب فطرت کے کسی چیز کی پھر طرف رب اپنے کے

يُحْشَرُونَ ۝٣٨
وہ جمع کر دئے گئے ہیں

اور نہیں ہیں زمین میں جتنے بھی جاندار اور پرندے جو اپنے دونوں بازوؤں کیساتھ اڑتے ہیں مگر (تخلیق کے لحاظ سے) سب تمہاری طرح الگ الگ نوعیں ہیں۔ ہم نے کتابِ فطرت میں کسی عنصر کی چیز میں کمی نہیں چھوڑی (یعنی سب کو صحیح صحیح فطرت ودیعت کر رکھی ہے۔ انہیں صاحبِ اختیار وارادہ نہیں بنایا) پھر وہ سب اپنے رب کی طرف (یعنی اسکی عطا کردہ فطرت پر) جمع کر دئے گئے ہیں۔

● یہاں الکتٰب سے مُراد اسلئے کتابِ فطرت صحیفۂ کائنات ہے، چونکہ ما قبل زمین کے جانداروں اور پرندوں کا ذکر کیا گیا ہے قرآن کریم میں کتٰب کے ذیل کے چھ معنے مذکور ہیں:۔

۱۔ الکتٰب بمعنی قرآنِ کریم۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۱۶/۸۹ اور (اے رسُولؐ!) ہمنے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو مسائلِ دین کی ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنیوالی ہے۔ نیز دیکھئے آیتِ ذیل ۶/۱۱۵۔ ۲۶/۲ ۲۹/۴۷۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۰ ۲۷/۱ مذکورہ آیتیں قرآن مجید یعنی خود بیان کرنیوالی کتاب کی ہیں ۱۵/۱۔

۲۔ کتٰب بمعنی کتابِ فطرت۔ کتابِ کائنات۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۹/۳۶ بلا شبہ کتابِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ مہینوں کی گنتی اُسی دن سے بارہ ہے جب اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔

۳۔ کتٰب مّبین بمعنی علمِ الٰہی۔ عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۰ ۳۴/۳ اللہ عالم الغیب ہے۔ اُس سے کوئی ذرّہ بھر چیز بھی خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، پوشیدہ نہیں۔ اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو مگر وہ کتابِ مُبین (علمِ الٰہی) میں موجود ہے۔

۴۔ کتٰب بمعنی کتاب۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ ۲۹/۴۸ اور اے رسُول! آپ نزولِ قرآن سے پہلے (کسی بھی مسلک کی) کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں مَا كُنْتَ تَتْلُوْا ماضی استمراری لاکر نزولِ قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھنے کی نفی کر دی گئی ہے۔

۵۔ کتٰب بمعنی چٹھی۔ اِنِّيْ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۲۷/۲۹ بلا شبہ میری طرف ایک معزز چٹھی بھیجی گئی ہے۔

۶۔ کتٰب بمعنی قانون ۳۵/۱۱ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ط اور نہیں بڑھتی کسی عمر والے کی عمر اور نہ ہی عمر میں سے کچھ کم ہوتا ہے مگر وہ اللہ کے قانون میں ہے۔

انسان کے سوا کوئی بھی نوع صاحبِ اختیار وارادہ نہیں

● آیتِ بالا ۶/۳۸ زیرِ بحث میں الکتٰب سے مُراد کتابِ کائنات ہے جس میں ہر قسم کے جاندار پرندے پیدا کر دیئے گئے ہیں اور اُن میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔ نیز صاحبِ اختیار وارادہ صرف انسان ہے جو اپنے اختیار وارادہ کیساتھ علیٰ وجہ البصیرت ضابطۂ خداوندی پر ایمان لانے کا مکلّف ہے۔ باقی سب نوعیں مکلّف نہیں۔ وہ سب کی سب اپنی اپنی فطرت پر مجبور محض پیدا کیگئی ہیں۔ گھوڑا مجبور ہے کہ گھاس دانہ کھائے اور دن بھر تانگہ کھینچتا رہے۔ گائے بھینسیں مجبور ہیں کہ چارہ کھائیں اور دُودھ دیں۔ بھیڑ بکریاں مجبور ہیں کہ جنگل میں چریں اور انسان کی گوشت کی ضروریات پُوری کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بچّے پیدا کرکے زیادہ سے زیادہ گوشت مہیّا کرتی رہیں۔ گدھا مجبور ہے کہ خشک سے خشک چارہ کھا کر دن بھر بوجھ اُٹھاتا رہے۔ اُونٹ مجبور ہے کہ ہفتہ ہفتہ چارے اور پانی کے بغیر ریگستانوں میں سفر کیا کرے۔ علیٰ ہذا القیاس چھوٹے جنگلی جانور اور پرندے مجبور ہیں کہ شکار ہُوا کریں اور شیر چیتا اور باز شکرا وغیرہ مجبور ہیں کہ شکار کیا کریں۔ حتّیٰ کہ گدھ مجبور ہے کہ چار چار پانچ پانچ من کی گھوڑے گدھے کی لاش چٹ کرکے تیس چالیس من وزن کے گدھ کی تعداد کو ڈھائی تولے کی بیٹھ میں منتقل کرتی رہے۔ یہ سب کی الگ الگ فطرت ہے اور جو چیز جس کام کے لئے پیدا

کی گئی ہے اُس کی فطرت میں مطلقاً کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ اور اسی چیز کے متعلق ارشاد ہوا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ = ہمنے کتاب کائنات میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی۔

● ۲۔ اب صفحہ ۱۵۶ پر درج آیت مجیدہ ۶/۳۸ کے ضمنی نوٹ ۳ کا سوال ملاحظہ فرمائیں۔ آیت مجیدہ میں جو آیا ہے ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ۔ یہاں ھِمْ کی ضمیر روئے زمین کے دابۃ اور طائر کی طرف جاتی ہے۔ لیکن چونکہ انسان کے سوا روئے زمین کی کوئی مخلوق نہ مکلّف ہے نہ صاحب اختیار وارادہ ہے اسلئے اِلٰى رَبِّهِمْ میں الیٰ بمعنی پر ہے اور رب بمعنی رب کی عطا کردہ فطرت ہے۔ اور يُحْشَرُوْنَ مضارع مجہول جمع برائے حال ہے برائے استقبال نہیں۔ اور مفہوم یہ ہے کہ وہ سب کے سب اپنے رب کی عطا فرمودہ فطرت پر جمع کر دئے گئے ہیں کہ وہ کبھی بھی اپنی فطرت بدل نہیں سکتے۔ شیر تر وتازہ گھاس کی طرف آنکھ اُٹھا کبھی نہیں دیکھتا اور بکری تر وتازہ گوشت کو سونگھتی تک نہیں۔

● اب رہا سوال یہ کہ رب کا معنیٰ رب تعالیٰ کی عطا فرمودہ فطرت کس طرح لیا جا سکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ قرآنِ کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں ۱۶/۲۶ میں لفظ اللہ کا معنیٰ اللہ کا مقرر کردہ عذاب ہے:۔ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۰ ۱۶/۲۶ بیشک اُن سے پہلے جن لوگوں نے بُری تجویز کی۔ اُن کی عمارتوں پر بُنیادوں سے اللہ کا مقرر کردہ عذاب آیا پھر اُنکے اُوپر سے اُن پر چھت آپڑے اور اُن پر اُس طرف سے اللہ کا عذاب آیا جس کا وہ شعور بھی نہیں رکھتے تھے۔

● غور فرمائیگا آیت مجیدہ ۱۶/۲۶ میں متن کے خط کشیدہ الفاظ فَاَتَى اللّٰهُ جس کا لفظی ترجمہ ہے پھر اللہ آیا مگر ان الفاظ کے صحیح معنے، ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ ہیں "اللہ کا مقرر کردہ عذاب آیا" جس نے اُنکے مکانوں کی بُنیادیں متزلزل کر دیں اور چھت اُنکے اوپر آگرے۔ جس طرح یہاں لفظ اللہ بمعنیٰ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا عذاب ہے۔ اسی طرح ۶/۳۸ میں رب بمعنی رب تعالیٰ کی عطا فرمودہ فطرت ہے۔ اس حقیقت کے خلاف بعض سابقہ تفسیروں نے رَبِّهِمْ کی ضمیر کا مرجع قریب ترک کرکے نوعِ انسانی کو اسکا مرجع قرار دیدیا ہے اور جنہوں نے صحیح مرجع قریب "دابۃ" اور "طائر" کو قرار دیا ہے، اُنہوں نے نوعِ انسانی کیساتھ ساتھ باقی تمام نوعوں کو بھی اعمال کی جوابدہی کیلئے حضورِ الٰہی میں حاضر کئے جانے کا مضحکہ خیز تصور پیش کیا ہے۔ تصریفِ آیات اور سیاق وسباق کے مطابق حقیقت اُوپر بیان کر دی گئی ہے۔ ماعلینا الا البلاغ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۳۹ واؤ عاطفہ سے شروع ہوتی ہے۔ اسکا عطف آیت نمبر ۳۷ پر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ لوگ معجزات مانگتے ہیں لیکن اُنکی اکثریت اس چیز سے بے خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزوں کے ذریعہ مومن بنانے کا قانون ہی نہیں بنایا۔ ایمان لانا یا نہ لانا ہر شخص کے اپنے اپنے اختیار وارادہ پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق نوعِ انسانی کو سمع، بصر اور فواد یعنی کان، آنکھ اور دماغ کی نعمتوں سے نوازا اور اپنے رسولوں کے ذریعہ اپنا ہدایت نامہ نوعِ انسانی کو پہنچا دیا۔ اب ہر کسی کا اپنا فرض ہے کہ علیٰ وجہ البصیرت ایمان لائے۔ چنانچہ ایمان نہ لانے والوں کے متعلق

ارشاد ہوا ہے :-

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ

اور جو لوگ جھٹلائیں کو آئتیں ہماری بہرے اور گونگے ہیں بیچ اندھیروں

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ

جسے مطابق قانون مشیت اللہ گمراہ ٹھہراتا ہے اور جسے مطابق قانون مشیت ٹھہراتا ہے اسے

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ۳۹

اوپر راستے سیدھے

اور جو لوگ ہماری آئتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ (باطل عقائد کے) اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں (آیات کریمات کو خالی الذہن ہو کر سنتے ہی نہیں اس لئے ایمان نہیں لاتے)۔ پس اللہ تعالیٰ قانونِ مشیت کے مطابق اُسے ہی گمراہ قرار دیتا ہے جو خود گمراہ ہو جاتا ہے ۱۰/۱۰۸ اور اُسے ہی سیدھی راہ پر قرار دیتا ہے جو خود ہدائت قبول کرتا ہے ۱۰/۱۰۸ - ۲۴/۹۲ - ۳۹/۴۱ نیز۔

● واضح رہے مندرجہ ذیل کی آیات مجیدہ ۱۰/۱۰۸ ۱۸/۲۹ ۷۳/۱۹ اور ۷۶/۲۹ سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا جو گمراہ ہوتا ہے خود ہوتا ہے اور جو ہدائت پاتا ہے خود پاتا ہے :-

● ۱ ۱۰/۱۰۸ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق قرآن آگیا ہے۔ پھر جو کوئی خود ہدائت پائے تو وہ اُسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے اُسکا وبال اُسکی اپنی جان پر ہوگا ۳۹/۴۱ میں بھی متن کے یہی الفاظ آئے ہیں۔

● ۲ ۱۸/۲۹ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اور کہہ دیجیئگا! (اے رسولؐ!) حق قرآن تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ پس جو کوئی خود چاہے ایمان لائے اور جو کوئی خود چاہے کفر کرے۔

● ۳ ۷۳/۱۹ + ۷۶/۲۹ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ بیشک یہ قرآنِ کریم کی آیات مجیدہ نصیحت نامہ ہیں جو کوئی خود چاہے اسکے ذریعہ اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔

جو کوئی ہدائت پاتا ہے خود پاتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہو جاتا ہے خود ہو جاتا ہے

● آیاتِ بالا کے واضح شواہد کے مطابق اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ اِس لئے خود تعریفِ آیات قرآنیہ کی شہادت کے مطابق آئتِ بالا ۶/۳۹ کا جو مفہوم لکھا ہے یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرتا نہیں، البتہ جو لوگ خود گمراہ ہو جائیں اُنہیں گمراہ قرار دیتا ہے اور جو لوگ خود صراطِ مستقیم اختیار کریں اُنہیں صراطِ مستقیم پر قرار دیتا ہے۔ جیسے کہ اگلی آئت مجیدہ میں گمراہ ہو جانیوالوں کو کہا گیا ہے :-

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ

کہہ کیا تم نے غور کیا ہے، اگر آوے تم کو عذاب اللہ کا یا آجائے تم پر

السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ۴۰

مشکل گھڑی کیا تم غیر اللہ کو پکارتے ہو اگر ہو تم سچے

(اے رسولؐ!) کہیئگا! کیا تم نے غور کیا ہے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا تم پر کوئی مشکل گھڑی آجائے تو اگر تم اس بات میں سچے ہو (کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے کارساز مدد کو پہنچتے ہیں تو بتاؤ) کیا تم غیر اللہ کو پکارتے ہو؟ ع۱

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ بلکہ اسی کو پکارتے ہو تم۔ پھر وہ کھول دیتا ہے جو پکارتے ہو تم طرف اسکے اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝ ۴۱ ع اگر وہ چاہتا ہے اور بھول جاتے ہو جسے تم شریک کرتے ہو	(پھر ہرگز نہیں) بلکہ تم اُسی اللہ کو پکارتے ہو۔ اور جنہیں تم نے اُسکے شریک بنایا ہے اُنہیں بھول جاتے ہو۔ پھر اللہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہاری اُس مشکل کی گرہ کھول دیتا ہے، جس کے لئے تم اُسے پکارتے ہو۔

● ۱ سورۂ لقمان میں آیا ہے کہ غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والے جب کشتی پر سوار ہوں اور اُنہیں دریا کی لہریں سائبان کی طرح ڈھانپ لیں تو وہ اُسوقت اپنے خود ساختہ مشکلکشاؤں کو بھول جاتے ہیں اور خالص اللہ سے دُعا کرتے ہیں۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۳۱/۳۲

اِنْ شَآءَ کا قرآنی مفہوم

● ۲ آیتِ بالا میں آیا ہے فَيَكْشِفُ ...... اِنْ شَآءَ جس کا لفظی اور مروّجہ ترجمہ یہ ہے، پھر اگر اللہ چاہتا ہے تو تمہاری مصیبت دُور کر دیتا ہے۔ عرض ہے کہ اسے استثنٰے کو شرط بالمشیت کہا جاتا ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ مصیبت آتی کیوں ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ رفع کسطرح کرتا ہے؟۔ واضح رہے کہ جن اسباب سے کوئی مصیبت آتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قوانینِ مشیت ہیں اور جن اسباب سے مصیبت دُور ہوتی ہے وہ بھی اُسکے قوانینِ مشیت ہیں سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ ۴۲/۳۰ اور اے نوعِ انسانی! تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں سے لائی ہوئی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہاری بہت سی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے —— آپ دیکھتے ہیں کہ بعض علاقوں میں آئے دن موسمِ برسات میں سیلاب آتے رہتے ہیں۔ اور جب ہم سیلاب کی راہ میں بند باندھ کر پانی کا رُخ موڑ دیتے ہیں تو وہ رُک جاتے ہیں۔ اِسطرح سیلاب کا آنا بھی مشیتِ الٰہی ہے اور اُسکا رُک جانا بھی مشیتِ خداوندی ہے۔ اِسی طرح جب کوئی شخص سنکھیا کھا لیتا ہے تو موت سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ لیکن اگر فوراً قے کروا کر سنکھیا معدے سے خارج کر دیا جائے تو موت کا حملہ رک جاتا ہے۔ پس یاد رہے کہ ہر مصیبت کے دونوں پہلو، یعنی انسانی غفلت کی بدولت اُسکا آنا اور مناسب انسداد کیساتھ اُسکا رک جانا مشیتِ خداوندی ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں "اِنْ شَآءَ" میں داخل ہیں۔ مصیبت کے لانے میں بھی انسانی اعمال کا عمل دخل ہے اور اسکے رفع کرنے میں بھی اسکی صحیح کوشش کا حصہ موجود ہے۔

● اسکے برعکس یہ نظریہ قطعاً غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو فلسطین کے چند لاکھ یہودیوں کو بیت المقدس پر غلبہ عطا کر دیتا ہے اور نوّے کروڑ مسلمانوں کی دعائیں نامنظور کر کے یہودیوں کا غلبہ برقرار رکھتا چلا جاتا ہے۔ قانونِ مشیت یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے مغضوب یہودی غلبہ کے اسباب مہیا کر کے اُنہیں استعمال کرتے ہیں تو وہ اُنہیں غالب کر دیتا ہے اور اگر مسلمان غلبہ کے اسباب سے غفلت برتتے ہیں تو وہ مغلوب ہو جاتے ہیں۔ قرآن فہمی کیلئے مشیتِ خداوندی کے قرآنی مفہوم کا سمجھنا بعد ضروری ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضورؐ سے پہلی اُمتوں کی طرف بھی رسولوںؑ کے ذریعہ ہدایت بھیجی گئی تھی:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ
اور بیشک بھیجا ہم نے طرف امتوں میں سے پہلے تیرے پھر پکڑا ہم نے ان کو

بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝۴۲
ساتھ عذاب اور ضرر کے تاکہ وہ باز آجائیں

اور (اے رسولؐ!) بیشک ہم نے آپ سے پہلے تمام اُمتوں کی طرف (اپنے رسولؐ) بھیجے ۳۵/۲۴ (لیکن جب وہ ہماری نافرمانی کرتے) تو ہم اُنہیں عذاب اور ضرر کیساتھ پکڑ لیتے تھے تاکہ وہ غلط روش ترک دیں ۱

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ
پھر کیوں نہ جب آیا اُن پر عذاب ہمارا باز آئے اور لیکن

قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا
سخت ہوگئے اذہان اُنکے اور مزین کئے واسطے انکے شیطان نے جو وہ تھے

يَعْمَلُوْنَ ۝۴۳
عمل کیا کرتے

پھر کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب اُنکے پاس ہمارا عذاب آتا تو وہ (اُس سے عبرت حاصل کرکے) فرمانبردار ہو جاتے مگر اُن کے اذہان سخت ہو جاتے اور شیطان (یعنی اُنکا مُعد یا مُمِد و مددگار) اُنکے لئے اُنکے اعمال کو خوبصورت کر دیتا جو وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے ۲۔

● ۱ے يَتَضَرَّعُوْنَ کا سہ حرفی مادہ ض۔ر۔ع = ضرع ہے اسکا مصدری معنیٰ ہے فرمانبردار ہو جانا۔ عاجزی اختیار کرنا۔ خدمت گزار ہونا۔ مطیع ہو جانا وغیرہ۔

● ۲ے سورہ بقرہ کی آیت نمبر۱۴ میں آیا ہے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۲/۱۴ جب وہ اپنے شیطانوں کی خلوتگاہوں میں جاتے ہیں۔ یہی وہ شیطان ہیں جو اپنی نذریں وصول کرکے لوگوں کے بُرے اعمال کو مزیّن کر دکھاتے ہیں۔ جب وہ عوام کے مال میں سے نذریں قبول کرکے خوش ہو جاتے ہیں، تو چونکہ اُن خلوت نشینوں کی خوشی کو خدا تعالیٰ کی خوشی تسلیم کیا جا چکا ہے اسلئے وہ اعمالِ بد جن کے ذریعہ حرام مال کمایا جاتا ہے اُنکے جواز کی سند میسّر آجاتی ہے۔ اگرچہ وہ مال ربوبیّت عالمینی کے خلاف عوام کا گلا گھونٹ کر ہی حاصل کیا گیا ہو۔

قوانینِ جاریہ میں کافر مومن کی کوئی تمیز نہیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے کے نتیجے میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ خدا تعالیٰ کے منکر اور غاصبینِ ربوبیت بھی جب قوانینِ جاریہ کیمطابق عمل کرتے ہیں تو اُس کے ثمر نتیجے سے اُنہیں بھی پورا پورا حصہ ملتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا
پھر جب وہ بھول گئے جو نصیحت کئے گئے ساتھ اسکے کھول دئیے ہم نے

پھر جب وہ (سخت ذہنوں والے اُس نصیحت کو بھول جاتے جو اُنہیں (نظامِ ربوبیت کی) کیجاتی تو (اُنکی محنت کی بدولت) ہم اُن پر

عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا

اور ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہانتک جب وہ اترائے

بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ

ساتھ اس کے جو دیئے گئے پکڑ لیا ہم نے انہیں اچانک پھر اسوقت وہ

مُّبْلِسُوْنَ ○ ۴۴

ناامید ہو گئے

چیز کے دروازے کھول دیتے۔ یہانتک پھر جب وہ نعماء خداوندی پر غاصبانہ قبضہ کر کے اترانے لگتے ہیں تو ہم ان کی سرکشی کی بدولت انہیں پکڑ لیتے (عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں) تو اُس وقت وُہ مایوس ہو جاتے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ

تو کاٹ دی گئی جڑ اس قوم کی جو ظلم کرتے

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ۴۵

اور سب طرح کی تعریفیں ہیں واسطے اللہ پالنے والے جہانوں کے

پھر (ہماری گرفت کی بدولت) بے ٹھکانہ کام کرنیوالی قوم (یعنی عوام کے حقوقِ ربوبیت کے غاصبوں) کی جڑ کاٹ دی جاتی اور (ہمارے رسول قیامِ ربوبیت کا عملی اعلان کرنے کہ) جملہ حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ سب کی ربوبیت کے سامان مہیا کرنے والا ہے۔

● غور فرمائیگا کہ آیت مجیدہ کا آخری جملہ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کسطرح

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ | کھل کر اعلان کر رہا ہے کہ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کی

ربوبیتِ عالمینی کی عملاً مخالفت کرنیوالے ہیں۔ انہیں اللہ کے رسول ﷺ درسِ ربوبیت دیتے تھے۔ واضح رہے کہ ۶/۴۴ کے الفاظ

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں ہے کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی نصیحت کو بھلا دینے

کی بدولت نعمتوں کے دروازے کھولدیئے جاتے تھے اور ہر زمانے میں کھولدیئے جاتے ہیں۔ بلکہ نعماءِ خداوندی کے دروازے

اُن قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے کی بدولت کھولے جاتے تھے اور ہر دور میں کھولے جاتے ہیں جو حصولِ نعماء کیلئے خود اللہ تعالیٰ

نے مقرر فرما رکھے ہیں۔ جیسے کہ:۔

● دورِ حاضرہ میں بھی نعماءِ خداوندی کی فراوانی اُن قوموں کے ہاں ہے جو اُنکے حصول کے اُن قوانینِ جاریہ پر زیادہ

سے زیادہ بہتر عمل کرتی ہیں جو رب تعالیٰ کے خود مقرر کردہ ہیں۔ حصولِ رزق کے قوانینِ خداوندی پر بڑھ چڑھ کر عمل کرنے

والی قومیں نہ صرف اپنی داخلی ضروریات کے لحاظ سے کفیل ہیں بلکہ وُہ دوسری محتاج قوموں کے ہاں بھی غلے کے جہازوں

کے جہاز بھر کر بھیجتی رہتی ہیں۔ اِسی طرح باقی جملہ ضروریاتِ زندگی، سامانِ آرائش، اسبابِ نقل و حمل کی فراوانی اُنہی اقوام

کے ہاں ہے جو خدا تعالیٰ کے متعینہ صنعتی قوانین پر کما حقہٗ عمل کرتی ہیں۔

● یہی حال سابقہ اقوام کا تھا کہ قوانینِ خداوندی پر عمل کی بدولت اُن پر ہر چیز کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے مگر

جب وہ ظلم کرتے یعنی نعماءِ خداوندی پر غاصبانہ قبضہ کر کے عوام کے حقوقِ ربوبیت دبا لیتے تو عذابِ الٰہی آجاتا اور اُنکی جڑ کٹ

جاتی۔

● آیت مجیدہ کا آخری جملہ جو اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ کے تحت آیا ہے "والحمد للہ رب العٰلمین" کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بھیجتا رہا اور وہ الحمد للہ رب العٰلمین یعنی ربوبیتِ عالمینی کا اعلان کرتے رہے۔ اِسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ الحمد للہ رب العٰلمین کے الفاظ کو رٹا جائے، اِنکا وِرد کیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ربوبیتِ عالمینی کو عملاً بروئے کار لایا جائے۔ چنانچہ اللہ کے نبی رسولؑ اِس پر عمل کی تاکید کرتے رہے مگر قومیں نعماءِ خداوندی کی فراوانی پر اِتراتی رہتیں۔ حصولِ نعماء کے خداوندی قوانین میں فرمانبردار اور نافرمان افراد و اقوام کی تمیز موجود نہیں جیسے کہ انبیاء سلام علیہم اور اُن کی نافرمان قوموں کے حالات ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مثلاً:-

قومِ نوحؑ ● حضرت نوحؑ کی تبلیغ کا اُنکی قوم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اگرچہ قوم پوری پوری مخالفت کر رہی تھی مگر اُنکی مادی کوششوں کی بدولت اُن پر ہر چیز کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز اور محتاج و امیر کے طبقات قائم کر رکھے تھے، حتیٰ کہ جو لوگ حضرت نوحؑ پر ایمان لائے قوم کے سرداروں نے اُنکے متعلق کہا ھُمْ اَرَاذِلُنَا ۱۱/۲۷ وہ ہم میں سے رذیل لوگ ہیں۔ پس اس طبقاتی اور معاشی ناہمواری کے جرم میں اُن پر سیلاب کی صورت میں عذاب نازل ہوا۔ انسانی اور معاشی مساوات کے منکروں کی جڑ کٹ گئی۔ جب پانی اُترا تو اللہ کے نبی حضرت نوحؑ نے انسانی مساوات اور نظامِ ربوبیت کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ عاد ● اِسی طرح قومِ عاد ایک طرف تو حضرت ھودؑ کی مخالفت، انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی عملاً تکذیب کر رہی تھی اور دوسری طرف اُنکی مادی کوششوں کی بدولت اُن پر نعماءِ خداوندی کی بارشیں برس رہی تھیں۔ اُن پر شدید آندھی کی صورت میں عذابِ الٰہی نازل ہوا۔ پوری قوم کے نافرمانوں کی جڑ کٹ گئی۔ اور حضرتِ ھودؑ نے انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ ثمود ● قومِ ثمود نے بھی انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی مخالفت کر کے پانی کے چشموں اور عوامی چراگاہ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن مادی کوششوں کے ثمر کی صورت میں اُن پر نعمتوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ بالآخر انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی عملی مخالفت کی بدولت ایک تیز چیخ کی صورت میں عذابِ الٰہی وارد ہوا۔ قوم کے نافرمانوں کی جڑ کٹ گئی اور حضرت صالحؑ نے انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا:- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ فرعون ● فرعون اور قومِ فرعون نے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن اسکے باوجود اُنکی مادی کوششوں کی بدولت، اگرچہ وہ محنت محرومِ ربوبیت افرادِ بنی اسرائیل ہی سے لی جاتی تھی اُن پر رزق کے دھارے بہہ رہے تھے۔ بالآخر حضرتِ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی انقلابی جماعت سے ہجرت کروا دی۔ فرعون نے لشکر سمیت اُنکا تعاقب کیا لیکن عذابِ الٰہی نے اُسے لشکروں سمیت پانی کی لہروں میں غرق کر کے غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیت کی جڑ کاٹ دی۔

فرعون کے بھرے خزانے، نفیس محلّات، بہتے چشمے، لدے پھدے باغات اور لہلہاتے کھیت بنی اسرائیل کے قبضے میں آئے 7/137 + 26/58 + 44/26 حضرت موسیٰؑ نے ہموار و متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان کر دیا الحمد للہ رب العلمین۔

● علیٰ ھذا القیاس جملہ انبیاء کرام سے ہوتا ہوا یہی سلسلہ آنحضور سلام ﷺ تک قائم رہا۔ ہر نبی رسول نے الحمد للہ رب العلمین کے بنیادی جملہ سے اپنی قوم کو اپنی تحریکِ مساوات و ربوبیّت سے متعارف کرایا۔ ہر قوم کے سرداروں نے مخالفت کی، جو لوگ ایمان لائے انہیں رذیلے اور ادنےٰ کہہ کر انکا مذاق اڑاتے رہے۔ لیکن مشیّتِ خداوندی نے عذاب بھیج کر سرکشوں کی جڑ کاٹ دی اور ہر نبی نے انسانی مساوات اور ربوبیّت عالمین کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان کر دیا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تعریفِ آیات کا مخصوص قرآنی اسلوب بیان

● واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآنِ کریم الحمد للہ رب العلمین کے جملہ مخصوصہ سے شروع ہوئی ہے، نیز سورہ انعام بھی اس جملہ کے ابتدائی حصّہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع ہوئی ہے۔ اور یہاں آیت مجیدہ نمبر ۴۵ میں پھر اسی پورے جملے کو پھر کر لایا گیا ہے۔

الحمد للہ کا جملہ گیارہ مرتبہ اور الحمد للہ رب العلمین کا پورا جملہ 1/1 6/45 10/10 37/182 39/75 قرآن مجید میں پانچ مرتبہ آیا ہے۔ یہ بار بار کی تعریف حادثاتی نہیں بلکہ اعلانِ ربوبیّت کا مخصوص مقصد ہے۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آیات مجیدہ میں غاصبینِ ربوبیّت کی جڑ کاٹ دینے کی سنّتِ جاریہ کا اعلان کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ غاصبینِ حقوقِ انسانیّت و ربوبیّت سے کہہ دیجیئے کہ غور تو کرو کہ یہ کان، آنکھیں اور دماغ جن کی مدد سے تم حصولِ نعماءِ خداوندی کرتے ہو یہ کس کے عطا کردہ ہیں؟ اگر وہ تم سے یہ چیزیں چھین لے تو کیا کوئی ہے جو تمہیں یہ چیزیں دیدے۔ لہٰذا تمہارا کمایا ہوا مال اُسکا ہے جس نے تمہیں یہ قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ پس چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ ان اوزاروں کے ذریعہ کمائے ہوئے مال سے الحمد للہ رب العلمین کی عملی صورت، ربوبیّت عالمین کو بروئے کار لاؤ:۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ

کہہ کیا تم نے غور کیا ہے؟ اگر لے جائے اللہ کان تمہارے اور

اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ

آنکھیں تمہاری اور مہر کر دے اوپر دلوں تمہارے کون ہے حاکم سوائے

اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

اللہ کے لا دے تم کو ساتھ اسکے غور کر کس طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں

الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ ۴۶

اپنی آیتیں، پھر وہ اعراض کرتے ہیں

(اے رسولؐ ان غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیت سے) کہہ دیجیئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان، آنکھیں اور دماغ (جن کی مدد سے تم مال کماتے ہو وہ اُن میں سے) کان اور آنکھیں لے جائے اور تمہارے دماغوں کو بیکار کر دے تو پھر اللہ کے سوا کوئی الٰہ (یعنی یہ چیزیں دینے والا) ہے جو تمہیں یہ چیزیں لا دے۔ کوئی نہیں) اے مخاطب! غور کر کہ ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ پھر یہ لوگ (تعریفِ آیات کے قرآنی اندازِ قرآن فہمی سے) اعراض کرتے ہیں۔ ع۱

● علہ وَهُمْ يَصْدِفُونَ کی تنبیہہ اُنظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ پر داخل ہوئی ہے۔ یعنی ارشاد ہوا ہے کہ اے مخاطب غور کر کہ ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں مگر یہ لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یصدفون کا مادہ صدف ہے جس کا معنی ہے کترا جانا۔ اسی سُورت مجیدہ میں آگے آیت نمبر ۶۵ میں اسی عنوان کو بالفاظِ ذیل بیان فرمایا ہے :-

تفقہ فی القرآن بذریعہ تصریفِ آیات

● اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۰ ۶/۶۵ اے مخاطب غور کر کہ ہم کسطرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ قرآن میں تصریفِ آیات کیساتھ تفقہ کیا کریں۔ یعنی ایک عنوان کی ساری آیتیں جو قرآن بھر میں پھیر پھیر کر لائی گئی ہیں، مسئلہ زیرِ غور پر اُن کی مدد کیساتھ تفقہ کیا جائے، نہ کہ قرآنی آیات مجیدہ پر تفقہ غیر قرآن کتابوں کے ذریعہ کی جائے۔

آنحضور کا طریقہ درسِ قرآن بھی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ تھا

● اسی سُورہ مجیدہ الانعام میں آگے آیت نمبر ۱۰۶ میں آنحضورؐ کو بھی تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کیساتھ درسِ قرآن دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی طریقہ درس کو صحیح طریقہ تفہیمِ قرآن قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے :-

● وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۰ ۶/۱۰۶ اور (اے رسولؐ!) اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ (آپ تصریفِ آیات کے ذریعہ درسِ قرآن دیا کریں اور لوگ) کہا ٹھیں کہ آپنے خوب سمجھا دیا ہے۔ اور (دُوسری غرض تصریفِ آیات کی یہ ہے) تاکہ اُن لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں (کہ اس کتاب کی تبیین خود کتاب والے کے ذمہ ہے) قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں ——— المختصر! زیرِ نظر ۶/۴۶ میں اللہ تعالیٰ کے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان تصریفِ آیات کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ اسی اسلوب کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں ۶/۴۴ والا عنوان دوبارہ پھیر کر لایا گیا ہے :-

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ
کہہ کیا غور کیا تم نے اگر آئے طرف تمہاری عذاب اللہ کا

بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ
اچانک یا ظاہر طور پر، نہیں ہلاک کی جاتی مگر قوم

الظّٰلِمُوْنَ ○ ۴۷
ظالموں کی

(اے رسولؐ!) کہہ دیجیئے کہ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب اچانک آجائے یا (تمہاری آنکھوں کے سامنے) ظاہر طور پر آجائے (تو کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے) نہیں عذاب آتا مگر بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں (غاصبین) کو بہیت ہی پر آتا ہے۔ عذاب بُرے عملوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بلا وجہ عذاب نہیں لاتا) علہ

● اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی وضاحت کو دی گئی ہے کہ ہم اپنے رسولوںؑ کو بھیجتے رہے ہیں جو لوگوں کو اُنکے اصلاحی کاموں کی اچھی جزا کی خوشخبری دینے والے تھے اور لوگوں کے بُرے اعمال کی بُری سزا سے ڈرانیوالے تھے۔ جو کوئی اُن پر ایمان لائے اور اصلاح کے کام کرے اُن پر نہ مستقبل کا خوف ہے اور نہ ماضی کا کوئی غم۔ دیکھئے ارشاد ہوا ہے :-

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ
اور نہیں ہمنے بھیجا رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے
وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ
اور ڈرانے والے پھر جو کوئی ایمان لایا اور اصلاح کرلی پھر نہیں ڈر
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ ۴۸
اوپر انکے اور نہیں وہ غم کھائیں گے

اور نہیں بھیجے ہمنے اپنے رسول[1] مگر اچھے کاموں کے اچھے اجر کی خوشخبری دینے والے اور برے کاموں کے برے انجام سے ڈرانیوالے بنا کر بھیجے تھے۔ پھر جو کوئی ایمان لایا اور اصلاح معاشرہ کے کام کئے وہ ہیں کہ نہ انہیں آئندہ کیلئے کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ اپنے ماضی کے افعال کے متعلق غمگین ہونگے۔

● [1] نُرْسِلُ فعل مضارع ہے جس کا معنی یہ ہے کہ ہم بھیجتے ہیں۔ ان معنوں سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے بھیجنے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ مگر چونکہ ۳۳/۴۰ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے مطابق نبیوں اور رسولوں کی آمد بند ہو چکی ہوئی ہے اسلئے نُرْسِلُ مضارع حکائی ہے اور یہاں نُرْسِلُ کا معنی ہم بھیجتے ہیں نہیں، بلکہ ہمنے بھیجے تھے ٹھیک ہے۔ قرآن مجید میں مضارع حکائی کی مثال سورہ یوسف میں اسطرح آئی ہے کہ جب حضرت یوسف کو ملک مصر میں اقتدار عطا کیا گیا تو ارشاد ہوا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۱۲/۵۶ اس آیت مجیدہ میں دونوں خط کشیدہ الفاظ يَتَبَوَّاُ اور يَشَآءُ مضارع حکائی ہیں۔ اور آیت مجیدہ کا معنی بصورت ماضی صحیح ہے کہ ہمنے یوسف کو اس طرح مصر کی زمین میں اقتدار عطا فرمایا تھا وہ جہاں چاہتا تھا قیام کرتا تھا۔ جس طرح یہاں یہ معنی غلط ہے کہ وہ جہاں چاہتا ہے قیام کرتا ہے۔ اسی طرح آیت بالا زیر بحث ۶/۴۸ میں یہ معنی غلط ہے کہ ہم رسول بھیجتے ہیں۔ کیونکہ ۳۳/۴۰ کے مطابق رسل انبیاء کی آمد ختم ہو چکی ہے۔ اور مَا نُرْسِلُ کا یہی معنی صحیح ہے کہ نہیں بھیجے تھے ہم نے اپنے رسول مگر خوشخبری دینے اور ڈرانیوالے۔

● سلسلۂ درس کی آیت بالا ۶/۴۸ میں ایمان لانیوالوں اور اصلاح کرنیوالوں کی خوشخبری دینے کے بعد اگلی آیت میں جھٹلانیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ
اور جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں مس کریگا ان کو
الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ ۴۹
ہمارا عذاب بسبب اسکے کرتے تھے حدیں پھاندتے

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا (یعنی انسانی مساوات اور ربوبیت عالمین کی عملاً مخالفت کی) انہیں ہمارا عذاب مس کریگا (وہ مبتلاء عذاب ہوں گے) اس سبب سے کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی) حدیں پھاندا کرتے تھے[1]

● [1] يَفْسُقُوْنَ مضارع ہے مگر چونکہ اس پر فعل ناقص كَانُوْا داخل ہوا ہے، اسلئے عربی قواعد کے مطابق ماضی استمراری بن گیا ہے اور بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ کا یہ معنی ہے :- بسبب اسکے کہ وہ فسق کیا کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندا کرتے تھے۔ اسلئے عذاب آیا تھا۔

● سلسلۂ درس میں اگلی آئت مجیدہ کا ربط آئت نمبر ۴۰ کیساتھ ہے جس میں گزر چکا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنے والے مصیبت کے وقت پر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کیونکہ وُہی ان کی مشکلیں حل کرتا ہے۔ اب اس شبہ کے ازالہ کیلئے کہ کیا رسولِ اکرمؐ بھی مشکلیں حل کرنیوالے ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں خود آنحضورؐ سے اعلان کرا دیا ہے:-

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

کہہ نہیں میں کہتا واسطے تمہارے میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ

اور نہ میں جانتا ہوں غیب، اور نہ کہتا ہوں میں واسطے تمہارے بیشک میں ہوں

مَلَكٌ[1] ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ قُلْ

ملک نہیں پیروی کرتا میں مگر جو وحی کیا جاتا ہے طرف میری۔ کہہ

هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ اَفَلَا

کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا کیا پھر نہیں

تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۵۰ ع ۵/۹ ۱۱

تم غور کرتے

(اے رسولؐ!) فرما دیجئیگا کہ (اے لوگو!) میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں (غیب کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۶/۵۹) اور نہ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں ملک ہوں (یعنی صاحب اختیار و ارادہ نہیں۔ یعنی میں اپنے ارادہ سے کوئی عمل نہیں کرتا) بلکہ اپنے اختیار و ارادہ ہی کیساتھ[1] صرف اس ضابطہ کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ فرما دیجئیگا کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں۔ پھر کیا تم سوچ بچار نہیں کرتے۔

● علے لفظ ملک کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایک ہی نہج پر کام کرتے چلی جانیوالی باری تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوتیں سب ملک ہیں۔ وُہ صاحب اختیار و ارادہ نہیں، جس جس کام کیلئے پیدا کی گئی ہیں وہی کام کرتی چلی آرہی ہیں اور وہی کام کرتی چلی جائینگی۔ چونکہ صاحب اختیار و ارادہ صرف حضرتِ انسان ہے اسلئے اِس نوع کے نبی رسول بھی صاحب اختیار و ارادہ ہیں۔ آئتِ بالا میں اسی امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ آنحضورؐ ملک نہیں تھے بلکہ اُس صاحبِ اختیار و ارادہ نوع کے رسولؐ تھے، جو قیامت کو اپنے اعمال کی جوابدہی کی مکلف اور خداوندی رہنمائی کی محتاج ہے۔

قابلِ اتباع و انذار صرف قرآنِ حکیم ہے

● واضح رہے کہ آئتِ بالا میں اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ کے نفی اثبات کے حصر کیساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ آنحضورؐ صرف اور صرف وحی الٰہی کے متبع تھے۔ کیونکہ اس حصریہ جملے میں اِنْ نافیہ آیا ہے اور اِلَّا اثبات کا۔ بالکل اُسی طرح جیسے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں لا نافیہ اور اِلَّا اثبات کا ہے اور جس طرح اسکا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہی نہیں۔ اُسی طرح اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى کا مفہوم یہ ہے کہ میں وحی الٰہی کے سوا اور کسی چیز کی ہرگز ہرگز اتباع و پیروی نہیں کرتا۔ اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا

ہے کہ جس مقدس ضابطے کی آپ خود پیروی کرتے ہیں اُسی کیساتھ نوعِ انسانی کو اُنکے فرائض منصبی سے آگاہ کرکے اُنہیں اُسی کے پیرو بنائیں:۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ
اور تو ڈرا ساتھ اسی کے اُنہیں جو ڈرتے ہیں کہ

يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ
وہ جمع کئے جائینگے طرف رب اپنے کے نہیں واسطے اُنکے سوائے اُسکے

وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۵۱
کوئی مددگار اور نہ کوئی شفاعت کرنیوالا تاکہ وہ بچ جائیں

اور (اے رسولؐ!) آپ اُسی وحی الٰہی کیساتھ ہی اُن لوگوں (یعنی مومنوں) کو اُنکے فرائض منصبی سے آگاہ کیا کریں جو اِس امر سے خوف کرتے ہیں کہ وہ اپنے ربوبیت کرنیوالے کے حضور (اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جائینگے (اُنہیں جان لینا چاہیئے کہ) اُن کیلئے اس اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہے نہ شفاعت کرنیوالا ہے۔ تاکہ وہ (قیامت پر یقین کی بدولت نیک اعمال بجا کر اُخروی عذاب سے) بچ جائیں۔

جماعت صرف سچے اور سچے مومنوں ہی کیساتھ بنتی ہے

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ جملہ صحابہ کرامؓ جن کی تعریف یہ ہے کہ وہ پاکباز بھی ہیں اور دین کے بھی کھرے ہیں نیز اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اسکے حضور میں صبح شام دعا بھی کرتے ہیں، آپ انہیں اپنے پاس سے دور نہ کرنا۔ جماعت ایسے پاکیزہ افراد سے ہی بنتی ہے:۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
اور نہ دور کرنا اُنہیں جو دعا کرتے ہیں رب اپنے سے

بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ
وقت صبح کے اور پچھلے حصے دن میں، وہ چاہتے ہیں رضا اُسکی

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ
نہیں ذمہ تیرے میں سے حساب اُن کے سے کوئی چیز اور نہیں میں سے حساب تیرے

عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ
اوپر اُنکے سے کوئی چیز، پھر تو دور کرے انہیں تو تو ہو جائیگا میں سے

الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۲
ظالموں کے

اور (اے رسولؐ!) اُن (سچے مومنوں) کو اپنے سے دور نہ کردینا جو صبح اور دن کے پچھلے حصے میں اپنے رب کے حضور دعا کرتے ہیں۔ وہ اُسکی رضا چاہتے ہیں۔ یعنی دین کے ایسے کھرے کہ اُنکے حساب میں آپکے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ اور آپکے حساب میں اُنکے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ پھر (اسکے باوجود اگر) آپ انہیں اپنے سے دور کردیں تو پھر آپ بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں میں سے ہو جائینگے۔ (ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے جائیں تاکہ آپکے ساتھ آپکے پاکیزہ ساتھیوں کی جماعت قائم ہو جائیگی (جو کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم و کریم ہونگے $\frac{48}{29}$)۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا
اور اسی طرح الگ کردیا ہمنے بعض اُنکے کو سے بعض کے تاکہ وہ کہیں

اور اسی طرح ہمنے بعض کو جو (دین کے کھرے تھے) بعض سے جو (دین کے کھوٹے یعنی منافق تھے) متمیز کردیا تاکہ وہ (حالات

أَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنۢ بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ
کیا یہ ہیں احسان کیا اللہ نے اوپر ان کے ہیں درمیان ہمارے کیا نہیں ہے
اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِينَ ۝۵۳
اللہ جاننے والا کو شکر کرنیوالوں

کے کھوٹے منافق، معاملات کے کھرے مومنوں کو طعن کے طور پر کہیں۔ کیا یہ ہیں جن پر ہم میں سے اللہ نے احسان کیا ہے۔ آپ فرما دیجیئے کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں (سچے مومنوں) کو نہیں جانتا۔

● آیتِ بالا میں غلط معاشرہ کے اس قاعدہ کلیہ کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ دین کے کھوٹے غلط کار لوگ ہمیشہ ہی سے تقویٰ شعاروں کا مذاق اڑاتے چلے آ رہے ہیں کہ یہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ اور نیکوکاروں کو ہمیشہ ادنےٰ اور رذیل خیال کیا جاتا رہا ہے۔ جیسے سورۂ ھود میں صحابۂ نوحؑ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ آپکی قوم کے مالدار لوگ آپ سے کہتے تھے:۔ مَا نَرٰىكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا ...... ۱۱/۲۷ اے نوحؑ ہم آپکو نہیں دیکھتے مگر آپ ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ آپکی اتباع کسی نے کی ہو مگر انہی لوگوں نے کی ہے جو ہم میں سے ذلیل لوگ ہیں۔ حضرت نوحؑ نے انہیں وہی جواب دیا جو آیت ماقبل میں آنحضورؐ کو سچے اور سچے مومنوں کو اپنے سے دور نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے:۔

● وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا ...... ۱۱/۲۹ (تم ان سے کراہت کرتے ہو ۱۱/۲۸) مگر میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اپنے سے دور کرنیوالا نہیں ہوں۔ المختصر! جملہ انبیائے اسلام علیہم کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ معاملات کے سچے اور سچے مومنوں کو جنہیں معاشرہ کے مالدار ذلیل و حقیر جانتے تھے اپنے آپ سے دور نہ کرنا۔ اور انہی لوگوں کے متعلق آنحضورؐ کو ایک مختصر اور جامع تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے:۔

وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاٰيٰتِنَا
اور جب آئیں آپ کے پاس جو ایمان لاتے ہیں ساتھ آیتوں ہماری
فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۖ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ
تو فرمائیے سلام ہے اوپر تمہارے فرض کیا رب تمہارے نے اوپر اپنے آپ کے
الرَّحْمَةَ ۙ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوٓءًۢا بِجَهٰلَةٍ
رحمت کرنا بیشک وہ جو کوئی عمل کرے برا ساتھ نادانی کے
ثُمَّ تَابَ مِنۢ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ ۙ فَأَنَّهُ غَفُورٌ
پھر توبہ کرے سے پیچھے اس کے اور اصلاح کرے۔ پھر بیشک وہ بخشنے والا
رَّحِيمٌ ۝۵۴
بڑا مہربان ہے

(اے رسولؐ!) جب آپکے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہوں تو آپ ان سے کہا کریں سلامٌ علیکم تم پر سلام ہو۔ تمہارے ربوبیت کرنیوالے نے تم پر رحمت فرمانا اپنے ذمہ خود فرض کر رکھا ہے۔ شان یہ ہے کہ تم میں سے جس کسی نے نادانی کے ساتھ کوئی ناروا کام کیا ہو تو وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو وہ حفاظت عطا فرمانے والا بے حد مہربان ہے۔

اسلام مسنون ۱ ● اس آیتِ مجیدہ میں دو امر قابلِ غور ہیں۔ پہلا یہ کہ آنحضورؐ کو حکم ہوا ہے کہ جب آپکے پاس مومن آیا کریں

تو آپ انہیں سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ...... الخ فرمایا کریں۔ اسطرح چونکہ آنحضورؐ کے متعلق یہ تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپنے اس حکم ربانی کی تعمیل نہ فرمائی ہو لہٰذا ثابت ہُوا کہ سلام مسنون بحکم ربانی سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ ہے اور السّلام علیکم اور وعلیکم السلام بعد کی پیداوار ہے۔ آنحضورؐ نے حکمِ باری کے مطابق سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کو عملاً رائج فرمایا اور بطور سنّتِ مبارکہ اپنے بعد باقی چھوڑا۔ اگر ان حکم فرمودہ قرآنی الفاظ کو سنّتِ رسول نہ تسلیم کیا جائے تو آنحضورؐ پر طعن آتا ہے کہ تحیّہ کے ضمن میں جن الفاظ کی ادائیگی آپ پر حکماً فرض کیگئی تھی آپنے انہیں ترک کردیا اور اپنے پاس سے متبادل الفاظ رائج کر کے، اُن الفاظ کو بطورِ سنّت چھوڑ گئے جن الفاظ کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ اس قسم کی اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو زمانۂ رسالت اور دورِ صحابہؓ کے بعد آنحضورؐ اور صحابہ کرام کی طرف منسوب ہوکر فروغ پاچکی ہیں۔ مثلاً لونڈی غلام کا جواز، ناہموار تقسیم رزق، زمینداری، سرمایہ داری، جاگیرداری وغیرہ کے علاوہ خانقاہیت اور ملوکیت بعض صحابہؓ کرام کی طرف منسوب ہوچکی ہے کہ دونوں چیزیں صحابہؓ کرام ہی کے دور میں موجود ہوئی تھیں۔ حالانکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے مکمل خاتمہ کیلئے آنحضورؐ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ انہیں آنحضورؐ نے خود اپنے دور میں عرب بدر کردیا تھا، بلکہ دورِ صحابہؓ میں بھی یہ ننگِ انسانیت تصوّرات اسلام میں راہ نہ پاسکے تھے۔ آنحضورؐ نے اپنے زمانہ کے حکمرانوں کے نام جو تبلیغی پیغام ارسال فرمائے تھے اُن میں سلامٌ علیکَ اور سلامٌ علی مَنِ اتّبعَ الھدٰی کے الفاظ موجود ہیں۔ ملاحظ فرمائیں مولوی محمد صالح صوفی صاحب کی مصنفہ سوانح حیاتِ رسولِ مقبولؐ کے صفحات ۱۱۹ تا ۱۳۲۔ نمونہ کے طور پر ۱۲۶ صفحہ پر مقوقش شاہِ مصر کے نام آنحضورؐ کے تبلیغی خط میں سَلٰمٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی باندازِ ذیل موجود ہے:۔

● بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی الْمُقَوْقَسِ عَظِیْمِ الْقِبْطِ سَلٰمٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدَعَایَۃِ الْاِسْلَامِ...... (ترجمہ) اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ محمد بن عبداللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے مقوقش قبطیوں کے بادشاہ کی طرف — سلامٌ علی مَنِ اتّبع الھدٰی۔ سلام ہو اُس پر جو ہدایت (قرآن) کی اتّباع کرے۔ اسکے بعد میں تمہیں دعوتِ اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ آنحضورؐ کے اس خط میں آپکا سلام، سلامٌ علی مَنِ اتّبعَ الھدٰی مذکور ہے۔

● اسکے بعد صفحہ ۱۲۸ پر منذر بن ساوے کے نام آنحضورؐ کا خط بدیں الفاظ درج ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلَی الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوٰی سَلٰمٌ عَلَیْکَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْکَ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ......

(ترجمہ) اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ محمد اللہ کے رسول کی طرف سے منذر بن ساوی کی طرف۔ سلامٌ علیکَ تجھ پر سلام ہو۔ بیشک میں تیری طرف اللہ کی بے حد تعریف کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ دیکھئے:۔

● آنحضورؐ کے اس خطاب میں آپکی طرف سے قرآنی سلام موجود ہے سَلٰمٌ عَلَیْكَ۔ قرآن مجید میں ذیل کے سلام مذکور ہیں :۔
● اجنبیوں کیلئے سلام۔ سَلٰمًا۔ سَلٰمٌ۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اللہ کے رسول آئے۔ وہ ایکدوسرے کیلئے اجنبی تھے۔ انہوں نے آپ سے کہا سَلٰمًا۔ آپ نے جواب دیا سَلٰمٌ $\frac{11}{69}$
● غیر مسلموں کیلئے سلام۔ سَلٰمٌ عَلَیْكَ، وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ حضرت ابراہیمؑ نے آزر سے کہا سَلٰمٌ عَلَیْكَ $\frac{19}{47}$ اور حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی $\frac{20}{47}$۔
● مومنوں کیلئے سلام، سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ۔ آنحضورؐ کو حکم ہوا کہ جب آپکے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں تو آپ ان سے کہا کریں سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ۔ فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ $\frac{6}{54}$۔
● سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے :۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً $\frac{24}{61}$ جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو اہل خانہ پر سلام کہو وہ سلام جو اللہ کا حکم کردہ برکت والا اور پاکیزہ ہے۔ اس خداوندی حکم کے مطابق آنحضورؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کردہ سلام سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ہی کے عامل تھے۔ اور یہی مبارک و طیب سلام ہی آنحضور کی سنتِ مبارکہ ہے۔

۲۔ بلا توبہ و اصلاح مغفرت نہیں

● دوسرا امر آیتِ بالا میں پر غور طلب ہے جو آیتِ مجیدہ کے الفاظِ ذیل سے عیاں ہے :۔ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ $\frac{6}{54}$ شان یہ ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی کیساتھ کوئی ناروا کام کر بیٹھے تو اگر وہ اسکے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو پھر اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے۔ اِسی مضمون کو مزید وضاحت کیساتھ سورہ نحل میں بالفاظِ ذیل بیان کیا گیا ہے :۔
● ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ $\frac{16}{119}$ پھر بلاشبہ اے رسولؐ! تیرا نشوونما دینے والا واسطے اُن لوگوں کے جو نادانی کیساتھ ناروا عمل کر بیٹھیں، پھر اسکے بعد توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو بیشک تیرا رب اسکے بعد غفورٌ رحیم ہے۔
● پس ثابت ہوا کہ ہر دو آیاتِ بالا $\frac{6}{54}$ + $\frac{16}{119}$ کے مطابق بخشش مشروط ہے توبہ اور اصلاح کیساتھ۔ نیز ناروا کاموں پر بھی شرط موجود ہے بِجَهَالَةٍ کی۔ یعنی ناروا کام بھول کر کئے ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ جان بوجھ کر دودھ میں پانی ملا رہا ہو۔ جان بوجھ کر ترازو کی ڈنڈی کاٹی اور باٹ ہلکے رکھے ہوئے ہوں۔ ملاوٹ کی عادت دائمی ہو۔ تو یہ صورت اِن آیات کی رُو سے مغفرت اور بخشش کے ضمن میں نہیں آتی۔
● اِسی عنوان کو خدا تعالیٰ نے سورہ نساء میں بھی مزید وضاحت کیساتھ بالفاظِ ذیل بیان کر دیا ہے تاکہ معاشرہ سے برائیوں کا مطلقاً خاتمہ ہو جائے۔ دیکھئے! ارشادِ باری ہے :۔

● اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ۱۷/۴ سوائے اسکے نہیں ہے کہ توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمّہ اُن لوگوں کیلئے ہے جو نا روا کام کریں نادانی کیساتھ پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں۔ پس وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رجوع برحمت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑھ کر جاننے والا اور بہت بڑھ کر حکمت والا ہے — اس سے آگے ارشاد ہوا ہے :۔

● وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ۱۸/۴ اور نہیں واسطے اُن لوگوں کے کہ (اللہ اُن کی توبہ قبول کرے) جو بُرے کام کرتے ہیں حتیٰ کہ اُن میں سے کسی پر موت حاضر ہو جائے اور وہ یہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ (اُن کی توبہ قبول ہوتی ہے) جو ضابطۂ خداوندی کے انکار ہی کی حالت میں مر جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

● دیکھا آپ نے توبہ نہ اُنکی قبول ہے جو زندگی بھر جان بُوجھ کر بُرے عمل کرتے رہیں اور جلدی توبہ نہ کریں اور نہ اُنکی توبہ قبول ہوتی ہے جو مرنے کے وقت پھر توبہ کریں۔ نیز شفاعت کا تصوّر بھی ان آیاتِ بالا کے مطابق ختم ہو جاتا ہے۔ جس کے متعلق خود آنحضورؐ کی زبان مُبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے :۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۝ ۴۴/۳۹ اے رسُولؐ! اعلان کر دیجیئے گا کہ شفاعت کا حق سارے کا سارا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (اُسکے سوا کسی کو شفاعت کا حق ہے ہی نہیں)۔ سُورہ یونس میں اُن لوگوں کو اللہ کے شریک قرار دیا گیا ہے جنہیں لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفیع ٹھہرائیں۔ دیکھیئے ارشاد باری :۔

● وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ اَتُنَبِّـٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ۱۸/۱۰ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں۔ (اے رسُولؐ) فرما دیجیئے گا کیا تم (اللہ کو بے خبر جانتے ہو کہ) اللہ تعالیٰ کو اُس چیز کی خبر دیتے ہو جسے آسمانوں اور زمین میں گویا کہ وہ جانتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس سے پاک اور بلند و بالا ہے جو تم اُس کیساتھ شریک کرتے ہو۔

● اب مسئلۂ شفاعت سے متعلقہ وہ شبہ دور کرنا ضروری ہے جو مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۲۵۵/۲ سے پیدا ہوتا ہے :۔ کون ہے جو اللہ کے حضور اُس کے قانون[1] کے بغیر شفاعت کرے، وہ اللہ تو مجرموں کے آگے پیچھے کو خود اچھی طرح جانتا ہے (اُسے کسی شفیع کی کیا ضرورت ہے جو اُسے یہ بتائے کہ ملزم قصور وار ہے یا نہیں)؟

● [1] اِلَّا بِاِذْنِهٖ میں اذن بمعنی قانون ہے قانون کی قرآنی سند دیباچے کے صفحہ ۵۵ پر لاحظ فرمائیں۔ واضح رہے کہ مسئلہ شفاعت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کا آخری اعلان خود آنحضورؐ کی زبان مبارک سے کرا دیا ہے قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۴۴/۳۹ اے رسُولؐ! فرما دیجیئے گا کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ نیز ۱۰/۱۸ میں غیر اللہ شفاعت کو شرک قرار دیدیا ہے۔ مسئلہ شفاعت کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۸-۲۰۹ پر آیۂ مجیدہ ۲۵۵/۲ کی تفسیر قرآنی میں بالتفصیل گزر چکی

ہے۔ (وما علینا الا البلغ)

● مسئلۂ نجات کے سلسلہ میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ سب گناہ بخش دیگا اور اس پر آیت ذیل بطور دلیل لائی جاتی ہے:۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ۳۹/۵۳

(مفہوم) اے رسول! فرما دیجئے کہ (اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ معاف کر دیگا۔ بیشک وہ معاف فرمانے والا بہت بڑھ کر مہربان ہے — اس آیت مجیدہ کے جملہ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا سے بلا قید و شرط یہ تصور لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ بخش دیگا۔ اور ۶/۵۴ + ۱۶/۱۱۹ + ۴/۱۷ + ۴/۱۸ میں جو اللہ تعالیٰ نے شرطیں عائد کی ہیں انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ اسی آیت مجیدہ ۳۹/۵۳ سے آگے متصلاً آیت نمبر ۳۹/۵۴ میں وہی شرطیں عائد کر دی گئی ہیں:۔

● وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ ۳۹/۵۴ اور (اللہ تمہارے سارے گناہ اس طرح بخش دیگا کہ) تم اپنے رب کی طرف رجوع (یعنی توبہ) کرو اور اُسکے پورے پورے فرمانبردار ہو جاؤ (اپنی اصلاح کرلو) اُسوقت سے پہلے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے۔ پھر (عذاب آنے کے بعد) تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائیگی — دیکھا آپنے! کہ یہاں بھی توبہ اور اصلاح کی شرط قائم کر دی گئی ہے — پس یاد رکھیئے کہ مغفرت کیلئے گناہوں سے توبہ اور اصلاح یعنی آئندہ کیلئے برے اعمال کو چھوڑ کر نیک اعمال پر صد فیصد عامل ہو جانے کے سوا ہرگز کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ

اور اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں آیتیں اور تاکہ نمایاں ہو

سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۵۵ ع ۶/۵ ۱۲

راستہ مجرموں کا

اور اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی (سزا کا) طریقہ پوری طرح نمایاں ہو جائے۔

جسکی عبادت اُسی سے دُعا

● سلسلۂ درس کی اگلی مجیدہ میں مجرموں کے ایک مخصوص جرم کی خبر دی گئی ہے کہ جو لوگ غیر اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان سے دعا کرتے ہیں وہ ان کی عبادت کرتے ہیں۔ سورہ فاتحہ ۱/۴ میں وعدہ لیا گیا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ بالفاظ دیگر قرآن مجید کی پہلی ہی سورت مجیدہ میں قرآن کریم کے قاری سے اس چیز کا اقرار کرا لیا جاتا ہے کہ عبادت اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ چنانچہ اسی چیز کی مخالفت کا اعلان آنحضور کی زبان مبارک سے کرا دیا گیا ہے:۔

عبادت اور دُعا باہم مترادف چیزیں ہیں

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت نمبر ۶/۵۴ میں مغفرت کا ایک ہی ذریعہ بیان کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اس چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا یعنی غیر اللہ کو غائبانہ مدد کے لئے پکارنا گویا اُسکی عبادت کرنا ہے۔ جو لَا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ کی کھلی مخالفت ہے بالفاظ دیگر کھلا ارتکاب شرک ہے:-

قُلۡ اِنِّیۡ نُهِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ
کہہ بیشک میں منع کیا گیا ہوں کہ میں عبادت کروں ان کی

تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَتَّبِعُ
پکارتے ہو تم جنہیں ملا کے ساتھ اللہ کے۔ کہہ نہیں اتباع کرتا میں

اَهۡوَآءَكُمۡ ۙ قَدۡ ضَلَلۡتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ
خواہشوں تمہاری کی بیشک گمراہ ہوا میں اسوقت اور نہیں میں سے اسوقت

الۡمُهۡتَدِیۡنَ ۝۵۶
ہدایت پانیوالوں کے

(اے رسولؐ!) فرما دیجئے گا بیشک میں منع کر دیا گیا ہوں کہ میں عبادت کروں اُن لوگوں کی جنہیں اللہ کے ساتھ ملا کر پکارتے ہو[1] (نیز یہ بھی اعلان فرما دیجئے گا کہ) میں نہیں پیروی کرتا تمہاری خواہشات کی (تم غیر اللہ کو اللہ کیساتھ ملا کر پکارتے ہو۔ غائبانہ مدد مانگتے ہو اگر میں ایسا کروں) تو بیشک اسوقت میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ اور ہدایت پانیوالوں میں سے نہیں ہوں گا۔

● [1] مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ کے معنے سوائے اللہ کے بھی قرآن مجید میں مذکور ہیں اور اللہ کے ساتھ ملا کر بھی موجود ہیں جیسے کہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۶ کی تفسیر القرآن میں پیچھے صفحہ ۱۲۳ پر گزر چکا ہے وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَاُمِّیَ اِلٰهَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۵/۱۱۶ وہ وقت قابل ذکر جب (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کہیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو الٰہ اور ملا کر (یعنی الٰہ) بنا لو۔ پوری تفصیل پیچھے صفحہ ۱۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حکم بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور غیب کی چابیاں بھی صرف اُسی کے پاس ہیں

● اللہ کیساتھ ملا کر کسی غیر سے مدد مرادیں مانگنے کو غیر اللہ کی عبادت قرار دینے کے بعد اسی امر کی دلیل اگلی تین آیات کریمات میں آنحضورؐ کی زبان مبارک سے اعلان کروایا گیا ہے کہ غیب کی چابیاں صرف اللہ کے پاس ہیں اور اسکے حکم میں بھی اسکا کوئی شریک نہیں:-

قُلۡ اِنِّیۡ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَكَذَّبۡتُمۡ
کہہ بیشک میں اوپر روشن دلیل کے طرف سے رب اپنے کے اور جھٹلایا تم نے

بِهٖ ؕ مَا عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ ؕ اِنِ
کو اسکے نہیں پاس میرے جس کی تم جلدی کرتے ہو ساتھ اسکے نہیں ہے

(اے رسولؐ!) فرما دیجئے گا کہ بیشک میں اپنے نشو و نما دینے والے کی طرف سے (اسکی نازل کردہ کتاب قرآن حکیم کے) دلائل قاطعہ پر ہوں مگر تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ جس چیز (یعنی عذاب) کے لئے تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں (وہ حکم تو

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ
حکم مگر صرف اللہ کیلئے بیان کرتا ہے سچ۔ اور وہ ہے

خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝ ۵۷
بہتر فیصلہ کرنیوالوں سے

نہیں، حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہ حق ہی حق بیان کرتا ہے۔ اور وُہی ہے جو بہتر (صحیح یعنی مبنی بر انصاف) فیصلہ دینے والا ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ
کہہ اگر ہوتا بیشک پاس میرے جو جلدی کرتے ہو تم

بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
ساتھ اسکے البتہ فیصلہ ہو چکا ہوتا امر درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور اللہ

اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ ۵۸
خوب جاننے والا ہے ظالموں کو

(اے رسولؐ مزید) فرما دیجئے گا کہ جس (عذاب) کیلئے تم جلدی کرتے ہو۔ اگر وُہ میرے قبضے میں ہوتا تو اس امر کا میرے اور تمہارے درمیان (کب کا) فیصلہ ہو گیا ہوتا حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ظالموں کو (یعنی جو عذاب کے لائق ہیں) خوب خوب بہت بڑھ کر جاننے والا ہے۔

● ۱ یہاں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ میں آمدہ بَا کا معنی ہے کو۔

غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور ہر خشک و تر چیز اسکے علم میں موجود ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کسی کو نہیں، غیب کی چابیاں صرف اسی کے پاس ہیں اور کائنات بھر کی ہر حاضر و غائب اور خشک و تر چیز صرف اور صرف اُس کے علم میں موجود ہے:۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا
اور پاس اسی کے ہیں چابیاں غیب کی نہیں جانتا ان کو مگر

هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ
وہی اور وہ جانتا ہے جو کچھ ہے خشکی کے اور سمندر کے اور نہیں گرتا میں سے

وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ
کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اسے اور نہ ہی کوئی دانہ بیچ اندھیروں

الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ
زمین کے اور نہیں ہے کوئی تر اور نہ خشک مگر بیچ کتاب

مُّبِیْنٍ ۝ ۵۹
ظاہر علم الٰہی کے

اور (اے رسولؐ فرما دیجئے گا کہ) غیب کی چابیاں صرف اُس (اللہ) کے پاس ہیں۔ غیب کو آپکے سوا مطلقاً کوئی نہیں جانتا۔ اور وُہی جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ سمندروں میں ہے۔ اور نہیں گرتا کوئی پتہ (کسی بھی درخت پودے یا بیل سے) مگر وُہ اُسے جانتا ہے۔ اور نہیں کوئی دانہ (پھوٹتا) زمین کے اندھیروں میں (یعنی مٹی کے اندر) وہ اُس کے علم میں ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی بھی تر یا خشک چیز مگر وہ سب کتابِ مبین (علمِ الٰہیؐ) میں موجود ہے۔

● ۵ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ کا معنی یہاں علم الٰہی ہے قرآنی لغت کے مطابق کِتٰب بمعنی علمِ الٰہی کے قرآنی دلائل پیچھے صفحہ ۷۵۱ پر آیت نمبر ۳۸ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں گزر چکے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں پر اس ترجمہ کی صحت کی دو واضح دلیلیں موجود ہیں۔ پہلی دلیل تو یہ ہے اِس آیت مجیدہ زیرِ بحث $\frac{6}{59}$ کے سارے کے سارے داخلی الفاظ کی شہادت کہ پوری کی پوری آیت کریمہ میں علم الٰہی ہی کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ خشکی اور تری کی ہر چیز کو خوب خوب جانتا ہے :۔ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ نیز کرّہ ارض یا دُوسرے کُرّوں، اجرام فلکی، سیّاروں اور ستاروں میں جہاں جہاں کوئی پتّہ گرتا ہے اُسکے علم میں ہوتا ہے :۔ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا۔ نیز ارشاد ہُوا ہے کہ وہ کسی چیز تک سے بھی بے خبر نہیں۔ زمین کے اندھیروں میں بیجوں کی جو اُٹھیں پھٹتی اور اُن سے انگوریاں نکلنے میں جو کیمیائی عمل ہوتا ہے سب اُسکے علم میں ہے :۔ وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ۔ اور نہ کوئی بھی بیج جو اندھیروں میں زیرِ عمل ہوتا ہے اُس سے پوشیدہ ہے۔ اِسکے بعد لایا گیا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ، جس سے صراحتًا ثابت ہوتا ہے کہ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ سے مراد یہاں علم الٰہی ہے۔ اور دُوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں دُوسرے دو مقامات $\frac{10}{61}$ + $\frac{34}{3}$ میں تصریف آیات کیساتھ اسی آیت کی متبادل آیت آئی ہے عٰلِمِ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ $\frac{34}{3}$ اللہ عالم الغیب ہے اُس سے کوئی ذرہ بھر چیز پوشیدہ نہیں آسمانوں اور زمین میں نہ اس (ذرّہ) سے کوئی چھوٹی چیز پوشیدہ ہے نہ اس سے بڑی سب کی سب کتابِ مبین علمِ الٰہی میں موجود ہیں۔

صفحہ ۷۵۱ پر آیت نمبر ۳۸ کی تفسیر بھی پیچھے دیکھئے ـــــ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں نیند کو عین موت نہیں بلکہ موت کی مثل بتایا گیا ہے :۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ
اور وہی ہے جو فوت کرتا ہے تمہیں وقت رات کے اور جانتا ہے

مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ
جو کام کرتے ہو تم وقت دن کے پھر اٹھا لیتا ہے بیچ اسکے

لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ
تاکہ پوری کی جائے میعاد مقرر پھر طرف اسی کے ہے

مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
لوٹ جانے کی جگہ تمہاری پھر وہ خبر دیگا تمہیں ساتھ اسکے جو تم

تَعْمَلُوْنَ ۝ ۶۰
عمل کیا کرتے تھے

ع ۷ / ۱۴

اور وُہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جو تم پر رات کے وقت (نیند غالب کرکے مجازی صورت میں[۶]) تمہیں فوت کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے تم دِن کے وقت جو کام کرتے ہو دکام کے بعد آرام لازم ہے۔ اسلئے تمہیں نیند کے ذریعہ تازہ دم کرکے صبح کے وقت) اُس (یعنی دن) میں پھر اٹھا لیتا ہے[۷] تاکہ (لیل و نہار کی اِسی گردش میں عمر کا) نام رکھا ہُوا[۸] وقفہ پورا ہو جائے۔ پھر (حقیقی موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد اعمال کی جوابدہی کیلئے) تمہارے لوٹ کر جانے کی جگہ اُسی کی طرف ہے $\frac{23}{16}$۔ پھر وہ تمہیں خبر دیگا جو عمل تم کیا کرتے تھے ۔۵

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ
وہ غالب ہے اوپر بندوں اپنوں کے اور بھیجتا ہے
عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۱ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ
اوپر تمہارے محافظ ۱ یہاں تک کہ جب آتی ہے کسی تمہارے پر
الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا
موت ۱ فوت کرتے ہیں اسے بھیجے ہوئے ہمارے اور وہ نہیں
يُفَرِّطُوْنَ ۝ ۶۱
وہ کوتاہی کرتے

وہ (اللہ) اپنے سارے بندوں پر غالب ہے (اُسکے قانونِ موت وحیات کے دائرہ سے کوئی نکل نہیں سکتا) اُس نے تم پر اپنی محافظ قوتیں بھیجی ہوئی ہیں (یعنی بصورتِ قانون متعین کر رکھی ہیں) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے (اسبابِ موت) اُسے فوت کر دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے کام میں ہرگز کوتاہی نہیں کرتے۔

● ۱ نیند میں انسان مرتا نہیں۔ سو یا مرا ایک برابر کے انداز میں اسے مجازی وفات قرار دیا گیا ہے۔

● ۲ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ اور ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ سے کھل کر ثابت ہے کہ رات کو فوت کر دینا اور دن کے وقت اٹھا لینا حقیقی موت نہیں، مجازی وفات وبعثت ہے۔ کیونکہ حقیقی موت کے بعد کی بعثت قیامت کو ہوگی۔

● ۳ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى کے الفاظ میں اَجَلٌ مُّسَمًّى سے مراد عمر کا وقفہ ہے جو لیل ونہار کی گردش ہی میں ختم ہو جاتا ہے۔

● ۴ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ کا معنی یہ ہے کہ پھر تمہارے لوٹ کر جانے کا مقام اللہ ہی کی طرف ہے۔ ان الفاظ میں موت کے بعد کی بعثت کی غرض بتائی گئی ہے کہ پھر تمہیں اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حاضر ہونا ہے۔

● ۵ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ تم جو بھی عمل کرتے ہو، خواہ ظاہرًا کرتے ہو یا چھپ چھپا کر، اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک عمل کو جانتا ہے اور قیامت کو تمہیں ہر عمل کی خبر دیگا۔ اور خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھے عمل کی تم کو جزا ملیگی اور ہر بُرے عمل کی سزا پاؤ گے۔ پیچھے آیت نمبر ۵۱ کی تفصیل میں صفحہ ۱۷۱/۱۷۳ پر بُرے عملوں کی سزا سے بچنے کیلئے بتا دیا گیا ہے توبہ اور اصلاح۔ یعنی آئندہ کیلئے بُرے اعمال سے صد فیصد کنارہ کشی اختیار کی جائے اور ایسے عمل کئے جائیں جن سے معاشرہ میں اصلاح ہوتی چلی جائے۔

● ۶ یہاں يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً کا مفہوم یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے محافظ قانون مقرر کر رکھے ہیں جن کے مطابق حفاظت میسر آتی ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ محافظ تو بھیجتا ہے مگر اُن کی غفلت سے آئے دن تانگوں، بسوں، لاریوں اور ریل گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ بھی ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے حفاظت کے قانون متعین کر رکھے ہیں جن کی مخالفت سے حادثات واقع ہوتے ہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے اور کسی کی آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔

● قرآن مجید میں يُرْسِلُ متعدد مقامات پر قوانینِ جاریہ کے تعین کیلئے آیا ہے۔ مثلاً:۔

● يُرْسِلُ الرِّيٰحَ ۳۰/۴۸ کا لفظی معنی ہے وہ ہوائیں بھیجتا ہے۔ مگر اسکا مفہوم یہ ہے کہ اس نے ہواؤں کے چلنے کا قانون متعین کر رکھا ہے

● يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ ۱۳/۱۳ کا لفظی معنی ہے وہ بجلیاں بھیجتا ہے مگر مفہوم یہ ہے کہ اس نے بجلی کا قانون مقرر کر دیا ہے۔ اسی طرح:۔

● یُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَۃً کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت کے قوانین متعین کر رکھے ہیں۔ انکی متابعت سے خداوندی حفاظت میسر آتی ہے اور انکی مخالفت سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اُٹھ جاتی ہے۔

● ۳ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے کارندے اُسے فوت کر دیتے ہیں۔ اِنہی میں سے ہر کارندے کو ملک الموت فرمایا ہے —— اب مشاہدات میں دیکھئے گا کہ وہ خداوندی کارندے کون کونسے ہیں جن میں سے ہر ایک ملک الموت $\frac{۳۲}{۱۱}$ ہے۔ آگ، پانی، بجلی، آندھی، بیماری، تیز دھار آلہ، پستول یا بندوق کی گولی، ایٹم بم جو ناگاساکی اور ہیروشیما کے ہزارہا انسانوں کو ایک سیکنڈ میں موت کے گھاٹ اتار دے سب الگ الگ خداوندی کارندے اور الگ الگ ملک الموت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے محافظ بھی اپنا اپنا فرض ساتھ ساتھ انجام دیتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ آنکھوں کی پلکیں اِنکی حفاظت کیلئے انسان کے ارادے کے بغیر ایک ایک سیکنڈ میں کئی کئی مرتبہ جھپک جاتی ہیں۔ کسی تنگ منڈیر پر چلتے ہوئے جب ہم دائیں طرف گرنے لگتے ہیں تو بایاں بازو خود بخود اُوپر کو اُٹھ جاتا اور گرنے سے بچالیتا ہے۔ انسان بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی محافظ دوائیں حفاظت کرتی ہیں لیکن جب خدائی کارندوں کا حملہ شدید ہو تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ موت کے قانونِ خداوندی سے کوئی فرد بشر گریز کر سکتے نہیں۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ $\frac{۳}{۱۸۵}$ + $\frac{۲۱}{۳۵}$ + $\frac{۲۹}{۵۷}$۔

● ۴ وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ ہارٹ فیل ہونے کی صورت میں یہ خداوندی کارندہ آناً فاناً موت وارد کر دیتا ہے۔ دمہ، ٹی بی وغیرہ کی صورت میں یہ خدائی کارندے حالات کے مطابق وقت لیتے ہیں۔ کسی پتھر کے نیچے آنے یا ریل گاڑیوں کے حادثات میں لاش کے گوشت کی بوٹیاں اڑ جاتی ہیں۔ وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ وہ حسبِ حال پورا کام کرتے ہیں نہ کم نہ زیادہ۔

● آیت نمبر ۶۱ زیرِ بحث میں موت کا ذکر کرلانے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں حضورِ خداوندی میں جوابدہی کیلئے حاضری کی خبر دیگئی ہے:-

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ
پھر لوٹائے جائینگے طرف اللہ کی جو مولا ہے ان کا سچا
اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾
خبردار۔ واسطے اُسی کے ہے حکم اور وہ ہے جلد حساب کرنیوالا

پھر اُنہیں (موت کے بعد بعثت اور بعثت کے بعد مکافاتِ عمل کیلئے) انکے حقیقی مددگار و مشکلکشا کی طرف لوٹایا جائیگا خبردار! حکم اُسی کا ہے اور وہ (قیامت کو) جلد حساب لینے والا ہے[۱]۔

● ۱ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ کا ایک معنی یہ بھی بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد ہر کسی کا فوراً حساب لے لیتا ہے۔ مگر یہاں یہ مفہوم از روئے تصریفِ آیات فٹ نہیں آتا کیونکہ موت کے بعد ایک مخصوص وقفہ مقرر کیا گیا ہے جیسے یوم الدین، یوم القیامۃ اور یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ $\frac{۱۴}{۱۴}$ کے الفاظ میں جس کی تعریف بتائی گئی ہے کہ اُس دن، اس وقفہ میں حساب قائم ہوگا، اور اُس

دن پہلے پچھلے سب لوگوں کو جمع کر لیا جائیگا۔ سورہ واقعہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ۵۶/۴۹–۵۰ (اے رسولؐ!) اعلان فرما دیجئے کہ بیشک اس مقررہ دن (قیامت) میں اوّلین و آخرین، پہلے پچھلے سب جمع کر لئے جائیں گے ——— اب رہا اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ یا سَرِيْعُ الْحِسَابِ کا مفہوم۔ اسکے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ہمنے ہر کسی کا اعمالنامہ اس کے گلے میں باندھ دیا ہے۔ ہر شخص خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ یہاں دنیا میں بھی اپنا اعمالنامہ پڑھ سکتا ہے اور قیامت کو بھی پڑھ لیگا ارشاد ہوا ہے:۔

● وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ ۱۷/۱۳–۱۴ اور ہمنے ہر انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن میں باندھ دیا ہے۔ اور اُسے ہم قیامت کے دن اس کے لئے کھلی کتاب کی شکل میں سامنے پیش کر دینگے اور ہر کسی کو کہا جائیگا کہ اپنا اعمالنامہ پڑھ لے، آج کے دن تیرے حساب کیلئے تیرا اعمالنامہ ہی کافی ہے۔ ہر شخص کا حساب پہلے ہی سے بنا بنایا ہر وقت تیار ہے اور ایسا مکمل کہ سب لوگ اسکے متعلق کہینگے:۔

● وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ ۱۸/۴۹ اور کہینگے۔ ہم پر افسوس ہے۔ یہ کیسی کتاب ہے کہ اس نے نہ ہمارا کوئی چھوٹا عمل چھوڑا ہے نہ بڑا مگر اس نے سب کو محفوظ کر لیا ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ بھی عمل کیا ہے (چھوٹا بڑا) سب کو اس میں موجود پائینگے۔ اور تیرا پروردگار کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کریگا (سب کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائیگا)۔

● پس ہر شخص کا حساب اسکے اعمالنامہ میں تیار موجود ہوگا۔ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ہر کسی کا حساب ساتھ کے ساتھ سب کے اعمالناموں میں محفوظ کرتا چلا جاتا اور موازنہ بھی کرتا چلا جا رہا ہے۔ پس اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ اور سَرِيْعُ الْحِسَابِ کے الفاظ سے یہ تصوّر پیدا کرنا غلط ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت آگئی۔ قیامت کا دن حق ہے جب سب کے سب مُردوں کو زندہ کر کے سب کو پوری پوری جزا اور پوری پوری سزا دی جائیگی۔

جملہ مصائب سے نجات دہندہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے

● سلسلہ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم ہوا ہے کہ ان غیر اللہ سے مدد مانگنے والوں سے پوچھیئے کہ جب تم خشکی یا سمندر کے اندھیروں کے مصائب میں گرفتار ہو جاتے ہو تو کون ہے جو تمہیں ان سے نجات دیتا ہے۔ تم ایسے وقت پر صرف اسی کو تو پکارتے ہو۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ

کہہ کون نجات دیتا ہے تمہیں سے اندھیروں خشکی کے اور

(اے رسولؐ!) ان سے پوچھیئے کہ کون ہے جسے تم عاجزی کیساتھ اور خفیہ طور پر پکارتے ہو اور وہ تمہیں خشکی اور پانیوں کے

الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ

سمندر کے تم پکارتے ہو اسے عاجزی کیساتھ اور پوشیدہ کر اگر

اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

نجات دے ہمیں سے اسکے ضرور ہونگے ہم میں سے شکر گزاروں کے

اندھیروں میں (مصائب و مشکلات سے) نجات دیتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں ان مصائب سے نجات دی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بن جائیں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ

کہہ اللہ نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور سے ہر

كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

مصیبت، پھر تم شرک کرتے ہو

(آپ ہی) فرما دیجئے کہ تمہیں اللہ ہی اُن مصائب سے بھی اور ہر مشکل سے بھی نجات دیتا ہے۔ پھر بھی تم اُس کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے ہو (کسقدر ناشکرے ہو تم)۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ بھی اللہ کا قانون ہے کہ تمہاری نافرمانیوں کی بدولت تم پر اُوپر سے، نیچے سے اور تمہاری آپس کی پھوٹ کے ذریعہ عذاب آجاتا ہے۔ ذاتی منفعت کوشیاں ہی باہمی پھوٹ کو جنم دیتی ہیں جو عذاب بن کر چھا جاتی ہیں:-

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ

کہہ وہ ہے قانون بنانیوالا اور پھر اسکے کہ لے آئے

عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

اوپر تمہارے عذاب سے اوپر تمہارے یا سے نیچے

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ

پیروں تمہارے یا ملا دے تم کو فرقے فرقے اور چکھا دے

بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

بعض تمہارے کو عذاب بعض کا۔ غور کر کس طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

آیتیں تاکہ وہ تفقہ کریں

(اے رسولؐ!) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے قانون بنانیوالا ہے (اُس نے ایسے قانون بنا رکھے ہیں) کہ وہ تم پر تمہارے اُوپر سے عذاب لے آئے (اگر تمہارے اُوپر والے صاحب اقتدار نافرض شناس ہو جائیں) اور تمہارے پیروں تلے سے عذاب لے آئے (اگر تمہارے عوام قانون شکن ہو جائیں) یا تمہیں فرقوں میں بانٹ دے (اگر تمہارے اندر انتشار پیدا ہو جائے) اور اس طرح تمہارے بعض آپس میں ایکدوسرے سے عذاب چکھا کریں۔ (اے مخاطب!) غور کر ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ آیتوں پر آیتوں کی سند لا کر (قرآن مجید میں) تفقہ کیا کریں۔

● اِس آیت مجیدہ میں عذاب کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے جو آیتِ ذیل کے مطابق انسان کا خود اپنا ہی لایا ہوا ہوتا ہے وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ۴۲/۳۰ اور تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔ حکام کا نافرض شناس ہونا بھی عذاب ہے اور عوام کا قانون شکن ہو جانا بھی عذاب ہے اور باہمی انتشار خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی یہ بھی عذاب ہی کی ایک قسم ہے۔ اِن عذابوں کی خبر دینے کے بعد آیت مجیدہ کے آخر میں ارشاد ہوا

ہے کہ ہمنے اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لانے کا اعلیٰ ترین اسلوبِ بیان اسلئے اختیار کر رکھا ہے کہ لوگ تصریفِ آیات کے ذریعہ تفقہ کیا کریں۔ یعنی مسائل کا انحصار قرآنی فقہ پر رکھا جائے۔

روائتی تفسیر ● آئتِ بالا کا مفہوم جو قوموں کے عروج و زوال سے متعلق ہے وُہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے لیکن اگر لفظی معنے بھی لئے جائیں اوپر سے عذاب اولوں اور بجلی کے علاوہ بموں اور میزائیلوں کا بھی ہو سکتا ہے اور پیروں کے نیچے سے زمین کے پھٹ جانے اور بارودی سرنگوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور پارٹی بازی خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی قسم کی فرقہ بندی ہو ایسا عذاب ہے جو ترقی کی راہ میں سدِ سکندری بن جاتا ہے۔ لیکن آئتِ بالا کی روائتی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ بخاری شریف جلد دوم شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۷۸۱ پر اس طرح درج ہے کہ :۔ ابوالنعمان حماد بن زید، عمرو بن دینار حضرت جابر بن عبداللہ سے روائت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت یہ آئت قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا أَعُوذُ بِوَجْهِكَ .... الخ یعنی میں پناہ لیتا ہوں تیری ذات کی۔ یعنی اس عذاب کی بابت آپنے معافی چاہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ۔ آپنے اس سے بھی پناہ مانگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا .... الخ تو آپنے فرمایا "ہاں یہ اس سے آسان ہے کہ ان پر (یعنی میری اُمت پر) مسلط کر دیا جائے ــــ گویا اس روائت کی رُو سے اُمت میں فرقہ بندی کو خود آنحضورؐ نے پسند فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے :۔ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ $\frac{6}{159}$ بیشک جو لوگ اپنے دین میں تفریق پیدا کریں اور فرقہ فرقہ ہو جائیں (اے رسولؐ!) اُن کیساتھ آپکا کوئی تعلق نہیں ــــ اس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کی قوم میں سے آپکے مخالفین کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اسی قسم کے لوگ تھے :۔

وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ
اور جھٹلایا کو اسے قوم تیری نے حالانکہ وہ حق ہے

اور (اے رسولؐ!) آپکی قوم کے (منکرینِ وحدتِ ربوبیت) نے اس (قرآن) کو جھٹلایا۔ حالانکہ وہ سچی کتاب ہے۔ آپ فرما دیجئے گا کہ میں تم پر کوئی داروغہ نہیں (میرا کام اللہ کا پیغام پہنچانا ہے $\frac{5}{67}$ زبردستی منوانا نہیں)۔

قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۝ ٦٦
کہہ نہیں ہوں میں اوپر تمہارے داروغہ

لِّكُلِّ نَبَإٍ مُّسْتَقَرٌّ ۚ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ٦٧
واسطے ہر خبر کے ایک مقام ہے (وقت ہے) اور ضرور تم جان لوگے

ہر خبر (جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے) اُسکے لئے ایک مقام (اور وقت) ہے اور (تم عذاب کیلئے جلدی کرتے ہو) تم جلدی جان لوگے (حقیقت یہ ہے کہ عذاب تب آتا ہے جب کسی قوم کے جرائم کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتب ہو جاتی ہے)۔

● قرآنِ کریم میں سابقہ نافرمان اقوام کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ آمدِ عذاب کیلئے جلدی کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ

اپنے مستقل قانون کے مطابق اتمام حجت کیلئے پوری مہلت دیتا رہا اور جب پوری مہلت کے بعد اتمام حجت ہو جاتی تو پھر عذاب آ جاتا تھا۔ یہی حال آنحضور کی قوم کا تھا۔ کہ عذاب کیلئے جلدی کرتے تھے۔ مگر واضح کر دیا گیا ہے کہ عذاب قانون خداوندی کے تقاضے پورے ہو جانے کے بعد آتا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک کرنیوالوں سے اعراض کرو

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے مخالفین آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک کیا کرتے تھے اسلئے آنحضور کو اُن سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے:-

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا
اور جب دیکھے تو انہیں جو عیب نکالیں بیچ آیتوں ہماری
فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ
پس تو اعراض کر اُن سے حتیٰ کہ کلام کریں بیچ بات سوا اس کے
وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی
اور اگر بھلا دے آپکو یاد داشت تو نہ بیٹھنا پیچھے یاد آجانے کے
مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ۶۸
ساتھ قوم ظالموں کے

اور (اے رسول ﷺ!) جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں عیب نکالنے کیلئے بحث کرتے ہیں تو آپ اُن سے اعراض کر جائیں (اُن سے چلے جائیں) حتیٰ کہ وہ (ہماری آیتوں) کے سوا کسی اور بات پر بحث کرنے لگیں۔ اور اگر آپکو نسیان بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد آپ (ہماری) آیتوں کی تضحیک کرنیوالے ظالموں کے پاس نہ بیٹھئے گا۔

● لہ یہاں الشیطٰن کا معنی ہے نسیان (یعنی کسی بات کا کسی وقت یاد نہ رہنا) —— آیاتِ قرآنیہ میں عیب جوئی کرنیوالوں کے پاس نہ بیٹھنے کا یہی حکم ۱۴۰/۴ میں مومنوں کے نام گزر چکا ہے کہ جو لوگ ہماری آیتوں سے استہزا کر رہے ہوں اُنکے پاس مت بیٹھو۔ اگر تم بیٹھو گے تو تم بھی انہی استہزا کرنیوالوں میں شمار کئے جاؤ گے۔ آیت مجیدہ معہ تفصیل تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں —— سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اُن سے الگ ہو جانیوالوں سے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ
اور نہیں اوپر ان کے جو بچتے ہیں سے حساب ان کے
مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝ ۶۹
سے کوئی چیز اور لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ بچ جائیں

اور اُوپر اُن لوگوں کے جو (تضحیک کرنیوالوں سے) بچ جائیں (اعراض کر جائیں)، اُن پر (عذاب میں سے) کچھ بھی نہیں اور لیکن نصیحت (کر دینی) ہے تاکہ وہ (آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب و تضحیک کرنیوالوں سے) بچے رہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں دین کو کھیل تماشا بنانیوالوں کو نصیحت کرتے اور انہیں انکے حال پر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے:-

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا
اور چھوڑ دے اُنکو کہ پکڑا انہوں نے دین اپنا کھیل اور

وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ
تماشا اور دھوکا دیا انہیں زندگی نے اور نصیحت کر ساتھ اسکے

اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا
ایسا نہ ہو کہ سزا پائے کوئی جان ساتھ اسکے جو کمایا اس نے نہیں واسطے اسکے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ
سے سوائے اللہ کے کوئی مددگار اور نہ کوئی شفیع اور اگر وہ فدیہ دے

كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا
تمام فدیہ نہ لیا جائیگا اس سے وہی ہیں کہ سزا پائیں گے

بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ
ساتھ اسکے جو کمایا واسطے انکے پینا ہیں سے گرم اور سزا ہے دردناک بوجہ

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۷۰
اسکے جو تھے وہ انکار کرتے

ع ۸ ۱۴

اور (اے رسول!) اُن لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنہوں نے (اپنے اختیار کردہ) دین کو کھیل تماشا قرار دے رکھا ہے (یعنی اُن کے ہاں کوئی قانون نہیں) حقیقت یہ ہے کہ انہیں دنیا کی (مفاد پرستانہ) زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ لیکن آپ انہیں نصیحت کرتے رہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے کئے کی بدولت سزا پا جائے (نصیحت کرنا آپکا فریضہ ہے ۵/۹۶ نصیحت حاصل کرنا لوگوں کا اپنا کام ہے۔ جو لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے) اُنکے لئے نہ کوئی مددگار اور نہ کوئی شفیع شفاعت کرنیوالا ہے* اور اگر (کوئی نافرمان شخص اپنی نافرمانیوں کے عوض) ہر قسم کا فدیہ دیگا تو اس سے نہیں لیا جائیگا۔ مذکورہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے کئے کی سزا پائیں گے اُنکے لئے اسکی بدولت جو وہ آیات الٰہیہ کا انکار کرتے تھے گرم مشروبات اور دردناک عذاب ہوگا۔

* شفیع کی بحث پیچھے صفحہ ۲۷۱ پر گزر چکی ہے۔

● ۱۔ واؤ کا معنی حقیقت یہ ہے نیز بمعنی لیکن اور کیونکہ ۴/۱۰۸ میں آیا ہے:۔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۴/۱۰۸ وہ لوگوں سے تو چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔ کیونکہ وہ اُسوقت بھی انکے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کے وقت چھپ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں گھیرے ہوئے ہے۔

● ۲۔ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ سے مراد پینے کا گرم پانی۔ سورہ دخان میں آیا ہے:۔ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۚۛ كَالْمُهْلِ ۚۛ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۴۴/۴۳تا۴۶ گنہگاروں کا کھانا تھوہر کا کڑوا درخت ہوگا۔ پگھلے ہوئے تانبے کی مانند گرم وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹوں میں کھولیگا۔ دیکھئے کالمھل اور کغلی الحمیم کے الفاظ میں دو مرتبہ کاف تشبیہ آیا ہے۔ حرف تشبیہ مشابہت کیلئے آتا ہے حقیقت کیلئے نہیں آتا۔ پس ان الفاظ سے مجرموں کا کھانا نہ پگھلا ہوا تانبہ ثابت ہوتا ہے نہ کھولتا ہوا پانی۔ بلکہ انکی ذہنی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے کہ انکا کھانا گویا کہ تھوہر کی طرح کڑوا اور پگھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم ہوگا۔ عام قاعدہ ہے کہ ذہنی کوفت جس قدر شدید ہوتی ہے، کھانے پینے کی چیزیں اُسی قدر بدمزہ اور بدذائقہ ہو جاتی ہیں۔ پھر گنہگاروں کو ایسے مقامات پر رکھا جائیگا جہاں تھوہر کے سوا کچھ پیدا

نہ ہوگا اور گرم آب و ہوا کی بدولت پانی گرم ہی میسّر آئیگا۔

● آیتِ بالا میں گرم پانی کی جو سزا مقرر کیگئی ہے اگلی آیت میں اُس جرم کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا ہے۔

کڑوا کھانا اور گرم پانی سزا ہے غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنے کی

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا
کہہ کیا ہم بلاویں سوائے اللہ کے جو نہیں نفع دیتے ہیں

وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ
اور نہیں ضرر دیتے ہمیں اور ہم لوٹ جائیں یا اُوپر ایڑیوں اپنی پیچھے، جب

هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ
ہدایت دی ہمیں اللہ نے مانند اسکے خواہشوں پر لگایا اُسے گمراہوں نے

فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى
بیچ زمین کے حیران، واسطے اسکے ساتھی ہیں بلاتے اُسے طرف

الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۗ
ہدایت آ طرف ہماری۔ کہہ بیشک ہدایت اللہ کی وہی ہدایت ہے

وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۷۱
اور حکم دیے گئے ہیں ہم کہ ہم فرمانبردار ہوجائیں واسطے رب جہانوں کے

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۗ وَ
اور یہ کہ قائم کرو اجتماعی نظام اور بچ جاؤ اس سے اور

هُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ۷۲
وہی ہے جو طرف اسکے تم اکٹھے کئے جاؤ گے

(اے رسول!) فرما دیجئیگا۔ کیا ہم (یعنی میرے صحابہؓ) اللہ کے سوا اُس سے دعا کریں (اس سے مدد مرادیں مانگیں) جو نہ ہمیں نفع دے سکتا ہے اور نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یعنی اس کے بعد کہ اللہ نے ہماری رہنمائی کر دی ہے اُس شخص کی طرح باطل مذہب پر لوٹ جائیں جس سے غلط رہنمائی کرنیوالوں سرکشوں نے خواہشات کی پیروی کرائی ہے

زمین میں حیران کر دیا ہے۔ اُس کے لئے اُس کے ساتھی ہیں جو اُسے یہ کہہ کر ہدایت کی طرف بلاتے ہیں کہ ہماری طرف آجا۔ (اے رسولؐ) فرما دیجئے گا کہ بیشک اصل ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں محفوظ ہے) اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے فرمانبردار ہو جائیں (یعنی نظامِ ربوبیت قائم کریں) ؎۱

اور (ایمان والو!) اجتماعی نظام قائم کرو ؎۲ اور اُس (اللہ کی مخالفت) سے بچ جاؤ۔ اور وہی ہے جس کی طرف (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جاؤ گے۔

● ؎۱ لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا معنی قرآن کریم کے درسِ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق، جس کا ہم سے وعدہ لیا گیا ہے کہ ہم ربّ العٰلمین کے فرمانبردار ہو جائیں، یعنی نظامِ ربوبیت قائم کریں، ربّ العٰلمین کی فرمانبرداری کا عملی ثبوت پیش کر کے اسکی مخالفت سے بچ جائیں۔

● ؎۲ لفظ صلوٰۃ کا سہ حرفی مادہ ص۔ل۔و = صلو ہے جس کا مصدری معنیٰ ہے پیچھے آنا، جس سے اجتماعی نظام قائم ہوتا ہے۔ اِس مادہ کا معنیٰ قرآن کریم میں فرمانبرداری کرنا مذکور ہے۔ جیسے کہ سورہ قیامت میں صلوٰۃ کو نافرمانی کی ضد بتایا

گیا ہے:۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۙ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۙ ۷۵ / ۳۱-۳۲ اُس نے نہ تصدیق اور نہ فرمانبرداری کی اور لیکن تکذیب کی اور نافرمانی کی۔ یہاں صلّٰی کی ضد تولّٰی لائی گئی ہے، جس سے کھل کر ثابت ہوا کیونکہ تولّٰی کا مصدری معنی نافرمانی کرنا ہے اسلئے صلّٰی کا مصدری معنی نافرمانی نہ کرنا ہے۔ تو اس طرح جب سب لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو کر اس کے قانون کے پیچھے چلینگے تو ایک اجتماعی نظام قائم ہو جائیگا جس میں مجملہ افرادِ معاشرہ جسدِ واحد کے اعضاء کی صورت میں ہونگے کہ جب جسم کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیقرار ہو جاتا ہے۔ ایسے اجتماعی نظام کیلئے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا تکراری حکم بار بار دیا گیا ہے۔ صلوٰۃِ موقّت اسی اجتماعی نظام کے نمونہ کی شکل ہے کہ صلوٰۃ کے ہر اجتماع میں اجتماعی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

● وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ میں آنحضورؐ اور آپکے صحابہؓ کرام کا اعلان ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العلمین کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور اسکے بعد متصلاً حکم وارد ہوا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کہ اجتماعی نظام قائم کرو۔ اس سے ثابت ہے کہ اجتماعی نظامِ ربوبیت قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جسکی ابتدا صلوٰۃِ موقّت (نماز) کے اجتماعات ہیں۔

● واضح رہے کہ صلوٰۃ کا اجتماعی نظام ہی دنیوی عذاب کا بھی واحد حل ہے اور اخروی عذاب کا بھی۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنیوالے کی خبر دینے کے بعد قیامت کی عدالتِ عالیہ کی یاد دہانی کرا دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو بِالْحَقِّ ۚ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۷۳ ساتھ حق کے اور قیامت کے دن کہیگا ہو جا پھر وہ ہو جائیگا	اور وہ (اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا فرمایا ہے۔ اور وہ (قیامت کے) دن کہے گا برپا ہو جا وہ برپا ہو جائیگا۔
قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِی بات اسکی سچی ہے اور واسطے اسی کے حکومت ہے جسدن پھونکا جائیگا بیچ الصُّوْرِ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ صور کے جاننے والا پوشیدہ کا اور موجود کا اور وہ ہے بڑا حکمت والا الْخَبِيْرُ ۷۴ بڑا خبر والا	اُسکا قول سچا ہے (روزِ مکافات ضرور آنیوالا ہے) جس دن مکافاتِ عمل کیلئے (کن کا) صور پھونکا جائے گا۔ (اُس دن انسان سے حکومت چھن جائیگی۔ اُس دن یہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہوگا،) اُسدن حکومت اکیلے اللہ کی ہوگی۔ (اس کے لئے اتنی بڑی عدالت کچھ مشکل نہیں کیونکہ) وہ ساری مخلوق کے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جاننے والا اور بڑھ کر صاحبِ حکمت و صاحبِ خبر ہے۔

کُن فیکون اور نفخِ صور

● آیاتِ بالا میں تخلیقِ ارض و سماوات کی خبر کے بعد آیا ہے یَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ ۚ اور اسکے بعد آیا ہے یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ۔ واضح رہے کہ یہاں کُنْ فَیَکُوْنُ کا بدل آیا

ہے نفخِ صور، کیونکہ دونوں کیساتھ یومِ قیامت کا لایا گیا ہے۔ اِس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے پہلے کُن فَیَکُون کے ارشادِ خداوندی کی حقیقت کا جاننا ضروری ہے۔

● ۱ سورہ بقرہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔ بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۞ ۲/۱۱۷ وہ آسمانوں اور زمین کو از سرِ نو بنانیوالا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں کہ وہ بزبانِ قانون کہتا ہے ہوجا تو وہ اسکے اپنے متعیّن کردہ قوانین کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہوتا ہے۔

● ۲ سورہ آلِ عمران میں آیا ہے:۔ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۞ ۳/۴۷ وہ پیدا کرتا ہے اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق پیدا کرتا ہے۔ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں کہ اُسے اپنے قانون کی زبان سے کہتا ہے ہوجا تو وہ اُسکے متعیّن کردہ قوانین کی منزلیں طے کرکے ہوجاتا ہے۔

● ۳ سورہ نحل میں ارشاد ہُوا ہے:۔ اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰہُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۞ ۱۶/۴۰ سوائے اسکے نہیں کہ کسی چیز کیلئے ہمارا قول یہ ہے کہ جب ہم اُسکا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اُسے اپنے قانون کی زبان میں کہتے ہیں، ہوجا تو وہ ہمارے قانون کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہوجاتا ہے۔

● ۴ سورہ یٰسین میں بتایا گیا ہے:۔ اِنَّمَاۤ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۞ ۳۶/۸۲ سوائے اُس کے نہیں کہ اُس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے بزبانِ قانون کہتا ہے ہوجا تو وہ اس کے قانون کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہوجاتا ہے۔

● ۵ سورہ مومن میں ارشاد ہُوا ہے:۔ ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَۃٍ ثُمَّ یُخۡرِجُکُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّکُمۡ ثُمَّ لِتَکُوۡنُوۡا شُیُوۡخًا ۚ وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی مِنۡ قَبۡلُ وَلِتَبۡلُغُوۡۤا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۞ ھُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۞ ۴۰/۶۷-۶۸ وہ اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے کہ جس نے اے نوعِ انسانی تمہیں ابتداءً مٹی میں سے پیدا کیا۔ پھر افزائشِ نسل نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے ٹھہرائی۔ پھر تمہیں بچے کی صورت میں رحمِ مادر سے نکالتا ہے تاکہ تم جوانی کو پہنچو۔ پھر تاکہ تم بوڑھے ہوجاؤ۔ اور تم میں بعض ایسے ہیں جو (کسی قسم کے حادثے کے ہاتھوں جوانی اور بڑھاپے سے) پہلے فوت کردیئے جاتے ہیں۔ اور تاکہ تم نام رکھی ہوئی میعادِ (موت) کو پہنچو اور تاکہ تم عقل سے کام لو (کہ کیوں کوئی فرد جوانی اور بڑھاپے سے پہلے مرجاتا ہے) وہ اللہ ہی زندگی دیتا اور موت دیتا ہے۔ پھر جب وہ (زندگی یا موت میں سے کسی) کام کا فیصلہ کرتا ہے تو (اپنے قانون کی زبان سے) کہتا ہے ہوجا۔ تو وہ (اس کے قانون کی منزلیں طے کرکے) ہوجاتا ہے۔

● اللہ تعالیٰ کا نہ جسم ہے نہ زبان ہے کہ اُسکا قول باآواز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی وحی انبیاء علیہم السلام کرام کے کانوں

پر نہیں بلکہ انکے اذہان پر بے آواز نازل ہوتی تھی۔ سُورہ بقرہ میں ارشاد ہُوا ہے فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ 2/97
پس بیشک وہ جبریل اُسے (قرآن کو) اللہ کے قانون کے مطابق آپکے پاکیزہ ذہن پر نازل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زبان بے زبانی، اور بے زبان زمین و آسمان کے کلام کی مثال سُورہ سجدہ میں بیان ہُوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو بنانے کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہُوا۔

● ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ۝
41/11 پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہُوا وہ اُس وقت دُھواں ہی دُھواں تھا۔ پھر اس نے انہیں (آسمانوں) اور زمین کو (اپنے قانون کی زبان سے) کہا آجاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ اُن دونوں نے (بزبانِ حال) کہا کہ ہم دونوں خوشی کیساتھ آگئے ہیں۔

● آیت بالا میں قول بزبانِ قانون اور قول بزبانِ حال کی وضاحت کے بعد اب آیئے کُن فیکون کی طرف۔ اسکے متعلق یہ عوامی تصوّر از روئے قرآنِ کریم غلط ہے کہ اُدھر اللہ تعالیٰ نے کُن کہا اور ادھر کام ہوگیا۔ کیونکہ فیکون کی فا میں وقفہ محذوف ہے جو اُس کام کے انجام ہونے کے قوانینِ خداوندی کے مطابق لازم ہے۔ جیسے کہ عربی محاورہ ہے، نَكَحَ زَيْدٌ فَلَهٗ وَلَدٌ۔ یہاں فَلَهٗ کی فا میں وقفۂ حمل محذوف ہے اور اس جملے کا معنیٰ یہ ہے کہ زید نے نکاح کیا پھر اسکے ہاں (مدتِ حمل پورا ہونے کے بعد) بیٹا پیدا ہُوا۔

● اب غور فرمائیں کہ فیصلۂ خداوندی کے مطابق کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے کہتا ہے ہوجا پھر وہ ہوجاتا ہے۔ اِس طرح جب اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اُنہیں کہا کُن۔ اس پر فیکون کی فا کا وقفہ چھ ہزار سال بتایا گیا ہے۔ سُورہ سجدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ 32/4 اللہ تعالیٰ وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں میں موجود ہے چھ دنوں میں پیدا کیا —— اِس پر غور فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین اور ان کی جملہ موجودات کیلئے فیکون کی فا کی مدّت بتائی گئی ہے چھ دِن۔ مگر اللہ تعالیٰ کے دن کی بھی مدت ملاحظہ فرمائیں۔ اِسی سُورہ سجدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ
32/5 وُہ اللہ تدبیر کرتا ہے کام کی آسمان سے زمین کی طرف، پھر وُہ اُسکی طرف چڑھتا ہے (یعنی مکمل ہوتا ہے) ایک دِن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جو تم شمار کرتے ہو۔

● ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ ...... الخ کا مفہوم یہ ہے کہ جس کام کی اللہ تعالیٰ تدبیر کرتا ہے وہ اُسکے متعین کردہ قوانین کی منزل طے کر کے مکمل ہوتا ہے ایک دن میں جسکی مقدار ایک ہزار سال ہے —— یہاں تک اِس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ

تعالیٰ کے سب کام کُن فیکون کے ماتحت ہو رہے ہیں۔ ہر کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے قانون مقرر کر دیئے ہیں۔ سب کام عین اُن کے مطابق سرانجام ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ زندگی اور موت تک کا کوئی مرحلہ ذاتِ باری کے خود متعین کردہ قوانین کے خلاف نہیں ہو سکتا بالفاظِ دیگر آیتِ مجیدہ کُن فیکون میں خدا تعالیٰ نے اپنے متعینہ قوانین کی حکمیت کا اعلان کر دیا ہے۔

نفخ صور ● اب آیئے نفخ صور کی طرف! اور عرض کیا جا چکا ہے کہ آیتِ مجیدہ زیرِ بحث $\frac{6}{74}$ میں یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ بدل ہے یَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ کا۔ بالفاظِ دیگر قیامت کُن فیکون کی عملی صورت بتائی گئی ہے نفخ صور گویا اللہ تعالیٰ فرمائیگا کُن اور قیامت برپا ہو جائیگی۔ اِسی کُن کیلئے متبادل تفسیری الفاظ لائے گئے ہیں یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ جس دن صُور میں پھونک ماری جائیگی تو قیامت برپا ہو جائیگی۔ واضح رہے کہ پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں قیامت کے دو نفخ صُور بتائے گئے ہیں۔ پہلا وہ جس میں زمین کے اُوپر کی ہر چیز ختم کر دی جائیگی اور دُوسرا وہ جس کے ساتھ صرف نوعِ انسانی کے جملہ افراد کو زندہ کر کے عملوں کی جزا سزا کے لئے اپنے حضور میں حاضر کر لیا جائیگا:۔

نفخ اوّل ● نفخِ اوّل کا کیا نتیجہ ہوگا؟ اُسکے لئے ذیل کے متعدد الفاظ وارد ہوئے ہیں:۔

● **اَلزَّلْزَلَۃُ**۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ○ $\frac{22}{1}$ اے نوعِ انسانی! اپنے نشوونما دینے والے کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ بلاشبہ زلزلۂ قیامت بہت بڑی چیز ہے۔ بالفاظِ دیگر قیامت کے نفخِ اوّل کا نتیجہ بہت بڑا زلزلہ ہوگا۔

● **اَلْقَارِعَۃُ**۔ اَلْقَارِعَۃُ ○ مَا الْقَارِعَۃُ ○ $\frac{101}{2-1}$ کھٹکھٹانیوالی۔ کیا ہے وُہ کھٹکھٹانیوالی۔ اِن الفاظِ قرآنیہ سے ثابت ہُوا کہ نفخِ اوّل سے جو عظیم زلزلہ آئیگا، اُسکی بدولت زمین بھر کی ہر چیز کھٹکھٹانے لگ جائیگی۔

● **اَلصَّآخَّۃُ**۔ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّۃُ ○ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ ○ وَاُمِّہٖ وَاَبِیْہِ ○ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ ○ $\frac{80}{36 تا 33}$ پھر جب بہرہ کر دینے والی آئیگی۔ اُس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگ جائیگا، اپنی ماں سے اور باپ سے، اپنی بیوی اور بیٹے سے بھاگ جائیگا۔ اس آیتِ مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ نفخ صورِ اوّل سے عظیم زلزلہ کیساتھ مہیب آواز بھی پیدا ہوگی جس سے کان بہرے ہو جائینگے۔

● **اَلْوَاقِعَۃُ**۔ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ ○ لَیْسَ لِوَقْعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ○ خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ○ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ○ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ○ $\frac{56}{5 تا 1}$ جب واقعہ ہونیوالی واقعہ ہو جائیگی۔ اُسکے واقعہ ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ جب زمین شدید حرکت کیساتھ ہلا دی جائیگی اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

● **اَلسَّاعَۃُ**۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰہَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُہَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْہَا لِوَقْتِہَآ

اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ ۷/۱۸۷ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں اَلسَّاعَۃ (قیامت کے نفخِ اوّل) کے متعلق کہ اُس کا واقعہ ہونا کب ہوگا ۔ آپ کہہ دیجئیگا سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ نہیں ظاہر کریگا اسے اُسکے وقت پر مگر صرف وہی ظاہر کریگا ۔ وہ ساعت آسمانوں اور زمین میں بہت بھاری ہے، وہ نہیں آئیگی تمہارے پاس مگر اچانک لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے کہ آپ اُس میں بحث کرنیوالے ہیں ۔ کہہ دیجئیگا، سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ اسکا علم اللہ کے پاس ہے اور لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے ۔

● اَلصَّاعِقَۃ ۔ سورہ زمر میں ارشاد ہوا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ٥ ۳۹/۶۸ اور صُور میں پھونک ماری جائیگی پھر ہر جاندار جو زمین میں ہے اور جو آسمانوں میں ہے سب بے ہوش ہو کر مر جائینگے سوائے اُسکے جو اللہ کے قانون مشیت میں مستثنٰے ہو ۔ (اس اِلَّا کو استثنٰے بالمشیّت کہتے ہیں جو ماقبل مذکور کی تاکید کیلئے آتا ہے یعنی یقیناً سب مر جائیں گے) اور پھر صُور میں دوسری پھونک ماری جائے گی تو اُس وقت زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے ۔ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے ۔

● یہاں تک آپنے نفخِ اوّل کے متعلق جان لیا ہے کہ اُس سے ایک عظیم زلزلہ برپا ہوگا ۲۲/۱ اور ہر چیز کھٹکھٹانے لگیگی ۱۰۱/۱ ساتھ ہی اتنی زور کی آواز پیدا ہوگی کہ لوگ بہرے ہو کر ۸۰/۳۳ مر جائینگے ۳۹/۶۸ زمین شدت کیساتھ ہلائی جائیگی ۹۹/۱ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائینگے ۵۶/۵ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۵۵/۲۶ اور کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ ۲۸/۸۸ میں فانٍ اور ھالکٌ دونوں اسم فاعل ہیں، جن سے ثابت ہے کہ کائنات میں ہر آن ہلاکت و فنا یعنی توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے جبکی تصدیق سائنس کر چکی ہے ۔

سائنسدانوں کے سوال کا جواب ● یہاں پہنچ کر سائنسدان سوال کر سکتے ہیں کہ جب خدا تعالٰی کا کُن اُسکے متعیّنہ قوانین کے مطابق انجام پذیر ہوتا ہے تو بتایا جائے کہ نفخِ صُور کی عملی شکل کیا ہوگی اور کن قوانینِ خداوندی کے مطابق الزلزلۃ، القارعۃ اور الصّاخّۃ وغیرہ بروئے عمل آسکیں گی ۔ اس اہم سوال کا جواب عالمی مشاہدات کے مطابق لفظ زلزلہ کے اندر موجود ہے ۔ زلزلۂ قیامت کو اللہ تعالٰی نے عظیم زلزلہ بتایا ہے ۔ مگر عام زلزلے تو ابتداءِ آفرینش ہی سے آرہے ہیں ۔

● زلزلے کیوں آتے ہیں؟ اس کیوں کا جواب خود سائنسدان حضرات کے ہاں مسلّمہ ہے کہ زمین کے بطن میں ہر آن عظیم لاوا کھول رہا ہے جو ہر وقت باہر نکلنے کی کوشش کرتا رہتا ہے ۔ بعض دفعہ یہی لاوا کسی چٹان کی چوٹی کو پھاڑ کر باہر نکل آتا ہے اس طرح زمین سے نکلنے لاوے کا یہ عمل ایک طرف تو اپنے دائرۂ عمل تک زمین میں زلزلہ پیدا کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ چٹان کے جس مقام پہ سوراخ کر کے زور سے نکلتا ہے وہاں زوردار آواز بھی پیدا کرتا ہے ۔ بعض دفعہ آواز کی شدت سے

وہاں کے لوگ بہرے ہو جاتے ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ وہی لاوا جب ٹھنڈا ہوتا ہے تو سائنسدان حضرات یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں کہ زمین کے اندر کون کونسے عناصر موجود ہیں جن کے آمیزے سے زمین کے بطن میں ہر آن لاوا کھولتا رہتا ہے۔

● یہ تو ہوا زلزلہ کی آمد کا ایک سبب کہ لاوا کسی مقام پر زور کیساتھ باہر آ کر زلزلے کا موجب بنتا ہے۔ اور زلزلے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی وقت زمین کے شکمی لاوے میں کسی مقام پر آتش گیر عناصر کے ذخیروں کا اتصال ہوتا ہے اور زمین کے اندر ایک عظیم دھماکہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کی بدولت زمین کے اس حصے میں مذکورہ دھماکے کی شدت کے مطابق بڑا یا چھوٹا زلزلہ آتا ہے، اگر وہ زمینی لاوے کا شکمی دھماکہ بڑی مقدار کا ہو تو بستیوں کی بستیاں غرق کر دیتا ہے۔ بھارت میں کانگڑہ اور پاکستان میں کوئٹہ کی تباہی زمین کے شکمی دھماکے کا زندہ ثبوت ہے

● پس اگر معمولی سا غور بھی کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر عیاں ہو جاتی ہے کہ ہماری زمین اور جملہ کرہ ہائے سماوی کے شکموں میں ہر آن لاوا کھول رہا ہے جو کرّوں کے ہر مقام پر ہر آن باہر نکلنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ نفخ اوّل کے وقت اس اندرونی لاوے میں اندرونی آتشگیر ذخیرے جو الگ الگ محوِ عمل ہیں، اُن کے باہمی اتصال کی بدولت (جو اس قانون کے مطابق عمل میں آئیگا کہ وہ ذخیرے ہر آن باہر نکلنے کی کوشش میں ہیں) بہت عظیم دھماکوں کا موجب ہونگے۔ لاوا جگہ جگہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں کو پھاڑ کر باہر نکل آئیگا۔ جس کی بدولت ہزاروں لاکھوں زلزلے بیک وقت پیدا ہوں گے، سارے کے سارے کرّے بیک وقت شدید حرکت کیساتھ کھٹکھٹانے لگینگے اور پوری کائنات میں القارعہ کی حالت پیدا کر دینگے۔

● اور اسکے ساتھ ہی لاوے کے زوردار اخراج کی بدولت اَلصَّآخَّةُ کی عملی صورت پیدا ہو گی۔ اتنی زور کی عالمگیر آواز جو کانوں کو بہرہ کر دیگی۔ پہاڑوں کی چٹانوں میں شدید دھماکوں کی بدولت چھوٹے بڑے سب پہاڑ اُڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا کی عملی شکل پیدا ہو جائیگی۔ اِسی عین قانونی عمل کو قرآن کریم میں اِس کے وقوع کو شک وشبہ سے پاک کرنے کیلئے ارشاد ہوا ہے لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ۔

● اور یہی وہ زلزلۂ عظیم ہے جسے صاعقہ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے :- وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ $\frac{۳۹}{۶۸}$ اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں سب جاندار مر جائیں گے۔ بالکل ایسا ہی ہو گا۔ تیرے پروردگار کی مشیت یہی ہے۔ اس آیت مجیدہ میں آمدہ الفاظ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ زلزلہ، قارعہ، صاعقہ اور صیحہ کی مصدری عملی حالت قیامت کو صرف زمین ہی میں نہیں ہو گی بلکہ جملہ کرجات سماوی کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائینگے

اور تمام جاندار مر کر ختم ہو جائیں گے۔

صُور کیا ہے؟ • مندرجہ بالا صُور کے نفخ اوّل کی پُوری بحث میں، لفظ صُور کا معنیٰ و مفہوم بیان نہیں ہُوا۔ یہ معمہ تا ہنوز حل نہیں ہو سکا کہ وہ صُور کیا چیز ہے جس میں قیامت کو پھونک ماری جائیگی۔ روائتی تفاسیر میں اسکے متعلق یہ مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسرافیل فرشتے کو روزِ آفرینش ہی سے نرسنگھا دے کر کھڑا کر دیا ہے وُہ نرسنگھے سے مُنہ لگائے منتظر کھڑا ہے کہ جب اُسے حکم دیا جائیگا تو وہ اُس میں پھونک مار دے گا۔ اُس نرسنگھا کی آواز اتنی ہیبت ناک ہو گی کہ پُوری زمین پر زلزلہ آ جائیگا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور پُورے جاندار موت کے گھاٹ اُتر جائیں گے۔

• لیکن خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب صحیفۂ فطرت کی آیاتِ مبارکہ کے مطالعہ سے، یہ کائناتی شہادتیں روزِ آفرینش سے آپکے سامنے موجود ہیں، جن کا انکار دن کو رات اور سورج کو تاریک قرار دینے کے مصداق ہے، وہ یہ کہ زمین کا پیٹ لاوے سے بھرا پڑا ہے، جب اُس لاوے میں کوئی شکمی دھماکہ پیدا ہوتا ہے تو زلزلہ آتا ہے اور یا وہ کسی پہاڑ کی چٹان میں سُوراخ کر کے زور سے نکلتا ہے تو زلزلہ بھی آتا ہے، کانوں کو بہرہ کرنیوالی ہیبتناک آواز بھی پیدا ہوتی ہے۔ دروازے اور کھڑکیاں بھی کھٹکھٹانے لگتی ہیں، اور اگر زلزلہ شدید ہو تو بستیوں کی بستیاں غرق بھی ہو جاتی ہیں اور ہزاروں لاکھوں جاندار بھی موت کے آغوش میں پہنچ جاتے ہیں۔

• سابقہ صفحات میں پیش کیگئی صحیفۂ کائنات کی آیاتِ مبارکہ کی زندہ شہادتوں کے مطابق جب زمین سمیت جملہ کرہ جات کا لاوا زلزلۂ عظیم کی صُورت میں نمودار ہو گا تو قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق السّاعۃ، القارعۃ، الصّاخہ، یعنی القیامۃ برپا ہو جائیگی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ارض و سماوات کے سب جاندار مر جائینگے۔ پس صحیفۂ کائنات کے اِن ناقابلِ انکار دلائلِ قاطعہ کے مطابق صُور (نرسنگھا) وہ سُوراخ ہونگے جن کے راستے زور کا لاوا نفخ کرتا ہُوا، مذکورہ سُوراخوں میں پھونک مارتا ہُوا نمودار ہو گا اور يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۴۴/۱۰ کی قرآنی خبر کے مطابق سارے آسمان دھوئیں سے بھر جائینگے۔

ایک علمی نکتہ • واضح رہے کہ نفخِ صُور قرآن مجید میں افعال ماضی یا افعال مضارع میں صرف بصورتِ فعل مجہول مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ آیا ہے۔ یعنی فعل ماضی مجہول میں نُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۱۸/۹۹ ۲۳/۱۰۱ ۳۶/۵۱ ۳۹/۶۸ ۵۰/۲۰ اور ۶۹/۱۳ میں آیا ہے۔ اور فعل مضارع مجہول میں یُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۶/۷۳ ۲۰/۱۰۲ ۲۷/۸۷ اور ۷۸/۱۸ میں آیا ہے اور اس امر میں بھی اہلِ علم کو مجالِ انکار نہیں کہ افعال مجہول میں فاعل کی تلاش کلام کے سیاق و سباق اور مشاہداتی قرائن کے مطابق کرنا ہوتی ہے۔ پس مشاہداتِ صحیفۂ فطرت کے مطابق جسطرح روزِ آفرینش ہی سے خدا تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کے مطابق زلزلوں کا سبب زمین کے شکمی لاوے کی تبخیر ہے تو خدا تعالیٰ کے اسی قانونِ جاریہ کے مطابق

قیامت کے زلزلۂ عظیم کا سبب بھی مذکورہ لاوا ہی ہوگا۔ اور اَلصُّوْر اُن سوراخوں کا نرسنگھا یا بِگل ہوگا جو لاوے کی شکلی تجیر کے زور سے زمین سمیت جملہ کرّہ جاتِ سماوی کے پہاڑوں کی چوٹیوں میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں قانونِ خداوندی کے مطابق پیدا ہو کر شورِ قیامت برپا کر دینگے۔

نفخِ ثانی

● نفخِ اوّل کا عمل وَرآمد ہو چکنے کے بعد نفخِ ثانی میں لاوے کا زور ٹوٹ چکا ہوگا۔ اور مخصوص گیسوں سے معمور پانی کی بارش برسائی جائیگی جس سے نوعِ انسانی زندہ ہو کر اُٹھ کھڑی ہو گی۔ سورہ زمر میں نفخِ اوّل کا ذکر کرنے کے بعد نفخِ ثانی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ۝ ۳۹/٦۸ پھر اس میں دُوسری پھونک ماری جائیگی۔ پھر اچانک کھڑے ہو جاتے ہیں دیکھتے ہونگے۔

● سُورہ یٰسٓ میں ارشاد ہُوا ہے:۔ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ۝ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ۳٦/۵۱ تا ۵۴۔

(مفہوم) اور صور میں پھونک ماری جائیگی پھر وہ اچانک اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف بھاگ کر آجائیں گے۔ کہینگے افسوس کہ ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا ہے۔ (یہ وہ دِن ہے) جس کا رحمان نے وعدہ دیا تھا۔ اور اللہ کے رسُولوںؑ نے سچ کہا تھا۔ نہیں ہو گی وہ صرف ایک ہی آواز۔ پھر وہ سب کے سب اچانک ہمارے حضور حاضر ہو جائینگے۔ پھر اُس دن کسی جان پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔ تم نہیں دئیے جاؤگے (اچھا یا بُرا) بدلہ مگر انہی عملوں کا جو تم (اچھے یا بُرے) اعمال خود بجالاتے تھے۔

● سورۂ نبا میں ارشاد ہُوا ہے:۔ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۷۸/۱۸ جس دن صُور میں پھونک ماری جائیگی تو (اے نوعِ انسانی) تم گروہ در گروہ (ہمارے پاس) آؤگے۔

● سُورہ مومنون میں بتایا گیا ہے:۔ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝ ۲۳/۱۰۱ پھر جب صُور میں پھونک ماری جائیگی تو اُس دِن اُن (نوعِ انسانی) کے درمیان کوئی حسب نسب نہیں ہوگا اور نہ ہی اُس دن یہ سوال کیا جائیگا کہ تو کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

● ہوسکتا ہے کہ یہاں پہنچ کر کسی ذہن میں یہ سوال کروٹیں لے رہا ہو کہ اُوپر پیش کی گئی آیتوں میں نہ نفخِ اوّل کے متعلق صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ سب لوگ مر جائیں گے بلکہ بیہوش ہو جانے کے الفاظ آئے ہیں اور نہ نفخِ ثانی کے ضمن میں صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ مُردے جی اٹھینگے۔ کیونکہ نفخِ اوّل کیلئے ذیل کے الفاظ آئے ہیں:۔ القیامۃ کا مصدری معنی ہے اچانک اُٹھ کھڑا ہونا۔ السّاعۃ کا معنی ہے ایک مخصوص

گھڑی الواقعة کا معنی ہے واقع ہونیوالی۔ القارعة کا معنی ہے کھٹکھٹانیوالی۔ الصیحة کا معنی ہے زور کی آواز چیخ و پکار وغیرہ۔ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۳۹/۶۸ کا معنی ہے آسمانوں اور زمین کے سب جاندار بے ہوش ہوجائینگے۔ کسی بھی لفظ کا یہ معنی نہیں ہے کہ سب مرجائینگے۔

● اور اسی طرح نفخ ثانی کیلئے بھی یہ الفاظ نہیں آئے کہ مُردے جی اُٹھینگے۔ اسکے ضمن میں یہ الفاظ آئے ہیں فَاِذَا هُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ۔ ۳۶/۵۱ وہ اچانک اپنے رب کی طرف بھاگ کھڑے ہونگے۔ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۷۸/۱۸ کا معنی یہ ہے کہ تم اس دن فوج در فوج (ہمارے پاس) آؤ گے وغیرہ وغیرہ۔

● جواباً عرض ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس عنوان کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صرف دو مقامات پیش کئے جاتے ہیں :۔

ا۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے :۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ ۲/۲۸ (اے نوعِ انسانی!) تم اللہ تعالیٰ کا انکار کس طرح کرتے ہو جبکہ تم نیست تھے۔ پھر تمہیں زندگی دی۔ پھر تمہیں موت دے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا (قیامت کو) پھر تم (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤگے ——— اِس آیت میں ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ کے الفاظ میں قیامت کو زندگی دینے یعنی مُردوں کو زندہ کرنے کی خبر دیگئی ہے۔

ب۔ اِسی طرح سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے :۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ ۲۰/۵۵ (اے نوعِ انسانی!) ہمنے تمہیں ابتدا میں زمین میں سے پیدا کیا اور تم کو ہم (قیامت کو) دوسری مرتبہ بھی اسی زمین سے نکال لینگے۔ اس آیت مجیدہ میں بھی موت کے بعد دوسری مرتبہ زمین میں سے نکالنے زندہ کرنے کے متعلق مطلع کیا گیا ہے۔

ج۔ سورہ المومنون میں ارشاد ہوا ہے (ترجمہ) اے نوعِ انسانی! ہمنے تمہاری ابتدائی پیدائش مٹی کے جوہر سے کی۔ پھر تمہاری افزائش نسل رحمِ مادر میں نطفہ سے ٹھہرائی پھر ہم اُسے جمے ہوئے خون میں تبدیل کردیتے ہیں۔ پھر اُسے گوشت کا لوتھڑا بنادیتے ہیں۔ پھر ہم اس میں ہڈیاں پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہم ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں اور پھر ہم آخری حالت یعنی بچے کی صورت میں پیدا کردیتے ہیں۔ بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو احسن الخالقین ہے (احسن تخلیق پیدا کرنیوالا ہے) ۲۳/۱۲ تا ۱۴

● انسان کی اس ابتدائی اور رحمی تخلیق کی وضاحت کے بعد ارشاد ہوا ہے :۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ ۲۳/۱۵-۱۶ پھر بیشک تم پیدا ہونے کے بعد (زندگی گزار کر) مرجاتے ہو۔ پھر بیشک تم (مرنے کے بعد) قیامت کے دن زندہ کئے جاؤگے ——— اِن جملہ آیاتِ مقدسہ میں مرنے کے بعد

دوبارہ قیامت کے دن زندہ کئے جانے کی یقینی خبر دی گئی ہے۔ جو لوگ قیامت کے قریب پہلے یا دُور پہلے کے مرے ہوئے ہونگے انکی بھی قیامت کو بعثت ہو جائیگی اور جو لوگ زلزلۂ قیامت کیساتھ قیامت کے دن مرینگے وُہ بھی زندہ کر لئے جائیں گے۔ اِس کی وضاحت بھی قرآن مجید کے متعدد مقامات پر موجود ہے۔ صرف دو ایک مقامات حاضر خدمت ہیں :۔

● سُورہ قیامت میں ارشاد ہُوا ہے :۔

لا۔ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰى قٰدِرِيۡنَ عَلٰٓى اَنۡ نُّسَوِّىَ بَنَانَهٗ ۝ ۵-۳/۷۵ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں جمع نہیں کرینگے۔ ہاں ہم تو اس امر کا بھی قانون بنانیوالے ہیں کہ اسکے پورے پورے کو صحیح سالم کریں۔

ب۔ سُورہ یٰسٓ میں منکرِ قیامت کا قول درج ہے اور اُسکا جواب خود آنحضورؐ سے دلوایا گیا ہے :۔ قَالَ مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ ۝ قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ ۷۸-۷۹/۳۶ (قیامت کا منکر) کہتا ہے کہ (برسوں کی گلی سڑی) ہڈیوں کو کون زندہ کریگا۔ اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ انہیں وہی زندہ کریگا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

ج۔ سورہ واقعہ میں استحصالی مجرموں کا قول درج ہے اور اُسکا جواب خود آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے دلوایا گیا ہے :۔ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُتۡرَفِيۡنَ ۚ وَكَانُوۡا يُصِرُّوۡنَ عَلَى الۡحِنۡثِ الۡعَظِيۡمِ ۚ وَكَانُوۡا يَقُوۡلُوۡنَ ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ۝ قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِيۡنَ وَالۡاٰخِرِيۡنَ ۙ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۙ اِلٰى مِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۝ ۴۵ تا ۵۰/۵۶

(مفہوم) بیشک وُہ اِس سے پہلے دُوسروں کی کمائی کھانیوالے تھے۔ اور وُہ اِس گناہِ عظیم پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر لئے جائیں گے۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجیئگا بیشک پہلے اور پچھلے سب کے سب مقررہ معلومہ دِن کو (زندہ کر کے) جمع کر لئے جائینگے۔

● حاصل کلام یہ کہ :۔

خلاصہ کلام سابقہ صفحات سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ قیامت کے دن قانونِ خداوندی کے مطابق زمین سمیت جملہ کرہ جات کا شگلی لاوا پہاڑوں کی چٹانوں سے اُسی طرح پھٹ پڑیگا جس طرح روزِ آفرینش سے آتش فشاں پہاڑ پھٹتے رہتے ہیں۔ اور زلزلے پیدا کرتے ہیں۔ قیامت کے زلزلۂ عظیم کے ذریعہ تمام کرّوں میں کائنات خیز زلزلہ آئیگا۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ارض و سماوات کے جاندار سب مر جائیں گے۔

● اخیر پر اِس امر کی وضاحت بھی لازم ہے کہ زلزلۂ قیامت سے زمین اور آسمان ختم نہیں ہونگے، اُن پر موجود جاندار مر جائینگے۔ عمارتیں اور پہاڑ اُڑ اُڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائینگے۔ زمین و آسمان اُسوقت ختم کئے جائیں گے جب

اہلِ جنت کی جزا اور اہلِ دوزخ کی سزا کا وقفہ پورا ہو جائیگا۔ سورہ ہود میں اہلِ نار کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

● فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۱۱/۱۰۶-۱۰۷ پھر جو شقی ہونگے، پس وہ آگ میں ہونگے۔ اُنکے لئے اُس میں چیخنا اور چلّانا ہے۔ وہ اُس میں اُس وقت تک ہمیشہ رہینگے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں۔

● اسی طرح اہلِ جنت کے متعلق بھی ارشاد ہوا ہے:۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۱۱/۱۰۸ اور جو نیک لوگ ہونگے وہ جنت میں ہونگے۔ وہ اُس میں اُس تک رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں ـــــ ان آیات مجیدہ سے ثابت ہوا کہ قیامت کے عظیم زلزلوں سے زمین اور آسمان تباہ و فنا نہیں ہونگے، بلکہ کرّہ جات کے اوپر کی چیزیں ختم ہو جائینگی۔ جیسے کہ سورہ الرحمٰن میں ارشاد ہوا ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۵۵/۲۶ جو کچھ زمین کے اوپر موجود ہے، زلزلۂ قیامت سے وہ سب فنا ہو جائیگا۔ آسمان اور زمین تباہ نہیں ہونگے۔

● اہلِ جنت کے وقفۂ جنت میں جو انکے متعلق سورہ نساء میں بتایا گیا ہے وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ○ ۴/۵۷ اور ہم انہیں گھنے سایوں میں داخل کرینگے۔ سایوں کی موجودگی سورج کی موجودگی کی مخبر ہے اور اس کے طلوع و غروب کے نظام شمسی کے قیام کی بھی دلیل قاطع ہے ـــــ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے جملہ مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زمین و آسمان ہمیشہ نہیں رہینگے اور نہ اہلِ نار و اہلِ جنت اللہ تعالیٰ کی طرح ہمیشہ زندہ رہینگے۔ بلکہ اپنے وقت پر زمین و آسمان بھی فنا کر دیئے جائینگے اور اہلِ جنت و اہلِ نار بھی اپنی اپنی جزا سزا پا چکنے کے بعد ختم کر دیئے جائینگے۔ قیام و بقا صرف اور صرف ذات باری کیلئے ہے:۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۲۸/۸۸ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہو جانیوالی ہے۔

نفخ ثانی کے متعلق سائنسدانوں کا ایک اہم مشاہداتی سوال

● جس طرح قیامت کے نفخ اوّل کے متعلق سائنسدانوں کے اعتراض کا جواب پیچھے گزر چکا ہے کہ قیامت کا زلزلۂ عظیم کس قانونِ خداوندی کے مطابق آئیگا اور وہ صُور کیا چیز ہے جس میں پھونک ماری جائیگی اور کس قانونِ خداوندی کے مطابق ماری جائیگی۔ اسی طرح قیامت کے نفخ ثانی کے متعلق بھی سائنسدان حضرات کا سوال ہے کہ کس قانونِ خداوندی کے مطابق کروڑہا سال کے مُردے زندہ ہو جائینگے۔ کتاب لاریب میں اللہ تعالیٰ کے کئے گئے دعوے ہرگز ہرگز جھوٹے نہیں ہیں۔ اُس نے اپنے متعینہ قوانین کے متعلق اعلان کر رکھا ہے:۔

● لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۴ اللہ تعالیٰ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

● لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۶/۱۱۶ اس کے (اللہ تعالیٰ کے) قوانین کو کوئی بدلنے والا ہی نہیں۔

• مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ ۵۰/۲۹ میرا قول خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا اور نہ ہی میں اپنے قول کو بدل کر بندوں پر ظلم کرنیوالا ہوں ــــ اُس نے ہر چیز کے غیر متبدل قوانین متعین فرما دیئے ہیں :ــ

• وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝ ۲۵/۲ اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اُسکے لئے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قانون مقرر کر دیئے ہیں۔

• اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُس نے قیامت کے دن مُردوں کے زندہ ہونے کا قانون مقرر کر رکھا ہے؟ اِس کا عقلی جواب تو یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے قانون متعین کرنے کا اٹل دعویٰ فرمایا ہے تو پھر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ جب اُس نے قیامت کے دن مُردوں کے زندہ ہونے کی خبر دیدی ہے تو اُسکے لئے قانون متعین نہ فرمایا ہو؟ اسکا ایک ہی جواب ہے کہ ضرور ضرور متعین فرمایا ہے۔

• اور نقل کی رُو سے یعنی اِسکا قرآنی جواب سورہ قٓ میں بالفاظِ ذیل دیا گیا ہے :ــ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۖ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ۝ ۵۰/۹ تا ۱۱

(مفہوم) اور ہم آسمان سے برکت والا پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اُسکے ساتھ باغات اور کاٹا جانے والا اناج پیدا کرتے ہیں۔ اور تہ بہ تہ گابھے والی لمبی لمبی کھجوریں پیدا کرتے ہیں۔ جو بندوں کیلئے رزق ہے۔ اور ہم اُس برکت والے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ (جسطرح ہم برکت والے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں) اُسی طرح ہے (مُردوں کا زندہ ہو کر زمین میں سے) نکلنا ــــ اِسی سورت مجیدہ میں مزید ارشاد ہُوا ہے :ــ

• يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝ ۵۰/۴۲ جس دِن لوگ (قیامت کی) چیخ کو حق کے ساتھ سُنیں گے یہ (زمین سے زندہ ہو کر) نکلنے پڑنے کا دِن ہے ــــ اِسی خروج یعنی مُردوں کے زندہ ہو کر زمین سے نکلنے کی خبر سورہ طٰہٰ میں بالفاظِ ذیل دیگئی ہے :ــ

• مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۝ ۲۰/۵۵ (اے نوعِ انسانی!) ہمنے تمہیں پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا۔ اور (تمہارے مرنے کے بعد) ہم تمہیں اِسی زمین کو لوٹا دیتے ہیں۔ اور (قیامت کو) ہم تمہیں اِسی زمین میں سے نکال لیں گے۔

کِس قانون کے مطابق نکال لینگے

• قیامت کو مُردوں کو زندہ کرنے کا قانون كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ۵۰/۱۱ کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ جس طرح آسمان سے مَاءً مُّبَارَكًا برکت والا پانی نازل کرکے مُردہ زمین کو زندہ کیا جاتا ہے اُسی طرح مَاءً مُّبَارَكًا نازل کر کے قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کر کے زمین میں سے نکال لیا جائیگا۔ سورہ قٓ کی آیتِ بالا ۵۰/۹ میں نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا کے الفاظ میں مُردہ زمین کو زندہ کرنے کیلئے جو صرف فَنَا ؟ کا

لفظ نہیں لایا گیا بلکہ اس کے ساتھ مُبٰرَکًا کی تخصیص عائد کردی ہے۔ تو ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا خود متعین کردہ قانون یہ ہے کہ زمین جب بار بار فصلیں پیدا کر کے اور خشک سالی کی بدولت مرجاتی ہے فصلیں پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی اُسے مَآءً مُّبٰرَکًا کیساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔

مَآءً مُّبٰرَکًا کیا ہے

● زمین کس طرح مُردہ ہوجاتی ہے؟ اس کا جواب صحیفۂ فطرت خدا تعالیٰ کی کتاب کائنات کی تجزیاتی آیات مجیدہ کی رُو سے یہ ہے کہ اُس میں امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ ختم ہو جاتی ہیں۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون جاریہ کے مطابق ہواہیں مذکورہ معدنی اور نامیاتی گیسیں پیدا کر رکھی ہیں جو مُردہ اور ذبح کردہ جانوروں، انسانی وحیوانی بول و براز اور گلے سڑے کوڑا کرکٹ وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں اور ہوا میں مل کر اُڑتی چلی جاتی ہیں۔ بارش کے قطرے ان گیسوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے قانونِ جاریہ کے ذریعہ ہر آن معروفِ عمل رہتے ہیں۔ اسطرح بارش کا وہ پانی جس نے اپنے اندر مذکورہ بالا معدنی اور نامیاتی گیسوں کو جذب کر رکھا ہوتا ہے، قرآنِ کریم نے اُسے مَآءً مُّبٰرَکًا کہا ہے۔ جب مذکورہ گیسوں سے معمور مبارک پانی مردہ زمین پر برستا ہے تو اُسکی کمی پوری کر کے اُسے زندہ کر دیتا ہے۔

● خداوند تعالیٰ نے قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکالنے پر سُورہ قٓ کی آئتِ بالا بطور مثال پیش کی ہے۔ واضح رہے کہ مُردہ زمین کو مَآءً مُّبٰرَکًا کیساتھ زندہ کرنے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ ۵۰/۱۱ اہلِ قواعد سے مخفی نہیں کہ کَذٰلِکَ میں کاف حرفِ تشبیہ ہے، مبارک پانی (یعنی امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ سے معمور پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنا مشبہ بہٖ ہے اور اَلْخُرُوْجُ مشبہ ہے۔ بالفاظِ دیگر مُردہ زمین کے زندہ ہونے کے ناقابلِ انکار مشاہدے کی مثل ہوگا مُردوں کا زمین سے زندہ ہو کر خارج ہونا۔ اسکے ساتھ ہی ایک اور مسلمہ حقیقت کو بھی نگاہ میں رکھئے گا۔

● وہ یہ کہ مثال مثال ہوتی ہے، اصل وعین تو ہوتی نہیں مگر جس چیز کی مثال دی جاتی ہے اُسکے ساتھ اُسکا خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ ۵۰/۱۱ کی مثال کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ میں مَآءً مُّبٰرَکًا کا تعلق خصوصی ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہ جس طرح مذکورہ گیسوں سے معمور پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کر لیا جاتا ہے، اُسی طرح اُن گیسوں سے معمور پانی کیساتھ مُردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکال لیا جائیگا جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے قوانینِ خداوندی میں متعین ہوچکی ہوئی ہیں۔

● آگے بڑھنے سے پہلے سُورہ طٰہٰ کی آئت نمبر ۲۰/۵۵ پر ایک مرتبہ پھر غور فرمائیں ؎ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۰ ۲۰/۵۵ ہم نے تمہیں زمین میں سے پہلی مرتبہ پیدا کیا (نکالا تھا) پھر ہم تمہیں اسی میں لوٹا دیتے ہیں اور دوسری مرتبہ بھی اسی میں سے نکالیں گے —— اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی پہلی تخلیق کے وقت

بھی آسمان سے اُن گیسوں سے معمور بارش برسائی گئی تھی جو نوعِ انسانی کی پیدائش کیلئے کائناتی قوانین میں ذاتِ باری نے خود متعین فرمائی تھیں۔ وہ گیسیں کون کونسی ہیں۔ اِسکا علم صرف اور صرف ذاتِ باری کو ہے، کیونکہ زندگی کو عالمِ وجود میں لانے والا بھی وُہی ہے اور قیامت کو مُردہ انسان کو دوبارہ زندگی دینا بھی صرف اور صرف اُسی کا کام ہے۔ انسان کیلئے ناممکن ہے کہ مُردوں کو زندہ کر سکے۔ یعنی وہ گیسیں معلوم کر سکے جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے متعین کیگئی ہیں۔

● حاصل کلام یہ کہ $\frac{۵۰}{۱۱}$ کی قرآنی سند کے مطابق انسان کی مُردہ ہڈیوں کو اُسی طرح قیامت کو زندہ کیا جائیگا جس طرح مُردہ زمین کو مَاءً مُّبٰرَكًا یعنی امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ کو جذب کردہ پانی کے ساتھ زندہ کر لیا جاتا ہے، اِس سے ثابت ہُوا کہ انسان کی ہڈیوں کو زندہ کرنے کیلئے بھی خداتعالیٰ نے ایسی گیسیں متعین کر رکھی ہیں کہ قیامت کو اُن سے معمور مُبارک پانی برسا کر ہڈیوں کو زندہ کر لیا جائیگا۔ واضح رہے کہ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا $\frac{۲۵}{۲}$ کیمطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر تخلیق کیلئے بھی قوانین متعین فرما رکھے ہیں۔ انسان کا اُنہیں معلوم نہ کر پانا ان کے عدم کی دلیل نہیں۔

شعور کی واپسی ● اِس مقام پر پہنچ کر اِس اعتراض کا جواب دینا بھی لازم ہے جو نوعِ انسانی کے بعض حلقوں میں یہ تصوّر جگر لگا رہا ہے کہ اگر مُردہ ہڈیوں کو زندہ کر کے انسانی جسم کو صحیح سالم کر لینا تسلیم کر لیا جائے تو شعور کسطرح واپس آجائیگا۔ اگر واپس آجائیگا تو ماننا پڑیگا کہ وہ جسم سے الگ ہے جس پر موت کا اثر نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ شعور کا جسم سے الگ ہونا قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ بلکہ انسانی جسم میں شعور کا وجود آٹومیٹک انداز سے موجود ہے۔ ایک تو عالمگیر غلط فہمی یہ ہے کہ شعور یا عقل وبصیرت دل کے اندر ہے، حالانکہ دل تو محض ایک پمپ ہے جو جسم کے ہر حصّے میں ہر آن خون پہنچانے کی خدمت پر مامور ہے۔ پلاسٹک کا دل بنا کر اُس سے پمپنگ کی خدمت لی جا چکی ہے اور اس دوران میں مریض کے اندر شعور موجود ہوتا ہے کیونکہ وُہ دل میں نہیں بلکہ دماغ میں ہے۔ دماغ کے متعدد حصّوں شعبوں میں صرف ایک شعبہ ہے حافظہ کا۔ اِس حصّے میں بچپن سے لیکر موت تک کے واقعات محفوظ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ریکارڈ روم دماغ کے متعدد خانوں میں سے صرف ایک خانہ ہے۔ دماغ کی متعدد قوتوں میں سے صرف ایک قوت، قوتِ حافظہ کو موت سے الگ کسطرح رکھا جا سکتا ہے۔ اسکی باقی قوتیں، قوتِ متفکرہ، مدبّرہ، قوتِ مصوّرہ، متخیلہ اور قوتِ فیصلہ یعنی پیش آمدہ امور پر غور و فکر کرنے کا خانہ الگ ہے۔ اور غور و فکر کے بعد قوتِ فیصلہ ایک الگ قوت ہے۔ بعض افراد میں غور و فکر کی قوت تو ہوتی ہے مگر اُنکی قوتِ فیصلہ نابود یا کمزور ہوتی ہے۔ پھر قوتِ نافذہ کا الگ خانہ ہے جو ہر خطرے کے وقت انسانی اعضاء کو حکم دیتی ہے اور وُہ فوراً عمل درآمد کرتے ہیں۔ مثلاً جب انسانی جسم کسی وجہ سے دائیں طرف گرنے لگتا ہے تو قوتِ نافذہ بائیں بازو کو حکم دیتی ہے وُہ فوراً اُٹھ جاتا ہے اور جسم کا توازن صحیح کر دیتا ہے۔ اِسی طرح اگر انسانی جسم کسی وجہ سے بائیں طرف گرنے لگتا ہے تو قوتِ نافذہ دائیں بازو کو حکم دیتی ہے وہ فوراً اُٹھ جاتا ہے اور جسم کو گرنے سے بچا لیتا ہے۔ جسم پر کوئی ضرب یا خراش آجائے تو قوتِ نافذہ دل کو

حکم دیتی ہے، وہ زور زور سے چلنا شروع ہو جاتا ہے تاکہ گردشِ خون جلد از جلد بحال ہو جائے۔ الحاصل یہ کہ دماغ کی متعدد قوتوں میں سے صرف قوتِ حافظہ کو زندہ رکھنے کی کیا تُک ہے۔ اصل غلطی یہ ہوگی ہے کہ انسانی جسم کو ایک ناکارہ چیز قرار دیکر بعض لوگوں نے اصل چیز قرار دیا روح کو، اور اسے موت سے بچا لیا گیا ہے۔ بعض نے شعور کو اصل چیز ٹھہرا کر اسے موت سے بری کر دیا ہے۔ اسی ضمن میں ایک تصور انسانی ذات کا بھی ہو چکا ہے، جسے غیر فانی اور زندگی کو مسلسل جاری سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ مخلوق کی کسی بھی چیز کو غیر فانی قرار دینا، اُسے نصف اللہ ٹھہراتا ہے العیاذ باللہ! - وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ تک رہیگا۔ مگر روح، شعور یا نام نہاد انسانی ذات ہمیشہ ہمیشہ سے تو ہیں نہیں، مگر رہینگی ہمیشہ ہمیشہ تک۔ مُعاذ اللہ!

● واضح رہے بات کو سمجھنے والی چیز صرف شعور ہے، نہ آنکھ ہے نہ کان نہ زبان نہ بازو نہ ٹانگ وغیرہ کوئی چیز بھی بات کو سمجھنے والی نہیں۔ قرآنِ کریم ۲/۲۸ میں آیا ہے فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ۔ اللہ نے تمہیں زندگی دی پھر تمہیں موت دیتا ہے۔ دیکھئے اس خطاب کا مخاطب وہی ہے جو اسے سمجھتا ہے۔ اب ظاہر ہے خطاب کو سمجھتا ہے صرف شعور، تو ظاہر ہے کہ شعور کو براہِ راست کہا گیا ہے کہ اللہ تجھے مار ڈالیگا۔ اور جسم کے باقی حصوں کو بالواسطہ موت کی اطلاع دیگئی ہے، پس ثابت ہوا کہ اس خطاب کا براہِ راست مخاطب شعور بھی مرنیوالا ہے اور بالواسطہ مخاطب جسم بھی مرنیوالا ہے۔ اور اسی چیز کا مشاہدہ ہر آن موجود ہے کہ پورے کا پورا جسم مع شعور مر جاتا ہے۔ اور اسی طرح اگر جسم کو محض مٹی کا ڈھیر قرار دیکر اصل انسان روح یا کسی انسانی ذات کو تسلیم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے براہِ راست خطاب ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ کے مخاطب بھی ہیں، جو یقیناً یقیناً مر جاتے ہیں۔ ان میں سے زندہ رہنے والا یعنی نصف اللہ کوئی بھی نہیں۔

● عرض کیا جا رہا ہے کہ انسانی جسم کو ناکارہ اور غیر مقصود چیز قرار دینا ہی وہ ابتدائی غلطی ہے جسکی بدولت قرآنِ کریم کی مخالفت کا ارتکاب ہوا ہے۔ ورنہ اس بھری کائنات میں انسانی جسم ہی اللہ تعالیٰ کا وہ شاہکارِ عظیم ہے کہ اسکے ایک ایک عضو پر ابتداءِ آفرینش ہی سے ریسرچ ہوتی چلی آرہی ہے اور قیامت تک ہوتی چلی جائیگی۔ آج اسی شاہکارِ خداوندی کے الگ الگ اعضاء کے الگ الگ ڈاکٹر متعیّن کرنے پڑرہے ہیں۔ آنکھوں کا الگ، دانتوں کا الگ، دل کا الگ، خون کا الگ اور ہڈیوں کا الگ وغیرہ وغیرہ۔

● قرآنِ کریم کی رہنمائی میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کو اِس پورے جسم کو دوبارہ زندہ کر لیا جائیگا۔ جس میں جسم کے پورے اعضاء اور دماغ کے پورے حصے قوت متصورہ، متخیلہ، مدبّرہ، متفکرہ، قوتِ فیصلہ، نافذہ اور حافظہ کیساتھ زندہ کر دیئے جائینگے۔ انسانی جسم ہی وہ چیز ہے کہ ہر حِس اسی مجسمہ گوشت کے اندر موجود ہے۔ ڈاکٹر حضرات سے مخفی نہیں کہ دماغ کے مذکورہ تمام حصے مغز ہی کے لوتھڑے ہیں جو الگ الگ کام کرتے ہیں۔ قوتِ متخیلہ مختلف خیالات کو جنم دیتی ہے، قوتِ متصورہ اُن دیکھی چیزوں کی تصوراتی تصویریں بنا کر سامنے لے آتی ہے۔ مثلاً اگر آپ لاہور کے متعلق خیال کریں تو قوتِ حافظہ آپکے دیکھے ہوئے حصوں کو سامنے لے آتی ہے۔ لیکن اگر آپ لندن وغیرہ کے متعلق خیال دوڑائیں جسے آپنے دیکھا نہیں، تو قوتِ متصورہ نقشے

ہوئے نقشے کیمطابق لندن کی تصوراتی تصویر بنا کر پیش کر دیتی ہے۔ اور یہ سب کچھ مغز کے لوتھڑوں ہی کا کام ہے، جسم علیحدہ کسی چیز شعور، روح یا انسانی ذات کا کام نہیں۔ اگر روح کوئی بچھڑنے والی الگ ہیولانی چیز ہے تو اُسے لندن کی اصل تصویر لانی چاہئیے۔ اسی کے ضمن میں مزید غور فرمائیں کہ آنکھ کیا چیز ہے؟ گوشت ہی کا ایک پرزہ ہے جو دیکھتا ہے۔ کان کیا ہیں؟ یہ بھی جسمانی گوشت ہی کی مخصوص ساخت کے پرزے ہیں جو سنتے ہیں۔ ناک کیا ہے؟ یہ بھی گوشت اور مخصوص ہڈیوں کا بنا ہوا جسمانی مشین کا ایک پرزہ ہے جو بُو اور خوشبو میں تمیز پیدا کرتا ہے؟ زبان کیا ہے؟ یہ بھی آخر گوشت ہی کا لوتھڑا تو ہے، جو نہایت صحت تلفظ کیساتھ خوبصورت الفاظ بنا کر پیش کرتا ہے۔ دل کیا ہے؟ یہ بھی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو پورے جسم میں ہر آن پمپنگ کی خدمت بجالا رہا ہے۔

● اِن مثالوں سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جسطرح یہ سب گوشت اور ہڈیوں ہی کے بنے ہوئے پرزے ہیں جو سنتے ہیں، بولتے ہیں، دیکھتے ہیں، سونگھتے ہیں، اسی طرح شعور بھی مغز کے ایک لوتھڑے ہی کا فعل ہے، اسے کیوں قوت سے مستثنے قرار دیدیا جاتا ہے۔ قرآنی رہنمائی کے مطابق پورا جسم قوت سامعہ، باصرہ، شامہ، لامسہ، مدبرہ، متفکرہ، متخیلہ، متصورہ، فیصلہ، نافذہ اور حافظہ (شعور) سمیت مر جاتا ہے اور قیامت کو پورا جسم اِن جملہ قوتوں کیساتھ زندہ کر لیا جائیگا، جس کی غرض صرف اور صرف اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی ہے۔ اور اچھے یا بُرے عملوں کی اچھی یا بُری جزا یا سزا پانا ہے تاکہ قیامت کی عدالت عالیہ کی حاضری کے خوف سے ہر انسان بُرے اعمال سے پرہیز کرے اور نیکیوں میں سبقت لے جانا اسکا دائمی شعار ہو جائے۔

قیامت کو صرف انسان زندہ کئے جائینگے حیوانات نہیں

● آگے بڑھنے سے پہلے زیرِ نظر بحث سے متعلقہ ایک سوال باقی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ قیامت کو صرف انسان زندہ کئے جائینگے، حیوان کیوں زندہ نہیں کئے جائینگے؟ اور کس قانون کے مطابق اُن پر زندہ کرنے کا عمل وارد نہیں ہو گا؟

● اِس سوال کے جواب کیلئے حیوانات کی ابتدائی تخلیق پر غور کرنا ہو گا۔ یہ ایک مصدقہ مسلمہ امر ہے کہ کائنات کی ہر چیز انسانی خدمتگار کے طور پر اسکی ضرورت کیلئے ہے جو اسکی پیدائش سے پہلے پیدا کر دیگئی تھی۔ جن میں اِس کی ضرورت کے جملہ حیوانات بھی اسکی تخلیق سے پہلے ہی پیدا کر دئے گئے تھے۔ یہ سب جنگل میں پھرتے تھے۔ انسان نے گھوڑوں پر سواری کی، گدھوں سے بار برداری کا کام لیا، گائے بھینسوں اور بھیڑ بکریوں سے دودھ اور گوشت حاصل کیا۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن مختلف مُبارک پانیوں کیساتھ یہ بڑے بڑے قد آور، پھر میانہ قد اور پھر پست قد حیوان پیدا ہوئے اُن کے ساتھ ہی انسان کیوں پیدا نہ ہو سکے؟

● اِس سوال کا جواب انتہائی سادہ اور آسان ہے، بارش کے جس مبارک پانی کیساتھ قد آور نوعوں کے حیوان پیدا فرمائے گئے اس میں وہی گیسیں جذب تھیں جو اُن حیوانوں کی تخلیق کیلئے مقرر کیگئی تھیں۔ نیز میانہ قد نوعوں کے حیوانوں

کی تخلیق کیلئے جو گیسیں خدا تعالیٰ نے متعین فرمائی تھیں، بارش کے پانی سے وہ نوعیں پیدا کی گئیں، جس نے مذکورہ گیسوں کو اپنے اندر جذب کر رکھا تھا۔ اور یہی قانونی اندازِ تخلیق ہر قسم کے الگ الگ حیوانات کی پیدائش میں کارفرما ہوا۔ الگ الگ قانون کیمطابق الگ الگ نوعیں عالمِ وجود میں لائی گئیں، اِن تخلیقوں کے وقت انسانی تخلیق اسلیئے عمل میں نہ آئی کہ ہر تخلیق کیلئے الگ الگ گیسوں سے معمور پانی کا خداوندی قانون متعین ہے مقننِ تخلیق نے ویسے تو ہر تخلیق کے لئے الگ الگ قانون مقرر کیا ہے، مگر ہر عملِ تخلیق میں مشترک عنصر پانی ہے۔ جیسے کہ سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے:۔

● وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۲۴/۴۵۔

(مفہوم) اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر اُن میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض دو پیروں پر اور بعض چار پیروں پر چلتے ہیں۔ وُہ اپنے قانونِ مشیت کیمطابق پیدا کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ٹھیک ٹھیک اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔

● اِس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو آسمان سے پانی برسا کر پیدا کیا ہے، ہر تخلیق کیلئے الگ الگ جن گیسوں کے جذب کا قانون متعین فرمایا، اُن گیسوں کے جذب کے ذریعہ ہی ہر تخلیق عالمِ وجود میں لائی گئی۔ جس طرح حیوانوں کی الگ الگ ابتدائی تخلیق میں کسی دوسری تخلیق کو دخل نہیں ہوا، کیونکہ ہر تخلیق کیلئے الگ الگ گیسوں کے جذب کا قانون مقرر ہے۔ اُسی طرح نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق اُسوقت عمل میں آئی جب آسمان سے اُن گیسوں سے معمور پانی مَآءً مُّبٰرَكًا نازل کیا گیا، جو انسانی تخلیق کیلئے قانونِ خداوندی میں مقرر ہے۔

● اِسی طرح چونکہ قیامت کو وُہ مبارک پانی برسایا جائیگا جو صرف اُن گیسوں سے معمور ہوگا جو قانونِ خداوندی میں صرف تخلیقِ انسانی کیلئے مقرر ہیں۔ اسلیئے قیامت کو صرف نوعِ انسانی کے مُردے زندہ کیئے جائینگے۔ حیوانوں کے نہیں۔ اور اس کی مخصوص حکمت یہ ہے کہ اِس دُنیا کی زندگی کے اعمال کی جوابدہ صرف نوعِ انسانی ہے باقی حیوان، جوابدہ نہیں۔ اِسی لیئے صرف نوعِ انسانی کے مُردے زندہ کیئے جائینگے بارش کے اس پانی کیساتھ جس میں وہ گیسیں جذب ہوں گی جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے متعین کیگئی ہیں۔

● سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۶/۷۳، کے ضمن میں نفخِ صُور کی تفسیر میں ہم دُور چلے گئے ہیں نفخِ صُورِ اوّل سے جاندار ہلاک ہو جائینگے اور نفخِ صُورِ ثانی سے انسانی مُردے زندہ ہو جائینگے، اس خبر کی غرض یہ یاد دلانا ہے کہ اے انسان! تونے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے، برائیوں سے بچ اور نیکیاں کر۔ اپنے اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و سلام علیہم کی بعثتِ مبارکہ

کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا جو آنحضور ﷺ کی ذات گرامی پر ختم کر دیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کرام کو اس تبلیغ کے سلسلے میں کٹھن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت ابراہیم سلام علیہ کے حالات بطور مثال پیش کیے گئے۔ آپکی قوم ستارہ پرست بھی تھی اور بت پرست بھی حضرت ابراہیم کا انداز تبلیغ زبانی بھی تھا اور مشاہداتی بھی۔ یعنی جب ستاروں اور بتوں کی الوہیت کی نفی فرماتے تو مشاہدات کو بھی ساتھ کے ساتھ قوم کے سامنے پیش فرمایا کرتے تھے۔ آنحضور ﷺ پر واضح کیا گیا ہے کہ صرف آپکی قوم ہی نافرمان نہیں حضرت ابراہیم کی بلکہ انکے اب آزر بھی آپ کے مخالف اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے سلسلۂ تبلیغ گھر ہی سے شروع کیا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ
اور جب کہا ابراہیم نے واسطے باپ اپنے آزر کے
اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ
کیا تو پکڑتا ہے بتوں کو کارساز بیشک میں دیکھتا ہوں تجھے اور
قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ۷۵
قوم تیری کو بیچ گمراہی ظاہر کے

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب حضرت ابراہیم نے اپنے اب (باپ یا چچا) آزر کو کہا، کیا تو بتوں کو کارساز ٹھہراتا ہے۔ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو (اس کے ضمن میں) کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

● ملے اہل تفاسیر نے آزر کے متعلق یہ بھی لکھا ہے وہ حضرت ابراہیم کا باپ نہیں تھا چچا تھا۔ عربی زبان میں لفظ اَب کا معنی باپ بھی ہے اور مجاز کے طور پر یہ لفظ چچا کیلئے بھی آتا ہے اور دادا کیلئے بھی۔ جیسے کہ سورہ بقرہ میں آیا ہے کہ حضرت یعقوب پر جب موت کا وقت آیا تو آپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی فرمانبرداری کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا:- قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اٰجے ۲/۱۳۳ انہوں نے کہا ہم آپکے الٰہ اور آپکے باپوں ابراہیم اور اسماعیل کے اکیلے الٰہ کی فرمانبرداری کریںگے ــــــ اس آیت میں حضرت یعقوب کے والد اسحاق کو بھی اَب کہا گیا ہے اور ان کے چچا اسماعیل اور دادا ابراہیم کو بھی اَب کہا گیا ہے۔ اسلئے آزر کو حضرت ابراہیم کا باپ بھی مانا جاسکتا ہے اور چچا بھی۔ لیکن آپکے نسلی ادب کو ملحوظ رکھ کر آزر کو آپکا چچا کہنا بہتر ہے جبکہ عربی ادب کے لحاظ سے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

● حضرت ابراہیم نے اپنے چچا کے سامنے بت پرستی کے خلاف اپنا حق تبلیغ ادا کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر بت پرستی کی غلط حقیقت بذریعہ وحی واضح کر دی تھی۔ چونکہ آپکی قوم ستارہ پرست بھی تھی، اس لیے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اسی طرح حضرت ابراہیم پر ستاروں کی حقیقت بھی نمایاں کر دی گئی تھی:-

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ
اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم کو حکومت آسمانوں
وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝۷۶
اور زمین کی اور تاکہ وہ ہو ہیں سے یقین کرنیوالوں کے

اور جسطرح (ہمنے اُس پر بتوں کی حقیقت واضح کردی تھی) اسی طرح ہمنے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی حکومت بھی سمجھادی (کہ اجرام فلکی اپنے پیدا کرنیوالے کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ الٰہ نہیں ہیں) تاکہ وہ یقین کرنیوالوں میں ہو

(نوٹ) اِس سے اگلی آیات مجیدہ انتہائی غور طلب ہیں کیونکہ روائتی تراجم و تفاسیر میں اسکا معنٰی یہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک روشن ستارے کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے، مگر جب وُہ غروب ہوگیا تو آپنے فرمایا میں غروب ہونیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ اسکے بعد آپنے چاند کو دیکھ کر کہا' یہ میرا رب ہے' جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپنے فرمایا اگر میرا رب ہدائت نہ کرے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤنگا۔ لیکن اسکے باوجود جب آپنے سُورج کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے۔ یہ تصوّر مطلقًا غلط ہے کیونکہ اُوپر آئت نمبر ۷۶ میں ارشاد ہُوا ہے کہ ہمنے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی اپنی حکومت سمجھا دی تھی۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے' کیا آپ سمجھانے کے باوجود نہیں سمجھے تھے اور یکے بعد دیگرے ستارہ' چاند اور سُورج کو اپنا رب ٹھہرانے لگ گئے تھے معاذ اللہ! استغفر اللہ!

تحفّظ ناموسِ رسالت

● اس مسئلہ کی حقیقت حالِ آئت مجیدہ ماقبل کیمطابق یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ستارے' چاند اور سُورج کو اپنا رب نہیں کہا تھا۔ بلکہ یہ آپکے چچا آزر کے الفاظ تھے جو ستارہ پرست تھا یکے بعد دیگرے اُس نے ستارہ' چاند اور سُورج کو اپنا رب کہا' لیکن جب وُہ غروب ہو جاتے رہے تو آپ اس پر اظہارِ حقیقت کے لئے یہ فرماتے رہے کہ میں غروب ہو جانیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

● واضح رہے کہ کفر و شرک کو انبیاء کرام کی طرف ایک منٹ کیلئے بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ کفریہ قول و عمل کا قائل و عامل کوئی نبی رسُول ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر سُورہ مومنون میں ارشاد ہُوا ہے :۔ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ $\frac{23}{51}$ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ $\frac{23}{52}$ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ $\frac{23}{53}$

● اِن آیات مجیدہ کا صحیح مفہوم عرض کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ آئت نمبر $\frac{23}{51}$ + $\frac{23}{52}$ میں انبیاء کی طرف خطاب ہے اور اگلی متصلہ آئت میں ارشاد ہُوا ہے پھر انہوں نے اپنا کام اپنے درمیان قطع کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ اُس پر خوش تھا جو اُسکے پاس تھا —— چونکہ انبیاء کرام کے متعلق ایسا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا کہ اُنہوں نے قطع امر کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہو کیونکہ جملہ انبیاء کے متعلق اعلانِ باری ہے :۔ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ $\frac{21}{27}$ وہ بات میں بھی اللہ تعالٰی سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اور اُس کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے —— فلھذا ثابت ہُوا کہ فَتَقَطَّعُوْٓا .... الخ کی خبر انبیاءؑ کے متعلق نہیں۔ لیکن اِس پر سوال پیدا

ہوتا ہے کہ پھر یہ خبر کن لوگوں کے متعلق دی گئی ہے۔ اسکے لئے سیاقِ کلام پر غور کرنا ہوگا۔ اس سُورہ مجیدہ میں اس سے پیچھے آئت نمبر ۲۳ تا ۳۰ تک قومِ نوح کا ذکر ہے۔ آئت نمبر ۳۱ تا ۴۲ میں حضرت نوح کے بعد کے انبیاء کی قوموں کی نافرمانیاں مذکور ہیں اور آئت نمبر ۴۴ میں ارشاد ہوا ہے:۔ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ ۲۳/۴۴ پھر ہمنے پے درپے اپنے رسول بھیجے۔ جب بھی کسی اُمت کی طرف اسکا رسُول آیا، اُنہوں نے اسے جھٹلایا اس خبر کے بعد آئت نمبر ۴۵ تا ۴۸ میں قوم فرعون کی سرکشی اور اسکے رسُولوں حضرات موسیٰ اور ہارونؑ کا ذکر لایا گیا ہے۔ اسکے بعد آئت نمبر ۴۹ میں دوبارہ حضرت موسیٰ کا اور آئت نمبر ۵۰ میں حضرت مسیح کا ذکر جمیل لانے کے بعد آئت نمبر ۵۱-۵۲ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝ ۲۳/۵۱-۵۲ (میں نے اپنے رسُولوں کو کہہ دیا تھا کہ) اے رسُولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اصلاح کے کام کرو۔ تم جو بھی عمل بجا لاؤ گے اسے خوب اچھی طرح جاننے والا ہوں۔ اور بلاشبہ یہ تمہاری (یعنی نبیوں کی) اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں میری نافرمانی سے بچتے رہنا —— اسکے بعد آئی ہے یہ آئت جو انبیاءؑ کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی:۔

● فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ ۲۳/۵۳ یہ خبر انبیاءؑ سے متعلق نہیں بلکہ آئت نمبر ۲۳ تا ۴۸ میں مذکور نافرمان قوموں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ہمنے تو اُنکی طرف پے درپے اپنے رسُول بھیجے مگر:۔ پھر اُنہوں نے اپنے دین کو قطع کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اُنکے پاس جو جو پُرانا آبائی مذہب تھا وہ اُسی پر خوش تھے۔

حاصل کلام ● سُورہ مومنون کی آئت مجیدہ ۲۳/۵۳ اگرچہ انبیاء سلامٌ علیہم کے ذکر کے عین بعد آئی ہے مگر چونکہ انکی طرف از روئے آیات مجیدہ ۲۱/۲۷ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی منسوب نہیں کی جاسکتی، اسلئے مطابقتِ قرآن کریم کی رُو سے فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم...... الخ سابقہ مذکور نافرمان قوموں کے متعلق ہے کہ اُنہوں نے انبیاءؑ کی تکذیب کی، اُنکے لائے ہوئے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر کسی کے پاس جو جو آبائی مذہب موجود تھا، اُسی پر فخر کیا اور خوش رہے۔ ایسا عمل انبیاءؑ کی طرف منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔

● اب آئیے سلسلۂ درس کی طرف جسطرح ناموسِ انبیاء کی حفاظت کے پیش نظر اللہ کے نبیوںؑ کی طرف آباء پرستی منسوب نہیں کی جاسکتی، اسی طرح سلسلۂ درس کی اگلی آئتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی طرف ستارہ پرستی منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔ اور جسطرح آئت نمبر ۲۳/۵۳ کی خبر انبیاء سلامٌ علیہم کی بجائے اُنکی نافرمان قوموں کی خبر تسلیم کرنا لازم ہے، اسی طرح آیاتِ ذیل میں ستارہ، چاند اور سُورج کو رب قرار دینا حضرت کے چچا کا فعل ہے جسکا ذکر ما قبل موجود ہے:۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝

پھر جب ڈھانپ لیا اس پر رات نے، دیکھا ستارہ، کہا یہ رب میرا۔ جب ڈوب گیا کہا نہیں میں پسند کرتا ڈوبنے والوں کو

پھر جب آذر کو رات نے ڈھانپ لیا) اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ تو کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو (حضرت ابراہیم) نے فرمایا کہ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

● واضح رہے کہ یہ حضرت ابراہیم اور آپکے ستارہ پرست چچا کے درمیان ایک اہم مکالمہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے درجِ قرآن کر رکھا ہے پیچھے آیت نمبر ۷۵ سے یہ مکالمہ شروع ہوا ہے، جس میں حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آذر سے فرمایا کہ تم بتوں کو حاجت روا اور کارساز ٹھہراتے ہو۔ اس کے جواب میں جب رات ہوئی اور ایک روشن ستارہ نمودار ہوا تو اس نے کہا یہ میرا رب ہے۔ لیکن آپ نے اس کے غروب ہونے تک انتظار فرمایا اور جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے اس پر واضح کیا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ میرا رب ہمیشہ ایک ہی شان پر قائم و دائم ہے۔ پھر :۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ ۷۸

پھر جب دیکھا چاند روشن، کہا یہ رب میرا۔ پھر جب وہ ڈوب گیا، کہا البتہ اگر نہ ہدایت کرے مجھ کو رب میرا البتہ ہو جاؤں میں سے قوم گمراہوں کے

پھر جب (چاند نکل آیا اور) اس (آذر) نے چاند کو دیکھا روشن چمکتا ہوا، تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا۔ تو حضرت ابراہیم نے) فرمایا کہ اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کر دی ہوتی تو میں (بھی تیری طرح) ضرور گمراہ قوم میں سے ہو جاتا۔

● لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ کے الفاظ میں آیت نمبر ۷۶ کا حوالہ مذکور ہے جس میں بتایا گیا ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ ۶/۷۶ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو اپنی آسمانوں اور زمین کی حکومت سے آشنا کر دیا تھا (کہ آسمانی کُرّے اور زمینی موجودات، سب ہمارے قانون کے پابند ہیں) تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے ـــــ خدا تعالیٰ اس رہنمائی کے مطابق حضرت ابراہیم نے ستارہ اور چاند دونوں کے رب ہونے کو ٹھکرا دیا کہ وہ رب کیا ہو سکتے ہیں وہ تو خود قوانینِ خداوندی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے دن رات اپنے اپنے مدار پر چل رہے ہیں۔ اسکے بعد رات گزری اور دن چڑھا تو آذر نے سورج کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے :۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ

پھر جب دیکھا سورج چمکتا ہوا، کہا یہ ہے رب میرا

پھر جب (آذر نے) چمکتے ہوئے سورج کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔

هٰذَآ اَكۡبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ یہ سب سے بڑا ہے پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میری بیشک میں بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۝ ۷۹ بیزار ہوں اس سے جو تم شرک کرتے ہو	یہ بہت بڑا ہے (بہت زیادہ روشنی دینے والا ہے) پھر جب وہ غروب ہوگیا تو (حضرت ابراہیمؑ نے) فرمایا اے میری قوم میں اُس سے بیزار ہوں جسے تم (اللہ کیساتھ) شریک کرتے ہو۔
اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ بیشک میں نے متوجہ کی رضا اپنی واسطے اسکے پیدا کیا آسمانوں وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ ۸۰ اور زمین کو خالص کرنیوالا اور نہیں میں ہوں سے مشرکوں کے	بیشک میں نے (اللہ کے دین کو اس کے لئے خالص کرنیوالا ہو کر) اپنی رضا کو اُس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

دیکھا آپنے! ابتداءِ کلام میں $\frac{6}{74}$ میں بھی :۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اُسکی قوم کے متعلق فرمایا تھا اِنِّىۡۤ اَرٰٮكَ وَقَوۡمَكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝ $\frac{6}{74}$ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور آخری آیت مجیدہ $\frac{6}{79}$ میں بھی قوم کو مخاطب کیا ہے يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۝ $\frac{6}{79}$ اے میری قوم میں اُس سے بیزار ہوں جو تم اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ بالفاظِ دیگر شرک کرتا تھا چچا اور قوم۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک سیکنڈ کیلئے بھی شرک نہیں کیا تھا۔ انبیاء سلام علیہم کی پاک شان یہ ہے کہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی قبل نبوت بھی شرک تو کیا، کوئی صغیرہ گناہ تک بھی نہیں کیا تھا —— اب اِن آیتوں کی روائتی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر موضح القرآن • تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادرؒ محدث دہلوی مطبوعہ شیخ برکت علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۱۲۶ پر تفسیر معالم التنزیل کے حوالہ سے لکھا ہے :۔

"معالم التنزیل میں آیا ہے نمرود بیٹا کنعان کا بادشاہ تھا تمام روئے زمین کا۔ بابل میں بیٹھا تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ اِس شہر سے نکلا ہے کہ روشنی جمال اُس کے سے نور چاند سورج کا نیست و نابود ہوگیا۔ نہایت ڈر سے چونکا اور تعبیر پوچھی نجومیوں نے تعبیر دینے والوں نے کہا بیچ اِس برس کے بابل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا کہ ہلاکت تیری اور تیری بادشاہت کی اُس کے ہاتھ سے ہوگی۔ اور اب تک وہ لڑکا پشتِ پدر سے شکم مادر میں نہیں آیا۔ نمرود نے حکم دیا کہ درمیان زن و شوہر جدائی کریں۔۔۔۔۔۔۔ آزر کہ محرموں اور مقربوں نمرود سے تھا، ایک رات عورت کے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔ وہ حاملہ ہوگئی۔ صبح کو نجومیوں نے نمرود سے کہا کہ آج وہ لڑکا شکم مادر میں پہنچا ہے۔ نمرود غصے ہوا اور حکم دیا کہ ہر حاملہ کے موکل تعینات کریں کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو قتل کر دیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی ماں کا حمل ظاہر نہ تھا۔۔۔۔۔ وقت جننے کا پہنچا تو۔۔۔۔۔ شہر سے باہر گئی اور پہاڑ کی ایک غار میں حضرت ابراہیمؑ کو جن کر اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی جگہ رکھا اور دروازہ غار کا پتھر سے بند کیا۔۔۔۔۔ دوسرے دن غار میں آئی تو دیکھا کہ ابراہیمؑ دو انگلیاں اپنی چوستا ہے۔ ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے کہ اور لڑکے اتنا مہینے میں۔ اور ایک مہینے میں مانند ایک برس کے۔ ماں ابراہیمؑ کی غار سے باہر لائی مغرب کے وقت"

● یہ ہے روایت کا بیان کردہ قصہ کہ حضرت ابراہیمؑ غار میں پیدا ہوئے۔ غار ہی میں پرورش پاکر جوان ہوگئے جب غار سے باہر نکلے تو شام کا وقت تھا۔ سب سے پہلے ستارہ دیکھا تو اُسے اپنا رب کہدیا۔ جب وہ ڈوب گیا تو انکار کر دیا۔ اِس کے بعد چاند نکلا تو ستارہ سے روشن دیکھ کر اُسے رب کہدیا۔ وُہ بھی ڈوب گیا تو اُس کا بھی انکار کر دیا۔ پھر جب رات گزری اور سُورج نکلا تو ھٰذَا اَکْبَرُ کہہ کر اُسے اپنا رب قرار دیا۔ العیاذُ باللہ! لیکن آیات بالا سے وضاحتاً ثابت ہے کہ نہ یہ واقعہ بچپن کا ہے اور نہ محض جوانی کا۔ بلکہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب آپکو نبوّت مل چکی تھی۔ اور آپ نے اپنے چچا اور اُس کی قوم سے خطاب شروع کر دیا تھا۔

● حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات مجیدہ زیر بحث ۴/۷ تا ۸۰/۷ میں پہلے تو چچا بھتیجے کے مکالمہ کو صرف حضرت ابراہیمؑ کے اقوال قرار دے دیا ہے اور پھر اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے کہ اللہ کے نبی رسُول تو قبل نبوّت بھی شرک اور گناہ کی آلائشوں سے پاک ہوتے تھے، آپ کے غار میں پیدا ہونے اور غار ہی میں پل کر جوان ہونے اور شام کے وقت غار سے نکل کر مطالعہ کائنات کا مذکورہ بالا قصہ گھڑ لیا گیا ہے۔ اصل حقیقت اُوپر عیاں ہو چکی ہے کہ جس طرح ۲۳/۵ میں انبیاء سلامؑ علیہم کو خدا تعالیٰ کے نازل قرار دے دینا غلط ہے اُسی طرح ۶/۵ تا ۸/۷ میں ستارہ چاند اور سُورج کو اپنا رب ٹھہرانا حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔ مذکورہ بالا شرک آپکے چچا آزر اور اُسکی قوم نے کیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہیں۔ (وما علینا الا البلاغ)

قوم کا حضرت ابراہیمؑ کیساتھ جھگڑا

● اُوپر آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اُس کی قوم کو ستارہ کی پرستش سے اِس طرح مشاہداتی طور پر روکا کہ رب وہ ہے جس پر کسی قسم کا تغیّر وارد نہیں ہوتا اسے ہمیشہ قیام دوام ہے۔ بار بار نکلنے والے اور ڈوبنے والے رب نہیں ہو سکتے، لیکن قوم نے آپکی تبلیغ کو تسلیم نہ کیا بلکہ اپنے شرک پر جو وہ ستارہ پرستی اور بُت پرستی کے ذریعہ کرتے تھے، آپ سے جھگڑتے رہے:۔

وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ
اور جھگڑی اس سے قوم اسکی کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے

فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ
بیچ اللہ کے اور بیشک ہدایت دی مجھے اور نہیں ڈرتا میں جو تم شرک کرتے ہو

بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ
ساتھ اسکے مگر کہ چاہے رب میرا کوئی چیز وسیع کردی ہے میرے نے

كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ۸۰
ہر چیز علم کے مطابق کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے

اور حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے اُن کے ساتھ (ستاروں اور بتوں کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے پر) جھگڑا کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میرے ساتھ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ بلا شبہ اُس نے میری راہنمائی فرمائی ہے۔ اور میں اُن سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو سوائے اِس کے کہ کوئی تکلیف مجھے اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیّت کے مُطابق پہنچے۔ میرے رب نے ہر چیز کو علم کی رُو سے وسیع کر دیا ہے۔ پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

● حقیقت یہ ہے کہ :۔
قوم ابراہیمؑ بتوں اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی۔ آپ نے واضح کر دیا کہ نہ ان مٹی اور پتھر کی مورتیوں کو کوئی نفع نقصان کا اختیار حاصل ہے اور نہ اجرام فلکی کو۔ اسلئے نہ میں اِن سے ڈرتا ہوں نہ اُن سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے کھلے لفظوں میں ارشاد فرمایا :۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ
اور کیسے میں ڈروں جو شریک کرتے ہو تم اور نہیں تم ڈرتے

اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ
بیشک تم نے شرک کیا ساتھ اللہ کے جو نہیں نازل کی ساتھ اسکے اوپر تمہارے

سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ
دلیل پھر کونسا گروہ ہے زیادہ حقدار ساتھ امن کے اگر ہو تم

تَعْلَمُوْنَ ۘ ۸۲ وقفِ لازم
جانتے

(حضرت نے فرمایا) جن کو تم نے اللہ کے شریک ٹھہرایا ہے میں اُن سے کیوں ڈروں (حالانکہ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے مگر) تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ بلاشبہ تم نے اُن چیزوں کو اللہ کے شریک ٹھہرا لیا ہے کہ اُس نے اُن کے حق میں تمہارے لئے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ پھر اگر تم سمجھتے ہو تو بتاؤ کہ دونوں میں سے امن کا حقدار کونسا گروہ ہے (اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھہرانیوالا یا نہ ٹھہرانیوالا ؟)

● غور فرمائیں ! ٦/٨٠ میں حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے اللہ کے شریکوں سے نہیں ڈرتا اور ٦/٨١ میں فرمایا ہے کہ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے، جنہوں نے بلا دلیلِ نزول، غیر اللہ کو اللہ کے شریک ٹھہرایا ہوا ہے۔ اور اس سے آگے مشرکوں پر سوال کیا گیا ہے کہ بتاؤ امن کے حقدار تم ہو یا میں اور میرے ساتھی۔ اسکا جواب اگرچہ آیتِ بالا میں بھی دیا جا چکا ہے کہ شرک کا لازمی نتیجہ خوف ہے اور امن کے علمبردار وہ لوگ ہیں جو خداوندی اختیارات میں غیر اللہ کو شریک نہیں کرتے، لیکن تکرار تاکیدی کے طور پر اگلی آیت مجیدہ میں اسی امر کا صراحتاً اعلان کر دیا گیا ہے :۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ
جو لوگ ایمان لائے اور نہ ملائیں ایمان اپنے کو

بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ
ساتھ ظلم کے وہی ہیں واسطے ان کے امن ہے اور وہی

مُّهْتَدُوْنَ ۸۳ ع ۱۴/۱۵
ہیں ہدایت یافتہ

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک[۱]) کیساتھ مخلوط نہ کریں (اللہ تعالیٰ کے ہاں) وہی لوگ ہیں جن کیلئے امن ہے (وہی امن کے علمبردار ہیں) اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (مشرک لوگ نہ امن کے علمبردار ہوتے ہیں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں)۔

● ۱ شرک بمعنی ظلم قرآنی لغت کے مطابق سورہ لقمان میں آیا ہے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی :۔
يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔ ٣١/١٣ اے میرے بیٹے اللہ کیساتھ شرک نہ کرنا بیشک شرک ظلم

عظیم ہے۔

رجوع الی المقصود • یہانتک ستارہ پرستی کے خلاف ابراہیم سلام علیہ کی تبلیغ کی وضاحت کرنے کے بعد اگلی آیات کریمہ میں متعدد انبیاء کرام کے اسماء گرامی لاکر اپنے احکام کو ہر قسم کی لوچ اور لچک سے مبرا ثابت کیا گیا ہے:۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ
اور مذکورہ ہیں دلائل ہمارے دئیے ہمنے ابراہیم کو مقابلے قوم اس کی

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ
ہم بلند کرتے ہیں درجے جسے ہم چاہتے ہیں۔ بیشک رب تیرا حکمت والا

عَلِيْمٌ ۝ ۸۴
علم والا ہے۔

اور یہ (مذکورہ بالا) تھے ہمارے دلائل قاطعہ جو ہمنے ابراہیم کو اسکی قوم کے مقابلے پر عطا فرمائے تھے۔ ہم اپنے قانون مشیت کے مطابق ہی جسے چاہتے ہیں، اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں بلا شبہ تیرا پروردگار بہت بڑھ کر حکمت والا اور بہت بڑھ کر علم والا ہے۔ (اسکے ہر کام کی اساس علم و حکمت ہی پر قائم ہے)۔

سب نبیوں کو ایک ہی دین کی رہنمائی کیگئی تھی • اللہ بھی ایک ہے اور اسکا دین بھی ایک ہے۔ اس نے اپنے سب کے سب نبیوں کو ایک ہی دین اور اسکی ایک ہی شرع عطا فرمائی تھی $\frac{42}{13}$ - الگ الگ دین نہیں دیا گیا تھا:۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا
اور دیا ہمنے واسطے اسکے اسحاق اور یعقوب۔ سب کو ہدایت دی ہمنے

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ
اور نوح کو ہدایت دی ہمنے سے پہلے اور میں سے اولاد اسکی داؤد

وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَ
اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور

هٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۸۵
ہارون اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں توازن قائم کرنیوالوں کو

اور ہمنے اس (ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے۔ ہمنے سب کو ہدایت فرمائی۔ اور ان سے پہلے نوح کو بھی ہدایت دی۔ اور اس (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون سب کو ہدایت دی۔ اور اسی طرح ہم احسان کرنے (یعنی معاشرے میں) توازن قائم کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (یہ سب نبی معاشرہ میں توازن قائم کرنیوالے تھے)۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ
اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب تھے

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۸۶
میں سے نیکوکاروں کے

اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب کے سب معاشرہ میں اصلاح کرنیوالوں میں سے تھے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا
اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط اور سب کو

فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۸۶
فضیلت دی ہمنے اوپر جہانوں کے

اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط۔ اور ہمنے سب کو جہانوں والوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ
اور میں سے باپوں ان کے اور اولادوں ان کے اور بھائیوں انکے

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۸۸
اور پسند کیا ہم نے ان کو اور ہدایت دی ہمنے انکو طرف راستے سیدھے

اور انکے باپوں میں سے اور اُن کی اولاد میں سے[1] اور اُن کے بھائیوں میں سے (بعض کو) ہم نے برگزیدہ ٹھہرایا اور ہم نے سیدھے راستے کی طرف اُن کی رہنمائی فرمائی۔

اگر بفرضِ محال نبی بھی شرک کرتے تو اُن کے اَعمال بھی ضائع ہوجاتے

● [1] آیاتِ بالا میں انبیاءِ کرام کے باپوں، بیٹوں، بھائیوں میں سے بعض کیلئے وَاجْتَبَيْنٰهُمْ کی خبر آئی ہے جو مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ میں آمدہ مِنْ بعضیہ سے ثابت ہے۔ جیسے کہ حضرات یوسف، یعقوب، اسحاق، اسماعیل، یحییٰ، اور سلیمان سلامٌ علیہم کے باپ نبی تھے مگر حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون اور داؤد سلامٌ علیہم وغیرہ کے باپ نبی نہیں تھے۔ اور اسی طرح حضرات موسیٰ و ہارون، اسماعیل و اسحاق سلامٌ علیہم کے بھائی بھی نبی تھے۔ انبیاء کرام کی اِن گوناگوں فضیلتوں کے باوجود اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کردیا ہے کہ اگر وہ بھی شرک کرتے انکے اعمال بھی ضائع ہوجاتے :-

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ
یہ ہدایت ہے اللہ کی ہدایت دیتا ہے ساتھ اسکے جسے چاہے

مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا
میں سے بندوں اپنوں اور اگر شرک کرتے البتہ ضائع ہوتا اُن سے جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۸۹
تھے وہ عمل کرتے

مذکورہ بالا ہدایت ہے اللہ تعالیٰ کی، ہدایت کرتا ہے ساتھ اس کے جسے چاہے اپنے بندوں میں سے، ہدایت کرتا ہے اپنے قانونِ مشیت ہی کے مطابق۔ اور اگر (بفرضِ محال) وہ (اللہ کیساتھ) شرک کرتے تو ضرور ضرور ضائع ہوجاتے (وہ عمل) جو وہ کیا کرتے تھے۔

سلسلۂ انبیاء ختم ہوچکا ہے

● آیتِ بالا میں آمدہ جملہ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ میں يَهْدِيْ اور يَشَاۗءُ دونوں فعل مضارع حال کے صیغے ہیں جس سے منکرینِ ختمِ انبیاء یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں۔ کہ سلسلۂ انبیاء بدستور جاری ہے اور اللہ تعالیٰ اَب بھی جسے چاہتا ہے نبوت عطا کردیتا ہے۔ لیکن اِس آیت کے آخری جملے میں مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، بصیغہ ماضی استمراری بعید لاکر وضاحت کردی گئی ہے کہ انبیاء کا سلسلہ گزر چکا ہے اگر وہ بھی شرک کرتے

تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے جو وُہ بجالایا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کا یہ معنی قواعدِ عرب کی رُو سے کیا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ اعمال جو وہ بجالاتے ہیں یا بجالائیں گے۔ پس اِس آیتِ مجیدہ سے آنحضور سلامٌ علیہ کے بعد نبیوں کے آتے رہنے کا مفہوم اخذ کرنا ایک سو ایک فیصد غلط ہے، جبکہ آیتِ مجیدہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۰ $\frac{۴۰}{۳۳}$ نیز آیتِ مجیدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۰ $\frac{۹}{۱۵}$ سے بھی اِسی چیز کی تائید ہوتی ہے کہ قرآنِ کریم کو اپنی آخری کتاب قرار دیکر اِس کی حفاظت کا ذمّہ لے لیا گیا ہے کیونکہ آئندہ کیلئے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ اَب قیامت تک یہ کتاب محفوظ ہی ہدایت نامۂ خداوندی کے طور پر موجود رہے گی۔

● سوال زیرِ بحث کا ایک حصّہ تو اُوپر آچکا ہے مگر دوسرا حصّہ ابھی باقی ہے۔ وہ یہ کہ اگر انبیاء علیہم السلام کی آمد ختم ہو چکی ہوئی ہے تو پھر آیتِ مجیدہ زیرِ بحث $\frac{۶}{۸۹}$ میں یَھْدِیْ اور یَشَآءُ مضارع حال کے صیغے کیوں آئے ہیں؟ اِسکا جواب بالکل صاف ہے کہ یہ آیت زمانۂ رسالت میں جناب محمدٌ رّسُول اللّٰہ سلامٌ علیہ پر نازل ہُوئی تھی، آپ نبی تھے اور بقیدِ حیات موجود تھے اِسلئے ارشاد فرمایا کہ جیسے ہم نبوّت دیتے ہیں اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی دیتے ہیں مگر $\frac{۴۰}{۳۳}$ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ محمدؐ عربی کے بعد نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک سلسلۂ انبیاء کی آمد جاری رہی، سابقہ کسی کتاب کی حفاظت کا ذمّہ نہیں لیا گیا۔ چونکہ اَب کوئی نبی آنیوالا نہیں، اِس لئے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو زمانہ کی دست بُرد سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ مگر اگلی آیتِ مجیدہ میں یہ وضاحت کر کے کہ آنحضور سمیت جملہ انبیاءؑ کو ایک ہی کتاب دیگئی تھی ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کی صُورت میں تمام سابقہ کتابیں بھی محفوظ کر دیگئی ہیں:-

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ
وہی لوگ تھے دی تھی انکو ایک کتاب اور حکم

وَالنُّبُوَّۃَ فَاِنْ یَّکْفُرْ بِھَا ھٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِھَا
اور نبوّت۔ پھر اگر انکار کریں ساتھ اِسکے یہ لوگ مقرر کی ہمنے ساتھ اِسکے

قَوْمًا لَّیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ ۝ ۹۰
ایک قوم نہیں ساتھ اِسکے وہ اِنکار کرنیوالے

مندرجہ بالا (گروہِ انبیاءؑ) وہ پاکیزہ لوگ تھے جن کو ہم نے اپنی (ایک اکلوتی) کتاب عطا فرمائی تھی۔ پھر (اے رسُولؐ) اگر یہ آپ کے مخالف اِس کتاب کا انکار کریں (تو کوئی بات نہیں) ہمنے اِس کے لئے (مہاجرین و انصار کی) ایک ایسی قوم مقرر کر دی ہے جو اس کا ہرگز اِنکار کرنیوالے نہیں ہیں۔

تحفّظِ ناموسِ صحابہؓ

● یلہ اِس آیتِ مجیدہ وَکَّلْنَا بِھَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ کے الفاظ میں صحابہ رضی اللّٰہ عنہم کی ناموس کو اُن حضرات کے حملوں سے محفوظ کر دیا گیا ہے جو اُنہیں ایمان تک سے خارج کر کے منافقوں کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ العیاذُ باللّٰہ! —— حالانکہ آیتِ بالا $\frac{۶}{۸۹}$ کی تائید میں صحابہ کرامؓ کے اوّلین و آخرین، مہاجرینؓ

انصار کو ۸/۷۴-۷۵ میں حقّے سچے مومن بتایا گیا ہے۔ اور ۹/۱۰۰ میں انہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا دائمی سرٹیفکیٹ عطا کر کے اپنی کتاب میں محفوظ کر دیا ہے۔ ۸/۷۲ اور ۴۸/۲۵ میں بتایا گیا ہے فتح مکہ تک بھی، مکہ معظمہ میں مومن مرد اور مومنہ عورتیں موجود تھیں جنہوں نے فتح مکہ تک اپنے ایمانوں کو محفوظ رکھا تھا۔ یعنی وہ کمزور اور ناتوان مومن جو دین اسلام کے لئے نہ ہجرت کر سکے نہ جہاد، فتح مکہ سے پہلے ایمان لانیوالوں سے اُن کے مدارج ۵۷/۱۰ میں کم بتائے گئے ہیں۔ پھر فتح مکہ کے بعد ایمان لانیوالوں کو بھی مومن قرار دیا گیا ہے، منافق نہیں۔

● پھر واضح رہے کہ ۳/۱۷۹ میں بتا دیا گیا ہے کہ ابتداءِ رسالت میں جو مومن اور منافق باہم مخلوط تھے۔ اُنہیں اس مخلوط حالت میں ہرگز نہیں رہنے دیا جائیگا حتیٰ کہ منافقوں کو مومنوں سے الگ کر دیا جائیگا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اُس حالت میں چھوڑ دے جس میں اَے مومنوں تم ہو۔ یہانتک کہ ناپاکوں کو پاکوں سے متمیز کر دیا جائیگا۔ اور ۳۳/۶۰ کے مطابق وہ رسُولِ پاک کے اِرد گرد نہیں رہ سکینگے یا تو ملک چھوڑ کر چلے جائیں گے اور یا ملک کے اندر روپوش ہو جائینگے۔ پھر رسُولِ مقبول کا فرض قرار دیا گیا تھا کہ اُنکی تلاش کی جائے۔ جہاں جہاں پائے جائیں گرفتار کئے جائیں اور قتل کر دئیے جائیں۔ سُورہ احزاب ۳۳/۶۰-۶۱ میں ارشاد ہُوا ہے :-

● لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۞ ۳۳/۶۰-۶۱ ۔

(مفہوم) اَے رسُول اگر منافق یعنی جن کے اذہان میں نفاق کی بیماری ہے اور وہ بھی جو شہر میں جھوٹی خبریں پھیلاتے ہیں، وہ نفاق سے اور یہ جھوٹی خبریں پھیلانے سے باز نہ آئیں تو ہم آپکو اُن کے پیچھے لگا دینگے (انکا تعاقب کرنا آپ کا فرض ہوگا) پھر وہ آپکے ارد گرد اس شہر میں تھوڑا عرصہ کے سوا نہیں رہ سکیں گے۔ جتنا عرصہ رہینگے (راندۂ دربارِ نبوّت) ملعون ہونگے۔ (پس اَے رسُول! لازم ہے کہ) وہ جہاں جہاں پائے جائیں، گرفتار کر لئے جائیں اور قتل کر دئیے جائیں۔

● اِن آیات کریمہ سے کھل کر ثابت ہُوا کہ زمانۂ رسالت محمّدی میں بحکم خداوندی منافقوں کا تعاقب کر کے اُنہیں گرفتار کر لیا گیا تھا اور وہ قتل کر دئیے گئے تھے۔ اِسکے برعکس اگر یہ تصوّر صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضور نے ۳۳/۶۰-۶۱ پر عمل نہیں کیا گیا تھا اور آپ کی وفاتِ مبارکہ تک منافق نہ صرف موجود تھے بلکہ آپ کے بعد مسندِ خلافت پر قابض ہو گئے تھے تو معاذ اللہ معاذ اللہ آنحضور ۳۳/۶۰-۶۱ کے خداوندی حکم کے منکر ثابت ہوتے ہیں۔ جو صد فیصد ناممکن ہے۔ آنحضور نے حکم الٰہی منافقوں کا تعاقب کیا اور گرفتار کر کے قتل کر دیا تھا۔ اور وفاتِ مبارکہ کے وقت صحابہ کرامؓ میں کوئی ایک منافق بھی موجود نہیں تھا۔

● سلسلہ درس کی آیتِ مجیدہ ۶/۹۰ میں صحابۂ رسُولؐ کی ناموسِ مبارکہ کو محفوظ کرنے کیساتھ ساتھ

رجُوع الی المقصود آیاتِ بالا ۶/۸۳ تا ۸۹ میں اٹھارہ نبیوں کے نام لیکر ارشاد ہُوا ہے کہ یہ سب صاحبِ ہدایت تھے ہم نے سب

کو اپنی کتاب و نبوت عطا فرمائی تھی اور کتاب کیساتھ فیصلے کرنے کا حکم دیا تھا اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم ہوا کہ آپ بھی مذکورہ انبیاءؑ کی ہدائت کی اقتدا کریں اور انہی کی سُنتِ مُبارکہ کے مطابق آپ بھی اجرِ رسالت طلب نہ کرنے کا اعلان کر دیں :۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ
وہی تھے وہ لوگ ہدائت کی اللہ نے پس ساتھ ہدائت کی
اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ
تو پیروی کر کہہ نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اسکے بدلہ۔ نہیں وہ
اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ○ ۹۱
مگر نصیحت نامہ واسطے جہانوں کے

(اے رسولؐ) مذکورہ بالا وہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی نے انہیں ہدائت فرمائی تھی پس آپ بھی اُنہی کی ہدائت کی پیروی کریں [1] (اور) اعلان کر دیں کہ میں تم سے (قرآن کا) اجرِ تبلیغ نہیں مانگتا۔ نہیں ہے یہ (قرآن) مگر قیامت تک کے تمام لوگوں کیلئے نصیحت نامہ ہے۔ (نصیحت کرنے کی کوئی اُجرت نہیں ہوتی)۔

قرآن کریم کی اتباع ہی ہدائتِ انبیاءؑ اور ملتِ ابراہیمؑ کی اتباع ہے

• علہ اس آئت مجیدہ کے الفاظ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ میں آنحضورؐ کو سابقہ انبیاءؑ کی ہدائت کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے — دوسری طرف $\frac{16}{123}$ میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں کہ آپ ملتِ ابراہیم کی پیروی کریں :۔ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا $\frac{16}{123}$ اور تیسری طرف $\frac{10}{109}$ میں حکم دیا گیا ہے :۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ اور آپ اُس کی (یعنی قرآنِ کریم کی) پیروی کریں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے — اب چونکہ $\frac{4}{82}$ کے مطابق قرآنِ مجید میں اختلاف نہیں ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ ہدائتِ انبیاء کی اتباع، ملتِ ابراہیمؑ کی اتباع اور قرآنِ مجید کی اتباع ایک ہی چیز ہے۔ نیز اس مسئلہ کی زیادہ گہرائی میں جائیں تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اس وقت ہدائتِ انبیاء اور ملتِ ابراہیمؑ دونوں کا قائم مقام قرآن کریم ہے۔ کیونکہ وہ دونوں بھی بصورتِ قرآنِ کریم موجود ہیں۔ دُوسرے لفظوں میں یہ کہ قرآنِ کریم کی اتباع ہی سابقہ انبیاءؑ کی ہدائت کی اتباع بھی ہے اور ملتِ ابراہیمؑ کی اتباع بھی ہے۔

• اسی چیز کی تائید و تصدیق $\frac{87}{18-19}$ میں ملتی ہے اور $\frac{26}{196}$ میں بھی :۔

• اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ○ $\frac{87}{18-19}$ بیشک یہ (قرآن) پہلے صحیفوں میں ہے یعنی صحفِ ابراہیمؑ اور صحفِ موسٰیؑ میں۔

• وَاِنَّهٗ لَفِىْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ○ $\frac{26}{196}$ اور بیشک وہ (قرآن ہی) پہلی خداوندی کتابوں میں تھا۔ (یعنی اُن سب میں قرآن کریم ہی کے احکام درج تھے۔

اجرِ رسالت

• علہ آئتِ بالا $\frac{6}{91}$ میں کے الفاظ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا میں مذکور اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے آنحضورؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے کہ میں اجرِ تبلیغ ہرگز نہیں مانگتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ

یہ قرآنِ کریم تو صرف اہلِ عالم کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے۔ نصیحت کی اُجرت کسی بھی مہذب معاشرہ میں نہیں لی جاتی۔ لیکن اِسی مسئلہ اجرِ رسالت کے متعلق سُورہ شوریٰ میں آیا ہے :-

• قُل لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ۴۲/۲۳ اِس سے اخذ کردہ غلط مفہوم کی بدولت یہ عقیدہ چل رہا ہے کہ آنحضورؐ کا اجرِ رسالت یہ ہے کہ آپ کے اہلِ خاندان سے اِس طرح محبت رکھی جائے کہ نذروں نیازوں کا مال قیامت تک کے لئے اُن کے ہاں پہنچایا جاتا رہے۔ کمائی میں سے پانچواں حصّہ بدستور انہیں ادا کیا جایا کرے۔ اِس پر معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ اگر لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا کا یہی مفہوم ہے تو پھر وہ کون سی اُجرت ہے جس کے نہ طلب کرنے کا اعلان کروا دیا گیا ہے جبکہ خاندانِ رسالت کو اُمّت کے ہر فرد کی کمائی کا پانچواں حصّہ دِلایا جا رہا ہو۔ اِس اعتراض کا صحیح جواب اِس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ آنحضورؐ نے اپنے دعوے کے مطابق کوئی اجرِ تبلیغ نہ خود لیا تھا اور نہ نذروں نیازوں اور پانچواں حصّہ کمائی کی صورت میں اپنے اہلِ خاندان کے لئے مختص فرمایا تھا :-

• قرآنی فیصلہ کے مطابق آنحضورؐ اللہ کے رسُولوں میں سے ایک رسُول تھے :- اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۰ ۳۶/۳ آنحضورؐ کا یہ اعلان بھی درج قرآن ہے مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ۴۶/۹ میں کوئی نرالا رسُول نہیں۔ (رسُولوں جیسا ایک رسُول ہوں) سابقہ تمام رسُولوں کا بھی یہی اعلان کتابِ لاریب میں موجود ہے کہ میں اجرِ رسالت نہیں مانگتا :-

اعلانِ نُوحؑ

• وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۱۱/۲۹ میرا اجر صرف اللہ کے ذمّہ ہے۔

• وَمَآ 〃 〃 مِنْ اَجْرٍ 〃 〃 〃 〃 عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۲۶/۱۰۹ میرا اجر صرف جہانوں کے رب کے ذمّہ ہے

اعلانِ ھُودؑ و صالحؑ

• لَآ 〃 〃 〃 عَلَیْهِ اَجْرًا 〃 〃 〃 〃 〃 فَطَرَنِیْ ۱۱/۵۱ میرا اجر صرف میرے پیدا کرنیوالے کے ذمّہ ہے

• وَمَآ 〃 〃 〃 〃 مِنْ اَجْرٍ 〃 〃 〃 〃 رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۲۶/۱۴۵ میرا اجر صرف جہانوں کے رب کے ذمّہ ہے

اعلانِ لوطؑ و شعیبؑ

• 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲۶/۱۶۴ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

• 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲۶/۱۸۰ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

• یہ ہیں چند ایک نبیوںؑ کے اعلان :-

جن میں اجرِ تبلیغ کے عدم طلبِ اُجرت کے متبادل الفاظ عدم طلبِ مال بھی ۱۱/۴ میں موجود ہیں۔ فلہٰذا اس اَمر کا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضورؐ کا اجرِ رسالت سابقہ انبیاء کے خلاف اپنے لئے یا اپنے خاندان والوں کے لئے حصُولِ مال ہو۔ جب آنحضورؐ کا وہ اعلان جو ۶/۹۱ میں گزر چکا ہے، جو سابقہ انبیاء کی طرح عدم طلبِ اجرِ تبلیغ ہے، جسے قرآنِ کریم میں ذیل کے پانچ مقامات پر بتکرار کثیر دہرایا گیا ہے، اور یہ اَمر کبھی بھی ممکن نہیں کہ چار آیتوں میں تو عدم حصولِ اجرِ رسالت کا اعلان کروایا ہو اور پانچویں میں حضورؐ کے خاندان کے لئے قیامت تک کے لئے نذروں نیازوں وغیرہ کے لئے حصُولِ مال کا سامان کر دیا ہو۔

آنحضورؐ کے اعلانات متعلقہ عدمِ حصولِ اجرِ رسالت

۱- سورہ انعام میں ارشاد ہوا ہے :- قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ٥ ۶/۹۱ = اے رسولؐ ! کہہ دیجئے کہ میں تم سے تبلیغِ قرآن کی اُجرت نہیں مانگتا - یہ قرآن قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے - (کیا نصیحت کی اُجرت لی جاسکتی ہے ؟ ہرگز نہیں لی جاسکتی) -

۲- سورہ صٓ میں ارشاد ہوا ہے :- قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ ٥ ۳۸/۸۶ اے رسولؐ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (قرآن کی تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا - اور نہ ہی میں تکلیف دینے والوں سے ہوں - (میں تو سُکھ دینے کے لئے آیا ہوں دُکھ دینے کے لئے نہیں آیا) -

● اسکے بعد اسی ضمن کی وہ آیتِ مجیدہ ملاحظہ فرمائیں جس میں آنحضورؐ سے اعلان کرادیا گیا ہے کہ میرا اجرِ تبلیغ تو بلا شبہ اللہ کے ذمّہ ہے ، میں جو کچھ تم سے (بصورت صدقہ زکوٰۃ وصول کرتا ہوں وہ صرف تمہاری بھلائی کے لئے ہے (یعنی متوازن معاشرہ کے قیام کے لئے) آنحضورؐ اپنی ذات کیلئے کچھ نہیں لیتے تھے -

۳- سورہ سبا میں ارشاد ہوا ہے :- قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ۳۴/۴۷ اے رسولؐ کہہ دیجئے کہ میں تم سے جو کچھ مانگتا ہوں وہ صرف تمہارے لئے ہے - بیشک میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے - اس عطا گئے جو تھے نمبر پر اسی عنوان کی وہ آیتِ مجیدہ ملاحظہ فرمائیں ، جس سے اجرِ رسالت کے طور پر آنحضورؐ کے اہلِ خاندان کو نذریں نیازیں دینے ، اور ہر فرد اُمّت کی کمائی میں اُنہیں حصّہ دار قرار دیا جاتا ہے :-

۴- سورہ شوریٰ میں حکم دیا گیا ہے :- قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ۴۲/۲۳ اے رسولؐ ! کہہ دیجئے کہ میں تم سے مودۃ فی القربیٰ کے سوا کوئی اجرِ تبلیغ نہیں مانگتا -

● اس آیتِ مجیدہ کے ترجمہ میں ہمنے مودۃ فی القربیٰ کے الفاظ کو من وعن رکھا ہے - غرض یہ ہے کہ اسکا مفہوم تصریفِ آیات اور قرآنی لغت کے مطابق خود بخود نکھر کر سامنے آجائے - مَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی کیا ہے ؟ ۳۴/۴۷ میں آمدہ اسکے متبادل الفاظ فَھُوَ لَکُمْ کے مطابق جو کچھ بھی ہے صرف اُمّت کے مفاد کے لئے ہے آنحضورؐ کے ذاتی مفاد کیلئے نہیں - کیونکہ آپکا اجر اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ کے حکم کے مطابق صرف اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے - پس سابقہ جملہ انبیاء سمیت خود آنحضورؐ کے اعلان اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ کی رُو سے لازم آتا ہے کہ اجرِ رسالت کے طور پر اُمّت کی طرف سے ایک پائی بھی نہ آنحضورؐ تک پہنچنی چاہیئے اور نہ آپکے خاندان تک ورنہ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ کا جملہ جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی طرح نفی اثبات کے حصر کے ساتھ بیان ہوا ہے ، باطل ہو کر رہ جاتا ہے - لیکن افسوس ہے آیتِ زیرِ بحث کے مروّجہ مفہوم نے اِسے باطل کرکے رکھ دیا ہوا ہے - مودۃ فی القربیٰ کا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ سادات کے برابر چارپائی پر بیٹھنا ممنوع ہے - لاکھوں کروڑوں روپے کی نذریں نیازیں ادا کی جاتی ہیں جو یقیناً یقیناً اُمّت کے کام نہیں آتیں - اِسی مال سے جس کی ادائیگی اجرِ رسالت کے طور پر لازم قرار دے دی گئی ہے پیر

صاحب اور اُن کی اولادیں دادِ عیش دیتی ہیں۔ اِسی مال سے تعمیر کردہ مقبرے، صاحبِ مقبرہ کی اولاد کیلئے مستقل آمدنی کا ذریعہ بنتے ہیں، مذکورہ مال دینے والوں کی اولادیں اُس آمدنی سے صد فیصد محروم رہتی ہیں۔ حالانکہ سُورہ سبا کی آیت مجیدہ ۳۴/۴۷ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ کے مطابق اُس مال میں آنحضورؐ اور آپ کے خاندان والوں کا مطلقاً کوئی حصّہ ثابت نہیں ہوتا۔ پس ثابت ہُوا کہ جملہ مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کے جن معنوں کی رُو سے آنحضورؐ یا آپ کے خاندان والوں تک مال پہنچنے کا تصوّر چل رہا ہے، قرآنی تصریفِ آیات کے مطابق مُطلقاً غلط ہے۔

مودّة فی القربیٰ کے مُتبادل قرآنی الفاظ

• آنحضورؐ کیطرف سے عدمِ طلب اجرِ رسالت کے ضمن میں چار آئتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ اب اسی عنوان کی پانچویں آئت مجیدہ ۲۵/۵۷ ملاحظہ فرمائیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے مودّة فی القربیٰ کے متبادل الفاظ لاکر اسکے معنوں کی خود وضاحت کردی ہے، اِس عنوان کی پانچویں آئت مجیدہ ذیل میں گزشتہ آئت نمبر ۴۲/۲۳ کے نیچے عین متقابل انداز میں پیش کی جارہی ہے، ہر لفظ اپنے متقابل لفظ کے عین نیچے لکھا گیا ہے، بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

• ۴۲/۲۳ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى = میں تم سے مودّة فی القربیٰ کے سوا کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔
• ۲۵/۵۷ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا = اسکے سوا کہ کوئی شخص اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے میں تم سے کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔

• غور فرمائیگا! کہ مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا مفہوم تصریفِ آیات کے قرآنی اسلوب کے مطابق جو کھل کر برآمد ہوتا ہے، وہی لینا لازم ہے۔ اوپر دیکھئے! ۴۲/۲۳ اور ۲۵/۵۷ میں لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کے متقابل بالکل یہی الفاظ آئے ہیں۔ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ۔ دونوں میں لَا اور مَا نافیہ ہے۔ دونوں پر اِلَّا استثنائیہ کے مقابلے پر عین یہی لفظ اِلَّا استثنائیہ آیا ہے لیکن مُستثنیٰ مِنہُ دونوں کا الگ الگ ہے جو عین متبادل ہے:۔

مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ـــــ کا متبادل ہے ـــــ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

• یہاں پہنچ کر صراحتاً ثابت ہوچکا کہ یہ دونوں مستثنیٰ منہ مترادف المفہوم ہیں۔ یعنی مودّة فی القربیٰ کا معنیٰ بھی اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرنا ہے۔ لفظ مودّة مصدر ہے مادہ و۔د۔د سے۔ جس کا لفظی معنیٰ ہے محبت کرنا۔ اور لفظ القربیٰ کا معنیٰ قرآن بھر میں قرابتدار اور قریبی ہیں، بلکہ المنجد صفحہ ۷۹۸ پر بھی قُربت لکھا ہے، قرابتدار نہیں لکھا۔ لھذا مودّة فی القربیٰ کا معنیٰ ہے... اللہ کے قریب ہونے سے محبت کرنا۔ جو اس کے متقابل و متبادل قرآنی الفاظ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا کے مصدری مفہوم کے عین مطابق ہے کہ مودّة فی القربیٰ سے مُراد ہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرنا۔ اور یہی ہے قرآنی مفہوم جو تصریفِ آیات قرآنیہ کے مطابق برآمد ہوتا ہے۔

القربیٰ کے متعلق ایک علمی نکتہ

• القربیٰ کا معنیٰ جو قریبی یا قرابتدار لیا جاتا ہے، اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ ازروئے قرآن بھی

غلط اور از روئے لُغت بھی۔ لُغت کیا ہے؟ قرآن کریم کی خادم ہے۔ قرآن کریم میں القُربیٰ کا لفظ تیرہ مقامات پر آیا ہے۔ مگر ہر مقام پر اس پر ذَا، اولُو، اولِیٰ میں سے کوئی لفظ داخل کر کے اس کے معنی قریبی کے لئے گئے ہیں، قرابت والے قرآن کریم کے مذکورہ تیرہ مقام یہ ہیں :-

● ذِی الْقُرْبٰی ۲/۸۳ - ذَوِی الْقُرْبٰی ۲/۱۷۷ - اُولُوا الْقُرْبٰی ۴/۸ - ذِی الْقُرْبٰی ۴/۳۶ - ذَا قُرْبٰی ۶/۱۵۲ - ذِی الْقُرْبٰی ۸/۴۱ - اُولِیْ قُرْبٰی ۹/۱۱۳ - ذِی الْقُرْبٰی ۱۶/۹۰ - ذَا الْقُرْبٰی ۱۷/۲۶ - اُولِی الْقُرْبٰی ۲۴/۲۲ - ذَا الْقُرْبٰی ۳۰/۳۸ - ذَا قُرْبٰی ۳۵/۱۸ - ذِی الْقُرْبٰی ۵۹/۷ -

● یہ ہیں یکے بعد دیگرے قرآن کریم کی تیرہ شہادتیں کہ :-

اَلْقُربیٰ کا معنی قریبی نہیں۔ قربت ہے۔ پس القربیٰ کا معنی قریبی لینا قرآنی لُغت سے بے خبری کی دلیل ہے۔

عود الی المقصود ● اَجرِ رسالت کی اس قرآنی تشریح و توضیح کے بعد پھر سلسلہ درس کی طرف رجوع فرمائیں۔ سُورۃ الانعام کی آیات مجیدہ نمبر ۸۴ تا ۹۰ میں اٹھارہ نبیوں کے اسماءِ گرامی پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ قانونِ خداوندی میں لوچ لچک ہرگز ہرگز موجود نہیں۔ اگر بفرضِ محال وہ بھی شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ اور آیت نمبر ۹۱ میں ارشاد ہُوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو راہِ راست کی رہنمائی کی تھی' اے رسُولؐ! آپ اُن کی ہدایت کی پیروی فرمائیں۔ اور ساتھ ہی حکم دے دیا کہ اے رسُولؐ! آپ اجرِ رسالت طلب نہ کریں۔ آپ کا اَجر ہمارے ذمّہ ہے۔ اور غرضِ رسالت یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی محبّت پیدا کریں۔ اُس کے سو فیصدی فرمانبردار بن جائیں۔ اس سے اگلی آیت میں یہودیوں کے اِس دعوے کا جواب دیا گیا ہے جو وہ کہتے تھے کہ آنحضورؐ پر کچھ نازل نہیں ہُوا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ
اور نہیں قدر کی اللہ کی حق قدر اُس کی، جب کہا نہیں

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ
نازل کیا اللہ نے اوپر بندے کوئی چیز کہہ کس نے نازل کی

الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى
وہ کتاب جو آیا ساتھ اسکے موسیٰ نور اور ہدایت واسطے

لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ
لوگوں کے کرتے ہو تم اسے ورق ورق ظاہر کرتے ہو اسکے اور

تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا
چھپاتے ہو بہت۔ اور تم سکھائے گئے جو نہیں جانتے تھے تم

اور نہیں قدر کی (یہودیوں نے) اللہ تعالیٰ کی جو حق ہے اُس کی قدر کرنے کا' جب اُنہوں نے یہ کہا کہ اس بندے (محمدؐ) پر اللہ نے کوئی چیز نہیں نازل کی۔ آپ (ان سے) کہئے گا کہ وہ کتاب کس نے نازل فرمائی تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے (اُس کتاب) کی شان یہ تھی کہ وہ لوگوں کیلئے نور تھی۔ ہدایت واسطے لوگوں کے (اے یہودیو!) تم اس کا ورق ورق الگ کرتے ہو۔ (اس طرح قلیل حصّہ اُسکا) تم ظاہر کرتے ہو اور کثیر حصّہ اسکا (غائب کر کے) چھپا لیتے ہو۔ حالانکہ تم اُس کے ساتھ وہ کچھ سکھائے گئے ہو جو نہ تم جانتے تھے' نہ تمہارے آباؤ اجداد جانتے تھے۔ کہہ دیجئے گا (اے رسُولؐ!) کہ جو کتاب موسیٰ پر نازل ہُوئی تھی اُسے بھی)

أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ قُلِ اللَّهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ
تم اور نہ بڑے تمہارے، کہہ اللہ نے۔ پھر چھوڑ ان کو
فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ۝ ٩٢
بیچ فضول بحثوں میں کھیلتے ہیں

اللہ نے نازل کیا تھا۔ آپ انہیں چھوڑ دیں وہ فضول بحثوں میں کھیلتے ہیں (ان سے الگ ہو جائیں)

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ
اور یہ کتاب نازل کیا ہم نے اسے برکت والی
مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ
تصدیق کرنیوالی اس کی جو بیچ دو ہاتھ اسکے اور تا کہ ڈرائے تو ماں
الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بستیوں کی اور جو گرد اسکے اور جو لوگ ایمان لائیں
بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ
ساتھ انجام کے، ایمان لاتے ہیں ساتھ اسکے اور وہ اوپر
صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ ٩٣
فرضِ منصبی اپنے کے حفاظت کرنیوالے ہیں

اور اس کتاب (قرآن مجید) کو ہمنے بابرکت نازل فرمایا ہے جو اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ اور (یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ اے رسولؐ!) آپ اس کے ساتھ مرکزی بستی (مکہ) والوں کو اور اس کے اردگرد والوں کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کریں۔ اور جو لوگ اعمال کے انجام پر ایمان لاتے ہیں وہی اس (قرآن) کیساتھ ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ اپنے فرائضِ منصبی ۲۲/۱۱ کی ہمیشہ حفاظت کرتے ہیں (اِسے باقاعدہ ادا کرتے ہیں)۔

● ملہ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ قرآنِ مجید پر صحیح ایمان وہ لوگ لاتے ہیں جو ہر عمل کی آخرت یعنی اُس کے نکلنے والے انجام پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی جو لوگ روزمرّہ کے مشاہدہ کی بدولت اس حقیقت کو جان کر اُس پر یقین رکھتے ہیں کہ جس طرح ہر چھوٹے بڑے عمل کا نتیجہ نمایاں ہوتا چلا جا رہا ہے، اسی طرح ہمارے اچھے یا بُرے عملوں کا اُخروی نتیجہ ضرور ضرور برآمد ہوگا۔ قرآنِ کریم کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اس امر پر یقین واثق پیدا کرتا ہے کہ جن اچھے یا بُرے اعمال کا اچھا یا بُرا بدلہ کسی دُنیوی وجہ سے یہاں نہیں ملا وہ آخرت کو ضرور ضرور مل کر رہیگا۔

● جو لوگ شبانہ روز کے مشاہدات پر نگاہ نہیں رکھتے اور ان سے مکافاتِ عمل پر یقین نہیں لاتے قرآنِ کریم کی میزان میں وہ لوگ ڈنگروں جیسے قرار دئیے گئے ہیں؛۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ ۷/۱۷۹ اُن کے پاس قلوب ہیں، وہ اُن کے ساتھ غور نہیں کرتے۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں وہ ان کے ساتھ دیکھتے نہیں۔ اُن کے پاس کان ہیں وہ اُن کے ساتھ سُنتے ہی نہیں۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں، بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے۔ یہی لوگ غافل ہیں۔ بالفاظِ

دیگر بتایا یہ گیا ہے کہ قرآنِ کریم پر انسان ایمان لاتے ہیں، ڈنگر ایمان نہیں لاتے جو شبانہ روز آیاتِ صحیفۂ فطرت پر سے گزرتے تو ہیں مگر ان کے خالق کو پہنچاتے نہیں وہ ڈنگر ہیں سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضور سلام علیہ کی صداقت کی خبر اس انداز میں دی گئی ہے کہ آپ نے جھوٹا دعویٰ نہیں کیا کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹ لگانے والا بہت بڑا ظالم ہے، جس کی طرف کچھ نازل نہیں ہوتا اور وہ وحی کا دعویٰ کردے، اسی طرح سچی وحی کو جھٹلانے والا بھی اور وہ بھی بہت بڑا ظالم ہے جو یہ کہے کہ میں بھی ایسا قانون بنا سکتا ہوں جو آنحضور صلعم پر نازل ہوا ہے دیکھئے ارشادِ باری:-

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ
اور کون بڑا ظالم اس سے جو باندھے اوپر اللہ کے

كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ
جھوٹ یا کہے وحی کی گئی طرف میری اور نہ وحی ہوا طرف اس کے

شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ
کچھ۔ اور جو کہے ضرور نازل کروں گا مانند جو نازل کیا

اللّٰهُ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ
اللہ نے۔ اور کاش تو دیکھے جب ظالم ہوں بیچ سختیوں کے

الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ
موت کی، اور ملائکہ ہوں پھیلائے ہاتھوں کو اپنے

اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
نکالو اپنے آپ کو۔ آج تم جزا دئیے جاؤ گے سزا

الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ
رسوائی کی بوجہ اسکے کہ تھے تم کہتے اوپر اللہ کے بغیر

الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۹۳
حق اور تھے تم سے آیتوں اسکی تکبر کیا کرتے

اور کون ہے اس سے بڑھ کر ظالم جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے ۱ (کسی بھی قسم کا) اور یا وہ یہ کہے کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اللہ کی طرف سے) اور ہرگز نہ وحی ہوتی ہو اس کی طرف کوئی بھی چیز ۲ اور (اس سے بڑھ کر بھی کون ظالم ہے) جو یہ کہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے، میں اس جیسا نازل کر سکتا ہوں ۳ اور کاش کہ آپ ایسے ظالموں کو اس وقت دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں ۴ میں مبتلا ہوں۔ اور (مرض، نقاہت، درد و کرب اور وحشت و اضطراب) متعدد ملائکہ ۵ ہاتھ پھیلائے ہوئے (بزبانِ حال کہہ رہے ہوں)، نکالو (اپنے آپ کو اس عذاب سے ۶ (انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا کہ) آج تم کو رسوا کن عذاب کی سزا دی جائے گی، اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمہ غیر حق (جھوٹی باتیں) کہا کرتے تھے۔ اور تم اس (اللہ) کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

● ۱ـ اللہ تعالیٰ پر کسی بھی قسم کا جھوٹ باندھنا بہت بڑا ظلم ہے، مثلاً کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کے ساتھ بذریعہ الہام اور کشف وغیرہ ہم کلام ہوتا ہوں۔ حالانکہ اللہ کی وحی صرف نبیوں پر آتی تھی جو آنحضور صلعم کے بعد ختم ہو چکی ہے۔

● ۲ـ اور یہ کہنا بھی بہت بڑا ظلم ہے کہ نزولِ قرآنِ کریم کے بعد کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے حالانکہ حضور

خاتم النبیینؐ کے بعد وحی کی آمد مطلقاً بند ہو چکی ہے۔

● ۳؎ نیز یہ دعوٰی کرنا بھی بہت بڑا ظلم ہے کہ میں اللہ کی وحی کی مانند کلام نازل کر سکتا ہوں۔ واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ دعوٰی ہے کہ اگر جن و انسان جمع بھی ہو جائیں تو اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے ۱۷/۸۸ اسکا صرف یہ معنیٰ نہیں ہے کہ کوئی اس جیسی عربی نہیں بنا سکتا۔ بلکہ اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ جن و انسان جمع بھی ہو جائیں تو اس قسم کا بے لوث قانون نہیں لا سکتے۔ یہ ایک مشاہداتی حقیقت ہے کہ دنیا کے ہر قانون میں صدر و سربراہ، ملک کے بادشاہ، ملکہ اور شہزادہ کو عدالت کے کٹہرے میں طلب نہیں کیا جا سکتا۔ مگر قرآنی قانون کے مطابق ملک کے صدر و سربراہ اور اسکے خاندان خصوصاً اسکی بیوی ملکہ کو نہ صرف یہ کہ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جا سکتا ہے بلکہ ثبوتِ جرم پر دگنی سزا دی جائیگی۔ جیسے کہ قرآنی ریاست کے صدرِ اوّل یعنی نبی اکرمؐ کی ازواجِ مطہرات کو ۳۳/۳۰ میں مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی بدکاری کی مرتکب ہوگی تو اسے دگنی سزا دی جائے گی۔ پس قرآنی قانون میں قیامت تک کیلئے صدرِ ریاست، اس کی بیوی اور جملہ ارکانِ خاندان کے لئے دگنی سزا کا قانون متعین کر دیا گیا ہے جو دنیا بھر کے بنائے ہوئے دوسرے قوانین میں مطلقاً نابود ہے۔ دنیا کے قوانین میں کوئی ایسا قانون بنا ہی نہیں سکتا۔

● ۴؎ غمراتِ الموت کے الفاظ میں غمرات بصیغہ جمع لایا گیا ہے مطلب یہ کہ نافرمانوں پر موت کے وقت بہت سی سختیاں وارد ہوں گی۔ اسی لفظ کا بدل ملائکہ بھی بصیغہ جمع لایا گیا ہے تفصیل آگے ملائکہ کے عنوان میں آ رہی ہے۔

● ۵؎ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ کے الفاظ میں عوام کے ذہنی ملائکہ کا ذکر نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی رو سے ان کا وجود ہی موجود نہیں۔ کارگاہِ کائنات میں ہر وہ چیز جو اختیار و ارادہ سے عاری خدا تعالیٰ کی عطا کردہ واحد جبلّی نہج پر مصروفِ عمل ہے ملک ہے۔ اسی طرح ہر بیماری، ہر تیز دھار والی چیز، اونچی گھاٹی، ہر عمیق جگہ، ہر دوزنی چیز اور آگ پانی وغیرہ میں مستور قوتیں جن میں مبتلا ہونے سے بالترتیب زخم کھا کر، جل کر اور ڈوب کر موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنی نہج کو تبدیل نہیں کرتیں، سب ملک الموت ہیں۔ اسی طرح ہر درندہ، ہر شین، بجلی کا شارٹ وغیرہ کی مخفی قوتیں بھی جن کا لقمہ بن کر موت واقع ہو جاتی ہے سب کے سب ملک الموت ہیں۔ واضح رہے کہ قرآن کریم میں انسانی جان کیلئے نہ روح کا لفظ آیا ہے نہ نفس کا اور نہ انسانی جان کوئی الگ چیز ہے جو جسدِ خاکی میں داخل ہوتی ہے تو یہ زندہ ہو جاتا ہے اور نہ یہ کہ نکل جاتی ہے تو مر جاتا ہے۔ جان یعنی زندگی ترکیبِ عناصر کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر الگ الگ مخصوص مقدار کے مطابق کائنات بھر کی چیزوں مٹی، پانی، آگ، ہوا، لوہا، تانبہ، سونا، چاندی، قلعی، چونا، نمکیات اور تیزابیات وغیرہ کو الگ الگ مخصوص مقداروں کے مطابق ترتیب دے رکھا ہے، انہی اجزا کی مخصوص مقدار اور مخصوص ترتیب کیساتھ زندگی پیدا ہوتی ہے اور انہی کائناتی عناصر میں سے جب کوئی چیز خدا تعالیٰ کی مقررہ مقدار سے بڑھ جاتی ہے یا گھٹ جاتی ہے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے اور جب کوئی اہم جزو کسی بیماری یا حادثہ کا شکار ہو کر بیکار ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے انسان کے جسم میں

رواں خون کے اندر سُرخ اور سفید ذرّات سب زندہ جرثومے ہیں اگر زندگی کسی نام نہاد رُوح کی بدولت ہے تو ہر انسان کے اندر ایک روح نہیں بلکہ کروڑوں روحیں موجود ہیں۔ یہی سُرخ سفید ذرّات جب بیمار ہوجاتے ہیں تو انسان فوراً بیمار ہوجاتا ہے۔ اور جب وُہ مرنے لگیں تو یہ بھی مرنے لگتا ہے۔ ملائکہ کے قرآنی معنے وُہ کائناتی قوتیں ہیں جو ایک ہی نہج پر کام کرتی چلی جاتی ہیں، ان کے ملک الموت وہ قوتیں ہیں جن سے موت واقع ہوجاتی ہے۔ مسئلہ ملائکہ کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ح۵ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا اَيْدِيْهِمْ سے وہ مُہلک طاقتیں مُراد ہیں جو انسان کی موت کے وقت بصورت حال ہاتھ پھیلائے ہُوئے ہوتی ہیں، مثلاً اگر موت واقع ہو رہی ہے نمونیہ کیساتھ تو نمونیہ کی مُہلک طاقت ہے، گولی یا تیز دھار کا مہلک زخم ہوگیا ہے تو ان کی مُہلک طاقتیں ملک الموت ہیں جو ہاتھ پھیلائے ہُوئے کھڑی ہوتی ہیں۔

● ح۶ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے بزبان حال مُراد ہے کہ وہ حالی طور پر کہہ رہی ہوتی ہیں کہ تم بڑے بڑے بنے پھرتے تھے۔ اگر اب طاقت ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے نکالو۔ لیکن روائتی تفاسیر میں اس کا یہ معنی لیا گیا ہے کہ عوام کے ذہنی فرشتے مرض الموت میں مبتلا افراد سے کہتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں۔ لیکن جب قرآن کریم کی رُو سے جان کوئی داخل ہونے والی اور نکلنے والی چیز ہے ہی نہیں تو مذکورہ روائتی مفہوم از خود غلط ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ یہاں اَنفُس کا معنی اپنا آپ ہے۔ جان نہیں جیسے کہ ۲/۸۴ میں لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ کا معنی صاف ہے کہ تم اپنے افراد کو اپنے گھروں سے مت نکالنا اَنْفُسَكُمْ کا لفظ اپنے آپ کے لئے ۲/۹۰ میں آیا ہے:- بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ، بُری ہے وہ چیز جو وہ اپنے آپ کے لئے خریدتے ہیں نیز ۲/۱۸۷ میں اس عنوان کو پوری طرح کھول کر بیان کردیا گیا ہے کہ نفس بمعنی اس جسم سے علیحدہ چیز ہرگز نہیں ہے۔ نزول قرآن سے ماقبل رمضان کی راتوں میں میاں بیوی جنسی اختلاط سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ یعنی ایکدوسرے کے جنسی حقوق ادا نہیں کرتے تھے۔ ایکدوسرے کے حقوق میں خیانت کرتے تھے۔

● اس کی خبر بالفاظ ذیل دیگئی ہے:- عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ ۲/۱۸۷ اللہ جانتا ہے کہ بیشک تم عدم ادائیگی حقوق زوجیت کیساتھ ایکدوسرے کی خیانت کیا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ تم پر رجوع برحمت ہُوا اور تم کو معاف کیا۔ ایمان والو! اب تم رمضان کی راتوں میں بیویوں سے ملا کرو۔ اِس آیت میں اَنْفُسَكُمْ سے مُراد نہ روح ہے نہ جان، بلکہ نفس کا لفظ آپس میں ایکدوسرے کیلئے استعمال ہُوا ہے۔

● ذہنی ملائکہ کی بحث بھی نہایت اہم ہے کہ عوام میں قرنہا قرن سے یہ تصور چلا آرہا ہے کہ ملائکہ نامی ایک نوری مخلوق ہے جو شکلیں بدل کر انسانوں کے پاس آتے ہیں۔ سورہ انعام میں لوگوں کے ذہنی ملائکہ کی اس طرح خبر دیگئی ہے کہ آنحضورؐ کے مدمقابل کہتے تھے وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۶/۸-۹ کہا انہوں نے کہ اس مدعی رسالت پر

کوئی ملک نازل کیوں نہیں کیا گیا ۔ اور اگر ہم کوئی ملک (اپنی کائناتی قوت بجلی، آندھی، زلزلہ وغیرہ نازل کریں تو ان کا فیصلہ ہی کر دیں ¹ پھر انہیں مہلت نہ دی جائے (فوراً ہلاک کر دئیے جائیں) اور اگر اُسے (ہم انکا ذہنی ملک بنائیں تو انکے ذہنی تصور کے مطابق) اُسے آدمی بنائیں، تو ہم اُن پر اُسے مشتبہ کر دیں (جیسے یہ لوگ خود مشتبہ کرتے ہیں ۔ (کہ آدمی کی شکل میں وہ آدمی دکھائی دیگا، تو پھر یہ لوگ کہیں گے کہ یہ ملک نہیں یہ تو آدمی ہے)

● وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ کے جملہ میں لفظ مَلَكًا سے مراد خدا تعالیٰ کا حقیقی ملک ہے یعنی کوئی کائناتی قوت کہ اُسے نازل کیا جائے تو بجلی آندھی زلزلہ وغیرہ کیساتھ انہیں فوراً ہلاک کر دیا جائے۔

● وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا کے الفاظ میں ہٗ کی ضمیر راجع بسوئے ماقبل مذکورہ اصلی ملک ہے اور یہاں جَعَلْنٰهُ مَلَكًا سے مراد عوام کا ذہنی ملک ہے جن کے متعلق مشہور کیا گیا ہے کہ وہ شکلیں بدل کر آدمی بن جاتے ہیں ۔ ورنہ اگر عوام کے ذہنی ملائکہ فی الحقیقت کوئی مخلوق ہے تو جَعَلْنٰهُ مَلَكًا کے الفاظ میں ملک کو ملک بنانے کا کیا مطلب؟ بلکہ اصلی ملک کو عوام کا ذہنی ملک بنانا مذکور ہے جو عوامی غلط تصور کے مطابق آدمی کی شکل میں دکھائی دے گا مگر مشتبہ ہو جائیگا کہ جو آدمی دکھائی دیتا ہے اسکے متعلق اُنکے ذہنی ملک ہونے کا کیا ثبوت ہو گا۔

● ٹ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ میں الیوم سے مراد قیامت کا دن ہے اُس سے پہلے بلا حساب کتاب قبر میں عذاب ثواب دینے کا تصور کئی وجہوں سے غلط ہے :۔

ا۔ پہلے نمبر پر خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اوّلین سورت مجیدہ میں جزا سزا کیلئے یوم الدّین کی خبر دی ہے اور اسی دن کے متعلق سورہ مومنون میں بتایا گیا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے تو ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۰ $\frac{۲۳}{۱۶}$ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے ۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ موت کے بعد جبکہ ابھی بعثت ہوئی ہی نہیں تو قیامت سے پہلے قبر میں عذاب ثواب کا کیا معنی؟

ب۔ دوسرے نمبر پر اسی یوم الدّین کے متعلق بتکرار کثیر ارشاد ہوا ہے :۔ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا $\frac{۴}{۱۷۲}$ + $\frac{۶}{۱۲۹}$ + $\frac{۳۴}{۴۰}$ + $\frac{۲۵}{۱۷}$ + $\frac{۱}{۵}$ + $\frac{۱۵}{۲۵}$ اُس دن اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کر لیگا ۔ تو اس طرح جب حشر نشر کے لئے ایک دن مقرر کر دیا گیا ہے تو دنیوی تاریخ سے پہلے بلا حساب کتاب قبر میں آتشیں گرزوں کی سزا کا کیا مطلب، جبکہ مقرر کردہ تاریخ سے پہلے کسی قسم کی کاروائی کرنا عقل و دانش اور عدل و انصاف دونوں کے صد فیصد خلاف ہے۔

ج۔ تیسرے نمبر پر خدا تعالیٰ کی مقررہ تاریخ یعنی اسی یوم الدّین کو $\frac{۱}{۱۴}$ میں يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ کے الفاظ میں نوعِ انسانی سے حساب لینے کا دن بھی کہا ہے ۔ تو حساب کتاب کے بغیر مقدمہ پیچھے اور سزا پہلے کس طرح ممکن ہے۔

د۔ چوتھے نمبر پر ابتدائے کائنات کے اوّلین دور اور انتہائے کائنات کے آخری دور کے مجرموں کی اس مدت میں لاکھوں کروڑوں سال کا فرق ہے جو وہ الگ الگ قبر میں رہیں گے ۔ قرب قیامت کے آخری افراد تو صرف ایک دن یا ایک گھنٹہ

کیلئے عذابِ قبر پائیں گے مگر ابتداءِ آفرینش کے متوفّی افراد لاکھوں کروڑوں برس فرشتوں کی گُرزیں کھاتے رہینگے۔ پس قبر کی یہ الگ الگ مدّت بھی جس سے کسی بھی فردِ بشر کو مجالِ انکار نہیں، عذابِ قبر مبنی بر انصاف نہیں ہونے دیتی، پس عذابِ قبر کا نظریہ نہ قرآن کریم کا ساتھ دے سکتا ہے اور نہ عقل و خرد اور عدل و انصاف کے ترازو پر پُورا تُل سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جن روایات میں یہ نظریہ رسُولِ مقبول اور صحابۂ کرام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ وُہ اِن بزرگوں کی طرف منسوب محض ہیں پس :-

● آیتِ زیرِ بحث ۶/۹۴ میں آمدہ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ کا مفہوم اَلْیَوْمَ یعنی قیامت کا دن ہی دُرست ہے جس کی تائید و تاکید عین متصل مابعد کی آیتِ کریمہ نمبر ۶/۹۵ میں موجود ہے کہ یہاں قبر کے عذاب کا ذکر نہیں بلکہ قیامت کی عدالت کا ہے :-

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ
اور البتہ تحقیق تم آئے ہمارے پاس فرداً فرداً جیسے پیدا کیا ہمنے تمکو
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُھُوْرِکُمْ
پہلی مرتبہ اور چھوڑ آئے جو دیا ہمنے تمکو پیچھے پیٹھوں اپنی کے
وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ
اور نہیں دیکھتے ہم ساتھ تمہارے شفاعتی تمہارے جنہیں گمان کیا تم نے
اَنَّھُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ
بیشک انہیں بیچ اپنے شریک بیشک قطع ہوگئے بیچ تمہارے اور گم ہوگئے
عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۹۵ ع ۱۷
سے تمہارے جو تھے تم تم گمان کرتے

(اللہ تعالیٰ قیامت کو کہیگا کہ) بیشک تم ہمارے حضور میں اکیلے اکیلے حاضر ہُوئے ہو جیسے کہ تمہیں پہلی مرتبہ اکیلے اکیلے کو ہم نے پیدا کیا تھا۔ اور جو مال ہم نے تمہیں عطا فرمایا (جس سے تم بے حد محبت کرتے تھے) اُسے تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ اُن لوگوں کو جنہیں تم اپنے شفاعتی گمان کرتے تھے اپنے اندر شریک۔ تمہارے آپس کے تعلقات منقطع ہو چکے ہیں اور وہ تم سے گم ہو گئے ہیں۔ جنہیں تم (حاجت روا کارساز) گمان کرتے تھے۔

● دیکھا آپنے! اس آیتِ مجیدہ میں کس طرح وضاحتاً بتا دیا گیا ہے کہ پچھلی آیت میں اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ قیامت کے گناہگاروں کو کہا جائے گا۔ قبر میں نہیں کہ خدا تعالیٰ پر مقدّمے کا فیصلہ بعد میں اور سزا پہلے کا الزام عائد ہوتا ہو۔ استغفر اللّٰہ!

اللہ تعالیٰ گُٹھلیوں اور بیجوں کو پھوڑنے والا ہے

● آیتِ بالا میں لوگوں کے ٹھہرائے ہُوئے شریکوں کا ذکر آیا ہے اس لئے متّصلاً اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللّٰہ تو وہ ہے جو زمین میں بوئی گئی گٹھلیوں اور بیجوں کو پھاڑ کر اُن میں سے پودے پیدا کرتا ہے، رات کے اندھیرے میں سے دن کی روشنی نکالتا ہے، مُردوں میں سے زندے اور زندوں میں سے مُردے پیدا کرتا ہے۔ پس وہ لوگ اُسکے شریک کس طرح ہو سکتے ہیں جو

نہ تو کچھ پیدا کرتے ہیں اور خود اُس قوی و عزیز کے قوانین کے مطابق پیدا ہوئے اور زندگی بھر اُسی کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ

بیشک اللہ ہے پھوڑنیوالا دانوں اور گٹھلیوں کو ۔ نکالتا ہے

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ

زندہ کو میں سے میت کو اور نکالنے والا ہے میت کو میں سے زندہ کے

ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ○ ۹۶

وہ ہے تمہارا اللہ پھر کہاں کو تم اُلٹے پھرتے ہو

بیشک اللہ تعالیٰ (زمین میں بوئے گئے) دانوں اور گٹھلیوں کو پھوڑنے والا ہے (ان سے پودے اور درخت پیدا کرتا ہے) وہ نکالتا ہے مُردے میں سے زندہ کو اور نکالنے والا ہے زندہ میں سے مُردہ کو ۔ ان صفات کا مالک ہے تمہارا اللہ پھر تم (اُس کے شریک ٹھہرا کر) کس طرف کو اُلٹے پھرے جا رہے ہو ۔

● جملہ یُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ کی عملی تفسیر مشاہداتِ عالم میں اِن الفاظ کے حقیقی اور مجازی دونوں معنوں کی صورت میں موجود ہے کہ بچّے کی پیدائش سے پہلے ماں مر جاتی ہے ۔ اور ایسے مُردوں میں سے زندہ بچّے پیدا ہو رہے ہے ۔ اسی طرح ماں زندہ ہوتی ہے مگر بچہ مُردہ پیدا ہوتا ہے ۔ یہ تو ہے اِن الفاظ کے حقیقی معنوں کی مشاہداتی تفسیر ـــــ اسکے علاوہ ان الفاظ کے مجازی معنوں کی تفسیر بھی اقوام عالم کے عروج و زوال کی صورت میں موجود ہے کہ مُردوں قوموں میں سے ایسے زندہ افراد پیدا ہوتے ہیں جو پوری کی پوری قوم کو زندہ کر دیتے ہیں ۔ اور بعض زندہ قوموں میں ایسے مُردہ افراد پیدا ہوتے ہیں جو پوری کی پوری قوم کو غلامی کی موت کے عمیق غار میں دھکیل دیتے ہیں ۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق مُردہ قوموں میں سے زندہ قومیں نکال رہا ہے اور زندہ قوموں میں سے مُردہ ۔ گزشتہ آئتِ مجیدہ میں بیجوں اور گٹھلیوں کے پھوڑنے اور ان سے درخت پودے اگانے کے اُن تصرّفات کا ذکر تھا جن کا تعلق زمینی قوانینِ خداوندی کیساتھ ہے ۔ اِس خدا تعالیٰ کے ارضی کنٹرول کی خبر دینے کے بعد اگلی آئتِ مجیدہ میں نظامِ شمسی اور قمری یعنی اللہ تعالیٰ کے سماوی کنٹرول کی مکمل خبر دی گئی ہے جس کا تعلق اِس کارخانۂ کائنات کی محیّر العقول بلندیوں کیساتھ ہے، جن کی حدِّ نظر یہ نیلے آسمان والا افق ہے، حالانکہ اس نظامِ شمسی و قمری کے علاوہ اور بہت سے نظامِ شمسی اِن سماوات کی بلندیوں میں موجود ہیں ۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا

پھوڑنیوالا صبحوں کا اور بنایا رات کو آرام کیلئے

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ

اور سورج اور چاند کو حساب کیلئے وہ ہے اندازہ

(وہ اللہ ہی ہے رات کی کالی چادر کو پھاڑ کر) صبحیں نمودار کرنیوالا ۔ اور اُس نے رات کو آرام کیلئے بنایا ہے (تاکہ تم اگلے دن کی محنت کے لئے تازہ دم ہو جاؤ) اور سورج اور چاند کو تکوینی حساب کیلئے بنایا ہے مذکورہ بالا ہی ہے (اجرامِ فلکی کے نظم

الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ ۹۷ | بڑھ کر غلبے والے اور بڑھ کر علم والے کا مقرر کردہ اندازہ (پیمانہ) اور قانون ہے[۴]

بڑھ کر غالب بڑھ کر علم والے کا

● [۱] فَالِقُ الْإِصْبَاحِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ یہ جو ہر ۲۴ گھنٹوں کے بعد رات کی کالی چادر کو پھاڑ کر ہر روز نئی صبح نمودار ہوتی ہے اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ الاصباح بصورت جمع لاکر بتایا گیا ہے کہ وہ لا انتہا صبحیں نمودار کرنے والا ہے۔ اِس صیغۂ جمع میں ہر مقام کی سال بھر کی ۳۶۵ صبحیں بھی ہیں۔ اور کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر ۲۴ گھنٹوں میں ہر سیکنڈ کے بعد نمودار ہونے والی چھیاسی ہزار چار سو صبحیں بھی شمار ہیں اور سال بھر میں ہر مختلف مقام پر ہر سیکنڈ کے بعد نمودار ہونے والی تین کروڑ گیارہ لاکھ چار ہزار صبحیں بھی شامل ہیں اور اس کے بعد ایک صدی میں نمودار ہونے والی تین ارب گیارہ کروڑ چار لاکھ صبحیں بھی شامل ہیں۔ اِس اہم حقیقت کو اسطرح سمجھئے گا کہ :-

● زمین کی مداری گردش کے ساتھ سال بھر میں چار موسم بدلتے رہتے ہیں اور محوری گردش کے ساتھ دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ زمین کا جو حصّہ سورج کے سامنے آتا جاتا ہے وہاں دن نمودار ہوتا چلا جاتا ہے۔ زمین اپنی محوری گردش کا چکر سورج کے گرد ایک سال میں پورا کرتی ہے اور قریباً ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کے سامنے مغرب سے مشرق کی طرف گھومتی ہوئی ۲۴ گھنٹوں میں ایک محوری چکر پورا کرتی ہے۔ اِس گردش کی بدولت زمین کے ایک مقام پر رات کے آخری سیکنڈ کے گزرنے پر صبح نمودار ہوتی ہے مگر اُس مقام سے مغربی مقام پر ایک سیکنڈ کے بعد صبح نمودار ہوتی ہے کیونکہ وہ مقام صبح کی نمود کے مقام پر ایک سیکنڈ کے بعد پہنچتا ہے۔ اسلئے چوبیس گھنٹوں کے ہر سیکنڈ کے خاتمہ پر نئی صبح نمودار ہوتی ہے۔ اِس طرح کرۂ ارض پر ۲۴ گھنٹوں کے وقفے میں چھیاسی ہزار چار سو صبحیں نمودار ہوتی ہیں اور سال میں اس تعداد کو ۳۶۵ کیساتھ ضرب دینے سے تین کروڑ گیارہ لاکھ چار ہزار صبحیں عالمِ وجود میں آتی ہیں اور ایک صدی میں اسے ۱۰۰ کیساتھ ضرب دینے سے صبحوں کی گنتی تین ارب گیارہ کروڑ چار لاکھ صبحوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اِس طرح فالق الاصباح کے الفاظ بصورتِ جمع لاکر دعوتِ تفکر دیگئی ہے کہ جب سے اِس کارخانۂ کائنات میں نظامِ شمسی قائم کیا گیا ہے نیلوں پدموں صبحوں کو فالق الاصباح عالمِ وجود میں لا چکا ہے۔

● [۲] وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا کے الفاظ میں ایک تو اس چیز کی طرف دعوتِ تفکر دیگئی ہے کہ صحیفۂ فطرت کی اُن آیاتِ مقدسہ پر غور کرو جن کے ذریعہ رات دن پیدا ہوتے ہیں، یعنی زمین کی محوری گردش پر کہ اس کی بدولت زمین کا جو حصّہ اور جتنا عرصہ سورج کے سامنے رہتا ہے اُس مقام پر اتنا عرصہ دن رہتا ہے اور اُس کے اُلٹے حصّے پر رات ہوتی ہے۔ نیز بتلایا گیا ہے رات کو سکون آرام یعنی نیند کے لئے بنایا گیا ہے اور دن کو حصولِ معاش کے لئے۔ سورہ نبا میں ارشاد ہوا ہے وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ ۷۸/۱۰-۱۱ اور ہم نے رات کو پردہ بنایا ہے آرام کرنے کے لئے اور دن کو ہم

نے بنایا ہے معاش پیدا کرنے کیلئے۔ اِن الفاظ میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ دن کے بنانے کی غرض معاش پیدا کرنا ہے رات کو اگر آرام کرکے تازہ دم نہ ہوں گے تو اگلے دن کام کس طرح کریں گے۔ اسلئے رات کو آرام کے بعد تازہ دم ہو کر روزی پیدا کرنا حقیقی واحد غرض ہے۔ جس پر یہ پابندی عاید کی گئی ہے اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ﴿۵﴾ تم پر پاکیزہ مال حلال کیا گیا ہے۔ حلال کماؤ اور حلال کھاؤ۔

● ۳ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا کے الفاظ میں سورج اور چاند کے بنانے کی ایک غرض یہ بتائی گئی ہے شمسی اور قمری سال کا حساب صرف سورج اور چاند کے ساتھ وابستہ ہے۔ کہ زمین کی مداری گردش کے مطابق زمین پر کا سال ۳۶۵ دن کا ہے۔ بالفاظِ دیگر ۳۶۵ دن کے بعد بالکل وہی موسم لوٹ کر آجاتا ہے جو ۳۶۵ دن پہلے تھا۔ اور قمری سال ۳۵۵ دن کا ہے۔ ۳۵۵ دن کے بعد بظاہر وہی موسم آجاتا ہے جو ۳۵۵ دن پہلے تھا۔ مگر تین سال کے بعد شمسی اور قمری سال میں ایک ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ زیرِ بحث الفاظ میں اسی چیز کی دعوتِ فکر دی گئی ہے۔ نہایت محتاط تجربے کی رُو سے شمسی سال ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے قریباً ۱/۲ ۳ منٹ کا ہے۔ اُوپر کے چھ گھنٹوں سے چار سال کے بعد ایک دن کا اضافہ ہو جاتا ہے یعنی لیپ کا سال ۳۶۶ دن کا ہوتا۔ اس سے زائد ۱/۲ ۲ منٹوں سے چار صدیوں کے بعد مزید ایک دن کا اضافہ ہو جاتا ہے یعنی چار صدی کے بعد سال ۳۶۷ دن کا ہوتا ہے۔ یہ ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا کی عملی تفسیر جو صدیوں کے تجربے اور عملی حساب کی رُو سے ثابت ہو چکی ہے۔

● ۴ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ کے الفاظ میں ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید ہے جس کا بیان معنٰی ہے وہ یعنی مذکورۂ بالا۔ اور تقدیر مادہ قدر سے صفت مشبّہ ہے۔ اور جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ سورج اور چاند وغیرہ جملہ اجرام فلکی کیلئے مذکورہ بالا انداز سے دن رات اور موسموں کی تبدیلی کا قانون اس ذاتِ مقدس کا متعین کردہ ہے جو بہت بڑھ کر غالب اور بہت بڑھ کر علم والی ہے۔ اسی نے صحیح صحیح غلبے اور صحیح صحیح علم کے مطابق یہ قوانین مقرر فرمائے ہیں جن میں کروڑوں سال گزر جانے کے باوجود ایک ثانیہ کا فرق کبھی نمودار نہیں ہوا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی متصلہ آیت مجیدہ میں سورج اور چاند کے علاوہ باقی ستاروں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ ریگستانوں اور سمندروں میں راستے معلوم کرنے کا فائدہ دیتے ہیں، ہم نے علم والی قوم کیلئے اپنی تنزیلی اور تکوینی آیات مبارکہ کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری :۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا

اور وہی ہے جس نے بنائے واسطے تمہارے ستارے تاکہ تم راہ پاؤ

بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا

ساتھ انکے بیچ اندھیروں خشکی اور سمندر کے۔ بیشک کھول کر بیان کی ہم نے

اور وہ (اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں تاکہ تم اُن کے ذریعہ خشکی اور سمندر میں راستے معلوم کیا کرو۔ بیشک ہم نے عقل و شعور والی قوم کے لئے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ ۹۸
آیتیں واسطے اس قوم کے جو جانتے ہیں

ستاروں سے رہنمائی کیلئے ہیں ● علہ خشکی کے ریگستانوں میں راتوں کو اور سمندروں میں دن اور رات کو بوقت ستاروں کی مدد ہی سے راستے معلوم کئے جاتے ہیں۔ دُبّ اکبر، دُبّ اصغر، نیز قطب ستارہ اور قطبین کے علاوہ ستارۂ صبح اور نیم شبی وغیرہ جو خدا تعالیٰ کے مقررہ راستوں ہی پر چلتے ہیں وہ کبھی بھی انسان کو دھوکا نہیں دیتے۔ سب کے سب سمتوں کی رہنمائی کے صحیح صحیح فرائض ادا کرتے ہیں۔ قطب ستارہ کے متعلق سورۂ نحل میں ارشاد ہوا ہے:۔ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ $\frac{16}{16}$ اور النجم یعنی ایک مخصوص ستارہ قطبی کے ساتھ لوگ راستے معلوم کرتے ہیں:۔ یہ قطبی ستارہ ہی ہے جس کی مدد سے بڑے بڑے عظیم قطب نما تیار کئے جا چکے ہیں۔ اور آج بحری جہازوں کے کپتان بند کمروں میں بیٹھے بیٹھے راستے معلوم کرتے ہوئے وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ کی عملی تصدیق کر رہے ہیں کہ دن ہو یا رات، قطبی ستارہ ہر لحظہ اور ہر آن بحری مسافروں کی صحیح صحیح رہنمائی کر رہا ہے۔

● یہ تو ہوئی ظُلُمٰتِ الْبَحْرِ میں ستاروں کی رہنمائی یہی حال ظُلُمٰتِ الْبَرِّ کا ہے کہ ریگستانی علاقوں میں جہاں منزل کے نشانِ راہ موجود نہ ہوں وہاں ریگستانوں کے مسافر رات کے اندھیرے میں قطب ستارہ کی مدد سے منزل کی صحیح سمت معلوم کر لیتے ہیں اور دن کے وقت قطب نما کی مدد سے۔ مولا کریم نے اپنی ان نعمتوں کے تذکرہ کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں پوری نوعِ انسانی کے پیدائشی انسانی حقوق کی وضاحت اس مخصوص انداز سے فرمائی ہے کہ پوری نوعِ انسانی کو مخاطب کر کے اعلان کیا گیا ہے کہ تم سب ایک ہی جوہر حیات "سلالۂ ارضی $\frac{23}{12}$ سے پیدا کئے گئے ہو اور تم سب کے سب مساوی طور پر واجب التکریم ہو $\frac{17}{}$ اور اس طرح چونکہ تم سب ایک ہی سطح کے افراد ہو اس لئے زمین میں تمہارا حقِ رہائش بھی مساوی ہے اور حقِ سامانِ زیست (ضروریاتِ زندگی) بھی متوازن و مساوی ہے:۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں سے حقیقت ایک

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ
پھر ٹھکانہ ہے اور ضروریاتِ زندگی۔ بیشک کھول کر بیان کی آیتیں

لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ ۹۹
واسطے قوم غور کرنیوالوں کے

اور وہ (اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہیں (اے نوعِ انسانی!) ایک ہی جنس کے جوہر ارضی سے پیدا کیا ہے پھر (تم سب کیلئے اس زمین میں ٹھکانہ بھی ہے $\frac{2}{36}$ + $\frac{7}{24}$ اور ضروریاتِ زندگی (کا مساوی حق بھی $\frac{2}{36}$ + $\frac{7}{24}$) ہے بیشک ہمنے اپنی آیتوں کو اس قوم کیلئے جو تفقہ کرنیوالے ہیں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

● ملہ نفسِ واحدہ کی قرآنی تفسیر کیلئے اُن متبادل الفاظ پر غور فرمائیں جو هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کی بجائے سُورہ مومنون میں آئے ہیں:۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ۲۳/۱۲ اور بیشک ہمنے انسان کو مٹی کے سُلالہ یعنی مٹی کے جوہر کی ایک ہی جنس) سے پیدا فرمایا ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ جرثومۂ حیات جس سے انسان کی ابتدا کیگئی ہے اُس میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جو خداوندِ عالم نے مٹی کے اندر پیدا کر رکھے ہیں۔ مثلاً مٹی میں لوہا ہے سونا ہے چاندی ہے، سیسہ ہے قلعی ہے، نمکیات ہیں، تیزابیات اور چونا وغیرہ جو کچھ بھی ہے انسانی جرثومے میں ان جملہ عناصر کا سُلالہ یعنی اِن سب کا جوہر موجود ہے۔ مذکورہ بالا حقیقت ڈاکٹر صاحبان کے تجربات سے ثابت ہے کہ جب کسی شخص کے جسم میں اِن ارضی عناصر میں سے کسی عنصر کی کمی ہو جاتی ہے تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ اور ڈاکٹر یہ معلوم کر کے کہ اس بیمار کے جسم میں چونے کی کمی ہو گئی تو اُسے کیلشم کی ٹکیاں دیتا ہے اور اگر لوہا کم ہو گیا ہو تو آئرن ٹیبلیٹس کے ساتھ علاج کرتا ہے۔ ایک تندرست جسم میں آٹھ سیر پانی موجود ہوتا ہے، اگر یہ کم ہو جائے تو جسم میں پانی پہنچانا لازم ہو جاتا ہے۔

● یہی حالت اِن عناصر کے جوہر (سُلالہ) کی زیادتی کی ہے۔ کہ اگر کوئی عنصر خداتعالیٰ کی مقررہ مقدار سے بڑھ جائے تو پھر بھی انسان بیمار ہو جاتا ہے اور ایسے مریض کا علاج بڑھے ہوئے عنصر کو کم کر کے متوازن مقدار پر لانا ہے۔ یہ ہے نفسِ واحدہ کی قرآنی تفسیر جو سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ کے الفاظ میں خداوندِ عالم نے خود کر رکھی ہے۔ یعنی نفسِ واحدہ اور سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

● انسان کی ابتدائی پیدائش کیلئے قرآن مجید میں اور بھی مختلف الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً سُورہ الصّٰفّٰت میں ارشاد ہوا ہے اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝ ۳۷/۱۱ بیشک انہیں نوعِ انسانی کو) ہمنے چپکنی مٹی میں سے پیدا کیا ہے۔ سورہ الحجر میں بتایا گیا ہے:۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ ۱۵/۲۶ انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے بدبودار گارے سے پیدا کیا۔ سُورہ الرحمٰن میں ہے:۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۵۵/۱۴ انسان کو آگ میں پکی ہوئی جیسی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

● صلصال کا معنیٰ ہے سڑی ہوئی مٹی اور فخّار کا معنیٰ ہے آگ میں پکی ہوئی۔ یہ تعریف ہے اِس مٹی کی جس میں سے انسان کو پیدا کیا گیا ہے کہ یہ زمین پہلے آگ کا گولہ تھی اِس لئے اِس کی مٹی آگ میں پک کر موجودہ صُورت میں آئی تھی۔ اِس سے آگے طین کہتے ہیں پانی ملی مٹی کو۔ اور لازب کا معنیٰ ہے لیس دار یعنی چپکنے والی مٹی۔ اِس سے آگے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ حَمَا کہتے ہیں کنوئیں کی تہ سے نکالے ہوئے کالے بدبودار کیچڑ کو۔ اور مَسْنُوْن کا معنیٰ ہے بُسا ہوا۔ اِن معنوں کی تصدیق ۲/۲۵۹ میں نہ بُسے ہوئے کھانے اور پانی کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں:۔

● فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۲/۲۵۹ اپنے کھانے اور پانی کی طرف دیکھ کہ وہ بُسا نہیں ہے۔ پس محولہ بالا آیات مجیدہ ۱۱/۳۷ + ۲۶/۱۵ + ۱۴/۵۵ کے مطابق جس مٹی سے نوعِ انسانی کو پیدا کیا گیا تھا اُسکی حالت یہ ثابت ہُوئی کہ زمین آگ کا گولہ تھا اُس سے زمین سڑ کر صلصال کالفخار ہُوئی پھر اس پر پانی برسا تو طِیْنٍ لَازِبٍ بنی پھر اُس پر جب سُورج کی گرمی نے اپنا اثر کیا تو بُسا ہُوا کیچڑ حَمَاٍ مَّسْنُوْن بنا۔ اور اس میں سے سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ کے ایک ہی جنس کے جرثومہ ہائے حیات، نفس واحدہ خداوندی قانون کے مطابق اُس شکل وصُورت میں نمودار ہُوئے جو خلاقِ عالم نے اُس کے اندر محفوظ کر رکھی تھی۔

● جس طرح سائنسی مشاہدات کے مطابق، بڑھ کا اتنا بڑا پُورا درخت اپنی جڑوں، تنے، ٹہنوں، ٹہنیوں، پتّوں اور پھل سمیت بڑھ کے رائی کے دانے جتنے بیج کے اندر موجود ہوتا ہے۔ اُسی طرح انسان کے خوردبینی جرثومے کے اندر اسکا پُورا جسم آنکھوں کانوں دانتوں بالوں مُنہ ناک بازوؤں ٹانگوں وغیرہ معہ اندرونی مشین دل، دماغ، پھیپھڑے جگر معدہ انتڑیاں وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔

● اِس سے آگے پُورے کرۂ ارض پر جہاں جہاں مٹّی، صلصال کالفخار، طِیْنٍ لازب بن کر حَمَاٍ مّسنون کی صورت میں بدبُودار ہو کر بُس گئی وہاں وہاں سلٰلَةٍ مِنْ طین، انسانی جرثومۂ حیات بُسے ہُوئے گارے میں پیدا ہُوئے اور اپنی اوّلین ماں زمین کے شکمی مراحل طے کر کے کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر ہر بڑا عظم میں بہت سے مرد اور عورتیں عالمِ وجود میں آئے۔ اس ابتدائی کثرتِ پیدائش کی خبر سُورہ اعراف میں بالفاظ ذیل دیگئی ہے:۔

● وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۱۱/۷ اور بیشک ہمنے تم بہت سوں کو پیدا کیا، پھر تم بہت سوں کی صورتیں بنائیں، پھر ہمنے ملائکہ کو حکم دیا کہ سب نوعِ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ پھر سب سجدہ ریز ہو گئے مگر ابلیس نہ ہُوا ۔۔۔ اس آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ابتدائی تخلیق ایک شخص کی نہیں تھی بلکہ مرد عورتیں بہت سے اشخاص کی تھی۔ اِس سلسلے کا آخری سوال یہ ہے کہ جب ۱۱/۷ کے مطابق ابتدا میں بہت سے مرد عورتیں پیدا کئے گئے تھے تو پھر مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کے الفاظ کیوں لائے گئے ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ ۱۱/۷ کے مطابق یہ تصور تو کسی بھی صُورت میں پیدا نہیں ہو سکتا کہ ابتدا میں صرف ایک فرد پیدا کیا تھا اور اُس کی بیوی اُس کی پسلی سے نکالی گئی تھی۔ پھر وُہ روزانہ شوہر سے دو بچوں کا حمل اُٹھاتی بھی تھی اور دو بچے روزانہ جنتی بھی تھی العیاذُ باللہ!۔ بلکہ یہاں نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ صفت موصوف ہے اور اس میں تنوین تعریف جنس کی ہے۔ یعنی بہت سے مرد عورتیں کرۂ ارض پر ایک ہی جنس جوہرِ ارضی سے پیدا کئے گئے تھے۔ سُورہ نساء اور سُورہ اعراف میں نفسِ واحدہ میں مذکر مونث کی موجودگی کی خبر دیگئی ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔

● يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا

كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۴/۱ = اے نوعِ انسانی کے مردو اور عورتو! اپنے رب کی رُوبیّت کی مخالفت سے بچو، جس نے تم کو ایک ہی جنس (زمینی جوہرِ حیات سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۲۳/۱۲) سے پیدا کیا اور اُسی جوہرِ ارضی، جزثومۂ حیات میں اُس کا جوڑا (مذکر و مونث) پیدا کیا۔ اور اُن دونوں صنفوں مذکر و مونث میں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دئے۔

کیا ہر بیوی اپنے شوہر میں سے نکلی ہوئی ہے؟

● اوپر خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں جو ھا ضمیر برائے نفسِ واحدہ آئی ہے اُسکا معنی جنسِ واحد کیا گیا ہے اور اُسکا معنی یہ ہے نوعِ انسانی کو جنسِ واحد پیدا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کا جوڑا بھی اُسکے اندر رکھدیا ہے یعنی جوہرِ ارضی کے واحد جنس کے جرثومۂ حیات میں مذکر و مونث بننے کی صلاحیت رکھدی گئی ہے۔ مگر روائتی تفاسیر نے نفسِ واحدہ سے مُراد لیا ہے حضرت آدم سلامٌ علیہ۔ اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں زوج بمعنٰی بیوی لیکر یہ تصوّر پیدا کیا ہے کہ حضرتِ آدم کی بیوی حضرتِ حوّا اُن کے اپنے آپ میں سے نکالی گئی تھی۔ لیکن اگر خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے مذکورہ روائتی مفہوم لیا جانا صحیح تسلیم کیا جائے کہ نوعِ انسانی کے فردِ اوّل کی بیوی اُن میں سے نکالی گئی تھی تو سُورہ روم اور سُورہ شوریٰ کی شہادت کے مطابق یہ ماننا پڑے گا کہ ہر شخص کی بیوی اُسی میں سے نکالی جاتی ہے۔ سورہ روم میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا ۳۰/۲۱۔ دیکھئے نفس بمعنٰی اپنا آپ کیمطابق اِس کا مفہوم یہ ہے کہ:۔ اور اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے ہر ایک کے اپنے آپ میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ اِسی طرح سُورہ شوریٰ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ۴۲/۱۱ روائتی ترجمہ نفس بمعنٰی اپنے آپ اور ازواج بمعنٰی بیویاں کے مطابق اس آئت مجیدہ کا معنٰی بھی یہ بنتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ) آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے اس نے تمہارے ہر ایک کے اپنے آپ میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ تو اب بتائیے کہ بات کیا بنی؟ اگر ان آئتوں میں نفس بمعنٰی اپنا آپ لیا جائے تو خلافِ حقیقت ہے کیونکہ کوئی شخص بھی دنیا میں ایسا موجود نہیں، جس کی بیوی اُس میں سے نکالی گئی ہو۔ اِس لئے روائتی تراجم نے ان آئتوں ۳۰/۲۱ اور ۴۲/۱۱ میں اَنْفُس کا معنٰی جنس لکھا ہے چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اور ڈپٹی نذیر احمد اور دیگر مترجمین نے ۳۰/۲۱ کا معنٰی لکھا ہے:۔ اُس (اللہ) نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں۔ اور ۴۲/۱۱ کا معنٰی لکھا ہے:۔ اُس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے۔ پس یہاں جُملہ مترجمین نے تسلیم کیا ہے کہ ۳۰/۲۱ اور ۴۲/۱۱ میں اَنْفُس کا معنٰی اپنا آپ نہیں بلکہ جنسِ آدم ہے۔ اسی طرح سلسلۂ درس کی آئت نمبر ۴/۱ میں بھی نفسِ واحدہ کا یہ معنٰی ہرگز نہیں کہ نفسِ واحدہ میں سے اُس کی بیوی نکالی گئی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا جوڑا ابتداءِ آفرینش ہی میں اُسکی جنس کا ٹھہرا دیا تھا۔ اوپر ۷/۱۸ کے مطابق بتایا جا چکا ہے

کہ ابتداء میں ایک نفس نہیں پیدا کیا گیا تھا، بلکہ بہت سے افراد پیدا کئے گئے اور سب کے جوڑے اُن کی اکیلی اکلوتی جنسِ آدم میں سے ہی پیدا کئے گئے تھے۔ اگر نفسِ واحدہ سے مُراد حضرت آدم نبیؑ اور اُن کی بیوی اُن سے نکالی گئی مانی جائے تو $\frac{۷}{۱۹۰}$ کے مطابق معاذ اللہ استغفر اللہ ثم معاذ اللہ استغفر اللہ، اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی حضرت آدم ہی مُشرک ٹھہرتے ہیں:۔

● سُورہ اعراف میں آیا ہے:۔

● هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ $\frac{۷}{۱۸۹ - ۱۹۰}$ - اگر روایتی تصوّر کے مطابق نفسِ واحدہ سے مُراد حضرتِ آدمؑ اللہ کے اوّلین نبی لئے جائیں تو ان آیتوں کا معنی یہ بنتا ہے:۔

● وہی ہے جس نے تم کو نفسِ واحدہ (حضرتِ آدمؑ) سے پیدا کیا اور اُس کی بیوی (حوا) اُسی میں ٹھہرائی (اُسی میں سے نکالی) تاکہ وہ اسکے ساتھ سکون حاصل کرے۔ پھر جب اُس نے اُسے (بیوی کو) ڈھانپا تو اُس نے ہلکا سا حمل اُٹھالیا۔ اور اُسکے ساتھ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو (میاں بیوی) دونوں نے اللہ تعالیٰ اپنے رب کے حضور میں دُعا کی کہ اگر تو ہمیں تندرست بیٹا دے گا تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے۔ پھر جب اُس نے انہیں تندرست بیٹا عطا کیا تو اُن دونوں (میاں بیوی) نے اُس میں جو اللہ نے اُن دونوں کو (بیٹا) دیا تھا، اللہ کا شریک ٹھہرالیا۔ لوگ جس میں اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس سے بلند و بالا ہے۔ (اُس کا کوئی شریک موجود تک ہے ہی نہیں۔

● نفسِ واحدہ سے حضرت آدمؑ مراد لینے سے اُن میں سے نکالی ہوئی بیوی حضرت حوّا ثابت ہوتی ہیں۔ اسطرح اُن دونوں میاں بیوی کے متعلق ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرتِ حوّا کو پہلا ہلکا سا حمل ہوا تو اُسکے کامل اظہار پر دونوں نے دعا کی کہ بارِ الہا! اگر تو ہمیں صحتمند بیٹا عطا فرمائے تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تندرست بیٹا عطا فرمایا تو دونوں میاں بیوی (یعنی معاذ اللہ استغفر اللہ حضرت آدمؑ و حوّاؑ) نے اللہ کیساتھ شریک کیا۔ اسی ناگفتنی تصوّر کو شاہ عبد القادر دہلوی کے موضح القرآن کے الفاظ میں مترجم قرآن مجید کے حاشیوں پر معاذ اللہ استغفر اللہ بالفاظِ ذیل نقل کیا گیا ہے۔ اسوقت ہمارے سامنے انجمن خدام الدین کا مترجم قرآنِ عزیز موجود ہے جس پر ربطِ آیات کے نام سے مولوی احمد علی صاحب مرحوم کا حاشیہ بھی ہے اور موضح القرآن کے نام سے شاہ عبد القادر کی تفسیر بھی موجود ہے۔ اِسکے صفحہ ۸۸ پر درج موضح القرآن کا اقتباس دو حصّوں میں پیشِ خدمت ہے:۔

(i) "بعض کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ و حوّاؑ پر گزرا کہ جو اوّل حمل ہوا، ابلیس ایک مرد نیک کی صورت میں آیا اور ڈرایا کہ تیرے پیٹ میں کچھ بلا ہے۔ جب دونوں دُعا کرنے لگے تب یہ کہا کہ میری دُعا سے یہ بلا بدل کر بیٹا پیدا ہوگا اس کا نام رکھیو عبدالحارث - حارث شیطان کا نام تھا - وہی کیا۔ اس قصے میں پیغمبروں سے شرک ثابت ہوتا ہے، یا اس آیت میں عام مرد عورت کو فرمایا۔ آدمؑ حواؑ کو نہیں گو اوّل ذکر اُن کا ہو چکا۔"

(نوٹ) دیکھئے یہاں تک متکلم کی ضمیر زندہ و بیدار ہے۔ وہ حقیقت حال کی متلاشی ہے۔ چنانچہ حضرت آدم و حوّا کی طرف منسوب کردہ شرک کو کہتی ہے یہ غلط ہے۔ یہ خبر حضرت آدم کی نہیں بلکہ عوام کے مشرک مرد عورتوں کی ہے۔ یہاں تک تو اللہ کے اولین پیغمبر کو مشرک ٹھہرانے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ لیکن اسی اقتباس کے دوسرے حصے میں ایک عجیب انداز کے ساتھ پھر آپ ہی کو مجرم ٹھہرا دیا ہے۔ چنانچہ اقتباس کے اگلے دوسرے حصے میں لکھا ہے:-

(ii) یا یوں کہئے کہ کچھ انسانوں میں (شرک) ہونا مقدر تھا جو حضرت آدم میں اوّل ظہور پکڑ گیا۔ اس میں وہ نمونہ تقدیر تھے۔ اولاد کے گناہ اُن میں نظر آئے، جیسے کہ آئینے میں صورت۔ چنانچہ نفس کی خواہش اور اللہ کی بے حکمی اور کہہ کر بھول جانا اور دیگر مُنکر ہوتا، یہ سب اولاد کی خوئیں ان (آدمؑ و حوّاؑ) میں نظر آگئیں۔ (موضح القرآن شاہ عبدالقادر مرحوم کے اقتباس کے دونوں حصے ختم ہوئے) اپنے مترجم نسخہ کے حاشیے پر ملاحظہ فرمائیں۔

● اس اقتباس میں حضرت آدم و حوّا پر شرک کا الزام کھل کر لگا دیا گیا ہے۔ بلکہ نام نہاد تقدیر کے چکر کے نام سے آپ پر نفس کی خواہش، اللہ کی بے حکمی یعنی نافرمانبرداری، کہہ کر بھول جانے اور دیگر مُنکر ہو جانے کا الزام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر کا چکر چلا کر منسوب کر دیا ہے کہ یہ سب کچھ اُن سے اللہ تعالیٰ نے کروایا (العیاذ باللہ!) لیکن مولوی احمد علی صاحب مرحوم اسی صفحہ ۲۸۸ کے حاشیے پر ربط آیات کے ضمن میں ربط آئت نمبر ۱۸۹ میں لکھتے ہیں:-

"تمام انسانوں کا باپ اور ماں ایک ہے دونوں بزرگوں نے ولدِ صالح کی دعا فرمائی۔ لہٰذا جس طرح غفلت میں شیطان نے ان دونوں یا بقول بعض مفسران حضرت) حوّا کو بہکایا تھا۔ اسی طرح ہر بنی آدم کو غفلت کی حالت میں وہ انہیں اپنے قابو میں لا سکتا ہے"۔ اس سے آگے:-

● ربط آئت نمبر ۱۹۰ میں مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے لکھا ہے۔ "بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ بچے کا نام عبدالحارث (شیطان کا بندہ) حوّاؑ نے رکھا تھا۔ لیکن چونکہ اسکے ذمہ دار حضرت آدمؑ ہی تھے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے شرک کے عتاب میں انہیں شامل کیا"۔ —— افسوس ہے کہ محترم لاہوری صاحب مرحوم نے بھی نفس واحدہ سے حضرت آدم اور زوج سے حضرت حوّا ہی مراد لیکر حضرت آدم و حوّا پر شرک کا الزام قائم رکھا ہے۔ افسوس!

● آگے بڑھنے سے پہلے اوپر اس صفحہ پر درج کئے گئے موضح القرآن کے اقتباس کے خط کشیدہ الفاظ نمبر ۲ تا م پر غور فرمالیں۔ جن میں لکھا ہے کہ "اولاد کی خوئیں اُن (حضرت آدم و حوّا) میں نظر آچکیں"۔ دیکھئے! یہ تصور کس قدر حقیقت سے ہٹا ہوا ہے

کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ ماں باپ کی خوبیں نطفہ کے ذریعہ اولاد میں منتقل ہوتی ہیں۔ مگر یہاں یہ کہا گیا ہے کہ اولاد کے خوؤں نے باپ دادا میں ظہور پکڑا (الٹی گنگا پہاڑوں کو جائے)۔

• پھر لکھا ہے کہ اس میں وہ (حضرت آدم و حوا) نمونۂ تقدیر تھے۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خود خدا تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اُن کیلئے شرک مقدر کر دیا ہے تو پھر اُنکا شرک کا فعل عملِ خداوندی ہُوا وہ مجرم کیوں ٹھہرے؟ یا للعجب! حقیقت یہ ہے کہ جب ایک قدم غلط اُٹھ جائے تو اُسکے بعد ہر قدم غلط اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ پہلا غلط قدم یہ اٹھ گیا کہ نوعِ انسانی کی پیدائش ایک بُت سے شروع کی گئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بتکرار ارشاد فرمایا ہے کہ ہمنے انسان کو زمین میں سے پیدا فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوں تکراری آیات مجیدہ:-

ا۔ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ۱۱/۶۱ ہمنے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کر دیا۔

ب۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۲۰/۵۵ ہمنے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا ہے، (مرنے کے بعد) ہم تمہیں اپنی زمین میں واپس لوٹا دیتے ہیں اور (قیامت کو) اِسی میں سے دوبارہ نکال لیں گے۔

ج۔ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۵۳/۳۲ وہ (اللہ) خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین میں سے پیدا فرمایا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے رحم میں بصورتِ جنین ہوتے ہو۔

د۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ ۷۱/۱۷-۱۸ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے اُگایا ٹھیک ٹھیک اگانا۔ پھر (تمہارے مرنے کے بعد) تمکو اسی (زمین) میں لوٹا دیتا ہے پھر وہ (قیامت کو) تمہیں دوبارہ زمین میں سے نکال لیگا صحیح صحیح نکال لینا۔

ر۔ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝ ۳۷/۱۱ بیشک انسانوں کو گیلی چکنی مٹی (دلدلی زمین) ہمیں سے پیدا کیا۔ زمین میں سے پیدا کرنے کی درجنوں آیات مجیدہ قرآن بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مگر بُت بنا کر نوعِ انسانی کو پیدا کرنے کی کوئی ایک آیت بھی قرآن بھر میں موجود نہیں۔ پس حضرتِ آدمؑ کے بُت بنانے کے تصوّر کا ایک قدم غلط اُٹھ جانے کی بدولت حضرت حوّا کو اُن کی پسلی میں سے نکالنے کا تصوّر کھڑا کرنا پڑا۔ پھر جو حضرتِ آدم میں سے نکلی تھی وہ بیٹی ہوگی۔ یعنی کرۂ ارض پر اوّلین نکاح بیٹی کے ساتھ واقع ہونے کا نظریۂ قائم ہُوا۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ! پھر نوعِ انسانی کی اوّلین خاتون کے متعلق یہ بتایا گیا کہ اُسے روزانہ دو بچے جننے بھی ہوتے تھے اور اُس کے بعد روزانہ شوہر سے دو بچوں کا حمل بھی اُٹھانا ہوتا تھا۔ پھر پوری نوعِ انسانی بہن بھائی کے نکاحوں سے آگے بڑھی معاذ اللہ! ثُمَّ معاذ اللہ! - پس حضرتِ آدم کا بُت بنانے کا نظریہ تو بذریعہ تصریحِ آیاتِ قرآنیہ غلط ہے۔ نوعِ انسانی زمین سے پیدا کیگئی تھی ۱۱/۶۱ + ۲۰/۵۵ + ۵۳/۳۲ + ۷۱/۱۷-۱۸ اور کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کر لی گئی تھیں ۷/۱۱ اِس پر قرآنِ کریم نے یہ زندہ و پائندہ دلیل دی ہے:-

● وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ۳۰/۲۲ اور اُس اللہ کی نشانیوں میں سے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا اور اختلاف تمہاری بولیوں (زبانوں) کا اور تمہارے رنگوں کا کہ زمین کے جس جس خطے میں پیدا ہوئے اُسی خطے کی آب و ہوا کے مطابق رنگ پایا۔ خطِ استوا کے گرد شدید گرم زمین سے پیدا ہونیوالے لوگ کالے سیاہ ہیں، منطقہ معتدلہ کے گندمی اور منطقہ باردہ یعنی ٹھنڈی زمین میں سے پیدا ہونیوالے لوگ گورے سفید۔ اور اسی طرح جہاں جہاں پیدا ہوئے وہاں وہاں اپنی الگ الگ زبانیں وضع کر لی گئیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ۔

(نوٹ) پیچھے صفحہ ۲۲۷ - ۲۲۸ پر نقل کردہ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۹۹ کے ضمنی نوٹ ۱؎ متعلقہ نفسِ واحدہ کی تفصیل میں ہم دور نکل آئے ہیں۔ نفسِ واحدہ سے مراد حضرتِ آدم نہیں بلکہ پوری نوعِ آدم کا واحد نوعی جرثومۂ حیات مراد ہے جو زمین میں موجود جملہ عناصر کا جوہر ہے۔ اب اسی آیت نمبر ۹۹ کے صفحہ ۲۲۷ پر دئیے گئے باقی ضمنی نوٹ بالترتیب ملاحظہ فرمائیں :-

● ۲؎ فَمُسْتَقَرٌّ میں لفظ مُسْتَقَر کا سہ حرفی مادہ ہے ق - ر - ر = قرر جس کا مصدری معنٰی ہے قرار پکڑنا۔ ٹھکانہ کرنا، اور اسکے اسمی معنے ہیں ٹھکانہ، قرارگاہ، مکان۔ یہاں پر فِیْ حرفِ جار محذوف ہے جو ۲/۳۶ + ۷/۲۴ میں مظہر مذکور ہے :- وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ = اور اے نوعِ انسانی تم سب کے سب کیلئے آخری دم تک کیلئے زمین میں حقِ استقرار بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلّم ہے۔ پس یہاں آیت زیر بحث ۶/۹۹ میں بھی تقدیرِ کلام یہ ہے :- وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ۔ پس فَمُسْتَقَرٌّ کے الفاظ میں پوری نوعِ انسانی کا پیدائشی حق بتایا گیا ہے کہ اس کا کوئی فرد کرایہ دار نہیں ہونا چاہئے، ہر کسی کا مکان بلا کرایہ میسّر ہونا چاہیئے۔ یہ ذمّہ داری مرکزی حکومت کی ہے ۲۲/۴۱۔

● ۳؎ اسی ضمن میں وَمُسْتَوْدَعٌ کا لفظ لایا گیا ہے۔ اِس کا سہ حرفی مادہ ہے و - د - ع = ودع جس کا بُنیادی معنٰی ہے سُکھ آرام اور مصدری معنٰی ہے سُکھ آرام، امن سے رہنا۔ اسلئے مُسْتَوْدَع ظرفِ مکان کا معنٰی ہے سُکھ اور آرام کی جگہ۔ جو صرف اُسی معاشرہ میں میسّر آتی ہے جہاں پُوری نوعِ انسانی کے ضروریاتِ زندگی کے بنیادی پیدائشی حقوق قانوناً متوازن و مساوی تسلیم کئے گئے ہوں۔ پس مستودع سے پُوری نوعِ انسانی کا ضروریاتِ زندگی کا متوازن و مساوی حق ثابت ہے، جیسے کہ ۲/۲۹ میں ارشاد ہُوا ہے :- هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۲/۲۹ اے نوعِ انسانی! وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، وہ سب کا سب تم سب کے سب کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ اِس آیت مجیدہ لَکُمْ کی ضمیر جمع مخاطب میں پوری نوعِ انسانی مراد ہے اور جَمِیْعًا کے لفظ میں کھول کر بتایا گیا ہے کہ زمین میں پیدا کردہ ہر چیز تم سب کے سب یعنی پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے یعنی زمین

کی مجملہ نعمتوں کا ہر فردِ انسانی کو میسّر آنا ہر فردِ انسانی کا پیدائشی حق ہے۔

● مستقرّ اور مستودع کے یہی الفاظ سُورہ ھُود میں ہر جاندار کے پیدائشی حقِ رزق کا اعلان کرنے کے بعد لائے گئے ہیں :- وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ ۱۱/۶ = اور نہیں ہے زمین میں کوئی بھی جاندار مگر سب کیلئے درزق کے سامان پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وُہ اللہ خُوب جانتا ہے اُس کے رہنے کی جگہ کو اور وُہ اُس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی خُوب جانتا ہے۔ یہ سب کچھ بصورتِ مشہود اسکی کھلی کتابِ کائنات میں موجود ہے۔

حیوانات کا حصُولِ رزق

● اس آیتِ مجیدہ ۱۱/۶ میں إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ہر کسی جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے اِس تصوّر کے مطابق کیا کسی کو حصولِ رزق کیلئے کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیئے ؟ واضح رہے کہ مَا مِنْ دَآبَّةٍ میں ہر جاندار شامل ہے اور رزق سے متعلقہ اعلان كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ کے الفاظ میں کر دیا ہے کہ ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری کا مشاہدہ اُسکی کھلی کتابِ کائنات میں موجود ہے۔ مثلاً جنگل میں ہر صبح کو ہر جاندار روزی کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔ چڑیا، کوّے، فاختائیں، بلّیاں کتّے، حتّٰی کہ چیونٹیاں تک رزق کی تلاش میں کوشاں ہو جاتے ہیں۔ جنگلی جانور شیر، چیتے، بھیڑیئے، لومڑ، گیدڑ شکاری جانور بھی تلاشِ رزق میں نکل پڑتے ہیں اِسی طرح ہرن، جنگلی بکرے اور جنگلی گائیں سب کے سب خود تلاشِ رزق کرتے ہیں۔

● خدا تعالیٰ نے اپنی رزق کی ذمہ داری کے مطابق ہر قسم کے جنگلی جانوروں کیلئے جنگل میں اُن کے رزق کے سامان مہیّا کر دیئے ہیں۔ شکاری جانوروں کیلئے جنگل میں شکار کا سامان موجود ہے۔ غیر شکاری جانوروں کیلئے جنگل کی وسیع و عریض چراگاہیں اللہ تعالیٰ کا بچھا ہُوا دسترخوان ہے، مگر ہر جانور کو حصولِ معاش کے لئے خود اُٹھنا، جنگل میں جانا اور خوراک حاصل کرنا ہوتی ہے۔ پس رزق کے اللہ کے ذمہ ہونے اور كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ کی عملی شکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لئے سامانِ رزق مہیّا کر دیا ہُوا ہے مگر اس کے حصول کے لئے ہر جاندار کو خود کوشش کرنا ہوتی ہے۔

● لیکن اِن جنگلی جانوروں میں سے جن جانوروں یعنی گائیں، بھینسیں، گھوڑے، گدھے، بھیڑ بکریاں وغیرہ جن جانوروں کو انسان نے جب اپنے فائدوں کیلئے جنگل سے لاکر کھونٹے پر باندھ لیا ہے۔ تو مشاہدہ گواہ ہے کہ اب اُنکے متعلق خدا تعالیٰ کی ذمہ داری ختم ہو چکی اب اِن کھونٹوں سے بندھے ہُوئے جانوروں کو چارہ اور پانی دینا کھونٹے پر باندھنے والے کے ذمہ آچکا ہے۔ اگر کھونٹے پر بندھی ہُوئی گائیں بھینسیں اور باڑوں میں ڈھکی ہُوئی بھیڑ بکریوں کی خواہ بھوک پیاس کی بدولت بالشت بھر لمبی زبانیں نکلی ہُوئی ہوں یا خواہ وہ بھوک پیاس کی شدّت کی بدولت دم تک کیوں نہ توڑ دیں انسان ہی دانہ پانی دیتا ہے نہ کہ اللہ۔

انسانوں کا حصولِ رزق

• بالکل یہی حالت ہے حضرت انسان کی کہ ابتداء میں غاریں اسکا مسکن تھا اور آم انار انگور شہتوت، انجیر زرد آلو، آلوچے، خوبانیاں اور ناشپاتیاں وغیرہ درختوں کے سینکڑوں قسم کے پھل اور خوبوزے تربوز، ککڑیاں اور کھیرے متعدد قسم کے زمینی پھل اسکی خوراک تھی۔ اسکے بعد غاروں سے نکل کر میدانوں کی کھلی فضا میں آیا تو پہلے پہل درختوں کے نیچے بسیرا کیا اور اس کے بعد کچی جھونپڑیاں بنا کر قبائلی زندگی شروع کی اور آہستہ آہستہ اچھی قسم کے مکان بنانے لگا۔ حتیٰ کہ اس تکلیف کے دفعیہ کے لئے ریاستی نظام کی ضرورت پیش آئی کہ طاقتور افراد کمزوروں کا مال اسباب چھین کر لے جاتے مگر کمزوروں کی دادرسی کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ ان ضروریات کے ماتحت ریاستی نظام عالم وجود میں آیا۔

• بڑھتی ہوئی آبادی کی غذائی ضرورتوں کے لئے باری تعالیٰ نے زراعت کیلئے وافر رزق کی فراہمی کے عام ذرائع مہیا کر رکھے ہیں۔ زمین کے اندر فصلوں کو اگانے کی خصوصیت مہیا کر دی ہوئی ہے۔ فصلوں کو بڑھانے اور پکانے کیلئے سورج کی بہت بڑی بھٹی دہکا رکھی ہے۔ پھر موسموں کی تبدیلی اور رات دن کے بدل بدل کر لانے کا انتظام کیا مختلف موسموں کی مختلف فصلوں کو اگانے اور پکانے کے لئے انتظام کر رکھا ہے۔ فصلوں کو سیراب کرنے کیلئے بارشیں اور دریا موجود ہیں۔ فصلوں کو بارشوں کے ساتھ بھی سیراب کیا جاسکتا ہے اور دریاؤں سے نہریں نکال کر بھی یہ ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رزق کی ذمہ داری کہ اگرچہ اُس نے حصولِ رزق کے سارے سامان مہیا کر دئیے ہیں مگر حصولِ رزق کے سامان مکمل کرنے کے باوجود ہل چلانا، فصلیں بونا، کاٹنا اور گاہنا حضرتِ انسان کا اپنا کام ہے۔

• اِس سے آگے یَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا کے الفاظ میں ہر جاندار کی رہائش کو جاننے کی خبر دی گئی ہے۔ پرندے درختوں پر رہتے ہیں اُنکی رہائش کے لئے درخت مہیا کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن گھونسلا بنانا یہ اُن کا اپنا کام ہے۔ جنگلی جانور غاروں یا خود کھودی ہوئی کھچاروں میں رہتے ہیں۔ اُن کے لئے بنی بنائی بہتر ہی غاریں بھی مہیا کر دی گئی ہیں اور نرم زمین بھی۔ اسکے علاوہ انسان کو چونکہ ترقی پسند پیدا کیا ہے جو نہ غاروں پر اکتفا کر سکتا ہے نہ کچے کوٹھوں اور نہ عام پختہ مکانوں پر۔ اسلئے خلاقِ عالم نے اِس بھری کائنات میں اسکی تسکینِ ضروریات کیلئے کچی مٹی کے گارے کے علاوہ اُس کے لئے سیمنٹ بجری اور لوہا وغیرہ ہر چیز کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ نئی سے نئی اور اعلیٰ سے اعلیٰ بلڈنگوں کا مشاہدہ، کائنات کی کھلی کتاب میں موجود ہے۔

• مُسۡتَوۡدَعَهَا میں مستودع کا سہ حرفی مادہ و۔ د۔ ع ہے جس کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کو بہ نسبت آسانی کیساتھ چھوڑ دینا۔ اِسی لئے کسی مقام سے بطریقِ احسن چلے جانے کیلئے بھی وداع ہونے کے الفاظ آتے ہیں اور اہلِ مقام یا اہلِ خانہ کا اپنے مقام یا اپنے گھر سے بحسن و خوبی مہمان کو رخصت کر لے کو وداع کرنا کہا جاتا ہے۔ اور اُس وقت مہمان کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے کہا جاتا ہے فی امان اللہ۔ مستودع کا لفظ اسم مفعول واحد مذکر بھی ہے اور ظرفِ مکان بھی ہے (دیکھئے

قاموس القرآن صفحہ ۵۱۲) یعنی اس کا معنیٰ سونپا ہوا بھی ہے اور سونپے جانے کی جگہ بھی ہے۔ سابقہ مفسّرین نے مستقر کا معنیٰ لیا ہے ماں کا پیٹ جہاں بچہ صرف ۹ ماہ رہتا ہے، قرار پکڑتا ہے اور لفظ مستودع کا معنیٰ لیا گیا ہے قبر جس کو میّت سونپی جاتی ہے۔ چونکہ یہ الفاظ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا کے تحت يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا کی صورت میں آئے ہیں اس لئے اپنے اپنے بنیادی معنوں کے مطابق ہر دآبّہ کے رزق اور رہائش سے متعلق ہیں۔ اِس لئے مستقر اور مستودع کا معنیٰ ماں کا پیٹ اور قبر صحیح نہیں ہے بلکہ زمین کے ہر جاندار کی زمینی زندگی میں اس کی ضروریات رہائش اور خوراک کو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری قرار دینے کی خبر دی گئی ہے۔

● نیز اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے مسئلہ مستقر اور مستودع کو سمجھنے کیلئے اعلان کر دیا ہے كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ یہ زمین کے ہر جاندار کے مستقر (رہائش گاہ) اور مستودع (سونپے جانے کی جگہ) کا مشاہدہ کائنات کی اس کھلی ہوئی کتاب میں موجود ہے۔ بالفاظِ دیگر مشاہدہ بتا رہا ہے کہ خلّاقِ عالم نے کس طرح ہر جاندار کے مستقر کا مسئلہ حل کر دیا ہوا ہے اور کس طرح بعض جاندار انسانوں کو سونپے گئے ہیں اور انسان ریاستی نظام کو سونپے گئے ہیں۔ غور فرمائیں کہ گائیں بھینسیں، بھیڑ بکریاں اور گھوڑے گدھے وغیرہ سب جنگلی جانور ہیں، جو جنگل سے نکال کر انسان کو سونپے جا چکے ہیں۔ یہ جانور جب تک جنگل میں تھے۔ خدا تعالیٰ کی رزق کی ذمہ داری یہ تھی کہ اُس نے چراگاہیں اور چشمے پیدا کر رکھے ہیں۔ یہ خود رزق کی تلاش میں نکلتے اور کھلی چراگاہوں سے پیٹ بھرتے اور قدرتی چشموں سے سیراب ہوتے تھے۔ لیکن جب حضرتِ انسان نے انہیں اپنی ذمہ داری میں لے لیا اور اپنے کھونٹے پر باندھ دیا تو اب ان کے رزق کی ذمہ داری انسان کے ذمہ آئی، اِس کو سونپی گئی۔ اب اِن کے لئے چارہ لانا اور اِن کے آگے ڈالنا، خود انسان کا کام ہے اگر کبھی ایسا ہو کہ کوئی گائے بھینس دھوپ میں بندھی ہو۔ پیاس کی شدت سے اُس کی بالشت بھر زبان نکلی ہوئی ہو۔ مالک صحن کو تالہ لگا کر چلا گیا اور بھول گیا ہو کہ اُس کا جانور دھوپ میں بندھا ہوا ہے۔ تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اُس جانور کو اللہ تعالیٰ پانی پلا دے یا چارہ کھلا دے۔ خواہ وُہ تڑپ تڑپ کر جان دے دے۔ وہی شخص اُسے چارہ کھلائے گا اور پانی پلائے گا جس نے اُسے اپنے کھونٹے پر باندھا ہوتا ہے۔ یہ ہے کھونٹے پر بندھے ہُوئے جانوروں کا مستودع (یعنی اُن کے سونپے جانے کی جگہ۔

● یہی حال ہے ریاستی کھونٹوں کا، کہ ہر ریاست کے عوام الگ الگ ریاستی کھونٹوں پر بندھے ہوئے ہیں۔ یہ اُن کا مستودع ہے۔ وہ ہر ریاست کے جائز و ناجائز ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ریاست کا ہر حکم ماننے کیلئے مجبور ہوتے ہیں۔ جس طرح گائیں بھینسوں گھوڑوں گدھوں کو کھونٹے پر باندھنے والا نہ صرف اُن سے کام لینے اور فائدہ اُٹھانے کا حقدار ہے، بلکہ اُن کے رزق و رہائش دونوں کا ذمہ دار بھی ہے، اُسی طرح ہر ریاستی نظام، ریاستی کھونٹے پر بندھے ہُوئے عوام سے نہ صرف ٹیکس وصول کرنے اور اپنا ہر حکم منوانے کا مستحق ہے بلکہ ہر فردِ ریاست کی ضروریاتِ زندگی رہائش، خوراک لباس علاج

اور تعلیم کا ضامن بھی ہے کہ وُہ ایسا نظام قائم کرے جس کی کم از کم یہ حالت ہو کہ اُس کے اندر نہ کوئی بھُوکا ہو نہ ننگا' اور نہ کوئی بے مکان (یعنی کرایہ دار) اور نہ بے علاج و بے تعلیم ہو۔

مُستَودَع کا متبادل قرآنی مفہوم | • واضح رہے کہ قرآن فہمی کے قرآنی اصولِ تصریفِ آیات کی رُو سے مستودع کا مذکورہ معنی ہی صحیح ہے سونپے جانے کی جگہ، کیونکہ اِسکا متبادل لفظ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ کے دومقامات پر مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ کے انداز میں مَتَاع بمعنی ضروریاتِ زندگی موجود ہے۔ اور یہاں مُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ آیا ہے۔ اُوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ فردِ ریاست کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری ریاستی نظام کی ہے، جس نے زمین کا انتظام سنبھال رکھا ہوتا ہے کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں زمین ہی کے ذریعہ نعماءِ خداوندی عطا (رحمت) کئے جانے کی خبر دی گئی ہے :-

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً[1]

اور وہی ہے جو نازل کرتا ہے سے آسمان سے پانی

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ

پھر نکالتے ہیں ہم ساتھ اسکے انگوری ہر چیز کی پھر نکالتے ہیں ہم سے اسکے

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ

سبزہ نکالتے ہم سے اسکے دانے تہ بتہ سوار اور سے درخت کھجور

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ

سے شگوفے گچھے جھکے ہوئے اور باغات سے انگور کے

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ

اور زیتون اور انار باہم ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ[2] وَيَنْعِهٖ[3] ۭ اِنَّ

غور کرو طرف پھل اسکے جب وہ پھلتا ہے اور پکنے اسکے بیشک

فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۰۰

بیچ مذکورہ بیان البتہ نشانیاں ہیں واسطے قوم ماننے والی

اور وہ (اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات) ہے جو آسمان سے پانی نازل کرتا ہے[1]۔ پھر ہم اُس کے ساتھ ہر قسم کی نباتات پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہم نکالتے ہیں اُس سے سبزہ۔ نکالتے ہم (ہر قسم کی اجناس کے) دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہُوئے ہوتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں سے اُن کے شگوفے نکالتے ہیں جھکے ہُوئے گچھوں کی صُورت میں۔ اور (ہم اُس پانی کے ساتھ) باغات پیدا کرتے ہیں انگوروں کے اور (روغنی ضروریات کیلئے) زیتون کے درخت' سے (یہ سب اناج اور میوے) آپس میں ملتے جُلتے بھی ہوتے ہیں اور نہ ملتے جُلتے بھی ہوتے ہیں۔ (رنگوں میں بھی اور ذائقوں میں بھی متماثل اور غیر متماثل)۔
اور غور کرو (اناج کے پَودوں اور پھلدار درختوں کے) پھلوں پر جب وہ پھل لاتے ہیں[2] اور (غور کرو) اُس کے پکنے پر[3] بیشک مذکورہ بالا بیان میں ماننے والی قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔[4]

• [1] اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً میں اَنْزَلَ فعل ماضی ہے۔ لیکن قواعدِ عرب کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کا ذکر اگرچہ ماضی کے صیغے میں بیان کیا جائے مگر اُسکا معنی مضارع حال جاریہ کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ اِسلئے اَنْزَلَ کا صحیح معنی ہے وہ اللہ ہی ہے جو آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔

● ۲۵؎ بارش کے پانی کے ساتھ اناج اور میوے پیدا کرنے کی خبر دینے کے بعد دعوت دی گئی ہے۔ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ۔ غور کرو کہ اناج کے پودے کس طرح پھل دیتے اور پھلدار درخت کس طرح میوں سے لدجاتے ہیں۔ یہ بھی سب کچھ اُسکے قوانینِ جاریہ کے مطابق ہوتا ہے کہ زمین اچھی، بیج صحتمند اور فصل کے جملہ لوازمات مہیا کئے جائیں تو فصل عمدہ اور زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر زمین ناقص یا بیج بیمار بو دیا جائے تو اناج نہ اچھا پیدا ہوتا ہے نہ بافراط۔

● ۲۶؎ وَيَنْعِهٖ کے الفاظ میں اِس چیز کی طرف دعوت تفکر دیگئی ہے کہ دیکھو پھر جب فصلوں اور درختوں میں پھل لگتا ہے تو اسوقت کچا اور سبز ہوتا ہے، پھر وہ کس طرح پک کر سُنہری رنگت اختیار کرتا ہے۔

● ۲۷؎ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ کے جملۂ مبارکہ میں دعوت دیگئی ہے کہ زیر نظر بحث کے ہر لفظ میں اُس قوم کیلئے جو کتابِ الٰہی پر ایمان لانیوالی ہے بہت سی نشانیاں ہیں۔ مثلاً سب سے اوّل آسمان سے بارش برسانے کی خبر میں یہ مشاہداتی نشانات موجود ہیں کہ سُورج کی تمازت کے ساتھ سمندروں، دریاؤں، نہروں، جھیلوں اور جوہڑوں کا پانی ہرآن بخارات بن کر اُڑتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ آبی بخارات اِس فضاءِ بسیط میں ہوا کا جزوِ مخصوص بنتے رہتے ہیں۔ جب یہ چھوٹے چھوٹے آبی قطرے ٹھنڈے منطقے میں پہنچتے ہیں تو آپس میں مل کر جب بوجھل ہوجاتے ہیں تو بارش کی صُورت میں برس پڑتے ہیں۔

● بارش کے برسنے کی متعدد وجہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ زوردار گرمی کے دنوں میں جس طرح کسی خطّے میں زمین کی ہوا گرم ہوکر ہلکی ہوجاتی ہے تو وہ اُوپر کو اٹھ جاتی ہے۔ اور اس خلا کو پُر کرنے کیلئے سمندر کی ٹھنڈی نمناک ہوا زور سے آتی ہے اور پہاڑوں سے ٹکرا کر برس پڑتی ہے۔

● دوسرے نمبر پر آئت زیرِ بحث میں بارش کے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور اُسکے ساتھ ہر قسم کا اناج اور پھل پیدا ہونے اور پھر سُورج کی تمازت کیساتھ اُن کے بڑھنے اور پکنے پر دعوتِ تفکّر دیگئی ہے کہ اُن مخفی قوانین کا سراغ لگایا جائے کہ فصلیں کیوں خراب ہوجاتی ہیں۔ اور درختوں کے پھل کیوں پکنے سے پہلے ہی خراب ہوکر جھڑجاتے ہیں۔ جن قوموں نے اِس قرآنی دعوت پر لبیک کہہ کر قوانینِ جاریہ کے مخفی راز معلوم کرکے انہیں اپنالیا ہے وہ ایک ایک موسم میں دو دو تین تین بھرپور فصلیں حاصل کررہے ہیں۔ اور اُن کے باغوں کے میوے انتہائی مثالی مقدار میں پھل دے رہے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال مزید ترقی پذیر ہے۔ گندم کی بڑھتی ہوئی پیداوار، قرآن کریم کی خبر کے مطابق ایک ایک دانے کے سات سات سو دانے مطابق $\frac{۲}{۲۶۰}$ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز سبع یعنی سات کا عدد عربی زبان میں مبالغہ کے لئے بھی آتا ہے، اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر دعوتِ خداوندی کے مطابق زمینی پیداوار کے ضمن میں خداوندی قوانین کے مخفی رازوں کو معلوم کرنے کی کوشش بدستور جاری رہی تو ایک ایک دانے کے بدلے ان گنت دانے میسر آیا کریں گے، سات سو کا عدد مبالغہ کے لئے آیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور فصلوں کو صحتمند اور بے انتہا کثیر مقدار میں عطا کرنے کیلئے اُوپر سے بارش

کے قطروں میں ہائیڈروجن آکسائیڈ، امونیا اور کاربن ڈائی آکسائیڈ جیسی گیسیں پیدا کرنے کا انتظام کر رکھا ہے جو بارش کے قطروں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ یہ گیسیں پیدا ہوتی ہیں مویشیوں کے گوبر، پیشاب اور انسانی بول و براز سے اور ذبح کردہ جانوروں کے خون اور مردہ جانوروں کے گوشت اور عام گندگی کے گلنے سڑنے سے، اور ان کے گلے سڑے اجزاء سے قسم قسم کے کھاد تیار ہوتے ہیں۔

● ان فصلوں اور پھلوں کو پکانے کیلئے سورج جیسی عظیم بھٹی کا دہکانا بھی جو ہر چیز کی زندگی کیلئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہے اِس پر بھی دعوتِ تفکر دی گئی ہے۔

سائنسی معلومات کو نہ ماننے والے اور ان پر عمل نہ کرنیوالے ان سے کوئی فائدہ نہیں پا سکتے

● آیتِ مجیدہ زیرِ بحث کے آخر میں جو کہا ہے کہ ان چیزوں میں نشانیاں اُس قوم کے لئے ہیں جو ان کو ماننے والے ہیں۔ کہ کائنات کے اس گوشے سے بھی اللہ تعالیٰ کے مقررہ قوانین کے مطابق ہی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اِس کے برعکس جو لوگ پھلوں اور فصلوں کی روز افزوں افزائش کے قانونِ خداوندی پر ایمان نہیں لاتے اور صرف یہ کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت ہے کہ اس سال فصل ماری گئی ہے۔ وہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت تو اللہ کے خود متعیّنہ قوانین ہیں۔ جب ہم سے غیر شعوری طور پر ان کے مطابق عمل ہو جاتا ہے تو اللہ کی قدرت سے وافر فصل حاصل ہوتی ہے اور جب اُن کی مخالفت ہو جاتی ہے، تو فصل ماری جاتی ہے یا بہت کم ہوتی ہے۔

غیر اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہرانا

● مذکورہ بالا قوانینِ خداوندی سے بے خبری کا نتیجہ یہ ہے کہ جب فصل کم ہوتی ہے تو لوگ بھاگتے ہیں پیروں فقیروں اور تعویذ فروشوں کی طرف مگر جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے متعیّنہ قوانینِ جاریہ کے خلاف محض دعاؤں یا تعویذ گنڈوں کے ساتھ حصولِ مقصد کا تصوّر دے رکھا ہے، یا صرف دعاؤں اور دم چھو کو قوانینِ خداوندی کا بدل بنا کر پیش کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے شریک قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعیّنہ قوانین کے خلاف ایسے لوگوں سے حصولِ مقصد کے لئے رجوع کرنے والوں کو مشرک قرار دیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ان شریک ٹھہرانے والوں نے بعض لوگوں کو اللہ کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور بعض کو بیٹیاں۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹوں کی سفارش تو رد نہیں کرے گا۔ دیکھئے ارشادِ باری ؛-

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ	اور (انہوں نے) اللہ کے لئے شریک جِنّوں کو (جو علوگا ہوں میں چھپے رہتے ہیں) حالانکہ انہیں اُس نے پیدا کیا ہے (اللہ نے) اور خود انہوں نے لاعلمی کیساتھ (بعض نے مسیح و عزیر کو بطور) اللہ کے بیٹے ٹھہرا لیا ہوئے اور بعض نے (لات عزّی کو) بیٹیاں ۵۳/۶۰
اور ٹھہرائے واسطے اللہ کے شریک چھپنے والوں کو اور پیدا کیا ان کو	
وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ	
اور ٹھہرائے واسطے اس کے بیٹے اور بیٹیاں بغیر جاننے کے پاک ہے وہ	

وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ ۱۰۱ ع ۱۲/۱۸
اور بلند شان اس سے جو صفات بیان کرتے ہیں

کو) اُسکی بیٹیاں - پاک ہے وہ اور بلند شان ہے اس سے جو صفات وہ بیان کرتے ہیں -

جنوں کی بحث

● عام جنوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دکھائی نہیں دیتے - قرآن مجید میں اس چیز کا کوئی ذکر اور اشارہ تک موجود نہیں - پھر اگر ایک سیکنڈ کیلئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کوئی اتنی بے وقوف مخلوق دُنیا میں موجود ہے کہ جب کوئی عورت اسکے باورچی خانے میں پیشاب کرنے لگتی ہے تو اُسے منع نہیں کرتے کہ بی بی یہ ہمارا باورچی خانہ ہے، یہاں پیشاب نہ کر - مگر جب وہ پیشاب کر دیتی ہے تو اسے چمٹ جاتے ہیں - اور خلوت نشینوں کی چاندی ہو جاتی ہے جو جن نکالنے کا دھندا شروع کئے ہوئے ہوتے ہیں - حقیقتِ حال یہ ہے کہ اگر کوئی نہ دکھائی دینے والی مخلوق ہے تو یہ امر صد فیصد ناممکن ہے کہ اُن کا باورچی خانہ اور ان کے برتن بھی دکھائی نہ دیں - پھر اُن کے بدن کے کپڑے بھی دکھائی نہ دیں نیز اُن میں سے مسلمانوں کی مسجدیں اور کافروں کے بُت خانے بھی دکھائی نہ دیں -

● عربی زبان میں لفظ جن کا سہ حرفی مادہ ج - ن - ن جنن ہے اسکا بنیادی معنی ہے، چھپا ہوا یا چھپ جانے والا - عربی زبان میں دیہاتیوں کو اسلئے جن کہتے ہیں کہ وہ شہروں میں آتے اور چلے جاتے چھپ جاتے ہیں - حضرت سلیمانؑ کے پاس کام کرنے والے غیر ملکی کاریگروں کو جو آپ کے ہاں ٹھاٹ دار عمارتیں، نقشے، تالابوں جتنے بڑے بڑے پانی کے ٹینک اور ایک ہی جگہ پڑی رہنے والی بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے $\frac{۳۴}{۵}$ - اُنہیں بھی اسلئے جن کہا گیا ہے کہ وہ آتے اور چلے جاتے چھپ جاتے تھے - اُن میں سے جو کوئی حضرتِ سلیمانؑ کی قانون شکنی کرتے اُنہیں سخت سزا دی جاتی تھی $\frac{۳۴}{۴}$ - اُنہیں لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تھا $\frac{۳۸}{}$ - پس یہ بھی غلط ہے کہ جن شکلیں بدل لیتے ہیں ورنہ قیدی جن مکھی مچھر بن کر نکل جاتے - مزعومہ جنوں کے عدم وجود کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ موجود ہوں تو اُن کے جسم کے کپڑے، اُن کے برتن اُنکی مسجدیں اُن کے بُت خانے ضرور دکھائی دینے چاہیں - چونکہ ایسا نہیں ہے اس لئے مزعومہ جنوں کا کوئی وجود موجود نہیں -
فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ -

● آیت زیرِ بحث میں اُن لوگوں کو جن کہا گیا ہے جن سے لوگ مدد مُراد مانگتے ہیں - وہ اپنی خلوتگاہوں میں چھپے رہتے ہیں اور لوگوں کا مال کھانے کے لئے دَم جھاڑ، تعویذ دھاگا وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کے حاجت روا بنے ہوتے ہیں - ان کے علاوہ ہر وہ لوگ جن ہیں جو خود آرامگاہوں میں چھپے رہتے ہیں اور عوام کی کمائی پر عیش کرتے ہیں یہی حال جاگیرداروں، زمینداروں اور مل مالکوں کا ہے کہ جلستی ہوئی دھوپ میں کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں مزارعے اور مزدور مگر اُن کی خون پسینے کی کمائی پر عیش اُڑاتے ہیں آرامگاہوں میں چھپ کر بیٹھنے والے جاگیردار، زمیندار اور مل مالک - نیز ملاّ اور پیر جو حجروں میں چھپے رہتے ہیں اور سادہ لوح عوام کی کمائی پر پلتے ہیں، وہ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں - نفسِ امارہ بھی چھپا ہوا جن ہے جس نے بزبانِ حال کہا کہ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے - غصے کی آگ اسی کا حصہ ہے -

انسان جنّ

● اسی سورہ انعام زیرِ نظر میں آگے آرہا ہے :۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۶/۱۱۲ ۔ اور اسی طرح ہمنے شہری اور بدوی شیطانوں کو ہر ایک نبی کے دشمن پایا تھا جو عوام کو دھوکا دینے کیلئے آپس میں ایک دوسرے کے ذہن میں سطح کی جھوٹی باتیں ڈالتے ہیں (یعنی ایسی جھوٹی باتیں جن کے ظاہری چیستانیات پر وہم زدہ قوم کو خوب لوٹا جا سکے۔ اس آیت مجیدہ میں دیہاتی اور شہری دونوں قسم کے علمائے غیر مراد ہیں جو ڈیڑھ لائی کہانیاں اور تراشیدہ کرامتیں ایک دوسرے کے کانوں میں پھونکتے اور سادہ عوام کو سنا سنا کر اُن کی جیبیں کاٹتے ہیں۔ اور یہ شیاطین الانس والجن نوعِ بشری ہی کے شہری اور بدوی شیطان ہیں۔ فَافْهَمُوا وَتَدَبَّرُوا ۔

شہروں اور دیہاتوں کے جنّ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ایک دوسرے سے فائدے اُٹھاتے ہیں۔

● اسی سورہ مجیدہ الانعام کی آیت نمبر ۱۲۹ میں آگے آرہا ہے کہ قیامت کو جنّ وانس کو کہا جائیگا :۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ اَوْلِيٰۤؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِيْۤ اَجَّلْتَ لَنَا ۶/۱۲۹ = (قیامت کے دن کہا جائیگا) اَے گروہ جنّوں کے (یعنی خانقاہ نشینوں اور حجرہ نشینوں کے) تم نے (سادہ لوح) انسانوں سے بہت فائدہ اٹھایا۔ تو انسانوں میں سے جنّوں کے دوست یہ کہیں گے کہ اَے ہمارے پروردگار ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا یہانتک کہ ہم پر (موت کی وہ) گھڑی آگئی جو تونے ہمارے لئے مقرر کر رکھی تھی۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق ہمارا سوال یہ ہے کہ دیہاتیوں اور شہریوں کے سوا اور کونسے جنّ وانسان ہیں جو ایکدوسرے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

مجرم انسان جنّوں کے ہاں جاکر پناہ بھی لیتے ہیں۔

● حضرت موسیٰؑ کی امت کے وہ یہودی جنّ جنہوں نے آنحضورؐ سے قرآن سنا اور دیہاتی یہودیوں میں جاکر تبلیغ کا کام شروع کر دیا، اُن کے متعلق سورہ احقاف میں درج ہے :۔ وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۔ قَالُوْا يٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ ۴۶/۲۹-۳۰ = اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب (اَے رسولؐ!) اللہ تعالیٰ آپ کی طرف دیہاتی یہودیوں (جنّوں) کے ایک گروہ کو پھیلایا۔ جب (آپ کے درس میں) حاضر ہوئے تو ایک دوسرے کو کہا کہ سنو اور جب درسِ قرآن ختم ہو گیا تو بُرے اعمال سے ڈراتے ہوئے قوم کی طرف مُڑ گئے اور یہ کہا کہ اے ہماری قوم بیشک ہمنے ایک کتاب سُنی ہے جو (تورات کی پیشگوئی کے مطابق) موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنیوالی ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنیوالی ہے۔

● اِنہی دیہاتی انسانوں (جنّوں) کا قول سورہ جنّ میں درج ہے :۔ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ

بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ ۷۲/۶ اور (انہوں نے کہا) یہ کہ انسانوں میں سے کچھ مجرم مرد (جنوں) دیہاتیوں کے جنّ مردوں سے پناہ لیتے ہیں۔ پھر وہ پناہ دینے والے جن (دیہاتی لوگ پناہ دے کر) انہیں ان کی سرکشی میں اضافہ کر دیتے ہیں ــــ بالفاظِ دیگر شہروں میں جرم کر کے شہری مجرم (انسان) دیہاتی جرائم پیشہ افراد جنّوں کے ہاں جا کر رُوپوش ہو جاتے ہیں۔ اور جب کیس خرد بُرد کرا لیا جاتا ہے تو پھر شہر میں آ دھمکتے ہیں۔ ان آیات کریمات میں بھی جنّ و انسان نوعِ آدمی کے دو حصّے ہیں دیہاتی اور شہری۔

جنّ سواریوں کے محتاج ہیں

● جنّوں کے متعلق یہ تصوّر بھی از روئے قرآن غلط ہے کہ جنّ یہاں سے ہاتھ بڑھا کر کشمیر کے باغ سے سیب توڑ کر لے آتے ہیں۔ کیونکہ سُورہ الرحمٰن میں جنّوں اور انسانوں دونوں کو مخاطب کر کے کہا ہے:ــ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ۵۵/۲۴-۲۵ اور اللہ تعالیٰ کے جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح (چلتے ہیں) پھر اے جنّ و انسان تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ــــ اس آیتِ مجیدہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنّوں کی راہ میں کوئی دریا اور سمندر حائل ہی نہیں، یعنی وہ ہاتھ بڑھا کر لندن اور واشنگٹن سے ضرورت کی چیزیں لا سکتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے ساتھ ساتھ جنّوں کو کشتیوں اور جہازوں کا احسان جتانا بے معنی ثابت ہوتا ہے، حالانکہ ایسے فعل و عمل سے اللہ تعالیٰ پاک و منزہ ہے۔

جنّوں اور انسانوں کی خوراک ایک ہے

● سورہ الرحمٰن ہی میں ارشاد ہوا ہے:ــ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ۵۵/۱۰-۱۳ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو مخلوق کیلئے بنایا ہے۔ اس میں میوے ہیں اور گابھوں والی کھجوریں ہیں۔ اور بھُس والے غلہ جات ہیں اور خوشبو والے پھُول موجود ہیں۔ پھر اے جنّ و انسان تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ۵۵/۱۰ تا ۱۳ ــ اِن آیات مجیدہ سے ثابت ہے، انسانوں کی طرح جنّوں کی خوراک بھی غلّے اور پھل ہیں۔ ہڈیاں، کوئلے اور لید گوبر کو جنّوں کی خوراک تسلیم کرنا خلافِ قرآن ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے غلّے اور پھل وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد جن و انسان دونوں کو ارشاد ہُوا کہ تم دونوں ہماری اِن نعمتوں کو استعمال کرتے ہو۔ تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اگر جنّ ہڈیاں کوئلے اور لید گوبر کھاتے ہیں تو انہیں گندم چاول، آم، انار، انگور وغیرہ کا احسان جتانے کے کیا معنے؟ ــ جنّ و انسان کے ایک ہی نوعِ آدم ہونے کے دلائل سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ بہت سے دلائل میں سے چند ایک پیشِ خدمت ہیں۔ سلسلۂ درس کی آیتِ بالا ۶/۱۰۱ میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں نے حجرہ نشینوں اور خلوت نشین حضرات کو خدا تعالیٰ کے شریک بنا رکھا ہے، یعنی جو کام اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے سے انجام ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم وہ کام دم جھُو، تعویز گنڈوں وغیرہ سے کر دیتے ہیں۔ اور ساتھ

ہی نجات کیلئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بنا رکھی ہیں۔ اِن میں سرِفہرست ہیں یہود و نصاریٰ جنہوں نے حضرات عزیر و مسیح سلامٌ علیہما کو خدا کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور پھر بُت پرستوں نے بہت سی دیویاں بنا کر انہیں اللہ کی بیٹیاں ٹھہرا لیا ہُوا ہے۔ اُن کی غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی سفارش رد نہیں کرے گا اور بلا اعمال صالح ہماری اُخروی نجات ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت مجیدہ میں اپنے لئے بیٹوں اور بیٹیوں کی نفی اِس طرح کر دی ہے کہ خود اُس کے ہاں بھی اُس کے قانونِ زوجیت کے بغیر بیٹا نہیں ہو سکتا:۔

بَدِيْعُ[1] السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ
اکیلا بنانیوالا آسمانوں اور زمین کا۔ کس طرح ہو گا واسطے اسکے

وَلَدٌ وَّلَمْ[2] تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ
بیٹا جبکہ ہرگز نہیں واسطے اسکے بیوی۔ اور پیدا کیا ہر چیز کو

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ[3] ○ ۱۰۲
اور وہ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے

(اللہ وُہ ہے جو) آسمانوں اور زمین کو پہلی مرتبہ[1] اکیلا ہی بنانیوالا ہے۔ اُس (اکیلے) کے بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اُسکی بیوی ہی ہرگز نہیں ہے[2]۔ (بیٹے کیلئے زوجیت کا قانون اُس کا اپنا مقرر کردہ ہے) حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے[3]۔ (اُس نے ہر قانون اپنے علم کامل کے مطابق متعین فرمایا ہے)۔

اولاد کیلئے زوجیت کا قانون خود اللہ تعالیٰ کا متعین فرمودہ ہے

● [1] لفظ بدیع اللہ تعالیٰ کیلئے صفت مشبّہ بصیغہ واحد لائی گئی ہے۔ اور مفہوم یہ ہے، اسکا بنیادی معنی ہے کسی چیز کو از سرِ نو پیدا کرنا۔ پس ظاہر ہُوا کہ اِتنی بڑی کائنات تو اللہ تعالیٰ اکیلے نے بنا ڈالی ہے مگر اُس کے اکیلے کا بیٹا نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کا اپنا متعینہ قانون بیٹے کیلئے زوجیت کا قیام ہے۔ مگر چونکہ اُس کی کوئی جنس ہی موجود نہیں اسلئے نہ اُسکی بیوی ہے اور نہ اُس کے ہاں بیٹا پیدا ہو سکتا ہے۔

● [2] لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ کے جملہ مبارکہ میں مضارع پر لَمْ داخل ہُوا ہے۔ اِسے فعل ماضی جحد بلم کہا جاتا ہے جو تاکید در تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی اللہ کی بیوی ہے ہی نہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔

● [3] وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوانینِ جاریہ اِس کائنات میں متعین فرمائے ہیں، بغیر جانے بُوجھے متعین نہیں فرمائے وہ تو ہر چیز کو خُوب خُوب جاننے والا ہے۔ اِس لئے اُس کے متعین فرمودہ قوانین میں کبھی بھی نہ کوئی کمی اور بیشی ہے کہ کل کو اُن میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت لاحق ہو جائے۔ یعنی اس کے متعینہ قوانین قیامت تک کے بدلتے ہُوئے حالات کا بدستور ساتھ دیتے چلے جائیں گے۔ المختصر! باری تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی اپنے متعینہ قوانین کا پابند ثابت کر کے اپنے دعووں کی تصدیق فرما دی ہے:۔

● لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱/۶۴ = اللہ تعالیٰ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

• لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۱۱۶/۶ = اللہ تعالیٰ کے قوانین کو کوئی بدلنے والا ہے ہی نہیں۔
• مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۵۰/۲۹ میرا قانون خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا۔
• چنانچہ سلسلۂ درس اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے مذکورہ بالا صفات والا یعنی اپنے قانون کو خود بھی کبھی نہ توڑنے والا اللہ پاک ہے تمہارا رب، حاجت روا اور مشکلکشا۔ اس کے سوا کوئی خالق نہیں اُسی کی فرمانبرداری کیا کرو:-

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
مذکورہ اللہ ہے رب تمہارا نہیں لائق فرمانبرداری مگر وہی
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
پیدا کرنیوالا ہر چیز کا پس حکم مانو اسی کا اور وہی ہے اوپر ہر
شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ ۱۰۲
چیز کے کارساز

مذکورہ بالا صفات والا اللہ (جو مطلقاً قانون شکن نہیں) تمہارا حاجت روا، مددگار ہے۔ اُس کے سوا (دنیا بھر میں) کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ اور وہ (اکیلا ہی بغیر کسی معاون کے) ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ پس تم صرف اُسی کی فرمانبرداری کرو — اور وُہی (اکیلا) ہر چیز کا کارساز ہے۔

اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی عقل اُسے پا سکتی ہے

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا تعلق پیچھے آیت نمبر ۱۰۰ کے ساتھ ہے جس میں خبر دی گئی ہے کہ لوگوں نے حجرہ اور خلوت نشینوں کو اللہ کے شریک بنا رکھا ہے۔ اِس حقیقت سے مطلقاً جائے انکار نہیں وہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور ہم مریدوں کو دکھا بھی سکتے ہیں۔ سادہ لوح مرید خدا تعالیٰ کو دیکھنے کے شوق میں پیروں کے قدموں پہ مال و دولت نچھاور کرتے اور زندگی بھر اسی چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے اگلی آیت مجیدہ بالوضاحت اعلان کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ نہ دیکھنے کی چیز ہے اور نہ سمجھنے اور پانے کی۔ انسان کی کیا بساط ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکے۔ پیر تو ہُوا کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ حضرت موسیٰ کتاب لکھوانے کیلئے طُور پر گئے تو ساتھیوں کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی التجا کر دی رَبِّ اَرِنِيْ ۱۴۳/۷ لیکن جواب ملا لَنْ تَرٰىنِيْ۔ تُو ہرگز نہیں دیکھے گا۔ اس طرح جب اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے تو من و شما کس شمار و قطار میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکنے کا قرآنی اعلان عام بغور ملاحظہ فرمائیں:-

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ
نہیں ادراک کرتی اسکو آنکھیں اور وہ ادراک کرتا ہے

(اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ) اُس اللہ کو نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ بصیرتیں اُسے سمجھ سکتی ہیں۔ اور وہ تمام

الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ ۱۰۴ || آنکھوں کو دیکھتا بھی ہے اور تمام بصیرتوں کو سمجھتا بھی ہے۔ اور بہت بڑھکر باریک بین اور بہت بڑھکر خبر والا ہے۔

آنکھوں کا اور وہ بہت باریک بین بہت باخبر ہے

● اس آیۂ مبارکہ میں ایک مخصوص علمی نکتہ موجود ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں :۔

● ابصارٗ بصر کی جمع ہے بمعنی آنکھ۔ اور آنکھ کا کام ہے دیکھنا۔ اِسکا کام ادراک وفہم نہیں۔ ادراک دماغ کا کام ہے۔ یہاں ابصار پر مصدر ادراک سے تُدْرِكُ فعل مضارع معروف لایا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس آیت کے الفاظ ابصارٗ بصیرت وبصارت یعنی مادہ ب۔ ص۔ ر کے اِن دونوں گوشوں پر حاوی ہیں اور مطلب صاف ہے چونکہ مصدر ادراک کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے اسلئے اس مصدر کے مطابق مادہ بصر سے بصیرت مُراد ہے کہ کوئی بصیرت (عقل وفہم) اللہ تعالیٰ کو پا نہیں سکتی سمجھ نہیں سکتی۔ اور اسی طرح ابصار کا معنیٰ چونکہ آنکھیں ہے، اسلئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ آنکھیں اُسے دیکھ نہیں سکتیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ چھوٹے ظرف میں بڑی چیز ہرگز سما نہیں سکتی۔ اِس لئے نہ اس محدود کھوپڑی میں لامحدود ذات آسکتی ہے کہ اُسے سمجھ سکے کہ وہ کیا ہے؟ اور نہ یہ محدود آنکھ جو ہوا تک کو نہیں دیکھ سکتی، اُس انتہائی انتہائی اور بہت بہت بڑھ کر لطیف ذات کو دیکھ سکتی ہے۔

انسان کا اللہ تعالیٰ کیساتھ تعلق محض عبودیت کا ہے

● اب رہا یہ سوال کہ جب ہم خدا تعالیٰ کو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ احاطۂ ادراک میں آسکتا ہے تو اُس کا اور ہمارا باہمی تعلق کیا ہے؟ اِس کا جواب ۶/۱۰۲ ہی میں موجود ہے :۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ = وہ کائنات کی ہر چیز کا خالق ہے۔ وہ تمہارا بھی خالق ہے تم اس کی مخلوق ہو، پس اُس کی فرمانبرداری کرو۔ اُسکا قانون مانو۔ اِسی حقیقت کا اعلان ۵۱/۵۶ میں کیا گیا ہے کہ جن وانسان صرف اور صرف فرمانبرداری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں :۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ پس آیات بالا کی رُو سے انسان اس لئے نہیں پیدا کیا گیا کہ حُجروں، خلوتگاہوں، غاروں اور جنگلوں میں چلّہ کشی کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کو ڈھونڈتا پھرے، بلکہ اُس نے اعلان کر رکھا ہے اِنِّيْ قَرِيْبٌ ۲/۱۸۶ میں قریب ہوں۔ کتنا قریب؟ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۵۰/۱۶ اور ہم تو اُسکی رگِ جان سے بھی قریب ہیں۔

● پس جو ذاتِ پاک ہر انسان کی رگِ جان سے بھی قریب ہے اُسے جنگلوں اور صحراؤں، پہاڑوں اور غاروں میں ڈھونڈتے پھرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اہلِ تصوّف کی طرف یہ بھول بھلیاں ہیں کہ آؤ ہم تمہیں خدا دکھاتے ہیں یا خدا سے ملاتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے جہاں ۲/۱۸۶ + ۵۰/۱۶ میں اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اور رگِ جان سے بھی قریب ہے اُسی نے مطلع کر دیا ہے کہ انسان خود خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے قریب ہونے کا ایک اکیلا نسخہ بتا دیا گیا ہے :۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ کا پُورا پُورا فرمانبردار ہو جا اور اُس کے قریب ہو۔

● سطورِ بالا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کا تعلق صرف خالق ومخلوق کا ہے۔ جو اتّباعِ قانون پر

قائم رہتا ہے۔ انسان صرف اللہ کی فرمانبرداری کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو اسکے باوجود ادھر اُدھر کی باتوں کیساتھ سادہ لوح عوام کو پیری مریدی کے چکر میں پھنسانے کی کوششیں بدستور جاری ہیں۔ اِسی لئے اگلی آئت میں ارشاد ہُوا کہ قابلِ قبول صرف دلائل قرآنیہ ہیں :—

قَدْ جَآءَكُم بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ
بیشک آئے تمہارے پاس روشن دلائل طرف سے رب تمہارے پھر جو

أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا
سمجھے تو واسطے جان اسکے اور جو اندھا ہوا تو اوپر اسکے اور نہیں

أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ۝ ۱۰۵
میں اوپر تمہارے نگہبان

(اے رسولؐ ! اعلان کر دیجئے گا کہ) بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (قرآنِ کریم کی صورت میں) روشن دلائل آ گئے ہیں۔ پھر جو کوئی اِسے سمجھے (اور اس پر عمل کرے) تو اس کی جزا اسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی (اس قرآن سے) اندھا ہو جائے اُسکا وبال اسکی اپنی جان پر ہوگا۔ اور مَیں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔

آنحضورؐ بحکمِ خداوندی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ درسِ قرآن دیا کرتے تھے

● آیاتِ بالا ۱۰۱/۶ تا ۱۰۵ کو باہم منوصّل کرنے اور ایک کی روشنی میں دوسری آئت پر غور کرنے سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان میں اُمّت کے متعدد پیچیدہ مسائل کا حل دے دیا گیا ہے۔ مثلاً بے باپ کی پیدائش کے ضمن میں زوجیت کا ایسا اٹل قانون کہ ساری کائنات کو اکیلے بنانے والے اللہ کے ہاں بیٹا اسلئے نہیں ہو سکتا کہ اسکی بیوی کوئی نہیں۔ دوسرے نمبر پر خدا تعالیٰ کو ڈھونڈنے اور دیکھنے کیلئے تصوّف کی خاردار وادیوں میں سرگرداں پھرنے، خلوت نشینوں کی حاشیہ برداری اور ملّت کے ایک حصّے کو امت پر بوجھ بنائے رکھنے کا وہ دروازہ ہی بند کر دیا گیا ہے کہ وہ تو تنکا توڑ کر دوہرا نہ کریں اور ملنگوں پہ بیٹھے زندگی بھر عیش اڑاتے رہیں۔ اور اندھیر گردی کی سند قرآن کریم سے حاصل کیا کریں۔ اسی کے انسداد کے لئے قرآنِ کریم کو سمجھنے اور پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کا واحد طریقہ آنحضور سلام علیہ کو بتایا گیا ہے تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کیساتھ تدبّر کرنا۔ چنانچہ اگلی آئت میں ارشاد ہُوا ہے :—

وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا
اور اسی طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں آئتیں اور تاکہ وہ کہیں

دَرَسْتَ ۱ وَلِنُبَيِّنَهُ ۲ لِقَوْمٍ
خوب سمجھایا تو نے اور تاکہ ہم خود اسکی تبیین کر دیں واسطے قوم کے

يَعْلَمُونَ ۳ ۝ ۱۰۶
جو جاننے والوں کے۔

اور (اے رسولؐ !) اسی طرح (مذکورہ بالا طریقے سے ہم اپنی آئتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ (تاکہ آپ تصریفِ آیات کیساتھ درسِ قرآن دیا کریں) اور لوگ کہہ اٹھیں کہ آپ نے خُوب خوب سمجھا دیا ہے۱۔ (اور تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ ہے) تاکہ ہم اس (قرآن) کی خود تبیین کر دیں۲ اُس قوم کیلئے جو جانتے ہیں کہ (قرآن کی تبیین اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے۳)۔

درسِ قرآن بتصریفِ آیات القرآن

● علہ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے "تاکہ لوگ کہہ دیں، پکار اُٹھیں کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے" یہ جملہ مبارکہ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ کے بعد آیا ہے کہ ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں (تاکہ تصریفِ آیات کی غرض پوری ہو) یعنی درسِ قرآن اور جاننے والوں کیلئے تبیینِ قرآن واضح ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضورؐ کی سنتِ مبارکہ تھی تصریفِ آیات کیساتھ درسِ قرآن دینا اور حاضر لوگ طریقہِ تفہیم پر بے ساختہ پکار اُٹھتے تھے کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے۔

مسئلہ تبیینِ قرآن

● وَلِنُبَيِّنَهٗ کے الفاظ میں تصریفِ آیات کی جو دوسری غرض یہ بتائی گئی ہے کہ ہم اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر اس لئے لاتے ہیں تاکہ ہر مسئلہ سے متعلقہ آیات مجیدہ کو مختلف انداز و الفاظ کیساتھ لا کر قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں۔ واضح رہے کہ تبیینِ قرآنِ کریم کا مسئلہ نہایت اہم بھی ہے، مگر صدیوں سے اُلجھا ہوا بھی ہے۔ علمی حلقوں میں کہا جاتا ہے قرآنِ کریم کی تبیین، تفصیل اور تشریح آنحضورؐ کے ذمّہ ہے۔ اور اس پر سورہ نحل کی آیتِ ذیل پیش کی جاتی ہیں۔

● وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۱۶/۴۴ - اس آیتِ مجیدہ کا مفہوم عرض کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اس آیت میں انزالِ قرآن کی غرض بتائی گئی ہے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ تاکہ اے رسولؐ آپ لوگوں کے لئے اس کی تبیین کر دیں - مگر آیتِ زیرِ بحث ۶/۱۰۶ میں تصریفِ آیات کی غرض بتائی گئی ہے لِنُبَيِّنَهٗ تاکہ قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں۔ تو اس طرح دیکھنا یہ ہے کہ ۶/۱۰۶ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے دعوے کے مطابق قرآنِ کریم کی تبیین خود کر دی ہوئی ہے یا نہیں - اگر کر دی ہوئی ہے تو پھر ۱۶/۴۴ کے الفاظ لِتُبَيِّنَ سے کیا مراد ہے تاکہ یہ تضاد دُور ہو جائے کہ تبیینِ قرآن اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے یا آنحضورؐ کے ذمّہ۔

● اس سوال کا جواب اُس شخص کے ذہن میں تو اس کے سوا نہیں آسکتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ۶/۱۰۶ کے الفاظ لِنُبَيِّنَهٗ میں فریضۂ تبیینِ قرآن اپنے ذمّہ لے لیا ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وہ وعدہ کر کے اُسے وفا نہ کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ۶/۱۰۶ کے وفاءِ وعدہ کی خبر بھی ۲/۱۵۹ میں کھلے لفظوں میں دیدی ہوئی ہے، جس سے کوئی اہلِ علم اور اہلِ ایمان انکار نہیں کر سکتا - چنانچہ ارشاد ہوا ہے:- اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۰ ۲/۱۵۹ بیشک ہم نے جو واضح دلائل کے ذریعہ ہدایت نازل فرمائی ہے (قرآن مجید) جو لوگ اُسے اسکے بعد چھپاتے ہیں کہ ہم نے اُس کی تبیین لوگوں کیلئے اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر کر دی ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے بیزار ہے اور بیزار ہونیوالے بھی اُن سے بیزار ہیں۔

● دیکھئے! اس آیتِ مجیدہ ۲/۱۵۹ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم نے اپنی واضح دلائل پر مشتمل ہدایت بھری کتاب قرآنِ کریم کی تبیین خود کر دی ہوئی ہے اور اپنی کتاب قرآنِ کریم کے اندر کر دی ہوئی ہے۔ اب آئیے آیتِ مجیدہ ۱۶/۴۴ کی طرف جس کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی تبیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضورؐ کی ذمہ داری قرار دیگئی ہے۔ لیکن اوّل تو لوگ ایسا تصور دینے والے کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتے جس میں بائے بِسْمِ اللّٰه سے سینِ وَالنَّاسِ تک آنحضورؐ کی ہوئی تبیینِ قرآن موجود ہو - بالفاظِ

دیگر 16/44 سے یہ تصور پیدا کر کے کہ قرآنِ کریم کی تبیین آنحضورؐ کا فرض قرار دی گئی ہے، معاذ اللہ معاذ اللہ! آنحضورؐ کو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ثابت کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا فرض ادا نہیں فرمایا۔ مگر آیت نمبر 6/106 + 2/159 کے مطابق جن میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے کہ قرآنِ کریم کی تبیین ہمنے خود اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر کر رکھی ہے اور آیت مجیدہ 6/106 کے مطابق جس میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ ہمنے قرآنِ کریم کی تبیین خود بذریعہ تصریفِ آیات کر دی ہوئی ہے۔ آیت مجیدہ 16/44 کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ پہلے اس کا متن ملاحظہ فرمائیں :- وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(ترجمہ) اور (اے رسولؐ!) ہمنے اپنا نصیحت نامہ قرآنِ کریم آپکی طرف اسلئے نازل فرمایا ہے کہ آپ (تصریفِ آیات 6/106 کے ذریعہ) اسکی تعیین فرمایا کریں کہ اُن کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے اور تاکہ لوگ خود بھی اُس پر تفکر کریں (اور پکار اٹھیں کہ آپ نے خوب خوب سمجھا دیا ہے 6/106)

● اِسی مفہوم کی وضاحت سورہ نحل کی آیت نمبر 16/44 میں بالفاظِ ذیل بھی موجود ہے :-

● وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ 16/64

اور (اے رسولؐ!) ہمنے آپ کی طرف نہیں نازل فرمائی اپنی کتاب مگر صرف اسلئے کہ آپ (بذریعہ تصریفِ آیات 6/106) لوگوں پر کھول کھول بیان کر دیں وہ مسائل جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اُس قوم کیلئے جو ماننے والے ہیں، اِس میں ہدایت بھی موجود ہے اور رحمت بھی موجود ہے۔ واضح رہے کہ :-

● اِن آیاتِ کریمات میں آنحضورؐ کے ذمہ لگایا گیا ہے کہ آپ بذریعہ تصریفِ آیات لوگوں کو قرآنِ کریم کی وہ تبیین بصورتِ درسِ قرآنِ کریم سمجھائیں جو 2/159 کے اعلانِ خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم کے اندر کر رکھی ہے اور 6/106 کے مطابق بذریعہ تصریفِ آیات کر رکھی ہے۔ چنانچہ محولہ بالا آیات کریمات کے مطابق آنحضورؐ زندگی بھر تصریفِ آیات کے ذریعہ لوگوں کو درسِ قرآن دیتے رہے تھے اور لوگ پکار اٹھتے تھے کہ آپنے خوب سمجھا دیا ہے وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ 6/106

● تبیینِ قرآن مِن جانب اللہ کا اعلانِ عام قرآنِ کریم میں ذیل کے الفاظ میں معمولی تغیر کیساتھ بتکرارِ کثیر موجود ہے۔

● كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ 2/187 + 2/221 + 2/242 + 2/266 + 3/103 + 5/89 + 24/18 + 24/61 اور اسی طرح اللہ اپنی آیتوں کی لوگوں کیلئے خود تبیین کرتا ہے تاکہ لوگ ہر قسم کے خطرات سے بچ جائیں۔

قرآن مجید کی تفسیر بھی خود اللہ نے کردی ہے

● سورہ فرقان میں ارشاد ہوا ہے :- وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝ 25/33 (اے رسولؐ!) لوگ آپکے پاس اس قرآن کی مثال ہرگز نہیں لائینگے۔ مگر ہم ہی ہیں جو آپکے پاس حق (قرآنِ کریم) بھی لاتے ہیں اور اسکی احسن تفسیر بھی ہم ہی لاتے ہیں۔ واضح رہے کہ تفسیر اور تشریح مترادف الفاظ ہیں۔ قرآن کریم کا مفسّر بھی اللہ تعالیٰ ہے اور شارح

بھی وہ خود آپ ہے ۲۵/۳۲ ۔

قرآن مجید کی شرح بھی خود اللہ تعالیٰ نے کر دی

● تبیین و تفسیر اور تشریح کے بعد باری آتی ہے قرآن کریم کی شرح کی، اس کے متعلق بھی قرآن کریم نے سورہ شوریٰ میں واضح کر دیا ہے کہ اپنے دین کا شارع بھی خود اللہ تعالیٰ ہے :۔

● شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَ مَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰٓی ۴۲/۱۳ اس (اللہ) نے خود شرع کر دی ہے تمہارے لئے اپنے دین کی وہی شرع جس کا حکم نوحؑ کو دیا اور وہی شرع جو (اے رسول!) ہمنے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے اور وہی شرع جس کا حکم ہمنے ابراہیمؑ کو، موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو دیا تھا۔ اس آیت مجیدہ سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ آنحضورؐ سمیت سب کے سب نبیوں کو ایک ہی دین اور اس کی ایک ہی شرع دی گئی تھی۔ اور اپنے دین کا شارع خود آپ اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی سورہ شوریٰ میں اللہ کے دین کے غیر اللہ شارعین کو خدا تعالیٰ کے شریک کہا گیا ہے :۔

● اَمْ لَھُمْ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوْا لَھُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِہِ اللّٰہُ ؕ وَ لَوْ لَا کَلِمَۃُ الْفَصْلِ لَقُضِیَ بَیْنَھُمْ ؕ ۴۲/۲۱ کیا لوگوں نے اللہ کے شریک بنا لئے ہیں جو ان کے لئے دین کی شرع کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز ہرگز اجازت نہیں دی۔ اور اگر (فیصلے کے دن) کا اعلان نہ کر دیا ہوا ہوتا تو دین کے شارع ٹھہرانے والوں کا (فوراً) فیصلہ کر دیا جاتا۔

(نوٹ) واضح رہے کہ سلسلہ درس کی آیت مجیدہ زیر نظر ۶/۱۰۶ کے دو ضمنی نوٹ زیر بحث آ چکے ہیں جن میں درس قرآن بتصریفِ آیاتِ القرآن اور تبیین و تفسیر اور تشریح و تشریع قرآن کے عنوانات پر مفصل بحث گزر چکی ہے کہ تصریفِ آیات قرآنیہ کی غرض ہے تبیینِ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ نے خود کر دی ہے اور اپنی کتاب کے اندر کر دی ہے۔ نیز ان مسائلِ تبیینِ قرآن، تفسیر قرآن اور تشریح و تفہیمِ قرآن پر سے پردے اتر چکے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم کے اندر کر رکھا ہے۔ آیت مجیدہ زیر بحث کے آخری ضمنی نوٹ کی وضاحت باقی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

● ۳ـ آیت مجیدہ ۶/۱۰۶ کا آخری جملہ ہے وَ لِنُبَیِّنَہٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ اور تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ ہے کہ ہم قرآنِ کریم کی تبیین خود بذریعہ تصریفِ آیات کر دیں اس قوم کیلئے جو جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے اور بذریعہ تصریفِ آیات کر دی ہے ــــــــ آیت مجیدہ کے ان آخری الفاظ میں اس امر کا اعلان کر دیا ہے کہ قرآنِ کریم کی تبیینِ خداوندی سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو پہلے یہ تسلیم کریں کہ قرآنِ کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے اور کتاب کے اندر کر دی ہے ۲/۱۵۹ اس کتابِ لاریب کی تفسیر تشریح تشریع اسی کتابِ لاریب کے اندر موجود ہے۔ کتابِ لاریب کی تفسیر و تبیین کوئی ایسی کتاب ہرگز نہیں کر سکتی جسے لاریب کی خداوندی سند حاصل نہ ہو۔ جو لوگ کتابِ لاریب کی تفسیر و تبیین بار یب کتابوں میں

سے تلاش کرینگے وہ حقیقتِ قرآنیہ کو ہرگز نہیں پا سکیں گے اور ایسی تفسیروں میں اُلجھ کر رہ جائیں گے جن کا قرآنِ کریم کے ساتھ دُور کا تعلق بھی نہیں۔ جیسے کہ سورہ احزاب کی آیت نمبر ۶۹ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا گیا ہے کہ آنحضورؐ کو اُس طرح ایذا نہ دینا جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو دی تھی :۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ؕ ۳۳/۶۹ ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی پھر اللہ تعالیٰ نے اُس چیز سے موسیٰؑ کو بری کر دیا جو انہوں کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے نیکو کار اور بڑے باوقار انسان تھے۔

● بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کو جو ایذائیں دیں اُن سے قرآنِ کریم بھرا پڑا ہے۔ فوجی ٹریننگ کیلئے حضرت نے بحکم باری جو غذائیں منّ و سلویٰ کھانے کی پابندی لگائی، اُس کی بجائے گندم، مسور، پیاز، وغیرہ طلب کرنے لگے۔ حضرت موسیٰؑ کوہِ طُور پر کتاب لکھوانے گئے تو یہ لیکر سامری کے بچھڑے کو معبود بنالیا کہ موسیٰ کا معبود یہی ہے ۲۰/۸۸ مگر اللہ تعالیٰ نے اُس بچھڑے کو ذبح کرا کے اُن کے بہتان سے حضرت موسیٰ کو بری کر دیا۔ لیکن اس آیت ۳۳/۶۹ کی تفسیر بخاری شریف جلد دُوم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۸۹۵ پر کتاب التفسیر میں یہ لکھی ہے :۔

(اردو ترجمہ) "حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام بہت ہی حیادار اور شرمیلے تھے۔ یہاں تک کہ کسی کے سامنے نہاتے بھی نہ تھے۔ اِسی آیت میں اِسی قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے"۔ ذیل کی روایتی تفسیر قرآنی تفسیر کیساتھ محض تقابل کیلئے پیشِ خدمت ہے)۔

پتھر کپڑے لے بھاگا

● یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قصہ کیا ہے جسکی طرف بخاری شریف کے الفاظِ بالا کے مطابق اشارہ کیا گیا ہے۔ وُہ بھی خود بخاری شریف جلد اوّل کے صفحہ ۱۸۴ پر بالفاظِ ذیل موجود ہے :۔

(اُردو ترجمہ) "حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں بنی اسرائیل برہنہ غسل کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھا جاتا تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کرتے تھے۔ تو بنی اسرائیل نے کہا کہ واللہ! موسیٰؑ کو ہم لوگوں کے ہمراہ غسل کرنے سے صرف چیز مانع ہے کہ وہ فتق (خصیہ کی بیماری) میں مبتلا ہیں۔ اتفاق سے ایک دِن موسیٰؑ غسل کرنے لگے اور اپنا لباس پتھر پر رکھ دیا۔ وہ پتھر ان کا لباس لیکر بھاگا۔ اور حضرت موسیٰؑ بھی اُس کے تعاقب میں یہ کہتے ہوئے دوڑتے گئے ثَوْبِیْ یَا حَجَرُ ثَوْبِیْ یَا حَجَرُ۔ اے پتھر میرے کپڑے دیدے۔ اے پتھر میرے کپڑے دیدے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ کو دیکھ لیا اور کہا کہ واللہ (موسیٰؑ کو کچھ بیماری نہیں ہے۔ تب پتھر ٹھہر گیا۔ موسیٰ نے اپنا لباس لیا اور پتھر کو مارنے لگے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (حضرت موسیٰؑ کی مار سے) پتھر پر چھ یا سات نشان اب تک باقی ہیں" یہ ہے نمونہ کتابِ لاریب کی اُس تفسیر کا جو کتبِ باریب سے کیگئی ہے۔

واجب الاتباع صرف قرآنِ کریم

● سلسلۂ درس کی آیت زیرِ بحث ۶/۱۰۶ میں محوّلہ بالا متعدد وضاحتوں کے بعد اگلی

آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیاگیا ہے کہ آپ صرف اُس کتاب کی اتباع کیجئے جو آپ کی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل کیگئی ہے۔ اُس کے سوا یا اُسکے ساتھ ساتھ کسی اور کتاب کی اتباع کرنے کو شرک قرار دیا گیا ہے :۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ
اور پیروی کر جو وحی کیا گیا طرف تیری سے رب تیرے نہیں
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۱۰۶
حاکم سوائے اسکے اور منہ موڑ لے سے مشرکوں

اور (اے رسولؐ!) پیچھے پیچھے چلئے گا اُس (کتاب) کے جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے قابل نہیں۔ اور مشرکوں سے اعراض فرمائیے (جو غیر منزل کتابوں کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کیساتھ غیروں کو حکم شریک کرتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ
اور اگر چاہتا اللہ زبردستی تو نہ شرک کرتے اور نہیں بنایا ہمنے آپکو
عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ ۱۰۷
اوپر ان کے نگہبان۔ اور نہیں آپ اوپر اُن کے کارساز

اور اگر اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت (زبردستی ہدایت دینا ہوتا تو لوگ شرک نہ کرتے۔ اور ہمنے (اے رسولؐ!) آپکو لوگوں پر نگہبان نہیں بنایا کہ (زبردستی ہدایت دیں) اور نہ ہی آپ لوگوں کے کارساز ہیں (لوگوں کے بگڑے ہُوئے کام قانونِ مشیت کے مطابق سنورتے ہیں)۔

دُوسروں کے معبودوں کو بُرا نہ کہو

● مذاہبِ عالم کا قاعدہ ہے کہ جہاں نظریات کا معمولی سا اختلاف پیدا ہُوا جھٹ مغلوب الغضب ہوکر آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ لی اور زبانوں کو بے لگام چھوڑ کر فریق مخالف کی نہ صرف ذاتیات پر کیچڑ اُچھالنا شروع کردیا بلکہ اُسکے معبودوں اور بزرگوں کو بھی بُرا بھلا کہنا شروع کردیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے جیسے کہ پیچھے $\frac{6}{106}$ عقل و بصیرت کیساتھ غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اُسی طرح سُورہ یوسف میں آنحضورؐ کی سُنت کے مطابق عقل و بصیرت کی اساس پر دعوتِ اِلی اللہ کا حکم دیا گیا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۛ عَلٰى بَصِيْرَةٍ $\frac{12}{108}$ اے رسولؐ! کہد یجئیگا کہ میری سنت یہ ہے کہ میں عقل و بصیرت کی اساس پر اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں اسی طرح :۔

● سُورہ نحل میں بھی آنحضورؐ کی سنتِ مبارکہ بتائی گئی ہے :۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ $\frac{16}{125}$ (اے رسولؐ!) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئیگا حکمت کیساتھ اور احسن طریقے کی نصیحت کیساتھ۔

● سُورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو حکم ہُوا :۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا $\frac{20}{44}$ فرعون کیساتھ نرمی کیساتھ گفتگو کرنا۔

● سُورہ احزاب میں حکم دیاگیا ہے قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ $\frac{33}{70}$ ایمان والو! صاف اور سیدھی بات کیا کرو۔

● سورہ حٰم سجدہ میں ارشاد ہُوا ہے :۔ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ $\frac{41}{34}$ نیکی اور بُرائی باہم برابر نہیں ہیں۔ بُرائی کو اُس نیک سلوک کیساتھ دفع کیا کرو جو احسن طریقہ ہے اسی ضمن میں سلسلہ درس کی اگلی آیت

- فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝
- وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝
- اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝
- فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝
- لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝
- تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
- اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝

الواقعہ ۵۶

۷۷ - ۸۳

مفہوم :-

۱-: میں نجوم کے مشرق ومغرب کی طرف باقاعدگی کے ساتھ سفر کرنے والوں کی شہادت پیش کرتا ہوں۔

۲-: کاش تم جانتے کہ وہ کتنی بڑی شہادت ہے۔ (کہ پیغمبر عربی کی تعلیم انسانی موت وحیات کا مکمل دستور العمل ہے۔)

۳-: یقیناً وہ قرآن بہت عظمت والا ہے۔

۴-: وہ محفوظ کتاب میں موجود ہے۔

۵-: اس (قرآن) کی حقیقت کو وہی لوگ پاتے ہیں۔ جو کفر وشرک کی تمام نجاستوں سے پاکیزہ ہیں۔ یعنی جسم وجان سے ستھرے ہوں۔

۶-: اور اس کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے۔

۷-: کیا اس حدیث (قرآن کریم) کے بارہ میں تم مداہنت سے کام لیتے ہو۔

فہرست مضامین تفسیر القرآن بالقرآن۔ (جلد سوم)

مضامین	صفحہ
قرآن فہمی کے قرآنی اصول	۲
سُورۃ المائدہ	۳
سابقہ سورت کے ساتھ ربط	۴
بہیمۃ الانعام جگالی کرنے والے چوپائے۔	۶
حلت کا تمیزی نشان جگالی ہے	۸
حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی	۱۰
نیاز کعبہ کے تحائف کی بے حرمتی	۱۲
نیاز کعبہ، قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی۔	۱۳
قصدیت اللہ کرنے والوں کی بے حرمتی	۱۳
ایام حج میں بری شکار حرام ہے	۱۴
دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کرو	۱۵
بھلائی میں تعاون اور برائی میں عدم تعاون۔	۱۶
لحم الخنزیر، ایک غلط فہمی کی وضاحت	۱۹
تکمیل دین	۲۰
حرام شکاری جانوروں کے ذریعہ شکار حلال۔	۲۱
سدھائے ہوئے کتے کا پکڑا ہوا شکار۔	۲۲
جبلی تعلیم۔ ذبح کے بغیر شکار حلال نہیں۔	۲۲
اہل کتاب کے کھانے اور رشتے	۲۳
وضو کا حکم	۲۴
تیمم سے مراد مٹی ملنا نہیں	۲۸
مسئلہ تیمم پر روایات کی حاشیہ آرائی	۲۹
اللہ کی نعمت اُس کا قانون ہے۔	۳۰
ہر فرد کا حصہ ضروریات زندگی ہیں	۳۶
امن و سکون کا قرآنی نسخہ	〃
یہود و نصاریٰ سے اتمام حجت	۳۸
نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ میں واؤ تفسیری ہے۔	۳۹
آنحضورؐ کی بشریت	〃
آنحضورؐ کی اتباع	۴۰
وفات مسیحؑ و مریمؑ	۴۱
یہود و نصاریٰ کا دعویٰ ابن اللہ	۴۲
ملی غلامی کے گہرے اثرات	۴۵
اشرف المخلوقات انسان ہے۔ کوا نہیں ہے۔	۵۲
بھائی کا قتل واقعہ بنی اسرائیل ہے	۵۳
ایک جان کا قتل نوع انسانی کا قتل ہے۔	۵۴
سود خوری کی سزا	۵۶
قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا حامل نہیں	۵۷
اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا صحیح نہیں	〃
قرآن کریم زندگی اور آزادی کا ضامن ہے	۵۸
اِتَّقُوْا، اور وسیلہ کا مفہوم	۶۰
جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ کا مفہوم	۶۱
جملہ انبیاء کا دین اور شریعت ایک تھی۔	۶۵
قید خانے نہیں اصلاح خانے	۶۶
یہود کی مفاد پرستی	۶۸
اصل توریت میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا۔	۶۹
فیصلے صرف منزل من اللہ کے ساتھ کئے جائیں۔	۶۹
اصل انجیل میں بھی ہدایت و نور تھا	۷۰

مضامین	صفحہ
قرآن حکیم توریت و انجیل کا نگہبان ہے	۷۱
آنحضور کو صرف ما انزل اللہ کے	
ساتھ فیصلے کرنے کا تکراری حکم۔	۷۳
کیا یہودی سچ مچ بندر بن گئے تھے؟	۷۹
اس پر دو ضمنی سوالوں کے جوابات	۸۰
یہود کے عالم و مشائخ کی بناوٹ	۸۱
اللہ کے دو ہاتھ	۸۲
اللہ کے دو ہاتھ اُس کی صفاتِ	
رحمانیت و رحیمیت ہیں۔	۸۳
مساوی تقسیم رزق کا پہلا نمبر ہے	۸۴
ایمان کی پانچ شرطیں	۸۸
نصاریٰ کے دو عقیدے	۸۹
حضرت مسیحؑ کا حقیقی مقام	۹۰
الوہیت کھانا کھانے سے صد بعید	
پاک ہے۔	۹۱
نفع یا نقصان پہنچانا مسیحؑ و مریمؓ	
سمیت کسی کے بھی قبضے میں نہیں۔	۹۱
یہودی مسلمانوں کے شدید ترین دشمن	
ہیں	۹۳
سارے عیسائی مسلمانوں کے دوست	۹۴
نہیں ہیں۔	
اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانے والی قسمیں	"
کفارہ ادا کرکے توڑ دیا کرو۔	۹۶
ہر نشہ آور چیز حرام ہے الخمر کیا ہے؟	۹۷

مضامین	صفحہ
المیسر کیا ہے؟ الانصاب کیا ہیں؟	۹۷
الازلام کیا ہیں؟	۹۸
خمر و میسر دونوں منبع بغض و عداوت	۹۹
ہیں۔	
غلط معاشرہ کا واحد قرآنی حل	۱۰۰
نظام صلوٰۃ یعنی متوازن معاشی	۱۰۰
نظام۔	
قرآنی معاشرہ کے تدریجی مراحل	۱۰۱
مومنوں کے انتقام کا امتحان	۱۰۲
ایامِ حج میں بری شکار منع کیوں؟	۱۰۳
ایام حج میں بحری شکار کی اجازت	۱۰۴
مرکزیتِ بیت الحرام کی اہمیت	۱۰۵
پوری نوعِ انسان کو قدموں پر	
کھڑا کرنے کے چار اہم ذرائع	۱۰۵
حرمت والے مہینے ہدی اور قلائد	۱۰۶
شعائر اللہ ہیں۔	
حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی	۱۰۶
ہدی کی بے حرمتی، قلائد کی بے حرمتی	۱۰۶
ایک لمحۂ فکریہ تکوینی نظام کی شہادت	۱۰۷
کثرت صداقت کی دلیل نہیں	۱۰۸
قرآن حکیم مکمل ضابطۂ حیات ہے	۱۰۸
شخصی آزادی	۱۰۹
لباس اور حجامت	"
بال کٹوانا یا منڈانا	۱۱۰

مضامین	صفحہ
توہماتی دلدلوں سے نکلو	۱۱۱
بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کیا	۱۱۱
ہیں؟	
باپ، دادا کا تواتر کوئی سند نہیں	۱۱۲
شہادت کی تحقیق، اپیل کا حق	۱۱۴
قرآنی فہم کے متعلق ایک اہم آیت مجیدہ	۱۱۵
بنی اسرائیل کا ہموار معاشرہ کا انکار	۱۱۸
حواریوں کا ہموار معاشرہ کا شوق	"
ہموار معاشرہ ہی عید ہے۔	۱۱۹
عید کا قرآنی مفہوم	۱۲۰
نزول یعنی انسان کی محنت کا بدلہ	۱۲۲
نزول من الشیٔ کی قرآنی اصطلاح	"
نصاریٰ کے سہ سہ عقائد کا بطلان	۱۲۴
قیامت کی کامیابی اعمال صالحہ کا	
نتیجہ ہے۔	۱۲۵
مسئلہ جبر و اختیار	۱۲۶
لفظ قدیر کی قرآنی لغت	۱۲۷
سورۃ الانعام	۱۲۹
اندھیرے بہت سے مگر روشنی ایک	۱۳۱
انسان کی طبعی عمر	۱۳۳
نظریۂ وحدت الوجود	۱۳۴
نظام ربوبیت کے قیام کی پیشگوئی	۱۳۵
آنحضورؐ کے مخالف ہلاک کر دیئے گئے تھے	۱۳۶

مضامین	صفحہ
لکھی ہوئی کتاب کے نزول کا مطالبہ	۱۳۸
انبیاء کا نہ کوئی قلعہ تھا اور نہ محل اور نہ دیوان خانہ۔	۱۴۰
ربوبیتِ عامہ کا قرآنی تصور	۱۴۲
قربِ الٰہی	۱۵۰
ضابطۂ الٰہی ہر استحصالی گروہ کے مفاد سے ٹکراتا ہے۔	۱۵۴
انسان کے سوا کوئی نوع صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں ہے۔	۱۵۷
جو کوئی ہدایت پاتا ہے خود پاتا ہے۔ اور جو گمراہ ہوجاتا ہے خود ہوجاتا ہے۔	۱۵۹
انشاء کا قرآن کا مفہوم	۱۶۰
قوانینِ جاریہ میں کافر مومن کی کوئی تمیز نہیں۔	۱۶۱
تصریفِ آیات کا مخصوص قرآنی اسلوب	۱۶۴
تفقہ فی القرآن بذریعہ تصریفِ آیات	۱۶۵
آنحضورؐ کا طریقۂ درسِ قرآن بھی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ تھا۔	۱۶۵
قابلِ اتباع صرف قرآن حکیم ہے۔	۱۶۷
جماعت صرف سچے اور پکے مومنوں کے ساتھ بنتی ہے۔	۱۶۸
سلامِ مسنون	۱۶۹
بلاتوبہ واصلاح مغفرت نہیں۔	۱۷۱
جس کی عبادت اسی سے دعاء	۱۷۳
عبادت اور دعا باہم مترادف ہیں۔	۱۷۴
حکم بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور غیب کی چابیاں بھی صرف اسی کے پاس ہیں۔ اور ہر خشک و تر چیز	۱۷۴
اس کے علم میں موجود ہے۔	۱۷۵
جملہ مصائب سے نجات دہندہ، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔	۱۷۹
آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک سے اعراض (۶/۶۸)	۱۸۲
کڑوا کھانا اور گرم پانی سزا ہے غیر اللہ سے مدد، مرادیں مانگنے کی۔	۱۸۴
کن فیکون اور نفخِ صور	۱۸۵
نفخِ صور۔ نفخِ اول	۱۸۸
نفخِ صور کے متعلق سائنسدانوں کے سوال کا جواب۔	۱۸۹
صور کیا ہے؟ ایک علمی نکتہ	۱۹۱
نفخِ ثانی	۱۹۲
ایک اہم اعتراض کا جواب	″
نفخِ ثانی کے متعلق سائنسدانوں کا اہم مشاہداتی سوال۔	۱۹۵
کس قانون کے مطابق مردوں کو زمین سے نکال لیا جائے گا	۱۹۶
مادۂ مبارکہ کیا ہے؟	۱۹۷
شعور کی واپسی	۱۹۸
قیامت کو صرف انسان زندہ کئے جائیں گے حیوانات نہیں۔	۲۰۰
ولادت حضرت ابراہیم کے متعلق تفسیر موضح القرآن۔	۲۰۶
قوم کا حضرت ابراہیم کے ساتھ جھگڑا	
سب نبیوں کو ایک ہی دین ملا تھا۔	۲۰۹
بفرضِ محال اگر نبی بھی شرک کرتے تو ان کے عمل بھی ضائع ہوجاتے۔	۲۱۰
سلسلۂ انبیاء ختم ہوچکا ہے۔	۲۱۰
تحفظِ ناموسِ صحابہؓ	۲۱۱
قرآنِ کریم کی اتباع ہی ہدایت انبیاء اور ملتِ ابراہیم کی اتباع ہے	۲۱۳
آنحضورؐ کے اعلانات متعلقہ عدم حصولِ اجرِ رسالت	۲۱۵
مودۃ فی القربیٰ کے متبادل قرآنی الفاظ۔	۲۱۶
اللہ تعالیٰ گٹھلیوں اور بیج کو پھوڑنے والا ہے۔	۲۲۳
اللہ تعالیٰ صبحوں کو پھاڑنے والا ہے۔ (۶/۹۷)	۲۲۳
ستارے راہ نمائی کے لئے ہیں	۲۲۷
نفسِ واحدہ کی تفسیر ۶/۹۹	۲۲۷

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
مسئلہ تخلیق نوعِ آدم	۲۲۷	آنحضورؐ بحکم خداوندی تصریفِ آیات کے ساتھ درسِ قرآن دیا کرتے تھے	۲۴۷	اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرنا (۶/۱۲۰)	۲۶۰
کیا ہر بیوی اپنے شوہر ہی سے نکلی ہوئی ہے؟	۲۳۰	مسئلہ تبیینِ قرآن۔ قرآن کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے اور خود قرآن کے اندر کر دی ہے۔	۲۴۸	ضابطۂ خداوندی کی مخالفت کرنے والے بڑے بزرگوں کے لباس میں بستی بستی اور قریہ قریہ موجود ہیں۔	۲۶۲
مسئلہ حیوانات کا حصولِ رزق	۲۳۵	قرآن مجید کی تفسیر بھی خود اللہ تعالیٰ نے آپ کر دی ہے۔	۲۴۹	زمانۂ رسالت میں یہ حالت یہود و نصاریٰ کے بزرگوں کی تھی۔	۲۶۳
مسئلہ نوعِ انسانی کا حصولِ رزق	۲۳۶	قرآن مجید کی شرح بھی اللہ نے آپ کر دی ہے۔	۲۵۰	خود فریبی کی انتہا	"
مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کی تفسیر	"	قرآنِ کریم کی روایتی تفسیر، بھیڑ پکڑے لے جا گا۔	۲۵۱	آیاتِ قرآنیہ مفصّل ہیں۔ اور ذریعہ ہدایت و نصیحت ہیں۔	۲۶۴
مُستودع کا متبادل قرآنی مفہوم	۲۳۸	واجب الاتباع صرف قرآن کریم ہے	"	صلوٰۃ موقتہ نماز کی جزئیات	۲۶۵
سائنسی معلومات کو نہ ماننے والے اور اُن پر نہ عمل کرنے والے محروم رہتے ہیں۔	۲۴۰	دوسروں کے معبودوں کو بُرا مت کہو۔ ورنہ وہ تمہارے معبود کو بُرا کہیں گے۔	۲۵۲	کائناتی و تنزیلی توافیق	۲۶۶
مسئلہ جن کی بحث	۲۴۱	معجزات اور قرآنِ کریم	۲۵۴	سرمایہ دار اور اُن کے مددگار کیا کسب کرتے اور کیا چالیں چلتے ہیں؟	۲۶۷
شہروں اور دیہاتوں کے جن و انسان ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔	۲۴۲	جغرافیہ اور سائنس اللہ کے معجزے ہیں۔	"	ایک اہم اعتراض کا جواب	۲۶۹
مجرم انسان جنوں اور انسانوں کے ہاں پناہ لیتے ہیں۔	"	کفار کا طلب معجزات	"	پیروں کی نذر میں قتلِ اولاد ہے	۲۷۲
جن سواریوں کے محتاج ہیں	۲۴۳	اللہ تعالیٰ کیا کچھ نہیں کر سکتا؟	۲۵۵	ہر چیز کو پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔	۲۷۵
جنوں اور انسانوں کی خوراک ایک ہے	"	انسانوں اور جنوں میں سے نبیوں کے مخالفین۔	۲۵۶	اللہ کا حصہ (زکوٰۃ) آمدنی میں سے ادا کرنا ہے بچت میں سے نہیں	۲۷۷
اولاد کے لئے قانونِ الٰہی صرف زوجیت ہے۔	۲۴۴	اللہ تعالیٰ کا حکم نامہ صرف قرآنِ کریم ہے۔	۲۵۸	اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانا شیطانی فعل ہے۔	۲۷۰
اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی عقل پا سکتی ہے۔	۲۴۵			شرک کے تین اقسام ہیں	۲۸۳
اللہ کے ساتھ انسان کا تعلق صرف عبودیت کا ہے۔	۲۴۶				

مضامین	صفحہ
شفیع صرف اللہ تعالیٰ ہے	۳۶۷
ایک غلطی کا ازالہ	۳۶۸
سورۂ ھود	۳۷۶
سورۂ مومنون	۳۷۷
مسئلہ بشریت انبیاء اور قرآن کریم۔	۳۷۷
حضرت نوح کو طوفان سے کس طرح بچایا گیا ؟	۳۷۸
قوم نوح کے پانچ بیر	″
کیا طوفان نوح ساری زمین پر آیا تھا ؟	″
کیا کشتی نوح میں ہر نوع کے جوڑے سوار کیے گئے تھے ؟	۳۷۹
حضرت نوح کی لبائی ہوئی متوازن بستیاں قوم عاد نے بھی اللہ کے شریک بنا رکھے تھے ؟	۳۸۱
سورۃ ہود	۳۸۳
سورۃ شعراء	۳۸۴
قوم عاد ایک جابر قوم تھی - وہ اپنی فتح کی یادگاریں بڑے بڑے مینار بنایا کرتے تھے۔	۳۸۴
سورۃ حم سجدہ	۳۸۵
سورۃ قمر	۳۸۶
سورۃ الذاریات	″
سورۃ احقاف	″

مضامین	صفحہ
سورۃ الحاقۃ۔ سات راتیں	۳۸۶
آٹھ دن متواتر آندھی چلتی رہی	۳۸۷
حضرت ہود اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون جاریہ کے مطابق نجات دی تھی۔	″
قوم ثمود بھی آبائی تواتر کی قائل تھی۔	۳۹۱
قوم ثمود کو تین دن کی مہلت دی گئی تھی۔	۳۹۲
سورۃ شعراء	۳۹۲
سورۃ نمل	۳۹۳
سورۃ قمر	۳۹۴
سورۃ الشمس	۳۹۵
قوم ثمود کے جرائم	″
ناقہ صالح کی حقیقت	۳۹۶
روایاتی تفسیر	″
قوم لوط کا تذکرہ	″
سورۃ ھود	۳۹۷
قوم لوط پر لائے گئے عذاب کی تفصیل۔	۴۰۰
المختصر	۴۰۲
ایک اہم سوال کا جواب	۴۰۳
دو اور اہم سوالات	″
دوسرا اہم سوال	۴۰۴
سورۃ فیل	۴۰۶

مضامین	صفحہ
انگوٹھی کا نگینہ	۴۰۸
ایک اہم آخری سوال	۴۰۹
قوم شعیب	۴۱۱
عبادت کا معنی ہے حکم ماننا۔ اور الٰہ کا معنی ہے حاکم۔	۴۱۱
قوم شعیب مومنوں کو دھمکیاں دیتی تھی۔	۴۱۲
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کا صحیح مفہوم	۴۱۴
حضرت شعیب کی ہجرت	۴۱۶
سورۃ ہود	″
صلوٰۃ موقت کی حقیقت کو بدل دینا۔	۴۱۷
سابقہ امتوں کی پرانی روش ہے	
صلوٰۃ پوجا پاٹ نہیں ہے۔	″
بے روح نماز	۴۱۸
رجوع الی المقصود	″
سورۃ حجر	۴۱۹
سورۃ شعراء	″
سورۃ عنکبوت	۴۲۰
افراد معاشرہ کی ذمہ داری سربراہ مملکت پر ہے۔	۴۲۲
قوم فرعون	۴۲۳
ناہموار تقسیم رزق فساد ہے اور ناہموار تقسیم کرنے والے فسادی ہیں۔	۴۲۴

مضامین	صفحہ
شرک فی الذات	۲۸۳
شرک فی الصفات	"
شرک فی الحکم	۲۸۴
قتل میں الّا بالحق کی استثنیٰ	۲۸۷
تمام نبیوں کو ایک ہی کتاب دی گئی تھی۔	۲۹۰
ملائکہ	۲۹۳
عوام کے ذہنی ملائکہ	۲۹۴
ملائکہ کے متعلق ایک اہم سوال	۲۹۵
مسئلہ توبہ	۲۹۶
جب عذاب آجائے تو پھر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔	۲۹۷
جب موت حاضر ہو جائے۔ تو پھر بھی ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔	"
شکست اور گرفتاری کے بعد بھی ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہے۔	"
روایتی تفاسیر	۲۹۸
دجال اور دابۃ الارض	۲۹۹
اللہ تعالیٰ کی مخصوص شفقت	۳۰۲
مسئلہ زکوٰۃ	۳۰۳
عشر، دسواں حصہ زکوٰۃ ہے	"

سورۃ اعراف

مضامین	صفحہ
تعارف	۳۰۹
ربط (اعراف با سورۃ انعام)	۳۱۰
منزل من اللہ بھی صرف قرآن کریم ہے ... اور واجب الاتباع بھی صرف اور صرف قرآن کریم ہے۔	۳۱۲
ایک نکتہ لطیف	۳۱۳
اتباعِ رسول صلعم	"
ایک تاریخی المیہ (پہلی دلیل اور دوسری دلیل)	۳۱۴
قرآن کریم قوموں کے عروج و زوال کے اصول اور قواعد سے بحث کرتا ہے۔	۳۱۵
عذاب آچکنے پر اعترافِ جرم	"
قیامت کی عدالت میں رسولوں اور اُن کی امتوں سے الگ الگ جواب طلبی۔	۳۱۶
قیامت ایک یقینی چیز ہے۔	۳۱۷
رجوع الی المطلب	۳۱۹
شکر کے قرآنی معنے	۳۲۰
طبقاتی نظام فرعونی نظام ہے۔	۳۲۱
نوعِ انسانی میں نفسِ امارہ کو پیدا کرنے کا فلسفہ۔	۳۲۲
ابلیس، نفسِ امارہ کی پہلی فریب کاری	۳۳۲
پوری نوعِ انسانی کے لئے اس عنوان کے ابتداء میں بھی اور انتہا میں بھی	۳۳۶
ساری حقوق انسانی کا اعلان	۳۳۸
حُضور کی عدالت کی حاضری کو ہمیشہ یاد رکھو۔	۳۳۸
لباس التقویٰ اور جسمانی لباس	۳۳۹
آباؤ اجداد کا تواتر، دلیل صداقت نہیں۔	۳۴۴
الفحشاء بمعنی غصبِ حقوقِ ربوبیت	۳۴۴
صلوٰۃ اور ربوبیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔	۳۴۶
ترکِ زینت اور ترکِ غذا کا عقیدہ مطلقاً غیر قانونی ہے اور غیر قرآنی ہے۔	۳۴۷
	۳۴۸
دیکھا آپ نے کہ:۔	۳۴۹
ایک لمحہ فکریہ	۳۵۰
اللہ تعالیٰ نے کیا حرام کیا ہے؟	۳۵۰
اقوام عالم کے عروج و زوال کے اٹل خداوندی قوانین۔	۳۵۲
قیامت کا عذاب	۳۵۶
رجوع الی المقصود	۳۵۷
جملہ معترضہ کی اہم قرآنی مثال	۳۶۰
اصحاب اعراف	۳۶۲
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اپنے علم کے مطابق مفصل کر دیا ہے۔	۳۶۵
اللہ کے علم سے کس کا علم افضل ہے۔	۳۶۶

مضامین	صفحہ
قصۂ موسیٰ و فرعون کا پس منظر و پیش منظر	۴۲۵
نہ فرعون خود اللہ کی ہستی کا منکر تھا۔ نہ اُس کے سردار اور نہ اُسکی ساری قوم۔	۴۲۶
قصۂ موسیٰ و فرعون کو سمجھنے کا بنیادی نکتہ	"
عصا سے قرآنی معنوں کو سمجھنے میں رکاوٹ	۴۲۸
کاف حرفِ تشبیہ کی قرآنی مثالیں	۴۲۹
عصا بمعنی قانونِ ربوبیتِ عالمینی بھی ہے	"
ید بیضاء	"
دیکھئے	۴۳۰
حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل کس لئے واقعتہً تباہ حال ہو چکی تھی۔	۴۳۱
لفظ سحر کی معنوی تحقیق	۴۳۲
تغیر بذریعہ تصریف آیات	۴۳۳
دلائل کا تقابل تھا، شعبدہ بازی کا مقابلہ نہیں تھا۔	۴۳۵
زمین کی وراثت طاقت سے ملتی ہے	۴۳۹
فرعونیوں پر قحط کا عذاب	۴۳۹
طوفان، ٹڈی دل، چچڑیاں، مینڈکوں اور فسادِ خون کی متعدد بیماریوں کے عذاب	۴۴۰
برپا ہو علاقائی تعصب کا، فرعونیوں نے اُس کی حد کردی۔	۴۴۱
موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں	۴۴۳
کیا پوری قوم بنی اسرائیل سے ہجرت کرائی گئی	"
غیر دانشمندانہ ہجرت کے خوفناک نتائج	"
آنحضورؐ نبی اکرم کی ہجرتِ مبارکہ	"
حکومتِ فرعون کے وارث بنی اسرائیل ہوئے	۴۴۴

مضامین	صفحہ
بنی اسرائیل کا ایک عجیب واقعہ	۴۴۵
حضرت موسیٰ نے اللہ کو دیکھنے کا سوال کیوں کیا؟	۴۴۸
تجلّی ربہٗ کا روایتی مفہوم	۴۴۹
بچھڑے کی پوجا	۴۵۲
سامری کا بائیکاٹ	۴۵۶
کتاب لکھوانے کیلئے ستر کاتبوں کو چن گیا تھا	۴۵۷
رجوع الی المقصود	۴۵۸
آنحضورؐ آخری نبی رسول تھے باقی سب نبی اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔	۴۶۳
مگر آنحضورؐ کو پوری نوعِ انسانی کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔	۴۶۴
آیت خاتم النبیّین	۴۶۵
لفظ خاتم کی بحث	"
آنحضورؐ کیلئے خاتم النبیین یہ تا مکسور کیوں نہیں آیا؟	۴۶۶
تمسک بالکتاب	۴۷۲
آیت الست	۴۷۳
عہد الست کیا ہے؟	۴۷۴
قرآن کریم اہل قواعد کی غلطیاں نکالتا ہے	۴۷۵
ہر شخص اپنے رب کی ربوبیت کا خود گواہ ہے	۴۷۶
برادرانِ عزیز	۴۷۷
اسلاف کا تواتر حجت نہیں	۴۷۸
صٓ کی روایتی تفسیر	۴۷۹
ایک لمحۂ فکریہ	۴۸۳
الساعۃ بمعنی قیامت	۴۸۷

مضامین	صفحہ
الساعۃ بمعنی کوئی بھی وقفہ	۴۸۸
الساعۃ بمعنی ایک لمحہ	"
الساعۃ بمعنی انقلاب کی گھڑی	"
الساعۃ بمعنی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی دنیوی سزا کی گھڑی۔	"
حقیقت نیمروز	۴۹۰
نہ اپنے لئے نہ تمہارے لئے	۴۹۱
مسئلہ حیات النبیؐ، حاضر و ناظر	۴۹۱
مسئلہ بشر و نور	۴۹۲
روایتی تفسیر	۴۹۵
قرآنی اسلوب بیان کو راہ نما اصول بنایا جائے۔	"
رجوع الی المطلب	۴۹۶
قرآنِ کریم سے خلاف کفار مکہ کا منصوبہ	۵۰۱
اللہ تعالیٰ کی قربت	۵۰۳
عبادت کا معنی	۵۰۴
تسبیح کا معنی	"
ہر چیز کی تسبیح کو جاننا انسانی فریضہ ہے۔	۵۰۵
آگ، پتھر	۵۰۶
تسخیر کائنات	"
بجلی، پانی	"
ایٹم	۵۰۷
سجدہ کا معنی	"
ایک لمحۂ فکریہ	۵۰۸
حاصلِ کلام یہ کہ	۵۰۹

اُنظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ

اے مخاطب!

غور کرو کہ ہم آیات کو کسطرح پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ
تصریفِ آیات کے ساتھ قرآنِ کریم میں تفقہ کیا کریں

ترجمۃ القرآن بتصریفِ آیاتِ الفرقان

المعروف بہ

تفسیر القرآن بالقرآن

جلد سوم

مشتمل بر تفسیر سورۃ المائدہ، الانعام اور اعراف

شائع کردہ

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰- این سمن آباد لاہور

WWW.EBOOKSLAND.BLOGSPOT.COM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن فہمی کے قرآنی اصول

• تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اوّل کے شروع میں ۱۲۸ صفحات کا دیباچہ دیا گیا ہے، جس میں قرآنِ کریم کو سمجھنے کے وُہ اصول درج ہیں جو قرآنِ کریم نے خود پیش کئے ہیں۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد سوم میں جو اسوقت آپکے ہاتھوں میں ہے، بعض مقامات پر مذکورہ بالا دیباچہ کے حوالے دئیے گئے ہیں۔ قارئین کرام کو وُہ حوالے مذکورہ دیباچہ میں درج ملیں گے۔

اَلحمدُ لِلّٰہ • ذاتِ ارحم الراحمین کے فضل و احسان سے تفسیر القرآن بالقرآن کی تیسری جلد طبع ہو کر منظرِ عام پر آگئی ہے۔ اس کا اندازِ تفسیر بھی یہ ہے:۔

۱۔ اس میں دائیں طرف قرآن مجید کا عربی متن ہے اور متن کے بین السطور ہر عربی لفظ کا اردو ترجمہ اُس لفظ کے نیچے لکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مفہوم بندی یا جگہ کی عدم گنجائش کی بدولت کسی عربی لفظ کا اردو ترجمہ اُس کے آگے پیچھے ہو گیا ہو، ورنہ کوشش یہی کی گئی ہے کہ ہر لفظ کا ترجمہ اُس کے عین نیچے آئے تاکہ ہر غیر عربی دان بھی ہر لفظ کا لغوی ترجمہ بخوبی جان سکے۔

۲۔ عربی متن اور لفظی ترجمہ کے بالمقابل بائیں طرف با محاورہ ترجمہ ہے۔ جس میں بریکٹوں کے استعمال کی غرض ترجمہ کے محذوف مفہوم کو نمایاں کرنا ہے۔

۳۔ دائیں طرف کے عربی متن کے وضاحت طلب الفاظ پر الگ الگ اس طرح کے ۱ ۲ ۳ نمبر لگائے گئے ہیں اور آیت مجیدہ کے خاتمہ پر نمبر زدہ الفاظ کے وضاحتی نوٹ بھی بالترتیب ساتھ ہی دیدئے گئے ہیں، اس طرح:۔ ع۱ ع۲ ع۳ وغیرہ۔

۴۔ بائیں طرف کے با محاورہ ترجمہ میں جہاں عام تراجم سے اختلاف کیا گیا ہے، وہاں بھی یہی انداز اختیار کیا ہے کہ متن کے عربی الفاظ اور مقابل کے اردو ترجمہ پر مذکورہ بالا انداز کے نمبر لگا کر ساتھ ہی وضاحتی نوٹ میں ترجمہ کے اختلاف کی وُہ دلیل درج کی گئی ہے جس کی رُو سے اختلاف حق بجانب ہے۔

۵۔ الفاظ اور جملوں کی تفسیر کیلئے ہر مقام پر تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز اختیار کیا ہے اور مناسب مقامات پر صحیفۂ فطرت کی مشاہداتی آیات مجیدہ بطورِ دلیل لائی گئی ہیں۔

(ادارہ بلاغ القرآن)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ

• یہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآن مجید کی پانچویں سورت مجیدہ ہے۔ چونکہ اس کے شروع میں المائدہ یعنے دسترخوان کی نعمتِ عظمیٰ حلال چوپایوں کا نشانِ حلت بتایا گیا ہے جن کا گوشت نوعِ انسانی کے دسترخوان کی زینت بنتا ہے اور اس کے اخیر پر حضرت مسیحؑ کے ذکر میں اس ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے المائدہ کا لفظ لایا گیا ہے جو پوری نوعِ انسانی کے لئے بلاتمیز اعلیٰ و ادنیٰ سب کے دسترخوان کا ضامن ہے، اسلئے اس سورۃ مجیدہ کا نام نامی سورۃ المائدہ شریفہ ہے۔

• اس سورۃ مجیدہ کی ۱۲۰ آئتیں ہیں۔ اس سے ماقبل سورۃ نسآء يَآاَيُّهَا النَّاسُ کے خطاب سے شروع ہوئی تھی اور یہ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ کے خطاب سے شروع ہوئی ہے سورۃ نِسآء میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ضمناً بھی آیا تھا اور خطاباً بھی۔ حالانکہ اگرچہ وہ يَآاَيُّهَا النَّاسُ کے خطاب سے شروع ہوئی تھی مگر خدا تعالیٰ نے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان کے مطابق پوری نوعِ انسانی سے متعلقہ مسائل بھی بیان فرمائے اور اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے متعلقہ بھی۔ واضح رہے چونکہ قرآنِ کریم فی ذاتہٖ پوری نوعِ انسانی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے اسلئے کوئی سورۃ خواہ کسی بھی خطاب سے شروع ہوتی ہو، اس میں نوعِ انسانی کیلئے احکام بھی موجود ہوتے ہیں اور اُن کی اتباع کرنیوالی یا مخالفت کرنیوالی سابقہ اقوام کے حالات بھی برائے عبرت موجود ہوتے ہیں۔

• فلہٰذا یہ سورت مجیدہ اگرچہ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ میں اہلِ ایمان کے نام کے خطاب سے شروع ہوئی ہے لیکن اس میں بھی اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے حالات بھی درج ہیں، ان کے نام بالواسطہ اور بلاواسطہ خطاب بھی ہیں اور ان کے بزرگوں کے نیکوکاروں کے حالات بھی درج ہیں اور نافرمانوں کے بھی۔

• جیسے کہ زیرِ بحث سورۃ مجیدہ میں يَآاَهْلَ الْكِتٰبِ کا بلاواسطہ خطاب یہود و نصاریٰ کے نام آیت نمبر ۱۵+۱۹ میں دو مرتبہ آیا ہے اور قُلْ يَآاَهْلَ الْكِتٰبِ کا بالواسطہ خطاب آیت نمبر ۵۹+۶۸+۷۷ میں آیا ہے۔ یہودیوں کے بزرگوں کی مذمت بھی اس سورۃ مجیدہ میں جگہ جگہ موجود ہے۔ اور نصاریٰ کے بزرگوں میں سے جنہوں نے حضرت مسیحؑ کو خود خدا یا تین خداؤں میں کا تیسرا قرار دیا، اُنہیں حقیقت حال کا کافر قرار دیا ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ﴿۷۳﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ﴿۱۷﴾ لیکن نصاریٰ

میں سے جو حقیقت شناس افراد زمانۂ رسالتِ محمدیؐ کے وقت موجود تھے، اور جو قرآن کریم کو سُن کر فوراً ایمان لے آئے، اُن کی خبر ۵/۸۳ میں بالفاظ ذیل موجود ہے:۔ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ○ ۵/۸۳-۸۴ اور جب وہ سنتے ہیں جو رسولِ عربیؐ کی طرف نازل ہُوا ہے تو تُو دیکھتا ہے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں، اسلئے کہ اُنہوں نے حق، قرآن کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم اس حق پر ایمان لائے تو ہمیں اس کے گواہوں میں لکھ لے۔ اور کیا رکاوٹ ہے ہمارے لئے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں، جبکہ ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمارا نشوونما دینے والا ہمیں صالحین کی قوم (صحابہؓ رسولؐ) میں داخل کردے۔

● پھر اگرچہ سورہ مائدہ شریفہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے شروع ہُوئی ہے۔ لیکن اسی خطاب کو متعدد بار دُہرا دُہرا کر ایمان والوں کے نام مختلف احکام جاری کئے گئے ہیں۔ چنانچہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا خطاب آیت نمبر ۱-۲-۶-۷-۱۱-۳۵-۵۴-۵۷-۸۷-۹۰-۹۴-۹۵-۱۰۵-۱۰۶ وغیرہ میں بار بار دُہرایا گیا ہے۔ اور جہاں آنحضورؐ کے نام کا خطاب ناگزیر تھا وہاں مظہر و محذوف دونوں انداز سے آنحضورؐ کو مخاطب فرمایا گیا ہے۔ مظہر خطاب کی مثال آیت نمبر ۴۱ اور ۶۷ میں موجود ہے:۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۵/۴۱ اے رسولؐ! آپ کو وہ لوگ غمگین نہ کردیں جو انکار میں جلدی کرتے ہیں۔

● دوسرا مظہر خطاب یہ ہے:۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ○ ۵/۶۷ اے رسولؐ! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے ربّ کیطرف سے نازل ہُوا ہے۔ اُسے لوگوں تک پہنچا دیجئے گا۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (یاد رکھئے کہ) آپنے اس کارِ رسالت کو انجام نہیں دیا۔ (ہمارا پیغام اگرچہ مُلّا، پیر اور سرمایہ دار، تینوں با اثر گروہوں کیخلاف ہے اور وہ اس کے عوض آپ کو ایذا پہنچانے کی پوری کوشش کرینگے۔) لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھیگا۔ بیشک انکار کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● آنحضورؐ کے نام قُلْ کے لفظ کیساتھ سات مرتبہ خطاب کیا گیا ہے۔ المختصر! قرآن کریم کی ذاتی حیثیت کو نگاہوں میں رکھنے سے حقیقت حال بصورتِ نصف النہار عیاں ہوجاتی ہے کہ سورۃ کے ابتدائی خطاب کا مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ساری سورۃ شریفہ میں یہی خطاب جاری رہے گا۔ اسی خطاب کو بار بار دہرایا بھی جاتا ہے اور حسب ضرورت اُسے بدلا بھی جاتا ہے۔

سابقہ سورت کیساتھ ربط

● سورۃ مائدہ کا سابقہ سورۃ کیساتھ مرکزی ربط یہ ہے کہ سورۃ نساء میں ذاتی ذاتی ملکیت کی نفی کی گئی ہے (دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم میں تفسیر آیات نمبر ۱۲۶-۱۳۱

۱۳۴ ۔ اور اس سورۃ مجیدہ المائدہ میں حضرت مسیحؑ کی سنتِ مبارکہ کی سند سے ایک ایسے معاشرہ کے قیام کی خبر دی گئی ہے جس میں ہر فردِ معاشرہ کے مائدہ (دسترخوان یعنی (ضروریاتِ زندگی میں سے) خصوصاً ضرورتِ خوراک کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور ہر فردِ معاشرہ سکھ کا سانس لینے کے قابل ہو جاتا ہے ۔ قرآن کریم نے ایسے معاشرہ کو سورۃ طٰہٰ کی آیات نمبر ۱۱۸-۱۱۹ میں جنّت کہا ہے اور سورہ مائدہ میں اُسے المائدہ کے نام سے منسوب کیا ہے ، یعنی بچھا ہُوا دسترخوان کہ جس سے کسی کو روکا جا سکے اور نہ کسی کی کوئی احتیاج باقی رہے ۔

● اِس سورۃ مجیدہ کی آیات نمبر ۱۲-۱۳ میں آزاد اسلامی حکومت اور متوازن معاشرہ کو جنّت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔ اور تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰ پر سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۲ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ قرآن کریم نے فتح کی ضد شکست کو جہنّم کہا ہے ۔

● دُنیوی جنّت یعنی مائدہ کی پُوری تفصیل اپنے مقام پر آیت مجیدہ $\frac{5}{111 \text{ تا } 115}$ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں آگے آ رہی ہے سورۃ مجیدہ کے سلسلہ وار اور گہرے مطالعہ سے دُنیوی جنّت و جہنّم کی حقیقت نکھر کر سامنے آتی چلی جائے گی اِنْشَاءَ اللّٰہُ ! اُخروی جنّت و جہنّم اپنے مقام پر برحق ہے ، جس کے انکار سے ایمان رُخصت ہو جاتا ہے ۔ لیکن اس سورۃ مجیدہ میں دُنیوی جنّت و جہنّم کی بھی پُوری وضاحت کر دی گئی ہے جو آیت ۱۲-۱۳ ہی سے شروع ہو جاتی ہے ۔ اور اخیر تک مسلسل چلی جاتی ہے ۔

تصریفِ آیات کا قرآنی اسلوب

● سورۃ مائدہ شریفہ میں تصریفِ آیات کیساتھ سُود خور کی سزا بھی بتا دی گئی ہے جو آیات نمبر ۳۳-۳۴ میں مذکور ہے ۔ قرآن کریم نے سود خوروں کو اسلامی حکومت کے باغیوں ، ڈاکوؤں کی سطح کے مجرم قرار دیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے باغی ، قانون شکن ، غیر مہذب ڈاکو ہیں ، مگر سُود خور مہذّب ڈاکو ہیں ۔ وُہ ڈاکو رات کو ڈکیتی کی وارداتیں چھُپ چھُپ کر کرتے ہیں مگر سود خور یہ وارداتیں سفید چادروں پر گاؤ تکیئے لگائے کھُلے بندوں دِن دہاڑے کرتے ہیں ۔ قرآن کریم نے سُود خوروں کو خدا تعالیٰ کے باغی قرار دیا اور ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے $\frac{2}{279}$ ۔ یہ بحث سورۃ مائدہ کی آیات متعلقہ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں تصریفِ آیات کے ذریعہ اپنے مقام پر تفصیلاً آ رہی ہے ۔

نبیوں سے بازپرس

● سورۃ مائدہ کے اخیر میں حضرت مسیحؑ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ قیامت کو ان سے پُوچھا جائیگا کہ کیا تم نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کیساتھ ملا کر تین اِلٰہ بنا لو ۔ وہ جواب دینگے کہ میں نے ایسا نہیں کہا تھا ۔ بالفاظِ دیگر سورۃ مجیدہ کا خاتمہ اِس وضاحت پر کیا گیا ہے کہ نبیوں کو شفیع یا اُن کیطرف منسوب صلیب وغیرہ کو کفّارۂ گناہ قرار دینے سے نجات ممکن نہیں بلکہ صرف اور صرف اطاعت پر منحصر ہے ، چنانچہ ضابطۂ خداوندی کی اطاعت پر زور دیتے ہُوئے سُورۃ زیرِ نظر کو یوں شروع کیا گیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۬ ط

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو پورے کرو عہد

اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی

حلال کئے گئے واسطے تمہارے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے سوائے اسکے جو پڑھا جائیگا

عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط

اوپر تمہارے نہ حلال کرنیوالے شکار کے اور جب ہو تم بحالت حرمت

اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ۝ ۱

بیشک اللہ حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

ایمان والو! سب عہد پورے کرو (جو پہلے ضابطہ قرآن مجید کی رُو سے تم پر لازم آتے ہیں عا۔ اسی ضمن میں) تمہارے لئے جگالی کرنیوالے عا گھاس خور چوپائے عا حلال کئے گئے ہیں (اُن میں سے) سوائے اُسکے جو تم پر پڑھا جائیگا۔ اور جب تم حرمت کی حالت (یعنی ایام حج) میں ہو تو (مذکورہ حلال جانوروں کے) شکار کو حلال جاننے والے نہ ہونا۔ (اس عہد کو بھی پورا کرو) بلا شبہ اللہ تعالیٰ وہی حکم کرتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ (اس کا ہر ارادہ تمہاری آسانی کے لئے ہے) ۲/۱۸۵

- عا اوفوا بالعقود میں وہ تمام عہد آ گئے جو الذین امنوا میں موجود ہیں کہ مومن خدا تعالیٰ کی پوری فرمانبرداری کا عہد کرتا ہے۔
- عا بھیمہ کا معنی ہم نے لکھا ہے "جگالی کرنیوالے"۔ اسکی مکمل بحث آگے الگ سرخی کے تحت آ رہی ہے۔
- عا انعام کا معنی ہمنے لکھا ہے "گھاس خور چوپائے" ثبوت کیلئے ملاحظہ فرمائیں الانعام کی قرآنی لغت۔ سورۃ طٰہٰ میں آیا ہے:- وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ۝ کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ ۲۰/۵۳-۵۴ "اور وہ (اللہ) آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر ہم اُس کیساتھ (زمین سے) مختلف اقسام کی نباتات نکالتے ہیں۔ نباتات کو تم خود بھی کھاؤ اور اپنے گھاس خور چوپایوں کو بھی چراؤ —— اس آیت مجیدہ سے قرآنی لغت کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ الانعام وہ چوپائے ہیں جو زمین سے پیدا شدہ نباتات (گھاس وغیرہ) چرتے ہیں۔ اب نباتات خور چوپایوں میں گائے، بھینس، اونٹ، بھیڑ بکری بھی ہیں اور گھوڑا گدھا وغیرہ بھی گھاس خور ہونیکی بدولت الانعام میں شامل ہیں۔

بھیمۃ الانعام سے مُراد ہے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے

● اُوپر ۲۰/۵۳-۵۴ کی قرآنی لغت کیساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ الانعام کا قرآنی معنیٰ ہے نباتات یعنی گھاس چرنے والے چارپائے۔ اُوپر سورۃ مائدہ کی آیت عا میں کہا گیا ہے کہ تمہارے لئے بھیمۃ الانعام حلال کئے گئے ہیں۔ یعنی الانعام میں سے بھیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے حلال فرمائے گئے ہیں۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھیمۃ الانعام کی پہچان کیا ہے؟ اسکے جواب کیلئے پہلے خدا تعالیٰ کا سورۃ نور میں ساری مخلوق کے متعلق ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیں۔

● وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ ج فَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِہٖ ج وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ج وَمِنْھُمْ مَّنْ

یَمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ ؕ ۲۴/۴۵ = اور اللہ نے ہر جاندار پانی سے پیدا کیا ہے ۔ پھر ان میں سے بعض وہ ہے جو پیٹ کے بل چلتا ہے ۔ اور ان میں سے بعض وہ ہے جو دو پیروں پر چلتا ہے اور بعض وہ ہے جو چار پیروں پر چلتا ہے ۔ ان میں پیٹ کے بل رینگنے والے سانپ، بچھو وغیرہ ہیں ۔ دو پیروں پر چلنے والے پرندے اور چار پیروں پر چلنے والے ہیں بھیڑ بکری، گائے بھینس، گھوڑا گدھا، کتا بلا اور شیر چیتا وغیرہ ۔ اسی سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۵ میں جو آگے آرہی ہے ، چوپایوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں شکاری اور شکار ۔ موذی اور غیر موذی یعنی درندے اور چرندے ۔ قرآن مجید نے ان کے الگ الگ نام بتائے ہیں ۔ الجوارح اور الانعام ۔ زخم دینے والے گوشت خور (یعنی شکاری) اور گھاس کھانیوالے (یعنی شکار) آیت زیر بحث ۵/۱ میں جو کہا گیا ہے اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ۔ تو اس سے کھل کر ثابت ہوچکا کہ الانعام ، یعنی گھاس کھانیوالے چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے کھانے کے لئے حلال کئے گئے ہیں ۔ الجوارح یعنی زخم دینے والے شکاری، گوشت خور چوپائے مطلقاً حرام ہیں ۔ انکی کوئی بھی قسم حلال نہیں خواہ وہ شیر چیتا وغیرہ قسم کے اونچے درجے کے شکاری چوپائے ہوں ، خواہ لومڑ اور گیدڑ وغیرہ قسم کے نچلے درجے کے شکاری گوشت خور چوپائے ہوں ۔ اس تمہید کے بعد :-

● یہاں پہنچ کر ابھی سابقہ سوال بدستور قائم ہے کہ جب آیت مجیدہ ۵/۱ میں الانعام یعنی گھاس خور چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے چوپائے حلال کئے گئے ہیں تو ان کی قرآنی پہچان کیا ہے ؟ اسکے لئے قرآن مجید کے مستقل اسلوب تفسیر، تصریف آیات ۵/۴۵ + ۵/۱۰۱ کے مطابق ذیل کی متقابل آیات مجیدہ ملاحظہ فرمائیں ۔ دائیں طرف آیت مجیدہ ۵/۱ درج ہے اور بائیں طرف اسکی تفسیر کرنیوالی آیات مجیدہ ۶/۱۴۲ تا ۱۴۴ درج ہیں :-

آیت حلت بھیمۃ الانعام	آیات تفسیر بھیمۃ الانعام
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ...... اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ۵/۱	وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ــــ ۝ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ــــ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۶/۱۴۲ تا ۱۴۴
(مفہوم) ایمان والو! ...... تمہارے لئے الانعام (یعنی گھاس چرنیوالے) چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے چوپائے حلال کئے گئے ہیں ۔	(مفہوم) اور گھاس چرنیوالے چوپایوں میں سے کچھ لمبے قد ہیں اور کچھ پست قد ہیں ۔ اللہ نے جو تمہیں چرنیوالے چوپائے عطا کئے ہیں ان میں سے آٹھ قسمیں کھایا کرو ، بھیڑ نر مادہ کی قسم ، بکری نر مادہ کی قسم ، اونٹ نر مادہ کی قسم اور گائے نر مادہ کی قسم ۔

● اب غور فرمائیں کہ دائیں طرف بھیمۃ الانعام کو حلال بتایا گیا ہے۔ اور بائیں طرف آٹھ قسمیں۔ بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے نر مادہ کے کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ آٹھوں قسمیں بھیمۃ الانعام ہیں۔ نیز یاد رہے کہ اَلضَّان، اَلمعز، اَلابل اور اَلبقر میں الف لام عہدی ذہنی ہے، جس میں اثنین کی قرآنی خبر کے مطابق نر و مادہ دونوں شامل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ہر وہ چوپایہ بھیمۃ الانعام میں شامل ہے جو ان آٹھ قسموں میں اُس صفت کے لحاظ سے شامل ہو، جو مذکورہ آٹھوں قسموں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔ اب اور آگے پڑھئے۔

● اوپر ۲۰/۲۰ کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے کہ گھاس کھانے والے سب چارپائے الانعام میں داخل ہیں۔ لیکن ۵/۱ کی قرآنی خبر کے مطابق الانعام میں سے حلال صرف بھیمۃ الانعام ہیں۔ گھوڑا، گدھا اور خچر بھی چونکہ گھاس کھاتے ہیں، لہٰذا یہ الانعام میں تو شامل ہیں۔ مگر حلال نہیں ہیں۔ کیونکہ ۷۹/۴۰ میں بتایا گیا ہے کہ:۔ "تمہارے لئے اللہ نے الانعام پیدا کئے ہیں جن میں سے بعض سواری کے لئے ہیں اور بعض کھانے کے لئے ہیں۔ نیز ۸/۱۶ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کے لئے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ تینوں نوعیں گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کیلئے حلال ہیں کھانے کے لئے نہیں۔

حلت کا تمیزی نشان جگالی ہے

● اب بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے کھانے کے لئے حلال ہیں اور گھوڑا گدھا خچر وغیرہ سواری کیلئے حلال مگر کھانے کیلئے حرام ہیں پس قرآنِ کریم کی رو سے چوپایوں کا مخصوص تمیزی نشان وہ ہے جو بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے اور گھوڑے خچر اور گدھے میں مشترکہ طور پر نہیں پایا جاتا۔ وہ ہے جُگالی اور صرف جُگالی جو اول الذکر گھاس خور چوپایوں میں قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے اور مؤخر الذکر گھاس خور چوپایوں سے قدرِ مشترک کے طور پر غائب ہے۔

● آپ حلال جانوروں کے اس تمیزی نشان جُگالی کو لے کر کرۂ ارض کے گرد گھوم جائیں۔ آپ کو حلال وحرام چوپایوں میں امتیاز کرنے میں رائی برابر بھی دقت پیش نہیں آئے گی۔ نہ آپ کو غیر ملکی چوپایوں کا نام دریافت کرنا پڑے گا، نہ کسی کے عربی نام کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ فقہ کے حلال وحرام کی فہرستوں کے دفتر اپنے ساتھ اُٹھائے پھرنے کی زحمت گوارا کرنا پڑے گی۔ یہ ہے قرآنِ کریم کا بتایا ہوا حلال وحرام چوپایوں کا تمیزی نشان۔ اس کے برعکس جو لوگ قرآنِ حکیم کو نامکمل قرار دے کر کتا، بلا، ریچھ، بندر وغیرہ کی حرمت کی سند غیر اللہ کتابوں سے حاصل کرتے ہیں، ہمارا چیلنج ہے کہ اپنی فہرستیں دیکھ کر بتائیں کہ جنوبی امریکہ کا جاگور، تاپیر، الاما، الپاکا، ریا، کنڈر، ارمادلو اور سلوتھ حلال ہیں یا حرام؟ نیز سائبیریا کا ہیڈیر، اسٹریلیا کا کنگرو اور افریقہ کا زیبلا کون سی فہرست میں درج ہیں؟ حلال کی فہرست میں یا حرام کی فہرست میں؟

• پورے حتم و یقین کیساتھ کہا جا سکتا ہے کہ فقہ کی حلال و حرام کی فہرستیں مذکورہ بالا جانوروں کی حلّت و حرمت کا فیصلہ دینے سے یکسر قاصر ہیں، کیونکہ وہ حلّت و حرمت کے تمیزی نشان کی نشاندہی کرنے کی بجائے جانوروں کے ناموں کیساتھ حلال اور حرام کی خبر دیتی ہیں اس لئے کرۂ ارض کے تمام چوپایوں کی حلّت و حرمت کی خبر دینا فقہ کے بس کا روگ نہیں۔ یہ خداوند عزّ و جلّ کی پاک کتاب قرآن کریم ہی کی شان ہے جس نے پورے کرۂ ارض پر پائے جانیوالے چوپایوں کی حلّت و حُرمت کا تمیزی نشان بتا کر فیصلہ کر دیا ہے کہ نہ چوپایوں کے مُلکی نام دریافت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اُن کے عربی ناموں کے کھوج لگانے سے کوئی غرض ہے۔ کیوں کہ حلّت و حرمت کے قرآنی تمیزی نشان سے اس راستے کی تمام رکاوٹوں کو دُور کر کے رکھدیا گیا ہے کہ ہر جُگالی کرنیوالا چوپایہ حلال ہے اور نہ کرنے والا حرام۔

جُگالی کرنیوالے چوپایوں کا ایک مخصوص تمیزی نشان

• پھر ذاتِ باری نے جُگالی کرنے والے چوپایوں میں ایک مخصوص نشان یہ رکھدیا ہے کہ جتنے بھی جگالی کرنیوالے چوپائے ہیں۔ اُن سب کے سامنے کے نیچے کے دانت تو ہوتے ہیں مگر اُوپر کے دانت ہرگز نہیں ہوتے۔ چوپایوں کی حلّت کے اس مخصوص خداوندی نشان نے اس گوشے میں مزید آسانی پیدا کر دی ہے کہ بالفرض آپ کسی غیر مُلک کے جنگل میں موجود ہیں۔ آپ کسی جنگلی چوپائے کا شکار کرتے ہیں۔ وُہ زخمی ہو کر آپ کے قبضے میں آجاتا ہے۔ اب آپ کے لئے یہ امر صد فیصد ناممکن ہے کہ آپ اُسے جگالی کرتے ہوئے دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچیں کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ اس لئے ذاتِ باری کے پیدا کردہ جُگالی کرنیوالے چوپایوں کے اس مخصوص نشان کو دیکھ لیں کہ اُس کے سامنے کے نیچے والے دانت موجود اور اوپر والے ندارد ہیں تو بڑے شوق سے ذبح کر کے کباب بنائیں اور جنگل میں حلال کبابوں کیساتھ بھوک مٹائیں۔ المختصر! حلال چوپایوں کا مشترکہ نشان جگالی ہے اور جگالی کرنیوالے چوپایوں کا مشترکہ نشان ہے سامنے کے اوپر والے دانتوں کا نہ ہونا۔

رجوع الی المطلوب

• آیت مجیدہ ۵ میں چوپایوں کی حلّت و حُرمت کا تمیزی نشان بتاتے اور حلّت و حُرمت کے حُکم کی پوری پوری پابندی کی تاکید کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اَے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کے شعائر یعنی اُس کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔ یوں تو ساری کائنات شعائر اللہ ہے۔ یہاں پر چند ایک بیان ہوئی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ	اے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید) پر ایمان لائے ہو تم اللہ کی جُملہ نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔ اور نہ حرمت والے (کسی بھی) مہینے کی علٰہ اور نہ
اے وُہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ حلال کرنا نشانیوں اللہ کو اور	

لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ

نہ مہینے حرمت والے کو اور نہ ھدی کو اور پٹے والے جانوروں کو

وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ

اور نہ آنیوالوں گھر حرمت والے کو، چاہتے ہیں وہ فضل طرف سے

رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ

رب اپنے کے اور مطابق رضا کے۔ اور جب حلال ہو جاؤ تم تو شکار کرو۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ

اور نہ مجرم کرے تم کو دشمنی اس قوم کی کہ روکا انہوں نے تم کو طرف سے

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ

مسجد حرمت والی کے کہ تم زیادتی کرو۔ اور تم تعاون کرنا اوپر بھلائی

وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪

کے اور بچاؤ کے۔ اور نہ تعاون کرنا تم اوپر گناہ اور ظلم کے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲

اور بچو مخالفت اللہ سے۔ بلاشبہ اللہ سخت ہے عذاب کرنے میں۔

بیت اللہ کے تحائف[2] کی اور نہ حج کے موقعہ پر بیت اللہ میں پیش کئے جانیوالے جانوروں[3] کی۔ اور نہ بیت الحرام میں آنیوالوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں[4] (یعنی جو اجتماع حج میں رضاء الٰہی کے مطابق تلاش معاش کرتے ہیں)، اور جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ تو پھر تمہیں (بری) شکار کرنے کی اجازت ہے۔ (ایام حج میں (بری) شکار کرنا حرام کر دیا گیا ہے)[5] اور یاد رکھو کہ تمہیں اُس قوم کی دُشمنی جس نے تمہیں حُرمت والی مسجد (بیت اللہ شریف سے) روکدیا تھا۔ اِس جُرم کی مجرم نہ کر دے کہ تم اُس کے ساتھ زیادتی کر دیں[6] (دشمنوں کیساتھ بھی انصاف کرنا) اور تم (آپس میں ایکدوسرے کیساتھ بھی، اور دوسری قوموں کیساتھ بھی) بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنا اور گناہ کے کاموں اور ظلم و سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کرنا[7] اور بچو تم اللہ تعالیٰ (کے حکموں) کی مخالفت سے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (مجرموں[8] کو) عذاب کرنے میں بہت سخت ہے۔

حُرمت والے مہینوں کی بے حُرمتی نہ کرو

● عـلہ آیت بالا میں ذاتِ باری نے اپنی نشانیوں کی بے حُرمتی سے انتہائی سختی کیساتھ منع فرمایا ہے۔ اور ان میں سرفہرست بیان فرمایا ہے حرمت والے مہینوں کو۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم امنِ عالم کا علمبردار ہے۔ باری تعالیٰ نے عالمی امن قائم رکھنے کے لئے حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس کا حکم دے رکھا ہے اور اس سالانہ امن کانفرنس کے قیام کے لئے چار مہینوں کے لئے جنگ کرنا مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۵ ۹ بلاشبہ اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب (کائنات) میں مہینوں کی گنتی اُس دن سے بارہ ہے جب اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ ان میں سے چار مہینے حُرمت والے ہیں۔ (قیامِ امنِ عالم

کیلئے)۔ یہی قانون سیدھا ہے (جس میں کوئی پیچ وخم نہیں ہے)۔ اسی سورہ توبہ میں، امنِ عالم میں خلل ڈالنے والے مفسدوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے:

• فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۹/۲ پس تم (حُرمت کے) چار مہینے زمین میں چل پھر لو۔ اور جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز کرنیوالے نہیں ہو۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید) کے منکروں کو رسوا کرنیوالا ہے۔ آگے اِسی سورہ توبہ کی آیت نمبر ۵ میں مومنوں کو ارشاد ہوا ہے:

• فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ۹/۵ = (ایمان والو!) پھر جب حُرمت والے) چار مہینے گزر جائیں تو (فسادی) مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو ـــ المختصر! باری تعالیٰ نے سال میں چار مہینوں کیلئے حکماً جنگ بندی مقرر فرما دی ہے تاکہ حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس کے لئے عام راستے محفوظ اور بے خطر ہو جائیں اور متحارب قوموں کے تمام متنازعہ مسائل امن کانفرنس میں پیش کرکے بلا جنگ وجدال طے کئے جائیں۔ آیت بالا میں خداوند تعالیٰ نے امنِ عالم کے قیام کے لئے حرمت والے چار مہینوں کو جن میں حکماً جنگ بندی کر دی گئی ہے۔ اپنے شعائر میں سرِ فہرست رکھا ہے۔

حُرمت والے مہینے کون کونسے ہیں

• کتبِ روایات نے حُرمت والے مہینے یہ بتائے ہیں:۔ محرّم، رجب، ذیقعد اور ذی الحج۔ لیکن چونکہ یہ مسلسل اور متواتر نہیں، بلکہ کٹویں ہیں، یعنی محرّم اور رجب کے درمیان پانچ مہینوں کا فاصلہ ہے۔ اس لئے یہ قرآنی میزان پر پُورے نہیں اُترتے۔ کیونکہ آپ اُوپر دیکھ چکے ہیں، ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حُرمت کے چار مہینوں میں سالانہ عالمی امن کانفرنس کیلئے کوئی جنگ نہ کی جائے۔ لیکن جب چار مہینے حرمت والے گزر جائیں = فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ تو فسادی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو تاکہ فساد ختم ہو جائے۔ اب غور فرمائیں کہ ارشادِ باری ہے جب حرمت کے چار مہینے گزر جائیں مگر چونکہ حرمت کے روایتی چار مہینے گزارتے ہوئے نو مہینے گزر جاتے ہیں، اس لئے یہ غیر قرآنی اور خود ایجاد کردہ ہیں۔ قرآن مجید نے جو حُرمت کے چار مہینے بتائے ہیں وُہ کٹویں نہیں ہیں، بلکہ حج کے مہینے کیساتھ مسلسل مربوط ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان کے مُطابق حُرمت کے چار مہینوں کی نشاندہی باندازِ ذیل کی ہے:۔

قرآن مجید کے بتائے ہوئے حُرمت کے چار مہینے

• سورہ بقرہ میں روزوں کی گنتی بتاتے ہوئے ارشاد ہُوا:۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۲/۱۸۵ روزوں کی گنتی رمضان کا پورا مہینہ ہے (۲۹ یا ۳۰ دن)۔ باری تعالیٰ نے رمضان شریف سے متعلقہ مسائل کی وضاحت کے بعد

جنگ جہاد کے مسائل بیان کرتے ہُوئے حُرمت والے مہینوں کا ذکر باندازِ ذیل فرمایا ہے :۔

• اَلشَّھْرُ الْحَرَامُ بِالشَّھْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۲/۱۹۴ حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہی ہے اور (تین) حرمت والے مہینوں کا بدلہ بھی وہ تین مہینے ہیں ۔ (اگر دشمن حرمت والے مہینوں میں تم پر حملہ کردے تو تم حرمت والے مہینوں ہی میں اُس سے بدلہ چکا لیا کرو ۔ یعنی حرمت کے مہینوں ہی میں اُس کے دانت توڑ دیا کرو) ۔

اَب غور فرمائیں

• آیتِ بالا ۲/۱۹۴ میں اَلشَّھْرُ الْحَرَام کے الفاظ آچکے ہیں ۔ یہاں الشھر کا الف لام عہدی ذکری ہے کیونکہ ما قبل ذکر آچکا ہے شَھْرُ رَمَضَانَ کے الفاظ میں ماہِ رمضان کا ۔ پس حرمت کا پہلا مہینہ تو ہُوا رمضان شریف کا اور اُس کے بعد آیا ہے حُرُمٰت بصیغہ جمع ۔ چونکہ حرمت والے مہینوں کی گنتی ۹/۳۶ میں چار بتا دی گئی ہے ۔ اس لئے حُرُمٰت کی جمع سے تین ہی مہینے حُرمت والے مراد ہیں نیز چونکہ ۹/۵ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ کے الفاظ سے ثابت ہے کہ حرمت والے مہینے پے در پے آتے ہیں ۔ جو یکے بعد دیگرے مسلسل گزر جاتے ہیں ، اس لئے بصورتِ نصف النہار ثابت ہوا کہ باقی تین مہینے رمضان شریف کے ساتھ والے عین اگلے ہیں ۔ شوال ، ذی قعد اور ذی الحج ۔ رمضان کے بعد یہ تینوں مسلسل اور مربوط ہیں ۔ پس قرآن مجید کے مطابق حرمت والے چار مہینے ہیں ۔

• رمضان ، شوال ، ذیقعد اور ذی الحج جو مسلسل ہیں اور یکے بعد دیگر یکبارگی گزر جانے کی بدولت قرآنی میزان پر پُورے اُترتے ہیں ۔ سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ ۵/۲ میں ان کے متعلق ارشاد ہُوا ہے کہ اگر دشمن حرمت والے مہینوں میں تم پر حملہ کردے تو تم نے مار نہیں کھانا ۔ بلکہ اُنہی مہینوں میں اُس کے حملہ کا دندان شکن جواب دینا ہے

نیازِ کعبہ کے تحفوں کی بے حرمتی نہ کرو

• ۲/ع لفظ ھدی کا سہ حرفی مادہ ھ ۔ د ۔ ی = ھدی ہے جس کا مصدری معنیٰ آگے ہونا ہے ۔ اسی لئے راستہ بتانے والے کو جو راستہ بتاتے وقت آگے آگے ہوتا ہے ھَادِیٌ کہتے ہیں نیز تحفہ چونکہ آگے رکھا جاتا ، آگے پیش کیا جاتا ہے اس لئے تحفے کی ہر چیز کو ھدیہ کہتے ہیں جس کی جمع ہے ھدی ۔ آیتِ صدر میں اَلْھَدْیَ پر الف لام تخصیص کا آیا ہے اس لئے یہاں الھدی سے مراد وہ تحائف ہیں جو نیازِ کعبہ کے لئے حاجی لوگ حج کے موقعہ پر اپنے ساتھ لے جائیں ۔ خواہ وہ از قسم نقدی ، کپڑا ، جنس ہوں یا از قسم ذبح کئے جانیوالے چوپائے ہوں ۔ آیت مجیدہ میں ان تحائف کی بے حرمتی کرنے سے منع کیا گیا ہے ۔ نیازِ کعبہ کی ھدی کی بے حرمتی یہ ہے کہ اُسے جائز مقام پر خرچ کرنے کی بجائے ناجائز خرچ کیا جائے ۔ واضح رہے کہ حج چونکہ سالانہ عالمی امن کانفرنس ہے اس لئے اس موقعہ پر پیش کی جانیوالی سب کی سب ھدی یا تو مہمانوں کی خدمت پر خرچ ہونی چاہئیں اور یا

کعبہ مکرمہ کے عالمی امن مرکز کو اس قدر مضبوط کرنے پر خرچ کی جانی چاہئیں کہ پوری دُنیا میں یہ مرکز سب سے زیادہ طاقتور ہوتا کہ وُہ سالانہ عالمی امن کانفرنس میں کئے گئے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کی طاقت بھی رکھتا ہو یو۔این۔او کے عالمی امن مرکز کی طرح نہ ہو کہ وُہ فیصلہ تو کر دے کہ بھارت کشمیر میں رائے شماری کرائے۔ مگر اپنے اِس فیصلے پر عمل کرانے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح یو۔این۔او یہ فیصلہ تو کر دے کہ اسرائیلی حکومت عربوں کے دبائے ہوئے علاقے خالی کر دے مگر خالی کرا نہ سکے۔ پس الھدی کی بے حرمتی یہ ہے کہ عالمی امن مرکز کے کرتا دھرتا اُس مال کو اس طرح خرچ کریں کہ وُہ خود تو عیش کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور عالمی امن مرکز کرّہِ ارض کی بیشتر حکومتوں سے کمزور رہے۔ حتیٰ کہ خود اہلِ اسلام کو اپنے متنازعہ فیہ مسائل کیلئے کسی اور نام نہاد امن مرکز کی طرف رجوع کرنا پڑے۔

نیازِ کعبہ یعنی قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی نہ کرو

● عــــ۳ لفظ القلائد جمع ہے القلادہ کی، جس کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ل۔د = قلد، جس کے بنیادی معنے بٹی ہوئی رسّی کے ہیں۔ الاقلید کہتے ہیں اونٹ کی نکیل کی رسّی کو۔ چونکہ دیہاتیوں کے ہاں بٹی ہوئی رسی چوپایوں کے گلے میں ڈالی جاتی ہے اس لئے جو رسّی چوپایوں کے گلے میں ڈالی جائے اسے بھی قلادہ کہا جاتا ہے۔ پھر گھر میں پالے جانیوالے جانوروں کے گلے میں جو شوق کیساتھ خوب صورت پٹہ یا گانی وغیرہ ڈالی جاتی ہے اُسے بھی قلادہ کہا جاتا ہے، جس کی جمع ہے قلائد۔ آیت زیرِ بحث میں چونکہ قلائد پر الف لام تخصیص کا آیا ہے، القلائد کی صُورت میں، اس لئے اس سے مراد ہیں وُہ چوپائے جو پٹہ ڈال کر نیازِ کعبہ کیلئے گھر پر پالے جائیں۔ پھر چونکہ نیازِ کعبہ کیلئے گھر پر پالنے کی بجائے بازار سے بھی حلال چوپائے خرید لئے جاتے ہیں۔ اس لئے القلائد سے وُہ تمام حلال چوپائے بھی مراد ہیں جو نیازِ کعبہ کے طور پر پیش کئے جائیں جنہیں عرفِ عام میں قُربانی کے جانور کہا جاتا ہے۔ اب القلائد یعنی قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی یہ ہے کہ انہیں ذبح کر کے چھوڑ دیا جائے اور پھر انہیں ریت میں دبا دیا جائے۔ آیت زیرِ نظر میں اس بے حرمتی سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔

بیت اللہ کا قصد کرنیوالوں کی بے حرمتی نہ کرو

● عــــ۴ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ کا معنیٰ ہے بیت اللہ شریف کا قصد کرنیوالے۔ آمّین اسم فاعل ہے اَمّ سے، جس کا مصدری معنیٰ ہے قصد کرنا۔ یہاں بیت اللہ شریف کا قصد کرنیوالوں میں سے یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا کے الفاظ میں اُن لوگوں کو مخصوص کر دیا گیا ہے جو حج کے سفر میں اللہ کی رضا کے مطابق اُس کا فضل تلاش کریں یعنی وُہ اللہ کی رضا کے مطابق کسی بھی جائز طریقے سے کاروبار کر کے تلاشِ معاش کر سکتے ہیں۔ اہلِ اسلام کے ہاں یہ غیر قرآنی عقیدہ چل رہا ہے کہ حج کے سفر میں کاروبار کرنا حرام ہے۔ حالانکہ آیتِ بالا کے علاوہ سورہ بقرہ کی آیتِ ذیل نمبر ۲/۱۹۸ میں بھی حج

کے سفر میں حاجیوں کیلئے کاروبار، محنت مشقت اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ تلاشِ معاش کی اجازت ہے: لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ ۔ تم پر کوئی ہرج نہیں ہے کہ تم حج کے سفر میں (اللہ کی رضا کے مطابق (۲/۱۹۸) کام کیا کرکے) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

● پس ایسے حاجیوں کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے جو حج کے سفر میں ایامِ حج سے ماقبل یا مابعد محنت مشقت، دستکاری یا تجارت کے ذریعہ تلاشِ معاش کریں۔ ایسے لوگوں کو طعنے دینا کہ تم ایسے بھوکے ننگے اور قلاّش ہو یا اتنے لالچی اور حریص ہو کہ حج کے سفر میں بھی کمائی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو، یہ ان کی بے حرمتی ہے جس سے منع کر دیا گیا ہے۔ اگر سفرِ حج میں کسی حاجی کا سفر خرچ ختم ہو جائے تو بجائے اس کے کہ وہ دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرے، کیا یہ بہتر نہیں کہ وہ محنت مشقت یا صنعت و تجارت میں سے جو فن بھی جانتا ہو، اسکے ذریعہ سفر خرچ بنا کر کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے بچ جائے۔ اور اگر وہ زیادہ مال کما کر گھر بھی لے آئے تو آیت مجیدہ ۲/۱۹۸ اور ۵/۲ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے۔ اور ایسے حاجیوں کو طعنے دیکر ان کی بے حرمتی، بے عزتی اور رسوائی سے مطلقاً منع کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے جسمانی محنت یا فنی مہارت کیساتھ کما کر اپنی آن اور عزتِ نفس کو محفوظ کرنیوالے افراد بھی شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

ایامِ حج میں برّی شکار حرام ہے

● ع۵ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایامِ حج میں برّی شکار نہ کیا جائے، بلکہ اس عشرہ کے بعد جب حج سے فارغ ہو جائیں تو پھر برّی شکار کریں۔ کیونکہ ایامِ حج میں جب دور دور اطراف و اکناف سے حاجی لوگ بیت اللہ شریف کے ارد گرد جمع ہوں تو ممکن ہے کہ شکاری فائر تو کرے یہ سمجھ کر کہ وہ ہرن وغیرہ کسی شکار کو نشانہ بنا رہا ہے، مگر وہ کوئی آدمی ہو جو قضاءِ حاجت کیلئے دور نکل آیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امنِ عالم اس قدر عزیز ہے کہ حج کی سالانہ امن کانفرنس میں شریک ہونیوالے ہر فرد کو بھی شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں میں داخل کر رکھا ہے۔ چونکہ ایامِ حج میں برّی شکار کے ذریعہ کسی بھی ایسے فرد کی بے حرمتی کا احتمال ہے اس لئے برّی شکار حرام کر دیا گیا ہے۔

● اسی سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵/۱ میں بھی غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے) کے الفاظ میں بھی ایامِ حج میں برّی شکار حرام کر دیا گیا ہے اور آگے آیت نمبر ۵/۹۵ میں بھی تکرار تاکیدی کے طور پر ارشاد ہوا ہے:۔

● یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ ۵/۹۵ = ایمان والو! جب تم ایامِ حج میں ہو تو (برّی) شکار مت مارا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ سوال بار بار ابھر رہا ہو کہ ہمنے الصَّید کا معنٰی برّی شکار کیوں

کیا ہے جبکہ یہاں برّی کیلئے متن میں کوئی لفظ مذکورہ بالا آیتوں میں سے کسی بھی آیت میں نہیں آیا۔ جواباً عرض ہے کہ الصّید پر الف لام تخصیص کا آیا ہے جس سے مراد برّی شکار ہے اور اس پر قرآنی دلیل اگلی آیت نمبر ۹۶/۵ میں بالفاظ ذیل موجود ہے ● أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۹۶/۵ اور تمہارے لئے (ایّامِ حج میں) بحری شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدے کیلئے اور تم پر برّی شکار (ایامِ حج میں) حرام کردیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص ایّامِ حج میں جان بُوجھ کر برّی شکار کرے تو وُہ قرآنی سزا کا مستحق ہے

● اگر کوئی شخص دورانِ ایّامِ حج برّی شکار کرے تو اسے ضابطۂ خداوندی میں ذیل کی سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے ؎ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۹۵/۵ اور جو کوئی تم میں سے اُسے (برّی شکار کو) جان بوجھ کر مارے تو اسکا بدلہ چار پایوں میں سے اُس کی مثل ہے جو مارا ہے۔ جس کا فیصلہ تم میں سے دو عدل والے (منصف) کریں۔ یہ ہدیہ کعبہ پہنچنے والا ہو۔ یہ کفّارہ ہے مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے رکھنا تاکہ وُہ اپنے جُرم (کی سزا) کا مزہ چکھے۔ جو اِس سے پہلے گزر گیا۔ وُہ اللہ نے معاف کردیا ہے۔ اور جو کوئی اس کے بعد اس کا اعادہ کرے تو اللہ اُسکو اُسکی سزا دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب سزا دینے والا ہے۔

دشمنوں کیساتھ انصاف کرنا

● ۶ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ ..... الخ میں صحابہ کرامؓ کو ارشاد ہوا ہے کہ کفارِ مکّہ، جنہوں نے تمہیں مسجدِ حرام سے روک کر اپنی دشمنی کا ثبوت پیش کیا تھا، اقتدار میسّر آنے کے بعد تمہارے لئے یہ لائق نہیں کہ تم کو ان کی دُشمنی، اس جُرم کا مجرم کردے کہ تم اُن پر زیادتی کرو۔ بلکہ تم ان سے انصاف ہی کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ضابطۂ ہی امن وسلامتی کا ہے۔ اِس کی رُو سے ہر مجرم کو اُسکے جُرم سے ذرہ بھر بھی زائد سزا نہیں دی جاتی۔ بلکہ اگر مجرم تائب ہو کر آئندہ کیلئے اصلاح کا اقرار کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔ اور اس چیز کی تاکید قرآن مجید کے اوّلین مخاطبین صحابہؓ کرام کو تاکید کی گئی ہے اور اُن کے بعد ہر اُس قوم کو جو ضابطۂ خداوندی قرآن حکیم پر ایمان لائے، تاکید ہے کہ وُہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد دورِ جہالت کے طور طریقے مطلقاً ترک کردے۔ یعنی جو غیر مسلم اربابِ اقتدار کا طریقہ ہے کہ دُشمن کیساتھ انصاف کرنا ضروری سمجھا ہی نہیں جاتا۔ بلکہ کسی فردِ بشر کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی پہچان ہی یہ ہے کہ وُہ اس کے حکموں کے مطابق دُشمنوں پر بھی زیادتی نہ کرے، بلکہ اُن کے ساتھ بھی پُورا پُورا انصاف ہی کرتا ہو۔

بھلائی کے کاموں میں تعاون کرو اور برائی کے کاموں میں ہرگز تعاون نہ کرنا

• وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی ۪ وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۪ کا تعلق بھی سابقہ شق سے ہے جس میں دشمنوں کیساتھ بھی عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کریم چونکہ انسان کی انفرادیت اور اجتماعیت دونوں سے متعلقہ احکام دیتا ہے۔ اس لئے انفرادی طور پر بھی اگر دو دوست ہیں اور ان کا کوئی مشترکہ دشمن ہے۔ اب اگر ان میں سے ایک دوست بھلائی کے کاموں میں دوسرے دوست سے تعاون کا طلبگار ہوتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ ضرور تعاون کرو۔ لیکن اگر ان میں سے ایک دوست اپنے مشترکہ دشمن پر گناہ و ظلم کیساتھ زیادتی کرنے میں دوسرے دوست کے تعاون کا طلب گار ہو، تو ارشاد ہوتا ہے کہ ہرگز ہرگز تعاون نہ کرنا۔

• اور اسی طرح اجتماعی طور پر اگر دو دوست سلطنتیں ہیں اور کوئی سلطنت اُن کی مشترکہ دشمن ہے۔ اب اگر اُن میں سے ایک دوست سلطنت بھلائی کے کاموں میں اپنی دوست سلطنت سے تعاون کی متمنی ہو تو ارشاد ہوا ہے کہ ضرور ضرور تعاون کرو لیکن اگر ایک دوست سلطنت مشترکہ دشمن سلطنت پر گناہ و ظلم کیساتھ زیادتی کرنے میں تعاون کی طلب گار ہو تو ارشاد باری ہے کہ اپنی دشمن سلطنت کے مقابلے پر بھی تعاون ہرگز ہرگز نہ کرنا۔

• یہی حال صدرِ ریاست اور اُسکے عمّال و عوام کا ہے، کہ صدرِ مملکت اصلاحی احکام نافذ کرے تو اس کے عمّال اور عوام کو حکم ہوتا ہے کہ برّ و تقویٰ یعنی بھلائی اور بچاؤ کے کاموں میں ضرور ضرور تعاون کرو۔ لیکن اگر صدرِ مملکت بھی گناہ اور ظلم پر مبنی احکام صادر کرے تو حکم ہوتا ہے کہ نہ اس کے عمّال اُس کے ساتھ تعاون کریں نہ عوام۔

• ۸ آیت مجیدہ ۲/۵ زیر بحث کے آخری جملے یہ ہیں:- وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۲/۵ چونکہ یہ آیت مجیدہ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے خطاب سے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے ان دونوں جملوں کا معنٰی یہ ہے کہ: اے ایمان والو! بچو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنے احکام کی مخالفت کرنیوالوں کو) سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

خلاصۂ بحث

• المختصر! آیتِ بالا ۲/۵ زیرِ نظر میں اللہ تعالیٰ نے شعائر اللہ یعنی اپنی نشانیوں کی بے حرمتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اپنی ان گنت نشانیوں میں سے ذیل کی چند نشانیاں (یعنی شعائر اللہ) پیش فرمائی ہیں:-

۱۔ حرمت والے مہینے اللہ کی نشانی ہیں۔ اُن میں جنگ چھیڑنا، ان کی بے حرمتی ہے۔ لیکن اگر دشمن حرمت کے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو حرمت والے مہینوں ہی میں اُسکو دندان شکن جواب دینا ــــ حرمت والے مہینے کی بے حرمتی اُس نے کی ہے تم نے نہیں کی۔

۲۔ نیازِ کعبہ کے تحائف (ھدی) اللہ کی نشانی ہیں اُنہیں بے جا استعمال کرنا، ان کی بے حرمتی ہے۔ یعنی بیت اللہ کے عالمی امن مرکز کے اربابِ بست و کشاد خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور یہ عالمی امن مرکز نہ عالمی مرکز بن سکے نہ طاقتور۔ ان تحائف سے مرکز کو طاقتور سے طاقتور بناتے چلے جاؤ تاکہ یہ فی الواقعہ عالمی امن مرکز بن سکے۔

۳۔ نیازِ کعبہ کے طور پر پیش کئے جانیوالے القلائد (عرفِ عام کے مطابق قربانی کے) جانور اللہ کی نشانی ہیں، انہیں ضرورت سے زائد ذبح کر کے ریت کی نذر کر دینا ان کی بے حرمتی ہے۔ انہیں اتنے ذبح کرو جتنے کھائے جا سکیں۔ جو جانور بچ رہیں ان کی خطیر رقوم کیساتھ مرکز کو مضبوط اور مضبوط تر کرتے چلے جاؤ تاکہ یہ فی الواقعہ مضبوط عالمی مرکز بن جائے۔

۴۔ حج بیت اللہ کا قصد کرنیوالوں میں سے جو لوگ جائز طریقے سے تلاش معاش کریں وہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں یعنی اللہ کی نشانی ہیں۔ انہیں طعنے دینا ان کی بے حرمتی ہے۔ دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے کما کر سفر خرچ کی کمی پوری کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

۵۔ ایامِ حج میں برّی شکار کی حرمت بھی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ ایام حج میں برّی شکار کر کے اس حرمت کی بے حرمتی نہ کرنا۔ جب حج سے فارغ ہو جاؤ تو پھر برّی شکار کر سکتے ہو۔ ان ایام میں بحری شکار حلال ہے $\frac{5}{96}$۔

۶۔ اے صحابۂ رسول ؐ! تمہارے جن دشمنوں نے تمہیں بیت اللہ شریف سے روک دیا تھا۔ جب وہ مغلوب ہو جائیں تو تم اُن کے ساتھ بھی انصاف کرنا۔ دشمنوں کیساتھ انصاف کرنا بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ اس حکم کی مخالفت کر کے اس کی بے حرمتی نہ کرنا۔ تمہیں اُس قوم کی دشمنی بے انصافی کا مجرم نہ بنا دے جس نے تمہیں بیت اللہ سے روک دیا تھا۔

۷۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں انداز سے بھلائی اور تقویٰ کے کاموں میں ایکدوسرے کیساتھ تعاون کرنا اور گناہ و ظلم کے کاموں میں تعاون نہ کرنے کا خداوندی حکم بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ اس حکم کی مخالفت کر کے اس کی بے حرمتی نہ کرنا۔

● اخیر پر ارشاد ہوا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ حکموں کی مخالفت سے بچو (ورنہ یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ اُس کے احکام کی مخالفت کرنیوالوں کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

● دیکھیے! آیت بالا ۲ میں آیت ۱ کے اوّلین حکم اَوْفُوا بِالْعُقُوْدِ کے ماتحت مندرجہ بالا تمام احکامِ خداوندی کو پورا کرنے اور اللہ کی منہیات سے پوری طرح احتراز کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اب اگلی آیت

مجیدہ میں، آیت اوّل کے جملہ "اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ" والی استثنا کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں کہ ان چیزوں کی وضاحت کر دی گئی ہے جو خود حلال جانوروں کی حرام ہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ
حرام کیا گیا تم پر ہر قسم مردہ۔ اور خون اور
لَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ
گوشت غدود کا اور جو منسوب ہوا غیر اللہ کی طرف سامنے کے
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا
اور گلا گھٹا اور چوٹ لگا اور گر کر مرا اور سینگ لگا اور جسے
أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى
کھلایا درندے نے سوائے جو ذبح کیا تم نے اور جو ذبح ہوا اوپر
النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ
مزار کے اور یہ کہ تقسیم کرو تم ساتھ فالوں کے۔ یہ ہے
فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
قانون شکنی۔ آج مایوس ہو گئے وہ لوگ جو کافر ہوئے، سے
دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ
دین تمہارے۔ پس نہ ڈرو ان سے اور ڈرو مجھ سے ہر زمانہ
أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
مکمل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا اور پوری کی میں نے اوپر تمہارے
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ
نعمت اپنی اور پسند کیا میں نے واسطے تمہارے فرمانبرداری کو دین۔ پھر جو ہو بے
فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣﴾
قرار بھوک سے نہ جھکنے والا واسطے گناہ کے پس بیشک اللہ بچانے والا مہربان

(ایمان والو!) حرام کیا گیا ہے تم پر (جگالی کرنے والے چوپایوں کا (ہر قسم کا مردہ)[1] اور ہر قسم کا خون[2] اور غدود[3] کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ کیطرف منسوب کیا گیا ہو[4]، اور وہ جو گلا گھٹ کر مر گیا[5] اور وہ جو چوٹ لگنے سے مر گیا[6] اور وہ جو گر کر مر گیا[7] اور وہ جو سینگ لگ کر مر گیا[8] اور جسے کسی درندے نے کھا لیا[9] سوائے اس کے جسے تم نے (ذبح کر کے خون سے) پاک کر لیا۔ اور وہ جو کسی استھان خانقاہ پر ذبح ہوا[10] اور یہ کہ (انکا گوشت) تم قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کرو[11]۔ یہ سب حدود شکنی ہے۔ آج کے دن وہ لوگ جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کیا ہے تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں۔ پس تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو (اے نوعِ انسانی!) ہر زمانے میں میں نے تمہارے لئے تمہارا ضابطۂ حیات مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت (کتاب) پوری کر دی۔ اور تمہارے لئے اپنی فرمانبرداری کو اپنا ضابطۂ حیات پسند فرمایا۔ پھر جو کوئی بھوک سے بے چین ہو جائے (تو جان بچانے کیلئے مذکورہ بالا حرام چیزیں کھا سکتا ہے مگر) وہ گناہ (نافرمانی) کی طرف جھکنے والا نہ ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ (مجبوری کی حالت میں جان بچانے کیلئے) بچاؤ دینے والا ہے۔ مہربانی کر کے رحمت فرمانے والا ہے۔

● [1] تا [11] یہ ہے [5] میں آمدہ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ کی تفصیل کہ جگالی کرنے والے حلال جانوروں میں مذکورہ بالا نمبر زدہ گیارہ چیزیں حرام ہیں۔

لحم الخنزیر

● اس آئت مجیدہ میں آمدہ مرکّب اضافی لحم الخنزیر سے عام تراجم میں سؤر کا گوشت مراد لیا گیا ہے۔ اور اس طرح سؤر کی حُرمت اس آئت سے ثابت کی جاتی ہے۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے ٥/١ میں گھاس کھانیوالے چوپایوں میں سے بہیمہ قسم یعنی جگالی کرنیوالوں کو حلال بتا کر غیر بہیمہ یعنی جُگالی نہ کرنیوالوں کی حُرمت کا اعلان کر رکھا ہے تو پھر سُؤر کو، جو غیر بہیمہ میں داخل ہونے کی بدولت ٥/١ میں حرام ثابت ہو چکا، باقی حرام جانوروں سے الگ طور پر پھر حرام بتانے کا کیا مطلب؟

● یاد رہے کہ آئت بالا ٥/٣ میں اِلّا ما یتلیٰ علیکم کی تفصیل درج ہے۔ حلال جانوروں کے اندر جو چیزیں حرام ہیں اور یا جن صُورتوں میں وُہ حلال ہوتے ہوئے حرام ہو جاتے ہیں اُن کی فہرست دیدیگئی ہے۔ مُردہ[1] - خون[2] - لحم الخنزیر[3] - غیر اللہ کی طرف منسوب[4]۔ گلا گھونٹ کر مرا[5]۔ چوٹ لگنے سے مرا[6]۔ گر کر مرا[7]۔ آپس میں لڑ کر سینگ لگنے سے مرا[8]۔ درندے کا کھایا[9]۔ خانقاہ پر ذبح کیا گیا[10]۔ اور فال کے تیروں سے تقسیم کیا گیا[11]۔ پس جب اس آئت مجیدہ میں لحم الخنزیر سمیت گیارہ صورتیں حلال جانوروں ہی کے بعض حصّوں اور بعض حالتوں کی حُرمت کی ہیں تو ثابت ہوا کہ لحم خنزیر بھی حلال جانوروں ہی کا حرام بتایا گیا ہے اور وُہ ہے غدود کا گوشت۔

ایک غلط فہمی کی وضاحت

● مَا اُھِلَّ لِغَیرِ اللّٰہِ بِہٖ میں آمدہ مَا عمُوم کے سہارے لحم خنزیر سے سُؤر کا گوشت مراد لیکر سؤر کی حُرمت لی جاتی ہے۔ کیونکہ اس مَا عموم سے غیر اللہ کی طرف منسوب پرا ٹھے، پتاشے، حلوے وغیرہ ہر چیز حرام ہو جاتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے، چونکہ ما اُھِلَّ لِغَیرِ اللّٰہِ بِہٖ سے بہیمۃ الانعام کے سوا ہر چیز مُراد ہے۔ اس لئے لحم الخنزیر سے مراد سُؤر کا گوشت ہے۔ لیکن عربی ادب کا قاعدہ ہے کہ جب مَا عمُوم کسی دائرہ میں محدود ہو تو اُس دائرہ کے اندر ہی عمُوم کا فائدہ دیتا ہے۔ لہٰذا یہاں مَا عام ہے لیکن حلال کے دائرے میں محدود جانوروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ گائے، بھینس، بھیڑ بکری وغیرہ کوئی سا حلال جانور بھی غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ دائرے میں محدود مَا عمُوم کی مثال اسی آئت مجیدہ میں مَا اکل السبع اور ما ذبح علی النّصب کے جملوں میں مذکور ہے۔ جن میں اگرچہ مَا عام ہے لیکن درندہ کھا جائے یا کسی استھان پر ذبح ہو، کے جملوں سے یہاں حلال جانوروں کے سوا کھیر پرا ٹھوں کا کسی مزار پر ذبح ہونا یا درندوں کا کھا جانا مراد لیا ہی نہیں جا سکتا۔

مُردہ خون اور غدود کے گوشت کی پیچھے بعد دیگرے حُرمت قابلِ غور ہے

● حلال جانور پہلے نمبر پر اُسوقت حرام ہو جاتا ہے جب وُہ مر جائے، یعنی وُہ ذبح نہ کیا گیا ہو۔ یہ اس لئے کہ خون حرام ہے جو بلا ذبح کئے مر جانے سے اُس کے اندر رہ جاتا ہے اور جب ذبح کرکے خون نکال دیا جائے تو حرام خون تو نکل گیا لیکن باقی گوشت میں ابھی اور حرام چیزیں موجود ہیں، وُہ ہے لحم خنزیر یعنی

غدود کا گوشت، جھلیاں اور پھیپھڑے وغیرہ۔ جن میں حلال جانور کو ذبح کر لینے کے باوجود اُس کا وُہ گوشت بھی حرام ہے جہاں جانور کو چوٹ لگی ہو اور اُس مقام پر خُون جم گیا ہو۔ اور اس سے آگے ہے حلال جانوروں یا ان کے گوشت کو فال کے تیروں کیساتھ تقسیم کرنے کا مسئلہ۔ واضح رہے کہ قرعہ اور فال کے ذریعہ تقسیم کا سوال پیدا ہی اُس وقت ہوتا ہے جب دونوں ڈھیر برابر نہ ہوں اور کسی ایک ڈھیر کے متعلق الگ الگ فریقین یہ چاہتے ہوں کہ یہ مجھے ملے۔ قرعہ اور فال میں ایک تو قسمت و تقدیر جیسے قاطع ایمان نظریے کا عمل دخل ہے کہ جونسا ڈھیر یا جانور کسی کی قسمت میں ہو گا مل جائیگا اور دوسرے یہ کہ جس شخص کو ناقص مال ملتا ہے اُس کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے قرعہ کے طریقے سے جانوروں یا ان کے گوشت کو تقسیم کرنے سے خود جانوروں یا گوشت کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حرام تو ہوئی قرعہ اندازی، اس سے حلال جانور حرام کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس سوال کا جواب بھی اسی آیت مجیدہ میں موجود ہے کہ جس طرح حرام تو ہے کسی استھان۔ مزار یا خانقاہ پر جانور ذبح کرنا۔ تو جس طرح اِس حرام فعل سے کسی مزار پر کے مذبوحہ حلال جانور کو حرام ٹھہرا دیا گیا ہے جس پر یہ حرام فعل وارد ہوا ہے، اُسی طرح قرعہ اندازی کا حرام فعل بھی جن حلال جانوروں یا گوشت پر وارد ہو گا وُہ بھی حرام ہو جائیں گے۔

تکمیلِ دین

• آیت زیر بحث ۵/۳ میں جو آیت کا یہ ٹکڑا آیا ہے آلیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت، اس کے متعلق روائتی تفاسیر میں بتایا گیا ہے کہ آج دن تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا گیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی گئی ہے سے مراد یہ ہے کہ یہ آیت نزول کے لحاظ سے بالکل آخری آیت ہے۔ اس نظریہ پر متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں:۔

• ۱ پہلا یہ کہ کیا سابقہ اُمتوں اور رسولوں کو کامل دین نہیں دیا گیا تھا، جو کامل دین اس اُمت کو ملا ہے۔

• ۲ پھر جیسے کہ روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ مکمل دین اِس آخری اُمت ہی کو دیا گیا ہے تو آیات ذیل کی منافت لازم آتی ہے:۔ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۴۲/۱۳۔ ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے اُسی دین کی وُہی شرع کر دی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور وہی شرع جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ اور وہی شرع جس کا حکم ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔ پھر سورہ انعام میں حضرت ابراہیمؑ سمیت اٹھارہ نبیوں کے نام لیکر آنحضورؐ کو حکم ہُوا ہے:۔ اولٰٓئک الّذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ ۶/۹۰ یہ وُہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی تھی۔ اے رسولؐ! آپ اُنکی ہدایت کی اقتداء فرمائیں۔ کیا ان الفاظ میں آنحضورؐ کو نامکمل اور ناقص دین کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ العیاذ باللہ!

• ۳ پھر اگر اتممت علیکم نعمتی کے الفاظ سے یہ مانا جائے کہ یہ منزل کے لحاظ سے آخری آیت مجیدہ ہے تو

آئت ذیل کا کیا بنیگا۔

● وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۶/۱۱۶ اور تیرے پروردگار کے کلمات صدق و عدل کیساتھ ختم ہو چکے ہیں۔ بتائیے! یہ آئت آخری ہے یا الیوم اکملت والی؟

● برادرانِ عزیز! حقیقت حال وُہی ہے جو عرض کر دی گئی ہے کہ یہاں اَلْیَوْمَ کا معنی آج دن نہیں ۔ بلکہ ہر دن ہر زمانہ ہے ۔ یعنی سابقہ تمام رسولوں اور اُمتوں کو کامل دین دیا گیا تھا۔ الیوم میں الف لام استغراق کا ہے اور یوم کا معنی ہے زمانہ ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں ، ہر نبی اور ہر اُمت کو کامل دین عطا فرمایا تھا ، اور وُہ ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت عطا فرمائی گئی تھی جیسے کہ ۴۲/۱۳ کے حوالہ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا میں بھی اوپر گزر چکا ہے اور ۶/۹۱ کا حوالہ بھی اوپر دیا جا چکا ہے کہ آنحضور کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ سابقہ انبیاء کی ہدائت کی اقتداء فرمائیں۔

● ۶/۱۱۵ میں بھی اس چیز کی تائید موجود ہے :۔ تمّت کلمت ربّك صدقا وّعدلاً لا مبدّل لكلمٰته ۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات قوانین (ہر دور میں) مکمل طور پر عطا کیئے گئے ہیں ۔ اُسکے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں نہ وُہ تبدیل ہوتے ہیں ۶/۱۱۵ اور نہ خود اللہ تعالیٰ انہیں بدلتا ہے ۵۰/۲۹

حرام شکاری جانوروں کے ذریعہ شکار حلال ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں شکاری جانوروں کے ذریعہ بہیمہ قسم کے حلال جانوروں کا شکار کرنا حلال ٹھہرایا گیا ہے ۔ بشرطیکہ اُنہیں سدھایا جا چکا ہو ؟

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ

سوال کرینگے آپ سے کیا حلال ہوا واسطے اُن کے کہدیجئے حلال کیا گیا

لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

واسطے تمہارے پاکیزہ اور جو سدھاتے ہو تم شکاری جانوروں کو

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا

سدھاتے ہوا نہیں جیسے کہ تعلیم دی تمکو اللہ نے ۔ پس کھاؤ اُس

مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ

سے جو وہ روکیں واسطے تمہارے اور ذکر کرو نام اللہ کا

عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

اوپر اُس کے اور ڈرو اللہ سے بیشک اللہ جلد حساب کرنے والا ۴

(اے رسول!) لوگ آپ سے سوال کریں گے کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے ۔ آپ فرما دیجئے گا کہ تمہارے لئے صحت بخش (گوشت) حلال کیا گیا ہے ۔ اور (تمہارے لئے حلال جانوروں کا وہ شکار بھی حلال کیا گیا ہے) جو تم شکاری جانوروں کو تعلیم دیتے ہو ، کتوں کو سدھانے والے ہو کر ۔ تم اُنہیں تعلیم دیتے ہو اُس (جبلی علم) سے جو اللہ نے تمہیں (جبلی طور پر) سکھایا ہے ۔ پس اُس شکار کو کھایا کرو جسے وہ تمہارے لئے روک رکھیں اور اُس پر اللہ کے نام کا ذکر کیا کرو (یعنی اللہ کے نام کیساتھ ذبح کر لیا کرو)

اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت سے بچو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے۔

سدھائے ہوئے کتے کا پکڑا ہوا شکار

● عـ۱ قاموس القرآن کے صفحہ ۴۴۵ پر مکلّبین کا معنیٰ لکھا ہے "مکلّبین :۔ کتے کو شکار سکھلانے والے۔ تکلیب سے اسم فاعل جمع مذکر بحالت نصبی وجرّی۔ واحد مکلّبٌ"۔ کتا بھی شکاری جانور ہے۔ بہت جلد سدھایا جا سکتا ہے، دوسرے شکاری جانوروں کے ساتھ ساتھ سدھائے ہوئے کتوں کا شکار بھی حلال قرار دیا گیا ہے۔ کتوں کو سدھانے والوں کیلئے خاص لفظ لایا گیا ہے مکلّبین۔ شکاری جانوروں کو سدھانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ شکار کو کھائیں نہیں۔ صرف پکڑ رکھیں، تاکہ اُسے ذبح کر لیا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ جب سدھایا ہوا کتا یا دوسرا شکاری جانور شکار کو پکڑیگا تو یقیناً اُس کے دانت شکار کے جسم میں پیوست ہوں گے۔ اس طرح کتا اور دوسرے شکاری جانور کھانے کیلئے ضرور حرام ہیں، مگر ان سے شکار کو پکڑنے کی خدمت لینا حلال اور جائز ہے۔

جبلّی تعلیم

● عـ۲ مِمّا علّمکم اللہ۔ شکاری جانوروں کو سدھانے کی تعلیم نوعِ انسانی کو بذریعہ وحی نہیں دی گئی۔ بلکہ یہ تعلیم انسانی جبلّت میں رکھ دی گئی ہے۔ اور جبلّی تعلیم کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ہر قسم کی صنعت وحرفت کا کام نوعِ انسانی اسی خداوندی جبلّی تعلیم کے ذریعہ سرانجام دے رہی ہے اور اِس میدان میں شبانہ روز ترقی بھی اِسی خداوندی تعلیم کے ذریعہ کرتی چلی جا رہی ہے۔ تار برقی، وائرلیس، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹیلیویژن وغیرہ، آئے دن کی نئی سے نئی ایجادیں سب اسی جبلّی تعلیم کی مظہر ہیں۔

ذبح کے بغیر شکار حلال نہیں

● عـ۳ واذکروا اسم اللہ علیہ کے جملہ میں شکار کو ذبح کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ ذبح کا معنیٰ ہے شاہ رگ کو حلق کی طرف سے کاٹنا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ جسم کا سارا خون جو حرام ہے پوری طرح بہہ جائے۔ شکار کے ضمن میں یہ نظریات محلِّ نظر ہیں جو یہ کہا جاتا ہے کہ تیر یا گولی کا نشانہ کرتے وقت بسم اللہ پڑھ دی جائے اور یا شکار کو پکڑنے کے لئے کتا چھوڑتے وقت اللہ کے نام کا ذکر کر لیا جائے تو شکار حلال ہوتا ہے، کیوں کہ شکار اُس وقت تک حلال نہیں ہوتا جب تک کہ ذبح کر کے اُسکا خون خارج نہ کر دیا جائے۔ نہ تیر یا گولی سے جسم کا سارا خون خارج ہو سکتا ہے نہ شکاری جانور کے پکڑنے سے بلکہ سارا خون صرف شاہ رگ کاٹنے سے خارج ہو سکتا ہے۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مسئلہ حلّت کے ضمن میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جو اہل کتاب دینِ اللہ پر قائم ہیں، اِن کے کھانے بھی حلال ہیں اور رشتے بھی۔ مگر ان سے وُہ مشرک اہل کتاب ہرگز مراد نہیں جو حضرات عزیرؑ و مسیحؑ کو خدا کے بیٹے بنائے بیٹھے ہیں۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ || آج دن (زمانۂ رسالتِ محمدی میں جبکہ کہ آلی کرتوالے جانور

آج حلال کئے گئے واسطے تمہارے پاکیزہ کھانے اور کھانا اُن لوگوں کا

أُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ

جو کتاب دیئے گئے حلال ہے واسطے تمہارے اور کھانا تمہارا حلال ہے ان کیلئے

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور پاکدامن عورتوں میں سے مومنہ عورتوں کے اور پاکدامن عورتوں میں سے

الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

ان لوگوں کے جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے۔ جب تم دو انہیں

أُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا

مہران کا نکاح میں رکھنے والے نہ مستی جھاڑنے والے اور نہ

مُتَّخِذِيْٓ أَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ فَقَدْ

رکھنے والے چھپی آشنائی۔ اور جو کوئی انکار کرے بعد ایمان کے پس بیشک

حَبِطَ عَمَلُهٗ ؗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

ضائع ہوا عمل اسکا اور وہ بیچ قیامت کے ہیں۔ میں سے گھاٹا پانیوالوں کے

سمیت) تمام صحت بخش چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔ اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں انکا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ اور حلال ہیں تمہارے لئے مومنہ پاکدامن عورتوں میں سے اور حلال ہیں واسطے تمہارے پاکدامن عورتیں اُن لوگوں کی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے[عله]۔ جب ادا کر دو تم اُنہیں اُنکا زرِ مہر۔ اس شرط پر کہ ہو تم انہیں قیدِ نکاح میں رکھنے والے نہ صرف وقتی مستی جھاڑنیوالے۔ اور نہ ہی ہو تم چھپی آشنائی رکھنے والے۔ اور (یاد رکھو کہ) جو کوئی ایمان لانے کے بعد عملاً انکار کریگا تو یقیناً یقیناً اُس کا عمل ضائع ہو جائیگا۔ اور بلاشبہ وُہ قیامت کے دار الجزاء میں نقصان اُٹھانیوالوں میں سے ہوگا۔ (نجات نہیں پائیگا)۔ ع ۵ ۵

● عله آیت بالا میں :-

اہلِ کتاب کا کھانا اور رشتے

جن اہلِ کتاب کا کھانا اور عورتیں، مومنوں کیلئے حلال بتائی گئی ہیں وُہ، وُہ اہلِ کتاب نہیں ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے خود کافر اور مشرک قرار دیا ہے :-

● وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۹/۳۰ اور کہا یہودیوں نے کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اللہ کے بیٹے ٹھہرانے والے یقیناً مشرک ہیں اور اُدھر ارشاد باری ہے :- إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ۹/۲۸ بلاشبہ مشرک نجس ہیں۔ تو بتائیے! کیا ناپاکوں کا کھانا مومنوں کے لئے حلال کیا گیا ہے! ہرگز نہیں۔

● ۲/۲۲۱ میں ارشاد ہوا :- وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ - وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ اور مشرکہ عورتوں کے نکاح مومن مردوں سے نہ کرنا جبتک وُہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور مشرک مردوں کے نکاح مومنہ عورتوں سے نہ کرنا جبتک وُہ مومن نہ ہو جائیں۔

• پس اہلِ روایات کا یہ مسئلہ قرآن کریم کے صد فیصد خلاف ہے کہ مُشرک یہود و نصاریٰ کا کھانا بھی حلال ہے اور اُن کی عورتیں بھی حلال ہیں۔ حالانکہ اس غلط مسئلہ کی بدولت یہود و نصاریٰ اپنی عورتیں جاسوسی کیلئے مسلمانوں کے نکاح میں دیدیتے ہیں جو بر وقت جاسوسی کرکے اہلِ اسلام کو نقصان پہنچاتی چلی آرہی ہیں۔ فاعتبروا!

• یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آیتِ مجیدہ ۵/۶ میں جو اہلِ کتاب کا کھانا اور عورتیں حلال بتائی گئی ہیں اُس سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب آیاتِ ذیل میں دیا گیا ہے:۔

• لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ○ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ ۳/۱۱۳-۱۱۴

(مفہوم) سب ایک سے نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو رات کی ابتدائی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور حضورِ الٰہی میں سجدۂ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے، نیکیوں کا حکم اور برائیوں سے منع کرتے ہیں وُہی اہلِ کتاب صالح لوگ ہیں۔

• اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ ھُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○ ۲۸/۵۲-۵۳ وُہ لوگ جنہیں اِس (قرآن) سے پہلے کتاب دی گئی ہے (اُنکا ایک گروہ) اِس پر ایمان لاتا ہے۔ اور جب وُہ اُن پر پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بیشک وُہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ بیشک ہم اس سے پہلے فرمانبردار ہیں — اہلِ کتاب کے مومن گروہ کی یہی خبر ۳/۸۳-۸۴ میں بھی دی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جن اہلِ کتاب کا کھانا اور اُن کی عورتیں حلال ٹھہرائی گئی ہیں وُہ خدا کے بیٹے ٹھہرانے اور ایک کی بجائے تین خدا ماننے والے نہیں۔ بلکہ یہ وُہ لوگ تھے جو زمانۂ رسالتِ محمدی میں اصل دین پر قائم تھے۔ قرآن کریم نے انہیں اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ بتایا ہے۔ کاش کہ مسلمان اس غلط مسئلہ سے توبہ کرکے اس کے مضر اثرات سے محفوظ ہوجائیں۔

وضو کا حکم

• سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں صلوٰۃِ موقّت یعنی نماز کی ادائیگی کیلئے وضو کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلت و حرمت کے مسائل کے بعد آیتِ وضو کا کیا مقام ہے؟ یعنی حلال و حرام کی وضاحت کے ساتھ وضو کے مسئلہ کا کیا ربط ہوسکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ سورہ مائدہ کی پہلی آیت کے پہلے جملے میں ارشاد ہوا ہے "يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" ۵/۱ ایمان والو! قبولِ ایمان کی رُو سے جس قدر عہد تم پر لازم آئیں سب کو پورے کرتے رہو۔ اور اِس حکم کے بعد حلت و حرمت

سے متعلقہ متعدد عہدوں کی وضاحت کرنے کے بعد ساتھ ہی ساتھ صلوٰۃ موقّت کے اُس عہد کیطرف رُخ کیا گیا ہے جو پیچھے ۴/۱۰۳ میں إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ۝ کے الفاظ میں لیا گیا ہے کہ بلاشبہ مومنوں پر صلوٰۃ مقررہ وقتوں پر فرض کر دی گئی ہے۔ فلہذا اگلی آیت مجیدہ میں اسی عہد صلوٰۃ موقّت کے متعلق واضح کیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم کھڑے ہو واسطے صلوٰۃ کے
فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا
تو دھو لیا کرو منہ اپنے اور بازو اپنے سمیت کہنیوں کے اور مسح کرو
بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ
کا سروں اپنے۔ اور دھولو پیر اپنے مع ٹخنوں کے اور اگر ہو تم جنبی تو پاک ہو جاؤ
وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ
اگر تم ہو بیمار یا اوپر سفر کے یا آئے ایک بھی تم سے کنارے سے بس سے جائے فرود کے
أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا
یا تم نے ملاپ کیا بیویوں سے پھر تم نہ پاؤ پانی تو ارادہ کرو مٹی
طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ
پاکیزہ پھر پونچھ لو مونہوں اپنوں اور بازوؤں اپنوں کو اس سے نہیں ارادہ کرتا اللہ
لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ
کہ ٹھہرائے اوپر تمہارے سے کوئی تنگی و لیکن ارادہ کرتا ہے کہ پاک کرے تم کو
وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ
اور تاکہ پوری کرے نعمت اپنی اوپر تمہارے
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ ۶
تاکہ تم شکر گزار ہو

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو (ہمارے عہد) صلوٰۃ کی ادائیگی کا ارادہ کرو تو اپنے مونہوں کو دھو لیا کرو۔ اور دھو لیا کرو اپنے بازوؤں کو کہنیوں سمیت۔ اور اپنے سروں کو پونچھ لیا کرو۔ اور پیروں کو ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو علہ

اور اگر تم بحالت جنابت ہو تو پاک ہو لیا کرو علہ (یعنی غسل کر لیا کرو) اور اگر تم بیمار ہو (یا پانی کا استعمال مضر پڑتا ہے) اور تم سفر پر ہو، یا تم میں سے کوئی شخص قضاءِ حاجت سے فارغ ہوا ہو، یا تم نے بیویوں سے اختلاط کیا۔ اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاکیزہ مٹی کا قصد کیا کرو۔ (یعنی غلاظت کو پاکیزہ مٹی کیساتھ دور کر لیا کرو) پھر اپنے مونہوں (چہروں) اور بازوؤں کو گرد و غبار سے پونچھ لیا کرو علہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی بھی تنگی کا ارادہ نہیں کرتا اور لیکن وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں نجاست سے پاک کرنے اور تم پر (اس گوشے میں بھی) اپنی قانونی نعمت پوری کر دے علہ (تاکہ تم پر ادائے صلوٰۃ موقّت میں کوئی تنگی نہ رہے) تاکہ تم شکر گزاری کرتے رہو۔

● وضو کے متعلق دو مکاتب فکر میں بہت پرانا جھگڑا

چل رہا ہے ایک طرف وضو میں پیروں کو دھویا جاتا ہے اور دوسری طرف پیروں پر مسح کیا جاتا ہے اور پیروں پر مسح کرنے کی یہ دلیل لائی جاتی ہے کہ جب اَرْجُلَکُمْ معطوف ہے رُءُوْسِکُمْ کا اور رُءُوْسِ مفعول ہے فعل امر اِمْسَحُوْا کا، تو اس سے ثابت ہؤا کہ جس طرح سر کے مسح کا حکم دیا گیا ہے، اُسی طرح پیروں کے بھی مسح ہی کا حکم ہے، کیونکہ معطوف اور معطوف الیہ ایک حکم میں ہوتے ہیں۔

● اس سلسلے میں سمجھنے کی چیز یہ ہے کہ اَرْجُلَکُمْ، رُءُوْسِکُمْ کا معطوف ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ عربی قواعد کا یہ غیر متبدّل قاعدہ ہے کہ معطوف کے اعراب اپنے معطوف علیہ کے اعراب کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ رُءُوْسِ، جسے معطوف علیہ قرار دیا جاتا ہے مجرور ہے اور اَرْجُلَ جسے معطوف ٹھہرایا جاتا ہے منصوب ہے پس رُءُوْسِ اور اَرْجُلَ بوجہ عدم مطابقت اعراب باہم معطوف معطوف علیہ نہیں ہیں۔ بلکہ اَرْجُلَکُمْ معطوف ہے وُجُوْهَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ کا۔ کیونکہ اعراب کی مطابقت ان میں ہے رُءُوْسِ اور اَرْجُلَ میں ہرگز نہیں۔ ہاں اگر اَرْجُلَکُمْ کی بجائے اَرْجُلِکُمْ ہوتا تو پھر یہ یقیناً یقیناً معطوف ہوتا رُءُوْسِکُمْ کا اور پیروں کا مسح کیا جاتا۔

زیر زبر کا فرق

● عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے یعنی اُسکے آخری حرف پر ہمیشہ پیش آتی ہے اور مفعول ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ یعنی اُس کے آخری حرف پر زبر آتی ہے۔ جیسے کہ آیت زیر بحث ۶ میں پہلا فعل امر ہے اِغْسِلُوْا اور وُجُوْهَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اس کے دونوں مفعول منصوب ہیں، یعنی وُجُوْهَ کے آخری حرف ہ پر بھی زبر ہے اور اَیْدِیَ کے آخری حرف یَ پر بھی زبر ہے۔ پس وُجُوْهَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ بوجہ مطابقت اعراب باہم معطوف معطوف علیہ ہیں۔ اور جس طرح یہاں مُونہوں کے لئے دھونے کا حکم ہے۔ اُسی طرح بازؤوں کیلئے بھی دھونے کا حکم ہے۔ لیکن آیت زیر نظر کے دوسرے فعل امر اِمْسَحُوْا کا مفعول منصوب نہیں۔ آپ پوچھینگے کہ یہاں اِمْسَحُوْا فعل کا مفعول رُءُوْسِکُمْ، سِ کی زیر کیساتھ کیوں آیا ہے؟ حالانکہ مندرجہ بالا قاعدے کے مطابق مفعول منصوب ہونا چاہیے تھا۔ یعنی رُءُوْس کے سین پر زبر آنی چاہیے تھی۔

● یہ وہ اہم ترین سوال ہے، جس کے صحیح جواب پر وضو میں پیروں کے دھونے یا مسح کرنے کے متنازعہ مسئلہ کے صحیح فیصلے کا انحصار ہے۔

● جواباً عرض ہے کہ یہاں عربی قواعد کے ایک دوسرے قاعدے نے اثر انداز ہو کر سِ کی زبر کو زیر کے ساتھ تبدیل کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب کسی اسم پر کوئی حرف جار داخل ہوتا ہے تو اُسے مجرور کر دیتا ہے یعنی اُس کے مقامی اعراب کو بدل کر اُسکے آخری حرف کے نیچے زیر لے آتا ہے، جیسے کہ رُءُوسَ کا مقامی اعراب سَ کی زبر ہے، یعنی اگر بائے جارہ داخل نہ ہوتی تو اِمْسَحُوْا رُءُوْسَکُمْ ہوتا۔ یاد رہے کہ یہاں سِ

کے نیچے زیر بائے جارہ کے داخل ہونے کی بدولت آئی ہے۔ لیکن ایک بات اور بھی یاد رکھیگا، اگرچہ بِرُءُوسِکُمْ بائے جارہ کی بدولت مجرور ہو کر آیا ہے۔ لیکن محلاً منصوب ہے۔ یعنی رُءُوسِ مفعول ہی ہے امسحوا کا۔ اور سروں کے مسح کرنے ہی کا حکم دیا گیا ہے۔

● اب غور طلب یہ امر ہے کہ آئت مجیدہ میں بِرُءُوسِکُمْ کے بعد آیا ہے وَاَرْجُلَکُمْ۔ عربی قواعد کے غیر متبدل قاعدہ کے مطابق اگر اَرْجُلَ، بِرُءُوسِ کا معطوف ہوتا تو اَرْجُلِ آتا۔ اور جس طرح بِرُءُوسِکُمْ محلاً منصوب ہے اُسی طرح اَرْجُلَکُمْ بھی محلاً منصوب ہوتا۔ لیکن چونکہ خداوندی تنزیل میں اَرْجُلَکُمْ، لام کی زبر کیساتھ آیا ہے۔ اس لئے بدرجہ اتم ثابت ہوا کہ نہ اَرْجُلَکُمْ، بِرُءُوسِکُمْ کا معطوف ہے اور نہ پیروں کے مسح کا حکم ہے۔ بلکہ یہ اُس معطوف علیہ کا معطوف ہے جس کے ساتھ اس کے اعراب مطابق ہیں۔ وہ ہے اَیْدِیَکُمْ جو خود معطوف ہے وُجُوْهَکُمْ کا۔ اور یہ دونوں مفعول ہیں فعل امر اغسلوا کے۔ پس مطابق اعراب کی سند کیساتھ اَرْجُلَکُمْ اُسی فعل امر کا مفعول معطوف ہے۔ جس کے مفعول، اس کے معطوف علیہ وُجُوْهَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ ہیں۔ اور چونکہ وُجُوْهَکُمْ اُسی فعل امر کا مفعول معطوف ہے جس کے مفعول، اس کے معطوف علیہ وُجُوْهَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ ہیں اور چونکہ وُجُوْهَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ دونوں مفعول ہیں فعل امر اغسلوا کے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ جس طرح مونہوں اور بازؤں کے دھونے کا حکم ہے۔ اُسی طرح پیروں کے بھی دھونے کا حکم دیا گیا ہے، مسح کرنے کا نہیں۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

● یہاں پہنچ کر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیروں کو دُھلوانا ہی مقصود تھا تو خدا تعالیٰ نے اَرْجُلَکُمْ کو اغسلوا کے مفعول کی شکل میں وُجُوْهَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ کیوں نازل نہ فرمایا؟ جواباً عرض ہے کہ وضو کی ترتیب کو قائم رکھنے کے لئے پہلے مونہوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر کہنیوں سمیت بازؤں کو پھر سر کے مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد پیروں کو دھونے کا۔ اگر وُجُوْهَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ کیساتھ ہی وَاَرْجُلَکُمْ نازل ہوتا تو وضو کی ترتیب یہ ہو جاتی کہ پہلے منہ دھوتے، پھر بازو دھوتے، پھر پیر دھوتے اور اخیر پر سر کا مسح کرتے۔ اس طرح چون کر خداوندی ترتیب متبدل ہو کر رہ جاتی، اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی پسندیدہ ترتیب کے مطابق الفاظ کو ترتیب دی ہے۔

جنب بمعنی بدخوابی بھی ہے

● ۲ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا کے حکم میں بدخوابی بھی شامل ہے جس کی بدولت غسل واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بیویوں سے خلوت کا ذکر اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کے الفاظ میں الگ مذکور ہے۔ جس میں بدخوابی شامل ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ قرآن کریم کا مخصوص

اسلوب بیان ہے کہ اس نے بدخوابی اور بیویوں کی مقاربت کا الگ الگ ذکر کرکے واضح کر دیا ہے کہ دونوں حالتیں جنب کی ہیں اور دونوں میں غسل لازم ہے۔ نیز جلد دوم میں آیت مجیدہ ۴/۴۳ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ وہاں بھی من وعن یہی وضاحت موجود ہے۔

● ۳ فَاطَّهَّرُوْا سے مراد غسل کرنا ہے۔ بعض حلقوں میں غسلِ جنابت کے خلاف جراثیم پائے جاتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ فاطّھروا کے الفاظ سے بصورت نصف النہار ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے جنابت کو ناپاک قرار دیا ہے۔ جیسے کہ وضو کے لئے جن اعضا کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے وہ ناپاک نہیں ہوتے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ منہ اور کہنیوں سمیت بازو ناپاک ہوتے ہیں۔ پاک اعضاء کو صلوٰۃ کے تقدس کے لئے دھونے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں فَاغْسِلُوْا آیا ہے فَاطَّهَّرُوْا نہیں آیا۔ اس کے برعکس جنابت کو ناپاکی قرار دے کر فَاطَّهَّرُوْا کا حکم نافذ کیا گیا ہے کہ اگر تم جنابت سے ہو تو پاک ہو جاؤ اور اس حکم کے تحت پورے جسم کا غسل کیا جائیگا۔ سورہ نساء ۴/۴۳ میں فَاطَّهَّرُوْا کی بجائے تَغْتَسِلُوْا آیا ہے۔ نیز یہاں فَاطَّهَّرُوْا کے الفاظ سے صرف اعضاءِ مخصوصہ کی طہارت کا حکم اخذ کرنا اپنے آپ کو مقامِ انسانیت تک سے گرا دینے کے مصداق ہے۔ کیوں کہ جنسی فراغت کے بعد اعضاءِ مستعملہ کی عدم طہارت کیضرورت کا تصور تو ڈھورڈنگروں کیلئے ہے۔ نوعِ انسانی تو جنسی فراغت کے بعد جبلّی طور پر ہی اعضاءِ مستعملہ کی فوری طہارت کیلئے بے چین ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فَطَّھروا کے الفاظ میں پورے جسم کے غسل کا حکم دیا گیا ہے۔

تیمّم کا معنی مُونہوں اور ہاتھوں پر مٹی ملنا نہیں بلکہ اُنکے لئے مسح یعنی اُن پر سے گرد و غبار کو صاف کرنا ہے

● تیمّم کی مروجہ شکل یہ ہے کہ وضو کے لئے پانی نہ ملے تو مونہوں اور بازوؤں پر مٹی مل لی جاتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ قرآنی الفاظ اس تصوّر کے حامل نہیں۔ وہاں الفاظ یہ ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی قضاءِ حاجت سے فارغ ہوا ہو یا بیوی سے مقاربت کرے اور پانی نہ پائے تو پاکیزہ مٹی کا قصد کرے۔ یعنی پاکیزہ مٹی کیساتھ آلائش صاف کرے اور اس کے آگے ارشاد ہوا ہے :۔ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ۔ دیکھیے یہاں پاکیزہ مٹی کے استعمال کے بعد فَا آئی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ پاکیزہ مٹی کے استعمال کے حکم کے بعد فاءِ تعقیب لاکر ارشاد ہوا ہے :۔ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ پھر غلاظت کو صاف کرنے کے لئے حسب ضرورت پاکیزہ مٹی کے استعمال کے بعد اپنے مونہوں اور بازوؤں کو مٹی یعنی گرد و غبار سے صاف کر لیا کرو (کپڑے کے ساتھ پونچھ لیا کرو۔ مسح کا معنی مفردات امام راغب مطبوعہ المحدیث اکیڈمی کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۹۹۰ کالم ۲ پر اس کے سہ حرفی مادہ م۔س۔ح کے ماتحت لکھا ہے۔ "اَلْمَسْحُ کے معنے کسی چیز پر ہاتھ پھیرنے اور اس سے نشان اور آلائش

صاف کر دیئے گئے ہیں ...... چنانچہ محاورہ یہ ہے مَسَحْتُ یَدِیْ بِالْمِنْدِیْلِ میں نے رومال کیساتھ ہاتھ پونچھا" ـــــ پس ان لغوی دلائل سے عیاں ہے کہ مسح کا معنیٰ مٹی پونچھنا ہے، ملنا نہیں۔ اور پونچھنے کا عمل کسی کپڑے یا رومال وغیرہ ہی سے ہو گا۔

مٹی میں بھی طہارت سے متعلقہ اجزاء موجود ہیں

● اب مٹی کے اجزا پر غور فرمائیں۔ جس ذاتِ مقدّس نے نجاست و آلائش کو مٹی کیساتھ صاف کرنے کا حکم دیا ہے، اُس نے اس میں ایسے کیمیادی اجزاء بھی رکھ دئیے ہیں، جو غلاظت کے مضر اثرات کو زائل کر دیتے ہیں۔ تجربہ کے طور پر اگر کچھ غلاظت کو مٹی میں دبا دیا جائے تو چند دن کے بعد کھود کر دیکھیں تو غلاظت کا وجود معدوم ہو چکا ہو گا۔ پس پاکیزہ مٹی کا استعمال مذکورہ تجربہ سے بھی ثابت ہوا کہ صرف غلاظت کو صاف کرنے کیلئے ہے مُونہوں اور ہاتھوں پر ملنے کیلئے نہیں۔ مُونہوں اور بازُوؤں پر کپڑے کیساتھ مسح کرنا ہے۔ مُنہ اور بازُوؤں پر مٹی ملنا قرآنِ کریم کی رُو سے نہ تیمّم ہے نہ مسح۔

● ۶ مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ میں آمدہ لفظ حرج کا معنیٰ ذہنی تنگی بھی ہے۔ جیسے کہ ۴/۶۵ میں آنحضرتؐ کے فیصلوں کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں کو چاہیے کہ آپؐ جو فیصلے کریں، اُس سے کوئی ذہنی تنگی محسوس نہ کریں۔ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ ۴/۶۵

مسئلہ تیمّم پر کُتبِ روایات کی حاشیہ آرائی

● آگے بڑھنے سے پہلے پر کتبِ روایات کی طبع آزمائی کا نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ وضو سے متعلقہ جملہ احکام ۵/۶ میں دے دئیے گئے ہیں اور اسی آئت مجیدہ میں اُس حالت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ جس جگہ پانی میسّر نہ ہو تو وہاں غلاظت کو پاکیزہ مٹی کیساتھ رفع کر لیا کرو اور اس کے بعد مُونہوں اور بازُوؤں کو کپڑے کیساتھ پونچھ لیا کرو۔ لیکن کتبِ روایات نے یہ تاثر دیا ہے کہ باری تعالیٰ نے وضو کا حکم تو نازل کر دیا مگر یہ نہ بتایا کہ جہاں پانی نہ ملے وہاں کیا کرنا ہو گا۔ چنانچہ بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۰ پر کتاب تیمّم کی پہلی ہی روائت میں لکھا ہے کہ تیمّم سے متعلقہ حکم اُسوقت نازل ہوا جب ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اس لئے آنحضورؐ نے اُس کی تلاش کیلئے قیام فرمایا۔ اس مقام پر پانی نہیں تھا۔ اس لئے صحابہؓ بہت پریشان ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی کہ دیکھا آپ کی بیٹی نے کیا کیا ہے۔ رسولِ خدا اور صحابہؓ کو وہاں ٹھہرا لیا ہے، جہاں پانی نہیں ہے۔ اس سے آگے مترجم بخاری شریف کے اردو ترجمہ کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:۔

"عائشہؓ کہتی ہیں کہ ابوبکرؓ مجھ پر غصّے ہوئے اور جو کچھ اللہ نے چاہا کہ وُہ کہیں انہوں نے کہا۔ اور اپنے

ہاتھ سے میرے کولہے میں کونچہ دینے لگے ۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے زانو پر سر مبارک رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے اس وجہ سے میں حرکت نہ کر سکی ۔ چونکہ آنحضرت ؐ ایسے مقام پر مقیم ہو گئے تھے جہاں پانی نہ تھا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آئت تیمم نازل فرمائی " (مذکورہ بخاری شریف صفحہ ۲۰۱)

● آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ طہارت ، وضو اور تیمم کے تمام مسائل ایک ہی آئت مجیدہ ۶ میں نازل کر دئے گئے تھے ۔ اور عقل سلیم بھی اسی چیز کو تسلیم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ، جو علیم و خبیر ہے اُسکے متعلق اس امر کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا کہ وُہ وضو کا حکم تو نازل کر دے مگر جہاں پانی موجود نہ ہو اُس کے متعلق کچھ نہ بتائے ، بلکہ اُسے شانِ نزول کے اسباب کی انتظار میں یونہی چھوڑ دے ۔ افسوس ہے کہ مذکورہ شانِ نزول باری تعالیٰ کو عام قانون سازوں جتنی عقل کا مالک بھی قرار نہیں دیتا جو قانون بناتے وقت اُس کی متعلقہ ہر ممکن صُورت کی وضاحت کر دیتے ہیں ۔ اللہ علیم و علام نے وضو کے حکم کے ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ جہاں پانی نہ پاؤ وہاں تیمم اور مسح کر لیا کرو ۔

صلوٰۃ موقّت نماز کے آداب میں سے وضو اور تیمم کی وضاحت کے بعد ، جس سے صلوٰۃ کی ادائیگی کو ایسے مقام پر بھی آسان کر دیا گیا ہے جہاں پانی نہ ملتا ہو ، سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں پھر نوع انسانی کی اصل صلوٰۃ نظامِ ربوبیّت کے قیام کی تاکید کی گئی ہے ۔ کیوں کہ صرف صلوٰۃ موقّت کی ادائیگی کے بعد یہ سمجھ لینا غلط ہے کہ ہمارا کام ختم ہو چکا ہے ۔ بلکہ اصل مقصد اُس پکّے وعدے کو عملی جامہ پہنانا ہے جو ضابطۂ خداوندی قرآنِ کریم کے اوّلین سبق الحمد للہ ربّ العالمین کے الفاظ میں کیا جاتا ہے ۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ
اور یاد رکھو نعمت اللہ کی اوپر تمہارے اور وعدہ
الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا
جو پکّا کیا تم کو ساتھ اسکے جب کہا تم نے سُنا ہم نے اور اطاعت
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ
کی ہم نے ۔ اور ڈرو اللہ سے ۔ بیشک ہے اللہ جاننے والا ساتھ والی
الصُّدُورِ ۝ ۷
ذہنوں کی کو ۔

اور (ایمان والو!) اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت ؏ (آئینِ قرآنیہ) کو ہمیشہ یاد رکھو جو اُس نے تم پر فرمائی ہے ۔ اور اُس عہد کو بھی ہمیشہ یاد رکھو جس کے ساتھ اللہ نے تمہیں پکّا کیا ہے (یعنی قرآن مجید کا اوّلین عہدِ ربوبیّت) ؏ جب تم نے کہا کہ سُنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے ؏ پس اس عہدِ واثق کی مخالفت سے بچتے رہنا ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ایک ایک فرد کی) ذہنی پوشیدگیوں کو بھی خوب خوب جاننے والا ہے ۔

اللہ کی نعمت اُس کا قانون ہے

● اللہ تعالیٰ نے اپنی جس نعمت کو یاد رکھنے کا حکم دیا ہے وہ اُس

کے متعلق پیچھے سیاق کلام ۵/۴ میں حلال جانوروں میں حرام کی فہرست بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :-
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ میں نے ہر زمانے میں تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور تم پر اپنی قانونی نعمت پوری کر دی اور اس کے بعد آیت نمبر ۵/۶ میں بھی وضو اور تیمم اور مسح کے مسائل بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :- مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی قسم کی تنگی کا ارادہ نہیں کرتا ولیکن وہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں پاکیزہ کرے اور تم پر اپنی قانونی نعمت پوری کر دے۔ پس آیت زیر بحث ۵/۷ میں قانونی نعمت کو یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ ہمارا ہر عمل خدا تعالیٰ کے نازل کردہ قانون، ضابطہ حیات قرآن مجید کے مطابق ہو۔

● ع۲ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ سے مراد وہ اوّلین عہد ربوبیت عالمین ہے جو خدا تعالیٰ اپنی کتاب کے اوّل سبق الحمد للہ رب العلمین کے اِس عہد واثق کیساتھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالمین کا رب ہے۔ ہم معاشرہ میں نظام ربوبیت عامہ قائم کریں گے۔ اس عہد کے اوّلین پابند صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں رات کو گشت کرکے پتہ لگاتے تھے کہ کوئی فرد معاشرہ ضروریات ربوبیت سے محروم تو نہیں۔ اگر کوئی فرد محروم پایا جاتا تو سامانِ ربوبیت اپنی پیٹھ پر لاد کر پہنچایا کرتے تھے۔

● ع۳ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کے الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو ارشاد ہوا ہے کہ اُس وقت کو بھی یاد رکھو جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے قرآنِ کریم کا پیغام سُنا اور اطاعت کی ہے۔ پس وَاتَّقُوا اللّٰهَ کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے کئے ہوئے اس عہد کو یاد رکھنا۔ بھول نہ جانا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم ہوتا ہے کہ جب تمہیں حکومت میسّر آئے تو جس قوم نے تم پر ظلم زیادتی کرکے تمہیں مسجدِ حرام سے روک دیا، وطنِ مالوف مکہ معظمہ سے نکالدیا تھا۔ اُسکے ساتھ بھی ناانصافی نہ کرنا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ ہو جاؤ کھڑے
لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
واسطے اللہ کے گواہی دینے والے ساتھ انصاف کے اور نہ مجرم کرے تم کو
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ
دشمنی کسی قوم کی اوپر اس کے کہ نہ کرو تم عدل۔ عدل کرنا وہ ہے بہت قریب

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ (کی رضا اور خوشنودی) کیلئے انصاف کیساتھ (سچی) گواہی دینے والے ہو جاؤ۔ اور تمہیں کسی قوم کی دُشمنی (جس نے تم پر ظلم زیادتی کی ہے، تمہیں گھروں سے نکالدیا ہے) اِس کھلے جُرم کا مجرم نہ کر دے کہ تم اُسکے ساتھ انصاف نہ کرو (یاد رکھو! اُن کے ساتھ بھی) انصاف ہی کرنا وہ (یعنی انصاف کرنا ہی) بہت قریب ہے۔ تقویٰ شعاری کے (یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے

لِلتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۸

واسطے بچنے کے۔ اور ڈرو اللہ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ باخبر ہے ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو۔

بچنے کی یہی صورت ہے کہ دشمنوں سے بھی انصاف کرو) بیشک تم اس (حکم کی اطاعت یا نافرمانی میں) جو بھی کام کرو گے اللہ اُس سے خوب خوب باخبر ہے

● آیت بالا میں حکم عام مخصوص البعض کے طور پر صحابہؓ کے خطاب کے بعد اگلی آیات مجیدہ میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ۹

وعدہ کیا اللہ نے اُن سے جو ایمان لائیں اور عمل کریں اچھے واسطے اُنکے بچاؤ ہے اور بدلہ ہے بڑا

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کیسا تھ وعدہ کر رکھا ہے جو ایمان لائیں اور معاشرہ کی اصلاح کے اعمال انجام دیں۔ اُن کے لئے (ہر قسم کے مصائب و خطرات سے) بچاؤ ہے اور اُن کے عملوں کا بہت بڑا بدلہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ۱۰

اور جو لوگ انکار کریں اور جھٹلائیں آیتوں ہماری کو وہی لوگ ہیں والے جلن کے

اور جو لوگ انکار کریں اور ہماری (تنزیلی اور تکوینی) آیتوں کو جھٹلائیں۔ وُہ لوگ وہی ہیں جن کے اعمال (اس دنیا میں اکارت گئے اور قیامت میں) ناکامی کی آگ میں جلیں گے۔

● عــلـہ جحیم کا سہ حرفی مادہ ج۔ ح۔ م = جحم ہے۔ اس کا بنیادی معنیٰ ہے رُک جانا۔ تنگ ذہن ہو جانا۔ اس تنگ ذہنی کی بدولت چونکہ حاسد آتشِ حسد میں جل بھُن جاتا ہے۔ اس لئے جحیم کا معنیٰ مجازی آگ بھی لیا جاتا ہے۔ نیز اصلی آگ کے لئے بھی مستعمل ہے۔ قیامت کی سزا کے لئے جو اَلنَّار، اَلْجَحِیْم اور اَلْجَہَنَّم کے الفاظ آتے ہیں اُن کی وضاحت اپنے مقام پر بالتفصیل آگے آ رہی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے ایک خاص واقعہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو نعمت کو اللہ کی اوپر تمہارے جب ارادہ کیا ایک قوم نے کہ بڑھائے طرف تمہاری ہاتھ اپنے۔ پس روکدیئے ہاتھ اُن کے طرف سے تمہاری

اے وُہ لوگو جو (ضابطۂ خداوندی قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو جو اُس نے تم پر فرمائی کہ جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائے۔ (یعنی تمہارے ساتھ جنگ کرے) پھر (اللہ تعالیٰ نے) تمہاری طرف بڑھنے سے انکے ہاتھ روکدیئے (تمہاری فوجی تیاری کو دیکھ کر اُنکے حوصلے پست ہوگئے) پس اللہ کے

اللّٰهُ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ١١ ع ۴

اللہ سے ۔ اور اوپر اللہ کے پس چاہیئے بھروسہ کریں مومن

قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو اور چاہیئے کہ مومن اسی طرح اللہ کے قانون پر بھروسہ کریں (یعنی ہمیشہ کیل کانٹے سے تیار رہا کریں ۔) عللہ

● عللہ اللہ تعالیٰ پر توکّل کا یہ مفہوم نہیں کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہیں اور زبانی زبانی اللہ توکّل ، اللہ توکّل کا ورد کرتے رہیں ۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے قانون پر بھروسہ کرکے اُس پر پُورا پُورا عمل کیا جائے ۔ دشمن کے خطر سے محفوظ رہنے کا خداوندی قانون یہ ہے کہ فوجی تیاری ہمیشہ کے لئے مکمل رکھی جائے جیسے کہ سورہ انفال میں ارشاد ہوا ہے :۔

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴿۸﴾ اور ایمان والو! دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو اور ذرائع رسل ورسائل کی فراوانی بھی تیار کرتے رہو ۔ تم (اس فوجی قوت) کیساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو ۔

● یہ ہے اللہ پر توکّل کہ فوجی قوت ہر آن کیل کانٹے کیساتھ اس قدر تیار ہو کہ دشمن گھر بیٹھے کانپتا رہے ۔ جب آنحضور صلعم نے اِسی مکمل فوجی تیاری کیساتھ مکّہ معظمہ پر حملہ کیا تو دشمن کو مقابلے کی ہمّت نہ ہوئی اور بیت الحرام کی چابیاں بلا جنگ وجدال آنحضور صلعم کے حوالے کردیں ۔ اِسی طرح کے ایک اور واقعہ کی خبر آئت بالا ۱۱ میں دیگئی ہے کہ ایک قوم نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اُن کی فوجی تیاری کو دیکھ کر رُک گئی ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ کا ربط آئت نمبر ۷ کیساتھ ہے ۔ جس میں عہدِ ربوبیّتِ عامہ کے پکّے میثاق کو یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ چنانچہ ماضی کے ایک واقعۂ بنی اسرائیل سے لئے گئے میثاق کو بطور مثال بیان کیا گیا ہے ۔ جیسے کہ ارشاد ہُوا ہے :۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ

اور بیشک لیا اللہ نے پکّا عہد بنی اسرائیل سے

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ

اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ نگران ۔ اور کہا

اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ

اللہ نے بیشک میں ساتھ ہوں تمہارے البتہ اگر قائم کروتم اجتماعی نظام

اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ

اور دو فریبی کو بلول کر اور ایمان لاؤ ساتھ رسولوں میرے اور مدد کرو تم انکی

اور البتہ تحقیق اللہ نے بنی اسرائیل سے پکّا عہد لیا اور اُن میں ہمنے (قیامِ ربوبیّت کے لئے اُن کے بارہ قبیلوں کے) بارہ نگران مقرر کئے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے (اپنے نبی کی معرفت) اُن سے کہدیا کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں ۔ اگر تم (صلوٰۃِ موقّت کے ذریعہ) اجتماعی نظام قائم کرو ، اور اپنے کمزوروں کو فربہی دو عللہ اور میرے رسولوں پر ایمان بھی لاؤ اور ان کی مدد بھی کرو (اپنے کمزوروں کی کمزوری دور کرنے کیلئے)

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ
اور قرض دو اللہ کو قرض اچھا ۔ ضرور دور کروں گا تم سے
سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
بدحالیاں تمہاری اور ضرور داخل کروں گا تمکو باغوں جاری نیچے ان کے
۱۲ الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ
نہریں پھر جس نے انکار کیا پیچھے ایسکے میں سے تمہارے پس تحقیق گمراہ ہوا سیدھی راہ سے

اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض بھی دو، تو مَیں ضرور ضرور تمہاری بدحالیاں دُور کر دونگا اور ضرور ضرور تمہیں ایسے باغات[1] میں داخل کردونگا کہ اُن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔[3] پھر (ان باغوں میں داخل ہونے) کے بعد[4] تم میں سے جس نے (اجتماعیّت کا) انکار کیا تو بلاشبہ وُہ سیدھی راہ[5] سے بھٹک گیا۔ (وُہ جہنّم کی سزا کا مستحق ہے)[6]

• عل الزّکوٰۃ کے سہ حرفی مادہ ز۔ک۔و کا بنیادی معنیٰ ہے بڑھنا پھولنا، نشوونما پانا۔ کمزور کا طاقتور اور دُبلے کا فربہ ہونا۔ جیسے کہ زَکَا الزَّرْعُ کا معنیٰ ہے۔ کھیتی بڑھی۔ زَکَا الرَّجُلُ، آدمی مالدار ہوا۔ فربہ ہوا۔ الزَّکوٰۃ کا مصدری معنیٰ ہے کمزور کو نشوونما دینا۔ دُبلے کو فربہ کرنا۔ اس مادہ کا معنیٰ پاک کرنا بھی ہے۔ آنحضور کو حکم ہوا ہے۔

• خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا $\frac{9}{103}$ اے رسول! آپ مالداروں کے مالوں سے صدقات وصول کریں اور اُس مال کیساتھ کمزوروں کو مالی کمزوری سے پاک کریں اور اُس کے ساتھ ان کی نشوونما کریں، اُنکے دُبلوں کو فربہی عطا فرمائیں۔ اس آیتِ مجیدہ میں طہارت بالمال اور تزکّی بالمال کے حکم سے بصُورت نصف النّہار عیاں ہے کہ طہارت کا معنیٰ مالی کمزوری سے پاک کرنا اور زکوٰۃ کا معنیٰ کمزوروں کو نشوونما اور دُبلوں کو فربہی دینا ہے۔ اس مادہ کا معنیٰ نیک اعمال کیساتھ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرنا بھی ہے۔

• عل۲ اقرضوا اللہ قرضا حسنا کے الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ یہ قرضِ حسنہ غریبوں، کمزوروں اور دُبلوں کی غریبی اور کمزوری دُور کرنے کے لئے مانگا جا رہا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے قرض کی کیا حاجت ہے؟

• عل۳ جنّتٍ تجری من تحتہا الانہر ہموار و متوازن نظامِ ربوبیّت کیلئے ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ جنّت کی اُخروی زندگی میں تو ظاہر ہے کہ ضروریاتِ زندگی کی بے پایاں فراوانی ہوگی جسکیلئے دُودھ اور شہد کی بہتی نہروں کی اصطلاح $\frac{47}{15}$ میں آئی ہے۔ مگر یاد رہے کہ دُنیا میں بھی ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے بھی جنّتٍ تجری من تحتہا الانہر کی اصطلاح مستعمل ہے۔ جیسے کہ آیتِ بالا $\frac{5}{12}$ میں بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے کہ اگر تم نے اجتماعی نظام قائم کیا تو ہم تمہیں ضرور ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کی سطح میں نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ دُنیوی جنّت کا ذکر ہے۔ کیونکہ ا۔

• عل۴ فمن کفر بعد ذٰلک کے الفاظ سے بھی عیاں ہے کہ کُفر کرنا یا نہ کرنا صرف دُنیا میں ممکن ہے جو دارالعمل ہے۔ اُخروی زندگی جو دارالجزا ہے اُس میں انکار کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

• فقد ضلّ سواء السّبیل سے بھی دُنیوی زندگی ثابت ہے۔ کیونکہ گُمراہ ہونا یا نہ ہونا بھی دُنیوی زندگی ہی سے

متعلق ہے۔ یعنی اس زندگی میں جنّت ہموار و متوازن معاشرہ کا قیام ہے جس کی اساس اجتماعیت پر قائم ہوتی ہے اور اس سیدھی راہ سے بھٹک جانا، گمراہ ہوجانا ہے انفرادیت، جس میں سب کچھ طاقتور سمیٹتے چلے جاتے ہیں اور کمزور بیچاروں کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔

● بنی اسرائیل کو مذکورہ جنّت حضرت موسیٰؑ کے قائم کردہ نظام ربوبیت کے ذریعہ میسر آئی، جس کی شکل مخصوص آزاد اسلامی حکومت تھی جس کا ذکر آیاتِ ذیل میں آیا ہے۔ یٰبَنِیۡٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۲/۴۷+۱۲۲ اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور بیشک میں نے تمہیں اہل جہاں پر فضیلت بخشی (یعنی تمہیں حکومت عطا فرمائی) سورہ شعراء میں خبر دی گئی ہے:

● فَاَخۡرَجۡنٰہُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ۙ وَّکُنُوۡزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیۡمٍ ۙ کَذٰلِکَ ؕ وَاَوۡرَثۡنٰہَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۲۶/۵۷ تا ۵۹ پس ہم نے قومِ فرعون کو لدے پھندے باغوں اور بہتے چشموں، اور بھرے خزانوں اور نفیس محلّات سے نکال باہر کیا۔ ایسا ہی ہوا اور ان سب چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا ــــ لیکن سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے قیامِ نظامِ ربوبیت کے پکّے عہد کو توڑ دیا، اجتماعیت کی بجائے انفرادیت کی گمراہی میں گم ہوگئے تو اُن پر غلامی کی لعنت مسلّط کر دی گئی۔

فَبِمَا نَقۡضِہِمۡ مِّیۡثَاقَہُمۡ لَعَنّٰہُمۡ وَجَعَلۡنَا
پھر بوجہ توڑنے ان کے عہد اپنا لعنت کی ہمنے اُنکو اور پایا ہمنے
قُلُوۡبَہُمۡ قٰسِیَۃً ۚ یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ
ذہنوں انکے کو سخت ۔ وہ بدلتے ہیں کلام کو سے موقعہ اسکے کے
وَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِہٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ
اور بھلا دیا حصّہ جو نصیحت کیئے گئے ساتھ اسکے اور ہمیشہ تو خبر پاتا رہیگا
عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنۡہُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡہُمۡ فَاعۡفُ
اوپر خیانت اُن کی اُن ہی سے مگر تھوڑے ان میں سے در گذر کر تو
عَنۡہُمۡ وَاصۡفَحۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝
اُن سے اور الگ ہوجا۔ بیشک اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنیوالوں کو

پھر (عطاءِ جنّت کے بعد) اس سبب سے کہ بنی اسرائیل نے (ربوبیت عالمین کے پکّے وعدے کو توڑ دیا تو ہم نے انہیں ملعون کر دیا۔ (اُن سے حکومت چھین گئی اور غلامی کی سزا اُن پر مسلّط کر دی گئی) ہم نے ان کے ذہنوں کو سخت پایا[عملہ]۔ وہ ہمارے کلام کو اُسکے اصل مقام سے بدل دیتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے اُس حصّے کو بھلا دیا جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی[عملہ] اور اے رسولؐ! آپ اُن کی خیانتوں سے تھوڑے افراد کے سوا ضرور خبر پاتے رہیں گے۔ سو اِن سے درگزر فرمائیں اور اِن سے الگ ہوجائیں (یہی حسن کا راز انداز ہے) بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔ ۱۳

● عملہ جعلنا قلوبہم قٰسیۃ۔ ہمنے جعلنا کا معنیٰ لکھا ہے پایا۔ اگر اس کا معنیٰ کر دیا صحیح مانا جائے

توسوال پیدا ہوتا ہے جس کے ذہن کو خود اللہ تعالیٰ نے سخت کر دیا ہو۔ تو پھر اگر وُہ ہدایت نہ پائے تو اُس کا کیا قصور؟ پس چونکہ اس طرح جزا سزا کا سارا قانون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس لئے مرقومہ ترجمہ صحیح ہے جس کی علمی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید ہماری صرف ونحو کی غلطیاں بھی نکالتا ہے۔ مروّجہ گرامر میں ثلاثی مجرّد کا خاصہ وجدان نہیں مانا گیا۔ لیکن آیت بالا ۵/۱۳ میں جَعَلَ۔ یَجْعَلُ بروزن فَعَلَ۔ یَفْعَلُ کے باب کا خاصہ وجدان بالصراحت ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ لَعَنّٰهُمْ کی وجہ بیان ہوئی ہے بنی اسرائیل کا اپنا نقضِ میثاق اور اللہ کے کلام میں تحریف کی وجہ بتائی گئی ہے۔ بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی۔ جس کی بدولت وُہ کلامِ الٰہی میں تحریف کرتے تھے۔ چونکہ آیت زیرِ نظر میں بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی مقدّم اور تحریفِ کلام موخر ہے۔ پس جعلنا قلوبھم قسیۃ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ ہمنے ان کے ذہنوں کو سخت کر دیا۔ بلکہ صحیح معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے اُن کے ذہنوں کو سخت پایا اور اِس قساوتِ قلبی کا یہ نتیجہ تھا کہ وُہ کلامِ خداوندی میں تحریف کیا کرتے تھے۔

ہر کسی کا حصّہ اسکی ضروریاتِ زندگی ہیں

● ع۲ نسوحظا مما ذکروا بہ کے الفاظ نقضِ میثاق کے بدل کے طور پر آئے ہیں۔ کہ ربوبیّت عالمینی کی رُو سے عہد تو یہ لیا گیا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کا حصّہ اُس کی ضروریاتِ زندگی ہیں تا کہ کسی زیردست وکمزور انسان کے حقوقِ ضروریات غصب نہ ہونے پائیں۔ لیکن وُہ اپنے کئے ہوئے عہدِ ربوبیّت کو توڑ کر اُس نصیحت کو بھول گئے کہ اُن کا حصّہ، حصّہ مذکورہ سے زائد نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کے بالا دست افراد نے انفرادی مفاد کے پیچھے پڑ کر زیردست عوام کو فقر وفاقہ کے جہنّم میں دھکیل دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذلّت وغلامی کی لعنت اُن پر مسلّط ہوئی۔

امن وسکون کا قرآنی نسخہ

● آگے بڑھنے سے پہلے اس حقیقت کا عیاں کرنا ضروری ہے کہ مشاہدہ کی رُو سے کرۂ ارض پر صرف اسلامی ممالک ہی وُہ ہیں جن میں آئے دِن حکومتوں کے تختے الٹتے رہتے، اور داخلی انتشار کے لاوے پھوٹتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جتنی غیر مسلم حکومتیں ہیں، اُن میں امن وسکون ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلم ممالک کے سوا باقی کرۂ ارض دو نظاموں میں بٹا ہوا ہے، ایک تو ہیں اشتراکی ممالک جن میں عوام کی ضروریاتِ زندگی، خوراک، لباس، علاج، تعلیم اور رہائش کی پوری پوری ذمہ داری اُٹھائی گئی ہے۔ اور دُوسرے ہیں سرمایہ داری نظام کے حامل، اُن میں بھی تعلیم وعلاج تو سرکاری ہے اور باقی ضروریاتِ زندگی کیلئے عوام کو اِتنی مزدوری یومیہ دی جاتی ہے۔ کہ وُہ بافراغت زندگی بسر کر رہے ہیں۔

● لیکن اسلامی ممالک میں عوام کی ضروریاتِ زندگی کی ضمانت حکومتوں نے چونکہ اپنے ذمہ نہیں لی، اس لئے اِن ملکوں میں استحصالی نظام جاری ہے۔ جس کی بدولت عوام کو اِتنی مزدوری یومیہ نہیں دی جاتی کہ اُنہیں بافراغت ضروریاتِ زندگی میسّر آتی رہیں چونکہ ہر طرف انفرادیت کی حکمرانی ہے اس لئے اوپر کے طبقے میں حصولِ اقتدار

کے جوڑ توڑ جاری رہتے ہیں اور باقی طبقوں میں حصولِ زر کی دوڑ دوڑی جا رہی ہوتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں داخلی سکون کی بجائے انتشار کا دور دورہ رہتا ہے ۔ اور اوپر والوں کے مسلسل جوڑ توڑ کی بدولت آئے دِن اسلامی حکومتوں کے تختے الٹتے رہتے ہیں ۔

● المختصر! امن و سکون کا قرآنی نسخہ وہی ہے جس کا یہ تکراری اعلان کتابِ لاریب میں موجود ہے :۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اے نوعِ آدم تیرا پیدائشی حق ہے کہ زمین میں تجھے رہنے کیلئے مکان بھی بلا کرایہ میسر اور آخری دم تک کے لئے تجھے ضروریاتِ زندگی بھی مسلسل ملتی رہیں ۔ بغض و عداوت کے سوتے پھوٹتے ہیں ، ہموار و متوازن ضروریاتِ زندگی کے میسر نہ آنے سے ، کہ بعض کے ہاں ضروریاتِ زندگی ٹھوکریں کھا رہی ہوں اور بعض ان سے محروم محض ہو کر رہ جائیں ۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آئت مجیدہ ۵/۱۳ میں یہودیوں کی عہد شکنی کا ذکر تھا ۔ اگلی آئت مجیدہ میں نصاریٰ کے متعلق بتایا گیا ہے :۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا
اور ہم سے جن لوگوں نے کہا بیشک ہم نصرانی ہیں ۔ لیا ہم نے
مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ؂ ۱
پکا عہد ان کا ۔ پھر وہ بھول گئے حصہ جو نصیحت کیے گئے ساتھ اس کے
فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى
پس ڈالدی ہمنے درمیان انکے دشمنی اور بُغض تک
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؂ ۲ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا
دِن قیامت ، اور عنقریب خبر دیگا ان کو اللہ ساتھ اسکے جو
كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۱۴
تھے بناوٹیں بنایا کرتے ۔

اور (یہود کے بعد دوسرے اہلِ کتاب کا بھی حال سن لو) کہ اُن میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں ، ہمنے اُن سے (بھی یہود کی طرح ربوبیتِ عامہ کا) پکا عہد لیا ۔ پھر وہ بھی اپنے اُس حصے کو بھول گئے جس کی اُنہیں نصیحت کی گئی تھی ؂ ۱ پھر ہمنے اُن کے درمیان قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض کے آثار پائے ؂ ۲ (یہ تو ہوا دُنیوی عذاب) اور (اُخروی عذاب کے لئے قیامت کو) عنقریب اللہ تعالیٰ اُنہیں (اُن کی اُن مکاریوں کی) خبر دیگا جو وُہ بناوٹیں بنایا کرتے تھے ۔

● ؂ ۱ نسوحظا مما ذکروا بہ کے وہی الفاظ نصاریٰ کے لئے استعمال ہوئے ہیں جو یہود کیلئے آئے تھے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دو اقوام کی خداوندی کتابوں میں اُن سے اُن کے حصہ ، یعنی حقوقِ ربوبیت کا عہد لیا گیا تھا ۔ جسے دونوں قوموں نے بھلا دیا ۔ اور غیر متوازن نظام قائم کر لئے ۔

● ؂ ۲ فاغرینا بَیْنَهُمُ العداوۃ والبغضاء اِلٰی یَومِ القِیٰمَۃ ۔ میں اُنکی جس باہمی عداوت کا ذکر کیا گیا ہے وُہ بھی غیر متوازن نظاموں ہی کا نتیجہ ہے ۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا جو باہمی گٹھ جوڑ مشاہدۃً موجود ہے ، اِس آئت کی رُو سے اُس کا کیا جواب ہے ؟ جواباً عرض ہے کہ آئت بالا میں تو اُن کی ذہنی پوشیدگیوں کی خبر دی

گئی ہے کہ ان میں سے جس قوم کو موقعہ میسر آتا ہے دوسری کو کمزور اور زیردست بنا دیتی ہے۔ مگر قرآنِ کریم نے یہ بھی خبر دیدی ہے کہ وُہ اہلِ اسلام کے مقابلے پر باہمی عداوت کو چھپا کر ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں جیسے کہ اسی سورہ مائدہ کی آئت نمبر ۵۱ میں ارشاد ہوا ہے۔

● یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۵/۵۱ ایمان والو! یہود اور نصارٰی کو دوست نہ بنانا۔ وُہ آپس میں ایکدوسرے کے دوست ہیں ـــــ بالفاظ دیگر یہود و نصارٰی میں اہلِ اسلام کے مشترکہ دُشمن ہونے کے باوجود قیامت تک کیلئے نہ مٹنے والی دُشمنی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ عیسائیوں نے یہودیوں کو کرۂ ارض پر بکھیر کر ذلیل و خوار کر دیا تھا۔ مگر اب عرب مسلمانوں کے مقابلے پر اُنہی کو اسرائیلی ریاست کی صورت میں بطور ہتھیار استعمال کیا جا رہا ہے۔

یہود و نصارٰی سے اتمامِ حجت

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں یہود و نصارٰی دونوں کو مخاطب کر کے قبولِ ہدایت کیلئے اتمامِ حُجت کر دیگئی ہے کہ اب ہمارا رسول آچکا ہے۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا
اے والو کتاب کے بیشک آیا طرف تمہاری رسول ہمارا
یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ
بیان کرتا ہے واسطے تمہارے بہت اس سے جو ہو تم چھپاتے میں
الْكِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ۬ قَدْ جَآءَكُمْ
کتاب کے اور درگذر کرتا ہے سب بہت سے۔ بیشک آیا پاس تمہارے
مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝
15
طرف سے اللہ کے نور یعنی کتاب خود بیان کرنیوالی۔
یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ
راہنمائی کرتا ہے ساتھ اسکے اللہ اُسے جو اتباع کرتا ہے رضا اسکی
السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ
راہیں سلامتی کی۔ اور نکالتا ہے انہیں بیچ اندھیروں کے طرف روشنی کے ساتھ
بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝
16
ساتھ قانون اپنے اور راہنمائی کرتا ہے طرف راہ سیدھی کے۔

اے اہلِ کتاب (خصوصاً یہودیو اور نصرانیو!) بلاشبہ تمہارے پاس ہمارا بھیجا ہوا رسول صلی اللہ علیہ وسلم آچکا ہے۔ تم نے جو کچھ کتاب میں سے چھپایا ہوا ہے، اُس میں سے بہت سا حِصّہ کھول کر بیان کرتا ہے اور بہت سے
۱ حِصّے سے (جِسے تم نے چھپایا نہیں) درگزر کرتا ہے علہ بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی یعنی خود بیان کرنے والی کتاب آگئی ہے علہ

اُس کیساتھ اللہ رہنمائی کرتا ہے سلامتی کی راہوں کی اُنہیں جو اُس کی رضا (یعنی قرآنِ کریم) کی پیروی کرتے ہیں علہ (اور قرآنِ کریم کی روشنی کیساتھ) نکالتا ہے اُنہیں، اندھیروں سے (اور لاتا ہے) طرف روشنی کے اپنے قانون کیساتھ اور ان کی رہنمائی کرتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔

● علہ یہود و نصرٰی نے کتبِ الٰہیہ کے جن مسائل کو بگاڑ لیا ہے۔ قرآن کریم نے اُنکی خبر دیدی ہے اور جنہیں

نہیں بگاڑا اُن سے در گزر کرتا ہے ۔ کیونکہ قرآن کریم سابقہ کتب الٰہیہ کا مصدق بھی ہے اور مہیمن بھی ہے ۵/۴۸

نورٌ و کتٰبٌ مّبینٌ میں واؤ تفسیری ہے

● عکہ ۲ ان الفاظ میں آمدہ واؤ کو بعض لوگ واؤ مغائرت قرار دے کر نور سے مراد لیتے ہیں رسولِ عربی سلام علیہ ۔ اور کتٰبٌ مّبینٌ سے مراد لیتے ہیں قرآن کریم ۔ حالانکہ قرآن بھر میں آنحضور کو کہیں بھی نور نہیں کہا گیا ۔ اور اس کے برعکس قرآن مجید کو متعدد بار نور کہا گیا ہے ۔ جیسے کہ ۴/۱۷۴ میں واؤ تفسیری کے انداز میں فیصلہ کن الفاظ موجود ہیں ۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۰ اے نوعِ انسانی ! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل آگئے ہیں (قرآن کریم) یعنی ہم نے تمہاری طرف نورِ مبین (قرآن کریم) نازل کر دیا ہے ۔ دیکھئے ! یہاں برہان اور نورِ مبین ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جو بذریعہ تنزیل آئی تھی بذریعہ بعثت نہیں ۔ نیز آیت ذیل میں نور کو بشری رسول سے الگ چیز بتایا گیا ہے ۔

● فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ۔ ۶۴/۸ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے بشری رسول کیساتھ اور ایمان لاؤ اُس نور کیساتھ جو ہم نے نازل فرمایا ہے ۔ اس آیت مجیدہ میں نور کی یہ صفت خاص کر دی گئی ہے کہ وہ بذریعہ تنزیل آیا تھا ۔ حالانکہ بشری رسول بذریعہ تنزیل نہیں بلکہ بذریعہ بعثت آیا کرتے تھے ۔ اس لئے کسی بھی بشری رسول کو نور قرار دینا خلافِ قرآن ہے ۔

آنحضور کی بشریت

● سورہ کہف ، سورہ حم سجدہ اور سورہ بنی اسرائیل میں آنحضور سے اعلان کروا دیا گیا ہے ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶ اے رسول کہدیجئیگا کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں ۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۱۷/۹۳ اے رسول کہدیجئیگا کہ میرا رب پاک ہے ۔ میں تو نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول ہوں ۔

● عکہ ۳ سُبُلَ السَّلٰمِ یعنی سلامتی کی راہیں نور ہی کی بدولت میسر آتی ہیں ۔ کیوں کہ اندھیروں میں انسان کبھی تو راستے کے اینٹ پتھروں کیساتھ ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اور کبھی کھائی ، خندق یا گڑھے میں جا گرتا ہے ۔ اور اوپر آپ دیکھ چکے ہیں نور صرف قرآن کریم ہے ۔

● عکہ ۴ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ کے الفاظ میں رضوانِ الٰہی کی اتباع کی خبر دی گئی ہے ۔ واضح رہے کہ رضوانِ الٰہی صرف تنزیلِ خداوندی ہے ۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے ۔ ۷/۳ پیروی کرو صرف اُسکی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ۔ اور اُسکے سوا کے خیر خواہوں کی پیروی نہ کرنا ۔ خود آنحضور کو بھی بتکرار ارشاد ہوا ہے وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ۳۳/۲ + ۱۰/۱۰۹ اے رسول پیروی کیجئے اُس کی (یعنی قرآن کریم کی) جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے ۔

● نیز بتکرارِ کثیر آنحضور صلعم سے بھی اعلان کرا دیا گیا ہے :- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۷/۲۰۳ + ۴۶/۹

آنحضور صلعم کی اتباع

● اس ضمن میں آخری سوال یہ ہے کہ ۳/۳۱ میں ارشاد ہوا ہے :- قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ کہدیجیئے اے رسول صلعم ! اگر تم اللہ سے محبّت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبّت کرے گا اس کا کیا جواب ہے - یہاں دیکھنا یہ ہے کہ جب اُوپر کی آیاتِ کثیرہ ۴۳/۴۳ + ۱۰/۱۰۹ + ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۷/۲۰۳ + ۴۶/۹ سے بار بار ارشادِ الٰہی اور با علان رسول صلعم مقبول عیاں ہے کہ آنحضور قرآن کریم کی اتباع (پیروی) کرتے تھے تو بصُورتِ نصف النّہار ثابت ہوچکا کہ قرآنِ کریم کی پیروی ہی رسول صلعم مقبول کی پیروی ہے - اس کے ضمن میں جن کتابوں کو احادیث کے نام سے اتباعِ رسول صلعم کا نام دیدیا گیا ہے وُہ کُتب احادیث نہیں بلکہ کُتب روایات ہیں - کیونکہ وُہ آنحضور صلعم کے دو سو سال بعد سُنے سنائے غیر یقینی طریقے سے جمع کی گئی تھیں - وہ آنحضور صلعم کی طرف منسوب ہیں جیسے کہ علماء کرام روائت بیان کرنے کے بعد خود کہتے ہیں اَوْ كَمَا قَالَ ، یا جس طرح نبی اکرم صلعم نے فرمایا تھا - اَوْ شک کیلئے آتا ہے یقین کیلئے نہیں آتا -

● سلسلۂ درس کے سیاق کلام میں چونکہ ذکر ہو رہا تھا نصاریٰ کا - اس لئے اگلی آئت مجیدہ میں اُنہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

البتہ تحقیق کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ ہے وہ

الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ

مسیح بیٹا مریم کا ۔ کہہ پھر کون اختیار رکھتا ہے

مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ

مقابلے اللہ کے کچھ اگر وہ ارادہ کرتا کہ ہلاک کرے مسیح

ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ؕ

بیٹے مریم اور ماں اسکی کو اور جو بیچ زمین ہے سارا

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ

اور واسطے اللہ کے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی اور جو ہے

یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۱۷

بیچ دونوں کے پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے قانون ساز

بیشک (وحدت باری کا) انکار کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ وُہ مریم رضی کا بیٹا مسیح صلعم اللہ ہے (اے رسول صلعم !) کہدیجیئے کہ (مسیح کس طرح اللہ ہو سکتا ہے جبکہ وُہ موت کے قانون ۳/۱۸۵ ۲۱/۳۴-۳۵ ۲۹/۵۷ کے مطابق فوت ہو چکا ہے بلکہ اگر اللہ تعالٰے یہ ارادہ کرتا کہ مسیح صلعم ابن مریم رضی ، اُسکی ماں رضی ، اور ہر جاندار جو زمین میں موجود ہے سب کے سب کو ہلاک کر دے تو اُسکے مقابلے پر کسے ذرا سا بھی اختیار حاصل ہے (کہ اُسے روک سکتا) حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں میں جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ تعالٰی کی حکمرانی ہے - وُہ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالٰی ہر چیز کے صحیح صحیح قانون بنانے والا ہے -

صحت مفہوم کے دلائل

• آیت بالا کا مندرجہ بالا مفہوم :-
مشاہدہ کائنات اور قواعدِ عرب کے عین مطابق ہے کہ حضرت مسیحؑ اور اُن کی والدہ محترمہؓ فوت ہو چکے ہیں۔ مسیحؑ اللہ نہیں تھے۔ اللہ تو وُہ ہے جس نے اپنے غیر متبدّل قانون کے مطابق دونوں ماں بیٹوں کو فوت کر دیا تھا۔ بلکہ اگر وُہ ان کی ہلاکت کے ساتھ ہی یہ بھی ارادہ کرتا کہ زمین میں جو کچھ ہے سب کو ہلاک کر دے تو کوئی بھی اُس کے ارادے میں مخل نہیں ہو سکتا تھا۔ کیوں؟ اس کیوں کا جواب للہ ملک السمٰوٰت والارضِ وما بینھما کے الفاظ میں دیدیا گیا ہے کہ آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے اندر جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے اور وُہ ہر چیز کے صحیح صحیح اور غیر متبدّل قوانین بنانیوالا ہے۔ موت کا قانون بھی اسی کا متعیّن کردہ ہے۔ مسیحؑ و مریمؓ اگرچہ انتہائی برگزیدہ انسان تھے مگر موت کے قانونِ خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے تھے؟

وفاتِ مسیح و مریمؓ

• افسوس ہے کہ حضرت مسیحؑ کو خدا تعالیٰ کے غیر متبدّل قانون کے خلاف زندہ اور چوتھے آسمان پر مقیم مانا جاتا ہے۔ اور ان کی زندگی پر آیتِ بالا کے الفاظ ذیل کو مروجہ ترجمہ کیساتھ بطور دلیل لایا جاتا ہے۔ قل فمن یملك من اللہ شیئًا ان اراد ان یھلك المسیح ابن مریم وامّہ ۵/۱۷ کہدے پھر اللہ کے سامنے کس کا بس چلتا ہے اگر وُہ چاہے کہ مسیح مریم کے بیٹے اور اُس کی ماں اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کر دے۔ (ترجمہ مولوی احمد علی صاحب مرحوم لاہوری)

• اس ترجمہ کے الفاظ "اگر چاہے" سے دلیل لائی جاتی ہے کہ حضرت مسیح زندہ ہیں۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ زمین کی ہر مخلوق کو جو زندہ ہے مسیح کو بھی ہلاک کر دے جو زندہ ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت مسیح کو زندہ ماننے والے بھول گئے ہیں کہ اس آیت میں مسیح علیہ سلامؑ کیساتھ ساتھ حضرت مریمؓ بھی ایک ہی ضمن میں مذکور ہیں اور مذکورہ بالا ترجمہ کا ملخص یہ ہے "مسیحؑ اسکی والدہ زمین کے تمام لوگوں کو اگر اللہ چاہے تو ہلاک کر دے"

• اگر اس ترجمے کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت کی زندہ زمینی مخلوق کیساتھ ساتھ حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہؓ دونوں زندہ تھے، اور اب بھی صرف مسیحؑ ہی زندہ نہیں بلکہ اُن کی والدہ بھی زندہ ہے۔ لیکن جبکہ حضرت مریمؓ کو زندہ نہیں مانا جاتا تو جس قاعدے کے مطابق حضرت مریمؓ کو فوت شدہ مانا جاتا ہے اُسی قاعدہ کی رُو سے حضرت مسیحؑ بھی فوت شدہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر آیت زیر بحث کی سند کیساتھ حضرت مسیحؑ کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہو تو حضرت مریمؓ کا زندہ ہونا بھی ثابت ہوگا۔

مزید تحقیق

• آیت بالا ۵/۱۷ سے حضرت مسیحؑ کو زندہ ثابت کرنے کی راہ میں ناقابلِ انکار حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریمؓ کا متوفی ہونا جملہ مکاتبِ فکر میں ایک متفقہ مسلّمہ امر ہے۔ اور

اس چیز سے بھی انکار کی گنجائش موجود نہیں کہ آیت صدر میں حضرات مسیحؑ و مریمؑ کو ایک ہی مقام دیا گیا ہے، یعنی اس آیت مجیدہ کی رُو سے اگر زندہ مانا جائیگا تو دونوں کو، اور متوفی مانا جائیگا تو دونوں کو۔ ان میں سے ایک کو مردہ اور ایک کو زندہ مانا ہی نہیں جا سکتا۔ اب چونکہ حضرت مریمؑ متفقہ مسلّہ کے مطابق فوت ہو چکی ہیں جنہیں زندہ کیا ہی نہیں جا سکتا، اس لئے ثابت ہوا کہ حضرت بھی فوت ہو چکے ہیں۔ اور آیت مجیدہ کے الفاظ اِنْ اَرَادَ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ اگر اللہ ارادہ کرے یا چاہے، بلکہ صحیح معنیٰ اس کا یہ ہے کہ "اگر اللہ چاہتا یا اگر ارادہ کرتا" اور آیت مجیدہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:۔

● اگر اللہ تعالیٰ مسیحؑ اور اس کی ماں کی ہلاکت کیساتھ یہ بھی ارادہ کرتا کہ تمام زمینی مخلوق کو ہلاک کر دے تو کسے اختیار تھا کہ اُسے روک سکتا۔ کیونکہ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی ہر چیز پر خدا تعالیٰ کی حکمرانی ہے۔

وفات مسیحؑ و مریمؑ کے مزید دلائل

● اسی سورہ مائدہ میں آگے چل کر ارشاد ہوا ہے:۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۵/۷۵

نہیں ہیں مسیح ابن مریمؑ مگر صرف اللہ کے رسول، اُن سے پہلے والے سب رسولؑ فوت ہو چکے ہیں ۔۔۔ عین یہی الفاظ آنحضورؐ کے متعلق سورہ آل عمران میں آئے ہیں:۔ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسولؐ۔ اُن سے پہلے والے سب رسولؐ فوت ہو چکے ہیں۔ اب ان دونوں آیات مجیدہ ۵/۷۵ اور ۳/۱۴۴ کا تقابل ملاحظہ فرمائیں۔ جس طرح حضرت مسیحؑ سے پہلے والے سب رسولؑ یقیناً یقیناً بلا اختلاف فوت ہو چکے ہیں اُسی طرح جناب رسولؐ مقبول سے پہلے والے سب رسولؑ بھی معہ حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں۔ مسیحؑ سمیت اُن میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔ پس حضرت مسیحؑ کو زندہ قرار دینا خلافِ قرآن ہے۔ آپؑ موت کے غیر متبدّل قانونِ خداوندی کے مطابق فوت ہو چکے ہوئے ہیں۔ ۳/۱۴۴

● دوسرے نمبر پر اسی آیت مجیدہ میں حضرت مسیحؑ و مریمؑ کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد اخیر پر جملہ لایا گیا ہے:۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ "حقیقت یہ ہے اللہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین متعین کرنیوالا ہے۔ اس جملہ میں خود اپنے متعین کردہ موت کے قانون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس کے لئے تکرار تاکیدی کے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں:۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ ۲۱/۳۴-۳۵ ۲۹/۵۷ پس آیت مجیدہ کے اخیر پر تعیینِ قوانین کے اعلان سے بھی ثابت ہوا کہ ہر نفس کیلئے موت کا قانون ہے زندہ اُٹھائے جانے کا کوئی نہیں۔

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم سب اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں

● سابقہ آیات مجیدہ میں نصاریٰ کا یہ دعویٰ، کہ مسیحؑ ہی اللہ ہے، کی تردید کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اُنکے اِس عجیب و غریب دعویٰ کا بطلان کیا گیا ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے

پیارے ہیں۔ چنانچہ بزبان تنزیل ارشاد ہوا ہے :۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا
اور کہا یہود نے اور نصاریٰ نے ہم ہیں بیٹے
اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
اللہ کے اور پیارے اسکے ۔ کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تمکو
بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ
بدلے گناہوں تمہارے ۔ بلکہ تم بندے ہو ان ہی سے جو پیدا کیے
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
بچاؤ دیتا ہے واسطے اسکے جو چاہتا ہے اور عذاب کرتا ہے
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اُسے جو چاہتا ہے ۔ اور ہے واسطے اللہ کے حکومت آسمانوں
وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ ۱۸
اور زمین کی اور جو اُن کے اندر ہے اور طرف اسی کے رُجوع کا جگہ ہے
● يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا
اے والو کتاب کے بیشک آیا تمہارے پاس رسول ہمارا
يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا
بیان کرتا ہے واسطے تمہارے اوپر خاتمہ کے بیچ سے رسولوں
مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ
کے ۔ کہ تم کہو نہیں آیا ہمارے پاس بیچ سے خوشخبری دینے
بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اور ڈرانیوالا ۔ اور ہے اللہ اوپر تمام چیزوں کے

اور یہود و نصاریٰ (دونوں الگ الگ) کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں اور ہم سب اس کے پیارے ہیں۔ کہہ دیجئیگا (اے رسول صلعم! اگر ایسا ہے تو) پھر وُہ تمہیں تمہارے گناہوں کے بدلے عذاب کیوں دیتا ہے۔ (نہ تم اللہ کے بیٹے ہو نہ اُس کے پیارے) بلکہ تم سب بندے ہو، اُسی مخلوق میں سے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ وُہ اللہ جسے بچاؤ دیتا، اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے اور جسے عذاب دیتا ہے اپنے قانون کے مطابق ہی عذاب دیتا ہے۔ (یاد رکھو کہ) آسمانوں اور زمین اور اُن دونوں کے اندر جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ کی حکمرانی ہے اور (اعمال کی جوابدہی کے لئے اُسی کی عدالت عالیہ میں تم سب نے) حاضر ہونا ہے۔

اے اہلِ کتاب! (دوبارہ سن لو کہ) تمہارے پاس ہمارا پیغام پہنچانیوالا آگیا ہے۔ وُہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے (وُہ آیا ہے) رسولوں کے خاتمے پر (یعنی وُہ آخری رسول صلعم ہے) تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی نیک اعمال کی نیک جزا کی خوش خبری دینے والا آیا ہے اور نہ بُرے عملوں کی بُری سزا سے ڈرانیوالا آیا ہے۔ پس تمہارے پاس ہمارا خوش خبری دینے والا اور ڈرانیوالا آ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین

قَدِيْرٌ ۝ ۱۹ عٓ
قانون بنانے والا

متعین فرمانے والا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت کریمہ میں یہودیوں کو حضرت موسیٰ سلام علیہ کے الفاظ میں اپنی نعمت یاد کرائی گئی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ
اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے اے قوم
اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ
میری یاد کرو نعمت اللہ کی اوپر تمہارے جب ٹھہرائے بیچ
فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ
تمہارے انبیاء اور ٹھہرایا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو
مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۲۰
جو نہیں دیا گیا کوئی ایک میں سے جہانوں کے

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر ارزانی فرمائی جب اس نے تم میں نبی مبعوث فرمائے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ (حکومت عطا فرمائی) اور تمہیں وہ کچھ دیا جو (اس زمانے اور اس علاقے کے) کسی شخص (یا قوم) کو نہیں دیا گیا تھا۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ
اے میری قوم داخل ہو جاؤ ارض مقدس میں
الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى
جو لکھ دی اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ پھرنا اوپر
اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ ۲۱
پیٹھوں اپنی کے۔ پھر تم لوٹو گے گھاٹا پانے والے

(وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب حضرت موسیٰ سلام علیہ نے اپنی قوم سے کہا) اے میری قوم ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ، جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور پیٹھ موڑ کر (میدان سے) بھاگ نہ آنا۔ ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اس پر مدتوں کی غلامی میں رہنے والے سہل انگار یہودیوں نے انتہائی نامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ
کہا انہوں نے اے موسیٰ بیشک بیچ اس کے ایک قوم ہے جنگجو
وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ
اور بیشک ہم ہرگز نہ داخل ہوں گے بیچ اس کے حتیٰ کہ وہ نکل جائیں اس سے
يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ ۲۲
پھر اگر وہ نکل جائیں اس سے تو بیشک ہم داخل ہو جانے والے ہوں گے

(بنی اسرائیل نے) کہا اے موسیٰؑ! اس میں ایک بڑی جنگجو قوم ہے بیشک ہم اس میں اس وقت تک داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ اس میں سے نکل نہ جائیں! پھر اگر وہ نکل جائیں تو پھر ہم بیشک اس میں داخل ہونے والے ہوں گے۔

لمبی غلامی کے گہرے اثرات

● جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیئے یہ زمین لکھ دی ہے قرآن کی حالت یہ تھی کہ وہ جنگ کے بغیر قبضہ چاہتے تھے۔ اگر سابقہ قوم اس سے خود بخود نکل جائے تو وہ پھر اس زمین کا انتظام سنبھال لیتے۔ بالفاظ دیگر فرعون کی طویل غلامی نے جنگ سے گریز پائی ان کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ لہذا انہوں نے ارضِ مقدس کی طرف منہ نہ کیا۔ حالانکہ معلوم ہوتا ہے اُس وقت مذکورہ زمین کے حکمرانوں کی حالت اسقدر کمزور ہو چکی تھی کہ صرف شہر میں داخل ہونے ہی سے قبضہ میسر آسکتا تھا۔ جیسے کہ اسی چیز کی خبر اگلی آیت مجیدہ میں حضرات موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں بھائیوں نے بنی اسرائیل کو وضاحتاً دے دی تھی:-

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ

کہا دو مردوں نے ان میں سے اُن کے جو ڈرتے تھے، انعام فرمایا

اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا

اللہ نے اوپر دونوں کے داخل ہو اوپر اُن کے دروازے سے پھر جب

دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ

داخل ہو گئے تم اُس پر تو بیشک تم غالب ہونے والے ہو اور اوپر اللہ کے پس توکل کرو اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۳

ہو تم مومن

اُن میں سے اُن دو آدمیوں نے، جو (اللہ سے) ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر انعام نبوت فرمایا تھا کہا تم اُن (بستی والوں) پر داخل ہو جاؤ پھر جب تم ان پر داخل ہو گئے، تو پھر بلا شبہ تم ان پر غالب آجاؤ گے اور بس تم اللہ (کے قانون پر) بھروسہ کرو اگر تم اللہ کے قانون پر ایمان رکھتے ہو۔

● حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم عیش پرستیوں کے چکر میں پڑ کر عوام کے حقوقِ ربوبیت سے غافل ہو جاتی ہے تو اسوقت اپنے اس جرم کی بدولت یقیناً میزانِ خداوندی میں قابل سزا ٹھہرتی ہے۔ ایسی قوم پر اس حد تک غفلت چھا جاتی ہے کہ جو، اور جیسی بھی قوم اُس وقت اُس کی طرف بڑھتی ہے اُس کے لئے داخلے کے تمام دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اس کے مقابلے کے لئے اپنے عشرتکدوں سے باہر نکلنے تک کی زحمت گوارا نہیں کر سکتی۔ اور اگر مقابلے پر آبھی جائے تو دُم دبا کر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتی —— یہی حال اُس وقت ارضِ مقدس کے حکمرانوں کا تھا۔ کردار لخلافہ کے صدر دروازے تک پہنچنے میں کوئی مزاحمت کرنیوالا موجود نہیں تھا۔ شہر میں داخلہ ہی فتح کا نشان تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے جنہیں فرعون کی غلامی نے جہانبانی کے نام تک سے ناآشنا کر دیا تھا، اور جو دشمن کے مقابلے کے تصور تک سے کانپتے تھے۔ ایسی سستی فتح بھی قبول نہ کی۔ صرف شہر کے دروازے سے داخلے تک سے اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ حضرت

موسیٰ کو یہ جواب دیا:-

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا
کہا اے موسیٰ بیشک ہم ہرگز نہ داخل ہونگے اس میں کبھی
مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ
جبتک وہ موجود ہیں بیچ اسکے پس جا تو اور تیرا رب
فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○ ٢٤
پس لڑو تم دونو بیشک ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں۔

انہوں (بنی اسرائیل) نے کہا اے موسیٰ ہم کبھی بھی اُس (شہر) میں داخل نہیں ہوں گے جبتک کہ وُہ قوم اُس میں موجود ہے۔ پس جا تو اور تیرا رب، پھر تم دونوں (اُس قوم سے) لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھیں گے۔ (اور جب تو اُس قوم کو وہاں سے نکال دیگا تو ہم داخل ہو جائیں گے)

● قوم کی اس مثالی بزدلی پر حضرت موسیٰ بے حد پریشان ہوئے اور حضورِ الٰہی میں دردمندانہ انداز میں عرض کیا:-

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ
کہا اے میرے رب بیشک میں نہیں مالک مگر اپنا اور بھائی اپنے کا
فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ ٢٥
پس فرق کر تو درمیان ہمارے اور درمیان قوم فاسقوں کے۔

حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے پالنے والے میں تو اپنے آپ اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ پس تو ہمارے اور اس حدود ناآشنا قوم کے درمیان خود فرق کر دے۔

● اس کے جواب میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ
کہا پس بیشک وہ حرام کردیگئی اوپر اُن کے چالیس
سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ
سال کیلئے سرگردان پھرینگے بیچ زمین کے۔ پس نہ افسوس کر اوپر قوم
الْفٰسِقِيْنَ ○ ٢٦ ع
فاسقوں کے

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ اے موسیٰ (یہ ارضِ مقدس جو اُن کے لئے لکھدی گئی ہوئی ہے۔ اُن کی نامردی کی بدولت) اُن پر چالیس سال کیلئے حرام ہو چکی ہے۔ سرگرداں پھریں گے زمین میں پھر آپ حدود ناآشنا قوم پر افسوس نہ کریں۔

● آئت ٢٥ میں ارشاد ہُوا ہے کہ ارضِ مقدس بنی اسرائیل کیلئے لکھدی گئی ہے۔ مگر اس آئت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اُن کی بزدلی اور نامردی کی بدولت اب اُن پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔ چالیس سال کی سزا سے صاف ظاہر ہے کہ اس عرصے میں دورِ غلامی کی پیداوار اور ذلت کے ٹکڑوں سے پلے ہوئے نامرد بزدل مر کر ختم ہو جائیں اور آزادی کی پیداوار نئی نسل جو آزاد فضا میں پل کر جوان ہوئی وُہ چالیس سال کے بعد اس زمین مقدس کو اپنی جدّ و جہد کیساتھ حاصل کرے گی۔

● واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی مشروط ہے اور ہر وُہ چیز جو وُہ عطا فرماتا ہے وُہ بھی مشروط ہوتی ہے۔

۱ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۲۲/۴۰ اور ضرور ضرور اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے نیز
۲ هُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۶/۱۲۸ وہ اللہ لوگوں کا مددگار ہے اُنہی اعمال کیساتھ جو وُہ خود بجالاتے ہیں۔

۳ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ○ ۱۳/۱۱ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اُسوقت تک نہیں بدلتا جبتک کہ وُہ اپنی حالت کو خود نہیں بدلتی۔

۴ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ○ = ۱۵/۲۱ اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے موجود ہیں مگر ہم اتنا ہی دیتے ہیں جتنا نوعِ انسانی خود معلوم کرتی ہے۔

۵ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ○ ۵۳/۳۹ اور یہ کہ انسان کیلئے وہی کچھ ہے جس کیلئے وُہ خود کوشش کرے

• بنی اسرائیل کیلئے ایک سنہری موقعہ تھا کہ جسے اُنہوں نے اپنی بُزدلی اور نامردی کی بدولت ضائع کر دیا۔ اس لئے وہی حکومت جو اُنہیں چالیس سال پیشتر مل رہی تھی، چالیس سال کے بعد ملی۔ پس واضح رہے کہ ارضِ مقدسہ کے لئے جو کَتَبَ لَكُمْ کے الفاظ آئے ہیں، وُہ مشروط تھے۔ اگر بنی اسرائیل میسّر آمدہ موقعہ سے فائدہ اٹھا کر شہر میں داخل ہونے کی جُرأت کرتے، تو اُسی وقت وُہ علاقہ زیرِ نگیں ہو جاتا۔ بصورتِ دیگر چالیس سال کے بعد میسّر آیا مگر بلا خود اُنکی کوشش ہی کی بدولت کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر عطا انسان کی اپنی جدّوجہد کیساتھ مشروط ہے۔

• آیاتِ بالا میں اگرچہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے لیکن اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکمرانی اور جہانبانی بُزدلوں اور نامردوں کا حصّہ نہیں، بلکہ اُن لوگوں کا حصّہ ہے جو ایک طرف تو دشمن کے حالات سے ہر آن باخبر رہیں، اور دُوسری طرف موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کیلئے ہر وقت تیار ہوں۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اٹل ہے اور اٹل رہے گا۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس امر کے اعلان کیلئے بنی اسرائیل کو نوعِ آدم کے دو افراد کا واقعہ سنائیں کہ نہ کوئی فرد یا قوم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور پیاری ہے اور نہ اُسے کسی قوم کیساتھ کوئی ذاتی عناد ہے، بلکہ جو فرد بھی اُسکے قانون کے مطابق عمل کرتا ہے اُس کی محنت مقبول یعنی ثمر بار ہوتی ہے اُسے خدا تعالیٰ کی قربت نصیب ہوتی ہے، اور جو اُس کے قوانین کی مخالفت کرتا ہے اُس کی محنت نامقبول یعنی ثمرور نہیں ہوتی اور نہ اُسے قرب حاصل ہوتا ہے۔

• زیرِ بحث آیۃ الی اگلی آیت مجیدہ انتہائی قابلِ غور ہے۔ اسکے ساتھ حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا وہ بنیادی قصّہ چسپاں کیا گیا ہے۔ جو محرّف بائبل میں درج ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ

اور پڑھ اوپر ان کے خبر دو بیٹوں نوعِ آدم کی ساتھ سچ کے

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ

جب دونو قریب ہوگئے قریب ہونا پھر قبول ہوا ایک دونوں میں سے اور نہ

يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ

قبول ہوا اسے دوسرے کے۔ کہا ضرور قتل کروں گا تجھے کہا

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ۲۷

سوائے اسکے نہیں قبول کرتا اللہ سے بچنے والوں کے

پڑھ سناؤ (اے رسول) اُن بنی اسرائیل) پر بنی نوعِ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر، جب وہ دونو الگ الگ ایسا عمل بجالائے کہ اس سے قربت نصیب ہو (اُنکی محنت ثمر ور ہو) پس اُن میں سے ایک کا عمل قبول ہوا (اُس کی محنت ثمر بار ہوئی) عله اور دوسرے کا عمل نامقبول ہوا۔ اُس نے (مقبول عمل والے کو) کہا کہ میں تجھے قتل کردونگا عله اُس نے کہا سوائے اس کے کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے عمل قبول کرتا ہے جو اُسکے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں عله

● عله اس آیت مجیدہ کی ابتدا میں واؤ آئی ہے اُس کا عطف آیت نمبر ۱۸ پر ہے جس میں اہلِ کتاب کے اِس دعوے کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں، اس آیت میں ایک واقعہ بیان کرکے واضح کردیا گیا ہے کہ نہ کوئی فرد یا قوم اللہ کی اولاد ہے نہ پیاری ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قربت اُنہیں میسّر ہے جو متقین ہیں۔ یعنی جو قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

● عله کتبِ تفاسیر نے اس واقعہ کو حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصّہ قرار دیا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ جب قرآن کریم کی رُو سے نوعِ آدم کی پیدائش کسی ایک شخص کا بُت بنانے سے ثابت ہی نہیں ہوتی بلکہ $\frac{11}{61}$ $\frac{20}{55}$ اور $\frac{41}{18}$ کی قرآنی شہادت کے مطابق نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق زمین سے بتائی گئی ہے تو ثابت ہوا کہ زیرِ بحث قصّہ نوعِ آدم کے دو افراد کا ہے، حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا نہیں۔

● عله قَرَّبَا قُرْبَانًا کے الفاظ سے کتبِ تفاسیر نے جانوروں کی قربانی مُراد لیکر یہ تصوّر دیا ہے کہ مذکورہ افراد نے الگ الگ جانوروں کو ذبح کیا تھا۔ ایک کی قربانی مقبول ہوئی اور دوسرے کی رد کردی گئی۔ اس کے ضمن میں واضح کیا جاتا ہے کہ جانوروں کو خدا کے نام پر ذبح کرنے کیلئے قرآن بھر میں ہرگز کہیں بھی قربانی کا لفظ نہیں آیا۔ خدا تعالیٰ خون بہانے سے خوش نہیں ہوتا۔ بُت پرست اقوام بزعمِ خویش اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے مینڈھے اور بکرے کے علاوہ گھوڑے اور بھینسے تک کو دیوی دیوتاؤں کے چرنوں پر بھینٹ چڑھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ ایسے تصوّرات سے پاک و منزّہ ہے۔ حج کے موقعہ پر غذائی ضروریات کیلئے ذبح کئے جانیوالے جانوروں کیلئے بھی قربانی کا لفظ نہیں آیا، بلکہ ھدی اور قلائد کے الفاظ آئے ہیں، ھدی کا معنی ہے تحفہ اور قلائد کا معنی ہے گھر میں پالے ہوئے جانور۔

● ۵ روایاتی تفاسیر پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جانوروں کی متصوّرہ قُربانی کے مقبول یا مرُدود قرار دیئے جانے کا پیمانہ کونسا ہے، جس سے ناپ کر مذکورہ دو افراد نے جان لیا کہ فلاں کی قربانی مقبول ہوئی ہے اور فلاں کی مرُدود۔ واضح رہے کہ قَرَّبَا قُرْبَانًا سے مراد ہر دو افراد کے اعمال ہیں جن میں وقت اور محنت قربان کی۔ مثلاً دونوں نے الگ کاشت کی۔ ایک نے بروقت زمین تیار کی۔ عمدہ اور صحت مند بیج ڈالا۔ بروقت پانی دیتا رہا۔ کھیتی کی رکھوالی کی۔ اس طرح اُس نے جس قدر وقت اور محنت کی قربانی دی وُہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوئی، اور قبولیت کی شکلِ محسوس یہ سامنے آئی کہ اُسکا کھیت ثمرور فصل کیسا تھ لہلہا اُٹھا۔ اور آخری نتیجے کے طور پر اُس نے اُسے کاٹا، گاہا اور ڈھیروں اناج کی بوریاں بھر کر گھر لے گیا۔

● اس کے برعکس دوسرے نے مذکورہ بالا قانونی مراحل میں سُستی کی۔ نہ اچھی طرح زمین تیار کی نہ اچھا بیج ڈالا۔ نہ بروقت پانی دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے جو وقت اور محنت کی قربانی دی وُہ نامقبول ہوئی۔ اور نامقبولیت کی شکلِ محسوس یہ تھی کہ ناقص فصل پیدا ہوئی۔ اور آخری نتیجہ کے طور پر اُسے اِتنی کم پیداوار میسّر آئی کہ قربان کئے گئے بیج کی واپسی بھی مشکل ہو گئی۔

● ۶ لَاَقْتُلَنَّكَ کے الفاظ میں انسانی دستور کے ایک گھناؤنے گوشے کی خبر دی گئی ہے کہ جب کوئی شخص خود قوانینِ خداوندی کی مخالفت کر کے یعنی اُن سے اعراض برت کر اپنے آپ کو محنت کے ثمر سے خود محروم کر لیتا ہے تو پھر دوسروں کے خلاف، جو قوانینِ خداوندی پر عمل کر کے محنت کے ثمر سے بہرہ ور ہوتے ہیں، حسد کی آگ بھڑکا لیتا ہے۔ خود تو اُس میں جل رہا ہوتا ہے مگر دُوسرے کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ آیت زیرِ بحث میں ثمر سے محروم فرد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس نے دُوسرے سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ میں نہیں دیکھ سکتا کہ تو ثمرِ محنت سے بہرہ ور ہو اور میں محروم پھرتا رہوں یہ ہے برادرانِ عزیز! بیج، وقت اور محنت کے مقبول یا نامقبول ہونے کا وہ پیمانہ جس سے دونوں نے معلوم کر لیا کہ کس کی بیج، محنت اور وقت کی قربانی مقبول ہوئی ہے اور کس کی نامقبول۔

● ۷ يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ کے الفاظ سے روائتی تفاسیر نے یہ تصوّر دیا ہے کہ قُربانی اُن کی منظور ہوتی ہے جو متقی ہیں اور متقی کا معنیٰ یہ لیا جاتا ہے کہ جو نماز روزہ کا پابند ہو۔ لیکن واضح رہے کہ نماز روزہ کی پابندی بھی اگرچہ اِتقا میں داخل ہے۔ لیکن لفظ متقین کا مطلق معنیٰ ہے بچنے والے۔ کس چیز سے بچنے والے؟ قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے۔

● اب قوانینِ خداوندی دو حصّوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک تو ہیں اللہ تعالیٰ کے وُہ قوانین جو اِس بھری دنیا میں ہر آن جاری وساری ہیں۔ جو لوگ اِن کی مخالفت سے بچتے ہیں وُہ یقیناً یقیناً دُنیوی خطرات سے بچنے

والے ، یعنی متقین ہیں۔ قوانینِ خداوندی کے اِس گوشے میں مومن اور کافر کا کوئی امتیاز موجود نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی کا مُنکر بھی کا ئناتی قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچیگا تو یقیناً یقیناً اُس کا بہتر ثمر پائے گا۔ اور جو کوئی اُن کی مخالفت سے نہیں بچیگا ، خواہ وُہ مومن اور مسلمان ہی کیوں نہ کہلاتا ہو، اُسے ضرور ضرور محرومی و ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ قوانینِ خداوندی میں مطلقاً کوئی لوچ لچک موجود نہیں۔ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ضرور ضرور ہاتھ جل جاتا ہے اور آگ اور دیگر ضرر رساں چیزوں سے بچنے والے قوانینِ خداوندی کے اس گوشے کے متقین ہیں۔

● قوانینِ خداوندی کا دوسرا حصہ وُہ ہے جسکو اُس نے اپنی کتابوں کی صورت میں نازل فرمایا ہے جو اسوقت اُس کی کتابِ لاریب قرآن مجید میں موجود و محفوظ ہے۔ خدا تعالیٰ کے تنزیلی قوانین پر عمل کرنے سے دُنیوی معاشرہ بھی جنّت بداماں ہو جاتا ہے اور اُخروی زندگی کی کامیابی بھی مقدّر ہو جاتی ہے۔

● آیتِ بالا میں تو خود اپنے غلط عمل کی بدولت محروم ہو جانے والے (یعنی جس کی قربانی قبول نہ ہوئی اُس) کی قتل کی دھمکی کی خبر ہے مگر اگلی آیت میں دوسرے کا جواب مذکور ہے کہ اگر تو میرے قتل کیلئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تیرے قتل کیلئے ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا:۔

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا

البتہ اگر تو بڑھائے طرف میری ہاتھ اپنا کہ تو مجھے قتل کرے نہیں میں

بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّیْۤ اَخَافُ

بڑھانے والا ہاتھ اپنا طرف تیری کہ تجھے قتل کروں بیشک میں ڈرتا ہوں

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○

۲۸

اللہ سے پالنے والا جہانوں کا

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ

بیشک میں ارادہ کرتا ہوں کہ تو اٹھائے گناہ میرا اور گناہ اپنا پھر تو ہو جائیگا

مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۚ ○ ۲۹

میں سے والوں آگ کے اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا۔

(اُس نے مزید کہا کہ) اگر تو میرے قتل کیلئے میری طرف ہاتھ بڑھائیگا تو میں تیرے قتل کے لئے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا ع۱ (کیونکہ) بیشک میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو جہانوں کو پالنے والا ہے ع۲ (میں اس چیز سے بچنے والا ہوں ، متقی ہوں کہ قتلِ ناحق کے ذریعہ اُسکے عذاب کا مستحق ٹھہروں)۔

میں چاہتا ہوں (کہ زیادتی ہو تو تیری طرف سے ہو۔ اس طرح) میرے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہو اور اپنے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہو ع۳ پھر تو ہو جائیگا آگ والوں میں سے۔ اور یہی ہے سزا بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں کی ع۴

● ع۱ ما انا بباسطٍ یدی الیك کے الفاظ سے عیاں ہے کہ جسے قتل کی دھمکی دی گئی تھی اُس نے کہدیا کہ میں تجھے ہرگز قتل کرنا نہیں چاہتا۔ اگر تو قتل کے لئے وار کریگا تو میں صرف اُس سے بچاؤ کی کوشش کروں گا۔

میرا ارادہِ قتل ہرگز نہیں ہوگا۔

● عـہ ۲ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ اُس کا صرف بچاؤ کی کوشش کرنا اور قتل کے ارادہ کے جواب میں اُسکا ارادۂ قتل نہ کرنا اِس لئے تھا کہ وُہ ربّ العلمین سے ڈرتا تھا۔ یعنی وُہ قوانینِ خداوندی کے تنزیلی گوشے کی رُو سے بھی متقی تھا۔ جس میں حکم دیا گیا ہے کسی جان کو ناحق قتل نہ کرنا۔ ارادہِ قتل کا مجرم، قاتل اُس وقت ٹھہرتا ہے جب وُہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا چکے۔ اِس سے پہلے پہلے وُہ صرف ارادہِ قتل کے جرم کی سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، واجب القتل نہیں ٹھہرتا۔

● عـہ ۳ اَنْ تَبُوْٓءَا بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ کے الفاظ میں کہنے والے نے یہ کہا کہ تیرا ارادہ قتل ہے، میرا ارادہ قتل نہیں۔ میں صرف اپنا بچاؤ کرونگا۔ اس طرح اگر تُو مجھے قتل کردے تو میرے قتل کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا اور اگر میرے ہاتھ سے تجھے کوئی زخم آجائے یا تو میرے ہاتھ سے قتل ہوجائے تو یہ بھی تیرا ہی گناہ قرار پائیگا۔ اور اس گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہی ہوگا۔

● عـہ ۴ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے دُنیوی یا اُخروی سزا کا مستحق دونوں صُورتوں میں تُو ہوگا۔ کیوں کہ تُو جارح ہوگا اور میں مدافعت کرنیوالا۔ لیکن اس نصیحت و وضاحت کے باوجود اُس نے اپنے بھائی کو قتل کردیا۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ

پھر مطیع کیا واسطے اسکے نفس اسکے نے قتل کرنا بھائی اپنے کا پھر اسے قتل کردیا

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ۳۰

پس ہو گیا نقصان اٹھانے والوں سے

پھر اُس کے نفسِ (امّارہ) نے اُسے اپنے بھائی کو قتل کرنے کیلئے اپنا مطیع کرلیا۔ لہذا اُس نے اپنے بھائی کو قتل کردیا۔ (اس طرح) وُہ خود ہی خسارہ پانیوالوں میں سے ہوگیا۔

● اس طرح جب اُس نے اپنی آتشِ حسد کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے بھائی کو قتل کردیا۔ اور مقتول کی لاش کو کہیں دفن کردیا۔ لیکن واضح رہے کہ ایسے وقتوں پر مجرم سے کوئی نہ کوئی ایسی خامی رہ جاتی ہے جو سراغرسانی کے ضمن میں ممدّ و معاون بنتی ہے اور ماہر سراغرساں، عام لفظوں میں کھوجی یا سب انسپکٹر پولیس، اُس خامی کی مدد سے لاش برآمد کر لیتے ہیں۔ مجرم نہیں جانتا کہ اُس سے کون سی خامی رہ گئی ہوئی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اس چیز کی خبر دی گئی ہے کہ قاتل نے لاش کو چھپا تو دیا لیکن ایک تیز فہم کھوجی سراغرساں نے لاش برآمد کرلی۔ اور اُسے بتادیا کہ اُس نے کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپادیا تھا۔ تاکہ اُس کا قتل کا جرم ثابت نہ ہونے پائے۔ اس پر قاتل نے اپنی خامی پر افسوس کیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ
پھر مقرر کیا اللہ نے کھوجی کھودتا تھا بیچ زمین کے

لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ
تاکہ ظاہر کرے کس طرح چھپائی لاش بھائی اپنے کی کہا

يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا
اے افسوس کیا عاجز ہوا میں کہ ہو جاؤں میں مانند اس

الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ
کھوجی کے پھر چھپاتا لاش بھائی اپنے کی پھر ہو گیا

مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۚۛ ۳۱
میں سے شرمساروں کے

پھر اللہ تعالیٰ (کے قانون کیمطابق سراغ لگانے کیلئے حکومت) نے ایک تیز فہم آدمی (کھوجی) کو مقرر کیا[1] جو (لاش کو برآمد کرنے کے لئے جگہ جگہ سے) زمین کو کھودتا تھا[2] تاکہ قاتل پر ظاہر کر دے کہ اُس نے کس طرح اپنے بھائی کی لاش[3] کو چھپا دیا تھا۔ (اس پر اُس نے) کہا ہائے افسوس کہ میں عاجز ہو گیا۔ کہ میں ہوتا اس تیز فہم آدمی جیسا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا (اس طرح کہ یہ سراغ نہ لگا سکتا)۔ پھر (جب لاش برآمد ہو گئی تو وہ) شرمسار ہونے والوں سے ہو گیا۔

اشرف المخلوقات انسان ہے کوّا نہیں

● علہ غرابًا سے کتب تفاسیر نے کوّا پرندہ مراد لیا۔ اور اس پر یہ واقعہ چسپاں کر رکھا ہے کہ حضرت آدم کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ لاش کو دفن کس طرح کیا جاتا ہے۔ اس لئے اُٹھائے اُٹھائے پھرتا رہا۔ ایکدن کیا دیکھتا ہے کہ ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو مار ڈالا اور اُس کی لاش کو زمین کھود کر دفن کر دیا اس پر وہ نادم ہوا اور کہا ہائے افسوس میں اس کوّے جتنی عقل بھی نہیں رکھتا لیکن واضح رہے کہ انسان کی نسبت کوّے کو عقلمند تسلیم کرنے میں مشاہدہ معارض ہے کہ اشرف المخلوقات انسان ہے کوّا نہیں۔ آئے دن نئی ایجادیں انسان کر رہا ہے کوّے نہیں کر رہے۔ اس لئے قواعد عرب کیمطابق جہاں مشاہدہ معارض ہو وہاں حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنے لینا لازم ہے۔ غُراب کے حقیقی معنے ہیں کوّا۔ اب اس کے مجازی معنوں پر غور فرمائیں:۔

● لغت منتہی الارب جلد چہارم کے صفحہ ۳۰۴ پر غراب کا معنیٰ لکھا ہے "تیزیٔ ہر چیز" اس سے عقل کی تیزی اور زیادتی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس لئے "رَجُلٌ غرابٌ" تیز فہم آدمی کو کہا جا سکتا ہے۔ اس آئت میں غرابًا صفت آئی ہے اپنے موصوف رَجُلًا کی۔ عربی ادب، خصوصاً قرآن کریم میں موصوف محذوف رکھ کر، موصوف کیلئے صرف صفت بارہا مستعمل ہے۔ جیسے کہ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ کیلئے صرف بَیِّنٰت صفت ۲/۸۷، ۲/۱۵۹ اور ۵/۳۲ میں آئی ہے۔ جس طرح ان آیات مجیدہ میں بیّنٰت سے مراد آیٰت بیّنٰت ہے۔ اُسی طرح آئت زیر بحث میں غُرابًا سے مراد ہے رَجُلًا غرابًا ہے، تیز فہم، بہت ذہین، بہت عقلمند آدمی یعنی کھوجی، جو صرف

پیروں کے نشانات کے ذریعہ و قرینہ کا کھوج لگا کر مال مسروقہ اور مقتولوں کی لاشیں برآمد کر دیتا ہے۔ یہاں سیاقِ کلام کے مطابق جہاں ایک قتل کا واقعہ بیان ہوا ہے، لاش کا کھوج لگا کر قاتل کا پتہ لگانے کیلئے سراغرساں یعنی کھوجی مراد ہے۔

● یہاں پہنچ کر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعۂ قتل کو قرآن کریم میں، جو ایک نصیحت نامہ ہے، (۱۹:۲۹) نازل کرنے کی کیا غرض ہے؟ کیا اس سے نوعِ آدم کی ہجو اور کوّوں کی فضیلت بتانا مقصود ہے۔ یا یہ کہ مقتولوں کی لاش اور مال مسروقہ کی برآمدگی کیلئے کھوجیوں کی خدمات حاصل کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا جواب عقل والوں کی طرف سے تو یہی ہو سکتا ہے۔ کہ اس واقعہ کے نزول کی غرض موخر الذکر ہی ہو سکتی ہے۔ جو واقعۃً نصیحت بھی ہے اور قیامت تک کیلئے کارآمد اور سودمند بھی۔

٢ فَبَعَثَ اللّٰہُ کا لفظی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، بھیجا، مقرر فرمایا۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں ہر اُس کام کو جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُس کی رضا کے مطابق انجام دیا جائے۔ اُسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰؑ کیلئے کوہ طور پر ستر کاتبوں نے کتاب لکھی تھی لیکن چونکہ یہ عمل اللہ کے حکم اور اس کی رضا کے مطابق تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی طرف منسوب کیا ہے:۔ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ (۷:۱۴۵) اور موسیٰؑ کیلئے کتاب کو تختیوں پر ہم نے لکھا۔ اِسی طرح چونکہ مقتول کی لاش اور قاتل کے کھوج کے لئے حکومت کا کھوجی مقرر کرنا، قانونِ خداوندی اور اس کی رضا کے مطابق ہے اس لئے اِسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا = چنانچہ جب لاش برآمد ہوگئی، تو قاتل شرمسار ہوگیا۔

● اس سے آگے اگرچہ قاتل کو اُس کے جُرمِ قتل کی پاداش میں قتل کر دینے کا ذکر موجود نہیں لیکن عدم ذکر عدم وجود کی دلیل نہیں ہوتا۔ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کا خداوندی قانون قرآن مجید میں موجود ہے اسلئے قاتل کو جُرمِ قتل کی پاداش میں سزائے موت دیدی گئی (۵:۴۵)۔

● ٣ يَبْحَثُ کے مادہ ب۔ح۔ث کا معنیٰ ہے، کریدنا۔ يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ کا معنی ہے کہ کھوجی نے زمین کو جگہ بہ جگہ کرید کر کھود کر لاش برآمد کر دی۔ اس مادہ سے بحث و مباحثہ بھی آیا ہے۔ بحث میں بھی کرید کی جاتی ہے ● ٤ سَوْاَةَ کا معنیٰ لاش تمام مفسرین کے ہاں متفقہ مسلّم ہے۔

● ٥ يُوَارِي کے سہ حرفی مادہ و۔ر۔ی کا معنیٰ چھپانا ہے۔ مذکورہ لاش کو دفن کرکے چھپا دیا گیا تھا۔

بھائی کے قتل کا واقعہ قوم بنی اسرائیل کا ہے۔

● کتب تفاسیر نے اِس واقعہ کو حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل قابیل کے نام سے پیش کیا ہے اور اِسے تخلیق نوعِ آدم کے بالکل ابتدائی دور کیطرف منسوب کر رکھا ہے لیکن واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ

بہانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ یہ واقعہ حضرت آدم کے وقت کا نہیں بلکہ اس کا تعلق بنی اسرائیل کیساتھ ہے ۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ
سے وقت مذکورہ بالا لکھا ہم نے اوپر بنی اسرائیل

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ
بیشک یہ کہ جس نے قتل کیا ایک جان کو بغیر کسی جان کے یا فساد

فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ
بیچ زمین میں گویا کہ قتل کیا اس نے انسانوں سب کو اور جس نے

اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا
زندہ رکھا اسے تو گویا زندہ رکھا انسانوں سب کو اور البتہ تحقیق آئے انکے پاس رسول ہمارے

بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝
ساتھ دلائل کے پھر بیشک اکثریت میں سے انکی پیچھے اسکے بیچ زمین کے حد سے نکلنے والے ہیں

۳۲

مذکورہ بالا وجہ[۱] سے ہم نے بنی اسرائیل پر (بھی اپنا فیصلہ) فرض کر دیا تھا کہ جو کوئی کسی ایک جان کو بغیر اس کے کہ اُس نے کسی جان کو قتل کیا ہو، یا زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے (کسی ایک جان کو قتل کر دے) تو گویا اُس نے ساری نوع انسانی کو قتل کر دیا[۲] اور جس نے ایک جان کو زندہ (بچا لیا) تو گویا اس نے ساری نوعِ انسانی کو زندہ رکھا اور بیشک اُن (بنی اسرائیل) کے پاس ہمارے بہت سے رسول[۳] واضح دلائل لیکر آئے۔ پھر اس کے بعد ان میں اکثر لوگ قتل ناحق کے ذریعہ فساد فی الارض کرکے حد سے نکلنے والے ہیں۔

● [۱] مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ کے الفاظ سے کھُل کر عیاں ہو رہا ہے کہ بھائی کا بھائی کو قتل کرنے کا مذکورہ قِصّہ بنی اسرائیل کے زمانہ کا ہے حضرت آدم سلام علیہ کے زمانے کا نہیں۔

● کسی جان کو ناحق قتل کرنے کو پوری نوعِ انسانی کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے بھی ثابت ہوا کہ مذکورہ قِصّہ انسان پر کوّے کی فضیلت جتانے کیلئے نہیں نازل کیا گیا۔ بلکہ ناحق قتل کو مطلقاً روکنے کیلئے بطورِ عبرت نازل کیا گیا ہے۔ کہ بھائی کو سرِعام قتل کی دھمکی دینے والا جب قتل کا ارتکاب کر چکا تو اپنے جرمِ قتل کو چھپانے کیلئے لاش کو دفن کرکے چھپا دیا۔ باری تعالیٰ کے قانونِ عدل و انصاف کے مطابق ذہینِ انسانی کھوجی کے ذریعہ لاش برآمد کر لی گئی اور قاتل کو جان کے بدلے جان کی سزا دیدی گئی۔

ایک جان کا قتل پوری نوعِ انسانی کا قتل ہے

● [۲] قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا کے الفاظ میں قتلِ انسانی کو اِس لئے ایک متعدی جُرم قرار دیا گیا ہے کہ ایک قتلِ ناحق ہو جائے تو قاتل اور مقتول کے خاندانوں میں دائمی عداوت قائم ہو جاتی ہے اور آگے دِن فریقین کے ہاتھوں فریقین کے بے گناہ افراد قتل ہوتے رہتے ہیں۔ دونوں خاندانوں کے دوست اور دشمن خاندان الگ الگ دھڑوں میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہی سلسلہ دو قوموں یا دو ملکوں میں چل جائے تو دونوں قوموں اور ملکوں کی

دوست اور دشمن قومیں اور ملک الگ الگ قوموں اور ملکوں کے دھڑوں میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اور پورے کرۂ ارض پر اس قدر شدید تناؤ پیدا ہو جاتا ہے کہ پوری نوع انسانی اپنے آپ کو موت کے منہ میں محسوس کرنے لگتی ہے۔ اسی نقشہ کو خدا تعالیٰ نے ایک قتل ناحق کو فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ اس آیت مجیدہ میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ قتل ناحق سے پوری پوری پرہیز کی جائے اور اگر کسی شخص سے کوئی قتل ناحق ہو جائے۔ اور وہ اپنے جرم کو چھپانے کیلئے لاش کو دفن بھی کر دے تو ماہر کھوجیوں کی خدمات حاصل کرکے لاش برآمد کر لی جائے اور قاتل کو گرفتار کرکے اُسے قانونی سزا دی جائے تاکہ مقتول کے ورثاء کا جذبۂ انتقام ٹھنڈا ہو جائے اور قتل کا جرم، متعدی جرم کی شکل اختیار نہ کرنے پائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سیاق کلام کے عین مطابق اسلامی حکومت کے باغیوں، ملک میں قتل و غارت اور دہشت گردوں کے ذریعہ فساد پھیلانیوالوں اور خدا تعالیٰ کے مخصوص دشمن سُود خواروں کی سزا بیان کی گئی ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ

سوائے اسکے نہیں کہ سزا اُن لوگوں کی جو جنگ کریں اللہ

رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ

اور رسول اسکے سے اور کوشش کریں بیچ زمین کے فساد کی یہ کہ

يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا قطع کئے جائیں ہاتھ اُن کے

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ

اور پیر انکے بوجہ بغاوت کے یا جلاوطن کئے جائیں اسے زمین کے۔ مذکورہ واسطے انکے

خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

رسوائی ہے بیچ دنیا کے اور واسطے انکے بیچ آخرت کے عذاب ہے

عَظِيْمٌ ۝ ۳۳

سوائے اس کے نہیں کہ اُن لوگوں کی سزا جو اللہ اور اُس کے رسول کیساتھ جنگ کریں ملے (یعنی اسلامی حکومت کے باغی اور سُود خوار) اور وُہ لوگ جو (قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے ذریعہ) زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کریں، یہ ہے کہ یا تو وُہ قتل کر دیئے جائیں یا صلیب دے دیئے یا روکدئے جائیں اُن کے ہاتھ اور پیر (یعنی قید کر دئے جائیں) ع۲ بوجہ ان کی بغاوت کے۔ اور یا زمین میں سے جلاوطن کر دئے جائیں۔ یہ سزا ان کی دنیا کی رسوائی کیلئے ہے اور ان کیلئے اُخروی زندگی میں بہت بڑا عذاب ہے۔

برطا

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا

سوائے اُن کے جو توبہ کریں اس سے پہلے کہ تم قابو پاؤ

سوائے ان لوگوں کے (یعنی وُہ لوگ اس سزا سے

عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۟

قُدرت پا لیں گے - پس جانتے رہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بچا دینے والا ہے

آیت نمبر ۳۴ ع ۹

مستثنیٰ ہیں جو اس سے پہلے توبہ کریں کہ تم انہیں گرفتار کر لو (گرفتاری کے بعد کی توبہ قبول نہ ہوگی) پس جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ (اپنے توبہ کے قانون کے ذریعہ مجرموں کو بھی) بچا دینے والا مہربان ہے ۔ عہ

● عہ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے الفاظ سے دو گروہ مراد ہیں :-

(الف) پہلا گروہ تو وہ ہے جس کی تعریف يَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا کے الفاظ میں کر دی گئی ہے کہ وہ اسلامی حکومت میں فساد پھیلاتے ہیں۔ قانون کو ہاتھ میں لیتے اور دن دہاڑے نیکوں کو لوٹتے پھرتے ہیں، اور اُنکی راہ میں جو مزاحم ہو اُسے موت کے گھاٹ اتارتے چلے جاتے ہیں - اِسکے ضمن میں ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جو فساد فی الارض کرتا ہے اِس آیت مجیدہ میں ایسے لوگوں کو اسلامی حکومت کے باغی قرار دیا گیا ہے ۔

(ب) دوسرا گروہ ہے سُود خوروں کا جسے سورۃ بقرہ میں خود اللہ تعالیٰ نے يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے زمرہ میں شامل کر رکھا ہے۔ دیکھئے! ارشاد باری تعالیٰ ہے :- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۲/۲۷۹ اے وہ لوگو! جو ایمان لاتے ہو اگر تم سچے مومن ہو تو (اپنے قرضداروں سے زمانہ کفر میں جسقدر سُود تم لے چکے، لے چکے، اب اسلام قبول کرنے کے بعد نہیں) باقی سُود چھوڑ دو - اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ تمہارا اللہ و رسول کیساتھ اعلانِ جنگ ہے ۔

سُود خوری کی سزا

● اب غور فرمائیں کہ ۲/۲۷۹ میں سُود خور، بارشادِ الٰہی فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے زمرہ میں شامل ہیں۔ اِن کھلے بندوں اللہ و رسول صلعم کا اعلانِ جنگ ہے۔ اور آیت زیر بحث ۵/۳۳ میں اِس جرم کی سزا کا اعلان کیا گیا ہے :- اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ...... الخ - یہ اعلان اِنَّمَا کلمہ حصر سے شروع کیا گیا ہے اور ترجمہ یہ ہے :- سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں (یعنی یہ پکّی بات ہے، پتھر پر لکیر ہے جو کبھی مِٹ نہیں سکتی کہ) جو لوگ اللہ اور اسکے رسول صلعم کیساتھ جنگ کریں اُن کی سزا یہ ہے ...... بالفاظ دیگر اسلامی حکومت کے باغیوں اور سُود خوروں کیلئے ذیل کی تین سزائیں مقرر کیگئی ہیں :-

ا- اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا - پہلی - یہ کہ انہیں قتل یا صلیب کے ذریعہ سزائے موت دی جائے۔

ب- اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ - دوسری یہ کہ یا اُن کے ہاتھ، پاؤں روک دیئے جائیں - یعنی قید کر دیا جائے۔

ج- اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ - تیسری یہ کہ یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔

● سُود خوری کی یہ سزا محترم محمد اسلم مخدوم صاحب شادیوال ضلع گجرات (پنجاب پاکستان) کے تفکر فی القرآن کا نتیجہ ہے - آپنے ۱۹۷۴ء میں "سُود کی سزا قرآن حکیم میں موجود ہے" کے نام سے ایک کتابچہ بھی شائع کیا تھا۔ جو تعریف آیات

کے قرآنی اسلوب کی اساس پر لکھا گیا، اِنَّ الْقُرْاٰنَ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا کے ایسے حقیقت بد کش دلائل کا حامل ہے کہ انکار کی گنجائش تک موجود نہیں علامہ عصر حاضر کی یہ ایک عظیم ریسرچ اور قابلِ قدر کارنامہ ہے جَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا حامل نہیں

● آیت زیر بحث کے ان الفاظ او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف سے روائتی تفاسیر نے یہ وحشیانہ مفہوم لیا ہے کہ اللہ و رسول سے متحارب افراد کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں قطع کر دیا جائے۔ حالانکہ یہ تصور خود آیات زیر بحث کے آخری جملہ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کے خلاف ہے کہ ہاتھ پاؤں کٹوا دینے کے بعد غفور رحیم کا کون سا نشان باقی رہ جاتا ہے۔

● واضح رہے کہ عربی زبان میں قطع کا معنیٰ روکنا بھی ہے۔ جیسے کہ سورہ عنکبوت میں قوم لوط کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انہیں حضرت لوط نے کہا: اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۲۹ کیا تم وہ ہو جو جنسی تسکین کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو اور راستہ روک کر راہگیروں کو لوٹتے ہو ــــ پس قطع اید و ارجل کا معنیٰ ہاتھوں اور پیروں کا کاٹنا نہیں، بلکہ ہاتھ پیروں کو روک دینا ہے اور اس سے مراد قید کرنا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا ہرگز حامل نہیں۔

اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا تصور بھی ایک غلط تفہیم کا نتیجہ ہے

● ۳۰ تقطع ایدیھم وارجلھم کے بعد من خلاف کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں مِنْ سببیہ ہے اور خلاف بمعنی مخالفت و بغاوت ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے باغیوں کی یہ سزائیں ان کی مخالفت و بغاوت کی وجہ سے مقرر فرمائی گئی ہیں۔ مِنْ سببیہ کی مثال ۲۵/۷۱ میں بالفاظ ذیل موجود ہے جہاں قوم نوح کے غرق کئے جانے کا سبب بیان کیا گیا ہے مِّمَّا خَطِیْٓئٰتِہِمْ اُغْرِقُوْا وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے۔

● پس مِنْ خِلَافٍ سے یہ بہیمانہ تصور اخذ کرنا غلط تفہیم ہی کی بدولت ہے کہ اسلامی حکومت کے باغیوں کے اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ صحیح مفہوم جس سے دامنِ قرآن و اسلام پر سے بہیمانہ سزاؤں کا داغ بھی دُھل جاتا ہے یہ ہے کہ مذکورہ تین سزاؤں کے تعین کا سبب خود اُن کی بغاوت ہے۔

● اسلامی سلطنت کے باغیوں اور سُود خوروں کی مذکورہ بالا سزا کی تین صورتوں پر غور فرمائیں :-

۱۔ پہلی صُورت ہے قتل یا صلیب یعنی سزائے موت۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر مجرم اس قدر خطرناک ہو کہ اس کے زندہ رہنے سے ملکی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو تو اُسے سزائے موت ہی دی جائیگی۔

۲۔ دُوسری صُورت ہے عمر قید کرنا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر مجرم کو موت کی سزا دینے سے کسی داخلی یا خارجی انتشار کا خطرہ لاحق ہو تو پھر سزائے موت کی بجائے عمر قید کی اجازت دے دی گئی ہے۔

۳۔ اور تیسری صورت ہے جلا وطنی کی۔ اگر باغی کو زندہ رکھنے میں کوئی داخلی یا خارجی خطرہ لاحق نہ ہو کہ وُہ غیر ملکی طاقتوں سے مل کر ملک کے خلاف سازشیں کرکے اس کی سالمیت کے لئے خطرہ پیدا نہ کرسکے گا تو اُسے مُلک بدر کردینے کی اجازت ہے۔

قرآن کریم زندگی اور آزادی کا ضامن ہے

● اسلامی حکومت کے لئے خطرناک ترین افراد کی مذکورہ بالا سزاؤں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم نوعِ انسانی کی زندگی اور آزادی کا ضامن ہے۔ قید و بند اور موت کی سزا انسان اپنے آپ پر خود مسلّط کر لیتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ملک کے باغی تک کے لئے بھی اگر اُس سے خطرہ نہ ہو تو اُسے زندہ اور آزاد رکھنے کیلئے جلاوطنی کی سزا دی گئی ہے۔ قید کرنا اور موت کی سزا دینا خداوند غفورٌ رحیم کی شانِ رحیمی کے خلاف ہے۔ اس لئے آیت مجیدہ میں غیر مبہم الفاظ میں اعلان کردیا گیا ہے کہ یہ قید و بند اور قتل و صلیب کی سزا مِنْ خِلَافٍ دی جارہی ہے، یعنی جو مجرموں کی اپنی خطا و بغاوت کی بدولت ہے۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جانتے رہو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بچاؤ دینے والا مہربان ہے۔

باغیوں اور سود خواروں کیلئے توبہ کی گنجائش

● ۵:۳۴ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا کے الفاظ میں مذکورہ ہر سہ سزاؤں کے مستحق افراد کیلئے بھی توبہ کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ مگر گرفتار ہونے کے بعد نہیں۔ کیونکہ جب مجرم گرفتار ہو کر اپنے اوپر کسی ایک سزا کو مسلّط ہوتا ہوا دیکھے گا تو منافقانہ طور پر توبہ کرسکتا ہے۔ اس لئے توبہ کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ باغی اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے ازخود توبہ کرکے اسلامی حکومت کا مطیع و فرمانبردار ہونے کا اعلان کردے اور سود خوار، سود خواری ترک کرکے، سودی کاروبار سے ازخود توبہ کرلے۔ تو پھر اعلان کیا گیا ہے فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

● افسوس اس امر کا ہے اللہ تعالیٰ نے تو مذکورہ سزاؤں کے مستحق افراد کیلئے بھی توبہ کی گنجائش رکھ کر اپنے غفورٌ رحیم ہونے کا اعلان فرمایا ہے مگر روائتی تفاسیر کی غلط تفہیم زندہ انسانوں کے اُلٹے ہاتھ پیر کاٹنے کا تصور پیدا کرتی ہے۔ چور کی سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنے اور آئت زیرِ بحث سے باغیوں کیلئے اُلٹے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنے کا تصوّر قرآن اور اسلام کے دامن پر وُہ داغ ہے جس کی بدولت مہذّب اور ترقی یافتہ قومیں جو صرف انسانی سطح پر کھڑے ہو کر غور کرتے ہوئے انسانی حقوق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوچکی ہیں، قرآن کریم کو بہیمانہ سزاؤں کا حامل سمجھ کر اس سے دور ہٹ جاتی ہیں۔ اگر گہری نظر کیساتھ غور کیا جائے تو قرآن کریم کو وحشیانہ سزاؤں کا حامل قرار دینے والی تفہیم ہی قرآن اور اسلام کے فروغ کی راہ میں سدِّ سکندری بن کر کھڑی ہوگئی ہے۔

● سُود خواری بھی ایک تاریخی المیہ بن کر رہ گئی ہے کہ قرآن کہتا ہے، کوئی شخص اُسوقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وُہ سود خواری کو ترک نہ کرے اور اگر وُہ ترک نہیں کرتا تو اس کا اللہ و رسول ؐ کیساتھ اعلانِ جنگ ہے۔

مگر ادھر پورا اسلامی معاشرہ سودی کاروبار پر چل رہا ہے۔ العیاذ باللہ!

پس چہ باید کرد ● سُود کی لعنت سے آزاد ہونے کیلئے لازم ہے کہ معاشرہ کا پورا ڈھانچہ تبدیل کیا جائے۔ کوئی ملک اُس وقت تک اسلامی نہیں ہو سکتا جبتک اُس میں سودی نظام کی بجائے صدقاتی نظام قائم نہ ہو۔ کیونکہ ارشاد باری ہے یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ۲/۲۷۶ اللہ تعالیٰ سُودی نظام کو مٹاتا اور اور صدقاتی نظام کو بڑھاتا ہے۔ یعنی اللہ حکم دیتا ہے کہ سُودی نظام کو ختم کرکے صدقاتی نظام قائم کیا جائے۔ اسکی محسوس شکل یہ ہے کہ خزانہ کا نام بیت المال رکھا جائے۔ المال سے مراد ہے عوام کا مال۔ اور بیت المال کا معنیٰ ہے عوام کے مال کا گھر۔ اِسے صرف عوام اور مُلک کی فلاح کے لئے مختص کیا جائے۔ نظامِ مساوات قائم کرکے حصولِ زر کی دوڑ ختم کر دی جائے۔ معیارِ زندگی میانہ روی قرار دیا جائے اور اس پر سب سے پہلے اربابِ اقتدار عامل ہو کر عوامی میانہ معیار زندگی پر اُتر آئیں۔ انفرادی جائز ضرورتوں کے لئے بھی بیت المال سے بلا سود یعنی صدقاتی قرضہ دیا جائے اور کاروبار کے لئے بلا سُود صدقاتی قرضہ جات بیت المال ہی سے ملیں۔ اس طرح یمحق اللہ الربٰو اور یُربی الصدقٰت کی عملی تفسیر سامنے آسکتی ہے، جو اُسوقت تک ہرگز ہرگز بر دئے کار نہیں آسکتی جبتک حصولِ زر کی دوڑ ختم کرکے ہر کسی کو صرف ضروریاتِ زندگی کا حقدار قرار نہ دیا جائے۔ اور یہ سب کچھ حکومتی سطح پر کیا جائے۔ جبتک معاشرہ کے پورے ڈھانچے کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالا جائے اُسوقت تک اللہ و رسُول کیساتھ اعلان جنگ پر مبنی سُودی نظام ہرگز ختم نہیں ہو سکتا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۲۷ کیساتھ ہے۔

پیچھے ۵/۲۷ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ حصولِ قربِ الٰہی کے ضمن میں دو بھائیوں کا قصہ گزر چکا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک بھائی نے قوانینِ خداوندی کے مطابق عمل کیا۔ وقت اور محنت کی قربانی دی۔ اور صحیح نتیجے کے ظہور کی شکل میں اُس کی محنت قبول ہوئی۔ دوسرے نے قوانینِ خداوندی سے اعراض برتا اور غلط نتیجہ کی صُورت میں اُس کی محنت نامقبول ٹھہری، ردّ کر دی گئی۔ اس ردّ و قبول کو ۵/۲۷ میں خدا کے قرب اور عدم قرب کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، یعنی دونوں کے متعلق آیا ہے قَرَّبَا قُرْبَانًا۔ یعنی دونوں نے حصولِ قُرب کے لئے الگ الگ عمل پیش کیا اور نتیجہ کے طور پر بتایا گیا ہے فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۵/۲۷ کہ ایک عمل برائے حصولِ قرب قبول ہُوا اور دوسرے کا نامقبول۔ اگلی آیت مجیدہ ۵/۳۵ میں بھی یہی فیصلہ دیا گیا ہے کہ قربِ الٰہی کا ذریعہ اللہ کے قوانین میں مسلسل جدّوجہد کرتے رہنا ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ	اے وُہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ (کے مقررہ کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین) کی
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور	

ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا تلاش کرو طرف اُسکے قرب کا ذریعہ اور کوشش کرو فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ۲۵ بیچ راہ اُسکی تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ	مخالفت سے بچتے رہو اور اس کی طرف اُس کے قرب کا عملی ذریعہ عل تلاش کرو یعنی عل۲ اس کی راہ (تلاشِ قرب کیلئے اُس کے قوانین کے مطابق کوشش کرتے رہو) تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ (تمہیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے)۔ عل۴

● عل اس آئت مجیدہ کو عرفِ عام میں آئتِ وسیلہ کہا جاتا ہے اور اس سے مُراد یہ لے لیگئی ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے پیر پکڑنا ضروری ہے جو خود تو کوئی کام نہ کرتا ہو۔ مُریدوں کی کمائی پر عیش اڑاتا ہو۔ یہ ہے روائتی تفاسیر کی رو سے وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ کا مفہوم۔ لیکن:۔

● عل۲ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ میں آمدہ درمیانی واؤ تفسیری ہے وسیلہ کا معنیٰ ذریعۂ قرب ہے۔ اور تفسیر جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی اللہ کے قرب کا ذریعہ، اُسکے قوانین کے مطابق مسلسل اور انتھک کوشش کرتے رہنا ہے۔

● اس آئت کے مرقومہ مفہوم کی صحت معلوم کرنے کیلئے اِتَّقُوْا ، اَلْوَسِیْلَةَ اور جَاهِدُوْا کے بنیادی معنوں کا جاننا ضروری ہے:۔

اِتَّقُوْا ● یہ مصدر اِتِّقَاء سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے۔ اس مصدر کا معنیٰ ہے بچنا، ڈرنا۔ اور اِتَّقُوا اللّٰهَ کا معنیٰ ہے تم سب بچو اللہ سے یا ڈرو اللہ سے۔ اب کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی ضرر رساں یا خوفناک ذات تو ہے نہیں جس سے بچا یا ڈرا جائے۔ اس لئے اِتَّقُوا اللّٰهَ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت سے بچو۔ قوانینِ الٰہی کی مخالفت کی تباہ کاریوں سے ڈرو، بچو۔ اب یہ امر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قوانینِ خداوندی کے دو حصے ہیں، تنزیلی اور تکوینی۔ تکوینی وُہ ہیں جو مشاہداتِ عالم میں شبانہ روز جاری ہیں اور تنزیلی وُہ ہیں جو اِس وقت قرآن حکیم میں محفوظ ہیں۔ پس آئت مجیدہ زیرِ نظر ۵۴ میں اِتَّقُوا اللّٰهَ کا معنیٰ ہے:۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو۔

اَلْوَسِیْلَةَ ● اس لفظ کا سہ حرفی مادہ و۔ س۔ ل = وسل ہے۔ اس کا بنیادی معنیٰ ہے اعمال کے ذریعہ قرب حاصل کرنا۔ المنجد میں صفحہ ۱۳۶۸ پر ہے :۔ وَسَلَ یَسِلُ وَسِیْلًا" وَوَسَّلَ وَتَوَسَّلَ اِلَی اللّٰهِ بِعَمَلٍ اَوْ وَسِیْلَةٍ عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا ۔ اسی چیز کی" ۹۶/۱۹ میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کے الفاظ میں موجود ہے ۔سجدہ کر، یعنی قوانینِ خداوندی کی اطاعت کر اور قریب ہو جا۔ بالفاظِ دیگر قربِ الٰہی کے اُسی ذریعہ کو ۹/۱۹ میں واضح کیا گیا ہے جس کا حکم وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ"

میں دیا گیا ہے کہ قوانینِ الٰہی کی اطاعت کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بناؤ اور اسی چیز کی وضاحت واؤ تفسیری کی صورت میں وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں اس کے قوانین کے مطابق کوشش کرتے چلے جاؤ۔ تاکہ فلاح پاؤ۔ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو جاؤ۔

جَاهِدُوْا ● اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ج۔ ہ۔ د = جہد۔ اس کا بنیادی مصدری معنیٰ ہے انتھک کوشش کرنا خواہ حصولِ مقصد کیلئے مخالف طاقتوں سے جنگ بھی کرنا پڑے۔ مگر یاد رہے کہ انسانی کوشش، خواہ جنگ و جدال سے اِدھر اُدھر تک کی ہو اور خواہ اس کے لئے میدانِ جنگ میں اُترنا بھی پڑے، مقبول وہی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے کائناتی اور تنزیلی قوانین کے مطابق ہو۔ اس لئے جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اُس کے قوانینِ تکوینی اور تنزیلی کے مطابق انتھک کوشش کرتے چلے جاؤ۔ بس یہی ہے فلاح و کامیابی کا ابدی راز۔ لہٰذا آیتِ وسیلہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ٣٥/٥ کا صحیح مفہوم، جو قیامت تک کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دیتا چلا جائیگا یہ ہے :-

● ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو، اور اِس طرح اُس کے قوانین کی اطاعت ہی کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بناؤ۔ یعنی اُس کے قوانین کے مطابق انتھک کوشش کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

● آیتِ مجیدہ کا آخری جملہ بھی وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کے عین مطابق مفہوم پیش کرتا ہے۔

٭ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ عربی زبان میں فلاحۃ" کاشتکاری کو اور فلّاح کاشتکار کو کہتے ہیں۔ جب کھیتی پک کر تیار ہو جائے تو اُسے الفلاح یعنی کامیابی کہتے ہیں اور مُفْلِحُوْنَ اُن کاشتکاروں کو کہا جاتا ہے جن کی محنت ٹھکانے لگے اور وُہ اپنی محنت کا ثمر، اناج کی صورت میں اپنے گھر لے آئیں۔ اِس طرح ایک مُفلح جسے اپنی صحیح محنت کا ثمر میسّر آئے وُہ مقرّب ہے، اُسے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہے۔ اِسی طرح ہر وُہ محنت کش جو قوانینِ خداوندی کے مطابق انتھک محنت کرکے اپنی محنت کے ثمر سے بہرہ ور ہو جاتا ہے وُہ مقرّب ہے بشرطیکہ اُس نے کہیں کوئی ہیرا پھیری نہ کی ہو۔ یہ ہے آیتِ وسیلہ کا صحیح مفہوم جسے روایتی تفاسیر نے پیر پکڑنے کی دلیل بنا دیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۳۴ کیساتھ ہے جس میں آنحضور ﷺ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کے باغیوں کی سزا مقرر کرنے کے بعد اعلان کر دیا گیا ہے کہ بِلا توبہ سزا معاف نہیں ہوگی۔ اگلی آیتِ مجیدہ میں مجرموں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر اُن کے پاس زمین بھر کی پوری دولت ہو اور اُتنی ہی اور بھی ہو اور وُہ اُسے فدیہ میں دیکر اُخروی عذاب سے بچنا چاہیں تو ہرگز بچ نہ سکیں گے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ
بیشک جن لوگوں نے انکار کیا اگر یہ کہ واسطے انکے ہو
مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا
جو کچھ زمین کے ہے سارا ۔ اور مثل اسکی ساتھ اُسکے تاکہ وہ فدیہ دیں
بِہٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ
ساتھ اُسکے بدلے سزا دن قیامت کے نہ قبول ہوگا اُن سے
وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ ۳۶
اور واسطے اُنکے سزا ہے دردناک

بیشک جو لوگ (ضابطہ خداوندی کا) انکار کریں اگر (بفرضِ محال) اُن کے پاس اتنا سارا مال ہو جو زمین میں ہے اور اُتنا ہی اور بھی ہو اور وُہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کیلئے سارے کا سارا فدیہ میں دیدیں تو اُن سے قبول نہیں کیا جائیگا ۔ بلکہ اُن کے لئے (اُس دن) دردناک عذاب ہوگا ۔ (اُخروی عذاب سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اس دنیا میں توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلی جائے)۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِنہی لوگوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وُہ عذاب سے نکلنے کی کوشش کریں گے مگر نکل نہ سکیں گے :۔

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا
ارادہ کرینگے وہ کہ نکلیں بیچ سے آگ کے اور نہیں
ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْھَا وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ○ ۳۷
وہ نکلنے والے بیچ سے اُسکے اور واسطے انکے عذاب ہے قائم رہنے والا

وُہ جلانے والے عذاب میں سے نکلنے کی کوشش کریں گے لیکن وُہ اس سے نکلنے والے نہیں ہوں گے ۔ کیوں کہ اُن کے لئے (ٹلنے والا عذاب نہیں ۔ بلکہ) قائم رہنے والا عذاب ہے ۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت ۳۳ کیساتھ ہے ، جس میں اسلامی ریاست کے باغیوں کی سزا کے سلسلے میں قطع ید و رجل یعنی عمر قید کا ذکر گزر چکا ہے ۔ چنانچہ جس طرح اسلامی ریاست کے لیے تو بہ باغی اور سُود خور کی سزا اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا یعنی عمر قید ہے ۔ اُسی طرح اسلامی ریاست میں چور اور چورنی کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں ، بلکہ جُرم کی نوعیت کے مطابق قید کرنا ہے :۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا
اور چور مرد اور چور عورت کاٹ دو
اَیْدِیَھُمَا جَزَآءً ۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللہِ ؕ
قوت دونوں کی بدلہ اُسکا جو کمایا اُنہوں نے عبرت طرف اللہ کے
وَاللہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ○ ۳۸
اور ہے اللہ غالب حکمت والا ۔

اور چور مرد اور چورنی عورت (دونوں کے لئے چوری کی سزا یہ ہے کہ دونوں کی چوری کی طاقت قطع کردو (اُنہیں قید کردو) اللہ کی طرف سے اِن دونوں کیلئے قطع ید کا حکم سزا مطابق اندازہ جُرم ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑھ کر غالب اور بڑا حکمت والا ہے ۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ
پھر جو کوئی توبہ کرے بعد چوری اپنی کے اور اصلاح کرے
فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
تو بیشک اللہ رجوع برحمت ہوگا اوپر اسکے بیشک ہے اللہ چھپانیوالا مہربان

پھر جو کوئی (اُن میں سے) اپنے ظُلم (یعنے چوری کرنے کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو پھر بلاشبہ اللہ تعالیٰ عیب پوشی کرنیوالا ہے۔ بہت بڑھ کر مہربانی فرمانے والا ہے۔

● ع۱ عربی زبان میں ید کا معنیٰ ہاتھ بھی ہے اور طاقت بھی ہے۔ جیسے کہ حضرت داؤد عم کے متعلق ارشاد ہُوا ہے وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۳۸/۱۷ ہمارے طاقتور بندے داؤد کا ذکر کیجئے ــــ دیکھئے! یہاں ذَا الْاَيْدِ کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں ہے کہ حضرت داؤد کے ہاتھ بصیغہ جمع تین چار یا پانچ سات تھے۔ بلکہ آپ کو آپ کی مُلکی، فوجی، علمی، اخلاقی اور نبوّت و رسالت کی متعدّد طاقتوں کے لحاظ سے ذا الاید یعنی بہت سی قوتوں والا کہا گیا ہے۔

● ع۲ قطع کا معنیٰ کاٹنا بھی ہے اور روکنا بھی ہے۔ جیسے کہ حضرت لوط عم نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اغلام باز بھی ہو اور لوگوں کو لوٹنے کے لئے ان کا راستہ بھی کاٹتے ہو۔ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۲۹/۲۹ ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ یہاں قطع سبیل کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ قوم لوط عم کدال کیساتھ راستے کاٹتے تھے۔ بلکہ راستہ روک کر لوگوں کو لوٹتے تھے۔ پس الفاظ کی لغت کے مطابق قطع ید کا معنیٰ چور کے ہاتھ روک دینا، یعنی اسکی اصلاح کیلئے قید کردینا ہے۔ ہاتھ کاٹ کر لُنجے اور بھیک منگے بنانا نہیں۔

● یوں تو قطع ید کی وضاحت آیت نمبر ۵/۳۳ میں کھل کر دی گئی ہے کہ اسکا معنیٰ اور مفہوم بہیمیت یعنی زندہ انسانوں کے ہاتھ کاٹکر انہیں بیکار و معذور کردینا نہیں بلکہ قید کرنا ہے۔ لیکن اِن ہر دو آیات مجیدہ ۵/۳۸-۳۹ کے داخلی چار جملوں کی ترتیب اور انکا باہمی ربط چور کا ہاتھ کاٹنے کے کھل کر خلاف جاتا ہے۔ ہم نے پچھلے صفحہ پر ان جملوں پر خط کھینچ کر ایک سے چار تک نمبر لگا دیئے ہیں تاکہ ربط و مفہوم سمجھنے میں آسانی رہے۔ ذیل میں ہر چہار جملوں کو بالترتیب زیر بحث لایا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ چور کے ہاتھ کاٹ ڈالنا چاروں جملوں کے خلاف ہے۔ یاد رہے کہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا کے بعد عین متصل پہلے نمبر پر یہ جملہ مبارکہ آیا ہے (۱) جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (مفہوم) یہ قطع ید کا حُکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے، سزا اندازہ جرم کیمطابق ہے (نہ کم نہ زیادہ)۔ دیکھئے! اِن الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ چور مرد ہو یا عورت، انکی سزا عین جرم کے برابر ہوگی۔ تو اب بتائیے کہ اگر ایک ہزار روپے کے چور کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے اور ایک لاکھ دو لاکھ یا دس لاکھ روپے کے چور کا بھی پنجہ الگ کر دیا جائے تو جزآءً بما کسبا کے خداوندی حکم کی تعمیل یعنی سزا مطابق جرم کے سلسلے

میں ہم نے کیا کیا؟ ۔ نیز چوری کی کم و بیش مالیت کے عوض اگر ہاتھ کاٹنے کے مقام کو دو چار انچ نیچے اوپر کرنے لگیں تو بتائیے کہ سزا باندازہ جرم کی تعمیل کس طرح مضحکہ خیز بن کر رہ جاتی ہے ۔ کیونکہ بازو سے پنجہ خواہ کسی بھی مقام سے الگ کیا جائے ، لنجا ہو جانے کے نتیجے میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ یعنی پانچ سو روپیہ کے چور کو بھی لنجا اور پانچ لاکھ کے چور کو بھی لنجا کر دینے میں جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا کے خداوندی حکم کے تعمیلی تقاضے ہرگز پورے نہیں ہوتے ۔

● فلہذا جیسے کہ آیۂ مجیدہ کے ترجمہ میں لکھا گیا ہے کہ قطع ید کا معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ چوری کرنے کی طاقت کو روک دینا ہے ۔ جس کی صورت محسوس یہ ہے کہ مجرم کو اُس کے جرم کے مطابق قید کر کے معاشرہ سے الگ کر دیا جائے ۔ اور اس طرح جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا کی تعمیلی صورت یہ ہو گی کہ اگر پانچ سو روپے کے چور کو تین ماہ قید کی سزا دی گئی ہے تو ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ روپے کے چوروں کو سزا اندازہ جرم کے مطابق بالترتیب بڑھتی چلی جائے گی ۔ پس ثابت ہوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا کا معنیٰ ہاتھ کاٹنا لینا ، متصلہ اوّلین جملہ جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا کے خلاف ہے ۔ اس کے بعد متصلہ دوسرا جملہ یہ ہے :۔

۲۔ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۔ اس جملہ کے مطابق غور طلب یہ امر ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دینے اور اُس کے بیوی بچوں کو فاقوں کے جہنم میں دھکیل دینے اور اُنہیں بھک منگے بنا کر معاشرے پر بوجھ بنا دینے میں کون سی حکمت ہے ؟ حکمت کا معنیٰ یہ ہے کہ نقصان بھی نہ ہو اور کام بھی سُدھر جائے ۔ قرآنی حکم قید کر دینے میں وُہ حکمت پوشیدہ ہے جس میں نہ افراد معاشرہ کے ہاتھ کاٹ کر اُنہیں ناکارہ کر دینے کا تصوّر ہے اور نہ آئے دن ہاتھ کٹوں اور بھک منگوں میں اضافہ کرنے کا ۔ یاد رہے کہ قید خانوں میں (جنہیں صحیح طور پر اصلاح خانے بنایا جانا ضروری ہے ، اور ان کے نام بھی جیل خانوں کی بجائے اصلاح خانے رکھنا لازم ہے) چوروں کی اصلاح کرنا ہی وُہ حکمت ہے جو مذکورہ بالا جملہ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کے تقاضے پورے کر سکتی ہے کہ چور ، کچھ عرصہ معاشرہ سے الگ اصلاح خانے میں رہ کر پھر سے شریف شہری بن جائے ۔ پس ثابت ہوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا کے الفاظ سے چور کا پنجہ الگ کر دینے کا تصوّر ، اس کے دوسرے متصلہ جملہ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کے بھی خلاف ہے ۔ فلہذا یکسر غلط ہے ۔

۳۔ تیسرے نمبر پر متصلہ جملہ آیا ہے :۔ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ پھر جو شخص چوری کرنے کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس پر رجوع برحمت ہو گا ۔ یعنی اُسے معاف کر دے گا ۔ اب غور فرمائیں کہ " اگر چور پکڑا ، مال برآمد کیا اور ہاتھ کاٹ ڈالا " ، ہی آیت زیر بحث کی تعمیل صورت صحیح ہو تو بتائیے کہ چور کو توبہ اور اصلاح کا موقعہ کب ملیگا ؟ نیز بتائیے کہ ہاتھ کاٹ ڈالنے کے بعد وُہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو پھر کیا فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ کا یہ مفہوم ہو سکیگا کہ اُسے کٹا ہوا ہاتھ واپس مل جائیگا !

● فلہذا جب چور کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا تصور تیسرے متصلہ جملہ کیساتھ بھی فِٹ نہیں بیٹھتا تو ثابت ہُوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا سے ہاتھ کاٹ ڈالنے کا مفہوم اخذ کرنا غلط ہے۔

۴۔ اس سے اگلا چوتھا اور آخری متصلہ جملہ ہے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ عیبوں کو ڈھانپنے والا مہربان ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توبہ اور اصلاح کے بعد کٹا ہوا ہاتھ واپس نہیں مل سکتا تو عیب پوشی کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کٹا ہوا ہاتھ عمر بھر کیلئے جرم پر پردہ پڑنے نہیں دیگا۔ وُہ ہمیشہ کیلئے اس امر کا ڈھنڈورچی بنا رہیگا کہ یہ چور ہے۔ اس طرح توبہ اور اصلاح کے باوجود تائب اور مصلح کو معاشرہ میں اس کا کھویا ہُوا باعزت مقام دوبارہ ہرگز میسّر نہیں آسکتا۔ پس چونکہ ہاتھ کاٹنے کا نظریہ آئت مجیدہ کے چاروں متصلہ جملوں کے خلاف ہے۔ اس لئے بدرجہ اتم ثابت ہوا کہ قطع ید کا معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں، وُہ طاقت روکدینا ہے جو چوری پراکساتی ہو اور اُس کی عملی صورت چور کو قید کرکے اُس کی اصلاح کرنا ہے۔

جُملہ انبیاء کا دین اور شریعت ایک تھی

● اب سطور ذیل میں یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ سابقہ انبیاء کے ہاں بھی چور کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ قید کرنا ہی تھی۔ اور آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاءؑ کی شریعت ایک تھی اُس میں سرِمُو فرق نہیں تھا، جیسے کہ سُورہ شوریٰ میں ارشاد ہُوا ہے۔

● شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى .... $\frac{42}{13}$ (ایمان والو!) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنے دین کی وہی اکلوتی شرع کردی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور اے رسولؐ! وُہی شریعت جو ہمنے آپکی طرف وحی فرمائی ہے۔ اور وہی شریعت جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا ـــــ اس آئت مجیدہ سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاء کرام کو شریعتِ واحدہ عطا کیگئی تھی۔ اور اس کے بعد اب دیکھئے کہ سورہ یوسفؑ میں شریعتِ یعقوبی کی سزا بتائی گئی ہے چور کو قید کرنا۔

● فرزندانِ یعقوبؑ جب دوسری مرتبہ غلہ لینے کیلئے مصر تشریف لے گئے تو اُن کے چھوٹے بھائی پر چوری کا الزام آگیا۔ اس پر اُن سے پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں چور کی سزا کیا ہے؟ تو برادران یوسفؑ نے جواب دیا۔ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ $\frac{12}{75}$ انہوں نے کہا جس کی بوری میں چوری کا پیمانہ پایا گیا ہے وُہ اپنی جزا آپ ہے (یعنی وُہ قید کردیا جائے) ہم اپنی شریعت (یعقوبی) میں چوروں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

● دیکھا آپنے کہ شریعتِ یعقوبی میں جو آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاء کرام کی اکلوتی شریعت ہے، چور کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں تھی بلکہ قید کرنا تھا۔ چنانچہ برادر یوسفؑ شریعت یعقوبی کے مطابق قید کرلیا گیا تھا، اس کا ہاتھ

نہیں گیا تھا۔ پس جملہ انبیاء کی الٰہی شریعت کے قرآنی کلیہ کے مطابق بھی ثابت ہُوا کہ ٥ کے الفاظ فَاقْطَعُوْا أَیْدِیَھُمَا کا قرآنی معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ اُس قوت کو روک دینا ہے جو چوری پر اُکساتی ہے۔ جس کی مختلف صورتیں اظہر من الشمس ہیں کہ اگر چور بیکار و بے روزگار ہے تو اُسے وقفۂ سزا کے بعد روزگار مہیا کیا جائے۔ اور اگر وُہ کوئی کام نہیں جانتا تو اُسے اصلاح خانے میں کوئی ایک ہنر سکھایا جائے۔ اگر چور کے پیچھے کوئی رسّہ گیر طاقت ہے تو اُسے پوری طرح ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ چور کو قید کرنا اور رسّہ گیروں سے چشم پوشی کرنا فَاقْطَعُوْا أَیْدِیَھُمَا کے خلاف ہے۔ فی الحقیقت رسّہ گیر ادارے چور ساز ادارے ہیں۔ انکا خاتمہ لازم ہے۔

قید خانے نہیں اصلاح خانے

● قرآنی ہدایات کیمطابق قید خانوں یعنی جیل خانوں کا نام اور کام دونوں کو تبدیل کرنا لازم۔ کیونکہ چوری کے جُرم یا دوسرے جُرموں کے مجرموں کو غرضِ اصلاح کے بغیر قید کر دینا بھی خلافِ قرآن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لاریب اصلاحِ معاشرہ کی اور امنِ عالم کی علمبردار ہے۔ اگر کوئی مجرم سال دو سال کی قید کاٹ کر معاشرہ میں لوٹ کر آنے کے بعد چور کا چور ہی رہے تو ظاہر ہے وقفۂ قید مطلقاً بیکار ہی چلا گیا۔ پس جتنے وقفہ کیلئے کسی مجرم کو معاشرہ سے الگ کر کے اصلاح خانے میں رکھا جائے، لازم ہے کہ اُس وقفے میں مجرم کی پُوری طرح اصلاح کر دی جائے، تاکہ وُہ جیل یعنی اصلاح خانے سے واپس آکر مجرمانہ عادات و خصائل سے پوری طرح الگ ہو چکا ہو۔ فلھذا لازم ہے کہ وُہ سرکاری ادارے جن میں مجرموں کو قید کیا جائے، انکا نظام بھی ایسی بُنیادوں پر تبدیل کیا جائے کہ اس ادارے یعنی محکمہ جیل کا اوڑھنا بچھونا ہی اصلاحِ مجرمین ہو۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ ان اداروں کا نام جیل خانوں اور قید خانوں کی بجائے اصلاح خانے رکھا جائے۔

● چوری کی صحیح قرآنی سزا کی وضاحت کے بعد پروردگارِ عالم نے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے، یعنی پُوری نوعِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی کے لئے ہے۔ اس میں بے جا تصرّف کرنیوالوں کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی سزا مقرر کرتا اور معاف کرتا ہے۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ

(اے رسولؐ!) کیا نہیں جانا تو نے بلاشبہ اللہ واسطے اُسکے حکومت

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ

ہے آسمانوں اور زمین کی۔ عذاب کرتا ہے جسے چاہے

وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اور معاف کرتا ہے واسطے جس کے چاہے۔ اور اللہ واسطے ہر

(اے رسولؐ!) کیا آپ نے جانا نہیں (یعنی آپکو جاننا چاہیے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ وُہ ہے کہ واسطے اسی کے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔ اور وُہ جسے عذاب کا حکم دیتا ہے تو قانونِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے اور جسے معاف کرتا ہے تو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی معاف کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قانون متعیّن

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ۴۰
چیز کے قانون بنانے والا ہے۔ کرنے والا ہے۔

● سزا کا قانون اُن لوگوں کیلئے جو ربوبیت عالمین میں رکاوٹ بنتے ہیں اور معاف انہیں کیا جاتا ہے جو تائب ہو کر راہ راست پر آجاتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورصلعم کے تسکین قلب کے لئے ارشاد ہوا کہ جو لوگ ضابطۂ خداوندی کے انکار میں جلدی کرتے اور جھوٹ بولتے ہیں آپ اُن کے لئے غمگین نہ ہوں:۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ
اے ہمارے رسول! نہ غمگین کریں تجھے وہ لوگ جو جلدی کرتے
فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ
بیچ انکار کے ہیں سے ان کے کہا ایمان لائے ہم ساتھ مونہوں اپنے کے اور
تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ
ایمان لاتے ذہن انکے اور میں سے یہودیوں کے سننے والے
لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ
واسطے جھوٹ کے۔ سننے والے واسطے دوسری قوم کے نہیں آئے پاس تیرے
یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ
تبدیل کرتے ہیں کلام کو سے پیچھے مقام اسکے کے وہ کہتے ہیں
اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ
اگر دیئے جاؤ تم یہ تو لے لو اسے اور اگر نہ دیئے جاؤ
فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ
تو بچ جاؤ جو کوئی ارادہ کرے اللہ اسکی سزا کا تو نہیں تو مالک واسطے
لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ
اسکے سے اللہ کے کچھ وہی لوگ ہیں نہیں ارادہ کرتا اللہ
اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۚۖ وَّ
کہ پاک ٹھہرائے اذہان انکے۔ واسطے انکے بیچ دنیا کے رسوائی ہے
لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ ۴۱
واسطے انکے بیچ آخرت کے سزا ہے بہت بڑی۔

اے ہمارے رسول! وہ لوگ آپ کو غمگین نہ کریں (یعنی آپ اُن سے غمگین نہ ہوں) جو (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات کے) انکار میں جلدی کرتے ہیں، اُن لوگوں میں سے جو مُنہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے اذہان ہرگز ایمان نہیں لاتے۔ اور یہودیوں میں سے بھی وہ لوگ (آپکو غمگین نہ کریں) جو جھوٹ بولنے کیلئے (آپ سے قرآن مجید سُنتے ہیں یعنی آپ سے سُننے ہونے کے خلاف) اُس قوم کے آگے جھوٹ بولنے کیلئے سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے۔ وہ لوگ ہمارے کلام کو اصل مقام سے بدل دیتے ہیں (اپنی قوم کو) کہتے ہیں کہ اگر تم رسول کی طرف سے یہ دیئے جاؤ (جو ہم کہتے ہیں) تو لے لیا کرو۔ اور اگر تمہیں یہ تعلیم نہ دی جائے تو اس سے بچ جاؤ۔ (اے رسول!) جس کسی کو اللہ تعالیٰ اُسکی گمراہی کی سزا دینے کا ارادہ کرے تو اُس کیلئے (اس سزا سے بچانے کا) آپکو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ مذکورہ بالا وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے (ان کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت) اُنکے قلوب کو پاکیزہ ٹھہرانے کا ارادہ نہیں کیا۔ اُن کے لئے (اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق) اس دنیا میں بھی رُسوا کن سزا ہے۔ اور آخرت میں اُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

● سابقہ آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے یہودیوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضورؐ کی خدمت میں جاسوسی کرنے کیلئے آتے تھے۔ وہ مُنہ سے تو ایمان کا اقرار کرتے مگر اُن کے اذہان مُطلقاً انکاری تھے۔ آپ کے کلام اور آپکے پروگرام کو مخالف قوم تک پہنچانے کیلئے حاضر ہُوا کرتے۔ اگلی آیت مجیدہ میں تکرار تاکیدی کے طور پر ارشاد ہُوا ہے کہ وہ آپکے کلام کو اسلئے سنتے تھے کہ اُس میں جھوٹ ملا کر لوگوں تک پہنچائیں اور معاذ اللہ حرام مال کھانے کیلئے آنحضورؐ کو سند بنائیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ
سننے والے ہیں واسطے جھوٹ کے کھانیوالے ہیں حرام کے
فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ
پس اگر آویں پاس تیرے پھر فیصلہ کر درمیان اُنکے یا اعراض
عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ
کر اُن سے - اور اگر تو اعراض کرے اُن سے تو نہ
يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ
تکلیف دینگے تجھے ذرہ بھر - اور اگر فیصلہ کرے تو تو فیصلہ کرنا
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ۴۲
درمیان اُنکے ساتھ انصاف کے - بیشک اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنیوالوں کو

(دوبارہ سُن لیجئے گا کہ یہودی لوگ) قرآن کو سنتے ہی ہیں اس کے ذمہ جھوٹ لگانے کے لئے۔ اور وُہ حرام کھانیوالے ہیں۔ پھر (اے رسُول!) اگر وُہ (یہودی اپنے جھگڑوں کے فیصلے کرانے کیلئے) آپکے پاس آئیں، تو پھر آپ کو اختیار ہے کہ اُن کے فیصلے کریں یا اُن سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ اُن سے اعراض فرمائیں تو وُہ لوگ آپ کو ذرّہ بھر بھی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ اُن کے درمیان مقدمات کے فیصلے کریں تو انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف (کیساتھ فیصلے) کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

یہود کی مفاد پرستی

● آیات بالا میں ایک طرف تو یہودیوں کی یہ حالت بیان کی گئی ہے کہ وُہ قرآنی احکام کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو کچھ آنحضورؐ سے سُنتے اُسے بدل کر اپنی قوم کو سُناتے تھے اور خود توراۃ مقدّس کے احکام کو بھی اپنے ڈھب کے مطابق تبدیل کر رکھا تھا $\frac{5}{13}$ دوسری طرف یہ بھی بتا دیا ہے کہ وُہ اپنے باہمی مقدمات کے فیصلے کرانے کے لئے آنحضورؐ کی عدالت میں لایا کرتے تھے۔ اگلی آیت مجیدہ سے ظاہر ہے کہ اُن کا ایمان نہ توراۃ مقدّس پر ہے نہ قرآن مجید پر۔ بلکہ ان کا ایمان مفاد پرستی کے گرد گھومتا ہے۔ اگر اپنے محرّف قوانین میں فائدہ دیکھا تو اُدھر کو جُھک گئے اور قرآنی احکام میں فائدہ نظر آیا تو اپنے مقدّمے آنحضورؐ کے پاس لے آتے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا
اور وہ کیسے وہ حاکم بنائیں تجکو اور پاس اُنکے ہے توراۃ بیچ اسکے
حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ
حکم ہے اللہ کا - پھر وہ پھر جاتے ہیں بعد اس کے

اور (اے رسُول!) یہ یہودی لوگ اپنے مقدمات میں آپکو کس طرح حاکم ٹھہراتے ہیں، حالاں کہ اُن کے پاس تورات ہے (اگرچہ انہوں نے اُس میں ردّوبدل

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۴۳

اور نہیں ہیں وہ علی ایمان لانیوالے

کر لیا ہے۔ ۵/۱۴ لیکن کہتے بھی ہیں کہ) اس میں اللہ کے احکام ہیں ۔ پھر اس کے (یعنی یہ کہنے کے) بعد بھی وُہ اُس سے اعراض کرتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ وُہ مومن نہیں ہیں ۔

اصل توراۃ میں ہدایت بھی ہے اور نور بھی ہے فیصلے منزل من اللہ کیساتھ کیے جائیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ اصل تورات میں بھی ہدایت و نور نازل فرمایا گیا ۔ اور اصل انجیل میں بھی ہدایت و نور نازل ہوا تھا ۔ بغور ملاحظہ فرمائیں ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ

بیشک ہم نے نازل کیا توراۃ کو بیچ اُسکے ھدایت اور نور ہے

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

فیصلے کرتے تھے ساتھ اسکے نبی جنہوں نے فرمانبرداری کی واسطے اُن لوگوں کے

هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا

جو یہودی ہوئے اور مشائخ اور علماء اسلئے کہ

اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ

حفاظت کرائے گئے سے کتاب اللہ کی اور تھے وہ اوپر اُس

شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ

کے گواہ ۔ پس نہ ڈرو لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ

اور نہ بیچو آیتیں میری قیمت تھوڑی ۔ اور جو لوگ نہ

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ۴۴

فیصلہ کریں ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے لیس وہی وہ ہیں کافر ۔

بیشک ہمیں نے تورات کو نازل فرمایا ہے ۔ اُس میں (ہماری تمام کتابوں کی طرح) ہدایت بھی ہے اور ہر مسئلہ کے حل کیلئے) روشنی بھی ہے ۔ ہمارے بہت سے نبی جنہوں نے ہماری فرمانبرداری کی اسی (غیر محرّف تورات) کیساتھ یہودیوں کے (جھگڑوں کے) فیصلے کرتے رہے تھے ۔ اور ان کے مشائخ و علماء بھی (اسی کیساتھ ان کے فیصلے کرتے رہے تھے) یہ اس لئے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (توراۃ مقدّس) کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وُہ اُس پر خود گواہ تھے (انہیں کہہ دیا گیا تھا کہ) لوگوں سے مت ڈرو ، بلکہ صرف میرے قانون کی مخالفت سے ڈرو ۔ اور میری آیتوں کو دنیا کے حقیر مال کے عوض نہ بیچنا ۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کیساتھ جھگڑوں کا فیصلہ نہیں کرتے ۔ وُہ ہی تو کافر ہیں ۔

توراۃ میں بھی قرآنی احکام ہی تھے

سورہ شعراء میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم سے پہلی مجلد کتب

الٰہی میں قرآنی قوانین ہی نازل کیے گئے تھے۔ وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَؕ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُۙ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَۙ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍؕ وَاِنَّهٗ لَفِىۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ ۔ ٢٦ : ١٩٢ تا ١٩٦

یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔ رُوح الامین اسے لیکر آپکے قلبِ اطہر پر نازل ہوا، تاکہ آپ منذرین میں سے ہو جائیں۔ اس کی زبان عربی مبین ہے۔ یہی احکام سابقہ جملہ کتابوں میں تھے۔

● نیز سُورہ شوریٰ ٤٢ : ١٣ کے حوالہ سے پیچھے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جملہ انبیاء سلامٌ علیہم کو ایک ہی دین اور اصلی وُہ ایک ہی شریعت عطا کی گئی تھی جو دین اور شریعت آنحضور سلام کو دی گئی ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اسی امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ جو قوانین سابقہ اُمتوں پر فرض کیے گئے تھے، وہی قوانین قرآن کریم میں بالفاظ ذیل موجود ہیں :-

وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَاۤ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ
اور فرض کیا ہم نے اوپر ان کے بیچ اسکے بیشک جان بدلہ جان
وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ وَالۡاُذُنَ
اور آنکھ بدلہ آنکھ اور ناک بدلہ ناک اور کان
بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ ؕ
بدلہ کان اور دانت بدلہ دانت اور زخموں کا بدلہ ہے
فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ
پھر جو کوئی صدقہ کرے ساتھ اسکے تو وہ کفارہ ہے واسطے اسکے اور جو نہ فیصلے کریں
بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ‏ ۝ ٤٥
ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے پس وہی وہ ظالم ہیں۔

اور ہم نے اُس (توراۃ) میں اہلِ کتاب) پر فرض کر دیا کہ جان کا بدلہ جان ہے (یعنی جو شخص کسی شخص کو قتل کر دے تو اُس کے بدلے اُسے قتل کر دیا جائے) اور (اسی طرح) آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے۔ اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے۔ اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں کا بدلہ بھی لیا جانا فرض ہے۔ پھر اگر مجرم کو وُہ شخص خود معاف کر دے جس پر ان میں سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو اسکا معاف کر دینا مجرم کا کفارہ ہو جائیگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ نہ فیصلے کریں اُس ضابطہ کیساتھ جو اللہ نے نازل کیا ہے تو (ایسے لوگ) وُہی لوگ تو ظالم ہیں۔

انجیل مقدس میں بھی ہدایت و نُور تھا

● حقیقی تورات کی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں انجیل مقدس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس میں بھی ہدایت و نُور نازل کیا گیا تھا۔ وُہ بھی قرآنی دین ہی کی حامل تھی :-

وَقَفَّيۡنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ
اور بھیجا ہم نے اوپر راستے اُنکے عیسیٰ بیٹے مریم کو
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ ۖ وَ
تصدیق کرنیوالا واسطے اسکے جو پہلے اسکے تھا، میں سے تورات کے اور

اور ہمنے (توراۃ والے نبیوں کے بعد) اُنہی کے راستے پر مریم کے بیٹے عیسیٰ کو (نبی بنا کر) بھیجا جو تصدیق کرنیوالا تھا اُس (تعلیم) کی جو اُس سے پہلے تورات میں (نازل کی گئی) تھی۔ اور ہمنے اُسے انجیل

اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ
دی ہم نے اسکو انجیل بیچ اسکے ہدایت ہے اور نور
وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ
اور تصدیق کرنیوالی واسطے اسکے جو آگے ہے توراۃ کے
وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ۴۶
اور ہدایت اور نصیحت واسطے تقویٰ شعاروں کے

عطا فرمائی۔ اُس میں (بھی تورات کی طرح ہر مسئلہ انسانی کیلئے) ہدایت اور روشنی تھی۔ اور وُہ اُسی تعلیم کی تصدیق کرنیوالی تھی جو اُس سے پہلے تورات میں (نازل کی گئی) تھی۔ اور وُہ تقویٰ شعار لوگوں کے لئے (مکمل طور پر) ہدایت اور نصیحت ہے۔

● علہ توراۃ مقدس بہت سے انبیاء کے صحف مبارکہ کا نام ہے۔ اسی لئے ۴۴ میں ارشاد ہوا ہے کہ تورات کیساتھ بہت سے نبی لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے ـــــ آیت بالا میں انجیل مقدس کی تعریف کے بعد اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:-

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ
اور چاہیئے کہ فیصلہ کریں اہل انجیل ساتھ اسکے جو نازل کیا
اللّٰهُ فِيْهِ ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اللہ نے بیچ اسکے۔ اور جو نہ فیصلہ کریں ساتھ اسکے جو نازل
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ۴۷
کیا اللہ نے پس وُہی وُہ حد سے پھاندنے والے ہیں۔

اور اہل انجیل پر لازم ہے کہ وُہ اُن (قوانین) کے ساتھ مقدموں کے فیصلے کیا کریں جو خود اللہ تعالیٰ نے انجیل کے اندر نازل فرمائے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اُس ضابطے کیساتھ فیصلے نہ کریں جو خود اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ وُہی وُہ تو اللہ تعالیٰ کی حد سے پھاندنے والے ہیں۔

قرآنِ حکیم توراۃ و انجیل کا نگہبان ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ قرآنِ کریم تورات و انجیل کا نگہبان ہے۔ یہ اس لئے کہ پیچھے متعدد بار بتایا گیا ہے کہ توراۃ و انجیل میں یہود و نصاریٰ نے اپنے حسب منشا تحریف کر لی ہوئی ہے۔ حضرت مسیح ؑ و عزیر ؑ کو خدا تعالیٰ کے بیٹے قرار دیا۔ نصاریٰ نے صلیب کا عقیدہ ایجاد کرکے اُسے گناہوں کا کفارہ ٹھہرالیا ہے۔ وُہ غیر اللہ ضابطوں کیساتھ فیصلے کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضور صلعم کے نام خصوصی حکم جاری کیا گیا ہے کہ آپ مقدموں کے فیصلے صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کیساتھ کیا کریں:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
اور نازل کی ہم نے طرف تیری کتاب ساتھ حق کے
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ
تصدیق کرنیوالی واسطے اُسکے جو پہلے ہے سے کتاب کے

اور (اے رسول ؐ) ہمنے آپ کی طرف (قرآنِ کریم اپنی لاریب) کتاب حق کیساتھ نازل فرمائی ہے۔ جو تصدیق کرنیوالی ہے اُن کی جو اُس سے پہلے کتابیں (نازل کی گئی تھیں) اور یہ اُن پر نگہبان ہے (اہل کتاب نے جو اُن میں تحریف کر رکھی ہے ۱۳/۵ ، ۴۶/۴ یہ اُن کی تصحیح کرنے

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ

اور نگہبان اُوپر اُسکے پس فیصلے کر درمیان اُنکے ساتھ اُسکے جو نازل کیا

اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ

اللہ نے اور نہ پیروی کرنا خواہشوں اُنکی جب آچکا تیرے پاس سے

الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ

حق کے - واسطے سب کے ٹھرایا ہم نے واسطے تمہارے ایک شریعت اور طریقہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً

اور اگر چاہے اللہ (زبردستی) البتہ کردے تم کو جماعت ایک

وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا

اور لیکن تاکہ ظاہر کرے تم کو بیچ اُسکے جو دیا تمکو پس آگے بڑھو

الْخَيْرٰتِ ۭ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

نیکیوں میں - طرف اللہ کے لوٹنا ہے تم سب کو -

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ٤٨

پھر وہ خبر دیگا تم کو اُسکی جسمیں تم اختلاف کیا کرتے -

والی ہے) پس اے رسول! آپ اُن کے درمیان فیصلے فرمایا کریں اُس ضابطہ کیساتھ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور آپ اِس کے بعد، کہ آپ کے پاس حق قرآن آچکا ہے، اُن (اہلِ کتاب) کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ ہم نے سب کیلئے ایک ہی شریعت یعنی ایک ہی طریقہ مقرر فرمایا ہے - اور اگر ہم زبردستی چاہتے (یعنی اگر ہمارا قانونِ مشیّت یہ ہوتا کہ سب کو زبردستی راہِ راست پر لایا جائے) تو ہم اعمال کی رُو سے بھی تم سب کو ایک جماعت بنادیتے (سب نیکوکار ہوجاتے) اور لیکن (ہمارا قانونِ مشیّت یہ ہے کہ تم اچھے یا بُرے عمل جیسے چاہو خود کرو)[1] اُسکے جو کچھ تمہیں دیا تاکہ اُس میں تم کو (تمہارے اپنے عملوں کے مطابق ظاہر کرے - پس تم نیکیوں میں آگے بڑھو - (اعمال کی جواب دہی کیلئے) تم سب کا لَوٹ کر آنا اللہ ہی کی طرف ہے[2] پھر وہ تمہیں خبر دے گا اُس چیز کی جس میں تم (مفاد پرستی کیلئے) خود اختلاف کیا کرتے تھے ۔

● عله اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۖ ﴿۴۰﴾ اچھے یا بُرے جیسے عمل تم خود چاہو کرو" کے خداوندی اعلان کے مطابق حضرتِ انسان کو عمل بجالانے میں صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے - اِس لئے وضاحت فرمادی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ زبردستی ہی کے مطابق دین میں راست پر لانا چاہتا تو اعمال کی رُو سے بھی پوری نوعِ اِنسانی ایک ہی گروہ ہوتی - دین میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴿۲۵۶﴾ کے مطابق جبر نہیں ہے اس لئے نوعِ انسانی کو عمل بجا لانے میں صاحبِ اختیار بنا کر حکم دیدیا گیا ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ نیکیوں میں آگے بڑھو: اعمال کی جوابدہی کے لئے تم نے ضرور اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔

● عله اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ طرف اللہ کے ہے لوٹ کر آنا تمہارا - چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا اور دنیا میں بھیجا ہے - چنانچہ بے پایاں نعمتوں کیساتھ نوازا اور حکم دیا ہے کہ ان میں بے جا تصرّف نہ کرنا - کیونکہ یہ پوری نوعِ انسانی کے لئے پیدا کی گئی ہیں ﴿۲۹/۲﴾ - اس لئے باری تعالیٰ نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے، جس میں ہر فردِ بشر نے اپنے اپنے اچھے بُرے اعمال کی جواب دہی کے لئے عدالتِ خداوندی میں حاضر ہونا ہے اچھا یا بُرا پُورا پُورا بدلہ پانا ہے-

آنحضورﷺ کو صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہ کیساتھ فیصلے کرنیکا تکراری حکم

● پچھلی آیات کریمات میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہ کیساتھ فیصلے کرنیوالے کافر ہیں ۴۴، ظالم ہیں ۴۵، فاسق ہیں ۴۷۔ اسی ضمن میں آنحضورﷺ کو آیت بالا ۴۸ میں حکم دیا گیا ہے فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہ اے رسولﷺ! آپ صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہ یعنی اُس ضابطے کیساتھ فیصلے کیا کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۴۹ میں اسی حکم کو تکرار تاکیدی کے طور پر باندازِ مخصوص دُہرایا گیا ہے:۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
اور یہ کہ فیصلے کر درمیان اُن کیساتھ اُسکے جو اُتارا اللہ نے اور نہ
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ
پیروی کر خواہشوں انکی اور احتیاط کر اُن سے یہ کہ
يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ
وہ بہکا دیں آپکو سے بعض حصے اسکے جو اُتارا اللہ نے طرف تیری
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ
پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لے یقیناً ارادہ کرتا ہے اللہ کہ
يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
پہنچائے انکو مصیبت بوجہ بعض گناہوں انکے حقیقت یہ ہے کہ اکثر میں
النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ ۴۹
لوگوں کے البتہ حدوں کو پھاندنے والے ہیں

اور (اے رسولﷺ! دوبارہ تاکیداً حکم دیا جاتا ہے) کہ آپ ان کے درمیان مَآ اَنْزَلَ اللّٰہ (یعنی اُس ضابطے) کیساتھ فیصلے فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اُن کی خواہشوں کی اتباع نہ کرنا۔ اور ان سے محتاط رہنا، ایسا نہ ہو کہ وہ آپکو اُس (ضابطے) کے کسی حصے سے بہکا دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے۔ پھر اگر وہ (اس پر ایمان لانے کے بعد پھر جائیں) تو جان لیجئے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے بدلے ان پر (اپنا قانونی) عذاب لے آئے۔ اور بلاشبہ نوعِ انسانی کے اکثر لوگ (فرمانبردار نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والے ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ
کیا پھر فیصلہ جاہلیت کا چاہتے ہیں وہ۔ اور کون ہے بہتر
مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ۵۰
اللہ سے فیصلہ کرنے میں واسطے اس قوم کے جو یقین رکھنے والی

ع ۱۱

کیا (یہ غیر منزّل من اللہ کے ساتھ فیصلہ کرنے والے) زمانۂ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُس قوم کے لئے جو اللہ کے فیصلوں پر یقین رکھنے والی ہے، اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے دینے والا کون ہے؟ (کوئی بھی نہیں ہے)

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ایمان والوں کے نام حکم جاری کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بنائیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بناؤ یہودیوں
وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
اور نصاریٰ کو دوست بعض ان کے ہیں دوست
بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ
بعض کے اور جو دوست بنائے انہیں تم میں سے تو بیشک وہ ان میں سے ہے
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۵۱
بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت یافتہ ٹھہراتا قوم ظالموں کو

اے وہ لوگو! (جو ہمارے نازل کردہ ضابطہ حیات پر) ایمان لائے ہو، یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنے دوست نہ بنانا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں (وہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے) اور تم میں سے جو کوئی انہیں (یہود کو یا نصاریٰ کو) دوست بنائے تو (وہ جان لے کہ) بیشک وہ انہی میں سے ہے، بیشک اللہ اُس قوم کو ہدایت یافتہ نہیں قرار دیتا، جو قوم کہ بے ٹھکانہ کام کرنیوالی ہے۔ (رکوع)

● اگلی آیت مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کو دوست بنانا نفاق کی علامت بتائی گئی ہے۔ چنانچہ کھل کر بیان کر دیا گیا ہے۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ
پھر تو دیکھتا ہے، بیچ اذہان جن کے بیماری ہے، جلدی کرتے ہیں
فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ
متعلق ان کے کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ آ جائے ہم پر گردش
فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ
پس قریب ہے اللہ کہ آئے ساتھ فتح کے یا حکم ہی سے
عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ
طرف اپنی پھر وہ ہو جائیں اوپر اس کے جو چھپایا بیچ اپنے
اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ ۵۲
آپ کے شرمسار

(اے رسولؐ!) پھر آپ اُن لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے ذہنوں میں منافقت کی بیماری ہے۔ کہ وہ اُن (یہود و نصاریٰ کی دوستی) میں جلدی کرتے ہیں۔ اور کہتے یہ ہیں کہ ہم اس چیز سے ڈرتے ہیں کہ (اُن سے کٹ کر) ہم پر کوئی گردش (مصیبت) نہ آ جائے۔ پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ (مومنوں کیلئے) فتح لے آئے یا اپنی طرف سے کوئی اور امر بھلائی کا لے آئے۔ پھر وہ ان باتوں کو جنہیں وہ اپنے ذہنوں میں چھپائے ہوئے ہیں (جب وہ عیاں ہو جائیں گی) تو اپنے آپ میں شرمسار ہو جائیں گے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ
اور کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے، کیا یہی ہیں وہ لوگ جو
اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ
قسمیں کھاتے تھے۔ ساتھ اللہ کے پکی قسمیں اپنی بیشک وہ ہیں ساتھ تمہارے
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ ۵۳
ضائع ہو گئے اعمال اُن کے پھر ہو گئے وہ گھاٹا پانیوالے

اور وہ لوگ جو (منافقوں کے مقابلے پر صحیح طور پر) ایمان لائے ہیں وہ کہیں گے کہ کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کی قسمیں کھاتے تھے۔ بڑی پکی قسمیں کہ بلاشبہ وہ (یہود و نصاریٰ کیساتھ نہیں بلکہ وہ) تمہارے ساتھ ہیں (اُن کی نافرمانیوں کی بدولت) برباد ہوئے اُن کے اعمال، اور وہ خسارہ پانیوالے ہو گئے۔

● ان آیات کریمات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا ایمان کے صد فیصد منافی اور کھلی منافقت ہے۔ اور اُن کی دشمنی سے ڈر کر اُن سے دوستی کرنا ہرگز سُود مند نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فیصلہ دے دیا ہے کہ وُہ مومنوں کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے۔ بالفاظِ دیگر اگر مومن اُن سے دوستی پیدا بھی کر لیں تو یاد رکھیں کہ وُہ بھی مومنوں کی بھلائی نہیں چاہیں گے، بلکہ ان سے دوستی پیدا کرنیوالے اُلٹے خدا تعالیٰ کے نافرمان بھی ٹھہریں گے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کی اُس قوم کو برسرِ اقتدار لے آئے گا جو اُس سے محبت کرتی ہے اور وُہ اُس سے محبت کرتا ہے، یعنی یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا خدا تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کا ثبوت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ
اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جو پھر جائے تم میں
عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ
سے دین اپنے تو عنقریب آئیگا اللہ ساتھ قوم کے محبت کرتا ہے اُن
وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ
اور وہ محبت کرتے ہیں اُس سے نرم اوپر مومنوں کے، غالب
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اوپر کافروں کے۔ وہ جہاد کرتے ہیں بیچ راہ اللہ کے
وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
اور نہیں ڈرتے ملامت سے ملامت کرنیوالے کی یہ فضل ہے اللہ کا
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
دیتا ہے اُسے جسے چاہے۔ اور ہے اللہ فراخی والا
عَلِيْمٌ ○ ۵۴
جاننے والا

اے وُہ لوگو! جو (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات پر) ایمان لائے ہو، تم میں جو اپنے دین سے پھر جائے[علہ] (تو وُہ اپنا ہی نقصان کرے گا) اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے مقابلے کے لئے اُس قوم کو (صحابہؓ کو انکے مقابلے کیلئے میدان میں) لے آئیگا جس سے وُہ محبت کرتا ہے اور وُہ اس سے محبت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ۹/۱۰۰) جو مومنوں کے سامنے نرم ہیں اور کافروں کے مقابلے پر غالب (بہت سخت ہیں ۴۸/۲۹) وُہ اللہ کی راہ میں (جانوں اور مالوں کیساتھ) جہاد کرتے ہیں۔ ۹/۱۱۱۔ اور وُہ ملامت کرنیوالوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فضیلت ہے۔ وُہ جسے دیتا ہے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت عطا کرنے والا اور بہت بڑھ کر جاننے والا ہے۔ (قانونِ مشیت کے خلاف کچھ نہیں دیتا)

● علہ صحابہؓ رسولؐ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو ایمان لانے کے بعد دین سے پھر گیا ہو۔ آیت بالا میں جو ارتداد کے مقابلے پر ایسی جماعت کو لانے کی خبر دی گئی ہے جو آپس میں یعنی مومنوں کے مقابلے

نرم اور کافروں کے مقابلے پر غالب ہو۔ وُہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی جماعت ہے جس کی نشانی بتائی گئی ہے۔
یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کہ اللہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وُہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ نشان
صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کا ہے جس کے لئے متبادل الفاظ ۱۱۹ میں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ آتے ہیں۔ دوسرا نشان اس
جماعت کا بتایا گیا ہے :۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ، یہ بھی صحابہؓ ہی کی نشانی
ہے جس کے لئے متبادل الفاظ ۴۸ میں آتے ہیں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کہ وُہ کافروں کے مقابلے
پر بڑے سخت ہیں اور مومنوں کے مقابلے پر یعنی آپس میں بڑے رحیم وکریم ہیں۔

● ۵۴ یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم جو نئی لائی جانیوالی قوم کی صفات سے
صد فیصد متصف تھے تو پھر کچھ لوگوں کے دین سے پھر جانیوالوں کے مقابلے پر کسی نئی قوم کے لانے کا کیا مطلب؟
اسکا جواب صاف ہے کہ اگر بفرضِ محال کوئی فرد یا جماعت دین سے پھر جائے تو خدا تعالیٰ اپنی محبؓ ومحبوب جماعت
صحابہ کو اُن کے مقابلے پر لے آئیگا جو کافروں کے مقابلے پر بہت سخت ہے۔ دورِ صحابہ میں دین سے پھر جانیوالے اسلام
اور اہلِ اسلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ صحابۂ رسولؐ میں سے تو کوئی بھی مرتد نہیں ہوا تھا، البتہ تاریخِ اسلام
میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ آنحضورؐ کی وفاتِ مبارکہ کے بعد خلافتِ اوّل کے دَور میں کچھ نو مسلم دیہاتی دین سے
پھر گئے تھے۔ تو اُس وقت اُن کے ضرر سے اسلام اور اہلِ اسلام کو محفوظ رکھنے والے صحابہ کرام ہی تھے جن
کی تعریف یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ بھی بیان ہوئی ہے اور اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۵۴
بھی بتائی گئی ہے۔ اُسے مرتدین کے مقابلے پر لانے کی خبر دی گئی ہے اور جب کچھ لوگ مرتد ہو گئے تو انہیں
ان کے مقابلے پر لے آیا گیا۔ اور وُہ غالب ہوئے۔

● پچھلی آیاتِ کریمات میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر واضح کیا گیا ہے یہود و نصاریٰ کا تمہارے دوست ہونے
کا تو تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا جو تمہارے ساتھ شامل ہی نہیں ہوئے، تمہارے تو وُہ منافق بھی دوست نہیں جو
تمہارے ساتھ شامل ہو چکے ہیں۔ اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ تمہارا دوست اللہ اور رسولؐ ہے اور تمہارے
ساتھ شامل ہونیوالوں میں سے وُہ لوگ تمہارے دوست ہیں جو ایمان لانے کے بعد قوانینِ الٰہی کے سامنے جھکے
ہوئے ہوں، صلوٰۃ قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، تاکہ نظامِ ربوبیت قائم ہو جائے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ ۵۵

بلاشبہ دوست تمہارا اللہ ہے اور رسول اس کا اور جو لوگ

اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

ایمان لائے وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں اجتماعی نظام اور دیتے ہیں

سوائے اس کے نہیں کہ (یہود و نصاریٰ اور منافقین تمہارے دوست نہیں) تمہارا دوست خود اللہ تعالیٰ ہے اور اُسکا رسولؐ ہے۔ اور وُہ لوگ ہیں جو ایمان لائیں۔ اور اجتماعی نظام قائم کریں۔ اور

الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ ۵۵		(معاشرہ کے کمزوروں کی فربہی کے لئے) زکوٰۃ دیں ، اور وہ قوانینِ الٰہی کے سامنے جھکے ہوئے ہوں ۔
نشوونما	اور وہ جھکنے والے ہیں ۔	

● یہ تو ہُوا آیت بالا ۵۵ کا صحیح مفہوم جو سیاقِ کلام کے عین مطابق ہے اور اگلی آیات مجیدہ میں بھی آپ دیکھیں گے کہ یہ مفہوم سیاقِ کلام کے بھی عین مطابق ہے ۔ کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتوں میں بھی یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کر دیا گیا ہے ، جو دینِ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں ۔ زمانہ شاہد ہے کہ یہ لوگ آج تک ایک ہی کوشش میں مصروف پائے گئے ہیں کہ اسلام کی بیخ کنی کر دی جائے ۔ مگر اس صحیح مفہوم کے خلاف ایک مکتبِ فکر کے ہاں آیت مجیدہ ۵۵ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی کیوں کہ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سائل نے سوال کیا ۔ آپ اُس وقت حالتِ رکوع میں تھے ، آپ نے اُسی حالت میں اُنگلی سے انگوٹھی اتار کر سائل کے حوالے کر دی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ بیشک تمہارا ولی اللہ اور اُس کا رسول ؐ ہے اور وہ مومن تمہارے ولی ہیں جو صلوٰۃ قائم کرتے اور بحالتِ رکوع زکوٰۃ دیتے ہیں ۔ اسکی علمی بحث ملاحظہ فرمائیں ۔

● ۱ پہلے یہ کہ آیت مجیدہ میں اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ آیا ہے ، جس سے ظاہر ہے کہ حقیقی ولی یعنی دوست صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔ اللہ کا رسول اور مومنین بشری دائرہ میں محدود رہ کر دوست ہیں ۔۔ سب کو ایک سطح کے ولی قرار نہیں دیا گیا

● ۲ دوسرے نمبر پر یہ کہ آیت مجیدہ کے الفاظ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ میں سات جمع کے صیغے آئے ہیں ۔ اگر اس آیت مجیدہ پر کوئی شانِ نزول چسپاں کیا بھی جائے تو وہ ایک شخص کے متعلق نہیں ہو سکتا بلکہ ایک جماعت کے متعلق تسلیم کرنا پڑیگا ۔ لیکن واضح رہے کہ علمی لحاظ سے اس آیت میں کسی واقعہ کی خبر نہیں دی گئی ۔ بلکہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا معنیٰ ہے اور جو لوگ ایمان لائیں ۔ لفظ اٰمَنُوْا صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے جس کا معنی ہے جو زمانہ ماضی میں ایمان لائے ۔ لیکن یہاں چونکہ فعل ماضی اٰمَنُوْا پر اَلَّذِيْنَ اسم موصول داخل ہُوا ہے ، اس لئے یہ فعل مضارع ہو گیا ہے ، اور اُس کے بعد جو آیا ہے دوسرا اَلَّذِيْنَ ، اس کے بعد تمام افعال آئے ہی بصیغہ مضارع ہیں يُقِيْمُوْنَ اور يُؤْتُوْنَ ، پس ثابت ہوا کہ یہاں نہ ماضی کے افعال ہی آئے ہیں اور نہ ماضی کا کوئی قصہ بیان ہُوا ہے کہ اُسے عربی قواعد کی حدود و قیود کو پھاند کر کسی ایک شخصیت کے لئے شانِ نزول قرار دیدیا جائے ۔ بلکہ بتایا یہ گیا ہے اللہ کے بعد اسکا رسول ؐ اور مومن بھی تمہارے دوست ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے قانون پر پوری طرح جھکے ہوئے اجتماعی نظام قائم کرتے اور معاشرہ کے کمزوروں کی فربہی کے لئے زکوٰۃ دیتے ہیں ۔

● المختصر آیت مجیدہ ۵۵ میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مومنوں کا حقیقی ولی دوست صرف اللہ تعالیٰ

ہے۔ اور اُسکے بعد اللہ کا رسولؐ اور باقی مومن جو اللہ کے قانون پر پوری طرح جھکے ہوئے نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کریں وہ اپنی حدود میں تمہارے دوست ہیں۔ اِس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے ایسے لوگ حزب اللہ ہیں:

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ
اور جو دوستی کریں اللہ اور اُسکے رسول اور اُن سے جو
اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
ایمان لائے پس بیشک گروہ اللہ کا وہی ہیں
الْغٰلِبُوْنَ ۝ ۵۶ ع
غالب آنیوالے

اور (حقیقت یہ ہے کہ) جو لوگ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسولؐ کیساتھ اور اُن لوگوں کیساتھ جو ایمان لائیں اور (اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کے ذریعہ) اللہ، اُسکے رسولؐ اور مومنوں کیساتھ دوستی کریں (وہ سب مل کر اللہ کا گروہ ہیں) پس بیشک اللہ کا گروہ ہی غالب ہونیوالے ہیں ــــ نیز فرمایا:۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ پکڑو اُن کو جو
اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ
پکڑتے ہیں دین تمہارے کو مذاق اور کھیل میں سے اُن کے جو
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ
دیئے گئے کتاب سے پہلے تمہارے اور کفار کو دوست
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۵۷
اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے

اے وہ لوگو! جو ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات پر ایمان لاتے ہو اُن لوگوں کو جو تمہارے دین کو مذاق اور کھیل ٹھہراتے ہیں دوست نہ بناؤ۔ اُن میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور کفار کو بھی دوست نہ بناؤ۔ (وہ ہرگز تمہارے خیر خواہ نہیں) اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ (جو لوگ تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اُن سے دوستی کیسی)؟

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب اور کفار کی ایک اور مذموم حرکت بالفاظِ ذیل بیان کی گئی ہے:۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا
اور جب بلاتے ہو تم طرف صلوٰۃ کے پکڑتے ہیں وہ اُسے
هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
مذاق اور کھیل ۔ یہ اسلئے کہ بیشک وہ قوم ہیں جو نہیں
يَعْقِلُوْنَ ۝ ۵۸
عقل کرتے ۔

اور (ایمان والو!) جب تم ایکدوسرے کو صلوٰۃ کیلئے بلاتے ہو تو وہ (اہلِ کتاب اور کفار) اُسکا مذاق اڑاتے اور اُسے کھیل محض قرار دیتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام جو معاشرہ کو متوازن کرتا ہے کیا یہ کھیل مذاق کے قابل ہو سکتا ہے)؟ ــــ نیز فرمایا:۔

قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ
کہ اے اہلِ کتاب کیا تم بدلہ لیتے ہو ہم سے

اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ
مگر یہ کہ ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور جو نازل ہوا طرف ہماری اور جو نازل ہوا اُس سے

قَبۡلُ ۙ وَاَنَّ اَکۡثَرَکُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝ ٥٩
پہلے ۔ اور بیشک اکثریت تمہاری نافرمانوں کی ہے

اور (اے رسولؐ!) کہہ دیجئیگا کہ اے اہلِ کتاب کیا تم ہم سے اِس چیز کا انتقام لیتے ہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ کیساتھ ۔ اور اُس (لاریب کتاب) کیساتھ جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور اُن (مقدس کتابوں) کیساتھ جو اس سے پہلے (اللہ کی طرف سے) نازل ہو چکی ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ تم میں اکثریت نافرمانی کرنیوالوں کی ہے ۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں اہلِ کتاب کے سرکش گروہوں میں سے ایک اور شدید سرکش و نافرمان جماعت کی خبر دیگئی ہے ۔

قُلۡ هَلۡ اُنَبِّئُکُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِکَ مَثُوۡبَةً
کہہ کیا میں خبر دوں تم کو بدتر سے اسکے لحاظ سزا کے

عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیۡهِ
نزدیک اللہ کے ۔ جو لعنت کی اللہ نے اور ناراض ہوا اوپر اُنکے

وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِیۡرَ وَعَبَدَ
اور ٹھہرایا میں سے اُنکے بندر اور سوّر اور اطاعت کی

الطَّاغُوۡتَ ؕ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضَلُّ
سرکش پیشوا کی ۔ وہ ہیں بدتر ازروئے مکان کے اور گمراہ ہوئے

عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ۝ ٦٠
سے راہ سیدھی سے

کہہ دیجئیگا کیا میں تمہیں بتاؤں جو اللہ کے نزدیک (اپنی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت) سزا پانے کے لحاظ سے اِس سے بدتر ہے ۔ (وہ احکامِ الٰہی کی نافرمان تمہاری آبائی قوم تھی) جس پر اللہ نے لعنت کی اور اُس پر غضبناک ہوا ۔ اور اُن میں سے بعض پر (اُنکی نافرمانی کی بدولت غلامی مسلط ہوگئی) ۔ اُنہیں اللہ نے بندروں اور سؤروں (کی طرح فاتح قوم کے اشاروں پر ناچتے ہوئے) پایا ۔ کیونکہ اُنہوں نے اللہ کو چھوڑکر سرکش حکام کی فرمانبرداری کی ۔ وہ مرتبے کے لحاظ سے بہت برے اور سیدھی راہ سے زیادہ بھٹکے ہوئے تھے ۔

کیا اللہ کے نافرمان یہودی سچ مچ بندر اور سؤر بن گئے تھے؟

● ۲ جَعَلَ کا معنی بنایا کی بجائے پایا لکھا گیا ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ضابطہ کے نافرمان یہودیوں کو سچ مچ بندر اور سؤر نہیں بنا دیا تھا بلکہ اُنہیں بندروں کی طرح قلندروں کے اشاروں پر ناچنے والے اور سؤروں کی طرح بے غیرت پایا تھا کہ جو بیٹیوں کی ناموس تک کو اربابِ اقتدار کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے ۔ بندہ اور بندر اگرچہ قریب الخلقت ہیں، مگر بندے سے بندر بن جانا قانونِ خداوندی سے خارج ہے ۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم دیومالائی کہانیاں ہرگز نہیں سناتا، بلکہ قوموں کے عروج و زوال سے بحث کرتا ہے ۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ قومِ بنی اسرائیل زوال کی اِس انتہائی گہرائی میں پہنچ چکی تھی کہ شدید

کی طرح حکام کے اشاروں پر ناچتی اور سؤروں کی طرح بے غیرت ہوگئی تھی۔

دو ضمنی سوالوں کے جوابات

● اس مفہوم پر دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں پہلا یہ کہ آیت بالا میں اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ آیا ہے کَالْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ تو نہیں آیا کہ اسکا معنی بندروں اور سؤروں کی مثل لیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ جَعَلَ کا معنی بنایا کس دلیل سے لیا گیا ہے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان سمیت ہر زبان میں اظہار تشبیہ کیلئے حرف تشبیہ لایا بھی جاتا ہے اور نہیں بھی لایا جاتا ہے مثلاً ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ زید شیر جیسا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ زید شیر ہے۔ اسی طرح عربی میں یہ بھی کہا جاتا ہے اَلزَّيْدُ كَالْاَسَدِ اور یہ بھی کہا جاتا ہے اَلزَّيْدُ اَسَدٌ۔ آخری جملے میں کاف حرف تشبیہ محذوف و مقدر ہے۔ اس میں زید کو شیر جیسا ہی کہا گیا ہے۔ سچ مچ کا شیر نہیں کہا گیا۔ اسی طرح آیت زیر نظر میں اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ کا حرف کاف تشبیہ محذوف ہے اور عربی قاعدہ کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل بندروں کی طرح ذلیل اور سؤروں کی طرح بے غیرت ہوگئی تھی۔

● اب آئیے دوسرے ضمنی سوال کی طرف کہ جَعَلَ کا معنی بنایا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جواباً عرض ہے کہ عربی ادب میں جَعَلَ کا معنی بنایا خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ [۱۶/۸۱] یہاں اگر جَعَلَ کا معنی بنایا لیا جائے تو یہ معنی بنتا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے کرتے بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور زرہیں بنائی ہیں جو تمہیں جنگ میں دشمن کے وار سے بچاتی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ کرتے اور زرہیں تو ہم خود بناتے ہیں، اللہ بنا کر نازل نہیں کرتا ۔ اسلئے یہاں مفہوم صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس ایسے کرتے پائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کرتے پائے ہیں (زرہیں) جو تمہیں جنگ میں تلوار سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اپنے ضابطہ کے نافرمان یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے بندر اور سؤر نہیں بنایا تھا بلکہ انہیں بندروں اور سؤروں کی طرح ذلیل اور بے غیرت ہوتے ہوئے پایا تھا۔ یہ ذلت یہودیوں کے اپنے کردار کا نتیجہ تھی۔

● ۳ پچھلے صفحہ پر آیت زیر نظر کے متن میں وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ کی واؤ جلی لکھی گئی ہے۔ اور اسکا معنی لکھا گیا ہے کیونکہ واؤ بمعنی کیونکہ [۲/۱۰۸] میں آیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۱۳ صفحہ نمبر ۸۴۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے یہودیوں کی منافقت کو صحابہ رضی اللہ عنہم پر بالفاظ ذیل واضح کر دیا گیا ہے:۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا اور جب آئے پاس تمہارے کہا ایمان لائے ہم اور بیشک داخل ہوئے بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ساتھ کفر کے اور وہ بیشک خارج ہوئے ساتھ اسی کے اور اللہ جانتا ہے	اور (ایمان والو!) جب وہ (یہودی) تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اس رسول اور اس کتاب پر) حقیقت یہ ہے کہ بیشک وہ داخل ہوتے ہیں تمہارے پاس کفر ہی کیساتھ اور بیشک تمہارے پاس سے چلے جاتے ہیں

بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ ۶۱
سا تھ اسکے جو تھے وہ چھپاتے

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ
اور دیکھتا ہے تو بہت ان میں سے جلدی کرتے ہیں بیچ گناہ کے

وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا
اور سرکشی کے ۔ اور کھانے میں حرام مال کے البتہ بُرا ہے جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۶۲
تھے وہ عمل کرتے

اُنسی کفر کیا تھا ۔ (وہ کفر کو چھپاتے ہیں) حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے جیسے وہ چھپایا کرتے تھے۔
اور (اے رسول!) آپ اُنکی اکثریت کو دیکھتے ہیں کہ وہ گناہ (کے کاموں) اور (اللہ کی) نافرمانیوں اور حرام مال کھانے میں جلدی کرتے ہیں ۔ (کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے) بلاشبہ بہت بُرا ہے جو وہ عمل کر رہے ہیں تھے۔

● لفظ سُحت کا مادہ س ۔ ح ۔ ت ہے جس کا مطلق معنی حرام کمائی کرنا ہے ۔ اس میں چوری، رشوت، ملاوٹ اور ناجائز نفع اندوزی وغیرہ سب شامل ہیں ۔ اگلی آیت میں یہود علماء و مشائخ کی خبر دی گئی ہے کہ وہ انہیں برائیوں سے منع نہیں کرتے ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ
کیوں نہیں منع کرتے انہیں رب والے اور علماء سے

قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ
بات اُنکی گناہ کی، اور کھانے مال حرام سے ۔ البتہ بُرا ہے

مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ۶۳
جو وہ بناوٹ بناتے ہیں

ان یہودیوں کو ان کے مشائخ (جو رب والے بنے بیٹھے ہیں) اور (انکے) علماء انہیں کیوں منع نہیں کرتے اُنکی گناہ کی باتوں سے اور حرام مال کھانے سے ۔ بلاشبہ بہت بُرا ہے جو وہ لوگ (ان چیزوں کے جواز کیلئے) بناوٹ بناتے ہیں (یعنی کتاب خداوندی کے مسائل کو اُنکی خواہشوں کے مطابق موڑ لیتے ہیں)

علماء و مشائخ کی بناوٹ

● آیت بالا میں جو خبر دی گئی ہے کہ یہود کے علماء و مشائخ انہیں بُرے عملوں اور حرام مال کھانے سے منع نہیں کرتے ۔ اور ساتھ ہی اُنکی تصنّع اور بناوٹ کا اظہار فرمایا ہے اس پر اگر بادنیٰ تامل غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مقتدیوں اور مُریدوں سے نذریں نیازیں وصول کر کے اُنکے بُرے اعمال کا جواز اُن کتابوں سے پیش کرتے تھے جو اُنہوں نے محرّف توراۃ کی شکل میں لکھ لی تھیں ۔ اصل توراۃ میں ایسی کوئی سند موجود نہیں تھی ۔ سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ میں یہودیوں کا ایک عجیب و غریب قول درج ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ
اور کہا یہودیوں نے ہاتھ اللہ کا بندھا ہے بندھے ہیں

اور یہودیوں کا کہنا ہے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ۔ (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ اُنکے اپنے ہاتھ بندھے

أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ
ہاتھ اُنکے اور لعنت کئے گئے بسبب اُسکے جو کہا - بلکہ دونوں ہاتھ اُسکے
مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ
کھلے ہیں دونوں - وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور البتہ زیادہ کرتا ہے
كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ
بہتوں کو ہیں سے اُنکے وہ جو نازل ہوا طرف تیری سے رب تیرے کے
طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ
طغیان اور انکار میں - اور ڈالدی ہمنے درمیان اُنکے عداوت اور
الْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا
بغض تک دن قیامت کے - جب وہ دہکاتے ہیں
نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ
آگ واسطے لڑائی کے بجھا دیتا اُسے اللہ - اور کوشش کرتے ہیں
فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
بیچ زمین کے فساد پھیلانا - حالانکہ اللہ نہیں پسند کرتا
الْمُفْسِدِينَ ۝ ٦٤
فساد کرنے والوں کو

ہوئے ہیں۔ اور اُنہوں نے جو لیا کہا ہے، اُسکی بدولت وہ لعنت کئے گئے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اور وہ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتا ہے۔ اور (اے رسولؐ! حقیقت یہ ہے کہ جو ضابطہء ربوبیّت) آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل ہوا وہ (اُنکے خبثِ باطن کی بدولت) اُنہیں سرکشی اور انکار میں زیادہ کر دیگا۔ اور (اسی کی بدولت) اللہ نے اُنکا آپس کا بغض و عناد قیامت کیلئے (یعنی ہمیشہ کیلئے) عیاں کر دیا ہے۔ جس وقت بھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُسے ٢٢ کے مطابق دُوسری اقوام کے ذریعہ بجھا دیتا ہے۔ (یہودیوں کا حال یہ ہے کہ) وہ زمین میں فساد ہی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں (اُنکا مشغلہ ہی یہی ہے) مگر اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ کے دو ہاتھ

● یہودیوں میں جو لوگ غلط معاشرہ کی غلط بخشیوں کی بدولت غریب ہوئے وہ کہتے کہ اللہ ہمیں اسلئے نہیں دیتا کہ اُسکا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ اِسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہاتھ اُنکے اپنے بندھے ہوئے ہیں۔ یعنی ایسا معاشی نظام قائم کر رکھا ہے کہ کسی کو ضروریاتِ زندگی کشادہ میسّر آتی ہیں اور کسی کو تنگی کیساتھ۔ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ تو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دونوں ہاتھوں کیساتھ خرچ کر رہا ہے وہ ضروریاتِ زندگی بدستور مہیا کر رہا ہے۔ متوازن اور مساوی تقسیم ریاست کے مرکزی نظام کی ذمّہ داری ہے۔ غربت اور امارت اُسکی پیدا کردہ ہے اللہ کی نہیں۔ جیسے کہ سورہ قصص کی آیت نمبر ٢٨ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے اپنے عوام کو دو طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک طبقے کو اللہ نے نہیں بلکہ فرعون نے کمزور کر دیا تھا۔

● اس سلسلے کا اہم اور لازمی سوال یہ ہے کہ اللہ کے دو ہاتھ کونسے ہیں جو ہر آن کھلے ہوئے ہیں اور وہ اُنکے ساتھ مسلسل خرچ کر رہا ہے یعنی وہ عطاءِ رزق میں مسلسل مصروف ہے؟ اِسکے لئے قرآنِ کریم کی اوّلین آیت مجیدہ کی طرف

رجوع فرمائیں:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ ۱/۲ سب تعریفیں اچھی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں جو بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ پورے عالمین کی ربوبیت کرنیوالا ہے۔ جو رحمان اور رحیم ہے۔ یعنی وہ عالمین کو سامانِ ربوبیت اپنی دو صفتوں رحمان اور رحیم کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ واضح رہے کہ رحمان اور رحیم دونوں الفاظ مادہ ر۔ح۔م ۔ رحم سے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ جو نعمتیں ہمیں بلا محنت مل رہی ہیں مثلاً ہوا، روشنی، تمازت، برودت، اناج اور پھل پیدا کرنیوالی وہ مخفی طاقتیں جو کائنات میں مہیا کر دیگئی ہیں، سب کی سب اللہ کی صفت رحمان کے ماتحت میسّر ہیں جن کے حصول کیلئے ہمیں نہ کوئی محنت کرنی پڑتی ہے، نہ انہیں کوئی وقت خرچ کر کے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی اُن پر روپیہ پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اور اسکے برعکس جو نعمتیں اپنی محنت کے بغیر میسّر نہیں آتیں، جیسے کہ بارش کے پانی، سورج کی کیمیائی کرنوں، سورج کی دھوپ اور تمازت، رات کی نمی ٹھنڈک، چاند ستاروں، زمینی اور فضائی سینکڑوں طاقتوں کے مفت میسّر آنیوالے اثرات اسی کھیت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اُسی کھیت کا دامن لہلہاتی فصلوں سے بھر دیتے ہیں جس میں انسانی محنت نے مٹی میں بروقت ہل چلا کر بیج اور کھاد ڈال دیا ہو۔ اور دوسری طرف قسم قسم کے میوہ دار درخت خود لگا رکھے اور انہیں بیماریوں سے بچانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اسکے برعکس اُس کھیت میں کبھی فصل نہیں اُگتی جس میں انسانی محنت شامل نہ ہوئی ہو۔

● یہی حال ہماری مصنوعات کا ہے کہ لکڑی، لوہا، تانبہ، سیسہ وغیرہ خام مال ہمیں اللہ تعالیٰ کے دستِ رحمانیت سے ملتا ہے اور اِن کی مصنوعات جن میں ہماری محنت شامل ہوتی ہے، وہ اُسکے دستِ رحیمیت سے میسّر آتی ہیں۔ لوہے سے ہمیں سُوئی سے لیکر ہوائی جہاز تک میسّر ہے۔ لکڑی سے ایندھن سے لیکر میز، کُرسیاں، پلنگ دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ۔ اور اسی طرح تانبہ سیسہ جست پلاٹینم وغیرہ سینکڑوں معدنیات جو اللہ تعالیٰ کے رحیمیت کے ہاتھ سے میسّر ہیں اُنکی مصنوعات، ہماری اپنی محنت کیساتھ خدا تعالیٰ کے دستِ رحیمیت سے مل رہی ہیں۔

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ رحمانیت و رحیمیت کے دو ہاتھ جو ہر آن کھلے ہوئے ہیں

● آیت مجیدہ زیرِ نظر ۵/۶۴ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ سے مراد یہ ہے کہ:۔
ہاتھ اُنکے بندھے ہوئے ہیں جو نعماءِ خداوندی کو پوری نوعِ انسانی تک پہنچنے نہیں دیتے۔ بامحنت اور بلا محنت نعمتوں کی تقسیم میں اللہ کے قانونِ ربوبیت کو بھلا کر ناہموار تقسیم رزق کے قوانین بنا کر انسانی اکثریت کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کر رکھا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں یہودیوں کیساتھ نصاریٰ کو بھی شامل کر کے دونوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ ‖ اور اگر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) ہمارے ضابطے

اور اگر یہ کہ اہل کتاب ایمان لاتے اور بچتے تو ضرور دور کرتے ہم

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۶۵

بدحالیاں اُنکی اور داخل کرتے انہیں باغوں نعمتوں میں

پر ایمان لاتے اور اُسکی مخالفت سے بچتے تو ہم اُنکی بدحالیاں دُور کر دیتے - اور انہیں نعمتوں والے باغات (متوازن معاشرہ) میں داخل کرتے (جس میں سب کیلئے مساوی نعمتیں ہیں) -

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ توراۃ و انجیل میں قرآنِ کریم والا ہی متوازن قانون نازل فرمایا گیا تھا:-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ

اور اگر بلاشبہ قائم کرتے توراۃ اور انجیل کو اور جو

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ

نازل ہوا طرف اُنکی طرف سے رب اُنکے البتہ کھاتے اوپر اپنے سے اور

مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ

نیچے سے قدموں اپنے کے - اُن میں ایک گروہ میانہ رو ہے اور کثرت سے

مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝۶۶ ع ۹ / ۱۰ / ۱۴

اُن میں جو بُرے کام کرتے ہیں

اور اگر (یہود و نصاریٰ) قائم کرتے احکام تورات کے اور انجیل کے، اور جو اُنکی طرف اُنکے رب کی طرف سے تورات و انجیل کے بعد) نازل ہوا تو وہ اپنے اوپر سے (پھلدار درختوں کے میوے) بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے (زمین کے پیدا کردہ اناج بھی) کھاتے۔ اُن میں ایک گروہ میانہ رو بھی موجود ہے - لیکن اُنکے اکثر لوگ بُرے عمل بجا لاتے ہیں -

مساوی تقسیمِ رزق پہلا نمبر ہے اپنے اوپر اور نیچے سے رزق حاصل کرنا

● ۱؎ مساوی تقسیمِ رزق کا نمبر رزق حاصل کرنے کے بعد آتا ہے - جو قومیں حصولِ رزق کے ضمن میں قوانینِ خداوندی کے مطابق جدّوجہد نہیں کرتیں، یعنی نہ پھلدار درختوں کی کاشت کی طرف توجہ دیتی ہیں اور نہ زمین سے زیادہ سے زیادہ فی ایکڑ پیداوار حاصل کرتی ہیں وہ اپنے اوپر کی طرف سے آنیوالے رزق سے بھی محروم رہتی ہیں اور نیچے کی طرف سے حاصل ہونیوالے رزق کو بھی حسبِ ضرورت نہیں پا سکتیں، بلکہ دوسری قوموں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے یا قیمتی زرِ مبادلہ ادا کر کے رزق حاصل کرنے کیلئے مجبورِ محض بنی رہتی ہیں - توراۃ و انجیل اور قرآنِ کریم ہر کتابِ خداوندی میں، زیادہ سے زیادہ رزق حاصل کرنے کی جدّوجہد پر زیادہ زور دیا گیا ہے -

● پیچھے صفحہ ۸۲ پر بتایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھوں، دستِ رحمانیت اور دستِ رحیمیت کیساتھ سامانِ ربوبیت لٹا رہا ہے - جو قومیں توراۃ و انجیل اور قرآنِ حکیم کے واحد قانونِ حصولِ رزق پر عمل کرتی ہیں وہ آج بھی اپنے اُوپر سے میووں کا وافر رزق حاصل کر رہی ہیں اور اپنے پیروں کے نیچے سے اجناس کے بے پناہ ذخائر سے بہرہ یاب ہو رہی ہیں - حصولِ رزق کا قانون نزولِ توراۃ و انجیل کے وقت بھی یہی تھا، نزولِ قرآن کے وقت بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے - حاصل کلام یہ کہ اُوپر اور نیچے سے حصولِ رزق اُن اقوام و افراد کا مقدّر ہے جو اس گوشہ

سے متعلقہ اُن قوانینِ خداوندی پہ صد فیصد عمل کریں جو کائنات میں شبانہ روز جاری و ساری ہیں۔

● اُوپر اور نیچے سے حصولِ نعماء خداوندی میں فضائی برکات اور زمینی اثرات بھی شامل ہیں، اِنکے حصول کا بھی وُہی قانونِ جاریہ مقرر ہے کہ جو قومیں اِنکے حصول کے مستور خداوندی قوانین پہ سے پردے ہٹانے کی انتھک کوشش کرتی ہیں، وُہی انہیں حاصل کر سکتی ہیں، اِسکے برعکس جو قومیں تقدیر و مقدر کے غیر قرآنی نظریہ کو نگاہوں میں رکھ کر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہیں اُنہیں اِن نعماء سے کچھ نہیں ملتا۔ بلکہ اس ضمن میں بھی وہ کوشش کرنے والی اقوام کی محتاج ہوتی ہیں۔ نیز واضح رہے کہ اس کوشش کے سلسلے میں خداوندی قانونِ جاریہ نے کافر و مومن کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ اگر صحیح جدّ و جہد کرنیوالی قوم کافر بھی ہو تو اُسے صحیح کوشش کا ثمر ضرور عطا کیا جاتا ہے اور اِسکے برعکس مذکورہ سعی و کوشش سے دُور رہنے والی قوم اگر مومن بھی کہلاتی ہو تو محروم محض کر دی جاتی ہے۔

● قرآنِ کریم کی رُو سے اس گوشے کا مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے قوانینِ تنزیلی اور تکوینی دونوں پر صد فیصد ایمان لانے کیساتھ ساتھ اُن پہ شبانہ روز عمل بھی کرتا ہو۔ ایمان کی شرط یہ ہے کہ میوے درختوں سے اور فصلیں زمین ہی سے میسّر آتی ہیں اور اِنکے حصول کیلئے قوانینِ جاریہ کے مطابق انسان کو خود محنت کرنا ہوتی ہے۔

رجُوع الی المطلب

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ نمبر ۶۷ کا تعلق یہود و نصاریٰ کے اِسی عمل کیساتھ ہے کہ اُنہوں نے توراۃ و انجیل کی تحریف تو کر رکھی تھی۔ مگر جب اُنہیں بذریعہ قرآنِ حکیم دوبارہ ہدایت پانے کا موقعہ میسّر آیا تو اِسکی بھی مخالفت شروع کر دی۔ لیکن اُنکی شدید مخالفت کے باوجود آنحضورؐ کو حکم دیا گیا کہ آپؐ کی طرف جو ضابطۂ حیات آپکے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اُسے یہود و نصاریٰ سمیت بلا کم و کاست سب لوگوں کو پہنچا دیجئیے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ
اے رسُول! پہنچا دے جو نازل ہوا طرف تیری سے
رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ
ربّ تیرے۔ اور اگر نہ کیا تُو نے یہ تو نہ پہنچایا تو نے پیغام اُسکا
وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
اور اللہ بچانیوالا تجھے سے لوگوں کے، بیشک اللہ نہیں رہنمائی کرتا
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۶۷
قوم انکار کرنیوالوں کی

اے رسُولؐ! جو ضابطۂ حیات آپکی طرف آپکے ربّ کی طرف سے نازل کر دیا گیا ہے۔ اُسے (بلا خوف و خطر) لوگوں تک پہنچا دیجیئے۔ اگر آپنے اِسے لوگوں تک نہ پہنچایا تو (جان لیجیئے کہ) آپنے فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا۔ اور (آپکو دشمن ضرر نہیں پہنچا سکینگے) اللہ تعالیٰ آپکو لوگوں سے محفوظ رکھیگا بیشک جو لوگ حقائق کا انکار کرنیوالے ہیں اللہ تعالیٰ (اُنکے انکار کی بدولت) اُنکی رہنمائی نہیں کرتا۔ (وہ اِنکار کر کے خود محروم ہدایت ہو جاتے ہیں)۔

● یہود و نصاریٰ کی شدید مخالفت کی بدولت اگر اِن لوگوں کیلئے سلسلۂ تبلیغ بند کر دیا جاتا تو آنؐ میانہ رو اہلِ کتاب کا

حقِ تبلیغ ضائع ہو جاتا ۔ جن کی اہلِ کتاب میں موجودگی کی خبر پیچھے آیت نمبر ۶۶ میں دیگئی ہے ۔ اسلئے ارشاد ہوا کہ جو لوگ حقائق کو مانتے ہی نہیں وہ تو یقیناً محروم ہدایت رہینگے ۔ مگر آپ تبلیغ جاری رکھیں تاکہ جو میانہ رو جماعت ہے ۔ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وہ محروم ہدایت نہ رہ جائے ۔

● اِس آیت مجیدہ کے متعلق ایک تصوّر یہ ہے کہ یہ آنحضور صلعم کے بعد آپکی خلافت کے فیصلہ کیلئے نازل ہوئی تھی ۔ لیکن حقیقت نیمروز یہ ہے کہ نہ اِس میں خلافت کا ذکر ہے اور نہ ہی کسی صحابی رض کا نام موجود ہے کہ آپ اُسکے حق میں اعلانِ وصایت فرمادیں ۔ نیز واللہ یعصمك من الناس کے الفاظ سے یہ تصور پیدا کرنا بھی الفاظِ منزلہ کے خلاف ہے کہ آنحضور صلعم کو خلافت کے متعلق اعلان کرنے میں اُن صحابہ رض کرام سے خطرہ تھا جو آپکے بعد منصبِ خلافت پر نظریں جمائے ہوئے تھے ۔ ایسا تصوّر صحابہ رض رسول صلعم سے متعلقہ قرآنی اعلان کے صد فیصد خلاف ہے جس میں خود خدا تعالیٰ نے جملہ اصحابِ رسول صلعم مہاجرین و انصار کو جنتی بھی قرار دیا ہے اور اُنہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا سرٹیفکیٹ بھی عطا فرما رکھا ہے ۔

● وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

○ ۹/۱۰۰ اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت اور اوّلیت کرنیوالے بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے اُنکی حُسن کارانہ اتباع کی (بعد میں ہجرت اور نصرت کی) اللہ اُن سب پر راضی ہو گیا اور وہ سب کے سب اللہ پر راضی ہو گئے ۔ اور اُنکے لیئے اللہ نے ایسے باغات تیار کر دیئے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں ۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے ۔

● اس فیصلہ کن آیت مجیدہ کے مطابق آنحضور صلعم کی نیابت و خلافت کے متعلق صحابہ رض کرام کو مطعون کرنا اِس آیت مجیدہ کے انکار کے مصداق ہے ، کیونکہ اگر آیت بالا کو کسی ایسے صحابی رض کے حق میں اعلانِ وصایت سے متعلق مانا جائے جسے آنحضور صلعم کی وفات کے عین بعد مسندِ خلافت میسّر نہیں آئی تو پرائے حق کو غصب کرنیوالے جنتی نہیں ہو سکتے ۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اُنکے جنتی ہونے کا اعلان کر رکھا ہے ۹/۱۰۰ ، اسلیئے ثابت ہوا کہ اِس آیت مجیدہ کو خلافت سے متعلق قرار دینا قرآنی مفہوم میں اختلافات پیدا کرنے کا مرتکب ہونا ہے ۔ آیت نمبر ۵/۶۷ یہود و نصاریٰ کے حقائق سے انکار اور آنحضور صلعم کی مخالفت کی خبر دیتی ہے ۔ نیز آنحضور صلعم کو انکی مخالفت کے شر سے محفوظ رکھنے کی خبر دیگئی ہے نہ کہ صحابہ رض کے شر سے جن کی تعریف کیا تھ قرآن کریم بھرا پڑا ہے ۔

● آیت زیر بحث ۵/۶۷ کی حقیقت اِسکے اپنے سیاق و سباق سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے ۔ کہ اِس آیت سے ۵۳ آیتیں ماقبل آیت نمبر ۱۴ سے یہود و نصاریٰ کا ذکر شروع ہوا ہے جو اس آیت سے اٹھارہ آیات بعد آیت نمبر ۸۵ تک چلا گیا ہے ۔ یعنی اُنکا ذکر باستثنائے جملہ معترضہ ۷۲ آیتوں میں پھیلا ہوا ہے ۔ پس سیاق و سباقِ کلام کی شہادت کے مطابق اِس

عظیم مسلسل مضمون کا مسئلہ خلافت سے کیا تعلق ؟ ثبوت کیلئے سلسلہ درس کی اگلی اٹھارہ آیتوں میں یہود و نصاریٰ کا ذکر موجود ہے :-

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى
کہہ اے اہل کتاب نہیں ہو تم اوپر کسی چیز کے یہانتک
تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ
کہ تم قائم کرو توراۃ اور انجیل کو ۔ اور جو نازل کیا گیا
اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
طرف تمہاری سے رب تمہارے کے ۔ اور ضرور زیادہ کریگا بہتوں کو ان میں سے
مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ
جو نازل ہوا طرف تیری طرف سے رب تیرے کے ، سرکشی اور کفر میں
فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ٦٨
پس تو انکار کرنیوالی قوم پر افسوس نہ کر

(اے رسولؐ!) کہدیگا، اے اہل کتاب تم دونوں اسوقت تک ہدایت پر نہیں ہو سکتے جبتک کہ تم الگ الگ توراۃ و انجیل کے احکام پر قائم نہ ہوجاؤ۔ یعنی اُس اصل توراۃ و انجیلؑ کے احکام پر، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔ اور (اے رسولؐ!) جو کچھ آپ پر آپکے رب نے نازل فرمایا ہے، وہ اُن (یہود و نصاریٰ) کی اکثریت کو سرکشی اور نافرمانی میں زیادہ کر دیگا۔ پس آپ انکار کرنے والی قوم پر افسوس نہ کریں۔ (وہ اپنی ضد اور تعصب کی بدولت خود ہی محروم ہدایت ہو چکے ہیں)۔

● ملے یہاں اصل توراۃ و انجیل پر ایمان لانے اور اُنکے احکام پر عمل کرنے کی تاکید کیگئی ہے۔ واضح رہے کہ اصل توراۃ و انجیل پر ایمان لانے سے آنحضورؐ پر ایمان لانا لازم ہوجاتا ہے۔ جیسے کہ قرآن کریم کہتا ہے توراۃ و انجیل میں آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خبر مذکور ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۷/۱۵ جو لوگ ہمارے رسولؐ مکی نبیؐ کی اتباع کرتے ہیں، وہ اپنے ہاں اُسے توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ آپکی اور آپکے صحابہؓ کی خبر ۹/۱۱۱ اور ۴۸/۲۹ میں بھی درج ہے، مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ اُنکا ذکر توراۃ میں بھی درج ہے اور انجیل میں بھی۔

● ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل توراۃ و انجیل پر قائم ہونے سے آنحضورؐ پر ایمان لانا لازم ہوجاتا ہے۔ اسی لیئے کہا گیا ہے کہ اے یہود و نصاریٰ اصل توراۃ و انجیل کے احکام پر قائم ہوئے بغیر تم ہرگز ہدایت نہیں پا سکتے۔ اس طرح یہود و نصاریٰ کی سرکشیوں کے بیان کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں نجات کا عام قانون بیان کیا گیا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ
بیشک جو لوگ ایمان لائیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی ہوئے
وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ

بیشک وہ لوگ جو (منافقانہ طور پر) ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے۔ اور جو صابی ہوئے اور جو نصاریٰ کہلائے ان میں سے جو بھی صحیح طور پر اللہ اور آخرت کے دن (یعنی

اور نصرانی ہوگئے، جو ایمان لایا اللہ پر اور دین (جیسے پر) اور عمل کیا
صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۶۹
اچھا پس نہیں خوف اوپر اُنکے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

(جزا سزا کے دن) پر ایمان لائیں اور (ہونگے) اصلاح کے کام کریں اُن پر نہ آخرت کی رسوائی کا خوف اور نہ وہ اپنے کیئے ہوئے اعمال پر غمگین ہونگے۔

ایمان کی پانچ شرطیں

● ۵/۶۹ وہ آیت مجیدہ ہے کہ ترجمان القرآن ابو الکلام مرحوم کے صفحہ ۲۳۷ پر اسکا یہ مفہوم لیا گیا ہے کہ عالمگیر صداقتیں جملہ مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں۔ مسلمان ہوں یا یہودی صابی ہوں یا نصرانی، ہندو ہوں یا زرتشتی، جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ خواہ وہ نبیوں، کتابوں اور ملائکہ کا منکر ہی ہو۔ لیکن یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب میں ایمان کی پانچ شرطیں بیان کرکے اعلان کیا گیا ہے کہ اعمال صالح کیساتھ جو ایمان کی شرط لگائی گئی ہے، اُس میں اللہ تعالیٰ کو اپنے اپنے انداز پر ماننے سے ایمان کے قرآنی تقاضے پورے نہیں ہوتے کہ نصاریٰ خدا تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا مانیں تو بھی ٹھیک ہے، یہودی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیں اور ہندو رام، کرشن اور برہما کو ایشور پرماتما کا اوتار مانیں تو بھی صحیح ہے۔ العیاذ باللہ!

● اسی طرح آخرت کے ماننے کا الگ الگ یہ انداز ہے کہ نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کردہ صلیب کو، یہودیوں نے اپنے آپکو خدا کے بیٹے اور محبوب قرار دینے کو اور ہندوؤں نے اپنے مُردوں کی ہڈیوں کو گنگا کے سپرد کو دینے کو قیامت کا حل قرار دے رکھا ہے۔ ایسا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کو حکم ہوا ہے:۔

● فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۲/۱۳۷ پھر اگر وہ اُس طرح ایمان لائیں، جس طرح (اے صحابہؓ!) تم ایمان لائے ہو، تو ضرور ہدایت پائیں۔ پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو بلاشبہ وہ ضد اور تعصب میں ہیں۔

● اب رہا یہ سوال کہ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایمانی شقیں صرف دو تھیں، ایمان باللہ (۱) اور ایمان بالقیامت (۲)؟ تو اس کے لیئے آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں، جس میں آنحضورؐ اور صحابہ کرام کے ایمان کی وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے:۔

● آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ ۲/۲۸۵ ایمان لایا رسولؐ اُس پر جو اُسکی طرف نازل ہوا، اور اُسکے صحابہ مومن بھی۔ سب کے سب اللہ پر، اُسکے ملائکہ پر، اُسکی تمام کتابوں پر، اُسکے تمام رسولوں پر ایمان لائے۔ یہاں ایمان بالآخرت محذوف ہے۔ اور آیت ذیل میں ایمان کی پانچوں شقیں یکجا بیان کردیگئی ہیں:۔ (۱) (۲) (۳) (۴) (۵)

● وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۴/۱۳۶ جو کوئی انکار کرے اللہ کا، اور اُسکے ملائکہ کا، اور اُسکی کتابوں کا، اور اُسکے رسولوں کا اور یومِ آخرت کا تو وہ

دُور کی گمراہی میں گمراہ ہو گیا۔ پس ثابت ہوا کہ ایمان کی شقیں از روئے قرآنِ حکیم پانچ ہیں جن پر عمل صالح کی شرط کیساتھ نجاتِ اُخروی کو مشروط کیا گیا ہے۔ صرف اپنے انداز پر خدا تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان لانے کو اعمالِ صالح کی شرط کیساتھ اُخروی نجات مشروط نہیں۔

● نجاتِ اُخروی سے متعلقہ اِس جملہ معترضہ کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں تسلسلِ کلام کے مطابق بنی اسرائیل ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَآ
بلاشبہ لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے اور بھیجے ہم نے
اِلَیْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى
طرف اُنکی رسول۔ جب بھی آیا اُنکے پاس کوئی رسول ساتھ اُسکے نہیں چاہتے
اَنْفُسُهُمْ فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ۝۷۰
جی اُنکے۔ ایک گروہ کو جھٹلاتے اور ایک سے لڑائی کرتے

اور بیشک بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا (کروہ ہمارے رسولوں پر ایمان لاتے رہینگے) اور ہم اُنکی طرف رسول بھیجتے رہے۔ مگر جب بھی کوئی رسول اُنکی طرف وہ تعلیم لیکر آتا جسے اُنکے جی پسند نہیں کرتے تھے (یعنی قانونِ مساوات) تو وہ اُن (رسولوں) کی کسی جماعت کو جھٹلاتے اور کسی جماعت کیساتھ جدال و قتال بھی کرتے تھے۔ [1]

● [1] مادہ ق - ت - ل = قتل کا معنیٰ جنگ کرنا بھی ہے۔ اللہ کے رسول مقتول یعنی مغلوب نہیں ہو سکتے تھے جیسے کہ آیتِ ذیل میں موجود ہے:- كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ٥٨/٢١ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، فرض کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب رہینگے۔ قتلِ انبیاء کی تفصیل بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اول کے صفحہ ۔ پر ملاحظہ فرمائیں۔ اگلی آیت بھی اسی چیز کی تائید کرتی ہے:-

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ
اور گمان کیا کہ نہ ہوگا جنگ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے پھر
تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ ؕ
لوٹ آیا اللہ اوپر اُنکے۔ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے اکثر اُن میں سے
وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۝۷۱
اور اللہ دیکھنے والا ساتھ اُسکے جو وہ عمل کرتے تھے

اور اُن (رسولوں کو جھٹلانے اور اُن سے لڑنے والے بنی اسرائیل) نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ (انکار رسولان سے) مقابلہ نہ ہو سکیگا، (کیونکہ وہ طاقت کے نشے میں) اندھے بہرے ہو چکے تھے۔ (لیکن انہیں شکست ہوئی ٥٨/٢١ پھر انہیں معاف کر دیا (انہیں زمینوں کی جاگیریں عطا فرمائیں۔ لیکن طاقت میسر آنے پر) اُنکی اکثریت پھر اندھی بہری ہو گئی۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کرتے تھے۔

نصاریٰ کے دو عقیدے

● یہودیوں کی نافرمانیوں کے ذکر کے بعد:- اگلی دو آیتوں میں نصاریٰ کے دو عقیدے بتائے گئے ہیں کہ مسیح ہی اللہ ہے اور دوسرا یہ کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ
11 بیشک وہ لوگ کفر کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ جو ہے

بلاشبہ کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ وہی ہے مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا

بیٹا مریم کا حالانکہ کہا مسیح نے اے بنی اسرائیل فرمانبرداری کرو

اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ

اللہ کی - رب میرا اور رب تمہارا - بیشک جس نے شرک کیا ساتھ اللہ کے پس تحقیق

حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا

حرام کر دی - اللہ نے اوپر اسکے جنت - اور ٹھکانہ اسکا ہے آگ - اور نہیں

لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۞ ۷۲

واسطے ظالموں کے کوئی مددگار۔

تو وہ مسیح ابن مریمؑ ہی ہے - (حالانکہ مسیح نے انہیں (یہ تعلیم نہیں دی تھی) مسیحؑ نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل خالصۃً اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو - جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ایک جیسا رب ہے (جس طرح میں اُسکی ربوبیت کا حقدار ہوں اُسی طرح تم اُسکی ربوبیت کے حقدار ہو) بیشک جس نے اللہ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اُس پر جنت حرام کر دی - اور اُسکا ٹھکانہ آگ ہے - حقیقت یہ ہے کہ (آخرت کے دارالجزا میں) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ

بیشک کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ ہے تیسرا تین کا

وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا

حالانکہ نہیں کوئی الٰہ سوائے الٰہ ایک کے - اور اگر نہ باز آئیں

عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ

اُس سے جو کہتے ہیں - البتہ مس کریگا جنہوں نے کفر کیا اُن میں سے عذاب

أَلِيمٌ ۞ ۷۳

دردناک

بیشک کفر کیا جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تین میں کا تیسرا ہے (اللہ مسیح اور مریمؓ میں کا تیسرا) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک اکیلے فرمانبرداری کیئے جانیوالے، الٰہِ واحد کے سوا اور کوئی الٰہ (فرمانبرداری کیا جانیوالا) ہے ہی نہیں - اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور کفر کرنیوالوں کو (آخرت کے دارالجزا میں) دردناک عذاب پہنچیگا۔

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ

کیا پھر نہیں رجوع کرتے طرف اللہ کے اور نہیں بخشش مانگتے اُس سے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۞ ۷۴

جبکہ اللہ معاف کرنیوالا مہربان ہے

پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے (کیوں) اور کیوں اُس سے بخشش طلب نہیں کرتے - جبکہ حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانیوالا اور بے حد مہربانی کرنیوالا ہے۔

حضرت مسیحؑ کا حقیقی مقام

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہ محترمہ کے حقیقی مقام کی وضاحت کیگئی ہے کہ نہ مسیح اللہ تھے اور نہ وہ تین خداؤں میں سے تیسرے تھے۔ اور نہ ہی آپکی والدہ تین خداؤں میں سے ایک تھی - بلکہ مسیحؑ تو صرف اللہ کے رسولؑ تھے - اور حضرت مریمؓ ایک راستباز خاتون تھیں - دونوں ماں بیٹا اللہ کے بندے تھے - دونوں کھانا کھاتے تھے یعنی دونوں جملہ بشری عوارضات کے حامل تھے۔

اسلئے وہ کس طرح خدا یا خدا کے حصے ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنکی بشریت کو نصاریٰ کے عقیدے کے بطلان کیلئے بطور دلیل و برہان قاطع پیش کیا ہے:-

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
نہیں تھے مسیح بیٹے مریم کے مگر صرف رسول۔ بیشک
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ
گزر گئے پہلے اُن سے بہت رسول۔ اور اُنکی ماں سچی تھی
كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ
تھے دونوں کھانا کھاتے۔ غور کر کس طرح ہم بیان کرتے ہیں واسطے اُنکے
الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝ ۷۵
نشانیاں پھر غور کر کس طرف کو وہ الٹے پھرے جاتے ہیں۔

نہیں تھے حضرت مسیح بیٹے مریمؑ کے مگر صرف رسول تھے بیشک (حقیقت یہ ہے کہ) اُن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اور اُنکی والدہ محترمہ راستباز خاتون تھیں۔ وہ دونوں بندے تھے اور وہ دونوں (بشری تقاضوں کے مطابق) کھانا کھاتے تھے۔ (اے مخاطب!) غور کر کہ ہم اُن (نصاریٰ) کیلئے اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں (کہ مسیح و مریم بندے تھے خدا نہیں تھے)۔ پھر غور کر کہ وہ اِسکے باوجود) کس طرف کو اُلٹے پھرے جارہے ہیں۔

کھانا کھانا بشری تقاضا ہے اُلوہیت اس سے قطعاً پاک ہے

● سورہ انعام میں آیا ہے: قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۶/۱۴ اے رسولؐ! کہدیجئیگا۔ کیا میں اللہ کیساتھ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے کوئی اور الٰہ ٹھہرالوں حالانکہ (لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے الٰہ کھانا کھاتے ہیں)۔ اور اُسکی حالت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کھلاتا ہے، خود کھلایا نہیں جاتا۔ وہ خود نہیں کھاتا۔ کھانا کھانے کیساتھ بول و براز بھی لازم و ملزوم ہیں۔ باری تعالیٰ نے مسیح و مریم کے کھانا کھانے کو اُنکی عدم اُلوہیت کی ناقابلِ تردید دلیل پیش فرمائی ہے۔

نفع یا نقصان پہنچانا مسیح و مریمؑ سمیت کسی کے بھی قبضے میں نہیں

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مسیح و مریمؑ سمیت تمام لوگوں کے متعلق، لوگ جن کی نفع کے حصول اور ضرر سے بچنے کیلئے عبودیت کرتے ہیں، وضاحت کردیگئی ہے کہ دنیا بھر میں کسی ایک کو بھی یہ اختیارات حاصل نہیں۔ نفع نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے:-

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ
کہہ کیا تم فرمانبرداری کرتے ہو ساتھ اللہ کے جو کہ نہیں مالک
لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
واسطے تمہارے ضرر کے اور نفع کے۔ اور ہے اللہ ہی خوب سننے والا
الْعَلِيمُ ۝ ۷۶

(اے رسولؐ! کہدیجئیگا کہ کیا تم اللہ کیساتھ اُنکے بندے بنتے ہو جو تمہارے لئے کسی بھی نہ ضرر کا اختیار رکھتے ہیں نہ فائدے کا۔ حقیقت یہ ہے کہ (نفع نقصان کا اختیار رکھنے والا صرف اور صرف اللہ ہے) کیونکہ وہی خوب خوب سننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے۔

خوب جاننے والا ہے

● اس طرح حضرت مسیحؑ و مریمؑ کی الوہیت کی کُلی نفی کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں اہلِ کتاب کو غلو فی الدین سے منع فرمایا ہے:

قُلْ يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ غَيْرَ
کہہ اے اہلِ کتاب نہ کرو مبالغہ بیچ دین اپنے بغیر

ٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوٓا۟ أَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا۟ مِن قَبْلُ
حق کے اور مت کرو پیروی خواہشوں اس قوم کی بیشک گمراہ ہوئے سے پہلے

وَأَضَلُّوا۟ كَثِيرًا وَضَلُّوا۟ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ ○ ۷۷
اور گمراہ کیا بہتوں کو اور گمراہ ہوئے سے راہ سیدھی

(اے رسولؐ!) کہدیجیئے کہ اے اہلِ کتاب اپنے دین میں ناحق مبالغہ آرائی نہ کرو۔ (بندوں کو خدا نہ بناؤ) اور اُس قوم کی پیروی نہ کرو، جو (خدا کے بیٹے کا عقیدہ ایجاد کر کے) پہلے خود گمراہ ہوئے۔ اور پھر بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

ع ۱۴

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس قوم پر حضرت داؤدؑ و مسیحؑ دونوں نے لعنت بھیجی تھی:۔

لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ
لعنت کئے گئے جنہوں نے کفر کیا میں سے بنی اسرائیل کے

عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ
اوپر زبان داؤد اور عیسےٰ بن مریم کے۔ وہ

بِمَا عَصَوا۟ وَّكَانُوا۟ يَعْتَدُونَ ○ ۷۸
بسبب اُسکے جو نافرمانی کی اور تھے کرتے سرکشی

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے (ضابطۂ خداوندی کا) انکار کیا اُن پر حضرات داؤدؑ اور عیسےٰؑ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کیگئی تھی۔ وہ اسلئے کہ وہ لوگ اللہ کی حدیں پھاندتے تھے۔ (ضابطۂ خداوندی کی عملاً مخالفت کرتے تھے)

كَانُوا۟ لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ
تھے نہ رکتے سے برائی کے کہ کرتے تھے اُسے

لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَفْعَلُونَ ○ ۷۹
البتہ برا ہے جو تھے وہ کیا کرتے

تھے وہ ایسے کہ برائی سے باز نہیں آتے تھے مسلسل برائی کرتے جاتے۔ بیشک کسقدر بُرا ہے جو وہ فعل (ضابطۂ الٰہی کے خلاف) کیا کرتے تھے۔

تَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ۚ
دیکھتا ہے تو بہتوں کو میں سے اُنکے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن سَخِطَ
البتہ بُرا ہے جو آگے بھیجا واسطے اپنے جانوں انکی نے کہ ناراض ہوا

دیکھتا ہے تو اے دیکھنے والے اُن میں سے اُنکی کثرت کو کہ وہ دوستی کرتے ہیں اُن سے جو ضابطۂ الٰہی کے منکر ہیں۔ البتہ کتنا بُرا ہے جو اُنکے نفس نے اُنکے لئے آگے بھیجا ہے۔ یہ کہ ناراض ہُوا اللہ اُن پر اور وہ عذاب میں ہمیشہ

اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَفِی الۡعَذَابِ ہُمۡ خٰلِدُوۡنَ ۸۰
اللہ اوپر اُنکے اور بیچ عذاب کے وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں

رہنے والے ہیں۔

● آگے فرمایا۔
وَلَوۡ کَانُوۡا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ وَمَاۤ اُنۡزِلَ
اگر ہوتے ایمان لاتے ساتھ اللہ کے اور نبی کے اور جو نازل ہوا
اِلَیۡہِ مَا اتَّخَذُوۡہُمۡ اَوۡلِیَآءَ وَلٰکِنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ
طرف اسکے نہ بناتے اُنہیں دوست۔ و لیکن بہت ہیں سے اُنکے
فٰسِقُوۡنَ ۸۱
بے حد بیں بچاندنے والے

اگر وہ ایسے ہوتے کہ ایمان لاتے ساتھ اللہ کے اور نبی (مکی) کے اور ساتھ اس (کتاب کے) جو نازل ہوئی طرف اُسکے، تو یہ اُن (مذکورہ کافروں) کیساتھ دوستی نہ کرتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِن میں سے اکثریت خدا تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والی ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیۡنَ
البتہ پائیگا تو سخت لوگوں میں سے عداوت میں واسطے انکے جو
اٰمَنُوا الۡیَہُوۡدَ وَالَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا ۚ وَلَتَجِدَنَّ
ایمان لائے، یہودی ہیں اور وہ بھی جنہوں نے شرک کیا اور تو پائیگا
اَقۡرَبَہُمۡ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا
قریب تر انکے محبت میں واسطے انکے جو ایمان لائے جنہوں نے کہا
اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنۡہُمۡ قِسِّیۡسِیۡنَ وَ
بیشک ہم نصرانی ہیں۔ وہ اسلئے کہ اُن میں عالم ہیں اور
رُہۡبَانًا وَّ اَنَّہُمۡ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ۸۲
خدا خوف ہیں اور بیشک وہ نہیں تکبر کرتے

البتہ (اے مخاطب!) تو ضرور پائیگا مومنوں کیلئے عداوت میں سخت ترین یہودیوں کو اور انکو جنہوں نے شرک کیا۔ اور ضرور پائیگا تو قریب تر محبت میں واسطے ایمان والوں کے اُنہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں[۲]۔ وہ اسلئے کہ اُن میں ایک گروہ علماء ربانی کا بھی ہے اور ایک گروہ ان میں وہ ہے جو اللہ سے ڈرنیوالے ہیں۔ اور وہ بلاشبہ تکبر نہیں کرتے (وہ لوگ حقیقت شناس، حقیقت پسند اور خدا خوف ہیں، وہ پہلے ہی سے مومن ہیں)۔

یہودی مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں

● علہ اشد الناس عداوۃ کے الفاظ میں یہودیوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں۔ اسکے برعکس:-

● علہ زمانۂ رسالت کے عیسائیوں کے ایک گروہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان کی محبت میں سب سے قریب ہیں۔
یہاں اس چیز کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ یہودیوں کے متعلق قیامت تک کیلئے بتا دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے شدید ترین دشمن رہینگے۔ اور عیسائیوں کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ وہ قیامت تک مسلمانوں سے محبت کرینگے بلکہ اُن میں سے زمانۂ رسالت کے صرف ایک گروہ کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ اُن میں نیک عالموں اور خدا خوف پیروں کا ایک گروہ موجود ہے۔ وہ محبت میں

مسلمانوں کے بہت قریب تر ہیں چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت سے ثابت ہے کہ جب اُنہوں نے قرآن مجید سُنا تو اُنکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں:-

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى
اور جب سُنیں جو نازل ہُوا طرف رسول کے دیکھتا ہے تو
اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ
آنکھیں اُنکی بہتی ہیں سے آنسوؤں بسبب اسکے پہچانا انہوں نے
الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۳
حق سے کہتے ہیں رب ہمارے ایمان لائے ہم پس لکھ لے ہم کو ساتھ گواہوں کے

اور جب وہ نیکو کار نصاریٰ سُنتے ہیں جو رسولِ عربی کی طرف نازل ہُوا۔ تو (اے رسُول!) آپ دیکھتے ہیں کہ اُنکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس سبب سے کہ اُنہوں نے حق (قرآن) کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں اِسکی تصدیق کرنیوالوں میں لکھ لے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ
اور کیا واسطے ہمارے نہ ایمان لاویں ہم ساتھ اللہ کے اور جو آیا ہمارے پاس حق سے
وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۴
اور ہم طمع کرتے ہیں کہ داخل کرے ہمکو رب ہمارا ساتھ قوم نیکوں کے

اور کیا عذر ہے اب ہمارے لئے کہ ہم ایمان نہ لائیں اُس پر جو حق (قرآن) ہمارے پاس آگیا ہے۔ حالانکہ ہم طمع کرتے ہیں ہمارا رب ہمیں صالحین کی قوم (صحابۂ رسُول) میں داخل کرلے۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
پھر جزا دی اُنہیں اللہ نے بسبب اُسکے جو کہا اُنہوں نے باغات، چلتی ہیں میں سے
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ
نیچے اُنکے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے بیچ اُنکے۔ اور مذکورہ بالا بدلہ ہے
الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۵
احسان کرنیوالوں کا

پھر جزا عطا فرمایا اللہ نے اُنہیں ہموار و متوازن معاشرہ، (دنیا اور آخرت میں) جس میں (ضروریاتِ زندگی کی) نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور مذکورہ بالا جزا (اللہ کی طرف سے معاشرہ میں) توازن قائم کرنیوالوں کی ہے۔

سارے عیسائی مسلمانوں کے دوست نہیں

● آگے بڑھنے سے پہلے اس غلط فہمی کا دور کرنا ضروری ہے کہ آیت نمبر ۸۲ میں جو نصاریٰ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ محبت میں مسلمانوں کے قریب تر ہیں تو یہ عام عیسائیوں کے متعلق کہا گیا نہیں بلکہ بزمانۂ رسالت کچھ حق شناس عیسائی علماء و مشائخ تھے جو غیر محرف انجیل مقدس میں آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خوشخبری پڑھ کر آپکی آمد کے منتظر تھے۔ جب اُنہوں نے آنحضورؐ کی زبانِ صدق ترجمان سے قرآنِ حکیم سُنا تو فوراً پہچان لیا کہ یہ اُسی ذات کا نازل کردہ کلام ہے، جس نے انجیل پاک نازل فرمائی تھی۔

● اُن پاک لوگوں کو انجیل کی خوشخبری سے جس کا حوالہ باری تعالیٰ نے ۷/۱۸۷ + ۹/۱۱۱ + ۴۸/۲۹ میں نازل فرما رکھا ہے، جان لیا کہ وہ مقدس ہستی جو مسیحؑ کے بعد تشریف لانیوالی ہے وہ اور اُسکے ساتھی سب صالحین ہونگے، اس لئے وہ اپنے اذہان

میں یہ طمع لئے ہوئے تھے کہ وہ اُس مقدس جماعت میں داخل ہو جائینگے۔ چنانچہ جب اُنوں نے آنحضورؐ کی زبانِ صدق ترجمان سے کلامِ صدق ترجمان سنا تو آنکھوں میں صدق و محبت کے آنسو اُمنڈ آئے، قرآن پر اور جس ذات پہ نازل ہوا تھا بلا توقف ایمان لے آئے۔ اور آنحضورؐ کی مقدس جماعت میں شامل ہو کر سرگرم عمل ہو گئے۔ اس خالص اور سچے ایمان ہی کی جزا خدا تعالیٰ کی طرف ہمیشہ کی جنت اور رضی اللہ عنہم اور رضوا عنہ کی سند زندگی ہی میں عطا کر دیگئی۔ یہ بیان زمانۂ رسالت کے مذکورہ عیسائی حضرات کا ہے۔ نہ تو یہ زمانۂ رسالت کے تمام عیسائیوں کا ہے اور نہ قیامت تک کے عیسائیوں کا۔ جیسے کہ مشاہدہ گواہ ہے کہ عیسائی قوم عموماً اہلِ اسلام کی انتہائی دشمن ہے، اسلامی ممالک میں سازشیں اور انتشار پیدا کرنا، اسکا مستقل کردار ہے۔ مذکورہ بالا چند افراد کے سوا زمانۂ رسالت کے باقی عیسائیوں سمیت سب انکار کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ
اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلائیں آیتیں ہماری وہ سب

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۸۶ ع ۹/۱
صاحب ہیں آگ کے

(یہ تو ہوئے ایمان لانیوالے) اور (اُنکے سوا) جنہوں نے ہمارے ضابطے کا انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ سب اہلِ جحیم ہیں (دنیا میں ناہموار معاشرہ کی آگ میں جلینگے اور قیامت کو ناکامی کی آگ میسر آئیگی۔

تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہونا

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں اہلِ کتاب کی اُس نافرمانی کے متعلق خبر دیگئی ہے جو اُنوں نے اللہ کی حلال چیزوں کو حرام ٹھہرالیا تھا۔ اہلِ اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ
اے وہ جو ایمان لائے ہو نہ حرام کرنا پاکیزہ چیزیں جو حلال کیں

اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ سرکشی کرنا۔ بیشک اللہ نہیں پسند کرتا

الْمُعْتَدِيْنَ ۝۸۷
سرکشوں کو

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ الٰہی کیساتھ) ایمان لائے ہو تم حرام کرنا اُن پاکیزہ (صحت بخش چیزوں) کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں۔ اور اُسکی نافرمانی نہ کرنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّ
اور کھاؤ میں سے جو رزق دیا تم کو اللہ نے حلال اور پاک، اور

اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸
ڈرو اللہ سے جس کے تم ساتھ اُسکے ایمان لانیوالے ہو

اور کھاؤ اُس میں سے جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے حلال اور صحت بخش۔ اور اُس اللہ کے نازل کردہ ضابطے کی مخالفت سے بچو، تم جس کیساتھ ایمان لانیوالے ہو کر ایمان لاچکے ہو۔

● ۱۔ اہلِ کتاب کے یہودیوں کے متعلق ۶/۱۴۶ + ۱۶/۱۱۸ میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے ناخنوں والے جانور اور گائے، بھیڑ بکریوں کی پشت، ہڈیوں اور انتڑیوں کی چربی کے سوا باقی چربی حرام کر رکھی تھی۔

حلال کو حرام ٹھہرانیوالی قسمیں کفارہ ادا کرکے توڑ دیا کرو

● ربطِ کلام کے مطابق اگلی آیت میں اس مشکل کا حل بتایا گیا ہے جو بعض لوگ قسمیں کھالیتے ہیں کہ فلاں حلال چیز عمر بھر نہ کھاؤنگا۔ نیز جو لوگ تعویز گنڈے استعمال کرتے ہیں، تعویز نویس انہیں کہتے ہیں کہ گائے کا گوشت نہ کھانا ورنہ تعویز اثر نہیں کریگا۔ اور یا کہتے ہیں کہ کوئی ایک سبزی یا پھل یا کوئی دال کھانا چھوڑ دو۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ تعویز حاصل کرنیوالے مرد و عورتیں گائے کا گوشت، بینگن، امرود یا مسور کی دال کھانے کی قسم کھالیتی ہیں۔ اہلِ اسلام میں ایسی روش یہود و نصاریٰ کے ہاں سے درآمد کردہ ہے۔ قرآنِ کریم نے ہر مشکل کا مقابلہ اللہ کے خود پیدا کردہ مادی ذرائع کیا تھ کرنے کی تاکید کی ہے، اسکے برعکس تکوینی قوانین کا توڑ تعویز گنڈے نہیں بتائے۔

● چنانچہ حلال کو حرام کرنے کیلئے کھائی ہوئی تمام قسموں کے متعلق تاکید کیگئی ہے کہ اگر یونہی مذاق کے طور پر قسم کھائی ہے تو اسے بلاتوقف توڑ ڈالو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور اگر پکے ذہنی ارادہ کیا تھ قسم کھائی ہے تو اسے کفارہ ادا کرکے توڑ دو، اور اللہ کی حلال کردہ نعمتوں کا فوراً استعمال شروع کردو۔ اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانا کفر کے مترادف ہے:-

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَ
نہیں پکڑتا تم کو اللہ ساتھ لغو کے بیچ قسموں تمہاری کے اور
لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ
لیکن پکڑیگا تم کو ساتھ اسکے جو پکا کیا تم نے قسم کو پس کفارہ اسکا
اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ
کھانا کھلانا دس مسکینوں کو میں سے درمیانہ جو تم کھلاتے ہو
اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ
اہل اپنے کو یا کپڑے پہنانا یا آزاد کرنا ایک گردن کا۔ پھر جو نہ
يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۚ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ
پائے تو روزے رکھنا ہے تین دن۔ یہ کفارہ ہے قسموں تمہاری کا
اِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
جب تم قسم کھالو۔ پھر تم حفاظت کرو اپنی قسموں کی، اسی طرح بیان کرتا ہے

(ایمان والو!) اللہ تعالیٰ تمہاری مہمل قسموں پر کوئی مواخذہ نہیں کرتا۔ ویکن ان قسموں پر گرفت کریگا، جو تم نے (کسی حلال کو حرام کرنے کیلئے) محکم ارادہ کیا تھ کھائی ہوں۔ پھر قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔ یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا ہے اور یا ایک غلام یا مقروض کی گردن آزاد کرانا ہے۔ پھر جو کوئی یہ چیزیں نہ پائے (یا متوازن معاشرہ قائم ہوچکا ہو اور کوئی مسکین یا غلام اور مقروض معاشرہ میں موجود نہ ہو تو پھر تین روزے رکھنا ہے۔ مذکورہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم نے حلفیہ کھائی ہوں۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (یعنی قسموں سے بچو تمہاری تو بات ہی قسم ہے) اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اسکے حلال کو استعمال میں لاکر اسکے شکر گزار بنے رہو۔

اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ۝۸۹

اللہ واسطے تمہارے آئتیں اپنی تاکہ تم شکر کرو

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

● پیچھے آئت نمبر ۸۷ میں طیبٰت یعنی پاکیزہ، صحت بخش چیزوں کو حرام کرنے سے منع کیا گیا ہے، اِسی ربط کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں حرام چیزوں کی مختصر فہرست پیش کیگئی ہے ہر نشہ آور چیز، بلا محنت مال، وہ مقامات جہاں کسی کے نام کا جھنڈا گاڑ کر نذریں وصول کرنے کا اڈا بنالیا جائے۔ اور جُوئے کے تیر، ان سب چیزوں کو اہلِ اسلام، یعنی اُن لوگوں پر جو اللہ، ملائکہ، کتب، رُسل اور قیامت پر ایمان لا چکے ہیں حرام کر دیا ہے

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ[1] وَ الۡمَیۡسِرُ[2]

اے وہ جو ایمان لائے ہو بلا شبہ نشہ آور چیزیں اور بلا محنت مال

وَ الۡاَنۡصَابُ[3] وَ الۡاَزۡلَامُ[4] رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ[5]

اور استھان اور جُوئے کے تیر ناپاک ہیں، ہیں سے عمل شیطان کے

فَاجۡتَنِبُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝۹۰

بچو اس سے تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو جان لو کہ وہ ہر چیز جو دماغ کو ڈھانپ لے[1] (ماؤف کردے)، اور ہر وہ مال جو بلا محنت حاصل ہو[2]، خصوصاً وہ مقام جہاں نذریں وصول کرنے کیلئے جھنڈے گاڑے جائیں[3]، اور جُوئے کے تیر[4] یہ سب ایک ہی سطح کے ناپاک شیطانی اعمال ہیں[5]۔ پس اِن سے بچو تاکہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہوجاؤ۔

الخمر کیا ہے؟

● [1] لفظ خمر کا سہ حرفی مادہ خ، م، ر ہے، جس کا بنیادی مفہوم ہے ڈھانپ لینا چنانچہ اِس مادہ سے لفظ خمار ہے جس کا معنیٰ ہے وہ بڑی اوڑھنی جو عورتوں کے سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ جمع کے صیغے میں آیا ہے۔ وَلۡیَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِہِنَّ عَلٰی جُیُوۡبِہِنَّ ۲۴/۳۱ اور چاہیئے کہ عورتیں جب باہر نکلیں تو اپنی بڑی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔ لہٰذا خمر ہر اُس کھانے پینے کی چیز کو کہا جاتا ہے جو انسانی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اس میں شراب، بھنگ، گانجہ، افیون، چرس، نبیذ اور بھنگ کے پکوڑے وغیرہ شامل ہیں۔

المیسر کیا ہے؟

● [2] لفظ مَیسِر کا سہ حرفی مادہ ی۔ س۔ ر = یسر ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے آسانی اور مَیسِر ہر اُس مال کو کہتے ہیں جو اُس مشقت کے بغیر آسانی سے حاصل ہو جو اُتنا مال حاصل کرنے کیلئے لازمی ہوتی ہے۔ رشوت یا ملاوٹ کے ذریعہ حاصل کردہ مال، مکانوں کے کرائے، غیر اللہ کی نذریں، سُود، مزدوروں اور کاشتکاروں کی محنت سے کارخانہ داروں اور زمینداروں کو گھر بیٹھے حاصل ہونے والا مال سب میسر میں شامل ہیں۔ جُوا بھی اسی لئے مَیسِر کے زمرے میں آتا ہے کہ جیتا ہوا مال بھی محنت کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔

انصاب کیا ہیں؟

● [3] لفظ انصاب، نصب کی جمع ہے اِسکا مصدری معنیٰ ہے گاڑنا۔ اِس طرح ہر وہ مکان جہاں

نذریں نیازیں وصول کرنے کیلئے جھنڈا گاڑ دیا جائے خواہ وہاں کوئی بت ہو یا مزار یا محض کوئی آستانہ ہو جہاں لوگوں کی مرادیں پوری کرنے کا تصور دیا گیا ہو، اُسے نصب کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے نذریں نیازیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، اور اُنکے چڑھانے کا مقام صرف اور صرف بیت اللہ شریف ہے۔ اسکے برعکس الف ننگے اور مخبوط الحواس کی اقامت گاہ پر جھنڈا گاڑ کر نیازیں وصول کرنے کا اڈا انصب ہے۔ کسی پیر نے عوام سے ڈبے رکھوا کر جھنڈا گاڑ دیا کہ ان میں ڈالی گئی رقم میں سے خرچ کرتے رہو مگر ختم نہ ہوگی۔ اور جب پولیس دخل انداز ہوئی، تو ڈبہ پیر صاحب کا فراڈ بے نقاب ہو گیا۔ اسی طرح بعض مقامات پر سد پے اور زیورات دُگنے کرنے کا تصور دیکر روپیہ اور زیورات ہڑپ کر لئے جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ایک طرف تو اعتقادی خمار ہے جو عقل کو ڈھانپ لیتا ہے کہ کیا کسی ڈبے میں رکھی گئی رقم کے متعلق سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ ختم نہ ہوگی؟ اور کیا روپیہ کبھی دُگنا ہو سکتا ہے؟ اور دوسری طرف یہ سارا اسال بلا مشقت حاصل کرنے کی بدولت میسر ہے جسے آیتِ مجیدہ ۹/۵ میں ناپاک اور عملِ شیطان قرار دیا گیا ہے۔

ازلام کیا ہیں؟ ● جُوا کھیلنے کیلئے کچھ پانسے بنائے ہوئے ہوتے ہیں جنہیں ہاتھ میں پکڑ کر زمین پر پھینکا جاتا ہے اور اُنکی اُلٹ سیدھ کے مطابق ہار جیت مقرر کی گئی ہوتی ہے۔ عربوں کے ہاں تیروں کیساتھ جُوا کھیلا جاتا تھا جس کا تیر آگے نکل جاتا وہ داؤ پر لگایا گیا سارا مال لے لیتا تھا۔ چونکہ ایسا مال بھی بے مشقت حاصل ہوتا ہے اسلئے اِسے بھی عملِ شیطان اور ناپاک قرار دیدیا گیا ہے۔ لفظ ازلام کی واحد ہے زلم، جس کا سہ حرفی مادہ ز-ل-م ہے، اِس مادہ کا بنیادی مصدری معنیٰ گناہ کرنا بھی ہے اور ناک کاٹ دینا بھی ہے۔ جس کا تیر پیچھے رہ جاتا، داؤ پر لگائے ہوئے مال کی ہار کی صورت میں مجازی طور پر اُسکی ناک بھی کٹ جاتی تھی اور وہ مال کے ضیاع کی صورت میں گناہ کا مرتکب بھی ہوتا تھا۔

● آیتِ صدر ۹/۵ میں خمر، میسر، انصاب اور ازلام چاروں چیزیں بصورتِ مبتدا لاکر ان سب کی واحد خبر لائی گئی ہے رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ یعنی یہ چاروں ایک ہی سطح کی قلبی نجاست ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ چاروں چیزیں انسانی عقل کو ڈھانپ لیتی ہیں، ماؤف کر دیتی ہیں۔ پہلے نمبر پر خمر یعنی نشہ آور اشیاء سے تو بالفعل دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے نمبر پر بلا مشقت مال حاصل کرنیوالے کا دماغ انسانی سطح پر نہیں رہتا۔ مالک مکان کرایہ دار کو، زمیندار مزارع کو اور کارخانہ دار مزدوروں کو اور پیر مُریدوں کو ایک سیکنڈ کیلئے بھی اپنی سطح کے انسان سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ عقل میں فتور آجاتا ہے۔ دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔

● اور اس سے آگے تیسرا نمبر ہے انصاب کا جن سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں بھی وہی حال ہے کہ جُونہی کسی نصب، آستانہ یا درگاہ سے منسلک ہوئے دماغ ماؤف ہو گیا۔ پیر صاحب خود عرصہ دراز سے بیمار پڑے ہیں لیکن اُنہی سے اپنی بیماری کیلئے پانی دم کرایا جا رہا ہے۔ پیر صاحب خود بے اولاد ہیں مگر اولاد کیلئے اُنہی سے تعویذ لئے جا رہے ہیں۔ یہ عجب

کی خود بیوی کے ساتھ ناچاکی ہے مگر خانگی حالات کے سُدھار کیلئے اُنہی سے دعا کرائی جارہی ہے۔ کیا دماغ ماؤف نہیں؟ اس سلسلے کی آخری چیز ہے ازلام یعنی جوئے کے تیر۔ یاد رہے کہ جُوا بھی دماغ کو معطل کر کے رکھ دیتا ہے۔ کل بیوی کی بالیاں بیچ کر ہرا دی تھیں اور آج اُس بچاری کا ہار بیچ کر ہرا دیا ہے۔ کیا یہ عقل گم کردگی کی علامت نہیں تو اور کیا ہے؟ قربان جائیے ذات باری کے، کس طرح خمر، میسر، انصاب اور ازلام کو ایک ہی سطح کا شیطانی عمل قرار دیکر واضح کر رکھا ہے کہ جس طرح خمر عقل کو ڈھانپ لیتا ہے، اسی طرح باقی تینوں بھی عقل پر چھا جاتی ہیں۔

خمر اور میسر دونوں منبع بغض و عداوت ہیں

● سلسلہ درس کی اگلی آیت بینہ میں خمر و میسر کی ایک خصوصیت بیان کیگئی ہے کہ ان سے باہمی بغض و عداوت پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :-

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ
بیشک ارادہ کرتا ہے شیطان کہ ڈالدے درمیان تمہارے

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ
عداوت اور بغض بذریعہ نشہ اور بلا مشقت مال کے اور روکدے تم کو ذکر

اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱
اللہ کے اور سے مرکزی نظام کے۔ پس کیا تم باز آنیوالے ہو

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ شیطان (نفس امارہ) ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے درمیان نشہ آور چیزوں اور بلا مشقت مال حاصل کرنے کے ذریعہ دشمنی اور نفرت پیدا کردے اور تمہیں اللہ کے ذکر (قرآنی تعلیم) سے روکدے۔ خصوصاً تمہیں (ذاتی مفاد کے چکر میں پھنسا کر متوازن معاشرہ، نظام) صلوٰۃ سے روکدے۔ پھر اِس وضاحت کے باوجود کیا تم خمر و میسر سے باز آنیوالے ہو؟

● نشہ کا عادی تو صرف نشہ کا دوست ہے۔ نشہ نہ ملے تو والدین اور اولاد تک کا دشمن ہے۔
پورا خاندان جائے بھاڑ میں، گھر کے برتن اور بستر تک بیچ کر نشہ پورا کرتا ہے۔ اِسی طرح کارخانہ دار کو مزدور کیا تھا، زمیندار کو مزارع کیا تھا کوئی ہمدردی نہیں ہوتی جن کی کمائی میسر پہ یہ لوگ داد عیش دیتے ہیں۔ اِن فریقین کے اذہان میں ایکدوسرے کی پوشیدہ عداوت ہر آن موجود ہوتی ہے۔
● کارخانہ دار اور زمیندار، مزدوروں مزارعوں کے زور بازو کا کمایا ہوا لکھوکھا روپیہ سمیٹے چلے جاتے ہیں مگر اُنہیں اتنی اُجرت دیتے ہیں کہ وہ صرف زندہ رہ سکیں۔ مزدور بیچارہ ہزار کنارا ہے کہ میرا چار سو روپیہ ماہوار میں گزارہ نہیں ہوتا مگر کارخانہ دار کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اور یہی حال زمیندار کا ہے کہ جانتے بوجھتے مزارعوں کی معاشی حالت کو تنگ کئے رکھتے ہیں۔
● اِنہی حقائق کے مطابق ۵/۹۱ میں خبر دیگئی ہے کہ خمر و میسر باہمی بغض و عناد پیدا کرتے ہیں۔ نشہ کے عادی فرد اور اُسکے اپنے افراد کنبہ میں عناد پرورش پا رہا ہوتا ہے، کارخانہ دار اور مزدوروں میں، زمیندار اور مزارعوں میں دائمی عداوت کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔ لیکن بچارے مزدور اور مزارع اپنی کمزوری اور بے بسی کی بدولت اُنکے ظلم

ظلم کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔

غلط معاشرہ کا واحد حل ● آیت زیر بحث میں ایسے غلط معاشرہ کا ایک ہی حل بتایا گیا ہے اقامتِ صلوٰۃ اور استفہام انکاری کے حصر فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ میں اس نظام کے مخالف نظام سے باز رہنے کی تاکید تنبیہی کیگئی ہے۔ اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ استفہام کے ذریعہ کیگئی تنبیہ سے سرتابی اللہ تعالیٰ کی انتہائی ناراضگی کا موجب ہوتی ہے۔ عالمِ اسلام پر جو ہر وقت مصائب و ادبار کے بادل چھائے رہتے ہیں کیا اِنکی وجہ یہی تو نہیں کہ ہر اسلامی ریاست، ہر مسلمان قوم اور ہر مسلمان فرد اجتماعی نظام کی بجائے اُس انفرادی مفاد پرستی کا پرستار ہوچکا ہے، جس کے متعلق مُتنبہ کیا گیا ہے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کیا تم اِس سے باز آنیوالے ہو تو کیا ہم باز آنے کیلئے تیار ہیں ؟

نظامِ صلوٰۃ، یعنی متوازن معاشی نظام اللہ کے رسولؐ کے ہاتھوں قائم ہوگا ● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظِ مخصوص حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے رسولؐ کیساتھ مل کر نظامِ صلوٰۃ (متوازن معاشرہ) قائم کرو۔ جس میں نہ انفرادی مفاد کوشی کی گنجائش ہوگی۔ نہ اُس میں کوئی بالا دست ہوگا، نہ زیر دست۔ نہ اُس میں خمر، میسر، انصاب اور ازلام جیسے دماغ کو ماؤف کرنے والے انسانیت سوز تصورات راہ پا سکینگے۔ اور نہ اُن کی بدولت معاشرہ کے ہر گوشے میں بُغض و عناد در پردہ پرورش پا رہے ہونگے۔ ارشاد ہوا ہے:۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا
اور حکم مانو اللہ کا بذریعہ حکم اُسکے رسول کے، اور بچ جاؤ
فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
پھر اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ بیشک اوپر رسول ہمارے کے پہنچا دینا ہے
الْمُبِيْنُ ۝۹۲
ظاہر

(ایمان والو! خمر، میسر انصاب اور ازلام سے بچو) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو بذریعہ اطاعت کرنے اُسکے رسولؐ کے اور (اللہ کے احکام کی مخالفت سے) بچو، اگر تم نے روگردانی کی، تو جانتے رہو کہ (انہی اندھیر گردیوں میں پھنسے رہوگے) اسکے سوا کوئی بات نہیں کہ ہمارے رسولؐ کے ذمہ ہمارے پیغام کو ظاہر طور پر پہنچا دینا ہے۔

● اس حکم کے مطابق ظاہر ہے کہ جب لوگ اللہ کے رسولؐ کیساتھ مل کر اللہ کی اطاعت کرینگے تو یقیناً یقیناً ہموار و متوازن معاشرہ عالمِ وجود میں آئیگا جس میں نہ انفرادی کارخانہ داریوں، زمینداریوں، جاگیرداریوں اور مشیخیت کے ذریعہ حاصل کردہ میسر یعنی مُفت کے مال کے حصول کی گنجائش ہوگی اور نہ اُس نظام میں کوئی نشہ آور چیز راہ پا سکے گی۔

● اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کی مفصل بحث کیلئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۲۶ صفحہ ۵۹ ملاحظہ فرمائیں ۔۔۔

یہاں اتنا عرض کرنا ہے درمیانی واؤ کا معنیٰ ہے "بذریعہ" (قرآنی سند کیلئے دیباچہ کا صفحہ ۸۷) اس قسم کی آیتوں سے اللہ اور رسولؐ کی دو الگ اطاعتیں تسلیم کرنا ٦/٥٧ + ١٢/٤٠ + ١٨/٢٦ کے خلاف ہیں جہاں حصر کیساتھ کہہ دیا گیا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (متنبہ رہو کہ) اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں۔ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ١٨/٢٦ وہ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ پس اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اکیلے اللہ کی اکلوتی اطاعت کرو اسکے بھیجے ہوئے رسولؐ کے ذریعہ۔ اور اللہ کے رسول لائے ہیں اللہ کی کتاب قرآن کریم جس میں اللہ تعالیٰ کی واحد فرمانبرداری کے جملہ احکام محفوظ موجود ہیں۔ آپ نے انہی کی فرمانبرداری کرائی تھی۔

قرآنی معاشرہ بتدریج ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آخری منزل تک پہنچ جائیگا

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خبر دیگئی ہے کہ رسولؐ مقبول کے ذریعہ اطاعت کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان، و اتقاء میں بتدریج آگے آگے بڑھتے چلے جائینگے۔ رسولؐ اکرم کے قائم کردہ متوازن نظام میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہیں ہوگی، اور ایمان و اتقاء ترقی کرتے کرتے حسن و توازن کی آخری منزل تک پہنچ جائینگے۔

● مجوّلہ آیت مجیدہ پیش کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ہوسکتا ہے کسی قاری کے ذہن میں یہ سوال کروٹیں لے رہا ہو کہ جملہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کیساتھ ہموار و متوازن معاشرہ کے قائم کرنے کا کیا تعلق؟ جواباً عرض ہے کہ خدا تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ٥ ٢٨/٥١ اور بیشک ہم نے اپنے قول قرآن مجید کو باہم متوصّل کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ ا آیت مجیدہ کے مطابق ہر مقام پر سیاق و سباق کلام کی مطابقت لازم ہے۔ سیاقِ کلام میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ناہموار معاشرہ کی چار اہم شقوں خمر، میسر، انصاب اور ازلام سے منع کر کے' استفہامیہ انداز میں ارشاد فرمایا ہے کہ کیا تم ان سے باز آنے والے ہو؟

● اور ساتھ ہی نفسِ امارہ شیطان کی خبر دیگئی ہے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہدایت کردہ نظامِ صلوٰۃ یعنی متوازن معاشرہ سے روکتا ہے۔ یہ تو ہوا سیاقِ کلام اور سباقِ کلام یعنی اگلی آیت مجیدہ میں بھی ایسے ہی متوازن معاشرہ کی یہ اہم خبر دیگئی ہے کہ اللہ کے رسولؐ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرہ میں کھانے پینے کی چیزیں بافراغت میسر آئینگی۔ تنگی اور دشواری کا گزر تک نہ ہوگا۔ اتقا کی دشوار گزار منزلیں باآسانی طے ہوتی چلی جائینگی:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	جو لوگ (ضابطۂ خداوندی پر) ایمان لائیں اور
نہیں اُوپر اُنکے جو ایمان لائے اور عمل کیئے اچھے	اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں (جب وہ مُیسر یعنی استحصال)

جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا
کوئی حرج نہیں انکے کھائیں جب جو بچیں اور ایمان لائیں اور عمل کریں
الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا
اچھے پھر بچیں اور ایمان لائیں پھر بچیں اور معاون کریں
وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ ۹۳
اور ہے اللہ پسند کرتا کمال کرنیوالوں کو

ع ۱۲/۷/۲

سے بچ جائیں اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں تو انکے لئے بافراغت کھانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہیگی (کیونکہ ترکِ استحصال ہی سے متوازن معاشرہ قائم ہوجائیگا جس میں ہر فرد کو بافراغت کھانے کو ملیگا) پھر وہ (استحصال سے) اور زیادہ بچیں اور اس پر ایمان میں مزید پختہ ہوجائیں۔ پھر (استحصال، مُیسر سے) اور زیادہ بچیں اور (معاشرہ میں مکمل حُسن و توازن پیدا کریں (تو اللہ انہیں پسند کریگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاشرہ میں توازن پیدا کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

اٰمَنُوا اور ثُمَّ اتَّقَوا کا تین مرتبہ تکرار

● آیتِ زیرِ نظر میں کھانے کی فراغت اور مُیسر یعنی استحصال سے بچنے کے تین مرتبہ کے تکرار کی خبر سے دوپہر کے سُورج کی طرح عیاں ہے کہ قرآنی ہموار و متوازن معاشرہ کی راہ میں رکاوٹ صرف سرمایہ دارانہ استحصالی نظام ہے۔ جس میں ہر طرف مُیسر یعنی استحصال کی چکّی چل رہی ہوتی ہے۔ مُزارعے کماتے ہیں اور زمیندار عیش کرتے ہیں۔ مزدوروں کی خون پسینے کی کمائی کو شبانہ روز کارخانہ دار سمیٹا چلا جاتا ہے۔ مُریدوں کی محنتِ شاقہ کے ماحصل میں پیرصاحبان مُفت کے حصّہ دار بنے رہتے ہیں۔ اسلئے استحصال کے خاتمہ پر تکرار زور دیا گیا ہے۔

● نیز تین مرتبہ کے ثُمَّ اتَّقَوا اور اٰمَنُوا کے تکرار سے ثابت و بیّن ہے کہ اہلِ ایمان جُوں جُوں استحصال سے بچنے، اسکا خاتمہ کرتے چلے جائینگے تُوں تُوں متوازن معاشرہ اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہُوا آخری منزل پر پہنچ جائیگا ورنہ صاف ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ کے اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت کے بعد ثُمَّ کی ترتیب و تراخی کیا تھی پھر تین مرتبہ کے ثُمَّ اتَّقَوا وَّاٰمَنُوا کا کیا مطلب؟

مومنوں کے اتّقا کا امتحان

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں سورۂ مائدہ کی سابقہ آیتوں میں مربوط و مسلسل مضامین کی وضاحت کے بعد سورہ مائدہ کی آیتِ اوّل اُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الانعام کی طرف رُخ کیا گیا ہے۔ جس میں جُگالی کرنے والے چوپایوں کو حلال قرار دیکر، انہی میں سے استثنیٰ بیان ہُوئی ہے اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ یعنی بهيمة الانعام کی وہ چیزیں حرام ہیں جو تم پر پڑھی جائینگی۔ اور انکا اُس حالت شکار کرنا بھی حرام ہے جس وقت کہ تم ایّامِ حج میں بیت الحرام سے سالانہ اجتماع کے لئے آئے ہُوئے ہو۔ ما يتلى عليكم کی وضاحت تو ۵۔۳ میں گزر چکی ہے کہ بهيمة الانعام کا مُردہ، خون، غدود کا گوشت، غیر اللہ کی طرف منسوب کردہ، گلا گھٹ کر مرا، لاٹھی مارنے سے مرا، گر کر مرا،

بینگ لگنے سے مرا، درندے کے مارنے سے مرا، کسی استھان پر ذبح ہوا اور جوئے کے تیروں کیساتھ تقسیم کیا گیا، سب حرام ہیں۔ اسکے بعد ایامِ حج میں حلال جانوروں کے شکار کی مخالفت کا مخصوص حکم منفرد آیت مجیدہ نمبر ۹۴ میں بالفاظِ ذیل نافذ فرمایا گیا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو البتہ ظاہر کریگا تمکو اللہ ساتھ ایک چیز کے

مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ

میں سے شکار کے پہنچیں اُس تک ہاتھ تمہارے اور تیر تمہارے تاکہ ظاہر کرے

اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ

اللہ اُسے جو ڈرتا ہے اُس سے غیر حاضری میں۔ پھر جو کوئی زیادتی کرے پیچھے

ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۴

اُسکے پس، واسطے اُسکے سزا ہے دردناک

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ الٰہی پر ایمان لائے ہو، تحقیق اللہ تعالیٰ (تمہارے اتقاء کو) ایک چیز کیساتھ ظاہر[1] کرتا ہے (وہ بہیمۃ الانعام کا شکار ہے کہ ایامِ حج میں) اُس تک تمہارے ہاتھ بھی پہنچتے ہوں اور تمہارے تیر بھی پہنچتے ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کرے اُس شخص کو جو اللہ سے تنہائی میں ڈرتا ہے (جب اللہ کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو) پھر جو کوئی اس حکم کے بعد نافرمانی کریگا تو اُسکے لئے (ضابطۂ الٰہی میں) دردناک عذاب ہے۔

● [1] عَلِمَ کا مصدری معنیٰ ظاہر کرنا $\frac{۳}{۱۴۱}$ + $\frac{۹}{۱۶}$ میں موجود ہے لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ، ابھی اللہ نے جانا نہیں، یہ معنیٰ غلط ہے۔ اور ابھی ظاہر نہیں کیا ٹھیک ہے۔

ایامِ حج میں برّی شکار منع کیوں؟

● ایامِ حج میں برّی شکار اسلئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اُن دنوں میں بیت الحرام کے گرد و نواح لاکھوں افراد کا اجتماع ہوتا ہے، جن میں اکثر افراد کا ضروریات کے مطابق (قضاءِ حاجت وغیرہ کیلئے) اِدھر اُدھر دور نکل جانا بھی ممکن ہے۔ ایسے حالات میں برّی شکار کی اجازت خطرناک ہے کہ شکاری جس چیز کو دور سے شکار سمجھ رہا ہو وہ کوئی انسانی جان نہ ہو، اور یہ اُس پر تیر چلادے یا فائرنگ کردے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کے حفظِ ماتقدم کیلئے، ایمان والوں کے نام اعادۂ خطاب کیساتھ ارشاد ہوا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ قتل کرنا برّی شکار جبکہ

اَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ

تم حالتِ احرام میں ہو اور جو اُسے قتل کرے تم میں سے ارادۃً تو سزا ہے

مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

مانند جو قتل کرے میں سے چوپائے کے۔ فیصلہ کریں ساتھ اُسکے دو عدل والے تم میں

اے ایمان والو! نہ قتل کرنا برّی شکار کو جب تم (ایامِ حج میں) حالتِ احرام میں ہو۔ اور جو کوئی اُسے تم میں سے جان بوجھ کر قتل کرے تو اُسکی سزا اُس (سزا) کے مثل ہے جو کسی چوپائے کو قتل کیا ہو۔ اس سزا کا فیصلہ تم میں سے دو صاحبِ عدل افراد کریں کہ کونسا چوپایہ مقتول جانور کے برابر کا ہے) وہ نیازِ کعبہ ہوگا (جو بیت الحرام کے

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ
ہدیہ پہنچنے والا کعبہ کو - یا بدلہ ہے کھانا مسکینوں کا
اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ
یا بدلہ ہے اُسکا روزے رکھنا تاکہ وہ چکھے سزا اپنے جرم کی
عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ
معاف کیا اللہ نے اُسے جو ہو چکا - اور جو کوئی اعادہ کرے تو انتقام لیگا اللہ اُس سے
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ ۹۵
اور اللہ غالب بدلہ لینے والا

بیت المال میں پہنچایا جائیگا) یا اُسکا کفارہ (دو اصحابِ عدل کی مقررہ تعداد کے) مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے - یا اِسکے برابر (دو اصحابِ عدل کے فیصلے کے مطابق) روزے رکھنا ہے تاکہ مجرم اپنے جرم کی سزا کا مزہ چکھے - اِس حکم سے پہلے جو کچھ ہو چکا، اُسے اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے - اور جو کوئی دوبارہ ایسا کرے تو اُس سے اللہ ضرور ضرور بدلہ لیگا (سزا دیگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب سزا دینے والا ہے۔

● ۱ ایامِ حج میں بری شکار کرنے کیلئے قتل کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے کہ اُن ایام میں بری شکار کرنا منع ہے - حالانکہ ایامِ حج کے سوا باقی دنوں میں نہ بری شکار ممنوع اور نہ اسے ایک چوپایہ کے قتل کے مصداق قرار دیا گیا ہے - ممنوعہ ایام میں شکار کو قتل قرار دیکر قانون کی اہمیت بتائی گئی ہے - اگرچہ شکار کرنے والے سے کسی انسانی جان کو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں پہنچتی - لیکن اگر قانون شکنی کی سزا نہ دیجائے تو قانون بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔

● ۲ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ کے الفاظ میں یہ فیصلہ کرنا دو اصحابِ عدل پر منحصر کر دیا گیا ہے کہ وہ مجرم کے جرم کی نوعیت کے مطابق فیصلہ دینگے کہ یہ قتل کس حلال چوپائے کے قتل کے برابر ہے - مجرم کو ویسا ہی ایک چوپایہ نیازِ کعبہ کے طور پر بیت الحرام کے بیت المال میں پہنچانا ہوگا - اور دو اصحابِ عدل ہی فیصلہ دینگے کہ مجرم اتنے مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر مجرم اِن چیزوں کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر دو منصف فیصلہ کرینگے کہ مجرم اپنے جرم کے کفارہ کے طور پر اتنے روزے رکھے۔ یہ سب کچھ اصحابِ عدل کی صوابدید پر منحصر کر دیا گیا ہے۔

ایامِ حج میں بحری شکار کی اجازت

● بری شکار چونکہ تیر یا بندوق سے کیا جاتا ہے اسلئے اس خطرہ کے پیش نظر کہ غلطی سے کوئی انسانی جان شکار نہ ہو جائے، اسلئے اسے جرم قرار دینے کے بعد بحری شکار کی اجازت اسلئے دیدی گئی ہے کہ وہ کانٹے یا جال سے کیا جاتا ہے، جس میں کسی انسانی جان کو کسی قسم کی گزند پہنچنے کا احتمال نہیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ
حلال کیا گیا واسطے تمہارے شکار دریا کا اور کھانا اُسکا فائدہ واسطے تمہارے
وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ
اور واسطے مسافروں کے - اور حرام کیا گیا اوپر تمہارے شکار خشکی کا جبتک ہو تم

تمہارے لئے (ایامِ حج میں) دریا کا شکار کرنا بھی حلال کیا گیا ہے اور اُسکا کھانا بھی - یہ تمہارے لئے بھی فائدہ ہے اور ہر مسافر کیلئے بھی فائدہ ہے - اور تم پر خشکی کا شکار اُس وقت تک حرام کیا گیا ہے جبتک کہ تم حالتِ احرام میں ہو - اور اُس

حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹۶

حالتِ احرام میں۔ اور ڈرو اللہ سے جو طرف اسی کے تم اکٹھے کئے جاؤ گے

ذات (کے احکام کی مخالفت) سے بچو جس کی طرف تم سب (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جاؤ گے۔

اہمیت مرکزیت بیت الحرام

ُ٭ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کعبہ مکرمہ کو پوری نوعِ انسانی کے مرکزی مقام کی حیثیت دی گئی ہے تاکہ پوری نوعِ انسانی کو اپنے قدموں پر کھڑا کیا جائے۔ اعلیٰ وادنیٰ کا امتیاز ختم ہو جائے۔ کوئی بالادست فرد یا قوم کسی زیردست فرد یا قوم کے پیدائشی حقوقِ ربوبیت پر ڈاکہ نہ ڈال سکے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا

ٹھہرایا اللہ نے کعبہ گھر عزت والا کھڑا کرنا

لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْیَ

نوعِ انسانی کو اور مہینے حرمت والے اور تحائف

وَالْقَلَآىِٕدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ

اور پٹے والے جانور وہ اسلئے کہ بیشک اللہ جانتا ہے

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ

جو کچھ آسمانوں کے اور جو کچھ زمین کے اور بیشک

اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۹۷

اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے کعبہ مکرمہ کو جو اُس کا حرمت والا گھر ہے، نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنیوالا ٹھہرایا ہے۔ اور حرمت والے (۳۶/۹ چار) مہینوں کو بھی (جن میں جنگ کرنا حرام کر دیا گیا ہے) اور (کعبہ مکرمہ پہنچائے جانیوالے تحائف کو بھی اور پٹے والے جانور (جو حج کے موقعہ پر کعبہ مکرمہ پہنچائے جاتے ہیں) اُنکو بھی نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے والے ٹھہرایا ہے۔ وہ اسلئے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ (کائنات کی) ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

۳ ۲ ۱

پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کے چار اہم ذرائع

ُ٭ آیتِ بالا میں کعبہ بیت الحرام، حرمت والے چار مہینے، نیازِ کعبہ کے تحائف اور نیازِ کعبہ کے جانور، سب کو قیٰمًا لّلنّاس قرار دیا گیا ہے۔ لفظ قیٰمًا مادہ ق۔ و۔ م قوم سے ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے کھڑا ہونا۔ تو گویا النّاس یعنی پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ذریعہ ہیں مذکورہ بالا چاروں چیزیں خالصۃً حجِ بیت اللہ سے متعلق ہیں۔

۱۔ کعبہ بیت الحرام ہے نوعِ انسانی کا امن مرکز ۲/۱۲۵ + ۳/۹۷ جہاں حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس منعقد ہو گی۔

۲۔ حرمت کے چار مہینے وہ ہیں کہ ان میں جنگ بند کر کے سالانہ امن کانفرنس میں اطراف واکناف سے آنیوالوں کیلئے چوطرفہ راستوں کو پُرامن بنانا مقصود ہے۔ یعنی ان کا تعلق بھی عالمی امن مرکز کیساتھ ہے۔

۳۔ نیازِ کعبہ کے تحائف جو عالمی امن مرکز میں حج کے موقعہ پر پہنچائے جاتے ہیں نقدی اور اجناس وغیرہ۔

۴۔ نیازِ کعبہ کے جانور جو حج کی سالانہ کانفرنس میں عالمی امن مرکز میں پیش کئے جاتے ہیں، اس پورے متردد

تکلّف کی غرض وغایت ہے اقوام عالم کا سالانہ اجتماع حج۔ اور اس اجتماع کی غرض ہے قیٰمًا لِّلنَّاس یعنی پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنا۔ جس میں نہ کوئی بالادست رہے نہ زیر دست۔

● المختصر! حج کی غرض یہ ہے کہ قوموں کے وہ مسائل جن کیلئے وہ جنگ کی آگ بھڑکاتی ہیں، اللہ کے مقدس گھر میں حاضر ہوکر مرکز کے حکم کے مطابق ختم کر دیئے جائیں۔ ہر حکومت، مرکز کے حکم کی پابند ہو تاکہ کرۂ ارض سے جنگ وجدال کا مطلقاً خاتمہ ہو جائے۔ چار ماہ کیلئے حکماً جنگ بند کر کے جب وہ اللہ کے گھر میں اُسکے حضور حاضر ہونگے تو فریقین کا ضد اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو جانا بہت ممکن ہو جائیگا۔ امن کانفرنس میں متنازعہ مسائل پیش کیے جائینگے اور مرکز انکا صحیح فیصلہ دے گا نتیجہ یہ کہ ضد وتعصب کی بدولت بچھڑی ہوئی سلطنتیں، قومیں اور مُلک گلے مل جائیں گے۔

حُرمت والے مہینے ہدی اور قلائد شعائر اللہ ہیں

● سُورہ مائدہ کی ابتداء میں حکم دیا گیا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَ لَا الۡهَدۡیَ وَ لَا الۡقَلَآئِدَ ۵/۲ ایمان والو! بے حرمتی نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی یعنی نہ حُرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کرنا، نہ نیازِ کعبہ کے تحائف کی، اور نہ نیازِ کعبہ کے جانوروں القلآئد کی۔

۱۔ حُرمت والے مہینوں کی بے حرمتی

● حُرمت والے چار مہینے شعائر اللہ ہیں ۵/۲، انکی حرمت ہے ان مہینوں میں جنگ نہ چھیڑنا، اور چھڑی ہوئی جنگ کو بند کر دینا۔ اور انکی بے حرمتی ہے ان میں جنگ چھیڑ دینا یا چھڑی ہوئی جنگ کو بند نہ کرنا۔

۲۔ ہدی کی بے حرمتی

● ہدی یعنی نیازِ کعبہ کیلئے پیش کیے گئے تحائف نقدی، اسلحہ اور اجناس بھی شعائر اللہ ہیں ۵/۲، انکی حُرمت ہے انہیں حکم الٰہی ۵/۹۷ کے مطابق نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کیلئے صرف کرنا ــــ اور انکی بے حرمتی ہے اس قرآنی غرض کو پس پشت پھینک کر اسکے سوا دوسرے کاموں پر خرچ کر دینا۔ اور یہ بھی کہ ہدی اور قلائد کو ایک ٹھہرا کر نیازِ کعبہ کیلئے صرف جانور قرار دیدینا اور محمد النسلمین کے ہدیوں، نذروں یعنی نقدی اور اجناس وغیرہ کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے خالص کعبہ مکرمہ کیلئے مختص کر رکھا ہے ۲۲/۲۹ انہیں ردمنوں، آستانوں، درگاہوں اور قبروں پر چڑھاوے چڑھانا۔

۳۔ قلائد کی بے حرمتی

● قلائد سے مُراد ہیں وہ جانور جو نیازِ کعبہ کیلئے حج کے موقعہ پر عالمی امن مرکز میں پیش کیے جائیں، وہ بھی شعائر اللہ ہیں، اُنکی حرمت یہ ہے کہ اُنہیں ضرورت کے مطابق ذبح کیا جائے اور کھایا جائے۔ اور اُنکی بے حرمتی ہے ضرورت سے زائد ذبح کرنا اور کھانے کی بجائے ریت میں دبا دینا یا خندقوں اور کھائیوں میں پھینک دینا۔

ایک لمحۂ فکریہ

● یہاں پہنچ کر عقلمندوں کیلئے عموماً اور علماء کرام کیلئے خصوصاً ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ ۵/۲ میں دیئے گئے حکم کہ شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرنا، انکی بے حرمتی کر کے اس حکم کی نافرمانی تو نہیں کر رہے؟ ۲۲/۳۲ میں شعائر اللہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○ ۲۲/۳۲ اور جو کوئی شعائر اللہ کی عظمت کرے تو بیشک یہ قلوب کے تقوٰی کے کاموں میں سے ہے۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق کیا شعائر اللہ کی بے حرمتی کرنا قلوب کے تقوٰی سے صد فیصد محرومی نہیں؟ جس کا جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ بیت الحرام، حرمت والے مہینوں، ہدی اور قلائد کو ۵/۹۷ کے مطابق نوع انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ذریعہ ٹھہرایا ہے مگر نوع انسانی تو دور کی چیز ہے، خود مسلمان بھی اپنے قدموں پر کھڑے ہوئے نہیں پائے جاتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

تکوینی نظام کی شہادت

● آیت زیر نظر ۵/۹۷ کے آخری الفاظ میں خدا تعالیٰ نے اپنے تکوینی نظام کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ مذکورہ مرکزی نظام کی ہدایت اسلئے کیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور بیشک اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ دیکھو کس طرح اتنے بڑے بڑے کرہ جات سورج، چاند ستارے ایک مرکزی نظام کی حدود میں محدود رہکر پُرامن چل رہے ہیں۔ ان میں کبھی تصادم نہیں ہوا۔ اسی طرح اے نوع انسانی تم بھی بیت الحرام کے مرکزی نظام کے ماتحت اپنی حدوں میں محدود رہکر پُرامن رہو۔ جنگ و جدال کی بھٹیاں نہ دہکایا کرو۔ اگر کوئی تنازعہ کھڑا ہو جائے تو حرمت کے چار مہینوں میں حکماً جنگ بند کر کے حج کی سالانہ امن کانفرنس میں حاضر ہو کر مرکز سے فیصلے کرا لیا کرو۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ اگر تم حدود شکنی کرو تو اللہ کے قانون میں تمہارے لیئے سخت سزا بھی موجود ہے اور اگر باز آجاؤ تو تمہیں ہر قسم کے فساد اور تباہی سے بچاؤ بھی محفوظ ہے اللہ کے قانون میں رحمت بھی ہے اور عذاب بھی ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ	جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین میں عدل و انصاف ہے اندھیر گردی اور دھاندلی نہیں، جو لوگ بداعمالیوں کی بدولت سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں تو جانتے رہو کہ اللہ انہیں سزا دینے میں بہت سخت ہے اور (جو لوگ بخشش کے حقدار ہوں) انہیں ہر قسم کا بچاؤ دینے والا بھی ہے بڑھکر رحمت کرنیوالا بھی ہے۔
جانتے رہو بیشک اللہ سخت ہے سزا کی رُو سے اور بیشک	
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ۹۸	
اللہ ہے بخشنے والا مہربان	

رسولؐ کے ذمہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے

● رسول انبیاء اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتے رہے اور لوگوں تک بلا کم و کاست

پہنچاتے رہے جس قوم نے اُنکا کہنا مانا اور اُنکے ساتھ مل کر منزّل من اللہ نظام کو بروئے کار لائی، تو وہ اُس نظام کی خوشگواریوں اور شادابیوں سے سرفراز ہوئی، اور جو قومیں اُنکے پیغام پر ایمان نہ لائیں اور نبی کریم رسولؐ کا ساتھ نہ دیا وہ دنیا میں بھی عذاب کے پتے پڑیں اور آخرت کا عذاب بھی ان کے لئے لازم قرار پایا۔ اس کے برخلاف ایک تیسری قسم کے لوگ بھی تھے جو ذہن میں کفر چھپا کر جھوٹے ایمان کا اظہار کرتے رہتے ہے۔ تسلسل درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اُنہیں مخاطب کیا گیا ہے کہ جو کچھ تم ذہنوں میں چھپاتے ہو، اللہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اُسے بھی جانتا ہے۔ ہمارے رسول کے ذمہ اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، لوگوں کو زبردستی مومن اور نیکوکار بنانا ہرگز نہیں ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
نہیں اوپر رسول کے مگر پہنچانا - اور اللہ جانتا ہے

مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝٩٩
جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

ہمارے رسولؐ کے ذمہ صرف ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے (دین میں جبر نہیں ہے $\frac{۲}{۲۵۶}$) اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو (کہ تم ایمان لے آئے ہو) وہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو (کہ تم منافقت کرتے ہو) اُسے بھی جانتا ہے۔

قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ
کہہ نہیں برابر بدکار اور نیکوکار اور اگرچہ

أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي
حیرت میں ڈالے تجھ کو کثرت بدوں کی، پس ڈرو اللہ سے اے

الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝١٠٠ ع ۱۳ / ۳
عقل والو - تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

کہہ دیجئے اے رسولؐ کہ اے مخاطب! بدعمل اور نیکوکار ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اگرچہ تجھے بُروں کی کثرت حیرت زدہ کر دے۔ پس عقل والو! اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو تاکہ تم (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہو جاؤ۔

کثرت صداقت کی دلیل نہیں ● اس آیت مجیدہ میں بدعملوں کی کثرت پر حیرت زدہ ہونے سے منع کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ اپنی کثرت کی بدولت بھلے معلوم ہوتے ہوں۔ صداقت کی دلیل کثرت نہیں بلکہ ضابطۂ الٰہی کی اطاعت ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ ہر زمانے میں قلیل تعداد میں پائے گئے اور پائے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم مکمل ضابطۂ حیات ہے ● تسلسلِ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ کرامؓ کو تنبیہ کیا گیا ہے کہ زمانۂ نزولِ قرآن میں مسائل کی کرید نہ کرنا۔ جن مسائل میں تمہاری شخصی آزادی برقرار رکھی گئی ہے اگر تم نے اُس کے متعلق سوال کئے تو مقید پابند کر دیا جائے گا اور وہ تمہارے لئے ناگوار ہوگا۔ دیکھئے الفاظِ قرآنیہ انتہائی غور طلب ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ || اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ منزّلہ قرآن کریم پر) ایمان لائے

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ سوال کرو سے چیزوں سے

اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا

اگر ظاہر کیا جائے واسطے تمہارے برا لگے تمکو اور اگر تم سوال کرو ان سے

حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ

جب نازل ہو رہا ہے قرآن ظاہر کردیا جائیگا واسطے تمہارے درگزر کیا اللہ نے

عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ ۱۰۱

اُس سے اور ہے اللہ بخشنے والا بہت بردبار

ہو اُن مسائل کے متعلق سوال نہ کرنا (جو تمہاری شخصی آزادی پر چھوڑ دیئے گئے ہیں) اگر تمہارے لئے[1] ظاہر کردیئے جائیں تو تمہارے لئے برے ہونگے (ناگوار ہونگے[2]) اور اگر اس وقت میں کہ جس میں قرآن کریم نازل ہورہا ہے اُنکے متعلق سوال کرو تو تمہارے لئے ظاہر کر دیئے جائینگے۔ اللہ نے (تمہاری انفرادی پسند کو برقرار رکھنے کیلئے) خود درگزر فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ بچاؤ دینے والا بہت ہی بُردبار ہے۔

● [1] یہاں تُبْدَ لَكُمْ کا مفہوم ہے تمہارے لئے نازل کر دیئے جائینگے، جس پر حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ کے الفاظ شاہد ہیں۔

● [2] تَسُؤْكُمْ کا لفظی معنی ہے وہ تمہیں برا لگیگا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہاری شخصی آزادی پر پابندی کے احکام نازل کردیئے جائیں تو تمہاری روزمرہ کی زندگی میں دشواری پیدا ہو جائیگی۔ جیسے کہ بعض اسلامی حلقوں میں یہ پابندی پائی جاتی ہے کہ اٹھو تو یوں، بیٹھو تو یوں، لیٹو تو یوں، بیت الخلاء میں جاؤ تو یہ پڑھو، باہر نکلو تو یہ پڑھو وغیرہ ایسی پابندیاں وہ ہیں جو روزمرہ کی زندگی کو دشوار اور ناگوار بنا دیتی ہیں۔

شخصی آزادی ● آیت بالا میں ہر اس مسئلہ کے متعلق جس کی تفصیل قرآن میں نہ دیگئی ہو، فیصلہ کردیا ہے کہ وہ معاذ اللہ معاذ اللہ غلطی سے نہیں رہ گئی، بلکہ بانداز غفور رحمت ہر شخص کی انفرادی پسند کا حق برقرار رکھا گیا ہے۔ مثلاً کھانے کی چیزوں پر صرف حَلٰلًا طَيِّبًا کی قید لگائی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ کی حلال کردہ چیزیں جو حلال طریقے سے حاصل کی گئی ہوں کھاؤ۔ اور طیب بھی ہوں۔ یعنی تمہارے موافق مزاج بھی ہوں۔ اِس حکم سے ثابت ہے کہ گائے کا گوشت، مسور کی دال، بینگن، بھنڈی وغیرہ ہر حلال چیز جس کے موافق مزاج نہ ہو تو اُسے نہ کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ ہاں اُنکو حرام ٹھہرانا منع ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو حرام یا حلال ٹھہرانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

لباس اور حجامت ● کھانے پینے کے علاوہ معاشرہ کے بیسیوں مسائل ہیں کہ اگر اُن پر پابندی لگادی جائے تو نہ صرف یہ کہ فرد کی شخصی آزادی سلب ہو جائے، بلکہ پورا معاشرہ شدید ترین جکڑبندیوں میں جکڑ کر رہ جائے۔ مثلاً لباس کے متعلق یہ پابندی لگادی جائے کہ صرف عربی قسم کا لباس ہی پہنا جائے لمبا چوغا، تو کرۂ ارض کی پوری آبادی کیلئے دشوار ہو جائیگا۔ قرآنِ حکیم نے لباس کے ضمن میں صرف دو پابندیاں لگائی ہیں۔ کہ وہ ننگ پن کو ڈھانپے اور خوبصورت ہو۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۷/۲۶ اے نوعِ آدم بیشک ہم نے تم پر لباس پہننے کا حکم نازل کیا ہے اسلئے کہ وہ تمہارے ننگ پن کو ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو ـــــ لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ کے الفاظ میں اس سے آگے تمام سوالوں سے منع کردیا ہے کہ یہ سوال نہ کرنا تہبند پہنیں یا شلوار، پاجامہ پہنیں یا پتلون، قمیض پہنیں یا کرتہ

کوٹ پتلون یا شیروانی، ٹوپی اوڑھیں یا پگڑی۔ یہ تمام چیزیں مختلف افراد کی شخصی پسند اور ملکی آب و ہوا اور وقتی حالات کے مطابق آزاد چھوڑ دی گئی ہیں۔ کیونکہ اسلام عالمگیر دین ہے، اور دائرۂ اسلام میں کرۂ ارض کے ہر ملک کے افراد نے داخل ہونا ہے۔

● یہی حال عورتوں کے لباس کا ہے۔ انہیں ہر قطع کا شریفانہ لباس پہننے کی اجازت ہے کہ وہ انکا ننگ بھی ڈھانپے اور خوبصورت ہو۔ ایسا تنگ بھی نہ ہو اور اتنا باریک بھی نہ ہو کہ پہنا ہوا بھی ہے اور جسم کے تمام اعضاء الگ الگ تھرکتے ہوئے دکھائی بھی دے رہے ہیں۔ ایسا گندہ اور بُری قطع کا بھی نہ ہو کہ بدصورت دکھائی دے۔ زیورات کے متعلق بھی عورتوں کی پسند پر صرف یہ قدغن لگائی گئی ہے:۔ وَ لَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ ۲۴/۳۱ اور وہ اپنی زینت نامحرموں پر ظاہر نہ کریں۔

بال کٹوانا یا منڈانا

● نیز بالوں کے متعلق یہ خبر دی گئی ہے :۔ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۴۸/۲۷ یعنی سروں کو منڈاتے ہوئے یا کتراتے ہوئے۔ یعنی بالوں کو منڈانے یا کترانے کی اجازت تو دی گئی مگر قید نہیں لگائی کہ بال مشرقی قطع کے کٹوائے جائیں یا مغربی طرز کے۔ ڈاڑھی کے بال ضرور منڈائے جائیں یا ضرور کٹوائے جائیں کٹوائے جائیں تو کس قطع کے کٹوائے جائیں۔ بلکہ ہر ملک، ہر قوم کے ہر فرد کی ذاتی پسند پر چھوڑ دئیے گئے ہیں۔ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ کے الفاظ منڈانے اور کٹوانے کا عمل سر کے بالوں پر وارد ہوگا۔ ٹھوڑی بھی سر کا حصہ ہے جہاں بال موجود ہیں۔ اسلئے ڈاڑھی کے مسئلہ کو بھی منڈانے اور کٹوانے کی قید کیساتھ ہر قطع و منع کی ڈاڑھی کی اجازت ہے جسے کوئی ملک قوم یا فرد پسند کرے۔ شرط یہ ہے کہ وضع خوبصورت ہو قطع خوش کن ہو۔ نہ یہ کہ ڈاڑھی اس انداز کی ہے کہ بالوں کا ایک پھندنا سا ٹھوڑی کے نیچے لٹک رہا ہے اور دو پھندنے دائیں بائیں کانوں کے پاس آویزاں ہیں۔ پس اس شخصی آزادی کے بعد حجامت سے متعلقہ مزید سوال کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

● یہی حال عبادات و معاملات سے متعلقہ مسائل کا ہے کہ جو کچھ بیان کر دیا گیا ہے اُس سے نہ بے اعتنائی کی جائے اور نہ اُس پر کچھ اپنی طرف سے بڑھایا جائے۔ صلوٰۃ موقّت (نماز) کو جن حدود میں محدود اور جن شرائط کیساتھ مشروط کر دیا گیا ہے اُنکے اندر رہا جائے۔ خداوندی حدود و مشروط کو نہ توڑا جائے۔ حاصل کلام یہ کہ لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ کے حکم میں واضح کر دیا گیا ہے کہ حلال و حرام، لباس، حجامت کھانے پینے کے طور طریقوں، عبادات و معاملات کے مسائل میں جو پابندیاں لگائی گئی ہیں اُنکے اندر رہکر اپنی شخصی پسند کے مطابق عمل کرتے چلے جاؤ۔ مسائل کی بے جا کرید کر کے دین میں مشکلات پیدا نہ کرو۔

لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ کی روایتی تفسیر

● آیت مجیدہ لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ ...... کا شانِ نزول بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے عربی متن کے سامنے اردو ترجمہ

میں لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے آنحضورؐ سے مذاق کے طور پر کچھ سوال کئے۔ ایک آدمی نے پوچھا حضورؐ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا فلاں شخص تیرا باپ ہے، کیونکہ لوگ اُسے حرامی کہا کرتے تھے۔ آپ نے اُسے وہی نام بتایا جس کی طرف وہ منسوب کیا جاتا تھا" اِس پر یہ آیت اُتری کہ سوال کرو گے تو بتا دیا جائیگا اور تمہیں بُرا لگیگا۔ کہ پہلے تو سائل کا حرامی ہونا مشکوک تھا مگر اب مصدقہ ہو گیا۔ العیاذ باللہ!

● مولوی احمد علی لاہوری مرحوم نے اِس آیت ۵/۱۰۱ کا مفہوم حاشیہ پر بالکل ٹھیک لکھا ہے جو الفاظِ قرآنیہ اور تعریفِ آیات کے عین مطابق ہے:۔ "صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ سوالات کرنے سے روکا گیا ہے کہ جو حکم ملے فقط اُسکی تعمیل کرو۔ ورنہ جو پوچھو گے تو جواب ملیگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری آزادی کا دائرہ تنگ ہو جائیگا اور تم تکلیف اُٹھاؤ گے" یہی مفہوم صحیح ہے، جزاہُ اللہُ احسن الجزاء۔ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز ایسا ہے جیسے اگر بلاغ القرآن اپنائے یا مولوی احمد علی مرحوم نتیجہ ایک ہی برآمد ہوگا۔

توہماتی دلدلوں سے نکلو

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں توہماتی دلدلوں سے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے آبائی متوارث طریقے سے بعض جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ اُنکے متعلق جب قرآنِ کریم نے فیصلہ دیا کہ نہ وہ حرام ہیں نہ مقدس کہ اُنہیں کھایا نہ جائے تو وہ آبائی رسم کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ ارشاد ہوا ہے:۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا
بیشک سوال کیا اسکا ایک قوم نے سے پہلے تمہارے پھر وہ ہو گئے

بِهَا كٰفِرِيْنَ ○ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّ
ساتھ اسکے انکار کرنیوالے۔ نہیں ٹھہرایا اللہ نے بیچ سے بحیرہ کے اور

لَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ
نہ سائبہ کے اور نہ وصیلہ کے اور نہ حام کے ولیکن

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
جنہوں نے کفر کیا اُنہوں نے بہتان باندھا اوپر اللہ کے جھوٹ

وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ ۱۰۲-۱۰۳
اور اکثریت اُنکی عقل نہیں رکھتے

بیشک سوال کیا اِس کا تم سے پہلے ایک قوم نے۔ (پھر جب ہم نے اپنی کتاب میں فیصلہ دیدیا) تو وہ اِس کا انکار کرنے والے ہو گئے۔ اللہ نے بحیرہ کو حرام کیا ہے نہ سائبہ کو اور نہ حام کو۔ ولیکن (حقیقت یہ ہے کہ) جن لوگوں نے (اللہ کے فیصلے کا) اِنکار کیا، اُنہوں نے اِنکی حرمت کا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا بہتان باندھا ہے۔ اُنکے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (کہ یہ حلال جانور حرام کس طرح ہو سکتے ہیں)۔

نوٹ:۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی وضاحت نیچے ملاحظہ فرمائیں)

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کیا ہیں

● بحیرہ کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ب۔ ح۔ ر ہے بحر ہے عربوں کے ہاں بحیرہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جو دس بچے جن چکے۔ یعنی اُسنے بچوں کا سمندر رکھا جاتا تھا۔

● سائبہ کے لفظ کا سہ حرفی مادہ س-ی-ب = سیب ہے — جس کا بنیادی معنیٰ ہے جاری ہونا۔ جیسے کہ سَیَبَ السَّمَاءُ کا معنیٰ ہے پانی جاری ہو گیا۔ اس طرح سائبہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی اولاد سے اولاد پیدا ہونی شروع ہو چکی ہو۔

● وصیلہ کا لفظ مادہ و-ص-ل = وصل سے ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے ملنا، ملانا، ملا ہوا پانا۔ اس طرح وصیلہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جو ہر بار مسلسل دو دو بچے جننے والی ہو۔ یعنی جس کے ہر حمل میں دو بچوں کا وصل پایا جائے۔

● حام کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ح-م-ی = حمی ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے معاون ہونا۔ حمایت اور حامی کے الفاظ اسی مادہ سے مشتق ہیں۔ اسی طرح عربوں کے ہاں اُس اُونٹ کو حام کہتے ہیں جو اونٹنیوں کو حاملہ کرنے میں پورا حامی ہو۔ کمزوری نہ دکھائے۔

● اِن چار قسم کے اُونٹ اُونٹنیوں کو اُن کی کثرتِ اولاد کی مخصوص خدمت کے باعث مقدس خیال کیا جاتا اور اُنکا کھانا حرام قرار دیدیا گیا تھا۔ اِن جانوروں کا گوشت نہ کھانا شخصی آزادی کی رُو سے تو صحیح قرار دیا جاسکتا ہے مگر اِن جانوروں کو دوسرے جانوروں سے الگ طور پر مقدس قرار دیتے ہوئے توہمات کی دلدل میں پھنس کر اُنہیں حرام قرار دے دینا خداوندی فیصلے کی نافرمانی ہے کیونکہ ۵/۱ کے حکم اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ میں داخل ہونے کی بدولت یہ سب جانور حلال ہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ توہمات کی دلدلوں سے نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ جب اُنہیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے تقدس کی نفی کر دی گئی تو اُنہوں نے کہا کہ ہم اُس راہ پر چلینگے جس پر ہمنے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ
اور جب کہا جائے واسطے اُنکے آؤ طرف اُسکے جو نازل کیا اللہ نے
وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ
اور طرف رسول کے تو کہتے ہیں کافی ہے ہمارے لئے جو پایا ہمنے اوپر اُسکے
آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
باپ دادا اپنوں کو۔ اور اگرچہ تھے باپ دادا اُنکے نہیں جانتے تھے
شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ○ ۱۰۴
کچھ بھی اور نہ وہ ہدایت پاتے تھے۔

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس (لاریب کتاب) کی طرف جو اللہ تعالیٰ (نے اپنے رسولؐ کی طرف نازل فرمائی ہے) اور آؤ اُسکے رسولؐ کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی راستہ کافی ہے جس پر ہمنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ اور اگرچہ اُنکے آباؤ اجداد نہ تھے کچھ بھی جانتے اور نہ وہ تھے کہ راہ ہدایت کو پاتے۔

باپ دادا کا تواتر کوئی سند نہیں

● باپ دادا کے عمل کو سند ٹھہرانے کے واہمہ کو باطل قرار دیتے ہوئی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا

سبقہ :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اوپر تمہارے ہیں نفس تمہارے

لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ

نہ نقصان دیگا تمکو جو گمراہ ہوا جب ہدایت پاؤ تم طرف اللہ کے ہے

مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ۱۰۵

لوٹ جانے کی جگہ تمہاری سب کی پھر وہ خبر دیگا تم کو جو تم عمل کیا کرتے تھے

اے وہ لوگو! جو (ضابطہ لاریب قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو تمہارے اعمال کی جوابدہی تمہاری جانوں پر ہے۔ جب تم (توہمات باطلہ کو چھوڑ کر) ہدایت پالو تو جو گروہ (اپنے باپ دادا کے اعمال کو سند ٹھہراتا ہے) وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیگا۔ (تم ان سے ڈرو مت۔ اعمال کی جوابدہی کیلئے) تم سب کی لوٹ کر جانے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر وہ تمہیں اسکی صحیح خبر دیگا جو تم عمل کیا کرتے تھے۔

● اس آیت مجیدہ میں آباؤ اجداد کی روش کے تواتر کو سند ٹھہرانے کی تردید کر کے قرآنی سند کی تائید کر دی گئی ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ تم صرف اپنے اعمال کے جوابدہ ہو۔ اور تمہارے باپ آپ اپنے اعمال کے جوابدہ ہونگے۔ قیامت کی عدالت عالیہ میں تم نے اور تمہارے باپ دادوں، سب نے حاضر ہونا ہے۔ پھر جو عمل تم تواتر کی سند سے صحیح تسلیم کر کے کیا کرتے تھے یا جو تم نے قرآن مجید کو سند مان کر اعمال کئے تھے، اللہ تعالیٰ تمہیں ان سب سے مطلع کر دیگا۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت بالا سے یہ ہے کہ اوپر قیامت کی حاضری کا ذکر ہے جس کا مقام موت کے بعد کا ہے۔ اسلئے موت سے متعلق ایک اہم حکم دیا گیا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو گواہ ٹھہرانا ہے درمیان تمہارے جب

حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ

حاضر ہو ایک تمہارے پر موت - وقت وصیت کے

اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ

دو صاحب عدل کے میں سے تمہارے یا دوسرے میں سے غیر تمہارے

إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم

اگر تم سفر کر رہے ہو بیچ زمین کے - پھر آجائے تم کو

مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِن بَعْدِ

مصیبت موت کی - (گواہی کیلئے) روک لو دونوں کو سے بعد

اے وہ لوگو! جو (ضابطہ لاریب قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو۔ تمہارے درمیان گواہ ٹھہرانا لازم ہے جب تم میں سے کسی پر موت آجائے۔ تو (وصیت کرنا فرض ہے $\frac{2}{180}$) وصیت کے وقت دو گواہ اپنے میں سے صاحب عدل مقرر کرنے ہیں یا غیروں میں سے دو صاحب عدل۔ اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو پھر تم پر موت کا وقت آجائے۔ پھر گواہی دینے کے وقت مقررہ گواہوں کو گواہی دینے کیلئے (فجر کی صلوٰۃ (نماز) کے بعد روک لیا کرو۔ (فجر کی نماز آیت ذیل کے مطابق سب کی حاضری کا وقت ہے اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا $\frac{17}{78}$ اسلئے سب لوگ نماز کے بعد چلے جائینگے لیکن گواہوں کو گواہی دینے کیلئے روک لیا جائیگا)

الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا

نماز کے — پھر وہ دونوں قسم کھائیں ساتھ اللہ کے اگر تم شک کرو - نہیں

نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ

ہم بیچیں گے ساتھ اس کے کوئی قیمت اور اگرچہ ہو والا قرابت کا - اور نہ چھپائیں گے

شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝ ۱۰۶

گواہی اللہ کی - ہم ہونگے اُس وقت البتہ میں سے گنہگاروں کے

پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں (یہ کہتے ہوئے کہ) اگر تم شک کرو تو حقیقت یہ ہے کہ ہم اس قسم کو کسی بھی قیمت پر نہیں بیچیں گے، اگرچہ (ہماری گواہی جس کے خلاف پڑتی ہو) وہ ہمارا قریبی ہی ہو - اور ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے نہیں - (اگر ہم ایسا کریں تو) اس وقت ہم ضرور گنہگاروں میں سے ہونگے -

شہادت کی تحقیق اپیل کا حق

● سلسلہ درس کی اگلی آیت میں قاضی یا جج کا فرض بتایا گیا ہے کہ جو شہادت دی گئی ہے اُسکی تحقیق کرے - کسی فریق کی طرف سے مشکوک اطلاع ملنے پر مزید گواہ لائے جائیں -

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ

پھر اگر اطلاع دی جائے اوپر اس کے کہ بیشک وہ دونوں مستحق ہوں گناہ کے تو دو دوسرے

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ

وہ کھڑے ہوں جگہ اُن دونوں کی میں سے اُن کے جو مستحق ہیں اوپر اُن کے

الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ

زیادہ قریبی - پھر وہ قسم کھائیں ساتھ اللہ کے البتہ گواہی ہماری

اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا

زیادہ سچی ہے سے گواہی اُن دونوں کی اور نہیں کریں گے ہم زیادتی بیشک ہم اُس وقت

لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۰۷

البتہ ظالموں میں سے ہونگے

پھر اگر اسکے بعد (کسی طرف سے) یہ اطلاع دی جائے کہ دونوں گواہ (غلط گواہی دیکر) گناہ کے مستحق ہوتے ہیں تو دو دوسرے گواہ اُنکی جگہ کھڑے ہوں جو گناہ کے مستحق ہونے ہیں، وہ دونوں زیادہ قریب ہوں شہادت کے۔ پھر وہ دونوں خدا کی قسم اُٹھاکر کہیں کہ ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے - اور ہم حقیقت حال سے تجاوز نہیں کریں گے - اگر ہم ایسا کریں تو بلاشبہ ہم ظالموں (بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں) سے ہونگے -

● اس آیت مجیدہ میں اُس فریق کو جس کا حق جھوٹی گواہی کے ذریعہ دبا لیا گیا ہو اپیل کا حق دیا گیا ہے - اور سابقہ گواہوں کی گواہی باطل ثابت کرنے کیلئے اُنکی جگہ ایسے دو گواہ اور لانے کا حکم دیا گیا ہے جو وصیت کے وقت موجود تھے اور سابقہ گواہوں کی نسبت حقیقت شہادت کو زیادہ بہتر جانتے ہوں۔ گواہوں پر اور گواہ لانے کی ایک اور غرض اگلی آیت میں بتائی گئی ہے -

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ

وہ زیادہ قریب ہے کہ آئیں ساتھ گواہی کے اوپر حقیقت اُس کی کے

مذکورہ حکم اسلئے دیا گیا ہے کہ دونوں گواہ گواہی کو اُسکی اصلیت پر لائیں - اور اِس چیز سے ڈر جائیں کہ اُنکی

أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ وَ
یا وہ ڈریں کہ لوٹائی جائیگی قسم بعد قسم انکی کے اور

اتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
ڈرو اللہ سے اور سنو ۔ اور نہیں اللہ ہدایت دیتا قوم

الْفَاسِقِينَ ﴿۱۰۸﴾ ع ۱۴ ۸/۴
حد سے تجاوز کرنے والوں کو

قسم کے بعد کوئی اور قسمیں لوٹائی جائینگی ۔ (یعنی انکی غلط شہادت کی پڑتال کی جائیگی) اور اللہ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو (اور سچی شہادتیں دیا کرو) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والی قوم کو ہدایت یافتہ قرار نہیں دیتا ۔

ایک اہم آیت مجیدہ ● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں رسل انبیاءؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب کو جمع کر لیا جائیگا ۔ اور اُن سے پوچھا جائیگا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے بعد تمہیں کس طرح قبول کیا گیا تھا وہ کہینگے کہ ہم نہیں جانتے ۔ چنانچہ آگے چل کر آیت نمبر ۱۱۶ ۔ ۱۱۷ میں بتایا گیا ہے، قیامت کو جماعت انبیاءؑ میں سے حضرت مسیحؑ سے پوچھا جائیگا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو الٰہ بنا لو ۔ تو وہ کہینگے بار الٰہا میں نے نہیں کہا تھا ۔ جبتک میں اُن میں رہا میں اُنکا نگران تھا ۔ جب تو نے مجھے فوت کر دیا تو پھر اُن پر تو نگران تھا مجھے معلوم نہیں کہ اُنہوں نے میرے بعد میری دی ہوئی تعلیم میں کیا تبدیلی کر لی تھی ۔ اِن آیات مجیدہ میں اِس عوامی عقیدہ کی تردید کیگئی ہے کہ انبیاء سلام علیہم زندگی میں بھی غیب جانتے تھے اور وفات کے بعد بھی غیب دان ہیں ۔ دیکھئے ارشاد باری ؛ ۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ ۖ
جس دن جمع کریگا اللہ رسولوں کو تو کہیگا ۔ کس طرح قبول کئے گئے تم

قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۱۰۹﴾
کہینگے نہیں علم واسطے ہمارے ۔ بیشک تو ہی تو خوب جاننے والا ہے غیبوں کا

وہ (قیامت کا) دن قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ سارے رسولوں کو (دوبارہ پیدا کرکے) جمع کریگا اور اُن سے کہیگا (کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے بعد) کس طرح قبول کیا گیا تھا تم کو تو وہ کہینگے کہ ہم نہیں جانتے (کہ ہمارے بعد ہماری قوموں نے کیا کیا) غیبوں کا خوب جاننے والا تو صرف تو ہی ہے ۔

● اِس آیت مجیدہ کے الفاظ مَاذَا أُجِبْتُمْ سے یہ مفہوم اخذ کرنا مطلقاً غلط ہے کہ رسل انبیاءؑ سے اُنکی زندگی کے متعلق پوچھا جائیگا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا یا تم کس طرح قبول کئے گئے تھے ۔ تو وہ کہینگے ہم نہیں جانتے ۔ حالانکہ حضرت نوحؑ نے زندگی میں حضور خداوندی میں ایک طویل فریاد کی تھی ۔ کہ بار الٰہا میں نے اپنی قوم کو دن کو بھی تبلیغ کی رات کو بھی خفیہ بھی کی اور ظاہر بھی، مجمع کو بھی کی اور اکیلے اکیلے کو بھی ۔ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ۶/۷۱ مگر میری تبلیغ نے انہیں نہ کیا زیادہ مگر مجھ سے بھاگ جانے میں ۔ حتیٰ کہ حضرت نوحؑ نے عرض کیا ۔ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ۱۰/۵۴ بیشک میں مغلوب ہو گیا ہوں میری مدد فرما ۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ایک عظیم طوفان کے ذریعہ پوری نافرمان قوم کو غرق کر دیا ۔ یہ

سب کچھ حضرت نوحؑ نے خود کہا اور یہ اُن کے ساتھ واقعہ ہُوا۔ کیا وہ قیامت کو کہہ سکتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ زندگی میں مجھے کیا جواب دیا گیا یا مجھے کس طرح قبول کیا گیا تھا۔ پس اِن حقائق کے قرائنِ ثابتہ کے مطابق مَاذَآ اُجِبْتُمْ کے بعد بَعْدَ کُمْ کے الفاظ محذوف و مقدر ہیں۔

● قیامت کے دِن رسولوں سے مخاطب ہونے کے متعلق اگلی آیۃ مجیدہ میں حضرت مسیحؑ سے ایک طویل خطاب کرنے کی خبر دی گئی ہے:-

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ
جب کہیگا اللہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے یاد کر

نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ
نعمت میری اوپر تیرے اور اوپر تیری ماں کے جب مدد دی تجھے ساتھ

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ
روح پاک کے۔ تو کلام کرتا تھا لوگوں سے بیچ کم عمری کے اور

كَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
ادھیڑ عمری میں یعنی جب سکھائی میں نے تجھے کتاب باحکمت یعنی توراۃ

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔــةِ الطَّيْرِ
اور انجیل اور جب تو پیدا کرتا مٹی سے کیچڑ کے شکل صورت پرندے

بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ
ساتھ قانون میرے پھر تو پھونکتا بیچ اُس کے پس ہو جاتا پرندہ ساتھ قانون میرے اور تو

الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى
اچھا کرتا مادرزاد اندھوں کو اور برص والوں کو ساتھ قانون میرے اور جب تو نکالتا مُردے

بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ
ساتھ قانون میرے اور جب روک رکھا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
آیا تو اُن کے پاس ساتھ دلائل کے تو کہا جنہوں نے انکار کیا اُن میں سے کہ

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ۱۱۰
نہیں یہ مگر جھوٹ ہے ظاہر

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (قیامت کو) اللہ تعالیٰ کہیگا اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر میری اُس نعمت کو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کی۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے اپنی پاک کلام (اپنی کتاب) کیساتھ تیری مدد کی۔ تو کلام کرتا تھا لوگوں سے (میرا پیغام پہنچاتا تھا لوگوں کو) کم عمری میں بھی اور ادھیڑ عمر میں بھی۔ یعنی وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے سکھائی تجھے کتاب حکمت والی توراۃ اور انجیل۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تو تقلید کی کیچڑ میں پھنسے ہوؤں کو میرے قانون کے مطابق تقلید کی کیچڑ سے نکال کر پرندوں کی طرح آزاد کر دیتا تھا۔ پھر تو اُن میں میری کتاب کی تعلیم پھونکتا تھا۔ پھر وہ میرے قانون کے مطابق پرندے کی طرح آزاد ہو جاتا تھا۔ اور تو میرے قانون کے مطابق اُن مادرزاد (ایمانی) اندھوں کو ایمانی بینا کر دیتا تھا اور برص کے ایمانی مریضوں کو (جو نہ مومن ہوتے نہ کافر) اُنکی ایمانی برص (منافقت) کو میرے قانون کے مطابق دور کر دیتا تھا۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تو میرے قانون کیساتھ ایمانی مُردوں کو (کفر کی موت سے) نکالتا تھا۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک دیا (اُنہیں شکست دی ۱۲/۶۱) جب تو اُنکے پاس (توراۃ و انجیل کے) دلائل لیکر آیا تو جن لوگوں نے انکار کیا اُنہوں نے کہا یہ تو کھلا جھوٹ ہے۔ (اس کے بعد اُنکے ایک گروہ نے آپ سے جنگ کی مگر وہ شکست کھا گئے حضرت مسیحؑ اور آپکے حواری فتحیاب ہُوئے ۱۴/۶۱)

● م۱ روح بمعنی وحی کی تعلیم اور قدس بمعنی پاکیزہ۔ پس روح القدس کا معنیٰ پاکیزہ تعلیم ہے۔ روح بمعنی وحی کے لئے دیکھئے آیات مجیدہ $\frac{16}{2}$ + $\frac{17}{85}$ + $\frac{40}{15}$ اور $\frac{42}{52}$ - $\frac{42}{52}$ میں آیا ہے وَکَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور اے رسولؐ اسی طرح ہمنے آپکی طرف اپنی روح (کتاب لاریب) وحی فرمائی۔

● م۲-۳ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ سے یہ تصور لینا کہ آپ نے جھولے میں باتیں کی تھیں فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا $\frac{35}{43}$ کے مطابق صحیح نہیں۔ کہ اے مخاطب! تو اللہ کی سنت جاریہ میں کبھی تبدیلی نہیں پائیگا۔ نبی کا تکلم اللہ کا پیغام پہنچایا ہوتا ہے۔ مہدًا کا معنی محاورہ کے طور پر کم عمر نوجوان کا کار تبلیغ بجا لانا ہے۔ جیسے کہ کم عمر نوجوان کو جھولے کا بچہ محاورۃً کہا جاتا ہے۔ اِسکے علاوہ حضرت مسیحؑ کیلئے جو کہلاً کا لفظ آیا ہے اِس سے ثابت ہے کہ آپ ادھیڑ عمر تک کار تبلیغ بجا لاتے رہے، آپکا نوجوانی ہی میں کار تبلیغ سے الگ ہو جانا یا الگ کر لیا جانا از روئے قرآن غلط ہے۔

● م۴ کتاب و حکمت ایک چیز ہے دو نہیں۔ $\frac{36}{2}$ میں والقرآن الحکیم کے الفاظ سے ثابت ہے قرآن حکمت والا ہے حکمت قرآن کے اندر ہے باہر نہیں۔ کتاب و حکمت کی درمیانی واؤ تعریفی ہے یعنی کتاب حکمت والی۔

● م۵ طین کا معنیٰ کیچڑ ہے، کیچڑ کے کھلونے ہی بنائے جا سکتے ہیں، اور کھلونوں میں زندگی کا پیدا ہونا تو سنت جاریہ $\frac{35}{43}$ ہی کے خلاف ہے۔ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو توہمات کے کیچڑ سے نکال کر آزاد ذہن سے سوچنے والے آزاد انسان بنا دیا تھا۔ تاکہ وہ ہر مسئلہ کو آزاد ذہن کیساتھ سوچنے سمجھنے کے بعد عقیدہ میں رکھیں۔

● م۶ اللہ کا اذن اُسکا قانون ہے، جیسے سورہ اعراف $\frac{7}{57-58}$ میں آیا ہے:۔ ہم بارشیں برساتے ہیں، اُسکے ذریعہ اپنے رب کے قانون کیساتھ بِاِذْنِ رَبِّهٖ عمدہ زمین عمدہ فصل پیدا کرتی ہے اور ناقص زمین ناقص پیداوار جھاڑ بوٹ وغیرہ ہی اُگاتی ہے۔ اچھی زمین سے اچھی اور ناقص زمین سے ناقص پیداوار کا پیدا ہونا اللہ کا قانون ہے، جیسے کہ بِاِذْنِ رَبِّهٖ کے الفاظ میں قانون کیلئے اذن کا لفظ لایا گیا ہے پس قرآنی لغت کے مطابق اذن بمعنی قانون بھی ہے۔

● م۷ یہاں نفخ کا معنیٰ ہے تعلیم دینا۔ $\frac{15}{29}$ + $\frac{38}{72}$ میں ملائکہ سے بزبان حال یہ کہنے کی خبر دیگئی ہے:۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ $\frac{15}{28-29}$، میں نوعِ بشر کو بدبودار سڑنے ہوئے کیچڑ سے پیدا کرنیوالا ہوں۔ پھر جب پیدا کرنے کے بعد ارتقائی منازل سے گزار کر صحیح سالم کر لوں، اور پھر جب اُس میں اپنی روح (تعلیم $\frac{16}{2}$ + $\frac{40}{15}$) نفخ کر دوں۔ تو تم اُسکے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیدا کر چکنے اور صحیح سالم کر چکنے کے بعد روح پھونکنے کا کیا مطلب؟ اسکا جواب اسکے سوا نہیں کہ جب اللہ کا شاہکار عظیم نوعِ انسانی (اپنے الگ انسانی جرثومہ سے پیدا ہونے کے بعد) ارتقائی منازل طے کر کے موجودہ شکل میں آئی۔ تو اب اُسے تعلیم ربانی کی ضرورت تھی جو انبیاءؑ کے ذریعہ نفخ ہوئی۔ اور انسان ملائکہ سے سجدہ کروانے کے قابل ہو گیا چنانچہ اُسوقت سے لیکر آجتک ملائکہ اُسکے سامنے سجدہ ریز ہیں اور بدستور سجدہ ریز ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

● ۸ طَارَ یَطِیْرُ کا مطلقاً معنیٰ ہے ہوا میں آزاد اُڑنا۔ طَیر بمعنی پرندہ اور آزاد ذہن والا انسان بطور محاورہ آتا ہے۔

● ۹ الاکمہ کا معنیٰ ہے مادر زاد اندھا۔ یہاں یہ لفظ محاورہ کے طور پر اُس شخص کیلئے آیا ہے جسے الٰہی تعلیم پہنچی ہی نہ ہو۔

● ۱۰ ادر ابرص بمعنی پھلبہری والا یعنی وہ جسے وحی کی تعلیم پہنچی مگر وہ آدھا سیاہ آدھا سفید تذبذب کا شکار ہو گیا۔

● ۱۱ یہاں الموتیٰ سے حقیقی مُردے مراد نہیں وہ تو قیامت کو نکالے جائینگے یہاں ایمانی مُردوں کو ایمانی زندگی دینا مراد ہے۔ جیسے کہ زمانۂ رسالتِ محمدی کے کمزور ایمان والوں کو کہا گیا:۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ $\frac{8}{24}$ اے ایمان کے دعویدارو! جب اللہ اپنے رسُول کے ذریعہ بلائے تو اسکے بلاوے کو قبول کیا کرو تاکہ وہ تمہیں ایمانی زندگی عطا کرے۔

● ۱۲ اِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کی تفسیر $\frac{61}{14}$ میں آئی ہے فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ o ہم نے مسیحؑ اور اُسکے صحابہؓ کی دشمنوں کے مقابلے پر مدد کی اور وہ غالب آگئے۔

● ۱۳ تقابلِ ضدین کے ذریعہ لفظ سحر کا معنیٰ بتکرار بتا دیا گیا ہے جھوٹ:۔ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَھُمْ ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ o $\frac{46}{7}$ جب اُنکے پاس حق آیا تو کافروں نے کہا یہ کھلا جھوٹ ہے۔

قومِ بنی اسرائیل نے ہموار معاشرہ کا انکار کیا

● آیتِ بالا کے آخری الفاظ میں جو بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیش کردہ دلائل کو انکار کرنیوالوں نے کھلا جھوٹ قرار دیا۔ اُسکی تفصیل اگلی آیات مجیدہ میں آئیگی۔ کہ جب حضرت مسیحؑ نے ہموار معاشرہ کی تشکیل کا تصور پیش کیا تو اُسے جھٹلا دیا گیا۔ واضح رہے کہ حضرت مسیحؑ نے یکسر ہموار معاشرہ کو اپنا مطمحِ نظر قرار دیا:۔ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ $\frac{3}{51}$ + $\frac{5}{117}$ + $\frac{19}{36}$ بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے میری تحریک کے نتیجے میں جو معاشرہ قائم ہوگا، اس میں مجھے کوئی خاص رعائتیں میسّر نہیں ہونگی۔ ربوبیت کے لحاظ سے معاشرہ میں میرا اور تمہارا ایک ہی مقام ہوگا۔ لیکن قوم نے کہا یہ تو کھلا جھوٹ ہے، کیا کبھی معاشرہ کے تمام لوگوں کو ایک سطح پر لایا جاسکتا ہے؟

ہموار معاشرہ کا شوق

● ربطِ کلام کی اسی موافقت کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی تین آیات مجیدہ میں اصحابِ مسیحؑ کے شوق کا ذکر کیا گیا ہے جو اُن میں ہموار معاشرہ قائم کرنے کا پیدا ہوا۔ ملاحظہ ہو ارشادِ باری:۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا	اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے (اپنے نبی مسیحؑ کے ذریعہ) حواریوں کی طرف وحی فرمائی کہ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا ہم (تجھ پر اور تیرے رسول پر) ایمان لائے۔ اور (اے اللہ!) تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار
اور جب وحی کی میں نے طرف حواریوں کے کہ ایمان لاؤ	
بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْھَدْ بِاَنَّنَا	
ساتھ میرے اور ساتھ رسول میرے کہا ایمان لائے ہم اور تو گواہ رہ ساتھ اسکے بیشک ہم	

مُسْلِمُوْنَ ○ ۱۱۱
فرمانبردار ہیں

ہیں (تیرے رسول مسیحؑ کی لائی ہوئی تعلیم ربوبیت کے قیام کیلئے ہمہ تن معروف ہیں)۔

● حضرت مسیحؑ کے مقدس صحابہؓ حواریوں نے ہموار معاشرہ کی ابتدائی ہدایات یعنی آپس میں معاشی مساوات قائم کرنے کی ابتداکردی۔ یہ ہے بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ کا مفہوم۔ مُسلمون فرمانبرداروں کو کہا جاتا ہے صرف زبانی زبانی ایمان لانیوالوں کو نہیں۔ اُنہیں یہ شوق پیدا ہوا کہ اس معاشی مساوات کی اساس پر ایک حکومت پیدا ہو جائے جس میں سب لوگوں کے کھانے پینے کا بافراغت انتظام ایک بچھے ہوئے دستر خوان کی صورت میں ہر آن موجود ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے حضرت مسیحؑ سے بالفاظ ذیل درخواست کی:-

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے

هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً
کیا طاقت رکھتا ہے رب تیرا کہ نازل کرے اوپر ہمارے دستر خوان

مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ۱۱۲
میں سے آسمان کے۔ کہا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم مومن

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (صحابۂ مسیحؑ) حواریوں نے کہا کہ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کیا تیرے رب میں یہ طاقت ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان نازل کرے (یعنی مساوی تقسیم رزق کا آسمانی نظام قائم ہو جائے جس میں کوئی محروم ربوبیت نہ ہو) مسیحؑ نے کہا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ کے قانونِ ربوبیت کی مخالفت سے بچو (نزولِ مائدہ ہو جائیگا)۔

● اِس پر حضرت کے صحابہؓ نے جو نظام ربوبیت کے قیام کیلئے ہمہ تن معروفِ عمل تھے، عرض کیا کہ مائدہ کے متعلق ہمارا ارادہ یہ ہے:-

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ
کہا اُنہوں نے ہمارا ارادہ ہے کہ ہم کھائیں بیچ اسکے اور اطمینان پائیں

قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ
دل ہمارے اور ظاہر کریں ہم کہ بیشک سچ کہا تو نے اور ہم ہوں

عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ ۱۱۳ الربع
اوپر اُسکے بیچ سے گواہوں کے

(حواریوں نے) کہا ہم سب کا ارادہ یہ ہے کہ ہم سب اُس (دستر خوان) سے مساوی طور پر کھائیں۔ اور (معاشی مسئلہ کی طرف سے) ہم سب کے اذہان مطمئن ہو جائیں۔ اور ہم عملاً ظاہر کردیں کہ آپنے سچ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے ($\frac{2}{51} + \frac{19}{36}$) اور ہم سب اِس (منصفانہ مساوی تقسیم رزق پر خود عیسیٰ) گواہ ہو جائیں۔

ہموار معاشرہ ہی عید ہے

● اِس پر حضرت مسیحؑ نے حضورِ الٰہی میں نزولِ مائدہ (یعنی ہموار و متوازن معاشی نظام کے قیام) کیلئے دعا فرمائی۔ دعا اپنے اکو حصولِ مقصد کیلئے سرگرم عمل رہنے کی تحریک ہوتی ہے۔ آپنے عرض کیا:-

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ ||
کہا مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہ اے اللہ ہم سب کے (ایک

کہ عیسیٰ بیٹے مریم نے اے اللہ رب ہم سب کے نازل کر

عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا

اوپر ہمارے دسترخوان طرف سے آسمان کے ہو جائے واسطے ہمارے عید

لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا

واسطے پہلوں ہمارے اور پچھلوں ہمارے اور نشانی طرف سے تیرے اور ہمیں رزق دے

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ۱۱۴

حقیقت یہ ہے کہ تو رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے

جیسے) رب ہم پر آسمان سے ایسا دسترخوان نازل فرما۔ کہ وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں سب کیلئے عید ہو جائے۔ (یعنی بار بار لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی بن جائے۔ سب کا معاشی مسئلہ حل ہو جائے) اور وہ تیرے قانونِ ربوبیت کی ظاہر نشانی ہو۔ (یعنی ہمیں سب کو متوازن و ہموار رزق عطا فرما) حقیقت یہ ہے کہ تو سب رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے

● خیر الرازقین کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ کرۂ ارض پر تقسیم رزق کے جتنے بھی نظام ہیں یا ہونگے، اُن سب سے بہتر نظام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے ہموار و متوازن۔

عید کا قرآنی مفہوم ● لفظ عید کا سہ حرفی مادہ ع۔و۔د = عود ہے۔ اس کا مصدری معنیٰ ہے لوٹ لوٹ کر آنا۔ اسی مادہ سے مشتق ہے لفظ اعادہ۔ عربی ادب میں عید کا بنیادی معنیٰ ہے لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی۔ آیتِ بالا میں چونکہ عید کا لفظ المائدہ یعنی بچھے ہوئے دسترخوان کے ضمن میں آیا ہے۔ اسلئے یہاں عید کا معنیٰ صرف وہ خوشی نہیں جو سال کے بعد ایک مرتبہ آئے، بلکہ اس سے مراد وہ لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی ہے جو ہر روز ناشتہ، نہار، عصرانہ اور عشائیہ کی صورت میں مسلسل چار مرتبہ لوٹ لوٹ کر آتی رہے۔ اور یہی صورت، اطمینانِ قلب کی مشاہداتی تفسیر ہے۔ (جبتک معاشی مسئلہ حل نہ ہو، اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوتا)

● آیاتِ بالا سے روایاتی تفاسیر نے یہ تاثر دیا ہے کہ حواریوں کی اس درخواست پر کہ کیا آپکا رب آسمان سے مائدہ نازل کر سکتا ہے، حضرت مسیح نے حضورِ الٰہی میں نزولِ مائدہ کی دعا فرمائی کہ اُن پر آسمان کا پکا پکایا کھانا نازل ہوا کرے، حالانکہ جب ۳۵/۴۳ فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا کے مطابق اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ آپکی نزولِ مائدہ کی دعا کا یہ مفہوم ہو کہ باری تعالیٰ اپنی سنت کو بدل کر آسمان سے روٹیاں نازل کرے۔

● حقیقت یہ ہے کہ دعا اپنے آپکو عمل کی تحریک ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص یہ دعا کرتا ہے کہ بارالٰہا میرے کھیت کو لہلہاتی فصل کیا تمر بھر دے۔ تو اُسکا یہ مطلب اخذ کرنا عقل سے دوری و مجبوری کی دلیل ہے کہ وہ کھیت میں ہل نہیں چلائیگا، بیج نہیں ڈالیگا، پانی نہیں دیگا، یہ سب کام اللہ تعالیٰ خود کر کے فصل پیدا کر دیگا۔ بلکہ اُسکی دعا کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ مقدور بھر سارے کام اللہ کے قانون کے مطابق ہمہ تن مصروفیت کیا تمر کریگا۔

● موجودہ سائنسی دور میں قوانینِ بہاریہ کی اہمیت یہانتک اُجاگر ہو چکی ہے کہ جس کھیت سے کل تک دس بارہ من فی

اکثر پیداوار میسر آتی تھی، آج اعلیٰ بیج اور عُمدہ کھاد اور بھرپور محنت کے ذریعہ ذاتِ باری سے جو معاوضہ طلب کیا جا رہا ہے وہ ساٹھ ستر من فی ایکڑ عطا فرما رہا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح سلامٌ علیہ نے اپنے حواریوں کیساتھ مل کر نظامِ ربوبیت کے قیام کی انتھک کوشش کے بعد عرض کیا کہ بارِ الٰہا! میں اور میرے حواری تیرے تکوینی قوانین کے مطابق حصولِ رزق کیلئے بھرپور محنت کر رہے ہیں۔ اور اِس محنت کے ماحصل کو تیرے تنزیلی قوانین کے مطابق پورے معاشرہ میں مساوی انداز کیساتھ تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ ہر شخص کا معاشی مسئلہ حل ہو جانے سے اُسے اطمینانِ قلب نصیب ہو۔ اور وہ عملاً ہموار و متوازن تقسیمِ رزق تیری ربوبیتِ عامہ کی ایسی نشانی بنے جو بشکلِ مشہود موجود ہو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ صرف لفظاً نہ ہو بلکہ عملاً سامنے آجائے۔ یہی ہے وہ عید جس کی طلب حضرت مسیحؑ نے حضورِ خداوندی سے فرمائی۔ جس کے حصول کیلئے انتھک کوشش جاری تھی۔ اِس پر جنابِ باری سے جو جواب ملا، وہ اٹل قانونِ الٰہی کے مطابق انتہائی غور طلب ہے:-

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ
کہا اللہ نے بیشک میں نازل کرنیوالا ہوں اُسے اوپر تمہارے پھر جو

يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ
کفر کریگا بعد کو تم میں سے تو بیشک میں عذاب دونگا اُسے عذاب نہ

اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۱۵ ع ۱۵
کیا میں نے کسی ایک کو میں سے جہانوں کے

(اس پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (تمہاری بھرپور محنت اور انتھک کوشش کی بدولت) میں اُسے (مائدہ یعنی ہموار معاشرہ کو) تم پر نازل کرنیوالا ہوں۔ پھر اُسکے بعد جو کوئی کفر کریگا (یعنی اپنے حصے سے زیادہ لیگا) تو اُسے عذاب دونگا جو جہانوں میں کسی کو نہ دیا گیا ہو۔

● ہموار معاشرہ قائم ہو چکنے کے بعد پھر ذاتی مفاد پرستی کی بدولت اُس میں شگاف پیدا کرنیوالے کی جو سخت ترین سزا بتائی گئی ہے، وہ سزا موت تک ہو سکتی ہے کہ ایسے افراد کو جو متوازن معاشرہ کو پھر ناہموار و غیر متوازن کرنے کی کوشش کریں اُنہیں گولی مار دی جائے۔ اور دوسرے نمبر پر ایسی قوم جو متوازن معاشرہ کو غیر متوازن معاشرہ میں تبدیل کر دے اُسکے لئے قوانینِ خداوندی میں غلامی اور ذلت کی بدترین سزا ہے۔ آج وہی نصاریٰ جن پر حضرت مسیح اور آپکے حواریوںؓ پر نزولِ مائدہ ہو گیا۔ یعنی ہر فردِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن حکومتِ وقت ٹھہری تھی اور ہر فردِ معاشرہ اطمینانِ قلب سے مالا مال تھا۔ جب سے یہ قوم ذاتی مفاد پرستیوں میں اُلجھ گئی ہے۔ اُسوقت سے اِس کی حالت یہ ہے کہ دنیا بھر کی نعمتوں کی موجودگی کے باوجود اطمینانِ قلب کی اُس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو چکی ہے، جس کی خبر تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا سے عیاں ہے۔ نوعِ انسانی کے افراد سے آگے قوموں کے حقوقِ ربوبیت کی غصب پسندی ہر وقت کانٹوں پر لوٹا رہی ہے۔

● یہود و نصاریٰ ہوں یا مسلمان، خدا تعالیٰ کے قوانین سب کیلئے ایک ہیں۔ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ کی

طرح آنحضور کی سرکار اور آپکے صحابہؓ کی کوششوں سے مسلمانوں پر بھی نزولِ مائدہ ہوا یعنی ہر فردِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن قرآنی حکومت تھی۔ جیسے کہ تاریخ کا مشہور ترین واقعہ اس پر گواہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے کندھوں پر اٹھا کر آٹا دال ضرورتمندوں کے گھر خود پہنچایا کرتے تھے۔ لیکن جب سے مسلمانوں نے ذاتی مفاد پرستی اختیار کر رکھی ہے انکی درجنوں اسلامی سلطنتیں بھی دنیا میں پسماندگی کی ذلّت کا شکار ہو چکی ہیں۔

نزول بمعنی انسانی محنت کا بدلہ

● نزول مائدہ کے سلسلے میں سب سے بڑا دھوکا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً کے بعد مِّنَ السَّمَآءِ الفاظ سے لگتا ہے کہ جو چیز آسمان سے نازل ہوئی وہ کوئی پکا پکایا کھانا یا روٹی ہی ہو سکتی ہے۔ قرآنِ کریم میں نزول کے مصدری معنے پیدا کرنے کے بھی ہیں۔ اور ایک معنی یہ بھی آیا ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخفی خزانوں میں محفوظ کر رکھی ہیں انسان اُنکی تلاش کرے اور اللہ اُسے عطا فرمائے۔ جیسے کہ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ $\frac{۵۷}{۲۵}$ کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے لوہا پیدا کیا ہے اور دوسرا معنیٰ یہ ہے:۔ انسان نے ہمارے مخفی خزانوں سے لوہا تلاش کیا اور ہمنے اُسے عطا فرمایا۔

● نزول کے اِن معنوں کی تائید آیتِ ذیل میں موجود ہے:۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ $\frac{۱۵}{۲}$ اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن ہم نازل (یعنی عطا) اُتنا ہی کرتے ہیں، جتنا انسان تلاش کے بعد معلوم کرتا ہے۔ پس آیت مجیدہ $\frac{۵۷}{۲۵}$ + $\frac{۱۵}{۲۱}$ کے مطابق ثابت ہوا کہ نزول کا ایک مصدری معنیٰ انسان کی اپنی محنت کا ظہور بھی ہے۔

نزول من السّمآء کی اصطلاح

● نزول من السّمآء ایک قرآنی اصطلاح ہے، جس سے یہ غلط تصور پیدا کر لیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ پر آسمان سے پکے پکائے کھانے کا طشت نازل ہوتا تھا۔ اور خود نصاریٰ آجتک جھگڑتے چلے آ رہے ہیں کہ آسمان سے نازل شدہ خوان کی روٹی خمیری تھی یا فطیری۔ قرآنِ کریم نے نزول من السّمآء کو انسان کے اپنے اعمال کے ثمر کا ظہور بتایا ہے۔ جیسے کہ قوم بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ $\frac{۲}{۵۹}$ پس ہم نے نافرمانی کرنیوالوں کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت اُن پر آسمان سے ذلّت نازل فرمائی۔ دیکھئے جس طرح بنی اسرائیل پر ذلّت اُنکی اپنی نافرمانیوں کا ثمر بتایا گیا ہے کہ وہ بارش کی طرح آسمان سے نہیں برسی تھی۔ اُسی طرح حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ پر بچھا ہوا دسترخوان (ہموار معاشرہ) آسمان سے نہیں برسا تھا بلکہ اُنکے اپنے اعمال اور جدّوجہد کا ثمر تھا جسے آسمان سے نازل ہونے کی قرآنی اصطلاح میں بیان کیا گیا ہے۔

● اِس اصطلاح کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ کی محنت و کوشش سے معاشرہ میں ایسا متوازن و ہموار معاشی نظام قائم ہوا جو ہر کسی کیلئے بچھے ہوئے دسترخوان کی مانند تھا۔ جس پر سے قیامِ معاشرہ

میں آگے بڑھ کر کام کرنیوالے اوّلین افراد بھی مساوی کے حقدار تھے جنہوں نے اسکے قیام میں تکلیفیں برداشت کیں اور وہ افراد بھی مساوی کے حقدار تھے جو بعد میں شامل ہوئے۔ یعنی معاشرہ کا اوّل و آخر اور اعلیٰ و ادنیٰ سب کو معاشی لحاظ سے بہرہ یاب ہونے کا قانونی حق حاصل تھا۔ یہ تھی اُن سب اوّل و آخر اور اعلیٰ ادنیٰ کی بار بار لوٹ کر آنیوالی عید، جس پر سب کے قلوب مطمئن تھے۔ اور یہ ہموار و متوازن معاشرہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیّتِ عالمین کی بشکلِ مشہود دکھائی دینے والی نشانی تھی وَاٰيَةً مِّنْكَ ۵/۱۱۴۔

● آیاتِ بالا میں متوازن معاشرہ کو اللہ کی نعمت یعنی ہر فردِ معاشرہ کیلئے روزانہ لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی عید بتانے کے بعد پھر ۵/۱۰۹ میں مذکور قیامت کے دن تمام رسولوں کو جمع کر لیا جائیگا اور اُن سے جواب طلبی کی جائیگی، حضرت مسیحؑ سے آپ کی قوم کے متعلق کی جانیوالی جواب طلبی کا نقشہ بالفاظِ ذیل کھینچا گیا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ
اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا
اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ
تو نے کہا لوگوں کو پکڑو مجھے اور میری ماں کو دو الٰہ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ
سوا اللہ کے۔ کہا تو پاک ہے نہیں لائق واسطے میرے کہ
اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ
کہوں وہ جو نہیں واسطے میرے ساتھ حق۔ اگر میں نے وہ کہا تو ضرور تو جانتا ہے اُسے
تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ
تو جانتا ہے جو بیچ جی میرے ہے اور نہیں جانتا میں جو بیچ جی تیرے ہے
اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ ۱۱۶
بیشک تو ہی بہت بڑھکر جاننے والا ہے غیبوں کا

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ کہیگا (قیامت کو) اے عیسیٰ بیٹے مریمؑ کے کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا تم دو الٰہ ٹھہرا لو۔
(عیسیٰ) کہیگا اے اللہ تو (شریکوں سے) پاک ہے میرے لیے یہ لائق نہیں تھا کہ میں وہ کچھ کہتا، جس کا مجھے حق نہیں (میرا حق صرف تیرا پیغام پہنچانا تھا) اگر میں نے اُسکے خلاف کچھ کہا تو تُو اُسے جانتا ہے۔ تو اُسے جانتا ہے جو میرے جی میں ہے میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ بیشک تو غیبوں کو بہت بڑھکر جاننے والا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ
نہیں کہا میں نے واسطے انکے سوائے جو حکم کیا تو نے مجھے ساتھ اُسکے کہ
اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ
بندگی کرو اللہ کی۔ رب میرا اور رب تمہارا۔ اور تھا میں اوپر اُنکے

میں نے اُنہیں اُسکے سوا نہیں کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ (اکیلے) کی فرمانبرداری کرو۔ جو میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے۔ اور میں اُن پر اُسوقت تک نگران تھا جبتک میں اُن میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے

شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ
نگران ۔ جبتک رہا میں بیچ اُن کے ۔ پھر جب تو نے مجھے فوت کر دیا، تھا تو ہی
أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۱۱۷
تو ہی نگران اور اوپر اُنکے ۔ اور تو اوپر ہر چیز کے گواہ ہے

فوت کر دیا تو اُن پر صرف اور صرف تو ہی نگران تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تو اوپر ہر چیز کے خود عینی گواہ ہے۔

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ
اگر تو عذاب کرے تو بیشک وہ ہیں بندے تیرے اور اگر تو معاف کرے
لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۱۱۸
واسطے اُنکے تو بیشک تو تو ہے غالب حکمت والا

(بار الہا) اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں (جنہوں نے توبہ نہیں کی وہ ضرور عذاب کے مستحق ہیں) اور جنہیں تو معاف کرے (وہ وہی ہونگے جنہوں نے توبہ کر لی) بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

● اِسکے جواب میں حضورِ خداوندی سے آپکو یہ جواب ملیگا کہ آج کے دِن سچے ہی اپنی سچائی کی بدولت فائدے میں رہینگے۔

قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ
کہیگا اللہ یہ وہ دن ہے فائدہ دیگی سچوں کو
صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا
سچائی اُنکی واسطے اُنکے باغات ہیں چلتی ہیں میں نیچے
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللَّهُ
نہریں ہمیشہ رہنے والے اُس میں ہمیشہ ۔ راضی ہوا اللہ
عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۱۱۹
اُن سے اور راضی ہوئے وہ اُس سے وہی کامیابی ہے بڑی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائینگے (کہ ہمارے قانون میں کوئی لچک نہیں ہے) آج کا دِن وہ ہے کہ سچے ایمان والوں ہی کو اُنکی صداقت فائدہ دیگی۔ اُنکے لئے ایسے باغات ہیں کہ اُنکی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (اُنکے نیک اعمال کی بدولت) اللہ اُن پر راضی ہو چکا اور وہ (اُسکے ضابطہ پر عمل کر کے) اُس پر راضی ہو چکے۔ وہ (مذکورہ رضاء الٰہی کا حصول ہی) سب سے بڑی کامیابی ہے۔

نصاریٰ کے ہر سہ عقائد کا بطلان

● پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ آیت نمبر ۷۲ میں نصاریٰ کے عقیدہ "مسیح ابن اللہ" کا بطلان کیا گیا ہے اور آیت نمبر ۷۳ میں عقیدہ تثلیث کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اور اِس آیت نمبر ۱۱۹ میں نصاریٰ کے عقیدہ کفارہ کو غلط ٹھہرادیا ہے اور اُنکی اُس بنیادی چیز کو ہی افتریٰ محض قرار دیدیا ہے جس پر مروجہ مسیحیت کی بنیاد قائم ہے کہ مسیح کی صلیب پر ایمان لانا جملہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ آیت نمبر ۱۱۶ ۔ ۱۱۷ میں خود مسیح ہی کی زبان سے اعلان کرادیا گیا ہے کہ وہ قیامت کو اُنکی سفارش کرنے کی بجائے یہ اعلان کرینگے کہ جب تک میں اِن میں موجود رہا میں نے اِنہیں عقیدہ تثلیث ایجاد نہیں کرنے دیا۔ یہ میرے بعد کی پیداوار ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے آیۃ بالا میں اعلان کر دیا ہے کہ قیامت کو صرف سچوں کو اُنکے سچے اعمال ہی فائدہ پہنچا سکینگے، کفارہ کے

عقیدہ کی کوئی حقیقت نہیں ۔ یہ ایجادِ بندہ ہے ۔

● مختلف اُمتوں کے ہاں قیامت کی نجات کیلئے

قیامت کی کامیابی اعمال صالح کیساتھ وابستہ ہے

الغرض اور سفارش کے مختلف عقائد چل رہے ہیں ۔ مگر خود حضور خاتم النبیین رحمۃ للعلمین کے متعلق بھی خداوندِ عالم نے بتادیا ہے کہ قیامت کو آپ بھی اپنی اُمت کا حال دیکھ کر ارشاد فرمائینگے :۔ وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ۲۵/۳۰ اور (قیامت کو رسولِ عربی) کہینگے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے (میرے بعد) اس قرآن کو (چھوڑ دیا تھا) اس طرح پکڑا ہوا تھا جس طرح چھوڑا ہوا ہوتا ہے ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سُورہ مائدہ کی آخری آیت ہے جس میں ایسے دو مسائل کا فیصلہ دیدیا گیا ہے جو ہر معاشرہ میں فساد کی جڑ ہیں ۔ پہلا مسئلہ ہے ذاتی ملکیت کا اور دوسرا ہے نیکی اور برائی کا پہلے سے لکھا ہوا ہونا ۔ زمین و آسمان کی ہر چیز کو ملکیت قرار دیا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ۔ اور ہر چیز کے وقوع کیلئے اللہ تعالیٰ نے قوانین متعین کئے ہیں

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہے واسطے اللہ کے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۲۰ اور جو ہے درمیان اُن دونوں کے اور وہ ہر چیز کے قانون متعین کرنیوالا ہے	آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور وہ بھی جو اُن دونوں کے درمیان ہے، سب کے سب پر اللہ کی حکومت ہے (سب اُسی کی ملکیت ہے) اور وہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین مقرر کرنیوالا ہے ۔ ع ۱۶

● اس حقیقت سے کسی بھی حقیقت شناس فرد کی مجالِ انکار نہیں کہ معاشرہ میں ذاتی ملکیت کا تصوّر فساد کی جڑ ہے ۔ اور ہر فردِ معاشرہ کا ضروریاتِ زندگی کا مساوی طور پر حقدار ہونا ضامنِ امن ہے ۔ ذاتی ملکیت کا نامراد تصوّر، زیادہ سے زیادہ مال جمع کر کے عوام کے استحصال کی ایسی راہیں کھول دیتا ہے کہ ہر طرف لوٹ کھسوٹ مچی ہوتی ہے ۔ اسلئے قرآنِ کریم میں ہر فردِ انسانیہ کا حق بتایا گیا ہے :۔

● وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اور اے نوعِ انسانی تمہارا حق ہے کہ زمین میں تمہارا امکان (بلا کرایہ) اپنا ہو اور زندگی کے آخری سانس تک تمہیں ضروریاتِ زندگی میسّر آتی رہیں ۔ پس خدا تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں مکان اور جملہ ضروریاتِ زندگی سے کوئی شخص محروم نہ پایا جائے ۔ اور کسی فردِ معاشرہ کو استحصال کے مواقع میسّر نہ ہوں ۔ اِن حدود میں رہکر معاشرہ سے شرّ و فساد مطلقاً ختم ہو جاتا ہے اور ہر طرف امن ہی امن کی فضا قائم ہو جاتی ہے ۔

● دُوسری چیز جو معاشرہ کو شرّ و فساد سے بھر کر رکھ دیتی ہے وہ ہے یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ پہلے

سے لکھ دیا ہُوا ہے کہ فلاں مالدار ہوگا اور فلاں بھوکا ننگا۔ اُس نے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ فلاں نیکوکار ہوگا اور فلاں بدکار۔ واضح رہے کہ معاشی ناہمواری کو پہلے ہی سے خود لکھ دینا تو اللہ تعالیٰ کی صفتِ اوّل ربّ العٰلمین ہی کے خلاف ہے۔ اور ہر فرد کے متعلق پہلے ہی سے لکھ دینے کا نظریہ کہ فلاں نیکوکار ہوگا اور فلاں بدکار، خدا تعالیٰ کے پورے قانونِ مکافاتِ عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی لکھ کر برائیاں کرواتا ہے اور خود ہی سزا دیتا ہے۔ العیاذُ باللہ! دونوں نظریے ازروئے قرآنِ کریم غلط ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ سے جملہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ معاشرہ میں معاشی ناہمواری حکومتیں پیدا کرتی ہیں، اللہ نہیں کرتا۔ جیسے کہ $\frac{28}{4}$ میں فرعون کے متعلق بتایا گیا:۔ جَعَلَ اَھۡلَھَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَۃً مِّنۡھُمۡ۔ فرعون نے عوام کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک طبقہ کو اُس نے معاشی کمزوری کا شکار کر دیا تھا۔ اسکے برخلاف انبیاء سلام علیہم نے جو نظام قائم فرمایا اُس میں معاشی طبقات موجود نہیں تھے۔ حقِ ربوبیت کے لحاظ سے جملہ افرادِ معاشرہ ایک ہی سطح کے حقدار تھے صرف تقسیم مدارج اعمال کے لحاظ سے تھی۔ پس ثابت ہُوا کہ معاشی ناہمواری سُنّتِ فرعون ہے۔ اور:۔

مسئلہ جبر و اختیار

● اِس مسئلہ کے ضمن میں کہ ہر کسی انسان کی قسمت میں لکھا ہُوا ہے کہ وہ اتنی چوریاں، اتنی بدکاریاں کریگا۔ اتنے قتل اور اتنے ڈاکے ماریگا، یا یہ کہ نوعِ انسانی کا خدمتگار اور نیکوکار ہوگا۔ نیز یہ کہ ہر انسان اپنے متعلق خدا تعالیٰ کے لکھے پر عمل کرنے کیلئے مجبور ہے محض غلط ہے۔ قرآنِ کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبعی زندگی میں مجبور اور عملی زندگی میں با اختیار ہے۔ طبعی زندگی میں قانونِ خداوندی کے مطابق موت ہی کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہے اور عملی زندگی میں شِئۡتُمۡ $\frac{41}{40}$ کے مطابق اچھے یا بُرے جیسے بھی عمل کرتا ہے خود کرتا ہے اور جزا سزا کا خود مستحق ٹھہرتا ہے:۔

● مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡھَا ؕ وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ۝ $\frac{41}{46}$ جو کوئی اچھے عمل کریگا خود کریگا اُنکی جزا اُسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی بُرے عمل کریگا، خود کریگا، اُنکی سزا اُسکے اوپر ہے۔ تیرا رب (خود بُرے عمل کروا کر) بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں۔

● حضرتِ انسان کے لئے تو جبر و اختیار کی یہ حدیں مقرر کر دیگئی ہیں۔ مگر اسکے علاوہ کائنات کی ہر چیز کیلئے الگ الگ قوانین مقرر کر دیئے گئے ہیں جن کی زنجیروں میں جکڑی ہُوئی ہر چیز مصروفِ عمل ہے۔ سورہ مائدہ کے آخری جملہ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ میں مذکورہ نظامِ خداوندی کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔ اس جُملہ کی قرآنی لغت سورہ آلِ عمران میں موجود ہے کہ جنگِ اُحد میں چند صحابہؓ کی غلطی سے شکست ہوگئی تو صحابہؓ نے کہا یہ کہاں سے آگئی تو بتایا گیا ہے:۔

لفظ قدیر کی قرآنی لغت ● اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۳/۱۶۵ = اور کیا جب تمہیں شکست کی مصیبت آئی، حالانکہ تم اس سے دگنی شکست اُنہیں دے چکے ہو۔ تم نے کہا یہ شکست کہاں سے آگئی؟ اے رسولؐ! کہدیجیئے گا کہ یہ تمہارے افراد کی طرف سے آئی ہے (یونہی نہیں آگئی)۔

● اس سے آگے آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۳/۱۶۵ = بیشک اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔ (جنگِ بدر میں جب تمہارے عمل ہمارے فتح کے قانون کے مطابق تھے تو فتح ہوگئی تھی، مگر جب جنگِ اُحد میں تمہارا عمل شکست کے قانون کے مطابق ہوا ہے تو شکست ہوگئی ہے۔ ہمارے قانون میں لوچ لچک ہرگز نہیں ہے)۔

● سورہ مائدہ کی آخری آیت مجیدہ میں معاشرہ کی دو بنیادی برائیوں ذاتی ملکیت اور پہلے سے لکھی ہوئی برائیوں کے فساد انگیز نظریہ کی جڑ کاٹ دیگئی ہے کہ ذاتی ملکیت پیدا کرنے اور بڑھانے کیلئے نوعِ انسانی ہر ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے میں لگی ہوتی ہے اور پہلے سے لکھی ہوئی برائیوں کے نظریہ سے انسان برائیوں پر دلیر ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ میری قسمت میں پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ العیاذ باللہ!۔

● رضاءِ الٰہی یہ ہے کہ نوعِ انسانی ناجائز طریقوں سے مال حاصل نہ کرے اور برائیوں سے کنارہ کش ہو جائے تاکہ معاشرہ جنت بدوش ہو جائے اور ہر طرف سلاماً سلاماً کی گونج اٹھ رہی ہو۔ ❖

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۲۳/۹۷-۹۸

بحمد اللہ!

سورۃ المائدہ ختم شد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ○ ۲۵/۳۳

(اے رسُولِ مقبول!) لوگ آپ کے پاس اُس کی مثل نہیں لائیں گے۔ مگر ہم آپ کے پاس اپنا حق (قرآن مجید) اور اُس کی احسن تفسیر لائے ہیں۔

سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ

فَاسْتَمْسِکْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْکَ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○
وَاِنَّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۴۳
۴۳/۴۴

ترجمہ:۔ (اے رسولؐ) تو اس کلام کو جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے۔ مضبوطی سے پکڑلے۔ کیونکہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔
اور یہ (کلام) آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے تذکرہ ہے۔ تم سب سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الۡاَنۡعَامِ مَکِّیَّۃٌ

● یہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآن مجید کی چھٹی سورہ مجیدہ ہے۔ انعام نام پانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم ربوبیتِ عالمین کا علمبردار ہے جو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کے الفاظ یعنی ربوبیتِ عالمین سے شروع ہوتا اور قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی آخری سورت پر یعنی ربوبیتِ النّاس پر ختم ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن کریم ربوبیتِ عامہ ہی کی دو بڑی کتبوں میں گھرا ہوا ہے۔ سورہ انعام سے پہلی ملحقہ سورت مجیدہ "المائدہ" یعنی "کھانوں سے چنے ہوئے دسترخوان" کے نام سے موسوم ہے جو ربوبیتِ عامہ ہی سے متعلق ہے۔ اِس سورہ مبارکہ انعام نے بھی ربوبیتِ عامہ ہی کی اساس پر اَلۡاَنۡعَام نام پایا ہے کہ المائدہ یعنی دسترخوان کی بہترین نعمت گوشت ہے جو اُن چارہ خور چوپاؤں سے بافراط میسر آتا ہے جن کے حلال ہونے کی خبر سورہ مائدہ کی ابتدا ہی میں دیدی گئی ہے اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَہِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ ۵/۱ -

۲ ● واضح رہے کہ قرآن مجید کی پانچ سورتیں ایسی ہیں جو حمدِ باری یعنی اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہیں۔ سورہ فاتحہ سورہ انعام، سورہ کہف، سورہ سبا، اور سورہ فاطر۔ بالفاظِ دیگر پورا قرآن مجید پانچ حمدوں کے پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے نمبر پر تو سارے کا سارا قرآن مجید اوّلین سورہ فاتحہ کی ابتدا میں آمدہ حمدِ اوّل اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کی تفسیر و تفصیل ہے۔ اور دوسرے نمبر پر قرآن کریم کی پانچ سورتوں کی ابتدا میں انہی مقدس الفاظ کا اعادہ کر دیا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر جہاں خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کائنات کا گوشہ گوشہ بزبانِ حال خدا تعالیٰ کی حمد و ستائش میں ہر لحظہ معروف عمل ہے، اُسی طرح اُسکی قولی کتاب کا ہر حصہ اپنے قاری کے ذریعہ بزبانِ قال معروف حمد ہے۔

● آگے بڑھنے سے پہلے قرآنِ مجید کی پانچوں سورتوں کی ابتدائی حمد کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں پہلی سورت کی حمد یہ ہے:-

● اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۱/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام کے تمام جہانوں کی ربوبیت کا سامان مہیا کرنیوالا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسلئے لائقِ حمد و ستائش ہے کہ وہ عالمین کیلئے سامانِ نشوونما مہیا کرنے کا ضامن ہے)۔ قرآنِ کریم میں نازل کردہ حمدِ ثانی سورہ انعام کی ابتدا میں بالفاظِ ذیل مذکور ہے:-

● ۲ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۶/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے (اس عظیم کائنات میں سب کے سب) آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ـــــ تیسری حمد سورہ کہف کے ابتدائی الفاظ ذیل میں نازل فرمائی گئی :-

● ۳ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۞ مکیۃ ۱۸/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ) پر (۴۷/۲) اپنی کتاب نازل فرمائی اور اُس میں کوئی ٹیڑھ پن نہیں رکھا - (نوع انسانی کی رُشد و ہدایت کیلئے ایک متوازن ضابطۂ حیات عطا کر دیا ہے ـــــ چوتھی حمد سورہ سبا کی ابتدا میں آئی ہے :-

● ۴ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۞ ۳۴/۱ = سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو وہ عظیم الشان ذات ہے کہ جو کچھ بھی پُورے کے پُورے آسمانوں اور پُوری زمین میں ہے سب کا سب اُسی کی ملکیت ہے اور آخرت میں بھی صرف اُسی کے لئے حمد و ستائش ہے اور وہ بہت بڑا حکمت والا اور بہت بڑھ کر صحیح صحیح خبریں رکھنے والا ہے ـــــ پانچویں حمد سورہ فاطر میں آئی ہے :-

● ۵ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۳۵/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو سب کے سب آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے ـــــ ان پانچوں حمدوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سب کی سب حمد و ستائش کا سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے ۶/۱ + ۳۵/۱ اِس پُوری کائنات کی جُملہ موجودات کا حال وہی اکیلا جاننے والا ہے ۳۴/۱ اور وُہی ایک اکیلا ہے جو پُوری کائنات کے پُورے عالمین کیلئے سامانِ نشوونما مہیا کرنیوالا ہے ۱/۱ اور وُہی عظیم الشان ذات ہے جس نے نوعِ انسانی کیلئے ایک ہی متوازن ضابطۂ حیات سابقہ انبیاء پر نازل فرمایا ۲۶/۱۹۶ - اور اسی کو آخری بار اپنے پاکیزہ بندے جناب محمد رسول اللہ کے ذریعہ عطا فرما دیا ۱۸/۱ -

● سورۂ انعام میں تخلیقِ کائنات، وحدتِ باری، فرائضِ رسالت معہ آنحضور سلامٌ علیہ کے دائرۂ اختیارات کی وضاحت، کفایتِ قرآن اور ملتِ ابراہیمؑ کی توضیح، آنحضور سلامٌ علیہ کا خالص قرآن کریم کا متبع ہونا، لوگوں کے ایمان نہ لانے کی بدولت آپکے رنجیدہ خاطر رہنے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے تسلی و تشفی، روزِ مکافات اور جملہ انبیاء سلامٌ علیہم پر بھی قانونِ مکافاتِ عمل کے لاگو ہونے کی وضاحت وغیرہ بہت سے مسائل کی تفصیل و تشریح کر دی گئی ہے۔ اِسی سورہ مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت فرمانا اپنے ذمہ فرض قرار دے رکھا ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ لیکن چونکہ اُس نے نوعِ انسانی کو اعمال کے لحاظ سے صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا ہے، اسلئے جب انسان سرکشی اور نافرمانی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت کی بدولت توبہ اور اصلاح کی گنجائش رکھدی ہے۔ لیکن جب انسان نافرمانیوں اور سرکشیوں پر استقامت کر کے اپنے لئے توبہ کا دروازہ خود بند کر لیتا ہے تو گویا وہ رحمتِ خداوندی سے اپنے آپکو خود محروم کر لیتا، اور خود ہی عقوبتِ خداوندی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ یہ سورہ مجیدہ حمدِ باری سے شروع ہو کر متعدد مسائل کی تشریح، اچھے اور بُرے لوگوں کے حالات بیان کرتی ہوئی اس عنوان پر آ کر ختم ہوتی ہے کہ انسان خود ہی رحمتِ باری کا مستحق ٹھہرتا ہے اپنے اچھے عملوں کیساتھ اور خود ہی

اُسکی عفو بن وسزا کا مستحق بنتا ہے اپنے برُے عملوں کیساتھ۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اُسکے اپنے ہی اچھے اور برُے عملوں کا بدلہ دیتا ہے۔ اسطرح وہ سریع العقاب بھی ہے اور غفور رحیم بھی ہے اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۶/۱۶۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
سب تعریفیں واسطے اللہ کے جس نے پیدا کیا آسمانوں
وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ
اور زمین کو اور ٹھہرایا اندھیرا اور روشنی پھر بھی
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ ۱
جو لوگ انکار کرتے ہیں ساتھ رب اپنے کے برابر کرتے ہیں

(کائنات کے ہر گوشے میں) سب کی سب حمد و ستائش صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اور (اُن میں نظامِ شمسی اور قمری قائم کر کے اندھیرے اور روشنی پیدا فرمائی عـلـه (اِن اندھیروں اور روشنی کے ذریعہ وہ ربوبیتِ عالمین کے لیئے فصلیں اور پھل پیدا کرتا ہے) پھر بھی حقائق کا انکار کرنے والے (اوروں کو) اپنے ربوبیت کرنے والے کے برابر قرار دیتے ہیں۔

● عـلـه جعل الظلمت والنور سے غلط عقائد اور توہمات کے اندھیرے اور اُنکے مقابلے پر قرآنی رُشد و ہدایت کی روشنی بھی مراد ہے لیکن چونکہ عین متصل ماقبل ذکر ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا اسلیئے یہاں سرِ فہرست وہ اندھیرا اور روشنی مراد ہے جو تخلیقِ ارض و سماوات سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظامِ شمسی اور قمری کے قیام اور زمین کی محوری گردش کے ذریعہ ایسا نظام قائم کر دیا ہے، جس کی بدولت سورج کے سامنے والے حصۂ زمین پر روشنی ہوتی ہے اور جو حصہ سورج کے سامنے سے گزر جاتا ہے وہاں اندھیرا ہوتا ہے۔ رات کے وقت چاند کی روشنی بھی سورج کی ہے چاند کی نہیں پھر ظلمت کا لفظ چونکہ بصیغہ جمع آیا ہے اسلیئے واضح کر دیا گیا ہے کہ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے مجازی اندھیرے ہیں جو کفر، شرک، منافقت، باطل رسومات اور خود ایجاد کردہ توہمات کی پیداوار ہیں۔ لوگ اُنہیں روشنی ٹھہراتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھیرے قرار دیا ہے، جن میں نوعِ انسانی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔

اندھیرے بہت سے مگر روشنی ایک

● لیکن یاد رہے کہ ظلمت بصیغہ جمع کے مقابلے پر النور بصیغہ واحد لا کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ النور صرف اور صرف قرآن اکیلا ہے جس کے مقابلے پر کفر، شرک، بدعت، باطل آبائی رسومات اور ہر قسم کے توہمات کے سب اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے قرآن کریم کو متعدد مقامات پر رُشد و ہدایت دینے والا نور قرار دیا ہے:۔

۱۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ ۴/۱۷۵ اے نوعِ انسانی ابلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل قاطع آگئی ہے یعنی ہمنے تمہاری طرف واضح نور نازل کر دیا ہے۔

۲۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

۷/۱۵۷ پس جو لوگ اُس (ہمارے رسُول علی سلام علیہ) پر ایمان لائیں اور اُسکی تعظیم کریں اور اُسکی مدد کریں اور اُس نُور کی اتباع کریں جو اُسکے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہیں۔

۳- فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ ۶۴/۸ پس ایمان لاؤ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسُول (محمد عربیؐ) کیساتھ اور اُس نُور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے —— دیکھئے! ان آیات کریمات میں اُس چیز کو نُور بتایا گیا ہے جو آنحضورؐ نبی اکرم پر نازل فرمایا گیا ہے اور وہ ہے صرف قرآنِ کریم ۴۷/۲ پس حصُولِ رُشد و ہدایت کیلئے قرآنِ کریم نور ہے - روشنی ہے اور یہی واجب الاتباع ہے۔

رجُوع الی المطلب ● سلسلۂ درس کی آیتِ اوّل ۶/۱ میں تخلیقِ کائنات کا ذکر کرنے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں انسانی تخلیق کا تذکرہ لایا گیا ہے کہ اللہ نے انسان کی ابتدا مٹی سے کی، اُسکے بعد نطفہ سے پیدا کرکے موت کے حوالے کر رہا ہے:۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ۱ ثُمَّ قَضٰٓی
وہی ہے جس نے پیدا کیا تمکو میں سے گیلی مٹی کے پھر مقرر کردی

اَجَلًا ؕ۲ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ۳ ثُمَّ اَنْتُمْ
معیاد - اور معیاد ہے نام رکھی گئی اُسکے ہاں پھر تم

تَمْتَرُوْنَ ۝ ۲
شک کرتے ہو

(اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے (اے نوعِ انسانی) تمہیں گیلی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر (تمہاری طبعی زندگی کی) میعاد بھی مقرر کردی - اور اُسکے ہاں (مکافاتِ عمل کیلئے) نام رکھی ہوئی (یعنی قیامت کی) میعاد بھی مقرر کردی گئی ہے - پھر بھی تم ہو کہ (اُس کی جوابدہی میں) شک کرتے ہو۔

● ۱ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ سے مراد یہ نہیں کہ اوّلین انسان کا بُت بنایا گیا تھا - بلکہ مِنْ طِیْنٍ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ نوعِ انسانی کو گیلی مٹی سے یعنی زمین میں سے پیدا کیا گیا تھا - جیسے کہ قرآنِ کریم کے چار مقامات پر اسکی توضیح دی گئی ہے:۔

۱- هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا ۱۱/۶۱ اُس نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کردیا۔

۲- وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۱۷/۷۱ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا ٹھیک ٹھیک پیدا کرنا۔

۳- هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۵۳/۳۲ وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا تھا

۴- مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ۝ ۲۰/۵۵ ہمنے تمہیں اس (زمین) میں سے پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹا دیتے ہیں اور اسی میں سے (قیامت کو) تمہیں دوبارہ نکال لینگے۔

● دیکھئے آیاتِ کریمہ مذکورہ بالا میں بار بار بتایا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کو زمین میں سے پیدا کیا گیا ہے - (مزید وضاحت کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم کا صفحہ ۱۷۵ کی نیچے سے دوسری سطر مع صفحہ ۱۷۶ ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مستقل قانون بنایا ہے کہ ہر فردِ بشر زندگی گزار کر بالآخر مرجاتا ہے

یہاں اجل کا معنیٰ ہے عمر کی انتہا۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی الگ الگ عمر لکھ دی ہے کسی کی ایک دن یا ایک گھڑی اور کسی کی ایک سال اور کسی کی سو سال؟

انسان کی طبعی عمر

● انسان کی طبعی عمر کی وضاحت سورۃ حج میں کر دی گئی ہے بڑھاپے تک۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۲۲/۵

(مفہوم) بیشک ہم نے تمہاری ابتدائی پیدائش مٹی سے کی۔ پھر افزائش نسل نطفہ سے ٹھہرائی۔ پھر رحم مادر میں جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے نقش نمایاں اور غیر نمایاں سے تاکہ ہم تم پر واضح کر دیں (کہ ہم اربوں کھربوں صورتیں ایک دوسری سے مختلف بنا سکتے ہیں) اور ہم اپنے قانون مشیت کے مطابق تمہیں ایک مقررہ مدت کیلئے مادر کے رحم میں رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں ہم بچے کی صورت میں پیدا کرتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ پھر تم میں سے بعض ایسے ہیں جو (حوادثات کے ہاتھوں طبعی عمر تک پہنچنے سے) روک لئے جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو (اپنی طبعی عمر یعنی) ناکارہ عمر تک پہنچ جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے باوجود کچھ نہ جانیں۔

● دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں انسان کی طبعی عمر بتائی گئی ہے وہ وقفہ جس میں انسان ایک عالم فاضل ہوتے ہوئے سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اگر اس سے پیشتر کوئی بیماری، حادثہ، ایکسیڈنٹ وغیرہ پیش آجائے تو اُسے مَنْ یُّتَوَفّٰی کے الفاظ میں بصیغہ مجہول مَالَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ بیان کیا گیا ہے۔ ان بیماریوں اور حادثوں پر قابو پانا انسانی فریضہ ہے تاکہ ہر انسان اپنی طبعی عمر پا سکے۔ حادثات پر قابو پانے کیلئے چوکوں میں سپاہی کھڑا کرنا، تاکہ مخالف سمتوں سے آنیوالی گاڑیاں ٹکرانے نہ پائیں، یہ بھی ہر انسان کے طبعی عمر تک پہنچنے میں ایک صحیح پیش رفت ہے، نیز سڑکوں اور ریل کی لائنوں کو ڈبل کر کے حادثات کو روکنا بھی اسی سمت کا ایک اہم اقدام ہے۔

● اسکے علاوہ بیماریوں پر قابو پانے کیلئے ماڈرن تشخیص گاہوں میں اعلیٰ ترین آلات نصب کرنا بھی اسی سمت کو اہم پیش رفت ہے اور ہر پیدا ہونیوالے بچے کو ہر بیماری کے کامیاب ٹیکے لگانا بھی انسان کو اسکی طبعی عمر تک پہنچنے کی راہ سے رکاوٹیں دور کرنے کا قابل قدر اقدام ہے۔ جیسے کہ چیچک کے کامیاب ٹیکوں کی بدولت ۱۹۷۸ء سے اشتہار دیدیا گیا ہے کہ چیچک کا ایک بیمار دکھاؤ اور پانچ ہزار روپیہ انعام پاؤ۔ ٹی بی کا علاج ایجاد ہو چکا ہے، کینسر، دمہ اور فالج وغیرہ جو مَنْ یُّتَوَفّٰی کے فاعلوں میں سے ہیں، ان امراض اور حوادثات پر قابو پالینا انسان پر لازم ہے۔ جب ایسا کر لیا گیا تو ہر شخص طبعی عمر کو پہنچیگا۔ لیکن یاد رہے کہ موت کا علاج کوئی نہیں، ہر کسی کو یقیناً یقیناً موت کا مزہ چکھنا ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ ۲۱/۳۵ ۲۹/۵۷۔

● اَجَلٌ مُّسَمًّی سے مراد ہے نام رکھا ہوا وقفہ، جیسے قرآن مجید میں یَوْمُ الْقِيٰمَةِ، یَوْمُ الْاٰخِرَةِ اور یَوْمُ الدِّيْنِ کے متعدد

ناموں سے مسمّٰی کیا گیا ہے۔ لفظ اجل کا معنیٰ ہے مدّت، میعاد، عمر کی انتہاء اور اس زندگی کے اعمال کا انجام، جس کا فیصلہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں سنایا جائیگا۔ اُس عدالت میں کسی مجرم کا کوئی جرم کسی بھی صورت میں چھپا نہیں رہیگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر مجرم کے جرم کا خود عینی گواہ ہے۔ وہ ہرجگہ حاضر ناظر ہے اور وہ ہمارے مخفی اور ظاہر جملہ اعمال کو خوب خوب جانتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْأَرْضِ ۖ
اور وہ اللہ ہے بیچ آسمانوں کے اور بیچ زمین کے

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ۝ ۳
وہ جانتا ہے پوشیدگی تمہاری اور ظاہر تمہارا اور وہ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو

اور وہ اللہ (موجود) ہے سارے کے سارے آسمانوں میں بھی اور (ہرجگہ) زمین میں بھی۔[۱] اور وہ جانتا ہے اُن اعمال کو بھی جو تم چھپ کر کرتے ہو اور اُن اعمال کو بھی جو تم ظاہر اً کرتے ہو۔ اور وہ جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو۔

نظریۂ وحدت الوجود

● ۱۔ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْأَرْضِ کے الفاظ سے یہ تصور اخذ کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں ہر چیز اللہ کا نظریۂ "وحدت الوجود" مطلقاً غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادے سے مادہ کو خود عالم وجود میں لایا۔ پھر مادہ سے کائنات کے متعدد عناصر پیدا کئے۔ انسان کو پیدا کر کے مادہ کے جملہ عناصر اسکے حوالے کر دیئے، جنہیں یہ تصرف میں لا کر آئے دن محیّر العقول ایجادات کو عالمِ وجود میں لا رہا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا ہے کہ انسانوں میں بھی ایسے صنعت کار موجود ہیں جو مادہ کے مختلف عناصر سے حسین وجمیل مصنوعات تیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لوہے سے، لکڑی سے، تانبے۔ یورینیم وغیرہ سے عمدہ سے عمدہ چیزیں تیار کر رہے ہیں۔ وہ اپنی مصنوعات کے خالق ہیں۔ لیکن احسن الخالقین اللہ تعالیٰ ہے جس نے مادہ اور اُسکے جملہ عناصر پیدا کئے ہیں۔ انسان لوہے، لکڑی، تانبے اور یورینیم وغیرہ کی مصنوعات تو بنا سکتا ہے لوہا، لکڑی، تانبہ اور یورینیم وغیرہ نہیں بنا سکتا۔

● پس احسن الخالقین کی قرآنی خبر کے مطابق نہ صرف یہ کہ اللہ کے سوا اور وجود اس کائنات میں موجود ہیں، بلکہ وہ مادہ کے مختلف عناصر پر صنعت کاری کر کے اپنی مصنوعات کے محدود خالق بھی ہیں۔ اسکے علاوہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کیلئے آیا ہے وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۷/۱۵۱ ۔ اور تو رحم کرنیوالوں سے بہت بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں رحم کی صفت بھی رکھدی ہے۔ بہت سے انسان جذبۂ انتقام پر قابو پا کر شدید ترین مخالفوں تک کو معاف کر دیتے ہیں، جیسے کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضور[۱] نے شدید ترین مخالفت کا ارتکاب کرنیوالوں پر رحم کر کے معاف کر دیا تھا۔

● اِسکے علاوہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، میں نے انسانوں کو پیدا کیا، حیوانوں کو پیدا کیا، نباتات وجمادات کو پیدا کیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے غلط دعویٰ کیا ہے؟ اور کیا اُسکے پیدا کردہ وجود موجود نہیں جو وحدت الوجود کے قائل حضرات کی آنکھوں کے سامنے ہیں پس از روئے قرآن نظریہ وحدت الوجود یکسر غلط اور ذاتِ باری کی پاک شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ نظریۂ وحدت الوجود کو مشاہدات کی کسوٹی پر کسنے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ

دنیا میں قاتل بھی موجود ہیں اور مقتول بھی موجود ہیں - ظالم بھی موجود ہیں اور مظلوم بھی موجود ہیں - کاذب بھی موجود ہیں اور مکذب بھی موجود ہیں تو اس طرح اگر سب کے سب کو اللہ تعالیٰ ہی کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑیگا کہ اس کائنات میں معاذ اللہ معاذ اللہ! قاتل بھی اللہ ہے اور مقتول بھی اللہ ہے - ظالم بھی اللہ ہے اور مظلوم بھی اللہ ہے - کاذب بھی اللہ ہے اور مکذب بھی اللہ ہے - موسیٰ بھی اللہ تھا اور فرعون بھی اللہ تھا - آنحضور بھی اللہ تھے اور ابوجہل بھی اللہ تھا - اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ -

● سلسلۂ درس کی اگلی دو آیات مجیدہ میں رب تعالیٰ کی آیات مبارکہ کا انکار کرنیوالوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اُنکا انکار کرتے ہیں - بلکہ اُن کا مذاق بھی اُڑاتے ہیں - یاد رہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار کا ذکر ہو، وہاں اُسکی نازل کردہ عام اُمتوں کا انکار مقصود ہوتا ہے اور جہاں رب تعالیٰ کی آیاتِ مبارکہ کے انکار کا ذکر ہو، وہاں اُسکی نازل کردہ اُن اُمتوں کا انکار مقصود ہوتا ہے جن میں پوری نوعِ انسانی کا متوازن حق ربوبیت مذکور ہو دیکھئے ارشادِ باری :-

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ
اور نہ آئی پاس اُنکے کوئی آیت میں سے آیتوں

رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ ۴
رب اُنکے - مگر ہیں وہ اُس سے اعراض کرنیوالے

اور اُن کے پاس کوئی بھی آیت اُن کے رب کی طرف سے (ربوبیتِ عامہ کی تاکید میں) نہیں آئی کہ اُنہوں نے اُس کا انکار نہ کیا ہو -

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ
پس جھٹلایا حق کو جب پاس آیا اُنکے

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ
پس عنقریب آئینگی پاس اُنکے خبریں جو تھے وہ ساتھ اُسکے

يَسْتَهْزِئُونَ ۝ ۵
مذاق اُڑایا کرتے

پھر جب اُن کے پاس حق آگیا ہے تو اُنہوں نے جھٹلا دیا ہے - پھر یہ لوگ خبردار ہو جائیں - (بگوشِ ہوش سُن لیں) کہ جس انقلابِ ربوبیت کا) یہ لوگ مذاق اُڑاتے ہیں - (اُس کے عملی مشہود واقع ہونے کی) خبریں اُن کے پاس آکر رہینگی -

نظامِ ربوبیت کے قیام کی پیشگوئی

● اِن آیات مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضور صلعم کے مدِ مقابل قیام نظامِ ربوبیتِ عامہ کو جھٹلانے کے بعد اُس کا یہ کہہ مذاق اُڑاتے ہیں کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ عوام و خواص، سب ایک سطح پر آجائیں، مالک و مملوک اور اعلیٰ و ادنیٰ سب کے حقوق مساوی قرار پا جائیں؟ مگر پیشگوئی کردی گئی ہے کہ ایک دن آنیوالا ہے کہ آنحضور صلعم کے ہاتھوں ایسا نظام قائم ہو جائیگا کہ اُس میں نہ صرف یہ کہ سب کے حقوق مساوی قرار دے دیئے جائیں گے بلکہ مالک و مملوک اور اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز یکسر اُٹھا دی جائیگی - اور یہ خبر تمہارے کانوں

تک ضرور پہنچ جائیگی۔ چنانچہ اس بوڑھے آسمان نے دیکھ لیا کہ آنحضورؐ کے قائم کردہ نظام معاشرہ میں وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیٓ اٰدَمَ ۱۷/۷۰ کے قرآنی اعلان کے مطابق اعلیٰ و ادنیٰ کا تصور ختم کر دیا گیا۔ اور نیز وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۲/۳۶ ۷/۲۴ کی قرآنی خبر کے مطابق ہر فرد معاشرہ کو زمین میں بلا کرایہ اپنے مکان اور زندگی کے آخری سانس تک ضروریات زندگی باقاعدہ ملتے رہنے کا صرف اعلان کر دیا گیا تھا، بلکہ اُسے عملاً نافذ کر دیا تھا۔ یعنی مملکت مصطفوی میں نہ کوئی کرایہ دار تھا اور نہ ضروریاتِ زندگی کے مساوی اور متوازن حق سے محروم۔ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔ سَلٰمٌ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔ سَلٰمٌ عَلٰی رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

آنحضورؐ کے مخالف ہلاک کر دئیے گئے تھے

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہ پیشگوئی بھی موجود ہے کہ آنحضورؐ کے وہ مخالف جو مخالفت پر ڈٹے رہے وہ اُسی طرح ہلاک کر دئیے جائینگے جسطرح سابقہ انبیاؑ کی مخالف قومیں ہلاک کر دی گئی تھیں:-

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ
کیا اُنہوں نے غور نہیں کیا کتنے ہلاک کیے ہم نے پہلے اُن سے میں سے

قَرْنٍ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ
زمانے۔ اقتدار دیا ہم نے انہیں بیچ زمین کے جو نہیں اقتدار دیا ہم نے تمہیں

وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ
اور بھیجا ہم نے آسمان اُوپر اُنکے موسلا دھار اور بنائیں ہم نے نہریں

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَکْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ
چلتی میں سے ماتحت اُنکے۔ پھر ہلاک کیا ہم نے اُنکو بسبب گناہوں اُنکے

وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝ ۶
اور پیدا کیا ہم نے میں سے بعد اُنکے زمانہ دوسرا

کیا اُنہوں نے غور نہیں کیا (یعنی اُنہیں غور کرنا چاہئیے) کہ ہم نے اُن سے پہلے کے کتنے زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کر دیا جنہیں ہم نے (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق) اسقدر اقتدار دیا تھا جو تمہیں نہیں دیا گیا اور ہم نے اُن پر (اپنے قانون کے مطابق) پے در پے بارشیں برسائیں۔ اور ہم نے پایا کہ اُن کے ماتحت نہریں بہتی تھیں (یعنی نہروں پر اُن کا کنٹرول تھا، جب چاہتے تھے بہا لیتے تھے اور جب چاہتے تھے بند کر دیتے تھے، اُنکا رخ دوسری طرف کر دیتے تھے) پھر ہم نے اُنہیں اُنکے گناہوں (عدم قیام نظام ربوبیّت) کی بدولت ہلاک کر دیا اور اُنکی جگہ دوسرے زمانہ کے لوگوں کو پیدا کر لیا۔ (اسی طرح اُنہیں بھی ہلاک کر دیا جائے گا اور ربوبیّت کے حامی دوسرے زمانہ کے لوگ لے آئے جائیں گے۔

● مَا مَکَّنّٰهُمْ میں مشیّت محذوف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا ہر کام اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق کرتا ہے۔ حکومت اُس قوم کو ملتی ہے جو ایسے عمل کرے جن کے مطابق حکومت میسّر آسکتی ہے۔ حصولِ حکومت کے دو ذرائع ہیں:-

۱۔ پہلا ہے عوامی اتحاد اور مادی اسباب کی قوت۔ یہ وہ طاقت ہے جس کیساتھ حضرات موسیٰ، داؤد، مسیح اور محمد سلام علیہم نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومت الٰہیہ ہے، جس میں ربوبیّت کی رُو سے صدر و عوام ایک ہی سطح کے افراد ہوتے ہیں۔

۲۔ اور دوسرا ہے ذاتی استبداد اور مادی اسباب کی قوت۔ یہ وہ طاقت ہے جس کیساتھ فرعون، ہامان اور چنگیز و

ہلاکو جیسے مفسدین نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومت شیطانیہ ہے جس میں بالادست افراد کے ہاں نعماءِ خداوندی کی فراوانی ہوتی ہے اور عوام ضروریاتِ زندگی تک سے محروم پائے جاتے ہیں۔

(نوٹ) یہ ایک لمبا مضمون ہے اسکی تفصیل تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ ۳/۲۶ کی وضاحت تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۲-۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۶ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے آسمان کو بھیجا۔ ارسالِ سماء ایک عربی محاورہ ہے، جس کا مفہوم ہے بارشوں کا پے در پے اور موسلا دھار برسنا۔ گویا کہ آسمان ہی کو بھیج دیا گیا ہے۔

● ۷ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ میں فعل جعل کا مصدری معنیٰ پایا ہے۔ وہ نہریں جو حکومت کے ماتحت چلتی ہیں، یعنی جن پر حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے کہ جب اور جس طرف کو چاہیں بہالیں۔ انہیں حکومتیں خود کھودتی ہیں اور ان پر ہیڈ اور بیراج بناکر کنٹرول کرتی ہیں۔ (فعل جعل کی مفصّل توضیح تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ دیباچہ ۱۰۵ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

● ۸ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ کے الفاظ میں جو بتایا گیا ہے کہ ہم نے انہیں انکے گناہوں کی بدولت ہلاک کر دیا، اس کے ضمن میں یاد رہے کہ ہلاکت ان گناہوں کی بدولت لازم نہیں آتی ہے کہ کوئی قوم خدا کو نہیں مانتی یا شراب وکباب کی عادی ہے۔ بلکہ ہلاکت اور ضیاعِ حکومت اِس گناہ پر لازم ہو جاتی ہے کہ عوام کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دیا جائے۔ قرآن کریم میں فراعنہ مصر کی حکومت کا ذکر موجود ہے، جو قرآنی خبر کے مطابق حضرت یوسف سلام علیہ کے زمانہ سے قائم تھی، مگر حضرت موسیٰ سلام علیہ کے زمانہ میں چھینی گئی۔ یہ کئی ہزار سالہ حکومت قائم کیوں رہی؟ اسلئے کہ اسکے حکمرانوں نے عوام کے حقوقِ ربوبیت کو کسی نہ کسی حد تک قائم رکھا۔ قرآنی خبر کے مطابق دورِ یوسفی والے فرعون کو جب سات دُبلی گائیوں کے سات موٹی گائیوں کو کھا جانے کی خواب آئی اور ساتھ ہی سات سٹے ہرے اور سات سٹے خشک دیکھے۔ تو چونکہ سٹوں کا تعلق اناج کیساتھ ہے اور اناج کا تعلق ربوبیت عامہ کیساتھ ہے اسلئے وہ بیقرار ہو گیا۔ اپنے دانشوروں سے خواب کی تعبیر دریافت کی، مگر بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ آخر جب حضرت یوسفؑ نے خواب کی صحیح تعبیر بتائی تو اُس نے آپ ہی کو غلّے کے اس چودہ سالہ کنٹرول کا ناظم اعلیٰ بننے کی دعوت دیدی۔ اور جب حضرتؑ مصر کے سیاہ و سفید کو آپکے حوالے کر دینے کے متعلق ارشاد فرمایا تو خزانہ سمیت سلطنتِ مصر کے جملہ اختیارات آپ کے قدموں میں ڈالدیئے گئے۔

● اُس نے نہ صرف آپکو غلّے کے چودہ سالہ کنٹرول کا ناظم اعلیٰ بنا دیا، بلکہ آپکو ایسا عزیزِ مصر قرار دیا کہ خود بھی آپکے ماتحت ہو گیا۔ تو یاد رہے کہ ایسے ربوبیتِ عامہ کے خدمتگار حاکموں کو نہ ہلاک کیا جاتا ہے نہ اُن سے حکومت چھینی جاتی ہے اگرچہ وہ خدا کو بھی نہ مانتے ہوں اور شراب وکباب کے بھی عادی ہوں۔ لیکن جب اِسی ملک مصر کے خاندانِ فراعنہ ہی کے ایک فرعون نے دورِ موسوی میں عوام کو اُن کے حقوقِ ربوبیت سے یکسر محروم کر دیا، تو حکومت بھی چھین لی گئی اور ہلاک بھی کر دیا گیا۔ اِسی مسئلہ کے ضمن میں دورِ حاضرہ ۱۹۷۹-۸۰ء کے مشاہدات گواہ ہیں کہ جن ممالک میں عوام کے مزدوروں کو معقول اُجرتیں دی جاتی ہیں جو

اُنکے حقوقِ ربوبیّت اس اقدام کی بدولت بآسانی میسّر آتے ہیں، اُن ملکوں کے حکمران اگرچہ خدا تعالیٰ کے منکر ہیں یا تین خدا مانتے ہیں اور شراب کباب کے بھی دائمی عادی ہیں اُنکی حکومتیں امن و سکون کیساتھ چل رہی ہیں۔ اور جن ملکوں میں مزدوروں کو اُجرت صرف اتنی دی جاتی ہے کہ وہ کل کی مزدوری کیلئے زندہ رہ سکیں، اُن ملکوں میں آئے دن حکمران ہلاک اور حکومت کے تختے اُلٹتے رہتے ہیں۔ خواہ وُہ حکمران مسلمان بھی کہلاتے ہیں اور اللہ و رسُول پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔

● المختصر! آیت زیربحث $\frac{6}{4}$ میں نظامِ ربوبیّتِ عامہ کے مخالفوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے کہ غور کریں، جس طرح عوام کے حقوقِ ربوبیّت کے سابقہ مخالفوں کو ہلاک کر دیا جاتا رہا ہے تمہیں بھی ہلاک کر دیا جائیگا۔ چنانچہ ہُوا یہ کہ آنحضورؐ کے مخالف آپکی زندگی میں ہلاک کر دیئے گئے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ $\frac{2}{59}$

لکھی ہُوئی کتاب کے نزول کا مطالبہ

● سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفوں کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ آپ پر لکھی لکھائی کتاب نازل ہُوئی اور آپ پر اُن کا کوئی ذہنی ملک کیوں نازل نہیں ہُوا۔ اسکا اوّلین جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون اور سُنّت کو کبھی نہیں بدلتا $\frac{50}{29}$ + $\frac{35}{43}$، اور عوام کے ذہنی ملائکہ جو بقول اُنکے اپنی نوع تبدیل کر لیتے ہیں، اپنی شکلوں میں دکھائی نہیں دیتے تو جب وہ انسانی شکل میں آئیں تو پھر بھی یہ لوگ یہی کہینگے کہ یہ تو بشر ہے ملک نہیں۔ ان لوگوں کا نوعیں بدل جانے کا عقیدہ ہی ازروئے قرآن غلط ہے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ $\frac{30}{30}$۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔ اب ملاحظہ فرمائیں ارشادِ باری:۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ
اور اگر نازل کرتے ہم اُوپر تیرے کتاب بیچ کاغذ کے

فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
پھر وہ چھوتے اُسے ساتھ ہاتھوں اپنے کے البتہ کہتے جو لوگ کافر ہوئے

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ ۷
نہیں ہے یہ مگر جھوٹ ہے کھلا

(یہ لوگ کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب کا مطالبہ کرتے ہیں) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہُوئی کتاب نازل کرتے۔ پھر یہ لوگ اُسے اپنے ہاتھوں کے ساتھ چھُو لیتے، تو انکار کرنیوالے پھر بھی (اُسکے مندرجات کو) کہتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے $\frac{1}{4}$

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ
اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل ہُوا اوپر اسکے ملک

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا
اور اگر نازل کرتا ہم ملک، البتہ فیصلہ ہو جاتا کام۔ پھر نہ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (مدّعیِ رسالت) پر اسکی مدد کے لئے اور لوگوں کو ڈرانے کے لئے $\frac{25}{7}$) کوئی ملک کیوں نازل نہیں ہُوا۔ اور اگر ہم اپنا کوئی ملک (یعنی اپنی کوئی کائناتی قوت آندھی یا بجلی وغیرہ) نازل کر دیں تو اُن کا کام ہی تمام کر

يُنظَرُونَ ○ ٨
وہ مہلت دیئے جائیں

دیا جائے پھر ان (حجتیاں کرنے والوں کو مہلت نہ دی جائے

● ۱؎ سحر کا معنی جادو نہیں۔ کیونکہ جادو کا تو دنیا میں وجود ہی موجود نہیں۔ سحر کا معنی از روئے قرآنی تصریف آیات جھوٹ ہے۔ قرآنی دلائل کیلئے دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے شروع میں دیئے گئے دیباچہ کا صفحہ ۵۵۔

● ۲؎ آیت نمبر ۸ میں ملائکہ کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اگر کوئی ملک نازل کر دیا جائے تو نزولِ ملک کے طلبگاروں کو مہلت نہیں دی جاتی، فوراً ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ ملک کا لغوی معنی ہے ایک ہی نہج پر عمل کرنیوالا ایک ہی مدعا کا مالک۔ کائناتی قوتیں بجلی آندھی زلزلہ وغیرہ مہلک ملک ہیں کہ جب وہ کسی مجرم قوم پر نازل کئے جائیں تو پھر اُسے مہلت نہیں دی جاتی۔ اُسکا کام تمام کر دیا جاتا ہے۔ (ملائکہ کی تفصیل وضاحت کیلئے دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کا صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۸)

● آیتِ بالا میں آپنے دیکھ لیا ہے کہ باری تعالیٰ نے ملائکہ کی حقیقت تو بیان کر دی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں نوع بدلنے والے لوگوں کے ذہنی ملائکہ کے نزول کا مطالبہ کرنے والوں کی بے عقلی نمایاں کی گئی ہے کہ اگر بفرضِ محال ہم اپنے ملک کو اُنکا ذہنی ملک بنا کر آنحضورؐ پر نازل کریں، تو چونکہ اُنکے عقیدہ کے مطابق وہ پھر ایک انسان کی شکل والا ہوگا۔ تو بات پھر بھی نہ بنی وہ اِنکے سامنے انسانی شکل ہی میں آئیگا۔ اور یہ لوگ پھر شبہ میں پڑ کر کہینگے یہ تو بشر ہے ملک نہیں:۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا
اور اگر بناتے ہم اُسے ملک البتہ بناتے اُسے آدمی

وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ○ ٩
اور مشتبہ کر دیتے ہم اُن پر اُنکے جیسے وہ خود مشتبہ کرتے ہیں۔

اگر ہم اُس کو (یعنی اپنے کسی ملک کو اُنکا ذہنی) ملک بنا دیں تو (اِنکے تصوّر کے مطابق) اُسے آدمی بنا دیں۔ پھر ہمنے اُسے اُنکے لئے مشتبہ کر دیا، جیسے وہ مشتبہ کرتے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ
اور البتہ تحقیق مذاق اُڑایا گیا ساتھ رسولوں کے ہیں سے پہلے تیرے

فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا
پھر گھیر لیا اُنکو جو لوگ مذاق کرتے تھے اُن میں سے جو تھے

بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ○ ١٠ ع ۱۰
ساتھ اُسکے مذاق کرتے

اور بیشک اے رسولؐ! آپ سے پہلے رسولوں کیساتھ تمسخر کیا گیا تھا پھر ان میں سے جو لوگ تمسخر کرتے تھے انہیں اُسی (بُرے عمل کے بُرے نتائج) نے گھیر لیا، جس کیلئے وہ (رسولوں سے) تمسخر کیا کرتے تھے۔

● ۳؎ جعلنٰہُ اور لجعلنٰہُ میں ہُ کی دونوں ضمیریں اُس ملک کی طرف پھرتی ہیں جس کا ذکر پچھلی آیت میں گزر چکا ہے کہ وہ تو نافرمانوں کو ہلاک کرنے والا ہے آندھی، بجلی، زلزلہ وغیرہ کہ جب اُسے بطور عذاب بھیجا جائے پھر نافرمانوں کو مہلت ہرگز نہ

نہیں دی جاتی ۔ ہنگر ۔

● ۲ اِس لفظ مَلَکًا سے عوام کا ذہنی مَلَک مُراد ہے۔ کیونکہ مَلَک کو مَلَک بنانے کا کیا مطلب ؟ دیکھئے ان آیاتِ مجیدہ نمبر ۸ و ۹ میں کھل کر واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے مَلَک اُسکی کائناتی قوتیں ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے بصورتِ عذاب بھیجی جاتی ہیں تو پھر نافرمانوں سرکشوں کو ڈھیل نہیں دی جاتی' انہیں اپنے ملائکہ کے ذریعے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ ملائکہ جن کے متعلق یہ نظریہ چل رہا ہے کہ وہ اپنی نوع بدل لیتے ہیں وہ عوام کے ذہنی ملائکہ ہیں۔ قانونِ خداوندی میں تو کسی نوع کے تبدیل ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا $\frac{۳۰}{۳}$ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۔

● ۳ یہاں بِهٖ کی ضمیر اُس بُرے فعل کی طرف پھرتی ہے جس سے انبیاء سلام علیہم لوگوں کو منع کرتے تھے اور لوگ یہ کہہ کر رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے کہ ان اعمال پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے $\frac{۷}{۲۸}$ $\frac{۲۱}{۵۳}$ لیکن ہوتا یہ تھا کہ اُنہی کے بُرے عملوں کا بُرا انجام انہیں گھیر لیتا تھا۔ بُرے اعمال کی بُری خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا کہ اے رسول ! سب لوگوں سے کہہ دیجئے گا کہ زمین میں چل پھر کر خود دیکھ لو کہ خداوندی حقائق کو جھٹلانیوالوں کا بالآخر انجام کیا ہُوا تھا ۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا کہہ دیجئیگا ! پھرو بیچ زمین کے پھر دیکھو	کہہ دیجئیگا (اے رسول !) سیر کرو زمین میں ، پھر (بچشم خود دیکھ لو کہ (خداوندی حقائق کو) جھٹلانیوالوں کا کیا انجام ہُوا تھا (بڑی بڑی قوموں کے عالیشان محلات کے کھنڈرات اُن کی تباہی و بربادی کی منادی کر رہے ہیں) ۔
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ۱۱ کیا ہُوا انجام جھٹلانیوالوں کا	

انبیاء سلام علیہم کا نہ کوئی قلعہ تھا نہ محل تھا نہ دیوانخانہ

● زمین پر چل پھر کر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جتنے بڑے بڑے قلعے، اونچے اونچے محل اور نفیس دیوانخانے اُجڑے پڑے ہیں، اُن میں سے کوئی بھی نہ کسی نبی ، رسول کا کوئی قلعہ ہے نہ محل ہے نہ دیوانخانہ ، بلکہ سب کے سب اُن سرکش حکمرانوں کے ہیں جن کے عوام کو نہ صرف یہ کہ رہنے کی معقول سی جھونپڑی میسّر نہیں تھی ، بلکہ اُنہیں ضروریاتِ زندگی بھی بافراغت مہیّا نہیں تھیں۔ آیتِ بالا میں اِس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ بچشم خویش دیکھ لو کہ جتنے بھی آثار پائے گئے ہیں سب مکذبینِ ربوبیت کے ہیں ۔ سربفلک محلات ، نفیس دیوانخانے ، اونچے اونچے مقبرے جن میں آج سانپ بچھوؤں حشرات الارض چیل کوؤں اور اُلوؤں کا بسیرا ہے ، سب کے سب اُن لوگوں کے تعمیر کردہ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی زمین پر ذاتی ملکیت کی لکیریں کھینچیں ، عوام کے حقوقِ ربوبیت کو دبا کر اُنکے بال بچوں کے پیٹ کاٹے اور اپنے لئے سربفلک محلات کھڑے کر لئے ۔ اپنے مُردوں کی لاشوں پر لاکھوں روپوں کی عمارتیں بنائیں اور یہ تک نہ دیکھا کہ لاکھوں زندہ جانیں کچی جھونپڑی سے بھی محروم ہیں ۔ دُنیا کے مال نے اسقدر اندھا اور عقل سے کورا کر دیا کہ مکانوں کی ضرورت زندوں کو ہوتی ہے مُردوں کو نہیں ہوتی ۔ اللہ کے رسول اور اُنکے متبع چونکہ ربوبیتِ عامہ کے علمبردار تھے ، اسلئے زمین پر اُنکا نہ کوئی قلعہ ملیگا نہ محل نہ مقبرہ ، اُنکی یادگار ربوبیت

عامہ کی علم و ادارہ اور صرف مسجدیں ہیکلِ سلیمانی، مسجدِ سلیمانی بیت المقدس اور مسجدِ نبوی مدینہ منورہ - المختصر! سِیرُوا فِي الْأَرْضِ کے الفاظ اُس چیز کی دعوت دے گئی کہ لوگو! بچشمِ عبرت دیکھ کر غور کرو کہ جن قلعوں اور محلوں میں کل باادب باملاحظہ ہوشیار! عالم پناہ تشریف لاتے ہیں کے غلغلے بلند ہوتے تھے آج وہاں اُلّو بول رہے ہیں - کہاں ہیں وہ جو اللہ کی زمین کے مالک بنے بیٹھے تھے - زمین و آسمان کا مالک تو اکیلا خلاقِ عالم ہے - اِسی چیز کو سلسلۂ دروس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں استفہامی حصر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ
کہہ واسطے کس کے ہے جو بیچ آسمانوں اور زمین کے ہے

قُلْ لِّلّٰهِ ۚ ......
کہہ واسطے اللہ کے ہے

(اے رسولؐ! غاصبینِ ربوبیت سے) پوچھئے گا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے - آپ ہی جواب بھی خود دے دیجئے گا کہ سب کا سب صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے [1]

● لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم میں سورہ نساء کی آیاتِ مجیدہ ۱۲۶-۱۳۱ ۱۳۲ کے تحت صفحہ ۳۱۸-۳۱۹ پر گزر چکی ہے کائنات کی ہر چیز کا حقِ ملکیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے - اُسکے اس حق میں کوئی شریک نہیں لیکن چونکہ نعماءِ ارضی و سماوی کے استعمال کی اُسے مطلقاً ضرورت نہیں اور وہ ربّ العٰلمین ہے اس لئے ارض و سماء کی ہر چیز پورے عالمین کی ضروریاتِ زندگی کیلئے ہیں - نوعِ انسانی کے ہر فرد بشر کا ان میں مساوی حق ہے - یہ نہیں کہ بالادست اور استحصال پسندوں کے ہاں اِنکی فراوانی ہو اور زیردست بیچارے استحصال کا شکار بن کر محرومِ محض بنے رہیں - چنانچہ اسی چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پوری نوعِ انسانی کیلئے عام ہے جو لوگ اس پر بند باندھ کر عوام کے حقوقِ ربوبیت پر ڈاکہ ڈالینگے وہ اپنے آپکو خود اُخروی خسارے کا مستحق بنا لینگے - قیامت کو اُنہیں جوابدہی کے لئے جمع کر لیا جائے گا -

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ
لکھا اُس نے اوپر اپنے آپکے رحمت کرنا - ضرور جمع کریگا تم کو

إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ اَلَّذِينَ خَسِرُوٓا
بیچ دن قیامت کے نہیں شک بیچ اُسکے - جنہوں نے خسارہ دیا

أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ۱۲
اپنے آپکو پس وہی ایمان نہیں لاتے

اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمانا اپنے آپ پر فرض کر رکھا ہے (پھر اے لوگو اُسکی رحمت یعنی نعماءِ خداوندی سے عوام کو محروم کرنے والو!) تمہیں اللہ تعالیٰ جوابدہی کیلئے قیامت کے دِن میں [2] ضرور ضرور جمع کریگا جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں - جن لوگوں نے (ربوبیتِ عامہ میں تمیز کر کے) اپنے آپکو خسارہ دیا ہے وہی ہیں جو (ربوبیت و قیامت پر) ایمان نہیں لاتے -

● [2] یہاں اِلٰی بمعنی فِی ہے -

● اگلی آیتِ مجیدہ قیامت ہی سے متعلق ہے کہ اُس دن کوئی مجرم اپنے جرم چھپا نہیں سکیگا کیوں کہ رات کے اندھیروں

اور دن کے اُجالوں میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے' اللہ ہر بات کو خوب خُوب سُننے والا ہے اور ہر چیز کو خوب خُوب جاننے والا ہے :-

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ
اور واسطے اُسی کے ہے جو واقع ہو بیچ رات کے اور دن کے

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ۱۳
اور وہ خوب خوب سُننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے

اور رات کے اندھیروں اور دن کے اُجالوں میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے۔ وہ اُس اللہ ہی کیلئے ہے (اُس سے پوشیدہ نہیں) کیونکہ وہ خُوب خُوب سُننے والا ہے نیز خوب خُوب اور صحیح صحیح جاننے والا ہے

● لہٗ جار مجرور برائے حصر واقع ہوتا ہے۔ یہاں اسکا مفہوم یہ ہے کہ رات کے اندھیروں میں لوگ جو کام چُھپ چُھپ کر کرتے ہیں یا دن کی روشنی میں کُھلے بندوں کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

● ما سَكَنَ کا لفظی معنیٰ ہے جو ٹھہرا۔ یہاں آیت مجیدہ کے آخری جُملہ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ کے مطابق مفہوم یہ ہے جو جو کچھ رات کے اندھیرے یا دن کے اُجالے میں واقع ہوتا ہے، اُس سے مخفی نہیں۔ سب کچھ اُسکے لئے ہونا محلِ نظر ہے۔ کیونکہ نیک کاموں اور نیک لوگوں کا اُسکے لئے ہونا تو صحیح ہوا۔ لیکن بُرے لوگوں اور بُرے کاموں کا اُسکے لئے ہونا تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

● سمیع اور علیم دونوں الفاظ فعیل کے وزن پر صفت مُشبّہ ہیں۔ اسلئے ان کے معنے یہی ہیں کہ وہ اللہ خُوب خُوب سُننے والا ہے اور خُوب خُوب اور صحیح صحیح جاننے والا ہے۔ نہ اُسکے سُننے میں کسی ابہام کا گذر ہوسکتا ہے نہ اُسکے جاننے میں۔ بلکہ وہ تو علیمٌ بذات الصّدور ہے۔ یعنی کسی بات یا کسی فعل کے کرنے سے پہلے جو کچھ لوگوں کے اذہان میں موجود ہوتا ہے وہ اُسے بھی جانتا ہے۔

ربوبیّت عامہ کا قرآنی تصوّر

● یہاں پہنچ کر ہوسکتا ہے کہ قارئینِ کرام کے اذہان میں یہ تصوّر کروٹیں لے رہا ہو کہ یونہی ربوبیّت عامہ کی رٹ لگائی جارہی ہے، حالانکہ آیات بالا میں ربوبیّت کیلئے کوئی واضح الفاظ موجود نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ اوّل تو قرآن مجید شروع ہی ربوبیّتِ عالمین سے ہوتا ہے، اس لئے اس کی ساری تعلیم ربوبیّت عامہ ہی کی اساس پر قائم ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر یہ کہ سورہ مجیدہ زیر بحث سُورہ انعام کی آیت اوّل ہی میں ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ کے الفاظ میں ربوبیّتِ عامہ ہی کے مُنکروں کا ذکر لایا گیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہم بارہا اُجاگر کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں اللہ کے انکار کا ذکر ہو وہاں اُسکی ہستی کا اِنکار مقصود ہوتا ہے اور جہاں رب کا اِنکار مذکور ہو وہاں اُسکی ربوبیّتِ عامہ کے انکار کی خبر دی جارہی ہوتی ہے۔ اب اس امر کے ثبوت میں کہ آیاتِ بالا میں ربوبیّت عامہ کا تذکرہ چل رہا ہے، خداوندِ عالم نے ذہنوں میں اُٹھنے والے وسوسوں کا جواب اگلی آیت میں بالفاظِ ذیل دیدیا ہے :-

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ
کہہ کیا سوا اللہ پکڑوں میں کوئی مددگار پیدا کرنیوالا

کہہ دیجئیگا (اے رسولؐ!) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور مددگار

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ
آسمانوں کا اور زمین کا اور وہ کھلاتا ہے اور نہیں کھلایا جاتا

ٹھیرالوں شروع سے بنانیوالا آسمانوں کا اور زمین کو۔ اور اُسکی شان یہ ہے کہ وہ کھلاتا ہے ۔ کھلایا نہیں جاتا۔ (خود نہیں کھاتا)

● ؎ اب یُطْعِمُ کے مفہوم پر غور فرمائیں کہ وہ کھلاتا ہے۔ کیا اُسکے کھلانے کے دائرہ میں صرف بالادست افراد ہی آتے ہیں یا زیر دست بھی اس میں برابر کے شریک ہیں؟ یاد رہے کہ زمین کا طبقاتی نظام جس میں مالک جام صحت نوش کرتا اور نوکر خون جگر پیتا ہے۔ مالک آموں کے ٹوکروں سے لطف اندوز ہوتا اور ملازم چھلکے باہر پھینکنے کی خدمت بجالاتا ہے اگر اسے هُوَ يُطْعِمُ کی تفسیر مانا جائے تو اللہ ربّ العٰلمین نہیں رہتا۔ اور قرآن کریم کا پہلا سبق اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہی مشاہدات کی کسوٹی پر غلط ہو جاتا ہے اس لیے سرمایہ دارانہ طبقاتی نظام تو هُوَ يُطْعِمُ کی تفسیر ہو نہیں سکتا۔ ہاں حضرت عمرؓ کے یہ تاریخی الفاظ اس کی عملی تفسیر ہو سکتے ہیں کہ دریائے فرات پر اگر کوئی کتا بھی بھوکا رہ گیا تو قیامت کو مجھے جوابدہ ہونا پڑیگا۔ المختصر! هُوَ يُطْعِمُ کے الفاظ نے ثابت کر دیا ہے کہ ابتداءِ سورت ہی سے ربوبیت عالمین زیر بحث ہے۔ اور مسئلہ ہی سارا ربوبیت عالمین یعنی مساوی تقسیم رزق کا ہے چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی هُوَ يُطْعِمُ کی عملی تفسیر یعنی مساوی تقسیم رزق ہی کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری بتایا گیا ہے:۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ ؎
کہہ بیشک میں، مجھ کو حکم دیا گیا ہوں کہ ہو جاؤں میں پہلا
مَنْ اَسْلَمَ ؎ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ؎ ۱۴
جو فرمانبردار ہوا اور نہ ہونا تو میں سے مشرکوں کے

کہہ دیجئے کہ (اے رسولؐ!) بیشک میں یہ حکم دیا گیا ہوں کہ میں مذکورۂ بالا حکم مساوی تقسیم کا پہلا اور اوّل نمبر کا فرمانبردار بنوں ؎ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تُو (ناہموار تقسیم رزق پر عامل ہو کر) مشرکوں میں سے نہ ہو جانا ؎

● ؎ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ کے الفاظ میں لفظ اوّل کے بیک وقت دو مفہوم ہیں، پہلا شخص اور عمل کے لحاظ سے پہلے نمبر پر آنیوالا یعنی عمل کے لحاظ سے آپ اپنے دور کے اللہ تعالیٰ کے چوٹی کے فرمانبردار تھے، اور پہلے فرمانبردار تھے۔

● ؎ مَنْ اَسْلَمَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے جو فرمانبردار ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا مقصود ہے مگر جو حکم قریب کے الفاظ بالا هُوَ يُطْعِمُ سے عیاں ہے وہ سرفہرست رہیگا کہ آنحضورؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ نظام ربوبیت قائم کرنے میں اوّل درجے کے فرمانبردار بنیں۔ چنانچہ آنحضورؐ نے مندرجہ بالا حکم اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ کے مطابق اوّل نمبر کے فرمانبردار بن کر دکھایا۔ اور ایسا نظام ربوبیت قائم کیا جس میں نہ کوئی بھوکا تھا نہ ننگا۔ نہ کوئی بے علاج تھا نہ بے مکان سلامٌ علیٰ محمدٍ

● ؎ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ، جو اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ کی ضد کے طور پر آیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نظام ربوبیت کے خلاف طبقاتی نظام قائم کرنا شرک ہے اور ایسا نظام قائم کرنیوالے مشرکوں کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ مساویانہ نظامِ ربوبیت وہ خداوندی نظام ہے جسے جملہ انبیاء سلامٌ علیہم

نے اپنے اپنے دور میں بحکم خداوندی قائم کیا تھا مگر طبقاتی نظام فرعونی ہے جیسے کہ سورۂ قصص کی ابتدا میں آیا ہے:-
إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے (مصر کی) زمین میں سرکشی اختیار کی اور اپنی رعیت کو طبقات میں تقسیم کر دیا۔ اُن میں سے ایک طبقے کو کمزور کر دیا ——— پس عوام کو طاقتور اور کمزور یعنی امیر و غریب کے حصوں میں بانٹ دینا فرعونی نظام ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کا اعلان درج ہے کہ اگر میں مساویانہ نظام قائم نہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو میں بھی بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں:-

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي ۱
کہہ بیشک میں ڈرتا ہوں، اگر نافرمانی کروں میں رب اپنے کی

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۞ ۱۵
عذاب　دن　بڑا

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا اعلان کر دیجئے گا کہ اگر میں بھی اپنے رب کی نافرمانی (یعنی نظام ربوبیت قائم نہ) کروں تو بیشک میں بھی بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۲

● ۱ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي کے الفاظ میں رب کی نافرمانی سے مُراد نظام ربوبیت کا انکار اور عدم قیام ہے۔

● ۲ إِنِّي أَخَافُ ...... عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ کے الفاظ میں اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ قیامت کی عدالت خداوندی میں کسی نبی رسولؐ کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں برتی جائیگی۔ سورۂ اعراف میں قیامت کی پرسش اعمال کے متعلق ارشاد ہوا۔ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۞ ۷/۶ پس ہم ضرور ضرور سوال کرینگے اُن سے بھی جن کی طرف رسولؐ بھیجے گئے تھے اور ہم ضرور ضرور سوال کرینگے اُن سے بھی جنہیں (رسول بنا کر) بھیجا گیا تھا۔ اور بہتر نتیجہ کی خبر سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں مذکور ہے:-

مَّن يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ
جو کوئی کردہ پھیر دیا گیا اُس سے اُس دن تو بیشک اُس نے رحم کیا اُس پر

وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ۞ ۱۶
اور یہ مذکورہ بات ہی ہے کامیابی کھلی

(حقیقت یہ ہے کہ جس کسی سے اُس دن (قیامت کو) وہ (عذاب) پھیر دیا گیا تو بلاشبہ اُس پر اُس (اللہ) نے رحم کیا۔ اور یہ مذکورہ (عذاب کا پھیرا جانا) ہی کھلی کامیابی ہے۔

● واضح رہے کہ قیامت کے عذاب کے مقابلے میں دُنیا جائز ناجائز جاگیروں اور جائدادوں کی فراہمی اور دُنیوی عیش پسندی کو کھلی کامیابی قرار نہیں دیا گیا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں دُنیا اور آخرت کے عذاب و ثواب کا قانون اسی کے ماتحت بتایا گیا ہے۔ اور خود آنحضورؐ کو مخاطب کر کے وضاحت کر دیگئی کہ آپ کو بھی ضرر یا راحت ہمارے قانون کے مطابق ہی میسر آئے گی ہمارے ہاں کسی کے لئے کوئی رعایت مقرر نہیں کیگئی۔ ہم ہر چیز کے قانون مقرر کرنیوالے ہیں اور ہم خود اُس کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں کرتے:-

وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ
اور اگر مس کرے تجھے اللہ ساتھ ضرر کے تو نہیں کھولنے والا

لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ بِخَيۡرٍ فَهُوَ عَلٰى
واسطے اس کے سوا اس کے اور اگر وہ مس کرے تجھے ساتھ خیر کے پس وہ اوپر

كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ○ ۱۷
ہر چیز کے قانون بنانے والا ہے

اور (اے رسول[۱]!) اگر اللہ تعالیٰ (اپنے قانون کے مطابق) آپکو بھی ضرر پہنچائے تو اُسے دفع کرنیوالا کوئی نہیں ہے سوائے اُسکے (یعنی ضرر اُس کے قانون کے مطابق ہی دفع ہو سکتا ہے) اور اگر وہ آپکو (اپنے قانون کے مطابق) کوئی بھلائی پہنچائے (تو اُسکے خلاف کوئی روکنے والا نہیں) کیونکہ وہ (اللہ) ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔

● ۱؎ یَمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کا ذکر محذوف ہے۔ جیسے کہ ۴۲/۳۰ میں ضمنی فیصلہ دیدیا گیا ہے:۔ وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ (اے نوعِ انسانی!) تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے تو وہ (اللہ کے قانون کے مطابق) تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تو اپنے قانون کے مطابق تمہاری بہت سی غلطیوں کو معاف کرتا چلا جاتا ہے۔

● آیتِ بالا میں خود آنحضور سلام علیہ کو بھی قانون کے دائرے سے آزاد نہیں ٹھہرایا گیا ہے جس کی عملی صورت جنگِ اُحد کے ذکر میں بیان کیگئی ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کے ایک دستے کی غفلت سے عقبی درّہ غیر محفوظ ہوگیا تو دشمن نے لشکرِ اسلام پر پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا اور اس اپنی ہی غفلت کی بدولت شکست ہوگئی جس کا ذکر سورہ آلِ عمران میں بالفاظِ ذیل موجود ہے:۔

● اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَيۡهَا ۙ قُلۡتُمۡ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ○ ۳/۱۶۵ = اور کیا جب تمہیں شکست کی تکلیف پہنچی حالانکہ تم اُنہی کو (جنگِ بدر میں) دوگنی شکست دے چکے تھے۔ تو تم نے کہا یہ شکست کہاں سے آئی۔ کہہ دیجئیے گا یہ تمہارے اپنے ہی افراد (کی غفلت) کی بدولت آئی ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (فتح و شکست سمیت) ہر چیز کے قانون متعین کرنیوالا ہے۔ (ہمارے قانون کے مطابق جنگِ بدر میں تمہاری ہی استقامت کی بدولت فتح ہوئی تھی اور جنگِ اُحد میں تمہاری ہی غفلت کی بدولت شکست ہوگئی ہے۔ ہمارے قانون میں کوئی لوچ لچک موجود نہیں ہے) — قانونی بالادستی ہی کی خبر اُگلی آیت مجیدہ میں مذکور ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے قانون سے مستثنےٰ نہیں:۔

وَهُوَ الۡقَاهِرُ[۱] فَوۡقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ
اور وہ غالب ہے اُوپر بندوں اپنے اور وہ

الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ○ ۱۸
بڑا حکمت والا بڑا خبردار ہے

حقیقت یہ ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے سب کے سب بندوں پر غالب ہے[۱] (اُسکے قانون کے دائرہ سے کوئی بھی خارج نہیں) اور اُس کا غلبہ کسی آمریت کی بنا پر نہیں بلکہ حکمت و علم کی بنا پر ہے کیونکہ وہ بہت بڑھکر حکمت والا اور خوب خوب خبر رکھنے والا ہے۔

● ۱؎ یہاں پر لفظ قاہر کا معنیٰ عوامی تصوّر کے مطابق قہر، غضب اور ظلم کرنیوالا نہیں۔ بلکہ غالب ہے کیونکہ عربی ادب

ہیں مادہ ق ۔ ہ ۔ ر ۔ قہر کا بنیادی معنیٰ ہے، اوپر پکڑ لینا۔ غالب آنا۔ مجرم کو واقعی سزا دینا وغیرہ، یہ مادہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اسکے مذکورہ معنے مقصود ہوتے ہیں اور اگر بندوں کی طرف منسوب ہو تو اسکے معنے ناجائز غلبہ یعنی ظلم زیادتی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ ۹۳/۹ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ، پھر جو یتیم ہے اس پر کسی بھی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۹ کا ربط آیت نمبر ۱۴ کیساتھ ہے جس میں آنحضور سے اعلان کرادیا گیا ہے کیا میں آسمانوں اور زمین کو نئے سرے سے بنانیوالے کے سوا کسی اور کو کارساز ٹھہراوں کہ اسکی شان یہ ہے کہ وہ کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا، کھانے پینے کی احتیاج سے صد فیصد بری ہے۔ کھلاتا ہے، يُطْعِمُ کی تفسیر آیت نمبر ۱۴ میں تفصیلاً گزر چکی ہے کہ اللہ کے کھلانے کا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ اس میں اعلیٰ و ادنیٰ سب شامل ہیں یعنی حق طعام میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں۔ لیکن سرمایہ دارانہ اذہان اس مساوات کو تسلیم نہیں کرتے، حتیٰ کہ سابقہ خداوندی کتابوں میں نظریۂ قسمت کے ذریعہ سرمایہ دارانہ نظام داخل کر کے ناہموار نظام کی خدائی سند حاصل کرلی گئی تھی، جو اسلام میں بھی درآمد کی جاچکی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے کسی کی قسمت میں بھوک ننگ لکھ رکھی ہے اور کسی کی قسمت میں عیش و عشرت۔ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز ٹھہراوں کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں نے اللہ کے سوا بھی کارساز ٹھہرا رکھے تھے۔

● جب آنحضور نے قرآن مجید کا نظریۂ ربوبیت و وحدت پیش کیا تو قرآن کے پیش کردہ ضابطے کے مقابلے پر اپنے بزرگوں کی سند پیش کیگئی کہ وہ غیر اللہ کو کارساز ٹھہراتے تھے۔ اللہ کی کتاب کے مقابلے پر کسی اور کی سند لانے کو اللہ کیساتھ شریک قرار دیا گیا ہے چنانچہ اگلی آیت میں چار مرتبہ قُلْ کے تکرار کیساتھ اعلان کرادیا گیا ہے کہ قرآن مجید وحی الٰہی ہے اس کے سوا کسی اور کو سند قرار دینا شرک ہے:-

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڗ

کہہ کونسی چیز سب سے بڑی شہادت کی رو سے۔ کہہ اللہ ہے

شَهِيْدٌ ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ

سب سے بڑا گواہ درمیان میرے اور درمیان تمہارے شان یہ ہے کہ وحی کیا گیا طرف میری

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ ۢ بَلَغَ ۭ

یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں ساتھ اسی کے اور جس کو پہنچے

اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً

کیا بیشک تم البتہ گواہی دیتے ہو کہ بلاشبہ ساتھ اللہ کے الٰہ ہیں

اُخْرٰي ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

دوسرے کہہ نہیں گواہی دیتا میں۔ کہہ سوائے اسکے نہیں وہ الٰہ ایک ہے

(اے رسول! منکرین ربوبیت سے) پوچھئے گا کہ گواہی کی رو سے کونسی چیز بڑی ہے۔ آپ ہی کہہ دیجیئے گا کہ شہادت کی رو سے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے[۱] اور شان یہ ہے کہ میری طرف (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ قرآن وحی کیا گیا ہے[۲] (اسکی وحی کی غرض یہ ہے کہ) میں تمہیں اسی کیساتھ تمہارے فرائض منصبی سے آگاہ کروں[۳]۔ اور جس جس تک یہ پہنچے (وہ بھی اسی کے ساتھ لوگوں کو فرائض منصبی سے آگاہ کرے[۴])۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ بیشک اللہ کے ساتھ اور بھی فرمانبرداری کے قابل ہیں[۵]۔ کہہ دیجیئگا کہ میں ایسی گواہی ہرگز نہیں دیتا۔ کہہ دیجیئگا سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ وہ اللہ ہی ایک اکیلا فرمانبرداری کے لائق ہے[۶]۔

وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ ۱۹ اور بیشک میں اُن سے بری (بیزار) ہوں جن کو تم اللہ کیساتھ شریک کرتے ہو ۔ ؎۷

اور بیشک بری ہوں اُس سے جو تم شریک ٹھہراتے ہو

● ؎۱ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ کے قُل کے الفاظ میں آنحضورؐ کو حکم ہوا کہ کہدیجیئگا کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضورؐ کے مدِ مقابل خدا تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے بلکہ اُن لوگوں نے اپنے بزرگوں کو اللہ کے حکم میں شریک بنا رکھا تھا جیسے کہ آگے نمبر ؎۷ میں بتا دیا گیا ہے کہ وہ مشرک تھے۔

● ؎۲ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ آنحضورؐ پر صرف قرآن وحی کیا گیا تھا اور اُسکا نسخہ امام ہر وقت آپکے پاس موجود ہوتا تھا جس کی طرف آپ اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے

● ؎۳ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ میں آمدہ ضمیر بِهٖ نے حصر پیدا کر دیا ہے کہ اس کا غرضِ وحی و نزول یہ ہے کہ میں اسی کتابِ خداوندی کیساتھ انذار کروں، تمہارے فرائضِ منصبی سے تمہیں آگاہ کرتا رہوں۔

● ؎۴ وَمَنْ بَلَغَ بھی حصر کے ماتحت آیا ہے کہ جس جس تک یہ قرآن پہنچے وہ بھی اسی کیساتھ لوگوں کو اُنکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرے

● ؎۵ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى کے الفاظ سے عیاں ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفین نے اللہ تعالیٰ کیساتھ اور الٰہ فرمانبرداری کے قابل قرار دے رکھے تھے، قرآن کریم کی تعلیم چونکہ اُنکے بزرگوں کی تعلیم اور اُن کے تواتر کے خلاف تھی، اسلئے وہ قرآن کریم کو اللہ کی طرف سے وحی کردہ کتاب تسلیم نہیں کرتے تھے۔

● ؎۶ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کے قُل کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ آنحضورؐ سے ایک اکیلے الٰہ کی فرمانبرداری کیئے جانے کا اعلان کرا دیا گیا تھا کہ لوگ اگر بہت سے الٰہ فرمانبرداری کے لائق تسلیم کرتے ہیں تو آپ ایک الٰہ کا اعلان کر دیجیئگا۔

● ؎۷ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ کے الفاظ میں وضاحت کر دیگئی ہے آنحضورؐ کے مدِ مقابل اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل تو تھے مگر اُسکے حکموں میں اپنے بزرگوں کو شریک کر رکھا تھا۔ نوعِ انسانی کا یہ بہت پُرانا قاعدہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی لکھی ہوئی کتابوں یا اُنکے بعد کے جمع کیئے ہوئے اُنکے ملفوظات کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر حاکم قرار دے لیتے تھے۔ یہودیوں کے ہاں تالمود نامی وہ کتاب ہے جس میں حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کردہ اقوال درج ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر حاکم ٹھہرا کر کتابِ خداوندی میں تحریف لفظی تک کر رکھی ہے۔ اور نصاریٰ کی اناجیل تک میں حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کردہ اقوال بھر دیئے گئے ہیں۔

● آنحضورؐ انہی لوگوں کے اندر پیدا ہوئے، بڑھے، جوان ہوئے، اُنہی سے محمدؐ کہلایا یعنی تعریف در تعریف کیا ہوا۔ آپ اُنکے لیئے اجنبی نہیں تھے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی دھوکا فریب نہیں کیا۔ چنانچہ ۱۰/۱۶ میں آنحضورؐ سے چیلنج دلوایا گیا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ پھر بلا شبہ میں نے تمہارے درمیان ایک عمر گزاری ہے، پھر تم کیوں عقل نہیں کرتے۔ (کیا میں نے کبھی جھوٹ بولا تھا کہ میں نے قرآن کریم کو خود گھڑ کر اللہ کے ذمہ لگا دیا ہو)

حسب عادت بولا ہو)۔ اسکے جواب میں تاریخ شاہد ہے نہ کسی طرف سے کوئی جواب ہی آیا اور نہ ہی آپ کی پوری زندگی پر کوئی انگلی ہی اٹھ سکی۔ آنحضورؐ کی اسی جان پہچان کے متعلق سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں محاورہ کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ لائے گئے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا
وہ لوگ جنہیں دی ہم نے ان کتاب وہ پہچانتے ہیں اسے جیسے
يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ
وہ پہچانتے ہیں بیٹوں اپنوں کو۔ جن لوگوں نے خسارہ دیا اپنے آپ کو
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ ع ۲/۱۰ ۸
پس وہی نہیں ایمان لاتے

وہ لوگ جنہیں ہم نے اپنے (رسولوں کی معرفت) کتاب دی ہے (یہود و انصاری کو) وہ اسے (ہمارے مکی نبیؐ کو) اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (مگر پھر بھی یقین نہیں کرتے کہ یہ سچا ہے) جو لوگ (خداوندی ہدایت نامہ آجانے کے باوجود محروم ہدایت رہے) انہوں نے خود اپنے آپکو خسارے میں رکھا پس وہی لوگ (متوازن ضابطۂ حیات قرآن کریم پر) ایمان نہیں لاتے۔

● آیت بالا میں جہاں ہدایت الٰہی پر ایمان نہ لانیوالوں کو اپنے آپکو خسارہ پہنچانیوالے قرار دیا ہے، وہاں ساتھ ہی اگلی آیت مجیدہ میں جھوٹے مدعیان نبوت اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانیوالوں، دونوں کو سب سے بڑھ کر ظالم اور غیر فلاح یافتہ ٹھہرایا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
اور کون ہے بڑھ کر ظالم اس سے جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ
اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱
یا جھٹلائے آیتیں اسکی بیشک وہ نہیں کامیاب ٹھہراتا ظالموں کو

اور اس سے بڑھ کر کون ہے ظالم جو اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھے (کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے) اور وہ بھی جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیتوں کو جھٹلائے (دونوں ظالم ہیں) بیشک وہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو کامیاب نہیں ٹھہراتا۔

● اگلی آیت مجیدہ میں قیامت کی عدالتِ عالیہ میں سب کو حاضر کرنے اور اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو سامنے لانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر ہم کہیں گے واسطے ان لوگوں
اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۲۲
کے جو شرک کرتے تھے کہاں ہیں شریک تمہارے ٹھہرائے ہوئے جنہیں تھے تم گمان کرتے

اور وہ دن قابل ذکر ہے جب ہم (قیامت کو) سب کے سب شریک ٹھہرانے والوں کو جمع کرینگے پھر ہم انہیں کہینگے کہاں ہیں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک جنہیں تم اپنے زعم باطل میں ہمارے شریک سمجھا کرتے تھے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا
پھر نہیں ہوگا اظہار ان کا مگر یہ کہ کہیں گے

پھر نہیں ہوگا اظہار (یعنی بیان) ان کا، سوائے اسکے کہ وہ یہ کہینگے

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝۲۳

قسم ہے اللہ رب ہمارے کی نہیں تھے ہم شرک کرنیوالے

ہمارے رب تعالیٰ کی قسم ہے کہ ہم مشرک نہیں تھے ۲
(یعنی ہم شرک تو نہیں کیا کرتے تھے)

● ۱۔ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ میں فتنہ کا لفظ مادہ ف۔ ت۔ ن = فتن سے مشتق ہے۔ اِسکا بنیادی معنیٰ ہے ظاہر کرنا۔ چنانچہ سونا پرکھنے کی کسوٹی کو فتّانہ کہتے ہیں، جو سونے کے متعلق ظاہر کر دیتی ہے کہ اِس میں اِتنا کھوٹ ہے۔ بزرگوں کو خدا کے شریک ٹھہرانے والے اِس عمل کو نہ شرک مانتے ہیں نہ شرک کہتے ہیں، بلکہ اُن کا زعم باطل یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن بزرگوں کو یہ اختیار عطا کر رکھے ہیں کہ وہ مشکلیں حل کر سکتے ہیں، غائبانہ مدد کر سکتے اور مُرادیں پُوری کر سکتے ہیں، اُنکے ارشادات مطلقاً واجبُ الاطاعت ہوتے ہیں۔ اُنکے فرمودات و ملفوظات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر پرکھنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ وہ کتابِ خداوندی کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، اُن پر بلا حیل و حُجّت عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس جھُوٹے عقیدے کے مطابق ایسے لوگ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں بھی اللہ اور رب تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہینگے کہ باری تعالیٰ ہم شرک تو نہیں کیا کرتے تھے۔ اِس پر ارشاد ہُوا ہے:۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۴

غور کر کس طرح جھوٹ بولیگے اُوپر اپنے آپکے اور گم ہو جائیگا اُن سے جو تھے اِفترا کیا کرتے

(اے مخاطب!) غور کرو کہ وہ کس طرح اپنے آپ پر (مزید بوجھ ڈالتے ہُوئے) جھوٹ بولینگے (کہ زندگی بھر غیروں کو اللہ کا شریک قرار دئیے رکھا مگر قسمیں کھا کھا کر کہینگے کہ ہم شرک نہیں کیا کرتے تھے) حالانکہ (قیامت کو) اُن سے گم ہو جائینگے جن کا وہ افترا کیا کرتے تھے ۲

● ۱۔ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ میں جو حرفِ جار علیٰ آیا ہے اِسکے مطابق یہ معنیٰ صحیح ہے کہ وہ اپنے آپ پر مزید بوجھ ڈالتے ہُوئے جھوٹ بولینگے۔ کیونکہ قرآن مجید میں حرفِ جار لِ جزا کیلئے آتا ہے اور علیٰ سزا، بوجھ اور وبال کیلئے آتا ہے، جیسے کہ ۴۱/۴۶ میں آیا ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا، جو کوئی صلاحیت بخش عمل بجا لایا، اُن کی جزا اُس کے اپنے لئے ہے اور جس نے بُرے عمل کئے اُنکی سزا، اُنکا بوجھ، اُن کا وبال اُسکے اپنے آپ پر ہوگا۔

● زندگی بھر تو غیروں کو اللہ کیساتھ حاجت روا، مشکلکشا ٹھہرایا، اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر مان کر، غیب دان اور مختارِ کل جان کر اُن سے زندگی بھر مدد، مُرادیں مانگتے رہے، مگر اِن افعال کو زندگی بھر شرک تسلیم نہ کیا۔ یہانتک کہ قیامت کے متعلق بھی یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ ہم اپنے بزرگوں کا دامن تھام کر جنّت میں پہنچ جائینگے، اِس باطل تصوّر کا بُطلان اِن الفاظ میں مکمل کر دیا گیا ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ، حالانکہ قیامت کی عدالتِ عالیہ وہ لوگ جن کے متعلق اُنہوں نے افترا باندھ رکھا تھا کہ وہ قیامت کے دن مدد کیلئے پہنچ جائینگے اپنا دامن تھما کر جنّت میں لے جائینگے، وہ گم ہو جائیں گے کوئی بھی مدد کو نہیں پہنچیگا مگر پھر بھی یہ لوگ حضورِ الٰہی میں اُسی کو اللہ اور رب کہہ کر اُسی کی جھُوٹی قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے ہوں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ یہ اِتنا بڑا دھوکا اُسی باطل عقیدے ہی سے لگتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور ولیوں کو حاضر

ناظر غیب دان، مشکل کشا اور مختارِ کل بنایا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبیوں کی دُعاؤں سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، مشکل وقت پر حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت ایوبؑ سب نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی، حضراتِ ابراہیمؑ و زکریاؑ حصولِ اولاد کیلئے حضورِ الٰہی میں گڑگڑائے، ان قرآنی شواہد سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ اگر وہ مختارِ کل اور مشکل کشا ہوتے تو خود مشکلوں میں کیوں گرفتار ہو جاتے اور اپنی مشکلوں میں حضورِ الٰہی میں کیوں دست بدعا ہوا کرتے۔ خود خاتم النبیینؐ کی دعائیں قرآن مجید میں موجود ہیں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمائیو۔

قربِ الٰہی ● سُورہ زُمر میں آیا ہے کہ غیر اللہ کو مددگار قرار دینے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ان بزرگوں کی فرمانبرداری اسلئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۳۹/۳ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قُربت کا ایک ہی نسخہ بتایا ہے:۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ (اے قربتِ الٰہی کے طلبگار!) اللہ تعالیٰ کا پورا پورا فرمانبردار ہو اور قریب ہو جا۔ یہ عقیدہ بھی عجیب و غریب ہے کہ بزرگوں کے اقوال و ملفوظات کو کلام الٰہی قرآنِ کریم سے بالا و برتر سمجھا جائے، یعنی یہ نہ دیکھیں کہ کیا بزرگوں کے اقوال قرآن کریم کے خلاف تو نہیں۔ اگر خلاف ہیں تو ہو سکتا ہے وہ بزرگوں کے قول نہ ہوں، اُنکی طرف غلط طور پر منسوب ہو چکے ہوں۔ تو اس طرح کلامِ خداوندی کی مخالفت بھی ہو رہی ہو اور اللہ تعالیٰ کا قرب بھی میسّر آ جائے۔ یا للعجب!

● قُربِ خداوندی کے متعلق کھلے لفظوں میں وضاحت کر دیگئی ہے:۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۵۰/۱۶ ہم تو اس (انسان کے ہر ایک فرد) کی شاہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ یہ خود اللہ تعالیٰ سے دُور رہتا ہے۔ اِسے چاہیئے کہ یہ خود اُسکے قریب ہو جائے جس کا ایک ہی قرآنی طریقہ اوپر بیان ہو چکا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ تعالیٰ کا پُورا پُورا فرمانبردار ہو اور اُسکے قریب ہو جا۔ جتنا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے اُتنا ہی وہ اُسکے قریب ہے۔

● قربِ الٰہی کے اس طریقے کی وضاحت سُورہ بقرہ کے ان الفاظ میں کھُل کر دیگئی ہے:۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۲/۱۸۶ اے رسُولؐ! جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں (کہ کیا وہ قریب ہے) تو (آپ کہہ دیجئے گا کہ وہ کہتا ہے) میں قریب ہوں (اتنا قریب کہ) جب بھی کوئی دُعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اُسے (اپنے قانونِ جاریہ کی زبان میں اُسی وقت) جواب دیتا ہوں (کہ میرے قانون کے مطابق حصولِ مقصد کیلئے سرگرم عمل ہو جا، تیری مراد پوری ہو جائے گی) پس چاہیئے کہ وہ میرے جواب کو عملاً قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں (کہ میں نے ہر چیز کے حصُول کے لیئے قوانین متعیّن کر دیئے ہیں، اُن پر عمل کریں) تاکہ وہ صحیح راہ پا سکیں۔ اس آیت مجیدہ میں بالتفصیل بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قُرب کا ذریعہ صرف اُس کی فرمانبرداری ہے اور اسکے قانونِ جاریہ پر ہمہ تن مصروفِ عمل ہو جانا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور ؐ کے مدِّ مقابلین کے ایک گروہ کے متعلق خود آنحضور ؐ کو مخاطب کر کے ذیل کی خبر دی گئی ہے:-

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى
اور ہیں سے ان کے جو کان لگاتے ہیں طرف تیری اور ڈالے ہم نے اوپر

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ
اذہان ان کے پردے کہ وہ نہ سمجھیں اسے اور بیچ کانوں ان کے بوجھ ہے

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا
اور اگر دیکھیں تمام نشانیاں نہ ایمان لائیں ساتھ ان کے یہاں تک کہ جب

جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ
آتے ہیں پاس تیرے جھگڑتے ہیں تجھ سے کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا نہیں

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۲۵
یہ مگر کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی

اور اُن (آپکے مخالفوں) میں سے بعض وہ ہیں جو آپکا کلام سُننے کیلئے آپکی طرف کان لگاتے ہیں لیکن ہمنے اُن کے ذہنوں پر عدم تدبّر کے پردے پڑے ہوئے پائے ہیں[1]، اسلئے وہ ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید کو) نہیں سمجھتے۔ اور اُنکے کانوں میں بوجھ ہے وہ (سُنتے ہی نہیں)۔ اور اُنکی (مخالفت برائے مخالفت کی) حالت یہ ہے کہ اگر وہ تمام دلائل دیکھ بھی لیں تو پھر بھی اس قرآن کیساتھ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپکے پاس آتے ہیں جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کر دیا ہے، تو وہ آپ سے جھگڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو صرف پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

● [1] واضح رہے کہ ایسے افعال جن کے مروّجہ ترجمہ سے یہ تصوّر برآمد ہو، کہ اللہ تعالیٰ ذہنوں پر مُہریں لگا دیتا ہے یا اُن پر پردے ڈال دیتا ہے کہ وہ ہدایت پر نہ آ سکیں، ایسے افعال میں خاصہ وجدان موجود ہوتا ہے جیسے کہ آیت بالا میں آیا ہے جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً، اِسکا یہ معنی نہیں ہے کہ ہمنے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُنکے ذہنوں پر پردے ڈال دئے ہیں کہ وہ نہ سمجھ سکیں۔ بلکہ خاصۂ وجدان کے مطابق اسکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہمنے اُنکے ذہنوں پر عدم تدبّر کے پردے پڑے ہوئے پائے ہیں، اِس سبب سے وہ قرآن کو نہیں سمجھتے ـــ اگلی آیت مجیدہ میں اُنکی اِس روش کی غرض بتائی گئی ہے خود بھی نہ ماننا اور لوگوں کو بھی اس سے روکنا:-

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَ
اور وہ روکتے ہیں اس سے اور خود بھی رکتے ہیں اس سے اور

اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۲۶
نہیں ہلاک کرتے وہ کسی کو مگر اپنے آپکو اور وہ نہیں شعور رکھتے

اور وہ (قرآنِ کریم کو پرانے لوگوں کی کہانیاں بتا کر) لوگوں کو بھی اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اِس سے رُک رہتے ہیں اور وہ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپکو لیکن وہ اس چیز کا شعور نہیں رکھتے ـــ اگلی آیت میں انہی کا قیامت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے:-

وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا
اور تو دیکھے جب کھڑے کئے جائیں اوپر آگ کے پھر وہ کہیں گے

اور (اے مخاطب!) کاش کہ تو تصوّر کی نگاہ سے دیکھے جب وہ آگ (کے کنارے پر) کھڑے کئے جائینگے پھر وہ کہیں گے

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا
کاش ہم لوٹائے جائیں اور نہ ہم جھٹلائیں گے ساتھ آیتوں رب اپنے
وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۷
اور ہم ہوں گے بیچ سے مومنوں کے

کاش کہ ہم واپس بھیج دیئے جائیں۔ اِسکے بعد ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں گے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اِن لوگوں کی یہ تمنا بھی جھوٹ ہے محض اُنکا یہ کہنا بھی غلط ہے۔ بلکہ:۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ
بلکہ ظاہر ہوا واسطے اُن کے جو تھے چھپاتے سے پہلے اِسکے
وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
اور اگر لوٹائے جائیں البتہ اعادہ کریں واسطے اُسکے جو منع کئے گئے اُس سے
وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ۲۸
اور بیشک وہ البتہ جھوٹے ہیں

(اُنکی اس بات میں کوئی صداقت نہ ہو گی) بلکہ اس سے پہلے جو کچھ وہ چھپا کر عمل کرتے تھے وہ ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور اگر وہ واپس لوٹائے جائیں تو پھر بھی وہی اعمال کریں گے جن سے وہ منع کئے گئے ہیں۔ اور بلا شبہ وہ جھوٹے ہیں۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ
اور کہتے ہیں، نہیں وہ مگر زندگی دُنیا کی اور
مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ ۲۹
نہیں ہم ساتھ اُٹھائے جانے والے

حقیقت یہ ہے کہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہماری صرف دُنیا ہی کی زندگی ہے (خوب استعمال اور نفع اندوزی کرنی چاہیئے) حقیقت یہ ہے کہ ہم عملوں کی جوابدہی کے لئے ہرگز اُٹھائے جانیوالے نہیں۔

● اس سے اگلی آیت میں پھر نگاہِ تصوّر کے ساتھ اُسی منظر کو دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ اللہ کے حضور کھڑے کئے جائینگے:۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ
اور کاش دیکھے تو جب وہ کھڑے کئے جائینگے سامنے رب اپنے
قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا
کہے گا کیا نہیں یہ ساتھ حق کہیں گے ہاں اور قسم ہے رب ہمارے کی
قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ ۳۰
کہیگا پس چکھو عذاب کو بسبب اسکے تھے تم انکار کرتے
ع ۳

اور (اے مخاطب کاش کہ تُو تصوّر کی نگاہ سے (دوبارہ) دیکھے جب وہ اپنے رب (یعنی نظامِ ربوبیت کا حکم دینے والے) کے حضور کھڑے ہوں گے۔ وہ کہے گا کیا (یہ روزِ مکافات) سچا نہیں ہے۔ وہ کہینگے ہاں قسم ہے رب ہمارے کی سچا ہے وہ کہے گا اب مزہ چکھو عذاب کا بسبب اِس کے کہ تم اپنے رب یعنی نظامِ ربوبیت کا انکار کرتے تھے۔

● اگلی آیت مجیدہ میں قیامت کو جھٹلانے والوں کے متعلق بتایا گیا ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ[1] ؕ حَتّٰٓى
بیشک گھاٹا پایا، جنھوں نے جھٹلایا کو حاضری اللہ کی یہانتک کہ
اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا
جب آئیگی اُنکے پاس قیامت اچانک کہینگے اے افسوس ہمیں
عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَ
اوپر اسکے جو کمی کی ہمنے بیچ اسکے اور وہ اُٹھائینگے بوجھ
هُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ○ ٣١
اپنا اوپر پیٹھوں اپنی کے خبردار برا ہے جو وہ اٹھائینگے

بلاشبہ وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اعمال کی جوابدہی کے لیئے اللہ کے حضور حاضر ہونے کو جھٹلایا۔ حتیٰ کہ جب اُنکے پاس قیامت کی گھڑی اچانک آجائیگی تو وہ کہینگے افسوس ہے ہم پر کہ اسکی تیاری میں ہمنے کمی کی۔ حالت یہ ہو گی کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اُٹھائے ہُوئے ہوں گے۔ (قیامت کو کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائیگا) خبردار (بگوش ہوش سن لوکہ) کتنا بُرا ہے وہ بوجھ جو وہ اُٹھائے ہُوئے ہونگے۔

● ع۱ لِقَآءِ اللّٰهِ سے مُراد اللہ کا دیدار نہیں، بلکہ اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلیئے قیامت کے دن اُس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار یعنی اُسکے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۶/۱۰۴ اُسے نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ کوئی عقل اُسے پا سکتی ہے، وہ ہر آنکھ کو دیکھتا ہے اور ہر عقل کو پاتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی دُعا فرمائی رَبِّ اَرِنِيْ لیکن جواب ملا لَنْ تَرٰىنِيْ ۷/۱۴۳ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھیگا۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے یا دکھا سکنے کا دعویٰ کرنے والوں کو حضرت موسیٰ سلام علیہ کے واقعہ سے غلط فہمی دور کر لینی چاہیئے۔

● قرآن مجید میں لِقَآءَنَا، لِقَآءِيْ اور لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا اور لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا کے الفاظ صرف اپنے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلیئے اللہ تعالیٰ کیساتھ ملاقات کرنے کے معنوں میں آئے ہیں۔ جن لوگوں کے متعلق آیا ہے کہ وہ لقاء اللہ اور بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ کی اُمید نہیں رکھتے، اس سے مُراد یہ ہے کہ وہ قیامت کی بازپُرس کے منکر ہیں۔ جیسے کہ سورہ سجدہ میں ایسے ہی لوگوں کا قول اور اللہ تعالیٰ کا جواب درج ہے:۔ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ○ ۳۲/۱۰ اور وہ کہتے ہیں کیا جب ہم (مرنے کے بعد گل سڑ کر) زمین میں گم ہو جائینگے تو کیا ہم نئی زندگی کیساتھ زندہ کیئے جائینگے؟ (اُنکا یہ سوال یونہی نہیں) بلکہ وہ اپنے رب کے حضور اعمال کی جوابدہی کے منکر ہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں دُنیا کی زندگی اور اُخروی زندگی کا تقابل پیش کر کے اسی چیز کی وضاحت کر دیگئی ہے:۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ
اور نہیں زندگی دُنیا کی کھیل اور غفلت

اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی (میں مستغرق ہو جانا) نہیں ہے کچھ بھی مگر محض کھیل اور فرائض منصبی سے غفلت ہے۔ اور

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ
اور البتہ گھر آخرت کا اچھا ہے واسطے انکے جو بچتے ہیں

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲
کیا پھر نہیں تم عقل کرتے

یقیناً یقیناً (اس زندگی کے اچھے عملوں کے) انجام کا گھر اُن لوگوں کے لئے اچھا ہے جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔ کیا پھر تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے (کیوں نیک اعمال کے ذریعہ قیامت کی تیاری نہیں کرتے ؟)۔

● اگلی آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے انکار کرنے پر آنحضورؐ غمگین ہو جاتے تھے۔ اسلئے آپؐ کی تسکین و تسلّی کے لئے ارشاد فرمایا:۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ
بیشک ہم جانتے ہیں بیشک وہ البتہ غمگین کرتا ہے آپکو جو وہ کہتے ہیں

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ
پس بیشک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو اور لیکن وہ ظالم ساتھ آیتوں کے

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳
اللہ کی جھگڑا کرتے ہیں

(اے رسولؐ!) بیشک ہم جانتے ہیں کہ بلا شبہ آپ کو وہ چیز غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں (کہ یہ قرآن مُدّعیٔ رسالت نے خود گھڑ لیا ہے) پس بیشک وہ آپکو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کے ساتھ جھگڑتے ہیں (کیوں کہ یہ اُن کے آبائی عقائد و اعمال کی مخالفت کرتی اور اُن کے مفاد سے ٹکراتی ہیں)۔

ضابطۂ الٰہی، ہر استحصالی گروہ کے ذاتی مفاد سے ٹکراتا ہے

● قرآن کریم چونکہ نہ علماء و مشائخ کے اس مفاد کے حق میں ہے کہ لوگ کمائیں اور یہ بیکار بیٹھے کھائیں، نہ سُود خور کو اجازت دیتا ہے کہ وہ قرضدار کا خون چوستا رہے، نہ اپنے نفع خوری کے حق میں ہے کہ وہ عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی ضروریاتِ زندگی کا ذخیرہ کر کے کئی گنا نفع کی صورت میں بٹورتا رہے۔ نہ جاگیردار کو اجازت دیتا ہے کہ اُسکے پاس ضرورت سے زائد مکان ہوں اور وہ کرایہ کے نام پر مُفت خوری کرتا رہے۔ نہ زمیندار کو اجازت دیتا ہے کہ سر سے لیکر پیروں تک پسینے میں شرابور ہو کر کاشت تو کریں مزارع، مگر فصل پکنے پر غلّے کی بوریاں اُسکے ہاں پہنچ جایا کریں۔ اور اسی طرح نہ سلطان و سربراہ کو یہ چھٹی دیتا ہے کہ ملک کی دولت جو ملکی عوام ہی کا مال ہے اُس میں سے وہ اور اُسکے کارندے تو تنخواہوں اور سفر خرچوں کی صورت میں لُوٹ کا سا حصہ پائیں، مگر ملکی عوام ضروریاتِ زندگی خوراک لباس اور علاج سے محروم پائے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کریم نے اپنے اوّلین منشور کا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ میں اعلان کیا تو چونکہ ربوبیّتِ عالمینی کا تصوّر مندرجہ بالا تمام گروہوں کے مفاد سے ٹکراتا ہے۔ اسلئے سب کے سب بیک وقت اُس کی مخالفت پر اُتر آئے۔ اس کے برعکس حضورِ پاکؐ کو تو سب لوگ قبل نبوّت ہی سے بے لوث کردار کا حامل تسلیم کرتے تھے۔ اسلئے آیت بالا ۶/۳۳ میں آنحضورؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے کہ یہ ظالم غاصبینِ ربوبیّتِ عامہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ آیاتِ قرآنیہ کو جھٹلاتے ہیں جو اُن کی گدیوں، اجارہ داریوں، سُود خواریوں، من مانی نفع اندوزیوں اور ناجائز جمع مال کے قدیمی نظریات پر برق بن کر گرتی اور جلا کر راکھ کر دیتی ہیں۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بھی آنحضورؐ کو تسلی دیگئی

ہے کہ ان گروہوں کی طرف سے یہ اندازِ تکذیب کوئی نیا نہیں، آپ سے پہلے جملہ انبیاءِ کرام کو اسی طرح جھٹلایا گیا تھا۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا
اور بیشک جھٹلائے گئے رسول سے پہلے آپکے پس ثابت قدم رہے
عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ
اور پھر جو جھٹلائے گئے اور ستائے گئے حتی کہ آئی اُن کے پاس مدد ہماری اور
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی
نہیں کوئی بدلنے والا کلمات اللہ کو اور بیشک آئی پاس تیرے خبر
الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ۳۴
رسولوں کی

اور (اے رسولؐ!) بیشک آپ سے پہلے بھی ہمارے رسولؐ جھٹلائے گئے تھے۔ اور ایذا دئیے گئے تھے۔ پھر وہ سب اُس ضابطۂ حیات پر ثابت قدم رہے جس کی بدولت وہ جھٹلائے گئے۔ یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد آگئی (یقیناً آپ کی بھی مدد و نصرت کی جائے گی) کیونکہ ہمارے کلمات (ہمارے وعدوں) کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اور بیشک آپکے پاس ہمارے رسولوں کی (مدد کی) خبر پہنچ چکی ہے۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں مادی معجزات کی نفی کرتے ہوئے آنحضورؐ کو ارشاد ہوا ہے کہ اگر آپکو اپنے مخالفین کا حقائق سے انکار کرنا ناگوار گزرتا ہے اور آپ اس سے غمگین ہوتے اور اندر ہی اندر مضطرب و بیقرار رہتے ہیں تو اُن کے لئے یہ معجزہ لے آیئے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ
اور اگر ہے گراں اوپر تیرے منہ موڑنا اُنکا۔ پھر اگر
اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا
طاقت ہے تجھے کہ تو تلاش کرے کوئی سرنگ بیچ زمین کے یا کوئی سیڑھی
فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ
بیچ آسمان کے پھر لے آئے پاس کوئی معجزہ اور اگر چاہتا اللہ ضرور جمع کرتا انہیں
عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
اوپر ہدایت کے، پس تو نہ ہو میں سے
الْجٰهِلِيْنَ ۝ ۳۵ (النصف)
بے خبروں کے

اور (اے رسولؐ!) اگر آپ پر اُنکا روگردانی کرنا گراں گزرتا ہے تو پھر اگر آپ میں طاقت ہے کہ آپ زمین میں کوئی سُرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کریں پھر اُن کے لئے کوئی معجزہ لے آئیں اور اگر اللہ تعالیٰ (انسان کا اختیار و ارادہ سلب کر کے معجزات کے ساتھ مومن بنانا) چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پھر (جب اُس نے اختیار و ارادہ ہی کے ساتھ ایمان لانا پسند فرمایا ہے تو) آپ بے خبروں میں سے نہ ہو جانا (جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سب کو راہِ راست پر کیوں نہیں لے آتا)۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں اسی چیز کی تاکید کی گئی ہے کہ تبلیغِ قرآنی کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو غور سے سُنتے ہیں، لیکن جو مُردہ ذہن ہیں چونکہ وہ قرآن کریم کو بغور سُنتے ہی نہیں، اسلئے ایمان نہیں لاتے، وہ دوسری زندگی میں

حضورِ الٰہی میں حاضر کئے جائینگے:۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ
سوائے اسکے نہیں قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو غور سے سنتے ہیں

وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ
اور جو مردہ ذہن ہیں اٹھائیگا انہیں اللہ پھر طرف اسی کے

يُرْجَعُونَ ۝ ٣٦
وہ پھیرے جائیں گے

سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ (آپ کی دعوت کو) وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (خالی الذہن ہوکر) سُنتے ہیں۔ اور جو مُردے ہیں (یعنی خالی الذہن ہوکر سُنتے ہی نہیں وہ ایمان نہیں لاتے) انہیں اللہ تعالیٰ اُٹھائیگا (مرنے کے بعد) پھر وہ جوابدہی کیلئے اُسی کی طرف لوٹائے جائینگے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ
اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل کیا گیا اوپر اسکے کوئی معجزہ

مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن
طرف سے رب اسکے کہ بیشک اللہ قانون بنانیوالا اوپر اسکے کہ

يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ٣٧
نازل کرے کوئی معجزہ اور لیکن اُن کی اکثریت نہیں جانتی

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (مدّعیٔ نبوت) پر کوئی معجزہ اُسکے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ (اے رسُولؐ!) آپ کہہ دیجئیگا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اِسکے (یعنی معجزے نازل کرنے کے) قانون بنانیوالا ہے، اور لیکن اُنکی اکثریت نہیں جانتی (کہ اُس نے معجزات نازل کرنے کا کوئی قانون نہیں بنایا)

● آیاتِ بالا میں انسان کے اختیار وارادہ کی خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں باقی سب جانداروں پرندوں وغیرہ کے متعلق بتادیا گیا ہے کہ اگرچہ وہ بھی تمہاری طرح کی الگ الگ نوعیں ہیں، لیکن اُنہیں صاحبِ اختیار وارادہ نہیں بنایا گیا۔ وُہ اپنی الگ الگ جس جس فطرت پر پیدا کئے گئے ہیں، وہ اُسی کے گرد جمع رہتے اور اُسی کے مطابق زندگیاں بسر کر رہے ہیں:۔

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ
اور نہیں ہیں سے کوئی جاندار بیچ زمین کے اور نہ پرندہ

يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ
اڑتا ہیں ساتھ اپنے پروں کے مگر نوعیں ہیں مثل تمہاری

مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ
نہیں کمی کی ہم نے بیچ کتابِ فطرت سے کسی چیز کی پھر طرف رب اپنے کے

يُحْشَرُونَ ۝ ٣٨
وہ جمع کر دئے گئے ہیں

اور نہیں ہیں زمین میں جتنے بھی جاندار اور پرندے جو اپنے دونوں بازوؤں کیساتھ اُڑتے ہیں مگر (تخلیق کے لحاظ سے) سب تمہاری طرح الگ الگ نوعیں ہیں۔ ہم نے کتابِ فطرت میں کسی عنصر (کی چیز) کی کمی نہیں چھوڑی (یعنی سب کو صحیح صحیح فطرت ودیعت کر رکھی ہے۔ اُنہیں صاحبِ اختیار وارادہ نہیں بنایا) پھر وہ سب اپنے رب کی طرف (یعنی اُسکی عطا کردہ فطرت پر) جمع کر دئے گئے ہیں۔

● یہاں الکتٰب سے مراد اسلئے کتابِ فطرت صحیفۂ کائنات ہے، چونکہ ماقبل زمین کے جانداروں اور پرندوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں کتٰب کے ذیل کے چھ معنے مذکور ہیں:۔

۱۔ الکتٰب بمعنی قرآن کریم۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۱۶/۸۹ اور (اے رسولؐ!) ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو مسائلِ دین کی ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنیوالی ہے۔ نیز دیکھئے آیتِ ذیل ۶/۱۱۵۔ ۲۶/۲۔ ۲۹/۴۷۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۲۷/۱ مذکورہ آیتیں قرآن مجید یعنی خود بیان کرنیوالی کتاب کی ہیں۔ ۱۵/۱

۲۔ کتٰب بمعنی کتابِ فطرت۔ کتابِ کائنات۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۹/۳۶ بلاشبہ کتابِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ مہینوں کی گنتی اسی دن سے بارہ ہے جب اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔

۳۔ کتٰب مبین بمعنی علمِ الٰہی۔ عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۳۴/۳ اللہ عالم الغیب ہے۔ اس سے کوئی ذرہ بھر چیز بھی خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، پوشیدہ نہیں۔ اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو مگر وہ کتابِ مبین (علمِ الٰہی) میں موجود ہے۔

۴۔ کتٰب بمعنی کتاب۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ ۲۹/۴۸ اور اے رسول! آپ نزولِ قرآن سے پہلے (کسی بھی مسلک کی) کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں مَا كُنْتَ تَتْلُوْا ماضی استمراری لا کر نزولِ قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھنے کی نفی کر دی گئی ہے۔

۵۔ کتٰب بمعنی چٹھی۔ اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۲۷/۲۹ بلاشبہ میری طرف ایک معزز چٹھی بھیجی گئی ہے۔

۶۔ کتٰب بمعنی قانون۔ ۳۵/۱۱ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ اور نہیں بڑھتی کسی عمر والے کی عمر اور نہ ہی عمر میں سے کچھ کم ہوتا ہے مگر وہ اللہ کے قانون میں ہے۔

انسان کے سوا کوئی بھی نوع صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں

● آیتِ بالا ۶/۳۸ زیرِ بحث میں الکتٰب سے مراد کتابِ کائنات ہے جس میں ہر قسم کے جاندار پرندے پیدا کر دیئے گئے ہیں اور اُن میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔ نیز صاحبِ اختیار و ارادہ صرف انسان ہے جو اپنے اختیار و ارادہ کیساتھ علیٰ وجہ البصیرت ضابطۂ خداوندی پر ایمان لانے کا مکلف ہے۔ باقی سب نوعیں مکلف نہیں۔ وہ سب کی سب اپنی اپنی فطرت پر مجبورِ محض پیدا کیگئی ہیں۔ گھوڑا مجبور ہے کہ گھاس دانہ کھائے اور دن بھر تانگہ کھینچتا رہے۔ گائے بھینسیں مجبور ہیں کہ چارہ کھائیں اور دودھ دیں۔ بھیڑ بکریاں مجبور ہیں کہ جنگل میں چریں اور انسان کی گوشت کی ضروریات پوری کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کر کے زیادہ سے زیادہ گوشت مہیا کرتی رہیں۔ گدھا مجبور ہے کہ خشک سے خشک چارہ کھا کر دن بھر بوجھ اٹھاتا رہے۔ اونٹ مجبور ہے کہ ہفتہ ہفتہ چارے اور پانی کے بغیر ریگستانوں میں سفر کیا کرے۔ علیٰ ہذا القیاس چھوٹے جنگلی جانور اور پرندے مجبور ہیں کہ شکار ہوا کریں اور شیر چیتا اور باز شکرا وغیرہ مجبور ہیں کہ شکار کیا کریں۔ حتیٰ کہ گدھ مجبور ہے کہ چار چار پانچ پانچ من کی گھوڑے گدھے کی لاش چٹ کر کے گند اٹھانے کی بیٹھ میں منتقل کرتی رہے۔ یہ سب کی الگ الگ فطرت ہے اور جو چیز جس کام کے لئے پیدا

کی گئی ہے اُس کی فطرت میں مطلقاً کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ اور اسی چیز کے متعلق ارشاد ہُوا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ = ہم نے کتابِ کائنات میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی۔

● ۳۔ اب صفحہ ۱۵۶ پر درج آیتِ مجیدہ ۶/۳۸ کے ضمنی نوٹ ۲۔۳ ملاحظہ فرمائیں۔ آیتِ مجیدہ میں جو آیا ہے ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ۔ یہاں ھِمْ کی ضمیر روئے زمین کے دابۃ اور طائر کی طرف جاتی ہے۔ لیکن چونکہ انسان کے سوا روئے زمین کی کوئی مخلوق نہ مکلّف ہے نہ صاحبِ اختیار وارادہ ہے اسلئے اِلٰى رَبِّهِمْ میں الیٰ بمعنی پر ہے اور رب بمعنی رب کی عطا کردہ فطرت ہے۔ اور يُحْشَرُوْنَ مضارع مجہول جمع برائے حال ہے برائے استقبال نہیں۔ اور مفہوم یہ ہے کہ وہ سب کے سب اپنے رب کی عطا فرمودہ فطرت پر جمع کر دئیے گئے ہیں کہ وہ کبھی بھی اپنی فطرت بدل نہیں سکتے۔ شیر نرو تازہ گھاس کی طرف آنکھ اُٹھا کبھی نہیں دیکھتا اور بکری تر و تازہ گوشت کو سُونگھتی تک نہیں۔

● اب رہا سوال یہ کہ رب کا معنیٰ رب تعالیٰ کی عطا فرمودہ فطرت کس طرح لیا جا سکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ قرآنِ کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں ۱۶/۲۶ میں لفظ اللّٰہ کا معنیٰ اللّٰہ کا مقرر کردہ عذاب ہے:۔ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۰ ۱۶/۲۶ بیشک اُن سے پہلے جن لوگوں نے بُری تجویز کی۔ اُن کی عمارتوں پر بُنیادوں سے اللّٰہ کا مقرر کردہ عذاب آیا پھر اُنکے اُوپر سے اُن پر چھت آپڑے اور اُن پر اُس طرف سے اللّٰہ کا عذاب آیا جس کا وہ شعور بھی نہیں رکھتے تھے۔

● غور فرمائیگا آیتِ مجیدہ ۱۶/۲۶ میں متن کے خط کشیدہ الفاظ فَاَتَى اللّٰهُ جس کا لفظی ترجمہ ہے پھر اللّٰہ آیا مگر ان الفاظ کے صحیح معنے ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ ہیں "اللّٰہ کا مقرر کردہ عذاب آیا" جس نے اُنکے مکانوں کی بُنیادیں متزلزل کر دیں اور چھت اُنکے اوپر آگرے۔ جس طرح یہاں لفظ اللّٰہ بمعنیٰ اللّٰہ تعالیٰ کا بھیجا ہُوا عذاب ہے۔ اُسی طرح ۶/۳۸ میں رب بمعنی رب تعالیٰ کی عطا فرمودہ فطرت ہے۔ اس حقیقت کے خلاف بعض سابقہ تفسیروں نے رَبِّهِمْ کی ضمیر کا مرجع قریب ترک کر کے نوعِ انسانی کو اسکا مرجع قرار دیدیا ہے اور جنہوں نے صحیح مرجع قریب "دابۃ" اور "طائر" کو قرار دیا ہے" اُنہوں نے نوعِ انسانی کیساتھ ساتھ باقی تمام نوعوں کو بھی اعمال کی جوابدہی کیلئے حضورِ الٰہی میں حاضر کئے جانے کا مضحکہ خیز تصور پیش کیا ہے۔ تصریفِ آیات اور سیاق و سباق کے مطابق حقیقت اُوپر بیان کر دیگئی ہے۔ ماعلینا الا البلٰغ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ نمبر ۳۹ واؤ عاطفہ سے شروع ہوتی ہے۔ اِسکا عطف آیت نمبر ۳۷ پر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ لوگ معجزات مانگتے ہیں لیکن اُنکی اکثریت اس چیز سے بے خبر ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے معجزوں کے ذریعہ مومن بنانے کا قانون ہی نہیں بنایا۔ ایمان لانا یا نہ لانا ہر شخص کے اپنے اپنے اختیار و ارادہ پر منحصر ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق نوعِ انسانی کو سمع، بصر اور فواد یعنی کان، آنکھ اور دماغ کی نعمتوں سے نوازا اور اپنے رسُولوں کے ذریعہ اپنا ہدایت نامہ نوعِ انسانی کو پہنچا دیا۔ اب ہر کسی کا اپنا فرض ہے کہ علیٰ وجہ البصیرت ایمان لائے۔ چنانچہ ایمان نہ لانے والوں کے متعلق

ارشاد ہوا ہے:-

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ

اور جو لوگ جھٹلائیں کو آئتیں ہماری بہرے اور گونگے ہیں بیچ اندھیروں

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ

جسے مطابق قانونِ مشیت اللہ گمراہ ٹھہراتا ہے اور جسے مطابق قانونِ مشیت ٹھہراتا ہے اسے

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۳۹

اوپر راستے سیدھے

اور جو لوگ ہماری آئتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ (باطل عقائد کے) اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں (آیات کریمات کو خالی الذہن ہو کر سُنتے ہی نہیں اس لئے ایمان نہیں لاتے)۔ پس اللہ تعالیٰ قانونِ مشیتؐ کے مطابق اُسے ہی گمراہ قرار دیتا ہے جو خود گمراہ ہو جاتا ہے ۱۰/۱۰۸ اور اُسے ہی سیدھی راہ پر قرار دیتا ہے جو خود ہدائت قبول کرتا ہے ۱۰/۱۰۸ - ۲۴/۹۲ - ۳۹/۴۱ نیز ا۔

● واضح رہے مندرجہ ذیل کی آیات مجیدہ ۱۰/۱۰۸ ۱۸/۲۹ ۷۳/۱۹ اور ۷۶/۲۹ سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا جو گمراہ ہوتا ہے خود ہوتا ہے اور جو ہدائت پاتا ہے خود پاتا ہے:-

● ۱۰/۱۰۸ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق قرآن آگیا ہے۔ پھر جو کوئی خود ہدائت پائے تو وہ اُسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے اُسکا وبال اُسکی اپنی جان پر ہوگا ۳۹/۴۱ میں بھی متن کے یہی الفاظ آئے ہیں۔

● ۱۸/۲۹ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اور کہہ دیجیئگا! (اے رسولؐ!) حق قرآن تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ پس جو کوئی خود چاہے ایمان لائے اور جو کوئی خود چاہے کُفر کرے۔

● ۷۳/۱۹ + ۷۶/۲۹ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ بیشک یہ قرآنِ کریم کی آیات مجیدہ نصیحت نامہ ہیں جو کوئی خود چاہے اسکے ذریعہ اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔

جو کوئی ہدائت پاتا ہے خود پاتا ہے
اور جو کوئی گمراہ ہو جاتا ہے خود ہو جاتا ہے

● آیاتِ بالا کے واضح شواہد کے مطابق اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ اِس لئے خود تفریقِ آیات قرآنیہ کی شہادت کے مطابق آئتِ بالا ۶/۳۹ کا جو مفہوم لکھا ہے صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرتا نہیں، البتہؐ جو لوگ خود گمراہ ہو جائیں اُنہیں گمراہ قرار دیتا ہے اور جو لوگ خود صراطِ مستقیم اختیار کریں اُنہیں صراطِ مستقیم پر قرار دیتا ہے، جیسے کہ اگلی آئت مجیدہ میں گمراہ ہو جانیوالوں کو کہا گیا ہے:-

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ

کہہ کیا تم نے غور کیا ہے، اگر آوے تم کو عذاب اللہ کا یا آجائے تم پر

السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۴۰

مشکل گھڑی کیا تم غیر اللہ کو پکارتے ہو اگر ہو تم سچے

(اے رسولؐ!) کہیگا! کیا تم نے غور کیا ہے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا تم پر کوئی مشکل گھڑی آجائے تو اگر تم اس بات میں سچے ہو (کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے کارساز مدد کو پہنچتے ہیں تو بتاؤ) کیا تم غیر اللہ کو پکارتے ہو؟ ع ا

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ
بلکہ اسی کو پکارتے ہو تم۔ پھر وہ کھول دیتا ہے جو پکارتے ہو تم طرف اسکے
اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝ ۴۱
اگر وہ چاہتا ہے اور بھول جاتے ہو جسے تم شریک کرتے ہو ع ۴

(ہرگز نہیں) بلکہ تم اسی اللہ کو پکارتے ہو۔ اور جنہیں تم نے اسکے شریک بنایا ہے انہیں بھول جاتے ہو۔ پھر اللہ اپنے قانون مشیت کے مطابق تمہاری اس مشکل کی گرہ کھول دیتا ہے جس کے لئے تم اسے پکارتے ہو۔

● ۱ سورہ لقمان میں آیا ہے کہ غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والے جب کشتی پر سوار ہوں اور انہیں دریا کی لہریں سائبان کی طرح ڈھانپ لیں تو وہ اسوقت اپنے خود ساختہ مشکلکشاؤں کو بھول جاتے ہیں اور خالص اللہ سے دعا کرتے ہیں ؛۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ " ۳۱/۳۲

اِنْ شَآءَ کا قرآنی مفہوم

● ۲ آیت بالا میں آیا ہے فَيَكْشِفُ ...... اِنْ شَآءَ جس کا لفظی اور مروجہ ترجمہ یہ ہے پھر اگر اللہ چاہتا ہے تو تمہاری مصیبت دور کر دیتا ہے۔ عرض ہے کہ اسے استثنے کو شرط بالمشیت کہا جاتا ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ مصیبت آتی کیوں ہے اور اسے اللہ تعالیٰ رفع کسطرح کرتا ہے ؟۔ واضح رہے کہ جن اسباب سے کوئی مصیبت آتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قوانین مشیت ہیں اور جن اسباب سے مصیبت دور ہوتی ہے وہ بھی اسکے قوانین مشیت ہیں سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے ؛۔

● وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ ۴۲/۳۰ اور اے نوع انسانی انہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں سے لائی ہوئی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے قانون مشیت کے مطابق تمہاری بہت سی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے ــــ آپ دیکھتے ہیں کہ بعض علاقوں میں آئے دن موسم برسات میں سیلاب آتے رہتے ہیں۔ اور جب ہم سیلاب کی راہ میں بند باندھ کر پانی کا رخ موڑ دیتے ہیں تو وہ رک جاتے ہیں۔ اسطرح سیلاب کا آنا بھی مشیت الٰہی ہے اور اسکا رک جانا بھی مشیت خداوندی ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص سنکھیا کھا لیتا ہے تو موت سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ لیکن اگر فوراً قے کروا کر سنکھیا معدے سے خارج کر دیا جائے تو موت کا حملہ رک جاتا ہے۔ پس یاد رہے کہ ہر مصیبت کے دونوں پہلو یعنی انسانی غفلت کی بدولت اسکا آنا اور مناسب انسداد کیساتھ اسکا رک جانا مشیت خداوندی ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں "اِنْ شَآءَ" میں داخل ہیں۔ مصیبت کے لانے میں بھی انسانی اعمال کا عمل دخل ہے اور اسکے رفع کرنے میں بھی اسکی صحیح کوشش کا حصہ موجود ہے۔

● اسکے برعکس یہ نظریہ قطعاً غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو فلسطین کے چند لاکھ یہودیوں کو بیت المقدس پر غلبہ عطا کر دیتا ہے اور نوّے کروڑ مسلمانوں کی دعائیں نامنظور کر کے یہودیوں کا غلبہ برقرار رکھتا چلا جاتا ہے۔ قانون مشیت یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے مغضوب یہودی غلبہ کے اسباب مہیا کر کے انہیں استعمال کرتے ہیں تو وہ انہیں غالب کر دیتا ہے اور اگر مسلمان غلبہ کے اسباب سے غفلت برتتے ہیں تو وہ مغلوب ہو جاتے ہیں۔ قرآن فہمی کیلئے مشیت خداوندی کے قرآنی مفہوم کا سمجھنا بعد ضروری ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضورؐ سے پہلی اُمتوں کی طرف بھی رسولوںؑ کے ذریعہ ہدایت بھیجی گئی تھی:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ
اور بیشک بھیجا ہم نے طرف امتوں میں سے پہلے تیرے پھر پکڑا ہم نے انکو

بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝۴۲
ساتھ عذاب اور ضرر کے تاکہ وہ باز آجائیں

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ
پھر کیوں نہ جب آیا اُن پر عذاب ہمارا باز آئے اور لیکن

قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا
سخت ہوگئے اذہان اُنکے اور مزین کئے واسطے انکے شیطان نے جو وہ تھے

يَعْمَلُوْنَ ۝۴۳
عمل کیا کرتے

اور (اے رسولؐ!) بیشک ہم نے آپ سے پہلے تمام اُمتوں کی طرف (اپنے رسولؐ) بھیجے ۳۵/۲۴ (لیکن جب وہ ہماری نافرمانی کرتے) تو ہم اُنہیں عذاب اور ضرر کیساتھ پکڑ لیتے تھے تاکہ وہ غلط روش ترک دیں ۱؎

پھر کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب اُنکے پاس ہمارا عذاب آتا تو وہ (اُس سے عبرت حاصل کرکے) فرمانبردار ہو جاتے مگر اُن کے اذہان سخت ہو جاتے اور شیطان (یعنی اُنکا مُعبد یا جُوا مددگار) اُنکے لئے اُنکے اعمال کو خوبصورت کر دیتا جو وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

● ۱؎ يَتَضَرَّعُوْنَ کا سہ حرفی مادہ ض۔ ر۔ ع = ضرع ہے اسکا مصدری معنیٰ ہے فرمانبردار ہو جانا۔ عاجزی اختیار کرنا۔ خدمت گزار ہونا۔ مطیع ہو جانا وغیرہ۔

● ۲؎ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴ میں آیا ہے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۲/۱۴ جب وہ اپنے شیطانوں کی خلوتگاہوں میں جاتے ہیں۔ یہی وہ شیطان ہیں جو اپنی نذریں وصول کرکے لوگوں کے بُرے اعمال کو مزین کر دکھاتے ہیں۔ جب وہ عوام کے مال میں سے نذریں قبول کرکے خوش ہو جاتے ہیں، تو چونکہ اُن خلوت نشینوں کی خوشی کو خدا تعالیٰ کی خوشی تسلیم کیا جا چکا ہے اسلئے وہ اعمالِ بد جن کے ذریعہ حرام مال کمایا جاتا ہے اُنکے جواز کی سند میسر آجاتی ہے۔ اگرچہ وہ مال ربوبیت عالمینی کے خلاف عوام کا گلا گھونٹ کر ہی حاصل کیا گیا ہو۔

قوانینِ جاریہ میں کافر مومن کی کوئی تمیز نہیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے کے نتیجے میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ خدا تعالیٰ کے منکر اور غاصبینِ ربوبیت بھی جب قوانینِ جاریہ کیمطابق عمل کرتے ہیں تو اُس کے ثمر نتیجے سے اُنہیں بھی پورا پورا حصہ ملتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا
پھر جب وہ بھول گئے جو نصیحت کئے گئے ساتھ اسکے کھولدئے ہم نے

پھر جب وہ (سخت ذہنوں والے اُس نصیحت کو بھول جاتے جو انہیں (نظامِ ربوبیت کی) کیجاتی تو (اُنکی محنت کی بدولت) ہم اُن پر

عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوۡا
اوپر ان کے دروازے ہر چیز کے یہاں تک جب وہ اترائے

بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً فَاِذَا هُمۡ
ساتھ اس کے جو دیئے گئے پکڑ لیا ہم نے انہیں اچانک پھر اسوقت وہ

مُّبۡلِسُوۡنَ ۝ ۴۴
ناامید ہو گئے

چیز کے دروازے کھول دیتے۔ یہاں تک پھر جب وہ (نعماءِ خداوندی پر غاصبانہ قبضہ کر کے) اترانے لگتے ہیں تو ہم (اُن کی سرکشی کی بدولت) اُنہیں پکڑ لیتے (عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں) تو اُس وقت وُہ مایوس ہو جاتے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ
تو کاٹ دی گئی جڑ اس قوم کی جو ظلم کرتے

وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ۴۵
اور سب تعریفیں ہیں واسطے اللہ پالنے والے جہانوں کے

پھر (ہماری گرفت کی بدولت) بے ٹھکانہ کام کرنیوالی قوم (یعنی عوام کے حقوقِ ربوبیت کے غاصبوں) کی جڑ کاٹ دی جاتی اور (ہمارے رسول قیامِ ربوبیت کا عملی اعلان کرنے کہ) جملہ حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو بلا تمیزِ اعلیٰ و ادنیٰ سب کی ربوبیت کے سامان مہیا کرنے والا ہے۔

وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ● غور فرمائیگا کہ آیت مجیدہ کا آخری جملہ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ کسطرح کھُل کر اعلان کر رہا ہے کہ اَلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا سے مُراد وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کی رُبوبیتِ عالمینی کی عملاً مخالفت کرنیوالے ہیں۔ اُنہیں اللہ کے رسولؐ درسِ ربوبیت دیتے تھے۔ واضح رہے کہ $\frac{6}{44}$ کے الفاظ فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں ہے کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی نصیحت کو بھلا دینے کی بدولت نعمتوں کے دروازے کھولدیئے جاتے تھے اور ہر زمانے میں کھولدیئے جاتے ہیں۔ بلکہ نعماءِ خداوندی کے دروازے اُن قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے کی بدولت کھولے جاتے تھے اور ہر دور میں کھولے جاتے ہیں جو حصولِ نعماء کیلئے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما رکھے ہیں۔ جیسے کہ :-

● دورِ حاضرہ میں بھی نعماءِ خداوندی کی فراوانی اُن قوموں کے ہاں ہے جو اُنکے حصول کے اُن قوانینِ جاریہ پر زیادہ سے زیادہ بہتر عمل کرتی ہیں جو رب تعالیٰ کے خود مقرر کردہ ہیں۔ حصولِ رزق کے قوانینِ خداوندی پر بڑھ چڑھ کر عمل کرنے والی قومیں نہ صرف اپنی داخلی ضروریات کے لحاظ سے کفیل ہیں بلکہ وُہ دوسری محتاج قوموں کے ہاں بھی غلے کے جہازوں کے جہاز بھر کر بھیجتی رہتی ہیں۔ اِسی طرح باقی جملہ ضروریاتِ زندگی، سامانِ آرائش، اسباب نقل و حمل کی فراوانی اُنہی اقوام کے ہاں ہے جو خدا تعالیٰ کے متعینہ صنعتی قوانین پر کما حقہٗ عمل کرتی ہیں۔

● یہی حال سابقہ اقوام کا تھا کہ قوانینِ خداوندی پر عمل کی بدولت اُن پر ہر چیز کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے تھے مگر جب وہ ظلم کرتے یعنی نعماءِ خداوندی پر غاصبانہ قبضہ کر کے عوام کے حقوقِ ربوبیت دبا لیتے تو عذابِ الٰہی آجاتا اور اُنکی جڑ کٹ جاتی۔

● آیت مجیدہ کا آخری جملہ جو اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ کے تحت آیا ہے وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بھیجتا رہا اور وہ الحمد للہ رب العالمین یعنی ربوبیّتِ عالمینی کا اعلان کرتے رہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ الحمد للہ رب العلمین کے الفاظ کو رٹا جائے، ان کا ورد کیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ربوبیّتِ عالمینی کو عملاً بروئے کار لایا جائے۔ چنانچہ اللہ کے نبی رسول اِس پر عمل کی تاکید کرتے رہے مگر قومیں نعماءِ خداوندی کی فراوانی پر اِتراتی رہتیں۔ حصولِ نعماء کے خداوندی قوانین میں فرمانبردار اور نافرمان افراد و اقوام کی تمیز موجود نہیں جیسے کہ انبیاء سلام علیہم اور اُن کی نافرمان قوموں کے حالات ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مثلاً :-

قومِ نوحؑ ● حضرت نوحؑ کی تبلیغ کا اُنکی قوم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اگرچہ قوم پوری پوری مخالفت کر رہی تھی مگر اُنکی مادی کوششوں کی بدولت اُن پر ہر چیز کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز اور محتاج و امیر کے طبقات قائم کر رکھے تھے، حتّٰی کہ جو لوگ حضرت نوحؑ پر ایمان لائے قوم کے سرداروں نے اُنکے متعلق کہا هُمْ اَرَاذِلُنَا ۱۱/۲۷ وہ ہم میں سے رذیلے لوگ ہیں۔ پس اس طبقاتی اور معاشی ناہمواری کے جرم میں اُن پر سیلاب کی صورت میں عذاب نازل ہوا۔ انسانی اور معاشی مساوات کے منکروں کی جڑ کٹ گئی۔ جب پانی اُترا تو اللہ کے نبی حضرت نوح نے انسانی مساوات اور نظامِ ربوبیّت کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ عاد ● اسی طرح قومِ عاد ایک طرف تو حضرت ھودؑ کی مخالفت، انسانی مساوات اور ربوبیّتِ عالمینی کی عملاً تکذیب کر رہی تھی اور دوسری طرف اُنکی مادی کوششوں کی بدولت اُن پر نعماءِ خداوندی کی بارشیں برس رہی تھیں۔ اُن پر شدید آندھی کی صورت میں عذابِ الٰہی نازل ہوا۔ پوری قوم کے نافرمانوں کی جڑ کٹ گئی۔ اور حضرت ھود نے انسانی مساوات اور ربوبیّتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ ثمود ● قومِ ثمود نے بھی انسانی مساوات اور ربوبیّتِ عالمینی کی مخالفت کر کے پانی کے چشموں اور عوامی چراگاہ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن مادی کوششوں کے ثمر کی صورت میں اُن پر نعمتوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ بالآخر انسانی مساوات اور ربوبیّتِ عالمینی کی عملی مخالفت کی بدولت ایک تیز چیخ کی صورت میں عذابِ الٰہی وارد ہوا۔ قوم کے نافرمانوں کی جڑ کٹ گئی اور حضرت صالحؑ نے انسانی مساوات اور ربوبیّتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا:- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ فرعون ● فرعون اور قومِ فرعون نے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیّت پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن اسکے باوجود اُنکی مادی کوششوں کی بدولت، اگرچہ وہ محنت محرومِ ربوبیّت افرادِ بنی اسرائیل ہی سے لی جاتی تھی اُن پر رزق کے دھارے بہہ رہے تھے۔ بالآخر حضرتِ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی انقلابی جماعت سے ہجرت کروا دی۔ فرعون نے لشکر سمیت اُنکا تعاقب کیا لیکن عذابِ الٰہی نے اُسے لشکروں سمیت پانی کی لہروں میں غرق کر کے غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیّت کی جڑ کاٹ دی۔

فرعون کے بھرے خزانے، نفیس محلات، بہتے چشمے، لدے پھدے باغات اور لہلہاتے کھیت بنی اسرائیل کے قبضے میں آئے ۷/۱۳۷ + ۲۶/۵۸ + ۴۴/۲۶ ـ حضرت موسیٰؑ نے ہموار و متوازن نظام قائم کرکے عملاً اعلان کر دیا الحمد للّٰہ رب العلمین۔

● علیٰ ھذا القیاس جملہ انبیاء کرام سے ہوتا ہوا یہی سلسلہ آنحضور علیہ السلام تک قائم رہا۔ ہر نبی رسول نے الحمد للّٰہ رب العلمین کے بنیادی جملہ سے اپنی قوم کو اپنی تحریکِ مساوات و ربوبیت سے متعارف کرایا۔ ہر قوم کے سرداروں نے مخالفت کی، جو لوگ ایمان لائے انہیں رذیلے اور ادنےٰ کہہ کر انکا مذاق اڑاتے رہے۔ لیکن مشیتِ خداوندی نے عذاب بھیج کر سرکشوں کی جڑ کاٹ دی اور ہر نبی نے انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کرکے عملاً اعلان کر دیا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تصریفِ آیات کا مخصوص قرآنی اسلوبِ بیان

● واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآنِ کریم الحمد للّٰہ رب العلمین کے جملہ مخصوصہ سے شروع ہوئی ہے، نیز سورہ انعام بھی اس جملہ کے ابتدائی حصہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع ہوئی ہے۔ اور یہاں آیتِ مجیدہ نمبر ۴۵ میں پھر اسی پورے جملے کو پھیر کر لایا گیا ہے۔

الحمد للّٰہ کا جملہ گیارہ مرتبہ اور الحمد للّٰہ رب العلمین کا پورا جملہ ۱/۱ ۶/۴۵ ۱۰/۱۰ ۳۷/۱۸۲ ۳۹/۷۵ قرآن مجید میں پانچ مرتبہ آیا ہے۔ یہ بار بار کی تصریف حادثاتی نہیں، بلکہ اعلانِ ربوبیت کا مخصوص مقصد ہے۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آیاتِ مجیدہ میں غاصبینِ ربوبیت کی جڑ کاٹ دینے کی سنتِ جاریہ کا اعلان کرنے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضور ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیت سے کہہ دیجئیگا کہ غور تو کرو کہ یہ کان، آنکھیں اور دماغ جن کی مدد سے تم حصولِ نعماءِ خداوندی کرتے ہو یہ کس نے عطا کردہ ہیں؟ اگر وہ تم سے یہ چیزیں چھین لے تو کیا کوئی ہے جو تمہیں یہ چیزیں دیدے۔ لہٰذا تمہارا کمایا ہوا مال اسکا ہے جس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ پس چاہیئے کہ اللّٰہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ ان اوزاروں کے ذریعہ کمائے ہوئے مال سے الحمد للّٰہ رب العلمین کی عملی صورت، ربوبیتِ عالمینی کو بروئے کار لاؤ:۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ
کہ کیا تم نے غور کیا ہے؟ اگر لے جائے اللہ کان تمہارے اور
اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ
آنکھیں تمہاری اور مہر کر دے اوپر دلوں تمہارے کون ہے حاکم سوائے
اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ
اللہ کے لا دے پاس تمہارے ساتھ اس کے غور کر کس طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں
الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ ۴۶
اپنی آیتیں پھر وہ اعراض کرتے ہیں

(اے رسول! ان غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیت سے) کہہ دیجئیگا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان آنکھیں اور دماغ (جن کی مدد سے تم مال کماتے ہو وہ ان میں سے) کان اور آنکھیں لے جائے اور تمہارے دماغوں کو بیکار کر دے تو پھر اللہ کے سوا کوئی الٰہ (یعنی یہ چیزیں دینے والا) ہے جو تمہیں یہ چیزیں لا دے۔ کوئی نہیں) اے مخاطب! غور کر ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ پھر یہ لوگ (تصریفِ آیات کے قرآنی اندازِ قرآن فہمی سے) اعراض کرتے ہیں۔ ع۱

● علہ وَهُمْ يَصْدِفُوْنَ کی تنبیہ اُنظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ پر داخل ہوئی ہے۔ یعنی ارشاد ہوا ہے کہ اے مخاطب غور کر کہ ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں مگر یہ لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یصدفون کا مادہ صدف ہے جس کا معنی ہے کترا جانا۔ اِسی سورت مجیدہ میں آگے آیت نمبر ۶۵ میں اسی عنوان کو بالفاظِ ذیل بیان فرمایا ہے :-

تفقہ فی القرآن بذریعہ تصریفِ آیات

● اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝ ۶/۶۵ اے مخاطب غور کر کہ ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ قرآن میں تصریفِ آیات کیساتھ تفقہ کیا کریں۔ یعنی ایک عنوان کی ساری آیتیں جو قرآن بھر میں پھیر پھیر کر لائی گئی ہیں، مسئلہ زیرِ غور پر اُن کی مدد کیساتھ تفقہ کیا جائے، نہ کہ قرآنی آیات مجیدہ پر تفقہ غیر قرآن کتابوں کے ذریعہ کی جائے۔

آنحضورؐ کا طریقہ درسِ قرآن بھی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ تھا

● اسی سورہ مجیدہ الانعام میں آگے آیت نمبر ۱۰۶ میں آنحضورؐ کو بھی تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کیساتھ درسِ قرآن دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی طریقہ درس کو صحیح طریقہ تفہیم قرآن قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے :-

● وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ ۶/۱۰۶ اور (اے رسولؐ!) اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ (آپ تصریفِ آیات کے ذریعہ درسِ قرآن دیا کریں اور لوگ) کہا ٹھیں کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے۔ اور (دوسری غرض تصریفِ آیات کی یہ ہے) تاکہ اُن لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں (کہ اس کتاب کی تبیین خود کتاب والے کے ذمہ ہے) قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں ـــــ المختصر! زیرِ نظر ۶/۴۶ میں اللہ تعالیٰ کے اپنے مخصوص اسلوب بیان تصریفِ آیات کی خبر دیگئی ہے۔ چنانچہ اسی اسلوب کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں ۶/۴۷ والا عنوان دوبارہ پھیر کر لایا گیا ہے :-

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ
کہہ کیا غور کیا تم نے اگر آئے طرف تمہاری عذاب اللہ کا

بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ
اچانک یا ظاہر طور پر نہیں ہلاک کی جاتی مگر قوم

الظّٰلِمُوْنَ ۝ ۴۷
ظالموں کی

(اے رسولؐ!) کہدیجیئے کہ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب اچانک آجائے یا (تمہاری آنکھوں کے سامنے) ظاہر طور پر آجائے (تو کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے) نہیں عذاب آتا مگر بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں (غاصبین) کو بہیت ہی پر آتا ہے۔ عذاب بُرے عملوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بلاوجہ عذاب نہیں لاتا) علہ

● اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی وضاحت کو دیگئی ہے کہ ہم اپنے رسولوںؑ کو بھیجتے رہے ہیں جو لوگوں کو اُنکے اصلاحی کاموں کی اچھی جزا کی خوشخبری دینے والے تھے اور لوگوں کے بُرے اعمال کی بُری سزا سے ڈرانیوالے تھے۔ جو کوئی اُن پر ایمان لائے اور اصلاح کے کام کرے اُن پر نہ مستقبل کا خوف ہے اور نہ ماضی کا کوئی غم۔ دیکھئے ارشاد ہوا ہے :-

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ اور نہیں ہم نے بھیجا رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ اور ڈرانے والے پھر جو کوئی ایمان لایا اور صلاح کرلی پھر نہیں ڈر عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ۴۸ اوپر انکے اور نہیں وہ غم کھائیں گے	اور نہیں بھیجے ہم نے اپنے رسول مگر اچھے کاموں کے اچھے اجر کی خوشخبری دینے والے اور بُرے کاموں کے بُرے انجام سے ڈرانے والے بنا کر بھیجے تھے۔ پھر جو کوئی ایمان لایا اور اصلاح معاشرہ کے کام کئے وہ ہیں کہ نہ انہیں آئندہ کیلئے کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ اپنے ماضی کے افعال کے متعلق غمگین ہونگے۔

● ۱؎ نُرْسِلُ فعل مضارع ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم بھیجتے ہیں۔ اِن معنوں سے یہ تصوّر پیدا ہوتا ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے بھیجنے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ مگر چونکہ ۳۳/۴۰ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے مطابق نبیوں اور رسولوں کی آمد بند ہو چکی ہوئی ہے اسلئے نُرْسِلُ مضارع حکائی ہے اور یہاں نُرْسِلُ کا معنی ہم بھیجتے ہیں نہیں، بلکہ ہمنے بھیجے تھے ٹھیک ہے۔ قرآن مجید میں مضارع حکائی کی مثال سُورہ یوسف میں اسطرح آئی ہے کہ جب حضرت یوسف ؑ کو مُلکِ مصر میں اقتدار عطا کیا گیا تو ارشاد ہوا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۱۲/۵۶ اس آیت مجیدہ میں دونوں خط کشیدہ الفاظ يَتَبَوَّاُ اور يَشَآءُ مضارع حکائی ہیں۔ اور آیت مجیدہ کا معنی بصورت ماضی صحیح ہے کہ وہ۔ ہمنے یوسف ؑ کو اس طرح مصر کی زمین میں اقتدار عطا فرمایا تھا وہ جہاں چاہتا تھا قیام کرتا تھا۔ جس طرح یہاں یہ معنی غلط ہے کہ وہ جہاں چاہتا ہے قیام کرتا ہے۔ اُسی طرح آیت بالا زیر بحث ۶/۴۸ میں یہ معنی غلط ہے کہ ہم رسول بھیجتے ہیں۔ کیونکہ ۳۳/۴۰ کے مطابق رُسل انبیاء کی آمد ختم ہو چکی ہے۔ اور مَا نُرْسِلُ کا یہی معنی صحیح ہے کہ نہیں بھیجے تھے ہم نے اپنے رسول مگر خوشخبری دینے اور ڈرانیوالے۔

● سلسلۂ درس کی آیتِ بالا ۶/۴۸ میں ایمان لانیوالوں اور اصلاح کرنیوالوں کی خوشخبری دینے کے بعد اگلی آیت میں جھٹلانیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتیں مس کریگا اُن کو الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ۴۹ ہمارا عذاب بسبب اسکے کرتے حدیں پھاندتے	اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا (یعنی انسانی مساوات اور ربوبیّت عالمین کی عملاً مخالفت کی) اُنہیں ہمارا عذاب مس کریگا (وہ مُبتلاءِ عذاب ہوں گے) اس سبب سے کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی) حدیں پھاندا کرتے تھے ۱؎

● ۱؎ يَفْسُقُوْنَ مضارع ہے مگر چونکہ اس پر فعل ناقص كَانُوْا داخل ہوا ہے، اسلئے عربی قواعد کے مطابق ماضی استمراری بن گیا ہے اور بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ کا یہ معنی ہے:۔ بسبب اسکے کہ وہ فسق کیا کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندا کرتے تھے۔ اِسلئے عذاب آیا تھا۔

● سلسلۂ درس میں اگلی آیۂ مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۴۰ کیساتھ ہے جس میں گزر چکا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنے والے مصیبت کے وقت پر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کیونکہ وہی ان کی مشکلیں حل کرتا ہے۔ اب اس شبہ کے ازالہ کیلئے کہ کیا رسولِ اکرم بھی مشکلیں حل کرنیوالے ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں خود آنحضورؐ سے اعلان کرا دیا ہے:-

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ
کہہ نہیں میں کہتا واسطے تمہارے میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ
اور نہ میں جانتا ہوں غیب ، اور نہ کہتا ہوں میں واسطے تمہارے بیشک ہوں

مَلَكٌ ۚ[1] اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ
میں ملک نہیں پیروی کرتا میں مگر جو وحی کیا جاتا ہے طرف میری۔ کہہ

هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا
کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا کیا پھر نہیں

تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۵۰
تم غور کرتے

ع ۵ / ۹ / ۱۱

(اے رسولؐ!) فرما دیجئیگا کہ (اے لوگو!) میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں (غیب کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۶/۵۹) اور نہ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں ملک ہوں (یعنی صاحب اختیار ارادہ نہیں۔ یعنی میں اپنے ارادے سے کوئی عمل نہیں کرتا، بلکہ اپنے اختیار و ارادہ ہی کیساتھ[1] صرف اس ضابطہ کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ فرما دیجئیگا کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں۔ پھر کیا تم سوچ بچار نہیں کرتے۔

● [1] لفظ ملک کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایک ہی نہج پر کام کرتے چلی جانیوالی باری تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوتیں سب ملک ہیں۔ وہ صاحب اختیار و ارادہ نہیں، جس جس کام کیلئے پیدا کی گئی ہیں وہی کام کرتی چلی آ رہی ہیں اور وہی کام کرتی چلی جائینگی۔ چونکہ صاحب اختیار و ارادہ صرف حضرتِ انسان ہے اسلئے اس نوع کے نبی رسول بھی صاحب اختیار و ارادہ ہیں۔ آیتِ بالا میں اسی امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ آنحضورؐ ملک نہیں تھے بلکہ اُس صاحبِ اختیار و ارادہ نوع کے رسولؐ تھے، جو قیامت کو اپنے اعمال کی جوابدہی کی مکلف اور خداوندی رہنمائی کی محتاج ہے۔

قابلِ اتباع و انذار صرف قرآنِ حکیم ہے

● واضح رہے کہ آیتِ بالا میں اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ کے نفی اثبات کے حصر کیساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ آنحضورؐ صرف اور صرف وحی الٰہی کے متبع تھے۔ کیونکہ اس حصریہ جملے میں اِنْ نافیہ آیا ہے اور اِلَّا اثبات کا۔ بالکل اسی طرح جیسے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں لا نافیہ اور اِلَّا اثبات کا ہے اور جس طرح اسکا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہی نہیں۔ اسی طرح اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى کا مفہوم یہ ہے کہ میں وحی الٰہی کے سوا اور کسی چیز کی ہرگز ہرگز اتباع و پیروی نہیں کرتا۔ اگلی آیۂ مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا

ہے کہ جس مقدس ضابطے کی آپ خود پیروی کرتے ہیں اُسی کیساتھ نوعِ انسانی کو اُنکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کر کے اُنہیں اُسی کے پیرو بنائیں:۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ
اور تو ڈرا ساتھ اسی کے انہیں جو ڈرتے ہیں کہ
يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ
وہ جمع کئے جائینگے طرف رب اپنے کے نہیں واسطے انکے سوائے اسکے
وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (۵۱)
کوئی مددگار اور نہ کوئی شفاعت کرنیوالا تاکہ وہ بچ جائیں

اور (اے رسولؐ!) آپ اُسی وحیِ الٰہی کیساتھ ہی اُن لوگوں (یعنی مومنوں) کو اُنکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کیا کریں جو اِس امر سے خوف کرتے ہیں کہ وہ اپنے ربوبیّت کرنیوالے کے حضور (اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جائینگے (اُنہیں جان لینا چاہیئے کہ) اُن کیلئے اِس اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہے نہ شفاعت کرنیوالا ہے۔ تاکہ وہ (قیامت پر یقین کی بدولت نیک اعمال بجا کر اُخروی عذاب سے) بچ جائیں۔

جماعت صرف سچے اور سچے مومنوں ہی کیساتھ بنتی ہے

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ جملہ صحابہ کرامؓ جن کی تعریف یہ ہے کہ وہ پاکباز بھی ہیں اور لِلّٰہ کے بھی کھرے ہیں نیز اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اسکے حضور میں صبح شام دعا بھی کرتے ہیں، آپ انہیں اپنے پاس سے دُور نہ کرنا۔ جماعت ایسے پاکیزہ افراد سے ہی بنتی ہے:۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
اور نہ دُور کرنا اُنہیں جو دعا کرتے ہیں رب اپنے سے
بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ
وقت صبح کے اور پچھلے حصے دن میں، وہ چاہتے ہیں رضا اُسکی
مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ
نہیں ذمہ تیرے میں سے حساب اُن کے سے کوئی چیز اور نہیں میں سے حساب تیرے
عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ
اوپر اُنکے سے کوئی چیز، پھر تو دُور کرے اُنہیں تو تُو ہو جائیگا میں سے
الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۵۲
ظالموں کے

اور (اے رسولؐ!) اُن (سچے مومنوں) کو اپنے سے دُور نہ کر دینا جو صبح اور دن کے پچھلے حصے میں اپنے رب کے حضور دعا کرتے ہیں۔ وہ اُسکی رضا چاہتے ہیں۔ یعنی دین کے ایسے کھرے کہ اُنکے حساب میں آپکے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ اور آپکے حساب میں اُنکے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ پھر (اسکے باوجود اگر) آپ انہیں اپنے سے دُور کر دیں تو پھر آپ بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں میں سے ہو جائینگے۔ (ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے جائیں تا کہ آپکے ساتھ آپکے پاکیزہ ساتھیوں کی جماعت قائم ہو جائیگی (جو کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم و کریم ہونگے (۴۸/۲۹)۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا
اور اسی طرح الگ کر دیا ہمنے بعض انکے کو سے بعض کے تاکہ وہ کہیں

اور اسی طرح ہمنے بعض کو جو (دین کے کھرے تھے) بعض سے جو (دین کے کھوٹے یعنی منافق تھے) متمیز کر دیا تاکہ وہ (بدحالت

أَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝۵۳

کیا یہ ہیں احسان کیا اللہ نے اوپر ان کے ہیں درمیان ہمارے کیا نہیں ہے اللہ جاننے والا کو شکر کرنیوالوں

کے کھوٹے منافق، معاملات کے کھرے مومنوں کو طعن کے طور پر کہیں۔ کیا یہ ہیں جن پر ہم میں سے اللہ نے احسان کیا ہے۔ آپ فرما دیجیئے کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں (سچے مومنوں) کو نہیں جانتا۔

● آیت بالا میں غلط معاشرہ کے اس قاعدہ کلیہ کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ دین کے کھوٹے غلط کار لوگ ہمیشہ ہی سے تقویٰ شعاروں کا مذاق اڑاتے چلے آرہے ہیں کہ یہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ اور نیکو کاروں کو ہمیشہ ادنےٰ اور رذیل خیال کیا جاتا رہا ہے۔ جیسے سورۂ ھود میں صحابۂ نوحؑ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ آپکی قوم کے مالدار لوگ آپ سے کہتے تھے: ۔ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا ...... ۱۱/۲۷ اے نوحؑ ہم آپکو نہیں دیکھتے مگر آپ ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ آپکی اتباع کسی نے کی ہو مگر انہی لوگوں نے کی ہے جو ہم میں سے ذلیل لوگ ہیں۔ حضرت نوحؑ نے انہیں وہی جواب دیا جو آیت ماقبل میں آنحضورؐ کو سچے اور سُچّے مومنوں کو اپنے سے دور نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے: ۔

● وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...... ۱۱/۲۹ (تم ان سے کراہت کرتے ہو ۱۱/۲۸) مگر میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اپنے سے دور کرنیوالا نہیں ہوں۔ المختصر! جملہ انبیاء سلام علیہم کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ معاملات کے سچے اور سُچّے مومنوں کو جنہیں معاشرہ کے مالدار ذلیل و حقیر جانتے تھے اپنے آپ سے دور نہ کرنا۔ اور انہی لوگوں کے متعلق آنحضورؐ کو ایک مختصر اور جامع تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے: ۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۴

اور جب آئیں آپ کے پاس جو ایمان لاتے ہیں ساتھ آیتوں ہماری تو فرمائیے سلام ہے اوپر تمہارے فرض کیا رب تمہارے نے اوپر اپنے آپ کے رحمت کرنا بیشک وہ جو کوئی عمل کرے برا ساتھ نادانی کے پھر توبہ کرے سے پیچھے اسکے اور اصلاح کرے۔ پھر بیشک وہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے

(اے رسولؐ!) جب آپکے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہوں تو آپ اُن سے کہا کریں سلامٌ علیکم تم پر سلام ہو۔ تمہارے ربوبیّت کرنیوالے نے تم پر رحمت فرمانا اپنے ذمہ خود فرض کر رکھا ہے۔ شان یہ ہے کہ تم میں سے جس کسی نے نادانی کے ساتھ کوئی ناروا کام کیا ہو تو وہ توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلے تو وہ حفاظت عطا فرمانے والا بے حد مہربان ہے۔

اسلام مسنون ۱ ● اس آیۂ مجیدہ میں دو امر قابلِ غور ہیں۔ پہلا یہ کہ آنحضورؐ کو حکم ہوا ہے کہ جب آپکے پاس مومن آیا کریں

تو آپ انہیں سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ ...... الخ فرمایا کریں۔ اسطرح چونکہ آنحضورؐ کے متعلق یہ تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپنے اس حکم ربانی کی تعمیل نہ فرمائی ہو، لہٰذا ثابت ہُوا کہ سلام مسنون بحکمِ ربانی سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ ہے اور السّلام علیکم اور وعلیکم السلام بعد کی پیداوار ہے۔ آنحضورؐ نے حکمِ باری کے مطابق سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کو عملاً رائج فرمایا اور بطورِ سنّتِ مبارکہ اپنے بعد باقی چھوڑا۔ اگر اس حکم فرمودہ قرآنی الفاظ کو سنّتِ رسول نہ تسلیم کیا جائے تو آنحضورؐ پر طعن آتا ہے کہ تحیۃ کے ضمن میں جن الفاظ کی ادائیگی آپ پر حکماً فرض کیگئی تھی آپنے انہیں ترک کر دیا اور اپنے پاس سے متبادل الفاظ رائج کر کے، اُن الفاظ کو بطورِ سنّت چھوڑ گئے جن الفاظ کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ اس قسم کی اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو زمانۂ رسالت اور دورِ صحابہؓ کے بعد آنحضورؐ اور صحابہ کرام کی طرف منسوب ہو کر فروغ پا چکی ہیں۔ مثلاً لونڈی غلام کا جواز، ناہموار تقسیم رزق، زمینداری، سرمایہ داری، جاگیرداری وغیرہ کے علاوہ خانقاہیت اور ملوکیت بھی صحابہؓ کرام کی طرف منسوب ہو چکی ہے کہ دونوں چیزیں صحابہؓ کرام ہی کے دور میں موجود ہوئی تھیں۔ حالانکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے مکمل خاتمہ کیلئے آنحضورؐ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ انہیں آنحضورؐ نے خود اپنے دور میں عرب بدر کر دیا تھا بلکہ دورِ صحابہؓ میں بھی یہ ننگِ انسانیت تصوّرات اسلام میں راہ نہ پا سکے تھے۔ آنحضورؐ نے اپنے زمانہ کے حکمرانوں کے نام جو تبلیغی پیغام ارسال فرمائے تھے اُن میں سلامٌ علیکَ اور سلامٌ علیٰ مَنِ اتّبعَ الھدیٰ کے الفاظ موجود ہیں۔ ملاحظ فرمائیں مولوی محمد صالح صوفی صاحب کی مصنفہ سوانح حیاتِ رسولِ مقبولؐ کے صفحات ۱۱۹ تا ۱۳۲۔ نمونہ کے طور پر ۱۲۶ صفحہ پر مقوقش شاہِ مصر کے نام آنحضورؐ کے تبلیغی خط میں سَلٰمٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی باندازِ ذیل موجود ہے:۔

• بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی الْمُقَوْقِسِ عَظِیْمِ الْقِبْطِ سَلٰمٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدَعَایَۃِ الْاِسْلَامِ...... (ترجمہ) اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ محمد بن عبداللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے مقوقش قبطیوں کے بادشاہ کی طرف — سلامٌ علیٰ مَنِ اتّبعَ الھدیٰ۔ سلام ہو اُس پر جو ہدایت (قرآن) کی اتباع کرے۔ اسکے بعد میں تمہیں دعوتِ اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ آنحضورؐ کے اس خط میں آپکا سلام، سلامٌ علیٰ مَنِ اتّبعَ الھدیٰ مذکور ہے۔

• اسکے بعد صفحہ ۱۲۸ پر منذر بن ساوے کے نام آنحضورؐ کا خط بدیں الفاظ درج ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلَی الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوٰی سَلٰمٌ عَلَیْکَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْکَ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ......

(ترجمہ) اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ محمد اللہ کے رسول کی طرف سے منذر بن ساوی کی طرف۔ سلامٌ علیکَ تجھ پر سلام ہو۔ بیشک میں تیری طرف اللہ کی بے حد تعریف کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ دیکھئے:۔

● آنحضورؐ کے اس خطاب میں آپکی طرف سے قرآنی سلام موجود ہے سَلٰمٌ عَلَيْكَ۔ قرآن مجید میں ذیل کے سلام مذکور ہیں :۔
● اجنبیوں کیلئے سلام ۔ سَلٰمًا ۔ سَلٰمٌ ۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اللہ کے رسول آئے ۔ وہ ایکدوسرے کے اجنبی تھے ۔ انہوں نے آپ سے کہا سَلٰمًا ۔ آپ نے جواب دیا سَلٰمٌ 11/69
● غیر مسلموں کیلئے سلام ۔ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ، وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۔ حضرت ابراہیمؑ نے آزر سے کہا سَلٰمٌ عَلَيْكَ 19/47 اور حضرت موسٰیؑ نے فرعون سے کہا وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى 20/47 ۔
● مومنوں کیلئے سلام ۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۔ آنحضورؐ کو حکم ہوا کہ جب آپکے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آئتوں پر ایمان لائے ہیں تو آپ ان سے کہا کریں سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۔ فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ 6/54 ۔
● سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے :۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً 24/61 جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو اہلِ خانہ پر سلام کہو وہ سلام جو اللہ کا حکم کردہ برکت والا اور پاکیزہ ہے ۔ اس خداوندی حکم کے مطابق آنحضورؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کردہ سلام سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ہی کے عامل تھے ۔ اور یہی مبارک و طیب سلام ہی آنحضورؐ کی سنتِ مبارکہ ہے ۔

۲ ۔ بلا توبہ و اصلاح مغفرت نہیں

● دوسرا امر آئتِ بالا میں یہ غور طلب ہے جو آئتِ مجیدہ کے الفاظِ ذیل سے عیاں ہے :۔ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ 6/54 شان یہ ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی کیساتھ کوئی ناروا کام کر بیٹھے تو اگر وہ اسکے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو پھر اللہ تعالیٰ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہے ۔ اِسی مضمون کو مزید وضاحت کیساتھ سورہ نحل میں بالفاظِ ذیل بیان کیا گیا ہے :۔

● ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ 16/119 پھر بلا شبہ اے رسولؐ ! تیرا نشوونما دینے والا واسطے اُن لوگوں کے جو نادانی کیساتھ ناروا عمل کر بیٹھیں ، پھر اسکے بعد توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو بیشک تیرا رب اسکے بعد غفور رحیم ہے ۔

● پس ثابت ہوا کہ ہر دو آیاتِ بالا 6/54 + 16/119 کے مطابق بخشش مشروط ہے توبہ اور اصلاح کیساتھ ۔ نیز ناروا کاموں پر بھی شرط موجود ہے بِجَهَالَةٍ کی ۔ یعنی ناروا کام بھول کر کئے ہوں ۔ ایسا نہ ہو کہ جان بوجھ کر دودھ میں پانی ملا رہا ہو ۔ جان بوجھ کر ترازو کی ڈنڈی کاٹی اور باٹ ہلکے رکھے ہوئے ہوں ۔ ملاوٹ کی عادت دائمی ہو ۔ تو یہ صورت اِن آیات کی رُو سے مغفرت اور بخشش کے ضمن میں نہیں آتی ۔

● اِسی عنوان کو خدا تعالیٰ نے سورہ نساء میں بھی مزید وضاحت کیساتھ بالفاظِ ذیل بیان کر دیا ہے تاکہ معاشرہ سے برائیوں کا مطلقاً خاتمہ ہو جائے ۔ دیکھئے ! ارشادِ باری ہے :۔

● اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ ۴/۱۷ سوائے اسکے نہیں ہے کہ توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمہ اُن لوگوں کیلئے ہے جو ناروا کام کریں نادانی کیساتھ پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں۔ پس وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رجوع بر حمت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑھ کر جاننے والا اور بہت بڑھ کر حکمت والا ہے ــــ اس سے آگے ارشاد ہوا ہے:۔

● وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۗ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ ۴/۱۸ اور نہیں واسطے اُن لوگوں کے کہ (اللہ اُن کی توبہ قبول کرے) جو بُرے کام کرتے ہیں حتیٰ کہ اُن میں سے کسی پر موت حاضر ہو جائے اور وہ یہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ (اُن کی توبہ قبول ہوتی ہے) جو ضابطۂ خداوندی کے انکار ہی کی حالت میں مر جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

● دیکھا آپ نے توبہ نہ اُنکی قبول ہے جو زندگی بھر جان بُوجھ کر بُرے عمل کرتے رہیں اور جلدی توبہ نہ کریں اور نہ اُنکی توبہ قبول ہوتی ہے جو مرنے کے وقت پھر توبہ کریں۔ نیز شفاعت کا تصوّر بھی ان آیاتِ بالا کے مطابق ختم ہو جاتا ہے۔ جس کے متعلق خود آنحضور کی زبان مُبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے:۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ○ ۳۹/۴۴ اے رسول! اعلان کر دیجیئے گا کہ شفاعت کا حق سارا کا سارا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (اُسکے سوا کسی کو شفاعت کا حق ہے ہی نہیں)۔ سورہ یونس میں اُن لوگوں کو اللہ کے شریک قرار دیا گیا ہے جنہیں لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفیع ٹھہرائیں۔ دیکھیئے ارشادِ باری:۔

● وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۗ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۗ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ ۱۰/۱۸ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں۔ (اے رسول!) فرما دیجیئے گا کیا تم (اللہ کو بے خبر جانتے ہو کر) اللہ تعالیٰ کو اُس چیز کی خبر دیتے ہو جسے آسمانوں اور زمین میں گویا کہ وہ جانتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس سے پاک اور بلند و بالا ہے جو تم اُس کیساتھ شریک کرتے ہو۔

● اب مسئلۂ شفاعت سے متعلقہ وہ شبہ دور کرنا ضروری ہے جو مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۗ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۲/۲۵۵ سے پیدا ہوتا ہے:۔ کون ہے جو اللہ کے حضور اُس کے قانون[1] کے بغیر شفاعت کرے، وہ اللہ تو مجرموں کے آگے پیچھے کو خود اچھی طرح جانتا ہے (اُسے کسی شفیع کی کیا ضرورت ہے جو اُسے یہ بتائے کہ ملزم قصور وار ہے یا نہیں)؟

● [1] اِلَّا بِاِذْنِهٖ میں اذن بمعنی قانون ہے قانون کی قرآنی سند دیباچہ کے صفحہ ۵۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ مسئلہ شفاعت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کا حتمی اعلان خود آنحضور کی زبانِ مبارک سے کرا دیا ہے قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۳۹/۴۴ اے رسول! فرما دیجیئے گا کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ نیز ۱۰/۱۸ میں غیر اللہ شفاعت کو شرک قرار دیدیا ہے مسئلہ شفاعت کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۸-۲۰۹ پر آیتِ مجیدہ ۲/۲۵۵ کی تفسیر قرآنی میں بالتفصیل گزر چکی

ہے۔ (ما علینا الا البلغ)

● مسئلہ نجات کے سلسلہ میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ سب گناہ بخش دیگا اور اس پر آیت ذیل بطور دلیل لائی جاتی ہے :۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ۳۹/۵۳

(مفہوم) اے رسول، فرما دیجیئے کہ (اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ معاف کر دیگا۔ بیشک وہ معاف فرمانے والا بہت بڑھ کر مہربان ہے —— اس آیت مجیدہ کے جملہ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا سے بلا قید و شرط یہ تصور لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ بخش دیگا۔ اور ۲۰/۸۲ + ۶/۵۴ + ۱۶/۱۱۹ + ۴/۱۷ + ۴/۱۸ میں جو اللہ تعالیٰ نے شرطیں عائد کی ہیں انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ اسی آیت مجیدہ ۳۹/۵۳ سے آگے متصلاً آیت نمبر ۳۹/۵۴ میں وہی شرطیں عائد کر دی گئی ہیں :۔

● وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ ۳۹/۵۴ اور (اللہ تمہارے سارے گناہ اس طرح بخش دیگا کہ) تم اپنے رب کی طرف رجوع (یعنی توبہ) کرو اور اسکے پورے پورے فرمانبردار ہو جاؤ (اپنی اصلاح کرلو) اسوقت سے پہلے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے۔ پھر (عذاب آنے کے بعد) تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائیگی —— دیکھا آپنے! کہ یہاں بھی توبہ اور اصلاح کی شرط قائم کر دی گئی ہے —— پس یاد رکھیئے کہ مغفرت کیلئے گناہوں سے توبہ اور اصلاح یعنی آئندہ کیلئے برے اعمال کو چھوڑ کر نیک اعمال پر صد فیصد عامل ہو جانے کے سوا ہرگز کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے :۔

اور اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی (سزا کا) طریقہ پوری طرح نمایاں ہو جائے۔	وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ اور اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں آیتیں اور تاکہ نمایاں ہو سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۵۵ ع ۵/۱۲ ۶ راستہ مجرموں کا

جسکی عبادت اسی سے دعا

● سلسلۂ درس کی اگلی مجیدہ میں مجرموں کے ایک مخصوص جرم کی خبر دی گئی ہے کہ جو لوگ غیر اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان سے دعا کرتے ہیں وہ ان کی عبادت کرتے ہیں۔ سورہ فاتحہ ۱/۴ میں وعدہ لیا گیا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ بالفاظ دیگر قرآن مجید کی پہلی ہی سورت مجیدہ میں قرآن کریم کے قاری سے اس چیز کا اقرار کرا لیا جاتا ہے کہ عبادت اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ چنانچہ اسی چیز کی مخالفت کا اعلان آنحضور کی زبان مبارک سے کرا دیا گیا ہے :۔

عبادت اور دعا باہم مترادف چیزیں ہیں

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت نمبر ۶/۵۴ میں مغفرت کا ایک ہی ذریعہ بیان کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اس چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا یعنی غیر اللہ کو غائبانہ مدد کے لئے پکارنا گویا اسکی عبادت کرنا ہے۔ جو لَا نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰہَ کی کھلی مخالفت ہے بالفاظ دیگر کھلا ارتکاب شرک ہے:-

● قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ
کہہ بیشک میں منع کیا گیا ہوں کہ میں عبادت کروں ان کی

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ[۱] قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ
پکارتے ہو تم جنہیں ملا کر ساتھ اللہ کے۔ کہہ نہیں اتباع کرتا میں

اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ
خواہشوں تمہاری کی بیشک گمراہ ہوا میں اسوقت اور نہیں میں ہوں سے اسوقت

الْمُهْتَدِیْنَ ۵۶
ہدایت پانیوالوں کے

(اے رسولؐ!) فرما دیجئے گا بیشک میں منع کر دیا گیا ہوں کہ میں عبادت کروں اُن لوگوں کی جنہیں اللہ کے ساتھ ملا کر پکارتے ہوئے (نیز یہ بھی اعلان فرما دیجئے گا کہ) میں نہیں پیروی کرتا تمہاری خواہشات کی (کہ تم غیر اللہ کو اللہ کیساتھ ملا کر پکارتے ہو۔ غائبانہ مدد مانگتے ہو اگر میں ایسا کروں) تو بیشک اُسوقت میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ اور ہدایت پانیوالوں میں سے نہیں ہوں گا۔

● [۱] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے معنے سوائے اللہ کے بھی قرآن مجید میں مذکور ہیں اور اللہ کے ساتھ ملا کر بھی موجود ہیں جیسے کہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵/۱۱۶ کی تفسیر القرآن میں پیچھے صفحہ ۲۳/۱۲ پر گزر چکا ہے وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۵/۱۱۶ وہ وقت قابل ذکر جب (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کہیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو اِلٰہ اور ملا کر (یعنی اِلٰہ) بنا لو۔ پوری تفصیل پیچھے صفحہ ۱۲۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حکم بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور غیب کی چابیاں بھی صرف اسی کے پاس ہیں

● اللہ کیساتھ ملا کر کسی غیر سے مدد مانگنے کو غیر اللہ کی عبادت قرار دینے کے بعد اسی امر کی دلیل کا اگلی تین آیات کریمات میں آنحضورؐ کی زبان مبارک سے اعلان کروایا گیا ہے کہ غیب کی چابیاں بھی صرف اللہ کے پاس ہیں اور اسکے حکم میں بھی اسکا کوئی شریک نہیں:-

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ
کہہ بیشک میں اوپر روشن دلائل کی طرف سے رب اپنے کے اور جھٹلایا تم نے

بِهٖ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ
اس کو نہیں پاس میرے جس کی تم جلدی کرتے ہو ساتھ اس کے نہیں ہے

(اے رسولؐ!) فرما دیجئے گا کہ بیشک میں اپنے نشوونما دینے والے کی طرف سے (اسکی نازل کردہ کتاب قرآن حکیم کے) دلائل قاطعہ پر ہوں مگر تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ جس چیز (یعنی عذاب) کے لئے تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں (وہ تو حکم الٰہی

اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الۡحَقَّ وَ هُوَ
حکم مگر صرف اللہ کیلئے بیان کرتا ہے حق ۔ اور وہ ہے
خَیۡرُ الۡفٰصِلِیۡنَ ۝ ۵۷
بہتر فیصلہ کرنیوالوں سے

نہیں) حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہ حق حق بیان کرتا ہے۔ اور وُہی ہے جو بہتر (صحیح صحیح مبنی بر انصاف) فیصلہ دینے والا ہے۔

قُلۡ لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ
کہہ اگر ہوتا بیشک پاس میرے جو جلدی کرتے ہو تم
بِهٖ لَقُضِیَ الۡاَمۡرُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ
ساتھ اسکے البتہ فیصلہ ہو چکا ہوتا امر درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور اللہ
اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِیۡنَ ۝ ۵۸
خوب جاننے والا ہے ظالموں

(اے رسُولؐ! مزید) فرما دیجئے گا کہ جس (عذاب) کیلئے تم جلدی کرتے ہو۔ اگر وُہ میرے قبضے میں ہوتا تو اس امر کا میرے اور تمہارے درمیان (کب کا) فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ظالموں کو (کہ جو عذاب کے لائق ہیں) خوب خوب بہت بڑھ کر جاننے والا ہے۔

● ۱؎ یہاں وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِیۡنَ میں آمدہ بآ کا معنی ہے کو۔

غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور ہر خشک و تر چیز اسکے علم میں موجود ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور ؐ کی زبان مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کسی کو نہیں، غیب کی چابیاں صرف اسی کے پاس ہیں اور کائنات بھر کی ہر حاضر و غائب اور خشک و تر چیز صرف اور صرف اُس کے علم میں موجود ہے:-

وَ عِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا
اور پاس اسی کے ہیں چابیاں غیب کی نہیں جانتا اسے مگر
هُوَ ؕ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ وَ مَا تَسۡقُطُ مِنۡ
وہی اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی کے اور سمندر کے اور نہیں گرتا میں سے
وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعۡلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ
کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اسے اور نہ کوئی دانہ بیچ اندھیروں
الۡاَرۡضِ وَ لَا رَطۡبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ
زمین کے اور نہیں ہے کوئی تر اور نہ خشک مگر بیچ کتاب
مُّبِیۡنٍ ۝ ۵۹
ظاہر علم الٰہی کے

اور (اے رسولؐ فرما دیجئے گا کہ) غیب کی چابیاں صرف اُس (اللہ) کے پاس ہیں۔ غیب کو آپ کے سوا مطلقاً کوئی نہیں جانتا۔ اور وُہی جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ سمندروں میں ہے۔ اور نہیں گرتا کوئی پتہ (کسی بھی درخت پودے یا بیل سے) مگر وُہ اُسے جانتا ہے۔ اور نہیں کوئی دانہ (پھوٹتا) زمین کے اندھیروں میں (یعنی مٹی کے اندر) وہ اُس کے علم میں ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی بھی تر یا خشک چیز مگر وہ سب کتابِ مبین (علم الٰہی) میں موجود ہے۔

● سلہ کتٰبٍ مُّبِیْنٍ کا معنی یہاں علم الٰہی ہے قرآنی لغت کے مطابق کتٰب بمعنی علم الٰہی کے قرآنی دلائل پیچھے صفحہ ۷۵ا پر آیت نمبر ۳۸ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں گزر چکے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں پر اس ترجمہ کی صحت کی دو واضح دلیلیں موجود ہیں۔ پہلی دلیل تو یہ ہے اس آیت مجیدہ زیر بحث $\frac{6}{59}$ کے سارے داخلی الفاظ کی شہادت کہ پوری کی پوری آیت کریمہ میں علم الٰہی ہی کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ خشکی اور تری کی ہر چیز کو خوب خوب جانتا ہے:۔ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ نیز کرۂ ارض یا دوسرے کُرّوں، اجرام فلکی، سیاروں اور ستاروں میں جہاں جہاں کوئی پتہ گرتا ہے اُسکے علم میں ہوتا ہے:۔ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا۔ نیز ارشاد ہوا ہے کہ وہ کسی چیز تک سے بھی بے خبر نہیں۔ زمین کے اندھیروں میں بیجوں کی جو اُٹھیں پھٹتی اور اُن سے انگوریاں نکلنے میں جو کیمیائی عمل ہوتا ہے سب اُسکے علم میں ہے:۔ وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ۔ اور نہ کوئی بھی بیج جو اندھیروں میں زیر عمل ہوتا ہے اُس سے پوشیدہ ہے۔ اِسکے بعد لایا گیا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ، جس سے صراحتًا ثابت ہوتا ہے کہ کتٰبٍ مُّبِیْنٍ سے مراد یہاں علم الٰہی ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں دوسرے دو مقامات $\frac{10}{61}$ + $\frac{34}{3}$ میں تصریف آیات کیساتھ اسی آیت کی متبادل آیت آئی ہے عٰلِمِ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ $\frac{34}{3}$ اللہ عالم الغیب ہے اُس سے کوئی ذرہ بھر چیز پوشیدہ نہیں آسمانوں اور زمین میں نہ اس (ذرہ) سے کوئی چھوٹی چیز پوشیدہ ہے نہ اس سے بڑی، سب کی سب کتٰبٍ مبین علم الٰہی میں موجود ہیں۔

صفحہ ۷۵ا پر آیت نمبر ۲۸ کی تفسیر میں پیچھے دیکھئے ــــ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں نیند کو عین موت نہیں بلکہ موت کی مثل بتایا گیا ہے:۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ

اور وہی ہے جو فوت کرتا ہے تمہیں وقت رات کے اور جانتا ہے

مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ

جو کام کرتے ہو تم وقت دن کے پھر اٹھا لیتا ہے بیچ اسکے

لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ

تاکہ پوری کی جاتی میعاد مقرر (عمر کی مدت) پھر طرف اسی کے ہے

مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

لوٹ جانے کی جگہ تمہاری، پھر وہ خبر دیگا تمہیں ساتھ اسکے جو تم

تَعْمَلُوْنَ ۝ ٦٠ ع ۷ / ۱۳

عمل کیا کرتے تھے

اور وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جو تم پر رات کے وقت پر (نیند غالب کرکے مجازی صورت میں[سلہ]) تمہیں فوت کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے تم دن کے وقت جو کام کرتے ہو دن کام کے بعد آرام لازم ہے۔ اسلئے تمہیں نیند کے ذریعہ تازہ دم کرکے صبح کے وقت اس (یعنی دن) میں پھر اٹھا لیتا ہے[سلہ] تاکہ (لیل و نہار کی اسی گردش میں عمر کا) نام رکھا ہوا[سلہ] وقت پورا ہو جائے۔ پھر (حقیقی موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد اعمال کی جزا دینے کیلئے) تمہارے لوٹ کر جانے کی جگہ اسی کی طرف ہے $\frac{23}{16}$۔ پھر وہ تمہیں خبر دیگا جو عمل تم کیا کرتے تھے۔ ۵

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ
وہ غالب ہے ۔ اوپر بندوں اپنوں کے ۔ اور بھیجتا ہے
عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ
اور پر تمہارے محافظ ا ہے ۔ یہاں تک کہ جب آتی ہے ۔ کسی تمہارے پر
الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا
موت ا ۔ فوت کرتے ہیں ۔ اسے بھیجے ہوئے ہمارے ۔ اور وہ ۔ نہیں
يُفَرِّطُوْنَ ○ ٦١
وہ کوتاہی کرتے

وہ (اللہ) اپنے سارے بندوں پر غالب ہے (اُسکے قانونِ موت وحیات کے دائرہ سے کوئی نکل نہیں سکتا) اُس نے تم پر اپنی محافظ قوتیں بھیجی ہوئی ہیں (یعنی بصورتِ قانون تعیین کر رکھی ہیں) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے (اسبابِ موت) اُسے فوت کر دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے کام میں ہرگز کوتاہی نہیں کرتے۔

● ؎۱ نیند میں انسان مرتا نہیں۔ سو یا مرا ایک برابر کے انداز میں اسے مجازی وفات قرار دیا گیا ہے۔
● ؎۲ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ اور ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْهِ سے کھل کر ثابت ہے کہ رات کو فوت کر دینا اور دن کے وقت اُٹھا لینا حقیقی موت نہیں، مجازی وفات و بعثت ہے۔ کیونکہ حقیقی موت کے بعد کی بعثت قیامت کو ہوگی۔
● ؎۳ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی کے الفاظ میں اَجَلٌ مُّسَمًّی سے مراد عمر کا وقفہ ہے جو لیل ونہار کی گردش ہی میں ختم ہو جاتا ہے۔
● ؎۴ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُکُمْ کا معنی یہ ہے کہ پھر تمہارے لوٹ کر جانے کا مقام اللہ ہی کی طرف ہے۔ ان الفاظ میں موت کے بعد کی بعثت کی غرض بتائی گئی ہے کہ پھر تمہیں اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حاضر ہونا ہے۔
● ؎۵ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ تم جو بھی عمل کرتے ہو، خواہ ظاہراً کرتے ہو یا چھپ چھپا کر، اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک عمل کو جانتا ہے اور قیامت کو تمہیں ہر عمل کی خبر دیگا۔ اور خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھے عمل کی تم کو جزا ملیگی اور ہر بُرے عمل کی سزا پاؤ گے۔ پیچھے آیت نمبر ۵۱ کی تفصیل میں صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۲ پر بُرے عملوں کی سزا سے بچنے کیلئے بتا دیا گیا ہے توبہ اور اصلاح۔ یعنی آئندہ کیلئے بُرے اعمال سے صد فیصد کنارہ کشی اختیار کی جائے اور ایسے عمل کئے جائیں جن سے معاشرہ میں اصلاح ہوتی چلی جائے۔
● ؎۶ یہاں یُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَةً کا مفہوم یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے محافظ قانون مقرر کر رکھے ہیں جن کے مطابق حفاظت میسر آتی ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ محافظ تو بھیجتا ہے مگر اُن کی غفلت سے آئے دن تانگوں، بسوں، لاریوں اور ریل گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے حفاظت کے قانون متعین کر رکھے ہیں جن کی خلاف ورزی سے حادثات واقع ہوتے ہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے اور کسی کی آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔
● قرآن مجید میں یُرْسِلُ متعدد مقامات پر قوانینِ جاریہ کے تعین کیلئے آیا ہے۔ مثلاً:-
● یُرْسِلُ الرِّیٰحَ ۴۸/۳۰ کا لفظی معنی ہے وہ ہوائیں بھیجتا ہے۔ مگر اسکا مفہوم یہ ہے کہ اس نے ہواؤں کے چلنے کا قانون متعین کر رکھا ہے۔
● یُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ ۱۳/۱۳ کا لفظی معنی ہے وہ بجلیاں بھیجتا ہے مگر مفہوم یہ ہے کہ اس نے بجلی کا قانون مقرر کر دیا ہے۔ اسی طرح:-

● یُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَۃً کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت کے قوانین متعین کر رکھے ہیں۔ انکی متابعت سے خداوندی حفاظت میسر آتی ہے اور انکی مخالفت سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اُٹھ جاتی ہے۔

● ٹ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہُوئے کارندے اُسے فوت کر دیتے ہیں۔ اِنہی میں سے ہر کارندے کو ملک الموت فرمایا ہے ـــــ اب مشاہدات میں دیکھیے گا کہ وہ خداوندی کارندے کون کونسے ہیں جن میں سے ہر ایک ملک الموت ۳۲/۱۱ ہے۔ آگ، پانی، بجلی، آندھی، بیماری تیز دھار آلہ، پستول یا بندوق کی گولی، ایٹم بم جو ناگاساکی اور ہیروشیما کے ہزارہا انسانوں کو ایک سیکنڈ میں موت کے گھاٹ اتار دے سب الگ الگ خداوندی کارندے اور الگ الگ ملک الموت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہُوئے محافظ بھی اپنا اپنا فرض ساتھ کیساتھ انجام دیتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ آنکھوں کی پلکیں اِنکی حفاظت کیلئے انسان کے ارادے کے بغیر ایک ایک سیکنڈ میں کئی کئی مرتبہ جھپک جاتی ہیں۔ کسی تنگ منڈیر پر چلتے ہُوئے جب ہم دائیں طرف گرنے لگتے ہیں تو بایاں بازو خود بخود اُوپر کو اُٹھ جاتا اور گرنے سے بچا لیتا ہے۔ انسان بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہُوئی محافظ دوائیں حفاظت کرتی ہیں لیکن جب خدائی کارندوں کا حملہ شدید ہو تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ موت کے قانونِ خداوندی سے کوئی فرد بشر بھی مستثنے نہیں۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ + ۲۱/۳۵ + ۲۹/۵۷۔

● ٹ وَھُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ ہارٹ فیل ہونے کی صورت میں یہ خداوندی کارندہ آناً فاناً موت وارد کر دیتا ہے۔ دمہ، ٹی بی وغیرہ کی صورت میں یہ خدائی کارندے حالات کے مطابق وقت لیتے ہیں۔ کسی پتھر کے نیچے آنے یا ریل گاڑیوں کے حادثات میں لاش کے گوشت کی بوٹیاں اُڑ جاتی ہیں۔ وَھُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ وہ حسب حال پورا کام کرتے ہیں نہ کم نہ زیادہ۔

● آیت نمبر ۶۱ زیرِ بحث میں موت کا ذکر لانے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں حضورِ خداوندی میں جوابدہی کیلئے حاضری کی خبر دیگئی ہے:

ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ
پھر لوٹائے جائینگے طرف اللہ کی جو مولا ہے ان کا سچا

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾
خبردار واسطے اُسی کے ہے حکم اور وہ ہے جلد حساب کرنیوالا

پھر انہیں (موت کے بعد بعثت اور بعثت کے بعد مکافاتِ عمل کیلئے) انکے حقیقی مددگار و مشکلکشا کی طرف لوٹایا جائیگا خبردار! حکم اُسی کا ہے اور وُہ (قیامت کو) جلد حساب لینے والا ہے ٹ

● ٹ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ کا ایک معنی یہ بھی بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد ہر کسی کا فوراً حساب لے لیتا ہے۔ مگر یہاں یہ مفہوم ازروئے تصریفِ آیات فِٹ نہیں آتا کیونکہ موت کے بعد ایک مخصوص وقفہ مقرر کیا گیا ہے جیسے یوم الدین، یوم القیامۃ اور یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۱۴/۴۱ کے الفاظ میں جس کی تعریف بتائی گئی ہے کہ اُس دن، اس وقفہ میں حساب قائم ہوگا، اور اُس

دن پہلے پچھلے سب لوگوں کو جمع کرلیا جائیگا۔ سورہ واقعہ میں ارشاد ہوا ہے :۔

● قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ؀ ٥٦ / ٤٩-٥٠ (اے رسولؐ) اعلان فرمادیجئے کہ بیشک اس مقررہ دن (قیامت) میں اوّلین و آخرین، پہلے پچھلے سب جمع کرلئے جائیں گے ——— اب رہا اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ یا سَرِیْعُ الْحِسَابِ کا مفہوم۔ اسکے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ہمنے ہر کسی کا اعمالنامہ اس کے گلے میں باندھ دیا ہے۔ ہر شخص خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ یہاں دنیا میں بھی اپنا اعمالنامہ پڑھ سکتا ہے اور قیامت کو بھی پڑھ لیگا ارشاد ہوا ہے :۔

● وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ؀ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ؀ ١٧ / ١٣-١٤ اور ہمنے ہر انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن میں باندھ دیا ہے۔ اور اُسے ہم قیامت کے دن اُس کے لئے کھلی کتاب کی شکل میں سامنے پیش کردینگے اور ہر کسی کو کہا جائیگا کہ اپنا اعمالنامہ پڑھ لے، آج کے دن تیرے حساب کیلئے تیرا اعمالنامہ ہی کافی ہے۔ ہر شخص کا حساب پہلے ہی سے بنا بنایا ہر وقت تیار ہے اور ایسا مکمل کہ سب لوگ اسکے متعلق کہینگے :۔

● وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ؀ ١٨ / ٤٩ اور کہینگے۔ ہم پر افسوس ہے۔ یہ کیسی کتاب ہے کہ اس نے نہ ہمارا کوئی چھوٹا عمل چھوڑا ہے نہ بڑا مگر اس نے سب کو محفوظ کرلیا ہے۔ اور انہوں نے جو بھی عمل کیا ہے (چھوٹا بڑا) سب کو اُس میں موجود پائینگے۔ اور تیرا پروردگار کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کریگا (سب کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائیگا)۔

● پس ہر شخص کا حساب اُسکے اعمالنامہ میں تیار موجود ہوگا۔ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ہر کسی کا حساب ساتھ کے ساتھ سب کے اعمالناموں میں محفوظ کرتا چلا جاتا اور موازنہ بھی کرتا چلا جارہا ہے۔ پس اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ اور سَرِیْعُ الْحِسَابِ کے الفاظ سے یہ تصور پیدا کرنا غلط ہے کہ جو مرگیا اُس کی قیامت آگئی۔ قیامت کا دن حق ہے جب سب کے سب مُردوں کو زندہ کرکے سب کو پوری پوری جزا اور پوری پوری سزا دی جائیگی۔

جملہ مصائب سے نجات دہندہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم ہوا ہے کہ ان غیر اللہ سے مدد مانگنے والوں سے پوچھئے کہ جب تم خشکی یا سمندر کے اندھیروں کے مصائب میں گرفتار ہوجاتے ہو تو کون ہے جو تمہیں ان سے نجات دیتا ہے۔ تم ایسے وقت پر صرف اُسی کو تو پکارتے ہو۔

قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ

کہہ کون نجات دیتا ہے تمہیں سے اندھیروں خشکی کے اور

(اے رسولؐ) ان سے پوچھئے کہ کون ہے جسے تم عاجزی کیساتھ اور خفیہ طور پر پکارتے ہو اور وہ تمہیں خشکی اور پانیوں کے

تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

اندھیروں میں (مصائب و مشکلات سے) نجات دیتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں ان مصائب سے نجات دی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بن جائیں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

(آپ ہی) فرمادیجئے گا کہ تمہیں اللہ ہی اُن مصائب سے بھی اور ہر مشکل سے بھی نجات دیتا ہے۔ پھر بھی تم اُس کے ساتھ اَوروں کو شریک کرتے ہو (کسقدر ناشکرے ہو تم)۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ بھی اللہ کا قانون ہے کہ تمہاری نافرمانیوں کی بدولت تم پر اُوپر سے، نیچے سے اور تمہاری آپس کی پھوٹ کے ذریعہ عذاب آجاتا ہے۔ ذاتی منفعت کوشیاں ہی باہمی پھوٹ کو جنم دیتی ہیں جو عذاب بن کر چھا جاتی ہیں:-

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

(اے رسول!) فرمادیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے قانون بنانیوالا ہے (اُس نے ایسے قانون بنا رکھے ہیں) کہ وہ تم پر تمہارے اُوپر سے عذاب لے آئے (اگر تمہارے اُوپر والے صاحب اقتدار نافرض شناس ہو جائیں) اور تمہارے پیروں تلے سے عذاب لے آئے (اگر تمہارے عوام قانون شکن ہو جائیں) یا تمہیں فرقوں میں بانٹ دے (اگر تمہارے اندر انتشار پیدا ہو جائے) اور اس طرح تمہارے بعض آپس میں ایکدوسرے سے عذاب چکھا کریں۔ (اے مخاطب!) غور کر ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ آیتوں پر آیتوں کی سند لاکر (قرآن مجید میں) تفقہ کیا کریں۔

● اِس آیت مجیدہ میں عذاب کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کردیگئی ہے جو آیتِ ذیل کے مطابق انسان کا خود اپنا ہی لایا ہُوا ہوتا ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ۴۲/۳۰ اور تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہُوئی ہوتی ہے۔ حُکام کا نافرض شناس ہونا بھی عذاب ہے اور عوام کا قانون شکن ہو جانا بھی عذاب ہے اور باہمی انتشار خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی یہ بھی عذاب ہی کی ایک قسم ہے۔ اِن عذابوں کی خبر دینے کے بعد آیت مجیدہ کے آخر میں ارشاد ہُوا ہے

ہے کہ ہمنے اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لانے کا اعلیٰ ترین اسلوبِ بیان اسلئے اختیار کر رکھا ہے کہ لوگ تصریفِ آیات کے ذریعہ تفقہ کیا کریں۔ یعنی مسائل کا انحصار قرآنی فقہ پر رکھا جائے۔

روائتی تفسیر ● آئتِ بالا کا مفہوم جو قوموں کے عروج و زوال سے متعلق ہے وہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے لیکن اگر لفظی معنے بھی لئے جائیں اوپر سے عذاب اولوں اور بجلی کے علاوہ بموں اور میزائیلوں کا بھی ہو سکتا ہے اور پیروں کے نیچے سے زمین کے پھٹ جانے اور بارودی سرنگوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور پارٹی بازی خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی قسم کی فرقہ بندی ہو ایسا عذاب ہے جو ترقی کی راہ میں سدِ سکندری بن جاتا ہے۔ لیکن آئتِ بالا کی روائتی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ بخاری شریف جلد دوم شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۷۸۱ پر اس طرح درج ہے کہ :۔ ابو النعمان حماد بن زید، عمرو بن دینار حضرت جابر بن عبداللہ سے روائت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت یہ آئت قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ .... الخ یعنی میں پناہ لیتا ہوں تیری ذات کی۔ یعنی اس عذاب کی بابت آپنے معافی چاہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ۔ آپنے اس سے بھی پناہ مانگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا .... الخ تو آپنے فرمایا "ہاں یہ اس سے آسان ہے کہ ان پر (یعنی میری اُمت پر) مسلط کر دیا جائے ـــ گویا اس روائت کی رو سے اُمت میں فرقہ بندی کو خود آنحضورؐ نے پسند فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے :۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۶/۱۵۹ بیشک جو لوگ اپنے دین میں تفریق پیدا کریں اور فرقہ فرقہ ہو جائیں (اے رسولؐ!) اُن کیساتھ آپکا کوئی تعلق نہیں ـــ اس سے اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کی قوم میں سے آپکے مخالفین کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اسی قسم کے لوگ تھے :۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ اور جھٹلایا کو اسے قوم تیری نے حالانکہ وہ حق ہے	اور (اے رسولؐ!) آپکی قوم کے (منکرین وحدتِ ربوبیت) نے اس (قرآن) کو جھٹلایا۔ حالانکہ وہ سچی کتاب ہے۔ آپ فرما دیجئے گا کہ میں تم پر کوئی داروغہ نہیں (میرا کام اللہ کا پیغام پہنچانا ہے ۵/۶۷ زبردستی منوانا نہیں)۔
قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ ۶۶ کہہ نہیں ہوں میں اوپر تمہارے داروغہ	
لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ واسطے ہر خبر کے ایک مقام ہے (وقت ہے) اور ضرور	ہر خبر (جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے) اُسکے لئے ایک مقام (اور وقت) ہے اور (تم عذاب کیلئے جلدی کرتے ہو) تم جلدی جان لو گے (حقیقت یہ ہے کہ عذاب تب آتا ہے جب کسی قوم کے جرائم کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتب ہو جاتی ہے)۔
تَعْلَمُوْنَ ۝ ۶۷ تم جان لو گے	

● قرآنِ کریم میں سابقہ نافرمان اقوام کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ آمدِ عذاب کیلئے جلدی کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ

اپنے مستقل قانون کے مطابق اتمامِ حجت کیلئے پوری مہلت دیتا رہا اور جب پوری مہلت کے بعد اتمامِ حجت ہو جاتی تو پھر عذاب آتا تھا۔ یہی حال آنحضورؐ کی قوم کا تھا۔ کہ عذاب کیلئے جلدی کرتے تھے۔ مگر واضح کر دیا گیا ہے کہ عذاب قانونِ خداوندی کے تقاضے پورے ہو جانے کے بعد آتا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک کرنیوالوں سے اعراض کرو

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفین آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک کیا کرتے تھے۔ اسلئے آنحضورؐ کو اُن سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے:۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيٰتِنَا
اور جب دیکھے تو انہیں جو عیب نکالیں بیچ آیتوں ہماری

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ
پس تو اعراض کر اُن سے حتیٰ کہ کلام کریں بیچ بات سوا اس کے

وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى
اور اگر بھلادے آپکو یادداشت تو نہ بیٹھنا پیچھے یاد آجانے کے

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ○ ۶۸
ساتھ قوم ظالموں کے

اور (اے رسولؐ!) جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں عیب نکالنے کیلئے بحث کرتے ہیں تو آپ اُن سے اعراض کر جائیں (اُن سے چلے جائیں) حتیٰ کہ وہ (ہماری آیتوں) کے سوا کسی اور بات پر بحث کرنے لگیں۔
اور اگر آپکو نسیانؑ بھلادے تو یاد آجانے کے بعد آپ (ہماری آیتوں کی تضحیک کرنیوالے) ظالموں کے پاس نہ بیٹھیئے گا۔

● ؏ یہاں اَلشَّیْطٰن کا معنیٰ ہے نسیان (یعنی کسی بات کا کسی وقت یاد نہ رہنا) —— آیاتِ قرآنیہ میں عیب جوئی کرنیوالوں کے پاس نہ بیٹھنے کا یہی حکم ۴/۱۴۰ میں مومنوں کے نام گزر چکا ہے کہ جو لوگ ہماری آیتوں سے استہزا کر رہے ہوں اُنکے پاس مت بیٹھو۔ اگر تم بیٹھو گے تو تم بھی انہی ستہزا کرنیوالوں میں شمار کئے جاؤ گے۔ آیتِ مجیدہ معہ تفصیل تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں —— سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اُن سے الگ ہو جانیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ
اور نہیں اوپر ان کے جو بچ جائیں بیں سے حساب ان کے

مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ ۶۹
سے کوئی چیز اور لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ بچ جائیں

اور (اُوپر) اُن لوگوں کے جو (تضحیک کرنیوالوں سے) بچ جائیں (اعراض کر جائیں) اُن پر (عذاب میں سے) کچھ بھی نہیں اور لیکن نصیحت (کر دینی) ہے تاکہ وہ (آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب و تضحیک کرنیوالوں سے) بچے رہیں۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں دین کو کھیل تماشا بنانیوالوں کو نصیحت کرنے اور انہیں انکے حال پر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے:۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ
اور چھوڑ دے انکو کہ پکڑا انہوں نے دین اپنا کھیل اور
لَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ
تماشا اور دھوکا دیا انہیں زندگی نے اور نصیحت کر ساتھ اسکے
اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا
ایسا نہ ہو کہ سزا پائے کوئی جان ساتھ اسکے جو کمایا اس نے نہیں واسطے اسکے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ
سوائے اللہ کے کوئی مددگار اور نہ کوئی شفیع اور اگر دے فدیہ دے
كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا
تمام فدیہ نہ لیا جائیگا اس سے وہی ہیں کہ سزا پائیں گے
بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ
ساتھ اسکے جو کمایا واسطے انکے پینا ہیں سے گرم اور سزا ہے دردناک بوجہ
بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۷۰
اسکے جو تھے وہ انکار کرتے

ع ۱۴

اور (اے رسول!) ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنہوں نے (اپنے اختیار کردہ) دین کو کھیل تماشا قرار دے رکھا ہے (یعنی ان کے ہاں کوئی قانون نہیں) حقیقت یہ ہے کہ انہیں دنیا کی (مفاد پرستانہ) زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ لیکن آپ انہیں نصیحت کرتے رہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے کئے کی بدولت سزا پا جائے (نصیحت کرنا آپکا فریضہ ہے ۵/۹۶ نصیحت حاصل کرنا لوگوں کا اپنا کام ہے۔ جو لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے) انکے لئے نہ کوئی مددگار اور نہ کوئی شفیع شفاعت کرنیوالا ہے* اور اگر (کوئی نافرمان شخص اپنی نافرمانیوں کے عوض) ہر قسم کا فدیہ دیگا تو اس سے نہیں لیا جائیگا۔ مذکورہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے کئے کی سزا پائیں گے انکے لئے اسکی بدولت جو وہ آیات اللہ کا انکار کرتے تھے گرم مشروبات اور دردناک عذاب ہوگا۔

* شفیع کی بحث پیچھے صفحہ ۱۷۲ پر گزر چکی ہے۔

● ۱،۲ واؤ کا معنی حقیقت یہ ہے نیز بمعنی لیکن اور کیونکہ ۴/۱۰۸ میں آیا ہے:۔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۴/۱۰۸ وہ لوگوں سے تو چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔ کیونکہ وہ اسوقت بھی انکے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کے وقت چھپ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں گھیرے ہوئے ہے۔

● ۳ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ سے مراد پینے کا گرم پانی۔ سورہ دخان میں آیا ہے:۔ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۴۴/۴۳ تا ۴۶ گنہگاروں کا کھانا تھوہر کا کڑوا درخت ہوگا۔ پگھلے ہوئے تانبے کی مانند گرم وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹوں میں کھولیگا۔ دیکھئے کَالْمُهْلِ اور كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ کے الفاظ میں دو مرتبہ کاف تشبیہ آیا ہے۔ حرف تشبیہ مشابہت کیلئے آتا ہے حقیقت کیلئے نہیں آتا۔ پس ان الفاظ سے مجرموں کا کھانا نہ پگھلا ہوا تانبہ ثابت ہوتا ہے نہ کھولتا ہوا پانی۔ بلکہ انکی ذہنی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے کہ انکا کھانا گویا کہ تھوہر کی طرح کڑوا اور پگھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم ہوگا۔ عام قاعدہ ہے کہ ذہنی کوفت جس قدر شدید ہوتی ہے، کھانے پینے کی چیزیں اسی قدر بدمزہ اور بدذائقہ ہو جاتی ہیں۔ پھر گنہگاروں کو ایسے مقامات پر رکھا جائیگا جہاں تھوہر کے سوا کچھ پیدا

نہ ہوگا اور گرم آب و ہوا کی بدولت پانی گرم ہی میسر آئیگا۔

● آیت بالا ۷۰ میں گرم پانی کی جو سزا مقرر کیگئی ہے اگلی **کڑوا کھانا اور گرم پانی سزا ہے غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنے کی** آیت میں اس جرم کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا
کہ کیا ہم بلاویں سے سوائے اللہ کے جو نہیں نفع دیتے ہیں

وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ
اور نہیں ضرر دیتے ہمیں اور ہم لوٹ جائیں یا دُہر ایڑیوں اپنی پیچھے، جب

هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ
ہدایت دی ہمیں اللہ نے مانند اسکے خواہشوں پیچھے لگایا اُسے گمراہوں نے

فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى
بیچ زمین کے حیران، واسطے اسکے ساتھی ہیں بلاتے اُسے طرف

الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۗ
ہدایت آ طرف ہماری۔ کہہ بیشک ہدایت اللہ کی وہی ہدایت ہے

وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ۷۱
اور حکم دیئے گئے ہیں ہم کہ ہم فرمانبردار ہوجائیں واسطے رب جہانوں کے

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۗ وَ
اور یہ کہ قائم کرو اجتماعی نظام اور بچ جاؤ اس سے اور

هُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ۷۲
وہی ہے جو طرف اسکے تم اکٹھے کئے جاؤ گے

(اے رسول ﷺ!) فرما دیجئگا۔ کیا ہم (یعنی میرے صحابہؓ) اللہ کے سوا اُس سے دعا کریں (اس سے مدد مرادیں مانگیں) جو نہ ہمیں نفع دے سکتا ہے اور نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یعنی اس کے بعد کہ اللہ نے ہماری رہنمائی کردی ہے اُس شخص کی طرح باطل مذہب پر لوٹ جائیں جس سے غلط رہنمائی کرنیوالوں سرکشوں نے خواہشات کی پیروی کرائی ہے

زمین میں حیران کردیا ہے۔ اُس کے لئے اُس کے ساتھی ہیں جو اُسے یہ کہہ کر ہدایت کی طرف بلاتے ہیں کہ ہماری طرف آجا۔ (اے رسول ﷺ) فرما دیجئے گا کہ بیشک اصل ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں محفوظ ہے) اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے فرمانبردار ہوجائیں (یعنی نظامِ ربوبیت قائم کریں) ع۱

اور (ایمان والو!) اجتماعی نظام قائم کرو ع۲ اور اُس (اللہ کی مخالفت) سے بچ جاؤ۔ اور وہی ہے جس کی طرف (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جاؤ گے۔

● ع۱ لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا معنیٰ قرآن کریم کے درسِ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق، جس کا ہم سے وعدہ لیا گیا ہے کہ ہم ربُّ العٰلمین کے فرمانبردار ہو جائیں، یعنی نظامِ ربوبیت قائم کریں، ربُّ العٰلمین کی فرمانبرداری کا عملی ثبوت پیش کرکے اسکی مخالفت سے بچ جائیں۔

● ع۲ لفظ صلوٰۃ کا سہ حرفی مادہ ص۔ل۔و = صلو ہے جس کا مصدری معنیٰ ہے پیچھے آنا، جس سے اجتماعی نظام قائم ہوتا ہے۔ اِس مادہ کا معنیٰ قرآن کریم میں فرمانبرداری کرنا مذکور ہے۔ جیسے کہ سورہ قیامت میں صلوٰۃ کو نافرمانی کی ضد بتایا

گیا ہے:۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۙ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۙ ۷۵/۳۱-۳۲ اُس نے نہ تصدیق اور نہ فرمانبرداری کی اور لیکن تکذیب کی اور نافرمانی کی۔ یہاں صلّٰی کی ضد تولّٰی لائی گئی ہے، جس سے کھل کر ثابت ہوا کیونکہ تولّٰی کا مصدری معنی نافرمانی کرنا ہے اسلئے صلّٰی کا مصدری معنی نافرمانی نہ کرنا ہے۔ تو اس طرح جب سب لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو کر اس کے قانون کے پیچھے چلینگے تو ایک اجتماعی نظام قائم ہو جائیگا جس میں بجملہ افرادِ معاشرہ جسدِ واحد کے اعضا کی صورت میں ہونگے کہ جب جسم کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیقرار ہو جاتا ہے۔ ایسے اجتماعی نظام کیلئے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا تکراری حکم بار بار دیا گیا ہے۔ صلٰوۃِ موقّت اسی اجتماعی نظام کے نمونہ کی شکل ہے کہ صلٰوۃ کے ہر اجتماع میں اجتماعی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

● وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ میں آنحضور ﷺ اور آپکے صحابہ کرام کا اعلان ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العلمین کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور اسکے بعد متصلاً حکم وارد ہوا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کہ اجتماعی نظام قائم کرو۔ اس سے ثابت ہے کہ اجتماعی نظامِ ربوبیت قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جسکی ابتدا صلٰوۃِ موقّت (نماز) کے اجتماعات ہیں۔

● واضح رہے کہ صلٰوۃ کا اجتماعی نظام ہی دنیوی عذاب کا بھی واحد حل ہے اور اخروی عذاب کا بھی۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنیوالے کی خبر دینے کے بعد قیامت کی عدالتِ عالیہ کی یاد دہانی کرا دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو

بِالْحَقِّ ۗ وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ○ ۷۳

ساتھ حق کے اور قیامت کے دن کہیگا ہو جا پھر وہ ہو جائیگا

اور وہ (اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا فرمایا ہے۔ اور وہ (قیامت کے) دن کہے گا برپا ہو جا وہ برپا ہو جائیگا۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ ۗ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی

بات اسکی سچی ہے واسطے اسی کے حکومت ہے جس دن پھونکا جائیگا بیچ

الصُّوْرِ ۗ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۗ وَهُوَ الْحَكِیْمُ

صور کے جاننے والا پوشیدہ کا اور موجود کا اور وہ ہے بڑا حکمت والا

الْخَبِیْرُ ○ ۷۴

بڑا خبر والا

اُسکا قول سچا ہے (روزِ مکافات ضرور آنیوالا ہے) جس دن مکافاتِ عمل کیلئے (کن کا) صور پھونکا جائے گا۔ (اس دن انسان سے حکومت چھن جائیگی۔ اس دن یہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہوگا) اُسدن حکومت اکیلے اللہ کی ہوگی۔ (اس کے لئے اتنی بڑی عدالت کچھ مشکل نہیں کیونکہ) وہ ساری مخلوق کے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جاننے والا ہے کہ صاحبِ حکمت و صاحبِ خبر ہے۔

کن فیکون اور نفخِ صور

● آیاتِ بالا میں تخلیقِ ارض و سماوات کی خبر کے بعد آیا ہے یَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ اور اسکے بعد آیا ہے یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ۔ واضح رہے کہ یہاں كُنْ فَیَكُوْنُ کا بدل آیا

ہے نفخِ صُورِ، کیونکہ دونوں کیساتھ یَوْمِ قیامت کا لایا گیا ہے۔ اِس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے پہلے کُن فَیَکُوْن کے ارشادِ خداوندی
کی حقیقت کا جاننا ضروری ہے۔

● سُورہ بقرہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۲/۱۱۷
وہ آسمانوں اور زمین کو ازسرِنو بنانیوالا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں کہ وہ بزبانِ قانون کہتا ہے
ہوجا تو وہ اُسکے اپنے متعیّن کردہ قوانین کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہوتا ہے۔

۲● سورہ آلِ عمران میں آیا ہے:۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۳/۴۷ وہ پیدا کرتا ہے اپنے
قانونِ مشیت کے مطابق پیدا کرتا ہے۔ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں کہ اُسے اپنے قانون کی زبان سے کہتا ہے
ہوجا تو وہ اُسکے متعیّن کردہ قوانین کی منزلیں طے کرکے ہوجاتا ہے۔

۳● سورہ نحل میں ارشاد ہُوا ہے:۔ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۱۶/۴۰ سوائے اسکے نہیں
کہ کسی چیز کیلئے ہمارا قول یہ ہے کہ جب ہم اُسکا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اُسے اپنے قانون کی زبان میں کہتے ہیں، ہوجا تو وہ
ہمارے قانون کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہوجاتا ہے۔

۴● سُورہ یٰسین میں بتایا گیا ہے:۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۳۶/۸۲ سوائے اُس کے نہیں
کہ اُس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے بزبانِ قانون کہتا ہے ہوجا تو وہ اس کے قانون کی منزلیں
طے کرکے انجام پذیر ہوجاتا ہے۔

۵● سُورہ مومن میں ارشاد ہُوا ہے:۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا
ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ
هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۴۰/۶۷-۶۸ وہ اللہ وہ عظیم الشان ذات
ہے کہ جس نے اے نوعِ انسانی تمہیں ابتداءً مٹی میں سے پیدا کیا۔ پھر افزائشِ نسل نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے
ٹھہرائی۔ پھر تمہیں بچے کی صورت میں رحمِ مادر سے نکالتا ہے تاکہ تم جوانی کو پہنچو۔ پھر تاکہ تم بوڑھے ہوجاؤ۔ اور تم
میں بعض ایسے ہیں جو (کسی قسم کے حادثے کے ہاتھوں جوانی اور بڑھاپے سے) پہلے فوت کردئیے جاتے ہیں۔ اور
تاکہ تم نام رکھی ہوئی میعادِ (موت) کو پہنچو اور تاکہ تم عقل سے کام لو (کہ کیوں کوئی تو جوانی اور بڑھاپے سے پہلے
مرجاتا ہے) وہ اللہ ہی زندگی دیتا اور موت دیتا ہے۔ پھر جب وہ (زندگی یا موت میں سے کسی) کام کا فیصلہ کرتا
ہے تو (اپنے قانون کی زبان سے) کہتا ہے ہوجا۔ تو وہ اس کے قانون کی منزلیں طے کرکے (ہوجاتا ہے۔

● اللہ تعالیٰ کا نہ جسم ہے نہ زبان ہے کہ اُسکا قول باآواز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی وحی انبیاءِ کرام علیہم السلام کے قلوب

پر نہیں بلکہ انکے اذہان پر بے آواز نازل ہوتی تھی۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۲/۹۷
پس بیشک وہ جبریل اُسے (قرآن کو) اللہ کے قانون کے مطابق آپکے پاکیزہ ذہن پر نازل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زبان بے زبانی، اور بے زبان زمین و آسمان کے کلام کی مثال سورہ سجدہ میں بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو بنانے کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوا:۔

● ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ٥
۴۱/۱۱ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا وہ اُس وقت دھواں ہی دھواں تھا۔ پھر اس نے انہیں (آسمانوں) اور زمین کو (اپنے قانون کی زبان سے) کہا آجاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ اُن دونوں نے (بزبانِ حال) کہا کہ ہم دونوں خوشی کیساتھ آگئے ہیں۔

● آیت بالا میں قول بزبانِ قانون اور قول بزبانِ حال کی وضاحت کے بعد اب آیئے کُن فیکون کی طرف۔ اسکے متعلق یہ عوامی تصور از روئے قرآنِ کریم غلط ہے کہ اِدھر اللہ تعالیٰ نے کُن کہا اور اُدھر کام ہو گیا۔ کیونکہ فیکون کی فا میں وقفہ محذوف ہے جو اُس کام کے انجام ہونے کے قوانینِ خداوندی کے مطابق لازم ہے۔ جیسے کہ عربی محاورہ ہے، نَكَحَ زَیْدٌ فَلَهٗ وَلَدٌ۔ یہاں فَلَهٗ کی فا میں وقفۂ حمل محذوف ہے اور اس جملے کا معنیٰ یہ ہے کہ زید نے نکاح کیا پھر اسکے ہاں (مدتِ حمل پورا ہونے کے بعد) بیٹا پیدا ہوا۔

● اب غور فرمائیں کہ فیصلۂ خداوندی کے مطابق کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے کہتا ہے ہو جا پھر وہ ہو جاتا ہے۔ اِس طرح جب اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں کہا کُن۔ اس پر فیکون کی فا کا وقفہ چھ ہزار سال بتایا گیا ہے۔ سورہ سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۳۲/۴ اللہ تعالیٰ وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں میں موجود ہے چھ دنوں میں پیدا کیا —— اِس پر غور فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین اور ان کی جملہ موجودات کیلئے فیکون کی فا کی مدت بتائی گئی ہے چھ دن۔ مگر اللہ تعالیٰ کے دن کی بھی مدت ملاحظہ فرمائیں۔ اِسی سورہ سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ
۳۲/۵ وہ اللہ تدبیر کرتا ہے کام کی آسمان سے زمین کی طرف، پھر وہ اُسکی طرف چڑھتا ہے (یعنی مکمل ہوتا ہے) ایک دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جو تم شمار کرتے ہو۔

● ثم یعرج الیہ ...... الخ کا مفہوم یہ ہے کہ جس کام کی اللہ تعالیٰ تدبیر کرتا ہے وہ اُسکے متعین کردہ قوانین کی منزل طے کر کے مکمل ہوتا ہے ایک دن میں جسکی مقدار ایک ہزار سال ہے —— یہاں تک اِس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ

تعالیٰ کے سب کام کُن فیکون کے ماتحت ہو رہے ہیں۔ ہر کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے قانون مقرر کر دیئے ہیں۔ سب کام عین اُن کے مطابق سرانجام ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ زندگی اور موت تک کا کوئی مرحلہ ذاتِ باری کے خود متعین کردہ قوانین کے خلاف نہیں ہو سکتا بالفاظِ دیگر آیتِ مجیدہ کُن فیکون میں خدا تعالیٰ نے اپنے متعینہ قوانین کی محکمیت کا اعلان کر دیا ہے۔

نفخ صور

● اب آئیے نفخِ صور کی طرف! اور عرض کیا جا چکا ہے کہ آیتِ مجیدہ زیرِ بحث ۶/۷۴ میں یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ بدل ہے یَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ کا۔ بالفاظِ دیگر قیامت کُن فیکون کی عملی صورت بتائی گئی ہے نفخِ صور گویا اللہ تعالیٰ فرمائیگا کُن اور قیامت برپا ہو جائیگی۔ اسی کُن کیلئے متبادل تفسیری الفاظ لائے گئے ہیں یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ جس دن صُور میں پھونک ماری جائیگی تو قیامت برپا ہو جائیگی۔ واضح رہے کہ پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں قیامت کے دو نفخِ صور بتائے گئے ہیں۔ پہلا وہ جس میں زمین کے اُوپر کی ہر چیز ختم کر دی جائیگی اور دُوسرا وہ جس کے ساتھ صرف نوعِ انسانی کے جملہ افراد کو زندہ کر کے عملوں کی جزا سزا کے لئے اپنے حضور میں حاضر کر لیا جائیگا:۔

نفخ اوّل

● نفخِ اوّل کا کیا نتیجہ ہوگا؟ اُسکے لئے ذیل کے متعدد الفاظ وارد ہوئے ہیں:۔

● **اَلزَّلْزَلَۃُ**۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ ۲۲/۱ اے نوعِ انسانی! اپنے نشوونما دینے والے کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ بلاشبہ زلزلۂ قیامت بہت بڑی چیز ہے۔ بالفاظِ دیگر قیامت کے نفخِ اوّل کا نتیجہ بہت بڑا زلزلہ ہوگا۔

● **اَلْقَارِعَۃُ**۔ اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ ۱۰۱/۱۔۲ کھٹکھٹانیوالی۔ کیا ہے وُہ کھٹکھٹانیوالی۔ اِن الفاظِ قرآنیہ سے ثابت ہُوا کہ نفخِ اوّل سے جو عظیم زلزلہ آئیگا، اُسکی بدولت زمین بھر کی ہر چیز کھٹکھٹانے لگ جائیگی۔

● **اَلصَّاخَّۃُ**۔ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ۝ ۸۰/۳۳تا۳۶ پھر جب بہرہ کر دینے والی آئیگی۔ اُس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگ جائیگا، اپنی ماں سے اور باپ سے، اپنی بیوی اور بیٹے سے بھاگ جائیگا۔ اس آیتِ مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ نفخِ صورِ اوّل سے عظیم زلزلہ کیساتھ مہیب آواز بھی پیدا ہوگی جس سے کان بہرے ہو جائینگے۔

● **اَلْوَاقِعَۃُ**۔ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ ۵۶/۱تا۵ جب واقعہ ہونیوالی واقعہ ہو جائیگی۔ اُسکے واقعہ ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ جب زمین شدید حرکت کیساتھ ہلا دی جائیگی اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

● **اَلسَّاعَۃُ**۔ یَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ

اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۷/۱۸۷ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں اَلسَّاعَۃ (قیامت کے نفخ اوّل) کے متعلق کہ اُس کا واقعہ ہونا کب ہوگا۔ آپ کہہ دیجیئگا سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ نہیں ظاہر کریگا اسے اُسکے وقت پر مگر صرف وہی ظاہر کریگا۔ وہ ساعت آسمانوں اور زمین میں بہت بھاری ہے، وہ نہیں آئیگی تمہارے پاس مگر اچانک لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے کہ آپ اُس میں بخل کرنیوالے ہیں۔ کہہ دیجیئگا، سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ اسکا علم اللہ کے پاس ہے اور لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے۔

● اَلصَّاعِقَۃ۔ سُورہ زمر میں ارشاد ہوا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ ۳۹/۶۸ اور صُور میں پھونک ماری جائیگی پھر ہر جاندار جو زمین میں ہے اور جو آسمانوں میں ہے سب بے ہوش ہو کر مرجائینگے سوائے اُسکے جو اللہ کے قانون مشیت میں مستثنےٰ ہو۔ (اس اِلَّا کو استثنےٰ بالمشیت کہتے ہیں جو ماقبل مذکور کی تاکید کیلئے آتا ہے یعنی یقیناً سب مرجائیں گے) اور پھر صُور میں دوسری پھونک ماری جائے گی تو اُس وقت زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے۔ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

● یہاں تک آپنے نفخ اوّل کے متعلق جان لیا ہے کہ اُس سے ایک عظیم زلزلہ برپا ہوگا ۲۲/۱ اور ہر چیز ٹھکانے لگیگی ۱۰۱/۱ ساتھ ہی اتنی زور کی آواز پیدا ہوگی کہ لوگ بہرے ہو کر ۸۰/۳۴ مرجائینگے ۳۹/۶۸ زمین شدت کیساتھ ہلائی جائیگی ۹۹/۱ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائینگے ۵۶/۵ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۵۵/۲۶ اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ ۲۸/۸۸ میں فانٍ اور ھالِکٌ دونوں اسم فاعل ہیں، جن سے ثابت ہے کہ کائنات میں ہر آن ہلاکت وفنا یعنی توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے جسکی تصدیق سائنس کر چکی ہے۔

سائنسدانوں کے سوال کا جواب ● یہاں پہنچ کر سائنسدان سوال کر سکتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا کُن اُسکے متعینہ قوانین کے مطابق انجام پذیر ہوتا ہے تو بتایا جائے کہ نفخ صُور کی عملی شکل کیا ہوگی اور کن قوانینِ خداوندی کے مطابق الزلزلۃ، القارعۃ اور الصّاخۃ وغیرہ بروئے عمل آسکیں گی۔ اس اہم سوال کا جواب عالمی مشاہدات کے مطابق لفظ زلزلہ کے اندر موجود ہے۔ زلزلہ قیامت کو اللہ تعالیٰ نے عظیم زلزلہ بتایا ہے۔ مگر عام زلزلے تو ابتداءِ آفرینش ہی سے آرہے ہیں۔

● زلزلے کیوں آتے ہیں؟ اس کیوں کا جواب خود سائنسدان حضرات کے ہاں مسلّمہ ہے کہ زمین کے بطن میں ہر آن عظیم لاوا کھول رہا ہے جو ہر وقت باہر نکلنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ بعض دفعہ یہی لاوا کسی چٹان کی چوٹی کو پھاڑ کر باہر نکل آتا ہے اس طرح زمین سے شکمی لاوے کا یہ عمل ایک طرف تو اپنے دائرۂ عمل تک زمین میں زلزلہ پیدا کرتا ہے اور دُوسرے یہ کہ چٹان کے جس مقام پہ سُوراخ کر کے زور سے نکلتا ہے وہاں زوردار آواز بھی پیدا کرتا ہے۔ بعض دفعہ آواز کی شدت سے

وہاں کے لوگ بہرے ہو جاتے ہیں ۔ اور تیسرے یہ کہ وہی لاوا جب ٹھنڈا ہوتا ہے تو سائنسدان حضرات یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں کہ زمین کے اندر کون کونسے عناصر موجود ہیں جن کے آمیزے سے زمین کے بطن میں ہر آن لاوا کھولتا رہتا ہے ۔

● یہ تو ہوا زلزلہ کی آمد کا ایک سبب کہ لاوا کسی مقام پر زور کیساتھ باہر آ کر زلزلے کا موجب بنتا ہے ۔ اور زلزلے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی وقت زمین کے شکمی لاوے میں کسی مقام پر آتش گیر عناصر کے ذخیروں کا اتصال ہوتا ہے اور زمین کے اندر ایک عظیم دھماکہ پیدا ہوتا ہے ۔ جس کی بدولت زمین کے اس حصے میں مذکورہ دھماکے کی شدت کے مطابق بڑا یا چھوٹا زلزلہ آتا ہے ، اگر وہ زمینی لاوے کا شکمی دھماکہ بڑی مقدار کا ہو تو بستیوں کی بستیاں غرق کر دیتا ہے ۔ بھارت میں کانگڑہ اور پاکستان میں کوئٹہ کی تباہی زمین کے شکمی دھماکے کا زندہ ثبوت ہے

● پس اگر معمولی سا غور بھی کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر عیاں ہو جاتی ہے کہ ہماری زمین اور جملہ کرۂ ہائے سماوی کے شکموں میں ہر آن لاوا کھول رہا ہے جو کروں کے ہر مقام پر ہر آن باہر نکلنے کی کوشش میں معروف ہے ۔ نفخ اوّل کے وقت اس اندرونی لاوے میں اندرونی آتشگیر ذخیرے جو الگ الگ محوِ عمل ہیں ، اُن کے باہمی اتصال کی بدولت (جو اس قانون کے مطابق عمل میں آئیگا کہ وہ ذخیرے ہر آن باہر نکلنے کی کوشش میں ہیں) بہت عظیم دھماکوں کا موجب ہونگے ۔ لاوا جگہ جگہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں کو پھاڑ کر باہر نکل آئیگا ۔ جس کی بدولت ہزاروں لاکھوں زلزلے بیک وقت پیدا ہوں گے ، سارے کے سارے کرّے بیک وقت شدید حرکت کیساتھ کھٹکھٹانے لگینگے اور پوری کائنات میں القارعہ کی حالت پیدا کر دینگے ۔

● اور اسکے ساتھ ہی لاوے کے زوردار اخراج کی بدولت اَلصَّاخَّۃُ کی عملی صورت پیدا ہوگی ۔ اتنی زور کی عالمگیر آواز جو کانوں کو بہرہ کر دیگی ۔ پہاڑوں کی چٹانوں میں شدید دھماکوں کی بدولت چھوٹے بڑے سب پہاڑ اُڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا کی عملی شکل پیدا ہو جائیگی ۔ اِسی عین قانونی عمل کو قرآن کریم میں اس کے وقوع کو شک وشبہ سے پاک کرنے کیلئے ارشاد ہوا ہے لَیْسَ لِوَقْعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۔

● اور یہی وہ زلزلۂ عظیم ہے جسے صاعقہ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے ۔ ۔ وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ۳۹/۶۸ اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں سب جاندار مر جائیں گے ۔ بالکل ایسا ہی ہوگا ۔ تیرے پروردگار کی مشیت یہی ہے ۔ اس آیت مجیدہ میں آمدہ الفاظ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ زلزلہ ، قارعہ ، صاعقہ اور صیحہ کی مصدری عملی حالت قیامت کو صرف زمین ہی میں نہیں ہوگی بلکہ جملہ کرجات سماوی کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائینگے

اور تمام جاندار مر کر ختم ہو جائیں گے۔

صور کیا ہے؟ ● مندرجہ بالا صور کے نفخ اوّل کی پوری بحث میں، لفظ صور کا معنیٰ و مفہوم بیان نہیں ہوا۔ یہ معمہ تا ہنوز حل نہیں ہو سکا کہ وہ صور کیا چیز ہے جس میں قیامت کو پھونک ماری جائیگی۔ روائتی تفاسیر میں اسکے متعلق یہ مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسرافیل فرشتے کو روزِ آفرینش ہی سے نرسنگھا دے کر کھڑا کر دیا ہے' وہ نرسنگھے سے مُنہ لگائے منتظر کھڑا ہے کہ جب اُسے حکم دیا جائیگا تو وہ اُس میں پھونک مار دے گا۔ اُس نرسنگھا کی آواز اتنی ہیبت ناک ہو گی کہ پوری زمین پر زلزلہ آ جائیگا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور پورے جاندار موت کے گھاٹ اُتر جائیں گے۔

● لیکن خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب صحیفۂ فطرت کی آیاتِ مبارکہ کے مطالعہ سے' یہ کائناتی شہادتیں روزِ آفرینش سے آپکے سامنے موجود ہیں' جن کا انکار دن کو رات اور سورج کو تاریک قرار دینے کے مصداق ہے' وہ یہ کہ زمین کا پیٹ لاوے سے بھرا پڑا ہے' جب اُس لاوے میں کوئی شکمی دھماکہ پیدا ہوتا ہے تو زلزلہ آتا ہے اور یا وہ کسی پہاڑ کی چٹان میں سوراخ کر کے زور سے نکلتا ہے تو زلزلہ بھی آتا ہے' کانوں کو بہرہ کرنیوالی ہیبتناک آواز بھی پیدا ہوتی ہے۔ دروازے اور کھڑکیاں بھی کھٹکھٹانے لگتی ہیں' اور اگر زلزلہ شدید ہو تو بستیوں کی بستیاں غرق بھی ہو جاتی ہیں اور ہزاروں لاکھوں جاندار بھی موت کے آغوش میں پہنچ جاتے ہیں۔

● سابقہ صفحات میں پیش کیگئی صحیفۂ کائنات کی آیاتِ مبارکہ کی زندہ شہادتوں کے مطابق جب زمین سمیت جملہ کرّہ جات کا لاوا زلزلۂ عظیم کی صورت میں نمودار ہو گا تو قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق الساعۃ' القارعۃ' الصّاخہ' یعنی القیامۃ برپا ہو جائیگی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ارض و سماوات کے سب جاندار مر جائینگے۔ پس صحیفۂ کائنات کے اِن ناقابلِ انکار دلائلِ قاطعہ کے مطابق صور (نرسنگھا) وہ سوراخ ہونگے جن کے راستے زور کا لاوا نفخ کرتا ہوا' مذکورہ سوراخوں میں پھونک مارتا ہوا نمودار ہو گا اور یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ۙ ۴۴/۱۰ کی قرآنی خبر کے مطابق سارے آسمان دھوئیں سے بھر جائینگے۔

ایک علمی نکتہ ● واضح رہے کہ نفخ صور قرآن مجید میں افعال ماضی یا افعال مضارع میں حرف بصورتِ فعل مجہول مَا لَمۡ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ آیا ہے۔ یعنی فعل ماضی مجہول میں نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ ۱۸/۹۹ ۲۳/۱۰۱ ۳۶/۵۱ ۳۹/۶۸ ۵۰/۲۰ اور ۶۹/۱۳ میں آیا ہے۔ اور فعل مضارع مجہول میں یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ ۶/۷۳ ۲۰/۱۰۲ ۲۷/۸۷ اور ۷۸/۱۸ میں آیا ہے اور اس امر میں بھی اہلِ علم کو مجالِ انکار نہیں کہ افعال مجہول میں فاعل کی تلاش کلام کے سیاق و سباق اور مشاہداتی قرائن کے مطابق کرنا ہوتی ہے۔ پس مشاہداتِ صحیفۂ فطرت کے مطابق جسطرح روزِ آفرینش ہی سے خدا تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کے مطابق زلزلوں کا سبب زمین کے شکمی لاوے کی تبخیر ہے تو خدا تعالیٰ کے اسی قانونِ جاریہ کے مطابق

قیامت کے زلزلۂ عظیم کا سبب بھی مذکورہ لاوا ہی ہوگا۔ اور اَلصُّوْر اُن سوراخوں کا نرسنگھا یا بِگل ہوگا جو لاوے کی شکلی تجمیر کے زور سے زمین سمیت جملہ کرّہ جاتِ سماوی کے پہاڑوں کی چوٹیوں میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں قانونِ خداوندی کے مطابق پیدا ہوکر شورِ قیامت برپا کر دینگے۔

نفخِ ثانی

● نفخِ اوّل کا عمل وقوع پذیر ہو چکنے کے بعد نفخِ ثانی میں لاوے کا زور ٹوٹ چکا ہوگا۔ اور مخصوص گیسوں سے معمور پانی کی بارش برسائی جائیگی جس سے نوعِ انسانی زندہ ہوکر اُٹھ کھڑی ہوگی۔ سورہ زُمر میں نفخِ اوّل کا ذکر کرنے کے بعد نفخِ ثانی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ۝ ۳۹/۶۸ پھر اس میں دُوسری پھونک ماری جائیگی۔ پھر اچانک کھڑے ہو جاتا ہے، دیکھتے ہونگے۔

● سُورہ یٰسٓ میں ارشاد ہُوا ہے:۔ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ۝ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ۳۶/۵۱ تا ۵۴۔

(مفہوم) اور صُور میں پھونک ماری جائیگی، پھر وہ اچانک اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف بھاگ کر آجائیں گے۔ کہینگے افسوس کہ ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا ہے۔ (یہ وہ دِن ہے) جس کا رحمان نے وعدہ دیا تھا۔ اور اللہ کے رسُولوںؑ نے سچ کہا تھا۔ نہیں ہوگی وہ صرف ایک ہی آواز۔ پھر وہ سب کے سب اچانک ہمارے حضور حاضر ہو جائینگے۔ پھر اُس دِن کسی جان پر ذرّہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔ تم نہیں دیئے جاؤگے (اچھا یا بُرا) بدلہ مگر اُنہی عملوں کا جو تم (اچھے یا بُرے) اعمال خود بجالاتے تھے۔

● سورۂ نبا میں ارشاد ہُوا ہے:۔ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۷۸/۱۸ جس دن صُور میں پھونک ماری جائےگی تو (اے نوعِ انسانی) تم گروہ در گروہ (ہمارے پاس) آؤ گے۔

● سُورہ مومنون میں بتایا گیا ہے:۔ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝ ۲۳/۱۰۱ پھر جب صُور میں پھونک ماری جائیگی تو اُس دِن اُن (نوعِ انسانی) کے درمیان کوئی حسب نسب نہیں ہوگا اور نہ ہی اُس دن یہ سوال کیا جائیگا کہ تو کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

● ہوسکتا ہے کہ یہاں پہنچ کر کسی ذہن میں یہ سوال کروٹیں لے رہا ہو کہ اُوپر پیش کی گئی آیتوں میں نہ نفخِ اوّل کے متعلق صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ سب لوگ مر جائیں گے بلکہ بیہوش ہو جانے کے الفاظ آئے ہیں اور نہ نفخِ ثانی کے ضمن میں صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ مُردے جی اٹھینگے۔ کیونکہ نفخِ اوّل کیلئے ذیل کے الفاظ آئے ہیں:۔ القیامۃ کا مصدری معنی ہے اچانک اُٹھ کھڑا ہونا۔ السّاعۃ کا معنی ہے ایک مخصوص

گھڑی الواقعۃ کا معنیٰ ہے واقع ہونیوالی۔ القارعۃ کا معنیٰ ہے کھٹکھٹانیوالی۔ الصیحۃ کا معنیٰ ہے زور کی آواز چیخ و پکار وغیرہ۔ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۳۹/۶۸ کا معنیٰ ہے آسمانوں اور زمین کے سب جاندار بے ہوش ہوجائینگے۔ کسی بھی لفظ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ سب مرجائینگے۔

● اور اسی طرح نفخ ثانی کیلئے بھی یہ الفاظ نہیں آئے کہ مُردے جی اُٹھینگے۔ اسکے ضمن میں یہ الفاظ آئے ہیں فَاِذَا هُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ۔ ۳۶/۵۱ وہ اچانک اپنے رب کی طرف بھاگ کھڑے ہونگے۔ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۷۸/۱۸ کا معنیٰ یہ ہے کہ تم اُس دن فوج در فوج (ہمارے پاس) آؤ گے وغیرہ وغیرہ۔

● جواباً عرض ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس عنوان کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صرف دو مقامات پیش کئے جاتے ہیں:۔

ا۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ ۲/۲۸ (اے نوعِ انسانی!) تم اللہ تعالیٰ کا انکار کس طرح کرتے ہو جبکہ تم نیست تھے۔ پھر تمہیں زندگی دی۔ پھر تمہیں موت دے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا (قیامت کو) پھر تم (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے —— اس آیت میں ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ کے الفاظ میں قیامت کو زندگی دینے یعنی مُردوں کو زندہ کرنے کی خبر دیگئی ہے۔

ب۔ اسی طرح سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے:۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ ۲۰/۵۵ (اے نوعِ انسانی!) ہمنے تمہیں ابتدا میں زمین میں سے پیدا کیا اور تم کو ہم (قیامت کو) دوسری مرتبہ بھی اسی زمین سے نکال لینگے۔ اس آیت مجیدہ میں بھی موت کے بعد دوسری مرتبہ زمین میں سے نکالنے زندہ کرنے کے متعلق مطلع کیا گیا ہے۔

ج۔ سورہ المومنون میں ارشاد ہوا ہے (ترجمہ) اَے نوعِ انسانی! ہمنے تمہاری ابتدائی پیدائش مٹی کے جوہر سے کی۔ پھر تمہاری افزائش نسل رحم مادر میں نطفہ سے ٹھہرائی پھر ہم اُسے جمے ہوئے خون میں تبدیل کردیتے ہیں۔ پھر اُسے گوشت کا لوتھڑا بنادیتے ہیں۔ پھر ہم اس میں ہڈیاں پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہم ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں اور پھر ہم آخری حالت یعنی بچے کی صورت میں پیدا کردیتے ہیں۔ بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو احسن الخالقین ہے (احسن تخلیق پیدا کرنیوالا ہے) ۲۳/۱۲ تا ۱۴

● انسان کی اس ابتدائی اور رحمی تخلیق کی وضاحت کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ ۲۳/۱۵-۱۶ پھر بیشک تم پیدا ہونے کے بعد (زندگی گزار کر) مرجاتے ہو۔ پھر بیشک تم (مرنے کے بعد) قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے —— ان جملہ آیاتِ مقدسہ میں مرنے کے بعد

دوبارہ قیامت کے دن زندہ کئے جانے کی یقینی خبر دی گئی ہے۔ جو لوگ قیامت کے قریب پہلے یا دور پہلے کے مرے ہوئے ہونگے انکی بھی قیامت کو بعثت ہو جائیگی اور جو لوگ زلزلۂ قیامت کیساتھ قیامت کے دن مرینگے وہ بھی زندہ کرلئے جائیں گے۔ اس کی وضاحت بھی قرآن مجید کے متعدد مقامات پر موجود ہے۔ صرف دو ایک مقامات حاضر خدمت ہیں:۔

● سورہ قیامت میں ارشاد ہوا ہے:۔

الف۔ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰى قٰدِرِيۡنَ عَلٰٓى اَنۡ نُّسَوِّىَ بَنَانَهٗ ۝ ۷۵-۳/۴ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کرینگے۔ ہاں ہم تو اس امر کا بھی قانون بنانیوالے ہیں کہ اسکے پورے پورے کو صحیح سالم کریں۔

ب۔ سورہ یٰسٓ میں منکرِ قیامت کا قول درج ہے اور اُسکا جواب خود آنحضورؐ سے دلوایا گیا ہے:۔ قَالَ مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ ۝ قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ ۳۶/۷۸-۷۹ (قیامت کا منکر) کہتا ہے کہ (برسوں کی گلی سڑی) ہڈیوں کو کون زندہ کریگا۔ اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ انہیں وہی زندہ کریگا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

ج۔ سورہ واقعہ میں استحصالی مجرموں کا قول درج ہے اور اُسکا جواب خود آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے دلوایا گیا ہے:۔ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُتۡرَفِيۡنَ ۝ وَكَانُوۡا يُصِرُّوۡنَ عَلَى الۡحِنۡثِ الۡعَظِيۡمِ ۝ وَكَانُوۡا يَقُوۡلُوۡنَ ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ۝ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ۝ قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِيۡنَ وَالۡاٰخِرِيۡنَ ۝ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۙ اِلٰى مِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۝ ۵۶/۴۵ تا ۵۰

(مفہوم) بیشک وہ اس سے پہلے دُوسروں کی کمائی کھانیوالے تھے۔ اور وہ اس گناہِ عظیم پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائینگے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کرلئے جائیں گے۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجیئگا بیشک پہلے اور پچھلے سب کے سب مقررہ معلومہ دن کو (زندہ کرکے) جمع کرلئے جائینگے۔

● حاصل کلام یہ کہ:۔

خلاصہ کلام سابقہ صفحات سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ قیامت کے دن قانونِ خداوندی کے مطابق زمین سمیت جملہ کرہ جات کا شگفی لاوا پہاڑوں کی چٹانوں سے اُسی طرح پھٹ پڑیگا جس طرح روزِ آفرینش سے آتش فشاں پہاڑ پھٹتے رہتے ہیں۔ اور زلزلے پیدا کرتے ہیں۔ قیامت کے زلزلۂ عظیم کے ذریعہ تمام کروں میں کائنات خیز زلزلہ آئیگا۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور ارض و سماوات کے جاندار سب مرجائیں گے۔

● اخیر پر اس امر کی وضاحت بھی لازم ہے کہ زلزلۂ قیامت سے زمین اور آسمان ختم نہیں ہونگے، ان پر موجود جاندار مرجائینگے۔ عمارتیں اور پہاڑ اڑ اُڑ کر ریزہ ریزہ ہوجائینگے۔ زمین و آسمان اُسوقت ختم کئے جائیں گے جب

اہلِ جنت کی جزا اور اہلِ دوزخ کی سزا کا وقفہ پورا ہو جائیگا۔ سورہ ھود میں اہلِ نار کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

● فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ لا خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ 11/106-107 پھر جو شقی ہونگے، پس وہ آگ میں ہونگے۔ اُنکے لئے اُس میں چیخنا اور چلّانا ہے۔ وہ اُس میں اُس وقت تک ہمیشہ رہینگے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں۔

● اسی طرح اہلِ جنت کے متعلق بھی ارشاد ہوا ہے:۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ 11/108 اور جو نیک لوگ ہونگے وہ جنت میں ہونگے۔ وہ اُس میں اُس تک رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں ـــــ ان آیات مجیدہ سے ثابت ہوا کہ قیامت کے عظیم زلزلوں سے زمین اور آسمان تباہ و فنا نہیں ہونگے، بلکہ کرّہ جات کے اُوپر کی چیزیں ختم ہو جائینگی۔ جیسے کہ سورہ الرحمٰن میں ارشاد ہوا ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ 55/26 جو کچھ زمین کے اُوپر موجود ہے، زلزلۂ قیامت سے وہ سب فنا ہو جائیگا۔ آسمان اور زمین تباہ نہیں ہونگے۔

● اہلِ جنت کے وقفۂ جنت میں جو انکے متعلق سورہ نساء میں بتایا گیا ہے وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ○ 4/57 اور ہم انہیں گھنے سایوں میں داخل کرینگے۔ سایوں کی موجودگی سورج کی موجودگی کی مخبر ہے اور اس کے طلوع و غروب کے نظامِ شمسی کے قیام کی بھی دلیل قاطع ہے ـــــ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے جملہ مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زمین و آسمان ہمیشہ نہیں رہینگے اور نہ اہلِ نار و اہلِ جنت اللہ تعالیٰ کی طرح ہمیشہ زندہ رہینگے۔ بلکہ اپنے وقت پر زمین و آسمان بھی فنا کر دیئے جائینگے اور اہلِ جنت و اہلِ نار بھی اپنی اپنی جزا سزا پا چکنے کے بعد ختم کر دیئے جائینگے۔ قیام و بقا صرف اور صرف ذاتِ باری کیلئے ہے:۔ کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ 28/88 اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہو جانیوالی ہے۔

نفخِ ثانی کے متعلق سائنسدانوں کا ایک اہم مشاہداتی سوال

● جس طرح قیامت کے نفخ اوّل کے متعلق سائنسدانوں کے اعتراض کا جواب پیچھے گزر چکا ہے کہ قیامت کا زلزلۂ عظیم کس قانونِ خداوندی کے مطابق آئیگا اور وہ صُور کیا چیز ہے جس میں پھونک ماری جائیگی اور کس قانونِ خداوندی کے مطابق ماری جائیگی۔ اسی طرح قیامت کے نفخ ثانی کے متعلق بھی سائنسدان حضرات کا سوال ہے کہ کس قانونِ خداوندی کے مطابق کروڑہا سال کے مُردے زندہ ہو جائینگے۔ کتاب لاریب میں اللہ تعالیٰ کے کئے گئے دعوے ہرگز ہرگز جھوٹے نہیں ہیں۔ اُس نے اپنے متعینہ قوانین کے متعلق اعلان کر رکھا ہے:۔

● لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ط 10/64 اللہ تعالیٰ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

● لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ ج 6/116 اس کے (اللہ تعالیٰ کے) قوانین کو کوئی بدلنے والا ہی نہیں۔

● مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ 50/29 میرا قول خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا اور نہ ہی میں اپنے قول کو بدل کر بندوں پر ظلم کرنیوالا ہوں ——— اُس نے ہر چیز کے غیر متبدل قوانین متعین فرما دیئے ہیں :۔

● وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ 25/2 اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اُسکے لئے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قانون مقرر کر دیئے ہیں۔

● اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُس نے قیامت کے دن مُردوں کے زندہ ہونے کا قانون مقرر کر رکھا ہے ؟ اِس کا عقلی جواب تو یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے قانون متعین کرنے کا اٹل دعویٰ فرمایا ہے تو پھر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ جب اس نے قیامت کے دن مُردوں کے زندہ ہونے کی خبر دیدی ہے تو اُسکے لئے قانون متعین نہ فرمایا ہو ؟ اسکا ایک ہی جواب ہے کہ ضرور بضرور متعین فرمایا ہے۔

● اور نقل کی رُو سے یعنی اِسکا قرآنی جواب سورہ قٓ میں بالفاظ ذیل دیا گیا ہے :۔ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝ 50/9-11

(مفہوم) اور ہم آسمان سے برکت والا پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اُسکے ساتھ باغات اور کاٹا جانے والا اناج پیدا کرتے ہیں۔ اور تہ بہ تہ گابھے والی لمبی لمبی کھجوریں پیدا کرتے ہیں۔ جو بندوں کیلئے رزق ہے۔ اور ہم اُس برکت والے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ (جسطرح ہم برکت والے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں) اسی طرح ہے (مُردوں کا زندہ ہو کر زمین میں سے نکلنا ——— اِسی سورت مجیدہ میں مزید ارشاد ہُوا ہے :۔

● يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ 50/42 جس دِن لوگ (قیامت کی) چیخ کو حق کے ساتھ سُنیں گے یہ (زمین سے زندہ ہو کر) نکلنے پڑنے کا دِن ہے ——— اِسی خروج یعنی مُردوں کے زندہ ہو کر زمین سے نکلنے کی خبر سورہ طٰہٰ میں بالفاظ ذیل دیگئی ہے :۔

● مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ 20/55 (اے نوعِ انسانی!) ہمنے تمہیں پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا' اور (تمہارے مرنے کے بعد) ہم تمہیں اِسی زمین کو لوٹا دیتے ہیں۔ اور (قیامت) کو ہم تمہیں اِسی زمین میں سے نکال لیں گے۔

کس قانون کے مطابق نکال لینگے

● قیامت کو مُردوں کو زندہ کرنیکا قانون كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ 50/11 کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ جس طرح آسمان سے مَآءً مُّبٰرَكًا برکت والا پانی نازل کرکے مُردہ زمین کو زندہ کیا جاتا ہے اسی طرح مَآءً مُّبٰرَكًا نازل کر کے قیامت کے دِن مُردوں کو زندہ کر کے زمین میں سے نکال لیا جائیگا سورہ قٓ کی آیت بالا 50/9 میں نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا کے الفاظ میں مُردہ زمین کو زندہ کرنے کیلئے جو صرف فقط ۹ کا

لفظ نہیں لایا گیا بلکہ اس کے ساتھ مُبٰرَكًا کی تخصیص عائد کردی ہے۔ تو ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا خود متعین کردہ قانون یہ ہے کہ زمین جب بار بار فصلیں پیدا کر کے اور خشک سالی کی بدولت مرجاتی ہے فصلیں پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی اُسے مَآءً مُّبٰرَكًا کیساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔

مَآءً مُّبٰرَكًا کیا ہے؟

● زمین کس طرح مُردہ ہو جاتی ہے؟ اِس کا جواب صحیفۂ فطرت خدا تعالیٰ کی کتاب کائنات کی تجزیاتی آیات مجیدہ کی رُو سے یہ ہے کہ اُس میں امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ ختم ہو جاتی ہیں۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون جاریہ کے مطابق ہواؤں میں مذکورہ معدنی اور نامیاتی گیسیں پیدا کر رکھی ہیں جو مُردہ اور ذبح کردہ جانوروں، انسانی و حیوانی بول و براز اور گلے سڑے کوڑا کرکٹ وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں اور ہواؤں میں مل کر اڑتی چلی جاتی ہیں۔ بارش کے قطرے اِن گیسوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے قانونِ جاریہ کے ذریعہ ہر آن معروفِ عمل رہتے ہیں۔ اِسطرح بارش کا وہ پانی جس نے اپنے اندر مذکورہ بالا معدنی اور نامیاتی گیسوں کو جذب کر رکھا ہوتا ہے، قرآنِ کریم نے اُسے مَآءً مُّبٰرَكًا کہا ہے۔ جب مذکورہ گیسوں سے معمور مبارک پانی مردہ زمین پر برستا ہے تو اُسکی کمی پوری کر کے اُسے زندہ کر دیتا ہے۔

● خداوند تعالیٰ نے قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکالنے پر سُورہ قٓ کی آیتِ بالا بطور مثال پیش کی ہے۔ واضح رہے کہ مُردہ زمین کو مَآءً مُّبٰرَكًا کیساتھ زندہ کرنے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۵۰/۱۱ اہلِ قواعد سے مخفی نہیں کہ كَذٰلِكَ میں کاف حرفِ تشبیہ ہے، مبارک پانی (یعنی امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ سے معمور پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنا مشبہ بِہٖ ہے اور الْخُرُوْجُ مشبّہ ہے۔ بالفاظِ دیگر مُردہ زمین کے زندہ ہونے کے ناقابلِ انکار مشاہدے کی مثل ہو گا مُردوں کا زمین سے زندہ ہو کر خارج ہونا۔ اسکے ساتھ ہی ایک اور مسلمہ حقیقت کو بھی نگاہ میں رکھئے گا۔

● وہ یہ کہ مثال مثال ہوتی ہے، اصل و عین تو ہوتی نہیں مگر جس چیز کی مثال دی جاتی ہے اُسکے ساتھ اُسکا خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ ۵۰/۱۱ کی مثال كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ میں مَآءً مُّبٰرَكًا کا تعلق خصوصی ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہ جس طرح مذکورہ گیسوں سے معمور پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کر لیا جاتا ہے، اُسی طرح اُن گیسوں سے معمور پانی کیساتھ مُردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکال لیا جائیگا جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے قوانینِ خداوندی میں متعین ہو چکی ہوئی ہیں۔

● آگے بڑھنے سے پہلے سُورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۲۰/۵۵ پر ایک مرتبہ پھر غور فرمائیں:- مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۝ ۲۰/۵۵ ہمنے تمہیں زمین میں سے پہلی مرتبہ پیدا کیا (نکالا تھا) پھر ہم تمہیں اِسی میں لوٹا دیتے ہیں اور دوسری مرتبہ بھی اِسی میں سے نکالینگے ——— اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی پہلی تخلیق کے وقت

بھی آسمان سے اُن گیسوں سے معمور بارش برسائی گئی تھی جو نوعِ انسانی کی پیدائش کیلئے کائناتی قوانین میں ذاتِ باری نے خود متعین فرمائی تھیں۔ وہ گیسیں کون کونسی ہیں۔ اِسکا علم صرف اور صرف ذاتِ باری کو ہے، کیونکہ زندگی کو عالمِ وجود میں لانے والا بھی وُہی ہے اور قیامت کو مُردہ انسان کو دوبارہ زندگی دینا بھی صرف اور صرف اُسی کا کام ہے۔ انسان کیلئے ناممکن ہے کہ مُردوں کو زندہ کر سکے۔ یعنی وہ گیسیں معلوم کر سکے جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے متعین کیگئی ہیں۔

● حاصل کلام یہ کہ ۵/۱ کی قرآنی سند کے مطابق انسان کی مُردہ ہڈیوں کو اُسی طرح قیامت کو زندہ کیا جائیگا جس طرح مُردہ زمین کو مَاءً تھبتز گا یعنی امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ کو جذب کردہ پانی کے ساتھ زندہ کر لیا جاتا ہے، اِس سے ثابت ہُوا کہ انسان کی ہڈیوں کو زندہ کرنے کیلئے بھی خدا تعالیٰ نے ایسی گیسیں متعین کر رکھی ہیں کہ قیامت کو اُن سے معمور مُبارک پانی برسا کر ہڈیوں کو زندہ کر لیا جائیگا۔ واضح رہے کہ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۲۵/۲ کیمطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر تخلیق کیلئے بھی قوانین متعین فرما رکھے ہیں۔ انسان کا اُنہیں معلوم نہ کر پانا ان کے عدم کی دلیل نہیں۔

شعور کی واپسی

● اِس مقام پر پہنچ کر اِس اعتراض کا جواب دینا بھی لازم ہے جو نوعِ انسانی کے بعض حلقوں میں یہ تصوّر جکڑ رہا ہے کہ اگر مُردہ ہڈیوں کو زندہ کر کے انسانی جسم کو صحیح سالم کر لینا تسلیم کر لیا جائے تو شعور کسطرح واپس آجائیگا۔ اگر واپس آجائیگا تو ماننا پڑیگا کہ وہ جسم سے الگ ہے جس پر موت کا اثر نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ شعور کا جسم سے الگ ہونا قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ بلکہ انسانی جسم میں شعور کا وجود آٹومیٹک انداز سے موجود ہے۔ ایک تو عالمگیر غلط فہمی یہ ہے کہ شعور یا عقل و بصیرت دل کے اندر ہے، حالانکہ دِل تو محض ایک پمپ ہے جو جسم کے ہر حصّے میں ہر آن خون پہنچانے کی خدمت پر مامور ہے۔ پلاسٹک کا دل بنا کر اُس سے پمپنگ کی خدمت لی جا چکی ہے اور اِس دَوران میں مریض کے اندر شعور موجود ہوتا ہے کیونکہ وُہ دل میں نہیں بلکہ دماغ میں ہے۔ دماغ کے متعدد حصّوں شعبوں میں صرف ایک شعبہ ہے حافظ کا۔ اِس حصّے میں بچپن سے لیکر موت تک کے واقعات محفوظ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ریکارڈ روم دماغ کے متعدد خانوں میں سے صرف ایک خانہ ہے۔ دماغ کی متعدد قوتوں میں سے صرف ایک قوت، قوتِ حافظ کو موت سے الگ کسطرح رکھا جا سکتا ہے۔ اسکی باقی قوتیں، قوتِ متفکرہ، مدبّرہ، قوتِ مصوّرہ، متخیلہ اور قوتِ فیصلہ یعنی پیش آمدہ امور پر غور و فکر کرنے کا خانہ الگ ہے۔ اور غور و فکر کے بعد قوتِ فیصلہ ایک الگ قوت ہے۔ بعض افراد میں غور و فکر کی قوت تو ہوتی ہے مگر اُنکی قوتِ فیصلہ نابود یا کمزور ہوتی ہے۔ پھر قوتِ نافذہ کا الگ خانہ ہے جو ہر خطرے کے وقت انسانی اعضاء کو حکم دیتی ہے اور وُہ فوراً عمل درآمد کرتے ہیں۔ مثلاً جب انسانی جسم کسی وجہ سے دائیں طرف گرنے لگتا ہے تو قوتِ نافذہ بائیں بازو کو حکم دیتی ہے وُہ فوراً اُٹھ جاتا ہے اور جسم کا توازن صحیح کر دیتا ہے۔ اِسی طرح اگر انسانی جسم کسی وجہ سے بائیں طرف گرنے لگتا ہے تو قوتِ نافذہ دائیں بازو کو حکم دیتی ہے وہ فوراً اُٹھ جاتا ہے اور جسم کو گرنے سے بچا لیتا ہے۔ جسم پر کوئی ضرب یا خراش آجائے تو قوتِ نافذہ دل کو

حکم دیتی ہے، وہ زور زور سے چلنا شروع ہو جاتا ہے تاکہ گردشِ خون جلد از جلد بحال ہو جائے۔ الحاصل یہ کہ دماغ کی متعدد قوتوں میں سے صرف قوتِ حافظہ کو زندہ رکھنے کی کیا تک ہے۔ اصل غلطی یہ ہوئی ہے کہ انسانی جسم کو ایک ناکارہ چیز قرار دیکر بعض لوگوں نے اصل چیز قرار دیا روح کو، اور اسے موت سے بچا لیا گیا ہے۔ بعض نے شعور کو اصل چیز ٹھہرا کر اسے موت سے بری کر دیا ہے۔ اسی ضمن میں ایک تصور انسانی ذات کا بھی ہو چکا ہے، جسے غیر فانی اور زندگی کو مسلسل جاری سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ مخلوق کی کسی بھی چیز کو غیر فانی قرار دینا، اسے نصف اللہ ٹھہراتا ہے العیاذ باللہ! ۔ وہ اسطرح کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ تک رہیگا۔ مگر روح، شعور یا نام نہاد انسانی ذات ہمیشہ ہمیشہ سے تو ہیں نہیں، مگر رہینگی ہمیشہ ہمیشہ تک۔ معاذ اللہ!

● واضح رہے بات کو سمجھنے والی چیز صرف شعور ہے، نہ آنکھ ہے نہ کان نہ زبان نہ بازو نہ ٹانگ وغیرہ کوئی چیز بھی بات کو سمجھنے والی نہیں۔ قرآنِ کریم ۲/۲۸ میں آیا ہے فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ۔ اللہ نے تمہیں زندگی دی پھر تمہیں موت دیتا ہے۔ دیکھئے اس خطاب کا مخاطب وہی ہے جو اسے سمجھتا ہے۔ اب ظاہر ہے خطاب کو سمجھتا ہے صرف شعور، تو ظاہر ہے کہ شعور کو براہِ راست کہا گیا ہے کہ اللہ تجھے مار ڈالیگا۔ اور جسم کے باقی حصوں کو بالواسطہ موت کی اطلاع دیگئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس خطاب کا براہِ راست مخاطب شعور بھی مرنیوالا ہے اور بالواسطہ مخاطب جسم بھی مرنیوالا ہے۔ اور اسی چیز کا مشاہدہ ہر آن موجود ہے کہ پورے کا پورا جسم مع شعور مر جاتا ہے۔ اور اسی طرح اگر جسم کو محض مٹی کا ڈھیر قرار دیکر اصل انسان روح یا کسی انسانی ذات کو تسلیم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے براہِ راست خطاب ثُمَّ يُمِيتُكُمْ کے مخاطب بھی یہی ہیں، جو یقیناً یقیناً مر جاتے ہیں۔ ان میں سے زندہ رہنے والا یعنی نصف اللہ کوئی بھی نہیں۔

● عرض کیا جا رہا ہے کہ انسانی جسم کو ناکارہ اور غیر مقصود چیز قرار دینا ہی وہ ابتدائی غلطی ہے جسکی بدولت قرآنِ کریم کی مخالفت کا ارتکاب ہوا ہے۔ ورنہ اس بھری کائنات میں انسانی جسم ہی اللہ تعالیٰ کا وہ شاہکارِ عظیم ہے کہ اسکے ایک ایک عضو پر ابتداءِ آفرینش ہی سے ریسرچ ہوتی چلی آرہی ہے اور قیامت تک ہوتی چلی جائیگی۔ آج اسی شاہکارِ خداوندی کے الگ الگ اعضاء کے الگ الگ ڈاکٹر متعین کرنے پڑے ہیں۔ آنکھوں کا الگ، دانتوں کا الگ، دل کا الگ، خون کا الگ اور ہڈیوں کا الگ وغیرہ وغیرہ۔

● قرآنِ کریم کی رہنمائی میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کو اسی پورے جسم کو دوبارہ زندہ کر لیا جائیگا۔ جس میں جسم کے پورے اعضاء اور دماغ کے پورے حصے قوتِ متصورہ، متخیلہ، مدبرہ، متفکرہ، قوتِ فیصلہ، نافذہ اور حافظہ کیساتھ زندہ کر لئے جائینگے۔ انسانی جسم ہی وہ چیز ہے کہ ہر حس اسی مجسمہ گوشت کے اندر موجود ہے۔ ڈاکٹر حضرات سے مخفی نہیں کہ دماغ کے مذکورہ تمام حصے مغز ہی کے لوتھڑے ہیں جو الگ الگ کام کرتے ہیں۔ قوتِ متخیلہ مختلف خیالات کو جنم دیتی ہے، قوتِ متصورہ ان دیکھی چیزوں کی تصوراتی تصویریں بنا کر سامنے لے آتی ہے۔ مثلاً اگر آپ لاہور کے متعلق خیال کریں تو قوتِ حافظہ آپکے دیکھے ہوئے حصوں کو سامنے لے آتی ہے۔ لیکن اگر آپ لندن وغیرہ کے متعلق خیال دوڑائیں جسے آپنے دیکھا نہیں، تو قوتِ متصورہ نقشے

ہوئے نقشے کیمطابق لندن کی تصوراتی تصویر بنا کر پیش کر دیتی ہے۔ اور یہ سب کچھ مغز کے لوتھڑوں ہی کا کام ہے، جسم سے علیحدہ کسی چیز شعور، روح یا انسانی ذات کا کام نہیں۔ اگر روح کوئی پھرنے والی الگ سیلانی چیز ہے تو اُسے لندن کی اصل تصویر لانی چاہیئے۔ اِسی کے ضمن میں مزید غور فرمائیں کہ آنکھ کیا چیز ہے؟ گوشت ہی کا ایک پرزہ ہے جو دیکھتا ہے۔ کان کیا ہیں؟ یہ بھی جسمانی گوشت ہی کی مخصوص ساخت کے پُرزے ہیں جو سُنتے ہیں۔ ناک کیا ہے؟ یہ بھی گوشت اور مخصوص ہڈیوں کا بنا ہوا جسمانی مشین کا ایک پُرزہ ہے جو بُو اور خوشبو میں تمیز پیدا کرتا ہے؟ زبان کیا ہے؟ یہ بھی آخر گوشت ہی کا لوتھڑا تو ہے جو نہایت صحت تلفظ کیساتھ خوبصورت الفاظ بنا کر پیش کرتا ہے۔ دل کیا ہے؟ یہ بھی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو پورے جسم میں ہر آن پمپنگ کی خدمت بجا لا رہا ہے۔

● اِن مثالوں سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جسطرح یہ سب گوشت اور ہڈیوں ہی کے بنے ہوئے پُرزے ہیں جو سُنتے ہیں، بولتے ہیں، دیکھتے ہیں، سونگھتے ہیں، اِسی طرح شعور بھی مغز کے ایک لوتھڑے ہی کا فعل ہے، اِسے کیوں قوت سے مستثنے قرار دیدیا جاتا ہے۔ قرآنی رہنمائی کے مطابق پورا جسم قوت سامعہ، باصرہ، شامّہ، لامسہ، مُدبّرہ، متفکرہ، متخیلہ، متصوّرہ، فیصلہ، نافذہ اور حافظہ (شعور) سمیت مر جاتا ہے اور قیامت کو پورا جسم اِن جملہ قوتوں کیساتھ زندہ کر لیا جائیگا، جس کی غرض صرف اور صرف اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی ہے۔ اور اچھے یا بُرے عملوں کی اچھی یا بُری جزا یا سزا پانا ہے تاکہ قیامت کی عدالتِ عالیہ کی حاضری کے خوف سے ہر انسان بُرے اعمال سے پرہیز کرے اور نیکیوں میں سبقت لے جانا اِسکا دائمی شعار ہو جائے۔

قیامت کو صرف انسان زندہ کیئے جائینگے، حیوانات نہیں

● آگے بڑھنے سے پہلے زیرِ نظر بحث سے متعلقہ ایک سوال باقی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ قیامت کو صرف انسان زندہ کیئے جائینگے، حیوان کیوں زندہ نہیں کیئے جائینگے؟ اور کس قانون کے مطابق اُن پر زندہ کرنے کا عمل وارد نہیں ہوگا؟

● اِس سوال کے جواب کیلئے حیوانات کی ابتدائی تخلیق پر غور کرنا ہوگا۔ یہ ایک مصدقہ مسلمہ امر ہے کہ کائنات کی ہر چیز انسانی خدمتگار کے طور پر اسکی ضرورت کیلئے ہے جو اسکی پیدائش سے پہلے پیدا کر دیگئی تھی۔ جن میں اِس کی ضرورت کے جملہ حیوانات بھی اسکی تخلیق سے پہلے ہی پیدا کر دیئے گئے تھے۔ یہ سب جنگل میں پھرتے تھے۔ انسان نے گھوڑوں پر سواری کی، گدھوں سے بار برداری کا کام لیا، گائے بھینسوں اور بھیڑ بکریوں سے دودھ اور گوشت حاصل کیا۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن مختلف مُبارک پانیوں کیساتھ یہ بڑے بڑے قد آور، پھر میانہ قد اور پھر پست قد حیوان پیدا ہوئے اُن کے ساتھ ہی انسان کیوں پیدا نہ ہو سکے؟

● اِس سوال کا جواب انتہائی سادہ اور آسان ہے، بارش کے جس مبارک پانی کیساتھ قد آور نوعوں کے حیوان پیدا فرمائے گئے اس میں وہی گیسیں جذب تھیں جو اُن حیوانوں کی تخلیق کیلئے مقرر کیگئی تھیں۔ نیز میانہ قد نوعوں کے حیوانوں

کی تخلیق کیلئے جو گیسیں خداتعالیٰ نے متعین فرمائی تھیں، بارش کے پانی سے وہ نوعیں پیدا کی گئیں، جس نے مذکورہ گیسوں کو اپنے اندر جذب کر رکھا تھا۔ اور یہی قانونی اندازِ تخلیق ہر قسم کے الگ الگ حیوانات کی پیدائش میں کارفرما ہوا۔ الگ الگ قانون کیمطابق الگ الگ نوعیں عالمِ وجود میں لائی گئیں، اِن تخلیقوں کے وقت انسانی تخلیق اسلئے عمل میں نہ آئی کہ ہر تخلیق کیلئے الگ الگ گیسوں سے معمور پانی کا خداوندی قانون متعین ہے مقننِ تخلیق نے ویسے تو ہر تخلیق کے لئے الگ الگ قانون مقرر کیا ہے، مگر ہر عملِ تخلیق میں مشترک عنصر پانی ہے۔ جیسے کہ سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے:-

● وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۲۴/۴۵ -

(مفہوم) اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر اُن میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض دو پیروں پر اور بعض چار پیروں پر چلتے ہیں۔ وہ اپنے قانونِ مشیت کیمطابق پیدا کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ٹھیک ٹھیک اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔

● اِس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو آسمان سے پانی برسا کر پیدا کیا ہے، ہر تخلیق کیلئے الگ الگ جن گیسوں کے جذب کا قانون متعین فرمایا، اُن گیسوں کے جذب کے ذریعہ ہی ہر تخلیق عالمِ وجود میں لائی گئی۔ جس طرح حیوانوں کی الگ الگ ابتدائی تخلیق میں کسی دوسری تخلیق کو دخل نہیں ہوا کیونکہ ہر تخلیق کیلئے الگ الگ گیسوں کے جذب کا قانون مقرر ہے۔ اُسی طرح نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق اُسوقت عمل میں آئی جب آسمان سے اُن گیسوں سے معمور پانی مَآءً مُّبٰرَكًا نازل کیا گیا، جو انسانی تخلیق کیلئے قانونِ خداوندی میں مقرر ہے۔

● اِسی طرح چونکہ قیامت کو وہ مبارک پانی برسایا جائیگا جو صرف اُن گیسوں سے معمور ہوگا جو قانونِ خداوندی میں صرف تخلیقِ انسانی کیلئے مقرر ہیں۔ اسلئے قیامت کو صرف نوعِ انسانی کے مُردے زندہ کئے جائینگے۔ حیوانوں کے نہیں۔ اور اس کی مخصوص حکمت یہ ہے کہ اس دُنیا کی زندگی کے اعمال کی جوابدہ صرف نوعِ انسانی ہے باقی حیوان، جوابدہ نہیں۔ اِسی لئے صرف نوعِ انسانی کے مُردے زندہ کئے جائینگے بارش کے اس پانی کیساتھ جس میں وہ گیسیں جذب ہوں گی جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے متعین کیگئی ہیں۔

● سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۶/۷۳-۱۲ کے ضمن میں نفخِ صُور کی تفسیر میں ہم دُور چلے گئے ہیں۔ نفخِ صُورِ اوّل سے جاندار ہلاک ہو جائینگے اور نفخِ صُورِ ثانی سے انسانی مُردے زندہ ہو جائینگے، اس خبر کی غرض یہ یاد دلانا ہے کہ اے انسان! تو نے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے، برائیوں سے بچ اور نیکیاں کر۔ اپنے اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء وسلام اللہ علیہم کی بعثتِ مبارکہ

کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا جو آنحضورؐ کی ذاتِ گرامی پر ختم کر دیا گیا ہے۔ انبیاءؑ کرام کو اس تبلیغ کے سلسلے میں کٹھن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت ابراہیم سلام علیہ کے حالات بطورِ مثال پیش کیے گئے۔ آپکی قوم ستارہ پرست بھی تھی اور بُت پرست بھی۔ حضرت ابراہیم کا اندازِ تبلیغ زبانی بھی تھا اور مشاہداتی بھی۔ یعنی جب ستاروں اور بتوں کی الوہیت کی نفی فرماتے تو مشاہدات کو بھی ساتھ کے ساتھ قوم کے سامنے پیش فرمایا کرتے تھے۔ آنحضورؐ پر واضح کیا گیا ہے کہ صرف آپکی قوم ہی نافرمان نہیں حضرت ابراہیمؑ کی بلکہ انکے اب آزر بھی آپ کے مخالف اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے سلسلۂ تبلیغ گھر ہی سے شروع کیا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ
اور جب کہا ابراہیم نے واسطے باپ اپنے آزر کے
اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ
کیا تو پکڑتا ہے بتوں کو کارساز بیشک میں دیکھتا ہوں تجھے اور
قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۷۵
قوم تیری کو بیچ گمراہی ظاہر کے

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اب (باپ یا چچا) آزر کو کہا، کیا تو بتوں کو کارساز ٹھہراتا ہے۔ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو (اس کے ضمن میں) کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

● ۷۵۔ اہلِ تفاسیر نے آزر کے متعلق یہ بھی لکھا ہے وہ حضرت ابراہیم کا باپ نہیں تھا چچا تھا۔ عربی زبان میں لفظ اَب کا معنی باپ بھی ہے اور مجاز کے طور پر یہ لفظ چچا کیلئے بھی آتا ہے اور دادا کیلئے بھی۔ جیسے کہ سورہ بقرہ میں آیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ پر جب موت کا وقت آیا تو اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی فرمانبرداری کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا:۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ ج ۲/۱۳۳ انہوں نے کہا ہم آپکے الٰہ اور آپکے باپوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے اکیلے الٰہ کی فرمانبرداری کریں گے ——— اس آیت میں حضرت یعقوبؑ کے والد اسحاقؑ کو بھی اَب کہا گیا ہے اور ان کے چچا اسماعیلؑ اور دادا ابراہیمؑ کو بھی اَب کہا گیا ہے۔ اسلئے آزر کو حضرت ابراہیم کا باپ بھی مانا جاسکتا ہے اور چچا بھی۔ لیکن آپکے نسلی ادب کو ملحوظ رکھ کر آزر کو آپکا چچا کہنا بہتر ہے جبکہ عربی ادب کے لحاظ سے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

● حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا کے سامنے بت پرستی کے خلاف اپنا حقِ تبلیغ ادا کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر بت پرستی کی غلط حقیقت بذریعہ وحی واضح کر دی تھی۔ چونکہ آپکی قوم ستارہ پرست بھی تھی، اس لیے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اسی طرح حضرت ابراہیم پر ستاروں کی حقیقت بھی نمایاں کر دی گئی تھی:۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم کو حکومت آسمانوں وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ ۷۶ اور زمین کی اور تاکہ وہ ہو جائیں سے یقین کرنیوالوں کے	اور جسطرح ہمنے اُس پر بتوں کی حقیقت واضح کردی تھی) اسی طرح ہمنے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی حکومت بھی سمجھا دی (کہ اجرام فلکی اپنے پیدا کرنیوالے کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، الٰہ نہیں ہیں) تاکہ وہ یقین کرنیوالوں میں ہو

(نوٹ) اِس سے اگلی آیات مجیدہ انتہائی غور طلب ہیں کیونکہ روائتی تراجم و تفاسیر میں اِسکا معنٰی یہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک روشن ستارے کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے، مگر جب وُہ غروب ہو گیا تو آپنے فرمایا میں غروب ہونیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ اسکے بعد آپنے چاند کو دیکھ کر کہا' یہ میرا رب ہے' جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپنے فرمایا اگر میرا رب ہدائت نہ کرے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤنگا۔ لیکن اسکے باوجود جب آپنے سُورج کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے۔ یہ تصوّر مطلقًا غلط ہے کیونکہ اُوپر آئت نمبر ۷۶ میں ارشاد ہُوا ہے کہ ہمنے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی اپنی حکومت سمجھا دی تھی۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے، کیا آپ سمجھانے کے باوجود نہیں سمجھے تھے اور یکے بعد دیگرے ستارہ، چاند اور سُورج کو اپنا رب ٹھہرانے لگ گئے تھے معاذ اللّٰہ! استغفر اللّٰہ!

تحفظ ناموسِ رسالت ● اس مسئلہ کی حقیقتِ حال آئت مجیدہ ما قبل کیمطابق یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ستارے' چاند اور سُورج کو اپنا رب نہیں کہا تھا۔ بلکہ یہ آپکے چچا آزر کے الفاظ تھے جو ستارہ پرست تھا یکے بعد دیگرے اُس نے ستارہ' چاند اور سُورج کو اپنا رب کہا، لیکن جب وُہ غروب ہو جاتے رہے تو آپ اس پر اظہارِ حقیقت کے لئے یہ فرماتے رہے کہ میں غروب ہو جانیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

● واضح رہے کہ کفر و شرک کو انبیاء کرام کی طرف ایک منٹ کیلئے بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ کفریہ قول و عمل کا قائل و عامل کوئی نبی رسُول ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر سُورہ مومنوں میں ارشاد ہُوا ہے :۔ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○ ۲۳/۵۱ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ ۲۳/۵۲ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○ ۲۳/۵۳

● اِن آیات مجیدہ کا صحیح مفہوم عرض کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ آئت نمبر ۲۳/۵۱ + ۲۳/۵۲ میں انبیاء کی طرف خطاب ہے اور اگلی متصلہ آئت میں ارشاد ہُوا ہے پھر انہوں نے اپنا کام اپنے درمیان قطع کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ اُس پر خوش تھا جو اُسکے پاس تھا —— چونکہ انبیاء کرام کے متعلق ایسا تصوّر تک نہیں کیا سکتا کہ اُنہوں نے قطع امر کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہو کیونکہ جملہ انبیاء کے متعلق اعلانِ باری ہے :۔ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○ ۲۱/۲۷ وہ بات میں بھی اللّٰہ تعالٰی سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اور اُس کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے —— فلھذا ثابت ہُوا کہ فَتَقَطَّعُوْٓا .... الخ کی خبر انبیاءؑ کے متعلق نہیں۔ لیکن اِس پر سوال پیدا

ہوتا ہے کہ پھر یہ خبر کن لوگوں کے متعلق دی گئی ہے۔ اسکے لئے سیاقِ کلام پر غور کرنا ہوگا۔ اس سُورہ مجیدہ میں اِس سے پیچھے آئت نمبر ۲۳ تا ۳۰ تک قومِ نوح کا ذکر ہے۔ آئت نمبر ۳۱ تا ۴۲ میں حضرت نوح کے بعد کے انبیاء کی قوموں کی نافرمانیاں مذکور ہیں اور آئت نمبر ۴۴ میں ارشاد ہوا ہے:۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ ۲۳/۴۴ پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے۔ جب بھی کسی اُمت کی طرف اُسکا رسُول آیا، اُنہوں نے اسے جھٹلایا اس خبر کے بعد آئت نمبر ۴۵ تا ۴۸ میں قومِ فرعون کی سرکشی اور اسکے رسُولوں حضرات موسیٰ اور ہارون کا ذکر لایا گیا ہے۔ اسکے بعد آئت نمبر ۴۹ میں دوبارہ حضرت موسیٰ کا اور آئت نمبر ۵۰ میں حضرت مسیح کا ذکر جمیل لانے کے بعد آئت نمبر ۵۱-۵۲ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۭ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۲۳/۵۱-۵۲ (میں نے اپنے رسُولوں کو کہہ دیا تھا کہ) اَے رسُولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اصلاح کے کام کرو، تم جو بھی عمل بجا لاؤ گے اسے خوب اچھی طرح جاننے والا ہوں۔ اور بلاشبہ یہ تمہاری (یعنی نبیوں کی) اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں میری نافرمانی سے بچتے رہنا ــــــ اسکے بعد آئی ہے یہ آئت جو انبیاء کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی:۔

● فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۲۳/۵۳ یہ خبر انبیاء سے متعلق نہیں بلکہ آئت نمبر ۲۳ تا ۴۸ میں مذکور نافرمان قوموں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ہم نے تو اُنکی طرف پے در پے اپنے رسُول بھیجے مگر:۔ پھر اُنہوں نے اپنے دین کو قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اُنکے پاس جو جو پرانا آبائی مذہب تھا وہ اُسی پر خوش تھے۔

حاصل کلام ● سُورہ مومنون کی آئت مجیدہ ۲۳/۵۳ اگرچہ انبیاء سلامٌ علیہم کے ذکر کے عین بعد آئی ہے مگر چونکہ اُنکی طرف ازروئے آیات مجیدہ ۴/۶۴ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی منسوب نہیں کی جاسکتی، اسلئے مطابقتِ قرآن کریم کی رُو سے فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ...... الخ سابقہ مذکور نافرمان قوموں کے متعلق ہے کہ اُنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی، اُنکے لائے ہوئے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر کسی کے پاس جو جو آبائی مذہب موجود تھا، اُسی پر فخر کیا اور خوش رہے۔ ایسا عمل انبیاء کی طرف منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔

● اَب آئیے سلسلۂ درس کی طرف جسطرح ناموسِ انبیاء کی حفاظت کے پیشِ نظر اللہ کے نبیوں کی طرف آباء پرستی منسوب نہیں کی جاسکتی، اِسی طرح سلسلۂ درس کی اگلی آئتوں میں حضرت ابراہیم کی طرف ستارہ پرستی منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔ اور جسطرح آئت نمبر ۲۳/۵۳ کی خبر انبیاء سلامٌ علیہم کی بجائے اُنکی نافرمان قوموں کی خبر تسلیم کرنا لازم ہے، اسی طرح آیاتِ ذیل میں ستارہ، چاند اور سُورج کو رب قرار دینا حضرت کے چچا کا فعل ہے جسکا ذکر ما قبل موجود ہے:۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ
پھر جب ڈھانپا اوپر اس کے رات نے، دیکھا ستارہ، کہا

هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝
یہ ہے رب میرا۔ جب ڈوب گیا کہا نہیں میں پسند کرتا ڈوبنے والوں کو

پھر جب (آزر کو رات نے ڈھانپ لیا) اُس نے ایک ستارہ دیکھا۔ تو کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو (حضرت ابراہیم) نے فرمایا کہ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

● واضح رہے کہ یہ حضرت ابراہیم اور آپکے ستارہ پرست چچا کے درمیان ایک اہم مکالمہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے درجِ قرآن کر رکھا ہے پیچھے آیت نمبر ۷۵ سے یہ مکالمہ شروع ہوا ہے، جس میں حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آذر سے فرمایا کہ تم بتوں کو حاجت روا اور کارساز ٹھہراتے ہو۔ اِس کے جواب میں جب رات ہوئی اور ایک روشن ستارہ نمودار ہوا تو اُس نے کہا یہ میرا رب ہے۔ لیکن آپ نے اُس کے غروب ہونے تک انتظار فرمایا اور جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے اُس پر واضح کیا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ میرا رب ہمیشہ ایک ہی شان پر قائم و دائم ہے۔ پھر :۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ
پھر جب دیکھا چاند روشن کہا یہ ہے رب میرا

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ
پھر جب وہ ڈوب گیا۔ کہا البتہ اگر نہ ہدایت کرے مجھ کو رب میرا البتہ ہو جاؤں

مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ۝ ٧٨
بیچ میں سے قوم گمراہوں کے

پھر جب (چاند نکل آیا اور) اُس (آزر) نے چاند کو دیکھا روشن چمکتا ہوا، تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا۔ تو (حضرت ابراہیم نے) فرمایا کہ اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کر دی ہوتی تو میں (بھی تیری طرح) ضرور گمراہ قوم میں سے ہو جاتا۔

● لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ کے الفاظ میں آیت نمبر ۷۶ کا حوالہ مذکور ہے جس میں بتایا گیا ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ ٦/٧٦ اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو اپنی آسمانوں اور زمین کی حکومت سے آشنا کر دیا تھا (کہ آسمانی کُرّے اور زمینی موجودات، سب ہمارے قانون کے پابند ہیں) تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے ــــ خدا تعالیٰ کی اِس رہنمائی کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے ستارہ اور چاند دونوں کے رب ہونے کو ٹھکرا دیا کہ وہ رب کیا ہو سکتے ہیں وہ تو خود قوانینِ خداوندی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے دن رات اپنے اپنے مدار پر چل رہے ہیں۔ اسکے بعد رات گزری اور دن چڑھا تو آذر نے سورج کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے :۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ
پھر جب دیکھا سورج چمکتا ہوا کہا یہ ہے رب میرا

پھر جب (آذر نے) چمکتے ہوئے سورج کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔

هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ یہ ہے بہت بڑا پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میری بیشک میں بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ ۷۹ بیزار ہوں اس سے جو تم شرک کرتے ہو	یہ بہت بڑا ہے (بہت زیادہ روشنی دینے والا ہے) پھر جب وہ غروب ہوگیا تو (حضرت ابراہیمؑ نے) فرمایا اے میری قوم میں اُس سے بیزار ہوں جسے تم (اللہ کیساتھ) شریک کرتے ہو۔
اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ بیشک میں نے متوجہ کی رضا اپنی واسطے اسکے پیدا کیا آسمانوں وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۸۰ اور زمین کو خالص کرنیوالا اور نہیں میں ہوں سے مشرکوں کے	بیشک میں نے (اللہ کے دین کو اس کے لئے) خالص کرنیوالا ہو کر، اپنی رضا کو اُس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

دیکھا آپنے ! ابتداءِ کلام میں ۶/۷۴ میں بھی :۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اُسکی قوم کے متعلق فرمایا تھا اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۶/۷۴ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور آخری آیت مجیدہ ۶/۷۹ میں بھی قوم کو مخاطب کیا ہے يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ ۶/۷۹ اے میری قوم میں اُس سے بیزار ہوں جو تم اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ بالفاظِ دیگر شرک کرتا تھا چچا اور قوم۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک سیکنڈ کیلئے بھی شرک نہیں کیا تھا۔ انبیاء سلام علیہم کی پاک شان یہ ہے کہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی قبل نبوت بھی شرک تو کیا، کوئی صغیرہ گناہ تک بھی نہیں کیا تھا —— اب اِن آیتوں کی روائتی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر موضح القرآن

• تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادرؒ محدث دہلوی مطبوعہ شیخ برکت علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۱۲۶ پر تفسیر معالم التنزیل کے حوالہ سے لکھا ہے :۔

"معالم التنزیل میں آیا ہے نمرود بیٹا کنعان کا بادشاہ تھا تمام روئے زمین کا۔ بابل میں بیٹھا تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ اِس شہر سے نکلا ہے کہ روشنی جمال اُس کے سے نُور چاند سُورج کا نیست و نابُود ہوگیا۔ نہائت ڈر سے چونکا اور تعبیر پوچھی۔ نجومیوں نے تعبیر دینے والوں نے کہا بیچ اِس برس کے بابل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا کہ ہلاکت تیری اور تیری بادشاہت کی اُس کے ہاتھ سے ہوگی۔ اور اب تک وہ لڑکا پشتِ پدر سے شکمِ مادر میں نہیں آیا۔ نمرود نے حکم دیا کہ درمیان زن و شوہر جدائی کریں۔ …… آزر کہ محرموں اور معتبروں نمرود سے تھا، ایک رات عورت کے ساتھ …… وہ حاملہ ہوگئی۔ صبح کو نجومیوں نے نمرود سے کہا کہ آج وہ لڑکا شکمِ مادر میں پہنچا ہے۔ نمرود غصے ہوا اور حکم دیا کہ ہر حاملہ کے موکل تعینات کریں کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو قتل کر دیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی ماں کا حمل ظاہر نہ تھا …… وقت جننے کا پہنچا تو …… شہر سے باہر گئی اور پہاڑ کی ایک غار میں حضرت ابراہیمؑ کو جن کر اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی جگہ رکھا اور در دروازہ غار کا پتھر سے بند کیا …… دوسرے دن غار میں آئی تو دیکھا کہ ابراہیمؑ دو انگلیاں اپنی چوستا ہے۔ ایک دِن میں اتنا بڑھتے تھے کہ اور لڑکے اِتنا مہینے میں۔ اور ایک مہینے میں مانند ایک برس کے۔ ماں ابراہیمؑ کی غار سے باہر لائی مغرب کے وقت"

● یہ ہے روایت کا بیان کردہ قصہ کہ حضرت ابراہیمؑ غار میں پیدا ہوئے۔ غار ہی میں پرورش پاکر جوان ہو گئے جب غار سے باہر نکلے تو شام کا وقت تھا۔ سب سے پہلے ستارہ دیکھا تو اُسے اپنا رب کہدیا۔ جب وہ ڈوب گیا تو انکار کر دیا۔ اِس کے بعد چاند نکلا تو ستارہ سے روشن دیکھ کر اُسے رب کہدیا۔ وُہ بھی ڈوب گیا تو اُس کا بھی انکار کردیا۔ پھر جب رات گزری اور سُورج نکلا تو ھٰذَآ اَکْبَرُ کہہ کر اُسے اپنا رب قرار دیا۔ العیاذُ باللہ! لیکن آیات بالا سے وضاحتاً ثابت ہے کہ نہ یہ واقعہ بچپن کا ہے اور نہ محض جوانی کا۔ بلکہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب آپکو نبوّت مل چکی تھی۔ اور آپ نے اپنے چچا اور اُس کی قوم سے خطاب شروع کردیا تھا۔

● حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات مجیدہ زیر بحث ۶/۷۴ تا ۶/۸۰ میں پہلے تو چچا بھتیجے کے مکالمہ کو صرف حضرت ابراہیمؑ کے اقوال قرار دے دیا ہے اور پھر اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے کہ اللہ کے نبی رسُول تو قبل نبوّت بھی شرک اور گناہ کی آلائشوں سے پاک ہوتے تھے، آپ کے غار میں پیدا ہونے اور غار ہی میں پل کر جوان ہونے اور شام کے وقت غار سے نکل کر مطالعہ کائنات کا مذکورہ بالا قصہ گھڑ لیا گیا ہے۔ اصل حقیقت اُوپر عیاں ہو چکی ہے کہ جس طرح ۲۳/۵۲ میں انبیاء سلامؑ علیہم کو خدا تعالیٰ کے نازل قرار دے دینا غلط ہے اُسی طرح ۶/۷۵ تا ۶/۷۸ میں ستارہ چاند اور سُورج کو اپنا رب ٹھہرانا حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔ مذکورہ بالا شرک آپکے چچا آزر اور اُسکی قوم نے کیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہیں۔ (ماعلینا الا البلاغ)

قوم کا حضرت ابراہیمؑ کیساتھ جھگڑا

● اُوپر آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اُس کی قوم کو ستارہ کی پوجا سے اِس طرح مشاہداتی طور پر روکا کہ رب وہ ہے جس پر کسی قسم کا تغیّر وارد نہیں ہوتا اسے ہمیشہ قیام دوام ہے۔ بار بار نکلنے والے اور ڈوبنے والے رب نہیں ہوسکتے، لیکن قوم نے آپکی تبلیغ کو تسلیم نہ کیا بلکہ اپنے شرک پر جو وہ ستارہ پرستی اور بُت پرستی کے ذریعہ کرتے تھے، آپ سے جھگڑتے رہے :۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ
اور جھگڑی اُس سے قوم اسکی کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے
فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ
بیچ اللہ کے اور بیشک ہدایت دی مجھے اور نہیں ڈرتا میں جو تم شرک کرتے ہو
بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ
ساتھ اسکے مگر کہ چاہے رب میرا کوئی چیز وسیع کردی ہے میرے رب نے
كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ۸۰
ہر چیز علم کے مطابق کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے

اور حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے اُن کے ساتھ (ستاروں اور بُتوں کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے پر) جھگڑا کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میرے ساتھ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ بلا شبہ اُس نے میری راہنمائی فرمائی ہے۔ اور میں اُن سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو سوائے اِس کے کہ کوئی تکلیف مجھے اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق پہنچے۔ میرے رب نے ہر چیز کو علم کی رُو سے وسیع کر دیا ہے۔ پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

● حقیقت یہ ہے کہ:۔
قوم ابراہیمؑ بتوں اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی۔ آپنے واضح کر دیا کہ نہ ان مٹی اور پتھر کی مورتیوں کو کوئی نفع نقصان کا اختیار حاصل ہے اور نہ اجرام فلکی کو۔ اسلئے نہ میں ان سے ڈرتا ہوں نہ اُن سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے کُھلے لفظوں میں ارشاد فرمایا:۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ
اور کیسے میں ڈروں جو شریک کرتے ہو تم اور نہیں تم ڈرتے
اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ
یہ کہ بیشک تم نے شرک کیساتھ اللہ کے جو نہیں نازل کی ساتھ اسکے اوپر تمہارے
سُلْطٰنًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ
دلیل پھر کونسا گروہ ہے زیادہ حقدار ساتھ امن کے اگر ہو تم
تَعْلَمُوْنَ ۝ ۸۲ وقف لازم
جانتے

(حضرت نے فرمایا) جن کو تم نے اللہ کے شریک ٹھرایا ہے میں اُن سے کیوں ڈروں (حالانکہ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے مگر) تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ بلاشبہ تم نے اُن چیزوں کو اللہ کے شریک ٹھرا لیا ہے کہ اُس نے اُن کے حق میں تمہارے لئے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ پھر اگر تم سمجھتے ہو تو بتاؤ کہ دونوں میں سے امن کا حقدار کونسا گروہ ہے (اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھرانیوالا یا نہ ٹھرانیوالا؟)

● غور فرمائیں! ۶/۸۰ میں حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں تمہارے ٹھرائے ہوئے اللہ کے شریکوں سے نہیں ڈرتا اور ۶/۸۱ میں فرمایا ہے کہ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے جنہوں نے بلا دلیلِ نزول، غیر اللہ کو اللہ کے شریک ٹھرایا ہُوا ہے۔ اور اس سے آگے مشرکوں پر سوال کیا گیا ہے کہ بتاؤ امن کے حقدار تم ہو یا میں اور میرے ساتھی۔ اسکا جواب اگرچہ آیتِ بالا میں بھی دیا جا چکا ہے کہ شرک کا لازمی نتیجہ خوف ہے اور امن کے علمبردار وہ لوگ ہیں جو خداوندی اختیارات میں غیر اللہ کو شریک نہیں کرتے لیکن تکرار تاکیدی کے طور پر اگلی آیتِ مجیدہ میں اسی امر کا صراحتاً اعلان کر دیا گیا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ
جو لوگ ایمان لائے اور نہ ملایا ایمان اپنے کو
بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ
ساتھ ظلم کے وہی ہیں واسطے ان کے امن ہے اور وہی
مُّهْتَدُوْنَ ۝ ۸۳ ع ۱۴/۱۵
ہیں ہدایت یافتہ

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک ۱) کیساتھ مخلوط نہ کریں (اللہ تعالیٰ کے ہاں) وہی لوگ ہیں جن کیلئے امن ہے (وہی امن کے علمبردار ہیں) اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (مشرک لوگ نہ امن کے علمبردار ہوتے ہیں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں)۔

● ۱ شرک بمعنی ظلم قرآنی لغت کے مطابق سورہ لقمان میں آیا ہے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی:۔
يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ ۳۱/۱۳ اے میرے بیٹے اللہ کیساتھ شرک نہ کرنا بیشک شرک ظلم

عظیم ہے۔

رجوع الی المقصود ● یہانتک ستارہ پرستی کے خلاف ابراہیم سلام علیہ کی تبلیغ کی وضاحت کرنے کے بعد اگلی آیات کریمہ میں متعدد انبیاء کرام کے اسماء گرامی لاکر اپنے احکام کو ہر قسم کی لوچ اور لچک سے مبرا ثابت کیا گیا ہے:۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ
اور مذکورہ ہیں دلائل ہمارے دیئے ہمنے ابراہیم کو مقابلے قوم اس کی

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ
ہم بلند کرتے ہیں درجے جسے ہم چاہتے ہیں۔ بیشک رب تیرا حکمت والا

عَلِيْمٌ ۝ ۸۴
علم والا ہے۔

اور یہ (مذکورہ بالا) تھے ہمارے دلائل قاطعہ جو ہمنے ابراہیمؑ کو اُسکی قوم کے مقابلے پر عطا فرمائے تھے۔ ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی جسے چاہتے ہیں، اُس کے درجے بلند کر دیتے ہیں بلاشبہ تیرا پروردگار بہت بڑھ کر حکمت والا اور بہت بڑھ کر علم والا ہے۔ (اُسکے ہر کام کی اساس علم و حکمت ہی پر قائم ہے)۔

سب نبیوں کو ایک ہی دین کی رہنمائی کیگئی تھی ● اللہ بھی ایک ہے اور اُسکا دین بھی ایک ہے۔ اُس نے اپنے سب کے سب نبیوں کو ایک ہی دین اور اُسکی ایک ہی شرع عطا فرمائی تھی $\frac{42}{13}$ ۔ الگ الگ دین نہیں دیا گیا تھا:۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا
اور دیا ہمنے واسطے اُسکے اسحاق اور یعقوب۔ سب کو ہدایت دی ہمنے

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ
اور نوح کو ہدایت دی ہمنے سے پہلے اور میں سے اولاد اسکی داؤد

وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَ
اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور

هٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۸۵
ہارون اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں توازن قائم کرنیوالوں کو

اور ہمنے اُس (ابراہیمؑ) کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے۔ ہمنے سب کو ہدایت فرمائی۔ اور ان سے پہلے نوح کو بھی ہدایت دی۔ اور اُس (ابراہیمؑ) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون سب کو ہدایت دی۔ اور اسی طرح ہم احسان کرنے (یعنی معاشرے میں) توازن قائم کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (یہ سب ہی معاشرہ میں توازن قائم کرنیوالے تھے)۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ
اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب تھے

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۸۶
میں سے نیکوکاروں کے

اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب کے سب معاشرہ میں اصلاح کرنیوالوں میں سے تھے۔

وَإِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا
اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوطؑ اور سب کو

فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ ۸۷
فضیلت دی ہم نے اوپر جہانوں کے

اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوطؑ۔ اور ہم نے سب کو جہانوں والوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ
اور میں سے باپوں ان کے اور اولادوں ان کے اور بھائیوں ان کے

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۸﴾
اور پسند کیا ہم نے ان کو اور ہدایت دی ہم نے انکو طرف راستے سیدھے

اور اُنکے باپوں میں سے اور اُن کی اولاد میں سے[۱] اور اُن کے بھائیوں میں سے (بعض کو) ہم نے برگزیدہ ٹھہرایا اور ہم نے سیدھے راستے کی طرف اُن کی رہنمائی فرمائی۔

اگر بفرضِ محال نبی سلام بھی شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے

• [۱] آیاتِ بالا میں انبیاء کرام کے باپوں، بیٹوں، بھائیوں میں سے بعض کیلئے وَاجْتَبَيْنٰهُمْ کی خبر آئی ہے جو مِنْ اٰبَآئِهِمْ میں آمدہ مِنْ تبعضیہ سے ثابت ہے۔ جیسے کہ حضرات یوسف، یعقوب، اسحاق، اسماعیل، یحییٰ، اور سلیمان سلامٌ علیہم کے باپ نبی تھے مگر حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون اور داؤد سلامٌ علیہم وغیرہ کے باپ نبی نہیں تھے۔ اور اسی طرح حضرات موسیٰ و ہارون، اسماعیل و اسحاق سلامٌ علیہم کے بھائی بھی نبی تھے۔ انبیاء کرام کی اِن گوناگوں فضیلتوں کے باوجود اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کر دیا ہے کہ اگر وہ بھی شرک کرتے اُنکے اعمال بھی ضائع ہو جاتے :۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ
یہ ہدایت ہے اللہ کی، ہدایت دیتا ہے ساتھ اسکے جسے چاہتا ہے

مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا
میں سے بندوں اپنوں اور اگر شرک کرتے البتہ ضائع ہوتا اُن سے جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ ۸۹
تھے وہ عمل کرتے

مذکورہ بالا ہدایت ہے اللہ تعالیٰ کی، ہدایت کرتا ہے ساتھ اس کے جسے چاہے اپنے بندوں میں سے، ہدایت کرتا ہے اپنے قانونِ مشیّت ہی کے مطابق۔ اور اگر (بفرضِ محال) وہ (اللہ کیساتھ) شرک کرتے تو ضرور ضرور ضائع ہو جاتے (وہ عمل) جو وہ کیا کرتے تھے۔

سلسلۂ انبیاء ختم ہو چکا ہے

• آیتِ بالا میں آمدہ جملہ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ میں يَهْدِيْ اور يَشَآءُ دونوں فعل مضارع حال کے صیغے ہیں، جس سے منکرینِ ختمِ انبیاء یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں۔ کہ سلسلۂ انبیاء بدستور جاری ہے اور اللہ تعالیٰ اب بھی جسے چاہتا ہے نبوت عطا کر دیتا ہے۔ لیکن اس آیت کے آخری جملے میں مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، بصیغہ ماضی استمراری بعید لاکر وضاحت کر دی گئی ہے کہ انبیاء کا سلسلہ گزر چکا ہے اگر وہ بھی شرک کرتے

تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے جو وُہ بجالایا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کا یہ معنی قواعدِ عرب کی رُو سے کیا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ اعمال جو وہ بجالاتے ہیں یا بجالائینگے۔ پس اِس آیتِ مجیدہ سے آنحضور سلامٌ علیہ کے بعد نبیوں کے آتے رہنے کا مفہوم اخذ کرنا ایک سو ایک فیصد غلط ہے، جبکہ آیتِ مجیدہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۰ ۳۳/۴۰ نیز آیتِ مجیدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۰ ۱۵/۹ سے بھی اِسی چیز کی تائید ہوتی ہے کہ قرآن کریم کو اپنی آخری کتاب قرار دیکر اِس کی حفاظت کا ذمّہ لے لیا گیا ہے کیونکہ آئندہ کیلئے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ اَب قیامت تک یہ کتاب محفوظ ہی ہدایت نامہ خداوندی کے طور پر موجود رہے گی۔

● سوال زیرِ بحث کا ایک حصّہ تو اُوپر آچکا ہے مگر دوسرا حِصّہ ابھی باقی ہے۔ وہ یہ کہ اگر انبیاءؑ کی آمد ختم ہو چکی ہُوئی ہے تو پھر آیتِ مجیدہ زیرِ بحث ۶/۸۹ میں یَهْدِیْ اور یَشَآءُ مضارع حال کے صیغے کیوں آئے ہیں؟ اِسکا جواب بالکل صاف ہے کہ یہ آیت زمانۂ رسالت میں جناب محمدٌ رّسُول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل ہُوئی تھی، آپ نبی تھے اور بقیدِ حیات موجود تھے اِسلئے ارشاد فرمایا کہ جسے ہم نبوّت دیتے ہیں اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی دیتے ہیں مگر ۳۳/۴۰ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ محمدٌ عربی کے بعد نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک سلسلۂ انبیاء کی آمد جاری رہی، سابقہ کسی کتاب کی حفاظت کا ذمّہ نہیں لیا گیا۔ چونکہ اب کوئی نبی آنیوالا نہیں، اِس لئے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو زمانہ کی دست بُرد سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ مگر اگلی آیتِ مجیدہ میں یہ وضاحت کر کے کہ آنحضور سمیت جملہ انبیاء کو ایک ہی کتاب دیگئی تھی ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کی صُورت میں تمام سابقہ کتابیں بھی محفوظ کر دیگئی ہیں:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وہی لوگ تھے دی ہم نے انکو ایک کتاب اور حکم
وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا
اور نبوّت۔ پھر اگر انکار کریں ساتھ اسکے یہ لوگ مقرر کی ہم نے ساتھ اسکے
قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ ۝ ۹۰
ایک قوم نہیں ساتھ اسکے وہ اِنکار کرنیوالے

مندرجہ بالا (گروہِ انبیاءؑ) وہ پاکیزہ لوگ تھے جن کو ہم نے اپنی (ایک الوہی) کتاب عطا فرمائی تھی۔ پھر (اَے رسُولؐ) اگر یہ آپ کے مخالف اِس کتاب کا انکار کریں (تو کوئی بات نہیں) ہم نے اِس کے لئے (مہاجرین و انصار کی) ایک ایسی قوم مقرر کر دی ہے جو اس کا ہرگز انکار کرنیوالے نہیں ہیں۔

تحفّظِ ناموسِ صحابہؓ

● ۱؎ اس آیتِ مجیدہ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ کے الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ناموس کو اُن حضرات کے حملوں سے محفوظ کر دیا گیا ہے جو اُنہیں ایمان تک سے خارج کر کے منافقوں کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ العیاذُ باللہ! ــــ حالانکہ آیتِ بالا ۶/۸۹ کی تائید میں صحابہ کرامؓ کے اوّلین و آخرین، مہاجرینؓ

انصار کو ۸/۷۴-۷۵ میں حقے سچے مومن بتایا گیا ہے۔ اور ۹/۱۰۰ میں انہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا دائمی سرٹیفکیٹ عطا کر کے اپنی کتاب میں محفوظ کر دیا ہے۔ ۸/۷۲ اور ۴۸/۲۵ میں بتایا گیا ہے فتح مکہ تک بھی، مکہ معظمہ میں مومن مرد اور مومنہ عورتیں موجود تھیں جنہوں نے فتح مکہ تک اپنے ایمانوں کو محفوظ رکھا تھا۔ یعنی وہ کمزور اور ناتوان مومن جو دین اسلام کے لئے نہ ہجرت کر سکے نہ جہاد، فتح مکہ سے پہلے ایمان لانیوالوں سے اُن کے مدارج ۵۷/۱۰ میں کم بتائے گئے ہیں۔ پھر فتح مکہ کے بعد ایمان لانیوالوں کو بھی مومن قرار دیا گیا ہے، منافق نہیں۔

● پھر واضح رہے کہ ۳/۱۷۹ میں بتا دیا گیا ہے کہ ابتداءِ دورِ رسالت میں جو مومن اور منافق باہم مخلوط تھے۔ اُنہیں اس مخلوط حالت میں ہرگز نہیں رہنے دیا جائیگا حتیٰ کہ منافقوں کو مومنوں سے الگ کر دیا جائیگا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اُس حالت میں چھوڑ دے جس میں اَے مومنوں تم ہو۔ یہانتک کہ ناپاکوں کو پاکوں سے متمیز کر دیا جائیگا۔ اور ۳۳/۶۰ کے مطابق وہ رسولِ پاک کے اِرگرد نہیں رہ سکینگے یا تو ملک چھوڑ کر چلے جائیں گے اور یا ملک کے اندر روپوش ہو جائینگے۔ پھر رسولِ مقبول کا فرض قرار دیا گیا تھا کہ اُنکی تلاش کی جائے۔ جہاں جہاں پائے جائیں گرفتار کئے جائیں اور قتل کر دیئے جائیں۔ سورہ احزاب ۳۳/۶۰-۶۱ میں ارشاد ہوا ہے:-

● لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ ۳۳/۶۰-۶۱ ۔

(مفہوم) اَے رسول اگر منافق یعنی جن کے اذہان میں نفاق کی بیماری ہے اور وہ بھی جو شہر میں جھوٹی خبریں پھیلاتے ہیں، وہ نفاق سے اور یہ جھوٹی خبریں پھیلانے سے باز نہ آئیں تو ہم آپکو اُن کے پیچھے لگا دینگے (اُنکا تعاقب کرنا آپ کا فرض ہوگا) پھر وہ آپکے اردگرد اس شہر میں تھوڑا عرصہ کے سوا نہیں رہ سکیں گے۔ جتنا عرصہ رہینگے (راندۂ دربارِ نبوت) ملعون ہونگے۔ (پس اَے رسول! لازم ہے کہ) وہ جہاں جہاں پائے جائیں، گرفتار کر لئے جائیں اور قتل کر دیئے جائیں۔

● اِن آیاتِ کریمہ سے کھل کر ثابت ہوا کہ زمانۂ رسالت محمدیؐ میں بحکمِ خداوندی منافقوں کا تعاقب کر کے اُنہیں گرفتار کر لیا گیا تھا اور وہ قتل کر دیئے گئے تھے۔ اِسکے برعکس اگر یہ تصور صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضورؐ نے ۳۳/۶۰-۶۱ پر عمل نہیں کیا گیا تھا اور آپ کی وفاتِ مبارکہ تک منافق نہ صرف موجود تھے بلکہ آپ کے بعد مسندِ خلافت پر قابض ہو گئے تھے تو معاذ اللہ آنحضورؐ ۳۳/۶۰-۶۱ کے خداوندی حکم کے منکر ثابت ہوتے ہیں۔ جو صد فیصد ناممکن ہے۔ آنحضورؐ نے حکمِ الٰہی منافقوں کا تعاقب کیا اور گرفتار کر کے قتل کر دیا تھا۔ اور وفاتِ مبارکہ کے وقت صحابہ کرامؓ میں کوئی ایک منافق بھی موجود نہیں تھا۔

رجوع الی المقصود ● سلسلہ درس کی آیتِ مجیدہ ۶/۹۰ میں صحابۂ رسولؐ کی ناموسِ مبارکہ کو محفوظ کرنے کیساتھ ساتھ آیاتِ بالا ۶/۸۳ تا ۸۹ میں اٹھارہ نبیوں کے نام لیکر ارشاد ہوا ہے کہ یہ سب صاحبِ ہدایت تھے ہم نے

کو اپنی کتاب و نبوت عطا فرمائی تھی اور کتاب کیساتھ فیصلے کرنے کا حکم دیا تھا اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم ہوا کہ آپ بھی مذکورہ انبیاءؑ کی ہدایت کی اقتدا کریں اور اُنہی کی سنّتِ مبارکہ کے مطابق آپ بھی اجرِ رسالت طلب نہ کرنے کا اعلان کریں:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ
(یہی تھے وہ لوگ ہدایت کی اللہ نے پس ساتھ ہدایت انکی)
اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ
(تو پیروی کر۔ کہہ نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اسکے بدلہ۔ نہیں وہ)
اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ ۹۱
(مگر نصیحت نامہ واسطے جہانوں کے)

(اے رسولؐ) مذکورہ بالا وہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی نے انہیں ہدایت فرمائی تھی۔ پس آپ بھی اُنہی کی ہدایت کی پیروی کریں[1] (اور) اعلان کردیں کہ میں تم سے (قرآن کا) اجرِ تبلیغ نہیں مانگتا[2]۔ نہیں ہے یہ (قرآن) مگر قیامت تک کے تمام لوگوں کیلئے نصیحت نامہ ہے۔ (نصیحت کرنے کی کوئی اُجرت نہیں ہوتی)۔

قرآنِ کریم کی اتباع ہی ہدایتِ انبیاءؑ اور ملّتِ ابراہیمؑ کی اتباع ہے

• [1] اس آیت مجیدہ کے الفاظ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ میں آنحضورؐ کو سابقہ انبیاءؑ کی ہدایت کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے — دوسری طرف ۱۶/۱۲۳ میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں کہ آپ ملّتِ ابراہیم کی پیروی کریں:۔ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۱۶/۱۲۳ اور تیسری طرف ۱۰/۱۰۹ میں حکم دیا گیا ہے:۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ اور آپ اُس کی (یعنی قرآنِ کریم کی) پیروی کریں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے — اب چونکہ ۴/۸۲ کے مطابق قرآنِ مجید میں اختلاف نہیں ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ ہدایتِ انبیاءؑ کی اتباع، ملّتِ ابراہیمؑ کی اتّباع اور قرآنِ مجید کی اتّباع ایک ہی چیز ہے۔ نیز اس مسئلہ کی زیادہ گہرائی میں جائیں تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اس وقت ہدایتِ انبیاءؑ اور ملّتِ ابراہیمؑ دونوں کا قائم مقام قرآنِ کریم ہے۔ کیونکہ وہ دونوں بھی بصورتِ قرآنِ کریم موجود ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ قرآنِ کریم کی اتّباع ہی سابقہ انبیاءؑ کی ہدایت کی اتباع بھی ہے اور ملّتِ ابراہیمؑ کی اتّباع بھی ہے۔

• اسی چیز کی تائید و تصدیق ۸۷/۱۸-۱۹ میں ملتی ہے اور ۲۶/۱۹۶ میں بھی:۔

• اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ ۸۷/۱۸-۱۹ بیشک یہ (قرآن) پہلے صحیفوں میں ہے یعنی صحفِ ابراہیمؑ اور صحفِ موسیٰؑ میں۔

• وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ۲۶/۱۹۶ اور بیشک وہ (قرآن ہی) پہلی خداوندی کتابوں میں تھا۔ (یعنی اُن سب میں قرآنِ کریم ہی کے احکام درج تھے۔

اجرِ رسالت

• [2] آیتِ بالا ۶/۹۱ میں کے الفاظ قُلْ لَّآ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا میں مذکور اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے آنحضورؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے کہ میں اجرِ تبلیغ ہرگز نہیں مانگتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ

یہ قرآنِ کریم تو صرف اہلِ عالم کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے۔ نصیحت کی اُجرت کسی بھی مہذب معاشرہ میں نہیں لی جاتی۔ لیکن اِسی مسئلۂ اجرِ رسالت کے متعلق سورہ شوریٰ میں آیا ہے:۔

● قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ۴۲/۲۳ اِس اخذ کردہ غلط مفہوم کی بدولت یہ عقیدہ چل رہا ہے کہ آنحضورؐ کا اجرِ رسالت یہ ہے کہ آپ کے اہلِ خاندان سے اِس طرح محبت رکھی جائے کہ نذروں نیازوں کا مال قیامت تک کے لئے اُن کے ہاں پہنچایا جاتا رہے۔ کمائی میں سے پانچواں حصّہ بدستور اُنہیں ادا کیا جایا کرے۔ اِس پر معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ اگر لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا کا یہی مفہوم ہے تو پھر وہ کون سی اُجرت ہے جس کے نہ طلب کرنے کا اعلان کروا دیا گیا ہے جبکہ خاندانِ رسالت کو اُمّت کے ہر فرد کی کمائی کا پانچواں حصّہ دِلایا جا رہا ہو۔ اِس اعتراض کا صحیح جواب اِس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ آنحضورؐ نے اپنے دعوے کے مطابق کوئی اجرِ تبلیغ نہ خود لیا تھا اور نہ نذروں نیازوں اور پانچواں حصّہ کمائی کی صورت میں اپنے اہلِ خاندان کے لئے مختص فرمایا تھا:۔

● قرآنی فیصلہ کے مطابق آنحضورؐ اللہ کے رسولوں میں سے ایک رسول تھے:۔ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۳۶/۳ آنحضورؐ کا یہ اعلان بھی درجِ قرآن ہے مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ۴۶/۹ میں کوئی نرالا رسول نہیں۔ (رسولوں جیسا ایک رسول ہوں) سابقہ تمام رسولوں کا بھی یہی اعلان کتابِ لاریب میں موجود ہے کہ میں اجرِ رسالت نہیں مانگتا:۔

اعلانِ نوحؑ

● وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۱۱/۲۹ میرا اجر صرف اللہ کے ذمّہ ہے۔

● وَمَآ 〃 〃 مِنْ اَجْرٍ 〃 〃 〃 〃 عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۲۶/۱۰۹ میرا اجر صرف جہانوں کے رب کے ذمّہ ہے

اعلانِ ھودؑ و صالحؑ

● لَآ 〃 〃 〃 عَلَیْهِ اَجْرًا 〃 〃 〃 〃 فَطَرَنِیْ ۱۱/۵۱ میرا اجر صرف میرے پیدا کرنے والے کے ذمّہ ہے

● وَمَآ 〃 〃 〃 مِنْ اَجْرٍ 〃 〃 〃 〃 رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۲۶/۱۴۵ میرا اجر صرف جہانوں کے رب کے ذمّہ ہے

اعلانِ لوطؑ و شعیبؑ

● 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲۶/۱۶۴ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

● 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲۶/۱۸۰ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

● یہ ہیں چند ایک نبیوںؑ کے اعلان:۔

جن میں اجرِ تبلیغ کے عدم طلبِ اُجرت کے متبادل الفاظ عدم طلبِ مال بھی ۱۱/۲۹ میں موجود ہیں۔ فلہٰذا اس اَمر کا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضورؐ کا اجرِ رسالت سابقہ انبیاء کے خلاف اپنے لئے یا اپنے خاندان والوں کے لئے حصولِ مال ہو۔ جب آنحضورؐ کا وہ اعلان جو ۶/۹۱ میں گزر چکا ہے، جو سابقہ انبیاء کی طرح عدم طلب اجرِ تبلیغ ہے، جسے قرآنِ کریم میں ذیل کے پانچ مقامات پر بتکرار کثیر دہرایا گیا ہے، اور یہ امر کبھی بھی ممکن نہیں کہ چار آیتوں میں تو عدم حصولِ اجرِ رسالت کا اعلان کروایا ہو اور پانچویں میں حضورؐ کے خاندان کے لئے قیامت تک کے لئے نذروں نیازوں وغیرہ کے لئے حصولِ مال کا سامان کر دیا ہو۔

آنحضورؐ کے اعلانات متعلقہ عدمِ حصولِ اجرِ رسالت

۱- سورہ انعام میں ارشاد ہوا ہے:- قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ۝ ۶/۹۱ = اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے تبلیغِ قرآن کی اُجرت نہیں مانگتا - یہ قرآن قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے - (کیا نصیحت کی اُجرت لی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں لی جاسکتی)۔

۲- سورہ صٓ میں ارشاد ہوا ہے:- قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ ۝ ۳۸/۸۶ اے رسولؐ کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے اس (قرآن کی تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا - اور نہ ہی میں تکلیف دینے والوں سے ہوں - (میں تو سُکھ دینے کے لئے آیا ہوں دُکھ دینے کے لئے نہیں آیا)۔

● اسکے بعد اسی ضمن کی وہ آیتِ مجیدہ ملاحظہ فرمائیں جس میں آنحضورؐ سے اعلان کرادیا گیا ہے کہ میرا اجرِ تبلیغ تو بلا شبہ اللہ کے ذمّہ ہے، میں جو کچھ تم سے (بصورت صدقہ زکوٰۃ وصول کرتا ہوں وہ صرف تمہاری بھلائی کے لئے ہے (یعنی متوازن معاشرہ کے قیام کے لئے) آنحضورؐ اپنی ذات کیلئے کچھ نہیں لیتے تھے۔

۳- سورہ سبا میں ارشاد ہوا ہے:- قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَکُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۳۴/۴۷ اے رسولؐ کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے جو کچھ مانگتا ہوں وہ صرف تمہارے لئے ہے - بیشک میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے - اس حطّ کے چوتھے نمبر پر اسی عنوان کی وہ آیتِ مجیدہ ملاحظہ فرمائیں، جس سے اجرِ رسالت کے طور پر آنحضورؐ کے اہلِ خاندان کو نذریں نیازیں دینے، اور ہر فردِ اُمّت کی کمائی میں اُنہیں حصّہ دار قرار دیا جاتا ہے:-

۴- سورہ شوریٰ میں حکم دیا گیا ہے:- قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ۴۲/۲۳ اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے مودۃ فی القربیٰ کے سوا کوئی اجرِ تبلیغ نہیں مانگتا۔

● اس آیتِ مجیدہ کے ترجمہ میں ہمنے مودّۃ فی القربیٰ کے الفاظ کو من وعن رکھا ہے - غرض یہ ہے کہ اسکا مفہوم تصریفِ آیات اور قرآنی لغت کے مطابق خود بخود نکھر کر سامنے آجائے - مَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی کیا ہے؟ ۳۴/۴۷ میں آمدہ اسکے متبادل الفاظ فَهُوَ لَکُمْ کے مطابق جو کچھ بھی ہے صرف اُمّت کے مفاد کے لئے ہے آنحضورؐ کے ذاتی مفاد کیلئے نہیں - کیونکہ آپکا اجر اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ کے حکم کے مطابق صرف اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے - پس سابقہ جملہ انبیاء سمیت خود آنحضورؐ کے اعلان اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ کی رُو سے لازم آتا ہے کہ اجرِ رسالت کے طور پر اُمّت کی طرف سے ایک پائی بھی نہ آنحضورؐ تک پہنچنی چاہیئے اور نہ آپکے خاندان تک ورنہ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ کا جملہ جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی طرح نفی اثبات کے حصر کے ساتھ بیان ہوا ہے، باطل ہو کر رہ جاتا ہے - لیکن افسوس ہے آیتِ زیرِ بحث کے مروّجہ مفہوم نے اِسے باطل کر کے رکھ دیا ہوا ہے - مودّۃ فی القربیٰ کا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ سادات کے برابر چارپائی پر بیٹھنا ممنوع ہے - لاکھوں کروڑوں روپے کی نذریں نیازیں ادا کی جاتی ہیں جو یقیناً یقیناً اُمّت کے کام نہیں آتیں - اِسی مال سے جس کی ادائیگی اجرِ رسالت کے طور پر لازم قرار دے دی گئی ہے پیر

صاحب اور اُن کی اولادیں دادِ عیش دیتی ہیں۔ اِسی مال سے تعمیر کردہ مقبرے، صاحبِ مقبرہ کی اولاد کیلئے مستقل آمدنی کا ذریعہ بنتے ہیں، مذکورہ مال دینے والوں کی اولادیں اُس آمدنی سے صد فیصد محروم رہتی ہیں۔ حالانکہ سُورہ سبا کی آیتِ مجیدہ ۳۴/۴۷ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ کے مطابق اُس مال میں آنحضورؐ اور آپ کے خاندان والوں کا مطلقاً کوئی حصّہ ثابت نہیں ہوتا۔ پس ثابت ہُوا کہ جملہ مَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی کے جن معنوں کی رُو سے آنحضورؐ یا آپ کے خاندان والوں تک مال پہنچنے کا تصوّر چل رہا ہے، قرآنی تصریفِ آیات کے مطابق مُطلقاً غلط ہے۔

مودّة فی القربٰی کے مُتبادل قرآنی الفاظ ● آنحضورؐ کیطرف سے عدمِ طلب اجرِ رسالت کے ضمن میں چار آئتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ اب اسی عنوان کی پانچویں آیتِ مجیدہ ۲۵/۵۷ ملاحظہ فرمائیں، جس میں اللہ تعالٰی نے مودّة فی القربٰی کے متبادل الفاظ لاکر اسکے معنوں کی خود وضاحت کردی ہے، اِس عنوان کی پانچویں آیتِ مجیدہ ذیل میں گزشتہ آیت نمبر ۴۲/۲۳ کے نیچے عین متقابل انداز میں پیش کی جارہی ہے، ہر لفظ اپنے متقابل لفظ کے عین نیچے لکھا گیا ہے، بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

● ۴۲/۲۳ لَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى = میں تم سے مودّة فی القربٰی کے سوا کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔

● ۲۵/۵۷ مَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا = اسکے سوا کہ کوئی شخص اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے میں تم سے کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔

● غور فرمائیگا! کہ مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا مفہوم تصریفِ آیات کے قرآنی اسلوب کے مطابق جو کھل کر برآمد ہوتا ہے، وہی لینا لازم ہے۔ اوپر دیکھئے! ۴۲/۲۳ اور ۲۵/۵۷ میں لَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کے متقابل بالکل یہی الفاظ آئے ہیں۔ مَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ۔ دونوں میں لا اور مَا نافیہ ہے۔ دونوں پر اِلَّا استثنائیہ کے مقابلے پر عین یہی لفظ اِلَّا استثنائیہ آیا ہے لیکن مُستثنٰی مِنہُ دونوں کا الگ الگ ہے جو عین متبادل ہے:۔

مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ـــــ کا متبادل ہے ـــــ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

● یہاں پہنچ کر صراحتاً ثابت ہوچکا کہ یہ دونوں مستثنٰی منہ مترادف المفہوم ہیں۔ یعنی مودّة فی القربٰی کا معنٰی بھی اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرنا ہے۔ لفظ مودّة مصدر ہے مادہ و۔ د۔ د سے۔ جس کا لفظی معنٰی ہے محبت کرنا۔ اور لفظ القربٰی کا معنٰی قرآن بھر میں قرابتدار اور قریبی ہیں، بلکہ المنجد صفحہ ۷۹ ۸ پر بھی قُربت لکھا ہے، قرابتدار نہیں لکھا۔ لہٰذا مودّة فی القربٰی کا معنٰی ہے... اللہ کے قریب ہونے سے محبت کرنا۔ جو اس کے متقابل و متبادل قرآنی الفاظ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا کے مصدری مفہوم کے عین مطابق ہے کہ مودّة فی القربٰی سے مُراد ہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرنا۔ اور یہی ہے قرآنی مفہوم جو تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کے مطابق برآمد ہوتا ہے۔

القربٰی کے متعلق ایک علمی نکتہ ● القربٰی کا معنٰی جو قریبی یا قرابتدار لیا جاتا ہے، اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ ازروئے قرآن بھی

غلط اور از روئے لُغت بھی۔ لُغت کیا ہے؟ قرآنِ کریم کی خادم ہے۔ قرآنِ کریم میں القُربیٰ کا لفظ تیرہ مقامات پر آیا ہے۔ مگر ہر مقام پر اس پر ذا، اولو، اولی میں سے کوئی لفظ داخل کر کے اس کے معنی قریبی کے لئے گئے ہیں، قرابت والے قرآنِ کریم کے مذکورہ تیرہ مقام یہ ہیں :۔

● ذِی القُربیٰ ۲/۸۳ - ذَوِی القُربیٰ ۲/۱۷۷ - اُولُوا القُربیٰ ۴/۸ - ذِی القُربیٰ ۴/۳۶ - ذَا قُربیٰ ۶/۱۵۲ - ذِی القُربیٰ ۸/۴۱ اُولِی قُربیٰ ۹/۱۱۳ - ذِی القُربیٰ ۱۶/۹۰ - ذَا القُربیٰ ۱۷/۲۶ - اُولِی القُربیٰ ۲۴/۲۲ - ذَا القُربیٰ ۳۰/۳۸ - ذَا قُربیٰ ۳۵/۱۸ - ذِی القُربیٰ ۵۹/۷ -

● یہ ہیں یکے بعد دیگرے قرآنِ کریم کی تیرہ شہادتیں کہ :۔

اَلقُربیٰ کا معنی قریبی نہیں۔ قربت ہے۔ پس القُربیٰ کا معنی قریبی لینا قرآنی لُغت سے بے خبری کی دلیل ہے۔

● اجرِ رسالت کی اس قرآنی تشریح و توضیح کے بعد ہم سلسلہ درس کی طرف رجوع فرمائیں۔ سُورۃ الانعام کی

عود الی المقصود آیات مجیدہ نمبر ۸۴ تا ۹۰ میں اٹھارہ نبیوں کے اسماءِ گرامی پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ قانونِ خداوندی میں لوچ لچک ہرگز ہرگز موجود نہیں۔ اگر بفرضِ محال وہ بھی شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ اور آیت نمبر ۹۱ میں ارشاد ہُوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو راہِ راست کی رہنمائی کی تھی' اے رسُولؐ! آپ اُن کی ہدایت کی پیروی فرمائیں۔ اور ساتھ ہی حکم دے دیا کہ اے رسُولؐ! آپ اجرِ رسالت طلب نہ کریں۔ آپ کا اجر ہمارے ذمہ ہے۔ اور غرضِ رسالت یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی محبت پیدا کریں۔ اُس کے سو فیصدی فرمانبردار بن جائیں۔ اس سے اگلی آیت میں یہودیوں کے اِس دعوے کا جواب دیا گیا ہے جو وہ کہتے تھے کہ آنحضورؐ پر کچھ نازل نہیں ہُوا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖۤ اِذۡ قَالُوۡا مَاۤ
اور نہیں قدر کی اللہ کی حق قدر اُس کی، جب کہا نہیں

اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ قُلۡ مَنۡ اَنۡزَلَ
نازل کیا اللہ نے اوپر بندے کوئی چیز کہہ کس نے نازل کی

الۡکِتٰبَ الَّذِیۡ جَآءَ بِہٖ مُوۡسٰی نُوۡرًا وَّ ہُدًی
وہ کتاب جو آیا ساتھ اسکے موسیٰ نور اور ہدایت واسطے

لِّلنَّاسِ تَجۡعَلُوۡنَہٗ قَرَاطِیۡسَ تُبۡدُوۡنَہَا وَ
لوگوں کے کرتے ہو تم اسے ورق ورق ظاہر کرتے ہو اسکے اور

تُخۡفُوۡنَ کَثِیۡرًا ۚ وَعُلِّمۡتُمۡ مَّا لَمۡ تَعۡلَمُوۡۤا
چھپاتے ہو بہت ۔ اور تم سکھائے گئے جو نہیں جانتے تھے تم

اور نہیں قدر کی (یہودیوں نے) اللہ تعالیٰ کی جو حق ہے اُس کی قدر کرنے کا' جب اُنہوں نے یہ کہا کہ اس بندے (محمدؐ) پر اللہ نے کوئی چیز نہیں نازل کی۔ آپ (ان سے) کہئے گا کہ وہ کتاب کس نے نازل فرمائی تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے (اُس کتاب) کی شان یہ تھی کہ وُہ لوگوں کیلئے نور تھی۔ ہدایت واسطے لوگوں کے (اے یہودیو!) تم اس کا ورق ورق الگ کرتے ہو۔ (اس طرح قلیل حصہ اُسکا) تم ظاہر کرتے ہو اور کثیر حصہ اسکا (غائب کر کے) چھپا لیتے ہو۔ حالانکہ تم اُس کے ساتھ وہ کچھ سکھائے گئے ہو جو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے آباؤ اجداد جانتے تھے۔ کہہ دیجئے گا (اے رسُولؐ! کہ جو کتاب موسیٰ پر نازل ہُوئی تھی اُسے بھی)

اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ تم اور نہ بڑے تمہارے، کہہ اللہ نے۔ پھر چھوڑ ان کو فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ ۹۲ بیچ فضول بحثوں میں کھیلتے ہیں	اللہ نے نازل کیا تھا۔ آپ انہیں چھوڑ دیں وہ فضول بحثوں میں کھیلتے ہیں (ان سے الگ ہو جائیں)
وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ اور یہ کتاب نازل کیا ہم نے اسے برکت والی مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ تصدیق کرنیوالی اس کی جو بیچ دو ہاتھ اسکے اور تا کہ ڈرائے تو ماں الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بستیوں کی اور جو گرد اسکے اور جو لوگ ایمان لائیں بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى ساتھ انجام کے، ایمان لاتے ہیں ساتھ اسکے اور وہ اوپر صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ ۹۳ فرضِ منصبی اپنے کے حفاظت کرنیوالے ہیں	اور اس کتاب (قرآن مجید) کو ہم نے بابرکت نازل فرمایا ہے جو اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ اور (یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ اے رسول!) آپ اس کے ساتھ مرکزی بستی (مکہ) والوں کو اور اس کے اردگرد والوں کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کریں۔ اور جو لوگ اعمال کے انجام پر ایمان لاتے ہیں وہی اس (قرآن) کیساتھ ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ اپنے فرائضِ منصبی کی ہمیشہ حفاظت کرتے ہیں (اسے باقاعدہ ادا کرتے ہیں)۔ ۲۴/۱۴

● ملہ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ قرآنِ مجید پر صحیح ایمان وہ لوگ لاتے ہیں جو ہر عمل کی آخرت یعنی اُس کے نکلنے والے انجام پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی جو لوگ روزمرہ کے مشاہدہ کی بدولت اس حقیقت کو جان کر اُس پر یقین رکھتے ہیں کہ جس طرح ہر چھوٹے بڑے عمل کا نتیجہ نمایاں ہوتا چلا جا رہا ہے، اسی طرح ہمارے اچھے یا بُرے عملوں کا اُخروی نتیجہ ضرور ضرور برآمد ہو گا۔ قرآنِ کریم کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اس امر پر یقین واثق پیدا کرتا ہے کہ جن اچھے یا بُرے اعمال کا اچھا یا بُرا بدلہ کسی دُنیوی وجہ سے یہاں نہیں ملا وہ آخرت کو ضرور ضرور مل کر رہیگا۔

● جو لوگ شبانہ روز کے مشاہدات پر نگاہ نہیں رکھتے اور ان سے مکافاتِ عمل پر یقین نہیں لاتے قرآنِ کریم کی میزان میں وہ لوگ ڈنگروں جیسے قرار دئیے گئے ہیں :- لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ ۷/۱۷۹ اُن کے پاس قلوب ہیں، وہ اُن کے ساتھ غور نہیں کرتے۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں وہ ان کے ساتھ دیکھتے نہیں۔ اُن کے پاس کان ہیں وہ اُن کے ساتھ سُنتے ہی نہیں۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں، بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے۔ یہی لوگ غافل ہیں۔ بالفاظِ

دیگر بتایا یہ گیا ہے کہ قرآنِ کریم پر انسان ایمان لاتے ہیں، ڈنگر ایمان نہیں لاتے جو شبانہ روز آیاتِ صحیفۂ فطرت پر سے گزرتے تو ہیں مگر اُن کے خالق کو پہنچانتے نہیں، وہ ڈنگر ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور سلام علیہ کی صداقت کی خبر اس انداز میں دی گئی ہے کہ آپ نے جھوٹا دعویٰ نہیں کیا کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹ لگانے والا بہت بڑا ظالم ہے، جس کی طرف کچھ نازل نہیں ہوتا اور وحی کا دعویٰ کر دے، اسی طرح سچی وحی کو جھٹلانے والا بھی اور وہ بھی بہت بڑا ظالم ہے جو یہ کہے کہ میں بھی ایسا قانون بنا سکتا ہوں جو آنحضور صلعم پر نازل ہوا ہے دیکھئے ارشادِ باری :-

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
اور کون بڑا ظالم اُس سے جو باندھے اوپر اللہ کے

كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ[۱]
جھوٹ یا کہے وحی کی گئی طرف میری اور نہ وحی ہوا طرف اُس کے

شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ
کچھ۔ اور جو کہے ضرور نازل کروں گا مانند جو نازل کیا

اللّٰهُ[۲] وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ
اللہ نے۔ اور کاش تو دیکھے جب ظالم ہوں بیچ سختیوں کے

الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ
موت کی، اور ملائکہ ہوں پھیلائے ہاتھوں کو اپنے

اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
نکالو اپنے آپ کو۔ آج تم جزا دیے جاؤ گے سزا

الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ
رسوائی کی بوجہ اس کے کہ تھے تم کہتے اوپر اللہ کے بغیر

الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ۹۳
حق اور تھے تم سے آیتوں اس کی تکبر کیا کرتے

اور کون ہے اُس سے بڑھ کر ظالم جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے[۱] (کسی بھی قسم کا) اور یا وہ یہ کہے کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اللہ کی طرف سے) اور ہرگز نہ وحی ہوتی ہو اس کی طرف کوئی بھی چیز[۲]۔ اور (اُس سے بڑھ کر بھی کون ظالم ہے) جو یہ کہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے، میں اُس جیسا نازل کر سکتا ہوں[۳] اور کاش کہ آپ ایسے ظالموں کو اُس وقت دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں[۴] میں مبتلا ہوں۔ اور (مرض، نقاہت، درد و کرب اور وحشت و اضطراب) متعدد ملائکہ[۵] ہاتھ پھیلائے ہوئے (بزبانِ حال کہہ رہے ہوں) نکالو اپنے آپ کو اس عذاب سے[۶] (انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا کہ) آج تم کو رسوا کُن عذاب کی سزا دی جائے گی، اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمہ غیر حق (جھوٹی باتیں) کہا کرتے تھے۔ اور تم اُس (اللہ) کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

● ۱ اللہ تعالیٰ پر کسی بھی قسم کا جھوٹ باندھنا بہت بڑا ظلم ہے، مثلاً کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کے ساتھ بذریعہ الہام اور کشف وغیرہ ہم کلام ہوتا ہوں۔ حالانکہ اللہ کی وحی صرف نبیوں پر آتی تھی جو آنحضور صلعم کے بعد ختم ہو چکی ہے۔

● ۲ اور یہ کہنا بھی بہت بڑا ظلم ہے کہ نزولِ قرآنِ کریم کے بعد کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے حالانکہ حضور

خاتم النبیینؐ کے بعد وحی کی آمد مطلقاً بند ہو چکی ہے۔

● ۳ نیز یہ دعویٰ کرنا بھی بہت بڑا ظلم ہے کہ میں اللہ کی وحی کی مانند کلام نازل کر سکتا ہوں۔ واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ دعویٰ ہے کہ اگر جن و انسان جمع بھی ہو جائیں تو اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے ۱۷/۸۸ اسکا صرف یہ معنیٰ نہیں ہے کہ کوئی اس جیسی عربی نہیں بنا سکتا۔ بلکہ اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ جن و انسان جمع بھی ہو جائیں تو اس قسم کا بے لوث قانون نہیں لا سکتے۔ یہ ایک مشاہداتی حقیقت ہے کہ دنیا کے ہر قانون میں صدر و سربراہ، ملک کے بادشاہ، ملکہ اور شہزادہ کو عدالت کے کٹہرے میں طلب نہیں کیا جا سکتا۔ مگر قرآنی قانون کے مطابق ملک کے صدر و سربراہ اور اسکے خاندان خصوصاً اسکی بیوی ملکہ کو نہ صرف یہ کہ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جا سکتا ہے بلکہ ثبوتِ جرم پر دگنی سزا دی جائیگی۔ جیسے کہ قرآنی ریاست کے صدرِ اوّل یعنی نبی اکرمؐ کی ازواجِ مطہرات کو ۳۳/۳۰ میں مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی بدکاری کی مرتکب ہوگی تو اسے دگنی سزا دی جائے گی۔ پس قرآنی قانون میں قیامت تک کیلئے صدرِ ریاست، اس کی بیوی اور جملہ ارکانِ خاندان کے لئے دگنی سزا کا قانون متعین کر دیا گیا ہے جو دنیا بھر کے بنائے ہوئے دوسرے قوانین میں مطلقاً نابود ہے۔ دنیا کے قوانین میں کوئی ایسا قانون بنا ہی نہیں سکتا۔

● ۴ غمراتِ الموت کے الفاظ میں غمرات بصیغہ جمع لایا گیا ہے مطلب یہ کہ نافرمانوں پر موت کے وقت بہت سی سختیاں وارد ہوں گی۔ اسی لفظ کا بدل ملائکہ بھی بصیغہ جمع لایا گیا ہے تفصیل آگے ملائکہ کے عنوان میں آ رہی ہے۔

● ۵ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ کے الفاظ میں عوام کے ذہنی ملائکہ کا ذکر نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی رُو سے اُن کا وجود ہی موجود نہیں۔ کارگاہِ کائنات میں ہر وہ چیز جو اختیار و ارادہ سے عاری خدا تعالیٰ کی عطا کردہ واحد جبلی نہج پر مصروفِ عمل ہے ملک ہے۔ اسی طرح ہر بیماری، ہر تیز دھار والی چیز، اونچی گھاٹی، ہر عمیق جگہ، ہر وزنی چیز اور آگ پانی وغیرہ میں مستور قوتیں جن میں مبتلا ہونے سے بالترتیب زخم کھا کر، جل کر اور ڈوب کر موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنی نہج کو تبدیل نہیں کرتیں، سب ملک الموت ہیں۔ اسی طرح ہر درندہ، ہر شین، بجلی کا شارٹ وغیرہ کی مخفی قوتیں بھی جن کا لقمہ بن کر موت واقع ہو جاتی ہے سب کے سب ملک الموت ہیں۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم میں انسانی جان کیلئے نہ روح کا لفظ آیا ہے نہ نفس کا اور نہ انسانی جان کوئی الگ چیز ہے جو جسدِ خاکی میں داخل ہوتی ہے تو یہ زندہ ہو جاتا ہے اور نہ یہ کہ نکل جاتی ہے تو مر جاتا ہے۔ جان یعنی زندگی ترکیبِ عناصر کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر الگ الگ مخصوص مقدار کے مطابق کائنات بھر کی چیزوں مٹی، پانی، آگ، ہوا، لوہا، تانبہ، سونا، چاندی، قلعی، چونا نمکیات اور تیزابیات وغیرہ کو الگ الگ مخصوص مقداروں کے مطابق ترتیب دے رکھا ہے، انہی اجزا کی مخصوص مقدار اور مخصوص ترتیب کیساتھ زندگی پیدا ہوتی ہے اور انہی کائناتی عناصر میں سے جب کوئی چیز خدا تعالیٰ کی مقررہ مقدار سے بڑھ جاتی ہے یا گھٹ جاتی ہے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے اور جب کوئی اہم جزو کسی بیماری یا حادثہ کا شکار ہو کر بیکار ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے انسان کے جسم میں

رواں خون کے اندر سُرخ اور سفید ذرّات سب زندہ جرثومے ہیں اگر زندگی کسی تام نہاد رُوح کی بدولت ہے تو ہر انسان کے اندر ایک روح نہیں بلکہ کروڑوں روحیں موجود ہیں۔ یہی سُرخ سفید ذرّات جب بیمار ہو جاتے ہیں تو انسان فوراً بیمار ہو جاتا ہے۔ اور جب وُہ مرنے لگیں تو یہ بھی مرنے لگتا ہے۔ ملائکہ کے قرآنی معنے وُہ کائناتی قوتیں ہیں جو ایک ہی نہج پر کام کرتی چلی جاتی ہیں، ان کے ملک الموت وہ قوتیں ہیں جن سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ مسئلہِ ملائکہ کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۵ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ سے وہ مُہلک طاقتیں مُراد ہیں جو انسان کی موت کے وقت بصورتِ حال ہاتھ پھیلائے ہُوئے ہوتی ہیں، مثلاً اگر موت واقع ہو رہی ہے نمونیہ کیساتھ تو نمونیہ کی مُہلک طاقت ہے، گولی یا تیز دھار کا مہلک زخم ہو گیا ہے تو ان کی مُہلک طاقتیں ملک الموت ہیں جو ہاتھ پھیلائے ہُوئے کھڑی ہوتی ہیں۔

● ۶ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے بزبانِ حال مُراد ہے کہ وہ حالی طور پر کہہ رہی ہوتی ہیں کہ تم بڑے بڑے بنے پھرتے تھے۔ اگر اب طاقت ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے نکالو۔ لیکن روائتی تفاسیر میں اس کا یہ معنی لیا گیا ہے کہ عوام کے ذہنی فرشتے مرض الموت میں مبتلا افراد سے کہتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں۔ لیکن جب قرآنِ کریم کی رُو سے جان کوئی داخل ہونے والی اور نکلنے والی چیز ہے ہی نہیں تو مذکورہ روائتی مفہوم از خود غلط ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ یہاں اَنْفُسَ کا معنی اپنا آپ ہے۔ جان نہیں جیسے کہ 2/84 میں لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ کا معنی صاف ہے کہ تم اپنے افراد کو اپنے گھروں سے مت نکالنا اَنْفُسَكُمْ کا لفظ اپنے آپ کے لئے 2/90 میں آیا ہے:۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ، بُری ہے وہ چیز جو وہ اپنے آپ کے لئے خریدتے ہیں نیز 2/187 میں اس عنوان کو پُوری طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ نفس بمعنی اس جسم سے علیحدہ چیز ہرگز نہیں ہے۔ نزولِ قرآن سے ماقبل رمضان کی راتوں میں میاں بیوی جنسی اختلاط سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ یعنی ایکدوسرے کے جنسی حقوق ادا نہیں کرتے تھے۔ ایکدوسرے کے حقوق میں خیانت کرتے تھے۔

● اس کی خبر بالفاظِ ذیل دیگئی ہے:۔ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ 2/187 اللہ جانتا ہے کہ بیشک تم عدم ادائیگی حقوقِ زوجیت کیساتھ ایکدوسرے کی خیانت کیا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ تم پر رجوع برحمت ہُوا اور تم کو معاف کیا۔ ایمان والو! اب تم رمضان کی راتوں میں بیویوں سے مِلا کرو۔ اس آئت میں اَنْفُسَكُمْ سے مُراد نہ روح ہے نہ جان، بلکہ نفس کا لفظ آپس میں ایکدوسرے کیلئے استعمال ہُوا ہے۔

● ذہنی ملائکہ کی بحث بھی نہائت اہم ہے کہ عوام میں قرنہا قرن سے یہ تصوّر چلا آرہا ہے کہ ملائکہ نامی ایک نُوری مخلوق ہے جو شکلیں بدل کر انسانوں کے پاس آتے ہیں۔ سُورہ انعام میں لوگوں کے ذہنی ملائکہ کی اس طرح خبر دیگئی ہے کہ آنحضورؐ کے مدِمقابل کہتے تھے:۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ 6/8-9 کہا انہوں نے کہ اس مدعیِ رسالت پر

کوئی ملک نازل کیوں نہیں کیا گیا ۔ اور اگر ہم کوئی ملک (اپنی کائناتی قوت بجلی، آندھی، زلزلہ وغیرہ نازل کریں تو ان کا فیصلہ ہی کر دیں پھر انہیں مہلت نہ دی جائے (فوراً ہلاک کر دئیے جائیں) اور اگر اُسے (ہم انکا ذہنی ملک بنائیں تو ذانکے ذہنی تصور کے مطابق) اُسے آدمی بنائیں، تو ہم اُن پر اُسے مشتبہ کر دیں، جیسے یہ لوگ خود مشتبہ کرتے ہیں ۔ (کہ آدمی کی شکل میں وہ آدمی دکھائی دیگا، تو پھر یہ لوگ کہیں گے کہ یہ ملک نہیں یہ تو آدمی ہے)

● وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ کے جملہ میں لفظ مَلَكًا سے مُراد خدا تعالیٰ کا حقیقی ملک ہے یعنی کوئی کائناتی قوت کہ اُسے نازل کیا جائے تو بجلی آندھی زلزلہ وغیرہ کیساتھ انہیں فوراً ہلاک کر دیا جائے۔

● وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا کے الفاظ میں ہٗ کی ضمیر راجع بسوئے ماقبل مذکورہ اصلی ملک ہے اور یہاں جَعَلْنٰهُ مَلَكًا سے مراد عوام کا ذہنی ملک ہے جن کے متعلق مشہور کیا گیا ہے کہ وہ شکلیں بدل کر آدمی بن جاتے ہیں ۔ ورنہ اگر عوام کے ذہنی ملائکہ فی الحقیقت کوئی مخلوق ہے تو جَعَلْنٰهُ مَلَكًا کے الفاظ میں ملک کو ملک بنانے کا کیا مطلب؟ بلکہ اصلی ملک کو عوام کا ذہنی ملک بنانا مذکور ہے جو عوامی غلط تصور کے مطابق آدمی کی شکل میں دکھائی دے گا مگر مشتبہ ہو جائیگا کہ جو آدمی دکھائی دیتا ہے اسکے متعلق اُنکے ذہنی ملک ہونے کا کیا ثبوت ہو گا۔

● ۹۳ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ میں الیوم سے مُراد قیامت کا دن ہے اُس سے پہلے بلا حساب کتاب قبر میں عذاب ثواب دینے کا تصور کئی وجہوں سے غلط ہے :۔

ا ۔ پہلے نمبر پر خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی اوّلین سُورت مجیدہ میں جزا سزا کیلئے یوم الدّین کی خبر دی ہے اور اسی دن کے متعلق سُورہ مومنون میں بتایا گیا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے تو ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۔ ۲۳/۱۶ پھر تم قیامت کے دِن اٹھائے جاؤ گے ـــ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ موت کے بعد جبکہ ابھی بعثت ہوئی ہی نہیں تو قیامت سے پہلے قبر میں عذاب ثواب کا کیا معنی؟

ب ۔ دُوسرے نمبر پر اسی یوم الدّین کے متعلق بتکرار کثیر ارشاد ہُوا ہے :۔ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۴/۱۷۲ + ۶/۱۲۸ + ۳۴/۴۰ + ۲۵/۱۷ + ۵۸/۶ + ۱۵/۲۵ اُس دن اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کر لیگا ۔ تو اس طرح جب حشر نشر کے لئے ایک دِن مقرر کر دیا گیا ہے تو دنیوی تاریخ سے پہلے بلا حساب کتاب قبر میں آتشیں گُرزوں کی سزا کا کیا مطلب، جبکہ مقرر کردہ تاریخ سے پہلے کسی قسم کی کاروائی کرنا عقل و دانش اور عدل و انصاف دونوں کے صد فیصد خلاف ہے۔

ج ۔ تیسرے نمبر پر خدا تعالیٰ کی مقررہ تاریخ، یعنی اسی یوم الدّین کو ۱۴/۴۱ میں يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ کے الفاظ میں نوعِ انسانی سے حساب لینے کا دن بھی کہا ہے ۔ تو حساب کتاب کے بغیر مقدمہ پیچھے اور سزا پہلے کس طرح ممکن ہے۔

د ۔ چوتھے نمبر پر ابتدائے کائنات کے اوّلین دور اور انتہائے کائنات کے آخری دور کے مجرموں کی اس مدت میں لاکھوں کروڑوں سال کا فرق ہے جو وہ الگ الگ قبر میں رہیں گے ۔ قُربِ قیامت کے آخری افراد تو صرف ایک دن یا ایک گھنٹہ

کیلئے عذاب قبر پائیں گے مگر ابتداء آفرینش کے متوفی افراد لاکھوں کروڑوں برس فرشتوں کی گرزیں کھاتے رہینگے۔ پس قبر کی یہ الگ الگ مدت بھی جس سے کسی بھی فرد بشر کو مجال انکار نہیں، عذاب قبر مبنی بر انصاف نہیں ہونے دیتی، پس عذاب قبر کا نظریہ نہ قرآن کریم کا ساتھ دے سکتا ہے اور نہ عقل وخرد اور عدل وانصاف کے ترازو پر پورا تل سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جن روایات میں یہ نظریہ رسول مقبول اور صحابہ کرام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ ان بزرگوں کی طرف منسوب محض ہیں بس :۔

● آیت زیر بحث ۶/۹۴ میں آمدہ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ کا مفہوم اَلْیَوْمَ یعنی قیامت کا دن ہی درست ہے جس کی تائید وتاکید عین متصل مابعد کی آیت کریمہ نمبر ۶/۹۵ میں موجود ہے کہ یہاں قبر کے عذاب کا ذکر نہیں بلکہ قیامت کی عدالت کا ہے :۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ
اور البتہ تحقیق تم آئے ہمارے پاس فرداً فرداً جیسے پیدا کیا ہمنے تمکو
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ
پہلی مرتبہ اور چھوڑ آئے تم جو دیا ہمنے تمکو پیچھے پیٹھوں اپنی کے
وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
اور نہیں دیکھتے ہم ساتھ تمہارے شفاعتی تمہارے جنہیں گمان کیا تم نے
اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ
بیشک انہیں بیچ اپنے شریک بیشک قطع ہوگئے بیچ تمہارے اور گم ہوگئے
عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ۹۵ ع ۱۷
سے تمہارے جو تھے تم تم گمان کرتے

(اللہ تعالیٰ قیامت کو کہیگا کہ) بیشک تم ہمارے حضور میں اکیلے اکیلے حاضر ہوئے ہو جیسے کہ تمہیں پہلی مرتبہ اکیلے اکیلے کو ہم نے پیدا کیا تھا۔ اور جو مال ہم نے تمہیں عطا فرمایا (جس سے تم بے حد محبت کرتے تھے) اسے تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ ان لوگوں کو جنہیں تم اپنے شفاعتی گمان کرتے تھے اپنے اندر شریک۔ تمہارے آپس کے تعلقات منقطع ہوچکے ہیں اور وہ تم سے گم ہوگئے ہیں۔ جنہیں تم (حاجت روا کارساز) گمان کرتے تھے۔

● دیکھا آپنے! اس آیت مجیدہ میں کس طرح وضاحتاً بتادیا گیا ہے کہ پچھلی آیت میں اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ قیامت کے گناہگاروں کو کہا جائے گا۔ قبر میں نہیں کہ خدا تعالیٰ پر مقدمے کا فیصلہ بعد میں اور سزا پہلے کا الزام عائد ہوتا ہو۔ استغفر اللہ!

اللہ تعالیٰ گٹھلیوں اور بیجوں کو پھوڑنے والا ہے

● آیت بالا میں لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کا ذکر آیا ہے اس لئے متصلاً اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تو وہ ہے جو زمین میں بوئی گئی گٹھلیوں اور بیجوں کو پھاڑ کر ان میں سے پودے پیدا کرتا ہے، رات کے اندھیرے میں سے دن کی روشنی نکالتا ہے، مردوں میں سے زندے اور زندوں میں سے مردے پیدا کرتا ہے۔ پس وہ لوگ اسکے شریک کس طرح ہو سکتے ہیں جو

نہ تو کچھ پیدا کرتے ہیں اور اُس قوی و عزیز کے قوانین کے مطابق پیدا ہوئے اور زندگی بھر اُسی کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ يُخْرِجُ
بیشک اللہ ہے پھوڑنے والا دانوں اور گٹھلیوں کو - نکالتا ہے
الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ
زندہ کو میں سے میت کو اور نکالنے والا ہے میت کو میں سے زندہ کے
ذَٰلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ○ ۹۶
وہ ہے تمہارا اللہ پھر کہاں کو تم اُلٹے پھرتے ہو

بیشک اللہ تعالیٰ (زمین میں بوئے گئے) دانوں اور گٹھلیوں کو پھوڑنے والا ہے (ان سے پودے اور درخت پیدا کرتا ہے) وہ نکالتا ہے مُردے میں سے زندہ کو اور نکالنے والا ہے زندہ میں سے مُردہ کو - ان صفات کا مالک ہے تمہارا اللہ پھر تم (اس کے شریک ٹھہرا کر) کس طرف کو اُلٹے پھرے جا رہے ہو۔

● جملہ یُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ کی عملی تفسیر مشاہداتِ عالم میں ان الفاظ کے حقیقی اور مجازی دونوں معنوں کی صورت میں موجود ہے کہ بچے کی پیدائش سے پہلے ماں مرجاتی ہے۔ اور ایسے مُردوں میں سے زندہ بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ماں زندہ ہوتی ہے مگر بچہ مُردہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو ہے ان الفاظ کے حقیقی معنوں کی مشاہداتی تفسیر ـــــ اسکے علاوہ ان الفاظ کے مجازی معنوں کی تفسیر بھی اقوامِ عالم کے عروج و زوال کی صورت میں موجود ہے کہ مُردہ قوموں میں سے ایسے زندہ افراد پیدا ہوتے ہیں جو پوری کی پوری قوم کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اور بعض زندہ قوموں میں ایسے مُردہ افراد پیدا ہوتے ہیں جو پوری کی پوری قوم کو غلامی کی موت کے عمیق غار میں دھکیل دیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق مُردہ قوموں میں سے زندہ قومیں نکال رہا ہے اور زندہ قوموں میں سے مُردہ۔ گزشتہ آئتِ مجیدہ میں بیجوں اور گٹھلیوں کے پھوڑنے اور ان سے درخت پودے اگانے کے ان تصرّفات کا ذکر تھا جن کا تعلق زمینی قوانینِ خداوندی کیساتھ ہے۔ اِس خدا تعالیٰ کے ارضی کنٹرول کی خبر دینے کے بعد اگلی آئتِ مجیدہ میں نظامِ شمسی اور قمری یعنی اللہ تعالیٰ کے سماوی کنٹرول کی مکمل خبر دیگئی ہے جس کا تعلق اِس کارخانۂ کائنات کی محیّر العقول بلندیوں کیساتھ ہے۔ جن کی حدِّ نظر یہ نیلے آسمان والا افق ہے، حالانکہ اس نظامِ شمسی و قمری کے علاوہ اور بہت سے نظامِ شمسی اِن سماوات کی بلندیوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا
پھوڑنیوالا صبحوں کا اور بنایا رات کو آرام کیلئے
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ
اور سُورج اور چاند کو حساب کیلئے وہ ہے اندازہ

(وہ اللہ ہی ہے رات کی کالی چادر کو پھاڑ کر) صبحیں نمودار کرنیوالا۔ اور اُس نے رات کو آرام کیلئے بنایا ہے (تاکہ تم اگلے دن کی محنت کے لئے تازہ دم ہو جاؤ) اور سُورج اور چاند کو تکوینی حساب کیلئے بنایا ہے مذکورہ بالا ہی ہے (اجرامِ فلکی کے لئے

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ ۹۷
بڑھ کر غالب بڑھ کر علم والے کا

بڑھ کر غلبے والے اور بڑھ کر علم والے کا مقرر کردہ اندازہ (پیمانہ) اور قانون ہے ۴

● ۱ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ یہ جو ہر ۲۴ گھنٹوں کے بعد رات کی کالی چادر کو پھاڑ کر ہر روز نئی صبح نمودار ہوتی ہے اِس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ الاصباح بصورت جمع لاکر بتایا گیا ہے کہ وہ لا انتہا صبحیں نمودار کرنے والا ہے۔ اِس صیغۂ جمع میں ہر مقام کی سال بھر کی ۳۶۵ صبحیں بھی ہیں۔ اور کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر ۲۴ گھنٹوں میں ہر سیکنڈ کے بعد نمودار ہونے والی چھیاسی ہزار چار سو صبحیں بھی شمار ہیں اور سال بھر میں ہر مختلف مقام پر ہر سیکنڈ کے بعد نمودار ہونے والی تین کروڑ گیارہ لاکھ چار ہزار صبحیں بھی شامل ہیں اور اس کے بعد ایک صدی میں نمودار ہونے والی تین ارب گیارہ کروڑ چار لاکھ صبحیں بھی شامل ہیں۔ اِس اہم حقیقت کو اسطرح سمجھئے گا کہ :-

● زمین کی مداری گردش کے ساتھ سال بھر میں چار موسم بدلتے رہتے ہیں اور محوری گردش کے ساتھ دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ زمین کا جو حصّہ سُورج کے سامنے آتا جاتا ہے وہاں دن نمودار ہوتا چلاجاتا ہے۔ زمین اپنی محوری گردش کا چکر سُورج کے گرد ایک سال میں پُورا کرتی ہے اور قریباً ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سُورج کے سامنے مغرب سے مشرق کی طرف گھومتی ہوئی ۲۴ گھنٹوں میں ایک محوری چکّر پُورا کرتی ہے۔ اِس گردش کی بدولت زمین کے ایک مقام پر رات کے آخری سیکنڈ کے گزرنے پر صبح نمودار ہوتی ہے مگر اُس مقام سے مغربی مقام پر ایک سیکنڈ کے بعد صبح نمودار ہوتی ہے کیونکہ وہ مقام صبح کی نمود کے مقام پر ایک سیکنڈ کے بعد پہنچتا ہے۔ اسلئے چوبیس گھنٹوں کے ہر سیکنڈ کے خاتمہ پر نئی صبح نمودار ہوتی ہے۔ اِس طرح کرۂ ارض پر ۲۴ گھنٹوں کے وقفے میں چھیاسی ہزار چار سو صبحیں نمودار ہوتی ہیں اور سال میں اس تعداد کو ۳۶۵ کیساتھ ضرب دینے سے تین کروڑ گیارہ لاکھ چار ہزار صبحیں عالمِ وجود میں آتی ہیں اور ایک صدی میں اسے ۱۰۰ کیساتھ ضرب دینے سے صبحوں کی گنتی تین ارب گیارہ کروڑ چار لاکھ صبحوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اِس طرح فالق الاصباح کے الفاظ بصورتِ جمع لاکر دعوتِ تفکر دیگئی ہے کہ جب سے اِس کارخانۂ کائنات میں نظامِ شمسی قائم کیا گیا ہے نیلموں پدموں صبحوں کو فالق الاصباح عالمِ وجود میں لاچکا ہے۔

● ۲ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا کے الفاظ میں ایک تو اس چیز کی طرف دعوتِ تفکر دیگئی ہے کہ صحیفۂ فطرت کی اُن آیاتِ مقدسہ پر غور کرو جن کے ذریعہ رات دن پیدا ہوتے ہیں، یعنی زمین کی محوری گردش پر کہ اس کی بدولت زمین کا جو حصّہ اور جتنا عرصہ سُورج کے سامنے رہتا ہے اُس مقام پر اُتنا عرصہ دن رہتا ہے اور اُس کے اُلٹے حصّے پر رات ہوتی ہے۔ نیز بتلایا گیا ہے رات کو سکون آرام یعنی نیند کے لئے بنایا گیا ہے اور دن کو حصُولِ معاش کے لئے۔ سُورہ نبا میں ارشاد ہُوا ہے وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ ۷۸ / ۱۰-۱۱ اور ہمنے رات کو پردہ بنایا ہے آرام کرنے کے لئے اور دن کو ہم

نے بنایا ہے معاش پیدا کرنے کیلئے۔ اِن الفاظ میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ دن کے بنانے کی غرض معاش پیدا کرنا ہے
رات کو اگر آرام کرکے تازہ دم نہ ہوں گے تو اگلے دن کام کس طرح کریں گے۔ اسلئے رات کو آرام کے بعد تازہ دم ہو
کر روزی پیدا کرنا حقیقی واحد غرض ہے۔ جس پر یہ پابندی عائد کی گئی ہے اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۖ تم پر پاکیزہ مال
حلال کیا گیا ہے۔ حلال کماؤ اور حلال کھاؤ۔

● ۳ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا کے الفاظ میں سورج اور چاند کے بنانے کی ایک غرض یہ بتائی گئی ہے شمسی اور قمری سال کا حساب صرف سورج اور چاند کے ساتھ وابستہ ہے۔ کہ زمین کی مداری گردش کے مطابق زمین پہ کا سال ۳۶۵ دن کا ہے۔ بالفاظِ دیگر ۳۶۵ دن کے بعد بالکل وُہی موسم لوٹ کر آجاتا ہے جو ۳۶۵ دن پہلے تھا۔ اور قمری سال ۳۵۵ دن کا ہے۔ ۳۵۵ دن کے بعد بظاہر وُہی موسم آجاتا ہے جو ۳۵۵ دن پہلے تھا۔ مگر تین سال کے بعد شمسی اور قمری سال میں ایک ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ زیرِ بحث الفاظ میں اِسی چیز کی دعوتِ فکر دی گئی ہے، نہایت محتاط تجربے کی رُو سے شمسی سال ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے قریباً ½ ۳ منٹ کا ہے۔ اُوپر کے چھ گھنٹوں سے چار سال کے بعد ایک دن کا اضافہ ہو جاتا ہے یعنی لیپ کا سال ۳۶۶ دن کا ہوتا۔ اس سے زائد ½ ۳ منٹوں سے چار صدیوں کے بعد مزید ایک دن کا اضافہ ہو جاتا ہے یعنی چار صدی کے بعد سال ۳۶۷ دن کا ہوتا ہے۔ یہ ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا کی عملی تفسیر جو صدیوں کے تجربے اور عملی حساب کی رُو سے ثابت ہو چکی ہے۔

● ۴ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ کے الفاظ میں ذٰلِكَ اِسم اشارہ بعید ہے جس کا بیان معنی ہے وُہ یعنی مذکورہ بالا۔ اور تقدیر مادہ قدر سے صفت مُشبّہ ہے۔ اور جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ سورج اور چاند وغیرہ جملہ اجرام فلکی کیلئے مذکورہ بالا انداز سے دن رات اور موسموں کی تبدیلی کا قانون اُس ذاتِ مقدس کا متعین کردہ ہے جو بہت بڑھ کر غالب اور بہت بڑھ کر علم والی ہے۔ اُسی نے صحیح صحیح غلبے اور صحیح صحیح علم کے مطابق یہ قوانین مقرر فرمائے ہیں، جن میں کروڑوں سال گزر جانے کے باوجود ایک ثانیہ کا فرق بھی نمودار نہیں ہوا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی متصلہ آیت مجیدہ میں سورج اور چاند کے علاوہ باقی ستاروں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وُہ ریگستانوں اور سمندروں میں راستے معلوم کرنے کا فائدہ دیتے ہیں، ہم نے علم والی قوم کیلئے اپنی تنزیلی اور تکوینی آیاتِ مبارکہ کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری:۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا اور وُہی ہے جس نے بنائے واسطے تمہارے تارے تاکہ تم راہ پاؤ بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا ساتھ اُنکے بیچ اندھیروں خشکی اور سمندر کے۔ بیشک کھول کر بیان کی ہم نے	اور وُہ (اللہ ہی) وُہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں تاکہ تم اُن کے ذریعہ خشکی اور سمندر میں راستے معلوم کیا کرو۔ بیشک ہم نے عقل و شعور والی قوم کے لئے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ ۹۸
آئتیں واسطے اس قوم کے جو جانتے ہیں

ستارے رہنمائی کیلئے ہیں ● ۱ خشکی کے ریگستانوں میں راتوں کو اور سمندروں میں دن اور رات کو بوقت ستاروں کی مدد ہی سے راستے معلوم کئے جاتے ہیں۔ دُبِ اکبر، دُبِ اصغر، نیز قطب ستارہ اور قطبین کے علاوہ ستارۂ صبح اور نیم شبی وغیرہ جو خدا تعالیٰ کے مقررہ راستوں ہی پر چلتے ہیں وہ کبھی بھی انسان کو دھوکا نہیں دیتے۔ سب کے سب سمتوں کی رہنمائی کے صحیح صحیح فرائض ادا کرتے ہیں۔ قطب ستارہ کے متعلق سُورۂ نحل میں ارشاد ہُوا ہے :۔ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ $\frac{16}{16}$ اور النجم یعنی ایک مخصوص ستارہ قطبی کے ساتھ لوگ راستے معلوم کرتے ہیں :۔ یہ قطبی ستارہ ہی ہے جس کی مدد سے بڑے بڑے عظیم قطب نُما تیار کئے جا چکے ہیں۔ اور آج بحری جہازوں کے کپتان بند کمروں میں بیٹھے بیٹھے راستے معلوم کرتے ہُوئے وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ کی عملی تصدیق کر رہے ہیں کہ دن ہو یا رات، قطبی ستارہ ہر لحظہ اور ہر آن بحری مسافروں کی صحیح صحیح رہنمائی کر رہا ہے۔

● یہ تو ہُوئی ظُلُمٰتِ الْبَحْرِ میں ستاروں کی رہنمائی یہی حال ظُلُمٰتِ الْبَرِّ کا ہے کہ ریگستانی علاقوں میں جہاں منزل کے نشانِ راہ موجود نہ ہوں وہاں ریگستانوں کے مسافر رات کے اندھیرے میں قطب ستارہ کی مدد سے منزل کی صحیح سمت معلوم کر لیتے ہیں اور دِن کے وقت قُطب نما کی مدد سے۔ مولا کریم نے اپنی اِن نعمتوں کے تذکرہ کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں پُوری نوعِ انسانی کے پیدائشی انسانی حقوق کی وضاحت اِس مخصوص انداز سے فرمائی ہے کہ پُوری کا نوعِ انسانی کو مخاطب کر کے اعلان کیا گیا ہے کہ تم سب ایک ہی جوہرِ حیات "سلالۂ ارضی $\frac{23}{12}$ سے پیدا کئے گئے ہو اور تم سب کے سب مساوی طور پر واجب التکریم ہو $\frac{17}{}$ اور اس طرح چونکہ تم سب ایک ہی سطح کے افراد ہو اس لئے زمین میں تمہارا حقِ رہائش بھی مساوی ہے اور حقِ سامانِ زیست (ضروریاتِ زندگی) بھی متوازن و مساوی ہے :۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں سے حقیقت ایک

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ
پھر ٹھکانہ ہے اور ضروریاتِ زندگی۔ بیشک کھول کر بیان کی آئتیں

لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ ۹۹
واسطے قوم غور کرنیوالوں کے

اور وُہ (اللہ ہی) وُہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہیں (اے نوعِ انسانی!) ایک ہی جنس کے جوہرِ ارضی سے پیدا کیا ہے پھر (تم سب کیلئے اِس زمین میں ٹھکانہ بھی ہے $\frac{2}{36}$ + $\frac{7}{24}$ اور ضروریاتِ زندگی (کا مساوی حق بھی $\frac{2}{36}$ + $\frac{7}{24}$) ہے بیشک ہمنے اپنی آیتوں کو اُس قوم کیلئے جو تفقہ کرنیوالے ہیں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

● ۱۰ نفسِ واحدہ کی قرآنی تفسیر کیلئے اُن متبادل الفاظ پر غور فرمائیں جو هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کی بجائے سُورہ مومنون میں آئے ہیں :۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ۲۳/۱۲ اور بیشک ہمنے انسان کو مٹی کے سُلالہ یعنی مٹی کے جوہر کی ایک ہی جنس) سے پیدا فرمایا ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ جرثومۂ حیات جس سے انسان کی ابتدا کیگئی ہے اُس میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جو خداوندِ عالم نے مٹی کے اندر پیدا کر رکھے ہیں۔ مثلاً مٹی میں لوہا ہے سونا ہے چاندی ہے، سیسہ ہے قلعی ہے، نمکیات ہیں، تیزابیات اور چونا وغیرہ جو کچھ بھی ہے انسانی جرثومے میں ان جملہ عناصر کا سُلالہ یعنی اِن سب کا جوہر موجود ہے۔ مذکورہ بالا حقیقت ڈاکٹر صاحبان کے تجربات سے ثابت ہے کہ جب کسی شخص کے جسم میں اِن ارضی عناصر میں سے کسی عنصر کی کمی ہو جاتی ہے تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ اور ڈاکٹر یہ معلوم کرکے کہ اس بیمار کے جسم میں چونے کی کمی ہوگئی تو اُسے کیلشم کی ٹکیاں دیتا ہے اور اگر لوہا کم ہوگیا ہو تو آئرن ٹیبلیٹس کے ساتھ علاج کرتا ہے۔ ایک تندرست جسم میں آٹھ سیر پانی موجود ہوتا ہے، اگر یہ کم ہو جائے تو جسم میں پانی پہنچانا لازم ہو جاتا ہے۔

● یہی حالت اِن عناصر کے جوہر (سُلالہ) کی زیادتی کی ہے۔ کہ اگر کوئی عنصر خداتعالیٰ کی مقررہ مقدار سے بڑھ جائے تو پھر بھی انسان بیمار ہو جاتا ہے اور ایسے مریض کا علاج بڑھے ہُوئے عنصر کو کم کرکے متوازن مقدار پر لانا ہے۔ یہ ہے نفسِ واحدہ کی قرآنی تفسیر جو سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ کے الفاظ میں خداوندِ عالم نے خود کر رکھی ہے۔ یعنی نفسِ واحدہ اور سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

● انسان کی ابتدائی پیدائش کیلئے قرآن مجید میں اور بھی مختلف الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً سورہ الصّٰفّٰت میں ارشاد ہُوا ہے اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝ ۳۷/۱۱ بیشک انہیں نوعِ انسانی کو) ہمنے چپکی مٹی میں سے پیدا کیا ہے۔ سورہ الحجر میں بتایا گیا ہے :۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ ۱۵/۲۶ انسان کو سڑی ہُوئی مٹی کے بدبودار گارے سے پیدا کیا ہے۔ سُورہ الرحمٰن میں ہے :۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ ۵۵/۱۴ انسان کو آگ میں پکی ہُوئی جیسی سڑی ہُوئی مٹی سے پیدا کیا۔

● صلصال کا معنیٰ ہے سڑی ہُوئی مٹی اور فخار کا معنی ہے آگ میں پکی ہُوئی۔ یہ تعریف ہے اِس مٹی کی جس میں سے انسان کو پیدا کیا گیا ہے کہ یہ زمین پہلے آگ کا گولہ تھی اِس لئے اِس کی مٹی آگ میں پک کر موجودہ صُورت میں آئی تھی۔ اِس سے آگے طین کہتے ہیں پانی ملی مٹی کو۔ اور لازب کا معنیٰ ہے لیس دار یعنی چپکنے والی مٹی۔ اِس سے آگے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ حما کہتے ہیں کنوئیں کی تہ سے نکالے ہُوئے کالے بدبودار کیچڑ کو۔ اور مسنون کا معنیٰ ہے بسا ہُوا۔ اِن معنوں کی تصدیق ۲/۲۵۹ میں نہ بسے ہُوئے کھانے اور پانی کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں :۔

• فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۲/۲۵۹ اپنے کھانے اور پانی کی طرف دیکھ کہ وہ بُسا نہیں ہے۔ پس محوّلہ بالا آیات مجیدہ ۳۷/۱۱ + ۱۵/۲۶ + ۵۵/۱۴ کے مطابق جس مٹی سے نوعِ انسانی کو پیدا کیا گیا تھا اُسکی حالت یہ ثابت ہُوئی کہ زمین آگ کا گولہ تھا اُس سے زمین سٹر کر صلصالٍ کالفخار ہُوئی پھر اس پر پانی برسا تو طِینٍ لازِب بنی پھر اُس پر جب سُورج کی گرمی نے اپنا اثر کیا تو بُسا ہُوا کیچڑ حَمَاٍ مَّسْنُون بنا۔ اور اُس میں سے سُلٰلَةٍ مِّن طِینٍ کے ایک ہی جنس کے جرثومہ ہائے حیات، نفسِ واحدہ خداوندی قانون کے مطابق اُس شکل و صُورت میں نمودار ہُوئے جو خلّاقِ عالم نے اُس کے اندر محفوظ کر رکھی تھی۔

• جس طرح سائنسی مشاہدات کے مطابق، بڑھ کا اتنا بڑا پُورا درخت اپنی جڑوں، تنے، ٹہنوں، ٹہنیوں، پتّوں اور پھل سمیت بڑھ کے رائی کے دانے جتنے بیج کے اندر موجود ہوتا ہے۔ اُسی طرح انسان کے خورد بینی جرثومے کے اندر اسکا پُورا جسم آنکھوں کانوں دانتوں بالوں مُنہ ناک بازوؤں ٹانگوں وغیرہ معہ اندرونی مشین دل، دماغ، پھیپھڑے جگر معدہ انتڑیاں وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔

• اِس سے آگے پُورے کرۂ ارض پر جہاں جہاں مٹّی، صلصالٍ کالفخار، طِینٍ لازِب بن کر حَمَاٍ مَّسنون کی صورت میں بدبُودار ہو کر بُس گئی وہاں وہاں سُلٰلَةٍ مِّن طِین، انسانی جرثومۂ حیات بُسے ہُوئے گارے میں پیدا ہُوئے اور اپنی اوّلین ماں زمین کے شکمی مراحل طے کر کے کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر ہر برِّ اعظم میں بہت سے مرد اور عورتیں عالمِ وجود میں آئے۔ اس ابتدائی کثرتِ پیدائش کی خبر سُورہ اعراف میں بالفاظِ ذیل دیگئی ہے :۔

• وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۷/۱۱ اور بیشک ہمنے تم بہت سوں کو پیدا کیا، پھر تم بہت سوں کی صورتیں بنائیں، پھر ہمنے ملائکہ کو حکم دیا کہ سب نوعِ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ پھر سب سجدہ ریز ہو گئے مگر ابلیس نہ ہُوا ـــــ اس آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ابتدائی تخلیق ایک شخص کی نہیں تھی بلکہ مرد عورتیں بہت سے اشخاص کی تھی۔ اِس سلسلے کا آخری سوال یہ ہے کہ جب ۷/۱۱ کے مطابق ابتدا میں بہت سے مرد عورتیں پیدا کئے گئے تھے تو پھر مِن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کے الفاظ کیوں لائے گئے ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ ۷/۱۱ کے مطابق یہ تصوّر تو کسی بھی صُورت میں پیدا نہیں ہو سکتا کہ ابتدا میں صرف ایک فرد پیدا کیا تھا اور اُس کی بیوی اُس کی پسلی سے نکالی گئی تھی۔ پھر وُہ روزانہ شوہر سے دو بچوں کا حمل اُٹھاتی بھی تھی اور دو بچے روزانہ جنتی بھی تھی العیاذُ باللہ!۔ بلکہ یہاں نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ صفت موصوف ہے اور اس میں تنوین تعریف جنس کی ہے۔ یعنی بہت سے مرد عورتیں کرۂ ارض پر ایک ہی جنس جوہرِ ارضی سے پیدا کئے گئے تھے۔ سُورہ نساءٔ اور سُورہ اعراف میں نفسِ واحدہ میں مذکر مونث کی موجودگی کی خبر دیگئی ہے۔ ارشادِ باری ہے :۔

• يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا

كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۴/۱ = اَے نوعِ انسانی کے مردو اور عورتو! اپنے رب کی رُبوبیّت کی مخالفت سے بچو، جس نے تم کو ایک ہی جنس (زمینی جوہرِ حیات سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۲۳/۱۲) سے پیدا کیا اور اُسی جوہرِ ارضی، جرثومۂ حیات میں اُس کا جوڑا (مذکر و مونث) پیدا کیا۔ اور اُن دونوں صنفوں مذکر و مونث میں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کرکے زمین میں پھیلا دیئے۔

کیا ہر بیوی اپنے شوہر میں سے نکلی ہوئی ہے؟

● اُوپر خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں جو ھَا ضمیر برائے نفسِ واحدہ آئی ہے اُسکا معنٰی جنسِ واحد کیا گیا ہے اور اُسکا معنٰی یہ ہے نوعِ انسانی کو جنسِ واحد پیدا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کا جوڑا بھی اُسکے اندر رکھ دیا ہے یعنی جوہرِ ارضی کے واحد جنس کے جرثومۂ حیات میں مذکر و مونث بننے کی صلاحیت رکھدی گئی ہے۔ مگر روائتی تفاسیر نے نفسِ واحدہ سے مُراد لیا ہے حضرت آدم سلام علیہ۔ اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں زوج بمعنٰی بیوی لیکر یہ تصوّر پیدا کیا ہے کہ حضرت آدم کی بیوی حضرت حوّا اُن کے اپنے آپ میں سے نکالی گئی تھی۔ لیکن اگر خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے مذکورہ روائتی مفہوم لیا جانا صحیح تسلیم کیا جائے کہ نوعِ انسانی کے فردِ اوّل کی بیوی اُن میں سے نکالی گئی تھی تو سُورہ روم اور سُورہ شوریٰ کی شہادت کے مطابق یہ ماننا پڑے گا کہ ہر شخص کی بیوی اُسی میں سے نکالی جاتی ہے۔ سورہ روم میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا ۳۰/۲۱۔ دیکھیے نفس بمعنٰی اپنا آپ کے مطابق اِس کا مفہوم یہ ہے کہ:۔ اور اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے ہر ایک کے اپنے آپ میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ اِسی طرح سُورہ شوریٰ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ۴۲/۱۱ روائتی ترجمہ نفس بمعنٰی اپنے آپ اور ازواج بمعنٰی بیویاں کے مطابق اس آیت مجیدہ کا معنٰی بھی یہ بنتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ) آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے اس نے تمہارے ہر ایک کے اپنے آپ میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ تو اب بتائیے کہ بات کیا بنی؟ اگر ان آیتوں میں نفس بمعنٰی اپنا آپ لیا جائے تو خلافِ حقیقت ہے کیونکہ کوئی شخص بھی دنیا میں ایسا موجود نہیں، جس کی بیوی اُس میں سے نکالی گئی ہو۔ اِس لئے روائتی تراجم نے اِن آیتوں ۳۰/۲۱ اور ۴۲/۱۱ میں اَنْفُس کا معنٰی جنس لکھا ہے چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اور ڈپٹی نذیر احمد اور دیگر مترجمین نے ۳۰/۲۱ کا معنٰی لکھا ہے:۔ اُس (اللہ) نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں۔ اور ۴۲/۱۱ کا معنٰی لکھا ہے:۔ اُس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے۔ پس یہاں جُملہ مترجمین نے تسلیم کیا ہے کہ ۳۰/۲۱ اور ۴۲/۱۱ میں اَنْفُس کا معنٰی اپنا آپ نہیں بلکہ جنسِ آدم ہے۔ اسی طرح سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۶/۹۹ میں بھی نفسِ واحدہ کا یہ معنٰی ہرگز نہ کہ نفسِ واحدہ میں سے اُس کی بیوی نکالی گئی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا جوڑا ابتداءِ آفرینش ہی میں اُسکی جنس کا ٹھرا دیا تھا۔ اوپر ۷/۱۸ کے مطابق بنایا جا چکا ہے

کہ ابتداء میں ایک نفس نہیں پیدا کیا گیا تھا، بلکہ بہت سے افراد پیدا کئے گئے اور سب کے جوڑے اُن کی اپنی الگ جنسِ آدم میں سے ہی پیدا کئے گئے تھے۔ اگر نفسِ واحدہ سے مُراد حضرتِ آدم نبیؑ اور اُن کی بیوی اُن سے نکالی گئی مانی جائے تو ۷/۱۹۰ کے مطابق معاذ اللہ استغفر اللہ ثم معاذ اللہ استغفر اللہ اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی حضرت آدم ہی مشرک ٹھہرتے ہیں :-

● سورہ اعراف میں آیا ہے :-

● هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ○ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○ ۷/۱۸۹ تا ۱۹۰ - اگر روایتی تصور کے مطابق نفسِ واحدہ سے مُراد حضرتِ آدمؑ اللہ کے اوّلین نبی لئے جائیں تو ان آیتوں کا معنیٰ یہ بنتا ہے :-

● وہی ہے جس نے تم کو نفسِ واحدہ (حضرتِ آدمؑ) سے پیدا کیا اور (اُس کی بیوی (حوّا) اُسی میں ٹھہرائی (اُسی میں سے نکالی) تاکہ وہ اسکے ساتھ سکون حاصل کرے۔ پھر جب اُس نے اُسے (بیوی کو) ڈھانپا تو اُس نے ہلکا سا حمل اُٹھالیا۔ اور اُسکے ساتھ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو (میاں بیوی) دونوں نے اللہ تعالیٰ اپنے رب کے حضور میں دُعا کی کہ اگر تو ہمیں تندرست بیٹا دے گا تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے۔ پھر جب اُس نے انہیں تندرست بیٹا عطا کیا تو اُن دونوں (میاں بیوی) نے اُس میں جو اللہ نے اُن دونوں کو (بیٹا) دیا تھا، اللہ کا شریک ٹھہرالیا۔ لوگ جس میں اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس سے بلند و بالا ہے۔ (اُس کا کوئی شریک وجود تک سے ہی نہیں۔

● نفسِ واحدہ سے حضرت آدمؑ مراد لینے سے اُن میں سے نکالی ہوئی بیوی حضرت حوّا ثابت ہوتی ہیں۔ اسطرح اُن دونوں میاں بیوی کے متعلق ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرتِ حوّا کو پہلا ہلکا سا حمل ہوا تو اُسکے کامل اظہار پر دونوں نے دعا کی کہ بارِ الہا! اگر تو ہمیں صحتمند بیٹا عطا فرمائے تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں تندرست بیٹا عطا فرمایا تو دونوں میاں بیوی (یعنی معاذ اللہ استغفر اللہ حضرت آدمؑ و حوّاؑ) نے اللہ کیساتھ شریک کیا۔ اسی ناگفتنی تصور کو شاہ عبد القادر دہلوی کے موضح القرآن کے الفاظ میں مترجم قرآن مجید کے حاشیوں پر معاذ اللہ استغفر اللہ بالفاظِ ذیل نقل کیا گیا ہے۔ اسوقت ہمارے سامنے انجمن خدام الدین کا مترجم قرآنِ عزیز موجود ہے جس پر ربطِ آیات کے نام سے مولوی احمد علی صاحب مرحوم کا حاشیہ بھی ہے اور موضح القرآن کے نام سے شاہ عبد القادر کی تفسیر بھی موجود ہے۔ اِسکے صفحہ ۸۸ پر درج موضح القرآن کا اقتباس دو حصوں میں پیشِ خدمت ہے :-

(۱) "بعض کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ و حواؑ پر گزرا کہ جو اوّل حمل ہوا، ابلیس ایک مرد نیک کی صورت میں آیا اور ڈرایا کہ تیرے پیٹ میں کچھ بلا ہے۔ جب دونوں دعا کرنے لگے تب یہ کہا کہ میری دعا سے یہ بلا بدل کر بیٹا پیدا ہوگا اس کا نام رکھیو عبدالحارث - حارث شیطان کا نام تھا - وہی کیا - اس قصے میں پیغمبروں سے شرک ثابت ہوتا ہے، یا اس آیت میں عام مرد و عورت کو فرمایا - آدمؑ حواؑ کو نہیں گو اوّل ذکر ان کا ہو چکا۔"

(نوٹ) دیکھئے یہاں تک متکلم کی ضمیر زندہ و بیدار ہے - وہ حقیقت حال کی متلاشی ہے - چنانچہ حضرت آدم و حواؑ کی طرف منسوب کردہ شرک کو کتنی سے یہ غلط ہے - یہ خبر حضرت آدم کی نہیں بلکہ عوام کے مشرک مرد عورتوں کی ہے - یہاں تک تو اللہ کے اوّلین پیغمبر کو مشرک ٹھہرانے سے انکار کر دیا گیا ہے - لیکن اسی اقتباس کے دوسرے حصے میں ایک عجیب انداز کے ساتھ پھر آپ ہی کو مجرم ٹھہرا دیا ہے - چنانچہ اقتباس کے اگلے دوسرے حصے میں لکھا ہے :-

(۲) یا یوں کہئے کہ کچھ انسانوں میں (شرک) ہونا مقدر تھا جو حضرتِ آدم میں اوّل ظہور پکڑ گیا - اس میں وہ نمونۂ تقدیر تھے - اولاد کے گناہ ان میں نظر آئے، جیسے کہ آئینے میں صورت - چنانچہ نفس کی خواہش اور اللہ کی بے حکمی اور کہکر بھول جانا اور دیکر منکر ہوتا، یہ سب اولاد کی خوئیں ان (آدمؑ و حواؑ) میں نظر آ گئیں - (موضح القرآن شاہ عبدالقادر مرحوم کے اقتباس کے دونوں حصے ختم ہوئے) اپنے مترجم نسخہ کے حاشیے پر ملاحظہ فرمائیں۔

● اس اقتباس میں حضرت آدم و حواؑ پر شرک کا الزام کھل کر لگا دیا گیا ہے - بلکہ نام نہاد تقدیر کے چکر کے نام سے آپ پر نفس کی خواہش، اللہ کی بے حکمی یعنی نافرمانبرداری، کہکر بھول جانے اور دیکر منکر ہو جانے کا الزام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر کا چکر چلا کر منسوب کر دیا ہے کہ یہ سب کچھ ان سے اللہ تعالیٰ نے کروایا (العیاذ باللہ!) لیکن مولوی احمد علی صاحب مرحوم اسی صفحہ ۲۸۸ کے حاشیے پر ربط آیات کے ضمن میں ربط آیت نمبر ۱۸۹ میں لکھتے ہیں :-

"تمام انسانوں کا باپ اور ماں ایک ہے دونوں بزرگوں نے ولدِ صالح کی دعا فرمائی - لہذا جس طرح غفلت میں شیطان نے ان دونوں یا بقول بعض مفسران حضرت) حوا کو بہکایا تھا - اسی طرح ہر بنی آدم کو غفلت کی حالت میں وہ انہیں اپنے قابو میں لا سکتا ہے"۔ اس سے آگے :-

● ربط آیت نمبر ۱۹۰ میں مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے لکھا ہے۔ "بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ بچے کا نام عبدالحارث (شیطان کا بندہ) حواؑ نے رکھا تھا - لیکن چونکہ اسکے ذمہ دار حضرت آدمؑ ہی تھے - اسلئے اللہ تعالیٰ نے شرک کے عتاب میں انہیں شامل کیا"۔——— افسوس ہے کہ محترم لاہوری صاحب مرحوم نے بھی نفسِ واحدہ سے حضرت آدم اور زوج سے حضرت حواؑ ہی مراد لیکر حضرت آدم و حوا پر شرک کا الزام قائم رکھا ہے - افسوس!

● آگے بڑھنے سے پہلے اوپر اسی صفحہ پر دیئے گئے موضح القرآن کے اقتباس کے خط کشیدہ الفاظ نمبر ۱ تا ۴ پر غور فرمالیں - جن میں لکھا ہے کہ "اولاد کی خوئیں ان (حضرت آدم و حوا) میں نظر آ چکیں"۔ دیکھئے! یہ تصور کس قدر حقیقت سے ہٹا ہوا ہے

کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ ماں باپ کی خوبیں نطفہ کے ذریعہ اولاد میں منتقل ہوتی ہیں۔ مگر یہاں یہ کہا گیا ہے کہ اولاد کے خوؤں نے باپ دادا میں ظہور پکڑا (الٹی گنگا پہاڑوں کو جائے)۔

● پھر لکھا ہے کہ اس میں وہ (حضرت آدم وحوا) نمونۂ تقدیر تھے۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خود خدا تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اُن کیلئے شرک مقدر کر دیا ہے تو پھر اُنکا شرک کا فعل عملِ خداوندی ہُوا وہ مجرم کیوں ٹھہرے؟ یا للعجب! حقیقت یہ ہے کہ جب ایک قدم غلط اُٹھ جائے تو اُسکے بعد ہر قدم غلط اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ پہلا غلط قدم یہ اٹھ گیا کہ نوعِ انسانی کی پیدائش ایک بُت سے شروع کی گئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بتکرار ارشاد فرمایا ہے کہ ہمنے انسان کو زمین میں سے پیدا فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوں تکراری آیات مجیدہ :-

ا۔ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ۱۱/۶۱ ہمنے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کر دیا۔

ب۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۲۰/۵۵ ہمنے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا ہے، (مرنے کے بعد) ہم تمہیں اپنی زمین میں واپس لوٹا دیتے ہیں اور (قیامت کو) اِسی میں سے دوبارہ نکال لیں گے۔

ج۔ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۵۳/۳۲ وہ (اللہ) خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین میں سے پیدا فرمایا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے رحم میں بصورتِ جنین ہوتے ہو۔

د۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ ۷۱/۱۷-۱۸ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے اُگایا ٹھیک ٹھیک اگانا۔ پھر (تمہارے مرنے کے بعد) تمکو اسی (زمین) میں لوٹا دیتا ہے پھر وہ (قیامت کو) تمہیں دوبارہ زمین میں سے نکال لیگا صحیح صحیح نکال لینا۔

ر۔ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝ ۳۷/۱۱ بیشک انسانوں کو گیلی چکنی مٹی (دلدلی زمین) میں سے پیدا کیا۔ زمین میں سے پیدا کرنے کی درجنوں آیات مجیدہ قرآن بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مگر بُت بنا کر نوعِ انسانی کو پیدا کرنے کی کوئی ایک آیت بھی قرآن بھر میں موجود نہیں۔ پس حضرتِ آدمؑ کے بُت بنانے کے تصور کا ایک قدم غلط اُٹھ جانے کی بدولت حضرت حوّا کو اُن کی پسلی میں سے نکالنے کا تصور کھڑا کرنا پڑا۔ پھر جو حضرتِ آدم میں سے نکلی تھی وہ بیٹی ہوگی۔ یعنی کرۂ ارض پر اوّلین نکاح بیٹی کے ساتھ واقع ہونے کا نظریہ قائم ہُوا۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ! پھر نوعِ انسانی کی اوّلین خاتون کے متعلق یہ بتایا گیا کہ اُسے روزانہ دو بچے جننے بھی ہوتے تھے اور اُس کے بعد روزانہ شوہر سے دو بچوں کا حمل بھی اُٹھانا ہوتا تھا۔ پھر پوری نوعِ انسانی بہن بھائی کے نکاحوں سے آگے بڑھی معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! ۔ پس حضرتِ آدم کا بُت بنانے کا نظریہ تو بذریعہ تصریحِ آیاتِ قرآنیہ غلط ہے۔ نوعِ انسانی زمین سے پیدا کیگئی تھی ۱۱/۶۱ + ۲۰/۵۵ + ۵۳/۳۲ + ۷۱/۱۷-۱۸ اور کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کرلی گئی تھیں ۷/۱۱ اِس پر قرآنِ کریم نے یہ زندہ و پائندہ دلیل دی ہے :-

● وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۳۰/۲۲ اور اُس اللہ کی نشانیوں میں سے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا اور اختلاف تمہاری بولیوں (زبانوں) کا اور تمہارے رنگوں کا کہ زمین کے جس جس خطے میں پیدا ہوئے اُسی خطے کی آب و ہوا کے مطابق رنگ پایا۔ خطِ استوا کے گرد شدید گرم زمین سے پیدا ہونیوالے لوگ کالے سیاہ ہیں، منطقہ معتدلہ کے گندمی اور منطقہ باردہ یعنی ٹھنڈی زمین میں سے پیدا ہونیوالے لوگ گورے سفید۔ اور اسی طرح جہاں جہاں پیدا ہوئے وہاں وہاں اپنی الگ الگ زبانیں وضع کر لی گئیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ۔

(نوٹ) پیچھے صفحہ ۲۲۷ - ۲۲۸ پر نقل کردہ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۹۹ کے ضمنی نوٹ ۱ے متعلقہ نفسِ واحدہ کی تفصیل میں ہم دور نکل آئے ہیں۔ نفسِ واحدہ سے مراد حضرتِ آدم نہیں بلکہ پوری نوعِ آدم کا واحد نوعی جرثومۂ حیات مُراد ہے جو زمین میں موجود جملہ عناصر کا جوہر ہے۔ اب اسی آیت نمبر ۹۹ کے صفحہ ۲۲۷ پر دئے گئے باقی ضمنی نوٹ بالترتیب ملاحظہ فرمائیں :—

● ۲ے فَمُسْتَقَرٌّ میں لفظ مُستقر کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ ر۔ ر = قرر جس کا مصدری معنٰی ہے قرار پکڑنا۔ ٹھکانہ کرنا، اور اسکے اسمی معنے ہیں ٹھکانہ، قرارگاہ، مکان۔ یہاں پر فی حرفِ جار محذوف ہے جو ۲/۳۶ + ۷/۲۴ میں مظہر مذکور ہے :— وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ = اور اے نوعِ انسانی تم سب کے سب کیلئے آخری دم تک کیلئے زمین میں حقِ استقرار بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلّم ہے۔ پس یہاں آیت زیر بحث ۶/۹۹ میں بھی تقدیرِ کلام یہ ہے :— وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ۔ پس فَمُسْتَقَرٌّ کے الفاظ میں پوری نوعِ انسانی کا پیدائشی حق بتایا گیا ہے کہ اس کا کوئی فرد کرایہ دار نہیں ہونا چاہئے، ہر کسی کا مکان بلا کرایہ میسّر ہونا چاہیئے۔ یہ ذمہ داری مرکزی حکومت کی ہے ۲۲/۴۱۔

● ۳ے اسی ضمن میں وَمُسْتَوْدَعٌ کا لفظ لایا گیا ہے۔ اِس کا سہ حرفی مادہ ہے و۔ د۔ ع = ودع جس کا بُنیادی معنٰی ہے سُکھ آرام اور مصدری معنٰی ہے سُکھ آرام، امن سے رہنا۔ اسلئے مُسْتَوْدَع ظرفِ مکان کا معنٰی ہے سُکھ اور آرام کی جگہ۔ جو صرف اُسی معاشرہ میں میسّر آتی ہے جہاں پوری نوعِ انسانی کے ضروریاتِ زندگی کے بنیادی پیدائشی حقوق قانوناً متوازن و مساوی تسلیم کئے گئے ہوں۔ پس مستودع سے پوری نوعِ انسانی کا ضروریاتِ زندگی کا متوازن و مساوی حق ثابت ہے، جیسے کہ ۲/۲۹ میں ارشاد ہوا ہے :— هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۲/۲۹ اے نوعِ انسانی! وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، وہ سب کا سب تم سب کے سب کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ اِس آیت مجیدہ لَكُمْ کی ضمیر جمع مخاطب میں پوری نوعِ انسانی مراد ہے اور جَمِيْعًا کے لفظ میں کھول کر بتایا گیا ہے کہ زمین میں پیدا کردہ ہر چیز تم سب کے سب یعنی پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے یعنی زمین

کی جملہ نعمتوں کا ہر فردِ انسانی کو میسّر آنا ہر فردِ انسانی کا پیدائشی حق ہے۔

● مستقرّ اور مستودع کے یہی الفاظ سورہ ھود میں ہر جاندار کے پیدائشی حقِّ رزق کا اعلان کرنے کے بعد لائے گئے ہیں:۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۞ ۱۱/۶ = اور نہیں ہے زمین میں کوئی بھی جاندار مگر سب کیلئے (رزق کے سامان پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے اور وہ اللہ خوب جانتا ہے اُس کے رہنے کی جگہ کو اور وہ اُس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی خوب جانتا ہے۔ یہ سب کچھ بصورتِ مشہود اسکی کھلی کتابِ کائنات میں موجود ہے۔

حیوانات کا حصولِ رزق

● اس آیتِ مجیدہ ۱۱/۶ میں اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ہر کسی جاندار کا رزق اللہ کے ذمّہ ہے اِس تصوّر کے مطابق کیا کسی کو حصولِ رزق کیلئے کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیئے؟ واضح رہے کہ مَا مِنْ دَآبَّةٍ میں ہر جاندار شامل ہے اور رزق سے متعلقہ اعلان كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کے الفاظ میں کر دیا ہے کہ ہر جاندار کے رزق کی ذمّہ داری کا مشاہدہ اُسکی کھلی کتابِ کائنات میں موجود ہے۔ مثلاً جنگل میں ہر صبح کو ہر جاندار روزی کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔ چڑیا، کوّے، فاختائیں، بلّیاں کتّے، حتّٰی کہ چیونٹیاں تک رزق کی تلاش میں کوشاں ہو جاتے ہیں۔ جنگلی جانور شیر، چیتے، بھیڑیئے، لومڑ، گیدڑ شکاری جانور بھی تلاشِ رزق میں نکل پڑتے ہیں اِسی طرح ہرن، جنگلی بکرے اور جنگلی گائیں سب کے سب خود تلاشِ رزق کرتے ہیں۔

● خدا تعالیٰ نے اپنی رزق کی ذمّہ داری کے مطابق ہر قسم کے جنگلی جانوروں کیلئے جنگل میں اُن کے رزق کے سامان مہیّا کر دیئے ہیں۔ شکاری جانوروں کیلئے جنگل میں شکار کا سامان موجود ہے۔ غیر شکاری جانوروں کیلئے جنگل کی وسیع و عریض چراگاہیں اللہ تعالیٰ کا بچھا ہوا دسترخوان ہے، مگر ہر جانور کو حصولِ معاش کے لئے خود اُٹھنا، جنگل میں جانا اور خوراک حاصل کرنا ہوتی ہے۔ پس رزق کے اللہ کے ذمّہ ہونے اور كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کی عملی شکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لئے سامانِ رزق مہیّا کر دیا ہوا ہے مگر اس کے حصول کے لئے ہر جاندار کو خود کوشش کرنا ہوتی ہے۔

● لیکن اِن جنگلی جانوروں میں سے جن جانوروں یعنی گائیں، بھینسیں، گھوڑے، گدھے، بھیڑ بکریاں وغیرہ جن جانوروں کو انسان نے جب اپنے فائدوں کیلئے جنگل سے لاکر کھونٹے پر باندھ لیا ہے۔ تو مشاہدہ گواہ ہے کہ اب اُنکے متعلق خدا تعالیٰ کی ذمّہ داری ختم ہو چکی اب اِن کھونٹوں سے بندھے ہوئے جانوروں کو چارہ اور پانی دینا کھونٹے پر باندھنے والے کے ذمّہ آچکا ہے۔ اگر کھونٹے پر بندھی ہوئی گائیں بھینسیں اور باڑوں میں ڈھکی ہوئی بھیڑ بکریوں کی خواہ بھوک پیاس کی بدولت بالشت بھر لمبی زبانیں نکلی ہوئی ہوں یا خواہ وہ بھوک پیاس کی شدّت کی بدولت دم تک کیوں نہ توڑ دیں انسان ہی دانہ پانی دیتا ہے نہ کہ اللہ۔

انسانوں کا حصولِ رزق

• بالکل یہی حالت ہے حضرتِ انسان کی کہ ابتداء میں غاریں اسکا مسکن تھا اور آم انار انگور شہتوت انجیر زرد آلو آلوچے خوبانیاں اور ناشپاتیاں وغیرہ درختوں کے سینکڑوں قسم کے پھل اور خربوزے تربوز، ککڑیاں اور کھیرے متعدد قسم کے زمینی پھل اسکی خوراک تھی۔ اسکے بعد غاروں سے نکل کر میدانوں کی کھلی فضا میں آیا تو پہلے پہل درختوں کے نیچے بسیرا کیا اور اس کے بعد کچی جھونپڑیاں بنا کر قبائلی زندگی شروع کی اور آہستہ آہستہ اچھی قسم کے مکان بنانے لگا۔ حتّٰی کہ اس تکلیف کے دفعیہ کے لئے ریاستی نظام کی ضرورت پیش آئی کہ طاقتور افراد کمزوروں کا مال اسباب چھین کر لے جاتے مگر کمزوروں کی دادرسی کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ ان ضروریات کے ماتحت ریاستی نظام عالمِ وجود میں آیا۔

• بڑھتی ہوئی آبادی کی غذائی ضرورتوں کے لئے باری تعالیٰ نے زراعت کیلئے وافر رزق کی فراہمی کے عام ذرائع مُہیا کر رکھے ہیں۔ زمین کے اندر فصلوں کو اُگانے کی خصوصیت مہیا کر دی ہوئی ہے۔ فصلوں کو بڑھانے اور پکانے کیلئے سُورج کی بہت بڑی بھٹی دہکا رکھی ہے۔ پھر موسموں کی تبدیلی اور رات دن کے بدل بدل کر لانے کا انتظام کیا مختلف موسموں کی مختلف فصلوں کو اگانے اور پکانے کے لئے انتظام کر رکھا ہے۔ فصلوں کو سیراب کرنے کیلئے بارشیں اور دریا موجود ہیں۔ فصلوں کو بارشوں کے ساتھ بھی سیراب کیا جاسکتا ہے اور دریاؤں سے نہریں نکال کر بھی یہ ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رزق کی ذمہ داری کہ اگرچہ اُس نے حصولِ رزق کے سارے سامان مہیا کر دئیے ہیں مگر حصولِ رزق کے سامان مکمل کرنے کے باوجود ہل چلانا، فصلیں بونا، کاٹنا اور گاہنا حضرتِ انسان کا اپنا کام ہے۔

• اس سے آگے یَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا کے الفاظ میں ہر جاندار کی رہائش کو جاننے کی خبر دی گئی ہے۔ پرندے درختوں پر رہتے ہیں اُنکی رہائش کے لئے درخت مہیا کر دئیے گئے ہیں۔ لیکن گھونسلا بنانا یہ اُن کا اپنا کام ہے۔ جنگلی جانور غاروں یا خود کھودی ہوئی کھچاروں میں رہتے ہیں۔ اُن کے لئے بنی بنائی پتھریلی غاریں بھی مہیا کر دی گئی ہیں اور نرم زمین بھی۔ اسکے علاوہ انسان کو چونکہ ترقی پسند پیدا کیا ہے جو نہ غاروں پر اکتفا کر سکتا ہے نہ کچے کوٹھوں اور نہ عام پختہ مکانوں پر۔ اسلئے خلّاقِ عالم نے اِس بھری کائنات میں اسکی تسکینِ ضروریات کیلئے پکی مٹی کے گارے کے علاوہ اُس کے لئے سیمنٹ بجری اور لوہا وغیرہ ہر چیز کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ نئی سے نئی اور اعلیٰ سے اعلیٰ بلڈنگوں کا مشاہدہ، کائنات کی کھلی کتاب میں موجود ہے۔

• مُسۡتَوۡدَعَهَا میں مستودع کا سہ حرفی مادہ د۔د۔ع ہے جس کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کو بنا ئت آسانی کیساتھ چھوڑ دینا۔ اِسی لئے کسی مقام سے بطریقِ احسن چلے جانے کیلئے بھی ودع ہونے کے الفاظ آتے ہیں اور اہلِ مقام یا اہلِ خانہ کا اپنے مقام یا اپنے گھر سے بحُسن وخوبی مہمان کو رخصت کرنے کو ودع کرنا کہا جاتا ہے۔ اور اُس وقت مہمان کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے کہا جاتا ہے فی امان اللہ۔ مستودع کا لفظ اسم مفعول واحد مذکر بھی ہے اور ظرفِ مکان بھی ہے (دیکھئے

قاموس القرآن صفحہ ۵۱۲) یعنی اس کا معنی سونپا ہُوا بھی ہے اور سونپے جانے کی جگہ بھی ہے۔ سابقہ مفسرین نے مستقر کا معنی لیا ہے ماں کا پیٹ جہاں بچہ صرف ۹ ماہ رہتا ہے، قرار پکڑتا ہے اور لفظ مستودع کا معنی لیا گیا ہے قبر جس کو میت سونپی جاتی ہے۔ چونکہ یہ الفاظ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کے تحت يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا کی صورت میں آئے ہیں اس لئے اپنے اپنے بنیادی معنوں کے مطابق ہر دآبہ کے رزق اور رہائش سے متعلق ہیں۔ اس لئے مستقر اور مستودع کا معنی ماں کا پیٹ اور قبر صحیح نہیں ہے بلکہ زمین کے ہر جاندار کی زمینی زندگی میں اس کی ضروریات رہائش اور خوراک کو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری قرار دینے کی خبر دی گئی ہے۔

● نیز اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے مسئلہ مستقر اور مستودع کو سمجھنے کیلئے اعلان کر دیا ہے كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ یہ زمین کے ہر جاندار کے مستقر (رہائش گاہ) اور مستودع (سونپے جانے کی جگہ) کا مشاہدہ کائنات کی اس کھلی ہُوئی کتاب میں موجود ہے۔ بالفاظِ دیگر مشاہدہ بتا رہا ہے کہ خلّاقِ عالم نے کس طرح ہر جاندار کے مستقر کا مسئلہ حل کر دیا ہُوا ہے اور کس طرح بعض جاندار انسانوں کو سونپے گئے ہیں اور انسان ریاستی نظام کو سونپے گئے ہیں۔ غور فرمائیں کہ گائیں بھینسیں، بھیڑ بکریاں اور گھوڑے گدھے وغیرہ سب جنگلی جانور ہیں، جو جنگل سے نکال کر انسان کو سونپے جا چکے۔ یہ جانور جب تک جنگل میں تھے۔ خدا تعالیٰ کی رزق کی ذمہ داری یہ تھی کہ اُس نے چراگاہیں اور چشمے پیدا کر رکھے ہیں۔ یہ خود رزق کی تلاش میں نکلتے اور کھلی چراگاہوں سے پیٹ بھرتے اور قدرتی چشموں سے سیراب ہوتے تھے۔ لیکن جب حضرتِ انسان نے انہیں اپنی ذمہ داری میں لے لیا اور اپنے کھونٹے پر باندھ دیا تو اب ان کے رزق کی ذمہ داری انسان کے ذمہ آئی، اس کو سونپی گئی۔ اب ان کے لئے چارہ لانا اور ان کے آگے ڈالنا، خود انسان کا کام ہے اگر کبھی ایسا ہو کہ کوئی گائے بھینس دھوپ میں بندھی ہو۔ پیاس کی شدت سے اُس کی بالشت بھر زبان نکلی ہُوئی ہو۔ مالک صحن کو تالہ لگا کر چلا گیا اور بھول گیا ہو کہ اُس کا جانور دھوپ میں بندھا ہُوا ہے۔ تو ایسا کبھی نہیں ہُوا کہ اُس جانور کو اللہ تعالیٰ پانی پلا دے یا چارہ کھلا دے۔ خواہ وُہ تڑپ تڑپ کر جان دے دے۔ وہی شخص اُسے چارہ کھلائے گا اور پانی پلائے گا جس نے اُسے اپنے کھونٹے پر باندھا ہوتا ہے۔ یہ ہے کھونٹے پر بندھے ہُوئے جانوروں کا مستودع (یعنی اُن کے سونپے جانے کی جگہ۔

● یہی حال ہے ریاستی کھونٹوں کا، کہ ہر ریاست کے عوام الگ الگ ریاستی کھونٹوں پر بندھے ہُوئے ہیں۔ یہ اُن کا مستودع ہے۔ وہ ہر ریاست کے جائز و ناجائز ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ریاست کا ہر حکم ماننے کیلئے مجبور ہوتے ہیں۔ جس طرح گائیں بھینسوں گھوڑوں گدھوں کو کھونٹے پر باندھنے والا نہ صرف اُن سے کام لینے اور فائدہ اُٹھانے کا حقدار ہے، بلکہ اُن کے رزق و رہائش دونوں کا ذمہ دار بھی ہے، اُسی طرح ہر ریاستی نظام، ریاستی کھونٹے پر بندھے ہُوئے عوام سے نہ صرف ٹیکس وصول کرنے اور اپنا ہر حکم منوانے کا مستحق ہے بلکہ ہر فردِ ریاست کی ضروریاتِ زندگی رہائش، خوراک لباس علاج

اور تعلیم کا ضامن بھی ہے کہ وُہ ایسا نظام قائم کرے جس کی کم از کم یہ حالت ہو کہ اُس کے اندر نہ کوئی بھُوکا ہو نہ ننگا' اور نہ کوئی بے مکان (یعنی کرایہ دار) اور نہ بے علاج و بے تعلیم ہو۔

مُستَودَع کا متبادِل قرآنی مفہوم | • واضح رہے کہ قرآن فہمی کے قرآنی اصولِ تعریفِ آیات کی رُو سے مستودع کا مذکورہ معنیٰ ہی صحیح ہے سونپے جانے کی جگہ، کیونکہ اِسکا متبادل لفظ ٢/٣٦ + ٧/٢٢ کے دو مقامات پر مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ کے انداز میں مَتَاع بمعنیٰ ضروریاتِ زندگی موجود ہے۔ اور یہاں مُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ آیا ہے۔ اُوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ فردِ ریاست کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ واری ریاستی نظام کی ہے' جس نے زمین کا انتظام سنبھال رکھا ہوتا ہے کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں زمین ہی کے ذریعہ نعماءِ خداوندی عطا (مرحمت) کئے جانے کی خبر دی گئی ہے:-

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ١

اور وہی ہے جو نازل کرتا ہے سے آسمان سے پانی

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ

پھر نکالتے ہیں ہم ساتھ اسکے انگوری ہر چیز کی پھر نکالتے ہیں ہم سے اسکے

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ

سبزہ نکالتے ہم سے اسکے دانے تہ بتہ سوار اور سے درخت کھجور

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ

سے شگوفے گچھے جھکے ہوئے اور باغات سے انگور کے

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ

اور زیتون اور انار باہم ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ ٢ وَيَنْعِهٖ ٣ اِنَّ

غور کرو طرف پھل اسکے جب وہ پھلتا ہے اور پکنے اسکے بیشک

فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝١٠٠

بیچ مذکورہ بیان البتہ نشانیاں ہیں واسطے قوم ماننے والی

اور وہ (اللہ ہی وہ عظیم الشّان ذات) ہے جو آسمان سے پانی نازل کرتا ہے[1]۔ پھر ہم اُس کے ساتھ ہر قسم کی نباتات پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہم نکالتے ہیں اُس سے سبزہ۔ نکالتے ہم (ہر قسم کی اجناس کے) دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں سے اُن کے شگوفے نکالتے ہیں جھکے ہوئے گچھوں کی صُورت میں۔ اور (ہم اُس پانی کے ساتھ) باغات پیدا کرتے ہیں انگوروں کے اور (روغنی ضروریات کیلئے) زیتون کے درخت' سے (یہ سب اناج اور میوے) آپس میں ملتے جلتے ہوتے بھی ہیں اور نہ ملتے جُلتے بھی ہوتے ہیں۔ (رنگوں میں بھی اور ذائقوں میں بھی متماثل اور غیر متماثل)۔

اور غور کرو (اناج کے پودوں اور پھلدار درختوں کے) پھلوں پر جب وہ پھل لاتے ہیں[2] اور (غور کرو) اُس کے پکنے پر[3] بیشک مذکورہ بالا بیان میں ماننے والی قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں[4]۔

• [1] اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً میں اَنْزَلَ فعل ماضی ہے۔ لیکن قواعدِ عرب کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کا ذکر اگرچہ ماضی کے صیغے میں بیان کیا جائے مگر اُسکا معنیٰ مضارع حال جاریہ کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ اِسلئے اَنْزَلَ کا صحیح معنیٰ ہے وہ اللہ ہی ہے جو آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔

• ع۱ بارش کے پانی کے ساتھ اناج اور میوے پیدا کرنے کی خبر دینے کے بعد دعوت دی گئی ہے:۔ اُنظُرُوٓا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثمَرَ وَیَنعِہٖ۔ غور کرو کہ اناج کے پودے کس طرح پھل دیتے اور پھلدار درخت کس طرح میووں سے لد جاتے ہیں۔ یہ بھی سب کچھ اُسکے قوانینِ جاریہ کے مطابق ہوتا ہے کہ زمین اچھی، بیج صحتمند اور فصل کے جملہ لوازمات مہیا کیے جائیں تو فصل عمدہ اور زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر زمین ناقص یا بیج بیمار بو دیا جائے تو اناج نہ اچھا پیدا ہوتا ہے نہ بافراط۔

• ع۲ وَیَنعِہٖ کے الفاظ میں اِس چیز کی طرف دعوت تفکّر دیگئی ہے کہ دیکھو پھر جب فصلوں اور درختوں میں پھل لگتا ہے تو اسوقت کچا اور سبز ہوتا ہے، پھر وہ کس طرح پک کر سُنہری رنگت اختیار کرتا ہے۔

• ع۳ اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ کے جملۂ مبارکہ میں دعوت دیگئی ہے کہ زیرِ نظر بحث کے ہر لفظ میں اُس قوم کیلئے جو کتابِ الٰہی پر ایمان لانیوالی ہے بہت سی نشانیاں ہیں۔ مثلاً سب سے اوّل آسمان سے بارش برسانے کی خبر میں یہ مشاہداتی نشانات موجود ہیں کہ سُورج کی تمازت کے ساتھ سمندروں، دریاؤں، نہروں، جھیلوں اور جوہڑوں کا پانی ہر آن بخارات بن کر اُڑتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ آبی بخارات اِس فضاءِ بسیط میں ہوا کا جزوِ مخصوص بنتے رہتے ہیں۔ جب یہ چھوٹے چھوٹے آبی قطرے ٹھنڈے منطقے میں پہنچتے ہیں تو آپس میں مل کر جب بوجھل ہوجاتے ہیں تو بارش کی صُورت میں برس پڑتے ہیں۔

• بارش کے برسنے کی متعدد وجہوں میں سے ایک یہ بھی ہے زوردار گرمی کے دنوں میں جس طرح کسی خطّے میں زمین کی ہوا گرم ہوکر ہلکی ہوجاتی ہے تو وہ اُوپر کو اٹھ جاتی ہے۔ اور اس خلا کو پُر کرنے کیلئے سمندر کی ٹھنڈی نمناک ہوا زور سے آتی ہے اور پہاڑوں سے ٹکرا کر برس پڑتی ہے۔

• دوسرے نمبر پر آئت زیرِ بحث میں بارش کے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور اُسکے ساتھ ہر قسم کا اناج اور پھل پیدا ہونے اور پھر سُورج کی تمازت کیساتھ اُن کے بڑھنے اور پکنے پر دعوتِ تفکّر دیگئی ہے کہ اُن مخفی قوانین کا سراغ لگایا جائے کہ فصلیں کیوں خراب ہوجاتی ہیں۔ اور درختوں کے پھل کیوں پکنے سے پہلے ہی خراب ہوکر جھڑ جاتے ہیں۔ جن قوموں نے اِس قرآنی دعوت پر لبیک کہہ کر قوانینِ جاریہ کے مخفی راز معلوم کرکے انہیں اپنا لیا ہے وہ ایک ایک موسم میں دو دو تین تین بھرپور فصلیں حاصل کر رہے ہیں۔ اور اُن کے باغوں کے میوے انتہائی مثالی مقدار میں پھل دے رہے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال مزید ترقی پذیر ہے۔ گندم کی بڑھتی ہوئی پیداوار، قرآنِ کریم کی خبر کے مطابق ایک ایک دانے کے سات سات سو دانے مطابق ۷/۷۰۰ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز سبع یعنی سات کا عدد عربی زبان میں مبالغہ کے لئے بھی آتا ہے، اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر دعوتِ خداوندی کے مطابق زمینی پیداوار کے متعلق خداوندی قوانین کے مخفی رازوں کو معلوم کرنے کی کوشش بدستور جاری رہی تو ایک ایک دانے کے بدلے ان گنت دانے میسر آیا کریں گے، سات سو کا عدد مبالغہ کے لئے آیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور فصلوں کو صحتمند اور بے انتہا کثیر مقدار میں عطا کرنے کیلئے اُوپر سے بارش

کے قطروں میں ہائیڈروجن اکسائیڈ، امونیا اور کاربن ڈائی اکسائیڈ جیسی گیسیں پیدا کرنے کا انتظام کر رکھا ہے جو بارش کے قطروں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ یہ گیسیں پیدا ہوتی ہیں مویشیوں کے گوبر، پیشاب اور انسانی بول و براز سے اور ذبح کردہ جانوروں کے خون اور مردہ جانوروں کے گوشت اور عام گندگی کے گلنے سڑنے سے، اور ان کے گلے سڑے اجزا سے قسم قسم کے کھاد تیار ہوتے ہیں۔

• ان فصلوں اور پھلوں کو پکانے کیلئے سورج جیسی عظیم بھٹی کا دہکانا بھی جو ہر چیز کی زندگی کیلئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہے اِس پر بھی دعوتِ تفکر دی گئی ہے۔

سائنسی معلومات کو نہ ماننے والے اور ان پر عمل نہ کرنیوالے ان سے کوئی فائدہ نہیں پا سکتے

• آیتِ مجیدہ زیرِ بحث کے اخیر میں جو کہا ہے کہ ان چیزوں میں نشانیاں اُس قوم کے لئے ہیں جو ان کو ماننے والے ہیں۔ کہ کائنات کے اس گوشے سے بھی اللہ تعالیٰ کے مقررہ قوانین کے مطابق ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اِس کے برعکس جو لوگ پھلوں اور فصلوں کی روز افزوں افزائش کے قانونِ خداوندی پر ایمان نہیں لاتے اور صرف یہ کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت ہے کہ اس سال فصل ماری گئی ہے۔ وہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت تو اللہ کے خود متعینہ قوانین ہیں۔ جب ہم سے غیر شعوری طور پر ان کے مطابق عمل ہو جاتا ہے تو اللہ کی قدرت سے وافر فصل حاصل ہوتی ہے اور جب اُن کی مخالفت ہو جاتی ہے، تو فصل ماری جاتی ہے یا بہت کم ہوتی ہے۔

غیر اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہرانا

• مذکورہ بالا قوانینِ خداوندی سے بے خبری کا نتیجہ یہ ہے کہ جب فصل کم ہوتی ہے تو لوگ بھاگتے ہیں پیروں فقیروں اور تعویذ فروشوں کی طرف مگر جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے متعینہ قوانینِ جاریہ کے خلاف محض دعاؤں یا تعویذ گنڈوں کے ساتھ حصولِ مقصد کا تصور دے رکھا ہے، یا صرف دعاؤں اور دم چھو کو قوانینِ خداوندی کا بدل بنا کر پیش کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے شریک قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کے خلاف ایسے لوگوں سے حصولِ مقصد کے لئے رجوع کرنے والوں کو مشرک قرار دیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ان شریک ٹھہرانے والوں نے بعض لوگوں کو اللہ کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور بعض کو بیٹیاں۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹوں کی سفارش تو رد نہیں کرے گا۔ دیکھئے ارشادِ باری :۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ

اور ٹھہرائے واسطے اللہ کے شریک چھپنے والوں کو اور پیدا کیا ان کو

وَخَرَقُوا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهٗ

اور ٹھہرائے واسطے اس کے بیٹے اور بیٹیاں بغیر جانے کے پاک ہے وہ

اور (انہوں نے) اللہ کے لئے شریک ٹھہرا لیا جنوں کو (جو لوگوں کی نگاہوں میں) چھپے رہتے ہیں) حالانکہ انہیں اُس نے پیدا کیا ہے (اللہ نے) اور خود انہوں نے لاعلمی کیساتھ (بعض نے مسیح و عزیر کو بیٹے) اللہ کے بیٹے ٹھہرا لیا ہوئے اور بعض نے (لات عزیٰ کو) بیٹیاں ۵۳/۶۰

وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ ۱۰۱ ع ۱۲/۱۸
اور بلند شان اس سے جو صفات بیان کرتے ہیں

کو) اسکی بیٹیاں ۔ پاک ہے وہ اور بلند شان ہے اس سے جو صفات وہ بیان کرتے ہیں ۔

جنّوں کی بحث

● عام جنّوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دکھائی نہیں دیتے ۔ قرآن مجید میں اس چیز کا کوئی ذکر اور اشارہ تک موجود نہیں ۔ پھر اگر ایک سیکنڈ کیلئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کوئی اتنی بے وقوف مخلوق دُنیا میں موجود ہے کہ جب کوئی عورت انکے باورچی خانے میں پیشاب کرنے لگتی ہے تو اُسے منع نہیں کرتے کہ بی بی یہ ہمارا باورچی خانہ ہے ، یہاں پیشاب نہ کر ۔ مگر جب وُہ پیشاب کر دیتی ہے تو اسے چمٹ جاتے ہیں ۔ اور خلوت نشینوں کی چاندی ہو جاتی ہے جو جنّ نکالنے کا دھندا شروع کئے ہوئے ہوتے ہیں ۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اگر کوئی نہ دکھائی دینے والی مخلوق ہے تو یہ امر صد فیصد ناممکن ہے کہ اُن کا باورچی خانہ اور ان کے برتن بھی دکھائی نہ دیں ۔ پھر اُن کے بدن کے کپڑے بھی دکھائی نہ دیں نیز اُن میں سے مسلمانوں کی مسجدیں اور کافروں کے بُت خانے بھی دکھائی نہ دیں ۔

● عربی زبان میں لفظ جن کا سہ حرفی مادہ ج ۔ ن ۔ ن جنن ہے اسکا بنیادی معنی ہے ، چُھپا ہُوا یا چُھپ جانے والا ۔ عربی زبان میں دیہاتیوں کو اسلئے جن کہتے ہیں کہ وہ شہروں میں آتے اور چلے جاتے چُھپ جاتے ہیں ۔ حضرت سلیمانؑ کے پاس کام کرنے والے غیر ملکی کاریگروں کو جو آپ کے ہاں ٹھاٹ دار عمارتیں ، نقشے ، تالابوں جتنے بڑے بڑے پانی کے ٹینک اور ایک ہی جگہ پر پڑی رہنے والی بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے ۳۴/۵ ۔ اُنہیں بھی اسلئے جنّ کہا گیا ہے کہ وہ آتے اور چلے جاتے چُھپ جاتے تھے ۔ اُن میں سے جو کوئی حضرتِ سلیمانؑ کی قانون شکنی کرتے اُنہیں سخت سزا دی جاتی تھی ۳۴/۴ ۔ اُنہیں لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تھا ۔ ۳۸ ۔ پس یہ بھی غلط ہے کہ جنّ شکلیں بدل لیتے ہیں ورنہ قیدی جنّ مکھی مچھر بن کر نکل جاتے ۔ مزعومہ جنّوں کے عدمِ وجود کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ موجود ہوں تو اُن کے جسم کے کپڑے ، اُن کے برتن ، انکی مسجدیں اُن کے بُت خانے ضرور دکھائی دینے چاہئیں ۔ چونکہ ایسا نہیں ہے اِس لئے مزعومہ جنّوں کا کوئی وجود موجود نہیں ۔
فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۔

● آیتِ زیرِ بحث میں اُن لوگوں کو جنّ کہا گیا ہے جن سے لوگ مدد مُراد مانگتے ہیں ۔ وُہ اپنی خلوتگاہوں میں چُھپے رہتے ہیں اور لوگوں کا مال کھانے کے لئے دَم جھاڑ تعویذ دھاگا وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کے حاجت روا بنے ہوتے ہیں ۔ ان کے علاوہ ہر وہ لوگ جنّ ہیں جو خود آرامگاہوں میں چُھپے رہتے ہیں اور عوام کی کمائی پر عیش کرتے ہیں یہی حال سجاگیرداروں زمینداروں اور مِل مالکوں کا ہے کہ جلتی ہوئی دھوپ میں کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں مزارعے اور مزدور مگر اُن کی خون پسینے کی کمائی پر عیش اڑاتے ہیں آرامگاہوں میں چُھپ کر بیٹھنے والے جاگیردار ، زمیندار اور مل مالک ۔ نیز مُلّا اور پیر جو حُجروں میں چُھپے رہتے ہیں اور سادہ لوح عوام کی کمائی پر پلتے ہیں ، وہ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں ۔ نفسِ امّارہ بھی چُھپا ہُوا جنّ ہے جس نے بزبانِ حال کہا کہ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے ۔ غصّے کی آگ اِسی کا حصّہ ہے ۔

انسان جن ● اسی سورہ انعام زیرِ نظر میں آگے آرہا ہے : ۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۶/۱۱۲ ۔ اور اسی طرح ہمنے شہری اور بدوی شیطانوں کو ہر ایک نبی کے دشمن پایا تھا جو عوام کو دھوکا دینے کیلئے آپس میں ایک دوسرے کے ذہن میں ملمع کی ہوئی باتیں ڈالتے ہیں (یعنی ایسی جھوٹی باتیں جن کے ظاہری چیستانیات پر وہم زدہ قوم کو خوب لوٹا جا سکے۔ اِس آئت مجیدہ میں دیہاتی اور شہری دونوں قسم کے علمائے پیر مراد ہیں جو نالائی کہانیاں اور تراشیدہ کراماتیں ایک دوسرے کے کانوں میں پھونکتے اور سادہ عوام کو سُنا سُنا کر اُن کی جیبیں کاٹتے ہیں۔ اور یہ شیاطین الانس والجن نوعِ بشری ہی کے شہری اور بدوی شیطان ہیں۔ فَافْهَمُوْا وَتَدَبَّرُوْا ۔

شہروں اور دیہاتوں کے جن ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ایک دوسرے سے فائدے اُٹھاتے ہیں۔ ● اِسی سُورہ مجیدہ الانعام کی آئت نمبر ۱۲۹ میں آگے آرہا ہے کہ قیامت کو جن وانس کو کہا جائیگا : ۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۶/۱۲۹ = (قیامت کے دن کہا جائیگا) اَے گروہ جنوں کے (یعنی خانقاہ نشینوں اور حجرہ نشینوں کے) تم نے (سادہ لوح) انسانوں سے بہت فائدہ اٹھایا۔ تو انسانوں میں سے جنوں کے دوست یہ کہیں گے کہ اَے ہمارے پروردگار ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا یہانتک کہ ہم پر (موت کی وہ) گھڑی آگئی جو تُو نے ہمارے لئے مقرر کر رکھی تھی۔ اس آئت مجیدہ کے مطابق ہمارا سوال یہ ہے کہ دیہاتیوں اور شہریوں کے سوا اور کونسے جن وانسان ہیں جو ایک دوسرے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

مجرم انسان جنوں کے ہاں جاکر پناہ بھی لیتے ہیں۔ ● حضرت موسیٰؑ کی امت کے وہ یہودی جن جنہوں نے آنحضورؐ سے قرآن سُنا اور دیہاتی یہودیوں میں جاکر تبلیغ کا کام شروع کر دیا، اُن کے متعلق سُورہ احقاف میں درج ہے : ۔ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۴۶/۲۹-۳۰ = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (اَے رسولؐ) اللہ تعالیٰ آپ کی طرف دیہاتی یہودیوں (جنوں) کے ایک گروہ کو پھیرلایا۔ جب (آپ کے درس میں) حاضر ہوئے تو ایک دوسرے کو کہا کہ سُنو اور جب درسِ قرآن ختم ہو گیا تو بُرے اعمال سے ڈراتے ہوئے قوم کی طرف مُڑ گئے اور یہ کہا کہ اے ہماری قوم بیشک ہمنے ایک کتاب سُنی ہے جو (تورات کی پیشگوئی کے مطابق) موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنیوالی ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنیوالی ہے۔

● اِسی دیہاتی انسانوں (جنوں) کا قول سُورہ جن میں درج ہے : ۔ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ

بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿۷۲/۶﴾ اور (انہوں نے کہا) یہ کہ انسانوں میں سے کچھ مجرم مرد (جنوں) دیہاتیوں کے جن مردوں سے پناہ لیتے ہیں۔ پھر وہ پناہ دینے والے جن (دیہاتی لوگ پناہ دے کر) انہیں ان کی سرکشی میں اضافہ کر دیتے ہیں ـــ بالفاظِ دیگر شہروں میں جرم کر شہری مجرم (انسان) دیہاتی جرائم پیشہ افراد جنوں کے ہاں جاکر روپوش ہو جاتے ہیں۔ اور جب کیس خرد برد کرا لیا جاتا ہے تو پھر شہر میں آ دھمکتے ہیں۔ ان آیات کریمات میں بھی جن و انسان نوعِ آدمی کے دو حصے ہیں دیہاتی اور شہری۔

جن سواریوں کے محتاج ہیں

● جنوں کے متعلق یہ تصور بھی از روئے قرآن غلط ہے کہ جن یہاں سے ہاتھ بڑھا کر کشمیر کے باغ سے سیب توڑ کر لے آتے ہیں۔ کیونکہ سورہ الرحمٰن میں جنوں اور انسانوں دونوں کو مخاطب کر کے کہا ہے:ـــ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۔ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ ﴿۵۵/۲۴۔۲۵﴾ اور اللہ تعالیٰ کے جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح (چلتے ہیں) پھر اے جن و انسان تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ـــ اس آیت مجیدہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنوں کی راہ میں کوئی دریا اور سمندر حائل ہی نہیں، یعنی وہ ہاتھ بڑھا کر لندن اور واشنگٹن سے ضرورت کی چیزیں لا سکتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے ساتھ ساتھ جنوں کو کشتیوں اور جہازوں کا احسان جتانا بے معنی ثابت ہوتا ہے، حالانکہ ایسے فعل و عمل سے اللہ تعالیٰ پاک و منزہ ہے۔

جنوں اور انسانوں کی خوراک ایک ہے

● سورہ الرحمٰن ہی میں ارشاد ہوا ہے:ـــ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۔ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۔ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۔ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ ﴿۵۵/۱۰۔۱۳﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو مخلوق کیلئے بنایا ہے۔ اس میں میوے ہیں اور گابھوں والی کھجوریں ہیں۔ اور بھس والے غلہ جات ہیں اور خوشبو والے پھول موجود ہیں۔ پھر اے جن و انسان تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿۵۵/۱۰ تا ۱۳﴾ ان آیات مجیدہ سے ثابت ہے، انسانوں کی طرح جنوں کی خوراک بھی غلے اور پھل ہیں۔ ہڈیاں، کوئلے اور لید گوبر کو جنوں کی خوراک تسلیم کرنا خلافِ قرآن ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے غلے اور پھل وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد جن و انسان دونوں کو ارشاد ہوا کہ تم دونوں ہماری ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہو۔ تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اگر جن ہڈیاں کوئلے اور لید گوبر کھاتے ہیں تو انہیں گندم چاول، آم، انار، انگور وغیرہ کا احسان جتانے کے کیا معنے؟۔ جن و انسان کے ایک ہی نوعِ آدم ہونے کے دلائل سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ بہت سے دلائل میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں۔ سلسلۂ درس کی آیتِ بالا ﴿۶/۱۰۱﴾ میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں نے حجرہ نشینوں اور خلوت نشین حضرات کو خدا تعالیٰ کے شریک بنا رکھا ہے، یعنی جو کام اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے سے انجام ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم وہ کام دم جھوٗ، تعویز گنڈوں وغیرہ سے کر دیتے ہیں۔ اور ساتھ

ہی نجات کیلئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بنا رکھی ہیں۔ اِن میں سرِ فہرست ہیں یہود و نصاریٰ جنہوں نے حضرات عُزَیر و مسیح سلامٌ علیہما کو خدا کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور پھر بُت پرستوں نے بہت سی دیویاں بنا کر انہیں اللہ کی بیٹیاں ٹھہرا لیا ہُوا ہے۔ اُن کی غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی سفارش رد نہیں کرے گا اور بلا اعمالِ صالح ہماری اُخروی نجات ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اگلی آیتِ مجیدہ میں اپنے لئے بیٹوں اور بیٹیوں کی نفی اِس طرح کر دی ہے کہ خود اُس کے ہاں بھی اُس کے قانونِ زوجیت کے بغیر بیٹا نہیں ہو سکتا :۔

بَدِيعُ[1] السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ

اکیلا بنانیوالا آسمانوں اور زمین کا۔ کس طرح ہوگا واسطے اسکے

وَلَدٌ وَّلَمْ[2] تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ

بیٹا جبکہ ہرگز نہیں واسطے اسکے بیوی۔ اور پیدا کیا ہر چیز کو

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ[3] ○ ۱۰۲

اور وہ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے

(اللہ وُہ ہے جو) آسمانوں اور زمین کو پہلی مرتبہ اکیلا ہی بنانیوالا ہے۔ اُس (اکیلے) کے بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اُسکی بیوی ہی ہرگز نہیں ہے۔ (بیٹے کیلئے زوجیت کا قانون اُس کا اپنا مقرر کردہ ہے) حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے۔ (اُس نے ہر قانون اپنے علمِ کامل کے مطابق متعیّن فرمایا ہے)۔

اولاد کیلئے زوجیت کا قانون خود اللہ تعالیٰ کا متعیّن فرمودہ ہے

● [1] لفظ بدیع اللہ تعالیٰ کیلئے صفت مشبّہ بصیغہ واحد لائی گئی ہے۔ اور مفہوم یہ ہے ، اسکا بنیادی معنی ہے کسی چیز کو از سرِ نو پیدا کرنا۔ پس ظاہر ہُوا کہ اِتنی بڑی کائنات تو اللہ تعالیٰ اکیلے نے بنا ڈالی ہے مگر اُس کے اکیلے کا بیٹا نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کا اپنا متعیّنہ قانون بیٹے کیلئے زوجیت کا قیام ہے۔ مگر چونکہ اُس کی کوئی جنس ہی موجود نہیں اسلئے نہ اُسکی بیوی ہے اور نہ اُس کے ہاں بیٹا پیدا ہو سکتا ہے۔

● [2] لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ کے جملہ مبارکہ میں مضارع پر لَمْ داخل ہُوا ہے۔ اِسے فعل ماضی جحد بلم کہا جاتا ہے جو تاکید در تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی اللہ کی بیوی ہے ہی نہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔

● [3] وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوانینِ جاریہ اِس کائنات میں متعیّن فرمائے ہیں، بغیر جانے بوجھے متعیّن نہیں فرمائے وہ تو ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے۔ اِس لئے اُس کے متعیّن فرمودہ قوانین میں کبھی بھی نہ کوئی کمی اور بیشی ہے کہ کل کو اُن میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت لاحق ہو جائے۔ یعنی اس کے متعیّنہ قوانین قیامت تک کے بدلتے ہُوئے حالات کا بدستور ساتھ دیتے چلے جائیں گے۔ المختصر! باری تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی اپنے متعیّنہ قوانین کا پابند ثابت کر کے اپنے دعووں کی تصدیق فرما دی ہے :۔

● لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۴ = اللہ تعالیٰ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

• لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۱۱۶/۶ = اللہ تعالیٰ کے قوانین کو کوئی بدلنے والا ہے ہی نہیں۔

• مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۲۹/۵۰ میرا قانون خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا۔

• چنانچہ سلسلۂ درس اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے مذکورہ بالا صفات والا یعنی اپنے قانون کو خود بھی کبھی نہ توڑنے والا اللہ پاک ہے تمہارا رب، حاجت روا اور مشکلکشا۔ اس کے سوا کوئی خالق نہیں اُسی کی فرمانبرداری کیا کرو:۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
مذکورہ اللہ ہے رب تمہارا نہیں لائق فرمانبرداری مگر وہی
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
پیدا کرنے والا ہر چیز کا پس حکم مانو اسی کا اور وہی ہے اوپر ہر
شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۱۰۲
چیز کے کارساز

مذکورہ بالا صفات والا اللہ (جو مطلقاً قانون شکن نہیں) تمہارا حاجت روا، مددگار ہے۔ اُس کے سوا (دنیا بھر میں) کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ اور وہ (اکیلا ہی بغیر کسی معاون کے) ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ پس تم صرف اُسی کی فرمانبرداری کرو — اور وُہی (اکیلا) ہر چیز کا کارساز ہے۔

اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی عقل اُسے پا سکتی ہے

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا تعلق پیچھے آیت نمبر ۱۰۰ کے ساتھ ہے جس میں خبر دی گئی ہے کہ لوگوں نے جنوں اور خلوت نشینوں کو اللہ کے شریک بنا رکھا ہے۔ اِس حقیقت سے مطلقاً جانے انکار نہیں وہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور ہم مریدوں کو دکھا بھی سکتے ہیں۔ سادہ لوح مرید خدا تعالیٰ کو دیکھنے کے شوق میں پیروں کے قدموں پہ مال و دولت نچھاور کرتے اور زندگی بھر اسی چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے اگلی آیت مجیدہ بالوضاحت اعلان کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ نہ دیکھنے کی چیز ہے اور نہ سمجھنے اور پانے کی۔ انسان کی کیا بساط ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکے۔ پیر تو ہُوا کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ حضرت موسیٰ کتاب لکھوانے کیلئے طور پر گئے تو ساتھیوں کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی التجا کر دی رَبِّ اَرِنِيْٓ ۱۴۳/۷ لیکن جواب ملا لَنْ تَرٰىنِيْ۔ تُو ہرگز نہیں دیکھے گا۔ اس طرح جب اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے تو من و شما کس شمار و قطار میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکنے کا قرآنی اعلان عام بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ
نہیں ادراک کرتی اسکو آنکھیں اور وہ ادراک کرتا ہے

(اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ) اُس اللہ کو نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ بصیرتیں اُسے سمجھ سکتی ہیں۔ اور وہ تمام

الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ ۱۰۳ آنکھوں کو دیکھتا بھی ہے اور تمام بصیرتوں کو سمجھتا بھی ہے۔ اور بہت بڑھکر باریک بین اور بہت بڑھکر خبر والا ہے۔

آنکھوں کا   اور وہ   بہت باریک بین   بہت باخبر ہے

● اس آیۂ مبارکہ میں ایک مخصوص علمی نکتہ موجود ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں :۔

● ابصار بصر کی جمع ہے بمعنی آنکھ۔ اور آنکھ کا کام ہے دیکھنا۔ اسکا کام ادراک و فہم نہیں۔ ادراک دماغ کا کام ہے۔ یہاں ابصار پر مصدر ادراک سے تُدْرِكُ فعل مضارع معروف لایا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس آیت کے الفاظ ابصار بصیرت و بصارت یعنی مادہ ب۔ ص۔ ر کے ان دونوں گوشوں پر حاوی ہیں۔ اور مطلب صاف ہے چونکہ مصدر ادراک کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے اسلئے اس مصدر کے مطابق مادہ بصر سے بصیرت مراد ہے کہ کوئی بصیرت (عقل و فہم) اللہ تعالیٰ کو پا نہیں سکتی سمجھ نہیں سکتی۔ اور اسی طرح ابصار کا معنی چونکہ آنکھیں ہے، اسلئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ آنکھیں اُسے دیکھ نہیں سکتیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ چھوٹے ظرف میں بڑی چیز ہرگز سما نہیں سکتی۔ اس لئے نہ اس محدود کھوپڑی میں لامحدود ذات آسکتی ہے کہ اُسے سمجھ سکے کہ وہ کیا ہے؟ اور نہ یہ محدود آنکھ جو ہوا تک کو نہیں دیکھ سکتی، اُس انتہائی انتہائی اور بہت بہت بڑھ کر لطیف ذات کو دیکھ سکتی ہے۔

انسان کا اللہ تعالیٰ کیساتھ تعلق محض عبودیت کا ہے

● اب رہا یہ سوال کہ جب ہم خدا تعالیٰ کو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ احاطۂ ادراک میں آسکتا ہے تو اُس کا اور ہمارا باہمی تعلق کیا ہے؟ اس کا جواب $\frac{۶}{۱۰۲}$ ہی میں موجود ہے :۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ = وہ کائنات کی ہر چیز کا خالق ہے۔ وہ تمہارا بھی خالق ہے تم اس کی مخلوق ہو پس اُس کی فرمانبرداری کرو۔ اُسکا قانون مانو۔ اسی حقیقت کا اعلان $\frac{۵۱}{۵۶}$ میں کیا گیا ہے کہ جن و انسان صرف اور صرف فرمانبرداری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں :۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ پس آیات بالا کی روشنی میں انسان اس لئے نہیں پیدا کیا گیا کہ حجروں، خلوتگاہوں، غاروں اور جنگلوں میں چلہ کشی کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کو ڈھونڈتا پھرے، بلکہ اُس نے اعلان کر رکھا ہے اِنِّيْ قَرِيْبٌ $\frac{۲}{۱۸۶}$ میں قریب ہوں۔ کتنا قریب؟ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ $\frac{۵۰}{۱۶}$ اور ہم تو اُسکی رگِ جان سے بھی قریب ہیں۔

● پس جو ذاتِ پاک ہر انسان کی رگِ جان سے بھی قریب ہے اُسے جنگلوں اور صحراؤں، پہاڑوں اور غاروں میں ڈھونڈتے پھرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اہلِ تصوف کی طرف یہ بھول بھلیاں ہیں کہ آؤ ہم تمہیں خدا دکھاتے ہیں یا خدا سے ملاتے ہیں۔ قرآن کریم نے جہاں $\frac{۲}{۱۸۶}$ + $\frac{۵۰}{۱۶}$ میں اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اور رگِ جان سے بھی قریب ہے اُسی نے مطلع کر دیا ہے کہ انسان خود خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے قریب ہونے کا ایک اکیلا نسخہ بتا دیا گیا ہے :۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ $\frac{۹۶}{۱۹}$ اللہ کا پورا پورا فرمانبردار ہو جا اور اُس کے قریب ہو۔

● سطورِ بالا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کا تعلق صرف خالق و مخلوق کا ہے۔ جو اتباعِ قانون پر

قائم رہتا ہے ۔ انسان صرف اللہ کی فرمانبرداری کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو اسکے باوجود ادھر اُدھر کی باتوں کیساتھ سادہ لوح عوام کو پیری مُریدی کے چکر میں پھنسانے کی کوششیں بدستور جاری ہیں ۔ اِسی لئے اگلی آیت میں ارشاد ہُوا کہ قابلِ قبول صرف دلائل قرآنیہ ہیں :۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ
بیشک آئے تمہارے پاس روشن دلائل طرف سے رب تمہارے پھر جو

اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ
سمجھے تو واسطے جان اسکے اور جو اندھا ہوا تو اوپر سے اسکے اور نہیں

اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ ۱۰۵
میں اوپر تمہارے نگہبان

(اے رسولؐ! اعلان کردیجئے گا کہ) بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (قرآنِ کریم کی صورت میں) روشن دلائل آ گئے ہیں ۔ پھر جو کوئی اِسے سمجھے (اور اس پر عمل کرے) تو اس کی جزا اسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی (اس قرآن سے) اندھا ہو جائے اُسکا وبال اسکی اپنی جان پر ہوگا ۔ اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں ۔

آنحضورؐ بحکمِ خداوندی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ درسِ قرآن دیا کرتے تھے

● آیاتِ بالا ۶/۱۰۱ تا ۱۰۵ کو باہم متوصل کرنے اور ایک کی روشنی میں دوسری آیت پر غور کرنے سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان میں اُمّت کے متعدد پیچیدہ مسائل کا حل دے دیا گیا ہے ۔ مثلاً بے باپ کی پیدائش کے ضمن میں زوجیت کا ایسا اٹل قانون کہ بھری کائنات کو اکیلے بنانے والے اللہ کے ہاں بیٹا اسلئے نہیں ہو سکتا کہ اسکی بیوی کوئی نہیں ۔ دوسرے نمبر پر خدا تعالیٰ کو ڈھونڈھنے اور دیکھنے کیلئے تصوّف کی خاردار وادیوں میں سرگردان پھرنے، خلوت نشینوں کی حاشیہ برداری اور ملّت کے ایک حصّے کو امّت پر بوجھ بنائے رکھنے کا وہ دروازہ ہی بند کر دیا گیا ہے کہ وہ تو تنکا توڑ کر دو دن نہ کریں اور پلنگوں پہ بیٹھے زندگی بھر عیش اڑاتے رہیں ۔ اور اُمّت اندھیر گردی کی سند قرآنِ کریم سے حاصل کیا کریں ۔ اسی کے انسداد کے لئے قرآنِ کریم کو سمجھنے اور پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کا واحد طریقہ آنحضور سلامٌ علیہ کو بتایا گیا ہے تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کیساتھ تدبّر کرنا ۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہُوا ہے :۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا
اور اسی طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں آیتیں اور تاکہ وہ کہیں

دَرَسْتَ ۱ وَلِنُبَيِّنَهٗ ۲ لِقَوْمٍ
خوب سمجھایا تو نے اور تاکہ ہم خود اسکی تبیین کر دیں واسطے قوم کے

يَّعْلَمُوْنَ ۳ ○ ۱۰۶
جو جاننے والوں کے ۔

اور (اے رسولؐ!) اسی طرح (مذکورہ بالا طریقے سے ہم اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں ۔ (تاکہ آپ تصریفِ آیات کیساتھ درسِ قرآن دیا کریں) اور لوگ کہہ اٹھیں کہ آپ نے خُوب خوب سمجھا دیا ہے ۱ ۔ (اور تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ ہے) تاکہ ہم اس (قرآن) کی خود تبیین کر دیں ۲ اُس قوم کیلئے جو جانتے ہیں کہ (قرآن کی تبیین اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے ۳)

درسِ قرآن بتصریفِ آیات القرآن

● ۱۰۵ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ کا لفظی معنی یہ ہے "تاکہ لوگ کہہ دیں، پکار اٹھیں کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے"۔ یہ جملہ مبارکہ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ کے بعد آیا ہے کہ ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں (تاکہ تصریفِ آیات کی غرض پوری ہو) یعنی درسِ قرآن اور جاننے والوں کیلئے تبیینِ قرآن واضح ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضورؐ کی سنتِ مبارکہ تھی تصریفِ آیات کیساتھ درسِ قرآن دینا اور حاضر لوگ طریقہ تفہیم پر بے ساختہ پکار اٹھتے تھے کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے۔

مسئلہ تبیینِ قرآن

● وَلِنُبَيِّنَهٗ کے الفاظ میں تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ بتائی گئی ہے کہ ہم اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر اس لئے لاتے ہیں تاکہ ہر مسئلہ سے متعلقہ آیات مجیدہ کو مختلف انداز و الفاظ کیساتھ لاکر قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں۔ واضح رہے کہ تبیینِ قرآنِ کریم کا مسئلہ نہایت اہم بھی ہے، مگر صدیوں سے الجھا ہوا بھی ہے۔ علمی حلقوں میں کہا جاتا ہے قرآنِ کریم کی تبیین، تفصیل اور تشریح آنحضورؐ کے ذمہ ہے۔ اور اس پر سورہ نحل کی آیتِ ذیل پیش کی جاتی ہیں۔

● وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ $\frac{16}{44}$ - اس آیتِ مجیدہ کا مفہوم عرض کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اس آیت میں انزالِ قرآن کی غرض بتائی گئی ہے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ تاکہ اے رسولؐ آپ لوگوں کے لئے اس کی تبیین کر دیں۔ مگر آیتِ زیرِ بحث $\frac{6}{106}$ میں تصریفِ آیات کی غرض بتائی گئی ہے لِنُبَيِّنَهٗ تاکہ قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں۔ تو اس طرح دیکھنا یہ ہے کہ $\frac{6}{106}$ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے دعوے کے مطابق قرآنِ کریم کی تبیین خود کر دی ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر کر دی ہوئی ہے تو پھر $\frac{16}{44}$ کے الفاظ لِتُبَيِّنَ سے کیا مراد ہے تاکہ یہ تضاد دور ہو جائے کہ تبیینِ قرآن اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے یا آنحضورؐ کے ذمہ۔

● اس سوال کا جواب اس شخص کے ذہن میں تو اس کے سوا نہیں آسکتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے $\frac{6}{106}$ کے الفاظ لِنُبَيِّنَهٗ میں فریضۂ تبیینِ قرآن اپنے ذمہ لے لیا ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وہ وعدہ کر کے اُسے وفا نہ کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے $\frac{6}{106}$ کے وفاءِ وعدہ کی خبر بھی $\frac{2}{159}$ میں کھلے لفظوں میں دیدی ہوئی ہے، جس سے کوئی اہلِ علم اور اہلِ ایمان انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:- اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ $\frac{2}{159}$ بیشک ہم نے جو واضح دلائل کے ذریعہ ہدایت نازل فرمائی ہے (قرآن مجید) جو لوگ اُسے اسکے بعد چھپاتے ہیں کہ ہم نے اُس کی تبیین لوگوں کیلئے اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر کر دی ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے بیزار ہے اور بیزار ہونیوالے بھی اُن سے بیزار ہیں۔

● دیکھئے! اس آیتِ مجیدہ $\frac{2}{159}$ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم نے اپنی واضح دلائل پر مشتمل ہدایت بھری کتاب قرآنِ کریم کی تبیین خود کر دی ہوئی ہے اور اپنی کتاب قرآنِ کریم کے اندر کر دی ہوئی ہے۔ اب آیئے آیتِ مجیدہ $\frac{16}{44}$ کی طرف جس کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی تبیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضورؐ کی ذمہ داری قرار دیگئی ہے۔ لیکن اوّل تو لوگ ایسا تصور دینے والے کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتے جس میں بائے بِسْمِ اللّٰہ سے سینِ والنّاس تک آنحضورؐ کی ہوئی تبیینِ قرآن موجود ہو۔ بالفاظِ

دیگر ۱۶/۴۴ سے یہ تصور پیدا کرکے کہ قرآنِ کریم کی تبیین آنحضورؐ کا فرض قرار دی گئی ہے، معاذ اللہ معاذ اللہ! آنحضورؐ کو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ثابت کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا فرض ادا نہیں فرمایا۔ مگر آیت نمبر ۶/۱۰۶ + ۲/۱۵۹ کے مطابق جن میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے کہ قرآنِ کریم کی تبیین ہمنے خود اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر کر رکھی ہے اور آیت مجیدہ ۶/۱۰۶ کے مطابق جس میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ ہمنے قرآنِ کریم کی تبیین خود بذریعہ تصریفِ آیات کر دی ہوئی ہے۔ آیت مجیدہ ۱۶/۴۴ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ پہلے اس کا متن ملاحظہ فرمائیں :۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ٥

(ترجمہ) اور (اے رسولؐ!) ہمنے اپنا نصیحت نامہ قرآنِ کریم آپکی طرف اسلئے نازل فرمایا ہے کہ آپ (تصریف آیات ۶/۱۰۶ کے ذریعہ اسکی تعیین فرمایا کریں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے اور تاکہ لوگ خود بھی اس پر تفکر کریں (اور پکار اٹھیں کہ آپ نے خوب خوب سمجھا دیا ہے ۶/۱۰۶)

● اسی مفہوم کی وضاحت سورہ نحل کی آیت نمبر ۱۶/۶۴ میں بالفاظِ ذیل بھی موجود ہے :۔

● وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥ ۱۶/۶۴

اور (اے رسولؐ!) ہمنے آپ کی طرف نہیں نازل فرمائی اپنی کتاب مگر صرف اسلئے کہ آپ (بذریعہ تصریفِ آیات ۶/۱۰۶) لوگوں پر کھول کھول بیان کر دیں وہ مسائل جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اُس قوم کیلئے جو ماننے والے ہیں، اس میں ہدایت بھی موجود ہے اور رحمت بھی موجود ہے۔ واضح رہے کہ :۔

● اِن آیاتِ کریمات میں آنحضورؐ کے ذمہ لگایا گیا ہے کہ آپ بذریعہ تصریفِ آیات لوگوں کو قرآنِ کریم کی وہ تبیین بصورتِ درسِ قرآنِ کریم سمجھائیں جو ۲/۱۵۹ کے اعلانِ خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم کے اندر کر رکھی ہے اور ۶/۱۰۶ کے مطابق بذریعہ تصریفِ آیات کر رکھی ہے۔ چنانچہ محوّلہ بالا آیات کریمات کے مطابق آنحضورؐ زندگی بھر تصریفِ آیات کے ذریعہ لوگوں کو درسِ قرآن دیتے رہے تھے اور لوگ پکار اٹھتے تھے کہ آپنے خوب سمجھا دیا ہے وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ ۶/۱۰۶

● تبیینِ قرآن مِنْ جانب اللہ کا اعلانِ عام قرآنِ کریم میں ذیل کے الفاظ میں معمولی تغیر کیساتھ بتکرارِ کثیر موجود ہے۔

● كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ٥ ۲/۱۸۷ + ۲/۲۲۱ + ۲/۲۴۲ + ۲/۲۶۶ + ۳/۱۰۳ + ۵/۸۹ + ۲۴/۱۸ + ۲۴/۶۱ اور اسی طرح اللہ اپنی آیتوں کی لوگوں کیلئے خود تبیین کرتا ہے تاکہ لوگ ہر قسم کے خطرات سے بچ جائیں۔

قرآن مجید کی تفسیر بھی خود اللہ نے کر دی ہے

● سورہ فرقان میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ٥ ۔ ۲۵/۳۳ (اے رسولؐ!) لوگ آپکے پاس اس قرآن کی مثال ہرگز نہیں لائینگے۔ مگر ہم ہی ہیں جو آپکے پاس حق (قرآنِ کریم) بھی لاتے ہیں اور اسکی احسن تفسیر بھی ہم ہی لاتے ہیں۔ واضح رہے کہ تفسیر اور تشریح مترادف الفاظ ہیں۔ قرآنِ کریم کا مفسر بھی اللہ تعالیٰ ہے اور شارح

بھی وہ خود آپ ہے ۲۵/۴۲۔

قرآن مجید کی شرح بھی خود اللہ تعالیٰ نے کردی ہے

● تبیین و تفسیر اور تشریح کے بعد باری آتی ہے قرآن کریم کی شرح کی، اس کے متعلق بھی قرآن کریم نے سورہ شوریٰ میں واضح کردیا ہے کہ اپنے دین کا شارع بھی خود اللہ تعالیٰ ہے :-

● شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ۱۳/۴۲ اُس (اللہ) نے خود شرح کردی ہے تمہارے لئے اپنے دین کی وہی شرح جس کا حکم نوح کو دیا اور وہی شرح جو (اے رسول!) ہمنے آپکی طرف وحی فرمائی ہے اور وہی شرح جس کا حکم ہمنے ابراہیمؑ کو، موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو دیا تھا۔ اس آیت مجیدہ سے کھل کر ثابت ہوچکا کہ آنحضورؐ سمیت سب کے سب نبیوں کو ایک ہی دین اور اُس کی ایک ہی شرح دیگئی تھی۔ اور اپنے دین کا شارع خود آپ اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی سورہ شوریٰ میں اللہ کے دین کے غیر اللہ شارعین کو خدا تعالیٰ کے شریک کہا گیا ہے :-

● اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ ۲۱/۴۲ کیا لوگوں نے اللہ کے شریک بنالئے ہیں جو اُن کے لئے دین کی شرح کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز ہرگز اجازت نہیں دی۔ اور اگر (فیصلے کے دن) کا اعلان نہ کر دیا ہوا ہوتا تو دین کے شارع ٹھہرانے والوں کا (فوراً) فیصلہ کر دیا جاتا۔

(نوٹ) واضح رہے کہ سلسلہ درس کی آیت مجیدہ زیر نظر ۱۰۶/۶ کے دو ضمنی نوٹ زیر بحث آچکے ہیں جن میں درس قرآن بتصریف آیاتِ القرآن اور تبیین و تفسیر اور تشریح و تشریح قرآن کے عنوانات پر مفصل بحث گزر چکی ہے کہ تصریفِ آیات قرآنیہ کی غرض ہے تبیینِ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ نے خود کردی ہے اور اپنی کتاب کے اندر کردی ہے۔ نیز ان مسائلِ تبیینِ قرآن تفسیر قرآن اور تشریح و تفہیمِ قرآن پر سے پردے اُٹھ چکے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم کے اندر کر رکھا ہے۔ آیت مجیدہ زیر بحث کے آخری ضمنی نوٹ کی وضاحت باقی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

● ۳۔ آیت مجیدہ ۱۰۶/۶ کا آخری جملہ ہے وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اور تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ ہے کہ ہم قرآنِ کریم کی تبیین خود بذریعہ تصریفِ آیات کردیں اُس قوم کیلئے جو جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کردی ہے اور بذریعہ تصریفِ آیات کردی ہے ——— آیت مجیدہ کے ان آخری الفاظ میں اس امر کا اعلان کردیا ہے کہ قرآنِ کریم کی تبیینِ خداوندی سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو پہلے یہ تسلیم کریں کہ قرآنِ کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کردی ہے اور کتاب کے اندر کردی ہے ۱۵۹/۲ اِس کتاب لاریب کی تفسیر تشریح تشریع اسی کتاب لاریب کے اندر موجود ہے۔ کتابِ لاریب کی تفسیر و تبیین کوئی ایسی کتاب ہرگز نہیں کرسکتی جسے لاریب کی خداوندی سند حاصل نہ ہو۔ جو لوگ کتابِ لاریب کی تفسیر و تبیین باریب کتابوں میں

سے تلاش کرینگے وہ حقیقتِ قرآنیہ کو ہرگز نہیں پا سکیں گے اور ایسی تفسیروں میں اُلجھ کر رہ جائیں گے جن کا قرآنِ کریم سے ساتھ دُور کا تعلق بھی نہیں۔ جیسے کہ سورہ احزاب کی آئت نمبر ۶۹ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا گیا ہے کہ آنحضور کو اُس طرح ایذا نہ دینا جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو دی تھی :- یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَکَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ﴿۳۳/۶۹﴾ ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی پھر اللہ تعالیٰ نے اُس چیز سے موسیٰ کو بری کر دیا جو انہوں کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے نیکوکار اور بڑے وقار انسان تھے۔

● بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو جو ایذائیں دیں اُن سے قرآنِ کریم بھرا پڑا ہے۔ فوجی ٹریننگ کیلئے حضرت نے بحکم باری جو غذائیں منّ و سلویٰ کھانے کی پابندی لگائی، اُس کی بجائے گندم، مسور، پیاز وغیرہ طلب کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ کوہِ طُور پر کتاب لکھوانے گئے تو یہ لیکر سامری کے بچھڑے کو معبود بنالیا کہ موسیٰ کا معبود یہی ہے ۲۰/۸۸ مگر اللہ تعالیٰ نے اُس بچھڑے کو ذبح کرا کے اُن کے بہتان سے حضرت موسیٰ کو بری کر دیا۔ لیکن اس آئت ۳۳/۶۹ کی تفسیر بخاری شریف جلد دوم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۸۹۵ پر کتاب التفسیر میں یہ لکھی ہے :-

(اردو ترجمہ) "حضرت ابوہریرہؓ سے روائت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام بہت ہی حیادار اور شرمیلے تھے۔ یہاں تک کہ کسی کے سامنے نہاتے بھی نہ تھے۔ اِسی آئت میں اِسی قصّہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے"۔ ذیل کی روائتی تفسیر قرآنی تفسیر کیساتھ محض تقابل کیلئے پیشِ خدمت ہے)۔

پتھر کپڑے لے بھاگا

● یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قصّہ کیا ہے جسکی طرف بخاری شریف کے الفاظِ بالا کے مطابق اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ بھی خود بخاری شریف جلد اوّل کے صفحہ ۱۸۴ پر بالفاظِ ذیل موجود ہے :-

(اردو ترجمہ) "حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روائت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں بنی اسرائیل برہنہ غسل کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھا جاتا تھا۔ اور موسیٰ علیہ السّلام تنہا غسل کرتے تھے۔ تو بنی اسرائیل نے کہا کہ واللہ! موسیٰ کو ہم لوگوں کے ہمراہ غسل کرنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ وہ فتق (خصیہ کی بیماری) میں مبتلا ہیں۔ اتفاق سے ایک دِن موسیٰ غسل کرنے لگے اور اپنا لباس پتھر پر رکھ دیا۔ وہ پتھر ان کا لباس لیکر بھاگا۔ اور حضرت موسیٰ بھی اُس کے تعاقب میں یہ کہتے ہوئے دوڑتے گئے ثَوْبِیْ یَا حَجَرُ ثَوْبِیْ یَا حَجَرُ۔ اے پتھر میرے کپڑے دیدے۔ اے پتھر میرے کپڑے دیدے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ کو دیکھ لیا اور کہا کہ واللہ موسیٰ کو کچھ بیماری نہیں ہے۔ تب پتھر ٹھہر گیا۔ موسیٰ نے اپنا لباس لیا اور پتھر کو مارنے لگے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (حضرت موسیٰ کی مار سے) پتھر پر چھ یا سات نشان اب تک باقی ہیں" یہ ہے نمونہ کتابِ لاریب کی اُس تفسیر کا جو کتبِ باریب سے کیگئی ہے۔

واجب الاتباع صرف قرآنِ کریم

● سلسلۂ درس کی آئت زیرِ بحث ۶/۱۰۶ میں محولہ بالا متعدد وضاحتوں کے بعد اگلی

آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ صرف اُس کتاب کی اتباع کیجئے جو آپ کی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اُس کے سوا یا اُسکے ساتھ ساتھ کسی اور کتاب کی اتباع کرنے کو شرک قرار دیا گیا ہے :۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ۚ لَآ
اور پیروی کر جو وحی کیا گیا طرف تیری سے رب تیرے نہیں

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ○ ۱۰۶
حاکم سوائے اسکے اور منہ موڑ لے سے مشرکوں

اور (اے رسولؐ!) پیچھے پیچھے چلئے گا اُس (کتاب) کے جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے قابل نہیں۔ اور مشرکوں سے اعراض فرمائیے (جو غیر منزل کتابوں کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کیساتھ غیروں کو حکم شریک کرتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰکَ
اور اگر چاہتا اللہ زبردستی تو نہ شرک کرتے اور نہیں بنایا ہم نے آپکو

عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ
اوپر ان کے نگہبان۔ اور نہیں آپ اوپر اُن کے کارساز

۱۰۸ ○

اور اگر اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت (زبردستی ہدایت دینا ہوتا تو لوگ شرک نہ کرتے۔ اور ہم نے (اے رسولؐ!) آپکو لوگوں پر نگہبان نہیں بنایا کہ (زبردستی ہدایت دیں) اور نہ ہی آپ لوگوں کے کارساز ہیں (لوگوں کے بگڑے ہوئے کام قانون مشیت کے مطابق سنورتے ہیں)۔

دوسروں کے معبودوں کو بُرا نہ کہو

● مذاہبِ عالم کا قاعدہ ہے کہ جہاں نظریات کا معمولی سا اختلاف پیدا ہوا جھٹ مغلوبُ الغضب ہو کر آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ لی اور زبانوں کو بے لگام چھوڑ کر فریق مخالف کی نہ صرف ذاتیات پر کیچڑ اُچھالنا شروع کر دیا بلکہ اُسکے معبودوں اور بزرگوں کو بھی بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے جیسے کہ پیچھے ۱۰۶/۶ عقل و بصیرت کیساتھ غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اُسی طرح سُورہ یوسف میں آنحضورؐ کی سُنت کے مطابق عقل و بصیرت کی اساس پر دعوتِ الی اللہ کا حکم دیا گیا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ ؔ عَلٰی بَصِیْرَةٍ ۱۰۸/۱۲ اے رسولؐ! کہہ دیجئیگا کہ میری سنت یہ ہے کہ میں عقل و بصیرت کی اساس پر اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں اِسی طرح :۔

● سُورہ نحل میں بھی آنحضورؐ کی سنتِ مبارکہ بتائی گئی ہے :۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۱۲۵/۱۶ (اے رسولؐ!) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئیگا حکمت کیساتھ اور احسن طریقے کی نصیحت کیساتھ۔

● سُورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو حکم ہوا :۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا ۴۴/۲۰ فرعون کیساتھ نرمی کیساتھ گفتگو کرنا۔

● سُورہ احزاب میں حکم دیا گیا ہے قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۷۰/۳۳ ایمان والو! صاف اور سیدھی بات کیا کرو۔

● سورہ حٰم سجدہ میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۳۴/۴۱ نیکی اور بُرائی باہم برابر نہیں ہیں۔ بُرائی کو اُس نیک سلوک کیساتھ دفع کیا کرو جو احسن طریقہ ہے اسی ضمن میں سلسلۂ درس کی اگلی آیت

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝
وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝
إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝
فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝
لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝
تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝
أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ۝

۵۶ الواقعہ
۷۷ - ۸۳

مفہوم

۱-: میں نجوم کے مشرق و مغرب کی طرف باقاعدگی کے ساتھ سفر کرنے والوں کی شہادت پیش کرتا ہوں۔
۲-: کاش تم جانتے کہ وہ کتنی بڑی شہادت ہے۔ (کہ پیغمبر عربی کی تعلیم انسانی موت و حیات کا مکمل دستور العمل ہے۔)
۳-: یقیناً وہ قرآن بہت عظمت والا ہے۔
۴-: وہ محفوظ کتاب میں موجود ہے۔
۵-: اس (قرآن) کی حقیقت کو وہی لوگ پاتے ہیں۔ جو کفر و شرک کی تمام نجاستوں سے پاکیزہ ہیں۔ یعنی جسم و جان سے ستھرے ہوں۔
۶-: اور اس کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے۔
۷-: کیا اس حدیث (قرآن کریم) کے بارہ میں تم مداہنت سے کام لیتے ہو۔

فہرست مضامین تفسیر القرآن بالقرآن ۔ (جلد سوم)

مضامین	صفحہ
قرآن فہمی کے قرآنی اصول	۲
سورۃ المائدہ	۳
سابقہ سورت کے ساتھ ربط	۴
بہیمۃ الانعام جگالی کرنے والے چوپائے۔	۶
حلت کا تمیزی نشان جگالی ہے	۸
حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی	۱۰
نیاز کعبہ کے تحائف کی بے حرمتی	۱۲
نیاز کعبہ، قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی۔	۱۲
قصد بیت اللہ کرنے والوں کی بے حرمتی	۱۳
ایام حج میں بری شکار حرام ہے	۱۴
دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کرو	۱۵
بھلائی میں تعاون اور برائی میں عدم تعاون۔	۱۶
لحم الخنزیر، ایک غلط فہمی کی وضاحت	۱۹
تکمیل دین	۲۰
حرام شکاری جانوروں کے ذریعہ شکار حلال۔	۲۱
سدھائے ہوئے کتے کا پکڑا ہوا شکار۔	۲۲
جبلی تعلیم۔ ذبح کے بغیر شکار حلال نہیں۔	۲۲
اہل کتاب کے کھانے اور رشتے	۲۳
وضو کا حکم	۲۴
تیمم سے مراد مٹی ملنا نہیں	۲۸
مسئلہ تیمم پر روایات کی حاشیہ آرائی	۲۹
اللہ کی نعمت اُس کا قانون ہے۔	۳۰
ہر فرد کا حصہ ضروریات زندگی ہیں	۳۶
امن و سکون کا قرآنی نسخہ	″
یہود و نصاریٰ سے اتمام حجت	۳۸
نُورٌ وَّکِتَابٌ مُّبِینٌ میں واو تفریق ہے۔	۳۹
آنحضور صلعم کی بشریت	۸
آنحضور صلعم کی اتباع	۴۰
وفات مسیح ؑ و مریم ؓ	۴۱
یہود و نصاریٰ کا دعویٰ ابن اللہ	۴۲
ذہنی غلامی کے گہرے اثرات	۴۵
اشرف المخلوقات انسان ہے۔ کوا نہیں ہے۔	۵۲
بھائی کا قتل واقعہ بنی اسرائیل ہے	۵۳
ایک جان کا قتل نوع انسانی کا قتل ہے۔	۵۴
سود خوری کی سزا	۵۶
قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا حامل نہیں	۵۷
اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا صحیح نہیں	″
قرآن کریم زندگی اور آزادی کا ضامن ہے	۵۸
اِتَّقُوا، اور وسیلہ کا مفہوم	۶۰
جَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ کا مفہوم	۶۱
جملہ انبیاء کا دین اور شریعت ایک تھی۔	۶۵
قید خانے نہیں اصلاح خانے	۶۶
یہود کی مفاد پرستی	۶۸
اصل توریت میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا۔	۶۹
فیصلے صرف منزل من اللہ کے ساتھ کئے جائیں۔	۶۹
اصل انجیل میں بھی ہدایت و نور تھا	۷۰

مضامین	صفحہ
قرآن حکیم توریت و انجیل کا نگہبان ہے	۷۱
آنحضورؐ کو صرف ما انزل اللہ کے	
ساتھ فیصلے کرنے کا تکراری حکم۔	۷۳
کیا یہودی سچ مچ بندر بن گئے تھے؟	۷۹
اس پر دو ضمنی سوالوں کے جوابات	۸۰
یہود کے عالم و مشائخ کی بناوٹ	۸۱
اللہ کے دو ہاتھ	۸۲
اللہ کے دو ہاتھ اُس کی صفاتِ	
رحمانیت و رحیمیت ہیں۔	۸۳
مساوی تقسیم رزق کا پہلا نمبر ہے	۸۴
ایمان کی پانچ شرطیں	۸۸
نصاریٰ کے دو عقیدے	۸۹
حضرت مسیحؑ کا حقیقی مقام	۹۰
الوہیت کھانا کھانے سے صد تبعید	
پاک ہے۔	۹۱
نفع یا نقصان پہنچانا مسیحؑ و مریمؑ	
سمیت کسی کے بھی قبضے میں نہیں۔	۹۱
یہودی مسلمانوں کے شدید ترین دشمن	
ہیں۔	۹۳
سارے عیسائی مسلمانوں کے دوست	
نہیں ہیں۔	۹۴
اللہ کے حلال کو ٹھکرانے والی قسمیں	٫٫
کفارہ ادا کر کے توڑ دیا کرو۔	۹۶
ہر نشہ آور چیز حرام ہے، الخمر کیا ہے؟	۹۷

مضامین	صفحہ
المیسر کیا ہے؟ الانصاب کیا ہیں؟	۹۷
الازلام کیا ہیں؟	۹۸
خمر و میسر دونوں منبع بغض و عداوت	۹۹
ہیں۔	
غلط معاشرہ کا واحد قرآنی حل	۱۰۰
نظامِ صلوٰۃ یعنی متوازن معاشی	۱۰۰
نظام۔	
قرآنی معاشرہ کے تدریجی مراحل	۱۰۱
مومنوں کے انتقام کا امتحان	۱۰۲
ایامِ حج میں بری شکار منع کیوں؟	۱۰۳
ایامِ حج میں بحری شکار کی اجازت	۱۰۴
مرکزیتِ بیت الحرام کی اہمیت	۱۰۵
پوری نوعِ انسان کو قدموں پر	
کھڑا کرنے کے چار اہم ذرائع	۱۰۵
حرمت والے مہینے ہدی اور قلائد	۱۰۶
شعائر اللہ ہیں۔	
حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی	۱۰۶
ہدی کی بے حرمتی، قلائد کی بے حرمتی	۱۰۶
ایک لمحۂ فکریہ، تکوینی نظام کی شہادت	۱۰۷
کثرت صداقت کی دلیل نہیں	۱۰۸
قرآن حکیم مکمل ضابطۂ حیات ہے	۱۰۸
شخصی آزادی	۱۰۹
لباس اور حجامت	٫
بال کٹوانا یا منڈانا	۱۱۰

مضامین	صفحہ
توہماتی دلدلوں سے نکلو	۱۱۱
بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کیا	۱۱۱
ہیں؟	
باپ، دادا کا تواتر کوئی سند نہیں	۱۱۲
شہادت کی تحقیق، اپیل کا حق	۱۱۴
قرآنی فہم کے متعلق ایک اہم آیتِ مجیدہ	۱۱۵
بنی اسرائیل کا ہموار معاشرہ کا انکار	۱۱۸
حواریوں کا ہموار معاشرہ کا شوق	٫٫
ہموار معاشرہ ہی عید ہے۔	۱۱۹
عید کا قرآنی مفہوم	۱۲۰
نزول بمعنی انسان کی محنت کا بدلہ	۱۲۲
نزول من الشیٔ کی قرآنی اصطلاح	٫٫
نصاریٰ کے ہر سہ عقائد کا بطلان	۱۲۴
قیامت کی کامیابی اعمالِ صالحہ کا	
نتیجہ ہے۔	۱۲۵
مسئلہ جبر و اختیار	۱۲۶
لفظ قدیر کی قرآنی لغت	۱۲۷
سورۃ الانعام	۱۲۹
اندھیرے بہت سے مگر روشنی ایک	۱۳۱
انسان کی طبعی عمر	۱۳۳
نظریۂ وحدت الوجود	۱۳۴
نظامِ ربوبیت کے قیام کی پیشگوئی	۱۳۵
آنحضورؐ کے مخالف ہلاک کر دیئے گئے تھے	۱۳۶

مضامین	صفحہ
لکھی ہوئی کتاب کے نزول کا مطالبہ	۱۳۸
انبیاء کا نہ کوئی قلعہ تھا اور نہ محل اور نہ دیوان خانہ۔	۱۴۰
ربوبیتِ عامہ کا قرآنی تصور	۱۴۲
قربِ الٰہی	۱۵۰
ضابطۂ الٰہی پر استحصالی گروہ کے مفاد سے ٹکراتا ہے۔	۱۵۴
انسان کے سوا کوئی نوع صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں ہے۔	۱۵۷
جو کوئی ہدایت پاتا ہے خود پاتا ہے۔ اور جو گمراہ ہوجاتا ہے خود ہوجاتا ہے۔	۱۵۹
اِنشاء کا قرآن کا مفہوم	۱۶۰
قوانینِ جاریہ میں کافر مومن کی کوئی تمیز نہیں۔	۱۶۱
تصریفِ آیات کا مخصوص قرآنی اسلوب	۱۶۴
تفقہ فی القرآن بذریعہ تصریفِ آیات	۱۶۵
آنحضورؐ کا طریقۂ درسِ قرآن بھی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ تھا۔	۱۶۵
قابلِ اتباع صرف قرآنِ حکیم ہے۔	۱۶۷
جماعت صرف سچے اور پکے مومنوں کے ساتھ بنتی ہے۔	۱۶۸
سلامِ مسنون	۱۶۹
بلا توبہ و اصلاح مغفرت نہیں۔	۱۷۱

مضامین	صفحہ
جس کی عبادت اُسی سے دُعاء	۱۷۳
عبادت اور دعا باہم مترادف ہیں۔	۱۷۴
حکم بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور غیب کی چابیاں بھی صرف اُسی کے پاس ہیں۔	۱۷۴
اور ہر خشک و تر چیز اُس کے علم میں موجود ہے۔	۱۷۵
جملہ مصائب سے نجات دہندہ، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔	۱۷۹
آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک سے اعراض (۷/۹۸)	۱۸۲
کڑوا کھانا اور گرم پانی سزا ہے غیر اللہ سے مدد، مرادیں مانگنے کی۔	۱۸۴
کُنْ فیکون اور نفخِ صور	۱۸۵
نفخِ صور۔ نفخِ اول	۱۸۸
نفخِ صور کے متعلق سائنسدانوں کے سوال کا جواب۔	۱۸۹
صور کیا ہے؟ ایک علمی نکتہ	۱۹۱
نفخِ ثانی	۱۹۲
ایک اہم اعتراض کا جواب	〃
نفخِ ثانی کے متعلق سائنسدانوں کا اہم مشاہداتی سوال۔	۱۹۵
کس قانون کے مطابق مردوں کو زمین سے نکال لیا جائے گا	۱۹۶
مادۂ مبارکہ کیا ہے؟	۱۹۷

مضامین	صفحہ
شعور کی واپسی	۱۹۸
قیامت کو صرف انسان زندہ کئے جائیں گے حیوانات نہیں۔	۲۰۰
ولادت حضرت ابراہیم کے متعلق تفسیر موضح القرآن۔	۲۰۶
قوم کا حضرت ابراہیم کے ساتھ جھگڑا	
سب نبیوں کو ایک ہی دین ملا تھا۔	۲۰۹
بفرضِ محال اگر نبی بھی شرک کرتے تو اُن کے عمل بھی ضائع ہوجاتے۔	۲۱۰
سلسلۂ انبیاء ختم ہوچکا ہے۔	۲۱۰
تحفظِ ناموسِ صحابہ رضؓ	۲۱۱
قرآنِ کریم کی اتباع ہی ہدایت انبیاء اور ملتِ ابراہیم کی اتباع ہے	۲۱۳
آنحضورؐ کے اعلانات متعلقہ عدم حصولِ اجرِ رسالت	۲۱۵
مودۃ فی القربیٰ کے متبادل قرآنی الفاظ۔	۲۱۶
اللہ تعالیٰ گٹھلیوں اور بیج کو پھوڑنے والا ہے۔	۲۲۳
اللہ تعالیٰ صبحوں کو پھاڑنے والا ہے۔ (۶/۹۷)	۲۲۳
ستارے راہ نمائی کے لئے ہیں	۲۲۷
نفسِ واحدہ کی تفسیر (۷/۹۹)	۲۲۷

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
مسئلہ تخلیق نوعِ آدم سے	۲۲۷	آنحضور بحکم خداوندی تصریفِ آیات کے ساتھ درسِ قرآن دیا کرتے تھے	۲۴۷	اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرنا (۶/۱۲۰)	۲۶۰
کیا ہر بیوی اپنے شوہر ہی سے نکلی ہوئی ہے ؟	۲۳۰	مسئلہ تبیینِ قرآن ۔ قرآن کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے اور خود قرآن کے اندر کر دی ہے ۔	۲۴۸	ضابطۂ خداوندی کی مخالفت کرنے والے بڑے بزرگوں کے لباس میں بستی بستی اور قریہ قریہ موجود ہیں ۔	۲۶۲
مسئلہ حیوانات کا حصولِ رزق	۲۳۵	قرآن مجید کی تفسیر بھی خود اللہ تعالیٰ نے آپ کر دی ہے ۔	۲۴۹	زمانۂ رسالت میں یہ حالت یہود و نصاریٰ کے بزرگوں کی تھی ۔	۲۶۳
مسئلہ نوعِ انسانی کا حصولِ رزق	۲۳۶	قرآن مجید کی شرح بھی اللہ نے آپ کر دی ہے ۔	۲۵۰	خود فریبی کی انتہا	″
مُسْتَقَرًّا وَمُسْتَوْدَعًا کی تفسیر	″	قرآنِ کریم کی روایتی تفسیر بچھڑا پکڑے لے بھاگا ۔	۲۵۱	آیاتِ قرآنیہ مفصّل ہیں ۔ اور ذریعہ ہدایت و نصیحت ہیں ۔	۲۶۴
مُستودع کا متبادل قرآنی مفہوم	۲۳۸	واجب الاتباع صرف قرآن کریم ہے	″	صلوٰۃ موقت نماز کی جزئیات	۲۶۵
سائنسی معلومات کو نہ ماننے والے اور اُن پر نہ عمل کرنے والے محروم رہتے ہیں ۔	۲۴۰	دوسروں کے معبودوں کو بُرا مت کہو ۔ ورنہ وہ تمہارے معبود کو بُرا کہیں گے ۔	۲۵۲	کائناتی و تنزیلی توافق	۲۶۶
مسئلہ جن کی بحث	۲۴۱	معجزات اور قرآنِ کریم	۲۵۴	سرمایہ دار اور ان کے مددگار کیا کسب کرتے اور کیا چالیں چلتے ہیں ؟	۲۶۷
شہروں اور دیہاتوں کے جن و انسان ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۔	۲۴۲	جغرافیہ اور سائنس اللہ کے معجزے ہیں ۔	″	ایک اہم اعتراض کا جواب	۲۶۹
مجرم انسان جنوں اور انسانوں کے ہاں پناہ لیتے ہیں ۔	″	کفار کا طلبِ معجزات	″	پیروں کی نذر میں قتلِ اولاد ہے	۲۷۲
جنّ سواریوں کے محتاج ہیں	۲۴۳	اللہ تعالیٰ کیا کچھ نہیں کر سکتا ؟	۲۵۵	ہر چیز کو پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔	۲۷۵
جنوں اور انسانوں کی خوراک ایک ہے	″	انسانوں اور جنوں میں سے نبیوں کے مخالفین ۔	۲۵۶	اللہ کا حصہ (زکوٰۃ) آمدنی میں سے ادا کرنا ہے بچت میں سے نہیں	۲۷۶
اولاد کے لئے قانونِ الٰہی صرف زوجیت ہے ۔	۲۴۴	اللہ تعالیٰ کا حکم نامہ صرف قرآنِ کریم ہے ۔	۲۵۸	اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانا شیطانی فعل ہے ۔	۲۷۷
اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی عقل پا سکتی ہے ۔	۲۴۵			شرک کے تین اقسام ہیں	۲۸۳
اللہ کے ساتھ انسان کا تعلق صرف عبودیت کا ہے ۔	۲۴۶				

مضامین	صفحہ
شفیع صرف اللہ تعالیٰ ہے	۳۶۷
ایک غلطی کا ازالہ	۳۶۸
سورۃ ھود	۳۷۶
سورۃ مومنون	۳۷۷
مسئلہ بشریت انبیاءؑ اور قرآن کریم۔	۳۷۷
حضرت نوحؑ کو طوفان سے کس طرح بچایا گیا؟	۳۷۸
قوم نوحؑ کے پانچ پیر	″
کیا طوفان نوحؑ ساری زمین پر آیا تھا؟	″
کیا کشتی نوحؑ میں ہر نوع کے جوڑے سوار کیے گئے تھے؟	۳۷۹
حضرت نوحؑ کی بسائی ہوئی متوازن بستیاں قوم عاد نے بھی اللہ کے شریک بنا رکھے تھے؟	۳۸۱
سورۃ ہود	۳۸۳
سورۃ شعراء	۳۸۴
قوم عاد ایک جابر قوم تھی - وہ اپنی فتح کی یادگاریں بڑے بڑے مینار بنایا کرتے تھے۔	۳۸۴
سورۃ حٰم سجدہ	۳۸۵
سورۃ قمر	۳۸۶
سورۃ الذاریات	″
سورۃ احقاف	″

مضامین	صفحہ
سورۃ الحاقۃ سات راتیں	۳۸۶
آٹھ دن متواتر آندھی چلتی رہی	۳۸۷
حضرت ہود اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون جاریہ کے مطابق نجات دی تھی۔	″
قوم ثمود بھی آبائی تواتر کی قائل تھی۔	۳۹۱
قوم ثمود کو تین دن کی مہلت دی گئی تھی۔	۳۹۲
سورۃ شعراء	۳۹۲
سورۃ نمل	۳۹۳
سورۃ قمر	۳۹۴
سورۃ الشمس	۳۹۵
قوم ثمود کے جرائم	″
ناقہ صالحؑ کی حقیقت	۳۹۶
روایاتی تفسیر	″
قوم لوطؑ کا تذکرہ	″
سورۃ ھود	۳۹۷
قوم لوط پر لائے گئے عذاب کی تفصیل۔	۴۰۰
المختصر	۴۰۲
ایک اہم سوال کا جواب	۴۰۳
دو اور اہم سوالات	″
دوسرا اہم سوال	۴۰۴
سورۃ فیل	۴۰۶

مضامین	صفحہ
انگوٹھی کا نگینہ	۴۰۸
ایک اہم آخری سوال	۴۰۹
قوم شعیبؑ	۴۱۱
عبادت کا معنی ہے حکم ماننا - اور الٰہ کا معنی ہے حاکم۔	۴۱۱
قوم شعیبؑ مومنوں کو دھمکیاں دیتی تھی۔	۴۱۲
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کا صحیح مفہوم	۴۱۴
حضرت شعیبؑ کی ہجرت	۴۱۶
سورۃ ہود	″
صلوٰۃ موقت کی حقیقت کو بدل دینا	۴۱۷
سابقہ امتوں کی پرانی روش ہے صلوٰۃ پوجا پاٹ نہیں ہے۔	″
بے روح نماز	۴۱۸
رجوع الی المقصود	″
سورۃ حجر	۴۱۹
سورۃ شعراء	″
سورۃ عنکبوت	۴۲۰
افراد معاشرہ کی ذمہ داری سربراہ مملکت پر ہے۔	۴۲۲
قوم فرعون	۴۲۳
ناہموار تقسیم رزق فساد ہے اور ناہموار تقسیم کرنیوالے فسادی ہیں۔	۴۲۴

مضامین	صفحہ
شرک فی الذات	۲۸۳
شرک فی الصفات	"
شرک فی الحکم	۲۸۴
قتل میں الا بالحق کی استثنیٰ	۲۸۷
تمام نبیوں کو ایک ہی کتاب دی گئی تھی۔	۲۹۰
ملائکہ	۲۹۳
عوام کے ذہنی ملائکہ	۲۹۴
ملائکہ کے متعلق ایک اہم سوال	۲۹۵
مسئلہ توبہ	۲۹۶
جب عذاب آجائے تو پھر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔	۲۹۷
جب موت حاضر ہوجائے۔ تو پھر بھی ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔	"
شکست اور گرفتاری کے بعد بھی ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہے۔	"
روایتی تفاسیر	۲۹۸
دجال اور دابۃ الارض	۲۹۹
اللہ تعالیٰ کی مخصوص شفقت	۳۰۲
مسئلہ زکوٰۃ	۳۰۳
عشر، دسواں حصہ زکوٰۃ ہے	"

سورۃ اعراف

مضامین	صفحہ
تعارف	۳۰۹

مضامین	صفحہ
ربط (اعراف با سورۃ انعام)	۳۱۰
منزل من اللہ بھی صرف قرآن کریم ہے ۔۔۔ اور واجب الاتباع بھی صرف اور صرف قرآن کریم ہے۔	۳۱۲
ایک نکتہ لطیف	۳۱۳
اتباعِ رسول سے	"
ایک تاریخی المیہ (پہلی دلیل اور دوسری دلیل)	۳۱۴
قرآن کریم قوموں کے عروج و زوال کے اصول اور قواعد سے بحث کرتا ہے۔	۳۱۵
عذاب آچکنے پر اعترافِ جرم	"
قیامت کی عدالت میں رسولوں اور اُن کی امتوں سے الگ الگ جواب طلبی۔	۳۱۶
قیامت ایک یقینی چیز ہے۔	۳۱۷
رجوع الی المطلب	۳۱۹
شکر کے قرآنی معنے	۳۲۰
طبقاتی نظام فرعونی نظام ہے۔	۳۲۱
نوعِ انسانی میں نفسِ امارہ کو پیدا کرنے کا فلسفہ۔	۳۲۲
ابلیس، نفس امارہ کی پہلی فریب کاری	۳۲۳
پوری نوعِ انسانی کے لئے اس عنوان کے ابتداء میں بھی اور انتہا میں بھی	۳۲۸

مضامین	صفحہ
ساری حقوق انسانی کا اعلان	۳۳۸
اُخروی کی عدالت کی حاضری کو ہمیشہ یاد رکھو۔	۳۳۸
لباس التقویٰ اور جسمانی لباس	۳۳۹
آباؤ اجداد کا تواتر، دلیل صداقت نہیں۔	۳۴۴
الفحشاء یعنی غصبِ حقوق ربوبیت	۳۴۴
صلوٰۃ اور ربوبیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔	۳۴۶
ترکِ زینت اور ترک غذا کا	۳۴۷
عقیدہ مطلقاً غیر قانونی ہے اور غیر قرآنی ہے۔	۳۴۸
دیکھا آپ نے کہ:۔	۳۴۹
ایک لمحہ فکریہ	۳۵۰
اللہ تعالیٰ نے کیا حرام کیا ہے؟	۳۵۰
اقوام عالم کے عروج و زوال کے اٹل خداوندی قوانین۔	۳۵۲
قیامت کا عذاب	۳۵۶
رجوع الی المقصود	۳۵۷
جملہ معترضہ کی اہم قرآنی مثال	۳۶۰
اصحاب اعراف	۳۶۲
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اپنے علم کے مطابق مفصل کر دیا ہے۔	۳۶۵
اللہ کے علم سے کس کا علم افضل ہے۔	۳۶۶

مضامین	صفحہ
قصۂ موسیٰ و فرعون کا پس منظر و پیش منظر	۴۲۵
نہ فرعون خود اللہ کی ہستی کا منکر تھا۔	۴۲۶
نہ اس کے سردار اور نہ اسکی ساری قوم۔	
قصۂ موسیٰ و فرعون کو سمجھنے کا بنیادی نکتہ	״
عصا کے قرآنی معنوں کو سمجھنے میں رکاوٹ	۴۲۸
کاف حرف تشبیہ کی قرآنی مثالیں	۴۲۹
عصا بمعنی قانونِ ربوبیتِ عالمینی بھی ہے	״
ید بیضاء	״
دیکھئے	۴۳۰
حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل کس لئے	
واقعتہً تباہ حال ہو چکی تھی۔	۴۳۱
لفظ سحر کی معنوی تحقیق	۴۳۲
تغیر بذریعہ تصریف آیات	۴۳۳
دلائل کا تقابل تھا، شعبدہ بازی کا مقابلہ	۴۳۵
نہیں تھا۔	
زمین کی وراثت طاقت سے ملتی ہے	۴۳۹
فرعونیوں پر قحط کا عذاب	۴۳۹
طوفان، ٹڈی دل، چچڑیوں، مینڈکوں	۴۴۰
اور فسادِ خون کی متعدد بیماریوں کے عذاب	
بڑا ہو علاقائی تعصب کا، فرعونیوں نے	۴۴۱
اُس کی حد کر دی۔	
موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں	۴۴۳
کیا پوری قوم بنی اسرائیل سے ہجرت کرائی گئی	״
غیر دانشمندانہ ہجرت کے خوفناک نتائج	״
آنحضورؐ نبی اکرم کی ہجرتِ مبارکہ	״
حکومتِ فرعون کے وارث بنی اسرائیل ہوئے	۴۴۴

مضامین	صفحہ
بنی اسرائیل کا ایک عجیب واقعہ	۴۴۵
حضرت موسیٰ نے اللہ کو دیکھنے کا سوال کیوں	۴۴۸
کیا؟	
تجلیٔ ربہٗ کا روایتی مفہوم	۴۴۹
بچھڑے کی پوجا	۴۵۲
سامری کا بائیکاٹ	۴۵۶
کتاب لکھوانے کیلئے ستر کاتبوں کو چن گیا تھا	۴۵۷
رجوع الی المقصود	۴۵۸
آنحضورؐ آخری نبی رسول تھے باقی	۴۶۳
سب نبی اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث	
کئے گئے تھے۔ مگر آنحضورؐ کو پوری نوعِ	
انسانی کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔	۴۶۴
آیت خاتم النبیین	۴۶۵
لفظ خاتم کی بحث	״
آنحضورؐ کیلئے خاتم النبیین بہ تا مکسور	
کیوں نہیں آیا؟	۴۶۶
تمسک بالکتاب	۴۶۷
آیت الست	۴۷۳
عہد الست کیا ہے؟	۴۷۴
قرآن کریم اہل قواعد کی غلطیاں نکالتا ہے	۴۷۵
ہر شخص اپنے رب کی ربوبیت کا خود گواہ ہے	۴۷۶
برادرانِ عزیز	۴۷۷
اسلاف کا تواتر حجت نہیں	۴۷۸
صدے کی روایتی تفسیر	۴۷۹
ایک لمحۂ فکریہ	۴۸۳
الساعۃ بمعنی قیامت	۴۸۷

مضامین	صفحہ
الساعۃ بمعنی کوئی بھی وقفہ	۴۸۸
الساعۃ بمعنی ایک لمحہ	״
الساعۃ بمعنی انقلاب کی گھڑی	״
الساعۃ بمعنی خدا تعالیٰ کی نافرمانی	
کی دنیوی سزا کی گھڑی۔	״
حقیقت نیمروز	۴۹۰
نہ اپنے لئے نہ تمہارے لئے	۴۹۱
مسئلہ حیات النبیؐ، حاضر و ناظر	۴۹۱
مسئلہ بشر و نور	۴۹۲
روایتی تفسیر	۴۹۵
قرآنی اسلوب بیان کو راہ نما اصول	״
بنایا جائے۔	
رجوع الی المطلب	۴۹۶
قرآنِ کریم سے خلاف کفارِ مکہ کا منصوبہ	۵۰۱
اللہ تعالیٰ کی قربت	۵۰۳
عبادت کا معنی	۵۰۴
تسبیح کا معنی	״
ہر چیز کی تسبیح کو جاننا انسانی	
فریضہ ہے۔	۵۰۵
آگ، پتھر	۵۰۶
تسخیر کائنات	״
بجلی، پانی	״
ایٹم	۵۰۷
سجدہ کا معنی	״
ایک لمحۂ فکریہ	۵۰۸
حاصلِ کلام یہ کہ۔	۵۰۹

انظر کیف نصرف الآیات لعلهم یفقهون

اے مخاطب!

غور کرو کہ ہم آیات کو کس طرح پھیر کر لاتے ہیں تا کہ لوگ
تصریفِ آیات کے ساتھ قرآنِ کریم میں تفقہ کیا کریں

ترجمۃ القرآن بتصریف آیات الفرقان

المعروف بہ

تفسیر القرآن بالقرآن

جلد سوم

مشتمل بر تفسیر سورۃ المائدہ، الانعام اور اعراف

شائع کردہ

اداره بلاغ القرآن ۱۱۰- این سمن آباد لاہور

WWW.EBOOKSLAND.BLOGSPOT.COM

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن فہمی کے قرآنی اصول

• تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اوّل کے شروع میں ۱۲۸ صفحات کا دیباچہ دیا گیا ہے، جس میں قرآنِ کریم کو سمجھنے کے وُہ اصول درج ہیں جو قرآنِ کریم نے خود پیش کیے ہیں۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد سوم میں جو اسوقت آپکے ہاتھوں میں ہے، بعض مقامات پر مذکورہ بالا دیباچہ کے حوالے دئیے گئے ہیں۔ قارئین کرام کو وُہ حوالے مذکورہ دیباچہ میں درج ملیں گے۔

اَلحَمدُ لِلّٰہِ • ذاتِ ارحم الراحمین کے فضل و احسان سے تفسیر القرآن بالقرآن کی تیسری جلد طبع ہو کر منظرِ عام پر آگئی ہے۔ اس کا اندازِ تفسیر بھی یہ ہے:۔

۱۔ اس میں دائیں طرف قرآن مجید کا عربی متن ہے اور متن کے بین السطور ہر عربی لفظ کا اردو ترجمہ اُس لفظ کے نیچے لکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مفہوم بندی یا جگہ کی عدم گنجائش کی بدولت کسی عربی لفظ کا اردو ترجمہ اُس کے آگے پیچھے ہو گیا ہو، ورنہ کوشش یہی کی گئی ہے کہ ہر لفظ کا ترجمہ اُس کے عین نیچے آئے تاکہ ہر غیر عربی دان بھی ہر لفظ کا لغوی ترجمہ بخوبی جان سکے۔

۲۔ عربی متن اور لفظی ترجمہ کے بالمقابل بائیں طرف با محاورہ ترجمہ ہے۔ جس میں بریکٹوں کے استعمال کی غرض ترجمہ کے محذوف مفہوم کو نمایاں کرنا ہے۔

۳۔ دائیں طرف کے عربی متن کے وضاحت طلب الفاظ پر الگ الگ اس طرح کے ۱ ۲ ۳ نمبر لگائے گئے ہیں اور آیت مجیدہ کے خاتمہ پر نمبر زدہ الفاظ کے وضاحتی نوٹ بھی بالترتیب ساتھ ہی دیدئے گئے ہیں، اس طرح :۔ ۱ ۲ ۳ وغیرہ۔

۴۔ بائیں طرف کے با محاورہ ترجمہ میں جہاں عام تراجم سے اختلاف کیا گیا ہے، وہاں بھی یہی انداز اختیار کیا ہے کہ متن کے عربی الفاظ اور مقابل کے اردو ترجمہ پر مذکورہ بالا انداز کے نمبر لگا کر ساتھ ہی وضاحتی نوٹ میں ترجمہ کے اختلاف کی وُہ دلیل درج کی گئی ہے جس کی رُو سے اختلاف حق بجانب ہے۔

۵۔ الفاظ اور جملوں کی تفسیر کیلئے ہر مقام پر تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز اختیار کیا ہے اور مناسب مقامات پر صحیفۂ فطرت کی مشاہداتی آیات مجیدہ بطورِ دلیل لائی گئی ہیں۔

(ادارہ بلاغ القرآن)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ

• یہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآن مجید کی پانچویں سورت مجیدہ ہے ۔ چونکہ اس کے شروع میں المائدہ یعنے دسترخوان کی نعمتِ عظمیٰ حلال چوپایوں کا نشانِ حلت بتایا گیا ہے جن کا گوشت نوعِ انسانی کے دسترخوان کی زینت بنتا ہے اور اس کے اخیر پر حضرت مسیحؑ کے ذکر میں اس ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے المائدہ کا لفظ لایا گیا ہے جو پوری نوعِ انسانی کے لئے بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ سب کے دسترخوان کا ضامن ہے ، اسلئے اس سورۃ مجیدہ کا نام نامی سورۃ المائدہ شریفہ ہے ۔

• اس سورۃ مجیدہ کی ۱۲۰ آیتیں ہیں ۔ اس سے ماقبل سورۃ نسآء يَآيُّهَا النَّاسُ کے خطاب سے شروع ہوئی تھی اور یہ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کے خطاب سے شروع ہوئی ہے سورۃ نسآء میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ضمناً بھی آیا تھا اور خطاباً بھی ۔ حالانکہ اگرچہ وہ يَآيُّهَا النَّاسُ کے خطاب سے شروع ہوئی تھی مگر خدا تعالیٰ نے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان کے مطابق پوری نوعِ انسانی سے متعلقہ مسائل بھی بیان فرمائے اور اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے متعلقہ بھی ۔ واضح رہے چونکہ قرآنِ کریم فی ذاتہٖ پوری نوعِ انسانی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے اسلئے کوئی سورۃ خواہ کسی بھی خطاب سے شروع ہوتی ہو ، اس میں نوعِ انسانی کیلئے احکام بھی موجود ہوتے ہیں اور اُن کی اتباع کرنیوالی یا مخالفت کرنیوالی سابقہ اقوام کے حالات بھی برائے عبرت موجود ہوتے ہیں ۔

• فلہذا یہ سورت مجیدہ اگرچہ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ میں اہلِ ایمان کے نام کے خطاب سے شروع ہوئی ہے لیکن اس میں بھی اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے حالات بھی درج ہیں ، ان کے نام بالواسطہ اور بلاواسطہ خطاب بھی ہیں اور ان کے بزرگوں کے نیکوکاروں کے حالات بھی درج ہیں اور نافرمانوں کے بھی ۔

• جیسے کہ زیرِ بحث سورۃ مجیدہ میں يَآاَهْلَ الْكِتٰبِ کا بلاواسطہ خطاب یہود و نصاریٰ کے نام آیت نمبر ۱۵ + ۱۹ میں دو مرتبہ آیا ہے اور قُلْ يَآاَهْلَ الْكِتٰبِ کا بالواسطہ خطاب آیت نمبر ۵۹ + ۶۸ + ۷۷ میں آیا ہے ۔ یہودیوں کے بزرگوں کی مذمت بھی اس سورۃ مجیدہ میں جگہ جگہ موجود ہے ۔ اور نصاریٰ کے بزرگوں میں سے جنہوں نے حضرت مسیحؑ کو خود خدا یا تین خداؤں میں کا تیسرا قرار دیا ، انہیں حقیقت حال کا کافر قرار دیا ہے ؛ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۷۳ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۷۲ لیکن نصاریٰ

میں سے جو حقیقت شناس افراد زمانۂ رسالتِ محمدیؐ کے وقت موجود تھے، اور جو قرآن کریم کو سُن کر فوراً ایمان لے آئے، اُن کی خبر ۵/۸۳ میں بالفاظ ذیل موجود ہے :- وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ○ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ○ ۵/۸۳-۸۴ اور جب وہ سنتے ہیں جو رسولؐ عربی کی طرف نازل ہوا ہے تو تُو دیکھتا ہے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں، اسلئے کہ اُنہوں نے حق، قرآن کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم اس حق پر ایمان لائے تو ہمیں اس کے گواہوں میں لکھ لے۔ اور کیا رکاوٹ ہے ہمارے لئے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں، جبکہ ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمارا نشوونما دینے والا ہمیں صالحین کی قوم (صحابہؓ رسولؐ) میں داخل کر دے۔

● پھر اگرچہ سورہ مائدہ شریفہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے شروع ہوئی ہے۔ لیکن اسی خطاب کو متعدد بار دُہرا دُہرا کر ایمان والوں کے نام مختلف احکام جاری کئے گئے ہیں۔ چنانچہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا خطاب آیت نمبر ۱-۲-۶-۷-۱۱-۳۵-۵۴-۵۷-۸۷-۹۰-۹۴-۹۵-۱۰۵-۱۰۶ وغیرہ میں بار بار دُہرایا گیا ہے۔ اور جہاں آنحضورؐ کے نام کا خطاب ناگزیر تھا وہاں مظہر و محذوف دونوں انداز سے آنحضورؐ کو مخاطب فرمایا گیا ہے۔ مظہر خطاب کی مثال آیت نمبر ۴۱ اور ۶۷ میں موجود ہے :- یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۵/۴۱ اے رسولؐ! آپ کو وہ لوگ غمگین نہ کر دیں جو انکار میں جلدی کرتے ہیں۔

● دوسرا مظہر خطاب یہ ہے :- یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ○ ۵/۶۷ اے رسولؐ! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے ربّ کیطرف سے نازل ہوا ہے۔ اُسے لوگوں تک پہنچا دیجئے گا۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (یاد رکھئے کہ) آپ نے اس کارِ رسالت کو انجام نہیں دیا۔ (ہمارا پیغام اگرچہ مُلّا، پیر اور سرمایہ دار، تینوں با اثر گروہوں کیخلاف ہے اور وہ اس کے عوض آپ کو ایذا پہنچانے کی پوری کوشش کریں گے۔) لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھیگا۔ بیشک انکار کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● آنحضورؐ کے نام قُلْ کے لفظ کیساتھ سات مرتبہ خطاب کیا گیا ہے۔ المختصر! قرآن کریم کی ذاتی حیثیت کو نگاہوں میں رکھنے سے حقیقت حال بصورتِ نصف النہار عیاں ہو جاتی ہے کہ سورۃ کے ابتدائی خطاب کا مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ساری سورۃ شریفہ میں یہی خطاب جاری رہے گا۔ اسی خطاب کو بار بار دہرایا بھی جاتا ہے اور حسب ضرورت اُسے بدلا بھی جاتا ہے۔

سابقہ سورت کیساتھ ربط

● سورۃ مائدہ کا سابقہ سورۃ کیساتھ مرکزی ربط یہ ہے کہ سورۃ نساء میں ذاتی ذاتی ملکیت کی نفی کی گئی ہے (دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم میں تفسیر آیات نمبر ۱۲۶-۱۳۱

۱۳۲ ۔ اور اس سورۃ مجیدہ المائدہ میں حضرت مسیحؑ کی سنتِ مبارکہ کی سند سے ایک ایسے معاشرہ کے قیام کی خبر دی گئی ہے جس میں ہر فردِ معاشرہ کے مائدہ (دستر خوان یعنی (ضروریاتِ زندگی میں سے) خصوصاً ضرورتِ خوراک کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے، اور ہر فردِ معاشرہ سکھ کا سانس لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے ایسے معاشرہ کو سورۃ طٰہٰ کی آیات نمبر ۱۱۸-۱۱۹ میں جنّت کہا ہے اور سورہ مائدہ میں اُسے المائدہ کے نام منسوب کیا ہے، یعنی بچھا ہوا دستر خوان کہ جس سے کسی کو روکا جا سکے اور نہ کسی کی کوئی احتیاج باقی رہے۔

● اس سورۃ مجیدہ کی آیات نمبر ۱۲-۱۳ میں آزاد اسلامی حکومت اور متوازن معاشرہ کو جنّت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰ پر سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۲ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ قرآن کریم نے فتح کی ضد شکست کو جہنّم کہا ہے۔

● دُنیوی جنّت یعنی مائدہ کی پوری تفصیل اپنے مقام پر آیت مجیدہ $\frac{5}{111 \text{ تا } 115}$ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں آگے آ رہی ہے سورۃ مجیدہ کے سلسلہ وار اور گہرے مطالعہ سے دُنیوی جنّت و جہنّم کی حقیقت نکھر کر سامنے آتی چلی جائیگی اِنْشَاءَ اللّٰہ! اُخروی جنّت و جہنّم اپنے مقام پر برحق ہے، جس کے انکار سے ایمان رُخصت ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سورۃ مجیدہ میں دُنیوی جنّت و جہنّم کی بھی پوری وضاحت کر دی گئی ہے جو آیت ۱۲-۱۳ ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور اخیر تک مسلسل چلی جاتی ہے۔

تصریفِ آیات کا قرآنی اسلوب

● سورۃ مائدہ شریفہ میں تصریفِ آیات کیساتھ سُود خور کی سزا بھی بتا دی گئی ہے جو آیات نمبر ۳۳-۳۴ میں مذکور ہے۔ قرآن کریم نے سود خوروں کو اسلامی حکومت کے باغیوں، ڈاکوؤں کی سطح کے مجرم قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے باغی، قانون شکن، غیر مہذب ڈاکو ہیں، مگر سُود خور مہذب ڈاکو ہیں۔ وہ ڈاکو رات کو ڈکیتی کی وارداتیں چھپ چھپ کر کرتے ہیں مگر سود خور، یہ وارداتیں سفید چادروں پر گاؤ تکیے لگائے کھلے بندوں دن دہاڑے کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے سُود خوروں کو خدا تعالیٰ کے باغی قرار دیا اور ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے $\frac{2}{279}$ ۔ یہ بحث سورۃ مائدہ کی آیات متعلقہ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں تصریفِ آیات کے ذریعہ اپنے مقام پر تفصیلاً آ رہی ہے۔

نبیوں سے بازپرس

● سورۃ مائدہ کے اخیر میں حضرت مسیحؑ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ قیامت کو اُن سے پوچھا جائیگا کہ کیا تم نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کیساتھ ملا کر تین اِلٰہ بنا لو۔ وہ جواب دینگے کہ میں نے ایسا نہیں کہا تھا۔ بالفاظ دیگر سورۃ مجیدہ کا خاتمہ اس وضاحت پر کیا گیا ہے کہ نبیوں کو شفیع یا اُن کیطرف منسوب صلیب وغیرہ کو کفارۂ گناہ قرار دینے سے نجات ممکن نہیں بلکہ صرف اور صرف اطاعت پر منحصر ہے، چنانچہ ضابطۂ خداوندی کی اطاعت پر زور دیتے ہوئے سورۃ زیرِ نظر کو یوں شروع کیا گیا

-: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۛ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو پورے کرو عہد

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى

حلال کئے گئے واسطے تمہارے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے سوائے اسکے جو پڑھا جائیگا

عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ

اوپر تمہارے نہ حلال کرنیوالے شکار کے اور جب ہو تم بحالت حرمت

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ ۱

بیشک اللہ حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

ایمان والو! سب عہد پورے کرو (جو پہلے ضابطہ قرآن مجید کی رُو سے تم پر لازم آتے ہیں۔ اسی ضمن میں) تمہارے لئے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے حلال کئے گئے ہیں (ان میں سے) سوائے اُسکے جو تم پر پڑھا جائیگا۔ اور جب تم حرمت کی حالت (یعنی ایام حج) میں ہو تو (مذکورہ حلال جانوروں کے) شکار کو حلال جاننے والے نہ ہونا۔ (اس عہد کو بھی پورا کرو) بلا شبہ اللہ تعالیٰ وہی حکم کرتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ (اس کا ہر ارادہ تمہاری آسانی کے لئے ہے)

- عــه اوفوا بالعقود میں وہ تمام عہد آ گئے جو الّذین اٰمنوا میں موجود ہیں کہ مومن خدا تعالیٰ کی پوری فرمانبرداری کا عہد کرتا ہے۔
- عــه بہیمہ کا معنیٰ، ہم نے لکھا ہے "جگالی کرنیوالے"۔ اسکی مکمل بحث آگے الگ سرخی کے تحت آ رہی ہے۔
- عــه انعام کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے "گھاس خور چوپائے" ثبوت کیلئے ملاحظہ فرمائیں الانعام کی قرآنی لغت۔ سورۃ طٰہٰ میں آیا ہے:- وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ $\frac{20}{53-54}$ "اور وہ (اللہ) آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر ہم اُس کیساتھ (زمین سے) مختلف اقسام کی نباتات نکالتے ہیں۔ نباتات کو تم خود بھی کھاؤ اور اپنے گھاس خور چوپایوں کو بھی چراؤ —— اس آیت مجیدہ سے قرآنی لغت کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ الانعام وہ چوپائے ہیں جو زمین سے پیدا شدہ نباتات (گھاس وغیرہ) چرتے ہیں۔ اب نباتات خور چوپایوں میں گائے، بھینس، اونٹ، بھیڑ بکری بھی ہیں اور گھوڑا گدھا وغیرہ بھی گھاس خور ہونیکی بدولت الانعام میں شامل ہیں۔

بہیمۃ الانعام سے مُراد ہے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے

- اُوپر $\frac{20}{53-54}$ کی قرآنی لغت کیساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ الانعام کا قرآنی معنیٰ ہے نباتات یعنی گھاس چرنے والے چارپائے۔ اُوپر سُورۃ مائدہ کی آیت ۱ میں کہا گیا ہے کہ تمہارے لئے بہیمۃ الانعام حلال کئے گئے ہیں۔ یعنی الانعام میں سے بہیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے حلال فرمائے گئے ہیں۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہیمۃ الانعام کی پہچان کیا ہے؟ اسکے جواب کیلئے پہلے خدا تعالیٰ کا سورۃ نور میں ساری مخلوق کے متعلق ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیں:-
- وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

یَمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ ۔ ۲۴/۴۵ = اور اللہ نے ہر جاندار پانی سے پیدا کیا ہے ۔ پھر اُن میں سے بعض وہ ہے جو پیٹ کے بل چلتا ہے ۔ اور اُن میں سے بعض وہ ہے جو دو پیروں پر چلتا ہے اور بعض وہ ہے جو چار پیروں پر چلتا ہے ۔ اُن میں پیٹ کے بل رینگنے والے سانپ، بچھو وغیرہ ہیں ۔ دو پیروں پر چلنے والے پرندے اور چار پیروں پر چلنے والے ہیں بھیڑ بکری، گائے بھینس، گھوڑا گدھا، کتا بلا اور شیر چیتا وغیرہ ۔ اسی سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۵ میں جو آگے آرہی ہے، چوپایوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں شکاری اور شکار ۔ مُوذی اور غیر مُوذی یعنی درندے اور چرندے ۔ قرآن مجید نے ان کے الگ الگ نام بتائے ہیں ۔ الجوارح اور الانعام ۔ زخم دینے والے گوشت خور (یعنی شکاری) اور گھاس کھانیوالے (یعنی شکار) آیت زیر بحث ۵/۱ میں جو کہا گیا ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ ۔ تو اس سے کھل کر ثابت ہوچکا کہ الانعام، یعنی گھاس کھانیوالے چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے کھانے کے لئے حلال کئے گئے ہیں ۔ الجوارح یعنی زخم دینے والے شکاری، گوشت خور چوپائے مطلقاً حرام ہیں ۔ اُنکی کوئی بھی قسم حلال نہیں خواہ وہ شیر چیتا وغیرہ قسم کے اونچے درجے کے شکاری چوپائے ہوں، خواہ لومڑ اور گیدڑ وغیرہ قسم کے نچلے درجے کے شکاری گوشت خور چوپائے ہوں ۔ اس تمہید کے بعد :۔

● یہاں پہنچ کر ابھی سابقہ سوال بدستور قائم ہے کہ جب آیت مجیدہ ۵/۱ میں الانعام یعنی گھاس خور چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے چوپائے حلال کئے گئے ہیں تو ان کی قرآنی پہچان کیا ہے ؟ اسکے لئے قرآن مجید کے مستقل اسلوب تفسیر، تصریف آیات ۶/۶۵ + ۵/۱۰۱ کے مطابق ذیل کی متقابل آیات مجیدہ ملاحظہ فرمائیں ۔ دائیں طرف آیت مجیدہ ۵/۱ درج ہے اور بائیں طرف اسکی تفسیر کرنیوالی آیات مجیدہ ٦/۱۴۲ تا ۱۴۴ درج ہیں :۔

آیت حِلّت بھیمۃ الانعام	آیات تفسیر بھیمۃ الانعام
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا .... اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ۵/۱	وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ـــــ ۝ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ـــــ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ٦/۱۴۲ تا ۱۴۴
(مفہوم) ایمان والو! .... تمہارے لئے الانعام (یعنی گھاس چرنیوالے) چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے چوپائے حلال کئے گئے ہیں ۔	(مفہوم) اور گھاس چرنیوالے چوپایوں میں سے کچھ لدو ہیں اور کچھ پست قد ہیں ۔ اللہ نے جو تمہیں چرنیوالے چوپائے عطا کئے ہیں اُن میں سے آٹھ قسمیں کھایا کرو، بھیڑ نر مادہ کی قسم، بکری نر مادہ کی قسم، اونٹ نر مادہ کی قسم اور گائے نر مادہ کی قسم ۔

● اب غور فرمائیں کہ دائیں طرف بھیمۃ الانعام کو حلال بتایا گیا ہے۔ اور بائیں طرف آٹھ قسمیں، بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے نر مادہ کے کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ آٹھوں قسمیں بھیمۃ الانعام ہیں۔ نیز یاد رہے کہ اَلضَّانِ، اَلْمَعز، اَلْاِبِل اور اَلْبَقَر میں الف لام عہدی ذہنی ہے، جس میں اثنین کی قرآنی خبر کے مطابق نر و مادہ دونوں شامل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ہر وُہ چوپایہ بھیمۃ الانعام میں شامل ہے جو اِن آٹھ قسموں میں اُس صفت کے لحاظ سے شامل ہو، جو مذکورہ آٹھوں قسموں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔ اب اور آگے پڑھئے۔

● اوپر ۲۰/۲ کے حوالہ سے بتایا جا چکا ہے کہ گھاس کھانے والے سب چارپائے الانعام میں داخل ہیں۔ لیکن ۱/۵ کی قرآنی خبر کے مطابق الانعام میں سے حلال صرف بھیمۃ الانعام ہیں۔ گھوڑا، گدھا اور خچر بھی چونکہ گھاس کھاتے ہیں، لہذا یہ الانعام میں تو شامل ہیں۔ مگر حلال نہیں ہیں۔ کیونکہ ۷۹/۴۰ میں بتایا گیا ہے کہ:۔

" تمہارے لئے اللہ نے الانعام پیدا کئے ہیں جن میں سے بعض سواری کے لئے ہیں اور بعض کھانے کے لئے ہیں۔ نیز ۸/۱۶ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کے لئے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ تینوں نوعیں گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کیلئے حلال ہیں کھانے کے لئے نہیں۔

حلت کا تمیزی نشان جگالی ہے

● اب بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے کھانے کے لئے حلال ہیں اور گھوڑا گدھا خچر وغیرہ سواری کیلئے حلال مگر کھانے کیلئے حرام ہیں۔ پس قرآنِ کریم کی رو سے چوپایوں کا مخصوص تمیزی نشان وُہ ہے جو بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے اور گھوڑے خچر اور گدھے میں مشترکہ طور پر نہیں پایا جاتا۔ وُہ ہے جُگالی اور صرف جُگالی جو اول الذکر گھاس خور چوپایوں میں قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے اور مؤخر الذکر گھاس خور چوپایوں سے قدرِ مشترک کے طور پر غائب ہے۔

● آپ حلال جانوروں کے اس تمیزی نشان جُگالی کو لے کر کرۂ ارض کے گرد گھوم جائیں۔ آپ کو حلال و حرام چوپایوں میں امتیاز کرنے میں رائی برابر بھی دقت پیش نہیں آئے گی۔ نہ آپ کو غیر ملکی چوپایوں کا نام دریافت کرنا پڑے گا، نہ کسی کے عربی نام کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ فقہ کے حلال و حرام کی فہرستوں کے دفتر اپنے ساتھ اُٹھائے پھرنے کی زحمت گوارا کرنا پڑے گی۔ یہ ہے قرآنِ کریم کا بتایا ہوا حلال و حرام چوپایوں کا تمیزی نشان۔ اس کے برعکس جو لوگ قرآنِ حکیم کو نامکمل قرار دے کر کتا، بلا، ریچھ، بندر وغیرہ کی حرمت کی سند غیر اللہ کتابوں سے حاصل کرتے ہیں، ہمارا یہ چیلنج ہے کہ اپنی فہرستیں دیکھ کر بتائیں کہ جنوبی امریکہ کا جاگور، ٹاپیر، لاما، الپاکا، ریا، کنڈر، ارماڈلو اور سلوتھ حلال ہیں یا حرام؟ نیز سائبیریا کا ڈیئر، آسٹریلیا کا کنگرو اور افریقہ کا زیبرا کون سی فہرست میں درج ہیں؟ حلال کی فہرست میں یا حرام کی فہرست میں؟

● پورے حتم و یقین کیساتھ کہا جا سکتا ہے کہ فقہ کی حلال و حرام کی فہرستیں مذکورہ بالا جانوروں کی حلّت و حرمت کا فیصلہ دینے سے یکسر قاصر ہیں، کیونکہ وُہ حلّت و حرمت کے تمیزی نشان کی نشاندہی کرنے کی بجائے جانوروں کے ناموں کیساتھ حلال اور حرام کی خبر دیتی ہیں اس لئے کرۂ ارض کے تمام چوپایوں کی حلّت و حرمت کی خبر دینا فقہ کے بس کا روگ نہیں۔ یہ خداوند عزّ و جل کی پاک کتاب قرآن کریم ہی کی شان ہے جس نے پورے کرۂ ارض پر پائے جانیوالے چوپایوں کی حلّت و حُرمت کا تمیزی نشان بتا کر فیصلہ کر دیا ہے کہ نہ چوپایوں کے مُلکی نام دریافت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اُن کے عربی ناموں کے کھوج لگانے سے کوئی غرض ہے۔ کیوں کہ حلّت و حرمت کے قرآنی تمیزی نشان سے اس راستے کی تمام رکاوٹوں کو دُور کر کے رکھدیا گیا ہے کہ ہر جُگالی کرنیوالا چوپایہ حلال ہے اور نہ کرنے والا حرام۔

جُگالی کرنیوالے چوپایوں کا ایک مخصوص تمیزی نشان

● پھر ذاتِ باری نے جُگالی کرنے والے چوپایوں میں ایک مخصوص نشان یہ رکھدیا ہے کہ جتنے بھی جگالی کرنیوالے چوپائے ہیں۔ اُن سب کے سامنے کے نیچے کے دانت تو ہوتے ہیں مگر اُوپر کے دانت ہرگز نہیں ہوتے۔ چوپایوں کی حلّت کے اس مخصوص خداوندی نشان نے اس گوشے میں مزید آسانی پیدا کر دی ہے کہ بالفرض آپ کسی غیر مُلک کے جنگل میں موجود ہیں۔ آپ کسی جنگلی چوپائے کا شکار کرتے ہیں۔ وُہ زخمی ہو کر آپ کے قبضے میں آجاتا ہے۔ اب آپ کے لئے یہ امر صد فیصد ناممکن ہے کہ آپ اُسے جگالی کرتے ہوئے دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچیں کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ اس لئے ذاتِ باری کے پیدا کردہ جُگالی کرنیوالے چوپایوں کے اس مخصوص نشان کو دیکھ لیں کہ اُس کے سامنے کے نیچے والے دانت موجود اور اوپر والے ندارد ہیں تو بڑے شوق سے ذبح کر کے کباب بنائیں اور جنگل میں حلال کبابوں کیساتھ بھوک مٹائیں۔ المختصر! حلال چوپایوں کا مشترکہ نشان جگالی ہے اور جگالی کرنیوالے چوپایوں کا مشترکہ نشان ہے سامنے کے اوپر والے دانتوں کا نہ ہونا۔

رجوع الی المطلوب

● آیت مجیدہ ۵ میں چوپایوں کی حلّت و حُرمت کا تمیزی نشان بتاتے اور حلّت و حُرمت کے حُکم کی پوری پوری پابندی کی تاکید کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اَے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کے شعائر یعنی اُس کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔ یوں تو ساری کائنات شعائر اللہ ہے۔ یہاں پر چند ایک بیان ہوئی ہیں۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ

اے وُہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ حلال کرنا نشانیوں اللہ کو اور

اے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید) پر ایمان لائے ہو تم اللہ کی جُملہ نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔ اور نہ حرمت والے (کسی بھی) مہینے کی بے اور نہ

لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ
نہ مہینے حرمت والے کو اور نہ ھدی کو اور پٹے والے جانوروں کو
وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ
اور نہ آنیوالوں گھر حرمت والے کو، چاہتے ہیں وہ فضل طرف سے
رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ
رب اپنے کے اور مطابق رضا کے۔ اور جب حلال ہو جاؤ تم تو شکار کرو
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ
اور نہ مجرم کرے تم کو دشمنی اس قوم کی کہ روکا انہوں نے تم کو طرف سے
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ
مسجد حرمت والی کے کہ تم زیادتی کرو۔ اور تم تعاون کرو اوپر بھلائی
وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪
کے اور بچاؤ کے۔ اور نہ تعاون کرو تم اوپر گناہ اور ظلم کے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲
اور بچو مخالفت اللہ سے۔ بلاشبہ اللہ سخت ہے عذاب کرنے میں۔

بیت اللہ کے تحائف[2] کی اور نہ حج کے موقعہ پر بیت اللہ میں پیش کئے جانیوالے جانوروں[3] کی۔ اور نہ بیت الحرام میں آنیوالوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں[4] (یعنی جو اجتماع حج میں رضاءِ الٰہی کے مطابق تلاشِ معاش کرتے ہیں، اور جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ تو پھر تمہیں (بری) شکار کرنے کی اجازت ہے۔ (ایامِ حج میں (بری) شکار کرنا حرام کر دیا گیا ہے)[5] اور یاد رکھو کہ تمہیں اُس قوم کی دُشمنی جس نے تمہیں حرمت والی مسجد (بیت اللہ شریف سے) روکدیا تھا۔ اِس جُرم کی مجرم نہ کر دے کہ تم اُس کے ساتھ زیادتی کر دیئے[6] (دشمنوں کیساتھ بھی انصاف کرنا) اور تم (آپس میں ایکدوسرے کیساتھ بھی، اور دوسری قوموں کیساتھ بھی) بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنا اور گناہ کے کاموں اور ظلم و سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کرنا[7] اور بچو تم اللہ تعالیٰ (کے حکموں) کی مخالفت سے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (مجرموں[8] کو) عذاب کرنے میں بہت سخت ہے۔

حُرمت والے مہینوں کی بے حُرمتی نہ کرو

● ع١ آیتِ بالا میں ذاتِ باری نے اپنی نشانیوں کی بے حُرمتی سے انتہائی سختی کیساتھ منع فرمایا ہے۔ اور ان میں سرفہرست بیان فرمایا ہے حرمت والے مہینوں کو۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم امنِ عالم کا علمبردار ہے۔ باری تعالیٰ نے عالمی امن قائم رکھنے کے لیئے حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس کا حکم دے رکھا ہے اور اس سالانہ امن کانفرنس کے قیام کے لئے چار مہینوں کے لئے جنگ کرنا مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے۔

● اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ ۹ پ ع بلاشبہ اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب (کائنات) میں مہینوں کی گنتی اُس دن سے بارہ ہے جب اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ ان میں سے چار مہینے حُرمت والے ہیں۔ (قیامِ امنِ عالم

کیلئے)۔ یہی قانون سیدھا ہے (جس میں کوئی پیچ و خم نہیں ہے)۔ اسی سورہ توبہ میں، امنِ عالم میں خلل ڈالنے والے مفسدوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے:۔

● فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۹/۲ پس تم (حُرمت کے) چار مہینے زمین میں چل پھر لو۔ اور جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز کرنیوالے نہیں ہو۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید) کے منکروں کو رسوا کرنیوالا ہے۔ آگے اِسی سورہ توبہ کی آئت نمبر ۵ میں مومنوں کو ارشاد ہوا ہے:۔

● فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ۹/۵ = (ایمان والو!) پھر جب حُرمت والے) چار مہینے گزر جائیں تو (فسادی) مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو ـــــ المختصر! باری تعالیٰ نے سال میں چار مہینوں کیلئے حکماً جنگ بندی مقرر فرما دی ہے تاکہ حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس کے لئے عام راستے محفوظ اور بے خطر ہو جائیں اور متحارب قوموں کے تمام متنازعہ مسائل امن کانفرنس میں پیش کرکے بلا جنگ وجدال طے کئے جائیں۔ آئت بالا میں خداوند تعالیٰ نے امنِ عالم کے قیام کے لئے حرمت والے چار مہینوں کو جن میں حکماً جنگ بندی کر دی گئی ہے۔ اپنے شعائر میں سرِ فہرست رکھا ہے۔

حُرمت والے مہینے کَون کَونسے ہیں

● کتبِ روایات نے حُرمت والے مہینے یہ بتائے ہیں:۔ محرّم، رجب، ذیقعد اور ذی الحج۔ لیکن چونکہ یہ مسلسل اور متواتر نہیں، بلکہ کٹویں ہیں، یعنی محرّم اور رجب کے درمیان پانچ مہینوں کا فاصلہ ہے۔ اس لئے یہ قرآنی میزان پر پُورے نہیں اُترتے۔ کیونکہ آپ اُوپر دیکھ چکے ہیں، ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حُرمت کے چار مہینوں میں سالانہ عالمی امن کانفرنس کیلئے کوئی جنگ نہ کی جائے۔ لیکن جب چار مہینے حرمت والے گزر جائیں = فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ تو فسادی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو، تاکہ فساد ختم ہو جائے۔ اب غور فرمائیں کہ ارشادِ باری ہے جب حرمت کے چار مہینے گزر جائیں مگر چونکہ حرمت کے روائتی چار مہینے گزارتے ہوئے نو مہینے گزر جاتے ہیں، اس لئے یہ غیر قرآنی اور خود ایجاد کردہ ہیں۔ قرآن مجید نے جو حُرمت کے چار مہینے بتائے ہیں وُہ کٹویں نہیں ہیں، بلکہ حج کے مہینے کیساتھ مسلسل مربوط ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان کے مُطابق حُرمت کے چار مہینوں کی نشاندہی باندازِ ذیل کی ہے:۔

قرآن مجید کے بتائے ہُوئے حُرمت کے چار مہینے

● سورہ بقرہ میں روزوں کی گنتی بتاتے ہوئے ارشاد ہُوا:۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۲/۱۸۵ روزوں کی گنتی رمضان کا پورا مہینہ ہے (۲۹ یا ۳۰ دن)۔ باری تعالیٰ نے رمضان شریف سے متعلقہ مسائل کی وضاحت کے بعد

جنگِ جہاد کے مسائل بیان کرتے ہوئے حرمت والے مہینوں کا ذکر باندازِ ذیل فرمایا ہے:۔

• اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۲/۱۹۴ حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہی ہے اور (تین) حرمت والے مہینوں کا بدلہ بھی وہ تین مہینے ہیں۔ (اگر دشمن حرمت والے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو تم حرمت والے مہینوں ہی میں اُس سے بدلہ چکا لیا کرو۔ یعنی حرمت کے مہینوں ہی میں اُس کے دانت توڑ دیا کرو)۔

اَب غور فرمائیں

• آئتِ بالا ۲/۱۹۴ میں اَلشَّھْرُ الْحَرَام کے الفاظ آئے ہیں۔ یہاں الشھر کا الف لام عہدی ذکری ہے کیونکہ ماقبل ذکر آچکا ہے شَھْرُ رَمَضَانَ کے الفاظ میں ماہِ رمضان کا۔ پس حرمت کا پہلا مہینہ تو ہوا رمضان شریف کا اور اُس کے بعد آیا ہے حُرُمٰت بصیغہ جمع۔ چونکہ حرمت والے مہینوں کی گنتی ۹/۳۶ میں چار بتا دی گئی ہے۔ اس لئے حُرُمٰت کی جمع سے تین ہی مہینے حرمت والے مراد ہیں نیز چونکہ ۹/۵ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ کے الفاظ سے ثابت ہے کہ حرمت والے مہینے پے درپے آتے ہیں۔ جو یکے بعد دیگرے مسلسل گزر جاتے ہیں۔ اس لئے بصورتِ نصف النہار ثابت ہوا کہ باقی تین مہینے رمضان شریف کے ساتھ والے عین اگلے ہیں:۔ شوال، ذی قعد اور ذی الحج۔ رمضان کے بعد یہ تینوں مسلسل اور مربوط ہیں۔ پس قرآن مجید کے مطابق حرمت والے چار مہینے ہیں۔

• رمضان، شوال، ذیقعد اور ذی الحج جو مسلسل ہیں اور یکے بعد دیگرِ یکبارگی گزر جانے کی بدولت قرآنی میزان پر پورے اترتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی آئت مجیدہ ۵/۲ میں ان کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اگر دشمن حرمت والے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو تم نے مار نہیں کھانا۔ بلکہ اُنہی مہینوں میں اُس کے حملہ کا دندان شکن جواب دینا ہے

نیازِ کعبہ کے تحفوں کی بے حرمتی نہ کرو

• ھدیٰ لفظ ھدی کا سہ حرفی مادہ ھ۔د۔ی = ھدی ہے جس کا مصدری معنیٰ آگے ہوتا ہے۔ اسی لئے راستہ بتانے والے کو جو راستہ بتاتے وقت آگے آگے ہوتا ہے ھَادِیٌ کہتے ہیں نیز تحفہ چونکہ آگے رکھا جاتا، آگے پیش کیا جاتا ہے اس لئے تحفے کی ہر چیز کو ھدیہ کہتے ہیں جس کی جمع ہے ھدی۔ آئتِ صدر میں اَلْھَدْیَ پر الف لام تخصیص کا آیا ہے اس لئے یہاں الھدی سے مراد وہ تحائف ہیں جو نیازِ کعبہ کے لئے حاجی لوگ حج کے موقعہ پر اپنے ساتھ لے جائیں۔ خواہ وہ از قسم نقدی، کپڑا، جنس ہوں یا از قسم ذبح کئے جانیوالے چوپائے ہوں۔ آئت مجیدہ میں ان تحائف کی بے حرمتی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ نیازِ کعبہ کی ھدی کی بے حرمتی یہ ہے کہ اُسے جائز مقام پر خرچ کرنے کی بجائے ناجائز خرچ کیا جائے۔ واضح رہے کہ حج چونکہ سالانہ عالمی امن کانفرنس ہے اس لئے اس موقعہ پر پیش کی جانیوالی سب کی سب ھدی یا تو مہمانوں کی خدمت پر خرچ ہونی چاہئیں اور یا

کعبہ مکرمہ کے عالمی امن مرکز کو اس قدر مضبوط کرنے پر خرچ کی جانی چاہئیں کہ پوری دنیا میں یہ مرکز سب سے زیادہ طاقتور ہوتا کہ وہ سالانہ عالمی امن کانفرنس میں کئے گئے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کی طاقت بھی رکھتا ہو یو۔این۔او کے عالمی امن مرکز کی طرح نہ ہو کہ وہ فیصلہ تو کر دے کہ بھارت کشمیر میں رائے شماری کرائے۔ مگر اپنے اس فیصلے پر عمل کرانے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح یو۔این۔او یہ فیصلہ تو کر دے کہ اسرائیلی حکومت عربوں کے دبائے ہوئے علاقے خالی کر دے مگر خالی کرا نہ سکے۔ پس الھدی کی بے حرمتی یہ ہے کہ عالمی امن مرکز کے کرتا دھرتا اس مال کو اس طرح خرچ کریں کہ وہ خود تو عیش کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور عالمی امن مرکز کرہ ارض کی بیشتر حکومتوں سے کمزور رہے۔ حتیٰ کہ خود اہلِ اسلام کو اپنے متنازعہ فیہ مسائل کیلئے کسی اور نام نہاد امن مرکز کی طرف رجوع کرنا پڑے۔

نیاز کعبہ یعنی قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی نہ کرو

● ۳ لفظ القلائد جمع ہے القلادہ کی، جس کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ل۔د = قلد، جس کے بنیادی معنے بٹی ہوئی رسی کے ہیں۔ الاقلید کہتے ہیں اونٹ کی نکیل کی رسی کو۔ چونکہ دیہاتیوں کے ہاں بٹی ہوئی رسی چوپایوں کے گلے میں ڈالی جاتی ہے اس لئے جو رسی چوپایوں کے گلے میں ڈالی جائے اسے بھی قلادہ کہا جاتا ہے۔ پھر گھر میں پالے جانیوالے جانوروں کے گلے میں جو شوق کیساتھ خوب صورت پٹہ یا گانی وغیرہ ڈالی جاتی ہے اُسے بھی قلادہ کہا جاتا ہے، جس کی جمع ہے قلائد۔ آیت زیرِ بحث میں چونکہ قلائد پر الف لام تخصیص کا آیا ہے، القلائد کی صورت میں، اس لئے اس سے مراد ہیں وہ چوپائے جو پٹہ ڈال کر نیازِ کعبہ کیلئے گھر پر پالے جائیں۔ پھر چونکہ نیازِ کعبہ کیلئے گھر پر پالنے کی بجائے بازار سے بھی حلال چوپائے خرید لئے جاتے ہیں۔ اس لئے القلائد سے وہ تمام حلال چوپائے بھی مراد ہیں جو نیازِ کعبہ کے طور پر پیش کئے جائیں جنہیں عرفِ عام میں قربانی کے جانور کہا جاتا ہے۔ اب القلائد یعنی قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی یہ ہے کہ انہیں ذبح کر کے چھوڑ دیا جائے اور پھر انہیں ریت میں دبا دیا جائے۔ آیت زیرِ نظر میں اس بے حرمتی سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔

بیت اللہ کا قصد کرنیوالوں کی بے حرمتی نہ کرو

● ۴ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ کا معنی ہے بیت اللہ شریف کا قصد کرنیوالے۔ آمین اسم فاعل ہے اَمَّ سے، جس کا مصدری معنی ہے قصد کرنا۔ یہاں بیت اللہ شریف کا قصد کرنیوالوں میں سے یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا کے الفاظ میں اُن لوگوں کو مخصوص کر دیا گیا ہے جو حج کے سفر میں اللہ کی رضا کے مطابق اُس کا فضل تلاش کریں یعنی وہ اللہ کی رضا کے مطابق کسی بھی جائز طریقے سے کاروبار کر کے تلاشِ معاش کر سکتے ہیں۔ اہلِ اسلام کے ہاں یہ غیر قرآنی عقیدہ چل رہا ہے کہ حج کے سفر میں کاروبار کرنا حرام ہے۔ حالانکہ آیتِ بالا کے علاوہ سورہ بقرکی آیتِ ذیل نمبر ۲/۱۹۸ میں بھی حج

کے سفر میں حاجیوں کیلئے کاروبار، محنت مشقت اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ تلاشِ معاش کی اجازت ہے:۔ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم حج کے سفر میں (اللہ کی رضا کے مطابق (۲/۱۹۸) کام کاج کرکے) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

● پس ایسے حاجیوں کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے جو حج کے سفر میں ایام حج سے ماقبل یا مابعد محنت مشقت، دستکاری یا تجارت کے ذریعہ تلاشِ معاش کریں۔ ایسے لوگوں کو طعنے دینا کہ تم ایسے بھوکے ننگے اور قلاش ہو یا اتنے لالچی اور حریص ہو کہ حج کے سفر میں بھی کمائی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو، یہ اُن کی بے حرمتی ہے جس سے منع کر دیا گیا ہے۔ اگر سفرِ حج میں کسی حاجی کا سفر خرچ ختم ہو جائے تو بجائے اس کے کہ وہ دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرے، کیا یہ بہتر نہیں کہ وہ محنت مشقت یا صنعت و تجارت میں سے جو فن بھی جانتا ہو، اُسکے ذریعہ سفر خرچ بنا کر کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے بچ جائے۔ اور اگر وہ زیادہ مال کما کر گھر بھی لے آئے تو آیت مجیدہ ۲/۱۹۸ اور ۵/۲ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے۔ اور ایسے حاجیوں کو طعنے دیکر اُن کی بے حرمتی، بے عزتی اور رسوائی سے مطلقاً منع کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے جسمانی محنت یا فنی مہارت کیساتھ کما کر اپنی آن اور عزتِ نفس کو محفوظ کرنیوالے افراد بھی شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

ایامِ حج میں بری شکار حرام ہے

● ۵/۲ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایامِ حج میں بری شکار نہ کیا جائے، بلکہ اس عشرہ کے بعد جب حج سے فارغ ہو جائیں تو پھر بری شکار کریں۔ کیونکہ ایامِ حج میں جب دُور دُور اطراف و اکناف سے حاجی لوگ بیت اللہ شریف کے ارد گرد جمع ہوں تو ممکن ہے کہ شکاری فائر تو کرے یہ سمجھ کر کہ وہ ہرن وغیرہ کسی شکار کو نشانہ بنا رہا ہے، مگر وہ کوئی آدمی ہو جو قضاءِ حاجت کیلئے دور نکل آیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امنِ عالم اس قدر عزیز ہے کہ حج کی سالانہ امن کانفرنس میں شریک ہونیوالے ہر فرد کو بھی شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں میں داخل کر رکھا ہے۔ چونکہ ایامِ حج میں بری شکار کے ذریعہ کسی بھی ایسے فرد کی بے حرمتی کا احتمال ہے اس لئے بری شکار حرام کر دیا گیا ہے۔

● اسی سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵/۱ میں بھی غیر محلی الصید وانتم حرم (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے) کے الفاظ میں بھی ایامِ حج میں بری شکار حرام کر دیا گیا ہے اور آگے آیت نمبر ۵/۹۵ میں بھی تکرار تاکیدی کے طور پر ارشاد ہوا ہے:۔

● یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ ۵/۹۵ = ایمان والو! جب تم ایامِ حج میں ہو تو (بری) شکار مت مارا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ سوال بار بار ابھر رہا ہو کہ ہمنے اَلصَّیْد کا معنیٰ بری شکار کیوں

کیا ہے جبکہ یہاں برّی کیلئے متن میں کوئی لفظ مذکورہ بالا آیتوں میں سے کسی بھی آیت میں نہیں آیا۔ جواباً عرض ہے کہ الصّید پر الف لام تخصیص کا آیا ہے جس سے مراد برّی شکار ہے اور اس پر قرآنی دلیل اگلی آیت نمبر ۵/۹۶ میں بالفاظ ذیل موجود ہے ● اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۵/۹۶ اور تمہارے لئے (ایّام حج میں) بحری شکار کرنا اور اُس کا کھانا حلال کیا گیا ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدے کیلئے اور تم پر برّی شکار (ایام حج میں) حرام کردیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص ایّام حج میں جان بُوجھ کر برّی شکار کرے تو وُہ قرآنی سزا کا مستحق ہے

● اگر کوئی شخص دورانِ ایّام حج برّی شکار کرے تو اسے ضابطۂ خداوندی میں ذیل کی سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے ● وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۵/۹۵ اور جو کوئی تم میں سے اُسے (برّی شکار کو) جان بوجھ کر مارے تو اسکا بدلہ چار پایوں میں سے اُس کی مثل ہے جو مارا ہے۔ جس کا فیصلہ تم میں سے دو عدل والے (منصف) کریں۔ یہ ہدیہ کعبہ پہنچنے والا ہو۔ یہ کفّارہ ہے مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے رکھنا تاکہ وُہ اپنے جُرم (کی سزا) کا مزہ چکھے۔ جو اِس سے پہلے گزر گیا۔ وُہ اللہ نے معاف کردیا ہے۔ اور جو کوئی اس کے بعد اس کا اعادہ کرے تو اللہ اُسکو اُسکی سزا دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب سزا دینے والا ہے۔

دشمنوں کیساتھ انصاف کرنا

● ۵/۲ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ ..... الخ میں صحابہ کرامؓ کو ارشاد ہوا ہے کہ کفّارِ مکّہ، جنہوں نے تمہیں مسجدِ حرام سے روک کر اپنی دشمنی کا ثبوت پیش کیا تھا، اقتدار میسّر آنے کے بعد تمہارے لئے یہ لائق نہیں کہ تم کو ان کی دُشمنی، اس جُرم کا مجرم کردے کہ تم اُن پر زیادتی کرو۔ بلکہ تم ان سے انصاف ہی کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ضابطہ ہی امن وسلامتی کا ہے۔ اِس کی رُو سے ہر مجرم کو اُسکے جُرم سے ذرہ بھر بھی زائد سزا نہیں دی جاتی۔ بلکہ اگر مجرم تائب ہو کر آئندہ کیلئے اصلاح کا اقرار کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔ اور اس چیز کی تاکید قرآن مجید کے اوّلین مخاطبین صحابہؓ کرام کو تاکید کی گئی ہے اور اُن کے بعد ہر اُس قوم کو جو ضابطۂ خداوندی قرآن حکیم پر ایمان لائے، تاکید ہے کہ وُہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد دورِ جہالت کے طور طریقے مطلقاً ترک کردے۔ یعنی جو غیر مسلم اربابِ اقتدار کا طریقہ ہے کہ دُشمن کیساتھ انصاف کرنا ضروری سمجھا ہی نہیں جاتا۔ بلکہ کسی فرد بشر کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی پہچان ہی یہ ہے کہ وُہ اس کے حکموں کے مطابق دُشمنوں پر بھی زیادتی نہ کرے، بلکہ اُن کے ساتھ بھی پُورا پُورا انصاف ہی کرتا ہو۔

بھلائی کے کاموں میں تعاون کرو اور برائی کے کاموں میں ہرگز تعاون نہ کرنا

• وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کا تعلق بھی سابقہ شق سے ہے جس میں دشمنوں کیساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم چونکہ انسان کی انفرادیت اور اجتماعیت دونوں سے متعلقہ احکام دیتا ہے۔ اس لئے انفرادی طور پر بھی اگر دو دوست ہیں اور ان کا کوئی مشترکہ دشمن ہے۔ اب اگر ان میں سے ایک دوست بھلائی کے کاموں میں دوسرے دوست سے تعاون کا طلبگار ہوتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ ضرور تعاون کرو۔ لیکن اگر ان میں سے ایک دوست اپنے مشترکہ دشمن پر گناہ وظلم کیساتھ زیادتی کرنے میں دوسرے دوست کے تعاون کا طلب گار ہو، تو ارشاد ہوتا ہے کہ ہرگز ہرگز تعاون نہ کرنا۔

• اور اسی طرح اجتماعی طور پر اگر دو دوست سلطنتیں ہیں اور کوئی سلطنت اُن کی مشترکہ دشمن ہے۔ اب اگر اُن میں سے ایک دوست سلطنت بھلائی کے کاموں میں اپنی دوست سلطنت سے تعاون کی متمنی ہو تو ارشاد ہوا ہے کہ ضرور ضرور تعاون کرو لیکن اگر ایک دوست سلطنت مشترکہ دشمن سلطنت پر گناہ وظلم کیساتھ زیادتی کرنے میں تعاون کی طلب گار ہو تو ارشادِ باری ہے کہ اپنی دشمن سلطنت کے مقابلے پر بھی تعاون ہرگز ہرگز نہ کرنا۔

• یہی حال صدرِ ریاست اور اُسکے عمّال وعوام کا ہے، کہ صدرِ مملکت اصلاحی احکام نافذ کرے تو اس کے عمّال اور عوام کو حکم ہوتا ہے کہ بِرّ وتقویٰ یعنی بھلائی اور بچاؤ کے کاموں میں ضرور ضرور تعاون کرو۔ لیکن اگر صدرِ مملکت بھی گناہ اور ظلم پر مبنی احکام صادر کرے تو حکم ہوتا ہے کہ نہ اس کے عمّال اُس کے ساتھ تعاون کریں نہ عوام۔

• ۸ آیت مجیدہ ۲/۵ زیرِ بحث کے آخری جملے یہ ہیں:- وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۲/۵ چونکہ یہ آیت مجیدہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے ان دونوں جملوں کا معنیٰ یہ ہے کہ: اے ایمان والو! بچو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنے احکام کی مخالفت کرنیوالوں کو) سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

خلاصۂ مبحث

• المختصر! آیتِ بالا ۲/۵ زیرِ نظر میں اللہ تعالیٰ نے شعائر اللہ یعنی اپنی نشانیوں کی بے حرمتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اپنی ان گنت نشانیوں میں سے ذیل کی چند نشانیاں (یعنی شعائر اللہ) پیش فرمائی ہیں:-

۱۔ حرمت والے مہینے اللہ کی نشانی ہیں۔ اُن میں جنگ چھیڑنا، ان کی بے حرمتی ہے۔ لیکن اگر دشمن حرمت کے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو حرمت والے مہینوں ہی میں اُسکو دندان شکن جواب دینا ــــ حرمت والے مہینے کی بے حرمتی اُس نے کی ہے تم نے نہیں کی۔

۲۔ نیازِ کعبہ کے تحائف (ھدی) اللہ کی نشانی ہیں اُنہیں بے جا استعمال کرنا، ان کی بے حُرمتی ہے۔ یعنی بیت اللہ کے عالمی امن مرکز کے اربابِ بست و کشاد خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور یہ عالمی امن مرکز نہ عالمی مرکز بن سکے نہ طاقتور۔ ان تحائف سے مرکز کو طاقتور سے طاقتور بناتے چلے جاؤ تاکہ یہ فی الواقعہ عالمی امن مرکز بن سکے۔

۳۔ نیازِ کعبہ کے طور پر پیش کئے جانیوالے القلائد (عرف عام کے مطابق قربانی کے) جانور اللہ کی نشانی ہیں۔ انہیں ضرورت سے زائد ذبح کرکے ریت کی نذر کر دینا ان کی بے حُرمتی ہے۔ انہیں اتنے ذبح کرو جتنے کھائے جا سکیں۔ جو جانور بچ رہیں ان کی خطیر رقوم کیساتھ مرکز کو مضبوط اور مضبوط تر کرتے چلے جاؤ تاکہ یہ فی الواقعہ مضبوط عالمی مرکز بن جائے۔

۴۔ حج بیت اللہ کا قصد کرنیوالوں میں سے جو لوگ جائز طریقے سے تلاش معاش کریں وہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں یعنی اللہ کی نشانی ہیں۔ انہیں طعنے دینا ان کی بے حرمتی ہے۔ دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے کما کر سفر خرچ کی کمی پوری کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

۵۔ ایامِ حج میں بری شکار کی حرمت بھی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ ایام حج میں بری شکار کرکے اس حرمت کی بے حرمتی نہ کرنا۔ جب حج سے فارغ ہو جاؤ تو پھر بری شکار کر سکتے ہو۔ ان ایام میں بحری شکار حلال ہے $\frac{5}{96}$۔

۶۔ اے صحابۂ رسول! تمہارے جن دشمنوں نے تمہیں بیت اللہ شریف سے روک دیا تھا۔ جب وہ مغلوب ہو جائیں تو تم اُن کے ساتھ بھی انصاف کرنا۔ دشمنوں کیساتھ انصاف کرنا بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ اس حکم کی مخالفت کرکے اس کی بے حرمتی نہ کرنا۔ تمہیں اُس قوم کی دشمنی بے انصافی کا مجرم نہ بنا دے جس نے تمہیں بیت اللہ سے روک دیا تھا۔

۷۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں انداز سے بھلائی اور تقویٰ کے کاموں میں ایکدوسرے کیساتھ تعاون کرنا اور گناہ و ظلم کے کاموں میں تعاون نہ کرنے کا خداوندی حکم بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ اس حکم کی مخالفت کرکے اس کی بے حرمتی نہ کرنا۔

● اخیر پر ارشاد ہوا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ حکموں کی مخالفت سے بچو (ورنہ یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ اُس کے احکام کی مخالفت کرنیوالوں کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

● دیکھئے! آیت بالا ۲ میں آیت ۱ کے اولین حکم اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کے ماتحت مندرجہ بالا تمام احکامِ خداوندی کو پورا کرنے اور اللہ کی منہیات سے پوری طرح احتراز کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اب اگلی آیت

مجیدہ میں، آیت اول کے جملہ "اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ" والی استثناء کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں کہ ان چیزوں کی وضاحت کر دی گئی ہے جو خود حلال جانوروں کی حرام ہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ

حرام کیا گیا تم پر ہر قسم مردہ۔ اور خون اور

لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

گوشت غدود کا اور جو منسوب ہوا غیر اللہ کی طرف سامنے کے

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ

اور گلا گھٹا اور چوٹ لگا اور گر کر مرا اور سینگ لگا اور جسے

اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى

کھایا درندے نے سوائے جو ذبح کیا تم نے اور جو ذبح ہوا اوپر

النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ

مزار کے اور یہ کہ تقسیم کرو تم ساتھ فالوں کے۔ یہ ہے

فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

قانون شکنی۔ آج مایوس ہو گئے وہ لوگ جو کافر ہوئے، سے

دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ

دین تمہارے۔ پس نہ ڈرو ان سے اور ڈرو مجھ سے ہر زمانہ

اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

مکمل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا اور پوری کی میں نے اوپر تمہارے

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ

نعمت اپنی اور پسند کیا میں نے واسطے تمہارے فرمانبرداری کو دین۔ پھر جو ہو بے

مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③ بخشنے والا رحمت فرمانے والا ہے۔

قرار بھوک سے نہ جھکنے والا واسطے گناہ کے پس بیشک اللہ بچانے والا مہربان

(ایمان والو!) حرام کیا گیا ہے تم پر (جگالی کرنے والے چوپایوں کا (ہر قسم کا مردہ اور ہر قسم کا خون اور غدود کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ کیطرف منسوب کیا گیا ہو، اور وہ جو گلا گھٹ کر مر گیا اور وہ جو چوٹ لگنے سے مر گیا اور وہ جو گر کر مر گیا اور وہ جو سینگ لگ کر مر گیا اور جسے کسی درندے نے کھالیا سوائے اس کے جسے تم نے (ذبح کرکے خون سے) پاک کرلیا۔ اور وہ جو کسی استھان خانقاہ پر ذبح ہوا اور یہ کہ (انکا گوشت) تم قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کرو۔ یہ سب حدود شکنی ہے۔ آج کے دن وہ لوگ جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کیا ہے تمہارے دین سے مایوس ہوگئے ہیں۔ پس تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو (اے نوعِ انسانی!) ہر زمانے میں میں نے تمہارے لئے تمہارا ضابطۂ حیات مکمل کردیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت (کتاب) پوری کردی۔ اور تمہارے لئے اپنی فرمانبرداری کو اپنا ضابطۂ حیات پسند فرمایا۔ پھر جو کوئی بھوک سے بے چین ہو جائے (تو جان بچانے کیلئے مذکورہ بالا حرام چیزیں کھا سکتا ہے مگر) وہ گناہ (نافرمانی) کی طرف جھکنے والا نہ ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ (مجبوری کی حالت میں جان بچانے کیلئے) بچاؤ دینے والا ہے۔

● ع۱ یہ ہے ۵ میں آمدہ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کی تفصیل کہ جگالی کرنیوالے حلال جانوروں میں مذکورہ بالا نمبر زدہ گیارہ چیزیں حرام ہیں۔

لحم الخنزیر

• اس آئت مجیدہ میں آمدہ مرکّب اضافی لحم الخنزیر سے عام تراجم میں سؤر کا گوشت مراد لیا گیا ہے۔ اور اس طرح سؤر کی حُرمت اس آئت سے ثابت کی جاتی ہے۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے ۵/۱ میں گھاس کھانیوالے چوپایوں میں سے بہیمہ قسم یعنی جگالی کرنیوالوں کو حلال بتا کر غیر بہیمہ یعنی جُگالی نہ کرنیوالوں کی حُرمت کا اعلان کر رکھا ہے تو پھر سُؤر کو، جو غیر بہیمہ میں داخل ہونے کی بدولت ۵/۱ میں حرام ثابت ہو چکا، باقی حرام جانوروں سے الگ طور پر پھر حرام بتانے کا کیا مطلب؟

• یاد رہے کہ آئت بالا ۵/۳ میں اِلّا ما یتلیٰ علیکم کی تفصیل درج ہے۔ حلال جانوروں کے اندر جو چیزیں حرام ہیں اور یا جن صُورتوں میں وُہ حلال ہوتے ہوئے حرام ہو جاتے ہیں اُن کی فہرست دیدی گئی ہے۔ مُردہ۔ خون۔ لحم الخنزیر۔ غیر اللہ کی طرف منسوب۔ گلا گھونٹ کر مرا۔ چوٹ لگنے سے مرا۔ گر کر مرا۔ آپس میں لڑ کر سینگ لگنے سے مرا۔ درندے کا کھایا۔ خانقاہ پر ذبح کیا گیا۔ اور فال کے تیروں سے تقسیم کیا گیا۔ پس جب اس آئت مجیدہ میں لحم الخنزیر سمیت گیارہ صورتیں حلال جانوروں ہی کے بعض حصّوں اور بعض حالتوں کی حُرمت کی ہیں تو ثابت ہوا کہ لحم خنزیر بھی حلال جانوروں ہی کا حرام بتایا گیا ہے اور وُہ ہے غدود کا گوشت۔

ایک غلط فہمی کی وضاحت

• مَا اُھِلَّ لِغیرِ اللّٰہِ بِہٖ میں آمدہ مَا عمُوم کے سہارے لحم خنزیر سے سُؤر کا گوشت مراد لیکر سؤر کی حُرمت لی جاتی ہے۔ کیونکہ اس مَا عموم سے غیر اللہ کی طرف منسوب پرا ٹھے، پتاشے، مٹھائی وغیرہ ہر چیز حرام ہو جاتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے، چونکہ ما اُھِلَّ لِغیرِ اللّٰہِ بِہٖ سے بہیمۃ الانعام کے سوا ہر چیز مُراد ہے۔ اس لئے لحم الخنزیر سے مراد سؤر کا گوشت ہے۔ لیکن عربی ادب کا قاعدہ ہے کہ جب مَا عمُوم کسی دائرہ میں محدود ہو تو اُس دائرہ کے اندر ہی عمُوم کا فائدہ دیتا ہے۔ لہٰذا یہاں مَا عام ہے لیکن حلال کے دائرے میں محدود جانوروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ گائے، بھینس، بھیڑ بکری وغیرہ کوئی سا حلال جانور بھی غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ دائرے میں محدود مَا عمُوم کی مثال اسی آئت مجیدہ میں مَا اَکلَ السّبعُ اور ما ذُبِحَ علی النُّصُبِ کے جملوں میں مذکور ہے۔ جن میں اگرچہ مَا عام ہے لیکن درندہ کھا جائے یا کسی استھان پر ذبح ہو، کے جملوں سے یہاں حلال جانوروں کے سوا کھیر پراٹھوں کا کسی مزار پر ذبح ہونا یا درندوں کا کھا جانا مراد لیا ہی نہیں جا سکتا۔

مُردہ خون اور غدود کے گوشت کی یکے بعد دیگرے حُرمت قابلِ غور ہے

• حلال جانور پہلے نمبر پر اُسوقت حرام ہو جاتا ہے جب وُہ مر جائے، یعنی وُہ ذبح نہ کیا گیا ہو۔ یہ اس لئے کہ خون حرام ہے جو بلا ذبح کئے مر جانے سے اُس کے اندر رہ جاتا ہے اور جب ذبح کر کے خون نکال دیا جائے تو حرام خون تو نکل گیا لیکن باقی گوشت میں ابھی اور حرام چیزیں موجود ہیں، وُہ ہے لحم خنزیر یعنی

غدود کا گوشت، جھلیاں اور پھیپھڑے وغیرہ۔ جن میں حلال جانور کو ذبح کر لینے کے باوجود اُس کا وُہ گوشت بھی حرام ہے جہاں جانور کو چوٹ لگی ہو اور اُس مقام پر خون جم گیا ہو اور اس سے آگے ہے حلال جانوروں یا ان کے گوشت کو فال کے تیروں کیساتھ تقسیم کرنے کا مسئلہ۔ واضح رہے کہ قرعہ اور فال کے ذریعہ تقسیم کا سوال پیدا ہی اُس وقت ہوتا ہے جب دونوں ڈھیر برابر نہ ہوں اور کسی ایک ڈھیر کے متعلق الگ الگ فریقین یہ چاہتے ہوں کہ یہ مجھے ملے۔ قرعہ اور فال میں ایک تو قسمت و تقدیر جیسے قاطع ایمان نظریے کا عمل دخل ہے کہ جونسا ڈھیر یا جانور کسی کی قسمت میں ہو گا مل جائیگا اور دوسرے یہ کہ جس شخص کو ناقص مال ملتا ہے اُس کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے قرعہ کے طریقے سے جانوروں یا ان کے گوشت کو تقسیم کرنے سے خود جانوروں یا گوشت کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حرام تو ہوئی قرعہ اندازی، اس سے حلال جانور حرام کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس سوال کا جواب بھی اسی آیت مجیدہ میں موجود ہے کہ جس طرح حرام تو ہے کسی استھان، مزار یا خانقاہ پر جانور ذبح کرنا۔ تو جس طرح اِس حرام فعل سے کسی مزار پر کے مذبوحہ حلال جانور کو حرام ٹھہرا دیا گیا ہے جس پر یہ حرام فعل وارد ہوا ہے، اُسی طرح قرعہ اندازی کا حرام فعل بھی جن حلال جانوروں یا گوشت پر وارد ہو گا وُہ بھی حرام ہو جائیں گے۔

تکمیلِ دین

• آیت زیرِ بحث ۵/۳ میں جو آیت کا یہ ٹکڑا آیا ہے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت"، اس کے متعلق روائتی تفاسیر میں بتایا گیا ہے کہ آج دن تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا گیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی گئی ہے سے مراد یہ ہے کہ یہ آیت نزول کے لحاظ سے بالکل آخری آیت ہے۔ اس نظریہ پر متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں:۔

• ۱ پہلا یہ کہ کیا سابقہ اُمتوں اور رسولوں کو کامل دین نہیں دیا گیا تھا، جو کامل دین اس اُمت کو ملا ہے۔

• ۲ پھر جیسے کہ روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ مکمل دین اِس آخری اُمت ہی کو دیا گیا ہے تو آیاتِ ذیل کی مخالفت لازم آتی ہے:۔ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۴۲/۱۳۔ ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے اُسی دین کی وُہی شرع کر دی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور وہی شرع جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ اور وہی شرع جس کا حکم ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔ پھر سورہ انعام میں حضرت ابراہیمؑ سمیت اٹھارہ نبیوں کے نام لیکر آنحضورؐ کو حکم ہوا ہے:۔ اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ ۶/۹۰ یہ وُہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی تھی۔ اے رسولؐ! آپ اُنکی ہدایت کی اقتداء فرمائیں۔ کیا ان الفاظ میں آنحضور کو نامکمل اور ناقص دین کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ العیاذ باللہ!

• ۳ پھر اگر "اتممت علیکم نعمتی" کے الفاظ سے یہ مانا جائے کہ یہ منزل کے لحاظ سے آخری آیت مجیدہ ہے تو

آئت ذیل کا کیا بنیگا۔

● وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۶/۱۱۴ اور تیرے پروردگار کے کلمات صدق و عدل کیساتھ ختم ہو چکے ہیں۔ بتائیے! یہ آئت آخری ہے یا الیوم اکملت والی؟

● برادرانِ عزیز! حقیقت حال وُہی ہے جو عرض کر دی گئی ہے کہ یہاں اَلْيَوْمَ کا معنی آج دِن نہیں۔ بلکہ ہر دِن ہر زمانہ ہے۔ یعنی سابقہ تمام رسولوں اور اُمتوں کو کامل دین دیا گیا تھا۔ الیوم میں الف لام استغراق کا ہے اور یوم کا معنی ہے زمانہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں، ہر نبی اور ہر اُمت کو کامل دین عطا فرمایا تھا، اور وُہ ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت عطا فرمائی گئی تھی جیسے کہ ۴۲/۱۳ کے حوالہ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا میں بھی اوپر گزر چکا ہے اور ۶/۹۱ کا حوالہ بھی اوپر دیا جا چکا ہے کہ آنحضور کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ سابقہ انبیاء کی ہدایت کی اقتداء فرمائیں۔

● ۶/۱۱۵ میں بھی اس چیز کی تائید موجود ہے:۔ تمت کلمت ربك صدقا وعدلا لا مبدل لکلمتہ۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات قوانین (ہر دور میں) مکمل طور پر عطا کئے گئے ہیں۔ اُسکے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں نہ وُہ تبدیل ہوتے ہیں ۶/۱۱۵ اور نہ خود اللہ تعالیٰ انہیں بدلتا ہے ۵۰/۲۹

حرام شکاری جانوروں کے ذریعہ شکار حلال ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں شکاری جانوروں کے ذریعہ بہیمہ قسم کے حلال جانوروں کا شکار کرنا حلال ٹھہرایا گیا ہے۔ بشرطیکہ اُنہیں سدھایا جا چکا ہو۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ
سوال کرینگے آپ سے کیا حلال ہُوا واسطے اُن کے کہدیجئے حلال کیا گیا
لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ
واسطے تمہارے پاکیزہ اور جو سدھاتے ہو تم شکاری جانوروں کو
مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا
سدھاتے ہوا نہیں جیسے کہ تعلیم دی تمکو اللہ نے۔ پس کھاؤ اُس
مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
سے جو وہ روکیں واسطے تمہارے اور ذکر کرو نام اللہ کا
عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝
اوپر اُس کے اور ڈرو اللہ سے بیشک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے

(اے رسول!) لوگ آپ سے سوال کریں گے کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ آپ فرما دیجئے گا کہ تمہارے لئے صحت بخش (گوشت) حلال کیا گیا ہے۔ اور (تمہارے لئے حلال جانوروں کا وہ شکار بھی حلال کیا گیا ہے) جو تم شکاری جانوروں کو تعلیم دیتے ہو، کتوں کو سدھانے والے ہو کر۔ تم اُنہیں تعلیم دیتے ہو اُس (جبلی علم) سے جو اللہ نے تمہیں (جبلی طور پر) سکھایا ہے۔ پس اُس شکار کو کھایا کرو جسے وہ تمہارے لئے روک رکھیں اور اُس پر اللہ کے نام کا ذکر کیا کرو (یعنی اللہ کے نام کیساتھ ذبح کیا کرو)

اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت سے بچو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے۔

سدھائے ہوئے کتے کا پکڑا ہوا شکار

• عـ۱ قاموس القرآن کے صفحہ ۴۴۵ پر مکلّبین کا معنیٰ لکھا ہے "مُکلّبین :۔ کتّے کو شکار سکھلانیوالے۔ تکلیب سے اسم فاعل جمع مذکّر بحالت نصبی وجرّی۔ واحد مکلّبٌ "۔ کتّا بھی شکاری جانور ہے۔ بہت جلد سدھایا جاسکتا ہے، دوسرے شکاری جانوروں کے ساتھ ساتھ سدھائے ہوئے کتّوں کا شکار بھی حلال قرار دیا گیا ہے۔ کتّوں کو سدھانے والوں کیلئے خاص لفظ لایا گیا ہے مُکلّبین۔ شکاری جانوروں کو سدھانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وُہ شکار کو کھائیں نہیں۔ صرف پکڑ رکھیں، تاکہ اُسے ذبح کر لیا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ جب سدھایا ہوا کتّا یا دوسرا شکاری جانور شکار کو پکڑیگا تو یقیناً اُس کے دانت شکار کے جسم میں پیوست ہوں گے۔ اس طرح کتّا اور دوسرے شکاری جانور کھانے کیلئے ضرور حرام ہیں مگر ان سے شکار کو پکڑنے کی خدمت لینا حلال اور جائز ہے۔

جبلّی تعلیم

• عـ۲ مِمّا علّمکم اللہ۔ شکاری جانوروں کو سدھانے کی تعلیم نوعِ انسانی کو بذریعہ وحی نہیں دی گئی۔ بلکہ یہ تعلیم انسانی جبلّت میں رکھ دی گئی ہے۔ اور جبلّی تعلیم کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ہر قسم کی صنعت وحرفت کا کام نوعِ انسانی اسی خداوندی جبلّی تعلیم کے ذریعہ سرانجام دے رہی ہے اور اِس میدان میں شبانہ روز ترقی بھی اِسی خداوندی تعلیم کے ذریعہ کرتی چلی جارہی ہے۔ تار برقی، وائرلیس، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹیلیویژن وغیرہ، آئے دن کی نئی سے نئی ایجادیں سب اسی جبلّی تعلیم کی مظہر ہیں۔

ذبح کے بغیر شکار حلال نہیں

• عـ۳ واذکروا اسم اللہ علیہ کے جملہ میں شکار کو ذبح کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ ذبح کا معنیٰ ہے شاہ رگ کو حلق کی طرف سے کاٹنا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ جسم کا سارا خون جو حرام ہے پوری طرح بہہ جائے۔ شکار کے ضمن میں یہ نظریات محلِّ نظر ہیں جو یہ کہا جاتا ہے کہ تیر یا گولی کا نشانہ کرتے وقت بسم اللہ پڑھ دی جائے اور یا شکار کو پکڑنے کے لئے کتّا چھوڑتے وقت اللہ کے نام کا ذکر کر لیا جائے تو شکار حلال ہوتا ہے۔ کیوں کہ شکار اُس وقت تک حلال نہیں ہوتا جب تک کہ ذبح کرکے اُسکا خون خارج نہ کر دیا جائے۔ نہ تیر یا گولی سے جسم کا سارا خون خارج ہو سکتا ہے نہ شکاری جانور کے پکڑنے سے بلکہ سارا خون صرف شاہ رگ کاٹنے سے خارج ہو سکتا ہے۔

• سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مسئلہ حلّت کے ضمن میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جو اہل کتاب دینِ اللہ پر قائم ہیں، اِن کے کھانے بھی حلال ہیں اور رشتے بھی۔ مگر ان سے وُہ مشرک اہل کتاب ہرگز مراد نہیں جو حضرات عزیرؑ و مسیحؑ کو خدا کے بیٹے بنائے بیٹھے ہیں۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ

آج دن (زمانۂ رسالتِ محمّدیؐ میں جبکہ ملی کرتیوانے جانوروں

آج حلال کئے گئے واسطے تمہارے پاکیزہ کھانے اور کھانا اُن لوگوں کا

أُوتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ

جو کتاب دیئے گئے حلال ہے واسطے تمہارے اور کھانا تمہارا حلال ہے ان کیلئے

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور پاکدامن عورتوں میں سے مومنہ عورتوں کے اور پاکدامن عورتوں میں سے

الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوْهُنَّ

ان لوگوں کے جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے ۔ جب تم دو انہیں

أُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا

مہران کا نکاح میں رکھنے والے نہ مستی جھاڑنے والے اور نہ

مُتَّخِذِيْٓ أَخْدَانٍ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ فَقَدْ

رکھنے والے چھپی آشنائی ۔ اور جو کوئی انکار کرے بعد ایمان کے پس بیشک

حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

ضائع ہوا عمل اسکا اور وہ بیچ قیامت کے ہیں ۔ میں سے گھاٹا پانیوالوں کے

سمیت) تمام صحت بخش چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں ۔ اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں انکا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے ۔ اور حلال ہیں تمہارے لئے مومنہ پاکدامن عورتوں میں سے اور حلال ہیں واسطے تمہارے پاکدامن عورتیں اُن لوگوں کی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے[علہ] ، جب ادا کردو تم اُنہیں اُنکا زرِ مہر ۔ اس شرط پر کہ ہو تم انہیں قیدِ نکاح میں رکھنے والے نہ صرف وقتی مستی جھاڑنیوالے ۔ اور نہ ہی ہو تم چھپی آشنائی رکھنے والے ۔ اور (یاد رکھو کہ) جو کوئی ایمان لانے کے بعد عملاً انکار کریگا تو یقیناً یقیناً اُس کا عمل ضائع ہو جائیگا ۔ اور بلاشبہ وُہ قیامت کے دارالجزاء میں نقصان اُٹھانیوالوں میں سے ہوگا ۔ (نجات نہیں پائیگا) ۔ ع ۵/۵

• علہ آیت بالا میں :-

اہلِ کتاب کا کھانا اور رشتے

جن اہلِ کتاب کا کھانا اور عورتیں ، مومنوں کیلئے حلال بتائی گئی ہیں وُہ ، وُہ اہلِ کتاب نہیں ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے خود کافر اور مشرک قرار دیا ہے :-

• وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۹/۳۰ اور کہا یہودیوں نے کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے ۔ پس ظاہر ہے کہ اللہ کے بیٹے ٹھہرانے والے یقیناً مُشرک ہیں اور اُدھر ارشاد باری ہے :- إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ۹/۲۸ بلاشبہ مشرک نجس ہیں ۔ تو بتائیے ! کیا ناپاکوں کا کھانا مومنوں کے لئے حلال کیا گیا ہے ! ہرگز نہیں ۔

• ۲/۲۲۱ میں ارشاد ہوا :- وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ ۔ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ اور مُشرکہ عورتوں کے نکاح مومن مردوں سے نہ کرنا جبتک وُہ ایمان نہ لے آئیں ۔ اور مُشرک مردوں کے نکاح مومنہ عورتوں سے نہ کرنا جبتک وُہ مومن نہ ہو جائیں ۔

• پس اہل روایات کا یہ مسئلہ قرآن کریم کے صد فیصد خلاف ہے کہ مشرک یہود و نصاریٰ کا کھانا بھی حلال ہے اور اُن کی عورتیں بھی حلال ہیں۔ حالانکہ اس غلط مسئلہ کی بدولت یہود و نصاریٰ اپنی عورتیں جاسوسی کیلئے مسلمانوں کے نکاح میں دیدیتے ہیں جو بر وقت جاسوسی کرکے اہل اسلام کو نقصان پہنچاتی چلی آرہی ہیں۔ فاعتبروا!

• یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آیت مجیدہ ۵ میں جو اہلِ کتاب کا کھانا اور عورتیں حلال بتائی گئی ہیں اُس سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب آیاتِ ذیل میں دیا گیا ہے:۔

• لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۳/۱۱۳-۱۱۴

(مفہوم) سب ایک سے نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو رات کی ابتدائی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور حضور الٰہی میں سجدۂ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے نیکیوں کا حکم اور برائیوں سے منع کرتے ہیں وُہی اہلِ کتاب صالح لوگ ہیں۔

• اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ ھُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ ۲۸/۵۲-۵۳ وُہ لوگ جنہیں اِس (قرآن) سے پہلے کتاب دی گئی ہے (اُنکا ایک گروہ) اِس پر ایمان لاتا ہے۔ اور جب وُہ اُن پر پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بیشک وُہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ بیشک ہم اس سے پہلے فرمانبردار ہیں ــــ اہلِ کتاب کے مومن گروہ کی یہی خبر ۵/۸۲-۸۳ میں بھی دی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جن اہلِ کتاب کا کھانا اور اُن کی عورتیں حلال ٹھہرائی گئی ہیں وُہ خدا کے بیٹے ٹھہرانے اور ایک کی بجائے تین خدا ماننے والے نہیں، بلکہ یہ وُہ لوگ تھے جو زمانۂ رسالتِ محمدی میں اصل دین پر قائم تھے۔ قرآن کریم نے اُنہیں اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ بتایا ہے۔ کاش کہ مسلمان اس غلط مسئلہ سے توبہ کرکے اس کے مضرات سے محفوظ ہو جائیں۔

وضو کا حکم

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صلوٰۃِ موقّت یعنی نماز کی ادائیگی کیلئے وضو کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلت و حرمت کے مسائل کے بعد آیتِ وضو کا کیا مقام ہے؟ یعنی حلال و حرام کی وضاحت کے ساتھ وضو کے مسئلہ کا کیا ربط ہو سکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ سورہ مائدہ کی پہلی آیت کے پہلے جملے میں ارشاد ہوا ہے يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۵/۱ ایمان والو! قبولِ ایمان کی رُو سے جس قدر عہد تم پر لازم آئیں سب کو پورے کرتے رہو، اور اس حکم کے بعد حلت و حرمت

سے متعلقہ متعدد عہدوں کی وضاحت کرنے کے بعد ساتھ ہی ساتھ صلوٰۃِ موقّت کے اُس عہد کیطرف رُخ کیا گیا ہے جو پیچھے ۴/۱۰۳ میں اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ؁ کے الفاظ میں لیا گیا ہے کہ بلاشبہ مومنوں پر صلوٰۃ مقررہ وقتوں پر فرض کر دی گئی ہے۔ فلہذا اگلی آیت مجیدہ میں اسی عہد صلوٰۃِ موقّت کے متعلق واضح کیا گیا ہے :۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم کھڑے ہو واسطے صلوٰۃ کے

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا

تو دھو لیا کرو مُنہ اپنے اور بازو اپنے سمیت کہنیوں کے اور مسح کرو

بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا

کا سروں اپنے ۔ اور دھو لو پیر اپنے مع ٹخنوں کے اور اگر ہو تم جُنبی تو پاک ہو جاؤ

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ

اگر تم ہو بیمار یا اوپر سفر کے یا آئے ایک بھی تم سے تمہارے جس سے جائے ضرورت کے

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا

یا تم نے ملاپ کیا بیویوں سے پھر تم نہ پاؤ پانی تو ارادہ کرو مٹی

طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ

پاکیزہ پھر پونچھ لو مُونہوں اپنوں اور ہاتھوں اپنوں کو اس سے نہیں ارادہ کرتا اللہ

لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ

کہ ٹھہرائے اوپر تمہارے کوئی تنگی و لیکن ارادہ کرتا ہے کہ پاک کرے تم کو

وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ

اور تاکہ پوری کرے نعمت اپنی اوپر تمہارے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ۶

تاکہ تم شکر گزار رہو

اے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو (ہمارے عہدِ) صلوٰۃ کی ادائیگی کا ارادہ کرو تو اپنے مونہوں کو دھو لیا کرو۔ اور دھو لیا کرو اپنے بازوؤں کو کہنیوں سمیت۔ اور اپنے سروں کو پونچھ لیا کرو۔ اور پیروں کو ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو علہ

اور اگر تم بحالت جنابت ہو تو پاک ہو لیا کرو عہ (یعنی غسل کر لیا کرو) اور اگر تم بیمار ہو (یا پانی کا استعمال مضر پڑتا ہے اور تم سفر پہ ہو، یا تم میں سے کوئی شخص قضاءِ حاجت سے فارغ ہوا ہو، یا تم نے بیویوں سے اختلاط کیا۔ اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاکیزہ مٹی کا قصد کیا کرو۔ (یعنی غلاظت کو پاکیزہ مٹی کیساتھ دور کر لیا کرو) پھر اپنے مُونہوں (چہروں) اور بازوؤں کو گرد و غبار سے پونچھ لیا کرو عہ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی بھی تنگی کا ارادہ نہیں کرتا اور لیکن وُہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں نجاست سے پاک کرنے اور تم پہ (اس گوشے میں بھی) اپنی قانونی نعمت پوری کر دے عہ (تاکہ تم پر ادائے صلوٰۃِ موقّت میں کوئی تنگی نہ رہے) تاکہ تم شکر گزاری کرتے رہو۔

● وضو کے متعلق دو مکاتب فکر میں بہت پرانا جھگڑا

چل رہا ہے ایک طرف وضو میں پیروں کو دھویا جاتا ہے اور دوسری طرف پیروں پر مسح کیا جاتا ہے اور پیروں پر مسح کرنے کی یہ دلیل لائی جاتی ہے کہ جب اَرْجُلَکُمْ معطوف ہے رُءُوْسِکُمْ کا اور رُءُوْسِ مفعول ہے فعل امر اِمْسَحُوْا کا، تو اس سے ثابت ہُوا کہ جس طرح سر کے مسح کا حکم دیا گیا ہے، اُسی طرح پیروں کے بھی مسح ہی کا حکم ہے، کیونکہ معطوف اور معطوف الیہ ایک حکم میں ہوتے ہیں۔

● اس سلسلے میں سمجھنے کی چیز یہ ہے کہ اَرْجُلَکُمْ، رُءُوْسِکُمْ کا معطوف ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ عربی قواعد کا یہ غیر متبدّل قاعدہ ہے کہ معطوف کے اعراب اپنے معطوف علیہ کے اعراب کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ رُءُوْسِ، جسے معطوف علیہ قرار دیا جاتا ہے مجرور ہے اور اَرْجُلَ جسے معطوف ٹھہرایا جاتا ہے منصوب ہے پس رُءُوْسِ اور اَرْجُلَ بوجہ عدم مطابقت اعراب باہم معطوف معطوف علیہ نہیں ہیں۔ بلکہ اَرْجُلَکُمْ معطوف ہے وُجُوْهَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ کا۔ کیونکہ اعراب کی مطابقت ان میں ہے رُءُوْسِ اور اَرْجُلَ میں ہرگز نہیں۔ ہاں اگر اَرْجُلَکُمْ کی بجائے اَرْجُلِکُمْ ہوتا تو پھر یہ یقیناً یقیناً معطوف ہوتا رُءُوْسِکُمْ کا اور پیروں کا مسح کیا جاتا۔

زیر زبر کا فرق

● عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے یعنی اُسکے آخری حرف پر ہمیشہ پیش آتی ہے اور مفعول ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ یعنی اُس کے آخری حرف پر زبر آتی ہے۔ جیسے کہ آیت زیر بحث ۶ میں پہلا فعل امر ہے اِغْسِلُوْا اور وُجُوْهَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اس کے دونوں مفعول منصوب ہیں، یعنی وُجُوْهَ کے آخری حرف ہ پر بھی زبر ہے اور اَیْدِیَ کے آخری حرف یَ پر بھی زبر ہے۔ پس وُجُوْهَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ بوجہ مطابقت اعراب باہم معطوف معطوف علیہ ہیں۔ اور جس طرح یہاں مُونہوں کے لئے دھونے کا حکم ہے۔ اُسی طرح بازُوؤں کیلئے بھی دھونے کا حکم ہے۔ لیکن آیت زیر نظر کے دوسرے فعل امر اِمْسَحُوْا کا مفعول منصوب نہیں۔ آپ پوچھینگے کہ یہاں اِمْسَحُوْا فعل کا مفعول رُءُوْسِکُمْ، سِ کی زیر کیساتھ کیوں آیا ہے؟ حالانکہ مندرجہ بالا قاعدے کے مطابق مفعول منصوب ہونا چاہیے تھا۔ یعنی رُءُوْس کے سین پر زبر آنی چاہیے تھی۔

● یہ وہ اہم ترین سوال ہے، جس کے صحیح جواب پر وضو میں پیروں کے دھونے یا مسح کرنے کے متنازعہ مسئلہ کے صحیح فیصلے کا انحصار ہے۔

● جواباً عرض ہے کہ یہاں عربی قواعد کے ایک دوسرے قاعدے نے اثر انداز ہو کر سِ کی زبر کو زیر کے ساتھ تبدیل کر دیا ہے۔ وُہ یہ ہے کہ جب کسی اسم پر کوئی حرف جار داخل ہوتا ہے تو اُسے مجرور کر دیتا ہے یعنی اُس کے مقامی اعراب کو بدل کر اُسکے آخری حرف کے نیچے زیر لے آتا ہے، جیسے کہ رُءُوسَ کا مقامی اعراب سَ کی زبر ہے، لیکن اگر بائے جارہ داخل نہ ہوتی تو اِمْسَحُوْا رُءُوْسَکُمْ ہوتا۔ یاد رہے کہ یہاں سَ

کے نیچے زیر بائے جارہ کے داخل ہونے کی بدولت آئی ہے۔ لیکن ایک بات اور بھی یاد رکھئیگا، اگرچہ بِرُءُوْسِكُمْ بائے جارہ کی بدولت مجرور ہو کر آیا ہے۔ لیکن محلاً منصوب ہے۔ یعنی رُءُوْسِ مفعول ہی ہے امسحوا کا۔ اور سروں کے مسح کرنے ہی کا حکم دیا گیا ہے۔

● اب غور طلب یہ امر ہے کہ آئت مجیدہ میں بِرُءُوْسِكُمْ کے بعد آیا ہے وَ اَرْجُلَكُمْ۔ عربی قواعد کے غیر متبدل قاعدہ کے مطابق اگر اَرْجُلَ، بِرُءُوْسِ کا معطوف ہوتا تو اَرْجُلِ آتا۔ اور جس طرح بِرُءُوْسِكُمْ محلاً منصوب ہے اُسی طرح اَرْجُلِكُمْ بھی محلاً منصوب ہوتا۔ لیکن چونکہ خداوندی تنزیل میں اَرْجُلَكُمْ، لام کی زبر کیساتھ آیا ہے۔ اس لئے بدرجہ اتم ثابت ہوا کہ نہ اَرْجُلَكُمْ، بِرُءُوْسِكُمْ کا معطوف ہے اور نہ پیروں کے مسح کا حکم ہے۔ بلکہ یہ اُس معطوف علیہ کا معطوف ہے جس کے ساتھ اِس کے اعراب مطابق ہیں۔ وہ ہے اَيْدِيَكُمْ جو خود معطوف ہے وُجُوْهَكُمْ کا۔ اور یہ دونوں مفعول ہیں فعل امر اغْسِلُوْا کے۔ پس مطابق اعراب کی سند کیساتھ اَرْجُلَكُمْ اُسی فعل امر کا مفعول معطوف ہے۔ جس کے مفعول، اس کے معطوف علیہ وُجُوْهَكُمْ اور اَيْدِيَكُمْ ہیں۔ اور چونکہ وُجُوْهَكُمْ اُسی فعل امر کا مفعول معطوف ہے جس کے مفعول، اس کے معطوف علیہ وُجُوْهَكُمْ اور اَيْدِيَكُمْ ہیں اور چونکہ وُجُوْهَكُمْ اور اَيْدِيَكُمْ دونوں مفعول ہیں فعل امر اغْسِلُوْا کے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ جس طرح مونہوں اور بازوؤں کے دھونے کا حکم ہے۔ اُسی طرح پیروں کے بھی دھونے کا حکم دیا گیا ہے، مسح کرنے کا نہیں۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

● یہاں پہنچ کر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیروں کو دھلوانا ہی مقصود تھا تو خدا تعالیٰ نے اَرْجُلَكُمْ کو اغْسِلُوْا کے مفعول کی شکل میں وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ کیوں نازل نہ فرمایا؟ جواباً عرض ہے کہ وضو کی ترتیب کو قائم رکھنے کے لئے پہلے مونہوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر کہنیوں سمیت بازوؤں کو پھر سر کے مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد پیروں کو دھونے کا۔ اگر وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ کیساتھ ہی وَاَرْجُلَكُمْ نازل ہوتا تو وضو کی ترتیب یہ ہو جاتی کہ پہلے منہ دھوتے، پھر بازو دھوتے، پھر پیر دھوتے اور اخیر پر سر کا مسح کرتے۔ اس طرح چوں کہ خداوندی ترتیب متبدل ہو کر رہ جاتی، اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی پسندیدہ ترتیب کے مطابق الفاظ کو ترتیب دی ہے۔

جنب بمعنی بدخوابی بھی ہے

● ۲ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا کے حکم میں بدخوابی بھی شامل ہے جس کی بدولت غسل واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بیویوں سے خلوت کا ذکر اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کے الفاظ میں الگ مذکور ہے۔ جس میں بدخوابی شامل ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ قرآن کریم کا مخصوص

اسلوب بیان ہے کہ اُس نے بدخوابی اور بیویوں کی مقاربت کا الگ الگ ذکر کرکے واضح کر دیا ہے کہ دونوں حالتیں جنب کی ہیں اور دونوں میں غسل لازم ہے۔ نیز جلد دوم میں آئت مجیدہ ۴/۴۳ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ وہاں بھی من وعن یہی وضاحت موجود ہے۔

● ۳۔ فَاطَّهَّرُوا سے مراد غسل کرنا ہے۔ بعض حلقوں میں غسلِ جنابت کے خلاف جراثیم پائے جاتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ فاطّھروا کے الفاظ سے بصورت نصف النہار ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے جنابت کو ناپاک قرار دیا ہے۔ جیسے کہ وضو کے لئے جن اعضا کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے وُہ ناپاک نہیں ہوتے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ منہ اور کہنیوں سمیت بازو ناپاک ہوتے ہیں۔ پاک اعضاء کو صلوٰۃ کے تقدّس کے لئے دھونے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں فَاغْسِلُوا آیا ہے فَاطَّهَّرُوا نہیں آیا۔ اس کے برعکس جنابت کو ناپاکی قرار دے کر فَاطَّهَّرُوا کا حکم نافذ کیا گیا ہے کہ اگر تم جنابت سے ہو تو پاک ہو جاؤ اور اس حکم کے تحت پورے جسم کا غسل کیا جائیگا۔ سورہ نساء ۴/۴۳ میں فَاطَّهَّرُوا کی بجائے تَغْتَسِلُوا آیا ہے۔ نیز یہاں فَاطَّهَّرُوا کے الفاظ سے صرف اعضاءِ مخصوصہ کی طہارت کا حکم اخذ کرنا اپنے آپ کو مقامِ انسانیّت تک سے گرا دینے کے مصداق ہے۔ کیوں کہ جنسی فراغت کے بعد اعضاءِ مستعملہ کی عدم طہارت کیضرورت کا تصوّر تو ڈھور ڈنگروں کیلئے ہے۔ نوعِ انسانی تو جنسی فراغت کے بعد جبلّی طور پر ہی اعضاءِ مستعملہ کی فوری طہارت کیلئے بے چین ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فَطَّھروا کے الفاظ میں پورے جسم کے غسل کا حکم دیا گیا ہے۔

تیمّم کا معنیٰ مُونہوں اور ہاتھوں پر مٹی ملنا نہیں بلکہ اُنکے لئے مسح یعنی اُن پر سے گرد وغبار کو صاف کرنا ہے

● تیمّم کی مروّجہ شکل یہ ہے کہ وضو کے لئے پانی نہ ملے تو مونہوں اور بازوؤں پر مٹی مل لی جاتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ قرآنی الفاظ اس تصوّر کے حامل نہیں۔ وہاں الفاظ یہ ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی قضاءِ حاجت سے فارغ ہوا ہو یا بیوی سے مقاربت کرے اور پانی نہ پائے تو پاکیزہ مٹی کا قصد کرے۔ یعنی پاکیزہ مٹی کیساتھ آلائش صاف کرے اور اس کے آگے ارشاد ہوا ہے:۔ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِّنْهُ ؕ۔ دیکھیے یہاں پاکیزہ مٹی کے استعمال کے بعد فا آئی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ پاکیزہ مٹی کے استعمال کے حکم کے بعد فاءِ تعقیب لا کر ارشاد ہوا ہے:۔ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ پھر غلاظت کو صاف کرنے کے لئے حسبِ ضرورت پاکیزہ مٹی کے استعمال کے بعد اپنے مونہوں اور بازوؤں کو مٹی یعنی گرد وغبار سے صاف کر لیا کرو (کپڑے کے ساتھ پونچھ لیا کرو)۔ مسح کا معنیٰ مفردات امام راغب مطبوعہ اہلحدیث اکیڈمی کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۹۹۰ کالم ۲ پر اس کے سہ حرفی مادہ م۔س۔ح کے ماتحت لکھا ہے۔ "اَلْمَسْحُ کے معنے کسی چیز پر ہاتھ پھیرنے اور اس سے نشان اور آلائش

صاف کر دیئے گئے ہیں ......چنانچہ محاورہ یہ ہے مَسَحْتُ یَدِیْ بِالْمِنْدِیْلِ میں نے رومال کیساتھ ہاتھ پونچھا"
—— پس ان لغوی دلائل سے عیاں ہے کہ مسح کا معنیٰ مٹی پونچھنا ہے ، ملنا نہیں ۔ اور پونچھنے کا عمل کسی کپڑے یا رومال وغیرہ ہی سے ہوگا۔

مٹی میں بھی طہارت سے متعلقہ اجزاء موجود ہیں

● اب مٹی کے اجزا پر غور فرمائیں ۔ جس ذاتِ مقدس نے نجاست و آلائش کو مٹی کیساتھ صاف کرنے کا حکم دیا ہے ، اُس نے اس میں ایسے کیمیادی اجزاء بھی رکھ دئے ہیں ، جو غلاظت کے مضر اثرات کو زائل کر دیتے ہیں ۔ تجربہ کے طور پر اگر کچھ غلاظت کو مٹی میں دبا دیا جائے تو چند دن کے بعد کھود کر دیکھیں تو غلاظت کا وجود معدوم ہو چکا ہوگا ۔ پس پاکیزہ مٹی کا استعمال مذکورہ تجربہ سے بھی ثابت ہوا کہ صرف غلاظت کو صاف کرنے کیلئے ہے ، مُونہوں اور ہاتھوں پر ملنے کیلئے نہیں ۔ مُونہوں اور بازُوں پر کپڑے کیساتھ مسح کرنا ہے ۔ مُنہ اور بازُوں پر مٹی ملنا قرآنِ کریم کی رُو سے نہ تیمّم ہے نہ مسح ۔

● ہے ۔ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ میں آمدہ لفظ حرج کا معنیٰ ذہنی تنگی بھی ہے ۔ جیسے کہ ۴/۶۵ میں آنحضرت ؐ کے فیصلوں کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں کو چاہیے کہ آپ ؐ جو فیصلے کریں ، اُس سے کوئی ذہنی تنگی محسوس نہ کریں ۔ لَا يَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ ۴/۶۵

مسئلۂ تیمّم پر کتبِ روایات کی حاشیہ آرائی

● آگے بڑھنے سے پہلے پر کتبِ روایات کی طبع آزمائی کا نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیں ۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ وضو سے متعلقہ جملہ احکام ۵/۶ میں دے دیئے گئے ہیں اور اسی آیتِ مجیدہ میں اُس حالت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ جس جگہ پانی میسّر نہ ہو تو وہاں غلاظت کو پاکیزہ مٹی کیساتھ رفع کر لیا کرو اور اس کے بعد مُونہوں اور بازُوں کو کپڑے کیساتھ پونچھ لیا کرو ۔ لیکن کتبِ روایات نے یہ تاثر دیا ہے کہ باری تعالیٰ نے وضو کا حکم تو نازل کر دیا مگر یہ نہ بتایا کہ جہاں پانی نہ ملے وہاں کیا کرنا ہوگا ۔ چنانچہ بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۰ پر کتابِ تیمّم کی پہلی ہی روایت میں لکھا ہے کہ تیمّم سے متعلقہ حکم اُس وقت نازل ہوا جب ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کا ہار ٹوٹ کر گر گیا ۔ اس لئے آنحضور ؐ نے اُس کی تلاش کیلئے قیام فرمایا ۔ اس مقام پر پانی نہیں تھا ۔ اس لئے صحابہؓ بہت پریشان ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی کہ دیکھا آپ کی بیٹی نے کیا کیا ہے ۔ رسولِ خدا اور صحابہؓ کو وہاں ٹھہرا لیا ہے ، جہاں پانی نہیں ہے ۔ اس سے آگے مترجم بخاری شریف کے اردو ترجمہ کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیں :-

" عائشہؓ کہتی ہیں کہ ابوبکرؓ مجھ پر غصّے ہوئے اور جو کچھ اللہ نے چاہا کہ وہ کہیں انہوں نے کہا ۔ اور اپنے

ہاتھ سے میرے کولہے میں کونچہ دینے لگے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے زانو پر سر مبارک رکھے ہوئے آرام فرمارہے تھے اس وجہ سے میں حرکت نہ کر سکی۔ چونکہ آنحضرت ؐ ایسے مقام پر مقیم ہوگئے تھے جہاں پانی نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آئت تیمّم نازل فرمائی" (مذکورہ بخاری شریف صفحہ ۲۰۱)

● آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ طہارت، وضو اور تیمّم کے تمام مسائل ایک ہی آئت مجیدہ ۶ میں نازل کر دئے گئے تھے۔ اور عقل سلیم بھی اسی چیز کو تسلیم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ، جو علیم وخبیر ہے اُسکے متعلق اس امر کا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا کہ وُہ وضو کا حکم تو نازل کردے مگر جہاں پانی موجود نہ ہو اُس کے متعلق کچھ نہ بتائے، بلکہ اُسے شانِ نزول کے اسباب کی انتظار میں یونہی چھوڑ دے۔ افسوس ہے کہ مذکورہ شانِ نزول باری تعالیٰ کو عام قانون سازوں جتنی عقل کا مالک بھی قرار نہیں دیتا جو قانون بناتے وقت اُس کی متعلقہ ہر ممکن صُورت کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ اللہ علیم و علاّم نے وضو کے حکم کے ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ جہاں پانی نہ پاؤ وہاں تیمم اور مسح کر لیا کرو۔

صلوٰۃ موقّت نماز کے آداب میں سے وضو اور تیمّم کی وضاحت کے بعد، جس سے صلوٰۃ کی ادائیگی کو ایسے مقام پر بھی آسان کر دیا گیا ہے جہاں پانی نہ ملتا ہو، سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں پھر نوعِ انسانی کی اصل صلوٰۃ نظامِ ربوبیّت کے قیام کی تاکید کی گئی ہے۔ کیوں کہ صرف صلوٰۃِ موقّت کی ادائیگی کے بعد یہ سمجھ لینا غلط ہے کہ ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ بلکہ اصل مقصد اُس پکّے وعدے کو عملی جامہ پہنانا ہے جو ضابطۂ خداوندی قرآنِ کریم کے اوّلین سبق الحمد للہ ربّ العالمین کے الفاظ میں کیا جاتا ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ
اور یاد رکھو نعمت اللہ کی اوپر تمہارے اور وعدہ
الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ ۙ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا
جو پکا کیا تم کو ساتھ اسکے جب کہا تم نے سُنا ہم نے اور اطاعت
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ
کی ہم نے۔ اور ڈرو اللہ سے۔ بیشک ہے اللہ جاننے والا ساتھ والی
الصُّدُورِ ○ ۷
ذہنوں کی کو۔

اور (ایمان والو!) اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت ۱۵ (آئینِ قرآنیہ) کو ہمیشہ یاد رکھو جو اُس نے تم پر فرمائی ہے۔ اور اُس عہد کو بھی ہمیشہ یاد رکھو جس کے ساتھ اللہ نے تمہیں پکّا کیا ہے (یعنی قرآن مجید کا اوّلین عہدِ ربوبیّت) ۱۶ جب تم نے کہا کہ سُنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے ۱۷ پس اس عہدِ واثق کی مخالفت سے بچتے رہنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ایک ایک فرد کی) ذہنی پوشیدگیوں کو بھی خوب خوب جاننے والا ہے۔

اللہ کی نعمت اُس کا قانون ہے | ● اللہ تعالیٰ نے اپنی جس نعمت کو یاد رکھنے کا حکم دیا ہے وہ اس

کے متعلق پیچھے سیاق کلام ۵/۳ میں حلال جانوروں میں حرام کی فہرست بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :۔
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ میں نے ہر زمانے میں تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور تم پر اپنی قانونی نعمت پوری کر دی اور اس کے بعد آئت نمبر ۵/۶ میں بھی وضو اور تیمم اور مسح کے مسائل بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :۔ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی قسم کی تنگی کا ارادہ نہیں کرتا ولیکن وُہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں پاکیزہ کرے اور تم پر اپنی قانونی نعمت پوری کر دے ۔ پس آئت زیر بحث ۵/۷ میں قانونی نعمت کو یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ ہمارا ہر عمل خدا تعالیٰ کے نازل کردہ قانون، ضابطہ حیات قرآن مجید کے مطابق ہو۔
● ع۲ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ سے مراد وُہ اوّلین عہد ربوبیّتِ عالمین ہے جو خدا تعالیٰ اپنی کتاب کے اوّل سبق الحمد للہ رب العٰلمین کے اِس عہد واثق کیساتھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالمین کا رب ہے ۔ ہم معاشرہ میں نظامِ ربوبیّتِ عامہ قائم کریں گے ۔ اس عہد کے اوّلین پابند صحابہ رضی اللہ عنہم تھے ۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ حضرتِ عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں رات کو گشت کرکے پتہ لگاتے تھے کہ کوئی فرد معاشرہ ضروریات ربوبیّت سے محروم تو نہیں ۔ اگر کوئی فرد محروم پایا جاتا تو سامانِ ربوبیّت اپنی پیٹھ پر لاد کر پہنچایا کرتے تھے۔
● ع۳ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کے الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو ارشاد ہوا ہے کہ اُس وقت کو بھی یاد رکھو جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے قرآنِ کریم کا پیغام سُنا اور اطاعت کی ہے ۔ پس وَاتَّقُوا اللّٰهَ کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے کئے ہوئے اس عہد کو یاد رکھنا ۔ بھول نہ جانا ۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم ہوتا ہے کہ جب تمہیں حکومت میسّر آئے تو جس قوم نے تم پر ظلم زیادتی کرکے تمہیں مسجدِ حرام سے روک دیا، وطنِ مالوف مکّہ معظمہ سے نکالدیا تھا ۔ اُسکے ساتھ بھی ناانصافی نہ کرنا ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ۔ ہو جاؤ کھڑے
لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
واسطے اللہ کے گواہی دینے والے ساتھ انصاف کے اور نہ مجرم کرے تم کو
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ
دشمنی کسی قوم کی اوپر اس کے کہ نہ کرو تم عدل ۔ عدل کرنا وہ ہے بہت قریب

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ (کی رضا اور خوشنودی) کیلئے انصاف کیساتھ (سچی) گواہی دینے والے ہو جاؤ ۔ اور تمہیں کسی قوم کی دُشمنی (جس نے تم پر ظلم زیادتی کی ہے ، تمہیں گھروں سے نکالدیا ہے) اس کھلے جُرم کا مجرم نہ کر دے کہ تم اُسکے ساتھ انصاف نہ کرو (یاد رکھو! اُن کے ساتھ بھی) انصاف ہی کرنا وُہ (یعنی انصاف کرنا ہی) بہت قریب ہے ۔ تقویٰ شعاری کے (یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے

لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا
واسطے بچنے کے ۔ اور ڈرو اللہ سے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ باخبر ہے
تَعْمَلُوْنَ ۞ ۸
ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو۔

بچنے کی یہی صورت ہے کہ دشمنوں سے بھی انصاف کرو) بیشک تم اس (حکم کی اطاعت یا نافرمانی میں) جو بھی کام کرو گے اللہ اس سے خوب خوب باخبر ہے

● آیت بالا میں حکم عام مخصوص البعض کے طور پر صحابہؓ کے خطاب کے بعد اگلی آیات مجیدہ میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ
وعدہ کیا اللہ نے ان سے جو ایمان لائیں اور عمل کریں اچھے
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞ ۹
واسطے انکے بچاؤ ہے اور بدلہ ہے بڑا
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ
اور جو لوگ انکار کریں اور جھٹلائیں آیتوں ہماری کو
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞ ۱۰
وہی لوگ ہیں والے جہنم کے

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کیسا تھ وعدہ کر رکھا ہے جو ایمان لائیں اور معاشرہ کی اصلاح کے اعمال انجام دیں۔ اُن کے لئے (ہر قسم کے مصائب و خطرات سے) بچاؤ ہے اور ان کے عملوں کا بہت بڑا بدلہ ہے۔ اور جو لوگ انکار کریں اور ہماری (تنزیلی اور تکوینی) آیتوں کو جھٹلائیں۔ وہ لوگ وہی ہیں جن کے اعمال (اس دنیا میں اکارت گئے اور قیامت میں) ناکامی کی آگ میں جلیں گے۔

● علہ جحیم کا سہ حرفی مادہ ج۔ ح۔م = جحم ہے۔ اس کا بنیادی معنیٰ ہے رُک جانا۔ تنگ ذہن ہو جانا۔ اس تنگ ذہنی کی بدولت چونکہ حاسد آتشِ حسد میں جل بھُن جاتا ہے۔ اس لئے جحیم کا معنیٰ مجازی آگ بھی لیا جاتا ہے۔ نیز اصلی آگ کے لئے بھی مستعمل ہے۔ قیامت کی سزا کے لئے جو النار، الجحیم اور الجحتم کے الفاظ آتے ہیں ان کی وضاحت اپنے مقام پر بالتفصیل آگے آرہی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے ایک خاص واقعہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو نعمت کو
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا
اللہ کی اوپر تمہارے جب ارادہ کیا ایک قوم نے کہ بڑھائے
اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا
طرف تمہاری ہاتھ اپنے۔ پس روکدیئے ہاتھ ان کے طرف سے تمہاری

اے وہ لوگو جو (ضابطۂ خداوندی قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو جو اس نے تم پر فرمائی کہ جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائے۔ (یعنی تمہارے ساتھ جنگ کرے) پھر (اللہ تعالیٰ نے) تمہاری طرف بڑھنے سے انکے ہاتھ روکدیئے (تمہاری فوجی تیاری کو دیکھ کر انکے حوصلے پست ہوگئے) پس اللہ کے

اللّٰهُ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۱

اللہ سے۔ اور اوپر اللہ کے پس چاہیئے بھروسہ کریں مومن

ع ۲

قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو اور چاہیئے کہ مومن اسی طرح اللہ کے قانون پر بھروسہ کریں (یعنی ہمیشہ کیل کانٹے سے تیار رہا کریں۔) علہ

● علہ اللہ تعالیٰ پر توکل کا یہ مفہوم نہیں کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہیں اور زبانی زبانی اللہ توکل، اللہ توکل کا ورد کرتے رہیں۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے قانون پر بھروسہ کرکے اُس پر پُورا پُورا عمل کیا جائے۔ دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کا خداوندی قانون یہ ہے کہ فوجی تیاری ہمیشہ کے لئے مکمل رکھی جائے جیسے کہ سورہ انفال میں ارشاد ہوا ہے:۔

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ؕ اور ایمان والو! دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو اور ذرائع رسل و رسائل کی فراوانی بھی تیار کرتے رہو۔ تم (اس فوجی قوت) کیساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔

● یہ ہے اللہ پر توکل کہ فوجی قوت ہر آن کیل کانٹے کیساتھ اس قدر تیار ہو کہ دشمن گھر بیٹھے کانپتا رہے۔ جب آنحضورؐ نے اسی مکمل فوجی تیاری کیساتھ مکّہ معظمہ پر حملہ کیا تو دشمن کو مقابلے کی ہمت نہ ہوئی اور بیت الحرام کی چابیاں بلا جنگ و جدال آنحضورؐ کے حوالے کر دیں۔ اسی طرح کے ایک اور واقعہ کی خبر آیت بالا ۱۱ میں دی گئی ہے کہ ایک قوم نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اُن کی فوجی تیاری کو دیکھ کر رُک گئی۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت نمبر، کیساتھ ہے۔ جس میں عہد ربوبیت عامہ کے پکّے میثاق کو یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ماضی کے ایک واقعہ بنی اسرائیل سے لئے گئے میثاق کو بطور مثال بیان کیا گیا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ

اور بیشک لیا اللہ نے پکا عہد بنی اسرائیل سے

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ

اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ نگران۔ اور کہا

اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ

اللہ نے بیشک میں ساتھ ہوں تمہارے البتہ اگر قائم کرو تم اجتماعی نظام

اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ

اور دو فوجی کمزوروں کو اور ایمان لاؤ ساتھ رسولوں میرے اور مدد کرو تم ان کی

اور البتہ تحقیق اللہ نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا اور اُن میں ہمنے (قیام ربوبیت کے لئے اُن کے بارہ قبیلوں کے) بارہ نگران مقرر کئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے (اپنے نبی کی معرفت) اُن سے کہدیا کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم (صلوٰۃ موقّت کے ذریعہ) اجتماعی نظام قائم کرو، اور اپنے کمزوروں کو فوجی دو علہ اور میرے رسولوں پر ایمان بھی لاؤ اور ان کی مدد بھی کرو (اپنے کمزوروں کی کمزوری دور کرنے کیلئے)

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ
اور قرض دو اللہ کو قرض اچھا ۔ ضرور دور کروں گا تم سے
سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
بدحالیاں تمہاری اور ضرور داخل کروں گا تمکو باغوں جاری نیچے ان کے
۱۲ الْاَنْهٰرُ فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ۝
نہریں پھر جس نے انکار کیا پیچھے اسکے میں سے تمہارے پس تحقیق گمراہ ہوا سیدھی راہ سے

اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض بھی دو، تو میں ضرور ضرور تمہاری بدحالیاں دُور کر دونگا اور ضرور ضرور تمہیں ایسے باغات میں داخل کردونگا کہ اُن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ ۳ پھر (ان باغوں میں داخل ہونے) کے بعد ۴ تم میں سے جس نے (اجتماعیت کا) انکار کیا تو بلاشبہ وُہ سیدھی راہ ۵ سے بھٹک گیا۔ (وُہ جہنم کی سزا کا مستحق ہے) ۶

• عـ۱ الزّکوٰۃ کے سہ حرفی مادہ ز۔ک۔و کا بنیادی معنیٰ ہے بڑھنا پھولنا، نشوونما پانا۔ کمزور کا طاقتور اور دُبلے کا فربہ ہونا۔ جیسے کہ زَکَا الزَّرْعُ کا معنیٰ ہے۔ کھیتی بڑھی۔ زَکَا الرَّجُلُ، آدمی مالدار ہوا۔ فربہ ہوا۔ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا مصدری معنیٰ ہے کمزور کو نشوونما دینا۔ دُبلے کو فربہ کرنا۔ اس مادہ کا معنیٰ پاک کرنا بھی ہے۔ آنحضور کو حکم ہوا ہے۔

• خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۹/۱۰۳ اے رسول! آپ مالداروں کے مالوں سے صدقات وصول کریں اور اُس مال کیساتھ کمزوروں کو مالی کمزوری سے پاک کریں اور اُس کے ساتھ ان کی نشوونما کریں، اُنکے دُبلوں کو فربہی عطا فرمائیں۔ اس آیت مجیدہ میں طہارت بالمال اور تزکی بالمال کے حکم سے بصورت نصف التّہار عیاں ہے کہ طہارت کا معنیٰ مالی کمزوری سے پاک کرنا اور زکوٰۃ کا معنیٰ کمزوروں کو نشوونما اور دُبلوں کو فربہی دینا ہے۔ اس مادہ کا معنیٰ نیک اعمال کیساتھ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرنا بھی ہے۔

• عـ۲ اقرضوا اللّٰہ قرضا حسنا کے الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ یہ قرضِ حسنہ غریبوں، کمزوروں اور دُبلوں کی غریبی اور کمزوری دُور کرنے کے لئے مانگا جارہا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے قرض کی کیا حاجت ہے؟

• عـ۳ جنّٰتٍ تجری من تحتها الانهر ہموار و متوازن نظامِ ربوبیّت کیلئے ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ جنّت کی اُخروی زندگی میں تو ظاہر ہے کہ ضروریاتِ زندگی کی بے پایاں فراوانی ہوگی جس کیلئے دُودھ اور شہد کی بہتی نہروں کی اصطلاح ۴۷/۱۵ میں آئی ہے۔ مگر یاد رہے کہ دُنیا میں بھی ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے بھی جنّٰتٍ تجری من تحتها الانهر کی اصطلاح مستعمل ہے۔ جیسے کہ آیتِ بالا ۵/۱۲ میں بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے کہ اگر تم نے اجتماعی نظام قائم کیا تو ہم تمہیں ضرور ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کی سطح میں نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ دُنیوی جنّت کا ذکر ہے۔ کیونکہ ا۔

• عـ۴ فمن کفر بعد ذٰلک کے الفاظ سے بھی عیاں ہے کہ کُفر کرنا یا نہ کرنا صرف دُنیا میں ممکن ہے جو دارالعمل ہے۔ اُخروی زندگی جو دارالجزا ہے اُس میں انکار کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

• فقد ضلّ سواء السّبیل سے بھی دُنیوی زندگی ثابت ہے۔ کیونکہ گمراہ ہونا یا نہ ہونا بھی دنیوی زندگی ہی سے

متعلق ہے ۔ یعنی اس زندگی میں جنّت ہموار و متوازن معاشرہ کا قیام ہے جس کی اساس اجتماعیت پر قائم ہوتی ہے اور اس سیدھی راہ سے بھٹک جانا ، گمراہ ہو جانا ہے انفرادیت ، جس میں سب کچھ طاقتور سمیٹتے چلے جاتے ہیں اور کمزور بیچاروں کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا ۔

● بنی اسرائیل کو مذکورہ جنّت حضرت موسیٰؑ کے قائم کردہ نظام ربوبیت کے ذریعہ میسر آئی ، جس کی شکل محسوس آزاد اسلامی حکومت تھی جس کا ذکر آیات ذیل میں آیا ہے ۔ یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۲/۱۲۲+۴۷ اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور بیشک میں نے تمہیں اہل جہان پر فضیلت بخشی (یعنی تمہیں حکومت عطا فرمائی) سورہ شعراء میں خبر دی گئی ہے :-

● فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ وَّکُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ۝ کَذٰلِکَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝ ۲۶/۵۷ تا ۵۹ پس ہم نے قوم فرعون کو لدے پھندے باغوں اور بہتے چشموں ، اور بھرے خزانوں اور نفیس محلّات سے نکال باہر کیا ۔ ایسا ہی ہوا اور ان سب چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا ——— لیکن سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے قیام نظام ربوبیت کے پکّے عہد کو توڑ دیا ، اجتماعیت کی بجائے انفرادیت کی گمراہی میں گم ہو گئے تو اُن پر غلامی کی لعنت مسلّط کر دی گئی :-

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا
پھر بوجہ توڑنے ان کے عہد اپنا لعنت کی ہم نے اُنکو اور پایا ہم نے
قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ
ذہنوں اُنکے کو سخت ۔ وہ بدلتے ہیں کلام کو سے موقعوں اسکے
وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ
اور بھلا دیا حصہ جو نصیحت کئے گئے ساتھ اسکے اور ہمیشہ رہیگا تو خبر پاتا
عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ
اوپر خیانت اُن کی اُن ہی سے مگر تھوڑے ان میں سے درگذر کر تو
عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝
اُن سے اور الگ ہو جا ۔ بیشک اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنیوالوں کو

پھر (عطاءِ جنّت کے بعد) اس سبب سے کہ بنی اسرائیل نے (ربوبیّت عالمین کے) پکّے وعدے کو توڑ دیا تو ہم نے اُنہیں ملعون کر دیا ۔ (اُن سے حکومت چھن گئی اور غلامی کی سزا اُن پر مسلّط کر دی گئی) ہم نے ان کے ذہنوں کو سخت پایا[عملہ] ۔ وہ ہمارے کلام کو اُسکے اصل مقام سے بدل دیتے تھے ۔ اور انہوں نے اپنے اُس حصّے کو بھلا دیا جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی[عملہ] اور اے رسولؐ! آپ اُن کی خیانتوں سے تھوڑے افراد کے سوا ضرور خبر پاتے رہیں گے ۔ سو اُن سے درگزر فرمائیں اور ان سے الگ ہو جائیں (یہی حسن کا راز انداز ہے) بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے ۔ ۱۳

● عملہ جعلنا قلوبهم قٰسیة ۔ ہمنے جعلنا کا معنیٰ لکھا ہے پایا ۔ اگر اس کا معنیٰ کر دیا صحیح مانا جائے

تو سوال پیدا ہوتا ہے جس کے ذہن کو خود اللہ تعالیٰ نے سخت کر دیا ہو۔ تو پھر اگر وُہ ہدایت نہ پائے تو اُس کا کیا قصور؟ پس چونکہ اس طرح جزا سزا کا سارا قانون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس لئے مروجہ ترجمہ صحیح ہے جس کی علمی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید ہماری صرف ونحو کی غلطیاں بھی نکالتا ہے۔ مروجہ گریمر میں ثلاثی مجرّد کا خاصہ وجدان نہیں مانا گیا۔ لیکن آئت بالا ۵/۱۳ میں جَعَلَ۔ یَجْعَلُ بروزن فَعَلَ۔ یَفْعَلُ کے باب کا خاصہ وجدان بالصراحت ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ لَعَنّٰھُمْ کی وجہ بیان ہوئی ہے بنی اسرائیل کا اپنا نقضِ میثاق اور اللہ کے کلام میں تحریف کی وجہ بتائی گئی ہے۔ بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی۔ جس کی بدولت وُہ کلامِ الٰہی میں تحریف کرتے تھے۔ چونکہ آئت زیرِ نظر میں بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی مقدّم اور تحریف کلام موخر ہے۔ پس جعلنا قلوبھم قسیۃ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ ہم نے ان کے ذہنوں کو سخت کر دیا۔ بلکہ صحیح معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے اُن کے ذہنوں کو سخت پایا اور اِس قساوتِ قلبی کا یہ نتیجہ تھا کہ وُہ کلامِ خداوندی میں تحریف کیا کرتے تھے۔

ہر کسی کا حِصّہ اسکی ضروریاتِ زندگی ہیں

● ۵/۱۴ نسوحظا مما ذکروا بہ کے الفاظ نقضِ میثاق کے بدل کے طور پر آئے ہیں۔ کہ ربوبیّت عالمینی کی رُو سے عہد تو یہ لیا گیا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کا حِصّہ اُس کی ضروریاتِ زندگی ہیں تاکہ کسی زیردست وکمزور انسان کے حقوقِ ضروریات غصب نہ ہونے پائیں۔ لیکن وُہ اپنے کئے ہوئے عہدِ ربوبیّت کو توڑ کر اُس نصیحت کو بھول گئے کہ اُن کا حِصّہ، حصّہ مذکورہ سے زائد نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کے بالادست افراد نے انفرادی مفاد کے پیچھے پڑ کر زیردست عوام کو فقر و فاقہ کے جہنّم میں دھکیل دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذلّت وغلامی کی لعنت اُن پر مسلّط ہو گئی۔

اَمن وسکون کا قرآنی نسخہ

● آگے بڑھنے سے پہلے اس حقیقت کا عیاں کرنا ضروری ہے کہ مشاہدہ کی رُو سے کرۂ ارض پر صرف اسلامی ممالک ہی وُہ ہیں جن میں آئے دِن حکومتوں کے تختے اُلٹتے رہتے، اور داخلی انتشار کے لاوے پھوٹتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جتنی غیر مسلم حکومتیں ہیں، اُن میں امن وسکون ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلم ممالک کے سوا باقی کرۂ ارض دو نظاموں میں بٹا ہوا ہے، ایک تو ہیں اشتراکی ممالک جن میں عوام کی ضروریاتِ زندگی، خوراک، لباس، علاج، تعلیم اور رہائش کی پوری پوری ذمہ داری اُٹھائی گئی ہے۔ اور دُوسرے ہیں سرمایہ داری نظام کے حامل، اُن میں بھی تعلیم وعلاج تو سرکاری ہے اور باقی ضروریاتِ زندگی کیلئے عوام کو اِتنی مزدوری یومیہ دی جاتی ہے۔ کہ وُہ بافراغت زندگی بسر کر رہے ہیں:

● لیکن اسلامی ممالک میں عوام کی ضروریاتِ زندگی کی ضمانت حکومتوں نے چونکہ اپنے ذمہ نہیں لی، اس لئے اِن ملکوں میں استحصالی نظام جاری ہے۔ جس کی بدولت عوام کو اِتنی مزدوری یومیہ نہیں دی جاتی کہ اُنہیں بافراغت ضروریاتِ زندگی میسر آتی رہیں چونکہ ہر طرف انفرادیت کی حکمرانی ہے اس لئے اوپر کے طبقے میں حصولِ اقتدار

کے جوڑ توڑ جاری رہتے ہیں اور باقی طبقوں میں حصولِ زر کی دوڑ دوڑی جا رہی ہوتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں داخلی سکون کی بجائے انتشار کا دور دورہ رہتا ہے ۔ اور اوپر والوں کے مسلسل جوڑ توڑ کی بدولت آئے دِن اسلامی حکومتوں کے تختے اُلٹتے رہتے ہیں ۔

● المختصر! امن وسکون کا قرآنی نسخہ وہی ہے جس کا یہ تکراری اعلان کتابِ لاریب میں موجود ہے :۔ وَلَکُمْ فِی الارضِ مستقرٌّ ومتاعٌ الی حین ۲/۳۶ + ۶/۲۴ اے نوعِ آدم تیرا پیدائشی حق ہے کہ زمین میں تجھے رہنے کیلئے مکان بھی بلا کرایہ میسّر اور آخری دم تک کے لئے تجھے ضروریاتِ زندگی بھی مسلسل ملتی رہیں ۔ بغض وعداوت کے سوتے پھوٹتے ہیں ، ہموار ومتوازن ضروریاتِ زندگی کے میسّر نہ آنے سے ، کہ بعض کے ہاں ضروریاتِ زندگی ٹھوکریں کھا رہی ہوں اور بعض اِن سے محروم محض ہو کر رہ جائیں ۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آئت مجیدہ ۵/۱۳ میں یہودیوں کی عہد شکنی کا ذکر تھا ۔ اگلی آئت مجیدہ میں نصارٰی کے متعلق بتایا گیا ہے :۔

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا

اور ہی سے جن لوگوں نے کہا بیشک ہم نصرانی ہیں ۔ لیا ہم نے

مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ

پکا عہد ان کا ۔ پھر وہ بھول گئے حصّہ جو نصیحت کیے گئے ساتھ اسکے

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى

پس ڈالدی ہمنے درمیان انکے دشمنی اور بُغض تک

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا

دِن قیامت ، اور عنقریب خبر دیگا ان کو اللہ ساتھ اسکے جو

كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ۱۴

تھے بناوٹیں بنایا کرتے ۔

اور (یہود کے بعد دوسرے اہل کتاب کا بھی حال سن لو) کہ اُن میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں ، ہمنے اُن سے (بھی یہود کی طرح ربوبیّت عامہ کا) پکّا عہد لیا ۔ پھر وہ بھی اپنے اُس حصّے کو بھول گئے جس کی اُنہیں نصیحت کی گئی تھی عل۱ پھر ہمنے اُن کے درمیان قیامت تک کے لئے عداوت اور بُغض کے آثار پائے عل۲ (یہ تو ہوا دُنیوی عذاب) اور (اُخروی عذاب کے لئے قیامت کو) عنقریب اللہ تعالیٰ اُنہیں (اُن کی اُن مکاریوں کی) خبر دیگا جو وُہ بناوٹیں بنایا کرتے تھے ۔

● عل۱ نسو حظاً مما ذکروا بہ کے وُہی الفاظ نصارٰی کے لئے استعمال ہوئے ہیں جو یہود کیلئے آئے تھے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہردو اقوام کی خداوندی کتابوں میں اُن سے اُن کے حصّہ ، یعنی حقوقِ ربوبیّت کا عہد لیا گیا تھا ۔ جسے دونوں قوموں نے بھلا دیا ۔ اور غیر متوازن نظام قائم کر لئے ۔

● عل۲ فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ ۔ میں اُنکی جس باہمی عداوت کا ذکر کیا گیا ہے وُہ بھی غیر متوازن نظاموں ہی کا نتیجہ ہے ۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہود ونصارٰی کا جو باہمی گٹھ جوڑ شاہدۃً موجود ہے ، اِس آئت کی رُو سے اُس کا کیا جواب ہے ؟ جواباً عرض ہے کہ آئت بالا میں تو اُن کی ذہنی پوشیدگیوں کی خبر دی

گئی ہے کہ ان میں سے جس قوم کو موقعہ میسر آتا ہے دوسری کو کمزور اور زیردست بنا دیتی ہے۔ مگر قرآنِ کریم نے یہ بھی خبر دیدی ہے کہ وُہ اہلِ اسلام کے مقابلے پر باہمی عداوت کو چھپا کر ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں جیسے کہ اسی سورہ مائدہ کی آئت نمبر ۵۱ میں ارشاد ہوا ہے۔

● یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۵/۵۱ ایمان والو! یہود اور نصارٰی کو دوست نہ بنانا۔ وُہ آپس میں ایکدوسرے کے دوست ہیں — بالفاظ دیگر یہود و نصارٰی میں اہلِ اسلام کے مشترکہ دُشمن ہونے کے باوجود قیامت تک کیلئے نہ مٹنے والی دُشمنی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ عیسائیوں نے یہودیوں کو کرۂ ارض پر بکھیر کر ذلیل و خوار کر دیا تھا۔ مگر اب عرب مسلمانوں کے مقابلے پر اُنہی کو اسرائیلی ریاست کی صورت میں بطورِ ہتھیار استعمال کیا جا رہا ہے۔

یہود و نصارٰی سے اتمام حجت

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں یہود و نصارٰی دونوں کو مخاطب کر کے قبولِ ہدایت کیلئے اتمامِ حجت کر دیگئی ہے کہ اب ہمارا رسول آپکا ہے

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا
اے والو کتاب کے بیشک آیا طرف تمہاری رسول ہمارا
یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ
بیان کرتا ہے واسطے تمہارے بہت اس سے جو ہو تم چھپاتے میں
الْكِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ۬ قَدْ جَآءَكُمْ
کتاب کے اور درگذر کرتا ہے سب بہت سے۔ بیشک آیا پاس تمہارے
مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝ ۱۵
طرف سے اللہ کے نور یعنی کتاب خود بیان کرنیوالی۔
یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ
راہنمائی کرتا ہے ساتھ اسکے اللہ اُسے جو اتباع کرتا ہے رضا اسکی
السَّلٰمِ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ
راہیں سلامتی کی۔ اور نکالتا ہے انہیں ہیں اندھیروں کے طرف روشنی کے
بِاِذْنِهٖ وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ ۱۶
ساتھ قانون اپنے اور راہنمائی کرتا ہے طرف راہ سیدھی کے۔

اے اہلِ کتاب (خصوصاً یہودیو اور نصرانیو!) بلاشبہ تمہارے پاس ہمارا بھیجا ہوا رسول ؐ آچکا ہے۔ تم نے جو کچھ کتاب میں سے چھپایا ہُوا ہے، اُس میں سے بہت سا حصّہ کھول کر بیان کرتا ہے اور بہت سے حصّے سے (جسے تم نے چھپایا نہیں) درگزر کرتا ہے عـلہ بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی یعنی خود بیان کرنے والی کتاب آگئی ہے عـلہ۲

اُس کیساتھ اللہ رہنمائی کرتا ہے سلامتی کی راہوں کی اُنہیں جو اُس کی رضا (یعنی قرآنِ کریم) کی پیروی کرتے ہیں عـلہ۳ (اور قرآنِ کریم کی روشنی کیساتھ) نکالتا ہے اُنہیں، اندھیروں سے (اور لاتا ہے) طرف روشنی کے اپنے قانون کیساتھ اور ان کی رہنمائی کرتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔

● عـلہ یہود و نصرٰی نے کتبِ الٰہیہ کے جن مسائل کو بگاڑ لیا ہے۔ قرآن کریم نے اُنکی خبر دیدی ہے اور جنہیں

نہیں بگاڑا اُن سے درگزر کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم سابقہ کتب الہیّٰہ کا مصدّق بھی ہے اور مہیمن بھی ہے ۵/۴۸

نورٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ میں واؤ تفسیری ہے

● عہ۲ ان الفاظ میں آمدہ واؤ کو بعض لوگ واؤ مغائرت قرار دے کر نور سے مراد لیتے ہیں رسولِ عربی سلام علیہ۔ اور کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ سے مراد لیتے ہیں قرآن کریم۔ حالانکہ قرآن بھر میں آنحضورؐ کو کہیں بھی نور نہیں کہا گیا۔ اور اس کے برعکس قرآن مجید کو متعدد بار نور کہا گیا ہے۔ جیسے کہ ۴/۱۷۴ میں واؤ تفسیری کے انداز میں فیصلہ کن الفاظ موجود ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ○ اے نوعِ انسانی! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل آگئے ہیں (قرآن کریم) یعنی ہمنے تمہاری طرف نورِ مبین (قرآن کریم) نازل کردیا ہے۔ دیکھئے! یہاں برہان اور نورِ مبین ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جو بذریعہ تنزیل آئی تھی، بذریعہ بعثت نہیں۔ نیز آئت ذیل میں نور کو بشری رسولؐ سے الگ چیز بتایا گیا ہے۔

● فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا۔ ۶۴/۸ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے بشری رسول کیساتھ اور ایمان لاؤ اُس نور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے۔ اس آئت مجیدہ میں نور کی یہ صفت خاص کردی گئی ہے کہ وُہ بذریعہ تنزیل آیا تھا۔ حالانکہ بشری رسولؐ بذریعہ تنزیل نہیں، بلکہ بذریعہ بعثت آیا کرتے تھے۔ اس لئے کسی بھی بشری رسولؐ کو نور قرار دینا خلافِ قرآن ہے۔

آنحضورؐ کی بشریت

● سورہ کہف، سورہ حٰمٓ سجدہ اور سورہ بنی اسرائیل میں آنحضورؐ سے اعلان کردیا گیا ہے۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶ اے رسولؐ کہدیجئیگا کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں ـــ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۱۷/۹۳ اے رسولؐ کہدیجئیگا کہ میرا رب پاک ہے۔ میں تو نہیں ہوں مگر ایک بشر رسولؐ ہوں۔

● عہ۳ سُبُلَ السَّلٰمِ یعنی سلامتی کی راہیں نور ہی کی بدولت میسّر آتی ہیں۔ کیوں کہ اندھیروں میں انسان کبھی تو راستے کے اینٹ پتھروں کیساتھ ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اور کبھی کھائی، خندق یا گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اور اُوپر آپ دیکھ چکے ہیں نور صرف قرآن کریم ہے۔

● عہ۴ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ کے الفاظ میں رضوانِ الٰہی کی اتّباع کی خبر دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ رضوانِ الٰہی صرف تنزیلِ خداوندی ہے۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے ۷/۳۔ پیروی کرو صرف اُسکی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اور اُسکے سوا کے خیرخواہوں کی پیروی نہ کرنا۔ خود آنحضورؐ کو بھی تکرار ارشاد ہوا ہے وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۳۳/۲ + ۱۰/۱۰۹ اے رسولؐ پیروی کیجئے اُس کی (یعنی قرآن کریم کی) جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے۔

● نیز بتکرارِ کثیر آنحضورؐ سے بھی اعلان کرا دیا گیا ہے :- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۷/۲۰۳ + ۴۶/۹

آنحضورؐ کی اتباع

● اس ضمن میں آخری سوال یہ ہے کہ ۳/۳۱ میں ارشاد ہوا ہے :- قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔ کہدیجیئےگا اے رسولؐ! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اس کا کیا جواب ہے۔ یہاں دیکھنا یہ ہے کہ جب اُوپر کی آیاتِ کثیرہ ۳۳/۲ + ۱۰/۱۰۹ + ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۷/۲۰۳ + ۴۶/۹ سے بارشاد الہٰی اور باعلان رسولؐ مقبول عیاں ہے کہ آنحضورؐ قرآن کریم کی اتباع (پیروی) کرتے تھے تو بصورتِ نصف النہار ثابت ہوچکا کہ قرآنِ کریم کی پیروی ہی رسولؐ مقبول کی پیروی ہے۔ اس کے ضمن میں جن کتابوں کو احادیث کے نام سے اتباعِ رسولؐ کا نام دیدیا گیا ہے وُہ کُتب احادیث نہیں بلکہ کُتب روایات ہیں۔ کیونکہ وُہ آنحضورؐ کے دوسو سال بعد سُنے سنائے غیر یقینی طریقے سے جمع کی گئی تھیں۔ وہ آنحضورؐ کی طرف منسوب ہیں جیسے کہ علماءِ کرام روائت بیان کرنے کے بعد خود کہتے ہیں اَوْ کَمَا قَالَ ، یا جس طرح نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا۔ اَوْ شک کیلئے آتا ہے یقین کیلئے نہیں آتا۔

● سلسلۂ درس کے سیاق کلام میں چونکہ ذکر ہو رہا تھا نصاریٰ کا۔ اس لئے اگلی آئت مجیدہ میں اُنہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

البتہ تحقیق کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ ہے وہ

الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ

مسیح بیٹا مریم کا۔ کہہ پھر کون اختیار رکھتا ہے

مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ

مقابلے اللہ کے کچھ اگر وہ ارادہ کرتا کہ ہلاک کرے مسیح

ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ

بیٹے مریم اور ماں اسکی کو اور جو بیچ زمین ہے سارا

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ

اور واسطے اللہ کے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی اور جو ہے

يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ١٧

بیچ دونوں کے پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے قانون ساز

بیشک (وحدت باری کا) انکار کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ وُہ مریمؓ کا بیٹا مسیحؑ اللہ ہے (اے رسولؐ!) کہدیجیئےگا کہ (مسیح کس طرح اللہ ہو سکتا ہے جبکہ وُہ موت کے قانون ۳/۱۸۵ ۲۱/۳۴-۳۵ ۲۹/۵۷ کے مطابق فوت ہوچکا ہے بلکہ اگر اللہ تعالےٰ یہ ارادہ کرتا کہ مسیحؑ ابن مریمؓ ، اُسکی ماںؓ ، اور ہر جاندار جو زمین میں موجود ہے سب کے سب کو ہلاک کردے تو اُسکے مقابلے پر کسے ذرا سا بھی اختیار حاصل ہے (کہ اُسے روک سکتا) حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں میں جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے۔ وُہ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح قانون بنانے والا ہے۔

صحتِ مفہوم کے دلائل

● آیت بالا کا مندرجہ بالا مفہوم د۔ مشاہدہ کائنات اور قواعدِ عرب کے عین مطابق ہے کہ حضرت مسیحؑ اور اُن کی والدہ محترمہؓ فوت ہو چکے ہیں۔ مسیحؑ اللہ نہیں تھے۔ اللہ تو وُہ ہے جس نے اپنے غیر متبدّل قانون کے مطابق دونوں ماں بیٹوں کو فوت کر دیا تھا۔ بلکہ اگر وُہ ان کی ہلاکت کے ساتھ ہی یہ بھی ارادہ کرتا کہ زمین میں جو کچھ ہے سب کو ہلاک کر دے تو کوئی بھی اُس کے ارادے میں مخل نہیں ہو سکتا تھا۔ کیوں؟ اس کیوں کا جواب للّٰہ ملک السمٰوٰت والارض وما بینھما کے الفاظ میں دیدیا گیا ہے کہ آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے اندر جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے اور وُہ ہر چیز کے صحیح صحیح اور غیر متبدّل قوانین بنانیوالا ہے۔ موت کا قانون بھی اسی کا متعین کردہ ہے۔ مسیحؑ و مریمؓ اگرچہ انتہائی برگزیدہ انسان تھے مگر موت کے قانونِ خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے تھے؟

وفاتِ مسیح و مریمؑ

● افسوس ہے کہ حضرت مسیحؑ کو خدا تعالیٰ کے غیر متبدّل قانون کے خلاف زندہ اور چوتھے آسمان پر مقیم مانا جاتا ہے۔ اور ان کی زندگی پر آیتِ بالا کے الفاظ ذیل کو مروجہ ترجمہ کیساتھ بطور دلیل لایا جاتا ہے: قل فمن یملک من اللہ شیئاً ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم وامہ ٥/١٧ کہدے پھر اللہ کے سامنے کس کا بس چلتا ہے اگر وُہ چاہے کہ مسیح مریم کے بیٹے اور اُس کی ماں اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کر دے۔ (ترجمہ مولوی احمد علی صاحب مرحوم لاہوری)

● اس ترجمہ کے الفاظ "اگر چاہے" سے دلیل لائی جاتی ہے کہ حضرت مسیح زندہ ہیں۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ زمین کی ہر مخلوق کو جو زندہ ہے مسیح کو بھی ہلاک کر دے جو زندہ ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت مسیح کو زندہ ماننے والے بھول گئے ہیں کہ اس آیت میں مسیح علیہ سلامؑ کیساتھ ساتھ حضرت مریمؑ بھی ایک ہی ضمن میں مذکور ہیں اور مذکورہ بالا ترجمہ کا ملخص یہ ہے "مسیح، اسکی والدہ زمین کے تمام لوگوں کو اگر اللہ چاہے تو ہلاک کر دے"۔

● اگر اس ترجمے کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت کی زندہ زمینی مخلوق کیساتھ ساتھ حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہؓ دونوں زندہ تھے، اور اب بھی صرف مسیحؑ ہی زندہ نہیں بلکہ اُن کی والدہ بھی زندہ ہے۔ لیکن جبکہ حضرت مریمؓ کو زندہ نہیں مانا جاتا تو جس قاعدے کے مطابق حضرت مریمؓ کو فوت شدہ مانا جاتا ہے اُسی قاعدہ کی رُو سے حضرت مسیحؑ بھی فوت شدہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر آیت زیرِ بحث کی سند کیساتھ حضرت مسیحؑ کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہو تو حضرت مریمؓ کا زندہ ہونا بھی ثابت ہوگا۔

مزید تحقیق

● آیت بالا ٥/١٧ سے حضرت مسیحؑ کو زندہ ثابت کرنے کی راہ میں ناقابلِ انکار حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریمؓ کا متوفی ہونا جملہ مکاتبِ فکر میں ایک متفقہ مسلّمہ امر ہے۔ اور

اس چیز سے بھی انکار کی گنجائش موجود نہیں کہ آیت صدر میں حضرات مسیحؑ و مریمؑ کو ایک ہی مقام دیا گیا ہے، یعنی اس آیت مجیدہ کی رُو سے اگر زندہ مانا جائیگا تو دونوں کو، اور متوفی مانا جائیگا تو دونوں کو۔ ان میں سے ایک کو مردہ اور ایک کو زندہ مانا ہی نہیں جا سکتا۔ اب چونکہ حضرت مریمؑ متفقہ مسلّمہ کے مطابق فوت ہو چکی ہیں جنہیں زندہ کیا ہی نہیں جا سکتا، اس لئے ثابت ہُوا کہ حضرت بھی فوت ہو چکے ہیں۔ اور آیت مجیدہ کے الفاظ اِنْ اَرَادَ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ اگر اللہ ارادہ کرے یا چاہے، بلکہ صحیح معنیٰ اس کا یہ ہے کہ "اگر اللہ چاہتا یا اگر ارادہ کرتا" اور آیت مجیدہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:-

● اگر اللہ تعالیٰ مسیحؑ اور اس کی ماں کی ہلاکت کیساتھ یہ بھی ارادہ کرتا کہ تمام زمینی مخلوق کو ہلاک کر دے تو کِسے اختیار تھا کہ اُسے روک سکتا۔ کیوں کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی ہر چیز پر خدا تعالیٰ کی حکمرانی ہے۔

وفات مسیحؑ و مریمؑ کے مزید دلائل

● اسی سورہ مائدہ میں آگے چل کر ارشاد ہُوا ہے:-

مَا الْمَسِیحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۵/۷۵

نہیں ہیں مسیحؑ ابن مریمؑ مگر صرف اللہ کے رسول، اُن سے پہلے والے سب رسولؑ فوت ہو چکے ہیں ——— یعنی یہی الفاظ آنحضورؐ کے متعلق سورہ آل عمران میں آئے ہیں:- مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسولؐ۔ اُن سے پہلے والے سب رسولؐ فوت ہو چکے ہیں۔ اب ان دونوں آیات مجیدہ ۵/۷۵ اور ۳/۱۴۴ کا تقابل ملاحظہ فرمائیں۔ جس طرح حضرت مسیحؑ سے پہلے والے سب رسولؑ یقیناً یقیناً بلا اختلاف فوت ہو چکے ہیں اُسی طرح جناب رسولؐ مقبول سے پہلے والے سب رسولؑ بھی معہ حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں۔ مسیحؑ سمیت اُن میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔ پس حضرت مسیحؑ کو زندہ قرار دینا خلافِ قرآن ہے۔ آپؑ موت کے غیر متبدّل قانونِ خداوندی کے مطابق فوت ہو چکے ہوئے ہیں۔ ۳/۱۴۴

● دوسرے نمبر پر اسی آیت مجیدہ میں حضرت مسیحؑ و مریمؑ کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد اخیر پر جملہ لایا گیا ہے:- وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ "حقیقت یہ ہے اللہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین متعین کرنیوالا ہے۔" اس جملہ میں خود اپنے متعیّن کردہ موت کے قانون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس کے لئے تکرار تاکیدی کے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں:- کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ ۲۱/۳۴-۳۵ ۲۹/۵۷ پس آیت مجیدہ کے اخیر پر تعیّنِ قوانین کے اعلان سے بھی ثابت ہوا کہ ہر نفس کیلئے موت کا قانون ہے زندہ اُٹھا لینے کا کوئی نہیں۔

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم سب اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں

● سابقہ آیات مجیدہ میں نصاریٰ کا یہ دعویٰ، کہ مسیحؑ ہی اللہ ہے، کی تردید کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اُنکے اِس عجیب و غریب دعویٰ کا بُطلان کیا گیا ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے

پیارے ہیں ۔ چنانچہ بزبان تنزیل ارشاد ہوا ہے :۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا
اور کہا یہود نے اور نصاریٰ نے ہم ہیں بیٹے
اللّٰهِ وَأَحِبّٰٓؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
اللہ کے اور پیارے اسکے ۔ کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تمکو
بِذُنُوبِكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ ۚ
بدلے گناہوں تمہارے ۔ بلکہ تم بندے ہو ان ہی سے جو پیدا کیے
يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَآءُ ۚ
بخشا دیتا ہے واسطے اسکے جو چاہتا ہے اور عذاب کرتا ہے
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
اُسے جو چاہتا ہے ۔ اور ہے واسطے اللہ کے حکومت آسمانوں
وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ ١٨
اور زمین کی اور جو اُن کے اندر ہے اور طرف اسی کے لوٹنے کی جگہ ہے
● يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا
اے والو کتاب کے بیشک آیا تمہارے پاس رسول ہمارا
يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا
بیان کرتا ہے واسطے تمہارے اوپر خاتمہ کے بیچ سے رسولوں
مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۖ فَقَدْ جَآءَكُمْ
کے ۔ کہ تم کہو نہیں آیا ہمارے پاس میں سے خوشخبری دینے
بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اور ڈرانیوالا ۔ اور ہے اللہ اوپر تمام چیزوں کے

اور یہود و نصاریٰ (دونوں الگ الگ) کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں اور ہم سب اس کے پیارے ہیں ۔ کہہ دیجئیگا (اے رسول ﷺ! اگر ایسا ہے تو) پھر وُہ تمہیں تمہارے گناہوں کے بدلے عذاب کیوں دیتا ہے ۔ (نہ تم اللہ کے بیٹے ہو نہ اُس کے پیارے) بلکہ تم سب بندے ہو، اُسی مخلوق میں سے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے ۔ وُہ اللہ جسے بخشا دیتا، اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے اور جسے عذاب دیتا ہے اپنے قانون کے مطابق ہی عذاب دیتا ہے ۔ (یاد رکھو کہ) آسمانوں اور زمین اور اُن دونوں کے اندر جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ کی حکمرانی ہے اور (اعمال کی جوابدہی کے لئے اُسی کی عدالت عالیہ میں تم سب نے) حاضر ہونا ہے ۔

اے اہلِ کتاب! (دوبارہ سن لو کہ) تمہارے پاس ہمارا پیغام پہنچانیوالا آ گیا ہے ۔ وُہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے (وُہ آیا ہے) رسولوں کے خاتمے پر (یعنی وُہ آخری رسول ﷺ ہے) نہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی نیک اعمال کی نیک جزا کی خوش خبری دینے والا آیا ہے اور نہ بُرے عملوں کی بُری سزا سے ڈرانیوالا آیا ہے ۔ پس تمہارے پاس ہمارا خوش خبری دینے والا اور ڈرانیوالا آ گیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین

قَدِيْرٌ ۝
قانون بنانے والا

۱۹ عٓ

متعین فرمانے والا ہے۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت کریمہ میں یہودیوں کو حضرت موسیٰ سلام علیہ کے الفاظ میں اپنی نعمت یاد کرائی گئی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ
اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے اے قوم
اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ
میری یاد کرو نعمت اللہ کی اوپر تمہارے جب ٹھہرائے بیچ
فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ
تمہارے انبیاء اور ٹھہرایا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو
مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۲۰
جو نہیں دیا گیا کوئی ایک میں سے جہانوں کے

اور وُہ وقت قابل ذکر ہے جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تم پر ارزانی فرمائی جب اُس نے تم میں نبی مبعوث فرمائے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ (حکومت عطا فرمائی) اور تمہیں وُہ کچھ دیا جو (اس زمانے اور اُس علاقے کے) کسی شخص (یا قوم) کو نہیں دیا گیا تھا۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ
اے میری قوم داخل ہو جاؤ ارض مقدس میں
الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى
جو لکھ دی اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ پھرنا اوپر
اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ ۲۱
پیٹھوں اپنی کے ۔ پھر تم لوٹو گے گھاٹا پانیوالے

(وُہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب حضرت موسیٰ سلام علیہ نے اپنی قوم سے کہا) اے میری قوم ارضِ مقدس میں داخل ہو جاؤ، جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور پیٹھ موڑ کر (میدان سے) بھاگ نہ آنا۔ ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اس پر مدتوں کی غلامی میں رہنے والے سہل انگار یہودیوں نے انتہائی نامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ
کہا انہوں نے اے موسیٰ بیشک بیچ اس کے ایک قوم ہے جنگجو
وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ
اور بیشک ہم ہرگز نہ داخل ہونگے بیچ اسکے حتیٰ کہ وہ نکل جائیں اس سے
يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ ۲۲
پھر اگر وہ نکل جائیں اس سے تو بیشک ہم داخل ہو جانے ہونگے

(بنی اسرائیل نے) کہا اے موسیٰؑ! اُس میں ایک بڑی جنگجو قوم ہے بیشک ہم اُس میں اسوقت تک داخل نہ ہونگے جبتک کہ وُہ لوگ اُس میں سے نکل نہ جائیں! پھر اگر وُہ نکل جائیں تو پھر ہم بیشک اُس میں داخل ہونے والے ہوں گے۔

لمبی غلامی کے گہرے اثرات

● جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ زمین لکھ دی ہے تو اُن کی حالت یہ تھی کہ وہ جنگ کے بغیر قبضہ چاہتے تھے۔ اگر سابقہ قوم اُس سے خود بخود نکل جائے تو وہ پھر اس زمین کا انتظام سنبھال لیتے۔ بالفاظ دیگر فرعون کی طویل غلامی نے جنگ سے گریز پائی ان کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ لہذا انہوں نے ارضِ مقدس کی طرف منہ نہ کیا۔ حالانکہ معلوم ہوتا ہے اُس وقت مذکورہ زمین کے حکمرانوں کی حالت اسقدر کمزور ہو چکی تھی کہ صرف شہر میں داخل ہونے ہی سے قبضہ میسر آسکتا تھا۔ جیسے کہ اسی چیز کی خبر اگلی آیت مجیدہ میں حضرات موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں بھائیوں نے بنی اسرائیل کو وضاحتاً دے دی تھی:-

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ
کہا دو مردوں نے ان میں سے اُن کے جو ڈرتے تھے، انعام فرمایا
اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا
اللہ نے اوپر دونوں کے داخل ہو اوپر اُن کے دروازے سے پھر جب
دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ
داخل ہو گئے تم اُس پر تو بیشک تم غالب ہو گے اور اوپر اللہ کے پس بھروسہ کرو تو اگر
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۳
ہو تم مومن

اُن میں سے اُن دو آدمیوں نے، جو (اللہ سے) ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر انعامِ نبوت فرمایا تھا کہا تم اُن (بستی والوں) پر داخل ہو جاؤ پھر جب تم ان پر داخل ہو گئے، تو پھر بلاشبہ تم ہی غالب آجاؤ گے اور بس تم اللہ (کے قانون پر) بھروسہ کرو اگر تم اللہ کے قانون پر ایمان رکھتے ہو۔

● حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم عیش پرستیوں کے چکر میں پڑ کر عوام کے حقوقِ ربوبیت سے غافل ہو جاتی ہے تو اسوقت اپنے اس جرم کی بدولت یقیناً میزانِ خداوندی میں قابلِ سزا ٹھہرتی ہے۔ ایسی قوم پر اس حد تک غفلت چھا جاتی ہے کہ جو، اور جیسی بھی قوم اُس وقت اُس کی طرف بڑھتی ہے اُس کے لئے داخلے کے تمام دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اس کے مقابلے کے لئے اپنے عشرتکدوں سے باہر نکلنے تک کی زحمت گوارا نہیں کر سکتی۔ اور اگر مقابلے پر آ بھی جائے تو دم دبا کر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتی ــــــ یہی حال اُس وقت ارضِ مقدس کے حکمرانوں کا تھا۔ کہ دارالخلافہ کے صدر دروازے تک پہنچنے میں کوئی مزاحمت کرنیوالا موجود نہیں تھا۔ شہر میں داخلہ ہی فتح کا نشان تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے جنہیں فرعون کی غلامی نے جہانبانی کے نام تک سے ناآشنا کر دیا تھا، اور جو دشمن کے مقابلے کے تصور تک سے کانپتے تھے ایسی سستی فتح بھی قبول نہ کی۔ صرف شہر کے دروازے سے داخلے تک سے اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ حضرت

موسیٰؑ کو یہ جواب دیا:-

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا

کہا اے موسیٰ بیشک ہم ہرگز نہ داخل ہونگے اسمیں کبھی

مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ

جبتک وہ موجود ہیں بیچ اسکے پس جا تو اور تیرا رب

فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ ۲۴

پس لڑو تم دونو بیشک ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں۔

انہوں (بنی اسرائیل) نے کہا اے موسیٰؑ ہم کبھی بھی اُس (شہر) میں داخل نہیں ہوں گے جبتک کہ وُہ قوم اُس میں موجود ہے۔ پس جا تو اور تیرا رب، پھر تم دونوں (اُس قوم سے) لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھیں گے۔ (اور جب تو اُس قوم کو وہاں سے نکال دیگا تو ہم داخل ہو جائیں گے)

● قوم کی اس مثالی بزدلی پر حضرت موسیٰؑ بے حد پریشان ہوئے اور حضورِ الٰہی میں دردمندانہ انداز میں عرض کیا:-

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ

کہا اے میرے رب بیشک میں نہیں مالک مگر اپنا اور بھائی اپنے کا

فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ۲۵

پس فرق کر تو درمیان ہمارے اور درمیان قوم فاسقوں کے۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا اے میرے پالنے والے میں تو اپنے آپ اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ پس تو ہمارے اور اس حدود ناآشنا قوم کے درمیان خود فرق کر دے۔

● اس کے جواب میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ

کہا پس بیشک وہ حرام کر دیگئی اوپر اُن کے چالیس

سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

سال کیلئے سرگردان پھرینگے بیچ زمین کے۔ پس نہ افسوس کر اوپر قوم

الْفٰسِقِيْنَ ۝ ۲۶ ع

فاسقوں کے

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ اے موسیٰؑ (یہ ارضِ مقدس جو اُن کے لئے لکھدی گئی ہوئی ہے۔ اُن کی نامردی کی بدولت) اُن پر چالیس سال کیلئے حرام ہو چکی ہے۔ سرگرداں پھریں گے زمین میں پھر آپ حدود ناآشنا قوم پر افسوس نہ کریں۔

● آیت ۲۵ میں ارشاد ہوا ہے کہ ارضِ مقدس بنی اسرائیل کیلئے لکھدی گئی ہے۔ مگر اس آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اُن کی بزدلی اور نامردی کی بدولت اب اُن پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔ چالیس سال کی سزا سے صاف ظاہر ہے کہ اس عرصے میں دورِ غلامی کی پیداوار اور ذلّت کے ٹکڑوں سے پلے ہوئے نامرد بزدل مرکر ختم ہو جائیں اور آزادی کی پیداوار نئی نسل جو آزاد فضا میں پل کر جوان ہوگی وُہ چالیس سال کے بعد اس زمین مقدّس کو اپنی جدّوجہد کیساتھ حاصل کرے گی۔

● واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی مشروط ہے اور ہر وُہ چیز جو وُہ عطا فرماتا ہے وُہ بھی مشروط ہوتی ہے۔

۱ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۲۲/۴۰ اور ضرور ضرور اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے نیز
۲ هُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۶/۱۲۷ وہ اللہ لوگوں کا مددگار ہے اُنہی اعمال کیساتھ جو وہ خود بجالاتے ہیں۔
۳ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ○ ۱۳/۱۱ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اُسوقت نہیں بدلتا جبتک کہ وہ اپنی حالت کو خود نہیں بدلتی۔
۴ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ○ = ۱۵/۲۱ اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے موجود ہیں مگر ہم اتنا ہی دیتے ہیں جتنا نوعِ انسانی خود معلوم کرتی ہے۔
۵ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ○ ۵۳/۳۹ اور یہ کہ انسان کیلئے وہی کچھ ہے جس کیلئے وہ خود کوشش کرے۔

• بنی اسرائیل کیلئے ایک سنہری موقعہ تھا کہ جسے اُنہوں نے اپنی بُزدلی اور نامردی کی بدولت ضائع کر دیا۔ اس لئے وہی حکومت جو اُنہیں چالیس سال پیشتر مل رہی تھی، چالیس سال کے بعد ملی۔ پس واضح رہے کہ ارضِ مقدسہ کے لیۓ جو کَتَبَ لَكُمْ کے الفاظ آئے ہیں، وہ مشروط تھے۔ اگر بنی اسرائیل میسّر آمدہ موقعہ سے فائدہ اٹھا کر شہر میں داخل ہونے کی جُرأت کرتے، تو اُسی وقت وہ علاقہ زیرِ نگیں ہو جاتا۔ بصورتِ دیگر چالیس سال کے بعد میسّر آیا مگر بلا خود اُنکی کوشش ہی کی بدولت، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر عطا انسان کی اپنی جدّ و جہد کیساتھ مشروط ہے۔

• آیاتِ بالا میں اگرچہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے لیکن اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکمرانی اور جہانبانی بُزدلوں اور نامردوں کا حصّہ نہیں، بلکہ اُن لوگوں کا حصّہ ہے جو ایک طرف تو دشمن کے حالات سے ہر آن باخبر رہیں، اور دُوسری طرف موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کیلئے ہر وقت تیار ہوں۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اٹل ہے اور اٹل رہے گا۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس امر کے اعلان کیلئے بنی اسرائیل کو نوعِ آدم کے دو افراد کا واقعہ سنائیں کہ نہ کوئی فرد یا قوم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور پیاری ہے اور نہ اُسے کسی قوم کیساتھ کوئی ذاتی عناد ہے، بلکہ جو فرد بھی اُسکے قانون کے مطابق عمل کرتا ہے اُس کی محنت مقبول یعنی ثمر بار ہوتی ہے اُسے خدا تعالیٰ کی قربت نصیب ہوتی ہے، اور جو اُس کے قوانین کی مخالفت کرتا ہے اُس کی محنت نامقبول یعنی ثمرور نہیں ہوتی اور نہ اُسے قرب حاصل ہوتا ہے۔

• زیرِ بحث آنے والی اگلی آیت مجیدہ انتہائی قابلِ غور ہے۔ اسکے ساتھ حضرت آدم ؑ کے دو بیٹوں کا وہ بناوٹی قصّہ چسپاں کیا گیا ہے۔ جو محرّف بائیبل میں درج ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ؕ م

اور پڑھ اور ان کے خبر دو بیٹوں نوعِ آدم کی ساتھ سچ کے

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ

جب دونوں قریب ہوگئے قریب ہونا پھر قبول ہوا ایک دونوں سے اور نہ

يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ

قبول ہوا سے دوسرے کے۔ کہا ضرور قتل کروں گا تجھے کہا

27 اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○

سوائے اسکے نہیں قبول کرتا اللہ سے بچنے والوں کے

پڑھ سنا دے (اے رسول) اُن بنی اسرائیل) پر بنی نوعِ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر، جب وہ دونوں الگ الگ ایسا عمل بجالائے کہ اس سے قربت نصیب ہو (ان کی محنت ثمر ور ہو) پس اُن میں سے ایک کا عمل قبول ہوا (اس کی محنت ثمر بار ہوئی) عـلہ اور دوسرے کا عمل نامقبول ہوا۔ اُس نے (مقبول عمل والے کو) کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا عـلہ اُس نے کہا سوائے اس کے کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے عمل قبول کرتا ہے جو اُسکے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں عـلہ

● عـلہ اس آیت مجیدہ کی ابتدا میں واؤ آئی ہے اُس کا عطف آیت نمبر ۱۸ پر ہے جس میں اہلِ کتاب کے اِس دعوے کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں، اس آیت میں ایک واقعہ بیان کرکے واضح کر دیا گیا ہے کہ نہ کوئی فرد یا قوم اللہ کی اولاد ہے نہ پیاری ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قربت اُنہیں میسّر ہے جو متقین ہیں۔ یعنی جو قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

● عـ۲ـہ کتبِ تفاسیر نے اس واقعہ کو حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ قرار دیا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ جب قرآن کریم کی رُو سے نوعِ آدم کی پیدائش کسی ایک شخص کا بُت بنانے سے ثابت ہی نہیں ہوتی بلکہ $\frac{11}{61}$ $\frac{20}{55}$ اور $\frac{41}{18}$ کی قرآنی شہادت کے مطابق نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق زمین سے بتائی گئی ہے تو ثابت ہوا کہ زیرِ بحث قصہ نوعِ آدم کے دو افراد کا ہے، حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا نہیں۔

● عـ۳ـہ قَرَّبَا قُرْبَانًا کے الفاظ سے کتب تفاسیر نے جانوروں کی قُربانی مُراد لیکر یہ تصوّر دیا ہے کہ مذکورہ افراد نے الگ الگ جانوروں کو ذبح کیا تھا۔ ایک کی قربانی مقبول ہوئی اور دوسرے کی رد کر دی گئی۔ اس کے ضمن میں واضح کیا جاتا ہے کہ جانوروں کو خدا کے نام پر ذبح کرنے کیلئے قرآن بھر میں ہرگز کہیں بھی قربانی کا لفظ نہیں آیا۔ خدا تعالیٰ خون بہانے سے خوش نہیں ہوتا۔ بُت پرست اقوام بزعمِ خویش اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے مینڈھے اور بکرے کے علاوہ گھوڑے اور بھینسے تک کو دیوی دیوتاؤں کے چرنوں پر بھینٹ چڑھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ ایسے تصوّرات سے پاک و منزّہ ہے۔ حج کے موقعہ پر غذائی ضروریات کیلئے ذبح کئے جانیوالے جانوروں کیلئے بھی قربانی کا لفظ نہیں آیا، بلکہ ھدی اور قلائد کے الفاظ آئے ہیں، ھدی کا معنیٰ ہے تحفہ اور قلائد کا معنیٰ ہے گھر میں پالے ہوئے جانور۔

• ہمنہ ۵ روایاتی تفاسیر پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جانوروں کی متصوّرہ قُربانی کے مقبول یا مردُود قرار دیئے جانے کا پیمانہ کونسا ہے، جس سے ناپ کر مذکورہ دو افراد نے جان لیا کہ فلاں کی قربانی مقبول ہوئی ہے اور فلاں کی مردُود۔ واضح رہے کہ قَرَّبَا قُرْبَانًا سے مراد ہر دو افراد کے اعمال ہیں جن میں وقت اور محنت قربان کی۔ مثلاً دونوں نے الگ کاشت کی۔ ایک نے بروقت زمین تیار کی۔ عمدہ اور صحت مند بیج ڈالا۔ بروقت پانی دیتا رہا۔ کھیتی کی رکھوالی کی۔ اس طرح اُس نے جس قدر وقت اور محنت کی قربانی دی وُہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول ہُوئی، اور قبولیت کی شکلِ محسوس یہ سامنے آئی، کہ اُسکا کھیت ثمرور فصل کیسا تھ لہلہا اُٹھا۔ اور آخری نتیجے کے طور پر اُس نے اُسے کاٹا، گاہا اور ڈھیروں اناج کی بوریاں بھر کر گھر لے گیا۔

• اس کے برعکس دوسرے نے مذکورہ بالا قانونی مراحل میں سُستی کی۔ نہ اچھی طرح زمین تیار کی نہ اچھا بیج ڈالا۔ نہ بروقت پانی دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے جو وقت اور محنت کی قربانی دی وُہ نامقبول ہوئی۔ اور نامقبولیت کی شکلِ محسوس یہ تھی کہ ناقص فصل پیدا ہوئی۔ اور آخری نتیجہ کے طور پر اُسے اتنی کم پیداوار میسّر آئی کہ قربان کیئے گئے بیج کی واپسی بھی مشکل ہو گئی۔

• ہمنہ ۶ لَاَقْتُلَنَّكَ کے الفاظ میں انسانی دستور کے ایک گھناؤنے گوشے کی خبر دی گئی ہے کہ جب کوئی شخص خود قوانینِ خداوندی کی مخالفت کرکے یعنی اُن سے اعراض برت کر اپنے آپ کو محنت کے ثمر سے خود محروم کرلیتا ہے تو پھر دوسروں کے خلاف، جو قوانینِ خداوندی پر عمل کرکے محنت کے ثمر سے بہرہ ور ہوتے ہیں، حسد کی آگ بھڑکا لیتا ہے، خود تو اُس میں جل رہا ہوتا ہے مگر دُوسرے کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ آیت زیرِ بحث میں ثمر سے محروم فرد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس نے دُوسرے سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا۔ میں نہیں دیکھ سکتا کہ تو ثمرِ محنت سے بہرہ ور ہو اور میں محروم پھرتا رہوں یہ ہے برادرانِ عزیزا! بیج، وقت اور محنت کے مقبول یا نامقبول ہونے کا وہ پیمانہ جس سے دونوں نے معلوم کرلیا کہ کس کی بیج، محنت اور وقت کی قربانی مقبول ہوئی ہے اور کس کی نامقبول۔

• ہمنہ ۷ يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ کے الفاظ سے روائتی تفاسیر نے یہ تصوّر دیا ہے کہ قُربانی اُن کی منظور ہوتی ہے جو متقی ہیں اور متقی کا معنیٰ یہ لیا جاتا ہے کہ جو نماز روزہ کا پابند ہو۔ لیکن واضح رہے کہ نماز روزہ کی پابندی بھی اگرچہ اِتقا میں داخل ہے۔ لیکن لفظ متقین کا مطلق معنیٰ ہے بچنے والے۔ کس چیز سے بچنے والے؟ قوانین خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے۔

• اب قوانینِ خداوندی دو حصّوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک تو ہیں اللہ تعالیٰ کے وُہ قوانین جو اِس بھری دنیا میں ہر آن جاری وساری ہیں۔ جو لوگ اِن کی مخالفت سے بچتے ہیں وُہ یقیناً یقیناً دُنیوی خطرات سے بچتے

والے ،یعنی متّقین ہیں ۔ قوانینِ خداوندی کے اِس گوشے میں مومن اور کافر کا کوئی امتیاز موجود نہیں ۔ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی کا مُنکر بھی کا ئنا تی قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچیگا تو یقیناً یقیناً اُس کا بہتر ثمر پائے گا۔ اور جو کوئی اُن کی مخالفت سے نہیں بچیگا ، خواہ وُہ مومن اور مسلمان ہی کیوں نہ کہلاتا ہو ، اُسے ضرور ضرور محرومی و ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ کیوں کہ قوانینِ خداوندی میں مطلقاً کوئی لوچ لچک موجود نہیں ۔ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ضرور ضرور ہاتھ جل جاتا ہے اور آگ اور دیگر ضرر رساں چیزوں سے بچنے والے قوانینِ خداوندی کے اس گوشے کے متّقین ہیں ۔

● قوانینِ خداوندی کا دوسرا حصہ وُہ ہے جسکو اُس نے اپنی کتابوں کی صورت میں نازل فرمایا ہے جو اسوقت اُس کی کتابِ لاریب قرآن مجید میں موجود و محفوظ ہے ۔ خدا تعالیٰ کے تنزیلی قوانین پر عمل کرنے سے دُنیوی معاشرہ بھی جنّت بداماں ہو جاتا ہے اور اُخروی زندگی کی کامیابی بھی مقدّر ہو جاتی ہے ۔

● آیتِ بالا میں تو خود اپنے غلط عمل کی بدولت محروم ہو جانے والے (یعنی جس کی قربانی قبول نہ ہوئی اُس) کی قتل کی دھمکی کی خبر ہے مگر اگلی آیت میں دوسرے کا جواب مذکور ہے کہ اگر تو میرے قتل کیلئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تیرے قتل کیلئے ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا :۔

لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا

البتہ اگر تو بڑھائے طرف میری ہاتھ اپنا کہ تو مجھے قتل کرے نہیں میں

بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ

بڑھانے والا ہاتھ اپنا طرف تیری کہ مجھے قتل کروں بیشک میں ڈرتا ہوں

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○

28

اللہ سے پالنے والا جہانوں کا

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ

بیشک میں ارادہ کرتا ہوں کہ تو اٹھائے گناہ میرا اور گناہ اپنا پھر تو ہو جائیگا

مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۚ ○ 29

میں سے والوں آگ کے اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا ۔

(اُس نے مزید کہا کہ) اگر تو میرے قتل کیلئے میری طرف ہاتھ بڑھائیگا تو میں تیرے قتل کے لئے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا [1] (کیونکہ) بیشک میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو جہانوں کو پالنے والا ہے [2] (میں اس چیز سے بچنے والا ہوں ، متّقی ہوں کہ قتلِ ناحق کے ذریعہ اُسکے عذاب کا مستحق ٹھہروں)۔

میں چاہتا ہوں (کہ زیادتی ہو تو تیری طرف سے ہو۔ اس طرح) میرے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہو اور اپنے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہو [3] پھر تو ہو جائیگا آگ والوں میں سے ۔ اور یہی ہے سزا بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں کی [4]

● [1] ما انا بباسط یدی الیک کے الفاظ سے عیاں ہے کہ جسے قتل کی دھمکی دی گئی تھی اُس نے کہدیا کہ میں تجھے ہرگز قتل کرنا نہیں چاہتا ۔ اگر تو قتل کے لئے وار کریگا تو میں صرف اُس سے بچاؤ کی کوشش کروں گا ۔

میرا ارادہِ قتل ہرگز نہیں ہوگا۔

● عے۲ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ اُس کا صرف بچاؤ کی کوشش کرنا اور قتل کے ارادہ کے جواب میں اُسکا ارادۂِ قتل نہ کرنا اس لئے تھا کہ وُہ ربّ العلمین سے ڈرتا تھا۔ یعنی وُہ قوانینِ خداوندی کے تنزیلی گوشے کی رُو سے بھی متقّی تھا۔ جس میں حکم دیا گیا ہے کسی جان کو ناحق قتل نہ کرنا۔ ارادہِ قتل کا مجرم، قاتل اُس وقت ٹھہرتا ہے جب وُہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا چکے۔ اِس سے پہلے پہلے وُہ صرف ارادہِ قتل کے جرم کی سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، واجب القتل نہیں ٹھہرتا۔

● عے۳ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ کے الفاظ میں کہنے والے نے یہ کہا کہ تیرا ارادہ قتل ہے، میرا ارادہ قتل نہیں میں صرف اپنا بچاؤ کرونگا۔ اس طرح اگر تُو مجھے قتل کردے تو میرے قتل کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا اور اگر میرے ہاتھ سے تجھے کوئی زخم آجائے یا تو میرے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو یہ بھی تیرا ہی گناہ قرار پائیگا۔ اور اس گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہی ہوگا۔

● عے۴ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے دُنیوی یا اُخروی سزا کا مستحق دونوں صُورتوں میں تُو ہوگا۔ کیوں کہ تُو جارح ہوگا اور میں مدافعت کرنیوالا۔ لیکن اس نصیحت و وضاحت کے باوجود اُس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ

پھر مطیع کیا واسطے اُسکے نفس اسکے نے قتل کرنا بھائی اپنے کا پھر اُسکے قتل کردیا

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ۳۰

پس ہو گیا وہ سے خسارہ اٹھانے والوں

پھر اُس کے نفسِ (امّارہ) نے اُسے اپنے بھائی کو قتل کرنے کیلئے اپنا مطیع کر لیا۔ لہٰذا اُس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ (اس طرح) وُہ خود ہی خسارہ پانیوالوں میں سے ہوگیا۔

● اس طرح جب اُس نے اپنی آتشِ حسد کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اور مقتول کی لاش کو کہیں دفن کر دیا۔ لیکن واضح رہے کہ ایسے وقتوں پر مجرم سے کوئی نہ کوئی ایسی خامی رہ جاتی ہے جو سراغرسانی کے ضمن میں ممدّ و معاون بنتی ہے اور ماہر سراغرساں، عام لفظوں میں کھوجی یا سب انسپکٹر پولیس، اُس خامی کی مدد سے لاش برآمد کر لیتے ہیں۔ مجرم نہیں جانتا کہ اُس سے کون سی خامی رہ گئی ہوئی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اس چیز کی خبر دی گئی ہے کہ قاتل نے لاش کو چھپا تو دیا لیکن ایک تیز فہم کھوجی سراغرساں نے لاش برآمد کرلی۔ اور اُسے بتا دیا کہ اُس نے کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیا تھا۔ تاکہ اُس کا قتل کا جُرم ثابت نہ ہونے پائے۔ اس پر قاتل نے اپنی خامی پر افسوس کیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ

پھر مقرر کیا اللہ نے کھوجی کھودتا تھا بیچ زمین کے

لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ

تاکہ ظاہر کرے کس طرح چھپائی لاش بھائی اپنے کی کہا

يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا

اے افسوس کیا عاجز ہوا میں کہ ہوؤں میں مانند اس

الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ

کھوجی کے پھر چھپاتا لاش بھائی اپنے کی پھر ہو گیا

مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۚۛ ۳۱

میں سے شرمساروں کے

پھر اللہ تعالیٰ (کے قانون کیمطابق سراغ لگانے کیلئے حکومت) نے ایک تیز فہم آدمی (کھوجی) کو مقرر کیا[۱] جو (لاش کو برآمد کرنے کے لئے جگہ جگہ سے) زمین کو کھودتا تھا[۲] تاکہ قاتل پر ظاہر کر دے کہ اُس نے کس طرح اپنے بھائی کی لاش[۳] کو چھپا دیا تھا۔ (اس پر اُس نے) کہا ہائے افسوس کہ میں عاجز ہو گیا۔ کہ میں ہوتا اس تیز فہم آدمی جیسا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا (اس طرح کہ یہ سراغ نہ لگا سکتا)۔ پھر (جب لاش برآمد ہو گئی تو وہ شرمسار ہونے والوں سے ہو گیا۔

اشرف المخلوقات انسان ہے کوّا نہیں

● علہ غراباً سے کتب تفاسیر نے کوّا پرندہ مراد لیا۔ اور اس پر یہ واقعہ چسپاں کر رکھا ہے کہ حضرت آدم کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ لاش کو دفن کس طرح کیا جاتا ہے۔ اس لئے اُٹھائے اُٹھائے پھرتا رہا۔ ایکدن کیا دیکھتا ہے کہ ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو مار ڈالا اور اُس کی لاش کو زمین کھود کر دفن کر دیا اس پر وہ نادم ہوا اور کہا ہائے افسوس میں اس کوّے جتنی عقل بھی نہیں رکھتا لیکن واضح رہے کہ انسان کی نسبت کوّے کو عقلمند تسلیم کرنے میں مشاہدہ معارض ہے کہ اشرف المخلوقات انسان ہے کوّا نہیں۔ آئے دن نئی ایجادیں انسان کر رہا ہے کوّے نہیں کر رہے۔ اس لئے قواعدِ عرب کیمطابق جہاں مشاہدہ معارض ہو وہاں حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنے لینا لازم ہے۔ غُراب کے حقیقی معنے ہیں کوّا۔ اب اس کے مجازی معنوں پر غور فرمائیں:۔

● لُغت منتہی الارب جلد چہارم کے صفحہ ۳۰۴ پر غراب کا معنیٰ لکھا ہے "تیزیٔ ہر چیز" اس سے عقل کی تیزی اور زیادتی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس لئے رَجُلٌ "غرابٌ" تیز فہم آدمی کو کہا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں غراباً صفت آئی ہے اپنے موصوف رَجُلاً کی۔ عربی ادب، خصوصاً قرآن کریم میں موصوف محذوف رکھ کر، موصوف کیلئے صرف صفت بارہا مستعمل ہے۔ جیسے کہ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ کیلئے صرف بَیِّنٰت صفت ۲/۸۷ ۲/۱۵۹ اور ۵/۲۲ میں آئی ہے۔ جس طرح ان آیات مجیدہ میں بیّنٰت سے مراد آیٰت بیّنٰت ہے۔ اُسی طرح آیت زیر بحث میں غُراباً سے مراد ہے رَجُلاً غراباً ہے، تیز فہم، بہت ذہین، بہت عقلمند آدمی یعنی کھوجی، جو صرف

پیروں کے نشانات کے ذریعہ وقوعہ کا کھوج لگا کر مال مسروقہ اور مقتولوں کی لاشیں برآمد کر دیتا ہے ۔ یہاں سیاقِ کلام کے مطابق جہاں ایک قتل کا واقعہ بیان ہوا ہے ، لاش کا کھوج لگا کر قاتل کا پتہ لگانے کیلئے سراغرساں یعنی کھوجی مراد ہے ۔

● یہاں پہنچ کر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعۂ قتل کو قرآن کریم میں ، جو ایک نصیحت نامہ ہے ، (۱۹/۲۹) نازل کرنے کی کیا غرض ہے ؟ کیا اس سے نوعِ آدم کی ہجّو اور کوّوں کی فضیلت بتانا مقصود ہے ۔ یا یہ کہ مقتولوں کی لاش اور مال مسروقہ کی برآمدگی کیلئے کھوجیوں کی خدمات حاصل کرنے کی نصیحت کی گئی ہے ۔ اس کا جواب عقل والوں کی طرف سے تو یہی ہو سکتا ہے ۔ کہ اس واقعہ کے نزول کی غرض موخر الذکر ہی ہو سکتی ہے ۔ جو واقعۃً نصیحت بھی ہے اور قیامت تک کیلئے کارآمد اور سودمند بھی ۔

عـ۲ـہ فَبَعَثَ اللّٰهُ کا لفظی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ، بھیجا ، مقرر فرمایا ۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں ہر اُس کام کو جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُس کی رضا کے مطابق انجام دیا جائے ۔ اُسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے ۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ ؑ کیلئے کوہ طور پر ستر کاتبوں نے کتاب لکھی تھی لیکن چونکہ یہ عمل اللہ کے حکم اور اس کی رضا کے مطابق تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی طرف منسوب کیا ہے ۔ ۔ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ (۷/۱۴۵) ۔ اور موسیٰ ؑ کیلئے کتاب کو تختیوں پر ہم نے لکھا ۔ اسی طرح چونکہ مقتول کی لاش اور قاتل کے کھوج کے لئے حکومت کا کھوجی مقرر کرنا ، قانونِ خداوندی اور اس کی رضا کے مطابق ہے اس لئے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا = چنانچہ جب لاش برآمد ہوئی ، تو قاتل شرمسار ہو گیا ۔

● اس سے آگے اگرچہ قاتل کو اُس کے جُرمِ قتل کی پاداش میں قتل کر دینے کا ذکر موجود نہیں لیکن عدمِ ذکر عدمِ وجود کی دلیل نہیں ہوتا ۔ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کا خداوندی قانون قرآن مجید میں موجود ہے اسلئے قاتل کو جُرمِ قتل کی پاداش میں سزائے موت دیدی گئی (۵/۴۵) ۔

● عـ۳ـہ يَبْحَثُ کے مادہ ب ۔ ح ۔ ث کا معنیٰ ہے ، کریدنا ۔ يَبْحَثُ فِي الْاَرْضِ کا معنیٰ ہے کہ کھوجی نے زمین کو جگہ بہ جگہ کرید کر کھود کر لاش برآمد کر دی ۔ اس مادہ سے بحث ومباحثہ بھی آیا ہے ۔ بحث میں بھی کرید کی جاتی ہے ● عـ۴ـہ سَوْاَةَ کا معنیٰ لاش تمام مفسرین کے ہاں متفقہ مسلّم ہے ۔

● عـ۵ـہ يُوَارِيْ کے سہ حرفی مادہ و ۔ ر ۔ ی کا معنیٰ چھپانا ہے ۔ مذکورہ لاش کو دفن کر کے چھپا دیا گیا تھا ۔

بھائی کے قتل کا واقعہ قوم بنی اسرائیل کا ہے ۔

● کتبِ تفاسیر نے اِس واقعہ کو حضرتِ آدم ؑ کے دو بیٹوں ہابیل قابیل کے نام سے پیش کیا ہے اور اِسے تخلیقِ نوعِ آدم کے بالکل ابتدائی دور کیطرف منسوب کر رکھا ہے لیکن واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ

بانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ یہ واقعہ حضرت آدمؑ کے وقت کا نہیں بلکہ اس کا تعلق بنی اسرائیل کیساتھ ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

سے وقت مذکورہ بالا لکھا ہم نے اوپر بنی اسرائیل

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ

بیشک یہ کہ جس نے قتل کیا ایک جان کو بغیر کسی جان کے یا فساد

فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ

بیچ زمین پس گویا کہ قتل کیا اس نے انسانوں سب کو اور جس نے

اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا

زندہ رکھا اسے تو گویا زندہ رکھا انسانوں سب کو اور البتہ تحقیق آئے انکے پاس رسول ہمارے

بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝

ساتھ دلائل کے پھر بیشک اکثریت میں سے انکے پیچھے اسکے بیچ زمین کے حد سے نکلنے والے ہیں

۳۲

مذکورہ بالا وجہ[1] سے ہم نے بنی اسرائیل پر (بھی اپنا فیصلہ) فرض کر دیا تھا کہ جو کوئی کسی ایک جان کو بغیر اس کے کہ اُس نے کسی جان کو قتل کیا ہو، یا زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے (کسی ایک جان کو قتل کردے) تو گویا اُس نے ساری نوع انسانی کو قتل کر دیا[2] اور جس نے ایک جان کو زندہ (بچالیا) تو گویا اس نے ساری نوعِ انسانی کو زندہ رکھا اور بیشک اُن (بنی اسرائیل) کے پاس ہمارے بہت سے رسول[3] واضح دلائل لیکر آئے۔ پھر اس کے بعد ان میں اکثر لوگ قتل ناحق کے ذریعہ فساد فی الارض کرکے حد سے نکلنے والے ہیں۔

● [1] مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ کے الفاظ سے کھُل کر عیاں ہو رہا ہے کہ بھائی کا بھائی کو قتل کرنے کا مذکورہ قصہ بنی اسرائیل کے زمانہ کا ہے حضرت آدم علیہ السلامؑ کے زمانے کا نہیں۔

● کسی جان کو ناحق قتل کرنے کو پوری نوعِ انسانی کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ مذکورہ قصہ انسان پر کوّے کی فضیلت جتانے کیلئے نہیں نازل کیا گیا۔ بلکہ ناحق قتل کو مطلقاً روکنے کیلئے بطور عبرت نازل کیا گیا ہے۔ کہ بھائی کو سرِعام قتل کی دھمکی دینے والا جب قتل کا ارتکاب کرچکا تو اپنے جرمِ قتل کو چھپانے کیلئے لاش کو دفن کرکے چھپا دیا۔ باری تعالیٰ کے قانونِ عدل و انصاف کے مطابق ذہینِ انسانی، کھوجی کے ذریعہ لاش برآمد کرلی گئی اور قاتل کو جان کے بدلے جان کی سزا دیدی گئی۔

ایک جان کا قتل پوری نوعِ انسانی کا قتل ہے

● [2] قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا کے الفاظ میں قتلِ انسانی کو اس لئے ایک متعدی جُرم قرار دیا گیا ہے کہ ایک قتلِ ناحق ہو جائے تو قاتل اور مقتول کے خاندانوں میں دائمی عداوت قائم ہو جاتی ہے اور آگے دونوں فریقین کے ہاتھوں فریقین کے بے گناہ افراد قتل ہوتے رہتے ہیں۔ دونوں خاندانوں کے دوست اور دشمن خاندان الگ الگ دھڑوں میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہی سلسلہ دو قوموں یا دو ملکوں میں چل جائے تو دونوں قوموں اور ملکوں کی

دوست اور دشمن قومیں اور ملک الگ الگ قوموں اور ملکوں کے دھڑوں میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اور پورے کرہ ارض پر اس قدر شدید تناؤ پیدا ہو جاتا ہے کہ پوری نوع انسانی اپنے آپ کو موت کے منہ میں محسوس کرنے لگتی ہے۔ اسی نقشہ کو خدا تعالیٰ نے ایک قتل ناحق کو فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ اس آئت مجیدہ میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ قتل ناحق سے پوری پوری پرہیز کی جائے اور اگر کسی شخص سے کوئی قتل ناحق ہو جائے، اور وہ اپنے جرم کو چھپانے کیلئے لاش کو دفن بھی کر دے تو ماہر کھوجیوں کی خدمات حاصل کرکے لاش برآمد کر لی جائے اور قاتل کو گرفتار کرکے اُسے قانونی سزا دی جائے تاکہ مقتول کے ورثاء کا جذبۂ انتقام ٹھنڈا ہو جائے اور قتل کا جرم، متعدی جرم کی شکل اختیار نہ کرنے پائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں سیاق کلام کے عین مطابق اسلامی حکومت کے باغیوں، ملک میں قتل و غارت اور دہشت گردوں کے ذریعہ فساد پھیلانیوالوں اور خدا تعالیٰ کے مخصوص دشمن سُود خواروں کی سزا بیان کی گئی ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ
سوائے اسکے نہیں کہ سزا اُن لوگوں کی جو جنگ کریں اللہ
رَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ
اور رسول اسکے سے اور کوشش کریں بیچ زمین کے فساد کی یہ کہ
یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ
قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا قطع کئے جائیں ہاتھ اُن کے
مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِکَ لَھُمْ
اور پیر اُنکے بوجہ بغاوت کے یا جلاوطن کئے جائیں سے زمین کے۔ مذکورہ واسطے انکے
خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ
رسوائی ہے بیچ دنیا کے اور واسطے انکے بیچ آخرت کے عذاب ہے
عَظِیْمٌ ۝ ۳۳

سوائے اس کے نہیں کہ اُن لوگوں کی سزا جو اللہ اور اُس کے رسول کیساتھ جنگ کریں ملہ (یعنی اسلامی حکومت کے باغی اور سُود خوار) اور وُہ لوگ جو (قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے ذریعہ) زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کریں، یہ ہے کہ یا تو وُہ قتل کر دیئے جائیں یا صلیب دے دیئے یا روک دئے جائیں اُن کے ہاتھ اور پَیر (یعنی قید کر دئے جائیں) عہ بوجہ ان کی بغاوت کے۔ اور یا زمین میں سے جلاوطن کر دئے جائیں۔ یہ سزا ان کی دنیا کی رسوائی کیلئے ہے اور ان کیلئے اُخروی زندگی میں بہت بڑا عذاب ہے۔

بر طا

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا
سوائے اُن کے جو توبہ کر لیں سے پہلے کہ تم قابو پاؤ

سوائے ان لوگوں کے (یعنی وُہ لوگ اس سزا سے

عَلَيْهِمْ ج فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اُوپر آ نکلے۔ پس جانے رہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بچا دینے والا ہے

مستثنیٰ ہیں جو اس سے پہلے توبہ کریں کہ تم انہیں گرفتار کر لو (گرفتاری کے بعد کی توبہ قبول نہ ہوگی) پس جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ (اپنے توبہ کے قانون کے ذریعہ مجرموں کو بھی) بچا دینے والا مہربان ہے۔ عـ۵

آیت نمبر ۳۴ ع ۹

● عـ۵ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے الفاظ سے دو گروہ مراد ہیں :-

(الف) پہلا گروہ تو وہ ہے جس کی تعریف يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا کے الفاظ میں کر دی گئی ہے کہ وہ اسلامی حکومت میں فساد پھیلاتے ہیں۔ قانون کو ہاتھ میں لیتے اور دن دہاڑے نیکوں کو لوٹتے پھرتے ہیں، اور اُنکی راہ میں جو مزاحم ہو اُسے موت کے گھاٹ اُتارتے چلے جاتے ہیں۔ اِسکے ضمن میں ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جو فساد فی الارض کرتا ہے اِس آیت مجیدہ میں ایسے لوگوں کو اسلامی حکومت کے باغی قرار دیا گیا ہے۔

(ب) دوسرا گروہ ہے سُود خوروں کا جسے سورۃ بقرہ میں خود اللہ تعالیٰ نے يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے زمرہ میں شامل کر رکھا ہے۔ دیکھئے! ارشاد باری تعالیٰ ہے :- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۲/۲۷۹ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم سچے مومن ہو تو (اپنے قرضداروں سے زمانہ کفر میں جسقدر سُود تم لے چکے، لے چکے، اب اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں) باقی سُود چھوڑ دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ تمہارا اللہ و رسول کیساتھ اعلانِ جنگ ہے۔

سُود خوری کی سزا

● اب غور فرمائیں کہ ۲/۲۷۹ میں سُود خور، بارشادِ الٰہی فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے زمرہ میں شامل ہیں۔ اِن کے خلاف بندوں اللہ و رسولؐ کا اعلان جنگ ہے۔ اور آیت زیر بحث ۵/۳۳ میں اِس جرم کی سزا کا اعلان کیا گیا ہے :- اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ...... الخ - یہ اعلان اِنَّمَا کلمہ حصر سے شروع کیا گیا ہے اور ترجمہ یہ ہے :- سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں (یعنی یہ پکی بات ہے، پتھر پر لکیر ہے جو کبھی مٹ نہیں سکتی کہ) جو لوگ اللہ اور اسکے رسولؐ کیساتھ جنگ کریں اُن کی سزا یہ ہے ...... بالفاظ دیگر اسلامی حکومت کے باغیوں اور سُود خوروں کیلئے ذیل کی تین سزائیں مقرر کیگئی ہیں :-

ا- اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا - پہلی - یہ کہ انہیں قتل یا صلیب کے ذریعہ سزائے موت دی جائے۔

ب- اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ - دوسری یہ کہ یا اُن کے ہاتھ، پاؤں روکدیئے جائیں۔ یعنی قید کر دیا جائے۔

ج- اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ - تیسری یہ کہ یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔

● سُود خوری کی یہ سزا محترم محمد اسلم مخدوم صاحب شادیوال ضلع گجرات (پنجاب پاکستان) کے تفکر فی القرآن کا نتیجہ ہے۔ آپنے ۱۹۷۴ء میں "سُود کی سزا قرآن حکیم میں موجود ہے" کے نام سے ایک کتابچہ بھی شائع کیا تھا۔ جو تعریف آیات

کے قرآنی اسلوب کی اساس پر لکھا گیا، اِنَّ الْقُرْاٰنَ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا کے ایسے حقیقت بدوش دلائل کا حامل ہے کہ انکار کی گنجائش تک موجود نہیں علّامہ عصرِ حاضر کی یہ کاوش عظیم پر پیرتزح اور قابلِ قدر کارنامہ ہے جَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا حامل نہیں

● آیت زیر بحث کے ان الفاظ او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلافٍ سے روائتی تفاسیر نے یہ وحشیانہ مفہوم لیا ہے کہ اللہ و رسول سے متحارب افراد کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں قطع کر دیا جائے۔ حالانکہ یہ تصور خود آیات زیر بحث کے آخری جملہ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کے خلاف ہے کہ ہاتھ پاؤں کٹوا دینے کے بعد غفور رحیم کا کون سا مقام باقی رہ جاتا ہے۔

● واضح رہے کہ عربی زبان میں قطع کا معنی روکنا بھی ہے۔ جیسے کہ سورہ عنکبوت میں قوم لوط کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُنہیں حضرت لوطؑ نے کہا: ءَاَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۲۹ کیا تم وہ ہو جو جنسی تسکین کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو اور راستہ روک کر راہگیروں کو لوٹتے ہو ـــــ پس قطعِ اید و ارجل کا معنی ہاتھوں اور پیروں کا کاٹنا نہیں، بلکہ ہاتھ پیروں کو روک دینا ہے اور اس سے مراد قید کرنا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا ہرگز حامل نہیں۔

اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا تصور بھی ایک غلط تفہیم کا نتیجہ ہے

● ۵ تقطع ایدیھم وارجلھم کے بعد جو مِنْ خِلَافٍ کے الفاظ آئے ہیں، ان میں مِنْ سببیہ ہے اور خلاف بمعنی مخالفت و بغاوت ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے باغیوں کی یہ سزائیں ان کی مخالفت و بغاوت کی وجہ سے مقرر فرمائی گئی ہیں۔ مِنْ سببیہ کی مثال ۲۵/۷۱ میں بالفاظ ذیل موجود ہے جہاں قوم نوحؑ کے غرق کئے جانے کا سبب بیان کیا گیا ہے مِمَّا خَطِیْٓئٰتِھِمْ اُغْرِقُوْا وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے۔

● پس مِنْ خِلَافٍ سے یہ بہیمانہ تصور اخذ کرنا غلط تفہیم ہی کی بدولت ہے کہ اسلامی حکومت کے باغیوں کے اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ صحیح مفہوم جس سے دامنِ قرآن و اسلام پر سے بہیمانہ سزاؤں کا داغ بھی دُھل جاتا ہے یہ ہے کہ مذکورہ تین سزاؤں کے تعین کا سبب خود اُن کی بغاوت ہے۔

● اسلامی سلطنت کے باغیوں اور سُود خوروں کی مذکورہ بالا سزا کی تین صورتوں پر غور فرمائیں ا۔

۱۔ پہلی صورت ہے قتل یا صلیب یعنی سزائے موت۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر مجرم اس قدر خطرناک ہو کہ اس کے زندہ رہنے سے ملکی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو تو اُسے سزائے موت ہی دی جائیگی۔

۲۔ دُوسری صُورت ہے عمر قید کرنا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر مجرم کو موت کی سزا دینے سے کسی داخلی یا خارجی انتشار کا خطرہ لاحق ہو تو پھر سزائے موت کی بجائے عمر قید کی اجازت دے دی گئی ہے۔

۳۔ اور تیسری صورت ہے جلاوطنی کی۔ اگر باغی کو زندہ رکھنے میں کوئی داخلی یا خارجی خطرہ لاحق نہ ہو کہ وہ غیر ملکی طاقتوں سے مل کر ملک کے خلاف سازشیں کرکے اس کی سالمیت کے لئے خطرہ پیدا نہ کرسکے گا تو اُسے مُلک بدر کر دینے کی اجازت ہے۔

قرآن کریم زندگی اور آزادی کا ضامن ہے

● اسلامی حکومت کے لئے خطرناک ترین افراد کی مذکورہ بالا سزاؤں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم نوعِ انسانی کی زندگی اور آزادی کا ضامن ہے۔ قید و بند اور موت کی سزا انسان اپنے آپ پر خود مسلّط کر لیتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ملک کے باغی تک کے لئے بھی اگر اُس سے خطرہ نہ ہو تو اُسے زندہ اور آزاد رکھنے کیلئے جلاوطنی کی سزا دیگئی ہے۔ قید کرنا اور موت کی سزا دینا خداوند غفورٌ رحیم کی شانِ رحیمی کے خلاف ہے۔ اس لئے آیت مجیدہ میں غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ قید و بند اور قتل و صلیب کی سزا مِنْ خِلَافٍ دی جارہی ہے، یعنی جو مجرموں کی اپنی خطا و بغاوت کی بدولت ہے۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جانتے رہو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بچاؤ دینے والا مہربان ہے۔

باغیوں اور سُود خواروں کیلئے توبہ کی گنجائش

● ۳۴ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا کے الفاظ میں مذکورہ ہر سہ سزاؤں کے مستحق افراد کیلئے بھی توبہ کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ مگر گرفتار ہونے کے بعد نہیں۔ کیونکہ جب مجرم گرفتار ہو کر اپنے اوپر کسی ایک سزا کو مسلّط ہوتا ہوا دیکھے گا تو منافقانہ طور پر توبہ کرسکتا ہے۔ اس لئے توبہ کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ باغی اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے ازخود توبہ کرکے اسلامی حکومت کا مطیع و فرمانبردار ہونے کا اعلان کردے اور سود خوار سود خواری ترک کرکے، سودی کاروبار سے ازخود توبہ کرلے۔ تو پھر اعلان کیا گیا ہے فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

● افسوس اس امر کا ہے اللہ تعالیٰ نے تو مذکورہ سزاؤں کے مستحق افراد کیلئے بھی توبہ کی گنجائش رکھ کر اپنے غفورٌ رحیم ہونے کا اعلان فرمایا ہے مگر روائتی تفاسیر کی غلط تفہیم زندہ انسانوں کے اُلٹے ہاتھ پیر کاٹنے کا تصوّر پیدا کرتی ہے۔ چور کی سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنے اور آئت زیر بحث سے باغیوں کیلئے اُلٹے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنے کا تصوّر قرآن اور اسلام کے دامن پر وہ داغ ہے جس کی بدولت مہذّب اور ترقی یافتہ قومیں جو صرف انسانی سطح پر کھڑے ہو کر غور کرتے ہوئے انسانی حقوق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو چکی ہیں، قرآن کریم کو بہیمانہ سزاؤں کا حامل سمجھ کر اس سے دور ہٹ جاتی ہیں۔ اگر گہری نظر کیساتھ غور کیا جائے تو قرآن کریم کو وحشیانہ سزاؤں کا حامل قرار دینے والی تفہیم ہی قرآن اور اسلام کے فروغ کی راہ میں سدِّ سکندری بن کر کھڑی ہو گئی ہے۔

● سُود خواری بھی ایک تاریخی المیہ بن کر رہ گئی ہے کہ قرآن کہتا ہے، کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ سود خواری کو ترک نہ کرے اور اگر وہ ترک نہیں کرتا تو اس کا اللہ و رسول کیساتھ اعلانِ جنگ ہے۔

مگر ادھر پورا اسلامی معاشرہ سودی کاروبار پر چل رہا ہے۔ العیاذ باللہ!

پس چہ باید کرد ● سُود کی لعنت سے آزاد ہونے کیلئے لازم ہے کہ معاشرہ کا پورا ڈھانچہ تبدیل کیا جائے۔ کوئی ملک اُس وقت تک اسلامی نہیں ہو سکتا جبتک اُس میں سودی نظام کی بجائے صدقاتی نظام قائم نہ ہو۔ کیونکہ ارشاد باری ہے یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ۲/۲۷۶ اللہ تعالیٰ سُودی نظام کو مٹاتا اور اور صدقاتی نظام کو بڑھاتا ہے۔ یعنی اللہ حکم دیتا ہے کہ سُودی نظام کو ختم کرکے صدقاتی نظام قائم کیا جائے۔ اس کی محسوس شکل یہ ہے کہ خزانہ کا نام بیت المال رکھا جائے۔ المال سے مراد ہے عوام کا مال۔ اور بیت المال کا معنیٰ ہے عوام کے مال کا گھر۔ اسے صرف عوام اور مُلک کی فلاح کے لئے مختص کیا جائے۔ نظامِ مساوات قائم کرکے حصولِ زر کی دوڑ ختم کر دی جائے۔ معیارِ زندگی میانہ روی قرار دیا جائے اور اس پر سب سے پہلے اربابِ اقتدار عامل ہو کر عوامی میانہ معیارِ زندگی پہ اُتر آئیں۔ انفرادی جائز ضرورتوں کے لئے بھی بیت المال سے بلا سود یعنی صدقاتی قرضہ دیا جائے اور کاروبار کے لئے بلا سُود صدقاتی قرضہ جات بیت المال ہی سے ملیں۔ اس طرح یمحق اللّٰہ الربٰوا اور یُربی الصدقٰت کی عملی تفسیر سامنے آسکتی ہے، جو اُسوقت تک ہرگز ہرگز بروئے کار نہیں آسکتی جبتک حصولِ زر کی دوڑ ختم کرکے ہر کسی کو صرف ضروریاتِ زندگی کا حقدار قرار نہ دیا جائے۔ اور یہ سب کچھ حکومتی سطح پر کیا جائے۔ جبتک معاشرہ کے پورے ڈھانچے کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالا جائے اُسوقت تک اللہ و رسُول کیساتھ اعلان جنگ پر مبنی سُودی نظام ہرگز ختم نہیں ہو سکتا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۲۷ کیساتھ ہے۔

پیچھے ۵/۲۷ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ حصولِ قربِ الٰہی کے ضمن میں دو بھائیوں کا قصہ گزر چکا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک بھائی نے قوانینِ خداوندی کے مطابق عمل کیا۔ وقت اور محنت کی قربانی دی۔ اور صحیح نتیجے کے ظہور کی شکل میں اُس کی محنت قبول ہوئی۔ دوسرے نے قوانینِ خداوندی سے اعراض برتا اور غلط نتیجہ کی صورت میں اُس کی محنت نامقبول ٹھہری، رد کر دی گئی۔ اس ردّ و قبول کو ۵/۲۷ میں خدا کے قرب اور عدمِ قرب کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، یعنی دونوں کے متعلق آیا ہے قَرَّبَا قُرْبَانًا۔ یعنی دونوں نے حصولِ قرب کے لئے الگ الگ عمل پیش کیا اور نتیجہ کے طور پر بتایا گیا ہے فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۵/۲۷ کہ ایک عمل برائے حصولِ قرب قبول ہوا اور دوسرے کا نامقبول۔ اگلی آیت مجیدہ ۵/۳۵ میں بھی یہی فیصلہ دیا گیا ہے کہ قربِ الٰہی کا ذریعہ اللہ کے قوانین میں مسلسل جدوجہد کرتے رہنا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ	اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ (کے مقررہ کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین) کی
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور	

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا
تلاش کرو طرف اُسکے قرب کا ذریعہ اور کوشش کرو
فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ۲۵
بیچ راہ اُسکی تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

مخالفت سے بچتے رہو اور اس کی طرف اُس کے قرب کا عملی ذریعہ علہ تلاش کرو یعنی ۲ علہ اس کی راہ (تلاشِ قرب کیلئے اُس کے قوانین کے مطابق کوشش کرتے رہو) تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ (تمہیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے)۔ ۴علہ

● علہ اس آئت مجیدہ کو عرفِ عام میں آئتِ وسیلہ کہا جاتا ہے اور اس سے مراد یہ لے لیگئی ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے پیر پکڑنا ضروری ہے جو خود تو کوئی کام نہ کرتا ہو۔ مریدوں کی کمائی پر عیش اڑاتا ہو۔ یہ ہے روائتی تفاسیر کی رو سے وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کا مفہوم۔ لیکن:۔

● علہ۲ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ میں آمدہ درمیانی واؤ تفسیری ہے وسیلہ کا معنیٰ ذریعۂ قرب ہے۔ اور تفسیر جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی اللہ کے قرب کا ذریعہ، اُسکے قوانین کے مطابق مسلسل اور انتھک کوشش کرتے رہنا ہے۔

● اس آئت کے مرقومہ مفہوم کی صحت معلوم کرنے کیلئے اِتَّقُوْا ، اَلْوَسِيْلَةَ اور جَاهِدُوْا کے بنیادی معنوں کا جاننا ضروری ہے:۔

اِتَّقُوْا ● یہ مصدر اتّقاء سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے۔ اس مصدر کا معنیٰ ہے بچنا، ڈرنا۔ اور اِتَّقُوا اللّٰهَ کا معنیٰ ہے تم سب بچو اللہ سے یا ڈرو اللہ سے اب کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی ضرر رساں یا خوفناک ذات تو ہے نہیں جس سے بچا یا ڈرا جائے۔ اس لئے اِتَّقُوا اللّٰه کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت سے بچو۔ قوانینِ الٰہی کی مخالفت کی تباہ کاریوں سے ڈرو، بچو۔ اب یہ امر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قوانینِ خداوندی کے دو حصے ہیں، تنزیلی اور تکوینی۔ تکوینی وُہ ہیں جو مشاہداتِ عالم میں شبانہ روز جاری ہیں اور تنزیلی وُہ ہیں جو اِس وقت قرآن حکیم میں محفوظ ہیں۔ پس آئت مجیدہ زیر نظر ۳علہ میں اِتَّقُوا اللّٰه کا معنی ہے:۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو۔

اَلْوَسِيْلَةَ ● اس لفظ کا سہ حرفی مادہ و۔ س۔ ل = وسل ہے۔ اس کا بنیادی معنیٰ ہے اعمال کے ذریعہ قرب حاصل کرنا۔ المنجد میں صفحہ ۱۳۶۸ پر ہے اُنؑ وَسَلَ يَسِلُ وَسِيْلَةً، وَتَوَسَّلَ وَتَوَسَّلَ اِلَى اللّٰهِ بِعَمَلٍ اَوْ وَسِيْلَةٍ عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا۔ اسی چیز کی $\frac{96}{19}$ میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کے الفاظ میں موجود ہے، سجدہ کر، یعنی قوانینِ خداوندی کی اطاعت کر اور قریب ہو جا۔ بالفاظِ دیگر قربِ الٰہی کے اُسی ذریعہ کو $\frac{96}{19}$ میں واضح کیا گیا ہے جس کا حکم وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

میں دیا گیا ہے کہ قوانینِ الٰہی کی اطاعت کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بناؤ اور اسی چیز کی وضاحت واؤ تفسیری کی صورت میں وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں اس کے قوانین کے مطابق کوشش کرتے چلے جاؤ۔ تاکہ فلاح پاؤ۔ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو جاؤ۔

جَاهِدُوْا ● اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ج۔ ہ۔ د = جھد۔ اس کا بنیادی مصدری معنیٰ ہے انتھک کوشش کرنا خواہ حصولِ مقصد کیلئے مخالف طاقتوں سے جنگ بھی کرنا پڑے۔ مگر یاد رہے کہ انسانی کوشش، خواہ جنگ و جدال سے اِدھر اُدھر تک کی ہو اور خواہ اس کے لئے میدانِ جنگ میں اترنا بھی پڑے، مقبول وہی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے کائناتی اور تنزیلی قوانین کے مطابق ہو۔ اس لئے جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اس کے قوانینِ تکوینی اور تنزیلی کے مطابق انتھک کوشش کرتے چلے جاؤ۔ بس یہی ہے فلاح و کامیابی کا ابدی راز۔ لہذا آیتِ وسیلہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ۳۵ کا صحیح مفہوم، جو قیامت تک کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دیتا چلا جائیگا یہ ہے:۔

● ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو، اور اس طرح اس کے قوانین کی اطاعت ہی کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بناؤ۔ یعنی اس کے قوانین کے مطابق انتھک کوشش کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

● آیتِ مجیدہ کا آخری جملہ بھی وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کے عین مطابق مفہوم پیش کرتا ہے۔

۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ عربی زبان میں فلاحۃ" کاشتکاری کو اور فلّاح کاشتکار کو کہتے ہیں۔ جب کھیتی پک کر تیار ہو جائے تو اُسے الفلاح یعنی کامیابی کہتے ہیں اور مُفْلِحُوْنَ اُن کاشتکاروں کو کہا جاتا ہے جن کی محنت ٹھکانے لگے اور وہ اپنی محنت کا ثمر، اناج کی صورت میں اپنے گھر لے آئیں۔ اس طرح ایک مُفلح جسے اپنی صحیح محنت کا ثمر میسّر آئے وہ مقرّب ہے، اُسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔ اسی طرح ہر وہ محنت کش جو قوانینِ خداوندی کے مطابق انتھک محنت کرکے اپنی محنت کے ثمر سے بہرہ ور ہو جاتا ہے وہ مقرّب ہے بشرطیکہ اُس نے کہیں کوئی ہیرا پھیری نہ کی ہو۔ یہ ہے آیتِ وسیلہ کا صحیح مفہوم جسے روایتی تفاسیر نے پیر پکڑنے کی دلیل بنا دیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۳۳ کیساتھ ہے جس میں آنحضور ؐ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کے باغیوں کی سزا مقرر کرنے کے بعد اعلان کر دیا گیا ہے کہ بلا توبہ سزا معاف نہیں ہو گی۔ اگلی آیتِ مجیدہ میں مجرموں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر اُن کے پاس زمین بھر کی پوری دولت ہو اور اتنی ہی اور بھی ہو اور وہ اُسے فدیہ میں دیکر اُخروی عذاب سے بچنا چاہیں تو ہرگز بچ نہ سکیں گے:۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم
بیشک جن لوگوں نے انکار کیا اگر یہ کہ واسطے انکے ہو
مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا
جو بیچ زمین کے ہے سارا ۔ اور مثل اسکی ساتھ اسکے تاکہ وہ فدیہ دیں
بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ
ساتھ اسکے بدلے سزا دن قیامت کے نہ قبول ہوگا ان سے
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ۳۶
اور واسطے انکے سزا ہے دردناک

بیشک جو لوگ (ضابطہ خداوندی کا) انکار کریں اگر (بفرضِ محال) اُن کے پاس اتنا سارا مال ہو جو زمین میں ہے اور اُتنا ہی اور بھی ہو اور وُہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کیلئے سارے کا سارا فدیہ میں دیدیں تو اُن سے قبول نہیں کیا جائیگا ۔ بلکہ اُن کے لئے (اُس دن) دردناک عذاب ہوگا ۔ (اُخروی عذاب سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اس دنیا میں توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلی جائے)

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِنہی لوگوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وُہ عذاب سے نکلنے کی کوشش کریں گے مگر نکل نہ سکیں گے :-

يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا
ارادہ کرینگے وہ کہ نکلیں بیچ سے آگ کے اور نہیں
هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ۝ ۳۷
وہ نکلنے والے بیچ سے اسکے اور واسطے انکے عذاب ہے قائم رہنے والا

وُہ جلانے والے عذاب میں سے نکلنے کی کوشش کریں گے لیکن وُہ اس سے نکلنے والے نہیں ہوں گے ۔ کیوں کہ اُن کے لئے (ٹلنے والا عذاب نہیں ۔ بلکہ) قائم رہنے والا عذاب ہے ۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت ۳۳ کیساتھ ہے ، جس میں اسلامی ریاست کے باغیوں کی سزا کے سلسلے میں قطع ید و رجل یعنی عمر قید کا ذکر گزر چکا ہے ۔ چنانچہ جس طرح اسلامی ریاست کے بے توبہ باغی اور سُود خور کی سزا اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا یعنی عمر قید ہے ۔ اُسی طرح اسلامی ریاست میں چور اور چورنی کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں ، بلکہ جرم کی نوعیت کے مطابق قید کرنا ہے :-

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا
اور چور مرد اور چور عورت کاٹ دو
أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ
قوت دونوں کی بدلہ اسکا جو کمایا انہوں نے عبرت طرف اللہ کے
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۳۸
اور ہے اللہ غالب حکمت والا ۔

اور چور مرد اور چورنی عورت (دونوں کے لئے چوری کی سزا یہ ہے کہ دونوں کی چوری کی طاقت قطع کردو (اُنہیں قید کردو) اللہ کی طرف سے اِن دونوں کیلئے قطع ید کا حکم سزا مطابق اندازۂ جرم ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑھ کر غالب اور بڑا حکمت والا ہے ۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ

پھر جو کوئی توبہ کرے بعد چوری اپنی کے اور اصلاح کرے

فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

تو بیشک اللہ رجوع برحمت ہوگا اوپر اسکے بیشک ہے اللہ چھپانیوالا مہربان

پھر جو کوئی (اُن میں سے) اپنے ظُلم (یعنی چوری کرنے کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کر لے تو پھر بلاشبہ اللہ تعالیٰ عیب پوشی کرنیوالا ہے۔ بہت بڑھ کر مہربانی فرمانے والا ہے۔

● علہ عربی زبان میں ید کا معنٰی ہاتھ بھی ہے اور طاقت بھی ہے۔ جیسے کہ حضرت داؤد ؑ کے متعلق ارشاد ہُوا ہے وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۳۸/۱۷ ہمارے طاقتور بندے داؤد کا ذکر کیجئے ـــــ دیکھئے! یہاں ذَا الْاَيْدِ کا یہ معنٰی ہرگز نہیں ہے کہ حضرت داؤدؑ کے ہاتھ بصیغہ جمع تین چار یا پانچ سات تھے۔ بلکہ آپ کو آپ کی مُلکی، فوجی، علمی، اخلاقی اور نبوّت و رسالت کی متعدّد طاقتوں کے لحاظ سے ذَا الْاَيْد یعنی بہت سی قوتوں والا کہا گیا ہے۔

● علہ قطع کا معنٰی کاٹنا بھی ہے اور روکنا بھی ہے۔ جیسے کہ حضرت لوط ؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اغلام باز بھی ہو اور لوگوں کو لوٹنے کے لئے ان کا راستہ بھی کاٹتے ہو۔ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۲۹/۲۹ ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ یہاں قطع سبیل کا یہ معنٰی ہرگز نہیں کہ قوم لوطؑ کدال کیساتھ راستے کاٹتے تھے۔ بلکہ راستہ روک کر لوگوں کو لوٹتے تھے۔ پس الفاظ کی لُغت کے مطابق قطع ید کا معنٰی چور کے ہاتھ روک دینا، یعنی اسکی اصلاح کیلئے قید کر دینا ہے۔ ہاتھ کاٹ کر لُنجے اور بھیک منگے بنانا نہیں۔

● یوں تو قطع ید کی وضاحت آیت نمبر ۵/۳۳ میں کھل کر دی گئی ہے کہ اسکا معنٰی اور مفہوم بہیمیت یعنی زندہ انسانوں کے ہاتھ کاٹ کر انہیں بیکار و معذور کر دینا نہیں بلکہ قید کرنا ہے۔ لیکن اِن ہر دو آیات مجیدہ ۵/۳۸-۳۹ کے داخلی چار جملوں کی ترتیب اور انکا باہمی ربط چور کا ہاتھ کاٹنے کے کھل کر خلاف جاتا ہے۔ ہم نے پچھلے صفحہ پر ان جملوں پر خط کھینچ کر ایک سے چار تک نمبر لگا دیئے ہیں تاکہ ربط و مفہوم سمجھنے میں آسانی رہے۔ ذیل میں ہر چہار جملوں کو بالترتیب زیر بحث لایا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ چور کے ہاتھ کاٹ ڈالنا چاروں جملوں کے خلاف ہے۔ یاد رہے کہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا کے بعد عین متصل پہلے نمبر پر یہ جملہ مبارکہ آیا ہے۔ (۱) جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (مفہوم) یہ قطع ید کا حُکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے، سزا اندازہ جرم کیمطابق ہے (نہ کم نہ زیادہ)۔ دیکھئے! ان الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ چور مرد ہو یا عورت، اُنکی سزا عین جُرم کے برابر ہوگی۔ تو اب بتائیے کہ اگر ایک ہزار روپے کے چور کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے اور ایک لاکھ دو لاکھ یا دس لاکھ روپے کے چور کا بھی پنجہ الگ کر دیا جائے تو جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا کے خداوندی حکم کی تعمیل یعنی سزا مطابق جُرم کے سلسلے

میں ہم نے کیا کیا؟ ۔ نیز چوری کی کم و بیش مالیت کے عوض اگر ہاتھ کاٹنے کے مقام کو دو چار انچ نیچے اوپر کرنے لگیں تو بتائیے کہ سزا باندازۂ جرم کی تعمیل کس طرح مضحکہ خیز بن کر رہ جاتی ہے ۔ کیونکہ بازو سے پنجہ خواہ کسی بھی مقام سے الگ کیا جائے ، لنجا ہو جانے کے نتیجے میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ یعنی پانچ سو روپیہ کے چور کو بھی لنجا اور پانچ لاکھ کے چور کو بھی لنجا کر دینے میں جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا کے خداوندی حکم کے تعمیلی تقاضے ہرگز پورے نہیں ہوتے ۔

● فلہذا جیسے کہ آیۂ مجیدہ کے ترجمہ میں لکھا گیا ہے کہ قطع ید کا معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ چوری کرنے کی طاقت کو روک دینا ہے ۔ جس کی صورت محسوس یہ ہے کہ مجرم کو اُس کے جرم کے مطابق قید کر کے معاشرہ سے الگ کر دیا جائے ۔ اور اس طرح جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا کی تعمیلی صورت یہ ہوگی کہ اگر پانچ سو روپے کے چور کو تین ماہ قید کی سزا دی گئی ہے تو ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ روپے کے چوروں کو سزا اندازہ جرم کے مطابق بالترتیب بڑھتی چلی جائے گی ۔ پس ثابت ہوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا کا معنیٰ ہاتھ کاٹ لینا ، متصلہ اوّلین جملہ جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا کے خلاف ہے ۔ اس کے بعد متصلہ دوسرا جملہ یہ ہے :۔

۲۔ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۔ اس جملہ کے مطابق غور طلب یہ امر ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دینے اور اُس کے بیوی بچوں کو فاقوں کے جہنّم میں دھکیل دینے اور اُنہیں بھک منگے بنا کر معاشرے پر بوجھ بنا دینے میں کون سی حکمت ہے ؟ حکمت کا معنیٰ یہ ہے کہ نقصان بھی نہ ہو اور کام بھی سُدھر جائے ۔ قرآنی حکم قید کر دینے میں وُہ حکمت پوشیدہ ہے جس میں نہ افراد معاشرہ کے ہاتھ کاٹ کر اُنہیں ناکارہ کر دینے کا تصوّر ہے اور نہ آئے دن ہاتھ کٹوں اور بھک منگوں میں اضافہ کرنے کا ۔ یاد رہے کہ قید خانوں میں (جنہیں صحیح طور پر اصلاح خانے بنایا جانا ضروری ہے ، اور ان کے نام بھی جیل خانوں کی بجائے اصلاح خانے رکھنا لازم ہے) چوروں کی اصلاح کرنا ہی وُہ حکمت ہے جو مذکورہ بالا جملہ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کے تقاضے پورے کر سکتی ہے کہ چور ، کچھ عرصہ معاشرہ سے الگ اصلاح خانے میں رہ کر پھر سے شریف شہری بن جائے ۔ پس ثابت ہوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا کے الفاظ سے چور کا پنجہ الگ کر دینے کا تصوّر ، اس کے دوسرے متصلہ جملہ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کے بھی خلاف ہے ۔ فلہذا یکسر غلط ہے ۔

۳۔ تیسرے نمبر پر متصلہ جملہ آیا ہے :۔ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِہٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوْبُ عَلَیْہِ پھر جو شخص چوری کرنے کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کرئے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس پر رجوع برحمت ہو گا ۔ یعنی اُسے معاف کر دے گا ۔ اب غور فرمائیں کہ "اگر چور پکڑا ، مال برآمد کیا اور ہاتھ کاٹ ڈالا" ، ہی آیت زیر بحث کی تعمیلی صورت صحیح ہو تو بتائیے کہ چور کو توبہ اور اصلاح کا موقعہ کب ملیگا ؟ نیز بتائیے کہ ہاتھ کاٹ ڈالنے کے بعد وُہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو پھر کیا فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوْبُ عَلَیْہِ کا یہ مفہوم ہو سکیگا کہ اُسے کٹا ہُوا ہاتھ واپس مل جائیگا !

● فلہذا جب چور کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا تصور تیسرے متصلہ جملہ کیساتھ بھی فِٹ نہیں بیٹھتا تو ثابت ہُوا کہ فَاقْطَعُوٓا اَیْدِیَھُمَا سے ہاتھ کاٹ ڈالنے کا مفہوم اخذ کرنا غلط ہے۔

۴۔ اس سے اگلا چوتھا اور آخری متصلہ جملہ ہے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ عیبوں کو ڈھانپنے والا مہربان ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توبہ اور اصلاح کے بعد کٹا ہوا ہاتھ واپس نہیں مل سکتا تو عیب پوشی کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کٹا ہوا ہاتھ عمر بھر کیلئے جرم پر پردہ پڑنے نہیں دیگا۔ وُہ ہمیشہ کیلئے اس امر کا ڈھنڈورچی بنا رہیگا کہ یہ چور ہے۔ اس طرح توبہ اور اصلاح کے باوجود تائب اور مصلح کو معاشرہ میں اس کا کھویا ہُوا باعزت مقام دوبارہ ہرگز میسّر نہیں آسکتا۔ پس چونکہ ہاتھ کاٹنے کا نظریہ آئت مجیدہ کے چاروں متصلہ جملوں کے خلاف ہے۔ اس لئے بدرجہ اتم ثابت ہُوا کہ قطع ید کا معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں، وُہ طاقت روکدینا ہے جو چوری پر اُکساتی ہو اور اُس کی عملی صورت چور کو قید کرکے اُس کی اصلاح کرنا ہے۔

جُملہ انبیاء کا دین اور شریعت ایک تھی

● اب سطور ذیل میں یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ سابقہ انبیاءؑ کے ہاں بھی چور کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ قید کرنا ہی تھی۔ اور آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاءؑ کی شریعت ایک تھی اُس میں سرِ مُو فرق نہیں تھا، جیسے کہ سُورہ شوریٰ میں ارشاد ہُوا ہے :-

● شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ..... $\frac{42}{13}$ (ایمان والو!) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنے دین کی وہی اکلوتی شرع کردی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور اے رسولؐ! وُہی شریعت جو ہمنے آپکی طرف وحی فرمائی ہے۔ اور وہی شریعت جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا ــــــ اس آئت مجیدہ سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاءؑ کرام کو شریعتِ واحدہ عطا کیگئی تھی۔ اور اس کے لبعد اب دیکھیے کہ سورہ یوسفؑ میں شریعتِ یعقوبی کی سزا بتائی گئی ہے چور کو قید کرنا۔

● فرزندانِ یعقوبؑ جب دوسری مرتبہ غلّہ لینے کیلئے مصر تشریف لے گئے تو اُن کے چھوٹے بھائی پر چوری کا الزام آگیا۔ اس پر اُن سے پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں چور کی سزا کیا ہے؟ تو برادرانِ یوسفؑ نے جواب دیا۔ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ $\frac{12}{75}$ انہوں نے کہا جس کی بوری میں چوری کا پیمانہ پایا گیا ہے وُہ اپنی جزا آپ ہے (یعنی وُہ قید کردیا جائے) ہم اپنی شریعت (یعقوبی) میں چوروں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

● دیکھا آپنے کہ شریعتِ یعقوبی میں جو آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاءؑ کرام کی اکلوتی شریعت ہے، چور کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں تھی بلکہ قید کرنا تھا۔ چنانچہ برادر یوسفؑ شریعتِ یعقوبی کے مطابق قید کرلیا گیا تھا، اس کا ہاتھ

کاٹا نہیں گیا تھا۔ پس جملہ انبیاءؑ کی اکلوتی شریعت کے قرآنی کلیہ کے مطابق بھی ثابت ہُوا کہ ۵/۳۸ کے الفاظ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا کا قرآنی معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ اُس قوت کو روک دینا ہے جو چوری پر اُکساتی ہے۔ جس کی مختلف صورتیں اظہر من الشمس ہیں کہ اگر چور بیکار و بے روزگار ہے تو اُسے وقفۂ سزا کے بعد روزگار مہیّا کیا جائے۔ اور اگر وُہ کوئی کام نہیں جانتا تو اُسے اصلاح خانے میں کوئی ایک ہنر سکھایا جائے۔ اگر چور کے پیچھے کوئی رسّہ گیر طاقت ہے تو اُسے پوری طرح ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ چور کو قید کرنا اور رسّہ گیروں سے چشم پوشی کرنا فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا کے خلاف ہے۔ فی الحقیقت رسّہ گیر ادارے چور ساز ادارے ہیں۔ انکا خاتمہ لازم ہے۔

قید خانے نہیں اصلاح خانے

● قرآنی ہدایات کیمطابق قید خانوں یعنی جیل خانوں کا نام اور کام دونوں کو تبدیل کرنا لازم۔ کیونکہ چوری کے جُرم یا دوسرے جُرموں کے مُجرموں کو غرضِ اصلاح کے بغیر قید کر دینا بھی خلافِ قرآن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لاریب اصلاحِ معاشرہ کی اور امنِ عالم کی علمبردار ہے۔ اگر کوئی مجرم سال دو سال کی قید کاٹ کر معاشرہ میں لَوٹ کر آنے کے بعد چور کا چور ہی رہے تو ظاہر ہے وقفۂ قید مطلقاً بیکار ہی چلا گیا۔ پس جتنے وقفہ کیلئے کسی مجرم کو معاشرہ سے الگ کر کے اصلاح خانے میں رکھا جائے، لازم ہے کہ اُس وقفے میں مجرم کی پُوری طرح اصلاح کر دی جائے، تاکہ وُہ جیل یعنی اصلاح خانے سے واپس آکر مجرمانہ عادات وخصائل سے پوری طرح الگ ہو چکا ہو۔ فلھذا لازم ہے کہ وُہ سرکاری ادارے جن میں مجرموں کو قید کیا جائے، انکا نظام بھی ایسی بُنیادوں پر تبدیل کیا جائے کہ اس ادارے یعنی محکمہ جیل کا اوڑھنا بچھونا ہی اصلاحِ مجرمین ہو۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ ان اداروں کا نام جیل خانوں اور قید خانوں کی بجائے اصلاح خانے رکھا جائے۔

● چوری کی صحیح قرآنی سزا کی وضاحت کے بعد پروردگارِ عالم نے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے، یعنی پُوری نوعِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی کے لئے ہے۔ اس میں بے جا تصرّف کرنیوالوں کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی سزا مقرر کرتا اور معاف کرتا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ

(اے رسولؐ!) کیا نہیں جانا تو نے بلاشبہ اللہ واسطے اُسکے حکومت

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ

ہے آسمانوں اور زمین کی۔ عذاب کرتا ہے جسے چاہے

وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ

اور معاف کرتا ہے واسطے جس کے چاہے۔ اور اللہ واسطے ہر

(اے رسولؐ!) کیا آپ نے جانا نہیں (یعنی آپکو جاننا چاہیے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ وُہ ہے کہ واسطے اُسی کے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔ اور وُہ جسے عذاب کا حکم دیتا ہے تو قانونِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے اور جسے معاف کرتا ہے تو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی معاف کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قانون متعیّن

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ۴۰
چیز کے قانون بنانے والا ہے۔

کرنے والا ہے۔

● سزا کا قانون اُن لوگوں کیلئے جو ربوبیت عالمین میں رکاوٹ بنتے ہیں اور معاف انہیں کیا جاتا ہے جو تائب ہو کر راہِ راست پر آجاتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور صلعم کے تسکین قلب کے لئے ارشاد ہوا کہ جو لوگ ضابطۂ خداوندی کے انکار میں جلدی کرتے اور جھوٹ بولتے ہیں آپ اُن کے لئے غمگین نہ ہوں۔

یَآاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ
اے ہمارے رسول! نہ غمگین کریں تجھے وہ لوگ جو جلدی کرتے
فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ
بیچ انکار کے ہیں سے اُن کے کہا ایمان لائے ہم ساتھ مونہوں اپنے کے اور نہ
تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ
ایمان لائے ذہن اُنکے اور میں سے یہودیوں کے سُننے والے
لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ
واسطے جھوٹ کے۔ سُننے والے واسطے دوسری قوم کے نہیں آئے پاس تیرے
یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ
تبدیل کرتے ہیں کلام کو سے پیچھے مقام اسکے کے وہ کہتے ہیں
اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ
اگر دیئے جاؤ تم یہ تو لے لو اُسے اور اگر نہ دیئے جاؤ
فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ
تو بچ جاؤ جو کوئی ارادہ کرے اللہ اسکی سزا کا تو نہیں تو مالک واسطے
لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ
اسکے سے اللہ کے کچھ وہی لوگ ہیں نہیں ارادہ کرتا اللہ
اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۚۖ وَّ
کہ پاک ٹھہرائے اذہان اُنکے۔ واسطے اُنکے بیچ دُنیا کے رسوائی ہے
لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ ۴۱
واسطے اُنکے بیچ آخرت کے سزا ہے بہت بڑی۔

اے ہمارے رسولؐ! وُہ لوگ آپ کو غمگین نہ کریں (یعنی آپ اُن سے غمگین نہ ہوں) جو (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات کے) انکار میں جلدی کرتے ہیں، اُن لوگوں میں سے جو مُنہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے اذہان ہرگز ایمان نہیں لاتے۔ اور یہودیوں میں سے بھی وُہ لوگ (آپکو غمگین نہ کریں) جو جھوٹ بولنے کیلئے (آپ سے قرآن مجید سُنتے ہیں یعنی آپ سے سُنتے ہوئے کے خلاف) اُس قوم کے آگے جھوٹ بولنے کیلئے سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے۔ وُہ لوگ ہمارے کلام کو اصل مقام سے بدل دیتے ہیں (اپنی قوم کو) کہتے ہیں کہ اگر تم رسولؐ کی طرف سے یہ دیئے جاؤ (جو ہم کہتے ہیں) تو لے لیا کرو۔ اور اگر تمہیں یہ تعلیم نہ دی جائے تو اُس سے بچ جاؤ۔ (اے رسولؐ!) جس کسی کو اللہ تعالیٰ اُسکی گمراہی کی سزا دینے کا ارادہ کرے تو اُس کیلئے (اُس سزا سے بچانے کا) آپکو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ مذکورہ بالا وُہ لوگ ہیں کہ اللہ نے (ان کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت) اُنکے قلوب کو پاکیزہ ٹھہرانے کا ارادہ نہیں کیا۔ اُن کے لئے (اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق) اِس دنیا میں بھی رُسوا کن سزا ہے۔ اور آخرت میں اُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

● سابقہ آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے یہودیوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضورؐ کی خدمت میں جاسوسی کرنے کیلئے آتے تھے۔ وہ منہ سے تو ایمان کا اقرار کرتے مگر اُن کے اذہان مُطلقاً انکاری تھے۔ آپ کے کلام اور آپکے پروگرام کو مخالف قوم تک پہنچانے کیلئے حاضر ہوا کرتے۔ اگلی آیت مجیدہ میں تکرار تاکیدی کے طور پر ارشاد ہوا ہے کہ وہ آپکے کلام کو اسلئے سنتے تھے کہ اُس میں جھوٹ ملا کر لوگوں تک پہنچائیں اور معاذ اللہ حرام مال کھانے کیلئے آنحضورؐ کو سند بنائیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ
سننے والے ہیں واسطے جھوٹ کے کھانیوالے ہیں حرام کے
فَاِنْ جَآءُوْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَہُمْ اَوْ اَعْرِضْ
پس اگر آویں پاس تیرے پھر فیصلہ کر درمیان اُنکے یا اعراض
عَنْہُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْہُمْ فَلَنْ
کر اُن سے - اور اگر تو اعراض کرے اُن سے تو نہ
یَّضُرُّوْکَ شَیْئًا ؕ وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ
تکلیف دینگے تجھے ذرہ بھر - اور اگر فیصلہ کرے تو تو فیصلہ کرنا
بَیْنَہُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۴۲
درمیان اُنکے ساتھ انصاف کے - بیشک اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنیوالوں کو

(دوبارہ سن لیجئے گا کہ یہودی لوگ) قرآن کو سنتے ہی ہیں اس کے ذمہ جھوٹ لگانے کے لئے۔ اور وہ حرام کھانیوالے ہیں۔ پھر (اے رسولؐ!) اگر وہ (یہودی اپنے جھگڑوں کے فیصلے کرانے کیلئے) آپکے پاس آئیں، تو پھر آپ کو اختیار ہے کہ اُن کے فیصلے کریں یا اُن سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ اُن سے اعراض فرمائیں تو وہ لوگ آپ کو ذرّہ بھر بھی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ اُن کے درمیان مقدمات کے فیصلے کریں تو انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف (کیساتھ فیصلے) کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

یہود کی مفاد پرستی

● آیات بالا میں ایک طرف تو یہودیوں کی یہ حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ قرآنی احکام کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو کچھ آنحضورؐ سے سنتے اُسے بدل کر اپنی قوم کو سناتے تھے اور خود توراۃ مقدس کے احکام کو بھی اپنے ڈھب کے مطابق تبدیل کر رکھا تھا $\frac{5}{14}$ دوسری طرف یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ اپنے باہمی مقدمات کے فیصلے کرانے کے لئے آنحضورؐ کی عدالت میں لایا کرتے تھے۔ اگلی آیت مجیدہ سے ظاہر ہے کہ اُن کا ایمان نہ توراۃ مقدس پر ہے نہ قرآن مجید پر۔ بلکہ ان کا ایمان مفاد پرستی کے گرد گھومتا ہے۔ اگر اپنے محرّف قوانین میں فائدہ دیکھا تو اُدھر کو جھک گئے اور قرآنی احکام میں فائدہ نظر آیا تو اپنے مقدمے آنحضورؐ کے پاس لے آئے۔

وَکَیْفَ یُحَکِّمُوْنَکَ وَعِنْدَہُمُ التَّوْرٰىۃُ فِیْہَا
اور وہ کیسے وہ حاکم بنائیں تجکو اور پاس اُنکے ہے توراۃ بیچ اسکے
حُکْمُ اللّٰہِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ ؕ
حکم ہے اللہ کا - پھر وہ پھر جاتے ہیں بعد اس کے

اور (اے رسولؐ!) یہ یہودی لوگ اپنے مقدمات میں آپکو کس طرح حاکم ٹھہراتے ہیں، حالاں کہ اُن کے پاس تورات ہے (اگرچہ انہوں نے اُس میں ردّ و بدل

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۴۳

اور نہیں ہیں وہ علی ایمان لانیوالے

کرلیا ہے ۔ ۵/۱۳ لیکن کہتے بھی ہیں کہ) اس میں اللہ کے احکام ہیں ۔ پھر اس کے (یعنی یہ کہنے کے) بعد بھی وُہ اُس سے اعراض کرتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ وُہ مومن نہیں ہیں ۔

اصل توراۃ میں ہدایت بھی ہے اور نُور بھی ہے فیصلے صرف منزل من اللہ کیساتھ کیے جائیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ اصل تورات میں بھی ہدایت و نور نازل فرمایا گیا ۔ اور اصل انجیل میں بھی ہدایت و نور نازل ہوا تھا ۔ بغور ملاحظہ فرمائیں ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ

بیشک ہم نے نازل کیا توراۃ کو بیچ اُسکے ھدایت اور نور ہے

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

فیصلے کرتے تھے ساتھ اسکے نبی جنہوں نے فرمانبرداری کی واسطے اُن لوگوں کے

هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا

جو یہودی ہوئے اور مشائخ اور علماء اسلئے کہ

اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ

حفاظت کرائے گئے تھے کتاب اللہ کی اور تھے وہ اوپر اُس

شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ

کے گواہ ۔ پس نہ ڈرو لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ

اور نہ بیچو آیتیں میری قیمت تھوڑی ۔ اور جو لوگ نہ

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ۴۴

فیصلہ کریں ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے لیں وہی وہ ہیں کافر ۔

بیشک ہمیں نے تورات کو نازل فرمایا ہے ۔ اُس میں (ہماری تمام کتابوں کی طرح) ہدایت بھی ہے اور ہر مسئلہ کے حل کیلئے) روشنی بھی ہے ۔ ہمارے بہت سے نبی جنہوں نے ہماری فرمانبرداری کی اسی (غیر محرّف تورات) کیساتھ یہودیوں کے (جھگڑوں کے) فیصلے کرتے رہے تھے ۔ اور ان کے مشائخ وعلماء بھی (اسی کیساتھ ان کے فیصلے کرتے رہے تھے) یہ اس لئے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (توراۃ مقدّس) کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وُہ اُس پر خود گواہ تھے (اُنہیں کہہ دیا گیا تھا کہ لوگوں سے مت ڈرو بلکہ صرف میرے قانون کی مخالفت سے ڈرو ۔ اور میری آیتوں کو دنیا کے حقیر مال کے عوض نہ بیچنا ۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کیساتھ جھگڑوں کا فیصلہ نہیں کرتے ۔ وُہ وہی تو کافر ہیں ۔

توراۃ میں بھی قرآنی احکام ہی تھے

سُورہ شعرآء میں اس امر کی وضاحت کردی گئی ہے کہ قرآن کریم سے پہلی مجلد کتب

الٰہی میں قرآنی قوانین ہی نازل کیے گئے تھے۔ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝ ۲۶ ۱۹۲ تا ۱۹۶

یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔ رُوح الامین اسے لیکر آپکے قلبِ اطہر پر نازل ہوا، تاکہ آپ منذرین میں سے ہو جائیں۔ اس کی زبان عربی مبین ہے۔ یہی احکام سابقہ جملہ کتابوں میں تھے۔

● نیز سُورہ شوریٰ ۴۲/۱۳ کے حوالے سے پیچھے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جملہ انبیاء سلامٌ علیہم کو ایک ہی دین اور اصلی وُہ ایک ہی شریعت عطا کی گئی تھی جو دین اور شریعت آنحضور صلعم کو دی گئی ہے۔ اگلی آئت مجیدہ میں اِسی امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ جو قوانین سابقہ اُمتوں پر فرض کیے گئے تھے، وہی قوانین قرآنِ کریم میں بالفاظ ذیل موجود ہیں:-

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ

اور فرض کیا ہم نے اوپر ان کے بیچ اسکے بیشک جان بدلہ جان

وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ

اور آنکھ بدلہ آنکھ اور ناک بدلہ ناک اور کان

بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ

بدلہ کان اور دانت بدلہ دانت اور زخموں کا بدلہ ہے

فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَن لَّمْ يَحْكُم

پھر جو کوئی صدقہ کرے ساتھ اسکے تو وہ کفارہ ہے واسطے اسکے اور جو نہ فیصلے کریں

بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ ۴۵

ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے پس وہی وہ ظالم ہیں۔

اور ہم نے اُس (توراۃ) میں اہلِ کتاب) پر فرض کر دیا کہ جان کا بدلہ جان ہے (یعنی جو شخص کسی شخص کو قتل کر دے تو اُس کے بدلے اُسے قتل کر دیا جائے) اور (اسی طرح) آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے۔ اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے۔ اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں کا بدلہ بھی لیا جانا فرض ہے۔ پھر اگر مُجرم کو وُہ شخص خود معاف کر دے جس پر ان میں سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو اسکا معاف کر دینا مُجرم کا کفارہ ہو جائیگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ نہ فیصلے کریں اُس ضابطہ کیساتھ جو اللہ نے نازل کیا ہے تو (دُشمن ہو کر) وہی لوگ تو ظالم ہیں۔

● حقیقی تورات کی وضاحت کے بعد اگلی آئت مجیدہ میں انجیل مقدس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس میں بھی ہدایت و نور نازل کیا گیا تھا۔ وُہ بھی قرآنی دین ہی کی حامل تھی:-

انجیل مقدس میں بھی ہدایت و نور تھا

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور بھیجا ہم نے اوپر راستے اُنکے عیسیٰ بیٹے مریم کو

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَ

تصدیق کرنیوالا واسطے اسکے جو پہلے اسکے تھا، میں سے تورات کے اور

اور ہمنے (توراۃ والے نبیوں کے بعد) اُنہی کے راستے پر مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو (نبی بنا کر) بھیجا جو تصدیق کرنیوالا تھا اُس (تعلیم) کی جو اُس سے پہلے تورات میں (نازل کی گئی) تھی۔ اور ہمنے اُسے انجیل

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ
دی ہم نے اسکو انجیل ۔ بیچ اسکے ہدایت ہے اور نور
وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ
اور تصدیق کرنیوالی واسطے اسکے جو آگے ہے توراۃ کے
وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۴۶
اور ہدایت اور نصیحت واسطے تقوٰی شعاروں کے

عطا فرمائی ۔ اس میں (بھی تورات کی طرح ہر مسئلہ انسانی کیلئے) ہدایت اور روشنی تھی ۔ اور وُہ اسی تعلیم کی تصدیق کرنیوالی تھی جو اس سے پہلے تورات میں (نازل کی گئی) تھی ۔ اور وُہ تقوٰی شعار لوگوں کے لئے (مکمل طور پر) ہدایت اور نصیحت ہے ۔

● عـلـه توراۃ مقدس بہت سے انبیاء کے صحف مبارکہ کا نام ہے ۔ اسی لئے ۴۴/۵ میں ارشاد ہوا ہے کہ تورات کیساتھ بہت سے نبی لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے ـــــــ آیت بالا میں انجیل مقدس کی تعریف کے بعد اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے :-

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ
اور چاہیئے کہ فیصلہ کریں اہل انجیل ساتھ اسکے جو نازل کیا
اللّٰهُ فِيْهِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اللہ نے بیچ اسکے ۔ اور جو نہ فیصلہ کریں ساتھ اسکے جو نازل
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۴۷
کیا اللہ نے پس وہی وُہ حد سے بھاندنے والے ہیں ۔

اور اہل انجیل پر لازم ہے کہ وُہ اُن (قوانین) کے ساتھ مقدموں کے فیصلے کیا کریں جو خود اللہ تعالیٰ نے انجیل کے اندر نازل فرمائے ہیں ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس ضابطے کیساتھ فیصلے نہ کریں جو خود اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے ۔ وُہی وُہ تو اللہ تعالیٰ کی حد پھاندنے والے ہیں ۔

قرآن حکیم توراۃ و انجیل کا نگہبان ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم تورات و انجیل کا نگہبان ہے ۔ یہ اس لئے کہ پیچھے متعدد بار بتایا گیا ہے کہ توراۃ و انجیل میں یہود و نصارٰی نے اپنے حسب منشا تحریف کر لی ہوئی ہے ۔ حضرت مسیح ؑ و عزیر ؑ کو خدا تعالیٰ کے بیٹے قرار دیا ۔ نصارٰی نے صلیب کا عقیدہ ایجاد کر کے اُسے گناہوں کا کفارہ ٹھہرا لیا ہے ۔ وُہ غیر اللہ ضابطوں کیساتھ فیصلے کرتے تھے ۔ چنانچہ آنحضور صلعم کے نام خصوصی حکم جاری کیا گیا ہے کہ آپ مقدموں کے فیصلے صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کیساتھ کیا کریں ۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
اور نازل کی ہم نے طرف تیری کتاب ساتھ حق کے
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ
تصدیق کرنیوالی واسطے اسکے جو پہلے ہے کتاب کے

اور (اے رسول ؐ) ہمنے آپ کی طرف (قرآن کریم اپنی لاریب) کتاب حق کیساتھ نازل فرمائی ہے ۔ جو تصدیق کرنیوالی ہے اُن کی جو اُس سے پہلے کتابیں (نازل کی گئی تھیں) اور یہ اُن پر نگہبان ہے (اہل کتاب نے جو اُن میں تحریف کر رکھی ہے ۵/۱۳ ، ۴/۴۶ یہ اُن کی تصحیح کرنے

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ

اور نگہبان اُوپر اُسکے پس فیصلے کر درمیان اُنکے ساتھ اُسکے جو نازل کیا

اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ

اللہ نے اور نہ پیروی کرنا خواہشوں اُنکی جب آچکا تیرے پاس سے

الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ

حق کے ۔ واسطے سب کے ٹھرایا ہمنے واسطے تمہارے ایک شریعت اور طریقہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً

اور اگر چاہے اللہ (زبردستی) البتہ کردے تم کو جماعت ایک

وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا

اور لیکن تاکہ ظاہر کرے تم کو بیچ اُسکے جو دیا تمکو پس آگے بڑھو

الْخَيْرٰتِ ۚ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا

نیکیوں میں ۔ طرف اللہ کے لوٹنا ہے تم سب کو ۔

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۴۸

پھر وہ خبر دیگا تم کو اُسکی جسکے تم جس میں اختلاف کیا کرتے ۔

والی ہے) پس اے رسول! آپ اُن کے درمیان فیصلے فرمایا کریں اُس ضابطہ کیساتھ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور آپ اِس کے بعد، کہ آپ کے پاس حق قرآن آچکا ہے، اُن (اہلِ کتاب) کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا ۔ ہم نے سب کیلئے ایک ہی شریعت یعنی ایک ہی طریقہ مقرر فرمایا ہے ۔ اور اگر ہم زبردستی چاہتے (یعنی اگر ہمارا قانونِ مشیّت یہ ہوتا کہ سب کو زبردستی راہِ راست پر لایا جائے) تو ہم اعمال کی رُو سے بھی تم سب کو ایک جماعت بنا دیتے (سب نیکوکار ہو جاتے) اور لیکن (ہمارا قانونِ مشیّت یہ ہے کہ تم اچھے یا بُرے عمل جیسے چاہو خود کرو) عا تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اُس میں تم کو (تمہارے اپنے عملوں کے مطابق ظاہر کرے ۔ پس تم نیکیوں میں آگے بڑھو ۔ (اعمال کی جوابدہی کیلئے) تم سب کا لوٹ کر آنا اللہ ہی کی طرف ہے عا۲ پھر وہ تمہیں خبر دے گا اُس چیز کی جس میں تم (مفاد پرستی کیلئے) خود اختلاف کیا کرتے تھے ۔

● عا «اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ» ۴۰/۴۱ اچھے یا بُرے جیسے عمل تم خود چاہو کرو »کے خداوندی اعلان کے مطابق حضرت انسان کو عمل بجا لانے میں صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے ۔ اس لئے وضاحت فرما دی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ زبردستی ہی کے مطابق دین میں راست پر لانا چاہتا تو اعمال کی رُو سے بھی پوری نوعِ انسانی ایک ہی گروہ ہوتی ۔ دین میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۲/۲۵۶ کے مطابق جبر نہیں ہے اس لئے نوعِ انسانی کو عمل بجا لانے میں صاحبِ اختیار بنا کر حکم دیدیا گیا ہے:- فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ نیکیوں میں آگے بڑھو: اعمال کی جوابدہی کے لئے تم نے ضرور اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے ۔

● عا۲ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ طرف اللہ کے ہے لوٹ کر آنا تمہارا ۔ چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا اور دنیا میں بھیجا ہے ۔ چنانچہ بے پایاں نعمتوں کیساتھ نوازا اور حکم دیا ہے کہ ان میں بے جا تصرّف نہ کرنا ۔ کیونکہ یہ پوری نوعِ انسانی کے لئے پیدا کی گئی ہیں ۲/۲۹ ۔ اس لئے باری تعالیٰ نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے، جس میں ہر فردِ بشر نے اپنے اپنے اچھے بُرے اعمال کی جوابدہی کے لئے عدالتِ خداوندی میں حاضر ہونا اور اچھا یا بُرا پورا پورا بدلہ پانا ہے ۔

آنحضورؐ کو صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کیساتھ فیصلے کرنیکا تکراری حکم

● پچھلی آیات کریمات میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کیساتھ فیصلے کرنیوالے کافر ہیں ۴۴، ظالم ہیں ۴۵، فاسق ہیں ۴۷۔ اسی ضمن میں آنحضورؐ کو آیت بالا ۴۸ میں حکم دیا گیا ہے فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اے رسولؐ! آپ صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ یعنی اُس ضابطے کیساتھ فیصلے کیا کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۴۹ میں اسی حکم کو تکرار تاکیدی کے طور پر باندازِ مخصوص دُہرایا گیا ہے:۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
اور یہ کہ فیصلے کر درمیان اُن کیساتھ اُسکے جو اُتارا اللہ نے اور نہ

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ
پیروی کرنا خواہشوں اُنکی اور احتیاط کر اُن سے یہ کہ

يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ
وہ بہکا دیں آپکو سے بعض حصے اُسکے جو اُتارا اللہ نے طرف تیری

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ
پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لے یقیناً ارادہ کرتا ہے اللہ کہ

يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
پہنچائے اُنکو مصیبت بوجہ بعض گناہوں اُنکے حقیقت ہے کہ اکثر میں سے

النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ ۴۹
لوگوں کے البتہ حدیں پھاندنے والے ہیں

اور (اے رسولؐ! دوبارہ تاکیداً حکم دیا جاتا ہے) کہ آپ ان کے درمیان مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (یعنی اُس ضابطے) کیساتھ فیصلے فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اُن کی خواہشوں کی اتباع نہ کرنا۔ اور ان سے محتاط رہنا، ایسا نہ ہو کہ وہ آپکو اُس (ضابطے) کے کسی حصے سے بہکا دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے۔ پھر اگر وہ (اس پر ایمان لانے کے بعد پھر جائیں) تو جان لیجئے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے بدلے ان پر (اپنا قانونی) عذاب لے آئے۔ اور بلاشبہ نوعِ انسانی کے اکثر لوگ (فرمانبردار نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والے ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ
کیا پھر فیصلہ جاہلیت کا چاہتے ہیں وہ ۔ اور کون ہے بہتر

مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ۵۰ ع ۱۱
اللہ سے فیصلہ کرنے میں واسطے اس قوم کے جو یقین کرتی ہے

کیا (یہ غیر منزّل من اللہ کے ساتھ فیصلے کرانے والے) زمانۂ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُس قوم کے لئے جو اللہ کے فیصلوں پر یقین رکھنے والی ہے، اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے دینے والا کون ہے؟ (کوئی بھی نہیں ہے)

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ایمان والوں کے نام حکم جاری کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بنائیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ پکڑو یہودیوں
وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
اور نصاریٰ کو دوست بعض ان کے ہیں دوست
بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ
بعض کے اور جو دوست بنائے انہیں تم میں سے تو بیشک وہ ان ہی سے ہے
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
۵۱
بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت یافتہ ٹھہراتا قوم ظالموں کو

(ربع) اے وہ لوگو! (جو ہمارے نازل کردہ ضابطہ حیات پر) ایمان لائے ہو، یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنے دوست نہ بنانا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں (وہ تمہارے دوست نہیں ہوسکتے) اور تم میں سے جو کوئی انہیں (یہود کو یا نصاریٰ کو) دوست بنائے گا (وہ جان لے کہ) بیشک وہ انہی میں سے ہے، بیشک اللہ اُس قوم کو ہدایت یافتہ نہیں قرار دیتا، جو قوم کہ بے ٹھکانہ کام کرنیوالی ہے۔

● اگلی آیت مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کو دوست بنانا نفاق کی علامت بتائی گئی ہے۔ چنانچہ کھل کر بیان کر دیا گیا ہے۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ
پھر تو دیکھتا ہے بیچ اذہان جن کے بیماری ہے، جلدی کرتے ہیں
فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ
متعلق ان کے کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ آ جائے ہم پر گردش
فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ
پس قریب ہے اللہ کہ آ جائے ساتھ فتح کے یا حکم ہی سے
عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ
طرف اپنی پھر وہ ہو جائیں اوپر اس کے جو چھپایا بیچ اپنے
اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝
۵۲
آپ کے شرمسار

(اے رسول!) پھر آپ اُن لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے ذہنوں میں منافقت کی بیماری ہے۔ کہ وہ اُن (یہود و نصاریٰ کی دوستی) میں جلدی کرتے ہیں۔ اور کہتے یہ ہیں کہ ہم اِس چیز سے ڈرتے ہیں کہ (اُن سے کٹ کر) ہم پر کوئی گردش (مصیبت) نہ آ جائے۔ پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ (مومنوں کیلئے) فتح لے آئے یا اپنی طرف سے کوئی اور امر بھلائی کا لے آئے۔ پھر وہ ان باتوں کو جنہیں وہ اپنے ذہنوں میں چھپاتے ہوئے ہیں (جب وہ عیاں ہو جائے گی) تو اپنے آپ میں شرمسار ہو جائیں گے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ
اور کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے، کیا یہی ہیں وہ لوگ جو
اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ
قسمیں کھاتے تھے۔ ساتھ اللہ کے پکی قسمیں اپنی بیشک وہ ہیں ساتھ تمہارے
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝
۵۳
ضائع ہو گئے اعمال اُن کے پھر ہو گئے وہ گھاٹا پانیوالے

اور وہ لوگ جو (منافقوں کے مقابلے پر صحیح طور پر) ایمان لائے ہیں وہ کہیں گے کہ کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کی قسمیں کھاتے تھے۔ بڑی پکی قسمیں کہ بلاشبہ وہ (یہود و نصاریٰ کیساتھ نہیں بلکہ وہ) تمہارے ساتھ ہیں (اُن کی نافرمانیوں کی بدولت) برباد ہوئے اُن کے اعمال، اور وہ خسارہ پانیوالے ہو گئے۔

● ان آیات کریمات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا ایمان کے صد فیصد منافی اور کھلی منافقت ہے۔ اور اُن کی دشمنی سے ڈر کر اُن سے دوستی کرنا ہرگز سُود مند نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فیصلہ دے دیا ہے کہ وُہ مومنوں کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے۔ بالفاظِ دیگر اگر مومن اُن سے دوستی پیدا بھی کر لیں تو یاد رکھیں کہ وُہ بھی مومنوں کی بھلائی نہیں چاہینگے، بلکہ ان سے دوستی پیدا کرنیوالے اُلٹے خدا تعالیٰ کے نافرمان بھی ٹھہریں گے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کی اُس قوم کو برسرِ اقتدار لے آئے گا جو اُس سے محبت کرتی ہے اور وُہ اُس سے محبت کرتا ہے، یعنی یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا خدا تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کا ثبوت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جو پھر جائے تم میں

عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ

سے دین اپنے تو عنقریب آئیگا اللہ ساتھ قوم کے محبت کرتا ہے اُن

وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ

اور وہ کرتے ہیں اُس سے نرم اوپر مومنوں کے، غالب

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اوپر کافروں کے - وہ جہاد کرتے ہیں بیچ راہ اللہ کے

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

اور نہیں ڈرتے ملامت سے ملامت کرنیوالے کی یہ فضل ہے اللہ کا

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

دیتا ہے اُسے جسے چاہے۔ اور ہے اللہ فراخی والا

عَلِيْمٌ ○ ٥٤

جاننے والا

اے وُہ لوگو! جو (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات پر) ایمان لائے ہو، تم میں جو اپنے دین سے پھر جائے[علہ] (تو وُہ اپنا ہی نقصان کرے گا) اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے مقابلے کے لئے اُس قوم کو (صحابہؓ کو انکے مقابلے کیلئے میدان میں) لے آئیگا جن سے وُہ محبت کرتا ہے اور وُہ اس سے محبت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ٩/١٠٠) جو مومنوں کے سامنے نرم ہیں اور کافروں کے مقابلے پر غالب (بہت سخت ہیں ٤٨/٢٩) وُہ اللہ کی راہ میں (جانوں اور مالوں کیساتھ) جہاد کرتے ہیں۔ ٩/١١١۔ اور وُہ ملامت کرنیوالوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فضیلت ہے۔ وُہ جسے دیتا ہے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت عطا کرنے والا اور بہت بڑھ کر جاننے والا ہے۔ (قانونِ مشیت کے خلاف کچھ نہیں دیتا)

● علہ صحابہؓ رسولؐ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو ایمان لانے کے بعد دین سے پھر گیا ہو۔ آیت بالا میں جو ارتداد کے مقابلے پر ایسی جماعت کو لانے کی خبر دی گئی ہے جو آپس میں یعنی مومنوں کے مقابلے

نرم اور کافروں کے مقابلے پر غالب ہو۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی جماعت ہے جن کی نشانی بتائی گئی ہے۔
یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کہ اللہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ نشان صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کا ہے جس کے لئے متبادل الفاظ ۹۸ میں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ آتے ہیں۔ دوسرا نشان اس جماعت کا بتایا گیا ہے:۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ، یہ بھی صحابہؓ ہی کی نشانی ہے جس کے لئے متبادل الفاظ ۴۸ میں آتے ہیں اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ کہ وہ کافروں کے مقابلے پر بڑے سخت ہیں اور مومنوں کے مقابلے پر یعنی آپس میں بڑے رحیم وکریم ہیں۔

● ۵۴ یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم جو نئی لائی جانیوالی قوم کی صفات سے صد فیصد متصف تھے تو پھر کچھ لوگوں کے دین سے پھر جانیوالوں کے مقابلے پر کسی نئی قوم کے لانے کا کیا مطلب؟ اسکا جواب صاف ہے کہ اگر بفرض محال کوئی فرد یا جماعت دین سے پھر جائے تو خدا تعالیٰ اپنی محبّ و محبوب جماعت صحابہ کو اُن کے مقابلے پر لے آئیگا جو کافروں کے مقابلے پر بہت سخت ہے۔ دورِ صحابہ میں دین سے پھر جانیوالے اسلام اور اہلِ اسلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ صحابہِ رسولؐ میں سے تو کوئی بھی مرتد نہیں ہوا تھا، البتہ تاریخ اسلام میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ آنحضورؐ کی وفاتِ مبارکہ کے بعد خلافتِ اوّل کے دَور میں کچھ نومسلم دیہاتی دین سے پھر گئے تھے۔ تو اس وقت اُن کے ضرر سے اسلام اور اہلِ اسلام کو محفوظ رکھنے والے صحابہ کرام ہی تھے جن کی تعریف يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ بھی بیان ہوئی ہے اور اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۴۸ بھی بتائی گئی ہے۔ اُسے مرتدین کے مقابلے پر لانے کی خبر دی گئی ہے اور جب کچھ لوگ مرتد ہوگئے تو انہیں ان کے مقابلے پر لے آیا گیا۔ اور وہ غالب ہوئے۔

● پچھلی آیات کریمات میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر واضح کیا گیا ہے یہود و نصاریٰ کا تمہارے دوست ہونے کا تو تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا جو تمہارے ساتھ شامل ہی نہیں ہوئے، تمہارے تو وہ منافق بھی دوست نہیں جو تمہارے ساتھ شامل ہو چکے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ تمہارا دوست اللہ اور رسولؐ ہے اور تمہارے ساتھ شامل ہونیوالوں میں سے وہ لوگ تمہارے دوست ہیں جو ایمان لانے کے بعد قوانین الٰہی کے سامنے جھکے ہوئے ہوں، صلوٰۃ قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، تاکہ نظامِ ربوبیت قائم ہو جائے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ
بلاشبہ دوست تمہارا اللہ ہے اور رسول اس کا اور جو لوگ
اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ
ایمان لائے وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں اجتماعی نظام اور دیتے ہیں

سوائے اس کے نہیں کہ (یہود و نصاریٰ اور منافقین تمہارے دوست نہیں) تمہارا دوست خود اللہ تعالیٰ ہے اور اُسکا رسولؐ ہے۔ اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائیں۔ اور اجتماعی نظام قائم کریں۔ اور

الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ ۵۵

نشوونما | اور وہ | جھکنے والے ہیں ۔

(معاشرہ کے کمزوروں کی فربہی کے لئے) زکوٰۃ دیں۔ اور وُہ قوانینِ الٰہی کے سامنے جھکے ہوئے ہوں ۔

● یہ تو ہُوا آیت بالا ۵۵ کا صحیح مفہوم جو سیاقِ کلام کے عین مطابق ہے اور اگلی آیات مجیدہ میں بھی آپ دیکھیں گے کہ یہ مفہوم سیاقِ کلام کے بھی عین مطابق ہے ۔ کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتوں میں بھی یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کر دیا گیا ہے ، جو دینِ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں ۔ زمانہ شاہد ہے کہ یہ لوگ آج تک ایک ہی کوشش میں مصروف پائے گئے ہیں کہ اسلام کی بیخ کنی کر دی جائے ۔ مگر اس صحیح مفہوم کے خلاف ایک مکتبِ فکر کے ہاں آیت مجیدہ ۵۵ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی کیوں کہ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سائل نے سوال کیا ۔ آپ اُس وقت حالتِ رکوع میں تھے ، آپ نے اُسی حالت میں اُنگلی سے انگوٹھی اتار کر سائل کے حوالے کر دی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ بیشک تمہارا ولی اللہ اور اُس کا رسول ﷺ ہے اور وُہ مومن تمہارے ولی ہیں جو صلوٰۃ قائم کرتے اور بحالتِ رکوع زکوٰۃ دیتے ہیں ۔ اسکی علمی بحث ملاحظہ فرمائیں ۔

● ۱ پہلے یہ کہ آیت مجیدہ میں اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ آیا ہے ، جس سے ظاہر ہے کہ حقیقی ولی یعنی دوست صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔ اللہ کا رسول اور مومنین بشری دائرہ میں محدود رہ کر دوست ہیں ــــ سب کو ایک سطح کے ولی قرار نہیں دیا گیا

● ۲ دوسرے نمبر پر یہ کہ آیت مجیدہ کے الفاظ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ میں سات جمع کے صیغے آئے ہیں ۔ اگر اس آیت مجیدہ پر کوئی شانِ نزول چسپاں کیا بھی جائے تو وُہ ایک شخص کے متعلق نہیں ہو سکتا بلکہ ایک جماعت کے متعلق تسلیم کرنا پڑیگا ۔ لیکن واضح رہے کہ علمی لحاظ سے اِس آیت میں کسی واقعہ کی خبر نہیں دی گئی ۔ بلکہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا معنیٰ ہے اور جو لوگ ایمان لائیں ۔ لفظ اٰمَنُوْا صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے جس کا معنیٰ ہے جو زمانہ ماضی میں ایمان لائے ۔ لیکن یہاں چونکہ فعل ماضی اٰمَنُوْا پر اَلَّذِيْنَ اسم موصول داخل ہُوا ہے ، اس لئے یہ فعل مضارع ہو گیا ہے ، اور اُس کے بعد جو آیا ہے دوسرا اَلَّذِيْنَ ، اس کے بعد تمام افعال آئے ہی بصیغہ مضارع ہیں يُقِيْمُوْنَ اور يُؤْتُوْنَ ، پس ثابت ہوا کہ یہاں نہ ماضی کے افعال ہی آئے ہیں اور نہ ماضی کا کوئی قصہ بیان ہُوا ہے کہ اُسے عربی قواعد کی حدود و قیود کو پھاند کر کسی ایک شخصیت کے لئے شانِ نزول قرار دیدیا جائے ۔ بلکہ بتایا یہ گیا ہے اللہ کے بعد اسکا رسول ﷺ اور مومن بھی تمہارے دوست ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے قانون پر پوری طرح جھکے ہوئے اجتماعی نظام قائم کرتے اور معاشرہ کے کمزوروں کی فربہی کے لئے زکوٰۃ دیتے ہیں ۔

● المختصر آیت مجیدہ ۵۵ میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مومنوں کا حقیقی ولی و دوست صرف اللہ تعالیٰ

ہے۔ اور اُسکے بعد اللہ کا رسولؐ اور باقی مومن جو اللہ کے قانون پر پوری طرح جھکے ہوئے نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کریں وہ اپنی حدود میں تمہارے دوست ہیں۔ اِس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے ایسے لوگ حزب اللہ ہیں:-

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ
اور جو دوستی کریں اللہ اور اُسکے رسول اور اُن سے جو
اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
ایمان لائے پس بیشک گروہ اللہ کا وہی ہیں
الْغٰلِبُوْنَ ۝٥٦ ع
غالب آنیوالے

اور (حقیقت یہ ہے کہ) جو لوگ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسولؐ کیساتھ اور اُن لوگوں کیساتھ جو ایمان لائیں اور (اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کے ذریعہ) اللہ، اُسکے رسولؐ اور مومنوں کیساتھ دوستی کریں (وہ سب مِل کر اللہ کا گروہ ہیں) پس بیشک اللہ کا گروہ ہی غالب ہونیوالے ہیں ۔۔ نیز فرمایا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ پکڑو اُن کو جو
اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ
پکڑتے ہیں دین تمہارے کو مذاق اور کھیل میں سے اُن کے جو
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ
دیئے گئے کتاب سے پہلے تمہارے اور کفّار کو دوست
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٥٧
اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے

اے وہ لوگو! جو ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات پر ایمان لائے ہو اُن لوگوں کو جو تمہارے دین کو مذاق اور کھیل ٹھہراتے ہیں دوست نہ بناؤ۔ اُن میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور کفّار کو بھی دوست نہ بناؤ۔ (وہ ہرگز تمہارے خیرخواہ نہیں) اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ (جو لوگ تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اُن سے دوستی کیسی)؟

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب اور کفّار کی ایک اور مذموم حرکت بالفاظِ ذیل بیان کی گئی ہے:-

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا
اور جب بلاتے ہو تم طرف صلوٰۃ کے پکڑتے ہیں وہ اسے
هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
مذاق اور کھیل ۔ یہ اسلئے کہ بیشک وہ قوم ہیں جو نہیں
يَعْقِلُوْنَ ۝٥٨
عقل کرتے ۔

اور (ایمان والو!) جب تم ایکدوسرے کو صلوٰۃ کیلئے بلاتے ہو تو وہ (اہلِ کتاب اور کفّار) اُسکا مذاق اڑاتے اور اُسے کھیل محض قرار دیتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام جو معاشرہ کو متوازن کرتا ہے کیا یہ کھیل مذاق کے قابل ہو سکتا ہے)؟ ۔۔ نیز فرمایا:-

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ
کہ اے اہلِ کتاب کیا تم بدلہ لیتے ہو ہم سے
اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ
مگر یہ کہ ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور جو نازل ہوا طرف ہماری اور جو نازل ہوا اس سے
قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۵۹
پہلے ۔ اور بیشک اکثریت تمہاری نافرمان لوگوں کی ہے

اور (اے رسولؐ!) کہہ دیجئیگا کہ اے اہلِ کتاب کیا تم ہم سے اس چیز کا انتقام لیتے ہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ کیساتھ ۔ اور اُس (لاریب کتاب) کیساتھ جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور اُن (مقدس کتابوں) کیساتھ جو اس سے پہلے (اللہ کی طرف سے) نازل ہو چکی ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری اکثریت نافرمانی کرنیوالوں کی ہے ۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب کے سرکش گروہوں میں سے ایک اور شدید سرکش و نافرمان جماعت کی خبر دی گئی ہے ۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً
کہہ کیا میں خبر دوں تم کو بدتر سے اس کے لحاظ سزا کے
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ
نزدیک اللہ کے ۔ جو لعنت کی اللہ نے اور ناراض ہوا اوپر اُسکے
وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ
اور کر دیا بیچ سے اُنکے بندر اور سؤر اور اطاعت کی
الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ
سرکش پیشوا کی ۔ وہ ہیں بدتر از روئے مکان کے اور گمراہ ہوئے
عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝۶۰
سے راہ سیدھی کے

کہہ دیجئیگا کیا میں تمہیں بتاؤں جو اللہ کے نزدیک (اپنی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت) سزا پانے کے لحاظ سے اس سے بدتر ہے ۔ (وہ احکامِ الٰہی کی نافرمان تمہاری آبائی قوم تھی) جس سے اللہ بیزار ہوا اور اُس پر غضبناک ہوا ۔ اور اُن میں سے بعض پر (اُنکی نافرمانی کی بدولت غلامی مسلط ہو گئی) ۔ اُنہیں اللہ نے بندروں اور سؤروں (کی طرح فاتح قوم کے اشاروں پر ناچتے ہوئے) پایا ۔ کیونکہ اُنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر سرکش حکام کی فرمانبرداری کی ۔ سو وہ مرتبے کے لحاظ سے بہت بُرے اور سیدھی راہ سے زیادہ بھٹکے ہوئے تھے ۔

کیا اللہ کے نافرمان یہودی سچ مچ بندر اور سؤر بن گئے تھے؟

● ۲ جعل کا معنیٰ بنایا کی بجائے پایا لکھا گیا ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ضابطہ کے نافرمان یہودیوں کو سچ مچ بندر اور سؤر نہیں بنا دیا تھا بلکہ اُنہیں بندروں کی طرح قلندروں کے اشاروں پر ناچنے والے اور سؤروں کی طرح بے غیرت پایا تھا کہ جو بیٹیوں کی ناموس تک کو اربابِ اقتدار کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے ۔ بندہ اور بندر اگرچہ قریب الخلقت ہیں ، مگر بندے سے بندر بن جانا قانونِ خداوندی سے خارج ہے ۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم دیومالائی کہانیاں ہرگز نہیں سُناتا ، بلکہ قوموں کے عروج و زوال سے بحث کرتا ہے ۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ قوم بنی اسرائیل زوال کی اس انتہائی گہرائی میں پہنچ چکی تھی کہ شدائد

کی طرح حکام کے اشاروں پہ ناچتی اور سؤروں کی طرح بے غیرت ہو گئی تھی۔

دو ضمنی سوالوں کے جوابات

● اس مفہوم پہ دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں پہلا یہ کہ آیت بالا میں اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ آیا ہے كَقِرَدَةٍ وَالْخَنَازِيرِ تو نہیں آیا کہ اسکا معنی بندروں اور سؤروں کی مثل لیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ جَعَلَ کا معنی بنایا کس دلیل سے لیا گیا ہے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان سمیت ہر زبان میں اظہار تشبیہ کیلئے حرف تشبیہ لایا بھی جاتا ہے اور نہیں بھی لایا جاتا۔ مثلاً ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ زید شیر جیسا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ زید شیر ہے۔ اسی طرح عربی میں یہ بھی کہا جاتا ہے اَلزَّيْدُ كَالْاَسَدِ اور یہ بھی کہا جاتا ہے اَلزَّيْدُ اَسَدٌ۔ آخری جملے میں کاف حرف تشبیہ محذوف و مقدر ہے۔ اس میں زید کو شیر جیسا ہی کہا گیا ہے۔ سچ مچ کا شیر نہیں کہا گیا۔ اسی طرح آیت زیر نظر میں اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ کا حرف کاف تشبیہ محذوف ہے اور عربی قاعدہ کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل بندروں کی طرح ذلیل اور سؤروں کی طرح بے غیرت ہو گئی تھی۔

● اب آئیے دوسرے ضمنی سوال کی طرف کہ جَعَلَ کا معنی بنایا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جواباً عرض ہے کہ عربی ادب میں جَعَلَ کا معنی بنایا خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ ۱۶/۸۱ یہاں اگر جَعَلَ کا معنی بنایا لیا جائے تو یہ معنی بنتا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے کرتے بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور زرہیں بنائی ہیں جو تمہیں جنگ میں دشمن کے وار سے بچاتی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ کرتے اور زرہیں تو ہم خود بناتے ہیں، اللہ بنا کر نازل نہیں کرتا۔ اسلئے یہاں مفہوم صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس ایسے کرتے پائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کرتے پائے ہیں (زرہیں) جو تمہیں جنگ میں تلوار سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اپنے ضابطہ کے نافرمان یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے بندر اور سؤر نہیں بنایا تھا بلکہ انہیں بندروں اور سؤروں کی طرح ذلیل اور بے غیرت ہوتے ہوئے پایا تھا۔ یہ ذلت یہودیوں کے اپنے کردار کا نتیجہ تھی۔

● ۳۔ پچھلے صفحہ پر آیت زیر نظر کے متن میں وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ کی واؤ جلی لکھی گئی ہے۔ اور اسکا معنی لکھا گیا ہے کیونکہ واؤ بمعنی کیونکہ ۲/۲۰۸ میں آیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۳۱ صفحہ نمبر ۸۴۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانہ رسالت کے یہودیوں کی منافقت کو صحابہ رضی اللہ عنہم پہ بالفاظ ذیل واضح کر دیا گیا ہے:۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا اور جب آتے ہیں پاس تمہارے کہا ایمان لائے ہم اور بیشک داخل ہوئے بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ساتھ کفر کے اور وہ بیشک خارج ہوئے ساتھ اسی کے اور اللہ جانتا ہے	اور (ایمان والو!) جب وہ (یہودی) تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اس رسول اور اس کتاب پر) حقیقت یہ ہے کہ بیشک وہ داخل ہوتے ہیں تمہارے پاس کفر ہی کیسا تھ اور بیشک تمہارے پاس سے چلے جاتے ہیں

بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ ٦١

ساتھ اس کے جو تھے وہ چھپاتے

اُسی کفر کیا تھا ۔ (وہ کفر کو چھپاتے ہیں) حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپایا کرتے تھے۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ

اور دیکھتا ہے تو بہت ان میں جلدی کرتے ہیں بیچ گناہ کے

وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا

اور سرکشی کے ۔ اور کھانے میں حرام مال کے البتہ برا ہے جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ٦٢

تھے وہ عمل کرتے

اور (اے رسول!) آپ اُنکی اکثریت کو دیکھتے ہیں کہ وہ گناہ (کے کاموں) اور (اللہ کی) نافرمانیوں اور حرام مال کھانے میں جلدی کرتے ہیں ۔ (کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے) بلاشبہ بہت برا ہے جو وہ عمل کر رہے ہیں تھے۔

● لفظ سُحت کا مادہ س ۔ ح ۔ ت ہے ۔ جس کا مطلق معنیٰ حرام کمائی کرنا ہے ۔ اس میں چوری، رشوت، ملاوٹ اور ناجائز نفع اندوزی وغیرہ سب شامل ہیں ۔ اگلی آیت میں یہود علماء و مشائخ کی خبر دی گئی ہے کہ وہ انہیں برائیوں سے منع نہیں کرتے ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ

کیوں نہیں منع کرتے انہیں رب والے اور علماء سے

قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ

بات اُنکی گناہ کی، اور کھانے مال حرام سے ۔ البتہ برا ہے

مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ٦٣

جو وہ بناوٹ بناتے ہیں

ان یہودیوں کو ان کے مشائخ (جو رب والے بنے بیٹھے ہیں) اور (انکے) علماء انہیں کیوں منع نہیں کرتے اُنکی گناہ کی باتوں سے اور حرام مال کھانے سے ۔ بلاشبہ بہت برا ہے جو وہ لوگ (ان چیزوں کے جواز کیلئے) بناوٹ بناتے ہیں (یعنی کتاب خداوندی کے مسائل کو اُنکی خواہشوں کے مطابق موڑ لیتے ہیں)

علماء و مشائخ کی بناوٹ

● آیت بالا میں جو خبر دی گئی ہے کہ یہود کے علماء و مشائخ انہیں برے عملوں اور حرام مال کھانے سے منع نہیں کرتے ۔ اور ساتھ ہی اُنکی تصنع اور بناوٹ کا اظہار فرمایا ہے اس پر اگر بادنیٰ تامل غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے معتقدیوں اور مریدوں سے نذریں نیازیں وصول کر کے اُنکے بُرے اعمال کا جواز اُن کتابوں سے پیش کرتے تھے جو اُنھوں نے محرف توراۃ کی شکل میں لکھ لی تھیں ۔ اصل توراۃ میں ایسی کوئی سند موجود نہیں تھی ۔ سلسلہ درس کی آیت مجیدہ میں یہودیوں کا ایک عجیب و غریب قول درج ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ

اور کہا یہودیوں نے ہاتھ اللہ کا بندھا ہے بندھے ہیں

اور یہودیوں کا کہنا ہے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ۔ (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ اُنکے اپنے ہاتھ بندھے

أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ

ہاتھ اُنکے اور لعنت کئے گئے بسبب اُسکے جو کہا- بلکہ دونوں ہاتھ اُسکے

مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ

کھلے ہیں دونوں- وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور البتہ زیادہ کرتا ہے

كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ

بہتوں کو ہیں سے اُنکے وہ جو نازل ہوا طرف تیری سے رب تیرے کے

طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ

طغیان اور انکار میں- اور ڈالدی ہمنے درمیان اُنکے عداوت اور

الْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا

بغض تک دن قیامت کے- جب وہ دہکاتے ہیں

نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ

آگ واسطے لڑائی کے بجھا دیتا اُسے اللّٰہ- اور کوشش کرتے ہیں

فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

بیچ زمین کے فساد پھیلانا- حالانکہ اللّٰہ نہیں پسند کرتا

الْمُفْسِدِينَ ○ ٦٤

فساد کرنے والوں کو

ہوئے ہیں- اور اُنہوں نے جو لیا کہا ہے، اُسکی بدولت وہ لعنت کئے گئے ہیں- بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اور وہ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتا ہے- اور (اے رسولؐ! حقیقت یہ ہے کہ جو (ضابطۂ ربوبیت) آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل ہوا وہ (اُنکے خبثِ باطن کی بدولت) اُنہیں سرکشی اور انکار میں زیادہ کر دیگا- اور (اسی کی بدولت) اللّٰہ نے اُنکا آپس کا بغض وعناد قیامت کیلئے (یعنی ہمیشہ کیلئے) عیاں کر دیا ہے- جس وقت بھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللّٰہ تعالیٰ اُسے (٣٢/٣ کے مطابق دُوسری اقوام کے ذریعہ) بجھا دیتا ہے- (یہودیوں کا حال یہ ہے کہ) وہ زمین میں فساد ہی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں (اُنکا شغل ہی یہی ہے) مگر اللّٰہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا-

اللّٰہ کے دو ہاتھ ● یہودیوں میں جو لوگ غلط معاشرہ کی غلط بخشیوں کی بدولت غریب ہوئے وہ کہتے کہ اللّٰہ ہمیں اسلئے نہیں دیتا، کہ اُسکا ہاتھ بندھا ہوا ہے- اِسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہاتھ اُنکے اپنے بندھے ہوئے ہیں- یعنی ایسا معاشی نظام قائم کر رکھا ہے کہ کسی کو ضروریاتِ زندگی کشادہ میسّر آتی ہیں اور کسی کو تنگی کیساتھ- اللّٰہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں- وہ تو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دونوں ہاتھوں کیساتھ خرچ کر رہا ہے وہ ضروریاتِ زندگی بدستور مہیا کر رہا ہے- متوازن اور مساوی تقسیم ریاست کے مرکزی نظام کی ذمّہ داری ہے- غربت اور امارت اُسکی پیدا کردہ ہے اللّٰہ کی نہیں- جیسے کہ سورہ قصص کی آیت نمبر ٢٨/٤ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے اپنے عوام کو دو طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا- ایک طبقے کو اللّٰہ نے نہیں بلکہ فرعون نے کمزور کر دیا تھا-

● اس سلسلے کا اہم اور لازمی سوال یہ ہے کہ اللّٰہ کے دو ہاتھ کونسے ہیں جو ہر آن کھلے ہوئے ہیں اور وہ اُنکے ساتھ مسلسل خرچ کر رہا ہے یعنی وہ عطاءِ رزق میں مسلسل مصروف ہے؟ اِسکے لئے قرآنِ کریم کی اوّلین آیت مجیدہ کی طرف

رجوع فرمائیں:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ ۱/۲ سب تعریفیں اچھی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں جو بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ پورے عالمین کی ربوبیّت کرنیوالا ہے۔ جو رحمان اور رحیم ہے۔ یعنی وہ عالمین کو سامانِ ربوبیّت اپنی دو صفتوں رحمان اور رحیم کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ واضح رہے کہ رحمان اور رحیم دونوں الفاظ مادہ ر۔ح۔م۔ رحم سے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ جو نعمتیں ہمیں بلا محنت مل رہی ہیں مثلاً ہوا، روشنی، تمازت، برودت، اناج اور پھل پیدا کرنیوالی وہ مخفی طاقتیں جو کائنات میں مہیا کر دیگئی ہیں، سب کی سب اللہ کی صفت رحمان کے ماتحت میسّر ہیں جن کے حصول کیلئے ہمیں نہ کوئی محنت کرنی پڑتی ہے، نہ انہیں کوئی وقت خرچ کرکے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی اُن پر روپیہ پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اور اسکے برعکس جو نعمتیں اپنی محنت کے بغیر میسّر نہیں آتیں، جیسے کہ بارش کے پانی، سورج کی کیمیائی کرنوں، سورج کی دھوپ اور تمازت، رات کی ٹھنڈی ٹھنڈک، چاند ستاروں، زمینی اور فضائی سینکڑوں طاقتوں کے صفت میسّر آنیوالے اثرات اسی کھیت پر اثرانداز ہوتے ہیں اور اُسی کھیت کا دامن لہلہاتی فصلوں سے بھر دیتے ہیں جس میں انسانی محنت نے مٹی میں بروقت ہل چلاکر، بیج اور کھاد ڈالدیا ہو۔ اور دوسری طرف قسم قسم کے میوہ دار درخت خود لگا رکھے اور انہیں بیماریوں سے بچانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اسکے برعکس اُس کھیت میں کبھی فصل نہیں اُگتی جس میں انسانی محنت شامل نہ ہوئی ہو۔

● یہی حال ہماری مصنوعات کا ہے کہ لکڑی، لوہا، تانبہ، سیسہ وغیرہ خام مال ہمیں اللہ تعالیٰ کے دستِ رحمانیّت سے ملتا ہے اور ان کی مصنوعات جن میں ہماری محنت شامل ہوتی ہے، وہ اُسکے دستِ رحیمیّت سے میسّر آتی ہیں۔ لوہے سے ہمیں سُوئی سے لیکر ہوائی جہاز تک میسّر ہے۔ لکڑی سے ایندھن سے لیکر میز، کرسیاں، پلنگ دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ۔ اور اسی طرح تانبہ سیسہ جست پلاٹینم وغیرہ سینکڑوں معدنیات جو اللہ تعالیٰ کے رحیمیّت کے ہاتھ سے میسّر ہیں اُنکی مصنوعات، ہماری اپنی محنت کیساتھ خدا تعالیٰ کے دستِ رحیمیّت سے مل رہی ہیں۔

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ رحمانیّت و رحیمیّت کے دو ہاتھ جو ہر آن کھلے ہوئے ہیں

● آیت مجیدہ زیر نظر ۶۴/۵ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ سے مراد یہ ہے کہ:۔
ہاتھ اُنکے بندھے ہوئے ہیں جو نعماءِ خداوندی کو پوری نوعِ انسانی تک پہنچنے نہیں دیتے۔ بامحنت اور بلا محنت نعمتوں کی تقسیم میں اللہ کے قانونِ ربوبیّت کو بھلاکر، ناہموار تقسیم رزق کے قوانین بناکر انسانی اکثریت کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کر رکھا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں یہودیوں کیساتھ نصاریٰ کو بھی شامل کرکے دونوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ ‖ اور اگر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) ہمارے ضابطے

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۶۵

اور اگر یہ کہ اہل کتاب ایمان لاتے اور بچتے تو ضرور دور کرتے ہم بدحالیاں انکی اور داخل کرتے انہیں باغوں نعمتوں میں

پر ایمان لاتے اور اسکی مخالفت سے بچتے تو ہم انکی بدحالیاں دور کر دیتے - اور انہیں نعمتوں والے باغات (متوازن معاشرہ) میں داخل کرتے (جس میں سب کیلئے مساوی نعمتیں ہیں) -

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ تورات و انجیل میں قرآن کریم والا ہی متوازن قانون نازل فرمایا گیا تھا :-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ

اور اگر بلاشبہ قائم کرتے توراۃ اور انجیل کو اور جو

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ

نازل ہوا طرف انکی طرف سے رب انکے البتہ کھاتے اوپر اپنے سے اور

مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ

نیچے سے قدموں اپنے کے - ان میں سے ایک گروہ میانہ رو ہے اور کثرت سے

مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝۶۶ ع

ان میں جو برے کام کرتے ہیں

اور اگر (یہود و نصاری) قائم کرتے احکام تورات کے اور انجیل کے، اور جو انکی طرف انکے رب کی طرف سے تورات و انجیل کے بعد نازل ہوا تو وہ اپنے اوپر سے (پھلدار درختوں کے میوے) بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے (زمین کے پیدا کردہ اناج بھی) کھاتے تھے ان میں ایک گروہ میانہ رو بھی موجود ہے - لیکن انکے اکثر لوگ برے عمل بجالاتے ہیں -

مساوی تقسیم رزق پہلا نمبر ہے اپنے اوپر اور نیچے سے رزق حاصل کرنا

● علہ مساوی تقسیم رزق کا نمبر رزق حاصل کرنے کے بعد آتا ہے - جو قومیں حصول رزق کے ضمن میں قوانین خداوندی کے مطابق جدوجہد نہیں کرتیں، یعنی نہ پھلدار درختوں کی کاشت کی طرف توجہ دیتی ہیں اور نہ زمین سے زیادہ سے زیادہ فی ایکڑ پیداوار حاصل کرتی ہیں وہ اپنے اوپر کی طرف سے آنیوالے رزق سے بھی محروم رہتی ہیں اور نیچے کی طرف سے حاصل ہونیوالے رزق کو بھی حسب ضرورت نہیں پاسکتیں، بلکہ دوسری قوموں کے سامنے دست سوال دراز کرنے یا قیمتی زرمبادلہ ادا کر کے رزق حاصل کرنے کیلئے مجبور محض بنی رہتی ہیں - توراۃ و انجیل اور قرآن کریم، ہر کتاب خداوندی میں، زیادہ سے زیادہ رزق حاصل کرنے کی جدوجہد پر زیادہ زور دیا گیا ہے -

● پیچھے صفحہ ۸۲ پر بتایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھوں، دست رحمانیت اور دست رحیمیت کیساتھ سامان ربوبیت لٹا رہا ہے - جو قومیں توراۃ و انجیل اور قرآن حکیم کے واحد قانون حصول رزق پر عمل کرتی ہیں وہ آج بھی اپنے اوپر سے میوؤں کا وافر رزق حاصل کر رہی ہیں اور اپنے پیروں کے نیچے سے اجناس کے بے پناہ ذخائر سے بہرہ یاب ہو رہی ہیں حصول رزق کا قانون نزول توراۃ و انجیل کے وقت بھی یہی تھا، نزول قرآن کے وقت بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے - حاصل کلام یہ کہ اوپر اور نیچے سے حصول رزق ان اقوام و افراد کا مقدر ہے جو اس گوشہ

سے متعلقہ اُن قوانینِ خداوندی پہ صد فیصد عمل کریں جو کائنات میں شبانہ روز جاری وساری ہیں۔

● اُوپر اور نیچے سے حصولِ نعماءِ خداوندی میں فضائی برکات اور زمینی اثرات بھی شامل ہیں، اِنکے حصول کا بھی وُہی قانونِ جاریہ مقرّر ہے کہ جو قومیں اِنکے حصول کے مستور خداوندی قوانین پہ سے پردے ہٹانے کی انتھک کوشش کرتی ہیں، وُہی انہیں حاصل کر سکتی ہیں، اِسکے برعکس جو قومیں تقدیر و مقدّر کے غیر قرآنی نظریہ کو نگاہوں میں رکھ کر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہیں اُنہیں اِن نعماء سے کچھ نہیں ملتا۔ بلکہ اس ضمن میں بھی وہ کوشش کرنے والی اقوام کی محتاج ہوتی ہیں۔ نیز واضح رہے کہ اس کوشش کے سلسلے میں خداوندی قانونِ جاریہ نے کافر و مومن کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ اگر صحیح جدّ و جہد کرنیوالی قوم کافر بھی ہو تو اُسے صحیح کوشش کا ثمر ضرور عطا کیا جاتا ہے اور اِسکے برعکس مذکورہ سعی و کوشش سے دُور رہنے والی قوم اگر مومن بھی کہلاتی ہو تو محرومِ محض کر دی جاتی ہے۔

● قرآنِ کریم کی رُو سے اس گوشے کا مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے قوانینِ تنزیلی اور تکوینی دونوں پر صد فیصد ایمان لانے کیساتھ ساتھ اُن پہ شبانہ روز عمل بھی کرتا ہو۔ ایمان کی شرط یہ ہے کہ میوے درختوں سے اور فصلیں زمین ہی سے میسّر آتی ہیں اور اِنکے حصول کیلئے قوانینِ جاریہ کے مطابق انسان کو خود محنت کرنا ہوتی ہے۔

رجوع الی المطلب

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ نمبر ۶۷ کا تعلق یہود و نصاریٰ کے اِسی عمل کیساتھ ہے کہ اُنہوں نے توراۃ و انجیل کی تحریف تو کر رکھی تھی ۔ مگر جب اُنہیں بذریعہ قرآنِ حکیم دوبارہ ہدایت پانے کا موقعہ میسّر آیا تو اِسکی بھی مخالفت شروع کر دی ۔ لیکن اُنکی شدید مخالفت کے باوجود آنحضورؐ کو حکم دیا گیا کہ آپکی طرف جو ضابطۂ حیات آپکے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ، اُسے یہود و نصاریٰ سمیت بلا کم و کاست سب لوگوں کو پہنچا دیجئے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ اے رسولؐ! پہنچا دے جو نازل ہوا طرف تیری سے رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ رب تیرے ۔ اور اگر نہ کیا تو نے یہ تو نہ پہنچایا تو نے پیغام اُسکا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى اور اللہ بچانیوالا تجھے سے لوگوں کے ، بیشک اللہ نہیں رہنمائی کرتا الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ٦٧ قوم انکار کرنیوالوں کی	اے رسولؐ! (جو ضابطۂ حیات) آپکی طرف آپکے ربّ کی طرف سے نازل کر دیا گیا ہے ۔ اُسے (بلا خوف و خطر) لوگوں تک پہنچا دیجئے ۔ اگر آپنے اِسے لوگوں تک نہ پہنچایا تو (جان لیجئے کہ) آپنے فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا ۔ اور (آپکو دشمن ضرر نہیں پہنچا سکینگے) اللہ تعالیٰ آپکو لوگوں سے محفوظ رکھیگا بیشک جو لوگ حقائق کا انکار کرنیوالے ہیں اللہ تعالیٰ (اُنکے انکار کی بدولت) اُنکی رہنمائی نہیں کرتا ۔ (وہ اِنکار کر کے خود محرومِ ہدایت ہو جاتے ہیں)۔

● یہود و نصاریٰ کی شدید مخالفت کی بدولت اگر اِن لوگوں کیلئے سلسلۂ تبلیغ بند کر دیا جاتا تو اُن میانہ رَو اہلِ کتاب کا

حقِ تبلیغ ضائع ہو جاتا جن کی اہلِ کتاب میں موجودگی کی خبر پیچھے آیت نمبر ۶۶ میں دیگئی ہے - اسلئے ارشاد ہوا کہ جو لوگ حقائق کو مانتے ہی نہیں وہ تو یقیناً محروم ہدایت رہینگے - مگر آپ تبلیغ جاری رکھیں تاکہ جو میانہ رو جماعت ہے :- مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وہ محروم ہدایت نہ رہ جائے -

● اس آیت مجیدہ کے متعلق ایک تصوّر یہ ہے کہ یہ آنحضور صلعم کے بعد آپکی خلافت کے فیصلہ کیلئے نازل ہوئی تھی - لیکن حقیقت نیمروز یہ ہے کہ نہ اس میں خلافت کا ذکر ہے اور نہ ہی کسی صحابیؓ کا نام موجود ہے کہ آپ اُسکے حق میں اعلانِ وصایت فرمادیں - نیز واللہ یعصمک من النّاس کے الفاظ سے یہ تصور پیدا کرنا بھی الفاظِ منزلہ کے خلاف ہے کہ آنحضور صلعم کو خلافت کے متعلق اعلان کرنے میں اُن صحابہؓ کرام سے خطرہ تھا جو آپکے بعد منصبِ خلافت پر نظریں جمائے ہوئے تھے - ایسا تصوّر صحابہؓ رسول صلعم سے متعلقہ قرآنی اعلان کے صد فیصد خلاف ہے جس میں خود خدا تعالیٰ نے جملہ اصحابِ رسول صلعم مہاجرین و انصار کو جنّتی بھی قرار دیا ہے اور اُنہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا سرٹیفکیٹ بھی عطا فرما رکھا ہے :-

● وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

○ ۹/۱۰۰ اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت اور اوّلیت کرنیوالے بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے اُنکی حسن کارانہ اتباع کی (بعد میں ہجرت اور نصرت کی) اللہ اُن سب پر راضی ہو گیا اور وہ سب کے سب اللہ پر راضی ہو گئے - اور اُنکے لیے اللہ نے ایسے باغات تیار کر دیئے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں - وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں - یہی تو بڑی کامیابی ہے -

● اس فیصلہ کن آیت مجیدہ کے مطابق آنحضور صلعم کی نیابت و خلافت کے متعلق صحابہؓ کرام کو مطعون کرنا اس آیت مجیدہ کے انکار کے مصداق ہے، کیونکہ اگر آیت بالا کو کسی ایسے صحابیؓ کے حق میں اعلانِ وصایت سے متعلق مانا جائے جسے آنحضور صلعم کی وفات کے عین بعد مسندِ خلافت میسّر نہیں آئی تو پرائے حق کو غصب کرنیوالے جنّتی نہیں ہو سکتے - مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اُنکے جنّتی ہونے کا اعلان کر رکھا ہے ۹/۱۰۰، اسلئے ثابت ہوا کہ اس آیت مجیدہ کو خلافت سے متعلق قرار دینا قرآنی مفہوم میں اختلافات پیدا کرنے کا مرتکب ہونا ہے - آیت نمبر ۵/۶۷ یہود و نصاریٰ کے حقائق سے انکار اور آنحضور صلعم کی مخالفت کی خبر دیتی ہے - نیز آنحضور صلعم کو انکی مخالفت کے شر سے محفوظ رکھنے کی خبر دیگئی ہے نہ کہ صحابہؓ کے شر سے جن کی تعریف کیساتھ قرآن کریم بھرا پڑا ہے -

● آیت زیرِ بحث ۵/۶۷ کی حقیقت اسکے اپنے سیاق و سباق سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے - کہ اس آیت سے ۵۳ آیتیں ماقبل آیت نمبر ۱۴ سے یہود و نصاریٰ کا ذکر شروع ہوا ہے جو اس آیت سے اٹھارہ آیات بعد آیت نمبر ۸۵ تک چلا گیا ہے - یعنی اُنکا ذکر باستثنائے جملہ معترضہ ۷۲ آیتوں میں پھیلا ہوا ہے - پس سیاق و سباقِ کلام کی شہادت کے مطابق اس

عظیم مسلسل مضمون کا مسئلہ خلافت سے کیا تعلق؟ ثبوت کیلئے سلسلہ درس کی اگلی اٹھارہ آیتوں میں یہود و نصاریٰ کا ذکر موجود ہے:-

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَىْءٍ حَتَّىٰ
کہہ اے اہل کتاب نہیں ہو تم اوپر کسی چیز کے یہاں تک

تُقِيمُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ
کہ تم قائم کرو توراۃ اور انجیل کو - اور جو نازل کیا گیا

إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم
طرف تمہاری سے رب تمہارے کے - اور ضرور زیادہ کریگا بہتوں کو ان میں سے

مَّآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَٰنًا وَكُفْرًا
جو نازل ہوا طرف تیری طرف سے رب تیرے کے، سرکشی اور کفر میں

فَلَا تَأْسَ عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ ○ ۶۸
پس تو ان انکار کرنیوالی قوم پر افسوس نہ کر

(اے رسولؐ!) کہدیجیگا، اے اہل کتاب تم دونوں اسوقت تک ہدایت پر نہیں ہو سکتے جبتک کہ تم الگ الگ توراۃ و انجیل کے احکام پر قائم نہ ہو جاؤ۔ یعنی اُس اصل توراۃ و انجیلؑ کے احکام پر، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔ اور (اے رسولؐ!) جو کچھ آپ پر آپکے رب نے نازل فرمایا ہے، وہ اُن (یہود و نصاریٰ) کی اکثریت کو سرکشی اور نافرمانی میں زیادہ کر دیگا۔ پس آپ انکار کرنے والی قوم پر افسوس نہ کریں۔ (وہ اپنی ضد اور تعصب کی بدولت خود ہی محروم ہدایت ہو چکے ہیں)۔

● ملہ یہاں اصل توراۃ و انجیل پر ایمان لانے اور اُنکے احکام پر عمل کرنے کی تاکید کیگئی ہے۔ واضح رہے کہ اصل توراۃ و انجیل پر ایمان لانے سے آنحضورؐ پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ قرآن کریم کہتا ہے توراۃ و انجیل میں آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خبر مذکور ہے۔ ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِىَّ ٱلْأُمِّىَّ ٱلَّذِى يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ ۷/۱۵۷ جو لوگ ہمارے رسولؐ امی نبیؐ کی اتباع کرتے ہیں، وہ اپنے ہاں اُسے توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ آپکی اور آپکے صحابہؓ کی خبر ۹/۱۱۱ اور ۴۸/۲۹ میں بھی درج ہے، مَثَلُهُمْ فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِى ٱلْإِنجِيلِ ۚ، اُنکا ذکر توراۃ میں بھی درج ہے اور انجیل میں بھی۔

● ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل توراۃ و انجیل پر قائم ہونے سے آنحضورؐ پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے۔ اسی لیئے کہا گیا ہے کہ اے یہود و نصاریٰ اصل توراۃ و انجیل کے احکام پر قائم ہوئے بغیر تم ہرگز ہدایت نہیں پا سکتے۔ اس طرح یہود و نصاریٰ کی سرکشیوں کے بیان کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں نجات کا عام قانون بیان کیا گیا ہے:-

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَٱلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلصَّٰبِـُٔونَ
بیشک جو لوگ ایمان لائیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی ہوئے

وَٱلنَّصَٰرَىٰ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَعَمِلَ

بیشک وہ لوگ جو (منافقانہ طور پر) ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے۔ اور جو صابی ہوئے اور جو نصاریٰ کہلائے ان میں سے جو بھی صحیح طور پر اللہ اور آخرت کے دن (یعنی

اور نصرانی ہوئے جو ایمان لایا اللہ پر اور دن پچھلے پر اور عمل کیا
صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٦٩
اچھا پس نہیں خوف اوپر انکے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

جزا سزا کے دن) پر ایمان لائیں اور اصلاح کے کام کریں اُن پر نہ آخرت کی رسوائی کا خوف اور نہ وہ اپنے کئے ہوئے اعمال پر غمگین ہونگے۔

ایمان کی پانچ شرطیں

● $\frac{٥}{٦٩}$ وہ آیت مجیدہ ہے کہ ترجمان القرآن ابو الکلام مرحوم کے صفحہ ۲۲۷ پر اسکا مفہوم لیا گیا ہے کہ عالمگیر صداقتیں جملہ مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں۔ مسلمان ہوں یا یہودی صابی ہوں یا نصرانی، ہندو ہوں یا زرتشتی، جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ خواہ وہ نبیوں، کتابوں اور ملائکہ کا منکر ہی ہو۔ لیکن یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب میں ایمان کی پانچ شرطیں بیان کر کے اعلان کیا گیا ہے کہ اعمال صالح کیساتھ جو ایمان کی شرط لگائی گئی ہے، اُس میں اللہ تعالیٰ کو اپنے اپنے انداز پر ماننے سے ایمان کے قرآنی تقاضے پورے نہیں ہوتے کہ نصاریٰ خدا تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا مانیں تو بھی ٹھیک ہے، یہودی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیں اور ہندو رام، کرشن اور برہما کو ایشور پرماتما کا اوتار مانیں تو بھی صحیح ہے۔ العیاذ باللہ!

● اسی طرح آخرت کے ماننے کا الگ الگ یہ انداز ہے کہ نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کردہ صلیب کو، یہودیوں نے اپنے آپکو خدا کے بیٹے اور محبوب قرار دینے کو اور ہندوؤں نے اپنے مُردوں کی ہڈیوں کو گنگا کے سپرد کر دینے کو قیامت کا حل قرار دے رکھا ہے۔ ایسا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کو حکم ہوا ہے:-

● فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ $\frac{٢}{١٣٧}$ پھر اگر وہ اُس طرح ایمان لائیں، جس طرح (اے صحابہؓ!) تم ایمان لائے ہو تو ضرور ہدایت پائیں۔ پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو بلا شبہ وہ ضد اور تعصب میں ہیں۔

● اب رہا یہ سوال کہ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایمانی شقیں صرف دو تھیں، ایمان باللہ (١) اور ایمان بالقیامت (٢)؟ تو اس کے لئے آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں، جس میں آنحضورؐ اور صحابہ کرام کے ایمان کی وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے:-

● اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ $\frac{٢}{٢٨٥}$ ایمان لایا رسولؐ اُس پر جو اُسکی طرف نازل ہوا اور اُسکے صحابہ مومن بھی۔ سب کے سب اللہ پر، اُسکے ملائکہ پر، اُسکی تمام کتابوں پر، اُسکے تمام رسولوں پر ایمان لائے۔ یہاں ایمان بالآخرت محذوف ہے۔ اور آیت ذیل میں ایمان کی پانچوں شقیں یکجا بیان کر دیگئی ہیں:-

● وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ (١) وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ (٢) وَكُتُبِهٖ (٣) وَرُسُلِهٖ (٤) وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (٥) فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ $\frac{٤}{١٣٦}$ جو کوئی انکار کرے اللہ کا، اور اُسکے ملائکہ کا، اور اُسکی کتابوں کا، اور اُسکے رسولوں کا اور یوم آخرت کا تو وہ

دُور کی گمراہی میں گمراہ ہو گیا۔ پس ثابت ہوا کہ ایمان کی شقیں از روئے قرآنِ حکیم پانچ ہیں جن پر عمل صالح کی شرط کیساتھ نجاتِ اُخروی کو مشروط کیا گیا ہے۔ صرف اپنے اپنے انداز پر خدا تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان لانے کو اعمالِ صالح کی شرط کیساتھ اُخروی نجات مشروط نہیں۔

● نجاتِ اُخروی سے متعلقہ اِس جملہ معترضہ کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں تسلسلِ کلام کے مطابق بنی اسرائیل ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ
بلاشبہ لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے اور بھیجے ہم نے

اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ ۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى
طرف اُنکی رسول۔ جب بھی آیا اُنکے پاس کوئی رسول ساتھ اُسکے نہیں چاہتے

اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ ۷۰
جی اُنکے۔ ایک گروہ کو جھٹلاتے اور ایک سے لڑائی کرتے

اور بیشک بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا (کہ وہ ہمارے رسولوں پر ایمان لاتے رہیں گے) اور ہم اُنکی طرف رسول بھیجتے رہے۔ مگر جب بھی کوئی رسول اُنکی طرف وہ تعلیم لیکر آتا جسے اُنکے جی پسند نہیں کرتے تھے (یعنی قانونِ مساوات) تو وہ اُن (رسولوں) کی کسی جماعت کو جھٹلا دیتے اور کسی جماعت کیساتھ جدال و قتال بھی کرتے ۔[1]

● [1] مادہ ق۔ ت۔ ل = قتل کا معنیٰ جنگ کرنا بھی ہے۔ اللہ کے رسول مقتول یعنی مغلوب نہیں ہو سکتے تھے جیسے کہ آیتِ ذیل میں موجود ہے:۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ $\frac{58}{21}$ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، فرض کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب رہیں گے۔ قتلِ انبیاء کی تفصیل بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اوّل کے صفحہ ۔ پر ملاحظہ فرمائیں۔ اگلی آیت بھی اسی چیز کی تائید کرتی ہے:۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ
اور گمان کیا کہ نہ ہوگا جنگ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے پھر

تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ
لوٹ آیا اللہ اوپر اُنکے۔ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے اکثر اُن میں سے

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۷۱
اور اللہ دیکھنے والا ساتھ اُسکے جو وہ عمل کرتے تھے

اور اُن (رسولوں کو جھٹلانے اور اُن سے لڑنے والے بنی اسرائیل) نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ (انکار رسولاں سے) مقابلہ نہ ہو سکیگا، (کیونکہ وہ طاقت کے نشے میں) اندھے بہرے ہو چکے تھے۔ (لیکن انہیں شکست ہوئی $\frac{58}{21}$ پھر اُنہیں معاف کر دیا (اُنہیں زمینوں کی وراثت عطا فرمائیں۔ لیکن طاقت میسر آنے پر) اُنکی اکثریت پھر اندھی بہری ہو گئی۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کرتے تھے۔

نصاریٰ کے دو عقیدے

● یہودیوں کی نافرمانیوں کے ذکر کے بعد:۔ اگلی دو آیتوں میں نصاریٰ کے دو عقیدے بتائے گئے ہیں کہ مسیح ہی اللہ ہے اور دوسرا یہ کہ اللہ تینوں میں کا تیسرا ہے:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ۱۱ بیشک وہ لوگ کفر کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ جو ہے

بلاشبہ کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ وہی ہے مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا

بیٹا مریم کا حالانکہ کہا مسیح نے اسے بنی اسرائیل فرمانبرداری کرو

اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ

اللہ کی ۔ رب میرا اور رب تمہارا ۔ بیشک جس نے شرک کیا ساتھ اللہ کے پس بیشک

حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا

حرام کردی ۔ اللہ نے اوپر اسکے جنت ۔ اور ٹھکانہ اسکا ہے آگ ۔ اور نہیں

لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝٧٢

واسطے ظالموں کے کوئی مددگار

تو وہ مسیح ابن مریمؑ ہی ہے ۔ (حالانکہ مسیح نے انہیں (یہ تعلیم نہیں دی تھی) مسیحؑ نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل خالصتہً اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو ۔ جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ایک جیسا رب ہے (جس طرح میں اُسکی ربوبیت کا حقدار ہوں اُسی طرح تم اُسکی ربوبیت کے حقدار ہو) بیشک جس نے اللہ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اُس پر جنت حرام کردی ۔ اور اُسکا ٹھکانہ آگ ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ (آخرت کے دارالجزا میں) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ۔

لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ

بیشک کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ ہے تیسرا تین کا

وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا

حالانکہ نہیں کوئی الٰہ سوائے الٰہ ایک کے ۔ اور اگر نہ باز آئیں

عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ

اُس سے جو کہتے ہیں ۔ البتہ مس کریگا جنہوں نے کفر کیا اُن میں سے عذاب

أَلِيمٌ ۝٧٣

دردناک

بیشک کفر کیا جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تین میں کا تیسرا ہے (اللہ مسیحؑ اور مریمؓ میں کا تیسرا) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک اکیلے فرمانبرداری کیئے جانیوالے الٰہ واحد کے سوا اور کوئی الٰہ (فرمانبرداری کیا جانیوالا) ہے ہی نہیں ۔ اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور کفر کرنیوالوں کو (آخرت کے دارالجزا میں) دردناک عذاب پہنچیگا ۔

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ

کیا پھر نہیں رجوع کرتے طرف اللہ کے اور نہیں بخشش مانگتے اُس سے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٧٤

بیشک اللہ معاف کرنیوالا مہربان ہے

پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور کیوں اُس سے بخشش طلب نہیں کرتے ۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانیوالا اور بے حد مہربانی کرنیوالا ہے ۔

حضرت مسیحؑ کا حقیقی مقام

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہ محترمہ کے حقیقی مقام کی وضاحت کیگئی ہے کہ نہ مسیح اللہ تھے اور نہ وہ تین خداؤں میں سے تیسرے تھے ۔ اور نہ ہی آپکی والدہ تین خداؤں میں سے ایک تھی ۔ بلکہ مسیحؑ تو صرف اللہ کے رسولؑ تھے ۔ اور حضرت مریمؓ ایک راستباز خاتون تھیں ۔ دونوں ماں بیٹا اللہ کے بندے تھے ۔ دونوں کھانا کھاتے تھے یعنی دونوں جملہ بشری عوارضات کے حامل تھے ۔

اسلئے وہ کس طرح خدا یا خدا کے حصے ہوسکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنکی بشریت کو نصاریٰ کے عقیدے کے بطلان کیلئے بطور دلیل وبرہان قاطع پیش کیا ہے:-

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
نہیں تھے مسیح بیٹے مریم کے مگر صرف رسول۔ بیشک
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ
گزر گئے پہلے اُن سے بہت رسول۔ اور اُنکی ماں سچی تھی
كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ
تھے دونوں کھانا کھاتے۔ غور کر کس طرح ہم بیان کرتے ہیں واسطے اُنکے
الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝۷۵
نشانیاں پھر غور کر کس طرف کو وہ الٹے پھرے جاتے ہیں۔

نہیں تھے حضرت مسیح بیٹے مریمؑ کے مگر صرف رسول تھے بیشک (حقیقت یہ ہے کہ) اُن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اور اُنکی والدہ محترمہ راستباز خاتون تھیں۔ وہ دونوں بندے تھے اور وہ دونوں (بشری تقاضوں کے مطابق) کھانا کھاتے تھے۔ (اے مخاطب!) غور کر کہ ہم اُن (نصاریٰ) کیلئے اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں (کہ مسیح و مریم بندے تھے خدا نہیں تھے)۔ پھر غور کر کہ وہ اِسکے باوجود) کس طرف کو اُلٹے پھرے جارہے ہیں۔

کھانا کھانا بشری تقاضا ہے اُلوہیت اس سے صد فیصد پاک ہے

● سورہ انعام میں آیا ہے: قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۶/۱۴ اے رسولؐ! کہدیجئیگا۔ کیا میں اللہ کیساتھ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے کوئی اور الٰہ ٹھہرالوں حالانکہ (لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے الٰہ کھانا کھاتے ہیں)۔ اور اُسکی حالت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کھلاتا ہے، خود کھلایا نہیں جاتا۔ وہ خود نہیں کھاتا۔ کھانا کھانے کیساتھ بول و براز بھی لازم و ملزوم ہیں۔ باری تعالیٰ نے مسیح و مریم کے کھانا کھانے کو اُنکی عدم اُلوہیت کی ناقابلِ تردید دلیل پیش فرمائی ہے۔

نفع یا نقصان پہنچانا مسیح و مریمؑ سمیت کسی کے بھی قبضے میں نہیں

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں مسیح و مریمؑ سمیت تمام لوگوں کے متعلق، لوگ جن کی نفع کے حصول اور ضرر سے بچنے کیلئے عبودیت کرتے ہیں، وضاحت کردیگئی ہے کہ دنیا بھر میں کسی ایک کو بھی یہ اختیارات حاصل نہیں۔ نفع نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے:-

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ
کہہ کیا تم فرمانبرداری کرتے ہو ساتھ اللہ کے جو کہ نہیں مالک
لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
واسطے تمہارے ضرر کے اور نفع کے۔ اور ہے اللہ ہی خوب سننے والا
الْعَلِيمُ ۝۷۶

(اے رسولؐ!) کہدیجئیگا کہ کیا تم اللہ کیساتھ اُنکے بندے بنتے ہو جو تمہارے لئے کسی بھی ضرر کا اختیار رکھتے ہیں نہ فائدے کا۔ حقیقت یہ ہے کہ (نفع نقصان کا اختیار رکھنے والا صرف اور صرف اللہ ہے) کیونکہ وہی خوب خوب سننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے۔

خوب جاننے والا ہے

● اس طرح حضرت مسیحؑ و مریمؑ کی الوہیت کی کُلی نفی کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب کو غلو فی الدین سے منع فرمایا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ
کہہ اے اہلِ کتاب نہ کرو مبالغہ بیچ دین اپنے بغیر
الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ
حق کے اور نہ کرو پیروی خواہشوں اُس قوم کی بیشک گمراہ ہوئے سے پہلے
وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۷۷
اور گمراہ کیا بہتوں کو اور گمراہ ہوئے سے راہ سیدھی

(اے رسولؐ!) کہدیجیئے کہ اے اہلِ کتاب اپنے دین میں ناحق مبالغہ آرائی نہ کرو۔ (بندوں کو خدا نہ بناؤ) اور اُس قوم کی پیروی نہ کرو جو (خدا کے بیٹے کا عقیدہ ایجاد کر کے) پہلے خود گمراہ ہوئے۔ اور پھر بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس قوم پر حضرت داؤدؑ و مسیحؑ دونوں نے لعنت بھیجی تھی:-

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
لعنت کئے گئے جنہوں نے کفر کیا میں سے بنی اسرائیل کے
عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ
اوپر زبان داؤد اور بیٹے مریم کے۔ وہ
بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۷۸
بسبب اُسکے جو نافرمانی کی اور تھے کرتے سرکشی

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے (ضابطۂ خداوندی کا) انکار کیا اُن پر حضرات داؤدؑ اور عیسٰیؑ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت بھیجی تھی۔ وہ اسلئے کہ وہ لوگ اللہ کی حدیں پھاندتے تھے۔ (ضابطۂ خداوندی کی عملاً مخالفت کرتے تھے)

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ
تھے نہ رُکتے سے برائی کے کہ کرتے تھے اسے
لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۷۹
البتہ برا ہے جو تھے وہ کیا کرتے

تھے وہ ایسے کہ برائی سے باز نہیں آتے تھے مسلسل برائی کرتے جاتے۔ بیشک کسقدر برا ہے جو وہ فعل (ضابطۂ الٰہی کے خلاف) کیا کرتے تھے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ
دیکھتا ہے تو بہتوں کو ان میں سے اُنکے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا
لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ
البتہ بُرا ہے جو آگے بھیجا واسطے اپنے جانوں انکی نے کہ ناراض ہوا

دیکھتا ہے تو اے دیکھنے والے اُن میں سے اُنکی کثرت کو کہ وہ دوستی کرتے ہیں اُن سے جو ضابطۂ الٰہی کے منکر ہیں۔ البتہ کتنا بُرا ہے جو اُنکے نفس نے اُنکے لئے آگے بھیجا ہے۔ ایسے کہ ناراض ہوا اللہ اُن پر اور وہ عذاب میں ہمیشہ

اللّٰہُ عَلَیۡهِمۡ وَ فِی الۡعَذَابِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ ۸۰
اللہ اوپر اُنکے اور بیچ عذاب کے وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں

رہنے والے ہیں۔

● آگے فرمایا۔
وَلَوۡ كَانُوۡا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِىِّ وَمَاۤ اُنۡزِلَ
اگر ہوتے ایمان لاتے ساتھ اللہ کے اور نبی کے اور جو نازل ہوا
اِلَیۡهِ مَا اتَّخَذُوۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ وَلٰـكِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ
طرف اسکے نہ بناتے انہیں دوست - ولیکن بہت ہیں سے اُنکے
فٰسِقُوۡنَ ۸۱
بیحد بے پہچاننے والے

اگر وہ ایسے ہوتے کہ ایمان لاتے ساتھ اللہ کے اور نبی (مکی) کے اور ساتھ اس (کتاب کے) جو نازل ہوئی طرف اُسکے، تو یہ اُن (مذکورہ کافروں) کیا تھ دوستی نہ کرتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثریت خدا تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والی ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيۡنَ
البتہ پائیگا تو سخت لوگوں میں سے عداوت میں واسطے انکے جو
اٰمَنُوا الۡيَهُوۡدَ وَالَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا‌ ۚ وَلَتَجِدَنَّ
ایمان لائے، یہودی ہیں اور وہ بھی جنہوں نے شرک کیا اور تو پائیگا
اَقۡرَبَهُمۡ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا
قریب تر انکے محبت میں واسطے انکے جو ایمان لائے جنہوں نے کہا
اِنَّا نَصٰرٰى‌ ؕ ذٰ لِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ وَ
بیشک ہم نصرانی ہیں۔ وہ اسلئے کہ اُن میں عالم ہیں اور
رُهۡبَانًا وَّاَنَّهُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۸۲
خدا خوف ہیں اور بیشک وہ نہیں تکبر کرتے

البتہ (اسے مخاطب!) تو ضرور پائیگا مومنوں کیلئے عداوت میں سخت ترین یہودیوں کو اور انکو جنہوں نے شرک کیا۔ اور ضرور پائیگا تو قریب تر محبت میں واسطے ایمان والوں کے انہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ وہ اسلئے کہ ان میں ایک گروہ علماءِ ربانی کا بھی ہے اور ایک گروہ ان میں وہ ہے وہ اللہ سے ڈرنیوالے ہیں۔ اور وہ بلاشبہ تکبر نہیں کرتے (وہ لوگ حقیقت شناس، حقیقت پسند اور خدا خوف ہیں، وہ پہلے ہی سے مومن ہیں)۔

یہودی مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں

● علے اشد الناس عداوۃ کے الفاظ میں یہودیوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں۔ اسکے برعکس
● ملے زمانۂ رسالت کے عیسائیوں کے ایک گروہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان کی محبت میں سب سے قریب ہیں۔
یہاں اس چیز کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ یہودیوں کے متعلق قیامت تک کیلئے بتادیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے شدید ترین دشمن رہینگے۔ اور عیسائیوں کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ وہ قیامت تک مسلمانوں سے محبت کرینگے بلکہ اُن میں سے زمانۂ رسالت کے صرف ایک گروہ کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ اُن میں نیک عالموں اور خدا خوف پیروں کا ایک گروہ موجود ہے۔ وہ محبت میں

مسلمانوں کے بہت قریب تر ہے چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت ثابت ہے کہ جب انہوں نے قرآن مجید سُنا تو اُنکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں:-

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ
اور جب سُنتیں جو نازل ہُوا طرف رسول کے دیکھتا ہے تو
أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ
آنکھیں اُنکی بہتی ہیں سے آنسوؤں بسبب اسکے پہچانا انہیں سے
الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ ۸۳
حق کے کہتے ہیں رب ہمارے ایمان لائے ہم پس لکھ لے ہم کو ساتھ گواہوں کے

اور جب وہ نیکو کار نصاریٰ سُنتے ہیں جو رسولِ عربی کی طرف نازل ہُوا۔ تو (اے رسول!) آپ دیکھتے ہیں کہ اُنکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس سبب سے کہ اُنہوں نے حق (قرآن) کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں اِسکی تصدیق کرنیوالوں میں لکھ لے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ
اور کیا واسطے ہمارے نہ ایمان لائیں ہم ساتھ اللہ کے اور جو آیا ہمارے پاس حق سے
وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِينَ ۝ ۸۴
اور ہم طمع کرتے ہیں کہ داخل کرے ہمکو رب ہمارا ساتھ قوم نیکوں کے

اور کیا عذر ہے اب ہمارے لئے کہ ہم ایمان نہ لائیں اُس پر جو حق (قرآن) ہمارے پاس آگیا ہے۔ حالانکہ ہم طمع کرتے ہیں ہمارا رب ہمیں صالحین کی قوم (صحابۂ رسولؐ) میں داخل کرلے۔

فَأَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوا جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ
پھر جزا دی اُنہیں اللہ نے بسبب اُسکے جو کہا اُنہوں نے باغات، چلتی ہیں میں سے
تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ جَزَاءُ
نیچے اُنکے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے بیچ اُنکے۔ اور مذکورہ بالا بدلہ ہے
الْمُحْسِنِينَ ۝ ۸۵
احسان کرنیوالوں کا

پھر جزا عطا فرمایا اللہ نے اُنہیں ہموار و متوازن معاشرہ، (دنیا اور آخرت میں) جس میں (ضروریاتِ زندگی کی) نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور مذکورہ بالا جزا (اللہ کی طرف سے معاشرہ میں) توازن قائم کرنیوالوں کی ہے۔

سارے عیسائی مسلمانوں کے دوست نہیں

● آگے بڑھنے سے پہلے اس غلط فہمی کا دور کرنا ضروری ہے کہ آیت نمبر ۸۲ میں جو نصاریٰ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ محبت میں مسلمانوں کے قریب تر ہیں تو یہ عام عیسائیوں کے متعلق کہا گیا نہیں بلکہ عہدِ رسالت کے کچھ حق شناس عیسائی علماء و مشائخ تھے جو غیر محرف انجیل مقدس میں آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خوشخبری پڑھ کر آپکی آمد کے منتظر تھے۔ جب اُنہوں نے آنحضورؐ کی زبانِ صدق ترجمان سے قرآنِ حکیم سُنا تو فوراً پہچان لیا کہ یہ اُسی ذات کا نازل کردہ کلام ہے، جس نے انجیل پاک نازل فرمائی تھی۔

● اُن پاک لوگوں کو انجیل کی خوشخبری سے جس کا حوالہ باری تعالیٰ نے ۷/۱۵۷ + ۹/۱۱۱ + ۴۸/۲۹ میں نازل فرما رکھا ہے، جان لیا کہ وہ مقدس ہستی جو مسیحؑ کے بعد تشریف لانیوالی ہے وہ اور اُسکے ساتھی سب صالحین ہونگے، اس لئے وہ اپنے اذہان

میں یہ طمع لئے ہوئے تھے کہ وہ اُس مقدس جماعت میں داخل ہو جائینگے - چنانچہ جب اُنہوں نے آنحضورؐ کی زبانِ صدق ترجمان سے کلامِ صدق ترجمان سُنا تو آنکھوں میں صدق و محبت کے آنسو اُمنڈ آئے - قرآن پر اور جس ذات پہ نازل ہوا تھا بلا توقف ایمان لے آئے - اور آنحضورؐ کی مقدس جماعت میں شامل ہو کر سرگرم عمل ہو گئے - اس خالص اور سچے ایمان ہی کی جزا خدا تعالیٰ کی طرف ہمیشہ کی جنت اور رضی اللہ عنھم اور رضوا عنہ کی سند زندگی ہی میں عطا کر دیگئی - یہ بیان زمانۂ رسالت کے مذکورہ عیسائی حضرات کا ہے - نہ تو یہ زمانۂ رسالت کے تمام عیسائیوں کا ہے اور نہ قیامت تک کے عیسائیوں کا - جیسے کہ مشاہدہ گواہ ہے کہ عیسائی قوم عموماً اہلِ اسلام کی انتہائی دشمن ہے، اسلامی ممالک میں سازشیں اور انتشار پیدا کرنا، اسکا مستقل کردار ہے - مذکورہ بالا چند افراد کے سوا زمانۂ رسالت کے باقی عیسائیوں سمیت سب انکار کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ
اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلائیں آیتیں ہماری وہ سب

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ۸۶ ع ۹/۱
صاحب ہیں آگ کے

(یہ تو ہوئے ایمان لانیوالے) اور (اُنکے سوا) جنہوں نے ہمارے ضابطے کا انکار کیا اور ہماری آئتوں کو جھٹلایا وہ سب اہلِ جحیم ہیں (دنیا میں ناہموار معاشرہ کی آگ میں جلینگے اور قیامت کو ناکامی کی آگ میسر آئیگی -

تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہونا

● اس سے اگلی آئت مجیدہ میں اہلِ کتاب کی اُس نافرمانی کے متعلق خبر دیگئی ہے جو اُنہوں نے اللہ کی حلال چیزوں کو حرام ٹھہرا لیا تھا - اہلِ اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ
اے وہ جو ایمان لائے ہو نہ حرام کرنا پاکیزہ چیزیں جو حلال کیں

اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ سرکشی کرنا - بیشک اللہ نہیں پسند کرتا

الْمُعْتَدِيْنَ ۝ ۸۷
سرکشوں کو

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ الٰہی کیساتھ) ایمان لائے ہو نہ حرام کرنا اُن پاکیزہ (صحت بخش چیزوں) کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں - اور اُسکی نافرمانی نہ کرنا - بیشک اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا -

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّ
اور کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا تم کو اللہ نے حلال اور پاک، اور

اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ ۸۸
ڈرو اللہ سے جس کے تم ساتھ اُسکے ایمان لانیوالے ہو

اور کھاؤ اُس میں سے جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے حلال اور صحت بخش - اور اُس اللہ کے نازل کردہ ضابطے کی مخالفت سے بچو، تم جس کیساتھ ایمان لانیوالے ہو کر ایمان لا چکے ہو -

● عٰا اہلِ کتاب کے یہودیوں کے متعلق ۶/۱۴۶ + ۱۶/۱۱۸ میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے ناخنوں والے جانور اور گائے، بھیڑ بکریوں کی پشت، ہڈیوں اور انتڑیوں کی چربی کے سوا باقی چربی حرام کر رکھی تھی۔

حلال کو حرام ٹھہرانیوالی قسمیں کفارہ ادا کر کے توڑ دیا کرو

● ربطِ کلام کے مطابق اگلی آیت میں اُس مشکل کا حل بتایا گیا ہے جو بعض لوگ قسمیں کھا لیتے ہیں کہ فلاں حلال چیز عمر بھر نہ کھاؤنگا۔ نیز جو لوگ تعویز گنڈے استعمال کرتے ہیں، تعویز نویس انہیں کہتے ہیں کہ گائے کا گوشت نہ کھانا ورنہ تعویز اثر نہیں کریگا۔ اور یا کہتے ہیں کہ کوئی ایک سبزی یا پھل یا کوئی دال کھانا چھوڑ دو۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ تعویز حاصل کرنیوالے مرد یا زن گائے کا گوشت، بینگن، امرود یا مسور کی دال نہ کھانے کی قسم کھا لیتے ہیں۔ اہلِ اسلام میں ایسی روش یہود و نصاریٰ کے ہاں سے درآمد کردہ ہے۔ قرآنِ کریم نے ہر مشکل کا مقابلہ اللہ کے خود پیدا کردہ مادی ذرائع کیساتھ کرنے کی تاکید کی ہے، اسکے برعکس تکوینی قوانین کا توڑ تعویز گنڈے نہیں بتائے۔

● چنانچہ حلال کو حرام کرنے کیلئے کھائی ہوئی تمام قسموں کے متعلق تاکید کیگئی ہے کہ اگر یونہی مذاق کے طور پر قسم کھائی ہے تو اُسے بلا توقف توڑ ڈالو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور اگر پکے ذہنی ارادہ کیساتھ قسم کھائی ہے تو اُسے کفارہ ادا کر کے توڑ دو، اور اللہ کی حلال کردہ نعمتوں کا فوراً استعمال شروع کر دو۔ اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانا کفر کے مترادف ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ
نہیں پکڑتا تم کو اللہ ساتھ لغو کے بیچ قسموں تمہاری کے اور
لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ
لیکن پکڑیگا تم کو ساتھ اسکے جو پکا کیا تم نے قسم کو پس کفارہ اسکا
اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ
کھانا کھلانا دس مسکینوں کو میں سے درمیانہ جو تم کھلاتے ہو
اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ
اہل اپنے کو یا کپڑے پہنانا یا آزاد کرنا ایک گردن کا۔ پھر جو نہ
يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ
پائے تو روزے رکھنا ہے تین دن۔ یہ کفارہ ہے قسموں تمہاری کا
اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
جب تم قسم کھالو۔ پھر تم حفاظت کرو اپنی قسموں کی، اسی طرح بیان کرتا ہے

(ایمان والو!) اللہ تعالیٰ تمہاری مُہمل قسموں پر کوئی مواخذہ نہیں کرتا۔ ولیکن اُن قسموں پر گرفت کریگا، جو تم نے (کسی حلال کو حرام کرنے کیلئے) محکم ارادہ کیساتھ کھائی ہوں۔ پھر قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔ یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا ہے اور یا ایک غلام یا مقروض کی گردن آزاد کرانا ہے۔ پھر جو کوئی یہ چیزیں نہ پائے (یا متوازن معاشرہ قائم ہو چکا ہو اور کوئی مسکین یا غلام اور مقروض معاشرہ میں موجود نہ ہو) تو پھر تین روزے رکھنا ہے۔ مذکورہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم نے حلفیہ کھائی ہوں۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کر دو (یعنی قسموں سے بچو تمہاری تو بات ہی قسم ہے) اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اُسکے حلال کو استعمال میں لاکر اُسکے شکر گزار بنے رہو۔

اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝۸۹

اللہ واسطے تمہارے آیتیں اپنی تاکہ تم شکر کرو

ہر نشہ آور چیز حرام ہے ● پیچھے آیت نمبر ۸۷ میں طیبٰت یعنی پاکیزہ، صحت بخش چیزوں کو حرام کرنے سے منع کیا گیا ہے، اِسی ربط کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں حرام چیزوں کی مختصر فہرست پیش کیگئی ہے ہر نشہ آور چیز، بلا محنت مال، وہ مقامات جہاں کسی کے نام کا جھنڈا گاڑ کر نذریں وصول کرنے کا اڈا بنالیا جائے۔ اور جُوئے کے تیر، ان سب چیزوں کو اہلِ اسلام، یعنی اُن لوگوں پر جو اللہ، ملائکہ، کتب، رسُل اور قیامت پر ایمان لاچکے ہیں حرام کر دیا ہے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ[1] وَالْمَیْسِرُ[2]

اے وہ جو ایمان لائے ہو بلاشبہ نشہ آور چیزیں اور بلا محنت مال

وَالْاَنْصَابُ[3] وَالْاَزْلَامُ[4] رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ[5]

اور استھان اور جوئے کے تیر ناپاکی ہیں، ہیں سے عمل شیطان کے

فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰

بچو اس سے تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو واضح ہے کہ وہ ہر چیز جو دماغ کو ڈھانپ لے[1] (ماؤف کردے)، اور ہر وہ مال جو بلامحنت حاصل ہو[2] خصوصاً وہ مقام جہاں نذریں وصول کرنے کیلئے جھنڈے گاڑے جائیں[3] اور جوئے کے تیر[4] یہ سب ایک ہی سطح کے ناپاک شیطانی اعمال ہیں[5]۔ پس اِن سے بچو تاکہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہوجاؤ۔

الخمر کیا ہے؟ ● ۱ لفظ خمر کا سہ حرفی مادہ خ، م، ر ہے، جس کا بنیادی مفہوم ہے ڈھانپ لینا چنانچہ اِس مادہ سے لفظ خمار ہے جس کا معنی ہے وہ بڑی اوڑھنی جو عورتوں کے سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ جمع کے صیغے میں آیا ہے۔ وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ $\frac{24}{31}$ اور چاہیے کہ عورتیں جب باہر نکلیں تو اپنی بڑی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔ لہذا خمر ہر اُس کھانے پینے کی چیز کو کہا جاتا ہے جو انسانی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اس میں شراب، بھنگ، گانجہ، افیون، چرس، نبیذ اور بھنگ کے پکوڑے وغیرہ شامل ہیں۔

المیسر کیا ہے؟ ● ۲ لفظ میسر کا سہ حرفی مادہ ی۔ س۔ ر یسر ہے جس کا بنیادی معنٰی ہے آسانی اور میسر ہر اُس مال کو کہتے ہیں جو اُس مشقت کے بغیر آسانی سے حاصل ہو جو اُتنا مال حاصل کرنے کیلئے لازمی ہوتی ہے۔ رشوت یا ملاوٹ کے ذریعہ حاصل کردہ مال، مکانوں کے کرائے، غیراللہ کی نذریں، سُود، مزدوروں اور کاشتکاروں کی محنت سے کارخانہ داروں اور زمینداروں کو گھر بیٹھے حاصل ہونے والا مال سب میسر میں شامل ہیں۔ جُوا بھی اسی لئے میسر کے زمرے میں آتا ہے کہ جیتا ہوا مال بھی محنت کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔

انصاب کیا ہیں؟ ● ۳ لفظ انصاب، نصب کی جمع ہے اِسکا مصدری معنٰی ہے گاڑنا۔ اِس طرح ہر وہ مکان جہاں

نذریں نیازیں وصول کرنے کیلئے جھنڈا گاڑ دیا جائے خواہ وہاں کوئی بت ہو یا مزار یا محض کوئی آستانہ ہو جہاں لوگوں کی مرادیں پوری کرنے کا تصور دیا گیا ہو، اُسے نصب کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے نذریں نیازیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، اور اُنکے چڑھانے کا مقام صرف اور صرف بیت اللہ شریف ہے۔ اِسکے برعکس الف ننگے اور مخبوط الحواس کی اقامت گاہ پر جھنڈا گاڑ کر نیازیں وصول کرنے کا اڈا نصب ہے۔ کسی پیر نے عوام سے ڈبے رکھوا کر جھنڈا گاڑ دیا کہ ان میں ڈالی گئی رقم میں سے خرچ کرتے رہو مگر ختم نہ ہوگی۔ اور جب پولیس دخل انداز ہوئی، تو ڈبہ پیر صاحب کا فراڈ بے نقاب ہو گیا۔ اِسی طرح بعض مقامات پر روپے اور زیورات دُگنے کرنے کا تصور دیکر روپیہ اور زیورات ہڑپ کر لئے جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ایک طرف تو اعتقادی خمار ہے جو عقل کو ڈھانپ لیتا ہے کہ کیا کسی ڈبے میں رکھی گئی رقم کے متعلق سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ ختم نہ ہوگی؟ اور کیا روپیہ کبھی دُگنا ہو سکتا ہے؟ اور دوسری طرف یہ سارا مال بلا مشقت حاصل کرنے کی بدولت میسر ہے۔ جسے آیتِ مجیدہ ۹۰/۵ میں ناپاک اور عملِ شیطان قرار دیا گیا ہے۔

ازلام کیا ہیں؟

● جُوا کھیلنے کیلئے کچھ پانسے بنائے ہوئے ہوتے ہیں جنہیں ہاتھ میں پکڑ کر زمین پر پھینکا جاتا ہے اور اُنکی اُلٹ سیدھ کے مطابق ہار جیت مقرر کیگئی ہوتی ہے۔ عربوں کے ہاں تیروں کیساتھ جُوا کھیلا جاتا تھا جس کا تیر آگے نکل جاتا وہ داؤ پر لگایا گیا سارا مال لے لیتا تھا۔ چونکہ ایسا مال بھی بلا مشقت حاصل ہوتا ہے اسلئے اِسے بھی عملِ شیطان اور ناپاک قرار دیدیا گیا ہے۔ لفظ ازلام کی واحد ہے زلم، جس کا سہ حرفی مادہ ز۔ل۔م ہے، اِس مادہ کا بنیادی مصدری معنیٰ گناہ کرنا بھی ہے اور ناک کاٹ دینا بھی ہے۔ جس کا تیر پیچھے رہ جاتا، داؤ پر لگائے ہوئے مال کی ہار کی صورت میں مجازی طور پر اُسکی ناک بھی کٹ جاتی تھی اور وہ مال کے ضیاع کی صورت میں گناہ کا مرتکب بھی ہوتا تھا۔

● ۱۵ آیتِ صدر ۹۰/۵ میں خمر، میسر، انصاب اور ازلام چاروں چیزیں بصورتِ مبتدا لا کر ان سب کی واحد خبر لائی گئی ہے رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۔ یعنی یہ چاروں ایک ہی طرح کی قلبی نجاست ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ چاروں چیزیں انسانی عقل کو ڈھانپ لیتی ہیں، ماؤف کر دیتی ہیں۔ پہلے نمبر پر خمر یعنی نشہ آور اشیاء سے تو بالفعل دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے نمبر پر بلا مشقت مال حاصل کرنیوالے کا دماغ انسانی سطح پر نہیں رہتا۔ مالک مکان کرایہ دار کو، زمیندار مزارع کو اور کارخانہ دار مزدوروں کو اور پیر مُریدوں کو ایک سیکنڈ کیلئے بھی اپنی سطح کے انسان سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ عقل میں فتور آجاتا ہے۔ دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔

● اور اِس سے آگے تیسرا نمبر ہے انصاب کا جن سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں بھی وہی حال ہے کہ جُونہی کسی نصب، آستانہ یا درگاہ سے منسلک ہوئے دماغ ماؤف ہو گیا۔ پیر صاحب خود عرصہ دراز سے بیمار پڑے ہیں لیکن اُنہی سے اپنی بیماری کیلئے پانی دم کرایا جا رہا ہے۔ پیر صاحب خود بے اولاد ہیں مگر اولاد کیلئے اُنہی سے تعویز لئے جا رہے ہیں۔ یہ عجب

کی خود بیوی کے ساتھ ناچاکی ہے مگر خانگی حالات کے سُدھار کیلئے اُنہی سے دعا کرائی جارہی ہے۔ کیا دماغ ماؤف نہیں؟ اس سلسلے کی آخری چیز ہے ازلام یعنی جوئے کے تیر۔ یاد رہے کہ جوا بھی دماغ کو معطل کر کے رکھ دیتا ہے۔ کل بیوی کی بالیاں بیچ کر ہرا دی تھیں اور آج اُس بچاری کا ہار بیچ کر ہرا دیا ہے۔ کیا یہ عقل گم کردگی کی علامت نہیں تو اور کیا ہے؟ قربان جائیے ذات باری کے، کس طرح خمر، میسر، انصاب اور ازلام کو ایک ہی سطح کا شیطانی عمل قرار دے کر واضح کر رکھا ہے کہ جس طرح خمر عقل کو ڈھانپ لیتا ہے، اسی طرح باقی تینوں بھی عقل پر چھا جاتی ہیں۔

خمر اور میسر دونوں منبع بُغض و عداوت ہیں

● سلسلہ درس کی اگلی آیت طیبہ میں خمر و میسر کی ایک خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ ان سے باہمی بغض و عداوت پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ
بیشک ارادہ کرتا ہے شیطان کہ ڈالدے درمیان تمہارے

الْعَدَٰوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ
عداوت اور بغض بذریعہ نشہ اور بلا مشقت مال کے اور روکدے تم کو ذکر

اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَوٰةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ۝٩١
اللہ کے اور سے مرکزی نظام کے۔ پس کیا تم باز آنیوالے ہو

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ شیطان (نفسِ امارہ) ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے درمیان نشہ آور چیزوں اور بلا مشقت مال حاصل کرنے کے ذریعہ دشمنی اور نفرت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کے ذکر (قرآنی تعلیم) سے روکدے۔ خصوصاً تمہیں (ذاتی مفاد کے چکر میں پھنسا کر متوازن معاشرہ، نظام) صلوٰۃ سے روکدے۔ پھر اس وضاحت کے باوجود کیا تم خمر و میسر سے باز آنیوالے ہو؟

● نشہ کا عادی تو صرف نشہ کا دوست ہے۔ نشہ نہ ملے تو والدین اور اولاد تک کا دشمن ہے:۔

پورا خاندان جائے بھاڑ میں، گھر کے برتن اور بستر تک بیچ کر نشہ پورا کرتا ہے۔ اسی طرح کارخانہ دار کو مزدور کیا تھا، زمیندار کو مزارع کیا تھا کوئی ہمدردی نہیں ہوتی جن کی کمائی میسر پہ یہ لوگ دادِ عیش دیتے ہیں۔ اِن فریقین کے اذہان میں ایکدوسرے کی پوشیدہ عداوت ہر آن موجود ہوتی ہے۔

● کارخانہ دار اور زمیندار، مزدوروں مزارعوں کے زورِ بازو کا کمایا ہوا لکھوکھا روپیہ سمیٹے چلے جاتے ہیں مگر اُنہیں اتنی اُجرت دیتے ہیں کہ وہ صرف زندہ رہ سکیں۔ مزدور بیچارہ ہزار کنناتا ہے کہ میرا چار سو روپیہ ماہوار میں گزارہ نہیں ہوتا مگر کارخانہ دار کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اور یہی حال زمیندار کا ہے کہ جانتے بوجھتے مزارعوں کی معاشی حالت کو تنگ کئے رکھتے ہیں۔

● اِنہی حقائق کے مطابق $\frac{5}{91}$ میں خبر دی گئی ہے کہ خمر و میسر باہمی بغض و عناد پیدا کرتے ہیں۔ نشہ کے عادی فرد اور اُسکے اپنے افرادِ کنبہ میں عناد پرورش پارہا ہوتا ہے، کارخانہ دار اور مزدوروں میں، زمیندار اور مزارعوں میں دائمی عداوت کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔ لیکن بچارے مزدور اور مزارع اپنی کمزوری اور بے بسی کی بدولت اُنکے ظلم

ظلم کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔

غلط معاشرہ کا واحد حل

● آیت زیر بحث میں ایسے غلط معاشرہ کا ایک ہی حل بتایا گیا ہے اقامتِ صلوٰۃ اور استفہام انکاری کے حصر فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ میں اس نظام کے مخالف نظام سے باز رہنے کی تاکید تنبیہی کیگئی ہے۔ اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ استفہام کے ذریعہ کیگئی تنبیہہ سے سرتابی اللہ تعالیٰ کی انتہائی ناراضگی کا موجب ہوتی ہے۔ عالمِ اسلام پر جو ہر وقت مصائب و ادبار کے بادل چھائے رہتے ہیں کیا اِنکی وجہ یہی تو نہیں کہ ہر اسلامی ریاست، ہر مسلمان قوم اور ہر مسلمان فرد اجتماعی نظام کی بجائے اُس انفرادی مفاد پرستی کا پرستار ہو چکا ہے، جس کے متعلق مُتنبّہ کیا گیا ہے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کیا تم اِس سے باز آنیوالے ہو تو کیا ہم باز آنے کیلئے تیار ہیں؟

نظامِ صلوٰۃ، یعنی متوازن معاشی نظام اللہ کے رسولؐ کے ہاتھوں قائم ہو گا

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظِ مخصوص حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے رسولؐ کیساتھ مل کر نظامِ صلوٰۃ (متوازن معاشرہ) قائم کرو۔ جس میں نہ انفرادی مفاد کوشی کی گنجائش ہو گی۔ نہ اُس میں کوئی بالا دست ہو گا، نہ زیر دست۔ نہ اُس میں خمر، میسر، انصاب اور ازلام جیسے دماغ کو ماؤف کرنے والے انسانیت سوز تصورات راہ پا سکینگے۔ اور نہ اُن کی بدولت معاشرہ کے ہر گوشے میں بُغض و عناد در پردہ پرورش پا رہے ہونگے۔ ارشاد ہوا ہے:-

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا
اور حکم مانو اللہ کا بذریعہ حکم ماننے رسول کے، اور بچ جاؤ
فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
پھر اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ بیشک اوپر رسول ہمارے کے پہنچا دینا ہے
الْمُبِيْنُ ۝۹۲
ظاہر

(ایمان والو! خمر، میسر انصاب اور ازلام سے بچو) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو بذریعہ اطاعت کرنے اُسکے رسولؐ کے اور (اللہ کے احکام کی مخالفت سے) بچو۔ اگر تم نے روگردانی کی، تو جانتے رہو کہ (انہی اندھیر گردیوں میں پھنسے رہوگے) اسکے سوا کوئی بات نہیں کہ ہمارے رسولؐ کے ذمّہ ہمارے پیغام کو ظاہر طور پر پہنچا دینا ہے۔

● اس حکم کے مطابق ظاہر ہے کہ جب لوگ اللہ کے رسولؐ کیساتھ مل کر اللہ کی اطاعت کرینگے تو یقیناً یقیناً ہموار و متوازن معاشرہ عالمِ وجود میں آئیگا۔ جس میں نہ انفرادی کارخانہ داریوں، زمینداریوں، جاگیرداریوں اور مشیخیت کے ذریعہ حاصل کردہ میسر یعنی مُفت کے مال کے حصول کی گنجائش ہو گی اور نہ اُس نظام میں کوئی نشہ آور چیز راہ پا سکے گی۔

● اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کی مفصّل بحث کیلئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۲۶ صفحہ ۵۹ ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں اتنا عرض کرنا ہے درمیانی واؤ کا معنیٰ ہے "بذریعہ" (قرآنی سند کیلئے دیباچہ کا صفحہ ۸۷) اس قسم کی آیتوں سے اللہ اور رسول صلعم کی دو الگ الگ اطاعتیں تسلیم کرنا ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰ + ۱۸/۲۶ کے خلاف ہیں جہاں حصر کیساتھ کہدیا گیا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (متنبہ رہو کہ) اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں۔ لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۱۸/۲۶ وہ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ پس اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اکیلے اللہ کی اکلوتی اطاعت کرو اُسکے بھیجے ہوئے رسول صلعم کے ذریعہ۔ اور اللہ کے رسول لائے ہیں اللہ کی کتاب قرآن کریم جس میں اللہ تعالیٰ کی واحد فرمانبرداری کے جملہ احکام محفوظ موجود ہیں۔ آپ نے انہی کی فرمانبرداری کرائی تھی۔

قرآنی معاشرہ بتدریج ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آخری منزل تک پہنچ جائیگا

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خبر دیگئی ہے کہ رسول صلعم مقبول کے ذریعہ اطاعت کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان، و اتقاء میں بتدریج آگے آگے بڑھتے چلے جائینگے۔ رسول اکرم کے قائم کردہ متوازن نظام میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہیں ہوگی، اور ایمان و اتقاء ترقی کرتے کرتے حسن و توازن کی آخری منزل تک پہنچ جائینگے۔

● محوّلہ آیت مجیدہ پیش کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ہوسکتا ہے کسی قاری کے ذہن میں یہ سوال گردش کر رہا ہو کہ جملہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کیساتھ ہموار و متوازن معاشرہ کے قائم کرنے کا کیا تعلق؟ جواباً عرض ہے کہ خدا تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۰ ۲۸/۵۱ اور بیشک ہم نے اپنے قول قرآن مجید کو باہم متوصّل کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ ا آیت مجیدہ کے مطابق ہر مقام پر سیاق و سباق کلام کی مطابقت لازم ہے۔ سیاقِ کلام میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ناہموار معاشرہ کی چار اہم شقوں خمر، میسر، انصاب اور ازلام سے منع کرکے استفہامیہ انداز میں ارشاد فرمایا ہے کہ کیا تم ان سے باز آنے والے ہو؟

● اور ساتھ ہی نفسِ امارہ شیطان کی خبر دیگئی ہے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہدایت کردہ نظام صلوٰۃ یعنی متوازن معاشرہ سے روکتا ہے۔ یہ تو ہوا سیاقِ کلام اور سباقِ کلام یعنی اگلی آیت مجیدہ میں بھی ایسے ہی متوازن معاشرہ کی یہ اہم خبر دیگئی ہے کہ اللہ کے رسول صلعم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرہ میں کھانے پینے کی چیزیں بافراغت میسر آئینگی۔ تنگی اور دشواری کا گزر تک نہ ہوگا۔ اتقا کی دشوار گزار منزلیں بآسانی طے ہوتی چلی جائینگی۔

لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

نہیں اُوپر اُنکے جو ایمان لائے اور عمل کئے اچھے

جو لوگ (ضابطۂ خداوندی پر) ایمان لائیں اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں (جب وہ تعمیر یعنی استحصال)

جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا
کوئی حرج بیچ اسکے کھائیں جب جو بچیں اور ایمان لائیں اور عمل کریں
الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۚ
اچھے پھر بچیں اور ایمان لائیں پھر بچیں اور معلوق کریں
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ ٩٣
اور ہے اللہ پسند کرتا مکمل کرنیوالوں کو
ع ۱۲ / ۲

سے بچ جائیں اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں تو اُنکے لئے با فراغت کھانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہیگی (کیونکہ ترکِ استحصال ہی سے متوازن معاشرہ قائم ہو جائیگا جس میں ہر فرد کو با فراغت کھانے کو ملیگا) پھر وہ (استحصال سے) اور زیادہ بچیں اور اس پر ایمان میں مزید پختہ ہو جائیں۔ پھر (استحصال، مَیسر سے اور زیادہ بچیں اور (معاشرہ میں مکمل حُسن و توازن پیدا کریں (تو اللہ اُنہیں پسند کریگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاشرہ میں توازن پیدا کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

آمَنُوا اور ثُمَّ اتَّقَوا کا تین مرتبہ تکرار

● آیتِ زیرِ نظر میں کھانے کی فراغت اور مَیسر یعنی استحصال سے بچنے کے تین مرتبہ کے تکرار کی خبر سے دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہے کہ قرآنی ہموار و متوازن معاشرہ کی راہ میں رکاوٹ صرف سرمایہ دارانہ استحصالی نظام ہے۔ جس میں ہر طرف مَیسر یعنی استحصال کی چکی چل رہی ہوتی ہے۔ مزارعے کماتے ہیں اور زمیندار عیش کرتے ہیں۔ مزدوروں کی خون پسینے کی کمائی کو شبانہ روز کارخانہ دار سمیٹا چلا جاتا ہے۔ مریدوں کی محنتِ شاقہ کے ماحصل میں پیر صاحبان مُفت کے حصہ دار بنے رہتے ہیں۔ اسلئے استحصال کے خاتمہ پر تکرار زور دیا گیا ہے۔

● نیز تین مرتبہ کے ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا کے تکرار سے ثابت و بیّن ہے کہ اہلِ ایمان جُوں جُوں استحصال سے بچنے، اسکا خاتمہ کرتے چلے جائینگے تُوں تُوں متوازن معاشرہ اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا آخری منزل پر پہنچ جائیگا ورنہ صاف ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ کے آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت کے بعد ثُمَّ کی ترتیب و تراخی کیا تھی پھر تین مرتبہ کے ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا کا کیا مطلب؟

مومنوں کے اِتّقا کا امتحان

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں سورۃ مائدہ کی سابقہ آیتوں میں مربوط و مسلسل مضامین کی وضاحت کے بعد سورۃ مائدہ کی آیتِ اول اُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ کی طرف رُخ کیا گیا ہے۔ جس میں جُگالی کرنے والے چوپایوں کو حلال قرار دیکر، اُنہی میں سے استثنےٰ بیان ہُوئی ہے إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ؕ یعنی بهیمۃ الانعام کی وہ چیزیں حرام ہیں جو تم پر پڑھی جائینگی۔ اور اُنکا اُس حالت شکار کرنا بھی حرام ہے جس وقت کہ تم ایّامِ حج میں بیت الحرام سے سالانہ اجتماع کے لئے آئے ہُوئے ہو۔ مایتلیٰ علیکم کی وضاحت تو ۵ میں گزر چکی ہے کہ بهیمۃ الانعام کا مُردہ، خون، غدود کا گوشت، غیر اللہ کی طرف منسوب کردہ، گلا گھٹ کر مرا، لاٹھی مارنے سے مرا، گر کر مرا،

سینگ لگنے سے مرا، درندے کے مارنے سے مرا، کسی استھان پر ذبح ہوا اور جوئے کے تیروں کیساتھ تقسیم کیا گیا سب حرام ہیں۔ اسکے بعد ایامِ حج میں حلال جانوروں کے شکار کی مخالفت کا مخصوص حکم منفرد آیت مجیدہ نمبر ۹۴ میں بالفاظِ ذیل نافذ فرمایا گیا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو البتہ ظاہر کریگا تمکو اللہ ساتھ ایک چیز کے

مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ

میں سے شکار کے پہنچیں اس تک ہاتھ تمہارے اور تیر تمہارے تاکہ ظاہر کرے

اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ

اللہ اسے جو ڈرتا ہے اُس سے تنہائی میں۔ پھر جو کوئی سرکشی کرے پیچھے

ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۴

اُسکے پس واسطے اُسکے سزا ہے دردناک

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ الٰہی پر ایمان لائے ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ (تمہارے اتقا کو) ایک چیز کیساتھ ظاہر کرتا ہے (وہ بہیمۃ الانعام کا شکار ہے کہ ایامِ حج میں) اُس تک تمہارے ہاتھ بھی پہنچتے ہوں اور تمہارے تیر بھی پہنچتے ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کرے اُس شخص کو جو اللہ سے تنہائی میں ڈرتا ہے (جب اللہ کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو) پھر جو کوئی اس حکم کے بعد نافرمانی کریگا تو اُسکے لئے (ضابطۂ الٰہی میں) دردناک عذاب ہے۔

● علم، علیم کا مصدری معنی ظاہر کرنا $\frac{۳}{۱۴۱}$ + $\frac{۹}{۱۹}$ میں موجود ہے لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ، ابھی اللہ نے جانا نہیں، یہ معنی غلط ہے۔ اور ابھی ظاہر نہیں کیا ٹھیک ہے۔

ایامِ حج میں برّی شکار منع کیوں؟

● ایامِ حج میں برّی شکار اسلئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اُن دنوں میں بیت الحرام کے گرد لاکھوں افراد کا اجتماع ہوتا ہے، جن میں اکثر افراد کا ضروریات کے مطابق (قضائے حاجت وغیرہ کیلئے) اِدھر اُدھر دور نکل جانا بھی ممکن ہے۔ ایسے حالات میں برّی شکار کی اجازت خطرناک ہے کہ شکاری جس چیز کو دور سے شکار سمجھ رہا ہو وہ کوئی انسانی جان نہ ہو، اور یہ اُس پر تیر چلا دے یا فائرنگ کر دے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کے حفظِ ماتقدم کیلئے، ایمان والوں کے نام اعادۂ خطاب کیساتھ ارشاد ہوا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ قتل کرنا برّی شکار جبکہ

اَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ

تم حالتِ احرام میں ہو اور جو اُسے قتل کرے تم میں سے ارادۃً تو سزا ہے

مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

مانند جو قتل کرے ہیں سے چوپائے کے۔ فیصلہ کریں ساتھ اُسکے دو عدل والے تم میں

اے ایمان والو! نہ قتل کرنا برّی شکار کو جب تم (ایامِ حج میں) حالتِ احرام میں ہو۔ اور جو کوئی اُسے تم میں سے جان بوجھ کر قتل کرے تو اُسکی سزا اُس (سزا) کے مثل ہے جو کسی چوپائے کو قتل کیا ہو۔ اِس سزا کا فیصلہ تم میں سے دو صاحبِ عدل افراد کریں کہ کونسا چوپایہ مقتول جانور کے برابر کا ہے) وہ نیازِ کعبہ ہوگا (جو بیت الحرام کے

هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ
ہدیہ پہنچنے والا کعبہ کو - یا بدلہ ہے کھانا مسکینوں کا
اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ
یا بدلہ ہے اُسکا روزے رکھنا - تاکہ وہ چکھے سزا اپنے جرم کی
عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ
معاف کیا اللہ نے اُسے جو ہو چکا - اور جو کوئی اعادہ کرے تو انتقام لیگا اللہ اُس سے
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۞ ۹۵
اور اللہ غالب بدلہ لینے والا

بیت المال میں پہنچایا جائیگا) یا اُسکا کفارہ (دو اصحاب عدل کی مقررہ تعداد کے) مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے - یا اِسکے برابر (دو اصحاب عدل کے فیصلے کے مطابق) روزے رکھنا ہے تاکہ مجرم اپنے جرم کی سزا کا مزہ چکھے - اِس حکم سے پہلے جو کچھ ہو چکا، اُسے اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے - اور جو کوئی دوبارہ ایسا کرے تو اُس سے اللہ ضرور ضرور بدلہ لیگا (سزا دیگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب سزا دینے والا ہے۔

● ۱؎ ایام حج میں برّی شکار کرنے کیلئے قتل کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے کہ اُن ایام میں برّی شکار کرنا منع ہے - حالانکہ ایام حج کے سوا باقی دنوں میں نہ برّی شکار ممنوع اور نہ اسے ایک چوپایہ کے قتل کے مصداق قرار دیا گیا ہے - ممنوعہ ایام میں شکار کو قتل قرار دیکر قانون کی اہمیت بتائی گئی ہے - اگرچہ شکار کرنے والے سے کسی انسانی جان کو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں پہنچتی - لیکن اگر قانون شکنی کی سزا نہ دیجائے تو قانون بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔

● ۲؎ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ کے الفاظ میں یہ فیصلہ کرنا دو اصحاب عدل پر منحصر کر دیا گیا ہے کہ وہ مجرم کے جرم کی نوعیت کے مطابق فیصلہ دینگے کہ یہ قتل کس حلال چوپائے کے قتل کے برابر ہے - مجرم کو ویسا ہی ایک چوپایہ نیاز کعبہ کے طور پر بیت الحرام کے بیت المال میں پہنچانا ہوگا - اور دو اصحاب عدل ہی فیصلہ دینگے کہ مجرم اتنے مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر مجرم اِن چیزوں کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر دو منصف فیصلہ کرینگے کہ مجرم اپنے جرم کے کفارہ کے طور پر اتنے روزے رکھے - یہ سب کچھ اصحاب عدل کی صوابدید پر منحصر کر دیا گیا ہے۔

ایام حج میں بحری شکار کی اجازت

● برّی شکار چونکہ تیر یا بندوق سے کیا جاتا ہے اسلئے اس خطرہ کے پیش نظر کہ غلطی سے کوئی انسانی جان شکار نہ ہو جائے، اسلئے اسے جرم قرار دینے کے بعد بحری شکار کی اجازت اسلئے دیدی گئی ہے کہ وہ کانٹے یا جال سے کیا جاتا ہے، جس میں کسی انسانی جان کو کسی قسم کی گزند پہنچنے کا احتمال نہیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ
حلال کیا گیا واسطے تمہارے شکار دریا کا اور کھانا اُسکا فائدہ واسطے تمہارے
وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ
اور واسطے مسافروں کے - اور حرام کیا گیا اوپر تمہارے شکار خشکی کا جبتک ہو تم

تمہارے لئے (ایام حج میں) دریا کا شکار کرنا بھی حلال کیا گیا ہے اور اُسکا کھانا بھی - یہ تمہارے لئے بھی فائدہ ہے اور ہر مسافر کیلئے بھی فائدہ ہے - اور تم پر خشکی کا شکار اُس وقت تک حرام کیا گیا ہے جبتک کہ تم حالت احرام میں ہو - اور اُس

حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٩٦

حالت احرام میں۔ اور ڈرو اللہ سے جو طرف اسی کے تم اکٹھے کئے جاؤ گے

ذات (کے احکام کی مخالفت) سے بچو جس کی طرف تم سب (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جاؤ گے۔

اہمیت مرکزیت بیت الحرام

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کعبہ مکرمہ کو پوری نوعِ انسانی کے مرکزی مقام کی حیثیت دیگئی ہے تاکہ پوری نوعِ انسانی کو اپنے قدموں پر کھڑا کیا جائے۔ اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز ختم ہو جائے۔ کوئی بالادست فرد یا قوم کسی زیردست فرد یا قوم کے پیدائشی حقوقِ ربوبیت پر ڈاکہ نہ ڈال سکے:۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا

ٹھرایا اللہ نے کعبہ گھر عزت والا کھڑا کرنا

لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ

نوعِ انسان کو اور مہینے حرمت والے اور تحائف

وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

اور پٹے والے جانور وہ اسلئے کہ بیشک اللہ جانتا ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ

جو کچھ آسمانوں کے اور جو کچھ زمین کے اور بیشک

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٩٧

اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے کعبہ مکرمہ کو جو اُسکا حرمت والا گھر ہے، نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنیوالا ٹھہرایا ہے۔ اور حرمت والے ($\frac{9}{36}$ چار) مہینوں کو بھی (جن میں جنگ کرنا حرام کر دیا گیا ہے) اور (کعبہ مکرمہ پہنچائے جانیوالے تحائف کو بھی اور پٹے والے جانور (جو حج کے موقعہ پر کعبہ مکرمہ پہنچائے جاتے ہیں) اُنکو بھی نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے والے ٹھہرایا ہے۔ وہ اسلئے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ (کائنات کی) ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کے چار اہم ذرائع

● آیت بالا میں کعبہ بیت الحرام، حرمت والے چار مہینے، نیازِ کعبہ کے تحائف اور نیازِ کعبہ کے جانور، سب کو قیٰماً للنّاس قرار دیا گیا ہے۔ لفظ قیٰماً مادہ ق۔ و۔ م قوم سے ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے کھڑا ہونا۔ تو گویا النّاس یعنی پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ذریعہ ہیں مذکورہ بالا چاروں چیزیں خالصتہً حج بیت اللہ سے متعلق ہیں۔

١۔ کعبہ بیت الحرام ہے نوعِ انسانی کا امن مرکز $\frac{2}{125}$ + $\frac{3}{97}$ جہاں حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس منعقد ہو گی۔

٢۔ حرمت کے چار مہینے وہ ہیں کہ ان میں جنگ بند کر کے سالانہ امن کانفرنس میں اطراف و اکناف سے آنیوالوں کیلئے چھوٹے بڑے راستوں کو پُرامن بنانا مقصود ہے۔ یعنی ان کا تعلق بھی عالمی امن مرکز کیساتھ ہے۔

٣۔ نیازِ کعبہ کے تحائف جو عالمی امن مرکز میں حج کے موقعہ پر پہنچائے جاتے ہیں نقدی اور اجناس وغیرہ۔

٤۔ نیازِ کعبہ کے جانور جو حج کی سالانہ کانفرنس میں عالمی امن مرکز میں پیش کئے جاتے ہیں، اس پورے تردد

تکلف کی غرض وغایت ہے اقوام عالم کا سالانہ اجتماع حج۔ اور اس اجتماع کی غرض ہے قِيَامًا لِّلنَّاسِ یعنی پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنا۔ جس میں نہ کوئی بالادست رہے نہ زیر دست۔

● **المختصر** حج کی غرض یہ ہے کہ قوموں کے وہ مسائل جن کیلئے وہ جنگ کی آگ بھڑکاتی ہیں، اللہ کے مقدس گھر میں حاضر ہوکر مرکز کے حکم کے مطابق ختم کر دیئے جائیں۔ ہر حکومت، مرکز کے حکم کی پابند ہو تاکہ کرۂ ارض سے جنگ وجدال کا مطلقاً خاتمہ ہو جائے۔ چار ماہ کیلئے حکماً جنگ بند کر کے جب وہ اللہ کے گھر میں اُسکے حضور حاضر ہونگے تو فریقین کا ضد اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو جانا بہت ممکن ہو جائیگا۔ امن کانفرنس میں متنازعہ مسائل پیش کئے جائینگے اور مرکز اُنکا صحیح فیصلہ دے گا نتیجہ یہ کہ ضد وتعصب کی بدولت بچھڑی ہوئی سلطنتیں، قومیں اور مُلک گلے مِل جائیں گے۔

حُرمت والے مہینے ہدی اور قلائد شعائر اللہ ہیں

● سورۂ مائدہ کی ابتدا میں حکم دیا گیا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ ۵/۲ ایمان والو! بے حرمتی نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی یعنی نہ حُرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کرنا، نہ نیازِ کعبہ کے تحائف کی، اور نہ نیازِ کعبہ کے جانوروں القلائد کی۔

۱۔ حُرمت والے مہینوں کی بے حرمتی

● حُرمت والے چار مہینے شعائر اللہ ہیں ۵/۲، اِنکی حرمت ہے اِن مہینوں میں جنگ نہ چھیڑنا اور چھڑی ہوئی جنگ کو بند کر دینا۔ اور اِنکی بے حرمتی ہے اِن میں جنگ چھیڑ دینا یا چھڑی ہوئی جنگ کو بند نہ کرنا۔

۲۔ ہدی کی بے حرمتی

● ہدی یعنی نیازِ کعبہ کیلئے پیش کیئے گئے تحائف نقدی، اسلحہ اور اجناس بھی شعائر اللہ ہیں ۵/۲، اِنکی حُرمت ہے اُنہیں حکم الٰہی ۵/۹۷ کے مطابق نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کیلئے صرف کرنا ـــــ اور اِنکی بے حرمتی ہے اس قرآنی غرض کو پس پشت پھینک کر اُسکے سوا دوسرے کاموں پر خرچ کر دینا۔ اور یہ بھی کہ ہدی اور قلائد کو ایک ٹھہرا کر نیازِ کعبہ کیلئے صرف جانور قرار دیدینا اور نُحِلّ السّلین کے ہدیوں، نذروں یعنی نقدی اور اجناس وغیرہ کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے خالص کعبہ مکرّمہ کیلئے مختص کر رکھا ہے ۲۲/۲۹ اُنہیں روضوں، آستانوں، درگاہوں اور قبروں پر چڑھاوے چڑھانا۔

۳۔ قلائد کی بے حرمتی

● قلائد سے مُراد ہیں وہ جانور جو نیازِ کعبہ کیلئے حج کے موقعہ پر عالمی امن مرکز میں پیش کیئے جائیں، وہ بھی شعائر اللہ ہیں، اُنکی حرمت یہ ہے کہ اُنہیں ضرورت کے مطابق ذبح کیا جائے اور کھایا جائے۔ اور اُنکی بے حرمتی ہے ضرورت سے زائد ذبح کرنا اور کھانے کی بجائے ریت میں دبا دینا یا خندقوں اور کھائیوں میں پھینک دینا۔

ایک لمحۂ فکریہ ● یہاں پہنچ کر عقلمندوں کیلئے عموماً اور علماء کرام کیلئے خصوصاً ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ ۵/۲ میں دیئے گئے حکم کہ شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرنا، انکی بے حرمتی کر کے اس حکم کی نافرمانی تو نہیں کر رہے ؟ ۲۲/۳۲ میں شعائر اللہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○ ۲۲/۳۲ اور جو کوئی شعائر اللہ کی عظمت کرے تو بیشک یہ قلوب کے تقوٰی کے کاموں میں سے ہے۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق کیا شعائر اللہ کی بے حرمتی کرنا قلوب کے تقوٰی سے صد فیصد محرومی نہیں ؟ جس کا جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ بیت الحرام، حرمت والے مہینوں، ہدی اور قلائد کو ۵/۹۷ کے مطابق نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ذریعہ ٹھہرایا ہے مگر نوعِ انسانی تو دور کی چیز ہے، خود مسلمان بھی اپنے قدموں پر کھڑے ہوئے نہیں پائے جاتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار !

تکوینی نظام کی شہادت ● آیت زیر نظر ۵/۹۷ کے آخری الفاظ میں خدا تعالیٰ نے اپنے تکوینی نظام کو بطور شہادت پیش کیا ہے :۔ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ مذکورہ مرکزی نظام کی ہدایت اسلئے کیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور بیشک اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے ؛ دیکھو کس طرح اتنے بڑے بڑے کرہ جات سورج، چاند ستارے ایک مرکزی نظام کی حدود میں محدود رہکر پُرامن چل رہے ہیں۔ ان میں کبھی تصادم نہیں ہوا۔ اسی طرح اے نوعِ انسانی تم بھی بیت الحرام کے مرکزی نظام کے ماتحت اپنی حدود میں محدود رہکر پُرامن رہو۔ جنگ و جدال کی بھٹیاں نہ دہکایا کرو۔ اگر کوئی تنازعہ کھڑا ہو جائے تو حرمت کے چار مہینوں میں حکماً جنگ بند کر کے حج کی سالانہ امن کانفرنس میں حاضر ہو کر مرکز سے فیصلے کرا لیا کرو۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ اگر تم حدود شکنی کرو تو اللہ کے قانون میں تمہارے لیئے سخت سزا بھی موجود ہے اور اگر باز آجاؤ تو تمہیں ہر قسم کے فساد اور تباہی سے بچاؤ بھی محفوظ ہے اللہ کے قانون میں رحمت بھی ہے اور عذاب بھی ہے :۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ۹۸

جانے رہو بیشک اللہ سخت ہے سزا کی رُو سے اور بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان

جانتے رہو (اللہ تعالیٰ کے قوانین میں عدل و انصاف ہے اندھیر گردی اور دھاندلی نہیں، جو لوگ بد اعمالیوں کی بدولت سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں تو) جانتے رہو کہ اللہ انہیں سزا دینے میں بہت سخت ہے اور (جو لوگ بخشش کے حقدار ہوں) انہیں ہر قسم کا بچاؤ دینے والا بھی ہے بڑھکر رحمت کرنیوالا بھی ہے۔

رسولؐ کے ذمہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے ● رسول انبیاء اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتے رہے اور لوگوں تک بلا کم و کاست

پہنچاتے رہے جس قوم نے اُنکا کہنا مانا اور اُنکے ساتھ مل کر منزّل من اللہ نظام کو بروئے کار لائی، تو وہ اُس نظام کی خوشگواریوں اور شادابیوں سے سرفراز ہوئی، اور جو قومیں اُنکے پیغام پر ایمان نہ لائیں اور نبی رسولؐ کا ساتھ نہ دیا وہ دنیا میں بھی عذاب کے پتے پڑیں اور آخرت کا عذاب بھی ان کے لیے لازم قرار پایا۔ اس کے برخلاف ایک تیسری قسم کے لوگ بھی تھے جو ذہن میں کفر چھپا کر جھوٹے ایمان کا اظہار کرتے رہے۔ تسلسلِ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں اُنہیں مخاطب کیا گیا ہے کہ جو کچھ تم ذہنوں میں چھپاتے ہو، اللہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اُسے بھی جانتا ہے۔ ہمارے رسول کے ذمہ اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، لوگوں کو زبردستی مومن اور نیکوکار بنانا ہرگز نہیں ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
نہیں اوپر رسول کے مگر پہنچانا ۔ اور اللہ جانتا ہے
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ○ ٩٩
جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

ہمارے رسولؐ کے ذمہ صرف ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے (دین میں جبر نہیں ہے $\frac{٢}{٢٥٦}$) اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو (کہ تم ایمان لے آئے ہو) وہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو (کہ تم منافقت کرتے ہو) اُسے بھی جانتا ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ
کہہ نہیں برابر بدکار اور نیکوکار اور اگرچہ
اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي
تجھے حیرت میں ڈالے کثرت بدوں کی، پس ڈرو اللہ سے اے
الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ١٠٠ ع ١٣/٣
عقل والو ۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

کہہ دیجئے اے رسولؐ کہ اے مخاطب! بدعمل اور نیکوکار ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اگرچہ تجھے بُروں کی کثرت حیرت زدہ کر دے۔ پس عقل والو! اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو تاکہ تم (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہو جاؤ۔

کثرت صداقت کی دلیل نہیں ● اس آیتِ مجیدہ میں بدعملوں کی کثرت پر حیرت زدہ ہونے سے منع کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ اپنی کثرت کی بدولت بھلے معلوم ہوتے ہوں۔ صداقت کی دلیل کثرت نہیں بلکہ ضابطۂ الٰہی کی اطاعت ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ ہر زمانے میں قلیل تعداد میں پائے گئے اور پائے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم مکمل ضابطۂ حیات ہے ● تسلسلِ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں صحابہ کرامؓ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ زمانۂ نزولِ قرآن میں مسائل کی کرید نہ کرنا۔ جن مسائل میں تمہاری شخصی آزادی برقرار رکھی گئی ہے اگر تم نے اُنکے متعلق سوال کئے تو تمہیں پابند کر دیا جائے گا اور وہ تمہارے لیے ناگوار ہو گا۔ دیکھئے الفاظِ قرآنیہ انتہائی غور طلب ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ منزّلہ قرآن کریم پر) ایمان لائے

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ سوال کرو سے چیزوں سے

اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا

اگر ظاہر کیا جائے واسطے تمہارے برا لگے تم کو اور اگر تم سوال کرو ان سے

حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ

جب نازل ہو رہا ہے قرآن ظاہر کر دیا جائیگا واسطے تمہارے درگزر کیا اللہ نے

عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ ۱۰۱

اُس سے اور ہے اللہ بخشنے والا بردبار

ہو۔ اُن مسائل کے متعلق سوال نہ کرنا (جو تمہاری شخصی آزادی پر چھوڑ دیئے گئے ہیں) اگر تمہارے لیئے ظاہر کر دیئے جائیں تو تمہارے لیئے برے ہونگے (ناگوار ہونگے) اور اگر اس وقت میں کہ جس میں قرآن کریم نازل ہو رہا ہے، اُنکے متعلق سوال کرو تو تمہارے لیئے ظاہر کر دیئے جائینگے۔ اللہ نے (تمہاری انفرادی پسند کو برقرار رکھنے کیلئے) خود درگزر فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ بچاؤ دینے والا بہت ہی بردبار ہے۔

● ۱ یہاں تُبْدَ لَكُمْ کا مفہوم ہے تمہارے لیئے نازل کر دیئے جائینگے، جس پر حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ کے الفاظ شاہد ہیں۔

● ۲ تَسُؤْكُمْ کا لفظی معنیٰ ہے "وہ تمہیں برا لگیگا" اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہاری شخصی آزادی پر پابندی کے احکام نازل کر دیئے جائیں تو تمہاری روزمرہ کی زندگی میں دشواری پیدا ہو جائیگی۔ جیسے کہ بعض اسلامی حلقوں میں یہ پابندی پائی جاتی ہے کہ اٹھو تو یوں، بیٹھو تو یوں، لیٹو تو یوں، بیت الخلاء میں جاؤ تو یہ پڑھو، باہر نکلو تو یہ پڑھو وغیرہ ایسی پابندیاں وہ ہیں جو روزمرہ کی زندگی کو دشوار اور ناگوار بنا دیتی ہیں۔

شخصی آزادی ● آیت بالا میں ہر اس مسئلہ کے متعلق جس کی تفصیل قرآن میں نہ دی گئی ہو، فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ معاذ اللہ معاذ اللہ غلطی سے نہیں رہ گئی، بلکہ باندازِ عفو و رحمت ہر شخص کی انفرادی پسند کا حق برقرار رکھا گیا ہے۔ مثلاً کھانے کی چیزوں پر صرف حَلٰلًا طَيِّبًا کی قید لگائی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ کی حلال کردہ چیزیں جو حلال طریقے سے حاصل کی گئی ہوں کھاؤ۔ اور طیب بھی ہوں۔ یعنی تمہارے موافق مزاج بھی ہوں۔ اِس حکم سے ثابت ہے کہ گائے کا گوشت، مسور کی دال، بینگن، بھنڈی وغیرہ ہر حلال چیز جس کے موافق مزاج نہ ہو تو اُسے نہ کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ ہاں اُنکو حرام ٹھہرانا منع ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو حرام یا حلال ٹھہرانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

لباس اور حجامت ● کھانے پینے کے علاوہ معاشرہ کے بیسیوں مسائل ہیں کہ اگر اُن پر پابندی لگا دی جائے تو نہ صرف یہ کہ فرد کی شخصی آزادی صلب ہو جائے، بلکہ پورا معاشرہ شدید ترین جکڑبندیوں میں جکڑ کر رہ جائے۔ مثلاً لباس کے متعلق یہ پابندی لگا دی جائے کہ صرف عربی قسم کا لباس ہی پہنا جائے لمبا چوغا، تو کرۂ ارض کی پوری آبادی کیلئے دشوار ہو جائیگا۔ قرآن حکیم نے لباس کے ضمن میں صرف دو پابندیاں لگائی ہیں۔ کہ وہ ننگ پن کو ڈھانپے اور خوبصورت ہو۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۷/۲۶ اے نوعِ آدم بیشک ہم نے تم پر لباس پہننے کا حکم نازل کیا ہے اسلئے کہ وہ تمہارے ننگ پن کو ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو ـــــ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ کے الفاظ میں اس سے آگے تمام سوالوں سے منع کر دیا ہے کہ یہ سوال نہ کرنا تہبند پہنیں یا شلوار، پاجامہ پہنیں یا پتلون، قمیض پہنیں یا کرتہ

کوٹ پتلون یا شیروانی، ٹوپی اوڑھیں یا پگڑی ۔ یہ تمام چیزیں مختلف افراد کی شخصی پسند اور ملکی آب و ہوا اور وقتی حالات کے مطابق آزاد چھوڑ دی گئی ہیں۔ کیونکہ اسلام عالمگیر دین ہے، اور دائرۂ اسلام میں کرۂ ارض کے ہر ملک کے افراد نے داخل ہونا ہے۔

● یہی حال عورتوں کے لباس کا ہے۔ انہیں ہر قطع کا شریفانہ لباس پہننے کی اجازت ہے کہ وہ انکا ننگ بھی ڈھانپے اور خوبصورت ہو۔ ایسا تنگ بھی نہ ہو اور اتنا باریک بھی نہ ہو کر پہنا ہوا بھی ہے اور جسم کے تمام اعضاء الگ الگ تفریق ہوئے دکھائی بھی دے رہے ہیں۔ ایسا گندہ اور بُری قطع کا بھی نہ ہو کہ بدصورت دکھائی دے۔ زیورات کے متعلق بھی عورتوں کی پسند پر صرف یہ قدغن لگائی گئی ہے :۔ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ ۲۴/۳۱ اور وہ اپنی زینت نامحرموں پر ظاہر نہ کریں۔

بال کٹوانا یا منڈانا

● نیز بالوں کے متعلق یہ خبر دی گئی ہے :۔ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۴۸/۲۷ یعنی سروں کو منڈاتے ہوئے یا کتراتے ہوئے۔ یعنی بالوں کو منڈانے یا کترانے کی اجازت تو دیدی گئی مگر قید نہیں لگائی کہ بال مشرقی قطع کے کٹوائے جائیں یا مغربی طرز کے۔ ڈاڑھی کے بال ضرور منڈائے جائیں یا ضرور کٹوائے جائیں کٹوائے جائیں تو کس قطع کے کٹوائے جائیں۔ بلکہ ہر ملک، ہر قوم کے ہر فرد کی ذاتی پسند پر چھوڑ دئیے گئے ہیں۔ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ کے الفاظ منڈانے اور کٹوانے کا عمل سر کے بالوں پر وارد ہوگا۔ ٹھوڑی بھی سر کا حصہ ہے جہاں بال موجود ہیں۔ اسلئے ڈاڑھی کے مسئلہ کو بھی منڈانے اور کترانے کی قید کیساتھ ہر قطع و وضع کی ڈاڑھی کی اجازت ہے جسے کوئی ملک قوم یا فرد پسند کرے۔ شرط یہ ہے کہ وضع خوبصورت ہو قطع خوش کن ہو۔ نہ یہ کہ ڈاڑھی اس انداز کی ہے کہ بالوں کا ایک پھندنا سا ٹھوڑی کے نیچے لٹک رہا ہے اور دو پھندنے دائیں بائیں کانوں کے پاس آویزاں ہیں۔ پس اس شخصی آزادی کے بعد حجامت سے متعلقہ مزید سوال کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

● یہی حال عبادات و معاملات سے متعلقہ مسائل کا ہے کہ جو کچھ بیان کر دیا گیا ہے اُس سے نہ بے اعتنائی کی جائے اور نہ اُس پر کچھ اپنی طرف سے بڑھایا جائے۔ صلوٰۃ موقّت (نماز) کو جن حدود میں محدود اور جن شرائط کیساتھ مشروط کر دیا گیا ہے اُنکے اندر رہا جائے۔ خداوندی حدود و مشروط کو نہ توڑا جائے۔ حاصل کلام یہ کہ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ کے حکم میں واضح کر دیا گیا ہے کہ حلال و حرام، لباس، حجامت کھانے پینے کے طور طریقوں، عبادات و معاملات کے مسائل میں جو پابندیاں لگائی گئی ہیں اُنکے اندر رہکر اپنی شخصی پسند کے مطابق عمل کرتے چلے جاؤ۔ مسائل کی بے جا کرید کرکے دین میں مشکلات پیدا نہ کرو۔

لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ کی روائتی تفسیر

● آئت مجیدہ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ ...... کا شانِ نزول بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے عربی متن کے سامنے اردو ترجمہ

میں لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے آنحضورؐ سے مذاق کے طور پر کچھ سوال کئے۔" ایک آدمی نے پوچھا حضورؐ میرا باپ کون ہے، آپ نے فرمایا فلاں شخص تیرا باپ ہے، کیونکہ لوگ اُسے حرامی کہا کرتے تھے۔ آپ نے اُسے وہی نام بتایا، جس کی طرف وہ منسوب کیا جاتا تھا" اِس پر یہ آیت اُتری کہ سوال کرو گے تو بتا دیا جائیگا اور تمہیں بُرا لگیگا۔ کہ پہلے تو سائل کا حرامی ہونا مشکوک تھا مگر اب مصدقہ ہو گیا۔ العیاذ باللہ!

● مولوی احمد علی لاہوری مرحوم نے اِس آیت $\frac{۵}{۱۰۱}$ کا مفہوم حاشیہ پر بالکل ٹھیک لکھا ہے جو الفاظِ قرآنیہ اور تصریفِ آیات کے عین مطابق ہے:۔ "صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ سوالات کرنے سے روکا گیا ہے کہ جو حکم ملے فقط اُسکی تعمیل کرو۔ ورنہ جو پوچھو گے تو جواب ملیگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری آزادی کا دائرہ تنگ ہو جائیگا اور تم تکلیف اُٹھاؤ گے" یہی مفہوم صحیح ہے، جزاہٗ اللہُ احسن الجزاء۔ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز ایسا ہے جیسے اگر بلاغ القرآن اپنائیے یا مولوی احمد علی مرحوم، نتیجہ ایک ہی برآمد ہوگا۔

توہماتی دلدلوں سے نکلو

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں توہماتی دلدلوں سے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، بعض لوگوں نے آبائی متوارث طریقے سے بعض جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ اُنکے متعلق جب قرآنِ کریم نے فیصلہ دیا کہ نہ وہ حرام ہیں نہ مقدس کہ اُنہیں کھایا نہ جائے تو وہ آبائی رسم کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ ارشاد ہوا ہے:۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا
بیشک سوال کیا اُسکا ایک قوم نے تم سے پہلے پھر وہ ہو گئے
بِهَا كٰفِرِيْنَ ○ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّ
ساتھ اُسکے انکار کرنے والے۔ نہیں ٹھہرایا اللہ نے بیمار سے بحیرہ کے اور
لَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ
نہ سائبہ کے اور نہ وصیلہ کے اور نہ حام کے ولیکن
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ
جو لوگ کہ انہوں نے کفر کیا وہ بہتان باندھا کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ
وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ ۱۰۲-۱۰۳
اور اکثریت اُنکی عقل نہیں رکھتے

بیشک سوال کیا اِس کا تم سے پہلے ایک قوم نے۔ (پھر جب ہم نے اپنی کتاب میں فیصلہ دیدیا) تو وہ اِس کا انکار کرنے والے ہو گئے۔ اللہ نے بحیرہ کو حرام کیا ہے نہ سائبہ کو اور نہ حام کو۔ ولیکن (حقیقت یہ ہے کہ) جن لوگوں نے (اللہ کے فیصلے کا) انکار کیا، اُنہوں نے اِنکی حرمت کا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا بہتان باندھا ہے۔ اُنکے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (کہ یہ حلال جانور حرام کس طرح ہو سکتے ہیں)۔

نوٹ:۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی وضاحت نیچے ملاحظہ فرمائیں)

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کیا ہیں

● بحیرہ کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ب۔ ح۔ ر ہے بحر ہے عربوں کے ہاں بحیرہ اُس اُونٹنی کو کہتے ہیں جو دس بچے جن چکے۔ یعنی اُسنے بچوں کا سمندر کیا جاتا تھا۔

● سائبہ کے لفظ کا سہ حرفی مادہ س۔ی۔ب = سیب ہے ۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے جاری ہونا۔ جیسے کہ سَیَبَ السَّمَاءُ کا معنیٰ ہے پانی جاری ہوگیا۔ اس طرح سائبہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی اولاد سے اولاد پیدا ہونی شروع ہوچکی ہو۔

● وصیلہ کا لفظ مادہ و۔ص۔ل = وصل سے ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے ملنا، ملانا، ملا ہوا پانا۔ اس طرح وصیلہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جو ہر بار مسلسل دو دو بچے جننے والی ہو یعنی جس کے ہر حمل میں دو بچوں کا وصل پایا جائے۔

● حام کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ح۔م۔ی = حمی ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے معاون ہونا۔ حمایت اور حامی کے الفاظ اسی مادہ سے مشتق ہیں۔ اسی طرح عربوں کے ہاں اُس اونٹ کو حام کہتے ہیں جو اونٹنیوں کو حاملہ کرنے میں پورا حامی ہو۔ کمزوری نہ دکھاتے۔

● اِن چار قسم کے اونٹ اونٹنیوں کو اُن کی کثرتِ اولاد کی مخصوص خدمت کے باعث مقدس خیال کیا جاتا اور اُنکا کھانا حرام قرار دیدیا گیا تھا۔ اِن جانوروں کا گوشت نہ کھانا شخصی آزادی کی رُو سے تو صحیح قرار دیا جاسکتا ہے مگر اِن جانوروں کو دوسرے جانوروں سے الگ طور پر مقدس قرار دیتے ہوئے توہمات کی دلدل میں پھنس کر انہیں حرام قرار دے دینا خداوندی فیصلے کی نافرمانی ہے کیونکہ ۵/۱ کے حکم اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ میں داخل ہونے کی بدولت یہ سب جانور حلال ہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ توہمات کی دلدلوں سے نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ جب انہیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے تقدس کی نفی کردی گئی تو اُنہوں نے کہا کہ ہم اُس راہ پر چلینگے جس پر ہمنے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ اور جب کہا جائے واسطے اُنکے آؤ طرف اُسکے جو نازل کیا اللہ نے وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اور طرف رسول کے تو کہتے ہیں کافی ہے ہمارے لئے جو پایا ہمنے اوپر اُسکے آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ باپ دادا اپنوں کو۔ اور اگرچہ تھے باپ دادا اُنکے نہیں جانتے تھے شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ○ ۱۰۴ کچھ بھی اور نہ وہ ہدایت پاتے تھے۔	اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس (لاریب کتاب) کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی طرف نازل فرمائی ہے) اور آؤ اُسکے رسولؐ کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی راستہ کافی ہے جس پر ہمنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ اور اگرچہ اُنکے آباؤ اجداد نہ تھے کچھ بھی جانتے اور نہ وہ تھے کہ راہ ہدایت کو پاتے۔

باپ دادا کا تواتر کوئی سند نہیں ● باپ دادا کے عمل کو سند ٹھہرانے کے واہمہ کو باطل قرار دیتے ہوئے اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا

سبقیہ:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اوپر تمہارے ہیں عمل تمہارے

لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ

نہ نقصان دیگا تمکو جو گمراہ ہوا جب ہدایت پاؤ تم طرف اللہ کے ہے

مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ۱۰۵

لوٹ جانے کی جگہ تمہاری سب کی پھر وہ خبر دیگا تم کو جو تم عمل کیا کرتے تھے

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ لاریب قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو تمہارے اعمال کی جوابدہی تمہاری جانوں پر ہے۔ جب تم (توہمات باطلہ کو چھوڑ کر) ہدایت پالو تو جو گروہ (اپنے باپ دادا کے اعمال کو سند ٹھہراتا ہے) وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیگا۔ (تم اُن سے ڈرو مت۔ اعمال کی جوابدہی کیلئے) تم سب کی لوٹ کر جانے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر وہ تمہیں اُسکی صحیح خبر دیگا جو تم عمل کیا کرتے تھے۔

● اس آیت مجیدہ میں آباؤ اجداد کی روش کے تواتر کو سند ٹھہرانے کی تردید کر کے قرآنی سند کی تائید کر دی گئی ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ تم صرف اپنے اعمال کے جوابدہ ہو۔ اور تمہارے باپ آپ اپنے اعمال کے جوابدہ ہونگے۔ قیامت کی عدالت عالیہ میں تم نے اور تمہارے باپ دادوں، سب نے حاضر ہونا ہے۔ پھر جو عمل تم تواتر کی سند سے صحیح تسلیم کر کے کیا کرتے تھے یا جو تم نے قرآن مجید کو سند مان کر اعمال کئے تھے، اللہ تعالیٰ تمہیں اُن سب سے مطلع کر دیگا۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت بالا سے یہ ہے کہ اُوپر قیامت کی حاضری کا ذکر ہے جس کا مقام موت کے بعد کا ہے۔ اسلئے موت سے متعلق ایک اہم حکم دیا گیا ہے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو گواہ ٹھہرانا ہے درمیان تمہارے جب

حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ

حاضر ہو ایک تمہارے پر موت ۔ وقت وصیت کے

اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ

دو صاحب عدل کے میں سے تمہارے یا دو دوسرے میں سے غیر تمہارے

إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم

اگر تم سفر کر رہے ہو بیچ زمین کے ۔ پھر آ جائے تم کو

مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِن بَعْدِ

مصیبت موت کی ۔ گواہی کیلئے روک لو دونوں کو سے بعد

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ لاریب قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو۔ تمہارے درمیان گواہ ٹھہرانا لازم ہے جب تم میں سے کسی پر موت آجائے۔ تو (وصیت کرنا فرض ہے $\frac{۲}{۱۸۰}$) وصیت کے وقت دو گواہ اپنے میں سے صاحب عدل مقرر کرنے ہیں یا غیروں میں سے دو صاحب عدل۔ اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو پھر تم پر موت کا وقت آجائے۔ پھر گواہی دینے کے وقت مقررہ گواہوں کو گواہی دینے کیلئے (ظہر کی صلوٰۃ (نماز) کے بعد روک لیا کرو۔ (ظہر کی نماز آیت ذیل کے مطابق سب کی حاضری کا وقت ہے اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا $\frac{۱۷}{۸}$ اسلئے سب لوگ نماز کے بعد چلے جائینگے لیکن گواہوں کو گواہی دینے کیلئے روک لیا جائیگا)

الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا

نماز کے ۔ پھر وہ دونوں قسم کھائیں ساتھ اللہ کے اگر تم شک کرو ۔ نہیں

نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ

ہم بیچیں گے ساتھ اُسکے کوئی قیمت اور اگرچہ ہو والا قرابت کا ۔ اور نہ چھپائیں گے

شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ○ ۱۰۶

گواہی اللہ کی ۔ ہم ہونگے اُسوقت البتہ میں سے گنہگاروں کے

پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں (یہ کہتے ہوئے کہ) اگر تم شک کرو تو حقیقت یہ ہے کہ ہم اس قسم کو کسی بھی قیمت پر نہیں بیچیں گے، اگرچہ (ہماری گواہی جس کے خلاف پڑتی ہو) وہ ہمارا قریبی ہی ہو۔ اور ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے نہیں۔ (اگر ہم ایسا کریں تو) اُس وقت ہم ضرور گنہگاروں میں سے ہونگے۔

شہادت کی تحقیق اپیل کا حق

● سلسلہ درس کی اگلی آیت میں قاضی یا جج کا فرض بتایا گیا ہے کہ جو شہادت دیگئی ہے اُسکی تحقیق کرے۔ کسی فریق کی طرف سے مشکوک اطلاع ملنے پر مزید گواہ لائے جاتے ہیں۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ

پھر اگر اطلاع دیجائے اوپر اسکے کہ بیشک وہ دونوں مستحق ہیں گناہ کے تو دو اور دوسرے

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ

وہ کھڑے ہونگے جگہ اُن دونوں کی بیچ سے اُن کے جو مستحق ہیں اور بہت نزدیک

الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ

زیادہ قریبی ۔ پھر وہ قسم کھائیں ساتھ اللہ کے البتہ گواہی ہماری

اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا

زیادہ سچی ہے گواہی اُن دونوں کی اور نہیں کریں گے ہم زیادتی بیشک ہم اُسوقت

لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ ۱۰۷

البتہ ظالموں میں سے ہونگے

پھر اگر اسکے بعد (کسی طرف سے) یہ اطلاع دی جائے کہ دونوں گواہ (غلط گواہی دیکر) گناہ کے مستحق ہوتے ہیں تو دو دوسرے گواہ اُنکی جگہ کھڑے ہوں جو گناہ کے مستحق ہوئے ہیں، وہ دونوں زیادہ قریب ہوں شہادت کے۔ پھر وہ دونوں خدا کی قسم اُٹھاکر کہیں کہ ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے۔ اور ہم حقیقت حال سے تجاوز نہیں کرینگے۔ اگر ہم ایسا کریں تو بلاشبہ ہم ظالموں (بے محل کام کرنیوالوں) سے ہونگے۔

● اس آیت مجیدہ میں اُس فریق کو جس کا حق جھوٹی گواہی کے ذریعہ دبایا گیا ہو اپیل کا حق دیا گیا ہے۔ اور سابقہ گواہوں کی گواہی باطل ثابت کرنے کیلئے اُنکی جگہ ایسے دو گواہ اور لانے کا حکم دیا گیا ہے جو وصیت کے وقت موجود تھے اور سابقہ گواہوں کی نسبت حقیقت شہادت کو زیادہ بہتر جانتے ہوں۔ گواہوں پر اور گواہ لانے کی ایک اور غرض اگلی آیت میں بتائی گئی ہے:-

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ

وہ زیادہ قریب ہے کہ لائیں ساتھ گواہی کے اوپر حقیقت اُس کی کے

مذکورہ حکم اسلئے دیا گیا ہے کہ دونوں گواہ گواہی کو اُسکی اصلیت پر لائیں۔ اور اِس چیز سے ڈر جائیں کہ اُنکی

أَوْ يَخَافُوٓا أَن تُرَدَّ أَيْمَٰنٌۢ بَعْدَ أَيْمَٰنِهِمْ ۗ وَ
یا وہ ڈریں کہ لوٹائی جائیگی قسم بعد قسم انکی کے اور
اتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
ڈرو اللہ سے اور سنو ۔ اور نہیں اللہ ہدایت دیتا قوم
الْفَٰسِقِينَ ۝ ۱۰۸ ع ۸/۴ [۱۴]
حدیں پھاندنے والوں کو

قسم کے بعد کوئی اور قسمیں لوٹائی جائینگی ۔ (یعنی انکی غلط شہادت کی پڑتال کی جائیگی) اور اللہ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو (اور سچی شہادتیں دیا کرو) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حدیں پھاندنے والی قوم کو ہدایت یافتہ قرار نہیں دیتا۔

ایک اہم آیت مجیدہ ● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں رسل انبیاء ؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب کو جمع کر لیا جائیگا ۔ اور اُن سے پوچھا جائیگا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے بعد تمہیں کس طرح قبول کیا گیا تھا وہ کہینگے کہ ہم نہیں جانتے ۔ چنانچہ آگے چل کر آیت نمبر ۱۱۶ ۔ ۷ میں بتایا گیا ہے، قیامت کو جماعت انبیاء میں سے حضرت مسیح ؑ سے پوچھا جائیگا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو الٰہ بنالو ۔ تو وہ کہینگے بار الٰہا میں نے نہیں کہا تھا ۔ جبتک میں اُن میں رہا میں اُنکا نگران تھا جب تو نے مجھے فوت کر دیا تو پھر اُن پر تو نگران تھا مجھے معلوم نہیں کہ اُنہوں نے میرے بعد میری دی ہوئی تعلیم میں کیا تبدیلی کر لی تھی ۔ اِن آیات مجیدہ میں اِس عوامی عقیدہ کی تردید ہو گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندگی میں بھی غیب جانتے تھے اور وفات کے بعد بھی غیب داں ہیں ۔ دیکھئے ارشاد باری ہے:-

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ ۖ
جس دن جمع کریگا اللہ رسولوں کو تو کہیگا ۔ کس طرح قبول کئے گئے تم
قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ الْغُيُوبِ ۝
کہینگے نہیں علم واسطے ہمارے ۔ بیشک تو ہی ہے خوب جاننے والا ہے غیبوں کا
۱۰۹

وہ (قیامت کا) دن قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ سارے رسولوں کو (دوبارہ پیدا کر کے) جمع کریگا اور اُن سے کہیگا (کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے بعد) کس طرح قبول کیا گیا تھا تم کو تو وہ کہینگے کہ ہم نہیں جانتے (کہ ہمارے بعد ہماری قوموں نے کیا کیا) غیبوں کا خوب جاننے والا تو صرف تو ہی ہے ۔

● اِس آیت مجیدہ کے الفاظ مَاذَآ أُجِبْتُمْ سے یہ مفہوم اخذ کرنا مطلقاً غلط ہے کہ رسل انبیاء ؑ سے اُنکی زندگی کے متعلق پوچھا جائیگا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا یا تم کس طرح قبول کئے گئے تھے ۔ تو وہ کہینگے ہم نہیں جانتے ۔ حالانکہ حضرت نوح ؑ نے زندگی میں حضور خداوندی میں ایک طویل فریاد کی تھی ۔ کہ بار الٰہا میں نے اپنی قوم کو دن کو بھی تبلیغ کی رات کو بھی، خفیہ بھی کی اور ظاہر بھی، مجمع کو بھی کی اور اکیلے اکیلے کو بھی ۔ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيٓ إِلَّا فِرَارًا ۷۱/۶ مگر میری تبلیغ نے انہیں نہ کیا زیادہ مگر مجھ سے بھاگ جانے میں ۔ حتیٰ کہ حضرت نوح ؑ نے عرض کیا ۔ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ ۵۴/۱۰ بیشک میں مغلوب ہو گیا ہوں میری مدد فرما ۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ایک عظیم طوفان کے ذریعہ پوری نافرمان قوم کو غرق کر دیا ۔ یہ

سب کچھ حضرت نوحؑ نے خود کہا اور یہ اُن کے ساتھ واقعہ ہُوا۔ کیا وہ قیامت کو کہہ سکتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ زندگی میں مجھے کیا جواب دیا گیا یا مجھے کس طرح قبول کیا گیا تھا۔ پس اِن حقائق کے قرائنِ ثابتہ کے مطابق مَاذَآ اُجِبْتُمْ کے بعد لَعْدَ کُمْ کے الفاظ محذوف و مقدّر ہیں۔

● قیامت کے دِن رسولوں سے مخاطب ہونے کے متعلق اگلی آیتِ مجیدہ میں حضرت مسیحؑ سے ایک طویل خطاب کرنے کی خبر دیگئی ہے:-

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ
جب کہیگا　اللہ　اے عیسیٰ　بیٹے　مریم کے　یاد کر

نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ
نعمت میری　اوپر تیرے　اور اوپر تیری ماں کے　جب مدد دی تجھے　ساتھ

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۙ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَ
تعلیم　پاک کے　تو کلام کرتا تھا لوگوں سے　بیچ کم عمری کے　اور

كَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
ادھیڑ عمر میں　یعنی جب سکھائی میں نے　تجھے کتاب باحکمت　یعنی تورات

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ
اور انجیل　اور جب تو پیدا کرتا میں سے کیچڑ کے　مثل صورت پرندے

بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ
ساتھ قانون میرے　پھر تو پھونکتا بیچ اُسکے　پھر ہوجاتا پرندہ ساتھ قانون میرے کے　اور تو

الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى
اچھا کرتا مادر زاد اندھے کو اور برص والوں کو ساتھ قانون میرے　اور جب تو نکالتا مُردے

بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ
ساتھ قانون کے　اور جب روکدیا میں نے بنی اسرائیل کو　تجھ سے　جب

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
آیا تو انکے پاس　ساتھ دلائل کے　تو کہا جنہوں نے انکار کیا بیچ سے انکے

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ۱۱۰
نہیں یہ مگر　جھوٹ ہے ظاہر

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (قیامت کو) اللہ تعالیٰ کہیگا اے مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ! یاد کر میری اُس نعمت کو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کی۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے اپنی پاک کلام (اپنی کتاب) کیساتھ تیری مدد کی۔ تو کلام کرتا تھا لوگوں سے (میرا پیغام پہنچاتا تھا لوگوں کو) کم عمری میں بھی اور ادھیڑ عمر میں بھی۔ یعنی وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے سکھائی تجھے کتاب حکمت والی تورات اور انجیل۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تو تقلید کی کیچڑ میں پھنسے ہوؤں کو میرے قانون کے مطابق تقلید کی کیچڑ سے نکال کر پرندوں کی طرح آزاد کردیتا تھا۔ پھر تو اُن میں میری کتاب کی تعلیم پھونکتا تھا۔ پھر وہ میرے قانون کے مطابق پرندے کی طرح آزاد ہوجاتا تھا۔ اور تو میرے قانون کے مطابق اُن مادر زاد (ایمانی) اندھوں کو ایمانی بینا کردیتا تھا اور برص کے ایمانی مریضوں کو (جو مومن ہوتے نہ کافر) اُنکی ایمانی برص (منافقت) کو میرے قانون کے مطابق دور کردیتا تھا۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تو میرے قانون کیساتھ ایمانی مُردوں کو (کفر کی موت سے) نکالتا تھا۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکدیا، (انہیں شکست دی) جب تو انکے پاس (تورات و انجیل کے) دلائل لیکر آیا تو جن لوگوں نے انکار کیا انہوں نے کہا یہ تو کھلا جھوٹ ہے۔ (اس کے بعد انکے ایک گروہ نے آپ سے جنگ کی اور وہ شکست کھا گئے حضرت مسیحؑ اور آپکے حواری فتحیاب ہوئے)

● ۳؎ روح بمعنی وحی کی تعلیم اور قدس بمعنی پاکیزہ۔ پس روح القدس کا معنیٰ پاکیزہ تعلیم ہے۔ روح بمعنی وحی کے لئے دیکھئے آیات مجیدہ ۱۶/۲ + ۱۷/۸۵ + ۴۰/۱۵ اور ۴۲/۵۲ ۔ ۴۲/۵۲ میں آیا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور اے رسول صلعم اسی طرح ہمنے آپکی طرف اپنی روح (کتاب لاریب) وحی فرمائی۔

● ۴؎ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ سے یہ تصور لینا کہ آپ نے جھولے میں باتیں کی تھیں وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۳۵/۴۳ کے مطابق صحیح نہیں۔ کر اے مخاطب! تو اللہ کی سنت جاریہ میں کبھی تبدیلی نہیں پائیگا۔ نبی کا تکلم اللہ کا پیغام پہنچانا ہوتا ہے۔ مہدًا کا معنی محاورہ کے طور پر کم عمر نوجوان کا کارِ تبلیغ بجالانا ہے۔ جیسے کہ کم عمر نوجوان کو جھولے کا بچہ محاورۃً کہا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ حضرت مسیحؑ کیلئے جو کھلاً کا لفظ آیا ہے اس سے ثابت ہے کہ آپ ادھیڑ عمر تک کارِ تبلیغ بجالاتے رہے، آپکا نوجوانی ہی میں کارِ تبلیغ سے الگ ہوجانا یا الگ کرلیا جانا از روئے قرآن غلط ہے۔

● ۴؎ کتاب و حکمت ایک چیز ہے دو نہیں۔ ۳۶/۲ میں والقرآن الحکیم کے الفاظ سے ثابت ہے قرآن حکمت والا ہے۔ حکمت قرآن کے اندر ہے باہر نہیں۔ کتاب و حکمت کی درمیانی واؤ تعریفی ہے یعنی کتاب حکمت والی۔

● ۵؎ طین کا معنیٰ کیچڑ ہے، کیچڑ کے کھلونے ہی بنائے جا سکتے ہیں، اور کھلونوں میں زندگی کا پیدا ہونا تو سنتِ جاریہ ۳۵/۴۳ ہی کے خلاف ہے۔ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو توہمات کے کیچڑ سے نکال کر آزاد ذہن سے سوچنے والے آزاد انسان بنادیا تھا۔ تاکہ وہ ہر مسئلہ کو آزاد ذہن کیساتھ سوچنے سمجھنے کے بعد عقیدہ میں رکھیں۔

● ۶؎ اللہ کا اذن اسکا قانون ہے، جیسے سورہ اعراف ۷/۵۷-۵۸ میں آیا ہے:۔ ہم بارشیں برساتے ہیں، اُسکے ذریعہ اپنے رب کے قانون کیساتھ بِاِذْنِ رَبِّهٖ عمدہ زمین عمدہ فصل پیدا کرتی ہے اور ناقص زمین ناقص پیداوار جھاڑ بوٹ وغیرہ ہی اُگاتی ہے۔ اچھی زمین سے اچھی اور ناقص زمین سے ناقص پیداوار کا پیدا ہونا اللہ کا قانون ہے، جیسے کہ بِاِذْنِ رَبِّهٖ کے الفاظ میں قانون کیلئے اذن کا لفظ لایا گیا ہے پس قرآنی لغت کے مطابق اذن بمعنی قانون بھی ہے۔

● ۷؎ یہاں نفخ کا معنیٰ ہے تعلیم دینا۔ ۱۵/۲۹ + ۳۸/۷۲ میں ملائکہ سے بزبانِ حال یہ کہنے کی خبر دی گئی ہے:۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ ۱۵/۲۸-۲۹، میں نوعِ بشر کو بدبودار سڑے ہوئے کیچڑ سے پیدا کرنیوالا ہوں۔ پھر جب پیدا کرنے کے بعد ارتقائی منازل سے گزار کر صحیح سالم کرلوں، اور پھر جب اس میں اپنی روح (تعلیم ۱۶/۲ + ۴۰/۱۵) نفخ کردوں۔ تو تم اُسکے سامنے سجدہ ریز ہوجانا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیدا کرچکنے اور صحیح سالم کرچکنے کے بعد روح پھونکنے کا کیا مطلب؟ اسکا جواب اسکے سوا نہیں کہ جب اللہ کا شاہکارِ عظیم نوعِ انسانی (اپنے الگ انسانی جرثومہ سے پیدا ہونے کے بعد) ارتقائی منازل طے کرکے موجودہ شکل میں آئی۔ تو اب اُسے تعلیم ربانی کی ضرورت تھی جو انبیاءؑ کے ذریعہ نفخ ہوئی۔ اور انسان ملائکہ سے سجدہ کروانے کے قابل ہوگیا چنانچہ اُسوقت سے لیکر آجتک ملائکہ اُسکے سامنے سجدہ ریز ہیں اور بدستور سجدہ ریز ہوتے چلے جارہے ہیں۔

● ۸ طَارَ يَطِيرُ کا مطلقاً معنیٰ ہے ہوا میں آزاد اُڑنا۔ طَیر بمعنی پرندہ اور آزاد ذہن والا انسان بطور محاورہ آتا ہے۔

● ۹ الاکمہ کا معنیٰ ہے مادر زاد اندھا۔ یہاں یہ لفظ محاورہ کے طور پر اُس شخص کیلئے آیا ہے جسے الٰہی تعلیم پہنچی ہی نہ ہو۔

● ۱۰ ابرص بمعنی پھلبہری والا یعنی وہ جسے وحی کی تعلیم پہنچی مگر وہ آدھا سیاہ آدھا سفید تذبذب کا شکار ہو گیا۔

● ۱۱ یہاں الموتیٰ سے حقیقی مُردے مراد نہیں وہ تو قیامت کو نکالے جائینگے یہاں ایمانی مُردوں کو ایمانی زندگی دینا مراد ہے۔ جیسے کہ زمانۂ رسالتِ محمدی کے کمزور ایمان والوں کو کہا گیا:۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ $\frac{8}{24}$ اے ایمان کے دعویدارو جب اللہ اپنے رسول کے ذریعہ بلائے تو اسکے بلاوے کو قبول کیا کرو تاکہ وہ تمہیں ایمانی زندگی عطا کرے۔

● ۱۲ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کی تفسیر $\frac{61}{14}$ میں آئی ہے فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝ ہمنے مسیحؑ اور اُسکے صحابہؓ کی دُشمنوں کے مقابلے پر مدد کی اور وہ غالب آ گئے۔

● ۱۳ تقابلِ ضدین کے ذریعہ لفظ سحر کا معنیٰ بتکرار بتا دیا گیا ہے جھوٹ:۔ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ $\frac{46}{7}$ جب اُنکے پاس حق آیا تو کافروں نے کہا یہ کھلا جھوٹ ہے۔

قومِ بنی اسرائیل نے ہموار معاشرہ کا انکار کیا

● آیتِ بالا کے آخری الفاظ میں جو بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیش کردہ دلائل کو انکار کرنے والوں نے کھلا جھوٹ قرار دیا۔ اسکی تفصیل اگلی آیات مجیدہ میں آئیگی۔ کہ جب حضرت مسیحؑ نے ہموار معاشرہ کی تشکیل کا تصور پیش کیا تو اُسے جھٹلا دیا گیا۔ واضح رہے کہ حضرت مسیحؑ نے یکسر ہموار معاشرہ کو اپنا مطمحِ نظر قرار دیا:۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ $\frac{3}{51} + \frac{5}{117} + \frac{19}{36}$ بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے میری تحریک کے نتیجے میں جو معاشرہ قائم ہوگا، اس میں مجھے کوئی خاص رعائتیں میسّر نہیں ہونگی۔ ربوبیت کے لحاظ سے معاشرہ میں میرا اور تمہارا ایک ہی مقام ہوگا۔ لیکن قوم نے کہا یہ تو کھلا جھوٹ ہے، کیا کبھی معاشرہ کے تمام لوگوں کو ایک سطح پر لایا جا سکتا ہے؟

ہموار معاشرہ کا شوق

● ربطِ کلام کی اسی موافقت کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی تین آیات مجیدہ میں اصحابِ مسیحؑ کے شوق کا ذکر کیا گیا ہے جو اُن میں ہموار معاشرہ قائم کرنے کا پیدا ہوا۔ ملاحظہ ہو ارشادِ باری:۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا

اور جب وحی کی میں نے طرف حواریوں کے کہ ایمان لاؤ

بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا

ساتھ میرے اور ساتھ رسول میرے کے کہا ایمان لائے ہم اور تو گواہ رہ ساتھ اسکے بیشک ہم

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے اپنے نبی مسیحؑ کے ذریعہ حواریوں کی طرف وحی فرمائی کہ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ ایمان لاؤ۔ اُنہوں نے کہا ہم تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائے۔ اور (اے اللہ!) تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار

مُسْلِمُوْنَ ○ ۱۱۱
فرمانبردار ہیں

ہیں (تیرے رسول مسیحؑ کی لائی ہوئی تعلیم ربوبیت کے قیام کیلئے ہمہ تن معروف ہیں)۔

● حضرت مسیحؑ کے مقدس صحابہؓ حواریوں نے ہموار معاشرہ کی ابتدائی ہدایات یعنی آپس میں معاشی مساوات قائم کرنے کی ابتدا کردی۔ یہ ہے بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ کا مفہوم۔ مُسلمون فرمانبرداروں کو کہا جاتا ہے صرف زبانی زبانی ایمان لانیوالوں کو نہیں۔ انہیں یہ شوق پیدا ہوا کہ اس معاشی مساوات کی اساس پر ایک حکومت پیدا ہو جائے جس میں سب لوگوں کے کھانے پینے کا بافراغت انتظام ایک بچھے ہوئے دستر خوان کی صورت میں ہر آن موجود ہو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیحؑ سے بالفاظ ذیل درخواست کی:۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے
هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً
کیا طاقت رکھتا ہے رب تیرا کہ نازل کرے اوپر ہمارے دستر خوان
مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ۱۱۲
میں سے آسمان کے۔ کہا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم مومن

وہ وقت قابل ذکر ہے جب (صحابہ مسیحؑ) حواریوں نے کہا کہ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ کیا تیرے رب میں یہ طاقت ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان نازل کرے (یعنی مساوی تقسیم رزق کا آسمانی نظام قائم ہو جائے جس میں کوئی محروم ربوبیت نہ ہو) مسیحؑ نے کہا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ کے قانونِ ربوبیت کی مخالفت سے) بچو (نزولِ مائدہ ہو جائیگا)۔

● اس پر حضرت کے صحابہؓ نے جو نظام ربوبیت کے قیام کیلئے ہمہ تن معروفِ عمل تھے، عرض کیا کہ مائدہ کے متعلق ہمارا ارادہ یہ ہے:۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ
کہا انہوں نے ہمارا ارادہ ہے کہ ہم کھائیں بیچ سے اس کے اور اطمینان پائیں
قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ
دل ہمارے اور ظاہر کریں ہم کہ بیشک سچ کہا تو نے اور ہم ہوں
عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ ۱۱۳ الربع
اوپر اس کے بیچ سے گواہوں کے

(حواریوں نے) کہا ہم سب کا ارادہ یہ ہے کہ ہم سب اُس (دستر خوان) سے مساوی طور پر کھائیں۔ اور (معاشی مسئلہ کی طرف سے) ہم سب کے اذہان مطمئن ہو جائیں۔ اور ہم عملاً ظاہر کردیں کہ آپ نے سچ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے ($\frac{3}{51} + \frac{19}{36}$) اور ہم سب اِس (منصفانہ مساوی تقسیم رزق پر خود عیسیٰؑ) گواہ ہو جائیں۔

ہموار معاشرہ ہی عید ہے

● اس پر حضرت مسیحؑ نے حضورِ الٰہی میں نزولِ مائدہ (یعنی ہموار و متوازن معاشی نظام کے قیام) کیلئے دعا فرمائی۔ دعا اپنے آپکو حصولِ مقصد کیلئے سرگرم عمل رہنے کی تحریک ہوتی ہے۔ آپنے عرض کیا:۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ

کہا مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہ اے اللہ ہم سب کے (ایک

کہ عیسیٰ بیٹے مریم نے اے اللہ رب ہم سب کے نازل کر
عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا
اوپر ہمارے دسترخوان طرف سے آسمان کے ہو جائے واسطے ہمارے عید
لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا
واسطے پہلوں ہمارے اور پچھلوں ہمارے اور نشانی طرف سے تیرے اور ہمیں رزق دے
وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ۱۱۴
حقیقت یہ ہے کہ تو رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے

جیسے) رب ہم پر آسمان سے ایسا دسترخوان نازل فرما کہ وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں سب کیلئے عید ہو جائے۔ (یعنی بار بار لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی بن جائے۔ سب کا معاشی مسئلہ حل ہو جائے) اور وہ تیرے قانونِ ربوبیت کی ظاہر نشانی ہو۔ (یعنی ہمیں، سب کو متوازن و ہموار رزق عطا فرما) حقیقت یہ ہے کہ تو سب رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے ۱

● ۱ خیر الرازقین کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ کرۂ ارض پر تقسیمِ رزق کے جتنے بھی نظام ہیں یا ہونگے، اُن سب سے بہتر نظام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے ہموار و متوازن۔

عید کا قرآنی مفہوم

● لفظ عید کا سہ حرفی مادہ ع۔و۔د = عود ہے۔ اِس کا مصدری معنیٰ ہے لوٹ لوٹ کر آنا۔ اِسی مادہ سے مشتق ہے لفظ اعادہ۔ عربی ادب میں عید کا بنیادی معنیٰ ہے لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی۔ آیتِ بالا میں چونکہ عید کا لفظ المائدہ یعنی بچھے ہوئے دسترخوان کے ضمن میں آیا ہے۔ اسلئے یہاں عید کا معنیٰ صرف وہ خوشی نہیں جو سال کے بعد ایک مرتبہ آئے، بلکہ اس سے مراد وہ لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی ہے جو ہر روز ناشتہ، نہار، عصرانہ اور عشائیہ کی صورت میں مسلسل چار مرتبہ لوٹ لوٹ کر آتی رہے۔ اور یہی صورت، اطمینانِ قلب کی مشاہداتی تفسیر ہے۔ (جبتک معاشی مسئلہ حل نہ ہو، اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوتا)

● آیاتِ بالا سے روایاتی تفاسیر نے یہ تاثر دیا ہے کہ حواریوں کی اِس درخواست پر کہ کیا آپکا رب آسمان سے مائدہ نازل کر سکتا ہے، حضرت مسیح نے حضورِ الٰہی میں نزولِ مائدہ کی دعا فرمائی کہ اُن پر آسمان کا پکا پکایا کھانا نازل ہوا کرے، حالانکہ جب ۳۵/۴۳ فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا کے مطابق اللہ تعالیٰ کی سُنّتِ جاریہ میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ آپکی نزولِ مائدہ کی دعا کا یہ مفہوم ہو کہ باری تعالیٰ اپنی سنت کو بدل کر آسمان سے روٹیاں نازل کرے۔

● حقیقت یہ ہے کہ دعا اپنے آپکو عمل کی تحریک ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص یہ دعا کرتا ہے کہ بارالٰہا میرے کھیت کو لہلہاتی فصل کیا تھ بھر دے۔ تو اُسکا یہ مطلب اخذ کرنا عقل سے دوری و مجبوری کی دلیل ہے کہ وہ کھیت میں ہل نہیں چلائیگا، بیج نہیں ڈالیگا، پانی نہیں دیگا یہ سب کام اللہ تعالیٰ خود کر کے فصل پیدا کر دیگا۔ بلکہ اُسکی دعا کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ مقدور بھر سارے کام اللہ کے قانون کے مطابق ہمہ تن مصروفیت کیا تھ کریگا۔

● موجودہ سائنسی دور میں قوانینِ ہمارے یہ کی اہمیت سائنٹسٹ اجاگر ہو چکی ہے کہ جس کھیت سے کل تک دس بارہ من فی

اکٹھے پیدا وار میسر آئی تھی، آج اعلیٰ بیج اور عمدہ کھاد اور بھرپور محنت کے ذریعہ ذاتِ باری سے جو معاوضہ طلب کیا جا رہا ہے وہ سات سو تک من فی ایکڑ عطا فرما رہا ہے ۔ اسی طرح حضرت مسیح سلام علیہ نے اپنے حواریوں کے ساتھ مل کر نظامِ ربوبیت کے قیام کی انتھک کوشش کے بعد عرض کیا کہ بارِ الہا! میں اور میرے حواری تیرے تکوینی قوانین کے مطابق حصولِ رزق کیلئے بھرپور محنت کر رہے ہیں ۔ اور اس محنت کے ماحصل کو تیرے تنزیلی قوانین کے مطابق پورے معاشرہ میں مساوی انداز کیساتھ تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ ہر شخص کا معاشی مسئلہ حل ہو جانے سے اُسے اطمینانِ قلب نصیب ہو ۔ اور وہ عملاً ہموار و متوازن تقسیمِ رزق تیری ربوبیتِ عامہ کی ایسی نشانی بنے جو بشکلِ مشہود موجود ہو ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ حرف لفظاً نہ ہو بلکہ عملاً سامنے آجائے ۔ یہی ہے وہ عید جس کی طلب حضرت مسیح نے حضورِ خداوندی سے فرمائی ۔ جس کے حصول کیلئے انتھک کوشش جاری تھی ۔ اس پر جنابِ باری سے جو جواب ملا، وہ اٹل قانونِ الٰہی کے مطابق انتہائی غور طلب ہے ۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ
کہا اللہ نے بیشک میں نازل کرنے والا ہوں اسے اوپر تمہارے پھر جو

یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ
کفر کریگا بعد کو تم میں سے تو بیشک میں عذاب دونگا اُسے عذاب نہ

اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۠ ۱۱۵ ع ۵
کیا میں نے کسی ایک کو میں سے جہانوں کے

(اس پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (تمہاری بھرپور محنت اور انتھک کوشش کی بدولت) میں اُسے (مائدہ یعنی ہموار معاشرہ کو) تم پر نازل کرنیوالا ہوں ۔ پھر اُسکے بعد جو کوئی کفر کریگا (یعنی اپنے حصے سے زیادہ لیگا) تو اُسے عذاب دونگا جو جہانوں میں کسی کو نہ دیا گیا ہو ۔

● ہموار معاشرہ قائم ہو چکنے کے بعد پھر ذاتی مفاد پرستی کی بدولت اُس میں شگاف پیدا کرنیوالے کی جو سخت ترین سزا بتائی گئی ہے، وہ سزا موت تک ہو سکتی ہے کہ ایسے افراد کو جو متوازن معاشرہ کو پھر ناہموار و غیر متوازن کرنے کی کوشش کریں اُنہیں گولی مار دی جائے ۔ اور دوسرے نمبر پر ایسی قوم جو متوازن معاشرہ کو غیر متوازن معاشرہ میں تبدیل کر دے اُنکے لئے قوانینِ خداوندی میں غلامی اور ذلت کی بدترین سزا ہے ۔ آج وہی نصاریٰ جن پر حضرت مسیح اور آپکے حواریوں رضؓ پر نزولِ مائدہ ہو گیا ۔ یعنی ہر فردِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن حکومتِ وقت ٹھہری تھی اور ہر فردِ معاشرہ اطمینانِ قلب سے مالا مال تھا ۔ جب سے یہ قوم ذاتی مفاد پرستیوں میں اُلجھ گئی ہے ۔ اُسوقت سے اِس کی حالت یہ ہے کہ دنیا بھر کی نعمتوں کی موجودگی کے باوجود اطمینانِ قلب کی اُس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو چکی ہے، جس کی خبر تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا سے عیاں ہے ۔ نوعِ انسانی کے افراد سے آگے قوموں کے حقوقِ ربوبیت کی غصب پسندی ہر وقت کانٹوں پر لوٹا رہی ہے ۔

● یہود و نصاریٰ ہوں یا مسلمان، خدا تعالیٰ کے قوانین سب کیلئے ایک ہیں ۔ حضرت مسیح اور آپکے حواریوں رضؓ کی

طرح آنحضور کی سرکار آپکے صحابہؓ کی کوششوں سے مسلمانوں پر بھی نزولِ مائدہ ہوا یعنی ہر فردِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن قرآنی حکومت تھی۔ جیسے کہ تاریخ کا مشہور ترین واقعہ اس پر گواہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے کندھوں پر اُٹھا کر آٹا دال ضرورتمندوں کے گھر خود پہنچایا کرتے تھے۔ لیکن جب سے مسلمانوں نے ذاتی مفاد پرستی اختیار کر رکھی ہے، انکی درجنوں اسلامی سلطنتیں بھی دنیا میں پسماندگی کی ذلت کا شکار ہو چکی ہیں۔

نزول بمعنی انسانی محنت کا بدلہ

● نزول مائدہ کے سلسلے میں سب سے بڑا دھوکا اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً کے بعد مِّنَ السَّمَآءِ الفاظ سے لگتا ہے کہ جو چیز آسمان سے نازل ہوئی وہ کوئی پکا پکایا کھانا یا روٹی ہی ہوسکتی ہے۔ قرآنِ کریم میں نزول کے مصدری معنے پیدا کرنے کے بھی ہیں۔ اور ایک معنی یہ بھی آیا ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخفی خزانوں میں محفوظ کر رکھی ہیں انسان اُنکی تلاش کرے اور اللہ اُسے عطا فرمائے۔ جیسے کہ وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ $\frac{۵۷}{۲۵}$ کا معنٰی یہ ہے کہ ہم نے لوہا پیدا کیا ہے اور دوسرا معنٰی یہ ہے۔ انسان نے ہمارے مخفی خزانوں سے لوہا تلاش کیا اور ہمنے اُسے عطا فرمایا۔

● نزول کے اِن معنوں کی تائید آیتِ ذیل میں موجود ہے :۔ وَ اِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ $\frac{۱۵}{۲۱}$ اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن ہم نازل (یعنی عطا) اُتنا ہی کرتے ہیں، جتنا انسان تلاش کے بعد معلوم کرتا ہے۔ پس آیتِ مجیدہ $\frac{۵۷}{۲۵}$ + $\frac{۱۵}{۲۱}$ کے مطابق ثابت ہوا کہ نزول کا ایک مصدری معنی انسان کی اپنی محنت کا ظہور بھی ہے۔

نزول من السّماء کی اصطلاح

● نزول من السّمآء ایک قرآنی اصطلاح ہے، جس سے یہ غلط تصور پیدا کر لیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ پر آسمان سے پکے پکائے کھانے کا طشت نازل ہوتا تھا۔ اور خود نصاریٰ آج تک جھگڑتے چلے آرہے ہیں کہ آسمان سے نازل شدہ خوان کی روٹی خمیری تھی یا فطیری۔ قرآنِ کریم نے نزول من السّمآء کو انسان کے اپنے اعمال کے ثمر کا ظہور بتایا ہے۔ جیسے کہ قوم بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :۔ فَاَنۡزَلۡنَا عَلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ $\frac{۲}{۵۹}$ پس ہم نے نافرمانی کرنیوالوں کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت اُن پر آسمان سے ذلت نازل فرمائی۔ دیکھئے! جس طرح بنی اسرائیل پر ذلت اُنکی اپنی نافرمانیوں کا ثمر بتایا گیا ہے کہ وہ بارش کی طرح آسمان سے نہیں برسی تھی۔ اُسی طرح حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ پر بچھا ہوا دسترخوان (ہموار معاشرہ) آسمان سے نہیں برسا تھا بلکہ اُنکے اپنے اعمال اور جدوجہد کا ثمر تھا جسے آسمان سے نازل ہونے کی قرآنی اصطلاح میں بیان کیا گیا ہے۔

● اِس اصطلاح کا صحیح معنٰی یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ کی محنت و کوشش سے معاشرہ میں ایسا متوازن و ہموار معاشی نظام قائم ہوا جو ہر کسی کیلئے بچھے ہوئے دسترخوان کی مانند تھا۔ جس پر سے قیامِ معاشرہ

میں آگے بڑھ کر کام کرنیوالے اوّلین افراد بھی مساوی کے حقدار تھے جنہوں نے اسکے قیام میں تکلیفیں برداشت کیں اور وہ افراد بھی مساوی کے حقدار تھے جو بعد میں شامل ہوئے۔ یعنی معاشرہ کا اوّل و آخر اور اعلیٰ و ادنیٰ سب کو معاشی لحاظ سے بہرہ یاب ہونے کا قانونی حق حاصل تھا۔ یہ تھی اُن سب اوّل و آخر اور اعلیٰ ادنیٰ کی بار بار لوٹ کر آنیوالی عید، جس پر سب کے قلوب مطمئن تھے۔ اور یہ ہموار و متوازن معاشرہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت عالمین کی بشکل مشہود دکھائی دینے والی نشانی تھی وَاٰيَةً مِّنْكَ ۵/۱۱۴۔

● آیاتِ بالا میں متوازن معاشرہ کو اللہ کی نعمت یعنی ہر فردِ معاشرہ کیلئے روزانہ لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی عید بتانے کے بعد پھر ۵/۱۰۹ میں مذکور قیامت کے دن تمام رسولوں کو جمع کر لیا جائیگا اور اُن سے جواب طلبی کی جائے گی۔ حضرت مسیحؑ سے آپ کی قوم کے متعلق کی جانیوالی جواب طلبی کا نقشہ بالفاظِ ذیل کھینچا گیا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ

اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا

اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ

تُو نے کہا لوگوں کو پکڑو مجھے اور میری ماں کو دو الٰہ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ

سا تھ اللہ کے۔ کہا تُو پاک ہے نہیں لائق واسطے میرے کہ

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ

کہوں وہ جو نہیں واسطے میرے ساتھ حق۔ اگر میں نے وہ کہا تو ضرور تو جانتا ہے اُسے

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ

تو جانتا ہے جو کچھ جی میں میرے ہے اور نہیں جانتا میں جو کچھ جی میں تیرے ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ ۱۱۶

بیشک تُو ہی بہت بڑھکر جاننے والا ہے غیبوں کا

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ کہیگا (قیامت کو) اے عیسیٰ بیٹے مریمؑ کے کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو الٰہ اور ٹھہرا لو۔ (عیسیٰ) کہیگا اے اللہ تُو (شریکوں سے) پاک ہے میرے لئے یہ لائق نہیں تھا کہ میں وہ کچھ کہتا، جس کا مجھے حق نہیں۔ (میرا حق صرف تیرا پیغام پہنچانا تھا) اگر میں نے اُسکے خلاف کچھ کہا تو تُو اُسے جانتا ہے۔ تُو اُسے جانتا ہے جو میرے جی میں ہے میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ بیشک تُو غیبوں کو بہت بڑھکر جاننے والا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ

نہیں کہا میں نے واسطے اُنکے سوائے جو حکم کیا تُو نے مجھے ساتھ اُسکے کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ

بندگی کرو اللہ کی۔ رب میرا اور رب تمہارا۔ اور تھا میں اُوپر اُنکے

میں نے اُنہیں اُسکے سوا نہیں کہا تھا جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ (اکیلے) کی فرمانبرداری کرو۔ جو میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے۔ اور میں اُن پر اُسوقت تک نگران تھا جبتک میں اُن میں رہا۔ پھر جب تُو نے مجھے

شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ

نگران - جبتک رہا میں بیچ اُن کے - پھر جب تو نے مجھے فوت کر دیا، تھا تو

أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○ ۱۱۷

تو ہی نگران اور اوپر اُنکے - اور تو اوپر ہر چیز کے گواہ ہے

فوت کر دیا تو اُن پر صرف اور صرف تو ہی نگران تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تو اوپر ہر چیز کے خود عینی گواہ ہے۔

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ

اگر تو عذاب کرے تو بیشک وہ ہیں بندے تیرے اور اگر تو معاف کرے

لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ ۱۱۸

واسطے اُنکے تو بیشک تو تو ہے غالب حکمت والا

(بارِ الٰہا) اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں (جنہوں نے توبہ نہیں کی وہ ضرور عذاب کے مستحق ہیں) اور جنہیں تو معاف کرے (وہ وہی ہونگے جنہوں نے توبہ کر لی) بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

● اِسکے جواب میں حضورِ خداوندی سے آپکو یہ جواب ملیگا کہ آج کے دِن سچے ہی اپنی سچائی کی بدولت فائدے میں رہینگے:-

قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ

کہیگا اللہ یہ وہ دن ہے فائدہ دیگی سچوں کو

صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

سچائی اُنکی واسطے اُنکے باغات ہیں چلتی ہیں میں نیچے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللَّهُ

نہریں ہمیشہ رہنے والے اُس میں ہمیشہ - راضی ہوا اللہ

عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ ۱۱۹

اُن سے اور راضی ہوئے وہ اُس سے وہی کامیابی ہے بڑی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائینگے (کہ ہمارے قانون میں کوئی لچک نہیں ہے) آج کا دِن وہ ہے کہ سچے ایمان والوں ہی کو اُنکی صداقت فائدہ دیگی۔ اُنکے لئے ایسے باغات ہیں کہ اُنکی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (اُنکے نیک اعمال کی بدولت) اللہ اُن پر راضی ہو چکا اور وہ (اُسکے ضابطہ پر عمل کر کے) اُس پر راضی ہو چکے۔ وہ (مذکورہ رضاءِ الٰہی کا حصول ہی) سب سے بڑی کامیابی ہے۔

نصاریٰ کے ہر سہ عقائد کا ابطال

● پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ آیت نمبر ۷۲ میں نصاریٰ کے عقیدہ "مسیح مین اللہ" کا ابطال کیا گیا ہے اور آیت نمبر ۷۳ میں عقیدہ تثلیث کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اور اِس آیت نمبر ۱۱۹ میں نصاریٰ کے عقیدہ کفارہ کو غلط ٹھہرا دیا ہے اور اُنکی اُس بنیادی چیز کو ہی افتریٰ محض قرار دیدیا ہے جس پر مروجہ مسیحیت کی بنیاد قائم ہے کہ مسیح کی صلیب پر ایمان لانا جملہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ آیت نمبر ۱۱۶ - ۱۱۷ میں خود مسیح ہی کی زبان سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ وہ قیامت کو اُنکی سفارش کرنے کی بجائے یہ اعلان کرینگے کہ جب تک میں اِن میں موجود رہا میں نے انہیں عقیدہ تثلیث ایجاد نہیں کرنے دیا۔ یہ میرے بعد کی پیداوار ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے آیۂ بالا میں اعلان کر دیا ہے کہ قیامت کو صرف سچوں کو اُنکے سچے اعمال ہی فائدہ پہنچا سکینگے، کفارہ کے

عقیدہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ ایجادِ بندہ ہے۔

● مختلف اُمتوں کے ہاں قیامت کی نجات کیلئے

قیامت کی کامیابی اعمال صالح کیساتھ وابستہ ہے

الگ الگ اور سفارش کے مختلف عقائد چل رہے ہیں۔ مگر خود حضور خاتم النبیین رحمتہ للعلمین کے متعلق بھی خداوندِ عالم نے بتا دیا ہے کہ قیامت کو آپ بھی اپنی اُمت کا حال دیکھ کر ارشاد فرمائیںگے:۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ۲۵/۳۰ اور (قیامت کو رسولِ عربی) کہیںگے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے (میرے بعد) اس قرآن کو (چھوڑ دیا تھا) اس طرح پکڑا ہوا تھا جس طرح چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سورہ مائدہ کی آخری آیت ہے جس میں ایسے دو مسائل کا فیصلہ دیدیا گیا ہے جو ہر معاشرہ میں فساد کی جڑ ہیں۔ پہلا مسئلہ ہے ذاتی ملکیت کا اور دوسرا ہے نیکی اور برائی کا پہلے سے لکھا ہوا ہونا۔ زمین و آسمان کی ہر چیز کو ملکیت قرار دیا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی۔ اور ہر چیز کے وقوع کیلئے اللہ تعالیٰ نے قوانین متعین کئے ہیں

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہے واسطے اللہ کے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۲۰ اور جو ہے درمیان اُن دونوں کے اور وہ ہر چیز کے قانون متعین کرنیوالا ہے	آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور وہ بھی جو اُن دونوں کے درمیان ہے، سب کے سب پر اللہ کی حکومت ہے (سب اُسی کی ملکیت ہے) اور وہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔ ع ۱۶

● اس حقیقت سے کسی بھی حقیقت شناس فرد کی مجالِ انکار نہیں کہ معاشرہ میں ذاتی ملکیت کا تصوّر فساد کی جڑ ہے۔ اور ہر فردِ معاشرہ کا ضروریاتِ زندگی کا مساوی طور پر حقدار ہونا ضامنِ امن ہے۔ ذاتی ملکیت کا نامراد تصوّر، زیادہ سے زیادہ مال جمع کر کے عوام کے استحصال کی ایسی راہیں کھول دیتا ہے کہ ہر طرف لوٹ کھسوٹ مچی ہوتی ہے۔ اسلئے قرآن کریم میں ہر فردِ انسانیہ کا حق بتایا گیا ہے:۔

● وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اور اے نوعِ انسانی تمہارا حق ہے کہ زمین میں تمہارا مکان (بلا کرایہ) اپنا ہو اور زندگی کے آخری سانس تک تمہیں ضروریاتِ زندگی میسر آتی رہیں۔ پس خدا تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں مکان اور جملہ ضروریاتِ زندگی سے کوئی شخص محروم نہ پایا جائے۔ اور کسی فردِ معاشرہ کو استحصال کے مواقع میسر نہ ہوں۔ ان حدود میں رہکر معاشرہ سے شر و فساد مطلقاً ختم ہو جاتا ہے اور ہر طرف امن ہی امن کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔

● دوسری چیز جو معاشرہ کو شر و فساد سے بھر کر رکھ دیتی ہے وہ ہے یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ پہلے

سے لکھ دیا ہوا ہے کہ فلاں مالدار ہوگا اور فلاں بھوکا ننگا ۔ اُس نے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ فلاں نیکوکار ہوگا اور فلاں بدکار ۔ واضح رہے کہ معاشی ناہمواری کو پہلے ہی سے خود لکھ دینا تو اللہ تعالیٰ کی صفتِ اوّل ربّ العلمین ہی کے خلاف ہے ۔ اور ہر فرد کے متعلق پہلے ہی سے لکھ دینے کا نظریہ کہ فلاں نیکوکار ہوگا اور فلاں بدکار خدا تعالیٰ کے پورے قانونِ مکافاتِ عمل کو باطل کر دیتا ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی لکھ کر برائیاں کرواتا ہے اور خود ہی سزا دیتا ہے ۔ العیاذ باللہ ! دونوں نظریے از روئے قرآن کریم غلط ہیں ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کے جملہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ معاشرہ میں معاشی ناہمواری حکومتیں پیدا کرتی ہیں ، اللہ نہیں کرتا ۔ جیسے کہ $\frac{28}{4}$ میں فرعون کے متعلق بتایا گیا ۔ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ۔ فرعون نے عوام کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا ۔ ایک طبقہ کو اُس نے معاشی کمزوری کا شکار کر دیا تھا ۔ اِسکے برخلاف انبیاء سلام علیہم نے جو نظام قائم فرمایا اُس میں معاشی طبقات موجود نہیں تھے ۔ حقِ ربوبیت کے لحاظ سے جملہ افرادِ معاشرہ ایک ہی سطح کے حقدار تھے صرف تقسیم مدارج اعمال کے لحاظ سے تھی ۔ پس ثابت ہُوا کہ معاشی ناہمواری سُنّتِ فرعون ہے ۔ اور :۔

مسئلہ جبر و اختیار ● اِس مسئلہ کے ضمن میں کہ ہر کسی انسان کی قسمت میں لکھا ہُوا ہے کہ وہ اتنی چوریاں ، اتنی بدکاریاں کریگا ۔ اتنے قتل اور اتنے ڈاکے ماریگا ، یا یہ کہ نوعِ انسانی کا خدمتگار اور نیکوکار ہوگا ۔ نیز یہ کہ ہر انسان اپنے متعلق خدا تعالیٰ کے لکھے پر عمل کرنے کیلئے مجبور ہے محض غلط ہے ۔ قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبعی زندگی میں مجبور اور عملی زندگی میں بااختیار ہے ۔ طبعی زندگی میں قانونِ خداوندی کے مطابق موت ہی کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے اور عملی زندگی میں شَتّٰى $\frac{21}{4}$ کے مطابق اچھے یا بُرے جیسے بھی عمل کرتا ہے خود کرتا ہے اور جزا سزا کا خود مستحق ٹھہرتا ہے :۔

● مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۔ $\frac{41}{46}$ جو کوئی اچھے عمل کریگا خود کریگا اُسکی جزا اُسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی بُرے عمل کریگا ، خود کریگا ، اُسکی سزا اُسکے اوپر ہے ۔ تیرا رب (خود بُرے عمل کروا کر) بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں ۔

● حضرتِ انسان کے لئے تو جبر و اختیار کی یہ حدیں مقرر کر دیگئی ہیں ۔ مگر اسکے علاوہ کائنات کی ہر چیز کیلئے الگ الگ قوانین مقرر کر دیئے گئے ہیں جن کی زنجیروں میں جکڑی ہُوئی ہر چیز مصروفِ عمل ہے ۔ سورہ مائدہ کے آخری جملہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ میں مذکورہ نظامِ خداوندی کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قوانین مقرر کرنیوالا ہے ۔ اس جُملہ کی قرآنی لغت سورہ آل عمران میں موجود ہے کہ جنگِ اُحد میں چند صحابہؓ کی غلطی سے شکست ہوگئی تو صحابہؓ نے کہا یہ کہاں سے آگئی تو بتایا گیا ہے :۔

لفظ قدیر کی قرآنی لغت ● اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۳/۱۶۵ = اور کیا جب تمہیں شکست کی مصیبت آئی، حالانکہ تم اس سے دگنی شکست انہیں دے چکے ہو۔ تم نے کہا یہ شکست کہاں سے آگئی (اے رسول!) کہدیجئے گا کہ یہ تمہارے افراد کی طرف سے آئی ہے (یونہی نہیں آگئی)۔

● اس سے آگے آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۳/۱۶۵ = بیشک اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے۔ (جنگِ بدر میں جب تمہارے عمل ہمارے فتح کے قانون کے مطابق تھے تو فتح ہوگئی تھی، مگر جب جنگِ اُحد میں تمہارا عمل شکست کے قانون کے مطابق ہوا ہے تو شکست ہوگئی ہے۔ ہمارے قانون میں لوچ لچک ہرگز نہیں ہے)۔

● سورہ مائدہ کی آخری آیت مجیدہ میں معاشرہ کی دو بنیادی برائیوں ذاتی ملکیت اور پہلے سے لکھی ہوئی برائیوں کے فساد انگیز نظریہ کی جڑ کاٹ دیگئی ہے کہ ذاتی ملکیت پیدا کرنے اور بڑھانے کیلئے نوعِ انسانی ہر ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے میں لگی ہوتی ہے اور پہلے سے لکھی ہوئی برائیوں کے نظریہ سے انسان برائیوں پر دلیر ہوجاتا ہے کہ یہ سب کچھ میری قسمت میں پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ العیاذ باللہ!۔

● رضاءِ الٰہی یہ ہے کہ نوعِ انسانی ناجائز طریقوں سے مال حاصل نہ کرے اور برائیوں سے کنارہ کش ہوجائے تاکہ معاشرہ جنت بدوش ہوجائے اور ہر طرف سلاماً سلاماً کی گونج اٹھ رہی ہو۔

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۲۳/۹۷-۹۸

بحمد اللہ!

سُورۃُ المَائدہ ختم شُد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ۝ ۲۵/۳۳

(اے رسولِ مقبولؐ) لوگ آپ کے پاس اُس کی مثل نہیں لائیں گے۔ مگر ہم آپ کے پاس اپنا حق (قرآن مجید) اور اُس کی احسن تفسیر لائے ہیں۔

سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ

فَاسْتَمْسِکْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْکَ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝
وَاِنَّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ۴۳/۴۴

ترجمہ:۔ (اے رسولؐ) تو اس کلام کو جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے۔ مضبوطی سے پکڑ لے۔ کیونکہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔
اور یہ (کلام) آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے تذکرہ ہے۔ تم سب سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَكِّيَّةٌ

سُورَةُ الْاَنْعَامِ

● یہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآن مجید کی چھٹی سورہ مجیدہ ہے۔ انعام نام پانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم ربوبیت عالمین کا علمبردار ہے جو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ یعنی ربوبیتِ عالمین سے شروع ہوتا اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی آخری سورت پر یعنی ربوبیتِ النّاس پر ختم ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن کریم ربوبیتِ عامہ ہی کی دو بڑی کڑیوں میں گھرا ہوا ہے۔ سورہ انعام سے پہلی ملحقہ سورت مجیدہ "المائدہ" یعنی "کھانوں سے چنے ہوئے دسترخوان" کے نام سے موسوم ہے جو ربوبیت عامہ ہی سے متعلق ہے۔ اِس سورہ مبارکہ انعام نے بھی ربوبیتِ عامہ ہی کی اساس پر اَلْاَنْعَام نام پایا ہے کہ المائدہ یعنی دسترخوان کی بہترین نعمت گوشت ہے جو اُن چارہ خور چوپایوں سے بافراط میسّر آتا ہے جن کے حلال ہونے کی خبر سورہ مائدہ کی ابتدا ہی میں دیدی گئی ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ۱/۵ ۔

۲ ● واضح رہے کہ قرآن مجید کی پانچ سورتیں ایسی ہیں جو حمدِ باری یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہیں۔ سورہ فاتحہ، سورہ انعام، سورہ کہف، سورہ سبا، اور سورہ فاطر۔ بالفاظِ دیگر پورا قرآن مجید پانچ حمدوں کے پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے نمبر پر تو سارے کا سارا قرآن مجید ابتدا ہی میں سورہ فاتحہ کی ابتدا میں آمدہ حمدِ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر و تفصیل ہے۔ اور دوسرے نمبر پر قرآن کریم کی پانچ سورتوں کی ابتدا میں انہی مقدس الفاظ کا اعادہ کر دیا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر جہاں خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کائنات کا گوشہ گوشہ بزبانِ حال خدا تعالیٰ کی حمد و ستائش میں ہر لحظہ معروف عمل ہے، اُسی طرح اُسکی قولی کتاب کا ہر حصّہ اپنے قاری کے ذریعہ بزبانِ قال معروف حمد ہے۔

● آگے بڑھنے سے پہلے قرآن مجید کی پانچوں سورتوں کی ابتدائی حمد کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں پہلی سورت کی حمد یہ ہے:-

● اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام کے تمام جہانوں کی ربوبیت کا سامان مہیا کرنیوالا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسلئے لائقِ حمد و ستائش ہے کہ وہ عالمین کیلئے سامانِ نشو و نما مہیا کرنے کا ضامن ہے)۔ قرآن کریم میں نازل کردہ حمدِ ثانی سورہ انعام کی ابتدا میں بالفاظِ ذیل مذکور ہے:-

● ۲ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۶/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے (اِس عظیم کائنات میں سب کے سب) آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ـــــ تیسری حمد سورہ کہف کے ابتدائی الفاظ ذیل میں نازل فرمائی گئی :۔

● ۳ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۱۸/۱ سکتہ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ) پر (۴۷/۲) اپنی کتاب نازل فرمائی اور اُس میں کوئی ٹیڑھ پن نہیں رکھا۔ (نوعِ انسانی کی رُشد و ہدایت کیلئے ایک متوازن ضابطۂ حیات عطا کر دیا ہے ـــــ چوتھی حمد سورہ سبا کی ابتدا میں آئی ہے :۔

● ۴ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۳۴/۱ = سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو وہ عظیم الشان ذات ہے کہ جو کچھ بھی پُورے کے پُورے آسمانوں اور پُوری زمین میں ہے سب کا سب اُسی کی ملکیت ہے اور آخرت میں بھی صرف اُسی کے لئے حمد و ستائش ہے اور وہ بہت بڑا حکمت دانا اور بہت بڑھ کر صحیح صحیح خبریں رکھنے والا ہے ـــــ پانچویں حمد سُورہ فاطر میں آئی ہے :۔

● ۵ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۳۵/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو سب کے سب آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے ـــــ اِن پانچوں حمدوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سب کی سب حمد و ستائش کا سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے ۶/۱ + ۳۵/۱ اِس پُوری کائنات کی جُملہ موجودات کا حال وہی اکیلا جاننے والا ہے ۳۴/۱ اور وُہی ایک اکیلا ہے جو پُوری کائنات کے پُورے عالمین کیلئے سامانِ نشو و نما مہیا کرنیوالا ہے ۱/۱ اور وُہی عظیم الشان ذات ہے جس نے نوعِ انسانی کیلئے ایک ہی متوازن ضابطۂ حیات سابقہ انبیا علیہم السلام پر نازل فرمایا ۲۶/۱۹۶ ۔ اور اسی کو آخری بار اپنے پاکیزہ بندے جناب محمد رسول اللہ کے ذریعہ عطا فرما دیا ۱۸/۱ ۔

● سورۂ انعام میں تخلیقِ کائنات، وحدتِ باری، فرائضِ رسالت مع آنحضور سلام علیہ کے دائرۂ اختیارات کی وضاحت، کفایتِ قرآن اور ملتِ ابراہیم علیہ السلام کی توضیح، آنحضور سلام علیہ کا خالص قرآن کریم کا متبع ہونا، لوگوں کے ایمان نہ لانے کی بدولت آپکے رنجیدہ خاطر رہنے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے تسلّی و تشفّی، روزِ مکافات اور جُملہ انبیاء سلام علیہم پر بھی قانونِ مکافاتِ عمل کے لاگو ہونے کی وضاحت وغیرہ بہت سے مسائل کی تفصیل و تشریح کر دی گئی ہے۔ اِسی سُورہ مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت فرمانا اپنے ذمہ فرض قرار دے رکھا ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ لیکن چونکہ اُس نے نوعِ انسانی کو اعمال کے لحاظ سے صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا ہے، اسلئے جب انسان سرکشی اور نافرمانی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت کی بدولت توبہ اور اصلاح کی گنجائش رکھدی ہے۔ لیکن جب انسان نافرمانیوں اور سرکشیوں پر استقامت کر کے اپنے لئے توبہ کا دروازہ خود بند کر لیتا ہے تو گویا وہ رحمتِ خداوندی سے اپنے آپکو خود محروم کر لیتا، اور خود ہی عقوبتِ خداوندی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ یہ سُورہ مجیدہ حمدِ باری سے شروع ہو کر متعدد مسائل کی تشریح، اچھے اور بُرے لوگوں کے حالات بیان کرتی ہوئی اِس عنوان پر آکر ختم ہوتی ہے کہ انسان خود ہی رحمتِ باری کا مستحق ٹھہرتا ہے اپنے اچھے عملوں کیساتھ اور خود ہی

اُسکی عفو بن وسزا کا مستحق بنتا ہے اپنے برُے عملوں کیساتھ - اللہ تعالیٰ انسان کو اُسکے اپنے ہی اچھے اور برُے عملوں کا بدلہ دیتا ہے - اسطرح وہ سریع العقاب بھی ہے اور غفور رحیم بھی ہے اِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ٦/١٦٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
سب تعریفیں واسطے اللہ کے جس نے پیدا کیا آسمانوں
وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ
اور زمین کو اور ٹھہرایا اندھیرا اور روشنی پھر بھی
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ ١
جو لوگ انکار کرتے ہیں ساتھ رب اپنے کے برابر کرتے ہیں

(کائنات کے ہر گوشے میں) سب کی سب حمد و ستائش صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا - اور (اُن میں نظامِ شمسی اور قمری قائم کرکے اندھیرے اور روشنی پیدا فرمائی عله (اِن اندھیروں اور روشنی کے ذریعہ وہ ربوبیتِ عالمین کے لیئے فصلیں اور پھل پیدا کرتا ہے) پھر بھی حقائق کا انکار کرنے والے (اوروں کو) اپنے ربوبیت کرنیوالے کے برابر قرار دیتے ہیں -

● عله جعل الظلمت والنور سے غلط عقائد اور توہمات کے اندھیرے اور اُنکے مقابلے پر قرآنی رُشد وہدایت کی روشنی بھی مراد ہے لیکن چونکہ عین متصل ماقبل ذکر ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا' اسلیئے یہاں سرِ فہرست وہ اندھیرا اور روشنی مراد ہے جو تخلیقِ ارض وسماوات سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظامِ شمسی اور قمری کے قیام اور زمین کی محوری گردش کے ذریعہ ایسا نظام قائم کر دیا ہے' جس کی بدولت سورج کے سامنے والے حصۂ زمین پر روشنی ہوتی ہے اور جو حصہ سورج کے سامنے سے گزر جاتا ہے وہاں اندھیرا ہوتا ہے - رات کے وقت چاند کی روشنی بھی سورج کی ہے چاند کی نہیں پھر ظلمت کا لفظ چونکہ بصیغۂ جمع آیا ہے اسلیئے واضح کر دیا گیا ہے کہ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے مجازی اندھیرے ہیں جو کفر، شرک، منافقت، باطل رسومات اور خود ایجاد کردہ توہمات کی پیداوار ہیں - لوگ اُنہیں روشنی ٹھہراتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھیرے قرار دیا ہے' جن میں نوعِ انسانی ٹھوکریں کھا رہی ہے -

اندھیرے بہت سے مگر روشنی ایک

● لیکن یاد رہے کہ ظُلُمٰت بصیغۂ جمع کے مقابلے پر اَلنُّور بصیغۂ واحد لاکر اعلان کر دیا گیا ہے کہ اَلنُّور صرف اور صرف قرآن اکیلا ہے جس کے مقابلے پر کفر، شرک، بدعت، باطل آبائی رسومات اور ہر قسم کے توہمات کے سب اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں - باری تعالیٰ نے قرآن کریم کو متعدد مقامات پر رُشد وہدایت دینے والا نور قرار دیا ہے :-

١- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ ٤/١٧٥ اے نوعِ انسانی! بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلِ قاطعہ آگئی ہے یعنی ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کر دیا ہے -

٢- فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

۷/۱۵۷ پس جو لوگ اُس (ہمارے رسول علی اللہ سلامٌ علیہ) پر ایمان لائیں اور اُسکی تعظیم کریں اور اُسکی مدد کریں اور اُس نور کی اتباع کریں جو اُسکے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہیں۔
۳- فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ۶۴/۸ پس ایمان لاؤ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسول (محمد عربی) کیساتھ اور اُس نور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے —— دیکھئے! ان آیات کریمات میں اُس چیز کو نور بتایا گیا ہے جو آنحضورؐ نبی اکرم پر نازل فرمایا گیا ہے اور وہ ہے صرف قرآنِ کریم ۴/۲ پس حصولِ رُشد و ہدایت کیلئے قرآنِ کریم نور ہے۔ روشنی ہے اور یہی واجب الاتباع ہے۔

رجوع الی المطلب ● سلسلۂ درس کی آیتِ اوّل ۱/۶ میں تخلیق کائنات کا ذکر کرنے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں انسانی تخلیق کا تذکرہ لایا گیا ہے کہ اللہ نے انسان کی ابتداء مٹی سے کی، اُسکے بعد نطفہ سے پیدا کر کے موت کے حوالے کر رہا ہے:۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى [۱]
وہی ہے جس نے پیدا کیا تمکو میں سے گیلی مٹی کے پھر مقرر کردی
اَجَلًا [۲] وَاَجَلٌ مُّسَمًّى [۳] عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ
معیاد۔ اور معیاد ہے نام رکھی گئی اُسکے ہاں پھر تم
تَمْتَرُوْنَ ۝۲
شک کرتے ہو

(اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے (اے نوعِ انسانی!) تمہیں گیلی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر (تمہاری طبعی زندگی کی) میعاد بھی مقرر کر دی۔ اور اُسکے ہاں (مکافاتِ عمل کیلئے) نام رکھی ہوئی (یعنی قیامت کی) میعاد بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ پھر بھی تم ہو کر (اُس کی جوابدہی میں) شک کرتے ہو۔

● ۱ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ سے مراد یہ نہیں کہ اوّلین انسان کا بُت بنایا گیا تھا۔ بلکہ مِنْ طِیْنٍ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ نوعِ انسانی کو گیلی مٹی سے یعنی زمین میں سے پیدا کیا گیا تھا۔ جیسے کہ قرآنِ کریم کے چار مقامات پر اسکی توضیح دی گئی ہے:۔
۱- هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا ۱۱/۶۱ اُس نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کر دیا۔
۲- وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۷۱/۱۷ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا ٹھیک ٹھیک پیدا کرنا۔
۳- هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۵۳/۳۲ وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اُس نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا تھا
۴- مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۲۰/۵۵ ہم نے تمہیں اس (زمین) میں سے پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹا دیتے ہیں اور اسی میں سے (قیامت کو) تمہیں دوبارہ نکال لینگے۔
● دیکھئے آیات کریمہ مذکورہ بالا میں بار بار بتایا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کو زمین میں سے پیدا کیا گیا ہے۔ (مزید وضاحت کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم کا صفحہ ۱۷۵ کی نیچے سے دوسری سطر مع صفحہ ۱۷۶ ملاحظہ فرمائیں۔
● ۲ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مستقل قانون بنایا ہے کہ ہر فردِ بشر زندگی گزار کر بالآخر مرجاتا ہے

یہاں اجل کا معنیٰ ہے عمر کی انتہا ۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی الگ الگ عمر لکھ دی ہے کسی کی ایک دن یا ایک گھڑی اور کسی کی ایک سال اور کسی کی سو سال ؟

انسان کی طبعی عمر

● انسان کی طبعی عمر کی وضاحت سورۂ حج میں کردی گئی ہے بڑھاپے تک ۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :۔ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ ۲۲/۵

(مفہوم) بیشک ہم نے تمہاری ابتدائی پیدائش مٹی سے کی پھر افزائش نسل نطفہ سے ٹھہرائی ۔ پھر رحم مادر میں جمے ہوئے خون سے ، پھر گوشت کے لوتھڑے نقش نمایاں اور غیر نمایاں سے تاکہ ہم تم پر واضح کردیں (کہ ہم اربوں کھربوں صورتیں ایک دوسری سے مختلف بنا سکتے ہیں) اور ہم اپنے قانون مشیت کے مطابق تمہیں ایک مقررہ مدت کیلئے مادر کے رحم میں رکھتے ہیں ۔ پھر تمہیں ہم بچے کی صورت میں پیدا کرتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو ۔ پھر تم میں سے بعض ایسے ہیں جو (حوادثات کے ہاتھوں طبعی عمر تک پہنچنے سے) روک لئے جاتے ہیں ۔ اور بعض ایسے ہیں جو (اپنی طبعی عمر یعنی) ناکارہ عمر تک پہنچ جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے باوجود کچھ نہ جانیں ۔

● دیکھئے اس آیت مجیدہ میں انسان کی طبعی عمر بتائی گئی ہے وہ وقفہ جس میں انسان ایک عالم فاضل ہوتے ہوئے سب کچھ بھول جاتا ہے ۔ اگر اس سے پیشتر کوئی بیماری ، حادثہ ، ایکسیڈنٹ وغیرہ پیش آجائے تو اسے مَنْ يُّتَوَفّٰى کے الفاظ میں بصیغہ مجہول مالم یُسَمَّ فَاعِلُهٗ بیان کیا گیا ہے ۔ ان بیماریوں اور حادثوں پر قابو پانا انسانی فریضہ ہے تاکہ ہر انسان اپنی طبعی عمر پا سکے ۔ حادثات پر قابو پانے کیلئے چوکوں میں سپاہی کھڑا کرنا ، تاکہ مخالف سمتوں سے آنیوالی گاڑیاں ٹکرانے نہ پائیں ، یہ بھی ہر انسان کے طبعی عمر تک پہنچنے میں ایک صحیح پیش رفت ہے ، نیز سڑکوں اور ریل کی لائنوں کو ڈبل کرکے حادثات کو روکنا بھی اسی سمت کا ایک اہم اقدام ہے ۔

● اسکے علاوہ بیماریوں پر قابو پانے کیلئے ماڈرن تشخیص گاہوں میں اعلیٰ ترین آلات نصب کرنا بھی اسی سمت کو اہم پیش رفت ہے اور ہر پیدا ہونیوالے بچے کو ہر بیماری کے کامیاب ٹیکے لگانا بھی انسان کو اسکی طبعی عمر تک پہنچنے کی راہ سے رکاوٹیں دور کرنے کا قابل قدر اقدام ہے ۔ جیسے کہ چیچک کے کامیاب ٹیکوں کی بدولت ۱۹۷۸ء سے اشتہار دیدیا گیا ہے کہ چیچک کا ایک بیمار دکھاؤ اور پانچ ہزار روپیہ انعام پاؤ ۔ ٹی بی کا علاج ایجاد ہوچکا ہے ، کینسر ، دمہ اور فالج وغیرہ جو مَنْ يُّتَوَفّٰى کے فاعلوں میں سے ہیں ان امراض اور حوادثات پر قابو پالینا انسان پر لازم ہے ۔ جب ایسا کرلیا گیا تو ہر شخص طبعی عمر کو پہنچیگا ، لیکن یاد رہے کہ موت کا علاج کوئی نہیں ، ہر کسی کو یقیناً یقیناً موت کا مزہ چکھنا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ ، ۲۱/۳۵ ، ۲۹/۵۷ ۔

● اَجَلٍ مُّسَمًّى سے مراد ہے نام رکھا ہوا وقفہ ، جیسے قرآن مجید میں يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ، يَوْمُ الْاٰخِرَةِ اور يَوْمُ الدِّيْنِ کے متعدد

ناموں سے مسمّٰی کیا گیا ہے۔ لفظ اجل کا معنیٰ ہے مدّت، میعاد، عمر کی انتہاء اور اس زندگی کے اعمال کا انجام، جس کا فیصلہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں سُنایا جائیگا۔ اُس عدالت میں کسی مجرم کا کوئی جرم کسی بھی صُورت میں چُھپا نہیں رہیگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر مجرم کے جرم کا خود عینی گواہ ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور وُہ ہمارے مخفی اور ظاہر جملہ اعمال کو خوب خُوب جانتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْأَرْضِ
اور وہ اللہ ہے بیچ آسمانوں کے اور بیچ زمین کے
يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ۝ ۳
وہ جانتا ہے پوشیدگی تمہاری اور ظاہر تمہارا اور وہ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو

اور وہ اللہ (موجود) ہے سارے کے سارے آسمانوں میں بھی اور (ہر جگہ) زمین میں بھی۔ اور وہ جانتا ہے اُن اعمال کو بھی جو تم چُھپ کر کرتے ہو اور اُن اعمال کو بھی جو تم ظاہراً کرتے ہو۔ اور وہ جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو۔

نظریہ وحدت الوجود

● لہ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْأَرْضِ کے الفاظ سے یہ تصور اخذ کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں ہر چیز اللہ کا "نظریۂ وحدت الوجود" مطلقاً غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادے سے مادہ کو خود عالمِ وجود میں لایا۔ پھر مادہ سے کائنات کے متعدد عناصر پیدا کئے۔ انسان کو پیدا کر کے مادہ کے جملہ عناصر اسکے حوالے کر دئیے، جنہیں یہ تصرّف میں لا کر آئے دن محیّر العقول ایجادات کو عالمِ وجود میں لا رہا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا ہے کہ انسانوں میں بھی ایسے صنعت کار موجود ہیں جو مادہ کے مختلف عناصر سے حسین وجمیل مصنوعات تیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لوہے سے، لکڑی سے، تانبے، یورینیم وغیرہ سے عمدہ سے عمدہ چیزیں تیار کر رہے ہیں۔ وہ اپنی مصنوعات کے خالق ہیں۔ لیکن احسن الخالقین اللہ تعالیٰ ہے جس نے مادہ اور اُسکے جُملہ عناصر پیدا کئے ہیں۔ انسان لوہے، لکڑی، تانبے اور یورینیم وغیرہ کی مصنوعات تو بنا سکتا ہے، لوہا، لکڑی، تانبہ اور یورینیم وغیرہ نہیں بنا سکتا۔

● پس احسن الخالقین کی قرآنی خبر کے مطابق نہ صرف یہ کہ اللہ کے سوا اور وجود اس کائنات میں موجود ہیں، بلکہ وہ مادہ کے مختلف عناصر پر صنعت کاری کر کے اپنی مصنوعات کے محدود خالق بھی ہیں۔ اِسکے علاوہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کیلئے آیا ہے وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۷/۱۵۱ - اور تو رحم کرنیوالوں سے بہت بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں رحم کی صفت بھی رکھدی ہے۔ بہت سے انسان جذبۂ انتقام پر قابو پا کر شدید ترین مخالفوں تک کو معاف کر دیتے ہیں، جیسے کہ فتحِ مکہ کے موقعہ پر آنحضور صلعم نے شدید ترین مخالفت کا ارتکاب کرنیوالوں پر رحم کر کے معاف کر دیا تھا۔

● اِسکے علاوہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، میں نے انسانوں کو پیدا کیا، حیوانوں کو پیدا کیا، نباتات و جمادات کو پیدا کیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے غلط دعویٰ کیا ہے؟ اور کیا اُسکے پیدا کردہ وجود موجود نہیں جو وحدت الوجود کے قائل حضرات کی آنکھوں کے سامنے ہیں؟ پس از روئے قرآن نظریہ وحدت الوجود یکسر غلط اور ذاتِ باری کی پاک شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ نظریۂ وحدت الوجود کو مشاہدات کی کسوٹی پر کسنے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ

دنیا میں قاتل بھی موجود ہیں اور مقتول بھی موجود ہیں - ظالم بھی موجود ہیں اور مظلوم بھی موجود ہیں - کاذب بھی موجود ہیں اور مکذوب بھی موجود ہیں تو اس طرح اگر سب کے سب کو اللہ تعالیٰ ہی کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑیگا کہ اس کائنات میں معاذ اللہ معاذ اللہ! قاتل بھی اللہ ہے اور مقتول بھی اللہ ہے - ظالم بھی اللہ ہے اور مظلوم بھی اللہ ہے - کاذب بھی اللہ ہے اور مکذوب بھی اللہ ہے - موسیٰ بھی اللہ تھا اور فرعون بھی اللہ تھا - آنحضور بھی اللہ تھے اور ابوجہل بھی اللہ تھا - اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ ھٰذِہِ الْخُرَافَاتِ -

● سلسلۂ درس کی اگلی دو آیات مجیدہ میں رب تعالیٰ کی آیات مبارکہ کا انکار کرنیوالوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ انکا انکار کرتے ہیں - بلکہ اُن کا مذاق بھی اُڑاتے ہیں - یاد رہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار کا ذکر ہو، وہاں اُسکی نازل کردہ عام آیتوں کا انکار مقصود ہوتا ہے اور جہاں رب تعالیٰ کی آیاتِ مبارکہ کے انکار کا ذکر ہو، وہاں اُسکی نازل کردہ اُن آیتوں کا انکار مقصود ہوتا ہے جن میں پوری نوعِ انسانی کا متوازن حق ربوبیت مذکور ہو دیکھئے ارشادِ باری :-

وَمَا تَاْتِیْھِمْ مِّنْ اٰیَۃٍ مِّنْ اٰیٰتِ
اور نہ آئی پاس اُنکے کوئی آیت میں سے آیتوں

رَبِّھِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ ۝ ۴
رب اُنکے - مگر ہیں وہ اُس سے اعراض کرنیوالے

اور اُن کے پاس کوئی بھی آیت اُن کے رب کی طرف سے (ربوبیتِ عامہ کی تاکید میں) نہیں آئی کہ اُنہوں نے اُس کا انکار نہ کیا ہو -

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَھُمْ
پس جھٹلایا حق کو جب پاس آیا اُنکے

فَسَوْفَ یَاْتِیْھِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ
پس عنقریب آئینگی پاس اُنکے خبریں جو تھے وہ ساتھ اُسکے

یَسْتَھْزِءُوْنَ ۝ ۵
مذاق اُڑایا کرتے

پھر جب اُن کے پاس حق آ گیا ہے تو اُنہوں نے جھٹلا دیا ہے - پھر یہ لوگ خبردار ہو جائیں - (بگوشِ ہوش سُن لیں) کہ جس انقلاب ربوبیت کا یہ لوگ مذاق اُڑاتے ہیں - (اُس کے عملی مشہود واقع ہونے کی) خبریں اُن کے پاس آ کر رہینگی -

نظام ربوبیت کے قیام کی پیشگوئی

● اِن آیات مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضورؐ کے مدِ مقابل قیام نظام ربوبیت عامہ کو جھٹلانے کے بعد اُس کا یہ کہہ مذاق اُڑاتے ہیں کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ عوام و خواص، سب ایک سطح پر آجائیں، مالک و مملوک اور اعلیٰ و ادنیٰ سب کے حقوق مساوی قرار پا جائیں؟ مگر پیشگوئی کر دی گئی ہے کہ ایک دن آنیوالا ہے کہ آنحضورؐ کے ہاتھوں ایسا نظام قائم ہو جائیگا کہ اُس میں نہ صرف یہ کہ سب کے حقوق مساوی قرار دیئے جائیں گے بلکہ مالک و مملوک اور اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز یکسر اُٹھا دی جائیگی - اور یہ خبر تمہارے کانوں

تک ضرور پہنچ جائیگی - چنانچہ اس بوڑھے آسمان نے دیکھ لیا کہ آنحضورؐ کے قائم کردہ نظام معاشرہ میں وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ ۱۷/۷۰ کے قرآنی اعلان کے مطابق اعلیٰ و ادنیٰ کا تصور ختم کر دیا گیا - اور نیز وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۲/۳۶ - ۷/۲۴ کی قرآنی خبر کے مطابق ہر فرد معاشرہ کو زمین میں بلا کرایہ اپنے مکان اور زندگی کے آخری سانس تک ضروریات زندگی باقاعدہ ملتے رہنے کا صرف اعلان کر دیا گیا تھا، بلکہ اسے عملاً نافذ کر دیا تھا - یعنی مملکت مصطفوی میں نہ کوئی کرایہ دار تھا اور نہ ضروریات زندگی کے مساوی اور متوازن حق سے محروم - سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ - سَلٰمٌ عَلَىٰ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ - سَلٰمٌ عَلَىٰ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِينَ -

آنحضورؐ کے مخالف ہلاک کر دیئے گئے تھے

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہ پیشگوئی بھی موجود ہے کہ آنحضورؐ کے وہ مخالف جو مخالفت پر ڈٹے رہے وہ اُسی طرح ہلاک کر دیئے جائینگے جسطرح سابقہ انبیاءؑ کی مخالف قومیں ہلاک کر دی گئی تھیں:-

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن
کیا انہوں نے غور نہیں کیا کتنے ہلاک کئے ہم نے پہلے ان سے میں سے

قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ
زمانے - اقتدار دیا ہم نے انہیں بیچ زمین کے جو نہیں اقتدار دیا تمہیں

وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ
اور بھیجا ہم نے آسمان اوپر ان کے موسلا دھار اور بنائیں ہم نے نہریں

تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ
چلتی میں سے ماتحت ان کے - پھر ہلاک کیا ہم نے انکو بسبب گناہوں انکے

وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ ۶
اور پیدا کیا ہم نے میں سے بعد انکے زمانہ دوسرا

کیا انہوں نے غور نہیں کیا (یعنی انہیں غور کرنا چاہیئے) کہ ہم نے ان سے پہلے کے کتنے زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کر دیا جنہیں ہم نے (اپنے قانون مشیّت کے مطابق) اسقدر اقتدار دیا تھا جو تمہیں نہیں دیا گیا اور ہم نے ان پر (اپنے قانون کے مطابق) پے در پے بارشیں برسائیں - اور ہم نے پایا کہ ان کے ماتحت نہریں بہتی تھیں (یعنی نہروں پر ان کا کنٹرول تھا، جب چاہتے تھے بہا لیتے تھے اور جب چاہتے تھے بند کر دیتے تھے، انکا رخ دوسری طرف کر دیتے تھے) پھر ہم نے انہیں انکے گناہوں (عدم قیام نظام ربوبیت) کی بدولت ہلاک کر دیا اور انکی جگہ دوسرے زمانہ کے لوگوں کو پیدا کر لیا - (اسی طرح انہیں بھی ہلاک کر دیا جائے گا اور ربوبیت کے حامی دوسرے زمانہ کے لوگ لے آئے جائیں گے -

● مَكَّنَّاهُمْ میں مشیّت محذوف ہے - اللہ تعالیٰ اپنا ہر کام اپنے قانون مشیّت کے مطابق کرتا ہے - حکومت اس قوم کو ملتی ہے جو ایسے عمل کرے جن کے مطابق حکومت میسر آسکتی ہے - حصول حکومت کے دو ذرائع ہیں:-

۱- پہلا ہے عوامی اتحاد اور مادی اسباب کی قوت - یہ وہ طاقت ہے جس کیساتھ حضرات موسیٰ، داؤد، مسیح اور محمد سلام علیہم نے حکومت حاصل کی تھی - یہ حکومت الٰہیہ ہے، جس میں ربوبیت کی رو سے صدر و عوام ایک ہی سطح کے افراد ہوتے ہیں -

۲- اور دوسرا ہے ذاتی استبداد اور مادی اسباب کی قوت - یہ وہ طاقت ہے جس کیساتھ فرعون، ہامان اور چنگیز و

ہلاکو جیسے مفسدین نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومت شیطانیہ ہے جس میں بالادست افراد کے ہاں نعماءِ خداوندی کی فراوانی ہوتی ہے اور عوام ضروریاتِ زندگی تک سے محروم پائے جاتے ہیں۔

(نوٹ) یہ ایک لمبا مضمون ہے اسکی تفصیل تُؤۡتِي ٱلۡمُلۡكَ مَن تَشَآءُ وَتَنزِعُ ٱلۡمُلۡكَ مِمَّن تَشَآءُ ۳/۲۶ کی وضاحت تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۲-۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲ے اَرۡسَلۡنَا ٱلسَّمَآءَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے آسمان کو بھیجا۔ ارسالِ سماء ایک عربی محاورہ ہے، جس کا مفہوم ہے بارشوں کا پے درپے اور موسلا دھار برسنا۔ گویا کہ آسمان ہی کو بھیج دیا گیا ہے۔

● ۳ے جَعَلۡنَا ٱلۡأَنۡهَٰرَ میں فعل جعل کا مصدری معنیٰ پایا ہے۔ وہ نہریں جو حکومت کے ماتحت چلتی ہیں، یعنی جن پر حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے کہ جب اور جس طرف کو چاہیں بہالیں۔ انہیں حکومتیں خود کھودتی ہیں اور اُن پر ہیڈ اور بیراج بناکر کنٹرول کرتی ہیں۔ (فعل جعل کی مفصّل توضیح تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ دیباچہ ۱۰۵ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

● ۴ے فَأَهۡلَكۡنَٰهُم بِذُنُوبِهِمۡ کے الفاظ میں جو بتایا گیا ہے کہ ہم نے انہیں انکے گناہوں کی بدولت ہلاک کر دیا۔ اس کے ضمن میں یاد رہے کہ ہلاکت ان گناہوں کی بدولت لازم نہیں آتی ہے کہ کوئی قوم خدا کو نہیں مانتی یا شراب وکباب کی عادی ہے۔ بلکہ ہلاکت اور ضیاعِ حکومت اِس گناہ پر لازم ہوجاتی ہے کہ عوام کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کردیا جائے۔ قرآن کریم میں فراعنۂ مصر کی حکومت کا ذکر موجود ہے، جو قرآنی خبر کے مطابق حضرت یوسف سلام علیہ کے زمانہ سے قائم تھی، مگر حضرت موسیٰ سلام علیہ کے زمانہ میں چھینی گئی۔ یہ کئی ہزار سالہ حکومت قائم کیوں رہی؟ اسلئے کہ اسکے حکمرانوں نے عوام کے حقوقِ ربوبیت کو کسی نہ کسی حد تک قائم رکھا۔ قرآنی خبر کے مطابق دورِ یوسفی والے فرعون کو جب سات دُبلی گائیوں کے سات موٹی گائیوں کو کھا جانے کی خواب آئی اور ساتھ ہی سات سِٹے ہرے اور سات سِٹے خشک دیکھے۔ تو چونکہ سِٹّوں کا تعلق اناج کیساتھ ہے اور اناج کا تعلق ربوبیت عامہ کیساتھ ہے اسلئے وہ بیقرار ہوگیا۔ اپنے دانشوروں سے خواب کی تعبیر دریافت کی، مگر بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ آخر جب حضرت یوسفؑ نے خواب کی صحیح تعبیر بتائی تو اُس نے آپ ہی کو غلّے کے اس چودہ سالہ کنٹرول کا ناظمِ اعلیٰ بننے کی دعوت دیدی۔ اور جب حضرتؑ مصر کے سیاہ وسفید کو آپکے حوالے کر دینے کے متعلق ارشاد فرمایا تو خزانہ سمیت سلطنتِ مصر کے جملہ اختیارات آپ کے قدموں میں ڈالدیئے گئے۔

● اُس نے نہ صرف آپکو غلّے کے چودہ سالہ کنٹرول کا ناظمِ اعلیٰ بنادیا، بلکہ آپکو ایسا عزیزِ مصر قرار دیا کہ خود بھی آپکے ماتحت ہوگیا۔ تو یاد رہے کہ ایسے ربوبیتِ عامہ کے خدمتگار حاکموں کو نہ ہلاک کیا جاتا ہے نہ اُن سے حکومت چھینی جاتی ہے اگرچہ وہ خدا کو بھی نہ مانتے ہوں اور شراب وکباب کے بھی عادی ہوں۔ لیکن جب اِسی ملک مصر کے خاندانِ فراعنہ ہی کے ایک فرعون نے دورِ موسوی میں عوام کو اُن کے حقوقِ ربوبیت سے یکسر محروم کردیا، تو حکومت بھی چھین لی گئی اور ہلاک بھی کردیا گیا۔ اِسی مسئلہ کے ضمن میں دورِ حاضرہ ۱۹۷۹-۸۰ء کے مشاہدات گواہ ہیں کہ جن ممالک میں عوام کے مزدوروں کو معقول اُجرتیں دی جاتی ہیں جو

اُنکے حقوقِ ربوبیت اس اقدام کی بدولت بآسانی میسر آتے ہیں، اُن ملکوں کے حکمران اگرچہ خدا تعالیٰ کے منکر ہیں یا تین خدا مانتے ہیں اور شراب کباب کے بھی دائمی عادی ہیں اُنکی حکومتیں امن و سکون کیساتھ چل رہی ہیں۔ اور جن ملکوں میں مزدوروں کو اُجرت صرف اتنی دی جاتی ہے کہ وہ کل کی مزدوری کیلئے زندہ رہ سکیں، اُن ملکوں میں آئے دن حکمران ہلاک اور حکومت کے تختے اُلٹتے رہتے ہیں۔ خواہ وہ حکمران مسلمان بھی کہلاتے ہیں اور اللہ و رسولؐ پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔

● المختصر! آیت زیرِبحث ۶/۵ میں نظامِ ربوبیتِ عامہ کے مخالفوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ غور کریں، جس طرح عوام کے حقوقِ ربوبیت کے سابقہ مخالفوں کو ہلاک کر دیا جاتا رہا ہے تمہیں بھی ہلاک کر دیا جائیگا۔ چنانچہ ہوا یہ کہ آنحضورؐ کے مخالف آپکی زندگی میں ہلاک کر دیئے گئے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۵۹/۲

لکھی ہوئی کتاب کے نزول کا مطالبہ

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفوں کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ آپ پر لکھی لکھائی کتاب نازل ہوتی اور آپ پر اُن کا کوئی ذہنی ملک کیوں نازل نہیں ہوا۔ اسکا اوّلین جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون اور سُنّت کو کبھی نہیں بدلتا ۲۹/۵ + ۴۳/۳۵، اور عوام کے ذہنی ملائکہ جو بقول اُنکے اپنی نوع تبدیل کر لیتے ہیں، اپنی شکلوں میں دکھائی نہیں دیتے تو جب وہ انسانی شکل میں آئیں تو پھر بھی یہ لوگ یہی کہینگے کہ یہ تو بشر ہے ملک نہیں۔ ان لوگوں کا نوعیں بدل جانے کا عقیدہ ہی از روئے قرآن غلط ہے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۳۰/۳۰۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔ اب ملاحظہ فرمائیں ارشادِ باری :-

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ
اور اگر نازل کرتے ہم اُوپر تیرے کتاب بیچ کاغذ کے
فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا
پھر وہ چھوتے اُسے ساتھ ہاتھوں اپنے کے البتہ کہتے جو لوگ کافر ہوئے
اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ ۷
نہیں ہے یہ مگر جھوٹ ہے کھلا

(یہ لوگ کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب کا مطالبہ کرتے ہیں) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے۔ پھر یہ لوگ اُسے اپنے ہاتھوں کے ساتھ چھو لیتے، تو انکار کرنیوالے پھر بھی (اُسکے مندرجات کو) کہتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے ۲/۱۱۰

وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ
اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل ہوا اوپر اسکے ملک
وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا
اور اگر نازل کرتے ہم ملک، البتہ فیصلہ ہو جاتا کام۔ پھر نہ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (مدعیٔ رسالت) پر (اسکی مدد کے لئے اور لوگوں کو ڈرانے کے لیئے ۲۵/۷) کوئی ملک کیوں نازل نہیں ہوا۔ اور اگر ہم اپنا کوئی ملک (یعنی اپنی کوئی کائناتی قوت آندھی یا بجلی وغیرہ) نازل کر دیں تو اُن کا کام ہی تمام کر

يُنْظَرُوْنَ ۞ ۸
وہ مہلت دیئے جائیں

دیا جائے ۔ پھر ان (حجتیاں کرنے والوں کو مہلت نہ دی جائے

● ۱؎ سحر کا معنیٰ جادو نہیں ۔ کیونکہ جادو کا تو دنیا میں وجود ہی موجود نہیں ۔ سحر کا معنیٰ از روئے قرآنی تصریف آیات جھوٹ ہے ۔ قرآنی دلائل کیلئے دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے شروع میں دیئے گئے دیباچہ کا صفحہ ۵۵ ۔

● ۲؎ آیت نمبر ۸ میں ملائکہ کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اگر کوئی ملک نازل کر دیا جائے تو نزولِ ملک کے طلبگاروں کو مہلت نہیں دی جاتی ، فوراً ہلاک کر دیئے جاتے ہیں ۔ ملک کا لفظی معنیٰ ہے ایک ہی نہج پر عمل کرنے والا ایک ہی منکا کا مالک ۔ کائناتی قوتیں بجلی آندھی زلزلہ وغیرہ مہلک ملک ہیں کہ جب وہ کسی مجرم قوم پر نازل کئے جائیں تو پھر اُسے مہلت نہیں دی جاتی ۔ اُسکا کام تمام کر دیا جاتا ہے ۔ (ملائکہ کی تفصیل وضاحت کیلئے دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کا صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۸)

● آیتِ بالا میں آپنے دیکھ لیا ہے کہ باری تعالیٰ نے ملائکہ کی حقیقت تو بیان کر دی ہے ۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں نوع بدلنے والے لوگوں کے ذہنی ملائکہ کے نزول کا مطالبہ کرنے والوں کی بے عقلی نمایاں کی گئی ہے کہ اگر بفرضِ محال ہم اپنے ملک کو اُنکا ذہنی ملک بنا کر آنحضورؐ پر نازل کریں ، تو چونکہ اُنکے عقیدہ کے مطابق وہ پھر ایک انسان کی شکل والا ہوگا ۔ تو بات پھر بھی نہ بنی وہ اِنکے سامنے انسانی شکل ہی میں آئیگا ۔ اور یہ لوگ پھر شبہ میں پڑ کر کہینگے یہ تو بشر ہے ملک نہیں :۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا
اور اگر بناتے ہم اُسے ملک البتہ بناتے اُسے آدمی

وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۞ ۹
اور مشتبہ کر دیتے ہم اُن پر اُسے جسے وہ خود مشتبہ کرتے ہیں ۔

اگر ہم اُس کو (یعنی اپنے کسی ملک کو انکا ذہنی) ملک بنا دیں تو (اِنکے تصوّر کے مطابق) اُسے آدمی بنا دیں ۔ پھر ہمنے اُسے اُنکے لئے مشتبہ کر دیا ، جسے وہ مشتبہ کرتے ہیں ۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ
اور البتہ تحقیق مذاق اُڑایا گیا ساتھ رسولوں کے جو تھے پہلے تیرے

فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا
پھر گھیر لیا اُنکو جو لوگ مذاق کرتے تھے اُن میں سے جو تھے

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ ع ۱۰
ساتھ اُسکے مذاق کرتے

ع ۱۰

اور بیشک اے رسولؐ ! آپ سے پہلے رسولوں کیساتھ تمسخر کیا گیا تھا پھر اُن میں سے جو لوگ تمسخر کرتے تھے ، اُنہیں اُسی (بُرے عمل کے بُرے نتائج) نے گھیر لیا ، جس کیلئے وہ (رسولوں سے) تمسخر کیا کرتے تھے ۔

● ۳؎ جعلنٰہُ اور لجعلنٰہُ میں ہُ کی دونوں ضمیریں اُس ملک کی طرف پھرتی ہیں جس کا ذکر پچھلی آیت میں گزر چکا ہے کہ وہ تو نافرمانوں کو ہلاک کرنے والا ہے آندھی ، بجلی ، زلزلہ وغیرہ کہ جب اُسے بطورِ عذاب بھیجا جائے پھر نافرمانوں کو مہلت ہرگز ہرگز

نہیں دی جاتی ہنگر۔

● ۲؎ اس لفظ مَلَکًا سے عوام کا ذہنی مَلَک مُراد ہے۔ کیونکہ مَلَک کو مَلَک بنانے کا کیا مطلب ؟ دیکھئے اِن آیات مجیدہ نمبر ۸ و ۹ میں کھل کر واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے مَلَک اُسکی کائناتی قوتیں ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے بصورتِ عذاب بھیجی جاتی ہیں تو پھر نافرمانوں سرکشوں کو ڈھیل نہیں دی جاتی' اُنہیں اپنے ملائکہ کے ذریعے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ ملائکہ جن کے متعلق یہ نظریہ چل رہا ہے کہ وہ اپنی نوع بدل لیتے ہیں وہ عوام کے ذہنی ملائکہ ہیں۔ قانونِ خداوندی میں تو کسی نوع کے تبدیل ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا $\frac{30}{30}$ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔

● ۳؎ یہاں بہٖ کی ضمیر اُس بُرے فعل کی طرف پھرتی ہے جس سے انبیاء سلام علیہم لوگوں کو منع کرتے تھے اور لوگ یہ کہہ کر رسولوں کا مذاق اُڑاتے تھے کہ ان اعمال پر ہمنے اپنے باپ دادا کو پایا ہے $\frac{7}{28}$ $\frac{21}{53}$ لیکن ہوتا یہ تھا کہ اُنہی کے بُرے عملوں کا بُرا انجام اُنہیں گھیر لیتا تھا۔ بُرے اعمال کی بُری خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہُوا کہ اے رسول۳! سب لوگوں سے کہہ دیجیئگا کہ زمین میں چل پھر کر خود دیکھ لو کہ خداوندی حقائق کو جھٹلانیوالوں کا بالآخر انجام کیا ہُوا تھا۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا
کہہ دیجیئگا! پھرو بیچ زمین کے پھر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ ۱۱
کیا ہُوا انجام جھٹلانیوالوں کا

کہہ دیجیئگا (اے رسول۳!) سیر کرو زمین میں، پھر (بچشمِ خود دیکھ لو کہ (خداوندی حقائق کو) جھٹلانیوالوں کا کیا انجام ہُوا تھا (بڑی بڑی قوموں کے عالیشان محلات کے کھنڈرات اُنکی تباہی و بربادی کی مُنادی کر رہے ہیں)۔

انبیاء سلام علیہم کا نہ کوئی قلعہ تھا نہ محل تھا، نہ دیوانخانہ

● زمین پر چل پھر کر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جتنے بڑے بڑے قلعے، اُونچے اُونچے محل اور نفیس دیوانخانے اُجڑے پڑے ہیں، اُن میں سے کوئی بھی نہ کسی نبی۳ رسول۳ کا کوئی قلعہ ہے نہ محل ہے نہ دیوانخانہ، بلکہ سب کے سب اُن سرکش حکمرانوں کے ہیں جن کے عوام کو نہ صرف یہ کہ رہنے کی معقول سی جھونپڑی میسّر نہیں تھی، بلکہ اُنہیں ضروریاتِ زندگی بھی بافراغت مہیّا نہیں تھیں۔ آیتِ بالا میں اِس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ بچشمِ خویش دیکھ لو کہ جتنے بھی آثار پائے گئے ہیں سب مکذبینِ ربوبیت کے ہیں۔ سر بفلک محلات، نفیس دیوانخانے، اُونچے اُونچے مقبرے جن میں آج سانپ بچھوؤں حشرات الارض چیل کوؤں اور اُلوؤں کا بسیرا ہے، سب کے سب اُن لوگوں کے تعمیر کردہ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی زمین پر ذاتی ملکیت کی لکیریں کھینچیں، عوام کے حقوقِ ربوبیت کو دبا کر اُنکے بال بچوں کے پیٹ کاٹے اور اپنے لئے سر بفلک محلات کھڑے کر لئے۔ اپنے مُردوں کی لاشوں پر لاکھوں روپوں کی عمارتیں بنائیں اور یہ تک نہ دیکھا کہ لاکھوں زندہ جانیں کچی جھونپڑی سے بھی محروم ہیں۔ دُنیا کے مال نے اسقدر اندھا اور عقل سے کورا کر دیا کہ مکانوں کی ضرورت زندوں کو ہوتی ہے مُردوں کو نہیں ہوتی۔ اللہ کے رسول اور اُنکے متبع چونکہ ربوبیتِ عامہ کے علمبردار تھے، اسلئے زمین پر اُنکا نہ کوئی قلعہ ملیگا نہ محل نہ مقبرہ اُنکی یادگار ربوبیت

عامہ کی علمبردار صرف اور صرف مسجدین ہیں یعنی مسجد سلیمانی بیت المقدس اور مسجد نبوی مدینہ منورہ۔ المختصر! سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کے الفاظ میں اس چیز کی دعوت دی گئی ہے کہ لوگو! بچشم عبرت دیکھ کر غور کر لو کہ جن قلعوں اور محلوں میں کل باادب باملاحظہ ہوشیار! عالم پناہ تشریف لاتے ہیں کے غلغلے بلند ہوتے تھے آج وہاں اُلّو بول رہے ہیں۔ کہاں ہیں وہ جو اللہ کی زمین کے مالک بنے ہوئے تھے۔ زمین و آسمان کا مالک تو اکیلا خلاق عالم ہے۔ اسی چیز کو سلسلۂ دروس کی اگلی آیت مجیدہ میں استفہامی حصر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
کہہ واسطے کس کے ہے جو بیچ آسمانوں اور زمین کے ہے

قُلْ لِّلّٰہِ ؕ[1] ......
کہہ واسطے اللہ کے ہے

(اے رسولؐ! غاصبین ربوبیت سے) پوچھئے گا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے۔ آپ ہی جواب بھی خود دے دیجئے گا کہ سب کا سب صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے[1]

● لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم میں سورہ نساء کی آیات مجیدہ ۱۲۶-۱۳۱، ۱۳۲ کے تحت صفحہ ۳۱۸-۳۱۹ پر گزر چکی ہے کائنات کی ہر چیز کا حقِ ملکیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اُسکے اس حق میں کوئی شریک نہیں۔ لیکن چونکہ نعماءِ ارضی وسماوی کے استعمال کی اُسے مطلقاً ضرورت نہیں اور وہ ربّ العٰلمین ہے اس لئے ارض وسماء کی ہر چیز پورے عالمین کی ضروریاتِ زندگی کیلئے ہیں۔ نوعِ انسانی کے ہر فردِ بشر کا ان میں مساوی حق ہے۔ یہ نہیں کہ بالادست اور استحصال پسندوں کے ہاں انکی فراوانی ہو اور زیردست بیچارے استحصال کا شکار بن کر محرومِ محض بنے رہیں۔ چنانچہ اسی چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پوری نوعِ انسانی کیلئے عام ہے جو لوگ اس پر بند باندھ کر عوام کے حقوقِ ربوبیت پر ڈاکہ ڈالینگے وہ اپنے آپکو خود اُخروی خسارے کا مستحق بنا لینگے۔ قیامت کو انہیں جوابدہی کے لئے جمع کر لیا جائے گا۔

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ
لکھا اُس نے اوپر اپنے آپکے رحمت کرنا۔ ضرور جمع کریگا تم کو

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[1] لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
بیچ دن قیامت کے نہیں شک بیچ اُسکے۔ جنہوں نے خسارہ دیا

اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۲
اپنے آپکو پس وہی ایمان نہیں لاتے

اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمانا اپنے آپ پر فرض کر رکھا ہے (پھر اے لوگو! اُسکی رحمت یعنی نعماءِ خداوندی سے عوام کو محروم کرنے والو!) تمہیں اللہ تعالیٰ جوابدہی کیلئے قیامت کے دن میں ضرور ضرور جمع کریگا جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جن لوگوں نے (ربوبیتِ عامہ میں تمیز کر کے) اپنے آپکو خسارہ دیا ہے وہی ہیں جو (ربوبیت و قیامت پر) ایمان نہیں لاتے۔

● [1] یہاں اِلٰی بمعنی فِیْ ہے۔

● اگلی آیت مجیدہ قیامت ہی سے متعلق ہے کہ اُس دن کوئی مجرم اپنے جرم چھپا نہیں سکیگا کیونکہ رات کے اندھیروں

اور دن کے اُجالوں میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے' اللہ ہر بات کو خوب خُوب سُننے والا ہے اور ہر چیز کو خوب خُوب جاننے والا ہے :۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ
اور واسطے اُسی کے ہے جو واقع ہو بیچ رات کے اور دن کے

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ ۱۳
اور وہ خوب خُوب سُننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے

اور رات کے اندھیروں اور دن کے اُجالوں میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے وہ اُس اللہ ہی کیلئے ہے (اس سے پوشیدہ نہیں) کیونکہ وہ خُوب خُوب سُننے والا ہے نیز خوب خوب اور صحیح صحیح جاننے والا ہے

● لہ لہٗ جار مجرور برائے حصر واقع ہوتا ہے۔ یہاں اسکا مفہوم یہ ہے کہ رات کے اندھیروں میں لوگ جو کام چھپ چھپ کر کرتے ہیں یا دن کی روشنی میں کھلے بندوں کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

● لہ مَا سَكَنَ کا لفظی معنٰی ہے جو ٹھہرا۔ یہاں آیت مجیدہ کے آخری جُملہ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ کے مطابق مفہوم یہ ہے جو کچھ رات کے اندھیرے یا دن کے اُجالے میں واقع ہوتا ہے' اُس سے مخفی نہیں۔ سب کچھ اُسکے لئے ہونا محلِ نظر ہے۔ کیونکہ نیک کاموں اور نیک لوگوں کا اُسکے لئے ہونا تو صحیح ہوا۔ لیکن بُرے لوگوں اور بُرے کاموں کا اُسکے لئے ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

● لہ سمیع اور علیم دونوں الفاظ فعیل کے وزن پر صفت مُشبّہ ہیں۔ اسلئے ان کے معنے یہی ہیں کہ وہ اللہ خُوب خُوب سُننے والا ہے اور خُوب خُوب اور صحیح صحیح جاننے والا ہے۔ نہ اُسکے سُننے میں کسی ابہام کا گزر ہو سکتا ہے نہ اُسکے جاننے میں۔ بلکہ وہ تو علیمٌ بذات الصّدور ہے۔ یعنی کسی بات یا کسی فعل کے کرنے سے پہلے جو کچھ لوگوں کے اذہان میں موجود ہوتا ہے وہ اُسے بھی جانتا ہے۔

ربُوبیّت عامہ کا قرآنی تصوّر

● یہاں پہنچ کر ہو سکتا ہے کہ قارئین کرام کے اذہان میں یہ تصوّر کروٹیں لے رہا ہو کہ یونہی ربوبیّت عامہ کی رٹ لگائی جا رہی ہے' حالانکہ آیات بالا میں ربوبیّت کیلئے کوئی واضح الفاظ موجود نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ اوّل تو قرآن مجید شروع ہی ربوبیّتِ عالمین سے ہوتا ہے' اس لئے اس کی ساری تعلیم ربوبیّتِ عامہ ہی کی اساس پر قائم ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر یہ کہ سورہ مجیدہ زیر بحث سورہ انعام کی آیتِ اوّل ہی میں ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ کے الفاظ میں ربوبیّتِ عامہ ہی کے مُنکروں کا ذکر لایا گیا ہے۔ اور درحقیقت ہم بارہا اُجاگر کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں اللہ کے انکار کا ذکر ہو وہاں اُسکی ہستی کا اِنکار مقصود ہوتا ہے اور جہاں رب کا اِنکار مذکور ہو وہاں اُسکی ربوبیّتِ عامہ کے انکار کی خبر دی جا رہی ہوتی ہے۔ اب اس امر کے ثبوت میں کہ آیاتِ بالا میں ربوبیّت عامہ کا مذکرہ چل رہا ہے' خداوندِ عالم نے ذہنوں میں اُٹھنے والے وسوسوں کا جواب اگلی آیت میں بالفاظِ ذیل دیدیا ہے :۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ ۱
کہہ کیا سوا اللہ پکڑوں میں کوئی مددگار پیدا کرنیوالا

کہہ دیجئیگا (اے رسولؐ!) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور مددگار

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ | ٹھہرالوں شروع سے بنانیوالا آسمانوں کا اور زمین کو ۔ اور اُس کی شان یہ ہے کہ وہ

آسمانوں کا اور زمین کا اور وہ کھلاتا ہے اور نہیں کھلایا جاتا | کھلاتا ہے کھلایا نہیں جاتا ۔ وہ خود نہیں کھاتا

● ۱۔ اب یُطْعِمُ کے مفہوم پر غور فرمائیں کہ وہ کھلاتا ہے ۔ کیا اُسکے کھلانے کے دائرہ میں صرف بالادست افراد ہی آتے ہیں یا زیر دست بھی اِس میں برابر کے شریک ہیں ؟ یاد رہے کہ زمین کا طبقاتی نظام جس میں مالک جامِ صحت نوش کرتا اور نوکر خونِ جگر پیتا ہے ۔ مالک آموں کے ٹوکروں سے لطف اندوز ہوتا اور ملازم چھلکے باہر پھینکنے کی خدمت بجا لاتا ہے اگر اسے هُوَ يُطْعِمُ کی تفسیر مانا جائے تو اللہ ربّ العٰلمین نہیں رہتا ۔ اور قرآن کریم کا پہلا سبق اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہی مشاہدات کی کسوٹی پر غلط ہو جاتا ہے اِس لئے سرمایہ دارانہ طبقاتی نظام تو هُوَ يُطْعِمُ کی تفسیر ہو نہیں سکتا ۔ ہاں حضرت عمرؓ کے یہ تاریخی الفاظ اس کی عملی تفسیر ہو سکتے ہیں کہ دریائے فرات پر اگر کوئی کتیا بھی بھوکی رہ گئی تو قیامت کو مجھے جوابدہ ہونا پڑیگا ۔ المختصر ! هُوَ يُطْعِمُ کے الفاظ نے ثابت کر دیا ہے کہ ابتداءِ سورت ہی سے ربوبیّتِ عالمین زیرِ بحث ہے ۔ اور مسئلہ ہی سارا ربوبیّتِ عالمین یعنی مساوی تقسیم رزق کا ہے چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اِسی هُوَ يُطْعِمُ کی عملی تفسیر یعنی مساوی تقسیم رزق ہی کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری بتایا گیا ہے :-

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ ۲
کہہ بیشک میں مجھے حکم دیا گیا ہوں کہ ہو جاؤں میں پہلا

مَنْ اَسْلَمَ ۳ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۴ ○
جو فرمانبردار ہوا اور نہ ہونا تو میں سے مشرکوں کے ۱۴

کہہ دیجئے کہ (اے رسولؐ !) بیشک میں یہ حکم دیا گیا ہوں کہ میں مندرجہ بالا حکم مساوی تقسیم کا ، پہلا اور اوّل نمبر کا فرمانبردار بنوں ۲ ۳ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) تو (ناہموار تقسیم رزق پر عامل ہو کر) مشرکوں میں سے نہ ہو جانا ۴

● ۲۔ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ کے الفاظ میں لفظ اَوّل کے بیک وقت دو مفہوم ہیں ، پہلا شخص اور عمل کے لحاظ سے پہلے نمبر پر آنیوالا ، یعنی عمل کے لحاظ سے آپ اپنے دور کے اللہ تعالیٰ کے چوٹی کے فرمانبردار تھے ، اور پہلے فرمانبردار تھے ۔

● ۳۔ مَنْ اَسْلَمَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے جو فرمانبردار ہُوا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا مقصود ہے مگر جو حکم قریب کے الفاظ بالا هُوَ يُطْعِمُ سے عیاں ہے وہ سرِ فہرست رہیگا کہ آنحضورؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ نظامِ ربوبیّت قائم کرنے میں اوّل درجے کے فرمانبردار بنیں ۔ چنانچہ آنحضورؐ نے مندرجہ بالا حکم اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ کے مطابق اوّل نمبر کے فرمانبردار بن کر دکھایا ۔ اور ایسا نظامِ ربوبیّت قائم کیا جس میں نہ کوئی بھوکا تھا نہ ننگا ۔ نہ کوئی بے علاج تھا نہ بے مکان سَلٰمٌ عَلٰی مُحَمَّدٍ

● ۴۔ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ، جو اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ کی ضد کے طور پر آیا ہے ، اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نظامِ ربوبیّت کے خلاف طبقاتی نظام قائم کرنا شرک ہے اور ایسا نظام قائم کرنیوالے مشرکوں کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں ۔ واضح رہے کہ سامیانہ نظامِ ربوبیّت وہ خداوندی نظام ہے جسے جملہ انبیاء سلام علیہم

نے اپنے اپنے دور میں بحکم خداوندی قائم کیا تھا مگر طبقاتی نظام فرعونی ہے جیسے کہ سورۂ قصص کی ابتدا میں آیا ہے:-
اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے (مصر کی) زمین میں سرکشی اختیار کی اور اپنی رعیت کو طبقات میں تقسیم کردیا۔ اُن میں سے ایک طبقے کو کمزور کردیا۔۔۔ پس عوام کو طاقتور اور کمزور یعنی امیر و غریب کے حصوں میں بانٹ دینا فرعونی نظام ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کا اعلان درج ہے کہ اگر میں مساویانہ نظام قائم نہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو میں بھی بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں:-

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ○ ۱۵ کہہ بیشک میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں میں اپنے رب کی عذاب دن بڑا	(اے رسولؐ!) کہہ دیجیئے گا اعلان کردیجیئے کہ اگر میں بھی اپنے رب کی نافرمانی (یعنی نظام ربوبیت قائم نہ) کروں تو بیشک میں بھی بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۲

● ۱ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّي کے الفاظ میں رب کی نافرمانی سے مراد نظام ربوبیت کا اِنکار اور عدم قیام ہے۔
● ۲ اِنِّي أَخَافُ ...... عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ کے الفاظ میں اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ قیامت کی عدالت خداوندی میں کسی نبی رسولؐ کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں برتی جائیگی۔ سورہ اعراف میں قیامت کی پرسش اعمال کے متعلق ارشاد ہوا۔ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ○ ۶/۷ پس ہم ضرور ضرور سوال کریں گے اُن سے بھی جن کی طرف رسولؐ بھیجے گئے تھے اور ہم ضرور ضرور سوال کریں گے اُن سے بھی جنہیں (رسول بنا کر) بھیجا گیا تھا۔ اور بہتر نتیجہ کی خبر سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں مذکور ہے:-

مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۚ جو کوئی کردہ پھیر دیا گیا اُس سے اُس دن تو بیشک اُس نے رحم کیا اُس پر وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ○ ۱۶ اور یہ مذکورہ بات ہی ہے کامیابی کھلی	(حقیقت یہ ہے کہ جس کسی سے اُس دن (قیامت کو) وہ (عذاب) پھیر دیا گیا تو بلاشبہ اُس پر اُس (اللہ) نے رحم کیا۔ اور وہ مذکورہ (عذاب کا پھیرا جانا) ہی کھلی کامیابی ہے۔

● واضح رہے کہ قیامت کے عذاب کے مقابلے پر دُنیا میں جائز ناجائز جاگیروں اور جائدادوں کی فراہمی اور دُنیوی عیش پسندی کو کھلی کامیابی قرار نہیں دیا گیا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں دُنیا اور آخرت کے عذاب و ثواب کا قانون اسی کے ماتحت بنایا گیا ہے۔ اور خود آنحضورؐ کو مخاطب کر کے وضاحت کر دی گئی کہ آپ کو بھی ضرر یا راحت ہمارے قانون کے مطابق ہی میسر آئے گی۔ ہمارے ہاں کسی کے لئے کوئی رعایت مقرر نہیں کی گئی۔ ہم ہر چیز کے قانون مقرر کرنیوالے ہیں اور ہم خود اُس کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں کرتے:-

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ
اور اگر مس کرے تجھے اللہ ساتھ ضرر کے تو نہیں کھولنے والا

لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى
واسطے اس کے سوا اس کے اور اگر وہ مس کرے تجھے ساتھ خیر کے پس وہ اوپر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۷
ہر چیز کے قانون بنانیوالا ہے

اور (اے رسولؐ!) اگر اللہ تعالیٰ (اپنے قانون کے مطابق) آپکو بھی ضرر پہنچائے تو اسے دفع کرنیوالا کوئی نہیں ہے سوائے اُسکے (یعنی ضرر اُس کے قانون کے مطابق ہی دفع ہو سکتا ہے) اور اگر وہ آپکو (اپنے قانون کے مطابق) کوئی بھلائی پہنچائے (تو اُسکے خلاف کوئی روکنے والا نہیں) کیونکہ وہ (اللہ) ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔

● ۱؎ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کا ذکر محذوف ہے۔ جیسے کہ ۴۲/۳۰ میں ضمنی فیصلہ دیدیا گیا ہے:۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ (اے نوعِ انسانی!) تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے تو وہ (اللہ کے قانون کے مطابق) تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تو اپنے قانون کے مطابق تمہاری بہت سی غلطیوں کو معاف کرتا چلا جاتا ہے۔

● آیتِ بالا میں خود آنحضور صلعم کو بھی قانون کے دائرے سے آزاد نہیں ٹھہرایا گیا ہے جس کی عملی صورت جنگِ اُحد کے ذکر میں بیان کیگئی ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کے ایک دستے کی غفلت سے عقبی درّہ غیر محفوظ ہوگیا تو دشمن نے لشکرِ اسلام پر پیچھے کی طرف سے حملہ کردیا اور اس اپنی ہی غفلت کی بدولت شکست ہوگئی جس کا ذکر سورہ آل عمران میں بالفاظِ ذیل موجود ہے:۔

● اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۳/۱۶۵ = اور کیا جب تمہیں شکست کی تکلیف پہنچی حالانکہ تم اُنہی کو (جنگِ بدر میں) دو گنی شکست دے چکے تھے۔ تو تم نے کہا یہ شکست کہاں سے آئی۔ کہہ دیجئیگا یہ تمہارے اپنے ہی افراد (کی غفلت) کی بدولت آئی ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (فتح و شکست سمیت) ہر چیز کے قانون متعین کرنیوالا ہے۔ (ہمارے قانون کے مطابق جنگِ بدر میں تمہاری ہی استقامت کی بدولت فتح ہوئی تھی اور جنگِ اُحد میں تمہاری ہی غفلت کی بدولت شکست ہوگئی ہے۔ ہمارے قانون میں کوئی لوچ لچک موجود نہیں ہے) ــــ قانونی بالادستی ہی کی خبر اگلی آیتِ مجیدہ میں مذکور ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے قانون سے مستثنیٰ نہیں:۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ[1] فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ
اور وہ غالب ہے اوپر بندوں اپنے اور وہ

الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ ۱۸
بڑا حکمت والا بڑا خبر والا ہے

حقیقت یہ ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے سب کے سب بندوں پر غالب ہے[1] (اُسکے قانون کے دائرہ سے کوئی بھی خارج نہیں) اور اُس کا غلبہ کسی آمریت کی بنا پر نہیں بلکہ حکمت و علم کی بنا پر ہے کیونکہ وہ بہت بڑھکر حکمت والا اور خوب خوب خبر رکھنے والا ہے۔

● ۱؎ یہاں پر لفظ قاہر کا معنیٰ عوامی تصوّر کے مطابق قہر، غضب اور ظلم کرنیوالا نہیں۔ بلکہ غالب ہے کیونکہ عربی ادب

ہیں مادہ ق - ہ - ر - قہر کا بنیادی معنی ہے، اوپر پکڑ لینا - غالب آنا - مجرم کو واقعی سزا دینا وغیرہ، یہ مادہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اسکے مذکورہ معنے مقصود ہوتے ہیں اور اگر بندوں کی طرف منسوب ہو تو اُسکے معنے ناجائز غلبہ یعنی ظلم زیادتی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ ۹۳/۹ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ، پھر جو یتیم ہے اُس پر کسی بھی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۹ کا ربط آیت نمبر ۱۴ کیساتھ ہے جس میں آنحضورؐ سے اعلان کرادیا گیا ہے کیا میں آسمانوں اور زمین کو نئے سرے سے بنانیوالے کے سوا کسی اور کو کارساز ٹھہرا لوں کہ اُسکی نشان یہ ہے کہ وہ کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا، کھانے پینے کی احتیاج سے صد فیصد بری ہے۔ یُطْعِمُ کی تفسیر آیت نمبر ۱۴ میں تفصیلاً گزر چکی ہے کہ اللہ کے کھلانے کا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ اُس میں اعلیٰ و ادنیٰ سب شامل ہیں یعنی حقِ طعام میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں۔ لیکن سرمایہ دارانہ اذہان اس مساوات کو تسلیم نہیں کرتے، حتیٰ کہ سابقہ خداوندی کتابوں میں نظریۂ قسمت کے ذریعہ سرمایہ دارانہ نظام داخل کرکے ناہموار نظام کی خدائی سند حاصل کرلی گئی تھی، جو اسلام میں بھی درآمد کی جاچکی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے کسی کی قسمت میں بھوک ننگ لکھ رکھی ہے اور کسی کی قسمت میں عیش و عشرت۔ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز ٹھہرا لوں کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں نے اللہ کے سوا بھی کارساز ٹھہرا رکھے تھے۔

● جب آنحضورؐ نے قرآن مجید کا نظریۂ ربوبیت و وحدت پیش کیا تو قرآن کے پیش کردہ ضابطے کے مقابلے پر اپنے بزرگوں کی سند پیش کیگئی کہ وہ غیر اللہ کو کارساز ٹھہراتے تھے۔ اللہ کی کتاب کے مقابلے پر کسی اور کی سند لانے کو اللہ کیساتھ شریک قرار دیا گیا ہے چنانچہ اگلی آیت میں چار مرتبہ کے قُلْ کے تکرار کیساتھ اعلان کرادیا گیا ہے کہ قرآن مجید وحی الٰہی ہے اس کے سوا کسی اور کو سند قرار دینا شرک ہے:-

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ کہہ کونسی چیز سب سے بڑی شہادت کی رُو سے۔ کہہ اللہ ہے	(اے رسولؐ منکرینِ ربوبیت سے) پوچھئے گا کہ گواہی کی رُو سے کونسی چیز بڑی ہے۔ آپ ہی کہہ دیجئے گا کہ شہادت کی رُو سے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے[۱] اور نشان یہ ہے کہ میری طرف (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ قرآن وحی کیا گیا ہے[۲] (اسکی وحی کی غرض یہ ہے کہ) میں تمہیں اسی کیساتھ تمہارے فرائضِ منصبی سے آگاہ کروں[۳] اور جس جس تک یہ پہنچے (وہ بھی اسی کے ساتھ لوگوں کو فرائضِ منصبی سے آگاہ کرے[۴]) - کیا تم گواہی دیتے ہو کہ بیشک اللہ کے ساتھ اور بھی فرمانبرداری کے قابل ہیں[۵]۔ کہہ دیجئیگا کہ میں ایسی گواہی ہرگز نہیں دیتا - کہہ دیجئیگا سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ وہ اللہ ہی ایک اکیلا فرمانبرداری کے لائق ہے[۶]۔
شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ سب سے بڑا گواہ درمیان میرے اور درمیان تمہارے نشان یہ ہے کہ وحی کیا گیا طرف میری	
هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں ساتھ اس کے اور جس کو پہنچے	
اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً کیا بیشک تم البتہ گواہی دیتے ہو کہ بلاشبہ ساتھ اللہ کے الٰہ ہیں	
اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ دوسرے کہہ نہیں گواہی دیتا میں۔ کہہ سوائے اسکے نہیں وہ الٰہ ایک ہے	

وَاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ ١٩

اور بیشک بری ہوں اُس سے جو تم شریک ٹھہراتے ہو

اور بیشک میں اُن سے بری (بیزار) ہوں جن کو تم اللہ کیساتھ شریک کرتے ہو۔ ے۷

● ے۱ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ کے قُل کے الفاظ میں آنحضورؐ کو حکم ہُوا کہ کہدیجیئیگا کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ آنحضورؐ کے مدِ مقابل خدا تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے بلکہ اُن لوگوں نے اپنے بزرگوں کو اللہ کے حکم میں شریک بنا رکھا تھا جیسے کہ آگے نمبر ۷ میں بتا دیا گیا ہے کہ وہ مشرک تھے۔

● ے۲ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ آنحضورؐ پر صرف قرآن وحی کیا گیا تھا اور اُسکا نسخہ تمام ہر وقت آپکے پاس موجود ہوتا تھا جس کی طرف آپ اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے

● ے۳ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ میں آمدہ ضمیر بِهٖ نے حصر پیدا کر دیا ہے کہ اس کا غرضِ وحی و نزول یہ ہے کہ میں اسی کتابِ خداوندی کیساتھ انذار کروں، تمہارے فرائضِ منصبی سے تمہیں آگاہ کرتا رہوں۔

● ے۴ وَمَنْۢ بَلَغَ بھی حصر کے ماتحت آیا ہے کہ جس جس تک یہ قرآن پہنچے وہ بھی اسی کیساتھ لوگوں کو اُنکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرے

● ے۵ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى کے الفاظ سے عیاں ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفین نے اللہ تعالیٰ کیساتھ اور اِلٰہ فرمانبرداری کے قابل قرار دے رکھے تھے، قرآن کریم کی تعلیم چونکہ اُنکے بزرگوں کی تعلیم اور اُن کے تواتر کے خلاف تھی، اسلئے وہ قرآن کریم کو اللہ کی طرف سے وحی کردہ کتاب تسلیم نہیں کرتے تھے۔

● ے۶ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کے قُل کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ آنحضورؐ سے ایک اکیلے الٰہ کی فرمانبرداری کیئے جانے کا اعلان کرا دیا گیا تھا کہ لوگ اگر بہت سے الٰہ فرمانبرداری کے لائق تسلیم کرتے ہیں تو آپ ایک الٰہ کا اعلان کر دیجیئیگا۔

● ے۷ وَاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ کے الفاظ میں وضاحت کر دیگئی ہے آنحضورؐ کے مدِ مقابل اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل تو تھے مگر اُسکے حکموں میں اپنے بزرگوں کو شریک کر رکھا تھا۔ نوعِ انسانی کا یہ بہت پرانا قاعدہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی لکھی ہُوئی کتابوں یا اُنکے بعد کے جمع کیئے ہُوئے اُنکے ملفوظات کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر حاکم قرار دے لیتے تھے۔ یہودیوں کے ہاں تالمود نامی وہ کتاب ہے جس میں حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب کردہ اقوال درج ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کی کتب پر حاکم ٹھہرا کر کتابِ خداوندی میں تحریف لفظی تک کر رکھی ہے۔ اور نصاریٰ کی اناجیل تک میں حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کردہ اقوال بھر دیئے گئے ہیں۔

● آنحضورؐ انہی لوگوں کے اندر پیدا ہُوئے، بڑھے، جوان ہُوئے، اُنہی سے محمدؐ کہلایا یعنی تعریف در تعریف کیا ہُوا۔ آپ اُنکے لیئے اجنبی نہیں تھے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی دھوکا فریب نہیں کیا۔ چنانچہ ۱۰/۱۶ میں آنحضورؐ سے چیلنج دلوایا گیا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ پھر بلا شبہ میں نے تمہارے درمیان ایک عمر گزاری ہے، پھر تم کیوں عقل نہیں کرتے۔ (کیا میں نے کبھی جھوٹ بولا تھا کہ میں نے قرآن کریم کو خود گھڑ کر اللہ کے ذمہ لگا دیا ہو)

حسب عادت بولا ہو)۔ اسکے جواب میں تاریخ شاہد ہے نہ کسی طرف سے کوئی جواب ہی آیا اور نہ ہی آپکی پوری زندگی پر کوئی انگلی ہی اٹھ سکی۔ آنحضورؐ کی اسی جان پہچان کے متعلق سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں محاورہ کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ لائے گئے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا
وہ لوگ جنہیں دی ہم نے اپنی کتاب وہ پہچانتے ہیں اسے جیسے

يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
وہ پہچانتے ہیں بیٹوں اپنوں کو۔ جن لوگوں نے خسارہ دیا اپنے آپ کو

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ ع ۲/۱۰/۸
پس وہی نہیں ایمان لاتے

وہ لوگ جنہیں ہم نے اپنے (رسولوں کی معرفت) کتاب دی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ کو) وہ اسے (ہمارے مکی نبیؐ کو) اسطرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (مگر پھر بھی یقین نہیں کرتے کہ یہ سچا ہے) جو لوگ (خداوندی ہدایت نامہ آجانے کے باوجود محروم ہدایت رہے) انہوں نے خود اپنے آپکو خسارے میں رکھا پس وہی لوگ (متوازن ضابطۂ حیات قرآن کریم پر) ایمان نہیں لاتے۔

● آیۂ بالا میں جہاں ہدایتِ الٰہی پر ایمان نہ لانیوالوں کو اپنے آپکو خسارہ پہنچانیوالے قرار دیا ہے، وہاں ساتھ ہی اگلی آیت مجیدہ میں جھوٹے مدعیانِ نبوت اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانیوالوں، دونوں کو سب سے بڑھ کر ظالم اور غیر فلاح یافتہ ٹھہرایا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
اور کون ہے بڑھ کر ظالم اُس سے جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱
یا جھٹلائے آیتیں اُسکی بیشک وہ نہیں کامیاب ٹھہراتا ظالموں کو

اور اُس سے بڑھ کر کون ہے ظالم جو اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھے (کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے) اور وہ بھی جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیتوں کو جھٹلائے (دونوں ظالم ہیں) بیشک وہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو کامیاب نہیں ٹھہراتا۔

● اگلی آیت مجیدہ میں قیامت کی عدالتِ عالیہ میں سب کو حاضر کرنے اور اپنے اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو سامنے لانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
اور جس دن ہم جمع کریں گے اُن سب کو پھر ہم کہیں گے واسطے ان لوگوں کے

اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۲۲
جنہوں نے شریک ٹھہرائے کہاں ہیں شریک تمہارے ٹھہرائے ہوئے جنہیں تم گمان کرتے

اور وہ دن قابلِ ذکر ہے جب ہم (قیامت کو) سب کے سب شریک ٹھہرانے والوں کو جمع کرینگے پھر ہم انہیں کہینگے کہاں ہیں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک جنہیں تم اپنے زعم باطل میں ہمارے شریک سمجھا کرتے تھے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا
پھر نہیں ہوگا اظہار اُن کا مگر یہ کہ کہیں گے

پھر نہیں ہوگا اظہار (یعنی بیان) اُن کا، سوائے اسکے کہ وہ یہ کہینگے

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾
قسم ہے اللہ رب ہمارے کی نہیں تھے ہم شرک کرنیوالے

ہمارے رب تعالیٰ کی قسم ہے کہ ہم مشرک نہیں تھے ؏۲
(ہم شرک تو نہیں کیا کرتے تھے)

● ؎ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ میں فتنہ کا لفظ مادہ ف۔ ت۔ ن ۔فتن سے مشتق ہے۔ اسکا بنیادی معنیٰ ہے ظاہر کرنا۔ چنانچہ سونا پرکھنے کی کسوٹی کو فتانہ کہتے ہیں، جو سونے کے متعلق ظاہر کرتی ہے کہ اس میں اتنا کھوٹ ہے۔ بزرگوں کو خدا کے شریک ٹھہرانے والے اس عمل کو نہ شرک مانتے ہیں نہ شرک کہتے ہیں بلکہ اُن کا زعم باطل یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن بزرگوں کو یہ اختیار عطا کر رکھے ہیں کہ وہ مشکلیں حل کر سکتے ہیں، غائبانہ مدد کر سکتے اور مُرادیں پُوری کر سکتے ہیں، اُنکے ارشادات مطلقاً واجبُ الاطاعت ہوتے ہیں۔ اُنکے فرمودات و ملفُوظات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر پرکھنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ وہ کتابِ خداوندی کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، اُن پر بلا حیل و حُجت عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس جُھوٹے عقیدے کے مطابق ایسے لوگ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں بھی اللہ اور رب تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہینگے کہ باری تعالیٰ ہم شرک تو نہیں کیا کرتے تھے۔ اِس پر ارشاد ہُوا ہے:۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾
غور کر کس طرح جھوٹ بولیں گے اُوپر اپنے آپکے ماند کر گم ہو جائیگا اُن سے جو تھے اِفترا کیا کرتے

(اے مخاطب!) غور کر کہ وہ کس طرح اپنے آپ پر (مزید بوجھ ڈالتے ہُوئے) جھوٹ بولینگے (کہ زندگی بھر غیروں کو اللہ کا شریک قرار دئیے رکھا مگر قسمیں کھا کھا کر کہینگے کہ ہم شرک نہیں کیا کرتے تھے) حالانکہ (قیامت کو) ڈھونڈے گم ہو جائینگے جن کا وہ افترٰی کیا کرتے تھے ؏۲

● ؎ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ میں جو حرفِ جار علیٰ آیا ہے اِسکے مطابق یہ معنیٰ صحیح ہے کہ وہ اپنے آپ پر مزید بوجھ ڈالتے ہُوئے جھوٹ بولینگے۔ کیونکہ قرآن مجید میں حرفِ جار لِ جزا کیلئے آتا ہے اور علیٰ سزا، بوجھ اور وبال کیلئے آتا ہے، جیسے کہ ۴۱/۴۶ میں آیا ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا، جو کوئی صلاحیت بخش عمل بجا لایا اُن کی جزا اُس کے اپنے لئے ہے اور جس نے بُرے عمل کئے اُنکی سزا، اُنکا بوجھ، اُن کا وبال اُسکے اپنے آپ پر ہوگا۔

● زندگی بھر تو غیروں کو اللہ کیساتھ حاجت روا، مشکلکشا ٹھہرایا، اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر مان کر، غیب دان اور مختارِ کل جان کر اُن سے زندگی بھر مدد مُرادیں مانگتے رہے، مگر ان افعال کو زندگی بھر شرک تسلیم نہ کیا۔ یہانتک کہ قیامت کے متعلق بھی یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ ہم اپنے بزرگوں کا دامن تھام کر جنت میں پہنچ جائینگے، اِس باطل تصور کا بُطلان ان الفاظ میں مکمل کر دیا گیا ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ، حالانکہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں وہ لوگ جن کے متعلق اُنہوں نے افترٰی باندھ رکھا تھا کہ وہ قیامت کے دن مدد کیلئے پہنچ جائینگے، اپنا دامن تھما کر جنت میں لے جائینگے، وہ گم ہو جائیں گے کوئی بھی مدد کو نہیں پہنچیگا مگر پھر بھی یہ لوگ حضُورِ الٰہی میں اُسی کو اللہ اور رب کہہ کر اُسی کی جھوٹی قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے ہوں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ یہ اِتنا بڑا دھوکا اُسی باطل عقیدے ہی سے لگتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور ولیوں کا حاضر

ناظر غیب دان، مشکل کشا اور مختار کل بنایا ہے ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبیوں کی دعاؤں سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، مشکل وقت پر حضرت نوح نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت یعقوب، حضرت ایوب سب نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی، حضرات ابراہیم و زکریا حصول اولاد کیلئے حضور الٰہی میں گڑگڑائے، ان قرآنی شواہد سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ اگر وہ مختار کل اور مشکل کشا ہوتے تو خود مشکلوں میں کیوں گرفتار ہو جاتے اور اپنی مشکلوں میں حضور الٰہی میں کیوں دست بدعا ہوا کرتے ۔ خود خاتم النبیین کی دعائیں قرآن مجید میں موجود ہیں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمائیو ۔

قرب الٰہی

• سورہ زمر میں آیا ہے کہ غیر اللہ کو مددگار قرار دینے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ان بزرگوں کی فرمانبرداری اسلئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی ۳۹/۳ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت کا ایک ہی نسخہ بتایا ہے ۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ (اے قربت الٰہی کے طلبگار!) اللہ تعالیٰ کا پورا پورا فرمانبردار ہو اور قریب ہو جا ۔ یہ عقیدہ بھی عجیب و غریب ہے کہ بزرگوں کے اقوال و ملفوظات کو کلام الٰہی قرآن کریم سے بالا و برتر سمجھا جائے، یعنی یہ نہ دیکھیں کہ کیا بزرگوں کے اقوال قرآن کریم کے خلاف تو نہیں ۔ اگر خلاف ہیں تو ہو سکتا ہے وہ بزرگوں کے قول نہ ہوں، انکی طرف غلط طور پر منسوب ہو چکے ہوں ۔ تو اس طرح کلام خداوندی کی مخالفت بھی ہو رہی ہو اور اللہ تعالیٰ کا قرب بھی میسر آ جائے ۔ یا للعجب!

• قرب خداوندی کے متعلق کھلے لفظوں میں وضاحت کر دی گئی ہے ۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۵۰/۱۶ ہم تو اس (انسان کے ہر ایک فرد) کی شاہ رگ سے بھی قریب ہیں ۔ یہ خود اللہ تعالیٰ سے دور رہتا ہے ۔ اسے چاہیئے کہ یہ خود اسکے قریب ہو جائے جس کا ایک ہی قرآنی طریقہ اوپر بیان ہو چکا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ تعالیٰ کا پورا پورا فرمانبردار ہو اور اسکے قریب ہو جا ۔ جتنا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے اتنا ہی وہ اسکے قریب ہے ۔

• قرب الٰہی کے اس طریقے کی وضاحت سورہ بقرہ کے ان الفاظ میں کھل کر کر دی گئی ہے ۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۲/۱۸۶ اے رسول! جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں (کہ کیا وہ قریب ہے) تو (آپ کہہ دیجئے گا کہ وہ کہتا ہے) میں قریب ہوں (اتنا قریب کہ) جب بھی کوئی دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اسے (اپنے قانون جاریہ کی زبان میں اسی وقت) جواب دیتا ہوں (کہ میرے قانون کے مطابق حصول مقصد کیلئے سرگرم عمل ہو جا، تیری مراد پوری ہو جائے گی) پس چاہیئے کہ وہ میرے جواب کو عملاً قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں (کہ میں نے ہر چیز کے حصول کے لیئے قوانین متعین کر دیئے ہیں، ان پر عمل کریں) تاکہ وہ صحیح راہ پا سکیں ۔ اس آیت مجیدہ میں بالتفصیل بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ صرف اس کی فرمانبرداری ہے اور اسکے قانون جاریہ پر ہمہ تن مصروف عمل ہو جانا ہے ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کے مدِّ مقابلین کے ایک گروہ کے متعلق خود آنحضورؐ کو مخاطب کر کے ذیل کی خبر دی گئی ہے:-

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى
اور ہیں سے اُنکے جو کان لگاتے ہیں طرف تیری اور ڈالا ہمنے اُوپر

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ
اذہان انکے پردہ کر وہ نہ سمجھیں اُسے اور بیچ کانوں انکے بوجھ ہے

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا
اور اگر دیکھیں تمام نشانیاں نہ ایمان لائیں ساتھ انکے یہانتک کہ جب

جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ
آتے ہیں پاس تیرے جھگڑتے ہیں تجھ سے کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا نہیں

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ۲۵
یہ مگر کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی

اور اُن (آپکے مخالفوں) میں سے بعض وہ ہیں جو آپکا کلام سُننے کیلئے آپکی طرف کان لگاتے ہیں لیکن ہمنے اُن کے ذہنوں پر عدمِ تدبّر کے پردے پڑے ہوئے پائے ہیں، اسلئے وہ ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید کو) نہیں سمجھتے۔ اور اُنکے کانوں میں بوجھ ہے وہ (سُنتے ہی نہیں)۔ اور اُنکی (مخالفت برائے مخالفت کی) حالت یہ ہے کہ اگر وہ تمام دلائل دیکھ بھی لیں تو پھر بھی اس قرآن کیساتھ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپکے پاس آتے ہیں جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کر دیا ہے، تو وہ آپ سے جھگڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو صرف پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

● ملہ واضح رہے کہ ایسے افعال جن کے مروّجہ ترجمہ سے یہ تصوّر برآمد ہو، کہ اللہ تعالیٰ ذہنوں پر مُہریں لگا دیتا ہے یا اُن پر پردے ڈال دیتا ہے کہ وہ ہدایت پر نہ آسکیں، ایسے افعال میں خاصۂ وجدان موجود ہوتا ہے جیسے کہ آیتِ بالا میں آیا ہے جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً، اِسکا یہ معنی نہیں ہے کہ ہمنے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُنکے ذہنوں پر پردے ڈالدئے ہیں کہ وہ نہ سمجھ سکیں۔ بلکہ خاصۂ وجدان کے مطابق اسکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہمنے اُنکے ذہنوں پر عدمِ تدبّر کے پردے پڑے ہوئے پائے ہیں، اِس سبب سے وہ قرآن کو نہیں سمجھتے ــــ اگلی آیتِ مجیدہ میں اُنکی اس روش کی غرض بتائی گئی ہے خود بھی نہ ماننا اور لوگوں کو بھی اس سے روکنا:-

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ
اور وہ روکتے ہیں اس سے اور خود بھی رکتے ہیں اُس سے اور

اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ۲۶
نہیں ہلاک کرتے وہ کسی کو مگر اپنے آپکو اور وہ نہیں شعور رکھتے

اور وہ (قرآنِ کریم کو پرانے لوگوں کی کہانیاں بتاکر لوگوں) کو بھی اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اِس سے رُک رہتے ہیں اور وہ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپکو، لیکن وہ اس چیز کا شعور نہیں رکھتے ــــ اگلی آیت میں انہی کا قیامت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے:-

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا
اور تُو دیکھے جب کھڑے کئے جائیں اوپر آگ کے پھر وہ کہیں گے

اور (اے مخاطب!) کاش کہ تو تصوّر کی نگاہ سے دیکھے جب وہ آگ (کے کنارے پر) کھڑے کئے جائینگے پھر وہ کہیں گے

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا
کاش ہم لوٹائے جائیں اور نہ ہم جھٹلائیں گے ساتھ آئتوں رب اپنے
وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۲۷
اور ہم ہوں گے بیچ سے مومنوں کے

کاش کہ ہم واپس بھیج دیئے جائیں۔ اِسکے بعد ہم اپنے رب کی آئتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں گے۔

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اِن لوگوں کی یہ تمنّا بھی جھوٹ ہے محض اِنکا یہ کہنا بھی غلط ہے۔ بلکہ:۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ
بلکہ ظاہر ہو گیا واسطے اُنکے جو تھے چھپاتے سے پہلے اِسکے
وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
اور اگر لوٹائے جائیں البتہ اعادہ کریں واسطے اسکے جو منع کئے گئے اُس سے
وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۲۸
اور بیشک وہ البتہ جھوٹے ہیں

(انکی اس بات میں کوئی صداقت نہ ہو گی) بلکہ اس سے پہلے جو کچھ وہ چھپا کر عمل کرتے تھے وہ ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور اگر وہ واپس لوٹائے جائیں تو پھر بھی وہی اعمال کریں گے جن سے وہ منع کئے گئے ہیں۔ اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ
اور کہتے ہیں، نہیں وہ مگر زندگی دُنیا کی اور
مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۲۹
نہیں ہم ساتھ اُٹھائے جانے والے

حقیقت یہ ہے کہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہماری صرف دُنیا ہی کی زندگی ہے (خوب استعمال اور نفع اندوزی کرنی چاہیئے) حقیقت یہ ہے کہ ہم عملوں کی جوابدہی کے لئے ہرگز اُٹھائے جانیوالے نہیں۔

● اس سے اگلی آئت میں پھر نگاہِ تصوّر کے ساتھ اسی منظر کو دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ اللہ کے حضور کھڑے کئے جائینگے ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ
اور کاش دیکھے تُو جب وہ کھڑے کئے جائینگے سامنے رب اپنے
قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا
کہے گا کیا نہیں یہ ساتھ حق کہیں گے ہاں اور قسم ہے رب ہمارے کی
قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۳۰
کہیگا پس چکھو عذاب کو بسبب اسکے تھے تم انکار کرتے
ع

اور (اے مخاطب کاش کہ تُو تصوّر کی نگاہ سے (دوبارہ) دیکھے جب وہ اپنے رب (یعنی نظامِ ربوبیت کا حکم دینے والے) کے حضور کھڑے ہوں گے۔ وہ کہے گا کیا (یہ دوبارہ زندگی اور مکافات عمل) سچا نہیں ہے۔ وہ کہیں گے ہاں قسم ہے رب ہمارے کی سچا ہے وہ کہے گا اب مزہ چکھو عذاب کا بسبب اِس کے کہ تم اپنے رب یعنی نظامِ ربوبیت کا انکار کرتے تھے۔

● اگلی آئت مجیدہ میں قیامت کو جھٹلانے والوں کے متعلق بتایا گیا ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ[1] اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى
بیشک گھاٹا پایا، جنہوں نے جھٹلایا کو حاضری اللہ کی یہانتک کہ
اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا
جب آئیگی اُنکے پاس قیامت اچانک کہینگے اے افسوس ہمیں
عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَ هُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَ
اوپر اسکے جو کمی کی ہمنے بیچ اسکے اور وہ اُٹھائیں گے بوجھ
هُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ۝ ۳۱
اپنا اوپر پیٹھوں اپنی کے خبردار برا ہے جو وہ اٹھائینگے

بلاشبہ وہ لوگ خسارے میں رہے جنہوں نے اعمال کی جوابدہی کے لئے) اللہ کے حضور حاضر ہونے کو جھٹلایا۔ حتیٰ کہ جب انکے پاس قیامت کی گھڑی اچانک آجائیگی تو وہ کہینگے افسوس ہے ہم پر کہ اسکی تیاری میں ہمنے کمی کی۔ حالت یہ ہو گی کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (قیامت کو کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائیگا) خبردار (بگوش ہوش سن لو کہ) کتنا بُرا ہے وہ بوجھ جو وہ اُٹھائے ہوئے ہونگے۔

● [1] لِقَآءِ اللّٰهِ سے مُراد اللہ کا دیدار نہیں، بلکہ اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کے دن اُس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار یعنی اُسکے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَ هُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۖ ۶/۱۰۳ اُسے نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ کوئی عقل اُسے پا سکتی ہے، وہ ہر آنکھ کو دیکھتا ہے اور ہر عقل کو پاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی دُعا فرمائی رَبِّ اَرِنِیْۤ لیکن جواب ملا لَنْ تَرٰىنِیْ ۷/۱۴۳ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھیگا۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے یا دکھا سکنے کا دعویٰ کرنے والوں کو حضرت موسیٰ سلام علیہ کے واقعہ سے غلط فہمی دور کر لینی چاہیئے۔

● قرآن مجید میں لِقَآءَنَا، لِقَآءِیْ اور لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا اور لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا کے الفاظ صرف اپنے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے اللہ تعالیٰ کیساتھ ملاقات کرنے کے معنوں میں آئے ہیں۔ جن لوگوں کے متعلق آیا ہے کہ وہ لقاء اللہ اور بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ کی اُمید نہیں رکھتے، اس سے مُراد یہ ہے کہ وہ قیامت کی باز پُرس کے منکر ہیں۔ جیسے کہ سُورہ سجدہ میں ایسے ہی لوگوں کا قول اور اللہ تعالیٰ کا جواب درج ہے:۔ وَ قَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ۳۲/۱۰ اور وہ کہتے ہیں کیا جب ہم (مرنے کے بعد گل سڑ کر) زمین میں گم ہو جائینگے تو کیا ہم نئی زندگی کیساتھ زندہ کئے جائینگے؟ (اُنکا یہ سوال یونہی نہیں) بلکہ وہ اپنے رب کے حضور اعمال کی جوابدہی کے منکر ہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں دُنیا کی زندگی اور اُخروی زندگی کا تقابل پیش کر کے اِسی چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے:۔

وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ
اور نہیں زندگی دُنیا کی کھیل اور غفلت

اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی (میں مستغرق ہو جانا) نہیں ہے کچھ بھی مگر محض کھیل اور فرائض منصبی سے غفلت ہے۔ اور

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ
اور البتہ گھر آخرت کا اچھا ہے واسطے انکے جو بچتے ہیں
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ٣٢
کیا پھر نہیں تم عقل کرتے

یقیناً یقیناً (اس زندگی کے اچھے عملوں کے) انجام کا گھر اُن لوگوں کے لئے اچھا ہے جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔ کیا پھر تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے (کیوں نیک اعمال کے ذریعہ قیامت کی تیاری نہیں کرتے؟)۔

● اگلی آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے انکار کرنے پر آنحضور غمگین ہو جاتے تھے۔ اسلئے آپکی تسکین و تسلّی کے لئے ارشاد فرمایا:-

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ
بیشک ہم جانتے ہیں بیشک وہ البتہ غمگین کرتا ہے آپکو جو وہ کہتے ہیں
فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ
پس بیشک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو اور لیکن وہ ظالم ساتھ آیتوں کے
اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ ٣٣
اللہ کی جھگڑا کرتے ہیں

(اے رسولؐ!) بیشک ہم جانتے ہیں کہ بلا شبہ آپ کو وہ چیز غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں (کہ یہ قرآن مُدّعیٔ رسالت نے خود گھڑ لیا ہے) پس بیشک وہ آپکو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کے ساتھ جھگڑتے ہیں (کیوں کہ یہ اُن کے آبائی عقائد و اعمال کی مخالفت کرتی اور اُن کے مفاد سے ٹکراتی ہیں)۔

ضابطۂ الٰہی ہر استحصالی گروہ کے ذاتی مفاد سے ٹکراتا ہے

● قرآن کریم چونکہ نہ علماء و مشائخ کے اِس مفاد کے حق میں ہے کہ لوگ کمائیں اور یہ بیکار بیٹھے کھائیں نہ سُود خور کو اجازت دیتا ہے کہ وہ قرضدار کا خون چوستا رہے، نہ اپنے نفع خوری کے حق میں ہے کہ وہ عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی ضروریاتِ زندگی کا ذخیرہ کر کے کئی گنا نفع کی صُورت میں بٹورتا رہے۔ نہ جاگیردار کو اجازت دیتا ہے کہ اُسکے پاس ضرورت سے زائد مکانات ہوں اور وہ کرایہ کے نام پر مُفت خوری کرتا رہے۔ نہ زمیندار کو اجازت دیتا ہے کہ سر سے لیکر پیروں تک پسینے میں شرابور ہو کر کاشت تو کریں مزارعے، مگر فصل پکنے پر غلّے کی بوریاں اُسکے ہاں پہنچ جایا کریں۔ اور اسی طرح نہ سلطان و سربراہ کو یہ چھٹی دیتا ہے کہ مُلک کی دولت جو مُلکی عوام ہی کا مال ہے اُس میں سے وہ اور اُسکے کارندے تو تنخواہوں اور سفر خرچوں کی صورت میں لُوٹ کا ساحصہ پائیں، مگر مُلکی عوام ضروریاتِ زندگی خوراک لباس اور علاج سے محروم پائے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کریم نے اپنے اوّلین منشور کا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ میں اعلان کیا تو چونکہ ربوبیتِ عالمینی کا تصوّر مندرجہ بالا تمام گروہوں کے مفاد سے ٹکراتا ہے۔ اسلئے سب کے سب بیک وقت اُس کی مخالفت پر اُتر آئے۔ اِس کے برعکس حضورِ پاکؐ کو تو سب لوگ قبلِ نبوت ہی سے بے لوث کردار کا حامل تسلیم کرتے تھے۔ اسلئے آیت بالا ٦/٣٣ میں آنحضورؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہُوا ہے کہ یہ ظالم غاصبینِ ربوبیتِ عامہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ آیاتِ قرآنیہ کو جھٹلاتے ہیں جو اُن کی گدیوں، اجارہ داریوں، سُود خواریوں، من مانی نفع اندوزیوں اور ناجائز جمع مال کے قدیمی نظریات پر برق بن کر گرتی اور جلا کر راکھ کر دیتی ہیں۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بھی آنحضورؐ کو تسلی دیگئی

ہے کہ ان گروہوں کی طرف سے یہ اندازِ تکذیب کوئی نیا نہیں، آپ سے پہلے جملہ انبیاء کرام کو اسی طرح جھٹلایا گیا تھا۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا
اور بیشک جھٹلائے گئے رسول سے پہلے آپکے پس ثابت قدم رہے
عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ
اور پھر جو جھٹلائے گئے اور ستائے گئے حتیٰ کر آئی اُن کے پاس مدد ہماری اور
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِي
نہیں کوئی بدلنے والا کلمات اللہ کو اور بیشک آئی پاس تیرے خبر
الْمُرْسَلِينَ ۳۴
رسولوں کی

اور (اے رسولؐ!) بیشک آپ سے پہلے بھی ہمارے رسولؑ جھٹلائے گئے تھے۔ اور ایذا دیئے گئے تھے۔ پھر وہ سب اُس ضابطۂ حیات پر ثابت قدم رہے جس کی بدولت وہ جھٹلائے گئے۔ یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد آگئی (یقیناً آپ کی بھی مدد و نصرت کی جائے گی) کیونکہ ہمارے کلمات (ہمارے وعدوں) کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اور بیشک آپکے پاس ہمارے رسولوں کی (مدد کی) خبر پہنچ چکی ہے۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں مادی معجزات کی نفی کرتے ہوئے آنحضورؐ کو ارشاد ہوا ہے کہ اگر آپکو اپنے مخالفین کا حقائق سے انکار کرنا ناگوار گزرتا ہے اور آپ اس سے غمگین ہوتے اور اندر ہی اندر مضطرب و بیقرار رہتے ہیں تو اُن کے لئے یہ معجزہ لے آئیے۔

وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ
اور اگر ہے گراں اوپر تیرے منہ موڑنا اُنکا۔ پھر اگر
اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا
طاقت ہے تجھے کہ تو تلاش کرے کوئی سرنگ بیچ زمین کے یا کوئی سیڑھی
فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ
بیچ آسمان کے پھر لے آئے انکے پاس کوئی معجزہ اور اگر زبردستی چاہتا اللہ ضرور جمع کرتا انہیں
عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ
اوپر ہدایت کے، پس تو نہ ہو میں سے
الْجَاهِلِينَ ۳۵ (النصف)
بے خبروں کے

اور (اے رسولؐ!) اگر آپ پر انکار و گردانی کرنا گراں گزرتا ہے تو پھر اگر آپ میں طاقت ہے کہ آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کریں پھر اُن کے لئے کوئی معجزہ لے آئیں اور اگر اللہ تعالیٰ (انسان کا اختیار و ارادہ سلب کر کے معجزات کے ساتھ مومن بنانا) چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پھر (جب اُس نے اختیار و ارادہ ہی کے ساتھ ایمان لانا پسند فرمایا ہے تو) آپ بے خبروں میں سے نہ ہو جانا (جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سب کو راہ راست پر کیوں نہیں لے آتا)۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں اسی چیز کی تاکید کی گئی ہے کہ تبلیغِ قرآنی کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو غور سے سنتے ہیں، لیکن جو مُردہ ذہن ہیں چونکہ وہ قرآن کریم کو بغور سنتے ہی نہیں، اسلئے ایمان نہیں لاتے، وہ دوسری زندگی میں

حضور الٰہی میں حاضر کئے جائینگے:۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ
سوائے اسکے نہیں قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو غور سے سنتے ہیں

وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ
اور جو مردہ ذہن ہیں اٹھائیگا انہیں اللہ پھر طرف اسی کے

يُرْجَعُونَ ۝٣٦
وہ پھیرے جائیں گے

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ (آپ کی دعوت کو) وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (خالی الذہن ہو کر) سنتے ہیں۔ اور جو مردے ہیں (یعنی خالی الذہن ہو کر سنتے ہی نہیں وہ ایمان نہیں لاتے) انہیں اللہ تعالیٰ اُٹھائیگا (مرنے کے بعد) پھر وہ جوابدہی کیلئے اُسی کی طرف لوٹائے جائینگے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ
اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل کیا گیا اوپر اسکے کوئی معجزہ

مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن
طرف سے رب اسکے کہ بیشک اللہ قانون بنانیوالا اوپر اسکے کہ

٣٧ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
نازل کرے کوئی معجزہ اور لیکن اُن کی اکثریت نہیں جانتی

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (مدعیٔ نبوت) پر کوئی معجزہ اُسکے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئیگا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اسکے (یعنی معجزے نازل کرنے کے) قانون بنانیوالا ہے، اور لیکن اُنکی اکثریت نہیں جانتی (کہ اُس نے معجزات نازل کرنے کا کوئی قانون نہیں بنایا)

● آیاتِ بالا میں انسان کے اختیار و ارادہ کی خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں باقی سب جانداروں پرندوں وغیرہ کے متعلق بتا دیا گیا ہے کہ اگرچہ وہ بھی تمہاری طرح کی الگ الگ نوعیں ہیں، لیکن انہیں صاحب اختیار و ارادہ نہیں بنایا گیا۔ وہ اپنی الگ الگ جس جس فطرت پر پیدا کئے گئے ہیں، وہ اُسی کے گرد جمع رہتے اور اُسی کے مطابق زندگیاں بسر کر رہے ہیں:۔

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ
اور نہیں ہیں سے کوئی جاندار بیچ زمین کے اور نہ پرندہ

يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ
اُڑتا ہیں ساتھ اپنے پروں کے مگر نوعیں ہیں مثل تمہاری

مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ
نہیں کمی کی ہم نے بیچ کتاب فطرت سے کسی چیز کی پھر طرف رب اپنے کے

يُحْشَرُونَ ۝٣٨
وہ جمع کر دئے گئے ہیں

اور نہیں ہیں زمین میں جتنے بھی جاندار اور پرندے جو اپنے دونوں بازوؤں کیساتھ اُڑتے ہیں مگر (تخلیق کے لحاظ سے) سب تمہاری طرح الگ الگ نوعیں ہیں۔ ہم نے کتابِ فطرت میں کسی ضروری چیز میں کمی نہیں چھوڑی (یعنی سب کو صحیح صحیح فطرت ودیعت کر رکھی ہے۔ انہیں صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں بنایا) پھر وہ سب اپنے رب کی طرف (یعنی اُسکی عطا کردہ فطرت پر) جمع کر دئے گئے ہیں۔

● یہاں الکتٰب سے مُراد اسلئے کتابِ فطرت صحیفۂ کائنات ہے، چونکہ ما قبل زمین کے جانداروں اور پرندوں کا ذکر کیا گیا ہے قرآن کریم میں کُتب کے ذیل کے چھ معنے مذکور ہیں :-

۱۔ الکتٰب بمعنی قرآن کریم ۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۱۶/۸۹ اور (اے رسُولؐ!) ہمنے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو مسائل دین کی ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنیوالی ہے۔ نیز دیکھئے آیتِ ذیل ۶/۱۱۵ ۔ ۲۶/۲ ۔ ۲۹/۴۷ ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۰ ۲۷/۱ مذکورہ آیتیں قرآن مجید یعنی خود بیان کرنیوالی کتاب کی ہیں ۔ ۱۵/۱

۲۔ کُتب بمعنی کتابِ فطرت ۔ کتابِ کائنات ۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۹/۳۶ بلا شبہ کتابِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ مہینوں کی گنتی اسی دن سے بارہ ہے جب اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔

۳۔ کُتب مبین بمعنی علمِ الٰہی ۔ عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۰ ۳۴/۳ اللہ عالم الغیب ہے۔ اُس سے کوئی ذرّہ بھر چیز بھی خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، پوشیدہ نہیں۔ اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو مگر وہ کتابِ مُبین (علمِ الٰہی) میں موجود ہے۔

۴۔ کُتب بمعنی کتاب ۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ ۲۹/۴۸ اور اے رسُول! آپ نزولِ قرآن سے پہلے (کسی بھی مسلک کی) کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں مَا كُنْتَ تَتْلُوْا ماضی استمراری لاکر نزولِ قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھنے کی نفی کردی گئی ہے۔

۵۔ کُتب بمعنی چِٹھی ۔ اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۲۷/۲۹ بلا شبہ میری طرف ایک معزز چِٹھی بھیجی گئی ہے۔

۶۔ کُتب بمعنی قانون ۳۵/۱۱ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ اور نہیں بڑھتی کسی عمر والے کی عمر اور نہ ہی عمر میں سے کچھ کم ہوتا ہے مگر وہ اللہ کے قانون میں ہے۔

انسان کے سوا کوئی بھی نوع صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں

● آیتِ بالا ۶/۳۸ زیرِ بحث میں الکتٰب سے مُراد کتابِ کائنات ہے جس میں ہر قسم کے جاندار پرندے پیدا کر دیئے گئے ہیں اور اُن میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔ نیز صاحبِ اختیار و ارادہ صرف انسان ہے جو اپنے اختیار و ارادہ کیساتھ علیٰ وجہ البصیرت ضابطۂ خداوندی پر ایمان لانے کا مکلّف ہے۔ باقی سب نوعیں مکلّف نہیں۔ وہ سب کی سب اپنی اپنی فطرت پر مجبور محض پیدا کیگئی ہیں۔ گھوڑا مجبور ہے کہ گھاس دانہ کھائے اور دن بھر تانگہ کھینچتا رہے۔ گائے بھینسیں مجبور ہیں کہ چارہ کھائیں اور دُودھ دیں۔ بھیڑ بکریاں مجبور ہیں کہ جنگل میں چریں اور انسان کی گوشت کی ضروریات پُوری کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرکے زیادہ سے زیادہ گوشت مہیا کرتی رہیں۔ گدھا مجبور ہے کہ خشک سے خشک چارہ کھا کر دن بھر بوجھ اُٹھاتا رہے۔ اُونٹ مجبور ہے کہ ہفتہ ہفتہ چارے اور پانی کے بغیر ریگستانوں میں سفر کیا کرے۔ علیٰ ہذا القیاس چھوٹے جنگلی جانور اور پرندے مجبور ہیں کہ شکار ہُوا کریں اور شیر چیتا اور باز شکرا وغیرہ مجبور ہیں کہ شکار کیا کریں۔ حتیٰ کہ گدھ مجبور ہے کہ چار چار پانچ پانچ من کی گھوڑے گدھے کی لاش چٹ کرکے تیس تیس کوس اڑجانے کی بجائے اپنے اُڑانے کی بیٹھ میں منتقل کرتی رہے۔ یہ سب کی الگ الگ فطرت ہے اور جو چیز جس کام کے لئے پیدا

کی گئی ہے اُس کی فطرت میں مطلقاً کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ اور اسی چیز کے متعلق ارشاد ہُوا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ = ہمنے کتابِ کائنات میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی۔

● ۲۔ اب صفحہ ۱۵۶ پر درج آیتِ مجیدہ ۶/۳۸ کے ضمنی نوٹ ۲۔۲ ملاحظہ فرمائیں۔ آیتِ مجیدہ میں جو آیا ہے ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ۔ یہاں هِمْ کی ضمیر روئے زمین کے دابۃ اور طائر کی طرف جاتی ہے۔ لیکن چونکہ انسان کے سوا روئے زمین کی کوئی مخلوق نہ مکلّف ہے نہ صاحبِ اختیار و ارادہ ہے اسلئے اِلٰى رَبِّهِمْ میں اِلٰى بمعنی پر ہے اور رب بمعنی رب کی عطا کردہ فطرت ہے۔ اور يُحْشَرُوْنَ مضارع مجہول جمع برائے حال ہے برائے استقبال نہیں۔ اور مفہوم یہ ہے کہ وہ سب کے سب اپنے رب کی عطا فرمودہ فطرت پر جمع کر دئے گئے ہیں کہ وہ کبھی بھی اپنی فطرت بدل نہیں سکتے۔ شیر تر و تازہ گھاس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اور بکری تر و تازہ گوشت کو سُونگھتی تک نہیں۔

● اب رہا سوال یہ کہ رب کا معنی رب تعالٰی کی عطا فرمودہ فطرت کس طرح لیا جا سکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ قرآنِ کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ ۱۶/۲۶ میں لفظ اللہ کا معنی اللہ کا مقرر کردہ عذاب ہے:۔ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۔ ۱۶/۲۶ بیشک اُن سے پہلے جن لوگوں نے بُری تجویز کی۔ اُن کی عمارتوں پر بُنیادوں سے اللہ کا مقرر کردہ عذاب آیا پھر اُنکے اُوپر سے اُن پر چھت آپڑے اور اُن پر اُس طرف سے اللہ کا عذاب آیا جس کا وہ شعور بھی نہیں رکھتے تھے۔

● غور فرمائیگا آیتِ مجیدہ ۱۶/۲۶ میں متن کے خط کشیدہ الفاظ فَاَتَى اللّٰهُ جس کا لفظی ترجمہ ہے پھر اللہ آیا مگر ان الفاظ کے صحیح معنے، ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ ہیں "اللہ کا مقرر کردہ عذاب آیا" جس نے اُنکے مکانوں کی بُنیادیں متزلزل کر دیں اور چھت اُنکے اوپر آ گرے۔ جس طرح یہاں لفظ اللہ بمعنی اللہ تعالٰی کا بھیجا ہُوا عذاب ہے۔ اُسی طرح ۶/۳۸ میں رب بمعنی رب تعالٰی کی عطا فرمودہ فطرت ہے۔ اس حقیقت کے خلاف بعض سابقہ تفسیروں نے رَبِّهِمْ کی ضمیر کا مرجع قریب ترک کر کے نوعِ انسانی کو اسکا مرجع قرار دیدیا ہے اور جنہوں نے صحیح مرجع قریب "دابۃ" اور "طائر" کو قرار دیا ہے، اُنہوں نے نوعِ انسانی کیساتھ ساتھ باقی تمام نوعوں کو بھی اعمال کی جوابدہی کیلئے حضورِ الٰہی میں حاضر کئے جانے کا مضحکہ خیز تصور پیش کیا ہے۔ تصریفِ آیات اور سیاق و سباق کے مطابق حقیقت اُوپر بیان کر دیگئی ہے۔ ماعلینا الا البلٰغ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ نمبر ۳۹ واؤ عاطفہ سے شروع ہوتی ہے۔ اِسکا عطف آیت نمبر ۳۷ پر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ لوگ معجزات مانگتے ہیں لیکن اُنکی اکثریت اس چیز سے بے خبر ہے کہ اللہ تعالٰی نے معجزوں کے ذریعہ مومن بنانے کا قانون ہی نہیں بنایا۔ ایمان لانا یا نہ لانا ہر شخص کے اپنے اپنے اختیار و ارادہ پر منحصر ہے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق نوعِ انسانی کو سمع، بصر اور فواد یعنی کان، آنکھ اور دماغ کی نعمتوں سے نوازا اور اپنے رسُولوں کے ذریعہ اپنا ہدایت نامہ نوعِ انسانی کو پہنچا دیا۔ اب ہر کسی کا اپنا فرض ہے کہ علیٰ وجہ البصیرت ایمان لائے۔ چنانچہ ایمان نہ لانے والوں کے متعلق

ارشاد ہوا ہے :-

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ
اور جو لوگ جھٹلائیں کو آئتیں ہماری بہرے اور گونگے ہیں بیچ اندھیروں

مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ
جسے مطابق قانون مشیت اللہ گمراہ ٹھہراتا ہے اور جسے مطابق قانون مشیت ٹھہراتا ہے اُسے

عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ○ ۳۹
اوپر راستے سیدھے

اور جو لوگ ہماری آئتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ د باطل عقائد کے) اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں (آیات کریمات کو خالی الذہن ہو کر سُنتے ہی نہیں اس لئے ایمان نہیں لاتے)۔ پس اللہ تعالیٰ قانونِ مشیت کے مطابق اُسے ہی گمراہ قرار دیتا ہے جو خود گمراہ ہو جاتا ہے $\frac{۱۰}{۱۰۸}$ اور اُسے ہی سیدھی راہ پر قرار دیتا ہے جو خود ہدائت قبول کرتا ہے $\frac{۱۰}{۱۰۸}$ - $\frac{۲۶}{۹۲}$ - $\frac{۳۹}{۴۱}$ نمبرا۔

● واضح رہے کہ مندرجہ ذیل کی آیات مجیدہ $\frac{۱۰}{۱۰۸}$ $\frac{۱۸}{۲۹}$ $\frac{۴۳}{۱۹}$ اور $\frac{۷۶}{۲۹}$ سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا جو گمراہ ہوتا ہے خود ہوتا ہے اور جو ہدائت پاتا ہے خود پاتا ہے :-

● ۱ $\frac{۱۰}{۱۰۸}$ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق قرآن آگیا ہے۔ پھر جو کوئی خود ہدائت پائے تو وہ اُسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے اُسکا وبال اُسکی اپنی جان پر ہوگا $\frac{۳۹}{۴۱}$ میں بھی متن کے یہی الفاظ آئے ہیں۔

● ۲ $\frac{۱۸}{۲۹}$ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ اور کہہ دیجئیگا ! (اے رسولؐ!) حق قرآن تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ پس جو کوئی خود چاہے ایمان لائے اور جو کوئی خود چاہے کُفر کرے۔

● ۳ $\frac{۷۳}{۱۹}$ + $\frac{۷۶}{۲۹}$ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝ بیشک یہ قرآنِ کریم کی آیات مجیدہ نصیحت نامہ ہیں جو کوئی خود چاہے اسکے ذریعہ اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔

جو کوئی ہدائت پاتا ہے خود پاتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہو جاتا ہے خود ہو جاتا ہے

● آیاتِ بالا کے واضح شواہد کے مطابق اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ اس لئے خود تعریفِ آیات قرآنیہ کی شہادت کے مطابق آئتِ بالا $\frac{۶}{۳۹}$ کا جو مفہوم لکھا ہے یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرتا نہیں، البتہ جو لوگ خود گمراہ ہو جائیں اُنہیں گمراہ قرار دیتا ہے اور جو لوگ خود صراطِ مستقیم اختیار کریں اُنہیں صراطِ مستقیم پر قرار دیتا ہے، جیسے کہ اگلی آئت مجیدہ میں گمراہ ہو جانیوالوں کو کہا گیا ہے :-

قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ
کہہ کیا تم نے غور کیا ہے، اگر آوے تم کو عذاب اللہ کا یا آجائے تم پر

السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○ ۴۰
مشکل گھڑی کیا تم غیر اللہ کو پکارتے ہو اگر ہو تم سچے

(اے رسولؐ!) کہیگا! کیا تم نے غور کیا ہے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا تم پر کوئی مشکل گھڑی آجائے تو اگر تم اس بات میں سچے ہو (کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے کارساز مدد کو پہنچتے ہیں تو بتاؤ) کیا تم غیر اللہ کو پکارتے ہو؟ عـ۱

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ
بلکہ اُسی کو پکارتے ہو تم۔ پھر وہ کھول دیتا ہے جو پکارتے ہو تم طرف اُسکے
اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع ۴
اگر وہ چاہتا ہے اور بھول جاتے ہو جسے تم شریک کرتے ہو

(ہرگز نہیں) بلکہ تم اُسی اللہ کو پکارتے ہو۔ اور جنہیں تم نے اُسکے شریک بنایا ہے اُنہیں بھول جاتے ہو۔ پھر اللہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہاری اُس مشکل کی گرہ کھول دیتا ہے، جس کے لئے تم اُسے پکارتے ہو۔

● ۱؎ سورہ لقمان میں آیا ہے کہ غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والے جب کشتی پر سوار ہوں اور اُنہیں دریا کی لہریں سائبان کی طرح ڈھانپ لیں تو وہ اُسوقت اپنے خود ساختہ مشکلکشاؤں کو بھول جاتے ہیں اور خالص اللہ سے دُعا کرتے ہیں۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۳۱/۳۲

اِنْ شَآءَ کا قرآنی مفہوم

● ۲؎ آیتِ بالا میں آیا ہے فَيَكْشِفُ ...... اِنْ شَآءَ جس کا لفظی اور مروّجہ ترجمہ یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا ہے تو تمہاری مصیبت دُور کر دیتا ہے۔ عرض ہے کہ اسے استثنٰے کو شرط بالمشیت کہا جاتا ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ مصیبت آتی کیوں ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ رفع کسطرح کرتا ہے؟۔ واضح رہے کہ جن اسباب سے کوئی مصیبت آتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قوانینِ مشیت ہیں اور جن اسباب سے مصیبت دُور ہوتی ہے وہ بھی اُسکے قوانینِ مشیت ہیں۔ سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ ۴۲/۳۰ اور اے نوعِ انسانی! انہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں سے لائی ہوئی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہاری بہت سی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے ـــــ آپ دیکھتے ہیں کہ بعض علاقوں میں آئے دن موسم برسات میں سیلاب آتے رہتے ہیں۔ اور جب ہم سیلاب کی راہ میں بند باندھ کر پانی کا رُخ موڑ دیتے ہیں تو وہ رُک جاتے ہیں۔ اِسطرح سیلاب کا آنا بھی مشیتِ الٰہی ہے اور اُسکا رُک جانا بھی مشیتِ خداوندی ہے۔ اِسی طرح جب کوئی شخص سنکھیا کھا لیتا ہے تو موت سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ لیکن اگر فوراً قے کروا کر سنکھیا معدے سے خارج کر دیا جائے تو موت کا حملہ رُک جاتا ہے۔ پس یاد رہے کہ ہر مصیبت کے دونوں پہلو یعنی انسانی غفلت کی بدولت اُسکا آنا اور مناسب انسداد کیساتھ اُسکا رُک جانا مشیتِ خداوندی ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں "اِنْ شَآءَ" میں داخل ہیں۔ مصیبت کے لانے میں بھی انسانی اعمال کا عمل دخل ہے اور اسکے رفع کرنے میں بھی اسکی صحیح کوشش کا حصہ موجود ہے۔

● اسکے برعکس یہ نظریہ قطعاً غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو فلسطین کے چند لاکھ یہودیوں کو بیت المقدس پر غلبہ عطا کر دیتا ہے اور نوّے کروڑ مسلمانوں کی دعائیں نامنظور کر کے یہودیوں کا غلبہ برقرار رکھتا چلا جاتا ہے۔ قانونِ مشیت یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے مغضوب یہودی غلبہ کے اسباب مہیا کر کے اُنہیں استعمال کرتے ہیں تو وہ اُنہیں غالب کر دیتا ہے اور اگر مسلمان غلبہ کے اسباب سے غفلت برتتے ہیں تو وہ مغلوب ہو جاتے ہیں۔ قرآن فہمی کیلئے مشیتِ خداوندی کے قرآنی مفہوم کا سمجھنا بےحد ضروری ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضور سے پہلی اُمتوں کی طرف بھی رسولوں کے ذریعہ ہدایت بھیجی گئی تھی:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ
اور بیشک بھیجا ہم نے طرف امتوں میں سے پہلے تیرے پھر پکڑا ہم نے ان کو

بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ○ ۴۲
ساتھ عذاب اور ضرر کے تاکہ وہ باز آجائیں

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ
پھر کیوں نہ جب آیا ان پر عذاب ہمارا باز آئے اور لیکن

قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا
سخت ہوگئے اذہان انکے اور مزین کئے واسطے انکے شیطان نے جو وہ تھے

يَعْمَلُوْنَ ○ ۴۳
عمل کیا کرتے

اور (اے رسول!) بیشک ہم نے آپ سے پہلے تمام اُمتوں کی طرف (اپنے رسول) بھیجے ۳۵/۲۴ (لیکن جب وہ ان کی نافرمانی کرتے) تو ہم اُنہیں عذاب اور ضرر کیساتھ پکڑ لیتے تھے تاکہ وہ غلط روش ترک کر دیں ۱؎

پھر کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب اُنکے پاس ہمارا عذاب آتا تو وہ (اُس سے عبرت حاصل کرکے) فرمانبردار ہو جاتے مگر اُن کے اذہان سخت ہو جاتے اور شیطان (یعنی انکا مفاد پرست مددگار) اُنکے لئے اُنکے اعمال کو خوبصورت کر دیتا جو وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

● ۱؎ يَتَضَرَّعُوْنَ کا سہ حرفی مادہ ض۔ ر۔ ع = ضرع ہے اسکا مصدری معنیٰ ہے فرمانبردار ہو جانا۔ عاجزی اختیار کرنا۔ خدمت گزار ہونا۔ مطیع ہو جانا وغیرہ۔

● ۲؎ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴ میں آیا ہے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۲/۱۴ جب وہ اپنے شیطانوں کی خلوتگاہوں میں جاتے ہیں۔ یہی وہ شیطان ہیں جو اپنی نذریں وصول کرکے لوگوں کے بُرے اعمال کو مزین کر دکھاتے ہیں۔ جب وہ عوام کے مال میں سے نذریں قبول کرکے خوش ہو جاتے ہیں تو چونکہ اُن خلوت نشینوں کی خوشی کو خدا تعالیٰ کی خوشی تسلیم کیا جا چکا ہے اسلئے وہ اعمالِ بد جن کے ذریعہ حرام مال کمایا جاتا ہے اُنکے جواز کی سند میسّر آجاتی ہے۔ اگرچہ وہ مال ربوبیّت عالمینی کے خلاف عوام کا گلا گھونٹ کر ہی حاصل کیا گیا ہو۔

قوانینِ جاریہ میں کافر مومن کی کوئی تمیز نہیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے کے نتیجے میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ خدا تعالیٰ کے منکر اور غاصبینِ ربوبیت بھی جب قوانینِ جاریہ کیمطابق عمل کرتے ہیں تو اُس کے ثمر نتیجے سے اُنہیں بھی پورا پورا حصّہ ملتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا
پھر جب وہ بھول گئے جو نصیحت کئے گئے ساتھ اسکے کھول دئے ہم نے

پھر جب وہ (سخت ذہنوں والے اُس نصیحت کو بھول جاتے جو اُنہیں (نظامِ ربوبیت کی) کیجاتی تو (اُنکی محنت کی بدولت) ہم اُن پر

عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا
اوپر ان کے دروازے ہر چیز کے یہانتک جب وہ اترائے
بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ
ساتھ اس کے جو دئیے گئے پکڑ لیا ہم نے انہیں اچانک پھر اسوقت وہ
مُبْلِسُونَ ۴۴
ناامید ہو گئے

چیز کے دروازے کھول دیتے۔ یہانتک پھر جب وہ نعماءِ خداوندی پر غاصبانہ قبضہ کر کے اترانے لگتے ہیں تو ہم (اُن کی سرکشی کی بدولت) اُنہیں پکڑ لیتے (عذاب میں مُبتلا کر دیتے ہیں) تو اُس وقت وہ مایوس ہو جاتے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا
تو کاٹ دی گئی جڑ اس قوم کی جو ظلم کرتے
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۴۵
اور سب تعریفیں ہیں واسطے اللہ پالنے والے جہانوں کے

پھر (ہماری گرفت کی بدولت) بے ٹھکانہ کام کرنیوالی قوم (یعنی عوام کے حقوقِ ربوبیت کے غاصبوں) کی جڑ کاٹ دی جاتی اور (ہمارے رسول قیامِ ربوبیت کا عملی اعلان کرنے کہ) جملہ حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ سب کی ربوبیت کے سامان مہیا کرنے والا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ | ● غور فرمائیگا کہ آیت مجیدہ کا آخری جملہ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کسطرح کھل کر اعلان کر رہا ہے کہ الَّذِينَ ظَلَمُوا سے مُراد وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کی ربوبیتِ عالمینی کی عملاً مخالفت کرنیوالے ہیں۔ اُنہیں اللہ کے رسول درسِ ربوبیت دیتے تھے۔ واضح رہے کہ ۶/۴۴ کے الفاظ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی نصیحت کو بھلا دینے کی بدولت نعمتوں کے دروازے کھولدئیے جاتے تھے اور ہر زمانے میں کھولدئیے جاتے ہیں۔ بلکہ نعماءِ خداوندی کے دروازے اُن قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے کی بدولت کھولے جاتے تھے اور ہر دور میں کھولے جاتے ہیں جو حصولِ نعماء کیلئے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما رکھے ہیں۔ جیسے کہ:۔

● دورِ حاضرہ میں بھی نعماءِ خداوندی کی فراوانی اُن قوموں کے ہاں ہے جو اُنکے حصول کے اُن قوانینِ جاریہ پر زیادہ سے زیادہ بہتر عمل کرتی ہیں جو رب تعالیٰ کے خود مقرر کردہ ہیں۔ حصولِ رزق کے قوانینِ خداوندی پر بڑھ چڑھ کر عمل کرنے والی قومیں نہ صرف اپنی داخلی ضروریات کے لحاظ سے کفیل ہیں بلکہ وہ دوسری محتاج قوموں کے ہاں بھی غلے کے جہازوں کے جہاز بھر کر بھیجتی رہتی ہیں۔ اسی طرح باقی جملہ ضروریاتِ زندگی، سامانِ آرائش، اسبابِ نقل و حمل کی فراوانی اُنہی اقوام کے ہاں ہے جو خدا تعالیٰ کے متعینہ صنعتی قوانین پر کما حقہٗ عمل کرتی ہیں۔

● یہی حال سابقہ اقوام کا تھا کہ قوانینِ خداوندی پر عمل کی بدولت اُن پر ہر چیز کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے مگر جب وہ ظلم کرتے یعنی نعماءِ خداوندی پر غاصبانہ قبضہ کر کے عوام کے حقوقِ ربوبیت دبا لیتے تو عذابِ الٰہی آجاتا اور اُنکی جڑ کٹ جاتی۔

● آیت مجیدہ کا آخری جملہ جو اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ کے تحت آیا ہے "والحمد للہ رب العلمین" کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بھیجتا رہا اور وہ الحمد للہ رب العلمین یعنی ربوبیتِ عالمینی کا اعلان کرتے رہے۔ اِسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ الحمد للہ رب العلمین کے الفاظ کو رٹا جائے، اِنکا وِرد کیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ربوبیتِ عالمینی کو عملاً بروئے کار لایا جائے۔ چنانچہ اللہ کے نبی رسول اِس پر عمل کی تاکید کرتے رہے مگر قومیں نعماءِ خداوندی کی فراوانی پر اِتراتی رہتیں۔ حصولِ نعماء کے خداوندی قوانین میں فرمانبردار اور نافرمان افراد و اقوام کی تمیز موجود نہیں جیسے کہ انبیاء سلام علیہم اور اُن کی نافرمان قوموں کے حالات ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مثلاً :-

قومِ نوح ● حضرت نوحؑ کی تبلیغ کا اُنکی قوم پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ اگرچہ قوم پوری پوری مخالفت کر رہی تھی مگر اُنکی مادی کوششوں کی بدولت اُن پر ہر چیز کے دروازے کھلے ہُوئے تھے۔ اُنہوں نے اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز اور محتاج و امیر کے طبقات قائم کر رکھے تھے، حتیٰ کہ جو لوگ حضرت نوحؑ پر ایمان لائے قوم کے سرداروں نے اُنکے متعلق کہا ھُمْ اَرَاذِلُنَا ۱۱/۲۷ وہ ہم میں سب سے رذیل لوگ ہیں۔ پس اس طبقاتی اور معاشی ناہمواری کے جُرم میں اُن پر سیلاب کی صُورت میں عذاب نازل ہُوا۔ انسانی اور معاشی مساوات کے منکروں کی جڑ کٹ گئی۔ جب پانی اُترا تو اللہ کے نبی حضرت نوح نے انسانی مساوات اور نظامِ ربوبیت کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ عاد ● اِسی طرح قومِ عاد ایک طرف تو حضرت ھُودؑ کی مخالفت، انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی عملاً تکذیب کر رہی تھی اور دُوسری طرف اُنکی مادی کوششوں کی بدولت اُن پر نعماءِ خداوندی کی بارشیں برس رہی تھیں۔ اُن پر شدید آندھی کی صُورت میں عذابِ الٰہی نازل ہُوا۔ پُوری قوم کے نافرمانوں کی جڑ کٹ گئی۔ اور حضرت ھود نے انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ ثمود ● قومِ ثمود نے بھی انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی مخالفت کر کے پانی کے چشموں اور عوامی چراگاہ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن مادی کوششوں کے ثمر کی صُورت میں اُن پر نعمتوں کے دروازے کھلے ہُوئے تھے۔ بالآخر انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی عملی مخالفت کی بدولت ایک تیز چیخ کی صورت میں عذابِ الٰہی وارد ہُوا۔ قوم کے نافرمانوں کی جڑ کٹ گئی اور حضرت صالحؑ نے انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا:- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ فرعون ● فرعون اور قومِ فرعون نے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن اِسکے باوجود اُنکی مادی کوششوں کی بدولت، اگرچہ وُہ محنت محرومِ ربوبیت افرادِ بنی اسرائیل ہی سے لی جاتی تھی اُن پر رزق کے دھارے بہہ رہے تھے۔ بالآخر حضرتِ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی انقلابی جماعت سے ہجرت کروا دی۔ فرعون نے لشکر سمیت اُنکا تعاقب کیا لیکن عذابِ الٰہی نے اُسے لشکروں سمیت پانی کی لہروں میں غرق کر کے غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیت کی جڑ کاٹ دی۔

فرعون کے بھرے خزانے، نفیس محلات، بہتے چشمے، لدے پھدے باغات اور لہلہاتے کھیت بنی اسرائیل کے قبضے میں آ گئے ۱۲۷/۷ + ۵۸/۲۶ + ۲۶/۴۴۔ حضرت موسیٰ نے ہموار و متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان کر دیا الحمد للہ رب العٰلمین۔

● علیٰ ھذا القیاس جملہ انبیاء کرام سے ہوتا ہوا یہی سلسلہ آنحضور سلام اللہ علیہ تک قائم رہا۔ ہر نبی رسول نے الحمد للہ رب العٰلمین کے بنیادی جملہ سے اپنی قوم کو اپنی تحریکِ مساوات و ربوبیت سے متعارف کرایا۔ ہر قوم کے سرداروں نے مخالفت کی، جو لوگ ایمان لائے انہیں رذیلے اور ادنے کہہ کر انکا مذاق اُڑاتے رہے۔ لیکن مشیّتِ خداوندی نے عذاب بھیج کر سرکشوں کی جڑ کاٹ دی اور ہر نبی نے انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان کر دیا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تصریفِ آیات کا مخصوص قرآنی اسلوبِ بیان

● واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآنِ کریم الحمد للہ رب العٰلمین کے جملہ مخصوصہ سے شروع ہوئی ہے، نیز سورہ انعام بھی اس جملہ کے ابتدائی حصہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع ہوئی ہے۔ اور یہاں آیتِ مجیدہ نمبر ۴۵ میں پھر اسی پورے جملے کو پھیر کر لایا گیا ہے۔

الحمد للہ کا جملہ گیارہ مرتبہ اور الحمد للہ رب العٰلمین کا پورا جملہ ۱/۱ ۴۵/۶ ۱۰/۱۰ ۱۸۲/۳۷ ۷۵/۳۹ قرآن مجید میں پانچ مرتبہ آیا ہے۔ یہ بار بار کی تصریف حادثاتی نہیں، بلکہ اعلانِ ربوبیت کا مخصوص مقصد ہے۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آیاتِ مجیدہ میں غاصبینِ ربوبیت کی جڑ کاٹ دینے کی سُنّتِ جاریہ کا اعلان کرنے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضور کو حکم دیا گیا ہے کہ غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیت سے کہہ دیجئے گا کہ غور تو کرو کہ یہ کان، آنکھیں اور دماغ جن کی مدد سے تم حصولِ نعماءِ خداوندی کرتے ہو یہ کس کے عطا کردہ ہیں؟ اگر وہ تم سے یہ چیزیں چھین لے تو کیا کوئی ہے جو تمہیں یہ چیزیں دیدے۔ لہٰذا تمہارا کمایا ہوا مال اُسکا ہے جس نے تمہیں یہ قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ پس چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ ان اوزاروں کے ذریعہ کمائے ہوئے مال سے الحمد للہ رب العٰلمین کی عملی صورت، ربوبیتِ عالمینی کو بروئے کار لاؤ:۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ
کہہ کیا تم نے غور کیا ہے اگر لے جائے اللہ کان تمہارے اور
اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ
آنکھیں تمہاری اور مہر کر دے اوپر دلوں تمہارے کون ہے حاکم سوائے
اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ
اللہ کے لا دے پاس تمہارے ساتھ اسکے غور کر کس طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں
الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ ۴۶
اپنی آیتیں پھر وہ اعراض کرتے ہیں

(اے رسول! ان غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیت سے) کہہ دیجئے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان، آنکھیں اور دماغ (جن کی مدد سے تم مال کماتے ہو وہ ان میں سے) کان اور آنکھیں لے جائے اور تمہارے دماغوں کو بیکار کر دے تو پھر اللہ کے سوا کوئی الٰہ (یعنی یہ چیزیں دینے والا) ہے جو تمہیں یہ چیزیں لا دے۔ کوئی نہیں) اے مخاطب! غور کر، ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ پھر یہ لوگ (تصریفِ آیات کے قرآنی اندازِ قرآن فہمی سے) اعراض کرتے ہیں۔ ع۱

● علہ وَهُمْ يَصْدِفُوْنَ کی تنبیہ اُنظر کیف نصرّف الآیٰت پر داخل ہوئی ہے۔ یعنی ارشاد ہُوا ہے کہ اے مخاطب غور کر کہ ہم کس طرح اپنی آئتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں مگر یہ لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یصدفون کا مادہ صدف ہے جس کا معنی ہے کترا جانا۔ اِسی سُورت مجیدہ میں آگے آئت نمبر ۶۵ میں اسی عنوان کو بالفاظِ ذیل بیان فرمایا ہے :-

تفقہ فی القرآن بذریعہ تصریفِ آیات

● اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝ ۶/۶۵ اے مخاطب غور کر کہ ہم کسطرح اپنی آئتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ قرآن میں تصریفِ آیات کیساتھ تفقہ کیا کریں۔ یعنی ایک عنوان کی ساری آئتیں جو قرآن بھر میں پھیر پھیر کر لائی گئی ہیں، مسئلہ زیرِ غور پر اُن کی مدد کیساتھ تفقہ کیا جائے، نہ کہ قرآنی آیات مجیدہ پر تفقہ غیر قرآن کتابوں کے ذریعہ کی جائے۔

آنحضور کا طریقہ درسِ قرآن بھی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ تھا

● اسی سُورہ مجیدہ الانعام میں آگے آئت نمبر ۱۰۶ میں آنحضور صلعم کو بھی تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کیساتھ درسِ قرآن دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی طریقہ درس کو صحیح طریقہ تفہیمِ قرآن قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہُوا ہے :-

● وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ ۶/۱۰۶ اور (اے رسولؐ!) اسی طرح ہم اپنی آئتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ (آپ تصریفِ آیات کے ذریعہ درسِ قرآن دیا کریں اور لوگ) کہ اُٹھیں کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے۔ اور (دُوسری غرض تصریفِ آیات کی یہ ہے) تاکہ اُن لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں (کہ اس کتاب کی تبیین خود کتاب والے کے ذمّہ ہے) قرآن کریم کی تبیین ہم خود کر دیں ——— المختصر! زیرِ نظر ۶/۴۶ میں اللہ تعالیٰ کے اپنے مخصوص اسلوب بیان تصریفِ آیات کی خبر دیگئی ہے۔ چنانچہ اسی اسلوب کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں ۶/۴۴ والا عنوان دوبارہ پھیر کر لایا گیا ہے :-

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ کہہ کیا غور کیا تم نے اگر آئے طرف تمہاری عذاب اللہ کا بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ اچانک یا ظاہر طور پر نہیں ہلاک کی جاتی مگر قوم الظّٰلِمُوْنَ ۝ ۴۷ ظالموں کی	(اے رسُولؐ!) کہہ دیجئیگا کہ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب اچانک آجائے یا (تمہاری آنکھوں کے سامنے) ظاہر طور پر آجائے (تو کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے) نہیں عذاب آتا مگر بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں (غاصبینِ رزق) پر ہی آتا ہے۔ عذاب بُرے عملوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بلا وجہ عذاب نہیں لاتا) علہ

● اگلی آئت مجیدہ میں اِسی چیز کی وضاحت کو دیگئی ہے کہ ہم اپنے رسولوں کو بھیجتے رہے ہیں جو لوگوں کو اُنکے اصلاحی کاموں کی اچھی جزا کی خوشخبری دینے والے تھے اور لوگوں کے بُرے اعمال کی بُری سزا سے ڈرانیوالے تھے۔ جو کوئی اُن پر ایمان لائے اور اصلاح کے کام کرے اُن پر نہ مستقبل کا خوف ہے اور نہ ماضی کا کوئی غم۔ دیکھئے ارشاد ہُوا ہے :-

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ
اور نہیں ہمنے بھیجا رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے
وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ
اور ڈرانے والے پھر جو کوئی ایمان لایا اور اصلاح کرلی پھر نہیں ڈر
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ٤٨
اوپر انکے اور نہیں وہ غم کھائیں گے

اور نہیں بھیجے ہمنے اپنے رسولؑ مگر اچھے کاموں کے اچھے اجر کی خوشخبری دینے والے اور بُرے کاموں کے بُرے انجام سے ڈرانیوالے بناکر بھیجے تھے۔ پھر جو کوئی ایمان لایا اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کئے وہ ہیں کہ نہ انہیں آئندہ کیلئے کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ اپنے ماضی کے افعال کے متعلق غمگین ہونگے۔

● ؎۱ نُرْسِلُ فعل مضارع ہے جس کا معنٰی یہ ہے کہ ہم بھیجتے ہیں۔ اِن معنوں سے یہ تصوّر پیدا ہوتا ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے بھیجنے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ مگر چونکہ ٣٣/٤٠ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے مطابق نبیوں اور رسولوں کی آمد بند ہوچکی ہوئی ہے اسلئے نُرْسِلُ مضارع حکائی ہے اور یہاں نُرْسِلُ کا معنی ہم بھیجتے ہیں نہیں، بلکہ ہمنے بھیجے تھے ٹھیک ہے۔ قرآن مجید میں مضارع حکائی کی مثال سُورہ یوسف میں اسطرح آئی ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کو ملکِ مصر میں اقتدار عطا کیا گیا تو ارشاد ہُوا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ١٢/٥٦ اس آئت مجیدہ میں دونوں خط کشیدہ الفاظ يَتَبَوَّاُ اور يَشَآءُ مضارع حکائی ہیں۔ اور آئت مجیدہ کا معنی بصُورت ماضی صحیح ہے کہ ہمنے یوسفؑ کو اس طرح مصر کی زمین میں اقتدار عطا فرمایا تھا وہ جہاں چاہتا تھا قیام کرتا تھا۔ جس طرح یہاں یہ معنی غلط ہے کہ وہ جہاں چاہتا ہے قیام کرتا ہے۔ اُسی طرح آئت بالا زیر بحث ٦/٤٨ میں یہ معنی غلط ہے کہ ہم رسول بھیجتے ہیں۔ کیونکہ ٣٣/٤٠ کے مطابق رُسل انبیاء کی آمد ختم ہوچکی ہے۔ اور مَا نُرْسِلُ کا یہی معنی صحیح ہے کہ نہیں بھیجے تھے ہم نے اپنے رسُول مگر خوشخبری دینے اور ڈرانیوالے۔

● سلسلۂ درس کی آئتِ بالا ٦/٤٨ میں ایمان لانیوالوں اور اصلاح کرنیوالوں کی خوشخبری دینے کے بعد اگلی آئت میں جھٹلانیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ
اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آئتیں مس کریگا اُن کو
الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ٤٩
ہمارا عذاب بسبب اسکے کرتھے حدیں پھاندتے

اور جن لوگوں نے ہماری آئتوں کو جھٹلایا (یعنی انسانی مساوات اور ربوبیت عالمین کی عملاً مخالفت کی) اُنہیں ہمارا عذاب مس کریگا (وہ مُبتلاءِ عذاب ہوں گے) اس سبب سے کہ وہ (اللہ تعالٰی کی) حدیں پھاندا کرتے تھے ؎۱

● ؎۱ يَفْسُقُوْنَ مضارع ہے مگر چونکہ اس پر فعل ناقص كَانُوْا داخل ہُوا ہے، اسلئے عربی قواعد کے مطابق ماضی استمراری بن گیا ہے اور بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ کا یہ معنی ہے:۔ بسبب اسکے کہ وہ فسق کیا کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالٰی کی حدیں پھاندا کرتے تھے۔ اِسلئے عذاب آیا تھا۔

● سلسلۂ درس میں اگلی آیۂ مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۴۰ کیساتھ ہے جس میں گزر چکا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنے والے مصیبت کے وقت پر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کیونکہ وہی ان کی مشکلیں حل کرتا ہے۔ اب اس شبہ کے ازالہ کیلئے کہ کیا رسولِ اکرم ﷺ بھی مشکلیں حل کرنیوالے ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں خود آنحضور ﷺ سے اعلان کرا دیا ہے:-

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ
کہہ نہیں میں کہتا واسطے تمہارے میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے
وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ
اور نہ میں جانتا ہوں غیب، اور نہ کہتا ہوں میں واسطے تمہارے بیشک میں
مَلَكٌ ۚ[1] اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ قُلْ
ہوں ملک نہیں پیروی کرتا میں مگر جو وحی کیا جاتا ہے طرف میری۔ کہہ
هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ اَفَلَا
کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا کیا پھر نہیں
تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۵۰
تم غور کرتے

ع ۵ / ۹ / ۱۱

(اے رسول ﷺ) فرما دیجئیگا کہ (اے لوگو!) میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں (غیب کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۶/۵۹) اور نہ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں ملک ہوں (یعنی صاحب اختیار و ارادہ نہیں۔ یعنی میں اپنے ارادہ سے کوئی عمل نہیں کرتا) بلکہ اپنے اختیار و ارادہ ہی کیساتھ[1] صرف اس ضابطہ کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ فرما دیجئیگا کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں۔ پھر کیا تم سوچ بچار نہیں کرتے۔

● [1] لفظ ملک کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایک ہی نہج پر کام کرتے چلی جانیوالی باری تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوتیں سب ملک ہیں۔ وہ صاحب اختیار و ارادہ نہیں، جس جس کام کیلئے پیدا کی گئی ہیں وہی کام کرتی چلی آرہی ہیں اور وہی کام کرتی چلی جائینگی۔ چونکہ صاحب اختیار و ارادہ صرف حضرتِ انسان ہے اسلئے اس نوع کے نبی رسول بھی صاحب اختیار و ارادہ ہیں۔ آیتِ بالا میں اسی امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ ملک نہیں تھے بلکہ اس صاحبِ اختیار و ارادہ نوع کے رسول تھے، جو قیامت کو اپنے اعمال کی جوابدہی کی مکلف اور خداوندی رہنمائی کی محتاج ہے۔

قابلِ اتباع و انذار صرف قرآنِ حکیم ہے

● واضح رہے کہ آیتِ بالا میں اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ کے نفی اثبات کے حصر کیساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ آنحضور صرف اور صرف وحی الٰہی کے متبع تھے۔ کیونکہ اس حصریہ جملے میں اِنْ نافیہ آیا ہے اور اِلَّا اثبات کا۔ بالکل اسی طرح جیسے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں لَا نافیہ اور اِلَّا اثبات کا ہے اور جس طرح اسکا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہی نہیں۔ اسی طرح اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى کا مفہوم یہ ہے کہ میں وحی الٰہی کے سوا اور کسی چیز کی ہرگز ہرگز اتباع و پیروی نہیں کرتا۔ اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضور ﷺ کو حکم دیا گیا

ہے کہ جس مقدس ضابطے کی آپ خود پیروی کرتے ہیں اُسی کیساتھ نوعِ انسانی کو اُنکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرکے اُنہیں اُسی کے پیرو بنائیں :۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ
اور تو ڈرا ساتھ اسی کے انہیں جو ڈرتے ہیں کہ
يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ
وہ جمع کئے جائینگے طرف رب اپنے کے نہیں واسطے انکے سوائے اُسکے
وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾
کوئی مددگار اور نہ کوئی شفاعت کرنیوالا تاکہ وہ بچ جائیں

اور (اے رسولؐ!) آپ اُسی وحی الٰہی کیساتھ ہی اُن لوگوں (یعنی مومنوں) کو انکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کیا کریں جو اِس امر سے خوف کرتے ہیں کہ وہ اپنے ربوبیت کرنیوالے کے حضور (اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جائینگے (اُنہیں جان لینا چاہیئے کہ) اُن کیلئے اس اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہے نہ شفاعت کرنیوالا ہے۔ تاکہ وہ (قیامت پر یقین کی بدولت نیک اعمال بجا کر اُخروی عذاب سے) بچ جائیں۔

جماعت صرف سچے اور سُچّے مومنوں ہی کیساتھ بنتی ہے

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ جملہ صحابہ کرامؓ جن کی تعریف یہ ہے کہ وہ پاکباز بھی ہیں اور لِلّٰہ کے بھی مخلص ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اسکے حضور میں صبح شام دعا بھی کرتے ہیں، آپ انہیں اپنے پاس سے دُور نہ کرنا۔ جماعت ایسے پاکیزہ افراد ہی سے بنتی ہے :۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
اور نہ دُور کرنا اُنہیں جو دعا کرتے ہیں رب اپنے سے
بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ
وقت صبح کے اور پچھلے حصے دن میں، وہ چاہتے ہیں رضا اُسکی
مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ
نہیں ذمہ تیرے میں سے حساب ان کے سے کوئی چیز اور نہیں میں سے حساب تیرے
عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ
اوپر اُنکے سے کوئی چیز، پھر تو دُور کرے انہیں تو تُو ہو جائیگا میں سے
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾
ظالموں کے

اور (اے رسولؐ!) اُن (سچّے مومنوں) کو اپنے سے دُور نہ کر دینا جو صبح اور دن کے پچھلے حصے میں اپنے رب کے حضور دعا کرتے ہیں۔ وہ اُسکی رضا چاہتے ہیں۔ یعنی دین کے ایسے کھرے کہ اُنکے حساب میں آپکے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ اور آپکے حساب میں اُنکے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ پھر (اسکے باوجود اگر) آپ انہیں اپنے سے دُور کر دیں تو پھر آپ بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں میں سے ہو جائینگے۔ (ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے جائیں تاکہ آپکے ساتھ آپکے پاکیزہ ساتھیوں کی جماعت قائم ہو جائیگی (جو کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم و کریم ہونگے $\left(\frac{48}{29}\right)$۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا
اور اسی طرح الگ کر دیا ہمنے بعض اُنکے کو سے بعض کے تاکہ وہ کہیں

اور اسی طرح ہمنے بعض کو جو (یعنی دین کے کھرے تھے) بعض سے جو (یعنی دین کے کھوٹے یعنی منافق تھے) متمیز کر دیا تاکہ وہ (حالت

أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ
کیا یہ ہیں احسان کیا اللہ نے اوپر ان کے ہیں درمیان ہمارے کیا نہیں ہے
اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ ۵۳
اللہ جاننے والا کو شکر کرنیوالوں

کے کھوٹے منافق، معاملات کے کھرے مومنوں کو طعن کے طور پر کہیں۔ کیا یہ ہیں جن پر ہم میں سے اللہ نے احسان کیا ہے۔ آپ فرما دیجیے کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں (سچے مومنوں) کو نہیں جانتا۔

● آیتِ بالا میں غلط معاشرہ کے اس قاعدہ کلیہ کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ دین کے کھوٹے غلط کار لوگ ہمیشہ ہی سے تقویٰ شعاروں کا مذاق اڑاتے چلے آ رہے ہیں کہ یہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ اور نیکوکاروں کو ہمیشہ ادنےٰ اور رذیل خیال کیا جاتا رہا ہے۔ جیسے سورۂ ھود میں سیدنا نوحؑ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ آپ کی قوم کے مالدار لوگ آپ سے کہتے تھے:۔ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا ...... $\frac{11}{27}$ اے نوحؑ ہم آپ کو نہیں دیکھتے مگر آپ ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ آپ کی اتباع کسی نے کی ہو مگر انہی لوگوں نے کی ہے جو ہم میں سے ذلیل لوگ ہیں۔ حضرت نوحؑ نے انہیں وہی جواب دیا جو آیت ماقبل میں آنحضورؐ کو سچے اور سُچے مومنوں کو اپنے سے دور نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے:۔
● وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...... $\frac{11}{29}$ (تم ان سے کراہت کرتے ہو $\frac{11}{28}$) مگر میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اپنے سے دور کرنیوالا نہیں ہوں۔ المختصر! جملہ انبیاء سلام علیہم کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ معاملات کے سچے اور سُچے مومنوں کو جنہیں معاشرہ کے مالدار ذلیل و حقیر جانتے تھے اپنے آپ سے دور نہ کرنا۔ اور انہی لوگوں کے متعلق آنحضورؐ کو ایک مختصر اور جامع تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے:۔

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا
اور جب آئیں آپ کے پاس جو ایمان لائیں ساتھ آیتوں ہماری
فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ
تو فرمائیے سلام ہے اور پر تمہارے فرض کیا رب تمہارے نے اوپر اپنے آپ کے
الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًاۢ بِجَهَالَةٍ
رحمت کرنا بیشک وہ جو کوئی عمل کرے برا ساتھ نادانی کے
ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ
پھر توبہ کرے سے پیچھے اس کے اور اصلاح کرے۔ پھر بیشک وہ بخشنے والا
رَّحِيْمٌ ۝ ۵۴
بڑا مہربان ہے

(اے رسولؐ!) جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہوں تو آپ ان سے کہا کریں سلامٌ علیکم تم پر سلام ہو۔ تمہارے ربوبیت کرنیوالے نے تم پر رحمت فرمانا اپنے ذمہ خود فرض کر رکھا ہے۔ شان یہ ہے کہ تم میں سے جس کسی نے نادانی کے ساتھ کوئی ناروا کام کیا ہو تو وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو وہ حفاظت عطا فرمانے والا بے حد مہربان ہے۔

اسلام مسنون ہے ● اس آیۂ مجیدہ میں دو امر قابلِ غور ہیں۔ پہلا یہ کہ آنحضورؐ کو حکم ہوا ہے کہ جب آپ کے پاس مومن آیا کریں

تو آپ انہیں سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ...... الخ فرمایا کریں۔ اسطرح چونکہ آنحضورؐ کے متعلق یہ تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپنے اس حکم ربانی کی تعمیل نہ فرمائی ہو لہٰذا ثابت ہُوا کہ سلام مسنون بحکمِ ربانی سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ ہے اور السّلام علیکم اور وعلیکم السلام بعد کی پیداوار ہے۔ آنحضورؐ نے حکمِ باری کے مطابق سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کو عملاً رائج فرمایا اور بطورِ سنّتِ مبارکہ اپنے بعد باقی چھوڑا۔ اگر اِن حکم فرمودہ قرآنی الفاظ کو سنّتِ رسول نہ تسلیم کیا جائے تو آنحضورؐ پر طعن آتا ہے کہ تحیۃ کے ضمن میں جن الفاظ کی ادائیگی آپ پر حکماً فرض کیگئی تھی آپنے انہیں ترک کردیا اور اپنے پاس سے متبادل الفاظ رائج کرکے، اُن الفاظ کو بطورِ سنّت چھوڑ گئے جن الفاظ کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ اس قسم کی اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو زمانۂ رسالت اور دورِ صحابہؓ کے بعد آنحضورؐ اور صحابہ کرام کی طرف منسوب ہوکر فروغ پاچکی ہیں۔ مثلاً لونڈی غلام کا جواز، ناہموار تقسیمِ رزق، زمینداری، سرمایہ داری، جاگیرداری وغیرہ کے علاوہ خانقاہیت اور ملوکیت بھی صحابہؓ کرام کی طرف منسوب ہوچکی ہے کہ دونوں چیزیں صحابہؓ کرام ہی کے دور میں موجود ہوئی تھیں۔ حالانکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے مکمل خاتمہ کیلئے آنحضورؐ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ انہیں آنحضورؐ نے خود اپنے دور میں عرب بدر کردیا تھا، بلکہ دورِ صحابہؓ میں بھی یہ ننگِ انسانیت تصوّرات اسلام میں راہ نہ پاسکے تھے۔ آنحضورؐ نے اپنے زمانہ کے حکمرانوں کے نام جو تبلیغی پیغام ارسال فرمائے تھے اُن میں سلامٌ علیکَ اور سلامٌ علٰی مَنِ اتّبعَ الھدٰی کے الفاظ موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں مولوی محمد صالح صوفی صاحب کی مصنفہ سوانح حیاتِ رسولِ مقبولؐ کے صفحات ۱۱۹ تا ۱۳۲۔ نمونہ کے طور پر ۱۲۶ صفحہ پر مقوقش شاہِ مصر کے نام آنحضورؐ کے تبلیغی خط میں سَلٰمٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی باندازِ ذیل موجود ہے:۔

• بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی الْمُقَوْقَسِ عَظِیْمِ الْقِبْطِ سَلٰمٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِدَعَایَةِ الْاِسْلَامِ...... (ترجمہ) اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ محمد بن عبداللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے مقوقش قبطیوں کے بادشاہ کی طرف — سلامٌ علٰی مَنِ اتّبعَ الھدٰی۔ سلام ہو اُس پر جو ہدایت (قرآن) کی اتباع کرے۔ اسکے بعد میں تمہیں دعوتِ اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ آنحضورؐ کے اس خط میں آپکا سلام، سلامٌ علٰی مَنِ اتّبعَ الھدٰی مذکور ہے۔

• اسکے بعد صفحہ ۱۲۸ پر منذر بن ساوے کے نام آنحضورؐ کا خط بدیں الفاظ درج ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلَی الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوٰی سَلٰمٌ عَلَیْكَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْكَ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ......

(ترجمہ) اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ محمد اللہ کے رسول کی طرف سے منذر بن ساوی کی طرف۔ سلامٌ علیکَ تجھ پر سلام ہو۔ بیشک میں تیری طرف اللہ کی بے حد تعریف کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ دیکھئے:۔

● آنحضورؐ کے اس خطاب میں آپکی طرف سے قرآنی سلام موجود ہے سَلٰمٌ عَلَيْكَ۔ قرآن مجید میں ذیل کے سلام مذکور ہیں:۔

● اجنبیوں کیلئے سلام۔ سَلٰمًا۔ سَلٰمٌ۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اللہ کے رسول آئے۔ وہ ایکدوسرے کیلئے اجنبی تھے۔ انہوں نے آپ سے کہا سَلٰمًا۔ آپ نے جواب دیا سَلٰمٌ [11/69]

● غیر مسلموں کیلئے سلام، سَلٰمٌ عَلَيْكَ، وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ حضرت ابراہیمؑ نے آزر سے کہا سَلٰمٌ عَلَيْكَ [19/47] اور حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى [20/47]۔

● مومنوں کیلئے سلام، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ آنحضورؐ کو حکم ہوا کہ جب آپکے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں تو آپ ان سے کہا کریں سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ [6/54]۔

● سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے:۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً [24/61] جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو اہل خانہ پر سلام کہو وہ سلام جو اللہ کا حکم کردہ برکت والا اور پاکیزہ ہے۔ اس خداوندی حکم کے مطابق آنحضورؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کردہ سلام سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ہی کے عامل تھے۔ اور یہی مبارک و طیب سلام ہی آنحضور کی سنتِ مبارکہ ہے۔

۲۔ بلا توبہ و اصلاح مغفرت نہیں

● دوسرا امر آیتِ بالا میں یہ غور طلب ہے جو آیتِ مجیدہ کے الفاظِ ذیل سے عیاں ہے:۔ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ [6/54] شان یہ ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی کیساتھ کوئی ناروا کام کر بیٹھے تو اگر وہ اسکے بعد توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلے تو پھر اللہ تعالیٰ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہے۔ اسی مضمون کو مزید وضاحت کیساتھ سورہ نحل میں بالفاظِ ذیل بیان کیا گیا ہے:۔

● ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ [16/119] پھر بلاشبہ (اے رسولؐ!) تیرا نشوونما دینے والا واسطے اُن لوگوں کے جو نادانی کیساتھ ناروا عمل کر بیٹھیں، پھر اسکے بعد توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو بیشک تیرا رب اسکے بعد غفور رحیم ہے۔

● پس ثابت ہوا کہ ہر دو آیاتِ بالا [6/54] + [16/119] کے مطابق بخشش مشروط ہے توبہ اور اصلاح کیساتھ۔ نیز ناروا کاموں پر بھی شرط موجود ہے بِجَهَالَةٍ کی۔ یعنی ناروا کام بھول کر کئے ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ جان بوجھ کر دودھ میں پانی ملا رہا ہو، جان بوجھ کر ترازو کی ڈنڈی کاٹی اور باٹ ہلکے رکھے ہوئے ہوں۔ ملاوٹ کی عادت دائمی ہو۔ تو یہ صورت اِن آیات کی رُو سے مغفرت اور بخشش کے ضمن میں نہیں آتی۔

● اسی عنوان کو خدا تعالیٰ نے سورہ نساء میں بھی مزید وضاحت کیساتھ بالفاظِ ذیل بیان کردیا ہے تاکہ معاشرہ سے برائیوں کا مطلقاً خاتمہ ہوجائے۔ دیکھئے! ارشادِ باری ہے:۔

● اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۴/۱۷﴾ سوائے اسکے نہیں ہے کہ توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمہ ان لوگوں کیلئے ہے جو نا روا کام کریں نادانی کیساتھ پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں۔ پس وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رجوع بر حمت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑھ کر جاننے والا اور بہت بڑھ کر حکمت والا ہے ــــ اس سے آگے ارشاد ہوا ہے:۔

● وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۴/۱۸﴾ اور نہیں واسطے اُن لوگوں کے کہ (اللہ اُن کی توبہ قبول کرے) جو بُرے کام کرتے ہیں حتّٰی کہ اُن میں سے کسی پر موت حاضر ہو جائے اور وہ یہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ (اُن کی توبہ قبول ہوتی ہے) جو ضابطۂ خداوندی کے انکار ہی کی حالت میں مر جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

● دیکھا آپنے توبہ نہ اُنکی قبول ہے جو زندگی بھر جان بُوجھ کر بُرے عمل کرتے رہیں اور جلدی توبہ نہ کریں اور نہ اُنکی توبہ قبول ہوتی ہے جو مرنے کے وقت پھر توبہ کریں۔ نیز شفاعت کا تصوّر بھی ان آیاتِ بالا کے مطابق ختم ہو جاتا ہے۔ جس کے متعلق خود آنحضور کی زبان مُبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے:۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ﴿۳۹/۴۴﴾ اے رسُول! اعلان کر دیجیئے گا کہ شفاعت کا حق سارے کا سارا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (اُسکے سوا کسی کو شفاعت کا حق ہے ہی نہیں)۔ سُورہ یونس میں اُن لوگوں کو اللہ کے شریک قرار دیا گیا ہے جنہیں لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفیع ٹھہرائیں۔ دیکھیئے ارشادِ باری:۔

● وَیَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰/۱۸﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں۔ (اے رسُول!) فرما دیجیئے گا کیا تم (اللہ کو بے خبر جانتے ہو کر) اللہ تعالیٰ کو اُس چیز کی خبر دیتے ہو جسے آسمانوں اور زمین میں گویا کہ وہ جانتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس سے پاک اور بلند و بالا ہے جو تم اُس کیساتھ شریک کرتے ہو۔

● اب مسئلۂ شفاعت سے متعلقہ وہ شبہ دور کرنا ضروری ہے جو مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴿۲/۲۵۵﴾ سے پیدا ہوتا ہے:۔ کون ہے جو اللہ کے حضور اُس کے قانون[1] کے بغیر شفاعت کرے، وہ اللہ تو مجرموں کے آگے پیچھے کو خود اچھی طرح جانتا ہے (اُسے کسی شفیع کی کیا ضرورت ہے جو اُسے یہ بتائے کہ ملزم قصور وار ہے یا نہیں)؟

● [1] اِلَّا بِاِذْنِهٖ میں اِذن بمعنی قانون ہے۔ قانون کی قرآنی سند دیباچہ کے صفحہ ۵۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ مسئلہ شفاعت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کا حتمی اعلان خود آنحضور کی زبانِ مبارک سے کرا دیا ہے قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ﴿۳۹/۴۴﴾ اے رسُول! فرما دیجیئے گا کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ نیز ۱۰/۱۸ میں غیر اللہ شفاعت کو شرک قرار دیدیا ہے۔ مسئلہ شفاعت کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۸-۲۰۹ پر آیۂ مجیدہ ﴿۲/۲۵۵﴾ کی تفسیر قرآنی میں بالتفصیل گزر چکی

ہے۔ (ما علینا الا البلغ)

● مسئلۂ نجات کے سلسلہ میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیمٌ ہے وہ سب گناہ بخش دیگا اور اُس پر آیتِ ذیل بطور دلیل لائی جاتی ہے:۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ $\frac{۳۹}{۵۳}$

(مفہوم) اے رسول! فرما دیجئے کہ (اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ معاف کر دیگا۔ بیشک وہ معاف فرمانے والا بہت بڑھ کر مہربان ہے۔۔۔۔ اس آیتِ مجیدہ کے جملہ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا سے بلا قید و شرط یہ تصور لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ بخش دیگا۔ اور $\frac{۶}{۵}$ + $\frac{۱۶}{۱۹}$ + $\frac{۴}{۱۷}$ + $\frac{۴}{۱۸}$ میں جو اللہ تعالیٰ نے شرطیں عائد کی ہیں انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ اسی آیتِ مجیدہ $\frac{۳۹}{۵۳}$ سے آگے متصلاً آیت نمبر $\frac{۳۹}{۵۴}$ میں وہی شرطیں عائد کر دی گئی ہیں:۔

● وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○ $\frac{۳۹}{۵۴}$ اور (اللہ تمہارے سارے گناہ اس طرح بخش دیگا کہ) تم اپنے رب کی طرف رجوع (یعنی توبہ) کرو اور اُسکے پورے پورے فرمانبردار ہو جاؤ (اپنی اصلاح کرلو) اُسوقت سے پہلے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے۔ پھر (عذاب آنے کے بعد) تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائیگی۔۔۔۔ دیکھا آپنے! کہ یہاں بھی توبہ اور اصلاح کی شرط قائم کر دی گئی ہے۔۔۔۔ پس یاد رکھیئے کہ مغفرت کیلئے گناہوں سے توبہ اور اصلاح یعنی آئندہ کیلئے بُرے اعمال کو چھوڑ کر نیک اعمال پر صد فیصد عامل ہو جانے کے سوا ہرگز کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ
اور اسی طرح ہم مفصّل بیان کرتے ہیں آیتیں اور تاکہ نمایاں ہو

سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ○ ۵۵ ع $\frac{۶}{۵}$ ۱۲
راستہ مجرموں کا

اور اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی (سزا کا) طریقہ پوری طرح نمایاں ہو جائے۔

جسکی عبادت اُسی سے دُعا ● سلسلۂ درس کی اگلی مجیدہ میں مجرموں کے ایک مخصوص جرم کی خبر دی گئی ہے کہ جو لوگ غیر اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان سے دعا کرتے ہیں وہ ان کی عبادت کرتے ہیں۔

سورہ فاتحہ $\frac{۱}{۴}$ میں وعدہ لیا گیا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر قرآن مجید کی پہلی ہی سورتِ مجیدہ میں قرآنِ کریم کے قاری سے اس چیز کا اقرار کرا لیا جاتا ہے کہ عبادت اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ چنانچہ اسی چیز کی مخالفت کا اعلان آنحضور کی زبانِ مبارک سے کرا دیا گیا ہے:۔

عبادت اور دُعا باہم مترادف چیزیں ہیں

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت نمبر ۶/۵۴ میں مغفرت کا ایک ہی ذریعہ بیان کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اس چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا یعنی غیر اللہ کو غائبانہ مدد کے لئے پکارنا گویا اسکی عبادت کرنا ہے۔ جو لَا نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰہ کی کھلی مخالفت ہے بالفاظ دیگر کھلا ارتکاب شرک ہے:۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ
کہہ بیشک میں منع کیا گیا ہوں کہ میں عبادت کروں ان کی

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ
پکارتے ہو تم جنہیں ساتھ اللہ کے۔ کہہ نہیں اتباع کرتا میں

اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ
خواہشوں تمہاری کی بیشک گمراہ ہوا میں اسوقت اور نہیں میں سے

الْمُهْتَدِیْنَ ۝۵۶
ہدایت پانیوالوں کے

(اے رسول !) فرما دیجئے گا بیشک میں منع کر دیا گیا ہوں کہ میں عبادت کروں اُن لوگوں کی جنہیں اللہ کے ساتھ ملا کر پکارتے ہو ۱ (نیز یہ بھی اعلان فرما دیجئے گا کہ) میں نہیں پیروی کرتا تمہاری خواہشات کی (تم غیر اللہ کو اللہ کیساتھ ملا کر پکارتے ہو۔ غائبانہ مدد مانگتے ہو اگر میں ایسا کروں) تو بیشک اسوقت میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ اور ہدایت پانیوالوں میں سے نہیں ہوں گا۔

● ۱ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے معنے سوائے اللہ کے بھی قرآن مجید میں مذکور ہیں اور اللہ کے ساتھ ملا کر بھی موجود ہیں جیسے کہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۶ کی تفسیر القرآن میں پیچھے صفحہ ۱۲۲۳ پر گزر چکا ہے وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ ۵/۱۱۶ وہ وقت قابل ذکر جب (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کہیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو الٰہ اور ملا کر (تین الٰہ) بنا لو۔ پوری تفصیل پیچھے صفحہ ۱۲۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حکم بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور غیب کی چابیاں بھی صرف اُسی کے پاس ہیں

● اللہ کیساتھ ملا کر کسی غیر سے مدد مانگنے کو غیر اللہ کی عبادت قرار دینے کے بعد اسی امر کی دلیل کا اگلی تین آیات کریمات میں آنحضور صلعم کی زبانِ مبارک سے اعلان کروا دیا گیا ہے کہ غیب کی چابیاں بھی صرف اللہ کے پاس ہیں اور اسکے حکم میں بھی اسکا کوئی شریک نہیں:۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ
کہہ بیشک میں اوپر واضح دلائل کے طرف سے رب اپنے کے اور جھٹلایا تم نے

بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ
کو اسکے نہیں پاس میرے جس کی تم جلدی کرتے ہو ساتھ اسکے نہیں ہے

(اے رسول !) فرما دیجئے گا کہ بیشک میں اپنے نشو و نما دینے والے کی طرف سے (اسکی نازل کردہ کتاب قرآن حکیم کے) دلائل قاطعہ پر ہوں مگر تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ جس چیز (یعنی عذاب) کے لئے تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں (وہ تو حکم تو

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۖ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ
حکم مگر صرف اللہ کیلئے بیان کرتا ہے سچ۔ اور وہ ہے
خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝ ۵۷
بہتر فیصلہ کرنیوالوں سے

نہیں) حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہ حق حق بیان کرتا ہے۔ اور وُہی ہے جو بہتر (صحیح یا مبنی بر انصاف) فیصلہ دینے والا ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ
کہہ اگر ہوتا بیشک پاس میرے جو جلدی کرتے ہو تم
بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ
ساتھ اسکے البتہ فیصلہ ہو چکا ہوتا امر درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور اللہ
اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ۵۸
خوب جاننے والا کو ظالموں

(اے رسولؐ (مزید) فرما دیجئے گا کہ جس (عذاب) کیلئے تم جلدی کرتے ہو۔ اگر وُہ میرے قبضے میں ہوتا تو اس امر کا میرے اور تمہارے درمیان (کب کا) فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ظالموں کو (جو عذاب کے لائق ہیں) خوب خوب بہت بڑھ کر جاننے والا ہے۔

● ۱؎ یہاں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ میں آمدہ با کا معنی ہے کو۔

غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور ہر خشک و تر چیز اسکے علم میں موجود ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کسی کو نہیں، غیب کی چابیاں صرف اسی کے پاس ہیں اور کائنات بھر کی ہر حاضر و غائب اور خشک و تر چیز صرف اور صرف اُس کے علم میں موجود ہے :-

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا
اور پاس اسی کے ہیں چابیاں غیب کی نہیں جانتا اسے مگر
هُوَ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ
وہی اور وہ جانتا ہے جو چیز بھی خشکی میں اور سمندر میں اور نہیں گرتا میں سے
وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ
کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اسے اور نہ کوئی دانہ بیچ اندھیروں
الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ
زمین کے اور نہیں ہے کوئی تر اور نہ خشک مگر بیچ کتاب
مُّبِيْنٍ ۝ ۵۹
ظاہر علم الٰہی کے

اور (اے رسولؐ فرما دیجئے گا کہ) غیب کی چابیاں صرف اُس (اللہ) کے پاس ہیں۔ غیب کو آپکے سوا مطلقاً کوئی نہیں جانتا۔ اور وُہی جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ سمندروں میں ہے۔ اور نہیں گرتا کوئی پتہ (کسی بھی درخت پودے یا بیل سے) مگر وُہ اُسے جانتا ہے۔ اور نہیں کوئی دانہ (پھوٹتا) زمین کے اندھیروں میں (یعنی مٹی کے اندر) وہ اُس کے علم میں ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی بھی تر یا خشک چیز مگر وہ سب کتابِ مبین (علمِ الٰہیؐ) میں موجود ہے۔

● ملہ کتٰبٍ مُّبِیْنٍ کا معنٰی یہاں علم الٰہی ہے قرآنی لغت کے مطابق کتٰب بمعنی علم الٰہی کے قرآنی دلائل پیچھے صفحہ ۱۵۷ پر آیت نمبر ۳۸ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں گزر چکے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں پھر اس ترجمہ کی صحت کی دو واضح دلیلیں موجود ہیں۔ پہلی دلیل تو یہ ہے اس آیت مجیدہ زیر بحث ۶/۵۹ کے سارے کے سارے داخلی الفاظ کی شہادت کہ پوری کی پوری آیت کریمہ میں علم الٰہی ہی کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ خشکی اور تری کی ہر چیز کو خوب خوب جانتا ہے :۔ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ نیز کرۂ ارض یا دوسرے کُرّوں، اجرام فلکی، سیاروں اور ستاروں میں جہاں جہاں کوئی پتہ گرتا ہے اُسکے علم میں ہوتا ہے :۔ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا۔ نیز ارشاد ہوا ہے کہ وہ کسی چیز تک سے بھی بے خبر نہیں۔ زمین کے اندھیروں میں بیجوں کی جو گٹھلیاں پھٹتی اور اُن سے انگوریاں نکلنے میں جو کیمیائی عمل ہوتا ہے سب اُسکے علم میں ہے :۔ وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ۔ اور نہ کوئی بھی بیج جو اندھیروں میں زیر عمل ہوتا ہے اُس سے پوشیدہ ہے۔ اِسکے بعد لایا گیا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ، جس سے صراحتًا ثابت ہوتا ہے کہ کتٰبٍ مُّبِیْنٍ سے مراد یہاں علم الٰہی ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں دوسرے دو مقامات ۱۰/۶۱ + ۳۴/۳ میں تصریف آیات کیساتھ اسی آیت کی متبادل آیت آئی ہے عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۳۴/۳ اللہ عالم الغیب ہے اُس سے کوئی ذرہ بھر چیز پوشیدہ نہیں آسمانوں اور زمین میں نہ اس (ذرّہ) سے کوئی چھوٹی چیز پوشیدہ ہے نہ اس سے بڑی سب کی سب کتابِ مبین علم الٰہی میں موجود ہیں۔

صفحہ ۱۵۷ پر آیت نمبر ۳۸ کی تفسیر میں پیچھے دیکھئے ــــ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں نیند کو عین موت نہیں بلکہ موت کی مثل بتایا گیا ہے :۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ
اور وہی ہے جو فوت کرتا ہے تمہیں وقت رات کے اور جانتا ہے
مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ
جو کام کرتے ہو تم وقت دن کے پھر اٹھا لیتا ہے بیچ اسکے
لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ
تاکہ پوری کیجائے مدت ٹھہرائی ہوئی پھر طرف اسی کے ہے
مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
لوٹ جانے کی جگہ تمہاری پھر وہ خبر دیگا تمہیں ساتھ اسکے جو تم
تَعْمَلُوْنَ ۶۰ ع ۷ ۱۳
عمل کیا کرتے تھے

اور وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جو تم پر رات کے وقت پھر (نیند غالب کرکے مجازی صورت میں) ملہ تمہیں فوت کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے تم دن کے وقت جو کام کرتے ہو دو کام کے بعد آرام لازم ہے۔ اسلئے تمہیں نیند کے ذریعہ تازہ دم کرکے صبح کے وقت) اس (یعنی دن) میں پھر اٹھا لیتا ہے ملہ تاکہ (لیل و نہار کی اسی گردش میں عمر کا) نام رکھا ہوا ملہ وقفہ پورا ہو جائے۔ پھر (حقیقی موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد اعمال کی جزا و سزا کیلئے) تمہارے لوٹ کر جانے کی جگہ اسی کی طرف ہے ۲۳/۱۴۔ پھر وہ تمہیں خبر دیگا جو عمل تم کیا کرتے تھے۔ ۵

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ
وہ غالب ہے 	اوپر بندوں اپنوں کے 	اور بھیجتا ہے

عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ
اوپر تمہارے محافظ ا 	یہانتک کہ جب آتی ہے 	کسی تمہارے پر

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا
موت ا 	فوت کرتے ہیں 	اسے بھیجے ہوئے ہمارے 	اور وہ 	نہیں

يُفَرِّطُوْنَ ۝ ۶۱
وہ کوتاہی کرتے

وہ (اللہ) اپنے سارے بندوں پر غالب ہے (اُسکے قانونِ موت وحیات کے دائرہ سے کوئی نکل نہیں سکتا) اُس نے تم پر اپنی محافظ قوتیں بھیجی ہوئی ہیں (یعنی بصورتِ قانون تعین کر رکھی ہیں) یہانتک کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے (اسبابِ موت) اُسے فوت کر دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے کام میں ہرگز کوتاہی نہیں کرتے۔

● ۱ نیند میں انسان مرتا نہیں۔ سو یا مرا ایک برابر کے انداز میں اسے مجازی وفات قرار دیا گیا ہے۔

● ۲ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ اور ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ سے کھل کر ثابت ہے کہ رات کو فوت کر دینا اور دن کے وقت اُٹھا لینا حقیقی موت نہیں، مجازی وفات و بعثت ہے۔ کیونکہ حقیقی موت کے بعد کی بعثت قیامت کو ہوگی۔

● ۳ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى کے الفاظ میں اَجَلٌ مُّسَمًّى سے مراد عمر کا وقفہ ہے جو لیل ونہار کی گردش ہی میں ختم ہو جاتا ہے۔

● ۴ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ کا معنی یہ ہے کہ پھر تمہارے لوٹ کر جانے کا مقام اللہ ہی کی طرف ہے۔ ان الفاظ میں موت کے بعد کی بعثت کی غرض بتائی گئی ہے کہ پھر تمہیں اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حاضر ہونا ہے۔

● ۵ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ تم جو بھی عمل کرتے ہو، خواہ ظاہراً کرتے ہو یا چھپ چھپا کر، اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک عمل کو جانتا ہے اور قیامت کو تمہیں ہر عمل کی خبر دیگا۔ اور خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ برا چھے عمل کی تم کو جزا ملیگی اور ہر بُرے عمل کی سزا پاؤ گے۔ پیچھے آیت نمبر ۵۱ کی تفصیل میں صفحہ ۱۷۱/۱۷۲ پر بُرے عملوں کی سزا سے بچنے کیلئے بتا دیا گیا ہے توبہ اور اصلاح۔ یعنی آئندہ کیلئے بُرے اعمال سے صد فیصد کنارہ کشی اختیار کی جائے اور ایسے عمل کئے جائیں جن سے معاشرہ میں اصلاح ہوتی چلی جائے۔

● ۶ یہاں يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً کا مفہوم یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے محافظ قانون مقرر کر رکھے ہیں جن کے مطابق حفاظت میسر آتی ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ محافظ تو بھیجتا ہے مگر اُن کی غفلت سے آئے دن تانگوں، بسوں، لاریوں اور ریل گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ بھی ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے حفاظت کے قانون متعین کر رکھے ہیں جن کی مخالفت سے حادثات واقع ہوتے ہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے اور کسی کی آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔

● قرآن مجید میں يُرْسِلُ متعدد مقامات پر قوانینِ جاریہ کے تعین کیلئے آیا ہے۔ مثلاً:-

● يُرْسِلُ الرِّيٰحَ ۲۷/۶۳ کا لفظی معنی ہے وہ ہوائیں بھیجتا ہے۔ مگر اسکا مفہوم یہ ہے کہ اس نے ہواؤں کے چلنے کا قانون متعین کر رکھا ہے

● يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ ۱۳/۱۳ کا لفظی معنی ہے وہ بجلیاں بھیجتا ہے۔ مگر مفہوم یہ ہے کہ اس نے بجلی کا قانون مقرر کر دیا ہے۔ اسی طرح :-

● یُرۡسِلُ عَلَیۡکُمۡ حَفَظَةً کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت کے قوانین متعین کر رکھے ہیں۔ انکی متابعت سے خداوندی حفاظت میسر آتی ہے اور انکی مخالفت سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اُٹھ جاتی ہے۔

● ےـ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے کارندے اُسے فوت کر دیتے ہیں۔ انہی میں سے ہر کارندے کو ملک الموت فرمایا ہے ـــ اب مشاہدات میں دیکھئے گا کہ وہ خداوندی کارندے کون کونسے ہیں جن میں سے ہر ایک ملک الموت $\frac{۳۲}{۱۱}$ ہے۔ آگ، پانی، بجلی، آندھی، بیماری، تیز دھار آلہ، پستول یا بندوق کی گولی، ایٹم بم جو ناگاساکی اور ہیروشیما کے ہزارہا انسانوں کو ایک سیکنڈ میں موت کے گھاٹ اتار دے سب الگ الگ خداوندی کارندے اور الگ الگ ملک الموت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے محافظ بھی اپنا اپنا فرض ساتھ ساتھ انجام دیتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ آنکھوں کی پلکیں اِنکی حفاظت کیلئے انسان کے ارادے کے بغیر ایک ایک سیکنڈ میں کئی کئی مرتبہ جھپک جاتی ہیں۔ کسی تنگ منڈیر پر چلتے ہوئے جب ہم دائیں طرف گرنے لگتے ہیں تو بایاں بازو خود بخود اُوپر کو اُٹھ جاتا اور گرنے سے بچا لیتا ہے۔ انسان بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی محافظ دوائیں حفاظت کرتی ہیں لیکن جب خدائی کارندوں کا حملہ شدید ہو تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ موت کے قانونِ خداوندی سے کوئی فرد بشر بچ کر نکل سکتے نہیں۔ کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ $\frac{۳}{۱۸۵}$ + $\frac{۲۱}{۳۵}$ + $\frac{۲۹}{۵۷}$۔

● ےـ وَهُمۡ لَا یُفَرِّطُوۡنَ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ ہارٹ فیل ہونے کی صورت میں یہ خداوندی کارندہ آناً فاناً موت وارد کر دیتا ہے۔ دمہ، ٹی بی وغیرہ کی صورت میں یہ خدائی کارندے حالات کے مطابق وقت لیتے ہیں۔ کسی پتھر کے نیچے آنے یا ریل گاڑیوں کے حادثات میں لاش کے گوشت کی بوٹیاں اڑ جاتی ہیں۔ وَهُمۡ لَا یُفَرِّطُوۡنَ وہ حسب حال پورا کام کرتے ہیں نہ کم نہ زیادہ۔

● آیت نمبر ۶۱ زیر بحث میں موت کا ذکر لانے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں حضورِ خداوندی میں جوابدہی کیلئے حاضری کی خبر دیگئی ہے:

ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰهِ مَوۡلٰىهُمُ الۡحَقِّ
پھر لوٹائے جائینگے طرف اللہ کی جو مولا ہے ان کا سچا

اَلَا لَهُ الۡحُکۡمُ ۟ وَهُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِیۡنَ ﴿۶۲﴾
خبردار واسطے اُسی کے ہے حکم اور وہ ہے جلد حساب کرنیوالا

پھر انہیں (موت کے بعد بعثت اور بعثت کے بعد مکافاتِ عمل کیلئے) انکے حقیقی مددگار و مشکلکشا کی طرف لوٹایا جائیگا خبردار! حکم اُسی کا ہے اور وہ (قیامت کو) جلد حساب لینے والا ہے [ے]۔

● ےـ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِیۡنَ کا ایک معنی یہ بھی بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد ہر کسی کا فوراً حساب لے لیتا ہے۔ مگر یہاں یہ مفہوم ازروئے تصریف آیات فٹ نہیں آتا کیونکہ موت کے بعد ایک مخصوص وقفہ مقرر کیا گیا ہے جیسے یوم الدین، یوم القیامة اور یَوۡمُ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ $\frac{۱۴}{۴۱}$ کے الفاظ میں جس کی تعریف بتائی گئی ہے کہ اُس دن، اس وقفہ میں حساب قائم ہوگا، اور اُس

دن پہلے پچھلے سب لوگوں کو جمع کر لیا جائیگا۔ سورہ واقعہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ۵۶/۴۹-۵۰ (اے رسولؐ!) اعلان فرما دیجئے گا کہ بیشک اس مقررہ دن (قیامت) میں اوّلین و آخرین، پہلے پچھلے سب جمع کر لئے جائیں گے ——— اب رہا اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ یا سَرِيْعُ الْحِسَابِ کا مفہوم۔ اسکے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ہمنے ہر کسی کا اعمالنامہ اس کے گلے میں باندھ دیا ہے۔ ہر شخص خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ یہاں دنیا میں بھی اپنا اعمالنامہ پڑھ سکتا ہے اور قیامت کو بھی پڑھ لیگا ارشاد ہوا ہے:۔

● وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ ۱۷/۱۳-۱۴ اور ہمنے ہر انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن میں باندھ دیا ہے۔ اور اسے ہم قیامت کے دن اس کے لئے کھلی کتاب کی شکل میں سامنے پیش کر دینگے اور ہر کسی کو کہا جائیگا کہ اپنا اعمالنامہ پڑھ لے، آج کے دن تیرے حساب کیلئے تیرا اعمالنامہ ہی کافی ہے۔ ہر شخص کا حساب پہلے ہی سے بنا بنایا ہر وقت تیار ہے اور ایسا مکمل کہ سب لوگ اسکے متعلق کہینگے:۔

● وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ ۱۸/۴۹ اور کہینگے۔ ہم پر افسوس ہے۔ یہ کیسی کتاب ہے کہ اس نے نہ ہمارا کوئی چھوٹا عمل چھوڑا ہے نہ بڑا مگر اس نے سب کو محفوظ کر لیا ہے۔ اور انہوں نے جو بھی عمل کیا ہے (چھوٹا بڑا) سب کو اس میں موجود پائینگے۔ اور تیرا پروردگار کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کریگا (سب کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائیگا)۔

● پس ہر شخص کا حساب اسکے اعمالنامہ میں تیار موجود ہوگا۔ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ہر کسی کا حساب ساتھ کے ساتھ سب کے اعمالناموں میں محفوظ کرتا چلا جاتا اور موازنہ بھی کرتا چلا جا رہا ہے۔ پس اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ اور سَرِيْعُ الْحِسَابِ کے الفاظ سے یہ تصور پیدا کرنا غلط ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت آگئی۔ قیامت کا دن حق ہے جب سب کے سب مردوں کو زندہ کر کے سب کو پوری پوری جزا اور پوری پوری سزا دی جائیگی۔

جملہ مصائب سے نجات دہندہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم ہوا ہے کہ ان غیر اللہ سے مدد مانگنے والوں سے پوچھیئے کہ جب تم خشکی یا سمندر کے اندھیروں کے مصائب میں گرفتار ہو جاتے ہو تو کون ہے جو تمہیں ان سے نجات دیتا ہے۔ تم ایسے وقت پر صرف اسی کو تو پکارتے ہو۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ

کہہ کون نجات دیتا ہے تمہیں سے اندھیروں خشکی کے اور

(اے رسولؐ!) ان سے پوچھیئے کہ کون ہے جسے تم عاجزی کیساتھ اور مخفیہ طور پر پکارتے ہو اور وہ تمہیں خشکی اور دریاؤں کے

تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ
سمندر کے تم پکارتے ہو اسے عاجزی کیساتھ اور پوشیدہ کر اگر

اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾
نجات دے ہمیں سے اسکے ضرور ہونگے ہم میں سے شکر گزاروں کے

اندھیروں میں (مصائب و مشکلات سے) نجات دیتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں ان مصائب سے نجات دی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بن جائیں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ
کہہ اللہ نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور سے ہر

كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾
مصیبت، پھر تم شرک کرتے ہو

(آپ ہی) فرما دیجئے کہ تمہیں اللہ ہی اُن مصائب سے بھی اور ہر مشکل سے بھی نجات دیتا ہے۔ پھر بھی تم اُس کے ساتھ اَوروں کو شریک کرتے ہو (کسقدر ناشکرے ہو تم)۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے کہ یہ بھی اللہ کا قانون ہے کہ تمہاری نافرمانیوں کی بدولت تم پر اُوپر سے، نیچے سے اور تمہاری آپس کی پھُوٹ کے ذریعہ عذاب آجاتا ہے۔ ذاتی منفعت کوشیاں ہی باہمی پھوٹ کو جنم دیتی ہیں جو عذاب بن کر چھا جاتی ہیں:-

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ
کہ وہ ہے قانون بنانیوالا اور پھر اسکے کرے آئے

عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ
اوپر تمہارے عذاب سے اوپر تمہارے یا سے نیچے

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ
پیروں تمہارے یا ملادے تم کو فرقے فرقے اور چکھائے

بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ
بعض تمہارے کو عذاب بعض کا۔ غور کر کس طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾
آئتیں تاکہ وہ تفقہ کریں

(اے رسولؐ!) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے قانون بنانیوالا ہے (اُس نے ایسے قانون بنا رکھے ہیں) کہ وہ تم پر تمہارے اُوپر سے عذاب لے آئے (اگر تمہارے اُوپر والے صاحبِ اقتدار نافرض شناس ہو جائیں) اور تمہارے پیروں تلے سے عذاب لے آئے (اگر تمہارے عوام قانون شکن ہو جائیں) یا تمہیں فرقوں میں بانٹ دے (اگر تمہارے اندر انتشار پیدا ہو جائے) اور اس طرح تمہارے بعض آپس میں ایکدوسرے سے عذاب چکھا کریں۔ (اے مخاطب!) غور کر ہم کس طرح اپنی آئتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ آئتوں پر آئتوں کی سند لا کر (قرآن مجید میں) تفقہ کیا کریں۔

● اِس آیتِ مجیدہ میں عذاب کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے جو آیتِ ذیل کے مطابق انسان کا خود اپنا ہی لایا ہُوا ہوتا ہے وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ۴۲/۳۰ اور تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہُوئی ہوتی ہے۔ حُکام کا نافرض شناس ہونا بھی عذاب ہے اور عوام کا قانون شکن ہو جانا بھی عذاب ہے اور باہمی انتشار خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی یہ بھی عذاب ہی کی ایک قسم ہے۔ اِن عذابوں کی خبر دینے کے بعد آیتِ مجیدہ کے آخر میں ارشاد ہُوا

ہے کہ ہمنے اپنی آئتوں کو پھیر پھیر کر لانے کا اعلیٰ ترین اسلوب بیان اسلئے اختیار کر رکھا ہے کہ لوگ تصریف آیات کے ذریعہ تفقہ کیا کریں۔ یعنی مسائل کا انحصار قرآنی فقہ پر رکھا جائے۔

روائتی تفسیر ● آئتِ بالا کا مفہوم جو قوموں کے عروج و زوال سے متعلق ہے وُہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے لیکن اگر لفظی معنے بھی لئے جائیں اُوپر سے عذاب اولوں اور بجلی کے علاوہ بموں اور میزائیلوں کا بھی ہو سکتا ہے اور پیروں کے نیچے سے زمین کے پھٹ جانے اور بارودی سرنگوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور پارٹی بازی خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی قسم کی فرقہ بندی ہو ایسا عذاب ہے جو ترقی کی راہ میں سدِ سکندری بن جاتا ہے۔ لیکن آئتِ بالا کی روائتی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ بخاری شریف جلد دوم شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۷۱۸ پر اس طرح درج ہے کہ :۔ ابو النعمان حماد بن زید، عمرو بن دینار حضرت جابر بن عبد اللہ سے روائت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت یہ آئت قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ .... الخ یعنی میں پناہ لیتا ہوں تیری ذات کی۔ یعنی اس عذاب کی بابت آپنے معافی چاہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ۔ آپنے اس سے بھی پناہ مانگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا .... الخ تو آپنے فرمایا "ہاں یہ اس سے آسان ہے کہ ان پر (یعنی میری اُمت پر) مسلط کر دیا جائے۔ گویا اس روائت کی رُو سے اُمت میں فرقہ بندی کو خود آنحضورؐ نے پسند فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے :۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۖ $\frac{6}{159}$ بیشک جو لوگ اپنے دین میں تفریق پیدا کریں اور فرقہ فرقہ ہو جائیں (اے رسولؐ!) ان کیساتھ آپکا کوئی تعلق نہیں —— اس سے اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کی قوم میں سے آپکے مخالفین کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وُہ اِسی قسم کے لوگ تھے :۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ
اور جھٹلایا کو اسے قوم تیری نے حالانکہ وہ حق ہے

اور (اے رسولؐ!) آپکی قوم کے (منکرین وحدت و ربوبیت) نے اس (قرآن) کو جھٹلایا۔ حالانکہ وہ سچی کتاب ہے۔ آپ فرما دیجئے گا کہ میں تم پر کوئی داروغہ نہیں (میرا کام اللہ کا پیغام پہنچانا ہے $\frac{5}{67}$ زبردستی منوانا نہیں)۔

قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ ۶۶
کہہ نہیں ہوں میں اوپر تمہارے داروغہ

ہر خبر (جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے) اُسکے لئے ایک مقام (اور وقت) ہے اور (تم عذاب کیلئے جلدی کرتے ہو) تم جلدی جان لوگے (حقیقت یہ ہے کہ عذاب تب آتا ہے جب کسی قوم کے جرائم کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتب ہو جاتی ہے)۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ
واسطے ہر خبر کے ایک مقام ہے (وقت ہے) اور ضرور

تَعْلَمُوْنَ ۝ ۶۷
تم جان لوگے

● قرآنِ کریم میں سابقہ نافرمان اقوام کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ آمدِ عذاب کیلئے جلدی کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ

اپنے مستقل قانون کے مطابق اتمامِ حجت کیلئے پوری مہلت دیتا رہا اور جب پوری مہلت کے بعد اتمامِ حجت ہو جاتی تو پھر عذاب آتا تھا۔ یہی حال آنحضور کی قوم کا تھا۔ کہ عذاب کیلئے جلدی کرتے تھے۔ مگر واضح کر دیا گیا ہے کہ عذاب قانونِ خداوندی کے تقاضے پورے ہو جانے کے بعد آتا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک کرنیوالوں سے اعراض کرو

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور کے مخالفین آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک کیا کرتے تھے اسلئے آنحضور کو اُن سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے:-

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا

اور جب دیکھے تو انہیں جو عیب نکالیں بیچ آیتوں ہماری

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ

پس تو اعراض کر اُن سے حتیٰ کہ کلام کریں بیچ بات سوا اس کے

وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی

اور اگر بھلا دے آپکو یادداشت تو نہ بیٹھنا پیچھے یاد آجانے کے

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ ۶۸

ساتھ قوم ظالموں کے

اور (اے رسول!) جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں عیب نکالنے کیلئے بحث کرتے ہیں تو آپ اُن سے اعراض کر جائیں (اُن سے چلے جائیں) حتیٰ کہ وہ (ہماری آیتوں) کے سوا کسی اور بات پر بحث کرنے لگیں۔ اور اگر آپکو نسیان بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد آپ (ہماری آیتوں کی تضحیک کرنیوالے) ظالموں کے پاس نہ بیٹھیں گا۔

● لے یہاں الشیطٰن کا معنی ہے نسیان (یعنی کسی بات کا کسی وقت یاد نہ رہنا) —— آیاتِ قرآنیہ میں عیب جوئی کرنیوالوں کے پاس نہ بیٹھنے کا یہی حکم ۴/۱۴۰ میں مومنوں کے نام گزر چکا ہے کہ جو لوگ ہماری آیتوں سے استہزا کر رہے ہوں اُنکے پاس مت بیٹھو۔ اگر تم بیٹھو گے تو تم بھی اُنہی استہزا کرنیوالوں میں شمار کئے جاؤ گے۔ آیت مجیدہ معہ تفصیل تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں —— سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اُن سے الگ ہو جانیوالوں سے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ

اور نہیں اوپر ان کے جو بچتے ہیں سے حساب ان کے

مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ○ ۶۹

سے کوئی چیز اور لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ بچ جائیں

اور اُوپر اُن لوگوں کے جو (تضحیک کرنیوالوں سے) بچ جائیں (اعراض کر جائیں) اُن پر (عذاب میں سے) کچھ بھی نہیں اور لیکن نصیحت (کر دینی) ہے تاکہ وہ (آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب و تضحیک کرنیوالوں سے) بچے رہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں دین کو کھیل تماشا بنانیوالوں کو نصیحت کرتے اور انہیں اُنکے حال پر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے:-

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ
اور چھوڑ دے انکو کہ پکڑا انہوں نے دین اپنا کھیل اور
لَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ
تماشا اور دھوکا دیا انہیں زندگی نے اور نصیحت کر ساتھ اسکے
اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا
ایسا نہ ہو کہ سزا پائے کوئی جان ساتھ اسکے جو کمایا اس نے نہیں واسطے اسکے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ
سے سوائے اللہ کے کوئی مددگار اور نہ کوئی شفیع اور اگر وہ فدیہ دے
كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا
تمام فدیہ نہ لیا جائیگا اس سے وہی ہیں کہ سزا پائیں گے
بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ
ساتھ اسکے جو کمایا واسطے انکے پینا ہیں سے گرم اور سزا ہے دردناک بوجہ
بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۷۰
اسکے جو تھے وہ انکار کرتے

ع ۱۰/۱۴

اور (اے رسول!) اُن لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنہوں نے (اپنے اختیار کردہ) دین کو کھیل تماشا قرار دے رکھا ہے (یعنی اُن کے ہاں کوئی قانون نہیں) حقیقت یہ ہے کہ انہیں دنیا کی (مفاد پرستانہ) زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ لیکن آپ انہیں نصیحت کرتے رہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے کئے کی بدولت سزا پا جائے (نصیحت کرنا آپکا فریضہ ہے ۵/۹۹ نصیحت حاصل کرنا لوگوں کا اپنا کام ہے۔ جو لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے) اُنکے لئے نہ کوئی مددگار اور نہ کوئی شفیع شفاعت کرنیوالا ہے*۔ اور اگر (کوئی نافرمان شخص اپنی نافرمانیوں کے عوض) ہر قسم کا فدیہ دیگا تو اس سے نہیں لیا جائیگا۔ مذکورہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے کئے کی سزا پائیں گے اُنکے لئے اسکی بدولت جو وہ آیاتِ الٰہیہ کا انکار کرتے تھے گرم مشروبات اور دردناک عذاب ہوگا۔

* شفیع کی بحث پیچھے صفحہ ۱۷۲ پر گزر چکی ہے۔

● ۱ ۲ واؤ کا معنی حقیقت یہ ہے نیز بمعنی لیکن اور کیونکہ ۴/۱۰۸ میں آیا ہے:۔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۴/۱۰۸ وہ لوگوں سے تو چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔ کیونکہ وہ اُسوقت بھی انکے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کے وقت چھپ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں گھیرے ہوئے ہے۔

● ۳ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ سے مراد پینے کا گرم پانی۔ سورہ دخان میں آیا ہے:۔ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۙ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۚ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۙ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۴۴/۴۳ تا ۴۶ گنہگاروں کا کھانا تھوہر کا کڑوا درخت ہوگا۔ پگھلے ہوئے تانبے کی مانند گرم وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹوں میں کھولیگا۔ دیکھئے اِکَالْمُهْلِ اور كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ کے الفاظ میں دو مرتبہ کاف تشبیہ آیا ہے۔ حرفِ تشبیہ مشابہت کیلئے آتا ہے حقیقت کیلئے نہیں آتا۔ پس ان الفاظ سے مجرموں کا کھانا نہ پگھلا ہوا تانبہ ثابت ہوتا ہے نہ کھولتا ہوا پانی۔ بلکہ انکی ذہنی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے کہ انکا کھانا گویا کہ تھوہر کی طرح کڑوا اور پگھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم ہوگا۔ عام قاعدہ ہے کہ ذہنی کوفت جس قدر شدید ہوتی ہے، کھانے پینے کی چیزیں اُسی قدر بدمزہ اور بدذائقہ ہو جاتی ہیں۔ پھر گنہگاروں کو ایسے مقامات پر رکھا جائیگا جہاں تھوہر کے سوا کچھ پیدا

نہ ہوگا اور گرم آب و ہوا کی بدولت پانی گرم ہی میسر آئیگا۔

کڑوا کھانا اور گرم پانی سزا ہے غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنے کی

● آیت بالا میں گرم پانی کی جو سزا مقرر کیگئی ہے اگلی آیت میں اس جرم کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا
کہ کیا ہم بلاویں سے سوائے اللہ کے جو نہیں نفع دیتے ہیں

وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ
اور نہیں ضرر دیتے ہیں اور ہم لوٹ جائیں اوپر ایڑیوں اپنی پیچھے، جب

هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ
ہدایت دی ہمیں اللہ نے مانند اسکے خواہشوں پر لگایا اسے گمراہوں نے

فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى
بیچ زمین کے حیران، واسطے اسکے ساتھی ہیں بلاتے اسے طرف

الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى
ہدایت آطرف ہماری۔ کہہ بیشک ہدایت اللہ کی وہی ہدایت ہے

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۷۱
اور حکم دیے گئے ہیں ہم کہ ہم فرمانبردار ہو جائیں واسطے رب جہانوں کے

(اے رسولؐ!) فرما دیجئیگا۔ کیا ہم (یعنی میرے صحابہؓ) اللہ کے سوا اُس سے دعا کریں (اس سے مدد مرادیں مانگیں) جو نہ ہمیں نفع دے سکتا ہے اور نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یعنی اس کے بعد کہ اللہ نے ہماری رہنمائی کر دی ہے اُس شخص کی طرح باطل مذہب پر لوٹ جائیں جس سے غلط رہنمائی کرنیوالوں سرکشوں نے خواہشات کی پیروی کرائی ہے زمین میں حیران کر دیا ہے۔ اُس کے لئے اُس کے ساتھی ہیں جو اُسے یہ کہہ کر ہدایت کی طرف بلاتے ہیں کہ ہماری طرف آجا۔ (اے رسولؐ) فرما دیجئے گا کہ بیشک اصل ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں محفوظ ہے) اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے فرمانبردار ہو جائیں (یعنی نظامِ ربوبیت قائم کریں) ؎۱

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَ
اور یہ کہ قائم کرو اجتماعی نظام اور بچ جاؤ اس سے اور

هُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۷۲
وہی ہے جو طرف اسکے تم اکٹھے کئے جاؤ گے

اور (ایمان والو!) اجتماعی نظام قائم کرو ؎۲ اور اُس (اللہ کی مخالفت) سے بچ جاؤ۔ اور وہی ہے جس کی طرف (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جاؤ گے۔

● ؎۱ لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا معنی قرآن کریم کے درسِ اول اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق، جس کا ہم سے وعدہ لیا گیا ہے کہ ہم ربّ العٰلمین کے فرمانبردار ہو جائیں، یعنی نظام ربوبیت قائم کریں، ربّ العٰلمین کی فرمانبرداری کا عملی ثبوت پیش کرکے اسکی مخالفت سے بچ جائیں۔

● ؎۲ لفظ صلوٰۃ کا سہ حرفی مادہ ص۔ ل۔ و ۔ صلو ہے جس کا مصدری معنی ہے پیچھے آنا، جس سے اجتماعی نظام قائم ہوتا ہے۔ اِس مادہ کا معنی قرآن کریم میں فرمانبرداری کرنا مذکور ہے۔ جیسے کہ سورہ قیامت میں صلوٰۃ کو نافرمانی کی ضد بتایا

گیا ہے:۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۙ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۙ ۷۵/۳۱-۳۲ اس نے نہ تصدیق اور نہ فرمانبرداری کی اور لیکن تکذیب کی اور نافرمانی کی۔ یہاں صَلّٰی کی ضد تولّٰی لائی گئی ہے، جس سے کھل کر ثابت ہوا کیونکہ تولّٰی کا مصدری معنی نافرمانی کرنا ہے اسلیئے صلّٰی کا مصدری معنی نافرمانی نہ کرنا ہے۔ تو اس طرح جب سب لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو کر اس کے قانون کے پیچھے چلینگے تو ایک اجتماعی نظام قائم ہو جائیگا جس میں بجملہ افرادِ معاشرہ جسدِ واحد کے اعضا کی صورت میں ہونگے کہ جب جسم کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیقرار ہو جاتا ہے۔ ایسے اجتماعی نظام کیلئے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا تکراری حکم بار بار دیا گیا ہے۔ صلوٰۃِ موقّت اسی اجتماعی نظام کے نمونہ کی شکل ہے کہ صلوٰۃ کے ہر اجتماع میں اجتماعی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

● وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ میں آنحضورؐ اور آپکے صحابہؓ کرام کا اعلان ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور اسکے بعد متصلاً حکم وارد ہوا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کہ اجتماعی نظام قائم کرو۔ اس سے ثابت ہے کہ اجتماعی نظامِ ربوبیت قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جسکی ابتدا صلوٰۃِ موقّت (نماز) کے اجتماعات ہیں۔

● واضح رہے کہ صلوٰۃ کا اجتماعی نظام ہی دنیوی عذاب کا بھی واحد حل ہے اور اخروی عذاب کا بھی۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنیوالے کی خبر دینے کے بعد قیامت کی عدالتِ عالیہ کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو
بِالْحَقِّ ۚ وَیَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ ۷۳
ساتھ حق کے اور قیامت کے دن کہیگا ہو جا پھر وہ ہو جائیگا

اور وہ (اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا فرمایا ہے۔ اور وہ (قیامت کے) دن کہے گا برپا ہو جا وہ برپا ہو جائیگا۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی
بات اسکی سچی ہے واسطے اسی کے حکومت ہے جس دن پھونکا جائیگا بیچ
الصُّوْرِ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِیْمُ
صور کے جاننے والا پوشیدہ کا اور موجود کا اور وہ ہے بڑا حکمت والا
الْخَبِیْرُ ۝ ۷۴
بڑا خبر والا

اسکا قول سچا ہے (روزِ مکافات ضرور آنیوالا ہے) جس دن مکافاتِ عمل کیلئے (کن کا) صور پھونکا جائے گا۔ (اس دن انسان سے حکومت چھن جائیگی۔ اس دن یہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہوگا۔) اسدن حکومت اکیلے اللہ کی ہوگی۔ (اس کے لئے اتنی بڑی عدالت کچھ مشکل نہیں کیونکہ) وہ ساری مخلوق کے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جاننے والا ہے کہ صاحبِ حکمت و صاحبِ خبر ہے۔

کُن فیکون اور نفخِ صور

● آیاتِ بالا میں تخلیقِ ارض و سماوات کی خبر کے بعد آیا ہے یَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ اور اسکے بعد آیا ہے یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ۔ واضح رہے کہ یہاں کُنْ فَیَکُوْنُ کا بدل آیا

ہے نفخ صور، کیونکہ دونوں کیساتھ یوم قیامت کا لایا گیا ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے پہلے کن فیکون کے ارشاد خداوندی کی حقیقت کا جاننا ضروری ہے۔

● سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۰ ۲/۱۱۷ وہ آسمانوں اور زمین کو از سر نو بنانیوالا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں کہ وہ بزبان قانون کہتا ہے ہو جا تو وہ اسکے اپنے متعین کردہ قوانین کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہوتا ہے۔

● سورہ آل عمران میں آیا ہے:۔ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۰ ۳/۴۷ وہ پیدا کرتا ہے اپنے قانون مشیت کے مطابق پیدا کرتا ہے۔ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں کہ اُسے اپنے قانون کی زبان سے کہتا ہے ہو جا تو وہ اُسکے متعین کردہ قوانین کی منزلیں طے کرکے ہو جاتا ہے۔

● سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے:۔ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنٰهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۰ ۱۶/۴۰ سوائے اسکے نہیں کہ کسی چیز کیلئے ہمارا قول یہ ہے کہ جب ہم اُسکا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اُسے اپنے قانون کی زبان میں کہتے ہیں، ہو جا تو وہ ہمارے قانون کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہو جاتا ہے۔

● سورہ یٰسین میں بتایا گیا ہے:۔ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۰ ۳۶/۸۲ سوائے اُس کے نہیں کہ اُس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے بزبان قانون کہتا ہے ہو جا تو وہ اس کے قانون کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہو جاتا ہے۔

● سورہ مومن میں ارشاد ہوا ہے:۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا وَمِنكُم مَّن يُتَوَفّٰى مِن قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۰ ۴۰/۶۷-۶۸ وہ اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے کہ جس نے اے نوع انسانی تمہیں ابتداءً مٹی میں سے پیدا کیا۔ پھر افزائش نسل نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے ٹھہرائی۔ پھر تمہیں بچے کی صورت میں رحم مادر سے نکالتا ہے تاکہ تم جوانی کو پہنچو۔ پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور تم میں بعض ایسے ہیں جو (کسی قسم کے حادثے کے ہاتھوں جوانی اور بڑھاپے سے) پہلے فوت کر دیئے جاتے ہیں۔ اور تاکہ تم تام رکھی ہوئی میعاد (موت) کو پہنچو اور تاکہ تم عقل سے کام لو (کہ کیوں کوئی تو جوانی اور بڑھاپے سے پہلے مر جاتا ہے) وہ اللہ ہی زندگی دیتا اور موت دیتا ہے۔ پھر جب وہ (زندگی یا موت میں سے کسی) کام کا فیصلہ کرتا ہے تو (اپنے قانون کی زبان سے) کہتا ہے ہو جا۔ تو وہ اس کے قانون کی منزلیں طے کرکے (ہو جاتا ہے۔

● اللہ تعالیٰ کا نہ جسم ہے نہ زبان ہے کہ اُسکا قول با آواز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی وحی انبیاء علیہم السلام کرام کے کانوں

پر نہیں بلکہ انکے اذہان پر بے آواز نازل ہوتی تھی۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہُوا ہے فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۲/۹۷
پس بیشک وہ جبریل اُسے (قرآن کو) اللہ کے قانون کے مطابق آپکے پاکیزہ ذہن پر نازل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زبان بے زبانی، اور ایسے زبان زمین و آسمان کے کلام کی مثال سورہ سجدہ میں بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو بنانے کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہُوا۔

● ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۞
۴۱/۱۱ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہُوا وہ اُس وقت دُھواں ہی دُھواں تھا۔ پھر اس نے انہیں (آسمانوں) اور زمین کو (اپنے قانون کی زبان سے) کہا آجاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ اُن دونوں نے (بزبانِ حال) کہا کہ ہم دونوں خوشی کیساتھ آگئے ہیں۔

● آیت بالا میں قول بزبانِ قانون اور قول بزبانِ حال کی وضاحت کے بعد اب آیئے کُن فیکون کی طرف۔ اسکے متعلق یہ عوامی تصوّر از روئے قرآنِ کریم غلط ہے کہ اُدھر اللہ تعالیٰ نے کُن کہا اور اِدھر کام ہوگیا۔ کیونکہ فیکون کی فا میں وقفہ محذوف ہے جو اُس کام کے انجام ہونے کے قوانینِ خداوندی کے مطابق لازم ہے۔ جیسے کہ عربی محاورہ ہے، نَكَحَ زَيْدٌ فَلَهٗ وَلَدٌ۔ یہاں فَلَهٗ کی فا میں وقفۂ حمل محذوف ہے اور اس جُملے کا معنیٰ یہ ہے کہ زید نے نکاح کیا پھر اسکے ہاں (مدتِ حمل پورا ہونے کے بعد) بیٹا پیدا ہُوا۔

● اب غور فرمائیں کہ فیصلۂ خداوندی کے مطابق کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے کہتا ہے ہو جا پھر وہ ہو جاتا ہے۔ اِس طرح جب اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں کہا کُن۔ اس پر فیکون کی فا کا وقفہ چھ ہزار سال بتایا گیا ہے۔ سورہ سجدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۳۲/۴ اللہ تعالیٰ وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں میں موجود ہے چھ دنوں میں پیدا کیا — اِس پر غور فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین اور ان کی جملہ موجودات کیلئے فیکون کی فا کی مدّت بتائی گئی ہے چھ دِن۔ مگر اللہ تعالیٰ کے دن کی بھی مدت ملاحظہ فرمائیں۔ اِسی سورہ سجدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ
۳۲/۵ وُہ اللہ تدبیر کرتا ہے کام کی آسمان سے زمین کی طرف، پھر وُہ اُسکی طرف چڑھتا ہے (یعنی مکمل ہوتا ہے) ایک دِن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جو تم شمار کرتے ہو۔

● ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ ...... الخ کا مفہوم یہ ہے کہ جس کام کی اللہ تعالیٰ تدبیر کرتا ہے وہ اُسکے متعین کردہ قوانین کی منزل طے کر کے مکمل ہوتا ہے ایک دن میں جسکی مقدار ایک ہزار سال ہے — یہاں تک اِس امر کی وضاحت کردی گئی ہے کہ اللہ

تعالیٰ کے سب کام کُن فیکون کے ماتحت ہو رہے ہیں۔ ہر کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے قانون مقرر کر دیئے ہیں۔ سب کام عین اُن کے مطابق سرانجام ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ زندگی اور موت تک کا کوئی مرحلہ ذاتِ باری کے خود متعین کردہ قوانین کے خلاف نہیں ہو سکتا بالفاظِ دیگر آیتِ مجیدہ کُن فیکون میں خدا تعالیٰ نے اپنے متعینہ قوانین کی حکمیت کا اعلان کر دیا ہے۔

نفخ صُور • اب آئیے نفخ صُور کی طرف! اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ آیتِ مجیدہ زیرِ بحث ۶/۷ میں یَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ بدل ہے یَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ کا۔ بالفاظِ دیگر قیامت کُن فیکون کی عملی صورت بتائی گئی ہے نفخِ صُور گویا اللہ تعالیٰ فرمائیگا کُن اور قیامت برپا ہو جائیگی۔ اِسی کُن کیلئے متبادل تفسیری الفاظ لائے گئے ہیں یَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ جس دن صُور میں پھونک ماری جائیگی تو قیامت برپا ہو جائیگی۔ واضح رہے کہ پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں قیامت کے دو نفخ صُور بتائے گئے ہیں۔ پہلا وہ جس میں زمین کے اُوپر کی ہر چیز ختم کر دی جائیگی اور دوسرا وہ جس کے ساتھ صرف نوعِ انسانی کے جملہ افراد کو زندہ کر کے عملوں کی جزا سزا کے لئے اپنے حضور میں حاضر کر لیا جائیگا۔

نفخ اوّل • نفخ اوّل کا کیا نتیجہ ہوگا؟ اُسکے لئے ذیل کے متعدد الفاظ وارد ہوئے ہیں:۔

• اَلزَّلْزَلَةُ۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۲۲/۱ اے نوعِ انسانی! اپنے نشوونما دینے والے کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ بلاشبہ زلزلہ قیامت بہت بڑی چیز ہے۔ بالفاظِ دیگر قیامت کے نفخِ اوّل کا نتیجہ بہت بڑا زلزلہ ہوگا۔

• اَلْقَارِعَةُ۔ اَلْقَارِعَةُ ۙ مَا الْقَارِعَةُ ۚ ۱۰۱/۱-۲ کھٹکھٹانیوالی۔ کیا ہے وُہ کھٹکھٹانیوالی۔ اِن الفاظِ قرآنیہ سے ثابت ہُوا کہ نفخِ اوّل سے جو عظیم زلزلہ آئیگا، اُسکی بدولت زمین بھر کی ہر چیز کھٹکھٹانے لگ جائے گی۔

• اَلصَّآخَّةُ۔ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۫ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۸۰/۳۳ تا ۳۶ پھر جب بہرہ کر دینے والی آئیگی۔ اُس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگ جائیگا، اپنی ماں سے اور باپ سے، اپنی بیوی اور بیٹے سے بھاگ جائیگا۔ اس آیتِ مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ نفخِ صور اوّل سے عظیم زلزلہ کیساتھ مہیب آواز بھی پیدا ہوگی جس سے کان بہرے ہو جائینگے۔

• اَلْوَاقِعَةُ۔ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ ۵۶/۱ تا ۵ جب واقعہ ہونیوالی واقعہ ہو جائیگی۔ اُسکے واقعہ ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ جب زمین شدید حرکت کیساتھ ہلا دی جائیگی اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

• اَلسَّاعَةُ۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ

اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً يَسْــَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ۷/۱۸۷ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں اَلسَّاعَۃ (قیامت کے نفخ اوّل) کے متعلق کہ اُس کا واقعہ ہونا کب ہوگا۔ آپ کہہ دیجئیگا سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ نہیں ظاہر کریگا اسے اُسکے وقت پر مگر صرف وہی ظاہر کریگا۔ وہ ساعت آسمانوں اور زمین میں بہت بھاری ہے، وہ نہیں آئیگی تمہارے پاس مگر اچانک لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے کہ آپ اُس میں بحث کرنیوالے ہیں۔ کہہ دیجئیگا، سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ اسکا علم اللہ کے پاس ہے اور لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے۔

● اَلصَّاعِقَةُ۔ سورہ زمر میں ارشاد ہوا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ ۳۹/۶۸ اور صُور میں پھونک ماری جائیگی پھر ہر جاندار جو زمین میں ہے اور جو آسمانوں میں ہے سب بے ہوش ہو کر مر جائینگے سوائے اُسکے جو اللہ کے قانون مشیت میں مُستثنٰے ہو۔ (اس اِلَّا کو اِستثنٰے بالمشیّت کہتے ہیں جو ماقبل مذکور کی تاکید کیلئے آتا ہے یعنی یقیناً سب مر جائیں گے) اور پھر صُور میں دوسری پھونک ماری جائے گی تو اُس وقت زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے۔ ایک دوسرے کو دیکھنے ہوں گے۔

● یہاں تک آپنے نفخ اوّل کے متعلق جان لیا ہے کہ اُس سے ایک عظیم زلزلہ برپا ہوگا ۲۲/۱ اور ہر چیز ٹمٹمانے لگیگی ۱۰۱/۱ ساتھ ہی اتنی زور کی آواز پیدا ہوگی کہ لوگ بہرے ہو کر ۸۰/۳۴ مر جائینگے ۳۹/۶۸ زمین شدت کیساتھ ہلائی جائیگی ۹۹/۱ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائینگے ۵۶/۵ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۵۵/۲۶ اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ ۲۸/۸۸ میں فَانٍ اور هَالِكٌ دونوں اسم فاعل ہیں، جن سے ثابت ہے کہ کائنات میں ہر آن ہلاکت وفنا یعنی توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے جسکی تصدیق سائنس کر چکی ہے۔

سائنسدانوں کے سوال کا جواب ● یہاں پہنچ کر سائنسدان سوال کر سکتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا کُن اُسکے متعیّنہ قوانین کے مطابق انجام پذیر ہوتا ہے تو بتایا جائے کہ نفخ صُور کی عملی شکل کیا ہوگی اور کن قوانینِ خداوندی کے مطابق الزلزلۃ، القارعۃ اور الصّاخۃ وغیرہ بروئے عمل آسکیں گی۔ اس اہم سوال کا جواب عالمی مشاہدات کے مطابق لفظ زلزلہ کے اندر موجود ہے۔ زلزلہ قیامت کو اللہ تعالیٰ نے عظیم زلزلہ بتایا ہے۔ مگر عام زلزلے تو ابتداءِ آفرینش ہی سے آ رہے ہیں۔

● زلزلے کیوں آتے ہیں؟ اس کیوں کا جواب خود سائنسدان حضرات کے ہاں مسلّمہ ہے کہ زمین کے بطن میں ہر آن عظیم لاوا کھول رہا ہے جو ہر وقت باہر نکلنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ بعض دفعہ یہی لاوا کسی چٹان کی چوٹی کو پھاڑ کر باہر نکل آتا ہے اس طرح زمین سے نکلنے لاوے کا یہ عمل ایک طرف تو اپنے دائرۂ عمل تک زمین میں زلزلہ پیدا کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ چٹان کے جس مقام پر سوراخ کر کے زور سے نکلتا ہے وہاں زوردار آواز بھی پیدا کرتا ہے۔ بعض دفعہ آواز کی شدت سے

وہاں کے لوگ بہرے ہو جاتے ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ وہی لاوا جب ٹھنڈا ہوتا ہے تو سائنسدان حضرات یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں کہ زمین کے اندر کون کونسے عناصر موجود ہیں جن کے آمیزے سے زمین کے بطن میں ہر آن لاوا کھولتا رہتا ہے۔

● یہ تو ہُوا زلزلہ کی آمد کا ایک سبب کہ لاوا کسی مقام پر زور کیساتھ باہر آکر زلزلے کا موجب بنتا ہے۔ اور زلزلے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی وقت زمین کے شکمی لاوے میں کسی مقام پر آتش گیر عناصر کے ذخیروں کا اتصال ہوتا ہے اور زمین کے اندر ایک عظیم دھماکہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کی بدولت زمین کے اُس حصے میں مذکورہ دھماکے کی شدت کے مطابق بڑا یا چھوٹا زلزلہ آتا ہے، اگر وہ زمینی لاوے کا شکمی دھماکہ بڑی مقدار کا ہو تو بستیوں کی بستیاں غرق کر دیتا ہے۔ بھارت میں کانگڑہ اور پاکستان میں کوئٹہ کی تباہی زمین کے شکمی دھماکے کا زندہ ثبوت ہے

● پس اگر معمولی سا غور بھی کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر عیاں ہو جاتی ہے کہ ہماری زمین اور جملہ کرہ ہائے سماوی کے شکموں میں ہر آن لاوا کھول رہا ہے جو کرّوں کے ہر مقام پر ہر آن باہر نکلنے کی کوشش میں معروف ہے۔ نفخ اوّل کے وقت اس اندرونی لاوے میں اندرونی آتشگیر ذخیرے جو الگ الگ محوِ عمل ہیں، اُن کے باہمی اتصال کی بدولت (جو اس قانون کے مطابق عمل میں آئیگا کہ وہ ذخیرے ہر آن باہر نکلنے کی کوشش میں ہیں) بہت عظیم دھماکوں کا موجب ہونگے۔ لاوا جگہ جگہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں کو پھاڑ کر باہر نکل آئیگا۔ جس کی بدولت ہزاروں لاکھوں زلزلے بیک وقت پیدا ہوں گے، سارے کے سارے کرّے بیک وقت شدید حرکت کیساتھ کھٹکھٹانے لگینگے اور پوری کائنات میں القارعہ کی حالت پیدا کر دینگے۔

● اور اسکے ساتھ ہی لاوے کے زوردار اخراج کی بدولت اَلصَّاخَّۃُ کی عملی صُورت پیدا ہو گی۔ اتنی زور کی عالمگیر آواز جو کانوں کو بہرہ کر دیگی۔ پہاڑوں کی چٹانوں میں شدید دھماکوں کی بدولت چھوٹے بڑے سب پہاڑ اُڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا کی عملی شکل پیدا ہو جائیگی۔ اِسی عین قانونی عمل کو قرآن کریم میں اِس کے وقوع کو شک وشبہ سے پاک کرنے کیلئے ارشاد ہُوا ہے لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ۔

● اور یہی وُہ زلزلۂ عظیم ہے جسے صاعقہ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے؛۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۳۹/۶۸ اور صُور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں سب جاندار مر جائیں گے۔ بالکل ایسا ہی ہو گا۔ تیرے پروردگار کی مشیت یہی ہے۔ اس آیت مجیدہ میں آمدہ الفاظ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ زلزلہ، قارعہ، صاعقہ اور صیحہ کی مصدری عملی حالت قیامت کو صرف زمین ہی میں نہیں ہو گی بلکہ جملہ کرجات سماوی کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائینگے

اور تمام جاندار مر کر ختم ہو جائیں گے۔

صور کیا ہے؟ • مندرجہ بالا صور کے نفخِ اوّل کی پوری بحث میں، لفظ صور کا معنیٰ و مفہوم بیان نہیں ہوا۔ یہ معمہ تا حال حل نہیں ہو سکا کہ وہ صور کیا چیز ہے جس میں قیامت کو پھونک ماری جائیگی۔ روائتی تفاسیر میں اسکے متعلق یہ مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسرافیل فرشتے کو روزِ آفرینش ہی سے نرسنگھا دے کر کھڑا کر دیا ہے وُہ نرسنگھے سے مُنہ لگائے منتظر کھڑا ہے کہ جب اُسے حکم دیا جائیگا تو وہ اُس میں پھونک مار دے گا۔ اُس نرسنگھا کی آواز اتنی ہیبت ناک ہو گی کہ پوری زمین پر زلزلہ آ جائیگا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور پُورے جاندار موت کے گھاٹ اُتر جائیں گے۔

• لیکن خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب صحیفۂ فطرت کی آیاتِ مبارکہ کے مطالعہ سے، یہ کائناتی شہادتیں روزِ آفرینش سے آپکے سامنے موجود ہیں، جن کا انکار دن کو رات اور سورج کو تاریک قرار دینے کے مصداق ہے، وہ یہ کہ زمین کا پیٹ لاوے سے بھرا پڑا ہے، جب اُس لاوے میں کوئی شکمی دھماکہ پیدا ہوتا ہے تو زلزلہ آتا ہے اور یا وہ کسی پہاڑ کی چٹان میں سوراخ کر کے زور سے نکلتا ہے تو زلزلہ بھی آتا ہے، کانوں کو بہرہ کرنیوالی ہیبتناک آواز بھی پیدا ہوتی ہے۔ دروازے اور کھڑکیاں بھی کھٹکھٹانے لگتی ہیں، اور اگر زلزلہ شدید ہو تو بستیوں کی بستیاں غرق بھی ہو جاتی ہیں اور ہزاروں لاکھوں جاندار بھی موت کے آغوش میں پہنچ جاتے ہیں۔

• سابقہ صفحات میں پیش کیگئی صحیفۂ کائنات کی آیاتِ مبارکہ کی زندہ شہادتوں کے مطابق جب زمین سمیت جملہ کرہ جات کا لاوا زلزلۂ عظیم کی صورت میں نمودار ہو گا تو قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق الساعۃ، القارعۃ، الصّاخہ، یعنی القیامۃ برپا ہو جائیگی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ارض و سماوات کے سب جاندار مر جائینگے۔ پس صحیفۂ کائنات کے اِن ناقابلِ انکار دلائلِ قاطعہ کے مطابق صور (نرسنگھا) وہ سوراخ ہونگے جن کے راستے زور کا لاوا نفخ کرتا ہُوا، مذکورہ سوراخوں میں پھونک مارتا ہُوا نمودار ہو گا اور یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ۴۴/۱۰ کی قرآنی خبر کے مطابق سارے آسمان دھوئیں سے بھر جائینگے۔

ایک علمی نکتہ • واضح رہے کہ نفخ صور قرآن مجید میں افعال ماضی یا افعال مضارع میں صرف بصورتِ فعل مجہول مَا لَمۡ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ آیا ہے۔ یعنی فعل ماضی مجہول میں نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ ۱۸/۹۹ ۲۳/۱۰۱ ۳۶/۵۱ ۳۹/۶۷ ۵۰/۲۰ اور ۶۹/۱۳ میں آیا ہے۔ اور فعل مضارع مجہول میں یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ ۶/۷۳ ۲۰/۱۰۲ ۲۷/۸۷ اور ۷۸/۱۸ میں آیا ہے اور اس امر میں بھی اہلِ علم کو مجالِ انکار نہیں کہ افعال مجہول میں فاعل کی تلاش کلام کے سیاق و سباق اور مشاہداتی قرائن کے مطابق کرنا ہوتی ہے۔ پس مشاہداتِ صحیفۂ فطرت کے مطابق جسطرح روزِ آفرینش ہی سے خدا تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کے مطابق زلزلوں کا سبب زمین کے شکمی لاوے کی تبخیر ہے او خدا تعالیٰ کے اسی قانونِ جاریہ کے مطابق

قیامت کے زلزلۂ عظیم کا سبب بھی مذکورہ لاوا ہی ہوگا۔ اور اَلصُّوْر اُن سوراخوں کا نرسنگھا یا بگل ہوگا جو لاوے کی شکلی تجھیر کے زور سے زمین سمیت جملہ کرّہ جات سماوی کے پہاڑوں کی چوٹیوں میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں قانونِ خداوندی کے مطابق پیدا ہو کر شورِ قیامت برپا کر دینگے۔

نفخِ ثانی

● نفخِ اوّل کا عمل وقوع پذیر ہو چکنے کے بعد نفخِ ثانی میں لاوے کا زور ٹوٹ چکا ہوگا۔ اور مخصوص گیسوں سے معمور پانی کی بارش برسائی جائیگی جس سے نوعِ انسانی زندہ ہو کر اُٹھ کھڑی ہو گی۔ سورہ زمر میں نفخِ اوّل کا ذکر کرنے کے بعد نفخِ ثانی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ؀ ۳۹/۶۸ پھر اس میں دوسری پھونک ماری جائیگی۔ پھر اچانک کھڑے ہو جاتے، دیکھتے ہونگے۔

● سورہ یٰسٓ میں ارشاد ہوا ہے:۔ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ؀ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ؀ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ؀ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ؀ ۳۶/۵۱ تا ۵۴۔

(مفہوم) اور صور میں پھونک ماری جائیگی، پھر وہ اچانک اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف بھاگ کر آجائیں گے۔ کہینگے افسوس کہ ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا ہے۔ (یہ وہ دن ہے) جس کا رحمان نے وعدہ دیا تھا۔ اور اللہ کے رسولوںؑ نے سچ کہا تھا۔ نہیں ہو گی وہ صرف ایک ہی آواز۔ پھر وہ سب کے سب اچانک ہمارے حضور حاضر ہو جائینگے۔ پھر اُس دن کسی جان پر ذرّہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔ تم نہیں دیئے جاؤ گے (اچھا یا بُرا) بدلہ مگر انہی عملوں کا جو تم (اچھے یا بُرے) اعمال خود بجالاتے تھے۔

● سورۂ نبا میں ارشاد ہوا ہے:۔ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۷۸/۱۸ جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی تو (اے نوعِ انسانی) تم گروہ در گروہ (ہمارے پاس) آؤ گے۔

● سورہ مومنون میں بتایا گیا ہے:۔ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ؀ ۲۳/۱۰۱ پھر جب صور میں پھونک ماری جائیگی تو اُس دن اُن (نوعِ انسانی) کے درمیان کوئی حسب نسب نہیں ہوگا اور نہ ہی اُس دن یہ سوال کیا جائیگا کہ تو کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

● ہو سکتا ہے کہ یہاں پہنچ کر کسی ذہن میں یہ سوال کروٹیں لے رہا ہو کہ اوپر پیش کی گئی آیتوں میں نہ نفخِ اوّل کے متعلق صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ سب لوگ مر جائیں گے بلکہ بیہوش ہو جانے کے الفاظ آئے ہیں اور نہ نفخِ ثانی کے ضمن میں صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ مُردے جی اٹھینگے۔ کیونکہ نفخِ اوّل کیلئے ذیل کے الفاظ آئے ہیں:۔ القیامۃ کا مصدری معنی ہے اچانک اُٹھ کھڑا ہونا۔ السّاعۃ کا معنی ہے ایک مخصوص

گھڑی الواقعۃ کا معنی ہے واقع ہونیوالی۔ القارعۃ کا معنی ہے کھٹکھٹانیوالی۔ الصیحۃ کا معنی ہے زور کی آواز چیخ و پکار وغیرہ۔ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۳۹/۶۸ کا معنی ہے آسمانوں اور زمین کے سب جاندار بے ہوش ہو جائینگے۔ کسی بھی لفظ کا یہ معنی نہیں ہے کہ سب مر جائینگے۔

● اور اسی طرح نفخِ ثانی کیلئے بھی یہ الفاظ نہیں آئے کہ مُردے جی اُٹھینگے۔ اسکے ضمن میں یہ الفاظ آئے ہیں فَاِذَا هُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ۔ ۳۶/۵۱ وہ اچانک اپنے رب کی طرف بھاگ کھڑے ہونگے۔ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۷۸/۱۸ کا معنی یہ ہے کہ تم اُس دن فوج در فوج (ہمارے پاس) آؤ گے وغیرہ وغیرہ۔

● جواباً عرض ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس عنوان کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صرف دو مقامات پیش کیے جاتے ہیں:۔

ا۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ ۲/۲۸ (اے نوعِ انسانی!) تم اللہ تعالیٰ کا انکار کس طرح کرتے ہو جبکہ تم نیست تھے۔ پھر تمہیں زندگی دی۔ پھر تمہیں موت دے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا (قیامت کو) پھر تم (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ——— اس آیت میں ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ کے الفاظ میں قیامت کو زندگی دینے یعنی مُردوں کو زندہ کرنے کی خبر دی گئی ہے۔

ب۔ اسی طرح سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے:۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ ۲۰/۵۵ (اے نوعِ انسانی!) ہمنے تمہیں ابتدا میں زمین میں سے پیدا کیا اور تم کو ہم (قیامت کو) دوسری مرتبہ بھی اسی زمین سے نکال لینگے۔ اس آیت مجیدہ میں بھی موت کے بعد دوسری مرتبہ زمین میں سے نکالنے زندہ کرنے کے متعلق مطلع کیا گیا ہے۔

ج۔ سورہ المومنون میں ارشاد ہوا ہے (ترجمہ) اے نوعِ انسانی! ہمنے تمہاری ابتدائی پیدائش مٹی کے جوہر سے کی۔ پھر تمہاری افزائش نسل رحمِ مادر میں نطفہ سے ٹھہرائی پھر ہم اُسے جمے ہوئے خون میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ پھر اُسے گوشت کا لوتھڑا بنا دیتے ہیں۔ پھر ہم اس میں ہڈیاں پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہم ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں اور پھر ہم آخری حالت یعنی بچے کی صورت میں پیدا کر دیتے ہیں۔ بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو احسن الخالقین ہے (احسن تخلیق پیدا کرنیوالا ہے) ۲۳/۱۲ تا ۱۴

● انسان کی اس ابتدائی اور رحمی تخلیق کی وضاحت کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ؕ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ ۲۳/۱۵-۱۶ پھر بیشک تم پیدا ہونے کے بعد (زندگی گزار کر) مر جاتے ہو۔ پھر بیشک تم (مرنے کے بعد) قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے ——— ان جملہ آیاتِ مقدسہ میں مرنے کے بعد

دوبارہ قیامت کے دن زندہ کئے جانے کی یقینی خبر دی گئی ہے۔ جو لوگ قیامت کے قریب پہلے، یا دُور پہلے کے مرے ہُوئے ہونگے اُنکی بھی قیامت کو بعثت ہو جائیگی اور جو لوگ زلزلۂ قیامت کیساتھ قیامت کے دن مرینگے وُہ بھی زندہ کر لئے جائیں گے۔ اِس کی وضاحت بھی قرآن مجید کے متعدّد مقامات پر موجود ہے۔ صرف دو ایک مقامات حاضر خدمت ہیں :۔

● سُورہ قیامت میں ارشاد ہُوا ہے :۔

الف۔ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰى قٰدِرِیْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ۝ ۷۵ / ۳-۴ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کرینگے۔ ہاں ہم تو اس امر کا بھی قانون بنانیوالے ہیں کہ اسکے پورے پورے کو صحیح سالم کریں۔

ب۔ سُورہ یٰسٓ میں منکرِ قیامت کا قول درج ہے اور اُسکا جواب خود آنحضور صلعم سے دلوایا گیا ہے :۔ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ۝ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ ۳۶ / ۷۸-۷۹ (قیامت کا منکر) کہتا ہے کہ (برسوں کی گلی سڑی) ہڈیوں کو کون زندہ کریگا۔ اَے رسول! کہہ دیجئے گا کہ انہیں وہی زندہ کریگا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

ج۔ سورہ واقعہ میں استحصالی مجرموں کا قول درج ہے اور اُسکا جواب خود آنحضور صلعم کی زبانِ مبارک سے دلوایا گیا ہے :۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ۝ وَ كَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ۝ وَ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَىِٕذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ۵۶ / ۴۵ تا ۵۰۔

(مفہوم) بیشک وُہ اِس سے پہلے دُوسروں کی کمائی کھانیوالے تھے۔ اور وُہ اِس گناہِ عظیم پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر لئے جائیں گے۔ (اَے رسولؐ) کہہ دیجئیگا بیشک پہلے اور پچھلے سب کے سب مقررہ معلوم دِن کو (زندہ کر کے) جمع کر لئے جائینگے۔

● حاصل کلام یہ کہ :۔

خلاصہ کلام

سابقہ صفحات سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ قیامت کے دن قانونِ خداوندی کے مطابق زمین سمیت جملہ کرّہ جات کا شکمی لاوا پہاڑوں کی چٹانوں سے اُسی طرح پھٹ پڑیگا جس طرح روزِ آفرینش سے آتش فشاں پہاڑ پھٹتے رہتے ہیں۔ اور زلزلے پیدا کرتے ہیں۔ قیامت کے زلزلۂ عظیم کے ذریعہ تمام کرّوں میں کائنات خیز زلزلہ آئیگا۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ارض و سماوات کے جاندار سب مر جائیں گے۔

● اخیر پر اس امر کی وضاحت بھی لازم ہے کہ زلزلۂ قیامت سے زمین اور آسمان ختم نہیں ہونگے، اُن پر موجود جاندار مر جائینگے۔ عمارتیں اور پہاڑ اُڑ اُکھڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائینگے۔ زمین و آسمان اُسوقت ختم کئے جائیں گے جب

اہلِ جنت کی جزا اور اہلِ دوزخ کی سزا کا وقفہ پورا ہو جائیگا۔ سورہ ھود میں اہلِ نار کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

● فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۱۱/۱۰۶-۱۰۷ پھر جو شقی ہونگے، پس وہ آگ میں ہونگے۔ اُنکے لئے اُس میں چیخنا اور چِلّانا ہے۔ وہ اُس میں اُس وقت تک ہمیشہ رہینگے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں۔

● اِسی طرح اہلِ جنت کے متعلق بھی ارشاد ہوا ہے:۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۱۱/۱۰۸ اور جو نیک لوگ ہونگے وہ جنت میں ہونگے۔ وہ اُس میں اُس تک رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں ـــــ اِن آیاتِ مجیدہ سے ثابت ہوا کہ قیامت کے عظیم زلزلوں سے زمین اور آسمان تباہ و فنا نہیں ہونگے، بلکہ کرّہ جات کے اُوپر کی چیزیں ختم ہو جائینگی۔ جیسے کہ سورہ الرحمٰن میں ارشاد ہوا ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۵۵/۲۶ جو کچھ زمین کے اُوپر موجود ہے، زلزلۂ قیامت سے وہ سب فنا ہو جائیگا۔ آسمان اور زمین تباہ نہیں ہونگے۔

● اہلِ جنت کے وقفۂ جنت میں جو انکے متعلق سورہ نساء میں بتایا گیا ہے وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ۝ ۴/۵۷ اور ہم انہیں گھنے سایوں میں داخل کرینگے۔ سایوں کی موجودگی سورج کی موجودگی کی مُخبر ہے اور اس کے طلوع و غروب کے نظامِ شمسی کے قیام کی بھی دلیل قاطع ہے ـــــ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے جملہ مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زمین و آسمان ہمیشہ نہیں رہینگے اور نہ اہلِ نار و اہلِ جنت اللہ تعالیٰ کی طرح ہمیشہ زندہ رہینگے۔ بلکہ اپنے وقت پر زمین و آسمان بھی فنا کر دیئے جائینگے اور اہلِ جنت و اہلِ نار بھی اپنی اپنی جزا سزا پا چکنے کے بعد ختم کر دیئے جائینگے۔ قیام و بقا صرف اور صرف ذاتِ باری کیلئے ہے:۔ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۲۸/۸۸ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہو جانیوالی ہے۔

نفخِ ثانی کے متعلق سائنسدانوں کا ایک اہم مشاہداتی سوال

● جس طرح قیامت کے نفخِ اوّل کے متعلق سائنسدانوں کے اعتراض کا جواب پیچھے گزر چکا ہے کہ قیامت کا زلزلۂ عظیم کس قانونِ خداوندی کے مطابق آئیگا اور وہ صُور کیا چیز ہے جس میں پھونک ماری جائیگی اور کس قانونِ خداوندی کے مطابق ماری جائیگی۔ اِسی طرح قیامت کے نفخِ ثانی کے متعلق بھی سائنسدان حضرات کا سوال ہے کہ کس قانونِ خداوندی کے مطابق کروڑہا سال کے مُردے زندہ ہو جائینگے۔ کتابِ لاریب میں اللہ تعالیٰ کے کئے گئے دعوے ہرگز ہرگز جھوٹے نہیں ہیں۔ اُس نے اپنے متعینہ قوانین کے متعلق اعلان کر رکھا ہے:۔

● لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۴ اللہ تعالیٰ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

● لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۶/۱۱۶ اُس کے (اللہ تعالیٰ کے) قوانین کو کوئی بدلنے والا ہی نہیں۔

● مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝ ۵۰/۲۹ میرا قول خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا اور نہ ہی میں اپنے قول کو بدل کر بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں ــــ اُس نے ہر چیز کے غیر متبدل قوانین متعین فرما دیئے ہیں:ــ

● وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝ ۲۵/۲ اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اسکے لئے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قانون مقرر کر دیئے ہیں۔

● اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُس نے قیامت کے دن مُردوں کے زندہ ہونے کا قانون مقرر کر رکھا ہے؟ اِس کا عقلی جواب تو یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے قانون متعین کرنے کا اٹل دعویٰ فرمایا ہے تو پھر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ جب اس نے قیامت کے دن مُردوں کے زندہ ہونے کی خبر دیدی ہے تو اُسکے لئے قانون متعین نہ فرمایا ہو؟ اسکا ایک ہی جواب ہے کہ ضرور ضرور متعین فرمایا ہے۔

● اور نقل کی رُو سے یعنی اِسکا قرآنی جواب سورہ قٓ میں بالفاظ ذیل دیا گیا ہے:۔ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝ ۵۰/۹ تا ۱۱

(مفہوم) اور ہم آسمان سے برکت والا پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اُسکے ساتھ باغات اور کاٹا جانے والا اناج پیدا کرتے ہیں۔ اور تہ بہ تہ گابھے والی لمبی لمبی کھجوریں پیدا کرتے ہیں۔ جو بندوں کیلئے رزق ہے۔ اور ہم اُس برکت والے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ (جسطرح ہم برکت والے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں) اُسی طرح ہے (مُردوں کا زندہ ہو کر زمین میں سے) نکلنا ــــ اِسی سُورت مجیدہ میں مزید ارشاد ہُوا ہے:۔

● یَّوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ ۵۰/۴۲ جس دِن لوگ (قیامت کی) چیخ کو حق کے ساتھ سُنیں گے یہ (زمین سے زندہ ہو کر) نکلنے پڑنے کا دِن ہے ــــ اِسی خروج یعنی مُردوں کے زندہ ہو کر زمین سے نکلنے کی خبر سُورہ طٰہٰ میں بالفاظ ذیل دی گئی ہے:۔

● مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ۝ ۲۰/۵۵ (اے نوعِ انسانی!) ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا، اور (تمہارے مرنے کے بعد) ہم تمہیں اِسی زمین کو لوٹا دیتے ہیں۔ اور (قیامت) کو ہم تمہیں اِسی زمین میں سے نکال لیں گے۔

کِس قانون کے مطابق نکال لینگے

● قیامت کو مُردوں کو زندہ کرنے کا قانون كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۵۰/۱۱ کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ جس طرح آسمان سے مَآءً مُّبٰرَكًا برکت والا پانی نازل کر کے مُردہ زمین کو زندہ کیا جاتا ہے اُسی طرح مَآءً مُّبٰرَكًا نازل کر کے قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کر کے زمین میں سے نکال لیا جائیگا۔ سُورہ قٓ کی آیت بالا ۵۰/۹ میں نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا کے الفاظ میں مُردہ زمین کو زندہ کرنے کیلئے جو صرف فَنَآءٌ؟ کا

لفظ نہیں لایا گیا بلکہ اس کے ساتھ مُبٰرَکًا کی تخصیص عائد کردی ہے۔ تو ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا خود متعین کردہ قانون یہ ہے کہ زمین جب بار بار فصلیں پیدا کرکے اور خشک سالی کی بدولت مرجاتی ہے فصلیں پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی اُسے مَآءً مُّبٰرَکًا کیساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔

مَآءً مُّبٰرَکًا کیا ہے؟

● زمین کس طرح مُردہ ہو جاتی ہے؟ اس کا جواب صحیفۂ فطرت خدا تعالیٰ کی کتاب کائنات کی تجزیاتی آیات مجیدہ کی رُو سے یہ ہے کہ اُس میں امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ ختم ہو جاتی ہیں۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون جاریہ کے مطابق ہواؤں میں مذکورہ معدنی اور نامیاتی گیسیں پیدا کر رکھی ہیں جو مُردہ اور ذبح کردہ جانوروں، انسانی و حیوانی بول و براز اور گلے سڑے کوڑا کرکٹ وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں اور ہواؤں میں مل کر اُڑتی چلی جاتی ہیں۔ بارش کے قطرے اِن گیسوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے قانونِ جاریہ کے ذریعہ ہر آن مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ اِسطرح بارش کا وہ پانی جس نے اپنے اندر مذکورہ بالا معدنی اور نامیاتی گیسوں کو جذب کر رکھا ہوتا ہے قرآنِ کریم نے اُسے مَآءً مُّبٰرَکًا کہا ہے۔ جب مذکورہ گیسوں سے معمور مبارک پانی مردہ زمین پر برستا ہے تو اُسکی کمی پوری کرکے اُسے زندہ کر دیتا ہے۔

● خداوند تعالیٰ نے قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کرکے زمین سے نکالنے پر سُورہ قٓ کی آیتِ بالا بطور مثال پیش کی ہے۔ واضح رہے کہ مُردہ زمین کو مَآءً مُّبٰرَکًا کیساتھ زندہ کرنے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ ٥٠/١١ اہلِ قواعد سے مخفی نہیں کہ کَذٰلِکَ میں کاف حرفِ تشبیہ ہے، مبارک پانی (یعنی امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ سے معمور پانی) کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنا مشبہ بِہٖ ہے اور اَلْخُرُوْجُ مشبّہ ہے۔ بالفاظِ دیگر مُردہ زمین کے زندہ ہونے کے ناقابلِ انکار مشاہدے کی مثل ہوگا مُردوں کا زمین سے زندہ ہو کر خارج ہونا۔ اسکے ساتھ ہی ایک اور مسلّمہ حقیقت کو بھی نگاہ میں رکھئے گا۔

● وہ یہ کہ مثال مثال ہوتی ہے، اصل و عین تو ہوتی نہیں مگر جس چیز کی مثال دی جاتی ہے اُسکے ساتھ اُسکا خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ ٥٠/١١ کی مثال کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ میں مَآءً مُّبٰرَکًا کا تعلق خصوصی ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہ جس طرح مذکورہ گیسوں سے معمور پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کر لیا جاتا ہے، اُسی طرح ان گیسوں سے معمور پانی کیساتھ مُردوں کو زندہ کرکے زمین سے نکال لیا جائیگا جو انسانی مردوں کو زندہ کرنے کیلئے قوانینِ خداوندی میں متعین ہو چکی ہوئی ہیں۔

● آگے بڑھنے سے پہلے سُورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ٢٠/٥٥ پر ایک مرتبہ پھر غور فرمائیں :۔ مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْھَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی ٢٠/٥٥ ہمنے تمہیں زمین میں سے پہلی مرتبہ پیدا کیا (نکالا تھا) پھر ہم تمہیں اسی میں لوٹا دیتے ہیں اور دوسری مرتبہ بھی اِسی میں سے نکالینگے —— اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی پہلی تخلیق کے وقت

بھی آسمان سے اُن گیسوں سے معمور بارش برسائی گئی تھی جو نوعِ انسانی کی پیدائش کیلئے کائناتی قوانین میں ذاتِ باری نے خود متعین فرمائی تھیں۔ وہ گیسیں کون کونسی ہیں۔ اِسکا علم صرف اور صرف ذاتِ باری کو ہے، کیونکہ زندگی کو عالمِ وجود میں لانے والا بھی وُہی ہے اور قیامت کو مُردہ انسان کو دوبارہ زندگی دینا بھی صرف اور صرف اُسی کا کام ہے۔ انسان کیلئے ناممکن ہے کہ مُردوں کو زندہ کر سکے۔ یعنی وہ گیسیں معلوم کر سکے جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے متعین کیگئی ہیں۔

● حاصل کلام یہ کہ ۵۰/۱۱ کی قرآنی سند کے مطابق انسان کی مُردہ ہڈیوں کو اُسی طرح قیامت کو زندہ کیا جائیگا جس طرح مُردہ زمین کو مَاءً مُّبٰرَكًا یعنی امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی آکسائڈ کو جذب کردہ پانی کے ساتھ زندہ کرلیا جاتا ہے۔ اِس سے ثابت ہُوا کہ انسان کی ہڈیوں کو زندہ کرنے کیلئے بھی خداتعالیٰ نے ایسی گیسیں متعین کر رکھی ہیں کہ قیامت کو اُن سے معمور مُبارک پانی برسا کر ہڈیوں کو زندہ کرلیا جائیگا۔ واضح رہے کہ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۲۵/۲ کیمطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر تخلیق کیلئے بھی قوانین متعین فرما رکھے ہیں۔ انسان کا انہیں معلوم نہ کر پانا ان کے عدم کی دلیل نہیں۔

شعور کی واپسی

● اِس مقام پر پہنچ کر اس اعتراض کا جواب دینا بھی لازم ہے جو نوعِ انسانی کے بعض حلقوں میں یہ تصوّر جگر لگا رہا ہے کہ اگر مُردہ ہڈیوں کو زندہ کر کے انسانی جسم کو صحیح سالم کر لینا تسلیم کر لیا جائے تو شعور کسطرح واپس آجائیگا۔ اگر واپس آجائیگا تو ماننا پڑیگا کہ وہ جسم سے الگ ہے جس پر موت کا اثر نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ شعور کا جسم سے الگ ہونا قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ بلکہ انسانی جسم میں شعور کا وجود آٹومیٹک انداز سے موجود ہے۔ ایک تو عالمگیر غلط فہمی یہ ہے کہ شعور یا عقل وبصیرت دل کے اندر ہے، حالانکہ دِل تو محض ایک پمپ ہے جو جسم کے ہر حصّے میں ہر آن خون پہنچانے کی خدمت پر مامور ہے۔ پلاسٹک کا دل بنا کر اُس سے پمپنگ کی خدمت لی جاچکی ہے اور اس دوران میں مریض کے اندر شعور موجود ہوتا ہے کیونکہ وُہ دل میں نہیں بلکہ دماغ میں ہے۔ دماغ کے متعدد حصّوں شعبوں میں صرف ایک شعبہ ہے حافظہ کا۔ اِس حصّے میں بچپن سے لیکر موت تک کے واقعات محفوظ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ریکارڈ روم دماغ کے متعدد خانوں میں سے صرف ایک خانہ ہے۔ دماغ کی متعدد قوتوں میں سے صرف ایک قوت، قوتِ حافظہ کو موت سے الگ کسطرح رکھا جا سکتا ہے۔ اسکی باقی قوتیں، قوتِ متفکرہ، مدبّرہ، قوتِ مصوّرہ، متخیلہ اور قوتِ فیصلہ یعنی پیش آمدہ امور پر غور وفکر کرنے کا خانہ الگ ہے۔ اور غور وفکر کے بعد قوت فیصلہ ایک الگ قوت ہے۔ بعض افراد میں غور وفکر کی قوت تو ہوتی ہے مگر اُنکی قوتِ فیصلہ نابود یا کمزور ہوتی ہے۔ پھر قوتِ نافذہ کا الگ خانہ ہے جو ہر خطرے کے وقت انسانی اعضاء کو حکم دیتی ہے اور وُہ فوراً عمل درآمد کرتے ہیں۔ مثلاً جب انسانی جسم کسی وجہ سے دائیں طرف گرنے لگتا ہے تو قوتِ نافذہ بائیں بازو کو حکم دیتی ہے وُہ فوراً اُٹھ جاتا ہے اور جسم کا توازن صحیح کر دیتا ہے۔ اِسی طرح اگر انسانی جسم کسی وجہ سے بائیں طرف گرنے لگتا ہے تو قوتِ نافذہ دائیں بازو کو حکم دیتی ہے وہ فوراً اُٹھ جاتا ہے اور جسم کو گرنے سے بچا لیتا ہے۔ جسم پر کوئی ضرب یا خراش آجائے تو قوتِ نافذہ دل کو

حکم دیتی ہے، وہ زور زور سے چلنا شروع ہو جاتا ہے تاکہ گردشِ خون جلد از جلد بحال ہو جائے۔ الحاصل یہ کہ دماغ کی متعدد قوتوں میں سے صرف قوتِ حافظہ کو زندہ رکھنے کی کیا تُک ہے۔ اصل غلطی یہ ہوگی ہے کہ انسانی جسم کو ایک ناکارہ چیز قرار دیکر بعض لوگوں نے اصل چیز قرار دیا روح کو، اور اسے موت سے بچا لیا گیا ہے۔ بعض نے شعور کو اصل چیز ٹھہرا کر اسے موت سے بری کر دیا ہے۔ اسی ضمن میں ایک تصوّر انسانی ذات کا بھی ہو چکا ہے، جسے غیر فانی اور زندگی کو مسلسل جاری سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ مخلوق کی کسی بھی چیز کو غیر فانی قرار دینا، اسے نصف اللہ ٹھہراتا ہے العیاذ باللہ! ۔ وہ اسطرح کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ تک رہیگا۔ مگر روح، شعور یا نام نہاد انسانی ذات ہمیشہ ہمیشہ سے تو ہیں نہیں، مگر رہینگی ہمیشہ ہمیشہ تک۔ معاذ اللہ!

● واضح رہے بات کو سمجھنے والی چیز صرف شعور ہے، نہ آنکھ ہے نہ کان نہ زبان نہ بازو نہ ٹانگ وغیرہ کوئی چیز بھی بات کو سمجھنے والی نہیں۔ قرآنِ کریم ۲/۲۸ میں آیا ہے فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ۔ اللہ نے تمہیں زندگی دی پھر تمہیں موت دیتا ہے۔ دیکھئے اس خطاب کا مخاطب وہی ہے جو اسے سمجھتا ہے۔ اب ظاہر ہے خطاب کو سمجھتا ہے صرف شعور، تو ظاہر ہے کہ شعور کو براہِ راست کہا گیا ہے کہ اللہ تجھے مار ڈالیگا۔ اور جسم کے باقی حصوں کو بالواسطہ موت کی اطلاع دیگئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس خطاب کا براہِ راست مخاطب شعور بھی مرنیوالا ہے اور بالواسطہ مخاطب جسم بھی مرنیوالا ہے۔ اور اسی چیز کا مشاہدہ ہر آن موجود ہے کہ پورے کا پورا جسم مع شعور مر جاتا ہے۔ اور اسی طرح اگر جسم کو محض مٹی کا ڈھیر قرار دیکر اصل انسان روح یا کسی انسانی ذات کو تسلیم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے براہِ راست خطاب ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ کے مخاطب بھی ہیں، جو یقیناً یقیناً مر جاتے ہیں۔ ان میں سے زندہ رہنے والا یعنی نصف اللہ کوئی بھی نہیں۔

● عرض کیا جا رہا ہے کہ انسانی جسم کو ناکارہ اور غیر مقصود چیز قرار دینا ہی وہ ابتدائی غلطی ہے جسکی بدولت قرآنِ کریم کی مخالفت کا ارتکاب ہوا ہے۔ ورنہ اس بھری کائنات میں انسانی جسم ہی اللہ تعالیٰ کا وہ شاہکارِ عظیم ہے کہ اسکے ایک ایک عضو پر ابتداءِ آفرینش ہی سے ریسرچ ہوتی چلی آرہی ہے اور قیامت تک ہوتی چلی جائیگی۔ آج اسی شاہکارِ خداوندی کے الگ الگ اعضاء کے الگ الگ ڈاکٹر متعین کرنے پڑے ہیں۔ آنکھوں کا الگ، دانتوں کا الگ، دل کا الگ، خون کا الگ اور ہڈیوں کا الگ وغیرہ وغیرہ۔

● قرآنِ کریم کی رہنمائی میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کو اس پورے جسم کو دوبارہ زندہ کر لیا جائیگا۔ جس میں جسم کے پورے اعضاء اور دماغ کے پورے حصے قوتِ متصورہ، متخیلہ، مدبّرہ، متفکّرہ، قوتِ فیصلہ، نافذہ اور حافظہ کیساتھ زندہ کر لئے جائینگے۔ انسانی جسم ہی وہ چیز ہے کہ ہر حس اسی مجسمہ گوشت کے اندر موجود ہے۔ ڈاکٹر حضرات سے مخفی نہیں کہ دماغ کے مذکورہ تمام حصے مغز ہی کے ٹکڑے ہیں جو الگ الگ کام کرتے ہیں۔ قوتِ متخیلہ مختلف خیالات کو جنم دیتی ہے، قوتِ متصورہ ان دیکھی چیزوں کی تصوراتی تصویریں بنا کر سامنے لے آتی ہے۔ مثلاً اگر آپ لاہور کے متعلق خیال کریں تو قوتِ حافظہ آپکے دیکھے ہوئے حصوں کو سامنے لے آتی ہے۔ لیکن اگر آپ لندن وغیرہ کے متعلق خیال دوڑائیں جسے آپنے دیکھا نہیں، تو قوتِ متصورہ ننئے

ہوئے نقشے کیمطابق لندن کی تصوراتی تصویر بنا کر پیش کر دیتی ہے۔ اور یہ سب کچھ مغز کے لوتھڑوں ہی کا کام ہے جسم سے علیحدہ کسی چیز شعور، روح یا انسانی ذات کا کام نہیں۔ اگر روح کوئی پھرنے والی الگ سیلانی چیز ہے تو اسے لندن کی اصل تصویر لانی چاہیئے۔ اسی کے ضمن میں مزید غور فرمائیں کہ آنکھ کیا چیز ہے گوشت ہی کا ایک پرزہ ہے جو دیکھتا ہے۔ کان کیا ہیں؟ یہ بھی جسمانی گوشت ہی کی مخصوص ساخت کے پرزے ہیں جو سنتے ہیں۔ ناک کیا ہے؟ یہ بھی گوشت اور مخصوص ہڈیوں کا بنا ہوا جسمانی مشین کا ایک پرزہ ہے جو بو اور خوشبو میں تمیز پیدا کرتا ہے؟ زبان کیا ہے؟ یہ بھی آخر گوشت ہی کا لوتھڑا تو ہے جو نہایت صحت تلفظ کیساتھ خوبصورت الفاظ بنا کر پیش کرتا ہے۔ دل کیا ہے؟ یہ بھی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو پورے جسم میں ہر آن پمپنگ کی خدمت بجا لا رہا ہے۔

● اِن مثالوں سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جسطرح یہ سب گوشت اور ہڈیوں ہی کے بنے ہوئے پرزے ہیں جو سنتے ہیں، بولتے ہیں، دیکھتے ہیں، سونگھتے ہیں، اسی طرح شعور بھی مغز کے ایک لوتھڑے ہی کا فعل ہے، اسے کیوں قوت سے مستثنےٰ قرار دیدیا جاتا ہے۔ قرآنی رہنمائی کے مطابق پورا جسم قوت سامعہ، باصرہ، شامہ، لامسہ، مدبرہ، متفکرہ، متخیلہ، متصورہ، فیصلہ، نافذہ اور حافظہ (شعور) سمیت مر جاتا ہے اور قیامت کو پورا جسم اِن جملہ قوتوں کیساتھ زندہ کر لیا جائیگا، جس کی غرض صرف اور صرف اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی ہے۔ اور اچھے یا برے عملوں کی اچھی یا بری جزا یا سزا پانا ہے تاکہ قیامت کی عدالت عالیہ کی حاضری کے خوف سے ہر انسان برے اعمال سے پرہیز کرے اور نیکیوں میں سبقت لے جانا اسکا دائمی شعار ہو جائے۔

قیامت کو صرف انسان زندہ کیئے جائینگے حیوانات نہیں

● آگے بڑھنے سے پہلے زیر نظر بحث سے متعلقہ ایک سوال باقی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ قیامت کو صرف انسان زندہ کیئے جائینگے، حیوان کیوں زندہ نہیں کیئے جائینگے؟ اور کس قانون کے مطابق اُن پر زندہ کرنے کا عمل وارد نہیں ہوگا؟

● اِس سوال کے جواب کیلئے حیوانات کی ابتدائی تخلیق پر غور کرنا ہوگا۔ یہ ایک مصدقہ مسلمہ امر ہے کہ کائنات کی ہر چیز انسانی خدمتگار کے طور پر اسکی ضرورت کیلئے ہے جو اسکی پیدائش سے پہلے پیدا کر دیگئی تھی۔ جن میں اِس کی ضرورت کے جملہ حیوانات بھی اسکی تخلیق سے پہلے ہی پیدا کر دیئے گئے تھے۔ یہ سب جنگل میں پھرتے تھے۔ انسان نے گھوڑوں پر سواری کی، گدھوں سے بار برداری کا کام لیا، گائے بھینسوں اور بھیڑ بکریوں سے دودھ اور گوشت حاصل کیا۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن مختلف مبارک پانیوں کیساتھ یہ بڑے بڑے قد آور، پھر میانہ قد اور پھر پست قد حیوان پیدا ہوئے اُن کے ساتھ ہی انسان کیوں پیدا نہ ہو سکے؟

● اِس سوال کا جواب انتہائی سادہ اور آسان ہے، بارش کے جس مبارک پانی کیساتھ قد آور نوعوں کے حیوان پیدا فرمائے گئے اس میں وہی گیسیں جذب تھیں جو اُن حیوانوں کی تخلیق کیلئے مقرر کیگئی تھیں۔ نیز میانہ قد نوعوں کے حیوانوں

کی تخلیق کیلئے جو گیسیں خدا تعالیٰ نے متعین فرمائی تھیں، بارش کے پانی سے وہ نوعیں پیدا کی گئیں، جس نے مذکورہ گیسوں کو اپنے اندر جذب کر رکھا تھا۔ اور یہی قانونی اندازِ تخلیق ہر قسم کے الگ الگ حیوانات کی پیدائش میں کارفرما ہوا۔ الگ الگ قانون کیمطابق الگ الگ نوعیں عالمِ وجود میں لائی گئیں، اِن تخلیقوں کے وقت انسانی تخلیق اسلئے عمل میں نہ آئی کہ ہر تخلیق کیلئے الگ الگ گیسوں سے معمور پانی کا خداوندی قانون متعین ہے مقننِ تخلیق نے ویسے تو ہر تخلیق کے لئے الگ الگ قانون مقرر کیا ہے، مگر ہر عملِ تخلیق میں مشترک عنصر پانی ہے۔ جیسے کہ سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے:۔

● وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ $\frac{24}{45}$ -

(مفہوم) اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر اُن میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض دو پیروں پر اور بعض چار پیروں پر چلتے ہیں۔ وہ اپنے قانونِ مشیت کیمطابق پیدا کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ٹھیک ٹھیک اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔

● اِس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو آسمان سے پانی برسا کر پیدا کیا ہے، ہر تخلیق کیلئے الگ الگ جن گیسوں کے جذب کا قانون متعین فرمایا، اُن گیسوں کے جذب کے ذریعہ ہی ہر تخلیق عالمِ وجود میں لائی گئی۔ جس طرح حیوانوں کی الگ الگ ابتدائی تخلیق میں کسی دوسری تخلیق کو دخل نہیں ہوا۔ کیونکہ ہر تخلیق کیلئے الگ الگ گیسوں کے جذب کا قانون مقرر ہے۔ اُسی طرح نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق اُسوقت عمل میں آئی جب آسمان سے اُن گیسوں سے معمور پانی مَآءً مُّبٰرَكًا نازل کیا گیا، جو انسانی تخلیق کیلئے قانونِ خداوندی میں مقرر ہے۔

● اِسی طرح چونکہ قیامت کو وہ مبارک پانی برسایا جائیگا جو صرف اُن گیسوں سے معمور ہوگا جو قانونِ خداوندی میں صرف تخلیقِ انسانی کیلئے مقرر ہیں۔ اسلئے قیامت کو صرف نوعِ انسانی کے مُردے زندہ کئے جائینگے۔ حیوانوں کے نہیں۔ اور اس کی مخصوص حکمت یہ ہے کہ اِس دُنیا کی زندگی کے اعمال کی جوابدہ صرف نوعِ انسانی ہے باقی حیوان، جوابدہ نہیں۔ اِسی لئے صرف نوعِ انسانی کے مُردے زندہ کئے جائینگے بارش کے اس پانی کیساتھ جس میں وہ گیسیں جذب ہونگی جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے متعین کیگئی ہیں۔

● سلسلۂ درس کی آیت نمبر $\frac{6}{74-1}$ کے ضمن میں نفخِ صُور کی تفسیر میں ہم دُور چلے گئے ہیں۔ نفخِ صُورِ اوّل سے جاندار ہلاک ہو جائینگے اور نفخِ صُورِ ثانی سے انسانی مُردے زندہ ہو جائینگے، اس خبر کی غرض یہ یاد دلانا ہے کہ اے انسان! تونے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے، برائیوں سے بچ اور نیکیاں کر۔ اپنے اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء سلام علیہم کی بعثتِ مبارکہ

کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا جو آنحضورؐ کی ذات گرامی پر ختم کر دیا گیا ہے۔ انبیاءؑ کرام کو اس تبلیغ کے سلسلے میں کٹھن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت ابراہیم سلام علیہ کے حالات بطور مثال پیش کئے گئے۔ آپکی قوم ستارہ پرست بھی تھی اور بت پرست بھی۔ حضرت ابراہیمؑ کا انداز تبلیغ زبانی بھی تھا اور مشاہداتی بھی۔ یعنی جب ستاروں اور بتوں کی الوہیت کی نفی فرماتے تو مشاہدات کو بھی ساتھ کے ساتھ قوم کے سامنے پیش فرمایا کرتے تھے۔ آنحضورؐ پر واضح کیا گیا ہے کہ صرف آپکی قوم ہی نافرمان نہیں حضرت ابراہیمؑ کی بلکہ انکے اب آزر بھی آپ کے مخالف اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے سلسلۂ تبلیغ گھر ہی سے شروع کیا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ
اور جب کہا ابراہیم نے واسطے باپ اپنے آزر کے
اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ
کیا تو پکڑتا ہے بتوں کو کارساز بیشک میں دیکھتا ہوں تجھے اور
قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۷۵
قوم تیری کو بیچ گمراہی ظاہر کے

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اب (باپ یا چچا) آزر کو کہا، کیا تو بتوں کو کارساز ٹھہراتا ہے۔ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو (اس کے ضمن میں) کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

● ۱ہ اہل تفاسیر نے آزر کے متعلق یہ بھی لکھا ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہیں تھا چچا تھا۔ عربی زبان میں لفظ اَب کا معنی باپ بھی ہے اور مجاز کے طور پر یہ لفظ چچا کیلئے بھی آتا ہے اور دادا کیلئے بھی۔ جیسے کہ سورہ بقرہ میں آیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ پر جب موت کا وقت آیا تو اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی فرمانبرداری کروگے۔ انہوں نے جواب دیا:۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۲/۱۳۳ انہوں نے کہا ہم آپکے الٰہ اور آپکے باپوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے اکیلے الٰہ کی فرمانبرداری کریں گے ___ اس آیت میں حضرت یعقوبؑ کے والد اسحاقؑ کو بھی اَب کہا گیا ہے اور ان کے چچا اسماعیلؑ اور دادا ابراہیمؑ کو بھی اَب کہا گیا ہے۔ اسلئے آزر کو حضرت ابراہیمؑ کا باپ بھی مانا جاسکتا ہے اور چچا بھی۔ لیکن آپکے نسلی ادب کو ملحوظ رکھ کر آزر کو آپکا چچا کہنا بہتر ہے جبکہ عربی ادب کے لحاظ سے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

● حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا کے سامنے بت پرستی کے خلاف اپنا حق تبلیغ ادا کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر بت پرستی کی غلط حقیقت بذریعہ وحی واضح کر دی تھی۔ چونکہ آپکی قوم ستارہ پرست بھی تھی، اس لیے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ پر ستاروں کی حقیقت بھی نمایاں کر دی گئی تھی:۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ
اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم کو حکومت آسمانوں
وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ ۷۶
اور زمین کی اور تاکہ وہ ہو جائیں سے یقین کرنیوالوں کے

اور جسطرح ہمنے اُس پر بُتوں کی حقیقت واضح کردی تھی) اسی طرح ہمنے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی حکومت بھی سمجھادی (کہ اجرام فلکی اپنے پیدا کرنیوالے کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، الٰہ نہیں ہیں) تاکہ وہ یقین کرنیوالوں میں سے ہو

(نوٹ) اِس سے اگلی آیات مجیدہ انتہائی غور طلب ہیں کیونکہ روائتی تراجم و تفاسیر میں اِسکا معنیٰ یہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک روشن ستارے کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے، مگر جب وُہ غروب ہوگیا تو آپنے فرمایا میں غروب ہونیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ اسکے بعد آپنے چاند کو دیکھ کر کہا 'یہ میرا رب ہے' جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپنے فرمایا اگر میرا رب ہدائت نہ کرے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤنگا۔ لیکن اسکے باوجود جب آپنے سُورج کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے۔ یہ تصوّر مطلقًا غلط ہے کیونکہ اُوپر آئت نمبر ۶/۷۶ میں ارشاد ہُوا ہے کہ ہمنے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی اپنی حکومت سمجھا دی تھی۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے، کیا آپ سمجھانے کے باوجود نہیں سمجھے تھے اور یکے بعد دیگرے ستارہ، چاند اور سُورج کو اپنا رب ٹھہرانے لگ گئے تھے معاذ اللہ! استغفر اللہ!

تحفظ ناموسِ رسالت ● اس مسئلہ کی حقیقتِ حال آئت مجیدہ ماقبل کیمطابق یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ستارے، چاند اور سُورج کو اپنا رب نہیں کہا تھا۔ بلکہ یہ آپکے چچا آزر کے الفاظ تھے جو ستارہ پرست تھا یکے بعد دیگرے اُس نے ستارہ، چاند اور سُورج کو اپنا رب کہا، لیکن جب وُہ غروب ہو جاتے رہے تو آپ اس پر اظہارِ حقیقت کے لئے یہ فرماتے رہے کہ میں غروب ہو جانیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

● واضح رہے کہ کفر و شرک کو انبیاء کرام کی طرف ایک منٹ کیلئے بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ کفریہ قول و عمل کا قائل و عامل کوئی نبی رسُول ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر سُورہ مومنوں میں ارشاد ہُوا ہے :- يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۲۳/۵۱ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ ۲۳/۵۲ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○ ۲۳/۵۳

● اِن آیات مجیدہ کا صحیح مفہوم عرض کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ آئت نمبر ۲۳/۵۱ + ۲۳/۵۲ میں انبیاء کی طرف خطاب ہے اور اگلی متصلہ آئت میں ارشاد ہُوا ہے پھر انہوں نے اپنا کام اپنے درمیان قطع کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ اُس پر خوش تھا جو اُسکے پاس تھا —— چونکہ انبیاء کرام کے متعلق ایسا تصوّر تک نہیں کیا جاسکتا کہ اُنہوں نے قطع امر کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہو کیونکہ جُملہ انبیاء کے متعلق اعلانِ باری ہے :- لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○ ۲۱/۲۷ وہ بات میں بھی اللہ تعالیٰ سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اور اُس کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے —— فلھذا ثابت ہُوا کہ فَتَقَطَّعُوْٓا .... الخ کی خبر انبیاءؑ کے متعلق نہیں۔ لیکن اِس پر سوال پیدا

ہوتا ہے کہ پھر یہ خبر کن لوگوں کے متعلق دیگئی ہے۔ اسکے لئے سیاقِ کلام پر غور کرنا ہوگا۔ اِس سورہ مجیدہ میں اِس سے پیچھے آیت نمبر ۲۳ تا ۳۰ تک قومِ نوح کا ذکر ہے۔ آیت نمبر ۳۱ تا ۴۲ میں حضرت نوح کے بعد کے انبیاء کی قوموں کی نافرمانیاں مذکور ہیں اور آیت نمبر ۴۴ میں ارشاد ہوا ہے :۔ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ ۲۳/۴۴ پھر ہمنے پے در پے اپنے رسولؑ بھیجے۔ جب بھی کسی اُمت کی طرف اُسکا رسولؑ آیا، اُنہوں نے اسے جھٹلایا اس خبر کے بعد آیت نمبر ۴۵ تا ۴۸ میں قومِ فرعون کی سرکشی اور اسکے رسولوں حضرات موسیٰؑ اور ہارونؑ کا ذکر لایا گیا ہے۔ اسکے بعد آیت نمبر ۴۹ میں دوبارہ حضرت موسیٰؑ کا اور آیت نمبر ۵۰ میں حضرت مسیحؑ کا ذکر جمیل لانے کے بعد آیت نمبر ۵۱-۵۲ میں ارشاد ہوا ہے :۔

● يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝ ۲۳/۵۱-۵۲ (میں نے اپنے رسولوں کو کہہ دیا تھا کہ) اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اصلاح کے کام کرو۔ تم جو بھی عمل بجالاؤ گے اسے خوب اچھی طرح جاننے والا ہوں۔ اور بلاشبہ یہ تمہاری (یعنی نبیوں کی) اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں میری نافرمانی سے بچتے رہنا ——— اسکے بعد آئی ہے یہ آیت جو انبیاءؑ کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی :۔

● فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ ۲۳/۵۳ یہ خبر انبیاءؑ سے متعلق نہیں بلکہ آیت نمبر ۲۳ تا ۴۸ میں مذکور نافرمان قوموں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ہمنے تو اُنکی طرف پے در پے اپنے رسولؑ بھیجے مگر :۔ پھر اُنہوں نے اپنے دین کو قطع کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اُنکے پاس جو جو پرانا آبائی مذہب تھا وہ اُسی پر خوش تھے۔

حاصل کلام

● سورہ مومنون کی آیت مجیدہ ۲۳/۵۳ اگرچہ انبیاء سلامٌ علیہم کے ذکر کے عین بعد آئی ہے مگر چونکہ اُنکی طرف ازروئے آیات مجیدہ ۲۱/۲۲ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی منسوب نہیں کی جاسکتی، اسلئے مطابقتِ قرآن کریم کی رُو سے فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم...... الخ سابقہ مذکور نافرمان قوموں کے متعلق ہے کہ اُنہوں نے انبیاءؑ کی تکذیب کی، اُنکے لائے ہوئے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر کسی کے پاس جو جو آبائی مذہب موجود تھا، اُسی پر فخر کیا اور خوش رہے۔ ایسا عمل انبیاءؑ کی طرف منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔

● اب آئیے سلسلۂ درس کی طرف جسطرح ناموسِ انبیاءؑ کی حفاظت کے پیشِ نظر اللہ کے نبیوںؑ کی طرف آباء پرستی منسوب نہیں کی جاسکتی، اِسی طرح سلسلۂ درس کی اگلی آیتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی طرف ستارہ پرستی منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔ اور جسطرح آیت نمبر ۲۳/۵۳ کی خبر انبیاء سلامٌ علیہم کی بجائے اُنکی نافرمان قوموں کی خبر تسلیم کرنا لازم ہے، اسی طرح آیاتِ ذیل میں ستارہ، چاند اور سورج کو رب قرار دینا حضرت کے چچا کا فعل ہے جسکا ذکر ما قبل موجود ہے :۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ

پھر جب ڈھانپ لیا اُس پر رات نے، دیکھا ستارہ، کہا

هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ ۷۶

یہ ہے رب میرا۔ جب ڈوب گیا کہا نہیں میں پسند کرتا ڈوبنے والوں کو

پھر جب (آزر کو رات نے ڈھانپ لیا) اُس نے ایک ستارہ دیکھا۔ تو کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو (حضرت ابراہیمؑ) نے فرمایا کہ مَیں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

● واضح رہے کہ یہ حضرت ابراہیم اور آپکے ستارہ پرست چچا کے درمیان ایک اہم مکالمہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے درجِ قرآن کر رکھا ہے پیچھے آیت نمبر ۷۵ سے یہ مکالمہ شروع ہوا ہے، جس میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا آزر سے فرمایا کہ تم بتوں کو حاجت روا اور کارساز ٹھہراتے ہو۔ اِس کے جواب میں جب رات ہوئی اور ایک روشن ستارہ نمودار ہوا تو اُس نے کہا یہ میرا رب ہے۔ لیکن آپ نے اُس کے غروب ہونے تک انتظار فرمایا اور جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے اُس پر واضح کیا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ میرا رب ہمیشہ ایک ہی شان پر قائم و دائم ہے۔ پھر:۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ

پھر جب دیکھا چاند روشن کہا یہ ہے رب میرا

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ

پھر جب وہ ڈوب گیا۔ کہا البتہ اگر نہ ہدایت کرے مجھ کو رب میرا البتہ ہو جاؤں

مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ ۷۸

میں سے قوم گمراہوں کے

پھر جب (چاند نکل آیا اور) اُس (آزر) نے چاند کو دیکھا روشن چمکتا ہوا، تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا۔ تو (حضرت ابراہیمؑ نے) فرمایا کہ اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کردی ہوتی تو میں (بھی تیری طرح) ضرور گمراہ قوم میں سے ہو جاتا۔

● ۱؎ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ کے الفاظ میں آیت نمبر ۷۶ کا حوالہ مذکور ہے جس میں بتایا گیا ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ ۶/۷۶ اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو اپنی آسمانوں اور زمین کی حکومت سے آشنا کر دیا تھا (کہ آسمانی کُرّے اور زمینی موجودات، سب ہمارے قانون کے پابند ہیں) تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے ـــــ خدا تعالیٰ کی اِس رہنمائی کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے ستارہ اور چاند دونوں کے رب ہونے کو ٹھکرا دیا کہ وہ رب کیا ہو سکتے ہیں وہ تو خود قوانینِ خداوندی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے دن رات اپنے اپنے مدار پر چل رہے ہیں۔ اسکے بعد رات گزری اور دن چڑھا تو آزر نے سورج کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے:۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ

پھر جب دیکھا سورج چمکتا ہوا، کہا یہ ہے رب میرا

پھر جب (آزر نے) چمکتے ہوئے سورج کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔

هٰذَآ أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّآ أَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّي یہ ہے بہت بڑا پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میری بیشک میں بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ○ ۷۹ بیزار ہوں اس سے جو تم شرک کرتے ہو	یہ بہت بڑا ہے (بہت زیادہ روشنی دینے والا ہے) پھر جب وہ غروب ہوگیا تو (حضرت ابراہیمؑ نے) فرمایا اے میری قوم میں اُس سے بیزار ہوں جسے تم (اللہ کیساتھ) شریک کرتے ہو۔
إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ بیشک میں نے متوجہ کی رضا اپنی واسطے اسکے پیدا کیا آسمانوں وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ ۸۰ اور زمین کو خالص کرنیوالا اور نہیں میں ہوں سے مشرکوں کے	بیشک میں نے (اللہ کے دین کو اس کے لئے) خالص کرنیوالا ہو کر اپنی رضا کو اُس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

دیکھا آپنے! ابتداءِ کلام میں ۶/۷۴ میں بھی :۔
حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اُسکی قوم کے متعلق فرمایا تھا إِنِّيٓ أَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ○ ۶/۷۴ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو کُھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور آخری آیتِ مجیدہ ۶/۷۹ میں بھی قوم کو مخاطب کیا ہے يٰقَوْمِ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ○ ۶/۷۹ اے میری قوم میں اُس سے بیزار ہوں جو تم اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ بالفاظِ دیگر شرک کرتا تھا چچا اور قوم حضرت ابراہیمؑ نے ایک سیکنڈ کیلئے بھی شرک نہیں کیا تھا۔ انبیاء سلام علیہم کی پاک شان یہ ہے کہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی قبل نبوت بھی شرک تو کیا، کوئی صغیرہ گناہ تک بھی نہیں کیا تھا —— اب اِن آیتوں کی روائتی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر موضح القرآن | • تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادرؒ محدث دہلوی مطبوعہ شیخ برکت علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۱۲۶ پر تفسیر معالم التنزیل کے حوالہ سے لکھا ہے :۔

"معالم التنزیل میں آیا ہے نمرود بیٹا کنعان کا بادشاہ تھا تمام روئے زمین کا۔ بابل میں بیٹھا تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ اِس شہر سے نکلا ہے کہ روشنی جمال اُس کے سے نُور چاند سُورج کا نیست و نابود ہوگیا۔ نہایت ڈر سے چونکا اور تعبیر پوچھی جیکیوں نے تعبیر دینے والوں نے کہا بیچ اِس برس کے بابل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا کہ ہلاکت تیری اور تیری بادشاہت کی اُس کے ہاتھ سے ہوگی۔ اور اب تک وہ لڑکا پشتِ پدر سے شکمِ مادر میں نہیں آیا۔ نمرود نے حکم دیا کہ درمیان زن و شوہر جدائی کریں .... آزر کہ محرموں اور مقربوں نمرود سے تھا، ایک رات عورت کے ساتھ .... وہ حاملہ ہوگئی۔ صبح کو نجومیوں نے نمرود سے کہا کہ آج وہ لڑکا شکمِ مادر میں پہنچا ہے۔ نمرود غصے ہوا اور حکم دیا کہ ہر حاملہ کے موکل تعینات کریں کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو قتل کر دیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی ماں کا حمل ظاہر نہ تھا .... وقت جننے کا پہنچا تو .... شہر سے باہر گئی اور پہاڑ کی ایک غار میں حضرت ابراہیمؑ کو جن کر اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی جگہ رکھا اور دروازہ غار کا پتھر سے بند کیا .... دوسرے دن غار میں آئی تو دیکھا کہ ابراہیمؑ دو انگلیاں اپنی چوستا ہے۔ ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے کہ اور لڑکے اتنا مہینے میں۔ اور ایک مہینے میں مانند ایک برس کے۔ ماں ابراہیمؑ کی غار سے باہر لائی مغرب کے وقت"

● یہ ہے روایت کا بیان کردہ قصہ کہ حضرت ابراہیمؑ غار میں پیدا ہوئے۔ غار ہی میں پرورش پاکر جوان ہوگئے جب غار سے باہر نکلے تو شام کا وقت تھا۔ سب سے پہلے ستارہ دیکھا تو اُسے اپنا رب کہدیا۔ جب وہ ڈوب گیا تو انکار کر دیا۔ اِس کے بعد چاند نکلا تو ستارہ سے روشن دیکھ کر اُسے رب کہدیا۔ وُہ بھی ڈوب گیا تو اُس کا بھی انکار کر دیا۔ پھر جب رات گزری اور سُورج نکلا تو ھٰذَا اَکْبَرُ کہہ کر اُسے اپنا رب قرار دیا۔ العیاذُ باللہ! لیکن آیات بالا سے وضاحتاً ثابت ہے کہ نہ یہ واقعہ بچپن کا ہے اور نہ محض جوانی کا۔ بلکہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب آپکو نبوّت مل چکی تھی۔ اور آپ نے اپنے چچا اور اُس کی قوم سے خطاب شروع کر دیا تھا۔

● حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات مجیدہ زیر بحث ۶/۷۴ تا ۶/۸۰ میں پہلے تو چچا بھتیجے کے مکالمہ کو صرف حضرت ابراہیمؑ کے اقوال قرار دے دیا ہے اور پھر اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے کہ اللہ کے نبی رسُول تو قبل نبوّت بھی شرک اور گناہ کی آلائشوں سے پاک ہوتے تھے، آپ کے غار میں پیدا ہونے اور غار ہی میں پل کر جوان ہونے اور شام کے وقت غار سے نکل کر مطالعہ کائنات کا مذکورہ بالا قصہ گھڑ لیا گیا ہے۔ اصل حقیقت اُوپر عیاں ہو چکی ہے کہ جس طرح ۲۳/۵۲ میں انبیاء السلامؑ علیہم کو خدا تعالیٰ کے نازل قرار دے دینا غلط ہے اُسی طرح ۶/۷۵ تا ۶/۷۸ میں ستارہ چاند اور سُورج کو اپنا رب ٹھہرانا حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔ مذکورہ بالا شرک آپکے چچا آزر اور اُسکی قوم نے کیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہیں۔ (وما علینا الا البلاغ)

قوم کا حضرت ابراہیم کیساتھ جھگڑا

● اُوپر آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے اپنے چچا اور اُس کی قوم کو ستارہ پرستی سے اِس طرح مشاہداتی طور پر روکا کہ رب وہ ہے جس پر کسی قسم کا تغیّر وارد نہیں ہوتا۔ جسے ہمیشہ قیام دوام ہے۔ بار بار نکلنے والے اور ڈوبنے والے رب نہیں ہو سکتے۔ لیکن قوم نے آپکی تبلیغ کو تسلیم نہ کیا بلکہ اپنے شرک پر جو وہ ستارہ پرستی اور بُت پرستی کے ذریعہ کرتے تھے، آپ سے جھگڑتے رہے :۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَاۗجُّوْۗنِّيْ
اور جھگڑی اُس سے قوم اسکی کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے
فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ
بیچ اللہ کے اور بیشک ہدایت دی مجھے اور نہیں ڈرتا میں جو تم شرک کرتے ہو
بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔـا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ
ساتھ اسکے مگر کہ چاہے رب میرا کوئی چیز وسیع کردی ہے میرے رب نے
كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ۸۰
ہر چیز علم کے مطابق کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے

اور حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے اُن کے ساتھ (ستاروں اور بُتوں کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے پر) جھگڑا کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میرے ساتھ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ بلا شبہ اُس نے میری راہنمائی فرمائی ہے۔ اور میں اُن سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو سوائے اِس کے کہ کوئی تکلیف مجھے اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیّت کے مطابق پہنچے۔ میرے رب نے ہر چیز کو علم کی رُو سے وسیع کر دیا ہے۔ پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

● حقیقت یہ ہے کہ:۔
قوم ابراہیمؑ بتوں اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی۔ آپ نے واضح کر دیا کہ نہ ان مٹی اور پتھر کی مورتیوں کو کوئی نفع نقصان کا اختیار حاصل ہے اور نہ اجرام فلکی کو۔ اسلئے نہ میں ان سے ڈرتا ہوں نہ ان سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے کھلے لفظوں میں ارشاد فرمایا:۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ
اور کیسے میں ڈروں جو شریک کرتے ہو تم اور نہیں تم ڈرتے

اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ
یہ کہ بیشک تم نے شرک کیا ساتھ اللہ کے جو نہیں نازل کی ساتھ اسکے اوپر تمہارے

سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ
دلیل پھر کونسا گروہ ہے زیادہ حقدار ساتھ امن کے اگر ہو تم

تَعْلَمُوْنَ ۝ ۸۲ وقف لازم
جانتے

(حضرت نے فرمایا) جن کو تم نے اللہ کے شریک ٹھرایا ہے میں اُن سے کیوں ڈروں (حالانکہ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے مگر) تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ بلاشبہ تم نے اُن چیزوں کو اللہ کے شریک ٹھرا لیا ہے کہ اُس نے اُن کے حق میں تمہارے لئے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ پھر اگر تم سمجھتے ہو تو بتاؤ کہ دونوں میں سے امن کا حقدار کونسا گروہ ہے (اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھرانیوالا یا نہ ٹھرانیوالا؟)

● غور فرمائیں! $\frac{6}{80}$ میں حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں تمہارے ٹھرائے ہوئے اللہ کے شریکوں سے نہیں ڈرتا اور $\frac{6}{81}$ میں فرمایا ہے کہ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے جنہوں نے بلا دلیلِ نزول، غیر اللہ کو اللہ کے شریک ٹھرایا ہوا ہے۔ اور اس سے آگے مشرکوں پر سوال کیا گیا ہے کہ بتاؤ امن کے حقدار تم ہو یا میں اور میرے ساتھی۔ اسکا جواب اگرچہ آیتِ بالا میں بھی دیا جا چکا ہے کہ شرک کا لازمی نتیجہ خوف ہے اور امن کے علمبردار وہ لوگ ہیں جو خداوندی اختیارات میں غیر اللہ کو شریک نہیں کرتے۔ لیکن تکرار تاکیدی کے طور پر اگلی آیت مجیدہ میں اِسی امر کا صراحتاً اعلان کر دیا گیا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ
جو لوگ ایمان لائے اور نہ ملائیں ایمان اپنے کو

بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ
ساتھ ظلم کے وہی ہیں واسطے ان کے امن ہے اور وہی

مُّهْتَدُوْنَ ۝ ۸۳ ع ۱۴ ۱۵
ہیں ہدایت یافتہ

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک[1]) کیساتھ مخلوط نہ کریں (اللہ تعالیٰ کے ہاں) وہی لوگ ہیں جن کیلئے امن ہے (وہی امن کے علمبردار ہیں) اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (مشرک لوگ نہ امن کے علمبردار ہوتے ہیں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں)۔

● [1] شرک بمعنی ظلم قرآنی لغت کے مطابق سورہ لقمان میں آیا ہے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی:۔
يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ڼ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔ $\frac{31}{13}$ اے میرے بیٹے اللہ کیساتھ شرک نہ کرنا بیشک شرک ظلم

عظیم ہے۔

رجوع الی المقصود

● یہاں تک ستارہ پرستی کے خلاف ابراہیم سلام علیہ کی تبلیغ کی وضاحت کرنے کے بعد اگلی آیات کریمہ میں متعدد انبیاء کرام کے اسماءِ گرامی لاکر اپنے احکام کو ہر قسم کی لوچ اور لچک سے مبرا ثابت کیا گیا ہے:۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ

اور مذکورہ ہیں دلائل ہمارے دیئے ہمنے ابراہیم کو مقابلے قوم اس کی

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ

ہم بلند کرتے ہیں درجے جسے ہم چاہتے ہیں۔ بیشک رب تیرا حکمت والا

عَلِيْمٌ ۝ ۸۴

علم والا ہے۔

اور یہ (مذکورہ بالا) تھے ہمارے دلائل قاطعہ جو ہمنے ابراہیمؑ کو اسکی قوم کے مقابلے پر عطا فرمائے تھے۔ ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی جسے چاہتے ہیں، اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں بلا شبہ تیرا پروردگار بہت بڑھ کر حکمت والا اور بہت بڑھ کر علم والا ہے۔ (اسکے ہر کام کی اساس علم و حکمت ہی پر قائم ہے)۔

سب نبیوں کو ایک ہی دین کی رہنمائی کیگئی تھی

● اللہ بھی ایک ہے اور اسکا دین بھی ایک ہے۔ اس نے اپنے سب کے سب نبیوں کو ایک ہی دین اور اسکی ایک ہی شرع عطا فرمائی تھی ۴۲/۱۳ - الگ الگ دین نہیں دیا گیا تھا:۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ

اور دیا ہمنے واسطے اسکے اسحاق اور یعقوب۔ سب کو ہدایت دی ہمنے

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ

اور نوح کو ہدایت دی ہمنے سے پہلے اور میں سے اولاد اسکی داؤد

وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَ

اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور

هٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۸۵

ہارون اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں توازن قائم کرنیوالوں کو

اور ہمنے اس (ابراہیمؑ) کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے۔ ہمنے سب کو ہدایت فرمائی۔ اور ان سے پہلے نوح کو بھی ہدایت دی۔ اور اس (ابراہیمؑ) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون سب کو ہدایت دی۔ اور اسی طرح ہم احسان کرنے (یعنی معاشرے میں) توازن قائم کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (یہ سب ہی معاشرہ میں توازن قائم کرنیوالے تھے)۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ

اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب تھے

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۸٦

میں سے نیکوکاروں کے

اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب کے سب معاشرہ میں اصلاح کرنیوالوں میں سے تھے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا
اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط اور سب کو

فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۸۷
فضیلت دی ہم نے اوپر جہانوں کے

اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط۔ اور ہم نے سب کو جہانوں والوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ
اور میں سے باپوں ان کے اور اولادوں ان کے اور بھائیوں ان کے

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۸۸
اور پسند کیا ہم نے ان کو اور ہدایت دی ہم نے ان کو طرف راستے سیدھے

اور اُنکے باپوں میں سے اور اُن کی اولاد میں سے[1] اور اُن کے بھائیوں میں سے (بعض کو) ہم نے برگزیدہ ٹھہرایا اور ہم نے سیدھے راستے کی طرف اُن کی رہنمائی فرمائی۔

اگر بفرضِ محال نبی[ع] بھی شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہوجاتے

● [1] آیاتِ بالا میں انبیاءِ کرام کے باپوں، بیٹوں، بھائیوں میں سے بعض کیلئے وَاجْتَبَيْنٰهُمْ کی خبر آئی ہے جو مِنْ اٰبَآئِهِمْ میں آمدہ مِنْ بعضیہ سے ثابت ہے۔ جیسے کہ حضرات یوسف، یعقوب، اسحاق، اسماعیل، یحیٰی، اور سلیمان سلامٌ علیہم کے باپ نبی تھے مگر حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون اور داؤد سلامٌ علیہم وغیرہ کے باپ نبی نہیں تھے۔ اور اسی طرح حضرات موسیٰ و ہارون، اسماعیل و اسحاق سلامٌ علیہم کے بھائی بھی نبی تھے۔ انبیاءِ کرام کی اِن گوناگوں فضیلتوں کے باوجود اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کردیا ہے کہ اگر وہ بھی شرک کرتے اُنکے اعمال بھی ضائع ہوجاتے:۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ
یہ ہدایت ہے اللہ کی، ہدایت دیتا ہے ساتھ اسکے جسے چاہے

مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا
میں سے بندوں اپنوں اور اگر شرک کرتے البتہ ضائع ہوتا اُن سے جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۸۹
تھے وہ عمل کرتے

مذکورہ بالا ہدایت ہے اللہ تعالیٰ کی، ہدایت کرتا ہے ساتھ اس کے جسے چاہے اپنے بندوں میں سے، ہدایت کرتا ہے اپنے قانونِ مشیّت ہی کے مطابق۔ اور اگر (بفرضِ محال) وہ (اللہ کیساتھ) شرک کرتے تو ضرور ضرور ضائع ہوجاتے (وہ عمل) جو وہ کیا کرتے تھے۔

سلسلۂ انبیاء ختم ہوچکا ہے

● آیتِ بالا میں آمدہ جملہ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ میں يَهْدِيْ اور يَشَآءُ دونوں فعل مضارع حال کے صیغے ہیں، جس سے منکرینِ ختمِ انبیاء یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں۔ کہ سلسلۂ انبیاء بدستور جاری ہے اور اللہ تعالیٰ اب بھی جسے چاہتا ہے نبوت عطا کردیتا ہے۔ لیکن اِس آیت کے آخری جملے میں مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، بصیغہ ماضی استمراری بعید لاکر وضاحت کردی گئی ہے کہ انبیاء کا سلسلہ گزر چکا ہے اگر وہ بھی شرک کرتے

تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے جو وُہ بجالایا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کا یہ معنی قواعدِ عرب کی رُو سے کیا ہی نہیں جاسکتا کہ وہ اعمال جو وہ بجالاتے ہیں یا بجالائینگے۔ پس اِس آیتِ مجیدہ سے آنحضور سلام علیہ کے بعد نبیوں کے آتے رہنے کا مفہوم اخذ کرنا ایک سو ایک فیصد غلط ہے، جبکہ آیتِ مجیدہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۰ ۳۳/۴۰ نیز آیتِ مجیدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۰ ۱۵/۹ سے بھی اِسی چیز کی تائید ہوتی ہے کہ قرآن کریم کو اپنی آخری کتاب قرار دیکر اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا گیا ہے کیونکہ آئندہ کیلئے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ اب قیامت تک یہ کتاب محفوظ ہی ہدایت نامۂ خداوندی کے طور پر موجود رہے گی۔

● سوال زیرِ بحث کا ایک حصہ تو اُوپر آچکا ہے مگر دوسرا حصہ ابھی باقی ہے۔ وہ یہ کہ اگر انبیاءؑ کی آمد ختم ہو چکی ہوئی ہے تو پھر آیتِ مجیدہ زیرِ بحث ۶/۸۹ میں یَھْدِیْ اور یَشَآءُ مضارع حال کے صیغے کیوں آئے ہیں؟ اِسکا جواب بالکل صاف ہے کہ یہ آیت زمانۂ رسالت میں جناب محمدؐ رسول اللہ سلام علیہ پر نازل ہُوئی تھی، آپ نبی تھے اور بقیدِ حیات موجود تھے اِسلئے ارشاد فرمایا کہ جیسے ہم نبوت دیتے ہیں اپنے قانونِ مشیئت کے مطابق ہی دیتے ہیں مگر ۳۳/۴۰ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ محمدؐ عربی کے بعد نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک سلسلۂ انبیاء کی آمد جاری رہی، سابقہ کسی کتاب کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا گیا۔ چونکہ اب کوئی نبی آنیوالا نہیں، اِس لئے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو زمانہ کی دست بُرد سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ مگر اگلی آیتِ مجیدہ میں یہ وضاحت کر کے کہ آنحضور سمیت جملہ انبیاء کو ایک ہی کتاب دیگئی تھی ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کی صُورت میں تمام سابقہ کتابیں بھی محفوظ کر دیگئی ہیں :-

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ
وہی لوگ تھے دی تھی انکو ایک کتاب اور حکم

وَالنُّبُوَّۃَ فَاِنْ یَّکْفُرْ بِھَا ھٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِھَا
اور نبوت۔ پھر اگر انکار کریں ساتھ اِسکے یہ لوگ مقرر کی ہمنے ساتھ اِسکے

قَوْمًا لَّیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ ۰ ۹۰
ایک قوم نہیں ساتھ اِسکے وہ انکار کرنیوالے

مندرجہ بالا (گروہِ انبیاءؑ) وہ پاکیزہ لوگ تھے جن کو ہم نے اپنی (ایک اکلوتی) کتاب عطا فرمائی تھی۔ پھر (اے رسُولؐ) اگر یہ آپ کے مخالف اِس کتاب کا انکار کریں (تو کوئی بات نہیں) ہمنے اِس کے لئے (مہاجرین و انصار کی) ایک ایسی قوم مقرر کر دی ہے جو اس کا ہرگز انکار کرنیوالے نہیں ہیں۔

تحفظِ ناموسِ صحابہؓ ● یہ اِس آیتِ مجیدہ وَکَّلْنَا بِھَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ کے الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ناموس کو اُن حضرات کے حملوں سے محفوظ کر دیا گیا ہے جو انہیں ایمان تک سے خارج کر کے منافقوں کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ العیاذُ باللہ! ــــ حالانکہ آیتِ بالا ۶/۸۹ کی تائید میں صحابہ کرامؓ کے اوّلین و آخرین، مہاجرین

انصار کو ۸/۴-۵ میں حقّے سچّے مومن بتایا گیا ہے۔ اور ۹/۱۰۰ میں اُنہیں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا دائمی سرٹیفکیٹ عطا کرکے اپنی کتاب میں محفوظ کردیا ہے۔ ۸/۴ اور ۴۸/۲۵ میں بتایا گیا ہے فتح مکہ تک بھی، مکہ معظّمہ میں مومن مرد اور مومنہ عورتیں موجود تھیں جنہوں نے فتح مکہ تک اپنے ایمانوں کو محفوظ رکھا تھا۔ یعنی وہ کمزور اور ناتوان مومن جو دینِ اسلام کے لئے نہ ہجرت کرسکے نہ جہاد، فتح مکہ سے پہلے ایمان لانیوالوں سے اُن کے مدارج ۵۷/۱ میں کم بتائے گئے ہیں۔ پھر فتح مکّہ کے بعد ایمان لانیوالوں کو بھی مومن قرار دیا گیا ہے، منافق نہیں۔

● پھر واضح رہے کہ ۳/۱۷۹ میں بتادیا گیا ہے کہ ابتداءِ دورِ رسالت میں جو مومن اور منافق باہم مخلوط تھے۔ اُنہیں اس مخلوط حالت میں ہرگز نہیں رہنے دیا جائیگا حتیٰ کہ منافقوں کو مومنوں سے الگ کردیا جائیگا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اُس حالت میں چھوڑدے جس میں اَے مومنوں تم ہو۔ یہانتک کہ ناپاکوں کو پاکوں سے متمیّز کردیا جائیگا۔ اور ۳۳/۶۰ کے مطابق وہ رسُولِ پاک کے اِرد گرد نہیں رہ سکینگے یا تو ملک چھوڑ کر چلے جائیں گے اور یا ملک کے اندر روپوش ہوجائینگے۔ پھر رسُولِ مقبول کا فرض قرار دیدیا گیا تھا کہ اُنکی تلاش کی جائے۔ جہاں جہاں پائے جائیں گرفتار کئے جائیں اور قتل کردیئے جائیں۔ سورہ احزاب ۳۳/۶۰-۶۱ میں ارشاد ہُوا ہے:-

● لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۰ ۳۳/۶۰-۶۱

(مفہوم) اَے رسُول اگر منافق یعنی جن کے اذہان میں نفاق کی بیماری ہے اور وہ بھی جو شہر میں جھوٹی خبریں پھیلاتے ہیں، وہ نفاق سے اور یہ جھوٹی خبریں پھیلانے سے باز نہ آئیں تو ہم آپکو اُن کے پیچھے لگادینگے (اُنکا تعاقب کرنا آپ کا فرض ہوگا) پھر وہ آپکے اردگرد اس شہر میں تھوڑا عرصہ کے سوا نہیں رہ سکیں گے۔ جتنا عرصہ رہینگے (راندۂ دربارِ نبوّت) ملعون ہونگے۔ (پس اَے رسُول! لازم ہے کہ) وہ جہاں جہاں پائے جائیں، گرفتار کرلئے جائیں اور قتل کردیئے جائیں۔

● اِن آیاتِ کریمہ سے کھل کر ثابت ہُوا کہ زمانۂ رسالتِ محمّدی میں بحکمِ خداوندی منافقوں کا تعاقب کرکے اُنہیں گرفتار کرلیا گیا تھا اور وہ قتل کردیئے گئے تھے۔ اِسکے برعکس اگر یہ تصوّر صحیح تسلیم کرلیا جائے کہ آنحضورؐ نے ۳۳/۶۰-۶۱ پر عمل نہیں کیا گیا تھا اور آپ کی وفاتِ مبارکہ تک منافق نہ صرف موجود تھے بلکہ آپ کے بعد مسندِ خلافت پر قابض ہوگئے تھے تو معاذ اللہ آنحضورؐ ۳۳/۶۰-۶۱ کے خداوندی حکم کے منکر ثابت ہوتے ہیں۔ جو صد فیصد ناممکن ہے۔ آنحضورؐ نے بحکمِ الٰہی منافقوں کا تعاقب کیا اور گرفتار کرکے قتل کردیا تھا۔ اور وفاتِ مبارکہ کے وقت صحابہ کرامؓ میں کوئی ایک منافق بھی موجود نہیں تھا۔

رجُوع الی المقصود

● سلسلہ درس کی آیتِ مجیدہ ۶/۹ میں صحابۂ رسُولؐ کی ناموسِ مبارکہ کو محفوظ کرنے کیساتھ ساتھ آیاتِ بالا ۶/۸۳تا۸۹ میں اٹھارہ نبیوں کے نام لیکر ارشاد ہُوا ہے کہ یہ سب صاحبِ ہدایت تھے ہم نے

کو اپنی کتاب و نبوت عطا فرمائی تھی اور کتاب کیساتھ فیصلے کرنے کا حکم دیا تھا اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم ہوا کہ آپ بھی مذکورہ انبیاءؑ کی ہدائت کی اقتدا کریں اور انہی کی سُنّتِ مُبارکہ کے مطابق آپ بھی اجرِ رسالت طلب نہ کرنے کا اعلان کر دیں :۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ
وہی تھے وہ لوگ ہدائت کی اللہ نے پس ساتھ ہدائت کی
اقْتَدِهْ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ
تو پیروی کر کہہ نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اسکے بدلہ ۔ نہیں وہ
إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ۝ ۹۱
مگر نصیحت نامہ واسطے جہانوں کے

(اے رسولؐ) مذکورہ بالا وہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی نے انہیں ہدائت فرمائی تھی۔ پس آپ بھی انہی کی ہدائت کی پیروی کریں۔ (اور) اعلان کر دیں کہ میں تم سے (قرآن کا) اجرِ تبلیغ نہیں مانگتا۔ نہیں ہے یہ (قرآن) مگر قیامت تک کے تمام لوگوں کیلئے نصیحت نامہ ہے۔ (نصیحت کرنے کی کوئی اُجرت نہیں ہوتی)۔

قرآن کریم کی اتباع ہی ہدائتِ انبیاءؑ اور ملتِ ابراہیمؑ کی اتباع ہے

● ۱ اس آئت مجیدہ کے الفاظ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ میں آنحضورؐ کو سابقہ انبیاءؑ کی ہدائت کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے — دوسری طرف ۱۶/۱۲۳ میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں کہ آپ ملتِ ابراہیم کی پیروی کریں :۔ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۱۶/۱۲۳ اور تیسری طرف ۱۰/۱۰۹ میں حکم دیا گیا ہے :۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ اور آپ اُس کی (یعنی قرآن کریم کی) پیروی کریں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے — اب چونکہ ۴/۸۲ کے مطابق قرآنِ مجید میں اختلاف نہیں ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ ہدائتِ انبیاءؑ کی اتباع، ملتِ ابراہیمؑ کی اتباع اور قرآنِ مجید کی اتباع ایک ہی چیز ہے۔ نیز اس مسئلہ کی زیادہ گہرائی میں جائیں تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اِس وقت ہدائتِ انبیاءؑ اور ملتِ ابراہیمؑ دونوں کا قائم مقام قرآن کریم ہے۔ کیونکہ وہ دونوں بھی بصورتِ قرآنِ کریم موجود ہیں۔ دُوسرے لفظوں میں یہ کہ قرآنِ کریم کی اِتباع ہی سابقہ انبیاءؑ کی ہدائت کی اتباع بھی ہے اور ملتِ ابراہیمؑ کی اتباع بھی ہے۔

● اسی چیز کی تائید و تصدیق ۸۷/۱۸-۱۹ میں ملتی ہے اور ۲۶/۱۹۶ میں بھی :۔

● إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۝ ۸۷/۱۸-۱۹ بیشک یہ (قرآن) پہلے صحیفوں میں ہے یعنی صُحفِ ابراہیمؑ اور صُحفِ موسیٰؑ میں۔

● وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝ ۲۶/۱۹۶ اور بیشک وہ (قرآن ہی) پہلی خداوندی کتابوں میں تھا۔ (یعنی اُن سب میں قرآن کریم ہی کے احکام درج تھے۔

اجرِ رسالت

● ۲ آئتِ بالا ۶/۹۱ میں کے الفاظ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا میں مذکور اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے آنحضورؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے کہ میں اجرِ تبلیغ ہرگز نہیں مانگتا۔ کیوں ؟ اس لیے کہ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ

یہ قرآنِ کریم تو صرف اہلِ عالم کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے۔ نصیحت کی اُجرت کسی بھی مہذب معاشرہ میں نہیں لی جاتی۔ لیکن اِسی مسئلۂ اجرِ رسالت کے متعلق سُورہ شوریٰ میں آیا ہے:۔

• قُل لَّآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا ٱلْمَوَدَّةَ فِى ٱلْقُرْبَىٰ ۲۳/۴۲ اِس اخذ کردہ غلط مفہوم کی بدولت یہ عقیدہ چل رہا ہے کہ آنحضور کا اجرِ رسالت یہ ہے کہ آپ کے اہلِ خاندان سے اِس طرح محبت رکھی جائے کہ نذروں نیازوں کا مال قیامت تک کے لئے اُن کے ہاں پہنچایا جاتا رہے۔ کمائی میں سے پانچواں حصّہ بدستور اُنہیں ادا کیا جایا کرے۔ اِس پر معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ اگر لَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا کا یہی مفہوم ہے تو پھر وہ کون سی اُجرت ہے جس کے نہ طلب کرنے کا اعلان کروا دیا گیا ہے جبکہ خاندانِ رسالت کو اُمت کے ہر فرد کی کمائی کا پانچواں حصّہ دِلا یا جا رہا ہو۔ اِس اعتراض کا صحیح جواب اِس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ آنحضور نے اپنے دعوے کے مطابق کوئی اجرِ تبلیغ نہ خود لیا تھا اور نہ نذروں نیازوں اور پانچواں حصّہ کمائی کی صورت میں اپنے اہلِ خاندان کے لئے مختص فرمایا تھا:۔

• قرآنی فیصلہ کے مطابق آنحضور اللہ کے رسُولوں میں سے ایک رسُول تھے:۔ إِنَّكَ لَمِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ۳/۳۶ آنحضور کا اعلان بھی درجِ قرآن ہے مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ ٱلرُّسُلِ ۹/۴۶ میں کوئی نرالا رسُول نہیں۔ (رسُولوں جیسا ایک رسُول ہوں) سابقہ تمام رسُولوں کا بھی یہی اعلان کتابِ لاریب میں موجود ہے کہ میں اجرِ رسالت نہیں مانگتا:۔

اعلانِ نُوح

• وَيَٰقَوْمِ لَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ ۲۹/۱۱ میرا اجر صرف اللہ کے ذمّہ ہے۔

• وَمَآ 〃 〃 مِنْ أَجْرٍ 〃 〃 〃 〃 عَلَىٰ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۱۰۹/۲۶ میرا اجر صرف جہانوں کے رب کے ذمّہ ہے

اعلانِ ھودؑ و صالحؑ

• لَآ 〃 〃 〃 عَلَيْهِ أَجْرًا 〃 〃 〃 〃 فَطَرَنِىٓ ۵۱/۱۱ میرا اجر صرف میرے پیدا کرنے والے کے ذمّہ ہے

• وَمَآ 〃 〃 〃 〃 مِنْ أَجْرٍ 〃 〃 〃 〃 رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۱۴۵/۲۶ میرا اجر صرف جہانوں کے رب کے ذمّہ ہے

اعلانِ لوطؑ و شعیبؑ

• 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۶۴/۲۶ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

• 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۸۰/۲۶ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

• یہ ہیں چند ایک نبیوںؑ کے اعلان:۔

جن میں اجرِ تبلیغ کے عدم طلبِ اُجرت کے متبادل الفاظ عدم طلبِ مال بھی ۲/۱۱ میں موجود ہیں۔ فلہذا اس اَمر کا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضور کا اجرِ رسالت سابقہ انبیاء کے خلاف اپنے لئے یا اپنے خاندان والوں کے لئے حصُولِ مال ہو۔ جب آنحضور کا وہ اعلان جو ۹۱/۶ میں گزر چکا ہے، جو سابقہ انبیاء کی طرح عدم طلبِ اجرِ تبلیغ ہے، جسے قرآنِ کریم میں ذیل کے پانچ مقامات پر بتکرار کثیر دہرایا گیا ہے، اور یہ امر کبھی بھی ممکن نہیں کہ چار آیتوں میں تو عدم حصولِ اجرِ رسالت کا اعلان کروایا ہو اور پانچویں میں حضور کے خاندان کے لئے قیامت تک کے لئے نذروں نیازوں وغیرہ کے لئے حصُولِ مال کا سامان کر دیا ہو۔

آنحضورؐ کے اعلانات متعلقہ عدمِ حصولِ اجرِ رسالت

۱- سورہ انعام میں ارشاد ہُوا ہے :- قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ٥ ۶/۹۱ = اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے تبلیغِ قرآن کی اُجرت نہیں مانگتا - یہ قرآن قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے - (کیا نصیحت کی اُجرت لی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں لی جاسکتی)۔

۲- سورہ صٓ میں ارشاد ہُوا ہے :- قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ٥ ۳۸/۸۶ اے رسولؐ کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے اس (قرآن کی تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا - اور نہ ہی میں تکلیف دینے والوں سے ہوں - (میں تو سُکھ دینے کے لئے آیا ہوں دُکھ دینے کے لئے نہیں آیا)۔

● اسکے بعد اسی ضمن کی وہ آیتِ مجیدہ ملاحظہ فرمائیں جس میں آنحضورؐ سے اعلان کرادیا گیا ہے کہ میرا اجرِ تبلیغ تو بلا شُبہ اللہ کے ذمّہ ہے، میں جو کچھ تم سے (بصُورت صدقہ زکوٰۃ) وصول کرتا ہوں وہ صرف تمہاری بھلائی کے لئے ہے (یعنی متوازن معاشرہ کے قیام کے لئے) آنحضورؐ اپنی ذات کیلئے کچھ نہیں لیتے تھے۔

۳- سورہ سبا میں ارشاد ہُوا ہے :- قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۳۴/۴۷ اے رسولؐ کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے جو کچھ مانگتا ہوں وہ صرف تمہارے لئے ہے - بیشک میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے - اس طرح چوتھے نمبر پر اسی عنوان کی وہ آیتِ مجیدہ ملاحظہ فرمائیں، جس سے اجرِ رسالت کے طور پر آنحضورؐ کے اہلِ خاندان کو نذریں نیازیں دینے، اور ہر فردِ اُمت کی کمائی میں اُنہیں حصّہ دار قرار دیا جاتا ہے :-

۴- سورہ شوریٰ میں حکم دیا گیا ہے :- قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ۴۲/۲۳ اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے مودۃ فی القربیٰ کے سوا کوئی اجرِ تبلیغ نہیں مانگتا۔

● اس آیتِ مجیدہ کے ترجمہ میں ہمنے مودّۃ فی القربیٰ کے الفاظ کو من وعن رکھا ہے - غرض یہ ہے کہ اسکا مفہوم تصریفِ آیات اور قرآنی لُغت کے مطابق خود بخود نکھر کر سامنے آجائے - مَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى کیا ہے؟ ۳۴/۴۷ میں آمدہ اسکے متبادل الفاظ فَهُوَ لَكُمْ کے مطابق جو کچھ بھی ہے صرف اُمت کے مفاد کے لئے ہے آنحضورؐ کے ذاتی مفاد کیلئے نہیں - کیونکہ آپکا اجر اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ کے حکم کے مطابق صرف اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے - پس سابقہ جملہ انبیاء سمیت خود آنحضورؐ کے اعلان اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ کی رُو سے لازم آتا ہے کہ اجرِ رسالت کے طور پر اُمت کی طرف سے ایک پائی بھی نہ آنحضورؐ تک پہنچنی چاہیئے اور نہ آپکے خاندان تک ورنہ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ کا جُملہ جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی طرح نفی اثبات کے حصر کے ساتھ بیان ہُوا ہے، باطل ہو کر رہ جاتا ہے - لیکن افسوس ہے آیتِ زیرِ بحث کے مروّجہ مفہوم نے اِسے باطل کر کے رکھ دیا ہُوا ہے - مودّۃ فی القربیٰ کا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ سادات کے برابر چارپائی پر بیٹھنا ممنوع ہے - لاکھوں کروڑوں روپے کی نذریں نیازیں ادا کی جاتی ہیں جو یقیناً یقیناً اُمت کے کام نہیں آتیں - اِسی مال سے جس کی ادائیگی اجرِ رسالت کے طور پر لازم قرار دے دی گئی ہے پیر

صاحب اور اُن کی اولادیں دادِ عیش دیتی ہیں۔ اِسی مال سے تعمیر کردہ مقبرے، صاحبِ مقبرہ کی اولاد کیلئے مستقل آمدنی کا ذریعہ بنتے ہیں، مذکورہ مال دینے والوں کی اولادیں اُس آمدنی سے صد فیصد محروم رہتی ہیں۔ حالانکہ سُورہ سبا کی آیت مجیدہ ۳۴/۴۷ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ کے مطابق اُس مال میں آنحضورؐ اور آپ کے خاندان والوں کا مطلقاً کوئی حصّہ ثابت نہیں ہوتا۔ پس ثابت ہُوا کہ جملہ مَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی کے جن معنوں کی رُو سے آنحضورؐ یا آپ کے خاندان والوں تک مال پہنچنے کا تصوّر چل رہا ہے، قرآنی تصریفِ آیات کے مطابق مُطلقاً غلط ہے۔

مودّة فی القربٰی کے مُتبادل قرآنی الفاظ

● آنحضورؐ کیطرف سے عدمِ طلب اجرِ رسالت کے ضمن میں چار آئتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ اب اِسی عنوان کی پانچویں آئت مجیدہ ۲۵/۵۷ ملاحظہ فرمائیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے مودّة فی القربٰی کے متبادل الفاظ لاکر اسکے معنوں کی خود وضاحت کردی ہے، اِس عنوان کی پانچویں آئت مجیدہ ذیل میں گزشتہ آئت نمبر ۴۲/۲۳ کے نیچے عین متقابل انداز میں پیش کی جارہی ہے، ہر لفظ اپنے متقابل لفظ کے عین نیچے لکھا گیا ہے، بغور ملاحظہ فرمائیں :-

● ۴۲/۲۳ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى = میں تم سے مودّة فی القربٰی کے سوا کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔

● ۲۵/۵۷ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا = اسکے سوا کہ کوئی شخص اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے، میں تم سے کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔

● غور فرمائیگا! کہ مَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی کا مفہوم تصریفِ آیات کے قرآنی اسلوب کے مطابق جو کھل کر برآمد ہوتا ہے، وہی لینا لازم ہے۔ اوپر دیکھئے! ۴۲/۲۳ اور ۲۵/۵۷ میں لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کے متقابل بالکل یہی الفاظ آئے ہیں۔ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ۔ دونوں میں لَا اور مَا نافیہ ہے۔ دونوں پر اِلَّا استثنائیہ کے مقابلے پر عین یہی لفظ اِلَّا استثنائیہ آیا ہے۔ لیکن مُستثنٰے مِنهُ دونوں کا الگ الگ ہے جو عین متبادل ہے :-

مَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ـــــ کا متبادل ہے ـــــ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

● یہاں پہنچ کر صراحتاً ثابت ہوچکا کہ یہ دونوں مستثنٰے منہ مترادف المفہوم ہیں۔ یعنی مودّة فی القربٰی کا معنی بھی اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرنا ہے۔ لفظ مودّة مصدر ہے مادہ و-د-د سے۔ جس کا لفظی معنی ہے محبت کرنا۔ اور لفظ القربٰی کا معنی قرآن بھر میں قرابتدار اور قریبی ہیں، بلکہ المنجد صفحہ ۷۹۸ پر بھی قُربت لکھا ہے، قرابتدار نہیں لکھا۔ لھذا مودّة فی القربٰی کا معنی ہے... اللہ کے قریب ہونے سے محبت کرنا۔ جو اس کے متقابل و متبادل قرآنی الفاظ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا کے مصدری مفہوم کے عین مطابق ہے کہ مودّة فی القربٰی سے مُراد ہم اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرنا۔ اور یہی ہے قرآنی مفہوم جو تصریفِ آیات قرآنیہ کے مطابق برآمد ہوتا ہے۔

القربٰی کے متعلق ایک علمی نکتہ

● القربٰی کا معنی جو قریبی یا قرابتدار لیا جاتا ہے، اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ ازروئے قرآن بھی

غلط اور ازروئے لُغت بھی - لُغت کیا ہے؟ قرآنِ کریم کی خادم ہے - قرآنِ کریم میں القُربٰی کا لفظ تیرہ مقامات پر آیا ہے - مگر ہر مقام پر اس پر ذَا، اُولُو، اُولِی میں سے کوئی لفظ داخل کر کے اِس کے معنی قریبی کے لئے گئے ہیں، قرابت والے قرآنِ کریم کے مذکورہ تیرہ مقام یہ ہیں :-

● ذِی القُرْبٰی ۲/۸۳ - ذَوِی القُرْبٰی ۲/۱۷۷ - اُولُوا القُرْبٰی ۴/۸ - ذِی القُرْبٰی ۴/۳۶ - ذَا قُرْبٰی ۶/۱۵۲ - ذِی القُرْبٰی ۸/۴۱ اُولِیْ قُرْبٰی ۹/۱۱۳ - ذِی القُرْبٰی ۱۶/۹۰ - ذَا القُرْبٰی ۱۷/۲۶ - اُولِی القُرْبٰی ۲۴/۲۲ - ذَا القُرْبٰی ۳۰/۳۸ - ذَا قُرْبٰی ۳۵/۱۸ - ذِی القُرْبٰی ۵۹/۷ -

● یہ ہیں یکے بعد دیگر قرآنِ کریم کی تیرہ شہادتیں کہ :-
اَلقُربٰی کا معنی قریبی نہیں - قُربت ہے - پس القُربٰی کا معنی قریبی لینا قرآنی لُغت سے بے خبری کی دلیل ہے -

عود الی المقصود ● اُجرِ رسالت کی اس قرآنی تشریح و توضیح کے بعد پھر سلسلہ درس کی طرف رجوع فرمائیں - سُورۃ الانعام کی آیات مجیدہ نمبر ۸۴ تا ۹۰ میں اٹھارہ نبیوں کے اسماءِ گرامی پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ قانونِ خداوندی میں لوچ لچک ہرگز ہرگز موجود نہیں - اگر بفرضِ محال وہ بھی شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے - اور آیت نمبر ۹۱ میں ارشاد ہُوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو راہِ راست کی رہنمائی کی تھی - اَے رسُولؐ! آپ اُن کی ہدایت کی پیروی فرمائیں - اور ساتھ ہی حکم دے دیا کہ اَے رسُولؐ! آپ اجرِ رسالت طلب نہ کریں - آپ کا اَجر ہمارے ذمّہ ہے - اور غرضِ رسالت یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی محبّت پیدا کریں - اُس کے سو فیصدی فرمانبردار بن جائیں - اس سے اگلی آیت میں یہودیوں کے اِس دعوے کا جواب دیا گیا ہے جو وہ کہتے تھے کہ آنحضورؐ پر کچھ نازل نہیں ہُوا -

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ
اور نہیں قدر کی اللہ کی حق قدر اُس کی، جب کہا نہیں

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ
نازل کیا اللہ نے اوپر بندے کوئی چیز کہہ کس نے نازل کی

الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى
وہ کتاب جو آیا ساتھ اسکے موسیٰ نور اور ہدایت واسطے

لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ
لوگوں کے کرتے ہو تم اسے ورق ورق ظاہر کرتے ہو اسکے اور

تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا
چھپاتے ہو بہت - اور تم سکھائے گئے جو نہیں جانتے تھے تم

اور نہیں قدر کی (یہودیوں نے) اللہ تعالیٰ کی جو حق ہے اُس کی قدر کرنے کا، جب اُنہوں نے یہ کہا کہ اس بندے (محمدؐ مکی) پر اللہ نے کوئی چیز نہیں نازل کی - آپ (ان سے) کہئے گا کہ وہ کتاب کس نے نازل فرمائی تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے (اُس کتاب) کی شان یہ تھی کہ وہ لوگوں کیلئے نور تھی - ہدایت واسطے لوگوں کے (اے یہودیو!) تم اس کا ورق ورق الگ کرتے ہو - (اس طرح قلیل حصّہ اُسکا) تم ظاہر کرتے ہو اور (کثیر حصّہ اسکا غائب کر کے) چھپا لیتے ہو - حالانکہ تم اُس کے ساتھ وہ کچھ سکھائے گئے ہو جو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے آباؤ اجداد جانتے تھے - کہہ دیجئے گا (اَے رسُولؐ! کہ جو کتاب موسیٰ پر نازل ہُوئی تھی اُسے بھی)

اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ
تم اور نہ بڑے تمہارے، کہہ اللہ نے۔ پھر چھوڑ ان کو

فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ ۹۲
بیچ فضول بحثوں میں کھیلتے ہیں

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ
اور یہ کتاب نازل کیا ہم نے اسے برکت والی

مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ
تصدیق کرنیوالی اس کی جو بیچ دو ہاتھ اسکے اور تا کہ ڈرائے تو ماں

الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بستیوں کی اور جو گرد اسکے اور جو لوگ ایمان لائیں

بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي
ساتھ انجام کے، ایمان لاتے ہیں ساتھ اسکے اور وہ اوپر

صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ ۹۳
فرض منصبی اپنے کے حفاظت کرنیوالے ہیں

اللہ نے نازل کیا تھا۔ آپ انہیں چھوڑ دیں وہ فضول بحثوں میں کھیلتے ہیں (ان سے الگ ہو جائیں)

اور اس کتاب (قرآن مجید) کو ہمنے بابرکت نازل فرمایا ہے جو اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ اور (یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ اے رسول!) آپ اس کے ساتھ مرکزی بستی (مکہ) والوں کو اور اس کے اردگرد والوں کو اُن کے فرائض منصبی سے آگاہ کریں۔ اور جو لوگ اعمال کے انجام پر ایمان لاتے ہیں وہی اس (قرآن) کیساتھ ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ اپنے فرائض منصبی کی ہمیشہ حفاظت کرتے ہیں (اسے باقاعدہ ادا کرتے ہیں)۔ $\frac{۲۲}{۱۴}$

• ۱ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید پر صحیح ایمان وہ لوگ لاتے ہیں جو ہر عمل کی آخرت یعنی اُس کے نکلنے والے انجام پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی جو لوگ روزمرہ کے مشاہدہ کی بدولت اس حقیقت کو جان کر اُس پر یقین رکھتے ہیں کہ جس طرح ہر چھوٹے بڑے عمل کا نتیجہ نمایاں ہوتا چلا جا رہا ہے، اسی طرح ہمارے اچھے یا بُرے عملوں کا اُخروی نتیجہ ضرور ضرور برآمد ہوگا۔ قرآن کریم کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اس امر پر یقین واثق پیدا کرتا ہے کہ جن اچھے یا بُرے اعمال کا اچھا یا بُرا بدلہ کسی دُنیوی وجہ سے یہاں نہیں ملا وہ آخرت کو ضرور ضرور مل کر رہیگا۔

• جو لوگ شبانہ روز کے مشاہدات پر نگاہ نہیں رکھتے اور ان سے مکافاتِ عمل پر یقین نہیں لاتے قرآن کریم کی میزان میں وہ لوگ ڈنگروں جیسے قرار دئے گئے ہیں؛ ۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۔ $\frac{۷}{۱۷۹}$ اُن کے پاس قلوب ہیں، وہ اُن کے ساتھ غور نہیں کرتے۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں وہ ان کے ساتھ دیکھتے نہیں۔ اُن کے پاس کان ہیں وہ اُن کے ساتھ سُنتے ہی نہیں۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں، بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے۔ یہی لوگ غافل ہیں۔ بالفاظِ

دیگر بتایا گیا ہے کہ قرآنِ کریم پر انسان ایمان لاتے ہیں، ڈنگر ایمان نہیں لاتے جو شبانہ روز آیاتِ صحیفۂ فطرت پر سے گزرتے تو ہیں مگر اُن کے خالق کو پہنچاتے نہیں، وہ ڈنگر ہیں سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضور سلام علیہ کی صداقت کی خبر اس انداز میں دی گئی ہے کہ آپ نے جھوٹا دعویٰ نہیں کیا کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذمّہ جھوٹ لگانے والا بہت بڑا ظالم ہے، جس کی طرف کچھ نازل نہیں ہوتا اور وحی کا دعویٰ کر دے، اسی طرح سچّی وحی کو جھٹلانے والا بھی اور وہ بھی بہت بڑا ظالم ہے جو یہ کہے کہ میں بھی ایسا قانون بنا سکتا ہوں جو آنحضور ﷺ پر نازل ہوا ہے دیکھئے ارشادِ باری :-

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
اور کون بڑا ظالم اُس سے جو باندھے اوپر اللہ کے
كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ
جھوٹ یا کہے وحی کی گئی طرف میری اور نہ وحی ہوا طرف اُس کے
شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ
کچھ - اور جو کہے ضرور نازل کروں گا مانند جو نازل کیا
اللّٰهُ ۗ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ
اللہ نے ۔ اور کاش تُو دیکھے جب ظالم ہوں بیچ سختیوں کے
الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ
موت کی، اور ملائکہ ہوں پھیلائے ہاتھوں کو اپنے
اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۗ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
نکالو اپنے آپ کو ۔ آج تم جزا دیئے جاؤ گے سزا
الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ
رسوائی کی بوجہ اسکے کہ تھے تم کہتے اوپر اللہ کے بغیر
الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ۹۳
حق اور تھے تم سے آیتوں اسکی تکبر کیا کرتے

اور کون ہے اُس سے بڑھ کر ظالم جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے[1] (کسی بھی قسم کا) اور یا وہ یہ کہے کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اللہ کی طرف سے) اور ہرگز نہ وحی ہوتی ہو اسکی طرف کوئی بھی چیز[2]۔ اور (اُس سے بڑھ کر بھی کون ظالم ہے) جو یہ کہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے، میں اُس جیسا نازل کر سکتا ہوں[3] اور کاش کہ آپ ایسے ظالموں کو اُس وقت دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں[4] میں مبتلا ہوں۔ اور (مرض، نقاہت، درد و کرب اور وحشت و اضطراب) متعدد ملائکہ[5] ہاتھ پھیلائے ہوئے (بزبانِ حال کہہ رہے ہوں، نکالو (اپنے آپکو اس عذاب سے[6] (انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا کہ) آج تم کو رسوا کُن عذاب کی سزا دی جائے گی، اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمّہ غیرِ حق (جھوٹی باتیں) کہا کرتے تھے۔ اور تم اُس (اللہ) کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

● [1] اللہ تعالیٰ پر کسی بھی قسم کا جھوٹ باندھنا بہت بڑا ظلم ہے، مثلاً کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کے ساتھ بذریعہ الہام اور کشف وغیرہ ہم کلام ہوتا ہوں۔ حالانکہ اللہ کی وحی صرف نبیوں پر آتی تھی جو آنحضور ﷺ کے بعد ختم ہو چکی ہے۔

● [2] اور یہ کہنا بھی بہت بڑا ظلم ہے کہ نزولِ قرآنِ کریم کے بعد کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے حالانکہ حضور

خاتم النبیینؐ کے بعد وحی کی آمد مطلقاً بند ہو چکی ہے۔

● ۳؎ نیز یہ دعوٰی کرنا بھی بہت بڑا ظلم ہے کہ میں اللہ کی وحی کی مانند کلام نازل کر سکتا ہوں۔ واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ دعوٰی ہے کہ اگر جنّ و انسان جمع بھی ہو جائیں تو اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے ۱۷/۸۸ اسکا صرف یہ معنی نہیں ہے کہ کوئی اِس جیسی عربی نہیں بنا سکتا۔ بلکہ اِسکا مطلب یہ بھی ہے کہ جن و انسان جمع بھی ہو جائیں تو اس قسم کا بے لوث قانون نہیں لا سکتے۔ یہ ایک مشاہداتی حقیقت ہے کہ دُنیا کے ہر قانون میں صدر و سربراہ، ملک کے بادشاہ، ملکہ اور شہزادہ کو عدالت کے کٹہرے میں طلب نہیں کیا جا سکتا۔ مگر قرآنی قانون کے مطابق ملک کے صدر و سربراہ اور اسکے خاندان خصوصاً اُسکی بیوی ملکہ کو نہ صرف یہ کہ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جا سکتا ہے بلکہ ثبوتِ جرم پر دُگنی سزا دی جائیگی۔ جیسے کہ قرآنی ریاست کے صدرِ اوّل یعنی نبی اکرمؐ کی ازواجِ مطہرات کو ۳۳/۳۰ میں مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی بدکاری کی مرتکب ہوگی تو اُسے دُگنی سزا دی جائے گی۔ پس قرآنی قانون میں قیامت تک کیلئے صدرِ ریاست، اُس کی بیوی اور جملہ ارکانِ خاندان کے لئے دُگنی سزا کا قانون متعین کر دیا گیا ہے جو دُنیا بھر کے بنائے ہوئے دوسرے قوانین میں مطلقاً نابود ہے۔ دنیا کے قوانین میں کوئی ایسا قانون بنا ہی نہیں سکتا۔

● ۴؎ غمراتِ الموت کے الفاظ میں غمرات بصیغہ جمع لایا گیا ہے مطلب یہ کہ نافرمانوں پر موت کے وقت بہت سی سختیاں وارد ہوں گی۔ اِسی لفظ کا بدل ملائکہ بھی بصیغہ جمع لایا گیا ہے تفصیل آگے ملائکہ کے عنوان میں آرہی ہے۔

● ۵؎ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ کے الفاظ میں عوام کے ذہنی ملائکہ کا ذکر نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی رُو سے اُن کا وجود ہی موجود نہیں۔ کارگاہِ کائنات میں ہر وہ چیز جو اختیار و ارادہ سے عاری خدا تعالیٰ کی عطا کردہ واحد جبلّی نہج پر مصروفِ عمل ہے ملک ہے۔ اِسی طرح ہر بیماری، ہر تیز دھار والی چیز، اونچی گھاٹی، ہر عمیق جگہ، ہر وزنی چیز اور آگ پانی وغیرہ میں مستور قوتیں جن میں مبتلا ہونے سے بالترتیب زخم کھا کر، جل کر اور ڈوب کر موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنی نہج کو تبدیل نہیں کرتیں، سب ملک الموت ہیں۔ اِسی طرح ہر درندہ، ہر شین، بجلی کا شارٹ وغیرہ کی مخفی قوتیں بھی جن کا لقمہ بن کر موت واقع ہو جاتی ہے سب کے سب ملک الموت ہیں۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم میں انسانی جان کیلئے نہ روح کا لفظ آیا ہے نہ نفس کا اور نہ انسانی جان کوئی الگ چیز ہے جو جسدِ خاکی میں داخل ہوتی ہے تو یہ زندہ ہو جاتا ہے اور نہ یہ کہ نکل جاتی ہے تو مر جاتا ہے۔ جان یعنی زندگی ترکیبِ عناصر کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر الگ الگ مخصوص مقدار کے مطابق کائنات بھر کی چیزوں مٹی، پانی، آگ، ہوا، لوہا، تانبہ، سونا، چاندی، قلعی، چونا نمکیات اور تیزابیات وغیرہ کو الگ الگ مخصوص مقداروں کے مطابق ترتیب دے رکھا ہے، انہی اجزا کی مخصوص مقدار اور مخصوص ترتیب کیساتھ زندگی پیدا ہوتی ہے اور انہی کائناتی عناصر میں سے جب کوئی چیز خدا تعالیٰ کی مقررہ مقدار سے بڑھ جاتی ہے یا گھٹ جاتی ہے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے اور جب کوئی اہم جز دکسی بیماری یا حادثہ کا شکار ہو کر بیکار ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے انسان کے جسم میں

رواں خون کے اندر سُرخ اور سفید ذرّات سب زندہ جرثومے ہیں اگر زندگی کسی تام نہاد رُوح کی بدولت ہے تو ہر انسان کے
اندر ایک روح نہیں بلکہ کروڑوں روحیں موجود ہیں۔ یہی سُرخ سفید ذرّات جب بیمار ہو جاتے ہیں تو انسان فوراً بیمار ہو جاتا
ہے۔ اور جب وُہ مرنے لگیں تو یہ بھی مرنے لگتا ہے۔ ملائکہ کے قرآنی معنے وُہ کائناتی قوتیں ہیں جو ایک ہی نہج پر کام کرتی
چلی جاتی ہیں، ان کے ملک الموت وہ قوتیں ہیں جن سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ مسئلہ ملائکہ کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن
جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۹۵ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ سے وہ مہلک طاقتیں مُراد ہیں جو انسان کی موت کے وقت بصورت حال ہاتھ پھیلائے
ہُوئے ہوتی ہیں، مثلاً اگر موت واقع ہو رہی ہے نمونیہ کیساتھ تو نمونیہ کی مہلک طاقت ہے، گولی یا تیز دھار کا مہلک زخم ہو گیا ہے تو
ان کی مہلک طاقتیں ملک الموت ہیں جو ہاتھ پھیلائے ہُوئے کھڑی ہوتی ہیں۔

● ۹۶ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے بزبان حال مُراد ہے کہ وہ حالی طور پر کہہ رہی ہوتی ہیں کہ تم بڑے بڑے بنے پھرتے تھے۔
اگر اب طاقت ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے نکالو۔ لیکن روائتی تفاسیر میں اس کا یہ معنی لیا گیا ہے کہ عوام کے ذہنی فرشتے
مرض الموت میں مبتلا افراد سے کہتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں۔ لیکن جب قرآنِ کریم کی رُو سے جان کوئی داخل ہونے والی اور نکلنے
والی چیز ہے ہی نہیں تو مذکورہ روائتی مفہوم از خود غلط ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ یہاں اَنْفُس کا معنی اپنا آپ ہے۔ جان نہیں جیسے
کہ ۲/۸۴ میں لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ کا معنی صاف ہے کہ تم اپنے افراد کو اپنے گھروں سے مت نکالنا۔ اَنْفُسَكُمْ کا
لفظ اپنے آپ کے لئے ۲/۹۰ میں آیا ہے:۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ: بُری ہے وہ چیز جو وہ اپنے آپ کے لئے خریدتے ہیں
نیز ۲/۱۸۷ میں اس عنوان کو پُوری طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ نفس بمعنی اس جسم سے علیحدہ چیز ہرگز نہیں ہے۔ نزولِ قرآن
سے ماقبل رمضان کی راتوں میں میاں بیوی جنسی اختلاط سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ یعنی ایکدوسرے کے جنسی حقوق ادا نہیں
کرتے تھے۔ ایکدوسرے کے حقوق میں خیانت کرتے تھے۔

● اس کی خبر بالفاظِ ذیل دیگئی ہے:۔ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ
۲/۱۸۷ اللہ جانتا ہے کہ بیشک تم عدم ادائیگی حقوقِ زوجیت کیساتھ ایکدوسرے کی خیانت کیا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ تم پر
رجوع برحمت ہُوا اور تم کو معاف کیا۔ ایمان والو! اب تم رمضان کی راتوں میں بیویوں سے ملا کرو۔ اس آیت میں
اَنْفُسَكُمْ سے مُراد نہ روح ہے نہ جان، بلکہ نفس کا لفظ آپس میں ایکدوسرے کیلئے استعمال ہُوا ہے۔

● ذہنی ملائکہ کی بحث بھی نہایت اہم ہے کہ عوام میں قرنہا قرن سے یہ تصوّر چلا آرہا ہے کہ ملائکہ نامی ایک نوری
مخلوق ہے جو شکلیں بدل کر انسانوں کے پاس آتے ہیں۔ سورہ انعام میں لوگوں کے ذہنی ملائکہ کی اس طرح خبر دیگئی ہے
کہ آنحضورؐ کے مدمقابل کہتے تھے وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۚ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ
وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ ۶/۸-۹ کہ انہوں نے کہا اس مدعیٔ رسالت پر

کوئی ملک نازل کیوں نہیں کیا گیا۔ اور اگر ہم کوئی ملک (اپنی کائناتی قوت بجلی، آندھی، زلزلہ وغیرہ نازل کریں تو ان کا فیصلہ ہی کر دیں۔ پھر انہیں مہلت نہ دی جائے (فوراً ہلاک کر دئیے جائیں) اور اگر اُسے (ہم انکا ذہنی ملک بنائیں تو انکے ذہنی تصوّر کے مطابق) اُسے آدمی بنائیں، تو ہم اُن پر اُسے مشتبہ کر دیں، جیسے یہ لوگ خود مشتبہ کرتے ہیں۔ (کہ آدمی کی شکل میں وہ آدمی دکھائی دیگا، تو پھر یہ لوگ کہیں گے کہ یہ ملک نہیں یہ تو آدمی ہے)

● وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ کے جملہ میں لفظ مَلَکًا سے مُراد خدا تعالیٰ کا حقیقی ملک ہے یعنی کوئی کائناتی قوت کہ اُسے نازل کیا جائے تو بجلی آندھی زلزلہ وغیرہ کیساتھ انہیں فوراً ہلاک کر دیا جائے۔

● وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا کے الفاظ میں ہٗ کی ضمیر راجع بسوئے ماقبل مذکورہ اصلی ملک ہے اور یہاں جَعَلْنٰهُ مَلَكًا سے مراد عوام کا ذہنی ملک ہے جن کے متعلق مشہور کیا گیا ہے کہ وہ شکلیں بدل کر آدمی بن جاتے ہیں۔ ورنہ اگر عوام کے ذہنی ملائکہ فی الحقیقت کوئی مخلوق ہے تو جَعَلْنٰهُ مَلَكًا کے الفاظ میں ملک کو ملک بنانے کا کیا مطلب؟ بلکہ اصلی ملک کو عوام کا ذہنی ملک بنانا مذکور ہے جو عوامی غلط تصوّر کے مطابق آدمی کی شکل میں دکھائی دے گا مگر مشتبہ ہو جائیگا کہ جو آدمی دکھائی دیتا ہے اسکے متعلق اُنکے ذہنی ملک ہونے کا کیا ثبوت ہو گا۔

● ۹۳ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ میں الیوم سے مُراد قیامت کا دن ہے اُس سے پہلے بلا حساب کتاب قبر میں عذاب ثواب دینے کا تصوّر کئی وجہوں سے غلط ہے:۔

ا۔ پہلے نمبر پر خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی اوّلین سُورت مجیدہ میں جزا سزا کیلئے یوم الدّین کی خبر دی ہے اور اسی دن کے متعلق سُورہ مومنون میں بتایا گیا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے تو ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ ۲۳/۱۶ پھر تم قیامت کے دِن اٹھائے جاؤ گے ۔۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ موت کے بعد جبکہ ابھی بعثت ہوئی ہی نہیں تو قیامت سے پہلے قبر میں عذاب ثواب کا کیا معنیٰ؟

ب۔ دُوسرے نمبر پر اسی یوم الدّین کے متعلق بتکرارِ کثیر ارشاد ہوا ہے:۔ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ۴/۱۷۲ + ۶/۱۲۹ + ۳۴/۴۰ + ۲۵/۱۷ + ۵۸/۶ + ۵۸/۱۸ اُس دن اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کر لیگا۔ تو اس طرح جب حشر نشر کے لئے ایک دِن مقرر کر دیا گیا ہے تو دنیوی تاریخ سے پہلے بلا حساب کتاب قبر میں آتشیں گُرزوں کی سزا کا کیا مطلب، جبکہ مقرر کردہ تاریخ سے پہلے کسی قسم کی کاروائی کرنا عقل و دانش اور عدل و انصاف دونوں کے صد فیصد خلاف ہے۔

ج۔ تیسرے نمبر پر خدا تعالیٰ کی مقررّہ تاریخ یعنی اِسی یوم الدّین کو ۱۴/۴۱ میں یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ کے الفاظ میں نوعِ انسانی سے حساب لینے کا دن بھی کہا ہے۔ تو حساب کتاب کے بغیر مقدمہ پیچھے اور سزا پہلے کس طرح ممکن ہے۔

د۔ چوتھے نمبر پر ابتدائے کائنات کے اوّلین دور اور انتہائے کائنات کے آخری دور کے مجرموں کی اُس مدّت میں لاکھوں کروڑوں سال کا فرق ہے جو وہ الگ الگ قبر میں رہیں گے۔ قُربِ قیامت کے آخری، افراد تو صرف ایک دن یا ایک گھنٹہ

کیلئے عذاب قبر پائیں گے مگر ابتداءِ آفرینش کے متوفّٰی افراد لاکھوں کروڑوں برس فرشتوں کی گُرزیں کھاتے رہینگے۔ پس قبر کی یہ الگ الگ مدّت بھی جس سے کسی بھی فردِ بشر کو مجالِ انکار نہیں، عذابِ قبر مبنی بر انصاف نہیں ہونے دیتی۔ پس عذابِ قبر کا نظریہ نہ قرآن کریم کا ساتھ دے سکتا ہے اور نہ عقل و خرد اور عدل و انصاف کے ترازو پر پُورا تُل سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جن روایات میں یہ نظریہ رسُولِ مقبول اور صحابہؓ کرام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ وُہ اِن بزرگوں کی طرف منسوب محض ہیں پس:-

● آیت زیر بحث ۶/۹۳ میں آمدہ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ کا مفہوم اَلْیَوْمَ یعنی قیامت کا دن ہی دُرست ہے جس کی تائید و تاکید عین متصل مابعد کی آیت کریمہ نمبر ۶/۹۵ میں موجود ہے کہ یہاں قبر کے عذاب کا ذکر نہیں بلکہ قیامت کی عدالت کا ہے:-

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ
اور البتہ تحقیق تم آئے ہمارے پاس فرداً فرداً جیسے پیدا کیا ہمنے تمکو
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ
پہلی مرتبہ اور چھوڑ آئے جو دیا ہمنے تمکو پیچھے پیٹھوں اپنی کے
وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
اور نہیں دیکھتے ہم ساتھ تمہارے شفاعتی تمہارے جنہیں گمان کیا تم نے
اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ
بیشک انہیں بیچ اپنے شریک بیشک قطع ہوگئے بیچ تمہارے اور گم ہوگئے
عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ۹۵ ع ۱۷
سے تمہارے جو تھے تم گمان کرتے

(اللہ تعالیٰ قیامت کو کہیگا کہ) بیشک تم ہمارے حضور میں اکیلے اکیلے حاضر ہُوئے ہو جیسے کہ تمہیں پہلی مرتبہ اکیلے اکیلے کو ہم نے پیدا کیا تھا۔ اور جو سامان ہم نے تمہیں عطا فرمایا (جس سے تم بے حد محبت کرتے تھے) اُسے تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ اُن لوگوں کو جنہیں تم اپنے شفاعتی گمان کرتے تھے اپنے اندر شریک۔ تمہارے آپس کے تعلقات منقطع ہو چکے ہیں اور وہ تم سے گم ہوگئے ہیں۔ جنہیں تم (حاجت روا کارساز) گمان کرتے تھے۔

● دیکھا آپنے! اس آیت مجیدہ میں کس طرح وضاحتاً بتا دیا گیا ہے کہ پچھلی آیت میں اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ قیامت کے گناہگاروں کو کہا جائے گا۔ قبر میں نہیں کہ خدا تعالیٰ پر مقدمے کا فیصلہ بعد میں اور سزا پہلے کا الزام عائد ہوتا ہو۔ استغفر اللہ!

اللہ تعالیٰ گُٹھلیوں اور بیجوں کو پھوڑنے والا ہے

● آیت بالا میں لوگوں کے ٹھہرائے ہُوئے شریکوں کا ذکر آیا ہے اس لئے متصلاً اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تو وہ ہے جو زمین میں بوئی گئی گٹھلیوں اور بیجوں کو پھاڑ کر اُن میں سے پودے پیدا کرتا ہے، رات کے اندھیرے میں سے دن کی روشنی نکالتا ہے، مُردوں میں سے زندے اور زندوں میں سے مُردے پیدا کرتا ہے۔ پس وہ لوگ اُسکے شریک کس طرح ہو سکتے ہیں جو

نہ تو کچھ پیدا کرتے ہیں اور اُس قوی و عزیز کے قوانین کے مطابق پیدا ہوئے اور زندگی بھر اُسی کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ
بیشک اللہ ہے پھوڑنے والا دانوں اور گٹھلیوں کو۔ نکالتا ہے
الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ
زندہ کو میں سے میت کو اور نکالنے والا ہے میت کو میں سے زندہ کے
ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝ ۹۶
وہ ہے تمہارا اللہ پھر کہاں کو تم اُلٹے پھرتے ہو

بیشک اللہ تعالیٰ (زمین میں بوئے گئے) دانوں اور گٹھلیوں کو پھوڑنے والا ہے (ان سے پودے اور درخت پیدا کرتا ہے) وہ نکالتا ہے مُردے میں سے زندہ کو اور نکالنے والا ہے زندہ میں سے مُردہ کو۔ ان صفات کا مالک ہے تمہارا اللہ پھر تم (اس کے شریک ٹھہرا کر) کس طرف کو اُلٹے پھرے جا رہے ہو۔

● جملہ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ کی عملی تفسیر مشاہداتِ عالم میں ان الفاظ کے حقیقی اور مجازی دونوں معنوں کی صورت میں موجود ہے کہ بچے کی پیدائش سے پہلے ماں مر جاتی ہے۔ اور ایسے مُردوں میں سے زندہ بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ماں زندہ ہوتی ہے مگر بچہ مُردہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو ہے ان الفاظ کے حقیقی معنوں کی مشاہداتی تفسیر ــــــ اسکے علاوہ ان الفاظ کے مجازی معنوں کی تفسیر بھی اقوام عالم کے عروج و زوال کی صورت میں موجود ہے کہ مُردہ قوموں میں سے ایسے زندہ افراد پیدا ہوتے ہیں جو پوری کی پوری قوم کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اور بعض زندہ قوموں میں ایسے مُردہ افراد پیدا ہوتے ہیں جو پوری کی پوری قوم کو غلامی کی موت کے عمیق غار میں دھکیل دیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق مُردہ قوموں میں سے زندہ قومیں نکال رہا ہے اور زندہ قوموں میں سے مُردہ۔ گزشتہ آئتِ مجیدہ میں بیجوں اور گٹھلیوں کے پھوڑنے اور ان سے درخت پودے اگانے کے ان تصرّفات کا ذکر تھا جن کا تعلق زمینی قوانینِ خداوندی کیساتھ ہے۔ اس خدا تعالیٰ کے ارضی کنٹرول کی خبر دینے کے بعد اگلی آئتِ مجیدہ میں نظامِ شمسی اور قمری یعنی اللہ تعالیٰ کے سماوی کنٹرول کی مکمل خبر دی گئی ہے جس کا تعلق اس کارخانۂ کائنات کی محیّر العقول بلندیوں کیساتھ ہے، جن کی حدِ نظر یہ نیلے آسمان والا افق ہے، حالانکہ اس نظامِ شمسی و قمری کے علاوہ اور بہت سے نظامِ شمسی ان سماوات کی بلندیوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :-

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا
پھوڑنے والا صبحوں کا اور بنایا رات کو آرام کیلئے
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ
اور سورج اور چاند کو حساب کیلئے وہ ہے اندازہ

(وہ اللہ ہی ہے) رات کی کالی چادر کو پھاڑ کر صبحیں نمودار کرنے والا۔ اور اُس نے رات کو آرام کیلئے بنایا ہے (تاکہ تم اگلے دن کی محنت کے لئے تازہ دم ہو جاؤ) اور سورج اور چاند کو تکوینی حساب کیلئے بنایا ہے مذکورہ بالا ہی ہے (اجرامِ فلکی کے نظم

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ ۹۷ | بڑھ کر غلبے والے اور بڑھ کر علم والے کا مقرر کردہ اندازہ (پیمانہ) اور قانون ہے۔[۴]
بڑھ کر غالب بڑھ کر علم والے کا

● [۱] فَالِقُ الْاِصْبَاحِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ یہ جو ہر ۲۴ گھنٹوں کے بعد رات کی کالی چادر کو پھاڑ کر ہر روز نئی صبح نمودار ہوتی ہے اِس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ الاصباح بصورت جمع لاکر بتایا گیا ہے کہ وہ لاانتہا صبحیں نمودار کرنے والا ہے۔ اِس صیغہِ جمع میں ہر مقام کی سال بھر کی ۳۶۵ صبحیں بھی ہیں۔ اور کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر ۲۴ گھنٹوں میں ہر سیکنڈ کے بعد نمودار ہونے والی چھیاسی ہزار چار سو صبحیں بھی شمار ہیں اور سال بھر میں ہر مختلف مقام پر ہر سیکنڈ کے بعد نمودار ہونے والی تین کروڑ گیارہ لاکھ چار ہزار صبحیں بھی شامل ہیں اور اس کے بعد ایک صدی میں نمودار ہونے والی تین ارب گیارہ کروڑ چار لاکھ صبحیں بھی شامل ہیں۔ اِس اہم حقیقت کو اسطرح سمجھئے گا کہ:۔

● زمین کی مداری گردش کے ساتھ سال بھر میں چار موسم بدلتے رہتے ہیں اور محوری گردش کے ساتھ دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ زمین کا جو حصہ سورج کے سامنے آتا جاتا ہے وہاں دن نمودار ہوتا چلا جاتا ہے۔ زمین اپنی محوری گردش کا چکر سورج کے گرد ایک سال میں پورا کرتی ہے اور قریباً ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کے سامنے مغرب سے مشرق کی طرف گھومتی ہوئی ۲۴ گھنٹوں میں ایک محوری چکر پورا کرتی ہے۔ اِس گردش کی بدولت زمین کے ایک مقام پر رات کے آخری سیکنڈ کے گزرنے پر صبح نمودار ہوتی ہے مگر اُس مقام سے مغربی مقام پر ایک سیکنڈ کے بعد صبح نمودار ہوتی ہے کیونکہ وہ مقام صبح کی نمود کے مقام پر ایک سیکنڈ کے بعد پہنچتا ہے۔ اسلئے چوبیس گھنٹوں کے ہر سیکنڈ کے خاتمہ پر نئی صبح نمودار ہوتی ہے۔ اِس طرح کرۂ ارض پر ۲۴ گھنٹوں کے وقفے میں چھیاسی ہزار چار سو صبحیں نمودار ہوتی ہیں اور سال میں اس تعداد کو ۳۶۵ کیساتھ ضرب دینے سے تین کروڑ گیارہ لاکھ چار ہزار صبحیں عالمِ وجود میں آتی ہیں اور ایک صدی میں اسے ۱۰۰ کیساتھ ضرب دینے سے صبحوں کی گنتی تین ارب گیارہ کروڑ چار لاکھ صبحوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اِس طرح فالق الاصباح کے الفاظ بصورتِ جمع لاکر دعوتِ تفکر دیگئی ہے کہ جب سے اِس کارخانہ کائنات میں نظامِ شمسی قائم کیا گیا ہے نیلوں پدموں صبحوں کو فالق الاصباح عالمِ وجود میں لاچکا ہے۔

● [۲] وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا کے الفاظ میں ایک تو اس چیز کی طرف دعوتِ تفکر دیگئی ہے کہ صحیفہِ فطرت کی اُن آیاتِ مقدسہ پر غور کرو جن کے ذریعہ رات دن پیدا ہوتے ہیں، یعنی زمین کی محوری گردش پر کہ اس کی بدولت زمین کا جو حصہ اور جتنا عرصہ سورج کے سامنے رہتا ہے اُس مقام پر اُتنا عرصہ دن رہتا ہے اور اُس کے اُلٹے حصے پر رات ہوتی ہے۔ نیز بتلایا گیا ہے رات کو سکون آرام یعنی نیند کے لئے بنایا گیا ہے اور دن کو حصولِ معاش کے لئے۔ سورہ نبا میں ارشاد ہوا ہے وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ ۷۸ ۱۰ ۔ ۱۱ اور ہمنے رات کو پردہ بنایا ہے آرام کرنے کے لئے اور دن کو ہم

نے بنایا ہے معاش پیدا کرنے کیلئے۔ اِن الفاظ میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ دن کے بنانے کی غرض معاش پیدا کرنا ہے
رات کو اگر آرام کر کے تازہ دم نہ ہوں گے تو اگلے دن کام کس طرح کریں گے۔ اسلئے رات کو آرام کے بعد تازہ دم ہو
کر روزی پیدا کرنا حقیقی واحد غرض ہے۔ جس پر یہ پابندی عائید کی گئی ہے اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۖ تم پر پاکیزہ مال
حلال کیا گیا ہے۔ حلال کماؤ اور حلال کھاؤ۔

● ۳ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا کے الفاظ میں سورج اور چاند کے بنانے کی ایک غرض یہ بتائی گئی ہے شمسی اور
قمری سال کا حساب صرف سورج اور چاند کے ساتھ وابستہ ہے۔ کہ زمین کی مداری گردش کے مطابق زمین پر کا سال ۳۶۵
دِن کا ہے۔ بالفاظِ دیگر ۳۶۵ دن کے بعد بالکل وُہی موسم لوٹ کر آجاتا ہے جو ۳۶۵ دن پہلے تھا۔ اور قمری سال
۳۵۵ دِن کا ہے۔ ۳۵۵ دِن کے بعد بظاہر وُہی موسم آجاتا ہے جو ۳۵۵ دِن پہلے تھا۔ مگر تین سال کے بعد شمسی
اور قمری سال میں ایک ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ زیرِ بحث الفاظ میں اِسی چیز کی دعوتِ فکر دی گئی ہے، نہایت محتاط تجربے
کی رُو سے شمسی سال ۳۶۵ دِن ۶ گھنٹے قریباً ½ ۳ منٹ کا ہے۔ اُوپر کے چھ گھنٹوں سے چار سال کے بعد ایک دن کا اضافہ ہو
جاتا ہے یعنی لیپ کا سال ۳۶۶ دِن کا ہوتا۔ اس سے زائد ½ ۳ منٹوں سے چار صدیوں کے بعد مزید ایک دن کا اضافہ
ہو جاتا ہے یعنی چار صدی کے بعد سال ۳۶۷ دن کا ہوتا ہے۔ یہ ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا کی عملی تفسیر جو صدیوں کے تجربے
اور عملی حساب کی رُو سے ثابت ہو چکی ہے۔

● ۴ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ کے الفاظ میں ذٰلِكَ اِسم اشارہ بعید ہے جس کا بیان معنٰی ہے وہ یعنی مذکورہ
بالا۔ اور تقدیر مادہ قدر سے صفت مُشبّہ ہے۔ اور جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ سورج اور چاند وغیرہ جملہ اجرام فلکی کیلئے مذکورہ
بالا انداز سے دن رات اور موسموں کی تبدیلی کا قانون اُس ذاتِ مقدس کا متعین کردہ ہے جو بہت بڑھ کر غالب اور بہت بڑھ
کر علم والی ہے۔ اُسی نے صحیح صحیح غلبے اور صحیح صحیح علم کے مطابق یہ قوانین مقرر فرمائے ہیں، جن میں کروڑوں سال گزر
جانے کے باوجود ایک ثانیہ کا فرق کبھی نمودار نہیں ہوا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی متصلہ آیت مجیدہ میں سورج اور چاند کے علاوہ باقی ستاروں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ
ریگستانوں اور سمندروں میں راستے معلوم کرنے کا فائدہ دیتے ہیں، ہم نے علم والی قوم کیلئے اپنی تنزیلی اور تکوینی
آیات مبارکہ کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری:۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا اور وہی ہے جس نے بنائے واسطے تمہارے تارے تاکہ تم راہ پاؤ بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا ساتھ انکے بیچ اندھیروں خشکی اور سمندر کے۔ بیشک کھول کر بیان کی ہم نے	اور وُہ (اللہ ہی) وُہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں تاکہ تم اُن کے ذریعہ خشکی اور سمندر میں راستے معلوم کیا کرو۔ بیشک ہم نے عقل و شعور والی قوم کے لئے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۹۸

آیتیں واسطے اس قوم کے جو جانتے ہیں

ستارے رہنمائی کیلئے ہیں ● ۱ؐ خشکی کے ریگستانوں میں راتوں کو اور سمندروں میں دن اور رات کو بوقت ستاروں کی مدد ہی سے راستے معلوم کئے جاتے ہیں۔ دُبِّ اکبر، دُبِّ اصغر، نیز قطب ستارہ اور قطبین کے علاوہ ستارۂ صبح اور نیم شبی وغیرہ جو خدا تعالیٰ کے مقررہ راستوں ہی پر چلتے ہیں وہ کبھی بھی انسان کو دھوکا نہیں دیتے۔ سب کے سب سمتوں کی رہنمائی کے صحیح صحیح فرائض ادا کرتے ہیں۔ قطب ستارہ کے متعلق سورۂ نحل میں ارشاد ہوا ہے:۔ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۱۶/۱۶ اور النجم یعنی ایک مخصوص ستارہ قطبی کے ساتھ لوگ راستے معلوم کرتے ہیں:۔ یہ قطبی ستارہ ہی ہے جس کی مدد سے بڑے بڑے عظیم قطب نما تیار کئے جا چکے ہیں۔ اور آج بحری جہازوں کے کپتان بند کمروں میں بیٹھے بیٹھے راستے معلوم کرتے ہوئے وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ کی عملی تصدیق کر رہے ہیں کہ دن ہو یا رات، قطبی ستارہ ہر لحظہ اور ہر آن بحری مسافروں کی صحیح صحیح رہنمائی کر رہا ہے۔

● یہ تو ہوئی ظُلُمٰتِ الْبَحْرِ میں ستاروں کی رہنمائی یہی حال ظُلُمٰتِ الْبَرِّ کا ہے کہ ریگستانی علاقوں میں جہاں منزل کے نشانِ راہ موجود نہ ہوں وہاں ریگستانوں کے مسافر رات کے اندھیرے میں قطب ستارہ کی مدد سے منزل کی صحیح سمت معلوم کر لیتے ہیں اور دن کے وقت قطب نما کی مدد سے۔ مولا کریم نے اپنی ان نعمتوں کے تذکرہ کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں پوری نوعِ انسانی کے پیدائشی انسانی حقوق کی وضاحت اس مخصوص انداز سے فرمائی ہے کہ پوری نوعِ انسانی کو مخاطب کر کے اعلان کیا گیا ہے کہ تم سب ایک ہی جوہرِ حیات "سلالۂ ارضی ۲۳/۱۲" سے پیدا کئے گئے ہو اور تم سب کے سب مساوی طور پر واجب التکریم ہو ۱۷/۷۰ اور اس طرح چونکہ تم سب ایک ہی سطح کے افراد ہو اس لئے زمین میں تمہارا حقِ رہائش بھی مساوی ہے اور حقِ سامانِ زیست (ضروریاتِ زندگی) بھی متوازن و مساوی ہے:۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں سے حقیقت ایک

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ

پھر ٹھکانہ ہے اور ضروریاتِ زندگی۔ بیشک کھول کر بیان کی آیتیں

لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۹۹

واسطے قوم غور کرنیوالوں کے

اور وہ (اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہیں (اے نوعِ انسانی!) ایک ہی جنس کے جوہر ارضی سے پیدا کیا ہے پھر (تم سب کیلئے اس زمین میں ٹھکانہ بھی ہے ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اور ضروریاتِ زندگی (کا مساوی حق بھی ۲/۳۶ + ۷/۲۴) ہے بیشک ہمنے اپنی آیتوں کو اُس قوم کیلئے جو تفقہ کرنیوالے ہیں، کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

● ملہ نفسِ واحدہ کی قرآنی تفسیر کیلئے اُن متبادل الفاظ پر غور فرمائیں جو هُوَ الَّذِیٓ اَنْشَاَ کُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ کی بجائے سُورہ مومنون میں آئے ہیں :- وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ ۲۳/۱۲ اور بیشک ہمنے انسان کو مٹی کے سُلالہ یعنی مٹی کے جوہر کی ایک ہی جنس) سے پیدا فرمایا ہے۔ بالفاظِ دیگر وُہ جرثومۂ حیات جس سے انسان کی ابتدا کیگئی ہے اُس میں وُہ تمام عناصر موجود ہیں جو خداوندِ عالم نے مٹی کے اندر پیدا کر رکھے ہیں۔ مثلاً مٹی میں لوہا ہے سونا ہے چاندی ہے، سیسہ ہے قلعی ہے، نمکیات ہیں، تیزابیات اور حیاتین وغیرہ جو کچھ بھی ہے انسانی جرثومے میں ان جملہ عناصر کا سُلالہ یعنی ان سب کا جوہر موجود ہے۔ مذکورہ بالا حقیقت ڈاکٹر صاحبان کے تجربات سے ثابت ہے کہ جب کسی شخص کے جسم میں اِن ارضی عناصر میں سے کسی عنصر کی کمی ہو جاتی ہے تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ اور ڈاکٹر یہ معلوم کر کے کہ اس بیمار کے جسم میں چونے کی کمی ہو گئی تو اُسے کیلشم کی ٹکیاں دیتا ہے اور اگر لوہا کم ہو گیا ہو تو آئرن ٹیبلیٹس کے ساتھ علاج کرتا ہے۔ ایک تندرست جسم میں آٹھ سیر پانی موجود ہوتا ہے، اگر یہ کم ہو جائے تو جسم میں پانی پہنچانا لازم ہو جاتا ہے۔

● یہی حالت اِن عناصر کے جوہر (سُلالہ) کی زیادتی کی ہے۔ کہ اگر کوئی عنصر خدا تعالیٰ کی مقررہ مقدار سے بڑھ جائے تو پھر بھی انسان بیمار ہو جاتا ہے اور ایسے مریض کا علاج بڑھے ہُوئے عنصر کو کم کر کے متوازن مقدار پر لانا ہے۔ یہ ہے نفسِ واحدہ کی قرآنی تفسیر جو سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ کے الفاظ میں خداوندِ عالم نے خود کر رکھی ہے۔ یعنی نفسِ واحدہ اور سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

● انسان کی ابتدائی پیدائش کیلئے قرآن مجید میں اور بھی مختلف الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً سورہ الصّٰفّٰت میں ارشاد ہُوا ہے اِنَّا خَلَقْنٰھُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ۝ ۳۷/۱۱ بیشک انہیں (نوعِ انسانی کو) ہمنے چپکنی مٹی میں سے پیدا کیا ہے۔ سورہ الحجر میں بتایا گیا ہے :- وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ ۱۵/۲۶ انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے بدبودار گارے سے پیدا کیا۔ سُورہ الرحمٰن میں ہے :- خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ۵۵/۱۴ انسان کو آگ میں پکی ہوئی جیسی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

● صلصال کا معنٰی ہے سڑی ہوئی مٹی اور فخار کا معنٰی ہے آگ میں پکی ہوئی۔ یہ تعریف ہے اِس مٹی کی جس میں سے انسان کو پیدا کیا گیا ہے کہ یہ زمین پہلے آگ کا گولہ تھی اِس لئے اِس کی مٹی آگ میں پک کر موجودہ صُورت میں آئی تھی۔ اِس سے آگے طین کہتے ہیں پانی ملی مٹی کو۔ اور لازب کا معنٰی ہے لیس دار یعنی چپکنے والی مٹی۔ اِس سے آگے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ حما کہتے ہیں کنوئیں کی تہ سے نکالے ہُوئے کالے بدبودار کیچڑ کو۔ اور مسنون کا معنٰی ہے بُسا ہُوا۔ اِن معنوں کی تصدیق ۲/۲۵۹ میں نہ بُسے ہُوئے کھانے اور پانی کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں :-

● فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۲/۲۵۹ اپنے کھانے اور پانی کی طرف دیکھ کہ وُہ بُسا نہیں ہے۔
پس محوّلہ بالا آیات مجیدہ ۱۱/۳۷ + ۲۶/۱۵ + ۱۴/۵۵ کے مطابق جس مٹی سے نوعِ انسانی کو پیدا کیا گیا تھا اُسکی حالت یہ ثابت ہُوئی کہ زمین آگ کا گولہ تھا اُس سے زمین سڑ کر صلصالٍ کالفخار ہُوئی پھر اس پر پانی برسا تو طینٍ لازبٍ بنی پھر اُس پر جب سُورج کی گرمی نے اپنا اثر کیا تو بُسا ہُوا کیچڑ حَمَاٍ مَّسنُونٍ بنا۔ اور اُس میں سے سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ کے ایک ہی جنس کے جرثومہ ہائے حیات، نفسِ واحدہ خداوندی قانون کے مطابق اُس شکل و صُورت میں نمُودار ہُوئے جو خلّاقِ عالم نے اُس کے اندر محفوظ کر رکھی تھی۔

● جس طرح سائنسی مشاہدات کے مطابق، بڑھ کا اتنا بڑا پُورا درخت اپنی جڑوں، تنے، ٹہنوں، ٹہنیوں، پتّوں اور پھل سمیت بڑھ کے رائی کے دانے جتنے بیج کے اندر موجود ہوتا ہے۔ اُسی طرح انسان کے خورد بینی جرثومے کے اندر اسکا پُورا جسم آنکھوں کانوں دانتوں بالوں مُنہ ناک بازوؤں ٹانگوں وغیرہ معہ اندرونی مشین دل، دماغ، پھیپھڑے جگر معدہ انتڑیاں وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔

● اِس سے آگے پُورے کرہ ارض پر جہاں جہاں مٹّی، صلصالٍ کالفخار، طینٍ لازبٍ بن کر حَمَاٍ مَّسنُونٍ کی صورت میں بدبُودار ہو کر بُس گئی وہاں وہاں سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ، انسانی جرثومۂ حیات بُسے ہُوئے گارے میں پیدا ہُوئے اور اپنی اوّلین ماں زمین کے شکمی مراحل طے کر کے کرہ ارض کے مختلف مقامات پر ہر برِّ اعظم میں بہت سے مرد اور عورتیں عالمِ وجود میں آئے۔ اس ابتدائی کثرتِ پیدائش کی خبر سُورہ اعراف میں بالفاظِ ذیل دیگئی ہے:۔

● وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ۷/۱۱ اور بیشک ہمنے تم بہت سوں کو پیدا کیا، پھر تم بہت سوں کی صورتیں بنائیں، پھر ہمنے ملائکہ کو حکم دیا کہ سب نوعِ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ پھر سب سجدہ ریز ہو گئے مگر ابلیس نہ ہُوا۔۔۔۔ اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ابتدائی تخلیق ایک شخص کی نہیں تھی بلکہ مرد عورتیں بہت سے اشخاص کی تھی۔ اِس سلسلے کا آخری سوال یہ ہے کہ جب ۷/۱۱ کے مطابق ابتدا میں بہت سے مرد عورتیں پیدا کئے گئے تھے تو پھر مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ کے الفاظ کیوں لائے گئے ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ ۷/۱۱ کے مطابق یہ تصوّر تو کسی بھی صُورت میں پیدا نہیں ہو سکتا کہ ابتدا میں صرف ایک فرد پیدا کیا تھا اور اُس کی بیوی اُس کی پسلی سے نکالی گئی تھی۔ پھر وُہ روزانہ شوہر سے دو بچّوں کا حمل اُٹھاتی بھی تھی اور دو بچے روزانہ جنتی بھی تھی العیاذُ باللہ!۔ بلکہ یہاں نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ صفت موصوف ہے اور اس میں تنوین تعریف جنس کی ہے۔ یعنی بہت سے مرد عورتیں کرہِ ارض پر ایک ہی جنس جوہرِ ارضی سے پیدا کئے گئے تھے۔ سُورہ نساءؔ اور سُورہ اعراف میں نفسِ واحدہ میں مذکّر مونّث کی موجودگی کی خبر دیگئی ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔

● یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا

كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۴/۱ = اے نوعِ انسانی کے مردو اور عورتو! اپنے رب کی رُبوبیت کی مخالفت سے بچو، جس نے تم کو ایک ہی جنس (زمینی جوہرِ حیات سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۲۳/۱۲) سے پیدا کیا اور اُسی جوہرِ ارضی، جرثومۂ حیات میں اُس کا جوڑا (مذکر و مونث) پیدا کیا۔ اور اُن دونوں صنفوں مذکر و مونث میں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیئے۔

کیا ہر بیوی اپنے شوہر میں سے نکلی ہوئی ہے؟

● اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں جو ھا ضمیر برائے نفسِ واحدہ آئی ہے اُس کا معنٰی جنسِ واحد کیا گیا ہے اور اُس کا معنٰی یہ ہے نوعِ انسانی کو جنسِ واحد پیدا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کا جوڑا بھی اُسکے اندر رکھ دیا ہے یعنی جوہرِ ارضی کے واحد جنس کے جرثومۂ حیات میں مذکر و مونث بننے کی صلاحیت رکھدی گئی ہے۔ مگر روائتی تفاسیر نے نفسِ واحدہ سے مُراد لیا ہے حضرت آدم سلام علیہ۔ اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں زوج بمعنٰی بیوی کا لیکر یہ تصوّر پیدا کیا ہے کہ حضرت آدم کی بیوی حضرت حوّا اُن کے اپنے آپ میں سے نکالی گئی تھی۔ لیکن اگر خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے مذکورہ روائتی مفہوم لیا جانا صحیح تسلیم کیا جائے کہ نوعِ انسانی کے فردِ اوّل کی بیوی اُن میں سے نکالی گئی تھی تو سورہ روم اور سورہ شوریٰ کی شہادت کے مطابق یہ ماننا پڑے گا کہ ہر شخص کی بیوی اُسی میں سے نکالی جاتی ہے۔ سورہ روم میں ارشاد ہوا ہے :-

● وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا ۳۰/۲۱ ۔ دیکھئے نفس بمعنٰی اپنا آپ کے مطابق اِس کا مفہوم یہ ہے کہ :- اور اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے ہر ایک کے اپنے آپ میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ اِسی طرح سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے :-

● فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ۴۲/۱۱ روائتی ترجمہ نفس بمعنٰی اپنے آپ اور ازواج بمعنٰی بیویاں کے مطابق اس آیتِ مجیدہ کا معنٰی بھی یہ بنتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ) آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے اس نے تمہارے ہر ایک کے اپنے آپ میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ تو اب بتائیے کہ بات کیا بنی؟ اگر ان آیتوں میں نفس بمعنٰی اپنا آپ لیا جائے تو خلافِ حقیقت ہے کیونکہ کوئی شخص بھی دنیا میں ایسا موجود نہیں، جس کی بیوی اُس میں سے نکالی گئی ہو۔ اِس لئے روائتی تراجم نے ان آیتوں ۳۰/۲۱ اور ۴۲/۱۱ میں اَنْفُس کا معنٰی جنس لکھا ہے چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اور ڈپٹی نذیر احمد اور دیگر مترجمین نے ۳۰/۲۱ کا معنٰی لکھا ہے :- اُس (اللہ) نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں۔ اور ۴۲/۱۱ کا معنٰی لکھا ہے :- اُس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے۔ پس یہاں جُملہ مترجمین نے تسلیم کیا ہے کہ ۳۰/۲۱ اور ۴۲/۱۱ میں اَنْفُس کا معنٰی اپنا آپ نہیں بلکہ جنسِ آدم ہے۔ اسی طرح سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۶/۹۸ میں بھی نفسِ واحدہ کا یہ معنٰی ہرگز نہیں کہ نفسِ واحدہ میں سے اُس کی بیوی نکالی گئی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا جوڑا ابتداءِ آفرینش ہی میں اُسکی جنس کا ٹھہرا دیا تھا۔ اوپر ۷/۱۸ کے مطابق بتایا جا چکا ہے

کہ ابتداء میں ایک نفس نہیں پیدا کیا گیا تھا، بلکہ بہت سے افراد پیدا کئے گئے اور سب کے جوڑے اُن کی اکیلی الگ ذاتی جنسِ آدم میں سے ہی پیدا کئے گئے تھے۔ اگر نفسِ واحدہ سے مُراد حضرتِ آدم نبیؑ اور اُن کی بیوی اُن سے نکالی گئی مانی جائے تو ۷/۱۹۰ کے مطابق معاذ اللہ استغفر اللہ ثم معاذ اللہ استغفر اللہ، اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی حضرت آدم ہی مشرک ٹھہرتے ہیں :۔

● سُورہ اعراف میں آیا ہے :۔
● هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○ ۷/۱۸۹ تا ۱۹۰ ۔ اگر روائتی تصوّر کے مطابق نفسِ واحدہ سے مُراد حضرتِ آدمؑ اللہ کے اوّلین نبی لئے جائیں تو ان آیتوں کا معنی یہ بنتا ہے :۔

● وہی ہے جس نے تم کو نفسِ واحدہ (حضرتِ آدمؑ) سے پیدا کیا اور اُس کی بیوی (حوا) اُسی میں ٹھہرائی (اُسی میں سے نکالی) تاکہ وہ اسکے ساتھ سکون حاصل کرے۔ پھر جب اُس نے اُسے (بیوی کو) ڈھانپا تو اُس نے ہلکا سا حمل اُٹھالیا۔ اور اُسکے ساتھ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو (میاں بیوی) دونوں نے اللہ تعالیٰ اپنے رب کے حضور میں دُعا کی کہ اگر تو ہمیں تندرست بیٹا دے گا تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے۔ پھر جب اُس نے انہیں تندرست بیٹا عطا کیا تو اُن دونوں (میاں بیوی) نے اُس میں جو اللہ نے اُن دونوں کو (بیٹا) دیا تھا، اللہ کا شریک ٹھہرالیا۔ لوگ جس میں اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس سے بلند و بالا ہے۔ (اُس کا کوئی شریک موجود تک ہے ہی نہیں۔

● نفسِ واحدہ سے حضرت آدمؑ مراد لینے سے اُن میں سے نکالی ہُوئی بیوی حضرت حوّا ثابت ہوتی ہیں۔ اسطرح اُن دونوں میاں بیوی کے متعلق ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرتِ حوّا کو پہلا ہلکا سا حمل ہُوا تو اُسکے کامل اظہار پر دونوں نے دعا کی کہ بارِ الہا! اگر تو ہمیں صحتمند بیٹا عطا فرمائے تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ لیکن ہُوا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں تندرست بیٹا عطا فرمایا تو دونوں میاں بیوی (یعنی معاذ اللہ استغفر اللہ حضرت آدمؑ و حواؑ) نے اللہ کیساتھ شریک کیا۔ اسی ناگفتنی تصوّر کو شاہ عبد القادر دہلوی کے موضح القرآن کے الفاظ میں مترجم قرآن مجید کے حاشیوں پر معاذ اللہ استغفر اللہ بالفاظِ ذیل نقل کیا گیا ہے۔ اسوقت ہمارے سامنے انجمن خدام الدین کا مترجم قرآنِ عزیز موجود ہے جس پر ربطِ آیات کے نام سے مولوی احمد علی صاحب مرحوم کا حاشیہ بھی ہے اور موضح القرآن کے نام سے شاہ عبد القادر کی تفسیر بھی موجود ہے۔ اِسکے صفحہ ۸۸ پر درج موضح القرآن کا اقتباس دو حصّوں میں پیش خدمت ہے :۔

(۱) "بعض کہتے ہیں کہ حضرت آدم و حوا پر گزرا کہ جو اوّل حمل ہوا، ابلیس ایک مرد نیک کی صورت میں آیا اور ڈرایا کہ تیرے پیٹ میں کچھ بلا ہے۔ جب دونوں دُعا کرنے لگے تب یہ کہا کہ میری دُعا سے یہ بلا بدل کر بیٹا پیدا ہوگا اُس کا نام رکھیو عبدالحارث - حارث شیطان کا نام تھا - وہی کیا - اِس قصّے میں پیغمبروں سے شرک ثابت ہوتا ہے، یا اس آئت میں عام مرد و عورت کو فرمایا - آدم حوا کو نہیں گو اوّل ذکر اُن کا ہو چکا۔"

(نوٹ) دیکھئے یہاں تک متکلم کی ضمیر زندہ و بیدار ہے - وہ حقیقتِ حال کی متلاشی ہے - چنانچہ حضرتِ آدم و حوا کی طرف منسوب کردہ شرک کو کتنی سختی سے یہ غلط ہے - یہ خبر حضرت آدم کی نہیں بلکہ عوام کے مشرک مرد عورتوں کی ہے - یہاں تک تو اللہ کے اوّلین پیغمبر کو مشرک ٹھہرانے سے انکار کر دیا گیا ہے - لیکن اسی اقتباس کے دوسرے حصّے میں ایک عجیب انداز کے ساتھ پھر آپ ہی کو مجرم ٹھہرا دیا ہے - چنانچہ اقتباس کے اگلے دوسرے حصّے میں لکھا ہے :-

(۲) یا یُوں کہئے کہ کچھ انسانوں میں (شرک) ہونا مقدر تھا جو حضرتِ آدم میں اوّل ظہور پکڑ گیا - اِس میں وہ نمونے تقدیر تھے - اولاد کے گناہ اُن میں نظر آئے، جیسے کہ آئینے میں صُورت - چنانچہ نفس کی خواہش اور اللہ کی بے حکمی اور کہکر بھول جانا اور دیکر مُنکر ہونا، یہ سب اولاد کی خُوئیں اِن (آدم و حوا) میں نظر آگئیں - (موضح القرآن شاہ عبدالقادر مرحوم کے اقتباس کے دونوں حصّے ختم ہوئے) اپنے مترجم نسخہ کے حاشیے پر ملاحظہ فرمائیں۔

● اِس اقتباس میں حضرت آدم و حوا پر شرک کا الزام کھل کر لگا دیا گیا ہے - بلکہ نام نہاد تقدیر کے چکّر کے نام سے آپ پر نفس کی خواہش، اللہ کی بے حکمی یعنی نافرمانبرداری، کہکر بھول جانے اور دیکر مُنکر ہو جانے کا الزام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر کا چکّر چلا کر منسوب کر دیا ہے کہ یہ سب کچھ اُن سے اللہ تعالیٰ نے کروایا (العیاذُ باللہ!) لیکن مولوی احمد علی صاحب مرحوم اِسی صفحہ ۲۸۸ کے حاشیے پر ربطِ آیات کے ضمن میں ربط آئت نمبر ۱۸۹ میں لکھتے ہیں :-

"تمام انسانوں کا باپ اور ماں ایک ہے دونوں بزرگوں نے ولدِ صالح کی دعا فرمائی - لہذا جس طرح غفلت میں شیطان نے اِن دونوں یا بقول بعضے مفسرانِ حضرت) حوا کو بہکایا تھا - اِسی طرح ہر بنی آدم کو غفلت کی حالت میں وہ انہیں اپنے قابو میں لا سکتا ہے"۔ اِس سے آگے :-

● ربط آئت نمبر ۱۹۰ میں مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے لکھا ہے۔ "بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ بچّے کا نام عبدالحارث (شیطان کا بندہ) حوا نے رکھا تھا - لیکن چونکہ اِسکے ذمّہ دار حضرت آدم ہی تھے - اسلئے اللہ تعالیٰ نے شرک کے عتاب میں انہیں شامل کیا" ــــــ افسوس ہے کہ محترم لاہوری صاحب مرحوم نے بھی نفسِ واحدہ سے حضرت آدم اور زوج سے حضرت حوا ہی مراد لیکر حضرت آدم و حوا پر شرک کا الزام قائم رکھا ہے - افسوس!

● آگے بڑھنے سے پہلے اوپر اِسی صفحہ پر دیئے گئے موضح القرآن کے اقتباس کے خط کشیدہ الفاظ نمبر ۱ تا ۴ پر غور فرمالیں - جن میں لکھا ہے کہ "اولاد کی خوئیں اُن (حضرت آدم و حوا) میں نظر آچکیں"۔ دیکھئے! یہ تصوّر کسقدر حقیقت سے ہٹا ہُوا ہے

کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ ماں باپ کی خوبیاں نطفہ کے ذریعہ اولاد میں منتقل ہوتی ہیں۔ مگر یہاں یہ کہا گیا ہے کہ اولاد کے خودوں نے باپ دادا میں ظہور پکڑا (الٹی گنگا پہاڑوں کو جائے)۔

● پھر لکھا ہے کہ اس میں وہ (حضرت آدم و حوا) نمونۂ تقدیر تھے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خود خدا تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اُن کیلئے شرک مقدر کر دیا ہے تو پھر اُنکا شرک کا فعل، عملِ خداوندی ہوا وہ مجرم کیوں ٹھہرے؟ یا للعجب! حقیقت یہ ہے کہ جب ایک قدم غلط اُٹھ جائے تو اُسکے بعد ہر قدم غلط اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ پہلا غلط قدم یہ اٹھ گیا کہ نوعِ انسانی کی پیدائش ایک بُت سے شروع کی گئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بتکرار ارشاد فرمایا ہے کہ ہمنے انسان کو زمین میں سے پیدا فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوں تکراری آیاتِ مجیدہ:-

ا۔ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ۱۱/۶۱ ہمنے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کر دیا۔

ب۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۲۰/۵۵ ہمنے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا ہے، (مرنے کے بعد) ہم تمہیں اپنی زمین میں واپس لوٹا دیتے ہیں اور (قیامت کو) اسی میں سے دوبارہ نکال لیں گے۔

ج۔ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۵۳/۳۲ وہ (اللہ) خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین میں سے پیدا فرمایا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے رحم میں بصورتِ جنین ہوتے ہو۔

د۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ ۷۱/۱۷-۱۸ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے اُگایا ٹھیک ٹھیک اگانا۔ پھر (تمہارے مرنے کے بعد) تمکو اسی (زمین) میں لوٹا دیتا ہے پھر وہ (قیامت کو) تمہیں دوبارہ زمین میں سے نکال لیگا صحیح صحیح نکال لینا۔

ر۔ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝ ۳۷/۱۱ بیشک انسانوں کو گیلی چکنی مٹی (دلدلی زمین) میں سے پیدا کیا۔ زمین میں سے پیدا کرنے کی درجنوں آیاتِ مجیدہ قرآن بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مگر بُت بنا کر نوعِ انسانی کو پیدا کرنے کی کوئی ایک آیت بھی قرآن بھر میں موجود نہیں۔ پس حضرتِ آدمؑ کے بُت بنانے کے تصور کا ایک قدم غلط اُٹھ جانے کی بدولت حضرت حوّا کو اُن کی پسلی میں سے نکالنے کا تصور کھڑا کرنا پڑا۔ پھر جو حضرت آدم میں سے نکلی تھی وہ بیٹی ہوگی۔ یعنی کرہ ارض پر اوّلین نکاح بیٹی کے ساتھ واقع ہونے کا نظریہ قائم ہوا۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ! پھر نوعِ انسانی کی اوّلین خاتون کے متعلق یہ بتایا گیا کہ اُسے روزانہ دو بچے جننے بھی ہوتے تھے اور اُس کے بعد روزانہ شوہر سے دو بچوں کا حمل بھی اُٹھانا ہوتا تھا۔ پھر پوری نوعِ انسانی بہن بھائی کے نکاحوں سے آگے بڑھی معاذ اللہ! ثُمَّ معاذ اللہ! ۔ پس حضرتِ آدم کا بُت بنانے کا نظریہ تو بذریعہ تصریحِ آیاتِ قرآنیہ غلط ہے۔ نوعِ انسانی زمین سے پیدا کیگئی تھی ۱۱/۶۱ + ۲۰/۵۵ + ۵۳/۳۲ + ۷۱/۱۷-۱۸ اور کرّہ ارض کے مختلف مقامات پر بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کر لی گئی تھیں ۳۷/۱۱ اس پر قرآنِ کریم نے یہ زندہ و پائندہ دلیل دی ہے:-

● وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۳۰/۲۲ اور اُس اللہ کی نشانیوں میں سے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا اور اختلاف تمہاری بولیوں (زبانوں) کا اور تمہارے رنگوں کا کہ زمین کے جس جس خطے میں پیدا ہوئے اُسی خطے کی آب و ہوا کے مطابق رنگ پایا۔ خطِ استوا کے گرد شدید گرم زمین سے پیدا ہونیوالے لوگ کالے سیاہ ہیں، منطقہ معتدلہ کے گندمی اور منطقہ باردہ یعنی ٹھنڈی زمین میں سے پیدا ہونیوالے لوگ گورے سفید۔ اور اسی طرح جہاں جہاں پیدا ہوئے وہاں وہاں اپنی الگ الگ زبانیں وضع کر لی گئیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ۔

(نوٹ) پیچھے صفحہ ۲۲۷ - ۲۲۸ پر نقل کردہ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۹۹ کے ضمنی نوٹ ۱ سے متعلقہ نفسِ واحدہ کی تفصیل میں ہم دور نکل آئے ہیں۔ نفسِ واحدہ سے مراد حضرتِ آدم نہیں بلکہ پوری نوعِ آدم کا واحد نوعی جرثومۂ حیات مراد ہے جو زمین میں موجود جملہ عناصر کا جوہر ہے۔ اب اسی آیت نمبر ۹۹ کے صفحہ ۲۲۷ پر دئیے گئے باقی ضمنی نوٹ بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:۔

● ۲ فَمُسْتَقَرٌّ میں لفظ مُستقر کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ ر۔ ر = قرر جس کا مصدری معنیٰ ہے قرار پکڑنا۔ ٹھکانہ کرنا، اور اسکے اسمی معنے ہیں ٹھکانہ، قرارگاہ، مکان۔ یہاں پر فِی حرفِ جار محذوف ہے جو ۲/۳۶ + ۷/۲۴ میں مظہر مذکور ہے:۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ = اور اے نوعِ انسانی تم سب کے سب کیلئے آخری دم تک کیلئے زمین میں حقِ استقرار بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلّم ہے۔ پس یہاں آیت زیرِ بحث ۶/۹۹ میں بھی تقدیرِ کلام یہ ہے:۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ۔ پس فَمُسْتَقَرٌّ کے الفاظ میں پوری نوعِ انسانی کا پیدائشی حق بتایا گیا ہے کہ اس کا کوئی فرد کرایہ دار نہیں ہونا چاہیے، ہر کسی کا مکان بلا کرایہ میسّر ہونا چاہیئے۔ یہ ذمہ داری مرکزی حکومت کی ہے ۲۲/۴۱۔

● ۳ اسی ضمن میں وَمُسْتَوْدَعٌ کا لفظ لایا گیا ہے۔ اِس کا سہ حرفی مادہ ہے و۔ د۔ ع = ودع جس کا بنیادی معنیٰ ہے سُکھ آرام اور مصدری معنیٰ ہے سُکھ آرام، امن سے رہنا۔ اسلئے مُسْتَوْدَع ظرفِ مکان کا معنیٰ ہے سُکھ اور آرام کی جگہ۔ جو صرف اُسی معاشرہ میں میسّر آتی ہے جہاں پوری نوعِ انسانی کے ضروریاتِ زندگی کے بنیادی پیدائشی حقوق قانوناً متوازن و مساوی تسلیم کئے گئے ہوں۔ پس مستودع سے پوری نوعِ انسانی کا ضروریاتِ زندگی کا متوازن و مساوی حق ثابت ہے، جیسے کہ ۲/۲۹ میں ارشاد ہوا ہے:۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۲/۲۹ اے نوعِ انسانی! وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، وہ سب کا سب تم سب کے سب کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ اِس آیت مجیدہ لَكُمْ کی ضمیر جمع مخاطب میں پوری نوعِ انسانی مراد ہے اور جَمِيْعًا کے لفظ میں کھول کر بتایا گیا ہے کہ زمین میں پیدا کردہ ہر چیز تم سب کے سب یعنی پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے یعنی زمین

کی مجملہ نعمتوں کا ہر فردِ انسانی کو میسّر آنا ہر فردِ انسانی کا پیدائشی حق ہے۔

● مستقرّ اور مستودع کے یہی الفاظ سورہ ھود میں ہر جاندار کے پیدائشی حقِ رزق کا اعلان کرنے کے بعد لائے گئے ہیں:۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۱۱/۶ = اور نہیں ہے زمین میں کوئی بھی جاندار مگر سب کیلئے (رزق کے سامان پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ اللہ خوب جانتا ہے اُس کے رہنے کی جگہ کو اور وہ اُس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی خوب جانتا ہے۔ یہ سب کچھ بصورتِ مشہود اسکی کھلی کتاب کائنات میں موجود ہے۔

حیوانات کا حصولِ رزق ● اس آیت مجیدہ ۱۱/۶ میں اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ہر کسی جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے اِس تصوّر کے مطابق کیا کسی کو حصولِ رزق کیلئے کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیئے؟ واضح رہے کہ مَا مِنْ دَآبَّةٍ میں ہر جاندار شامل ہے اور رزق سے متعلقہ اعلان كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کے الفاظ میں کر دیا ہے کہ ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری کا مشاہدہ اُسکی کھلی کتاب کائنات میں موجود ہے۔ مثلاً جنگل میں ہر صبح کو ہر جاندار روزی کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔ چڑیا، کوّے، فاختائیں، بلّیاں کتّے، حتّٰی کہ چیونٹیاں تک رزق کی تلاش میں کوشاں ہو جاتے ہیں۔ جنگلی جانور شیر، چیتے، بھیڑیئے، لومڑ، گیدڑ شکاری جانور بھی تلاشِ رزق میں نکل پڑتے ہیں اِسی طرح ہرن، جنگلی بکرے، اور جنگلی گائیں سب کے سب خود تلاشِ رزق کرتے ہیں۔

● خدا تعالیٰ نے اپنی رزق کی ذمہ داری کے مطابق ہر قسم کے جنگلی جانوروں کیلئے جنگل میں اُن کے رزق کے سامان مہیّا کر دیئے ہیں۔ شکاری جانوروں کیلئے جنگل میں شکار کا سامان موجود ہے۔ غیر شکاری جانوروں کیلئے جنگل کی وسیع و عریض چراگاہیں اللہ تعالیٰ کا بچھا ہوا دسترخوان ہے، مگر ہر جانور کو حصولِ معاش کے لئے خود اُٹھنا، جنگل میں جانا اور خوراک حاصل کرنا ہوتی ہے۔ پس رزق کے اللہ کے ذمہ ہونے اور كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کی عملی شکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لئے سامانِ رزق مہیّا کر دیا ہوا ہے مگر اس کے حصول کے لئے ہر جاندار کو خود کوشش کرنا ہوتی ہے۔

● لیکن اِن جنگلی جانوروں میں سے جن جانوروں یعنی گائیں، بھینسیں، گھوڑے، گدھے، بھیڑ بکریاں وغیرہ جن جانوروں کو انسان نے جب اپنے فائدوں کیلئے جنگل سے لاکر کھونٹے پر باندھ لیا ہے۔ تو مشاہدہ گواہ ہے کہ اب اُنکے متعلق خدا تعالیٰ کی ذمہ داری ختم ہو چکی اب اِن کھونٹوں سے بندھے ہوئے جانوروں کو چارہ اور پانی دینا کھونٹے پر باندھنے والے کے ذمہ آچکا ہے۔ اگر کھونٹے پر بندھی ہوئی گائیں بھینسیں اور باڑوں میں ڈھکی ہوئی بھیڑ بکریوں کی خواہ بھوک پیاس کی بدولت بالشت بھر لمبی زبانیں نکلی ہوئی ہوں یا خواہ وہ بھوک پیاس کی شدّت کی بدولت دم تک کیوں نہ توڑ دیں انسان ہی دانہ پانی دیتا ہے نہ کہ اللہ۔

انسانوں کا حصولِ رزق

• بالکل یہی حالت ہے حضرتِ انسان کی کہ ابتداء میں غاریں اسکا مسکن تھا اور آم انار انگور شہتوت، انجیر زردآلو، آلوچے، خوبانیاں اور ناشپاتیاں وغیرہ درختوں کے سینکڑوں قسم کے پھل اور خربوزے تربوز، ککڑیاں اور کھیرے متعدد قسم کے زمینی پھل اسکی خوراک تھی۔ اسکے بعد غاروں سے نکل کر میدانوں کی کھلی فضا میں آیا تو پہلے پہل درختوں کے نیچے بسیرا کیا اور اس کے بعد کچی جھونپڑیاں بنا کر قبائلی زندگی شروع کی اور آہستہ آہستہ اچھی قسم کے مکان بنانے لگا۔ حتّٰی کہ اس تکلیف کے دفعیہ کے لئے ریاستی نظام کی ضرورت پیش آئی کہ طاقتور افراد کمزوروں کا مال اسباب چھین کر لے جاتے مگر کمزوروں کی دادرسی کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ اِن ضروریات کے ماتحت ریاستی نظام عالمِ وجود میں آیا۔

• بڑھتی ہوئی آبادی کی غذائی ضرورتوں کے لئے باری تعالیٰ نے زراعت کیلئے وافر رزق کی فراہمی کے عام ذرائع مہیا کر رکھے ہیں۔ زمین کے اندر فصلوں کو اگانے کی خصوصیت مہیا کر دی ہوئی ہے۔ فصلوں کو بڑھانے اور پکانے کیلئے سورج کی بہت بڑی بھٹی دہکا رکھی ہے۔ پھر موسموں کی تبدیلی اور رات دن کے بدل بدل کر لانے کا انتظام کیا مختلف موسموں کی مختلف فصلوں کو اگانے اور پکانے کے لئے انتظام کر رکھا ہے۔ فصلوں کو سیراب کرنے کیلئے بارشیں اور دریا موجود ہیں۔ فصلوں کو بارشوں کے ساتھ بھی سیراب کیا جاسکتا ہے اور دریاؤں سے نہریں نکال کر بھی یہ ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رزق کی ذمہ داری کہ اگرچہ اُس نے حصولِ رزق کے سارے سامان مہیا کر دئیے ہیں مگر حصولِ رزق کے سامان مکمل کرنے کے باوجود ہل چلانا، فصلیں بونا، کاٹنا اور گاہنا حضرتِ انسان کا اپنا کام ہے۔

• اِس سے آگے يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا کے الفاظ میں ہر جاندار کی رہائش کو جاننے کی خبر دی گئی ہے۔ پرندے درختوں پر رہتے ہیں اُنکی رہائش کے لئے درخت مہیا کر دئیے گئے ہیں۔ لیکن گھونسلا بنانا یہ اُن کا اپنا کام ہے۔ جنگلی جانور غاروں یا خود کھودی ہوئی کھچاروں میں رہتے ہیں۔ اُن کے لئے بنی بنائی بیشتر قدرتی غاریں بھی مہیا کر دی گئی ہیں اور نرم زمین بھی۔ اسکے علاوہ انسان کو چونکہ ترقی پسند پیدا کیا ہے جو نہ غاروں پر اکتفا کر سکتا ہے نہ کچے کوٹھوں اور نہ عام پختہ مکانوں پر۔ اسلئے خلّاقِ عالم نے اِس بھری کائنات میں اسکی تسکینِ ضروریات کیلئے کچی مٹی کے گارے کے علاوہ اُس کے لئے سیمنٹ بجری اور لوہا وغیرہ ہر چیز کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ نئی سے نئی اور اعلیٰ سے اعلیٰ بلڈنگوں کا مشاہدہ، کائنات کی کھلی کتاب میں موجود ہے۔

• مُسْتَوْدَعَهَا میں مستودع کا سہ حرفی مادہ و-د-ع ہے جس کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کو بنہایت آسانی کیساتھ چھوڑ دینا۔ اِسی لئے کسی مقام سے بطریقِ احسن چلے جانے کیلئے بھی وداع ہونے کے الفاظ آتے ہیں اور اہلِ مقام یا اہلِ خانہ کا اپنے مقام یا اپنے گھر سے بحسن و خوبی مہمان کو رخصت کر لے کو وداع کرنا کہا جاتا ہے۔ اور اُس وقت مہمان کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے کہا جاتا ہے فی امان اللہ۔ مستودع کا لفظ اسم مفعول واحد مذکر بھی ہے اور ظرفِ مکان بھی ہے دیکھئے

قاموس القرآن صفحہ ۵۱۲) یعنی اس کا معنیٰ سونپا ہُوا بھی ہے اور سونپے جانے کی جگہ بھی ہے۔ سابقہ مفسّرین نے مستقرّ کا معنیٰ لیا ہے ماں کا پیٹ جہاں بچّہ صرف ۹ ماہ رہتا ہے، قرار پکڑتا ہے اور لفظ مستودع کا معنیٰ لیا گیا ہے قبر جس کو میّت سونپی جاتی ہے۔ چونکہ یہ الفاظ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا کے تحت یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَ مُسْتَوْدَعَھَا کی صورت میں آئے ہیں اِس لئے اپنے اپنے بنیادی معنوں کے مطابق ہر دآبّہ کے رزق اور رہائش سے متعلق ہیں۔ اِس لئے مستقرّ اور مستودع کا معنیٰ ماں کا پیٹ اور قبر صحیح نہیں ہے بلکہ زمین کے ہر جاندار کی زمینی زندگی میں اس کی ضروریات رہائش اور خوراک کو اللہ تعالیٰ کی ذمّہ داری قرار دینے کی خبر دی گئی ہے۔

● نیز اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے مسئلہ مستقرّ اور مستودع کو سمجھنے کیلئے اعلان کر دیا ہے کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ یہ، زمین کے ہر جاندار کے مستقرّ (رہائش گاہ) اور مستودع (سونپے جانے کی جگہ) کا مشاہدہ کائنات کی اس کھلی ہُوئی کتاب میں موجود ہے۔ بالفاظِ دیگر مشاہدہ بتا رہا ہے کہ خلّاقِ عالم نے کس طرح ہر جاندار کے مستقر کا مسئلہ حل کر دیا ہُوا ہے اور کس طرح بعض جاندار انسانوں کو سونپے گئے ہیں اور انسان ریاستی نظام کو سونپے گئے ہیں۔ غور فرمائیں کہ گائیں بھینسیں، بھیڑ بکریاں اور گھوڑے گدھے وغیرہ سب جنگلی جانور ہیں، جو جنگل سے نکال کر انسان کو سونپے جا چکے ہیں۔ یہ جانور جب تک جنگل میں تھے۔ خدا تعالیٰ کی رزق کی ذمّہ داری یہ تھی کہ اُس نے چراگاہیں اور چشمے پیدا کر رکھے ہیں۔ یہ خود رزق کی تلاش میں نکلتے اور کھلی چراگاہوں سے پیٹ بھرتے اور قدرتی چشموں سے سیراب ہوتے تھے۔ لیکن جب حضرتِ انسان نے انہیں اپنی ذمّہ داری میں لے لیا اور اپنے کھونٹے پر باندھ دیا تو اب اِن کے رزق کی ذمّہ داری انسان کے ذمّہ آئی، اِس کو سونپی گئی۔ اب اِن کے لئے چارہ لانا اور اِن کے آگے ڈالنا، خود انسان کا کام ہے اگر کبھی ایسا ہو کہ کوئی گائے بھینس دھوپ میں بندھی ہو۔ پیاس کی شدّت سے اُس کی بالشت بھر زبان نکلی ہُوئی ہو۔ مالک صحن کو تالہ لگا کر چلا گیا اور بھول گیا ہو کہ اُس کا جانور دھوپ میں بندھا ہُوا ہے۔ تو ایسا کبھی نہیں ہُوا کہ اُس جانور کو اللہ تعالیٰ پانی پلا دے یا چارہ کھلا دے۔ خواہ وُہ تڑپ تڑپ کر جان دے دے۔ وہی شخص اُسے چارہ کھلائے گا اور پانی پلائے گا جس نے اُسے اپنے کھونٹے پر باندھا ہوتا ہے۔ یہ ہے کھونٹے پر بندھے ہُوئے جانوروں کا مستودع (یعنی اُن کے سونپے جانے کی جگہ۔

● یہی حال ہے ریاستی کھونٹوں کا، کہ ہر ریاست کے عوام الگ الگ ریاستی کھونٹوں پر بندھے ہُوئے ہیں۔ یہ اُن کا مستودع ہے۔ وہ ہر ریاست کے جائز و ناجائز ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ریاست کا ہر حکم ماننے کیلئے مجبور ہوتے ہیں۔ جس طرح گائیں بھینسوں گھوڑوں گدھوں کو کھونٹے پر باندھنے والا نہ صرف اُن سے کام لینے اور فائدہ اُٹھانے کا حقدار ہے، بلکہ اُن کے رزق و رہائش دونوں کا ذمّہ دار بھی ہے، اُسی طرح ہر ریاستی نظام، ریاستی کھونٹے پر بندھے ہُوئے عوام سے نہ صرف ٹیکس وصول کرنے اور اپنا ہر حکم منوانے کا مستحق ہے بلکہ ہر فردِ ریاست کی ضروریاتِ زندگی رہائش، خوراک لباس علاج

اور تعلیم کا ضامن بھی ہے کہ وُہ ایسا نظام قائم کرے جس کی کم از کم یہ حالت ہو کہ اُس کے اندر نہ کوئی بھُوکا ہو نہ ننگا، اور نہ کوئی بے مکان (یعنی کرایہ دار) اور نہ بے علاج و بے تعلیم ہو۔

مُستَودع کا متبادل قرآنی مفہوم • واضح رہے کہ قرآن فہمی کے قرآنی اصولِ تعریفِ آیات کی رُو سے مستودع کا مذکورہ معنیٰ ہی صحیح ہے سونپے جانے کی جگہ، کیونکہ اِسکا متبادل لفظ $\frac{۲}{۳۶}$ + $\frac{۷}{۲۴}$ کے دو مقامات پر مُستَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ کے انداز میں مُتَاع بمعنی ضروریاتِ زندگی موجود ہے۔ اور یہاں مُستَقَرٌّ وَّ مُستَودَعٌ آیا ہے۔ اُوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ فردِ ریاست کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری ریاستی نظام کی ہے، جس نے زمین کا انتظام سنبھال رکھا ہوتا ہے کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں زمین ہی کے ذریعہ نعماءِ خداوندی عطا (رحمت) کئے جانے کی خبر دی گئی ہے:۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً[1]
اور وہی ہے جو نازل کرتا ہے سے آسمان سے پانی

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ
پھر نکالتے ہیں ہم ساتھ اسکے انگوری ہر چیز کی پھر نکالتے ہیں ہم سے اسکے

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ
سبزہ نکالتے ہم سے اسکے دانے تہ بتہ سوار اور سے درخت کھجور

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ
سے شگوفے گچھے جھکے ہُوئے اور باغات سے انگور کے

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ
اور زیتون اور انار باہم ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ[2] وَيَنْعِهٖ[3] ۭ اِنَّ
غور کرو طرف پھل اسکے جب وہ پھلتا ہے اور پکنے اسکے بیشک

فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۰
بیچ مذکورہ بیان البتہ نشانیاں ہیں واسطے قوم ماننے والی

اور وہ (اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات) ہے جو آسمان سے پانی نازل کرتا ہے[1]۔ پھر ہم اُس کے ساتھ ہر قسم کی نباتات پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہم نکالتے ہیں اُس سے سبزہ۔ نکالتے ہم (ہر قسم کی اجناس کے) دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہُوئے ہوتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں سے اُن کے شگوفے نکالتے ہیں جُھکے ہُوئے گچھوں کی صُورت میں۔ اور (ہم اُس پانی کے ساتھ) باغات پیدا کرتے ہیں انگوروں کے اور (روغنی ضروریات کیلئے) زیتون کے درخت، سے (یہ سب اناج اور میوے) آپس میں ملتے جُلتے ہوتے بھی ہیں اور نہ ملتے جُلتے بھی ہوتے ہیں۔ (رنگوں میں بھی اور ذائقوں میں بھی متماثل اور غیر متماثل)۔
اور غور کرو (اناج کے پودوں اور پھلدار درختوں کے) پھلوں پر جب وہ پھل لاتے ہیں[2] اور (غور کرو) اُس کے پکنے پر[3] بیشک مذکورہ بالا بیان میں ماننے والی قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں[4]

• [1] اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً میں اَنْزَلَ فعل ماضی ہے۔ لیکن قواعدِ عرب کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کا ذکر اگرچہ ماضی کے صیغے میں بیان کیا جائے مگر اُسکا معنیٰ مضارع حالِ جاریہ کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ اِسلئے اَنْزَلَ کا صحیح معنیٰ ہے وہ اللہ ہی ہے جو آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔

• عہ بارش کے پانی کے ساتھ اناج اور میوے پیدا کرنے کی خبر دینے کے بعد دعوت دی گئی ہے :- اُنظُرُوٓا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثۡمَرَ وَ یَنۡعِہٖ ۔ غور کرو کہ اناج کے پودے کس طرح پھل دیتے اور پھلدار درخت کس طرح میووں سے لد جاتے ہیں۔ یہ بھی سب کچھ اسکے قوانینِ جاریہ کے مطابق ہوتا ہے کہ زمین اچھی، بیج صحتمند اور فصل کے جملہ لوازمات مہیا کیے جائیں تو فصل عمدہ اور زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر زمین ناقص یا بیج بیمار بو دیا جائے تو اناج نہ اچھا پیدا ہوتا ہے نہ بافراط۔

• عہ وَ یَنۡعِہٖ کے الفاظ میں اِس چیز کی طرف دعوت تفکّر دیگئی ہے کہ دیکھو پھر جب فصلوں اور درختوں میں پھل لگتا ہے تو اسوقت کچا اور سبز ہوتا ہے، پھر وہ کس طرح پک کر سُنہری رنگت اختیار کرتا ہے۔

• عہ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ کے جُملۂ مُبارکہ میں دعوت دیگئی ہے کہ زیرِ نظر بحث کے ہر لفظ میں اُس قوم کیلئے جو کتابِ الٰہی پر ایمان لانیوالی ہے بہت سی نشانیاں ہیں۔ مثلاً سب سے اوّل آسمان سے بارش برسانے کی خبر میں یہ مشاہداتی نشانات موجود ہیں کہ سُورج کی تمازت کے ساتھ سمندروں، دریاؤں، نہروں، جھیلوں اور جوہڑوں کا پانی ہر آن بخارات بن کر اُڑتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ آبی بخارات اِس فضاءِ بسیط میں ہوا کا جزوِ مخصوص بنتے رہتے ہیں۔ جب یہ چھوٹے چھوٹے آبی قطرے ٹھنڈے منطقے میں پہنچتے ہیں تو آپس میں مل کر جب بوجھل ہو جاتے ہیں تو بارش کی صُورت میں برس پڑتے ہیں۔

• بارش کے برسنے کی متعدد وجہوں میں سے ایک یہ بھی ہے زوردار گرمی کے دنوں میں جس طرح کسی خطّے میں زمین کی ہوا گرم ہو کر ہلکی ہو جاتی ہے تو وہ اُوپر کو اٹھ جاتی ہے۔ اور اس خلا کو پُر کرنے کیلئے سمندر کی ٹھنڈی نمناک ہوا زور سے آتی ہے اور پہاڑوں سے ٹکرا کر برس پڑتی ہے۔

• دوسرے نمبر پر آئت زیرِ بحث میں بارش کے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور اُسکے ساتھ ہر قسم کا اناج اور پھل پیدا ہونے اور پھر سُورج کی تمازت کیساتھ اُن کے بڑھنے اور پکنے پر دعوتِ تفکّر دیگئی ہے کہ اُن مخفی قوانین کا سُراغ لگایا جائے کہ فصلیں کیوں خراب ہو جاتی ہیں۔ اور درختوں کے پھل کیوں پکنے سے پہلے ہی خراب ہو کر جھڑ جاتے ہیں۔ جن قوموں نے اِس قرآنی دعوت پر لبیک کہہ کر قوانینِ جاریہ کے مخفی راز معلوم کر کے انہیں اپنا لیا ہے وہ ایک ایک موسم میں دو دو تین تین بھرپور فصلیں حاصل کر رہے ہیں۔ اور اُن کے باغوں کے میوے انتہائی مثالی مقدار میں پھل دے رہے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال مزید ترقی پذیر ہے۔ گندم کی بڑھتی ہوئی پیداوار، قرآنِ کریم کی خبر کے مطابق ایک ایک دانے کے سات سات سو دانے مطابق ۲/۲۴۰ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز سبع یعنی سات کا عدد عربی زبان میں مبالغہ کے لئے بھی آتا ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر دعوتِ خداوندی کے مطابق زمینی پیداوار کے متعلق خداوندی قوانین کے مخفی رازوں کو معلوم کرنے کی کوشش بدستور جاری رہی تو ایک ایک دانے کے بدلے ان گنت دانے میسر آیا کریں گے، سات سو کا عدد مبالغہ کے لئے آیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور فصلوں کو صحتمند اور بے انتہا کثیر مقدار میں عطا کرنے کیلئے اُوپر سے بارش

کے قطروں میں ہائیڈروجن اکسائیڈ، امونیا اور کاربن ڈائی اکسائیڈ جیسی گیسیں پیدا کرنے کا انتظام کر رکھا ہے جو بارش کے قطروں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ یہ گیسیں پیدا ہوتی ہیں مویشیوں کے گوبر پیشاب اور انسانی بول و براز سے اور ذبح کردہ جانوروں کے خون اور مردہ جانوروں کے گوشت اور عام گندگی کے گلنے سڑنے سے اور ان کے گلے سڑے اجزا سے قسم قسم کے کھاد تیار ہوتے ہیں۔

● ان فصلوں اور پھلوں کو پکانے کیلئے سورج جیسی عظیم بھٹی کا دہکانا بھی جو ہر چیز کی زندگی کیلئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہے اس پر بھی دعوتِ تفکر دی گئی ہے۔

سائنسی معلومات کو نہ ماننے والے اور ان پر عمل نہ کرنیوالے ان سے کوئی فائدہ نہیں پا سکتے

● آیتِ مجیدہ زیرِ بحث کے اخیر میں جو کہا ہے کہ ان چیزوں میں نشانیاں اس قوم کے لئے ہیں جو ان کو ماننے والے ہیں۔ کہ کائنات کے اس گوشے سے بھی اللہ تعالیٰ کے مقررہ قوانین کے مطابق ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اس کے برعکس جو لوگ پھلوں اور فصلوں کی روز افزوں افزائش کے قانونِ خداوندی پر ایمان نہیں لاتے اور صرف یہ کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت ہے کہ اس سال فصل ماری گئی ہے۔ وہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت تو اللہ کے خود متعینہ قوانین ہیں۔ جب ہم سے غیر شعوری طور پر ان کے مطابق عمل ہو جاتا ہے تو اللہ کی قدرت سے وافر فصل حاصل ہوتی ہے اور جب اُن کی مخالفت ہو جاتی ہے، تو فصل ماری جاتی ہے یا بہت کم ہوتی ہے۔

غیر اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہرانا

● مذکورہ بالا قوانینِ خداوندی سے بے خبری کا نتیجہ یہ ہے کہ جب فصل کم ہوتی ہے تو لوگ بھاگتے ہیں پیروں فقیروں اور تعویذ فروشوں کی طرف مگر جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے متعینہ قوانینِ جاریہ کے خلاف محض دعاؤں یا تعویذ گنڈوں کے ساتھ حصولِ مقصد کا تصور دے رکھا ہے، یا صرف دعاؤں اور دم چھو کو قوانینِ خداوندی کا بدل بنا کر پیش کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے شریک قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کے خلاف ایسے لوگوں سے حصولِ مقصد کے لئے رجوع کرنے والوں کو مشرک قرار دیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ان شریک ٹھہرانے والوں نے بعض لوگوں کو اللہ کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور بعض کو بیٹیاں۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹوں کی سفارش تو رد نہیں کرے گا۔ دیکھئے ارشادِ باری :-

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ	اور (انہوں نے) اللہ کے لئے شریک جنّوں کو (جو علوِّ نگاہوں میں چھپے رہتے ہیں) حالانکہ انہیں اس نے پیدا کیا ہے (اللہ نے) اور خود انہوں نے لاعلمی کیساتھ (بعض نے مسیح و عزیر کو بھی) اللہ کے بیٹے ٹھہرا لیا ہوئے اور بعض نے (لات، عزیٰ کو) بنات
اور ٹھہرائے واسطے اللہ کے شریک چھپنے والوں کو اور پیدا کیا ان کو	
وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ	
اور ٹھہرائے واسطے اس کے بیٹے اور بیٹیاں بغیر جاننے کے پاک ہے وہ	۵۳/۲۰

وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ ۱۰۱ ع ۱۲/۱۸ (کو) اُسکی بیٹیاں ۔ پاک ہے وہ اور بلند شان ہے اس سے جو صفات وہ بیان کرتے ہیں ۔

اور بلند شان اس سے جو صفات بیان کرتے ہیں

جنّوں کی بحث ● عام جنّوں کے متعلق مشہور ہے کہ وُہ دکھائی نہیں دیتے ۔ قرآن مجید میں اس چیز کا کوئی ذکر اور اشارہ تک موجود نہیں ۔ پھر اگر ایک سیکنڈ کیلئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کوئی اتنی بے وقوف مخلوق دُنیا میں موجود ہے کہ جب کوئی عورت انکے باورچی خانے میں پیشاب کرنے لگتی ہے تو اُسے منع نہیں کرتے کہ بی بی یہ ہمارا باورچی خانہ ہے ، یہاں پیشاب نہ کر ۔ مگر جب وُہ پیشاب کر دیتی ہے تو اسے چمٹ جاتے ہیں ۔ اور خلوت نشینوں کی چاندی ہو جاتی ہے جو جنّ نکالنے کا دھندا شروع کئے ہُوئے ہوتے ہیں ۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اگر کوئی نہ دکھائی دینے والی مخلوق ہے تو یہ امر صد فیصد ناممکن ہے کہ اُن کا باورچی خانہ اور ان کے برتن بھی دکھائی نہ دیں ۔ پھر اُن کے بدن کے کپڑے بھی دکھائی نہ دیں نیز اُن میں سے مسلمانوں کی مسجدیں اور کافروں کے بُت خانے بھی دکھائی نہ دیں ۔

● عربی زبان میں لفظ جن کا سہ حرفی مادہ ج ۔ ن ۔ ن جنن ہے اسکا بنیادی معنٰی ہے ، چُھپا ہُوا یا چُھپ جانے والا ۔ عربی زبان میں دیہاتیوں کو اسلئے جن کہتے ہیں کہ وہ شہروں میں آتے اور چلے جاتے چُھپ جاتے ہیں ۔ حضرت سلیمانؑ کے پاس کام کرنے والے غیر ملکی کاریگروں کو جو آپ کے ہاں ٹھاٹ دار عمارتیں ، نقشے ، تالابوں جتنے بڑے بڑے پانی کے ٹینک اور ایک ہی جگہ پر پڑی رہنے والی بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے ۳۴/۵ ۔ اُنہیں بھی اسلئے جن کہا گیا ہے کہ وہ آتے اور چلے جاتے چُھپ جاتے تھے ۔ اُن میں سے جو کوئی حضرتِ سلیمانؑ کی قانون شکنی کرتے اُنہیں سخت سزا دی جاتی تھی ۳۴/۴ ۔ اُنہیں لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تھا ۔ ۳۸/۳۸ ۔ پس یہ بھی غلط ہے کہ جنّ شکلیں بدل لیتے ہیں ورنہ قیدی جن مکھی مچھر بن کر نکل جاتے ۔ مزعومہ جنّوں کے عدم وجود کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ موجود ہوں تو اُن کے جسم کے کپڑے ، اُن کے برتن انکی مسجدیں اُن کے بُت خانے ضرور دکھائی دینے چاہیں ۔ چونکہ ایسا نہیں ہے اِس لئے مزعومہ جنّوں کا کوئی وجود موجود نہیں ۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۔

● آیتِ زیرِ بحث میں اُن لوگوں کو جنّ کہا گیا ہے جن سے لوگ مدد مُراد مانگتے ہیں ۔ وُہ اپنی خلوتگاہوں میں چُھپے رہتے ہیں اور لوگوں کا مال کھانے کے لئے دَم جھاڑ تعویز دھاگا وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کے حاجت روا بنے ہوتے ہیں ۔ ان کے علاوہ ہر وہ لوگ جنّ ہیں جو خود آرامگاہوں میں چُھپے رہتے ہیں اور عوام کی کمائی پر عیش کرتے ہیں یہی حال جاگیرداروں زمینداروں اور مل مالکوں کا ہے کہ جلتی ہُوئی دھوپ میں کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں مزارعے اور مزدور مگر اُن کی خون پسینے کی کمائی پر عیش اڑاتے ہیں آرامگاہوں میں چھپ کر بیٹھنے والے جاگیردار ، زمیندار اور مل مالک ۔ نیز مُلّا اور پیر جو حُجروں میں چُھپے رہتے ہیں اور سادہ لوح عوام کی کمائی پر پلتے ہیں ، وہ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں ۔ نفسِ امّارہ بھی چُھپا ہُوا جنّ ہے جس نے بزبانِ حال کہا کہ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے ۔ غصّے کی آگ اِسی کا حصّہ ہے ۔

انسان جنّ

• اسی سورہ انعام زیرِ نظر میں آگے آرہا ہے :- وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۶/۱۱۲ — اور اسی طرح ہمنے شہری اور بدوی شیطانوں کو ہر ایک نبی کے دشمن پایا تھا جو عوام کو دھوکا دینے کیلئے آپس میں ایک دوسرے کے ذہن میں ملمع کی ہوئی باتیں ڈالتے ہیں (یعنی ایسی جھوٹی باتیں جن کے ظاہری چیستانیات پر وہم زدہ قوم کو خوب لوٹا جا سکے۔ اس آیت مجیدہ میں دیہاتی اور شہری دونوں قسم کے علمائے شر مراد ہیں جو من گھڑت کہانیاں اور تراشیدہ کراماتیں ایک دوسرے کے کانوں میں پھونکتے اور سادہ عوام کو سنا سنا کر اُن کی جیبیں کاٹتے ہیں۔ اور یہ شیاطین الانس والجن نوعِ بشری ہی کے شہری اور بدوی شیطان ہیں۔ فَافْهَمُوا وَتَدَبَّرُوا۔

شہروں اور دیہاتوں کے جنّ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ایک دوسرے سے فائدے اُٹھاتے ہیں۔

• اسی سورہ مجیدہ الانعام کی آیت نمبر ۱۲۹ میں آگے آرہا ہے کہ قیامت کو جن و انس کو کہا جائیگا :- يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۶/۱۲۹ = (قیامت کے دن کہا جائیگا) اے گروہ جنّوں کے (یعنی خانقاہ نشینوں اور حجرہ نشینوں کے) تم نے (سادہ لوح) انسانوں سے بہت فائدہ اٹھایا۔ تو انسانوں میں سے جنّوں کے دوست یہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا یہانتک ہم پر (موت کی وہ) گھڑی آگئی جو تو نے ہمارے لئے مقرر کر رکھی تھی۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق ہمارا سوال یہ ہے کہ دیہاتیوں اور شہریوں کے سوا اور کونسے جنّ و انسان ہیں جو ایک دوسرے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

مجرم انسان جنّوں کے ہاں جاکر پناہ بھی لیتے ہیں۔

• حضرت موسیٰؑ کی اُمت کے وہ یہودی جنّ جنہوں نے آنحضورؐ سے قرآن سنا اور دیہاتی یہودیوں میں جاکر تبلیغ کا کام شروع کر دیا، اُن کے متعلق سورہ احقاف میں درج ہے :- وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۔ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ ۴۶/۲۹-۳۰ = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (اے رسولؐ!) اللہ تعالیٰ آپ کی طرف دیہاتی یہودیوں (جنّوں) کے ایک گروہ کو پھیرلایا۔ جب (آپ کے درس میں) حاضر ہوئے تو ایک دوسرے کو کہا کہ سنو اور جب درسِ قرآن ختم ہو گیا تو بُرے اعمال سے ڈراتے ہوئے قوم کی طرف مُڑ گئے اور یہ کہا کہ اے ہماری قوم بیشک ہمنے ایک کتاب سنی ہے جو (تورات کی پیشگوئی کے مطابق) موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنیوالی ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنیوالی ہے۔

• اسی دیہاتی انسانوں (جنّوں) کا قول سورہ جنّ میں درج ہے :- وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ

بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ ۷۲/۶ اور (انہوں نے کہا) یہ کہ انسانوں میں سے کچھ مجرم مرد (جنوں) دیہاتیوں کے جن مردوں سے پناہ لیتے ہیں۔ پھر وہ پناہ دینے والے جن (دیہاتی لوگ پناہ دے کر) انہیں ان کی سرکشی میں اضافہ کردیتے ہیں ـــ بالفاظِ دیگر شہروں میں مجرم کرشہری مجرم (انسان) دیہاتی جرائم پیشہ افراد جنّوں کے ہاں جاکر رُوپوش ہوجاتے ہیں۔ اور جب کیس خرد بُرد کرا لیا جاتا ہے تو پھر شہر میں آدھمکتے ہیں۔ ان آیات کریمات میں بھی جن و انسان نوعِ آدمی کے دو حصے ہیں دیہاتی اور شہری۔

جنّ سواریوں کے محتاج ہیں

● جنّوں کے متعلق یہ تصوّر بھی از روئے قرآن غلط ہے کہ جن یہاں سے ہاتھ بڑھا کر کشمیر کے باغ سے سیب توڑ کر لے آتے ہیں۔ کیونکہ سورہ الرحمٰن میں جنّوں اور انسانوں دونوں کو مخاطب کرکے کہا ہے:- وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ۵۵/۲۴-۲۵ اور اللہ تعالیٰ کے جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح (چلتے ہیں) پھر اے جن و انسان تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ـــ اس آیت مجیدہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنّوں کی راہ میں کوئی دریا اور سمندر حائل ہی نہیں، یعنی وہ ہاتھ بڑھا کر لندن اور واشنگٹن سے ضرورت کی چیزیں لاسکتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے ساتھ ساتھ جنّوں کو کشتیوں اور جہازوں کا احسان جتانا بے معنی ثابت ہوتا ہے، حالانکہ ایسے فعل و عمل سے اللہ تعالیٰ پاک و منزہ ہے۔

جنّوں اور انسانوں کی خوراک ایک ہے

● سورہ الرحمٰن ہی میں ارشاد ہوا ہے:- وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ۵۵/۱۰-۱۳ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو مخلوق کیلئے بنایا ہے۔ اس میں میوے ہیں اور گابھوں والی کھجوریں ہیں۔ اور بھُس والے غلّہ جات ہیں اور خوشبو والے پھول موجود ہیں۔ پھر اے جن و انسان تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ۵۵/۱۰تا۱۳ اِن آیات مجیدہ سے ثابت ہے، انسانوں کی طرح جنّوں کی خوراک بھی غلّے اور پھل ہیں۔ ہڈیاں، کوئلے اور لید گوبر کو جنّوں کی خوراک تسلیم کرنا خلافِ قرآن ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے غلّے اور پھل وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد جن و انسان دونوں کو ارشاد ہُوا کہ تم دونوں ہماری اِن نعمتوں کو استعمال کرتے ہو۔ تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اگر جن ہڈیاں کوئلے اور لید گوبر کھاتے ہیں تو انہیں گندم چاول، آم، انار، انگور وغیرہ کا احسان جتانے کے کیا معنے؟ جن و انسان کے ایک ہی نوعِ آدم ہونے کے دلائل سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ بہت سے دلائل میں سے چند ایک پیشِ خدمت ہیں۔ سلسلۂ درس کی آیتِ بالا ۶/۱۰۱ میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں نے حجرہ نشینوں اور خلوت نشین حضرات کو خدا تعالیٰ کے شریک بنا رکھا ہے، یعنی جو کام اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے سے انجام ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم وہ کام دم جھاڑ تعویز گنڈوں وغیرہ سے کر دیتے ہیں۔ اور ساتھ

ہی نجات کیلئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بنا رکھی ہیں۔ اِن میں سرِ فہرست ہیں یہود و نصاریٰ جنہوں نے حضرات عزیر و مسیح سلام علیہما کو خدا کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور پھر بُت پرستوں نے بہت سی دیویاں بنا کر انہیں اللہ کی بیٹیاں ٹھہرا لیا ہُوا ہے۔ اُن کی غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی سفارش رد نہیں کرے گا اور بلا اعمال صالح ہماری اُخروی نجات ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت مجیدہ میں اپنے لئے بیٹوں اور بیٹیوں کی نفی اِس طرح کر دی ہے کہ خود اُس کے ہاں بھی اُس کے قانونِ زوجیت کے بغیر بیٹا نہیں ہو سکتا:۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ
اکیلا بنانیوالا آسمانوں اور زمین کا۔ کس طرح ہوگا واسطے اسکے

وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ
بیٹا جبکہ ہرگز نہیں واسطے اسکے بیوی۔ اور پیدا کیا ہر چیز کو

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ۱۰۲
اور وہ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے

(اللہ وہ ہے جو) آسمانوں اور زمین کو پہلی مرتبہ[1] اکیلا ہی بنانیوالا ہے۔ اُس (اکیلے) کے بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اُسکی بیوی ہی ہرگز نہیں ہے[2]۔ (بیٹے کیلئے زوجیت کا قانون اُس کا اپنا مقرر کردہ ہے) حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے[3]۔ (اُس نے ہر قانون اپنے علمِ کامل کے مطابق متعین فرمایا ہے)۔

اولاد کیلئے زوجیت کا قانون خود اللہ تعالیٰ کا متعین فرمودہ ہے

● [1] لفظ بدیع اللہ تعالیٰ کیلئے صفت مشبّہ بصیغۂ واحد لائی گئی ہے۔ اور مفہوم یہ ہے، اسکا بنیادی معنی ہے کسی چیز کو از سرِ نو پیدا کرنا۔ پس ظاہر ہُوا کہ اِتنی بڑی کائنات تو اللہ تعالیٰ اکیلے نے بنا ڈالی ہے مگر اُس کے اکیلے کا بیٹا نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کا اپنا متعینہ قانون بیٹے کیلئے زوجیت کا قیام ہے۔ مگر چونکہ اُس کی کوئی جنس ہی موجود نہیں اسلئے نہ اُسکی بیوی ہے اور نہ اُس کے ہاں بیٹا پیدا ہو سکتا ہے۔

● [2] لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ کے جملہ مبارکہ میں مضارع پر لَمْ داخل ہُوا ہے۔ اِسے فعل ماضی جحد بلم کہا جاتا ہے جو تاکید در تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی اللہ کی بیوی ہے ہی نہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔

● [3] وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوانینِ جاریہ اِس کائنات میں متعین فرمائے ہیں، بغیر جانے بوجھے متعین نہیں فرمائے وہ تو ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے۔ اِس لئے اُس کے متعین فرمودہ قوانین میں کبھی بھی نہ کوئی کمی اور بیشی ہے کہ کل کو اُن میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت لاحق ہو جائے۔ یعنی اس کے متعینہ قوانین قیامت تک کے بدلتے ہُوئے حالات کا بدستور ساتھ دیتے چلے جائیں گے۔ المختصر! باری تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی اپنے متعینہ قوانین کا پابند ثابت کر کے اپنے دعووں کی تصدیق فرما دی ہے:۔

● لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱/۶۴ = اللہ تعالیٰ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

• لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۶/۱۱۶ = اللہ تعالیٰ کے قوانین کو کوئی بدلنے والا ہے ہی نہیں۔
• مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۵۰/۲۹ میرا قانون خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا۔
• چنانچہ سلسلۂ درس اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے مذکورہ بالا صفات والا یعنی اپنے قانون کو خود بھی کبھی نہ توڑنے والا اللہ پاک ہے تمہارا رب، حاجتروا اور مشکلکشا۔ اس کے سوا کوئی خالق نہیں اُسی کی فرمانبرداری کیا کرو:۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
مذکورہ اللہ ہے رب تمہارا نہیں لائق فرمانبرداری مگر وہی
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
پیدا کرنیوالا ہر چیز کا پس حکم مانو اسی کا اور وہی ہے اوپر ہر
شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۱۰۲
چیز کے کارساز

مذکورہ بالا صفات والا اللہ (جو مطلقاً قانون شکن نہیں) تمہارا حاجتروا، مددگار ہے۔ اُس کے سوا (دنیا بھر میں) کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ اور وہ (اکیلا ہی بغیر کسی معاون کے) ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ پس تم صرف اُسی کی فرمانبرداری کرو ـــ اور وُہی (اکیلا) ہر چیز کا کارساز ہے۔

اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی عقل اُسے پا سکتی ہے

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا تعلق پیچھے آیت نمبر ۱۰۰ کے ساتھ ہے جس میں خبر دی گئی ہے کہ لوگوں نے جنوں اور خلوت نشینوں کو اللہ کے شریک بنا رکھا ہے۔ اِس حقیقت سے مطلقاً جائے انکار نہیں وہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور ہم مریدوں کو دکھا بھی سکتے ہیں۔ سادہ لوح مرید خدا تعالیٰ کو دیکھنے کے شوق میں پیروں کے قدموں پہ مال و دولت نچھاور کرتے اور زندگی بھر اسی چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے اگلی آیت مجیدہ میں بالوضاحت اعلان کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ نہ دیکھنے کی چیز ہے اور نہ سمجھنے اور پانے کی۔ انسان کی کیا بساط ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکے۔ پیر تو ہُوا کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ حضرت موسیٰ کتاب لکھوانے کیلئے طور پر گئے تو ساتھیوں کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی التجا کر دی رَبِّ اَرِنِيْ ۷/۱۴۳ لیکن جواب ملا لَنْ تَرٰىنِيْ۔ تُو ہر گز نہیں دیکھے گا۔ اس طرح جب اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے تو من وشما کس شمار و قطار میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکنے کا قرآنی اعلان عام بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ
نہیں ادراک کرتی اسکو آنکھیں اور وہ ادراک کرتا ہے

(اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ) اُس اللہ کو نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ بصیرتیں اُسے سمجھ سکتی ہیں۔ اور وہ تمام

الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ ۱۰۳

آنکھوں کا اور وہ بہت باریک بین بہت با خبر ہے

آنکھوں کو دیکھتا بھی ہے اور تمام بصیرتوں کو سمجھتا بھی ہے۔ اور بہت بڑھکر باریک بین اور بہت بڑھکر خبر والا ہے۔

● اس آیۂ مبارکہ میں ایک مخصوص علمی نکتہ موجود ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں :۔

● ابصار بصر کی جمع ہے بمعنی آنکھ۔ اور آنکھ کا کام ہے دیکھنا۔ اسکا کام ادراک و فہم نہیں۔ ادراک دماغ کا کام ہے۔ یہاں ابصار پر مصدر ادراک سے تُدْرِكُ فعل مضارع معروف لایا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس آیت کے الفاظ ابصار بصیرت و بصارت یعنی مادہ ب۔ ص۔ ر کے اِن دونوں گوشوں پر حاوی ہیں اور مطلب صاف ہے چونکہ مصدر ادراک کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے اسلئے اس مصدر کے مطابق مادہ بصر سے بصیرت مُراد ہے کہ کوئی بصیرت (عقل و فہم) اللہ تعالیٰ کو پا نہیں سکتی، سمجھ نہیں سکتی۔ اور اسی طرح ابصار کا معنی چونکہ آنکھیں ہے، اسلئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ آنکھیں اُسے دیکھ نہیں سکتیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ چھوٹے ظرف میں بڑی چیز ہرگز سما نہیں سکتی۔ اِس لئے نہ اس محدود کھوپڑی میں لا محدود ذات آسکتی ہے کہ اُسے سمجھ سکے کہ وہ کیا ہے؟ اور نہ یہ محدود آنکھ جو ہوا تک کو نہیں دیکھ سکتی، اُس انتہائی انتہائی اور بہت بہت بڑھ کر لطیف ذات کو دیکھ سکتی ہے۔

انسان کا اللہ تعالیٰ کیساتھ تعلق محض عبودیت کا ہے

● اب رہا یہ سوال کہ جب ہم خدا تعالیٰ کو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ احاطۂ ادراک میں آسکتا ہے تو اُس کا اور ہمارا باہمی تعلق کیا ہے؟ اِس کا جواب ۶/۱۰۳ ہی میں موجود ہے :۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ = وہ کائنات کی ہر چیز کا خالق ہے۔ وہ تمہارا بھی خالق ہے تم اس کی مخلوق ہو، پس اُس کی فرمانبرداری کرو۔ اُسکا قانون مانو۔ اِسی حقیقت کا اعلان ۵۱/۵۶ میں کیا گیا ہے کہ جن و انسان صرف اور صرف فرمانبرداری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں :۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ پس آیات بالا کی رُو سے انسان اس لئے نہیں پیدا کیا گیا کہ حجروں، خلوتگاہوں، غاروں اور جنگلوں میں چلہ کشی کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کو ڈھونڈتا پھرے، بلکہ اُس نے اعلان کر رکھا ہے اِنِّيْ قَرِيْبٌ ۲/۱۸۶ میں قریب ہوں۔ کتنا قریب؟ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۵۰/۱۶ اور ہم تو اُسکی رگِ جان سے بھی قریب ہیں۔

● پس جو ذاتِ پاک ہر انسان کی رگِ جان سے بھی قریب ہے اُسے جنگلوں اور صحراؤں، پہاڑوں اور غاروں میں ڈھونڈتے پھرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اہلِ تصوف کی طرف یہ بھول بھلیاں ہیں کہ آؤ ہم تمہیں خدا دکھاتے ہیں یا خدا سے ملاتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے جہاں ۲/۱۸۶ + ۵۰/۱۶ میں اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اور رگِ جان سے بھی قریب ہے اُسی نے مطلع کر دیا ہے کہ انسان خود خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے قریب ہونے کا ایک اکیلا نسخہ بتا دیا گیا ہے :۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ کا پورا پورا فرمانبردار ہو جا اور اُس کے قریب ہو۔

● سطورِ بالا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کا تعلق صرف خالق و مخلوق کا ہے۔ جو اتباعِ قانون پر

قائم رہتا ہے ۔ انسان صرف اللہ کی فرمانبرداری کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو اسکے باوجود ادھر اُدھر کی باتوں کیساتھ سادہ لوح عوام کو پیری مریدی کے چکر میں پھنسانے کی کوششیں بدستور جاری ہیں ۔ اِسی لئے اگلی آیت میں ارشاد ہُوا کہ قابلِ قبول صرف دلائل قرآنیہ ہیں :۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ
بیشک آئے تمہارے پاس روشن دلائل طرف سے رب تمہارے پھر جو

اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ
سمجھے تو واسطے جان اسکے اور جو اندھا ہوا تو اوپر سے اسکے اور نہیں

اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ ١٠٥
میں اوپر تمہارے نگہبان

(اے رسولؐ ! اعلان کر دیجئے گا کہ) بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (قرآنِ کریم کی صورت میں) روشن دلائل آ گئے ہیں ۔ پھر جو کوئی اِسے سمجھے (اور اس پر عمل کرے) تو اس کی جزا اسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی (اس قرآن سے) اندھا ہو جائے اُسکا وبال اسکی اپنی جان پر ہوگا ۔ اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں ۔

آنحضورؐ بحکمِ خداوندی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ درسِ قرآن دیا کرتے تھے

● آیاتِ بالا ۱۰۱/۶ تا ۱۰۵ کو باہم متوصل کرنے اور ایک کی روشنی میں دوسری آیت پر غور کرنے سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان میں اُمّت کے متعدد پیچیدہ مسائل کا حل دے دیا گیا ہے ۔ مثلاً بے باپ کی پیدائش کے ضمن میں زوجیت کا ایسا اٹل قانون کہ ساری کائنات کو اکیلے بنانے والے اللہ کے ہاں بیٹا اسلئے نہیں ہو سکتا کہ اسکی بیوی کوئی نہیں ۔ دوسرے نمبر پر خدا تعالیٰ کو ڈھونڈھنے اور دیکھنے کیلئے تصوّف کی خاردار وادیوں میں سرگردان پھرنے ، خلوت نشینوں کی حاشیہ برداری اور ملّت کے ایک حصّے کو امّت پر بوجھ بنائے رکھنے کا وہ دروازہ ہی بند کر دیا گیا ہے کہ وہ تو تنکا توڑ کر دوہرا نہ کریں اور پلنگوں پہ بیٹھے زندگی بھر عیش اڑاتے رہیں ۔ اور اُنہیں اندھیر گردی کی سند قرآنِ کریم سے حاصل کیا کریں ۔ اسی کے انسداد کے لئے قرآنِ کریم کو سمجھنے اور پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کا واحد طریقہ آنحضور سلام علیہ کو بتایا گیا ہے تصریفِ آیات قرآنیہ کیساتھ تدبّر کرنا ۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہُوا ہے :۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا
اور اسی طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں آیتیں اور تاکہ وہ کہیں

دَرَسْتَ ۱ وَلِنُبَيِّنَهٗ ۲ لِقَوْمٍ
خوب سمجھایا تونے اور تاکہ ہم خود اسکی تبیین کر دیں واسطے قوم کے

يَّعْلَمُوْنَ ۳ ○ ١٠٦
جو جاننے والوں کے ۔

اور (اے رسولؐ !) اسی طرح (مذکورہ بالا طریقے سے) ہم اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں ۔ (تاکہ آپ تصریفِ آیات کیساتھ درسِ قرآن دیا کریں) اور لوگ کہہ اٹھیں کہ آپ نے خُوب خوب سمجھا دیا ہے ۱ ۔ (اور تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ ہے) تاکہ ہم اس (قرآن) کی خود تبیین کر دیں ۲ اُس قوم کیلئے جو جانتے ہیں کہ (قرآن کی تبیین اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے ۳ ۔

درسِ قرآن بتعریفِ آیاتِ القرآن

● علہ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ کا لفظی معنٰی یہ ہے "تاکہ لوگ کہہ دیں (پکار اُٹھیں) کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے" یہ جملہ مبارکہ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ کے بعد آیا ہے کہ ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں (تاکہ تعریفِ آیات کی غرض پوری ہو) یعنی درسِ قرآن اور جاننے والوں کیلئے تبیینِ قرآن واضح ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضورؐ کی سنتِ مبارکہ تھی تعریفِ آیات کیساتھ درسِ قرآن دینا اور حاضر لوگ طریقۂ تفہیم پر بے ساختہ پکار اُٹھتے تھے کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے۔

مسئلہ تبیینِ قرآن

● وَلِنُبَيِّنَهٗ کے الفاظ میں تعریفِ آیات کی دوسری غرض یہ بتائی گئی ہے کہ ہم اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر اس لئے لاتے ہیں تاکہ ہر مسئلہ سے متعلقہ آیاتِ مجیدہ کو مختلف انداز والفاظ کیساتھ لاکر قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں۔ واضح رہے کہ تبیینِ قرآنِ کریم کا مسئلہ نہایت اہم بھی ہے، مگر صدیوں سے اُلجھا ہوا بھی ہے۔ علمی حلقوں میں کہا جاتا ہے قرآنِ کریم کی تبیین، تفصیل اور تشریح آنحضورؐ کے ذمّہ ہے۔ اور اس پر سورہ نحل کی آیتِ ذیل پیش کی جاتی ہیں۔

● وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ 16/44۔ اس آیتِ مجیدہ کا مفہوم عرض کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اس آیت میں انزالِ قرآن کی غرض بتائی گئی ہے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ تاکہ اے رسولؐ آپ لوگوں کے لئے اس کی تبیین کر دیں۔ مگر آیت زیر بحث 6/106 میں تعریفِ آیات کی غرض بتائی گئی ہے لِنُبَيِّنَهٗ تاکہ قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں۔ تو اس طرح دیکھنا یہ ہے کہ 6/106 کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے دعوے کے مطابق قرآنِ کریم کی تبیین خود کر دی ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر کر دی ہوئی ہے تو پھر 16/44 کے الفاظ لِتُبَيِّنَ سے کیا مراد ہے تاکہ یہ تضاد دور ہو جائے کہ تبیینِ قرآن اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے یا آنحضورؐ کے ذمّہ۔

● اِس سوال کا جواب اُس شخص کے ذہن میں تو اس کے سوا نہیں آسکتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے 6/106 کے الفاظ لِنُبَيِّنَهٗ میں فریضۂ تبیینِ قرآن اپنے ذمّہ لے لیا ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وہ وعدہ کر کے اُسے وفا نہ کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے 6/106 کے وفاءِ وعدہ کی خبر بھی 2/159 میں کھلے لفظوں میں دے دی ہوئی ہے، جس سے کوئی اہلِ علم اور اہلِ ایمان انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:- اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ 2/159 بیشک ہم نے جو واضح دلائل کے ذریعہ ہدایت نازل فرمائی ہے (قرآن مجید) جو لوگ اُسے اسکے بعد چھپاتے ہیں کہ ہم نے اُس کی تبیین لوگوں کیلئے اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر کر دی ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے بیزار ہے اور بیزار ہونیوالے بھی اُن سے بیزار ہیں۔

● دیکھئے! اِس آیت مجیدہ 2/159 میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم نے اپنی واضح دلائل پر مشتمل ہدایت بھری کتاب قرآنِ کریم کی تبیین خود کر دی ہوئی ہے اور اپنی کتاب قرآنِ کریم کے اندر کر دی ہوئی ہے۔ اب آیئے آیت مجیدہ 16/44 کی طرف جس کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی تبیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضورؐ کی ذمّہ داری قرار دیگئی ہے۔ لیکن اوّل تو لوگ ایسا تصوّر دینے والے کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتے جس میں بائے بِسْمِ اللّٰهِ سے سینِ وَالنَّاسِ تک آنحضورؐ کی کوئی تبیینِ قرآن موجود ہو۔ بالفاظِ

دیگر 16/44 سے یہ تصور پیدا کر کے کہ قرآنِ کریم کی تبیین آنحضورؐ کا فرض قرار دیگئی ہے، معاذ اللہ معاذ اللہ! آنحضورؐ کو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ثابت کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا فرض ادا نہیں فرمایا۔ مگر آئت نمبر 6/106 + 2/159 کے مطابق جن میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے کہ قرآن کریم کی تبیین ہمنے خود اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر کر رکھی ہے اور آئت مجیدہ 6/106 کے مطابق جس میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ ہمنے قرآنِ کریم کی تبیین خود بذریعہ تصریفِ آیات کردی ہوئی ہے۔ آئت مجیدہ 16/44 کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ پہلے اس کا متن ملاحظ فرمائیں :۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(ترجمہ) اور (اے رسولؐ!) ہمنے اپنا نصیحت نامہ قرآنِ کریم آپکی طرف اسلئے نازل فرمایا ہے کہ آپ (تصریفِ آیات 6/106 کے ذریعہ اسکی تعیین فرمایا کریں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے اور تاکہ لوگ خود بھی اس پر تفکّر کریں (اور پکار اٹھیں کہ آپ نے خُوب خُوب سمجھا دیا ہے پلیز)

● اسی مفہوم کی وضاحت سورہ نحل کی آئت نمبر 16/64 میں بالفاظِ ذیل بھی موجود ہے :۔

● وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ 16/64

اور (اے رسولؐ!) ہمنے آپ کی طرف نہیں نازل فرمائی اپنی کتاب مگر صرف اسلئے کہ آپ (بذریعہ تصریفِ آیات 6/106) لوگوں پر کھول کھول بیان کردیں وہ مسائل جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اُس قوم کیلئے جو ماننے والے ہیں، اس میں ہدائت بھی موجود ہے اور رحمت بھی موجود ہے۔ واضح رہے کہ :۔

● ان آیاتِ کریمات میں آنحضورؐ کے ذمہ لگایا گیا ہے کہ آپ بذریعہ تصریفِ آیات لوگوں کو قرآنِ کریم کی وہ تبیین بصورتِ درسِ قرآنِ کریم سمجھائیں جو 2/159 کے اعلانِ خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم کے اندر کر رکھی ہے اور 6/106 کے مطابق بذریعہ تصریفِ آیات کر رکھی ہے۔ چنانچہ محوّلہ بالا آیات کریمات کے مطابق آنحضورؐ زندگی بھر تصریفِ آیات کے ذریعہ لوگوں کو درسِ قرآن دیتے رہے تھے اور لوگ پکار اٹھتے تھے کہ آپنے خُوب سمجھا دیا ہے وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ 6/106

● تبیینِ قرآن من جانب اللہ کا اعلانِ عام قرآنِ کریم میں ذیل کے الفاظ میں معمولی تغیر کیساتھ بتکرارِ کثیر موجود ہے۔

● كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ 2/187 + 2/221 + 2/242 + 2/266 + 3/103 + 5/89 + 24/18 + 24/61 اور اسی طرح اللہ اپنی آئتوں کی لوگوں کیلئے خود تبیین کرتا ہے تاکہ لوگ ہر قسم کے خطرات سے بچ جائیں۔

قرآن مجید کی تفسیر بھی خود اللہ نے کردی ہے

● سورہ فرقان میں ارشاد ہُوا ہے :۔ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝ 25/33 (اے رسولؐ!) لوگ آپکے پاس اس قرآن کی مثال ہرگز نہیں لائینگے۔ مگر ہم ہی ہیں جو آپکے پاس حق (قرآنِ کریم) بھی لاتے ہیں اور اسکی احسن تفسیر بھی ہم ہی لاتے ہیں۔ واضح رہے کہ تفسیر اور تشریح مترادف الفاظ ہیں۔ قرآن کریم کا مفسر بھی اللہ تعالیٰ ہے اور شارح

بھی وہ خود آپ ہے ۲۵/۳۲ ۔

قرآن مجید کی شرح بھی خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے

● تبیین و تفسیر اور تشریح کے بعد باری آتی ہے قرآن کریم کی شرح کی، اس کے متعلق بھی قرآن کریم نے سورہ شوریٰ میں واضح کر دیا ہے کہ اپنے دین کا شارع بھی خود اللہ تعالیٰ ہے :-

● شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ۴۲/۱۳ اُس (اللہ) نے خود شرع کر دی ہے تمہارے لئے اپنے دین کی وہی شرع جس کا حکم نوحؑ کو دیا اور وہی شرع جو (اے رسول!) ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے اور وہی شرع جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ کو، موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو دیا تھا۔ اس آیت مجیدہ سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ آنحضورؐ سمیت سب کے سب نبیوں کو ایک ہی دین اور اس کی ایک ہی شرع دی گئی تھی۔ اور اپنے دین کا شارع خود آپ اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی سورہ شوریٰ میں اللہ کے دین کے غیر اللہ شارعین کو خدا تعالیٰ کے شریک کہا گیا ہے :-

● اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۴۲/۲۱ کیا لوگوں نے اللہ کے شریک بنا لئے ہیں جو ان کے لئے دین کی شرع کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز ہرگز اجازت نہیں دی۔ اور اگر (فیصلے کے دن) کا اعلان نہ کر دیا ہوا ہوتا تو دین کے شارع ٹھہرانے والوں کا (فوراً) فیصلہ کر دیا جاتا۔

(نوٹ) واضح رہے کہ سلسلہ درس کی آیت مجیدہ زیر نظر ۶/۱۰۶ کے دو ضمنی نوٹ زیر بحث آ چکے ہیں جن میں درس قرآن بتصریف آیات القرآن اور تبیین و تفسیر اور تشریح و تشریع قرآن کے عنوانات پر مفصل بحث گزر چکی ہے کہ تصریف آیات قرآنیہ کی غرض ہے تبیین قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے خود کر دی ہے اور اپنی کتاب کے اندر کر دی ہے۔ نیز ان مسائل تبیین قرآن، تفسیر قرآن اور تشریح و تفہیم قرآن پر سے پردے اٹھ چکے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم کے اندر کر رکھا ہے۔ آیت مجیدہ زیر بحث کے آخری ضمنی نوٹ کی وضاحت باقی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

● ۳ـ آیت مجیدہ ۶/۱۰۶ کا آخری جملہ ہے وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اور تصریف آیات کی دوسری غرض یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کی تبیین خود بذریعہ تصریف آیات کر دیں اس قوم کیلئے جو جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے اور بذریعہ تصریف آیات کر دی ہے ـــــــ آیت مجیدہ کے ان آخری الفاظ میں اس امر کا اعلان کر دیا ہے کہ قرآن کریم کی تبیین خداوندی سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو پہلے یہ تسلیم کریں کہ قرآن کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے اور کتاب کے اندر کر دی ہے ۲/۱۵۹ اس کتاب لاریب کی تفسیر تشریح تشریع اسی کتاب لاریب کے اندر موجود ہے۔ کتاب لاریب کی تفسیر و تبیین کوئی ایسی کتاب ہرگز نہیں کر سکتی جسے لاریب کی خداوندی سند حاصل نہ ہو۔ جو لوگ کتاب لاریب کی تفسیر و تبیین باریب کتابوں میں

سے تلاش کرینگے وہ حقیقتِ قرآنیہ کو ہرگز نہیں پاسکیں گے اور ایسی تفسیروں میں اُلجھ کر رہ جائیں گے جن کا قرآنِ کریم سے دُور کا تعلق بھی نہیں۔ جیسے کہ سورہ احزاب کی آیت نمبر ۶۹ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا گیا ہے کہ آنحضورؐ کو اُس طرح ایذا نہ دینا جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسٰی کو دی تھی :۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ۝ $\frac{۳۳}{۶۹}$ ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسٰی کو تکلیف دی پھر اللہ تعالیٰ نے اُس چیز سے موسٰیؑ کو بری کر دیا جو انہوں کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے نیکوکار اور بڑے با وقار انسان تھے۔

● بنی اسرائیل نے حضرت موسٰیؑ کو جو ایذائیں دیں اُن سے قرآنِ کریم بھرا پڑا ہے۔ فوجی ٹریننگ کیلئے حضرت نے بحکم باری جو غذائیں منّ و سلوٰی کھانے کی پابندی لگائی، اُس کی بجائے گندم، مسور، پیاز، وغیرہ طلب کرنے لگے۔ حضرت موسٰیؑ کوہِ طُور پر کتاب لکھوانے گئے تو یہ لیکر سامری کے بچھڑے کو معبود بنا لیا کہ موسٰی کا معبود یہی ہے $\frac{۲۰}{۸۸}$ مگر اللہ تعالیٰ نے اُس بچھڑے کو ذبح کرا کے اُن کے بہتان سے حضرت موسٰی کو بری کر دیا۔ لیکن اس آیت $\frac{۳۳}{۶۹}$ کی تفسیر بخاری شریف جلد دُوم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۸۹۵ پر کتاب التفسیر میں یہ لکھی ہے :۔

(اردو ترجمہ) "حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسٰیؑ علیہ السلام بہت ہی حیادار اور شرمیلے تھے۔ یہاں تک کہ کسی کے سامنے نہاتے بھی نہ تھے۔ اِسی آیت میں اِسی قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے"۔ ذیل کی روایتی تفسیر کیساتھ محض تقابل کیلئے پیشِ خدمت ہے)۔

پتھر کپڑے لے بھاگا

● یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قصہ کیا ہے جسکی طرف بخاری شریف کے الفاظِ بالا کے مطابق اشارہ کیا گیا ہے۔ وُہ بھی خود بخاری شریف جلد اوّل کے صفحہ ۱۸۴ پر بالفاظِ ذیل موجود ہے :۔

(اُردو ترجمہ) "حضرت ابوہریرہ رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں بنی اسرائیل برہنہ غسل کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھا جاتا تھا۔ اور موسٰی علیہ السلام تنہا غسل کرتے تھے۔ تو بنی اسرائیل نے کہا کہ واللہ! موسٰیؑ کو ہم لوگوں کے ہمراہ غسل کرنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ وہ فتق (خصیہ کی بیماری) میں مبتلا ہیں۔ اتفاق سے ایک دِن موسٰیؑ غسل کرنے لگے اور اپنا لباس پتھر پر رکھ دیا۔ وہ پتھر ان کا لباس لیکر بھاگا۔ اور حضرت موسٰیؑ بھی اُس کے تعاقب میں یہ کہتے ہُوئے دَوڑتے گئے ثَوْبِي يَا حَجَرُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ۔ اَے پتھر میرے کپڑے دیدے۔ اے پتھر میرے کپڑے دیدے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے موسٰیؑ کو دیکھ لیا اور کہا کہ واللہ موسٰیؑ کو کچھ بیماری نہیں ہے۔ تب پتھر ٹھہر گیا۔ موسٰی نے اپنا لباس لے لیا اور پتھر کو مارنے لگے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (حضرت موسٰیؑ کی مار سے) پتھر پر چھ یا سات نشان اب تک باقی ہیں" یہ ہے نمونہ کتابِ لاریب کی اُس تفسیر کا جو کتبِ باریب سے کیگئی ہے۔

واجب الاتباع صرف قرآنِ کریم

● سلسلۂ درس کی آیت زیرِ بحث $\frac{۶}{۱۰۶}$ میں محوّلہ بالا متعدد وضاحتوں کے بعد اگلی

آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ صرف اُس کتاب کی اتّباع کیجئے جو آپ کی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل کیگئی ہے۔ اُس کے سوا یا اُسکے ساتھ ساتھ کسی اور کتاب کی اِتباع کرنے کو شرک قرار دیا گیا ہے :۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ
اور پیروی کر جو وحی کیا گیا طرف تیری سے رب تیرے نہیں
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ۱۰۷
حاکم سوائے اسکے اور مُنہ موڑ لے سے مشرکوں

اور (اے رسولؐ!) پیچھے پیچھے چلئے گا اُس (کتاب) کے جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے قابل نہیں۔ اور مُشرکوں سے اعراض فرمائیے (جو غیر منزّل کتابوں کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کیساتھ غیروں کو حکم شریک کرتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ
اور اگر چاہتا اللہ زبردستی نہ شرک کرتے اور نہیں بنایا ہمنے آپکو
عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ
اوپر ان کے نگہبان۔ اور نہیں آپ اوپر اُن کے کارساز
○ ۱۰۸

اور اگر اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیّت (زبردستی ہدایت دینا ہوتا تو لوگ شرک نہ کرتے۔ اور ہمنے (اے رسولؐ!) آپکو لوگوں پر نگہبان نہیں بنایا کہ (زبردستی ہدایت دیں) اور نہ ہی آپ لوگوں کے کارساز ہیں (لوگوں کے بگڑے ہُوئے کام قانونِ مشیّت کے مطابق سنورتے ہیں)۔

دُوسروں کے معبودوں کو بُرا نہ کہو

● مذاہبِ عالم کا قاعدہ ہے کہ جہاں نظریات کا معمولی سا اختلاف پیدا ہُوا جھٹ مغلوب الغضب ہوکر آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ لی اور زبانوں کو بے لگام چھوڑ کر فریقِ مخالف کی نہ صرف یہ کہ ذاتیات پر کیچڑ اُچھالنا شروع کر دیا بلکہ اُسکے معبودوں اور بزرگوں کو بھی بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے جیسے کہ پیچھے ٦/١٠٦ عقل و بصیرت کیساتھ غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اُسی طرح سُورہ یوسف میں آنحضورؐ کی سُنّت کے مطابق عقل و بصیرت کی اساس پر دعوتِ الی اللہ کا حکم دیا گیا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِيْرَةٍ ١٢/١٠٨ اے رسولؐ! کہدیجئیگا کہ میری سنّت یہ ہے کہ میں عقل و بصیرت کی اساس پر اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں اِسی طرح :۔

● سُورہ نحل میں بھی آنحضورؐ کی سنّتِ مبارکہ بتائی گئی ہے :۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ١٦/١٢٥ (اے رسولؐ!) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئیگا حکمت کیساتھ اور احسن طریقے کی نصیحت کیساتھ۔

● سُورہ طٰہٰ میں حضرت موسٰیؑ اور ہارونؑ کو حکم ہُوا :۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ٢٠/٤٤ فرعون کیساتھ نرمی کیساتھ گفتگو کرنا۔

● سُورہ احزاب میں حکم دیا گیا ہے قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ٣٣/٧٠ ایمان والو! صاف اور سیدھی بات کیا کرو۔

● سورہ حٰم سجدہ میں ارشاد ہُوا ہے :۔ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ٤١/٣٤ نیکی اور بُرائی باہم برابر نہیں ہیں۔ بُرائی کو اُس نیک سلوک کیساتھ دفع کیا کرو جو احسن طریقہ ہے اسی ضمن میں سلسلۂ درس کی اگلی آیت

مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے جھوٹے معبودوں کو بھی بُرا نہ کہو :—

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اور نہ برا کہو جنہیں لوگ پکارتے ہیں سے سوائے
اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ
اللہ کے تو وہ برا کہیں گے اللہ کو عداوت سے بغیر علم کے۔ اسی طرح
زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ
مزین پایا ہم نے واسطے ہر امت کے عمل ان کا۔ پھر طرف رب ان کے
مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۹
لوٹ جانے کی جگہ ہے پھر وہ خبر دیگا انہیں ساتھ جو تھے وہ عمل کیا کرتے

اور (ایمان والو!) اُن لوگوں کو جنہیں لوگ اللہ کے ساتھ مدد مُرادوں کیلئے پکارتے ہیں بُرا نہ کہنا۔ (اگر تم نے ایسا کیا) تو وُہ لوگ محض عداوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو بُرا کہیں گے بغیر علم کے۔ اور اسی طرح ہم نے ہر اُمت کے لئے اُن کے بُرے اعمال (یعنی دوسروں کے بزرگوں کو برا کہنا) مزین پایا ہے۔ (اِسے بہت اچھا سمجھا جاتا ہے[۱]) پھر (اعمال کی جوابدہی کے لئے) اِن سب کے لوٹ کر جانے کا مقام اِن کے رب ہی کی طرف ہے۔ پھر وُہ انہیں اُن عملوں کی خبر دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

● ۱؎ دوسروں کے بزرگوں کو گالیاں دینا اللہ تعالیٰ نے مزین نہیں کیا۔ بلکہ اُن کے عُلماء کی طرف سے مزین کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس بد عمل کو اُن کے عُلماء کی طرف سے مزین کیا ہُوا پایا ہے۔ دوسروں کے بزرگوں کو گالیاں دینے والے اِس عمل پر انتہائی خوش ہوتے اور فخر کرتے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم نے اِسے فساد کی جڑ بتایا ہے کہ اگر تم لوگوں کے جھوٹے معبودوں اور بزرگوں کو بُرا کہو گے تو وہ تمہارے سچے خداِ پاک کو برا بھلا کہنا شروع کر دیں گے۔ فلھذا اِس سے صد فیصد پرہیز لازم ہے' یہ چیز سرچشمۂ فساد ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے منکرینِ اسلام کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وُہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر یہ مدعیِ رسالت کوئی خلافِ فطرت کام کر دکھائے (کوئی معجزہ دکھا دے) تو ہم اِس پر ایمان لے آئیں گے :—

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ
اور قسمیں کھائیں ساتھ اللہ کے پکی قسمیں اپنی البتہ اگر
جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا
آئے پاس ان کے معجزہ، البتہ ضرور ایمان لائیں گے ساتھ اس کے کہہ سوائے اس کے
الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا
نہیں کہ معجزات پاس اللہ کے ہیں اور نہیں شعور تم کو سوائے اسکے نہیں کہ

اور وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کی پکی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آجائے تو وہ ضرور (اس ضابطۂ حیات' قرآن مجید پر) ایمان لے آئیں گے کہہ دیجئے گا کہ سوائے اِس کے کوئی بات نہیں کہ معجزات تو اللہ کے پاس ہیں۔ اور اِس کا تمہیں شعور نہیں ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ (یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں) اگر ان کے پاس معجزات $\frac{۱۷}{۹۰ تا ۹۳}$ آ بھی جائیں تو

جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۱۰

اگر کوئی معجزہ بھی آجائے تو وہ پھر بھی ایمان نہیں لائینگے || پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائینگے[۲] معجزات وہی طلب کرتے تھے جو کائنات کو اللہ تعالیٰ کے معجزے نہیں مانتے)۔

معجزات اور قرآن کریم | ● [۱] لفظ ایۃ کا لفظی معنٰی ہے نشانی۔ قرآن کریم نے تو قوانین جاریہ کے مشاہدات عالم کو اٰیٰتٌ یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دیا ہے ۳۰/۲۰ تا ۲۸ لیکن روایتی تراجم میں ایۃ کا معنی لیا جاتا ہے معجزہ۔ اِس طرح اگر آئت کا معنٰی معجزہ بھی لیا جائے تو ۳۰/۲۰ تا ۲۸ میں نوعِ انسانی کا مٹی میں سے پیدا ہونا اور پھر ہم جنس جوڑوں سے افزائشِ نسل ایک معجزہ ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝ ۳۰/۲۰-۲۱

● پھر آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا معجزہ ہے۔ دِن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا آنا معجزہ ہے نیز نوعِ انسانی کے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف معجزہ ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝ ۳۰/۲۲

● پھر انسانوں کا تھک جانے کے بعد رات کو بھی سو جانا اور دن کو بھی سو جانا اور دن کے وقت روزی تلاش کرنا بھی اللہ کا معجزہ ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝ ۳۰/۲۳۔

● پھر بجلی کا دکھانا، اُس میں نقصان کا خوف اور فائدوں کا طمع موجود ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔ پھر آسمان سے پانی برسانا اور اُس کے ساتھ مُردہ زمین کو زندہ کر دینا بھی اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔ — اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ ۳۰/۲۴ بیشک اِس میں عقلمندوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے بہت سے معجزے ہیں۔

● پھر زمین سمیت جُملہ کرہ ہائے سماوی کا الگ الگ کششِ ثقل کے ذریعہ اللہ کے قانون کے مطابق اپنے اپنے مدار پر محوِ گردش رہنا، زمین کی محوری گردش کیساتھ دن رات کا پیدا ہونا اور اُسکی مداری گردش کیساتھ موسموں کا تغیّر تبدّل بھی اللہ تعالیٰ کے معجزے ہیں وَ مِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِہٖ ۝ ۳۰/۲۵۔

جغرافیہ اور سائنس اللہ کے معجزے ہیں | ● پس اگر لفظ آئت کا معنٰی معجزہ لیا جائے تو محوّلہ بالا سارے طبعی اور سائنسی قوانینِ جاریہ معجزات ہیں قرآن میں معجزہ کا لفظ اسلئے نہیں لایا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو عاجز کر کے مومن بنانا نہیں چاہتا۔ اُس نے انبیاء کرام کے ذریعہ اپنی کتابوں میں دلائلِ قاطعہ نازل فرما دیئے ہیں جن پر غور کر کے ہر شخص خود ایمان لائے یا خود کفر کرے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ۲/۲۵۶ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝ ۱۰۹/۶۔

طلبِ معجزات | ● زمانۂ رسالت کے منکرینِ قرآن کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے :-
(اُردو ترجمہ) اُنہوں نے کہا کہ (اے رسُولؐ!) ہم آپ پر اُسوقت تک ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک آپ ہمارے لیئے زمین میں چشمہ نہ بہا دیں۔ یا آپ کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ تیار ہو جائے اور اُس میں نہریں بہ نکلیں۔ یا آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرا دیں۔ یا اللہ اور ملائکہ ہمارے سامنے آجائیں۔ یا آپکا گھر سونے کا بن جائے یا آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں۔ پھر ہم آپ کے آسمان پر چڑھنے کو بھی تسلیم نہ کریں گے یہانتک کہ آپ آسمان سے لکھی لکھائی کتاب لائیں جسے ہم

خود پڑھ لیں۔ (اے رسولؐ!) کہد یجئیگا کہ میرا رب (ان چیستانیات سے) پاک ہے ۔ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ ۱۷/۹۰ تا ۹۴

● **حاصل کلام** یہ کہ قوم نے حوالہ بالا فرق عادات معجزات طلب کئے مگر اُن کا مطالبہ یہ کہہ کر رد کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ وہ اپنے قوانینِ جاریہ کے خلاف نہیں کرتا ۵/۲۹ ۔ اور میں بشر رسول ہوں تمہارے مطالبات میرے احاطۂ اختیار سے باہر ہیں۔

● حضرتِ موسیٰؑ کی طرف منسوب معجزات عصاء کے ماتحت دریا میں ڈنڈا مار کر راستے بنا دینے کی حقیقت تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل سورہ بقرہ کے صفحہ ۴۱ + ۴۸ پر فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ اور تفسیر اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ کے عنوانات میں ملاحظہ فرمائیں۔ من وسلوٰی کی بحث صفحہ ۴۳ پر اور بنی اسرائیل کے اُوپر طور پہاڑ کے اُٹھائے جانے کے روائتی قصے کی حقیقت صفحہ ۵۱ پر دیکھئے۔

اللہ کیا کچھ نہیں کر سکتا

● معجزات کے ضمن میں کہا جاتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۳/۱۶۵ ۔ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے وُہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ پہلے تو اس جملہ ۳/۱۶۵ کا معنیٰ ہی غلط لیا گیا ہے کہ وُہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اِس کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے انداز سے پیمانے اور قوانین متعین کرنیوالا ہے۔ اور وہ اپنے متعینہ قوانین کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ جو پابندیاں اُس نے اپنے آپ پر لگائی ہیں اُن کا پُورا پُورا پاس کرتا ہے۔ جھُوٹ نہیں بول سکتا۔ کھا پی نہیں سکتا۔ سو نہیں سکتا۔ بول و براز نہیں کر سکتا۔ اولاد نہیں پیدا کر سکتا۔ حتیٰ کہ لاکھوں نبی رسُول بھیجنے والا اب آنحضورؐ کے بعد اس دنیا میں کوئی ایک نبی بھی نہیں بھیج سکتا۔ بالفاظِ دیگر وُہ اپنے قوانین کو ہرگز ہرگز توڑنے والا نہیں۔ اس سیدھی سادی بحث پر غور نہ کرنا اور کفر بازی کی اُس پرانی روش پر قائم رہنا جس کی بدولت نہ کوئی مکتبِ فکر کفر کے فتوے سے بچ سکا ہے اور نہ کسی مکتبِ فکر کا کوئی بڑا ۔ یہ پرانی ضد اور تعصب کے سوا کچھ نہیں۔

عَودالی المقصود

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت نمبر ۶/۱۱۰ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ قوم نے کہا تھا اگر ہمیں کوئی معجزہ دکھایا جائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ لیکن اِس کے جواب میں ارشاد ہُوا ہے کہ اگر بفرضِ محال ان کے پاس کوئی معجزہ لے آیا جائے تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگلی آیت میں انہی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ پُوری کائنات میں قوانینِ جاریہ سے ہدائت حاصل کرنے کی بجائے ذہنی معجزے طلب کرنا اُن کے اُلٹے اذہان کی دلیل ہے :۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا
اور پھیرتے اُلٹے پاتے ذہن اُن کے اور نگاہیں اُن کی جیسے کہ
لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ
نہ ایمان لائے ساتھ اسکے پہلی مرتبہ اور چھوڑ دے ان کو بیچ
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ۱۱۱
سرکشی انکی سرگردان

اور ہم (اللہ) اُن کے اذہان کو اور اُن کی نگاہوں کو (عقل و بصیرت سے) اُلٹے ہُوئے ہُوئے پایا ہے جیسے کہ وہ پہلی مرتبہ اس (قرآن، متوازن و مکمل ضابطۂ حیات) کا انکار کر دیا۔ اور اللہ نے انہیں اُن کی سرکشی میں سرگردان پایا ہے۔

● ۱ه نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ کا یہ معنیٰ صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ذہنوں اور نگاہوں کو اُلٹا رہتا ہے۔ یہ کام انسان کا اپنا ہے کہ وہ انہیں خود بدل کر سیدھے راستے پر آجائے یا اُلٹا راستہ اختیار کرے۔ نُقَلِّبُ فعل مضارع جمع متکلم باب تفعیل سے ہے۔ جس کے خاصہ وجدان کے مطابق یہ ترجمہ صحیح ہے کہ ہم (اللہ تعالیٰ) سرکشوں کے ذہنوں اور نگاہوں کو اُلٹا ہُوا پاتے ہیں، ہم نہیں اُلٹتے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں طلبگارانِ معجزات کے متعلق مزید وضاحت بالفاظِ ذیل فرمائی گئی ہے:۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ[۱] وَ
اور اگر بیشک ہم نازل کریں طرف ان کی فرشتے اور
كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ
کلام کریں ان سے مُردے اور جمع کریں ہم اوپر ان کے ہر چیز
قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ
سامنے نہ۔ ہوں کہ وہ ایمان لائیں مگر کہ چاہے اللہ۔
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝ ۱۱۲
اور لیکن اکثر اُن کے جہالت کرتے ہیں

اور اگر (معجزوں کے طلبگاروں) کی طرف ہم اُن کے ذہنی تخلیق فرشتے (۲۵/۷ ڈرانیوالے) نازل کر دیں اور (اُن کے ساتھ مُردے کلام کرنے لگیں اور ہم اُن کے سامنے (اُن کی ہر مطلوبہ چیز) اکٹھی کر دیں تو پھر بھی) وہ ایمان لانے والے نہ ہوں گے۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق چاہے۔ (کہ وہ خود حقائق کو تسلیم کرکے خود ایمان لائیں) ولیکن ان کی اکثریت جہالت ہی کو شعار بنائے ہوئے ہیں۔

● ۱ه ملائکہ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔ قرآنی ملائکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخفی قوتیں ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہر جگہ بکثرت موجود ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لشکر، جنود السمٰوٰتِ والارض ہیں۔ عوام نے اپنے ذہنی ملائکہ کا مطالبہ کیا۔ چونکہ وہ لوگوں کی ذہنی تخلیق ہیں۔ اس لئے اُنہیں بھی قوانینِ جاریہ کی مخالف فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔

نبیوں کے مخالف شیطان انسانوں اور جنوں میں سے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں معجزات طلب کرنے والوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جنوں اور انسانوں میں سے شیطان ہیں جو انبیاء سلام علیہم کو پریشان کیا کرتے تھے آپس میں ایک دوسرے کو جھوٹی خود تراشیدہ باتیں سکھایا کرتے تھے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا[۱] لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ[۲]
اور اسی طرح پایا ہم نے واسطے ہر نبی کے دشمن شیطانوں کو

اور اسی طرح ہم نے (معجزات مانگنے والوں کو) پایا ہر نبی کے لئے دشمن بنے ہوئے، انسانوں میں سے اور جنوں میں سے شیطانوں[۱]

الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِىْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ
انسانوں اور جنوں کے سکھاتے تھے بعض ان کے طرف بعض کے

زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۚ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ
ملمع کی ہوئی بات دھوکا دینے کیلئے اور اگر (زبردستی) چاہتا رب تیرا

مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ ۱۱۲
نہ کرتے اسے پس چھوڑ دے انہیں اور جو وہ گھڑتے ہیں

کو جو نبیوں کو تنگ کرنے کے لئے اور سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی جھوٹی باتیں سکھاتے تھے (کہ نبی وہ ہوتے ہیں جو معجزے دکھائیں) اور اگر آپ کا رب زبردستی چاہتا تو وہ لوگ ایسا نہ کرتے۔ پس آپ انہیں بھی چھوڑ دیجئے اور اُسے بھی جو (وہ انبیاءؑ کے متعلق معجزات کا عقیدہ اپنے طور سے) گھڑتے ہیں (تاکہ لوگ نبیوں پر ایمان نہ لائیں)۔

● ۱ جَعَلْنَا کا معنیٰ ہم (اللہ) نے شیطانوں کو نبیوں کے دشمن بنایا صحیح نہیں ہے دشمن پایا صحیح ہے۔

● ۲ شَيٰطِيْنَ انسانوں اور جنوں میں سے، یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کو سکھاتے تھے کہ نبیوں سے معجزے مانگیں۔

● ۳ يُوْحِىْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ وہ لوگ خود گھڑی ہوئی جھوٹی باتیں ایک دوسرے کو سکھاتے تھے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو قوانینِ جاریہ کی مخالفت کر کے دکھائے۔ آناً فاناً زمین سے چشمہ جاری کر دے، کھجوروں اور انگوروں کا باغ لگا دے اُس کا گھر سونے کا بن جائے آسمان پر چڑھ جائے اور اوپر سے لکھی لکھائی کتاب لا دے وغیرہ وغیرہ $\frac{17}{90-91}$ (جنوں کی بحث صفحہ ۲۴۱ پر دیکھئے)۔

● ۴ زخرف القول کا لفظی معنیٰ ہے ایسی بات جس پر سونے کا پانی چڑھا ہو۔ یعنی جس سے حقیقت کے خلاف دھوکا لگ جائے۔

● ۵ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ میں لفظ شَآءَ سے قانونِ مشیّتِ خداوندی مُراد ہے۔ اور کسی کو زبردستی ہدایت دینا یا گمراہ کرنا اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیّت نہیں فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ $\frac{18}{29}$

● ۶ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ کے الفاظ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ معجزے طلب کرنے والوں سے بھی الگ ہو جائیں اور جو انہوں نے معجزات کا عقیدہ گھڑا ہے اُس سے بھی الگ ہو جائیں ـــــ واضح رہے کہ ان بحثوں میں ضیاعِ وقت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر قوانینِ جاریہ کے خلاف ہو سکتا ہوتا تو نہ طوفانِ نوحؑ کے لئے کشتی بنوائی جاتی $\frac{11}{37}$ اور نہ آنحضورؐ کو فوجی قوت تیار کرنے کا حکم دیا جاتا $\frac{8}{60}$ معجزات کی بحث صفحہ ۲۵۴ پر دیکھئے!

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں جنّ و انس کے شیطانوں کی ملمع سازی کی غرض بالفاظِ ذیل بتائی گئی ہے :۔

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
اور تاکہ جھکیں طرف اسکی اذہان ان لوگوں کے جو نہیں ایمان لاتے

بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا
ساتھ آخرت کے اور تاکہ وہ راضی ہوں اس پر اور تاکہ کریں جو

اور (انسانوں اور جنوں کے شیطانوں نے ملمع کردہ باتیں اس لئے گھڑی ہیں) تاکہ اُن لوگوں کے ذہن جو آخرت کو اعمال کی جوابدہی پر ایمان نہیں رکھتے اُس کی طرف جھکے رہیں۔ اور تاکہ وہ اپنے آپکو اعمال کی جوابدہی سے آزاد جان کر اس پر خوش ہوں۔

هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝ ۱۱۳
وہ کر رہے ہیں

اور تاکہ وہ (جو بُرے عمل کرتے ہیں کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکمنامہ صرف قرآنِ کریم ہے

● زُخْرُفَ الْقَوْلِ (ملمع کردہ باتوں) میں اگرچہ عوام کے لئے کشش و جاذبیت کے بے پناہ سامان موجود ہیں۔ لیکن آنحضورؐ سے ماقبل حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کردہ اقوال کے مقابلے پر پروردگارِ عالم نے اپنے آخری نبی رسولؐ جناب محمدؐ رسول اللہ کی زبان مبارک سے اعلان کروا دیا ہے کہ لوگو! جن اقوالِ منسوبۃ کو تم بطور دلیل لاتے ہو، قرآنِ کریم کے مقابلے پر میں انہیں ہرگز حاکم نہیں مان سکتا ؎۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ
کیا پھر سوائے اللہ تلاش کروں حاکم حالانکہ وہ ہے جس نے اتارا

اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
طرف تمہاری اپنی کتاب مفصّل۔ اور جو لوگ دی ہم نے ان کو کتاب

يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ
جانتے ہیں کہ بیشک وہ ہے اُتارا گیا سے رب تیرے ساتھ حق پھر نہ ہونا

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ۱۱۴
میں سے شک کرنیوالوں کے

(اے رسولؐ کہہ دیجئیگا) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں ؎۔ حالانکہ (وہ اللہ ہی وہ) عظیم الشان ذات ہے جس نے (اپنا حکمنامہ ایک مفصّل کتاب (قرآنِ کریم کی صورت میں نازل کر دیا ہے۔ اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے وہ $\frac{۳}{۱۱۳} + \frac{۵}{۸۳} + \frac{۲۸}{۵۲-۵۲}$ خوب جانتے ہیں کہ وہ آپکے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کردہ ہے پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔

● ؎ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا کے استفہام انکاری میں آنحضورؐ سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی صاحبِ حکم ہے ہی نہیں۔ اور اُسکے احکام اسکی نازل کردہ مفصّل کتاب کے اندر موجود ہیں باہر نہیں، کیونکہ حَكَمًا کا متبادل لایا گیا ہے الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا۔ بالفاظِ دیگر قرآنِ کریم ایک مفصّل کتاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام بھی اسی کے اندر موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۔ $\frac{۱۸}{۲۶}$ ۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ
اور مکمل ہوگیا قانون رب تیرے کا عدل اور سچائی کیساتھ

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ۱۱۵
نہیں بدلنے والا واسطے قوانین اسکے اور وہ ہے سننے والا جاننے والا

اور (اے رسولؐ!) آپ کے پروردگار کا ہر قانونِ کائنات سچائی اور عدل کی اساس پر مکمل ہو چکا ہوا ہے اس کے قوانین کو کوئی بدلنے والا ہے ہی نہیں۔ اور وہ خود ہے بہت بڑھکر سننے والا اور بہت بڑھ کر جاننے والا۔

● ؎ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ کے مطابق قوانینِ خداوندی میں ردّ و بدل کی عدم گنجائش کی اہم خبر یہ بتائی گئی ہے کہ ان

کے متعین کرنے والا سمیع و علیم ہے جو قیامت تک کے حالات سے باخبر ہے، اسلئے اُس نے قیامت تک کی ضروریات کا سامان ان میں موجود کردیا ہے۔ اِن میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت کسی مقام پر جاکر بھی نہیں پڑے گی۔ مگر اس حقیقت کے باوجود عوام کی اکثریت ہر زمانہ میں ایسے لوگوں پر مشتمل رہی ہے جو معجزات کی صورت میں قوانینِ خداوندی میں ردّ و بدل کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اور اسی چیز کو اصلِ دین اور صداقتِ دین کی دلیل مانتے ہیں اس لئے آنحضور کو ایسے غلط عقائد سے منع کردیا گیا ہے :-

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ
اور اگر تو کہا مانے بہتوں کا جو بیچ زمین کے ہیں گمراہ کردیں گے تجھے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ
سے راستے اللہ کے نہیں اتباع کرتے مگر ظن کی اور نہیں

هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ○ ۱۱۷
وہ مگر جھگڑا کرتے ہیں

اور اگر (اے رسولؐ بالفرضِ محال) آپ زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی اتباع کریں (تو وہ خود گمراہ ہیں معجزے طلب کرتے ہیں) آپ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کردیں گے۔ وہ (معجزات کے ضمن میں) صرف ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور (بے حقیقت چیزوں کے لئے جھگڑتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ
بیشک تیرا رب وہ خوب جانتا ہے کون گمراہ ہوتا ہے راہ اس کی

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ ۱۱۸
اور وہ خوب جانتا ہے کو راہ پانیوالوں

بیشک آپکا رب ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جو خوب جانتا ہے کون ہے جو اُس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی خوب جانتا ہے انہیں جو سیدھی راہ پانے والے ہیں[۱،۲]

● [۱-۲] اِن آیاتِ کریمات میں خود اللہ تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کے خلاف معجزات کے طلبگاروں کو ظن و گمان کے پیروؤں کو گمراہ بتایا گیا ہے اور قوانینِ جاریہ کو حق و صداقت کی دلیل قرار دینے کیساتھ ساتھ اس امر کا اعلان کردیا گیا ہے کہ عوام کی اکثریت حقائق و دلائل سے کورے اور چیستانیات کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ زمانۂ رسالت میں یہودیوں کی اکثریت نے مسئلہ حلت و حرمت میں بھی چیستانی عقائد وضع کر رکھے تھے۔ $\frac{6}{146}$ میں آگے آرہا ہے کہ انہوں نے ناخن والے جانور اور گائے، بھیڑ بکری کی چربی کو حرام کر رکھا تھا سوائے اُس کے جو اُن کی پیٹھوں یا انتڑیوں اور ہڈیوں پر چڑھی ہوئی ہو اس لئے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اکثریت کا کسی راہ پر چل نکلنا صداقت کی دلیل نہیں۔ ہدایت صرف ضابطۂ خداوندی میں محفوظ ہے۔ ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اکثریت کے خلاف $\frac{5}{161}$ میں جو حرام کیا گیا ہے اُس کے سوا حلال جانوروں کو اللہ کے نام کیساتھ ذبح کرکے کھایا کرو :-

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ
پس کھاؤ میں سے ذکر کیا گیا نام اللہ کا اوپر اسکے اگر ہو تم

پس (ایمان والو!) اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو جس حلال جانور کو اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا گیا ہو اُس پر اللہ کا نام

بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ۞ ۱۱۹
ساتھ آیتوں اسکی ایمان لانیوالے

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ
اور کیا ہے واسطے تمہارے کہ نہ تم کھاؤ میں سے ذکر کیا گیا نام

اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ
اللہ کا اوپر اسکے اور بیشک تفصیل کر دی واسطے تمہارے جو حرام کیا اوپر تمہارے

اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ
مگر جو بیقرار ہوئے تم طرف اسکے اور بیشک بہت لوگ گمراہ ہوتے ہیں

بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ
ساتھ خواہشوں اپنی کے بغیر علم کے - بیشک رب تیرا وہ خوب جانتا ہے

بِالْمُعْتَدِیْنَ ۞ ۱۲۰
کو سرکشوں

ذکر کیا گیا ہو، اُس کی ہر وہ چیز کھاؤ (جو ضابطۂ الٰہی میں حلال بتائی گئی ہے۔

اور کیا (حرج) ہے تمہارے لئے کہ تم (اللہ کی حلال کردہ چیزیں) نہ کھاؤ، جس جانور پر اللہ کے نام کا ذکر کیا گیا اور بیشک (اللہ نے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے (جو حلال جانوروں میں سے) تمہارے لئے حرام کیا ہے ۵/۲ ۱۲۱۔ سوائے اس کے جو تم (بھوک کی وجہ سے) اُس کے لئے بیقرار ہو جاؤ۔ اور بیشک اکثر لوگ اپنی خواہشوں (کی پیروی کر کے) لاعلمی میں گمراہ ہو جاتے ہیں۔ بیشک (اے رسولؐ!) آپ کا پروردگار ہی ہے جو خوب جانتا ہے اُنہیں جو (اللہ تعالیٰ کی حدیں) پھاندنے والے ہیں۔

● چونکہ عام دستور یہ ہے کہ اکثریت کے عمل کو صداقت کی دلیل سمجھا جاتا ہے اسلئے اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں ایمان والوں کو اس حقیقت کی تاکید کیگئی ہے کہ اکثریت کے خلافِ قرآن عمل کی ظاہر اتباع بھی نہ کرنا اور اُن کی چھپی اتباع بھی نہ کرنا۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ
اور چھوڑ دو ظاہر گناہ اور چھپا اس کا بیشک

الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا
جو لوگ کماتے ہیں گناہ ضرور بدلہ دئیے جائیں گے ساتھ اسکے جو

كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ۞ ۱۲۱
تھے عمل بجا لایا کرتے

اور ایمان والو! اپنی خواہش سے حلال و حرام میں تصرّف کرنے کے) ظاہر گناہ کو بھی چھوڑ دو اور چھپ چھپا کر بھی (نہ کرو) بیشک جو لوگ گناہ کماتے ہیں وہ ضرور ضرور اُس کی سزا دئے جائیں گے جو عمل وہ کماتے چلے آ رہے ہیں ۱؎

● ۱؎ یَقْتَرِفُوْنَ کا سہ حرفی مادہ ق۔ ر۔ ف = قرف ہے جس کا بنیادی معنٰی ہے ناجائز کمائی کرنا۔ قَرَفَ الرَّجُلُ کا معنٰی ہے كَذَبَ وَخَلَطَ۔ آدمی نے کما تو جھوٹ بولا اور معاملے کو غلط ملط کیا۔ اِقْتَرَفَ کا معنٰی ہے اکتساب، بمعنی کمانے کی کوشش کرنا۔ پس كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے حرام و حلال کے ضمن میں جھوٹ بولتے اور مسئلہ کو غلط ملط کرنے میں جو کوشش اُنہوں نے کی انہیں اُس کی پوری پوری سزا دی جائیگی۔

تکرار تاکیدی ● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں تکرار تاکیدی کیساتھ اسی حکم کو اپنے اسلوبِ بیان کے مطابق ـــ بصورت نہی دہرایا گیا ہے تاکہ مسئلہ کی مزید وضاحت کر کے اتمامِ حجت کر دی جائے چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ
اور نہ کھاؤ اس میں سے نہ ذکر کیا گیا ہو نام اللہ کا
عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ
اوپر اسکے اور بیشک وہ ضرور سرکشی ہے اور بیشک سرکش
لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَ
خفیہ پیغام دیتے ہیں طرف دوستوں اپنے تاکہ وہ جھگڑیں تم سے اور
إِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿ع﴾ ١٢٢
اگر اطاعت کی تم نے اُن کی بیشک تم مشرک ہو
ع ۱۴ / ۱۱
۱۲۲

اور جس (حلال جانور) پر اللہ کے نام کا ذکر کیا گیا ہو (یعنی جسے اللہ کے نام سے ذبح نہ کیا گیا ہو) اُس میں سے نہ کھانا اور بلا شبہ (حلال جانوروں کو بلا ذبح کئے کھانا) اللہ تعالیٰ کی حدود شکنی ہے۔ اور بلا شبہ اللہ کے نافرمان (خلوت نشینیں[1]) اپنے دوستوں (تمہارے مخالفوں) کو مباحثوں کی خفیہ تعلیم دیتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑتے رہیں۔ اگر تم نے اُن کی اطاعت کی تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے (وہ مشرک تمہیں بھی خلوت نشینوں کے فرمانبردار بنا کر مشرک بنا لیں گے۔

● [1] ۲/۱۴ کے الفاظ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ میں خلوت نشینوں کو شیطان کہا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر نوعِ انسانی سے اپنے حکم منواتے ہیں۔ آیتِ بالا ۶/۱۲۲ میں اُنہی سرکش انسان شیطانوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اپنے دوستوں خیر خواہوں مریدوں کو ایسی خفیہ تعلیم دیتے ہیں جس کے ذریعہ، بحث و مباحثوں کی صورت میں مجادلے جھگڑے چلتے رہیں۔ اِن مباحثوں میں انبیاء سلام علیہم کے متعلق بشر نور، علمِ غیب، حاضر ناظر اور مختارِ کل وغیرہ کے نہ ختم ہونیوالے مسائل کے ذریعہ سر پھٹول کے سامان کئے جاتے ہیں اور ساتھ ہی مسئلہ حرام حلال میں ایسی تفریق پیدا کر دی جاتی ہے جس کے ذریعہ شرک فی الحکم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ پیچھے ۵/۱تا۳ میں حلال و حرام کی مکمل بحث گزر چکی ہے کہ گھاس خور چوپایوں میں سے صرف جگالی کرنے والے حلال ہیں اور اُن کی جو چیز حرام ہے اُس کی بھی کھل کر وضاحت کر دی گئی ہے۔ اور پھر ۶/۱۲۰ میں یہ بھی اعلان کر دیا گیا ہے قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ بیشک کھول کر بیان کر دیا گیا ہے جو تم پر حرام کیا گیا ہے۔

● قرآن کریم کی اِس حیات آفریں تعلیم کی مخالفت کرنے والوں کو سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مُردے کہا گیا ہے اور قرآن کریم کے ذریعہ اِن دینی مُردوں کو دینی زندگی دینے کی خبر کے ساتھ وضاحت کر دی گئی ہے کہ دینی مُردے اور زندے برابر نہیں ہوتے۔

أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ
کیا اور جو ہو مُردہ پھر زندہ کریں ہم اُسے اور مقرر کریں ہم واسطے اسکے

کیا اور جو ہو دینی مُردہ پھر اُسے ہم (قرآن کریم کی زندگی دینے والی تعلیم کیساتھ) زندہ کر دیں اور اُس کے لئے (قرآنی) نور مقرر کر دیں

نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ
روشنی چلے وہ ساتھ اسکے بیچ لوگوں کے مانند مثل اسکی جو بیچ اندھیروں
لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ
نہیں نکلنے والا سے اسکے اور اسی طرح مزیّن کئے گئے واسطے کافروں کے
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۲۲
جو تھے وہ عمل کیا کرتے

جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلے پھرے ۔ وُہ اُس کی مثل ہو سکتا ہے جو (گمراہی کے) اندھیروں میں پھنسا ہُوا ہو ۔ (اور اعتقادی گندگی کی بدولت) اُن میں سے نکلنے والا نہ ہو ۔ اِسی طرح (اُنکے شیطانوں کی طرف سے) کافروں کے لئے اُن کے اعمال مزیّن کردیئے جاتے تھے جو وہ بجالایا کرتے تھے ۔

● ۱؎ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کے الفاظ میں زُيِّنَ فعل مجہول مالم یُسمّٰی فاعلہ آیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ خانقاہ نشینوں نے عوام کے اُن اعمال کو جن پر اُنہوں نے انہیں خود لگا رکھا ہے خُوب مزیّن کر کے پیش کیا ہوتا ہے کہ خانقاہوں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں ۔ مُرادیں مانگی جاتی ہیں اور سجدے کئے جاتے ہیں ۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان مُشرکانہ اعمال کو عین اسلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ اور ان غیر قرآنی اندھیروں کی اندھیر گردیوں میں وہ لوگ ایسے پھنسا دئے گئے ہوتے ہیں کہ وہ اُن میں سے نکلنے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہوتے ۔ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۔

ضابطۂ خداوندی کی مخالفت کرنیوالے لوگ بڑے بزرگوں کے بھیس میں بستی بستی اور قریہ قریہ موجود ہیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ حلال و حرام ٹھہرانے والے لوگ عوام کے بڑے بڑے بزرگ بن کر بستی بستی موجود رہتے ہیں ۔ اِس لئے ہر بستی و قریہ کے مومنوں کو ہوشیار رہنا چاہئیے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ
اور اسی طرح پایا ہم نے بیچ ہر بستی کے بڑے بڑے
مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا
مجرموں کو اسکے کہ وہ دھوکا کرتے ہیں بیچ اسکے اور نہیں دھوکا دیتے مگر
بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ۱۲۴
جانوں اپنی کو اور نہیں شعور رکھتے

اور اسی طرح ہم (اللہ) نے ہر بستی میں اُس کے بڑے (بزرگ بنے ہُوئے) مُجرموں[۱] کو موجود پایا ہے (وُہ اس لیئے بزرگ بنے بیٹھے ہیں) کہ جُھوٹی بزرگی کے مکروفریب کا جال پھیلائیں[۲] مگر وہ جو بھی فریب کرتے ہیں اُس کا وبال اُن کی اپنی جانوں پر ہے ۔ مگر اُنہیں اِس کا شعور نہیں ہے ۔ ؂

● ۱؎ اَكٰبِرَ سے وُہ لوگ مُراد ہیں جو جُھوٹی بڑائی کے دعویدار بن کر بستی بستی اور قریہ قریہ میں مکروفریب کا جال پھیلائے ہوتے ہیں اور نذروں نیازوں کی کمائی پر عیش اڑا رہے ہوتے ہیں ۔

● ۲؎ مُجْرِمِيْهَا دراصل مُجْرِمِيْنَهَا ہے ، مضاف کا نون اعرابی گر گیا ہے ۔ بستی کے ایسے لوگوں کو پُوری بستی کے مُجرم قرار دیا گیا ہے کہ کیونکہ وہ پوری بستی کو اپنی بزرگی کا دھوکا دئے ہُوئے ہوتے ہیں ۔

● ۱۳؎ یَمْکُرُوْا فِیْهَا کے الفاظ میں اُن کا جُرم بتایا گیا ہے کہ وہ مکر و فریب کا جال بچھائے ہوتے ہیں۔

● ۱۴؎ وَمَا یَمْکُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو وہ لوگ عوام کا مال مکر و فریب کے ذریعہ کھا رہے ہوتے ہیں مگر آخرت میں اِس کا وبال اُن کی اپنی جانوں پہ ہوگا۔ اِس دھوکا فریب کی سزا ضرور ضرور اُن کو مل کر رہے گی:—

● ۱۵؎ وَمَا یَشْعُرُوْنَ کے الفاظ میں خبر دی گئی ہے کہ ایسے لوگ مکر و فریب کے دھندے میں ایسے مست ہوتے ہیں کہ وہ اُس شعور تک سے کورے ہو جاتے ہیں کہ وہ کر کیا رہے ہیں۔ لوگوں کی مُرادیں پُوری کرنے کے دعویدار ہوتے ہیں مگر اپنی مرادیں خود ادھوری پڑی ہوتی ہیں۔ دوسروں کی مُشکلیں حل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خود گوناگوں مشکلوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔

زمانۂ رسالت میں یہ حالت یہود و نصاریٰ کے بزرگوں کی تھی

● زمانۂ رسالت میں یہود و نصاریٰ کی یہ حالت تھی کہ ہر بستی اور ہر قریہ میں ان کے نام نہاد بزرگ تعویذ گنڈوں کی دکانیں سجائے بیٹھے تھے۔ جب آنحضور پر اللہ کی کتاب نازل ہُوئی تو اُنہوں نے کہا کہ ہم اُس وقت تک اُس چیز قرآنِ کریم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ چیز وحی الٰہی ہم پہ نازل نہ ہو، جب تک ہمیں نہ دی جائے:—

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ
اور جب آتی پاس ان کے کوئی آیت کہا نہیں ایمان لائینگے ہم

حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ
یہاں تک کہ دئے جائیں ہم مثل اسکے جو دیئے گئے رسول اللہ کے۔ اللہ

اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ سَیُصِیْبُ
خوب جانتا ہے کہاں ٹھہرائے رسالت اپنی۔ ضرور پہنچیگی

الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ
اُن کو جو جُرم کرتے ہیں ذلت طرف سے اللہ کے اور عذاب

شَدِیْدٌ ۢ بِمَا کَانُوْا یَمْکُرُوْنَ ۝ ۱۲۵
سخت بسبب اسکے کرتے تھے فریب کرتے

اور جب اُن کے پاس کوئی آیت اللہ (کتاب کی) آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اُسوقت تک ہرگز ایمان نہیں لائینگے یہاں تک کہ ہمیں دی جائے کتاب (اللہ کی) جس طرح رسُولوں کو دی جاتی ہے۔ (کہدے اے رسُول!) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس کے سُپرد کرے۔ جو لوگ مکر و فریب جُرم کرتے ہیں اُنہیں ضرور اللہ کی طرف سے ذلت (کی سزا) پہنچ کر رہے گی اور سخت عذاب پہنچیگا، اِس لئے کہ وہ مکر و فریب کیا کرتے تھے۔

خود فریبی کی انتہا

● آیتِ بالا میں زمانۂ رسالت کے یہودی خلوت نشینوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو یہاں تک اللہ کے مقرب جانتے تھے کہ اُن کے زعم کے مطابق نبوت و رسالت کا حقدار بھی اپنے

آپ کو سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کی نبوت کا حقدار کون ہے۔ نیز اُن کے انکار کی وجہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ سرکشی اور طغیانی کی بلندیوں پر پہنچ چکے ہیں:۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ
پھر جو ارادہ کرے اللہ کہ ہدایت دے اسکو کھول دیتا ہے
صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ
ذہن اسکا واسطے اسلام کے۔ اور جو ارادہ کرے کہ گمراہ کرے اُس کو
يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ
کر دیتا ہے ذہن اُس کا تنگ گھٹا ہوا۔ مثل اسکے کہ وہ چڑھتا ہے
فِى السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ
بیچ آسمان کے اسی طرح رکھتا ہے اللہ گندگی
عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ۱۲۶
اوپر اُن کے جو نہیں ایمان لاتے۔

پھر اللہ تعالیٰ (اپنے قانونِ مشیت کے مطابق) اُس شخص کے ذہن کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے (جس کی رجعت الی اللہ $\frac{۴۲}{۱۳}$ کی بدولت) ہدایت کا ارادہ کرتا ہے۔ اور اُس شخص کے ذہن کو (اپنے قانونِ مشیت کے مطابق) تنگ کر دیتا ہے (جس کی سرکشی کے بدلے) گمراہی کا ارادہ کرتا ہے۔ گویا کہ وہ سرکشی اور نافرمانی میں آسمان پر چڑھا ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے اُن کے انکار و بغاوت کی بدولت ذہنی غلاظت لازم ہوئی ہوئی پاتا ہے۔

● [۱] ہدایت و گمراہی کی بحث پیچھے صفحہ۔۔۔ پر تفصیلاً گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان خود ہدایت پاتا ہے اور خود گمراہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں ہدایت و گمراہی خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیگئی ہے وہاں اُس کے قانونِ مشیت کا ذکر محذوف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت دیتا ہے جو خود اُس کی طرف رجوع کرتا ہے يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ $\frac{۴۲}{۱۳}$۔ چنانچہ ہدایت و گمراہی کے اسی مبنی بر حقیقت خداوندی طریقے کے متعلق آنحضور کو مخاطب کر کے اگلی آیتِ ذیل میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۗ قَدْ
اور یہ ہے طریقہ رب تیرے کا سیدھا بیشک
فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ ۱۲۷
کھول دی ہیں نے آیتیں واسطے قوم کے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں

اور (اے رسولؐ!) یہی ہے سیدھا راستہ آپ کے رب کا۔ بیشک ہم نے اپنی آیتوں کو اُس قوم کیلئے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے جو (ان سے) خود نصیحت حاصل کرنے والے ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ مفصّل ہیں اور ذریعہ ہدایت و نصیحت ہیں

● اِس آیت مجیدہ میں قرآن مجید سے نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ بتلایا گیا ہے آیاتِ قرآنیہ کا مفصّل ہونا۔ پس آیاتِ قرآنیہ مفصّل تسلیم نہ کرنا اسے اِس کے اُس مقام سے گرانے کے مصداق ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن مجید کو مفصّل کی بجائے مجمل

قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قابلِ نصیحت نہیں۔ العیاذ باللہ! حقیقتِ حال کی رُو سے قرآنِ کریم مفصّل ہے ۱۶/۸۹ + ۶/۱۱۶ + ۶/۱۲۷۔ اور اس کی تفصیل کا انداز یہ ہے کہ مسئلۂ زیرِ بحث کی جزئیات کو یا تو خود بیان کر دیتا ہے یا جزئیات کے اصول بیان کر دیتا ہے۔ مثلاً :۔

صلوٰۃ موقتہ نماز کی جزئیات

• اوقاتِ صلوٰۃ کی تعداد ۱۱/۱۱۴ میں بیان کر دی گئی ہے یعنی أَقِمِ الصَّلَوٰةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ دو دن میں اور ایک رات میں۔ دن کی دونوں صلوٰتوں کی انتہا قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۲۰/۱۳۰ + ۵۰/۳۹ میں بتا دی ہے کہ دن کے پہلے حصّے کی صلوٰۃ سُورج نکلنے سے پہلے پہلے ادا کر لیا کرو اور دوسرے حصّے کی صلوٰۃ سُورج غروب ہونے سے پہلے پہلے۔ اِس طرح ان دو صلوٰتوں کی انتہا کھل کر سامنے آ چکی ہے وہ وقت جس سے دن کے پہلے حصّے کی ابتدا ہوتی ہے یعنی طلوعِ فجر، پَو کا پھٹنا۔ اور دوسرے حصّے کی صلوٰۃ کی ابتدا دن کے دُوسرے حصّے کی ابتدا یعنی زوالِ آفتاب
اِسی طرح تیسری صلوٰۃ جو رات کی ابتدائی گھڑیوں پر مشتمل ہے۔ اُس کی ابتدا رات کی ابتدا ہے اور انتہا غائبِ شفق۔

• اِس کے بعد باری آتی ہے ارکانِ صلوٰۃ کی۔ اُن کی تفصیل ۲۲/۲۶ میں بتا دی گئی ہے قیام رکوع اور سجدہ۔ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَالْقَآئِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔ میرے گھر کو پاک رکھو آنے جانیوالوں، قیام رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے۔ انہی ارکان کی تائید ۳/۱۰۲ + ۴۸/۲۹ میں بھی کر دی گئی ہے۔

• جزئیاتِ صلوٰۃ کی آخری اہم چیز ہے کہ صلوٰۃ میں پڑھنا کیا ہے۔ اِس کی وضاحت فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۷۳/۲۰ پڑھو صلوٰۃ میں صلوٰۃ کے مقتضی مقام کے مطابق قرآن میں سے۔ صلوٰۃ چونکہ مقام حمد دعا تسبیح اور استغفار ہے اس لئے قرآنِ کریم میں سے حمد، دعا، تسبیح اور استغفار کی حامل آیات کریمات پڑھی جائیں گی۔ بتائیے! کونسی جزئیات غیر مفصّل چھوڑ دی گئی ہیں۔ مسئلہ صلوٰۃ کے متعلق ادارہ بلاغ القرآن کا شائع کردہ پمفلٹ "الصّلوٰۃ" ملاحظہ فرمائیں۔

• سلسلۂ درس کی پچھلی آیت میں قَدْ فَصَّلْنَا الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ کے الفاظ میں جس نصیحت حاصل کرنے والی قوم کی خبر دی گئی ہے، اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ نصیحت حاصل کرنا بھی اُن کا اپنا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد خود اُن کے اپنے عملوں کی بدولت میسّر آتی تھی۔ یہ پاکیزہ جماعت صحابہ کرامؓ کی تھی، جس کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِندَ رَبِّهِمْ وَهُوَ
واسطے اُن کے گھر ہے سلامتی کا نزدیک رب ان کے اور وہ ہے

اُن (مفصّل قرآن کی آیتوں سے نصیحت حاصل کرنیوالوں) کیلئے اُن کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے۔ اور وہ اللہ اُن کا

وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ۱۲۸ || مددگار ہے اُن عملوں کے ذریعہ جو وہ خود بجالاتے ہیں ؎۱
مددگار ان کا ساتھ اسکے جو تھے عمل کرتے

● ؎۱ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ کے جملہ مبارکہ میں اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جو مدد باری تعالیٰ کی طرف سے فرمائی گئی تھی وہ اُن کے اپنے اعمال کی بدولت تھی۔ یعنی اُن کے اپنے اعمال کا بدلہ تھا۔ مثلاً جنگِ بدر میں فتح اُن کے اپنے اعمال یعنی حسبِ حال مکمل جنگی تیاری اور ثابت قدمی کا بدلہ تھی جنگِ اُحد میں جو تکلیف پہنچی تھی وہ اُن کی اپنی سستی کا نتیجہ تھا۔ جنگِ احزاب میں صحیح منصوبہ بندی اور اُس پر صحیح عمل کرنا باعثِ فتح و نصرت ہوا تھا۔ اور بالآخر فتح مکہ کے وقت خدا تعالیٰ کے حکم ۶۰/۸ کے مطابق حسبِ استطاعت اُن کی بے پناہ جنگی تیاری سے مرعوب ہو کر دشمن نے بلا جنگ و جدال شکست تسلیم کرکے بیت اللہ شریف کا قبضہ دے دیا تھا۔ قرآنی آئین کے مطابق خدا تعالیٰ کا دائمی قانون یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی ہی مدد کرتا ہے جتنے کہ انسان خود عمل کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر جتنی اپنی مدد آپ کرتا ہے ۴۰/۲۲ ۔
وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۴۰/۲۲ اللہ اُسکی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے۔

کائناتی اور تنزیلی قوانین

● کارگاہِ کائنات میں جتنے بھی خداوندی قوانین جاری و ساری ہیں اُن کے مطابق عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ مددگار بنتا ہے ۱۲۸/۶ اور اُن سے غفلت برتنے سے انسان خود ہی اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جاتا ہے۔ زراعت ہو، صنعت و حرفت، ہر گوشۂ قانون میں خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین پر عمل کرنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی مدد بصورتِ کامیابی شاملِ حال ہوتی چلی جاتی ہے۔

● لیکن یاد رہے کہ زندگی صرف اس دُنیا کی موجودہ زندگی ہی نہیں ہے کہ اس میں قوانینِ جاریہ پر زیادہ سے زیادہ عمل کرکے ذاتی مفاد حاصل کرتے چلے جائیں، بلکہ اس زندگی کے بعد یعنی قیامت کو دوسری زندگی کا تصور بھی ناگزیر ہے۔ اُخروی زندگی کی کامیابی کا تعلق خدا تعالیٰ کے تنزیلی قوانین کے ساتھ ہے۔ زیردستوں پر بالادستوں کا ظلم خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اُس کی پیدا کردہ نعمتیں جو پوری نوعِ انسانی کے لئے ہیں ۲/۲۹ + ۲/۳۶ + ۷/۲۴، اِن میں عدمِ توازن اور عدمِ مساوات نہ پائی جائے۔ یہ عدمِ توازن سرِفہرست تو اربابِ اقتدار کی طرف سے برپا ہوتا ہے۔

● چنانچہ اسی کی بدولت نوکرشاہی کے علاوہ جاگیردار، زمیندار، کارخانہ دار اور خلوت نشین حضرات آرامگاہوں میں چھپ کر بیٹھے عیش کرتے اور مزدور و مزارع بیچارے کڑکتی دھوپ میں جلتے اور شدید جاڑوں میں ٹھٹھرتے ہوئے مشقت کرتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ان مشقت گزاروں کو انس کہا گیا ہے اور آرامگاہوں میں چھپ کر بیٹھنے والوں اور انکی کمائی پر عیش کرنے والوں کو جن کہا گیا ہے۔ مسئلہ جن کی بحث پیچھے صفحہ ۲۴۱ پر گزر چکی ہے۔ ملاحظہ فرما کر تسلی فرمائیں۔ انہی جن و انس کے متعلق باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ
اور جس دن جمع کرے گا انکو سب کو۔ اے گروہ
الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ
جنوں کے بیشک کثیر فائدہ اٹھایا تم نے سے انسانوں اور کہے گا
اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ
دوست ان کا میں سے انسانوں کے رب ہمارے فائدہ اٹھایا
بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ
بعض ہمارے نے سے بعض اور ہم پہنچے مدت اپنی کو جو مقرر کی تو نے
لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
واسطے ہمارے کہیگا آگ ہے ٹھکانہ تمہارا ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے
اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ
مگر جو چاہے اللہ۔ بیشک رب تیرا بڑا دانا
عَلِيْمٌ ۝ ۱۲۹
بڑا علم والا ہے

اور وہ دن قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ (جنّ و انس) سب کو جمع کریگا (قیامت کو کہے گا) اے گروہ جنوں کے (چھپ کر بیٹھنے والو!) تم نے انسانوں (مشقت گزاروں) سے بہت زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے۔ انسانوں میں سے جنوں کا دوست[ع۱] کہے گا کہ اے ہمارے رب! ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اور ہم اُس مدت کو پہنچ گئے جو تُو نے ہمارے لئے مقرر کر رکھی ہے (یعنی موت تک بعض بعض سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ) کہیگا تمہارا ٹھکانہ آگ ہے۔ اُسی میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت یہی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بڑھ کر دانا ہے اور بہت بڑھ کر صحیح علم والا ہے۔

● ع۱ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ کے الفاظ میں اس امر کی خبر دی گئی ہے کہ جنّ یعنی مشقت گزاروں کا استحصال کرنے والوں نے خود مشقت گزاروں میں سے اپنے دوست (بصورت ایجنٹ) بنا رکھے ہوتے ہیں جو اپنے ہی ساتھی مزدوروں کا استحصال کرنے میں سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور زمینداروں کے دوست بنے ہوتے ہیں۔ وہ انہیں دوسرے مزدوروں کی نسبت کچھ زیادہ مزدوری دے دیتے ہیں۔ اگلی آیت میں اس کا یہ نتیجہ بتایا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا
اور اسی طرح ہم دوست بناتے ہیں بعض ظالموں کو بعض کا
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ۱۳۰ ع ۱۵ ۸ ۲
اسلئے جو ہیں وہ کسب کرتے

اور اسی طرح ہم (انسانوں کے) ظالموں کو (جنوں کے) بعض ظالموں کا دوست بناتے ہیں (اسی دوستی) کے سبب وہ کسب کرتے ہیں (یعنی مزدوروں مشقت گزاروں کا استحصال کرتے ہیں)۔

سرمایہ دار اور انکے مددگار کیا کسب کیا چالیں چلتے ہیں

● آیت بالا میں مزدور عوام کا خون چوسنے والے ظالموں (جنوں) اور ان کے مددگار انسان جنہیں سرمایہ دار مزدوروں

ہی میں سے چھانٹ کر نمبردار بنا دیتا ہے کہ تو دستی کام نہ کیا کر اور ان مزدوروں سے کام لیا کر۔ اِن سب کے متعلق ارشاد ہوا ہے یہ دونوں مل کر اس ظلم کو قائم رکھنے کیلئے قسم قسم کے کسب کر توتیں کرتے ہیں یَکْسِبُوْنَ ۔ اسکے ضمن میں اِن لوگوں کی چالبازیاں اور مکاریاں ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ سرمایہ داری نظام کا اوّلین دجل و فریب یہ ہے کہ عوام کو غریب رکھو اُنہیں پیٹ بھر روٹی نہیں ملنی چاہیئے تاکہ یہ خود بخود تمہارے اشاروں پر ناچتے رہیں۔ اس کے بعد جب دیکھتے ہیں کہ مزدور میں خودداری کے آثار پائے گئے ہیں تو اُسے چھٹیاں کرا دیتے ہیں تاکہ اُس کے گھر میں بھوک ناچنے لگے۔ اور اُس کا دماغ درست ہو جائے۔ مزدوروں میں سے خوشامدی قسم کے مزدوروں کو نمبردار (میٹ) بنا کر اُن سے جاسوسی کا کام لیتے ہیں۔ اور اس امر سے باخبر رہتے ہیں کہ کہیں مزدوروں کو اپنے حقوق کا شعور تو نہیں ہو رہا۔ یہ اور اس قسم کے سینکڑوں کسب کرتوتیں اور حربے ہیں جو یہ لوگ مل کر استعمال کرتے اور مزدور کے خون کو شیرِ مادر بنائے رکھنے کے سامان کئے رکھتے ہیں۔

● لیکن اللہ تعالیٰ نے ابتداءِ آفرینش ہی سے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ واضح کر رکھا ہے کہ یہ شیطانی نظام ضابطۂ خداوندی کے اوّلین درسِ ربوبیتِ عامہ ﴿۱﴾ کے خلاف ہے۔ چنانچہ قیامت کے مذکورہ مکالمہ میں کہا جائیگا :۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ [۱]

اے گروہ جنوں اور انسانوں کے کیا نہیں آئے پاس تمہارے

رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ [۲]

رسول میں سے تمہارے پڑھتے اوپر تمہارے آیتیں ہماری اور ڈراتے تم کو

لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا

ملاقات دن اس کی ۔ کہیں گے ہم گواہ ہیں اوپر جانوں اپنی

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي [۳]

اور دھوکا دیا انہیں زندگانی دنیا نے اور گواہ ہوئے اوپر

اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ ۱۳۱

جانوں اپنی کہ بیشک وہ تھے انکار کرنیوالے

(کہیگا اللہ تعالیٰ) اے گروہ جنوں اور انسانوں کے (استحصال کرنے والو اور ہونے والو!) کیا تمہارے پاس ہمارے رسول تمہیں میں سے نہیں آئے تھے[۱] جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتے تھے[۲] اور تمہیں اس دن کی (حضورِ الٰہی میں) حاضری سے ڈراتے تھے، وہ کہیں گے ہم اپنے آپ پر گواہ ہیں

اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا[۳] اور وہ اپنی جانوں پر آپ گواہ ہوئے کہ بلاشبہ وہ (ضابطۂ الٰہی کا) انکار کرنے والے تھے

● [۱] اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ کے جملہ سے بعض لوگ یہ تصور اخذ کرتے ہیں کہ نبی رسولوں کی آمد آنحضورؐ کے بعد بھی جاری ہے۔ واضح رہے کہ نبی رسولوں کی آمد کا سلسلہ خود باری تعالیٰ نے ﴿۳۳/۴۰﴾ میں آنحضورؐ کو خاتم النبیین قرار دے کر ختم کر دیا ہے۔ آیتِ بالا میں جو لفظ آیا ہے رُسُلٌ یہ رسول کی جمع ہے۔ عربی زبان میں رسول کا لفظ عام ہے ﴿۱۲/۵۰﴾ میں شاہِ مصر کے ایلچی کو جو شاہِ مصر کی طرف سے حضرت یوسفؑ کے پاس جیل خانے میں بھیجا گیا تھا، رسول کہا گیا ہے ؛۔ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ ۔

لیکن جس طرح اسے اللہ کا نبی رسول نہیں کہا جاسکتا، اسی طرح آیتِ بالا میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کریم کے مبلغ مراد ہیں جو لوگوں کو قرآنِ کریم کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افرادِ امت پر بھی بلاغِ قرآن فرض ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری :-

● وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ۶/۱۹ اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے گا) میری طرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ میں اسی کے ساتھ تمہیں برے اعمال کی سزا سے ڈراؤں اور وہ بھی اپنے زمانے میں اسی قرآن کے ساتھ لوگوں کو ڈرائے جس تک یہ پہنچے ——— اِس آیتِ مجیدہ کی رُو سے تبلیغِ قرآن قیامت تک جاری رہیگی۔ اور اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ کے تقاضے پورے ہوتے رہینگے۔

● ۲۔ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ کے الفاظ میں مبلغینِ قرآن کی نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی آیتیں پڑھیں گے، روایتیں نہیں پڑھیں گے۔ یعنی وہ تبلیغِ قرآن کو خالص رکھیں گے، اُس میں روایتوں اور قصوں وغیرہ کی ملاوٹ کر کے ناخالص نہیں کریں گے۔ لیکن یاد رہے کہ مبلغینِ قرآن کو قرآن پہنچانے والے کہا جائے گا اللہ کے نبی رسول نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ نبوت وہبی چیز ہے کسبی نہیں۔

● ۳۔ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کے الفاظ میں عام قاعدہ بتا دیا گیا ہے کہ انسانوں کو عموماً دنیا کی زندگی دھوکا دیتی ہے اور وہ غافل ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھنے کی یہ چیز ہے کہ دُنیا کی زندگی چند روزہ ہے اور اس میں کئے گئے اعمال کی جوابدہی کے لئے بلا شک وشبہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حاضر ہونا ہے۔ اگر یہ چیز یاد رہے تو پھر انسان دُنیا کی زندگی سے دھوکا نہیں کھاتا اور غلط کار نہیں بنتا۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

● آگے بڑھنے سے پہلے اوپر دئے گئے ضمنی نوٹ ۱۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ کی بحث پر پیدا ہونے والے اس اعتراض کا جواب دینا ضروری ہے کہ اگر مبلغینِ قرآن کو بھی رسول کہا گیا ہے تو اگر مرزا غلام احمد کی قسم کا کوئی متنبی مولوی اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہلانے کا شوق کرے تو اُس کے خلاف قرآنِ کریم کی کیا دلیل ہے۔ جواباً عرض ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ کی طرف سے نبیوں اور رسولوں کو بھیجنے کا سلسلہ آیتِ مجیدہ ۳۳/۴۰ کے مطابق ختم ہو چکا ہے :— مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں (یعنی بحیثیت رسول ہونے کے ساری اُمت کے دینی باپ ہیں۔ آپ کی بیویاں رضی اللہ عنہن اُمت کی دینی مائیں ہیں ۳۳/۶) اور آپ وہ ذاتِ مقدس ہیں جن پہ نبیوں اور رسولوں کی آمد اللہ کی طرف سے ختم کر دی گئی ہے۔ یہ آیتِ مجیدہ محکم آیت ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کو باندازِ ذیل بھی اجاگر کیا گیا ہے :-

● حضرتِ نوح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ۷/۵۹ بیشک ہم نے نوح علیہ السلام کو اسکی قوم کی طرف بھیجا۔

● حضرتِ ہود علیہ السلام کے متعلق فرمایا :— وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۷/۶۵ اور قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود علیہ السلام کو بھیجا۔

● حضرت صالحؑ کے متعلق آیا ہے :۔ وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۷/۷۳ اور قوم ثمود کی طرف اُنکے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔
● حضرت شعیبؑ کے متعلق فرمایا :۔ وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۱۱/۸۴ اور اہلِ مدین کی طرف انکے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔
● حضرت موسٰیؑ کے متعلق آیا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی .... اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ۔ اور بیشک موسٰیؑ کو .... فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ کا قول ہے :۔ وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ۶۱/۶ اور جب مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہُوا ہوں۔
● پس اِن آیاتِ کریمہ سے ثابت ہُوا کہ ہر نبی رسُول اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ لیکن آنحضورؐ کے متعلق خود آپ ہی سے اعلان کرادیا گیا ہے :۔
● قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ۷/۱۵۸ کہدیجئیگا اے نوعِ انسانی ! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہُوا رسُول ہوں۔ نیز آنحضورؐ کے آخری رسُول ہونے کا باندازِ ذیل بھی اعلان کر گیا ہے :۔
● وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ۳۴/۲۸ اور نہیں بھیجا ہمنے آپکو مگر آپ نوعِ انسانی کیلئے کافی ہیں۔ آنحضورؐ کی کفایت اُسی طرح نوعِ انسانی کیلئے ہے جس طرح اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۳۹/۳۶ کے الفاظ میں اللہ تعالٰی کے کافی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ پھر آپکو دی گئی کتاب کے متعلق ارشاد ہُوا ہے اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ ۲۹/۵۱ کیا یہ لوگوں کیلئے کافی نہیں کہ ہمنے آپ پر اپنی کتاب قرآن مجید نازل کردیا ہے۔ جو کہ قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے ہدایت ہے هُدًی لِّلنَّاسِ ۲/۱۸۵ اب جبکہ آنحضورؐ قیامت تک کیلئے بحیثیت رسُول کافی ہیں ۳۴/۲۸ اور آپکی کتاب بحیثیت کتاب کافی ہے ۲۹/۵۱ اور ۳۳/۴۰ کے مطابق آپ آخری رسُول ہیں تو ان دلائلِ قرآنیہ کی موجودگی میں اگر کوئی مولوی ۶/۱۳۱ کی متشابہ آیت کا سہارا لیکر اللہ کا رسُول ہونے کا دعوٰی کرے تو جھوٹے دعویداران رسالت میں اضافہ کرکے جہنّم کا ایندھن بننے کے سوا اور کیا کریگا۔

عَودٌ اِلَی المقصود

● مندرجہ بالا بحث میں ہم دور نکل آئے ہیں۔ اپنے سبق کی طرف رجُوع کرتے ہُوئے عرض گذار ہیں کہ ۶/۱۳۱ کے مطابق دُنیا کی زندگی سے دھوکا کھا کر ضابطۂ خداوندی سے غافل ہوجانا نافرمانی ہے اللہ کے بھیجے ہُوئے نبی رسولؐ بھی فریضۂ تبلیغ رسالت و نبوّت ادا کرکے لوگوں پر بھی اتمام حجت کیا کرتے تھے اور مبلغینِ قرآن کا فریضہ بھی یہی اتمام حجت ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اسی اتمام حجت کی خبر بالفاظ ذیل دی گئی ہے :۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی
مذکورہ بالا اسلئے کہ نہیں ہے رب تیرا ہلاک کرنے والا کسی بستی کو

بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۞ ۱۳۲
ظلم کیساتھ اور تھوں اُسکے رہنے والے بے خبر

(مذکورہ بالا (اندازِ تبلیغ اے رسولؐ!) اِس لئے ہے کہ آپ کا رب ظلم کے ساتھ کسی بستی والوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے کہ وہ اس کے احکام سے) بے خبر ہوں (اور اُن پہ عذاب آجائے

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ
اور ہر کسی کیلئے ہیں درجے بسبب اسکے جو عمل کئے اور نہیں رب تیرا

بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۳۳
غافل اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں

اور ہر کسی کے لئے درجے مقرر ہوتے ہیں اُس کے مطابق جو وُہ عمل کرتے ہیں - اور (اے رسولؐ!) آپ کا رب اُس سے غافل نہیں جو وہ عمل کرتے ہیں (اسلئے ہر کسی کے صحیح درجے اُس کے اعمال کے مطابق متعیّن ہوتے ہیں)۔

وَرَبُّكَ الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ یَّشَاْ
اور رب تیرا بے محتاج ہے رحمت والا اگر وہ چاہے

یُذْهِبْكُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا یَشَآءُ
لے جائیگا تمہیں اور لے آئے گا سے پیچھے تمہارے جسے چاہے

كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّیَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ؕ ۱۳۴
جیسے کہ پیدا کیا تم کو میں سے نسل قوم دوسری کے

اور (اے رسولؐ!) آپکا پروردگار بے نیاز ہے رحمت والا ہے - (ہرگز ظلم نہیں کرتا-) اگر (تم بدعمل ہو جاؤ تو) وہ تمہیں لے جائے گا (ختم کر دے گا) اور (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دوسری قوم کو لے آئے گا جیسے کہ تمہیں ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا تھا۔

● یہ خطاب آنحضورؐ کی معرفت زمانۂ رسالتِ محمدی کے لوگوں، آپکے مخالفوں سے فرمایا گیا تھا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں انہی لوگوں کو کہا گیا ہے کہ اگر تم ہمارے رسولؐ کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وعدہ دیا گیا عذاب آ کر رہے گا :-

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ
بیشک جو وعدہ تم دیئے جاتے ہو ضرور آنیوالا ہے اور نہیں تم

بِمُعْجِزِیْنَ ۝ ۱۳۵
عاجز کرنے والے

بیشک جو وعدہ تمہیں (رسولؐ کے ذریعہ) دیا جاتا ہے (کہ اگر تم ہمارے دین کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وہ ضرور آنے والا ہے (وہ عذاب آ کر رہے گا) اور تم اُسے عاجز کرنے والے نہیں (کہ عذاب کو ٹال لو)۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کے ذریعہ ذیل کا فیصلہ کن اور آخری اعلان کرا دیا گیا ہے :-

قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ
کہہ اے قوم میری عمل کرو تم اوپر مقام اپنے کے

اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ
بیشک میں عمل کرنیوالا ہوں پھر جلدی تم جان لوگے کون ہے کہ ہوگا

لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ
واسطے اسکے انجام گھر کا بیشک وہ نہیں کامیاب کرتا

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ اے میری قوم (جب تم قرآنی حقائق کو تسلیم نہیں کرتے تو اب فیصلہ کن امر یہ ہے کہ) تم اپنے مقام پر عمل کرتے جاؤ اور میں تو اپنے مقام پر عمل کرنے والا ہوں (پھر اعمال کے نتیجے کے طور پر فیصلہ ہو جائے گا) تم جلدی ہی جان لو گے کہ کس کے اعمال بہتر نتائج پیدا کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے ٹھکانہ کام کرنے والوں کو کامیاب نہیں کرتا۔

الظّٰلِمُوْنَ ۝ ۱۳۶

ظالموں کو

● اس خداوندی اعلان کے مطابق اعمال کے بہتر نتائج کو دلیلِ صداقت قرار دیا گیا ہے۔ آنحضورؐ کے مبارک منشور کی پہلی شق ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱، جو بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ ربوبیتِ عالمینی کی علمبردار ہے۔ اسی پر کامل عمل کی بدولت آنحضورؐ آخر کار فتح و ظفر سے ہمکنار ہوئے۔ نظامِ ربوبیت کے قیام میں اوّلین رکاوٹ عقیدہ پیشوائیت ہے جو زمانۂ رسالت کے یہود و نصاریٰ میں شدت کے ساتھ جاری تھا۔ جس میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے حصول کے لئے مختلف پیشواؤں کو وسیلہ قرار دیا جاتا، اور عقیدہ یہ تھا کہ اُن کے وسیلے کے بغیر نہ بارش برستی ہے نہ کھیتی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے عوام کے ذہنوں میں بٹھا دیا گیا تھا کہ جبتک کمائی میں سے خدا کیساتھ ساتھ پیروں فقیروں کا حصہ مقرر کر کے باقاعدہ ادا کیا جائے گا، نہ کھیتی پیدا ہوگی، نہ مویشیوں میں اضافہ ہوگا۔ اسی چیز کی خبر سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں دی گئی ہے:-

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ
اور مقرر یا واسطے اللہ کے اس سے کہ اگایا میں سے کھیتی کے

وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ
اور مویشیوں سے حصہ پھر کہا یہ ہے واسطے اللہ کے ساتھ زعم ان کے

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ
اور یہ ہے واسطے شریکوں ہمارے پھر جو ہے واسطے شریکوں ان کے

فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ
پس نہیں پہنچتا طرف اللہ کے اور جو ہے واسطے اللہ کے پس وہ پہنچتا ہے

اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ ۱۳۷
طرف شریکوں ان کے، برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں

اور (آنحضورؐ کے مخالفین نے) کھیتی کی پیداوار اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے ٹھہرایا تھا۔ پھر وہ کہتے تھے کہ یہ حصہ (کھیتی اور مویشیوں کا) اُن کے زعم کے مطابق اللہ کا ہے اور یہ حصہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کا ہے۔ پھر جو حصہ اُن کے شریکوں کا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو حصہ (اُن کے زعم کے مطابق) اللہ کا ہے وہ (بھی تو) اُن کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پہنچتا ہے۔ (یعنی وہ لوگ دونوں حصے پیروں کو دے دیتے ہیں) (کتنا) بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

پیروں کی نذر میں اولاد کا قتل ہے

● اگلی آیت مجیدہ میں پیروں کے حصے کا تقرر یعنی اولاد کا حق پیروں کی نذر کرنے کو قتلِ اولاد کہا گیا ہے۔ کہ وہ بچوں کے پیٹ کا ثمر پیروں کو دیتے ہیں:-

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
اور اسی طرح مزین کیا واسطے بہت سے مشرکوں کے

اور اسی طرح (مریدوں کے مالوں میں حصے مقرر کر کے) بہت سے مشرکوں کیلئے اُنکے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں (پیروں) نے

قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا
قتل کرنا اولاد کا اُن کی شریکوں نے انکے تاکہ ہلاک کریں انکو اور تاکہ مخلوط کردیں
عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ
اوپر ان کے دین ان کا اور اگر چاہتا اللہ نہ کرتے اُسے
فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ ۱۳۸
پس چھوڑ اُن کو اور جو افترا کرتے ہیں

اُن کی اولاد کا قتل کرنا مزین کر دیا ہے۔ تاکہ اُنہیں (مالی طور پر) ہلاک کرتے رہیں اور تاکہ اُن کے دین کو اُن کے لئے مخلوط کردیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (زبردستی) چاہتا تو وُہ ایسا نہ کرتے۔ (اے مخاطب!) اُنہیں بھی چھوڑ دے اور اُس (دین کو بھی چھوڑ دے) جو یہ لوگ خود اپنے پاس سے گھڑ لیتے ہیں۔

● ۱۔۲ قتل اولاد محاورۃً آیا ہے۔ اور لِیُرْدُوْهُمْ کا معنیٰ ہے تاکہ وہ اُنہیں ہلاک کردیں اِن معنوں میں ۹۲/۱۱ میں آیا ہے وَمَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ۝ اور اُس کے مال نے اُسے فائدہ پہنچایا جب وہ ہلاک ہُوا۔ آیتِ بالا میں مالی اقتصادی ہلاکت مُراد ہے۔ جو نذروں، نیازوں، مُریدوں کے مال میں مقررہ حصّوں کے مطابق وصول کرکے مُریدوں کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ اِسی چیز کیلئے قتل اولاد کا محاورہ استعمال ہُوا ہے۔ جس کی زندہ مثال یہ ہے کہ خواہ کھیت سے فصل اتنی کم پیدا ہُوئی ہو کہ مُرید کے بچوں کیلئے بھی ناکافی ہو تو پھر بھی پیر صاحب کا حصّہ ضرور ادا کر دیا جاتا ہے، پیر کے گھر میں اناج کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں مگر مُرید اپنے بچّوں کا پیٹ بھرنے کے لئے سال بھر قرضہ اُٹھانے کے لئے مجبور ہُوا رہتا ہے۔

● ۳ وَلِیَلْبِسُوْا عَلَیْهِمْ دِیْنَهُمْ کا مفہوم یہ ہے کہ کھیتی اور مویشیوں میں سے پیروں کا حصّہ تو کسی بھی دین میں مقرر نہیں ہے، نہ یہودیوں کے دین میں ہے نہ نصاریٰ کے دین ہیں۔ مگر پیر صاحبان مذکورہ نذروں نیازوں کو دین کا حصّہ ظاہر کرکے اُن کے لئے اصل دین کو مخلوط کر دیتے ہیں تاکہ نہ اصل دین اُن پر نمایاں ہوسکے اور نہ ان کے مقررہ حصّوں کی وصولی میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوسکے۔ چنانچہ پیروں کی کھیتی اور اُن کے مویشیوں کو پہلے ہی سے الگ کر دینے کی خبر دے دی گئی ہے:۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ
اور کہا یہ مویشی اور کھیتی اچھوتی ہے
لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ
نہیں کھائے گا اسکو مگر جسے ہم چاہیں ساتھ زعم ان کے اور
اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا
مویشی حرام کی گئیں پیٹھیں ان کی اور مویشی نہیں
يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ
ذکر کرتے نام اللہ کا اوپر اُن کے افترا کے طور پر اوپر اسکے

اور وُہ (مُرید) اپنے زعم کے مطابق کہتے ہیں کہ ان مویشیوں اور اس کھیتی کو ہم نہیں چھوئیں گے۔[۱] اِسے نہیں کھائے گا کوئی لیکن جسے ہم چاہیں گے۔ اور بعض مویشیوں کی پیٹھیں حرام کردی جاتی ہیں (صرف پیر اُن پر سوار ہوتے ہیں)[۲] اور بعض مویشیوں پر اللہ کے نام کا ذکر نہیں کرتے (کہتے ہیں یہ پیروں کے نذر ہیں)[۳] اللہ تعالیٰ اُنہیں ضرور ضرور اس کی سزا دے گا جو وہ افترا باندھتے ہیں (دین میں ایسے عقائد ایجاد کرتے اور اُنہیں اللہ کے دین کا حصّہ قرار دیتے ہیں)۔

سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ ۱۳۹
ضرور سزا دے گا انکو بسبب وہ تھے افترا ہی کرتے

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ
اور کہا جو بیچ پیٹوں ان مویشیوں کے ہے
خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا
خالص ہے واسطے مردوں ہمارے اور حرام کیا گیا اوپر ساتھیوں ہمارے
وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ
اور اگر ہو مُردہ تو وہ بیچ اسکے شریک - ضرور سزا دیگا انکو
وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ ۱۴۰
بیان کی اُنکے بیشک وہ بہت دانا بہت علم والا ہے

اور وُہ (مُرید) کہتے ہیں کہ اِس مویشی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ خالصاً ہمارے مردوں (یعنی پیروں) کے لئے ہے۔ اور ہمارے ساتھیوں مُریدوں کے لئے حرام کردیا گیا ہے۔ اور اگر (وُہ بچہ پیدا ہو) مُردہ تو اُس میں شریک ہوجاتے ہیں (اسے اپنے لئے قرار دے لیتے ہیں) اور اِس طرح جو (پیروں کے) وصف بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں اس کی ضرور سزا دیگا۔ بلا شبہ وہ بڑھ کر دانا اور بڑھ کر علم والا ہے۔

● پیروں کے مُرید بعض مویشیوں کو پیدا ہوتے ہی اور بعض کھیتوں کو بوتے وقت ہی پیروں کی نذر کردیتے ہیں کہ اِن میں سے اُن کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔ یہ ہے مفہوم اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ کا۔

● ۲ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا سے مُراد یہ ہے کہ مرید بعض جانوروں، گھوڑوں وغیرہ کو پیروں کی نذر کرکے یہ عقیدہ بنا لیتے ہیں کہ ان پر صرف پیر صاحب ہی سوار ہو سکتے ہیں، باقی لوگوں کے لئے اِن پر سواری کرنا حرام ہے۔

● ۳ وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا سے یہ مُراد ہے کہ مرید بعض مویشیوں کو خاص طور پر پیروں کے عطا کردہ قرار دیتے ہیں، اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ بعض مرید اپنے بیٹوں کو بھی اللہ کی بجائے پیروں کے عطا کردہ قرار دے کر اُن کے نام رکھتے ہیں پیر اندتہ اور عطا فرید وغیرہ۔

● ۴ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا کا لفظی معنی یہ ہے کہ یہ خالصاً ہمارے مردوں کیلئے ہیں۔ لیکن اہلِ تصوّف پیروں کو مرد کہتے ہیں۔ مثلاً کبھی پیر کا ذکر ان لفظوں میں کیا جاتا ہے کہ وہ موچی مرد ہیں یا وُہ لوہار مرد یا ترکھان مرد ہیں۔ یا اس لئے کہ تصوّف کی نام نہاد منزلوں کو طے کرنا مردانگی قرار دیا جاتا ہے۔

● ۵ بعض مُرید کسی مویشی کے پیٹ کے بچّے کو اُس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی پیر صاحب کی نذر کردیتے ہیں۔ اُس کے پیدا ہونے کے دن ہی سے اُسکا مخصوص ادب اور مخصوص مقام قرار دے دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وُہ بچہ مُردہ پیدا ہو جائے اِس کے کہ اُسے پیر صاحب کا عجز قرار دیا جائے، اُلٹا اِسے اپنا حصّہ قرار دے کر پیر صاحب کے لئے دوسرے وقت پھر زندہ پیدا ہونے والا بچّہ اپنے ذمّہ نیاز کے طور پر رکھ لیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ
بیشک نقصان پایا جنہوں نے قتل کیا اولاد اپنی کو
سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ
بے عقلی سے بغیر علم کے اور حرام کیا جو دیا انہیں اللہ نے
افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا
بہتان باندھ کر اوپر اللہ کے۔ بیشک گمراہ ہوگئے اور نہ تھے
مُهْتَدِيْنَ ۝ ۱۴۱ ع ۱۶
ہدایت پانے والے

بیشک جن لوگوں نے (مذکورہ بالا طریقے سے اولاد کے مُنہ سے چھین کر پیروں کو دیا) اُنہوں نے نادانی اور بےخبری کیساتھ اولاد کو قتل کیا، اور اللہ کے دیئے ہُوئے رزق کو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر (اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے) حرام کرلیا۔ وُہ گھاٹے میں رہے۔ بیشک وُہ گمراہ ہوگئے اور وُہ ہدایت پانے والے نہیں ہیں۔

● ۱؎ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ کے الفاظ میں قتل مجازی مُراد ہے کہ بچّوں کے مُنہ سے چھین کر پیروں کو دینا اولاد کے قتل کے مترادف ہے۔ نیز اگر اولاد کو بھی پیر پرستی پر لگا دیا تو گویا انہیں قتل کر دیا۔

● ۲؎ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جو رزق اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اولاد کی پرورش کے لئے دیا ہے، اُس کے ایک حصّہ کو پیر کی نیاز قرار دے کر اپنے لئے حرام کرلینا۔ اور دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ پیر صاحبان مریدوں کو تعویز دیتے وقت حکم دیتے ہیں کہ ایک پھل سبزی یا گائے کا گوشت چھوڑ دو۔ چنانچہ پیروں کے کہنے پر اپنے آپ پر گائے کا گوشت یا پھلوں میں سے امرود وغیرہ اور سبزیوں میں سے بھنڈی یا بینگن وغیرہ حرام کرلئے جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

● ۳؎ اِفْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ کے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر کیا جاتا ہے یعنی یہ کہ یہ سب کچھ کرنے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہُوا ہے۔ چنانچہ پیروں کے ملفوظات کو اُس کے لئے سند قرار دے کر ایسی ایسی چیزیں جزوِ اسلام بتائی جاتی ہیں جن کا اسلام کے ساتھ دُور کا تعلق بھی نہیں۔

● ۴؎ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ کے الفاظ میں ایسے لوگوں کو نہ صرف یہ کہ گمراہ قرار دیا گیا ہے بلکہ اُن کے متعلق یہ خبر دی گئی ہے کہ وُہ اِس گمراہی میں اِس قدر پکّے ہو جاتے ہیں کہ وہ ہدایت پانے والے ہیں ہی نہیں۔

ہر چیز کو پیدا کرنیوالا صرف اللہ تعالیٰ ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں پیروں کو خدائی اختیارات سونپنے والوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ حاجت روا وُہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے :-

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ
اور وُہی ہے جو پیدا کرتا ہے باغات ایکدوسرے پر چڑھے ہُوئے

(ان کے پیر کچھ پیدا نہیں کرتے ۲/۱۶) وُہ اللہ ہی ہے جو ایسے باغات پیدا کرتا ہے جو ایک دُوسرے کے اُوپر چڑھے ہُوئے ہوتے

وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا
اور نہ چڑھے ہوئے اور درخت کھجور اور کھیتیاں مختلف
اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا
ذائقے انکے اور زیتون اور انار باہم ملتے جلتے
وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ
اور نہ ملتے جلتے کھاؤ میں سے پھل اس کے جب وہ پھل دے
وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۱؎ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ
اور دو حق اس کا دن اتارنے پھل کے اور نہ بے جا خرچ کرو
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۱۴۲
بیشک وہ نہیں پسند کرتا بے جا خرچ کرنیوالوں کو

ہیں اور (ایسے بھی جو) نہیں چڑھے ہوئے ہوتے۔ اور (پیدا کرتا ہے) کھجوروں کے درخت اور کھیتیاں (جن کی کھجوریں اور اجناس) مختلف ذائقہ ہوتا ہے اُس کا۔ اور وہ زیتون (بھی پیدا کرتا ہے روغنی ضرورتوں کے لئے) اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے بھی۔ کھاؤ اُس کے پھلوں میں سے جب وہ پھل دے اور اُس کا حق (زکوٰۃ) ادا کیا کرو پھل اُتارنے اور فصل کاٹنے کے دن ۱؎ اور فضول خرچ نہ کیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

● چونکہ مسلسل پانچ آیات کریمات کے سیاقِ کلام میں پیروں کی نذروں نیازوں اور مال میں اُن کا حصّہ مقرر کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ اِس لئے لَا تُسْرِفُوْا کے مطابق، پیروں کی نذریں نیازیں اور اُن کے لئے مقررہ حصّے اسراف میں بھی شامل ہیں اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہیں۔

اللہ کا حصّہ آمدنی میں سے ادا کرنا ہے بچت میں سے نہیں

● ۱؎ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ کھیتی کی فصل اور باغات کے پھلوں میں سے اللہ تعالیٰ کا حق' اُس کا حصّہ زکوٰۃ اُس دِن ادا کیا کرو جس دن کھیتی کاٹ کر سمیٹی جائے اور جس دن پھل اُتار کر سنبھالا جائے۔ دیکھئے! یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا حصّہ زکوٰۃ سال کے بعد اُس مال میں سے ادا کیا کرو جو تمہارے پاس بچ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حصّہ اُن لوگوں کا حق ہے جنہیں ناہموار معاشرہ محرومِ رُبوبیّت کر دیتا ہے۔ اسلئے روایات کا دیا ہوا یہ تصوّر مطلقاً غلط ہے کہ حقدار بیچارے تو سال بھر اپنے حق سے محروم رہیں، مالدار سال بھر عیش کرتا رہے اور سال کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اُس بچت کا چالیسواں حصّہ نکال دیا جائے۔ اگر سال کے بعد کچھ نہ بچے تو سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا حصّہ ساقط ہو چکا ہے۔

● جس طرح کھیتی کی فصل اور باغ کا پھل آمدنی ہے بچت نہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کا حق يَوْمَ حَصَادِهٖ ادا کیا کرو اُسی طرح اللہ کا حصّہ (زکوٰۃ) آمدنی میں سے ادا کرنا فرض ہے بچت میں سے نہیں۔ ماہوار تنخواہ پانے والا ماہوار زکوٰۃ ادا کرے گا اور ہفتہ وار اُجرت پانے والے کو اللہ تعالیٰ کا حق ہفتہ وار ادا کرنا ہوگا۔ زکوٰۃ کی وصولی اور حقداروں کو ادائیگی اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ آمدنی میں سے کتنا حصّہ زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی۔ اِس کے ضمن میں صحیح قرآنی حصّہ عُشر کی

صورت میں بطور یادگار عملاً چلا آرہا ہے ۔ کہ فصلوں اور پھلوں کی آمدنی میں سے عشر یعنی دسواں حصہ ادا کیا جاتا ہے اور سال بھر کی تاخیر کے بغیر آمدنی کے دن ادا کیا جاتا ہے ۔ یہی صحیح قرآنی تصور ہے ۔ اسی عنوان زکوٰۃ کے مقررہ دسویں حصہ کی قرآنی بحث آگے آیت نمبر ۱۶۱/۶ کی تفسیر میں صفحہ ۳۰۲ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانا شیطانی فعل ہے

● چونکہ پیچھے مسلسل پانچ سات آیات کریمات میں پیروں اور مریدوں کا ذکر چل رہا ہے ۔ جس میں پیروں کی طرف سے اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانے کا ذکر پیچھے آیت نمبر ۱۴۱ میں گزر چکا ہے ۔ اس لئے سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام ٹھہرانے کو شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے ۔ اور ساتھ ہی حلال جانوروں کی آٹھ قسمیں بیان کردی گئی ہے :۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا كُلُوْا
اور میں سے چوپایوں کے لدو ہیں اور پست قد ۔ کھاؤ
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ
میں سے جو دیا تم کو اللہ نے اور نہ پیروی کرنا قدموں شیطان کی
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ۱۴۳
بیشک وہ واسطے تمہارے دشمن ہے ظاہر

اور چار پایوں میں سے بعض لدو ہیں (دراز قد) اور بعض ہیں (غیر لدو) پست قد ۔ اللہ تعالیٰ نے جو رزق (حلال بچہ جنا کرنے والے چوپائے ۵/۱) تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے کھاؤ ۔ اور شیطان کے چال چلن کی پیروی نہ کر (حلال کو حرام ٹھہرا کر کھانا چھوڑ نہ دینا) بیشک وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے ۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ
آٹھ قسمیں میں سے بھیڑ دو قسمیں اور
مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ
میں سے بکری دو قسمیں کہہ کیا دو مذکر حرام کئے یا
الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ
دو مادہ ۔ یا جو مشتمل ہیں اوپر اسکے رحم دو مادہ کے
نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۱۴۴
خبر دو مجھے ساتھ علم کے اگر ہو تم سچے

آٹھ قسمیں (کھاؤ) بھیڑ میں سے دو قسمیں (نر مادہ) ۔ اور بکری میں سے (کھاؤ) دو قسمیں (نر مادہ) ۔ (اے رسول ﷺ) کہہ دیجئے گا کیا اللہ نے (بھیڑ بکری کے) دو مذکر حرام کئے ہیں یا دو مؤنثیں حرام کی ہیں ۔ یا ان کے ان بچوں کو حرام کیا ہے جو ان دونوں مؤنثوں کے رحم اُٹھاتے ہیں ۔ (اللہ نے کسی کو بھی حرام نہیں کیا) اگر تم سچے ہو تو (سُنی سنائی باتوں سے نہیں بلکہ) مجھے علم کے ساتھ خبر دو ۔

● اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ رسالت کے لوگ بھی ان میں سے بعض قسموں کو حرام قرار دیتے تھے ۔ نیز فرمایا :۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ
اور میں سے اونٹ کے دو قسمیں اور میں سے گائے دو قسمیں
قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا
کہہ کیا دو مذکر حرام کئے یا دو مادہ۔ یا جو
اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ
مشتمل ہیں اوپر اسکے رحم دو مادہ کے۔ یا تھے تم
شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ
حاضر جب حکم دیا تم کو اللہ نے ساتھ اسکے پھر کون بڑا ظالم ہے
مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ
اُس سے جو افترا کرے اوپر اللہ کے جھوٹ تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو
بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
بغیر علم کے بیشک اللہ نہیں ہدایت یافتہ ٹھہراتا قوم
الظّٰلِمِيْنَ ۝ ع ۱۴۵
ظالموں کو

اور (دکھاؤ) اُونٹ میں سے دو قسمیں (نر مادہ) اور گائے میں سے دو قسمیں (نر مادہ)۔ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کیا (اللہ نے اُونٹ اور گائے کے) دو مذکر حرام کئے ہیں یا دو مؤنثیں حرام کی ہیں۔ یا اُن کے اُن بچّوں کو حرام کیا ہے جو ان دو مؤنثوں کے رحم اٹھاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی حرام نہیں کیا) یا (بتاؤ) تم اُس وقت حاضر تھے جب تمہیں اللہ نے یہ حکم دیا تھا۔ پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے جھوٹ بہتان باندھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالم (بے ٹھکانہ کام کرنے والی) قوم کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● چونکہ یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ بعض چیزوں کو حرام کر دیا تھا۔ اسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ وحیِ الٰہی کی رُو سے صرف یہ چیزیں حرام ہیں:۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا
کہہ نہیں پاتا میں بیچ اسکے جو وحی کیا گیا طرف میری حرام کیا گیا
عَلٰي طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً
اوپر کھانیوالے کے کہ وہ کھائے اُسے مگر یہ کہ ہو وہ مُردہ
اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ
یا خون بہتا ہوا یا گوشت غدود کا پس بیشک وہ
رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ
ناپاکی ہے یا حد شکنی منسوب کیا گیا واسطے غیر اللہ ساتھ اسکے پھر جو

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ میں اُس (کتاب) میں جو میری طرف وحی کیگئی ہے، کسی کھانیوالے پر (حلال جانور کی) کسی چیز کو حرام نہیں پاتا کہ وہ اُسے کھائے سوائے اس کے کہ وہ مُردہ ہو، یا (اُن کی رگوں کا) بہنے والا خُون ہو یا اُن کی غدود کا گوشت ہو۔ پس بیشک یہ ناپاک ہیں یا (وہ ایسا حلال جانور ہے) جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ پھر جو کوئی (بھوک سے) بیقرار ہو (اُسے اس حالت میں اجازت ہے کہ وہ نہ قانون کا باغی ہو جائے اور نہ سرکش) تو بیشک تیرا رب بچاؤ عطا فرمانے

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ
بیقرار ہو نہ باغی اور نہ عادی تو بیشک رب تیرا

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۱۴۶
بچانیوالا مہربان ہے

والا رحمت والا ہے - ملہ

● ملہ سُورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ میں حلال جانوروں کے متعلق وضاحت گزر چکی ہے کہ اُن کی کیا کیا چیز حرام ہے - اور وُہ خود کس طرح حلال ہوتے ہُوئے حرام ہوجاتے ہیں - آیتِ بالا میں ۶/۱۴۶ میں اُسی تفصیل کو دُہرایا گیا ہے کہ حلال جانور اگر مر جائے تو حرام ہوجاتا ہے، نیز اگر وُہ کسی غیر اللہ فرد یا نصب، خانقاہ اور مزار کی طرف منسوب کیا جائے تو حرام ہوجاتا ہے، ذبح کئے جانے پر اُس کی رگوں کا بہتا ہُوا خون حرام ہے - اور باقی اُس کے گوشت بیچ غدود کا گوشت ہوتا ہے پھیپھڑے وغیرہ وہ بھی حرام ہیں - البتہ ایک صورت میں اِن حرام چیزوں کے کھانے کی اجازت ہے کہ کوئی بھُوک کی بدولت بیقرار ہوجائے تو جان بچانے کے لئے کھا سکتا ہے - سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں اُن چیزوں کی فہرست دی گئی ہے جو یہود نے ضابطۂ الٰہی کے خلاف حلال جانوروں کی حرام کر لی تھیں :-

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ
اور اوپر ان کے جو یہودی ہُوئے حرام پایا ہم نے ہر والا ناخن

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَا
اور میں سے گائے اور بھیڑ بکری حرام پائیں ہم نے اوپر انکے چربیاں دونوں کی

اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ
مگر جو اُٹھائی پیٹھوں نے دونوں کی یا انتڑیوں نے یا جو ملی ہوئی

بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا
ساتھ ہڈی کے۔ وہ بدلہ دیا ہم نے انکو ان کی بغاوت کا اور بیشک ہم

لَصٰدِقُوْنَ ۝ ۱۴۷
ضرور سچے ہیں

اور ہم نے (اپنے نازل کردہ ضابطے کے خلاف) یہودیوں پر حرام کیا ہُوا پایا[۱] (یعنی انہوں نے خود حرام کر لیا تھا) ناخن والا ہر جانور - اور گائے اور بھیڑ بکری میں سے (حرام کی ہوئی پائی) ہم نے اُن دونوں کی چربی، مگر جو اُن دونوں کی پیٹھوں پر لگی ہو۔ مذکورہ بدلہ ہم نے اُنہیں اپنی بغاوت کا صلہ ہُوا پایا ہے (مذکورہ سب کچھ ہم نے اُن پر حرام نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے خود حرام کیا اِن چیزوں کو ۶/۱۴۹) اور بلا شبہ ہم سچے ہیں۔

● ملہ حَرَّمْنَا کا معنی باب تفعیل کے خاصہ وجدان کے مطابق کیا گیا ہے "ہم نے حرام کیا ہُوا پایا" بالفاظِ دیگر مذکورہ چیزوں کو یہودیوں نے خود حرام کر رکھا تھا، اللہ نے حرام نہیں کیا تھا - اِس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ضابطہ اور قانون کو بدلتا نہیں ۵/۴۸ نیز آگے آیت نمبر ۱۴۹ میں یہودیوں کا اپنا اقرار موجود ہے کہ اُنہوں نے خود اِن چیزوں کو حرام

کر لیا تھا۔

● ۲ ذِی ظُفُرٍ کا لفظی معنی ہے ناخن والا۔ اِس میں انسان اور درندے شامل ہیں۔ مگر اُونٹ کے بھی اگرچہ ناخن ہوتے ہیں لیکن ضابطۂ خداوندی کے مطابق اُونٹ حلال ہے حرام نہیں ۶/۱۴۵۔ لیکن ۳/۹۳ میں بتایا گیا ہے ؎۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ بنی اسرائیل پر تمام کھانے حلال ہیں۔ مگر اسرائیل (یعنی حضرت یعقوبؑ) نے ناموافقتِ مزاج کی بدولت اونٹ کا کھانا ترک کر رکھا تھا نزولِ تورات سے پہلے۔ (یہودیوں نے تورات کے ذمّہ لگا کر نہ صرف یہ کہ سنّتِ یعقوبؑ کے طور پر اُونٹ حرام کر رکھا تھا۔ بلکہ ہر ناخن دار جانور کے حرام ہونے کا اصول قائم کر لیا تھا) اے رسولؐ! کہئے گا کہ لاؤ تورات اور اُسے پڑھو اگر تم سچے ہو ــــــ تقاضائے بشریت کے مطابق کسی نبی کا عدم موافقت مزاج کی بدولت کسی حلال چیز کو کھانا ترک کر دینا قانونِ خداوندی میں دخیل نہیں ہو سکتا۔ مگر ۳/۹۳ کے مطابق حضرت یعقوبؑ نے جو کھانا ترک کیا وہ ناخن والا حلال جانور اُونٹ تھا۔ یہودیوں نے اِسے تورات کے ذمّہ لگا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہیں حکم ہُوا کہ تورات لاؤ اور پڑھو۔ یعنی تورات میں ناخن والے جانور کی حُرمت ہرگز مذکور نہیں۔ یہ یہودیوں کا اپنا افترا ہے۔

● ۳ مذکورہ قسم کی چربیوں کے حرام کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُمّتیں اپنے اُوپر خود کیسی کیسی مشکل پابندیاں عائد کر لیتی ہیں کہ صرف وُہ چربی کھائی جائے جو حلال جانور کی پیٹھ، انتڑیوں یا ہڈیوں کے ساتھ لگی ہُوئی ہو باقی چربی حرام ہے بقول اُن کے ؛

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے عذاب کی متوازی خبر بالفاظِ ذیل نازل کی گئی ہے ؎۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ پھر اگر وہ جھٹلائیں تجھ کو تو کہہ تمہارا رب صاحب رحمت ہے وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۱۴۷ اور نہیں ملتا عذاب اُسکا سے قوم مجرموں کے	پھر (اے رسولؐ) اگر آپ کے مخالف آپکو جھٹلائیں تو کہہ دیجئے گا کہ تمہارا رب صاحب رحمت ہے (توبہ کرنے والوں کو معاف کرنیوالا ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں ایسے) مجرموں سے اُس کا عذاب ٹلتا نہیں ہے۔

● ۱ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ اور وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ کے متوازی ذکر اور آنحضورؐ کو اپنے مخالفین کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عذاب کے متوازی اعلان کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر آنحضورؐ کو جھٹلانے والے تائب ہو کر ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے گا اور اگر وہ مخالفت پر اڑے رہیں تو اُس کا عذاب ضرور آئے گا۔ وُہ ٹلنے والا نہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اُن لوگوں کو اس عقیدے کی خبر دی گئی ہے جنہوں نے اللہ کے حلال کو خود حرام

کر رکھا ہے" وہ کہتے ہیں یہ سب کچھ اللہ ہی نے کرایا ہے۔ اگر وہ نہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ حلال کو حرام ٹھہراتے :-

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ
ضرور کہیں گے وہ جنہوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ
مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ
نہ شرک کرتے ہم اور نہ باپ دادا ہمارے اور نہ حرام کرتے ہم کوئی چیز کے
كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا
اسی طرح جھٹلایا اُن لوگوں نے سے پہلے اُن کے یہاں تک کہ چکھا
بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ
عذاب ہمارا۔ کہہ کیا پاس تمہارے ہے کوئی سے علم تو نکالو اسے
لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا
واسطے ہمارے نہیں اتباع کرتے تم مگر ظن کی اور نہیں ہو تم مگر
تَخْرُصُونَ ۝ ۱۴۹
اٹکل پچو کرتے ہو

جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے وہ ضرور کہیں گے اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ (اللہ کے حلال کردہ میں سے) حرام کرتے کسی شے کو، نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادے۔ اِسی طرح جھٹلایا تھا اُن لوگوں نے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے گا کہ تمہارے پاس (کوئی اللہ کا نازل کردہ) علم ہے تو ہمارے لئے ظاہر کرو۔ (تمہارے پاس تنزیلی علم کی کوئی دلیل نہیں) تم صرف ظن وگمان کی پیروی کرتے ہو (کہ سب کچھ اللہ ہی کراتا ہے) نہیں ہو تم مگر اٹکل پچو بے دلیل باتیں ہی کرتے ہو۔

● دیکھئے! آئت بالا میں یہودیوں کا اقرار درج ہے کہ اللہ کے حلال کو اُنہوں نے اور اُن کے باپ دادوں نے خود حرام کرلیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا۔ اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ سے ذیل کا حقیقت بدوش اعلان کرایا گیا ہے :-

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ
کہہ واسطے اللہ کے دلیل ہے پہنچنے والی پھر اگر وہ چاہے
لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ ۱۵۰
ضرور ہدایت دے تم کو سب کو

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا۔ (حقیقت کو) پہنچنے والی دلیل صرف اللہ کے پاس ہے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ زبردستی چاہتا تو تم سب کو ہدائت دیتا (اُس کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ کوئی ہدائت پائے تو خود اور گمراہ ہو جائے تو خود[1])

● [1] سورہ کہف کی آئت نمبر ۲۹ میں ارشاد ہوا ہے :-
وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ ۱۸/۲۹ اور (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ حق قرآنِ کریم تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے، پھر جو کوئی خود چاہے اِس پر خود ایمان لائے اور ہدائت حاصل کرے اور جو کوئی خود چاہے خود اس کا انکار کرے اور خود محروم ہدائت ہو جائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بھی آنحضورؐ سے اعلان کروایا گیا ہے کہ جو چیزیں تم نے حرام کر رکھی ہیں، اُن کے متعلق خدا تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہو کہ یہ اللہ نے حرام کر دی ہیں۔ اِس کے متعلق اگر کوئی گواہ ہے تو لاؤ ۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ
کہہ لاؤ گواہ اپنے جو گواہی دیں
اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ
کہ بیشک اللہ نے حرام کیا یہ پھر اگر وہ گواہی دیں تو نہ گواہی دینا تو
مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
ساتھ ان کے اور نہ پیروی کرنا خواہشوں کی جنہوں نے جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری
وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ
اور ان کی جو نہیں ایمان لاتے ساتھ آخرت کے اور وہ ساتھ رب اپنے
يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع ۱۸ ۵
برابر ٹھہراتے ہیں

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ لاؤ اپنے گواہ، اُن لوگوں کو جو یہ گواہی دیں کہ (جو کچھ تم نے حرام ٹھہرایا ہے) اسے اللہ نے حرام کیا ہے۱؎۔ پھر اگر وہ ایسی گواہی دیں تو (اے رسولؐ!) اُن کے ساتھ آپ ایسی گواہی نہ دینا۔ اور اُن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ اور نہ اُن کی جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور وہ اپنے رب کے ساتھ (اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔

● ۱؎ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا کے الفاظ میں پھر وضاحت کر دی گئی ہے کہ ناخن والے جانوروں اور مذکورہ چربیوں کو اگر اللہ نے حرام کیا ہے تو اِس پر گواہ لاؤ۔ اِس کا مفہوم صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا، یہودیوں نے خود حرام کر لیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ انہیں شرک سے اجتناب کا حکم دیں اور ذیل کے الفاظ میں معاشرہ کے ہر گوشے کی اصلاح سے متعلقہ مسائل سے آگاہ کرنے کا فریضۂ رسالت ادا کریں ۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ
کہہ آؤ میں پڑھوں جو حرام کیا رب تمہارے نے اوپر تمہارے
اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ
یہ کہ نہ شریک کرو ساتھ اس کے کوئی شے اور ساتھ والدین کے اچھا سلوک کرنا
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
اور نہ قتل کرو اولاد اپنی کو سے بھوک کے ہم ہم رزق دیتے ہیں تم کو

(اے رسولؐ! انہیں) کہئے گا کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کر دیا ہے۔ (ذیل کے احکام کی نافرمانی حرام ہے) یہ کہ تم اُس کے (اللہ کے) ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کرنا ۱؎ اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ۲؎ اور اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کرنا ۳؎ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور اُنہیں بھی ۴؎ اور بے حیائی کے قریب نہ

وَ اِیَّاھُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ ۱۵۲

اور بھی ان کو۔ اور نہ قریب جاؤ بےحیائی کے جو ظاہر ہو ان میں سے اسکے اور جو چھپی ہو اور نہ قتل کرنا کسی جان کو جسے حرام کیا اللہ نے مگر ساتھ حق کے۔ مذکورہ بالا کا حکم دیتا ہے ساتھ اسکے تاکہ تم عقلمند ہو جاؤ

جانا خواہ وہ ظاہر ہو یا چھپی ہوئی۔ اور کسی جان کو قتل نہ کرنا جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرا دیا ہے سوائے اس کے اس کا قتل کرنا لازم ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مذکورہ بالا احکام کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔ (ان احکام کی نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کر دیا ہے)۔

● ۱ اَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔

شرک کی تین قسمیں ہیں
- ۱ شرک فی الذات
- ۲ شرک فی الصفات
- ۳ شرک فی الحکم

● شرک فی الذات کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور اللہ کا وجود تسلیم کرنا۔ اور شرک فی الصفات یہ ہے ازلی ابدی عالم الغیب، حاضر ناظر، مرادیں دینے والے دستگیر اور مشکلکشا وغیرہ کی جو صفات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں، غیر اللہ کو ان صفات کا حامل ٹھہرانا۔ اور شرک فی الحکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکمنامہ قرآن کریم کے ساتھ کسی اور کتاب کو اس کی مانند واجب الاتباع قرار دینا۔ اَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا میں شرک کی ان ہر سہ اقسام سے منع کر دیا گیا ہے۔

۱۔ شرک فی الذات ● نہایت افسوس کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے کہ اہلِ اسلام میں تینوں چیزیں موجود ہیں۔ شرک فی الذات کے ضمن میں تصوف کی انتہائی اعلیٰ اور آخری منزل تسلیم کیگئی ہے ہمہ اوست یعنی کائنات کی ہر چیز اللہ ہے۔ حالانکہ ارشادِ باری ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۴۲/۱۱ یعنی کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ کی مثل نہیں۔ قرآن کریم تو اللہ تعالیٰ کے لئے تثلیث کا انکاری ہے لیکن اِدھر ہر چیز کو خود اللہ بتایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں جتنے کنکر اتنے شنکر کا نظریہ چل رہا ہے۔ لیکن نظریۂ ہمہ اوست کے مطابق ہر چیز شنکر قرار دی جاتی ہے۔

۲۔ شرک فی الصفات ● ازلی ابدی صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے۔ لیکن یہاں روح کو غیرفانی مانا جاتا ہے۔ حاضر و ناظر اور ہر فرد بشر کیساتھ ہر جگہ موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۵۷/۴ اے نوعِ انسانی تم جہاں کہیں بھی ہو وہ (اللہ) ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے۔ لیکن یہاں شیطانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر ناظر اور ہر ہر فرد کے ساتھ ہر جگہ اور ہر وقت موجود مانا جاتا ہے۔ اسی طرح حاجت روا اور مشکلکشا

صرف اور صرف ذاتِ باری ہے۔ لیکن یہاں اللہ کے زندہ بندوں کو جو خود اللہ کے محتاج ہیں اور متوفی بزرگوں کو جو زندگی بھر اللہ کے محتاج رہے، مرادیں دینے اور مشکلیں حل کرنے والے ٹھہرالیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کارخانۂ کائنات میں سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ قرآن کریم نے جنگِ اُحد کی شکست کا ذکر انتہائی وضاحت کے ساتھ صرف اس لئے پیش کیا ہے کہ دیکھ لو، حضور خاتم النبیینؐ سے بڑھ کر کون اللہ کا پیارا ہو سکتا ہے لیکن مشکلکشائی میں خود انہیں بھی کوئی عمل دخل موجود نہیں۔ اگر آنحضورؐ مشکلکشا ہوتے تو میدانِ اُحد میں شکست نہ ہوتی۔ حالانکہ حضرت علیؓ بھی اُس وقت موجود تھے جنہیں مشکلکشا ٹھہرایا گیا ہے۔ اِس ضمن میں خود رسولِ اکرمؐ سے ذیل کے اقرار لے کر درج قرآن کر دیئے گئے ہیں کہ کارگاہِ کائنات میں انہیں کوئی اختیار حاصل نہیں تھا:۔

● قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۖ $\frac{7}{188}$ = (اے رسولؐ!) اعلان کر دیجئے گا میں اپنی جان کیلئے بھی کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں۔ سوائے اِس کے کہ مجھے بھی نفع اور ضرر خدا تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق ہی پہنچتا ہے۔

● قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ $\frac{10}{49}$ (ترجمہ $\frac{7}{188}$ کے عین مطابق ہے)

● قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ○ $\frac{72}{21}$ (اے رسولؐ!) اعلان کر دیجئے گا کہ بلا شبہ میں تمہارے لئے بھی کسی نقصان اور فائدے کا مالک نہیں۔

● اِن آیاتِ کریمات کے مطابق کسی بڑے سے بڑے نیکوکار اور انتہائی تقویٰ شعار فرد کے متعلق بھی یہ تصور کرنا غلط ہے کہ اُسے مرادیں دینے والا "مشکلکشا" حاجت روا یا دستگیر قرار دیا جا سکے۔

۳۔ شرک فی الحکم

● عـــہ شرک فی الحکم کے متعلق قرآنِ کریم کا اعلانِ عام ہے وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا $\frac{18}{26}$ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ $\frac{6}{57}$ + $\frac{12}{40}$ اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں۔ لیکن اِس کے خلاف کھلے بندوں یہ عقیدہ چل رہا ہے کہ :۔

● یہ حکم اللہ کا ہے اور یہ حکم رسولؐ کا ہے۔ ● یہ حکم اللہ کا ہے اور یہ حکم حدیث کا ہے۔

● یہ حکم قرآن کا ہے اور یہ حکم فقہ ہے۔ ● یہ حکم قرآن کا ہے اور یہ حکم پیرانِ طریقت کا ہے۔

● چنانچہ قرآنِ کریم تو اللہ تعالیٰ کا اکلوتا حکمنامہ ہے اور اُس کی ایک اکلوتی کتاب ہے، جو اُسکے مقدس رسولؐ کے ذریعہ اقوامِ عالم کی طرف نازل کیگئی تھی۔ لیکن اُس کے حکم میں روایتوں کی ہزاروں کتابیں، اور فقہ کی سینکڑوں کتابیں اور لاکھوں کتابیں تصوف اور متوفی بزرگوں کے ملفوظات کی شریک کر لی گئی ہیں۔ کاش کہ قرآنِ کریم کے اِس حکم وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا $\frac{18}{26}$ پر غور کیا جائے۔

● عــہ سلسلۂ درس کی زیرِ بحث آیتِ مجیدہ $\frac{6}{152}$ کے ضمنی نوٹ عـہ میں شرک سے اجتناب کے حکم کے بعد ضمنی نوٹ عـہ میں وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا کا حکم دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے اور ماں باپ خدا کے پیدا کردہ انسان

ہیں۔ کوئی فردِ بشر والدین کے بغیر عالمِ وجود میں نہیں آسکتا۔ نیز ہر شخص کا خالق اللہ بھی ایک ہے اور باپ بھی ایک ہے اور ماں بھی ایک ہے جس طرح نہ اللہ دو ہو سکتے ہیں اسی طرح نہ کسی فردِ بشر کے باپ دو ہو سکتے ہیں اور نہ ہی مائیں دو ہو سکتی ہیں۔

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ

● ۳۲؎ قرآنِ کریم کا اسلوبِ بیان یہ ہے کہ الفاظ کے حقیقی استعمال کے ساتھ ان کے مجازی استعمال بھی کرتا ہے۔ گزشتہ آیات مجیدہ $\frac{6}{138}$ $\frac{6}{141}$ میں قتلِ اولاد کا بطور مجاز ذکر آیا ہے۔ کہ پیروں کے مرید اولاد کے منہ سے چھین کر اور ان کے پیٹ کاٹ کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں پیروں کی نذر کر کے قتلِ اولاد کرتے ہیں۔ اسی طرح لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ کے الفاظ میں قتلِ مجازی یعنی اولاد کو غربت کے بہانے مناسب تعلیم و تربیت نہ دینے سے روکا گیا ہے۔ جس بچے کی صحیح تربیت نہ کر کے اسے شریف شہری نہ بنایا جائے وہ بڑا ہو کر یا تو بوجھ اٹھانے کا پیشہ اختیار کرے گا اور بھیک منگا یا جیب تراش بن کر ہر گھڑی قتل ہوتا رہے گا۔ عموماً ایسے بچے غریبوں کے ہوتے ہیں جن کے والدین غربت کے بہانے بچوں کی مناسب تربیت نہیں کرتے۔ اس آیت میں معاشرہ کے وہ افراد مخاطب ہیں جو پہلے نمبر پر تو پیروں کے توہماتی نذرانوں کی ادائیگی کے ذریعہ غربت کو خود دعوت دیتے ہیں اور پھر یہ کہہ کر ہم غریب ہیں، بھوکے ہیں، اولاد کو مناسب تعلیم سے محروم کر دیتے ہیں۔ اس طرح چونکہ اولاد با عزت روٹی کمانے کے قابل نہیں ہو پاتی۔ یعنی نہ وہ اولاد کو پڑھاتے ہیں اور نہ ہنر مند بناتے ہیں، اس لئے ان کی اولاد با عزت روٹی سے محروم ہو کر عمر بھر قتلِ مجازی کے پنجے پڑی رہتی ہے۔ ایسے والدین کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنی بساط کے مطابق اولاد کو مناسب تربیت سے محروم کر کے قتل نہ کیا کرو۔ جس غلط معاشرہ کے تم فرد ہو اس کی غلط بخشیوں کے ثمرات سے تمہیں بھی حصہ ضرور ملے گا۔ اب اس کے مطابق ہی، اولاد کو با عزت روٹی کمانے کے قابل بنا کر، انہیں قتلِ مجازی سے بچانا تمہارا فرض ہے۔

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ

● ۳۳؎ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ کا لفظی ترجمہ یہ ہے "ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں (تمہاری اولاد کو) بھی۔ ان الفاظ سے روایتی تفاسیر نے یہ تصور دیا ہے کہ امیروں کو بے تحاشہ دولت اور غریبوں کو بھوک ننگ، یہ تقسیم اللہ تعالیٰ ہی کی تقسیم ہے اور نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ کے الفاظ میں خدا تعالیٰ نے غریبوں کی بھوک ننگ کو اپنی ہی عطا قرار دیا ہے۔ العیاذُ باللہ! حالانکہ قرآنِ کریم کے اوّلین سبق اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق کسی کی بھوک ننگ کو رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کی طرف منسوب کیا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ رب کا معنی ہے نقطۂ آغاز سے شروع کر کے نقطۂ انجام تک پہنچانے والا۔ اور عالمین کے لفظ میں سے کوئی ایک متنفس بھی خارج نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی اگر غریبوں کی غربت کو عطاءِ خداوندی قرار دیا جائے تو اللہ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہی نہیں رہتا۔ رزق کے سلسلے میں خداوندِ عالم نے تقسیم کار کر کے ہل چلانا، بیج ڈالنا اور پانی دینا انسان کا حصہ قرار دیا ہے اور بیجوں کے ایٹموں کو پھوڑ کر انگوری نکالنے انہیں

سلانے، بڑھانے، انہیں پودے بنانے اور پودوں کو ثمر بار کرکے پکانے کا سارا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:۔

● اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ؕ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ ۵۶/۶۳-۶۴۔

(ترجمہ) کیا تم نے غور کیا ہے کہ تم جو کھیتی کرتے ہو (یعنی ہل چلا کر بیج ڈال دیتے ہو) کیا اسے پیدا کرکے ثمر بار تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں؟ (یہ کام تم نہیں کرتے، ہم کرتے ہیں)۔ پس مذکورہ تقسیمِ کار کے مطابق کھیتی کے ماحصل میں کاشتکار کا حصہ صرف اتنا ہے جتنا وہ کام کرتا ہے، باقی سب کا سب حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ کیونکہ زمین اس کی، پانی اس کا، زمین میں بیجوں کی انگوری نکالنے کی خاصیت اس کی پیدا کردہ۔ انگوری کو بڑھا کر پودے بنانے والے ذرائع اس کے۔ پودوں میں دانے پیدا کرنے والا چاند اس کا۔ فصلوں کو پکانے والا سورج اس کا۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ زمین میں سے حاصل کردہ رزق میں کاشتکار کی محنت کتنی ہے اور خدا تعالیٰ کے کام کا کتنا حصہ ہے؟

● اب آئیے اصل مسئلہ کی طرف کہ زمین کی پیداوار میں کیا یہ تصور قرآنی قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس کی تقسیم اس طرح ہو کہ بعض کے ہاں رزق ضرورت سے زائد ذخیرہ اندوزی کی صورت میں موجود ہو اور بعض کو ان کی غذائی ضروریات کے مطابق بھی میسر نہ ہو۔ اسکا فیصلہ آیت ذیل میں دیا گیا ہے:۔

● هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۲/۲۹ وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ سب کا سب تم سب کے سب کیلئے پیدا کیا ہے ـــــ تو اب ظاہر ہے کہ زمین کی پیداوار میں تقسیمِ رزق کی رو سے جو ناہمواری اور عدم توازن بصورتِ مشہود و موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم نہیں، جس طرح تقسیمِ کار کی رو سے انسان کا حصہ ہے ہل چلانا اور بیج بونا۔ اور اللہ کا حصہ ہے اسے پیدا کرنا اور پکانا ۵۶/۶۳-۶۴، اسی طرح انسان کی بوئی ہوئی فصلوں کو اگانا پکانا وغیرہ تو اللہ کا حصہ ہے لیکن کھیت سے حاصل کردہ رزق کو مساوی انداز سے تقسیم کرنا انسان کا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ کا نہیں۔ ہاں اس نے حکم دیدیا ہے کہ رزق کی تقسیم مساوی اور متوازن ہونی چاہیئے۔ اور یہ تقسیم ہر مملکت کے سربراہ کے ذمہ ہے۔ حضرت سلیمانؑ کو حکومت عطا کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔

● هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ۳۸/۳۹ (اے سلیمانؑ!) یہ حکومت ہماری بے حساب بخشش ہے۔ (اب یہ تیرا کام ہے کہ) تو عوام پر احسان کرے (انہیں ضروریات کے مطابق دے) یا (اپنے اور اپنے عمل کیلئے) روک لے۔ حضرت سلیمانؑ نے متوازن معاشرہ قائم کرکے متوازن تقسیمِ رزق کا انتظام فرمایا۔ حضرت یوسفؑ نے سربراہِ مصر کی حیثیت سے رزق کا چودہ سالہ کنٹرول کرکے رزق کی مساوی تقسیم فرمائی۔ اسی کے مقابلے پر مصر کے سربراہ فرعون کا جرم یہ بتایا گیا ہے کہ اس نے تقسیمِ رزق میں عدم توازن قائم کر رکھا تھا:۔

● اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ۲۸/۴ = فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کی تھی۔ یعنی اُس نے اپنے عوام کو گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اُن میں سے ایک گروہ کے حقوقِ ربوبیت غصب کر کے اُسے کمزور کر دیا تھا —— پس از روئے قرآنِ کریم تقسیمِ رزق سربراہِ مملکت کا فریضہ ثابت ہو چکا کہ خواہ وہ کسی کو غریب کر دے یا امیر بنا دے۔ علاوہ اللہ تعالیٰ کی تقسیمِ کار کے مطابق نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَ اِیَّاهُمْ کا معنی صاف صاف ثابت ہو چکا کہ ہم تمہارے لئے بھی رزق پیدا کرتے ہیں اور تمہاری اولاد کے لئے بھی۔ یہ تو سربراہوں کا کام ہے کہ وہ فرعونی تقسیم کے مطابق بعض کو امیر اور بعض کو غریب بنا دیتے ہیں۔ لیکن جس معاشرہ میں تم محصور ہو اُس میں اپنی بساط کے مطابق اولاد کو باعزت روٹی کمانے کے قابل بنا دیا کرو۔ اور اپنے اس فرض سے غفلت کر کے انہیں قتل نہ کر دیا کرو۔ اس پر مشاہدات گواہ ہیں کہ غریب تو رہے ایک طرف، امیر طبقہ میں بھی جو لوگ اولاد کی تربیت سے غفلت کرتے ہیں، اُن کی اولاد بھی مجازی طور پر قتل ہو جاتی ہے۔ اور غریبوں میں سے جو لوگ قرآنی حکم کے مطابق اولاد کی صحیح تربیت کرتے ہیں اُن کی اولاد اس حالت میں کہ باپ گھسیارہ ہے مگر بیٹا ایک ممتاز مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

قتل میں استثنے

● ۵ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ کے الفاظ میں اِلَّا بِالْحَقِّ کی استثنے بھی قابلِ غور ہے کہ اُس شخص کو قتل کرنا منع نہیں، جس کا قتل کرنا لازم ٹھہرتا ہے۔ یہ اجازت اُس شخص کے متعلق ہے جس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو ۵/۴۵ اور یا وہ حکومت کا باغی اور ملک میں فساد برپا کرنے والا ہو ۵/۳۳۔ لیکن واضح رہے کہ قاتل باغی اور فسادی کو اگرچہ قتل کرنا لازم ہے۔ لیکن یہ کام انفرادی طور پر نہیں کیا جائیگا۔ یہ کام بھی اُسی طرح حکومتِ وقت کا ہے، جیسے کہ ۲۴/۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ زانیہ عورت اور زانی مرد کو سرِعام سو سو کوڑے لگاؤ لیکن کوڑے لگانا حکومت کا کام ہے عوام کا نہیں۔ عوام کا فرض صرف اتنا ہے کہ بدکار مرد عورت کو حکومت کے پیش کر کے اُن کے خلاف شہادتیں دے دیں۔ جس طرح انہیں کوڑے لگانا حکومت کا کام ہے عوام کا نہیں، اُسی طرح قاتل کو پھانسی کے تختے پر لٹکانا بھی حکومت کا کام ہے عوام کا نہیں۔ اگر یہ کام یعنی قاتل اور باغی کو قتل کرنا وغیرہ انفرادی طور پر کئے جائیں تو معاشرہ فساد سے بھر جائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ کے ضمن میں مزید احکام دئے گئے ہیں:-

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ	اور نہ قریب جانا یتیم کے مال کے، سوائے اس کے کہ وہ احسن
اور نہ قریب جاؤ مال یتیم کے مگر ساتھ ایسے کہ وہ	طریقہ ہو۔ یہاں تک کہ جب وہ جوانی کو پہنچ جائیں (سو جب وہ جوان ہو جائیں تو اُن کے مال انہیں لوٹا دیا کرو) اور (ناپ کے) پیمانے
اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ	اور ترازو (کی ڈنڈی اور باٹ) انصاف کے ساتھ پورے رکھو
بہتر ہو یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے جوانی کو اور پورا کرو پیمانہ اور ترازو	

بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا
ساتھ انصاف کے نہیں تکلیف دیتے کسی جان کو مگر طاقت اس کی اور جب

قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ
تم کہو تو عدل کرو اور اگرچہ ہو والا قربت کا اور ساتھ عہد اللہ

اَوْفُوْا ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ۱۵۲
پورا کرو۔ مذکورہ حکم کرتا ہے ساتھ اسکے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو

ہم کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم (کوئی گواہی کی) بات کرو تو عدل کے ساتھ (سچی بات) کرنا اگرچہ (تمہاری گواہی) تمہارے کسی قریبی ہی کے خلاف پڑتی ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مذکورہ بالا حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ
اور بیشک یہ ہے راستہ میرا سیدھا پس پیروی کرو اسکی اور

لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ
نہ پیروی کرو راستوں کی ورنہ جدا کر دینگے ساتھ تمہارے سے راہ اس کی

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ۱۵۳
مذکورہ حکم کرتا ہے ساتھ اسکے تاکہ تم بچ جاؤ

اور بیشک یہی (جو اوپر بیان ہوا ہے) میرا سیدھا راستہ ہے۔ پس تم اسی کی پیروی کرو۔ اور (اسکے سوا اور) راستوں کی پیروی نہ کرنا۔ ورنہ وہ تمہیں اس (اللہ کے) راستے سے ہٹا دیں گے۔ (اللہ تعالیٰ) تمہیں مذکورہ بالا حکم دیتا ہے تاکہ تم (ہر قسم کے خطرات سے) بچ جاؤ۔

● ۱ یتیم کے مال کے قریب نہ جانے میں استثنیٰ بیان کیگئی ہے اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ سوائے اس کے کہ وہ طریقہ احسن ہو۔ احسن طریقہ یہ ہے کہ اُن کے مال کی حفاظت کی جائے تاکہ ضائع نہ ہونے پائے اور نہ خراب ہو۔ اگر مرمت طلب ہے تو اسکی مرمت کی جائے۔ اگر کوئی کاروباری ادارہ ہے تو اس کی دیکھ بھال کی جائے تاکہ وہ نقصان کی راہ پہ چل کر ختم نہ ہو جائے یتیموں کے عمدہ مالوں کو اپنے ناقص مالوں کے ساتھ بدلا بھی نہ جائے۔ سورۂ نساء میں حکم دیا گیا ہے:— وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۴/۲ اور (اپنے) ناقص مال کو (اُن کے) عمدہ مال کے ساتھ تبدیل نہ کرنا۔ یتیموں کے مالوں کو انہیں واپس کرنے کا وقت بتایا گیا حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ سورہ نساء میں آیا ہے:—

● وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۴/٦ اور یتیموں کو آزماتے رہو۔ یہاں تک وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں (یعنی بالغ ہو جائیں) پھر اگر تم اُن میں سوجھ بوجھ (عقل و فہم کی پختگی) پاؤ تو اُن کے مال انہیں واپس لوٹا دیا کرو۔ اس سے پہلے نہ دینا تاکہ کہیں اسے اُڑا کر قلاش نہ ہو جائیں۔

● اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ میں اَلْكَيْل سے مراد ہیں ہر قسم کے پیمانے جن کے ساتھ ناپ کر چیزیں فروخت کی جاتی ہیں۔ اِس میں دودھ ناپنے کے تمام پیمانے، تیل ناپنے کی گیلنیں اور اُن کے چھوٹے بڑے سب پیمانے کپڑا ناپنے کے

گز اور میٹر وغیرہ۔ انہیں بھی پورا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور المیزان کا لفظی معنی ہے ترازو۔ اِس سے متعلقہ چیزیں ہیں ترازو کی ڈنڈی کا انصاف کے ساتھ سیدھا ہونا۔ اور کلو میٹر کے تمام چھوٹے بڑے کوئنٹل تک کے باٹ انہیں بھی پورا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن پر معاشرہ میں انصاف کے ذریعہ امن و امان قائم رہنے کا دارو مدار ہے۔

● ۳ؐ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کا مجملہ سپارکہ ان احکام کے درمیان میں لاکر اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم نے جو بھی احکام دیئے ہیں اور آئندہ دے رہے ہیں سب انسانی وسعت کے عین مطابق ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی حکم ایسا نہیں جس پر انسان عمل نہ کر سکے۔

● ۴ؐ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى کے الفاظ میں اِذَا قُلْتُمْ کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے کہ اس میں مومن مخاطب کا ہر قول شامل ہو جائے کہ وہ جب بھی کوئی بات کرے سچی کرے جھوٹ نہ بولے۔ مگر یہاں خصوصیت کے ساتھ گواہی کی بات مقصود ہے کہ خواہ سچی گواہی سے تمہارے کسی قریبی کو نقصان پہنچتا ہو وہ اُسکے مفاد کے خلاف بھی کیوں نہ ہو مگر تم سچی گواہی دینا۔ جھوٹی گواہی کبھی نہ دینا۔

● ۵ؐ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے گئے ہر عہد کو پورا کرتے رہو۔ اس میں سرِ فہرست تو ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا وہ عہد جو ہر مومن اپنی نماز کی ہر رکعت میں دست بستہ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے۔ اور اس کے بعد اسی عہد کے اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کا عہد کیا جاتا ہے بالفاظ دیگر اس ایک عہد میں اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرنے کا عہد موجود ہے۔ گویا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی فرمانبرداری کا وعدہ کرتے ہیں، جسے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں کتابِ موسیٰؑ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ بھی ہر مسئلہ کو کھول کھول کر بیان کرنے والی تھی

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اور دی ہم نے موسیٰ کو اپنی کتاب مکمل اور پورا اسکے جو اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً احسن اور تفصیل کرنیوالی واسطے ہر چیز کے اور ہدایت اور رحمت لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (۱۵۵) ع ۶ تاکہ وہ ساتھ ملاقات رب اپنے کے ایمان لائیں	اور ہم نے موسیٰؑ کو بھی اپنی کتاب عطا فرمائی تھی جو کامل اور مکمل تھی اور احسن (احکام کے) اور کھول کھول کر بیان کرنے والی ہر چیز (مسئلہ دین کو) اور کھول کھول کر بیان کرنیوالی جو ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی تاکہ لوگ اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کا اور اپنے اعمال کی جوابدہی پر ایمان لائیں۔

تمام نبیوں کو ایک ہی کتاب دیگئی تھی

● اس آیتِ مجیدہ کے مطابق تمام نبیوں کی کتابیں ہر مسئلہ کو کھول کھول کر بیان کرنے والی بھی تھیں ہدایت اور رحمت بھی، یہی صفات قرآن مجید کی ۱۶/۸۹ میں بیان ہوئی ہیں:۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۰ ۱۶/۸۹ اور (اے رسولؐ) ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر مسئلہ کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے اور فرمانبرداروں کے لئے ہدایت بھی ہے رحمت بھی ہے اور خوشخبری بھی ہے۔

● حقیقت یہ ہے کہ سب کے سب نبیوں کو ایک ہی کتاب دی گئی تھی اور مفصل اور مکمل دی گئی تھی۔ یہ تصور غلط ہے کہ سابقہ نبیوں کی الگ الگ کتابیں اور الگ الگ شریعتیں تھیں۔ ملاحظہ ہوں آیاتِ ذیل:۔

۱۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۲/۲۱۳: پوری نوعِ انسانی ایک ہی جماعت ہے پھر اللہ نے اُن کی ہدایت کیلئے جزا کی خوشخبری دینے والے اور سزا سے ڈرانے والے اپنے نبیؐ مبعوث فرمائے اور اُن سب پر اپنی ایک ہی کتاب نازل فرمائی۔

۲۔ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۰ ۸۷/۱۸-۱۹ بلاشبہ یہی پہلے صحیفوں میں تھا صحفِ ابراہیمؑ اور صحفِ موسٰیؑ میں۔

۳۔ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۙ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۙ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۰ ۲۶/۱۹۲تا۱۹۶ اور بیشک وہ (قرآن) جہانوں کے پروردگار کا نازل کردہ ہے (اے رسولؐ!) اِسے شستہ عربی زبان میں لے کر روح الامین آپ کے قلبِ اطہر پر نازل ہوا تاکہ آپ انذار کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور بلاشبہ یہی (قرآن) پہلی کتابوں میں تھا۔

● دیکھئے اِن آیتوں میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ سابقہ نبیوں کی کتابوں میں بھی قرآن کریم ہی کے احکام تھے۔ چنانچہ آیتِ ذیل میں بتا دیا گیا ہے کہ سب کو ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت دی گئی تھی:۔

۴۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ۴۲/۱۳ (ایمان والو! اللہ نے) تمہارے لئے اُسی دین کی شرع کر دی ہے، جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور یہ وہی دین اور وہی شرع ہے جو (اے رسولؐ!) آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ اور جس کا حکم ابراہیمؑ کو دیا گیا تھا اور موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو دیا گیا تھا۔

● پس آیتِ بالا زیرِ بحث ۶/۱۵۵ میں کتابِ موسٰیؑ کی عین قرآن والی تعریف مکمل، مفصل، ہدایت اور رحمت بیان کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں ارشاد ہُوا ہے کہ اب یہ کتاب قرآنِ مجید واجب الاتباع نازل کی گئی ہے :-

وَهٰذَا كِتٰبٌ[1] اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ[2] وَاتَّقُوْا[3] لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۱۵۶

اور یہ کتاب نازل کی ہم نے برکت والی پس پیروی کرو اس کی اور بچو تاکہ تم رحم کئے جاؤ

اور (اب)[1] ہم نے یہ برکت والی کتاب نازل فرمائی ہے۔ پس (اب) اِسی ہی کی پیروی کرو۔ اور (اس کی نافرمانی سے بچ جاؤ)[3] تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

● [1] وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ کے الفاظ میں اب کا تصور وضاحتاً موجود ہے کہ اِس سے پہلے حضرات موسٰیؑ اور عیسٰیؑ پر اپنی کتاب اُتاری گئی تھی اب ہم نے یہ بابرکت کتاب نازل فرمائی ہے۔

● [2] فَاتَّبِعُوْهُ کے الفاظ میں جو ہ ضمیر کتابِ مبارک قرآن مجید کی طرف پھرتی ہے، اِس نے حصر پیدا کیا ہے کہ ایمان والو! صرف اِسی کتاب کی پیروی کرو اِس کے سوا کسی اور کتاب کی پیروی نہ کرنا۔ یہی حکم سورہ اعراف میں بھی حصر کیساتھ دیا گیا ہے :—

● اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۷/۳ پیروی کرو صرف اُس کتاب کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اور اس کے سوا کسی اور (جھوٹے) خیرخواہوں کی پیروی نہ کرنا —— دیکھئے اس آیت مجیدہ میں صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے سوا کسی کی پیروی سے منع کر دیا گیا ہے —— نیز خود آنحضورؐ کو بھی تین مرتبہ کے تکرار کے ساتھ صرف وحی الٰہی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۳۳/۲ + ۱۰/۱۰۹ + ۶/۱۰۶ اور اے رسولؐ! آپ پیروی کریں صرف اُس کی جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کے مخالفین اہلِ مکہ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ ہم نے اپنی بابرکت کتاب نازل کر دی ہے۔ پس اِسی کی پیروی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم یہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں یہود و نصارٰی پر تو کتابیں نازل ہوئیں۔ ہم پر کیوں نہیں ہوئی۔ یا تم یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم یہود و نصارٰی سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے۔ پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو ہماری آیتوں کے نازل ہونے کے بعد انہیں جھٹلانے لگے :—

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ

کہ تم کہو بیشک نازل ہوئی کتاب اوپر دو گروہوں

(اے مکّہ والو! سُن لو!) ایسا نہ ہو کہ تم یہ کہو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصارٰی) پر کتاب نازل ہوئی۔ اور ہم اُن

مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ ۱۵۷

سے پہلے ہمارے اور بیشک تھے ہم سے درسوں ان کے فرور غافل

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ

یا تم کہو اگر بیشک ہم نازل ہوتی اوپر ہمارے کتاب فرور ہوتے ہم

اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

زیادہ ہدایت والے ہم ان سے پس فرور آئی تمہارے پاس دلیل سے رب تمہارے

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ

اور ہدایت اور رحمت پھر کون ہے ظالم اُس سے کہ جھٹلائے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِى الَّذِيْنَ

ساتھ آئتیں اللہ کی اور روکے سے اُن کے۔ فرور سزا دیں گے ہم اُن کو جو

يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا

روکتے ہیں سے آئتوں ہماری برا عذاب بسبب اسکے کہ تھے

يَصْدِفُوْنَ ۝ ۱۵۸

روکتے

کے درسوں سے بے خبر تھے۔

یا تم یہ کہو کہ اگر ہم پہ کتاب نازل کی جاتی تو فرور ہم ہوتے اُن (یہود و نصاریٰ) سے زیادہ ہدائت یافتہ۔ پس (سُن لو کہ) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل (قرآن مجید) آچکا ہے اور وُہ ہدائت بھی ہے اور رحمت بھی ہے۔ پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی آئتوں کو جھٹلائے اور (لوگوں کو) اُن سے روکے۔ ایسے لوگوں کو جو (ہماری آئتوں سے) روکتے ہیں ہم فرور بڑے عذاب کی سزا دیں گے۔ (وُہ اُن کے اپنے عملوں کا بدلہ ہوگا) بسبب اِس کے کہ وہ (لوگوں کو اللہ کی آئتوں سے) روکتے تھے۔

● اِس آئت مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفین کو آخر الامر شکستِ فاش کا بدترین عذاب دیا جائے گا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے منکرینِ ضابطۂ الٰہی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ آنحضورؐ اور قرآن کریم پر اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ اِن کے باطل پیشواؤں نے اُنہیں کچھ ذہنی ملائکہ کا تصوّر دے رکھا ہے کہ وہ شکلیں تبدیل کرکے بندوں میں آجاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعلق اُن کے ذہنوں میں یہ تصوّر بٹھا دیا ہے کہ وہ بادلوں کے سائے اور فرشتوں کے جلو میں خود آیا کرتا ہے ۲/۲۱۰ اور یا وُہ کوئی معجزہ نازل کرتا ہے۔ اِس لئے یہ لوگ اِن توہماتی چیزوں کے انتظار میں ایمان نہیں لاتے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

نہیں وہ انتظار کرتے مگر یہ کہ آئیں پاس انکے ملائکہ

اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ

یا آئے رب تیرا۔ یا آئے بعض نشانی رب تیرے کی۔ جس دن

نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر اس چیز کا کہ اُن کے پاس اُن کے "ذہنی" ملائکہ آئیں یا (اے رسولؐ!) اِن کے پاس آپکا رب خود (ملائکہ کے جلو میں ۲/۲۱۰) آئے یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے جس دن آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے گی اُس دن اُس

يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا آئے گی بعض نشانی رب تیرے کی نہ نفع دیگا کسی جان کو ایمان اسکا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا نہیں تھی وہ ایمان لاتی سے پہلے یا عمل کیا بیچ ایمان اپنے کے اچھا قُلِ انْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○ ۱۵۹ کہہ انتظار کرو بیشک ہم انتظار کرنیوالے ہیں	فرد و بشر کا ایمان لانا اُسے کوئی فائدہ نہیں دے گا - جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا - یا (ایمان لانے کے بعد اُس نے اپنے ایمان کی تصدیق میں کوئی) اچھا عمل نہیں کیا - کہہ دیجئے کہ تم (بھی نتیجے کا انتظار کرو اور بلاشبہ ہم (بھی نتیجے کا) انتظار کرنے والے ہیں -

ملائکہ ● سے ملائکہ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر وضاحتاً گزر چکی ہے کہ اِس کائنات کی سب مخفی قوتیں ملک ہیں - ذہن میں یاد تازہ کرنے کے لئے عرض کی جاتی ہے کہ جو ملائکہ قرآن کریم نے بتائے ہیں اُن کی دو اہم نشانیاں اُس نے خود پیش کر رکھی ہیں :-

۱ - پہلی یہ کہ ملائکہ کو مخاطب کر کے $\frac{۲}{۳۳}$ میں ارشاد ہُوا ہے :- وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○ $\frac{۲}{۳۳}$ اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپائے ہُوئے ہو - یعنی ملائکہ اپنے اندر کچھ چھپائے ہُوئے ہیں -

۲ - دوسری یہ کہ $\frac{۲}{۳۴}$ میں خبر دی گئی ہے :- وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ $\frac{۲}{۳۴}$ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ تم سب کے سب آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ تو ابلیس کے سوا سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے - اِسی چیز کو $\frac{۴۵}{۱۳}$ میں بالفاظِ ذیل اُجاگر کیا گیا ہے :- وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ $\frac{۴۵}{۱۳}$ اے نوعِ انسانی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب تمہارے تابعِ تسخیر کر دیا ہے - چونکہ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ میں ملائکہ بھی شامل ہیں - پس آیت مجیدہ $\frac{۲}{۳۴}$ اور $\frac{۴۵}{۱۳}$ کے اتصال سے ثابت ہُوا کہ تمام ملائکہ بذریعہ تسخیر نوعِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہیں اسکے تابعِ تسخیر ہیں -

● اب ملائکہ کی ان دو قرآنی صفات کو سامنے رکھ کر غور فرمائیں کہ بجلی کی صرف چمک دکھائی دیتی اور کڑک سنائی دیتی ہے - لیکن وہ اپنے اندر چھپائے ہُوئے کیا ہے ؟ - ایتھر محض ایک گیس ہے وہ اپنے اندر کیا کچھ چھپائے ہُوئے ہے ؟ آج اللہ تعالیٰ کی یہ مخفی قوتیں تابعِ تسخیر کی جا چکی ہے - جس کی بدولت بجلی کا ملک پورے کرۂ ارض پر شبانہ روز نوعِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہے - کہیں کارخانے چلا رہا ہے ، کہیں ریلیں اور بسیں کھینچ رہا ہے - کہیں ہوائی جہاز اڑا رہا ہے اور کہیں نوعِ انسانی کے لئے اناج کی فراوانی کے سامان مہیا کر رہا ہے - ایتھر کی ریڈیائی صوتی لہریں کرۂ ارض کے علاوہ فضا اور خلا میں خبریں پہنچا رہی ہیں (ریڈیو) اور کہیں عکسی ریڈیائی لہریں زمین کے چپے چپے کے علاوہ فضا ، خلا اور چاند ستاروں تک کی تصویریں ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کر رہی ہیں (ٹیلیویژن)

● پس مثال کے طور پر بجلی اللہ تعالیٰ کا وہ ملک ہے جو مَلک کی قرآنی دو اہم صفات پر پورا اُترتا ہے۔ پہلے نمبر پر نوعِ انسانی کے سامنے ہر آن بذریعہ تسخیر سجدہ ریز ہے اور اپنے اندر اتنا کچھ چھپائے ہوئے ہے جس کی ادنیٰ سی جھلک اُوپر کی سطور میں پیش کی گئی ہے۔

ذہنی ملائکہ

● ملائکہ کا ایک تصوّر نوعِ انسانی کی طرف سے اُس وقت کا قائم کیا ہُوا ہے جب انسان بجلی کی چمک اور کڑک سے خوفزدہ ہو کر اُسے دیوتا تصوّر کرتا اور اس کے سامنے پرنام کرتا تھا۔ ستاروں کو زنجیروں کیساتھ لٹکے ہوئے نحش قمقمے خیال کرتا تھا۔ زمین کو بیل کے سینگوں پر ٹکی ہوئی مانتا اور زلزلوں کو بیل کا سینگ بدلنا گردانتا تھا۔ گائے کی اس لئے پوجا کرتا تھا کہ یہ دُودھ دیتی اور بیل ہل کھینچتا ہے۔ سانپ کو اس لئے دیوتا مانتا تھا کہ وہ کاٹ کھاتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب آگ سے ڈر کر اُس کے ہون کئے جاتے تھے بلکہ آتشکدے روشن کر کے اُن کی چوبیس گھنٹے پُوجا کی جاتی تھی۔ پانی کی پُوجا دریاؤں کی پُوجا پہاڑوں کی پُوجا، چاند کی پُوجا، سُورج کی پُوجا اس کا شعار تھا۔ اس کا شعور اس قدر کمزور تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو فوراً بھول جاتا اور اُن چیزوں کی پُوجا پاٹ میں لگ جاتا جو خود اس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ چنانچہ ملائکہ کے متعلق اُس بے شعوری کے دَور کا قائم کردہ تصوّر یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے درباری ہیں اور اُس کے مشیر ہیں۔ بعض اُس کی کابینہ کے مخصوص مقرّب فرشتے ہیں۔ وہ ایک پَروں والی مخلوق ہے۔ شکلیں بدل لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے ملائکہ مقرّب فرشتوں کے جلو میں بادلوں پر سوار ہو کر سیر کو نکلا کرتا ہے چنانچہ 2/210 میں آیت زیرِ بحث 6/159 والا ہی مضمون بالفاظِ ذیل بیان ہُوا ہے :-

● هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن يَأْتِيَهُمُ ٱللَّهُ فِى ظُلَلٍ مِّنَ ٱلْغَمَامِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ ٱلْأَمْرُ ۚ وَإِلَى ٱللَّهِ تُرْجَعُ ٱلْأُمُورُ ○ 2/210 یہ لوگ ایمان لانے میں نہیں انتظار کرتے مگر اس چیز کے منتظر ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائے میں آئے اور ملائکہ بھی آئیں (ہم دیکھ لیں) اور معاملہ طے ہو جائے۔ حالانکہ معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی اس کے متعین کردہ قوانین کے مطابق ہی طے ہوتے ہیں۔ سُورہ بنی اسرائیل میں مخالفین کا مطالبہ بتایا گیا ہے أَوْ تَأْتِيَ بِٱللَّهِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةِ قَبِيلًا 17/92 یا اللہ تعالیٰ اور ملائکہ سامنے آجائیں۔ سُورہ انعام میں انہی لوگوں کا آنحضورؐ پر صرف ملک کے عدمِ نزول کا اعتراض بتایا گیا ہے :- وَقَالُوا۟ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ 6/8 سورہ فرقان میں انہی کا اعتراض یہ مذکور ہے :- لَوْلَآ أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُۥ نَذِيرًا 25/7 اور اس کی طرف کوئی (خوفناک شکل والا) فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ لوگوں کو ڈرانے والا ہو۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ قرآن تو کھل کہتا ہے کہ آنحضورؐ پر جبریل ملک نازل ہوتا تھا۔ اگر وہ اُن کا ذہنی ملک ہوتا شکلیں بدل بدل کر آنے والا تو آنحضورؐ فرما دیتے کہ دیکھ لو یہ ہے ملک جو مجھ پر نازل ہوتا ہے۔ لیکن جبریل ملک عوام کا ذہنی ملک نہیں تھا۔ 2/97 فَإِنَّهُۥ نَزَّلَهُۥ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ بیشک وہ (جبریل) اللہ کے حکم سے آپ کے قلبِ اطہر (یعنی ذہنِ مبارک) پر نازل ہوتا ہے۔

• تو اب بتائیے کہ پروں والے فرشتے کا ذہن میں اترنے کا کیا مطلب ؟ حقیقت یہ ہے کہ جبریل اللہ تعالیٰ کی مخصوص قوت ہے جو انبیاء سلام علیہم کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتی تھی۔ عوام کے ذہنی ملائکہ کا اگر کوئی وجود ہوتا تو آنحضورؐ کے مخالفین کا مطالبہ پورا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ جبریل کو کسی صحابی کی شکل میں بھیج دیتا اور آنحضورؐ فرما دیتے یہ دیکھو لو فرشتہ۔

ملائکہ کے متعلق ایک اہم سوال

• سورۂ فاطر میں آیا ہے :- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ۳۵/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کو از سرِ نو بنانے والا ہے۔ ٹھہرانے والا ہے ملائکہ کو رسول دو دو، تین تین، چار چار قوتوں والے۔ اور اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی تخلیق میں زیادتی کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے۔

• اس آیت مجیدہ کے الفاظ اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ سے دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ملائکہ کا ثبوت لایا جاتا ہے۔ حالانکہ اڑنے والے پرندوں کے لئے تین پروں کا تصور ہی غلط ہے، کیونکہ پرواز کے لئے توازن لازم ہے۔ اڑنے کیلئے دو دو اور چار چار پر، یقیناً توازن قائم رکھ سکتے ہیں، یعنی ایک ایک پر ہو تو دائیں بائیں دونوں طرف، اور دو دو ہوں تو دائیں بائیں دونوں طرف۔ لیکن اگر کسی پرندے کے تین پر ہوں تو ایک طرف ایک اور دوسری طرف دو ہوں گے، جس سے توازن بگڑ جائے گا اور پرندہ اڑ نہیں سکے گا۔ پس آیت مجیدہ ۳۵/۱ میں آمدہ لفظ ثُلٰثَ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں اَجْنِحَةٍ بمعنی پر نہیں بلکہ قوتیں ہیں۔ اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ (نیکوکار بندوں) کو اپنے رسول ٹھہرایا تھا۔ اُن میں سے بعض دو دو قوتیں والے تھے، بعض تین تین اور بعض چار چار قوتوں والے تھے۔ (ملائکہ بمعنی نیکوکار بندہ ۱۲/۳۱ میں حضرت یوسفؑ کیلئے آیا ہے مَلَكٌ كَرِيْمٌ)۔

• یہ اللہ تعالیٰ کے نبی رسولؑ تھے۔ جیسے کہ حضرت داؤدؑ کے لئے ۳۸/۱۷ دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ آیا ہے۔ داؤد قوتوں والا۔ انبیاءؑ کی کم از دو قوتیں اور زیادہ سے زیادہ چار قوتیں ہوتی تھی۔ اُن کی پہلی قبلِ نبوت کی اخلاقی قوت ہوتی تھی کہ عوام اُن کے اخلاق و کردار کے مداح ہوا کرتے۔ دوسری قوتِ نبوت کی ہر آن اللہ تعالیٰ کے ساتھ سلسلۂ وحی قائم رہتا تھا۔ انبیاءؑ کی تیسری قوت ہوتی تھی جماعتِ صحابہؓ کی اور چوتھی قوت، حکومت قائم ہونے کی ہوتی تھی۔ چنانچہ بعض انبیاءؑ جیسے حضرت لوط سلام علیہ کو صرف دو قوتیں حاصل تھیں ذاتی کردار اور نبوت کی۔ بعض کو تینوں قوتیں حاصل تھیں کہ صحابہؓ کی جماعت بھی میسر آ گئی۔ اور بعض کو چار قوتیں میسر تھیں کہ حکومت بھی قائم ہو گئی حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ اور مسیحؑ و محمدؐ چار چار قوتوں والے تھے کہ انہیں حکومت بھی میسر آ گئی تھی۔ پس ۳۵/۱ میں بھی ملائکہ بمعنی لوگوں کے دو دو تین

چار چار پروں والے ملائکہ مقصود نہیں۔ اِس آیت مجیدہ سے تو چار تک پر ثابت کئے جاتے ہیں مگر حضرت جبریل کے چھ سو پر بتائے جاتے ہیں۔ عَنْ ابْنِ مسعودٍ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی جِبْرَائِیْلَ لَہٗ سِتُّمِائَۃِ جَنَاحٍ (بخاری ص ۴۲/۲۔ مسلم ص ۹۷/۱ ترمذی ص ۱۶۰/۲)۔

• آیت مجیدہ ۳۵/۱ میں وحی لانے والے ملائکہ جبریل و میکال کا ذکر نہیں کیونکہ اُن کا تعلق صرف انبیاء سلام علیہم سے تھا۔ وہ صرف انبیاء پر نازل ہوتے تھے۔ اُن کی ماہیت و کیفیت کو یا تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اللہ کے نبی جانتے تھے جن کے قلوبِ اطہر پر وہ نازل ہوتے تھے۔ اخیر پر عوام کے ذہنی ملائکہ کے متعلق ایک اہم سوال یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال ایسے ذہنی ملائکہ موجود ہیں تو وہ بلاشبہ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ میں داخل ہیں۔ جس طرح بجلی ایتھر ریڈیائی لہریں وغیرہ مسخر ہو چکی ہیں، اُسی طرح پروں والے عوام کے ذہنی ملائکہ کا مسخر ہو کر نوعِ انسانی کے تابع تسخیر ہونا بھی لازم ہے۔ پس کیا بتایا جاسکتا ہے کہ آج تک کونسا ذہنی ملک مسخر ہو کر نوعِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہو چکا ہے؟

• آیت مجیدہ زیرِ بحث ۶/۱۵۹ جو پیچھے صفحہ ۲۹۲ پر درج ہوئی ہے، اُس کا پہلا ضمنی نوٹ ۱ ملائکہ کے متعلق تھا۔ جس کی طویل بحث میں ہم دور نکل گئے تھے۔ اب اُس کے ضمنی نوٹ ۲ متعلقہ اللہ تعالیٰ کے روبرو آنے کی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

• ۲ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّکَ کے الفاظ کے مطابق عوام کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ یا خود اللہ تعالیٰ سامنے آجائے۔ لیکن واضح رہے کہ جس طرح عوام کے ذہنی ملائکہ کا تصور غیر قرآنی ہے اُسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا تصور بھی غیر قرآنی ہے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ ۶/۱۰۴ اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی بصیرت اُسے پاسکتی ہے وہ ہر آنکھ کو دیکھتا اور ہر بصیرت کو پاتا ہے۔

• ۳ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ کے الفاظ میں منکرینِ ضابطۂ خداوندی کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر نہ ملائکہ آئیں اور نہ اللہ ہی آئے تو کم از کم اللہ کی کوئی نشانی آجائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ روایتی تفاسیر نے اِس سے کسی حسی معجزہ کے ظہور کا تصور دیا ہے۔ لیکن اس سے اگلے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ جب آپ کے رب کی کوئی نشانی آجائے تو پھر اُس شخص کے لئے جس پر وہ نشانی آجائے نہ ایمان لانے کا وقت باقی رہتا ہے اور نہ نیک اعمال بجالانے کا۔ کیونکہ ارشاد ہوا ہے:۔ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا............ الخ اِیْمَانِھَا خَیْرًا ۶/۱۵۹

مسئلہ توبہ کا دینا • اب اِس آیت کی روشنی میں غور فرمائیں۔ قرآن کریم سے تین مقام ایسے ثابت ہیں کہ جب کسی کو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

۱۔ جب عذاب آجائے ۲۔ جب موت آحاضر ہو ۳۔ شکست اور گرفتاری کے بعد

۱۔جب عذاب آجائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• پہلے نمبر پر فرعون اِس آئت کا پورا پورا مصداق ہے کہ :۔
جب اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی یہ نشانی آگئی کہ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کیلئے اُس سے پرامن ہجرت کی اجازت چاہی تھی ۵/۱۰ مگر اُس نے نہ دی۔ بالآخر وہ ہجرت کرنے میں کامیاب ہوگئے مگر فرعون نے انکا تعاقب کیا۔ بنی اسرائیل سمندر کی شاخ میں سے اُس کی جذر کی حالت میں پار ہوگئے مگر مدّ آنیوالی تھی کہ فرعون معہ لشکر اُس میں داخل ہوگیا۔ اُدھر سے مدّ آگئی اور وہ غرق ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ کی اس نشانی کی آمد کے بعد اُس نے ایمان لانا چاہا اور کہا :۔ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۰ ۱۰/۹
فرعون نے کہا بیشک میں ایمان لایا اُس الٰہ پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ لیکن اس پر جواب ملا :۔ آٰلْئٰنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۰ ۱۰/۹۱ اب ایمان لاتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے تُو نے نافرمانی کی اور تُو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ چنانچہ یہ وہ وقت تھا کہ جب عذاب آگیا تو اس کے بعد ایمان لانا اسکے کسی کام نہ آیا۔

۲۔جب موت حاضر ہو جائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• سُورہ نسآء میں ارشاد ہُوا ہے :۔ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۰ ۴/۱۸ اور اُن لوگوں کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے جو بُرے عمل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے تو وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔ اور نہ (موت کے وقت) اُن لوگوں کے لئے ایمان لانا فائدہ مند ہے جو کفر ہی میں مرنے لگیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب کا وعدہ دے رکھا ہے۔ اگر آخری وقت تک کوئی شخص بدعمل رہا ہے تو موت کے وقت توبہ قبول نہیں۔ اگر کوئی کافر رہا اور موت کا وقت آگیا۔ اُس وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ پس موت کا وقت آجانا بھی اللہ کی ایک آئت ہے اُس کی ایک نشانی ہے اُس وقت نہ توبہ قبول ہوتی ہے۔ نہ ایمان لانا فائدہ دیتا ہے۔

۳۔شکست اور گرفتاری کے بعد بھی ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا

• سُورہ مائدہ میں اسلامی حکومت کے اُن باغیوں کے متعلق جو قوت پیدا کرکے اہلِ اسلام سے جنگ کریں اور ملک میں فساد پھیلائیں، یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کیلئے ایمان لانے اور فرمانبردار ہونے کا موقعہ اُس وقت تک ہے جبتک کہ وہ شکست کھاکر گرفتار نہ ہوجائیں۔ جب اُن کی طاقت ختم ہوجائے اور وہ گرفتار ہوجائیں، تو اگر وہ گرفتار ہونے کے بعد ایمان لانا چاہیں تو اُن کا ایمان لانا اُسی طرح مردود قرار دیا جائیگا جس طرح فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہوا تھا :۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ

۱- جب عذاب آجائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• پہلے نمبر پر فرعون اِس آیت کا پورا پورا مصداق ہے کہ :۔
جب اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی یہ نشانی آگئی کہ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کیلئے اُس سے پرامن ہجرت کی اجازت چاہی تھی ۵/۱۰ مگر اُس نے نہ دی - بالآخر وہ ہجرت کرتے میں کامیاب ہوگئے مگر فرعون نے انکا تعاقب کیا۔ بنی اسرائیل سمندر کی شاخ میں سے اُس کی جذر کی حالت میں پار ہوگئے مگر مدّ آنیوالی تھی کہ فرعون معہ لشکر اُس میں داخل ہوگیا - اُدھر سے مد آگئی اور وہ غرق ہونے لگا - اللہ تعالیٰ کی اس نشانی کی آمد کے بعد اُس نے ایمان لانا چاہا اور کہا :۔ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ۱۰/۹۰
فرعون نے کہا بیشک میں ایمان لایا اُس اللہ پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ لیکن اس پر جواب ملا :۔ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۱۰/۹۱ اب ایمان لاتا ہے - حالانکہ اس سے پہلے تُو نے نافرمانی کی اور تُو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ چنانچہ یہ وہ وقت تھا کہ جب عذاب آگیا تو اس کے بعد ایمان لانا اسکے کسی کام نہ آیا۔

۲- جب موت حاضر ہو جائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• سورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ۝ ۴/۱۸ اور اُن لوگوں کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے جو بُرے عمل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے تو وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں - اور نہ (موت کے وقت) اُن لوگوں کے لئے ایمان لانا فائدہ مند ہے جو کفر ہی میں مرنے لگیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب کا وعدہ دے رکھا ہے۔ اگر آخری وقت تک کوئی شخص بدعمل رہا ہے تو موت کے وقت توبہ قبول نہیں - اگر کوئی کافر رہا اور موت کا وقت آگیا۔ اُس وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا - پس موت کا وقت آجانا بھی اللہ کی ایک آیت ہے اُس کی ایک نشانی ہے اُس وقت نہ توبہ قبول ہوتی ہے، نہ ایمان لانا فائدہ دیتا ہے۔

۳- شکست اور گرفتاری کے بعد بھی ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا

• سورہ مائدہ میں اسلامی حکومت کے اُن باغیوں کے متعلق جو قوت پیدا کرکے اہلِ اسلام سے جنگ کریں اور ملک میں فساد پھیلائیں، یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کیلئے ایمان لانے اور فرمانبردار ہونے کا موقعہ اُس وقت تک ہے جبتک کہ وہ شکست کھاکر گرفتار نہ ہو جائیں۔ جب اُن کی طاقت ختم ہو جائے اور وہ گرفتار ہو جائیں، تو اگر وہ گرفتار ہونے کے بعد ایمان لانا چاہیں تو اُن کا ایمان لانا اُسی طرح مردود قرار دیا جائیگا جس طرح فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہوا تھا :۔ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ

انتظار کریں گے صبح نہ نکلے گی تو پھر وظیفہ شروع کر دیں گے، جب تمام ہوگا اور نشان صبح کا ظاہر نہ ہوگا تو جانیں گے کچھ اسرار الٰہی ظاہر ہوگا۔ رونا اور استغفار کریں گے۔ جب تک کہ صبح مغرب سے ظاہر ہوگی۔ اور آفتاب مغرب کی طرف سے نکلے گا بے روشنی۔ تمام خلق دیکھے گی۔ ایمان بیقراری کا ہو جائے گا اور قبول نہ ہوگا۔ اور دروازے توبہ کے بند ہوں گے اور یہ احوال جب ہوگا کہ ایک سو بیس برس قیامت کے رہیں گے۔

● شیعہ مکتب فکر کے قرآن مجید مترجم حمائل شریف سید مقبول احمد صاحب کے صفحہ ۲۳۶ - ۲۳۷ پر بھی قیامت کی نشانیوں میں خروج دجال کا، نکلنا دابۃ الارض کا اور ظہور امام مہدی کا ——— دابۃ الارض کے متعلق لکھا ہے کہ اُس کے پاس عصاء موسیٰ اور مُہر سلیمانی ہوگی۔ وہ کافر مومن سب کے منہ پر مُہر لگائے گا حتیٰ کہ دونوں کے مُنہ پر چھپ جائیگا ھٰذا مؤمنٌ ھٰذا کافرٌ۔ دابۃ الارض سر بلند کر کے حکم خدا سے آسمان اور زمین کے مابین سب چیزوں کو دیکھ لیگا۔ یہ واقعہ مغرب کی طرف سے سورج نکلنے کے بعد ظاہر ہوگا۔ اُس وقت سے توبہ اُٹھا دی جائے گی یعنی نہ کوئی توبہ قبول ہوگی اور نہ کوئی عمل مانا جائیگا اور اُسی وقت کی تعریف خدا نے اس طرح فرمائی ہے کہ کسی نفس کو اُس کا ایمان نفع نہیں دے گا۔" یہ ہے روائتی تفسیر آیت بالا $\frac{6}{158}$ کی۔

دجال اور دابۃ الارض

● دجال کے متعلق روائتی تفاسیر میں لکھا ہے کہ ایک کانا بادشاہ ہوگا، جس کے ایک ہاتھ میں جنت ہوگی ایک میں دوزخ ہوگا۔ جو شخص اُسے سجدہ کرے گا اُسے جنت میں داخل کر دے گا اور جو سجدہ نہیں کرے گا اُسے دوزخ میں ڈال دے گا۔ اُس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کافر ——— دابۃ الارض کے متعلق تفسیر موضح القرآن کے صفحہ ۴۰۳ اور تفسیر حسینی کے صفحہ ۴۰۵ پر لکھا ہے کہ وہ ساٹھ گز لمبا ہوگا۔ اسکے چار پیر ہونگے۔ سر اور سینگ بیل گائے کے۔ کان ہاتھی کے۔ رنگ چیتے کا۔ گردن اور ٹانگیں اونٹ کی۔ چھاتی شیر کی اور دم دُنبے جیسے ہوگی۔ حضرت موسیٰ کا عصا اور سلیمان کی انگوٹھی کا نگینہ اسکے پاس ہوگا۔ وہ لوگوں سے باتیں کرے گا۔ جسے عصا لگا دے گا اُسکا مُنہ سفید ہو جائیگا، جسے نگینہ چھوا ئیگا اُسکا مُنہ کالا ہو جائیگا۔ یہ نشان ہوں گے مومن اور کافر کے۔

● اب غور فرمائیگا کہ ان روائتی تفاسیر کا کوئی تعلق آیت زیر بحث $\frac{6}{159}$ کیساتھ ہے؟ قرآن کریم نے $\frac{4}{18}$ میں بالفاظ صریح اعلان کر رکھا ہے کہ اُس شخص کے لئے توبہ کا وقت باقی نہیں رہتا جو اُس وقت توبہ کرے جب موت کا وقت آموجود ہو۔ اُس وقت پھر وہ اس بُرے عمل سے توبہ کرے جسے اُس نے اس سے پہلے نہیں چھوڑا تو اُس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اور اس پر $\frac{10}{90-91}$ کی شہادت موجود ہے کہ موت کے وقت فرعون کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ نیز توبہ اُس وقت پر قبول نہیں ہوتی جب اللہ کا عذاب آجائے $\frac{6}{159}$ + $\frac{10}{90-91}$ اور تیسرے نمبر پر قرآن کریم کی رُو سے اسلامی حکومت کے باغی اور ملک میں فساد پھیلانے والے کی توبہ اس وقت قبول نہیں ہوتی جب وہ شکست کھا کر گرفتار ہو چکا ہو $\frac{5}{33-34}$ قرآن کریم کے فیصلہ کے مطابق توبہ قبول نہ ہونے کے یہی تین وقت ہیں، جن وقتوں پر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ لیکن روائتی تفاسیر

میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ کیسے غیر قرآنی چیستان پیش کئے گئے ہیں اور قیامت سے ایک بیس برس پہلے پہلے توبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ کانے دجّال کا تو قرآنِ کریم میں ذکر تک نہیں، یہ نام اور اس کے متعلقات سب کے سب روایات کی ایجاد ہے۔ البتہ دابۃ الارض کا ذکر ۲۷/۸۲ میں بالفاظِ ذیل آیا ہے جسے مذکورہ چیستانی دابہ بنا دیا گیا ہے:-

● وَاِذَا وَقَعَ[۱] الْقَوْلُ[۲] عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً[۳] مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ[۵] اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ۔

۲۷/۸۲ - اس آئت مجیدہ کا ترجمہ عرض کرنے سے پہلے اسکے چند الفاظ کی تشریح لازمی ہے:-

● [۱] اِذَا بمعنی جب متضمن بمعنی شرط ہے۔ ماضی پر داخل ہو تو اسے مضارع بنا دیتا ہے۔ اس نے وَقَعَ کو مضارع بنا دیا ہے۔

● [۲] اَلْقَوْل سے مراد اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ قول بمعنی قانون اور الف لام عوض مضاف الیہ ہے۔

● [۳] اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ کے الفاظ میں اَخْرَجْنَا کا معنی یہ نہیں کہ ہم زمین سے نکالتے ہیں۔ کیونکہ یہاں مِنَ الْاَرْضِ میں مِنْ بیانیہ ہے بعضیہ نہیں ہے اور مِنَ الْاَرْضِ کا معنی ہے زمین میں کا یعنی زمین کا رہنے والا۔ اور اَخْرَجْنَا کا معنی یہ ہے کہ ہم ظاہر کرتے ہیں۔ ظاہر وہ خود ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ اللہ کی منشا کے مطابق کام کرتا ہے اس لئے اللہ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

● [۴] دَآبَّة کا معنی ہے جاندار۔ اور انسان بھی ایک جاندار ہے۔ اس آئت میں دَآبَّة سے مراد انسان ہی ہے۔ جس کی تائید اگلے نمبر ۵ میں بالفاظِ ذیل موجود ہے۔

● [۵] تُكَلِّمُهُمْ کا معنی ہے وہ کلام کرتا ہے ان سے۔ اب روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ دنیا بھر کے جانداروں میں کلام کرنے والا جاندار (دَآبَّة) صرف اور صرف انسان ہے۔ (الفاظ کی) تشریح کے بعد اب ۲۷/۸۲ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:-

(ترجمہ ۲۷/۸۲) اور جب کبھی ان (لوگوں) پر اللہ کا قانون واقع ہوتا ہے تو ہم زمین پر بسنے والے ایک انسان کو ظاہر کرتے ہیں جو اُن سے کلام کرتا ہے (انہیں آگاہ کرتا ہے کہ تم نے اللہ کی آئتیں چھوڑ دی ہیں یہ ایک حقیقت ہے) کہ نوعِ انسانی ہماری آئتوں پر یقین نہیں رکھتے۔

● اس آئت مجیدہ ۲۷/۸۲ میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کی آئتوں سے اعراض کرتے ہیں تو انہی میں سے کوئی ایک انسان انہیں یاد دلاتا ہے کہ تم اللہ کی آئتوں کو بھول گئے ہو —— یاد رہے کہ اس آئت مجیدہ سے سو سال کے بعد کسی مجدد کے آنے کا روائتی تصور ہرگز مراد نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ اس آئت کے آخری جملے میں لوگوں کے متعلق اللہ کی آئتوں پر سے یقین اُٹھ جانے کی خبر دی گئی ہے۔ اور وہ ظاہر ہونے والا اللہ کی آئتیں یاد دلاتا ہے روائتیں پڑھ پڑھ کر اپنے مامور من اللہ ہونے کے دلائل نہیں پیش کرتا۔

● مذکورہ دَآبَّةُ الْاَرْض کے متعلق روایات کے وضع شدہ جھوٹے چیستانی تصورات سب غلط ہیں۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ وہ ایک ہی ہے جو پایہ ہے، وہ مجملاً افراد جو قوم کو اللہ تعالیٰ کی آئتیں یاد دلاتے رہے قرآنِ کریم ۲۷/۸۲ کے مطابق دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْض

تھے، جنھوں نے لوگوں کو یاد دلایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو بھول گئے ہو۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو مخاطب کر کے اعلان کیا گیا ہے کہ جو لوگ دین میں تفریق پیدا کر کے فرقہ فرقہ ہو جائیں اُنکے ساتھ آپکا کوئی تعلق نہیں۔ اس طرح وہ متفرق ہو کر جو عمل کرتے ہیں۔ اُن سے قیامت کو آگاہ کیا جائیگا:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا
بیشک جنھوں نے تفریق پیدا کی دین اپنے میں اور ہو گئے
شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۚ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ
گروہ گروہ نہیں تو ان میں سے انکے بیچ کسی چیز کے سوائے اسکے نہیں معاملہ انکا
اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ۱۶۰
طرف اللہ کے ہے پھر وہ خبر دیگا انکو ساتھ اسکے جو تھے عمل کرتے

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق پیدا کی اور وہ گروہ گروہ ہو گئے (یعنی فرقوں اور دھڑوں میں بٹ گئے۔ اے رسولؐ!) آپ کا اُن میں سے کسی کے ساتھ بھی کسی چیز میں کوئی تعلق نہیں۔ سوائے اِس کے اور کوئی بات نہیں کہ اُن کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔ پھر وہ اُنہیں (قیامت کو) خبر دیگا جو وہ (اللہ کے دین قرآنِ کریم سے متفرق ہو کر) عمل کیا کرتے تھے۔

● ۱۔ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ کے الفاظ میں فَرَّقُوْا کا معنٰی ہے انھوں نے فرق کیا۔ تفریق کی۔ کس سے فرق کیا؟ کس سے تفریق کی؟ اِسکا جواب دیا گیا ہے دِيْنَهُمْ اپنے دین سے فرق کیا۔ دین سے تفریق کی۔ لیکن دین کیا چیز ہے؟ اِس کا جواب دیا گیا ہے:۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ۴۲/۱۳ اللہ نے شرع کردی ہے۔ اُس دین کی جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا اور وُہی دین جو ہمنے آپکی طرف وحی کیا ہے —— پس ثابت ہُوا کہ دین وہ چیز ہے جو آنحضورؐ کی طرف وحی کیا گیا تھا۔ اور وہ ہے قرآنِ کریم۔ فلہٰذا ثابت ہُوا کہ جو لوگ قرآنِ کریم میں تفریق پیدا کر کے فرقہ فرقہ ہو جائیں۔ اُن کے ساتھ رسولِ مقبولؐ کا اُن کی کسی چیز میں بھی کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ قرآنِ کریم سے تفریق کرنے کی عملی صورت کیا ہے؟

● اِس سوال کا جواب سُورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے بالفاظِ ذیل دیا گیا ہے:۔
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۳/۱۰۳ اور اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن مجید کو سب مل کر مضبوط تھامے رہو اور تفریق پیدا نہ کر لینا۔ متفرق نہ ہو جانا۔ پس ثابت ہُوا کہ ایسے قرآنِ مجید کو متفقہ طور پر تھامے رہنا عدمِ تفریق ہے۔ اور اسے نہ تھامنا اور یا متفرق انداز میں تھامنا ہے تفریق یعنی وَلَا تَفَرَّقُوْا کے حکمِ خداوندی کی حکم عدولی۔ اِسی عنوان کو سُورہ روم میں بالفاظِ ذیل بیان کیا گیا ہے:۔

● مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ ۳۰/۳۱-۳۲ اُس (اللہ) کی طرف رجوع رہنے والے اور بچو اُسکی

نافرمانی سے اور صلوٰۃ قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا ۔ اُن میں سے جنہوں نے اپنے دین (قرآن) میں تفریق کی اور گروہ گروہ ہو گئے ۔ ہر گروہ اس چیز پر خوش ہے جو کچھ اُس کے پاس ہے ——— اِن آیات میں تفریق دین کی وضاحت اس طرح کر دی گئی ہے کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے وہ اُس پر خوش ہے ۔ اُسے جزوِ دین یعنی جزوِ قرآن مانتا ہے ۔ اسی چیز کو ذرا اور کھول کر بیان کیا جائے تو یہ ہو گا کہ وہ اپنی اپنی خوشی کی چیزوں کو جزوِ قرآن صرف مانتے ہی نہیں بلکہ اُسے قرآنِ کریم میں سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں ۔

● مثال کے طور پر مزاروں اور خانقاہوں پر سر نیاز خم کرنے والے اسی پر خوش ہیں اور اسے جزوِ قرآن قرار دیتے ہیں نیز وہ لوگ جو ہر قمری ماہ کی گیارہ تاریخ کو گیارہویں والے پیر کی نیاز پکاتے ہیں ۔ وہ اسی پر خوش ہیں اور اسے قرآنِ کریم سے ثابت کرتے ہیں ۔ اسی طرح جو لوگ تعزیہ اور ذوالجناح کے سامنے سرِ نیاز جھکانے والے ہیں وہ اسی پر خوش ہیں ۔ اور اسے جزوِ دین مانتے اور قرآن کریم میں سے ثابت کرتے ہیں ۔ یہی ہے تفریقِ دین ، اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا کی خلاف ورزی کہ اپنی اپنی خوشی کے مسائل الگ الگ لئے بیٹھے ہیں اور انہیں الگ الگ قرآن کریم سے ثابت کرتے ہیں کُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں ہر نیکی کی دس گنا جزا کی خبر دیگئی ہے اور ہر برائی کی سزا صرف ایک گنا :-

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ

جو کوئی لایا ساتھ ایک نیکی کے واسطے اسکے ہے دس مثل اسکی

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا

اور جو آیا ساتھ ایک برائی کے تو وہ نہیں بدلہ دیا جائیگا مگر مثل اسکی

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ۱۶۱

اور وہ نہیں ظلم کئے جائینگے

جو شخص (اللہ کے حضور میں) ایک نیکی لایا تو اُس کے لئے اس کی جزا (اللہ تعالیٰ کے ہاں) دس گنا ہے ۔ اور جو کوئی ایک برائی لایا وہ (اللہ تعالیٰ کے ہاں) سزا نہیں دیا جائے گا مگر صرف اُس جیسی (یعنی صرف ایک گنا) ۔ اور وُہ (برائی کرنیوالے) ظلم نہیں کئے جائینگے ۔

اللہ تعالیٰ کی مخصوص شفقت

● اس آیتِ مجیدہ پر مختلف انداز سے غور کیا جانا لازم ہے ۔ سرِ فہرست تو اللہ تعالیٰ کی یہ مخصوص شفقت قابلِ غور ہے کہ ایک نیکی کرنیوالے کو دس گنا جزا کی خبر دیگئی ہے مگر ایک برائی کرنیوالے کی سزا کو دس گنا تو کیا ڈیڑھ یا سوا گنا کرنے کی خبر بھی نہیں دیگئی ۔ بلکہ واضح رہے کہ برائی کرنے کے بعد توبہ و اصلاح کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف معاف کر دیتا ہے بلکہ نیکیاں کرنیوالے کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کرنے کی خبر بھی دیگئی ہے :- اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ۲۵/۷۰ مگر جو کوئی (برے عمل کے بعد) توبہ کرے اور ایمان

لائے اور عمل صالح کرے تو ایسے لوگ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بچاؤ عطا فرمانیوالا اور بہت بڑھ کر رحمت کرنیوالا ہے ۔

مسئلہ زکوٰۃ ● دوسرے نمبر پر آیت زیر بحث ۶/۱۶۱ پر اس انداز سے بھی غور کیا جانا ضروری ہے کہ ۹/۱۱۱ میں جو ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا سارا مال جنت کے بدلے خرید لیا ہے :۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ۔ اسطرح جو سارا مال جنت کی قیمت قرار دیگئی ہے اسکے مطابق اللہ تعالیٰ تو جنت ضرور عطا فرمائیگا ۔ مگر وہ سودے کیمطابق سارا مال کیوں وصول نہیں کرتا ۔ اسکا جواب سورہ محمد میں دیا گیا ہے :۔

● اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا یُؤْتِکُمْ اُجُوْرَکُمْ وَلَا یَسْئَلْکُمْ اَمْوَالَکُمْ ۝ اِنْ یَّسْئَلْکُمُوْھَا فَیُحْفِکُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَکُمْ ۝ ۴۷/۳۶-۳۷ سوائے اسکے نہیں کہ (آخرت کو بھول کر) دنیا کی زندگی کھیل اور لغو ہے ۔ اور اگر تم ایمان لاؤ کھیل و لغو سے بچو تو اللہ تمہیں تمہارے اجر دے گا ۔ اور وہ تم سے تمہارے سارے مال نہیں مانگتا ۔ اگر وہ تم سے سارے مال مانگے تو تمہیں تنگ کرے اور تم اُن کی ادائیگی میں بخل کرنے لگو ۔ اور وہ تمہاری عداوتیں اور کدورتیں نکالتا ہے ۔

● یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سارے مال نہ مانگنے سے جو جنت کا سودا ہو چکا ہے وہ تو فسخ نہیں ہوگا ۔ بلکہ یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جنت کے سودے کا سارا مال نہیں مانگتا تو کتنا حصہ مانگتا ہے ؟ اس سوال کا جواب ہے :۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا ۶/۱۶۱ جو کوئی ایک نیکی لایا اللہ کے ہاں اُس کی دس آگئی ہیں ۔ بالفاظ دیگر جس نے اپنے مال کا دسواں حصہ ادا کر دیا اُس کا سارا مال اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گیا ۔

عُشر ، دسواں حصہ زکوٰۃ ہے ● سورہ معارج میں جو مومنوں کے متعلق خبر دیگئی ہے :۔ وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ ۷۰/۲۴-۲۵ اُن کے مالوں میں حاجت مندوں اور معذوروں کا ایک معلوم حصہ کا حق ہے ۔ لفظ زکوٰۃ کا معنی ہی ہے کمزوروں کو فربہی دینا ۔ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ کے الفاظ سے کھل کر ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی رو سے معلوم دسواں حصہ جو اللہ تعالیٰ جنت کی قیمت پورے مال کے بدلے وصول کرتا ہے زکوٰۃ ہے اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کو مال کی ضرورت نہیں وہ جو کچھ اپنے نام سے وصول کرتا ہے وہ غرباء کا حصہ ہوتا ہے جیسے کہ ارشاد باری ہے اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ۷۳/۲۰ اللہ تعالیٰ کو قرض دو قرض حسنہ ۔ یہ مال کس کو دیا جاتا ہے ؟ غرباء معاشرہ کو ۔ اسلئے جنت کی قیمت پورے مالوں کی بجائے دسواں حصہ غرباء کا حصہ ہے ۔ اب اس ضمن کا آخری سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ دسواں حصہ آمدنی کا ہے یا بچت کا ۔ اس کا جواب پیچھے آیت مجیدہ ۶/۱۴۲ کی تفسیر میں صفحہ ۲۷۵ پر دیا جا چکا ہے آمدنی کا دسواں ، بچت کا نہیں ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سورۂ فاتحہ کی آیت نمبر ۱/۵ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے مروجہ ترجمہ "دکھا ہمکو راہ سیدھی" پر جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آنحضورؐ نے اپنی آخری نماز کے وقت تک سیدھی راہ دیکھی نہیں تھی جو دیکھنے کی دعا کر رہے تھے، کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ ۱/۵ کا مذکورہ مروجہ ترجمہ غلط ہے اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو سیدھی راہ دکھا دی تھی۔ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کا تصریف آیات کے مطابق صحیح ترجمہ یہ ہے :۔ "چلائے رکھ ہم کو راہ سیدھی پر" نیز اس آیت میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ صراطِ مستقیم، دینِ قیم اور ملتِ ابراہیمؑ ایک ہی چیز ہے :۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ
کہہ بیشک میں، ہدایت کی مجھے رب میرے نے طرف راہ سیدھی کے

دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ
دین سیدھا طریقہ ابراہیمؑ کا خالص کا اور نہیں ہیں

مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ ۱۶۲
میں سے مشرکوں کے

کہہ بیشک میں (وہ ہوں کہ) میرے رب نے مجھے صراطِ مستقیم (سیدھی راہ) کی ہدایت فرما دی ہے۔ وہ جو دینِ قیم (سیدھا اور پکا) دین ہے وُہی جو طریقہ ہے ابراہیم کا جو ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کی طرف رہنے والا تھا۔ اور میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں ہوں۔

● ۱ صراطِ مستقیم کا بدل آیا ہے دِیْنًا قِیَمًا اور بدل بعد بدل آیا ہے مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا جس سے ثابت ہوا کہ صرف صراطِ مستقیم ہی دینِ قیم ہے اور وُہی ملتِ ابراہیم ہے۔ جس سے یہ امر بھی کھل کر عیاں ہو چکا کہ حضرت ابراہیمؑ کو وُہی دین دیا گیا تھا جو آنحضورؐ کو عطا ہوا۔ اس مسئلہ کی مکمل بحث پیچھے آیت نمبر ۶/۱۵۵ کی تفسیر میں صفحہ ۲۹۰ پر گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کے سب نبیوں کو ایک ہی کتاب ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت عطا فرمائی تھی۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں آنحضورؐ سے بانداز اقرار متعدد اعلان کروائے گئے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں :۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَ
کہہ بیشک نماز میری اور طریقہ میرا اور حیاتی میری اور

مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ ۱۶۳
موت میری واسطے اللہ پالنے والے جہانوں کے

لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ
نہیں شریک واسطے اُسکے اور ساتھ مذکورہ کے حکم کیا گیا ہوں میں اور

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا۔ بیشک میری فرمانبرداری (ساری کی ساری) اور میرا طور طریقہ (سارے کا سارا) اور میری زندگی (ساری کی ساری) اور میری موت، خالصًا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ اُس (اللہ تعالیٰ) کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں مذکورہ بالا (یعنی پوری فرمانبرداری پورا طور طریقہ، پوری زندگی اور

اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۱۶۳

میں پہلا ہوں مسلمانوں میں

موت کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کرنے کا حکم دیا گیا ہوں - اور میں مسلمانوں کا پہلا مسلمان ہوں ۳

● ۱ لفظ صلوٰۃ کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی فرمانبرداری بھی ہے سورہ قیامت میں تقابل ضدین کے ذریعہ صلوٰۃ کا معنی نافرمانی کی ضد فرمانبرداری بتایا گیا ہے ۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ ۷۵ - ۳۱ - ۳۲ پس اس نے تصدیق کی اور نہ فرمانبرداری کی - بلکہ جھٹلایا اور نافرمانی کی -

● ۲ لفظ نسک کے بہت سے معنوں میں سے ایک معنی طور طریقہ بھی ہے پس نسکی کا معنی ہے میرا طور طریقہ سب اللہ کیلئے ہے - یعنی اللہ تعالیٰ کے عین احکام کیمطابق ہے -

● ۳ اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ کے دو معنے ہیں - ایک یہ کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں کہ جو حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے سب سے پہلے میں اسکے مطابق عمل کرتا ہوں اور دوسرا یہ کہ میں اول درجے کا مسلمان ہوں یعنی سب مسلمانوں سے بڑھ کر احکام خداوندی کا فرمانبردار ہوں -

● سلسلۂ درس کی اگلی دونوں آیات مجیدہ نمبر ۱۶۵ - ۱۶۶ سورہ انعام کی آخری آیات مجیدہ ہیں - آیت نمبر ۱۶۵ سے عیاں ہوتا ہے کہ آنحضور صلعم کے مخالفین باطل عقائد کے حامل تھے جن کی طرف وہ آنحضور کو دعوت دیتے تھے - وہ لوگ غیر اللہ کو حاجتروا اور پالنہار یعنی رب مانتے تھے - اور اپنے پیروں بزرگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانیوالے تسلیم کرتے تھے - نیز علاوہ ازیں بہت سے مسائل میں قرآنی مسائل کیخلاف آبائی عقائد کے مطابق اختلاف کرتے تھے

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ۱۶۵

کہہ کیا سوا اللہ کے ڈھونڈوں میں رب حالانکہ وہ ہے رب ہر چیز کا اور نہیں کماتی ہر جان مگر اوپر اسکے ہے اور نہیں اٹھائیگا اٹھانیوالا بوجھ دوسرے کا - پھر طرف رب تمہارے لوٹ جانے کا مقام ہے پھر خبر دیگا تم کو ساتھ اسکے جو تم بیچ اسکے اختلاف کرتے

(اے رسول صلعم!) کہہ دیجئیگا کہ (اے لوگو!) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب علم (حاجتروا اور پالنہار) تلاش کروں - حالانکہ وہ (اللہ) ہر چیز کا رب (پالنہار) ہے - اور (یہ بھی سن لو کہ) ہر شخص جو عمل کرتا ہے اسکا بوجھ اسکی اپنی جان پر ہے - (قیامت کے دن) کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا - (ہر شخص اپنا اپنا بوجھ اٹھائیگا) پھر تمہارے (اعمال کی جوابدہی کیلئے) لوٹ کر جانے کی جگہ تمہارے رب کی طرف ہے - پھر وہ (اللہ) تمہیں اسکی خبر دیگا جس میں تم اختلاف کرتے ہوتے

● ۱۶۵ لفظ رب کا معنیٰ ہے نقطۂ آغاز سے شروع کر کے نقطۂ انجام تک پرورش کرنے والا ۔ جیسے کہ انسان کی دنیوی زندگی کا نقطۂ آغاز ہے اسکی پیدائش ۔ مگر رب العلمین کی پرورش کا انداز اسکے نقطۂ آغاز ہی سے یہ ہے کہ وہ بچے کی پیدائش سے پہلے ہی اسکی ماں کی چھاتی پر دودھ کی دو نہریں بہا دیتا ہے ۔ جبتک بچے کے دانت نہیں آ گئے اس وقت تک یہ دو نہریں جاری رہتی ہیں اور ان کے خشک ہونے سے پہلے ہی بچے کے دانت نکل آتے ہیں تاکہ وہ سخت چیزیں چبانے کے قابل ہو جائے ۔ اسکے بعد اسکے رزق کے ضامن بظاہر ماں باپ ہوتے ہیں اور اُسے بہتر ہنر مند بنا کر باعزت روٹی کمانے کے قابل بنانا بھی اگرچہ بظاہر ماں باپ ہی کا فریضہ ہے ۔ لیکن درحقیقت یہ فریضہ حکومت وقت کا ہوتا ہے ۔ اس مسئلہ کی وضاحت تفسیر القرآن بالقرآن جلد سوم جو آپکے ہاتھ میں ہے کے صفحہ ۲۸۵ پر بغلی سرخی "نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ" میں گزر چکی ہے ۔

● ۱۶۴ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا کے الفاظ میں بھی اسی چیز کی تائید کر دیگئی ہے کہ بُرے عملوں کی سزا کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اُٹھائیگا ۔ عمل کرنیوالے ہی کو اٹھانا پڑیگا ۔ سورۂ عنکبوت میں اس قرآنی نظریہ کے منکروں کا قول بالفاظِ ذیل درج ہے :۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔــلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

۲۹
۱۲ - ۱۳

(مفہوم) اور مکافاتِ عمل کے خداوندی اٹل قانون کے منکر ایمان والوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے راستے کی اتباع کرو ۔ (یعنی ہماری بیعت کر لو ۔ ہمارے مرید ہو جاؤ) تو تمہارے گناہوں کا بوجھ ہم اٹھا لینگے (یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ سے بخشوا لینگے) حقیقت یہ ہے کہ وہ اُنکے گناہوں کا بوجھ ذرہ بھر بھی اٹھانیوالے نہیں ہیں ۔ وہ جھوٹ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھا لینگے ۔ بلکہ ہوگا یہ کہ وہ ضرور اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھا لینگے اور اُن (اپنے مریدوں) کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے ۔ (کیونکہ انہوں نے انہیں گمراہ کیا تھا ۔ انہیں دوہری سزا دی جائے گی) اور جو (مریدوں) کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کا افترا انہوں نے گھڑ رکھا ہے قیامت کے دن اسکے متعلق اُن سے ضرور ضرور پوچھا جائیگا ـــــ پس کسی کے گناہوں کا بوجھ اٹھا لینے کا تصور از روئے قرآنِ کریم مطلقاً غلط اور ضابطۂ خداوندی کے ذمہ افترائے محض ہے ۔

● حقیقت یہ ہے کہ زندہ اور مردہ پیروں کے متعلق یہ تصور بہت پرانا چلا آرہا ہے کہ قیامت کو وہ اپنے مریدوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھا لینگے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشوا لینگے ۔ یہی عقیدہ زمانۂ رسالت کے منکرینِ ضابطۂ خداوندی کا تھا ۔ انہی زندہ اور مردہ بزرگوں کو وہ لوگ رب مانتے تھے اور آنحضورؐ کو بھی اسی چیز کی دعوت دیتے تھے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قل کے کلام کیساتھ خود آنحضورؐ ہی سے اُن پر واضح کر دیا تھا کہ تمہارے یہ عقائد غلط ہیں ۔ اللہ کے سوا رب کوئی نہیں ۔ اور بُرے عملوں کا بوجھ عمل کرنیوالے کو خود اٹھانا پڑیگا نہ کوئی بوجھ اٹھائیگا اور نہ اللہ تعالیٰ سے بخشوائیگا ۔

● ۴؎ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَخْتَلِفُوْنَ ۰ کے الفاظ کے اوّلین مخاطب تو تھے زمانۂ رسالت کے منکرین ضابطۂ الٰہی جنہوں نے اس ضابطہ سے اپنے بزرگوں سے متوارث حاصل کردہ عقائد کی بنا پر اختلاف کیا تھا ۔ اور انکے بعد قیامت تک کے وہ لوگ مخاطب ہیں ۔ جنہوں نے کسی بھی دور میں قرآنی ضابطۂ الٰہی کے بتائے ہوئے مسائل سے یہ کہہ کر انکے بعد اختلاف کیا یا آج اختلاف کرتے ہیں یا آئندہ کرینگے کہ ہم نے تو اپنے زندہ بزرگوں سے نہ سُنے اور نہ مُردہ بزرگوں کے ملفوظات میں یہ مسائل کبھی پڑھے ہیں ۔ اُن کیلئے انکے بزرگ سند ہیں حالانکہ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۲۸/۸۵ کے مطابق چونکہ فرض قرآن کریم کیا گیا ہے اسلئے بزرگ سند نہیں قرآن کریم سند ہے ـــــ سلسلۂ درس کی اگلی یعنی سورۂ انعام کی آخری آیت مجیدہ کے بھی اوّلین مخاطب زمانۂ رسالت کے منکرین ضابطۂ خداوندی ہیں اور انکے بعد قیامت تک وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسکا انکار کیا کر رہے ہیں یا کرینگے ؀ ۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ ۱ الْاَرْضِ
وہی ہے جس نے بنایا تم کو بعد میں آنیوالے زمین کے

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ۲ لِّيَبْلُوَكُمْ ۳
اور بلند کیا بعض تمہارے کو اُوپر بعض کے درجوں میں تاکہ ظاہر کرے تم کو

فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۴ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۫ۖ وَ
بیچ اسکے جو دیا تم کو بیشک رب تیرا جلدی کرنیوالا سزا کا اور

اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۶ ﴿۱۶۵﴾ ع
بیشک وہ ضرور بچانیوالا رحم کرنیوالا

وہ (اللہ ہی) ہے جس نے تمہیں زمین میں (اپنے اسلاف کے) اخلاف بنایا[۱] (تم انکے بعد زمین میں پیدا ہوئے) اور تمہارے بعض کو (نیک عملوں کی بدولت) بعض پر درجوں میں فضیلت دی[۲] ۔ تاکہ تمہیں اُس چیز کے ذریعہ ظاہر کرے[۳] جو تمہیں دی[۴] ہے (کہ تم نے اُسے کس طرح خرچ کیا ہے) بیشک رب تیرا جلد عذاب کرنیوالا بھی ہے اور بچاؤ عطا فرمانیوالا اور بہت بڑھ کر رحمت فرمانے والا بھی ہے[۵] ۔

● ۱؎ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ سے مُراد زمین کے حکمران بھی ہیں اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم بھی اور افراد کے بعد دوسرے افراد بھی ۔
● ۲؎ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ کے الفاظ میں منشاءِ الٰہی اسکے قانون کے مطابق عیاں ہے کہ وہ درجوں میں انہی کو بلند کرتا ہے جو اعمال بجا لائیں خواہ وہ حکمران ہوں یا کوئی قوم یا فرد ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں مدارج کی بلندی مراد ہے جو نیک اعمال کی بدولت میسّر آتی ہے ۔ جیسے حکمرانوں میں سے حضرات داؤد علیہ السلام ، سلیمان علیہ السلام اور مکی مدنی سرکار ۔ قوموں میں سے ضابطۂ الٰہی کی متبع قومیں اور افراد میں سے اسکے متبع افراد ۔
● ۳؎ لِيَبْلُوَكُمْ کے مصدر بَلَاءٌ کا معنی آزمانا ہے لیکن آزماتا وہ ہے جو حالات سے بے خبر ہو ۔ اللہ تعالیٰ چونکہ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے اسلئے اس کا معنی لکھا گیا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ لوگ جان لیں ۔
● ۴؎ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ میں مَا عموم کے مطابق حکمرانوں کی حکومت مُراد ہے مالداروں کا مال ، علماء کا علم اور

طاقتوروں کی طاقت کہ وہ اِن نعماءِ خداوندی کا صحیح استعمال کرتے ہیں یا غلط - مالداروں کے مال خصوصًا قابلِ ذکر ہیں ؛ کہ کیا وہ اُن میں سے غریبوں کو اُنکا حصّہ دیتے ہیں یا نہیں۔ ۲۵/۷۰ میں مُصلّین کی تعریف میں آیا ہے :- وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وہ، وہ لوگ ہیں کہ اُنکے مالوں میں حاجتمندوں اور معذوروں کا حق ہے جسے وہ حقداروں کو پہنچاتے ہیں۔ حقِ معلومہ آمدنی کے دسویں حصّۂ زکوٰۃ کی وضاحت پیچھے صفحہ ۳۰۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۶/۱۶۵ اللہ تعالیٰ سریع العقاب جلد عذاب دینے والا ہے۔ اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک دن ایک ہزار سال کا ہے ۲۲/۴۷ کو ملحوظ رکھیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ بدکار دندناتے پھرتے ہیں نیز توبہ کیلئے بھی وقفہ عطا کیا جاتا ہے۔ اِس کے ساتھ ہی اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بھی آگیا ہے۔ بالفاظِ دیگر سورہ انعام کا خاتمہ اس اعلان پر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیمانے کے مطابق بدکاروں کو جلد سزا دینے والا ہے مگر اُس نے ۲۲/۴۷ کے مذکورہ پیمانے اسلئے مقرر فرمائیں کہ وہ غفورٌ رّحیم ہے اس کے غفور رحیم کا تقاضا یہ ہے کہ بدکار توبہ کرکے اُسکی مغفرت و رحمت سے محروم نہ رہیں ۝

● واضح رہے کہ :-

● اللہ تعالیٰ ربّ العزّت کی رحمت اور اُسکے عذاب کے تقابل پر تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کے ذریعہ غور کیا جائے تو سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۶ کے الفاظِ ذیل ابھر کر سامنے آتے ہیں :-

● عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۷/۱۵۶ میرا عذاب اُسے پہنچتا ہے جو میرے قانونِ مشیّت کی مخالفت کرکے خود عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے (یعنی میرے عذاب سے بھی وسیع ہے) میں ضرور اپنی رحمت کو اُن لوگوں کیلئے فرض کر دیتا ہوں جو میرے ضابطۂ حیات کی مخالفت سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ یعنی کمزوروں کو فرصی دیتے ہیں۔ اور وہ لوگ ہی وہ ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

● اللہ غفورٌ رّحیم کی رحمت اُسکے عذاب سے وسیع ہے۔ اِسی چیز کا ثبوت یہ ہے کہ اُسنے توبہ کا قانون مقرر کرکے، اپنے عذاب پر اپنی رحمت کو غالب کر رکھا ہے۔ لیکن اُسکی وسعتِ رحمت سے فائدہ اٹھانا ہر شخص کا اپنا کام ہے کہ وہ اگر عصیاں کاری میں مبتلا ہو کر عذابِ الٰہی کا سزاوار ہو چکا ہے تو بصمیمِ قلب توبہ کرکے ربّ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیکر عذاب سے بچ جائے۔

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ ۲۳/۹۷-۹۸

بحمد اللہ کہ بفضلِ ایزدی تفسیر القرآن بالقرآن سورۃ الانعام

ختم شد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ

تعارف ● اِس سورہ مجیدہ میں چونکہ اہلِ اعراف کا ذکر درج ہے اِس لئے یہ سُورہ مجیدہ سُورہ اعراف کے نام سے متعارف ہے۔ لفظ اعراف عرف کی جمع ہے، جس کا بنیادی معنٰی ہے اُونچا مقام جو بآسانی جانا اور پہچانا جائے۔ اِس لفظ کا سہ حرفی مادہ ع۔ ر۔ ف ہے جس کے بنیادی معنے مقام بلند کی مخصوص صفت کے مطابق پہچاننا ہیں۔ عربی ادب میں عَرَفَ الشَّیْءَ کا معنی ہے اُس نے اُس چیز کو جان لیا پہچان لیا۔ اسی مادہ سے یہ الفاظ مشتق ہیں۔ عارف اسم فاعل بمعنی جاننے اور پہچاننے والا۔ معروف اسم مفعول بمعنی جانا ہُوا۔ تعارف بمعنی جان پہچان۔ اعتراف بمعنی اقرار کرنا دورانِ حج جس میدان میں حاجی صاحبان باہمی تعارف کے لئے جمع ہوتے ہیں، اُسے میدانِ عرفات کہتے ہیں۔

● اہلِ اعراف جن کا ذکر جمیل اس سُورہ مجیدہ کی آیات نمبر ۴۶ و ۴۸ میں آیا ہے کون ہیں؟ سابقہ مفسرین کرام کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ وہ لوگ ہونگے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہونگی چونکہ نہ وہ جنت کے مستحق ہونگے نہ جہنم کے، اسلئے اُنہیں درمیان میں رکھا جائیگا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ ملائکہ ہونگے اور بعض کا خیال ہے کہ وہ انبیاءِ کرام ہیں۔ قرآنی تصریفِ آیات کے مطابق وہ بلند مقام کے مقیم حضراتِ انبیاءِ کرام ہیں تفصیل اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

● سُورہ اعراف ۲۴ رکوع اور ۲۰۶ آیات کریمات پر مشتمل ہے۔ اس میں سُورہ فاتحہ کے ساتوں عنوانات سے متعلقہ تفصیل بحث درج ہے۔

۱۔ مسئلہ ربوبیت عالمین، یعنی نعماءِ خداوندی میں ہر فردِ انسانی کا متوازن و مساوی حق مسلم ہے $\frac{1}{1}$ ۔

۲۔ سامانِ ربوبیت اللہ تعالیٰ کی صفت عطا کردہ نعمتوں میں اپنی محنت شامل کرکے حاصل کیا جانا ضروری ہے $\frac{1}{2}$ ۔

۳۔ دُنیوی زندگی کے اعمال کی جواب دہی کیلئے قیامت کی عدالت عالیہ میں حاضر ہونا اٹل ہے۔ $\frac{1}{3}$

۴۔ عبادت (یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اُسی سے مدد مانگنے میں وصل قائم رکھنے کا دائمی عقیدہ $\frac{1}{4}$ ۔

۵۔ اِسی سیدھے راستے پر قائم رہنے کی دائمی آرزو رکھنا اور اسی کیلئے ہمیشہ حضورِ الٰہی میں دعا کرتے رہنا $\frac{1}{5}$ ۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد یعنی انبیاء کرام کے متعلق اسی صراطِ مستقیم کے راہ رَو ہونے کا عقیدہ $\frac{1}{6}$

۷۔ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد یعنی انبیاء کرام کے غیر مغضوب اور غیر گم کردہ راہ ہونے پر ایمان رکھنا $\frac{1}{7}$

ربط ● واضح رہے کہ قرآن مجیدہ کی ہر سُورہ مجیدہ کا ایک ربط تو ہوتا ہے دیباچۂ قرآن مجید، یعنی سُورہ مجیدہ فاتحہ کے ساتھ۔ جس کی وضاحت سطورِ بالا میں کی جا چکی ہے کہ سُورہ اعراف میں سورہ فاتحہ کے ساتوں عنوانات پر بحث دَرج ہے، اِس لحاظ سے داخلی طور پر ہر ایک جامع سُورت مجیدہ ہے اور ہر سُورت کا دُوسرا ربط ہوتا ہے اپنے سے ماقبل سورہ مجیدہ کے ساتھ۔ سُورہ اعراف کا اپنی ماقبل سُورہ انعام کیساتھ خصوصی ربط یہ ہے کہ جن بعض عنوانات کا سورہ انعام میں اجمال ہے۔ سُورہ اعراف میں اُن کی تفصیل دے دی گئی ہے۔ مثلاً سُورہ انعام کی آیات مجیدہ ۸۴ تا ۹۰ میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکرِ جمیل کے بعد سترہ نبیوں کے اسمائے گرامی بتائے گئے ہیں۔ لیکن اِن میں سے حضرات نوحؑ، ھودؑ، صالحؑ، لوطؑ، شعیبؑ اور موسیٰ و ہارون سلامٌ علیہم کا تفصیلی ذکر سُورہ اعراف میں آ گیا ہے۔ حتیٰ کہ سُورہ مجیدہ کا نصف سے زیادہ حصّہ یعنی آیت نمبر ۵۹ سے ۱۵۷ تک کا کثیر حصّہ ان انبیاء کرام کے تذکارِ جلیلہ پر مشتمل ہے۔
سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

● سُورہ اعراف کے رکوعِ اوّل کی ابتدا میں کفائتِ قرآن کا خصوصی اور تفصیلی اعلان بصورتِ حکم دَرج ہے اور قیامت کے دارالجزأ کا ضمنی تذکرہ ہے۔ اور دوسرے رکُوع میں ربوبیتِ عالمینی کے بنیادی مسئلہ کی بحث نوعِ انسانی کے ابتدائی دَور سے شروع کر کے اس امر کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ شروع میں ملوکیت کی ابتدا کس طرح ہوئی تھی۔ اور کس طرح اِسکے رسواکُن اثرات کی بدولت خواص و عوام دونوں ننگے ہو گئے۔ دونوں کا پردہ اُتر گیا۔ دونوں ذلیل و رسوا ہو کر رہ گئے۔

● لیکن ابتدائی لغزش کے بعد عوام و خواص جلدی ہی تائب ہو کر دوبارہ نظامِ ربُوبیّت کی طرف لوٹ آئے واضح رہے کہ قرآنِ مجید میں جو سابقہ اقوام دادار کے قصّے بیان کئے گئے ہیں، وہ محض قصّہ گوئی کے انداز میں نہیں لائے گئے۔ بلکہ قیامت تک کی نوعِ انسانی کے لئے عبرت و موعظت کے لئے آئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ نوعِ انسانی آئے دن سرکشی اور نافرمانی ہی میں آگے سے آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ربُوبیتِ عالمینی کے تصوّر تک سے بیگانگی اس کا شعار ہو چکا ہے۔

● سُورہ اعراف کی ابتدا میں آنحضور خاتم النبیینؐ و رحمت للعٰلمینؐ کی ذاتِ گرامی کو حرُوفِ مقطعات کے گرانقدر خطاب کے ساتھ مخاطب کر کے نزولِ قرآن اور کفائتِ قرآن کی خبر دیگئی ہے کہ اِس سے آپ کے ذہن میں کسی قسم کی تنگی باقی نہیں رہیگی۔ اور غرض نزول یہ بتائی گئی ہے کہ آپ اسی کتابِ مقدس کیساتھ لوگوں کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کیا کریں۔ یعنی اپنا فریضۂ تبلیغ صرف اِس ایک اکلوتی کتاب کیساتھ ادا فرماتے رہیں :—

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ تعالٰی صفت نعمتیں دینے والے اور محنت کا پورا پورا بدلہ عطا فرمانیوالے کے مُبارک نام سے پڑھتا ہوں

الٓمّٓصٓ ۝ ۱

اے امین، لین القلب، محمد، مرسل، صادق!

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ

ایک کتاب نازل کیگئی طرف تیری پس نہ ہو

صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى

ذہن تیرے تنگی سے اسکے تاکہ تو ڈرائے ساتھ اسکے اور نصیحت

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۲

واسطے مومنوں کے

اے امین! گداز ذہن والے! تعریف ور تعریف کئے ہُوئے، خود ہماری طرف سے بھیجے ہُوئے سچے رسُول! آپکی طرف ہیں ایک اکلوتی کتاب (قرآن حکیم) نازل کی گئی ہے تاکہ اسکی بدولت آپکے ذہن میں کوئی تنگی باقی نہ رہے۔ (نزول قرآن کی غرض یہ ہے) تاکہ آپ اسی اکلوتی کتاب کیساتھ لوگوں کو اُن کے فرائض منصبی سے آگاہ کریں۔ اور یہ کتاب ماننے والوں کیلئے ایک (عظیم الشان) نصیحت نامہ ہے۔

● الٓمّٓصٓ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیلی بحث دیباچہ کے صفحہ ۴۷ تا ۴۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں اختصار کے طور پر عرض کیا جاتا ہے کہ الف سے مراد ہے امین۔ لام سے مراد ہے لین القلب یعنی گداز ذہن والا میم اوّل سے مراد ہے محمد یعنی تعریف در تعریف کیا گیا اور میم دوم سے مراد ہے مُرسل اور صٓ سے مراد ہے صادق سچا نیز صٓ سے صاحب قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے۔

● ۲ لفظ کتٰبٌ مفرد مرفوع خبر ہے ھٰذَا مبتدا محذوف کی۔ اور اُنْزِلَ اِلَيْكَ جملہ فعلیہ کتٰبٌ کی صفت ہے اور تقدیر کلام یہ ہے :- ھٰذَا كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ اس طرح کتٰبٌ کی دو طرح سے تخصیص ہو گئی ہے۔ پہلی یہ کہ ھٰذَا اسم اشارہ محذوف نے اکمل تمیز پیدا کر دی ہے اور دوسری یہ کہ کتٰبٌ نکرہ موصوفہ ہونے کی بدولت بھی مخصوص ہو چکی ہے۔ اسلئے معنٰی لکھا گیا ہے :- "آپکی طرف صرف یہی ایک اکلوتی کتاب نازل کیگئی ہے" یعنی اِسکے سوا اور کوئی چیز آپکی طرف ہرگز ہرگز نازل نہیں کیگئی۔

● ۳ فلا کی فا برائے علت آئی ہے۔ بمعنی :- "تاکہ آپکی تمام ذہنی اُلجھنیں اِسکے ساتھ دُور ہو جائیں"۔

● ۴ مِنْهُ کے مِن کا معنٰی ہے کی بدولت، جیسے کہ مِمَّا خَطِيْٓــٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا ۷۱؍۲۵ وہ اپنی خطاؤں کی بدولت غرق کئے گئے۔

● ۵ لِتُنْذِرَ بِهٖ کی لام مکسورہ برائے علت آئی ہے بمعنی غرض یہ ہے کہ ....

● ۶ لِتُنْذِرَ بِهٖ میں ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع کتٰبٌ چونکہ اسم اشارہ ھٰذَا محذوف کا مشارٌ الیہ ہے

اور بصورتِ واحد نکرہ مخصوصہ آیا ہے۔ اسلئے مرجع کے لحاظ سے اس ضمیر میں بھی تخصیص موجود ہے۔ لہٰذا معنیٰ لکھا گیا ہے کہ :۔ " آپ اِسی اکلوتی کتاب کیساتھ عوام کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کریں۔

● بشمول انذار کا معنیٰ ہے معاشرہ کے ہر فرد کو الگ الگ ان کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنا، کروہ دکاندار ہے تو اُسکا کیا فرائضِ منصبی ہے اور اگر وہ گاہک ہے تو اُسکا کیا فرضِ منصبی ہے۔ اگر وہ عمالِ حکومت سے متعلق ہے تو اُسکا کیا فرضِ منصبی ہے اور اگر وہ رعایا کا فرد ہے تو اُسکا کیا فرضِ منصبی ہے۔ اسی طرح اگر وہ باپ ہے یا بیٹا، سُسر ہے یا داماد، مقیم ہے یا مسافر، دوست ہے یا ہمسایہ، اِن الگ الگ مقامات پر اُسکے الگ الگ فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنا آنحضورؐ کا فریضۂ رسالت تھا۔ اور آئتِ مجیدہ زیرِ بحث سے ثابت ہے کہ آنحضورؐ کو اسی کتاب قرآنِ مجید کے ساتھ انذار کرنے کا مکلّف کر دیا گیا تھا۔ بالفاظِ دیگر اس کتاب قرآنِ مجید میں ہر کسی کے فرضِ منصبی کی خبر دی گئی ہے۔

مُنزّل من اللہ بھی صرف اور صرف قرآنِ کریم ہے اور واجب الاتباع بھی صرف اور صرف قرآنِ کریم ہے

● آئتِ بالا میں باندازِ تخصیص و تکرار اعلان کیا گیا ہے کہ آنحضورؐ پر صرف اور صرف قرآنِ کریم نازل کیا گیا تھا، نیز صرف اور صرف قرآنِ کریم ہی کیساتھ آنحضورؐ کو عوام کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنے کا پابند کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئتِ مجیدہ میں عوام کو بھی براہِ راست خطاب کے ذریعہ حکم دیدیا گیا تھا کہ صرف اور صرف اُس عظیم الشّان کتاب کی اتباع کرو جو آنحضورؐ کے ذریعہ تمہاری طرف نازل کیگئی ہے :۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (عله)
پیروی کرو جو نازل ہوا طرف تمہاری سے رب تمہارے

وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا
اور نہ پیروی کرنا سے سوائے اسکے مددگار تھوڑا ہے

مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ۳
جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو

(ایمان والو!) اُس عظیم الشّان اکلوتی کتاب کی اتباع کرو جو تمہاری طرف تمہارے (رسولؐ کی معرفت) تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیگئی ہے اور اُس (اللہ) کے سوا جھوٹے کارسازوں کی اتباع نہ کرنا۔ تھوڑا ہے جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

● اِس آئتِ مجیدہ کے خط کشیدہ جملہ عله ، اور خط کشیدہ جملہ عله باہم معطوف، معطوف علیہ ہیں، نیز جملہ عله کے اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ کے امر یہ جملے میں صرف مَآ اُنْزِلَ کی اتّباع کا حکم دیا گیا ہے اور جملہ عله وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ کے ناہیہ جملے میں اگرچہ بظاہر اس قرآنِ حکیم کے سوا کی اتّباع سے منع کر دیا گیا ہے۔ لیکن :۔

ایک نکتۂ لطیف

● لیکن جملہ ۱ اور جملہ ۲ میں الفاظ کی حاکمیت قائم رکھتے ہوئے یہ عجیب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکم تو دیا گیا ہے مَا اَنْزَلَ اللہ کی اِتباع کا اور منع کیا گیا ہے اللہ کے سوا جھوٹے کارسازوں کی اتباع سے۔ حالانکہ مَا اَنْزَلَ اللہ کی ضد چونکہ غیر مَا اَنْزَلَ اللہ ہے اسلئے لازم آتا تھا کہ امر یہ حکم اِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ کی تائید کے لئے جو نہی لائی جاتی اُس میں غیر مَا اَنْزَلَ اللہ کی اتباع سے منع کیا جاتا۔ واضح رہے کہ آیت مجیدہ میں جو تائیدی نہی کا مخصوص انداز اختیار کیا گیا ہے اس میں اِس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اطاعت و اتباع کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسے کہ ۶/۵۷ اور ۱۲/۴۰ میں نفی اثبات کے حصر کیسا تھ اعلان کیا گیا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ = اللہ کے سوا کسی اور کیلئے حکم کا حق ہے ہی نہیں۔ لیکن چونکہ اللہ کے حکم کی تعمیل یعنی اُس کی اطاعت و اتباع کا ذریعہ صرف اور صرف ایک ہی ہے مَا اَنْزَلَ اللہ اِس لئے اس نکتۂ لطیفہ کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ذہن میں محفوظ فرمالیں کہ قرآنِ کریم میں جہاں جہاں بھی اِتباع و اطاعت کے احکام نازل ہوئے ہیں، ہر مقام پر خالصتًہ اللہ تعالیٰ کی اتباع و اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مَا اَنْزَلَ اللہ کی اتباع کے حکم میں بھی خالصتًہ خدا تعالیٰ کی اِتباع کا حکم ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی اِتباع کا اکلوتا ذریعہ ہے مَا اَنْزَلَ اللہ یعنی قرآنِ حکیم۔

● اسلئے اللہ تعالیٰ نے ابتداءِ آفرینش ہی سے یہی اکلوتا انداز اختیار فرمایا تھا کہ اپنی طرف سے ایک اکلوتی کتاب نازل فرمائی جاتی اور اُسی کتاب کے ذریعہ اعلان کر دیا جاتا کہ صاحبِ حکم اور لائقِ اطاعت و اتباع صرف میں ہوں ۶/۵۵ + ۱۲/۴۰ ۔ پس تم میری نازل کردہ کتاب کے ذریعہ خالص میری اتباع کرو۔

اتباعِ رسولؐ

● اسکے بعد سمجھنے کی چیز ہے اتباعِ رسولؐ کا اہم ترین مسئلہ۔ اُوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ اتباعِ خداوندی کا واحد ذریعہ ہے اِتباعِ مَا اَنْزَلَ اللہ یعنی اتباعِ کتاب۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب عوام النّاس پر الگ الگ نازل کی جاتی تھی۔ بلکہ عوام میں سے اُنہی کے ایک مسلّمہ نیکوکار اور انتہائی بلند اخلاق و بلند کردار مکرم و محترم فرد کو مَا اَنْزَلَ اللہ کیلئے مہبطِ وحی کے طور پر خود چُن لیا جاتا اور صرف اسی کے ذریعہ اپنی اتباع کے اوامر و نواہی پہنچائے جاتے جو صرف اور صرف مَا اَنْزَلَ اللہ یعنی کتابِ خداوندی میں محفوظ کر دیئے جاتے۔ بالفاظِ دیگر مَا اَنْزَلَ اللہ یعنی کتابِ خداوندی کی اِتباع فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی اِتباع ہے۔ اِسی طرح جہاں جہاں اِتباع و اطاعتِ رسولؐ کا حکم دیا گیا ہے وہاں بھی اللہ کے رسولؐ کے ذریعہ عوام تک پہنچائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ضابطۂ حیات کی اِتباع مُراد ہوتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ کا معنیٰ ہے اللہ کا حکم پہنچانے والا۔ جو خود بھی احکامِ خداوندی کے تابع ہوتا تھا جیسے کہ خود آنحضورؐ کا اقرار نفی اثبات کے حصر کیساتھ بتکرارِ کثیر قرآنِ کریم میں بالفاظِ ذیل موجود محفوظ ہے :—

● اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَىَّ ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۴۶/۹ نہیں میں اتباع کرتا مگر صرف اور صرف اُس عظیم الشان ضابطے کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے — آگے پڑھنے سے پہلے پھر ذہن نشین کر لیجئیگا کہ وحی اور

مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی اصل متبوع نہیں بلکہ متبوع اکیلی ذاتِ باری تعالیٰ ہے ۔ قرآن کریم جو قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت واتباع کا اکلوتا ذریعہ ہے آنحضورؐ کی وساطت سے نازل کیا گیا تھا ۔ پس آیت زیرِ بحث اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۳/۷ سے وضاحتًا ثابت ہوا کہ اتباعِ خداوندی کا اکلوتا ذریعہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ہے اور اس امر کا فیصلہ کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کیا ہے ، اِسکی متصلًا قبل آیت مجیدہ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ ۲/۷ کے الفاظ میں موجود ہے کہ وہ صرف اور صرف ایک اکلوتی کتاب ہے ۔ اسکے سوا ذخیرہ روایات کی کوئی ایک کتاب بھی نہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ہے نہ واجب الاتباع ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے مقدس رسولؐ خود بھی اِسی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کے تابع تھے ، متبوع نہ تھے ۔

ایک تاریخی المیہ ● یہ ایک انتہائی کرب انگیز المیہ ہے کہ کُتبِ روایات کو مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ میں شامل کر کے واجب الاتباع قرار دے دیا گیا ہے ۔ ان کے غیر منزل من اللہ ہونے کے سیکڑوں دلائل میں سے صرف دو قرآنی قرآنی دلیلیں پیشِ خدمت ہیں :۔

۱ ۔ پہلی دلیل قاطع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منزل من اللہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۲/۲۳ اور اگر تم اُس میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمایا ہے ، شک میں ہو تو اس جیسی ایک سُورت بنا لاؤ ــــ اور آگے خود ہی اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ دے دیا ہے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ۲/۲۴ پھر اگر تم اِس جیسی ایک سُورت بھی نہ بنا سکے اور یاد رکھو کہ تم ہرگز ہرگز کبھی بھی نہ بنا سکو گے ــــ اب اس خداوندی چیلنج پر غور فرمائیں کہ مَا نَزَّلْنَا کی مثل آج تک نوعِ انسانی نہیں بنا سکی ۔ مگر کُتبِ روایات کی یہ حالت ہے کہ لاکھوں روایتیں گھڑ کر کُتبِ روایات میں داخل کر دی گئی ہیں ۔

۲ ۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے متعلق سُورہ حم سجدہ میں اعلان کر دیا گیا ہے :۔ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۴۱/۴۱-۴۲ = بیشک وہ اکلوتی غالب کتاب ہے ۔ باطل نہ اُس میں آگے کی طرف سے شامل ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے کی طرف سے داخل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بے حد حکمتوں والے اور بے حد تعریفوں والے کی طرف نازل کیا گیا ہے ۔

● خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتابِ عزیز کا چودہ سو سالہ مشاہدہ گواہ ہے کہ اُس میں آج تک باطل کا گزر نہیں ہو سکا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ حکیم وحمید کی طرف سے نازل کردہ ہے ۔ لیکن کُتبِ روایات اگر منزل من اللہ ہوتیں تو اُن میں بھی باطل کا گزر نہ ہو سکتا ۔ چونکہ اُن میں لاکھوں کی تعداد میں باطل روایات احادیثِ منسوب کی صُورت میں شامل کر دی گئی ہیں ۔ اس لئے بصورتِ نصف النہار ثابت ہوا کہ کُتبِ روایات مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ہرگز نہیں ہیں ۔ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ صرف اور صرف قرآنِ حکیم ہے جس میں چودہ سو سال کی طویل مدت میں بھی نہ صرف یہ کہ باطل داخل نہیں ہو سکا بلکہ اس میں زیر زبر تک کوئی تبدیلی

واقع نہیں ہو سکی۔ پس آنحضورؐ کی ذاتِ مقدس پر جو کتاب نازل ہوئی یعنی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اور مَا یُوْحٰی صرف اور صرف قرآنِ حکیم ہے۔

قرآنِ کریم قوموں کے عروج و زوال کے اصول و قواعد سے بحث کرتا ہے

● مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کی اس قرآنی وضاحت کے بعد پھر آیئے سلسلۂ درس کی طرف واضح رہے کہ قرآنِ مجید چونکہ مکمل و مفصل ضابطۂ حیات ہے $\frac{6}{115}$ اسلئے اس میں قوموں کے عروج و زوال کے اصول و قواعد پر مکمل بحث درج ہے۔ اسی سورۂ مجیدہ اعراف میں آیت مجیدہ نمبر ۵۹ تا ۱۵۷ میں قوم نوحؑ، قومِ عادؔ، قومِ ثمودؔ، قومِ لوطؑ، قومِ شعیبؑ اور قومِ موسیٰؑ کی نافرمانیوں کے تذکرہ کے بعد اُن کی ہلاکت کے اسباب بیان کئے گئے ہیں جو آگے آرہے ہیں۔ نیز سلسلۂ درس کی طرف بڑھنے سے پہلے اس چیز کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئیگا کہ $\frac{42}{12}$ میں اعلان کیا گیا ہے کہ سابقہ انبیاءؑ کی معرفت سابقہ اقوام کو بھی یہی ضابطۂ حیات دیا گیا تھا جو قرآنِ کریم میں نازل کیا گیا ہے۔ اور $\frac{26}{196}$ + $\frac{87}{18-19}$ کے مطابق سابقہ انبیاءؑ کی کتابوں میں بھی یہی قرآنی ضابطۂ حیات نازل کیا گیا تھا۔ بالفاظِ دیگر سابقہ اقوام اسی ضابطۂ خداوندی کی مخالفت کی بدولت ہلاک کی گئی تھیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی پچھلی آیت مجیدہ $\frac{7}{3}$ کے آخری جملے میں متنبہ کیا گیا ہے قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ۔ تھوڑا ہے جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ اور اس تنبیہ کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سابقہ اقوام پر نزولِ عذاب کا وقت بتایا گیا ہے:۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا
اور کتنی سے بستیاں ہلاک کی ہم نے پھر آیا عذاب ہمارا

بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ○ ۴
رات کے وقت یا وہ تھے دوپہر کو سوئے ہوئے

اور ہم نے (اسی منزّل من اللہ کی تکذیب کی بدولت) کتنی بستیاں ہلاک کر دیں۔ پھر اُن پر ہمارا عذاب رات کے وقت آیا اور یا جب وہ دن کے وقت قیلولہ کر رہے تھے (دوپہر کو سوئے ہوئے تھے)۔

عذاب آچکنے پر اعترافِ جرم

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ سابقہ اقوام پر جب عذاب آجاتا تو وہ اس امر کا اعتراف کرتے کہ بیشک ہم اپنی زندگی میں ناروا کام یعنی ظلم ہی کرتے رہے تھے:۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ
پھر نہیں تھا دعویٰ اُنکا جب آیا اُن کے پاس

بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ ۵
عذاب ہمارا مگر یہ کہ کہا بیشک ہم تھے ظلم کرنیوالے

پھر (جس وقت اُن پر ہمارا عذاب آگیا تو) اُن کا اس کے سوا دعویٰ نہیں تھا کہ وہ کہتے، بیشک ہم ظلم کرتے رہے تھے (یعنی بے ٹھکانہ کام، ضابطۂ خداوندی کی مخالفت) کرتے رہے تھے۔ (صرف دنیا کا عذاب ہی نہیں بلکہ انہیں آخرت کی عدالت میں بھی حاضر ہو کر جوابدہ ہونا ہے)

قیامت کی عدالت میں رسُولوں اور اُنکی اُمتوں سے الگ الگ جواب طلبی

● اگلی آیت مجیدہ میں اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ دُنیوی عذاب سے اُخروی عذاب ٹل نہیں جاتا۔ بلکہ قیامت کی اُخروی عدالت میں نبیوں اور رسُولوں سے بھی پُوچھا جائیگا کہ تم نے ہمارا پیغام پہنچایا اور اُمتوں سے بھی ضرور ضرور سوال کیا جائیگا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ
پھر البتہ ہم سوال کرینگے ان سے بھیجے گئے طرف ان کی اور
لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦﴾ ٦
البتہ ہم سوال کرینگے بھیجے ہوؤں سے

پھر (اس دُنیوی زندگی کے بعد قیامت کی عدالت میں) ہم ضرور ضرور اُن لوگوں سے بھی سوال کرینگے جن کی طرف رسُول بھیجے گئے تھے[1] اور ہم ضرور ضرور اُن سے بھی سوال کرینگے جنہیں رسول بناکر بھیجا گیا تھا[2]

● [1] جو سوال اُمتوں سے کیا جائے گا اُس کی خبر سُورہ انعام میں بالفاظِ ذیل دی گئی ہے :- اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۶/۱۳۰ = کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے رسُول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آئتیں پڑھتے تھے۔ اور آج کے دن کی حاضری سے تمہیں آگاہ کرتے تھے۔ اُمتوں سے یہ سوال اتمام حجت کیلئے کیا جائیگا۔

● [2] اور مرسلین سے پُوچھا جائیگا کہ کیا تم نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟ نیز جو کچھ تمہاری اُمتیں تمہاری تعلیم دادہ ہدایت کے نام سے کرتی رہیں تھیں، کیا تم نے اُنہیں اس کی تعلیم دی تھی۔ مثلاً حضرت عیسٰی سلامٌ علیہ پر یہ سوال کیا جائیگا :- وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۵/۱۱۵ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ مریم کے بیٹے عیسٰیؑ سے پُوچھیگا، کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ ملاکر دو الٰہ اور بنالو ——— حضرت مسیحؑ سے یہ سوال اِس لئے کیا جائے گا، کہ اُن کی اُمت نے جو تین الٰہ بنا رکھے ہیں، اِس کے متعلق اُن کا عقیدہ ہے کہ اِس تثلیث کی تعلیم اُنہیں خود اُن کے رسُول عیسٰے سلامٌ علیہ نے دی تھی۔

● اِسی طرح جناب رسالتمآب جناب مکی مدنی سرکارؐ کی اُمت نے قرآن کریم کے ساتھ جو کتُب روایات کو ۷/۳ کے خلاف واجب الاتباع قرار دے رکھا ہے۔ اِس کے متعلق اُمت کا عقیدہ یہ ہے کہ خود رسُولِ مقبولؐ نے فرمایا تھا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ کہ میں قرآن بھی دیا گیا ہوں اور اُسکے ساتھ اسکی مثل اور بھی دیا گیا ہوں۔ اور وہ مِثْلَهٗ مَعَهٗ قرار دے لیا گیا ہے کتُبِ روایات کو۔ چنانچہ عمل کی رُو سے قرآن کا مقام تو دے دیا گیا ہے کتُبِ روایات کو اور قرآن حکیم کو ٹھہرا لیا گیا ہے صرف تلاوت کیلئے۔ تو اس طرح اُمت کی ناقابلِ انکار حالت یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت تو کی جاتی ہے شبانہ روز، اور قسمیں بھی اسی کی کھائی جاتی ہیں۔ مگر مسائل میں حاکم قرار دیدیا گیا ہے کتبِ روایات کو۔ تو اس

صورت میں حال یہ ہے کہ قرآن کریم کو اس طرح پکڑا ہوا ہے جیسے چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔ پس اُمت کی اسی حالت کے متعلق آنحضورؐ سے سوال کیا جائیگا کہ کیا آپ نے انہیں حکم دیا تھا کہ قرآن کریم کو اس طرح پکڑو جیسے چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔ سورۂ فرقان میں اسی سوال کو محذوف رکھ کر اسکے اس جواب کی خبر دیگئی ہے جو آنحضورؐ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حضورِ خدا وندی میں الفاظ ذیل عرض کرینگے:۔

● وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ۲۵/۳۰ = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب قیامت کی عدالتِ عالیہ میں اللہ کا رسولؐ (محمد عربی) یہ کہیگا کہ اے میرے پروردگار! بیشک میری قوم نے اس قرآن کو خود اس طرح پکڑا ہوا تھا جیسے چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔ میں نے انہیں ایسے عقیدے اور عمل کی تعلیم ہرگز نہیں دی تھی۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آیت مجیدہ ۶ میں رُسل انبیاء اور اُن کی اُمتوں سے الگ الگ سوال کئے جانے کی خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا پھر ہم بیان کرینگے اوپر ان کے ساتھ علم کے اور نہیں تھے ہم	پھر ہم انہیں اپنے علم کے مطابق (انکے عملوں کی) ضرور ضرور خبر دینگے۔ کیونکہ (جب ہمارے رسول ہمارا پیغام پہنچاتے اور پھر جب اُن کے بعد لوگ ان کی تعلیم کو بدل لیتے، ہم ہر وقت پر حاضر و موجود تھے۔ کسی وقت پر بھی) ہم غائب نہیں تھے۔
غَآئِبِيْنَ ۝ ۷ غائب	

قیامت ایک یقینی چیز ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ قیامت ضرور ضرور آنیوالی ہے۔ وہاں جن کا موازنۂ اعمال نیکیوں کا بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوں گے اور جن کا ہلکا ہوگا وہ ناکام ہوجائینگے:۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ اور وزن کرنا اس دن کا سچا ہے پھر وہ جو بھاری ہوگا	اور (خوب یاد رکھو کہ) قیامت کے دن موازنۂ اعمال کا وقوع حق ہے (وہ ہرگز نہ ٹلنے والی چیز ہے۔ پھر جس شخص کا موازنۂ اعمال (نیکیوں کا) بھاری ہوگا۔ ایسے لوگ (اس عدالت میں) کامیاب ہونیوالے ہیں۔
مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ۸ موازنہ اس کا پس وہ وہی ہیں کامیاب ہونیوالے	
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اور وہ جو ہلکا ہوگا موازنہ اس کا پس وہ ہیں جنہوں نے گھاٹا دیا	اور جس شخص کا موازنۂ اعمال (نیکیوں کا) ہلکا ہوگا۔ پس یہ لوگ وہی ہیں کہ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ دیا۔ بسبب اس کے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کیساتھ ظلم کیا (یعنی ہماری کائناتی اور تنزیلی آیتوں کو عملاً جھٹلایا)۔
اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝ ۹ جانوں اپنی کو بسبب تھے ساتھ آیتوں ہماری ظلم کرتے	

● ؎ اس آیت کے الفاظ بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ انتہائی غور طلب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ظلم جو انکا بیجا استعمال

آیاتِ خداوندی کی دو قسمیں ہیں، تنزیلی اور تکوینی - تنزیلی آیات کریمات وہ ہیں جو اللہ کی نازل کردہ کتاب میں موجود محفوظ ہیں ان کے ساتھ ظلم یہ ہے کہ ان میں جو احکام نازل کیے گئے ہیں اُن پر عمل کرنے کی بجائے انکا حرف ورد کرنا اور انہیں گھول گھول کر پینا مثلاً قرآن مجید کی آیتِ مبارکہ ہے اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ ۵۵/۹ کہ تول کو انصاف کیساتھ قائم رکھو - مگر اس میں درج حکم کے خلاف کم تولتے رہنا اور اسکے الفاظ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ کا حرف ورد کر کے اسکے ایک ایک حرف کی تلاوت سے دس دس نیکیوں کے ثواب کی اُمید رکھنا۔

● اِسی طرح سورہ نحل میں شہد کے متعلق ارشاد ہوا ہے فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۱۶/۶۹ اس میں لوگوں کیلئے شفا ہے - اس آیت پر ظلم یہ ہے کہ شہد کو استعمال کئے بغیر مرض کی شفا کیلئے فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ کے الفاظ کو لکھ لکھ کر اور گھول گھول کر پینا۔ اس کے علاوہ کسی بھی آیت مجیدہ میں درج حکم پر عمل کرنے کی بجائے اُسے گھول گھول کر پینا اُس آیتِ مبارکہ پر ظلم ہے - لفظ ظلم کا معنی ہی ہے بے ٹھکانہ کام کرنا۔

● اب آیئے اللہ تعالیٰ کی تکوینی یعنی کائناتی آیات کریمات کی طرف - قرآن مجید میں تکوینی آیتوں کی خبر بالفاظ ذیل دی گئی ہے :-

● وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۳۰/۲۲ اور اسکی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا۔

● وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ ۳۶/۳۷ اور تمہارے لئے رات اللہ کی آیت ہے کہ وہ اس میں سے دن کو نکالتا ہے۔

● وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۳۶/۳۸ اور سورج اسکی آیت ہے جو اپنے لئے مقرر کئے گئے مدار پر چلتا ہے۔

● وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ ۳۶/۳۹ اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں یہانتک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو کر لوٹ آتا ہے۔

● وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۳۰/۲۴ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے خوف اور طمع کی صورت میں (یعنی خوف اور طمع کی صورت میں دعوتِ غور و تدبر دیتا ہے) اور اسکی آیتوں میں سے ہے کہ وہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر اُسکے ساتھ زمین کو اُسکے مرجانے کے بعد زندہ کرتا ہے - گیا آیات بالا میں درج ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی کائناتی آیت قرار دیا ہے - اور کائنات کی ہر چیز کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

● وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۲۵/۲ اور اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز سے متعلق صحیح صحیح قوانین متعین فرما دئے۔

● اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ کائناتی آیات کریمات کیلئے آیتِ بالا ۲۵/۲ کے مطابق الگ الگ قوانین مقرر کر دئے ہیں جن کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی چیز ہر آن معروفِ عمل ہے - انکے متعلق یہ تصور دینا ان پر ظلم ہے کہ وہ کبھی ایک سیکنڈ کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کی زنجیروں سے آزاد ہو کر کسی غیر اللہ کے تسلط میں چلی گئی ہوں - مثلاً فلاں بزرگ کے تسلط سے غروب شدہ سورج عصر کے وقت پر لوٹ آیا تھا - حالانکہ ۳۶/۳۸ کے مطابق سورج کبھی بھی اپنی اُس روش سے نہیں ہٹا اور نہ کبھی ہٹیگا جس پر اُسے خالقِ کائنات نے چلا دیا ہوا ہے - اور یہی حالت چاند کی ہے کہ اُسکے

خالق ومالک نے اسکی جو منزلیں مقرر کردی ہوئی ہیں ان میں آجتک سر مو فرق نہیں آیا ۳۶/۹۳ - پس اِن کائناتی آیات خداوندی میں کسی زندہ یا مُردہ بزرگ کا تسلط تسلیم کرنا ان پر ظلم ہے -

● اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کائناتی آیات کریمات میں یہ بھی اُسکی آیتوں میں سے ہے کہ آٹا صرف اس صُورت میں میسّر آتا ہے کہ زمین میں ہل چلا کر گندم بوئی جائے اُسے پانی دیا جائے اس کی نلائی اور رکھوالی کی جائے - وہ فصل تقریباً چھ ماہ کے بعد پک کر تیار ہوگی - پھر اُسے کاٹ کر اور گاہ کر اُس سے گندم حاصل کرنے کے بعد اُسے چکی میں پیسنے کے بعد ہی آٹا میسّر آئیگا - لیکن اس کے برعکس یہ تصوّر پیش کرنا کہ فلاں بزرگ نے ریت کا آٹا بنا دیا تھا، یہ ان کائناتی آیاتِ خداوندی پر ظلم ہے -

● اسی طرح گُڑ اور شکر اِن کائناتی آیاتِ خداوندی پر عمل کئے بغیر میسّر نہیں آتے، کہ زمین میں ہل چلا کر کماد بویا جائے اُسے پانی دیتے ہیں، اور اسکی نلائی اور رکھوالی کرتے رہیں، پھر وہ فصل اپنی مقررہ مدّت کے بعد پک کر تیار ہوگی اور اُس سے گنّا میسّر آئیگا جسے بیلنے میں بیل کر رس مہیا ہوگی اور پھر اُسے آگ پر پکا کر ہی گُڑ اور شکر دستیاب ہو سکیں گے - لیکن اسکے برعکس یہ تصوّر پیش کرنا کہ کسی بزرگ کے تسلّط سے آسمان سے شکر برستی ہے، یہ ان کائناتی آیات کریمات خداوندی پر ظلم ہے -

رجوع الی المطلب

● یہاں تک سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۹/۷ کے آخری جُملہ کے الفاظ بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ کی مختصر وضاحت کیگئی - اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں پوری نوعِ انسانی کے حقُوقِ رُبُوبیّت کی خبر دینے کے بعد یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ تم بہت کم شکر گزاری کرتے ہو - یعنی دُوسروں کی محنت کا پورا پورا بدلہ نہیں دیتے :-

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ
اور بلاشبہ ہم نے ٹھکانہ دیا تم کو بیچ زمین اور بنائے ہم واسطے تمہارے
فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ ۱۰
اسمیں سامانِ معاش - تھوڑا ہے جو تم شکر کرتے ہو
ع ۸

اور (اے نوعِ انسانی !) بیشک ہم نے تم سب کو زمین میں ٹھکانہ (حقِ رہائش) عطا فرمایا ہے - اور اس میں تم سب کے سب کیلئے سامانِ معاش پیدا کر دیا ہے - پھر بہت تھوڑا ہے جو تم محنت کرنیوالوں کی محنت کا بدلہ دیتے ہو -

● ؎۱ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ میں کُمْ ضمیر جمع مخاطب کا مرجع پوری نوعِ انسانی ہے اور تمکّن کا مصدری معنیٰ حکومت قائم کرنا بھی ہے اور حقِ رہائش کے طور پر بلا کرایہ رہائش پذیر ہونا بھی - ان الفاظ میں پوری نوعِ انسانی کیلئے زمین میں بلا کرایہ حقِ رہائش کا اعلان کیا گیا ہے -

● ؎۲ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ کے الفاظ میں پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کے حقِ معاش کا اعلان کیا گیا ہے - پوری نوعِ انسانی کے اِسی حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی کے اعلان کیلئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳۶/۲ اور

اسی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۲۴ میں ذیل کے ایک ہی الفاظ لائے گئے ہیں :-

● وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ ۳۶/۲ + ۲۴/۷ اور (اے نوعِ انسانی!) تم سب کے سب کیلئے زمین میں حقِ استقرار (بلاکرایہ رہائش) بھی مسلّم ہے اور تم سب کے سب کے لئے حقِ متاع (یعنی حقِ ضروریاتِ زندگی) بھی مسلّم ہے۔

شکر کے قرآنی معنے ● ۳ـ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ میں آمدہ لفظ تشکرون کا سہ حرفی مادہ ش۔ک۔ر = شکر ہے۔ قرآنی لغت کے مطابق اسکے دو مصدری معنے ہیں :-

۱۔ "حصولِ مقصد کیلئے بھرپور محنت کرنا اور اس کا بھرپور بدلہ پانا"۔ ان معنوں کی وضاحت سورہ دہر میں بالفاظِ ذیل موجود ہے۔ قیامت کو اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو ارشاد فرمائیگا۔ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ۝ ۲۲/۷۶ بیشک یہ (حصولِ جنت) تمہارے اپنے عملوں کا بدلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری بھرپور محنت مشکور ہوئی ہے (یعنی تمہاری بھرپور محنت کا بھرپور بدلہ دیا گیا ہے۔)

۲۔ "محنت کرنیوالے کی محنت کا بھرپور بدلہ دینا" مادہ شکر کے اِن معنوں کی وضاحت آیت نمبر ۲۱/۷۶ میں بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو نیکو کاروں کی محنت یعنی اُن کے اعمالِ صالحہ کا جنت کی صورت میں بھرپور بدلہ دیگا اور اسی چیز کی خبر ۲/۱۵۸ فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ کے الفاظ میں دیگئی ہے۔ اس جملہ کا عوامی ترجمہ یہ ہے کہ پس بیشک اللہ تعالیٰ شکر کرنے والا اور بڑھ کر جاننے والا ہے۔ لفظ شکر کا عوامی مشہور و معروف معنیٰ ہے' بھوک ننگ یا خوشحال، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا زبانی زبانی شکر ادا کرتے رہنا۔ لیکن غور فرمائیں ۲/۱۵۸ میں جو شاکرٌ بصیغہ اسم فاعل اللہ تعالیٰ کے لئے آیا ہے' کیا اس کا یہ معنیٰ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبانی زبانی کس کا شکر ادا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ ہر محنت کرنے والے کی محنت کا پورا پورا بدلہ عطا کرنے والا ہے۔ وہ بھرپور محنت کا بھرپور بدلہ عطا فرماتا ہے۔ اُس کا اس دُنیا میں بھی یہی دائمی طریقہ ہے اور آخرت میں بھی یہی طریقہ ہوگا۔

● واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی آیتِ بالا ۷/۱۰ میں پوری نوعِ انسانی کے لئے بلاکرایہ حقِ رہائش اور حقِ معاش کے اعلان کے بعد جو فرمایا ہے قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ۔ اس کا معنیٰ سیاقِ کلام کے مطابق بھی اور جو چیز مشاہدۃً مزدور طبقے کے حقِ ربوبیت میں حارج ہوتی ہے' وہ یہی ہے کہ محنت کشوں کی محنت کا بدلہ محنت کرانے والوں کی طرف سے بہت کم دیا جاتا ہے۔ پس اس کا معنیٰ قرآنی لغت، سیاقِ کلام اور مشاہدہ عالم کے مطابق یہی صحیح ہے کہ بہت تھوڑا ہے جو تم محنت کشوں کی محنت کا بدلہ دیتے ہو۔

● محنت کش کی محنت کا کم بدلہ دینا ہی وہ مرکزی خرابی ہے جس کے ذریعہ ایک طبقہ کو غریب اور مفلوک الحال رکھ کر معاشرہ میں معاشی ناہمواری پیدا کی جاتی ہے۔ اور غربت ہی وہ ماں ہے جس کے بطن سے چوری چکاری اور جیب تراشی

جیسے جرائم جنم لیتے ہیں جیلخانے آباد ہوتے ہیں ۔ طبقاتی نظام کی بنیادیں مستحکم ہوتی ہیں ۔

طبقاتی نظام فرعونی نظام ہے ● الٰہی نظام تو یہ ہے جس میں پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کو حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی قانوناً میسّر ہوتا ہے ۔ جس کی وضاحت ۷/۱۰ + ۶/۳۴ + ۷/۲۲ میں اوپر گزر چکی ہے اسکے برعکس غریب اور امیر کا طبقاتی نظام فرعون صفات افراد کا قائم کردہ ہے جس میں اُن افراد کو جو سامانِ معاش پیدا کرنے میں خون پسینہ ایک کرتے ہیں، محنت کا پورا بدلہ یا پوری اُجرت نہیں دی جاتی ۔ سُورہ قصص کی ابتدائی آیات کریمات میں اِس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ نظامِ مُلوکیت ہی وہ خطرناک نظام ہے جو اپنے تحفظ کے لئے نوعِ انسانی کو طبقات میں تقسیم کر کے محنت کش عوام کو اُن کے پیدائشی حقوقِ ربُوبیت سے محروم کر دیتا ہے ۔ چنانچہ طبقاتی نظام کے علمبردار فرعون کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :۔

● اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ .... اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے زمینِ (مصر) میں سرکشی اختیار کی ۔ اُس نے عوام کو (ناہموار معاشی) طبقوں میں تقسیم کر کے اُن میں سے ایک طبقے کو معاشی لحاظ سے کمزور کر دیا .... بیشک وہ فسادیوں میں سے تھا ۔ یہ فرعونی معاشرہ کے بنی اسرائیل تھے جنہیں اُن کے حقوقِ ربوبیت سے محروم کر دیا گیا تھا ۔ اور انہیں کمزور کرنے کا عمل فرعون کا تھا ۔ اللہ تعالیٰ کا نہیں تھا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کی قسمت میں بھوک ننگ نہیں لکھی تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہر فردِ بشر کیلئے حقوقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی مساوی متعین فرمایا ہے جس کا نفاذ سربراہِ مملکت کے قبضۂ اختیار میں ہوتا ہے ۔ جیسے کہ حضرت سلیمانؑ کو اقتدارِ مملکت عطا کرنے کے بعد ارشاد ہُوا تھا :۔

● هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ۳۸/۳۹ یہ (اقتدارِ حکومت) ہماری عطا ہے بے حساب ہے اب یہ آپ کا اختیار ہے کہ متوازن نظام قائم کر کے نوعِ انسانی پر) احسان کریں اور یا (اللہ کی نعمتوں کو اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال اور اپنے عملہ کیلئے) روک لیں ۔ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۷/۱۰ میں پوری نوعِ انسانی کے مساوی حقوقِ ربوبیت کے اعلان کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں سُورہ بقرہ کی طرح نوعِ انسانی کی اوّلین پیدائش کا ذکر لایا گیا ہے جو نظامِ ملوکیت کی ناہمواریاں اور خرابیوں کو اُجاگر کرنے کیلئے آیت نمبر ۱۱ سے لیکر مسلسل آیت نمبر ۲۵ تک کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں :۔

۲-۱

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ	اور (اے نوعِ انسانی :) بیشک پہلے تم بت سوں کو زمین میں
اور بیشک پیدا کیا ہم نے تم کو پھر صورتیں بنائیں تمہاری پھر	سے) پیدا کیا ۔ پھر ہم تمہیں (ارتقائی منازل سے گزار کر) کامل
قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ	صُورت میں لے آئے ۔ پھر ہم نے اپنی سب کی سب کائناتی قوتوں کو
کہا ہم نے ملائکہ کو فرمانبردار ہو جاؤ واسطے آدم کے پس فرمانبردار ہو گئے مگر	(زبانِ حال سے) حکم دیا کہ تم سب کی سب نوعِ آدمؑ کی فرمانبردار ہو جاؤ

اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ ۱۱ ابلیس - نہ ہوا وہ میں سے فرمانبرداروں کے	جاؤ - سب کائناتی قوتیں اسکی فرمانبردار ہو گئیں - لیکن اس کی اپنی داخلی نافرمان قوت (نفسِ امارہ) اسکا فرمانبردار نہ ہوا۔

● آگے پڑھنے سے پہلے عربی متن پر لگائے گئے ۱ تا ۸ ضمنی نوٹ ملاحظہ فرمائیں :-

● ۱؎ خَلَقْنٰكُمْ میں ضمیر کُم چونکہ بصیغہ جمع آئی ہے - اسلئے اسکا معنی لکھا گیا ہے :- ہمنے تم بنت سوں کو پیدا کیا -

● ۲؎ نوعِ آدم کے متعلق ذیل کی متعدد آیات کریمات میں بتکرار اعلان کیا گیا ہے کہ اسے پہلی مرتبہ زمین سے پیدا کیا گیا تھا -

۱ - هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ۱۱/۶۱ — اُس اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کر دیا -

۲ - مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ○ ۲۰/۵۵ ہمنے تمہیں (اے نوعِ انسانی !) ابتدا میں زمین میں سے پیدا کیا تھا، اور ہم تمہیں اسی میں لوٹا دیتے ہیں - اور قیامت کو تمہیں اسی میں سے دوبارہ نکال لینگے -

۳ - هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۵۳/۳۲ — وہ اللہ جانتا ہے جب تم کو زمین میں سے پیدا کیا اور جب تم بصورتِ جنین ماؤں کے پیٹوں میں ہوتے ہو - ●

۴ - وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ○ ۷۱/۱۷-۱۸ — اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا، ٹھیک ٹھیک پیدا کرنا - پھر وہ تمہیں اسی میں لوٹا دیتا ہے اور (قیامت کو) تمہیں اسی میں سے نکال لیگا ٹھیک ٹھیک نکال لینا —— پس ان تکراری آیات مجیدہ کی شہادت کے مطابق یہ امر ناقابلِ انکار ہے کہ انسان کو پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا -

● ۳؎ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ کا معنی لکھا گیا ہے :- پھر ہم تمہیں ارتقائی منازل سے گزار کر کامل صورت میں لے آئے، اس مفہوم کیلئے ۱۵/۲۹ + ۳۸/۷۲ میں ذیل کے متبادل الفاظ آئے ہیں :- فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ پھر جب میں نوعِ آدم کو ارتقائی منازل سے گزار کر مکمل کر لوں - ارتقائی منازل کے لحاظ سے نوعِ انسانی کے ابتدائی جرثومے کی پہلی منزل ۹۶/۲ بیان کی گئی ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ = اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتداء میں جونک نما جرثومے سے پیدا کیا - اور اسی ابتدائی جرثومے کی ارتقائی منازل کی موجودہ صورت صَوَّرْنٰكُمْ اور سَوَّيْتُهٗ کے واضح الفاظ میں بیان کر دیگئی ہے -

● واضح رہے کہ آگے نوٹ ۵؎ میں آرہا ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز نوعِ انسانی کے تابع تسخیر کر دی گئی ہے یعنی اس نے کائنات کی ہر قوت سے اسکی مضمر صفات کے مطابق کام لینا ہے - اس کام لینے کی وہ انسانی صفت جو اس میں پیدا کر دیگئی ہے، اسکی وضاحت ارتقائی منازل کے ضمن میں فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ کے بعد وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کے الفاظ میں کیگئی ہے کہ پھر جب میں نوعِ آدم کو مکمل کر کے اسکی جبلت میں اپنی وہ تعلیم پھونک دوں (جس کے ساتھ وہ اسے بالکل تمہیں اپنا فرمانبردار کر سکے) فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ ۱۵/۲۹ + ۳۸/۷۲ تو پھر تم نوعِ انسانی کے فرمانبردار ہو جانا - واضح

رہے کہ روح بمعنی تعلیم ۱۶/۲ + ۴۰/۱۵ میں بھی آیا ہے اور اسی ضمن میں ۴۲/۵۲ میں بھی آنحضورؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے
● وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا - اور (اے رسولؐ!) ہم نے اسی طرح آپکی طرف اپنی تعلیم قرآنِ کریم وحی فرمایا۔

● ۳۳ ملائکہ جمع ہے مَلَکٌ کی - اِسکا سہ حرفی مادہ ہے م - ل - ک = ملک - جس کا بنیادی معنیٰ ہے کسی چیز میں کسی خاص چیز کا سلکا ہونا - اور وہ چیز اپنے مخصوص سلکے کے خلاف ہرگز ہرگز عمل نہ کرسکتی ہو - ملائکہ کی ایک صفت بموجب ۲/۳۴ + ۷/۱۱ یہ ہے کہ وہ سب نوعِ انسانی کے ساجد یعنی فرمانبردار ہیں - اور دوسری صفت بموجب ۲/۳۳ یہ ہے کہ وہ اپنے اندر بہت کچھ چھپائے ہوئے ہیں - یہ سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قوتیں ہیں جیسے کہ بجلی اپنے اندر یہ تمام صفتیں چھپائے تھی جو آج اِس سے سجدہ کروا کر نمایاں ہوئی ہیں کہ بجلی کیسا تھ ریلیں، کاریں، بتیاں، ہوائی جہاز اور راکٹ وغیرہ چل رہے ہیں -

● نوعِ انسانی کو بتا دیا گیا ہے :- سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ (اے نوعِ انسانی!) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ سب کا سب تمہارے تابع تسخیر کردیا ہے - یہ آیت مجیدہ ملائکہ کے متعلق دی گئی خبر فَسَجَدُوْا کی مترادف ہے - یعنی بجملہ ملائکہ بطریقِ تسخیر نوعِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں - اور ملائکہ پہ ایمان لانے کی غرض اُن پر زبانی ایمان لانا نہیں بلکہ بطریقِ تسخیر اُن سے سجدہ کروانا یعنی اپنے مطیع کرنا، اُن سے کام لینا ہے -

● سورہ رعد کی آیات مجیدہ ۱۳/۱۱ تا ۱۳ میں برق، سحاب، رعد اور صاعقہ کو ملائکہ کے زمرہ میں بیان کرکے بتا دیا گیا ہے کہ سب کائناتی قوتیں ملائکہ ہیں :- هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے اُس کے ضرر کے خوف کی حالت میں اور اُسکے فائدوں کے طمع کی حالت میں - اور وہ چلاتا ہے بوجھل بادلوں کو اور گرج کو - غرضیکہ تمام ملائکہ اُس کی حمد اور اُسکے خوف کیساتھ اپنا اپنا فرضِ منصبی ادا کر رہے ہیں اور وہ زمین پر گرنے والی بجلی بھیجتا ہے - پس ملائکہ سے مراد خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوتیں ہیں، جن کو نوعِ انسانی کے حضور بذریعہ طریقِ تسخیر تابع ہونے یعنی سجدہ ریز ہونے کا حکم اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۲/۳۴ کے الفاظ میں دیا گیا ہے -

۳۴ يُسَبِّحُ کا معنیٰ لکھا گیا ہے وہ فرضِ منصبی ادا کرتے ہیں - اِن معنوں کا قرآنی ثبوت يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۶۲/۱ + ۶۴/۱ میں موجود ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، سب کے سب اپنا اپنا فرضِ منصبی ادا کر رہے ہیں -

۳۵ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے پھر ہم نے کائناتی قوتوں کو بزبانِ حال فرمایا - واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کا کائناتی

قوتوں کا مکالمہ جو سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ حجر، سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف، سورہ طٰہٰ، سورہ ص یعنی پورے سات سورتوں میں پھیر پھیر کر بیان کیا گیا ہے وہ حالی ہے قالی نہیں۔ کیونکہ نہ خدا کا کوئی مادی جسم اور زبان ہے اور نہ کائناتی قوتوں کی کوئی زبان ہے، جس سے وہ قالی کلام کرتی ہوں۔

● ۷ لفظ آدم سے مراد بائبل کا بتایا ہوا باوا آدم نہیں، بلکہ نوعِ آدم مراد ہے جیسے کہ آئت مجیدہ زیر بحث $\frac{11}{7}$ کے الفاظ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ سے ثابت ہے کہ ابتدا میں بہت سوں کو پیدا کیا گیا تھا۔ اور بہت سوں کا متبادل لفظ آیا ہے آدم، جس سے مراد ہے نوعِ آدم۔ یہاں لفظ آدم اسم جنس ہے۔

● ۸ اُسْجُدُوْا کا معنیٰ لکھا گیا ہے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اسکا سہ حرفی مادہ ہے س۔ ج۔ د = سجدہ جس کا بنیادی معنی ہے فرمانبرداری کرنا۔ اور حضورِ الٰہی میں ماتھا زمین پر رکھ دینا بھی مراد ہے۔ سورہ نحل میں کائنات کی ہر چیز کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ $\frac{16}{49}$ اور آسمانوں اور زمین کی ہر چیز ٹھوس مائع گیس اور جمادات، نباتات، حیوانات سب کے سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں (یعنی اسکے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ اُس کے تسخیر قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مصروفِ عمل ہیں۔ پس جس طرح کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو ماننا نہیں ٹیک رہی بلکہ اسکی فرمانبردار ہے اسی طرح اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کا معنی نوعِ آدم کو ماتھا ٹیکنا نہیں بلکہ $\frac{45}{13}$ کیمطابق اسکے تابع تسخیر ہو کر مطیع و فرمانبردار ہو جانا ہے۔

● ۹ ابلیس کا معنیٰ لکھا گیا ہے نفسِ امارہ۔ اِس کے لئے مشاہدہ بھی گواہ ہے اور قرآن کریم بھی۔ مشاہدہ اس طرح گواہ ہے کہ نوعِ انسانی کے سامنے بجلی جیسی مہلک یعنی جان لیوا قوتیں مطیع و فرمانبردار ہوتی چلی جارہی ہیں۔ مگر انسان کی داخلی قوت نفسِ امارہ ایک ایسی قوت ہے جو مطیع و محکوم ہونے کی بجائے ہر آن خود اس پر آپ حکمرانی کر رہی ہے۔ ہر لحظہ اسے برائی کا حکم کرتی ہے۔ اور قرآن کریم کی شہادت یہ ہے کہ $\frac{12}{53}$ میں اِنَّ تاکیدیہ کیساتھ خبر دی گئی ہے۔

● اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ = بیشک نفسِ امارہ برائی کا حکم دینے والا ہے۔ نفسِ امارہ بھی چونکہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ قوتوں میں سے ایک قوت ہے۔ اسلئے اسے بھی زمرۂ ملائکہ میں شمار کیا گیا ہے اور چونکہ اُس کا کام ہر آن برائی کا حکم کرنا ہے $\frac{12}{53}$ اسلئے اسکا حکم ماننے سے منع کر دیا گیا ہے۔

● آگے بڑھنے سے پہلے پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجئے گا کہ جب نوعِ آدم کو پیدا کیا گیا تو $\frac{15}{29}$ + $\frac{38}{72}$ کے مطابق اُسے سوی یعنی مکمل کر کے اُس کی جبلت میں وہ تعلیم بھی ڈالدی جس سے وہ کائناتی قوتوں کی مخصوصات کے مطابق اُن سے کام لے سکے، اُنہیں فرمانبردار کر سکے۔ تو اُسوقت تمام کائناتی قوتوں کو بزبانِ حال حکم دیا اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اب تم سب اِس نوعِ انسانی کے فرمانبردار ہو جاؤ۔ لیکن جیسے کہ آئت مجیدہ زیر بحث میں بتا دیا گیا ہے کہ سب قوتیں فرمانبردار ہو گئیں لیکن نفسِ امارہ کی آتشی قوت، جو ہر آن انسان کو خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ کرتی رہتی ہے فرمانبردار نہ

مجموعی سلسلہِ دروس کی اگلی آیت مجیدہ $\frac{۷}{۱۲}$ میں حالی مکالمہ کے طور پر بتایا گیا ہے کہ جب نفسِ امارہ مطیع و فرمانبردار نہ ہُوا تو اس سے بزبانِ حال کہا گیا :-

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ کہا کس نے منع کیا تجھ کو کہ نہیں سجدہ کیا تو نے جب حکم کیا میں نے تجھ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ کہا میں بہتر ہوں اس سے پیدا کیا تو نے مجھ کو آگ اور پیدا کیا تو نے اسے مِنْ طِيْنٍ ۝ ۱۲ میں سے مٹی	(اللہ تعالیٰ نے ابلیس، نفسِ امارہ سے بزبانِ حال) کہا کہ کس چیز نے تجھے منع کیا کہ تُو (نوعِ آدم کا) فرمانبردار نہیں ہُوا جبکہ میں نے تجھے بھی (نوعِ آدم کی فرمانبرداری کا) حکم دیا ہے۔ اُس نے (بزبانِ حال) کہا کہ میں اُس سے بہتر ہوں کیونکہ تُو نے مجھے آگ (کی طرح بھڑک اٹھنے والے عنصر) سے پیدا کیا اور اُسے تُو نے مٹی (جیسے ٹھنڈے اور کمزور عنصر) سے پیدا کیا۔

● پیچھے صفحہ ۳۲۲ پر $\frac{۱۱}{۹۱}$ + $\frac{۲۰}{۵۵}$ + $\frac{۵۳}{۳۲}$ + $\frac{۷۱}{۱۸-۱۷}$ کے حوالہ جات سے بتایا جا چکا ہے کہ نوعِ آدم کو زمین (مٹی) ہی سے پیدا کیا گیا تھا۔ سُورہ حجر میں آیا ہے اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ $\frac{۱۵}{۲۸}$ بیشک میں نوعِ بشر کو سڑی ہُوئی بدبُودار بسی ہُوئی گیلی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں ان الفاظ سے ثابت ہُوا کہ نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق بدبُودار بسے ہُوئے گارے سے ہُوئی تھی جسے حقیر تصوّر کیا جاتا ہے۔ یعنی نوعِ آدم بھی اُسی طرح بدبودار حقیر مٹی سے پیدا ہُوئی تھی جس طرح عام جراثیم بدبُودار گیلی مٹی سے پیدا ہوتے ہیں یعنی نوعِ آدم کی پیدائش سے قبل زمین کا درجہ حرارت اس مقام پر تھا کہ اُس سے بیل بھینسے اور ہاتھی وغیرہ گرانڈیل نوعیں پیدا ہُوئی تھیں۔ اسکے بعد جب اسکا درجۂ حرارت کم ہُوا تو نوعِ آدم پیدا ہُوئی اور اب درجۂ حرارت اسقدر کم ہو چکا ہے کہ اَب صرف حشرات الارض کیڑے مکوڑے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

● المختصر؛ نوعِ آدم کو بدبُودار بسے ہُوئے گارے سے پیدا کیا گیا تھا۔ اور اس نوع کی بہت سی داخلی قوتیں بھی اسکے ساتھ مٹی ہی سے پیدا کر دی گئیں تھیں مثلاً قوتِ باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، ناطقہ، حافظہ، متصوّرہ، متفکّرہ، ہاضمہ، دافعہ وغیرہ۔ نیز قوتِ حسد، بغض، غضب، انتقام اور تکبّر وغیرہ جن کا مجموعہ ہے نفسِ امّارہ ابلیس، یہ بھی مٹّی کے پیکرِ نوعِ آدم کے اندر مٹی ہی سے پیدا کئے گئے تھے۔ لیکن ابلیس کا حالی قیاس غلط ہے کہ وہ مٹی میں سے نہیں، بلکہ اس سے اعلیٰ چیز آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسد، بغض، غصّہ، غضب اور انتقام کے لئے بطورِ مجاز آگ اور آتش کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حسد و بغض کی آگ میں جل رہا ہے۔ فلاں شخص کے اندر آتشِ انتقام بھڑک رہی ہے لیکن واضح رہے کہ یہ الفاظ بطورِ مجاز استعمال ہوتے ہیں، یہ فی الحقیقت آگ نہیں ہیں۔ اِس مجازی آگ کو ابلیس نے اپنے حالی مکالمہ میں مٹی سے افضل کہا لیکن جواب ملا :-

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ○ ۱۳

کہا پس نیچے اُتر اس سے کہ پس نہیں لائق واسطے تیرے کہ تو تکبر کرے اس کے بیچ پس نکل بیشک تو ہے ذلیلوں کے

(اللہ تعالیٰ نے بزبانِ حال) فرمایا کہ پس تو اس فخر و تکبر کی حالت سے نیچے آ۔[۱] تیرے لئے یہ لائق نہیں کہ تو (اس مٹی کے پیکر کا حصہ ہوتے ہوئے) اس میں تکبر کرے۔ (اپنے آپکو اس سے افضل سمجھے)۔[۲] اس حالت سے نکل بیشک تو ادنوں سے ہے۔[۳]

● ۱؎ فَاهْبِطْ کا معنیٰ لکھا گیا ہے "اس تکبر کی حالت سے نیچے آجا"۔ مادہ ہ ۔ ب ۔ ط۔ ھبط کا بنیادی معنیٰ ہے کسی بھی چیز کا اونچی سطح سے نیچی سطح پر آنا۔ جیسے کہ ھَبَطَ الثَّمَنُ کا معنیٰ فلاں چیز کی قیمت نیچے آگئی کم ہوگئی اسی طرح یہاں کہا گیا ہے کہ فخر و تکبر کی اونچی سطح سے نیچی سطح پر یعنی عجز و نیاز کی سطح پر آجا۔ لیکن نفس امارہ ایسا کرنیوالا نہیں۔ ایک سرکش طاقت ہے۔

● ۲؎ فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابلیس کو فخر و تکبر کا کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ وہ نوعِ آدم کے ہر فرد کی متعدد صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اور اسکے اندر موجود ہے۔ اِسی کے ساتھ بدبودار مٹی میں سے پیدا ہوا ہوا ہے۔ اسلئے اُسے یہ لائق نہیں کہ اسکا حصہ اور اسکے اندر ہوتے ہوئے اپنے آپکو اس سے بہتر قرار دے اور تکبر کرے۔ واضح رہے کہ جس طرح الفاظِ بالا میں خبر دیگئی ہے کہ ابلیس نفسِ امارہ نے اپنے آپکو غلط طور پر اپنے پیکر سے بہتر سمجھا یہی حالت اُس شخص کی ہوتی ہے جو ابلیسی جذبات، بغض، حسد اور انتقام کی بدولت آگ بگولا ہوجاتا ہے وہ بھی اپنے ہم جنس مدِ مقابل کو حقیر قرار دیتا اور کہتا ہے کہ یہ کون ہوتا ہے میرے منہ آنیوالا ذلیل حقیر، کمینہ کہیں کا۔ اگرچہ اُسکا مدِ مقابل نوعِ انسانی کے مساوی درجہ کے علاوہ اخلاقی اقدار کی رُو سے اُس سے کہیں زیادہ بہتر ہی کیوں نہ ہو۔

● ۳؎ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ کے الفاظ میں ابلیس کو اُس کی جملہ صفات سمیت ادنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس پر مشاہدہ گواہ ہے کہ جو شخص نفسِ امارہ کے ماتحت ہوجاتا ہے وہ بھی اپنی ادنیٰ کمینہ حرکات لالچ، حرص، حسد، بغض اور فخر و تکبر کی بدولت اپنا اعلیٰ انسانی مقام کھو کر ادنیٰ ہوجاتا ہے۔

نوعِ انسانی میں نفسِ امارہ کو پیدا کرنے کا فلسفہ

● یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے اندر نفسِ امارہ (سرکش قوت) پیدا ہی کیوں کی ہے؟ اسکا جواب بالکل سہل ہے کہ یہ لا انتہا نعمتوں سے بھری ہوئی کائنات صرف اور صرف انسان کیلئے پیدا کیگئی ہے۔ اور اس کو مسخر کرنے کا حق بھی صرف اسی کو عطا کیا گیا ہے۔ نیز اس بھری کائنات میں صرف نوعِ انسانی ہی وہ نوع ہے جسے اپنے اعمال کا جوابدہ ٹھہرایا گیا ہے۔ اب اگر اس میں صرف نفسِ لوامہ ہی ہوتا جو ہمیشہ نیکیوں کا حکم کرتا ہے، اسکے اندر برائی کا حکم کرنیوالی قوت موجود ہی نہ ہوتی تو اس طرح اگر یہ نوع نیک اعمال بجالاتی تو اسکی کیا خوبی تھی کہ جب نفسِ لوامہ یعنی نیکیوں کی ترغیب دینے والی

قوت کے مقابلے پر برائی کا حکم کرنیوالی قوت موجود نہ ہوتی - اسلئے خدا تعالیٰ نے اِس پیکرِ خاکی میں جس طرح نفس لوّامہ بھی رکھدیا ہے جو ہر آن نیکی کا حکم کرتا ہے اسی طرح اس میں نفسِ امّارہ بھی پیدا کر دیا ہے جو ہر آن برائی کا حکم کرتا رہتا ہے تاکہ انسان ان دونوں میں سے جس کا چاہے اپنی رضا و رغبت کیساتھ حکم مانے اور اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اچھے یا بُرے عمل خود بجالائے - چنانچہ پیکرِ انسانی میں نفسِ امّارہ کی تخلیق اور اس میں اسکے دائمی قیام کا ذکر بالفاظ ذیل آیا ہے :-

قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ ۱۴

کہا مہلت دیجئے مجھے تک اس دن جب اٹھائے جائیں

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ ۱۵

کہا بیشک تو ہے سے مہلت دیئے گئیوں

ابلیس (برائی کا حکم دینے والی قوت) نے کہا مجھے اُس دن تک مہلت دے جسدن یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائینگے اللہ تعالیٰ نے بزبانِ حال فرمایا ہے کہ بیشک تو بھی (نفس لوّامہ اور نفس مطمئنّہ کی طرح) مہلت دیئے گئیوں سے ہےلہ

● لہ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ کے الفاظ سے نصف النہار کی طرح ثابت ہے کہ :-
صرف ابلیس ہی کو قیامت تک کیلئے مہلت نہیں دیگئی بلکہ اسکے ساتھ اور بھی بہت سی قوتیں ہیں جنہیں قیامت تک کے لئے مہلت دیگئی ہے - پس اس طرح اگر ابلیس کے لفظ سے اسکا کوئی خارجی وجود تسلیم کیا جائے ، جیسے کہ اسرائیلیات کے دیئے گئے تصور نے ابلیس کو خدا تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر و موجود اور ہر کسی کے دماغ میں گھس کر اسے بُرائی کی ترغیب دینے والا ایک اکیلا فرد قرار دیا ہے ، اگر یہ صحیح ہے تو پھر آیتِ بالا کیمطابق ماننا پڑیگا کہ اور بھی بہت سے ہیں جنہیں بالکل ابلیس کی طرح مہلت دیگئی ہے - یعنی پھر نفس لوّامہ کا بھی کوئی خارجی وجود ماننے پڑیگا - اور اگر اس چیز کو نہ مانا جائے اور اسرائیلیات کے اس نظریے کو صحیح تسلیم کیا جائے کہ نیکی کی ترغیب دینے والا بیچارہ نفس لوّامہ تو اکیلا ہے اور برائی کا حکم کرنیوالے دو ہیں ، ایک نفس امّارہ اور دوسرا ابلیس ، جو ہر شخص کے اندر گھس کر نفس امّارہ کی مدد کرتا ہے اور اس طرح دونوں مل کر نفس لوّامہ کو شکست دینے میں ہر جگہ کامیاب ہیں ، تو اسے خدا تعالیٰ کی انتہائی بے انصافی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے معاذ اللہ ! استغفر اللہ !

● واضح رہے کہ یہ طاقت کے عدم توازن کی انتہائی بے انصافی خدا تعالیٰ کے ذمہ ہرگز نہیں لگائی جا سکتی کہ اُس نے برائی کی ترغیب دینے والے دو پیدا کر رکھے ہیں اور نیکی کی ترغیب دینے والا ایک اکیلا پیدا کر کے نوعِ آدم کو خود بے بس کر رکھا ہے جس سے ہر جگہ نفس لوّامہ شکست یاب ہے اور نفس امّارہ اور ابلیس شیطان ہر جگہ کامیاب ہیں - اور برائیوں کی کثرت گویا کہ خدا تعالیٰ کی بے انصافی کا نتیجہ ہے - معاذ اللہ ! استغفر اللہ !

● مگر برادرانِ عزیز ! حقیقت حال یہی ہے کہ نفس امّارہ اور ابلیس دو قوتیں نہیں بلکہ $\frac{۱۲}{۵۳}$ کے الفاظ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ کے مطابق نفس امّارہ ہی ابلیس ہے اور برائی کا حکم کرنیوالا بھی ایک ہے جس طرح نفس امّارہ کو قیامت

تک کیلئے مہلت دیگئی ہے اسی طرح نفس لوامہ کو بھی قیامت تک کیلئے مہلت دی گئی ہے قرآن مجید میں نفس لوامہ کی نسبت نفس امارہ ' ابلیس کا ذکر کثیر تکرار اور انتہائی اہمیت کیساتھ اس لئے آیا ہے کہ یہ نوع انسانی کا انتہائی خطرناک دشمن ہے اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۳۶/۲۰ چنانچہ اس انتہائی خطرناک دشمن کے حالی مکالمہ میں اس کے خطرناک عزائم کی خبر سلسلہ درس کی اگلی آئت مجیدہ ۷/۱۶ میں نہائت وضاحت کیساتھ بالفاظ ذیل موجود محفوظ ہے :-

قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ
کہا پس بوجہ اسکے گمراہ پایا تو نے مجھ کو ضرور میں بیٹھونگا واسطے انکے

صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾
راستے تیرے سیدھے

(ابلیس نے بزبان حال) کہا پس اس سبب سے کہ تو نے مجھے گمراہ قرار دیا ہے اسلئے میں اُن (نوع آدم کو گمراہ کرنے) کیلئے تیرے سیدھے راستے میں ضرور بیٹھونگا۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ
پھر ضرور آؤں گا انکے پاس سے درمیان دو ہاتھ انکے اور سے

خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ
پیچھے اُن کے اور سے دائیں ان کے اور سے بائیں ان کے

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾
اور نہیں تو پائیگا اکثریت ان کی قدردان

پھر میں (انہیں گمراہ کرنے کیلئے) اُن کے آگے سے آؤنگا اور انکے پیچھے سے آؤنگا ۔ اور اُن کے دائیں سے آؤں گا اور انکے بائیں سے آؤنگا ۔ (گویا کہ ہر چہار طرف سے آؤنگا یعنی میں انہیں انفرادی منفعت کوشی میں اسی طرح مبتلا کر دونگا کہ) تو اُن کی اکثریت کو محنت کشوں کی محنت کا پورا بدلہ دینے والا نہیں پائیگا۔

● ۱ـه اَغْوَيْتَنِيْ چونکہ باب افعال سے ہے اسلئے اسکے خاصہ وجدان کیمطابق معنی لکھا گیا ہے تو نے مجھے گمراہ پایا ہے ۔

● ۲ـه ابلیس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے گمراہ کرنے کی تفسیر کو سمجھنے کیلئے پہلے یہ چیز ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اس آئت میں گمراہ کرنیکا دعویٰ تو کرتا ہے ابلیس لیکن اس دعوے کی تکمیل کیلئے آگے ۷/۲۰ میں شیطان کا لفظ آیا ہے ۔ نیز ۶/۱۱۲ اور ۴/۳۸ میں بھی بعض انسانوں کو شیطان کہا گیا ہے جو خود گمراہ ہونے کے علاوہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ۔ گو اس طرح ابلیس کبھی تو کسی بنی سنوری بے پردہ عورت کی صورت میں سامنے سے آجاتا ہے کبھی کسی فحش گانے کی آواز کی صورت میں پیچھے سے کھینچ لیتا ہے اسی طرح کبھی دغا فریب ' رشوت ' بلیک ' سمگل بلکہ ملک فروشی کے ایجنٹ کی صورت میں کبھی دائیں طرف سے آنکلتا ہے اور کبھی بائیں طرف سے آدھمکتا ہے ۔

● ۳ـه وَلَا تَجِدُ کی واؤ تفسیری ہے یعنی اسکے اگلے الفاظ میں ابلیس کے گمراہ کرنے کا نتیجہ بتایا گیا ہے اکثریت کا غیر شاکر غیر قدردان ہونا ۔

● ۴ـه لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ کا معنی لکھا گیا ہے کہ تو اُن کی (نوع آدم کی) اکثریت کو محنت کشوں کی محنت

کا پورا بدلہ دینے والا نہیں پائیگا ۔ لفظ شکر کے اِن معنوں کا ثبوت آیت نمبر ۷/۱۰ کی تفسیر میں صفحہ ۳۲۰ پر ضمنی نوٹ ۳ میں گزر چکا ہے ۔ کہ شکر کے دو معنے ہیں :۔

۱۔ محنت کرنیوالوں کی محنت کا پورا بدلہ دینا ۲/۱۵۸ سے ثابت ہے اور دوسرا معنٰی یہ ہے :۔

۲۔ حصولِ مقصد کے لئے بھرپور محنت کرنا ۔ یہ معنٰی اِنَّ ھٰذَا کَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۷۶/۲۲ ۔ ان ہر دو آیات کی مکمل بحث صفحہ ۳۲۰ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

● آگے بڑھنے سے پہلے اس چیز کو ذہن میں تازہ کر لیجئیگا کہ خدا تعالیٰ اور ابلیس کا مکالمہ حالی ہے قالی نہیں یعنی اس حالی مکالمے سے اِس امر کا اظہار مقصود ہے کہ ابلیس یعنی نفس امارہ ذاتی منفعت کوشی اور انفرادی لوٹ کھسوٹ کا حکم کرتا رہتا ہے ، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص خود تو زیادہ سے زیادہ لینا چاہتا ہے اور دوسرے کو کم سے کم دینا چاہتا ہے اور اسطرح ہر حالت میں زد پڑتی ہے کمزور محنت کشوں پر کہ انہیں ان کی محنت کا پورا بدلہ نہیں ملتا ۔ اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایسے ناہموار نظام میں محنت کش بھی اسی ڈگر پر چل نکلتے ہیں کہ کام تھوڑا کریں اور اُجرت پوری لیں ۔ لیکن اس طرح توازن برقرار نہیں رہ سکتا ۔ اِس کے برعکس اللہ تعالیٰ انفرادی منفعت کوشی کے خلاف اجتماعی توازن کا حکم دیتا ہے چنانچہ ابلیس کی چوطرفہ یلغار کا یہ جواب دیا گیا ہے :۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا

کہا نکل اس سے ذلیل دھتکارا ہوا

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ

واسطے اسکے اتباع کی تیری ان میں سے البتہ ضرور بھر دونگا میں جہنم سے تمہارے

اَجْمَعِيْنَ ۱۸

سب کے

(اللہ تعالیٰ نے بزبانِ حال) کہا کہ تو اس حالت سے نکل تو ذلیل دھتکارا ہوا ۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ اس نوع میں سے جو لوگ تیری اتباع کریں گے انہیں (یعنی نفس امارہ کی اطاعت کرنیوالوں) میں تم سب کے ساتھ جہنم کو بھر دوں گا ۔ (تم اپنے جہنمی معاشرہ میں گرفتار ہو جاؤ گے جس میں ہر طرف فتنہ فساد اور عدم اطمینان کی آگ بھڑک رہی ہو گی ۔ ۲

● ۱ اس حقیقت سے کسی کو مجالِ انکار نہیں کہ :۔
نفس امارہ کی اتباع کرنے والوں کو ہر آن ذلت اور دھتکار کے سوا اور کوئی مقام حاصل نہیں ۔

● ۲ جہنم کا معنٰی عام طور لیا جاتا ہے دوزخ اور دوزخ سے مراد لی جاتی ہے اُخروی عذاب کی آگ ۔ لیکن خدا تعالیٰ نے دُنیا اور آخرت کے دونوں عذابوں کو النار کہا ہے ۔ جیسے کہ ہمیں دُعا سکھائی گئی ہے :۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۲/۲۰۱ اے ہمارے پروردگار ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمانا ۔ اور ہمیں دُنیا اور آخرت کی آگ سے بچالے ۔ دُنیا میں فتنہ و فساد

سے لبریز معاشرہ اور عدم اطمینان بھی ایک ایسی آگ کا عذاب ہے جو ذہنوں کو جلاتا ہے ۔ جہاں انسانی بنیادی حقوق خصوصاً خوراک، لباس اور رہائش کا عدم توازن زوروں پر ہوتا ہے ۔ اس کے برعکس خدا تعالیٰ نے سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں بتادیا ہے کہ ہمنے ابتداہی میں اپنے نبیوں کی معرفت حکم دے دیا تھا :—

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ اور اے آدم کہ تو اور ساتھی تیرا الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا جنت میں پھر کھاؤ دونوں سے جہاں چاہو تم دونوں وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا اور نہ قریب جاؤ دونوں اس جھگڑے کے ورنہ ہو جاؤگے دونوں مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۹ سے ظالموں کے	اور (ہمنے اپنے انبیاءؑ کی معرفت حکم دیا کہ) اے آدم ! (سربراہ ریاست !) تو اور تیرے ساتھی (عوام) متوازن معاشرہ جنت میں پُرسکون رہو، اور تم دونوں (تو اور عوام) اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ ۔ مگر اس (انکار و تکبر کے) شجرِ ممنوعہ کے قریب نہ جانا ، ورنہ تم دونوں (ذاتی مفاد پرستی میں پڑ کر) ظالموں میں سے ہو جاؤگے ۔

● ۱؎ یہاں یٰاٰدَمُ سے ماقبل قُلْنَا بھی محذوف ہے ۔ اور انبیاء کا واسطہ بھی محذوف ہے ۔ کیونکہ :—

● ۲؎ یہاں اٰدَمُ سے مُراد حضرت آدم اللہ کے نبی نہیں ہیں ۔ بلکہ سربراہِ ریاست مراد ہے کیونکہ عربی ادب میں آدم کا معنی سربراہِ سلطنت بھی ہے ، نوعِ آدم بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی حضرت آدمؑ بھی ہے ۔ مگر یہ معنے الگ الگ مقام پر موقعہ محل کے مطابق مُراد ہوتے ہیں ۔ یہاں حضرت آدمؑ اسلئے مراد نہیں ہیں کیونکہ اسی قصۂ آدم میں سورۂ طٰہٰ میں آیا ہے وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى $\frac{۲۰}{۱۲۱}$ اسکے معنے یہ ہیں کہ آدم نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی اور وہ گمراہ ہو گیا ۔ قرآنِ مجید کا یہ فتویٰ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے کسی ایک پر نہیں لگ سکتا ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاءِ کرام کے متعلق اعلان کر رکھا ہے :—

● عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ $\frac{۲۱}{۲۶ - ۲۷}$ وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے واجب التکریم بندے تھے ۔ وہ بات میں بھی اللہ تعالیٰ سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور اُن کا ہر قدم خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق اٹھتا تھا ——— پس وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى $\frac{۲۰}{۱۲۱}$ میں آدم سے مُراد سربراہِ ریاست ہے جس نے خلافت ترک اور ملوکیت قائم کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی ۔

● ۳؎ زَوج کا معنی لکھا گیا ہے ساتھی ۔ اِس لفظ کا مستقل معنی ہے ہی ساتھی ۔ میاں بیوی کو زَوج اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے زندگی کے ساتھی ہیں ۔ سربراہِ ریاست کے ساتھی عوام ہیں ۔ اور یہاں ریاست کے متوازن نظام

کی ابتدائی کڑی بتائی گئی ہے کہ سربراہِ ریاست اور عوام میں کوئی غیریت نہیں، بلکہ وہ اُس کے ساتھی ہیں۔ ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے وہ بالکل سربراہِ ریاست کے برابر حقوقِ ربوبیت کے حقدار ہیں۔

● ۴ اَلْجَنَّۃَ کا معنٰی لکھا گیا ہے جنتی معاشرہ۔ قرآنی ثبوت کیلئے سورہ طٰہٰ کی آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں جس میں جنت کی یہ تعریف بتائی گئی ہے :۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۰ ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ (جنت وہ ہے کہ) بیشک تیرا حق ہے کہ نہ تو اس میں بھوکا رہے نہ ننگا۔ اور بیشک نہ تو اس میں پیاسا رہے (نہ بے مکان ہو تاکہ) نہ تو دھوپ میں جلے۔ پس قرآنِ کریم نے ایسے متوازن معاشرہ کو دنیا کی جنت کہا ہے جس میں کوئی فردِ بشر خوراک لباس، پیاس اور رہائش کی چار بنیادی ضرورتوں سے محروم نہ ہو۔ بلکہ ان چاروں کا اُسے قانوناً مساویانہ حق حاصل ہو۔

● ۵ کُلَا اور شِئْتُمَا کے تثنیہ کے صیغوں میں جو سربراہِ ریاست اور عوام کے مساویانہ حقوقِ رہائش و معاش کی ضمانت دی گئی ہے اس سے معاشرہ کے خواص و عوام مُراد ہیں، حضرتِ آدم و حوّا مراد نہیں ہیں، کیونکہ یہاں میاں بیوی کے حقوق کی وضاحت نہیں کی گئی، بلکہ افرادِ معاشرہ اور سربراہِ ریاست کے مساوی حقوق کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ریاستی نظام کے قیام کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس نظام میں رزق کے سرچشموں پر سربراہِ ریاست اور اسکے عمّال کا قبضہ و اقتدار ہوتا ہے۔ وہ نشۂ اقتدار میں بدمست ہوکر عوام کے حقوقِ ربوبیت کو نظرانداز کر دیتے ہیں، اسلئے فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا کے تثنیہ کے صیغوں میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ تم دونوں خواص و عوام کے حقوقِ ربوبیت مساوی متعین کئے گئے ہیں۔

● ۶ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کے الفاظ میں شجرِ ممنوعہ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا کی ضدِ انفرادی مفاد پرستی ہے، جس کی ابتدا اجتماعی حقوقِ ربوبیت کے انکار اور طبقاتی استکبار سے ہوتی ہے۔ کتبِ روایات میں اسرائیلیات کا دیا ہُوا تصوّر صحیح نہیں ہے کہ شجرِ ممنوعہ گندم، انگور یا کسی تھا۔ یہ چیزیں حلال ہیں حرام نہیں۔

● ۷ ظٰلِمِیْنَ ظالم کی جمع ہے، اسکا سہ حرفی مادہ ظ۔ ل۔ م = ظلم ہے۔ جس کا بنیادی معنٰی ہے کوئی بے ٹھکانہ کام کرنا، جس کا نتیجہ بالکل اُلٹ برآمد ہو۔ جیسے کہ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا کے الفاظ میں اجتماعی معاشی توازن قائم کرنے کا حکم عدل و انصاف کا پیکر بھی ہے اور اجتماعی امن و اطمینان کا موجب بھی۔ لیکن اسکی ضدِ انفرادی مفاد پرستی ظلم ہے ہے، جس سے بے کس و بے بس افراد کی حق تلفی بھی ہوتی ہے اور نتیجہ بھی اس طرح اُلٹ برآمد ہوتا ہے کہ جس زمین کو اللہ تعالیٰ نے جنت بنانے کا حکم دیا ہے وہ جہنّم بن جاتی ہے۔ اور جس معاشرہ کو امن و اطمینان کا گہوارہ ہونا چاہیئے وہ فساد اور عدمِ اطمینان کا پیکر بن جاتا ہے۔

ابلیس نفسِ امارہ کی پہلی فریب کاری

• قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ ارشادِ ربانی فَکُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا کے متوازن حکم کیمطابق نوعِ انسانی نے جنتی معاشرہ قائم کرلیا، لیکن ابلیس جس نے نوعِ انسانی کو ناشکر گزار بنانے کا دعوٰی کررکھا تھا، اُس نے اپنا اعلان کردہ مفاد پرستی کا حربہ استعمال کرکے ریاست کے سربراہ اور عوام کو الگ الگ انفرادی مفاد پرستی کا فریب دیا۔ جس کی وضاحت سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں مذکور ہے۔ لیکن جیسے کہ پیچھے وضاحت کردی گئی ہے کہ جو شخص اپنے آپکو ابلیس (نفسِ امارہ) کے مطیع کردے، قرآنِ کریم اُسے شیطان کہتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں شیطان کا لفظ اُس مجسمِ ابلیس کیلئے آیا ہے، جس نے ابلیس (نفسِ امارہ) کا محکوم ہوکر معاشرہ کے سربراہ اور عوام دونوں کو انفرادی مفاد پرستی پر اکسایا۔ اُسے اس میں اپنا مفاد مقصود تھا کہ اجتماعیت کے خاتمہ اور انفرادیت کے نفاذ سے اُسے بھی ذاتی منفعت کے حصول کا موقعہ میسر آتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا[1]

پھر وسوسہ دیا واسطے دونوں شیطان نے تاکہ ظاہر کرے واسطے دونوں کے

مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا

جو مخفی تھی سے دونوں کے۔ سے برائیوں دونوں کی۔ کہا نہیں روکا تم دونوں کو

رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا

رب تمہارے دونوں نے اس جھگڑے مگر کہ نہ ہو جاؤ تم دونوں

مَلَكَيْنِ[3] اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ[4] ۝ ۲۰

ملک۔ یا تم ہو جاؤ سے ہمیشہ رہنے والے

پھر اُن دونوں (خواص و عوام) کو شیطان نے وسوسہ[1] دیا تاکہ اُن دونوں کی وہ خرابیاں (جو ابھی تک) اُن دونوں سے مخفی تھیں[2] ان دونوں پر ظاہر ہوجائیں۔ چنانچہ اُس نے اُن دونوں کو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کو اس شجرِ ممنوعہ سے اسلئے منع کردیا ہے کہ کہیں تم دونوں ملک نہ ہوجاؤ[3] (یعنی تمہارا اختیار و ارادہ نہ چھین جائے۔ اور تم دونوں کہیں اِن نعمتوں) میں ہمیشہ رہنے والے نہ ہوجاؤ[4]۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ

اور قسمیں کھائیں دونوں کو بیشک میں ہوں واسطے تم دونوں کے البتہ میں سے

النّٰصِحِيْنَ ۝ ۲۱

خیر خواہوں کے

اور اُس نے اُن دونوں سے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ بلاشبہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں[5]۔ (میں تم دونوں کو تمہارے ہی بھلے کیلئے نصیحت کرتا ہوں)۔

• [1] فَوَسْوَسَ لَهُمَا سے مُراد یہ ہے کہ اُنہیں شیطان (مجسم ابلیس انسان) نے ورغلایا کہ اجتماعی نظام میں وہ الگ الگ جائدادیں نہیں بنا سکتے، اسلئے انہوں نے انفرادی مفاد پرستی کی راہ اختیار کرلی۔

• [2] لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا کا مفہوم یہ ہے کہ جبتک وہ اجتماعی نظام پر قائم رہے اُسوقت تک اُنکی خود غرضانہ صفات ابھی اُن سے مخفی تھیں۔ لیکن جب انفرادی مفاد پرستی اختیار کرلی تو ظاہر ہوگیا کہ وہ خود غرض دغا

فریب، رشوت، ملاوٹ وغیرہ کیا کیا برائیاں کر سکتے ہیں۔

● ۳ے اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ کے ضمن میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ملک اور بشر میں نمایاں فرق یہ ہے کہ جملہ کائناتی قوتوں (ملائکہ) میں ذاتی اختیار و ارادہ موجود نہیں، بلکہ خالقِ کائنات نے انہیں جس جس نہج پر چلا دیا ہے وہ بلا چون و چرا اُس پر چل رہی ہیں۔ لیکن اسکے برعکس نوعِ آدم صاحبِ اختیار و ارادہ ہے :۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۴۱/۴۰ جیسے عمل اچھے یا بُرے تم خود چاہو کرو ۴۱/۴۰ ۔ انہیں فریب دیا گیا کہ کہیں تمہارا اختیار و ارادہ تم سے چھن نہ جائے۔

● ۴ے اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ کہیں تم ان اجتماعی نعمتوں کے دائمی مالک نہ بن سکو۔ اور ہر کسی کی جائداد اس کی اولاد میں تقسیم نہ ہو۔ پس شیطان نے جو نفسِ امّارہ (ابلیس) کا محکوم انسان ہی تھا، ریاستی نظام کے خواص عوام دونوں کو الگ الگ ذاتی ملکیت کی ترغیب دی، حتیٰ کہ سربراہِ نظام کو ملوکیت کے اجرا کا لالچ دیا تاکہ اُس کے لئے حکومت و سلطنت کا دوام ہو جائے۔ یعنی اُسکی موت کے بعد سلطنت کا وارث اُسکا بیٹا ہو اور اُسکی موت کے بعد اس کا بیٹا سورۂ طٰہٰ میں اجراءِ ملوکیت کے اسی تصور کو کھل کر بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں ۲۰/۷ میں بصیغہ تثنیہ آیا ہے فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ کہ شیطان نے خواص و عوام یا صدر و عوام دونوں کو ورغلایا ـــــ مگر سورۂ طٰہٰ ۲۰/۱۲۰ میں اکیلے سربراہِ سلطنت کیلئے بصیغہ واحد آیا ہے :۔ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ، شیطان نے سربراہِ ریاست کو یہ کہہ کر ورغلایا :۔

قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۲۰/۱۲۰ اس نے کہا کہ اے آدم! (اے سربراہِ ریاست) کیا میں تجھے ایک سدا بہار درخت یعنی ایسی حکومت کی خبر دوں جو کبھی پرانی نہ ہو (یعنی جو ہمیشہ تیرے ہی خاندان میں رہے (تیرے بعد تیرے بیٹے کو ملے اور اسکے بعد تیرا پوتا اسکا وارث ہو) پس یہ ہے سلطنت کو دائمی طور پر نالائق بیٹوں اور عیاش و بدمعاش پوتوں اور پرپوتوں کی طرف منتقل ہوتے چلے جانے کا وہ شیطانی چکر، جس کے لالچ کی بدولت استبدادی نظام یعنی نظام ملوکیت کی ابتدا ہوئی۔

● فلھذا سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۲۰/۱۲۰ سے بصورتِ نصف النہار ثابت ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ اور ملائکہ کے مابین مکالمہ میں متوازن اجتماعی نظام زیرِ بحث ہے۔ اور اسکے ضمن میں شیطان اور آدم کے ذکر میں یہ خبر دی گئی ہے کہ ابتداء میں نوعِ آدم کے ذہن میں میری اور تیری کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ کرۂ ارض پر ذاتی ملکیت کی لکیریں نہیں کھینچی گئی تھیں۔ اللہ کی زمین پر اللہ کی مخلوق پوری نوعِ آدم کو مساویانہ طور پر حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی قانوناً حاصل تھا۔ خدا تعالیٰ کے ہدایت فرمودہ اجتماعی نظام پر کاربند رہ کر صدر و عوام جنت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ تھی وہ اجتماعیت کی جنت جس سے انہیں شیطان نے نکال کر انفرادیت کے جہنم میں گرا دیا۔

● ۵ے مَا سَمِعْنَا اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ کے الفاظ سے کھل کر عیاں ہو چکا ہے کہ یہ انہی میں سے ایک نفسِ امّارہ کا محکوم انسان تھا۔ پیچھے وضاحت کی جا چکی ہے کہ نفسِ امّارہ کے محکوم انسان کو قرآن کریم نے شیطان کہا ہے۔ ذیل میں مزید

وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ نسآء میں بتایا گیا ہے کہ ایسے شیطان لوگ خیر خواہی کا لبادہ اوڑھ کر اور عوام کے ہم نشین بن کر انہیں گمراہ کرتے ہیں :۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۝ وَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَہٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ۝ ۴/۳۷-۳۸

جو لوگ خود بھی (انفرادیت کا شکار ہو کر) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا (یعنی ذاتی مفاد پرستی کا) حکم دیتے ہیں۔ اور جو مال انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیا ہے اُسے (خزانہ کر کے) چھپا رکھتے ہیں۔ (ایسے لوگ عذاب کے مستحق ہیں) حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اجتماعیت کے منکروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (ایسے لوگ انفرادیت کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں)۔ اور وہ لوگ بھی اس کا شکار رہتے ہیں جو اپنے مالوں کو دکھاوے کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو نہ اللہ پر ایمان ہوتا ہے نہ آخرت پر (یہ سب کارگزاری شیطان (نفس امارہ) کی ہے) حقیقت یہ ہے کہ جس کسی کا شیطان ہم نشین ہو وہ ہم نشینی کے لحاظ سے بہت بُرا ہم نشین ہے (وہ انفرادیت کے عذاب میں مُبتلا کر دیتا ہے)۔

● بس یہی حال ہُوا کُرّہ ارض پر قائم ہونیوالے اوّلین مرکزی نظاموں کا کہ کہیں تو وزیر و مشیر بن کر سربراہ نظام کو اجتماعیت سے گمراہ کر کے ملوکیت کی اجراء کروائی اور کہیں ہم نشین کی صورت میں خیر خواہ بن کر عوام کو انفرادیت کے جہنم میں دھکیل دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سربراہ و عوام دونوں نے انفرادی فخر و انکار کے شجرِ ممنوعہ کا مزہ چکھ لیا :۔

فَدَلّٰىھُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ
پس گرا دیا دونوں کو ساتھ دھوکے کے سے پھر جب چکھا دونوں نے شجر ممنوعہ

بَدَتْ لَھُمَا سَوْاٰتُھُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْھِمَا
ظاہر ہو گئے واسطے دونوں کے عیب دونوں کے اور لگے دونوں ڈھانپنے اوپر اپنے دونوں

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىھُمَا رَبُّھُمَآ اَلَمْ
سے قانون جنت کا۔ اور پکارا دونوں کو رب دونوں کے نے کیا نہیں

اَنْھَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ
منع کیا تم دونوں کو سے مذکورہ جھگڑے سے اور کیا نہیں کہا تھا تم دونوں کو بیشک

الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ ۲۲
شیطان ہے واسطے تم دونوں کے ظاہر دشمن

پس شیطان نے (صدر و عوام) دونوں کو دھوکے کیساتھ (اجتماعیت کی بلندیوں سے انفرادیت کی پستیوں میں) گرا دیا۔ پھر جب دونوں نے (انفرادی فخر و انکار کے) شجر ممنوعہ کا مزہ چکھا تو ان دونوں کی بُرائیاں ایکدوسرے پر ظاہر ہو گئیں اس پر انہوں نے پھر سے (اجتماعیت کے) جنتی قانون کو اپنے اُوپر لاگو کرنا شروع کیا۔ (تو اس طرح پھر معاشرہ جنت بدوش ہو گیا۔ ان کے پروردگار نے (اپنے انبیاء کی معرفت) اُن سے کہا کیا میں نے تمہیں اس (تکبر و انکار کے) شجر ممنوعہ سے منع نہیں کیا تھا اور کیا نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا ظاہر دشمن ہے۔

● عـــہ ۱ فدلّٰهما میں دلّٰی کا لفظی معنٰی ہے نیچے لٹکا دیا ۔ پس مفہوم یہ ہُوا کہ شیطان نے دونوں کو نیچے لٹکا دیا تھا ۔ یہ الفاظ بطور مجاز آئے ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ شیطان نے انہیں اجتماعیت کی بلندیوں سے انفرادیت کی پہنیوں میں گرایا ۔

● عـــہ ۲ ذاقا کا لفظی معنٰی یہ ہے کہ اُن دونوں نے مزہ چکھا ۔ مزہ چکھنے کا محاورہ اُس عمل کے نتیجے کیلئے بولا جاتا ہے جس عمل کی بدولت، عمل کرنیوالے کو انتہائی ذلیل ہونا پڑے ۔ چنانچہ انفرادیت کے طبقاتی نظام میں ہر طرف قانون شکنی کا دَور دورہ ہوتا ہے ۔ صدر ہو یا عوام کے داخلی طبقات، سب کا باہمی اعتماد اُٹھ جاتا ہے ۔ حکومت عوام پر بڑے بڑے ٹیکس لگاتی ہے مگر عوام قسم قسم کے حربوں کے ذریعہ انکی ادائیگی سے پہلو تہی کرتے چلے جاتے ہیں ۔ خود عوام کا عوام پر اعتماد نہیں رہتا، کیونکہ انفرادی نظام میں ہر شخص ہوسِ زر کے ماتحت ہر آن جھوٹ، فریب، رشوت، ملاوٹ اور چور بازاری وغیرہ کے تمام حربے استعمال کرتا چلا جاتا ہے ۔

● عـــہ ۳ بدت لهما سواٰتهما سے مُراد یہ ہے کہ سربراہ و عوام اور خواص و عوام کے خود غرضانہ خصائص کو اجتماعی نظام میں سر اُٹھانے کا موقعہ نہیں ملتا = یہ اسلئے کہ ہر شخص کو اسکی ضروریاتِ زندگی بروقت اور حسبِ ضروریات ملتی چلی جاری ہوتی ہیں لیکن انفرادی نظام میں ایک طرف تو بے وسیلہ افراد ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو جاتے ہیں، اسلئے وہ حصولِ ضروریات کیلئے ناجائز طریقے استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف وسائل والے لوگ وسائل کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کیلئے ہر جائز ناجائز حربہ استعمال کرتے چلے جاتے ہیں ۔ اور اس طرح اس حمام میں سب ننگے ہوتے ہیں ۔

● کتبِ روایات نے بدت لهما سواٰتهما سے چیستانی تصور پیدا کیا ہے کہ حضرت آدمؑ و حواؓ جنت میں شجرِ ممنوعہ گندم، انگور یا لستن کھا لینے کی بدولت دونوں ننگے ہو گئے اور ایکدوسرے کی شرمگاہیں اُن پر ظاہر ہو گئیں معاذ اللہ! معاذ اللہ! استغفر اللہ! ۔ کُتبِ روایات نے اِن چیستانیات کو ۱۱/۹۱ + ۲۰/۵۵ + ۵۳/۳۲ + ۱۷/۱۷-۱۸ کے خلاف اِس مقام سے شروع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدمؑ کا بُت بنا کر اُسکی پسلی سے اُسکی بیوی نکالی اور انہیں جنت میں رہنے کا حکم دیا مگر متنبہ کر دیا کہ جنت میں جہاں سے چاہو کھاؤ مگر اس درخت کے نزدیک نہ جانا ۔ وہ درخت کیا تھا؟ روایتی تفاسیر میں درج ہے کہ وہ گندم کا درخت تھا یا انگور کا یا لستن کا درخت تھا ۔ لیکن ہُوا یہ کہ دونوں میاں بیوی باز نہ آئے اور اُس ممنوعہ درخت کو چکھ لیا ۔ پھر کیا ہُوا؟ دونوں میاں بیوی ننگے ہو گئے، اُن کا لباس اُتر گیا ۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ!

● شجر کا معنٰی صرف درخت ہی نہیں بلکہ اسکا معنٰی جھگڑا اور تنازعہ بھی ہے ۔ آیات زیرِ بحث میں هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اور تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ سے کوئی درخت ہرگز مُراد نہیں ۔ بلکہ یہاں انفرادی نظام کو جو باہمی جھگڑوں کا تنازعوں کا سرچشمہ ہے، اَلشَّجَرَة کہا گیا ہے اور اسی کی قربت سے منع کیا گیا ہے ۔ نیز شجرِ ممنوعہ کی تعریف کیگئی اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ کے الفاظ

ہیں۔ یعنی قوانینِ خداوندی کا انکار اور فخر و تکبر، جس سے اَلشَّجَرَۃ یعنی جھگڑے اور تنازعے جنم لیتے ہیں۔ ابتدائی معاشرے اجتماعیت کی اساس پر قائم ہوئے مگر شیطان، ابلیس مجسّم، انسانوں کے ورغلانے پر جب انفرادیت رائج ہوئی تو صدر و عوام اور خواص و عوام سب کی مضمر (پوشیدہ) برائیاں کھل کر عیاں ہوگئیں۔ واضح رہے کہ آیت مجیدہ کے ان الفاظ میں اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ انفرادی نظام میں جھوٹ، فریب، رشوت، ملاوٹ اور چوربازاری وغیرہ جرائم کا متعدی امراض کی طرح پھوٹ پڑنا ایک لازمی امر ہے۔ لیکن اجتماعی نظام میں یہ جرائم از خود دم توڑ دیتے اور خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔

● ۴؎ وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ سے کتبِ روایات نے یہ تصور دیا ہے کہ جب حضرت آدم اور حوّا جنت میں ننگے ہوگئے تو برہنگی کو ڈھانپنے کیلئے اپنی اپنی شرمگاہوں پر جنت کے درختوں کے پتے جوڑنے شروع کئے۔ افسوس ہے کہ اس چیستانی تصور میں اللہ تعالیٰ کے اوّلین نبیؑ کی عصمت و حرمت کا پاس بھی نہیں کیا گیا۔ حقیقت وُہی ہے جو بیان کردیگئی ہے کہ ان آیتوں میں حضرت آدم و حوّا کا قصّہ نہیں بیان کیا گیا، بلکہ ان میں ابتدائی معاشروں کا تذکرہ ہے کہ کرۂ ارض پر نوعِ آدم زمین میں سے پیدا کیگئی تھی، جس کا واضح ثبوت کھلے الفاظ میں آیات مجیدہ ۱۱/۶۱ + ۲۰/۵۵ + ۵۳/۳۲ + ۷۱/۱۷-۱۸ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوّلین انبیاء کی معرفت اجتماعی مرکزی نظام کا حکم دیا۔ جس سے ایسا جنتی معاشرہ قائم ہوا جس میں رَغَدًا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا کی قرآنی خبر کے مطابق خواص و عوام کے ہر فرد کو متوازن ضروریاتِ زندگی میسّر آتی تھیں، لیکن نفسِ امّارہ کے محکوم شیطانوں نے جنتی متوازن اجتماعی نظام کو انفرادی شیطانی نظام میں بدل دیا۔ تو پھر صدر و عوام کے وہ بُرے خصائص جنہیں انہوں نے پھر سے اجتماعی نظام کے قیام کے ذریعہ معدوم کردیا۔ بالفاظِ دیگر انہوں نے پھر سے جنتی قانون کو اپنے اوپر لاگو کرکے اپنے آپکو اُسکے مطیع کردیا۔

● وَرَقِ الْجَنَّةِ میں ورق بمعنی قانون ہے۔ اور جنت بمعنی وہ معاشرہ ہے جس میں ہر طرف ضروریاتِ زندگی کی فراوانی ہو۔ سورہ کہف ۱۸/۱۹ میں ورق بمعنی قانونی سکّہ آیا ہے، جو کسی حکومت میں قانوناً چل رہا ہو۔ سکّے کو بھی ورق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُسے قانون کی سند حاصل ہوتی ہے۔ اور جنت بمعنی متوازن معاشرہ سورہ طٰہٰ ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ میں آیا ہے جس کا ذکر پیچھے صفحہ ۱۲۳ پر گزر چکا ہے۔

● ۵؎ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَا کے الفاظ میں انبیاء سلام علیہم کا واسطہ محذوف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ معاشرہ کے سربراہ اور خواص و عوام میں سے کسی کیساتھ بھی براہِ راست خطاب نہیں کرتا تھا، بلکہ اپنے منتخب نمائندوں انبیاء سلام علیہم ہی کے ذریعہ پیغام پہنچاتا تھا۔ چنانچہ ابتداءِ آفرینش میں کرۂ ارض پر جہاں جہاں بھی نوعِ آدم پیدا ہوئی تو اُن کی ہدایت کے لئے اُنہی میں سے نبی رسول مبعوث کرکے اجتماعی نظام کے قیام کا حکم دیا۔ اور پھر جب اجتماعی

کو ملوکیت اور انفرادیت میں بدل کر عوام و خواص ننگے ہو گئے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ہی کے ذریعہ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں انفرادی مفاد کوشی کے شجرِ ممنوعہ سے منع نہیں کیا تھا؟

● شجرِ ممنوعہ کے متعلق پیچھے کھل کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ نہ یہ گندم کا درخت ہے نہ انگور کا نہ لسّن کا، بلکہ یہ ملعون انفرادی نظام ہے جس میں افرادِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضمانت ریاستی نظام کے ذمہ نہیں ہوتی اور اس طرح انفرادی مفاد کے ٹکراؤ سے قدم قدم پر جھگڑے تنازعے (اشجار) پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سب ایکدوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں اور ہر طرف بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ $\frac{۲}{۳۶}$ + $\frac{۲}{۲۴}$ کا منظر پیدا ہو جاتا ہے۔

● اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کے الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے کہ جو شخص انفرادی نظام کے قیام کی ترغیب دے اور اجتماعی نظام سے روکے وہ شیطان ہے اور نوعِ انسانی کا کھلا دشمن ہے، جو انفرادیت کے ذریعہ نوعِ انسانی کو ناہموار معیشت اور باہمی جھگڑوں، تنازعوں اور عداوتوں کے جہنم میں دھکیلنا چاہتا ہے۔ شیطان وہ شخص ہے جو نفسِ امارہ کا محکوم ہو کر مجسّم ابلیس بن چکا ہوتا ہے۔ کھلے دشمن کی نشانی ہے ناہموار معاشرہ کی ترغیب یا سفارش کرنیوالا۔

● الختم: یہاں تک اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ ابتدائی دور میں جب اجتماعیت کو ملوکیت و انفرادیت میں تبدیل کر دیا گیا اور انفرادیت کے بُرے نتائج ظاہر ہو گئے تو پھر چونکہ ابھی جنّتی اجتماعی نظام کی خوبیاں نگاہوں کے سامنے تھیں اور اجتماعیت کے شجرِ طیبہ کا خوشگوار ذائقہ ابھی سربراہ و عوام کی زبانوں پر موجود تھا، اس لئے صدر و عوام دونوں اجتماعیت کی طرف لوٹ آئے۔ اپنی غلطی کا عاجزانہ اقرار کیا اور اپنے پروردگار سے مغفرت و رحمت کے طلبگار ہوئے:-

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا
کہا رب ہمارے ظلم کیا ہم نے جانوں اپنی پر اور اگر نہ تو معاف کرے واسطے ہمارے
وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ۲۳
اور نہ رحم کرے تو ہم پر تو البتہ ہو جائینگے ہم سے گھاٹا پانیوالوں

(صدر و عوام سب نے کہا) اے ہمارے پروردگار ہم نے (اجتماعیت کی بجائے انفرادیت اختیار کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہمیں بچاؤ عطا فرمائے اور ہم پر رحمت نہ کرے تو ہم نقصان اٹھانیوالوں سے ہو جائینگے۔

● اس سے اگلی آیات مجیدہ میں پھر:-
پچھلے مضمون کو تکرار تاکیدی کے طور پر مختصراً دہرا کر بتایا گیا ہے کہ تم اجتماعیت کو چھوڑ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہو۔ تم سب انفرادیت میں سے نکلو اور ذہن نشین کر لو کہ زمین میں تم خواص و عوام کا رہائش و ضروریاتِ زندگی کا مساوی حق ہے:-

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ
کہا نکلو بعض تمہارا واسطے بعض کے دشمن

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ
اور واسطے تمہارے بیچ زمین کے حقِ رہائش اور حقِ ضروریات ہے

اِلٰى حِيْنٍ ۝۲۴
تک مدت کے

(اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ) فرمایا کہ تم سب خواص و عوام اس (انفرادیت سے) نکلو۔ تمہارا بعض (ذاتی مفاد کے ٹکراؤ کی بدولت) بعض کا دشمن ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین میں تم سب (خواص و عوام) کیلئے آخری دم تک کیلئے حقِ رہائش بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلّم ہے۔

پُوری نوعِ انسانی کیلئے اس عنوان کے ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی مساوی حقوقِ انسانی کا اعلان

● واضح رہے کہ مندرجہ بالا صفحات پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کے بُنیادی حقوق سے متعلقہ عنوان ذیل کے الفاظ میں ۷/۱۰ سے شروع ہُوا ہے :۔

● وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۷/۱۰ اور اے نوعِ آدم! بیشک ہم نے تمہارے ایک ایک فرد کو زمین میں حقِ رہائش بھی دیا ہے اور حقِ معاش بھی عطا فرمایا ہے ـــــ اور ۷/۲۴ کے الفاظِ ذیل پر ختم ہُوا ہے :۔

● وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۷/۲۴ اور اے نوعِ انسانی! تم سب کے سب کے آخری دم تک کیلئے زمین میں حقِ رہائش بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلّم ہے ـــــ واضح رہے کہ نوعِ انسانی کے انہی پیدائشی حقوقِ رہائش و معاش کا اعلان ۷/۲۴ والے الفاظ ہی میں ۲/۳۶ سورہ بقرہ میں بھی وضاحتاً گزر چکا ہے۔

● پس سورہ بقرہ اور سورہ اعراف میں عنوانِ بالا سے متعلقہ الفاظ کی یکسانیت سے پُوری طرح کھل کر ثابت ہو چکا کہ سورہ اعراف کی آیاتِ بالا میں سورہ بقرہ ہی کے عنوان کو دہرایا گیا ہے۔ اور ان دونوں مقامات پر پُوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کے متوازن اور مساوی حقِ رہائش و معاش کا اعلانِ عام کر دیا گیا ہے تاکہ ہر سربراہِ ریاست قرآنِ کریم کے اس تکراری اعلان کے مطابق کرّہِ ارض کے ہر گوشے میں ایسا متوازن نظام قائم کرے جس میں ہر فردِ ریاست کے رہائش و معاش کے بُنیادی اور پیدائشی حقوقِ بالا کو قانوناً تسلیم کیا جائے تاکہ کرّہ ارض سے بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کا شیطانی رقص ختم ہو جائے۔ اور پُورا کرّہِ ارض جنّتِ ارضی یعنی متوازن حقوقِ رہائش و معاش کی جیتی جاگتی تصویر بن جائے۔

اُخروی عدالت کی حاضری کو ہمیشہ یاد رکھو

● آیت زیرِ بحث ۷/۲۴ میں وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ کی وضاحت کے بعد اگلی آیت میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا متوازن حقوق کی خلاف ورزی کرنیوالو! سب کیساتھ ساتھ تم بھی سُن لو کہ تم سب نے اسی زمین میں رہنا ہے اسی میں

میں مرتا ہے اور زندگی میں کئے گئے اچھے بُرے عملوں کی جواب دہی کیلئے تمہیں اسی زمین میں سے نکال کر حاضرِ عدالت کر لیا جائیگا:۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾ ع ۱۵/۹

کہا بیچ اسکے تم نے جینا ہے اور بیچ اسکے تم نے مرنا ہے اور میں سے اسکے نکالے جاؤ گے

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ (اے نوعِ انسانی!) تم سب اس زمین ہی میں زندگی گزارنی ہے۔ اور اسی میں مر جانا ہے اور اسی میں سے تم (دوسری مرتبہ ۲۰/۵۵) اعمال کی جوابدہی کیلئے نکال لئے جاؤ گے [۱]۔

● [۱] مِنْهَا تُخْرَجُونَ پر غور کرنے کیلئے آیت بالا ۲۵/۷ کی مترادف سورہ طٰہٰ کی آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں:۔

● مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۰ ۲۰/۵۵ اے نوعِ آدم! ہمنے تمہیں پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا اور (تمہارے مرنے کے بعد) ہم تمہیں اسی میں لوٹا دیتے ہیں۔ اور (تمہارے اعمال کی جوابدہی کیلئے) ہم تمہیں دوبارہ اسی زمین میں سے نکال لینگے۔

لباس التقویٰ اور جسمانی لباس

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں گزشتہ آیات مجیدہ کے ربط باہمی کے مطابق اجتماعیت کو لباس التقویٰ کہا گیا ہے لیکن ساتھ ہی بتا دیا گیا ہے کہ جسمِ انسانی کے ظاہری لباس اور آدمیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خداوندِ علیم و علام کو معلوم تھا کہ لوگ اُن مخبوط الحواس دیوانوں کو اللہ کے پاس پہنچے ہوئے بزرگ قرار دیا کریں گے جو دماغی خرابی، دیوانگی اور پاگل پن کی بدولت واہی تباہی کلام کرتے ہیں، انہیں لباس پہنایا جائے تو اُسے پھاڑ دیتے اور ہمیشہ ننگے رہتے ہیں۔ جیسے کہ مادر زاد اور ننگوں کو اللہ کے ولی، ابدال، اوتاد اور غوث قطب وغیرہ کے خدائی عہدیدار قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ آیتِ ذیل کے مطابق لباس پہننا فرض ہے:۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا [۱] يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ [۲] ذَٰلِكَ خَيْرٌ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ [۳] ﴿٢٦﴾

اے نوعِ آدم بیشک اتارا ہے ہمنے اوپر تمہارے حکم لباس کا ڈھانپے برہنگی تمہاری اور خوبصورت ہو اور لباس بچنے کا مذکورہ بالا بہتر ہے۔ مذکورہ بالا میں سے نشانیوں اللہ کی ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

اے نوعِ آدم بیشک ہمنے تم سب کے سب پر لباس پہننے کا حکم [۱] نازل فرمایا ہے (اس شرط کیساتھ) کہ وہ تمہارے ننگ پن کو بھی ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو۔ اور مذکورہ بالا حکم (یعنی پوری نوعِ آدم کے حقِ رہائش و ضروریات) کی نافرمانی سے بچنا ہی تو خیر (یعنی بھلائی) [۲] ہے۔ مذکورہ بالا حکم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں [۳]۔ (یعنی ایسا متوازن نظام قائم کریں جس میں کوئی شخص اپنے حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے)۔

● ۱؎ لِبَاسًا کی تنوین عوض مضاف ہے اور تقدیرِ کلام یہ ہے :۔ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ حُكْمَ لِبَاسٍ = بیشک ہمنے تم سب پر لباس پہننے کا حکم نازل فرمایا ہے۔ بصورت دیگر اگر اس تنوین کو عوض مضاف تسلیم نہ کیا جائے تو مشاہدہ معارض ہے کہ پہننے کا سِلا سلایا یا اَن سِلا لباس آسمان سے کبھی بھی نازل نہیں ہوتا۔

● ۲؎ ذٰلِكَ اسمِ اشارہ مذکر بعید ہے جو مذکورہ بالا کیلئے آتا ہے۔ اور مذکورہ بالا چونکہ مستقر و متاع کے حقِ انسانی کا اعلان ہے اسلئے لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ کا معنٰی لکھا گیا ہے کہ مستقر و متاع کے متوازن حکم کی خلاف ورزی سے بچنا ہی تو بھلائی ہے۔

● غور طلب یہ امر ہے کہ آئت بالا میں جسمانی لباس اور لباس التقوٰی دو چیزیں الگ الگ بیان ہوئی ہیں جسمانی لباس بیک وقت دو شرطوں کیساتھ مشروط ہے کہ ننگ پن کو بھی ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو۔ پس آئت بالا کے مطابق ایسا باریک اور ایسا فِٹ لباس پہننا حکمِ باری کے خلاف ہے جو پہنا ہوا بھی ہو اور جسم کے اعضاء الگ الگ نمایاں بھی ہوں۔ نیز اس آئت مجیدہ میں یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ کے خطاب کیساتھ لباس پہننے کے حکم کے نفاذ سے عیاں ہے کہ مخبوط الحواس ننگے، اس حکم سے مستثنٰی ہیں کیونکہ اُن پر بوجہ دیوانگی کوئی شرعی پابندی لازم ہی نہیں۔ تو اس طرح جن دیوانوں کو قرآن کریم دائرۂ آدمیت ہی سے خارج قرار دیتا ہے، ہم ہیں کہ انہیں پہنچے ہوئے بزرگ، ولی، ابدال، اوتاد اور غوث قطب وغیرہ کے خداوندی عہدیدار مانتے ہوتے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ !

● آئت بالا میں دوسرے نمبر پر لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ کے الفاظ میں لباسِ تقوٰی کا ذکر آیا ہے۔ لباس کا لفظ سہ حرفی مادہ ل۔ ب۔ س سے ہے۔ جس کا بنیادی معنٰی ہے لازم ہونا، ڈھانپ لینا، چھپا لینا = کپڑوں کو لباس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جسم کو ڈھانپ لیتے ہیں، چھپا لیتے ہیں۔ اور تقوٰی کا لفظ سہ حرفی مادہ و۔ ق۔ ی سے ہے، جس کا معنٰی ہے بچانا۔ اور تقوٰی کا معنٰی ہے خود بچنا۔ اب چونکہ پیچھے مسلسل آئت نمبر ۱۰ تا ۲۵، سولہ آئتوں میں مستقر و متاع یعنی نوعِ انسانی کے حقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی کا اعلان چل رہا ہے۔ نیز چونکہ آگے بھی یہی عنوان جاری ہے اسلئے کلام کے سیاق و سباق دونوں سے ثابت ہے کہ یہاں مستقر و متاع کے خداوندی حکم کی خلاف ورزی سے بچنا یعنی ایسا نہ ہو کہ حقِ رہائش و متاع سے محرومی نوعِ انسانی کا لباس بن جائے۔ عرفِ عام میں تقوٰی پرہیزگاری لیا جاتا ہے لیکن اس مشاہداتی حقیقت کو کبھی نہ بھولئے کہ ضروریاتِ زندگی سے محروم افراد سے پرہیزگاری کی کیا اُمید کی جاسکتی ہے ؟ جبکہ بھوک ننگ تو خود ایمان تک کے لئے زہرِ قاتل ثابت ہوتی ہے۔ تو اس طرح جہاں ہر آن ایمان ہی متزلزل ہو، وہاں پرہیزگاری کہاں سے آسکتی ہے ؟

● قرآن کریم نے بھوک کے لباس کو بجائے خود ایک عذاب قرار دیا ہے۔ سورہ نحل میں ایک نافرمان بستی والوں کے متعلق آیا ہے فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ۱۶/۱۱۲ پس اللہ تعالٰی نے انہیں ان کے

معصوموں عملوں کی بدولت بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا ۔ پس آیاتِ بالا میں اسی لِبَاسُ الْجُوْعِ وَالْخَوْف سے بچنے ہی کو کہا گیا ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۷/۲۶ اور اے نوعِ انسانی مذکورہ بالا حقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی کے خداوندی حکم کی خلاف ورزی سے بچنا ہی تو بھلائی ہے ۔

● ۳ آیت مجیدہ زیرِ بحث ۷/۲۶ کا آخری جملہ انسانی غور طلب ہے ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں، جن کی غرض یہ ہے کہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں ۔ جیسے کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اس آیت میں دو لباسوں کا ذکر ہے، جسمانی لباس، اور پوری نوعِ انسانی کے حقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی کی مخالفت سے بچنے کا لباس ۔ افسوس ہے کہ اِن دونوں کی مخالفت صدیوں سے اس طرح جاری ہے کہ معاشرہ کے دیوانے جو لباس پھاڑ کر ننگے ہو جاتے ہیں انہیں تو اولیا اللہ مانا جاتا ہے اور نوعِ انسانی کو لباس التقوٰی یعنی اسکے متوازن حقِ مستقر و متاع کی یہ کہہ کر مخالفت کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بعض لوگوں کی قسمت میں بلا کرایہ رہائشی مکان کی بجائے کرائے کا مکان لکھ رکھا ہے اور ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے اُس نے خود کسی کی قسمت میں بھوک ننگ لکھ دی ہوئی ہے ۔ چنانچہ بخاری شریف کے باب الحیض میں حضرتِ انسؓ کی روائت ہے کہ ہر شخص کی سعادت یا شقاوت اور رزق کی تنگی یا فراخی عین اُس کی پیشانی پر لکھ دی جاتی ہے جب وہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم کے دلائلِ قاطعہ کی رُو سے آپ سابقہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ پوری نوعِ انسانی کا پیدائشی حق ہے کہ اُسے زندگی کے آخری دم تک بلا کرایہ رہائش اور ضروریاتِ زندگی مسلسل میسّر آتی رہیں ۔ بالفاظِ دیگر معاشرہ کا ایسا نظام قائم ہونا چاہیئے جس میں مذکورہ انسانی حقوق کی ضامن مرکزی حکومت ہو ۔

● پیچھے آپ آیت نمبر ۷/۲ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ شیطان (ابلیس مجسّم انسان) نے صدر و عوام کو اجتماعی نظام کی جنّت سے نکال کر انفرادی نظام کے جہنم میں جھونک دیا تھا ۔ اِس لئے اگلی آیت مجیدہ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ آئندہ کے لئے محتاط رہنا :-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ

اے نوعِ آدم ! نہ فتنے میں ڈال دے تم کو شیطان، جیسے نکالا

اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا

ماں باپ تمہارے کو جنت سے کھینچتا تھا سے دونوں کے لباس دونوں کے

لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ

تاکہ ظاہر ہو دونوں پر بُرائی دونوں کی بیشک وہ دیکھتا ہے تم کو وہ اور قبیلہ اُس کا

اے نوعِ آدم! (ہوشیار باش!) ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی شیطان انفرادیت کے فتنے میں مبتلا کر دے، جیسے کہ اُس نے تمہارے اوّلین ماں باپوں کو اجتماعی نظام کی جنت سے نکال دیا تھا ۔ اُس نے اُن پر اُن کا (مستقر و متاع) کا لباس کھینچ لیا تاکہ اُن پر اُن کی برائیاں عیاں ہو جائیں ۔ بیشک وہ اور اسکے شطو گروہ تمہیں اس مقام سے دیکھتے ہیں جہاں

مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ سے وہاں نہیں تم دیکھتے ان کو ۔ بیشک ہمنے پایا ہمنے شیطانوں کو اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۲۷ دوست واسطے اُن کے جو نہیں وہ ایمان لاتے	سے تم نہیں دیکھتے بیشک ہم نے شیطانوں کو دوست پایا ہے اُن کا جو (نوعِ آدم ہی کے حقِ مستقر و متاع پر ایمان نہیں لاتے

● ۱؎ بنی آدم کا معنی لکھا گیا ہے نوعِ آدم ۔ کیونکہ قرآنی رہنمائی کے مطابق نوعِ آدم کسی ایک شخص آدم کی اولاد نہیں ہے بلکہ پیچھے واضح کیا جا چکا ہے کہ ۱۱/۶۱ ۲۰/۵۵ ۵۳/۳۲ ۱۷/۱۷-۱۸ کے مطابق نوعِ آدم کو زمین میں سے پیدا کیا گیا تھا ۔ نیز خود زیرِ نظر سورہ اعراف ۷/۱۱ میں بھی ارشاد ہوا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اور البتہ تحقیق ہم نے تم بہت سوں کو پیدا کیا ۔ پھر بہت سوں کو ارتقائی منازل سے گزار کر موجودہ صورت میں لائے ۔ (پھر اس طرح جب تم کائناتی قوتوں سے کام لینے کے قابل ہو گئے تو) ہمنے جملہ کائناتی قوتوں کو بزبانِ حال حکم دیا کہ تم سب کی سب نوعِ آدمی کی فرمانبردار ہو جاؤ ۔ پس چونکہ ان قرآنی دلائلِ قاطعہ کے مطابق نوعِ انسانی کسی ایک شخص آدم کی اولاد نہیں ۔ اسلئے بنی آدم کا جو معنی لکھا ہے نوعِ آدم صد فیصد صحیح ہے ۔

● ۲؎ سابقہ صفحات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ نوعِ آدم ابتدائی معاشرہ کے جس فتنے میں مبتلا ہوئی تھی وہ انفرادی مفاد کوشی ہی کا فتنہ تھا ۔ اسلئے یہاں لَا يَفْتِنَنَّكُمُ کے الفاظ میں اسی فتنے کی خبر دیگئی ہے ۔

● ۳؎ اَبَوَيْكُمْ سے بابا آدم اور حوا مراد لینا قرآنِ کریم کی رُو سے غلط ہے کیونکہ نوٹ ۱؎ کے مطابق نوعِ آدم کے بہت سے افراد مرد و عورتیں زمین میں سے پیدا کئے گئے تھے ۔ اسلئے اَبَوَيْكُمْ کا معنی تمہارے اولین ماں باپ صحیح ہے ۔ کیونکہ اس نوع کے اولین ماں باپ الگ الگ بہت سے مرد و عورتوں کی صورت میں زمین میں سے پیدا کئے گئے تھے ۔ جن کے ساتھ اجتماعیت کی جنت سے نکالنے کا ابتدائی واقعہ پیش آیا تھا ۔

● ۴؎ لفظ جنت کی وضاحت بھی پیچھے گزر چکی ہے ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ کے مطابق وہ معاشرہ و نبوی جنت ہے جس میں کوئی فردِ معاشرہ حقوقِ ربوبیت و رہائش سے محروم نہ ہو ۔

● ۵؎ نزعِ لباس کے متعلق روایات کا دیا ہوا تصور غلط ہے کہ شجرِ ممنوعہ کے استعمال سے حضرت آدمؑ و حواؑ معاذ اللہ ننگے ہو گئے تھے ۔ اور انکی شرمگاہیں اُن پر ظاہر ہو گئیں ۔ بلکہ جیسے کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ ابتدائی معاشرہ کے صدور و عوام انفرادی مفاد پرستی کے شجرِ ملعونہ سے منع کیا گیا تھا ، جس میں ہر شخص ذاتی نفع اندوزی کیلئے قسم قسم کے دھوکے فریب کے ذریعہ اپنی برائیوں کو خود عیاں کرتا رہتا ہے ۔ پس شیطان نے جو نسا لباس کھینچ لیا وہ متوازن ضروریاتِ زندگی کا ضامن وہ اجتماعی نظام تھا ، جس میں نوعِ آدم کا کوئی ایک فرد بھی اپنے حقوقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا ۔ اسی طرح لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا کے الفاظ میں اسی حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ اگرچہ نوعِ آدم میں دغا جھوٹ فریب

جیسی برائیوں کی استعداد موجود ہے، لیکن اجتماعی نظام میں جہاں ہر کسی کی ضروریاتِ زندگی متوازن انداز میں کم میسر آ رہی ہوں، اس نوع کو مذکورہ بالا برائیوں کو بروئے کار لانے کے مواقع ہی میسر نہیں آتے۔ لیکن جب مفاد پرستانہ انفرادی نظام قائم ہو جائے تو صدر رد عوام، سب کے سب ذاتی مفاد کیلئے قسم قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور دونوں کی مضمر برائیاں کھل کر عیاں ہو جاتی ہیں۔ دونوں ننگے ہو جاتے ہیں۔

● ۸ـ هُوَ وَقَبِيلُهُ یعنی شیطان اور اسکے قبیلہ سے مراد معاشرہ کا وہ لیڈر اور اُسکی جماعت ہے جو سب مل کر اجتماعی نظام کے خلاف انفرادی نظام کے قیام و فروغ میں مصروفِ عمل ہوں۔

● ۹ـ يَرٰىكُمْ...... مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ سے یہ مراد ہے کہ وہ سب کے سب ہر آن تمہارے حالات پر نگاہ رکھتے ہیں کہ اجتماعی معاشرہ میں جہاں کوئی نقص حادثاتی طور پر واقع ہُوا تو وہ اجتماعی نظام کے خلاف اپنا پروپیگنڈا تیز کر دیتے ہیں۔ کہ دیکھو ہم نہیں کہتے تھے کہ بُرے وقت کیلئے الگ الگ مال جمع کر لیا کرو۔ اور اس طرح وہ تمہارا اجتماعی لباس اُتار کر تمہیں ننگا کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ اسکے برعکس تم ہو کہ انہیں اُس مقام سے نہیں دیکھتے جہاں سے وہ دیکھتے ہیں۔ اسلئے تم انکے دھوکے میں نہ آجانا۔ یہاں آیتِ ذیل $\frac{۲}{۱۵۶}$ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اجتماعی نظام میں بھی بعض مقام ایسے آجاتے ہیں جہاں ضروریاتِ زندگی میں کمی واقع ہو جاتی ہے جیسے کہ جنگ کے ایام کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:—

● وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ $\frac{۲}{۱۵۶}$ اور بیشک ہم تمہارے استقلال کو ظاہر کرتے ہیں دشمن کے حملہ کے خوف، مالوں جانوں اور رزق کے نقصان کیساتھ۔ اے رسول صلعم! اُن مستقل مزاج مومنوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ انہیں جب دشمن کی بدولت مذکورہ بالا مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بیشک ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور ہم (ان مصیبت کے ایام میں بھی اُسی کے قانون کی طرف) رجوع کرنیوالے ہیں۔

● پس سلسلۂ درس کی آیت زیرِ بحث $\frac{۷}{۲۷}$ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ شیطان اور اُسکی جماعت کے پروپیگنڈے میں نہ آنا جو حادثاتی مصائب کے وقت خصوصیت کیساتھ اجتماعیت سے پھسلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز شیطان کے متعلق سابقہ صفحات میں پوری وضاحت کر دیگئی ہے کہ قرآن کریم اُن لوگوں کو بھی شیطان قرار دیتا ہے جو نفسِ امارہ کے متبع ہو کر خود بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اجتماعیت سے ہٹانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں $\frac{۷}{۲۰}$ $\frac{۱}{۳۸}$۔

● ۱۱ـ جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ...... الخ کا معنیٰ لکھا گیا ہے کہ ہم نے شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست پایا جو نوعِ انسانی کے حق مستقر و متاع پر ایمان نہیں لاتے۔ اس آیت کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ ہم نے شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست بنایا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ کام ہر گز نہیں ہے کہ وہ شیطانوں کیساتھ لوگوں کی دوستی کا خواستگار ہے۔ بلکہ وہ ایسے لوگ، جو نوعِ انسانی کے حقوقِ ربوبیت پر ایمان نہیں لاتے، شیطانوں کو اُن کے ساتھ دوستی گانٹھے ہُوئے پاتا

ہے - یہاں فعل جعلنا میں خاصہ وجدان موجود ہے۔

● ۱۲؎ لا یُؤمِنُوْنَ کا معنی لکھا گیا ہے جو لوگ پوری نوعِ انسانی کے حقِ مستقر و متاع پر ایمان نہیں لاتے یہ معنی یہاں اسلئے ٹھیک ہے کہ آیات مجیدہ ۷/۱ سے ۷/۲۷ تک مسلسل نوعِ انسانی کے حقِ مستقر و متاع کا عنوان جاری ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ اے نوعِ انسانی تمہارا حقِ رہائش بھی مسلم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی۔

آباؤ اجداد کا تواتر دلیل صداقت نہیں

● زمانۂ رسالتِ محمدی میں صدیوں سے انفرادی نظام قائم تھا۔ جس کی صداقت کی دلیل کے طور پر کہا جاتا تھا کہ ہمنے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقے پہ پایا ہے۔ اِس لئے ہم کس طرح یہ مان لیں کہ پوری نوعِ انسانی کے حقوق اللہ نے مساوی قرار دئے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے:—

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً [۱] قَالُوا وَجَدْنَا [۲] عَلَيْهَا
اور جب کام کرتے ہیں بُرا کہتے ہیں پایا ہمنے اوپر اسکے
آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ
باپوں اپنے کو اور اللہ نے حکم دیا ہمیں اسکا۔ کہہ بیشک اللہ نہیں حکم کرتا
بِالْفَحْشَاءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا
ساتھ برائی کے کیا تم کہتے ہو اوپر اللہ کے جو نہیں
تَعْلَمُونَ ۝ ۲۸
تم جانتے

اور جب وہ (ذاتی مفاد پرستی کیلئے عوام کے حقِ ربوبیت میں غصب[۱] کا ارتکاب کرتے ہیں تو (دلیل کے طور پر یہ) کہتے ہیں کہ ہم[۲] نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی روش پر پایا ہے۔ اور اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔ اے رسول ﷺ! کہہ دیجیئے کہ بیشک اللہ تعالیٰ الفحشاء کا (یعنی غصب حقوقِ ربوبیت کا) حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کیلئے وہ کچھ کہتے ہو جسے تم جانتے ہی نہیں (کہ اللہ تعالیٰ ایسے حکم ہرگز نہیں دیتا جو الفحشاء کے ممد و معاون ہوں)۔

الفحشا بمعنی غصب حقوقِ ربوبیت

● ۱؎ فعلوا فاحشۃً کا مصدری معنی لیا گیا ہے حقوقِ ربوبیت میں غصب کا ارتکاب کرنا۔ یعنی عوام کو اُنکے حقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دینا۔ عوام کا استحصال کرنا۔ لفظ فاحشہ کا سہ حرفی مادہ ف - ح - ش ہے جس کا بنیادی معنی ہے کسی بھی کام میں اسکے متعلق متعینہ حدود و قیود کو پھاند جانا۔ چونکہ جنسیات کی حدود و قیود یہ ہیں کہ مرد اور عورت کے درشاء کی موجودگی میں فریقین قیدِ نکاح میں آجائیں۔ اسلئے اگر کوئی مرد عورت اِن حدود کو پھاند کر جنسی تعلق قائم کریں تو انکی اِس حدود شکنی کو بھی فاحشہ کہا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر عربی ادب میں صرف بدکاری ہی کو فاحشۃ یا الفحشاء نہیں کہا جاتا، بلکہ کسی بھی دائرہ کی حدود شکنی کو اسی مادہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً باہمی گفتگو کی حدود و قیود میں ایکدوسرے کا ادب و احترام قائم رکھنا۔ لیکن جب اِن حدود کو پھاند کر گفتگو کی جائے تو اس حدود شکن گفتگو کو فحش کلامی کہا جاتا ہے۔

● قرآن کریم میں لفظ فحشاء کے معنے تقابلِ ضدین کے ذریعہ ۱۶/۹۰ میں اُجاگر کر دیئے گئے ہیں مثلاً عدل کی ضد ہے نا انصافی جسے ۱۶/۹۰ میں الفحشآء کہا گیا ہے :۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ ...... وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ ۱۶/۹۰ بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا ...... اور منع کرتا ہے الفحشآء یعنی بے انصافی سے :۔ پس اس قرآنی توضیح کے مطابق ۱۶/۹۰ میں فحشاء کا معنی ہے نا انصافی خواہ وہ معاشرے کے کسی بھی گوشے میں کی جائے ۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے عین عدل وانصاف کی حدود وقیود کیمطابق مذکورہ عنوانِ ربوبیت کے متعلق اعلان فرمایا ہے :۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ کہ اے نوعِ انسانی تم سب کیلئے زمین میں بلا کرایہ حقِ رہائش بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلم ہے ۔ پس اظہر من الشمس ہے کہ ان انفرادی حدودِ خداوندی کو پھاند کر کسی بھی طبقہ کے حقوقِ ربوبیت غصب کئے جائیں تو اس غصب ونہب کو بھی فاحشہ ہی کہا جاتا ہے جیسے کہ عربی ادب میں فحشاء کا معنی بخل یعنی دوسرے کا حق مارنا بھی ہے جیسے کہ بخیل آدمی کو عربوں کے ہاں فاحش کہا جاتا ہے ۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں لفظ فاحشۃ کی ضد قسط یعنی انصاف لایا گیا ہے قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۷/۲۹ کہہ دیجئیگا اے رسولؐ کہ اللہ تعالیٰ نے فاحشۃ کا حکم نہیں دیا بلکہ انصاف کا حکم دیا ہے کہ پوری نوعِ انسانی کو اُس کے پیدائشی حق کے مطابق رہنے کیلئے بلا کرایہ مکان بھی ملنا چاہیئے اور ضروریاتِ زندگی بھی آخری دم تک ہر کسی کو میسر آتی رہنی چاہئیں ۔

● پس مذکورہ بالا قرآنی لغت، تقابلِ ضدین، سیاق وسباقِ کلام، عام لغتِ عرب اور انسانی پیدائشی حقوق کے دلائلِ قاطعہ کے مطابق ثابت ہُوا کہ لفظ فاحشۃ کے متعدد معنوں میں سے ایک معنٰی حقوقِ ربوبیت میں ارتکابِ غصب بھی ہے ۔

● ۲ وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کی قدیمی روش ہی یہ ہے کہ اربابِ اقتدار اپنے اپنے دائرۂ اقتدار میں خواہ کسی کا دائرہ وسیع ہو یا مختصر، اُسکے مطابق اپنے ماتحتوں اور زیر دستوں کے حقوقِ ربوبیت غصب بھی کرتے ہیں اور اس عمل میں اپنے سچے ہونے کی یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم دیا ہے ۔ آیت بالا ۷/۲۸ میں زمانۂ رسالتِ محمدی کے منکرینِ ربوبیت کے متعلق یہ خبر دیگئی ہے کہ وہ کہتے تھے اَمَرَنَا بِهَا ہمیں اللہ تعالیٰ ہی نے ایسا کرنے کا حکم دے رکھا ہے ۔ آج بھی عوام میں ایسا ہی عقیدہ چل رہا ہے مگر اسکی تردید اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظ ذیل کر دیگئی ہے :۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ ۱ بِالْقِسْطِ ۚ قف وَاَقِيْمُوْا ۲ وُجُوْهَكُمْ کہہ حکم دیا ہے میرے نے ساتھ انصاف کے اور سیدھے کرو چہرے اپنے	کہہ دیجئیگا (اے رسولؐ!) میرے رب نے انصاف کرنے کا حکم ۱ دیا ہے ۔ اور سیدھا کرو اپنے چہرے (قبلہ رُخ) ہر صلوٰۃ کے وقت پر ۲
عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ۳ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ ۴ لَهُ الدِّيْنَ ۵ ۚ پاس ہر نماز کے اور دعا کرو اُس سے خالص کرنیوالے واسطے اسکے دین کو	اور (صلوٰۃ میں) اسکے حضور میں دعا کیا کرو، خالص کرنے والے ۳ ہو کر اُسکے دین کو واسطے اُسکے ۔ (یاد رکھو کہ) جس طرح تمہیں پہلی

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ ۲۹ جیسے تمہاری ابتدا کی لوٹائے جاؤ گے || مرتبہ (زمین سے) پیدا کیا تھا اُسی طرح تم (دوبارہ) لوٹا لئے جاؤ گے (اعمال کی جوابدہی کیلئے دوبارہ پیدا کر لئے جاؤ گے)[۶]

● ۱ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ کی وضاحت اُوپر کر دیگئی ہے کہ سیاق کلام کے مطابق ربوبیت عامہ کا عادلانہ حکم دیا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کا ہر فرد رہائش اور ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے متوازن اور مساوی حقوق کا حقدار ہے۔

● ۲ مسجد کا لفظ یہاں ظرفِ زمان ہے بمعنی سجدہ (صلوٰۃ) کا وقت۔ نیز چونکہ صلوٰۃ موقت کی غرض اجتماعی نظام ربوبیت کا قیام ہے اسلئے اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ کے الفاظ میں ہر صلوٰۃ (نماز) کے وقت اجتماعیت کو قائم رکھنے کیلئے منہ سیدھا قبلہ رُخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ ۲/۱۲۵ میں ارشاد ہوا ہے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ اور مقام ابراہیم کو جائے صلوٰۃ بناؤ۔ یعنی اِسے صلوٰۃ موقت کیلئے سمت ٹھہراؤ۔

● ۳-۵ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے دین کو صرف اُسکے لئے خالص رکھتے ہوئے ہر صلوٰۃ کے وقت پر اُسکے حضور میں دعا کیا کرو۔ اللہ کے دین میں اُسکا کوئی نبی رسول بھی شریک نہیں۔ اُسکے نبی رسول اُسکا پیغام لوگوں کو پہنچاتے تھے۔ اُسکے حکم میں شریک ہرگز نہیں تھے۔ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۱۸/۲۶ اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔

● آیت بالا کے الفاظ وَادْعُوْهُ کو جب فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۷۳/۲۰ کیساتھ ملایا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃ موقت (نماز) میں عام یعنی حیض نفاس، نکاح طلاق لین دین اور تقسیم وراثت سے متعلقہ آیات مجیدہ کی تلاوت کی اجازت نہیں۔ اور نہ سابقہ اقوام کے اچھے بُرے لوگوں کے قصے اللہ تعالیٰ کو سنانے کی اجازت ہے۔ بلکہ صلوٰۃ (نماز) اللہ کے حضور میں مقام دُعا ہے۔ پس اللہ کے حضور صرف دعائیں کی جائینگی اور ہونگی صرف قرآنی غیر قرآن پڑھنا ۷/۴۳ کی رُو سے بھی منع ہے اور ۲۹/۴۵ کی رُو سے بھی اُتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ پڑھو کتاب میں سے جو تیری طرف وحی کیگئی ہے اور صلوٰۃ (نماز) قائم رکھو۔

● واضح رہے کہ قیام ربوبیت کے ضمن میں صلوٰۃ موقت کا مسئلہ

صلوٰۃ اور ربوبیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے

اسلئے لایا گیا ہے کہ صلوٰۃ اور ربوبیت عامہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے صلوٰۃ موقت کیلئے مسجد میں جمع ہونے کی غرض ہی یہ ہے کہ ایک اجتماعی نظام کیا جائے اور جو افراد محروم ربوبیت ہوں انہیں اُن کا حقِ ربوبیت مہیا کیا جائے۔ اگر حکومت کی طرف سے کوئی ایسا نظام قائم نہ کیا گیا ہو تو حاضرین مسجد فردِ محروم کو قدموں پر کھڑا کر دیں۔ ایسا نہ کیا جائے تو غرض صلوٰۃ پوری نہیں ہوتی۔

● ۶-۷ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کی بعثت کو غلط

نہ تصور کرو۔ جس طرح نہیں اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا ۲۰/۵۵ اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کریگا۔ اگر قیامت کی کامیابی کے طلبگار ہو تو پوری نوعِ انسانی کے حقوقِ ربوبیت پر ایمان لاؤ اور پھر ایسے نظام کے قیام کیلئے معروفِ عمل ہو جاؤ جس میں کوئی فردِ بشر حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ پایا جائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں دو گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک ہدائت یافتہ اور دوسرا گمراہ۔ سیاقِ کلام کے مطابق ہدائت یافتہ گروہ وہ ہے جو ربوبیتِ عالمین پر ایمان رکھتا ہے اور گمراہ وہ ہے جو اسکا منکر ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:۔

فَرِيقًا هَدَىٰ[۱] وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ[۲]
ایک گروہ نے ہدائت پائی اور ایک گروہ لازم ہوئی اور پر انکے گمراہی

إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ[۵] مِن دُونِ[۳]
بیشک انہوں نے پکڑا شیطانوں کو کارساز سے ساتھ

اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ[۶] ۳۰
اللہ کے اور وہ گمان کرتے ہیں بیشک ہیں وہ ہدائت یافتہ

(جو لوگ نظامِ ربوبیت پر ایمان لائے اور اس پر عمل کیا اُس) ایک گروہ نے ہدائت پائی[۱] اور (جنہوں نے اسکا انکار کیا اُس) ایک گروہ پر گمراہی لازم ہو گئی[۲]۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کیساتھ گمراہ کرنیوالوں کو اپنے مددگار ٹھہرا لیا۔ اور وہ (گمراہ) یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدائت یافتہ ہیں[۶]

● ۱-۲ جو لوگ خدا تعالیٰ کے نازل کردہ متوازن نظامِ معیشت پر ایمان لائیں اور اسکے نفاذ کی کوشش کریں انہیں ہدائت یافتہ گروہ قرار دیا گیا ہے۔ اور جن لوگوں نے اس نظام کا انکار کیا اور اسکے نفاد کی مخالفت کی اُس گروہ پر گمراہی لازم قرار دے دی گئی ہے۔ بالفاظِ دیگر اس آئتِ قرآنیہ اور اس کے سیاق و سباق کے مطابق متوازن نظامِ معیشت ہدائت ہے اور اسکا انکار گمراہی ہے۔

● ۳- مِن دُونِ اللہِ کا معنیٰ اللہ کے سوا بھی ہے اور اللہ کے ساتھ بھی ہے۔ جیسے کہ پیچھے وضاحت کر دیگئی ہے کہ ۵/۱۱۶ میں آیا ہے (ترجمہ) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ عیسیٰؑ ابن مریمؑ سے قیامت کو پوچھیگا، کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو مِن دونِ اللہ؛ اللہ کیساتھ ملا کر دو الٰہ بنا لو۔

● ۵- آئتِ بالا میں شیاطین کی وضاحت اِن لفظوں میں موجود ہے کہ نظامِ ربوبیت کے باغیوں کو لوگوں نے اپنے کارساز ٹھہرا لیا ہوا ہے۔ اُن سے مدد مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ وہی خلوت نشین ہیں جنہیں ۲/۱۴ میں شیطان کہا گیا ہے وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ ـــــ جو لوگ معاشرہ کی خدمت سے منہ موڑ کر اور خدا تعالیٰ کے عطا کردہ ہاتھ پاؤں توڑ کر خلوتوں میں جا بیٹھتے اور لوگوں کو مرادیں دینے کے دعویدار بن کر عوام کی جیبوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں انہیں شیطان کہا گیا ہے۔

● واضح رہے کہ استعانت کے ضمن میں خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے قاری سے اسکے پہلے ہی سبق میں إِيَّاكَ

نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا اقرار لے لیا ہے کہ ہم صرف تیری فرمانبرداری کرینگے اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگینگے۔ اور جن بزرگوں سے لوگ مرادیں مانگتے ہیں انکے متعلق ۲۲/۷۳ میں اعلان کر دیا ہے :۔

● يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ۔ اے نوعِ انسانی ایک حقیقت بیان کی جاتی ہے، (کان کھول کر) سُن لو ۔ تم جن جن کو اللہ کے ساتھ ملا کر پکارتے ہو (جن جن سے مدد مرادیں مانگتے ہو) وہ سب کے سب مل کر بھی ایک مکھی تک نہیں پیدا کر سکتے، بلکہ مکھی اگر اُن سے کچھ چھین کر لے جائے، تو اُس سے واپس نہیں لے سکتے اَب ظاہر ہے کہ مکھی تو انبیاء کرام بھی پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا ثابت ہُوا کہ انبیاء کرامؑ سے بھی غائبانہ مدد مرادیں مانگنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۱/۴ کے وعدے کے مطابق، اسلام میں مدد مُرادیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنے کی اجازت ہے۔ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا، خدا تعالیٰ کیساتھ کئے گئے وعدہ کی وعدہ خلافی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اسکے اختیاراتِ مخصوصہ میں غیر اللہ کو شریک کرنے کا کھلا ارتکابِ شرک ہے العیاذُ باللہ!

● ۳۰ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ کے الفاظ میں اِس مشاہداتی حقیقت کا بھی اعلان کر دیا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنے والے اپنے آپکو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔ کاش کہ ہم دعویدارانِ ہدایت اپنا جائزہ لیکر خود فیصلہ کریں کہ کیا ہم يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ کے مصداق تو نہیں ہیں؟

ترکِ زینت اور ترکِ غذا کا عقیدہ مطلقاً غیر قرآنی ہے

● جن غیر اللہ بزرگوں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں، اُنکا مشہور و معروف مسلک یہ ہے کہ وہ ایک لنگوٹی کے سوا ترکِ لباس، اور چلّہ کشی کی صُورت میں نمائشی ترکِ غذا کو نام نہاد تقرب الی اللہ کا ذریعہ ٹھہراتے ہیں، اور وجودِ عاشقاں کلّی نماز است کے الفاظ میں لنگوٹی اور عریانی کو نماز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اگلی آیات مجیدہ کی رُو سے ترکِ لباس و غذا حرام مطلق ہے :۔

يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ اے بنی آدم پکڑو زینت اپنی نزدیک ہر	اَے نوعِ آدم! ہر صلوٰۃِ موقّت (نماز) کے ہر وقت پر اپنی زینت لئے رہو (ترکِ زینت نہ کرنا، لباس نہ اتارنا) اور کھاؤ پیو (ترکِ غذا نہ کرنا) لیکن (اللہ کے رزق کو) ضائع نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ (اللہ تعالیٰ) ضائع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ نماز کے اور کھاؤ اور پیو اور نہ ضائع کرو۔ بیشک وہ	
لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۳۱ نہیں پسند کرتا ضائع کرنے والوں کو	

دیکھا آپنے کہ :- ● ترکِ لباس اور ترکِ خوراک کو تقرب الی اللہ کا نام نہاد ذریعہ قرار دینے کی کس طرح تردید کر دی گئی ہے۔ نیز نماز اور زینت کو لازم ملزوم قرار دیا گیا ہے۔ تو اب بتائیے کہ کیا تقرب الی اللہ کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یعنی لباس پہننے میں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھانے پینے میں ہے یا اُسکی نافرمانی کرکے لنگوٹی پہننے اور چلہ کشی کرکے کھانا پینا چھوڑ دینے میں ہے ؟ ترکِ لباس اور ترکِ نعماءِ خداوندی، مطلقاً حرام ہے۔ اگلی آیتِ مجیدہ میں اسکے خلاف انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا گیا ہے :-

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ
کہ کون ہے جو حرام کرے زینت اللہ کی جسے پیدا کیا اس نے
لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ
واسطے بندوں اپنے اور پاکیزہ میں رزق کے۔ کہہ وہ ہے
لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً
واسطے ان کے جو ایمان لائیں بیچ حیاتِ دنیا کی خاص طور پر
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
دن قیامت کے اسی طرح ہم کھولتے ہیں آیتیں واسطے اس قوم کے
يَعْلَمُونَ ۵ ۳۲
کہ وہ جانتے ہیں

(اے رسولؐ!) کہہ دیجیئے! کون ہے جو اللہ کی اُس زینت[۲] (لباس) اور اسکے پاکیزہ رزق[۲] کو حرام قرار دیدے جسے اُس نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے[۳]۔ (زینت اور پاکیزہ رزق دنیا میں بھی مومنوں کیلئے ہے اور قیامت کے دن خالصۃً صرف انہی کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے لیے اپنی آئتوں کو اِسی طرح کھول کھول کر بیان کرتا ہے یعنی اُس قوم کے لئے جو جانتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ اپنی آئتوں کی تشریح خود کرتا ہے، خود ہی انہیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے)۵

● ۲ اللہ تعالیٰ نے زینت اور پاکیزہ رزق کو اپنے تمام تر بندوں کا حق بتایا ہے۔ اور انہیں حرام کرنے کے عمل کو انتہائی غصے اور ناراضگی کا موجب قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ کون ہے جو انہیں حرام کرے ؟

● ۳ اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کردہ زینت (لباس) اور پاکیزہ رزق کو دنیا کی زندگی میں اپنے تمام بندوں کافر مومن وغیرہ سب کا حق قرار دیا ہے، مگر قیامت کے دار الجزاء میں انہیں خالصۃً مومنوں ہی کا حق بتایا ہے یعنی اُن لوگوں کو ان سے محروم ٹھہرا دیا ہے جو دنیا میں نظامِ ربوبیت کے منکر ہیں۔

● ۵ اِس آیتِ مجیدہ کا آخری جملہ انتہائی غور طلب ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جاننے والوں کیلئے اپنی آئتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور کھول کھول کر یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام زینتیں اُس کے تمام بندوں کا حق ہیں۔ اِس طرح مومنوں کا دنیا میں بھی ان پر حق ہے اور قیامت کے دن تو یہ کافروں سے علیحدہ

خالصۃً مومنوں ہی کا حق ہیں - اسکے برعکس اہلِ تصوف ہیں کہ پہلے تو چلہ کشی کے ایام میں اپنے آپ پر لباس اور رزق دونوں کو حرام کر لیتے ہیں۔ اور پھر جب چند یوم کے فریبِ نفس کے بعد بزعمِ خویش مقرب الی اللہ کے دعویدار بن کر تعویذ گنڈے کی دکان سجاتے ہیں تو تعویذ دیتے وقت کسی کے لئے بڑا گوشت اور کسی کے لئے ماش یا مسور کی دال اور کسی کے لئے بھنڈی، بینگن اور امرود وغیرہ کو یہ کہہ کر حرام کر دیتے ہیں کہ ورنہ تعویذ اثر نہیں کرے گا۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی لوگ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ کے مصداق نہیں ہیں؟

ایک لمحۂ فکریہ ● اہلِ بصیرت کے لئے پیچھے $\frac{\text{ع}}{26}$ میں ارشاد ہوا ہے۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا - اے بنی آدم بیشک ہم نے تم پر لباس پہننے کا حکم نازل کیا ہے تاکہ وہ تمہارے ننگ پن کو بھی ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو- ان قرآنی الفاظ کے مطابق جو شخص لباس نہیں پہنتا ننگا رہتا ہے وہ تو زمرہ بنی آدم ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔ مگر ہم ہیں کہ اُسے اللہ کا ولی اور پہنچا ہوا فرد قرار دیتے ہیں۔ اور آیتِ بالا $\frac{\text{ع}}{32}$ میں اِنہی لوگوں کے متعلق چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ زینتوں اور اُسکے پیدا کردہ رزق کو حرام کرے، جو اُس نے دنیا میں مومن کافر اپنے سب بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور قیامت کو خالصۃً مومنوں کا حق ہو گا۔ اب اِنہی چیزوں کو حرام کر کے اللہ تعالیٰ کے چیلنج کو چیلنج کرنیوالوں پر غور کرنا ہر صاحبِ عقل بصیرت کا اوّلین فرض ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

اللہ تعالیٰ نے کیا حرام کیا ہے ● اہلِ تصوف کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں کو حرام ٹھہرانے پر پُر غضب تنبیہ کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضور کی زبانِ فیض ترجمان سے اُن عقائد و اعمال سے آگاہ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیئے ہیں- اہلِ عقل و دانش بغور ملاحظہ فرمائیں:-

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
کہہ بیشک حرام کیا رب میرے نے غضب ربوبیت جو ظاہر ہوا

مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ
سے اسکے اور جو پوشیدہ ہوا کمزوری اور بغاوت بغیر حق کے

وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ
اور یہ کہ تم شرک کرو ساتھ اللہ کے جس کی ... نازل کی ساتھ اسکے کوئی دلیل اور

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ (مذکورہ بالا گوشۂ معیشت میں) میرے رب نے ہر قسم کا استحصال[1] حرام کر دیا ہے، خواہ وہ ظاہراً کیا جائے یا چھپ چھپا کر کیا جائے۔ نیز ہر قسم کی کمزوری[2] بھی حرام ہے اور ناحق بغاوت[3] بھی- اور یہ بھی حرام ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کیساتھ اسکی ذات و صفات یا حکم میں کسی کو شریک کرو

اَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۳۳
یہ کہ تم کہو اور پر اللہ کے جو نہیں تم جانتے

جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اور یہ بھی حرام ہے کہ تم اللہ کے ذمے لگا کر وہ بات کہو کہ جسے تم جانتے نہیں ۔

● ۱ الفواحش کا معنیٰ لکھا گیا ہے استحصال ۔ اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ف۔ح۔ش، جس کی مکمل بحث پیچھے صفحہ ۲۴۴ پر آیت نمبر ۷/۲۸ کی تفسیر میں یعنی سُرخی اَنۡفُسُنَا بمعنی غصب ربوبیت کے تحت گزر چکی ہے۔

● ۲ الاِثۡمَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے کمزوری۔ اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ا۔ث۔م جس کا مصدری معنیٰ ہے کمزور ہو جانا۔ مضمحل ہو کر ساتھیوں سے پیچھے رہ جانا۔ دیر ہو جانا وغیرہ۔ قرآن کریم نے ۲/۲۱۹ میں خمر اور میسر کو اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ کہا ہے، انسانی کریکٹر کی بہت بڑی کمزوری۔

● خمر کہتے ہیں ہر نشہ آور چیز کو۔ چونکہ ان چیزوں کے استعمال سے انسانی قوای میں اضمحلال اور کاہلی پیدا ہوتی ہے اسلئے خمر کو اثم کبیر کہا گیا ہے۔ اثم کا معنیٰ گناہ بھی ہے اسلئے خمر گناہ کبیرہ بھی ہے۔

● میسر کا لفظ مادہ ی۔س۔ر سے ہے، اسکا معنیٰ ہے آسانی۔ اس طرح میسر ہر اُس مال کو کہتے ہیں جو بلا محنت ہاتھ لگتا ہو۔ مثلاً نذریں، نیازیں، جاگیروں کی آمدنی، مکانوں اور دکانوں کے کرائے، سُود، اور جُوئے کا روپیہ جو بلا مشقت میسر آتا ہے، سب میسر میں داخل ہے۔ اب اس قسم کی دولت سے جس طرح قوائے انسانی میں اضمحلال اور کمزوری پیدا ہوتی ہے اور ایسا شخص جس طرح بھسگل انگار اور ناکارہ ہو جاتا ہے، محتاج بیان نہیں۔ قرآن کریم نے خمر اور میسر کے نقصان کو انکے نفع سے زیادہ کہا ہے وَ اِثۡمُهُمَاۤ اَکۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا ۲/۲۱۹ اور خمر میسر سے جو کمزوری پیدا ہوتی ہے وہ انکے نفع سے بڑی ہے۔ خمر کے ذریعہ چند گھنٹوں کیلئے بے خودی سی پیدا ہوتی ہے لیکن اسکا نقصان اتنا بڑا ہے کہ اسکے عادی کے اعضاء کمزور ہوتے ہوتے بالکل ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہی حال میسر کا ہے کہ بلا محنت مال کا حصول سہگل انگار بناتا اور اعضاء کو مضمحل کر کے محنت مشقت کے بالکل ناقابل بنا دیتا ہے۔

● ۳ وَالۡبَغۡیَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ کے الفاظ میں ناحق بغاوت کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ان سے یہ امر کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ بغاوت بالحق حرام نہیں کیگئی۔ اسکا مفہوم روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس فرد یا قوم کے حقوق ربوبیت غصب کئے گئے ہوں، یعنی جس کا استحصال کیا جا رہا ہو اُسے احتجاج کا حق حاصل ہے۔ مگر یہ حق کمزوری کیساتھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلئے اثم یعنی کمزوری سے بچنا لازم ہے تاکہ اپنے حقوق کیلئے احتجاج کیا جا سکے۔ یہ طاقت عوامی اتفاق و اتحاد کی ہے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کے حقوق ربوبیت کیلئے حضرت موسیٰ نے قوم بنی اسرائیل کے نوجوانوں کو اکٹھا کر کے عوامی اتحاد کی طاقت مہیا فرمائی تھی۔ ایسی متحدہ متفق جماعت کی یقیناً اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مدد خاص ہی سے بنی اسرائیل کامیاب ہوگئے اور فرعون کو مع لاؤ لشکر غرق کر دیا گیا۔ بنی اسرائیل اور

حضرتِ موسیٰؑ کا یہ احتجاج فرعون کے خلاف اسکے عمل غصبِ حقوقِ ربوبیت کی بدولت تھا۔ لیکن یاد رہے کہ اگر متوازن حقوقِ ربوبیت میسر ہوں تو آیتِ بالا کے مطابق حکومت کی بغاوت اور احتجاج کرنا مطلقاً حرام ہے۔

● ۴؎ شرک کے متعلق کہا گیا ہے مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا - ان الفاظ کا تعلق ۱/۴ کیساتھ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ گمراہ لوگ غیر اللہ سے مدد و مرادیں مانگتے ہیں۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ لاریب کے شروع میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۱/۴ کا وعدہ لے لیا ہے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی فرمانبرداری کرینگے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے رہینگے۔ غیر اللہ سے مدد و مرادیں مانگنا شرک ہے جس کے متعلق مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا کے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ جو لوگ غیر اللہ سے مدد و مرادیں مانگنے کا جواز اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتے ہیں۔ وہ بگوشِ ہوش سن لیں کہ اس کے جواز کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ یہ لوگ غلط کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے بزرگوں کو اپنے اختیارات سے حصّہ دے رکھا ہے۔ گویا کہ اس نے انہیں خود اپنے شریک بنایا ہوا ہے۔

● ۵؎ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ میں یہ چیز بھی حرام کر دی گئی ہے کہ ایسے احکام و نظریات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے چلے جائیں جو نہ علم و عقل کی میزان پر پورے اُترتے ہوں اور نہ وہ ذاتِ باری کے شایانِ شان ہوں۔ یہاں علم کی فضیلت اور اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ ۱۷/۳۶ میں ارشاد ہوا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ اور اُس چیز کے پیچھے نہ لگ جانا جس کا تجھے علم نہ ہو۔ بیشک علم کے جو ذرائع تجھے عطا کئے گئے ہیں) کان، آنکھ اور دماغ، ان سب کے متعلق (قیامت کو) سوال کیا جائے گا۔ کہ کسی عقیدے کو قبول کرتے ہوئے ان علم کے ذرائع سے کام کیوں نہیں لیا تھا)۔ پس اس آیت میں اس مفروضے کو غلط قرار دیا گیا کہ اسلام میں عقل کو دخل نہیں۔ عقل سے بیگانہ قوموں کو قرآنِ کریم نے تو مُردہ بتایا ہے چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:-

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ
اور واسطے ہر امت میعاد ہے پھر جب آئے میعاد انکی

لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾
نہ وہ پیچھے رہتے ہیں ایک ساعت اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں

اور (حقیقت یہ ہے کہ) واسطے ہر اُمت کے (اُسکے اپنے اعمال کے مطابق) اسکی میعاد ہے۔ پھر جب اُس کی اپنی بدعملیوں کی بدولت اس کی میعاد آجاتی ہے (پوری ہو جاتی ہے) پھر نہ وہ ایک ساعت پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے ہی بڑھ سکتے ہیں۔

اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے اٹل خداوندی قوانین

● اس آیت مجیدہ میں اٹل قوانینِ خداوندی کی خبر دی گئی ہے۔ مروّجہ تفاسیر میں اس آیت سے یہ تصوّر اخذ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوموں کے عروج و زوال کی مدت پہلے ہی متعین کر رکھی ہے، چنانچہ خدا تعالیٰ کے پہلے روز کے لکھے کے مطابق قوموں

کا عروج و زوال زیرِ عمل آتا چلا جا رہا ہے۔ یہ نظریہ حقیقت کے مطلقاً برعکس ہے جس سے یہ بزدلانہ عقیدہ جنم لیتا ہے کہ جب ہماری قومی زندگی کی میعاد خدا تعالیٰ نے خود مقرر کر رکھی ہے، جس سے ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہو سکتا تو پھر ہمیں قومی وقار کو قائم رکھنے کیلئے جانکاہ مشقتیں اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اور اسی چیز کا نتیجہ ہے کہ کرۂ ارض پر قومی زندگی کے لحاظ سے مسلمان قوم سب قوموں سے پس ماندہ ہو کر رہ گئی ہے۔

● قوموں کے عروج و زوال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے بلاتمیز کافر و مومن جملہ اقوامِ عالم کے متعلق اعلان کر رکھا ہے:- اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۳/۱۱ بیشک کسی بھی قوم کے عروج و زوال کا کوئی بھی تغیر اللہ تعالیٰ اُس وقت تک نہیں لاتا جب تک وہ خود اپنے اچھے بُرے اعمال کے ساتھ اپنے اندر اچھا یا بُرا تغیر خود پیدا نہیں کرتے۔

● اب اچھے یا بُرے اعمال کے متعلق بھی ملاحظہ فرمالیں کہ مروّجہ تفاسیر نے کتنا عظیم دھوکا دے رکھا ہے۔ نیک اعمال کی فہرست میں صرف نماز روزہ وغیرہ شمار ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ اعمال اپنے مقام پر اچھے ہیں مگر یہ قومی عروج سے متعلقہ اعمال کا مقام نہیں لے سکتے۔ قومی عروج کے ضمن میں ارشادِ باری ہے:-

● كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ۲/۲۱۶ ایمان والو! تم پر لڑنا فرض کیا گیا ہے (اپنے آپکو فنونِ حرب سے آراستہ کر لو)۔

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸/۶۰ اور دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو۔ خصوصًا تمہارے ہاں ذرائع رسل و رسائل کی اتنی بہتات ہو کہ تم اس فوجی قوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دشمنوں کو ہمیشہ لرزہ براندام رکھو۔

● اِن ارشاداتِ خداوندی پر مشاہداتِ عالم گواہ ہیں کہ زندہ قوموں کی صف میں اُن لوگوں کا شمار ہوتا ہے جو با اصول جنگجو اور جفاکش ہوں۔ نیز جن کے ہاں نت نئے دن جدید سے جدید جنگی ہتھیار تیار ہو رہے ہوں۔ یعنی جو اپنے آپکو وَاَعِدُّوْا لَهُمْ ...... مِنْ قُوَّةٍ کی عملی تفسیر بنا دیں۔ لیکن یاد رہے کہ خدا تعالیٰ قومی عروج کو صرف اس دائرے میں محدود نہیں رکھتا کہ تمہارے دشمن لرزہ براندام رہیں۔ بلکہ وہ خارجہ دفاعی قوت کے ساتھ داخلہ امور سمیت ہر گوشے کی اصلاح کا حکم دیتا ہے۔ اگلی آیت میں اپنی آیتوں کی اتباع کے ذریعہ مجملہ خطرات سے محفوظ رہنے کا حکم دیا گیا ہے:-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
اے اولادِ آدم اگر جو آئیں تمہارے پاس رسُول میں سے تمہارے

اے اولادِ آدم اگر جو آئیں تمہارے پاس رسُول تم میں سے جو تم پر میری آیتیں پڑھیں، تو جو کوئی ہماری آیتوں کی

يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا
پڑھتیں اُوپر تمہارے آئتیں میری پھر جو بچیں اور اصلاح کریں تو نہیں
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ۳۵
خوف اوپر اُن کے اور نہ وہ غمگین ہونگے

ہدائت کے مطابق خارجہ بچاؤ[۲] اور داخلہ اصلاح[۳] کریں اُن پر نہ مستقبل کا خوف ہوگا اور نہ وہ ماضی کے اعمال کیلئے غمگین ہوں گے۔

● [۱] لفظ اِمّا مرکب ہے اِنْ + مَا کا۔ اور اسکا ترجمہ ہے اگر جو۔ اِس آئت کا یہ مفہوم اخذ کرنا کہ اللہ کے نبی رسول آنحضورؐ کے بعد بھی آتے رہیں گے، مطلقاً غلط ہے کیونکہ [۳۳/۴۰] مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے مطابق آنحضورؐ کے بعد نبیوں کی آمد مطلقاً بند کر دی گئی ہے یہ اسلئے کہ اُس نے نوعِ انسانی کی ہدائت کیلئے اپنی آخری کتاب، قرآنِ کریم کی حفاظت خود اپنے ذمہ لے لی ہے۔ اَب نبی رسول کی قائم مقام اللہ کی کتاب ہے۔ چونکہ آنحضور کے بعد رُسل انبیاء کی آمد ختم کر دی گئی ہے اسلئے اِمّا = اِنْ + مَا لا کر کہا گیا ہے کہ اگر جو آنحضور سے پہلے ہمارے رسُول آئیں اور آپ کے بعد نہ آئیں تو دونوں وقفوں میں ہدائت کا ذریعہ اللہ کی آئتیں ہی ہیں نبی رسُولؐ اپنی زندگی میں بھی صرف اللہ کی آئتیں ہی پڑھ کر راہِ ہدائت دکھاتے تھے اور اُنکے بعد بھی راہ ہدائت کی قندیل اللہ کی آئتیں ہیں۔

● [۲] تا [۳] فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ کے الفاظ میں خارجی بچاؤ (مضبوط دفاع) اور داخلی اصلاح کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان دو متوازن اعمال کا نتیجہ بتایا گیا ہے فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ خوف ہوتا ہے مستقبل کا اور حزن ہوتا ہے ماضی کی سُستی کا۔ اِن سے نجات اسکے سوا ممکن نہیں کہ سرحدیں مضبُوط ہوں، یعنی خارجی حملے کے بچاؤ کا پُورا پُورا انتظام کیا گیا ہو، اور داخلی طور پر ہر فرد معاشرہ کو ضروریاتِ زندگی سے مطمئن کر دیا گیا ہو۔ یعنی نہ خارجہ حملے کا خطرہ باقی رہے اور نہ داخلی بغاوتوں کا —— آئت بالا میں اتباعِ آیات کا نتیجہ بتا کر اگلی آئت میں مکذّبینِ آیات کی خبر دی گئی ہے:-

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا
اور جنہوں نے جھٹلایا کو آئتیں ہماری اور تکبر کیا
عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۳۶
سے اُنکے وہ ہیں والے آگ کے۔ وہ اسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں

اور جو لوگ ہماری آئتوں کو جھٹلائیں اور اُن سے تکبر کریں (یعنی نہ خارجی بچاؤ کا انتظام کریں اور نہ داخلی اصلاح کا) اُن کے لئے خوف و حزن کی آگ میں جلنا ہے[۱] اُس میں ہمیشہ رہینگے۔

● [۱] چونکہ سابقہ آئت مجیدہ میں :- آیاتِ ربانی کی اتباع کا نتیجہ خوف و حزن سے نجات بتایا گیا ہے۔ اسلئے آیاتِ خداوندی کے انکار اور تکبر کا نتیجہ یقیناً اسکی ضد ہے خوف و حزن کی آگ میں جلنا۔ دفاع مضبوط نہ ہو تو دشمن کے حملے کا خوف ہر آن موجود رہتا ہے اور

شکست کے بعد ماضی کا غم لازم ہو جاتا ہے کہ اگر دفاع میں کمی نہ کرتے تو آج یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اگلی آیت میں خدا تعالیٰ پر اس امر کا افترای باندھنے کو ظلمِ عظیم بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و شکست پہلے ہی مقرر کر رکھی ہے :۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى¹ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
پھر کون بڑھ کر ظالم جو افترای کرے اوپر اللہ کے جھوٹا

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ
یا جھٹلائے آیتوں اسکی ۔ وہ لوگ پہنچتا ہے انکو حصہ ان کا

مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ
میں سے کتاب کے حتیٰ کہ جب آتے ہیں پاس انکے بھیجے ہوئے ہمارے پورا دیتے ہیں انکو

قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ
کہتے ہیں کہاں ہیں وہ جو تم تھے پکارتے سے ساتھ اللہ کے

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ
کہتے ہیں گم ہوئے سے ہمارے اور گواہ ہوئے اوپر جانوں اپنی بیشک وہ

كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ ۳۷
تھے انکار کرنیوالے

پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کے ذمہ جھوٹ باندھے¹ یا اسکی آیتوں کو جھٹلائے۔ ایسے لوگ وہ ہیں کہ انہیں (انکے بُرے عملوں کی سزا کا وہ) حصہ پہنچتا ہے جو ہماری کتاب میں درج ہے۔ یہانتک کہ جب اُنکے پاس ہمارے بھیجے ہوئے آتے ہیں تو (سزا دینے والے² فاتح) انہیں پورا بدلہ دیتے ہیں۔ (یعنی انہیں پوری پوری سزا دیتے ہیں)۔ وہ (بزبانِ حال) کہتے ہیں کہ کہاں ہیں آج وہ جنہیں تم اللہ کیساتھ پکارتے تھے۔ (اُنہوں نے آج تمہاری مدد کیوں نہیں کی) انکا حالی جواب یہ ہوتا ہے وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے آپ پر خود گواہ ہوتے ہیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے) منکر تھے۔

● ۱۔۲۔۳ ـــ سیاقِ کلام کے مطابق آیت نمبر ۳۵ میں بتایا گیا ہے کہ آیاتِ خداوندی پر عمل کرنیوالے خارجی بچاؤ اور داخلی اصلاح مکمل کر کے مستقبل کے خوف اور ماضی کے حُزن غم سے نجات پا جاتے ہیں۔ اسلئے آیتِ بالا میں مذکور اللہ تعالیٰ پر افترای سے مُراد یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ چیز لگاتے ہیں کہ وہ جسے چاہتا ہے فتح دیتا ہے جسے چاہتا ہے شکست دیتا ہے٭ اور آیاتِ خداوندی کی تکذیب یہ ہے کہ نہ وہ خارجی بچاؤ کا انتظام کرتے ہیں اور نہ داخلی اصلاح کا۔ واضح رہے کہ خارجیہ کمزوری اور داخلی بغاوتیں ہی قوموں کی شکست کے دو بڑے اسباب ہیں اسی طرح قانونِ خداوندی کے منکروں کو حملہ آور اقوام کے ذریعہ جو عذاب پہنچتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے کہ صحابہؓ کرام کو $\frac{9}{14}$ میں ارشاد ہوا ہے :۔ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ ۔ تم دشمنوں کیساتھ جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے انہیں عذاب کریگا۔ (یعنی انہیں عذاب کا حصہ (نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ) تمہارے ہاتھوں پہنچائے گا۔ اسی طرح آیتِ بالا میں فاتح حملہ آوروں کو رُسُلنا کہا گیا ہے "ہمارے بھیجے ہوئے" جن کے ہاتھوں اللہ سزا دیتا ہے

* تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ سے اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت مراد ہے۔ تفصیل کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کا صفحہ ۲۲ ملاحظہ فرمائیں۔

قیامت کا عذاب ● یہ تو ہوئی دنیا کی ناکامی یعنی عذابِ شکست۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن منکرینِ آیات کو دنیوی عذاب ہو چکا، کیا انہیں اُخروی عذاب نہیں ہوگا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے:۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
کہیگا داخل ہو جاؤ ساتھ جماعتوں کے بیشک گزر ہیں سے

قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ
پہلے تمہارے میں سے استحصال کرنیوالے اور استحصال ہونیوالے بیچ آگ جب داخل ہوگی

اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ
جماعت لعنت کریگی بہن اسکی یہانتک کہ جب آجائیں گے بیچ اسکے سب

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا
کہیگی دوسری جماعت واسطے پہلی اپنی کے رب ہمارے یہ ہیں گمراہ کیا ہم کو

فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ
پس دے ان کو عذاب دُگنا میں سے آگ کے کہیگا واسطے سب کے دُگنا

وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۳۸
اور لیکن نہیں تم جانتے

(قیامت کو اللہ تعالیٰ اُن سے) کہیگا[1] اِن جماعتوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے استحصال کرنے والوں[2] اور استحصال ہونیوالوں[3] کی گزر چکی ہیں۔ جب ایک جماعت اُخروی آگ کے عذاب میں داخل ہوگی تو اُسکی بہن (دوسری جماعت) اُس پر لعنت کریگی یہانتک کہ جب (اپنے جرائم کی سزا کے طور پر) سب اُس میں داخل ہوجائینگے تو دُوسری جماعت[4] پہلی جماعت[5] کے متعلق یہ کہے گی کہ اے رَب ہمارے! یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ پس تُو انہیں آگ کا دُگنا عذاب دے۔ کہے گا (اللہ تعالیٰ کہ) سب کیلئے دُگنا عذاب ہے۔ اور لیکن حال یہ ہے کہ تم لوگ حقیقت کو نہیں جانتے ہو[6]

● ۱؎ قَالَ ماضی ہے مگر چونکہ قیامت کے متعلق آیا ہے اسلئے یہ اُسی طرح مستقبل کا فائدہ دیتا ہے جس طرح ۲۵/۳۰ میں آیا ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔ اور (قیامت کو رسولِ (عربی) کہینگے کہ اے میرے پروردگار! میری اِس قوم نے اس قرآن مجید کو اس طرح پکڑا تھا جیسے چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔

● ۲-۳؎ جن و انس کی بحث پیچھے صفحہ ۲۴۱ پر گزر چکی ہے کہ جن و انس کی اصطلاح کے بہت سے معنوں میں سے ایک معنی یہ بھی ہے کہ عوام کا استحصال کرنیوالے اصطلاحاً جن ہیں اور استحصال ہونیوالے اصطلاحاً انس ہیں۔

● ۴-۵؎ اُخْرٰىهُمْ اور اُوْلٰىهُمْ کے الفاظ جامعیت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اِن میں ذیل کے دونوں مفہوم موجود ہیں: پہلا مفہوم یہ ہے کہ اُخروی نار میں بعد میں داخل ہونیوالی جماعت پہلے داخل ہو چکی ہوئی جماعت کو گمراہ کرنیوالی بتائیگی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ گمراہ کرنیوالے طاغوت جہنم میں پہلے داخل کیے جائیں گے۔

اور گمراہ ہونیوالے بعد میں - اور دُوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہر قوم چونکہ اپنی پہلی قوم کے طرزِ عمل کو سند مان کر اُس پر عمل کرتی ہے اسلئے پچھلے پہلوں کو کہینگے کہ ہمیں انہوں نے گمراہ کر دیا تھا - لیکن خدا تعالیٰ کا یہ جواب مذکور ہے کہ تم یہ نہیں جانتے کہ عقل کے پٹ بند کر کے کسی طاغوت (گمراہ کرنیوالے) یا کسی سابقہ قوم کی تقلید کرنا بھی تو اُسی درجہ کی گمراہی ہے جس سے گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے ایک ہی سطح کے مجرم ہوتے ہیں - اور وُہ ایک جیسے ہی عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں -

● ۳۵ وَلٰکِن لَّا تَعۡلَمُوۡنَ کے الفاظ میں استحصال کرنے اور استحصال ہونیوالوں کیلئے مساویانہ عذاب کی خبر پر پیدا ہونے والے اِس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ جب استحصال ہونے والوں کا قصور کوئی نہیں' قصور سارا استحصال کرنے والوں کا ہے کہ انہوں نے سادہ لوح عوام کا استحصال کیا - انہیں نقصان پہنچاتے رہے' انہیں مسلسل کمزور اور غریب رکھتے چلے گئے - تو اس پر استحصال ہونیوالوں کو کیوں عذاب دیا جائیگا - وہ بیچارے دُنیا کے عذاب محتاجی اور غریبی میں بھی مبتلا رہے اور قیامت کو بھی عذاب کے مستحق ٹھہرے' یہ تو انصاف کا خون کرنے کے مصداق ہے - ایسے عمل کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا - جواباً عرض ہے کہ اگر مذکورہ دونوں کا قصور صرف یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک جماعت نے گمراہ کیا اور دُوسری گمراہ ہو گئی' تو اس سے ہمیں بھی بظاہر گمراہ ہونیوالی کا کوئی قصور معلوم نہیں ہوتا - بلکہ قصور فقط گمراہ کرنیوالی ہی سامنے آتی ہے - مگر یاد رہے کہ گمراہ ہونیوالوں کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و بصیرت سے کام نہ لینے کا جرم کر کے بلا سوچے سمجھے غلط راستہ اختیار کر لیا - اسلئے برابر کے مجرم ٹھہرے - اِسی طرح استحصال ہونا بھی گمراہی ہی کی ایک شق ہے - کہ گمراہ کرنیوالوں نے یہ عقیدہ بھی بطورِ اسلام دے دیا کہ بھوک ننگ اور خوشحالی سب اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے' وہ جس حال میں رکھے' اسکا شکر ادا کرتے رہو - واضح رہے کہ بھوک ننگ کو اللہ تعالیٰ کی دین جاننا اُسکی صفت ربّ العٰلمین کا کھلا انکار ہے - اِس طرح استحصال ہونیوالے اگر استحصال زدگی کو جزوِ ایمان قرار دیدیں تو برابر کے مجرم ٹھہرتے ہیں -

● پیچھے بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ قوم بنی اسرائیل کو آلِ فرعون کی استحصال زدگی سے نکالنے کیلئے حضرت موسیٰ سلام علیہ نے اُنکے مساویانہ حقوقِ ربوبیت کا اعلان فرمایا - قوم اس پر ایمان لائی اور اسکے خلاف ایک لمبی تحریک چلانے کے بعد کامیاب ہوئی - جو لوگ اپنے حقوقِ ربوبیت سے دست بردار ہو کر ذلت و خواری' غلامی' ناداری اور استحصال زدگی کو خدائی دین تسلیم کر کے اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں وہ دُنیا میں بھی ذلت اور استحصال زدگی کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں اور قیامت کو بھی انہیں استحصال کرنیوالوں کے برابر سزا دی جائیگی -

● مسئلہ استحصال کے ضمن میں ہم بہت دُور نکل آئے ہیں - اسلئے اپنے درس کی طرف رجوع

رجُوع الی المقصود کرتے ہوئے عرض گزار ہیں کہ سلسلۂ درس کی پچھلی آیت مجیدہ میں قیامت کا ذکر آیا ہے کہ جہنم

ہیں جو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے متعلق کہیں گے یہ گمراہ کرنیوالے ہیں ۔ بارِالٰہا! انہیں دُگنا عذاب دے ۔ اُن کا جواب بالفاظ ذیل درج ہے :۔

وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ
اور کہیگی پہلی جماعت ان کی واسطے دوسری انکی پس نہیں ہے واسطے تمہارے

عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
اوپر ہمارے سے فضیلت پس چکھو عذاب بسبب اسکے جو تھے تم

تَكْسِبُونَ ۝ ٣٩ ع
کسب کرتے

ع ۸

(گمراہ کرنیوالی یعنی) اُن میں سے پہلی جماعت پچھلی (یعنی گمراہ کرنیوالوں) کو کہیگی ۔ پس تم کو ہم پر کیا فضیلت ہے (کہ تمہیں کم عذاب دیا جائے اور ہمیں تم سے دُگنا عذاب دیا جائے) پس تم اپنی اُن کوتوتوں کی سزا کا عذاب چکھو جو تم کرتے رہے تھے ۔

● ملے بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ کے الفاظ نے گمراہ ہونیوالوں اور استحصال ہونیوالوں کو گمراہ کرنے اور استحصال کرنے والوں کے برابر کے عذاب کا مستحق ہونے کی نہائت کھل کر وضاحت کردی ہے کہ انہیں جو عقائد دیئے گئے جن کے مطابق وُہ بداعمالیوں سے باز نہ آئے ۔ اِس پر انہوں نے غور تک نہ کیا کہ وہ کونسا صراطِ مستقیم ہے جو برائیاں کرتے چلے جانے کی کھلی چھٹی دیتا ہے کیونکہ گمراہ کرنیوالوں کا قریباً ہر مسلک میں یہی ایک نظریہ ہے کہ تمہارے گناہ بخش دیئے جائینگے ۔ اِس عقیدہ کیمطابق دلیرانہ بداعمالیاں کیجاتی ہیں ۔ اِس طرح صراطِ مستقیم کے نام سے غلط راستے پر لگا کر چونکہ گمراہ کرنیوالے اور گمراہ ہونیوالے نیز استحصال کرنیوالے اور استحصال ہونیوالے سب بداعمالیوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اسلئے دونوں کو عذاب میں بھی برابر کے شریک قرار دیا گیا ہے ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں پُرغضب اعلان کردیا گیا ہے کہ مکذبینِ آیاتِ خداوندی اور تکبّر کرنیوالے جنّت میں ہرگز داخل نہیں ہوسکینگے :۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا
بیشک جو لوگ جھٹلائیں گو آئتوں ہماری اور تکبر کریں سے اُن کے

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ
نہ کھولے جائینگے واسطے ان کے دروازے آسمان کے اور نہ وہ داخل ہونگے جنت میں

حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي
یہانتک کہ گزر جائے موٹا رسہ بیچ سے سوراخ سوئی کے اور اسی طرح ہم بدلہ دینگے

الْمُجْرِمِينَ ۝ ٤٠
مجرموں کو

(بگوشِ ہوش سُن لو کہ) بلاشبہ جو لوگ ہماری آئتوں کو جھٹلاتے ہیں اور (اُنکی عملاً مخالفت کرکے) اُن سے تکبّر کرتے ہیں اُنکے لیئے آسمان کے دروازے (یعنی رحمت کے دروازے) نہیں کھولے جائینگے ۔ اور وہ (ہرگز ہرگز) جنّت میں داخل نہیں ہونگے جبتک کہ سوئی کے ناکے میں سے موٹا جہازی رسہ نہ گزر جائے ۔ اور ہم اسی طرح مجرموں کو (اُنکے جرموں کی سزا دینگے (انہیں ہرگز جنّت میں داخل نہیں کیا جائے گا) ۔

● ۳ اس آیت مجیدہ میں لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کے الفاظ محاورہ کے طور پر آئے ہیں جو دنیوی خوشحالی اور خوشگواری کے لئے آتے ہیں۔ جو دنیا میں کائناتی آیات کریمات پر عمل کرنے سے میسّر آتی ہیں اور اخروی جنّت کی نعمتیں خدا تعالیٰ کی تنزیلی آیات کریمات پر عمل کرنے سے میسّر آئینگی۔ دنیا میں زرعی خوشحالی صحیفۂ فطرت کی زرعی آیات زرعی قوانین پر عمل کرنے کا نتیجہ ہوتی ہے اور صنعتی ترقی صنعتی قوانین کائنات پر عمل کرنے کی مرہونِ منّت ہے۔ نیز اس آیت مجیدہ میں حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ کا جملہ محال تام کے طور پر آیا ہے کہ جس طرح سوئی کے ناکے میں سے موٹے جہازی رسّے کا گزرنا محالِ تام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا ذہنی انکار اور عملی استکبار کرنے والوں کا اخروی جنت میں داخلہ بھی محالِ تام ہے۔ وہ کبھی بھی جنّت میں داخل نہیں ہو سکینگے۔ (جبتک توبہ کرکے آیات خداوندی کے انکار اور استکبار سے باز نہ آجائیں)۔

● تفسیر القرآن بالقرآن میں متعدد مقامات پر اس امر کی توضیح کردی گئی ہے کہ آیات خداوندی دو قسموں پر منقسم ہیں تنزیلی اور تکوینی۔ تنزیلی وہ ہیں جو قرآنِ کریم میں موجود ہیں اور تکوینی وہ ہیں جو ہمہ آن کائنات میں جاری و ساری ہیں۔ اِن دونوں کی مخالفت دنیا میں بھی موجبِ ذلت ہے اور آخرت میں بھی موجبِ عذاب ہوگی۔

● ربطِ کلام کی رُو سے پچھلی آیت مجیدہ ۳ میں خبر دیگئی ہے کہ مجرموں کو جنّت میں ہرگز داخلہ نہ مل سکیگا مگر اس میں بلا توبہ اور اصلاح کا مفہوم محذوف ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں انہی کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ جہنم میں اسی حالت میں ہونگے :-

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱

واسطے انکے ہیں سے جہنم کے ہے بچھونا اور سے اوپر انکے ہے اوڑھنا اور اسی طرح ہم بدلہ دینگے ناروا کام کرنیوالوں کو

اُن مجرموں کیلئے بچھونا بھی (شکست و ناکامی کی آگ میں ۱) جلنے کے عذاب کا ہوگا اور اس میں اُنکا اوڑھنا بھی (اسی جلن کے عذاب کا ہوگا۔ مذکورہ بالا طریقے ہی سے ہم ناروا کام کرنیوالوں (ظالموں) کو بدلہ دینگے۔

● ۱ لفظ جہنّم کی وضاحت تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم میں ۳/۱۲ کی تفسیر میں صفحہ ۱ پر ملاحظہ فرمائیں شکست و ناکامی کی آگ۔ عربی زبان میں جہنّم کا معنی لیا جاتا ہے گہری تہ والا کنواں۔ اس طرح گہرائی اور پستی کے ربط کیمطابق ۳/۱۲ میں جہنّم کا معنی شکست و ناکامی کی ذلت اور پستی ہی صحیح ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں ایمان لانے اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ

اور جو لوگ ایمان لائیں اور کام کریں اچھے نہیں ہم تکلیف دیتے

اور جو لوگ آیاتِ خداوندی پر ایمان لائیں اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں (جن سے معاشرہ متوازن ہو جائے) ہم

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ
کسی جان کو مگر مطابق طاقت اسکی وہی ہیں والے جنت کے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۴۲
وہ ہیں بیچ اسکے رہنے والے ہمیشہ

کسی جان پر اُسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے وہی جنت والے ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جملہ معترضہ کی اہم قرآنی مثال

● اس آیت مجیدہ کے متن اور اُسکے بالمقابل ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ ایک جملہ معترضہ ہے۔ یعنی اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے بعد عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی قرآنی پابندی کا جو انسانی ذہن پر بوجھ پڑتا ہے کہ نہ جانیئے وہ کتنا بھاری عمل ہے۔ اِس بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے درمیان میں یہ جملہ اعتراض لایا گیا ہے کہ ہم کسی نفس پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے، بلکہ اصلاحِ معاشرہ کے ضمن میں افراد و اقوام اپنی اپنی وسعت کیمطابق پوری دیانتداری کیساتھ جو اصلاحی کام کرینگے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونگے۔ اِس طرح جملہ معترضہ کو الگ کرکے تقدیرِ کلام یہ ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ .... اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۔ چنانچہ اپنی اپنی وُسعت کے مطابق دیانت و امانت کی اساس پر اصلاحی اعمال بجالانیوالے مومنوں کے معاشرہ کا یہ نقشہ پیش کیا گیا ہے:۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ
اور ہم نکالتے ہیں جو بیچ از ہان ان کے ہیں سے رنجش کے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
چلتی ہیں سے ماتحت اُنکے نہریں اور کہا سب تعریف واسطے اللہ کے

الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ
جس نے ہدایت کی ہمارے واسطے اور نہ تھے ہم البتہ ہدایت پاتے اگر نہ

اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ
ہدایت کرتا ہمیں اللہ البتہ تحقیق آئے رسول رب ہمارے کیساتھ حق کے

وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا
اور ندا دیے جائینگے کہ وہ ہے تمہاری جنت وارث کئے گئے تم اسکے بوجہ اسکے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ۴۳
تم تھے تم عمل کرتے

اور ہم اُن (ایسے متوازن معاشرہ کے افراد کے) ذہنوں میں سے ہر قسم کی باہمی رنجش خارج ہوئی ہوئی پاتے ہیں (کیونکہ) اُن سب کے ماتحت (ضروریاتِ زندگی کی) نہریں بہتی ہوتی ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ سب تعریفیں اچھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اِسی جنتی معاشرہ کی راہنمائی فرمائی ہے حالانکہ اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم اس راہ کو نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول سچی کتاب لاتے رہے تھے۔ اور وُہ حالی ندا دئے جاتے ہیں کہ یہ ہے وہ جنت جس کے تم اُن عملوں کی بدولت وارث کئے گئے ہو جو تم انجام دیتے رہے تھے۔

● اِس آیت مجیدہ میں دُنیوی جنت یعنی مساوی و متوازن معاشرہ کا یہ نشان بتایا گیا ہے کہ اُس میں ہر فرد معاشرہ

کے ہاں ضروریات زندگی کی اسقدر فراوانی ہوتی ہے کہ گویا اُن سب کے ماتحت اِنکی نہریں بہہ رہی ہوتی ہیں۔ اور اُس متوازن نظام کی بدولت افرادِ معاشرہ میں باہمی شکررنجی کا نام ونشان تک موجود نہیں رہتا۔ یہ نمونہ ہے اُخروی جنّت کا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ کا ربط آیات نمبر ۳۸ تا ۴۳ کیساتھ ہے جن میں اُخروی جنّت وجہنّم کا ذکر ہے۔ نیز اگلی آیات مجیدہ میں نادٰی، قالُوا، اَذَّنَ ماضی کے افعال مضارع کا فائدہ دیتے ہے جو تحقق وقوع کیلئے آئے ہیں کہ ایسا ضرور ضرور ہو کر رہیگا:۔

وَنَادٰٓى اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا
اور پکاریں گے والے جنت کے والوں آگ کو کہ بیشک پایا ہمنے

مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ
جو وعدہ کیا ہم سے رب ہمارے نے سچا پھر کیا پایا تم نے جو وعدہ کیا رب تمہارے نے

حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ
سچا کہیں گے ہاں۔ پھر اعلان کریگا ایک اعلان کرنیوالا درمیان انکے کہ

لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۝ ۴۴
بیزاری ہے اللہ کی اُوپر ناروا کام کرنیوالوں

اور (قیامت کو) اہلِ جنّت اہلِ نار کو مخاطب کرکے کہینگے[1] کہ ہمارے ساتھ ہمارے پروردگار نے جو (اپنی سچی کتاب کی معرفت) وعدہ کیا تھا (جنّت کا) وہ ہمنے سچّا پایا ہے۔ کیا تم نے بھی اُس وعدے کو سچّا پایا ہے جو تمہارے ساتھ تمہارے پروردگار نے (اپنی سچّی کتاب کی معرفت) کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں (ہمنے بھی اُسے سچّا پایا ہے)۔ پھر (اہلِ جنّت میں سے) ایک اعلان کرنیوالا اعلان کریگا کہ (آج کے دِن) ناروا کام کرنیوالوں پر اللہ تعالیٰ کی بیزاری ہے۔

۲
الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا
وہ لوگ روکتے تھے سے راہ اللہ کی اور ڈھونڈتے تھے اسکی

عِوَجًا ۚ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ كٰفِرُوۡنَ ۝ ۴۵
کجی اور وہ تھے ساتھ آخرت کے انکار کرنیوالے

(ناروا کام کرنیوالے ظالم) وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ قرآنِ کریم سے (لوگوں کو) روکتے تھے اور اُس میں کجی تلاش کرتے تھے[2]۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اُخروی (عدالت) میں حاضری کے منکر تھے۔

● [1] نادٰی کا مصدری معنی پکارنا بھی ہے اور مخاطب کرنا بھی ہے۔ تصریفِ آیات کیمطابق اہلِ جنّت واہلِ نار کا یہ مکالمہ جنّت اور نار میں داخل ہونے سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ $\frac{21}{102}$ سے ثابت ہے کہ جنّت اور نار میں باہمی اتنی دُوری ہوگی کہ اہلِ جنّت نار کا کھٹکا تک نہ سن سکینگے لَا يَسۡمَعُوۡنَ حَسِيۡسَهَا $\frac{21}{102}$۔ نادٰی ماضی بمعنی مضارع برائے تحقق وقوع آئی ہے۔

● [2] جو لوگ اللہ کی سبیل یعنی اُسکے نازل کردہ ضابطۂ حیات قرآنِ کریم سے روکنے والے ہیں اُن کی

پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اس ضابطۂ خداوندی قرآن کریم میں کمیاں اور کجیاں تلاش کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ لوگ ہیں جو منزّل من اللہ ضابطے میں خود ہی قسم قسم کی کمیاں اور کجیاں پیدا کرتے ہیں کیونکہ اس میں کسی قسم کی کجی خالق کائنات نے چھوڑی ہی نہیں۔ جیسے کہ سورہ کہف میں ارشاد ہوا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۱۸/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اُس (کتاب میں) کسی قسم کی کوئی کجی ہرگز ہرگز نہیں رکھی۔

اصحاف اعراف

• لفظ اعراف کا معنی ہے اُونچا مقام۔ قرآن کریم کی شہادت کے مطابق چونکہ اللہ کے نبی رسُول عمل و اخلاق کے لحاظ سے انتہائی بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں اسلئے اصحاب اعراف جنہیں اگلی آیت مجیدہ میں رِجَالٌ (مرد) کہا گیا ہے اللہ کے نبی رسُول مُراد ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اہل جنّت اور اہل نار کو ایکدوسروں سے جُدا کرنے کی خبر دینے کیساتھ ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ اصحاب اعراف ان سب کو انکے چہروں کے نشانوں سے پہچان لینگے:۔

وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ[۱] وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ[۲]

اور بیچ دونوں کے پردہ ہوگا اور اوپر مقام بلندوں کے مرد

یَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِیْمٰىهُمْ[۳] وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ

پہچانینگے سب کو ساتھ نشان چہروں انکے اور کہینگے والے باغ جنّت کے کہ

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ[۴] (۴۶)

سلامتی ہو اوپر تمہارے نہیں داخل ہوئے اسمیں اور وہ امید رکھتے ہونگے

وَاِذَا صُرِفَتْ[۵] اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ

اور جب پھیری جائینگی آنکھیں انکی طرف والے آگ کے

قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (۴۷) ع ۵ ۱۲

کہینگے رب ہمارے نہ ٹھہرائیو ہمیں ساتھ قوم غلط کار کے

اور اُن (اہل جنّت اور اہل نار) دونوں کے درمیان پردہ کر دیا جائیگا (یعنی انہیں ایکدوسرے سے الگ کر دیا جائیگا) اور اونچے مقام پر اللہ کے مرد[۲] (اسکے نبی رسُول) ہونگے وہ سب لوگوں کو انکے چہروں کے نشانوں سے پہچانتے ہونگے۔ اور وہ اہل جنّت کو جو ابھی اس میں داخل نہیں ہوئے ہونگے واخلہ کے امیدوار ہونگے[۴] کہیں گے تم پر سلامتی ہو۔ اور جب انکی نگاہیں اہل نار کی طرف پھیری جائیں گی[۵] تو وہ (حضور الٰہی میں عرض کرینگے کہ) اے ہمارے پروردگار ہمیں اِس غلط کار قوم کا ساتھی نہ بنائیو۔

• ۱ے لفظ حجاب کا معنی پردہ بھی ہے دُوری اور علیحدگی بھی ہے سُورۃ التطفیف میں ضابطۂ خداوندی کو جھٹلانے والے کے متعلق ارشاد ہوا ہے اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ۸۳/۱۳ تا ۱۵ جب اس پر ہماری آئتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ یوں نہیں، بلکہ ان کے اذہان کو اُن کے اُن عملوں نے زنگ لگا دیا ہے جو وہ کسب

کرتے چلے آرہے ہیں۔ بیشک وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے محجوب یعنی دور رکھے جائینگے۔ پس آئت زیر بحث ۷/۴۶ میں حجاب کا معنی دُوری اور علیحدگی ہے۔ اہل جنت اور اہل نار، جنت اور نار میں بھیجنے سے پہلے ہی ایکدوسرے سے الگ کردیئے جائینگے۔ جیسے کہ سُورہ یٰسٓ میں آیا ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کو حکم دیا جائیگا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۳۶/۵۹ مجرمو! آج الگ ہو جاؤ۔

● ۲ رجالٌ سے مُراد انبیاء کرام ہیں۔ جیسے کہ انکے لئے خصوصی طور پر ۱۲/۱۰۹ میں رجالٌ کا لفظ لایا گیا ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ ۱۲/۱۰۹ اور اے رسول! نہیں بھیجے ہمنے آپ سے پہلے مگر رجال (مرد) ہی بھیجے تھے کہ ہم اُن رجال کی طرف وحی کرتے تھے ۔۔۔ پس یہاں ۷/۴۶ میں رجالٌ سے مُراد صرف انبیا کرام ہیں۔

● ۳ يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ سے مُراد ہے کہ انبیا کرام اہل جنت اور اہل نار کو چہروں کے نشانات سے پہچان لیں گے، جن کے متعلق سُورہ قیامت میں خبر دیگئی ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۷۵/۲۲ اُسدن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے۔ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۷۵/۲۴ اور کچھ چہرے اُسدن مرجھائے ہوئے ہونگے۔

● ۴ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ جنت اور دوزخ میں داخلہ سے پہلے کی بات بتائی جارہی ہے کہ اہل جنت جنت میں داخل نہیں ہوئے ہونگے، انکے داخلے کا فیصلہ ہوچکا ہوگا اسلئے وہ اُس کے امیدوار ہونگے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ خبر اہل جنت کے متعلق ہے۔ لیکن روائتی تراجم میں اہل اعراف کے متعلق یہ غلط تصور ازخود پیدا کرلیا گیا ہے کہ اہل اعراف وہ لوگ ہونگے جو موازنہ اعمال کے لحاظ سے نہ جنتی ہونگے نہ جہنمی۔ وہ صرف جنت کے امیدوار ہونگے۔ یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کا مطلقاً تذکرہ موجود نہیں ہے کہ وہ جنتی ہونگے نہ جہنمی بلکہ جنت اور جہنم کے درمیان رکھے جائینگے۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں کی صفت بتائی گئی ہے کہ وہ اہل جنت اور اہل نار کو چہروں سے پہچان لینگے۔ بلکہ یہ صفت انہی رجال (انبیاء کرام) کی ہے جنہیں ۱۲/۱۰۹ میں رجالاً کہا گیا ہے۔ وہ لوگ مطابق تعریف آیات قرآنیہ انبیاء کرام کے سوا کوئی نہیں ہونگے۔

● ۵ وَاِذَا صُرِفَتْ کے مطابق کہ جب اُن کی نگاہیں اہل نار کی طرف پھیری جائینگی سے بھی ثابت ہوا کہ یہ واقعہ اسوقت کا بیان ہو رہا ہے کہ جب اہل جنت اور اہل نار الگ الگ تو کردئیے جائینگے لیکن نہ ابھی اہل جنت، جنت میں داخل کئے گئے ہونگے نہ اہل نار، نار میں۔

● ۶ لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ کے الفاظ میں ہر قسم کے مجرموں کو ظالم کہا گیا ہے۔ ظلم کا معنی ہے کوئی بھی بے ٹھکانہ ناروا کام کرنا یعنی ہر قسم کے جرائم ظلم کی فہرست میں شامل ہیں۔ بالفاظ دیگر ذہن نشین کرنے کی بات یہ ہے کہ ہر ناروا کام ظلم ہے اور ہر ظلم خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، قابل سزا جرم ہے جس سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے توبہ

کر کے اپنی اصلاح کر لینا $\frac{6}{54}$ + $\frac{16}{119}$ مسئلہ توبہ کی تفصیل اسی جلد کے صفحہ ۲۹۶ تا ۲۹۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● آگے بڑھنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ الاعراف بمعنی اونچا مقام کوئی اونچا ٹیلہ نہیں ہوگا بلکہ انبیاءِ کرام کا مقامِ بلند نبوت ہوگا سلسلۂ دروس کی اگلی آیت مجیدہ میں آیا ہے کہ وہ انبیاءِ کرام اہلِ نار کو مخاطب کر کے یہ کہینگے:۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ
اور پکاریں گے والے اونچے مقام کے مردوں کو پہچانیں گے انکو
بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ
ساتھ چہروں انکے کہینگے نہ فائدہ دیا سے تمہیں اجماع تمہارے نے اور جو تھے تم
تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ۴۸
تم تکبر کیا کرتے

اور اونچے مقام والے (یعنی اللہ کے نبی رسول) اہلِ جہنم کے) مردوں سے مخاطب ہونگے وہ انہیں (انکے چہروں کے) نشان سے پہچانینگے۔ کہینگے کہ تمہیں تمہارے اجماع (امت) نے یعنی جس پر تم تکبر کیا کرتے تھے[1] نے کوئی فائدہ نہیں دیا (یعنی تمہیں اُس نے جرائم کی سزا سے نہیں بچایا)۔

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ
کیا یہ وہی ہیں جنہیں قسم کھاتے تھے تم نہیں پہنچیگا ان کو
اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ
اللہ ساتھ رحمت کے داخل ہوجاؤ جنت میں نہیں ڈر اوپر تمہارے
وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ ۴۹
اور نہ تم تم غمگین ہوگے

اور اہلِ جنت کی طرف اشارہ کر کے) وہ کہینگے کیا یہی وہ لوگ ہیں[2] جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نہیں فرمائیگا (حالانکہ انہیں حکم دیا دیا گیا ہے کہ[3]) تم جنت میں داخل ہوجاؤ تم پر نہ آئندہ کے لئے کوئی خوف ہوگا اور نہ ماضی میں کئے گئے اعمال کے لئے تم غمگین ہوگے[4]

● ۱ مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ کے الفاظ میں اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ صداقت کی دلیل کسی عمل پر اکثریت کا اجماع نہیں، جس پر یہ لوگ تکبر کرتے ہیں، بلکہ صداقت کی دلیل اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابِ مقدس کے دلائلِ قاطعہ ہیں۔

● ۲-۳ اَهٰٓؤُلَآءِ کا مشارٌ الیہ اہلِ جنت ہونگے۔ جن کے متعلق اجماع والے آج قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ قیامت کو رحمت نہیں کریگا۔ یہاں یہ محذوف ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیگا "اور جنت میں داخل ہوجاؤ" منظر ہے۔

● ۴ واضح رہے کہ خوف آنیوالے وقت مستقبل کیلئے ہوتا ہے اور حزن غم ماضی میں کئے گئے عملوں کا ہوتا ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خبر دیگئی ہے کہ وہیں اہلِ نار اہلِ جنت کو مخاطب کر کے کہینگے کہ جنت میں تم کو جو ٹھنڈا پانی اور عمدہ کھانے عطا کئے جائینگے اُن میں سے کچھ ہمیں بھی دینا۔ مگر وہ وہیں کہہ دینگے کہ جنت کی

نعمتیں اہلِ نار پر اللہ تعالیٰ نے حرام کر رکھی ہیں - اِسلئے وہ اُن لوگوں کو میسر نہیں آسکتیں جنہوں نے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا :-

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا
مخاطب ہونگے والے آگ کے والوں جنت کو کہ بخشنا

عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ
اوپر ہمارے میں سے پانی کے اور میں سے جو رزق دیا تمکو اللہ کیلئے بیشک اللہ نے

حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ۝۵۰
حرام کر دیا اسے اوپر انکار کرنیوالوں کے

الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ
وُہ جنہوں نے پکڑا دین اپنا بے مقصد اور کھیل اور

غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا
دھوکا دیا انہیں زندگی دُنیا نے پس آج ہم بھلا دینگے انکو جیسے

نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا
بھلائی ملاقات دن اُن کے اِس کی ، اور جو تھے ساتھ آیتوں ہماری

یَجْحَدُوْنَ ۝۵۱
تھے وہ جھگڑتے

اور (وُہیں جنّت اور دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے) اہلِ نار اہلِ جنت کو مخاطب کرکے استدعا کرینگے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جو جنّت میں (ٹھنڈا میٹھا) پانی اور رزق عطا فرمائے گا اس میں سے ہمیں بھی (تھوڑا سا) ازراہِ بخشش عطا کرنا مگر وہ کہینگے کہ اُنہیں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کیلئے حرام کر دیا ہے جو اُسکے ضابطے کا انکار کرنیوالے ہیں -

وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین کو بے مقصد اعمال یعنی کھیل تماشا بنا لیا تھا - اور اُنہیں دُنیا کی زندگی نے دھوکا دیدیا تھا - (اللہ تعالیٰ فرمائیگا) آج کے دن ہم اُنہیں اُسی طرح بھلا دینگے جس طرح انہوں نے آج کے اِس (یعنی قیامت کے) دِن کو بھلا دیا تھا - اور جیسے کہ وہ ہماری آیتوں کے متعلق جھگڑا کیا کرتے تھے -

● ۲-۱ نادیٰ اور قالوٓا دونوں افعالِ ماضی ہیں لیکن چونکہ قیامت کے ذکر میں آئے ہیں اسلئے تحقق وقوع کیلئے مضارع مستقبل کا فائدہ دیتے ہیں -

● ۳ اَفِیْضُوْا کا معنی یہاں پر یہ نہیں کہ ہمیں ازراہِ بخشش عطا کرو - بلکہ یہ ہے کہ ہمیں ازراہِ بخشش عطا کرنا - اِن افعال سے یہ مفہوم اخذ کرنا بالکل غلط ہے کہ اہلِ جنت کے جنت میں اور اہلِ نار کے نار میں چلے جانے کے بعد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اہلِ نار نار کے اندر مذکورہ استدعا کرینگے - کیونکہ جنّت و جہنّم کی باہمی دُوری کی وضاحت ۱۰۲/۲ کے مطابق پیچھے گزر چکی ہے کہ اہلِ جنت جہنم کی آواز تک نہ سُن سکینگے - (لا یسمعون حسیسہا ۱۰۲/۲۱) - پس اہلِ جہنم کی مذکورہ استدعا جہنم میں داخل ہونے سے پہلے اُس مقام کی ہے جہاں اہلِ جہنم کو اہلِ جنت سے جُدا کر دیا جائیگا - اور ابھی جنّت اور جہنّم میں داخل ہوئے نہ ہوں گے -

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اپنے علم کیمطابق مفصّل کر دیا ہے | ● اوپر اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا

انکار کرنیوالوں کی سزا بیان کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں آیاتِ خداوندی کی انکاری صورت کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ لوگ آیاتِ خداوندی کو مفصّل نہیں مانتے، حالانکہ اس نے اپنی آیتوں کو اپنے لامحدود علم کے مطابق مفصل کر دیا ہے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲

اور البتہ بیشک آئے ہم پاس انکے ساتھ کتاب کے تفصیل کیا ہے اوپر علم کے ہدایت اور رحمت واسطے اس قوم کے جو ایمان لاتے ہیں

اور بیشک بیشک ہمنے (اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ) انکے پاس اپنی کتاب بھیجی ہے۔ جسے ہمنے (اپنے لامحدود) علم کیمطابق مفصّل کر دیا ہے جو ماننے والی قوم کیلئے ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے۔

غور فرمائیں ● اس آیت سے آیاتِ ماقبل میں قیامت کی سزا جزا کے تفصیلی بیان میں اہل نار کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ انہیں اس امر کی سزا دی جائیگی کہ وہ ہماری آیتوں کو انکار کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ وہ لوگ مانتے نہ تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں بلکہ یہ کہ وہ اللہ کی آیتوں کو مفصّل نہیں مانتے تھے۔ انکے اس عقیدے کے ردّ کے طور پر آیتِ بالا میں اعلانِ عام کر دیا گیا ہے کہ ہم نے انکار کرنیوالوں کی طرف اپنی ایک اکلوتی کتاب بھیجی ہے۔ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ میں كِتٰبٍ بصیغہ واحد آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی کتاب نازل ہوئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم نے اُسے اپنے لامحدود علم کے مطابق مفصّل کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم سے کس کا علم افضل ہے؟ ● غور طلب یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہے کہ میں نے اپنی کتاب کو لامحدود علم کے مطابق مفصّل کر دیا ہے مگر علماءِ کرام یہ کہیں کہ نہیں یہ مفصّل نہیں مجمل ہے اسکی تفصیل ان کتبِ روایات میں موجود ہے جو عن فلاں عن فلاں کے ذریعہ آنحضورؐ کے دو سو سال بعد آپکی طرف منسوب کئے جانے کی بدولت یکسر ظنّی ہیں یقینی نہیں۔ تو بتائیے کہ کیا ایک یقینی کتاب کی تفصیل ظنّی کتابیں کر سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں پھر دیکھئے کہ قرآن کو غیر مفصّل ماننے میں کتنی آیاتِ کریمات کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

● قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ ۶/۹۹ بیشک ہمنے اپنی آیتوں کو تفقہ کرنیوالی قوم کیلئے مفصّل کر دیا ہے۔

● قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ ۶/۱۲۶ بیشک ہمنے اپنی آیتوں کو نصیحت حاصل کرنیوالی قوم کیلئے مفصّل کر دیا ہے۔

● اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۝ ۶/۱۱۵ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئیگا کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں جبکہ اس نے اپنا حکمنامہ ایک مفصّل کتاب کی صورت میں تمہاری طرف نازل کر دیا ہے۔

اس عنوان کی مکمل بحث کہ قرآن کریم کی تفصیل، تفسیر اور تبیین خود قرآنِ کریم کے اندر موجود ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہوئی ہے پیچھے صفحہ ۲۴۸ ملاحظہ فرمائیں اور اس امر کی مفصّل بحث کہ قرآنِ کریم کی تبیین کا ذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ ہے اور خود آنحضورؐ بھی تبیینِ قرآنِ کریم بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ فرمایا کرتے تھے، صفحہ ۲۴۷ پر ملاحظہ۔۔۔

فرمائیں۔

● آئت بالا میں اپنے علمِ لامحدود کے مطابق اپنی کتاب کی خود تفصیل کرنے کے اعلان کے بعد پھر اُنہی لوگوں کی طرف رُخ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مفصّل تسلیم نہیں کرتے۔ ارشاد ہوا کہ ایسے لوگ اپنے مذکورہ جُرم کی سزا کے منتظر ہیں :-

هَلْ يَنْظُرُونَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ
نہیں انتظار کرتے وہ مگر سزا اُسکی کی۔ جس دن آجائے گی

تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاۗءَتْ
سزا اُسکی کہینگے وہ جنہوں نے بھلا دیا سے پہلے بیشک آئے

رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاۗءَ فَيَشْفَعُوْا
رسول رب ہمارے کے۔ پس کیا ہیں واسطے ہمارے سے شفاعتیوں کے پھر وہ شفاعت کریں

لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ
واسطے ہمارے یا ہم لوٹائے جائیں پھر ہم عمل کریں سوائے اسکے جو ہم تھے کرتے بیشک

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
گھاٹا دیا انہوں نے جانوں اپنی کو اور گم ہوئے سے انکے جو تھے وہ

يَفْتَرُوْنَ ۝ ۵۳
وہ بہتان باندھتے

ع ۶ / ۱۳

وہ نہیں انتظار کرتے مگر اُس (اپنے جُرم تکذیب آیات) کی سزا کا۔ جس دن قیامت کو جُرم کی سزا آجائیگی تو اس دن وہ لوگ جنہوں نے اس سے پہلے (دُنیوی زندگی میں) اسے بھُلا دیا تھا۔ یہ کہینگے کہ بیشک ہمارے رب کے رسُول حق (مفصّل کتاب) لیکر آئے تھے۔ کیا آج کوئی شفاعتیوں میں سے کوئی ہمارا شفیع ہے، جو ہماری شفاعت کرے ۲ یا ہم (دُنیا میں واپس) لوٹائے جائیں۔ تاکہ ہم اُن بُرے اعمال کے خلاف جو ہم کرتے رہے تھے (اچھے) عمل کریں۔ بیشک اُنہوں نے اپنے آپکو نقصان پہنچایا۔ اور وہ بہتان جو وہ باندھتے تھے کہ قیامت کو ہماری شفاعت ہو جائیگی) اُن سے گم ہو جائیگا۔ (کسی کام نہیں آئیگا)۔

● ع۱ تاویل کا معنٰی ہے نتیجہ۔ تکذیبِ آیاتِ خداوندی کا نتیجہ ہے دُنیا و آخرت کی سزا۔

شفیع صرف اللہ تعالیٰ ہے

● ع۲-۳ آئتِ بالا میں عقیدۂ شفاعت کو افترٰی محض کہا گیا ہے۔ سُورہ زُمر میں شفاعت کا عقیدہ رکھنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ۳۹ - ۴۳ - ۴۴ کیا لوگوں نے اللہ کے سوا کوئی اور شفیع بنا لئے ہیں (اے رسول!) کہہ دیجیگا! اگرچہ نہ وُہ کسی چیز کے مالک ہی ہوں اور نہ ہی وُہ عقل رکھتے ہوں۔ (اے رسول!) آپ اعلان کر دیجیگا کہ شفاعت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں (یعنی شفاعت اللہ کے سوا اور کسی کا حق ہے ہی نہیں کیونکہ) آسمانوں اور زمین میں صرف اُسی کی حکومت ہے۔ پھر تم اعمال کی جوابدہی کیلئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ــــ دیکھا آپنے! کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اُس ذاتِ مقدس کیلئے مختص بتائی گئی ہے جو آسمانوں

اور زمین کی حکومت کا مالک ہے - اور جس کے حضور میں قیامت کے دن سب لوگ اعمال کی جوابدہی کیلئے حاضر کئے جائینگے - پس ثابت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور شفیع نہیں ہے -

● نیز غیر اللہ کو شفیع ٹھہرانے کو سورہ یونس میں شرک قرار دیا گیا ہے یہ اسلئے کہ جب ۳۹/۴۴ کیمطابق اللہ کے سوا شفیع کوئی اور ہے ہی نہیں تو کسی اور کو شفیع قرار دینا صریحاً شرک ثابت ہوتا ہے - اس شرک کی وضاحت بالفاظ ذیل کر دیگئی ہے :- وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ۱۰/۱۸ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں یہ ہمارے شفاعتی ہیں (اے رسول!) کہدیجیئگا کیا تم اللہ تعالیٰ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ (تمہارے زعم کیمطابق) جانتا نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں - وہ (اللہ تعالیٰ) پاک ہے اس چیز سے جو تم (غیر اللہ کو شفیع ٹھہرا کر) اسکے ساتھ شرک کرتے ہو -

● اس آیت میں غرض شفاعت بتا دیگئی ہے کہ کیا غیر اللہ شفیع اللہ تعالیٰ کو یہ بتائیں گے کہ یہ شخص مجرم نہیں ہے اسے معاف کر دیا جائے - شفیع صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو اسلئے بتایا گیا ہے ۳۹/۴۴ کہ وہ آسمانوں اور زمین کی جملہ پوشیدگیوں کو اچھی طرح جانتا ہے - نیز وہ بے انصافی کرنیوالا ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مجرم کو مجرم گردان کر اسے سزا دیدے -

ایک غلطی کا ازالہ ● مسئلہ شفاعت کے ضمن میں اہل روایات کو آیت ذیل سے غلطی لگی ہے - مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۲/۲۵۵ اسکا یہ غلط مفہوم لیا جاتا ہے کون ہے جو اللہ کے ہاں اسکی اجازت کے بغیر شفاعت کرے - حالانکہ تصریف آیات کیمطابق یہاں اِلَّا بِاِذْنِهٖ کا معنی ہے اسکے قانون کیخلاف شفاعت کرے - اذن بمعنی قانون آگے صفحہ ۳۷۲ پر آیت نمبر ۷/۵۸ میں آرہا ہے وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا اور صحت مند زمین کی پیداوار اپنے رب کے اذن (قانون) کیمطابق اچھی اور جو ناقص زمین ہے نہیں پیدا ہوتی اسکی پیداوار مگر ناقص ہی پیدا ہوتی ہے — جس طرح یہاں اذن بمعنی قانون ہے کیونکہ صحت مند زمین سے اچھی فصل اور ناقص زمین سے ناقص فصل کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کا قانون ہے - اسی طرح ۲/۲۵۵ میں اِلَّا بِاِذْنِهٖ کا مفہوم بھی اذن بمعنی قانون کیمطابق یہ ہے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی شفاعت کر سکے - اور اللہ تعالیٰ کو کسی شفاعت کی عدم ضرورت کی خبر اگلے الفاظ میں دیدیگئی ہے يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وہ اللہ تعالیٰ خود جانتا ہے جو کچھ مجرموں کے آگے ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے یعنی مکمل حالات کو خود جانتا ہے اسے کسی شفاعتی کی کیا ضرورت ہے - پھر شفاعت کے عدم قانون خداوندی ہونے کا اعلان قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۳۹/۴۴ کے الفاظ میں کر دیا ہے - نیز ۱۰/۱۸ میں عقیدہ شفاعت کو شرک قرار دیدیا ہے - اور

شفاعت کے عدم قانونِ خداوندی کی خبر اِلَّا بِاِذْنِہٖ ۲/۲۵۵ میں بالفاظ ذیل دے دی گئی ہے :-

● یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّ لَا شَفَاعَۃٌ ۲/۲۵۴ ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اُس میں سے اُس دن سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کر لو جس میں نہ کوئی سودا بازی ہو گی نہ کوئی دوستی کام آئیگی اور نہ شفاعت ہو گی ـــــ اس آیت میں یوم سے مراد موت کا دن بھی ہے اور قیامت کا دن بھی۔ جس طرح موت کے دن سودا بازی دوستی اور شفاعت کی نفی کر دیگئی ہے کہ اُس دن شفاعت سمیت کسی بھی طریقے سے مرنیوالے کو موت سے نہیں بچایا جا سکتا، اسی طرح قیامت کے دن بھی کوئی مجرم جو بلا توبہ و اصلاح مر گیا ہو شفاعت یا کسی بھی طریقے سے جرائم کی سزا سے بچ نہ سکیگا۔ شفاعت اور انصاف ایکدوسرے کی ضد ہیں اور خدا تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کے ساتھ قیامت کو بے انصافی کرے۔

● آیتِ بالا ۷/۵۳ کے الفاظ فَھَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا کی تفسیر کے ضمن میں تصریفِ آیات کے ذریعہ مسئلہ شفاعت کے مرکزی نقطہ کی وضاحت آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اور صرف اللہ کیلئے ہے لِلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا ۳۹/۴۴ اور اسکی اس صفتِ مخصوصہ میں کسی کو شامل کرنے کو ۱۰/۱۸ میں شرک کہا ہے۔ مسئلہ شفاعت کے ضمن میں انتہائی حیرت انگیز امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا کا اعلان جس ذاتِ اقدس رسولِ اکرم سے کرا دیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور شفیع ہے ہی نہیں، ہم نے اُسی ذات رسولِ اکرمؐ کو شفیع قرار دے لیا ہے۔ اب سلسلۂ درس کی اگلی آیت ملاحظہ فرمائیں :-

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بیشک ہے رب تمہارا اللہ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو
فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ
بیچ چھ دنوں کے پھر غالب ہوا اوپر سلطنت اپنی کے وہ ڈھانپتا ہے رات کو
النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ
دن پر اُسے طلب کرتا ہے جلدی اور سورج اور چاند اور ستارے
مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِہٖ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ
مطیع کئے گئے ساتھ قانون اسکے خبردار واسطے اسی کے ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا
تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ ۵۴
بابرکت ہے اللہ پروردگار جہانوں کا

(اے نوعِ انسانی!) بیشک تمہارا پروردگار ہے وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقفوں میں پیدا کیا پھر وہ اس عظیم سلطنت پر پورا پورا کنٹرول کئے ہوئے ہے۔ وہ (اپنے قانونِ جاریہ کے مطابق) رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے۔ پھر وہ اُسے جلدی طلب کرتا ہے (یعنی دن اپنے مقررہ وقت پر پھر نکل آتا ہے) اور سورج اور چاند اور ستارے اُسکے قانون کے مطابق (اپنے اپنے مدار پر) محوِ گردش ہیں۔ خبردار! (بگوشِ ہوش سُن لو کہ) واسطے اُسی کے ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا۔ بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کی مخلوق کا ایک جیسا رب ہے (تم اسکے حکمِ ربوبیت میں تصرف کرنا)۔

● ۱؎ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا یہ روایتی معنی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مادی جسم ہے اور نہ اُسکا بیٹھنے کا کوئی مادی تخت ہے۔ بلکہ عرش کا معنی ہے سلطنت اور استوٰی کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس عظیم سلطنت پر پوری طرح کنٹرول کئے ہوئے ہے۔ انسان کے سوا کوئی بھی چیز اُس راہ سے ہٹ نہیں سکتی جو اسکے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ صرف حضرتِ انسان کو صاحبِ اختیار وارادہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہ حکم دیکر کہ بُرے عملوں سے بچو اور نیک کام کرو، اعلان کر دیا گیا ہے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۴۰/۴۱ اچھے یا بُرے جیسے بھی عمل تم خود چاہو خود کرو۔ یہ تمہارا اپنا اختیار وارادہ ہے۔

● ۲؎ اَمرْ کا معنی بھی قانون ہے، جیسے کہ قرآنی لغت کیمطابق ۱۴/۳۲ میں آیا ہے وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ اور اللہ نے کشتیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ وہ اسکے امر (قانون) کے مطابق سمندر میں چلتی رہیں۔ اب دیکھئے کہ سمندر میں کشتیوں کے چلنے کا ایک مخصوص خداوندی قانون ہے کہ لوہے تک کی بنی ہوئی وہ کشتیاں اور بڑے بڑے جہاز پانی پر تیرتے پھرتے ہیں جو اپنے حجم کے پانی کے وزن سے ہلکے ہوں، مگر جو اپنے حجم کے پانی کے وزن سے بھاری ہوں وہ ڈوب جاتے ہیں۔ پس مذکورہ مشاہدۂ عالم کیمطابق تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ کا صاف معنی یہ ہے کہ کشتیاں اللہ تعالیٰ کے متعینہ قانون کیمطابق سمندر میں چلتی ہیں۔ اور اسی طرح سُورج چاند ستارے وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے اُس متعینہ قانون کیمطابق افلاک کی پہنائیوں میں اپنے اپنے مدار پر محوِ گردش ہیں جو اُنکے لئے متعین کر دیا گیا ہے۔

● ۳؎ آیتِ بالا زیرِ بحث ۷/۵۴ کا آخری جملہ ہے تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ جس کا مفہوم یہ ہے کہ بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو پوری کائنات کے تمام جہانوں کی پوری مخلوق کا ایک جیسا رب ہے۔ یوں نہیں کہ کسی کو اُس نے وافر سامانِ رُوبیّت کا حق عطا فرما دیا ہے اور کسی کو اسقدر محدود کہ اُسکے اہل وعیال کی ضروریاتِ ربوبیّت پوری بھی نہ ہوتی ہوں۔ اِس جملہ مبارکہ کے الفاظ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ پورے عالمین کے حقوقِ ربوبیّت میں ہرگز ہرگز کوئی امتیاز روا نہیں رکھا گیا۔ پیچھے صفحہ ۳۲۸ پر وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۲۴ + ۲/۳۶ کی تفسیر میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ زمین میں ہر فردِ انسانی کا حق ہے کہ اُسے مرتے دم تک کیلئے بلا کرایہ مکان بھی میسر رہے اور ضروریاتِ زندگی بھی متوازن ومساوی انداز میں ملتی رہیں۔ اور ایسا متوازن انتظام قائم کرنا مرکزی حکومت کا فریضہ ہے جس حکومت میں ایسا انتظام نہ ہو وہ اسلامی حکومت نہیں کہلا سکتی، بلکہ وہ ۲۸/۴ کیمطابق فرعونی حکومت ہو سکتی ہے۔

سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں تضرع خوف اور طمع کیساتھ مخفی انداز میں بحضورِ خداوندی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں:—

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا اور دعا کرو رب اپنے کو عاجزی کیساتھ خفیہ انداز میں بیشک وہ نہیں	اور اپنے پروردگار کے حضور میں دُعا کیا کرو عاجزی کیساتھ مخفی انداز میں ۱؎ (یعنی مشکلات کے وقت صرف اُسی سے

يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۳ ۵۵
پسند کرتا حد میں پھاندنے والوں کو

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا
اور مت تم فساد کرنا بیچ زمین کے پیچھے اصلاح اسکی

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۴ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ
اور دعا کرو اسے خوف اور طمع سے بیشک رحمت اللہ کی

قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۵۶
نزدیک ہے سے توازن قائم کرنیوالوں

مدد مانگا کرو اور قوانین خداوندی کی مخالفت کرکے مشکلات کو دعوت نہ دیا کرو۳ بیشک وہ (اللہ) حد میں پھاندنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور (اللہ تعالیٰ کی حد میں پھاند کر) زمین میں فساد نہ کرنا پیچھے اسکے کہ اسکی اصلاح ہو چکی ہو (یعنی جب ہر فرد معاشرہ کے حقوق ربوبیت محفوظ ہو چکے ہوں) اور اُس اللہ ہی کے حضور دعا کیا کرو (اسکے قوانین کی مخالفت کے بُرے نتیجے سے ڈرتے ہوئے اور اسکے قوانین پر عمل کرنے کے بہتر نتیجے کا) طمع رکھتے ہوئے۴ بیشک اللہ کی رحمت ان لوگوں کے قریب ہے جو (نظام ربوبیت قائم کرکے معاشرہ میں توازن قائم کرنیوالے ہیں۔

● ۱ اُدْعُوْا کا سہ حرفی مادہ ہے د۔ع۔و جسکا بنیادی معنیٰ ہے بلانا، پکارنا، دعا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کے دو مقام ہیں۔ ایک ہے صلوٰۃ موقّت (نماز) اور دوسرا ہے مشکل وقت پر غائبانہ مدد مرادیں مانگنا۔ قرآن مجید نے نماز کو بھی خالصۃً اللہ تعالیٰ کیلئے مختص کر رکھا ہے اور غائبانہ مرادیں مانگنے کو بھی۔ صلوٰۃ نماز بھی مقام دعا ہے وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۷۲/۱۸ مسجدیں صرف اللہ کیلئے ہیں۔ پس اللہ کیساتھ غیر اللہ کو مت پکارو۔ صلوٰۃ میں دعا بھی مانگی جاتی ہے اور اُسی سے مدد مانگنے کا اقرار بھی کیا جاتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۱/۴۔

● ۲ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً کے الفاظ میں دعا کے آداب سکھائے گئے ہیں عاجزی اور خفیہ انداز کیساتھ۔ اس حکم الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ کو زور کی آواز کیساتھ پکارنا شجر ممنوعہ ہے۔ نیز واضح رہے کہ اُدْعُوْا فعل امر جمع میں خود آنحضورؐ بھی شامل ہیں اور حضرت علیؓ بھی جنہیں مشکلوں کے وقت پکارا جاتا ہے۔ حالانکہ آنحضورؐ سمیت جملہ بزرگوں کو صرف حضور الٰہی میں دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جسکے مطابق خود آنحضورؐ اور آپکے صحابہؓ اور دیگر تمام بزرگ خود اللہ تعالیٰ سے مرادیں مانگتے تھے۔ اس طرح غیر اللہ سے مرادیں مانگنا حکم باری کے بھی خلاف ہے۔ نیز سنّت رسول اور تعامل صحابہؓ کے بھی خلاف ہے۔

● ۳ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ کے جملہ مبارکہ سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حد میں پھاندنا اُسکی ناراضگی کا موجب ہے۔ نیز ظاہر ہے کہ حدود اللہ کو پھاند کر انسان خود مشکلات میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ مثلاً آگ میں انگلی ڈالیں تو یقیناً جل جائیگی۔ پس انتہائی بلیغ انداز کیساتھ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاند کر مشکلات کو دعوت نہ دیا کرو۔ قوانین خداوندی کی حدود میں محدود رہو اور ہمیشہ اسی کے حضور میں زور زور سے نہیں بلکہ مخفی انداز میں عاجزانہ دعائیں بھی کیا کرو اور غائبانہ مدد مرادوں میں بھی صرف اسی سے مانگا کرو۔

● ۴ آیت نمبر ۵۵ میں اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً آیا ہے کہ اپنے رب کے حضور عاجزی کیساتھ خفیہ دعا کیا

کرو۔ اس آیت نمبر ۵۶ میں وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا آیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ دُعا کیساتھ خوف اور طمع کی شرط بھی عائد کر دیگئی ہے۔ اِس سے عیاں ہے کہ دُعا کیساتھ بُرے اعمال کے بُرے نتیجے کے خوف سے بُرے عملوں سے بچنا ہوگا اور نیک اعمال کے اچھے نتیجہ کے طمع کیساتھ نیک اعمال بجالانے ہونگے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ دُعا اپنے آپ کو نیک اعمال بجالانے اور بُرے اعمال سے بچنے کی تحریک ہے، جس میں یہ بھی شامل ہے کہ جس مقصد کے حصول کے لئے دُعا کی جائے اسکے حصول سے متعلقہ قوانینِ خداوندی پر عمل کرنا لازم ہے۔ اور اس عمل کیساتھ ہی حصُولِ مقصد کا طمع کیا جا سکتا ہے اسکے برعکس قانونی حدود شکنی کا لازمی نتیجہ حصُولِ مدّعا سے محرُومی ہی ہے۔ اور اس خطرہ سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے قوانینِ خداوندی کی پابندی۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں قیامِ نظامِ ربُوبیّت کے ربط کیمطابق زمین کی پیداوار کا مستقل قاعدہ بتا دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے قانون کیمطابق بارشیں برساتا ہے اور اُس پانی کیساتھ اچھی زمین سے اچھی پیداوار نکلتی ہے اور ناقص زمین ناقص فصل ہی دیتی ہے :-

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ
اور وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی درمیان ہاتھوں

رَحْمَتِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ
رحمت اسکی یہانتک کہ جب اٹھاتی ہے وہ بادل بھاری ہانک لاتے ہیں ہم

لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
طرف زمین مُردہ کے پھر نازل کرتے ہیں ہم ساتھ اسکے پانی پھر نکالتے ہیں ہم ساتھ اسکے

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۚ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ
سے تمام میوے مانند مذکورہ ہم نکالینگے مُردے شائد کہ تم

تَذَكَّرُوْنَ ○ ۵۷
نصیحت حاصل کرو

اور وُہ (اللہ تعالیٰ ہی) ہے جو اپنے قانون کے مطابق اپنی رحمت سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے کیلئے ہوائیں بھیجتا ہے یہانتک کہ جب ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالاتی ہیں تو ہم اُسے (اپنے قانون کیمطابق) مُردہ زمین کی طرف ہانک کرلے جاتے ہیں۔ پھر ہم (اپنے قانون کیمطابق) اُس پانی کیساتھ ہر قسم کے میوے نکالتے ہیں اسی طرح ہم قیامت کے دن مُردوں کو نکالینگے (یہ بیان اسلئے کیا گیا ہے) تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (کہ معاشی توازن کے قیام کیلئے خدا تعالیٰ نے پُورے کارخانۂ کائنات کو ہر آن سرگرمِ عمل رکھا ہوا ہے)

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ
اور زمین تندرست نکلتی ہے پیداوار اسکی ساتھ قانون رب اسکے

وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۚ كَذٰلِكَ
اور جو ناقص ہے نہیں نکلتی مگر ناقص پیداوار۔ مانند اسی کے

اور صحتمند زمین سے اُس کی پیداوار اُسکے رب کے قانون کے مطابق (زیادہ اور عمدہ) نکلتی ہے اور جو زمین ناقص ہو۔ اُس میں سے نہیں نکلتی مگر ناقص فصل ہی نکلتی ہے اسی طرح ہم [illegible] کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں اُس

نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ | قوم کیلئے جو بھرپور محنت کرنیوالے ہیں۔ ع۸

ہم پھیرتے ہیں اپنی آئتیں واسطے قوم بھرپور محنت کرنیوالے

ع ۱۴

● ۱۔ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ کے جملہ میں آمد باران رحمت کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہواؤں کا ذکر ہے جو خدا تعالیٰ کے متعینہ طبعی قوانین کیمطابق کالی گھنگھور گھٹاؤں سے آگے آگے چلتی ہیں بَیْنَ یَدَیْ کا لفظی معنی ہے درمیان دو ہاتھوں کے مگر اسکا اصطلاحی معنی ہے آگے یا سامنے۔

● ۲۔ سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ کیمطابق قانونِ قدرت یہ ہے کہ بادل ہوا کے کندھوں پر سوار ہوکر آتے ہیں اور مُردہ زمین کیطرف ہانک دیئے جاتے ہیں۔ جس علاقے میں زور کی گرمی پڑتی ہے وہاں ہوا گرم ہوکر ہلکی ہوجاتی اور بلند اُوپر اٹھ جاتی ہے۔ اس خلاء کو پُر کرنے کیلئے سمندر کی ٹھنڈی ہوا اپنے کندھوں پر بادلوں کو اٹھا کر تیزی سے اس طرف بڑھتی ہے۔

● ۳۔ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ کی خبر کے مطابق ہوا کے ذریعہ سمندر سے اٹھا کر لائے گئے بادل پہاڑوں سے ٹکرا کر مُردہ زمین پر برس پڑتے ہیں اور اُسے زندہ کر دیتے ہیں۔ سائنسی تحقیق کیمطابق زمین پانی اور فضائی گیسوں کے آمیزے کیساتھ زندہ ہوجاتی ہے یعنی گرمی کی شدت کیساتھ جو اسکی صلاحیت نمو رچکی ہوتی ہے زندہ ہوجاتی ہے۔ $\frac{۵۰}{۸}$ میں اس آمیزے کو مَآءً مُّبٰرَکًا کہا گیا ہے وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا $\frac{۵۰}{۸}$۔

● ۴۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ کے الفاظ میں اسی چیز کی خبر دی گئی ہے کہ اُن فضائی گیسوں اور پانی کے آمیزے کیساتھ زمین میں سے ہر قسم کے میوہ جات اور فصلیں نکالی جاتی ہیں۔

● ۵۔ کَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی یہ جملہ معترضہ ہے کہ جس طرح ہم فضائی گیسوں اور پانی کے آمیزے سے مُردہ زمین کو زندہ کر لیتے ہیں اسی طرح قیامت کو مخصوص گیسوں اور پانی کے مخصوص آمیزے کیساتھ مُردوں کو زندہ کر کے زمین میں سے نکال لینگے یعنی اس طرح مخصوص گیسوں اور پانی کا آمیزہ برسا کر مُردوں کو قیامت کے دن زمین میں سے نکال لینے کی خبر $\frac{۵۰}{۱۱}$ میں کَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ کے الفاظ میں آئی ہے اور $\frac{۳۵}{۹}$ میں کَذٰلِكَ النُّشُوْرُ کے الفاظ آئے ہیں۔

● ۶۔ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ کے الفاظ بارش کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور اُس میں سے ہر قسم کے پھل اور اجناس پیدا کرنے کی خبر کے بعد لائے گئے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں کہ یہ بارشیں برسانے اور فصلیں اگانے کا عظیم کائناتی نظام پوری نوعِ انسانی کیلئے ہے۔ اسکے ماحصل سے پوری نوعِ انسانی کا فیضیاب ہونا ضروری ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مرکزی طور پر ریاستی نظام ربوبیت قائم کر کے مذکورہ رزق کی منصفانہ تقسیم کی جائے۔

● ۷۔ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا کے الفاظ میں صراحتًا بتا دیا گیا ہے کہ اِذْن کا معنی قانون ہے کیونکہ صحت مند زمین سے عمدہ غذا کا پیدا ہونا اور ناقص زمین سے ناقص پیداوار کا میسر آنا خدا

تعالیٰ کا دائمی قانون ہے یعنی ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ تک ایسا ہی ہوتا چلا جائیگا - قرآنِ کریم میں تصریفِ آیات کے ذریعہ اذن بمعنی قانون ذیل کے دیگر متعدد مقامات سے ثابت ہے :-

۱- وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۱۰/۱۰۰ اور کسی نفس کیلئے یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے اذن (قانون) کے بغیر ایمان لے آئے - اور کفر و ایمان کا قانونِ خداوندی یہ ہے :- وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹ اور کہد یجیئگا اے رسول! کہ حق قرآن تمہارے رب کی طرف سے آگیا ہے پس جو کوئی خود چاہے اس پر ایمان لائے اور جو کوئی خود چاہے انکار کردے -

۲- كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ۲/۲۴۹ بارہاں اللہ کے اذن (قانون) کے مطابق چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے - اور غلبے کا قانون اسی آیت کے اگلے الفاظ میں بیان کردیا ہے ثابت قدمی وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۲/۲۴۹ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کیساتھ ہے (ثابت قدم رہنے والے ہی غالب آتے ہیں)

۳- وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ۳/۱۶۶ اور جبدن دو گروہوں میں مقابلہ ہوا اُس دن تمہیں جو شکست کی مصیبت پہنچی تھی وہ اللہ کے اذن (قانون) کے مطابق پہنچی تھی - اور فتح و شکست کے قانون کا اعلان اس سے ماقبل آیت مجیدہ ۳/۱۶۵ میں موجود ہے اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۳/۱۶۵ کیا اور جب تمہیں (جنگِ اُحد میں) شکست کی مصیبت پہنچی حالانکہ اس سے پہلے تم انہی دشمنوں کو (جنگِ بدر میں) اس سے دُگنی شکست دے چکے تھے - تم نے اس شکست پر کہا کہ یہ کیوں آئی - کہد یجیئگا اے رسول! کہ یہ تمہارے اپنے ہی افراد کی کوتاہی کی بدولت آئی ہے - بیشک اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قوانین متعین کرنیوالا ہے -

• اِس آیت مجیدہ ۳/۱۶۵ میں اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ کا مفہوم بھی اُجاگر کردیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا قدیر ہے - لفظ قدیر بمادہ قدر سے صفت مشبّہ ہے - اور قدر کا معنیٰ ہے اندازہ پیمانہ اور قانون - اِس طرح عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ کا معنیٰ ہے ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا - اور فتح کا قانون ہے ثبات قدمی - چنانچہ جنگ اُحد کی شکست کی وجہ صحابہؓ کے ایک دستہ کی سستی ہی تھی -

۴- مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۶۴/۱۱ نہیں آتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے اذن (قانون) ہی کیمطابق آتی ہے - اور اس قانون کی خبر بالفاظِ ذیل دیگئی ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ۴۲/۳۰ اور جو بھی مصیبت تمہیں آتی ہے پس وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے - پس قانونِ خداوندی یہ ہے کہ ہم جو کچھ بوئینگے وہی کچھ کاٹیں گے -

● ۸ے كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ کے جملہ مبارکہ میں سابقہ آیات مجیدہ میں پھیر پھیر کر لائے گئے بیان کو اس قوم کیلئے بتایا گیا ہے جو بھرپور محنت کر کے بھرپور بدلہ پانیوالے ہیں - بالفاظِ دیگر کام چوروں کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مقام نہیں۔ شکر کا معنی ہے بھرپور محنت کر کے بھرپور صلہ حاصل کرنا سورہ دہر میں اُخروی عطاءِ جنت کو بھرپور محنت کا بھرپور صلہ قرار دیا گیا ہے اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ ۷۶/۲۲ بیشک یہ جنت تمہاری بھرپور محنت کی جزا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمہاری اپنی سعی مشکور ہوئی ہے۔ یعنی تمہاری اپنی ہی بھرپور محنت کا بھرپور بدلہ تمہیں جنت کی صورت میں دیا گیا ہے - ۲/۱۵۸ میں آیا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ، اِسکا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی محنت کا پورا پورا بدلہ دینے والا ہے - یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ شکر کرتا ہے۔

● مذکورہ پند و نصائح کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آئت نمبر ۵۹ سے لیکر آئت نمبر ۱۵۶ تک مسلسل سابقہ اُمتوں کا ذکر آیا ہے جنہوں نے قوانین خداوندی کی مخالفت کر کے اپنے آپکو قَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ کے زمرہ سے خارج کر دیا اور عذابِ خداوندی کی مستحق ہوئیں۔ چنانچہ بالترتیب قوم نوحؑ قوم عادؑ قوم ثمودؑ قوم لوطؑ قوم شعیب اور قوم موسیٰ کا ذکر لایا گیا ہے تاکہ وہ قوم جسے قرآن کریم دیا گیا ہے اور جس کی طرف حضور خاتم النبیّین مبعوث فرمائے گئے تھے، نصیحت حاصل کر کے خدا تعالیٰ کی فرمانبردار ہو جائے :-

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ

بیشک بھیجا ہم نے نوح کو طرف قوم اسکی پھر کہا اے قوم میری

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ

حکم مانو اللہ کا۔ نہیں واسطے تمہارے حاکم سوائے اسکے بیشک میں ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ۵۹

لئے تمہارے عذاب دن بڑے سے

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۶۰

کہا سرداروں نے میں سے قوم اسکی بیشک ہم دیکھتے ہیں تجھے بیچ گمراہی کھلی

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ

کہا اے قوم میری نہیں ساتھ میرے گمراہی اور لیکن میں رسول ہوں

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۶۱

سے رب جہانوں کے

البتہ تحقیق ہمنے نوحؑ کو انکی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا پھر انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تمہارے لئے اللہ کے سوا اور کوئی بھی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ بیشک میں (تمہاری بداعمالیوں کی بدولت) تمہارے لئے بڑے دن (قیامت) کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں (یعنی چاہتا ہوں کہ تم اس عذاب سے بچ جاؤ۔ لیکن قوم نے جواب دیا) :-

اُسکی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں (کیونکہ تو ہماری آبائی روش سے ہٹ گیا ہے۔ اس پر آپنے فرمایا) :-

(حضرت نوحؑ نے) کہا کہ اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں۔ بلکہ میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں۔ (میرا کام نظام ربوبیت قائم کرنا ہے) عا

● عا وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے جملہ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنا تعارف جہانوں کے

رب کے بھیجے ہوئے کے الفاظ میں پیش کیا۔ یعنی رُبوبیتِ عالمین کی تبلیغ فرمائی۔ جس پر قوم کے سرداروں نے آپکی روش کو غلط قرار دیا مگر حضرت نے فرمایا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ تمہیں تمہاری پرورش کرنے والے کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ تمہیں نصیحت کر رہا ہوں :-

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ
میں پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات رب اپنے کے اور نصیحت کرتا ہوں واسطے تمہارے
وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ ۶۲
اور جانتا ہوں سے اللہ جو نہیں تم جانتے

(حضرت نوحؑ نے فرمایا) میں تمکو اللہ کے وہ پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہیں اللہ کی طرف سے وہ نصیحت کرتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
کیا اور تعجب کرتے ہو تم کہ آئی پاس تمہارے نصیحت طرف سے رب تمہارے
عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ
بذریعہ بشر کے ہیں سے تمہارے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں اور تاکہ تم بچو اور تاکہ تم
تُرْحَمُوْنَ ○ ۶۳
تم رحم کئے جاؤ

کیا اور تم نے اس چیز پر تعجب کیا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی نصیحت تمہیں میں سے ایک بشر[1] کے ذریعہ آئی ہے تاکہ وہ تمہیں تمہارے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرے اور تاکہ تم اپنے رب کی مخالفت سے بچ جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (لیکن قوم نے آپکو جھٹلا دیا) :-

[1] سورہ ھود ۱۱/۲۷ میں رجل کا متبادل البشر آیا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ
پھر جھٹلایا اسے پھر نجات دی ہم نے اسے اور انکو جو ساتھ اسکے تھے
فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ
بیچ کشتی کے اور غرق کیا ہم نے انکو جنہوں نے جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝ ع ۸ ۱۵
بیشک وہ تھے قوم اندھے

پھر انہوں نے (حضرت نوح کو) جھٹلا دیا۔ پھر ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اسکے ساتھ کشتی میں تھے (طوفان سے) بچا لیا اور اُن لوگوں کو ہم نے (طوفان میں) غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ بلاشبہ وہ (عقل کی) اندھی قوم تھی (انہیں حقائق دکھائی ہی نہیں دیتے تھے)۔

سورہ ھود

● [1] عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ قومِ نوح اس عقیدے کی حامل تھی کہ نبی بشر نہیں ہوتے بلکہ مافوق البشر ہوتے ہیں۔ اسی چیز کے متعلق سورہ ھود میں ارشاد ہوا ہے :- فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۱۱/۲۷ پس حضرت نوح کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے نہیں دیکھتے مگر تو ہمارے جیسا ایک بشر ہے اور ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کی طرف ایسے لوگوں نے جو ہمارے رذیلے ہیں جن کی رائے صرف حد البصر اہے ــــ اس آیت مجیدہ میں سردارانِ قوم کے

کے انکار کی دو وجہیں بتائی گئی ہیں - پہلی یہ کہ نبی رسُول بشر نہیں ہو سکتے - اور دوسری یہ کہ اُن پر سب سے پہلے قوم کے سرداروں کو ایمان لانا چاہئیے - نہ یہ کہ قوم کے رذیلے لوگ اس پر پہلے ایمان لے آئیں - بالفاظِ دیگر انکے خیال میں اعلیٰ و ادنیٰ اور اُونچ نیچ کی طبقاتی تقسیم صحیح تھی، اللہ کے نبی کو اسی چیز کی تائید کرنی چاہیئے - تاکہ اُونچے طبقہ کے لوگ اس پر فوراً ایمان لے آئیں - اِس طرح جب انکی منشاء کے خلاف حضرت نوحؑ کے گرد معاشرہ کے ستائے ہوئے غریب لوگ اکٹھے ہو گئے تو اب قوم کے سرداروں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم اُسوقت تک آپکے پاس نہیں آسکتے جبتک آپ ان ادنیٰ لوگوں کو اپنے سے دُور نہ کر دیں - لیکن انبیاء کی غرض بعثت ہی ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز کو ختم کرنا ہوتی تھی، اس لئے آپ نے جواب دیا۔

● وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ۱۱/۲۹-۳۰ اور میں اِن (معاشرہ کے ستائے ہوئے لوگوں) کو اپنے سے دُور کرنیوالا نہیں ہوں - (میری غرض بعثت ہی اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز کو ختم کرنا ہے) بیشک یہ لوگ اللہ کے حضور حاضر ہونیوالے ہیں - ولیکن تم جاہل قوم ہو - اے میری قوم اگر میں انہیں اپنے سے دُور کردوں تو (یہ قیامت کو اللہ کے حضور شکائت کرینگے) پھر کون ہے جو اس جرمِ عظیم کی سزا سے مجھے اللہ تعالیٰ سے بچا سکے - کیا پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے -

سورہ مومنون

● سورہ مومنون میں بھی حضرت نوحؑ کے سردارانِ قوم کا یہ اعتراض کہ تو بشر ہے اسلئے ہم تجھ پر ایمان نہیں لاسکتے بالفاظ ذیل درج ہے :- فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ ۲۳/۲۴ پس اُسکی قوم کے سرداروں نے ایکدوسرے کو کہا کہ یہ نوح نہیں ہے مگر صرف تمہارے جیسا ایک بشر ہی ہے - وُہ ارادہ کرتا ہے کہ نبوّت کا دعویدار ہو کر تم پر فضیلت حاصل کرلے - اور اگر اللہ تعالیٰ نبی بھیجنا چاہتا تو ملائکہ کو نازل کر دیتا - ہمنے اپنے باپ دادوں سے یہ ہرگز نہیں سُنا کہ اللہ کے نبی بشر ہوتے ہیں) -

● اس آئت مجیدہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قومِ نوحؑ اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی - تبھی تو اُنہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نبی بھیجنا چاہتا تو ملائکہ کو نبی بنا کر نازل کر دیتا -

مسئلہ بشریّت انبیاءؑ اور قرآن کریم

● قرآن کریم میں خود آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاء کرام سے بصورت اعلان اقرارِ بشریت کرا دیا گیا ہے ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶ میں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ - کہہ دیجیئے اے رسُول کہ یہ ایک پکی بات ہے کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں - (فرق یہ ہے کہ) میری طرف وحی کیجاتی ہے - سورہ بنی اسرائیل میں آنحضورؐ کا یہ اقرار درج ہے هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۱۷/۹۳ نہیں ہوں میں مگر صرف اور صرف تمہارے جیسا ہی بشر رسول ہوں -

حضرت نوح کو طوفان سے کس طرح بچایا گیا؟

• حضرت نوح کی قوم پر پانی کے طوفان کا عذاب لاکر انہیں غرق کر دیا گیا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت نوح اور انکے ساتھیوں کو کس طرح طوفانِ آب سے بچایا گیا تھا۔ اس کا جواب سورہ ھود کی آیت نمبر ۳۷ میں بالفاظ ذیل دیا گیا ہے :۔

• وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝ ۱۱/۳۷ اور (نوح کی طرف وحی کی گئی کہ) آپ ایک کشتی ہماری نگرانی میں ہماری وحی (سائنسی اصولوں) کیمطابق بنائیں اور مجھے ظالموں (ہماری آیتوں کو جھٹلانیوالوں) کے متعلق مخاطب نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ غرق کئے جانیوالے ہیں۔

• ۱؎ یہاں وحی بمعنی سائنسی اصول یعنی خدا تعالیٰ کے متعینہ کائناتی قوانین ہے۔ یہاں اگر وحی بمعنی وحی نبوت لیا جائے تو حضرت نوح سے موجودہ سائنسدان زیادہ عقلمند ثابت ہوتے ہیں جنہوں نے بلاوحی الٰہی ہوائی جہاز، راکٹ اور خلائی جہاز تک تیار کر لئے ہیں اور حضرت نوح ایک کشتی بھی بلا وحی الٰہی نہ بنا سکے تھے۔

• آیت بالا ۱۱/۳۷ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت نوح اور آپکے ساتھیوں کو پانی کے طوفان سے بچانے کیلئے آپ سے کشتی بنوائی گئی تھی۔ اس سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ آپکو کائناتی قوانین کیمطابق ہی بچایا گیا تھا۔ اس خبر میں اس چیز کا دائمی حکم موجود ہے کہ مصائب کے دفعیہ کیلئے صرف دعائیں ہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے متعینہ کائناتی قوانین پر عمل کرنا بھی ضروری ہے جیسے کہ طوفانِ آب سے بچنے کیلئے حضرت نوح کو حکماً کشتی تیار کرنا پڑی تھی۔

قومِ نوح کے پانچ پیر

• سورہ نوح میں قوم نوح کے متعلق آیا ہے :۔ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ ۷۱/۲۳ اور انہوں نے (آپس میں ایکدوسرے کو کہا کہ تم اپنے کارسازوں اور مددگاروں کو نہ چھوڑنا۔ اور نہ چھوڑنا ودّ کو نہ سُواع کو اور نہ یغوث یعوق اور نسر کو چھوڑنا ـــــ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب طوفانِ آب کی صورت میں آیا تو انکے مذکورہ پانچ پیروں نے انکی کوئی مدد نہ کی اور وہ سب غرق ہو گئے۔ اس آیت ۷۱/۲۳ سے ثابت ہوتا ہے کہ قومِ نوح نے مذکورہ بالا پانچ بزرگوں ودّ سواع یغوث یعوق اور نسر کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کر رکھا تھا یعنی انہیں مشکلکشا اور کارساز بنا رکھا تھا۔ کیونکہ وہ قوم خدا تعالیٰ کی ہستی کی منکر تو نہیں تھی۔ جیسے کہ پیچھے ۲۳/۲۴ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ قوم کے سرداروں نے قوم سے کہا کہ نوح تو تمہارے جیسا ایک بشر ہے اگر اللہ نے رسول بھیجنا ہوتا تو ملائکہ کو رسول بنا کر بھیج دیتا ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے یہ سنا ہی نہیں کہ رسول بشر ہوتے ہیں۔

کیا طوفانِ نوح ساری زمین پر آیا تھا؟

• روائتی تفاسیر کا دیا ہوا تصور یہ ہے کہ طوفانِ نوحؑ ساری زمین پر آیا تھا اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت نوح نے حضورِ الٰہی میں عرض کیا تھا رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ ۷۱/۲۶ اسکا معنی یہ لیا جاتا ہے کہ حضرت نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار تو پوری زمین پر کافروں کی کوئی بستی باقی نہ چھوڑیو۔ یہ ترجمہ غلط ہے کیونکہ الارض کے الف لام کی بدولت خاص وہ خطۂ ارضی مراد ہے جس میں

قوم نوح کی بستیاں آباد تھیں - الارض بمعنی مخصوص خطۂ ارض کی مثال ۲۸/۳ میں ملاحظہ فرمائیں اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ اسکا معنی صاف ہے کہ فرعون نے زمین کے اس حصے میں سرکشی اختیار کی تھی جس میں اسکی حکومت تھی۔ پس طوفان نوح زمین کے صرف اس علاقے پر آیا تھا جس میں وہ نافرمان قوم آباد تھی ۔ یہ پہاڑوں میں گھرا ہوا علاقہ تھا کہ پانی جودی پہاڑی کی چوٹی تک پہنچ گیا اور اس علاقے کی تمام بستیاں غرقاب ہو گئیں اور پوری نافرمان قوم ختم کر دی گئی۔

کیا کشتیٔ نوح میں ہر نوع کے جوڑے سوار کئے گئے تھے؟

● روائتی تفاسیر کا دیا ہوا ایک تصور یہ بھی ہے کہ کشتیٔ نوح میں سانپ بچھو گوہ، کرلی مکھی مچھر وغیرہ ہر نوع کے جوڑے سوار کئے گئے تھے - اور دلیل یہ دی جاتی ہے فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۲۳/۲۷ (ہم نے نوح کو کہا کہ) ہر ضروری نوع کے دو دو جوڑے کشتی میں سوار کر لیں۔ یہ حکم اسلئے دیا گیا تھا کہ اس پہاڑی وادی میں اس عظیم طوفان کی بدولت کوئی جاندار زندہ بچنے والا نہیں تھا۔ اسلئے پانی اترنے کے بعد جب دوبارہ زندگی شروع کی جائے تو وہ نوعیں جو انسانی زندگی کیلئے ضروری ہیں گائے بھینس بھیڑ بکری اور گھوڑا گدھا وغیرہ کی نسل کشی کی جا سکے۔ اسکے سوا موذی جانوروں اور حشرات الارض سانپ بچھو گوہ کرلا وغیرہ کی انسانی زندگی کو نہ ضرورت ہے اور نہ انکے دو دو جوڑے سوار کئے گئے تھے روائتی تفاسیر کو دھوکا ہوا ہے مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ میں آمدہ كُلٍّ کے لفظ سے - حالانکہ كُلٍّ کا لفظ موقعہ محل کیمطابق ضروری اشیاء کا حامل ہوتا ہے - غیر ضروری چیزیں اسکے دائرہ سے از خود خارج ہو جاتی ہیں - مثلاً ملکہ سبا کے متعلق حضرت سلیمان کے ایک عامل ہُد ہُد نے حضرت کو یہ خبر دی تھی :-

● اِنِّی وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۲۷/۲۳ بیشک میں نے ایک عورت کو دیکھا ہے جو عوام پر حکومت کرتی ہے اور اسے ہر (ضروری) چیز دیگئی ہے - ظاہر ہے کہ یہاں كُلِّ شَيْءٍ کا معنی ضروریات سلطنت کے دائرے میں محدود ہے یعنی سلطنت کی ہر ضروری چیز فوج خزانہ راشن اسلحہ عمارتیں محلات اور قلعے دیوانخانے وغیرہ نہ کہ سانپ بچھو گوہ کرلے مکھی مچھروں کے ہجوم بھی اسکے پاس موجود تھے۔

حضرت نوح کی بسائی ہوئی متوازن بستیاں

● حضرت نوح جن غیر متوازن بستیوں کی طرف مبعوث کئے گئے تھے انکا نقشہ آپ پیچھے ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ انکے باشندے اعلیٰ و ادنیٰ اور غریب و امیر کی ظالمانہ تقسیم میں منقسم تھے - چنانچہ جب حضرت نوح نے متوازن حقوق ربوبیت عامہ کا اعلان فرمایا تو مفلوک الحال لوگ آپکے گرد جمع ہو گئے اور آپ پر ایمان لے آئے مگر انکا استحصال کرنیوالے سرداروں نے کہا کہ ہم آپ پر اسوقت تک ایمان نہیں لا سکتے جبتک آپ ہمارے ان رذیلوں کو اپنے سے دور نہ کر دیں - لیکن آپنے انکا یہ مطالبہ قبول نہ کیا اسلئے وہ لوگ باقاعدہ طور پر آپکی مخالفت پر ڈٹ گئے - چنانچہ انکی اسی ناہمواری کی بدولت ان پر پانی کا عذاب لایا گیا اور وہ ختم کر دیئے گئے - لیکن جب پانی اترا تو سابقہ مکانات گر چکے تھے اور سر چھپانے

کیلئے کوئی عمارت باقی نہ رہی تھی ۔ اسلئے اب اولین کام کیا جانیوالا یہ تھا کہ نئی بستیاں بسائی جائیں ۔ چنانچہ بسائی گئیں ۔

● لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ بستیاں جو طوفان کے بعد حضرت نوح نے بسائی تھیں کیا انکا انداز متوازن تھا یا حسب سابق عدم توازن کا مرقع تھا؟ یعنی کیا حضرت نوح نے یہ انداز اختیار کیا تھا کہ اپنے بھائی بھتیجوں بھانجوں سالوں ہم زلفوں کو اور انکی اولادوں کو جو آپ پر ایمان لا کر طوفان سے بچ گئے تھے انہیں تو زمین کے کئی کئی پلاٹ الاٹ کر دئیے ہوں اور عمارتیں بنانے کیلئے کئی کئی درخت بھی دیدئیے ہوں تاکہ وہ کرایہ پر دینے کیلئے کوارٹر دکانیں اور گودام تعمیر کر کے با آرام استحصالی زندگی کا اہتمام کر لیں اور جن مومنوں سے آپکا کوئی نسبی تعلق نہیں انہیں صرف اس بناء پر کہ نہ وہ حضرت کے ننھال سے تھے نہ ددیال اور نہ سسرال سے، اسلئے انہیں کوئی زمین نہ دیگئی ہو اور انہیں حضرت کے عزیزوں اور قریبیوں کا کرایہ دار بننے پر مجبور کر دیا گیا ہو ۔

● پھر کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت نوح نے طوفان کے بعد جو ریاستی نظام قائم کیا تھا اس میں آپنے صرف ددیالی ننھالی اور سسرالی قرابت داروں کو ہی اعلیٰ مناصب عطا فرمائے ہوں اور جن سے آپکا کوئی نسبی تعلق نہیں تھا انہیں چپڑاسی وغیرہ بنا کر تذلیل انسانیت کی ہو؟ ان سوالوں کا جواب مطلق نفی میں ہے اگر طوفان کے بعد بھی پھر وہی نافرمان غیر متوازن معاشرہ قائم فرمایا تھا تو ظاہر ہے کہ طوفان لا کر نافرمانوں کو ختم کرنا مطلقاً عبث ٹھہرتا ہے ۔ اسلئے آپنے ایسا متوازن نظام کیا جس میں نہ کوئی بھوکا تھا نہ ننگا نہ کوئی بے علاج تھا نہ بے مکان ۔ اور یہی تھی جملہ انبیاء سمیت حضرت نوح کی غرض بعثت، ناہموار و غیر متوازن معاشرہ کو مٹانا اور ہموار و متوازن معاشرہ قائم کرنا ۔ سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ ۳۷/۷۹ وَسَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ ۳۷/۱۸۱ ۔

● قوم نوح کے تذکرہ کے بعد قوم ھود کی نافرمانیوں کا ذکر سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں بالفاظ ذیل لایا گیا ہے :۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ
اور طرف قوم عاد بھائی انکے ھود کو بھیجا کہا اے میری قوم

اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ اَفَلَا
حکم مانو اللہ کا نہیں ہے واسطے تمہارے میں سے حاکم سوائے اسکے کیا پھر نہیں

تَتَّقُوۡنَ ۝۶۵
تم بچتے

اور قوم عاد کی طرف (انکی رہنمائی کیلئے بھیجے) انکے بھائی ھود کو (بھیجا) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو ۔ تمہارے لئے اسکے سوا کوئی اور فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے کیا پھر تم (اس حقیقت ثابتہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے) نہیں بچتے ۔ (تمہیں اپنے حاکم حقیقی کی مخالفت سے بچنا چاہیئے)

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖۤ اِنَّا
کہا سرداروں نے جنہوں نے انکار کیا میں سے قوم اسکی بیشک ہم

آپکی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے (ہمارے نازل کردہ ضابطے کا) انکار کیا یہ کہا بیشک ہم تجھے بیوقوفی میں دیکھتے ہیں

لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ

تم کو دیکھتے ہیں تجھ کو بیچ بیوقوفی کے اور بیشک ہم گمان کرتے ہیں تجھ میں سے

اور بلاشبہ ہم گمان کرتے ہیں کہ تُو جھوٹوں میں سے ہے۔

الْكٰذِبِیْنَ ۝ ٦٦

جھوٹوں کے

فرمایا۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ

کہا اے میری قوم نہیں ہے ساتھ میرے بیوقوفی اور

لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ٦٧

لیکن ہوں میں بھیجا ہوا طرف سے پروردگار جہانوں کے

(حضرت ھودؑ نے) کہا کہ اے میری قوم میں بیوقوف نہیں ہوں۔ ولیکن میں اُس ذات کا بھیجا ہوا ہوں جو پُورے عالمین (ساری کی ساری مخلوق) کا ایک جیسا رب ہے (میں اپنے رب کا پیغام ربوبیّت لیکر آیا ہوں)

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ

پہنچاتا ہوں تمکو پیغامات رب اپنے کے اور میں ہوں واسطے تمہارے

نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝ ٦٨

نصیحت کرنیوالا امین

میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تم سب کیلئے باامانت نصیحتیں کرنیوالا ہوں۔ (اللہ کے پیغامات اور اسکی نصیحتوں میں نہ کمی کرنیوالا ہوں نہ زیادتی کرنے والا)۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ

کیا اور تم تعجب کرتے ہو کہ آئی پاس تمہارے نصیحت طرف سے

رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْٓا

رب تمہارے بذریعہ بشر کے ہیں سے تمہارے تاکہ وہ ڈرائے تمکو اور یاد کرو

اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِی

جب بنایا تم کو جانشین سے پیچھے قوم نوح کے اور زیادہ کیا تمکو بیچ

الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ٦٩

پیدائش کے زیادہ کرنا پس یاد کرو نعمتیں اللہ کی تاکہ تم فلاح پاؤ

اور کیا تم اِس چیز پر تعجب کرتے ہو کہ تمہاری طرف تمہارے رب کی نصیحت تمہی میں سے ایک بشر کے ذریعہ آئی ہے تاکہ وہ تمہیں تمہارے فرائض منصبی سے آگاہ کرے۔ اور تم اُس وقت کو یاد کرو کہ تمہیں اللہ نے قوم نوح کے بعد اُس کا جانشین بنایا اور تمہیں افزائش نسل کے پھیلاؤ میں زیادہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ (تاکہ تم بُرے عملوں سے بچو اور) آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔

قوم عاد نے بھی اللہ کے شریک بنا رکھے تھے

● جس طرح قوم نوح نے پانچ پیروں کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا تھا اسی طرح قوم عاد نے بھی اپنے بزرگوں کو اللہ کے شریک بنا رکھا تھا۔ اسلئے انہوں نے حیرانی سے کہا۔

قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ
انہوں نے کہا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ ہم حکم مانیں اللہ اکیلے کا
وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا
اور ہم چھوڑ دیں جو تھے حکم مانتے باپ دادے ہمارے پس لے آ ہم پر جو
تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ○ ۷۰
تو وعدہ دیتا ہے ہمیں اگر ہے تو میں سے سچوں کے

(قوم عاد نے حضرت ھُود کو) کہا کیا تُو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم اکیلے ملہ اللہ کی فرمانبرداری کریں اور جن (بزرگوں) کی فرمانبرداری ہمارے باپ دادے کرتے تھے اُنھیں چھوڑ دیں۔ پس تو لے آ (وہ عذاب) جس کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔

● ملہ لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ کے الفاظ سے کھل ثابت ہوتا ہے کہ قوم عاد (اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی بلکہ قوم نوح کی طرح اللہ تعالیٰ کیساتھ اُسکی صفاتِ مخصوصہ میں غیر اللہ کو شریک کر رکھا تھا۔ غیر اللہ کو حاجت روا، مشکلکشا اور دستگیر قرار دے رکھا تھا۔ اور حضرت ھُود کو عذاب لانے کی دعوت دیدی تھی۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر بلاوجہ عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ قومیں اپنے بُرے اعمال کی بدولت خود عذاب الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ قوم عاد اپنے غلط عقائد اور بُرے اعمال کی بدولت رفتہ رفتہ عذاب کے خداوندی پیمانے پر پوری اترتی چلی گئی۔ حتّی کہ وہ وقت آگیا کہ حضرت ھُود اُن کے بُرے اعمال کے مطابق — ارشاد فرمایا:-

قَالَ قَدۡ وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ
کہا بیشک لازم ہو گئی اوپر تمہارے طرف سے رب تمہارے رسوائی
وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوۡنَنِىۡ فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ
اور غصہ کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے بیچ ناموں کے کہ نام رکھ لئے تم نے وہ
اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ
تم نے اور باپوں تمہارے نے نہیں نازل کی اللہ نے ساتھ اسکے میں سے
سُلۡطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ
کوئی دلیل پس تم انتظار کرو بیشک میں ہوں ساتھ تمہارے میں سے
الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ○ ۷۱
انتظار کرنیوالوں کے

(حضرت ھُود نے قوم سے) کہا کہ تمہاری بداعمالیوں کی بدولت تم پر تمہارے رب کی طرف سے ذلّت اور غضب لازم ہو چکا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ اُن ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے پہلے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں ملہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ پس تم بھی (نتیجے کا) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

● ملہ فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ سَمَّيۡتُمُوۡهَا کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم عاد نے اپنے بزرگوں کے ایسے نام رکھ لئے ہوئے تھے جن کی کوئی دلیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئی۔ افسوس ہے کہ ایسے ہی نام اہلِ اسلام نے اپنے بزرگوں کے رکھ لئے ہیں جن کی دلیل قرآن کریم میں موجود نہیں ہے مثلاً شیخ الشیوخ مشکلکشا، دستگیر، غوث، قطب، ابدال اور اوتاد وغیرہ۔ قوم عاد پر

ایسے ہی عقائد و اعمال کی بدولت عذابِ خداوندی نازل ہوا۔ لیکن حضرت ھودؑ اور اُنکے ساتھیوں کو عذاب سے بچالیا گیا:۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
پس بچالیا ہمنے اسے اور جو تھے ساتھ اسکے ساتھ رحمت طرف اپنی

وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا
اور کاٹ دی ہمنے جڑ ان لوگوں کی جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری اور نہیں تھے

مُؤْمِنِیْنَ ۝۷۲
ایمان لانیوالے

ع ۸/۱۲

پھر ہمنے اُسے (ھودؑ) کو عذاب سے بچالیا اور اور اُن لوگوں کو بھی جو اُسکے ساتھ تھے اپنی طرف سے اپنی رحمت کیساتھ اور کاٹ ڈالی ہمنے جڑ اُن لوگوں کی جنھوں نے ہماری آئتوں کو جھٹلایا اور نہیں تھے وہ ایمان لانیوالے۔

سُورہ ھود ● سُورہ ھود میں قوم عاد کے متعلق ارشاد ہوا ہے وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ ۱۱/۵۰ اور ہمنے قوم عاد کی طرف اُنکے بھائی ھود کو بھیجا۔ اُس نے کہا اَے قوم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اُسکے سوا کوئی حاکم نہیں۔ نہیں ہو تم مگر (غیر اللہ کی فرمانبرداری کو اللہ کا حکم بنا کر) اُس اللہ پر بہتان باندھنے والے ہو۔۔۔ مگر قوم نے جواب دیا:۔

● قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ ۱۱/۵۳ انہوں نے کہا اَے ھودؑ تو کوئی واضح دلیل ہمارے پاس نہیں لایا۔ اور ہم تیرے کہنے پر اپنے الاہوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں جن کی ہم فرمانبرداری کرتے ہیں۔

● چونکہ قوم ھود کے بڑے بڑے آدمی آپ ایمان نہ لائے صرف غریب عوام ہی آپکے ساتھ ہوئے اسلئے قوم نے کہا:۔

● اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ...... اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝
۱۱/۵۴ تا ۵۶ ہم اسکے سوا کچھ نہیں کہتے کہ ہمارے الاہوں میں سے جن کا حکم ہم واجب الاتباع مانتے ہیں کسی الہٰ نے تجھے برائی سے مس کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا بیشک میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ ہو جاؤ کہ بلاشبہ میں اس سے بری ہوں جو تم (اپنے بزرگوں کو) اللہ کیساتھ شریک کرتے ہو۔ پس تم سب مل کر میرے خلاف تجویز کر لو پھر مجھے مُہلت نہ دینا۔ بیشک میں نے اللہ پر بھروسہ کیا ہے جو میرا بھی اور تمہارا بھی ایک جیسا رب ہے ..... میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔

● سُورہ آلِ عمران سُورہ مریم میں حضرت مسیح کا یہی قول درج ہے اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ ۳/۵۱ + ۱۹/۳۶ بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے۔ پس اُسی رب العٰلمین کی فرمانبرداری کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

● ۲ــ ۱۱/۵۶ میں آیا ہے اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ یہ ایک محاورہ ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ میرا رب سیدھے راستے کی رہنمائی کرنیوالا ہے۔ اور سیدھا راستہ ۵۱/۳ + ۱۹/۳۶ میں بتا دیا گیا ہے فَاعْبُدُوْہُ صرف اُس کیلئے کی فرمانبرداری کرو۔ اور اس سے ماقبل پرسہ مقامات پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے۔ یعنی نوع انسانی میں نظامِ ربوبیت قائم کرنا ہی سیدھا راستہ ہے۔ صراطِ مستقیم کا معنی ہے منزلِ مقصود پر پہنچنے کا چھوٹے سے چھوٹا بے خطر راستہ۔ نظامِ ربوبیت ہی چھوٹے سے چھوٹا اور بے خطر راہ ہے جس میں نہ کسی کے حقوقِ ربوبیت غصب ہوتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ میں کسی بغاوت کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ خطرات صرف اور صرف غصبِ حقوق ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

سورہ شعراء

● قوم عاد کا ذکر سورہ شعراء میں بھی آیا ہے ؛۔ کَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ ھُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ ۲۶/۱۲۳ تا ۱۲۶ قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ اُنکے بھائی ھودؑ نے اُنہیں کہا تم کیوں اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے نہیں بچتے۔ بیشک میں تمہاری طرف امانتدار رسول ہوں۔ پس تم اللہ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ جس طرح میں اللہ کی کتاب کیمطابق عمل کرتا ہوں تم بھی کتاب اللہ پر عمل کر کے اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ فَاتَّقُوا اللّٰہَ کا یہ معنی غلط ہے کہ اللہ سے بچو۔ بلکہ لفظ اللہ کا الف لام عوض مضاف ہے اور مضاف ہے قانون۔ اور صحیح معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت کے بُرے نتیجے سے بچ جاؤ۔

قوم عاد ایک جابر قوم تھی۔ وُہ اپنی فتح کی یادگاریں بڑے بڑے مینار بنایا کرتے تھے

● سورہ شعراء کی آیاتِ مجیدہ ۱۲۸ تا ۱۳۰ میں حضرت ھود کے یہ الفاظ آئے ہیں اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَۃً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ۝ ...... اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝

۲۶/۱۲۸ تا ۱۳۰ + ۱۳۵ حضرت ھودؑ نے کہا کیا تم ہر بلند مقام پر (اپنی فتح کی) یادگار تعمیر کرتے رہو۔ (یہ تم بالکل فضول کام کرتے ہو) اور تم محل اور مینار بناتے ہو گویا کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی قوم پر پنجہ مارتے ہو (یعنی جارحانہ حملہ کرتے ہو تو فتح کے بعد) جبار بن کر اُسے غلام بنا لیتے ہو۔

● ۱ــ تَعْبَثُوْنَ کا مادہ ع۔ب۔ث = عبث ہے جسکا معنی ہے ہر وہ کام کرنا جس میں انسانی توانائی عقل محنت اور دولت بے فائدہ خرچ کی جائے۔ یادگاروں پر کروڑوں روپیہ کا خرچ تعبثون کے زمرہ میں آتا ہے۔ یادگاریں رات کے اندھیرے میں مجرموں کو پناہ دینے کے سوا کسی بھی کام نہیں آتیں۔ انہیں مجرم قومیں بناتی ہیں۔ قرآن کریم میں آیا ہے قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ ۲۷/۶۹ کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ مجرم قوموں کا کیا انجام ہوا۔ جو عوام کے حقوقِ ربوبیت غصب کر کے یادگاریں، قلعے اور محلات تعمیر کرتے رہے گویا کہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں مگر وہاں آج دن کے وقت اُلو بولتے ہیں اور رات کو چور اور ڈاکو وہاں پناہ لیتے ہیں۔

● حضرت ھُودؑ کے مذکورہ ۱۲۵ تا ۱۳۵/۲۶ کے وعظ کے جواب میں مغرور قوم نے جواب دیا :۔ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ ۱۳۶ تا ۱۳۸/۲۶ اُنہوں نے کہا کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نہ کریں ہمارے لئے برابر ہے (ہم اپنی روش سے باز نہیں آئینگے کیونکہ) یہی ہمارے بزرگوں کا طریقہ ہے اور ہم عذاب کئے جانیوالے نہیں (یعنی ہمیں اللہ کا عذاب نہیں آئیگا) ـــــ یہ اسلئے کہ انکے علماء و مشائخ نے انکے مروّجہ اعمال کو اللہ تعالیٰ کے احکام کیمطابق قرار دے رکھا تھا۔ لیکن ارشاد باری ہے :۔

● فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۳۹/۲۶ پس اُنہوں حضرت ھودؑ کو جھٹلایا۔ اِسکے بدلے میں ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اور اکثریت مومن نہ ہوئی۔

سُورۂ حٰمٓ سجدہ ● سُورہ حٰمٓ سجدہ میں قوم ھُودؑ کے متعلق آیا ہے :۔ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ[1] وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا[2] فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ۱۵-۱۶/۴۱ ۔

(مفہوم) پھر جو قوم عاد تھے۔ اُنہوں نے زمین میں تکبّر کیا جسکا اللہ کے سوا کسی کو حق نہیں اور کہا کہ ہم سے بڑھکر قوت کے لحاظ سے کون طاقتور ہے۔ کیا اور اُنہوں نے غور نہ کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا وُہ قوت کے لحاظ سے اُن سے طاقتور ہے اور وُہ ہماری آیتوں کے بارے میں (حضرت ھُودؑ کیساتھ) جھگڑتے تھے۔ پھر ہمنے اُن پر اُنکی سرکشی کے بدلے میں ایسی شدید تیز اور لگاتار چلنے والی ٹھنڈی ہوا بھیجی جس سے ہیبتناک آوازیں بھی نکلتی ہیں۔ تاکہ ہم انہیں دُنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھائیں حالانکہ آخرت کا عذاب بہت زیادہ رسوا کرنیوالا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنکی کوئی مدد نہ دُنیا میں کیگئی تھی اور نہ آخرت میں کیجائیگی۔

● [1] فَاسْتَكْبَرُوْا ..... بِغَيْرِ الْحَقِّ کے الفاظ سے یہ تصوّر پیدا کرنا غلط ہے کہ کسی قوم یا کسی فرد کو کسی وقت پر تکبّر کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ ۳۷/۴۵ میں آیا ہے وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اِس آیت مجیدہ میں لَهٗ کا جار مجرور مقدم لاکر حصر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اسلئے تکبّر کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ پس اُوپر ۱۵/۴۱ میں بِغَيْرِ الْحَقِّ کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے تکبّر کیا جسکا نہ کسی قوم کو حق حاصل ہے نہ کسی فرد کو۔

● [2] رِيْحًا صَرْصَرًا کا معنی ہے لگاتار چلنے والی تند و تیز ہوا جس میں ٹھنڈک بھی ہو اور اس سے مہیب آوازیں بھی نکلتی ہوں۔ مادہ ص ۔ ر ۔ ر ۔ صر کا بنیادی معنی ہے کسی کام میں دوام پایا جانا۔ اسی مادہ سے ہے لفظ اصرار یعنی کسی چیز کی طلب میں نہ ٹوٹنے والا تسلسل۔ پس اس طرح رِيْحًا صَرْصَرًا کا معنی ہے مسلسل چلنے والی ہوا۔ نیز صَرَّ یَصِرُّ صَرِيْرًا صریرا کا معنی ہے سخت آواز نکالنا۔ یہی قوم عاد پر بھیجی گئی وہ شدید و مہیب آندھی تھی جس سے ہیبتناک آوازیں بھی نکلتی

تھیں اور اُس میں ٹھنڈ بھی تھی - صِرّ کا معنٰی ٹھنڈ اور جاڑا ہے

● ۳ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ کا لفظی معنٰی ہے نحس دِن بُرے دِن - ہر قوم خود اپنے اعمال کیساتھ اُنہی دنوں کو اپنے لئے خود بُرے بنالیتی ہے جو نیک عمل کرنیوالوں کیلئے خوشی اور شادمانی کے دن ہوتے ہیں - ویسے اپنے مقام پر تو ہر دن سعید ہی سعید ہے - افراد اور قومیں خود انہیں اپنے بُرے عملوں کیساتھ نحس (منحوس) بنالیتی ہیں - اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ کسی قوم کے ایّامِ زوال کو بھی کہتے ہیں - قوم عاد کا زوال شروع ہو چکا تھا -

● ۴ خِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا کے الفاظ میں جو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا ذکر آیا ہے وہ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ جب قوم عاد کا زوال شروع ہو چکا تو انہیں پے در پے رسوائیاں آتی رہیں حتّٰی کہ انہی ایّامِ زوال میں ان پر تیز و تند ٹھنڈی ہیبتناک آوازوں والی اور مسلسل چلنے والی آندھی کا عذاب آگیا اور وہ سب کے سب ختم ہو گئے -

سُورہ قمر

● سورہ قمر میں قوم عاد پر لائی گئی آندھی کی شدّت بالفاظ ذیل بیان ہوئی ہے - كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ $\frac{۵۴}{۱۸ \text{ تا } ۲۰}$ قوم عاد نے (میری آیتوں کو) جھٹلایا - پھر میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ ہمنے اُن پر مسلسل چلنے والی ٹھنڈی ہوا انکے زوال کے دنوں میں بھیجی - وہ انسانوں کو اس طرح اٹھا اٹھا کر پھینکتی تھی گویا کہ وہ کھجور کے جڑ سے اکھڑے ہوئے پیڑ ہیں -

سُورۃ الذّٰرِیٰت

● قوم عاد کے متعلق سورہ الذّٰریٰت میں ارشاد ہوا ہے - وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ۝ ۱ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ۝ $\frac{۵۱}{۴۱ - ۴۲}$ اور قوم عاد کے تذکرہ میں بھی نشانی ہے جب ہمنے اُن پر بے خیر ہوا ۱ بھیجی - وہ جس چیز پر آتی تھی اُسے نہیں چھوڑتی تھی مگر بوسیدہ ہڈیوں کی طرح کر دیتی تھی (یعنی اُس آندھی میں ایسے کیمیاوی اثرات موجود تھے جس سے چیزیں بوسیدہ ہڈیوں کی طرح ہو جاتی تھیں -

● ۱ ریح العقیم کا معنٰی ہے وہ ہوا جس میں خیر و بھلائی نہ ہو - بانجھ عورت کو اسلئے عقیم کہا جاتا ہے کہ اس سے کھیتی کا پھل خیر و بھلائی میسّر نہیں ہوتا' یعنی اُس سے اولاد پیدا نہیں ہوتی -

سُورہ اَحقاف

● قوم عاد پر لائے گئے عذاب کے متعلق سورہ احقاف میں بتایا گیا ہے - فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ $\frac{۴۶}{۲۴ \text{ تا } ۲۵}$ -

(مفہوم) پس جب انہوں نے دیکھا اُسے ابر اپنی کھیتیوں کی طرف بڑھتا ہوا تو کہا یہ ایک بادل ہے جو ہم پر برسے

والا ہے (حضرت ھودؑ نے فرمایا نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کیلئے تم جلدی کرتے تھے - یہ ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے - وہ اپنے رب کے امر (قانون $\frac{۱۴}{۳۴}$) کے مطابق ہر چیز کو برباد کر دیگی - پھر اسکے ساتھ وہ ایسے نابود ہو گئے کہ انکے گھروں (کے کھنڈروں کے) سوا اور کچھ باقی نظر نہیں آتا تھا - اسی طرح ہم مجرموں کو (انکے برے عملوں کی) سزا دیتے ہیں - (قوم عاد نے جسے ابر سمجھا وہ لگاتار چلنے والی آندھی تھی)

سورۃ الحاقہ: سات راتیں آٹھ دن مسلسل آندھی چلتی رہی

● تصریف آیات کیساتھ اس امر کی وضاحت تو ہو چکی ہے کہ قوم عاد پر مسلسل چلنے والی آندھی کا عذاب لایا گیا تھا - سورہ الحاقہ میں اس امر کی خبر دیگئی ہے کہ وہ خطرناک آندھی مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں کے لمبے وقفے پر مشتمل تھی - وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ $\frac{۹ \ ۶}{۸ \ ۶۹}$ پھر جو قوم عاد تھی وہ لوگ (اپنی بداعمالیوں کی بدولت خوفناک آوازوں والی شدید مہلک آندھی کیساتھ ہلاک کئے گئے - اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر لگاتار سات راتوں اور آٹھ دن کے لئے مسلط کر دیا پھر اے مخاطب! تو نے اس قوم کو (تصور کی نگاہ کیساتھ) دیکھ لیا ہے کہ وہ اس آندھی میں جڑوں سے اکھڑے ہوئے کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گرے پڑے ہیں - پھر کیا تو نے (نگاہِ تصور کیساتھ) دیکھا ہے کہ ان کا کوئی ایک متنفس بھی باقی بچا ہے؟ (کوئی نہیں بچا)۔

حضرت ھود اور آپکے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ جاریہ کیمطابق نجات دی تھی

● قوم عاد کی تباہی کے ضمن میں حضرت ھود اور آپکے ساتھی مومنوں کو کس طرح نجات دیگئی تھی جبکہ طوفانِ آب کے عذاب سے بچانے کیلئے حضرت نوح کو حکم دیا گیا اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا $\frac{۲۳}{۲۷}$ کہ ہماری نگرانی میں خود ہمارے متعین کردہ سائنسی قوانین کیمطابق ایک کشتی بنائیں - کشتی بنانے کا حکم کیوں دیا گیا؟ اسکا جواب بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعینہ سائنسی قوانینِ جاریہ میں پانی کے طوفان سے بچاؤ کیلئے کشتی ہی ضرورت ہے - چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق نافرمان قوم کو پانی میں غرق کر دیا اور حضرت نوح اور آپکے ساتھیوں کو عظیم طوفان سے کشتی کے ذریعہ بچا لیا۔

● اسکے بعد باری آئی قوم عاد کی جس کیلئے طوفانِ باد یعنی ایک شدید آندھی کا عذاب تجویز کیا گیا جسکی خوفناک آوازیں انسانی زندگیوں کو ختم کرنے کیلئے کافی تھیں - پھر آندھی کی شدت کا یہ عالم کہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر عادی کو جڑوں سے اکھڑے ہوئے کھجور کے درختوں کی طرح پچھاڑ کر رکھ دے - تو ایسی حالت میں اس عظیم و شدید طوفانِ باد سے حضرت ھود اور آپکے ساتھیوں کو کس طرح بچایا گیا تھا؟

● اِس سوال کا جواب بھی بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ جس طرح پانی کے طوفان سے بچاؤ کیلئے حضرت نوح کو

کشتی بنانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اُسی طرح حضرت ھودؑ کو ہوا کے طوفان کے بچاؤ کیلئے ایسی زمین دوز پناہ گاہیں تیار کرنے کا حکم دیا گیا جو اس آندھی کے طوفانِ عظیم کی زد سے نہ صرف محفوظ رہیں بلکہ وہاں اسکی وہ ہیبتناک آواز بھی نہ پہنچ سکے جو انسانی زندگی کے خاتمہ کیلئے کافی تھی۔ اب یہ سوال ہے کہ پناہ گاہیں بنانے کا حکم قرآنِ کریم میں موجود نہیں ہے۔ اسکا جواب اصحاب عقل و بصیرت کیلئے حضرت نوحؑ کے نام کشتی کی تیاری کے حکم میں موجود ہے جو قوانینِ جاریہ کی بالادستی کا دائمی ثبوت ہے کہ قیامت تک کیلئے جس جس قسم کے خطرات پیدا ہوتے چلے جائیں اُسی اُسی قسم کے بچاؤ کے سامان مہیا کرتے چلے جاؤ۔ حضرات انبیاء سلام علیہم کے تذکارِ جلیلہ جو سورہ اعراف کے سلسلۂ درس میں شروع ہیں۔ آئندہ آیات کریمات میں آپ دیکھیں گے کہ ہر مقام پر انکی حفاظت مادی ذرائع ہی کیساتھ کیگئی تھی تاکہ اہلِ اسلام اس سے غافل ہو کر پسماندہ نہ ہو جائیں۔

● قوم عاد کے عبرتناک انجام کے ذکر کے بعد اگلی آیات مجیدہ میں قوم ثمود کا ذکر آ رہا ہے۔ جو اپنی بداعمالیوں کی بدولت قومِ متشکرون کے زمرہ سے خارج ہو چکی تھی۔ اسکے متکبر سرداروں نے اللہ کی پیدا کردہ چراگاہوں اور اُسکے جاری کردہ چشموں کو ذاتی ملکیت قرار دیکر عوام کے مویشیوں کو اپنے رحم و کرم پر موقوف کر رکھا تھا۔ اُنکی طرف حضرت صالحؑ کو مبعوث فرمایا گیا لیکن جب انہوں نے چشموں اور چراگاہوں پر عوام کے مساویانہ حقِ استعمال کا اعلان کیا تو متکبر سرداروں نے منافقانہ طور پر عوام کے حقِ مساوات کو تسلیم کر لیا۔ اِس پر ایک اونٹنی کو آزمائشی طور پر آزاد چھوڑا گیا کہ اگر اُسے چشموں اور چراگاہوں سے نہ روکا گیا تو یہ عوام کے حقِ مساوات کو تسلیم کرلے کا عملی ثبوت ہوگا۔ اور اگر اُسے نقصان پہنچایا گیا تو یہ عوام کے حقِ مساوات کے غصب پر اصرار سمجھا جائیگا۔ اور قوم کے نافرمان لوگ عذابِ خداوندی کے مستحق ٹھہرینگے۔ اس وسیع عنوان کو سورہ اعراف میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔ جسکی تفصیل سورہ ھود، ابراہیم، حجر، فرقان، شعراء، نمل، عنکبوت، حم سجدہ، ذاریات، نجم، قمر، حاقہ، فجر اور شمس میں کیگئی ہے اِس قرآنی تفصیل کو تکراری بیانات کے سوا باقی تمام محولہ سورتوں سے وضاحتاً پیش کیا جائیگا۔ سورہ اعراف کا اجمالی بیان یہ ہے :-

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۘ قَالَ يَا قَوْمِ
اور طرف قوم ثمود کے بھائی انکے صالح کو بھیجا۔ کہا اے قوم میری

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم
حکم مانو اللہ کا نہیں واسطے تمہارے کوئی حاکم سوا اسکے بیشک آئی پاس تمہارے

بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ
دلیل طرف سے رب تمہارے۔ یہ ہے اونٹنی اللہ کی

لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ
واسطے تمہارے نشانی پس چھوڑ دو اسے یہ کھائے بیچ زمین اللہ کے

اور ہمنے قوم ثمود کیطرف اُنکے بھائی صالحؑ کو (رسول بنا کر) بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اکیلے اللہ کی محکومیت (فرمانبرداری) کرو۔ تمہارے لئے اُسکے سوا اور کوئی فرمانبرداری کیا جانے والا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے۔ (کہ ربّ کی ربوبیت میں سب کا مساویانہ حق ہے یعنی چشموں اور چراگاہوں میں غریب عوام کے مویشیوں کا بھی مساویانہ حق ہے) یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے (حقِ مساوات کی) نشانی قرار دیگئی ہے اِسے چھوڑ دو (کہ یہ اللہ کی اونٹنی) اللہ کی زمین

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اور نہ مَس کرنا اُسے ساتھ برائی کے ورنہ پکڑ لیگا تمکو عذاب اَلِيْمٌ ۝۷۳ دردناک	(چراگاہوں) میں کھائیے (اور چشموں سے پانی پیئے $\frac{26}{155}$) پس تم اسے ضرر نہ پہنچانا - ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لیگا -

● ۲ـ چشموں اور چراگاہوں میں حقِ مساوات اور اللہ کی اونٹنی کی وضاحت تصریفِ آیات کے ذریعہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے پیش کیجائیگی انشاء اللہ! - فی الحال سلسلۂ درس کی اگلی آیات ملاحظہ فرمائیں - حضرت صالح نے مزید فرمایا:-

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ اور یاد کرو جب بنایا تمکو جانشین سے بعد قوم عاد کے وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا اور ٹھکانہ دیا تمکو بیچ زمین کے بناتے ہو سے نرم مٹی اسکی قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ محلات اور تراشتے ہو پہاڑوں کو گھر پس یاد کرو نعمتیں اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۷۴ اللہ کی اور نہ پھرو بیچ زمین کے فساد کرنیوالے	اور (اے میری قوم) اُس وقت کو یاد کرو جب اُس (اللہ) نے تمہیں قوم عاد کے بعد (اُن کا) جانشین بنایا - اور تمہیں ایسی زمین میں آباد کیا کہ تم اسکی نرم مٹی سے محل تعمیر کرتے ہو اور اُسکے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو - پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور (اُس کے قانونِ مساواتِ ربوبیت کی مخالفت کر کے) زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو -

● آیاتِ بالا $\frac{۷}{۵۹}$ + $\frac{۷}{۶۵}$ + $\frac{۷}{۷۳}$ کے الفاظ پر غور کرنے سے عیاں ہو رہا ہے کہ حضرات نوحؑ، ہودؑ اور صالحؑ کی تبلیغ کے ابتدائی الفاظ ایک ہیں یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ - جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح قوم نوح نے اللہ کیساتھ اپنے پانچ پیروں ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو شریک کر رکھا تھا - اسی طرح قوم عاد اور قوم ثمود نے بھی اپنے بزرگوں پیروں کو اللہ کے شریک ٹھہرایا ہوا تھا - نیز جس طرح حضرتِ نوح کی تبلیغ پر صرف غرباء ہی نے لبیک کہا تھا اُسی طرح قوم عاد و ثمود کے غریبوں ہی نے حضرات ہود اور صالح کی تبلیغ کو قبول کیا تھا - چنانچہ قوم ثمود کے سرداروں نے حضرتِ صالح پر ایمان لانیوالے غریبوں سے یہ کہا:-

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ کہا سرداروں نے جنہوں نے تکبر کیا بیچ سے قوم اُسکی لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ واسطے اُنکے جو کمزور کر دئیے گئے واسطے اُنکے جو ایمان لائے بیچ سے اُنکے	اُس (حضرت صالح) کی قوم کے متکبر سرداروں نے اُن لوگوں کو کہا جو کمزور کر دئیے گئے تھے اُن میں سے جو (حضرت صالح) پر ایمان لے آئے تھے، کہا کیا تم نے جان لیا (مان لیا) ہے کہ صالح واقعی اپنے رب کا بھیجا ہوا رسول ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ (بیشک

أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِۦ کیا تم جانتے ہو یہ کہ بیشک صالح بھیجا گیا طرف رب اپنے کے	جان لیا (اور مان لیا) ہے کہ واقعی وہ اپنے رب کا رسول ہے) وہ جو کچھ دیکر بھیجا گیا ہے ہم اُس پر ایمان لے آئے ہیں۔
قَالُوٓا۟ إِنَّا بِمَآ أُرْسِلَ بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ۝٧٥ کہا انہوں نے بیشک ہم ہیں ساتھ اسکے جو بھیجا گیا ساتھ اسکے ایمان لانیوالے	
قَالَ ٱلَّذِينَ ٱسْتَكْبَرُوٓا۟ إِنَّا بِٱلَّذِىٓ ءَامَنتُم کہا جنہوں نے تکبر کیا بیشک ہم ساتھ جسکے تم ایمان لائے	جن لوگوں نے تکبر کیا تھا (انہوں نے بڑی دلیری سے) کہا کہ جس (ضابطے) کیساتھ تم ایمان لائے ہو بیشک ہم ہیں ساتھ اُسکے (یعنی ہم اسکا) انکار کرنیوالے ہیں۔
بِهِۦ كَٰفِرُونَ ۝٧٦ ساتھ اسکے انکار کرنیوالے	
فَعَقَرُوا۟ ٱلنَّاقَةَ وَعَتَوْا۟ عَنْ أَمْرِ پس کاٹ دیئے پاؤں اونٹنی کے اور سرکشی کی سے حکم	پھر اُنہوں نے (مذکورہ) اُونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے اور اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی اور (بڑی دلیری سے) کہا کہ اے صالح! اگر تو رسُولوں میں سے ہے تو جس (عذاب) کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے اُسے ہم پر لے آ۔
رَبِّهِمْ وَقَالُوا۟ يَٰصَٰلِحُ ٱئْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ رب اپنے اور کہا اے صالح لے آ ہم پر ساتھ اسکے جو وعدہ دیتا ہے ہمکو	
إِن كُنتَ مِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝٧٧ اگر ہے تو میں سے رسُولوں کے	

● قوم ثمود کے اس انتہائی مختصر ذکر کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اُن پر لائے گئے عذاب کا بھی ذیل کے الفاظ میں مختصر ذکر کر دیا گیا ہے:۔

فَأَخَذَتْهُمُ ٱلرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا۟ فِى دَارِهِمْ پھر پکڑ لیا انہیں زلزلے نے پھر ہو گئے وہ بیچ گھروں اپنے	پھر (انکی نافرمانی کی بدولت) انہیں ایک زلزلے (کے عذاب) نے پکڑ لیا۔ پھر وہ اپنے اپنے گھروں سے گھٹنوں پر (اوندھے) گرے ہوئے رہ گئے۔
جَٰثِمِينَ ۝٧٨ گھٹنوں پر گرے ہوئے	

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت صالح اور آپکے ساتھیوں سے ہجرت کروا کر انہیں زلزلہ کے عذاب سے بچا لیا گیا۔ اور آپ نے قوم کے طلبِ عذاب کے جواب میں اُن سے منہ موڑ لیا اور یہ کہہ کر ہجرت فرما گئے کہ میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے:۔

فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ پھر منہ موڑ لیا سے انکے اور کہا اے قوم میری بیشک پہنچا دیا میں نے تمہیں	حضرت صالح نے (اُنکے طلبِ عذاب پر) اُن سے منہ موڑ لیا اور یہ کہتے ہوئے ہجرت فرما گئے کہ) اے میری قوم!

رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ۷۹
پیغام ارب اپنے کا اور نصیحت کی میں نے واسطے تمہارے اور لیکن نہیں تم پسند کرتے نصیحت کرنیوالوں کو

بیشک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام (مساواتِ ربوبیت) پہنچا دیا ہے۔ اور تمہیں نصیحت کی ہے۔ لیکن تم ہو کہ نصیحت کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتے۔

● قوم ثمود سے متعلقہ سورہ اعراف کے اجمالی ذکر کے بعد اس اجمال کی تفصیل تصریف آیات کے ذریعہ دوسرے مقامات پر ملاحظہ فرمائیں :۔

سورہ ھود

● سورہ ھود میں قوم ثمود کا ذکر بالکل سورہ اعراف والے الفاظ میں شروع ہوا ہے وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ ۱۱/۶۱ اور ہمنے قوم ثمود کیطرف اُنکے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ اُس نے کہا کہ اَے میری قوم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اسکے سوا کوئی فرمانبرداری کیا جانیوالا نہیں ہے۔ وہ وہی عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہیں (تمہارے ابتدائی باپوں کو ابتدا میں ۳۲/۷) زمین سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کر دیا۔ پس تم بُرے عمل ترک کر کے اُسی سے مغفرت طلب کرو (اور نیک عملوں کے ذریعہ) اُسی کیطرف رجوع کرنیوالے بجاؤ۔ بیشک میرا رب ہر کسی کے قریب بھی ہے ۵۰/۱۶ ۔ اور ہر کسی کی رجعت کو (بشرطِ اصلاح ۶/۵۴) قبول بھی کرتا ہے۔

قوم ثمود بھی آبائی تواتر کی قائل تھی

● سورہ ھود کی اگلی آیت ۱۱/۶۲ میں قوم کا جواب درج ہے قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ ۱۱/۶۲ قوم نے کہا اَے صالحؑ! اِس سے پہلے ہمیں تجھ سے بڑی اُمیدیں تھیں (کہ تو ہمارے آبائی متواتر مذہب کی تائید کریگا لیکن) تو ہمیں اُن بزرگوں کی فرمانبرداری سے منع کرتا ہے جن کی عبودیت ہمارے باپ دادے تواتر سے اختیار کئے ہوئے تھے حقیقت یہ ہے کہ تو (جس انسانی مساوات) کیطرف ہمیں بُلاتا ہے اسکے متعلق ہم شک میں مبتلا ہیں۔ آپنے فرمایا :۔

● قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۣ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ ۱۱/۶۳ حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ اَے میری قوم! کیا تم نے غور کیا ہے کہ بیشک میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیلِ (ربوبیت) پر ہوں۔ اور اُس نے مجھے اپنی رحمت (قانونِ مساوات) عطا فرمایا ہے۔ پھر اسکے بعد اگر میں اپنے رب کی نافرمانی (کر کے تمہاری ہمنوائی) کروں تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے پر میری مدد کرے۔ پھر تم مجھے نقصان کے سوا کسی چیز میں بھی زیادہ نہیں کرتے ـــــ اِس ذکر کے بعد سورہ ھود میں بھی چراگاہوں اور چشموں میں عوامی مساوات کے ضمن میں اجمالاً اونٹنی کا ذکر بالفاظِ ذیل آیا ہے جسکی تفصیل سورہ قمر کی تصریفِ آیات میں آگے آرہی ہے :۔

● وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ ۔

قَرِیْبٌ ۰ ۱۱/۶۴ حضرت صالحؑ نے فرمایا یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے (چشموں اور چراگاہوں میں عوامی حقِ مساوات کی) نشانی (مقرر کیگئی) ہے۔ اِسے آزاد چھوڑ دو۔ یہ اللہ کی اونٹنی اللہ کی زمین (چراگاہوں) میں کھائے (اور اللہ کے چشموں سے پانی پئے ۲۶/۱۵۵) پس تم اِسے ضرر نہ پہنچانا۔ ورنہ تمہیں قریبی عذاب پکڑ لیگا۔

● ۱ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ میں اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے اور معنٰے یہ ہے کہ میں بلاشبہ واضح دلیلِ ربوبیّت عامہ پر ہوں۔

● ۲ سُورۃ اعراف میں آیا ہے عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور یہاں آیا ہے عَذَابٌ قَرِیْبٌ یعنی نافرمانی کے بعد فوراً آپکڑنے والا دردناک عذاب۔ قوم ثمود کی نافرمانی کا جام بالکل لبریز ہوچکا تھا۔ آخری اتمامِ حجّت کے طور پر مذکورہ اونٹنی کو اس قوم کے لئے آخری نشانی قرار دیا گیا تھا۔ جس کو ضرر پہنچاتے ہی عذابٌ قریب آگیا۔

قومِ ثمود کو تین دن کی مہلت دیگئی تھی

● سُورہ ھود کی اگلی آیت میں قوم ثمود کی آخری نافرمانی کی خبر بالفاظِ ذیل دیگئی ہے:۔ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ ۰ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ۰ ۱۱/۶۵-۶۶ پس انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تو حضرت صالحؑ نے انہیں بارشادِ خداوندی خبردی کہ اپنے گھروں میں تین دن کیلئے فائدہ اٹھالو۔ یہ (اللہ کے عذاب کا) وعدہ ہے جو جھٹلایا جانے والا نہیں ہے۔ پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اپنی رحمت (یعنی اپنے قانون) کے مطابق (ہجرت کرواکر) حضرت صالحؑ کو اور اُن لوگوں کو جو اُن پر ایمان لائے تھے اُس دن کی رسوائی سے بچالیا۔ بیشک تیرا پروردگار ہی تو قوت والا اور غالب ہے۔ پھر کیا ہُوا؟ حضرت صالحؑ سے اُن کے صحابہؓ سمیت ہجرت کروادیگئی اور نافرمان قوم پر عذاب آگیا:۔

● وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ ۱ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۰ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۲ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۰ ۱۱/۶۷-۶۸ اور جن لوگوں نے (عوام کے حقوقِ ربوبیّت غصب کرکے) ظلم کیا اُنہیں (زلزلے کی) خوفناک آواز ۱ نے پکڑلیا۔ پھر وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے گرے ہوئے رہگئے۔ گویا کہ وہ وہاں کبھی تھے ہی نہیں۔ خبردار! قوم ثمود نے بلاشبہ اپنے رب (کی ربوبیّتِ عامہ ۲) کا انکار کیا تھا۔ خبردار! قوم ثمود کیلئے اپنے رب سے (بوجہ انکارِ ربوبیت) دوری ہے۔

● ۱ سُورۃ اعراف میں اَلرَّجْفَةُ آیا ہے اور یہاں اَلصَّیْحَةُ ہے۔ رجفہ کا معنٰی ہے لرزنا۔ اسلئے رجفہ زلزلہ کیلئے آتا ہے اور صیحہ کا معنٰی ہے خطرناک آواز۔ دونوں کے اشتراک سے مُراد ہے ایسا عظیم زلزلہ جس سے توڑ پھوڑ کی زور کی آواز پیدا ہو۔

● ۲ جہاں قرآن مجید میں رب تعالیٰ کے انکار کا ذکر ہوتا ہے وہاں انکارِ ربوبیّتِ عامہ مراد ہوتی ہے۔ جیسے کہ قوم ثمود ۵/۲۷ کے مطابق رب تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی۔ بلکہ وہ چشموں اور چراگاہوں پر غاصبانہ قبضہ کرکے صرف اپنے رب کی ربوبیّت ہی منکر تھی۔

سورہ شعراء

● سُورہ شعراء میں قوم ثمود کی نافرمانی اور آمدِ عذاب کا تذکرہ بالفاظِ ذیل آیا ہے:۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ ۲۶/۱۴۱ تا ۱۴۳ قوم ثمود نے حضرت صالح سمیت سابقہ رسولوں کو جھٹلایا وہ وقت قابل ذکر ہے جب انہیں اُنکے بھائی صالحؑ نے کہا کہ تم اللہ کی مخالفت سے کیوں نہیں بچتے۔ بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں ۔ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ۝ ۲۶/۱۴۶ کیا تم اسی حالت میں امن کیساتھ چھوڑ دیئے گئے ؟ نہیں ہرگز نہیں ۔ قوم ثمود کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ عوامی چراگاہوں اور چشموں پر مالکانہ حقوق قائم کرکے اُن کے حقِ مساوات کو غصب کر رکھا تھا۔ حضرت صالحؑ نے فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ ۲۶/۱۵۰ پس تم اللہ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ جس طرح میں قانون خداوندی کی اطاعت کرتا ہوں تم بھی اُسی طرح قوانین خداوندی کی اطاعت کرو۔ لیکن قوم نے کہا:۔ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ ۲۶/۱۵۳ تا ۱۵۶ اُنہوں نے کہا کہ (تُو رسول نہیں ہے) سوائے اِسکے نہیں کہ تُو دھوکا کھائے ہوؤں میں سے ہے ۔ اور نہیں ہے تُو مگر ہمارے جیسا بشر ہے (اِسلئے تُو رسُول نہیں ہوسکتا) اگر تُو سچوں سے ہے تو کوئی نشانی لا ۔ آپ نے فرمایا یہ اونٹنی (غرباء کے مویشیوں کی نمائندہ مقرر کیجاتی) ہے معلومہ (مقرّرہ) وقفہ[۱] میں پانی پینے کی باری اِسکے (یعنی غرباء کے مویشیوں کے) لئے بھی ہے اور ایک معلومہ وقفہ میں تمہارے مویشیوں کے لئے بھی ہے تم اسے ضرر نہ پہنچانا ۔ ورنہ تمہیں بڑے دن[۲] کا عذاب پکڑ لے گا ۔

● [۱] لفظ یَوم کا مطلق معنٰی ہے کوئی سا چھوٹا یا بڑا وقفہ ۔ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ میں یَوم کا معنٰی ہے پانی پینے کی باری کا معلومہ وقفہ ۔ حضرتِ صالح نے عوام کے مویشیوں کے پانی پینے کیلئے الگ الگ وقفے مقرر کر دئے ۔ اِن الفاظ کا روائتی تصوّر ہرگز صحیح نہیں کہ ایک دِن لوگوں کے مویشیوں کے پانی پینے کا مقرر کیا گیا تھا اور ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کا ۔ اپنی باری پر اونٹنی چشمے کا سارا پانی پی جاتی تھی' بالفاظِ دیگر اونٹنی کی باری کے دِن باقی سارے مویشیوں کو پیاسا رہنا پڑتا تھا ۔ یہ اچھی نشانی تھی جو عوام کے مویشیوں کو پیاسا رہنے پر مجبور کر دیتی تھی ۔ ایسے حیاتیاتی تصوّرات مطلقاً غیر قرآنی ہیں ۔ نیز حضرت صالح کی اونٹنی کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وُہ پہاڑ میں سے نکلی تھی' قرآن کریم میں اس کا بھی کوئی ثبوت موجود نہیں ۔

● [۲] عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ کے الفاظ میں لفظ یوم سے مراد وُہ دِن ہے جس دن قوم ثمود پر عظیم زلزلے کا عذاب آیا تھا قوموں پر آنیوالے عذاب کے دن کو بھی یومِ عظیم قرار دیا گیا ہے ۔

سُورہ نمل

● سورہ نمل میں قوم ثمود کے متعلق آیا ہے کہ اُس میں نو سردار تھے جنہوں نے حضرت صالح پر شبخون مار کر اُنہیں قتل کرنے کی تجویز کی :۔ وَكَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ ۲۷/۴۸ تا ۴۹ اور شہر میں نو فسادی سردار تھے جو اُس زمین میں فساد پھیلاتے اور اصلاح نہیں کرتے تھے ۔ انہوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم صالح اور اُس کے اہل (صحابہؑ) پر ضرور شبخون مار کر انہیں ہلاک کر دیں گے ۔ پھر اُس کے وارث کو کہہ دیں گے کہ ہم (اُس کے) اور

اِسکے اہلِ صحابہؓ کی ہلاکت کے وقت موجود نہیں تھے۔ اور بلاشبہ ہم (اپنے بیان میں) سچے ہیں ——— لیکن ہُوا یہ کہ:۔

● وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا[1] وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ ۲۷/۵۰ تا ۵۲ اُنہوں نے شبخون مارنے کی ایک خفیہ تجویز کی اور ایک خفیہ تجویز ہم نے بھی کی (اُن پر عذاب لانے کی اور حضرت صالح کو اُن کے صحابہؓ سمیت ہجرت کروانے کی ۷/۷۹) اور انہیں ہماری تجویز[1] کا کوئی شعور تک نہ تھا۔ پھر اے مخاطب غور کر کہ اُن کی خفیہ بُری تجویز کا کیا انجام ہُوا۔ ہم نے اِن نو سرداروں اور اُن کی پوری منکر قوم سب کو ہلاک کر دیا۔ پھر (تصوّر کی نگاہ سے) دیکھ کہ وہ ہیں اُن کے گھر جو اُنکے ظلم کی بدولت (کھنڈرات کی صُورت میں) ویران پڑے ہیں۔ بے شک مذکورہ بالا بیان میں عقل مند قوم کے لئے عبرت کی ایک عظیم نشانی ہے۔

● [1] لفظ مکر کے سہ حرفی مادہ م۔ک۔ر کا بنیادی معنی ہے ایسی خفیہ تجویز کرنا جس کا مدِّ مقابل کو علم نہ ہونے پائے جیسے کہ قوم ثمود کے حضرت صالح اور اُن کے صحابہؓ کو قتل کرنے کی خفیہ بُری تجویز کے لئے مکر کا لفظ آیا ہے۔ یہی لفظ اللہ کی طرف سے ہو تو اسکا معنی اچھی خفیہ تجویز ہوتا ہے۔ نیز یہ لفظ مکراً آنحضورؐ کی ہجرت کے لئے آیا ہے جیسے کہ خود رسول اکرمؐ کے متعلق بھی بتایا گیا ہے:۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ۸/۳۰ اور (اے رسولؐ!) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب انکار کرنیوالوں نے آپکے لئے یہ خفیہ تجویز کی کہ وہ یا تو آپکو عمر قید کر دیں یا قتل کر دیں اور یا آپکو ملک بدر کر دیں۔ اور (حالت یہ تھی کہ) وہ بھی ایک خفیہ تجویز کر رہے تھے اور اللہ بھی ایک خفیہ تجویز کر رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام خفیہ تجویزیں کرنیوالوں سے بہتر تجویز کرنیوالا ہے۔ اِس آیت مجیدہ ۸/۳۰ میں بھی آنحضورؐ سے ہجرت کروانے کی تجویز کا ذکر ہے اور ۲۷/۵۰ میں بھی حضرت صالح سے ہجرت کروانے کا ذکر ہے۔ جو فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ..... ۷/۷۹ سے عیاں ہے کہ حضرت صالح قوم سے مُنہ موڑ کر ہجرت فرما گئے۔ اِس سے آگے قومِ ثمود کا ذکر سورہ قمر میں ملاحظہ فرمائیں:۔

سُورہ قمر

● كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ ۵۴/۲۳ تا ۲۵ قوم ثمود نے انذار کرنیوالوں (یعنی رسُولوں) کو جھٹلایا پس اُنہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک اکیلے بشر کی اتباع کریں۔ پھر تو ہم گمراہی اور پاگل پن میں مبتلا ہو جائینگے کیا ہم میں سے اُس شخص (صالح) پر نصیحت نامہ نازل ہُوا ہے؟ بلکہ وہ تو بڑھ کر جھوٹا اور لاف زن ہے۔

● قوم ثمود کے متکبّر سرداروں کے مندرجہ بالا بیان کے جواب میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَاۗءَ

قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ ۵۴/۲۶ تا ۲۸ ـــــ وُہ عنقریب کل کو (تین دن کے بعد ۱۱/۶۵) جان لینگے کہ کون بڑھکر جھوٹا اور لاف زن ہے۔ بیشک ہم ایک اونٹنی کو (عوام کے مویشیوں کے نمائندہ کے طور پر) اُنکی آزمائش کیلئے بھیجنے والے ہیں (جسے بھیج دیا گیا ہے) پھر (ہمنے صالح کو کہا کہ) اُنکے انجام کا انتظار کر اور خود مستقل مزاج رہ ۔ اور انکو خبر دیدے کہ (چشموں کا) پانی اُنکے (یعنی امرآ اور غربآ) کے درمیان بٹا ہُوا ہے (اللہ تعالیٰ کے پانی پر سب کا مساوی حق ہے) ہر کوئی اپنی اپنی باری پر حاضر کیا گیا ہے (یعنی سب اپنی اپنی باری پر اپنے اپنے مویشیوں کو پانی پلایا کریں ـــــــ یہ تھا وہ عہد جو حضرت صالح نے قوم کے سرداروں سے لیا، جس پر عمل درآمد کی نشانی ایک اونٹنی مقرر کیگئی، جو غرباء کے مویشیوں کے نمائندہ کے طور پر اپنی باری پر عوامی مویشیوں سمیت روزانہ پانی پیتی تھی ۔ اُسے کُھلا چھوڑ دیا گیا تھا اور اُسے ضرر نہ پہنچانا عوام کے پانی کے حقِ مساوات پر عمل درآمد کی نشانی قرار دیا گیا ۔ مذکورہ اونٹنی کو اللہ کی اونٹنی اسلئے کہا گیا ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے پانی کی مساویانہ تقسیم کی نشانی مقرر کی گئی تھی ۔

سُورۃ الشّمس | ● سُورہ الشمس میں آیا ہے كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝ ۹۱/۱۱ تا ۱۵

قومِ ثمود نے اپنی سرکشی کیساتھ (حضرت صالح کو) جھٹلایا ۔ وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اُن میں سے ایک انتہائی خبیث آدمی (اونٹنی کو قتل کرنے کیلئے) اٹھا ۔ حالانکہ انہیں اللہ کے رسولؑ نے کہا تھا کہ یہ اونٹنی (غرباء کے مویشیوں کی نمائندہ) بھی اللہ کی ہے اور پانی بھی اللہ کا ہے ۔ (اسے ضرر پہنچا کر عہد مساوات کو توڑ نہ دینا) مگر انہوں نے اُسے جھٹلا دیا ۔ پھر اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے پھر انکی (اس عہد شکنی اور چشموں اور چراگاہوں کے مساویانہ حقوق کے غصب کے بدترین) گناہ کے بدلے اللہ نے ان پر (خوفناک آواز زلزلہ والے زلزلے کے ذریعہ) ہلاکت نازل کی اور انہیں برابر کر دیا اور اُس نے انکے اس عبرتناک انجام کی کوئی پرواہ نہ کی ۔

قومِ ثمود کے جرائم | ۱ ● سورہ اعراف ۷/۵ میں مذکور ہے کہ قومِ ثمود کے سردار اپنے لئے بڑائی چاہتے تھے، انتہائی متکبّر تھے ۔

۲ ● سورہ اعراف ۷/۵ ہی میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے میں سے بہت سے لوگوں کو کمزور کر دیا تھا ۔

۳ ● وہ سورہ نمل ۲۷/۴ کے مطابق اللہ کو مانتے تھے مگر ۱۱/۶۲ کیمطابق اکیلے اللہ کو نہیں مانتے تھے بلکہ اپنے بزرگوں کو اُسکے شریک بنا رکھا تھا ۔

۴ ● سورہ شعرآء ۲۶/۱۵ میں درج ہے کہ وُہ رسُولوں کو بشر نہیں مانتے تھے ۔ اِسی لئے حضرت صالح کی نبوت کا انکار کر دیا ۔

۵ ● سُورہ ھود ۱۱/۶۲ میں ہے کہ وُہ تواتر کے قائل تھے اور آباؤ اجداد کی روش کو صداقت کی دلیل جانتے تھے ۔

۶ ● سُورہ نمل ۲۷/۴ میں آیا ہے کہ قومِ ثمود کے نو متکبّر سرداروں نے حضرت صالح اور آپکے صحابہؓ پر شبخون مار کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ۔ یہ اسلئے کہ وہ چشموں اور چراگاہوں کی مساوات کے منکر تھے مگر حضرت صالح نے اُن سے مساوات کا عہد لیا تھا ۔

۷ ● سورہ اعراف ۷/۷ ، سورہ ھود ۱۱/۶۹ + سورہ شعرآء ۲۶/۱۵۷ + سورہ قمر ۵۴/۲۹ اور سُورہ شمس ۹۱/۱۲-۱۴ میں بتکرار اکثر قومِ ثمود کا یہ جُرم مذکور ہے کہ چشموں اور چراگاہوں کو عالمی انسانی سطح پر سب لوگوں کے مویشیوں کا مساوی حق تسلیم کرنے پر جو ایک اونٹنی کو

اِس عہد کی نشانی ٹھہرایا گیا تھا، انہوں نے اُسکے پاؤں کاٹ کر عہدِ مساوات کو توڑ دیا - جس کے بدلے تین دن کی مہلت کا اعلان کرنے کے بعد فوراً زلزلہ کا عذاب آگیا -

ناقہ صالح کی حقیقت • حضرت صالح کی اونٹنی کو اس کے سوا کوئی اور فضیلت حاصل نہیں تھی کہ وُہ چشموں اور چراگاہوں کے عہدِ مساوات کی نشانی قرار دیگئی - قومِ ثمود پر عذاب ایذاء ناقہ کی بدولت نہیں آیا تھا، بلکہ چشموں اور چراگاہوں جیسی عوامی چیزوں پر غاصبانہ قبضہ جمانے کی بدولت آیا تھا جن پر پُوری نوعِ انسانی کے مشترکہ استعمال کا مساویانہ حق روزِ روشن کے سُورج کی طرح عیاں ہے - بالفاظِ دیگر اونٹنی کا قتل نظریہ مساواتِ ربُوبیّت کا قتل تھا جو اللہ تعالیٰ کے اوّلین اعلانِ ربُوبیّت عامہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ‌ ۱/۱ کی کھلی مخالفت ہے -

روایاتی تفسیر • روایتی تفسیروں نے جہاں حضرت صالح کی اُونٹنی کی پیدائش کے متعلق یہ تصوّر پیش کیا ہے کہ وُہ پلی پلائی جوان اور حاملہ اونٹنی پہاڑ سے نکل تھی اُسی طرح اُسکے قتل کے متعلق ذیل کا افسانہ پیش کیا ہے :-

• جیسے کہ پیچھے ۴/۲ کیمطابق گزر چکا ہے کہ قوم ثمود کے نو متکبر سرداروں نے حضرت صالحؑ پر شبخون مارنے کی قسم کھائی تھی نیز ۹۱/۱۲ کیمطابق اُنہی میں سے ایک انتہائی شقی سردار نے ناقہ صالحؑ پر ہاتھ اٹھایا اور اُسکے پاؤں کاٹ دیئے تھے - جس کی غرض عہد مساوات کو توڑنا تھا - لیکن اسکے برعکس تفسیر موضح القرآن میں سُورہ شعرآء ۲۶/۱۵۷ کی تفسیر کے ضمن میں قتلِ ناقہ صالح کے متعلق لکھا ہے :-

• "ایک عورت بدکار کے گھر مویشی بہت تھے - اس نے چارے اور پانی کی تکلیف سے اپنے ایک یار کو سکھایا کہ اُس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے - اِس کے تین دن بعد عذاب آیا" —— اِس بیان پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قتلِ ناقہ محض ایک بدکار عورت کا فعل تھا تو ساری قوم پر عذاب کیوں لایا گیا - اِسی طرح پانی پلانے کیلئے جو باریاں مقرر کیگئی تھیں کہ قوم کے سرداروں اور غریب عوام کے مویشی روزانہ اپنی اپنی باری پر پانی پلانے کیلئے حاضر کئے جایا کرینگے تاکہ کوئی مخاصمت پیدا نہ ہونے پائے - تو کیا مذکورہ بدکار عورت کے مویشیوں کو اپنی باری پر پانی میسّر نہیں آتا تھا ؟

قومِ لوط کا تذکرہ • سُورہ اعراف میں قومِ لوطؑ کا تذکرہ بھی اجمالی طور پر نہایت اختصار کیساتھ آیا ہے اس قوم نے اغلام اور دہزنی جیسے عظیم جرائم کی مجرم ہوکر اپنے آپکو قومِ یتشکرُون کے زمرہ سے خارج کرلیا تھا - انکی بستی میں آنیوالے مرد (رجال) اُنکی ہوسِ اغلام کا نشانہ بنتے تھے - چنانچہ سلسلہ دُرس کی اگلی آیاتِ مجیدہ میں اُنکا اجمالی ذکر بالفاظِ ذیل آیا ہے :-

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ
اور لُوطؑ جب کہا واسطے قوم اپنی کیا تم کرتے ہو بے حیائی

مَا سَبَقَكُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞ ۸۰
نہیں بڑھا تم سے ساتھ اسکے سے کوئی ایک سے جہانوں کے

اور لوط (کو بھیجا انکی قوم کی طرف بھیجا) وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب انہوں نے اپنی قوم کو کہا کہ تم ایسی بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو کہ تم سے پہلے دُنیا میں اِس بُرائی کا مرتکب کوئی ایک شخص بھی نہیں ہوا -

إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝ ۸۱

بیشک تم ضرور آتے ہو مردوں کے پاس شہوت سے سوائے عورتوں بیشک ہو تم قوم حد سے گزر جانے والے

(حضرت لوطؑ نے مزید فرمایا) بیشک تم ضرور جنسی تسکین کے لئے عورتوں کی بجائے مردوں کے پاس آتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندنے والی قوم ہو۔

● قوم لوط کا ذکر قرآن مجید میں سورہ اعراف، ھود، حجر، انبیاء، شعراء، نمل، عنکبوت، صٰفّٰت، ذٰریٰت، قمر اور سورہ فیل میں آیا ہے۔ ہم انشاء اللہ تکرار کو چھوڑ کر اس کی تفصیل تمام سورتوں سے پیش کرینگے۔ فی الحال اجمالی ذکر بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ۝ ۸۲

اور نہیں تھا جواب قوم اسکی کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکالدو انکو سے بستی اپنی بیشک یہ وہ ہیں بندے پاک بننے والے

اور (حضرت لوطؑ کی تبلیغ ہدایت پر) اُن کی قوم کا جواب اِسکے سوا نہیں تھا کہ انہوں نے آپس میں ایکدوسرے کو کہا کہ انہیں اپنی بستی سے نکالدو۔ یہ لوگ بڑے پاک بننا چاہتے ہیں (بھلا ایسے پاک لوگوں کا کیا کام ہے؟)

● سلسلۂ درس کی اس سے اگلی دو آیتوں میں انتہائی اختصار کیساتھ حضرت لوط کی ہجرت اور انکی قوم کے بُرے انجام کی خبر دیگئی ہے۔

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ ۸۳

پھر بچایا اسکو اور ساتھیوں اُسکے کو سوائے بیوی اس کی کے تھی وہ میں سے پیچھے رہنے والوں

پھر (ہمنے اُس قوم کی بداعمالیوں کی بدولت عذاب بھیجا مگر ہم لوطؑ سے اور اسکے ساتھیوں سے ہجرت کروا کر) انہیں عذاب سے بچا لیا سوائے اُسکی بیوی کے۔ وہ (اپنے عملوں کی بدولت) پیچھے رہنے والوں سے تھی

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝ ۸۴ (ع)

ع ۱۲/۱۷

اور برسایا ہمنے اُوپر انکے ایک مینہ۔ پس دیکھ کیسا ہوا انجام مجرموں کا

اور ہمنے (اُنکی بدعملیوں کی سزا کے طور پر) اُن پر (پتھروں کا) ایک مینہ برسایا۔ پھر (اے مخاطب!) غور کر کہ اُس مجرم قوم کا کیا انجام ہوا۔

سورہ ھود ● سورہ ھود میں قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے ذکر میں اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ ان پر مٹی کے پکے ہوئے نشان زدہ پتھروں کی بارش برسائی گئی تھی۔ اور یہ پتھراؤ اللہ تعالیٰ نے اپنے با اقتدار رسولوں سے منجنیقوں کے ذریعہ کرایا تھا۔ نیز یہ اللہ کے رسول قوم لوط کی طرف آنے سے پہلے حضرت ابراہیم کے پاس آئے، اور انہیں دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری دی۔ قرآن مجید میں اُن رسولوں کو پہلے حضرت ابراہیمؑ کے مہمان کہا گیا ہے اور پھر حضرت لوطؑ کے مہمان کہا گیا ہے۔

سورہ ھود میں اس پہلے مُجمل ذکر کو قدرے وضاحت کے ساتھ بالفاظ ذیل شروع کیا گیا ہے :-

● وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ ۱۱/۶۹ اور بیشک ہمارے رسول ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لیکر آئے - اور اُن سے کہا سلامًا، آپ نے کہا سلامٌ پھر حضرت ابراہیمؑ (مہمانوں کی پانی وغیرہ کی فوری تواضع کے بعد) نہ ٹھہرے مگر اُنکی مہمانی کیلئے ایک بُھنا ہُوا بچھڑا لے آئے -

● ملہ فَمَا کی فَا میں وہ وقفہ مُضمر ہے جو آنیوالے مہمانوں کی اوّلین لازمی تواضع پانی وغیرہ پلانے کیلئے مختص ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مہمان کی بُھوک کا نہیں بلکہ پیاس کا فوری انتظام کیا جاتا ہے - اس اوّلین مہمان نوازی کو حضرت ابراہیم جیسے مہمان نواز کی طرف سے کس طرح نظرانداز کیا جاسکتا تھا کہ انہوں نے مہمانوں کو پانی وغیرہ تو پلایا نہ ہو اور بچھڑا ذبح کرنے لگ گئے ہوں۔

● سورہ ھود کی اس سے اگلی آیت مجیدہ میں آیا ہے فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۱۱/۷۰ پھر جب حضرت نے دیکھا کہ انکے ہاتھ کھانے تک نہیں پہنچے ملہ تو انہیں مخدوش جانا اُن سے خوف زدگی کو ذہن میں چھپایا (مہمانوں نے بھانپ لیا اور) کہا کہ خوف نہ کھائیں، بیشک ہم قوم لوط کی طرف (اسکی تباہی کیلئے) بھیجے گئے ہیں (ہم حضرت لوط کے مہمان ہیں انہوں نے آپکو حضرت اسماعیل کی پیدائش کی خوشخبری دی) تو اس پر آپکی بیوی تعجب کیساتھ ہنس پڑی کہ کیا میں بُڑھیا بانجھ بیٹا جنونگی - اِسکے متعلق ارشاد ہُوا ہے :-

● وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ۱۱/۷۱-۷۲ اور اُنکی بیوی پاس کھڑی تھی وہ (بیٹے اسماعیل کی خوشخبری پر اس حیرت کیساتھ کہ بُڑھیا بیٹا جنے گی) ہنس پڑی ملہ - اس پر ہم نے (اپنے رسولوں کے ذریعے دوسرے بیٹے) اسحٰق کی اور پوتے یعقوب کی خوشخبری دیدی - اُس نے کہا میں جنونگی جبکہ میں بانجھ ہوں اور یہ میرا خاوند بوڑھا ہے - یہ تو بڑی عجیب چیز ہے -

● ملہ کھانے تک ہاتھ نہ پہنچے اسلئے کہ وُہ حضرت ابراہیم کے بھی مہمان تھے ۵۱/۱۵ + ۵۱/۲۴ اور حضرت لُوط کے بھی مہمان تھے ۱۱/۷۷ + ۵۲/۱۵ اسلئے انہوں نے پانی حضرت ابراہیم کے ہاں پیا اور کھانا حضرت لوط کے ہاں جا کھایا -

● ملہ سورۂ صٰفّٰت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم بوڑھے ہوگئے مگر اولاد نہیں تھی - اسلئے حضورِ الٰہی میں دعا فرمائی رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ ۳۷/۱۰۰+۱۰۱ اے میرے پروردگار مجھے صالح اولاد عطا فرما - اس پر ہم نے اُسے ایک بُردبار بیٹے کی خوشخبری دیدی ——— یہ حضرت ابراہیم کے پہلے بیٹے حضرت اسماعیل کی خوشخبری تھی - کیونکہ انہی کے متعلق آیا ہے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ ۳۷/۱۰۲ پھر جب وُہ (جوان ہوگیا) آپکے کام میں ہاتھ بٹانے لگا تو آپنے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں ——— اِس سے ثابت ہُوا کہ حضرت ابراہیم کو پہلی خوشخبری حضرت اسماعیل کی دیگئی اور دوسری خوشخبری حضرت اسحاق کی تھی - چنانچہ اس سے آگے ۳۷/۱۱۲ میں ارشاد ہُوا ہے وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور (اسماعیلؑ کی خوشخبری کے بعد) ہم نے اُسے اسحاقؑ نبی کی خوشخبری دی جو صالحین میں سے تھا۔ پس واضح رہے کہ حقیقت یہ ہے کہ :-

● حضرت ابراہیم کو پہلی خوشخبری حضرت اسماعیل کی دیگئی تھی جو ۳۷/۱۰۱ میں مظہر ہے اور ۱۱/۷۱ میں محذوف ہے اور دوسری خوشخبری حضرت اسحقؑ کی تھی جو ۳۷/۱۱۲ میں بھی مظہر ہے اور ۱۱/۷۱ میں بھی مظہر ہے۔ آپکے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل تھے اور چھوٹے تھے حضرت اسحاقؑ، جو ۳۷/۱۰۱+۱۱۲ میں بھی بالترتیب ثابت ہے اور سورہ ابراہیم میں بھی اسی ترتیب کیساتھ خود حضرت ابراہیم کے الفاظ میں موجود ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۰ ۱۴/۳۹ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے (میری دُعا پر) بڑھاپے میں (ایکے بعد دیگر دو بیٹے) اسماعیل اور اسحاقؑ عطا فرمائے۔ بلاشبہ میرا پروردگار ضرور دُعا کو سُننے والا ہے ـــــ پس ۱۱/۷۱ میں حضرت کے پہلے بیٹے حضرت اسماعیل کی پہلی خوشخبری محذوف ہے جس پر آپکی بڑھیا بیوی تعجب کیساتھ ہنس پڑی، مگر اس پر اُسے دُوسرے بیٹے اسحقؑ کی بھی خوشخبری دیگئی اور پوتے یعقوب کی خوشخبری بھی دیگئی یعنی آپ کی زندگی ہی میں پوتا بھی آپکو دیا جائیگا۔ اور ساتھ ہی مائی صاحبہ کو کہا گیا :-

● قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۰ ۱۱/۷۳ اللہ کے رسولوں نے کہا اَے خاتون کیا تُو اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہے۔ اَے ابراہیمؑ کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکت ہو، بیشک وُہ بہت بہت تعریفوں والا اور بہت بہت بزرگی والا ہے۔

● اس درمیانی واقعہ کے بعد بتایا گیا ہے :- فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰی یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ۰ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ۰ ۱۱/۷۴،۷۵ پھر جب حضرت ابراہیمؑ سے خوف دُور ہوا اور انکے پاس خوشخبری پہنچ گئی تو (ہمارے رسولوں کے ذریعہ) ہم سے قومِ لُوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ بیشک ابراہیم البتہ ضرور بُردبار، گداز ذہن اور اللہ کی طرف رجوع ہونیوالا تھا ـــــ اس پر اپنے رسولوں کے ذریعہ کہا گیا :-

● یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ۰ ۱۱/۷۶ اَے ابراہیم! اِس چیز سے اعراض کریں۔ بیشک تیرے رب کا عذاب آچکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنکے پاس نہ لوٹایا جانیوالا عذاب آگیا ہے ـــــ حضرت ابراہیم کے مہمان یہاں سے فارغ ہو کر حضرت لوطؑ کے ہاں جا مہمان ہوئے :-

● وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۰ ۱۱/۷۷ اور جب ہمارے رسول لوطؑ کے پاس پہنچے تو آپ پر اُنکا آنا گراں گزرا اور آپنے گہری تنگی محسوس کی اور فرمایا کہ یہ آج کا دن بہت سخت ہے ـــــ یہ اسلئے کہ آپکی قوم اغلام باز تھی۔ چنانچہ ارشاد ہوا :- وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ۰ ۱۱/۷۸ اور (حضرت لوطؑ کے خدشے کیمطابق) اسکی قوم انکی طرف بے اختیار دوڑتی ہوئی آئی۔ اور وُہ اس سے پہلے بھی برائیوں کے مرتکب ہوتے تھے

حضرت لوطؑ نے فرمایا کہ تمہارے لئے (جنسی تسکین کیلئے تمہاری بیویاں) یہ میری بیٹیاں ہی پاکیزہ تر ہیں۔ پس تم اللہ (کے قانون کی مخالفت سے) بچو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی سمجھدار آدمی موجود نہیں ہے (کہ مہمان تو پوری بستی کے سانجھے مہمان ہوتے ہیں)۔

● ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ ھُنَّ اَطْھَرُ لَکُمْ کا لفظی معنی یہ ہے کہ یہ میری بیٹیاں تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔ اسکا یہ مفہوم نہیں ہے کہ حضرت لوطؑ نے اپنی حقیقی بیٹیوں کے متعلق کہا تھا، کیونکہ اللہ کا نبی اپنی بیٹیاں مذکورہ قسم کے بدکاروں کے نکاح میں نہیں دے سکتا تھا۔ اسلئے یہاں قوم کی بیٹیاں یعنی افرادِ قوم کی بیویاں مُراد ہیں۔ لیکن مذکورہ بدکاروں نے انتہائی ڈھٹائی کیساتھ جواب دیا۔

● قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِکَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴿۱۱/۷۹﴾ انہوں نے کہا بیشک تو جانتا ہے کہ (اپنی بیویوں) تیری بیٹیوں کیساتھ (غیر فطری فعل کا) ہمارا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ تو جانتا ہی ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں —— وہ غیر فطری فعل چاہتے تھے، جس پر عورتیں کبھی راضی نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ اس سے جنسی تسکین کی بجائے اُلٹی بدنی اور ذہنی تکلیف کیساتھ ساتھ احساس کمتری اور ذلت میں بھی مبتلا ہو کر رہ جاتی ہیں۔

● حضرت لوطؑ نے قوم کے بُرے ارادوں اور اپنی دفاعی کمزوری کے پیش نظر مہمانوں کے تحفظ کے لئے انتہائی حسرت سے کہا:۔ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ؁ آپنے کہا کاش میرے پاس تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی پس میں مضبوط سہارے کی پناہ لیتا ہوں —— رُکْنٍ شَدِیْدٍ یعنی مضبوط سہارا صرف اور صرف ذاتِ باری کی مدد ہے، جو اپنے نیکوکار بندوں، خصوصًا انبیاءِ کرام کی بروقت مدد فرماتا ہے۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ خود مہمانوں ہی نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:۔

● قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُھَا مَآ اَصَابَھُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ؁ ﴿۱۱/۸۱﴾ — مہمانوں نے کہا اے لوطؑ! بیشک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ (بدکار لوگ) آپ تک نہیں پہنچ سکینگے۔ آپ اپنی بیوی کے سوا اپنے اہل کے افراد کو لے کر رات کے ایک حصے میں یہاں سے نکل جائیں۔ اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ بیشک جو عذاب ان بدکاروں پر آنیوالا ہے، وہ آپکی بیوی کو بھی پہنچیگا۔ بلاشبہ انکے عذاب کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟ یقینًا یقینًا قریب ہے۔ آیا ہی چاہتی ہے)۔

قومِ لوطؑ پر لائے گئے عذاب کی تفصیل

● حضرت لوطؑ اپنی نافرمان بیوی کے سوا اپنے دیگر اہل کیساتھ بستی سے ہجرت کر گئے اور حسبِ وعدہ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب باندازِ ذیل آ گیا:۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ؁ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّکَ ؕ وَمَا ھِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ؁ ﴿۱۱/۸۲-۸۳﴾ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہمنے اُس بستی کی اونچی عمارتوں کو پیوندِ زمین کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمنے اُس پر مٹی کے پکے ہوئے کھنگروں کے پتھر بارش کی طرح پے در پے لگاتار برسائے، جن پر تیرے پروردگار کے

قانون[6] کے مطابق ایک ہی نشان کندہ[5] تھا۔ اور (اے رسول!) وہ بستی (آپ کے مخالف) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔

● [1] جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا کا مفہوم یہ ہے کہ بستی کی اونچی عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر اس قوم کو ختم کر دیا۔

● [2] مَطَرٌ بارش کو کہتے ہیں اور مَطَرٌ کا معنیٰ ہے برسنا۔ اس طرح اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً کا معنیٰ ہے کہ ہم نے اس پر بارش کی طرح پتھر برسائے۔

● [3] حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ سِجِّيل کا معنیٰ ہے آگ میں پکایا ہوا مٹی کا کھنگر۔ اس طرح حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ کا معنیٰ ہے آگ میں کھنگر کی حد تک مٹی کے پکائے ہوئے پتھر۔ سورہ ذاریات میں انہی پتھروں کو کہا گیا ہے حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ $\frac{51}{33}$ یعنی مٹی کے پتھر۔ اب مشاہدہ گواہ ہے کہ مٹی میں پتھر جیسی سختی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اسے آگ میں پتھر کی حد تک پکایا جائے۔

● [4] مَّنضُودٍ کا لفظ مادہ ن-ض-د- نضد سے ہے، جس کا مصدری معنیٰ ہے تہ بہ تہ ہونا۔ اور مَطَرٌ یعنی بارش کی طرح برسنے کی حالت میں اسکا مصدری معنیٰ ہے پے در پے لگاتار برسنا۔ پس ثابت ہوا کہ قوم لوط پر مٹی کے کھنگر کی حد تک پکائے ہوئے پتھر بارش کی طرح لگاتار برسائے گئے تھے۔

● [5-6] یہاں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ہی کیلئے بصورتِ حال آیا ہے مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ، یعنی ان کھنگروں کی حد تک مٹی کے پکائے ہوئے کھنگروں کی حالت یہ تھی کہ ہر ایک پر ایک ہی نشان کندہ تھا۔ مُّسَوَّمَةً حال ہے بمعنیٰ نشان کندہ۔ اور عِندَ رَبِّكَ کے الفاظ میں رب تعالیٰ کے قانون کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہر ایک پتھر پر ایک ہی نشان کندہ کرنا رب تعالیٰ کے کائناتی قانون کیمطابق تھا۔ (تفصیل حسب ذیل ہے):-

● آیات مجیدہ $\frac{11}{82-83}$ کے الفاظ کی حاکمیت کیمطابق قوم لوط پر لائے گئے عذاب کی حقیقت یہ ثابت ہوتی ہے کہ اس بدکار قوم پر اس دور کی حد ایجاد کیمطابق منجنیقوں کیساتھ کھنگروں کے گولے برسائے گئے تھے۔ اور چونکہ منجنیق کے خانے میں ایک ہی سائز کے گولے آسکتے ہیں، اسلئے ہر منجنیق کے خانے کیمطابق الگ الگ ایک ہی سائز کے سانچوں میں گیلی مٹی تھاپ کر گولے بنائے جاتے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے آجکل ایک ہی سائز کے سانچے میں اینٹیں تھاپی جاتی ہیں اور سانچے میں کھدا ہوا ایک ہی نشان سب اینٹوں پر کندہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ گولے گیلی مٹی کے تھاپ کر بنائے جاتے تھے اور الگ الگ منجنیقوں کے خانوں کے سائز کیمطابق سانچوں میں کھدا ہوا الگ الگ ایک ہی نشان گولوں پر کندہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ پھر انہیں آگ میں پکا کر کھنگر کی حد تک پکا لیا جاتا تھا تاکہ جہاں گریں خود نہ ٹوٹیں مگر مقام مضروب پر تباہی لے آئیں۔

● سابقہ زمانوں میں ایسی ہی منجنیقوں کیساتھ کھنگروں کے گولے برسائے جاتے تھے۔ گولوں پر الگ الگ منجنیق کے خانے کے سائز کے الگ الگ نشان کندہ ہوتے تھے، جسے مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ یعنی تیرے رب کے قانون کے مطابق کہا گیا ہے۔ یہاں

لفظ رب سے مراد رب تعالیٰ کا کائناتی قانون ہے اور عِنْدَ مضاف حرفِ جار قرآن مجید میں "کے مطابق" کے معنوں میں مستعمل ہے۔
اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ
اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۝ ۳ / ۱۶۲-۱۶۳ اس آیت کے ترجمہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ اسی میں عِنْدَ اللّٰهِ کا معنی ہے اللہ کے
قانونِ مکافات کیمطابق :۔ کیا وہ شخص جس نے رضاءِ الٰہی کی اتباع کی، اُس شخص کی مانند ہے جس نے اللہ کو ناراض کیا جس کا
ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ کے قانون کیمطابق (عند اللہ) انکے الگ الگ درجے ہیں۔ اللہ دیکھتا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔

المختصر! ● یہاں تک یہ ثابت ہو چکا کہ قوم لوطؑ کی بستی پر مٹی کے پکے ہوئے ایک ہی نشان والے اللہ کے قانون کے مطابق بنائے گئے کھنگروں کے پتھر منجنیقوں کے ذریعہ لگاتار برسائے گئے تھے، جو اَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۱۱ / ۸۲-۸۳ کے خداوندی ارشاد سے عیاں ہے۔ اب اس ضمن کا آخری سوال یہ ہے کہ یہ کھنگروں کے نشان کندہ گولوں کی بارش کس سے کروائی گئی تھی؟

● اسکا جواب ۵۱ / ۳۱ تا ۳۴ سے ثابت ہے کہ یہ بارش بدلائلِ ذیل اللہ کے رسولوں اور حضرات ابراہیم ولوط سلام علیہما کے مہمانوں سے کرائی گئی تھی۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے مہمانوں سے پوچھا۔ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ ۵۱ / ۳۱ اے اللہ کے رسولو! تمہاری مہم کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا :۔ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِیْنَ ۝ ۵۱ / ۳۲-۳۴ انہوں نے کہا بیشک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم حد سے نکلنے والوں کیلئے تیرے رب کے قانون کے مطابق مٹی کے بنائے گئے نشان کندہ پتھر لگاتار برسائیں۔

● اِن الفاظِ خداوندی سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول، حضرات داؤد وسلیمان سلام علیہما کی طرح رسول ہونے کیساتھ ساتھ صاحبِ اقتدار بھی تھے۔ انکا منجنیق بردار فوجی دستہ پیچھے خفیہ مقام جھاڑیوں وغیرہ میں محفوظ تھا، جسے وعدہ والی صبح سے پہلے پہلے رات کے وقت موقعہ پر لایا گیا اور حضرت لوطؑ سے راتوں رات ہجرات کروا کر صبح کے وقت نشان کندہ کھنگروں کے پتھروں کی لگاتار بارش کیساتھ بدکار قوم کی بستی کو پیوندِ خاک کر دیا گیا۔ چنانچہ حکمِ خداوندی کیمطابق اللہ تعالیٰ کے مذکورہ مقتدر رسولوں نے پہلے حضرت ابراہیم سلام علیہ کو دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری دی اور پھر قوم لوطؑ پر منجنیقوں کے ذریعہ پتھراؤ کر کے اُسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔

● قوم لوطؑ پر عذاب بھیجنے کا ذکر سورہ اعراف، ھود، حجر، انبیاء، شعرآء، نمل، عنکبوت، صٰفّٰت، ذاریات، قمر اور سورہ فیل میں آیا ہے۔ عذاب کی تفصیل کے طور پر سورہ قمر میں کہا گیا ہے اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا ۵۴ / ۳۴ بیشک اُن پر ہم نے پتھر پھینکے سورہ اعراف، شعرآء اور نمل میں قوم لوط کے عذاب کے متعلق ایک ہی الفاظ آئے وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ۷ / ۸۴ + ۲۶ / ۱۷۳ + ۲۷ / ۵۸ ہم نے ان پر مینہ برسایا۔ پھر کیسا بُرا مینہ تھا جو متنبہ کئے گئے (مجرموں) پر برسایا گیا تھا۔

● سورہ عنکبوت میں آیا ہے کہ اللہ کے رسولوں نے حضرت لوطؑ سے کہا اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا

مِّنَ السَّمَآءِ ۲۹/۳۴ بیشک ہم اِس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنیوالے ہیں۔ سورہ حجر میں آیا ہے وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۱۵/۷۴ اور ہم نے اُن پر کھنگر کے پتھروں کا مینہ برسایا۔ سورہ ذریٰت میں آیا ہے کہ اللہ کے رُسُل سلامٌ علیہم نے حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ سے کہا قَالُوْا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۙ مُّسَوَّمَةً ۵۱/۳۲ تا ۳۴ انہوں نے کہا بیشک ہم مجرموں کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم اُن پر مٹی کے پکائے ہوئے نشان کندہ پتھر برسائیں۔ اور سورہ ھود میں ارشاد ہوا ہے وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً ۱۱/۸۲ - ۸۳ اور ہم نے اُن پر مٹی کے پکے ہوئے کھنگروں کے نشان کندہ پتھر برسائے۔

● قرآن بھر میں پھیلی ہوئی مذکورہ بالا آیات کریمہ کی شہادت اور قرآنِ کریم کے مستقل اسلوب بیان تصریفِ آیات سے مکمل کر ثابت ہو چکا کہ بدکار قوم لوط پر مٹی کے کھنگر کی حد تک پکے ہوئے پتھر بارش کی طرح پے در پے لگاتار برسائے گئے تھے۔ اور وہ اُس دَور کی عسکری اعلیٰ صنعت کیمطابق ایجاد کردہ منجنیقوں کے ذریعہ برسائے گئے تھے۔ اور برسانے والے، اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ رسل سلامٌ علیہم، حضرات داؤد و سلیمان سلامٌ علیہما کی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کے علاوہ کسی حصہ زمین میں صاحب اقتدار بھی تھے۔

ایک اہم سوال کا جواب

● یہاں معترض اعتراض کرسکتا ہے، جبکہ آیاتِ بالا میں منجنیقوں کا ذکر مطلقاً موجود نہیں تو پھر یہ تصور کس طرح صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اِسکا جواب بالکل سادہ اور صاف ہے کہ جہاں ۸/۱۷ میں آیا ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ اور نہیں تیراندازی کی آپنے، جب آپنے تیراندازی فرمائی۔ دیکھئے یہاں کمان کا ذکر موجود نہیں، جس کے ذریعہ آنحضور نے تیراندازی فرمائی تھی۔ لیکن چونکہ تیراندازی کمانؐ کے ذریعہ کیجاتی ہے، اِسلئے کمان کا ذکر نہ موجود ہونے کے باوجود ۸/۱۷ میں تیراندازی بذریعہ کمان مذکور ہے اسی طرح آیاتِ بالا میں مٹی کے کھنگر کی حد تک پکے ہوئے پتھروں کا بارش کی طرح برسانا بذریعہ منجنیقوں مذکور ہے۔

دو اور اہم سوالات

● یہاں پہنچ کر عنوان بالا کے متعلق ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قوم لوط پر کھنگر یا لے پتھر برسانے والوں کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ اِسکا جواب از روئے قرآنِ کریم یہ ہے کہ قوم لوط پر بھیجے گئے عذاب کا ذکر گیارہ سورتوں میں آیا ہے جیسے کہ پیچھے درج کر دیا گیا ہے، مگر کسی ایک سورت میں بھی اللہ کے مذکورہ رسولوں کیلئے ملائکہ کے الفاظ مطلقاً نہیں آئے۔ یا تو اُنکے لئے رُسُلُنَا کے الفاظ آئے ہیں یعنی ہمارے رسول اور یا ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ اور ضَيْفِ لُوطٍ یا ضَيْفِهٖ کے الفاظ آئے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم کے مہمان اور حضرت لوط کے مہمان۔ چنانچہ رُسُل اور مُرْسَلُوْنَ کے الفاظ آیاتِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں :-

● سورہ ھود میں آیا ہے وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۱۱/۶۹ اور بیشک ابراہیمؑ کے پاس ہمارے رسول خوشخبری لیکر آئے۔ اِسی سورہ مجیدہ میں آیا ہے وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا ۱۱/۷۷ اور جب ہمارے رسول لوط کے پاس آئے

سُورہ حجر میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آنیوالوں سے پوچھا قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۱۵/۵۷ اے اللہ کے رسُولو! تمہاری مہم کیا ہے۔ حضرت ابراہیم کے عین یہی الفاظ سُورہ ذٰریٰت میں آئے ہیں قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۵۱/۳۱ پھر سُورہ حجر میں آیا ہے فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ۱۵/۶۱ پھر جب اللہ کے رسُول آل لُوط کے پاس آئے۔

● اب ملاحظہ فرمائیں انہی اللہ کے رسُولوں کیلئے ضیف ابراہیم اور ضیف لُوط کے الفاظ آیاتِ ذیل میں آئے ہیں:۔

● سُورہ حجر میں آیا ہے وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۵ ۱۵/۵۱ اور اے رسُول اِن لوگوں کو ابراہیم کے مہمانوں کی خبر دیجئے۔ سُورہ ذٰریٰت میں ارشاد ہوا ہے هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۵۱/۲۴ کیا آپکے پاس ابراہیم کے مہمانوں کی خبر پہنچی ہے (یقیناً سابقہ سُورتوں میں پہنچ چکی ہے)۔ سُورہ ھود میں آیا ہے کہ جب قوم لُوط بُرے ارادے کیساتھ حضرت لُوط کی طرف آئی تو آپنے فرمایا وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۱۱/۷۸ مجھے میرے مہمانوں میں رُسوا نہ کرو —— سُورہ حجر میں ارشاد ہوا ہے اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۵ ۱۵/۶۸ بیشک یہ میرے مہمان ہیں۔ پس مجھے ان میں رُسوا نہ کرو —— سُورہ قمر میں ارشاد ہوا ہے وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ ۵۴/۳۷ اور بیشک اُن بدکاروں نے حضرت کو اُن کے مہمانوں کیساتھ بدکاری کے لئے پھسلانا چاہا۔ (مگر نہ پھسلا سکے)۔

● پس مذکورہ آیاتِ مقدّسہ میں جب متعدّد بار بتکرار کثیر رُسُل اور ضیف کے الفاظ آئے ہیں اور ملائکہ کا لفظ ایک مرتبہ بھی کہیں نہیں آیا اسلئے کھل کر ثابت ہُوا کہ یہ ملائکہ نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے صاحبِ اقتدار رسُول تھے۔ حضرات ابراہیمؑ و لُوطؑ کے مہمان بشر تھے۔

● **دُوسرا اہم سوال** یہ ہے کہ جب سابقہ نافرمان اقوام کو طوفانِ آب، طوفانِ باد، طوفانِ برق اور زلزلوں کے ذریعہ ختم کیا گیا تھا تو قومِ لُوط پر انسانوں ہی کے بنائے ہُوئے کھنگر یا لے پتھروں کی بارش خود انسانوں ہی سے کیوں کرائی گئی تھی جبکہ قومِ لُوط کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا لشکر جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ موجود تھے۔ اِس کا جواب قومِ نوح پر لائے گئے پانی کے عذاب میں موجود ہے کہ حضرت نوحؑ کو آمدِ طوفان کی خبر دینے کیساتھ حکم دیدیا گیا کہ طوفان سے بچنے کے لئے کشتی تیار کرلیں۔ اِس حکمِ خداوندی میں کھل کر اعلان کردیا گیا ہے کہ جو بھی عذاب آئے گا مادی ذرائع سے آئے گا، چنانچہ پانی کا سیلاب، آندھی کا طوفان، بجلی اور زلزلے سب مادی چیزیں ہیں اور ان سے بچاؤ بھی مادی ذرائع ہی کے ساتھ ممکن ہوگا، جیسے کہ طوفانِ آب سے محفوظ رہنے کے لئے مادی چیز کشتی ہی کام دے سکتی ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے کشتی ہی تیار کرائی تھی۔

● اللہ تعالیٰ کی اس سنّتِ مبارکہ کے مطابق جو قرآنِ کریم سے بطورِ نمونہ پیش کیگئی ہے، حضرت ھُود سے یقیناً ایسی پناہ گاہیں بنوائی گئی تھیں جن میں آندھی کا اثر نہ ہو کیونکہ آپکی قوم پر ایسی آندھی کا عذاب لایا گیا تھا جو مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی اور قومِ ھود کو ختم کرگئی۔ قومِ ثمود پر مہلک آواز والے زلزلے کا عذاب لایا گیا مگر حضرت صالح سے ہجرت

کروالی گئی۔ اس طرح قوم لوط پر کھنگر یالے پتھروں کی بارش کا عذاب لایا گیا مگر حضرت لوط کی ہجرت والی گئی۔ حضور مکی مدنی سرکارؐ کی مخالف قوم چونکہ بار بار آنحضورؐ پر جارحانہ حملے کر کے آپ پر جارحانہ جنگ ٹھونستی رہی، اسلئے اس قوم پر جنگ ہی کا عذاب نازل ہوتا رہا۔ جنگ بدر، اُحد، خندق اور حُنین وغیرہ سب انکی لائی ہوئی جنگیں تھیں۔ اس لئے جس طرح نوح کو کشتی بنانے کا حکم دیا گیا تھا، اسی طرح آنحضورؐ کو اور آپکے مقدس صحابہؓ کو زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرنے کا حکم دیا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ۸/۶۰ دشمن کے مقابلے کیلئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو چنانچہ آنحضورؐ کی بے پناہ فوجی تیاری ہی کا نتیجہ تھا کہ دشمن بڑی سے بڑی فوجی قوت کے ساتھ حملہ آور ہوتا رہا، مگر ہر بار شکست یاب ہو کر لوٹتا رہا۔ اور آخر الامر آنحضورؐ کی فوجی قوت ہی کے سامنے معرکۂ مکہ معظمہ میں دشمن نے بلا جنگ و جدال شکست تسلیم کر لی۔

● المختصر! ہم یہ بتا رہے ہیں کہ قوم لوط پر اپنے صاحب اقتدار رسولوں کے ذریعہ کھنگر یالے پتھروں کی بارش فوجی انداز کیساتھ منجنیقوں کے ذریعہ کیوں کرائی گئی تھی۔ یہ اسلئے کہ قیامت تک کے اہل اسلام کو متنبہ کرنا تھا کہ یاد رکھو زمین میں اقتدار بھی فوجی قوت ہی کیساتھ میسر آیا کریگا اور قائم بھی عسکری قوت ہی کیساتھ رہ سکیگا۔ جیسے کہ حضرت داؤد اعظم (وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَيْدِ) کی عظیم سلطنت کا راز ان لفظوں میں بتایا گیا ہے وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۳۴/۱۰ اور ہم نے اسکے لئے لوہے کو نرم پایا (یعنی وہ لوہے کے جنگی ہتھیار (اسلحہ) بکثرت تیار کرتے تھے۔ اور آپکو اسی کا حکم دیا گیا تھا اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ ۳۴/۱۱ یہ کہ آپ لوہے کی زرہیں بنائیں اور (ان کے حلقوں میں جسم کے ہر عضو کے مطابق صحیح صحیح) اندازہ رکھنے کا اہتمام فرمائیں۔ اسی طرح:۔

● حضرت سلیمانؑ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ان کے ہاں پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے بہتے تھے وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۳۴/۱۲ یعنی آپکے ہاں تانبے کے اسلحی پرزہ جات ڈھلا کرتے تھے۔ بالفاظ دیگر حضرات داؤد و سلیمان سلام علیہما کی مضبوط حکومتوں کا راز ہمہ وقتی جدید سے جدید اسلحہ کی تیاری تھا۔

● اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا مقتدر رسول اس دور کی اسلحی ترقی کے مطابق ایسے گرز بار توپخانے کے مالک تھے جن میں مٹی کے کھنگر یالے نشان کندہ پتھر استعمال کئے جاتے تھے۔ اور دشمن کو آنِ واحد میں تہ و بالا کر کے رکھدیا جاتا تھا۔ جس طرح مذکورہ صاحب اقتدار فوجی اسلحہ کی تیاری میں قوموں کی صفِ اول میں سب سے آگے اور غالب تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضور خاتم النبیینؐ کو بھی جدید سے جدید اسلحہ کا حکم ۸/۶۰ دیا۔ جس کی بدولت ثابت قدم صحابۂ رسولؐ زندگی بھر غالب رہے۔ یہ ایک انتہائی تباہ کن المیہ ہے کہ اہل اسلام کو مادیت سے بالکل بیگانہ کر کے دُنیا بھر میں پسماندہ کر رکھ دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ سورہ فیل کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ ابرہہ نامی شاہ یمن ہاتھیوں کی فوج لیکر بیت اللہ شریف کو مسمار کرنے کیلئے حملہ آور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کنکر بردار پرندوں کی فوج بھیج کر انہیں تباہ کر دیا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ

جب یہودیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا اور اسکے ایک حصّے کو جلادیا، کیا اُسے بچانے کیلئے کوئی پرندوں کی فوج آئی تھی۔ جواب ظاہر ہے ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس سے پہلے سلطان صلاح الدینؒ نے بھی ۵۸۳ھ میں فوجی قوت ہی کیساتھ بیت المقدس کو فتح کیا تھا اور اب بھی فوجی قوت ہی کیساتھ بیت المقدس بنی اسرائیل سے واپس لیا جاسکتا ہے۔

سُورہ فیل • واضح رہے کہ سُورہ فیل میں بھی قومِ لُوط کی تباہی کا حیرت انگیز واقعہ بیان کیا گیا ہے جس پر مذکورہ سُورت (سُورہ فیل) کے وُہ الفاظ بطور شاہدِ عادل موجود ہیں جو پیچھے لائی گئی تین سُورتوں کے حوالوں سے پیش کئے جاچکے ہیں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ۔ سورہ فیل میں قومِ لُوط کو اصحٰب الفیل کہا گیا ہے۔ عربی زبان میں فیل الرائے بیوقوف اور موٹی عقل والے آدمی کو کہتے ہیں۔ دیکھئے لغت منتہی الارب ربع سوم صفحہ ۴۳۵۔ نیز دیکھئے مفردات امام راغب مطبوعہ اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۸۱۹ پر درج ہے:۔ رَجُلٌ فِيلُ الرَّأْيِ وَ فَالُ الرَّأْيِ۔ کمزور رائے آدمی۔ قومِ لُوط کی اغلام بازی کی رائے ناقص، کمزور اور عقل کے خلاف تھی۔

• قومِ لُوط وُہ لوگ تھے کہ حضرت لُوط کی تبلیغ کے باوجود اُس عظیم خباثت پر اڑے رہے کہ اُن سے پہلے اس کی مرتکب کوئی قوم نہ ہوئی تھی۔ اور وہ لوگ اس فعلِ بد کو مل کر متحد ہو کر انجام دیتے تھے۔ قرآنِ کریم کا مستقل اسلوب بیان ہے تصریفِ آیات، جس کے مطابق حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ کے الفاظ دو سُورتوں ھود اور حجر میں آئے ہیں، بالکل یہی الفاظ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ $\frac{105}{4}$ سورہ فیل میں آئے ہیں۔

• سورہ فیل کی تفصیل کو سمجھنے کیلئے پہلے اس چیز کا جاننا ضروری ہے کہ قرآنِ کریم کی آخری سورتوں میں انتہائی اختصار کیساتھ اُن قصص کو دُہرایا گیا ہے جو پیچھے قرآن بھر میں پہلے ہو گئے ہیں، جیسے کہ سورہ فجر میں اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ کے وُہی الفاظ آئے ہیں جو سُورہ فیل میں اصحابِ فیل کا واقعہ یاد دلانے کیلئے آئے ہیں۔ دیکھئے ارشاد ہوا ہے:۔

• اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ $\frac{89}{6 \text{ تا } 14}$۔

(مفہوم) اے رسول! کیا آپنے غور نہیں کیا کہ آپکے رب نے قومِ عاد کیساتھ کیا کیا تھا۔ اُونچے نشانوں اور بلند عمارتوں والوں کیساتھ جن کی مثل شہروں میں پیدا نہ کئے گئے تھے۔ اور آپکے رب نے قومِ ثمود کیساتھ کیا کیا تھا، جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراش تراش کر گھر بنائے۔ اور آپکے رب نے لشکروں والے فرعون کیساتھ کیا کیا تھا جنھوں نے شہروں میں سرکشی کی، بلکہ اُن میں بہت زیادہ فساد کیا۔ آپ کے رب نے اِن سرکش قوموں کیساتھ یہ سلوک کیا کہ اُن سب پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ بیشک آپکا رب (بدعمل اقوام و افراد کی) گھات میں ہے۔ (مہلت دینے کے بعد عذاب نازل کرتا ہے)۔

• دیکھئے! ان آیات مجیدہ میں قومِ عاد و ثمود اور لشکروں والے فرعون کے متعلق یاد دلایا گیا ہے، غور فرمائیے کہ ان

سرکشوں کیساتھ آپکے رب نے کیا سلوک کیا تھا - اور خود ہی اختصاراً جواب دیدیا ہے کہ اُس نے ان سب پر اپنے عذاب کا کوڑا برسادیا تھا - اب غور فرمائیے کہ یہاں صرف عذاب کا کوڑا برسانے کی خبر دیگئی ہے - مگر ان سب کے الگ الگ عذاب کی تفصیل دیکھیے قرآن بھر میں پھیلی ہوئی ہے - یہاں صرف ان اقوام کے نشان بتادیئے ہیں کہ قوم عاد ارم وعماد والی تھی - قوم ثمود کا نشان یہاں بتایا گیا ہے جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ - اور فرعون ذِی الْاَوْتَادِ ، اب صاف ظاہر ہے کہ انہی نشانوں ارم ذات العماد، جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ اور ذِی الْاَوْتَادِ کے الفاظ کے حوالوں سے ان قوموں کے الگ الگ حالات قرآن بھر سے دیکھنے اور اُن پر غور کرنے اور عبرت حاصل کرنے کی دعوت دیگئی ہے -

● اسی طرح سورہ فیل میں قوم لوط کا نام انتہائی ناراضگی کیساتھ اصحٰب الفیل رکھا گیا ہے ، موٹی عقل اور کمزور رائے والے جیسے کہ ۲۱/۷۴ میں اِس قوم کے متعلق آیا ہے کَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝ وُہ خبیث عمل بجالاتے تھے بلاشبہ وُہ قوم بدعمل ، حدود پھاندنے والے تھے - اُن پر لائے گئے عذاب کے لئے سورہ فیل میں تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۱۰۵/۴ کے الفاظ لائے گئے ہیں ، کہ وُہ ، وُہ تھے جن پر کھنگر یالے پتھر برسوائے گئے تھے - اور ان کھنگر یالے پتھر برسانے والوں کو سورہ فیل میں کہا گیا طَيْرًا اَبَابِيْلَ - جس سے قوم طیر کا گروہ مراد ہے - ابابیل کا معنٰی گروہ ہے - یہ کسی پرندے کا نام نہیں مفردات امام راغب کے صفحہ ۹ پر درج ہے کہ ابابیل کا واحد اِبالۃٌ - اِبیلٌ ہے - اور اس کا معنٰی ہے اونٹوں کا گروہ - سورہ فیل میں چونکہ ابابیل کا لفظ طَيْرًا پر داخل ہوا ہے ، اسلئے اس کا معنٰی ہے طیر کا گروہ - اب اگر تصریف آیاتِ قرآنیہ کیساتھ بیان حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ یعنی کھنگر یالے پتھر پھینکنے والے پرندے ثابت ہوں تو طیر معنٰی پرندے ہوگا اور اگر قرآن بھر میں حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ کو برسانے والا فوجی گروہ ہی ثابت ہو تو اُس سے مراد طیر قوم کا فوجی گروہ ہوگا - اب چونکہ قرآن مجید کی متعدد سورتوں سے بتکرار کثیر ثابت ہو چکا کہ ، کھنگر یالے پتھر صرف قوم لوط پر برسائے گئے تھے اور برسانے والا اللہ تعالیٰ کے صاحبِ اقتدار رسولوں کا فوجی دستہ تھا - اسلئے ثابت ہوا کہ یہاں پرندوں کا گروہ مراد نہیں بلکہ طیر قوم کا فوجی دستہ ، فوجی رجمنٹ مراد ہے -

● جیسے کہ مختلف رجمنٹوں کے نام اُن کے قبائل یا علاقوں کے ناموں پر ہوتے ہیں - مثلاً پنجاب رجمنٹ ، بلوچ رجمنٹ ، مرہٹہ رجمنٹ ، سکھ رجمنٹ اور گورکھا رجمنٹ وغیرہ - پس طَيْرًا اَبَابِيْلَ سے مراد طیر رجمنٹ کا دستہ ہے - اہلِ عرب میں کلبی قبیلہ اور قبیلہ بنو اسد بہت مشہور قبیلے ہیں - وُہ اپنے اپنے کسی بزرگ کلب اور اسد کے نام پر کلبی اور بنو اسد کہلاتے ہیں - اسی طرح دَورِ ابراہیمی میں قبیلہ طیر اپنے کسی بزرگ کے نام سے مشہور تھا ، جس کے نام پر قبیلہ طیر کا نام طیر چل رہا تھا - اور اس قبیلہ کی رجمنٹ کے دستہ کو طَيْرًا اَبَابِيْلَ کہا گیا ہے - اور جس طرح سورہ فجر میں قوم ثمود ، عاد اور قوم فرعون کے عذاب کی خبر دی گئی ہے فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ کہ تیرے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسادیا - اسی طرح قوم لوط کے متعلق سورہ فیل میں ارشاد ہوا ہے — وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ لا تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ پھر آپکے رب نے اُن پر قوم طیر

کا فوجی دستہ بھیجا، جس نے اُن پر مٹی کے پکے ہوئے کھنگر یالے پتھر برسا دئے ۔ اور اُنہیں کھائے ہوئے بھُس کی مانند کر دیا

● مذکورہ بالا ابتدائی اور تمہیدی وضاحت کے بعد اب پوری سُورۂ فیل اور تصریفِ آیات کے ذریعہ اُسکا مفہوم ذرا خالی الذہن ہو کر ملاحظہ فرمائیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ ۱۰۵ / ۱ تا ۵

(مفہوم) اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ پڑھیگا (اے صاحبِ قرآن!) کیا آپنے موٹی عقل والی (قوم لوط) پر غور کیا ہے ۔ کیا آپکے رب نے انکی بُری تجویز کو ناکام نہیں کر دیا تھا؟ ۔ اور کیا اُن پر طیر (رجمنٹ کا فوجی) دستہ نہیں بھیجا تھا جس نے اُن پر (مٹی کے پکے ہوئے) کھنگروں کے پتھر پھینکے ۔ پھر اُنہیں روندے ہوئے بھُس کی طرح کر دیا ۔

● ۱ اصحٰب الفیل کی وضاحت پیچھے گزر چکی ہے ۔ موٹی عقل اور ناقص رائے والے ۔ دیّوث لوگ ۔

● ۲-۳ عام تراجم میں طَيْرًا اَبَابِيْلَ کا معنی پرندوں کا جھنڈ لیا گیا ہے مگر آگے چل کر اُن کا جو کام بتایا گیا ہے تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۔ اس میں تَرْمِيْهِمْ رمی سے ہے ۔ جس کا معنی ہے نشانہ پر تیر مارنا ۔ تیر کیساتھ مارے ہوئے شکار کو رَمِيَّة کہتے ہیں ۔ چونکہ اس مادہ میں نشانہ باندھنے کا تصوّر موجود ہے اسی لئے رَمْىُ الرّصَاص کا معنی ہے گولی چلانا ۔ اسی طرح رَمْىُ الْحِجَارَةِ مِنْ سِجِّيْلٍ کا معنی ہے مٹی کے پکے ہوئے کھنگروں کے پتھر نشانہ باندھ کر نشانے پر پھینکنا ۔ یہ پرندوں کا کام نہیں بلکہ یہ ماہر نشانہ بازوں کا کام ہے ۔

● رمی کا مصدری معنی نشانے پر تیر مارنے کے علاوہ گوپیے کیساتھ نشانے پر پتھر مارنا بھی ہے ۔ مگر چونکہ یہاں نشان کندہ کھنگر یالے پتھروں کے نشانے پر پھینکنے کا ذکر ہے جو مخصوص نشان کندہ سانچوں میں ٹھاپ کر آگ میں پکائے جاتے تھے اسلئے یہاں گوپیے کی بجائے منجنیقوں کے ذریعہ نشانہ باندھ کر پھینکنا مُراد ہے ۔

● ۴ حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ سجّیل کا معنی ہے کھنگر کی حد تک پکائی ہوئی مٹی کو سجّیل کہتے ہیں ۔

● ۵ قوم لوط کی بستی پر سنگباری کے نتیجے میں اُس کی حالت بتائی گئی ہے جیسے کہ کسی کھیتی کو مویشی جی بھر کر اجاڑ چکتے ہیں اور پیروں کیساتھ روند دیتے ہیں ۔

انگوٹھی میں نگینہ

● واضح رہے کہ قرآن کریم کی ہر سُورت اور آیات مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام الفاظ اپنے اپنے مقام پر اس طرح ہوتے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ ۔ کوئی بھی لفظ نہ بھرتی کا ہوتا ہے نہ بلا ضرورت نازل کیا ہوتا ہے ۔ قرآن مجید کی مختلف سُورتوں میں قوم لوط کا ذکر لایا گیا ہے ۔ اُن پر برسائے گئے پتھروں کیلئے حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ کے الفاظ بلا مقصد نہیں لائے گئے ۔ اور اُن پر مُسَوَّمَةً کی مخصوص تعریف بطور حال لا کر اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ نشان کندہ کھنگر یالے پتھر منجنیقوں کے ذریعہ برسائے گئے تھے ۔ اور اس سوال کا جواب پیچھے بھی دیا جا چکا ہے کہ آیات مجیدہ کے تکرار

کے باوجود منجنیقوں کا نام کیوں نہیں آیا۔ مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔ مثلاً جب آپ کہتے ہیں کہ میں نے فائر کیا تو یہ ضروری نہیں کہ آپ بندوق یا ریوالور کا نام لیں۔ سننے والا جانتا ہے کہ فائر یا تو بندوق کے ساتھ کیا جاتا ہے اور یا ریوالور وغیرہ کے ساتھ۔ وہ کلام کے موقعہ محل کے مطابق خود سمجھ لیتا ہے کہ فائر بندوق کے ساتھ کیا گیا ہے یا ریوالور کے ساتھ۔ پھر شکاری بندوق کیساتھ یا فوجی بندوق کیساتھ۔

● اگر باندازِ تعمق غور کیا جائے تو سورہ فیل کے روائتی مفہوم میں اہلِ اسلام کو غیر مسلّح کرنے کی کھلی کوشش موجود ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر بیت اللہ شریف کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے' جیسے کہ اُس نے اُسے ہاتھیوں والوں سے محفوظ رکھا۔ اِسی عقیدے سے اس نظریے نے جنم لیا ہے کہ دین بھی اللہ کا ہے' اسلئے اسکی حفاظت بھی اُسی کے ذمہ ہے۔ جس طرح اُس نے چڑیوں سے ہاتھیوں کو مروادیا تھا' اسی طرح ہماری' ہمارے گھروں کی' ہماری مسجدوں کی' ہماری حکومت کی بھی وہی حفاظت کریگا' ہمیں کسی بھی فوجی طاقت کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ اسلام کی پچاس ساٹھ حکومتوں میں باوجود اسکے کہ ان میں سونے کے' تیل کے اور لوہے کے ذخائر بافراط موجود ہیں' مگر کسی ایک اسلامی حکومت میں اسلحہ سازی تو کیا' لوہے تک کا کارخانہ موجود نہیں۔ بالفاظِ دیگر چڑیوں سے ہاتھی مروانے کے عقیدے نے مسلمانوں کو اس مقام پر لاکھڑا کر دیا ہے کہ اہلِ اسلام کو اسلحہ کی ضرورت نہیں۔ اِسکے لئے چڑیوں کی فوج کافی ہے' جو چونچوں اور پنجوں کے ذریعہ نشانے پر کنکر مارتی ہیں جس سے ہاتھی معہ سوار چھید کر مرجاتا ہے۔

● اِسکے برعکس سورہ فیل کے صحیح قرآنی مفہوم کے مطابق جو تصریف آیات کے مستقل اسلوبِ قرآنیہ کیساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اُس سے ہر آن جدید سے جدید اسلحہ تیار کرتے رہنے کا سبق ملتا ہے۔ جیسے کہ مذکورہ صاحبِ اقتدار رسولوں نے اُس دَور کی اعلیٰ ایجاد کے مطابق اسلحہ تیار کر رکھا تھا' جس کا حکم آنحضور اور آپکے صحابہؓ کرام کے نام بالفاظِ ذیل جاری کیا گیا تھا:-

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸:۶۰ اور دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ اعلیٰ قوت تیار کرتے رہو' خصوصاً ذرائع رسل و رسائل کی تمہارے ہاں وہ بہتات موجود ہو کہ تم اسکے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔ (وہ تم پر حملہ کی جرأت نہ کریں گھر بیٹھے کانپتے رہیں)۔

● اِس آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اہلِ اسلام کے ہاں ہمیشہ کیلئے انکی اسلحہ فیکٹریوں میں دن رات جدید سے جدید اسلحہ تیار ہوتا رہے' کیونکہ پرانی بندوقوں اور چھوٹی توپوں کیساتھ دُور مار میزائلوں والا دشمن کس طرح دہل سکتا ہے۔ اور پرانے طیاروں کیساتھ میراج لڑاکا طیاروں کا مقابلہ کس طرح ہو سکتا ہے۔

ایک اہم آخری سوال

● اللہ کے رسولوں' حضراتِ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے مہمانوں کے متعلق آخری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ کے رسولؑ ہی تھے تو اس چیز کا کیا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بیٹوں اور پوتے کی بشارت خود کیوں نہ دی جبکہ وہ خود اللہ کے برگزیدہ نبیؑ رسولؑ تھے۔ اور اُن پر زندگی بھر وحی کا نزول

جاری رہا تھا؟

● اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کی اساس پر یہ ہے کہ اُسکا ہر کام وقتی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرات یعقوبؑ اور یوسفؑ دونوں نبی تھے۔ مگر حضرت یوسف کے زندہ سلامت اور صاحبِ اقتدار ہونے کی خبر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ پر براہِ راست نازل نہ فرمائی، حالانکہ وُہ خود نبی تھے اور آپ پر زندگی بھر نزولِ وحی جاری رہا تھا بلکہ وُوسرے نبی حضرت یوسفؑ کے ذریعہ بھجوائی گئی تھی، حالانکہ حضرت یعقوب سلام علیہ ہر سہا برس کیلئے فراقِ فرزند میں مُضطرب و بیقرار وقت گزار رہے تھے۔ اِس میں حکمت یہ تھی کہ حضرت یوسفؑ کے کندھوں پر قیامِ ربُوبیّتِ عامہ کی چودہ سالہ ذمہ داری ڈالدی گئی تھی۔ جبتک چودہ سال پورے نہ ہو جاتے اور غلّے کا بے لوث کنٹرول اہلِ عالم کے سامنے عملاً مکمل نہ ہو جاتا کہ نہ صرف آپنے ملکِ مصر میں چودہ سالہ طویل عرصہ میں مسلسل غلّہ مہیّا فرمایا بلکہ دُور دُور کے قحط زدہ لوگ بھی غلّہ لینے آتے رہے، حتیٰ کہ جن لوگوں میں غلّہ خریدنے کی سکت موجود نہ ہوتی اُنہیں صدقہ کی مَد سے غلّہ دیا جاتا تھا۔

● جب حضرت یوسفؑ اس چودہ سالہ امتحان میں صد فیصد کامیاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے یوسفؑ نبی کی معرفت اپنے یعقوبؑ نبی کو حضرت یوسف کے عہدۂ عزیزِ مصر (وزیرِ اعظم) کی وردی کی قمیص بھجوا کر مطلع کیا کہ آپکا بیٹا نہ صرف یہ کہ زندہ ہے بلکہ عہدۂ عزیزِ مصر پر فائز المرام رہکر غلّے کے چودہ سالہ کنٹرول کی وہ خدمت انجام دے چکا ہے، جس سے متعلقہ خواب کو شاہِ مصر کی کابینہ کے گیارہ ستارے، اُسکا وزیرِ اعظم (عزیزِ مصر) اور خود شاہِ مصر سمجھنے تک سے قاصر رہے تھے۔ ملکِ مصر کا آفتاب (شاہِ مصر) ملکِ مصر کا چاند (وزیرِ اعظم) اور مصر کی کابینہ کے گیارہ رکن (گیارہ ستارے) سب کے سب حضرت یوسفؑ کے سامنے سجدہ ریز، یعنی اپنے اپنے اختیارات سے حضرت یُوسف کے حق میں دستبردار ہو چکے ہیں یعنی اُنکے مُطیع ہو چکے ہیں۔ بس :۔

● جس طرح حضرت یعقوبؑ نبی کو بیٹے کی زندگی کی خوشخبری براہِ راست بذریعہ وحی نہیں دیگئی تھی اُسی طرح حضرت ابراہیمؑ کو دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری براہِ راست نہ دیگئی۔ اس میں حکمتِ بالغہ یہ تھی کہ جنابِ خلیل سلام علیہ نے دعا فرمائی تھی۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۳۷/۱۰۰ اَے میرے پروردگار! مجھے صالحین میں سے اولاد عطا فرما۔ لیکن اُدھر بوڑھے میاں بیوی پر رحمتِ باری اسقدر فراواں جوش عمل میں آئی کہ بیک وقت دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اب ایک بڑھیا کو ایک بیٹا جننے کی خوشخبری پر تعجب کرنا ایک لازمی امر تھا۔ چنانچہ ایک بیٹے کی خوشخبری پر مائی صاحبہ مُسکرا پڑیں کہ اَب بڑھیا بیٹا جنے گی؟ اس پر ایک اور بیٹے اور ایک پوتے کی بھی حینِ حیات خوشخبری دیدیگئی۔ اِس پر مائی صاحبہ نے فرمایا يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ۱۱/۷۲ اس پر اپنے دسولوں کے ذریعہ وحی کیگئی اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ ۱۱/۷۳ اَے خاتون! کیا تو اللہ کے قانون پر تعجب کرتی ہے؟ اَے (ابراہیمؑ کے) گھروالو! تم پر اللہ کی رحمت و برکت ہے (تم دونوں میں قوّتِ تولید پیدا کر دینا قانونِ خداوندی کیلئے کچھ مشکل نہیں)۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد تعریفوں والا اور بہت بڑی شان والا ہے۔

● اُدھر حضرت یعقوب سلامٌ علیہ کیلئے بھی خوشخبری کا معاملہ تھا' وہاں بھی براہِ راست وحی کی بجائے دُوسرے نبی کے ذریعہ کا مخصوص انداز اختیار کیا گیا۔ اور ادھر حضرت ابراہیم کیلئے بھی خوشخبری کا معاملہ تھا' وہ بھی براہِ راست کی بجائے بذریعہ دُوسرے رسُولوں کے خوشخبری دیگئی۔ سَلٰمٌ عَلٰی یَعْقُوْبَ ۔ سَلٰمٌ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ۔

قومِ شعیب[۳۳۳]

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں قومِ لوط کے بعد قومِ شعیبؑ اہلِ مدین کی بداعمالیوں اور اُن پر لائے گئے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُس قوم نے ناپ تول میں کمی کرکے ناجائز نفع اندوزی کے ذریعہ اللہ کی زمین میں فساد برپا کر رکھا تھا:۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ۭ قَالَ یٰقَوْمِ
اور طرف مدین کے بھائی ان کے شعیب کو کہا اے قوم میری

اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ۭ قَدْ
حکم مانو اللہ کا نہیں واسطے تمہارے بیں ہے حاکم سوائے اُسکے بیشک

جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا
آئی پاس تمہارے دلیل سے رب تمہارے پس پورا کرو

الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَ
ناپ کو اور ترازو کو اور نہ کم دو لوگوں کو چیزیں

ھُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا ۭ
انکی اور نہ فساد کرو بیچ زمین کے پیچھے درستی اس کی

ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ ۸۵
مذکورہ بالا بہتر واسطے تمہارے اگر ہو تم ماننے والے

اور بھیجا اہلِ مدین کی طرف اُنکے بھائی شعیب کو (رسول بنا کر بھیجا) انہوں نے کہا کہ اَے میری قوم صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ بیشک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے۔ پس تم ناپ اور تول کو پُورا کرو۔ اور لوگوں کو چیزیں (کم ناپ کر اور کم تول کر) نہ دیا کرو۔ اور زمین کی اصلاح ہو چکنے کے بعد اس میں (کم ناپ تول کے ذریعہ) فساد نہ پھیلاؤ۔ اور اگر تم اپنے دعویٔ ایمان میں سچے ہو تو تمہارے لئے وُہ یعنی ناپ تول کو پورا کرنا اور لوگوں کو کم ناپ کر یا کم تول کی بجائے پُورا ناپ تول کر چیزیں دینا) ایک بہتر امر ہے

عبادت کا معنیٰ ہے حکم ماننا اور الٰہ کا معنیٰ ہے حاکم

● ۱ عربی لغت کے مطابق لفظ الٰہ سے مراد ہے وُہ اکلوتی ذاتِ مقدّس جس کا حکم مانا جائے، جس کی فرمانبرداری کی جائے۔ چنانچہ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ کے الفاظ میں وضاحت کردیگئی ہے کہ الٰہ وُہ ہے جس کی عبودیّت اختیار کی جانی چاہیئے۔ اُعْبُدُوا اللّٰہَ کا یہ معنی غیر واضح اور مُبہم ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اور عبادت کا یہ معنیٰ مطلقاً غلط ہے کہ اللہ کے نام کا جاپ جپتے رہو۔ یا دن رات نفل پڑھتے رہو۔ اُعْبُدُوا اللّٰہَ بصیغہ امر کا بدل اگلے الفاظ میں بصیغہ امر لایا گیا ہے فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ ، اللہ کی فرمانبرداری کرو، یعنی ناپ تول کو پُورا کرو۔ اِسی چیز کی وضاحت اگلے الفاظ میں بصیغہ نہی موجود ہے وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم ناپ تول کر نہ دیا کرو۔ اور اِن جملہ اعمال کو فساد فی الارض قرار دیا گیا ہے وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ

اِصْلَاحِهَا۔ پس آیتِ مجیدہ کے ان موجود و محفوظ الفاظ سے صراحتاً ثابت ہُوا کہ ناپ تول کو پُورا کرنا اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرنا اُعْبُدُوا اللّٰهَ میں داخل ہے۔ فلهذا ثابت ہُوا کہ پُورا ناپنا اور پُورا تولنا عین عبادتِ خداوندی ہے اور اسی طرح ہر وہ کام عبادتِ خداوندی میں شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا جائے یعنی جو کام بھی اُسکی عبودیّت کی حدود میں محدود رہتے ہُوئے انجام دیا جائے وہ عین اللہ کی عبادت میں داخل ہے۔

● ۲ یہاں زمین کی اصلاح سے مُراد یہ ہے کہ جب مسلّمہ طور پر تول اور شیر ذخیرہ کی مقدار میں متعین ہو چکی ہوں تو اُن میں کمی بیشی کرنا خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور صریحاً فساد فی الارض ہے۔

● ۳ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قومِ شعیبؑ جو لوگ خریداروں سے دام تو پُورے وصول کرتے تھے مگر اُنہیں چیزیں کم دیتے تھے وُہ اپنے آپکو مومن ہی قرار دیتے تھے اور مومن ہی سمجھتے تھے۔ لیکن اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ میں اِن شرطیہ آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنا شرطِ ایمان کے صد فیصد خلاف ہے۔ پس ایمان کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ تجارتی کاروبار میں نہ ملاوٹ ہو نہ کم ناپ تول یعنی ناجائز نفع اندوزی سے پُوری طرح پرہیز کی جائے۔ ورنہ دائرہ ایمان سے اَز خُود خارج ہو جاتا ہے۔

قومِ شعیبؑ مومنوں کو دھمکیاں دیتی تھی

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو بالفاظِ فصل منع فرمایا کہ ضابطۂ خداوندی پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں نہ دو بلکہ فسادیوں کے انجام پر غور کرو۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ
اور نہ بیٹھو پر ہر راستے۔ دھمکاتے ہو تم اور روکتے ہو

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا
سے راستے اللہ کے جو ایمان لایا ساتھ اسکے اور تم تلاش کرتے ہو اسکی کجی

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا
اور یاد کرو جب تھے تم تھوڑے پھر کثرت دی تمکو اور غور کرو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۸۶
کس طرح ہُوا انجام فسادیوں کا

(حضرت شعیبؑ نے فرمایا اَے میری قوم!) اور تم راستوں میں اسلئے مت بیٹھا کرو کہ تم انہیں دھمکاؤ، جو (ضابطۂ خداوندی[1] پر) ایمان لے آئے ہیں اور تم انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے (یعنی اُس کے نازل کردہ ضابطۂ حیات سے) روکتے ہو۔ اور اس (ضابطۂ خداوندی) میں بھی تلاش کرتے ہو۔ اور تم اپنے اُسوقت کو یاد کرو کہ جب تم تعداد میں تھوڑے تھے۔ پھر اُس نے تمہیں (اپنے قانون کیمطابق) زیادہ کر دیا۔ اور غور کرو کہ فسادیوں کا کیا انجام ہوتا چلا آیا ہے۔

● ۱ یہاں سَبِیْلِ اللّٰہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ضابطۂ حیات، جسے نوعِ انسانی کے لئے زندگی گزارنے کا راستہ کہا گیا ہے۔ اور اسی سبیل یعنی ضابطۂ حیات کے متعلق ارشاد ہُوا ہے تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا کہ تم اُس میں کجیاں تلاش کرتے ہو۔ آج بھی جب قرآنی ضابطۂ حیات جو مساواتِ انسانیہ کا علمبردار ہے، پیش کیا جاتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ اگر اُمت کے کم

فرد کو ضروریاتِ زندگی میسّر آنا شروع ہو جائیں تو محنت مشقت والے کام کون کرے گا، حالانکہ جن ممالک میں قرآن کریم سے چُرا کر متوازن آئین نافذ ہو چکا ہے، وہاں کوئی رکاوٹ سامنے موجود نہیں۔ تمام کام بوجوہِ احسن انجام پذیر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں حضرتِ شعیبؑ کے الفاظ میں خبر دیگئی ہے کہ کچھ لوگ ضابطۂ الٰہی پر ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے انکار کر دیا۔

وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي
اور بیشک ہے ایک گروہ میں تمہارے ایمان لایا ساتھ اسکے جو

أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا
بھیجا گیا ہیں ساتھ اسکے اور ایک گروہ نہ ایمان لایا پس انتظار کرو

حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٧﴾
یہانتک فیصلہ کرے اللہ درمیان ہمارے اور وہ ہے بہتر فیصلے کرنیوالوں کا

(حضرت شعیب نے قوم سے فرمایا) اور بیشک تم میں سے ایک گروہ اُس (ضابطۂ خداوندی) کے ساتھ ایمان لایا ہے جو میں دیکر بھیجا گیا ہوں۔ اور ایک گروہ ہرگز ایمان نہیں لایا پس تم اُسوقت تک (اپنی بداعمالیوں کے نتیجے کا) انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ فیصلہ کرنیوالوں میں بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔

● ۱؎ یہاں اِنْ نہ نافیہ نہ شرطیہ۔ بلکہ اِنَّ کا مخفف ہے بمعنی بیشک۔ واضح رہے کہ:-
یہاں قرآن مجید نے اہلِ قواعد کی یہ غلطی نکالی ہے کہ وہ اِنْ کو اِنَّ کا مخفف صرف اسوقت تسلیم کرتے ہیں جب اس پر لام مفتوح داخل ہو۔ مگر یہاں بتایا گیا ہے کہ اِنْ بلا دُرود لام بھی عربی ادب میں اِنَّ کا مخفف بمعنی بیشک بھی مستعمل ہے۔

● ۲؎ یہاں اِصْبِرُوْا کا معنی ہے اپنے اپنے مقام پر مستقل مزاجی کیساتھ عمل کرتے رہو اور نتیجے کا انتظار کرو۔

● ۳؎ حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ کے الفاظ میں وضاحت کر دیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کیمطابق فیصلہ کرتا ہے:-

● ۴؎ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ کے جملہ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اُسکے فیصلے عام قاضیوں اور ججوں جیسے نہیں ہوتے جو کبھی غلط بھی ہو جاتے ہیں کیونکہ انکے فیصلے گواہوں کی صحیح یا غلط گواہیوں کیمطابق صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ چونکہ ہر واقعہ کا خود عینی گواہ ہے اسلئے اُسکے فیصلے ہرگز ہرگز غلط نہیں ہوتے۔ آیتِ بالا میں مذکور حضرت شعیب کے قول کے جواب میں قوم نے کہا:-

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ
کہا سرداروں جنہوں نے تکبر کیا سے قوم اسکی

لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ
ضرور ہم نکال دینگے تجھے اے شعیب اور جو لوگ ایمان لائے ساتھ تیرے سے

قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ
بستی اپنی یا ضرور تم لوٹ آؤ گے بیچ گروہ ہمارے۔ کہا کیا اور اگرچہ

(حضرت شعیبؑ کے جواب میں) اُنکی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے تکبر کیا، کہ اے شعیب ہم آپکو اور اُن لوگوں کو جو آپ پر ایمان لے آئے ہیں اپنی بستی سے نکال دینگے اور یا تم ضرور ہماری جماعت میں واپس لوٹ آؤ گے (حضرت شعیبؑ نے فرمایا کیا ہم واپس آ سکتے ہیں) اگرچہ ہم (تمہاری جماعت کے اعتقادات و اعمال سے) نفرت کرتے ہوں۔ (جن افراد نے

كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۸۸
ہوں ہم کراہت کرنیوالے

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ
بیشک بہتان باندھا اُوپر اللہ کے جھوٹ اگر لوٹ جائیں ہم بیچ

مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ
جماعت تمہاری پیچھے اسکے جب نجات دی ہمیں اللہ نے سے اس کے

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ
اور نہیں لائق واسطے ہمارے کہ ہم لوٹ جائیں بیچ اسکے مگر یہ کہ

يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ
چاہے اللہ رب ہمارا محیط ہے رب ہمارا ہر چیز پر علم کی رو سے

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ
اوپر اللہ کے بھروسہ کیا ہم نے۔ رب ہمارے فیصلہ کر درمیان ہمارے اور درمیان

قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۸۹
قوم ہماری کے ساتھ حق کے اور تو ہے بہتر فیصلہ کرنیوالوں کا

تمہارے مذہب سے بیزار ہو کر اُسے ترک کر دیا ہے وہ واپس نہیں آسکتے)۔

(حضرت شعیبؑ نے فرمایا) اگر ہم تمہاری ملت (مذہب) میں لوٹ جائیں تو (اسکا مطلب یہ ہے کہ) بیشک ہم نے اللہ تعالیٰ پر (نزولِ وحی کا) بہتان باندھا پیچھے اسکے کہ اُس نے ہمیں اس (تمہارے غلط مذاہب) سے نجات دیدی ہے۔ اور ہمارے لئے یہ لائق نہیں ہے کہ ہم اس (تمہارے مذہب) میں لوٹ جائیں۔ بیشک یہ کہ ہمارا رب تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ ہم (تمہارے مذہب میں) نہ لوٹیں۔ ہمارا پروردگار علم کی رُو سے ہر چیز پر محیط ہے۔ ہم نے اللہ (کے قانون) پر بھروسہ کیا ہے۔ اُے ہمارے پروردگار! تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کر دے۔ بلاشبہ تُو فیصلے کرنیوالوں میں بہتر (صحیح صحیح) فیصلے کرنیوالا ہے۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کا صحیح مفہوم

● لے اِلَّآ جو اہلِ قواعد کے ہاں حرف استثنائیہ مانا گیا ہے قرآن مجید میں ذیل کے متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے:۔

۱۔ اِلَّآ استثنے کیلئے ہے۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۴۷/۱۹ پس جانئے رہ کہ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔

۲۔ اِلَّآ استغراق کیلئے ہے۔ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ ۳۸/۱۴ نہیں تھیں سب مذکورہ قومیں کہ سب نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔

۳۔ اِلَّآ اِنْ لا کے معنوں میں:۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ۹/۴۰ اگر تم اُسکی مدد نہ کرو تو اللہ اُسکی مدد (کا فیصلہ) کر چکا ہے۔

۴۔ اِلَّآ عاطفہ بمعنی اور:۔ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ ۲۷/۱۰-۱۱ بیشک میں وہ ہوں کہ میری طرف سے بھیجے ہوئے رسول ڈرا نہیں کرتے اور نہ میرا وہ بندہ ڈرتا ہے جو کبھی کوئی زیادتی کر بیٹھے اور قرآنی اعمالِ صالحہ کیساتھ برائی کو نیکی میں بدل لیا ہو۔ (اُسے بھی کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا)۔

۵۔ اِلَّآ تاکید یہ بمعنی یقیناً، برائے تصدیق ماقبل ہے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۸۷/۶-۷ اے رسول بیشک ہم آپکو پڑھاتے ہیں، پھر آپ بھولتے نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی چاہا ہے کہ آپ بالکل نہ بھولیں۔

سے اہلِ قواعد کے ہاں سَ حرف مستقبل قریب کیلئے مانا گیا ہے لیکن یہاں بتلایا گیا ہے کہ سَ تاکید کیلئے بھی آتا ہے۔

کیونکہ جب آنحضورؐ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے پڑھایا جا رہا تھا' اسوقت ارشاد ہُوا تھا سَنُقْرِئُكَ - اب ظاہر ہے کہ اسکا یہ معنی ہرگز صحیح نہیں کہ ہم آپکو عنقریب پڑھائینگے - بلکہ صحیح معنی یہ ہے کہ بیشک ہم آپکو پڑھاتے ہیں پھر آپ بھولتے نہیں - اور اسکے بعد جو اِلاّ آیا ہے وہ تاکید یہ معنی یقیناً برائے تائید ماقبل کیلئے آیا ہے - اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ - بیشک اللہ نے یہی چاہا ہے کہ جو کچھ آپکو پڑھایا جائے آپ اُسے ہرگز ہرگز نہ بھولیں' بس مشیتِ الٰہی یہی ہے - اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہ میں آمدہ اِلاّ کو قواعد میں استثنٰے بالمشیت کہتے ہیں - جو ماقبل کی تصدیق اور استمرار کیلئے آتا ہے - یعنی جہاں اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ آئے تو اسکا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے' اللہ نے یہی چاہا ہے' یہی مشیتِ الٰہی ہے' اِسکے خلاف کبھی نہیں ہوگا۔

● اسی طرح سلسلۂ درس کی آیت زیرِ بحث ۸۹ میں مَا یَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَا کے بعد آیا ہے اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ یہاں بھی اِلاّ تاکید یہ معنی یقیناً برائے تصدیقِ ماقبل کیلئے آیا ہے' تردید کیلئے نہیں آیا۔ اور اسکا معنی یہ ہے :- اور ہمارے لئے یہ لائق نہیں کہ ہم اِس (تمہارے مذہب) میں واپس لوٹ جائیں - بیشک یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا بھی یہ ہے کہ ہم تمہارے باطل مذہب میں لوٹ کر نہ جائیں ——— یہ مفہوم حضرت شعیبؑ کی شانِ نبوت اور آپکے صحابہؓ کی شانِ عصمت کے عین مطابق ہے' کیونکہ یہ اَمر ہرگز باور نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا ہو کہ حضرت شعیبؑ کے صحابیؓ اپنی قوم کے اُس باطل مذہب میں واپس لوٹ جائیں جس میں شبانہ روز ناپ تول کی کمی کیساتھ اللہ کی زمین میں فساد کیا جا رہا تھا - اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ایسا کرنیوالوں کو اُنکے علماء کی طرف سے مومن ہونے کی سند حاصل تھی - سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سردارانِ قومِ شعیب کے متعلق یہ بھی مذکور ہے :-

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
اور کہا سرداروں نے جنھوں نے انکار کیا میں سے قوم اسکی

لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝
البتہ اگر تم نے اتباع کی شعیب کی بیشک تم ہو اسوقت ضرور گھاٹا پانیوالے

اور اُس (حضرت شعیبؑ) کی قوم نے (آپس میں ایکدوسرے کو) کہا کہ بیشک اگر تم شعیبؑ (کی نبوت) پر ایمان لائے تو بلاشبہ تم اسوقت ضرور نقصان اٹھانیوالوں سے ہو جاؤ گے (ہم تمہیں ہر طرح سے نقصان پہنچائیں گے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں انتہائی اختصار کیساتھ قومِ شعیب کا یہ انجام بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ حضرت شعیب پر ایمان لانے والوں کو نقصان تو نہ پہنچا سکے - بلکہ خود ہی اپنے بدعملوں کی بدولت عذابِ الٰہی کے شکار ہو کر اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہگئے :-

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ
پھر پکڑ لیا انکو زلزلے نے پھر ہو گئے وہ بیچ گھروں اپنے

جٰثِمِیْنَ ۝ ۹۱
گھٹنوں پر اوندھے پڑے

پھر اُنہیں زلزلے (کے عذاب) نے پکڑ لیا - پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہگئے (پوری قوم کو زلزلہ کے عذاب کیساتھ ختم کر دیا گیا)۔

الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۛ
جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کہ نہیں رہے وہ اس میں
الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ۝ ۹۲
جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو تھے وہی گھاٹا پانیوالے

وہ لوگ جنہوں نے حضرت شعیبؑ (کی نبوت اور اُن کے ذریعہ نازل کردہ ضابطہ الٰہی کا) انکار کیا۔ گویا کہ وہ اس بستی میں کبھی تھے ہی نہیں، جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا۔ وہی تھے گھاٹا پانیوالے۔

حضرت شعیبؑ کی ہجرت

● اللہ تعالیٰ کی دائمی سنتِ مبارکہ یہ ہے کہ جب کسی نافرمان قوم پر اُسکا عذاب آنیوالا ہوتا تو اپنے نبی رسول مع اُسکے صحابہؓ کے اُس بستی سے ہجرت کروالیتا تھا۔ چنانچہ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت شعیبؑ قوم کو یہ کہتے ہوئے اُن سے منہ موڑ گئے (ہجرت فرما گئے) کہ اے قوم میں نے تمہیں اللہ کے پیغامات پہنچا دیئے اور تمہیں نصیحت کردی ہے۔

فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ
پس منہ موڑا اس نے ان سے اور کہا اے میری قوم تحقیق پہنچا دیئے میں نے تمہیں
رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۖ فَكَيْفَ
پیغامات رب اپنے کے اور نصیحت کی میں نے واسطے تمہارے پھر کس طرح
آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝ ۹۳ ع ۱۱
افسوس کروں اُوپر قوم انکار کرنیوالوں کے

پھر اُس (حضرت شعیبؑ) نے اُن سے منہ موڑ لیا اور کہا (یعنی یہ کہتے ہوئے ہجرت فرما گئے) کہ اے میری قوم میں نے (اپنا فرض ادا کرتے ہوئے) تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے۔ اور تمہیں نصیحت کی۔ پھر (اُسکے بعد) میں انکار کرنیوالوں (پر آمدِ عذاب کے بدلے) کس طرح افسوس کروں؟

سورہ ھود

● سورہ اعراف کی آیاتِ بالا میں حضرت شعیبؑ اور انکی قوم کا تذکرہ اختصاراً اور اجمالاً بیان ہوا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل تصریفِ آیات کے ذریعہ سورہ ھود، حجر، شعراء، عنکبوت میں موجود ہے پہلے سورہ ھود پیشِ خدمت ہے:-

● وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَ
الْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا
تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا
عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ۝ - ۱۱/۸۴ تا ۸۶

(مفہوم) اور ہمنے اہلِ مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اس کے سوا اور کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ اور تم ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ بیشک میں تمہیں (ناپ تول میں کمی ذریعہ ناجائز مال کیساتھ) مالدار دیکھتا ہوں۔ اسلئے میں تمہارے لئے گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اور اے میری قوم پھر (سُن لو کہ) ناپ اور تول کو انصاف کیساتھ پورا کرو (یعنی نہ لیتے وقت زیادہ لو اور نہ دیتے وقت کم دو)

خصوصًا لوگوں کو انکی چیزیں کم نہ دو۔ اور (ناپ تول کی کمی کیساتھ) زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ تمہارے لئے وہ مال بہتر ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق (نفع کے طور پر) باقی بچے۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو (ناپ تول پورا کرو) میں تم پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا —— لیکن قوم کم ناپنے اور کم تولنے والے پنکاروں نے جواب دیا:۔

● قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭاِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ ۱۱/۸۷ انہوں نے کہا اے شعیبؑ! کیا تیری صلوٰۃ تجھے (ہمارے متعلق) یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اُن کی اطاعت چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں۔ یا (ہم ناپ تول میں کمی کرنا ترک کر دیں) جو ہم اپنے مال کمانے کیلئے اپنی منشا کیمطابق کرتے ہیں۔ بیشک تُو خود بُرد بار اور خود سمجھ دار ہے (تُو جانتا ہے کہ تجارت میں ایسا کرنا ہی پڑتا ہے)۔

● لے صلوٰتُكَ بمعنی تیری صلوٰۃ کے مرکب اضافی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قوم شعیبؑ کی بھی ایک صلوٰۃ تھی۔ مگر حضرت شعیب کی صلوٰۃ انکی صلوٰۃ سے مختلف تھی۔ قوم نے کہا کہ تیری صلوٰۃ یہ حکم دیتی ہے کہ ہم باپ دادا کے معبودوں کو بھی چھوڑ دیں اور تجارت میں جو ناپ تول میں کمی کر کے زیادہ مال کماتے ہیں اُسے بھی ترک کر دیں؟۔

صلوٰۃِ موقت کی حقیقت کو بدل دینا سابقہ اُمتوں کی پرانی روش ہے

● صلوٰۃِ موقت (نماز) جس کا حکم جملہ انبیاء کرامؑ لیکر آتے رہے اور جسے خود رسول اکرمؐ بھی لیکر آئے تھے، اسکی رُو سے لازم آتا ہے کہ صلوٰۃ گزار مومن کی صلوٰۃ اسکی زندگی کے ہر گوشے میں دخیل ہو۔ یعنی صلوٰۃِ موقت جسے عرفِ عام میں نماز کہا جاتا ہے کے ذریعہ حضورِ الٰہی میں کئے گئے وعدہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے مطابق مُصلّی (نمازی) اس امر کا پابند ہو جاتا ہے کہ جھوٹ، فریب، دھوکا دہی، چوری، چکاری اور ناپ تول میں کمی وغیرہ، اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے دُور رہے۔ صلوٰۃ موقت میں کئے گئے وعدے پر قائم رہنا اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ جسکی تاکید اَقِيْمُوا الصَّلٰوۃَ کے الفاظ میں باری تعالیٰ کی طرف سے بار بار کیگئی ہے۔

صلوٰۃ پوجا پاٹ نہیں ہے

● لیکن سابقہ امتوں ہی میں، حقیقتِ صلوٰۃ کو پوجا پاٹ کے تصور کیساتھ بدل دینے کی پُرانی روش چلی آئی ہے۔ وُہی صلوٰۃ، جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر بےحیائی اور ہر بُرے کام سے بچنے کا ذریعہ قرار دیگئی ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۲۹/۴۵، اُس کو ہر بُرے کام کی سزا سے بچانیوالی قرار دے لیا جاتا ہے بالکل اُسی طرح جیسے کہ موجودہ امت میں یہ عقیدہ راسخ ہو چکا ہے کہ جائی! نماز گناہ بخشوانے کا ذریعہ ہے، اسی طرح قوم شعیب کا عقیدہ بھی صلوٰۃ کے متعلق یہ تھا کہ ہم جو ناپ تول میں کمی کر کے مال کماتے ہیں نماز کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمارے تمام گناہ معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن جب حضرت شعیب نے قوم کے سامنے صلوٰۃ (نماز) کا حقیقی تصور پیش کیا، جس کی رُو سے ناپ تول پُورا کرنا جزوِ صلوٰۃ ہے تو اس پر قوم نے انتہائی تعجب کیساتھ پُوچھا، اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم پُوجا پاٹ کا وہ طریقہ ترک کر دیں جو باپ دادا سے چلا آرہا ہے، اور مال کمانے میں وہ ہیر پھیر چھوڑ دیں جو ہم اپنی منشا کے مطابق کرتے چلے آرہے ہیں۔

بے روح نماز • جس نماز کو صرف پوجا پاٹ بنالیا جائے کہ اُدھر نمازیں بھی پڑھی جارہی ہوں اور اُدھر بیکاری اور ملاوٹ وغیرہ بھی چل رہی ہو، وہ ایک بے روح نماز ہے۔ لیکن برادرانِ عزیز! یہ تصور بھی مطلقاً غلط ہے کہ اس میں روح پیدا کرنے کی بجائے، خود اسے ترک کرکے بیٹھ جائیں۔ یہ تلقین و تبلیغ بھی امتِ مسلمہ کیخلاف ایک انتہائی خطرناک سازش ہے کہ چھوڑو جی اِس بے روح نماز میں کیا پڑا ہے۔ جب خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی تو وہ صلوٰۃ قائم کرینگی بالفاظِ دیگر جبتک ایسی حکومت قائم نہ ہو، اسوقت تک کھلے بندوں رشوت ملاوٹ خوب چلاتے چلے جاؤ۔ نہ ایسی حکومت قائم ہو اور نہ ہم رشوت ملاوٹ اور کم ناپ تول کو ترک کرکے بے روح نماز میں روح ڈالیں۔ نہ نو من تیل ہو اور نہ رادھا ناچے۔ اِس کے برعکس حکم یہ ہے کہ صلوٰۃِ موقت نماز کو پڑھو بھی اور اسے قائم بھی کرو۔ یعنی جھوٹ، فریب، کم ناپ تول اور ہر قسم کے بُرے کاموں سے صد فیصد پرہیز بھی کرو۔ حضرتِ شعیب نے کب حکومت قائم کرنے کے بعد صلوٰۃِ موقت قائم فرمائی تھی اور کیا خود آنحضور مکی مدنی سرکار قیامِ حکومت سے پہلے صلوٰۃِ موقت (نماز) ادا نہیں کیا کرتے تھے؟

رجوع الی المقصود • سورہ ھود کی آیتِ بالا کے مطابق جب صلوٰۃ کی اُس وضاحت پر جو حضرت شعیب نے فرمائی تھی، قوم شعیب نے تعجب کیا تو آپنے جواباً ارشاد فرمایا کہ دیکھو! میں تجارتی ہیر پھیر نہیں کرتا اور مجھے تم سے بہتر یعنی پاکیزہ روزی مل رہی ہے۔ جب میں تجارتی ہیر پھیر سے پرہیز کرسکتا ہوں تو تم کیوں نہیں کرسکتے؟

• يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ[1] كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ $\frac{11}{88}$

(مفہوم) اَے میری قوم بیشک[1] میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور وُہ مجھے (ناپ تول میں کمی کئے بغیر) عمدہ (پاکیزہ) روزی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں یہ ارادہ نہیں رکھتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کرتا ہوں، خود اسکے ضمن میں تمہاری مخالفت کروں۔ میں تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ ہی سے اسکی توفیق حاصل ہے میں نے اللہ تعالیٰ کے قانون پر بھروسہ کیا ہے اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

• [1] یہاں اِنْ كُنْتُ میں بھی اِنْ بلا ورودِ لام مفتوح اِنَّ کا مخفف ہے بمعنی بیشک۔

• حضرت شعیب نے مزید فرمایا۔ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْۤ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ $\frac{11}{89-90}$

اور اَے میری قوم تمہیں میری مخالفت اِس چیز کا مجرم نہ بنادے کہ تم پر وہی عذاب آجائے جو قوم نوح یا قوم ھود یا قوم صالح پر آیا تھا۔ اور قوم لوط تو تم سے دور نہیں گزری ہے۔ اور تم ناپ تول پورا کرکے) اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو اور اُسی کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رجوع کرنیوالوں کیلئے بڑا مہربان اور محبت کرنیوالا ہے۔

• لیکن قوم نے جواب دیا۔ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

لَرَجَمْنٰكَ ز وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ٥ ۱۱/۹۱ قوم نے کہا اے شعیب! آپ کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں جو آپ کہتے ہیں - اور بلاشبہ ہم آپ کو اپنے اندر ایک کمزور (تاجر) پاتے ہیں - اور اگر آپ کی برادری نہ ہوتی تو ہم آپ کو پتھر مار مار کر مار ڈالتے - اور آپ ہمارے مقابلے پر غالب آنیوالے نہیں ہیں —— اسکے جواب میں حضرت نے فرمایا :-

● قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ٥ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ٥ ۱۱/۹۲-۹۳ -

(مفہوم) حضرت شعیب نے فرمایا کہ اے میری قوم! کیا تمہیں اللہ کی نسبت میری برادری کا زیادہ ڈر ہے اور اسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے (اس طرح تم عذاب سے نہیں بچ سکتے) بیشک میرا پروردگار تمہارے اعمال کا احاطہ کرنیوالا ہے - اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو اور میں اپنی جگہ پر عمل کرنیوالا ہوں - تم عنقریب جان لو گے کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے یعنی کون جھوٹا ہے (بس اب) تم نتیجہ کا انتظار کرو - اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالا ہوں -

● سورہ ھود کی اس سے اگلی آیت میں نتیجہ کی خبر دیگئی ہے :-

● وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ٥ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ٥ ۱۱/۹۴-۹۵ اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے اپنی رحمت کیساتھ شعیب کو اُن لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے (ہجرت کرواکر ۷/۹۳) عذاب سے بچالیا اور جن لوگوں نے (عوام پر مدتوں ظلم کیا تھا' انہیں زلزلہ کی ایک گڑگڑاہٹ نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے - گویا کہ وہ وہاں کبھی رہے ہی نہیں تھے (اے مخاطب) خبردار! اہلِ مدین کے لیئے اسی طرح اللہ تعالیٰ سے دُوری ہے جیسے قوم ثمود اللہ سے دُور ہو گئی تھی -

سورہ حجر

● سورہ حجر میں قوم شعیب کا تذکرہ انتہائی اختصار کیساتھ آیا ہے - سورہ حجر میں اور سورہ شعرآء میں قوم شعیب کو اصحٰب الایکہ کہا گیا ہے یعنی بن والے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدین کی بستی ایک بن میں آباد تھی - چنانچہ ارشاد ہوا ہے :- وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۙ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ٥ ۱۵/۷۸-۷۹ اور بیشک بن والے بھی ضرور (عوام پر) ظلم کرنے والے تھے - پھر ہم نے اُن سے بدلہ لیا (قوم لوط و شعیب) کی دونوں بستیاں یقیناً ایک کھلی شاہراہ پر تھیں -

سورہ شعرآء

● سورہ شعرآء میں قوم شعیب کا ذکر سورہ ھود کی طرح تفصیلاً بیان ہوا ہے' جس میں بتایا گیا ہے کہ اس قوم نے بھی قوم نوح' ہود اور صالح کی طرح حضرت شعیب کی نبوت کا یہ کہکر انکار کر دیا کہ چونکہ تو ہمارے جیسا بشر ہے اسلئے تو اللہ کا رسول نہیں ہوسکتا ہے - كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّيْ

لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ ۚ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۞ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۞ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۞ وَاتَّقُوا الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۞ ٢٦/١٧٦ تا ١٨٤

(مفہوم) بن والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا - وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب انہیں شعیب نے کہا کہ تم اللہ کی مخالفت سے کیوں نہیں بچتے - بیشک میں تمہارے لئے امانتدار رسول ہوں - پس اللہ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو - میں تم سے اجرِ رسالت نہیں مانگتا میرا اجر صرف رب العلمین کے ذمہ ہے - تم پیمانے پورے کرو اور لوگوں کو نقصان دینے والے نہ بنو - ترازو کی سیدھی ڈنڈی کیساتھ تولا کرو - اور ناپ تول میں کمی کر کے زمین میں فساد نہ کرتے پھرو - اور پھر سن لو) اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور ابتدائی مخلوق کو بھی اسی نے پیدا کیا تھا -

● حضرت شعیبؑ کے اِس لمبے وعظ کا کوئی اثر نہ ہوا - قوم نے اسکا یہ جواب دیا - قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۙ وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۚ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ ٢٦/١٨٥ تا ١٨٧

قوم شعیب نے کہا کہ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ تو فریب خوردہ ہے (کہ تو اللہ کا رسول ہے) سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ تو ہمارے جیسا بشر ہے (بشر رسول نہیں ہو سکتا) بلاشبہ ہم گمان کرتے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے - پس اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے -

● لہ یہاں اِنْ پر لام مفتوح داخل ہوا ہے، اسلئے یہاں بھی اِنْ، اِنَّ کا مخفف ہے بمعنی بلاشبہ ——— سورۂ شعراء کی اگلی آیت میں حضرت شعیب کا جواب اور آمدِ عذاب کی خبر دیگئی ہے - قَالَ رَبِّىْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۞ ٢٦/١٨٨-١٨٩ حضرت شعیب نے فرمایا تم جو عمل کرتے ہو میرا پروردگار انہیں اچھی طرح جانتا ہے - انہوں نے حضرت کو جھٹلایا - پھر انہیں چھا جانے والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا - بلاشبہ وہ بڑے دن کا عذاب تھا -

سورۂ عنکبوت ● سورۂ عنکبوت میں حضرت شعیبؑ اور آپکی قوم کا تذکرہ انتہائی اختصار کیساتھ ذیل کے الفاظ میں ضمناً لایا گیا ہے :- وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۞ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ٢٩/٣٦-٣٧ اور اہلِ مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا - پھر انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی فرمانبرداری کرو اور قیامت کے دن کی امید رکھو اور زمین میں (کم ناپ تول کیساتھ) فساد نہ پھیلاتے پھرو - مگر انہوں نے حضرت شعیب کو جھٹلا دیا - اسلئے انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا - پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے -

● قوم شعیب کی سزا کے طور پر اَلصَّيْحَةُ ١١/٩٤ اور اَلرَّجْفَةُ ٢٩/٣٧ کے الفاظ آئے ہیں - اَلصَّيْحَةُ کا معنی ہے گرج

گڑگڑاہٹ - اور اَلرَّجْفَۃ کا معنیٰ ہے زور سے ہلنا، زلزلہ - دونوں کے اتصال سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم پر ایسا زلزلہ لایا گیا تھا جس کے توڑ پھوڑ کے نتیجے میں زوردار کڑ کڑاہٹ بھی پیدا ہوئی تھی - اس نافرمان قوم کو تو اس عذاب کیساتھ ختم کر دیا گیا اور حضرت شعیب کو نزولِ عذاب سے قبل ہجرت کروا دی گئی - اور آپ ان سے یہ کہتے ہوئے منہ موڑ گئے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے، اللہ کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں -

● سلسلۂ درس کی اگلی سولہ آیات مجیدہ میں سابقہ اقوام کے حالات پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے - ملاحظہ فرمائیں ارشاداتِ باری :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ
اور نہیں بھیجا ہم نے بیچ کسی بستی کے، میں سے کوئی نبی مگر پایا ہم نے

اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ۹۴
اہل اسکے کو بیچ سختی اور ضرر کے تاکہ وہ عاجزی کریں

اور ہم نے کسی بھی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر (اُس وقت کہ جب) ہم نے اسکے رہنے والوں کو (انکی سرکشی کی بدولت ناہموار معاشرہ کی) سختی اور تکلیف میں پایا - (اور نبی اسلئے بھیجا جاتا کہ وہ عاجزی اختیار کریں -

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى
پھر بدل دیا ہم نے جگہ بدحالی کے خوشحالی یہاں تک کہ

عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ
وہ بھول جاتے اور کہتے بیشک مس کیا باپوں ہمارے کو سختی نے اور آسانی نے

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ۹۵
پھر پکڑا ہم نے انکو اچانک اور وہ نہ رکھتے شعور

پھر ہم (اپنے نبی کے ذریعہ بھیجے ہوئے متوازن ضابطے کیساتھ) انکی بدحالی کو خوشحالی کیساتھ بدل دیتے تھے حتیٰ کہ وہ ایک عرصہ کے بعد) پھر بھول جاتے (بدکردار ہو جاتے) اور کہتے کہ ہمارے باپ دادا پر کبھی تنگی اور کبھی آسانی آیا کرتی تھی پھر ہم انہیں (انکے برے عملوں کی بدولت) اچانک پکڑ لیتے - مگر انہیں شعور تک نہ ہوتا (کہ ہم پکڑے جانیوالے ہیں) -

نیز فرمایا :-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا
اور بیشک اگر والے بستیوں کے ایمان لاتے اور بچتے

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
ضرور کھول دیتے ہم اوپر انکے برکتیں سے آسمانوں کے اور زمین کے

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ۹۶
اور لیکن جھٹلایا انہوں نے پھر پکڑا ہم نے انکو بدلے اسکے تھے وہ کسب کرتے

اور اگر بستیوں والے (ہمارے متوازن ضابطۂ حیات پر) ایمان لاتے اور (اسکی مخالفت سے عملاً) بچتے تو ہم اُن پر (عذاب کی بجائے) آسمانوں اور زمین کی برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے - لیکن وہ ہمارے ضابطے کو جھٹلاتے رہے - پھر ہم انہیں انکی بداعمالیوں کی بدولت پکڑتے رہے -

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ
کیا پھر نڈر ہو گئے والے بستیوں کے کہ آوے پاس انکے

کیا پھر (بدعمل) بستیوں والے نڈر ہو گئے ہیں (یعنی انہیں بے خوف نہیں ہونا چاہیئے) کہ اُن پر ہمارا عذاب رات کے

بَأْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَائِمُوْنَ ○ ۹۷
عذاب ہمارا رات کو اور وہ ہوں سوئے ہوئے

وقت آجائے جب وہ سوئے ہوئے ہوں۔

أَوَ أَمِنَ أَهْلُ الْقُرٰى أَنْ يَّأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا
اور کیا نڈر ہوئے والے بستیوں کے کہ آوے پاس انکے عذاب ہمارا
ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ○ ۹۸
دن چڑھے اور وہ ہوں کھیلتے

کیا اور بستیوں والے نڈر ہوگئے ہیں (بداعمالیوں سے باز نہیں آتے) کہ اُن پر ہمارا عذاب دِن چڑھے آجائے جب وہ لہو و لعب (کھیل تماشوں میں) مشغول ہوں۔

أَفَأَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ
کیا پھر وہ نڈر ہوئے تجویز اللہ سے پس نہیں نڈر ہوتی تجویز اللہ سے
إِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ ۹۹
مگر قوم گھاٹا پانیوالی

۱۲ ع ۲

کیا پھر وہ (بستیوں والے بدعمل لوگ) اللہ تعالیٰ کی تدبیر (اعمال کی سزا) سے بے خوف ہوگئے ہیں (جو انکے اپنے اعمال کا بدلہ ہے ۹۸/۷) پس اللہ تعالیٰ کی تدبیر (اعمال کی سزا) سے وہی لوگ نڈر ہوجاتے ہیں جو نقصان اٹھانیوالے ہیں

افرادِ معاشرہ کی ذمہ داری سربراہِ مملکت پر ہے

● اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ معاشرہ کے جرائم کا اصل ذمہ دار سربراہِ مملکت ہوتا ہے، جس کے قبضہ اختیار میں پورے ملک کے رزق کے سرچشمے ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے:۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْأَرْضَ مِنْ
کیا اور نہیں عیاں ہوا واسطے انکے وارث ہوئے زمین کے، سے
بَعْدِ أَهْلِهَآ أَنْ لَّوْ نَشَآءُ أَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ
پہلے وارثوں انکے کہ اگر چاہیں ہم پہنچائیں انکو بدلے گناہوں انکے اور
نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ ۱۰۰
ہم مُہر پاتے ہیں اوپر ذہنوں انکے پس وہ نہیں سنتے

کیا اور (مذکورہ بالا عذابوں کی خبر سے) اُن لوگوں پر عیاں نہیں ہوگیا جو زمین کے پہلے وارثوں کے بعد زمین کے وارث ہوئے ہیں (یعنی جو اسوقت زمین کے الگ الگ حصّوں پر حکومت کر رہے ہیں) اگر ہم اپنے قانونِ مشیت کیمطابق اُنہیں اُنکے گناہوں کے بدلے (جرائم کی) سزا پہنچائیں۔ (ان سے اقتدار چھن جائے) حقیقت یہ ہے کہ (انکی برائیوں کی کثرت کی بدولت) ہمنے انکے ذہنوں پہ (عدم تدبر ۱۷۹/۷ کی) مُہر سی لگی پائی ہیں۔ پس وہ سُنتے ہی نہیں۔

● ؏ اس آیت مجیدہ میں یرثون الارض کے الفاظ میں روئے سخن سربراہانِ مملکت کی طرف کیا گیا ہے اور انہی پر اُن کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ سنتے ہی نہیں۔ کیسی صحیح خبر دیگئی ہے کہ یہ لوگ اس بات کو سننے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتے کہ ملک کا خزانہ عوام کے خون پسینے کی کمائی سے بھرتا ہے، اسلئے اس سے اُن کی ضروریاتِ زندگی کا پورا کرنا اور انہیں ہر قسم کی سہولتیں مہیا

کرنا تمہارا اوّلین فرض ہے۔ مگر وہ عیش کوشیوں میں معروف رہنے والے کب سنتے ہیں۔ لیکن اِن والیانِ ریاست کو وارننگ دیدی گئی ہے کہ تمہاری فرض ناشناسی کی بدولت تم پر بھی تمہارا پیمانۂ ظلم لبریز ہو چکنے پر عذاب آسکتا ہے۔ کرۂ ارض کا مشاہدہ گواہ ہے کہ جو سربراہانِ سلطنت عوام کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے میں مصروفِ عمل رہتے ہیں انہیں حکومتیں الٹنے کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ لیکن جو عوام کے حقوقِ ربوبیت سے غافل ہیں آئے دن انکی حکومتوں کے تختے اُلٹتے رہتے ہیں۔ اسی عنوانِ ربوبیت سے متعلق آگے چلکر آیت نمبر ۱۰۳ سے ۱۳۷ تک فرعون کی حکومت کا تختہ الٹنے کا ذکر ہے، جس نے اپنی رعایا کے ایک حصّہ یعنی بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت قانوناً غصب کر رکھے تھے، یہ حقیقت تو آگے چل کر اپنے مقام پر بیان کی جائیگی، فی الحال سلسلۂ درس کی اگلی آیات کریمات ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے آگے ارشاد ہوا ہے :-

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ مذکورہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں اوپر تیرے سے خبریں ان کی وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا اور بیشک آئے پاس انکے رسول انکے ساتھ دلائل کے۔ پھر نہ ہوئے کہ ایمان لاتے بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى بوجہ اسکے کہ جھٹلایا سے پہلے مثل مذکورہ مہریں لگی پاتا ہے اللہ اوپر قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۱۰۱ ذہنوں انکار کرنیوالوں کے	(اے رسولؐ!) مذکورہ بالا بستیوں کی خبریں ہمنے آپ پر بیان کی ہیں۔ اور البتہ تحقیق انکے پاس انکے رسولؑ (اپنے اپنے وقت پر) دلائلِ قاطعہ کیساتھ آئے لیکن وہ اُن پر ایسے ایمان نہ لائے کیونکہ وہ (اور انکے اسلاف) اس سے پہلے ان دلائل کو جھٹلا چکے تھے اس طرح (اسلاف کی تقلید کر کے) واضح دلائل کا انکار کرنیوالوں کے اذہان پر (خود عدم تدبر ۱؎ ۷۹ کی) مُہریں لگی ہوئی پاتا ہے۔

● ۱؎ یَطْبَعُ فعل خلاقی مجبّروں میں خاصہ وجدان موجود ہے۔ بصورتِ دیگر خدا تعالیٰ عادل نہیں ٹھہرتا کہ لوگوں کے ذہنوں پر خود ہی نافرمانی اور انکار کی مہریں لگاتا ہے اور خود ہی سزا دیتا ہے۔ نوعِ انسانی کے خود عدم تدبر کی دلیل اسی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۹۷ کی تفسیر میں دیکھئے اور افعال خلاقی مجبّروں میں خاصہ وجدان کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے دیباچہ کے صفحہ ۱۰۵ پر بھی موجود ہے، اور وجدان کے مادہ وجد کے الفاظ میں سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ باری ہے :-

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ اور نہیں پایا ہمنے واسطے بہتوں ان کے سے عہد اور بیشک وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝ ۱۰۲ پایا ہمنے بہتوں ان کے کو حد سے پھاندنیوالے	اور ہم نے اُن (مذکورہ بالا اقوام) کی اکثریت کو بلاشبہ اپنے عہد (وفا کرتے) نہیں پایا ۱؎۔ اور بلاشبہ ہم نے اُن کی اکثریت کو ضرور ضرور حد سے پھاندنے والے پایا ۲؎۔

● ملا ۔ اس آیت مجیدہ وَجَدْنَا کے دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ ارشاد ہوا ہے کہ انہیں عہد شکن ہمنے نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خود عہد شکن تھے، ہمنے انہیں عہد شکن پایا تھا - نیز ہمنے انہیں حدود پھاند نیوالے نہیں بنایا تھا، بلکہ وہ خود حدود شکن تھے، ہمنے انہیں حدود پھاندنے والے پایا تھا - پس ان دلائلِ قاطعہ کے مطابق بھی اُوپر يَطْبَعُ اللّٰهُ میں خامہ وجدان موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے اذہان پر مُہریں لگائیں نہیں تھیں، بلکہ ان کی اپنی لگائی ہوئی پائی تھیں ۔

قوم فرعون

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں حضرت موسیٰؑ، فرعون اور قوم فرعون کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے واضح رہے کہ یہ ذکر قرآن مجید کی ۲۷ سورتوں سورہ بقرہ، نسآء، مائدہ، انعام، اعراف، انفال، یونس، ھود، ابراہیم، نحل، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیآء، مومنون، فرقان، شعرآء، نمل، قصص، عنکبوت، سجدہ، احزاب، صٰفّٰت، مومن، زُخرف، دُخان، جاثیہ، ذٰریٰت، قمر، صف، جمعہ، تحریم، حاقہ، مزمّل، نازعات اور فجر میں آیا ہے ان میں سے پانچ سورتوں اعراف، یونس، طٰہٰ، شعرآء اور قصص میں تفصیلاً بیان ہوا ہے اور باقی اجمالاً - سلسلۂ درس میں سابقہ اقوام نوحؑ، عاد، ثمود، لوطؑ اور شعیبؑ کے مذکورہ بالا اذکار کے بعد قوم فرعون کا ذکر بالفاظِ ذیل شروع ہوا ہے :-

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى
پھر بھیجا ہمنے سے بعد ان کے موسیٰ کو ساتھ نشانیوں اپنی طرف

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ
فرعون اور سرداروں اسکے پس ظلم کیا ساتھ انکے پس غور کر

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۱۰۳
کس طرح ہوا انجام فساد کرنیوالوں کا

پھر اُن (مذکورہ بالا انبیآء) کے بعد ہمنے موسیٰؑ کو اپنی واضح نشانیوں کیساتھ فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا - پس انہوں نے اُن (ہماری آیتوں) کیساتھ ظلم کیا (یعنی انہیں جھٹلا دیا) - پھر (اے رسولؐ!) غور کیجئیگا کہ فسادیوںؑ کا کیا انجام ہوا -

ناہموار تقسیمِ رزق فساد ہے اور ناہموار تقسیم کرنیوالے فسادی ہیں

● ملا اس آیت مجیدہ میں فرعون اور اُسکے سرداروں کو فسادی کہا ہے اور فساد کی تعریف فرعون ہی کے ذکر میں سورہ قصص میں کردی ہے اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ...... اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝
۲۸/۴ بیشک فرعون نے اپنی سلطنت کی زمین میں سرکشی اختیار کی - یعنی اپنے عوام کے الگ الگ طبقات بنا دئے تھے - اُن میں سے ایک طبقے کو کمزور کر دیا ...... بلاشبہ وہ فسادیوں میں سے تھا ــــ دیکھئے اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ عوام کے اقتصادی طبقے بنا کر کسی گروہ کو کمزور کر دینا، اسکا حقِ ربوبیت غصب کر لینا فساد ہے ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت موسیٰ کا فرعون کیساتھ اوّلین خطاب درج ہے جس میں آپنے پورے عالمین کے حقوقِ ربوبیت کا اعلان فرمایا :-

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ ۱۰۴

اور کہا موسیٰ نے اے فرعون بیشک میں بھیجا ہوا ہوں طرف سے رب تمام جہانوں کے

اور حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ اے فرعون! میں (تیری طرف اور تیرے سرداروں کی طرف) اُسکا بھیجا ہوا آیا ہوں جو بنی اسرائیل سمیت جن کے حقوقِ ربوبیت تُو نے غصب کر رکھے ہیں) تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

قصہ موسیٰ و فرعون کا پس منظر و پیش منظر

● ۱ سورہ زخرف میں بھی آپکا یہی خطاب درج ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۴۳/۴۶ اور بیشک ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پس اس نے کہا بیشک میں تمام جہانوں کے رب کا بھیجا ہُوا ہوں۔ حضرت موسیٰ کو جب نبوّت عطا فرمائی گئی تو اُسوقت بھی یہ الفاظ دہرائے گئے تھے اِنِّىْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۲۸/۳۰ بیشک میں اللہ ہوں رب تمام جہانوں کا۔ واضح رہے کہ ان الفاظ کا قصہ حضرت موسیٰ کیساتھ ایک مخصوص تعلق ہے اور اس قصّے کا مخصوص پس منظر یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے دورِ اقتدار میں اپنے گیارہ بھائیوں کو مصر میں لا آباد کیا تھا۔ اِس طرح حضرت یوسف سمیت بارہ بھائیوں کی اولاد مصر میں بڑھی پھولی، جو وہاں بنی اسرائیل کہلائی۔ وہاں ان کی کئی پشتیں گزر گئیں۔ مگر عرصہ دراز گزرنے کے بعد بنی اسرائیل کو غیر مصری، غیر ملکی قرار دے کر ان سے شہری حقوق قانوناً چھین لیئے گئے۔ اب انکا کام صرف یہ قرار پایا کہ وہ مصریوں کی خدمت کریں، انکی بیگاریں بجالائیں ضروریاتِ زندگی انہیں صرف اِتنی دی جاتی تھیں کہ وہ اگلے دن کی بیگار کیلئے زندہ رہ سکیں۔

● سورہ قصص ۲۸/۴ میں آیا ہے کہ فرعون نے انہیں کمزور کر دیا تھا۔ اس پر ۲۸/۵ میں ارشاد ہُوا ہے وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا۔ اور ہم نے ارادہ کیا کہ ہم اُن لوگوں (بنی اسرائیل) پر احسان کریں جو کمزور کر دیئے گئے تھے ——— اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارادے کی تکمیل کیلئے حضرت موسیٰ کو پیدا کیا۔ اور خود فرعون کے گھر میں پال کر جوان کیا، منصبِ نبوّت سے نوازا اور اس اوّلین اعلان کیساتھ فرعون کی طرف بھیجا کہ میں تو عالمین کے رب کا بھیجا ہُوا ہوں اور تُو بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیّت غصب کئے ہُوئے ہیں۔ المختصر! اس قصّے کا پس منظر یہ ہے کہ فرعون اور اسکی قوم بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت دبائے ہُوئے تھے۔ جنہیں واپس دلانے کیلئے حضرت موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا گیا۔ اور اسکا پیش منظر یہ ہے کہ فرعون، بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیّت دینے کیلئے تیار نہ ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اسکے لشکروں سمیت سمندر کی آبناء میں غرق کر دیا اور اسکے نفیس محلّات اور بھرے خزانے یعنی اسکی پوری حکومت بنی اسرائیل کے حوالے کر دی۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت موسیٰ کے اوّلین خطاب کا دوسرا اہم ترین حصّہ ذیل کے الفاظ خداوندی میں نازل ہُوا ہے:۔

حَقِیْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا
قائم اُوپر کہ نہ کہوں میں اوپر اللہ کے سوائے
الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُکُمْ بِبَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَرْسِلْ
حق کے بیشک آیا ہوں تمہارے پاس ساتھ دلیل طرف سے رب تمہارے پس بھیج
مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾
ساتھ میرے بنی اسرائیل کو

(حضرت موسیٰ نے مزید فرمایا کہ میں) اس پر قائم ہوں کہ اللہ کے ذمہ لگا کر سچ کے سوا کچھ نہ کہوں[۱]۔ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (اُسکی ربوبیتِ عالمین کی) ایک واضح دلیل لایا ہوں (اے فرعون اگر تو انہیں حقوقِ ربوبیت نہیں دیتا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے[۲] تاکہ وہ پُرامن ہجرت کرکے کسی اور جگہ جا کر اپنے حقوقِ ربوبیت حاصل کریں)

نہ فرعون خود اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر تھا، نہ اسکے سردار، نہ اس کی ساری قوم

● ۱ اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ فرعون اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر نہیں تھا۔ ورنہ وہ یہ کہتا کہ اے موسیٰ! میں تو تیرے اللہ کو مانتا ہی اور تُو کہتا ہے کہ میں اِس پر قائم ہوں کہ اللہ کے ذمہ جھوٹ نہ لگاؤں۔ اِسی طرح فرعون کے سردار بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے۔ سورہ طٰہٰ میں آیا ہے کہ سردارانِ فرعون نے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی جھوٹ لگا دیا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا ہے۔ وَیْلَکُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۲۰/۶۱ افسوس ہے تم پر، اللہ کے ذمہ بہتان نہ باندھو —— اِسی طرح پوری قوم فرعون بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی۔ سورہ دخان میں آیا ہے کہ قوم فرعون کی طرف اللہ کا رسول (حضرت موسیٰ) تشریف لایا، جس نے کہا کہ اللہ کے بندوں (یعنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو، میں اللہ کا امانتدار رسول ہوں۔ اس سے اگلے الفاظ یہ ہیں وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰہِ ۴۴/۱۹ اور اللہ کے خلاف سرکشی نہ کرو —— اگر وہ خدا تعالیٰ کے منکر ہوتے تو یہ کہتے کہ ہم تو تیرے اللہ ہی کو نہیں مانتے اور تُو ہمیں اُسکی مخالفت سے منع کرتا ہے۔

● سورہ مومن میں کابینۂ فرعون کے مردِ مومن کے الفاظ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم فرعون حضرت یوسف کو اللہ کا رسول مانتی تھی بلکہ انہیں اللہ کا آخری رسول مانتی تھی۔ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّمَّا جَآءَکُمْ بِہٖ ؕ حَتّٰٓی اِذَا ہَلَکَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا ۴۰/۳۴ بیشک تمہارے پاس اِس سے پہلے واضح دلائل کے ساتھ حضرت یوسف آئے۔ پھر جو متوازن ضابطۂ حیات وہ لائے تم اس میں ہمیشہ شک کرتے رہے۔ یہانتک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ یوسف کے بعد کوئی اور رسول نہیں بھیجیگا —— پس فرعون اور قوم فرعون اللہ کو بھی مانتے تھے اور حضرت یوسفؑ پر ایمان رکھتے تھے اور انہیں اللہ کا آخری رسول مانتے تھے۔

● المختصر! فرعون اور قوم فرعون کو انکار تھا اللہ کی ربوبیتِ عالمین کا۔ وہ خود اپنے آپکو عوام کا رب اعلیٰ کہتا تھا ۷۹/۲۴ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی۔ اور یہ کہ کر انکا بلاشرکت غیرے استبدادی حاکم ڈکٹیٹر بنا ہوا تھا مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ ۲۸/۳۸۔

قصۂ موسیٰ و فرعون کو سمجھنے کا بنیادی نکتہ

● ۲ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کے الفاظ انتہائی اہم ہیں اور جبتک ان کی تہ تک نہ پہنچا جائے اُسوقت تک قرآن مجید کی سورتوں

پہلے ہوئے قصہ موسیٰ و فرعون کو سمجھا نہیں جاسکتا - اس کا پس منظر پیچھے پیش کر دیا گیا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت غصب کر رکھے تھے - اور حضرت موسیٰ چونکہ بچپن سے لیکر پوری جوانی تک فرعون کے ہاں رہے تھے، اسلئے جانتے تھے کہ سرزمینِ مصر میں بنی اسرائیل کو شاہی قانون میں غیر ملکی قرار دیکر انہیں حقوقِ ربوبیت سے قانوناً محروم کر رکھا ہے، اسلئے وہ جانتے کہ فرعون انہیں حقوقِ ربوبیت نہیں دیگا - اسلئے آپنے پہلا اور آخری ایک ہی مطالبہ پیش کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے - یعنی انہیں پُر امن ہجرت کی اجازت دیدے تاکہ یہ لوگ کسی اور مقام پر آباد ہو جائیں، جہاں انہیں انکے پیدائشی اور انسانی حقوقِ ربوبیت میسر آسکیں - اس مطالبے میں مرکزی نکتہ ہی بنی اسرائیل کے حصولِ حقوقِ ربوبیت کا تھا - جنہیں فرعون اور سردارانِ فرعون ماننے کیلئے تیار نہیں تھے - چنانچہ متنازعہ مسئلہ صرف بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کے تسلیم و انکار کا تھا جو سرزمینِ مصر میں بحیثیتِ غیر ملکی آباد تھے - چنانچہ فرعون نے اسی کے ضمن میں کہا کہ اگر تو انکے حقوقِ ربوبیت کی کوئی واضح دلیل لایا ہے تو پیش کر -

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ

کہا اگر تو آیا ہے ساتھ نشانی کے پس آ ساتھ اسکے

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ ۱۰۶

اگر ہے تو میں سے سچوں کے

(فرعون نے کہا) کہ اگر تو کوئی دلیل (ربوبیتِ عامہ) لایا ہے تو اگر تو سچوں میں سے ہے تو اُسے پیش کر - (کیا غیر ملکی اقوام کے حقوق مُلکی اقوام کے برابر ہوتے ہیں؟) -

● اس کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے دو دلیلیں پیش کیں - ایک عصا اور دوسری یدِ بیضا - ان الفاظ کی پہلے عام لغت اور پھر قرآنی لغت ملاحظہ فرمائیں - اِسکے بعد اگلی آیتِ مجیدہ پیش کی جائیگی - تاکہ صحیح مفہوم کے سمجھنے میں آسانی رہے - واضح رہے کہ قصۂ موسیٰ سلامٌ علیہ کے تحت قرآن مجید میں لفظ عصا تین معنوں میں استعمال ہوا ہے :-

۱- عصاء بمعنی سہارا ۲- عصاء بمعنی جماعت ۳- عصاء بمعنی قانون

● قرآنی لغت تو بعد میں پیش کی جائیگی - پہلے لغتوں کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں :-

● لغت مِرآۃ القرآن نشر کردہ مکتبۃ اسلام کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۲۰۴ پر ہے :- عصاء الرجل سونٹا سے مارنا (اسم کی صورت میں سونٹا لاٹھی) - عصاء القوم قوم کو جمع کیا (اسم کی صورت میں اجتماع، جماعت) - اَلنَّاسُ عَبِیْدُ الْعَصَا (عوام، ڈنڈے کے یعنی قانون کے بندے ہیں - قانون کے بغیر قابو نہیں آتے) -

● مفتاح اللغات مطبوعہ کراچی کے صفحہ ۵۲۲ پر ہے :- "عصاء" لکڑی - لاٹھی (یعنی سہارا) زبان - پنڈلی کی ہڈی - عورتوں کا سربند - سر پر باندھنے کا رومال - گروہ - جماعت - شق العصاء جماعت میں تفرقہ ڈالا -

● المنجد مطبوعہ دار الاشاعت کراچی کے صفحہ ۸۱۱ کالم اوّل پر ہے :- العصاء لاٹھی سہارے کی چیز (یعنی سہارا) اجتماع - جماعت

پنڈلی کی ہڈی - زبان - زیادہ ملامت کرنا - القی المسافر العصآء - مسافر اپنے مقام پر پہنچ گیا - (یعنی منزل) اَلنَّاسُ یَهِیْدُ الْعَصَآءَ لوگ ڈنڈے سے ڈرتے ہیں" (یعنی عوام قانون کے بندے ہیں، قانون کے بغیر قابو میں نہیں رہتے ——— پس خط کشیدہ اور نمبر لگے الفاظ پر غور فرمائیں کہ المنجد میں عربی ادب کے مطابق لفظ عصاء کے متعدد معنوں میں محولہ تینوں قرآنی معنے موجود ہیں۔ سہارا، جماعت، قانون۔

عصاء کے قرآنی معنوں کو سمجھنے میں رکاوٹ

● عصاء کے صحیح معنے سمجھنے میں رکاوٹ ہے وہ تصور جو اسرائیلیات سے اخذ کر لیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اُسے زمین پر پھینکتے تھے وہ سانپ بن جاتا تھا قرآن مجید میں آیا ہے فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ اَلْقٰی کا مصدری معنی عربی لغت کے مطابق پھینکنا بھی ہے اور پیش کرنا بھی ہے۔ پھینکنے کا مفہوم لیا جائے تو عصاء بھی ڈنڈا ہی ہوگا۔ لیکن اگر القی کا مصدری معنی پیش کرنا لیا جائے تو وہ ڈنڈا نہیں بلکہ دلیل و براہن کے طور پر کوئی عالمگیر خداوندی قانون ہوگا۔ سب سے پہلے تو یہ چیز غور طلب ہے جبکہ حضرت موسیٰ کے ذمہ صرف دو کام تھے، عصاء یعنی ڈنڈا زمین پر پھینکنا اور بغل میں سے ہاتھ نکال کر دکھانا۔ اور یہ دونوں کام معجزاتی طور پر انجام پا جاتے تھے کہ ڈنڈے کا سانپ بن جاتا تھا اور ہاتھ سفید ہو جاتا تھا، تو پھر جب حضرت موسیٰ جیسے شاہ زور کو جو مکا مارے تو نوجوان کو ڈھیر کر دے جب یہ نشانیاں دیکر فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے یہ کیوں کہا کہ میری زبان غیر فصیح ہے میرے ساتھ ہارونؑ کو نبی بنا کر بھیجئے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح البیان ہے۔ اِس سے بھی ثابت ہوا کہ یہ کوئی جسمانی کام نہیں تھا بلکہ زبان سے پیش کرنے والے دلائل تھے (تفصیل آگے آرہی ہے)

● دوسرے نمبر پر قرآن مجید میں دو مقامات پر $\frac{27}{10}$ + $\frac{28}{11}$ میں بتایا گیا ہے کہ جب عصاء پیش کیا جاتا تھا تو وہ سانپ نہیں بن جاتا تھا بلکہ سانپ جیسا ہوتا ہے وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ $\frac{27}{10}$ اور پیش کر عصاء اپنا۔ پھر موسیٰ نے غور کیا کہ وہ ہل چل مچا دیگا، گویا کہ وہ سانپ تھا۔ بالکل یہی الفاظ $\frac{28}{11}$ میں بھی آئے ہیں۔ اب غور فرمائیں کہ قرآن مجید میں دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ کَاَنَّهَا جَاۗنٌّ کے الفاظ کاف تشبیہ، مشبہ اور مشبہ بہٖ موجود کیساتھ آئے ہیں پس اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ جہاں حرف تشبیہ وارد ہوتا ہے وہاں حقیقت ہرگز نہیں ہوتی۔ ویسے تو جہاں مشاہدہ معارض ہو وہاں حرفِ تشبیہ نہ بھی موجود ہو تو پھر بھی حقیقت نہیں مانی جاتی جیسے اگر کہا جائے اَلزَّیْدُ اَسَدٌ کہ زید شیر ہے تو اس سے یہ مطلب نہیں لیا جاتا کہ زید کی چار ٹانگیں اور لمبی گچھے دار دُم ہے، بلکہ اُس سے اسمیں شیر جیسی بہادری کا ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ لیکن جب حرفِ تشبیہ لاکر کہا جائے اَلزَّیْدُ کَالْاَسَدِ تو پھر گرامر کی رُو سے بھی اس امر کا احتمال تک ختم ہو جاتا ہے کہ زید سچ مچ کا شیر بن گیا ہے۔

● اسی طرح جب عصاء کے متعلق دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ مشبہ، مشبہ بہٖ اور حرف تشبیہ، تینوں چیزیں لاکر اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ عصاء سچ مچ کا سانپ نہیں بن جاتا تھا۔ بلکہ وہ سانپ جیسا ہوتا تھا۔ سانپ کی طرح ہل چل مچا دینے والا تھا۔ کَاَنَّهَا جَاۗنٌّ میں ھا ضمیر مونث مشبہ عصاء کیلئے آئی ہے جَاۗنٌّ مشبہ بہٖ ہے یعنی جن کیساتھ تشبیہ دیگئی ہے اور کاف حرف تشبیہ اصالتاً موجود ہے۔ پس ڈنڈے کا اصل سانپ بننے کا تصور تک بھی قائم نہیں کیا جا سکتا۔

کاف حرفِ تشبیہ کی قرآنی مثالیں

● قرآنِ مجید میں کاف تشبیہ کی متعدد مثالیں موجود ہیں - جنّت کی عورتوں کے متعلق کہا گیا ہے کَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۵۵/۵۸ وہ عورتیں یاقوت و مرجان جیسی گرانقدر ہونگی کیا اس آیت سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ جنّت کی عورتیں پتھر کی بنی ہونگی؟ اسی طرح منکرینِ قرآن کے متعلق ارشاد ہوا ہے کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۷۴/۵۰-۵۱ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگتے ہیں — بتائیے کیا ان آیتوں سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ منکرینِ قرآن واقعۃً گدھے بنگئے تھے، انکا جسم واقعی گدھے کے جسم میں تبدیل ہوگیا تھا — نیز غور و فکر نہ کرنیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۷/۱۷۹ وہ ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے -

● اِن قرآنی مثالوں سے کھل کر ثابت ہوچکا کہ جس طرح کاف حرفِ تشبیہ کی موجودگی میں نہ جنّتی عورتیں پتھر کی ہونگی، نہ منکرینِ قرآن سچ مچ گدھے بنگئے تھے اور نہ عدمِ تدبّر کی بدولت کوئی شخص ڈنگر بن جاتا ہے اُسی طرح کَاَنَّهَا جَآنٌّ میں کاف حرفِ تشبیہ کی موجودگی کی قرآنی دلیل کیمطابق ڈنڈا سانپ نہیں بن جاتا تھا بلکہ جس طرح قرآنِ کریم کے منکر گدھوں جیسے بیوقوف ہوتے ہیں اور عقل سے کام نہ لینے والے ڈنگروں جیسے بے عقل ہوتے ہیں، اُسی طرح عصاءِ موسٰی جہاں پیش کیا جاتا تھا وہاں سانپ کی طرح ہل چل مچادیتا تھا -

عصاء بمعنی قانونِ ربوبیّت عالمینی بھی ہے

● حضرت موسٰی کو وادیٔ طور میں جب عطاءِ نبوّت کیوقت مخاطب فرمایا گیا تو ارشاد ہوا يٰمُوْسٰۤى اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۲۸/۳۰ اے موسٰی بیشک میں اللہ تمام جہانوں کی مخلوق کا ایک جیسا رب ہوں - ہر ذی جان کا حق ہے کہ اُسے اُسکی ضروریاتِ رزق متوازن انداز کیساتھ مساویانہ طور پر ملنی چاہئیں - یہی قانونِ ربوبیّت عالمینی وہ عصاء تھا کہ جب حضرت موسٰی نے پیش کیا تو فرعون کے ہاں ہل چل مچ گئی کیونکہ اُس نے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت قانونی طور پر غصب کر رکھے تھے - یعنی اُسکی سلطنت میں کتے گدھے اور سُؤر تک ضروریاتِ رزق سے باقاعدہ طور پر سرفراز تھے مگر بنی اسرائیل کو محض بیگاری بنا دیا گیا اور مساویانہ انسانی حقوق سے محروم کر رکھا تھا -

یدِ بیضاء

● اِسکے ضمن میں یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ الفاظ قرآن مجید میں اس مُروّجہ مُرکب اضافی کی صورت میں نہیں آئے - الگ الگ آئے ہیں دونوں کی الگ الگ لغت ملاحظہ فرمائیں - ید کا لفظ انتہائی وسیع المعنٰی ہے - المنجد کے صفحہ ۵۳۴ پر لغت اضداد کی رُو سے ذیل کے معنے مذکور ہیں :- ہاتھ، ہتھیلی، نعمت، احسان، جاہ، مرتبہ، قدرت، طاقت، ندامت، ذلّت، جماعت - کھانا، ظلم سے روک، راستہ، فریاد رسی وغیرہ - حضرت موسٰی کے ذکر میں ید بمعنی جماعت ہے -

● بیضاء کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ب - ی - ض / بیض ہے - یہ بھی لغتِ اضداد میں سے ہے - اسکا معنی سفید ہونا بھی ہے اور تباہ و برباد ہونا بھی ہے - لغت منتہی الارب مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور جلد چہارم کے صفحہ ۱۷۵ کالم ۳ - سطر ۱۲-۱۳ پر لکھا ہے :- بیضاء = بلاد سختی، گندم و جو بے پوست، آفتاب، زمین ویران، ضد عامر — عامر کا معنی ہے آباد، اسکی ضد بیضاء کا ایک معنی ہے تباہ و برباد - واضح رہے کہ عصاء اور یدِ بیضاء کا ذکر قرآن مجید میں پانچ مقامات پر آیا ہے اور ہر مقام پر دونوں کا ذکر لازم و ملزوم کی صورت میں بالکل ساتھ ساتھ لایا گیا ہے سورہ قصص میں ان دونوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ اِنَّهُمْ

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۲۸/۳۲ یہ دو دلیلیں ہیں ربوبیت کی تیرے رب کی طرف سے عطا کردہ فرعون اور اسکے سرداروں کیلئے، بیشک وہ حد سے پھاندنے والی قوم ہے۔ یہ دو دلیلیں تھیں جو زبان سے پیش کی جانیوالی تھیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ نے حضورِ الٰہی میں عرض کی :- وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً ۲۸/۳۴ اور میرا بھائی ہارون زبان کی رُو سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ اُسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج۔

● عصا اور ید بیضاء کو دو دلیلیں ۲۸/۳۲ میں کہا گیا ہے۔ عصاء کی لغت اوپر گزر چکی ہے ڈنڈا، سہارا، جماعت اور قانون۔ ید کے متعدد معنوں میں ایک معنی جماعت بھی آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں اور بیضاء کا ایک معنی از روئے لغت تباہ و برباد بھی اوپر گزر چکا ہے۔ اسلئے مرکب ید بیضاء کا معنی ہوا تباہ حال جماعت۔

● واضح رہے کہ یَدٌ کے لغوی معنے جماعت کیمطابق حضرت موسیٰ کو الگ الگ دو حکم دیئے گئے ہیں۔ اُن پر اس چیز کو ذہن میں محفوظ رکھتے ہوئے غور فرمائیں کہ حضرت موسیٰ کا فرض متعین کیا گیا تھا بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرنا:-

۱۔ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۲۰/۲۲ اور اپنی جماعت بنی اسرائیل کو اپنے دامنِ شفقت میں ضم کر لیجئے۔ وہ (فرعون استبداد کی چکی میں پسی ہوئی قوم اپنے چھنے ہوئے حقوقِ ربوبیت کے حصول کیلئے) بغیر کسی کمی کے تباہ حال نکل آئیگی۔

۲۔ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۲۷/۱۲ اور اپنی جماعت (قوم بنی اسرائیل) کو اپنی جھولی میں ڈال لیں، متحد کر لیں۔ وہ (مظلوم قوم اپنے حقوقِ ربوبیت کے حصول کی تحریک میں) بغیر کسی کمی کے تباہ حال نکل آئیگی۔

۳۔ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۲۸/۳۲ اپنی جماعت (قوم بنی اسرائیل) کو اپنے گریباں سے منسلک کر لیجئے۔ وہ (بوقتِ ضرورت احتجاجاً تباہ حال نکل آئیگی۔

● دیکھئے! ان آیات کریمات میں حضرت موسیٰ کو ایک تو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنی قوم کو اپنی جھولی میں ضم کر لیں (اُنہیں اپنی جھولی میں ڈال کر متحد کر لیں) اور دوسری خبر دیگئی ہے کہ وہ تباہ حال نکل آئیگی۔ ان دونوں کا متبادل ذکر تعریف آیات کے ذریعہ سورہ یونس میں موجود ہے وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۱۰/۸۷ اور ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو شہر میں گھر بنا کر (الگ بستی بسا کر) ٹھکانہ دو۔ نیز اپنے گھروں کو آمنے سامنے بناؤ اور اجتماعی نظام قائم کرو (یعنی باہمی تعاون کے ذریعہ ہر آن ایکدوسرے کی مدد کرتے رہو۔

یہ ہے اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ، وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ اور اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ کی تفسیر۔ حضرات موسیٰ و ہارون نے ایک الگ قرآنی بستی بسا کر قوم بنی اسرائیل کو متحد کر لیا۔ اِس طرح تحریکِ ربوبیت کو کامیاب کرنے کیلئے ضرورت پڑنے پر ہزاروں تباہ حال افراد بطور احتجاج باہر نکل آتے تھے۔ اِس طرح حضرت موسیٰ نے فرعون پر ثابت کر دکھایا کہ انہوں نے جو قوم بنی اسرائیل کیلئے حقوقِ ربوبیت کا مطالبہ کیا تھا، اس پر ربوبیتِ عالمینی کا عالمگیر قانون بھی بطور دلیل موجود تھا، اور اس تحریک کے پیچھے پوری قوم

بنی اسرائیل بطور احتجاج موجود تھی جو بوقتِ ضرورت شاہ شدہ باہر نکل آتی تھی۔

حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل دیکھنے کیلئے واقعتہً تباہ حال ہو چکی تھی

● آیاتِ بالا میں حضرت موسیٰؑ کو اپنی تباہ حال قوم کو مجتمع کرنے اور انہیں تحریکِ ربوبیت کیلئے اپنے ساتھ ملانے کے احکام ہدیہ قارئین کئے جا چکے ہیں اسکے بعد وہ آیات مجیدہ پیش خدمت ہیں جن میں ان احکام کی تعمیل ضرورت بیان کیگئی ہے پچھلے صفحہ پر سلسلہ درس کی آیت مجیدہ ۱۰۶ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے متعلق فرعون سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر تو انہیں حقوقِ ربوبیت نہیں دیتا تو انہیں میرے ساتھ کر اور ہجرت کرنے کی اجازت دیدے تاکہ وہ کسی اور جگہ جاکر اپنے جائز حقوقِ ربوبیت حاصل کریں۔ لیکن فرعون نے جواب دیا کہ اگر تو مطالبہ حقوقِ ربوبیت میں سچا ہے اور اگر اسکے ضمن میں کوئی دلیل لایا ہے تو لا پیش کر۔ فرعون کے اس سوال کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے جو دو دلیلیں پیش کیں انکا ذکر اگلی آیت ۱۰۷/۱۰۸ میں بالفاظ ذیل آیا ہے:۔

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۱۰۷ پھر پیش کیا سہارا اپنا پھر اچانک وہ تھا اژدھا ظاہر	اس پر (حضرت موسیٰؑ نے) اپنا عصا تحریک کا سہارا عالمگیر قانونِ ربوبیت پیش کیا۔ تو وہ (فرعون کیلئے) اچانک اژدھا جیسا ۲۶/۱۰ (۲۸/۱۳) تھا۔
وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ۱۰۸ ع اور نکالی قوم اپنی پھر اچانک تھی وہ تباہ حال واسطے دیکھنے والوں کے	اور اپنی قوم کو احتجاج کیلئے نکالا، تو وہ غور کرنیوالوں کے لئے واقعتہً اچانک تباہ حال تھی۔ ۱۳ ع

● واضح رہے کہ سورہ شعراء میں بھی بالکل آیاتِ بالا ۱۰۷-۱۰۸/۷ والے الفاظ آئے ہیں جن میں یہی خبر دی گئی ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کیلئے دلیل طلب کی تو ارشاد ہوا ہے:۔

● فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ۳۲-۳۳/۲۶ پس موسیٰ نے اپنا عصا سہارا تحریک، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمین کا ناقابلِ انکار ثبوت پیش کیا تو وہ فرعون کیلئے اچانک اژدھا جیسا تھا۔ (جو بنی اسرائیل کے غصب ربوبیت کے تمام فرعونی دلائل کو نگل گیا) نیز آپ نے اپنی قوم کو احتجاج کیلئے نکالا تو وہ غور کرنیوالوں کیلئے اچانک واقعتہً تباہ حال نکل آئی۔ بالفاظ دیگر کسی بھی صاحبِ شعور و تدبر کیلئے حضرت کے ید بیضاء، یعنی آپکی تباہ حال قوم بنی اسرائیل کو دیکھنے اور اسکی تباہ حالی پر غور کرنے کے بعد قانونِ ربوبیتِ عالمین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ جب فرعون اور اس کے درباری دلائل موسوی کے سامنے لاجواب ہو گئے تو فرعون نے باہر سے جادو بیان علماء کو بلایا تاکہ مذہبی دلائل کے تقدس کے ذریعہ حضرت موسیٰؑ کو قائل کر سکیں کہ ایک غیر ملکی قوم کو نہ متوازن حقوقِ ربوبیت کا حق حاصل ہے اور نہ ہجرت کا۔ چنانچہ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مذکور ہے:۔

قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ کہا سرداروں نے سے قوم فرعون کے۔ بیشک یہ ہے جادو بیان	قوم فرعون کے سرداروں نے (لاجواب ہونے کے بعد) کہا کہ بیشک یہ (موسیٰ) ایک بہت بڑا جادو بیان عالم ہے۔ (اس کے

عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ ۱۰۹
بڑا علم والا

دلائل کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے)

يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا
ارادہ کرتا ہے کہ نکالدے تمکو سے زمین تمہاری کے پھر کیا والا

تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ۱۱۰
تم حکم کرتے ہو

یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں (فرعون اور اسکے حکام و عمال کو) تمہاری زمین سے نکال باہر کرے۔ پھر تم (اس کے بارے میں) کیا حکم دیتے ہو۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ
کہا ڈھیل دے اسکے اور بھائی اسکو اور بھیج بیچ شہروں کے

حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ ۱۱۱
اکٹھا کرنیوالے

(قوم کے سرداروں نے (فرعون) کو کہا کہ تو اسے اور اسکے بھائی کو ڈھیل دے اور اپنے شہروں میں (علماء کو) اکٹھے کرنیوالے بھیج۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ ۱۱۲
آئینگے پاس تیرے ساتھ ہر جادو بیان عالم کے

وہ (اکٹھا کرنیوالے) تیرے پاس ہر عالم جادو بیان کو لے آئینگے۔

لفظ سحر کی لغوی تحقیق ● لفظ سحر کا مادہ س-ح-ر = سحر ہے جسکا بنیادی معنٰی ہے دھوکا اور فریب۔ اس سے اسم فاعل ہے ساحر بمعنٰی دھوکا دینے والا۔ تاج العروس میں اسکا معنٰی لکھا ہے ایسا دھوکا جس سے پتہ ہی نہ لگے کہ کس طرح دھوکا دیا گیا ہے۔ صاحب محیط نے اسکا معنٰی لکھا ہے موڑنا۔ یعنی کسی چیز کو موڑ مارڑ کر اسے اسکی غیر حقیقت میں پیش کرنا۔ صاحب تہذیب نے اسکا معنٰی کسی چیز کی اصل حقیقت کو غیر حقیقت کی طرف پھیر کر دھوکا دینا لکھا ہے۔

● اسی مادہ سے لفظ سحر ہے جو رات کے اسوقت کو کہتے ہیں جب صبح کی ابتدا ہو رہی ہو۔ تو اسوقت دھوکا لگتا ہے کہ ابھی پو پھٹی نہیں، حالانکہ پو پھٹ چکی ہوتی ہے عنبر مُسْحُوْرٌ اس پھیڑ کو کہتے ہیں جس کے تھن تو لمبے لمبے ہوں مگر دودھ تھوڑا دیتی ہو۔ المختصر، اس مادہ کے بنیادی معنوں کے مطابق سحر کا معنٰی دھوکا ہے، جادو کا تو دنیا بھر میں وجود تک موجود نہیں۔ جو لوگ جادو کے کھیل دکھاتے ہیں، انکی حقیقت اسکے سوا نہیں ہوتی کہ وہ تماشہ دیکھنے والوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ رسی کا سانپ نہیں بنتا، بلکہ سانپ انکے پاس موجود ہوتا ہے، لوگوں کو دکھاتے ہیں رسی مگر ہاتھ کی صفائی کیساتھ ٹوکری کے نیچے رکھ دیتے ہیں سانپ۔ اس کے بعد جب ٹوکری اٹھا کر دکھاتے ہیں تو لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ رسی کا سانپ بن گیا ہے۔

● قرآن مجید میں مادہ سحر کا معنٰی دھوکا موجود ہے۔ ۲۳/۸۶ تا ۸۹ میں آیا ہے قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ...... قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○ اے رسول! ان سے پوچھیگا کہ آن گنت آسمانوں اور اس عظیم سلطنت کا رب کون ہے۔ ضرور کہینگے کہ اللہ ہے ...... آپ کہدیجئیگا کہ پھر تم کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں کہاں سے سحر

ہو گیا ہے، کہاں سے دھوکا لگ گیا ہے۔ قرآنی لغت کے مطابق سحر کا معنیٰ تقابلِ ضدین کے ذریعہ جھوٹ بھی بتایا گیا ہے۔ ۱۰/۷۶ میں آیا ہے فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ پس جب انکے پاس ہماری طرف سے حق سچ آ گیا تو انہوں نے کہا یہ ظاہراً سحر ہے جھوٹ ہے۔ دیکھئے یہاں حق کی ضد بتائی ہے سحر، اور حق کی ضد جھوٹ ہے جادو نہیں۔ آیات بالا میں ایسے سٰحِرٌ عَلِيْمٌ، ایسے عالموں، مذہبی علماء کو کہا گیا ہے جو مذہب کے تقدس کے پردے میں عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ آج کے دور میں بھی علماء کرام نے عوام کو دھوکا دے رکھا ہے کہ جو لوگ بھوکے ننگے ہیں، انکی قسمت میں خود اللہ تعالیٰ نے بھوک ننگ لکھی ہوئی ہے اور جو لوگ آسودہ حال ہیں، انکی قسمت میں آسودگی خود اللہ تعالیٰ نے لکھی ہوئی ہے۔

● حالانکہ ۱/۱ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق ربوبیتِ عالمین میں ہر فرد معاشرہ برابر کا حقدار ہے۔ اس دور کے علماء نے چونکہ مسئلہ ربوبیت کو غلط سمت کی طرف موڑ کر لوگوں کے اذہان میں مذہبی طور پر راسخ کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل غیر ملکی ہیں، اس لئے ان کے حقوق مصریوں کے برابر نہیں ہیں۔ مصری لوگ اپنے آپکو حضرت یوسفؑ کے پیروکار مانتے تھے اور کہتے تھے لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۴۰/۳۴ اللہ تعالیٰ اس (یوسف) کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجیگا۔

● المختصر سحر کا معنیٰ ہے جھوٹ اور دھوکا۔ اور ساحر کا معنیٰ ہے جھوٹ کو سچ کر دکھانے والا۔ اور سٰحِرٌ عَلِيْمٌ کا معنیٰ ہے ایسا عالم جو بات کو موڑ ماڑ کر جھوٹ کو سچ کر دکھائے۔ چنانچہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰؑ کو بھی انکے دلائل سننے کے بعد سٰحِرٌ عَلِيْمٌ کہا ۷/۱۰۹ جادو بیان عالم۔ اور عالموں کو بھی سَحَّارٍ عَلِيْمٍ کہا ۲۶/۳۷ جادو بیان علماء۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا ہے کہ:

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا

اور آئے جادو بیان علماء پاس فرعون کے کہا بیشک واسطے ہمارے

لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ○ ۱۱۳

فرور ہے بدلہ اگر ہوں ہم، ہم غالب آنیوالے

اور (فرعون کے بلانے پر) فرعون کے پاس جادو بیان علماء آ گئے انہوں نے (فرعون کو) کہا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو ہمیں اسکا ضرور ضرور بدلہ ملنا چاہیئے۔

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ ۱۱۴

کہا ہاں اور بیشک ہو گے تم ضرور میں سے مقربین کے

(فرعون نے) کہا ہاں، اور بیشک تم میرے مقربین میں ہو جاؤ گے۔ تمہیں میں اپنا کابینہ میں شامل کر لونگا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ○ ۱۱۵

کہا اے موسیٰ کیا یہ کہ تو پیش کریگا اور یا کہ ہم ہوں ہم پیش کرنیوالے

(باہر سے آنیوالے سحر بیان علماء نے) کہا اے موسیٰ آپ (اپنے دلائل) پیش کرینگے یا ہم پیش کریں۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ کہا پیش کرو پھر جب پیش کیا دھوکا دیا آنکھوں النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ○ ۱۱۶ لوگوں کو اور ڈرایا لائے اور آئے ساتھ دھوکے بڑے کے	(اس پر حضرت موسٰیؑ نے (فرمایا) تم (اپنے دلائل) پیش کرو۔ پھر جب انہوں نے (اپنے دلائل) پیش کئے تو (فرعون کی ملکیت مصر کے جھوٹے جاہ و جلال کے اظہار کیساتھ) عوام کی نگاہوں کو دھوکا دیا (اُن میں خیرگی پیدا کر دی) اور انہیں (فرعون کے غیض و غضب سے) ڈرایا۔ اور وہ (بنی اسرائیل کے غصب حقوقِ ربوبیت کی) ایک بہت بڑی پُرفریب دلیل لائے۔

تفسیر بذریعہ تصریفِ آیات

● ۲/۱۱۶ واضح رہے کہ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ اور وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ معطوف معطوف علیہ کے دونوں جملوں کو متصل رکھ کر مفہوم سمجھنا لازم ہے۔ اوّل الذکر میں آیا ہے کہ باہر سے آنیوالے سحر بیان علماء نے لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا۔ اسکا معنی عام مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ انہوں نے جادو کے ذریعہ لوگوں کی نظر بندی کر دی۔ اِس سے ثابت ہُوا کہ اگر ساحرینِ فرعون نے رسّیاں اور سوٹیاں پھینکی تھیں تو وہ سانپ نہیں بنی تھیں۔ بلکہ لوگوں کی نگاہوں کو دھوکا دیا گیا تھا ۲۰/۶۶ میں بھی اسی چیز کی تائید موجود ہے کہ جب مذکورہ علماء نے اپنی رسیاں اور سوٹیاں پیش کیں تو فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى پس اچانک اُنکی رسیوں اور سوٹیوں کے متعلق اُنکی سحر بیانی سے موسٰی کے خیال میں آیا کہ وہ دوڑتی ہیں۔ دیکھئے يُخَيَّلُ اِلَيْهِ کے الفاظ نے کس طرح کھول کر رکھ دیا ہے کہ اگر انہوں نے واقعۃً رسیاں اور سوٹیاں پھینکی تھیں تو وہ سانپ نہیں بن گئیں تھیں بلکہ حضرت موسٰی کے صرف خیال ہی میں آیا تھا کہ وہ دوڑتی ہیں۔ اِسی طرح عصاءِ موسٰی عالمگیر قانونِ ربوبیت کے متعلق ۲۷/۱۰، ۲۸/۳۱ میں كَاَنَّهَا جَآنٌّ کے الفاظ سے ثابت ہے کہ وہ سانپ نہیں تھا بلکہ سانپ کی طرح اچھل مچا دینے والا تھا۔

● واضح رہے کہ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ کے معطوف اور معطوف علیہ کے جملہ معطوفہ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ میں باری تعالٰی نے خبر دی ہے کہ ساحرینِ فرعون نے عوام کو فرعون کے جبر و تشدّد اور غیض و غضب سے ڈرا کر اُنکی آنکھوں میں خیرگی پیدا کر دی تھی۔ جیسے کہ سورہ شعرا میں علماءِ فرعون نے فرعون کے غلبے کو بطور دلیل پیش کیا تھا۔ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ○ ۲۶/۴۴ پس اُنہوں نے اپنی رسیاں اور سوٹیاں (یعنی بنی اسرائیل کے غصبِ حقوقِ ربوبیت کی دلیلیں) پیش کیں اور کہا کہ بلاشبہ غلبہِ فرعون کی بدولت ہم ہی غالب آنے والے ہیں۔

● ایک طرف بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کے غصب کی دلیل فرعون کا مکمل قانون تھا دوسری طرف علماءِ فرعون نے اُس پر خود ساختہ مذہبی قوانین کے ذریعہ انہیں محرومِ ربوبیت ثابت کرنے کے لئے اپنے حبال اور عصی پیش کئے۔ حبال حبل کی جمع ہے قرآن مجید میں اسکا معنی قانون آیا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا ۳/۱۰۳ اللہ کی رسّی اُسکے قانون قرآن مجید کو مضبوط تھام لو۔ اسی طرح عصی جمع ہے عصاء کی۔ اور عصا کا معنی قانون پیچھے صفحہ ۳۰ کے پر ثابت کیا جا چکا ہے۔ پس علماءِ فرعون نے عوام کو فرعون کے غیض و غضب سے ڈرایا اور اسکے حق میں خود ساختہ قوانین پیش کئے۔ اُدھر خود فرعون نے عوام کو مخاطب کر کے سرزمینِ مصر پر اپنا بادشاہی حق جتا

ہوئے کہا :-

● قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ۴۳/۵۱ فرعون نے کہا اے میری قوم کیا ملک مصر میرا نہیں ہے - اور کیا اسکے دریا میرے حکم کے ماتحت نہیں بہتے؟ پھر تم کیوں عقل نہیں کرتے ـــ ان الفاظ میں فرعون نے اس استبدادی عقیدے کی نشاندہی کی کہ زمین اور اسکے خزانوں کے مالک بادشاہ ہوتے ہیں - سیاسی ضرورت کیمطابق وہ جسے چاہیں خوشحال کریں اور جسے چاہیں کمزور کر دیں جیسے کہ ۲۸/۴ کا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو کمزور کر رکھا تھا - سلسلۂ درس کی آیت بالا ۷/۱۱۶ کیمطابق علماء فرعون نے غلبۂ فرعون پیش کیا اور بنی اسرائیل کے غصب حقوقِ ربوبیت کے حق میں اپنی رسیاں اور سوٹیاں یعنی کمزور اور بودے دلائل پیش کئے - حضرت کیطرف سے ردِ عمل کے متعلق سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظ ذیل ارشاد ہوا ہے :-

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ عَصَاکَ ۚ
اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کے کہ پیش کر قانونِ ربوبیت اپنا

فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ ۝ ۱۱۷
پھر اچانک وہ نگل گیا جو انہوں نے بہتان باندھا

اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا (عالمگیر قانونِ ربوبیت عامہ) پیش کریں (پھر جب آپ نے اُسے پیش کیا تو) وہ اچانک اُن تمام بہتانوں کو نگل گیا جو انہوں نے باندھے تھے

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۱۸
پھر ثابت ہوا حق اور جھوٹا ہو گیا جو تھے وہ عمل کرتے

پھر حق ثابت ہو گیا اور (بنی اسرائیل کے غصبِ حقوقِ ربوبیت کا جو عمل وہ کرتے چلے آرہے تھے) جھوٹا ثابت ہو گیا -

● علہ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ کے الفاظ میں تلقف کا سہ حرفی مادہ ل-ق-ف لقف بمعنی نگل جانا ہے جو مجاز کے طور پر نیستی کا بیان کے اظہار کیلئے آتا ہے - اور یَاْفِکُوْنَ کا مادہ ا-ف-ک افک بمعنی بہتان باندھنا ہے - یعنی حضرت موسیٰ کا عصا، عالمگیر قانونِ ربوبیت عالمینی اُن تمام دلائل کو نگل گیا جو علماء فرعون نے فرعون کے حقِ ملوکیت اور بنی اسرائیل کے غصبِ حقوقِ ربوبیت کیلئے اِفکًا یعنی بہتانًا اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگائے تھے -

دلائل کا تقابل تھا، شعبدہ بازی کا مقابلہ نہیں تھا

● واضح رہے کہ افک کا معنی جادو نہیں کہ مَا یَاْفِکُوْنَ کا معنی یہ کیا جائے کہ جو انہوں نے جادو کے ذریعہ سانپ بنائے تھے - بلکہ اسکا معنی بہتان باندھنا ہے ۲۴/۱۱ میں آیا ہے - جَآءُوْ بِالْاِفْکِ وہ آئے ساتھ بہتان کے - ۳۷/۱۵۱-۱۵۲ میں آیا ہے - اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْکِهِمْ لَیَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ خبردار وہ اپنے بہتان کیساتھ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے ـــ پس لفظ اِفک کے معنوں کے مطابق علماء فرعون نے فرعون کے حق میں اور بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کیخلاف اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر جو غلط دلائل دیتے تھے، اُن دلائل کو حضرت موسیٰ کی پیش کردہ عالمگیر ربوبیت عالمینی کی لاجواب دلیل کھا گئی نہ یہ کہ بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ اس چیز پر رکھا گیا تھا کہ سانپ بنا کر میدان میں چھوڑیں، جسکا سانپ مدِ مقابل کے سانپوں کو کھا جائے اُسے غالب مانا جائے - العجب !

● ذرا غور کیجئے کہ اگر سانپ بنا نے کا ناقابل تسلیم کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی دینا تو صرف اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ حضرت موسیٰ نے تو بقولِ روایات صرف ایک ڈنڈے میں زندگی پیدا کر دی معجزانہ طور پر لیکن ساحرینِ فرعون کس طرح خدائی اختیارات کے مالک ہو گئے اور کس طرح ایک نہیں بلکہ ہزاروں سرکنڈوں اور رسیوں میں جان ڈال دی ؟ ـــــ واضح رہے کہ دلائل کا مقابلہ تھا چنانچہ تاویل لقف ان کے قرآنی الفاظ کی ناقابلِ تردید سند کیطابق ساحرینِ فرعون نے اپنے دلائل میں خدا تعالیٰ پر بہتان باندھا تھا مگر جب حضرت موسیٰ نے اپنا عصاء عالمگیر قانونِ ربوبیت عالمین پیش کیا تو علماءِ فرعون وہیں موقعہ ہی پر شکست یاب ہو گئے ۔

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۞ ۱۱۹

پس ہار گئے وہاں اور لوٹے مطیع ہو کر

پس (علماءِ فرعون) وہیں مغلوب ہو گئے۔ اور (حضرت موسیٰ کے) مطیع ہو کر (وہاں سے) لوٹے۔

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۞ ۱۲۰

اور گر گئے جادو بیان علماء سجدہ کرتے ہوئے

اور (متحیر یہ ہوا کہ) وہ جادو بیان علماء سجدہ میں گر گئے (یعنی انہوں نے شکست تسلیم کر لی)۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ ۱۲۱

کہا ایمان لائے ہم ساتھ رب جہانوں کے

انہوں نے کہا کہ ہم عالمین کے رب پر ایمان لے آئے ہیں (ہم نے رب تعالیٰ کا عالمگیر قانونِ ربوبیت عامہ تسلیم کر لیا ہے)

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۞ ۱۲۲

رب موسیٰ کا اور ہارون کا

ہم موسیٰ کے رب پر اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے ہیں (یعنی موسیٰ اور ہارون کا پیش کردہ نظریۂ ربوبیت صحیح ہے)۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

کہا فرعون نے تم ایمان لائے ہو ساتھ اس کے پہلے کہ میں اجازت دوں

لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ

واسطے تمہارے بیشک یہ ہے تجویز جو تجویز کی تم نے وہ بیچ شہر کے

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۞ ۱۲۳

تاکہ نکالو تم اس سے اہل اس کے پس ضرور تم جان لوگے

(اس پر وہیں) فرعون نے کہا کہ تم اس سے پہلے اس پر ایمان لائے ہو کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ بیشک یہ (تم سب کی مشترکہ) تجویز[1] ہے جو تم نے اس شہر[2] کے متعلق کی ہے کہ تم اسکے وارثوں کو اس سے نکال دو۔ پھر تم اس کا نتیجہ ضرور جان لوگے۔ ۲ یہاں پایۂ تخت کے متعلق ہے اور یہاں المدینہ سے مراد ملکِ مصر ہے۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

ضرور کاٹ دوں گا ہاتھ تمہارے اور پاؤں تمہارے بوجہ بغاوت کے

ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞ ۱۲۴

پھر ضرور سولی دوں گا تم سب کو

میں ضرور تمہاری بغاوت[3] کے بدلے تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا (یعنی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالکر قید کر دوں گا)۔ اور پھر تم سب کو سولی دے دوں گا۔

● ۱ مکر مکرتموہ کے الفاظ میں فرعون نے کہا کہ باہر سے آئے ہوئے علماء نے موسیٰ علیہ السلام کیساتھ مل کر اس ملک

کے وارثوں (خاندانِ فرعون) کو یہاں سے نکال دینے کی تجویز کی ہے۔ سورہ شعرآ میں اسکے متعلق فرعون کے یہ الفاظ آئے ہیں :-
قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۥ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ ...
۲۶/۴۹ فرعون نے کہا، تم اس سے پہلے ایمان لے آئے ہو کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ بیشک یہ (موسٰی) تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں اس دھوکا دہی کی تجویز سکھائی ہے۔ پس تم ضرور اسکا نتیجہ جان لو گے۔ میں تمہاری اس بغاوت کے عوض تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈالکر قید کر دونگا اور پھر تم سب کو سُولی دے دونگا ——— المختصر باہر سے آئے ہوئے علماء کے ایمان لانے کو فرعون نے انکی مرضی کیساتھ مشترکہ باغیانہ تجویز قرار دیا اور حضرت موسٰی کو انکا استاد و سرغنہ قرار دیا۔

● ۱۲۵ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ کا معنٰی اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا نہیں، بلکہ مِنْ خِلَافٍ کا معنٰی ہے بوجہ یعنی بسبب بغاوت کے اور یہاں مِنْ بمعنٰی وجہ ہے۔ پوری تفصیل دیکھیے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳۳ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

● سورہ طٰہٰ میں بھی فرعون کے بالکل یہی الفاظ آئے ہیں اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ ۲۰/۷۱ بیشک وہ (موسٰی) تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں دھوکا دہی کی تجویز سکھائی ہے۔ پس میں تمہاری بغاوت کی بدولت تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈالکر قید کر دونگا۔ اور پھر تمہیں سولی دیدونگا۔ مگر انہوں نے جواب دیا:-

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ ۱۲۵
کہا بیشک ہم طرف رب اپنے لوٹنے والے ہیں

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ
اور نہیں تُو انتقام لیتا ہم سے مگر کہ ایمان لائے ساتھ آیتوں

رَبِّنَا لَمَّا جَاۗءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا
رب اپنے جب آئیں ہمارے پاس اے رب ہمارے ڈال دے اوپر ہمارے

صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ ۱۲۶ ع ۱۴/۱۸
استقامت اور فوت کر ہم کو فرمانبردار

(فرعون کے حق شناس علماء نے کہا) بلاشبہ ہم اپنے رب کیطرف لوٹنے والے ہیں (اور ہم اپنے رب کی عالمگیر ربوبیتِ عامہ پر ایمان لائے ہیں۔ اور (اے فرعون!) تُو ہم سے صرف اس چیز کا انتقام لیتا ہے کہ ہم رب کی آیتوں پر جبکہ وہ ہمارے پاس آگئی ہیں، ایمان لائے ہیں۔ اے ہمارے رب! تُو ہمیں استقامت عطا فرما اور ہمیں موت دینا اس حالت میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں (ہم چاہتے ہیں کہ فرعون کی سختی کے باوجود تیرے فرمانبردار رہکر مریں)۔

● سورہ طٰہٰ میں ان حق شناس علماء کا یہ جواب درج ہے :-
● قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰي مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۭ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۲۰/۷۲-۷۳ = (فرعون کے حق پسند علماء نے) کہا ہم تجھے اُن واضح دلائل پر جو ہمارے پاس آگئے ہیں اور اُس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے ہرگز ترجیح نہیں دینگے۔ تُو ہمارے متعلق جو بھی فیصلہ کرنا ہے کر دے، ہم اپنے رب (کی عالمگیر ربوبیتِ عامہ) پر ایمان لے آئے ہیں تاکہ وہ ہمارا

خطائیں معاف کر دے ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھلائی والا اور بڑھ کر باقی رہنے والا ہے ۔

● علماءِ حق شناس کی اس حق پسندی کا فرعون اور اسکے سرداروں پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ بلکہ قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون کو کہا ۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ
اور کہا سرداروں نے قوم فرعون کے کیا تو چھوڑتا ہے موسیٰ
وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَ
اور قوم اسکی تاکہ بغاوت کریں ① زمین کے اور وہ چھوڑ دیں تجھے اور
آلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي
حکام تیرے کہ کہا ضرور ہم قتل کرینگے بیٹے ان کے اور زندہ رکھینگے
نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ۝ ۱۲۷
عورتیں اُن کی اور بیشک ہم اُن پر غالب آنیوالے ہیں

اور قوم فرعون کے سرداروں نے (فرعون کو) کہا، کیا تو موسیٰ اور اسکی قوم کو (آزاد) چھوڑتا ہے تاکہ وہ (تیری حکومت کی) زمین میں بغاوت پھیلائیں اور تجھے بھی چھوڑ دیں (یعنی تیرے اختیاراتِ ربوبیت کا بھی انکار کر دیں①) اور تیرے حکام کو بھی چھوڑ دیں (انکا حکم بھی نہ مانیں) اُس نے کہا ضرور ہم اُنکے ابناء القوم (تحریکِ ربوبیت میں آگے بڑھ کر حصہ لینے والوں) کو قتل کرینگے اور (پیچھے رہنے والے عورت صفت افراد کو زندہ رکھیں گے اور بیشک ہم اُن پر غالب آنیوالے ہیں②

● ① یَذَرَكَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ وہ تجھے چھوڑ دیں گے ۔
مگر چونکہ حضرت موسیٰ نے قوم سے اُسکے دعویٰ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ $\frac{79}{24}$ کا انکار کروا دیا تھا، اسلئے اِس سے اُسکی ربوبیت کا انکار مراد ہے ۔

● ② آلِهَة جمع ہے اِلٰہ کی اور اِلٰہ کا معنیٰ ہے حاکم اسلئے آلِهَتَكَ کا معنیٰ ہے تیرے مقرر کردہ حکام ۔ پیچھے صفحہ پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ فرعون، اُسکے سردار اور اسکی قوم، سب خدا تعالیٰ کی ہستی کو مانتے تھے ۔ یہاں چونکہ فرعون کو بغاوت کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا، اسلئے سردارانِ فرعون نے کہا کہ اگر تو موسیٰ اور اُسکی قوم کو آزاد چھوڑتا ہے تو وہ تیرے ربِّ اعلیٰ کے اعلان کا بھی انکار کر دیں اور تیرے مقرر کردہ حکام کا حکم بھی نہیں مانیں گے ۔ ملک میں بغاوت پھیلا دیں ۔

● ③ فرعون نے بغاوت کو کچلنے کیلئے اعلان کیا کہ ہم اُنکے ابناءُ القوم کو قتل کر دینگے جو تحریک میں آگے بڑھ کر حصہ لینگے اور جو پیچھے رہ کر رہنے والے عورت صفت افراد ہیں اُنہیں زندہ چھوڑ دینگے ۔ فرعون کے اِس اعلان کے جواب میں حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو مستقل مزاج رہنے کا حکم دیا ۔

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ
کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی مدد چاہو سے اللہ اور ثابت قدم رہو
إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ
بیشک ہے زمین واسطے اللہ کے وارث کرتا ہے اسکا جسے چاہتا ہے سے

(فرعون کے مذکورہ بالا اعلان کے جواب میں) حضرت موسیٰ نے قوم کو کہا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو ۔ (حالات کا مقابلہ مستقل مزاجی کیساتھ کرو) بلاشبہ زمین اللہ کی ہے① (فرعون کی نہیں ہے) ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے بھی زمین کا

عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ○ ۱۲۸
بندوں اپنے اور انجام ہے واسطے بچنے والوں

وارث بناتا ہے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق بناتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہتر انجام توانینِ الٰہی کی نگہداشت کرنیوالوں کا ہوتا ہے۔

● ملہ زمین اللہ کی ہے یعنی اس پر ملکیت کا دعوی شرک ہے۔

زمین کی وراثت طاقت سے ملتی ہے

● ملہ وراثتِ ارضی کا قانونِ مشیت ہے طاقت۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی مغلوبیا کی بدولت اُن سے حکومت کے چھن جانے کا ذکر کرنے کے بعد $\frac{3}{112}$ میں بتایا گیا ہے:- ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ - وہ جہاں کہیں بھی ہوں ان پر غلامی مسلط کر دی گئی سوائے اسکے کہ یا تو وہ حَبْلٌ مِّنَ اللّٰهِ کیساتھ غلامی سے نکل سکینگے اور یا حَبْلٌ مِّنَ النَّاسِ کیساتھ۔ حبل کا معنی ہے قانون۔ پس اس آیت مجیدہ میں غلامی سے نکلنے کے دو طریقے بتائے گئے ہیں، یعنی یا تو اللہ تعالیٰ کے عادلانہ قانون کے ذریعہ طاقت حاصل کی جا سکتی ہے اور یا انسانوں کے بنائے ہوئے ظالمانہ قانون کیساتھ طاقت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا مشاہدہ گواہ ہے کہ جنہیں کرۂ ارض پر چپہ بھر زمین کی حکومت حاصل نہیں تھی جب انہوں نے انسانوں کے بنائے قانون کے ذریعہ بڑی حکومتوں سے طاقت حاصل کر لی تو اب جنوں مسلمان حکومتوں کے وسط میں آنکی حکومت قائم ہو چکی ہوئی ہے --- سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آیا ہے کہ جب فرعون نے اپنے اعلان کے مطابق بنی اسرائیل پر سختی کی تو انہوں نے حضرت موسیٰ کو کہا:-

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ
کہا ایذا دیئے گئے ہم سے پہلے کہ تو آیا پاس ہمارے اور سے

بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ
پیچھے جو آیا تو پاس ہمارے کہا قریب ہے رب تمہارا کہ ہلاک کرے

عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ
دشمن تمہارے کو اور جانشین بنائے تمکو بیچ زمین کے پھر وہ دیکھے

كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○ ۱۲۹ ع
کیسے تم عمل کرتے ہو

(قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو) کہا کہ آپکے آنے سے پہلے بھی ہم ایذا دیئے جاتے تھے اور آپکے آنے کے بعد بھی (ہم) ایذا دیئے جا رہے ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ نے) کہا قریب ہے کہ (تمہاری مستقل مزاجی کی بدولت) تمہارا پروردگار تمہارے دشمن فرعون کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں اسکا جانشین بنا دے۔ پھر وہ دیکھیگا کہ (حکومت میسر آنے کے بعد) تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (کیا تم عوام کے حقوقِ ربوبیت ادا کرتے ہو یا نہیں؟)۔

فرعونیوں پر قحط کا عذاب

● اسکے بعد تحریکِ آزادی کو کچلنے کیلئے جب فرعون نے سختی شروع کر دی۔ دلائل کی رُو سے مجبور ہو چکنے کے باوجود نہ اُنکے حقوقِ ربوبیت تسلیم کئے اور نہ انہیں ہجرت کی اجازت دی۔ تو حضرت موسیٰ نے احتجاج کے طور پر مختلف شعبوں میں ترکِ کار شروع کرا دی۔ مصر کے زرخیز کھیتوں میں مشقت کرتے تھے بنی اسرائیل، اور انکی محنت کا ماحصل لے جاتے تھے مصری۔ حضرت موسیٰ نے کھیت مزدوروں سے ترکِ کار کرا دی، جس کے نتیجے میں قحط پڑ گیا۔ چنانچہ اگلی

آیت مجیدہ میں یہی خبر دی گئی ہے:۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ
اور بیشک بیشک پکڑا ہم نے قوم فرعون کو ساتھ قحط کے

وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ ۱۳۰
اور کمی سے پھلوں کی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

اور بلاشبہ ہمنے قوم فرعون (کی ضد کی بدولت) اُسے قحط سالی میں مبتلا کر دیا۔ اور پھلوں کی پیداوار میں کمی ہوگئی۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (یعنی بنی اسرائیل کے حقوق ربوبیت تسلیم کریں)۔

● لیکن قوم فرعون نے انتہائی ڈھٹائی کیساتھ رزق کی فراخی کو اپنی طرف منسوب کیا اور قحط کو حضرت موسٰی اور آپکی قوم کی نحوست قرار دیا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ
پس جب آتی پاس انکے بھلائی کہتے واسطے ہمارے ہے یہ

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى
اور اگر پہنچے انہیں برائی نحوست ٹھہراتے ہیں طرف سے موسٰی

وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
اور جو ہیں ساتھ اسکے۔ خبردار یقیناً نحوست انکی طرف سے اللہ کے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ۱۳۱
اور لیکن بہت انکے نہیں وہ جانتے

پس جب (بنی اسرائیل کی محنت شاقہ کی بدولت) اُنہیں فراوانی میسر آتی تو (اُسے اپنی طرف منسوب کرکے) کہتے "یہ ہمارے لئے ہے۔ کیونکہ زمین اور باغات ہمارے ہیں) اور اگر (بنی اسرائیل کے ترکِ کار سے) اُن پر قحط آجاتا تو اُسے موسٰی اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ خبردار اُن کی نحوست (اُن کی ضد کی بدولت) اللہ کے قانون کیمطابق تھی۔ لیکن اُن کی اکثریت جانتی ہی نہیں تھی (کہ زمین کا مالک اللہ ہے اور فصلیں اور پھل محنت کے بغیر میسّر نہیں آتے)۔

● حضرت موسٰی نے بنی اسرائیل سے ترکِ کار کروا کر ثابت کر دیا کہ انہیں بنی اسرائیل کی محنت سے غلہ میسّر آتا ہے۔ لیکن اُنہوں نے کہا۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا
اور کہا جو بھی لائیگا تو پاس ہمارے ساتھ اسکے نشانی تاکہ تو دھوکا دے ہم کو

بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ۱۳۲
ساتھ اسکے پس نہیں ہم ساتھ تیرے ایمان لانیوالے

اور (فرعونیوں نے) کہا تو جو بھی نشانی لائیگا کہ تو اُس کے ذریعہ ہمیں دھوکا دے (کہ بنی اسرائیل کے حقوق مصریوں کے برابر ہیں) تو جان لے کہ ہم اس پر ایمان لانیوالے نہیں ہیں۔ (ہم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا)۔

طوفان، ٹڈی دل، چیچڑیوں، مینڈکوں اور فسادِ خون کی متعدی بیماریوں کے عذاب

● اسکے بعد حضرت موسٰی نے فرعونیوں پر مزدوروں کی محنت کی اہمیت کا عملی ثبوت پیش کرنے کیلئے دوسرے شعبوں میں بھی بنی اسرائیل سے ترکِ کار کے ذریعہ احتجاج کرانا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب شعبۂ انسدادِ سیلاب کے منصوبہ بنی اسرائیل کے کام

چھوڑ دیا تو صدیوں کے آرام طلب اور سہل انگار فرعونی سیلاب پر قابو نہ پا سکے اور موسم برسات میں طوفان کی روک تھام نہ ہوسکی اس لئے پانی دارالسلطنت کے گھروں میں گھس آیا۔ اسی طرح جب شعبۂ ٹڈی دل کے بنی اسرائیل محنت کاروں نے ترکِ کار کر دی تو ٹڈی دل نے ملک میں تباہی مچادی۔ فی زمانہ ترکِ کار کو ہڑتال کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر شعبہ کے محنت کش بنی اسرائیل مزدوروں کی ترکِ کار؍ ہڑتالوں کی بدولت معاشرہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو گیا۔ طوفان کی بدولت بستیاں سیم زدہ ہو گئیں، آب و ہوا بے حد مرطوب ہو گئی، اسلئے حشرات الارض، چچڑیوں کی بہتات باعث عذاب بن گئی، نیز فسادِ خون کی بیماریاں پھوٹ پڑیں۔ ساتھ ہی جب طوفان کا پانی اُترا تو مینڈکوں کی بہتات پیچھے چھوڑ گیا، جس نے معاشرہ کی زندگی حرام کردی اب چونکہ یہ سب پروگرام اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ قوم بنی اسرائیل کو خود دئے تھے، اسلئے انہیں اس نے اپنی طرف منسوب کیا ہے:۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ

پس بھیجا ہمنے اوپر انکے سیلاب اور ٹڈی دل اور چچڑیاں

وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَ

اور مینڈک اور خون نشانیاں کھلی پھر تکبر کیا اور

كَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝ ۱۳۳

تھے وہ قوم جرم کرنیوالے

پھر ہمنے اُن (فرعونیوں) پر سیلاب کا عذاب بھیجا اور ٹڈیوں کا اور چچڑیوں (جوؤں کا حشرات الارض) کا عذاب بھیجا۔ اور مینڈکوں اور فسادِ خون کی بیماریوں کا عذاب کھلی نشانیاں بھیجیں، اس لئے کہ انہوں نے تکبر کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک مجرم قوم تھی۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے ترکِ عمل احتجاج کا نتیجہ برآمد ہونے پر قوم فرعون حضرت موسیٰ کو کہتی کہ آپ اپنے پروردگار سے دعا کر کے یہ عذاب دور کردیں (بنی اسرائیل کو کام پر لگادیں) ہم آپ پر ایمان لے آئینگے اور بنی اسرائیل کو آپکے ساتھ ہجرت کرا دینگے:۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا

اور جب واقع ہوتا اوپر انکے عذاب کہتے اے موسیٰ دعا کرو واسطے ہمارے

رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ ۚ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ

رب اپنے سے ساتھ اسکے عہد کیا ساتھ تیرے البتہ اگر کھولدے تو ہم سے عذاب

لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ ۱۳۴

ضرور ہم ایمان لائینگے لئے تیرے اور ضرور بھیجینگے ساتھ تیرے بنی اسرائیل کو

اور جب اُن پر (مذکورہ بالا عذابوں میں سے کوئی) عذاب واقع ہوتا تو کہتے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں دعا کیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کیا ہے۔ اگر آپ ہم سے عذاب دور کردیں تو بیشک ہم آپ پر ایمان لے آئینگے اور ضرور بنی اسرائیل کو آپکے ساتھ بھیج دینگے (یعنی انہیں ہجرت کرا دیں گے)۔

بُرا ہو علاقائی تعصب کا فرعونیوں نے اسکی حد کردی

● فرعون اور فرعونیوں نے اپنی خود پیش کردہ شرط کے مطابق بھی جب اُن سے عذاب دور ہو جاتا اپنا وعدہ توڑ دیتے۔ حکومتوں کا یہی قاعدہ ہے کہ جب ضرورت

ہڑتال کر دیں تو انکے ساتھ وعدہ کرتے ہیں کہ تم کام پر آجاؤ تمہارے مطالبات ضرور پورے کر دیئے جائینگے۔ لیکن جب وہ کام پر آجاتے ہیں تو خود اپنا کیا ہوا وعدہ توڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح فرعون والے بھی ہجرت کی اجازت کا وعدہ کر کے ہڑتال کھلوا لیتے مگر وعدہ پورا نہ کرتے۔ اس طرح حضرت موسیٰ کو متعدد بار ہڑتال کرانا پڑی۔ میعادی وعدے کی میعاد ختم ہونے تک ہڑتال ختم ہو جاتا ہوتا ہے۔ سلسلہ وار ہڑتالوں کی اگلی آیت مجیدہ میں بار بار کی کرائی گئی ہڑتالوں اور اہل فرعون کے میعادی وعدوں اور وعدہ کی مدت گزرنے پر اہل فرعون کے وعدہ توڑنے کا ذکر بالفاظ ذیل آیا ہے:۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ
پھر جب کھول دیتے ہم ان سے عذاب۔ ایک میعاد تک جس تک وہ پہنچنے والے تھے

إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ۝ ۱۳۵
اچانک وہ وعدہ توڑ دیتے

پھر جب ہم انکے مقررہ وعدے کے وقت تک کیلئے، جس تک وہ پہنچنے والے تھے، عذاب اٹھا لیتے (یعنی بنی اسرائیل کو کام پر لگا دیتے) تو وہ (وعدہ کی میعاد پوری ہونے پر) اچانک وعدہ توڑ دیتے۔

● بالآخر جب فرعون نے بار بار وعدہ توڑا تو حضرت موسیٰ اپنی قوم کے انقلابی نوجوانوں کو ساتھ لیکر رات کے وقت ہجرت فرما گئے لیکن جیسے کہ پیچھے $\frac{۷}{۱۰۵}$ میں حضرت موسیٰ کا مطالبہ گزر چکا ہے اَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے مگر $\frac{۷}{۱۱۰}$ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس پر فرعون نے اپنی کابینہ سے کہا تھا يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ وہ موسیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دے، یعنی وہ بنی اسرائیل کو اسلئے لے جانا چاہتا ہے کہ تمہارے مشقت کے کام ٹھپ کر کے تمہیں ناکارہ کر دے اور خود طاقت حاصل کر کے تمہیں سرزمین مصر سے نکال کر اس پر خود قابض ہو جائے۔

● چنانچہ جب اسے پتہ چلا کہ حضرت موسیٰ اپنی انقلابی جماعت کیساتھ ہجرت فرما گئے ہیں تو لشکروں سمیت تعاقب کیا۔ حضرت موسیٰ نے بحیرہ قلزم کی آبنا کو پار کرنا تھا۔ آبناء کا پانی جزر کی حالت میں تھا یعنی اسوقت آبناء پایاب تھی۔ آپ ساتھیوں سمیت اسے پار کر چکے تھے کہ فرعون آپہنچا۔ اس نے مد کی آمد کا جائزہ لئے بغیر فوج کو آبناء میں اتار دیا مگر مد آگئی وہ غرق ہو گئے ارشاد باری ہے:۔

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ
پس بدلہ لیا ہم نے ان سے پھر غرق کیا ہم نے انکو سمندر میں کیونکہ انہوں نے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝ ۱۳۶
جھٹلایا کو آیتوں ہماری اور تھے ان سے بے خبر

پس ہم نے ان (فرعون اور اسکے لشکروں) سے انتقام لیا اور انہیں سمندر کی موجوں میں غرق کر دیا۔ یہ اسلئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان (ہماری آیتوں) سے بے خبر تھے۔

● لفظ یَمّ کا معنی مفتاح اللغات مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۹۰۸ پر دریا، سمندر اور سمندر کی موجیں درج ہے۔ $\frac{۲۰}{۷۸}$ + $\frac{۲۸}{۴۰}$ میں یم کا لفظ آیا ہے۔ اس سے دریائے نیل مراد نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ اس پر تو پل موجود تھا۔ یہ بحیرہ قلزم کی آبناء تھی جسکو پار کر کے حضرت موسیٰ کو حدود مصر سے پار ہو جانا مقصود تھا۔ بحیرہ قلزم کی آبناء کیلئے جس میں سمندر کا مد و جزر آتا تھا $\frac{۲۰}{۷۸}$ میں اسے

مَد کی حالت کا سمندر کا خشک راستہ کہا گیا ہے طَرِیقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا - روایتی تفاسیر میں آیا ہے کہ دریا میں ڈنڈا مارنے سے ۱۲ پانی میں راستے بن گئے تھے، اسکے متعلق اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ کی تشریح تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۲۴۱-۲۴۲ پر دیکھئے، اور یہ روایتی تصور ہے کہ پتھر پر ڈنڈا مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑتے تھے، اس کے ضمن میں اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ کی وضاحت جلد اوّل کے حصۂ تفسیر کے صفحہ ۳۴۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں

● سُورہ یونس کی آیت نمبر ۹۰ میں آیا ہے کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو توبہ کی۔ مگر قبول نہ ہوئی۔ اِس لئے کہ قانونِ خداوندی کے مطابق موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ توبہ سے متعلق مکمل بحث اسی جلد سوم کے صفحہ ۵۱ پر گزر چکی ہے۔

کیا پوری قوم بنی اسرائیل سے ہجرت کرائی گئی تھی

● ہجرت موسوی کے ضمن میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا قوم کے جملہ افراد بوڑھوں، بچوں، بیماروں، حاملاؤں اور زچوں سب سے ہجرت کرائی گئی تھی۔ اس کا جواب حالات کے مطابق بالکل ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کوئی کام عقل و دانش کے خلاف ہرگز نہیں کرتے تھے دیکھیے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا اوّلین مطالبہ بنی اسرائیل کی پُرامن ہجرت کا تھا مگر اسکی اجازت آخر دم تک فرعون نے نہ دی۔ اسلئے یہ پُرامن ہجرت نہیں تھی، بلکہ پُرخطر ہجرت تھی جس میں بیماروں، بوڑھوں، بچوں اور زچہ عورتوں کیلئے آرام دہ سواریوں کا انتظام نہیں تھا۔ سواریاں صرف گھوڑے ہو سکتے تھے، جن پر بوڑھوں اور بیماروں کا سفر کرنا ممکن نہیں۔ پھر فرعون کے تعاقب کا خطرہ سر پہ سوار تھا۔ اس لئے ایسے حالات میں بچوں، بیماروں، بوڑھوں اور زچہ عورتوں کو ساتھ لے جانا فعلِ پیغمبر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اسلئے آپ کا اپنی قوم کی انقلابی جماعت کیساتھ ہجرت فرمانا ہی متصور ہو سکتا ہے۔

غیر دانشمندانہ ہجرت کے خوفناک نتائج

● ۱۹۲۴-۲۵ء کے قریب جب ہندوستان پر انگریز حکمران تھا، علماءِ کرام نے کافر کی حکومت سے نکل جانے، ہجرت کر جانے کا فتویٰ دیدیا۔ چنانچہ افغانستان کی اسلامی سلطنت کی طرف ہجرت شروع ہو گئی۔ پنجاب اور سندھ کے لاکھوں خاندانوں نے بچوں، بوڑھوں اور حاملاؤں سمیت ہجرت کر دی۔ چنانچہ اس غیر دانشمندانہ ہجرت کا نتیجہ یہ ہُوا کہ افغانستان کی سڑکوں اور راستوں پر حاملہ عورتوں کے ہاں بچے پیدا ہوئے، بوڑھے اور بیمار سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکے اور سڑکوں کے کنارے ہزار ہا لاوارث لاشوں کے انبار لگ گئے۔ جو لوگ افغانستان پہنچ گئے ان کے لئے نہ خوراک کا انتظام تھا نہ رہائش کا، اور نہ ہی سندھ اور پنجاب کے گرم علاقوں کے باشندے افغانستان کی برفانی سردی کی شدت برداشت کر سکے۔ ہزاروں افراد ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر گئے جو باقی بچے، وہ اس حالت میں کافر حکومت میں واپس آ گئے کہ نہ گھر نہ در رہے، ہجرت کرتے وقت اپنی املاک اونے پونے داموں ہندوؤں کے ہاتھ بیچ کر غلط ہجرت کی نذر کر چکے تھے اور ہزارہا خاندانوں کی حالت یہ ہو گئی کہ پھوٹی کوڑی تک پلے نہ رہی۔

آنحضور نبی اکرم کی ہجرتِ مبارکہ

● حضور نبی اکرمؐ کی ہجرت مبارکہ کو تصور میں لائیں۔ کہ آپنے ہجرت سے پہلے مدینہ

منورہ میں اپنے معاون پیدا کئے، جنہوں نے مہاجرین مکہ کو نہ صرف ٹھکانہ دیا بلکہ ہر قسم کی مدد کر کے قدموں پر کھڑا کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے انہیں انصار کے معزز لقب سے ملقب فرمایا جو آنحضور اور آپکے مہاجر ساتھیوں کیلئے ہر وقت چشم براہ تھے۔ پس حضرت موسیٰ کی طرف سے بچوں، بوڑھوں، بیمارو ں، حاملاؤں اور زچہ عورتوں سمیت ایک پر خطر ہجرت کروانے کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت مجیدہ ۷/۱۳۶ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون کو اُسکے لشکروں سمیت غرق کر دیا گیا۔ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ	اور (فرعون کو غرق کر دینے کے بعد) ہمنے مصر کی زمین کے مشرقوں اور مغربوں کا جس میں ہمنے (فراوانیٔ اجناس و ثمرات کی) برکت رکھدی ہوئی ہے، اُس قوم کو وارث بنا دیا جو (فرعون اور قوم فرعون کی طرف سے) کمزور کر دئے گئے تھے[1]
اور وارث کیا ہمنے قوم کو جو تھے کمزور کر دئے گئے	
مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا	
مشرقوں زمین کے اور مغربوں اسکے وہ کہ برکت دی ہمنے بیچ اسکے	
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اور پورا ہو گیا بنی اسرائیل پر تیرے رب (کے قانون کیطابق اُس) کا وعدہ، اِس وجہ سے کہ وہ ثابت قدم رہے (فرعون کے مظالم کا مقابلہ مستقل مزاجی کیساتھ کیا۔ اِس لئے ہم نے فرعون اور اسکی قوم کی (نام نہاد اصلاحی تعمیر) بناوٹیں اور جو وہ (استبدادی) سلطنت بناتے رہے تھے ختم کر دی۔
اور پورا ہوا قانون رب تیرے کا بوجہ احسن اوپر بنی اسرائیل کے	
بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ	
بسبب اسکے کہ ثابت قدم رہے اور ختم کر دیا ہمنے جو تھا تعمیر کیا فرعون	
وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۱۳۷	
اور قوم اسکی نے اور جو تھے وہ سلطنت بناتے	

حکومتِ فرعون کے وارث بنی اسرائیل ہوئے

● [1] غرقِ فرعون کے بعد اُسکی حکومت کا وارث اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ اسکے لئے آیتِ بالا میں اَوْرَثْنَا کے بعد مشارق و مغارب کے الفاظ آئے ہیں، یعنی پوری کی پوری سلطنت کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا تھا۔ سورہ شعراء میں اسکے لئے یہ الفاظ آئے ہیں:۔ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۲۶/۵۷ تا ۵۹ ہمنے فرعونیوں کو ان کے ہرے باغوں، بہتے چشموں، بھرے خزانوں اور نفیس مکانوں سے نکال دیا۔ بالکل ایسا ہی ہوا۔ اور اُن کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا — سورہ دخان میں آیا ہے:۔

● كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۴۴/۲۵ تا ۲۸ = فرعونیوں کیلئے کتنے ہرے باغات، چشمے، کھیتیاں، نفیس مکان اور نعمتیں پیچھے چھوڑ گئے جن میں وہ مزے کیا کرتے تھے۔ بالکل ایسا ہوا تھا۔ اور ہمنے اِن سب چیزوں کا وارث دوسری قوم (بنی اسرائیل کو) بنا دیا۔ بنی اسرائیل

کو عطا کردہ اِس حکومت کے متعلق سورہ بقرہ میں بار بار کہا گیا ہے ۔ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ $\frac{2}{47 \cdot 122 \cdot 40}$ اے بنی اسرائیل میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور بیشک میں نے تمہیں مصر کی حکومت عطا کر کے تمہیں لوگوں پر فضیلت بخشی تھی ۔ اس سوال کا جواب تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۴۰ میں موجود ہے کہ فرعون کے مرنے کے بعد مصر کی حکومت بنی اسرائیل کے کن افراد کے سپرد ہوئی ۔

● سے یَسۡتَحۡیٖ فِرۡعَوۡنُ وَ قَوۡمُہٗ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون کا عوام کی فلاح و بہبود کا دعویٰ محض تصنّع یعنی بناوٹ محض تھا ۔ بنی اسرائیل کو کمزور کر رکھا تھا مگر تاثر دیتا تھا کہ جو قوم بنی اسرائیل ہی میں سے تھا اسلئے نواز رکھا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے استحصال میں فرعون اور فرعونیوں کا مساون تھا ۔

● سے وَ دَمَّرۡنَا مَا کَانَ یَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ وَ قَوۡمُہٗ وَ مَا کَانُوۡا یَعۡرِشُوۡنَ کا عام تراجم میں یہ معنٰی لکھا ہے ۔ اور فرعون اور اسکی قوم نے جو کچھ بنایا تھا ہم نے اُسے تباہ کر دیا اور وہ اونچی عمارتیں بناتے تھے (ترجمہ مولوی احمد علی لاہوری مرحوم) یہ ترجمہ اسلئے صحیح نہیں کہ خود اسی آیت $\frac{137}{7}$ کے الفاظ اَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ کی مخالفت بھی کرتا ہے اور اوپر دی گئی آیات مجیدہ $\frac{26}{44 \cdot 25}$ اور $\frac{44}{26 \cdot 25}$ کی بھی مخالفت کرتا ہے ، جن میں اعلان کیا گیا ہے کہ غرقِ فرعون کے بعد اُن کے اُن باغوں ، چشموں ، خزانوں اور نفیس مکانوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا جن میں وہ مزے کیا کرتے تھے ۔ اگر فرعون اور فرعونیوں کی بنائی ہوئی مذکورہ چیزوں اور بلند عمارتوں کو تباہ کر دیا گیا تھا تو بتایئے کیا بنی اسرائیل کو کھنڈرات کا وارث بنایا گیا تھا ۔ فرعون اور فرعونیوں نے عوامی اصلاحات کا جو تصنّع بنایا ہوا تھا اُسکا خاتمہ کر دیا گیا اور اسکی جگہ ربوبیتِ عامہ پر مبنی اصلاحی نظام کیا گیا جس میں ہر فردِ انسانی کے حقوق و حیثیت مساوی اور متوازن تسلیم کئے گئے تھے ۔

● سے وَ مَا کَانُوۡا یَعۡرِشُوۡنَ کا یہ روائتی ترجمہ کہ وہ جو اونچی عمارتیں بناتے تھے سب تباہ کر دی گئیں بوجوہ بالا غلط ہے ۔ یَعۡرِشُوۡنَ کا سہ حرفی مادہ ع ۔ ر ۔ ش ہے عرش کا معنٰی عربی ادب کیمطابق سلطنت بھی ہے ۔ اسلئے یَعۡرِشُوۡنَ کا معنٰی ہے جو وہ ظالمانہ سلطنت بناتے رہے تھے ، اُسے ختم کر دیا گیا اور حضرت موسیٰ کی ہدایات کے مطابق ربوبیتِ عامہ جدید حکومت قائم کی گئی جس میں کوئی بھوکا تھا ننگا ۔ نہ بے علاج تھا نہ بے مکان ۔

بنی اسرائیل کا ایک عجیب واقعہ

● فرعون لشکروں سمیت غرق ہو گیا ، حکومت موسیٰ ہارون سلکہ مصر اور فرعون کا جینہ کے رجال موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کے سپرد ہوئی ۔ حضرت موسیٰ اپنی جماعت کو سمندر کی آبنا سے پار کر کے لے جا رہے تھے کہ انکا گزر ایک بستی سے ہوا جہاں کے لوگ بتوں کے سامنے جھکے بیٹھے تھے ۔ اس پر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے مطالبہ کیا ۔

وَ جٰوَزۡنَا بِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتَوۡا

اور پار کیا ہم نے بنی اسرائیل سمندر پھر وہ آئے

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر (کی آبنا) سے پار اُتارا تو وہ ایک ایسی قوم پر آئے جو بتوں کے آگے جھکے ہوئے تھے انکو

عَلٰی قَوۡمٍ یَّعۡکُفُوۡنَ عَلٰۤی اَصۡنَامٍ لَّهُمۡ ۚ قَالُوۡا یٰمُوۡسَی
اوپر ایک قوم کے جھکے بیٹھے تھے آگے بتوں کے واسطے انکے کہا اے موسیٰ
اجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰهًا کَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّکُمۡ
بنا واسطے ہمارے ایک دیوتا مانند واسطے انکے دیوتاؤں کے کہا بیشک تم ہو
قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾
قوم جہالت کرتے ہو

(بنی اسرائیل) نے کہا کہ اے موسیٰ ہمیں بھی ایک دیوتا بنا دیجئے جیسے کہ ان لوگوں کے دیوتے ہیں۔ (حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں) فرمایا بیشک تم ایسی قوم ہو جو تم جہالت کرتے ہو[1]

● [1] اگرچہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی قیادت میں ایک طویل عرصہ سے فرعون کے خلاف سرگرم عمل رہی تھی اور حضرت نے انہیں وحدتِ باری سے پوری طرح روشناس کر دیا تھا اور بت پرستی کے شرک سے بھی آگاہ کر دیا تھا، لیکن صدیوں کی غلامی نے انکے دماغ ایسے ماؤف کر رکھے تھے کہ بت پرستوں کو بتوں کے ساتھ سجدہ ریز دیکھ کر انہیں یاد ہی نہ رہا کہ کس سے کہ رہے ہیں کہ ہمیں ایک بت بنا دیجئے۔ لیکن حضرت نے نہایت تحمل اور متانت کیساتھ ان جاہلوں پر کھل کر واضح کر دیا:۔

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمۡ فِیۡهِ وَ بٰطِلٌ
بیشک یہ عمل ضائع ہونیوالا ہے جو ہیں وہ بیچ اسکے اور غلط ہے
مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۹﴾
جو ہیں وہ عمل کرتے

(آپ نے فرمایا) بیشک یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں ضائع ہونیوالا ہے اور جو وہ عمل کر رہے ہیں وہ باطل ہے (غلط ہے درست نہیں ہے)

قَالَ اَغَیۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِیۡکُمۡ اِلٰهًا وَّ هُوَ
کہا کیا میں سوائے اللہ تلاش کروں تمہارے لئے حاکم حالانکہ اس نے
فَضَّلَکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۴۰﴾
فضیلت دی انکو اوپر جہانوں کے

فرمایا کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں (تمہارے زمانے اور علاقے کے) لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے (تمہیں حکومت تک نواز دیا ہے)۔
(اگلی آیت میں خدا تعالیٰ کا خطاب ہے)

وَ اِذۡ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ
اور جب نجات دی ہمنے تمکو سے قوم فرعون کے پہنچاتے تھے تمکو
سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ یَسۡتَحۡیُوۡنَ
برا عذاب ذلیل کرتے تھے بیٹوں تمہارے کو اور درگزر کرتے تھے
نِسَآءَکُمۡ ؕ وَ فِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ
عورتوں تمہاری سے اور بیچ اسکے تمہارے آزمائش تھی رب تمہارے

اور (وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب ہمنے تم کو قوم فرعون سے نجات دی۔ وہ تمہارے ابناءِ قوم (یعنی آگے بڑھ کر حقوق و ربوبیت مانگنے والوں) کو ذلیل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں (پیچھے رہنے والے عورت صفت افراد) سے درگزر کرتے تھے۔ اس میں تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری استقامت کا ایک بہت بڑا اظہار تھا[1]۔

عَظِیْمٌ ۝ ۱۴۱
بہت بڑا

ع ۱۶ / ۹

● ۱ بَلَآءٌ اگر بندوں کی طرف سے ہو تو اسکا مصدری معنی ہوتا ہے آزمانا، اور اگر اللہ کی طرف سے ہو تو اسکا مفہوم ہوتا ہے ظاہر کرنا۔ کیونکہ اللہ عالم الغیب سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں تو اسے کسی کو آزمانے کی ضرورت نہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں وادیٔ طور میں کتاب موسیٰ کو الواح (یعنی تختیوں پر لکھوانے کا ذکر باندازِ ذیل اور بالفاظِ ذیل آیا ہے ۔

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ
اور وعدہ ٹھہرایا ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا اور

اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ
پورا کیا ہم نے ساتھ دس راتوں کے پھر پوری ہوئی مدت رب اسکے کی

اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ
چالیس راتیں اور کہا موسیٰ نے واسطے بھائی اپنے ہارون کے

اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ
جانشین کر میری بیچ قوم میری اور اصلاح کرنا اور نہ اتباع کرنا راستے

الْمُفْسِدِیْنَ ۝ ۱۴۲
فسادیوں کی

اور ہم نے موسیٰ کیساتھ (کتاب کو الواح میں لکھوانے کا) تیس[1] راتوں کا وعدہ ٹھہرایا۔ پھر (ایک مخصوص واقعہ کی بدولت) ہم نے اُسے دس راتوں کے ساتھ پورا کیا۔ (اس طرح) اُس (موسیٰ) کے رب کی مدت پوری ہوئی چالیس راتیں۔ اور موسیٰ نے (قوم میں سے آتے وقت) اپنے بھائی ہارون کو کہا کہ تم میرے (بعد) میری قوم میں میری جانشینی (کے فرائض ادا) کرنا۔ اور اصلاح کرنا۔ اور فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا۔

● ۱ کتابتِ کتاب کا کام تیس راتوں ہی کا تھا لیکن دس راتوں کی تاخیر ذیل کے مخصوص واقعہ کی بدولت ہوگئی ۔

وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ
اور جب آیا موسیٰ واسطے مدت ہماری اور کلام کی اُس سے

رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ
رب اسکے نے کہا اے میرے رب دکھا مجھ کو میں دیکھوں تجھے - کہا

لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ
ہرگز نہ دیکھیگا تو مجھے اور لیکن دیکھ طرف پہاڑ کے پھر اگر ٹھہرا

اور جب آیا موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر اور اُس کے رب نے اس سے (بذریعہ جبریل) کلام کیا تو موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے (اپنا آپ) دکھا کر میں تجھے دیکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھیگا۔ اور لیکن تو پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تُو مجھے دیکھ سکیگا پھر جب اُس کے رب نے پہاڑ کو (ایک شدید زلزلے کے ساتھ) ہلایا

مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ
جگہ اپنی پر تو عنقریب دیکھیگا مجھے پھر جب روشن کیا رب اسکے نے

لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ
واسطے پہاڑ کے کردیا اسکو ریزہ ریزہ اور گرا موسیٰ بیہوش ہوکر

فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ
پھر جب آفاقہ ہوا کہا پاک ہے تو میں توبہ کرتا ہوں طرف تیری اور

اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ۱۴۳
میں ہوں پہلا مومنوں کا

(۲/۵۵) اور تجلی کے ساتھ اُسے روشن کیا تو اُسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ پھر جب آفاقہ ہوا (یعنی ہوش میں آیا تو) کہا کہ اے میرے پروردگار تو دیکھے جانے سے (۶/۱۰۳) پاک ہے۔ میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں (آئندہ تجھے دیکھنے کا سوال نہیں کروں گا)۔ اور میں ایمان لانیوالوں میں سے پہلا ایمان لانیوالا ہوں (کہ تجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا)۔

حضرت موسیٰ نے اللہ کو دیکھنے کا سوال کیوں کیا؟

● ۱۔ اس سوال کا جواب تصریف آیات قرآنیہ کی رُو سے یہ ہے:۔ (۲/۵۵-۵۶) میں بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے:۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وہ وقت قابلِ ذکر ہے (اے بنی اسرائیل جب تمہارے کچھ افراد نے) کہا کہ اے موسیٰ ہم آپ پر اُسوقت تک ایمان نہیں لائینگے یہانتک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہراً نہ دیکھیں (اس پر حضرت موسیٰ نے اللہ کو دیکھنے کی درخواست کی) تو تمکو زلزلے نے پکڑ لیا اور تم دیکھتے تھے (تم بیہوش ہوگئے) پھر ہم نے تمہیں اس بیہوشی کی موت سے اُٹھایا تاکہ تم شکرگزار ہو جاؤ۔

● ۲۔ یہ کہاں کا واقعہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے کتنے آدمی تھے۔ اسکا جواب (۷/۱۵۵) میں دیا گیا ہے:۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ اور موسیٰ نے (کتاب لکھنے کیلئے) اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو ہماری مقررہ (۳۰ راتوں کی) مدت کیلئے چُنا۔ پھر جب (اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا) تو انہیں زلزلے کی گڑگڑاہٹ نے پکڑ لیا۔ اِن تینوں مقامات (۷/۱۴۳) + (۷/۱۵۵) + (۲/۵۵-۵۶) کو یکجا کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ ان ہر سہ آیات مجیدہ میں ایک ہی واقعہ کے متعلق حصے بیان ہوئے ہیں۔ یہ ستر آدمی تھے، جنہیں حضرت موسیٰ نے کتاب لکھنے کیلئے منتخب کیا مگر جب وادیٔ طور میں پہنچے تو انہیں شوق ہوا کہ جب حضرت موسیٰ کیساتھ کلام بیاں ہوتی ہے تو کیوں نہ اللہ کو دیکھ لیا جائے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم اُسوقت تک ایمان نہ لائینگے کہ اللہ آپ کے ساتھ کلام کرتا ہے جبتک آپ ہمیں ظاہراً نہ دکھا دیں۔ اس پر حضرت نے رَبِّ اَرِنِيْ کا مطالبہ کر دیا۔ خدا تعالیٰ کو تو (۶/۱۰۳) کے مطابق کوئی آنکھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پہاڑ کی طرف دیکھو کیا پہاڑ ہماری تجلی کی تاب لا سکتا ہے۔ اس کی چمک سے پہاڑ میں زلزلہ آگیا، توڑ پھوڑ سے گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی۔ وہ ستر آدمی مع حضرت موسیٰ بیہوش ہوکر گر پڑے، دس راتوں کے بعد ہوش آیا۔ حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھیوں کے مطالبہ پر رَبِّ اَرِنِيْ کا مطالبہ کیا تھا۔ اور دس راتوں کی بیہوشی کی بدولت تیس راتوں میں دس راتوں کی تاخیر ہوگئی تھی۔

● لَنْ تَرٰىنِیْ کے الفاظ میں چونکہ مضارع پر لَنْ داخل ہوا ہے اسلئے اسکا معنی یہ ہے کہ تُو کبھی بھی مجھے نہیں دیکھیگا۔ ۶/۱۰۳
میں کلیہ کے طور پر اعلان کر دیا گیا ہے لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ، اسے نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی بصیرت اُسے پا سکتی ہے
جو اہل تصوف یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو دیکھا ہے، وہ دو جرموں کے مجرم ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ۶/۱۰۳ کے
قرآنی کلیے کی تکذیب کرتے ہیں اور دوسرا یہ کہ اپنے آپکو حضرت موسیٰ سے افضل قرار دیتے ہیں کہ وہ تو ایک صاعقہ یعنی بجلی
کی چمک کی تاب نہ لا سکے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔

● تَجَلّٰی رَبُّهٗ کی تفسیر میں فائدہ، اصلی روائتی تفسیر موضح القرآن میں بالفاظ ذیل درج ہے:-
تجلی ربہ کا روائتی مفہوم | "پس جس وقت کہ روشنی کی پروردگار اسکے نے یعنی نور اپنا یا نور عرش کا، سوئی کے ناکے کے
برابر ظاہر کیا واسطے پہاڑ کے تو کر دیا پہاڑ کو ریزہ ریزہ، اور گر پڑا موسیٰ بیہوش ہو کر دہشت اسکی سے۔ فائدہ روایت میں ہے
کہ ستر ہزار پردوں کے پیچھے سے سوئی کے ناکے کے برابر نور ظاہر کیا تھا۔ اس ساعت میں جو دیوانہ زمین کے اوپر تھا سو ہشیار ہو گیا، جو بیمار
تھا تندرست ہو گیا۔ تمام زمین سرسبز ہو گئی اور کھارے پانی میٹھے ہو گئے" ——— یہ ہے روائتی تفسیر کہ سمندر کا پانی میٹھا
ہوا ہے اور نہ ریگستان عرب سرسبز ہوا نہ خطِ استوا کا کوئی بھی ریگستانی علاقہ۔ اب آئیے تجلّی رَبُّهٗ کے قرآنی مفہوم کی طرف۔ ۹۲/۲
میں آیا ہے وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى، شہادت ہے دن کی جب وہ ہر چیز کو روشن کر دیتا ہے اس طرح فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ کا معنی
ہے پھر جب اسکے رب نے پہاڑ پر (بجلی کی) روشنی ڈالی۔ کس چیز کی روشنی ڈالی؟ صاعقہ کی۔ بجلی کی چمک، جو اسقدر تیز تھی
کہ پہاڑ میں زلزلہ آگیا جسکی توڑ پھوڑ سے رجفہ یعنی کڑکڑاہٹ پیدا ہوئی۔ یہ زور کی بجلی تھی جس کی تاب پہاڑ نہ لا سکا اور
ریزہ ریزہ ہو گیا۔

● اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور آپکے ستر ساتھیوں پر تجرباتی درس کے ذریعہ واضح کر دیا ہے کہ انسان تو بجلی کی چمک نہیں
دیکھ سکتا، اسے دیکھنے کی کوشش کرے تو بینائی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ ذرا سی شدت کی بجلی کی دہشت سے بیہوش ہو جاتا ہے۔
یہ خدا تعالیٰ کو کیا دیکھ سکتا ہے جو ذات انتہائی لطیف ہے۔ تجربہ کی رو سے لطیف چیزیں دیکھی ہی نہیں جا سکتیں۔ مثلاً ہوا لطیف
ہے، جسم پر لگتی اور حلق میں سے گزرتی ہوئی صرف محسوس ہوتی ہے مگر دکھائی نہیں دیتی۔ ایتھر کی صوتی اور عکسی لہریں آواز
اور تصویریں لاتی ہیں مگر خود دکھائی نہیں دیتیں، کیوں؟ اسلئے کہ لطیف ہیں۔ یہی مشاہداتی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نہ دکھائی دینے
کی وجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئی ہے لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ...... وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۶/۱۰۳ اُسے نہ کوئی آنکھ دیکھ
سکتی ہے اور نہ کوئی عقل و بصیرت اُسے پا سکتی ہے...... کیونکہ وہ خود تو لطیف ہے نہ دکھائی دینے والا ہے مگر وہ ہر چیز
کا بخوبی باخبر ہے۔

● حضرت موسیٰ کے الفاظ تُبْتُ اِلَيْكَ کا مفہوم سیاق کلام کے مطابق بالکل یہ ہے کہ میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی تجھے
دیکھنے کی درخواست نہ کرونگا۔ چنانچہ آپنے ہوش میں آنے کے بعد توبہ کر لی تو ارشاد ہوا توبہ قبول۔ ہمارے صالحیات کو مضبوط

تمام لیجئے:۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ
کہا اے موسیٰ بیشک میں نے برگزیدہ کیا تجھ کو اوپر لوگوں کے

بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ
ساتھ پیغاموں اپنے اور ساتھ کلام اپنے ۔ تمام لے جو دیا میں نے تجھے اور ہو جا

مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ ۱۴۴
میں سے شکر گزاروں کے

فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں کے مقابلے پر اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے ذریعہ برگزیدہ ٹھہرایا ہے آپ اس چیز (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات) کو مضبوط تھام لیجئے جو ہم نے آپ کو (بذریعہ وحی) عطا فرمایا ہے ۔ اور (اس پر عمل کر کے) بھرپور جزا پانے والوں میں سے ہو جائیں ۱ے

● ۱ے لفظ شکر کا سہ حرفی مادہ ش ۔ ک ۔ ر = شکر ہے جسکا بنیادی معنی ہے بھرا ہوا ہونا ۔ الشکر اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے تھن دودھ سے بھرے رہیں ۔ اور دودھ سے بھرے ہوئے تھنوں کو ضَرَّۃٌ شَکْرِیٰ کہتے ہیں ۔ پس ان معنوں کے مطابق آیت بالا میں حضرت موسیٰ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ایسا متوازن معاشرہ قائم فرمائیں جس میں ہر کوئی ضروریاتِ زندگی سے بھرپور فیضیاب ہوتا رہے ۔ سورہ طٰہٰ میں آپکے نام ابتدائی خطاب میں بھی اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے:۔

● اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ○ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ○ ۲۰/۱۵ اے موسیٰ بیشک میں اللہ ہوں ۔ میرے سوا کوئی صاحب حکم نہیں ۔ پس تو صرف میری محکومیت اختیار کرنا ۔ اور میری نصیحت کے مطابق الصلوٰۃ (اجتماعی نظام) قائم کرنا ۔ بیشک وہ گھڑی ضرور آنیوالی ہے جسے میں نے مخفی رکھا ہے کہ اس میں ہر شخص کو اسکی محنت کی اتنی اجرت دی جائے، جس کیلئے وہ کوشش کرتا ہے ۔ واضح رہے کہ قرآنی معاشرہ میں ہر شخص سے محنت لی جاتی ہے اسکی طاقت کے مطابق اور محنت کی اجرت (جزاء) دی جاتی ہے اسکی ضرورت کیمطابق ۔ جس شخص کے کندھوں پر دس افراد کا بوجھ ہے اسے دس افراد کی ضرورت کیمطابق اجرت ملنی ضروری ہے، کیونکہ اسکی سعی و کوشش دس افراد کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کیلئے ہوتی ہے اور یہی مفہوم لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى کا ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کتاب موسیٰ دنیوی ہنگاموں سے دور وادیٔ طور میں الواح پر لکھوائی گئی تھی ۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ
اور لکھی ہم نے واسطے اسکے بیچ تختیوں کے سے ہر چیز

مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ
نصیحت اور تفصیل واسطے ہر چیز کے، پس پکڑ اسکو ساتھ قوت کے

اور ہم نے اس (موسیٰ) کیلئے (لکڑی کی) تختیوں پر لکھوائی ہر چیز نصیحت کی اور تفصیل ہر چیز کی ۔ پھر (ہم نے حکم دیا) اسے مضبوطی کیساتھ تھام لے اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ وہ اسے اچھی طرح پکڑ لیں (یعنی اس میں مندرج احکام پر پوری طرح

وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا[۳] سَأُرِيكُمْ
اور حکم کر قوم اپنی کو پکڑیں ساتھ اچھی طرح ضرور دکھاؤں گا تمہیں
دَارَ الْفٰسِقِينَ[۴] ○ ۱۴۵
انجام حد میں پھاندنے والوں کا

عمل کریں[۳]) میں ضرور تم کو ان لوگوں کا گھر (بُرا انجام[۴]) دکھاؤں گا جو حدیں پھاندنے والے ہیں۔

● [۱] کَتَبْنَا سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب موسیٰ کو خود لکھا تھا۔ بلکہ یہاں معتبر کاتبوں سے لکھوانا مراد ہے۔

● [۲] الواح کا لفظ حضرت نوحؑ کی کشتی کی تعریف میں ۵۴/۱۳ میں آیا ہے ذَاتِ اَلْوَاحٍ کہ وہ لکڑی کے تختوں سے بنائی گئی تھی۔ کتاب موسیٰ کی الواح کے متعلق یہ تصور صحیح نہیں کہ وہ مٹی کی بنی ہوئی تھیں، کیونکہ جب حضرت موسیٰ سے بہت دور پہلے دورِ نوح میں لکڑی کے تختے بنائے جا چکے تھے تو حضرت موسیٰ کے دور میں مٹی کی غیر مضبوط تختیوں پر کتاب لکھوانے کی کیا مجبوری تھی؟

● [۳] یَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا کا یہ معنی غلط ہے کہ وہ اُسکے یعنی کتاب کے اچھے حصوں پر عمل کریں۔ کتاب تو ساری ہی احسن ہے اسلئے اَحْسَنِهَا کے مرکب اضافی میں مضاف الیہ ضمیر هَا کتاب کیمطابق اچھے عمل کیلئے آئی ہے کہ لوگ اس پر اچھی طرح عمل کریں۔ اسی چیز کی تائید آیت مجیدہ کے یہ الفاظ کرتے ہیں فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ کہ کتاب کی پوری نصائح کو مضبوط پکڑلے، پوری کتاب پر عمل کر۔

● [۴] یہاں دَارَ الْفٰسِقِينَ کا معنی فاسقوں کا وہ گھر ہے جو اُنکے فسق کی سزا کے طور پر انہیں میسر آنے والا اُنکا بُرا انجام ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ہمنے اُن میں سے نافرمانوں کو اپنی آیتوں سے پھرا ہوا پایا تھا۔

سَأَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ
ضرور میں پھیرے ہوئے پاتا ہوں سے آیتوں اپنی انہیں جو تکبر کرتے ہیں
فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ[۲] وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا
بیچ زمین کے بغیر حق کے اور اگر دیکھیں ہر نشانی نہیں
يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ
ایمان لاتے ساتھ اسکے اور اگر دیکھیں راہ راست نہیں پکڑتے اسے
سَبِيلًا ۚ وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذٰلِكَ
راستہ اور اگر دیکھیں راہ گمراہی کی۔ پکڑتے ہیں اسے راستہ۔ مذکورہ بالا
بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غٰفِلِينَ ○ ۱۴۶
اسلئے کہ بیشک انہوں نے جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری کو اور تھے وہ اس سے غافل رہنے والے

جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں (انسان کو تکبر کا کوئی حق حاصل نہیں) میں انہیں ضرور اپنی آیتوں[۱] سے پھرا ہوا پاتا ہوں ان کی حالت یہ ہے کہ اگر (ربوبیتِ عامہ) کی ہر ایک نشانی بھی دیکھ لیں تو پھر بھی اُس پر ایمان نہیں لاتے۔ اگر وہ (ربوبیتِ عامہ کا) سیدھا رستے کو (عملی صورت میں بھی) دیکھ لیں تو پھر بھی اس پر نہیں چلتے۔ اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اس پر چلتے ہیں۔ انکی مذکورہ بالا حالت اسلئے ہے کہ ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا اور وہ اُن سے (یعنی ہماری آیتوں سے) غافل رہتے ہیں

● [۱] حرف سَ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کے دیباچہ صفحہ ۴۹ پر ملاحظہ فرمائیں کہ یہ مستقبل قریب کے علاوہ حال کی تاکید کیلئے بھی آتا ہے۔

● ۱۴۶ سَأَصْرِفُ کا یہ معنی غلط ہے کہ میں تکبر کرنیوالوں کو عنقریب اپنی آیتوں سے پھیر دونگا" کیونکہ انہی کے متعلق آگے ارشاد ہوا ہے کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا، انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا ہے (عنقریب جھٹلائیں گے نہیں بلکہ جھٹلا چکے ہیں)۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ
اور جنہوں نے جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری - اور ملاقات
الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
آخرت کی ضائع ہوئے اعمال ان کے نہیں بدلہ دئے جائینگے مگر جو
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ١٤٧ ع
تھے وہ عمل کرتے

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کے دن کی (حضور الٰہی میں) حاضری کو جھٹلایا اُن کے اعمال ضائع ہوگئے[۱] انہیں صرف اُن عملوں کا بدلہ دیا جائیگا جو وہ خود بجالایا کرتے تھے۔

● ۱ یہاں اعمال کے ضائع ہونے کی وجہ بتادی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں اور آخرت کے دن کی حاضری کو جھٹلاتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اُخروی جزا اُن نیک اعمال کی دی جائیگی جو حضورِ الٰہی میں حاضری کے خوف سے کئے جائینگے۔ اسکے سوا حکومت کے ڈر سے بُرے عملوں سے بچا جائے، یا اسلئے نیک کام کئے جائیں کہ لوگ انکی تعریف کریں، تو جس غرض کیلئے بُرے کاموں سے بچتے رہے کہ دست اندازی پولیس سے بچتے رہیں یا یہ کہ لوگ انکی تعریف کریں، انہیں انکا مطلوبہ بدلہ مل گیا۔ دست اندازی پولیس سے بھی بچے رہے اور دنیا میں تعریفیں کراتے اور خوش ہوتے رہے۔ پس قیامت میں اُن اعمال کا بدلہ دیا جائیگا جو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے قیامت کی حاضری سے ڈر کر کئے جائیں۔

بچھڑے کی پوجا ● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اسوقت کے متعلق بتایا گیا ہے جب حضرت موسیٰ طور پر کتاب لکھوانے کیلئے گئے تو پیچھے قوم بنی اسرائیل نے سامری کے کہنے پر ایک بچھڑے کو معبود بنالیا اُس سے مرادیں مانگنے لگے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ
اور بنا لیا قوم موسیٰ نے سے پیچھے اسکے سے گہنوں انکے
عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ
بچھڑا ایک جسم واسطے اسکے آواز کیوں نہ غور کیا انہوں نے بیشک وہ
لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ
نہیں کلام کرتا ان سے اور نہ ہدایت کرتا راہ کی پکڑا اسکو اور

اور انہوں (بنی اسرائیل) نے موسیٰ کے (طور پر جانے کے) بعد انکے زیورات کیساتھ سنگارے ہوئے[۱] بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ جو محض ایک جسم تھا[۲] جس کے لیے صرف بچھڑے کی آواز تھی۔ انہوں نے کیوں نہ غور کیا کہ بیشک نہ اُن سے کلام کرتا تھا۔ اور نہ وہ انہیں سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا تھا۔ انہوں نے اُس (بیکار جسد) کو معبود بنا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ظالم

كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ ۱۴۸ | کام کرنیوالے تھے۔
تھے وہ ظلم کرنیوالے

● علے مِنْ حُلِیِّهِمْ سے پہلے مُزَيَّنًا محذوف ہے۔ اور تقدیر کلام یہ ہے مُزَيَّنًا مِنْ حُلِیِّهِمْ یعنی وہ انکے زیورات کے ساتھ سنگارا ہُوا تھا۔ روائتی تفاسیر میں آیا ہے کہ سامری ایک سنار تھا۔ اس لیے جس بچھڑے کی پوجا کرائی تھی وہ کوئی زندہ بچھڑا نہیں تھا۔ بلکہ اس نے قوم کے زیورات لیکر انکا ایک بچھڑا ڈھالا اور اس میں جبریل کی گھوڑی کے پاؤں تلے کی مٹی ڈالکر بچھڑے کی آواز پیدا کی تھی۔ (جس قوم میں غور و فکر کا مادہ باقی نہ رہے وہ جبریل کو پروں والی مخلوق، مانکر پھر اُسے گھوڑی پر سوار کرتے ہیں) قرآن کریم پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک زرد رنگ کا بے داغ خوبصورت بچھڑا تھا ۲/۹۹ جو نہ بوڑھا تھا نہ بچہ ۲/۹۹ اُسے رو کنوئیں میں جوتا جاتا تھا نہ ہلوں میں ۲/۱ ۔ سامری خود سانڈ دیوتا کی پوجا کرتا تھا۔ جسے اُس نے گھنگرو اور ٹلیاں پہنا رکھی تھیں اور اُسے مرادیں دینے والا بتاکر لوگوں سے معبود منوالیا۔ بعض عورتوں نے بھی فرطِ عقیدت کیساتھ اپنے زیور اتار کر اُسے پہنادئے۔ آج بھی یہی حالت ہے کہ بعض لوگ بکرے یا بیل بچھڑے وغیرہ کو گوٹے والا اُچھاڑ چڑھاکر اور زیورات پہناکر گلیوں اور بازاروں میں نمائش کرتے پھرتے ہیں۔ لوگ اُن سنگارے ہوئے جانوروں سے مرادیں مانگتے اور اُن کے حضور میں نذریں نیازیں پیش کرتے ہیں۔ یہی حالت مذکورہ بچھڑے کی تھی اور جو لوگ ان جانوروں کو اچھاڑ چڑھاکر اور زیور پہناکر نمائش کرتے پھرتے ہیں، سامری اسی قسم کا گئو پرست آدمی تھا۔

● سامری کے متعلق سورہ طٰہٰ میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ جب کتاب لکھواکر واپس آئے تو دیکھا کہ سامری نے قوم بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا پر لگا دیا ہے۔ پہلے تو آپ اپنے بھائی ہارون کو ناراض ہوئے پھر سامری کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

● قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝ ۲۰/۹۵-۹۶ حضرت موسیٰ نے پوچھا کہ اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔ اُس نے کہا میں نے وہ چیز بھی ہے جسے لوگ نہیں سمجھے میں نے سابقہ رسول کے اثر (منسوب احادیث) میں سے ایک اثر (ایک حدیث) لی اور اُسے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور میرے نفس نے مجھے ایسا ہی سمجھایا ——— یہ تو ہے ۲۰/۹۵-۹۶ کا صحیح ترجمہ کہ تو میں اپنے گزرے ہوئے رسولوں کی طرف منسوب احادیث کو انکے اثر قرار دے لیتی ہیں۔ سامری نے ایسی ہی کوئی روائت منسوب پیش کی جس میں سابقہ کسی رسول کی طرف گئو سالہ پرستی منسوب کیگئی تھی۔ قوم نے کسی سابقہ رسول کی سُنت سمجھ کر بچھڑا پرستی شروع کر دی۔

● روائتی تفاسیر نے انہی آیات مجید ۲۰/۹۵-۹۶ ہی کے الفاظ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ کا یہ معنی لیا ہے کہ سامری نے کہا کہ میں نے حضرت جبریل کی گھوڑی کے پیروں کی مٹی بھر مٹی اٹھالی۔ (یہ کوئی نہیں سوچتا کہ سامری کو جبریل اور اسکی گھوڑی کہاں مل گئے تھے؟) ——— حضرت موسیٰ نے قوم کو بھی انکا وعدہ یاد دلایا۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۲۰/۸۶ کہا اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے (اپنی خالص فرمانبرداری کا) اچھا وعدہ نہیں لیا تھا (تمہیں کیا ہوگیا) انہوں نے جواب دیا۔

● قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ۝ ۲۰/۸۷-۸۸ قوم نے کہا کہ (اے موسیٰ) ہم نے از خود آپکے وعدے کیخلاف نہیں کیا۔ لیکن ہم قوم کی زینت (زیورات جو بچھڑے کو پہنائے گئے تھے) کا بوجھ اٹھوائے گئے ہم نے اُسے بڑا سوچے سمجھے اٹھالیا"۔ پس اسی طرح سامری نے (بچھڑے کو سنگار کر) ہمیں پیش کیا یعنی اُس نے قوم کیلئے ایک بچھڑا نکالا جو محض ایک جسم ہے۔ اُس میں صرف بچھڑے کی آواز ہے۔ پس سامری اور اُسکے ساتھیوں نے کہا کہ یہ بچھڑا ہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی یہی معبود ہے۔ موسیٰ اپنے اس معبود کو بھول گیا ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۲۰ تا ۵۰ پر پوری وضاحت کی جاچکی ہے کہ اُسی بچھڑے کو ذبح کرا کے عملاً ثابت کردیا گیا تھا کہ وہ جو اپنے آپکو چھری سے نہیں بچا سکا' وہ تمہاری کیا مرادیں پوری کرے گا۔ سورہ طٰہٰ میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے سامری کو کہا کہ دیکھو ہم تیرے معبود کو ابھی جلا کر اسکی راکھ دریا میں بہا دیتے ہیں۔

● وَانظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ ۲۰/۹۷ اور تُو اپنے معبود کیطرف دیکھنا جس کے سامنے تُو جھکا ہُوا ہے ہم اُسے ضرور ضرور (تیرے سانڈ دیوتا کو ذبح کرکے ۲/۱) جلا دینگے پھر اسکی راکھ بکھیر کر دریا میں بہا کر نیست و نابود کر دینگے۔ اس آیت مجیدہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سامری نے زیورات کا بچھڑا نہیں ڈھالا تھا۔ بلکہ وہ ایک اصلی بچھڑا تھا جو ذبح بھی ہوسکتا تھا اور جل کر راکھ بھی ہوسکتا تھا۔ اسکے برعکس زیورات کے ڈھالے ہوئے بچھڑے کو چونکہ جلانے اور اسکی راکھ بنانے کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا' اسلئے ثابت ہُوا کہ وہ بچھڑا ایک حقیقی بچھڑا تھا' جسے ذبح کرکے' جلا کر اور راکھ بنا کر دریا میں بہا دیا گیا تھا اور سامری سُنار نہیں تھا۔ بلکہ ایک گئو پرست مُشرک تھا جس نے حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی میں کسی سابقہ رسول کی سنت بنا کر گئو سالہ کو قوم کا اور حضرت موسیٰ کا معبود بتا کر گئو سالہ پرستی شروع کرادی تھی۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں خود قوم موسیٰ کے ہاتھوں بچھڑے کو ذبح کروا کر اُسے اُن سے چھڑانے کا وہی ذکر اختصاراً کیا گیا ہے جو سُورۂ بقرہ' آیت نمبر ۶۵ تا ۷۲ میں تفصیلاً بیان ہُوا ہے۔ اور ساتھ ہی بچھڑا پرستی سے قوم بنی اسرائیل کی ندامت بھی مذکور ہے:-

وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا

اور جب پچھڑا دیا گیا بذریعہ ہاتھوں انکے اور دیکھا بیشک تحقیق گمراہ ہوگئے

قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ

کہا البتہ اگر نہ رحم کرتا ہم پر رب ہمارا اور بخشتا واسطے ہمارے ضرور ہوجاتے ہم

مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ۱۴۹

سے گھاٹا پانیوالوں کے

اور جب خود اُنکے (بنی اسرائیل کے) ہاتھوں (بچھڑے کو ذبح کروا کر) اُسے اُن سے چھڑوا دیا گیا اور اُنہوں نے جان لیا کہ بلاشبہ وہ (گئو سالہ پرستی کرکے) گمراہ ہوگئے تھے تو اُنہوں نے کہا کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرتا اور ہمیں (گئو سالہ پرستی سے) بچا نہ لیتا تو ضرور ہم (اخروی) نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجاتے۔

● ملہ سُقِطَ کا لفظی معنی ہے گروایا دیا گیا - یہاں بنی اسرائیل سے گئوسالہ پرستی کا چھڑانا مراد ہے جو آپنے نیچ کرا کے چھڑائی گئی -

● ملہ فِیْ بمعنی بذریعہ کی قرآنی دلیل اور مثال پہلی جلد کے دیباچہ کے صفحہ ۹۵ پر ملاحظہ فرمائیں -

● ملہ رَاَوْا کا معنی انہوں نے دیکھا بھی ہے اور غور کیا بھی ہے - کیونکہ دیکھنے کیساتھ ہی متصلاً مقامِ غور ہے -

● ملہ یَغْفِرْ لَنَا میں غفر کا مصدری معنی ہے بچانا - یہاں گئوسالہ پرستی سے بچانا مقصود ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو کوہِ طور ہی پر خبر پہنچ گئی تھی کہ قوم نے گئوسالہ پرستی شروع کر دی ہے - اسلئے آپ انتہائی غصہ کی حالت میں واپس آئے اور اپنے بھائی سے بھی ناراض ہوئے اور قوم سے بھی - چنانچہ ارشاد ہوا ہے :-

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ

اور جب لوٹا موسیٰ طرف قوم اپنی غصہ میں افسوس کی، کہا

بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ

بری ہے جو جانشینی کی تم نے میری سے بعد میرے کیا تم نے جلدی کی حکم رب اپنے

وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ

اور رکھیں تختیاں اور پکڑا ساتھ سر بھائی اپنے کھینچا اُسے

اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ

طرف اپنی کہا بیٹے ماں میری کے بیشک قوم نے کمزور کر دیا مجھے

وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ٘ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ

اور قریب تھا قتل کر دیتے مجھے پس نہ ہنسا ساتھ میرے دشمنوں میرے کو

وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۵۰

اور نہ ٹھہرا مجھے ساتھ قوم ظالموں کے

اور جب حضرت موسیٰ (قوم کی نافرمانی پر) افسوس کرتے ہوئے غضبناک حالت میں اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو (اپنے بھائی سے اور قوم سے کہا) تم نے میرے بعد میری بری جانشینی کی ہے، کیا تم نے اپنے رب کے حکم (آسکے عذاب کے لئے) جلدی کی ہے اور تختیاں (ایک طرف) رکھ دیں - اور اپنے بھائی کو موقعہ پر آ پکڑا اسے اپنی طرف بلایا - اُس نے کہا اے میری ماں جائے بیشک قوم نے مجھے کمزور کر دیا (میرا ساتھ نہ دیا) اور قریب تھا کہ سب میری مخالفت کر دیتے - پس تو مجھ پر میرے دشمنوں کو مت ہنسا - اور مجھے ظالموں (گئوسالہ پرستی کرنے والوں کا) ساتھی نہ ٹھہرا -

● ملہ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗ کا معنی روائتی تفاسیر میں یہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارونؑ کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا - بلکہ سورہ طٰہٰ کے الفاظ و فعل لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ $\frac{۲۰}{۹۴}$ سے روائتی تراجم نے یہ نقشہ پیش کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ہاتھ سے حضرت ہارونؑ کی داڑھی پکڑ لی اور دوسرے سے سر کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا - العیاذ باللہ!

● حضرت موسیٰ و ہارونؑ دونوں سگے بھائی بھی تھے اور دونوں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی بھی تھے - اسی طرح دونبیوں کے اخلاق کا جو نقشہ روائتی تراجم نے پیش کیا ہے اس سے بڑھ کر انبیاء کرامؑ کی کیا توہین ہو سکتی ہے؟ اَخَذَ بِرَاْسِ کا لفظی ترجمہ "سر سے

پکڑا اور محاوراتی معنی ہے سر پر پہنچ گیا ۔ موقعہ ہاتھ آگیا ۔ جب قوم بچھڑے کی پوجا میں معروف تھی ۔ اور یَجُرُّهٗ اِلَيْهِ کا ، محاوراتی مفہوم یہ ہے جواب طلبی کیلئے اپنے پاس بلایا ۔ جب آپ غصّے کی حالت میں لوگوں کے سامنے ناراض ہونے لگے تو حضرت ہارونؑ نے کہا فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ ۔ مجھ پر میرے دشمنوں کو مت ہنسایئے ۔ قوم کو میرا مذاق اڑانے کا موقعہ نہ دیجئے میرا قصور کوئی نہیں ۔ میں نے بہت سمجھایا مگر قوم نے ایک نہ مانی ۔ اور یہی مفہوم ہے ۲۰/۹۴ کے الفاظ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ کا کہ لوگوں کے سامنے میری ذلت نہ کریں کیونکہ لوگوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقعہ میسّر آئیگا ۔

● انبیاء کرام کتنے ہی غصّے کی حالت میں ہوں ، انسانی اخلاق کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے ۔ جب حضرت موسیٰؑ حقیقتِ حال سے آگاہ ہوگئے تو فرمایا ۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا

کہا اے میرے رب معاف کر واسطے میرے اور واسطے بھائی میرے اور داخل کر ہم کو

فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ۱۵۱

بیچ رحمت اپنی اور تو ہے بڑھ کر رحم کرنیوالا رحم کرنیوالوں کا

(حضرت ہارونؑ کے حقیقت حال واضح کرنے پر حضرت موسیٰ نے حضورِ خداوندی میں عرض کیا) اے میرے پروردگار (مجھ سے اور میرے بھائی سے جو کچھ کوتاہی ہوئی ہے اسکے بدلے) مجھے بھی معاف فرما اور میرے بھائی کو بھی معاف فرما حقیقت یہ ہے کہ تو سب رحم کرنیوالوں کا بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے ۔

جواباً ارشاد ہوا :۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ

بیشک جنہوں نے پکڑا بچھڑا ضرور پہنچیگا انہیں غضب

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ

سے رب ان کے اور ذلت زندگی میں دنیا کے اور مثل مذکورہ

نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝ ۱۵۲

ہم بدلہ دیتے ہیں افترا کرنیوالوں کو

(اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں سے بے شک درگزر کیا مگر) بلاشبہ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ہے ، انہیں انکے رب کی طرف سے ضرور عذاب اور ذلت آئیگی ۔ اور اس مذکورہ طریقے سے ہی ہم افترا کرنے والوں کو (انکے افترا کا) بدلہ دیتے ہیں ۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا

اور جنہوں نے عمل کئے برے پھر توبہ کی سے پیچھے اسکے

وَاٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۱۵۳

اور ایمان لائے بیشک رب تیرا ہے بعد اسکے ضرور معاف کرنیوالا مہربان

اور (ہمارا قانون یہ ہے کہ) جو لوگ برے عمل کریں پھر اسکے بعد توبہ کریں اور (عملاً) ایمان لائیں ، یعنی پھر برے عمل نہ کریں تو بیشک تیرا رب اس کے بعد ضرور معاف کرنے والا مہربان ہے ۔

سامری کا بائیکاٹ

● حضرت موسیٰ پر حقیقت حال نمایاں ہوگئی کہ قصوروار سامری ہے تو آپ نے اُسے یہ کہکر قوم سے خارج کر دیا ۔ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۲۰/۹۷ کہا چلا جا یہاں سے یہی تجھ پر لازم ہے کہ تو یہ کہے کہ میرا (موسیٰ ، ہارون اور سابقہ انبیاء کیساتھ کوئی میل نہیں ، کوئی واسطہ نہیں) ۔ تو اس طرح واقعۂ سامری کے اثرات مذاہل

کرنے اور قوم کی اصلاح کر چکنے کے بعد جب آپکا پوری طرح غصہ اتر گیا تو سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ
اور جب دور ہوا سے موسیٰ غصہ پکڑیں تختیاں
وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ
اور بیچ تحریر انکی ہدایت اور رحمت ہے واسطے انکے وہ واسطے رب اپنے
يَرْهَبُونَ ○ ۱۵۴
ڈرتے ہیں

اور جب حضرت موسیٰؑ سے غصہ (پوری طرح رفع ہو گیا تو۔ کتاب کی لکھی ہوئی الواح کو اٹھایا اور کار تبلیغ میں معروف ہو گئے) انکی تحریر میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی تھی۔

کتاب لکھوانے کیلئے ستر کاتبوں کو چنا گیا تھا

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر پیچھے گزرے ہوئے واقعہ کتابت کتاب کی طرف رخ کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسکی وضاحت کچھ اور بالفاظ ذیل فرمائی ہے۔

وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا
اور چنے موسیٰ نے قوم اپنی سے ستر آدمی واسطے وقت ہمارے
فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ
پھر جب پکڑا ان کو زلزلے نے کہا رب میرے اگر چاہتا تو ہلاک کرتا تو انکو
مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ
سے پہلے اور مجھے بھی کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمکو بوجہ اسکے جو کیا بیوقوفوں نے
مِنَّا إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ
سے ہمارے نہیں ہے وہ مگر قانون تیرا گمراہ کرتا ہے ساتھ اسکے جسے تو چاہے
وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
اور تو ہدایت دیتا ہے جسے تو چاہے تو ہی ہے مددگار ہمارا معاف کر واسطے ہمارے
وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ○ ۱۵۵
اور رحم کر ہمکو اور تو ہی ہے بہتر معاف کرنے والوں کا

اور موسیٰ نے (ہماری کتاب لکھوانے کے) ہمارے وعدہ کیلئے ستر آدمیوں کو چنا۔ پھر جب (موسیٰ سمیت) ان سب کو (بجلی کی کڑک سے پیدا شدہ ۲/۵۵) زلزلے نے آپکڑا۔ (اور وہ سب بیہوش ہو گئے تو حضرت موسیٰ نے ہوش میں آنے کے بعد) کہا کہ اے اللہ اگر تو (اپنی متعینہ اقدار کے مطابق) چاہتا تو ان سب کو اور مجھے بھی اس سے پہلے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو بیوقوفوں کی غلطی کے بدلے ہمیں ہلاک کرتا ہے (ہرگز ہلاک نہیں کرتا) جو ہم سے بیوقوفوں نے کی ہے ۲/۵۵۔ نہیں ہے یہ مگر تیرا قانون مشیت ہے۔ اسی کیساتھ تو اپنی متعینہ اقدار کے مطابق کسی کو گمراہ اور کسی کو ہدایت یافتہ پاتا ہے اپنے قانون مشیت کے مطابق۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس تو ہی ہماری لغزش کے عذر سے ہماری توبہ کی بدولت بچالے۔ اور ہم پر رحم کر، حقیقت یہ ہے کہ تو بچا دینے والوں کا بہتر بچا دینے والا ہے۔

● اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی التجا کی تھی ۷/۱۴۳ تو یہ انکے ستر ساتھیوں میں

میں سے بعض کی ضد کی بدولت تھی۔ جیسے کہ سورۃ البقرہ میں وضاحتاً بتایا گیا ہے:۔

● وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ۲/۵۵-۵۶ اور (اے زمانۂ رسالتِ محمدی کے یہودیو!) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تم نے (تمہارے بزرگوں کے ان ستر افراد میں سے بعض بیوقوفوں نے (۷/۱۵۵) جنہیں حضرت موسیٰ کتاب لکھوانے کیلئے طور پر لے گئے تھے) یہ کہا کہ ہم اسوقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے (کہ آپکے ساتھ اللہ کلام کرتا ہے) جبتک ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہر نہ دیکھ لیں (اس پر موسیٰ نے ہم سے رَبِّ اَرِنِیْٓ ۷/۱۴۳ کی التجا کر دی۔ تو تمہارے بڑوں کو بجلی کی کڑک والے زلزلے ۷/۱۴۳ نے پکڑ لیا اور وہ اس منظر کو تم (تمہارے بزرگ) آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ (پھر ایسا ہوا کہ موسیٰ سمیت تمہارے بزرگ بیہوش ہو گئے ۷/۱۴۳) پھر اس موت کی سی حالت کے بعد ہم نے تمہیں (تمہارے بزرگوں کو) ہوش میں لاکر کھڑا کر دیا تاکہ تم (تمہارے بزرگ) میرا شکر کریں۔ (میرے احکام کیمطابق زندگی بسر کریں)۔

● ۱؎ فِتْنَتُكَ میں فتنہ کا لفظی معنیٰ آزمائش ہے۔ لیکن جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستعمل ہو تو اسکا معنیٰ آزمائش نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے وہ ہر کسی کے ماضی، حال اور مستقبل کو اچھی طرح جانتا ہے۔ یہاں اِس لفظ کا معنیٰ قرآنی لغت کے مطابق بتا دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت۔ جیسے کہ مصدر الفاظ میں آیا ہے تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ کہ تو جسے گمراہ پاتا ہے مطابق اسکے یعنی اپنے قانونِ مشیت ہی کے مطابق پاتا ہے اور جسے ہدایت یافتہ پاتا ہے اپنے قانونِ مشیت ہی کے مطابق پاتا ہے۔ تُضِلُّ میں خاصہ وجدان ہے۔ کسی کو گمراہ، اللہ نہیں کرتا۔ جو بھی گمراہ ہوتا ہے خود ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے گمراہ ہوا ہوا پاتا ہے کرتا نہیں؛ اور اسی طرح جو کوئی ہدایت اختیار کرتا ہے خود کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت یافتہ پاتا ہے۔ مَنْ تَشَآءُ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۲ پر يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۳/۲۶ کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اب ہدایت و گمراہی کا قانونِ مشیت یہ ہے قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹ اے رسول! کہہ دیجئے گا کہ حق قرآنِ کریم تمہارے رب کیطرف سے ہے جو کوئی خود چاہے اس پر ایمان لائے اور ہدایت پائے جو کوئی خود چاہے انکار کر دے اور گمراہ ہو جائے۔

رجوع الی المقصود ● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں حضرت موسیٰ کی دعا و التجا کے باقی الفاظ بیان کئے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی آرزو سے توبہ کرنے کے بعد آپ نے دُنیا و آخرت کی بھلائی طلب فرمائی:۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ

اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا کے بھلائی اور | اور (اے ہمارے پروردگار) لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا اور آخرت میں بھلائی (یعنی ہم ضرور بھلائی کے کام کریں گے) اللہ نے

فِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ
بیچ آخرت کے بیشک ہم نے رجوع کیا طرف تیری - کہا عذاب اپنا پہنچاتا ہوں ساتھ اس کے

مَنْ أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا
جسے چاہوں اور رحمت میری وسیع ہو گئی ہر چیز سے پھر ضرور لکھوں گا اسے

لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ
واسطے انکے جو بچتے ہیں اور وہ دیتے ہیں زکوٰۃ اور جو ہیں وہ

بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾
ساتھ آیتوں ہماری ایمان لاتے

فرمایا میں اپنا عذاب اُسے پہنچاتا ہوں، جسے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق چاہتا ہوں - (یعنی برے عمل کرنیوالوں کو پہنچاتا ہوں) حقیقت یہ ہے کہ میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے[1] پس ضرور اپنی رحمت ان لوگوں کے لئے لکھتا ہوں (فرض کرتا ہوں) جو میرے قانون کی مخالفت سے بچتے ہیں - اور معاشرہ کے دُبلوں کو فربہی دیتے ہیں اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں (زبانی زبانی ایمان نہیں بلکہ اُن پر عملاً ایمان لاتے ہیں) -

● ملے وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کے الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے کہ میری، اللہ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے - یعنی اُس کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ کوئی شخص اس کی رحمت سے محروم نہ رہے - لیکن جو لوگ برے عمل بجالاتے ہیں وہ خود اللہ کی رحمت سے دُور ہوتے ہیں - جیسے کہ اسی آیت مجیدہ میں آیا ہے کہ میں ان لوگوں کیلئے اپنی رحمت فرض کر دیتا ہوں، جو میرے قانون کی مخالفت سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں - یعنی دُبلوں، کمزوروں کو اُنکی ضروریاتِ زندگی مہیا کرکے اُنہیں فربہی دیتے ہیں -

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالتِ محمدی کے اُن یہود و نصاریٰ کا ذکر لایا گیا ہے جو آنحضورؐ پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے :-

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي
وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں ہمارے رسول نبی مکی کی جسے

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ
پاتے ہیں اسے لکھا ہوا پاس اپنے بیچ توراۃ کے اور انجیل کے

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ[3] وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ[4]
حکم کرتا ہے ساتھ احکام الٰہیہ کے اور منع کرتا ہے انہیں سے منکرات الٰہیہ سے

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ[5] وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
اور حلال بتاتا ہے واسطے انکے پاکیزہ چیزیں اور حرام بتاتا ہے اوپر ان کے

الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي
ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے سے انکے بوجھ اُن کے اور طوق جو

وہ لوگ ہمارے مکی رسول نبی (پر ایمان لا کر اُس) کی اتباع کرتے ہیں جسے (یعنی جس کی آمد کی خوشخبری) اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں[2] - وہ انہیں معروف یعنی قرآنی احکام[3] کا حکم دیتا ہے اور منکر یعنی ان کاموں سے منع کرتا ہے جو قرآن نے منع کئے ہیں[4] - اور وہ احکام قرآنیہ کے مطابق طیبات (یعنی) پاکیزہ چیزیں حلال بتاتا ہے[5] - اور وہ اُنکے لئے خبائث (یعنی ناپاک چیزوں کو حرام بتاتا ہے - اور وہ اُنکے بوجھ اُتارتا ہے اور اُنکے وہ طوق دُور کرتا ہے جو اُن پر (اُنکی گردنوں میں) پڑے ہوئے ہیں - پس جو لوگ اِس (نبی اُمّی) پر ایمان لائیں اور اسکی تعظیم کریں اور اسکی مدد کریں[6] اور اس نور (قرآن کریم) کی

كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ
تھیں۔ اوپر ان کے پھر جو لوگ ایمان لائیں ساتھ اسکے اور عزت کریں اسکی

وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ
اور مدد کریں اسکی اور اتباع کریں نور کی جو اتارا گیا ساتھ اسکے

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۵۷﴾ ع ۱۹
وہی ہیں وہی کامیاب ہونیوالے

اتباع کریں جو اس پر نازل کیا گیا ہے۔ وہی لوگ ہیں وہی تو فلاح پانے والے (یعنی دنیا و آخرت میں کامیاب ہونے والے) ہیں۔

● ۱ امی کا لفظ جہاں آنحضورؐ کی تعریف کیلئے آیا ہے وہاں اسکا معنی ان پڑھ نہیں بلکہ مکی ہے کیونکہ ۴۲/۷ میں مکہ معظمہ کو ام القری کہا ہے۔ اسلئے ام کیساتھ یائے نسبتی لگا کر امی یعنی مکی کہا جاتا ہے۔ سورہ جمعہ میں اسکی وضاحت بالفاظ ذیل کردی گئی ہے ھُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ ۶۲/۲ وہ اللہ ہی ہے جس نے مکے والوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا ـــــ آنحضورؐ کو جن لوگوں کے اندر انہی میں سے رسول مبعوث فرمایا گیا تھا وہ سب ان پڑھ نہیں تھے بلکہ مکی تھے جن میں مکی رسول مبعوث کیا گیا تھا۔ ۶۲/۲ کا یہ معنی کس قدر تعجب انگیز غلط ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک ان پڑھ رسول مبعوث فرمایا۔ یا للعجب!

● ۲ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ کے الفاظ سے ثابت ہے کہ آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خبر توراۃ میں بھی نازل کر دی گئی تھی اور انجیل میں بھی اُسے نازل کر دیا گیا تھا۔ توراۃ و انجیل کے جن موجودہ نسخوں میں آنحضورؐ کی خوشخبری موجود نہیں ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے متعصب یہود و نصاریٰ نے خود خارج کر دی ہے۔

● ۳ المعروف کا لفظی معنی ہے جانا ہوا۔ یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہے احکام قرآنیہ۔

● ۴ المنکر المعروف کی ضد ہے یعنی غیر معروف یہ بھی قرآنی اصطلاح ہے معنی وہ کام جن سے قرآن نے منع کر دیا ہے۔

● ۵، ۶ یحل اور یحرم کا یہاں لفظی معنی مراد نہیں کہ مکی رسول حلال کرتا یا حرام کرتا ہے کیونکہ اللہ کے رسول اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے۔ اللہ کے دین میں رد و بدل کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ ۱۰/۱۵ میں خود آنحضورؐ کا اعلان موجود ہے مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۔ میں اس امر کا مجاز نہیں ہوں کہ اللہ کے کلام کو اپنی خواہش سے بدل دوں۔ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ رسول کے ذمہ صرف اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہے مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۵/۹۹ ۔ چنانچہ آنحضورؐ کو حکم دیا۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۵/۶۷ اے رسول جو کچھ آپکے رب کی طرف سے آپکی طرف نازل کیا گیا ہے اُسے لوگوں تک پہنچا دیں۔ اگر کسی چیز کو آنحضورؐ حلال یا حرام کریں تو دین اللہ ناخالص ہو جاتا ہے جس کے متعلق آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے:-

● إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ۝ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۳۹/۲-۳ بیشک ہم نے آپ کی

طرف اپنی سچی کتاب نازل فرمائی ہے - پس آپ اللہ کی فرمانبرداری کریں اُسکے دین (قرآن) کو خالص رکھتے ہوئے - خبردار اللہ کیلئے خالص دین ہے (ملاوٹ والا دین اسکے ہاں مقبول نہیں) -

● سورہ تحریم میں آیا ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۶۶/۱ اے نبی! آپ کیوں حرام کرینگے اُس چیز کو جو اللہ نے آپکے لئے حلال فرمائی ہے (یعنی آپ ایسا ہرگز نہیں کرینگے) اس آیت میں دو چیزوں کا ثبوت ملتا ہے - پہلی یہ ہے - حلال وحرام کرنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور دُوسری یہکہ آنحضورؐ کو کسی چیز کو حلال وحرام کرنے کا حق حاصل ہے اور نہ آپ نے کسی چیز کو حرام (یا حلال) کبھی بھی کیا تھا - پس آیت بالا زیر بحث ۷/۱۵۷ میں مذکورہ بالا حقائق قرآنیہ کے مطابق يُحِلُّ اور يُحَرِّمُ کا صحیح مطلب یہی ہے جو لکھا گیا ہے کہ وہ (اُمی نبی رسولؐ) پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام بتاتا ہے (حلال وحرام کرتا نہیں) -

● ۷ يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ کا دائرہ بہت وسیع ہے کہ آنحضورؐ نے عوام پر قرآنی احکام نافذ کر کے قرآنی سلطنت کی حدود میں بسنے والوں پر پڑے ہوئے تمام بوجھ اُتار دیئے تھے - یعنی نظام ربوبیت کے قیام کی بدولت ضروریاتِ زندگی کے جس بوجھ تلے الگ الگ افراد دبے ہوئے تھے، وہ تمام بوجھ مرکزی حکومت کی طرف منتقل کر دیئے گئے - اور اغلال یعنی طوق لوگوں نے اپنے اپنے بزرگوں کی تقلید کے پٹے اپنی گردنوں میں ڈال رکھے تھے، نیز قومی، قبائلی، علاقائی اور خاندانی رسم ورواج کے جو قلادے اپنی اپنی گردنوں میں پہنے ہوئے تھے، آنحضورؐ نے سب کے سب اُتار پھینکے - اور انہیں ان تمام جکڑ بندیوں سے آزاد کر دیا -

● ۸ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ کے الفاظ میں آنحضورؐ پر ایمان لانے کی صحیح صورت بتادی گئی ہے کہ آنحضورؐ پر صحیح ایمان اُس شخص کا ہے کہ ایمان لانے کے بعد آپکی تعظیم وتکریم میں کسی قسم کی کمی نہ رہنے دے اور قرآنی نظام کے قیام میں آپکی مدد بھی کرے - جبتکہ آنحضورؐ بنفس نفیس اُمت میں موجود رہیں اسوقت تک آپکی حمایت اور مدد کرنا اپنا فرض جانے اور جب آپ دُنیا سے تشریف لے جائیں تو آپکے قائم کردہ نظام اور آپکے قرآنی مشن کو آگے سے آگے بڑھانے میں خود بھی کوشاں رہے اور جو لوگ اس نظام کے سربراہ ہوں اُنکی مدد کرتا رہے -

● ۹ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ کے الفاظ میں آنحضورؐ پر ایمان لانے کی عملی تصدیق کا اعلان کر دیا ہے کہ جو لوگ آنحضورؐ پر ایمان لائیں اُن پر لازم ہے کہ وہ اُس نور کی اتباع کریں جو آنحضورؐ کے ساتھ نازل کیا گیا تھا - وہ قرآن کریم ہے - اس جملے میں أُنْزِلَ مَعَهُ کے الفاظ انتہائی اہم ہیں - کیونکہ قرآن کریم تو آپکی طرف نازل کیا گیا تھا - نہ یہ کہ آپ بھی نازل ہوئے تھے اور قرآن کریم بھی آپ کے ساتھ نازل ہوا - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نزولِ کریم سے ماقبل زمین پر موجود تھے - قرآن کریم کو نازل فرمایا گیا تھا اور آپکو زمین ہی پر بحیثیت نبی مبعوث فرمایا گیا تھا - تو اس طرح قرآن اور رسول کی معیت یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزول سے پہلے آپ محمد بن عبداللہ تھے، اِس کے نزول کے ساتھ آپ محمد رسول اللہ ہوئے - بالفاظ دیگر اہل عالم کی طرف قرآن کے نزول

اور آنحضور کی بعثتِ مبارکہ میں مثبت ہے کہ ایک ہی وقت پر ادھر آپ کی طرف قرآنِ کریم نازل ہوا اُدھر آپ نبی رسول ہو گئے۔

● نیز وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ کے الفاظ میں دو چیزوں کا اعلان کیا گیا ہے ﴿ا﴾ - پہلی یہ کہ قرآن نور ہے اور ﴿ب﴾ دوسری یہ کہ قرآن کریم ہی واجب الاتباع ہے - ان ہر دو شقوں کی الگ الگ وضاحت پیش خدمت ہے:-

﴿ا﴾ - قرآن نور ہے - سورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے :- یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ ۴/۱۷۵ اے نوعِ انسان بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلِ قاطعہ آگئی ہے یعنی ہمنے تمہاری طرف نور (قرآن کریم) نازل کر دیا ہے - اور ۵/۱۵ میں بھی نور کو نازل کردہ بتایا گیا ہے - اور اس آیت مجیدہ ۴/۱۷۵ میں بھی نور کو نازل کردہ بتایا گیا ہے - اسی طرح سورہ تغابن میں بھی آیا ہے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا ۶۴/۸ پس ایمان لاؤ اللہ کیساتھ اور اسکے رسول کیساتھ اور اس نور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے - یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نور کیا ہے جو اللہ کی طرف سے آنحضور پر نازل کیا گیا ہے - اسکا جواب بھی خود اللہ تعالیٰ نے بالفاظِ ذیل دے دیا ہوا ہے:-

● اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ۝ ۷۶/۲۳ اے رسول! بیشک ہمنے آپ پر قرآن کو اس طرح نازل کیا ہے جو نازل کرنے کا حق ہے - پس کھل کر ثابت ہو چکا کہ آنحضور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جو نور نازل کیا گیا، وہ قرآن کریم ہے - اس سے اگلا سوال اس خداوندی نور قرآن کریم کے متعلق یہ ہے کہ اسے سمجھنے کیلئے کیا کسی اور کتاب کی ضرورت ہے؟ اسکا دو لفظی جواب تو یہ ہے کہ کیا سورج کی موجودگی میں کسی چراغ، فانوس، لیمپ یا کسی ہائی سے ہائی کینڈل پاور بلب کی ضرورت ہوتی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں ہوتی - اسی طرح آفتابِ ہدایت قرآن کریم سے بڑھکر اور کونسی روشن کتاب ہو سکتی ہے کہ اس آفتاب کی موجودگی میں کوئی گوشہ تاریک رہ گیا ہو جسے وہ روشن کریگی - قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے خود قرآن کریم کافی ہے - جس نے ہدایت کے ہر گوشے کو خود روشن کر رکھا ہے - قرآن کریم کو غیر اللہ کتابوں کا محتاج قرار دینا سورج کو چراغ دکھانے کے مصداق ہے - خدا تعالیٰ نے اسے بار بار نور کہا ہے آفتاب ہدایت قرآن کریم کو سمجھنے کے اصول خدا تعالیٰ نے خود اسکے اندر نازل کر دئے ہیں - جو ادارہ بلاغ القرآن کی طرف سے انتہائی محنت کے ساتھ تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے دیباچہ میں "قرآن فہمی کے قرآنی اصول" کے عنوان میں جمع کر دئے گئے ہیں -

﴿ب﴾ - اس ضمن کی دوسری شق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نورِ ہدایت ہی واجب الاتباع ہے - سورہ اعراف میں ارشاد ہوا ہے :- اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۷/۳ ایمان والو! صرف اس کتاب کی اتباع کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیگئی ہے - یہی اللہ کی اتباع ہے - اسکے سوا کسی اور و جھوٹے مددگار کی اتباع نہ کرنا - یہ تو ایمان والوں کی طرف کھلا حکم - اسی ضمن میں خود آنحضور کو بھی یہی حکم بتکرار دیا گیا ہے:-

● وَ اتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۳۳/۲ + ۶/۱۰۶ + ۱۰/۱۰۹ اور اے رسول آپ اتباع کریں جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف وحی کیا گیا ہے ---- اس حکم پر عمل کرنے کا اعلان بھی آنحضور کی طرف سے نفی اثبات کے حصر کیساتھ بتکرار کرا دیا گیا ہے:-

● اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ۶/۵۰ + ۷/۲۰۳ + ۱۰/۱۵ + ۴۶/۹ - میں نہیں اتباع کرتا مگر صرف اور صرف اس کتاب کی اتباع

کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیگئی ہے ـــــ یہاں پہنچ کر آخری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صرف اکیلے قرآن کریم کی اتباع کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم مفصل ہے اور اسکی موجودگی میں کسی اور کتاب کی تلاش شرک میں داخل ہے سورہ انعام میں آنحضور کی زبان مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے :-

● اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ ۱۱۵/۶ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں حالانکہ اس نے اپنا حکنامہ ایک مفصل کتاب (قرآن کریم کی صورت میں نازل کر دیا ہے ـــــ اس آیت مجیدہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن کریم خود مفصل کتاب ہے - اپنی تفصیل آپ کرتی ہے اسلئے کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں - اور دوسرا یہ کہ یہی اللہ کا حکمنامہ ہے - کسی اور کتاب کی تلاش گویا کہ اللہ کے سوا کسی اور حاکم کی تلاش ہے، جو کھلا شرک ہے - نیز سورہ عنکبوت میں ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن کریم کافی ہے :- اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۟ ۵۱/۲۹ کیا لوگوں کیلئے یہ کافی نہیں؟ (یقیناً کافی ہے) کہ ہمنے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو اُن پر پڑھی جاتی ہے - بلاشبہ مذکورہ کتاب میں ایمان لانیوالوں کیلئے رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی ہے -

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت مجیدہ میں حضور نبی اکرم پر ایمان لانے کی عملی صورت کی وضاحت کے بعد اگلی آیت میں ایک مخصوص انداز کیساتھ اس اہم حقیقت کا اعلان فرما دیا گیا ہے کہ جناب مکی مدنی سرکار کے بعد کوئی اور نبی رسول مبعوث نہیں کیا جائے گا آپ خاتم النبیین ہیں :-

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ
کہہ دیجئے اے نوع انسانی بیشک میں ہوں رسول اللہ کا طرف تمہاری

جَمِیْعَا ِۨ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ
سب کی - جو کہ واسطے اسکے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی نہیں حاکم

اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
مگر وہ، زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے پس ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے

وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
اور رسول اسکے نبی مکی کے، جو ایمان رکھتا ہے ساتھ اللہ کے

وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ۱۵۸
اور احکام اسکے اور اتباع کرو اسکی تاکہ تم ہدایت پاؤ

(اُسے رسولؐ!) اعلان کر دیجئیگا کہ اُے نوع انسانی! بلاشبہ میں تم سب کے سب کی طرف اللہ کا رسولؐ (بن کر آیا) ہوں (اُس اللہ کا رسول کہ) آسمانوں اور زمین کی حکومت صرف اسی کی ہے - اُسکے کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں - وہی (اپنے متعینہ قوانین کے مطابق زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے - پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اسکے رسول نبی مکی پر ایمان لاؤ، جو خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اُسکے مجملہ احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اُس اللہ ہی کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ -

آنحضور آخری نبی رسول تھے

● ۱ اس آیت مجیدہ میں سرفہرست آنحضور سے یہ اعلان کرایا گیا ہے کہ مجھے ساری نوع انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا - ان الفاظ سے جو بدیہی نتیجہ

ہر آمد ہوتا ہے وہ اسکے سوا نہیں ہو سکتا کہ نوع انسانی تا قیام قیامت موجود رہنے والی ہے اس لئے آپ قیامت تک کی نوع انسانی کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ بالفاظ دیگر آپکے بعد دوسرا نبی و رسول ہرگز ہرگز نہیں بھیجا جائیگا۔ اللہ تعالٰی کی سنت مبارکہ یہ تھی کہ ایک نبی و رسول کے بعد دوسرا نبی و رسول اسوقت بھیجا جاتا تھا جب لوگ اللہ کی کتاب کے متن میں بوجہ نابالغ ذہن تحریف کر دیتے تھے۔ لیکن آنحضور کے بعد اسلئے کوئی نبی رسول نہیں آئیگا کہ اپنی کتاب قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالٰی نے اٹھا رکھا ہے۔ اور اسکے متن میں کوئی قوم یا فرد زیر زبر تک کی تحریف نہیں کر سکتا۔ دیکھئے ارشاد باری :-

● اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ۹/۱۵ بیشک اس نصیحت نامے (قرآن کریم) کو ہم ہی نے نازل فرمایا ہے اور ہم خود ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس خداوندی حفاظت کی مشاہداتی صورت یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ پاکیزہ صحیفہ اوراق پر لکھا ہوا موجود ہے اور دوسری طرف یہ عظیم کتاب حفاظ کرام کے حافظوں میں محفوظ ہے۔ اگر بتقاضائے بشریت کسی نسخہ قرآن میں کوئی زیر زبر غلط لکھی گئی ہو تو اسکی تصحیح حفاظ کرام کر دیتے ہیں۔ اور اگر بشری تقاضے کے مطابق کسی حافظ کو اپنے حافظے میں کوئی مغالطہ لگ رہا ہو تو وہ اوراق میں محفوظ نسخہ قرآن سے مغالطہ دور کر لیتا ہے۔ اس طرح پورے کرۂ ارض پر مستقل طور پر خدا تعالٰی کا نازل کردہ صحیح متن صرف اور صرف ایک ہے جو اوراق مبارکہ اور حفاظ کرام کے حافظوں میں ہر آن موجود و محفوظ ہے اور قیامت تک موجود و محفوظ رہیگا۔ تو اس طرح چونکہ اللہ کا پیغام اپنی صحیح شکل و صورت میں قیامت تک کیلئے موجود و محفوظ رہنے والا ہے اسلئے کسی پیغمبر کے آنے کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور کے بعد رسل انبیاء کی آمد کا سلسلہ مطلقاً بند کر دیا گیا ہے۔

باقی سب نبی اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے مگر آنحضور کو پوری نوع انسانی کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا

● آنحضور پر انبیاء کا سلسلہ مطلقاً بند کر دینے کی ایک قرآنی دلیل اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا کی مطابقت یہ ہے کہ آنحضور کو قیامت تک کی نوع انسانی کیلئے رسول بنایا گیا ہے مگر سابقہ سب نبی و رسول اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے جیسے کہ آیات ذیل سے عیاں ہے :-

● حضرت نوح :- لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ ۷/۵۹ اور بیشک بھیجا نوح کو اسکی قوم کی طرف بھیجا تھا۔

● حضرت ھود :- وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۷/۶۵ اور قوم عاد کی طرف انکے بھائی ھود کو بھیجا۔

● حضرت صالح :- وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۷/۷۳ اور قوم ثمود کی طرف انکے بھائی صالح کو بھیجا۔

● حضرت لوط :- وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ ۷/۸۰ اور لوط کو بھیجا۔ اس نے اپنی قوم کو کہا۔

● حضرت شعیب :- وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۷/۸۵ اور اہل مدین کی طرف انکے بھائی شعیب کو بھیجا۔

● حضرت موسٰی :- ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۷/۱۰۳ پھر انکے بعد ہم نے موسٰی کو اپنی نشانیوں کیساتھ فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف مبعوث فرمایا۔

● حضرت عیسٰی :- وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ۶۱/۶ اور جب عیسٰی ابن مریم نے کہا

جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوں - یہ ترجمہ سابقہ انبیاء کے متعلق ارشادات خداوندی کہ وہ سب الگ الگ اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے - لیکن آنحضور کے متعلق خود آنحضور ہی سے اعلان کرایا گیا تھا :-

● **حضور نبی اکرم** :- قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۱۵۸/۷ اے رسول! اعلان فرما دیجئے کہ اے قیامت تک کی نوع انسان! بیشک میں تم سب کے سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں —— یہی آیات بالا کے مطابق چونکہ سابقہ انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے مگر آنحضور قیامت تک کی نوع انسانی کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے - اس لئے اور دیگر آیات مجیدہ سے ثابت ہوا کہ آپکے بعد قیامت تک کوئی نبی رسول نہیں آئیگا ، آپ یقیناً یقیناً خاتم النبیین ہیں - اور آپکی رسالت قرآن کریم ، صدیقہ پیغمبر متن کیساتھ گھر گھر موجود و محفوظ ہے اور قیامت تک موجود و محفوظ رہیگی - آنحضور کی شان خاتم النبیین پر آیت ذیل بھی ایک دلیل قاطع ہے :-

● وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۰ ۲۸/۳۴ اور اے رسول! ہمنے آپکو نہیں بھیجا مگر آپ (قیامت تک کی) پوری نوع انسانی کیلئے کافی ہیں خوشخبری دینے والے اور ڈرانیوالے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے - اس آیت سے بھی کھل کر ثابت ہو چکا کہ آنحضور بحیثیت رسول بشیر اور نذیر قیامت تک کی نوع انسانی کیلئے کافی ہیں - بالفاظ دیگر آپکے بعد قیامت تک کیلئے کسی اور نبی رسول کی ضرورت ہی نہیں - آپکی رسالت بصورت قرآن کریم موجود ہے -

آیت خاتم النبیین

● مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۴۰/۳۳ - محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں (تم سب کے دینی باپ ہیں) اور آپ وہ ذاتِ گرامی ہیں جن کیساتھ نبیوں کی (آمد) کو ختم کر دیا گیا ہے -

لفظ خاتم کی بحث

● لفظ خاتم کا سہ حرفی مادہ خ - ت - م ختم ہے - جب اسکا صلہ علی آئے تو اسکا معنی ہوتا ہے مہر جیسے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ - لیکن چونکہ ۴۰/۳۳ میں خاتم کا صلہ علی نہیں آیا اسلئے یہاں اسکا معنی مہر نہیں ہے اسکا معنی ختم کرتا ہے - اب آئیے حقیقت حال کی طرف ! - تا مفتوحہ کیسا تھ لفظ خاتم اسم آلہ ہے فَاعَلٌ کے وزن پر - اب فَاعَلٌ بعین مفتوحہ کا معنی ہے مَا يُفْعَلُ بِهٖ الْفِعْلُ یعنی وہ آلہ جسکے ساتھ کام کیا جاتا ہے - اسی طرح :-

● كَاتَبٌ بہ تاء مفتوحہ کا معنی ہے مَا يُكْتَبُ بِهِ الشَّيْئُ - یعنی وہ آلہ قلم پنسل وغیرہ ، جن کیساتھ کچھ لکھا جاتا ہے -

● قَابَرٌ بہ باء مفتوحہ کا معنی ہے مَا يُقْبَرُ بِهِ الْقَبْرُ یعنی کسی وغیرہ وہ آلہ جس سے قبر کھودی جاتی ہے - اسی طرح :-

● ضَارَبٌ بہ را مفتوحہ کا معنی ہے مَا يُضْرَبُ بِهٖ یعنی لاٹھی یا گرز وغیرہ وہ آلہ جسکے ساتھ مارا جائے - اسی طرح :-

● عَالَمٌ بہ لام مفتوحہ کا معنی ہے مَا يُعْلَمُ بِهِ الشَّيْئُ یعنی وہ آلہ جس کے ساتھ کسی چیز کو جانا جائے ، کائنات کو عالم اسلئے کہا جاتا ہے کہ اسکے ساتھ اسکے پیدا کرنیوالے ، اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا علم حاصل ہوتا ہے - پس اسی طرح :-

● خَاتَمٌ بہ تا مفتوحہ کا معنی ہے مَا يُخْتَمُ بِهِ الشَّيْئُ یعنی وہ آلہ جس کے ساتھ کسی چیز کو ختم کر دیا جائے - اور

نوٹ

● خاتم النبیین کا معنی ہے مَا خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ یعنی وہ ذات مقدس جس کے ساتھ نبیوں کی آمد کو ختم کر دیا گیا۔
● پیچھے واضح کیا جا چکا ہے کہ ختم یعنی مہر لگانا اسوقت ہوتا ہے جب اسکا صلہ عَلٰی آئے جیسے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ۔ چونکہ خاتم النبیین پر عَلٰی نہیں آیا اسلئے اسکا نبیوں کی مہر معنی لینا خود قرآنی لغت اور قرآنی قواعد کے خلاف ہے۔

آنحضور کیلئے خَاتَمَ النَّبِیّٖن پر تا مکسور کیوں نہیں آیا!؟

● اس سلسلے کا ایک سوال یہ ہے کہ اگر خاتم النبیین سے نبیوں کا ختم کرنا ہی مراد ہے تو خاتم النبیین پر تا مکسور کیوں نہیں لایا گیا کہ تنازعہ ہی ختم ہو جاتا۔ جواباً عرض ہے کہ خاتم پر تا مکسورہ فاعل کے وزن پر فاعل ہے۔ اور آنحضور کو خاتم النبیین اسلئے نہیں کہا گیا کہ آنحضور کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ آپ نبیوں کی آمد کو ختم کر دیتے یا جاری رکھتے۔ نبیوں کو ختم کرنے کا اختیار صرف اسی ذات گرامی کو ہے، جس نے یہ سلسلہ جاری کیا تھا۔ آنحضور کا جو صحیح منصب ہے، $\frac{۳۳}{۴۰}$ میں اس کی خبر دیگئی ہے کہ آپکی ذات کیساتھ نبیوں کی آمد اسی ذات مقدس نے ختم کر دی ہے جس نے ان پاک نفوس کا سلسلہ جاری فرمایا تھا۔ (وما علینا الا البلاغ)

● پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۵۶ میں حضرت موسٰی اور فرعون کا تذکرہ گزر چکا ہے، جس میں اخیر میں بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا ذکر کیا گیا ہے۔ آیات مجیدہ ۱۵۷ تا ۱۵۸ میں جملہ معترضہ کے طور پر حضور کی شان خاتم النبیین بیان کیگئی ہے۔ اس کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں نزول قرآن رسالتِ محمدی کے پیروؤں کے ایک گروہ کی خبر دینے کے بعد دورِ موسوی کے پیروؤں کے متعلق مزید بتایا گیا ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ
اور سے قوم موسٰی کے ایک گروہ رہنمائی کرتے ہیں ساتھ حق کے اور

بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ ۱۵۹
ساتھ اسکے فیصلے کرتے ہیں

اور قوم موسٰی میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق (تورات) کے ساتھ لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اور وہ اسی کے ساتھ (جھگڑوں کے) فیصلے کرتے ہیں۔ ۱؎ اسی جماعت کی خبر $\frac{۳}{۱۱۳}$ میں بھی موجود ہے۔ آگے موسوی دور کے پیروؤں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ
اور بانٹا ہم نے انکو دو دس قبیلے جماعتیں۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ
اور وحی کی ہم نے طرف موسٰی، جب مانگا پانی اُس سے قوم اُسکی نے کہ

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ
چل ساتھ عصا اپنے کے پتھر کو پھر جاری ہوئے اس سے دو دس

اور ہم نے انہیں (یعنی بنی اسرائیل کو انکی داخلی انتظامی سہولت کیلئے) بارہ قبیلوں کی (بارہ) جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ اور جب انہوں نے (فوجی ٹریننگ کے دوران) موسٰی سے پانی مانگا (یعنی پانی کی کمیابی کی شکایت کی) تو ہم نے موسٰی کو وحی کی کہ اپنی جماعت کو لے کر زمین کی طرف چلے (پھر انہوں نے دیکھا کہ اس (کوہسار) سے) بارہ چشمے جاری ہو گئے ہوئے تھے تحقیق ہر جماعت نے اپنا گھاٹ

عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا
چشمے بیشک جان لیا ہر گروہ نے گھاٹ اپنا اور سایہ کیا ہم نے

عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ
اوپر ان کے بادلوں کو اور نازل کئے ہم نے اوپر ان کے میٹھے پھل اور بٹیر

كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا
کھاؤ سے پاکیزہ جو رزق دیا ہم نے تم کو اور نہ ظلم کیا انہوں نے ہم پر

وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ١٦٠
اور لیکن تھے جانوں اپنی کو ظلم کرتے

گھاٹ پہچان لیا۔ اور ہم نے اُن پر بادلوں کا سائبان کی طرح سایہ کر دیا۔ (بارشوں کی بہتات کر دی) اور ان کے ساتھ ہم نے میٹھے پھل اور بٹیر کی قسم کے پرندے نازل فرمائے (چنانچہ ہم نے کہا کہ) جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے کھاؤ۔ اور انہوں نے (ہماری نافرمانیاں کر کے) ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے اپنے آپ ہی ظلم کر لیا تھا۔

● یہ سارا مضمون سورہ بقرہ آیت نمبر ۵۷ تا ۶۰ میں گزر چکا ہے جس کی تفسیر تفسیر القرآن بالقرآن جلد اول کے صفحہ ۴۴ تا ۴۷ پر گزر چکی ہے۔ یہاں پر انتہائی اختصار کے ساتھ الفاظ کی قرآنی لغت پیش خدمت ہے۔

● ۱ اِسْتَسْقٰی کا مصدری معنی ہے پانی مانگنا۔ یہاں اسے محاورہ کے طور پر لایا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ صدیوں کے سِل لشکر بنی اسرائیل کو جنگلوں میں فوجی ٹریننگ کیلئے لے گئے تو وہاں پانی کی کمی کی شکایت کی۔

● ۲ عصا کا معنی جماعت بھی ہے۔ تفصیل کیلئے پیچھے اسی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۰۷ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۳ الحجر میں الف لام عوض مضاف ہے اور اصل لفظ ہے الارض الحجر یعنی پتھریلی زمین۔ اِس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ پانی کے چشمے میدانی علاقوں میں نہیں ہوتے بلکہ پہاڑی علاقوں میں چشمے بہہ رہے ہوتے ہیں۔

● ۴ اِضْرِبْ فعل امر مادہ ض ۔ ر ۔ ب ضرب سے ہے جس کا معنی چلنا بھی ہے جیسے کہ ۴/۱۰۱ میں گزر چکا ہے وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ کا معنی ہے جب تم زمین میں چلو۔ عصا کی بات نے ایسے متعدی بنا دیا ہے۔ اور معنی یہ ہے اپنی جماعت (عصا) کو پہاڑی زمین میں لے چل جہاں قدرتی چشمے پھوٹ کے بہتے ہیں۔

● ۵ فانبجست کا متبادل لفظ ۲/۶۰ میں فَانْفَجَرَتْ آیا ہے۔ جب حضرت موسیٰ حکم باری کے مطابق اپنی جماعت کو پہاڑی علاقے (کوہسار) میں لے گئے تو وہاں بارہ چشمے جاری تھے۔ ہر قبیلے کیلئے الگ الگ چشمہ متعین کر دیا گیا۔ اور اس طرح ہر جماعت نے اپنے اپنے گھاٹ کو پہچان لیا اور سب اپنے اپنے چشمے سے پانی حاصل کرتے رہے۔

● ۶ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ بطور محاورہ آیا ہے۔ یعنی اتنی زیادہ بارشیں برسیں گویا کہ بادلوں کے سائبان تن گئے۔

● ۷ مَنّ کا معنی نعمت بھی ہے، میٹھی پرذائقہ اور میٹھی چیز بھی ہے۔ بنی اسرائیل کو جنگلوں اور کوہساروں میں فوجی ٹریننگ کے دوران درختوں کے میٹھے پھل اور میٹھی گوند بھی میسر تھی۔ اِنہی کو منّ یعنی نعمت کہا گیا ہے۔

● ۸ اَلسَّلْوٰی بمعنی بٹیر ہے جس پر الف لام عہدی داخل ہے۔ یعنی بٹیر کی قسم کے پرندے۔ بارشوں کی بہتات سے درختوں

مثلاً سیمی گوندی، میٹھے پھل اور بٹیر کی قسم کے پرندے بکثرت پیدا ہو گئے تھے۔

● ۱؎ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی، اَنْزَلْنَا کا معنی پیدا کرنا ہے آسمان سے نازل کرنا نہیں۔ جیسے وَیُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۴۰ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے اور وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۲۲ میں آسمان سے انزالِ رزق کی تشریح کر دی گئی ہے کہ آسمان سے پانی نازل کیا جاتا ہے اور اُس کے ساتھ تمہارے لئے ثمرات میں سے رزق نکالا جاتا ہے۔ اِسی طرح اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا جس سے جنگل میں خودرو پھل اور میٹھی گوندی پیدا ہو گئی۔ نیز بٹیر کی قسم کے پرندوں کی بہتات ہو گئی۔ اسکے برعکس آسمان سے بھنے ہوئے بٹیر نازل نہیں ہوتے تھے۔

● ۲؎ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ کے الفاظ میں بنی اسرائیل کی ہر نافرمانی کو اپنی جان پر ظلم بتایا گیا ہے، جیسے کہ اگلی آیت میں مثال کے طور پر بنی اسرائیل کے ایک بستی میں عوام کے ذمہ دارانہ انداز میں سکونت کرنے کے حکم کی رُوگردانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُنہیں حکم دیا گیا تھا کہ حِطَّةٌ ۱؎ کے الفاظ میں اِس مسلک و منشور کا اعلان کرو کہ غریب عوام کے بوجھ اتارنا ہماری ذمہ داری ہے۔ مگر اُنہوں نے یہ منشور بدل کر استحصالی نظام کے الفاظ استعمال کئے۔ جس کے بدلے اُن پر ذلت و غلامی مسلط کر دی گئی۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَ اور جب کہا گیا واسطے اُن کے ٹھہرو اس بستی میں اور	اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اُنہیں کہا گیا کہ اس بستی میں سکونت اختیار کرو اور اس میں سے کھاؤ جہاں سے تم چاہو۔ اور کہو (اعلان کر دو کہ ہمارا فرض عوام کے) بوجھ اتارنا ہے اور دروازوں میں داخل ہونا پورے پورے فرمانبردار ہو کر (اس طرح) ہم دور کر دیں گے ۱؎ بدحالیاں تمہاری۔ اور ہم ضرور معاشرہ میں توازن قائم کرنے والوں کو زیادہ کریں گے (زیادہ دیں گے)۔
كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو تم اور کہو بوجھ اتارنا اور داخل ہو	
الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ سَنَزِيْدُ دروازے میں فرمانبردار ہو کر دور کر دیں گے ہم بدحالیاں تمہاری اور ضرور ہم زیادہ کریں گے	
الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۱۶۱ توازن قائم کرنے والوں کو	

● ۱؎ حِطَّةٌ کا سہ حرفی مادہ ح - ط - ط = حطّ ہے اسکا بنیادی معنی ہے کسی چیز کو اوپر سے اتار کر نیچے رکھنا (متعدی) اور خود اوپر سے نیچے آنا (لازم)۔ حَطَّ فِی الْمَکَان کا معنی ہے وہ مکان میں اُترا۔ المحطّ اُترنے کی جگہ۔ اَلْحِطَّۃُ کا معنی گراوٹ ہے۔ ۵۸ + ۲ میں بالفاظ حِطَّةٌ بنی اسرائیل کو اسلامی معاشرہ کے منشور کے طور پر دیا گیا تھا کہ ہم عوام کے بوجھ اتار دیں گے۔ ایک اور بستی کا بھی ذکر آیا ہے کہ حکمران عیش و عشرت میں پڑ کر استعداد کمزور ہو گئے تھے کہ بنی اسرائیل کو صرف فاتحانہ انداز کیساتھ داخل ہونے کی ضرورت تھی مگر وہ داخل نہ ہوئے اور حِطَّةٌ کے لفظ کو بھی بدل دیا۔ اس کی پوری تفصیل اسی جلد میں سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۲۱

(۲۱ تا ۲۶ میں گزر چکی ہے۔

● ۱؎ سُجَّدًا کے مادہ س۔ ج۔ د، سجد کا بنیادی معنیٰ ہے پوراپورا فرمانبردار رہنا۔ سجدہ صلوٰۃ اسکی تمثیلی شکل ہے۔

● ۲؎ نَّغْفِرْ کے مادہ غ۔ ف۔ ر، غفر کا ایک معنیٰ ڈھانپنا، چھپانا اور خطرے کو دور کر دینا بھی ہے۔

● ۳؎ خَطِيٓـَٔاتِ کا معنیٰ خطائیں، مالی کمزوریاں اور معاشی بدحالیاں بھی ہے۔

● مُحْسِنِينَ کا سہ حرفی مادہ ح۔ س۔ ن۔ حسن ہے جسکا بنیادی معنیٰ ہے توازن قائم کرنا اور مُحْسِنِين کا معنیٰ ہے توازن قائم کرنے والے ۔۔۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کے منشور حِطَّةٌ کو بدل دینے کی بدولت ذلت کے عذاب کی خبر دی گئی ہے:۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ
پس بدل دیا جنہوں نے ظلم کیا، میں سے انکے قول سوائے
الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ
اسکے جو کہا گیا واسطے ان کے پس بھیجا ہم نے اوپر انکے عذاب سے
السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿ع﴾ ۱۶۲
آسمان بوجہ اسکے جو تھے وہ ظلم کرتے

ع ۲۰
۱۰

پس اُن میں سے ظالموں نے (حِطَّةٌ کو) اُس لفظ کے ساتھ بدل دیا، جو انہیں نہیں کہا گیا تھا۔ پھر ہم نے اُن پر آسمان کی طرف سے (یعنی اپنے متعینہ قانون کے مطابق) ذلت (یعنی غلامی کا عذاب) بھیج دیا۔

● ۱؎ مِنَ السَّمَآءِ کے الفاظ کا ایک قرآنی محاورہ بھی ہے۔ انسانی بداعمالیوں کی بدولت قانونِ مکافات کیمطابق جو سزا، اللہ تعالیٰ کیطرف سے لازم ہوجاتی ہے اس کیلئے مِنَ السَّمَآءِ کے الفاظ آتے ہیں۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کی اُس نافرمانی کا ذکر لایا گیا ہے جو انہوں نے اجتماعیت کی مخالفت میں کی تھی:۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ
اور پوچھ ان سے بابت اس بستی کے جو تھی موجود
الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ
سمندر جب سرکشی کی ہفتے، جب آتیں انکو مچھلیاں انکی
يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ
دن ہفتے ... اور ... نہ آتیں انکو
كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۱۶۳
اسی طرح ... ہم آزماتے تھے انکو بسبب اسکے کہ تھے حدیں توڑتے

اور (اے رسولؐ!) آپ ان (اپنے زمانہ کے بنی اسرائیل) سے پوچھیئے، اُن بستی والوں کے متعلق جو سمندر کے کنارے پر آباد تھے۔ جب ہفتہ وار اجتماعؐ سے سرکشی کرتے تھے۔ جب انکا یہ غلط گمان تھا کہ مچھلیاں انکے اجتماع کے وقفہؐ میں زور دار کر آتی ہیں اور اجتماع کے وقفہ سے باقی وقت میں نہیں آتیں۔ بشکل مکرہ ہی تھا گمان انکا۔ ہم نے انہیں ان کی حدود شکنی کے ساتھ ظاہر کر دیا۔

● ۱ے لفظ سبت کا سہ حرفی مادہ س - ب - ت = سبت ہے - اسکا بنیادی معنی ہے کام چھوڑ دینا - اور یوم السبت کا معنٰی ہے وہ وقفہ جس میں کام چھوڑ دیا جائے - قرآن کریم نے اسی وقفہ کو یَوْمُ الْجُمُعَة یعنی کام چھوڑ کر جمع ہونے کا وقفہ بتایا ہے - از روئے قرآن کریم یہ سارا دن چھٹی کا نہیں ہے کیونکہ جمعہ کی صلوٰۃ کیلئے کام چھوڑ کر آنے کا حکم دیا گیا ہے ۶۲/۹ اور صلوٰۃ کے خاتمے پر پھر جا کر کام پر لگ جانے کا حکم ہے ۶۲/۱۰ -

● ۲ے یوم کا معنٰی عربی لغت میں دن رات ۲۴ گھنٹے کا وقفہ بھی ہے - اور ہر وقفہ بھی مراد ہے خواہ وہ بہت چھوٹا ہو یا قیامت جتنا لمبا ہو۔

● ۳ے نبلوُ میں بلو کا سہ حرفی مادہ ب - ل - و = بلو ہے - اسکا بنیادی معنٰی ہے آزمانا، امتحان کرنا - لیکن جب اس فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اللہ علیم و خبیر کیلئے آزمانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا - اسلئے اسکا معنٰی ظاہر کرنا ہوتا ہے - اگلی آیت میں آیا ہے :-

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ

اور جب کہا ایک جماعت نے سے انکے کیوں تم سمجھاتے ہو قوم کو

اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ

اللہ ہلاک کرنیوالا ہے انکو یا عذاب کرنیوالا ہے انکو عذاب سخت

قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ ۱۶۴

کہا معذرت طرف رب تمہارے اور تاکہ وہ بچ جائیں

وہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جب اُن میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو (جنکی بدعملی اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ) اللہ ہلاک کرنیوالا ہے اور یا انہیں بہت سخت عذاب کرنیوالا ہے تو انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے ہاں معذرت کیلئے (کہ اتمام حجت ہو جائے) اور شاید کہ وہ (ایمان لائیں اور اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا

پھر جب بھول گئے جو نصیحت کئے گئے تھے ساتھ اسکے بچا لیا ہمنے

الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ

انہیں جو منع کرتے تھے سے برائی کے اور پکڑا ہمنے انکو جنہوں نے

ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ ۱۶۵

ظلم کیا ساتھ عذاب برے بسبب اسکے جو تھے حدیں پھاندتے

پھر جب وہ اُس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی بھول گئے تو ہم نے اُن لوگوں کو عذاب سے بچا لیا جو انہیں برائیوں سے منع کرتے تھے اور پکڑ لیا ہمنے بہت برے عذاب کے ساتھ اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا بسبب اسکے جو وہ اللہ کی حدیں پھاندتے تھے۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ

پھر جب حد پھاندی سے جو منع کئے گئے سے اسکے کہا ہمنے واسطے ان کے

كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝ ۱۶۶

ہو جاؤ بندر ذلیل

پھر جب وہ مجرم لوگ ان برائیوں میں حد سے گزر گئے جن سے وہ منع کئے گئے تھے تو ہمنے انہیں کہا (انکے لئے فیصلہ کر دیا کہ دوسروں کے اشاروں پر ناچنے والے) ذلیل بندروں کی مانند ہو جاؤ۔

مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ
مثل اسکی لیتے ہیں اسے، کیا نہ لیا گیا اور پر ان کے وعدہ

الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا
کتاب کا کہ نہ کہینگے ذمہ اللہ کے مگر حق اور درس دیتے

مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ
اسکا جو بیچ اسکے - اور گھر آخرت کا بہتر واسطے انکے جو بچتے ہیں

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ۱۶۹
کیا پھر نہیں تم عقل کرتے

کے ذمہ حق کے سوا کچھ نہ لگائیں گے (یعنی جو چیز کتاب میں موجود نہیں اُسے اللہ کی طرف منسوب نہیں کریں گے) اور اسی چیز کا لوگوں کو درس دیا کریں گے جو کتاب کے اندر موجود ہے حقیقت یہ ہے کہ اچھا انجام اُن لوگوں کے لئے ہے جو ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ پھر تم لوگ عقل سے کیوں کام نہیں لیتے۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا
اور جو لوگ وابستہ ہوتے ہیں ساتھ کتاب کے اور قائم کرتے ہیں

الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ ۱۷۰
اجتماعی نظام، بیشک ہم نہیں ہم ضائع کرتے بدلہ اصلاح کرنیوالوں کا

اور جو لوگ (غیر اللہ کتابوں سے مُنہ موڑ کر) ہماری کتاب کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور اجتماعی منصفانہ نظام مساوات قائم کریں (وہی معاشرہ کے مصلح ہیں) بیشک ہم معاشرہ کی اصلاح کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

تمسک بالکتب

● ؎ تمسک بالکتب کی مظہر صورت صلوٰۃ کا نظام مساوات ہے، جو صلوٰۃ موقتہ کے اجتماعات سے شروع ہوتا اور اس مقام پر جا پہنچتا ہے کہ اُس نظام کی حدود میں نہ کوئی بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا، نہ بے علاج ہوتا ہے نہ بے مکان۔ ہر فرد معاشرہ کی اُن بنیادی ضرورتوں کا اہتمام مسجدی نظام صلوٰۃ کے ذمہ ہوتا ہے جو اسلامی ریاست کا ایک اہم شعبۂ متعلقہ ہے ـــــ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ
اور جب ہلایا ہم نے پہاڑ کو اوپر انکے گویا کہ وہ سائبان تھا اور

ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
گمان کیا انہوں نے بیشک وہ گرنیوالا اوپر انکے، پکڑو جو دیا ہم نے تم کو

بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ۱۷۱ ع
ساتھ قوت کے اور یاد رکھو جو بیچ اسکے تاکہ تم بچ جاؤ

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے (بنی اسرائیل سے وادیٔ طور میں عہد لیتے وقت اپنے قانون کیساتھ زلزلہ کے ذریعہ پہاڑ کو ہلا دیا۔ وہ اسوقت پہاڑ کے دامن میں تھے گویا کہ وہ ان پر سائبان کی طرح تھا ؎ (زلزلے کی بدولت) انہوں نے گمان کیا کہ وہ ان پر گرنے ہی والا ہے۔ (ہم نے عہد لیا کہ) پکڑو زور سے اُس کتاب کو جو ہم نے تمہیں دی ہے۔ اور جو کچھ اسکے اندر موجود ہے۔ اُسے خوب یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) تاکہ تم دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔

● ؎ یہ واقعہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۹۳ میں وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ کے الفاظ میں ذکر ہوا ہے کہ جب

مِّثْلُهُ يَأْخُذُوهُ ۚ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ
تو اسکو لیتے ہیں اسے ، کیا نہ لیا گیا اور پر ان کے وعدہ
الْكِتَابِ أَن لَّا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا
کتاب کا کہ نہ کہینگے ذمہ اللہ کے مگر حق اور درس دیتے
مَا فِيهِ ۗ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ
اسکا جو بیچ اسکے - اور گھر آخرت کا بہتر واسطے انکے جو بچتے ہیں
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ ۱۶۹
کیا پھر نہیں تم عقل کرتے

کے ذمہ حق کے سوا کچھ نہ لگائیں گے (یعنی جو چیز کتاب میں مرقوم نہیں اُسے اللہ کی طرف منسوب نہیں کریں گے) اور اسی چیز کا لوگوں کو درس دیا کریں گے جو کتاب کے اندر موجود ہے حقیقت یہ ہے کہ اچھا انجام اُن لوگوں کے لئے ہے جو ضابطہ خداوندی کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ پھر تم لوگ عقل سے کیوں کام نہیں لیتے۔

وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا
اور جو لوگ وابستہ ہوتے ہیں ساتھ کتاب کے اور قائم کرتے ہیں
الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ۝ ۱۷۰
اجتماعی نظام ، بیشک ہم نہیں ہم ضائع کرتے بدلہ اصلاح کرنیوالوں کا

اور جو لوگ (غیر اللہ کتابوں سے منہ موڑ کر) ہماری کتاب کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور اجتماعی منصفانہ نظام مساوات قائم کریں (وہی معاشرہ کے مصلح ہیں) بیشک ہم معاشرہ کی اصلاح کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

تمسک بالکتاب

● ۱۷۰ تمسک بالکتاب کی مظہر صورت صلوٰۃ کا نظام مساوات ہے، جو صلوٰۃ موقّت کے اجتماعات سے شروع ہوتا اور اس مقام پر جا پہنچتا ہے کہ اُس نظام کی حدود میں نہ کوئی بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا، نہ بے علاج ہوتا ہے نہ بے مکان۔ ہر فرد و معاشرہ کی اُن بنیادی ضرورتوں کا اہتمام مسجدی نظام صلوٰۃ کے ذمہ ہوتا ہے جو اسلامی ریاست کا ایک اہم شعبہ متعینہ ہے ——— سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَ
اور جب ہلایا ہم نے پہاڑ کو اوپر انکے گویا کہ وہ سائبان تھا اور
ظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم
گمان کیا انہوں نے بیشک وہ گرنیوالا اوپر انکے، پکڑو جو دیا ہم نے تم کو
بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ۱۷۱
ساتھ قوت کے اور یاد رکھو جو بیچ اسکے تاکہ تم بچ جاؤ
ع ۲۱ ۹ ۱۱

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے (بنی اسرائیل سے) وادیٔ طور میں عہد لیتے وقت اپنے قانون کیساتھ زلزلہ (کے ذریعہ) پہاڑ کو ہلا دیا۔ وہ اسوقت پہاڑ کے دامن میں تھے گویا کہ وہ ان پر سائبان کی طرح تھا۔ (زلزلے کی بدولت) انہوں نے گمان کیا کہ وہ اُن پر گرنے ہی والا ہے۔ (دیکھو عہد لیا کہ) پکڑو مضبوطی سے اُس کتاب کو جو ہم نے دی ہے۔ اور جو کچھ اسکے اندر موجود ہے۔ اُسے خوب یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) تاکہ تم دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔

● ۱۷۱ یہ واقعہ سورۃ البقرہ کی آئت نمبر ۹۳ میں وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم کے الفاظ میں ذکر ہوا ہے کہ جب

بنی اسرائیل سے کتابِ خداوندی کو مضبوطی کیساتھ پکڑے رہنے کا عہد لیا گیا، اسوقت وہ وادیٔ طور میں اُسکی جھکی ہوئی چٹانو کے نیچے تھے گویا کہ پہاڑ ان پر سایہ کئے ہوئے تھے ۔ اخذِ عہد کے وقت پر زلزلہ آ گیا ۔ تو انہوں نے گمان کیا کہ پہاڑ ان کے اُوپر گرنے والا ہے ۔

● یہ اللہ کی کتاب پر عمل کرنے کا جو عہد لیا گیا ہے، اُسکی غرض بتائی گئی ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ اِس دُنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کے متعلق خبر و تنبیہ ہے کہ اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے نوعِ انسانی دُنیوی خطرات سے بچ جاتی ہے اور اُخروی نجات کی بھی مستحق ہو جاتی ہے ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کے سامنے لانے سے پہلے چند تمہیدی سطور پیشِ خدمت ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیں ۔ واضح رہے کہ کتابِ خداوندی پر صحیح صحیح عمل اِسی صورت میں ممکن ہے کہ نوعِ انسانی اپنے خالق و مالک کو رب مانے اور اُسکی کتاب کے اوّلین سبق ربوبیتِ عالمینی پر پورا پورا ایمان لائے ۔ یعنی انفرادی مفاد پرستیوں سے بالاتر ہوکر پوری نوع کی ربوبیتِ عالمینی کے مشاہدات انفس و آفاق میں موجود ہیں $\frac{51}{21-20}$

● انفس میں اس طرح کہ خود انسان جو خوراک کھاتا ہے اسکے جسم کا اندرونی نظام شاہد ہے کہ وُہ اُس غذا سے حاصل کردہ خون کو سر کے بالوں سے لیکر پاؤں کے ناخنوں تک ہر عضو پر ٹھیک ٹھیک تقسیم کرتا اور ہر عضو کو اُسکا پورا حصہ پہنچاتا چلا آ رہا ہے ۔ اور کائنات میں سے ہر جگہ اور ہر آن موجود چیز درخت پر غور فرمائیں کہ اسکی جڑیں زمین سے غذا حاصل کرتی ہیں مگر درخت کا داخلی نظام اس خوراک کے ہر عضو تنا، ٹہنوں، ٹہنیوں، شاخوں، پتّوں اور پھل تک صحیح صحیح تقسیم کرتا ہے ۔ نہ تو وہ درخت کے نچلے اعضاء میں کوئی تمیز روا رکھتا ہے نہ اوپر کے اعضاء میں، نہ اسکے شمالی اور جنوبی حصّوں میں تمیز روا رکھتا ہے نہ مشرقی نہ غربی میں، بلکہ سب کو ایک سطح پر رکھ کر سب کی مساوی اور متوازن ربوبیتِ عامہ کرتا چلا جا رہا ہے ۔ پس ربوبیتِ عامہ سے متعلقہ انفس و آفاق کی اِن دو مثالوں کے بعد اگلی آیت کا مفہوم ملاحظہ فرمائیں جو ربوبیتِ عامہ ہی کے متعلق ہے :-

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ
اور جب نکالا رب تیرے نے سے نوعِ آدم سے پیٹھوں اُنکی

ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ
اولاد کو اُنکی اور گواہ کیا اُن کو اُوپر اپنے آپ کے، کیا نہیں میں

بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ
ساتھ رب تمہارا ۔ کہا ہاں گواہ ہوئے ہم یہ کہ تم کہو دن

اور (اے رسولؐ!) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب آپکا پروردگار نوعِ آدم کی پیٹھوں سے اُنکی اولاد کو نکالتا ہے (پیدا کرتا ہے) اور (اُنکے شعور کی آمد پر) انہیں اُنکی اپنی جانوں پر گواہ ٹھہراتا ہے اور (بزبانِ حال) کہتا ہے کیا میں تمہارا رب نہیں ۔ وہ (بزبانِ حال) کہتے ہیں ہاں (تو ہمارا رب ہے) ہم اِسکی گواہی دیتے ہیں ۔ (لوگو! تمہیں اس حالی عہد پر اسلئے گواہ ٹھہرایا جاتا ہے) کہ تم قیامت

الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ١٧٢ قیامت کے بیشک ہم تھے اس سے بے خبر	کے دن نہ کہو کہ ہم اس (ربوبیت عامہ کے تصور) سے بے خبر تھے۔
اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ یا تم کہو سوائے اسکے نہیں کہ شرک کیا باپ دادا ہمارے نے سے قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا پہلے اور تھے ہم اولاد سے پیچھے ان کے کیا پھر تو ہلاک کرتا ہے بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ١٧٣ بسبب اسکے جو کیا جھٹلانیوالوں نے	یا تم یہ کہو کہ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ شرک تو (یعنی ربوبیت عامہ میں خیانت ہمارے) باپ دادا نے کی تھی اور ہم تو انکے بعد آنیوالے انکی اولاد تھے (جو تواتر سے ان سے پایا اس پر چل پڑے، قصوروار تو وہ تھے) کیا تو ان جھٹلانیوالوں کے بدلے ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ (اس کی سزا ہمیں دیتا ہے)

آیتِ الست ● ملہ اس آیت مجیدہ میں اِذْ اَخَذَ، اَشْهَدَ، قَالُوْا اور شَهِدْنَا پے در پے آنیوالے چار ماضی کے صیغوں کا ہم نے مضارع میں ترجمہ کیا ہے۔ کیوں؟ اس کیوں کا جواب تو اپنے مقام پر آگے آ رہا ہے۔ پہلے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کی روائتی تفسیروں میں اس آیت کو آیتِ الست کہا جاتا ہے اور اسکے ساتھ یہ قصہ چسپاں کیا گیا ہے کہ نوعِ آدم کی پیدائش سے کروڑوں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے پوری نوعِ آدم کی روحوں کو حضرت آدم کی پشت سے نکال کر انہیں یکجا جمع کر کے ارشاد فرمایا:۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا بلیٰ۔ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ اس روائتی تصور کے مطابق مولوی احمد علی صاحب لاہوری مرحوم نے آیتِ بالا کا یہ ترجمہ لکھا ہے:۔

● "اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں میں سے انکی اولاد کو نکالکر ان سے خود انکی جانوں پر اقرار کرایا، کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ کبھی قیامت کے دن کہنے لگو کہ ہمیں اسکی خبر نہیں تھی۔" (مترجم نسخہ خدام الدین صفحہ ۲۴۲)

● محترم مولوی احمد علی مرحوم نے بنی آدم کا صحیح ترجمہ لکھا اور صحیح مفہوم تحریر کیا ہے کہ اس آیت مجیدہ میں بنی آدم کی پیٹھوں سے انکی اولاد کو نکالنے کا ذکر ہے اکیلے حضرت آدم کی پیٹھ سے انکی قیامت تک کی اولاد کو نکالنے کا ذکر نہیں۔ لیکن شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم کے موضح القرآن میں جو ہر مترجم قرآن مجید کے حاشیے پر موجود ہے اس آیت کی تفسیر بالفاظِ ذیل درج ہے:۔

● "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے انکی اولاد نکالی، سب سے اقرار کرایا اپنی خدائی کا، پھر پشت میں ڈالا۔"

● اب غور فرمائیں کہ آیت مجیدہ میں مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے نہیں، بلکہ بنی آدم کی پیٹھوں سے انکی اولاد نکالنے یعنی پیدا کرنے کا ذکر کیا ہے جس کیلئے بنی آدم بھی جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اور ظُهُوْرِهِمْ میں بھی جمع کے دو صیغے لائے گئے۔ لیکن روائتی تفاسیر میں عربی ادب کو پامال کر کے حضرت آدم کی اکیلی پیٹھ سے بیک وقت انکی ساری اولاد کو نکالنے کا تصور دیا گیا ہے جو بنی آدم کی پیٹھوں سے شبانہ روز نکلتی چلی آ رہی ہے۔

عہدِ الست کیا ہے ● یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت آدم کی پیٹھ سے بیک وقت پوری نوعِ آدم

کو نکالنے اور اُن سے عہد لینے کا روائتی تصور غلط ہے تو پھر عہدِ الست کیا ہے؟ جس کیلئے آئت زیرِ بحث ۷/۱۷۲ میں اِذْ اَخَذَ، اَشْھَدَ، قَالُوْا اور شَہِدْنَا کے پے در پے چار فعل بصیغہ ماضی لائے گئے ہیں جن سے روائتی تراجم نے ان افعال سے ماضی کا مذکورہ بالا قصہ اخذ کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں سب سے پہلے اس چیز کا کیا جواب ہے کہ قواعدِ عرب کیمطابق ماضی کا معنٰی مضارع میں لینے کا کوئی کلیہ ہے؟ جواباً عرض ہے کہ قواعدِ عرب میں ماضی کا معنٰی مضارع میں لینے کے گیارہ کلیئے ہیں، جنہیں اہلِ قواعد نے ذیل کی رُباعی میں بیان کر دیا ہے:۔

آمدہ ماضی بمعنٰی مضارع چند جا۔ عطف ماضی بر مضارع[1]، در مقام ابتدا[2]
بعد موصول[3] و ندا[4] و بعد حیث[5] و کلما[6]۔ در جزا[7] و شرط[8] و عطف[9] ہر دو[10] در دعا[11]

قرآنِ کریم اہلِ قواعد کی غلطیاں بھی نکالتا ہے

● یہ تو ہیں ماضی بمعنٰی مضارع کے وہ کلیے جو اہلِ قواعد نے لکھے ہیں۔ لیکن قواعد کی موجودہ معلومہ حد چونکہ صرف انسانی کوششوں تک محدود ہے جس میں سہو ممکن ہے اسلئے انکی سہو کی نشاندہی خود قرآنِ کریم کرتا ہے جو وہ خود جامع علوم ہے۔ قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ رب تعالٰی کے قوانینِ جاریہ کیلئے بھی ماضی کا صیغہ استعمال ہوتا ہے لیکن اُسکے معنے مضارع کے لئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ آسمان سے پانی نازل کرنا خدا تعالٰی کی سنتِ جاریہ ہے جو زمانہ ماضی میں بھی آسمان سے پانی برستا تھا، زمانہ حال میں بھی برستا ہے اور مستقبل میں بھی قیامت تک برستا رہیگا۔ لیکن خدا تعالٰی کی اس سنتِ جاریہ کو قرآنِ کریم نے بصیغہ ماضی بیان کیا ہے:۔

● وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۱۸/۲۳ ● وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا ۲/۲۲

دیکھئے! ۲/۲۲ میں افعال اَنْزَلَ اور اَخْرَجَ دونوں ماضی ہیں۔ اب اگر ان کا ترجمہ ماضی ہی میں لیا جائے تو ذیل کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جو مشاہدات کی مخالفت کی بدولت غلط ہے، مطلقاً غلط ہے:۔

(ترجمہ بصیغہ ماضی):۔ اور اللہ تعالٰی نے ماضی کے کس زمانے میں آسمان سے پانی برسایا، پھر اُسکے ساتھ میووں سے رزق نکالا۔

اب بتلائیے! کیا آسمان سے پانی صرف زمانہ ماضی میں برساتا تھا اور کیا اسکے ساتھ زمین میں سے میووں کا رزق زمانہ ماضی ہی میں نکالا تھا حالانکہ زمانہ حال میں بھی یہ سب کام بدستور ہو رہے ہیں اور زمانہ مستقبل میں بھی قیامت تک بدستور ہوتے رہینگے؟ ہمارے اس سوال کا جواب مشاہدات کی زبان میں یہی مل رہا ہے اور قیامت تک ملتا رہیگا کہ یہ سب کام صرف ماضی کیساتھ مختص نہیں بلکہ بصورت سنتِ جاریہ زمانہ حال میں بھی جاری ہیں اور قیامت تک بھی جاری رہینگے۔

● **فلہٰذا** قرآنی شہادت اور عالمینی مشاہدات کیمطابق ماضی بمعنٰی مضارع کا ایک کلیہ یہ بھی نکھر کر عیاں ہو چکا کہ ہر وہ کام جو کائنات کی وسعتوں میں خدا تعالٰی کی سنتِ جاریہ کی صورت میں ہو رہا ہے اُسے بھی عربی قواعد میں بصیغہ ماضی بیان کیا جاتا ہے لیکن اسکے معنے بصیغہ مضارع لئے جائینگے خواہ ماضی پر اِذْ بھی داخل ہوا ہو۔۔۔ تو اس طرح چونکہ نوعِ آدم کی پشت سے انکی اولاد کا پیدا ہونا صرف زمانہ ماضی کیساتھ مخصوص نہیں، بلکہ رب تعالٰی کی سنتِ جاریہ کی صورت میں زمانۂ حال میں بھی بدستور پیدا ہو رہی ہے اور قیامت تک پیدا ہوتی چلی جائیگی، اسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آئت زیرِ بحث ۷/۱۷۲ میں اِذْ اَخَذَ وغیرہ فعل ماضی چونکہ سنتِ جاریہ پیدائشِ اولادِ بنی آدم

کیلئے آتے ہیں، اسلئے انکا معنٰی مضارع میں لیا جائیگا اور:۔

● وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ کا صحیح معنٰی بصورتِ مضارع ہی لیا جانا لازم ہے اور جو مشاہداتِ عالم کے عین مطابق ہے وہ یہ ہے:۔ اے رسول! وہ وقت قابلِ غور ہے جب آپکا پروردگار بنی آدم کی پشتوں سے انکی اولاد نکالتا ہے، پیدا کرتا ہے اور:۔

● وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى کا صحیح معنٰی یہ ہے:۔ اور (انکی آمدِ شعور پر) انہیں انکی اپنی اپنی ذات پر گواہ ٹھہراتا اور (بزبانِ حال) کہتا ہے، کیا میں تمہارا رب نہیں؟ وہ سب الگ الگ بزبانِ حال کہتے چلے جا رہے ہیں ہاں (تو ہمارا رب ہے، ہم تیری ربوبیت کی گواہی دیتے ہیں)

ہر شخص اپنے رب کی ربوبیت کا خود گواہ ہے

● غور فرمائیں کہ ہر شخص، مرد ہو یا عورت، جب بنی آدم میں سے اپنے باپ کی پشت سے رحمِ مادر میں منتقل ہونے سے مقررہ مدت کے بعد پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے اپنی ربوبیت ہی کی فکر لاحق ہوتی ہے اور اسی فکر میں ماں کی چھاتیوں کی طرف لپکتا ہے، جہاں اسکے رب نے اسکے پیدا ہونے سے پہلے ہی دودھ کی دو نہریں جاری کر دی ہوتی ہیں۔ چنانچہ اسکی اولین ربوبیت ماں کی چھاتیوں کے دودھ سے ہوتی ہے، جسکے ذریعہ وہ پلتا اور بڑھتا ہے۔ دودھ کی ان نہروں کے خشک ہونے سے پہلے ہی اسے دانت مل جاتے ہیں۔ اور اب اناج اسکی ربوبیت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور اس طرح ہر شخص ربِ تعالٰی کی ربوبیت سے فیضیاب ہوتا ہوا صبح شام اپنے اندر بھوک محسوس کرتا ہے، جسے مٹانے اور ربوبیت کو بدستور جاری رکھنے کیلئے اسے انواع و اقسام کے کھانے مہیا ہوتے ہیں، جسے پیدا کرنے کیلئے اسکے رب نے پوری کائنات کو مصروفِ عمل کر رکھا ہے، سورج شبانہ روز پانی سے بخارات بنا کر آسمانوں میں پہنچا رہا ہے جو رزق کی پیداوار کیلئے بارشوں کا موجب بنتے ہیں۔ زمین فصلیں اور پھل اگاتی اور انہیں سورج پکاتا ہے۔ تو اس طرح جب وہ شعور کی نگاہ سے اپنے چاروں طرف سامانِ ربوبیت کی افزائش کی طرف غور کرتا ہے تو بزبانِ حال یا بزبانِ قال پکار اٹھتا ہے کہ اے میرے پیدا کرنے والے **بیشک تو میرا رب ہے۔**

● وہ رب جس نے میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی میری ابتدائی ربوبیت کیلئے میری ماں کی چھاتیوں پر دودھ کی نہریں جاری کر دی تھیں، یہ نہریں ابھی خشک نہیں ہوتے پائی تھیں کہ دانت عطا کر دئیے۔ اور دانتوں کے ذریعہ جو اناج میری ربوبیت کا ذریعہ بننے والا تھا، اسکی افزائش کیلئے پورے کارخانۂ کائنات کو مصروفِ عمل کر رکھا ہے۔ تو ہی ہے جو سورج کی تپش کیساتھ سمندروں، دریاؤں، جھیلوں اور جوہڑوں کے پانی کو بھاپ بنا بنا کر ہر آن فضا میں پہنچاتا رہتا ہے، اور پھر اسے بارش کی صورت میں زمین میں برسا کر غلوں اور میووں کی افزائش کا سامان کرتا رہتا ہے۔ تو ہی میرا رب ہے جس نے زمین میں فصلیں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھ دی ہے اور زمین سے نکلی ہوئی نرم و نازک انگوری کی حفاظت کیلئے بادِ نسیم کو اسے پنکھا کرنے کی خدمت پر متعین کر دیا ہے۔ اس طرح میری ربوبیت کا سامان بننے والی فصلیں انگوری کی کمزور حدود سے نکل کر قدموں پر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ پھر آفتاب کی تمازت ہوا کیساتھ بڑھتی

تحونی پروا بناجاتی ہیں، چاند ان میں پھل لاتا ہے، آسمان کے اَن گنت ستارے ان پر کیمیاوی اثرات نازل کرتے ہیں اور سورج اُس پھل کو پکا کر فصلیں تیار کر دیتا ہے۔ آندھیاں فصلوں سے زہریلے اثرات زائل کر دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ سینکڑوں قسم کے اناج اور پھل پک کر میری ربوبیت کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور ربوبیت کا یہ سلسلہ سردی، گرمی بہار اور خزاں ہر موسم میں جاری رہتا ہے۔ پس میری پیدائش سے لیکر آخری دم تک سلسلہ ربوبیت کو جاری رکھنے والے بلاشبہ تو میرا رب ہے۔

● علیٰ ہذا القیاس ہر شخص اپنے آپ میں بھوک محسوس کرتا ہے اور اسکے دفاع کیلئے مندرجہ بالا طریقوں سے پوری کائنات کو سامانِ ربوبیت کیلئے معروفِ عمل پا کر چار دانگ عالم میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے خداوندی فرمان کو بزبانِ حال گونجتا ہوا پاتا ہے اور خود بزبانِ حال یا بزبانِ قال پکار اٹھتا ہے بَلٰی۔ ہاں تو ہی میرا رب ہے۔ یہ کارخانۂ کائنات جسے تُو نے شبانہ روز سامانِ ربوبیت پیدا کرنے کیلئے وقفِ عمل رکھا ہے، یہ کسی مخصوص طبقے کی عیش پرستی کی تکمیل کیلئے پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ اسے میرے رب! تیری پیدا کردہ نعمت پر تیرے ایک ایک بندے کا مساوی حق ہے۔

برادرانِ عزیز! ● یہ ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا خداوندی عہد جو کارگاہِ کائنات میں ہر آن بزبانِ حال گونج رہا ہے اور ہر شخص اپنے آپ میں بھوک محسوس کرنے اور اُسے نعماءِ خداوندی کیساتھ مٹانے کی عملی صورت میں بَلٰی کا جواب دے رہا ہے۔ حالی قال کی خبر ۴۱/۱۱ میں دیکھئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تو انہیں بزبانِ حال کہا۔ اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۴۱/۱۱ تم دونوں آجاؤ خوشی کیساتھ یا ناخوشی کیساتھ۔ تو زمین و آسمان نے بزبانِ حال جواب دیا۔ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۰ ۴۱/۱۱ (زمین و آسمان) دونوں نے بزبانِ حال کہا کہ ہم دونوں آ گئے ہیں فرمانبردار ہو کر۔ جو لوگ رب تعالیٰ کے نظام ربوبیت پر غور نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو قرآنِ کریم نے ڈنگروں سے بدتر قرار دیا ہے:-

● لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ ۷/۱۷۹ اُنکے پاس ہمارے دیئے ہوئے دماغ ہیں تو وہ اُنکے ساتھ سوچتے نہیں، اُنکے پاس ہماری دی ہوئی آنکھیں ہیں وہ اُنکے ساتھ دیکھتے نہیں، اُنکے پاس ہمارے دیئے ہوئے کان ہیں، اُنکے ساتھ سُنتے نہیں۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر۔

● پس جو لوگ غور و فکر نہیں کرتے انہیں دائرہ آدمیت سے خارج قرار دیا گیا ہے، اُنکے غور نہ کرنے سے ربوبیتی حقائق میں کوئی فرق نہیں آتا۔ حقیقتِ حال کا اعلان وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو خود اسکے اپنے آپ پر گواہ ٹھہرا دیا ہوا ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں ہر شخص متعدد بار سامانِ ربوبیت کا محتاج بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامانِ ربوبیت سے سرفراز بھی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کا حالی اقرار ہر فرد ذریتِ آدم سے لے رہا ہے اور ہر فرد بزبانِ حال اقرار کرتا چلا آرہا ہے۔

● ۵ اسی ناقابلِ انکار حالی اقرار کے متعلق آیت زیرِ بحث کے آخری الفاظ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ میں تنبیہ کر دی گئی ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس نظامِ ربوبیت سے بے خبر تھے اور اگلی آیت مجیدہ ۷/۱۷۳ میں یہ تنبیہ کیگئی ہے کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمنے باپ دادا کو ربوبیتِ عامہ میں خیانت کرتے پایا تھا لہٰذا ہم تو انکی روش پر چلتے رہے تھے۔

قصوروار تو وہ ہیں ہم نہیں۔

اسلاف کا تواتر حجت نہیں

● آیت نمبر ۱۷۲ تا ۱۷۳ میں اسلاف کے تواتر کو یہ کہکر درجۂ حجت سے خارج کردیا گیا ہے۔ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ۔ یا کہیں تم قیامت کو یہ کہنے لگو کہ ربوبیت میں خیانت کا شرک تو کیا تھا ہمارے باپ دادوں نے۔ مجرم وہ ہیں ہم نہیں۔ پس آبائی متوارث عقائد و اعمال اس صورت میں قابلِ حجت نہیں ٹھہرتے کہ باپ دادا سے ایسا ہوتا چلا آرہا ہے۔ بلکہ دلیل و حجت اللہ کی کتاب ہے۔ چنانچہ اسلاف کے ہر اُس تواتر کو رد کر دیا گیا ہے جو قرآنِ کریم کے بنیادی مسئلۂ ربوبیتِ عامہ کے خلاف ہو۔

● مثلاً اسوقت ربوبیت کے متعلق ہمارا آبائی متوارث تواتر یہ ہے کہ معاشرہ میں بعض افراد کے ہاں سامانِ ربوبیت کی اسقدر فراوانی ہے کہ وہ اُنکے پیروں تلے ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے مگر بعض کے ہاں اِسکا اسقدر فقدان ہے کہ انکے ہاں جائز اور لازمی ضرورت کے طور پر اپنی اور اپنے بچوں کی بھوک مٹانے کیلئے بھی میسر نہیں۔ اب چونکہ یہ تواتر صدیوں سے چلا آرہا ہے' اسلئے اسے صدیوں سے یہ کہکر عین اسلام قرار دیدیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بے پرواہی ہے کہ بعض کو چاروقت انواع و اقسام کی نعمتیں مہیا کر رہا ہے اور بعض کے بچوں تک کو دو وقت کی پیٹ بھر سوکھی روٹی بھی نہیں دیتا۔ قرآنِ کریم نے ایسے تواتر کو گمراہی اور اُخروی ہلاکت کا موجب قرار دیا اور اعلان کر دیا ہے:-

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ۱۷۴

اور مثل مذکورہ بالا ہم کھول کھول کر بیان کرتے ہیں آیتیں اپنی اور تاکہ وہ لوٹ آئیں

اور مثل مذکورہ بالا ہم اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ (لوگ آبائی تواتر کو حجت ٹھہرانے اور قرآنی دلائل کو پس پشت پھینکنے سے) باز آجائیں۔

● واضح رہے کہ پیچھے آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۵۵ میں مسلسل حضرت موسیٰؑ، فرعون اور موسوی دَور کے بنی اسرائیل کا ذکر چلا آرہا ہے۔ آیت نمبر ۱۵۶ تا ۱۵۹ میں دَورِ محمدی کے اُن بنی اسرائیل کا ذکر آیا ہے جو آنحضورؐ پر ایمان لائے تھے اور آپکی اطاعت و معاونت کی تھی۔ آیت نمبر ۱۶۰ تا ۱۷۱ میں دورِ موسوی کے بنی اسرائیل کے ذکر کا بقیہ لایا گیا ہے اور ۱۷۲ تا ۱۷۴ میں ربوبیتِ عالمینی کی چاردانگ عالم میں حالی گونج اور ہر فرد و نوعِ آدم کے حالی اقرارِ ربوبیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اب چونکہ حضرت موسیٰؑ، فرعون اور دورِ موسوی کے بنی اسرائیل کے ذکر کا بنیادی مسئلہ ربوبیتِ عالمینی ہے اور فرعون نے رب تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کو اس حالت میں ٹھکرا دیا جب اُسکے پاس اللہ کے نبی حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ لیکر آئے۔ لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اسی فرعون کی حالت عوام پر بیان کرنے کا آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے:-

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا

اور پڑھ اوپر ان کے خبر اس شخص کی وہ جو دی ہم نے اُسے آیتیں اپنی

(اے رسول!) پڑھیگا اُن (مخاطبینؐ) پر خبر اس شخص کی جسے ہم نے (اپنے رسولوں موسیٰ و ہارون کے ذریعہ) اپنی آیتیں

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَکَانَ مِنَ

پھر وہ نکل گیا صاف انکے پھر پیچھے لگا اسکے گمراہ کرنیوالا پس وہ تھا میں سے

الْغٰوِیْنَ ○ ۱۷۵

گمراہوں کے

پہنچائیں پھر وہ اُن سے صاف نکل گیا۔ پس نفسِ شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ اور وہ گمراہوں میں تھا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰکِنَّهٗ

اور اگر چاہتے ہم ضرور بلند کرتے اسے ساتھ انکے اور لیکن وہ

اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ

چمٹ گیا ساتھ پستی کے اور پیروی کی خواہش اپنی کی پھر مثال اسکی

کَمَثَلِ الْکَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُکْهُ

مانند مثل کتے کے اگر تو لادے اوپر اسکے وہ ہانپے یا چھوڑ دے اسے

یَلْهَثْ ذٰلِکَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا

ہانپے مذکورہ بالا حال اس قوم کا جو جھٹلاتے ہیں آئتیں ہماری

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ○ ۱۷۶

پس بیان کر قصہ تاکہ وہ غور کریں

اور اگرچہ ہم تو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق چاہتے تھے کہ اُسے (اپنی آئتوں کی اتباع کی بدولت) بلند مرتبہ عطا کریں۔ لیکن وہ (ہماری آئتوں کا انکار کرکے) پستی کے ساتھ چمٹ گیا۔ اُس نے اپنی ہوائے نفس کی اتباع کی۔ پس اُسکا حال کتے کے حال جیسا تھا۔ کہ اگر تو اس پر بوجھ لادے تو وہ پھر بھی ہانپے اور اگر تو اُسے چھوڑ دے تو وہ پھر بھی ہانپے۔ یہ حال اس قوم کا ہوتا ہے جو ہماری آئتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ پس آپ (سابقہ آیات کریمات میں غور و فکر کا) قصہ اپنے مخاطبین پر بیان کیجئے تاکہ وہ غور و فکر کریں (کہ قوموں کا کتوں جیسا حال کیوں ہو جاتا ہے)۔

● لہ عَلَیْهِمْ میں ضمیر کا مرجع سابقہ آیات کریمات میں مذکور دورِ رسالتِ محمدی کے بنی اسرائیل ہیں۔

● ۲ اَلَّذِیْ سے مراد فرعون ہے۔ کیونکہ سیاقِ کلام میں مُورد آیت نمبر ۱۰۲ سے جس گمراہ شخص کی گمراہی کا ذکر مسلسل ستر، آیات کریمات میں مذکور ہے۔ وہ فرعون ہی ہے۔ جسے حضرت موسٰی اور ہارون سلام علیہما کے ذریعہ اسکے رب کی آئتیں پہنچائیں گئی تھیں مگر وہ انہیں مسلسل جھٹلاتا چلا گیا۔ اِسکے برعکس روائتی تفاسیر نے اس اَلَّذِیْ کیساتھ ذیل کا عجیب و غریب قصہ چسپاں کر رکھا ہے۔

۱۷۵ کی روائتی تفاسیر

● تفسیر حسینی مطبوعہ مطبع محمدی کانپور کے صفحہ ۲۱۰ پر اَلَّذِیْ سے بلعم باعورنامی کوئی روائتی دلی مراد لیا گیا ہے اصلی تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادر مرحوم کے صفحہ ۱۶۹ پر تفسیر حسینی والا ہی روائتی قصہ بالفاظ ذیل درج ہے۔

"یہ قصہ بلعم باعور کا ہے جو کنعانیوں اور جباروں میں سے تھا۔ اور صحیفے حضرت ابراہیم کے پڑھتا تھا۔ اور اسم اعظم جانتا تھا۔ جب وہ حضرت موسٰی علیہ السلام متوجہ لڑائی جباروں سے ہوئے تو جباروں نے رجوع بلعم باعور سے کیا جو مستجاب الدعوات تھا۔ اور کہا کہ اوپر حضرت موسٰی علیہ السلام کے اور قوم اسکی کے بددعا کر بلعم باعور نے انکار کیا اور آخر اپنی بیوی کے بہکانے پر جباروں سے رشوت قبول کی۔ اور اوپر حضرت موسٰی علیہ السلام کے اور اسکی قوم کے بددعا کی۔ حق تعالیٰ نے اسم اعظم یاد اسکی سے بھلا دیا۔ اور وہ بے ایمان ہو گیا ...... اور جب حضرت موسٰی کی طرف بددعا کرنے کو۔ جس گدھے پر سوار تھا وہ لے کر اس ارادہ سے پھر جا۔ (مگر) وہ نہ

مانا اور باز نہ آیا"

● یہ ہے اَلَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانۡسَلَخَ کی روائتی تفسیر کہ زمانۂ موسوی میں بلعم باعور نامی ایک شخص مستجاب الدعوت موجود تھا۔ یعنی اسکی دعا اور بد دعا بارگاہِ الٰہی میں رد نہیں کی جاتی تھی۔ کیوں؟ ——— اسلئے کہ اسے اسم اعظم یاد تھا۔ اہل روایات نے اسم اعظم کا بھی عجیب و غریب تصور پیدا کر رکھا ہے کہ جسے اسم اعظم یاد ہو اسکی دعا یا بد دعا ضرور بضرور قبول ہو جاتی ہے۔ اور اس تصور کیمطابق بعض لوگ اسم اعظم کی تلاش میں زندگی برباد کر لیتے ہیں حالانکہ اسم اعظم اسم ذات اللہ ہے۔ اور دعا کیا ہے؟ اس کے لئے مقالہ "فلسفۂ دعا" ملاحظہ فرمائیں۔

● ۳ اٰتَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا کا وہ روائتی مفہوم ہرگز صحیح نہیں ہے جو اوپر بیان ہوا ہے کہ بلعم باعور کو اللہ کی آیتیں اور اسم اعظم دیا گیا تھا جو اسے یاد ہو گیا تھا جس کی بدولت اسکی دعا یا بد دعا بارگاہِ الٰہی سے رَد نہیں کی جاتی تھی۔ بلعم باعور کا قصہ تو محض ایک تراشیدہ ہے۔ یہ فرعون کا قصہ ہے اور اٰتَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا میں نبیوں کا واسطہ محذوف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون یہ ہے کہ وہ نوع انسانی کو اپنی آیتیں اپنے نبیوں کے ذریعہ ہی دیتا رہا تھا۔ کسی غیر نبی کو اپنی آیتیں اور نام نہاد اسم اعظم ہرگز نہیں دیا کرتا تھا۔ چنانچہ فرعون کو بھی اپنی آیتیں اپنے دو نبیوں حضرات موسیٰؑ اور ہارونؑ کے ذریعہ دی گئی تھیں۔

● ۴ فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا میں سلخ مادہ س۔ ل۔ خ سے ہے جسکا بنیادی معنی کسی چیز سے اس طرح صاف نکل جاتا ہے جس طرح سانپ کینچلی سے صاف نکل جاتا ہے۔ حضرتِ موسیٰ فرعون کو اللہ تعالیٰ کی آیات مجیدہ مسلسل پہنچاتے رہے مگر اس نے اپنے اوپر انکا معمولی سا اثر بھی نہ رہنے دیا، صاف نکل گیا۔

● ۵ لَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ مشیت کی وضاحت فرمائی ہے اور وَلٰکِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ اور اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا کے الفاظ میں اپنے قانون مشیت کی تعبیر دی ہے کہ اگر فرعون ہماری آیتوں سے نصیحت حاصل کر کے سربلندی کی راہ پر چل پڑتا تو ہمارا قانونِ مشیت اُسے رفیع کر دیتا۔ لیکن چونکہ وہ زمین، یعنی پستی کیساتھ چپٹا رہا اسلئے اُسے ہمارے قانونِ مشیت کے مطابق بلندی نصیب نہ ہوئی۔

● ۶ ارض کا معنی زمین ہے۔ چونکہ یہ ہمیشہ پیروں کے نیچے رہتی ہے اسلئے اس لفظ کا مجازی معنی پستی ہے۔

● ۷ تحمل کا سہ حرفی مادہ ح۔ م۔ ل ہے حمل جس کا مصدری معنی ہے بوجھ اٹھانا اور اُٹھوانا۔ ہمارے ملک میں کتوں پر توجہ نہیں لادا جاتا۔ لیکن آیت مجیدہ میں تعبیر دی گئی ہے کہ اس پر اسکی طاقت کیمطابق بوجھ لادا جا سکتا ہے یعنی اس سے یہ خدمت لی جا سکتی ہے۔ بعض ممالک میں کتوں کو چھوٹی چھوٹی گاڑیوں کے آگے جوت کر ان سے بوجھ اٹھوایا جاتا ہے۔ مگر کتب روایات نے اسے اسقدر منحوس قرار دے دیا ہے کہ جس گھر میں کتا موجود ہو وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ دیکھئے مترجم بخاری شریف مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

● ۸ مَثَلُ بہ فتحۂ مفتوحہ کا معنی حال بھی ہے جیسے کہ $\frac{۲}{۲۱۵}$ میں آیا ہے اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا یَاۡتِکُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہارا ابھی وہ حال ہوا نہیں جو تم سے پہلے لوگوں کا ہو چکا ہے۔

● ۹ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ' یہ اس آیت مجیدہ کا آخری جملہ ہے۔ جس آیت مجیدہ کے داخلی مفہوم کے مطابق دعوت تفکر دی گئی ہے کہ اُن اسباب پر بنظرِ غائر توجہ دی جائے جن کی بدولت قومیں ہر حالت میں ہانپتی رہتی ہیں، خواہ وہ مال و دولت کیساتھ لدی پھندی ہوں یا ذلیل ہوئی ہوں۔ یہ حالت اُس قوم کی ہوتی ہے جس کا ہر فرد حصولِ زر کی دوڑ میں باؤلے کتے کی طرح شبانہ روز دیوانہ وار بھاگ رہا ہو، خواہ مالدار ہو یا غریب۔ ہانپتے کتے کی مثال ایسی اقوام پر صدفیصد صادق آتی ہے۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت میں قوموں کے اس حال کو بہت بُرا حال قرار دیا گیا ہے:-

سَآءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بُرا حال قوم کا جو جھٹلاتے ہیں

بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ○ ۱۷۷
کو آیتیں ہماری اور جانیں اپنی ہیں وہ ظلم کرتے

بہت بُرا حال ہے اُس قوم کا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور خود آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں ا

● ا اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ کے الفاظ میں اَنْفُسَهُمْ کا یہ معنی بھی صحیح ہے کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور یہ معنی بھی صحیح ہے کہ وہ آپس میں ایکدوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔ جسکی عملی صورت یہ ہے کہ پوری قوم کی قوم اسقدر پست ہو چکی ہو کہ داخلی طور پر ہر فرد دوسرے ایکدوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے کھا رہا ہو یعنی سب کے سب ایکدوسرے پر ظلم کر رہے ہوں۔ دکاندار اشیاءِ خوردنی میں ملاوٹ کر رہے ہوں، دودھ میں پانی، آٹے میں پھک، ہلدی میں رنگ، گھی میں چربی جیسی مضرِ صحت چیزیں ملا کر خود اپنے ہی افراد کو نشانۂ ظلم بنا رہے ہوں۔ تھوک فروش مصنوعی قحط پیدا کر کے غریب عوام کی جیبیں کاٹ کر خود ایکدوسرے پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہے ہوں۔ العیاذ باللہ!

● ایسی قومیں خود گمراہ ہو جاتی ہیں۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ہدایت و گمراہی کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے:-

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ
جس کو ہدایت دے اللہ پس وہ ہدایت پانیوالا ہے

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ ۱۷۸
اور جسے گمراہ کر دے پس وہی ہیں گھاٹا پانیوالے

جو (کوئی ہدایت پائے) اُسے اللہ ہدایت یافتہ ٹھہراتا ہے۔ وُہی ہدایت پانیوالا ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے) اُسے اللہ گمراہ ٹھہراتا ہے۔ پس ایسے لوگ گھاٹا پانے والے ہیں۔

● ا۔۲ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ اور مَنْ يُّضْلِلْ کا یہ معنی صحیح نہیں کہ جسے اللہ ہدایت دے وہ ہدایت پانے والا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے وہ گمراہ ہونیوالا ہے۔ یہ آیت متشابہ ہے جو ذیل کی محکم آیت کے ماتحت رکھی جائیگی:-

● فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۳۹/۴۱ پس جس شخص نے خود ہدایت پائی اُسکا فائدہ خود اُس کے لئے ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہو گیا اُسکا وبال اُسکے اپنے اوپر ہے۔ نیز اسی مسئلہ کے متعلق ایک اور محکم آیت مجیدہ میں اعلان کر دیا گیا ہے:- قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹ اے رسولؐ! اعلان کر دیجئے کہ حق قرآن کریم

تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے اس پر خود ایمان لائے اور جو چاہے خود کافر ہو جائے ــــــ اِن محکم آیات مجیدہ کے ماتحت اُوپر $\frac{۲}{۱۷۸}$ کا معنٰی لکھا گیا ہے کہ جو شخص خود ہدایت پائے اُسے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ ٹھہراتا ہے۔ اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے اُسے اللہ تعالیٰ گمراہ ٹھہرا دیتا ہے۔ ہدایت پاتا یا گمراہ ہو جانا حضرتِ انسان کا اپنا کام ہے اللہ تعالیٰ نہ کسی کو زبردستی ہدایت دیتا ہے نہ کسی کو زبردستی گمراہ کرتا ہے۔ ہدایت گمراہی کی مکمل بحث تفسیر جلد اوّل کے دیباچہ کے صفحہ ۳۱ تا ۳۴ تک بغور ملاحظہ فرمائیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِسی مسئلہ کی تائید کی گئی ہے کہ لوگ خود ہی سنتے، دیکھتے اور غور نہیں کرتے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ
اور بیشک پھیلایا ہم نے واسطے جہنم کے بہت میں سے
الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ
جنوں کے اور انسانوں کے واسطے انکے دماغ ہیں نہیں غور کرتے
بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا
ساتھ انکے اور واسطے انکے ہیں آنکھیں، نہیں دیکھتے ساتھ ان کے
وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ
اور واسطے انکے ہیں کان نہیں سنتے ساتھ انکے وہ ہیں مثل چوپایوں کے
بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ ۱۷۹
بلکہ وہ ہیں زیادہ گمراہ وہ ہی ہیں وہ بے خبر

اور بیشک ہمنے لوگوں کی اکثریت کو خواہ وہ استحصال کرنیوالے ہیں یا استحصال ہونیوالے ہیں، جہالت میں بکھرے ہوئے (منتشر) پایا ہے۔ اُنکے پاس (ہمارے دئے ہوئے) دماغ ہیں وہ اُنکے ساتھ غور نہیں کرتے۔ اُنکے پاس (ہماری دی ہوئی) آنکھیں ہیں وہ اُنکے ساتھ دیکھتے نہیں، اور اُنکے پاس ہمارے دئے ہوئے کان ہیں، وہ اُنکے ساتھ سنتے نہیں۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ اُن سے بھی گمراہ (اُن سے بھی گئے گزرے) یہی لوگ (ربوبیت کے نظام خداوندی سے) غافل ہیں۔

● ۱؎ قرآن کریم میں استحصال کرنیوالوں کو بھی جن کہا گیا ہے اور اُنکا شکار ہونیوالوں کو انسان کہا گیا ہے $\frac{۶}{۱۲۹}$ مسئلہ جن کی تفصیلی بحث اسی جلد کے صفحہ ۱۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲؎ ذَرَأَ کا لفظی معنٰی بکھیرنا بھی ہے۔ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ $\frac{۴۲}{۱۱}$ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی جوڑے جوڑے اور چوپایوں کو بھی جوڑے جوڑے بنایا ہے اور اُس نے تمہیں زمین میں بکھیر دیا ہے۔ ہم نے آیتِ بالا زیرِ بحث میں ذَرَأْنَا کا معنٰی ثانوی معتبر کے خاصہ وجدان کے مطابق یہ لکھا ہے کہ :۔ ہمنے جن و انسان کو جہالت میں بکھرے ہوئے (منتشر و پراگندہ) پایا ہے قومی انتشار موجب جہالت ہوتا ہے۔

● ۳؎ قلوب کا معنٰی لکھا گیا ہے اذہان، چونکہ قلوب کا فعل بتایا گیا ہے تفقہ کرنا۔ مگر یاد رہے کہ تفقہ صرف ذہن کرتا ہے، دل کا کام تفقہ کرنا نہیں۔ دل تو محض ایک پمپ ہے جو ہمارے پورے جسم میں سر کے بالوں سے لیکر پاؤں کے ناخنوں تک خون پہنچاتا ہے عربی زبان میں دل کو بھی اسلئے قلب کہا جاتا ہے کہ وہ انسانی جسم کے اندر اُلٹا لٹکا ہوا ہے۔ جس آیت مجیدہ میں قلب کا فعل تفقہ

کرنا ثابت ہو وہاں قلب کا معنی ذہن اور دماغ ہوتا ہے دل نہیں ہوتا۔

● ہے اس آیت مجیدہ میں بھی گمراہی کے متعلق فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ اُسے انسان خود اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ اس نے تو ہر کسی کو ذہن، دماغ عطا فرمایا ہے تاکہ وہ اُسکے ساتھ تفقہ کرکے (سوچ سمجھ کر) سیدھا راستہ اختیار کرے ہر کسی کو آنکھیں دیگئی ہیں تاکہ وہ ہر بُرے عمل کا بُرا نتیجہ خود اپنی آنکھوں دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔ ہر کسی کو کان دئے گئے ہیں کہ ہر داعیِ صراطِ مستقیم کی آواز کو سُنے اور عقل و بصیرت کی میزان پر تول کر اور ذہن و دماغ کی کسوٹی پر کس کر خود صحیح راستہ اختیار کرے۔ مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آنکھوں، کانوں اور دماغ سے کام نہیں لیتے وہ خود گمراہ ہوجاتے ہیں۔ انہیں اللہ گمراہ نہیں کرتا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ان ڈنگروں سے صرفِ نظر کرکے اللہ کے حضور میں اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ دعا کیا کرو۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ
اور واسطے اللہ کے ہیں نام اچھے پس دعا کرو اس

بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ
ساتھ انکے اور چھوڑ دو انکو جو کجی پیدا کرتے ہیں بیچ ناموں اسکے

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۸۰
ضرور بدلہ دئے جائینگے جو تھے وہ عمل کرتے

اور اللہ ہی کیلئے ہیں اچھے نام، پس تم اس (اللہ) کے حضور میں اسکے اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ دعا کیا کرو[1]۔ اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اُس (اللہ) کے ناموں میں کجی پیدا کرتے ہیں۔ (تاکہ وہ اُس اللہ ہی کی سند کے ساتھ غلط راہ پر چلیں) وہ ضرور اُنہی عملوں کا بدلہ دئے جائیں گے جو وہ خود کیا کرتے تھے[2]

● ہے فَادْعُوْهُ بِهَا کے الفاظ میں بصورتِ نصف النہار ثابت و مبرھن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسکے اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ دعا کرنے کا نہ ٹلنے والا حکم دیا گیا ہے۔ نیز چونکہ فَادْعُوْهُ کا حکم بصیغۂ جمع آیا ہے اسلئے ہر مسلمان پر فرض کر دیا گیا ہے کہ وہ اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ اللہ کے حضور میں دعا کیا کرے۔ اِس سے اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کہاں سے اور کس کتاب میں ملیں گے؟ باری تعالیٰ نے جن اسمآء کے ساتھ اپنے حضور میں دعا کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں اپنی کتاب لاریب ہی میں خود ہی بیان کر دیا ہے۔ سورہ حشر میں آیا ہے۔

● هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ $\frac{59}{22 \text{ تا } 24}$

ایک المیۂ فکریہ

● اَب فَادْعُوْهُ بِهَا کے والے حکم کی روشنی میں آنحضور کی شانِ فرمانبرداری کے مطابق عیاں ہے کہ آپ اور آپکے صحابۂ کرام ضرور اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ حضورِ الٰہی میں دعا کیا کرتے تھے لیکن اگر مسلمانوں کا جائزہ لیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ اسلام میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس حکم پر عمل نہیں ہو رہا، سوائے اُن حضرات کے جنہوں نے اللہ کے حکم اور سنتِ رسول کے

کے مطابق اسماءُ الحسنیٰ والی آیات مجیدہ ۵۹/۲۲ تا ۲۴ کو اذکارِ صلوٰۃ کا حصّہ تسلیم کیا ہے۔ واضح رہے کہ مساجد اور صلوٰۃ مقامِ دعا ہیں :۔ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۷۲/۱۸ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ ۷۲/۱۹ مسجدیں یعنی صلوٰۃ کی جگہیں خاص اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی اور کے حضور میں دعا نہ کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا بندہ محمدؐ رسول اللہ جب مسجد کے اندر قیامِ صلوٰۃ میں کھڑا رہتا ہے تو اللہ کے حضور میں دعا کرتا ہے۔

● پس آیاتِ بیّنات ۷/۱۸۰ فَادْعُوْهُ بِهَا اور ۷۲/۱۹ وَ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ کو جب ایکدوسری کے قریب لا کر غور کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ فَادْعُوْهُ بِهَا کا حکم صلوٰۃِ موقّت (نماز) کے متعلق ہے اور ۷۲/۱۹ سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ اپنی نماز میں اسماءِ حُسنیٰ والی آیات کریمات ضرور ضرور پڑھا کرتے تھے، جس سے نہ صرف یہ کہ آنحضور بھی اپنی نماز میں فَادْعُوْهُ بِهَا کے خداوندی حکم پر زندگی بھر عمل کرتے رہے تھے، بلکہ آپکی سُنّتِ مطہرہ پر آپکے صحابہؓ بھی عامل رہے تھے اور آج آنحضور کی اُمّت بھی آنحضور کی سُنّتِ مطہرہ پر عمل کر کے یعنی نماز میں اسماءِ حُسنیٰ والی آیتیں ۵۹/۲۲ تا ۲۴ تلاوت کر کے ۷/۱۸۰ کے خداوندی حکم کی عدمِ تعمیل کے جرمِ عظیم سے بچ سکتی ہے۔

● ۲-۳-۱۸۰ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ کی تفسیر ساتھ ہی اس سے اگلے الفاظ میں کر دی گئی ہے سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حُسنیٰ میں معنوی الحاد کر کے انکے مفہوم کو اپنی منشا کے مطابق پھیر کر بُرے عملوں میں لگ جاتے ہیں انہیں اُن کے بُرے اعمال کی سزا ضرور دی جائیگی۔ يُلْحِدُوْنَ کے سہ حرفی مادہ ل۔ ح۔ د۔ لحد کا معنیٰ ہے کسی چیز کو پھیر دینا۔ مثلاً غفورٌ رحیم کے معنوں کو اس طرح پھیر لینا کہ ہم کتنے بھی گناہ اور کتنی بھی اسکی نافرمانیاں کرتے رہیں وہ غفورٌ رحیم ہے، وہ ہمیں ضرور ضرور بخش دیگا۔ اور اس معنوی الحاد کو بنیاد بنا کر نیکیوں سے بے پرواہ اور بُرائیوں میں مشغول ہو جانا، مذکورہ بالا معنوی الحاد ہی کا نتیجہ ہے سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کے الفاظ میں متنبّہ کر دیا گیا ہے کہ اس غلط گمان میں نہ رہیں، اُنکے اُن عملوں کی سزا ضرور دی جائیگی، جن پر وہ اسماءِ خداوندی میں الحاد کر کے دلیر ہو جاتے ہیں۔ اور توبہ کر کے اُن سے الگ ہو جانا ضروری نہیں سمجھتے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ملحدین کی ضد مومنین کا ذکر ہے جو خود بھی حق (قرآن) پر قائم رہیں اور اُسی کی ہدایت کریں

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

اور جن سے جو پیدا کیا ہمنے ایک گروہ ہے ہدایت کرتے ہیں

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۱۸۱ ع ۱۲

ساتھ حق کے اور ساتھ اسکے وہ فیصلے کرتے ہیں

اور جو (مخلوق) ہمنے پیدا فرمائی ہے اُن میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق (قرآن) کی طرف (لوگوں کی) رہنمائی کرتے ہیں۔ اور اُسی کیساتھ (لوگوں کے جھگڑوں کے) فیصلے کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

اور جو لوگ جھٹلائیں کو ہماری آیتیں ضرور ہم انکو بتدریج پکڑیں گے

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، انہیں ہم ضرور بتدریج اس مقام سے پکڑیں گے، جسے وہ جانتے ہی نہیں۔ (جس کا

مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿ع﴾ ۱۸۲
سے وہاں کہ نہیں جانتے وہ

اُنہیں گمان بھی نہیں ہے)۔

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ○ ۱۸۳
اور مہلت دیتا ہوں واسطے انکے بیشک تجویز میری پکی ہے

اور میں لوگوں کو (توبہ اور اصلاح کیلئے) مہلت دیتا ہوں۔ بلاشبہ میری یہ تجویز پکی (مبنی برانصاف) ہے۔

● ۱ اس آیت مجیدہ میں خبر دیگئی ہے کہ حق پرست جماعت ہمیشہ موجود رہتی ہے اور آئندہ بھی موجود رہیگی۔

● ۲-۳ نافرمانوں کو بتدریج پکڑنا، توبہ اور اصلاح ہی کیلئے مہلت دینے کی غرض سے ہے۔ اور مہلت دینے کے بعد کے اندازِ گرفت کو مبنی برانصاف بتایا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اُن پر گرفت کس طرف سے آرہی ہے اور نہ ہی اُن اقوام اور اُن افراد کو آمدِ عذاب کا پتہ چلتا ہے جن کا پیمانۂ ظلم اس دنیا میں لبریز ہو جاتا ہے۔ انہیں آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی عذابِ خداوندی آپکڑتا ہے۔ باوجود اسکے کہ اپنے آپکو بڑے ہوشیار اور چالاک شمار کرتے ہیں مگر وہ بھانپ ہی نہیں سکتے کہ کس جانب سے ان پر تدریجاً عذاب آرہا ہے۔ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ذریعہ اپنے گرد خود ہی عذاب کے جال بُن رہے ہوتے ہیں، جن میں خود ہی پھنس جاتے ہیں۔ اسی چیز کی خبر ۲۵/۳۰ میں دیگئی ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ "اور جو بھی مصیبت تمہیں آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے اُن لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے جو آنحضورؐ کو دیوانہ اور آپکی تبلیغ کو دیوانگی قرار دیتے ہیں:۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ
اور کیا نہیں غور کیا انہوں نے نہیں ہے ساتھ ساتھی ان کے میں سے

جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ ۱۸۴
دیوانگی۔ نہیں ہے وہ مگر آگاہ کرنیوالا ظاہر

کیا اور انہوں (بہتان تراشوں) نے غور نہیں کیا (انہیں ہمارے رسول کے لائے ہوئے پیغام کی عظمت پر غور کرنا چاہیئے) اُنکا ساتھی دیوانہ نہیں (یہ تو اُنکے مکہ کا) ساتھی ہے (اب اسکا منصب یہ ہے کہ) نہیں ہیں وہ مگر انہیں اُنکے فرائض منصبی سے کھلے طور پر آگاہ کرنیوالا ہے۔

● اس آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کی قبل نبوت کی زندگی کیلئے صَاحِبِهِمْ کے الفاظ آئے ہیں۔ آپ اُن جھٹلانیوالوں کیلئے بڑا آن دیکھو سکہ کے ساتھی تھے۔ آپنے اپنی قبل نبوت کی زندگی بھی عوام کی خدمت کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ اور بعد نبوت بھی آپکا پیغام اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ سے شروع ہوا تھا، جس میں ہر فردِ نوعِ انسانی کی ربوبیت کا اعلان عام موجود ہے۔ کیا ایسا شخص دیوانہ شمار کیا جا سکتا ہے؟ آنحضورؐ کی عظیم شفقت انسانی کا نقشہ ۹/۱۲۸ میں بالفاظِ ذیل کھینچا گیا ہے:۔

● لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ بیشک (اے انکار کرنیوالو!) تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آگیا ہے۔ اُس پر تمہاری بدحالیاں گراں گزرتی ہیں۔ تمہاری بھلائی پر حریص

ہے اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان پر خصوصی شفقت کرنیوالا مہربان ہے ـــــ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کے الفاظ میں کھول کر بتا دیا گیا ہے کہ آپکی انسانی شفقت کی یہ حالت تھی کہ خواہ کانٹا کسی بھی فردِ انسانی کو چبھتا مگر درد آنحضور کو ہوتی تھی۔ واضح رہے کہ یہ مومن کافر ہر فردِ انسانی کیلئے آنحضور کا خاصہ تھا، کیونکہ مومن کیلئے انگ باندازِ خصوص بر عموم ارشاد ہوا ہے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ، یعنی یہ پوری نوعِ انسانی کا مونس و غمخوار مومنوں پر خصوصی رحمت و شفقت کرنیوالا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بھی آنحضور کے مخالفین ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ کیوں حکومتِ الٰہیہ پر غور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز پر دعوتِ تفکر دی ہے کہ دیکھو کس طرح ہر چیز قوانینِ خداوندی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے:-

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
کیا اور نہیں غور کیا بیچ حکومت آسمانوں کے اور زمین کے
وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ
اور جو پیدا کیا اللہ نے سے چیز کے اور کہ ہو قریب یہ کہ ہو
قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ
بیشک قریب میعاد ان کی۔ پھر ساتھ کس بات کے پیچھے اس کے
يُؤْمِنُونَ ۝ ۱۸۵
ایمان لائیں گے

کیا اور انہوں (یعنی ضابطۂ خداوندی کے منکروں) نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کی حکومت پر اور ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا کنٹرول ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے (کہ کس طرح آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ ربّ العزت کے قوانین کیمطابق معروفِ عمل ہے) اور ہو سکتا ہے کہ انکی میعاد بلاشبہ قریب ہو۔ پھر یہ لوگ اس (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات[1]) کے سوا اور کس حدیث پر ایمان لائیں گے؟

مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ
جسے گمراہ قرار دے اللہ پس نہیں ہدایت دینے والا واسطے اسکے
وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ ۱۸۶
اور وہ چھوڑ دیتا ہے انہیں بیچ سرکشی انکی کے سرگردان

جو شخص کہ اللہ تعالیٰ اُسے (اسکی انتہائی سرکشی کی بدولت) گمراہ قرار دیدے، اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور وہ انہیں انکی سرکشی میں سرگردان چھوڑ دیتا ہے۔

● [1] فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ میں قابلِ ایمان صرف اپنے نازل کردہ ضابطۂ حیات قرآن کریم کو ٹھہرایا گیا ہے ۳۹/۲۳ میں آیا ہے اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا۔ اللہ تعالیٰ نے احسن حدیث اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ اور ۴۵/۶ میں فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ کے الفاظ میں صرف اپنی آیتوں کو اسلئے قابلِ ایمان قرار دیا گیا ہے کہ قیامت تک کیلئے شک و ریب سے پاک صرف اور صرف اُسکی آیاتِ کریمات ہیں جو اُسکی آخری کتاب قرآن مجید میں محفوظ ہیں۔ اسکے سوا باقی کوئی بھی کتاب دستبردِ زمانہ سے ہرگز ہرگز محفوظ نہیں۔ حتیٰ کہ تورات، زبور اور انجیل کی بھی یہ حالت ہے کہ انکا ایک ایڈیشن دوسرے ایڈیشن سے مختلف و متضاد ہوتا ہے خود تورات و انجیل والے اِن کتابوں میں اپنی مرضی کی ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے ہیں۔ صرف قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس کی حفاظت

کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ [15/9] نیز یہی وہ واحد کتاب ہے:-
● جس میں باطل نہ آگے کی طرف سے داخل ہو سکتا ہے نہ پیچھے کی طرف سے لَّا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ [41/42] اسی لئے دنیا بھر میں اس ایک اکیلی کتاب کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ کی سند حاصل ہے اور اسی لئے اسکے سوا کسی اور کتاب کو ناقابلِ ایمان قرار دیا گیا ہے [5/4] نیز ناقابلِ اتباع [7/3] اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَؕ اتباع کرو صرف اُسکی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اُسکے سوا (جھوٹے) خیر خواہوں کی اتباع ہرگز نہ کرنا۔
● پیچھے آیت نمبر ۱۸۵ میں استفہامی حصر کیساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کے سوا کوئی حدیث واجب الاتباع نہیں۔ اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:-

یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ [1] اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ
سوال کرینگے آپ سے متعلق سزا کے وقت کے کونسا وقت ہے آنے اسکا
قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا
کہہ سوائے اسکے نہیں علم اسکا ہے پاس رب میرے نہیں ظاہر کریگا کو وقت اسکا مگر
هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا
وہ بھاری ہے بیچ آسمانوں کے اور زمین کے نہیں آئیگی تم کو مگر
بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا
اچانک سوال کرینگے آپ سے گویا آپ آگاہ ہیں سے اسکے کہہ سوائے اسکے نہیں
عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ 187
علم اسکا ہے پاس اللہ کے اور لیکن بہت لوگ نہیں جانتے

(اے رسول!) لوگ آپ سے (نافرمانی کے عذاب کے آنے کے) وقت کے متعلق پوچھینگے کہ اسکے آنے کی گھڑی کونسی ہے۔ آپ فرما دیجیئیگا کہ اسکا علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔ اُسے اُسکے وقت پر وُہی ظاہر کریگا۔ آسمانوں اور زمین میں وُہ (عذاب کی گھڑی) بہت سخت ہے۔ نہیں آئیگی تمہارے پاس مگر اچانک۔ (اے رسول!) لوگ آپ سے اسکے متعلق اس طرح پوچھینگے گویا کہ آپ اس کے وقت سے آگاہ ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اُس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور لیکن اکثر لوگ (اس حقیقتِ حال کو) نہیں جانتے۔

● [1] السَّاعَة کا لفظ قرآن کریم میں مختلف معنوں میں آیا ہے۔ وقوعِ قیامت کیلئے استعمال ہوا۔ نیز کسی بھی وقفہ کیلئے۔ ایک لمحہ کیلئے۔ انقلاب کی گھڑی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دنیوی سزا کے وقت کیلئے بھی آیا ہے۔
● السَّاعَة بمعنی قیامت:- اَللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِیْنَ ۝ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝ [30/11 تا 16]۔
(مفہوم) اللہ ہی مخلوق کو پیدا کرتا ہے۔ پھر وُہ (اُس میں سے نوعِ انسانی کو اُسکی موت کے بعد قیامت کے دن) دوبارہ پیدا کریگا

پھر تم اسی کے حضور میں حاضر کئے جاؤ گے - اور جس دن الساعۃ (قیامت) قائم ہوگی، اُس دن مجرم لوگ (اپنے جرموں کی سزا سے بچنے) سے مایوس ہوجائیں گے - اور اُس دن انکے ٹھرائے ہوئے (اللہ کے) شریکوں میں سے کوئی بھی انکا شفیع نہ ہوگا - اور وہ اپنے (ٹھرائے ہوئے) شریکوں کا انکار کرنیوالے ہونگے - اور جس دن (الساعۃ) قیامت قائم ہوگی (اُسدن شریک ٹھرانے والے اور شریک ٹھرائے گئے ایکدوسرے سے) الگ الگ ہوجائینگے - پھر جو لوگ ایمان لائیں اور اصلاح کے کام کریں وہ (جنّت کے) باغ میں خوش رکھے جائینگے - اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا انکار کریں اور انہیں جھٹلائیں وہ عذاب کیلئے حاضر کئے جائینگے -

● ۲ السّاعۃ بمعنی کوئی بھی وقفہ :- لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ۹/۱۱۷ بیشک اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہوا اپنے نبی (عربی) پر اور ان مہاجرین و انصار پر، جنہوں نے اسکی اتباع کی تنگی کے وقفہ میں -

● ۳ السّاعۃ بمعنی ایک لمحہ :- فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۰ ۱۶/۶۱ = جب اُن پر تباہی کا وقت آتا ہے تو پھر نہ ایک لمحہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکتے ہیں -

● ۴ السّاعۃ بمعنی انقلاب کی گھڑی :- اصحاب کہف جو ملک میں ربوبیت بدوش انقلاب لانا چاہتے تھے مگر ناسازگار حالات کی بدولت درمیانی وقفہ ایک غار میں گزار رہے تھے - آخر جب انکی خوراک ختم ہوگئی تو خوراک لانے کیلئے اپنے ایک آدمی کو باہر بھیجا تو اسوقت سابقہ ظالم حکومت بدل چکی تھی، حالات سازگار ہوچکے تھے - قرآن مجید میں اس انقلاب کی گھڑی کو بھی الساعۃ کہا گیا ہے :- وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۱۸/۲۱ = اور اسی طرح ہمنے (انکو خوراک لانے کے ذریعہ) مطلع فرمایا کہ وہ جان لیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور انقلاب کی گھڑی میں کوئی شک نہیں - (وہ انکی انتھک اور صبر آزما کوشش کی راہ میں طویل مشکلات کا مقابلہ کرنے کی بدولت ضرور ضرور آنیوالی ہے) اصحاب کہف ایک انقلابی جماعت تھی جو انتہائی کٹھن مصائب کا مقابلہ کرنے کے بعد معاشرہ میں نظام ربوبیت کے قیام کا انقلاب لانے میں کامیاب ہوئی پورے حالات کیلئے ادارہ بلاغ القرآن کا پمفلٹ "قصّہ اصحاب کہف" ملاحظہ فرمائیں -

● ۵ السّاعۃ بمعنی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی دنیوی سزا کی گھڑی :- قوموں کی گوناگوں نافرمانیوں کے بدلے بعض قوموں کے جرائم کا پیمانہ جب اسی دنیا میں چھلک جاتا ہے تو اُن پر قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم شعیب اور قوم لوط وغیرہ کی طرح دنیا ہی میں عذاب لازم کردیا جاتا ہے چنانچہ ایسے عذاب کی آمد کی گھڑی کو سورہ یوسف میں بالفاظ ذیل الساعۃ کہا گیا ہے :- وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۰ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۰
۱۲/۱۰۶-۱۰۷ اور لوگوں کی اکثریت اللہ پر ایمان نہیں لاتی مگر وہ اس طرح ایمان لاتے ہیں کہ وہ ایمان باللہ کے باوجود مشرک ہوتے ہیں - کیا پھر وہ نڈر ہوگئے ہیں کہ انکے پاس اللہ کا ڈھانپ لینے والا (چھا جانیوالا) عذاب آئے (یعنی اس طرح اُن پر اچانک) اللہ کے عذاب کی گھڑی آجائے کہ انہیں شعور تک نہ ہو کہ عذاب آرہا ہے -

● سلسلۂ درس کی آیت زیر بحث ۷/۱۸۷ میں السَّاعَة کے لفظ میں آنحضور کے مخالفوں کو اُنکی گوناگوں نافرمانیوں کی اس دنیوی سزا کی آمد کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسکا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، جسکے متعلق اُنکا سوال تھا اَیَّانَ مُرْسٰهَا۔ یعنی ہماری سزا کی آمد کا وقت کونسا ہے۔ مخالفوں کے اس سوال کا جواب آنحضور سے دلوایا گیا ہے قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ کہ دیجئے گا کہ اسکا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، اُسکے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۶/۵۹ = میں غیب دان نہیں ہوں غیب کی چابیاں صرف اور صرف اللہ کے پاس ہیں، غیب کو اُسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں آنحضور کے غیب دان نہ ہونے کے ساتھ ساتھ خود آنحضور سے یہ بھی اعلان کروایا گیا ہے کہ میں کسی چیز کا مختار نہیں ہوں۔ اس تفصیل کے لئے اگلی آیت کی آمد کا انتظار کریں۔ فی الحال سابقہ آیت مجیدہ ۷/۱۸۷ کے بقایا فٹ نوٹ ملاحظہ فرمائیں یہاں تک صرف ایک فٹ نوٹ نمبر ۱ ختم ہوا ہے۔

● ۲ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ کے جملہ میں اِنَّمَا کے حصر کیساتھ خود آنحضور سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ لوگو! تمہاری نافرمانیوں کی سزا کے آنے کے وقت (اَلسَّاعَة) کا علم صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے میرے پاس نہیں ہے۔

● ۳ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ کے جملے میں بھی نفی اثبات کے حصر کیساتھ کہلایا گیا ہے کہ لوگو! تمہاری نافرمانیوں کی سزا کو اُسکے وقت پر صرف اللہ تعالیٰ ہی ظاہر کریگا۔ اِن ہر دو جملوں میں خود آنحضور سے آپکی عدم غیب دانی کا اعلان کرایا گیا ہے۔

● ۴ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ قوموں پر عذاب کی گھڑی بڑی سخت ہوتی ہے خواہ وہ سماوات کے کسی بھی کرے میں ہوں اور خواہ زمین میں ہوں۔ کیونکہ اسکا عذاب ٹالا نہیں جا سکتا۔

● ۵ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً کے الفاظ سے عیاں ہے کہ اللہ کا عذاب اچانک آجاتا ہے، یعنی اُسوقت کہ جب نافرمان قوم کو گمان تک نہیں ہوتا کہ اب عذاب آنیوالا ہے۔

● ۶ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا کے الفاظ میں بھی آنحضور کے غیب دان ہونے کی دلیل استفہامیہ انداز میں پیش کیگئی ہے کہ اے رسول! یہ لوگ عذاب کی آمد کے وقت کے متعلق اس طرح پوچھینگے، جیسے کہ آپ اس سے آگاہ ہیں، یعنی آپ تو غیب دان ہیں ہی نہیں۔

● ۷-۸ پیچھے ضمنی نوٹ ۲ میں گزر چکا ہے قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ کہہ دیجئے گا اے رسول! کہ عذاب کے وقت کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ یہاں نوٹ ۷ میں پھر اسی چیز کا اعادہ ان الفاظ میں کر دیا گیا ہے قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ یہ تکرار تاکیدی ہے جس میں انتہائی وضاحت کیساتھ اعلان فرما دیا گیا ہے کہ آنحضور غیب دان نہیں تھے۔ اور نوٹ ۸ میں بھی اسی چیز کی خبر دیگئی ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس حقیقت سے بے خبر ہے جو باقی انبیاء کو عموماً اور آنحضور کو خصوصاً غیب دان قرار دیتی ہے۔ نیز واضح رہے کہ آنحضور کی ذات والا صفات کو نہ صرف یہ کہ غیب دان قرار دیا جاتا ہے بلکہ نفع نقصان کے مالک بھی ٹھہرایا جاتا ہے لیکن اگلی آیت میں دونوں چیزوں کی نفی کر دیگئی ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا
کہہ نہیں میں مالک واسطے جان اپنی کے نفع کا اور نہ تکلیف کا
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ
مگر جو چاہا اللہ نے اور اگر ہوتا میں جاننے والا غیب کا کثرت حاصل کرتا
مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ
میں سے خیر کے اور نہ چھوتی مجھے تکلیف نہیں میں مگر آگاہ کرنیوالا اور
بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۸۸ ع ۲۳ / ۱۴
خوشخبری دینیوالا واسطے قوم کے جو مانتے والے ہیں

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ میں اپنی جان کیلئے بھی کسی نفع اور تکلیف کا مالک نہیں[1] (کوئی اختیار نہیں رکھتا) سوائے اسکے کہ مجھے بھی نفع اور ضرر اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کیمطابق ہی پہنچا ہے[2] اور (میں غیب دان بھی نہیں کیونکہ) اگر میں عالم الغیب ہوتا تو بہت سی بھلائی اکٹھی کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔[3] نہیں ہوں میں مگر اُس قوم کو انکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنیوالا[4] اور اچھے عملوں کی اچھی جزا کی خوشخبری دینے والا ہوں[5] جو (قرآنی حقائق پر) ایمان لانیوالے ہیں۔

● ؁ لَآ اَمْلِكُ کے الفاظ میں آنحضورؐ کے مختارِ کل ہونے کی نفی کر دی گئی ہے کہ آپکو یہ صفات نہ ذاتی طور پر حاصل تھیں نہ عطائی طور پر کیونکہ ملکیت کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں ذاتی یا عطائی۔ جیسے کہ سمیع و بصیر کی صفات خدا تعالیٰ کی ذاتی ہیں اور انسان کیلئے عطائی، فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۷۶/۲ لیکن کسی بھی انسان یا نبی رسول کیلئے یہ نہیں آیا جَعَلْنٰهُ مُخْتَارًا لِّكُلِّ شَیْءٍ۔

● ؂ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کے الفاظ میں اِلَّا استثنٰی بالمشیت ہے، جس سے قانونِ مشیتؔ ہی کی استثنٰی مراد ہے کہ آنحضورؐ کو بھلائیاں اور نفع بھی میسر آیا کرتے تھے اور آپ کو تکالیف و مصائب بھی آتے تھے مگر وہ سب قانونِ مشیت کیمطابق آتے تھے۔ آنحضورؐ کا قانونِ خداوندی میں کوئی عمل دخل ہرگز نہیں تھا۔

● ؃ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ .... الخ کے الفاظ میں بھی آنحضورؐ کی غیب دانی کی نفی کر دی گئی ہے۔ سورہ جن میں ہر ایک رسول کے متعلق آیا ہے لَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖٓ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۷۲/۲۶ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی ایک کو بھی مطلع نہیں کرتا تھا۔ سوائے اپنے رسولوںؑ کے کہ انہیں وحی کے ذریعہ حقائق سے باخبر کیا کرتا تھا۔ اس پر قرآنِ حکیم کی آیاتِ ذیل گواہ ہیں کہ سورہ آل عمران ۳/۴۴ میں حضرت مریمؑ کے صحیح حالات بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ (اے رسولؐ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سورہ یوسف ۱۲/۱۰۲ میں حضرت یوسفؑ کے صحیح صحیح حالات بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ۔ (اے رسولؐ!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں ـــــ دیکھئے ان آیاتِ کریمات میں ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کیساتھ جس کے مشارٌ الیہ حضرت مریمؑ اور حضرت یوسفؑ کے صحیح صحیح حالات ہیں، جو ماقبل مذکور ہیں۔ مطلع کیا گیا ہے۔ اور اس طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ ۱۲/۱۰۲ + ۷۲/۲۶-۲۷ میں جو خبریں دی گئی ہیں، فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖٓ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ کا یہ مطلب نہیں کہ کسی نبی رسول کو عالم الغیب بنایا جاتا ہے بلکہ سابقہ واقعات کے صحیح صحیح حالات اور عالمی حقائق سے نبی رسولوں کو بذریعہ وحی باخبر کیا جاتا تھا۔

حقیقتِ نیمروز | ● آنحضورؐ یا کسی بھی نبیؐ رسولؐ کو اگر عالم الغیب بنایا جاتا تھا تو جس وقت سے وہ عالم الغیب بنا دئیے گئے

تھے اسوقت وحیِ الٰہی کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔ حالانکہ آنحضورؐ جملہ انبیاءؑ کی زندگی کے آخری دم تک کیلئے وحیِ الٰہی کا اجراء اہلِ اسلام کی متفقہ مسلّمہ حقیقت ہے، جس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول بعضے آنحضور عالم الغیب تھے تو آنحضور پر آپکی آخری زندگی تک وحی کا سلسلہ کیا محض تکلّف برائے تکلّف تھا؟ العیاذ باللہ!

● ۳؎ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ کے الفاظ میں بھی آنحضورؐ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کر دی گئی ہے کہ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو آپکو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی، جیسے کہ جنگِ اُحد کے موقعہ پر جو مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی تھی اور آنحضور کو جو تکلیف پہنچی تھی اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو آپکو پتہ چل جاتا کہ عقبی درہ خالی ہو گیا ہے اور دشمن پیچھے سے حملہ کرنیوالا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے، نہ ذاتی نہ عطائی۔

● ۴؎ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ میں اِن نافیہ آیا ہے اور اِلَّا اثبات کا ہے، یعنی نفی اثبات کیساتھ خود آنحضورؐ سے اعلان کروایا گیا ہے کہ آپ نہ غیب دان تھے نہ مختارِ کل بلکہ عوام کو انکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنیوالے تھے، بُرے کام کے بُرے انجام سے ڈرانے والے تھے اور نیک کاموں کے نیک انجام کی خوشخبری دینے والے تھے۔ بالفاظِ دیگر الفاظ زیرِ بحث میں آنحضورؐ کے صحیح مقامِ نبوّت و رسالت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

● ۵؎ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ کے الفاظ محوّلہ بالا نصائح کے متعلق آئے ہیں جن میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ آنحضورؐ کے صحیح مقام کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو محوّلہ بالا نصائحِ خداوندی پر ایمان لانیوالے ہیں اور جو خود آنحضورؐ کی قرآنی احادیثِ مبارکہ پر ایمان لاتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے قُل کے فعلِ امر کیساتھ اپنے الفاظ میں آنحضور کی زبانِ مبارک سے کہلوا دئیے ہیں، کہ نہ میں عالم الغیب ہوں اور نہ ہی کارخانۂ کائنات میں میرا کوئی عمل دخل ہے، نہ ذاتی نہ عطائی۔

نہ اپنے لئے نہ تمہارے لئے

● سلسلہ درس کی آیتِ مجیدہ ۷/۱۸۸ میں جن الفاظ کیساتھ آنحضور سے اعلان کرایا گیا ہے، وہ قُل لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا کے الفاظ میں آیا ہے۔ نیز معمولی تبدیل کیساتھ یہی اعلان آنحضورؐ سے سورہ یونس میں بھی کرا دیا گیا ہے:۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۱۰/۴۹ کہدے اے رسول! کہ میں اپنی جان کیلئے بھی نہ کسی ضرر کا مالک ہوں نہ نفع کا۔ اور ساتھ ہی سورہ جن میں آنحضور سے اس امر کا اعلان بھی کرا دیا گیا ہے کہ لوگو! میں تمہارے لئے بھی نہ کسی تکلیف کا ہی مالک ہوں نہ کسی بھلائی کا:۔ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۝ ۷۲/۲۱ تا ۲۳ اے رسول! کہدے کہ میں تمہارے لئے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں نہ بھلائی کا۔ نیز کہہ دے کہ (اگر میں اللہ کا پیغام پہنچانے میں کوتاہی کروں تو) مجھے بھی اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں، اور نہ مجھے اسکے سوا کسی کے ہاں پناہ ملیگی۔ مگر (میرا فریضہ) پہنچانا ہے اللہ سے آئے ہوئے اسکے پیغامات کو۔ (یہ میرے فرض کی ادائیگی ہی مجھے اللہ سے بچا سکتی اور اسکے ہاں پناہ کا موجب بن سکتی ہے)۔

مسئلہ حیات النبی وحاضر وناظر

● واضح رہے کہ اہلِ اسلام میں آنحضورؐ کے متعلق مسئلہ غیب اور مختارِ کل کے علاوہ دو

مسائل اور بھی متنازعہ چلے آرہے ہیں۔ یہ مسئلہ حیات النبی (حاضر وناظر) اور مسئلہ بشر نور۔ مسئلہ اوّل الذکر کا فیصلہ تو آنحضورؐ کی وفات مبارکہ کا اعلان ہے جو آپکے مخالفین کے ساتھ ہی متوازی انداز میں کر دیا گیا ہے۔

● إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝ ۳۹/۳۰ (اے رسولؐ!) بلاشبہ آپ بھی مرنے والے ہیں اور وہ آپکے مخالفین بھی مرنے والے ہیں۔ اس آیت مجیدہ کے خلاف اگر آنحضور کو موت سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو یہی استثنیٰ آپکے مخالفین کیلئے بھی لازم آتی ہے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ کسی کیلئے بھی کسی استثنیٰ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ خود آنحضور مرض الموت میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے تھے صحابہ کرامؓ نے آپکی تجہیز و تکفین فرمائی اور آپکی قبر مبارک آج تک مدینہ منورہ میں موجود ہے۔ اس قرآنی دلیل کیمطابق جب آنحضور فوت ہو چکے ہیں تو حاضر وناظر کا مسئلہ خود ختم ہو گیا۔ جسکے متعلق قرآن مجید میں الگ کھلے دلائل بھی موجود ہیں۔

● سورہ آل عمران میں حضرت مریمؑ کی کفالت کا صحیح واقعہ بیان کرنے کے بعد کہ آپکی کفالت کے۔ دعویداروں کے جھگڑنے کے باوجود کفالت مریمؑ کا فیصلہ حضرت زکریاؑ کے حق میں ہوا اور باقی دعویداران کفالت سے اس پر دستخط لئے گئے آنحضور کو کہا گیا ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝ ۳/۴۴ اے رسول! یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کرتے ہیں۔ اور آپ اُس وقت اُن کے پاس حاضر وناظر نہیں تھے جب وہ دستخط دے رہے تھے کہ مریمؑ کی کفالت کون کریگا اور نہ ہی آپ اسوقت انکے پاس حاضر وناظر تھے۔ جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ اسی طرح سورہ یوسف میں حضرت یوسف کا قصہ بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۝ ۱۲/۱۰۲ اے رسول! یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کرتے ہیں۔ اور آپ اسوقت انکے پاس حاضر نہیں تھے جب برادران یوسف اپنی مہم پر اکٹھے ہوئے تھے اور جب انہوں نے یوسف کیلئے بُری تجویز بنائی۔

● یہ تو ہوئیں قرآنی دلائل قاطعہ آنحضور کے قبل پیدائش عدم حاضر ناظر ہونے کی۔ اسکے علاوہ آنحضور کو آپکی زندگی میں ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرنا بھی حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے کہ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ ہجرت مبارکہ سے ماقبل آنحضور مکہ معظمہ میں تھے مدینہ منورہ میں نہیں تھے اور ہجرت مبارکہ کے بعد آپ مدینہ منورہ میں تھے مگر مکہ معظمہ میں نہیں تھے۔ اور عین ہجرت مبارکہ دوران آپ منزل بمنزل سفر میں تھے نہ مکہ میں تھے نہ مدینہ میں تھے۔ اور اسکے بعد آپ فوت ہو گئے تو آپکا جسد اطہر قبر مبارک میں ہے۔ اس کے سوا آپ کہیں بھی حاضر ناظر نہیں ہیں۔

مسئلہ بشر نور

● اسکے علاوہ آنحضور کے متعلق ایک متنازعہ مسئلہ یہ ہے کہ کیا آپ نوع البشر میں سے تھے یا اس کے سوا کسی نوری مخلوق میں سے تھے۔ اس مسئلہ کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف اور سورہ حٰم سجدہ میں دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ خود آنحضور کی قرآنی حدیث کیساتھ آپ ہی سے کرا دیا ہے۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶ اے رسولؐ! اعلان فرما دیجئے کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں (کسی نوری مخلوق میں سے نہیں ہوں) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ مسئلہ بشریت میں ایک انتہائی نازک پہلو یہ ہے کہ آنحضور جسمانی لحاظ سے عام بشروں جیسے بشر تو تھے لیکن عملی لحاظ سے آپ خدا تعالیٰ کے صد فیصد فرمانبردار

بندے تھے - اس گوشے میں آپ ہرگز ہرگز عام بشروں جیسے نہیں تھے - چہ نسبت خاک را با عالم پاک -

● المختصر! آنحضور کے متعلق چاروں متنازعہ مسائل بشر، نور، حاضر ناظر، علم غیب اور مختار کل، ہر مسئلہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب لاریب میں آج سے چودہ سو سال پیشتر کا کر دیا ہوا ہے - افسوس ہے کہ امت قرآنی دلائل کو پس پشت پھینک کر بلاوجہ معروف بیکار چلی آ رہی ہے -

● سلسلہ درس کی پچھلی آیت نمبر ۱۸۸ میں لا املک ...... الخ کے الفاظ میں آنحضور سے اعلان کروایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین مشیت میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ سب کام قوانین خداوندی کے مطابق سرانجام ہوتے چلے جا رہے ہیں - اگلی آیت مجیدہ میں اس کے ضمن میں نوع انسانی کی شبانہ روز کی پیدائش اور افزائش نسل کے قانون مشیت کی وضاحت کیگئی ہے جو انتہائی غور طلب ہیں:-

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ[۱] مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ[۲] وَّ

وہی ہے جو پیدا کرتا ہے تم کو سے جرثومہ حیات اکیلے اور

جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا[۳] لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا[۵]

ٹھہرایا بیچ اسکے جوڑا اسکا تاکہ سکون پائے طرف اسکے - پھر جب ڈھانپتا ہے اسکو

حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ[۶] ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ[۷] دَّعَوَا

بوجھ اٹھاتی ہے بوجھ ہلکا پھر چلتی ہے ساتھ اسکے پھر جب بوجھل ہو جاتی ہے دعا کرتے ہیں دونوں

اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ

اللہ رب اپنے دونوں کے البتہ اگر عطا کرے تو ہم کو صحتمند، ضرور ہونگے ہم

مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۱۸۹

میں سے شکر گزاروں کے

وہ اللہ ہی ہے جو[۱] (اے نوع انسانی!) تم کو ایک ہی جرثومہ حیات سے پیدا کرتا ہے - اور اُس نے اسی میں اسکا جوڑا رکھدیا ہوا ہے[۳] تاکہ مذکر مونث کیساتھ سکون حاصل کرے[۴] - پھر جب مذکر مونث کو ڈھانپتا ہے[۵] تو وہ حمل خفیف اٹھالیتی ہے[۶] پھر اسکے ساتھ چلتی پھرتی ہے[۷] - پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے[۸] تو دونوں میاں بیوی اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے ہیں[۹] کہ اگر تو ہم کو تندرست بچہ عطا فرماتا ہے تو ہم دونوں ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے -

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا[۱۰] صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ[۱۱] شُرَكَآءَ

پھر جب دیتا ہے دونوں کو تندرست بچہ ٹھہراتے ہیں دونوں شریک

فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ[۱۲] عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ۱۹۰

بیچ اسکے جو دیا دونوں کو پس بلند ہے اللہ سے اسکے جو وہ شرک کرتے ہیں

پھر جب (اللہ تعالیٰ اپنے قانون مشیت کے مطابق تندرست بچہ عطا کرتا ہے[۱۰] تو پھر وہ دونوں اس میں جو اللہ نے عطا فرمایا ہے، (غیر اللہ کو) شریک ٹھہراتے ہیں[۱۱] - حقیقت یہ ہے کہ مشرک لوگ جو شرک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے[۱۲] -

● ۱ہ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ میں خَلَقَ فعل ماضی مضارع کے معنوں میں آیا ہے - کیونکہ قرآن کریم کا مستقل اسلوب بیان یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی سنت جاریہ کو ماضی کے صیغے میں بیان کرتا ہے تو ماضی مضارع کے معنے دیتی ہے - جیسے کہ بارش کی سنت جاریہ جو صرف اور صرف زمانہ ماضی کیساتھ مختص نہیں، بلکہ ماضی حال اور مستقبل تینوں زمانوں میں بدستور جاری ہے، قرآن کریم اسکے لئے ماضی کا

صیغہ استعمال کرتا ہے مگر مراد مضارع ہوتا ہے۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۲ / ۲۲ - دیکھئے یہاں اَنْزَلَ وَاَخْرَجَ دونوں افعال ماضی ہیں جو مضارع کے معنے دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے اور اسکے ساتھ تمہارے لئے میوے پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس یہاں پر ماضی کے معنے دقت ہی آتے ہیں اور نہ مشاہدات کا ساتھ ہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ ماضی میں پانی آسمان سے برسایا تھا اور زمانہ ماضی میں میوے پیدا کئے تھے۔ جس طرح اس سنتِ جاریہ متواترہ کیلئے اَنْزَلَ اور اَخْرَجَ افعال ماضی برائے مضارع آئے ہیں، اسی طرح آیتِ زیرِ بحث میں خَلَقَ، حَمَلَتْ اور اَثْقَلَتْ وغیرہ افعال ماضی برائے مضارع آئے ہیں اور ان کا صحیح معنیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے ماضی حال اور مستقبل میں ایک ہی جرثومۂ حیات سے نوعِ انسانی کی دونوں صنفوں مذکر و مؤنث کو پیدا کرتا چلا آرہا ہے اور کرتا چلا جائیگا۔

● ۲؎ نفسِ واحدہ سے یہاں جرثومۂ حیات مراد ہے جو نطفہ کی صورت میں بوقت اختلاط نمودار ہوتا ہے۔ پوری نوعِ انسانی مرد اور عورتیں سب کے سب اسی سے پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں۔ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا کا معنیٰ یہ ہے کہ اسی نفسِ واحدہ یعنی جرثومۂ حیات، نطفۂ انسانی میں اس کا جوڑا رکھدیا گیا ہے مذکر و مؤنث۔ یعنی ایک جرثومۂ حیات ہے، جس میں مذکر و مؤنث دونوں صنفیں بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ رحمِ مادر میں جس صنف کی نشوونما غالب آتی ہے، بچہ اس صنف کا حامل پیدا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ کسی بھی صنف کی نشوونما مکمل نہیں ہوتی اور بچہ نہ لڑکا بنتا ہے نہ لڑکی، اُسے مخنث کہا جاتا ہے۔

● ۳؎ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا کے جملہ میں زوج کا معنیٰ جوڑا ہے، نہ بیوی ہے نہ خاوند۔ ان لفظوں میں وضاحت کردی گئی ہے کہ جرثومۂ حیات یعنی نطفہ خدا تعالیٰ کا وہ شاہکارِ عظیم ہے کہ اُسکے اندر لڑکا بننے کے خواص بھی موجود ہیں اور لڑکی بننے کے بھی۔ نطفے کے اس صنفی اشتراک پر مشاہدہ گواہ ہے کہ مردوں کے سینے پر بھی پستانوں کے دو نشان موجود ہیں جو صنفِ مذکر کا حصہ نہیں بلکہ صنفِ مؤنث کا حصہ ہے۔ نیز بعض عورتوں کو مونچھیں اور ڈاڑھی نکل آتی ہے جو عورتوں کا حصہ نہیں بلکہ صرف اور صرف مردوں کا حصہ ہے۔

● ۴؎ لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا کے جملہ میں لِيَسْكُنَ فعل مضارع لاکر اس امر کی تصدیق کردی گئی ہے کہ یہاں کوئی ماضی کا واقعہ بیان نہیں ہو رہا بلکہ خدا تعالیٰ کے قانونِ جاریہ کی وضاحت کی جارہی ہے، کہ یہ ایک مستقل قانونِ خداوندی ہے کہ مذکر کو مؤنث کے بغیر سکون حاصل نہیں ہوتا، اسی لئے ہر جرثومۂ حیات میں مذکر و مؤنث دونوں کا اہتمام کردیا گیا ہے۔

● ۵ تا ۸؎ پھر فَلَمَّا تَغَشّٰهَا ...... الخ میں جو افعال ماضی آئے ہیں حَمَلَتْ، فَمَرَّتْ، اور اَثْقَلَتْ وغیرہ ، یہ بھی خدا تعالیٰ کی سنتِ جاریہ سے متعلق ہونے کی بدولت مستقبل کا فائدہ دیتے ہیں کہ مذکر یا مؤنث بننا بھی ہمیشہ سے جاری ہے اور ہر زمانوں میں مؤنث کا حملِ خفیف اٹھالینا، پھر اسکے ساتھ چلتے پھرتے رہنا اور پھر حملِ ثقیل کی منزل پہنچ جانا بھی ہر زمانوں میں جاری و ساری ہے۔ اسلئے یہ تمام افعال ماضی برائے مضارع آئے ہیں۔

● ۹؎ دَعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا کے الفاظ میں شرک کرنیوالوں کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ جب حمل ظاہر ہوجاتا ہے تو میاں بیوی

دونوں اللہ کے حضور میں تندرست بچے کی پیدائش کی دعا کرتے ہیں، یعنی حمل کے پورے وقفہ میں رحم کے اندر کے مخفی تعامل پر خالص اللہ تعالیٰ ہی کا تسلط تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن :-

● ۱۰-۱۱ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا کے الفاظ میں مشرک افراد کا طریقہ بتا دیا گیا ہے کہ پہلے تو بڑی شدت کیساتھ اللہ کے حضور میں دعائیں کرتے ہیں اگر تو ہمیں تندرست بچہ عطا فرمائے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار رہینگے۔ لیکن جب انہیں صحیح سالم بچہ عطا کر دیا جاتا ہے تو اُسے غیر اللہ کی طرف منسوب کر کے اس کا نام بھی رکھ دیتے ہیں پیرانِ دتہ۔ العیاذُ باللہ! استغفر اللہ!

● ۱۲-۱۳ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ کے آخری جملہ مبارکہ میں يُشْرِكُوْنَ بصیغہ مضارع لا کر پوری طرح وضاحت کر دی گئی ہے کہ آیت زیرِ بحث $\frac{\text{۷}}{\text{۱۸۹}}$ میں کوئی ماضی کا قصہ بیان نہیں کیا گیا، بلکہ مشرکوں کی دائمی عادت کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

روائتی تفسیر

● آیات مجیدہ $\frac{\text{۷}}{\text{۱۸۹ - ۱۹۰}}$ کی قرآنی تفسیر تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اب انکی روائتی تفسیر کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں جس میں نفسِ واحدہ سے مراد لی گئی ہے حضرتِ آدم اور زوجہا سے مراد لی گئی ہے حضرت حوّا۔ یعنی حضرتِ حوّا کو حضرتِ آدمؑ میں سے نکالا گیا بتایا ہے۔ چنانچہ مشہور معروف ترجمہ شاہ اشرف علی تھانوی میں لکھا ہے :-

● "وہ اللہ ایسا قادر و منعم ہے جس نے تم کو ایک تنِ واحد (آدم) سے پیدا کیا اور اس ہی سے اسکا جوڑا (حوّا) بنایا تاکہ وہ اُس جوڑے سے اُنس حاصل کرے۔ پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اسکو حمل رہ گیا ہلکا سا۔ سو وہ اسکو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو اُنکا مالک ہے دُعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو سالم اولاد دیدی تو ہم خوب شکر گزاری کرینگے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دیدی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے۔ سو اللہ تعالیٰ پاک ہے اُنکے شرک سے۔"

● اَب غور فرمائیے! مرحوم تھانوی صاحب کے ترجمہ میں جب نفسِ واحدہ سے مراد لی گئی ہے حضرتِ آدم اور جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے حضرتِ حوّا مراد لی گئی ہیں۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس سے اگلا سارا ذکر جسے ایک واقعہ ظاہر کیا گیا ہے، حضرتِ آدم و حوّا ہی کا ہوا کہ جب میاں بیوی نے قربت کی تو حضرتِ حوّا نے ہلکا سا حمل اٹھا لیا پھر جب وہ بوجھل ہو گئیں تو میاں بیوی حضرتِ آدم و حوّا نے صحیح سالم اولاد کے لئے حضورِ الٰہی میں دعا کی۔ لیکن جب آپکو صحیح سالم بچہ عطا کر دیا گیا تو معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت آدم و حوّا دونوں نے اُس بچے میں غیر اللہ کو شریک کر لیا ——— یہی حال باقی سب تراجم کا ہے کہ نفسِ واحدہ سے مراد حضرتِ آدم اور زوجہا سے مراد حضرت حوّا لیکر، اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی و رسول کو مشرک ثابت کر دکھایا ہے العیاذُ باللہ!

قرآنی اسلوبِ بیان کو رہنما اصول بنایا جائے

● افسوس ہے کہ روائتی تراجم میں قرآنی اسلوب بیان تصریف آیات کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ کے اوّلین پاکیزہ نبی و رسولؑ کی طرف شرک تک منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ عربی قواعد کے مطابق بھی اور قرآنی اسلوب بیان کے مطابق بھی ان آیات کریمات میں اللہ تعالیٰ کے قانونِ جاریہ کی

کی وضاحت کیگئی ہے اور عوام الناس کی حالت بیان کیگئی ہے ۔ قانونِ جاریہ یہ کہ نفس واحدہ یعنی ایک ہی جرثومۂ حیات میں اللہ تعالیٰ نے لڑکا بننے کی صلاحیت بھی رکھدی ہوئی ہے اور لڑکی بننے کی بھی ۔ پھر یہ کہ مؤنث کو حمل مذکر کے اختلاط ہی سے ٹھہرتا ہے جو پہلے پہل خفیف ہوتا ہے پھر حمل ثقیل ہوجاتا ہے ۔ قرارِ حمل کے بعد دورانِ حمل میں پوری احتیاط و پرہیز کیساتھ صحیح سالم بچے کا پیدا ہونا سنتِ جاریہ ہے ۔ لیکن عوام الناس کی یہ حالت بتائی گئی ہے کہ وہ دورانِ حمل تو خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں مگر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُسے غیر اللہ کی طرف منسوب کردیتے ہیں ۔ اِس سے عیاں ہے کہ ان آیات کریمات ۷/۱۸۹-۱۹۰ میں ماضی کا کوئی قصہ بیان ہی نہیں کیا گیا ۔ بلکہ جیسے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ان میں قانونِ جاریہ کی حکایت اور لوگوں کی جہالت کا نقشہ کھینچا ہے ۔

● واضح رہے کہ ایک تو قواعدِ عرب کا مستقل قاعدہ ہے کہ جب ماضی پر اسم موصول داخل ہو تو وہ مضارع بن جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ دائمی کا مُنافی قوانینِ مشیت کیلئے بھی جب ماضی کے افعال آئیں تو مضارع کا فاعدہ دیتے ہیں چند مثالیں پیش خدمت ہیں جن میں قوانینِ جاریہ کیلئے ماضی کے صیغے مستعمل ہیں :-

● اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۲/۲۲ میں اَنْزَلَ فعل ماضی کا معنی سُنتِ جاریہ کیمطابق یہ ہے کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے ۔
● فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا ۲/۲۲ میں اَخْرَجَ فعل ماضی کا معنی قانونِ جاریہ کیمطابق یہ ہے کہ اللہ پانی کیساتھ میوے پیدا کرتا ہے ۔
● وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ ۲/۱۶۴ میں اَنْزَلَ فعل ماضی کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے
● فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۲/۱۶۴ میں اَحْيَا فعل ماضی کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے ۔
● اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۱۳/۱۷ میں اَنْزَلَ فعل ماضی کا معنی ہے اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے ۔
● فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ ۢ بِقَدَرِهَا ۱۳/۱۷ میں فَسَالَتْ فعل ماضی کا معنی یہ ہے کہ پھر نالے اپنی اپنی مقدار کیمطابق بہ نکلتے ہیں ۔
● فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۱۳/۱۷ میں فَاحْتَمَلَ فعل ماضی کا معنی یہ ہے کہ پھر پانی کا سیلاب پھولا ہوا جھاگ لاتا ہے ۔
● اِسی طرح هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ میں خَلَقَ فعل ماضی خدا تعالیٰ کی سنتِ جاریہ کے بیان کیلئے آیا ہے اسلئے صرف زمانہ ماضی کیلئے مختص نہیں بلکہ اسی طرح تینوں زمانوں کیلئے آیا ہے جس طرح اوپر کی مثالوں میں آسمان سے پانی کا نازل ہونا اور اس سے میووں کا پیدا ہونا تینوں زمانوں میں جاری و ساری چلا آرہا ہے ، یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہی جرثومۂ حیات سے مذکر و مؤنث دونوں صنفوں کو مسلسل پیدا کرتا چلا آرہا ہے ۔

(نوٹ) نفسِ واحدہ کی بحث اسی جلد کے صفحہ ۲۲۸ تا ۲۴۴ پر گزر چکی ہے وہاں بھی ملاحظہ فرمائیں ، جو نوعِ انسانی کی اولین تخلیق کے ضمن میں مکمل مفصل اور ایک شاہکار بحث ہے ۔ جو تصریفِ آیات قرآنیہ کی رُو سے ایک علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے ۔

رجوع الی المطلب

● سلسلہ درس کی آیات کریمات زیرِ بحث ۷/۱۸۹-۱۹۰ میں عام انسانی حالت بیان کیگئی ہے کہ پہلے تو اولاد مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے مگر جب اللہ تعالیٰ صحیح سالم بچہ عطا کرتا ہے تو عطاءِ ربانی میں غیر اللہ کو

شریک کر لیتے ہیں کہ یہ فلاں پیر صاحب کی نظرِ کرم کا نتیجہ ہے۔ فلاں صاحبِ مزار کی کرامت ہے یا فلاں صاحبِ کشف کی عطاءِ خاص ہے۔ اس میں کسی مذہب و ملت کی تمیز موجود نہیں۔ جملہ مذاہب کے پیروکار اپنے اپنے مذہبی پیشواؤں رشیوں اوتاروں اور گروؤں کو خدا کا شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ اگر ہندو ہیں تو سری رام چندر کی طرف منسوب کر کے رام دتہ جیسے نام رکھتے ہیں۔ سکھ ہیں تو گوروت سنگھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، مسلمان ہیں تو پیراندتہ وغیرہ نام رکھ لیتے ہیں۔

● سلسلۂ درس کی سابقہ آیات مجیدہ کے اخیر پران تمام مشرکوں کے متعلق ذیل کے الفاظ میں اعلانِ بیزاری کیا گیا ہے فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اور اس سے اگلی آئت میں اللہ تعالیٰ کے ٹھہرائے تمام شریکوں، اوتاروں، گروؤں، رشیوں، پیروں وغیرہ زندوں اور مُردوں سب کے متعلق استفہام انکاری کے محکم حصر کیساتھ اہلِ فکر و نظر کو متنبہ کیا گیا ہے :۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۱۹۱ کیا شریک کرتے ہیں جو نہیں پیدا کرتے کچھ بھی اور وہ پیدا کئے گئے ہیں	کیا یہ لوگ اُن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں (یعنی جو خود مخلوق ہیں، خود محتاج ہیں وہ انکی مدد کیا کریں گے؟)
وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۱۹۲ اور نہیں طاقت رکھتے واسطے انکے مدد کی اور نہ اپنے آپ کی وہ مدد کرتے ہیں	حقیقت یہ ہے کہ وہ اُن کی مدد کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے بلکہ وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے (خود گوناگوں مشکلوں اور حاجتوں میں گرفتار رہتے ہیں)۔

● اِن آیات مجیدہ میں اللہ کے شریک ٹھہرائے گئے افراد کی بے بسی کا ایسا صحیح نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے جس پر مشاہدہ گواہ ہے کہ جن لوگوں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں وہ خود مصائب و مشکلات میں گرفتار پائے جاتے ہیں۔ مگر مُریدوں کی حالت یہ ہے کہ پیر صاحب خود بیمار ہو کر ڈاکٹروں کے زیرِ علاج ہیں۔ لیکن مرید پھر بھی اپنے بیماروں کیلئے دھڑا دھڑ پانی دم کرا رہے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ایمان والو! اگر تم انہیں اس روش سے باز کرو تو وہ تمہارے پیچھے نہیں آنے لگیں گے :۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ اور اگر تم بلاؤ انہیں طرف ہدایت کے نہ اتباع کریں گے تمہاری سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۱۹۳ برابر ہے اوپر تمہارے یا بلاؤ تم انہیں یا تم چپ رہو	اور (ایمان والو!) انہیں تم ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہیں کریں گے۔ تمہارے لئے برابر ہے کہ تم اُن کو (ہدایت کی طرف) بلاؤ یا (نہ بلاؤ) خاموش رہو۔ (وہ ہدایت کی طرف آنے والے نہیں)۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اُن کو براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے کہ تم جن سے مدد مانگتے ہو وہ تو تم جیسے بندے ہی ہیں:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ
بیشک وہ لوگ جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے بندے ہیں وہ
اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ
مثل تمہاری پس پکارو ان کو پھر چاہیئے کہ قبول کریں واسطے تمہارے
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۱۹۴
اگر ہو تم سچے

(اَے شریک ٹھہرانیوالو!) جن کو تم اللہ کے سوا (مُرادوں کے حصول کے لئے) پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے ہی (محتاج) بندے ہیں۔ پھر بھی تم اُنہیں پکارتے ہو پھر اگر تم اُنہیں پکارنے میں سچے ہو تو چاہیئے کہ وہ تمہاری پکار کو قبول کریں (یعنی تمہاری مرادیں پُوری کریں۔ وہ کیا مرادیں پوری کریں گے مرادیں تو سب کی ہم پوری کرتے ہیں)۔

● لوگ جن متوفّی بزرگوں سے مرادیں مانگتے ہیں، اگلی آیت میں انکی بے بسی کی بھی خبر دیدی گئی ہے اور مرادیں مانگنے والوں کو چیلنج دیا گیا ہے:۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ
کیا واسطے انکے پاؤں ہیں چلتے ہیں وہ ساتھ ان کے یا واسطے انکے
اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ
ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں ساتھ انکے یا واسطے انکے آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں
بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ
ساتھ انکے یا واسطے اُن کے کان ہیں سنتے ہیں ساتھ انکے۔ کہہ
ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا
پکارو شریکوں اپنوں کو پھر وہ تجویز کریں میری اور نہ
تُنْظِرُوْنِ ۝ ۱۹۵
مہلت دیں مجھے

(اور اَے میرے شریک ٹھہرانیوالو! پھر سُن لوکہ جن متوفّی بزرگوں سے تم مرادیں مانگتے ہو) کیا انکے پاس پیر ہیں جن کے ساتھ وہ چلتے ہیں۔ یا انکے پاس ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں۔ یا انکی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے ہیں۔ یا کیا ان کے پاس کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے ہیں (اُن کے پاس تو کچھ بھی نہیں سب گل سڑکر مٹی ہو چکا ہے) اَے رسول! آپ اِن سے کہہ دیجئے گا کہ تم اپنے ٹھہرائے ہُوئے (زندہ مردہ سب) شریکوں کو پکارو۔ پھر وہ میرے لئے بری تجویز کریں اور مجھے مہلت نہ دینا (یقیناً یقیناً وہ میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے)۔

اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ
بیشک مددگار میرا اللہ جس نے نازل کی کتاب
وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۱۹۶
اور وہ ہے مددگار نیکوکاروں کا

(یہ بھی اعلان کر دیجئے گا) کہ میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے (مجھ پر) کتاب نازل فرمائی ہے۔ نیز وہ تمام نیکوکاروں کا مددگار ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرانیوالوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور تکرار تاکیدی کے حصر کے ساتھ

انکے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے متعلق اعلان کر دیا گیا ہے کہ وہ اتنے بے بس ہیں کہ نہ وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں:۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
اور جن کو تم پکارتے ہو سوا اسکے بس نہیں کہ طاقت رکھتے

نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ ۱۹۷
مدد تمہاری کی اور نہیں اپنے آپکی وہ مدد کرتے ہیں

اور (اے اللہ کے شریک ٹھہرانیوالو! پھر سُن لو کہ) جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہرا کر مدد کیلئے) پکارتے ہو۔ وہ تمہاری مدد کی طاقت ہی نہیں رکھتے، بلکہ وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا
اور اگر تم بلاؤ اُن کو طرف ہدایت کے نہیں وہ سنتے

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○ ۱۹۸
اور دیکھتا ہے تو انکو دیکھتے ہیں طرف تیری اور وہ نہیں غور کرتے

اور (اے ایمان والو! شریک ٹھہرانیوالوں کو) اگر تم ہدایت کی طرف بلاؤ (یہ لوگ اس شرک میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ) سنتے ہی نہیں۔ (اے رسولؐ!) آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپکی طرف دیکھ رہے ہیں مگر وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (کیونکہ وہ عقل و بصیرت کے پٹ بند کئے ہوئے ہیں)۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ
پکڑئیے درگزر اور حکم کیجئے ساتھ احکام قرآنیہ کے اور منہ ہٹا لیجئے

عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ ۱۹۹
طرف سے جاہلوں کے

(اے رسولؐ!) درگزر کی راہ اختیار کیجئے اور (ایمان والوں کو) احکام قرآنیہ دیجئے اور (غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والے) جاہلوں سے اعراض فرمائیے[1]

● [1] اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ غیر اللہ کو اللہ کے اختیاراتِ خصوصی میں شریک کر کے اُن سے غائبانہ مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ لوگ اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ انہیں سمجھانا اور نہ سمجھانا برابر ہے، اسی لئے پہلے ارشاد ہوا ہے خُذِ الْعَفْوَ کہ آپ اِن سے درگزر کیجئے اور پھر حکم دیا گیا ہے کہ ان جاہلوں سے مطلقاً اعراض کر جائیگا۔ کیونکہ یہ لوگ عقل و بصیرت سے کام ہی نہیں لیتے اس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو اس کے ضمن میں ایک مخصوص نصیحت فرمائی گئی ہے:۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ
اور اگر وسوسہ ڈالے تجھے اللہ کا نافرمان وسوسہ تو پناہ مانگ

بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ۲۰۰
ساتھ اللہ کے بیشک وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

اور (اے رسولؐ!) اگر کوئی خدا تعالیٰ کا نافرمان شخص آپ کو (ان سے اعراض کے ضمن میں) کوئی وسوسہ ڈالے تو آپ (اسکے خلاف) اللہ سے پناہ طلب کیجئے۔ بلاشبہ وہ (اللہ تعالیٰ) خوب خوب سننے والا بھی ہے اور خوب خوب جاننے والا بھی ہے۔

● [1] نَزْغٌ کا معنی جھگڑا بھی ہے اور وسوسہ بھی ہے۔ یہاں وسوسہ مراد ہے۔ ارشاد ہوا کہ آپکو جو مذکورہ مشرکوں سے اعراض کر جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی فسادی انسان آپکو یہ وسوسہ ڈالے کہ آپ نے اللہ کا رسول ہو کر مشرکوں کو تبلیغ کرنے کی بجائے

اعراض کر لیا ہے تو اسکے وسوسہ میں نہ آئیے اور ان جاہل مشرکوں کیساتھ اپنا وقت ضائع نہ فرمائیے، اِس وسوسہ سے خدا کی پناہ طلب کیجئے - اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے وہ آپکی مدد فرمائے گا۔ اس سے آگے ارشاد ہُوا ہے کہ تقوٰی شعار ایسا ہی کرتے ہیں :-

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ

بیشک جو تقوٰی شعار ہیں جب ملے انہیں گروہ میں سے شیطان کے

تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ۝ ٢٠١

نصیحت لیتے ہیں پھر اچانک وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں

بیشک جو لوگ تقوٰی شعار ہیں جب اُنہیں وسوسہ ڈالنے والا کوئی فسادیوں کا گروہ ملتا ہے تو (اللہ کا حکم یاد کر کے) نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ پھر وہ (اُن وسوسہ انداز فسادیوں سے) فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں۔

وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا

اور بھائی ان کے مدد کرتے ہیں ان کی بیچ شرارت کے پھر نہیں

يُقْصِرُونَ ۝ ٢٠٢

وہ کمی کرتے

اور ان (فسادیوں) کے بھائی (بند) اِس شرارت میں اُنکی مدد کرتے ہیں (اُنہیں سکھاتے پڑھاتے رہتے ہیں) پھر وہ اس میں کمی نہیں کرتے۔

● لے إِخْوَانُهُمْ کا معنٰی ہم نے لکھا ہے اُنکے بھائی بند جو انہیں سکھا پڑھا کر بھیجتے تھے کہ آنحضورؐ سے یہ سوال کرو آپ پر یہ اعتراض کرو۔ دراصل وہ لوگ چاہتے تھے کہ آنحضور ایسی آیتیں انکے پاس لائیں جن میں انکے باطل نظریات کی تائید موجود ہو جیسے کہ ۱/۱۰ میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یا تو اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لائیں یا اِسے ہماری مرضی کیمطابق بدل دیں۔ لیکن آنحضور کو حکم ہوا کہ آپ کہدیجئیگا کہ میری یہ شان ہی نہیں کہ میں اس میں تبدیلی کر دوں، میں تو اُسکی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِسی چیز کی خبر دیگئی ہے اور قُلْ کے حکم کیساتھ آنحضور سے مذکورہ بالا اعلان کرا دیا گیا ہے :-

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا

اور جب نہیں آتے آپ پاس انکے ساتھ آیت کے کہتے ہیں

لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا

کیوں نہیں پسند کرتا تو اسکو، کہہ سوائے اسکے نہیں میں پیروی کرتا ہوں جو

يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن

وحی کی جاتی ہے طرف میری، طرف سے رب میرے کے یہ ہیں عقل کی باتیں سے

رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ ٢٠٣

رب تمہارے اور ہدایت اور رحمت واسطے قوم کے جو ایمان لاتے ہیں

اور (اے رسولؐ!) جب آپ اُنکی مرضی کی کوئی ایک بھی آیت نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ تو ایسی آیت (بنا لاتا) کیوں پسند نہیں کرتا (جو ہمارے نظریات کی تائید کرے) آپ کہدیجئیگا کہ سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ میں تو صرف اسکی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے (نازل کردہ) عقل و بصیرت کی باتیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو اس پر ایمان لانیوالے ہیں۔

● سلہ ھٰذَا بَصَآئِرُ کے الفاظ میں ایک اہم حقیقت بیان کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم میں درج ہر بات عقل و بصیرت پر مبنی ہے۔ اور ساتھ ہی بتا دیا گیا ہے کہ یہ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے۔ لیکن اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموشی کیساتھ سُنا کرو تاکہ اس کے مندرجات کو سمجھو اور اللہ کے احکام پر عمل کر کے دُنیا و آخرت کے جملہ خطرات سے بچ جاؤ۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا
اور جب پڑھا جائے قرآن تو سنو واسطے اسکے اور چپ رہو

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ ۲۰۴
تاکہ تم رحم کئے جاؤ

اور (اے ایمان والو!) جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے سنو، اور خاموش رہو (تاکہ اُسے سمجھو اور اُس پر عمل کرو)، تاکہ تم رحم کئے جاؤ (عمل کے بغیر تم رحم کے مستحق نہیں ہو سکتے)

قرآن کریم کے خلاف کفارِ مکہ کا منصوبہ

● آیت بالا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ دو حکم دئے گئے ہیں اور ایک حکم کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔ پہلا حکم یہ ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو سُنو۔ دوسرا حکم یہ کہ خاموش رہو تاکہ اُسے سمجھو اور اُس پر عمل کرو۔ اور تیسرا اسکا نتیجہ بتایا گیا ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اسکے مقابلے پر کفارِ مکہ کے سرداروں نے بھی اپنے پیروکاروں کو دو حکم دئے تھے اور تیسرا نتیجہ بتایا تھا جسے ۴۱/۲۶ میں درج قرآن کر دیا گیا ہے:۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ○ اور کہا کافروں نے نہ سُنو اس قرآن کو اور اس میں شور مچاؤ تاکہ تم غالب آؤ۔۔۔ اس میں دو حکم مذکور ہیں پہلا یہ کہ اس قرآن کو مت سنو، اور دوسرا یہ کہ اس میں شور مچاؤ اور تیسرا نتیجہ بتایا گیا ہے تاکہ تم شور مچانے سے مسلمانوں پر غالب آؤ۔ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو دلائلِ قرآنیہ سے لاجواب ہو جاتے ہیں تو شور و غل مچا کر غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِسے کفارِ مکہ کی سنت بتایا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی سنتِ مبارکہ یہ ہے کہ دلائلِ قرآنیہ کو خاموشی کیساتھ سُنا جائے اور سمجھنے کے بعد احکامِ قرآنیہ پر عمل کیا جائے۔

● آیتِ بالا میں چونکہ قرأتِ قرآن کے آداب بیان ہوئے ہیں۔ اسلئے چونکہ قرأتِ قرآن، قرآنی صلوٰۃ موقّت (نماز) کا ایک مخصوص فروری حصہ ہے اسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صلوٰۃ موقّت کا بھی حکم دیا گیا ہے اور طریقۂ قرأت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً
اور یاد کر رب اپنے کو بیچ جی اپنے کے عاجزی سے اور خوف سے

وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ
اور خلاف آواز اونچی کے سے بات کے وقت صبح کے اور شام کے

وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ○ ۲۰۵
اور نہ ہو میں سے غافلوں کے

اور (اے رسولؐ!) اپنے پروردگار کو اُسکی فرمانبرداری کرتے ہوئے اور اُس کا خوف رکھتے ہوئے صبح اور شام یاد کیا کریں۔ (یعنی صلوٰۃ موقّت ادا کیا کریں، ۴/۱۰۳، اگر اکیلے ہوں تو باآواز خفی) اپنے جی میں (اور اگر آپ امیر صلوٰۃ ہوں تو) عام گفتگو سے اُونچی آواز میں۔ اور (تارکِ صلوٰۃ ہو کر فرضِ منصبی کے) غافلوں سے نہ ہو جانا۔

● چونکہ قرآن کریم کی رُو سے قرآنی معاشرہ صلوٰۃ موقّت اور اُسکے اجتماعات سے شروع ہوتا ہے اور اُسی پر قائم رہتا ہے اِس لئے مخالف جاہلوں سے کنارہ کش رہنے کے حکم کیساتھ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ کے الفاظ اختصار کیساتھ لاکر حضور کو صلوٰۃ موقّت پر دوام کا حکم دیا گیا ہے۔

● نمبر۲ فِیْ نَفْسِكَ کا معنٰی لکھا گیا ہے بآوازِ خفی یعنی بلا آواز جلی، اپنے جی میں اور دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا معنٰی لکھا گیا ہے، عام گفتگو سے اُونچی آواز میں۔ اِس سے ظاہر ہے کہ احکام حضور کو ان اوقات کیلئے الگ الگ دیئے گئے ہیں جو اٹل تھے۔ یعنی آپکو اکیلے بھی صلوٰۃ ادا کرنی تھی اور جب مومنوں کی جماعت موجود ہو تو امیرِ صلوٰۃ کے فرائض بھی آپ ہی کو ادا کرنے تھے اس لئے دونوں حالتوں کیلئے الگ الگ حکم دیئے گئے ہیں کہ جب آپ اکیلے صلوٰۃ ادا کر رہے ہوں تو اذکارِ صلوٰۃ بآوازِ خفی ادا کریں اور جب آپ امیرِ صلوٰۃ ہوں تو عام گفتگو سے اُونچی آواز رکھیں تاکہ حاضرین سن سکیں۔ اِسی چیز کی وضاحت تصریفِ آیات کے ذریعہ سورہ بنی اسرائیل میں بالفاظِ ذیل کر دیگئی ہے:۔

● وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ ۱۷/۱۱۰ اور (اے رسولؐ!) آپ اپنی صلوٰۃ میں (یعنی جب آپ امیرِ صلوٰۃ کے فرائض ادا کر رہے ہوں تو) نہ بالکل اونچی آواز رکھیں اور نہ اسے مخفی کریں بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار فرمائیں (یعنی عام گفتگو سے اونچی آواز میں صلوٰۃ ادا کریں ۵/۲۰)۔

● نمبر۳ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ کے الفاظ میں صلوٰۃ موقّت کے دو وقت صبح اور شام بطور اختصار آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تعلیم دادہ پورے اوقات تین ہیں، صبح یا فجر، دلوک، عشیٰ یا ظہر اور عشاء یا مساء۔ سورہ ھود میں صلوٰۃ موقّت کے اوقات کی تعداد بھی بتا دیگئی ہے تین، اور وقت بھی بتا دیئے گئے ہیں:۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ اور ہمیشہ ایک ایک صلوٰۃ ادا کیا کریں دن کے دو حصّوں میں اور رات کی ابتدائی گھڑیوں میں۔ بیشک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں (برائیوں سے روک دیتی ہیں ۲۹/۴۵) ذکر کرنیوالوں یعنی صلوٰۃ گزاروں کیلئے صلوٰۃ کے صرف مذکورہ بالا تین اوقات ہی کی) نصیحت ہے۔

● دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں صلوٰۃ موقّت (نماز) کے تین وقفوں کی نصیحت کیگئی ہے۔ دو دن کے الگ الگ پہلے اور پچھلے حصّے میں اور ایک رات کی ابتدائی گھڑیوں میں۔ اِن تین اوقات پر خود ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ کا وہ تالا لگا دیا جو کبھی کھل نہیں سکتا۔ ذٰلِكَ بمعنٰی مذکورہ بالا، اور ذِکر بمعنٰی نصیحت اور لِلذّٰكِرِيْنَ کا معنٰی ہے ذکر کرنیوالوں یعنی صلوٰۃ گزاروں کیلئے۔ اِنہی تین وقتوں کا حکم سورہ بنی اسرائیل میں بالفاظِ ذیل دیا گیا ہے:۔

● اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ ۱۷/۷۸ ہمیشہ ایک صلوٰۃ ادا کیا کریں سُورج ڈھلتے رہنے کے وقفے میں (ایک) صلوٰۃ رات کے ابتدائی اندھیرے کے وقفے میں اور ہمیشہ ایک صلوٰۃ ادا کیا کریں فجر کے وقفہ میں بیشک پڑھنا صلوٰۃِ فجر کا (مسجد میں نمازیوں کی حاضری کا وقت ہے۔

● ۲-۱ـــ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ کا معنٰی ہمنے صلٰوۃ کے ہر وقفہ میں ایک ایک صلٰوۃ ادا کرنا لکھا ہے کیونکہ الصّلٰوۃ بصیغہ واحد آیا ہے نہ بصیغہ تثنیہ آیا ہے صلوتین اور نہ بصیغہ جمع آیا ہے صَلَوٰت - اسلئے خدا تعالٰی کے مقرر کردہ ایک وقفہ میں دو نماز میں مقرار دینا از روئے قرآن کریم صحیح نہیں - روایتی تفاسیر نے زوالِ الشمس سے غروب تک کے ایک وقفہ میں بھی دو وقت از خود مقرر کرتے ہیں اور بعد غروب سے غائبِ شفق تک کے ایک وقفہ میں بھی دو وقت از خود مقرر کرتے ہیں نیز ہمنے نماز کی ادائیگی کیلئے وقت کا وقفہ (PERIOD OF TIME) لکھا ہے اسلئے کہ اگر نماز (POINT OF TIME) پر فرض کر دی جاتی تو اسکی ادائیگی ممکن ہی نہیں - مثلاً فجر کی نماز عین پو پھٹنے کے سیکنڈ پر صلٰوۃِ دلوک دلوک کے عین مابعد اور صلٰوۃِ عشاء کو صرف عین غروب کے بعد کے سیکنڈ پر ادا کرنا ممکن ہی نہیں اللہ تعالٰی نے صلٰوۃِ فجر کا حکم پو پھٹنے سے لیکر قبل طلوعِ آفتاب کے پورے وقفے میں کسی بھی وقت پر کیلئے دیا ہے - صلٰوۃِ دلوک کو زوالِ آفتاب سے لیکر غروب سے ماقبل کے وقفہ میں اور صلٰوۃِ عشاء کو غروبِ آفتاب کے بعد سے لیکر غائبِ شفق تک کے پورے وقفہ میں کسی بھی وقت پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے - اوقات الصّلٰوۃ کی پوری تفصیل کیلئے ادارہ بلاغ القرآن کا شائع کردہ پمفلٹ الصّلٰوۃ ملاحظہ فرمائیں کہ اوقات الصّلٰوۃ ۱۱/۱۱۴ + ۱۷/۷۸ + ۲۰/۱۳۰ + ۳۰/۱۷-۱۸ + ۵۰/۳۹-۴۰ + ۵۴/۴۸-۴۹ + ۷۶/۵۴-۵۵ سات مقامات پر لائے گئے ہیں ہر مقام پر ۱۱/۱۱۴ کیمطابق تین ہی وقتوں کا حکم دیا گیا ہے -

● آیتِ مجیدہ زیرِ بحث ۵ میں صلٰوۃِ موقت (نماز) کو باقاعدگی کیساتھ ادا کرتے رہنے کا حکم دینے کے بعد اخیر پر متنبہ کیا گیا ہے وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ - اِس جملے سے ثابت ہے کہ صلٰوۃِ موقت معاشرہ کے فرائض ادا کرنے کے ضمن میں ہوشیار و بیدار رکھنے والی چیز ہے جو بُرے کاموں اور بے حیائیوں سے منع کرتی ہے ۲۹/۴۵ - اسلئے صرف نماز پڑھنا اور اُسے اچھے اعمال پر کنٹرول قرار دینا حقیقتِ صلٰوۃ سے بے خبری ہے غفلت ہے - صلٰوۃ گزار مومن اپنی صلٰوۃ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا اقرار کرتے ہیں کہ بارِ الٰہا ہم تیری ہی فرمانبرداری کرینگے اور تجھ ہی سے مدد مانگینگے، چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں اسی ربط کیمطابق صلٰوۃ کی کارکردگی کے اثر کو نمایاں کرکے، صلٰوۃ گزار بندوں کے پورے اوصاف بیان کر دئیے گئے ہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کی فرمانبرداری سے کبھی بھی تکبّر نہیں کرتے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ
بیشک جو لوگ قریب ہیں رب تیرے کے نہیں تکبّر کرتے سے
عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ
فرمانبرداری اسکے اور حکم بجا لاتے ہیں اُس کا اور واسطے اسی کے
يَسْجُدُوْنَ ○ ۲۰۶
فرمانبرداری کرتے ہیں
ع ۲۴/۱۸ سجدہ ۱۴

(اے رسولؐ!) بیشک جو لوگ تیرے پروردگار کے قریب ہیں وہ اپنے رب کی فرمانبرداری سے انکار نہیں کرتے اور نہ تکبّر کرتے ہیں بلکہ وہ اللہ تعالٰی کے احکام کی بجا آوری میں سرگرم معروف رہتے ہیں - اور وہ صرف اُسی کی پوری پوری فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں -

اللہ تعالٰی کی قربت

● ملہ اَلَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ کے الفاظ سے روایتی تراجم نے ملائکہ مقرب مراد لیکر یقیں کر دیا ہے

کہ اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان پر کسی تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور اسکے تخت کے اردگرد رہنے والے ملائکہ مقرب ہیں۔ حالانکہ ہُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا ۵۸/۷ کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ اُس لامحدود ذاتِ پاک کو کسی ایک جگہ پر محدود کر دینا اسکی شانِ کبریٰ کے خلاف ہے پس سیاقِ کلام کے مطابق جب پیچھے صلوٰۃِ موقت کا حکم دیا گیا ہے اسلئے سیاقِ کلام میں سچے صلوٰۃ گزاروں کی حالت بیان کیگئی ہے کہ وہ لوگ جو صلوٰۃِ موقت میں کئے گئے وعدہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پر عملاً کاربند رہنے والے ہیں وہ اپنے رب کے مقرب ہیں جن میں سرِفہرست اللہ تعالیٰ کے نبی رسولؐ اور انکے صحابہ کرامؓ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تقرب اِلَی اللہ کا مجرب نسخہ بتا دیا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ تعالیٰ کی پُوری پُوری فرمانبرداری کر اور اسکے قریب ہو جا۔ پس اللہ تعالیٰ کے قریب وُہ ہیں جو اللہ کے حکم کیمطابق صلوٰۃِ موقت (نماز) بھی ادا کرتے ہیں اور جملہ احکامِ خداوندی کی مخالفت بھی نہیں کرتے۔ نہ رشوت لیتے ہیں نہ قانون شکنی کرتے ہیں۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو ڈنڈی نہیں مارتے، کم نہیں تولتے۔ اللہ تعالیٰ کے قریب وہی ہیں جو اپنے حق سے آگے نہیں بڑھتے کسی کا حق نہیں کھاتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو مقدمات کے غلط فیصلے نہیں کرتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو مزدور کو اسکی محنت کی کم اجرت نہیں دیتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو کام کی اُجرت ٹھہرا کر پھر کام میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے۔

● اللہ کے قریب وہ ہیں جو وعدہ خلافی نہیں کرتے، جو امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو نہ بخل کرتے ہیں اور نہ فضول خرچ ہوتے ہیں۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو والدین کا احترام کبھی ضائع نہیں کرتے، جو اولاد کو قتل نہیں کرتے نہ حقیقی قتل اور نہ مجازی قتل، یعنی اُسے باوقار شریف شہری بناتے ہیں۔ واضح رہے کہ اللہ کے قریب ہونے کا ایک ہی نسخہ ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ تعالیٰ کی پُوری پُوری فرمانبرداری کر اور اسکے قریب ہو جا۔

● آیئے! اب آیتِ بالا ۲۰۶/۷ کے باقی ضمنی نوٹ ملاحظہ فرمائیں:-

عبادت کا معنیٰ

● ۲۔ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ کے الفاظ میں عِبَادَتِہٖ کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا۔ لفظ عبادت کا سہ حرفی مادہ ع۔ب۔د = عبد ہے۔ اس مادہ کا بنیادی معنیٰ ہے بندہ بننا، فرمانبردار اور حکم بردار ہونا۔ اسلئے صرف صلوٰۃِ موقت (نماز) ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی عبادت کا ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی فرمانبرداری اللہ کی عبادت ہے۔ سچ بولنا عبادت ہے، پورا تولنا عبادت ہے، رزقِ حلال کمانا عبادت ہے۔ ماں باپ کی خدمت کرنا عبادت ہے اولاد کی صحیح تربیت کرنا عبادت ہے، اپنے اپنے فرائضِ منصبی کو دیانتداری کیساتھ بجا لانا عبادت ہے، اسی طرح سچی گواہی دینا عبادت ہے اور عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر عدل و انصاف کیساتھ مقدمات کے فیصلے کرنا عبادت ہے کاش کہ مسلمان قوم عبادت کے صحیح معنے جان لے تاکہ کرۂ ارض پر ایک مثالی قوم اُمتِ مسلمہ ہو۔

تسبیح کے معنے

● ۳۔ یُسَبِّحُوْنَہٗ کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے۔ وہ اللہ کے احکام کی بجاآوری میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ اس کا سہ حرفی مادہ س۔ب۔ح = سبح ہے جسکا بنیادی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ فرائض کی ادائیگی

میں ہمہ تن مصروف رہنا۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۶۲/۱ کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وُہ اُس فریضے کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد فرمایا ہے۔ سورج چاند ستاروں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۳۶/۴۰ سب کے سب فضا میں اپنے اپنے مدار پر چل رہے ہیں۔ سُورۂ نور میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝ ۲۴/۴۱ اَے مخاطب! کیا تُو نے غور نہیں کیا، یعنی تجھے غور کرنا چاہیئے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتے (یعنی اپنے اپنے فرائضِ منصبی میں لگے ہُوئے ہیں) خصوصًا صفیں باندھ کر اُڑنے والے پرندے، سب کے سب اپنی اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو جانتے ہیں (یعنی سب اپنے اپنے فرائضِ منصبی کو خوب سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خُوب خُوب جانتا ہے جو وُہ الگ الگ عمل کرتے ہیں ——— روایاتی تفاسیر نے تسبیح کا معنی لیا ہے صرف زبانی زبانی اللہ اللہ کرنا۔ حالانکہ آیتِ بالا ۲۴/۴۱ میں ہر جاندار کے ہر عمل کو اُسکی صلوٰۃ اور تسبیح بتایا گیا ہے۔ مثلاً گھوڑے کی تسبیح اور صلوٰۃ ہے دوڑنا، خواہ اُس پر زین کس کر سواری کی جائے اور خواہ تانگے یا چھکڑے میں جوت دیا جائے۔ گائے بھینسوں کی تسبیح اور صلوٰۃ ہے چارہ کھانا اور دودھ کی نہریں بہانا۔ بھیڑ بکریوں کی تسبیح و صلوٰۃ ہے نوعِ انسانی کیلئے زیادہ سے زیادہ گوشت اور اُون وغیرہ مہیا کرنا۔ اونٹ کی تسبیح اور صلوٰۃ ہے ریگستانوں میں کئی کئی دن بھُوکے پیاسے سفر کرکے انسانوں کو منزلِ مقصود پر پہنچا دینا۔

● یہ تو ہُوئی جانداروں کی تسبیح اور صلوٰۃ، اب آئیے بے جان مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تسبیح کی طرف جو یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۶۲/۱ سے ثابت ہے۔ مَا بے جان چیزوں کیلئے آتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز جس جس غرض کیلئے پیدا کیگئی ہے، اُسے عملاً بجالا رہی ہے۔ مَا میں سورج چاند ستارے، حجر، شجر، آگ، پانی ہوا مٹی سب شامل ہیں اور مشاہدہ گواہ ہے کہ سب کے سب اپنے اپنے فرائضِ منصبی ادا کر رہے ہیں۔ یہی اُن کی تسبیح ہے۔

ہر چیز کی تسبیح کو جاننا انسانی فریضہ ہے

● سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے:۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ۱۷/۴۴ اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں، لیکن ہر چیز اُسکی حمد اُسکی تسبیح کر رہی ہے اور لیکن تم اُنکی تسبیح پر غور نہیں کرتے (یعنی تمہیں ہر چیز کی تسبیح پر غور کرکے اسے سمجھنا چاہیئے۔ اِس آیتِ مجیدہ سے روایاتی تفاسیر نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ چڑیاں چُوں چُوں کرتی ہیں۔ کوّے کائیں کائیں کرتے ہیں۔ کُتے بھونکتے ہیں، بلیاں میاؤں میاؤں کرتی ہیں، گدھے ہینگتے ہیں، گھوڑے ہنہناتے ہیں، شیر چنگھاڑتے ہیں، ہاتھی دہاڑتے ہیں، یہ سب الگ الگ اُنکی تسبیحیں ہیں، لیکن اُنکی اِن تسبیحوں کا مفہوم ہم نہیں جانتے۔ واضح رہے کہ اس آیتِ مجیدہ ۱۷/۴۴ میں اِنْ مِّنْ شَیْءٍ کے الفاظ آئے ہیں، اِن میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کی زبان ہی کوئی نہیں۔ مثلاً آگ پانی، مٹی لوہا کوئلہ بجلی ایتھر اور ایٹم وغیرہ۔ قرآنی شہادت کیمطابق یہ سب کی سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ اِس سے ثابت ہُوا کہ تسبیح زبان سے نہیں بلکہ عمل سے ادا کرنے کی خبر دیگئی ہے نوعِ انسان کو اُنکی الگ الگ تسبیحوں پر تفقہ کرنے کی تاکید کیگئی ہے کہ غور کرو:۔

● آگ میں کون کونسی قوت پنہاں ہے۔ کس طرح اس سے دُخانی جہاز اور سٹیم انجن چلائے جا سکتے ہیں۔ پانی میں کیا کیا کچھ پوشیدہ ہے۔ کس طرح اس سے بڑے بڑے جنریٹر متحرک کرکے زیادہ سے زیادہ بجلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ نیز بجلی میں کیا کیا کچھ چھپا ہوا ہے۔ کس طرح اسکے ساتھ کمرے کو گرم بھی رکھا جا سکتا ہے اور ٹھنڈا بھی۔ کس طرح اس کے ساتھ بڑے بڑے کارخانے چلائے جا سکتے ہیں، گھر گھر بلکہ کمرے کمرے میں پنکھے متحرک رکھے جا سکتے ہیں۔ کس طرح اسکے ساتھ موٹروں، کاروں، ریلوں، اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ مہینوں کے سفر ہفتوں، دنوں اور گھنٹوں میں طے کئے جا سکتے ہیں۔

● ایتھر کیساتھ کس طرح دنیا بھر کی خبریں اور تصویریں گھر بیٹھے سُنی اور دیکھی جا سکتی ہے۔ ایٹم کیساتھ کس طرح اُن تعمیری اور تخریبی کاموں کو چشمِ زدن میں انجام دیا جا سکتا ہے جو مہینوں اور برسوں میں کئے جا سکتے ہوں۔ ان تمام چیزوں کے مذکورہ کام انکی الگ الگ تسبیحیں ہیں۔ اور نوعِ انسان کو کہا گیا ہے وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ مگر تم ہو کہ تم انکی تسبیحوں پر غور ہی نہیں کرتے۔ یعنی اُنکے فرائضِ منصبی پر زیادہ سے غور کرو اور اُن سے زیادہ سے زیادہ خدمت لو۔

تسخیرِ کائنات

● قرآن کریم نے اس عنوان کو سورہ جاثیہ میں نہایت وضاحت کیساتھ اجاگر کر دیا ہے:۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ اور اے نوعِ انسان اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ اور تسخیر کا معنی بھی اس آیت سے آیت ماقبل ۴۵/۱۲ میں بالفاظِ ذیل بتا دیا ہے:۔

● اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ ۴۵/۱۲ اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا ہے تاکہ اُس اللہ کے قانون کے مطابق کشتیاں اور جہاز چلا کریں جو اُس نے ان کیلئے خود مقرر کر رکھا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ سمندر کی تسخیر یہ ہے کہ کشتیاں اور جہاز اللہ تعالیٰ کے اُس سائنٹیفک قانون کے مطابق تیار کئے جائیں، جسکے مطابق وہ سمندر کی چھاتی پر تیرتے رہیں، ڈوب نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے پانی میں دو صفتیں پیدا کر رکھی ہیں، ڈبونے کی بھی اور تیرانے کی بھی۔ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ سائنٹیفک قانون یہ ہے کہ جو چیز اپنے حجم کے پانی کے وزن سے ہلکی ہوگی وہ پانی پر تیرتی رہیگی اور جو چیز اپنے حجم کے پانی کے وزن سے بھاری ہوگی وہ ڈوب جائیگی۔ اور اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون تفقہ اور تجربہ ہی سے جانا جا سکتا ہے، جس کی ۱۷/۴۴ میں تاکید کیگئی ہے۔ اسی طرح:۔

● بجلی کے متعلق تفقہ اور تجربہ ہی کے ذریعہ معلوم کیا جا سکا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ کس سائنٹیفک قانون کے مطابق بلبوں میں روشنی، ہیٹروں میں گرمی، کولروں میں ٹھنڈک، پنکھوں میں حرکت پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح:۔

● پانی، خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ کس سائنٹیفک قانون کے مطابق کبھی برف میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور کس خداوندی قانون کے مطابق کبھی سٹیم کی صورت اختیار کرکے طاقت کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ ایتھر سے کس قانونِ خداوندی کے مطابق لکڑی کے ڈبے میں قوتِ گویائی آجاتی ہے۔ اور کس قاعدہ کے مطابق وہ دُور دراز کی تصویریں عکاسی کرتا ہے۔

● ایٹم کے اندر کس خداوندی سائنٹیفک اصول کے مطابق الیکٹرون، پروٹون اور نیوٹرون میں سے دو برق پارے تیسرے کو مرکز بنا کر اسکے گرد لاکھوں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ایکدوسرے کے پیچھے دوڑ رہے ہوتے ہیں۔ یہ سب الگ الگ ان چیزوں کی تسبیحیں ہیں جن کے متعلق وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ کے الفاظ میں نوع انسانی کو تاکید کیگئی ہے کہ جملہ اشیاءِ کائنات گوناگوں تسبیحوں (مضمر صلاحیتوں سے) معمور ہیں مگر تم انکی تسبیحوں، فرائض منصبی، مضمر صلاحیتوں پر غور نہیں کرتے۔

● کرۂ ارض کی جن قوموں نے اشیاءِ کائنات پر تفقہ (غور) کیا ہے وہ انکی تسبیحوں کے گوناگوں فوائد سے سرفراز ہو رہی ہیں اور جُوں جُوں مزید تفقہ کرتی چلی جائینگی زیادہ سے زیادہ سرفراز ہوتی چلی جائینگی۔ اور وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ کی قرآنی خبر کی مصداق بنتی چلی جائینگی۔

● لیکن ہم ہیں کہ آیت مجیدہ ۱۷/۴۴ کے الفاظ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ کا معنٰی ہمارے علماءِ کرام نے یہ لے رکھا ہے کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ حالانکہ تسبیح بمعنٰی فرائض منصبی خود رسول اکرمؐ کو مخاطب کر کے بھی کھول کر بتا دیا گیا ہے۔ سورۂ مزمل میں نماز تہجد کیلئے رات کو اٹھنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۷۳/۷ آپکو قرآن کریم پر غور کرنے کیلئے رات کو اٹھنے کا حکم اسلئے دیا گیا ہے کہ) بلاشبہ دن کے وقت آپکے ذمہ طویل فرائض منصبی ہیں۔ (اسلئے دن میں آپکو فرصت نہیں ہوتی) آپکے ذمہ دن کے وقت کیا کیا فرائض تھے؟ قرآنی حکومت کے داخلہ اور خارجہ امور کی نگرانی، باہر سے آنیوالے وفود سے خصوصی ملاقاتیں، معاشرہ کے داخلی تنازعات کے فیصلے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب آنحضورؐ کے سَبْحًا طَوِيلًا تھے۔ یہاں بھی سَبْح یعنی تسبیح کا معنٰی فرائض منصبی ہے۔ اور سَبْحًا طَوِيلًا سے مراد لمبے فرائض منصبی ہیں۔

سجدہ کا معنٰی

● وَلَهُ يَسْجُدُونَ کا معنٰی ہمنے لکھا ہے:۔ وہ صرف اُسی کی پوری پوری فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں۔ لغۃً سجدہ کا اصل معنٰی ہے اتنا زیادہ جھکنا کہ پیشانی زمین پر جا لگے۔ اسی لئے پیشانی کو عربی ادب میں المَسْجَدُ کہتے ہیں۔ اور جس مقام پر سجدہ صلوٰۃ ادا کیا جائے یعنی جہاں پیشانی زمین پر رکھدی جائے اُسے المَسْجِدُ کہتے ہیں۔ سجدہ کے حقیقی معنوں پورا پورا جھک جانے کے مطابق ہی اسکے مجازی معنے ہیں پورا پورا فرمانبردار ہو جانا۔ عربوں کے ہاں کہا جاتا ہے سَجَدَ الْبَعِيْرُ اونٹ نے پوری طرح سر جھکا دیا کہ سوار اس پر بیٹھ جائے اور اسکی نکیل سنبھال کر جدھر کو چاہے لے جائے۔ چنانچہ پورا پورا فرمانبردار ہو جانے کے مجازی معنوں کے مطابق سورۂ نحل میں آیا ہے:۔

● وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۱۶/۴۹ اور صرف اللہ ہی کے پورے پورے فرمانبردار ہیں جتنے بھی جاندار ہیں اور جتنی بھی پیدا کردہ اللہ تعالٰی کی کائناتی قوتیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور یہ سب چیزیں اللہ تعالٰی کی فرمانبرداری سے انکار نہیں کرتیں۔

● اب غور فرمائیں کہ جس طرح تسبیح کے عنوان میں آیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتے

ہیں۔ ۲۲/۱۸ اسی طرح سجدہ کے عنوان میں بھی ارشاد ہوا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب کے سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے جو تسبیح کے عنوان میں پیدا ہوا تھا کہ گھوڑا ایک جاندار ہے اُسکا سجدہ کیا ہے۔ گدھا ایک جاندار ہے اسکا سجدہ کیا ہے، بیل ایک جاندار ہے اُسکا سجدہ کیا ہے اور اونٹ بھی ایک جاندار ہے اُسکا سجدہ کیا ہے؟ کیا یہ سب زمین پر ماتھا ٹیکتے پھرتے ہیں؟

● اس سوال کا جواب بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں سجدہ کے مجازی معنے مراد ہیں کہ گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے پُورے پُورے فرمانبردار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جس جس جبلّت پر پیدا کیا ہے، یعنی جو فرض منصبی انہیں الگ الگ سونپا گیا ہے اُسے پوری طرح بجا لا رہے ہیں۔ گھوڑا بدستور بھاگتا چلا جا رہا ہے، گدھا بدستور ایک مکان کی پچھل کوٹھڑی سے بوجھ اٹھا کر دوسرے مکان کی پچھلی کوٹھڑی میں پہنچاتا چلا جا رہا ہے۔ اور یہی حال باقی تمام جانداروں کا ہے کہ جس جس جبلّت پر پیدا کئے گئے ہیں، اسکے مطابق عمل درآمد کرتے چلے جا رہے ہیں۔ شیر سبزہ زار جنگل میں رہتا ہے، مگر بھوکا مر جائیگا کبھی گھاس نہیں کھائے گا۔ ہرن اور لومڑی دونوں ایک ہی جنگل میں رہتے ہیں، لومڑی شیر کا پس خوردہ گوشت شوق سے نوش جان کرتی ہے مگر ہرن بھوکا مر جائیگا، گوشت کو کبھی سونگھنے تک کی جرأت نہیں کریگا۔ اس طرح ہر جاندار کی جبلّت کیمطابق خدا تعالیٰ نے جو جو فرض منصبی اسکی سرشت میں رکھ دیا ہے اُسی کیمطابق اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کرتا رہیگا اور اسی کو سجدہ بھی کرتا چلا جائیگا۔

● اسی طرح آیت مجیدہ ۱۶/۴۹ میں دابہ یعنی جانداروں کے سجدہ مجازی، صدقیصد فرمانبرداری کے ذکر میں ملائکہ کو بھی شامل کر دیا گیا ہے کہ وہ بھی صرف اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کائناتی قوتیں ماتھا زمین پر رکھے ہوئے ہیں۔ بالفاظِ دیگر بجلی کا سجدہ کیا ہے؟ ایتھر کا سجدہ کیا ہے، ایٹم کا سجدہ کیا ہے؟ ان سوالوں کا جواب بھی ظاہر ہے کہ جو جو فرائض اللہ تعالیٰ نے اُنکی جبلّت کے مطابق اُنہیں تفویض فرمائے ہیں۔ وہ عین اسکے مطابق عمل درآمد کرتے چلے جا رہے ہیں، اُس سے سرِمو انحراف نہیں کرتے۔ لیکن :-

● واضح رہے کہ آیت مجیدہ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ کے مطابق حضرتِ انسان کا فرض ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز کو مسخر کرے اور ہر چیز سے نوعِ انسانی کیلئے تعمیری خدمات حاصل کرے۔ اس تسخیر کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کے ملک بجلی کو مسخر نہیں کیا گیا تھا اسوقت تک اُسکا کام صرف یہ تھا کہ جہاں گری جلا کر راکھ کر گئی مکانوں کو گرا گئی، مویشیوں اور انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار گئی۔ لیکن جب اسے مسخر کر لیا گیا ہے، اب اس سے چولہے جلانے، پنکھے گھمانے، کپڑے دھونے اور برتن مانجنے کی خدمات لی جا رہی ہیں اور اس میں مضر مدفن کے ساتھ راتوں کے دن بنایا جا رہا ہے۔ اسکی یہ خدمات اسکی تسبیح بھی ہے اور یہی اسکا سجدہ بھی ہے۔

ایک لمحۂ فکریہ

● آیت زیر بحث ۷/۲۰۶ پر ایک طویل سورہ مجیدہ الاعراف ختم ہوئی ہے جس میں نوعِ انسانی کو عموماً اور اہل اسلام کو خصوصاً خبردار کیا گیا ہے کہ تسبیح اور سجدہ کرنیوالے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا

ہے کہ اس سے نہ صلوٰۃ موقت (نماز) میں زبانی کی جانیوالی تسبیح ہی مراد ہے اور نہ صرف زمین پر ماتھا ٹیکے کر ادا کیا جانیوالا سجدہ ہی مراد ہے۔
بلکہ اس سے فرض منصبی کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری کرنا اصل مقصود ہے۔ صلوٰۃ موقت (نماز) میں اِیَّاکَ
نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے الفاظ میں فرض منصبی کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری ہی کا اقرار کیا جاتا ہے۔ مگر افسوس
ہے کہ مسلمان نے صرف نماز کی تسبیح و سجدہ پر اکتفا کیا اور نماز میں عملی تسبیح اور عملی سجدہ، جس میں ۴۵/۱۳ کے مطابق تسخیر کائنات بھی
شامل ہے، اس سے غافل ہو گئے، حتیٰ کہ اس روش پر صدیاں گزر گئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ جن قوموں نے فرائض منصبی کو پہچانا اور تسخیر کائنات
کو اپنا فریضہ جانا وہ اس پر عمل کر کے آگے نکل گئیں۔ اور مسلمان کرۂ ارض کی پسماندہ قوم بن کر رہ گئے ہوئے ہیں لیکن مسلمانوں کی
پسماندگی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہر کامیابی کیلئے قرآن مجید کی آیات کریمات کا صرف پڑھنا، ورد کرنا، اور قرآن مجید کو زیادہ سے زیادہ مرتبہ
ختم کرنا قرار دے دیا گیا۔ اور ہر کامیابی کیلئے الگ الگ جو حکم دئے گئے انہیں نظر انداز کر دیا۔ مثلاً دشمن قوم کے مقابلے کیلئے قرآن حکیم میں
حکم دیا گیا ہے :-

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸/۶۰ اور دشمنوں کے مقابلے
کیلئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوت تیار کرتے رہو اور ذرائع رسل و رسائل کی تمہارے ہاں وہ بہتات ہو کہ تم اس فوجی
قوت کے ساتھ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔ (وہ تمہاری طرف میلی آنکھ کیا اٹھا دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکیں، تم
سے گھر بیٹھے کانپتے رہیں۔

● دیکھئے! اس آیت مجیدہ ۸/۶۰ میں دشمن کے مقابلے پر کامیابی کا صحیح نسخہ یہ بتایا گیا ہے کہ فوجی قوت زیادہ سے زیادہ پیدا
کرتے رہو۔ مگر اس حکم خداوندی سے بے اعتنائی کی عملی صورت یہ ہے کہ ساٹھ باسٹھ اسلامی سلطنتوں میں سے کسی کے ہاں اسلحہ فیکٹری
کا وجود تو کیا، لوہے کا کارخانہ تک موجود نہیں (صرف پاکستان میں رشیا کی مدد سے آئرن فیکٹری کا قیام ہوا ہے) اور اسلحہ سازی سے
اہلِ اسلام کی غفلت کی یہ حالت ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں اسلامی سلطنتوں میں کوئی مشترکہ اسلحہ فیکٹری بھی موجود نہیں —— اسکے برخلاف
تصور یہ چلا آ رہا ہے کہ جب دشمن حملہ کرے تو زیادہ سے زیادہ قرآن کریم ختم کئے جائیں تو مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے۔ لیکن غور طلب
یہ امر ہے کہ کیا یہ نادانی کی انتہا نہیں کہ قرآن تو یہ کہے کہ دشمن کا مقابلہ فوجی ہتھیاروں کیساتھ کرو۔ اور ہم اسی آیت کو پڑھ پڑھ کر دشمن
پر فتح کی امید لئے رہیں۔

● یہ تو وہی مثال ہے جو پیچھے بھی بیان ہو چکی ہے کہ حکیم صاحب مریض کو نسخہ لکھ کر دیتے کہ اسے فلاں فلاں طریقے سے استعمال کرو
چہ۔ لیکن مریض اس نسخے میں لکھی ہوئی دواؤں کو پڑھ پڑھ کر دم کرنا شروع کر دے۔ اور یا یہ کہ حکیم صاحب نے یہ کہا تھا کہ اس نسخہ
میں مندرج دواؤں کو گھول کر پیئو اور مریض اس نسخہ کا کاغذ گھول کر پینے لگے۔ العیاذ باللہ!

● قرآن کہتا ہے :- لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۳/۱۳۹ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ
اگر تم اس نصیحت پر ایمان لانیوالے ہو تو دشمن پر تم ہی غالب رہو گے۔ قرآن کریم پر عمل کرنیوالوں کیلئے ناکامی اور شکست کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا- بشرطیکہ وہ اللہ کے احکام پر پہلے ایمان لانیوالے ہوں اور پھر اپنے ایمان کی تصدیق کے لئے اس حکم پر عمل کرنیوالے ہوں۔

● اس آیتِ مجیدہ ۳/۱۳۹ کے الفاظ لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا میں مکمل کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ حزن وغم یعنی شکست و ناکامی تمہاری اپنی سستی کا نتیجہ ہوگی۔ اگر سُستی کروگے تو اُسکے نتیجے میں ناکامی و نامرادی کا غم کھانا پڑیگا۔ سب سے بڑی انسانی سُستی یہ ہے کہ کامیابی کیلئے جس عمل کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہوا ہے تو پس پُشت پھینک دیا جائے اور اُس حکم کے الفاظ کا وِرد شروع کر دیا جائے- اور حکم کے الفاظ زیادہ سے زیادہ ختم کر کے یہ امید رکھی جائے کہ جو نتیجہ اس حکم پر عمل کرنے سے برآمد ہونیوالا ہے وہ اِس حکم کو بار بار رٹنے سے برآمد ہوگا۔

حاصل کلام یہ کہ ● سورہ اعراف کی آخری آیات کریمات میں خداوندِ عالم نے صلاۃِ موقّت کی حقیقت اور تسبیح وسجدہ کے حقیقی اور مجازی احکام کیساتھ مسئلۂ تکمیلِ انسانیت کو انتہائی بلیغ انداز میں سیٹ کر رکھ دیا ہے تاکہ اہلِ اسلام حقیقت سے باخبر ہوکر زبانی، جسمانی اور ذہنی تسبیح، نیز زبانی، جسمانی اور ذہنی سجدہ کی بجا آوری کیساتھ نہ صرف یہ کہ سورہ اعراف کی آخری آیتِ مجیدہ کے ان الفاظ عِنْدَ رَبِّكَ کے مطابق اللہ کے قریب ہو جائیں، بلکہ احکامِ خداوندی پر عمل کر کے دنیا بھر کی قوموں کی صفِ اوّل میں آجائیں، قوموں کی امامت اِنکا حق ہو جائے اور یہ آیتِ ذیل کی مصداق ہو جائیں:-

۳/۱۱۰ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ۙ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ ۲۳/۹۷-۹۸

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!

بفضلِ ایزدی سورہ اعراف تک کی تفسیر القرآن بالقرآن ختم ہوئی۔ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۲/۲۸۶ ❖

قرآن حکیم

اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اور صحیفۂ فطرت اللہ تعالیٰ کی فعلی کتاب ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر و توضیح عالمی مشاہدات کی صورت میں اس کی فعلی کتاب میں اور تصریف آیات کے ذریعہ اُس کی قولی کتاب میں موجود ہے۔ اس کتاب مقدس کا مفسر خود صاحب کتاب ہے۔ ہم مفسرین نہیں۔ بلکہ باتباعِ خاتم النبیین سلامٌ علیہ، خادمین قرآن بتصریف آیات القرآن ہیں۔ صرف روایات کے دبیز پردوں کو چاک کرنے کی مخلصانہ کوشش ہے۔ حرفِ آخر نہیں۔ ہمیشہ کے لئے دعوتِ فکر و تدبر ہے۔ ۴۷/۲۴

اس میں پائی جانے والی ہر خوبی کتاب الٰہی کی اپنی خوبی ہے۔ بالفرض اگر اس میں کوئی کمی یا خامی پائی جائے تو وہ ہماری سہو اور کمزوری ہے۔ قرآن مبین ہر قسم کے کمیوں اور خامیوں سے پاکیزہ اور منزہ ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۲/۲

شائع کردہ:-

إدارۂ بلاغ القرآن ۱۱۰- این سمن آباد لاہور

معاونت:-

اُمتِ مُسلمہ (اہل الذکر و القرآن پاکستان)

نقل سرٹیفیکیٹ

محترم حامد حسن صاحب فاضلِ دیوبند"

میں نے تفسیر القرآن بالقرآن کی سورۃ مائدہ، سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کے متن قرآن کی تصحیح کی ہے۔ اب اس کے متن میں کتابت کی کوئی غلطی نہیں۔

(محترم) حامد حسن فاضلِ دیوبند و خطیب جامع پولیس قلعہ گوجرسنگھ لاہور

۸۲-۷-۸

مجلسِ مدبّرہ

ادارہ بلاغ القرآن کی شائع کردہ تفسیر القرآن بالقرآن چند اہل علم کی بشری کاوش کا نتیجہ ہے جو صرف خدمتِ قرآن کے جذبہ سے معمور ہے۔ جس میں نہ نام و نمود کی خواہش ہے اور نہ علمی حلقوں میں شہرت کی طلب۔ یہی وجہ ہے۔ کہ

تفسیر القرآن بالقرآن کو ادارہ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ان حضرات نے اپنے اسمائے گرامی بھی شائع کرنے کی اجازت نہیں دی۔

جزاھم اللہ احسن الجزاء ط

WWW.EBOOKSLAND.BLOGSPOT.COM

أُنظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ

اے مخاطب!

غور کرو کہ ہم آیات کو کس طرح پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ تصریفِ آیات کے ساتھ قرآنِ کریم میں تفقہ کیا کریں

ترجمۃ القرآن بتصریف آیات الفرقان

المعروف بہ

تفسیر القرآن بالقرآن

جلد چہارم ۴

سُورۃ الانفال .... تا ... سُورۃ الرّعد

شائع کردہ

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰-این سمن آباد لاہور

WWW.EBOOKSLAND.BLOGSPOT.COM

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
سورہ انفال	١
سابقہ سورہ	
پر طائرانہ نگاہ	١
سورہ اعراف کیساتھ ربط	١
انفال کے معنی	٢
انفال اس مرکزی	
نظام کیلئے ہے	
جو اللہ نے اپنے	
رسول کے ذریعہ	
قائم کیا	
اطیعواللہ رسول کا مفہوم	٢
اللہ کے ذکر سے مراد	٣
توکل علی اللہ	٣
الصلوۃ کا مفہوم	٤
صحابہ رسول حقے	۵
سچے مومن	
صحابہؓ واجب التکریم ہیں	۵
اللہ تعالی کا لحاظ	٦
نہیں کرتا	
رسول اور صحابہؓ کے بعض	٦
اعمال کو اللہ نے اپنی	
طرف منسوب کیا	٧
ملائکہ کی مدد	٨
اللہ ان کی مدد کرتا ہے	
جو اپنی آپ مدد کرتے ہیں	٨
جنگ بدر میں اللہ	

مضامین	صفحہ نمبر
تعالی کی مدد	٩
نظام الہی کے مخالفین	
کیلئے سزا	٩
ملائکہ سے مراد	١٠
ولی کا معنی	١٠
جنگ کے دوران	
اپنی پیٹھ پھیرنے والے	١٠
مومنوں کا قتال خود	
اللہ تعالی کا قتال	١١
بدترین لوگ وہ جو	
عقل سے کام نہیں لیتے	١٢
زندوں کو زندگی دینے	
کا مفہوم	١۵
قلب کے معنی	١٦
اللہ بمعنی اللہ کا قانون	١٦
اچھے یا برے عمل جو تم خود چاہو کرو	١٧
چند افراد کے قصور وار ہونے کی سزا کی زد میں بے قصور	
بھی آجاتے ہیں	١٧
شکر بمعنی دفاع مضبوط	١٨
داؤد و سلیمان کی مثال	١٩
اللہ اور رسول کی خیانت	٢٠
کفار مکہ کے نبی اکرم کے خلاف منصوبے	٢١
کفار مکہ اللہ تعالی کی ہستی کے منکر نہ تھے	٢١
قوم نوحؑ، قوم عاد، قوم ابراہیمؑ، قوم فرعون اللہ کی	
منکر نہیں تھیں	٢٢
یہ قومیں اللہ کے حکم کے ساتھ غیر اللہ کے حکموں کو	
واجب الاتباع قرار دے کر نظام ربوبیت کی مخالف تھیں۔	

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
	۲۲
نافرمان قوموں پر عتاب نازل کرنے سے پہلے اللہ اپنے نبیوں اور انکے صحابہ کو اس قوم سے نکال لیا کرتا تھا جب کوئی قوم استغفار طلب کرتی ہے اللہ انہیں عذاب نہیں دیتا	۲۳
صلوٰۃ موقت کی اصلی شکل و صورت کو مسخ کرکے کفار مکہ نے اسے سیٹیوں اور تالیوں میں تبدیل کر دیا تھا۔	۲۵
کفار مکہ کے خبیث اور طیب لوگ الگ ہوگئے	۲۵
کفار مکہ کی طرف سے حملہ اور اس کا جواب اللہ مددگار ہے انسان کے ان اعمال کے ساتھ جو وہ حصول مقصد کیلئے خود بجا لاتے ہیں	۲۷
نگاہ بازگشت آیات ۲۴ سے ۲۹	۲۸
نگاہ بازگشت آیات ۳۰ تا ۴۰	۲۹
مسئلہ خمس	۳۰
مال غنیمت لوٹ کا مال نہیں	۳۰
اللہ کا رسول تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے منع ہو جاؤ	۳۱
ذی القربیٰ کا مفہوم	۳۱
یتمیٰ، مساکین، ابن السبیل	۳۲
ان اللہ علیٰ کل شی قدیر	۳۲
جنگ بدر کی تفصیل	۳۳
قومی زندگی اور موت کا قرآنی فیصلہ	۳۳
رسول اللہ کے خواب میں کفار کی تعداد	۳۴
والی اللہ ترجع الامور کا مفہوم	۳۴
قوموں کے زوال کا ایک اہم سبب	۳۶
وذکرو اللہ کثیرا کا مفہوم	۳۷
اترانا اور فخر کرنا اللہ کو پسند نہیں	۳۷
شیطان نے کفار کو اکسا کر صحابہؓ پر حملہ کروا دیا۔	

مضامین	صفحہ نمبر
شکست ہونے لگی تو بھاگ گیا	۳۸
عذاب سے مراد شکست کا عذاب	۳۹
آل فرعون کی مثل	۳۹
صلح کے معاہدات	۴۱
دشمن اور اس کے اتحادیوں کو منتشر کردو	۴۱
عہد شکنی	۴۲
ایمان والوں کو ہر آن جنگی تیاروں کا حکم	۴۲
اسلحہ فیکٹریاں	۴۳
محکمہ جاسوسی	۴۳
آواز سے تیز رفتار طیارے	۴۳
چھپے دشمن	۴۳
سرکاری قرضے	۴۴
قرضہ واپس نہ کرنا ظلم ہے جنگ میں خوا مخواہ نہ الجھنا	۴۶
توکل علی اللہ	۴۷
اللہ بمعنی اللہ کا قانون	۴۷
اے رسول آپؐ کے لئے اللہ اور صحابہ کافی ہیں	۴۸
لو انفقت کا مفہوم	۴۹
ذاتی مفاد پرستی اور قومی مفاد کا نتیجہ	۴۹
صرف جنگی ہتھیار ہی کافی نہیں بلکہ	۵۰
حرض المومنین کا معنی	
ثبات قدمی فتح و نصرت کی کنجی ہے	۵۱
کسی کو بلا وجہ قید کرنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند	۵۳
غنیمت کا مال حلال و طیب ہے	۵۳
مال غنیمت کی تعریف جنگی قیدیوں کا مسئلہ	۵۴
جنگی قیدیوں کیلئے استثنائی حکم	۵۴
نبی کو قیدیوں سے متعلق حکم	۵۵
سود خور اللہ و رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں دشمن	

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
خیانت کرے تو مضبوط مرکز کو کوئی خطرہ نہیں	۵۶
صحابہؓ رسول سچے سچے مومن تھے	۵۸
پابندی عہد کی تاکید	۵۹
دین اور غیر دین میں فرق	۶۰
تجارتی معاہدات	۶۱
کافروں کے مختلف گروہ ایک دوسرے کے مددگار	۶۱
آیت ۸/۶۳ کا اطلاق آج کے زمانہ میں	۶۱
مکہ سے مدینہ پہنچنے والے مہاجر	۶۲
رزق کریم سے مراد	۶۲
صحابہؓ کیساتھ خلافت ارضی کا وعدہ	۶۳
صحابہ کے ایمان میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں	۶۳
فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے	۶۴
سورہ انفال کا اختتام	۶۵
سورہ توبہ	۶۶
سورہ توبہ سورہ انفال ہی کا حصہ ہے	۶۶
روایتی نظریہ دونوں حصوں کا ربط	۶۶
مشرکوں سے بیزاری کا اعلان	۶۷
شرک کی سزا قتل نہیں	۶۹
عہد شکن مشرکین کا اللہ و رسول کے ہاں کوئی عہد نہیں	۷۰
دنیا بھر کا مال بھی آیات ربانی کے مقابلہ میں تھوڑا ہے	۷۱
دینی بھائی چارے کو نسبتی بھائی چارے پر ترجیح	۷۱
وعدہ شکن مشرکوں کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے شکست کا عذاب دے گا۔ انہیں رسوا کرے گا ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا	۷۲

مضامین	صفحہ نمبر
اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی آپ مدد کرتے ہیں	۷۳
اللہ کو دوغلی روش پسند نہیں	۷۴
غیر مسلموں کے ساتھ سیاسی اور تجارتی معاہدات	۷۵
مشرکوں کے جاسوس	۷۵
دعا اپنے آپ کو حصول مدعا کے لئے پوری پوری کوشش کرنے کی ذاتی تحریک ہوتی ہے	۷۶
مسلمین کی نیازوں کا ہر پیسہ بیت اللہ (عالمی مرکز) میں پہنچانے کا حکم ---- اس کے برعکس وہی پیسہ کروڑوں خانقاہوں پر چڑھ جاتا ہے یہی وجہ ہے مسلمان مغلوب ہو چکے ہیں	۷۶
ایمان والوؔ اپنی ساری کی ساری استطاعت کیساتھ اپنے دشمنوں کے مقابلہ کیلئے ہر آن فوجی قوت تیار کرتے رہو	۷۷
مسجدیں تعمیر کرنے کا حق کسے ہے	۷۷
مساجد ضرار کو گرانے کا حکم	۷۸
حاجیوں کو پانی پلانا اور مساجد کا تعمیر کرنا مومنوں کا کام ہے لیکن یہ عمل ایمان باللہ و آخرت اور جہاد کے برابر نہیں ہو سکتا۔	۷۸
معاشرہ کے تمام افراد کو خوشحال کس صورت میں رکھا جاسکتا ہے	۸۰
تمہارے باپ، بھائی ایمان کی بجائے کفر سے محبت کرتے ہوں تو ان کو اولیاء نہ بناؤ	۸۱
جہاد سے جی چرانے والوں کیلئے غلامی کا عذاب	۸۲
صحابہ کیساتھ اللہ کی مدد ہمیشہ شامل حال رہی	۸۳
ایسے لشکروں سے مدد کی جنہیں ملائکہ کہا گیا ہے ملائکہ سے مراد	۸۴
توبہ کرنے والوں کیلئے	۸۵
مشرکین نجس ہیں	۸۷

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
اپنے مسائل کو اپنے ہی وسائل کیساتھ حل کرنا	۸۸
انشاء اللہ کا مفہوم	۸۸
یہود و نصاریٰ کی پہچان	۹۰
اللہ نے اپنے احکام اپنے رسول کے ذریعہ دیئے	۹۰
دین کے بارے میں ہر کسی کو مکمل آزادی	۹۰
دین بمعنی قانون	۹۱
جزیہ بدلہ ہے غیر مسلموں کے مال و جان' عزت اور عبادت خانوں کی حفاظت کا	۹۱
یہود و نصاریٰ نے غیر اللہ کو اپنے حاجت روا ٹھہرالیا	۹۲
قرآن نور ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا	۹۳
سب نبی اللہ کے بندے بشر تھے	۹۴
تورات و انجیل نور تھیں	۹۶
تورات و انجیل میں تحریف	۹۶
نبی صاحب نور تھے	۹۶
قرآن مجید مکمل ضابطہ حیات	۹۶
قرآنی نظام یقیناً غالب ہے	۹۷
نبی کے جانشینوں کے دور میں غلبہ دین اللہ کی محسوس صورت	۹۸
اللہ کے قانون میں لچک نہیں	۹۹
ملا' پیر' سرمایہ دار	۱۰۰
حرام طریقے سے مال کھانا	۱۰۱
سونا چاندی جمع کرنا	۱۰۲
بھوکوں کو کھانا کھلانا	۱۰۲
بے بس کمزور مرد عورتوں اور بچوں کو ظالم حکومت کے چنگل سے آزاد کرانا	۱۰۳
اسلحہ کی تیاری میں مال خرچ کرنا	۱۰۴
بین الاقوامی اصول	۱۰۵

مضامین	صفحہ نمبر
حرمت کے چار مہینے	۱۰۶
ان اللہ علی کل شی قدیر	۱۰۹
ہجرت نبویہ	۱۱۰
قتال فی سبیل اللہ کی تکراری تاکید	۱۱۲
غیر جنگجو قوموں کیلئے عزت کا کوئی مقام نہیں	۱۱۳
نیکی یا برائی انسان خود کرتا ہے	۱۱۶
اگر وہ جنگ میں شامل ہوتے	۱۱۷
منافقوں کی ایک پہچان	۱۱۸
بھلائی اور برائی اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے قانون ہی کے مطابق آتی ہے	۱۱۸
کتب بمعنی لکھوانا	۱۱۹
اللہ کا معنی اللہ کا قانون	۱۱۹
اللہ بمعنی اللہ کا عذاب	۱۲۰
منافقوں کا خرچ کیا ہوا مال قبول نہیں ہوگا	۱۲۲
ایک عظیم تاریخی تنازعہ کا قرآنی حل	۱۲۳
منافق بزدل' ڈرپوک' حریص اور طعنہ زن ہوتے ہیں	۱۲۵
اللہ کے فضل میں اس کا رسول شریک نہیں ---- داتا صرف ایک اللہ ہے	۱۲۶
صدقات کے مصرف	۱۲۷
مضبوط بیت المال کے بغیر کامیابی ممکن نہیں	۱۲۹
صدقاتی نظام سودی نظام کی ضد ہے	۱۳۰
د ی سزا کفر کی نہیں جرم کی ہے	۱۳۴
جہنم میں جانے والے افراد	۱۳۵
مومن مرد مومن عورتیں	۱۳۶
منافق مخفی نہیں رہے تھے	۱۳۷
بعض منافق وعدہ کرکے پھر گئے۔ وہ سازشیں کرتے ہیں	۱۳۸
نبی اکرم کی انسانی ہمدردی اور منافق	۱۳۹
بخشش و عذاب کے قوانین اٹل ہیں۔ نبی اکرم لوگوں پر	

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
داروغہ نہیں تھے	۱۴۱
منافقوں کو جنگ میں شامل ہونے سے روک دیا گیا	۱۴۳
اللہ نے نبی اکرم کے مخصوص اعمال کو اپنی طرف منسوب کیا	۱۴۳
روایتی شان نزول کی بوالعجبیاں	۱۴۴
شان نزول غیر قرآنی نظریہ ہے	۱۴۶
صحابہ رسول کے لئے وعدہ حکومت	۱۵۱
دیہاتیوں میں عذر کرنے والے	۱۵۳
اوزاروں کے بغیر جنگ کرنے کی اجازت نہیں	۱۵۴
جدید جنگی ہتھیار خود تیار کرتے رہو	۱۵۵
قرآن مجید کو چیستاں بنا کر رکھ دیا گیا ہے	۱۵۶
مالداروں کو بھی جنگ میں عدم شرکت کی اجازت نہیں	۱۵۶
صحابہ کرام کی پانچ اقسام	۱۶۰
منافقوں کا مسئلہ	۱۶۱
بعض نے توبہ کرکے اپنی اصلاح کر لی	۱۶۳
مالداروں کے مالوں سے صدقات وصول کرنے کا خصوصی حکم	۱۶۴
توبہ کا دروازہ کھلا ہے	۱۶۴
توبہ کی تصدیق	۱۶۵
مسجد ضرار	۱۶۵
جنت بمعنی متوازن معاشرہ	۱۶۸
مشرکوں کیلئے طلب مغفرت نہ کی جائے	۱۷۰
ابراہیم کی اپنے باپ کیلئے طلب مغفرت	۱۷۲
آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور حکومت کا حق صرف اللہ کو ہے	۱۷۴
زمانہ قبل نبوت میں ظلم و فساد	۱۷۵
تاب الی۔ تاب علی	۱۷۶

مضامین	صفحہ نمبر
نبی اکرم کے جاں نثار چار یار	۱۸۰
تین صحابہ کو پیچھے چھوڑنے کی غرض	۱۸۱
مومنوں کو نبی اکرم سے پیچھے رہنے کا حق حاصل نہیں	۱۸۶
ایک صحیح حدیث	۱۸۷
جنگ کی اجازت معاشرہ میں توازن قائم کرنے کے لئے	۱۸۷
اہل اسلام کا ایک ایک فرد فوجی سپاہی ہے	۱۹۰
فرقہ بندی شرک ہے	۱۹۱
قرآن کریم امن عالم کا علمبردار ہے	۱۹۴
منافقوں کا ایک قول	۱۹۶
جنگی تیاری کیوں ضروری ہے	۱۹۸
نبی اکرم پوری قوم کے جانے پہچانے ہوئے تھے	۲۰۲
پوری نوع انسانی کی بدحالیاں نبی اکرم پر گراں گزرتی تھیں	۲۰۳
غربا پر سارا مال خرچ کر دیا	۲۰۳
نہ تخت نشینی نہ جشن تاجپوشی	۲۰۴
نبی اکرم نے بطور ترکہ اپنے پیچھے کیا چھوڑا؟	۲۰۴
امن عالم کا عملی مجرب نسخہ	۲۰۴
مومنوں پر خصوصی شفقت	۲۰۵
اللہ کے قانون پر بھروسہ کرنا ہی کلید کامیابی ہے	۲۰۶
صحابہ رسول نے نبی اکرمؐ سے کبھی اعراض نہیں کیا	۲۰۶
نبی کیلئے اللہ اور مومن کافی تھے	۲۰۶
اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں	۲۰۷
اللہ پر توکل کا صحیح مفہوم	۲۰۷
ربوبیت عالمینی	۲۰۹
سورہ یونس	۲۱۰
پس منظر	
سابقہ سورتوں سے ربط	۲۱۰

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
لوگوں کیلئے مقام تعجب کہ اللہ نے ایک شخص کی طرف وحی فرمائی	۲۱۱
نذر کا مفہوم	۲۱۲
ربانی بشارتیں اعمال صالح سے وابستہ ہیں	۲۱۲
سحر کے معنی	۲۱۳
اللہ عادل و منصف ہے اس کے ہاں شفاعت و سفارش کا تصور تک نہیں	۲۱۴
رب پوری نوع انسانی کا	۲۱۴
ستۃ ایام کی وضاحت	۲۱۴
سبع بمعنی بے شمار	۲۱۵
امر بمعنی قانون	۲۱۷
شفاعت اللہ کے قانون کے مطابق	۲۱۷
شفاعت کے متعلق ایک اہم فیصلہ	۲۱۹
سب کو اعمال کی جوابدہی کیلئے اسی کی طرف رجوع کرنا ہے	۲۲۱
وحدت الوجودی اصحاب کی دلیل غلط ہے	۲۲۳
سورج از خود روشن ہے چاند روشنی حاصل کرنے والا ہے	۲۲۵
قمری اور شمسی سال اور صدیاں	۲۲۶
آیات قرآنیہ کی قرآنی تفسیر ان لوگوں کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کائنات کا علم حاصل کرتے ہیں	۲۲۷
دن اور رات کے خطرات نوع انسانی کیلئے	۲۲۷
متقی لوگ ہر چیز کے خطرناک پہلو سے بچنے کے سامان خود کرتے رہتے ہیں	۲۲۸
اس دنیا کی زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے قیامت کی عدالت الٰہی میں حاضر ہونا	۲۲۸
اپنے رب کی ملاقات کے منکر کہیں گے ہمیں ایک مرتبہ پھر دنیا میں لوٹا دے ہم اعمال صالح بجا لائیں گے	۲۲۹
تنزیلی اور تکوینی آیات سے باخبر رہنے کی تاکید	۲۲۹
اعمال صالح بجا نہ لانے والوں کے لئے اس دنیا میں بھی عذاب اور دوسری دنیا میں بھی عذاب	۲۳۰
اعمال صالح بجا لانے والوں کو باغات عطا کئے جائیں گے جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں	۲۳۰
بہتی نہروں والی حکومت کے مالک مومنوں کی دعا اور ان کا اعلان عام	۲۳۱
اللہ توبہ اور اصلاح کی مہلت دیتا ہے	۲۳۱
انفرادی جرائم میں مہلت اجتماعی جرائم میں مہلت	۲۳۲
سرکشی کرنے والوں کو ان کی سرکشی میں سرگرداں چھوڑ دیا جاتا ہے	۲۳۳
انسان کی مطلب پرستی!	۲۳۳
دعا کے تین مقام	۲۳۴
سابقہ اقوام کی ہلاکت	۲۳۵
قرآن مجید کے اولین مخاطب کی اپنے اعمال کی بدولت طاقت ور اسلامی حکومت	۲۳۵
مہاجر و انصار کے حصے میں امامت امم آئی	۲۳۶
منکرین قیامت کی طرف سے قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لانے یا اسے بدلنے کا مطالبہ	۲۳۶
مثلہ معہ کی تردید	۲۳۶
نبی اکرم نے کہا میں نے کتاب اللہ میں نہ کمی بیشی کی ہے نہ ردو بدل	۲۳۸
میں نے تم میں زندگی کا ایک حصہ گزارا ہے تم میرے کردار سے اچھی طرح واقف ہو	۲۳۸
سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ کے ذمہ افترا کرے	۲۳۹
شفاعت کا مطلب	۲۴۰
روایتی نظریہ شفاعت کی جڑ کاٹ دی گئی	۲۴۱

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
نوع انسانی ایک ہی امت ہے	۲۴۲
نوع انسانی کے قرآنی حقوق	۲۴۳
نوع انسانی کے ذمہ قرآنی فرائض	۲۴۳
وحدت انسانیہ میں اختلاف پیدا کرنا۔ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ عمل ہے۔	۲۴۴
منکرین رسالت کہتے ہیں اس (مدعی رسالت) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی	۲۴۵
رسول غالب رہتے ہیں یہی ان کی نشانی ہوتی ہے	۲۴۶
نہ انبیاء غیب دان تھے نہ نبی اکرم غیب دان تھے	۲۴۶
جو برے اعمال تم بجا لاتے ہو انہیں ہمارے بھیجے ہوئے لکھتے جاتے ہیں۔ یہ لکھنے والے کون ہیں	۲۴۸
بحر و بر کی سیر و سیاحت الٰہی قوانین جاریہ کے مطابق ہوتی ہے	۲۴۹
قیامت کی عدالت میں مجرم کو اس کے جرائم سے آگاہ کرنے کا طریق	۲۵۰
مال کمانا لازم ہے مگر	۲۵۲
نیک اعمال کی جزا میں اضافہ	۲۵۳
قیامت کی جزا سزا کا تذکرہ	۲۵۴
شریک ٹھہرانے والوں اور شریک ٹھہرائے جانے والوں کا ذکر	۲۵۵
لوگ اپنے زندہ یا مردہ بزرگوں سے بیٹے مانگتے ہیں	۲۵۶
ابراہیمؑ اور زکریاؑ نے بیٹے کیلئے اللہ کے حضور میں دعا کی	۲۵۶
مشرکوں کی پہچان	۲۵۷
شریک ٹھہرانے والے محض ظن و قیاس کی پیروی کرتے ہیں	۲۶۰
قرآن مجید افتریٰ کردہ نہیں	۲۶۰
تفصیل الکتب کے دو مفہوم	۲۶۱

مضامین	صفحہ نمبر
جن و انس اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے	۲۶۲
تم اپنے ضابطوں پر عمل کرتے جاؤ میں الٰہی ضابطے پر عمل کرتا چلا جاتا ہوں۔	۲۶۳
رسول اکرمؐ اور صحابہ کو فتح و نصرت کی خوشخبری	۲۶۴
بلا جنگ و جدل فتح؟	۲۶۴
تعصب کے بہرے تعصب کے اندھے	۲۶۶
اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا	۲۶۷
اچھے یا برے عمل انسان خود کرتا ہے	۲۶۸
دکھ سکھ بھی انسان کے اپنے اعمال ہی کا نتیجہ ہے	۲۶۸
قیامت کے دن سب کو جمع کر لیا جائیگا	۲۶۹
قیامت انتہائی قریب ہے!	۲۷۰
اللہ کو نہ کوئی عقل سمجھ سکتی ہے اور نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے	۲۷۱
دنیوی عذاب میں تاخیر کے اسباب	۲۷۳
قرآن نوع انسانی کیلئے نصیحت نامہ ہے اور ذہنی بیماریوں کی شفا	۲۷۹
تعویزوں کا نقصان	۲۸۰
کتاب اللہ ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے	۲۸۱
قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا نشان	۲۸۱
قرآن کریم حرام مال کو جمع کرنے سے منع کرتا ہے	۲۸۱
حلال اور حرام جانوروں میں فرق	۲۸۲
کتاب مبین سے مراد اللہ کا علم	۲۸۴
اولیاء اللہ کون ہیں؟	۲۸۵
شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت، عالم امر، عالم مثال	۲۸۶
لفظ اولیاء کی لغوی تحقیق	۲۸۷
پیدائشی ولی کا عقیدہ	۲۸۷
وہ مومن اولیاء اللہ ہیں جو قحط کے خطرہ سے	

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
بچا سکتے ہیں	۲۸۹
مسئلہ ایمان اور کرامات	۲۹۰
نبی اکرمؐ کی زندگی اسوہ حسنہ ہے	۲۹۱
اولیاء اللہ کو دنیا اور آخرت کی بشارت	۲۹۲
اللہ نے کوئی بیٹا نہیں پکڑا	۲۹۷
سیسہ پلائی دیوار بن کر لڑنیوالے اللہ کے محبوب ہیں	۲۹۸
قانون الٰہی میں لچک نہیں	۲۹۸
قیامت کی جوابدہی	۲۹۹
نوحؑ کا اپنی قوم کو خطاب	۳۰۱
قوم نوح کے پانچ پیر	۳۰۲
مادی اسباب خود اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں	۳۰۲
تسخیر آب کا کائناتی اصول	۳۰۳
قوم نوح کا عقیدہ اور مطالبہ	۳۰۳
نوحؑ کا جواب	۳۰۴
مسئلہ بشریت انبیاء	۳۰۴
طوفان نوحؑ	۳۰۶
نوحؑ کے بعد الگ الگ قوموں کی طرف رسول	۳۰۸
حدود اللہ کو توڑنے والے لوگوں کے قلوب پر مہریں	۳۰۸
توبہ کا دروازہ کھلا ہے	۳۰۹
توبہ کا دروازہ کب بند ہوتا ہے؟	۳۰۹
واقعہ موسیٰؑ و ہارونؑ و فرعون لعنت اللہ علیہ	۳۱۲
بنی اسرائیل کے ساتھ ہجرت	۳۱۹
فرعون کی موت اور اس کی لاش	۳۲۱
بنی اسرائیل کے اختلافات ا ر ان پر ذلت مسکنت	۳۲۱
نبی اکرمؐ کو تنزیل رب العلمین کے متعلق ذرہ بھر بھی شک نہیں تھا۔	۳۲۲
لوگوں پر کب عذاب لازم ہو جاتا ہے	۳۲۳
یونس رسول اللہ کے بارے میں	۳۲۴

مضامین	صفحہ نمبر
اللہ کا یہ قانون ہے ہی نہیں کہ وہ زبردستی گمراہ کرے یا زبردستی سیدھے راستہ پر چلائے	۳۲۷
اللہ انزال عذاب میں جلدی نہیں کرتا مہلت دیتا چلا جاتا ہے	۳۲۹
انبیاء کے ساتھیوں کو بچا لیا جاتا ہے انبیاء کے مخالفین کو عذاب الٰہی گھیر لیتا ہے	۳۳۰
خاتم النبیینؐ کے مدمقابل تین گروہ تھے ملا، پیر اور سرمایہ دار	۳۳۰
نبی اکرمؐ نے قرآنی معاشرہ قائم فرمایا	۳۳۱
اللہ کے سوا کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا	۳۳۲
غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے	۳۳۳
ہدایت و گمراہی ہر شخص خود اختیار کرتا ہے	۳۳۴
محکمت و تشابہات	۳۳۵
سورہ ھود	**۳۳۷**
قرآن کریم کی تفصیل اللہ ہی کر سکتا ہے	۳۳۹
دین اللہ کی غیر اللہ تشریح کرنے والے ظالموں کیلئے درد ناک عذاب	۳۳۹
مغفرت اسکی ہوتی ہے جو توبہ کرکے اصلاح کے کام کرے	۳۴۰
جن کا موازنہ اعمال نیکیوں کا بھاری ہو جائے گا کامیاب ہوگئے	۳۴۰
اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ ظلم	۳۴۰
ہر جاندار کے لئے رزق پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے	۳۴۱
انسان اور حصول رزق	۳۴۲
اللہ تعالیٰ نے کس طرح ہر جاندار کے مستقر کا مسئلہ حل کر دیا ہے	۳۴۳
ارض و سموات کی تخلیق کے چھ مرحلوں کی تفصیل	۳۴۴

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
قیامت کی بعثت کو جھٹلانے والوں کے متعلق ارشاد	۳۴۶
جس کسی قوم کے برے اعمال کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو اس پر دنیا ہی میں عذاب آجاتا ہے	۳۴۶
دنیا ہی کے طلبگار لوگ دکھاوے کے طور پر کچھ نیک کام بھی کیا کرتے ہیں	۳۴۸
جو لوگ حرام کمائی کے ذریعہ اس زندگی کی زیب و زینت حاصل کرتے ہیں ...	۳۴۹
آیت نمبر ۱۷ کا مفہوم جو قادیانیوں نے لیا سراسر غلط ہے	۳۴۹
نبی اکرمؐ کے والدین قدیمی مومن خاندان کے افراد تھے	۳۵۰
کتاب موسیٰ امام و رحمت تھی اس کے بعد قرآن مجید امام و رحمت ہے	۳۵۰
قرآن سے پہلے ختم نبوت پر نزول وحی الٰہی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے	۳۵۱
الہام کے معنی!	۳۵۱
قرآن مجید کا انکار کرنے والے اندھے اور بہرے قرآن مجید پر ایمان لانے والے دیکھنے والے' سننے والے	۳۵۲
ہر چیز اسی راہ پر چل رہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے جبلی طور پر چلا دیا ہے	۳۵۳
انسان کو عملی لحاظ سے فعل مختار کر دیا ہے	۳۵۳
نوحؑ کی قوم برے اعمال کے نتائج سے آگاہ کر دی گئی	۳۵۳
انبیاء قوم سے بطور اجر رسالت کوئی مال نہیں مانگتے رہے وہ کہا کرتے تھے ہمارا اجر اللہ کے ذمہ ہے	۳۵۵
نوحؑ کی قوم نے ایمان لانے والوں کو رذیلے قرار دیا اور نوح سے مطالبہ کیا کہ انہیں اپنے پاس سے دور کر دے	۳۵۵
نوح کی نبوت کے منکر نبیوں کے بشر ہونے کے منکر تھے	۳۵۶
منکرین کہنے لگے اگر تو سچوں سے ہے تو جس عذاب کا وعدہ دیتا ہے اسے لے آ	۳۵۶
نوحؑ کو بتا دیا گیا کہ اب تمہاری قوم بد اعمالیوں کی بدولت اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ عذاب آکر رہے گا۔	۳۵۸
نوحؑ سے کہا کہ تو کشتی بنا	۳۵۸
اللہ کے حکم کے مطابق ضروری جوڑوں اور اپنے اہل کو نوحؑ نے کشتی میں سوار کر لیا	۳۵۹
قوانین فطرت کی اتباع کرنے والی اقوام کامیاب و کامران ہوتی ہیں	۳۶۰
نوحؑ اور آپ کے بیٹے کا مکالمہ	۳۶۱
عذاب اس علاقہ میں آیا جس پر قوم نوح آباد تھی	۳۶۱
عذاب قوانین فطرت کے مطابق ہی آیا تھا	۳۶۲
نوحؑ نے اللہ سے اپنے بیٹے کے متعلق سوال کیا تو اللہ کا جواب	۳۶۲
نبی اکرم غیب دان نہیں تھے آپ کو انبیا سے متعلقہ خبریں بذریعہ وحی دی گئیں۔	۳۶۴
نبی اکرمؐ کو بتایا گیا کہ جس طرح نوحؑ کے مخالفین ان کے سامنے ختم کر دیئے گئے اسی طرح آپ کے دشمن آپ کے سامنے ختم کر دیئے جائیں گے۔	۳۶۴
اللہ تعالیٰ اپنے متعینہ قوانین کے خلاف ہرگز نہیں کرتا	۳۶۵
ہودؑ اور ان کی قوم عاد کے حالات	۳۶۶
اللہ بمعنی اللہ کا قانون	۳۶۸
قوم عاد پر بھی عذاب آگیا اور عذاب کی تفصیل	۳۶۹
قوم عاد کے جرائم	۳۷۲
ہودؑ اور ان کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون جاریہ کے مطابق ہی نجات دی	۳۷
قوم ثمود اور ان کی طرف نبی صالح کے حالات کا تذکرہ	۳۷۶
ناقۃ اللہ	۳۷۸

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
صالحؑ اور آپ کے ساتھیوں کو کس طرح بچایا گیا	۳۷۹
قوم ثمود کے عقائد	۳۸۰
قوم ثمود کے جرائم	۳۸۱
قوم ثمود پر عذاب	۳۸۲
ابراہیمؑ کا ذکر جمیل	۳۸۳
اسلام میں لونڈی کی کوئی گنجائش نہیں	۳۸۵
قوم لوط کے عذاب کی تفصیل	۳۸۶
ہجرت ابراہیمؑ	۳۸۷
بیت اللہ کی مرکزیت کا قیام	۳۸۷
شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرو	۳۸۹
نذریں اللہ کے نام کی اور ان کے پہنچنے کا مقام	۳۸۹
لوط اپنی قوم کی طرف اللہ کے رسول۔ آپؑ کی قوم کا ردِّعمل	۳۹۰
لوطؑ اپنی نافرمان بیوی کے سوا اپنے جملہ اہل کے ساتھ بستی سے ہجرت کر گئے	۳۹۱
قوم لوط پر عذاب کی تفصیل	۳۹۲
اس وقت اہل اسلام کی حالت	۳۹۶
سورہ فیل کا مفہوم	۳۹۷
جدید سے جدید اسلحہ تیار کرتے رہنے کا سبق	۳۹۹
اللہ تعالیٰ نے السید ابراہیم کے بیٹوں اور پوتے کی بشارت براہ راست آپؑ پر کیوں نازل نہ کر دی؟	۴۰۰
قوم شعیبؑ کی بد اعمالیوں اور ان پر لائے گئے عذاب کا ذکر	۴۰۱
قوم شعیب ماپ میں کمی کرنے کے ساتھ مومن ہونے کی دعویدار بھی تھی	۴۰۲
قوم شعیب نمازی بھی تھی	۴۰۲
صلوٰۃ اور نماز میں فرق	۴۰۲
قوم شعیبؑ نے سوال کیا کیا تیری صلوٰۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان لوگوں کی اطاعت ترک کر دیں جس کی ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے؟	۴۰۳
صلوٰۃ گناہ بخشواتی نہیں گناہوں سے روکتی ہے	۴۰۳
قوم شعیب ماپ تول میں کمی کرتی تھی	۴۰۳
شعیبؑ نے اپنی قوم کو فرمایا کہ میں پورا ناپتا ہوں، پورا تولتا ہوں، ملاوٹ نہیں کرتا۔ میرا رب تمہاری نسبت مجھے بہتر رزق عطا فرما رہا ہے۔	۴۰۴
قوم شعیبؑ نے آپ کی نصیحت پر کان نہ دھرے	۴۰۵
اگر السید شعیبؑ کے بھائی بند موجود نہ ہوتے تو وہ شعیبؑ کو پتھر مار مار کر مار ڈالتے	۴۰۶
ان پر لائے گئے عذاب کی مختصر سی جھلک	۴۰۶
عذاب کی تفصیل	۴۰۸
موسیٰؑ اور فرعون کا مختصر ذکر	۴۰۹
تباہ ہونے والی بستیاں ان میں رہنے والوں کی اپنی ظلم زیادتیوں اور بد اعمالیوں کی بدولت تباہ ہوئی تھیں وہ لوگ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگا کرتے تھے	۴۱۰
قیامت کا دن پوری نوع انسانی کو جمع کرنے اور سب کی حاضری کا دن ہے	۴۱۱
کیا یہ ممکن ہے کہ لاکھوں سال قبل کے مردے جو مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے سب کے سب زندہ کر لئے جائیں گے؟	۴۱۱
نتیجہ صریح	۴۱۲
یوم قیامت کے متعلق ایک مخصوص وضاحت اور ایک مخصوص اعلان	۴۱۳
اس دن انبیاءؑ بھی بغیر حکم باری کلام نہ کریں گے	۴۱۴
اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سلام علیہ کو اپنی کتاب عطا فرمائی تھی لیکن لوگوں نے اس میں بھی قرآن مجید ہی کی طرح اختلاف کیا تھا	۴۱۷

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے ان لوگوں کی طرف ہرگز نہ جھکو جو ظلم کرنے والے ہیں	۴۱۸
صلوٰۃ کا دائمی حکم	۴۱۸
صلوٰۃ سفر میں بھی معاف نہیں	۴۱۸
بستر مرض اور بستر مرگ پر بھی صلوٰۃ ہرگز معاف نہیں	۴۱۹
میدان جنگ میں صلوٰۃ باجماعت	۴۱۹
جنگ شروع ہو جائے تو کھڑے بیٹھے، لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو	۴۲۰
دکھاوے کی صلوٰۃ	۴۲۰
پچھلی قوموں میں بہت کم لوگ فساد کو روکنے والے ہوتے تھے	۴۲۱
حقائق سے آگاہ کرنے والے اور غلط کاریوں سے منع کرنے والے تھوڑے لوگ ہیں	۴۲۲
کون لوگ دوسروں کی کمائی پر عیش اڑاتے ہیں	۴۲۲
اللہ مصلحین کی بستی کو تباہ نہیں کرتا	۴۲۲
اعمال کے لحاظ سے انسان فعل مختار ہے	۴۲۳
نافرمانوں کو سزا مل کر رہے گی	۴۲۴
جو لوگ نادانی سے برے عمل کرتے ہیں پھر اگر توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو اللہ غفور رحیم ہے	۴۲۴
سابقہ انبیاء کے حالات بیان کرکے نبی اکرم کو تسلی دی گئی ہے	۴۲۵
دعوت عمل	۴۲۶
غیب کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے	۴۲۶
اللہ پر توکل رکھنے کا مفہوم	۴۲۷
سورہ یوسف	۴۲۷
قرآن مجید کسی دوسری کتاب کا محتاج نہیں	۴۲۸
یوسفؑ کا خواب اور آپؑ کے والد محترم کی طرف سے وضاحت اور تاکیدی مشورہ	۴۲۸
یوسف سلام علیہ کے بھائیوں کا آپس میں مشورہ اور اپنے والد (یعقوبؑ) سے درخواست	۴۲۹
باپ کی طرف سے جواب	۴۳۰
یوسف سلام علیہ کو بھائی جنگل میں لے گئے اور کنویں میں ڈال دیا	۴۳۰
یوسف سلام علیہ کے جی میں کیا بات آئی	۴۳۰
کنویں میں پھینکنے کے بعد بھائی عشاء کے وقت جھوٹا رونا روتے ہوئے آئے	۴۳۱
یعقوب علیہ السلام کا جواب	۴۳۲
یوسف سلام علیہ کو ایک قافلہ والے کنویں سے نکال کر لے گئے اور مصر میں جاکر چند درہموں کے عوض بیچ دیا	۴۳۲
جس شخص نے یوسفؑ کو خریدا اس کی طرف سے اپنی بیوی کو ہدایات	۴۳۳
اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کو مصر میں باعزت ٹھکانا دیا	۴۳۴
یوسفؑ جوان ہوئے تو آپ کو نبی بنا دیا گیا	۴۳۵
زن عزیز کی نیت میں فتور آگیا	۴۳۵
زن عزیز نے یوسفؑ کو برائی پر آمادہ کرنے کا ارادہ کیا اور یوسفؑ نے اس عورت سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا	۴۳۷
برہان ربہ	۴۳۷
یوسفؑ دروازے کی طرف بھاگے۔ عورت بھی پیچھے بھاگی۔ آپ کی قمیض پیچھے کی طرف سے پھاڑ دی	۴۴۰
دروازہ پر عورت کے شوہر سے سامنا ہوگیا عورت کا بیان یوسفؑ کا بیان۔ ایک گواہ کا بیان اور شوہر کا فیصلہ	۴۴۰
روایات کا الزام اور قرآن کی روشنی میں اس کا جواب	۴۴۲
شہر کی عورتوں کے طعنے	۴۴۳
زن عزیز کی طرف سے اہتمام	۴۴۴

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
عورتوں کی کوشش ناکام	۴۴۴
زن عزیز کا رد عمل	۴۴۵
یوسف سلام علیہ کی فیصلہ کن دعا رب کے حضور	۴۴۵
رب تعالیٰ نے عورتوں کی بری تجویز کو آپ سے پھیر دیا	
یوسف سلام علیہ کو قید کر دیا گیا	۴۴۶
آپ کے ساتھ دو قیدی جیل میں داخل ہوئے انہوں نے یوسف سلام علیہ کو اپنے خواب بیان کئے تعبیر کیلئے	۴۴۶
یوسف سلام علیہ نے ایک خاص انداز سے تبلیغ کی	۴۴۷
قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر بتائی	۴۴۸
بادشاہ کا خواب اور اس کی تعبیر کا مسئلہ	۴۴۸
یوسف سلام علیہ نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتائی اور اس کا عملی مفہوم بھی بتایا	۴۴۹
بادشاہ نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ یوسف نے قید خانے سے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ کہا کہ پہلے مجھ پر لگائے گئے الزام کی تحقیق کی جائے	۴۵۰
زن عزیز اور عرب مجرم عورتوں کو حاضر عدالت کر لیا گیا	۴۵۱
سب عورتوں نے اپنے جرم کا اقرار کیا تو یوسفؑ الزام سے بری ہوگئے	۴۵۱
یوسف سلام علیہ نے مقدسہ پر نظر ثانی کرائی۔ وجہ؟	۴۵۲
زن عزیز کا بیان	۴۵۳
شاہ مصر نے یوسفؑ کو مکمل اختیارات کا امین بنا دیا	۴۵۳
یوسفؑ نے شاہ مصر کو کہا کہ ارض مصر کے خزانے میرے کنٹرول میں دے دے	۴۵۳
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے مصر پر یوسفؑ کو متمکن کر دیا	۴۵۳
یوسفؑ کے بھائی غلہ لینے آئے آپ نے انہیں پہچان لیا مگر وہ نہ پہچان سکے	۴۵۵

مضامین	صفحہ نمبر
یوسفؑ نے فی کس ایک پیمانہ غلہ کی منظوری دے دی	۴۵۵
اور کہا کہ اگلی بار اپنے اس بھائی کو ہمراہ لانا جو ابھی ساتھ نہیں آیا -- اور اگر نہ لائے تو تمہارے لئے کوئی پیمانہ نہ ہوگا۔	۴۵۵
یوسف سلام علیہ نے بھائیوں کی ادا کردہ رقم ان کی بوریوں میں رکھوا دی	۴۵۶
بھائیوں نے باپ سے کہا کہ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج تاکہ پیمانہ لائیں ہم اس کی حفاظت کریں گے	۴۵۶
باپ نے کہا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں امین جانا تھا	۴۵۷
جب سامان کھولا تو اپنی پونجی لوٹائی گئی پائی۔	۴۵۷
یعقوبؑ نے بیٹوں سے عہد لیا کہ وہ اسے واپس لائیں گے	۴۵۷
بیٹوں کو ہدایت فرمائی کہ تم سب اکٹھے ہو کر ایک دروازے سے شہر مصر میں اخل نہ ہونا	۴۵۸
یوسفؑ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا	۴۵۸
سامان تیار کراتے وقت ایک بھائی نے چھوٹے بھائی کی بوری میں سرکاری پیمانہ رکھ دیا	۴۵۹
شاہی کارندوں نے شاہی پیمانہ گم پایا۔ ایک نے قافلہ والوں کو آواز دے کر کہا کہ تم چور ہو	۴۵۹
انہوں نے کہا تمہارا کیا گم ہوگیا ہے؟	۴۵۹
بھائیوں نے کہا کہ ہم چور نہیں ہیں	۴۶۰
کارندوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہوئے تو کیا سزا ہوسکتی ہے	۴۶۰
جواب ملا کہ جس کی بوری سے نکلے اسے قید کر لیا جائے	۴۶۰
جب پیمانہ چھوٹے بھائی کی بوری سے برآمد ہوا -- تو بھائیوں نے کہا۔	۴۶۱

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
پیالہ کا روایتی قصہ	۴۶۱
اس روایتی قصہ کے خلاف دلائل	۴۶۲
اللہ کا قانون مشیت	۴۶۴
پیالہ نکلنے پر چھوٹے بھائی کو گرفتار کر لیا گیا تو بھائیوں کی درخواست اور یوسفؑ کی طرف سے جواب	۴۶۵
سب سے بڑے بھائی کا اعلان	۴۶۵
والد کے پاس پہنچ کر بھائیوں کا بیان اور ان کی طرف سے جواب	۴۶۶
اور یعقوب سلام علیہ کی طرف سے رد عمل	۴۶۷
بیٹوں کی طرف سے جواب	۴۶۸
یعقوب سلام علیہ کا بیان	۴۶۸
یعقوب سلام علیہ کی طرف سے بیٹوں کو حکم	۴۶۹
یوسف سلام علیہ کے بھائی تیسری مرتبہ مصر میں یوسف سے مکالمہ	۴۶۹
یوسف سلام علیہ نے کہا کہ یہ میری قمیض لے جاؤ اور میرے والد کے سامنے پیش کرو	۴۷۱
یعقوب سلام علیہ کا اندازہ	۴۷۲
سننے والوں نے کہا کہ آپ اپنی پرانی تلاش میں ہیں	۴۷۳
خوشخبری دینے والے نے قمیض آپ کے سامنے پیش کی تو..	۴۷۳
وحی جبلی	۴۷۵
جب برادران یوسف کے جرائم بے نقاب ہوگئے تو انہوں نے اپنے ابا سے کہا بلا شبہ ہم خطا کار ہیں	۴۷۵
یعقوبؑ نے فرمایا میں تمہارے لئے تمہارے گناہوں کی سزا سے بچاؤ طلب کروں گا	۴۷۶
جب خاندان یعقوب کے افراد یوسفؑ کے پاس پہنچے تو آپ نے والدین کو اپنے پاس جگہ دی	۴۷۷
یوسفؑ نے اپنے والدین کو اونچے تخت پر بٹھایا۔ وہ سب اس کے ماتحت ہوگئے اور یوسفؑ نے کہا یہ ہے میری پہلی والی خواب کی تعبیر	۴۷۷
نفس امارہ کی وضاحت	۴۷۹
یوسف کی دعا اپنے رب کے حضور	۴۸۰
نبی اکرمؐ کو کہا گیا کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جو وحی کی گئی ہیں	۴۸۲
آپؐ کتنی بھی حرص کریں لوگوں کی اکثریت مومن ہونے والی نہیں	۴۸۳
درختوں کی مثال۔ انسانی جسم کی مثال	۴۸۴
لوگ باوجود ایمان لانے کے مشرک ہیں ان پر اللہ کا عذاب آئے گا	۴۸۵
نبی اکرمؐ نے کہا کہ میرا راستہ یہ ہے کہ ہر کام کو عقل کیساتھ کیا جائے اور میرے متبع بھی ایسا ہی کرتے ہیں	۴۸۵
اچھا انجام ان کیلئے ہے جو ضابطہ الٰہی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں	۴۸۸
یادگار مینار وغیرہ بنانا سنت انبیاء کے خلاف ہے	۴۸۹
ہمارا عذاب مجرم قوم سے ہرگز نہیں ٹلتا	۴۹۰
یہ قرآن ایمان لانے والوں کیلئے ہدایت بھی ہے اور مکمل رحمت بھی ہے	۴۹۱
اللہ کافی ہے رسول کافی ہے قرآن کافی ہے	۴۹۲
سورہ رعد	**۴۹۳**
یہ کتاب حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے	۴۹۴
اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمانوں کو بلند کیا اللہ اپنی حکومت پر قائم ہے	۴۹۵
نہ اللہ کو کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ اسے کوئی عقل پا سکتی ہے	۴۹۶
جتنے بھی میوے پیدا ہوتے ہیں سب جوڑا جوڑا پیدا	

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
ہوتے ہیں	۴۹۷
ایک سے ایک افضل عقلمندوں کیلئے غور و فکر کی نشانیاں	۴۹۸
مرکر پھر جی اٹھنے کے منکر آگ والے ہیں	۴۹۹
آپ لوگوں کو ان کے فرائض منصبی سے آگاہ کرنے والے ہیں	۵۰۰
نوع انسانی کی پیدائش اس کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔	۵۰۰
اللہ غائب و حاضر علم رکھنے والا ہے	۵۰۰
اللہ تعالیٰ کی مخفی قوتیں ہر انسان کے اعمال کو محفوظ رکھتی ہیں	۵۰۱
قوموں کا عروج و زوال انکے اپنے اعمال سے وابستہ ہوتا ہے	۵۰۱
گرج اپنا فرض منصبی ادا کرتی ہے اور بجلی میں صرف خوف ہی نہیں اس میں طمع یعنی فائدے بھی بہت ہیں	۵۰۲
اپنی مشکلات میں صرف اللہ ہی کو پکارنا صحیح ہے	۵۰۲
آسمانوں اور زمین کا ہر جاندار اللہ کے حضور سجدہ ریز ہے	۵۰۳
نبی اکرمؐ کو حکم ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنے والوں سے سوال کریں	۵۰۳
مدد گار وہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے	۵۰۴
نصیحت صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں	۵۰۴
عقلمندوں کی صفات اور ان کا ٹھکانہ	۵۰۵
وعدہ توڑنے والوں کا ٹھکانہ	۵۰۵
اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا گیا پکا عہد اور عبادت و استعانت کا وصل کرنے کا حکم	۵۰۶
مساوی و متوازن تقسیم رزق کا الٰہی قانون	۵۰۶
مساویانہ تقسیم رزق نبوی نظام ہے	۵۰۶
ناہموار تقسیم رزق فرعونی تقسیم ہے	۵۰۷

مضامین	صفحہ نمبر
کافر کہتے ہیں اس مدعی رسالت پر کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی۔ اس قول کا اللہ کی طرف سے جواب	۵۱۴
ایمان لانے والوں کے اذہان اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں	۵۱۵
ذکر اللہ سے مراد	۵۱۶
رحمان کا معنی	۵۱۶
اگر قرآن ایسا ہوتا کہ اس سے پہاڑ چلائے جاتے..	۵۱۷
مردوں کی دو قسمیں طبعی اور روحانی	۵۱۷
جو لوگ کفر کرتے ہیں ان پر مصیبت آتی ہے وہ مصیبت اردگرد کے لوگوں کو بھی لپیٹ میں لے لیتی ہے	۵۱۸
انبیا کرام کے مشن کو اللہ تعالیٰ استحکام بخشتا ہے اور منکرین کی تدابیر کو خاک میں ملا دیتا ہے	۵۲۰
اللہ ہر فرد کے اعمال پر نگہبان ہے اور انہوں نے اللہ کے شریک بنالئے	۵۲۰
جو لوگ گمراہ ہوجائیں وہ دنیا و آخرت میں مصائب و آلام کا شکار رہتے ہیں	۵۲۱
اخروی جنت کا نقشہ	۵۲۱
محمد رسول اللہ کو حکم ہوا کہ آپ اللہ کی طرف دعوت دیں	۵۲۲
اگر آپ علم قرآن کے بعد ان کی خواہشات کے پیچھے چلے تو	۵۲۳
اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو مکافات عمل کے لئے قانون مہلت کی طرف غور نہیں کرتے	۵۲۳
اللہ اپنی کتاب کے مطابق قوموں کو مٹا دیتا ہے یا ثابت قدم رکھتا ہے	۵۲۴
آپؐ سے جو وعدے کر رکھے ہیں وہ پورے ہو کر رہیں گے	۵۲۵
پہلے انبیاء کے وقتوں پر بھی امر اللہ پورا ہو کر رہا	۵۲۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۸) سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ

آیاتھا ۷۵ — رکوعاتھا ۱۰

یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لاریب فیہ قرآن حکیم کی آٹھویں سورہ مبارکہ ہے اس کے دس رکوع اور ۷۵ آیات ہیں۔

سابقہ سورہ مجیدہ پر ایک طائرانہ نگاہ:۔ سورہ انفال سے ماقبل سورہ اعراف کی ابتدائی آیات کریمات میں **كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ** (۷/۲) کے الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف ایک کتاب نازل ہوئی ہے ایک سے زائد کتب آپؐ پر ہرگز نازل نہیں فرمائی گئیں۔ اور **اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ** (۷/۳) کے الفاظ میں اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ واجب الاتباع صرف وہ کتاب ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اس کتاب کے سوا کوئی اور کتاب واجب الاتباع نہیں۔ پھر جنتی ہموار و متوازن معاشرہ کے قیام و دوام پر زور دیا گیا ہے اور جہنمی معاشرہ کی اس خصوصیت کے اظہار کے بعد کہ اس میں افراد معاشرہ **بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** کی صورت میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں، جنتی معاشرہ کی خصوصیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہیں۔ کہ اے نوع انسانی! زمین میں تم سب کیلئے حقِ رہائش بھی مسلم ہے اور حق ضروریات زندگی بھی۔ **وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ** (۷/۲۴)

اس کے بعد فرد فرد کی ضروریات زندگی کے مذکورہ بالا حق کی اساس پر قائم کئے جانے والے جنتی معاشرہ کے علمبردار انبیاءؑ نوحؑ ہودؑ صالحؑ شعیب اور موسیٰ و ہارون کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں اور جنتی معاشرہ کے مخالفین قومِ نوحؑ قومِ عاد، قومِ ثمود، اہلِ مدین اور فرعون و قومِ فرعون کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ آخر میں شرک کی مذمت کیگئی ہے اور صلوٰۃ موّقت کی تاکید پر سورہ مجیدہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔

سورۂ انفال کا سورہ اعراف کیساتھ ربط:۔ سورہ اعراف میں سابقہ انبیاء سلام علیہم کی مہموں کے تذکار جلیلہ کے بعد سورہ انفال میں نبی اکرمؐ خاتم النبیین کی ان مہمات کا تذکرہ ہے جو آپؐ کو اپنے زمانے کے مخالفینِ ربوبیت کے مقابلے میں پیش آئیں، جو باقاعدہ سامانِ حرب کیساتھ میدانی لڑائیوں کی صورت میں ظہور پذیر ہوئیں۔ اس لیے اس سورتِ مجیدہ میں جنگ سے متعلق احکام و مسائل بالوضاحت بیان کئے گئے ہیں۔ پوری سورۂ مجیدہ جنگی احکام و مسائل سے معمور ہے۔ جنگ کی صورت میں فتح و شکست دونوں باتیں ممکنات میں سے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کرکے انہیں فتح و کامرانی سے ہمکنار کرنا اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ **كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ** (۳۰/۴۷) ہمارے اوپر مومنوں کا حق ہے کہ ہم ان کی مدد کرکے انہیں فتح سے ہمکنار کریں اور چونکہ فتح کا اولین لازمی نتیجہ مالِ غنیمت کا میسر آنا ہے۔ اس لیے باری تعالیٰ نے اس سورت مجیدہ کو مالِ غنیمت الانفال ہی کے ذکر سے بالفاظ ذیل شروع کیا ہے۔ اور یہ سورت مجیدہ سورہ الانفال ہی کے نام سے موسوم ہے:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۝ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ①

(سنئے گا اے رسولؐ) اللہ رحمان و رحیم کے نام کیساتھ لوگ آپ سے الانفال (ہر قسم کے زائد مال) کے متعلق سوال کریں گے آپ کہہ دیجئے گا کہ الانفال (ہر قسم کا زائد مال) خاص اس مرکزی نظام کے لیے ہے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ قائم کیا ہے۔ تم اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچو۔ (انفال کے مال میں خیانت نہ کرنا) اور آپس میں اصلاح کرتے رہنا اور اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ کے رسولؐ کے ذریعہ خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو۔

○ ا۔ لفظ انفال نفل کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے زائد۔ ۷۹/۱۷ میں آیا ہے۔ **وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ** اے رسولؐ ! آپ صلوٰۃ کے لیے رات کو سوکر بھی اٹھا کریں۔ یہ آپ کے لیے فرض صلوٰۃ سے زائد ہے۔ یہاں ا/ الانفال سے زائد مال مراد ہیں اور الف لام استغراق کا ہے' بمعنی ہر قسم کے زائد مال۔ فتح کے بعد جو دشمن کا چھوڑا ہوا مال میسر آتا ہے' جسے مال غنیمت کہتے ہیں' یہ مال چونکہ جنگ کی اصل غرض دشمن پر فتح پانے اور اسے نظام ربوبیت کی راہ سے ہٹانے سے زائد ہوتا ہے۔ اس لیے اس مالِ غنیمت کو بھی الانفال کہا جاتا ہے۔ پھر جو علاقہ فتح کیا جائے اگر اس میں کوئی دفینہ ملے تو یہ بھی زائد مال ہے یہ بھی الانفال میں شامل ہے۔ زمین میں سے جو معدنیات لوہا' کوئلہ' سونا' چاندی' تانبہ' سیسہ' پٹرول' تیل وغیرہ جو کچھ بھی نکلے' سب الانفال ہیں اور ان سب پر مرکزی نظام کا حق ہے۔ کیونکہ مرکزی نظام پورے عوام کی ضروریات زندگی کا ضامن ہے۔

○ صرف اس مال غنیمت میں جو دشمن شکست کھا کر میدان جنگ میں چھوڑ جائے' اور یا اسلامی لشکر کے رعب سے دشمن بلا جنگ کئے جو مال چھوڑ جائے اس میں پانچواں حصہ مرکزی نظام کا ہے جو مجاہدوں کے قریبیوں' بے سہارا لوگوں' جن کا کاروبار کسی وجہ سے ساکن ہوگیا ہو اور مسافروں میں سے مال کے حقدار محتاجوں کو دیا جاتا ہے(۴۱/۸) اور باقی ۴/۵ مجاہدوں میں منصفانہ انداز کے ساتھ تقسیم کیا جاتا ہے' یعنی ہر کسی کو وہ کچھ دیا جاتا ہے' جس کی اسے ضرورت ہو۔

○ ۲۔ **لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ** کے الفاظ سے انفال کے دو حصے مراد نہیں ہیں کہ ایک حصہ اللہ کو دیا جائے اور دوسرا اللہ کے رسولؐ کو ان کے ذاتی مصارف کے لیے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ تو مال کی ضرورت ہی سے بے نیاز ہے۔ وہ ہر قسم کے احتیاج سے مبرا ہے۔ اور رسول اکرمؐ کا کوئی حصہ عوام سے الگ قرآن کریم نے مقرر نہیں کیا۔ نبی اکرمؐ بھی مال غنیمت میں سے باقی مجاہدوں کے ساتھ برابر کا حصہ پاتے تھے۔ اس لیے' جیسے کہ بارہا لکھا گیا ہے کہ اللہ و رسولؐ کے الفاظ اس اجتماعی نظام کے لیے آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کے رسولؐ نے قائم کیا تھا' جس میں صدرو عوام ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے متوازن انداز کے ساتھ ایک ہی سطح کے حقدار تسلیم کئے گئے تھے۔ معاشرہ کا کوئی فرد محروم ضروریاتِ زندگی نہیں تھا۔

○ ۳۔ **فَاتَّقُوا اللّٰہَ** کا معنی سیاقِ کلام کے مطابق یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچتے رہنا۔ مالِ غنیمت میں خیانت کرنا اللہ تعالیٰ کی کھلی مخالفت ہے۔ مالِ غنیمت میں سے کسی مجاہد کو اپنے حصہ سے زائد کسی چیز کا حق نہیں بلکہ جو مجاہد شدید زخمی ہو چکنے کی بدولت اگرچہ غنیمت کی فراہمی میں شریک نہیں ہوسکتے' مگر وہ اپنے حصے کے

علاوہ زخموں کی علالت کے مطابق زائد مراعات کے مستحق ہیں۔

○ ۴۔ زخمیوں اور اعضا کٹے مجاہدوں کی انہی خصوصی مراعات کے لیے **اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ** کے الفاظ آئے ہیں کہ تم آپس میں پوری پوری اصلاح کرتے رہنا۔ اصلاح کا معنی ہے درستی پس **اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ** کے الٰہی حکم کے مطابق زخمی مجاہدوں کا حق اپنے عامی حصہ سے زائد ہے۔ بالفاظ دیگر جو کمی ان کے جسموں کے اندر واقع ہو چکی ہو اس کی اصلاح کیا کرو اور ان کے اصل حصے انہیں الگ دیا کرو۔

۵۔ **اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** کا معنی بھی یہ نہیں ہے کہ یہاں دو اطاعتوں کا الگ الگ حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ اکیلے اللہ ہی کی اطاعت کا حکم ہے۔ جو اس مرکزی نظام کے ذریعہ کی جائے گی جو اللہ کے نازل کردہ ضابطے کے مطابق اللہ کے رسول نے قائم کیا ہے۔ اسی سورہ انفال میں آگے چل کر ۸/۲۰ میں ارشاد ہوا ہے۔ **اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ** اللہ کی اطاعت کرو اللہ کے رسول کے ذریعہ اور اس اللہ کی اس اکلوتی اطاعت سے روگردانی نہ کرنا۔ دیکھئے! اگر اللہ اور رسول کی دو الگ الگ اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہوتا تو **وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ** کی ضمیر واحد کی بجائے ضمیر تشنیہ آنی چاہیئے تھی۔ **وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُمَا**۔ واضح رہے کہ اللہ اور رسولؐ کی دو الگ الگ اطاعتوں کا تصور شرک فی الحکم ہے۔ قرآن کہتا ہے **لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا**" ۱۸/۲۶ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ یعنی خود رسول مقبول بھی اللہ کے حکم میں شریک نہیں ہیں۔

○ الختصر۔ **اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** کے حکم میں اکیلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس اجتماعی مرکزی نظام کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی اساس پر اللہ کے رسول نے قائم کیا تھا۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے۔ **وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ** ۹/۳ اور اعلان عام ہے حج اکبر کے دن اللہ کا اپنے رسول کے ذریعہ کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔ یہ اللہ و رسولؐ کے دو الگ الگ اعلان نہیں تھے' یہ ایک اکیلے اللہ کا اکلوتا اعلان تھا جو اس نے اپنے رسول کے ذریعہ کرایا تھا۔ فی الحقیقت یہ اعلان اس مرکزی نظام کی طرف سے تھا جو اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کی اساس پر اس کے رسول نے قائم فرمایا تھا۔

○ چونکہ اس نظام کی اساس آیات کتاب اللہ ہیں' اس لیے اگلی آیاتِ مجیدہ میں مومنوں کی تعریف بالفاظ ذیل بیان ہوئی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾

سوائے اس کے نہیں کہ مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر (قرآن ۱۵/۹) پیش کیا جائے' تو ان کے اذہان کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جب ان پر اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے رب (کے قانون) پر بھروسہ کرتے ہیں۔

○ ا۔ اللہ کا ذکر یہ ہرگز نہیں کہ اس کے نام کا ورد کیا جائے اللہ' اللہ' اللہ۔ بلکہ ۲/۲۰۰ کے مطابق اللہ کو اس طرح "ایک" یاد رکھنا ہے جس طرح ہر شخص اپنے باپ کو "ایک" یاد رکھتا ہے۔ یہاں ذکر کا معنی قرآن ہے۔ **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** (۱۵/۹) بے شک ہم ہی نے اپنے ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے

والے ہیں۔

تَوَكَّلَ عَلَى اللہ۔ ۲۔ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ کے الفاظ میں مومنوں کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے قانون پر بھروسہ کرتے ہیں۔ توکل کا یہ معنی مطلقاً" غلط ہے کہ پیش آمدہ مہم کو انجام دینے سے متعلقہ قوانین کو نظرانداز کرکے اور ان کی مخالفت کرتے ہوئے توکل علی اللہ کر دیا جائے جو اللہ نے متعین کیے ہیں۔ توکل کا معنی ہے بھروسہ کرنا۔ اور مطمئن ہو جانا کہ یہ کام بگڑے گا نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی ٹہنے پر بیٹھ کر اپنی نشست سے درخت کے تنے کی طرف سے اسی ٹہنے کو توکل علی اللہ کاٹنا شروع کر دے تو لازماً" ٹہنے کے کٹ کر گرنے کے ساتھ ہی وہ بھی گر جائے گا۔ اور اس کا توکل علی اللہ عملاً" غلط ثابت ہوگا۔

○ اسی طرح اگر کوئی عورت ہنڈیا چولہے پر رکھ کر توکل علی اللہ لگاتار آگ جلاتی رہے تو ہنڈیا کی دال' ترکاری جل کر کوئلہ ہو جائے گی اور اس کا توکل عملاً غلط ثابت ہوگا۔ اگر آٹا گوندھنے والی عورت ایک سیر آٹے میں توکل علی اللہ دو سیر پانی ڈال کر گوندھنا شروع کرے تو وہ ہرگز گوندھا نہیں جاسکے گا اور اس کا توکل عملاً" غلط ثابت ہوگا۔ ان مثالوں سے ثابت ہوا کہ جو بھی کام کیا جائے' اس کام کی انجام دہی کے لیے جو قوانین خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کائنات میں متعین کر رکھے ہیں۔ ہر قدم ان کے مطابق اٹھانا' توکل علی اللہ ہے۔ سورہ آل عمران میں نبی اکرمؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے:۔

○ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○ (۳/۱۵۹) اے رسول! آپ پیش آمدہ معاملہ کے لیے صحابہ کے ساتھ مشورہ کیا کریں۔ پھر (باہمی مشورہ کے بعد یعنی کسی نہج پر کام کو انجام دینے کا مشورہ طے ہو چکنے کے بعد) جب آپ اس کام کی انجام دہی کا ارادہ پکا کر لیں تو پھر (پیش آمدہ معاملہ سے متعلقہ) اللہ (کے قوانین) پر بھروسہ کیا کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ (اس کے متعینہ قانون پر) بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

○ دیکھیے! خاتم النبیینؐ جیسے متوکل اعظم کو حکم ہوا کہ جو کام کرنا مقصود ہو' اس کی انجام دہی کے طریق کار کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مشورہ فرمایا کریں۔ توگویا پیش آمدہ مہم کے متعلق باہم مشورہ کرنا توکل کی پہلی سیڑھی ہے۔ تو اب ظاہر ہے کہ مشورہ کی غرض ہی یہ ہوسکتی ہے کہ پیش آمدہ معاملہ کے ہر پہلو پر اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کے مطابق غور کیا جائے اور اس کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق لائحہ عمل متعین کیا جائے۔ اور ایسا کرنیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ یہ لوگ متوکل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○ (۳/۱۵۹)

○ آیت زیر بحث ۸/۲ میں صحابۂ رسول کی تعریف کی گئی ہے کہ مومن اور متوکل ہیں۔ انہی کے متعلق اگلی آیات مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ مذکورہ مومن:۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

یہ وہ لوگ ہیں' جو اللہ کی فرض کردہ صلواۃ پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ یہ مذکورہ لوگ حقے سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجے اور ہر خطرہ سے بچاؤ ہے اور ان کے لیے عزت کی روٹی ہے۔

○ ا۔ الصلٰوۃ کا معنی فرض منصبی بھی ہے۔ ۴۱/۲۴ نظام ربوبیت پر مبنی مرکزی نظام بھی ہے ۴۱/۲۲ اور صلواۃ موقت بھی ہے ۴/۱۰۳ یہاں چونکہ عام مومنین کی صلواۃ اور انفاق مال کا تذکرہ آیا ہے' اس لیے یہاں الصلواۃ بمعنی صلواۃ موقت ہے' جو نظام ربوبیت پر مبنی مرکزی نظام کے قیام کی پہلی سیڑھی ہے۔

صحابۂ رسول حقے سچے مومن تھے:۔ ○ **أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا** کے الفاظ' صحابہ رسول کے متعلق آئے ہیں۔ کہ وہ حقے سچے مومن تھے۔ ۸/۷۴ میں بھی صحابہ رسول کے دونوں گروہوں مہاجرین و انصار کے متعلق بالکل یہی خبر دی گئی ہے کہ وہ سب حقے سچے مومن تھے' ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روٹی ہے:۔ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ** ۸/۷۴۔ "اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں ٹھکانہ دیا۔ وہ سب لوگ حقے سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے ہر خطرہ سے بچاؤ کا سامان ہے اور ان کے لیے عزت کی روٹی ہے" نیز فرمایا پہلے پچھلے سب مہاجر و انصار حقے سچے مومن ہیں:۔

○ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَأُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ** ط ۸/۷۵ "اور وہ لوگ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ بھی تم ہی میں سے ہیں۔ (وہ بھی حقے سچے مومن ہیں)"۔ سورہ توبہ میں پہلے پچھلے مہاجرین و انصار سب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ سب کامیاب و کامران ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے اجر عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور وہ اللہ تعالیٰ پر راضی ہو چکے ہیں:۔

○ **وَالسّٰبِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ أَبَدًا** ط **ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ**۔ ۹/۱۰۰ مہاجرین و انصار میں وہ' کہ جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی اور جنہوں نے سب سے پہلے مہاجرین کی نصرت کی' اور وہ بھی جنہوں نے (بعد میں) ان کی حسن کارانہ اتباع کی۔ اللہ ان پر راضی ہوگیا اور وہ اللہ پر راضی ہوگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے' جن کی سطح پر نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

پھر صحابہؓ ہی کے متعلق فرمایا:۔ ○ **فَإِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۚ هُوَ الَّذِيْٓ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ** ○ (۸/۶۲) پس (اے نبی!) آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔ وہ وہی ہے جس نے آپ کی مدد کی اپنی نصرت کیساتھ یعنی مومنین (صحابہ) کے ساتھ پھر فرمایا۔

○ **يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ○ ۸/۶۴۔ اے نبیؐ! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ مومن

کافی ہیں جنہوں نے آپ کا اتباع کیا ہے۔

صحابہؓ رسول قرآن کریم کی رو سے واجب التکریم ہیں:۔ واضح رہے کہ صحابہؓ کی تعریف و توصیف سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ مندرجہ بالا آیات میں کھل کر بتایا گیا ہے کہ:

○ صحابۂ رسول حقے سچے مومن تھے ۴-۴/۸ ○ اللہ تعالیٰ کے ہاں صحابۂ رسول کے درجات بہت بلند ہیں ۴/۸ ○ صحابۂ رسول کے پہلے پچھلے دونوں گروہ مجاہد تھے ۷۴-۷۵/۸ ○ صحابۂ رسول کو دنیا میں عزت کی روٹی (آزاد حکومت) میسر تھی ۴-۷۴/۸ ○ صحابۂ رسول کے دونوں گروہ مہاجرین و انصار' ان میں سے پہلے اور پچھلے سب پر اللہ راضی ہوگیا۔ اور وہ اللہ پر راضی ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہتی نہروں والے باغات تیار کئے۔ ان کے اعمال کا اجر عظیم عطا فرمایا اور وہ دنیا میں کامیاب و کامران ہوئے۔ ۱۰۰/۹

○ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی مدد انہی صحابہؓ کے ساتھ فرمائی تھی۔ جس سے مشکلات کے بادل چھٹ گئے اور کامیابی کا آفتاب طلوع ہوا ۶۲-۶۴/۸

○ صحابۂ رسول آپس میں مہربان اور کافروں پر سخت تھے۔ ان کی یہی تعریف تورات اور انجیل میں بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرما دی تھی ۲۹/۴۸۔

○ جب صحابہ رسولؐ کو عزت کی روٹی (آزاد حکومت) میسر آئی تو انہوں نے نظام صلواۃ (ربوبیت عامہ) کا اجتماعی نظام قائم کیا اور معاشرہ کے ہر کمزور کو فربہی دی ۴۱/۲۲۔

پس قرآن کریم کے مذکورہ بالا دلائل قاطعہ کے مطابق صحابہ رسول حقے سچے مومن اور واجب التکریم ہیں۔

قرآن کریم کے ان دلائل کے خلاف تاریخ کے کسی منگھڑت واقعہ کی بنا پر صحابہؓ کو ایک دوسرے کا دشمن ایک دوسرے کا قاتل یا خلافت کا غاصب قرار دینا خلاف قرآن ہے۔

۳- **لَهُمْ رِزْقٌ كَرِيمٌ** کے الفاظ میں صحابہ کی آزاد طاقتور اسلامی مملکت خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی خبر دی گئی ہے۔ کیونکہ عزت کا لقمہ اس وقت تک نصیب نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوئی حکومت فوجی' سیاسی اقتصادی اور معاشی لحاظ سے خود کفیل نہ ہو۔ جو حکومت اسلحہ' روپیہ یا خوراک کے لیے غیر حکومتوں کی محتاج ہو' وہ **لَهُمْ رِزْقٌ كَرِيمٌ** کے زمرہ میں نہیں آسکتی' صحابۂ رسول کی حکومت ہر لحاظ سے مضبوط اور غیر محتاج تھی۔

اللہ تعالیٰ کسی کا لحاظ ہرگز نہیں کرتا:۔ ۱ تا ۴/۸ میں صحابہؓ کرام کے ایمان اور توکل کی تعریف کرنے کے بعد اگلی آیتوں کے اندر جنگ بدر میں ان کے ایمان و توکل کا عملی نمونہ پیش کرنے سے پہلے' ان میں سے بعض کی وقتی کمزوری کی بھی خبر دی گئی ہے۔ قرآن کریم کسی کا مطلقاً لحاظ نہیں کرتا۔ جنگ بدر کے متعلق جب مشورہ ہوا۔ تو اس کے ضمن میں ارشاد ہوا ہے:۔

كَمَآ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّ فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَـكٰرِهُوۡنَ ۙ‏ ﴿۵﴾ يُجَادِلُوۡنَكَ فِى الۡحَـقِّ بَعۡدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ وَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ ؕ‏ ﴿۶﴾

جیسے کہ (اے رسولؐ) وہ وقت قابل ذکر ہے جب آپ کے رب نے آپ کو حق کے ساتھ آپ کے گھر سے نکالا۔ حالانکہ مومنوں کا ایک فریق (جنگ کیلئے نکلنا) ناپسند کرتا تھا۔ (وہ مشورہ کے وقت) حقیقت ظاہر ہو چکنے کے باوجود آپ سے جھگڑتے تھے۔ گویا کہ وہ ان کے دیکھتے دیکھتے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔

○ اگلی آیت مجیدہ سے واقعہ یہ نمایاں ہوتا ہے کہ مشرکینِ مکہ نے ہتھیار بند ہو کر اسلحہ اور سازوسامان کیساتھ مدینہ منورہ پر یلغار کر دی' اس وقت انہی کا ایک بے ہتھیار تجارتی قافلہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ صحابہؓ میں سے بعض کا یہ مشورہ تھا کہ دشمن کو نقصان پہنچانے کے لیے اس کے غیر ہتھیار بند قافلے پر حملہ کیا جائے۔ لیکن مجلسِ مشاورت میں یہ طے پایا کہ صرف ہتھیار بند حملہ آوروں کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ اگلی آیات مجیدہ میں اسی چیز کی خبر اور اس کی علت بالفاظ ذیل بالتصریح بیان کی گئی ہے:۔

وَاِذۡ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحۡدَى الطَّآئِفَتَيۡنِ اَنَّهَا لَـكُمۡ وَتَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَيۡرَ ذَاتِ الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ لَـكُمۡ وَيُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّحِقَّ الۡحَـقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقۡطَعَ دَابِرَ الۡـكٰفِرِيۡنَۙ‏ ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الۡحَـقَّ وَيُبۡطِلَ الۡبَاطِلَ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَۚ‏ ﴿۸﴾

اور (اے صحابہؓ!) وہ وقت قابل ذکر ہے جب اللہ نے تمہیں (مشاورتؓ) کے حکم ۳/۱۵۹ پر عمل کے وقت دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ دیا کہ تمہارے لیے وہ ہو۔ حالانکہ تم چاہتے تھے کہ تمہارے لیے بے ہتھیار گروہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق حق کو حق کر دکھانے اور کافروں کی جڑ کاٹ دینے کا ارادہ کیا۔ تاکہ حق حق اور باطل باطل ہو جائے اور اگرچہ مجرم حملہ آور ناپسند کرتے تھے۔

○ ا۔ **يَعِدُكُمُ اللّٰهُ** کے الفاظ میں مجلس مشاورت کے فیصلے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اس لیے منسوب کیا ہے کہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مجلس مشاورت میں طے ہوا تھا۔ قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے کہ مومنوں اور نبی اکرمؐ کے ان افعال کو جو اس کے حکم کے مطابق انجام دیئے جائیں۔ اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ جیسے کہ آگے آیت نمبر۱۷ میں اس عمل کو جو مومن صحابہ اللہ کے حکم کے مطابق بجا لائے' یعنی میدان بدر میں کافروں کو قتل کیا۔ اسے بالفاظ ذیل اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

○ **فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ** ۸/۱۷۔ (اے صحابہؓ) انہیں تم نے قتل نہیں کیا تھا' بلکہ اللہ نے قتل کیا تھا۔ نیز اسی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کے عمل کو جو اللہ کے حکم کے مطابق تھا' اسے بھی بالفاظ ذیل اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

○ **وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى** ۸/۱۷۔ اور (اے رسولؐ!) کافروں پر آپ نے تیر نہیں پھینکے تھے' جب آپ ہی نے پھینکے تھے۔ بلکہ اللہ نے پھینکے تھے۔

○ **غَيۡرَ ذَاتِ الشَّوۡكَةِ** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ مسلح حملہ آوروں سے الگ اتفاقیہ طور پر دشمنوں ہی کا ایک غیر

مسلح گروہ تجارتی قافلہ بھی مدینہ منورہ کے قریب پہنچ رہا تھا۔ لیکن فیصلہ یہ ہوا کہ حملہ آور مجرم گروہ کا مقابلہ کیا جائے۔

○ **وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ** یہ مکّی مشرکوں حملہ آوروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جنہوں نے پہلے تو مکہ **معظمہ** میں مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کرکے انہیں' ہجرت پر مجبور کر دیا اور جب مومن خود مکہ بدر ہو کر مدینہ منورہ چلے آئے۔ تو اتنا عظیم مسلح لشکر لیکر ان پر چڑھ دوڑے' ان کا خیال تھا کہ مسلمان اس یلغار کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ وہ تکبر و کراہت کے ساتھ یہ ارادہ لے کر آئے تھے کہ مسلمانوں کے لیے شکست کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ لیکن ان کے ارادوں کی کراہت کے خلاف اگلی آیت مجیدہ میں مسلمانوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے:۔

إِذْ تَسْتَغِيثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹

(اور ایمان والو !) وہ وقت قابل ذکر ہے' جب تم نے اپنے رب سے مدد طلب کی۔ تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ بے شک میں پے درپے آنے والی ایک ہزار کائناتی قوتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔

○ ملائکہ کے متعلق بلاغ القرآن میں بارہا وضاحت کی جاچکی ہے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ان گنت کائناتی قوتیں ہیں۔ جو خود دکھائی نہیں دیتیں' ان کے کام دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے **جنود السموت والارض** کہہ کر بھی متعارف کرتا ہے جنگ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان لشکروں میں سے آندھی کا لشکر بھیج کر دشمنوں کے خیمے اکھاڑ پھینکے' ان کے گھوڑے خچریں مویشی سب تتر بتر ہوگئے۔ ۳۳/۹

○ استقامت و ثبات قدمی وہ طاقتیں ہیں' جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اندر پیدا کر رکھی ہیں وہ بھی اللہ کے ملائکہ ہیں۔ صحابہؓ پر پے در پے نزول ملائکہ کو اگلی آیت مجیدہ میں ایک خوشخبری قرار دیا گیا ہے۔ جس سے ان کے قلوب مطمئن ہوگئے۔ اطمینان قلب کی بے پناہ طاقت بھی ایک مَلک ہے **أَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ** میں الف مبالغہ کا عدد ہے۔ کیونکہ عربی میں ہزار سے آگے کوئی گنتی نہیں۔ اس کے آگے دس ہزار سو ہزار اور ہزار ہزار کے انداز سے گنا جاتا ہے۔ یعنی صحابہؓ پر اللہ تعالیٰ کی ان گنت قوتوں کا نزول ہوا۔ جن سے ان کے قلوب مطمئن ہوگئے کہ دشمن کی طاقت اگرچہ بے تحاشہ ہے لیکن وہ ہمارے استقلال و ثبات قدمی کی بدولت یقیناً شکست کھا جائیں گے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

اور (ایمان والو' صحابہؓ) اللہ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کی خبر کو نہیں ٹھہرایا مگر ایک خوشخبری' اور تاکہ تمہارے اذہان مطمئن ہوجائیں۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

اللہ ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں:۔ ○ **وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ** کا یہ انداز ہرگز نہیں کہ اللہ کا جی چاہا تو جنگ بدر میں مومنوں کی مدد کر دی اور نہ جی چاہا تو جنگ احد میں مدد روک دی بلکہ اس کا مستقل قانون ہے کہ وہ ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرے **وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ** ○ ۲۲/۴۰ "اور اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرے" اور اپنی مدد آپ یہ ہے کہ ہر موقع اور ہر مقام پر' ہر قدم اللہ کے قانون کے مطابق اٹھایا جائے۔ اسی چیز کی خبر **عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ** کے الفاظ میں دی گئی ہے کہ غلبہ حکمت کے بغیر میسر نہیں آسکتا' کامرانی اور کامیابی ہر اس کام میں نصیب ہوگی جو عقل و حکمت کی اساس پر انجام دیا جائے گا۔

○ اگلی آیت مجیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہؓ کرام میدان جنگ میں پہنچے تو تھکے ہوئے تھے۔ نیز میدان جنگ کا جو گوشہ انہیں میسر آیا وہاں پانی کا چشمہ بھی نہیں تھا اور زمین بھی ریتلی تھی۔ دشمن کی فوج نے میدان جنگ کے بہتر اور پانی والے گوشے پر قبضہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے بارش برسا کر یہ سارے مسئلے حل کر دیئے۔ میدان کی ریت بیٹھ گئی اور زمین گھوڑوں کے دوڑنے کے قابل ہوگئی۔ نیز آس پاس کے گڑھوں میں پانی کے ذخیرے بھی جمع ہوگئے اور رات بھر بارش ہونے کی بدولت بےخوف نیند آئی۔ اور صبح کو دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تازہ دم ہوگئے:۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

(ایمان والو!) وہ وقت قابل ذکر ہے جب اس (اللہ) نے تم پر امن کی نیند مسلّط کر دی۔ اس حالت میں کہ تم پر آسمان سے پانی نازل کیا۔ تاکہ تمہیں اس کے ساتھ (تمام وقتی کمزوریوں سے) پاک کر دے اور تم سے نفس شیطان کے وسوسوں کی نجاست دور کر دے اور تمہارے اذہان مربوط کر دے اور اس (پانی) کے ساتھ (ریتلے میدان کو جما کر وہاں) تمہارے قدم جما دے۔

○ **لِیُطَھِّرَکُم بِہٖ** کے ضمن میں روایتی تفاسیر میں لکھا ہے کہ میدانِ بدر میں جب صحابہؓ کو نیند آئی تو سب کو احتلام ہوگیا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو سب غسل کرکے پاک ہوئے۔ معاذ اللہ ! استغفراللہ ! میدان جنگ اور احتلام؟ یہاں رجز الشیطٰن سے مراد شیطان کے وہ وسوسے ہیں جو میدان جنگ میں پہنچنے پر ریتلے میدان اور پانی کی عدم موجودگی کی بدولت نفس نے پیدا کیے' کہ یہاں گھوڑے دوڑ نہیں سکتے' ان کے پاؤں ریت میں دھنستے جا رہے ہیں۔ پانی موجود نہیں۔ بنے گا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے جنود السمٰوات والارض میں سے بارش کی مدد بھیج کر تمام مسئلے حل کر دیئے' امن کی نیند بھی آئی' صبح کو تازہ دم اٹھے۔ ضرورت سے وافر پانی بھی جمع ہو چکا تھا۔ اور ریت بھی جم چکی تھی' یعنی میدان گھوڑے دوڑانے کے قابل ہوچکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص بروقت مدد کیساتھ لشکر اسلام کو تمام وقتی کمزوریوں سے پاک کر دیا۔ اس طرح ان میں اطمینان قلب اور باہمی ربط مستحکم اور قدم مضبوط ہوگئے۔ اگلی آیت مجیدہ میں دشمنوں کے حملہ کی خبر کے وقت کے متعلق ارشاد ہوا:۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

(اے رسول!) وہ وقت قابل ذکر ہے۔ جب (دشمن کے حملہ سے عوام میں جو ہراس پیدا ہوا۔ اس کے ضمن میں) آپ کے رب نے مجاہدوں کے جی میں ڈالا کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم انہیں جو نئے ایمان لائے ہیں ثابت رکھو۔ میں ضرور (حملہ آور) کافروں کے اذہان میں رعب ڈال دوں گا۔ پھر تم ان کی گردنوں اور پورپور پر ضرب لگانا۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾

(کافروں کی) یہ سزا اس لیے ہے کہ انہوں نے اس نظام کی مخالفت کی ہے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے قائم کیا ہے۔ اور جو کوئی اس نظام کی مخالفت کرے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ قائم کیا ہے۔ تو بیشک اللہ تعالیٰ سزا کے لحاظ سے بہت سخت ہے۔

○ ا۔ ملائکہ کا لفظ فوج کے لیے مجازی طور پر سورہ زخرف میں بھی آیا ہے۔ فرعون نے کہا کہ میرے پاس تو سونے کے کنگن بھی ہیں اور میرے ساتھ فوج بھی پرا باندھے کھڑی ہے' موسیٰ علیہ السلام کے پاس یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں **فَلَوْ لَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ** ○ ۴۳/۵۳۔ "اسے سونے کے کنگن کیوں نہیں دیئے گئے اور اس کے ساتھ حفاظتی فوج کیوں پرا باندھے" نہیں آئی۔ پس آیت بالا ۸/۱۲ میں ملائکہ سے نبی اکرمؐ کی فوج کے مجاہد مراد ہیں۔ جب دشمنوں کے حملے کی خبر پھیلی اور اس سے عوام میں ہراس پیدا ہوا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جی میں ڈالا کہ وہ عوام کو ثابت قدم رکھیں اور میدان میں پہنچ کر نہ صرف دشمنوں کی گردنیں ماریں' بلکہ ان کے پور پور پر ضربیں لگائیں۔ یہاں ۸/۱۲ میں ملائکہ سے فرشتے مراد لینے والوں کو اس چیز پر غور کرنا چاہئے کہ اگر جنگ بدر میں دشمنوں کی گردنیں فرشتوں نے کاٹی تھیں اور ان کے پور پور پر ضربیں فرشتوں نے لگائی تھیں' تو پھر بدری مجاہدوں کی خوبی کیا تھی؟ چونکہ حقیقت یہ ہے کہ دشمنوں کی گردنیں بھی صحابہ ہی نے کاٹی تھیں اور ان کے پور پور پر ضربیں بھی صحابہؓ نے لگائی تھیں۔ اس لیے کھل کر ثابت ہوا کہ یہاں ملائکہ سے مراد فوجی مومن مجاہد ہیں۔

○ وحی کا معنی جی میں ڈالنا بھی ہے۔ یہ وحی نبوت نہیں۔ جیسے **اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ** ۱۶/۶۸۔ وحیِ جبلت ہے' وحیِ نبوت نہیں۔

○ **شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** میں اللہ سے شقاوت الگ اور رسول سے شقاوت الگ نہیں۔ یہ اس ہموار و متوازن نظام کی ایک ہی شقاوت و مخالفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے قائم کرایا تھا۔ اسی کو حکومتِ الٰہیہ بھی کہا جاتا ہے اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ بھی۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے خلاف لشکر کشی کرنے والوں کو براہِ راست مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے:۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ۱۴	(اے نظام ربوبیت کا انکار کرنے والو!) یہ بدترین شکست کا عذاب تمہارے لیے ہے' اسے چکھو' حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ منکرین ربوبیت کے لیے شکست کا عذاب ہے۔

جنگ کے قرآنی قوانین:۔ ○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں دشمنوں کے ساتھ جنگ سے متعلقہ سرفہرست بتایا گیا ہے' ہرگز ہرگز پیٹھ نہ دکھانا:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۱۵	اے ایمان والو! جب تم میدان جنگ میں ان لوگوں کے بالمقابل آؤ جنہوں نے نظام ربوبیت کا انکار کیا ہے تو ان کی طرف پیٹھ نہ موڑنا۔
وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۱۶	اور جو کوئی اس دن (جنگ کے دوران) اپنی پیٹھ پھیرے گا' سوائے اس کے کہ وہ کوئی فوجی کرتب کرتا ہو یا (اپنی فوج کے کسی) دستے میں ملتا ہو۔ پس وہ (ان چیزوں کے بغیر پیٹھ پھیرنے والا) بیشک اللہ کا غضب لے کر پھرا۔ اس کا ٹھکانہ اخروی ناکامی ہے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

مومنوں کا قتال خود اللہ تعالیٰ کا قتال تھا۔ اور نبی اکرمؐ کی تیر اندازی خود اللہ تعالیٰ کی تیر اندازی تھی:۔ جنگِ بدر میں صحابہؓ نے جو بلا پیٹھ دکھائے ثابت قدمی کے ساتھ قتال کیا تھا' اور رسول اللہؐ نے جو تیر اندازی فرمائی تھی۔ چونکہ وہ جملہ اعمال خالصتہً اللہ کے لیے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں انہیں بالفاظ ذیل اپنی طرف منسوب فرمایا ہے:۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٧﴾

○ پس (اے ایمان والو !) ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا تھا' لیکن انہیں اللہ نے قتل کیا تھا۔ اور (اے رسول !) آپ نے تیر نہیں پھینکے جب آپ نے پھینکے تھے دلیکن وہ اللہ نے پھینکے تھے۔ اور تاکہ مومن نمایاں ہو جائیں' بہتر نمایاں ہونا' بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

ایک عظیم غلطی:۔ ○ **وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ** سے بعض حلقے رسولؐ مقبول کے متعلق یہ تصور دیتے ہیں وہؐ ہی اللہ ہیں۔ کیونکہ آپؐ نے جو تیر پھینکے تھے' ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ اللہ نے پھینکے تھے۔ یہ تصور انتہائی خطرناک ہے۔ اگر **وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ** سے یہ اخذ کیا جائے کہ رسول اللہ ہی اللہ ہیں **تو فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ** سے لازمی طور پر یہ اخذ ہوتا ہے کہ سب کے سب صحابہؓ اللہ ہیں العیاذ باللہ۔ وحدت الوجودی حضرات یہی معنی لیتے ہیں کہ رسولؐ اللہ اور صحابہؓ سب اللہ ہی تھے بلکہ ہر چیز اللہ ہی ہے' واضح رہے کہ جو کام اللہ کی خالص رضا کے مطابق انجام پاجائے' اسے وہ اپنی طرف منسوب کرکے یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ خالص میری رضا کے مطابق ہے۔ اس میں فاعل کی ہوائے نفس کا مطلقاً" کوئی دخل نہیں۔ چنانچہ نبی اکرمؐ اور صحابہؓ کے مذکورہ اعمال کے' خالصتہً" اپنی رضا کے مطابق ہونے کے اظہار کے لیے ان کے اعمال کو اصطلاحاً" اپنے اعمال کہا ہے۔ ورنہ نہ صحابہؓ کرام ہی اللہ تھے اور نہ خود رسول کریم ہی اللہ تھے۔

○۲۔ **لِيُبْلِيَ مادہ ب۔ ل۔ و = بلو** سے ہے۔ اس مادہ کا معنی آزمانا بھی ہے۔ ظاہر اور نمایاں کرنا بھی اور احسان کرنا بھی ہے' یہاں ۸/۱۷ میں صحابہ کرامؓ مومن مجاہدوں کے عزم و استقلال کو نمایاں کرنا مراد ہے جو احسن طور پر نمایاں ہوگئے' کہ قلیل مستقل مزاج مجاہد' دشمن کے کثیر لشکر پر غالب آگئے۔

○ ۳۔ **إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ**= بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا' جاننے والا ہے۔ یہاں یہ جملہ جبکہ جنگ جہاد کے ضمن میں آیا ہے اس لیے' اس سے یہ مراد ہے کہ:۔

تم نے عوام کے حوصلے بندھانے' اور افواہوں کے روکنے کے لیے جو زبانی سعی کی اسے اللہ سننے والا ہے اور دفاع کے لیے جونسے اعمال تم بجا لائے ہو انہیں اللہ خوب جاننے والا ہے۔

○ اس سے اگلی آیت میں کافروں ہی کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ ذلت کی شکست تو تمہارے حالیہ اقدام کی سزا ہے اور سن لو کہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا:۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

(نظام ربوبیت کا انکار کرنے والو !) یہ ہے تمہارے حالیہ اقدام کی سزا حقیقت یہ ہے کہ اللہ کافروں کی تجویز کو بیکار کرنیوالا ہے' (آئندہ بھی ایسا کریگا)

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

○ اگر تم یہ چاہتے تھے کہ مومن فتح پاکر دکھائیں' تو بیشک مومنوں کی فتح تمہارے سامنے آچکی ہے حقیقت یہ ہے کہ (آئندہ کے لیے) اگر تم باز آجاؤ تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم جارحیت کا اعادہ کرو گے تو ہم بھی (ایسے ہی دندان شکن جواب کا) اعادہ کریں گے اور تمہیں تمہارے فوجی جوان کوئی فائدہ نہیں دیں گے' اگرچہ وہ کتنے ہی کثرت میں ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

○ اس کے بعد پھر مومنوں کو مخاطب کیا گیا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

○ اے ایمان والو ! (اس مرکزی نظام کی) اطاعت کرو جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ قائم کیا ہے۔ اور اس اکلوتی اطاعت سے روگردانی نہ کرنا۔ حالانکہ تم (آیاتِ قرآنیہ) سنتے ہو (کہ مرکزی نظام سے روگردانی کی سزا بہت بری ہے) ۸/۱۴

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا' جو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے۔ لیکن (حقیقت میں) وہ سنتے نہیں ان کے قلوب میں منافقت کی بیماری ہے۔

○ اس سے اگلی آیت میں ایسے لوگوں کے متعلق کہ جو بصیرت کے کانوں سے نہیں سنتے اور نہ اسے عقل و بصیرت پر پرکھنے کی زحمت گوارہ کرتے ہیں' ارشاد ہوا ہے:۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

○ بیشک لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق وہ ہیں جو گونگے بہرے ہو رہتے ہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے۔

انسانوں اور حیوانوں میں فرق صرف عقل و بصیرت کا ہے:۔ آیت بالا میں عقل سے کام نہ لینے والوں کو بدترین خلائق قرار دیا گیا ہے' سورہ اعراف میں جو پیچھے گزر چکی ہے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

○ **لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ** ○ ۷/۱۷۹= ان کے پاس دماغ ہیں مگر وہ ان کے ساتھ سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان کے ساتھ دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان کے ساتھ سنتے نہیں' وہ ڈنگروں جیسے ہیں' بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ یہی لوگ (حقائق سے) بے خبر ہیں۔

○ اللہ تعالیٰ نے دماغ' آنکھیں اور کان استعمال کرنے کے لیے عطا فرمائے ہیں' جو لوگ ان سے کام نہیں لیتے انہیں قرآن نے ڈنگروں کی سطح کے انسان نما حیوان قرار دیا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں حکم دیا گیا ہے:۔

○ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

○ ۱۷/۳۶ اور اے مخاطب ! تو اس چیز کے پیچھے نہ پڑنا' جس کا تجھے علم نہیں۔ بیشک (علم کے ذرائع یہ ہیں) کانوں' آنکھوں اور دماغ کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ کیا ان سے کام لیا تھا یا نہیں

اگلی آیت مجیدہ میں ان چیزوں سے کام لینے کو خیر کہا گیا' اور ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ۝

اور اگر اللہ ان میں خیر پاتا (یعنی اگر وہ سن کر اس پر غور کریں) تو اللہ تعالیٰ انہیں سناوے (یعنی بات ان کے ذہن میں اتر جائے) لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں سنا بھی دے (یعنی اگر وہ کبھی انسانی سطح پر آکر قرآن سن بھی لیں۔ تو چونکہ اس سے ان کے آبائی عقائد متزلزل ہوتے ہیں اس لیے) وہ اس سے روگردانی کرکے بھاگ جاتے ہیں۔

○ یہ آیت مجیدہ متشابہ ہے جس سے بعض لوگ یہ تاثر دیتے ہیں کہ اللہ ہی سناتا اور نہ سناتا ہے۔ اس کے مقابلہ پر ۷/۱۷۹ محکم ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ ان کے پاس دماغ ہیں ان سے خود سوچتے نہیں' ان کے پاس آنکھیں ہیں ان سے خود دیکھتے نہیں' ان کے پاس کان ہیں ان سے خود سنتے نہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا کیا قصور؟

نگاہ بازگشت:۔ آیت نمبرا میں الانفال یعنی ہر قسم کے زائد مالوں' غنیمت' دفینے اور ہر قسم معدنیات کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ سب اس حکومتِ الٰہیہ کی ملکیت ہیں جو اللہ کے رسولؐ نے اللہ کے حکم کے مطابق قائم کی تھی۔ کیونکہ نبی اکرمؐ کی قائم کردہ قرآنی حکومت کا سرکزی نظام پورے عوام کی ضروریات زندگی کا ضامن تھا۔ نیز چونکہ اس نظام کی اساس آیات قرآنیہ پر قائم کی تھی۔ اس لیے آیت نمبر۲ تا ۴ میں آپؐ کے صحابہؓ مومنوں کی شان بیان کی گئی ہے کہ جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے اذہان کانپ اٹھتے ہیں۔ ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں۔ وہ زندگی کے ہر گوشے میں اللہ کے قانون پر (توکل) بھروسہ کرتے ہیں۔ نیز وہ اللہ تعالیٰ کی فرض کردہ صلوٰۃ موقت پابندی کے ساتھ ادا کرتے' اور جو کچھ ان کے رب نے عطا فرمایا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ حقّے سچے مومن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے بلند درجات ہیں' انہیں ہر قسم کے خطرات سے بچاؤ دیا گیا تھا۔ اور انہیں عزت کی روٹی میسر تھی یعنی انہیں آزاد طاقت ور حکومت میسر آئی تھی۔

○ آیت نمبر۵ تا ۸ میں جنگ بدر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کو دشمنوں کے مقابلے کے لیے اس حالت میں آپ کے گھر سے نکالا کہ آپ راہ حق پر گامزن تھے آپ کا لڑائی کے لیے نکلنا صد فیصد درست تھا۔ کیونکہ دشمن جارحانہ حملہ کرکے چڑھ آیا تھا۔ صحابہؓ کی ایک جماعت لڑائی کے حق میں نہیں تھی اور بعض چاہتے تھے کہ مسلح حملہ آوروں سے مقابلہ کرنے کی بجائے انہی کے غیر مسلح تجارتی قافلے کا رخ کیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ مسلح حملہ آوروں سے مقابلے کا فیصلہ کرایا' تاکہ حق اور باطل کی جنگ میں' باطل مغلوب ہو جائے اور حق کی فتح بصورت نصف النہار عیاں ہو جائے۔

○ آیت نمبر۹ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے بتایا ہے کہ جب تم نے دشمنوں کے مقابلے پر اپنے رب سے

مدد کی دعا کی تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں پے در پے آنے والے بیشمار (ملائکہ) کائناتی قوتوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا۔ اور آیت نمبر۱۰ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کی خبر کو ایک خوشخبری ٹھہرایا تاکہ تمہارے اذہان مطمئن ہو جائیں۔ اور آیت نمبر۱۱ میں اپنے **جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** میں سے بروقت بارش بھیجنے کی خبر دی گئی۔ جس سے صحابہ کے ذہن کی تمام پریشانیاں اطمینان میں تبدیل ہو گئیں۔ میدان جنگ میں پانی کے چشمے پر دشمن قابض تھا۔ بارش کی بدولت اسلامی لشکر کے اردگرد بڑے بڑے گڑھوں میں پانی کے ذخیرے جمع ہو گئے۔ میدان جنگ کی ریتلی زمین جم کر گھوڑوں کے دوڑنے کے قابل ہو گئی۔ رات بھر موسلا دھار بارش کی بدولت دشمن کے شب خون کا خطرہ ٹل گیا' صحابہؓ کو امن کی نیند میسر آئی اور وہ صبح کو دشمن کے مقابلے کے لیے بالکل تازہ دم ہو کر اٹھے۔ اور اس طرح نفس شیطان نے جوان کے اذہان میں وسوسے پیدا کر رکھے تھے کہ پانی پر دشمن کا قبضہ ہے۔ ریتلی زمین گھوڑوں کے دوڑنے کے قابل نہیں۔ یہ تمام وسوسے دور ہو گئے' صحابہؓ کے اذہان کو مکمل اطمینان میسر آیا اور ان کے قدم مضبوط ہو گئے۔

○ آیت نمبر۱۲'۱۳ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن مجاہدوں کے جی میں ڈال دیا گیا کہ تم تو مسلموں کو ثابت رکھو۔ میں حملہ آوروں پر تمہارا رعب ڈال دوں گا۔ پھر تم دشمنوں کی نہ صرف گردنیں کاٹنا بلکہ ان کے پور پور پر ضرب لگانا۔ یہ اس لیے کہ کافروں نے اس متوازن نظام کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا ہے جو اللہ نے اپنے رسولؑ کی معرفت قائم کیا ہے۔ آیت نمبر۱۴ میں کافروں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اب تم شکست کے عذاب کا مزہ چکھو۔

○ آیت نمبر۱۵-۱۶ میں اہل اسلام کے نام حکم عام جاری کیا گیا ہے کہ جب تم میدان جنگ میں کافروں کے مقابلے پر آؤ تو پیٹھ نہ پھیرنا۔ سوائے اس کے کہ تم جنگی کرتب کر رہے ہو یا اپنے کسی فوجی دستے میں شامل ہو رہے ہو۔ جو کوئی میدان جنگ سے پیٹھ پھیرے' وہ اللہ کا عذاب لے کر لوٹا۔ اس کا ٹھکانہ اخروی ناکامی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ جنگ بدر میں صحابہ نے جو کافروں کو قتل کیا تھا' چونکہ وہ عین اللہ کے حکم کے مطابق تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر۱۷ میں صحابہ کے عمل کو خود اپنا عمل قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح نبی اکرمؐ نے جو تیر اندازی فرمائی تھی' چونکہ وہ بھی عین اللہ کے حکم کے مطابق تھی اس لیے آپؐ کے اس عمل کو اپنا عمل قرار دیا گیا ہے۔

○ اس سے آگے آیت نمبر۱۸'۱۹ میں کافروں کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ تمہیں اس لئے شکست ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نظام ربوبیت کا انکار کرنے والوں کی تجویز کو بیکار کرنے والا ہے۔ تم اگر یہ چاہتے تھے کہ مومن اس عظیم لشکر پر فتح پا کر دکھائیں' تو وہ تمہارے سامنے آچکی ہے اور سن لو کہ آئندہ کے لیے اگر تم باز آجاؤ تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے جارحیت کا اعادہ کیا تو ہم بھی ایسے ہی دندان شکن جواب کا اعادہ کریں گے اور تمہیں تمہاری فوجی کثرت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے' جو نظام ربوبیت کے قیام کے ذریعہ امن قائم کرنے والے ہیں۔

○ اس سے آگے آیت نمبر ۲۰ تا ۲۳ میں مومنوں کو کہا گیا ہے کہ اس مرکزی نظام کی پوری طرح اطاعت کرتے رہو' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ قائم کیا ہے' اس سے روگردانی نہ کرنا' اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے اللہ کا حکم سنا ہے' لیکن وہ سنتے نہیں یعنی سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو گونگے بہرے ہو رہتے ہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے اگر ان میں حقائق کو قبول کرنیکی صلاحیت ہو تو' قرآن کریم کو بغور سنیں۔

لیکن چونکہ قرآن سننے سے ان کے آبائی عقائد متزلزل ہوتے ہیں اس لیے وہ روگردانی کرتے اور بھاگ جاتے ہیں۔

○ کافروں کے متعلق اس وضاحت کے بعد کہ وہ اللہ کے رسول کی دعوت کو نہ بصمیم قلب سنتے ہیں اور نہ اسے قبول کرتے ہیں۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ تم ایسا نہ کرنا۔ رسول کی دعوت قبول کرنا تاکہ وہ تمہیں عزت کے ساتھ جینا سکھائے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾

اے ایمان والو ! جب اللہ اپنے رسولؐ کے ذریعہ تمہیں بلائے تاکہ تمہیں زندہ کرے (یعنی باعزت طور پر زندہ رہنے کے انداز سکھائے) تو اس کی پکار کو قبول کیا کرو۔ اور جانے رہو کہ بیشک انسان اور اس کے دماغ کے درمیان اللہ کا قانون حائل ہے (یعنی جو فیصلہ خود انسان کا دماغ کرتا ہے' وہی کام انسان کے اعضاء انجام دیتے ہیں) اور شان یہ ہے کہ سب لوگ (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اسی کی طرف جمع کیے جائیں گے۔

۱۔ **اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ** کے الفاظ میں اللہ اور رسولؐ کی الگ الگ دو دعوتیں نہیں بلکہ اللہ اور رسول کی مشترک ایک ہی دعوت اللہ تعالیٰ کی ہے جو اس نے اپنے رسول کے ذریعہ دی ہے' جب تک نبی اکرمؐ زندہ تھے' اس وقت صحابہؓ کو بنفس نفیس دعوت دیا کرتے تھے جس پر عمل کرنے سے صحابہؓ کو عزت کی زندگی میسر آئی تھی۔ اور آپؐ کی وفات مبارکہ کے بعد مسلمانوں کو آپؐ کی لائی ہوئی کتاب اللہ و رسول کی وہ اکلوتی دعوت قیامت تک دیتی رہے گی' جس پر عمل کرنے سے باعزت زندگی ملتی ہے۔

○ **يُحْيِيكُمْ** کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں' جن میں زندوں کو زندگی دینے کی خبر دی گئی ہے۔ یہاں بے وقار اور بے عزتی کی زندگی کو موت کے ساتھ تشبیہہ دی گئی اور زندگی اسے قرار دیا ہے جس میں پوری قوم کو عزت کی روٹی میسر آئے۔ غیر قوموں سے ضروریات کی بھیک نہ مانگنی پڑے صحابہ رضی اللہ عنہم جو آیت بالا کے اولین مخاطب ہیں' انہیں اللہ و رسول کی دعوت کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے جو عزت کی زندگی میسر آئی تھی اس کی خبر اسی سورہ انفال کی آیت ذیل میں دی گئی ہے:۔

○ **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ** ○ ۸/۷۴ اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا اور وہ لوگ بھی جنہوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ سب سچے سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے (داخلی اور خارجی ہر قسم کے خطرات سے) بچاؤ اور عزت کی روزی ہے۔ (وہ آزاد' خود مختار طاقتور اور بے محتاج حکومت کے مالک ہوں گے۔ یعنی انہیں اپنی ضرورتوں کے لیے دوسری حکومتوں سے بھیک مانگنی نہیں پڑے گی)

○ ۲۔ **بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ** میں لفظ **الْمَرْءِ** مطلق انسان کے لیے آیا ہے' جس میں مرد عورتیں سب شامل ہیں۔ کیونکہ یہاں ایک عالمگیر قانون بیان کیا گیا ہے۔

قَلْبِہٖ میں **قلب** کا معنی دل نہیں بلکہ دماغ ہے۔ قرآن مجید میں قلب بمعنی دماغ کی وضاحت سورہ اعراف میں منکرین ربوبیت کی صفات بیان کرتے ہوئے بالفاظ ذیل آئی ہے۔ **لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا** ۷/۱۷۹ ان کے پاس قلوب ہیں مگر وہ ان کے ساتھ تفقہ نہیں کرتے' سوچتے نہیں' اب غور فرمایئے گا کہ غور و خوض' تفقہ اور سوچ بچار دماغ کا کام ہے۔ دل کا نہیں۔ کیونکہ دل تو جگر کی طرف سے منتقل کردہ خون کو سارے جسم میں پہنچانے کا محض پمپ ہے۔ اس لیے جہاں تدبر' تفکر' تفقہ' غور اور سوچ بچار کے لیے قلب کا لفظ آئے وہاں اس کا معنی دماغ ہوتا ہے' دل نہیں ہوتا۔ لفظ قلب کا سہ حرفی مادہ ق۔ ل۔ ب' قلب ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے الٹنا اسی سے لفظ ہے انقلاب بمعنی الٹ پلٹ کر دینا۔ اب دماغ چونکہ انسانی جسم کا پرزہ ہے جس میں ہر وقت انقلاب برپا رہتا ہے۔ جسم یہاں بیٹھا ہے اور دماغ لندن کی سیر کر رہا ہے' پھر وہاں سے منقلب ہوکر جھٹ نیو یارک پہنچ جاتا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے ملکوں سے ہوتا ہوا مشرق وسطی کی خبر لینے لگتا ہے۔ ان دیکھے مقامات کے نقشے تصور میں بناتا اور پوری دنیا میں منقلب ہوتا رہتا ہے' پس دماغ کی اسی انقلابی حیثیت سے اسے قلب کہا جاتا ہے۔ اس کے سوا دل کو قلب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اس مادہ کے بنیادی معنوں سے متعلق ہے' یہاں آیت زیر بحث میں قلب بمعنی دماغ ہے جو پورے جسم کا گورنر (حاکم) ہے۔ جو حکم دماغ کی سرکار سے صادر ہوتا ہے' اعضاء اسے بجالانے میں بلا تاخیر سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔

○ **اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ** کے جملہ میں اللہ بمعنی اللہ کا وہ قانون ہے جو اس نے نوع انسانی کے اعمال کے متعلق خود متعین کیا ہوا ہے۔ یہاں اللہ بمعنی خود اللہ اس لیے لگ نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ جو اس وسیع و عریض کائنات پر محیط ہے وہ کسی دو چیزوں کے درمیان محاط (گھرا ہوا) ہو ہی نہیں سکتا۔ اب رہا یہ سوال کہ اللہ بمعنی قانون کس قاعدے کے مطابق لیا جاسکتا ہے اس کے لیے سورہ النحل کی آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد باری ہے:۔

○ **اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِىْ جَوِّ السَّمَآءِ ط مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ط اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** ۱۶/۷۹ کیا لوگوں نے پرندوں کی طرف غور نہیں کیا۔ انہیں غور کرنا چاہیئے کہ فضاءِ آسمانی میں مسخر کئے ہوئے (اڑتے پھرتے) ہیں۔ انہیں نہیں تھامے رکھتا' مگر اللہ (کا قانون) تھامے رکھتا ہے۔ بیشک اس بیان میں اس قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو اللہ کے قانون کی محکمیت پر ایمان رکھتی ہے۔

○ دیکھئے! یہاں **يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ** کے جملہ میں اللہ بمعنی اللہ کا وہ قانون ہے جو اس نے پرندوں کے فضا میں اڑنے کے متعلق خود متعین کر رکھا ہے کہ جب تک پرندے کے پر صحیح حالت میں موجود ہیں۔ اور اس کے جسم میں بھی کوئی سقم واقع نہیں ہوا اس وقت تک وہ اڑتا رہتا ہے۔ مگر جب شکاری کا معمولی سا چھرّہ اس کے پَر کو بیکار کر دیتا ہے یا اس کے جسم کے کسی حصے میں سقم پیدا کر دیتا ہے تو وہ اڑتا ہوا پرندہ معاً نیچے آگرتا ہے۔

○ اب جس طرح **مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ** میں اللہ بمعنی اللہ کا قانون ہے۔ اسی طرح آیت زیر بحث کے جملہ **اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ** میں لفظ اللہ بمعنی اللہ کا قانون ہے' جسے اس نے انسان کے دماغ اور اس کے اعضا کے مابین خود حائل کر رکھا ہے اور جب کوئی اچھا یا برا کام کرنے کا موقع اس کے سامنے آتا ہے تو نفس امارہ اسے برائی کا حکم کرتا ہے' اور نفس لوامہ اس سے منع کرتا اور نیکی کی ترغیب دیتا ہے لیکن فیصلہ کرنا انسان کے اپنے دماغ کا کام ہے'

انسان کے اعضا اور دماغ کے درمیان اللہ تعالیٰ کا یہ قانون حائل ہے کہ جو حکم جسم انسانی کے حاکم (گورنر) دماغ کی طرف سے جس عضو کی طرف صادر ہوتا ہے وہ اس کی تعمیل میں بلا عذر بلا تاخیر سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اچھے یا برے جیسے بھی عمل انسان بجا لاتا ہے' خود اپنے دماغ کے فیصلے کے مطابق بجا لاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اچھے عمل زبردستی کراتا ہے نہ برے۔

○ اسی مفہوم کی تائید آیت مجیدہ کے آخری جملہ **وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ** میں موجود ہے کہ۔ بیشک شان یہ ہے کہ سب لوگ اپنے اعمال کی جوابدہی کے لیے اللہ ہی کے حضور میں جمع کیے جائیں گے ظاہر ہے کہ اعمال کی باز پرس اسی صورت میں انصاف ٹھہر سکتی' جب اچھے یا برے اعمال انسان خود بجا لائے اس پر کسی پہلو بھی کسی قسم کا دباؤ موجود نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ "سورہ حم سجدہ میں اچھے برے اعمال کی بجا آوری انسان کی اپنی مرضی پر چھوڑی گئی ہے۔

○**اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ** ۴۱/۴۰ اچھے یا برے' جو عمل تم خود چاہو کرو

○**مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ط وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ہ** ۴۱/۴۶ جو کوئی اچھے کام کرے گا اس کی جزا خود اسی کے لیے ہے۔ اور جو کوئی برے عمل کرے گا' اس کی سزا' خود اسی کو ملے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (زبردستی برے عمل کروا کر) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

اگلی آیت میں ان اعمال کے وبال کی خبر دی گئی ہے' جن کی سزا صرف برے عمل کرنے والوں تک محدود نہیں رہتی' بلکہ بے قصور افراد بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں:۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۵

اور (ایمان والو) ایسے فتنے برپا کرنے سے بچو' جن کی سزا تم میں سے صرف ان لوگوں ہی کو مخصوص طور پر نہیں ملتی' جنہوں نے ظلم کیا ہو۔ (بلکہ ساری قوم پر وبال آجاتا ہے اللہ کے قانون میں ہرگز لچک موجود نہیں صحابہ رسول تک کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا) اور جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

○ ایسا عمل جس میں قصور وار تو ہوں چند افراد' مگر اس کی سزا صرف انہی کو نہ ملے' بلکہ بے قصور بھی اس کی زد میں آجائیں' اس کی مثال پیچھے سورہ آل عمران میں جنگ احد کے ذکر میں گزر چکی ہے کہ نبی اکرمؐ نے صحابہؓ کے کچھ افراد کو ایک مخصوص اونچے مقام پر متعین کر رکھا تھا۔ تاکہ دشمن پیچھے کی طرف سے حملہ آور نہ ہوسکے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب میدان جنگ میں مسلمانوں کو ابتدائی مقابلے میں کامیابی نصیب ہوئی' دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ نکلا تو صحابہؓ کے مذکورہ گروہ کے کچھ افراد نے یہ سمجھ لیا کہ اب فتح ہو چکی ہے' دشمن راہِ فرار اختیار کر چکا ہے اس لیے اب ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ کیونکہ پیچھے کی طرف سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے اب اس مقام کو چھوڑ کر اپنے لشکر میں شامل ہو جانا چاہیئے۔

○ اسی دستہ کے چند افراد نے اس مقام کو چھوڑنے کی مخالفت کی مگر' دوسروں کی رائے غالب آئی اور وہ مذکورہ مقام چھوڑ کر لشکر میں آملے۔ لیکن ان چند افراد کی غلطی کا وبال پورے لشکر اسلام پر آیا کہ دشمن کے گشتی دستے نے اسلامی لشکر پر

پیچھے سے حملہ کر دیا اور صحابہؓ کے پورے لشکر کو شکست ہوگئی۔ بالفاظ دیگر چند افراد کی غلطی کا وبال صرف انہی تک محدود نہ رہا بلکہ ان جاں نثاروں پر بھی آگیا جو ابھی ابھی انتہائی جاں فشانی اور پامردی کیساتھ دشمن کو بھگا چکے تھے۔ اس پورے واقعہ اور اپنے قانون کی محکمیت کی خبر ذیل کے چند لفظوں میں دی گئی ہے:۔

○ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○ ۳/۱۶۵ اور کیا جب تمہیں (شکست کی) مصیبت پہنچی' بیشک تم اس سے دگنی (شکست) دے چکے ہو۔ تم نے پوچھا کہ یہ (شکست) کہاں سے آگئی ہے۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے گا کہ یہ تمہارے اپنے افراد کی طرف سے آئی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے اندازے' پیمانے اور قانون متعین کرنے والا ہے۔ (جب تمہارے کچھ افراد ایسا عمل بجا لائے' جس کی سزا صرف ان تک محدود رہنے والی نہیں تھی' تو پورا لشکر اسلام اس کے وبال کی لپیٹ میں آگیا اور صحابہؓ جیسے اس پاکیزہ لشکر کو شکست ہوگئی جس کے سالارِ لشکر خود رسول مقبول تھے)۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں صحابۂ رسولؐ کو ان کا وہ وقت یاد دلایا جا رہا ہے جب وہ اتنے کمزور تھے کہ انہیں خوف لگا رہتا کہ ان کے راہ چلتے افراد کو لوگ اچک نہ لیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں مکہ معظمہ سے ہجرت کروا کر مدینہ منورہ میں مرکزیت عطا فرمائی اور طیّبات سے نوازا:۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۲۶

اور (اے جماعت صحابہ !) اس وقت کو یاد کرو جب تم (مکہ معظمہ میں) تھوڑے تھے اور زمین میں کمزور کر دیئے گئے تھے۔ (اس وقت) تم ڈرتے تھے کہ تمہیں (یعنی تمہارے راہ چلتے افراد کو) لوگ اچک نہ لیں۔ پھر اللہ نے تمہیں (مدینہ منورہ میں ٹھکانہ دیا' تمہاری مرکزیت قائم ہوگئی اور اس نے تمہاری مدد فرمائی اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا' تاکہ تم شکرگزاری کے کام کرو (اپنا دفاع مضبوط کرو)

شکر بمعنی دفاع مضبوط کرنا:۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کا معنی لکھا گیا ہے "دفاع مضبوط کرو"۔ ان مقامی معنوں کی صحت کے ثبوت کے لیے پورے سیاق کلام پر توجہ فرمائیں۔ واضح رہے کو پوری سورہ انفال جنگ جہاد کے مسائل پر مشتمل ہے' جس کی ابتدا ہی مال غنیمت سے کی گئی ہے پیچھے آیت نمبر۲ تا ۱۴ میں جنگ بدر کا ذکر ہے۔ آیت نمبر۱۵' ۱۶ میں جنگ سے پیٹھ نہ موڑنے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔ آیت نمبر۱۷' ۱۸ میں صحابہؓ اور نبی اکرمؐ کے جنگی اعمال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

○ آیت نمبر۱۹ میں جنگ بدر کے حملہ آوروں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر آئندہ کے لیے جارحیت سے باز آجاؤ تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ ورنہ آئندہ بھی تمہارا اسی طرح دندان شکن مقابلہ کیا جایا کرے گا۔ اس سے آگے آیت نمبر۲۰' ۲۱ میں جنگ سے متعلقہ ہدایات اور اسلامی مرکز کی اطاعت کاملہ کا حکم دیا گیا ہے۔ آیت نمبر۲۲' ۲۳ میں قرآنی نصائح کو سن ان سنی کرنیوالوں کو بدترین خلائق قرار دیا گیا ہے۔ آیت نمبر۲۴ میں ہر فعلِ انسانی کا ذمہ دار خود انسان کو ٹھہرایا اور آیت نمبر ۲۵ میں ان جنگی فتنوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جو چند افراد کی غلطی کی بدولت پورے لشکر کی شکست کا باعث بنتے ہیں۔

○ اور اس سے آگے ہے آیت بالا زیر بحث' جس میں صحابہؓ کی مکی زندگی کی کمزوری یاد دلا کر مدنی زندگی میں مرکزیت

کے قیام کے ضمن میں اللہ نے اپنی مدد اور طیبات کی فراوانی کی غرض بتائی ہے۔ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ**

○ شکر کا مطلق معنی ہے ایسا عمل بجا لانا جس کا بھرپور ثمر بشکل مشہود سامنے آموجود ہو۔ **المشکار** اس دودھ دینے والے مادہ جانور کو کہتے ہیں جس کے تھن دودھ سے بھرے رہیں۔ **شکرۃ الشجرۃ** کا معنی ہے درخت پر ٹہنیاں نکل آئیں' نمودار ہوگئیں۔ **اشتکرت السماء** کا معنی ہے بارش زور سے برسی **اشتکر الحرو البرد** کا معنی ہے گرمی اور سردی بھرپور ہوگئی۔ یہ تو ہوا اس مادہ کا مطلق بنیادی معنی۔ اب آیئے اس چیز کی طرف کہ' آیت بالا میں جہاں پورا سیاق کلام جنگ جہاد کے عنوان پر مشتمل ہے' اور آگے ساری سورہ انفال جنگ جہاد کے خصوصی ذکر سے معمور ہے' وہاں مدینہ منورہ کی مرکزیت عطا کرنے کی غرض و غایت کے طور پر جو ارشاد ہوا ہے۔ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ**' وہاں یہ معنی کیوں صحیح ہے۔ "تاکہ تم دفاع مضبوط کرو"

○ سنئے ! داؤدؑ کو بھی حکومت و مرکزیت عطا ہوئی تھی اور پھر حکم ہوا تھا۔ **اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ** ۳۴/۱۱۔ اے داؤد ! تو زرہیں بنایا کر اور ان کے حلقوں کا صحیح صحیح اندازہ کیا کر۔ اور تم (بہترین زرہیں بنا کر) صالح عمل بجا لایا کرو بیشک جو تم عمل کرو گے' میں انہیں دیکھنے والا ہوں۔ داؤدؑ کے بعد جب آپ کے بیٹے سلیمانؑ کو مرکزیت تفویض ہوئی' تو ان کے متعلق ارشاد ہوا' کہ انہوں نے سامان حرب کی تیاری کے لیے بہتے تانبے کی فاونڈریاں قائم کیں۔ ان کے ہاں غیر ملکی کاریگر اپنے بادشاہ کی اجازت سے جنگی ضرورتوں کے لیے ذیل کا سامان تیار کرتے تھے۔ ○ **یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ** ○ ۳۴/۱۳ اور اس کے لیے بناتے تھے (غیر ملکی ماہرین) فوجی قلعے' اور ہر تیار کی جانیوالی چیز کے نقشے اور (ان قلعوں میں فوجی ضروریات کے لیے پانی کا ذخیرہ کرنے کے لیے) تالابوں جتنی بڑی بڑی ٹینکیاں اور (فوجوں کے لیے بڑی مقدار میں کھانے پکانے کی) ایک ہی جگہ پر پڑی رہنے والی دیگیں (ان چیزوں کی تیاری کا حکم ہم ہی نے دیا تھا کہ) اے اہل داؤد شکرگزاری کا کام کیا کرو۔ (دفاعی امور کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہو) ہمارے شکرگزار بندے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ (اکثریت کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں حکومت میسر آتی ہے تو دفاع سے غافل ہوکر عیش و عشرت میں بدمست ہو رہتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ کہ جب دشمن حملہ آور ہوتا ہے تو اس کا دفاع نہیں کر سکتے اور حکومت کھو بیٹھتے ہیں)

دیکھا آپ نے کہ:۔ ○ آیت بالا ۳۴/۱۳ میں سلیمانؑ کو فوجی ضرورتوں کے سامان کی تیاری کا حکم **اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا**" کے الفاظ میں دیا گیا ہے۔ جس سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مرکز کی طرف سے ملکی دفاع کو مضبوط کرنا شکر گزاری کا عمل ہے۔ چنانچہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ میں مرکزیت (آزاد قرآنی حکومت) عطا ہوئی تو اس عطاءِ ربانی کی غرض بتائی گئی ہے۔ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ**۔ تاکہ تم دفاع مضبوط کرو۔ دشمن تمہاری طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی بھی جرات نہ کر سکے اور اگر حملے کی غلطی کر بیٹھے تو دانت تڑوا کر واپس لوٹے۔

○ اسی غرض و غایت کو واضح حکم کی صورت میں اسی سورہ انفال کی آیت نمبر۶۰ میں بالفاظ ذیل اجاگر کیا گیا ہے۔

○ **وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ** (۸/۶۰) اور دشمنوں کے مقابلہ کے لیے پوری استطاعت بھر فوجی قوت تیار کرتے رہو۔ خصوصاً" تمہارے ہاں ذرائع رسل و رسائل (الخیل) کی بہتات موجود

ہو۔ تم اس فوجی قوت کے ساتھ اللہ کے' اور اپنے دشمنوں کو لرزاتے رہو۔ (یعنی تمہارا دفاع اتنا مضبوط اور فوجی قوت اتنی نمایاں ہو کہ تمہارا دشمن گھر بیٹھے کانپتا رہے)

دفاع میں خیانت نہ کرو:۔ اگلی آیت مجیدہ میں ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم الگ الگ اپنی اپنی کوٹھیاں بنگلے' باغات' مربعے اور جائیدادیں بنا کر ملکی دفاع میں خیانت نہ کرنا:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾

﴿۲۷﴾ ایمان والو ! اس اسلامی اور قرآنی مرکز کی خیانت نہ کرنا جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ قائم کیا ہے اور نہ تم آپس میں ایک دوسرے کی امانتوں میں خیانت کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ تم (اس کے برے نتائج کو خوب) جانتے ہو۔

○ اللہ کی خیانت اور اس کے رسولؐ کی خیانت دو الگ الگ خیانتیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہاں اس مرکزی نظام کی خیانت مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ قائم کیا تھا فلہٰذا ہر وہ کام جس سے مرکز کمزور ہو' وہ اللہ اور رسولؐ کی خیانت ہے۔ مرکزی نظام پر جو لوگ قابض ہوتے ہیں' مرکز کی اولین خیانت ان سے شروع ہوتی ہے۔ وہ لوگ عوامی بیت المال کو ذاتی منفعت کے لیے استعمال کرتے' ذاتی جائیدادیں' کوٹھیاں' بنگلے بناتے اور مربعے خریدتے ہیں۔ مدنی مرکزیت کے اولین مقتدر افراد صحابۂ رسولؐ تھے' وہی آیت بالا ۸/۲۷ **لا تخونوا اللّٰہ والرسول** کے اولین مخاطب تھے۔ انہوں نے اس آیت مجیدہ پر پورا پورا عمل کیا۔ جیسے کہ اپنے بیگانوں اور دوست دشمن سب کی تاریخوں میں کہیں بھی یہ چیز نہیں ملتی کہ صحابۂ رسولؐ نے کوئی جائیدادیں بنائی تھیں۔ اپنے لیے عوام سے جدا بنگلے اور کوٹھیاں تعمیر کرائی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی فتوحات کا سلسلہ چار وانگ عالم میں پھیل گیا تھا۔ کیوں؟ اس لیے کہ مرکز کی عدم خیانت کی بدولت نہ صرف یہ کہ انکا دفاع مضبوط تھا۔ بلکہ ان کی فوجی قوت اتنی طاقتور تھی کہ جدھر کو ان کے قدم اٹھتے تھے' فتح ہمرکاب ہوتی تھی دشمن ان کی فوجی طاقت سے ہر آن لرزہ براندام رہتا تھا۔

○ اس کے برعکس جہاں اللہ و رسولؐ کی خیانت کی جاتی ہو' یعنی عوامی بیت المال کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر اس سے ذاتی منفعت اندوزی ارباب اقتدار کا شعار ہو۔ اور اس طرح جو مال فوجی قوت مہیا کرنے پر صرف ہوتا تھا وہ ذاتی عیش پرستی کی نذر ہو جائے تو اس کا لازمی نتیجہ دفاع کی کمزوری اور فوجی قوت کا فقدان ہوتا ہے۔ دشمن پر سے رُعب اٹھ جاتا اور وقت پڑنے پر شکست لازم ہو جاتی ہے۔ چونکہ مندرجہ بالا مالی خیانت اولاد کے لیے کیجاتی ہے اس لیے اگلی آیت مجیدہ میں ایسا کرنے والوں کو مخاطب کرکے متنبہ کیا گیا ہے کہ ایسے مال اور ایسی اولاد فتنہ ہیں:۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾

﴿۲۸﴾ اور جانے رہو کہ تمہارے مالوں اور تمہاری اولادوں (کی وہ غلط محبت' جس سے ملکی دفاع میں خیانت واقع ہوتی ہے) فتنہ ہے۔ اور بیشک اللہ ہی ہے کہ اس کے ہاں (اس خیانت سے بچنے کا) بہت بڑا بدلہ ہے۔

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مذکور اجرِ عظیم کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ
لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ
يَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

۲۹ ایمان والو ! اگر تم اللہ تعالیٰ (کے مذکورہ بالا حکم کی مخالفت) سے بچتے رہے تو اللہ تمہارے لیے فیصلہ مقرر کر دیگا (تمہاری فوجی تیاری (۶۰:۸) اور تمہاری ثابت قدمی (۴۵:۸) کی بدولت تمہارے لیے واضح فتح کا فیصلہ کر دیا جائے گا) اور وہ تم سے تمہاری بد حالیاں دور کر دیگا۔ اور داخلی خارجی ہر قسم کے خطرات سے تمہاری حفاظت کریگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑے فضل والا ہے۔

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اس وقت کا ذکر کیا گیا ہے' جب کفارِ مکہ نے نبی اکرمؐ کیلئے عمر قید' قتل یا ملک بدر کرنیکا منصوبہ بنایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس بدترین منصوبے کو اپنے پر امن ہجرت کے بہترین منصوبے پر بروقت عمل کروا کر خاک میں ملا دیا تھا:۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ
يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ
اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰ اور (اے رسولؐ) وہ وقت قابل ذکر ہے' جب (مکہ کے) کافروں نے تجویز کی کہ آپ کو عمر قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں۔ اور یا آپ کو ملک بدر کر دیں۔ اور وہ بھی تجویز کر رہے تھے۔ اور اللہ بھی تجویز کر رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر تجویز کرنے والا ہے۔ (کافر تجویز ہی کرتے رہ گئے اور اس نے ہجرت کروا کر آپ کو مدینہ منورہ پہنچا دیا)

○ اگلی آیت مجیدہ میں مکہ کے کافروں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا
لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ
اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور جب ان (کافروں) پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو وہ کہتے تھے کہ بیشک ہم نے سن لیا ہے۔ اگر چاہیں تو ہم بھی اس جیسا (کلام) کہہ دیں۔ نہیں ہے یہ مگر پرانے لوگوں کی محض کہانیاں ہیں۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ
الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً
مِّنَ السَّمَاۗءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

خصوصاً" وہ وقت قابل ذکر ہے جب انہوں نے یہ کہا کہ اے ہمارے اللہ اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے سچا ہے (اور ہم نے اس کا انکار کر دیا ہے تو ہمارے انکار کے بدلے) ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ یا ہم پر درد ناک عذاب لے آ۔ (تاکہ ثابت ہو کہ یہ واقعی تیری طرف سے سچی کتاب ہے۔

کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے' انہیں انکار تھا' اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کا:۔○

○ دیکھئے ! آیت بالا ۸/۳۲ سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے۔ جیسے کہ ان کی دعا نقل کی گئی ہے کہ "اے ہمارے اللہ ! اگر یہ قرآن واقعی تیری طرف سے نازل کردہ سچی کتاب ہے۔ تو اس کے انکار کے عوض ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ یا کوئی اور درد ناک عذاب ہم پر نازل کر دے"۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم قرآن مجید پر غور کرتے ہیں تو کسی بھی نبی کی مقابل قوم اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر ثابت نہیں ہوتی بلکہ وہ سب "اکیلے اللہ" کی فرمانبرداری کی منکر تھیں۔ اور ربوبیت عالمینی کا انکار کرکے' اللہ کے رزق کی تقسیم میں من مانے عدم توازن کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب

گیا کرتی تھیں اور اسی کو اللہ کا دین تصور کیے ہوئے تھیں' اللہ تعالیٰ کی ہستی کی بابت الگ الگ قوموں کے متعلق قرآن مجید میں درج ہے:۔

قوم نوح اللہ کی منکر نہیں تھی ○ سورہ مومنون میں قوم نوح کے سرداروں کا قول درج ہے **فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ** ○ ۲۳/۲۴۔ پس قوم نوحؑ کے سرداروں میں سے نوحؑ کا انکار کرنیوالوں نے کہا کہ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر ہے۔ وہ (نبوت کا دعویٰ کرکے) تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر اللہ (نبی بھیجنا) چاہتا تو ضرور کوئی فرشتہ نازل کرتا ہم نے تو اپنے بڑوں سے یہ سنا ہی نہیں (کہ بشر نبی ہوا کرتا ہے) دیکھیے! اس آیت مجیدہ میں قوم نوح کے سرداروں کا جو یہ قول نقل کیا گیا ہے "اگر اللہ چاہتا تو فرشتہ نازل کر دیتا" اس سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی ہستی کے منکر ہرگز نہیں تھے۔ انہیں انکار تھا بشر کے نبی ہونے کا۔

قوم عاد بھی اللہ کی منکر نہیں تھی ○ سورہ اعراف میں قوم عاد کے کافروں کا قول بالفاظ ذیل نقل کیا گیا ہے:۔
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (۷/۷۰) انہوں نے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کریں اور جن کی فرمانبرداری ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے انہیں چھوڑ دیں؟۔ اس آیت مجیدہ سے ہودؑ کی مقابل قوم کے متعلق اظہر من الشمس ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے۔ بلکہ وہ اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے بزرگوں کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کی فرمانبرداری کے قائل تھے۔

قوم ابراہیمؑ بھی اللہ کی منکر نہیں تھی ○ سورہ انعام میں اپنی قوم کے نام ابراہیمؑ کا خطاب بالفاظ ذیل نقل ہوا ہے۔
وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا (۶/۸۱) اور میں کیوں خوف کھاؤں اس سے جو تم نے شرک کیا ہے۔ حالانکہ تم خوف نہیں کرتے' بلا شبہ تم نے اللہ کے ساتھ (بتوں کو ۳۷/۹۵ اور ستاروں کو ۶/۸۰) شریک ٹھہرایا ہوا ہے' جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ دیکھئے! اس آیت میں **اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ** کے الفاظ سے کھل کر عیاں ہوتا ہے کہ قوم ابراہیم اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی۔ اس نے اللہ کے ساتھ متعدد شریک مقرر کر رکھے تھے۔

قوم فرعون بھی اللہ کی منکر نہیں تھی ○ سورہ **طٰہٰ** میں موسیٰؑ کا قول بالفاظ ذیل درج ہے جو آپؑ نے قوم فرعون سے فرمایا:۔ **قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى** ۲۰/۶۱ اور موسیٰ نے انہیں کہا' خرابی ہے تمہارے لیے' اللہ پر جھوٹ نہ باندھو' ورنہ تمہیں عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیگا حقیقت یہ ہے کہ جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا وہ تباہ ہوگیا۔ دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں موسیٰؑ کے **لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ ان کی مقابل قوم اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے بڑے بزرگوں والے غلط نظریات منسوب کر رکھے تھے۔

○ حقیقت یہ ہے کہ قومیں اللہ کے حکم کے ساتھ غیر اللہ کے حکموں کو واجب الاتباع قرار دے کر' نظام ربوبیت کی

مخالفت میں من مانی طغیانیاں کرتی چلی آئی ہیں۔ اور اللہ کے ذمہ لگا رکھا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ہی نے بزرگوں کے احکام کو واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ خود رسول اللہ کی مقابل قوم، یعنی کفار مکہ کا حال بھی سورہ بنی اسرائیل میں یہی بتایا گیا ہے کہ وہ اکیلے اللہ کی فرمانبرداری سے بھاگتے تھے:۔

○ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا○ (۱۷/۴۶) اور اے رسولؐ! جب آپؐ قرآن میں اپنے اکیلے رب کا ذکر کرتے ہیں تو یہ لوگ پیٹھ موڑ کر بھاگ جاتے ہیں یعنی وہ اکیلے اللہ کے احکام کو واجب الاتباع قرار نہیں دیتے۔ اللہ کے حکم کے ساتھ اپنے بزرگوں کے احکام کو بھی واجب الاتباع منوانا چاہتے ہیں۔

رجوع الی المطلب ○ آیت بالا ۸/۳۲ میں جو کفار مکہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ: اے ہمارے اللہ اگر یہ قرآن تیری طرف سے سچا ہے تو ہمارے انکار کی بدولت ہم پر آسمان سے پتھر برسا' اور یا پھر ہم پر کوئی اور دردناک عذاب نازل کر دے ان کے طلب عذاب کا جواب باصواب اگلی آیت مجیدہ (۸:۳۳) میں رسول اللہ کو مخاطب کرکے بالفاظ ذیل دیا گیا ہے:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳

اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ (اے رسولؐ) وہ ان کو اس حالت میں عذاب کرے کہ جس حالت میں آپ خود ان میں موجود ہیں اور اللہ انہیں اس حالت میں بھی عذاب کرنے والا نہیں کہ وہ (اس کے ضابطے پر ایمان لا کر اس سے) بچاؤ طلب کر رہے ہوں۔

○ **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ** میں جو کہا گیا ہے کہ جب تک آپ ان کے اندر موجود ہیں اس وقت تک اللہ ان پر عذاب نہیں کرے گا۔ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ مستقل سنت بیان فرمائی ہے کہ نافرمان قوموں پر عذاب نازل کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے نبیوںؑ اور ان کے صحابہؓ کو اس قوم میں سے نکال لیا کرتا تھا۔ جیسے کہ قوم نوح پر عذاب نازل کرنے سے پہلے نوحؑ سے کشتی بنوا کر انہیں اور ان کے صحابہؓ کو اس میں سوار کرکے قوم میں سے نکال لیا گیا۔ ہودؑ اور صالحؑ کی قوموں پر عذاب نازل کرنے سے پہلے انہیں اور ان کے صحابہؓ کو محفوظ مقامات پر پہنچا دیا گیا۔ قومِ لوط پر عذاب نازل کرنے سے پہلے لوطؑ اور ان کے ساتھیوں کو اس بستی سے نکال لیا گیا۔ علیٰ ہذا القیاس

○ **وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ** کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو نمایاں کیا ہے کہ اس کے فیصلے اندھا دھند نہیں ہوتے۔ اگر قوم سرکشی کی انتہاء کے قریب پہنچنے کے بعد ضابطہ ربانی پر ایمان لاکر اس پر عامل ہو جائے' تو اگرچہ ان میں سے نبی رسولؐ نکل بھی گیا ہو تو اللہ تعالیٰ پھر بھی عذاب نہیں کرتا۔ جیسے کہ قوم یونسؑ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ یونسؑ نے ان کی نافرمانیوں سے یہ اندازہ لگایا کہ اب ان پر عذاب آیا ہی چاہتا ہے۔ اس لیے آپ ان سے نکل گئے۔ لیکن ہوا یہ کہ اگرچہ ان کی نافرمانیاں نزولِ عذاب کی حدوں کو چھو رہی تھیں۔ لیکن جب انہوں نے یونسؑ کے تشریف لے جانے کے بعد ضابطہ الٰہی کی طرف رجوع کیا۔ ایمان لائے اور ساتھ ہی اپنی سرکشیوں سے باز آکر اور ضابطہ الٰہی پر عمل کرکے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہی' یعنی اللہ تعالیٰ سے عملاً" بچاؤ طلب کیا۔ تو چونکہ اس وقت ان کی حالت **هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ** کی تھی' اس لیے اگرچہ ان کا نبی ان کے اندر موجود نہیں تھا مگر عذاب نازل نہ ہوا۔

○ سورہ یونس میں اسی چیز کی خبر بالفاظ ذیل دی گئی ہے:۔

○ **فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ**

الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ○ ۱۰/۹۸ پس کیوں نہ ہوئی کوئی ایسی بستی سوائے قوم یونس کی بستی کے کہ اس کے رہنے والے ایمان لائے۔ پھر ان کے ایمان لانے نے انہیں فائدہ دیا۔ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی کا رسوا کن عذاب ٹال دیا اور انہیں ایک مدت تک فائدہ دیا۔

○ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے کلمات تو تبدیل ہوتے ہی نہیں ۱۰/۶۴۔ تو پھر قوم یونسؑ کے عذاب کا فیصلہ کیوں بدل دیا گیا۔ کیا قوم یونسؑ سے اللہ تعالیٰ نے کوئی مخصوص رعایت برتی تھی؟ اس سوال کا جواب آیات محکمات ۱۰/۶۴، ۶/۱۱۵، ۵۰/۲۹ کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہرگز ہرگز نہیں بدلتے' یہ ہے کہ قوم یونس ہنوز اللہ تعالیٰ کے ڈھیل کے دائمی فیصلے کی حدود کے اندر تھی' اس کے لیے ابھی نزول عذاب کا فیصلہ صادر نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا دائمی فیصلہ یہ ہے:۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۱۸۲'۱۸۳/۷ اور جو لوگ ضابطہ ربانی کا انکار کرتے ہیں' ہمارا قانون ان کی طرف بتدریج بڑھتا ہے' اس طرف سے جسے وہ جانتے نہیں ہوتے۔ اور میں انہیں (اتمام حجت کے لیے) مہلت دیتا ہوں۔ بلا شبہ میری۔ تجویز متعین ہے (کتاب کے متن کے عین مطابق ہے۔ اس میں دھاندلی اور ناانصافی کا شائبہ تک موجود نہیں)

○ پس قوم یونس ہنوز اُمْلِيْ لَهُمْ (یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلت) کی حدود کے اندر تھی۔ اس لیے اس کے لیے عذاب کا فیصلہ ہنوز صادر نہیں ہوا تھا۔ یونس نے "سہوا" جان لیا کہ اب اس قوم پر عذاب آیا ہی چاہتا ہے' اس لیے اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن آپ کی قوم' مہلت کے الہٰی وقفہ کے اندر اندر اللہ کے ضابطہ پر نہ صرف ایمان لے آئی۔ بلکہ اس پر عمل کرکے عذاب سے "عملاً" بچاؤ طلب کیا۔ اگرچہ اس وقت ان کا نبیؑ ان کے اندر موجود نہیں تھا۔ لیکن چونکہ اس وقت ان کی حالت وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ کی تھی۔ اس لیے ان کے ایمان نے انہیں فائدہ دیا اور عذاب ٹل گیا۔

بیت الحرام پر کفار کا تسلّط تھا ○ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مکہ کی مسجد حرام پر کفارِ مکہ کا تسلّط تھا۔ اور انہوں نے مسلمانوں پر بیت الحرام کا داخلہ بند کر دیا تھا۔ اس لیے بتایا گیا ہے کہ ان پر عذاب تو اس لیے نہ آیا کہ رسول اللہؐ ان کے اندر موجود تھے۔ مگر ان کا مذکورہ جرم ہرگز قابلِ عفو و درگزر نہیں تھا۔ وہ وا قعتہ" عذاب کے مستحق تھے۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۳۴

اور کیا ہے ان کے لیے کہ اللہ انہیں (یعنی کفار مکہ کو) عذاب نہ کرے۔ جبکہ یہ وہی تو ہیں جو (مومنوں کو) مسجد حرام سے روکتے ہیں یہ اس کے (مسجد حرام کے) متولی نہیں ہوسکتے اس کے متولی صرف وہ ہوسکتے ہیں جو اللہ کے قانون کی نگہداشت کرنے والے ہوں ولیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی۔

○ یہاں اولیاء کا معنی متولی اور منتظم ہیں۔ مسجد حرام چونکہ امن عامہ کا عالمی مرکز ہے ۲/۱۲۵، ۳/۹۷ اس لیے اس کے متولی اور منتظم وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ کے قانون کی صد فیصد نگہداشت کرنے والے اور صلوٰۃ موقت کو اس طرح ادا کرنے والے ہوں جس کی ہدایت خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے ۲/۲۳۹۔ لیکن اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کفار مکہ نے

صلوٰۃ موقت کی اصلی شکل و صورت کو اس حد تک مسخ کر دیا تھا کہ وہ لوگ مسجد حرام میں تالیاں اور سیٹیاں بجاتے یعنی راگ اور سازوں کے ساتھ صلوٰۃ ادا کیا کرتے تھے:-

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾

اور نہیں تھی ان کی صلوٰۃ بیت الحرام (کعبہ مکرمہ) کے پاس سوائے سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے۔ پس (اے کفار مکہ ! اب) عذاب کا مزہ چکھو' اس جرم کی پاداش میں جو تم انکار کیا کرتے تھے۔

○۱۔ **مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ وہ لوگ سابقہ انبیاء کی امت کہلاتے تھے صلوٰۃ کے قائل اور اسے ادا بھی کیا کرتے تھے۔ مگر وہ لوگ اس کی اصلی ہیت کو جو انہیں سابقہ انبیاء دے گئے تھے' اس حد تک تبدیل اور مسخ کر چکے تھے کہ قیام رکوع سجدہ اور حمد دعا تسبیح کی بجائے سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے۔ یعنی صلوٰۃ جیسے پاکیزہ عمل کو گانے بجانے میں تبدیل کر دیا ہوا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں نے صلوٰۃ کو اس کی اصلی شکل قیام رکوع سجدہ اور حمد دعا تسبیح کی صورت میں ادا کیا تو مسجد حرام سے روک دیا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے عوام کو اسلام سے روکنے کے لیے باقاعدہ تنظیم قائم کر لی تھی اور اس پر مال بھی خرچ کیا کرتے تھے۔ اور آئندہ مال خرچ کرنے کے بھی انتظامات کر لیے تھے۔ لیکن ارشاد ہوا ہے کہ وہ بالآخر مغلوب ہو کر شکست کھا جائیں گے:-

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾

بیشک جن لوگوں نے اللہ کے ضابطہ کا انکار کیا ہے اور لوگوں کو اللہ کی راہ اسلام سے روکنے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں پھر ضرور مزید مال بھی خرچ کریں گے۔ مگر (انجام کار) ان پر حسرت ہوگی وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے ضابطہ کا انکار کیا ہے۔ سب شکست کے عذاب میں جمع کیے جائیں گے۔

○ ا۔ جہنم' نار بمعنی شکست کا عذاب' پیچھے آیت نمبر ۱۲-۱۴/۸ میں بھی گزر چکا ہے۔ **سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ○** (۱۲ تا ۱۴/۸) میں کافروں کے ذہنوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا پھر تم ان کی گردنوں اور پور پور پر ضرب لگانا۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اس مرکز کی مخالفت کی ہے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ قائم کیا ہے۔ اور جو کوئی اللہ و رسول کے نظام کی مخالفت کرے تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ اے منکرو ! اس عذاب کا مزہ چکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ بیشک منکروں کے لیے آگ کا (گردنوں اور پور پور پر ضربوں کے ساتھ) شکست کا عذاب ہے

○ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ ان میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں۔ کفار مکہ کی آخری شکست کی ایک غرض یہ بتائی گئی ہے' تاکہ خبیث اور طیب الگ الگ ہو جائیں' جو لوگ طیب ہیں وہ بطیب خاطر حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور جو خبیث ہیں۔ ان کے کشتوں کے پشتے لگا کر ڈھیر کر دیا جائے' وہ ختم کر دیے جائیں:-

لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

(کافروں کو شکست دینے کی غرض یہ ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ خبیثوں کو طیّب افراد سے متمیز کر دے اور خبیثوں کو ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ ڈھیر کر دے کشتوں کے پشتے لگ جائیں۔ پھر (قیامت کو بھی) انہیں اخروی جہنم میں داخل کر دے یہی لوگ تو گھاٹا پانے والے ہیں۔

○ اس آیت مجیدہ میں کفار مکہ کا انجام بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں گھاٹا پانے والے ہیں دنیا میں انہیں شکست فاش نصیب ہوگی اور اخروی جہنم انکا ٹھکانہ ہوگا اگلی آیت مجیدہ میں اصل عنوان کی طرف رخ کرتے ہوئے۔ جنگ بدر کے شکست خوردہ کافروں کی اتمام حجت کے لیے' انہیں ذیل کے الفاظ میں متنبہ کرنے کا واضح حکم خود رسول اللہ کو دیا گیا ہے:۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

(اے رسولؐ) جن لوگوں نے ضابطہ الٰہی کا انکار کیا ہے انہیں کہہ دیجئے گا کہ اگر وہ آئندہ کے لیے باز آجائیں تو جو کچھ پیچھے ہو چکا ان کے لیے معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ (حملے کا) اعادہ کریں تو (جان لیں کہ) پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے (جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وہی ان کے ساتھ ہوگا۔ وہ بھی مٹ گئے یہ بھی مٹ جائیں گے)

○ **اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ** کے الفاظ میں کفار مکہ کی طرف سے کئے گئے اس حملہ کے متعلق' جو جنگِ بدر کے وقوع کا موجب ہوا یہ کہا گیا ہے کہ اگر وہ آئندہ کے لیے حملہ آوری سے باز آجائیں تو ان کے مذکورہ حملہ کے عوض جوابی حملہ نہیں کیا جائے گا۔ در گزر برتا جائے گا۔ لیکن اگر وہ باز نہ آئے اور بار بار حملہ آور ہوئے تو دوران حملہ بھی حملہ آوروں کے دانت توڑے جائیں گی اور بالآخر مکہ معظمہ پر جوابی حملہ کرکے ان کی ان روز روز کی یلغاروں کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ سورہ فتح میں اس جوابی حملہ کی خبر دی گئی ہے کہ جب رسول اللہ نے صحابہؓ کے لشکر کثیر کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف پیش قدمی فرمائی تو کفارِ مکّہ نے بلا جنگ و جدال شکست قبول کرکے مسجد حرام کی تولیت رسول اللہ کی خدمت میں پیش کر دی:۔

○ **وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا"** ۴۸/۲۴۔ ○ اور وہ اللہ ہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں مکہ والوں کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے' پیچھے اس کے کہ (تمہاری عظیم فوجی تیاری ۸/۶۰ کی بدولت) ان پر تمہارا رعب ڈال دیا گیا۔ (کفار مکہ نے بلا جنگ و جدال شکست قبول کر لی اور ایمان والو ! تم (جنگی تیاریوں کے ضمن میں) جو جو عمل بجا لا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا تھا۔

○ سورہ فتح میں اس سے آگے ارشاد ہوا ہے:۔

○ **هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا" اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ط** ۴۸/۲۵

وہ وہی (مکہ کے کافر) ہیں جنہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا اور کعبہ کے تحائف کو اپنے پہنچنے کی جگہ پر پہنچنے سے بند کر رکھا

تھا۔

○ الختصر! کفار مکہ نے مدینہ منورہ پر حملوں کی صورت میں جو مسلسل فتنہ' جنگ بدر ۳/۱۲۳ جنگ (احد) ۳/۱۶۵ جنگ احزاب ۳۳/۹ کی صورت میں قائم کر رکھا تھا' اسے رسول اللہؐ نے صحابہؓ کے عظیم لشکر کے ساتھ مکہ کی طرف پیش قدمی کر کے وادی مکہ میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اگلی آیت مجیدہ میں اسی آخری جوابی حملہ کا حکم دیا گیا ہے تاکہ کفار مکہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے:۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾

اور (ایمان والو!) ان سے (کفار مکہ سے) اس وقت تک لڑتے رہو کہ فتنہ باقی نہ رہے یعنی دشمن کی طاقت کلیتہً ختم ہو جائے اور قانون سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔ (یعنی ہر طرف اللہ کا' قرآن کا قانون جاری ہو جائے) پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ایک ایک عمل کو دیکھنے والا ہے جو وہ بجا لاتے ہیں۔

وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾

اور اگر رو گردانی کریں (باز نہ آئیں) تو جان لو کہ بلا شبہ اللہ تمہارا کار ساز ہے۔ وہ بہتر کار ساز اور بہتر مددگار ہے۔

○ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی کار سازی اور مدد اس کے قانون کے ساتھ مشروط ہے یہ سمجھ لینا غلط ہے کہ ہم کچھ نہ کریں اور وہ ہماری مدد کرے گا۔ جیسے کہ کار سازی (ولایت) کے ضمن میں ارشاد ہوا ہے:۔

اللہ مددگار ہے انسان کے ان عملوں کیساتھ جو وہ حصول مقصد کے لیے خود بجا لاتے ہیں۔ ○ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ ۶/۱۲۷۔ اللہ کے ہاں لوگوں کے لیے سلامتی کا گھر ہے۔ اور وہ ان کا ولی' کار ساز ہے ان عملوں کیساتھ جو وہ خود بجا لاتے ہیں۔

یہ تو ہوئی اللہ تعالیٰ کی مشروط کار سازی' کہ وہ حصول مقصد کے لیے کئے گئے ان عملوں کے ساتھ مدد کرتا ہے جو حضرت انسان اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دماغ کے ساتھ صحیح سوچ بچار کے بعد اس کے دیئے ہوئے اعضاء آنکھ' کان' زبان اور ہاتھ پیروں کے ساتھ خود بجا لاتا ہے۔ اب اس کی مشروط نصرت کا فیصلہ بھی خود اس کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ حج میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ○ ۲۲/۴۰

○ مفہوم۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غالب ہے

دیکھا آپ نے کہ آیت ۶/۱۲۷ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت (کار سازی) کو انسان کے اپنے اعمال کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے اور یہاں ۲۲/۴۰ میں اپنی نصرت (مدد) کو انسان کی اپنی مدد آپ کرنے کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا مستقل قانون یہ ہے کہ وہ اس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرے یعنی حصول مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ اوزاروں' دماغ' سمع' بصر اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کے ساتھ ان قوانین پر عمل پیرا ہو جائے جو مطلوبہ مقصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرما رکھے ہیں اس کے برعکس اللہ ان لوگوں کی مدد ہرگز نہیں کرتا۔ جو عملاً" کچھ نہیں کرتے اور **نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ** کا ورد کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ ان الفاظ کے بار بار دہرانے سے دشمن پر فتح نصیب ہو جائے گی۔ یعنی زبان سے برسائے ہوئے بموں کیساتھ دشمن کا اسلحہ ناکارہ ہو جائے گا۔ العیاذ باللہ!

○ پس وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ کا قرآنی تصریف آیات کے ساتھ صحیح مفہوم یہ ہے کہ:-

"اور اگر کفار کہ حملہ آوری سے باز نہ آئیں روگردانی کریں تو ایمان والو ! جان لو کہ تمہاری مکمل فوجی تیاری ۸/۶۰ اور مکمل ثبات قدمی ۸/۶۵ کے ذریعہ اللہ تعالٰی تمہارا کار ساز ہے۔ اور وہ اپنے نہ دھوکا دینے والے قوانین کے ساتھ بہتر کار ساز اور بہتر مدد گار ہے۔

نگاہ بازگشت:۔ آیت نمبر ۲۴ میں ارشاد ہوا ہے کہ ایمان والو ! جب اللہ تعالٰی اپنے رسول کے ذریعہ تمہیں عزت کی زندگی عطا کرنے کیلئے بلائے تو اس کی پکار کو قبول کیا کرو اور جانے رہو کہ عزت کی زندگی تمہارے اپنے ہی اعمال کی بدولت میسر آئیگی۔ اللہ کا قانون' انسانی اعضاء اور اس کے دماغ کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ اچھے یا برے جس کام کا فیصلہ خود انسانی دماغ کرتا ہے اور اس کے لیے اعضاء کو حکم دیتا ہے' وہی کام اعضاءانجام دیتے ہیں یعنی ہر اچھے یا بُرے کام کا ذمہ دار انسان خود ہے۔

○ آیت نمبر ۲۵ میں بتایا گیا ہے کہ بعض بُرے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا وبال صرف بُرے عمل کرنے والے ہی پر نہیں آتا' بلکہ پوری قوم اس کی زد میں آجاتی ہے۔ اللہ کا قانون کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ جیسے کہ جنگ احد میں چند صحابہؓ کی غلطی کا وبال پورے اسلامی لشکر پر آیا تھا۔

○ آیت نمبر ۲۶ میں صحابہؓ کرام کو ارشاد ہوا ہے کہ اس وقت کو یاد کرو کہ جب مکہ معظمہ میں تم اس قدر کمزور تھے کہ تمہیں خوف لگا رہتا تھا کہ تمہارے راہ چلتے افراد کو دشمن اُچک نہ لیں۔ پھر اللہ نے اپنے قانون کے مطابق تمہاری مدد فرمائی اور مدینہ منوّرہ میں تمہاری سرکزیت قائم ہوگئی۔ اس طرح رزق کے سرچشمے تمہارے قبضے میں آئے تاکہ تم شکرگزاری کے کام کرو (یعنی اپنا دفاع مضبوط کرلو تاکہ خوف دُور ہو جائے) شکر بمعنی دفاع استحکام کی تفصیل آیت نمبر ۲۶ کی تفسیر القرآن بالقرآن کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

○ آیت نمبر ۲۷ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایمان والو ! اللہ و رسول کی خیانت نہ کرنا' یعنی اس سرکز کی خیانت نہ کرنا جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے قائم کیا ہے اور نہ ہی تم آپس میں ایک دوسرے کی خیانت کرنا۔ یعنی نہ اسلامی ریاست کے مجموعی کاموں میں خیانت کرکے قومی نقصان پہنچانا اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے مال کھا کر انفرادی نقصان کے سرتکب ہونا۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ اگر خود تمہاری انفرادی خیانت کی جائے تو تم کبھی بھی برداشت کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوسکتے۔

○ آیت نمبر ۲۸۔۲۹ میں کہا گیا ہے' جانے رہو' تمہارے مالوں اور اولاد کی غلط محبت جس کی بدولت ملکی دفاعی اور قومی ترقی میں خیانت واقع ہوتی ہے فتنہ ہے اور اس خیانت سے بچنے کا اللہ تعالٰی کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ یعنی ایمان والو ! اگر تم اللہ تعالٰی کے احکام کی مخالفت سے بچ جاؤ تو وہ تمہاری کامیابی کا فیصلہ کر دے گا اور تمہاری بدحالیاں دور کردیگا اور تمہیں ہر قسم کا بچاؤ عطا فرمائیگا' کیونکہ وہ صاحب فضل عظیم ہے اس کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔

○ آیت نمبر ۳۰ میں جناب رسول مقبولؐ کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ وہ وقت قابل ذکر ہے۔ جب مکّہ کے کافروں نے

تجویز کی کہ وہ یا تو آپ کو عمر قید کر دیں یا قتل کر دیں اور یا ملک بدر کر دیں لیکن ان کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ نے بھی تجویز کی۔ اللہ تعالیٰ بہتر تجویز کرنے والا ہے۔ اس نے آپ سے ہجرت کروا کر آپ کو مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

○ آیت نمبر۳۱،۳۲ میں مکہ معظمہ کے کافروں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتیں تو کہتے کہ اگر چاہیں۔

تو ہم بھی ایسا کلام کہہ دیں' یہ محض پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ وہ وقت قابل ذکر ہے جب انہوں نے کہا کہ اے ہمارے اللہ اگر یہ قرآن سچا ہے اور ہم اس پر ایمان نہیں لائے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ اس سے ثابت ہے کہ مکّہ کے کافر اللہ کے منکر نہیں تھے۔ وہ نظام ربوبیت کے منکر تھے۔

○ آیت نمبر۳۳ میں کافروں کے طلب عذاب کا جواب دیا گیا ہے کہ اے رسولؐ ! اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ جب تک آپ ان کے اندر موجود تھے' اللہ انہیں عذاب کرتا۔ اور نہ ہی اللہ ایسا ہے کہ اس حالت میں عذاب کرے کہ وہ ضابطہ الٰہی پر ایمان لا کر عملاً" بچاو طلب کر رہے ہوں۔ (جیسے کہ جب یونسؑ کی قوم ایمان لا کر مغفرت یعنی بچاؤ کی طلب گار ہوئی تو انہیں عذاب سے بچا لیا گیا)

○ آیت نمبر۳۴ تا ۳۶ میں مذکورہ مکی کافروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان پر عذاب ضرور آئے گا۔ کیونکہ وہ وہی تو ہیں جو لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ حالانکہ وہ مسجد حرام کے متولّی نہیں ہوسکتے۔ اس کے متولّی تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی ان مکّی کافروں کی حالت یہ ہے کہ کعبہ معظمہ میں ان کی صلواۃ تالیاں اور سیٹیاں بجانا ہے (انہیں کہا جائے گا کہ عذاب کا مزہ چکھو' اس کے بدلے جو تم انکار کرتے تھے۔ بیشک انکار کرنے والے' اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں۔ مال تو وہ ضرور خرچ کریں گے۔مگر وہ ان کے لیے باعث حسرت ہوگا۔ کیونکہ وہ انجام کار مغلوب ہو جائیں گے اور ضرور شکست کے جہنم میں اکٹھے کئے جائیں گے۔

○ آیت نمبر۳۷ میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ ایمان والو ! تمہیں اسی حالت میں چھوڑ دے۔ جس میں تم ہو یہاں تک کہ وہ تم میں سے ایک ایک خبیث (منافق) کو ایک ایک طیب (مومن) سے متمیّز نہ کر دے۔ اور سب منافقوں کو ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ ڈھیر نہ کر دے۔ (یعنی ان کے کشتوں کے پشتے نہ لگ جائیں) پھر قیامت کو بھی وہ منافقوں کو اخروی جہنم میں داخل کرے گا۔ یہی لوگ تو گھاٹا پانے والے ہیں۔

○ آیت نمبر۳۸ میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ مکی کافروں کو مطلع کر دیجئے کہ اگر وہ آئندہ کے لیے حملہ کرنے سے باز آجائیں تو جو کچھ وہ کر چکے سو کر چکے۔ لیکن اگر دو بارہ حملہ کا اعادہ کیا تو پہلے لوگوں کا حال ان کے سامنے ہے۔ جو انجام سابقہ نافرمانوں کا ہوا تھا وہی ان کا ہوگا۔ وہ بھی مٹا دیئے گئے تھے۔ انہیں بھی مٹا دیا جائے گا۔

○ آیت نمبر۳۹تا۴۰ میں ایمان والوں کو حکم ہوا ہے کہ تم ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھنا کہ فتنہ باقی نہ رہے اور ہر طرف اللہ کا قانون جاری و ساری ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے اور اگر وہ روگردانی کریں تو ایمان والو ! جان لو کہ بلاشبہ تمہارا کارساز اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی بہتر مددگار اور بہتر کارساز ہے انجام کار فتح تمہاری ہی ہوگی۔

○ اب چونکہ فتح کے ساتھ مال غنیمت کا حصول ایک لازم امر ہے اس لیے اگلی آیت مجیدہ میں مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق وضاحت کی گئی ہے۔

وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

پس جانے رہو کہ بلاشبہ (فتح کے بعد میدان جنگ میں) جو زائد مال تم حاصل کرو پس بے شک اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ (یعنی اسلامی مرکز ملت بیت المال) کے لیے ہے۔ یعنی مجاہدوں کے قریبوں کے لیے ہے اور بے سہارا لوگوں کے لیے ہے اور ان کے لیے جن کے کاروبار ساکن ہو جائیں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر اور اس حکم پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل کیا جس دن دو جماعتیں آپس میں ٹکرائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قانون متعین کرنے والا ہے۔

مسئلہ خمس:۔ ○ **لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ** کے الفاظ میں غنیمت کے مال میں سے پانچواں حصہ اللہ اور رسول کیلئے مختص کیا گیا ہے اب جیسے کہ بلاغ القرآن کے صفحات میں بارہا وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ و رسول کی درمیانی واؤ تفسیری ہے معطوف، معطوف علیہ مل کر اصطلاح بن گئی جس سے مراد نبی اکرمؐ کا قائم کردہ نظام ہے۔ یہاں حکم دیا گیا ہے کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ اسلامی بیت المال کا حق نکال کر باقی ۴/۵ جنگی اور دفاعی ضرورتوں کے لیے محفوظ کر لیا جائے واضح رہے کہ اگر اللہ اور رسول کے الفاظ کو قرآنی اصطلاح کے مقام سے ہٹا کر انہیں مطعوف علیہ اور معطوف قرار دیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ اس پانچویں حصے میں اللہ کا حصہ کتنا ہوگا اور اس کے رسول کا کتنا ہوگا؟ پھر رسول کا حصہ تو دیا جائے رسول مقبولؐ کو اللہ کا حصہ کیسے دیا جائے گا؟ پس اللہ و رسول ایک قرآنی اصطلاح ہے جو قرآن کریم میں اسلامی مرکز ملت کے لیئے مستعمل ہے۔

○ خمس کا مسئلہ مسلمانوں کے ایک گروہ کا بنیادی مسئلہ ہے کہ مال غنیمت ہو یا کسی بھی طریقے سے اجتماعی یا انفرادی طور پر حاصل ہونے والا کوئی بھی مال ہو، اس میں سے ہر دور میں پانچواں حصہ بنی فاطمہؓ کو قیامت تک دیا جانا قرآنی فریضہ ہے، جس کا انکار کفر اور ترک گناہ عظیم ہے لیکن واضح رہے کہ **لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ** کے قرآنی الفاظ سے بنی فاطمہؓ کو دیا جانے والا خمس ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ عموماً اس آیت کے مرکب اضافی ذی القربیٰ کو مذکورہ نظریہ کے ثبوت کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن اول تو ذی القربیٰ سے جیسے کہ آگے تفصیلاً آرہا ہے بنی فاطمہ ثابت نہیں ہوتا۔ اور اگر ایک سیکنڈ کے لیے ذی القربیٰ کا معنی بنی فاطمہ لے بھی لیا جائے تو ان کا حصہ خمس کا چھٹا یعنی کل کا تیسواں حصہ بنتا ہے۔ کیونکہ خمس میں اللہ اور رسول ذی القربیٰ، یتمیٰ، مساکین اور ابن السبیل چھ حصے دار موجود ہیں۔ پانچ حصہ داروں کا حق مار کر چھٹے حصہ دار کو دیدینا نہ قران دانی پر مبنی ہے نہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتا ہے۔

مال غنیمت لوٹ کا مال نہیں:۔ ○ قرآنی تعلیم کے سوا مال غنیمت کو لوٹ کا مال قرار دیا جاتا ہے اور میدان جنگ سے جو کچھ کسی کے ہاتھ آجائے وہ اسی کا سمجھا جاتا ہے لیکن پھر اس پر بھی صحیح عملدر آمد نہیں ہوتا۔ میدان جنگ کا بڑا افسر

چھوٹے افسر سے اور چھوٹا افسر عام سپاہی سے اچھی چیز چھین لیتا ہے آیت زیر بحث میں پانچواں حصہ نکال کر باقی ۴/۵ مال غنیمت جو میدان جنگ سے حاصل ہوتا ہے وہ جنگی دفاعی ضروریات کی لیے مختص کر دیا گیا ہے' جسے **اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ** کے الفاظ کے ساتھ ایمان کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جو کوئی مال غنیمت میں غبن کرے وہ دائرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ جو مجاہد میدان جنگ میں کام آجائیں قتل ہو جائیں ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ انھیں مرے ہوئے گمان نہ کرو ۳/۱۶۹ جس طرح ان کی زندگی میں ان کے اہل و عیال کو وظیفہ دیا جاتا تھا' اسی طرح انھیں اس وقت وظیفہ دیا جانا ضروری ہے جب تک کہ مقتول مجاہد کے پسماندگاں بے کسی اور بے بسی کی حالت میں موجود ہوں پھر ساتھ ہی تقاضائے انصاف یہ ہے کہ جو مجاہد زخمی ہو جائیں انھیں اس کا الگ وظیفہ دیا جائے اور جن کے اعضاء بازو' ٹانگ آنکھ وغیرہ بے کار ہوگئے ہوں' انھیں تاحین حیات مخصوص وظیفہ (پنشن) دی جائے۔

○ مال غنیمت کے متعلق یہاں تک اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے الگ کرکے باقی یعنی سارے مال کا ۴/۵ حصہ جنگی یعنی دفاعی ضروریات کے لیے محفوظ رکھا جائے گا۔ مگر یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مال غنیمت میں مجاہدوں کا کوئی حصہ نہیں ہے مگر ضرورت کے مطابق۔ اللہ کا رسول اپنی صوابدید کے مطابق ضرورت مند مجاہدوں کو جو کچھ دے اس سے زائد کی طلب منع ہے۔ **وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا** ۷/۵۹ اللہ کا رسول تمھیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے منع ہو جاؤ۔

جنگی اور دفاعی ضروریات کا دائرہ کتنا وسیع ہے؟ اس پر مشاہدات گواہ ہیں کہ اٹھارہ برس کا جمع کیا ہوا اسلحہ اٹھارہ دنوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ پھر فوج کو ہر آن جدید سے جدید اسلحہ کے ساتھ مسلح کرنا ضروری ہے پھر مزید فوج بھرتی کرنی ہوتی ہے اور قرآنی ربوبیت کے مطابق فوجیوں کے اہل و عیال کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے غنیمت کا وہ ۴/۵ حصہ جو جنگی ضروریات کے لیے ہے۔ اس میں سے فوجیوں پر حسبِ ضرورت خرچ کیا جاسکتا ہے لیکن غنیمت کو لوٹ کا مال قرار دینا کہ جو کچھ کسی کے ہاتھ آیا اس کا ہوگیا' بالکل خلاف قرآن ہے۔ کیونکہ قرآن کریم ہر مقام پر نظم و ضبط کا سبق دیتا ہے' لوٹ کھسوٹ کا کہیں بھی حکم نہیں دیتا۔

○ **لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى** کے جملہ میں لذی القربٰی سے ماقبل جو واؤ آئی ہے وہ واؤ تفسیری بمعنی یعنی" ہے قرآن مجید میں واؤ بمعنی یعنی کے ثبوت کے لئے دیکھئے **تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ** ۱۵/۱ میں واؤ تفسیری ہے۔ آیت زیر بحث میں **وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ** میں یہ تینوں وائیں جمع کی ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے ۱/۵ بیت المال میں جمع کیا جائے گا' جو ذی القربٰی' یتامٰی' مساکین' اور ابن سبیل پر خرچ ہوگا۔

ذی القربٰی: ذی القربٰی سے روایتی تفاسیر میں مراد لیا گیا ہے نبی اکرمؐ کے قریبی صرف بنی فاطمہؓ حالانکہ تاریخ کے مطابق ابولہب وغیرہ کافر بھی آپؐ کے قریبی تھے اور اگر ذی القربٰی سے مومن قریبی مراد لیے جائیں تو عباسؓ اور ان کی اولاد بھی نبی اکرمؐ کے قریبی تھے۔ پھر قرآنی شہادت ۳۳/۵۹ کے مطابق رسول اللہؐ کی کم از کم تین بیٹیاں تھیں۔ اس طرح وہ تینوں اور ان کی اولاد سب آپؐ کے قریبی تھے۔ اس لیے صرف فاطمہؓ اور آپؓ کی اولاد کو نبی اکرمؐ کے قریبی قرار دینا کسی بھی صورت میں صحیح نہیں ہوسکتا۔

○ اب آیئے ذی القربیٰ کی طرف جس کا معنی ہے قربت والے کس کی قربت والے؟ اس سوال کے جواب کیلئے غور فرمائیں کہ یہاں تک مسلسل ۴۱ آیتوں میں جنگ جہاد کا ذکر جاری ہے۔ حتیٰ کہ سورہ انفال زیر نظر **یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ** ۸/۱ کے الفاظ میں انفال یعنی مال غنیمت ہی کے ذکر سے شروع ہوئی ہے۔ نیز جنگی کامیابی' مجاہدوں' سپاہیوں کی ہمت مردانہ کی مرہون منت ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اگرچہ جنگ اور دفاع کے لیے اسلحہ نہایت ضروری چیز ہے۔ مگر وہ مجاہدوں کے بغیر بیکار محض ہے۔ اسلحہ خود بخود نہیں چلا کرتا۔ جنگ میں اولین اہمیت سپاہیوں مجاہدوں ہی کو حاصل ہے اس لیے ظاہر ہے کہ ذی القربیٰ سے جاں نثار مجاہدوں کے قرابت والے مراد ہیں۔ یعنی جن خاندانوں کے جوان اور کمانے والے افراد جنگ میں داد شجاعت دے رہے ہوں۔ ان کے قرابتداروں' اہل خانہ کی ضروریات زندگی میں جہاں کمی واقع ہو جائے' خمس کے فنڈ سے اس کمی کو پورا کیا جاتا رہے گا۔ تاکہ مجاہدوں کے اذہان خانگی افکار سے ماضی حال اور مستقبل تینوں زمانوں کے لیے مطمئن رہیں۔

الْیَتٰمٰی ○ اس سے آگے ترتیب الفاظ کے مطابق خمس کے مال میں یتٰمٰی کا حصہ ہے' یتیم کا ایک معنی ہے بے ٹھکانہ ہوجانا جو **اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی** ۹۳/۶ سے ثابت ہے۔ یعنی جن لوگوں کے مکان' گھر ٹھکانے۔ جنگ کی زد میں آجائیں اور وہ بے ٹھکانہ ہو جائیں' خمس کے مال سے انہیں' ٹھکانہ بنا کر دیا جائے گا۔

المساکین ○ اس کے بعد ارشاد باری کے مطابق خمس میں مساکین کا حصہ ہے۔ یعنی ان لوگوں کا کہ جنگی حالات کی زد میں آکر جن کے چلتے کاروبار ساکن ہوگئے ہیں رک گئے ہوں۔ ان کے رکے ہوئے کاروبار کو خمس کے مال کے ساتھ متحرک کیا جائے گا۔

وَابْنِ السَّبِیْلِ ○ ۔ اور اس کے بعد خمس کے مال میں ابن السبیل' مسافروں کا حصہ ہے۔ جو لوگ جنگ کے خاتمہ پر مسافر کی حیثیت سے اسلامی معاشرہ میں داخل ہوں۔ نیز ہر قسم کے حقدار مسافر۔ ان لوگوں کی ضروریات بھی خمس کے مال سے پوری کی جائیں گی۔ بالفاظ دیگر خمس' مال غنیمت کا وہ حصہ ہے جو بیت المال کی مذکورہ بالا مدّوں میں جمع ہوگا اور پھر حسب ضرورت ان مدوں پر خرچ ہوتا رہے گا۔ اس کے برعکس مال غنیمت کو لوٹ کا مال قرار دینے ہی سے غیر مسلم اقوام میں یہ تصور قائم ہو چکا ہے کہ مسلمان ابتداء اسلام ہی سے لٹیرے محض ہیں۔ العیاذ باللہ

○ **اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر** کا معنی بلاغ القرآن کے صفحات میں بار بار لکھا جا چکا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے' پیمانے اور قوانین مقرر کرنے والا ہے۔ اس جملہ میں لفظ قدیر۔ مادہ ق۔د۔ر قدر سے صفت مشبہ ہے۔ پس چونکہ قدر کا معنی اندازہ' پیمانہ اور قانون ہے۔ اس لیے قدیر صفت مشبہ کا معنی اس کے سوا نہیں۔ صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قوانین مقرر کرنے والا۔ یہاں آیت زیر نظر کے سیاق میں چونکہ جنگ بدر کی فتح کا ہے اور آیت زیر نظر میں فتح سے متعلقہ مال غنیمت کا تذکرہ ہے اس لیے جملہ مبارکہ **وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** کا صحیح مقامی معنی یہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ (فتح و شکست سمیت) ہر چیز (مال غنیمت کے مصرف تک) کے صحیح اندازے' پیمانے اور قوانین مقرر کرنے والا ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں پھر جنگ بدر کی تفصیلات کا ایک حصہ ذیل کے الفاظ میں بیان کیا جارہا ہے۔

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب تم (میدان جہاد کے) اُرلے کنارے پر تھے۔ اور وہ (تمہارے دشمن) پرلے کنارے پر تھے اور قافلہ تمہاری نچلی طرف تھا اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے (کہ غیر مسلح تجارتی قافلے کا مقابلہ کرنے والوں کی بھی مدد کرو گے) تو تم ضرور وعدہ خلافی کرتے کیونکہ تمہاری تعداد بہت کم تھی۔ ولیکن تمہیں مسلح حملہ آوروں کے بالمقابل اس لیے لایا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کردے ایک (فیصلہ کن) امر کا جو مقرر ہو چکا تھا۔ تاکہ جو ہلاک ہو' وہ اتمام حجت کے مطابق ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ اتمام حجت کے مطابق زندہ رہے اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ سننے والاعـ خوب جاننے والا ہے۔

۱۔ **وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ** کے الفاظ میں اسی غیر مسلح تجارتی قافلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس کا ذکر اسی سورۃ کی آیت نمبر۷/۸ میں **وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ** کے الفاظ میں گزر چکا ہے۔ "تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح تجارتی قافلہ تمہارے لیے ہو۔" یعنی تم غیر ہتھیار بند قافلے کا مقابلہ کرو۔

○۲۔ **وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ** کے الفاظ میں اس امر کی خبر دی گئی ہے کہ ایک طرف تو مسلح لشکر تم پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ اس طرح اگر تم اپنے مجاہدوں کو تقسیم کرکے بیک وقت دونوں کا مقابلہ کرتے اور ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ کرتے تو قلت تعداد کی بدولت تم یقیناً وعدہ خلافی کرتے۔ ایک دوسرے کی مدد کو نہ پہنچ سکتے۔

○۳۔ **وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا** کے الفاظ میں جنگ بدر کے فتح و شکست کے حتمی فیصلہ کی خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ صحابہؓ کو کثیر ہتھیار بند کافروں کے مقابلے پر لاکر میدان جہاد میں اتمام حجت کردے چنانچہ

قومی زندگی اور موت کا قرآنی فیصلہ ○۴ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ کے

الفاظ میں اسی اتمام حجت کی وضاحت کی گئی ہے کہ باہم دونوں جماعتوں میں سے جو ہلاک ہو وہ مسلح تصادم میں شکست کھا کر ہلاک ہو جائے اور جو قوم زندہ رہے وہ مسلح تصادم میں فتح یاب ہو کر (فوجی قوت کے ساتھ) زندہ رہے۔ واضح رہے کہ قوموں کی زندگی اور موت کے فیصلے میدان جنگ کے مسلح تصادم ہی میں ہوتے ہیں جو قومیں میدان جہاد میں فوجی مہارت' عسکری برتری اور قوت بازو کے ساتھ دشمن پر فتحیاب ہوتی ہیں' قرآن کریم کی رو سے' باعزت و باوقار زندہ رہنے کا حق صرف انہی کو ہے۔

○ آیت مجیدہ کا آخری جملہ انتہائی معنی خیز ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ** بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا خوب خوب جاننے والا ہے اس جملے میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جو قومیں فوجی تیاری کی بجائے لگی تو رہتی ہیں ذاتی عیش پسندیوں میں اور دشمن کو یونہی دھمکیاں دیتی رہتی ہیں کہ ہم دشمن کے دانت توڑ دیں گے۔ اسے ناک چنے چبا دیں گے' اللہ تعالیٰ ان کی ان خالی خولی گیدڑ بھبکیوں کو سننے والا ہے' اور فوجی تیاریوں کی بجائے' جن عیش کوشیوں میں وہ مصروف عمل ہوتی

ہیں، انہیں خوب خوب جاننے والا ہے۔ یعنی ایک مخصوص انداز کے ساتھ اس امر سے متنبہ کیا گیا ہے کہ نہ محض گیدڑ بھبکیوں سے دشمن مرعوب ہوتے ہیں۔ اور نہ فوجی تیاری، عسکری برتری اور ثبات قدمی کے بغیر فتح حاصل ہو سکتی ہے۔

○ پھر اس سہ گانہ عسکری تفوق کی بدولت مومنوں کو فتح و کامیابی پر اس درجہ یقین کامل ہوتا ہے کہ دشمن کی کثرت خواب و خیال تک میں نہیں آتی۔ چنانچہ میدان بدر میں بالمقابل آنے والے لشکر کفار کی کثرت نبی اکرمؐ کے خوابوں میں بھی کثرت کی بجائے قلت دکھائی دیتی تھی۔ آپؐ کے اسی یقین کامل کے مطابق ارشاد ہوا ہے:۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾

(اے رسول!) وہ وقت قابل ذکر ہے جب اللہ نے ان کو آپ کی خواب میں تھوڑے دکھایا اور (بفرض محال) اگر آپ کو وہ (کافر) زیادہ دکھاتا تو (اے صحابہؓ) تم کم ہمتی کرتے اور کام میں جھگڑا کرتے۔ ولیکن اللہ نے (تمہارے یقین کامل کی بدولت دشمن کی کثرت کو قلت دکھا کر تمہیں) بچا لیا۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اسے جو ذہنوں میں ہے۔

○۱۔ واضح رہے کہ خواب صاحب خواب کے ذہنی تصورات ہی کا عکس ہوتا ہے۔ نبی اکرمؐ اور صحابہؓ کی فوجی تیاری اور ثبات قدمی کی بدولت ان کے ذہنوں میں عسکری برتری کا جو یقینی تصور موجود تھا۔ یہ اسی کی بدولت تھا کہ آپؐ اور صحابہؓ کو دشمنوں کی کثرت نہ صرف خواب میں قلت دکھائی دی۔ بلکہ جب دشمن کا لشکر کثیر میدان جنگ میں بالمقابل آیا تو ان کے ذہنی یقین کامل کی بدولت وہاں بھی وہ تھوڑے ہی دکھائی دیئے۔

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾ ع

اور اے صحابہؓ! (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب تم دشمنوں کے بالمقابل ہوئے۔ اس وقت اس (اللہ) نے انہیں تمہاری آنکھوں میں تھوڑے کر دکھایا اور ان کی آنکھوں میں تمہیں تھوڑے کر دیا تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے، جس کا اس نے فیصلہ کیا ہے ۸/۴۲ اور سب کام اللہ کی طرف لوٹ کر آتے ہیں (یعنی اللہ کے قانون کے مطابق سرانجام ہوتے ہیں)

○ کافروں کا عظیم لشکر مومنوں کے اس قرآنی کلیہ کے مطابق تھوڑا دکھائی دیا کہ اگر بیس ثابت قدم مجاہد ہوں تو دو سو کافروں پر غالب آتے ہیں ۸/۶۵ اور صحابہؓ کا لشکر کافروں کی آنکھوں میں اس لیے تھوڑا دکھائی دیا کہ یہ فی الحقیقت تھوڑے تھے مگر الگ الگ دونوں صورتوں میں فائدے میں صحابہؓ ہی رہے۔ صحابہؓ نے کافروں کی کثرت کو قلت اس لیے دیکھا کہ ان کی تیاری اور ثابت قدمی مکمل تھی۔ جس کے سامنے بڑے بڑے غیر متحد لشکروں کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اس کی بدولت صحابہؓ نے جان توڑ کر پامردی دکھائی۔ اور کامیاب ہوئے۔ مگر کافروں نے جب دیکھا کہ لشکر اسلام کی تعداد بہت قلیل ہے تو انہیں حقیر جانا اور لاپروائی برتی جو ان کی شکست کا موجب ہوئی۔

○ **وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ** کا سیدھا سادہ مفہوم یہ ہے کہ سب کام اللہ تعالیٰ کے معیّنہ قوانین کے مطابق ہی سر انجام ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ جملہ متعدد بار آیا ہے۔ اور ہر مقام پر ایک مخصوص انداز بلاغت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے متعیّنہ قوانین کی حکمیت کو نمایاں کرتا ہے۔ ذیل کے چند ایک مقامات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔ سورہ بقرہ میں آیا:۔

○هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۲/۲۱۰۔ نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر اس چیز کا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کے سایوں اور ان کے ذہنی ملائکہ کے جلو میں ان کے پاس آئے اور ان کا کام تمام کر دے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سب کام اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کے مطابق ہی سرانجام ہوتے ہیں۔

دیکھئے ! یہاں وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ کے جملہ سے کھل کر عیاں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہی نہیں کہ وہ اپنے نازل کردہ ضابطے اور مبعوث کردہ رسولوں کے منکروں کا کام تمام کرنے کے لیے ان کے پاس آئے۔ حالانکہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر جگہ ہر وقت اور ہر کسی کے پاس موجود ہے مگر دکھائی نہیں دیتا۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ دنیوی بادشاہوں جیسی ہستی ہے جو اپنے باغیوں پر فوجوں کی یلغار اور امراء' وزراء کے جلو میں حملہ آور ہو کر ان کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ کہ وہ بھی بادلوں کے سایوں اور عوام کے ذہنی ملائکہ کے جلو میں منکروں کی طرف بڑھے اور ان کا کام تمام کر دے' بلکہ اس کا قانون یہ ہے کہ منکرین رسالت و نبوت کو پوری ڈھیل دیتا ہے اور پوری اتمام حجت کے بعد اپنے متعینہ قوانین کے مطابق یا تو اپنے جنود السموات والارض کے ذریعہ ان کا خاتمہ کر دیتا ہے اور یا اپنے نبی رسولؐ اور اس کے صحابہؓ کے ہاتھوں انہیں ایسی شکست فاش دیتا ہے کہ ان کی قوت طاقت کا آخری شمہ تک ختم ہو جاتا ہے۔

○ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ سورہ آل عمران میں بانداز ذیل آیا ہے۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۳/۱۰۹ حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے (پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حقِ ملکیت میں تصرف کرکے اللہ کی نعمتوں پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ انہیں اس جرم کی سزا فوراً نہیں ملتی۔ بلکہ اللہ کے قانون کے مطابق اس وقت ملتی ہے جب ان کا پیمانہ ظلم لبریز ہو جاتا ہے) کیونکہ ہر کام اللہ ہی کی طرف پھر کر جاتا ہے۔ یعنی ہر کام اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کے مطابق ہی سرانجام ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ اگر سورہ آل عمران کی اس آیت مجیدہ ۳/۱۰۱ کا یہ مفہوم نہ لیا جائے جو کھل کر عیاں ہو رہا ہے تو اس آیت کے حصہ نمبر۱ کا حصہ نمبر۲ کے ساتھ کوئی تعلق ہی قائم نہیں ہوتا۔

○ نیز زیر بحث جملہ مبارکہ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ سورہ فاطر میں بانداز ذیل آیا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۳۵/۴-۳۔ اے نوع انسانی تم اللہ کی عطا کردہ نعمت کو یاد کرو اور سوچو کہ اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں زمین و آسمان سے روزی عطا کرتا ہے۔ اس کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ پھر تم کس طرف کو پھیرے جا رہے ہو۔ اور (اے رسولؐ) اگر آپ کو لوگوں نے جھٹلایا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ آپ سے پہلے سب رسولؐ جھٹلائے گئے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہر کام اللہ ہی کی طرف لوٹ کر آتا ہے۔ یعنی ہر کام اللہ تعالیٰ کے معینہ قوانین کے مطابق ہی سرانجام ہوتا ہے۔ رسولوں کو جھٹلانے والوں کو ان کے جرم کی سزا اللہ تعالیٰ کے معینہ قوانین کے مطابق ہی ملتی ہے۔

○ اسی طرح جملہ مبارکہ زیر بحث سورہ حدید میں بھی انہی معنوں میں آیا ہے لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ط وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ۵-۶
/۵۷ آسمانوں اور زمین کی حکومت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور ہر کام اللہ ہی کی طرف لوٹ کر آتا ہے۔ یعنی ہر کام اللہ کے معینہ قوانین کے مطابق سرانجام ہوتا ہے جیسے کہ اپنے معینہ قوانین کے مطابق اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے ذہنوں میں پوشیدہ ہے ○

دیکھئے ! ان آیات مجیدہ ۵-۶/۵۷ میں **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** کا مفہوم **يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ** کے الفاظ میں نکھار کر رکھ دیا گیا ہے' جس پر مشاہدات عالم گواہ ہیں کہ رات میں دن اور دن میں رات اللہ تعالیٰ کے اس معینہ قانون کے مطابق داخل ہوتے چلے آرہے ہیں جو اس نے خود مقرر کر رکھا ہے کہ زمین اپنے محور کے گرد بھی گھومتی ہے اور ایک مخصوص زاویہ میں سورج کی طرف جھکی ہوئی سورج کے گرد بھی گردش کر رہی ہے۔ اپنی محوری گردش چوبیس گھنٹوں میں ختم کرتی ہے۔ جس سے دن رات پیدا ہوتے ہیں اور سورج کے گرد اپنی گردش کو ایک سال میں ختم کرتی ہے۔ جس سے سردی گرمی خزاں اور بہار چار موسم پیدا ہوتے ہیں۔ زمین اپنے مخصوص جھکاؤ کی بدولت جب سورج کے قریب ہوتی ہے تو یہ گرمی کا موسم ہوتا ہے۔ اس وقت رات' دن میں داخل ہونی شروع ہوجاتی ہے۔ اس موسم کی ایک مخصوص تاریخ کو دن چودہ گھنٹے کا اور رات دس گھنٹے کی ہوتی ہے۔ مگر جب زمین اسی جھکاؤ کی بدولت سورج سے دور ہٹ جاتی ہے تو یہ سردی کا موسم ہوتا ہے اس وقت دن' رات میں داخل ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک مخصوص تاریخ کو دن دس گھنٹے کا رات چودہ گھنٹے کی ہو جاتی ہے۔ سردی کا مقدمہ موسم خزاں ہے' اور گرمی کا مقدمہ موسم بہار ہے۔ ان دونوں موسموں میں الگ الگ ایسی تاریخیں آتی ہیں۔ جب دن رات باہم برابر ہوجاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے معینہ قانون کے مطابق ہوتا ہے' جسے ۵-۶/۵۷ میں **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر کام اللہ کی طرف پھرتا ہے یعنی ہر کام اللہ ہی کے معینہ قوانین کے مطابق سرانجام ہوتا ہے۔

قوموں کے زوال کا ایک اہم سبب:۔ جو قومیں سہل انگاری اختیار کرکے ہر کام کو اس طرح اللہ تعالیٰ پر ڈال دیتے ہیں کہ خود تو کچھ نہ کریں اور امید لیے بیٹھے رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پہلے دن سے لکھ رکھا ہے وہی کچھ ہوگا۔ چنانچہ زیر بحث جملہ **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** کا یہ معنی لیتے ہیں کہ ہر کام اللہ کی طرف پھرتا ہے' یعنی جو اس نے لکھ رکھا ہے اسی انداز پر انجام ہوتا ہے۔ اس عقیدہ اور نظریہ کی بدولت قومیں بے کار محض ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر انتھک محنت کا حکم دیا ہے۔ اور ہر کام کے نشیب و فراز اور اس کے جملہ متعلقات پر نگاہ رکھتے ہوئے مناسب حال عمل کرنے پر زور دیا ہے۔ سابقہ آیتوں میں جنگ بدر کی فتح کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بتایا گیا ہے کہ صحابہؓ کی نگاہ میں دشمن کی کثرت کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ ان کے حوصلے اتنے بلند اور ان کی ہمتیں اس قدر جواں تھیں کہ انہیں کثیر دشمن تھوڑے دکھائی دیئے۔ مگر دوسری طرف کافروں کو صحابہؓ کی قلت حقیر معلوم ہوئی اور انہوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ انہیں مار مٹانا کوئی بڑا کام نہیں ہے نہ صرف یہ کہ مست گام ہوگئے بلکہ ان کے آپس میں بھی اختلاف و انتشار پیدا ہوگیا۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ واقعی میدان اس گروہ کے ہاتھ آتا ہے جو ثابت قدمی دکھائیں اور وقتی نصائح کو یاد رکھ کر ان پر عمل کریں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۴۵﴾

اے وہ لوگو ! جو ایمان لائے ہو۔ جب تم کسی دشمن گروہ کے سامنے میدان جہاد میں بالمقابل آؤ' تو ثابت قدم رہنا۔ (جان جائے' مگر جہاں قدم جم جائیں اکھڑنے نہ پائیں) اور اللہ (کی اس ثابت قدمی کی نصیحت) کو یاد رکھنا تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (یعنی فتح تمہارے قدم چومے۔)

○ا۔ بڑے سے بڑے دشمن پر فتح پانے کے لیے ثابت قدمی اللہ تعالٰی کا مقرر کردہ عظیم ہتھیار ہے' جس کے ساتھ اس نے کمزور ویت نام کو امریکہ جیسی عظیم عالمی قوت پر فتح یاب کر دیا ہے۔ اور ایسی عظیم ایٹمی طاقت کو بوریا بستر سمیٹ کر ذلت کے ساتھ نکل جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ نسخہ قرآن کریم کا بتایا ہوا ہے' جس کا تجربہ' نہ صرف ویت نام میں کامیاب ہوا ہے' بلکہ اقوام عالم کے لیے مشعل راہ بن گیا ہے۔

○ **وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا**" کا معنی روائتی تراجم میں یہ لیا گیا ہے کہ اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو' جو صحیح نہیں کیونکہ میدان جنگ میں جہاں **فَاثْبُتُوا** کا حکم دیا گیا ہے یعنی ثابت قدم ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنا۔ اس مقام کے لیے یہ تصور قائم کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ جب تم پر دشمن حملہ کرے تو تم تسبیح لے کر بیٹھ جایا کرو۔ اور اس کے دانوں پر اللہ تعالٰی کو زیادہ سے زیادہ یاد کر لیا کرو۔ تسبیح اور تلوار کا کیا مقابلہ تلوار کا مقابلہ تلوار ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ تسبیح کے ساتھ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر تلوار کے مقابلے پر اللہ کا ذکر اللہ' اللہ' اللہ کام دے سکتا تو نبی اکرمؐ کو میدان بدر و اُحد میں صحابہؓ کی بیویوں اور بچوں کو یتیم کروانے کی ضرورت نہیں تھی۔ پس یہاں آیت نمبر۴۵/۸ میں **وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا**" کا یہ معنی مطلقاً" غلط ہے کہ جب دشمن کے مقابلہ پر آؤ تو ثابت قدم رہنا اور تسبیح کے دانوں پر اللہ کے نام کا ورد شروع کر دینا بلکہ **فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا" لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** کا معنی یہ ہے کہ جب تم دشمن کے مقابلے پر آؤ تو ثابت قدم رہنا اور اس ثابت قدمی والی اللہ کی نصیحت کو بہت زیادہ یاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یعنی شکست سے بچ جاؤ اور فتح تمہارے ہم رکاب ہو جائے۔ اس سے آگے ارشاد ہوا۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۴۶﴾

اور اللہ کی اطاعت کرو بذریعہ اس کے رسول کے اور آپس میں جھگڑنا مت' ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (یعنی دشمن پر سے تمہارا رعب اٹھ جائے گا) اور ثابت قدم رہو۔ بے شک اللہ تعالٰی ثابت قدم رہنے والوں کیساتھ ہے۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں اترانے اور فخر کرنے سے منع کیا گیا ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۴۷﴾

اور (ایمان والو) تم ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جو گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے' لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ اور وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی گھیرنے والا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔

○ اترانا' فخر کرنا اور لوگوں کو دکھانے کے لیے کوئی بڑے سے بڑا نیک عمل بجا لانا بھی اللہ تعالٰی کو ہرگز ہرگز پسند نہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے۔ **وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا" ○ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا**" ○ ۳۷-۳۸/۱۷ اور تو زمین میں اتراتا ہوا نہ چل۔ بے شک نہ تو (پاؤں کی ٹھوکر سے) زمین کو پھاڑ سکے گا۔ اور نہ (اکڑتے ہوئے) پہاڑوں کی بلندی تک پہنچے گا۔ ان میں سے ہر بات تیرے رب کے ہاں مکروہ ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں ایک جنگ کا واقعہ یاد دلایا گیا ہے' جس میں ایک سرکش کافر نے ایک دفعہ صحابہؓ کے دشمنوں کو اکسا کر اور یہ کہہ کر حملہ کروادیا کہ ان دنوں تمہاری تیاری اتنی زبردست ہے کہ مسلمان تم پر غالب نہیں آسکتے۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ مگر جب میدان جنگ میں شکست ہونے لگی تو یہ کہہ کر بھاگ کھڑا ہوا کہ میں تم سے بیزار ہوں' میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں شکست ہوا ہی چاہتی ہے:۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَاغَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَالَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ۸/۴۸

(مفہوم) "اور وہ وقت قابل ذکر ہے' جب ایک سرکش کافر نے ان (کافروں) کے اعمال (فوجی تیاری) کو مزین کر دیا اور کہا کہ آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا' جب کہ میں بھی تمہارا حمایتی ہوں۔ پھر جب دونوں فوجیں بالمقابل آئیں۔ تو ایڑیوں کے بل الٹا پھر گیا۔ اور کہا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں' جو کچھ میں دیکھتا ہوں' وہ تم نہیں دیکھتے۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب کی رو سے بہت سخت ہے۔"

نمبرا ○ یہاں موقعہ شناس ابن الوقت قسم کے سرکش کافر کو شیطان کہا گیا ہے۔ ایسے لوگ ہر موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ جب دیکھا کہ کافروں کی خاصی تیاری ہے تو حمایتی بن کر حملہ کروا دیا' تاکہ مال غنیمت حاصل کرے۔ مگر جب مومنوں کی یلغار کا نظارہ کیا تو بھاگ کھڑا ہوا۔ اور قسم قسم کی بہانہ سازیاں شروع کر دیں۔

نمبر۲ ○ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ کا متکلم مذکورہ سرکش کافر ہے۔ ان الفاظ سے ثابت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر نہیں تھا۔ مزید برآں آیت مجیدہ ۸/۳۲ کی تفسیر میں ثابت کیا جاچکا ہے کہ نبی اکرمؐ کے مد مقابل کافر اللہ تعالیٰ کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس نظام ربوبیت کے منکر تھے۔ جو اللہ تعالیٰ اپنے تمام نبیوں سے قائم کرواتا چلا آیا تھا اور خود نبی اکرمؐ سے بھی وہی نظام ربوبیت عامہ قائم کروایا جارہا تھا۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کے منافقانہ وسوسوں کی خبر دی گئی ہے:۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۸/۴۹

(مفہوم) "اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب منافقوں نے کہا' یعنی جن کے اذہان میں منافقت کی بیماری ہے' کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کے قانون پر بھروسہ کرتا ہے تو (اللہ اسے غالب غلبہ عطا کرتا ہے) بلا شبہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔"

○ اگلی آیت مجیدہ میں جنگ بدر میں مجاہدوں کے قتال کا منظر انتہائی مخصوص انداز کے ساتھ کھینچا گیا ہے:۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ۸/۵۰

(مفہوم) "اور کاش کہ (اے رسولؐ) آپ دیکھتے جب کافروں کو صحابہؓ مجاہدین اسلام موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ وہ سامنے آنے والوں کے منہ پر ضربیں لگاتے تھے اور بھاگنے والوں کی پیٹھوں پر مارتے تھے۔ (اور کہتے تھے کہ' جلنے کا) (یعنی شکست کا) عذاب چکھو۔"

○ ملائکہ کی بحث آیت مجیدہ ۸/۹ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں پیچھے گزر چکی ہے۔ اور ثابت کیا جا چکا ہے کہ ملائکہ کا لفظ فوج کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بدری مجاہدوں کے لیے آیا ہے۔ جنہوں نے حملہ آور مشرکین مکہ کے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ سامنے سے آنے والوں کے مونہوں پر مارا اور بھاگتے کافروں کی پیٹھوں پر ضربیں لگائیں۔

○ **وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ** کا مقامی معنی اوپر لکھا گیا ہے کہ مجاہدین اسلام کافروں کو کہتے تھے کہ شکست کی جلن کا عذاب چکھو۔ واضح رہے کہ ان الفاظ سے اخروی عذاب مراد نہیں لیا جاسکتا۔ کیونکہ **ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ** کہنے والے مجاہد، جونسا عذاب کافروں کو چکھا رہے تھے وہ شکست کا عذاب تھا۔ اس لیے وہی مراد ہوسکتا ہے چونکہ **ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ** کہتے ہوئے اخروی عذاب نہیں چکھا رہے تھے، اس لیے اس سے اخروی عذاب ہرگز مراد نہیں۔

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مجاہدوں ہی کے کلام کا بقایا درج ہے:۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ۸/۵۱

(مفہوم) (وہ مزید کہتے تھے کہ) یہ اسی عمل کی سزا ہے جو تمہارے اپنے ہاتھ آگے لائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بندوں پر ظلم کرنے والا ہے ہی نہیں (لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں ۱۰/۴۵)

○ پیچھے ثابت کیا جاچکا ہے کہ جنگ بدر و اُحد وغیرہ تمام جنگوں میں کافروں کی حیثیت جارحانہ حملہ آور کی تھی اس لیے جب خود ان کے ہاتھوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی تھی۔ اس لیے انہیں جو اس آگ میں جلنا پڑا تو یہ خود اپنے ہاتھوں کی کمائی تھی۔ یہ عذاب خود ان کے اپنے ہاتھوں کا لایا ہوا تھا۔

○ اوپر ۸/۵۰ کے جملہ **وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ** کے الفاظ کو شکست کے عذاب کا حامل لکھا گیا ہے۔ اسی چیز کا ٹھوس ثبوت اگلی آیت میں آرہا ہے:۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ۸/۵۲

مفہوم) (ان کافروں کا حال ہے) مانند حال قوم فرعون کے، اور مانند حال ان لوگوں کے جو ان سے پہلے ہوئے تھے۔ انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا۔ پھر اللہ نے انہیں بھی (ان کی مانند) ان کے گناہوں کے بدلے پکڑ لیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تعاقب کی رو سے بہت ہی سخت ہے۔

○ **كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** کے الفاظ سے ثابت ہے کہ مکی مشرکوں حملہ آوروں کا حال قوم فرعون اور اس سے پہلی قوموں جیسا تھا، انہیں بھی اللہ نے ان کے گناہوں کے بدلے پکڑ لیا اور انہیں بھی ان کے گناہوں کے بدلے شکست کا عذاب دیا۔ یہ دنیوی عذاب کا ذکر ہے، اخروی عذاب کا نہیں۔ جس طرح سابقہ اقوام کو دنیا میں عذاب کیا گیا تھا۔ اسی طرح مکی مشرکوں کو بھی دنیوی عذاب دیتے ہوئے بدری مجاہدوں نے کہا تھا۔ **ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ**۔ چکھو عذاب شکست کی جلن کا۔ اگلی آیت مجیدہ میں اس عذاب کی وجہ بتائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں بے جا تصرف:۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۸/۵۳

(مفہوم) (مذکورہ عذاب اس لیے ہوا کہ ان قوموں نے اللہ کی نعمت میں بے جا تصرف کیا)۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو بدلنے والا نہیں جو اس نے کسی قوم پر انعام فرمائی ہو۔ حتیٰ کہ وہ خود اسے نہ بدل ڈالیں اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ خوب خوب سننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے۔

○ آیت مجیدہ کا آخری جملہ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ انتہائی غور طلب ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب خوب سننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے کہ اصحاب اقتدار جن کے قبضے میں ملک کی نعمتوں کے سرچشمے ہوتے ہیں وہ کہتے تو یہ ہیں کہ ہم غریب عوام کے خدمت گار ہیں' غریب عوام کی بھلائی اور فلاح و بہبود کے لیے ہر آن مصروف عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ان بلند دعووں کو خوب خوب سننے والا اور ان دعووں کے خلاف جو وہ عمل کرتے ہیں کہ غریب عوام جائیں بھاڑ میں۔ سب کچھ اپنے لیے اور اپنے اعزاواقارب کے لیے سمیٹے چلے جاتے ہیں اس کو وہ خوب خوب جاننے والا ہے اور اسی دو عملی کی سزا کے طور پر ان سے اپنی نعمت چھین لیتا ہے یعنی وہ انہیں ان کے اپنے اعمال کی سزا دیتا ہے ظلم نہیں کرتا۔

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں تکراری تاکیدی کے طور پر دوبارہ واضح کیا گیا ہے کہ مشرکینِ مکہ کا حال قوم فرعون اور دوسری سابقہ سرکش قوموں جیسا ہوا' جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا' اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے جرائم کے بدلے ہلاک کر دیا۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۸/۵۴

(مفہوم) (ان کافروں کا حال ہے) مانند حال قوم فرعون کے اور مانند حال ان لوگوں کے جو ان سے پہلے تھے۔ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے بدلے ہلاک کر دیا۔ خصوصاً آل فرعون کو ہم نے غرق کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب ظالم تھے۔

○ ظالم کا معنی ہے بے ٹھکانہ کام کرنے والا۔ پیچھے آیات نمبر۳۲' ۴۷/۸ میں ثابت کیا جاچکا ہے کہ نبی اکرمؐ اور صحابہؓ کے مخالفین اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے۔ بلکہ وہ رسول اللہؐ کے ہاتھوں قائم کردہ نظام ربوبیت کے منکر تھے۔ اس آیت مجیدہ میں وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ کے الفاظ میں سب کو ظالم بتایا گیا ہے کہ وہ سب بے ٹھکانہ کام کرنے والے یعنی متوازن نظام ربوبیت کی بجائے غیر متوازن نظام قائم کرکے نوع انسانی کے ایک حصے کو اس کے حقوقِ ربوبیت سے محروم کیے ہوئے تھے۔ اس آیت مجیدہ میں تکرار کے ساتھ آل فرعون کا ذکر بالخصوص لایا گیا ہے۔ اور فرعون کے ظالمانہ نظام کی خبر سورہ قصص میں بالفاظ ذیل دی گئی ہے:۔

○ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ۲۸/۴

○ بیشک فرعون نے اپنی سلطنت کی زمین میں سرکشی اختیار کی۔ یعنی اس نے عوام کے طبقے مقرر کر رکھے تھے۔ ان میں سے ایک طبقے کو اس نے کمزور کر دیا تھا۔ (یعنی اس کے حقوقِ ربوبیت غصب کر رکھے تھے) اسی چیز کو آیت زیر نظر ۵۴/۸ میں ظلم کہا گیا ہے' بے ٹھکانہ کام یعنی حقداروں کے حقوقِ ربوبیت غصب کر لینا ظلم ہے۔ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ○

○ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جو ضابطہ باری تعالیٰ کا انکار کرتے اور اس پر ایمان

نہیں لاتے:۔

○ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۵۵/۸

(مفہوم) بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ ہیں جو انکار کرتے ہیں۔ پھر وہ کتاب اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔

صلح کے معاہدات ○ اگلی آیت مجیدہ میں انموذنشہ زمانہء رسالت کے بدترین لوگوں' ان کافروں کا ذکر گیا گیا ہے جنہوں نے نبی اکرمؐ کے ساتھ بارہا صلح کا معاہدہ گیا مگر اپنے عہد سے ہر بار پھر گئے۔

○ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۵۶/۸

(اے رسولؐ) ان میں سے وہ لوگ (خصوصاً قابل ذکر ہیں) جنہوں نے آپ سے بارہا صلح کا معاہدہ کیا پھر اپنے کئے ہوئے وعدے کو ہر بار توڑ دیا ان کی حالت یہ ہے کہ وہ عہد شکنی کے برے انجام سے ڈرتے نہیں۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۵۷/۸

پھر (اے رسولؐ) جب آپ انہیں میدان جنگ میں (اپنے بالمقابل پائیں تو) ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی جو ان کے پیچھے ہیں ایسی شکست دے کر منتشر کر دیجئے کہ وہ یاد ہی کرتے رہیں۔

دشمن کو منتشر کردو ○ فشرد کا سہ حرفی مادہ ش۔ ر۔ د شرد ہے جس کا بنیادی معنی ہے بھاگنا' دوڑنا' منتشر ہوتا ہے۔ میدان جنگ میں دشمن تبھی منتشر ہو سکتا ہے' جب اسے ایسی شکست فاش دی جائے کہ اس کے فوجی وسائل کا ربط ختم ہو جائے۔ فوج' اسلحہ اور خوراک تینوں چیزیں ایک دوسری سے منتشر ہو کر رہ جائیں۔ موجودہ دور کی جنگوں میں اس کی عملی صورت یہ ہے کہ وہ راستے کاٹ دیئے جائیں جن سے محاذ جنگ پر دشمن کی کمک' اسلحہ اور خوراک پہنچتی ہو۔ اگر ادھر محاذ جنگ میں دشمن پر فوجی دباؤ ہر لحظہ بڑھتا چلا جا رہا ہو' اور ادھر تازہ دم فوج' اسلحہ اور خوراک نہ پہنچنے پائے' تو دشمن کی طاقت جلد سے جلد منتشر ہو جاتی ہے۔ اس ایک ہی حکم فشرد کے الفاظ میں دشمن کی طاقت کو منتشر کرنے کی وہ تمام صورتیں موجود ہیں جن کی بدولت دشمن کم سے کم عرصہ میں شکست فاش تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

دشمن کے اتحادیوں کو بھی منتشر کردو ○ **فَشَرِّدْ بِهِمْ** کے ساتھ **مَّنْ خَلْفَهُمْ** کے الفاظ آئے ہیں ان کا معنی یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ ساتھ ان طاقتوں کو بھی ان سے جدا کر دو' جو ان کی پیٹھ ٹھونکنے والے ہیں۔ یعنی دشمن پر اتنا زیادہ فوجی دباؤ ڈالا جائے کہ اس کی پیٹھ ٹھونکنے والے خود اپنی خیر منانے کے لیے آپ کے دشمن کا ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔ نیز **مَنْ خَلْفَهُمْ** سے مراد محاذ جنگ پر لڑنے والے دشمن کے پیچھے والے قریبی فوجی ڈپوؤں پر متعین افراد بھی ہیں جو محاذ پر فوری مدد پہنچا رہے ہوتے ہیں اور وہ دور کے فوجی ڈپوؤں والے بھی ہیں۔ جو فوجی مدد قریب کے فوجی ڈپوؤں میں پہنچا رہے ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر **مَنْ خَلْفَهُمْ** میں وہ تمام لوگ بھی موجود ہیں جو اس محاذ پر لڑنے والے فوجیوں کی تازہ دم فوج' اسلحہ اور خوراک کے ساتھ پیچھے سے مدد کرنے والے ہیں اور وہ لوگ بھی اس میں شامل ہیں جو دشمن کے اتحادی ملکوں کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں۔ المختصر آیت بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک دشمن کو ملنے والی داخلی اور خارجی مدد کے ذریعے ختم نہ کئے جائیں اس وقت تک دشمن کو ایسی شکست نہیں دی جا سکتی جسے وہ عمر بھر یاد رکھیں **لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ** ○

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ جن لوگوں سے صلح کا معاہدہ کیا جائے ان کے حالات پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔ اور جب ان سے عہد شکنی کا خوف پیدا ہو تو ان کا عہد انہیں واپس کر دیجئے گا۔

○ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۸/۵۸

(مفہوم) اور جب آپ کو کسی قوم سے (جس سے صلح کا عہد ہو) خیانت کا خوف ہو تو ان کا عہد انہیں واپس کرکے برابر ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

○ اس آیت مجیدہ میں رسول اللہؐ کو کافروں کی عہد شکنی کے جواب میں عہد شکنی کی اجازت نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عہد شکنوں کو پسند نہیں کرتا۔ اسی لیے مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ کافروں کی عہد شکنی کے جواب میں تم عہد شکنی، عہدی خیانت ہرگز نہ کرنا۔ بلکہ عہد شکن قوم کو ان کا عہد واپس کرکے مساوی طور پر سے عہدی ذمہ داریوں سے آزاد ہو جانا۔ اور اس عہدی آزادی کے بعد جو بھی مخالفانہ قدم اٹھایا جائیگا۔ وہ خیانت نہیں ہوگی، بلکہ دشمنوں کی بدعہدی کا جواب ہوگا۔

عہد شکن کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ عہد شکنی کرکے مومنوں کو عاجز کر دیں گے۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں کافروں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس خام خیال میں مبتلا نہ رہیں کہ اس طرح عہد شکنی کرکے مومنوں پر غالب آجائیں گے، ہرگز ہرگز غالب نہیں آسکتے۔

○ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۸/۵۹

(مفہوم) اور وہ لوگ جنہوں نے ضابطہ ربوبیت کا انکار کیا ہے، وہ یہ گمان نہ کریں کہ وہ (اپنی غلط کاریوں کے ساتھ مومنوں سے) آگے بڑھ جائیں گے۔ بلا شبہ، وہ مومنوں کو عاجز نہیں کریں گے۔ (ان پر غلبہ حاصل نہیں کر سکیں گے)

ایمان والو! تم ہر آن جنگی تیاریوں میں لگے رہو ○ اگلی آیت مجیدہ میں اس غلط عقیدے کا بطلان کر دیا گیا ہے کہ مومنوں پر کافر صرف اس لیے غالب نہیں آسکتے کہ وہ کافر ہیں، اور یہ مومن ہیں بلکہ ناقابل تسخیر قوم بننے کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ فوجی قوت مہیا کی جائے۔ اور یہ چیز صرف اس طرح ممکن ہو سکتی ہے کہ اسلحہ تیار کیا جائے۔ قیمتی زر مبادلہ دے کر خریدنے والی قومیں ناقابل تسخیر نہیں بن سکتیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے کہ اسلحہ خود تیار کیا کرو اور دن رات تیار کرتے رہو۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۸/۶۰

(مفہوم) اور (ایمان والو!) ہمیشہ تیار کرتے رہو۔ ان دشمنوں کے مقابلے کے لیے طاقت بھر زیادہ سے زیادہ (فوجی) قوت۔ خصوصاً گھوڑوں کی بہتات (ذرائع رسل و رسائل زیادہ سے زیادہ تیار کرتے رہو۔ اسطرح) تم اس (بے پناہ فوجی قوت) کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔ اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور (فوجی تیاری کے لیے) جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے، وہ تمہیں پورا پورا واپس کر دیا جائے گا۔ اور تم ظلم نہیں کئے جاؤ گے۔

اسلحہ فیکٹریاں ○ **وَاَعِدُّوْا** فعل امر میں دوام موجود ہے۔ یعنی حکم دیا گیا ہے کہ اپنی طاقت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت، اسلحہ اور ذرائع رسل وسائل ہمیشہ تیار کرتے رہو' یعنی فوجی قوت (اسلحہ) کی تیاری کے لیے تمہارے ملک کے چپے چپے میں اسلحہ فیکٹریاں موجود ہونی چاہئیں' جو دن رات اسلحہ تیار کرتی رہیں۔ یعنی ان میں چوبیس گھنٹوں میں مسلسل تین تین شفٹیں چلتی رہنی چاہئیں۔

فاضلہ مال کا ہر ٹیڈی پیسہ اسلحہ کی تیاری پر خرچ ہونا چاہیے۔ ○ **مَااسْتَطَعْتُمْ** کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایمان والو! تم میں جتنی مالی استطاعت موجود ہو' سب کی سب فوجی قوت تیار کرنے پر خرچ ہونی چاہیے۔ بالفاظ دیگر فاضلہ مال کو سامان تعیش کی تیاری یا در آمد پر خرچ کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے اور انفرادی جائیدادیں بنانے سے بھی بالفاظ دیگر پوری قوم کے فاضلہ مال کا ہر ٹیڈی پیسہ فوجی قوت کی تیاری پر خرچ ہونا چاہیے۔

محکمہ جاسوسی ○ **مِنْ قُوَّةٍ** سے یہاں سیاق و سباق کے مطابق فوجی قوت' نیز ہر وہ قوت مراد ہے جو دشمن کے مقابلے پر کام آئے۔ اس میں جاسوسی کا محکمہ بھی موجود ہے جس کے ذریعے دشمن کے حالات سے ہر آن پتہ چلتا رہتا ہے کہ وہ کس قسم کی تیاری کر رہا ہے اور کیا کیا منصوبے بنا رہا ہے۔ پیچھے آیت نمبر ۸/۵۸ میں جو آیا ہے:۔ **وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ** ۔ اور اگر تمہیں کسی قوم سے یہ خطرہ لاحق ہو کہ وہ عہد شکنی پر اتر آئے ہیں تو ان کا عہد انہیں واپس لوٹا کر برابر ہو جانا۔" ان الفاظ سے بھی عیاں ہے کہ جن قوموں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا گیا ہو ان کی ہر حرکت پر نگاہ رکھی جائے گی۔ اور جب بھی یہ خطرہ پیدا ہو کہ مد مقابل عہد شکنی کے منصوبے بنا رہا ہے' تو فوراً" اس کا معاہدہ اسے واپس لوٹا کر باہم برابر ہو جانا ہو گا مگر ظاہر ہے کہ فریق مقابل کی مخفی حرکات و سکنات سے اس وقت تک آگاہی نہیں ہو سکتی' جب تک جاسوسی کا محکمہ قائم نہ کیا جائے اور اس کے کارندے ہر لحظہ خبریں نہ پہنچا رہے ہوں۔

آواز سے تیز رفتار طیارے ○ **رِبَاطِ الْخَيْلِ** کا لفظی معنی ہے گھوڑوں کی قطاریں۔ ذرائع رسل و رسائل میں چونکہ دور رسالت میں گھوڑا ایک تیز رفتار ذریعہ تھا۔ اس لیے **الْخَيْلِ** کے الف لام سے قیامت تک کی وہ سواری اور رسل و رسائل کا ہر وہ ذریعہ مراد ہے جو مستقبل میں ایجاد ہوتا رہے گا اس لئے موجودہ دور کے مطابق رباط الخیل سے مراد تیز رفتار فوجی بسوں' جیپوں کے علاوہ آواز سے تیز رفتار طیارے اور ان سے تیز رفتار راکٹ بھی ہیں۔ قیامت تک کی ایجاد ہونے والی سواریوں کی خبر سورہ نحل میں دی گئی ہے۔

○ **وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ط وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ** ○ ۱۶/۸ اور اللہ نے گھوڑے' خچر اور گدھے پیدا کیے ہیں تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے لیے باعث زینت بھی ہیں۔ اور اللہ (قیامت تک ایسی سواریاں) پیدا کرتا رہے گا' جنہیں تم جانتے ہی نہیں۔ دیکھئے! **مَالَا تَعْلَمُوْنَ** کے الفاظ میں' آئندہ ایجاد ہونے والی ہر سواری کی خبر دی گئی ہے' جنہیں ہر دور کے افراد مستقبل میں ایجاد ہونے والی سواریوں کے طور پر نہیں جانتے۔

چھپے دشمن ○ **لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ج اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ** کے الفاظ میں عالمی سیاست کے ایک مخصوص عظیم راز کا انکشاف کیا گیا ہے کہ ایمان والو! ہوشیار ہو جاؤ کہ تمہارے دشمن صرف وہی نہیں جو کھل کر سامنے آ چکے ہیں۔ بلکہ ان کے علاوہ تمہارے

بہت سے چھپے دشمن بھی ہیں جو دوستی کے پردے میں دشمنی کرکے تمہیں گہرا زخم پہنچانا چاہتے ہیں۔ وہ تمہارے دشمنوں کے ساتھ در پردہ ملے ہوئے ہیں۔ ان چھپے اور ظاہر تمام دشمنوں کا ایک ہی حل بتایا گیا ہے کہ ہر آن اتنی زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہنا کہ ایمان والوں کے ظاہر اور چھپے ہر قسم کے دشمن، مسلمانوں کی بے پناہ فوجی طاقت سے گھر بیٹھے کانپتے رہیں۔

سرکاری قرضے ○ **وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ** کے الفاظ میں اس امر کے التزام کی خبر دی گئی ہے کہ اسلامی حکومت فوجی تیاری اسلحہ تیار کرنے کے لیے عوام سے قرضہ لے سکتی ہے۔ جو مقررہ میعاد کے بعد پورا پورا بلا سود واپس کر دیا جائے گا۔ عوام پر لازم ہے کہ وہ اسلحہ کی زیادہ سے زیادہ تیاری میں حکومت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون کریں۔

فی سبیل اللہ کا ایک معنیٰ فوجی ضرورتوں کے لیے قرضہ دینا بھی ہے ○ قرآن مجید میں فی سبیل اللہ کے بہت سے معنی آئے ہیں۔ جن میں غرباء کی مالی مدد کرنا بھی شامل ہے۔ اور ظالم حکومت کے پنجے سے کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو آزاد کرانا بھی ہے ۷۵/۴ مگر اس آیت مجیدہ میں فوجی قوت (اسلحہ اور ذرائع رسل و رسائل) کی تیاری میں اسلامی حکومت کو ہنگامی قرضے دینا بھی انفاق فی سبیل اللہ قرار دیا گیا ہے۔ جو **یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ** کے مطابق عوام کو پورا پورا واپس کیا جانا لازم ہے۔

قرضہ واپس نہ کرنا ظلم ہے ○ **وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ** کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ قرضہ اگر حکومت بھی لے اور خواہ اسے خرچ بھی کرے اسلحہ بنانے جیسی اہم اور ضروری مد پر، مگر اس کا پورا پورا واپس کرنا حکومت پر بھی لازم ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ عوام میں جو لوگ اسلحہ کی تیاری کے لیے قرضہ نہیں بلکہ فی سبیل اللہ صدقہ دیں، جو واپس لیا ہی نہیں جاتا۔ تو اس کے واپس نہ کرنے میں کوئی ظلم نہیں مگر حکومت، جو رقم صدقہ کی بجائے قرضہ کی صورت میں عوام سے حاصل کرے اس کا واپس کرنا، ہر حالت میں ضروری ہے۔ اور اس کا واپس نہ کرنا قرآن کی میزان میں ظلم ہے، خواہ وہ فوجی قوت کی تیاری پر خرچ کیا گیا ہو۔

نگاہ بازگشت ○ آیت نمبر۴۱ میں مال غنیمت کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا جو مجاہدوں کے قریبیوں بے ٹھکانہ لوگوں، جن کے کاروبار ساکن ہو جائیں اور مسافروں پر خرچ کیا جائے گا اور باقی ۴/۵ جنگی اور دفاعی ضروریات کے لیے محفوظ رکھا جائے جس کے ساتھ دفاعی انتظامات ہر آن مکمل رکھے جائیں گے۔

○ آیت نمبر۴۲ میں جنگ بدر کا وہ وقت یاد دلایا گیا ہے جب صحابہؓ میدان کے ارلے کنارے پر تھے اور دشمن پرلے کنارے پر تھا۔ اور تجارتی قافلہ نچلی طرف تھا۔ صحابہؓ چاہتے تھے کہ غیر مسلح تجارتی قافلے سے ٹکرا جائیں مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلح حملہ آوروں کے مقابلے کا حکم دیا تاکہ معاملہ صاف ہو جائے جن لوگوں نے زندہ رہنا ہے وہ مسلح تصادم میں فتح یاب ہو کر زندہ رہیں، اور جن لوگوں نے ہلاک ہونا ہے وہ مسلح تصادم میں شکست فاش کے ذریعہ ہلاک ہو جائیں کیونکہ قومی زندگی اور موت کا فیصلہ میدان جنگ میں ہوا کرتا ہے۔

○ آیات نمبر۴۳، ۴۴ میں بتایا گیا ہے کہ جنگِ بدر کے موقعہ پر صحابہؓ کی استقامت و ثبات قدمی کی بدولت دشمنوں کی

کثیر تعداد رسول مقبول سلام علیہ کو خواب میں بھی قلیل دکھائی دی تھی۔ اور صحابہؓ کو سرِ میدان بھی دشمن کی کثرت قلت نظر آئی تھی۔ ارشاد باری ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو صحابہؓ میں کم ہمتی پیدا ہو جاتی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ صحابہؓ کے عزم و استقلال کو جانتا تھا۔ اس لئے اس نے دشمن کی کثرت کو قلت کر دکھایا۔ بے شک ہر کام اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کے مطابق ہی سر انجام ہوتا ہے۔

○ آیت نمبر ۴۵' ۴۶ میں ایمان والوں کو خصوصی حکم دیا گیا ہے کہ جب میدان جنگ میں دشمن کے مقابلے پر آؤ تو ثابت قدم رہا کرو۔ اور جنگ نصائح کو اچھی طرح یاد رکھا کرو' تاکہ تم ان پر بروقت اور صحیح صحیح عمل کرکے کامیاب ہوتے رہو۔ مرکزی احکام کی اطاعت کرتے رہنا اور آپس میں نہ جھگڑنا' ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ پس تم ثابت قدم رہنا۔ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

○ آیت نمبر ۴۷ میں ارشاد ہوا ہے کہ ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا' جو فخر و تکبر کے ساتھ گھروں سے نکلتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ (ربوبیت عامہ) سے روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

○ آیت نمبر ۴۸ میں صحابہؓ کو ایک سرکش کافر کا واقعہ یاد دلایا گیا ہے جس نے کافروں کو اکسا کر اور اپنی حمایت کا یقین دلا کر مسلمانوں پر حملہ کروادیا۔ لیکن جب شکست ہوتی دیکھی تو یہ کہتے ہوئے میدان سے بھاگ کھڑا ہوا کہ جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے۔ اس کی غرض صرف مال غنیمت حاصل کرنا تھا۔ لیکن جب شکست کا یقین ہو گیا اور مال غنیمت ملنے کی توقع نہ رہی تو بھاگ گیا۔

○ آیت نمبر ۴۹ میں منافقوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ وہ تھے جو یہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ دے دیا ہے۔ مگر اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ جو لوگ عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے قانون پر بھروسہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں فتح اور غلبہ عطا فرماتا ہے اور جو لوگ اللہ کے قانون سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ وہ شکست کھا جاتے ہیں۔

○ آیت نمبر ۵۰' ۵۱ میں جنگ بدر کا نقشہ نبی اکرمؐ کو مخاطب کرکے اس طرح کھینچا گیا ہے کہ کاش ! آپ مجاہدوں کو دیکھتے جب وہ حملہ آوروں کے موہنوں پر مار رہے تھے۔ اور جو ان میں سے بھاگے جا رہے تھے۔ ان کی پیٹھوں پر ضربیں لگا رہے تھے اور انہیں کہہ رہے تھے کہ شکست کی جلن کے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ عذاب تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کا لایا ہوا ہے۔ کیونکہ جارح بن کر تم نے خود حملہ کیا ہے۔

○ آیت نمبر ۵۲' ۵۳ میں بتایا گیا ہے کہ مکی حملہ آور مشرکوں کا حال فرعون اور سابقہ قوموں جیسا ہوا تھا کہ فرعون نے بھی موسیٰؑ کا تعاقب کرکے خود حملہ کیا تھا۔ اور وہ ختم ہو گیا۔ یہ بھی حملہ آور ہوئے ہیں۔ یہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ یہ اس لئے کہ اللہ کا مستقل قانون ہے کہ وہ کسی قوم سے اس وقت تک نعمت نہیں چھینتا جب تک کوئی قوم خود اللہ کی نعمتوں میں بیجا تصرف کرکے خود کفران نعمت کی مرتکب نہیں ہوتی۔

○ آیت ۵۴ میں بتایا گیا ہے کہ زمانہ رسالت کے مشرکین مکہ کا حال قوم فرعون اور دوسری سرکش قوموں جیسا تھا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کو ان کے جرائم کے بدلے غرق کر دیا اور باقی سرکش قوموں کو ان کی سرکشیوں کے بدلے ہلاک کر دیا۔ وہ سب ظالم تھے۔

○ آیت نمبر۵۵- میں بتایا گیا ہے کہ نوع انسانی میں بدترین لوگ وہ ہیں جو ضابطہ باری تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے' بلکہ ایمان لانے کی بجائے انکار کر دیتے ہیں۔

○ آیت نمبر۵۶ میں بتایا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے کہ جب نبی اکرمؐ نے مدینہ منورہ میں قرآنی نظام قائم کیا تو ان کافروں نے آپؐ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا اور اسے توڑ دیا۔ پھر معاہدہ کیا اور توڑ دیا حتیٰ کہ بار بار صلح کا معاہدہ کرتے اور توڑتے رہے۔ وہ لوگ عہد شکنی کے برے انجام سے ڈرتے نہیں تھے کہ بالاخر عہد شکن ظالم اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔

○ آیت نمبر۵۷ میں نبی اکرمؐ کو حکم ہوا ہے کہ ایسے بد عہد ظالموں کو مزید مہلت نہ دی جائے۔ بلکہ ان سے اعلان جنگ کر دیا جائے اور جب (اے رسولؐ) آپ میدان جنگ میں ان کے بالمقابل آئیں تو ان کی طاقت کا آخری شمہ تک ختم کرکے انہیں منتشر کر دیں بلکہ ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی جو ان کے پیچھے ہیں۔ اور ان کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں اور انہیں کمک پہنچاتے ہیں۔ انہیں بھی ایسی شکست دے کر منتشر کر دیں کہ وہ لوگ عمر بھر یاد کرتے رہیں۔

○ آیت نمبر۵۸ میں ارشاد ہوا ہے کہ جس قوم کے ساتھ تمہارا صلح کا معاہدہ ہو' اگر تمہیں ان سے عہد شکنی یعنی خیانت کا خوف ہو تو ان کا عہد انہیں واپس کرکے برابر ہو جاؤ۔ تم خیانت کے جواب میں خیانت نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

○ آیت نمبر۵۹ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جو لوگ ضابطۂ الٰہی کا انکار کرنے والے ہیں وہ یہ نہ گمان کریں کہ وہ مومنوں کے ساتھ کئے گئے عہد میں خیانت کرکے انہیں عاجز کر دیں گے۔ بلاشبہ وہ عاجز نہیں کر سکیں گے (کیونکہ مومن نہ ان کی خفیہ سازشوں سے بے خبر ہیں اور نہ کمزور کہ کافر انہیں شکست دے سکیں)

○ آیت نمبر۶۰ میں خصوصیت کے کیساتھ حکم دیا گیا ہے کہ دشمنوں کے مقابلے کے لیے ہر آن فوجی قوت اور ذرائع رسل و رسائل کا سامان بدستور تیار کرتے رہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اس بے پناہ فوجی قوت اور ذرائع رسل و رسائل کے ساتھ گھر بیٹھے دہلاتے رہو گے۔ نیز اسی آیت مجیدہ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ تمہارے دشمن صرف وہی نہیں' جو کھل کر سامنے آچکے ہیں۔ بلکہ وہ بھی ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ انہیں جانتا ہے یعنی جو قوم در پردہ ان کی مدد کرتی اور ان کی پیٹھ ٹھونکتی ہے وہ بھی تمہاری اور اللہ کی دشمن ہے۔ نیز فرمایا کہ فوجی قوت کی تیاری میں جو قرضہ تم مرکز ملت کو دو گے وہ تمہیں پورے کا پورا واپس کر دیا جائے گا یعنی واپس نہ کرکے تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا اس سے ظاہر ہوا کہ مرکز ملت فوجی تیاری کے لیے عوام سے قرضے بھی لے سکتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ فوجی قوت کے لحاظ سے اس مقام پر پہنچ جائے کہ اس کے ظاہر اور چھپے سب دشمن اس کی فوجی تیاری سے گھر بیٹھے دہلتے اور لرزہ بر اندام رہیں۔

جنگ میں خواہ مخواہ نہ الجھنا ○ واضح رہے کہ آیت نمبر۶۰/۸ میں زیادہ سے زیادہ مکمل فوجی تیاری کا حکم دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ مکمل فوجی تیاری کے زعم میں دشمن کے ساتھ اس صورت میں جنگ میں نہ الجھنا جب کہ وہ صلح کا ہاتھ بڑھا رہے ہوں۔ قرآن مجید زیادہ سے زیادہ جنگی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ جنگ سے زیادہ سے زیادہ پرہیز کا بھی حکم دیتا ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱

(اے رسولؐ) اگر آپ کے دشمن صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف جھک جانا اور اللہ کے قانون پر بھروسہ کرنا (یعنی دشمن کی طرف سے غافل نہ ہونا) بلا شبہ اللہ تعالیٰ خوب خوب سننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے۔

○ **تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ**: کا مصدری لفظی معنی ہے اللہ پر بھروسہ کرنا مگر واضح رہے کہ اللہ پر بھروسہ اس کے مقررہ قانون کے مطابق عمل کرنا' یعنی اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین پر بھروسہ کرنا ہے جو کبھی بھی دھوکہ نہیں دیتے۔ **تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** بمعنی اللہ کے قانون پر توکل کی وضاحت سورہ آل عمران میں بالفاظ ذیل موجود ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○ ۳/۱۵۹

اور (اے رسولؐ) صحابہؓ کے ساتھ اہم کاموں میں مشورہ کیا کریں۔ پھر جب (باہمی مشورہ کے بعد اس مہم کی انجام دہی کا ارادہ کریں تو **فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ**' اللہ پر توکل کیا کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

توکل کا یہ مطلب ہے خنجر تیز رکھ اپنا
نتیجہ اس کی تیزی کا اللہ کے حوالے کر

دیکھئے ! یہاں پہلا نمبر ہے مشاورت کا' پھر عزم کا اور پھر توکل علی اللہ کا نمبر بتایا گیا ہے اب ظاہر ہے کہ مشاورت کے بعد عزم' پیش آمدہ مہم کے اس طریق کے عین مطابق ہوگا جو باہمی مشاورت میں مہم کے جملہ نشیب و فراز پر پوری طرح غور کرنے کے بعد طے کیا گیا ہو۔ پس عزم کے بعد' جو توکل علی اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ پیش آمدہ مہم کی تکمیل کے لیے عملی طور پر وہ راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو باہمی مشاورت میں طے کردہ طریق کار سے متعلقہ اس قانون جاریہ کے مطابق ہوگا جو پیش آمدہ مہم کی تکمیل کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے۔ فلہذا ثابت ہوا کہ اللہ پر توکل کرنے سے مراد ہے اللہ کے خود متعین کردہ غیر متبدل قوانین پر بھروسہ کرنا۔ بالفاظ دیگر اللہ کے قانون پر بھروسہ کرنا اللہ تعالیٰ پر توکل' بھروسہ کرنا ہے۔

اللہ بمعنی اللہ کا قانون خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ○ **سورہ نحل** ارشاد ہوا ہے **اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** "کیا لوگوں نے پرندوں پر غور نہیں کیا یعنی انہیں غور کرنا چاہئے کہ پرندے فضا میں اڑتے ہیں انہیں فضا میں اللہ کا قانون تھامے رکھتا ہے۔ بیشک اس بیان میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لانے والے ہیں"۔ (۱۶/۷۹)

دیکھئے ! یہاں **مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ** میں "اللہ" بمعنی اللہ کا قانون ہے کیونکہ جب اڑتے پرندے کو شکاری نشانہ کرتا ہے تو وہ جھٹ نیچے آگرتا ہے یا جب اڑتے پرندے کے پروں میں کوئی کمزوری حادثتہً" واقعہ ہو جاتی ہے تو اللہ کا قانون اسے نیچے گرا دیتا ہے۔ پرندہ ہوا میں اس وقت تک اڑ سکتا ہے جب تک وہ اڑنے کے قابل ہو یہی اللہ کا قانون ہے۔ المختصر آیت مجیدہ زیر نظر ۸/۶۱ میں **تُوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** کا معنی اللہ کے خود متعین کردہ غیر متبدل قوانین پر بھروسہ کرنا ہے اور یہی ہے اللہ پر

بھروسہ کرنا۔

○ **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ** کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ مومنوں کو کافر' جو صلح کی دعوت دیتے ہیں' اللہ تعالیٰ اسے اچھی طرح سنتا بھی ہے اور جو کچھ ان کے ذہنوں میں پوشیدہ ہوتا ہے اسے اچھی طرح جانتا بھی ہے کہ وہ مومنوں کو دھوکا دینے کے لیے صلح کا چکمہ دینا چاہتے ہیں یا فی الحقیقت صلح چاہتے ہیں لیکن چونکہ اسلام اور قرآن صلح پسند مسلک کے حامی ہیں۔ اس لیے مومنوں کو تاکید کی گئی ہے کہ جب دشمن صلح کی طرف جھکے تو تم بھی صلح کی طرف جھک جانا۔ مگر اللہ کے قانون پر بھروسہ کرتے ہوئے ہر آن نگاہ رکھنا کہ آیا دشمن تمہیں دھوکہ تو نہیں دینا چاہتا۔ جب تم عہد شکنی کا خطرہ محسوس کرو تو عہد لوٹا کر برابر ہو جانا ۸/۵۸

اے رسولؐ آپؐ کے لیے اللہ اور صحابہؓ کافی ہیں

اگلی آیت مجیدہ میں رسولؐ اللہ کو مخاطب کرکے دشمنوں کی عہد شکنی کو خاطر میں نہ لانے کی تاکید کی گئی ہے کہ اگر وہ آپ کو دھوکا دیں تو آپ کے لیے اللہ کافی ہے' جس نے اپنے قانون کے مطابق آپ کے جاں نثار صحابہؓ کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی ہے۔ اس لیے عہد شکن دھوکے باز دشمن آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔ انجام کار آپ کے ہاتھوں انہیں شکست فاش نصیب ہوگی اور فتح آپ کے قدم چومے گی۔ اس پورے مضمون کو قرآن کریم نے انتہائی اختصار کے ساتھ بالفاظ ذیل بیان کیا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭهُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲

اور (اے رسولؐ! آپ کے عہد شکن دشمن' عہد توڑ کر) اگر آپ کو دھوکا دینے کا ارادہ کریں تو (آپ غم نہ کھائیں) بلاشبہ آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔ وہی جس نے آپ کو تقویت دی اپنی مدد کے ساتھ۔ یعنی مومنین (صحابہ کرام) کے ذریعے۔

○ حسبک اللہ کے الفاظ میں جو ارشاد ہوا ہے کہ آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔ انتہائی غور طلب ہے۔ اوپر وضاحت گزر چکی ہے

اللہ تعالیٰ کا ہر کام اپنے خود مقرر کردہ غیر متبدل قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے انبیاءؑ کی مدد کا الہٰی قانون ہے یا صحابہؓ کی طاقتور جماعت کے ذریعہ اور یا آندھی زلزلہ طوفان وغیرہ اپنے جنود السموات والارض کے ذریعہ جیسے کہ نوحؑ کی مدد آپ کی قوم پر طوفان لاکر کی گئی تھی۔ ہودؑ کی مدد ان کی قوم پر آندھی بھیج کر کی گئی۔ مگر داودؑ سلیمانؑ اور نبی اکرمؐ کی مدد ان کی صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ کی گئی' جس کے ذریعہ ان کے دشمنوں کو شکست فاش ہوئی۔ اسی لیے یہاں نصرت الہٰی کو صحابہ رضوان اللہ اجمعین کی قوت بازو کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔

○ **بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ** کی درمیانی واوَ تفسیری بمعنی "یعنی" ہے۔

○ یہاں واوَ بمعنی بذریعہ ہے۔ دیکھیے سورہ توبہ۔ **اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ** اعلان ہے اللہ کا بذریعہ اس کے رسولؐ کے۔

○ اگلی آیت مجیدہ ۸/۶۳ میں صحابہؓ کی باہمی محبت و روا داری کی کھل کر خبر دی گئی ہے کہ ان کے قلوب و اذہان میں باہمی محبت و شفقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾

اور (اللہ نے) ان کے ذہنوں میں محبت ڈال دی۔ اور (اے رسول) اگر (بفرض محال) آپ زمین بھر کا سارا مال خرچ کر دیتے تو پھر بھی آپ ان کے ذہنوں میں محبت پیدا نہ کر سکتے تھے ولیکن اللہ نے (اپنے قانون کیمطابق) ان میں محبت ڈال دی بلا شبہ وہ غالب حکمت والا ہے۔

○ **لو انفقت** میں لَو تفریض محال کے لیے آیا ہے۔ کیونکہ نہ زمین بھر کا سارا مال و دولت نبی اکرمؐ کے قبضہ میں تھا اور نہ ہی آپ اسے خرچ کر سکتے تھے۔

ذاتی مفاد پرستی سے باہمی دشمنی پیدا ہوتی ہے اور قومی مفاد کے جذبہ سے باہمی محبت جنم لیتی ہے۔

○ صحابہ رضی اللہ عنہم نزول قرآن سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اب باہمی دشمنی اور باہمی محبت کا الہٰی قانون یہ ہے کہ جہاں ذاتی مفاد پرستی کا دور دورہ ہوتا ہے اس معاشرہ کا ہر فرد چونکہ اپنے مفاد کو مقدم رکھتا ہے۔ اس لیے الگ الگ افراد کے مفاد چونکہ آپس میں ٹکراتے ہیں۔ اس لیے اس معاشرہ کے افراد ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں اور جس معاشرہ میں ذاتی مفاد کی بجائے اجتماعی طور پر قومی مفاد کو مقدم رکھا جاتا ہو۔ اس معاشرہ کے افراد ٹیم ورک کی صورت میں صرف قومی مفاد کے لیے باہم مل کر کام کرتے ہیں۔ اس لیے ان افراد میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ نزول قرآن سے پہلے چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم انفرادی مفاد پرستی کے چکر میں پھنسے ہوئے تھے اس لیے وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے ۳/۱۰۳ لیکن۔

○ جب قرآن کریم نازل ہوا اور اس کے پہلے ہی سبق **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ۱/۱ میں اللہ تعالیٰ کو پورے عالمین کا رب بتا دیا گیا۔ تو اس پر ایمان لانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب انفرادی مفاد کی بجائے قومی مفاد کے لیے مل کر کام کرنا شروع کیا تو وہی جو آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے' گہرے دوست بن گئے۔ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے۔

○ **وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا** ج

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ط كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ
○ ۳/۱۰۳

○ اور اے جماعت صحابہؓ ! اللہ کی نعمت (قرآن) کو یاد کرو۔ جو اس نے تم پر نازل فرمائی کہ جب تم (ذاتی مفاد پرستی کی بدولت) ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ نے (اپنے قانون کے مطابق) تمہارے اذہان میں محبت ڈال دی۔ پس تم اللہ کی نعمت (قرآن) کے ساتھ آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔ اور تم (اس سے پہلے) آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ پھر اللہ نے (اپنی نعمت قرآن) کے ساتھ تمہیں اس سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

○ واضح رہے کہ قرآن کریم پر عمل کرتے ہوئے انفرادی مفاد پرستی سے پرہیز کرنے سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں باہمی محبت قرآن کریم پر عمل کرکے انفرادیت سے ہٹ کر اجتماعیت کو اپنانے ہی سے پیدا ہوئی تھی۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس کام کو جو اس کے قانون کے مطابق سرانجام ہوتا ہے' اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں ذات باری کی طرف سے نبی اکرمؐ کے لیے کفایت صحابہ کرام کا تکرار تاکیدی بالفاظ ذیل لایا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝٦٤

اے نبیؐ ! (پھر سن لیجئے گا کہ) آپ کے لیے اللہ کافی ہے یعنی وہ مومن کافی ہیں جنہوں نے آپ کی اتباع کی ہے۔ (اور آپ کی اتباع میں آپ کی عسکری قوت میں اس قدر بے پناہ اضافہ کیا ہے کہ آپ کے دشمن گھر بیٹھے کانپتے ہیں)

صرف جنگی ہتھیار ہی کافی نہیں بلکہ ہتھیاروں کے استعمال کی پوری پوری مہارت بھی ضروری ہے۔

○ اوپر ۸/۶۰ میں جنگی ہتھیاروں اور ذرائع رسل و رسائل کی ہر آن تیاری کا حکم دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ ۸/۶۵ میں مومنوں کو جنگی ہتھیاروں کے استعمال کی زیادہ سے زیادہ مشق کرنے کا اہم ترین حکم دیا گیا ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝٦٥

اے نبیؐ ! مومنوں کو لڑائی کی اتنی زیادہ مشق کروائیں کہ وہ تھک کر چور ہو جایا کریں۔ (ایمان والو !) اگر تم میں (ایسے فنون حرب کے ماہر) بیس ثابت قدم مجاہد ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں (ایسے فنون حرب کے ماہر) سو ثابت قدم مجاہد ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔ یہ اسلئے کہ (تم تفقہ کرتے ہو کہ نظام ربوبیت کے قیام کے لیے لڑ رہے ہو) وہ تفقہ ہی نہیں کرتے (کہ کیوں لڑ رہے ہیں۔ صرف استحصالی نظام کی بقا کے لئے؟)

○ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ کے جملہ میں حرض کا سہ حرفی مادہ ح ۔ ر۔ ض= حرض ہے اس کا بنیادی معنی

ہے کمزور ہو جانا لاغر ہو جانا۔ اس لیے **حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ** کا یہ معنی تو لیا ہی نہیں جاسکتا کہ اے نبیؐ! مومنوں کو قتال کے لیے لاغر اور کمزور کر دیں۔ جب کہ قتال کے لیے طاقت ور اور توانا ہونا شرط اول ہے۔ اس لیے **حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ** کا صحیح معنی یہ ہے کہ اے نبیؐ! مومنوں سے اتنی زیادہ فوجی مشقیں کروائیں کہ وہ کمزور یعنی تھک کر چور ہو جایا کریں۔

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں استثناء بیان ہوئی ہے۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

اس وقت اللہ تعالیٰ تم سے تخفیف کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بیشک (اس وقت) تم میں (سامان حرب کی) کمزوری ہے تو اس طرح اگر تم میں (فنون حرب کے ماہر) ایک سو مجاہد ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں (فنون حرب کے ماہر) ایک ہزار مجاہد ہوں تو وہ اللہ کے قانون کے مطابق دو ہزار (کافروں) پر غالب آئیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

اذن بمعنی اللہ کا قانون ۷/۵۸ میں ملاحظہ فرمائیں:۔ **وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ**= اور تندرست زمین اللہ کے قانون کے مطابق اپنی عمدہ پیداوار اگاتی ہے۔ **وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا**= اور جو بیمار زمین ہے وہ ناقص پیداوار اگاتی ہے اس آیت مجیدہ میں اِذْنِ رَبِّہٖ کے الفاظ سے کھل کر ثابت ہے کہ اِذن بمعنی اس کا قانون ہے کہ اس کے قانون کے مطابق عمدہ زمین عمدہ پیداوار پیدا کرتی ہے اور ناقص زمین ناقص پیداوار پیدا کرتی ہے۔

ثبات قدمی فتح و نصرت کی کنجی ہے ○ واضح رہے کہ آیت نمبر۸/۶۰ میں اتنی بے پناہ فوجی قوت تیار کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے ڈر کر دشمن گھر بیٹھے کانپتا رہے۔ آیت نمبر ۸/۶۶،۶۵ میں نبی اکرمؐ کو ارشاد ہوا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اتنی زیادہ فوجی مشقیں کرایا کریں کہ وہ تھک کر چور ہو جائیں۔ اور ساتھ ہی انہی آیات مجیدہ ۶۵-۸/۶۶ میں خبر دی گئی ہے کہ:۔

۱۔ اگر تم میں ایسے فنون حرب کے ماہر بیس ثابت قدم مجاہد ہوں گے تو اپنے سے دس گناہ دشمنوں دو سو پر غالب آئیں گے۔

۲۔ اور اگر تم میں ایسے فنون حرب کے ماہر ایک سو ثابت قدم مجاہد ہوں گے تو اپنے سے دس گنا دشمنوں ایک ہزار پر غالب آئیں گے۔

۳۔ لیکن چونکہ ہنوز تم میں مادی کمزوری ہے۔ مگر پھر بھی تم دگنے دشمنوں پر غالب آؤ گے۔ اگر تم میں سو ثابت قدم مجاہد ہوں تو دو سو پر غالب آئیں گے۔

۴۔ اور اگر ایک ہزار ثابت قدم مجاہد ہوں تو دو ہزار پر غالب آئیں گے۔ اور یہ سب کچھ اللہ کے قانون کے مطابق ہو گا۔

شرط اول ثابت قدمی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

○ اب غور فرمایئے کہ سطور بالا میں مومنوں اور کافروں کے مقابلے کی جو نسبت بیان ہوئی ہے' ۱ : ۱۰ اور ۱ : ۲ ان میں مندرجہ بالا چار صورتیں پیش کی گئی ہیں۔ اور چاروں صورتوں میں ثابت قدمی قدر مشترک کے طور پر شرط اول قرار دی گئی ہے اللہ کے قانون کے مطابق فتح ان لوگوں کا حصہ قرار دیا گیا ہے جو میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ہوں۔ جہاں قدم جم گئے' جان جائے مگر قدم نہ اکھڑنے پائیں۔ اسی ثابت قدمی ہی کو ذیل کے الہی حکم میں فرض کیا گیا ہے:۔

○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ○ ۸/۱۵

○ ایمان والو ! جب تم میدان جنگ میں کافروں کے مقابل آؤ تو پیٹھ نہ دکھانا۔ جم کر لڑنا (اس طرح کہ جان جائے مگر قدم نہ اکھڑنے پائیں)

پس فتح کی شرط اول ثابت قدمی ہے۔

دشمن کے مقابلے کے لیے سامان حرب بھی ضروری ہے اور فنون حرب کے ماہر ثابت قدم مجاہد بھی ضروری ہیں

○ المختصر آیات بالا ۸/۶۰ تا ۸/۶۶ سے بالوضاحت ثابت ہے کہ دشمن کے مقابلے کے لیے جنگی ہتھیار بھی ضروری ہیں۔ نہ ہتھیاروں کے بغیر جنگ ہو سکتی ہے اور نہ ہتھیاروں کے ماہر سپاہیوں کے بغیر۔ بالفاظ دیگر نہ مجاہدوں کے بغیر جنگی سامان خود بخود چل سکتا ہے۔ اور نہ مجاہد ہی سامان جنگ کے بغیر دشمن کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دشمن بھی ضرورت کے مطابق سامان جنگ اور فنون حرب کے ماہر سپاہی مہیا کرکے بالمقابل آجائے تو پھر؟ ..... اس سوال کا جواب اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۸/۶۶ کے الفاظ میں اوپر گزر چکا ہے۔ فتح انھیں نصیب ہوگی جو پورے سامانِ حرب اور فنونِ حرب کی مہارت کے ساتھ ساتھ میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ہوں گے۔ چنانچہ انہی قرآنی حقائق پر روز مرہ کا مشاہدہ گواہ ہے کہ کافر کافر آپس میں لڑتے ہیں۔ کافر اور مومن آپس میں لڑتے ہیں۔ مگر غالب وہ آتے ہیں جو جدید ترین سامان حرب سے لیس ہونے کے ساتھ ساتھ میدان جنگ میں ثابت قدم بھی رہنے والے ہوتے ہیں۔ فتح کا اصلی راز ثبات قدمی میں مضمر ہے۔

نبی سلام علیہ کسی کو قید نہیں رکھ سکتا۔ اگلی آیت مجیدہ میں ربط کلام کے مطابق کہ فاتح قومیں مغلوب قوموں کو غلام اور قیدی بنالیتی ہیں۔ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کے نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو قیدی بنا کر رکھے اور نبی آتے ہی ہیں نوع انسانی کے ایک ایک فرد کو آزادی دلانے کے لیے۔ اور ان کی گردنوں سے ہر قسم کی غلامی کے پٹے اتارنے کے لیے۔ چنانچہ بالفاظ ذیل اعلان کیا گیا:۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ۚ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾	نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں۔ حتی کہ وہ (حملہ آوروں کو) میدان جنگ میں شکست دے کر مغلوب کر دے (کیا تم بلا وجہ قیدی بنا کر) دنیا کا مال حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ تم ایسا ہرگز نہیں کرو گے) کیونکہ اللہ تعالیٰ آخرت کا ارادہ کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

○ یہاں الارض کا معنی میدان جنگ کی زمین ہے۔ جیسا کہ ۴/۱۰۱ میں **اِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ** کا معنی جنگ کی زمین ہے۔

کسی کو بلا وجہ قید کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ امر ہے

○ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ:۔

اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اخروی سزا کا فیصلہ پہلے ہی سے نہ کیا جاچکا ہوتا تو کسی کو بلا وجہ قید و بند میں ڈال دینے والوں کو اسی دنیا میں پکڑ کر عذاب عظیم میں مبتلا کر دیا جاتا۔ دیکھئے اس ضمن میں کیسے سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾	اگر نہ ہوتا پہلے سے فرض کیا ہوا اللہ تعالیٰ کیطرف سے تو تمہیں اس چیز کے بدلے (جو تم کسی کو بلاوجہ قید کر کے حاصل کرتے ہو) ضرور بڑا عذاب مس کرتا۔

صرف غنیمت کا مال حلال اور طیّب ہے:۔ ○ آیات بالا میں اس چیز سے سختی کے ساتھ منع کرنے کے بعد کہ تم کسی کو بلاوجہ قید کر کے اس سے یا اس کے ورثاء سے مال حاصل نہ کیا کرو۔ یہ صریحا" حرام ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جب تمہیں جنگ میں فتح نصیب ہو تو تمہیں وہ مال حاصل کرنا چاہیے جو دشمن میدان جنگ میں چھوڑ کر مرجائے یا

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾	اور ایمان والو! (فتح کے بعد) وہ حلال و طیب مال کھاؤ جو تمہیں میدان جنگ میں تمہارے ہاتھ آئے۔ اور (اس سے زائد سے پرہیز کر کے) اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ بچاؤ عطا کرنیوالا مہربان ہے۔

○ آگے بڑھنے سے پہلے مال غنیمت کی تعریف کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ مال غنیمت کے متعلق جو یہ تصور دیا گیا ہے کہ مفتوحہ قوم کے مردوں عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنا لیا جائے اور پھر انہیں بڑی رقموں کے بدلے چھوڑا جائے۔ نیز یہ کہ مفتوحہ قوم کی بستیوں کو لوٹ لیا جائے۔ اور بستیوں کی پر امن عورتوں مردوں کو لونڈی غلام بنا کر فروخت کیا جائے اور بڑی بڑی رقمیں وصول کی جائیں۔ یہ سب کچھ از روئے قرآن حکیم حرام ہے۔

مال غنیمت کی تعریف ○ لفظ غنیمت کا سہ حرفی مادہ غ۔ ن۔ م = غنم ہے۔ اس کا بنیادی معنی ہے بغیر قیمت ادا کئے کوئی چیز حاصل کرنا۔ اب آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں قیمت ادا کئے بغیر کوئی چیز حاصل کرنا ازروئے اسلام مطلقاً منع ہے' حرام ہے' سرقہ ہے' چوری ہے تو آیت بالا میں جو **فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ** کے الفاظ آئے ہیں کہ جو مال تم بلا قیمت حاصل کرو اسے حلال طیب صورت میں کھاؤ۔ مال غنیمت صرف وہ ہے جو میدان جنگ میں دشمن چھوڑ کر مرجائے یا چھوڑ کر بھاگ جائے۔ میدان جنگ سے باہر دشمنوں کی بستیوں کا مال اور اس کے پر امن مرد اور عورتیں مال غنیمت نہیں۔ قرآن کہتا ہے۔ **لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ**۔ زمین میں فساد نہ کرو۔ واضح رہے کہ لڑائی ہوتی ہے حکومتوں کے درمیان۔ شریف شہریوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا جو پر امن زندگی گزارنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ مفتوحہ حکومت کی بستیوں میں لوٹ مچانا قطعاً" فساد فی الارض اور قطعاً" حرام ہے۔ البتہ وہ بستیاں اور ان بستیوں کا مال' مال غنیمت قرار دیا گیا ہے جنہیں دشمن خود چھوڑ کر بھاگ جائے ایسا مال اور میدان جنگ میں دشمن کا چھوڑا ہوا مال' مال غنیمت ہے۔ حلال اور طیب ہے۔ کیونکہ نہ دشمن میں لوٹ کر آنے کی طاقت ہو اور نہ وہ اپنا مال حاصل کرسکے۔ اگر وہ مال نہ لیا جائے وہ بیکار پڑا پڑا ضائع ہوجائے گا۔

جنگی قیدیوں کا مسئلہ ○ میدان جنگ میں' دوران جنگ دشمن کے سپاہیوں کو تا اختتام جنگ' اس لیے سختی کے ساتھ قید کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ تخریب کاریاں نہ کرسکیں۔ میدان جنگ میں اس کی بھی اجازت نہیں کہ دوران جنگ یا اختتام جنگ پر دشمن کے جو سپاہی ہاتھ آئیں انہیں قید نہ کیا جائے اور اس امر کی بھی اجازت نہیں کہ انہیں مستقل قیدی بنا کر بین الاقوامی فدیہ سے زائد رقم وصول کی جائے۔ سورہ محمدؐ میں ارشاد ہوا:۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتّٰى إِذَآ أَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ○ ذٰلِكَ ط ۴۷/۴ پس جب تم (میدان جنگ میں) کافروں کے بالمقابل آؤ تو ان کی گردنیں مارنا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم انہیں تھکا کر چور کر دو تو انہیں سختی کے ساتھ قید کرلیا کرو۔ پھر اس کے بعد جب جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے (یعنی جنگ ختم ہو جائے' تم فتحیاب ہو جاؤ تو پھر ان جنگی قیدیوں کو) یا تو احسان کرکے رہا کر دینا ہے اور یا (باہمی مقررہ) فدیہ لے کر آزاد کر دینا ہے۔ بس جنگی قیدیوں کے لیے یہی ایک حکم ہے (کہ یا تو فدیہ لے کر یا قیدیوں کے ساتھ قیدیوں کا تبادلہ کرکے چھوڑ دینا ہے اور یا اگر فدیہ وصول ہونا ممکن نہ ہو تو انہیں بلا فدیہ' احسان کرکے چھوڑ دینا ہے اور بس۔

○ دیکھا آپ نے کہ جنگی قیدیوں کو صرف آزاد کر دینے کا حکم ہے۔ لونڈی غلام بنانے کی اجازت ہرگز نہیں۔ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ اسلام نوع انسانی کی آزادی کا علمبردار ہے' غلامی کا نہیں۔

جنگی قیدیوں کے متعلق استثنائی حکم ○ اس ضمن میں استثنائی حکم آیت نمبر ۸/۶۷ میں گزر چکا ہے کہ نبی اکرمؐ کے لیے لائق نہیں کہ وہ کسی کو قیدی بنا کر رکھیں' سوائے اس کے کہ قیدیوں میں کوئی ایسا آدمی موجود ہو جس کا کام خونریزی کرنا اور فساد مچانا ہو۔ اسے قید رکھا جاسکتا ہے۔ ایسے شخص کو فساد مچانے کے لیے کھلا چھوڑ دینا ایک الگ جرم عظیم ہے۔ ایسے شخص کے سوا باقی تمام جنگی قیدیوں کو' خواہ ان میں مرد ہوں یا عورتیں' سب کو فدیہ لے کر یا احسان کرکے رہا ہی کر دینے کا حکم ہے۔ کسی بے ضرر انسان کو قید کرنا اور پھر اسے لونڈی اور غلام بنا کر فروخت کرنا اور اسے فروخت در فروخت کے لیے

مخصوص کرنا انسانیت کی انتہائی تذلیل ہے۔ العیاذ باللہ !

مالِ غنیمت پر حلالاً ” طیباً کی قید ○ مال غنیمت کی تعریف آپ سن چکے ہیں۔ یہ صرف وہ مال ہے جو دشمن میدان جنگ میں چھوڑ کر مرجائے یا بھاگ جائے۔ یا جن بستیوں کو دشمن خود چھوڑ کر فرار ہو جائے۔ بستیوں والوں کو بستیوں میں سے بنوک سنگین نکالنا بھی جرم عظیم اور تذلیل انسانیت ہے۔ اب جو مال صحیح غنیمت کے طور پر میدان جنگ سے حاصل کیا جائے اس پر حلالاً” طیباً کی قید لگائی گئی ہے۔ اس کا صاف مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ میدان جنگ سے جو بھی مال کسی مجاہد' سپاہی کو ہاتھ آئے خواہ وہ تھوڑی قیمت کا ہو یا گراں بہا قیمت کا مال ہو' نیز جس وقت اسے ہاتھ آیا ہو' اس وقت خواہ اسے کوئی دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو' اس کا فرض ہے کہ اسے بلا کم و کاست مال غنیمت کے بیت المال میں جمع کرائے۔ اور پھر مال غنیمت کی تقسیم کے وقت جو کچھ اس کے حصے میں آئے اس پر اکتفا کرے تو یہ مال حلالاً” طیباً کی شرط کے مطابق ہے۔ اور اس کے برعکس جو مال میدان جنگ میں چھپا لیا گیا ہو۔ خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت۔ تھوڑی قیمت کا ہو یا بھاری قیمت کا' وہ حلال اور طیب نہیں ہوگا۔ حرام اور خبیث ہوگا۔

نبی اکرمؐ کو اپنے قیدیوں کو پوری پوری تسلی دینے کا خاص الخاص حکم ○ اب دورانِ جنگ جو جنگی قیدی نبی سلام علیہ کے ہاتھ آتے تھے۔ ان کے متعلق آپ کو حکم ہوا ہے کہ آپ انہیں تسلّی دے دیں کہ تم میں جو لوگ غیر مفسد اور امن پسند ہیں انہیں مناسب وقت پر فوراً” رہا کر دیا جائے گا۔ اور جو مال ان سے لیا گیا ہے وہ بھی انہیں واپس کر دیا جائے گا۔ ملاحظہ ہو ارشاد باری تعالیٰ :۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے نبی ! جو قیدی آپ کے قبضے میں ہیں آپ انہیں کہہ دیجئے (انہیں تسلی دیجئے !) کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذہنوں میں بھلائی ظاہر کی تو تمہیں اس مال سے جو تم سے لیا گیا ہے بہتر مال دیا جائیگا اور اللہ تمہیں بچاؤ عطا فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ (ایسے لوگوں کو جن کے اذہان میں بھلائی ہو) بچاؤ دینے والا مہربان ہے۔

○ اس آیت مجیدہ میں جنگی اور ہر قسم کے قیدیوں کے متعلق پوری تحقیق کرنے کا حکم دینے کے بعد اس امر کا فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ جن لوگوں کے اذہان میں اسلامی حکومت کے لیے نیک جذبہ موجود ہو۔ اور وہ دوسروں کے کہنے پر مد مقابل آگئے ہوں۔ انہیں نہ صرف چھوڑ دیا جائے گا بلکہ ان سے جو مال لیا گیا ہو۔ اس سے بہتر مال انہیں واپس کر دیا جائے گا۔ نیز وہ لوگ بھی جو جنگ سے پہلے تو اسلامی حکومت کے مخالف تھے مگر شکست کھانے کے بعد اسلامی حکومت کے وفادار شہری بن کر رہنے کی یقین دہانی کروادیں' انہیں بھی چھوڑ دیا جائے گا۔

○ لیکن اس کے برعکس جو لوگ مسلسل اسلام دشمنی کے مریض چلے آرہے ہوں اور آئندہ کے لیے بھی ان میں کوئی بھلائی دکھائی نہ دیتی ہو' انہیں ہرگز نہیں چھوڑا جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لیے سورہ مائدہ ۵/۳۳ میں ارشاد ہوا ہے۔

○ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

عَظِيمٌ ○ ۵/۳۳

(مفہوم) جو لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کریں (یعنی اسلامی حکومت سے لڑیں) اور زمین میں فساد پھیلائیں تو اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ ان کی سزا یہ ہے کہ یا تو وہ قتل کر دیئے جائیں۔ یا صلیب پر چڑھا کر ختم کر دیئے جائیں۔ یا انہیں ہاتھوں پیروں میں الٹی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال کر عمر قید کر دیا جائے۔ اور یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔ (ان سزاؤں میں سے جو سزا مناسب ہو وہ دی جائے) ان کی یہ سزا دنیا کی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

سود خور بھی اللہ و رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں ○ واضح رہے کہ **الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ** میں سود خور بھی شامل ہیں۔ کیونکہ سورہ بقرہ میں سود خوروں کے متعلق ارشاد ہے:۔

○ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ** ۲۷۸۔۲/۲۷۹= اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو اور جو سود زمانہ جہالت کا لوگوں کی طرف باقی ہے اگر تم سچے مومن ہو تو اسے چھوڑ دو' پھر اگر تم ایسا نہ کرو (یعنی سود نہ چھوڑو) تو تمہارا اللہ اور رسول کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔

○ اس آیت مجیدہ کے مطابق سود خور بھی اللہ اور رسول کا متحارب گروہ ہے۔ ان کی سزا بھی یہی ہے جو آیات مجیدہ ۲۷۸-۲/۲۷۹ کیمطابق اوپر بیان ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سودی نظام قرآنی نظام کی نقیض ہے۔ ارشاد باری ہے **يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ** ۲/۲۷۶ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے معاشرے کے قیام کا حکم دیتا ہے جس میں سودی نظام کو یکسر ختم کر دیا جائے اور صدقات کا نظام جاری و ساری کیا جائے۔ بالفاظ دیگر جن لوگوں کو وقتاً فوقتاً قرضہ لینے کی ضرورت لاحق ہو انہیں حکومت کے صدقہ کے فنڈ سے بلا سود قرضہ میسر آتا رہے۔ سودی قرضہ وہ ظالم جونک ہے جو قرض دار کے خون کا آخری قطرہ تک چوس کر دم لیتی ہے۔ قرضدار کے بیوی بچے ضروریات زندگی کو ترس رہے ہوتے ہیں اور قرض خواہ' قرضدار کی کمائی میں سے ہر ماہ اپنا زر سود وصول کرتا چلا جاتا ہے۔ پس سودی نظام چونکہ تذلیل انسانیت کی اساس پر قائم ہوتا ہے۔ اس لیے اسے حرام قرار دیا گیا ہے اور سود خوار کو اللہ تعالیٰ کا متحارب گروہ قرار دے دیا گیا ہے اور اس کی سزا بھی وہی تجویز کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے والوں کی مقرر ہوئی ہے۔

اگر کوئی دشمن خیانت کرے تو ایک مضبوط مرکز کو کوئی خطرہ نہیں ○ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ:۔

اگر قیدی لوگ خیانت کرکے منافقانہ طور پر اپنے آپ کو مرکز ملت کے وفادار بتائیں تو آپ غیب دان تو ہیں نہیں کہ ان کے ذہن کی بات جان لیں' انہیں مذکورہ رعایت دے دیجئے۔ کوئی خطرہ نہیں۔ یہ لوگ پہلے بھی تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں مگر بالآخر شکست یاب ہو کر قیدی ہو چکے ہیں۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

اور (اے رسول) اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت کرنے کا ارادہ کریں تو (کوئی خطرہ نہیں) پس بلا شبہ یہ لوگ اس سے پہلے اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں۔ پھر اللہ نے انہیں پکڑوا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب علم و حکمت ہے۔

○ مندرجہ بالا احکام ایک مضبوط مرکز ملت کے لیے ہیں جو ہر لحاظ سے خود اپنے قدموں پر قائم ہو کہ اگر کوئی شخص خیانت کرتے ہوئے اپنے آپ کو مرکز ملت کا وفادار ظاہر کرکے رہائی حاصل کرلے اور پھر تخریبی کاروائیاں شروع کر دے تو اسلامی مرکز میں اسے دوبارہ گرفتار کرنے کی سکت موجود ہے وہ اسے پھر گرفتار کرکے سزا دے دے گا۔

○ ہوسکتا ہے کہ وہ منافق اسلامی حکومت کے دشمن کے ساتھ ساز باز کرکے باہر سے ان پر حملہ کروا دے اور اندرونِ ملک خود تخریب کاریوں میں مصروف ہو جائے تو ایسی صورت میں مرکز ملت کا انتہائی مضبوط ہونا ضروری ہے۔ ایسے خطرات کے پیش نظر ہی تو ۸/۶۰ میں حکم دیا گیا ہے:۔

○ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ ۸/۶۰

اور ایمان والو ! ان اپنے اور اللہ کے دشمنوں کے مقابلے کے لیے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت ہر آن تیار کرتے رہو۔ خصوصاً" ذرائع رسل و رسائل۔ تم اس بے پناہ فوجی قوت کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو گے۔ تمہارے کچھ چھپے دشمن بھی ہیں جنہیں تم نہیں جانتے' انہیں اللہ جانتا ہے' ان سب کا واحد حل بے پناہ فوجی قوت تیار کرنا ہے۔

نگاہِ بازگشت:۔ آیات نمبر۶۱ میں ارشاد ہوا ہے۔ چونکہ اسلام امن کا ضامن ہے اس لیے اللہ تعالیٰ تمہیں بلا وجہ جنگ میں الجھانا نہیں چاہتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ اگر تمہارے دشمن صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ۔ خواہ مخواہ جنگ میں نہ الجھنا۔ لیکن صلح کے معاہدہ کے بعد اللہ کے قانون پر بھروسہ کرنا۔ معاہدہ والی قوم کے حالات سے پوری طرح باخبر رہنا۔ اگر تمہیں یہ خطرہ لاحق ہو کہ صلح کے عہد والی قوم عہد شکنی کے منصوبے بنا رہی ہے۔ تو قبل اس کے کہ وہ تمہیں صلح کے پردے میں نقصان پہنچائے' اس کا عہد اسے واپس لوٹا کر برابر ہو جانا (۸/۵۹)

○ آیت نمبر۶۲ میں پھر تکرار تاکیدی کے طور پر ارشاد ہوا ہے کہ اے رسولؐ اگر آپ کے دشمن آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو غم نہ کیجئے گا۔ بلا شبہ اللہ آپ کے لیے کافی ہے۔ وہ اللہ جس نے آپ کو اپنی مدد یعنی مومنوں کی مضبوط جماعت کے ساتھ تقویت عطا فرمائی ہے اس آیت مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مستقل مزاجی اور پامردی کی خبردی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ کو دشمنوں کے مقابلے پر جو کامیابی نصیب ہوئی تھی اس میں صحابہ کرامؓ کی عسکری قوت اور ان کے عزم و استقلال کا بہت بڑا حصہ تھا۔ صحابہؓ رسول وہی تو تھے جن پر اللہ راضی ہوگیا تھا اور وہ اللہ پر راضی ہوگئے تھے ۹/۱۰۰

○ آیت نمبر۶۳ میں ارشاد ہوا ہے کہ اے رسولؐ ! صحابہ کرام کے اذہان میں ہم نے محبت ڈال دی ہے اگر آپ دنیا بھر

کی دولت خرچ کر دیتے تو پھر بھی ان کے قلوب میں محبت نہ ڈال سکتے تھے بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

○ آیت نمبر۶۴، ۶۵ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں ارشاد ہوا ہے کہ اے نبیؐ! آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اس کے قانون کے مطابق وہ مومن کافی ہیں جنہوں نے آپ کی اتباع کی ہے۔ آپ انہیں قتال (لڑائی) کی اتنی زیادہ مشق کرایا کریں کہ وہ تھک کر چور ہو جایا کریں اس طرح اگر ایسے مومن بیس ثابت قدم مجاہد ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے اور اگر سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔

○ آیت نمبر۶۶ میں تخفیف بیان ہوئی ہے کہ اس وقت چونکہ تم میں سامانِ حرب کی کمی ہے۔ اس لیے اس حالت میں بھی اگر سو ثابت قدم مجاہد ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے۔ اور اگر ہزار ہوں گے تو دو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔

○ آیت نمبر۶۷ میں ارشاد ہوا ہے کہ نبی سلام علیہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو قید میں رکھے سوائے جنگی قیدیوں کے۔ وہ بھی صرف اتنا عرصہ تک جب تک جنگ جاری ہو۔ جنگ ختم ہوچکنے پر جنگی قیدیوں کو یا تو فدیہ لے کر رہا کر دینا ہے اور یا احسان کرکے ۴۷/۴۔ بہر حال وہ آزاد ہی کئے جائیں گے جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچنا اور مالی فائدہ حاصل کرنا حرام ہے۔

○ آیت نمبر۶۸ میں ارشاد ہوا ہے کہ جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنانا اور ان سے مالی فائدہ حاصل کرنا اس قدر ناپسندیدہ امر ہے کہ اگر قیامت کا فیصلہ پہلے نہ کیا گیا ہوتا تو اس پر دنیا ہی میں عظیم عذاب نازل کر دیا جاتا۔

○ آیت نمبر۶۹ میں جنگ میں فتح کے بعد حاصل ہونے والے مال غنیمت کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اسے حلال طیب کھاؤ۔ میدان جنگ کے علاوہ دشمن کی بستیوں کو نہ لوٹنا اور نہ شریف شہریوں کو لونڈی غلام بنا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا۔

○ آیت نمبر۷۰ میں ارشاد ہوا ہے کہ اے نبی سلام علیہ جو قیدی آپ کے قبضے میں ہیں آپ انہیں کہہ دیجئے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذہنوں میں بھلائی پائی تو تمہیں رہا کرنے کے علاوہ اس سے بہتر مال واپس کر دیا جائے گا جو تم سے لیا گیا ہے۔ اور تمہیں بچاؤ دیا جائیگا یعنی باحفاظت چھوڑ دیا جائے گا۔) اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

○ آیت نمبر۷۱ میں ارشاد ہوا ہے کہ اے رسول سلام علیہ ! اگر یہ قیدی آپ کے ساتھ خیانت کرنے کا ارادہ کریں تو کوئی خطرہ نہیں۔ یہ لوگ اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کرچکے ہیں۔ مگر انہیں اللہ تعالیٰ نے پکڑوا دیا ہے۔ اگر پھر خیانت کریں گے تو پھر پکڑے جائیں گے۔ یعنی دوبارہ شکست یاب ہوکر ذلیل و خوار ہوں گے۔

○ اس سے آگے آیت نمبر۷۲-۷۳ میں ایک اہم مسئلہ کا فیصلہ دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد آیات نمبر۷۴-۷۵ کا ربط آیت نمبر۶۲، ۶۴ کے ساتھ ہے جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدد اور کفایت کی خبر بالفاظ ذیل دی گئی ہے:۔

○ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ○ (۸/۶۲) پس بے شک (اے رسول سلام علیہ) تیرے لیے اللہ کافی ہے۔ وہ اللہ جس نے آپ کو قوت دی اپنی نصرت اور مومنوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے ساتھ

○ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ ۸/۶۴= اے نبیؐ ! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور مومن کافی ہیں جنہوں نے آپ کی اتباع کی ہے۔

صحابہؓ رسول سب حقے سچے مومن تھے ○ آیات مجیدہ ۷۴، ۸/۷۵ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دونوں گروہوں

مہاجرین و انصار اور پھر ان میں سے پہلے ایمان لانے والوں اور پیچھے ایمان لانے والوں سب کے ایمان کامل کا اعلان کیا گیا ہے تاکہ آنے والی نسلیں ان میں سے کسی کو غیر مومن اور منافق ٹھہرا کر ان کی سیرتِ مقدسہ کو داغدار نہ کر سکیں۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ صحابہؓ رسول کو ایمان سے عاری اور منافق ٹھہرانے کا مرتکب بھی ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم مہاجرین و انصار' سابقین ولاحقین سب کے متعلق آیت نمبر۷۴ میں فرمایا ہے= **أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا**= وہ سب کے سب حقے سچے مومن ہیں۔ اس سے ماقبل آیت نمبر۷۲ میں اس امر کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مکہ **معظمه** سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یکبارگی ہجرت کا موقعہ میسر نہیں آیا تھا۔ بلکہ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف انداز کے ساتھ جوں جوں موقعہ میسر آتا گیا' ہجرت فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ ادھر مدینہ منورہ میں اسلامی سلطنت قائم بھی ہوچکی تھی اور ادھر ہنوز بہت سے صحابہ مکہ **معظمه** میں موجود تھے' جنہوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی تھی۔ چنانچہ اولین مجاجرین و انصار کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (۷۲)	بیشک جو لوگ (ضابطہ الٰہی پر) ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں (انہوں نے) اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا (یعنی ضابطہ الٰہی کے نفاذ کے لیے اپنے مال بھی خرچ کئے اور جانیں بھی لڑا دیں) اور وہ بھی جنہوں نے مہاجروں کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی وہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

○ اولین مہاجرین و انصار کی باہمی ہمدردی' محبت اور بے لوث دوستی کے اعلان کے بعد ان صحابہؓ کے متعلق جنہیں ابھی تک ہجرت کرنے کا موقعہ میسر نہیں آیا تھا۔ اور وہ مکہ **معظمه** ہی میں مشرکین مکہ کے مظالم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق آیت مجیدہ ۸/۷۲ کے اگلے الفاظ میں ارشاد ہوا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا (۷۲)	اور وہ لوگ جو (ضابطہ الٰہی پر) ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی۔ (اے مدینے والے مہاجر و انصار) ان کی کفالت میں سے تمہارے ذمہ اس وقت تک کچھ نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ (یعنی ہجرت کرکے تمہارے معاشرہ میں نہ آجائیں)۔

پابندیٔ عہد کی انتہائی تاکید۔ آیت مجیدہ زیر نظر ۸/۷۲ کے اگلے الفاظ میں مدینہ والے مہاجرین و انصار کے قائم کردہ مرکز ملت کو حکم ہوا کہ وہ صحابہؓ جو ناساعد حالات کی بدولت' ہجرت نہیں کرسکے' دین کے معاملے میں ان کی مدد کرنا تمہارے ذمہ ہے۔ لیکن اگر ان کا جھگڑا کسی ایسی قوم کے ساتھ ہو۔ جس کے ساتھ تمہارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو تو پھر تم غیر مہاجر مومنوں کی فوجی مدد نہیں کرسکتے' معاہدہ کی پابندی کی حدود میں رہ کر مدد کی جائے گی۔

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

اور اگر وہ (غیر مہاجر مومن) تم سے کسی دینی معاملہ میں مدد مانگیں تو اس وقت ان کی مدد کرنا تمہارا فرض ہے۔ سوائے اس قوم کے مقابلے کے لیے جس کے اور تمہارے درمیان (عدم جنگ کا) معاہدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (تم اس حکم کے مطابق یا مخالف جو بھی) عمل کرو گے۔ اللہ اسے دیکھنے والا ہے۔

پابندیٔ معاہدات بجائے خود دین ہی ہے:۔ ○ دیکھا آپ نے ! کہ اسلام میں پابندی معاہدات کو مومنوں کی دینی مدد سے بھی مقدم قرار دیا گیا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ معاہدات کی پابندی بجائے خود دین کا ایک حصہ ہے جیسے کہ ارشاد باری ہے۔ **وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا** ○ ۱۷/۳۴= اور عہد وفا کیا کرو بے شک عہد کے متعلق (دنیا و آخرت میں) سوال کیا جائے گا۔

○ تو اس طرح ۸/۷۲ کے مطابق مومنوں کی دینی مدد کرنا بھی اللہ کا حکم ہے اور وفاءِ عہد بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اگر مومنوں کا تنازعہ کسی ایسی قوم کے ساتھ ہو' جس کے ساتھ مرکز ملت کا باہم جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو تو آیت بالا ۸/۷۲ میں ایفاء عہد کو مقدم رکھا گیا ہے۔ لیکن چونکہ مدد کے طلبگار غیر مہاجر مومنوں کی مدد بھی فرض ہے اس لیے معاہدہ امن کی حالت میں ان کے دشمن کے ساتھ مصالحانہ انداز سے تنازعہ ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی جو یقیناً کامیاب ہوگی۔ کیونکہ ان کے دشمن کے ساتھ معاہدۂ امن کے ذریعہ مرکز ملت کے دوستانہ مراسم قائم ہیں۔ اور دوستانہ ماحول میں گفتگو کے ذریعہ تنازعہ ختم کیا جانا صد فیصد ممکن ہے کیونکہ مومنوں کے مطالبات بھی تو کبھی ناجائز نہیں ہوتے۔

دین اور غیر دین میں فرق ○ آگے بڑھنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ آیت بالا میں غیر مہاجر مومنوں کی مدد جب دینی معاملات کے ساتھ مشروط کر دی گئی ہے تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دینی اور غیر دینی معاملات کی کیا پہچان ہے؟ دین اور غیر دین میں کیا فرق ہے؟ واضح رہے کہ قرآن مجید نے دین کی تعریف بالفاظ ذیل کی ہے:۔

○ **اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ** ۳/۱۸= بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔ یعنی دین ہی کا دوسرا نام اسلام ہے اور اسلام کا معنی ہے فرمانبردار ہو جانا۔ کس کا فرمانبردار؟ اللہ تعالیٰ کا۔ ابراہیم سلام علیہ کو حکم ہوا تھا اَسْلِمْ ۲/۱۳۱ فرمانبردار ہو جا۔ تو آپ نے فرمایا۔ **قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ○ ۲/۱۳۱ فرمایا میں عالمین کے پروردگار کا فرمانبردار ہوگیا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہی اسلام ہے اور یہی دین ہے نیز دین اسلام' یعنی اللہ کی فرمانبرداری کے جملہ احکام چونکہ صرف اور صرف قرآن کریم میں درج ہیں۔ اس لیے قرآن کریم کا ہر حکم اللہ کا دین ہے اور ہر وہ معاملہ جو اللہ کے حکم کے مطابق ہو' وہ دینی معاملہ یا دینی تنازعہ ہے۔ اور ہر وہ معاملہ جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو وہ غیر دینی ہے۔ پھر سن لیجئے گا کہ:۔

○ آیت بالا ۸/۷۲ میں غیر مہاجر مومنوں کی مدد کو اس امر کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ اگر ان کا تنازعہ کسی قوم کے ساتھ دین اللہ کے موافق یعنی اللہ کے حکم کے مطابق ہو تو ان کی مدد کرنا مرکز ملت کا فرض ہے۔ لیکن اگر وہ حکمِ خداوندی سے متجاوز ہوکر کسی قوم کے ساتھ الجھ پڑیں تو ان کی مدد فرض نہیں۔ لیکن مذکورہ بالا جائز مدد کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایفاءِ وعدہ کے مقابلے پر مؤخر قرار دے دیا۔ کیونکہ اقوام عالم میں باوقار قومیں وہی ہوتی ہیں جو اپنے وعدوں کو ہمیشہ ہمیشہ وفا کرتی ہیں۔

تجارتی معاہدات ○ اقوام عالم کے باہمی معاہدات میں ایک شق تجارتی معاہدوں کی ہے۔ جن میں مال کی قیمت اور کوالٹی کا تعین کر دیا جاتا ہے۔ اور متعینہ مدت تک فریقین مقررہ قیمت اور متعینہ کوالٹی کا تبادلہ کر کے تجارت کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جو قوم یا ملک ناقص جنس سپلائی کرے یا روئی کی گانٹھوں میں اینٹیں بھر کر بھیج دے تو اس کا اعتبار جاتا رہتا ہے اور وہ اقوام عالم میں نہ صرف ذلیل ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ اس کی تجارتی ساکھ ختم ہو جاتی ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم تجارت کے علاوہ ہر شعبہ میں پسماندہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ قوموں کی ترقی کا راز ایفاء عہد میں ہے۔ اس لیے صاحب علم و حکمت نے غیر مہاجر مومنوں کی جائز دینی مدد کو موخر اور ایفاء عہد کو مقدم قرار دیا ہے۔

کافروں کے مختلف گروہ ایک دوسرے کے مدد گار ہیں ○ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کافروں کے مختلف گروہ ایک دوسرے کے مدد گار ہیں پیچھے ۸/۷۲ کے ابتدائی الفاظ میں گزر چکا ہے کہ مومن مہاجر و انصار ایک دوسرے کے مدد گار ہیں۔ بالفاظ دیگر دونوں طرف ایک دوسرے کے مدد گار موجود ہیں۔ ۸/۷۲ کے آخری الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ جو مومن نامساعد حالات کی بدولت ہجرت نہیں کر سکے' ان کی جائز مدد کرنا تمہارا (مرکز ملت) کا فرض ہے سوائے ایسی قوم کے مقابلے کے لیے جس سے تمہارا (مرکز ملت کا) امن کا معاہدہ ہو۔ یعنی ان کی مشروط مدد کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کی متحارب قوم سے تمہارا معاہدہ امن نہیں ہے تو غیر مہاجر مومنوں کی غیر مشروط مدد کرنا فرض ہے اور اگر معاہدہ ہے تو معاہدہ کی حدود میں رہ کر ان کی مشروط مدد گفت و شنید کے ذریعے کی جائے گی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں فتنہ اور فساد پھیل جائے گا:۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝۷۳

اور جن لوگوں نے (کتاب اللہ کا) انکار کیا ہے۔ (ان کے مختلف گروہ) ایک دوسرے کے مدد گار ہیں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی مدد طلبگاروں کی مشروط مدد نہ کی) تو زمین پر فتنہ برپا ہوگا اور بہت بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔

○ اب ظاہر ہے کہ اگر غیر مہاجر مومنوں کے متحارب گروہ کے ساتھ مرکز ملت کا معاہدہ امن ہے تو مومنوں کی مدد کرنا معاہدہ کے خلاف ہے۔ ایسے میں اگر مدد کی جائے تو ظاہر ہے کہ کافروں کے تمام گروہ اکٹھے ہو کر واویلا کریں گے کہ مسلمان ایفاء عہد نہیں کرتے۔ اور اگر معاہدہ نہیں اور مدد نہ کی جائے تو کفار و مشرکین اکٹھے ہو کر زمین میں فساد مچا دیں گے۔ پس دونوں صورتوں میں غیر مہاجر مومنوں کی مشروط جنگی مدد یا بذریعہ گفت و شنید مدد کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔

آیت بالا کا اطلاق آج کے زمانہ میں ○ فی زمانہ جب اسلامی حکومتیں مختلف حصوں میں بٹ چکی ہیں۔ آیت بالا ۸/۷۲ کے مطابق لازم ہے کہ ان تمام حکومتوں میں ایک مرکزی حکومت ہو' اور وہ اتنی مضبوط ہو کہ وقتی تقاضوں کے مطابق باقی حکومتیں اس سے مدد حاصل کر سکیں۔ یہ مرکزی حکومت اللہ کے حکم کے مطابق بیت الحرام کے مرکزی مقام پر قائم ہونی چاہئے۔ جو آیت بالا کے مطابق ان حکومتوں کے ساتھ جنگ نہیں کرے گی جن سے اس کا معاہدہ امن ہو۔ اگر کسی اسلامی حکومت کا تنازعہ' معاہدہ امن والی قوم کے ساتھ ہو جائے تو طاقتور اسلامی مرکزی حکومت گفت و شنید کے ذریعہ اس تنازعہ کو ختم کر دے گی اور اگر معاہدہ امن نہ ہو تو ہر قسم کی مالی اور فوجی امداد کے ساتھ اسلامی حکومت کی مدد کرنا' اسلامی مرکزی

حکومت کا فرض ہوگا۔

مہاجر و انصار سب حقے سچے مومن تھے ○ اس سے آگے سورہ انفال کی آخری دو آیتیں آرہی ہیں ۸/۷۴ اور ۸/۷۵ چونکہ پیچھے ۸/۶۲ اور ۸/۶۴ میں صحابۂ رسول کی شجاعت' جواں مردی اور مستقل مزاجی کی خبر دی گئی ہے۔ نیز خاتم النبین' رحمتہ اللعالمین رؤف الرحیم کی کامیابی کو صحابہؓ ہی کی مدد کا مرہون منت قرار دیا گیا ہے:۔

○ **فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ** ○ پس بے شک (اے رسول سلام علیہ) آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔ وہ اللہ جس نے آپ کو قوت دی اپنی نصرت اور مومنوں کے ساتھ۔ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ۔

○ اب چونکہ بعض لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایمان سے خالی اور منافق قرار دیتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے لیے صحابہؓ کے دونوں گروہوں مہاجرین و انصار اور پھر ان میں سے سابق ولاحق سب کے متعلق اعلان عام کر دیا ہے کہ وہ سب حقے سچے مومن تھے۔ ان کے ایمان میں ہرگز شک نہیں کیا جاسکتا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝

اور وہ لوگ (کتاب اللہ پر) ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں (گھر بار چھوڑ کر) ہجرت کی اور (کتاب اللہ کے نفاذ کے لیے) جہاد کیا۔ اور وہ لوگ بھی جنہوں نے (مہاجروں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ وہ سب کے سب حقے سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے بچاؤ کا سامان اور عزت کی روئی ہے (یعنی وہ دنیا میں خلافت ارضی سے سرفراز ہوں گے)

مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچنے والے مہاجر:۔ ○ اس آیت مجیدہ میں مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچنے والے صحابہ کو **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** کے بعد **هَاجَرُوْا** کے الفاظ میں مہاجرین کا لقب دیا گیا ہے اور **وَجٰهَدُوْا** کے الفاظ میں انہی کو مجاہد فی سبیل اللہ بتایا گیا ہے۔

مہاجروں کو جگہ دینے اور ان کی مدد کرنے والے انصار ○ اسی آیت مجیدہ میں **وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا** کے الفاظ میں مدینہ منورہ کے مقامی صحابہؓ جنہوں نے مہاجرین مکہ کو اپنے گھروں میں جگہ دے کر آباد کیا تھا۔ نیز **وَنَصَرُوْۤا** کے الفاظ میں انہی کے متعلق یہ خبر دی گئی ہے کہ انہوں نے مہاجرین مکہ کو نہ صرف جگہ اور ٹھکانہ دیا' بلکہ ان کی ہر قسم کی مدد فرمائی تھی' ان کے کاروبار میں ہاتھ بٹا کر انہیں ان کے قدموں پر کھڑا کر دیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان مدنی صحابۂ رسول سلام علیہ کو انصار کا لقب عطا فرمایا ہے۔ آیت مجیدہ ۹/۱۰۰ میں جو اپنے مقام پر آگے آرہی ہے مہاجرین و انصار کی رفعت شان اور ان کے اصحاب جنت ہونے کا اعلان عام کیا گیا ہے۔

رزق کریم سے آزاد اسلامی حکومت عطا کرنا مراد ہے ○ رزق کریم کا معنی لکھا گیا ہے ان کے لیے عزت کی روٹی ہے یعنی وہ دنیا میں خلافتِ ارضی کے ساتھ سرفراز کیے جائیں گے یہاں رزق کریم سے مراد آزاد خود مختار اور بے محتاج اسلامی حکومت ہے۔ رزق کریم کا لفظی معنی ہے پُر وقار رزق۔ ایسا رزق جو عزت و عظمت اور شان و شوکت کے ساتھ میسر

آتا رہے اور ظاہر ہے کہ ایسا رزق اس قوم کو میسر آتا ہے جس کی اپنی مضبوط، طاقتور آزاد و بے محتاج حکومت قائم ہو۔ ایسی حکومت جو ہر شعبہ میں خود کفیل ہو۔ نہ وہ عسکری ضرورتوں کے لیے غیروں کی محتاج ہو اور نہ اسے غذائی احتیاج کے لیے غیروں کے آگے دامن پھیلانا پڑے۔ واضح رہے کہ محتاج حکومتیں کبھی رزق کریم کی مالک قرار نہیں دی جاسکتیں۔

تفسیر القرآن بالقرآن' صحابہؓ رسولؐ کیساتھ خلافت ارضی کا الٰہی وعدہ ○ تفسیر القرآن بالقرآن کے قرآنی اسلوب کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ سورہ نور میں خلافت ارضی کا وعدہ کیا گیا ہے:۔

○ **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ** ○ ۲۴/۵۵

(مفہوم) اور (اے جماعت صحابہؓ) اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اصلاح معاشرہ کے کام کئے' وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور ضرور زمین میں خلافت عطا کرے گا' جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافتِ ارضی (آزاد و بے محتاج حکومت) عطا فرمائی تھی اور ضرور ضرور انہیں اس دین کا تمکن عطا فرمائے گا جو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اور ضرور ضرور ان کے خوف کو امن کے ساتھ بدل دے گا۔ وہ سب کے سب صرف میری محکومی اختیار کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو لوگ مذکورہ بالا خلافت کے قیام' کے بعد (اس خلافت کا) انکار کریں گے وہی توحدیں پھاندنے والے ہوں گے۔

○ واضح رہے کہ **لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ** اور **وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ** ہر سہ الفاظ کے شروع میں لام تاکید اور اخیر پر نون مشدّدہ آیا ہے۔ عربی گرائمر کے مطابق یہ انتہائی تاکید کے لیے آتے ہیں۔ اس لیے ان کا ترجمہ لکھتے ہوئے ضرور ضرور کا تکرار سہ گانہ لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ضرور خلافتِ ارضی عطا فرمائے گا۔ ضرور ضرور دینی تمکّن سے سرفراز کرے گا اور ضرور ضرور ان کے خوف کو امن کے ساتھ تبدیل کر دے گا۔ ان کی خلافت کے منکروں کو فاسق قرار دیا گیا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ○ یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا کہ آیت بالا ۲۴/۵۵ میں **اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** کے الٰہی الفاظ کے مطابق خلافت ارضی کا وعدہ' ایمان والوں اور صالح اعمال کرنے والوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ کیا صحابہؓ رسول مومن اور صالح اعمال والے تھے؟ کیونکہ اگر وہ مومن اور صالح ہی ثابت نہ ہوسکیں تو پھر ان کے لیے خلافت ارضی کے وعدے کا تصور تک پیدا نہیں ہوسکتا۔

○ جواباً" عرض ہے کہ آیت نمبر ۸/۷۴ میں آپ صحابہ کرام کی ہر دو جماعتوں مہاجرین و انصار کے متعلق اللہ کا اعلان ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ** ۸/۷۴= وہ سب مہاجر و انصار حقے سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے بچاؤ کا سامان اور پر وقار رزق ہے۔ پس چونکہ صحابہؓ کے ایک ایک فرد کا ایمان ۸/۷۴ سے ثابت ہے۔ اس لیے قرآن کی رو سے ان کے ایمان میں شک و شبہ کی گنجائش تک موجود نہیں۔ باقی رہا اعمالِ صالحہ کا سوال؟ تو اس کا جواب بھی اسی آیت میں موجود ہے۔ کہ مہاجرینِ مکہ نے ایمان لانے کے بعد' الفاظ ھَاجَرُوا کے مطابق اللہ کی راہ میں ہجرت کی' گھر بار چھوڑا۔ چلتے کاروبار چھوڑے۔ بھری دکانیں چھوڑیں۔ کھجوروں سے لدے ہوئے باغات چھوڑے اور ہجرت کر گئے۔ اور جٰھدوا کے مطابق اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا اعمال صالحہ ہوسکتے ہیں' جنہیں اعمال

صالحہ کہا جاسکے۔

○ پس آیات مبارکہ ۸/۷۴ اور ۲۴/۵۵ کی تفسیر القرآن بالقرآن کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم کی دونوں جماعتیں مہاجرین و انصار حقّے سچے مومن تھے اور صالحین بھی۔ اور ان سب کو ایک آزاد و بے محتاج اسلامی حکومت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی تھی جس کا انکار ۲۴/۵۵ کے مطابق فسق مطلق ہے۔

پہلے پچھلے سب مہاجرین و انصار حقّے سچے مومن تھے ○ اس سے آگے ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۸/۷۴ میں صرف ابتدائی مہاجرین کا ذکر متصور ہوسکتا ہے بعد میں ہجرت کرنے والے ان میں شمار نہیں ہوسکتے۔ اس کا جواب اگلی آیت مجیدہ میں یوں دیا گیا ہے :۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ

○ اور وہ لوگ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ سب کے سب بھی تمہی میں سے ہیں۔

۸/۷۵ ○ واضح رہے کہ **فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ** کے الفاظ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہجرت **اُوْلیٰ** کے علاوہ "وقتاً فوقتاً" بعد میں ہجرت کرنے والے اور پھر سابق مہاجرین کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والے سب کے سب حقّے سچے مومن تھے۔ نہ ان کے ایمان میں شک و شبہ کی گنجائش ہے نہ ان کے صالحین ہونے میں سورۃ توبہ ۹/۱۰۰ میں مہاجرین و انصار یعنی صحابہؓ کے دونوں گروہوں اور پھر ان میں سے پہلے ہجرت و نصرت کرنے والوں اور بعد میں ہجرت و نصرت کرنے والوں سب کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

○ **وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ○ ۹/۱۰۰

(مفہوم) اور مہاجرین و انصار میں سے جنہوں نے پہلے ہجرت اور نصرت کی' اور ان میں سے وہ بھی جنہوں نے بعد میں حسن کارانہ انداز کے ساتھ ان کی پیروی کی (جوں جوں وقت ملا ہجرت کر کے آتے رہے) ان سب پہلے اور پچھلے مہاجرین و انصار پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا اور وہ سب اللہ پر راضی ہو گئے۔ اور اللہ نے ان کے لئے ایسے سدا بہار باغ تیار کر رکھے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ مذکورہ بالا ہی تو ان کی عظیم کامیابی ہے۔

فتح مکہ کے بعد ایمان والے بھی حقّے سچّے مومن تھے:۔ ○ اس کے بعد ان صحابیوں کے ایمان کا سوال پیدا ہوتا ہے جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے۔ بعض لوگ انہیں منافقانہ طور پر ایمان لانے والے قرار دیتے ہیں۔ فتح کے بعد والوں کا فیصلہ باری تعالیٰ نے سورۃ حدیدؔ میں بالفاظ ذیل کر رکھا ہے۔

○ **لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ** ○ ۵۷/۱۰

(مفہوم) (اے صحابہ رسولؐ) تم میں سے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا (وہ ان کے برابر نہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جہاد کیا) ان کا درجہ ان لوگوں سے اعظم و افضل ہے جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور جہاد کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے (فتح سے قبل اور بعد مال خرچ کرنے والوں) سب کے ساتھ اچھی جزا کا وعدہ کر رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پورا باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو

○ آیت بالا کے الفاظ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى سے بصورت نصف النہار ثابت ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانیوالوں کے بھی ایمان میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش موجود نہیں۔ البتہ ان کے درجے ان صحابہؓ سے کمتر ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اس وقت ایمان لائے اور جہاد کیا جب ہر چہار طرف مصائب و آلام کے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے۔ فتح و کامیابی ابھی بہت دور تھی یہ وہ مقدس صحابی تھے جو ہجرت جیسی عظیم ولدوز اور جگرپاش آزمائش میں ثابت قدم رہے۔ اس لیے ان کے مدارج ان لوگوں سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اس وقت اسلام قبول کیا جب فتح و کامرانی بصورت مشہود نمایاں ہوچکی تھی۔ اور ہر چہار طرف مسرت و انبساط کے ہفت قلزم ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔

آیت مجیدہ ۸/۷۵ کا آخری حصہ:۔ ○ آیت مجیدہ ۸/۷۵ کے ابتدائی حصے میں گزر چکا ہے۔ ہجرت اولیٰ کے بعد وقتاً فوقتاً ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچنے والے مہاجرین کے متعلق فیصلہ دیا گیا ہے کہ وہ بھی حقے سچے مومن تھے۔ اسی آیت مجیدہ ۸/۷۵ کے آخری الفاظ ذیل میں مہاجرین کے رحمی تعلقات کی بھی خبر دی گئی ہے کہ ان میں سے جو باہم رحمی رشتوں میں منسلک ہیں وہ رحمی رشتہ دار مہاجر غیر رحمی رشتہ دار مہاجروں کی نسبت اللہ کے قانون کتاب اللہ قرآن کریم کے غیر متبدل فیصلے کی رو سے ایک دوسرے کے بہتر ولی ہیں:۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

○ اور مہاجرین میں سے جو آپس میں اصحاب ارحام ہیں (یعنی جو آپس میں رحمی رشتوں میں منسلک ہیں) وہ اللہ کی کتاب قرآن کریم (میں درج غیر متبدل فیصلے) کی رو سے ایک دوسرے کے بہتر ولی ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بہتر زیادہ جاننے والا ہے۔

○ باہمی رحمی تعلق کی رو سے باہمی ولایت کو اولیٰ (بہتر ولی) قرار دینے کے بعد آیت مجیدہ کا جو آخری جملہ آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بہت اچھی طرح خوب خوب جاننے والا ہے۔ تو اس جملہ میں بتایا گیا ہے کہ رحمی رشتہ داروں کے حق وارثت کا جو فیصلہ ماقبل ۱۱-۱۲/۴ میں دیا گیا ہے وہ صحیح صحیح علم کے مطابق ہے' سورہ احزاب کی آیت نمبر۶ میں بھی رحمی رشتہ داروں کو ایک دوسرے کے بہتر ولی ٹھہرا کر بتایا گیا ہے کہ یہ فیصلہ قرآن مجید میں ماقبل لکھا ہوا موجود ہے:۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ ۳۳/۶= اور جو رحمی رشتہ والے ہیں (سگے والدین' سگے بیٹے بیٹیاں اور سگے بہن بھائی) وہ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کی رو سے ایک دوسرے کے بہتر ولی ہیں سوائے اس کے کہ تم اپنے (غیر رحمی) دوستوں کو خود جانے پہچانے طریقے کے مطابق (اپنی زندگی میں) کچھ دے دو۔ مذکورہ بالا (رحمی رشتہ داروں کے حقوق کا فیصلہ) اللہ کی کتاب (قرآن مجید ۱۱-۱۲/۴ میں) لکھا ہوا موجود ہے۔

○ آیت مجیدہ ۸/۷۵ کے آخری الفاظ میں اور سورہ احزاب کی آیت نمبر۳۳ کے الفاظ بالا میں قرآنی تقسیم وارثت کے فیصلہ کو محکم کر دیا گیا ہے کہ متوفی کا مال متروکہ غیر رحمی افراد میں تقسیم نہیں ہوگا۔ وصیت بھی رحمی افراد ہی کے لیے ہے کہ ان میں سے جو فرد اپنے حالات کے مطابق زیادہ مال کا مستحق ہو' متوفی اس کے لیے وصیت کر جائے۔

○كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۲/۱۸۰= تم میں سے جب کسی پر موت کا وقت آجائے تو تم پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اگر مال چھوڑ رہا ہو تو وہ اپنے والدین اور اقربین (یعنی اپنی حقیقی اولاد اور بہن بھائیوں) کے لیے معروف طریقے سے وصیت کر جائے (لکھ کر یا لکھوا کر گواہوں کے دستخط ثبت کروا جائے)۔

○ واضح رہے کہ ۶/۳۳ کے مطابق مرنے والا مالِ وارث میں سے غیر رحمی افراد کو خود زندگی میں کچھ دے سکتا ہے۔ وصیت صرف رحمی افراد میں سے اس کے لیے ہے جو زیادہ مال کا حق دار ہو۔ متوفی صرف اسی کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔ مثلاً متوفی کے دو بیٹے ہیں ایک کو اس نے ایم اے کروا کر نوکر بھی کروادیا ہے اور اس کی شادی بھی کر دی ہے مگر دوسرا بیٹا ابھی چوتھی جماعت میں پڑھتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ بڑے بھائی کی نسبت ایم۔ اے تک کی تعلیم کے' پھر ملازمت کے اور پھر شادی کے اخراجات کا فاضل حق دار ہے یعنی اسے بڑے بھائی کی نسبت اتنا مال زیادہ ملنا چاہیئے' جو اس پر خرچ ہو اور وہ بڑے بھائی کے برابر ہوسکے۔

۹ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ

سورہ توبہ' سورہ انفال ہی کا حصہ ہے ○ واضح رہے کہ ۸/۷۵ پر سورہ انفال ختم ہوچکی ہے اس سے آگے سورہ توبہ شروع ہوتی ہے۔ اس کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم موجود نہیں ہے۔ جس سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ سورہ انفال ہی کا دوسرا حصہ ہے۔ کیونکہ پورے قرآن مجید کی باقی ۱۱۳ سورتوں کا انداز نزول یہ ہے کہ اگر سورۃ مجیدہ صرف تین آیتوں پر بھی مشتمل ہے۔ جیسے سورۂ کوثر' تو اسے بھی بسم اللہ شریف سے شروع کیا گیا ہے۔ اور صرف تین آیتوں کے خاتمہ پر جب اگلی سورت کا فرون شروع ہوئی ہے تو اسے بھی بسم اللہ شریف ہی سے شروع کیا گیا ہے۔

روایتی نظریہ ○ سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ شریف کیوں نہیں؟ اس کے متعلق روایتی نظریہ یہ ہے کہ چونکہ اس سورۃ مجیدہ میں جدال و قتال' جنگ اور خونریزی کا ذکر ہے۔ اس لیے اس سورت کی پیشانی پر رحمٰن و رحیم کا نام نہیں لکھا گیا۔ کیونکہ جدال و قتال اس کی صفات رحمٰن و رحیم کے خلاف ہے۔ یہ نظریہ اس لیے غلط ہے کہ اگر بسم اللہ شریف کی عدم موجودگی کی وجہ' اس کے مندرجات میں جنگ و جدال کے مسائل ہوتے' تو سورہ انفال کی پیشانی پر بھی بسم اللہ شریف نہیں ہونی چاہیئے تھی کیونکہ سورۂ انفال بھی پوری کی پوری جنگ و جدال ہی کے احکامات سے معمور ہے۔

سورۂ انفال کے خاتمہ اور سورۂ توبہ کی ابتدا میں ربط ○ پس سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ شریف کی عدم موجودگی کی یہ وجہ ہے کہ یہ سورۂ انفال ہی کا دوسرا حصہ ہے۔ سورۂ انفال میں بھی جنگ کے احکامات اور تذکارِ جلیلہ ہیں اور اسی کے دوسرے حصہ سورہ توبہ میں بھی جنگ و قتال ہی کے احکام دیئے گئے ہیں۔ ان میں ربط کلام یہ ہے کہ سورۂ انفال کے اخیر پر ۸/۵۶ میں ان مشرکوں کا ذکر ہے جن سے اسلامی حکومت کا صلح کا معاہدہ تھا۔ مگر انہوں نے اسے توڑ دیا۔ ۸/۵۶ میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تمہیں معاہدوں میں خیانت کی اجازت نہیں دی جاتی۔ تمہیں ان مشرکوں کی حرکتوں پر کڑی نگاہ رکھنی چاہیئے جن سے تمہارا امن کا معاہدہ ہے پس اگر تمہیں ان کی طرف سے معاہدہ میں خیانت کا خطرہ محسوس ہو تو ان

کا عہد واپس لوٹا کر برابر ہو جایا کرو۔ اسی ربط کے مطابق سورہ انفال کے دوسرے حصہ یعنی سورۂ توبہ کے ابتدائی الفاظ میں عہد شکن مشرکوں سے بیزاری کا اعلان عام کیا گیا ہے:۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ
عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١

○ اللہ کی طرف سے اس کے رسولؐ کے ذریعہ مشرکوں کے لیے بیزاری ہے جن سے تم نے امن کا معاہدہ کیا (مگر انہوں نے توڑ دیا۔ اس لیے ان کا عہد انہیں واپس کیا جاتا ہے)

فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ
اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ
اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝٢

○ پس (اے وعدہ شکن مشرکو !) تم (حرمت کے) چار مہینے زمین میں چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل و رسوا کرنیوالا ہے۔

○ قرآن کریم کے مرکزی نظام کی رو سے مکہ معظمہ میں ہر سال منعقد ہونے والی سالانہ عالمی حج کانفرنس کیلئے چار ماہ کے لیے پورے کرہ ارض پر جنگ بندی کا حکم ہے۔ حرمت والے چار مہینے رمضان' شوال' ذیقعد اور ذی الحجہ ہیں۔ اس جنگ بندی کی غرض یہ ہے کہ حج کانفرنس میں آنے والے حاجیوں کے لیے ہر چہار طرف کے راستے محفوظ و مامون ہو جائیں۔ حرمت والے مہینوں کی تفصیلی بحث ۹/۳۶ میں اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں تکرارِ تاکیدی کے طور پر عہد شکن مشرکوں سے پھر بیزاری اور اسلامی مرکز کے پورے طاقت ور ہونے کا اعلانِ عام کیا گیا ہے:۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ
يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْۗءٌ مِّنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ڏ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٣

○ اور اللہ کی طرف سے اس کے رسول کے ذریعے حج اکبر کے دن (فتح مکہ پر جو عظیم اجتماع موجود ہے اس میں) پوری نوع انسانی کیلئے اعلان عام کیا جاتا ہے کہ بلا شبہ . . اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان مشرکوں سے بیزار ہے (جنہوں نے عہد توڑ دیا۔ اے عہد توڑنے والو !) پھر اگر تم توبہ کرو تو پھر وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم روگردانی کرو تو جانے رہو کہ بلا شبہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور (اے رسولؐ) انکار کرنے والوں کو شکست کے دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے گا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا
عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ
اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُتَّقِيْنَ ۝٤

○ سوائے ان مشرکوں کے جن سے تم نے امن کا معاہدہ کیا پھر انہوں نے تمہارے عہد میں کوئی کمی نہ کی اور نہ تمہارے مقابلے پر (تمہارے دشمن) کسی ایک کی بھی مدد ہی کی (وہ مذکورہ بالا اعلان بیزاری سے مستثنیٰ ہیں) بس (ایمان والو) تم ان کا عہد ان کی مقررہ مدت تک پورا کرو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ (عہد شکنی سے) بچنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

○ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ کے الفاظ میں اسلامی مرکز کے انتہائی طاقتور ہونے کی خبر دی گئی ہے کہ اسے مشرکین عاجز یعنی ہرگز مغلوب نہیں کرسکتے۔

نگاہِ بازگشت ○ سورہ انفال کی آیت نمبر۲۷ میں مہاجرین و انصار صحابۂ رسولؐ کے متعلق کہا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے' اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا۔ اور وہ بھی جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی وہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے لیکن ہجرت نہیں کی' ان کی اس وقت تک اہل مدینہ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ہجرت کر کے ان میں شامل نہ ہو جائیں۔ پھر اگر وہ دین کے لیے مدنی مہاجرین و انصار سے مدد مانگیں تو ان کے مرکزی نظام پر ان کی مدد کرنا فرض ہے' اس شرط پر کہ ان کا جھگڑا ان لوگوں کے ساتھ نہ ہو' جن کے ساتھ مرکز ملت کا صلح کا معاہدہ ہو۔ اگر ان کا تنازعہ ایسی قوم کے ساتھ ہو' جن کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہو تو پھر فوجی مدد کے بغیر' بات چیت کے ذریعہ ان کی مدد کی جائے گی۔

○ آیت نمبر۷۳ میں بتایا گیا ہے کہ کفار بھی ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں ایمان والو ! تم نے اگر مذکورہ بالا ہدایت پر عمل نہ کیا تو زمین میں فتنہ برپا ہو گا' اور بہت بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔ یعنی اگر غیر مہاجرین کے متحارب گروہ کے ساتھ مرکز ملت کا امن کا معاہدہ ہو تو مومنوں کی فوجی مدد کرنا معاہدہ امن کے خلاف ہے۔ ایسے میں اگر عسکری مدد کی جائے تو کفار سب مل کر بالمقابل آجائیں گے۔ اور اگر معاہدہ امن نہیں اور مدد نہ کی جائے تو کفار و مشرکین جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں' اکٹھے ہو کر مکہ میں مقیم باقی مومنوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ پس دونوں صورتوں میں غیر مہاجرین کی مشروط جنگی مدد یا بذریعہ گفت و شنید مدد کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔

○ آیت نمبر۷۴ میں جملہ صحابۂ رسول مہاجرین و انصار کے متعلق بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے' اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا اور وہ لوگ بھی جنہوں نے مہاجرین کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ سب حقے سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے بچاؤ کا سامان ہے اور عزت کی روٹی ہے یعنی وہ دنیا میں خلافت ارضی سے سرفراز کئے جائیں گے۔

○ آیت نمبر۷۵ میں بتایا گیا ہے کہ جن مہاجرین نے بعد میں ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ بھی پہلے ہجرت و جہاد کرنے والوں میں سے ہیں۔ یعنی وہ بھی حقے سچے مومن ہیں۔ اسی آیت مجیدہ کے آخری حصہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ مہاجرین میں سے جو باہم رحمی رشتوں میں منسلک ہیں وہ اللہ کی کتاب قرآن مجید کی رو سے ایک دوسرے کے بہتر ولی ہیں۔ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کا ہے جو بلا شبہ ہر چیز کا پورا پورا اور صحیح صحیح علم رکھنے والا ہے۔

○ اس سے آگے سورہ انفال کا دوسرا حصہ سورہ توبہ شروع ہوتی ہے۔ جس کی آیت اول کا ربط سورہ انفال کی آیت نمبر ۵۶ تا ۵۸ کیساتھ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جن مشرکوں کے ساتھ تمہارا معاہدہ امن ہے اور بار بار معاہدہ کر کے توڑ دیتے ہیں' مومنوں کو کہا گیا ہے کہ تمہیں ان کے جواب میں معاہداتی خیانت کی اجازت نہیں۔ تمہیں ان کی حرکتوں پر گہری نگاہ رکھنی چاہئے۔ اگر تمہیں ان کی طرف سے معاہدہ میں خیانت کا خطرہ محسوس ہو تو ان کا عہد لوٹا کر برابر ہو جایا کرو۔ اسی ربط کے مطابق سورہ انفال کے دوسرے حصے یعنی سورہ توبہ کی آیت اول میں عہد شکن مشرکوں سے بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کے رسول کے ذریعہ ان مشرکوں سے بیزاری ہے جن سے (اے مومنو !) تم نے امن کا معاہدہ کیا۔ مگر انہوں نے توڑ دیا۔ اس لیے ان کا عہد انہیں واپس کیا جاتا ہے۔

○ سورہ توبہ کی آیت نمبر۲ میں عہد شکن مشرکوں کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ تم حرمت کے چار مہینے زمین میں چل پھر لو۔ اور جانے رہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔ وہ مومنوں کو فتح اور کافروں کو شکست دے گا۔

○ سورہ توبہ کی آیت نمبر۳ میں فتح مکہ کے عظیم اجتماع کے دن کا اعلان درج ہے کہ حج اکبر کے دن اللہ تعالیٰ کا اس کے رسولؐ کے ذریعہ پوری نوع انسانی کے لیے اعلان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعہ ان مشرکوں سے بیزار ہے (جنہوں نے عہد توڑ دیا۔ اے عہد توڑنے والو !) پھر اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر تم روگردانی کرو تو جانے رہو کہ بلا شبہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں۔ (اے رسولؐ !) آپ انکار کرنے والوں کو شکست فاش کے دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے گا۔

○ سورہ توبہ کی آیت نمبر۴ میں استثنیٰ بیان ہوئی ہے کہ جن مشرکوں سے امن کا معاہدہ ہوا اور انہوں نے معاہدہ نہ توڑا وہ اس بیزاری کے اعلان سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کا عہد مقررہ مدت تک پورا کیا جانا لازم ہے۔ یہی تقاضائے اِتقاء ہے بلا شبہ اللہ تعالیٰ عہد شکنی سے بچنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

○ اس سے آگے آیت نمبر۵ میں عہد شکن مشرکوں کے متعلق اعلان عام کیا گیا ہے کہ جب حرمت کے چار مہینے گزر جائیں تو ان کے خلاف ملک گیر اقدام کیا جائے۔ وہ جہاں جہاں پائے جائیں گرفتار کیے جائیں اور اگر توبہ نہ کریں تو انہیں قتل تک کی بھی سزا دیجائے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا
الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ
وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا
لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا
سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پھر (ایمان والو !) جب حرمت کے چار مہینے گزر جائیں تو (عہد شکن) مشرکوں کو قتل کرو جہاں بھی انہیں پاؤ۔ یعنی انہیں گرفتار کرو اور انہیں گھیر لو۔ اور ان کی ناک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو (تمام راستوں پر پہرے بٹھا دو) انہیں گھیر کو گرفتار کرو اور مرکز میں پہنچا دو تاکہ ان کے جرم کے مطابق قتل تک کی سزا دی جائے) پس اگر وہ شرک سے توبہ کریں اور صلوٰۃ قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ خالی کر دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بچاؤ دینے والا مہربان ہے۔

شرک کی سزا قتل نہیں ہے ○ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اگر ان مشرکوں میں سے کوئی مشرک شرک سے توبہ نہیں کرتا مگر مرکز ملت کی وفاداری کا یقین دلاتا ہے۔ اور اے رسول سلام علیہ' اگر وہ آپ سے پناہ مانگتا ہے تو آپ اسے پناہ دیجئے گا۔ عہد شکن مشرک بار بار کی عہد شکنی کی بدولت واجب القتل ہیں' مشرک ہونے کی بدولت نہیں۔ آپ کے پناہ دینے کا اولین فائدہ یہ ہوگا کہ وہ آپ سے اللہ کا کلام سنے گا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتا پھر بھی واجب القتل نہیں۔ بلکہ اسے اس جگہ پر پہنچانا آپ کا ذمہ ہے جہاں وہ اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتا ہو۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

اور (اے رسول !) اگر ان مذکورہ مشرکوں میں سے کوئی مشرک (شرک پر قائم رہتے ہوئے اسلامی حکومت کا فرمانبردار ذمی بن کر رہنے کا یقین دلائے اور) آپ سے پناہ مانگے تو آپ اسے پناہ دے دیں' اس طرح وہ اللہ کا کلام سنے گا۔ پھر(بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو) آپ اسے اس کے امن کے مقام پر پہنچا دیں۔ (یہ لوگ قرآن سننے کے باوجود ایمان کیوں نہیں لاتے) یہ اس لیے ہے کہ وہ ایک ایسی قوم ہیں جو حقائق کو نہیں جانتے۔

اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ کے الفاظ میں المشرکین کا الف لام عہدی ذکری ہے۔ مراد وہ مشرک ہیں جو بار بار کی عہد شکنی کی بدولت قرآنی ضابطے میں واجب القتل قرار دیئے گئے تھے۔ ان میں سے جو مشرک پناہ مانگے' اپنی حرکتوں سے تائب ہو جائے تو اسے پناہ دینا لازم ہے نیز واضح رہے کہ اس آیت مجیدہ کے مطابق اگر غیر ملکی مشرکوں سے کوئی مشرک جو اپنے ہی افراد کے ہاتھوں مظلوم ہوکر اسلامی حکومت میں آکر پناہ طلب کرے تو ایسے مظلوموں کو پناہ دینا بھی اسلامی حکومت پر فرض قرار دیا گیا ہے تاکہ وہ اللہ کا کلام سنیں۔ لیکن اگر وہ قرآن سن کر بھی ایمان نہ لائیں تو پھر بھی وہ اہل اسلام کی پناہ میں ہیں۔ اور انہیں ان کے محفوظ مقام پر پہنچانا اہل اسلام کا قرآنی فریضہ ہے۔

عہد شکن مشرکوں کا اللہ و رسول کے ہاں کوئی عہد نہیں ہے ○ اگلی آیت مجیدہ میں عہد شکن مشرکوں کے متعلق تکرار تاکیدی کے طور پر وضاحت کی گئی ہے کہ جن مشرکوں سے تم نے مسجد حرام کی قریب معاہدہ امن کیا تھا وہ عہد پر قائم ہیں۔ تم بھی عہد پر قائم ہو۔ باقی وہ مشرک جنہوں نے بار بار عہد کرکے توڑ دیا ہے' ان کے عہد کی' اللہ و رسول کے نزدیک ہرگز ہرگز کوئی قدروقیمت نہیں ہے :۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧﴾

○ کس طرح ہوسکتا ہے (عہد شکن) مشرکوں کے لیے اللہ و رسول کے ہاں عہد (جبکہ وہ بار بار کیا ہوا عہد توڑ چکے ہیں ۸/۵۶) سوائے ان مشرکوں کے جن کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب عہد کیا۔ پس جو لوگ تمہارے لیے اپنے عہد پر قائم ہیں تم ان کے لیے اپنے عہد پر قائم رہو۔ بیشک اللہ تعالی عہد شکنی سے بچنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں پھر عہد شکن مشرکوں کے لیے تاکید مزید کے انداز سے ان کی عہد شکنی کی مزید وضاحت بالفاظ ذیل کی گئی ہے۔

كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨﴾

○ کس طرح ہوسکتا ہے (انکا عہد) جبکہ وہ تمہارے مقابلے پر (تمہارے دشمنوں کی مدد کرتے ہیں) نہ وہ قرابت کا لحاظ رکھتے ہیں نہ عہد کا۔ وہ تمہیں اپنے منہ کی باتوں کے ساتھ خوش کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کے اذہان منکر ہیں۔ اور ان میں سے اکثریت بد عہدوں کی ہے۔

○ آیت مجیدہ میں جو "الّا" کا لفظ آیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مشرکین مکہ تھے جو اسلامی مرکز کے ساتھ صلح کا عہد کرکے بار بار توڑ دیتے تھے۔ یہ مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم کے قربت دار تھے۔ مشرکین کی تعریف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تو ہیں مگر اس کے ساتھ اس کی ذات' صفات یا اس کے حکم میں غیروں کو شریک کرتے ہیں۔ نیز وہ کسی نبی کے امتی بھی کہلاتے ہیں۔ ان کے پاس سابقہ کتب میں سے اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب بھی ہوتی ہے جس کے احکام کو دنیا کے حقیر مال کے حصول کے لیے پس پشت پھینک دیتے ہیں چنانچہ مذکورہ بالا مشرکین کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

وہ (مشرک) اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں۔ پھر وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ (انہیں اپنا مفاد مطلوب ہوتا ہے) بیشک برا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔

○ سورہ بقرہ میں آیا ہے **وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا** " ۲/۴۱' اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو' زیادہ قیمت وصول کیا کرو۔ بلکہ ان الفاظ میں ارشاد ہوا ہے کہ تم میری آیتوں کو جتنی بھی قیمت پر بیچو گے وہ تھوڑی ہے' خواہ تم دنیا بھر کا مال بھی ان کی قیمت کے طور پر وصول کرلو۔ اس کی تفسیر آیت ذیل میں کر دی گئی ہے۔ **قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ** ۴/۷۷ اے رسول سلام علیہ! کہہ دیجئے کہ دنیا بھر کا مال بھی (آیات ربانی کے مقابلے پر) تھوڑا ہے۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں مشرکین کے برے اعمال مذکورہ بالا کا تکرار تاکیدی کے طور پر پھر انہی الفاظ میں اعادہ کیا گیا ہے:-

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝

وہ (مشرک) کسی مومن کے بارے میں نہ قرابتداری کا لحاظ رکھتے ہیں نہ عہد کا۔ کیونکہ وہ حدوں کو پھاندنے والے ہیں۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

پھر اگر وہ (اتنی شدید مخالفت کے باوجود بھی) شرک سے توبہ کرلیں (ایمان لے آئیں) اور صلواۃ قائم کریں اور زکوۃ ادا کرتے رہیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جاننے والی قوم کے لیے (جو یہ جانتی ہے کہ اسلام دینی بھائی چارہ' دینی اخوت قائم کرنے کا مدعی ہے)۔

○ **فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ** کے الفاظ میں دینی بھائی چارے کو نسبتی بھائی چارے پر ترجیح دی گئی ہے:- **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ** ۴۹/۱۰۔ اور دینی اخوت (بھائی بھائی ہونا) اجتماعی طور پر اقامت صلواۃ اور ایتاء زکوٰۃ کے ساتھ مشروط ہے' واضح رہے کہ یہ اجتماعی نظام صلواۃ موقت سے شروع ہوتا ہے۔ جملہ مومنین مل کر حضور الٰہی میں دست بستہ حاضر ہوتے اور **اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ** ۱/۴ کا مشترکہ اقرار کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ ہم صرف تیری ہی فرمانبرداری کریں گے اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگیں گے۔ اس طرح وہ اجتماعی انداز کے ساتھ معاشرہ میں مل کر ایک دوسرے کے فائدوں کے

لیے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اور اپنے مال میں سے اللہ کا حصہ (زکوٰۃ) نکال کر معاشرہ کے کمزوروں کو ان کے قدموں پر کھڑا کرتے ہیں۔ اس طرح سب کے سب باہم اخوان فی الدین بن جاتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنے دینی بھائی کا فائدہ مطلوب ہوتا ہے۔ ذاتی مفاد سے سب کے سب مبرّا اور منزّہ ہوتے ہیں۔

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ان مشرکوں کے متعلق بھی جنہیں ۹/۷ میں قتل کی سزا سے یہ کہہ کر مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کہ جو تمہارے لیے عہد پر قائم رہیں' تم ان کے عہد پر قائم رہو **فاستقاموالکم فاستقیموا لھم** ۹/۷ ذیل کا خصوصی حکم صادر کر دیا گیا ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫

اور اگر وہ (مشرک' جنہوں نے حلف وفاداری اٹھایا ہے) اپنے عہد کے بعد قسم توڑ دیں اور تمہارے دین کے بارے میں تمہیں طعنے دیں تو ان کفر کے اماموں (لیڈروں) سے جنگ کرو۔ بیشک ان کی کوئی قسم نہیں ہے (ان سے جنگ اس لیے کرو) تاکہ وہ عہد شکنی سے باز آجائیں۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬

کیا تم اس قوم سے جنگ نہ کرو گے؟ (یعنی تمہیں اس قوم سے ضرور جنگ کرنی چاہئے) جنہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور جنہوں نے رسولؐ کو (مکہ مکرمہ سے) نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور وہ وہی تو ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ (جنگ میں) پہلی کی تھی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ اگر تم مومن ہو تو (تمہیں ان سے ڈرنا نہیں چاہئے) کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ اسی سے ڈرا جائے۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭

تم ان سے لڑو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے انہیں شکست فاش کا عذاب دے گا۔ اور وہ (تمہارے ہاتھوں سے) انہیں رسوا کرے گا اور اللہ ان کے مقابلے پر (تمہارے ہی ہاتھوں سے) تمہاری مدد کرے گا۔ اور مومن قوم کے ذہنوں کو (تمہارے ہی ہاتھوں سے) ٹھنڈا کرے گا۔

اس آیت مجیدہ میں ہر سہ واؤ عاطفہ کے ذریعے چونکہ:۔

يُخْزِهِمْ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ اور يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ کا عطف **يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ** کے جملے پر ہے۔ اس لیے عربی متن کے سامنے اردو ترجمہ میں ہر سہ جملہ کے ساتھ الفاظ "تمہارے ہاتھوں سے" بتکرار لائے گئے ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی ہے کہ وہ وعدہ شکن مشرکوں کو:۔

۱۔ تمہارے ہاتھوں سے شکست کا عذاب دے گا۔

۲۔ تمہارے ہی ہاتھوں سے انہیں رسوا کرے گا۔

۳۔ تمہارے ہی ہاتھوں سے ان کے مقابلے پر تمہاری مدد کرے گا۔

۴۔ تمہارے ہی ہاتھوں سے پوری مومن قوم کے اذہان ٹھنڈے کرے گا' جن کے مرد عورتوں بچوں اور بوڑھوں تک کو انہوں نے دکھ دیئے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں ○ واضح رہے کہ آیت بالا زیر بحث ۹/۱۴ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سنت مبارکہ کی خبر دی ہے جس کا اعلان خود ۲۲/۴۰ میں بالفاظ ذیل فرما رکھا ہے:۔

○ **وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ** ۲۲/۴۰ اور ضرور ضرور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرے۔ اگر خود کچھ نہ کیا جائے اور صرف اس امید پر بیٹھے رہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کافروں مشرکوں کے مقابلے پر مدد کرے گا۔ انہیں شکست کا عذاب پہنچائے گا اور ہمیں فتح نصیب فرمائے گا۔ تو قرآنی تعلیم کے مطابق یہ محض خام خیالی اور ایک مطلقاً" غلط عقیدہ ہے جو صدیوں سے اہل اسلام کے اذہان میں بٹھا دیا گیا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو صد فیصد ٹھیک ہوگا کہ اہل اسلام کو اقوام عالم میں ذلیل کرنے کے لیے انہیں اس غیر قرآنی عقیدے کی افیون پلا دی گئی ہے کہ ہمیں نہ اسلحے کی ضرورت ہے نہ سامان رسل و رسائل کی۔ ہماری فتح کے لیے صرف' اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد کافی ہے۔ لیکن حقیقت وہی ہے جس کا آیت زیر نظر میں اعلان کر دیا گیا ہے۔

○ **يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ** ۹/۱۴= اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو تمہارے ہی ہاتھوں (یعنی تمہارے ہی زور بازو) سے شکست کا عذاب دے گا اور تمہارے ہی ہاتھوں (یعنی تمہارے ہی زور بازو) کے ذریعہ انہیں رسوا کرے گا۔ اور تمہارے ہی ہاتھوں (یعنی تمہارے اپنے ہی زور بازو) کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائے گا۔

کاش کہ ○ اگر علماء کرام مسلمانوں کے اذہان میں یہ قرآنی اٹل قاعدہ کلیہ محفوظ کردیں:۔ **وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ** ۲۲/۴۰ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد خود کرے' تو اس قوم کی بگڑی بن جائے' جو خود ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے یعنی خود ان کے اپنے زور بازو ہی سے بن سکتی ہے یہی قوموں کی ترقی کا مرکزی نقطہ ہے' جس کا آیات مقدسہ ۹/۱۴ اور ۲۲/۴۰ میں بانگ دہل اعلان کر دیا گیا ہے۔ اس قرآنی حکم کے خلاف نہ آج تک ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں **وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ** ۹/۱۴ کی اس طرح تفسیر کی گئی ہے:۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور (اللہ تعالیٰ اس طرح تمہارے زور بازو کے ذریعہ مشرکوں کو شکست دیکر) ان کے (یعنی مومن قوم کے) اذہان کے غیظ و غضب کو لے جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم پر رجوع برحمت ہوتا ہے' جو اس کی رحمت کو اپنے زور بازو کے ساتھ خود چاہتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑھ کر جاننے والا اور صاحب حکمت ہے۔

○ اس آیت کے شروع میں بھی واؤ عاطفہ ہے۔ اس لیے مومن قوم کے اذہان کے غیظ و غضب کا ٹھنڈا ہونا خود ان کے زور بازو کا مرہون منت ہے کہ جب تک یہ اپنے زور بازو سے دشمنوں کو شکست دے کر ذلیل و رسوا نہ کریں گے اس

وقت تک ان مومنوں کے اذہان کا غم و غصہ دور نہیں ہو سکتا جن پر انہوں نے بے پناہ مظالم ڈھائے تھے۔

وَيَتُوبُ اللّٰهُ میں آمدہ واؤ اظہار حقیقت کے لیے آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رجوع برحمت ہوتا ہے جو خود حصول رحمت والے کام کرتے ہیں۔

يَتُوبُ اللّٰهُ میں یتوب کا لفظ تاب یتوب سے ہے۔ یہ مادہ جب بندوں کے لیے استعمال ہو تو اس کا مفہوم ہوتا ہے جرائم سے توبہ کرنا' آئندہ کے لیے ان سے باز رہنے کا عہد کرنا۔ اور جب یہ مادہ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے۔ "رجوع برحمت ہونا"۔

وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ میں فعل مضارع یشاء کا فاعل من ہے اللہ نہیں۔

○ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ** کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب خوب جاننے والا ہے کہ کون سی قوم اپنی مدد آپ کرکے اللہ کی مدد اور اس کی رحمت کی مستحق ہے۔ اس لیے وہ کبھی بھی اس قوم کی مدد نہیں کرتا' جو اپنی مدد آپ نہ کرے۔ اور حکیمٌ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اس کا ہر کام حکمت و دانائی کی اساس پر قائم ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کی مدد و رحمت کے طلب گاروں پر لازم ہے کہ وہ بھی ہر کام کی تکمیل کے لیے حکمت' یعنی عقل و دانش ہی کو اساس بنایا کریں تاکہ کامیابی ان کے قدم چومنے کی مکلّف ہو جائے۔ فلہذا اسی اساس و بنیاد کے مطابق اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ کرام کو مخاطب کرکے یہ ارشاد ہوا ہے:۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

(اے صحابہ رسول) کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم بلا جہاد چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو ظاہر نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا۔ اور انہوں نے اللہ' اس کے رسولؐ اور مومنوں کے سوا کسی اور کو دوست نہیں بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے پورا پورا باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کو دوغلی روش پسند نہیں ہے ○ اس آیت مجیدہ میں ایمان والوں کو دوغلی پالیسی سے منع کر دیا گیا ہے کہ یہ امر انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ ایک طرف اللہ' اس کے رسول اور مومنوں کے ساتھ بھی دوستی ہو اور دوسری طرف انہی کے دشمنوں کے ساتھ بھی دوستانہ مراسم قائم کیے یا قائم رکھے جائیں۔ اس عنوان کو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دہرایا گیا ہے۔ جیسے کہ سورہ آل عمران میں **وَلِيْجَةً** کی بجائے **بِطَانَةً** کا لفظ لا کر اس مضمون کا ہر پہلو اجاگر کر دیا ہے۔

○ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ** ○ ۳/۱۱۸

ایمان والو! تم اپنوں (یعنی مومنوں) کے سوا دوسروں کو رازدار نہ بنانا۔ (ان سے رازدارانہ دوستی نہ قائم کرنا۔ وہ تمہارے راز پاکر) تمہاری تباہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ انہیں وہ چیز پسند ہے جو تمہیں تکلیف دے۔ بلاشبہ ان کا بغض ان کے منہ کے الفاظ سے عیاں ہے اور جو کچھ ان کے ذہنوں نے چھپایا ہوا ہے۔ وہ اس سے بھی بہت بڑا ہے۔ اگر تم عقل سے کام

لیتے ہو تو ہم نے بلاشبہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ تم دشمن کے شر سے محفوظ رہو۔)

غیر مسلموں کے ساتھ سیاسی اور تجارتی معاہدات ○ اس آیت مجیدہ ۳/۱۱۸ میں غیر اقوام کو رازداری سے دور رکھنے کی تاکید کرکے باقی معاملات میں اجازت دے دی گئی ہے۔ مثلاً" سیاسی صلح کے معاہدات' جن کے توڑنے والوں کے لیے آیت مجیدہ ۸/۵۸ میں ان کا عہد واپس کرکے برابر ہو جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور بار بار کے عہد شکنوں کے متعلق ۹/۵ میں **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ** کے الفاظ میں ان کی گھات میں بیٹھنے کا' پھر انہیں گرفتار کرنے کا اور پھر قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

○اسی طرح غیر مسلم قوموں یا غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ تجارتی معاہدات کی بھی اجازت ہے' اس احتیاط کے ساتھ کہ ان معاہدات کو راز دارانہ نہ بنایا جائے۔ کیونکہ رازداری کی صورت میں وہ کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے' جس میں اہل اسلام کو کسی بھی صورت میں نقصان پہنچایا جاسکتا ہو۔

مشرکوں کے جاسوس ○ اگلی آیت میں خبر دی گئی ہے کہ مشرکوں کے جاسوس مسلمانوں کی صورت میں اہل اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ اتنے سرگرم مومن بن کر دکھاتے کہ مسجدیں تک تعمیر کرنی شروع کر دیتے تھے۔ اسی سورہ توبہ کی آیت نمبر ۹/۱۰۷ میں مسجد ضرار کا ذکر آیا ہے جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے مشرکین منافقین نے بنائی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کو نبی اکرمؐ کے ہاتھوں سے گروا دیا تھا۔ آیت ذیل میں اسی چیز سے منع کیا گیا ہے کہ مشرکین منافقین کو مسجدیں تعمیر کرنے کا ہرگز حق حاصل نہیں ہے:۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۷

نہیں لائق واسطے مشرکوں کے کہ وہ مسجدیں تعمیر کریں۔ وہ اپنے آپ پر کفر کے خود گواہ ہیں۔ وہی تو ہیں' جن کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

○ **وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ** سے دنیا کی آگ بھی مراد ہے اور آخرت کی بھی۔ دنیا کی آگ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ غلط معاشرے کی غلط بخشیوں کی بدولت حسد و بغض کی آگ میں جلتے رہتے ہیں اور آخرت کی آگ یہ ہے کہ اخروی زندگی میں انہیں ایسے گرم مقامات میں رکھا جائے گا۔ جن کی آب و ہوا اتنی گرم ہوگی کہ ہر طرف ایسی لوئیں ۵۶/۴۳ چلتی ہوں گی جو جلدوں کو جھلس کر رکھ دیں گی ۵۶/۴۲۔ گرمی کی شدت کی بدولت وہاں ٹھنڈا پانی معدوم ہو گا۔ پینے کو گرم پانی میسر آئے گا ۴۳/۵۶ اور گرم آب و ہوا ہی کی بدولت اس زمین میں تھوہر کے سوا کچھ پیدا نہ ہوگا ۵۶/۵۲' کھانے کو تھوہر اور پینے کو گرم پانی' نیز جلدوں کو جھلس دینے والی لوئیں' یہ ہے اخروی آگ جس میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے' جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں یعنی اس کی ذات ہ' صفات یا اس کے حکم میں اس کے مخلص بندوں نبیوں' صدیقوں' شہیدوں اور صالحین میں سے کسی کو شریک کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ایک دعا سکھائی ہے جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی آگ کے عذاب سے بچانے کی التجا کی جاتی ہے:۔

○ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ ۲/۲۰۱ اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہمیں دنیا میں بھی حسنات (بھلائیاں) عطا فرما اور آخرت میں بھی حسنٰت (بھلائیاں) عطا فرما اور ہمیں (دنیا و آخرت) کی آگ سے بچالے۔

○ واضح رہے کہ دعا اپنے آپ کو حصول مدعا کے لیے پوری پوری کوشش کرنے کی ذاتی تحریک ہوتی ہے۔ اب آیت بالا ۲/۲۰۱ میں اپنے آپ کو تحریک کی جاتی ہے کہ وہ ایسے اعمال بجا لائے گا' جن کی بدولت وہ دنیا کی آگ حسد' بغض اور باہمی تشتت و افتراق سے بھی پورا پورا محفوظ رہ سکے اور ایسے ہی اعمال صالح کی بدولت اخروی زندگی میں اخروی آگ سے محفوظ ہو جائے۔ کیونکہ دوسری زندگی میں اس زندگی کے اچھے برے اعمال ہی کا اچھا برا بدلہ ملنے والا ہے۔

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ○ آیت بالا ۹/۱۷ میں مشرکوں کو ایک تو مسجدیں تعمیر کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور دوسرا ان کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ ان کے اعمال شرک کی بدولت ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال موجودہ دور میں یوں سمجھئے کہ ۱/۴ میں ہم سے اقرار کرایا گیا ہے:۔ **اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ** اے اللہ! ہم تیری ہی فرمانبرداری کریں گے اور تجھ ہی سے مدد' مانگتے رہیں گے۔

اب دیکھئے کہ ○ ۱/۴ کے الفاظ میں ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم اطاعت و استعانت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کسی کو ہرگز ہرگز شریک نہیں کریں گے تو اب مومن یعنی غیر مشرک وہ ہے جو اطاعت و استعانت میں کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے زندہ پیروں اور ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں کو حاجت روا مان رکھا ہے۔ اللہ کے ساتھ انہیں شریک گردان کر ان سے استعانت طلب کرتے' یعنی ان سے مدد اور مرادیں مانگتے ہیں۔ اور اس کے ضمن میں پیروں فقیروں کے مزاروں کی تعمیر اور نذروں نیازوں پر اربوں روپیہ خرچ کر چکے ہیں' جو مطلقاً" ضائع ہو چکا ہوا ہے۔ اور آئندہ بھی خرچ کرتے اور ضائع کرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ اتنا بڑا عظیم عمل **حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ** کی فہرست میں شامل ہوتا چلا جا رہا ہے' کیونکہ مومنوں کے لیے ارشاد ہوا ہے **اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ○۳/۱۳۹۔ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ مگر آپ دیکھتے ہیں کہ ہم اربوں روپیہ مزاروں کی تعمیر' نذروں نیازوں اور ماہانہ و سالانہ عرسوں پر خرچ کرنے والے کرۂ ارض کے ہر خطے پر غالب نہیں بلکہ مغلوب ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ عظیم عمل ضائع ہو چکا ہے۔

واضح رہے کہ ○ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نذروں کے ٹیڈی پیسہ تک کو ان کے عالمی مرکز بیت اللہ شریف میں پہنچانے کا حکم دیا ہے مگر ہم نے قریہ قریہ اور بستی بستی لاکھوں کروڑوں خانقاہیں بنا کر نذروں کا اربوں روپیہ ان پر چڑھانا شروع کر رکھا ہے۔ اس لیے ہمارا اربوں روپیہ خرچ کرنے کا عمل ضائع ہو چکا ہے اور ہم کرۂ ارض پر غالب کی بجائے مغلوب ہو چکے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے:۔

○ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸/۶۰-۱۰ اور (ایمان والو !) تم میں جتنی بھی استطاعت ہے' اس ساری کی ساری استطاعت کیساتھ اپنے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے ہر آن فوجی قوت تیار کرتے رہو۔ خصوصاً" (الخیل) ذرائع رسل و رسائل کی بہتات مہیا کرتے رہو۔ تم اس بے پناہ فوجی قوت کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو گے۔

لیکن ○ جب اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو جس پر عمل کرنے سے دشمن کا ہمیشہ کے لیے صرف مغلوب نہیں بلکہ لرزہ بر اندام رہنا لازم ہے پس پشت پھینک دیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو پوری مالی استطاعت کو جدید سے جدید اسلحہ کی تیاری پر خرچ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسے مزاروں کی تعمیر اور انہیں عطر و گلاب کے ساتھ غسل دینے اور ان پر نذریں نیازیں چڑھانے اور ماہانہ سالانہ عرس پر خرچ کرنا شروع کر دیا' تو ہمارا مال خرچ کرنے کا یہ عظیم عمل ضائع ہوگیا اور ہم مغلوب ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مالی استطاعت کا آخری نیڑی پیسہ تک فوجی قوت کی تیاری پر خرچ کرو۔ مگر ہم نے پیروں کے حکم پر عمل کرنا شروع کر دیا کہ لاؤ زیادہ سے زیادہ مال لاؤ تاکہ متوفی پیر صاحب کے مزار کی فلک بوس عمارت تیار ہوکر تمہیں' مدد مرادیں مانگنے کی آماجگاہ میسر آجائے۔ معاذ اللہ استغفراللہ !

○ واضح رہے کہ ہر مزار کے ساتھ ہی مسجد بھی تعمیر کی جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۱/۴ کی دن دہاڑے اس طرح تکذیب ہو رہی ہوتی ہے کہ مسجد میں نماز اللہ تعالیٰ کی پڑھی جاتی ہے۔ اور بیٹے مزاروں سے مانگے جاتے ہیں' حالانکہ ۱/۴ میں اقرار کرتے ہیں کہ عبادت بھی تیری ہی کریں گے اور بیٹے بھی تجھ ہی سے مانگیں گے اسی غیر قرآنی عمل کی روک تھام کے لیے فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ مشرکوں کو مسجدیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں۔

مسجدیں تعمیر کرنے کا حق صرف انہیں حاصل ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کریں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے ہرگز نہ ڈرتے ہوں:۔

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مسجدیں تعمیر کرنے کا حق صرف مومنوں کو حاصل ہے اور مومنوں کی نشانیاں بالفاظ ذیل نمایاں کرکے رکھ دی گئی ہیں:۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾	○ سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ اللہ کی مسجدیں وہ تعمیر کرتے ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر' اور صلوٰۃ (اجتماعیت) قائم کی اور معاشرہ کے دبلوں کو فربہی دی۔ اور وہ ہرگز نہیں ڈرتے اللہ کے سوا کسی اور سے' پس یقیناً یہی لوگ ہیں جو ہدایت پانے والوں میں سے ہوئے۔

○ اس آیت مجیدہ میں جو مَسٰجِدَ اللّٰهِ کا مرکب اضافی تکرارا" لایا گیا ہے (اس سے پہلے آیت نمبر ۹/۱۷ میں بھی مسجد اللہ کا مرکب گزر چکا ہے) اس تکرارِ تاکیدی میں بتایا گیا ہے کہ جن مسجدوں میں اجتماعی نظام قائم ہوتا ہے جس کی اولین فرض معاشرہ کے دبلوں کو فربہی دینا ہوتی ہے' یعنی معاشرہ کے گرے ہوئے افراد کو ان کے قدموں پر کھڑا کرنا' اس اجتماعی نظام کا

اولین مقصد و مدعا ہوتا ہے۔ وہ ہیں اللہ کی مسجدیں

○ ایسی مسجدوں کو تعمیر کرنے والے مومن باللہ اور مومن بالیوم الآخرت ہیں۔ اس کے برعکس' جن مسجدوں میں اجتماعی نظام قائم کرنے کی بجائے انفرادیت کو ہوا دی جاتی ہے اور جنہیں امت میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کی غرض سے تعمیر کیا جاتا ہے وہ اللہ کی مسجدیں نہیں ہیں بلکہ وہ مساجد ضرار ہیں' جنہیں گرانے کا حکم ہے۔ نبی اکرمؐ کے ہاتھ سے ایسی مسجد ضرار گروادی گئی تھی۔ ۹/۱۰۷

حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر میں لگے رہنا ایمان باللہ' ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا بدل نہیں ہے:۔ آیتِ بالا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ مسجدیں تعمیر کرنے کا حق صرف مومنوں کو دیا گیا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اگرچہ مسجدیں تعمیر کرنا ایک مومنانہ عمل ہے۔ لیکن اگلی آیت مجیدہ ۹/۱۹ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ صرف مسجدیں تعمیر کرنے کے ساتھ دنیوی اور اخروی سرخروئی وابستہ کر دینے اور ایمان باللہ' ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ سے غافل ہو جانے سے احکامِ الٰہیہ کے تقاضے ہرگز پورے نہیں ہوتے۔ آیتِ ذیل میں مسجدوں میں سے بھی افضل ترین مسجد بیت الحرام کی تعمیر کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی حاجیوں کو پانی پلانے جیسے عمدہ عمل کو بھی ساتھ ہی رکھ لیا گیا ہے:۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ⑲

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر کرتے رہنے (والوں) کو اس شخص کے برابر قرار دیدیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن (یعنی اس دنیا کی زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے دن) پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ (یہ دونوں) اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں (یعنی بے ٹھکانہ کام کرنے والوں) کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

○ اب غور فرمائیں کہ اس آیتِ مجیدہ میں کس طرح تو ہماتی نظریات و عقائد کی بیخ کنی کی گئی ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ جس نے مسجد بنا دی' اس کا گھر اللہ تعالیٰ نے جنت میں بنا دیا' جس نے حج کر لیا۔ اس کے ماقبل کے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ جس نے حاجیوں کو پانی پلایا وہ قیامت کو حوضِ کوثر سے پیاس بجھانے کا حقدار ہوگیا وغیرہ وغیرہ

○ آیت زیرِ نظر میں دنیوی اور اخروی سرخروئی کے لیے تین شرطیں قائم کی گئی ہیں:۔ اللہ پر ایمان لانا۔ یوم آخرت پر ایمان لانا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اب ان ہر سہ کی جو ترتیب اللہ تعالیٰ نے متعین فرمائی ہے' اس پر غور کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ ان ہر سہ شرائط میں پورے اعمالِ صالح کو' جن کے ساتھ دنیوی اور اخروی سرخروئی و کامیابی وابستہ ہے سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے۔

۱۔ اللہ پر ایمان لانا ○ پہلا نمبر ہے اللہ پر ایمان لانے کا۔ مگر یاد رہے کہ کیا اس ایمان کا دائرہ یہیں تک محدود ہے کہ ہم تسلیم کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی واجب الوجود' موجود ہے اور بس۔ ہرگز نہیں۔ ایمان کا دوسرا نمبر اس امر کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہستی نے جو یوم آخرت' یوم حساب' یوم الدین مقرر کر رکھا ہے اس پر ایمان لانا لازم

ہے اس کے بغیر ایمان باللہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔ ایمان بالآخرت کی وضاحت سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی پانچ شرطیں بیان کی ہیں۔

۱۔ ایمان باللہ ۲۔ ایمان بالملائکہ ۳۔ ایمان بالکتب ۴۔ ایمان بالرسل اور ۵۔ ایمان بالآخرت ۴/۱۳۶

○ ان پانچ شروط کی الگ الگ تفصیل سورہ نساء کی تفسیر القرآن بالقرآن میں پیچھے گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ ایمان بالآخرت ○ واضح رہے کہ مذکورہ بالا پانچوں شروط کا تعلق الگ الگ انسانی اعمال کے ساتھ ہے جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ایمان بالملائکہ یہ ہے کہ جو کائناتی قوتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے پیدا فرمائی ہیں' ان سے زیادہ سے زیادہ خدمت لی جائے۔ ایمان بالکتب یہ ہے کہ اللہ کی کتاب میں جو کچھ نازل کیا گیا ہے۔ اس کے ایک ایک حکم کی بجا آوری کی جائے۔ ایمان بالرسل یہ ہے کہ رسل و انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے حصول کا ذریعہ تسلیم کیا جائے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے صد فی صد فرمانبردار اور احکامِ الٰہیہ کی تعمیلی صورت میں سب کو اسوۂ حسنہ مانا جائے۔ جس طرح انہوں نے اللہ کے ایک ایک حکم کی تعمیل فرمائی تھی۔ اسی طرح ہمیں بھی جملہ احکام باری تعالیٰ پر عمل کرنا ہے۔ صرف یہ نہیں کہ محض اس چیز پر ایمان لایا جائے کہ رسل انبیاء نیکو کار' صالحین اور کتاب اللہ کے پورے پورے فرمانبردار تھے۔

○ اسی طرح ایمان بالیوم الآخر یہ نہیں کہ ہم اس امر پر ایمان لے آئیں کہ اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے یوم آخر ضرور آنے والا ہے اور بس بلکہ ایمان بالآخرت یہ ہے کہ ہم برے اعمال سے کنارہ کش ہو کر نیک اعمال میں شبانہ روز مصروف ہو جائیں۔ بالفاظ دیگر ایمان بالیوم الاخرت یہ ہے کہ ہر آن قیامت کی جوابدہی کی تیاری میں لگے رہیں' شفاعت کفارہ اور پیروں مرشدوں کے دامن پکڑ کر جنت میں پہنچ جانے کے نظریہ پر تکیہ کر کے نیک اعمال سے بے اعتناء ہو جانا' ایمان بالیوم الآخرت کا عملاً" انکار ہے اور واضح رہے کہ زبان سے اقرار اور عمل سے انکار کی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز کوئی قیمت نہیں۔

۳۔ جہاد فی سبیل اللہ ○ آیتِ مجیدہ زیر بحث ۹/۱۹ میں صرف حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر کرتے رہنے کو ایمان باللہ' ایمان بالیوم الآخر کے مقام پر نہ آنے کی وضاحت کے ساتھ ہی اعلان کر دیا ہے کہ یہ کام اگرچہ اعمال صالحہ ہیں مگر یہ جہاد فی سبیل اللہ کے مقام پر بھی نہیں آسکتے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے الفاظ میں لفظ جہاد کا سہ حرفی مادہ ہے۔ ج۔ ہ۔ د و جھد۔ اس مادہ کا بنیادی معنی ہے پوری پوری کوشش کرنا۔ حصولِ مقصد کے لیے جان تک لڑا دینا۔ تو اب جب کہ سلسلہ ترتیب الٰہی میں پہلا نمبر ہے ایمان باللہ کا۔ دوسرا نمبر ہے ایمان بالآخرت کا تیسرا نمبر ہے جہاد فی سبیل اللہ کا۔ تو صاف ظاہر ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ یومِ آخر کی جواب دہی کی تیاری میں اگر جان تک بھی لڑانی پڑے تو اس سے دریغ نہ کرنا ہی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

جہادِ فی سبیل اللہ کی ایک شق ہے قتال فی سبیل اللہ ○ سورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے:۔ **وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ**

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۴/۷۵ اور ایمان والو) تمہیں کیا ہے کہ تم فی سبیل اللہ قتال نہ کرو گے' جب کہ کمزور کر دیئے گئے افراد میں سے مرد' عورتیں اور بچے (پکار پکار کر) کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لے کہ اس کے اہل' اس کے حکام ظالم ہیں (انہوں نے ہمیں ظلم کی چکی میں پیس رکھا ہے)

○ دیکھا آپ نے! کہ مظلوموں کی مدد کے لیے جابر و ظالم قوموں کے پنجۂ ظلم سے مظلوموں' مجبوروں اور مقہوروں کو رہائی دلانے کے لیے سر بکف میدانِ جہاد (میدانِ قتال) میں نکل آنا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ لیکن واضح رہے کہ:۔

۱۔ کوئی بھی قوم ظالموں سے مظلوم افراد کو اس وقت تک رہائی نہیں دلا سکتی جب تک اس میں اللہ تعالیٰ کے قطعی فیصلہ ۸/۶۰ کے مطابق ہر لحاظ سے مضبوط اور مستحکم فوجی قوت موجود نہ ہو اور:۔

۲۔ فوجی قوت اس وقت تک موجود نہیں ہو سکتی' جب تک ایک دیانت دار اور مستحکم مرکزی نظام کے ماتحت پوری قوم کی استطاعت کا آخری نیڑی پیسہ تک فوجی قوت کی تیاری کے لیے خرچ نہ کیا جائے اور:۔

۳۔ یہ چیز اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مرکزی نظام کے ماتحت داخلی طور پر جملہ افراد معاشرہ کو خوشحال' یعنی صاحبِ استطاعت نہ کر دیا گیا ہو۔

۴۔ مگر واضح رہے کہ کسی بھی معاشرہ کے تمام افراد کو خوشحال اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے کہ جب ریاست کے حکام و عمال ملک کے مال کو عوام کی امانت تسلیم کریں اور اس کے تصرف میں بد دیانتی' غصب و نہب' خویش نوازی اور اقرباء پروری جیسے عوام کش طور طریقوں سے صد فیصد کنارہ کش ہو جائیں۔

صحابہ کرامؓ نے مذکورہ بالا خاکے میں صد فیصد صحیح رنگ بھر کر دکھا دیا تھا ○ اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے مذکورہ بالا نقشہ کی خبر دی گئی ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝

جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ (اللہ کی راہ میں) جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے درجے بہت بلند ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

○ دیکھئے! اللہ کی راہ میں مالوں اور جانوں کیساتھ جہاد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مراتب عظیم کے حامل اور کامیاب و کامران بتایا گیا ہے۔ اس میدانِ عمل کے اولین شہسوار صحابۂ رسول تھے یہ آیتِ مجیدہ انہی کی عظمتِ شان کو اجاگر کرتی ہے اگلی دو آیات کریمات میں صحابۂ رسول اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کے لیے ذیل کی عظیم الشان خوشخبری دی گئی ہے:۔

۹/۲۱ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝

ان (ہجرت کرنے والوں اور اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں) کو ان کا پروردگار اپنی طرف سے اپنی رحمت اپنی خوشنودی اور ان کے لیے دائمی نعمتوں والے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے۔

نَعِيمٌ مُّقِيمٌ کی قرآنی تفسیری جھلک سورہ واقعہ میں بالفاظ ذیل ملاحظہ فرمائیں۔
○ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ○ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ○ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ○ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ○ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ○ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ○ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ○ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ○ ۲۷ تا ۵۶/۳۳ اور جو دائیں ہاتھ والے ہیں۔ کس شان کے ہیں دائیں ہاتھ والے؟ وہ بے خار بیری کے باغوں میں ہوں گے' اور تہہ بہ تہہ کیلوں والے باغوں میں۔ اور وہ لمبے سایوں میں ہوں گے اور بہتے پانی کے چشموں میں ہوں گے اور وہ ہر قسم کے بہت سے میووں والے باغوں میں ہوں گے' جو نہ کبھی ان سے قطع کیے جائیں گے اور نہ ممنوع قرار دیے جائیں گے (یہ نعمتیں ان کے لیے دائمی ہونگی)۔ ان آیات کریمات میں نَعِيمٌ مُّقِيمٌ کے بدل کے طور پر نعماءِ جنت کے لیے لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ کے الفاظ آئے ہیں یعنی وہ نعمتیں دائمی ہوں گی جو نہ ان سے قطع کی جائیں گی اور نہ ان کے لیے کبھی بھی ممنوع قرار دی جائیں گی۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں انہی اللہ کی راہ میں ہجرت اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے اور اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کرنے والے ان (دائمی نعمتوں والے باغوں) میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے لیے (ان کے اعمال کا) بہت بڑا بدلہ ہے

شان صحابہؓ ○ واضح رہے کہ سورہ انفال کی آیات نمبر ۶۲ تا ۶۴ اور ۷۲ تا ۷۵' اور آیات بالا سورہ توبہ کی ۲۰ تا ۲۲ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان ارفع و اعلیٰ کو نکھار کر بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ سب کے سب حقے سچے مومن تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے درجے بہت بلند ہیں۔ یہ وہ عظیم الشان ہستیاں تھیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت و خوشنودی کی بشارت دنیا ہی میں دی گئی تھی آیت مجیدہ ۹/۱۰۰ میں سب کے سب صحابہ رسول کو ذیل کی بلند پایہ سند کے ساتھ نوازا گیا ہے اللہ ان سب پر راضی ہوگیا اور وہ سب کے سب اللہ پر راضی ہوگئے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۹/۱۰۰

○ اگلی آیت مجیدہ میں ایمان والوں کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کی بجائے کفر سے محبت کرتے ہوں تو تم انہیں بھی دوست ' (رازدار) نہ بنانا۔ اگر تم ان سے دوستی کرو گے تو تم بھی انہیں میں شمار ہو جاؤ گے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اے ایمان والو! نہ بنانا تم اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست اگر وہ ایمان کے مقابلے پر کفر کو پسند کرتے ہوں۔ اور (یاد رکھو کہ) تم میں سے جو لوگ انہیں (اس حالت میں کہ وہ ایمان کے مقابلے پر کفر کو پسند کرتے ہوں) دوست بنائیں کے پس وہ ظالم ہوں گے۔

○ ۹/۲۳

○ اس سے اگلی آیت میں خود خاتم النبیین ورحمتہ اللعالمین سلام علیہ کو حکم ہوا ہے کہ آپ ذیل کی قرآنی حقیقت کا اعلان کر دیجئے

قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ ٟاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝۲۴

(اے رسول !) کہہ دیجئے گا کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور (تمہارے) مال جنہیں تم کماتے ہو اور وہ تجارت (سوداگری) جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے مکان (کوٹھیاں اور بلڈنگیں) جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہوں تو پھر انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب لے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں یعنی حدیں پھاندنے والوں کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

○ آیت بالا میں ایک اہم اعلان کر دیا گیا ہے۔

جہاد سے جی چرانے والوں کے لیے غلامی کے عذاب کی بشارت ○ اس آیت ۹/۲۴ میں نبی اکرمؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے کہ اگر تمہیں جہاد کی نسبت تمہارے باپ' بیٹے' بھائی' بیویاں' مال' تجارت اور تمہاری کوٹھیاں اور بلڈنگیں زیادہ پیاری ہیں تو شکست اور غلامی کے عذاب کا انتظار کرو کہ آیا ہی چاہتا ہے جو فاسقوں کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس آیت میں جہاد کے مقابلے پر نسلی اور خونی رشتوں اور مال و دولت' تجارت اور اپنے گھروں سے محبت کرنے والوں کو فاسق کہا گیا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندنے والے ہیں۔ اگرچہ وہ' زیادہ سے زیادہ بھی ذاتی مفاد حاصل کر رہے ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہدایت یافتہ نہیں ہیں' صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

○ **اٰبَآؤُكُمۡ تا عَشِيۡرَتُكُمۡ** کے الفاظ میں اعلان کرایا گیا ہے کہ تمہارے باپ بیٹے' بھائی اور بیویاں فی سبیل اللہ جہاد میں مخارج نہیں ہونی چاہئے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں خونی اور نسلی رشتے اس کی راہ نہ روک سکیں۔ مومن وہ ہے جو رستے کے ان بھاری پتھروں کو پھاندتا ہوا جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہوکر اپنے ایمان کا ثبوت پیش کرے۔

○ اموال۔ اگر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے زیادہ سے زیادہ مال کی ضرورت لاحق ہوجائے تو مومن وہ ہے جو ضرورت سے زائد سب کچھ بخوشی خاطر دے ڈالے۔

○ تجارۃ۔ جب جنگیں شروع ہوتی ہیں تو عموماً" در آمدی برآمدی تجارت بند ہو جاتی ہے۔ مومن کی شان یہ نہیں کہ وہ اللہ کی راہ میں کی جانے والی جنگ سے تجارت کو ترجیح دے۔ بلکہ لازم ہے کہ ذاتی مفاد پر قومی اور دینی مفاد کو مقدّم جانے۔ سچے ایمان کی یہی نشانی ہے۔

○ **مَسٰكِن**۔ یعنی گھروں کو جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں لانے سے عیاں ہے کہ مومنوں کو اپنے اپنے گھروں' عمارتوں اور بلڈنگوں کی نسبت جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ زیادہ محبت ہونی چاہئے۔ بالفاظ دیگر اگر جنگ کے ایام میں فوجی ضروریات کیلئے کسی شخص کی بلڈنگ کی ضرورت لاحق ہو جائے تو اسے بلا عذر دے دینی چاہئے۔ اس پر نہ اس کے دماغ میں

کوئی غبار آنے پائے نہ پیشانی پر بل۔ بصورت دیگر اسلامی حکومت ازروئے آیت بالا ہر اس بلڈنگ کو حاصل کرنے کی مجاز ہے جس کا فوجی ضروریات کے لیے حاصل کرنا لازم ہوجائے۔ تو اس طرح اسلامی حکومت اسے ہر حال میں حاصل کر سکتی ہے خواہ اس کا مکین بخوشی خاطر خالی کر دے یا شکن آلود پیشانی کے ساتھ۔ خندہ پیشانی یا ماتھے کے بل تو محض اس کے خالص یا ناخالص ایمان کے نشان ہوں گے۔ اور بس۔

صحابہؓ کیساتھ اللہ کی مدد ہمیشہ شاملِ حال رہی ○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ کرام کی بشریت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ اگرچہ وہ بلند و بالا شانوں کے مالک تھے۔ مگر تھے بشر۔ سہو و نسیان اور بے ارادہ خطا سے ہرگز مبرّا نہیں تھے۔ جنگ احد کا ذکر پیچھے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۵۲ تا ۱۶۵ میں گزر چکا ہے کہ صحابہؓ کے ایک گروہ سے غلطی ہوگئی جس کی بدولت دشمن نے اسلامی لشکر پر پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا۔ لیکن چونکہ ان کا یہ عمل ارادۃً" نہیں تھا بلکہ بشری تقاضوں کے مطابق محض سہواً" ایسا ہوا تھا۔ اس لیے انہیں اس دنیا میں ہی معاف کر دیا گیا ۱۵۲، ۱۵۵، ۱۵۹/۳ جنگ احد میں اگرچہ مسلمانوں کو شکست کا سامنا پڑا۔ مگر دشمن کے قدم مدینہ منورہ کی طرف نہ بڑھ سکے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد صحابہؓ کے شاملِ حال رہی اور دشمن آگے بڑھنے کی بجائے واپس لوٹ گیا۔ جنگ حنین میں بھی صحابہ کرام سے سہواً" کوتاہی ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بروقت ایسے مومنوں کے لشکر بھیج دیئے، جنہیں صحابہؓ نے اس سے پیشتر دیکھا نہیں تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۝۲۵

(اے صحابہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کر چکا ہے خصوصاً" حنین کے دن، جب تم اپنی کثرت تعداد پر خوش ہو رہے تھے۔ پھر (تمہاری سہو کی بدولت) تمہاری کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی اور تم پر اپنی فراخی کے باوجود زمین تنگ ہوگئی (تم دشمن کے حملے کی شدت سے گھبرا گئے) پھر تم پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے۔

○ **وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ** کا یہ معنی غلط ہے کہ تم میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بلکہ اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ تمہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور دشمن میدان میں آگے بڑھ آیا۔ پھر کیا ہوا؟

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ۝۲۶

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر (یعنی تم پر) اپنی تسکین نازل فرمائی، یعنی اس نے ایسے لشکر نازل کر دیے جنہیں تم نے (اس سے پہلے) نہیں دیکھا تھا۔ اس طرح اس نے کافروں کو شکست فاش کا عذاب دیا۔ حقیقت یہ کہ مذکورہ بالا (شکست ہی) کافروں کی جزا ہے۔

○ صحابہ رضی اللہ عنہ کی شان پر طعن دھرنے والے بعض لوگ آیت بالا میں آمدہ الفاظ و علی المومنین سے مراد صحابہؓ رسول نہیں لیتے۔ بلکہ نبی اکرمؐ کے خونی اور نسلی اقارب علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کو لیتے ہیں ہم نے یہ معنی لکھا ہے! "پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی تسکین نازل فرمائی" جن مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی تسکین کا نزول ہوا وہ صحابہ رسول ہی تھے جنہیں پچھلی آیت مجیدہ ۲۴/۹ میں کہا گیا ہے:۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ... اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ

شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ۹۔

غور فرمائیں کہ:۔ نَصَرَكُمُ کے جملہ میں کُمْ کی ضمیر جمع مخاطب کے ساتھ جنہیں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کر چکا ہے انہیں کے متعلق يَوْمَ حُنَيْنٍ کے الفاظ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ حنین کے دن بھی تمہاری مدد کی جاچکی ہے۔

○ نیز اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ کے الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے کہ میدانِ حنین میں انہی کی مدد کی گئی تھی جو اس دن اپنی کثرت پر خوش ہو رہے تھے۔

○ اور ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ کے الفاظ میں مطلع کیا گیا ہے کہ مدد انہی کی کی گئی تھی جن پر میدان حنین میں زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی تھی فلھذا یہ نظریہ صد فیصد باطل ہے کہ آیت مجیدہ ۹/۲۵ کے الفاظ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ میں مومنین سے مراد صحابہؓ رسول نہیں' بلکہ آپؐ کے خاندان کے اقارب مراد ہیں۔ واضح رہے کہ ایسے نظریات شان صحابہ رضی اللہ عنہم کو داغدار کرنے کے لیے محض ایجادِ بندہ ہیں۔

جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا: وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا سے روایتی تفاسیر نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ میدانِ بدر اور میدانِ حنین میں رسولِ اکرم اور صحابۂ کرام کی مدد کے لیے فرشتے بھیجے گئے تھے' جو دکھائی نہیں دیتے۔ جنگ بدر کے متعلق ایک ہزار ملائکہ ۹/۸ اور تین ہزار ملائکہ ۳/۱۲۴ کے نزول کی خبر دی گئی ہے۔ ان آیات کریمات کا صحیح مفہوم تفسیر القرآن بالقرآن میں اپنے اپنے مقامات پر گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کیا جاتا ہے کہ ملائکہ بمعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قوتیں ہیں جن میں سے تسکین قلب بھی ایک قوت ہے جو مجاہدوں کو ثابت قدم کرتی اور ثابت قدم رکھتی ہے۔

○ اگر بفرض محال جنگ بدر میں ایک ہزار یا تین ہزار نہ دکھائی دینے والے مسلح مجاہدوں کی کمک تسلیم کی جائے تو پھر جنگ بدر کی فتح کا سہرا تین ہزار فرشتوں کے سر پر بندھتا ہے بدری صحابہ کے سر پر نہیں بندھ سکتا۔ دوسرا یہ کہ اگر جنگ بدر ۳۱۳ بدری صحابہ نے تین ہزار نہ دکھائی دینے والے مسلح مجاہدوں (فرشتوں) کی مدد سے جیتی تھی تو ۳۱۳ کی قلت نہ رہی بلکہ وہ ۳۳۱۳ کی کثرت بن گئی۔ پھر قرآن کریم کا ذیل کا مقولہ جنگ بدر کی فتح پر صادق نہیں آسکتا۔

○ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۲/۲۴۹ بہت سے چھوٹے لشکر بڑے لشکر پر اللہ کے قانون (ثبات قدمی) کے ساتھ غالب آتے ہیں۔ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۲/۲۴۹ کیونکہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کیساتھ ہے۔ پس نزول ملائکہ سے مراد نہ دکھائی دینے والے مسلح سپاہی نہیں۔ بلکہ تسکین قلب کی الٰہی قوتیں ہیں جو دشمن کے شدید سے شدید حملوں کے وقت بھی اسلامی مجاہدوں کو ثابت قدم رکھتی ہیں۔

○ یہاں آیت نمبر ۹/۲۶ میں جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا سے مراد وہ مسلح مومن ہیں جو میدانِ حنین میں عین اس وقت پہنچ گئے جب اسلامی لشکر کی طرف سے اپنی کثرت کے زعم میں سستی ہوگئی اور دشمن کے شدید حملہ کی بدولت انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ مگر دشمن کے کچھ لوگ پچھلی طرف بھی متعین تھے۔ اس طرح ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ کا نقشہ نمودار ہوگیا

کہ اسلامی لشکر کے لیے زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی۔ ان پر دو طرفہ حملہ ہوا۔ مگر فتح مکہ کی خبر پا کر کچھ مسلح مومن جو نبی اکرمؐ کی خدمت میں آرہے تھے۔ بروقت پہنچ گئے۔ (بروقت پہنچ جانے کی اہمیت کے اظہار کے لیے انزال کا صیغہ استعمال ہوتا ہے) جب انہوں نے آتے ہی میدان حنین کا نقشہ دیکھا تو لشکر کفار پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر صحابہ کا لشکر پیچھے ہٹ کر قدم جما چکا تھا' چنانچہ بروقت پہنچنے والے مجاہدوں اور لشکر صحابہ نے مل کر دشمن کی طاقت کا آخری شمہ تک ختم کر دیا۔ یہ تھی اللہ تعالیٰ کی مدد۔ پیچھے سورہ انفال میں خود نبی اکرمؐ کی مدد کے ضمن میں یہ الفاظ گزر چکے ہیں۔

○ هُوَالَّذِیٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۸/۶۲ (اے رسول ! اللہ ہی) وہ ہے جس نے اپنی مدد یعنی مومنین (جماعت صحابہؓ) کے ساتھ آپ کو تقویت پہنچائی۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کی مدد اسباب ہی کے ساتھ ہوتی ہے۔ نبی اکرمؐ کی مدد صحابہ کرام کی طاقت ور اور ثابت قدم جماعت کے ساتھ کی گئی تھی۔ ۸/۶۲ اور میدان حنین میں صحابہ کی مدد مسلح مومنوں کے ساتھ فرمائی گئی۔

○ اب رہا یہ سوال کہ مذکورہ مسلح مومنوں کو جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا کیوں کہا گیا ہے۔ کہ صحابہ نے انہیں اس سے پہلے دیکھا نہیں تھا۔ یہ اس لیے کہ یہ وہ اعرابی' صحرائی' بدوی مومن تھے جن کے بعض افراد کسی کام سے مدینہ منورہ آئے اور آپؐ سے قرآن مجید سنا اور واپس جاکر اپنی اپنی قوم میں تبلیغ کرکے بہت سے لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ سورہ احقاف میں آیا ہے۔

وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ○ قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَ اِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ○ ۴۶/۳۰' ۲۹ اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب (اے رسول!) ہم آپ کی طرف صحرائی (یہودیوں) کی ایک جماعت کو پھیر لائے۔ پھر جب وہ آپ کی مجلس درس قرآن میں حاضر ہوئے تو ایک دوسرے کو کہا کہ خاموشی کے ساتھ سنو۔ پھر جب درس قرآن ختم ہوگیا تو وہ انذار کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی مصدق ہے۔ حق کی طرف یعنی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے= جنّ بمعنی صحرائی یہودی کی مکمل اور مدلل بحث معہ لفظ جن کی مکمل تحقیق ادارہ کے شائع کردہ پمفلٹ "مسئلہ جنّ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

○ عَذَّبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کے الفاظ میں نبی اکرمؐ کے دشمن کافروں جنہوں نے آپ کو مکہ معظمہ سے نکال دینے کے بعد آپ پر لشکر کشی کی۔ اور آخری مرتبہ فتح مکہ کے بعد میدان حنین میں حملہ آور ہوئے تھے' کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ نے شکست فاش کا عذاب دیا۔ وَ ذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ○ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے متوازن ضابطۂ حیات کا انکار کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔

توبہ کرنے والوں کیلئے اسلام کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں: اس سے اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کے

دشمنوں کی شکست فاش کی خبر دینے کے بعد یہ بتایا گیا ہے' اگرچہ یہ حنین کے حملہ آور وہی لوگ تھے۔ جنہوں نے آپؐ کو پے درپے اذیتیں پہنچائیں۔ گھر سے نکالا اور اس کے بعد بھی بار بار آپؐ پر حملہ آور ہوتے رہے۔ بلکہ یوم حنین تک جارحانہ حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر اس کے باوجود ان میں سے جو لوگ بصمیم قلب ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے اپنے غیر متبدل قانون رحمت کے مطابق انہیں معاف کر دیا۔ وہ بڑھ کر معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۹/۲۷ پھر اللہ تعالیٰ اس کے بعد (یعنی انہیں شکست فاش کا عذاب چکھانے کے بعد) اپنے قانون مشیت کے مطابق ان کی طرف رجوع برحمت ہوا (یعنی ان میں سے ان کو معاف کر دیا جو توبہ کرکے) خود اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خواہاں ہوئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑھ کر معاف کرنے والا مہربان ہے۔

○ اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ انسان خواہ سرکشی و طغیانی میں کس حد تک پہنچ چکا ہو۔ مگر وہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونیوالوں کی طرح جب بھی نادم ہو جائے اور اپنی اصلاح کرلے تو اسلام کا در رحمت اس کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔ بشرطیکہ وہ خالص توبہ کرے۔ جس کی نشانی **مَنْ تَابَ وَ اَصْلَحَ** ۷/۱۵۳ کے مطابق یہ ہے کہ آئندہ کے لیے اپنی پوری پوری اصلاح کرلے یعنی سابقہ جرائم کا آخری دم تک مرتکب نہ ہو۔

نگاہ بازگشت. جنگ حنین کے دن' جب تم اپنی کثرت تعداد پر خوش ہو رہے تھے۔ (پھر تمہاری سہو کی بدولت) تمہاری اکثریت تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ (تم دشمن کے حملے کی شدت سے گھبرا گئے) اور پیٹھ پھیر کر اپنے مقام سے پیچھے ہٹ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سلام علیہ اور مومنوں (تم) پر اپنی تسکین نازل فرمائی۔ یعنی ایسے لشکر نازل کر دیئے جنہیں تم نے (اس سے پہلے) نہیں دیکھا تھا۔ دور دراز کا مومن لشکر فتح مکہ کی خوشی میں شامل ہونے کے لیے آرہا تھا' جو بروقت پہنچ گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں صحابہ نے دیکھا ہوا نہیں تھا۔ چنانچہ کافروں کو شکست ہوئی شکست ہی تو ان کی سزا ہے۔

○ آیت نمبر ۲۷ میں بتایا گیا ہے کہ کافروں کی اس شدید مخالفت کے باوجود ان کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اس آخری شکست کے بعد بھی اگر وہ نادم ہوکر تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اگرچہ یہ معرکہ حنین کے حملہ آور وہی لوگ تھے جنہوں نے نبی اکرم رحمتہ اللعالمین اور آپ کے مقدس صحابہؓ کو پے در پے اذیتیں پہنچائی تھیں۔ انہیں ان کے وطن مالوف مکہ معظمہ سے نکال دیا تھا اور اس کے بعد جب نبی اکرمؐ نے مدینہ منورہ کو اسلامی نظام کا مرکز مقرر فرمایا تو پھر جنگ بدر' جنگ احد' جنگ احزاب وغیرہ کے پر آشوب معرکوں کے موجد بھی یہی تھے' جو بار بار جارحانہ صورت میں حملہ آور ہوتے رہے۔ حتی کہ جنگ حنین کی آگ بھڑکانے والے بھی یہی لوگ تھے۔ لیکن اس کے باوجود آیت محولہ بالا ۹/۲۷ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ جو کوئی بصدق قلب ایمان لے آئے اور تائب ہوکر اپنی اصلاح کر لے تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔

○ پیچھے آیات مجیدہ ۹/۸'۱۰ میں دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مد مقابل ان کے قریبی ہی تھے۔ پھر وہ لوگ نبی اکرمؐ کے ساتھ صلح کے معاہدے کرکے بار بار توڑ دیتے اور دوبارہ سہ بارہ

جارحانہ انداز کے ساتھ چڑھ دوڑتے تھے اور بعضے نبی اکرمؐ کے دشمنوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ ارشاد ہوا ہے۔ **كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً** ۹/۸۔ ان کا صلح کا کوئی معاہدہ کیسا ہے؟ جب کہ اگر وہ تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد کریں اور نہ قرابت داری کا لحاظ رکھیں نہ اپنے کئے ہوئے عہد کا۔۹/۱۰ میں ان کے متعلق کھلی خبر دی گئی ہے **لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً**" وہ ایسے ہیں کہ کسی بھی مومن کیلئے نہ قرابت کا لحاظ رکھتے ہیں اور نہ اپنے کئے ہوئے عہد کا۔

مشرکین نجس ہیں ○ آیت مجیدہ ۹/۲۸ کا تعلق اسی سورت کی ابتدائی آیات کے ساتھ ہے جن میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول سلام علیہ کے ذریعہ اعلان کرتا ہے کہ وہ مشرکوں سے بیزار ہے فتح مکہ سے پہلے' حج کے موقعہ پر انتظام مشرکوں ہی کے ہاتھ میں تھا جن کے متعلق پیچھے ۹/۱۹ میں خبر دی گئی ہے کہ ان کی صلوٰۃ مسجد حرام میں صرف تالیاں اور سیٹیاں بجانا تھی۔ وہ لوگ مسجد حرام کے متولی بن کر لوگوں سے نذروں نیازوں کے مال وصول کرکے بڑے بڑے سرمایہ دار بن چکے تھے۔ اسی سرمایہ کے ساتھ وہ حج کا انتظام کرتے تھے لیکن فتح مکہ کے بعد کے لیے مومنوں کو مخاطب کرکے اعلان عام کر دیا گیا' کہ خبردار ! آئندہ کے لیے مشرک مسجد حرام کے نزدیک نہ آئیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾	ایمان والو ! سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ مشرک ناپاک (متعصب) ہیں پس وہ اس سال (فتح مکہ) کے بعد مسجد حرام کے نزدیک نہ آئیں اور اگر تمہیں اقتصادی کمزوری کا خوف رہے (تو اپنے ہی وسائل پر انحصار رکھو) پھر اللہ تعالیٰ اپنے قانون مشیت کے مطابق تمہیں غنی کر دیگا۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑھ کر جاننے والا صاحب حکمت ہے۔

○ نجس کا سہ حرفی مادہ ن۔ج۔س= نجس ہے۔ اس کا بنیادی معنی ہے ناپاک و پلید ہونا۔ مجازی طور پر یہ لفظ ہٹ دھرمی اور تعصب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جو لوگ حقائق کو معلوم کر چکنے کے باوجود ان پر ایمان نہ لائیں انہیں نجس یعنی ہٹ دھرم و متعصب کہا جاتا ہے۔ عربی ادب میں **دَآءٌ نَجَسٌ** اس بیماری کو کہتے ہیں' جس سے شفا نصیب نہ ہو۔ چنانچہ تعصب و ہٹ دھرمی بھی وہ بیماری ہے جس سے متعصب (نجس) لوگوں کو شفا نصیب نہیں ہوتی۔

○ **بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا** کا لفظی ترجمہ ہے "ان کے اس سال کے بعد" یہ وہ سال تھا جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا۔ اس سے پہلے کعبہ مکرمہ کی تولیت مشرکوں کے قبضہ میں تھی' جو فتح مکہ کے بعد مومنوں کے قبضہ اقتدار میں آئی۔ مشرکوں نے کعبہ شریف کو محض زیارت کا ایک استھان بنا رکھا تھا اسے اپنی پیشوائیت کی گدی کے طور پر استعمال کرتے اور عوام سے نذریں نیازیں وصول کیا کرتے تھے۔

○ **عَيْلَةً** کا سہ حرفی مادہ ع۔ی۔ل = عیل ہے۔ اس کا بنیادی معنی ہے کسی بوجھ کے نیچے دب جانا۔ عیال کا معنی ہے بہت سی اولاد لڑکے لڑکیاں اور عائل کہتے ہیں اس شخص کو جو بہت سی اولاد کے اخراجات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہو۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا اور نبی اکرمؐ نے ایک آزاد خود مختار قرآنی سلطنت قائم کی تو اس وقت آپ عوام کی ضروریات زندگی کے بوجھ تلے دب گئے۔ چنانچہ سورہ الضحیٰ میں رسول اکرم خاتم النبین کو مخاطب کرکے یہی وقت یاد دلایا گیا ہے۔

○ **وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى** ۹۳/۸= اور اے رسولؐ آپ کو اللہ تعالیٰ نے عائل (عوام کی ضروریات زندگی کے

بوجھ تلے دبا ہوا پایا۔ پھر اس نے آپ کو غنی کر دیا۔ آیت زیر بحث ۹/۲۹ میں اسی چیز کی خبر دی گئی ہے کہ اگر تمہیں اقتصادی کمزوری (عیلۃ) کا خوف ہو تو پھر بھی مشرکوں کو اس لیے مسجد حرام کے قریب نہ آنے دینا کہ ان کے مال سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں غنی کر دے گا۔ اب دیکھئے کہ اس درمیانی اور عبوری دور میں اپنے ہی وسائل پر انحصار کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

اپنے مسائل کو اپنے ہی وسائل کیساتھ حل کرنا ہی کلید کامیابی ہے ○ جو چھوٹی حکومتیں بڑی حکومتوں سے قرضے لیتی ہیں۔ وہ قرض خواہ ممالک کے خونی پنجوں سے نکل نہیں سکتیں۔ پچھلے قرضے معہ سود ابھی ادا نہیں کر پاتیں کہ مزید قرضے سر چڑھانے کے لیے مجبور ہو جاتی ہیں۔ آیت بالا میں اس شیطانی چکر سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی ہے اس کا واحد حل یہی ہے کہ عبوری دور کے لیے اپنے ہی وسائل کے ساتھ اپنے مسائل حل کئے جائیں' تاآنکہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو جائیں۔

○ **یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖۤ اِنْ شَآءَ** کے جملہ میں اِنْ شَآءَ کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حکومت کو اپنے فضل سے اس وقت ہی غنی کرتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے قانون مشیت کے مطابق عمل کرتی ہے۔ جیسے کہ آپ اوپر دیکھ چکے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد اقتصادی کمزوری کے باوجود مشرکوں کے مال سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ اپنے جملہ مسائل اپنے ہی وسائل کے ساتھ حل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اب اگر اس حکم کے بعد بھی مشرکوں کے ساتھ دوستی گانٹھی جائے اور اپنے مسائل کو ان کے وسائل کے ساتھ حل کیا جائے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ ایسی قوم پر اپنا فضل کرے گا اور نہ اسے غنی کرے گا۔ وہ غیروں ہی کی محتاج رہے گی۔

○ اِنْ شَآءَ میں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت مشروط ہے یہ اس کا قانونِ مشیت ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر ہم اس کے قانونِ مشیت کے خلاف عمل کرتے رہیں تو وہ پھر بھی ہم پر اپنا فضل کرکے غنی کر دے گا بلکہ اس کا مطلب و مفہوم بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شَآءَ (مشیت) مشروط ہے۔ اگر اس کی مشیت پر عمل کیا جائے گا تو جزا کا ظہور ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے غنی کرے گا۔ بصورت دیگر قرضوں پر انحصار کرنے والے مشرکوں کے قرضوں ہی کے نیچے دبتے چلے جائیں گے۔ اور بس فلہذا جو حکومت خود اپنے قدموں پر کھڑا ہونا چاہتی ہے وہ قرضوں کے ابلیسی چکر سے نکل کر اپنے ہی وسائل کے ساتھ اپنے مسائل حل کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے گا۔

○ **اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ** آیت زیر بحث ۹/۲۸ کا آخری جملہ ہے۔ جس میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ آیت مجیدہ میں جو مندرجہ ذیل حکم دیئے گئے ہیں کہ مشرکوں کو مسجد حرام کے قریب نہ آنے دینا۔ اقتصادی کمزوری لاحق ہو تو پھر بھی ان کی طرف رخ نہ کرنا۔ بلکہ عبوری دور کے لیے اپنے ہی وسائل تک محدود رہنا' یہ سب احکام علم و حکمت کے عین مطابق ہیں۔ اب ارباب عقل و دانش خود کرۂ ارض پر نگاہ دوڑا کر دیکھ سکتے ہیں کہ کیا وہ حکومتیں جو قرضوں کے ابلیسی چکر میں پھنسی ہوئی ہیں' ان کے اپنے قدموں پر کھڑے ہوکر بڑی طاقتوں کے برابر ہو جانے کی کوئی امید اس وقت تک کی جاسکتی ہے' جب تک کہ وہ مندرجہ بالا ربانی حکم کے مطابق اس ابلیسی دام فریب سے نکلنے کی خود کوشش نہ کریں اور اپنے مسائل کو اپنے ہی وسائل

کے ساتھ حل کرنے کے عبوری دور کو عزم و استقلال کے ساتھ طے کرتے ہوئے اپنے قدموں پر آپ کھڑا ہونے کی سعی مشکور نہ کریں۔

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جب تم عبوری دور کو طے کرکے قدموں پر کھڑے ہو جاؤ تو پھر جو لوگ تمہارے مرکز پر ایمان نہ لائیں۔ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یعنی اگر وہ اسلامی مرکز کے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہے ہوں تو ان سے اس وقت تک جنگ کرو کہ وہ اسلامی مرکز کی آزاد حکومت کو تسلیم کرکے اسلامی ریاست کے فرماں بردار شہری بن کر رہیں۔ اور جزیہ یعنی ریاستی ٹیکس بصمیم قلب ادا کیا کریں۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾

(ایمان والو !) ان سے لڑو (جن کی پہچان یہ ہے کہ) جو اللہ اور نتیجے کے دن پر (اسطرح) ایمان نہیں رکھتے (جس طرح تم رکھتے ہو ۲/۱۳۷)اور نہ وہ ان امور کو حرام ٹھہراتے ہیں جنہیں اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ حرام ٹھہرایا ہے (یہاں تک تو وہ لا اکراہ فی الدین ۲/۲۵۶ کے مطابق آزاد ہیں۔) مگر وہ (قرآنی ریاست کے اندر رہتے ہوئے قرآن کے) حق پر مبنی قانون کی اطاعت نہیں کرتے۔ ان میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے (ان ریاست میں رہنے والے یہود و نصاریٰ سے اس وقت تک لڑو) حتی کہ وہ(اپنے مال و جان آبرو اور عبادت خانوں کی حفاظت کے عوض بصمیم قلب یعنی) دائیں ہاتھ کے ساتھ جزیہ (ٹیکس) ادا کیا کریں اور (اسلامی ریاست کے) وفادار بن کر رہیں۔ (انہیں کوئی کلیدی اسامی میسر نہیں آئے گی)

آیت مجیدہ ۹/۲۹ کو ایک معمہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے ○ روایتی تراجم میں اس آیت سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق ان لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے جو اللہ اور قیامت کے دن کو نہیں مانتے۔ اور اس چیز کو حرام نہیں ٹھہراتے جسے اللہ اور رسولؐ نے حرام ٹھہرایا ہے اور اس طرح کافر کافر کہہ کر ہر کسی پر اس غرض کے لیے چڑھ دوڑنے کا جواز پیدا کیا گیا ہے کہ کافروں کو مسلمان بنایا جائے۔ یہ وہ غلط مفہوم ہے جس سے "پڑھ کلمہ' ورنہ سر اڑ جائے گا" کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

○ حالانکہ اس غلط تصور سے قرآن مجید میں تضاد پیدا ہوتا ہے اور اللہ کی پاک کتاب اقوام عالم میں مورد طعن تشنیع بن کر رہ جاتی ہے کہ ایک طرف تو یہ کہتی ہے کہ دین کے معاملہ میں کوئی سختی نہیں **لَاۤ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ** ۲/۲۵۶ اور دوسری طرف یہ کہتی ہے کہ جو لوگ اللہ اور قیامت کو نہیں مانتے ان سے لڑو۔ واضح رہے کہ یہاں لڑنے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اللہ اور قیامت کو نہ مانتے ہوں۔ یہ آیت مجیدہ خصوصاً" یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے جو متن کے خط کشیدہ الفاظ **مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** سے سورج کی طرح عیاں ہے اور لڑنے کی غرض **حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ** سے ثابت ہے کہ اس وقت تک لڑو کہ وہ جزیہ ادا کریں اور اسلامی ریاست کے وفادار بن کر رہیں۔ یعنی کافروں کو مسلمان بنانا

مقصود نہیں' بلکہ ریاستی امن قائم رکھنے کے لیے اقلیتوں کو اسلامی ریاست کا وفادار بنا کر رکھنا ہے۔ ان کے مال جان آبرو اور ان کے عبادت خانوں کی حفاظت قرآنی نظام کے ذمہ ہے اور وہ اس کے عوض جزیہ ادا کرتے ہیں۔ اب آیئے آیت مجیدہ کے الفاظ کی بالترتیب تفسیر کی طرف تاکہ الفاظ کی روشنی میں حقیقت مزید نکھر کر عیاں ہو جائے۔

اللہ اور قیامت پر اہل اسلام کی طرح ایمان نہ لانا یہود و نصاریٰ کی پہچان کے طور پر بیان ہوا ہے

○ **لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** کے الفاظ جنگ کرنے کی شرط کے طور پر نہیں آئے بلکہ اہل کتاب کی پہچان کے طور پر آئے ہیں کہ وہ اللہ اور قیامت کو تمہاری طرح نہیں مانتے ۲/۱۳۷ تم اللہ کو ایک مانتے ہو مگر وہ تین خدا اور مسیح سلام علیہ و عزیز سلام علیہ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں ۹/۳۰ تم قیامت کی کامیابی کو اعمال پر منحصر کرتے ہو۔ وہ کفارہ کے قائل ہیں۔ المختصر! ان کا اللہ اور قیامت پر اہل اسلام سے مختلف ایمان ان کی پہچان کے لیے آیا ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ اللہ اور قیامت کو نہیں مانتے۔ لہٰذا ان سے جنگ کرو۔ وہ تو اللہ کو بھی مانتے ہیں اور قیامت کو بھی مانتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اہل اسلام کی طرح نہیں مانتے۔

اللہ نے اپنے احکام اپنے رسول سلام علیہ کے ذریعہ دیئے ہیں۔

○ **مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ** کا یہ معنی مطلقاً" غلط ہے کہ جو اللہ اور رسول سلام علیہ نے حرام کیا یا حرام ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ اس طرح اللہ کے رسول اللہ کے حکم میں شریک ٹھہرتے ہیں۔ حالانکہ ارشاد باری ہے **وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا** ۱۸/۲۶۔ اور وہ (اللہ) اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔

○ واضح رہے کہ **اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ** کی درمیانی جلی لکھی ہوئی واؤ کا معنی ہے بذریعہ اور جملے کا مفہوم یہ ہے:۔

جو حرام ٹھہرایا اللہ نے اپنے رسول سلام علیہ کے ذریعہ۔ بات بڑی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جملہ احکام معہ احکام حلت و حرمت اپنے رسول سلام علیہ ہی کے ذریعہ پہنچائے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا قرآن مجید میں واؤ بمعنی بذریعہ کسی اور مقام پر بھی آیا ہے؟ ہاں:۔

اسی سورہ توبہ میں پیچھے گزر چکا ہے:۔ **وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ..... اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ** ۹/۳۔ اور اللہ کا اعلان ہے بذریعہ اس کے رسولؐ کے کہ بلا شبہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔ یہاں بھی من اللہ و رسولہ کی درمیانی جلی واؤ بمعنی بذریعہ ہے کیونکہ اعلان ایک ہے دو نہیں اور واحد اعلان اللہ تعالیٰ کا ہے جو اس نے اپنے رسول کے ذریعے کرایا اسلیئے یہاں واؤ کا معنی بذریعہ کے سوا اور کچھ لگ ہی نہیں سکتا۔

دین کے بارے میں ہر کسی کو مکمل آزادی ہے۔ ○ **لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ** ۲/۲۵۶' چونکہ محکم آیت ہے اس لیے ترجمہ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مذاہب کے جملہ افراد کو یہاں تک تو پوری آزادی ہے کہ اللہ اور قیامت کو اپنے عقیدہ کے مطابق مانتے رہیں۔ اسلامی حکومت کسی کو زبردستی حلقہ بگوش اسلام کرنے کی مجاز نہیں۔

واؤ بمعنی "دیگر"

وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ کی ابتدائی واؤ کا معنی لکھا گیا ہے مگر وہ حق پر مبنی قرآن کے ریاستی قانون کی اطاعت نہیں کرتے۔ یعنی وہ اپنی آزادی کی حدوں کو پھاند گئے ہیں۔ واؤ بمعنی "مگر" یا "لیکن" کے لیے آیت ذیل **يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ** ۱۰۸/۴۔ وہ (چھپ چھپ کر تجویزیں کرنے والے) لوگوں سے تو چھپ سکتے ہیں "مگر" اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔ کیونکہ وہ ہر جگہ حاضر و موجود ہے۔

دین بمعنی قانون

آیت زیر بحث میں **دِيْنَ الْحَقِّ** کا معنی لکھا گیا ہے "حق پر مبنی قانون" دین بمعنی قانون سورہ یوسف میں آیا ہے **مَاكَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ** ۷۶/۱۲ وہ (یوسفؑ) اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون کے مطابق رکھ نہیں سکتا تھا۔ پس **وَلَايَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ** کے قرآنی مفہوم کے مطابق اہل کتاب سے لڑنے کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ اور قیامت کو نہیں مانتے تھے۔ بلکہ اس لیے کہ وہ قرآنی ریاست کے حق بدوش ریاستی قانون کی اطاعت نہیں' بغاوت کرتے تھے۔

حتیٰ کے لفظ نے حقیقت نکھار کر رکھ دی ہے۔

○ **حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ** کا لفظی معنی یہ ہے: "حتیٰ کہ وہ دائیں ہاتھ سے جزیہ ادا کریں" اس جملے نے حقیقت کو نکھار کر رکھ دیا ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے اس وقت تک لڑنے کا حکم دے دیا گیا ہے جب تک وہ قرآنی ریاست کے فرمانبردار ہو کر جزیہ نہ ادا کریں یعنی لڑائی کی غرض انہیں ریاست کے وفادار بنانا ہے۔ تلوار کے ساتھ مسلمان بنانا نہیں اور بنوک سنگین کلمہ پڑھانا نہیں۔ کیونکہ عقیدہ کے لحاظ سے قرآن کریم کا اعلان عام ہے۔ **لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ** ۲۵۶/۲ عقائد کی رو سے یہود و نصاریٰ' پارسی' مجوسی' ہندو سکھ وغیرہ کسی پر کسی قسم کا کوئی جبر روا نہیں۔

جزیہ' بدلہ ہے غیر مسلموں کے مال و جان عزت اور عبادت خانوں کی حفاظت کا ○ جزیہ کا لفظ جزا سے ہے جس کا معنی ہے بدلہ۔ اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلموں کے مال' جان عزت آبرو اور ان کے عبادت خانوں کی حفاظت اسلامی ریاست کے ذمہ ہے۔ اسلامی نظام صد فیصد مکلف ہے کہ اس کے زیر سایہ غیر مسلم آباد رہیں۔ بڑھیں پھولیں انہیں مسلم عوام کے دوش بدوش جملہ ریاستی مراعات حاصل ہوں۔ انہیں پوری مذہبی آزادی میسر ہو۔ ان کے عبادت خانے ہیکل' گرجے' مندر اور گوردوارے مرکزی نظام کی حفاظت میں ہوں۔ اور اس ہمہ جہتی حفاظت کا بدلہ اس حفاظت کی جزا ہے۔

جزیہ اور غیر مسلموں کی طرف سے اس کی ادائیگی ان کی وفاداری کا' اور عدم ادائیگی بغاوت کا نشان ہے۔

جزیہ دائیں ہاتھ سے ادا کریں ○ **يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ** کا لفظی معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی ہمہ جہتی حفاظت کے عوض اسلامی نظام کی مقررہ رقم دائیں ہاتھ سے ادا کریں۔ دائیں ہاتھ سے ادا کرنا' بطور اصطلاح آیا ہے۔ جس کا معنی اور مفہوم ہے۔ بصمیم قلب جزیہ ادا کریں۔ اسے بوجھ اور گرانی نہ محسوس کریں اور جزیہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے ہمہ تن وفادار رہیں۔ چھپی غداری اور مخفی بغاوت نہ کریں۔

هُمْ صٰغِرُوْنَ ○ یہ بھی اصطلاح کے طور پر آیا ہے لفظ صٰغِرون کا سہ حرفی مادہ ص۔ غ۔ ر= صغر ہے' جس کا بنیادی معنی ہے چھوٹا ہونا۔ صغیر کا معنی ہے چھوٹا اور اصغر کا معنی ہے سب سے چھوٹا۔ پس **هُمْ صٰغِرُوْنَ** کا لفظی مفہوم تو یہ ہے کہ وہ اسلامی ریاست میں چھوٹے بن کر رہیں۔ مراد یہ کہ ریاست کے فرمانبردار وفادار رہیں۔ مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ مل کر مخفی بغاوتیں نہ پھیلائیں۔ نیز **هُمْ صٰغِرُوْنَ** کا ایک مفہوم یہ ہے کہ غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں کوئی کلیدی آسامی نہیں دی جائے گی۔ یہ حکم عین مشاہدات کے مطابق ہے کہ غیر مسلموں کے مخفی جذبات غیر مسلموں ہی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ چنانچہ مشاہدہ گواہ ہے کہ جب انہیں کوئی کلیدی آسامی میسر آتی ہے تو اس منصب سے غلط فائدہ اٹھا کر اسلامی ریاست کو نقصان پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ غیر مسلموں کی مخفیات تک سے واقف ہے اس لیے اس نے مذکورہ بالا حکم حفظ ماتقدم کے طور پر نافذ کر رکھا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ

○ آیت زیر نظر ۹/۲۹ میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے لڑنے کا حکم مذہبی اختلاف کی بنا پر نہیں دیا گیا' بلکہ انہیں اسلامی حکومت کا وفادار بنانے کے لیے دیا گیا ہے۔ ان کی وفاداری کا ظاہری نشان بتایا گیا ہے کہ دائیں ہاتھ کے ساتھ جزیہ ادا کیا کریں۔ آیت مجیدہ میں جو الفاظ آئے ہیں **لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** کہ وہ اللہ اور قیامت پر (اس طرح) ایمان نہیں رکھتے) (جس طرح تم رکھتے ہو) اس ترجمہ میں جو الفاظ بریکٹوں میں بڑھائے گئے ہیں' ان کا ایک جواز تو ۲/۱۳۷ میں موجود ہے :۔

○ **فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا**۔ پس اگر (اہل کتاب یہود و نصاریٰ) اس کے ساتھ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو تو ہدایت پا جائیں۔ اور اس کا دوسرا جواز خود اگلی آیت مجیدہ میں درج ہے' جس میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے اللہ پر ایمان کی حالت یہ ہے کہ یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے تھے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح' اللہ کے بیٹے تھے۔ ان کا اللہ پر ایمان تمہارے جیسا نہیں:۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞	اور یہودی کہتے ہیں کہ عزیز اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کی محض مونہوں کی بات ہے (اس میں مطلقاً کوئی حقیقت نہیں ہے)۔ وہ ان لوگوں کے قول کی مشابہت کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے (وحدت) کا انکار کیا تھا۔ اللہ انہیں ہلاک کرے۔ وہ کس طرف کو الٹے جا رہے ہیں۔

یہود و نصاریٰ نے غیر اللہ کو اپنے حاجت روا ٹھہرا لیا ہے

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے رب بنا رکھا ہے۔ انہیں اپنے حاجت روا اور مشکل کشا ٹھہرا کر اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں:۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ	ان یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے علماء اور مشائخ کو بھی پکڑ رکھا ہے حاجت روا اللہ کے ساتھ' خصوصاً" مسیح ابن مریم کو (بھی حاجت روا بنا رکھا

وَمَآ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا‌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ؕ سُبۡحٰنَهٗ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۱﴾

ہے) حالانکہ وہ نہیں حکم کیے گئے مگر یہ کہ وہ فرمانبرداری کریں اکیلے الٰہ (اللہ تعالیٰ) کی۔ نہیں ہے کوئی بھی الٰہ مگر صرف وہی ہے۔ وہ اس شرک سے پاک ہے جو وہ (یہود و نصاریٰ اس کے ساتھ) کرتے ہیں۔

○ یہ ایک عالمی مشاہدہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے علماء و مشائخ کو ارباب بنا لیا ہوا ہے۔ رب کا لفظی معنی ہے پرورش کرنے والا۔ مشکل وقت میں کام آنے والا یہود و نصاریٰ اپنے بزرگوں سے غائبانہ مرادیں مانگتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے عالم اور پیر مشکلیں حل کر سکتے ہیں۔ العیاذ باللہ !

○ **مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ** کا معنی اللہ کے سوا بھی ہے اور اللہ کے ساتھ بھی۔ جیسے کہ یہ لوگ اللہ کو بھی حاجت روا مانتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے پیروں کو بھی۔

○ **مَآ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا** " کے الفاظ سے عیاں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہرگز نہیں دیا گیا تھا کہ اپنے اپنے علماء و مشائخ اور مسیحؑ کو حاجت روا بنا کر ان کی عبودیت کریں۔ بلکہ حکم یہ دیا گیا تھا کہ اکیلے الٰہ اللہ تعالیٰ معبود حقیقی کی عبودیت اختیار کریں:

○ اگلی آیت مجیدہ ۹/۳۲ میں یہود و نصاریٰ کے متعلق خصوصاً" اور باقی منکرینِ ضابطہ باری تعالیٰ کے متعلق عموماً" ارشاد ہوا ہے کہ وہ لوگ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ اس اللہ کے نور' قرآنی قندیل راہ کو پھونکوں کے ساتھ بجھا دیں۔ مگر ان کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کر کے چھوڑے گا' خواہ اس ضابطے کا انکار کرنے والے اسے کتنا ہی ناپسند کرتے رہیں۔

يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَيَاۡبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ يُّتِمَّ نُوۡرَهٗ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۳۲﴾

(یہود و نصاریٰ) ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے نور (قرآن مجید' الٰہی ضابطہ حیات) کو اپنے مونہوں کی پھونکوں کے ساتھ بجھا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نہیں مانتا سوائے اس کے کہ اپنے نور (قرآن مجید) کو مکمل کر کے رہے گا۔ اگرچہ (اس ضابطے) کا انکار کرنے والے اسے ناپسند کریں۔

قرآن نور ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ ○ اس آیت مجیدہ میں کفار یہود و نصاریٰ کے برے ارادوں کے اظہار کے علاوہ اس امر کا بھی اعلان کر دیا گیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا نور ہے یہ نوعِ انسانی کی ہدایت کے لیے روشنی کا مینار ہے زندگی کی تاریک راہوں کے لیے یہ ایک ایسی قندیل راہ ہے جو زندگی کے ہر خطرناک موڑ اور ہر پُر خطر گوشے کو روشن کر کے نمایاں کر دیتی ہے۔

تصریفِ آیات ○ قرآن مجید نے اس مسلّمہ حقیقت کو تصریف آیات کے مخصوص انداز کے ساتھ پوری طرح نمایاں کر رکھا ہے' چنانچہ سورہ نساء میں پوری نوع انسانی کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

○ **يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا** (۴/۱۷۴) اے پوری نوع انسانی بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حقائق کی کھلی دلیل آگئی ہے' یعنی ہم نے تمہاری طرف اپنا نور نازل فرمایا ہے اسی طرح سورہ تغابن میں قرآن مجید کو بانداز ذیل نور کہا گیا ہے:۔

○ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۸/۶۴۔ پس (اے نوع انسانی !) ایمان لاؤ اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس نور (قرآن) کے ساتھ جو ہم نے نازل فرمایا ہے۔

○ سورہ اعراف میں اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

○ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۷/۱۵۷

پس وہ لوگ اس (رسول محمد سلام علیہ) پر ایمان لائے اور اس کی حمایت کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (قرآن) کی اتباع کی جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ وہ لوگ وہی ہیں فلاح پانے والے۔

○ مندرجہ بالا ہر سہ آیات کریمات میں قرآن مجید کو نور کہا گیا ہے اور تینوں آیتوں میں اسے منزل من اللہ بتا گیا ہے یعنی نور قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک مغالطے کا رفع کرنا لازم ہے۔ وہ یہ کہ اہل اسلام کا ایک گروہ نبی اکرمؐ صاحب نور خاتم النبین رحمتہ اللعالمین کی ذات مقدس کو دائرہ بشریت سے خارج کرکے آپ کو مجسم نور بتاتا ہے اور اپنے اس نظریے کو سورہ مائدہ کی آیت ذیل سے ثابت کرتا ہے۔

○ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۵/۱۵ اس آیت میں جلی لکھی ہوئی واؤ تفسیری ہے اور اس کا معنی اور مفہوم یہ ہے:۔ بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے اس کا نور **"یعنی"** خود بیان کرنے والی کتاب آئی ہے۔

○ واضح رہے کہ عربی متن میں جلی لکھی ہوئی واؤ کا ترجمہ جلی لکھا ہوا لفظ یعنی ہے۔ بالفاظ دیگر اس آیت میں اللہ کی کتاب قرآن مجید ہی کو نور کہا گیا ہے۔ جس کا پوری وضاحت کے ساتھ پیچھے آیات مجیدہ ۴/۱۷۴ + ۸/۶۴ + ۷/۱۵۷ میں بالصراحت اعلان عام کر دیا گیا ہے۔ نیز ان ہر سہ آیات کریمات میں **اَنْزَلْنَا + اَنْزَلْنَا + اُنْزِلَ** کے الفاظ میں اس حقیقت کو سہ گانہ تکرار کے ساتھ نکھار کر بیان کر دیا ہے کہ اللہ کے نور کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس کی طرف سے نازل کیا گیا تھا' مبعوث نہیں کیا گیا تھا۔ یعنی اللہ کی طرف سے نازل فرمائی گئی اس کی کتاب ہے اور مبعوث کئے گئے اس کے نبی ہیں۔

تمام نبی مبعوث کئے گئے تھے نازل نہیں فرمائے گئے تھے ○ جملہ انبیاء کے متعلق سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۲/۲۱۳۔ پوری نوع انسانی ایک ہی جماعت ہے۔ پھر اللہ نے (اسمیں) اپنے نبی اچھے کاموں کی اچھی جزا کی خوشخبری دینے والے اور برے کاموں کی بری سزا سے ڈرانے والے مبعوث فرمائے۔

سب کے سب نبی اللہ تعالیٰ کے بندے بشر تھے ○ قرآن بھر میں کہیں بھی انبیاء **سلامٌ عَلَیْھِم** کے لیے یہ نہیں آیا کہ وہ نازل کئے گئے تھے اور نہ قرآن بھر میں قرآن کریم کے لیے آیا ہے کہ وہ مبعوث کیا گیا تھا۔ المختصر نبی مبعوث کئے گئے تھے ۲/۲۱۳ اور قرآن نازل فرمایا گیا تھا ۴/۱۷۴ + ۷/۱۵۷ + ۸/۶۴ آیت مجیدہ ۵/۱۵ **قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ** میں جلی لکھی گئی واؤ کو' جو قرآنی دلائل قاطعہ کے مطابق تفسیری ہے بلا وجہ واؤ مغایرت قرار دے کر' پہلے تو نور کو قرآن سے الگ قرار دے دیا گیا ہے اور پھر نبی اکرمؐ کو جوازِ روئے قرآن حکیم صد فیصد بشر تھے' نور ٹھہرا دیا ہے۔ حالانکہ قرآنی دلائل بالا کے مطابق نور نازل ہوا تھا اور نبی اکرمؐ مبعوث ہوئے تھے نازل نہیں ہوئے تھے۔ سورہ ابراہیم میں

سب کے سب رسولوں کا قول درج ہے:۔

○ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۱۱/۱۴ سب کے سب رسولوں نے اپنے اپنے وقت پر اپنی اپنی زندگی میں اپنی اپنی قوم سے کہا کہ نہیں ہیں ہم مگر یقیناً تمہارے جیسے بشر ہیں۔ اس آیتِ مجیدہ میں اِنْ نافیہ ہے اور خط کشیدہ اِلَّا اثبات کا ہے۔ یعنی نفی' اثبات کے محکم حصر کے ساتھ خود انبیاء سلام علیہم کا اپنا اعلان درج کر دیا گیا ہے کہ وہ سب کے سب بلا شبہ بشر تھے۔

○ پھر اسی ضمن میں خود نبی اکرمؐ سے بھی دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ نفی اثبات کے حصر ہی سے اعلان کروا دیا گیا ہے کہ لوگو ! بشریت کے لحاظ سے میں بالکل تمہارے جیسا بشر ہوں۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۱۸/۱۱۰ اے رسول کہہ دیجئے گا کہ سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ میں تمہارے جیسا بشر (ہی) ہوں۔ (تم میں اور مجھ میں فرق صرف یہ ہے) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے جملہ انبیاءؑ اور خاتم النبین کی بشریت سے انکار کی مطلقاً گنجائش موجود نہیں ہے۔

○ حقیقت حال یہ ہے جس سے کسی بھی مومن باللہ کو مجالِ انکار نہیں کہ رحمتہ للعالمینؐ سمیت سب کے سب نبی رسول بشروں ہی کی طرح پیدا ہوئے' والدہ کا دودھ پیا۔ بچپن' جوانی' ادھیڑ پن اور بڑھاپے کے تقاضوں سے واسطہ پڑا۔ بھوک' پیاس اور موسمی تغیرات سردی گرمی کے مکمل احساسات کے حامل تھے۔ نٹی پیشاب' تھوک' سینڈھ' بادی بلغم وغیرہ کے عوارضات سے بھی مبرا نہیں تھے بیمار بھی ہوتے اور صحت یاب بھی ہو جاتے تھے۔ سر درد' پیٹ درد یا بخار میں مبتلا بھی ہو جایا کرتے تھے۔ یعنی بستر مرض سے بھی ناآشنا نہیں تھے۔ بلکہ سب کے سب نبی یکے بعد دیگرے فوت بھی ہوگئے اور اسی زمین کے بطن میں دفن بھی ہوئے۔ چنانچہ رحمتہ للعالمین کی قبر مبارک مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں آج تک موجود ہے۔

○ یہی ہیں تقاضائے بشریت جن سے نبی اکرم سمیت کوئی بھی نبی مبرا نہیں تھا۔ اس لیے قرآن کریم اور مشاہدات کی رو سے نبی کریم سمیت جملہ انبیاء سلام علیہم کی بشریت سے کسی صاحبِ عقل و خرد اور فہم و انصاف کے لیے ہرگز ہرگز مجال انکار نہیں ہو سکتی۔

نگاہِ بازگشت ○ واضح رہے کہ حقائق اپنے مقام پر ہمیشہ اٹل اور غیر متبدل ہوتے ہیں۔ انبیاء سلام علیہم کی بشریت کا انکار کرنے اور انہیں نور نور کہنے کی رٹ لگاتے رہنے سے وہ قرآنی اور مشاہداتی حقائق ہرگز بدل نہیں سکتے' جو پیچھے بانداز ذیل نمایاں کئے جا چکے ہیں کہ:۔

(الف) جملہ انبیاء نور نہیں تھے بشر تھے ۱۱/۱۴ + ۱۸/۱۱۰ + ۶/۹۱

(ب) جملہ انبیاء مبعوث ہوئے تھے' نازل نہیں ہوئے تھے۔ ۲/۲۱۳ + ۲/۶۴

(ج) قرآن کریم معہ جملہ کتب الٰہیہ نور ہے ۴/۱۷۴ + ۵/۱۵ + ۷/۱۵۷ + ۸/۶۴ + ۵/۴۴ + ۵/۴۶

(د) قرآن مجید معہ جملہ کتب الٰہی مبعوث نہیں کیا گیا تھا' بلکہ نازل کیا گیا تھا۔ ۴/۱۷۴ + ۷/۱۵۷ + ۸/۶۴

توراتاور انجیل بھی نور تھیں ○ قرآن کریم کے نور ہونے کی قرآنی اسناد پیچھے آیات نمبر۴/۱۷۴ '۷/۱۵۷ '۸/۶۴ میں پیش کی جا چکی ہیں۔ اب آیات مجیدہ ۵/۴۴ اور ۵/۴۶ میں ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کو بھی قرآن کریم کی طرح نور ہی کہا ہے:۔

○ ۵/۴۴ **اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّ نُوۡرٌ ج۔** بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی اس میں ہدایت اور نور ہے

○ ۵/۴۶ **وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ فِيۡهِ هُدًى وَّنُوۡرٌ۔** اور ہم نے (مسیح) کو انجیل عطا فرمائی۔ اس میں ہدایت اور نور ہے

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ۔

تورات اور انجیل میں تحریف ○ خود قرآنی سند **يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ مِنۡ مَّوَاضِعِهٖ** ۴/۴۶ + ۵/۱۳ کے مطابق جب تورات و انجیل محرّف ہو چکی ہوئی ہیں' اپنی اصلی صورت میں موجود نہیں تو پھر ان میں ہدایت و نور کی موجودگی کا سوال کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ ۵/۴۴'۴۶ میں اصلی تورات و انجیل کے متعلق کہا گیا ہے کہ جو نسخے اصلی حالت میں ہیں ان میں ہدایت اور نور ہے۔

○ اب اس سے آگے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ غیر محرف تورات اور انجیل ہے کہاں؟ اس کا جواب بھی قرآنی شواہد کی روشنی میں بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ اگر آج غیر محرف نسخے نابود ہو چکے ہوں تو اسے زمانے کی دست برد کے تقاضے قرار دیا جائے گا۔ قرآنی آیات زیرِ بحث سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ رسالتِ محمدی میں یقیناً تورات و انجیل کے غیر محرف نسخے بھی اہل کتاب کے پاس موجود تھے۔ انہی کے متعلق سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے کہ اے رسول سلام علیہ انہیں فرمایئے گا۔

○ **قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ** ○ ۳/۹۳۔ کہہ دیجئے گا کہ اگر تم سچے ہو تو (غیر محرّف) تورات لاؤ اور اسے (میرے سامنے) پڑھو۔

نبی اکرمؐ خاتم النبین سمیت سب نبی صاحب نور تھے ○ نور کی بحث کے ضمن میں ہم یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ قرآن مجید بھی نور ہے ۴/۱۷۴ + ۵/۱۵ + ۷/۱۵۷ + ۸/۶۴ اور تورات و انجیل بھی نور تھیں ۵/۴۴ + ۵/۴۶ تو اب ظاہر ہے کہ جن مقدس ہستیوں کو یہ نور عطا کئے گئے تھے' وہ اگرچہ خود تو بشر تھے' نور نہیں تھے' مگر وہ سب کے سب صاحب نور تھے۔ کیونکہ انہیں نور سے معمور کتاب عطا کی گئی تھی۔

قرآن مجید ہدایت اور مکمل ضابطہ حیات ہے ○ مودبانہ التماس ہے کہ ہم بشر نور کی بحث کے ضمن میں تصریف آیات کی مدو سے دور نکل گئے ہیں۔ اب آیئے آیت زیرِ بحث ۹/۳۲ کی طرف جس میں ارشاد ہوا ہے کہ قرآن مجید نوعِ انسانی کے لیے اس کی زندگی کی تاریک راہوں کو روشن کرنے والا نور ہے' قندیلِ راہ ہے مگر کافر ارادہ کرتے ہیں کہ اس نورانی قندیل کو اپنے مونہوں کی پھونکوں کے ساتھ بجھا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کی ناپسندیدگی کے باوجود اپنے نور کو مکمل کرکے ہی رہے گا اگلی آیتِ مجیدہ میں وضاحت فرمائی گئی ہے کہ یہ نور جو رشد و ہدایت کا مجموعہ ایک مکمل ضابطہ ہدایت ہے' یہ نور' صاحبِ

نور کو دے کر بھیجا گیا ہے۔ اس کے بھیجنے کی غرض یہ ہے کہ اگرچہ مشرک ناپسند کرتے رہیں، مگر یہ نورانی ضابطہ تمام ضابطوں پر غالب آکر رہے گا۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۞

وہ (اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات) ہے جس نے اپنے رسولؑ کو ہدایت اور سچا ضابطہ ہدایت (قرآن مجید) دے کر بھیجا تاکہ وہ اسے تمام ضابطہ ہائے حیات پر غالب کر دے۔ اگرچہ مشرک لوگ (اس کے غالب آنے کو) ناپسند ہی کرتے رہیں۔

اللہ کا دین، اس کا نازل کردہ ضابطۂ حیات، کیا واقعتہ "جملہ ضابطہ ہائے حیات پر غالب ہے"؟

○ یہ ایک انتہائی اہم سوال ہے، جس کا کسی جانب سے تسلی بخش جواب نہیں دیا جاتا۔ محض عوام کے مذہبی عقائد سے فائدہ اٹھا کر، انہیں خاموش کر دیا جاتا ہے۔ ورنہ نہ آیت مجیدہ کے الفاظ میں کوئی ایچ پیچ موجود ہے، اور نہ حقائق و مشاہدات ہی کہیں دبیز پردوں کے نیچے چھپے ہوئے ہیں کہ جو قوم اپنے آپ کو اس ضابطہ حیات کی حامل و عامل ظاہر کرتی ہے، اس کی اگرچہ درجنوں حکومتیں قائم ہیں مگر وہ اقوام عالم میں غالب قوم نہیں کہلا سکتی۔ فی زمانہ غالب اقوام وہ ہیں جو اسلامی ضابطہ حیات کی حامل نہیں، بلکہ اس کے سوا نظامِ سرمایہ داری یا کمیونسٹ نظام کی حامل کہلاتی ہیں تو اس طرح سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت بالا ۹/۳۳ میں جو کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین، اس نظام کو ضرور غالب کرے گا، خواہ مشرک لوگ اسے ناپسند ہی کیوں نہ کرتے رہیں، یہ دعویٰ کس طرح سچا ثابت ہو سکتا ہے؟

قرآنی نظام یقیناً غالب ہے ○ واضح رہے کہ آیت بالا ۹/۳۳ کا اعادہ سورہ فتح میں تکرار تاکیدی کے طور پر، ربانی شہادت کے مخصوص اضافے کے ساتھ بالفاظ ذیل کیا گیا ہے:۔

○ **هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا"**

○ ۴۸/۲۸۔ وہ (اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات) ہے جس نے ہدایت اور دین حق (سچے ضابطہ حیات) کے ساتھ اپنے رسول سلام علیہ کو بھیجا تاکہ وہ اس ضابطہ حیات کو تمام ضابطہ ہائے حیات پر غالب کر دے اور (اس پر) اللہ تعالیٰ خود کافی گواہ ہے۔

○ دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں ضابطہ الٰہی کے غلبہ پر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو بطور گواہ پیش فرمایا ہے بالفاظ دیگر ضابطہِ الٰہی کے غلبہ کے خلاف معمولی سے شک و شبہ کی گنجائش بھی ختم کر دی گئی ہے۔ آج کے دور کے متعلق تو ہم آگے چل کر عرض کریں گے، پہلے زمانہ رسالت مصطفویہ کی تمیز پیش خدمت ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جب نبی اکرمؐ صاحبِ نور خاتم النبیین رحمتہ اللعالمین نے لوگوں کے سامنے قرآنی ضابطۂ حیات پیش کیا تو چند ایک افراد کے سوا پوری قوم آپ کی دشمن ہو گئی۔ حتیٰ کہ لوگوں کی عداوت اس حد تک بڑھ گئی کہ نبی اکرمؐ کے متعلق متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ یا تو آپؐ کو عمر قید کر دیا جائے یا قتل کر دیا جائے اور یا ملک بدر کر دیا جائے۔

○ **وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ** ۸/۳۰۔ اور (اے رسول سلام علیہ!) وہ وقت قابل ذکر ہے جب ان لوگوں نے جنہوں نے ضابطہ ربانی کا انکار کیا، یہ تجویز کی کہ یا تو آپ کو عمر قید کر دیا جائے، اور یا آپ سلام علیہ کو قتل کر دیا جائے یا جلا وطن کر دیا جائے۔

○ چنانچہ نبی اکرمؐ اپنے وطن ' مالوف مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ لیکن بالآخر ضابطۂ ربانی دین اللہ کا غلبہ اس مشہود و محسوس صورت کے ساتھ نمایاں ہونا شروع ہوا کہ پہلے تو وہی شہر مکہ معظمہ جس سے نبی اکرمؐ کو جلا وطنی کے لیے مجبور کر دیا گیا تھا' بلا جنگ و جدال فتح ہوگیا۔ نبی اکرمؐ نے اتنی عظیم عسکری طاقت کے ساتھ دشمن پر جوابی حملہ کیا کہ وہ مقابلے کی جرات تک نہ کرسکے اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ بیت اللہ شریف کی چابیاں صاحب قرآن سلام علیہ کے قدموں میں ڈال دیں۔ قرآن مجید میں اسی فتح و نصرت اور غلبہ دین کی خبر بالفاظ ذیل درج ہے:۔

○ **اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا**" ○ ۱۱۰/۲-۱۔

○ جب اللہ کی نصرت اور فتح آئے گی تو (اے رسول سلام علیہ !) آپ دیکھیں گے کہ اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہو رہے ہوں گے۔ یہ تھی **لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ** ۹/۳۳ + ۴۸/۲۸ کی عملی تفسیر خود نبی پاک کے اپنے دور میں۔

نبی اکرمؐ کے پاکیزہ جانشینوں کے دور میں غلبۂ دین اللہ کی محسوس صورت ○ رسول مقبول سلام علیہ کے بعد غلبہ دین کی محسوس و مشہود صورت کے مطالعہ اور آپ سلام علیہ کے مقدس جانشینوں کے حالات کے لیے تاریخ اسلام کے ان حقائق کو نگاہوں کے سامنے لائیے جن کی تائید و تصدیق مشاہداتِ عالم اور عالمی آثار قدیمہ ہر آن کرتے چلے آرہے ہیں۔ تاریخ و آثار کی شہادت کے مطابق وہی ضابطۂ ربانی جسے اس کے لانے والے سمیت مکہ معظمہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ وہی مقدس ضابطہ' نبی اکرمؐ کے مقدس جانشینوں کے دور میں نہ صرف پورے خطہ عرب پر غالب آیا' بلکہ مصر' عراق اور ایران کی پوری سرزمین اسی مقدس ضابطہ کے زیر نگیں ہوگئی۔ حتیٰ کہ نبی اکرمؐ کے جانشینوں کے بعد کے ادوار میں اسی ضابطہ کا پرچم ایک طرف افریقہ کے صحراؤں سے ہوتا ہوا سپین کی سرزمین پر جا لہرایا اور دوسری طرف ایران' ترکستان اور افغانستان کی سرحدوں کو پار کرتا ہوا برصغیر ہند کے مغربی ساحل پر دیبل' ٹھٹھہ اور ملتان کی فصیلوں کی زینت جا بنا۔

برادران عزیز ! یہ ہے **لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ** ۹/۳۳ + ۴۸/۲۸ کی عملی تفسیر نبی اکرمؐ کے جانشینوں کے اور پھر ان کے بعد کے ادوار میں۔

آج کا دور ○ اب آیئے اس بحث کی طرف ! کہ وہی ضابطہ حیات' جس کے دامنِ رحمت کی لپیٹ اتنی وسیع تھی کہ سپین سے سندھ ملتان تک کی پوری انسانیت اس کے سایہ عافیت میں آگئی تھی۔ آج کیا وجہ ہے کہ اس سے زیادہ وسیع علاقوں پر حکمران ہونے کے باوجود اس ضابطہ کے نام نہاد حاملین کو غلبہ نصیب نہیں۔ بلکہ بڑی طاقتوں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے کے لیے مجبور محض ہیں۔ حتیٰ کہ نہ غذائی ضرورتوں میں خود کفیل ہیں نہ جنگی ضرورتوں میں بے محتاج۔

نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۳/۱۳۶ ○ واضح رہے کہ ضابطہ ربانی آج بھی وہی ہے جو اولین نبی رسول سلام علیہ پر نازل کیا گیا تھا' اور جو محمد رسول اللہ اور ان کے مقدس جانشینوں کے ادوار میں موجود تھا۔ مگر انہیں جو اجر غلبہ کی صورت میں میسر آیا تھا وہ ان کے اعمال کا نتیجہ تھا جو انہوں نے ضابطہ ربانی پر عمل کرکے حاصل کیا تھا اور آج ہمیں جو عدم کفالت اور محتاجی میسر ہے وہ ہماری بد عملی کا نتیجہ ہے: قرآن کہتا ہے:۔ **وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ** ۳/۱۳۶ اور اچھا بدلہ عمل کرنے والوں کے لیے ہے (بد عملوں کے لیے نہیں) نبی اکرمؐ اور آپ کے جانشینوں رضوان اللہ علیہم نے جب ربانی ضابطہ حیات پر عمل کرکے دکھایا

تو ربانی ضابطے نے غالب ہو کر دکھا دیا۔ اور اس عمل کے صلے میں' انہیں دنیا ہی میں **جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** کی جزا عطا کی گئی اور اس کے برعکس جب ہم نے ربانی ضابطۂ حیات (قرآن مجید) کو محض قسمیں کھانے اور اسے ختم کر کر کے متوفی بزرگوں کو بھیجنے کے لیے مختص کر لیا تو وہی غلبہ' جو اس ضابطے پر عمل کرنے کا صلہ ہے۔ اس سے ہم نے اپنے آپ کو خود محروم کر لیا۔

انسانی عمل ○ سورہ فاطر میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ قانون (ضابطہ حیات) میں غالب ہونے' صعود کرنے کی طاقت تو موجود ہے' لیکن انسان کا اپنا عمل ہی وہ چیز ہے جو اس کی رفعت کا موجب بنتا ہے۔

○ **فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ** ۳۵/۱۰۔

○ غلبہ سارے کا سارا اللہ کے لیے ہے (یعنی اس کے قانونِ مشیت کے مطابق میسر آتا ہے) طیب کلام (اللہ کا ضابطہ حیات قرآن مجید) اللہ کی طرف صعود کرتا ہے' اوپر کو اٹھتا ہے' مگر عمل صالح اسے بلند کرتا ہے۔

○ دیکھئے! آیت بالا ۳۵/۱۰ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ طیب کلام' قرآن مجید (ضابطۂ حیات) اللہ کی طرف اوپر کو اٹھتا ہے۔ غالب ہوتا ہے۔ مگر غور طلب یہ امر ہے کہ کیا اسے صرف زبان کے ساتھ رٹ لینے سے؟ یا پڑھ پڑھ کر مردوں کو بخشنے سے؟ اسی چیز کا جواب **وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ** کے الفاظ میں دیا گیا ہے کہ اس صالح' پاکیزہ' بے عیب اور بے نقص قانون' ضابطۂ حیات پر جب تک عمل نہیں کیا جائے گا اس وقت تک غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے قانون میں لچک نہیں ہے ○ اس غلبہ کے حامل ضابطۂ حیات پر جو قوم بھی عمل کرے گی وہ اس پر عمل کرنے کا اجر و صلہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے غلبہ وہ اسے ضرور پائے گی۔ مثلاً اسی ضابطہ حیات میں درج ہے:۔

○ **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ** ۸/۶۰۔ اور دشمنوں کے مقابلے کے لیے ہمیشہ فوجی قوت (جدید اسلحہ) تیار کرتے رہو' خصوصاً گھوڑوں کی قطاریں (ذرائع رسل و رسائل کی بہتات) تم اس بے پناہ فوجی قوت کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو گے۔

○ دیکھئے! ضابطۂ الٰہی کا یہ وہ حکم ہے جس میں دشمن کے مقابلے کے لیے جدید سے جدید اسلحہ اور جدید سے جدید تیز رفتار ذرائع رسل و رسائل اس بہتات سے تیار کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ دشمن مقابلے کی جرات ہی نہ کر سکے۔ نبی اکرمؐ نے اس حکم پر عمل کر کے جب بے پناہ فوجی قوت کے ساتھ مشرکین مکہ پر حملہ کیا تو انہوں نے مقابلے کی تاب نہ لا کر بلا جدال و قتال شکست تسلیم کر لی اسی قرآنی حکم کے مطابق آپ کے مقدس جانشینوں اور پھر ان کے بعد والوں کے پاس ہمیشہ جدید سے جدید اسلحہ پایا جاتا رہا۔ چنانچہ تاریخ کہتی ہے کہ آسمان نے سب سے پہلے بندوق (جو توڑا دار کی شکل میں ایجاد ہوئی تھی) بابر کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ الختصر! جب تک قرآنی ضابطۂ حیات کے اس حکم پر اہلِ اسلام عامل رہے اس وقت تک ان کی بے پناہ فوجی قوت سے ان کے دشمن لرزاں و ترساں تھے۔ جب بھی مقابلے کی جرات کی تو شکست کھائی۔ اور جب سے انہوں نے اس حکم کو پس پشت پھینک کر اسلحہ تیار کرنا تو درکنار' ساٹھ باسٹھ اسلامی حکومتوں میں لوہے کا کارخانہ تک موجود نہیں' اس وقت سے یہ مجبور و محتاج بن کر رہ گئے ہیں۔ اور اس وقت جو قومیں ربانی ضابطۂ حیات کے اس حکم پر عمل

کرکے شبانہ روز جدید سے جدید اسلحہ اور جدید سے جدید ذرائع رسل و رسائل کے انبار لگا رہی ہیں' اب ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ فاتح بھی ہیں اور کامیاب و کامران بھی۔

○ جن قوموں یا ملکوں نے اسلحہ اور ذرائع رسل و رسائل کی تیاری میں جدّت اور کثرت کے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں اب ان کے دشمن ان کی فوجی تیاریوں سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔ مثلاً آج جب امریکہ اور روس دونوں ملکوں نے ضابطۂ ربانی کے حکم ۸/۶۰ پر زیادہ سے زیادہ عمل کرکے اپنے اپنے ہاں فوجی قوت کے انبار لگا رکھے ہیں تو آج انہیں **تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّكُمْ** کا شرف حاصل ہو چکا ہے کہ وہ بے پناہ فوجی قوت بن چکنے کے باوجود دونوں ہی الگ الگ ایک دوسرے سے خائف ہیں۔

○ یہاں ہم اس قرآنی حقیقت کو کھل کر بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قرآنی ضابطۂ حیات از ابتدا تا انتہاء غالب ہی چلا آرہا ہے جب اس پر مسلمان عامل تھے تو ان کے ذریعہ اس کے غلبہ کا اظہار ہوتا چلا آرہا تھا اور اس کے بعد جب غیر مسلم اقوام و ممالک نے اس پر عمل شروع کر دیا تو ضابطہ ربانی کے غلبے کا اظہار ان کے ذریعے ہو رہا ہے ضابطۂ ربانی ماضی میں بھی غالب تھا۔ حال میں بھی غالب ہے اور مستقبل میں بھی غالب رہے گا۔

رجوع الی المطلب ○ واضح رہے کہ آیت مجیدہ ۹/۳۳ کے الفاظ **لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** کی تفسیر میں ہم دور نکل آئے ہیں کہ اللہ کے دین (ضابطہ حیات) کی غرضِ نزول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جملہ ضابطہ ہائے حیات پر غالب کر دے۔ اور ۱۰/۳۵ کے حوالہ سے اس امر کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ربانی ضابطۂ حیات' قرآن مجید پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے غلبہ خواہ کوئی قوم اس پر عمل کرے۔

<u>قرآنی ضابطۂ حیات کے مخالف ابتدائے آفرینش ہی سے تین گروہ چلے آرہے ہیں۔</u>

<u>ملا' پیر اور سرمایہ دار۔</u>

○ الٰہی ضابطۂ حیات میں نہ ملاّ حضرات کے ملاّئی کاروبار کو تحفظ دیا گیا ہے' نہ اس میں پیر حضرات کی پیری مریدی کے دھندے کی اجازت ہے اور نہ ہی اس میں سرمایہ داری کے استحصالی نظام کی گنجائش موجود ہے جس میں زمیندار کاشتکار کا اور سرمایہ دار مزدور کا خون چوسنا اپنا پیدائشی حق تصور کرتا ہے۔

○ ملاّئی اور پیری کی مزیّن دکانداریوں میں بھی جہاں ایک طرف سادہ لوح عوام کا مال حرام طریقے سے کھایا جاتا ہے وہاں دوسری طرف یہی ملاّ اور پیر حضرات اپنے آپ کو عوام سے اعلیٰ وارفع بھی قرار دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ عوام کو ملاّ حضرات کے اور مریدوں کو پیر حضرات کے ساتھ ایک سطح پر بیٹھنے تک کی اجازت نہیں ہوتی نیز سرمایہ داری نظام میں بھی جہاں ایک طرف مزدوروں کے گاڑھے پسینے کی کمائی کا ماحصل بٹورا جاتا ہے' وہاں انہیں ادنے' کمینے اور رذیلے سمجھنے کا قدیمی شعار موجود ہے۔ جب بھی کوئی نبی رسول الٰہی ضابطۂ حیات' اللہ کی کتاب لے کر آیا' جس میں ان تینوں گروہوں کی مذمت موجود ہے تو یہی تین گروہ ہر نبی رسول سلام علیہ کے مخالف ہوگئے بلکہ ہر سہ گروہوں نے ضابطۂ الٰہی کے خلاف باہمی گٹھ جوڑ کیا اور متفقہ طور پر الٰہی ضابطۂ حیات لانے والے کی مخالفت میں سرگرمِ عمل ہوگئے۔

○ اگلی آیت مجیدہ ۹/۳۴ میں ان تینوں گروہوں کے نام لے لے کر ان کے متعلق کھلے الفاظ میں عذاب الیم کی خبر دی گئی ہے اور ایمان والوں کو نئے سرے سے مخصوص خطاب کے ساتھ مخاطب کرکے متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کے استحصال سے پوری طرح بچ کر رہنا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

اے وہ لوگو ! جو ضابطہ ربانی پر ایمان لائے ہو (گوش ہوش سن لوکہ) علماء و مشائخ میں سے اکثریت ان کی ہے جو لوگوں کا مال حرام طریقے کے ساتھ کھاتے ہیں۔ اور (انہیں) اللہ کے راستے (اس کے ضابطہ حیات) سے روکتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ (اے رسول سلام علیہ ! آپ) انہیں درد ناک عذاب کی خوشخبری دے دیں۔

حرام طریقے سے مال کھانا ○ حصول مال کا جائز اور حلال طریقہ ہے اجرت و تجارت کا۔ مثلاً" پہلے نمبر پر ایک شخص دوسرے شخص کا کوئی کام کرتا ہے اور وہ اسے اس کی اجرت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ضمن میں بھی تاکید کر دی ہے کہ محنت کش کو اس کی محنت سے نہ کم اجرت دی جائے اور نہ محنت کش اپنی محنت سے زیادہ اجرت وصول کرے اور دوسرے نمبر پر ایک شخص دوسرے شخص کو کوئی غذائی یا اور کسی ضرورت کی چیز قیمتاً" دیتا ہے اور اس سے قیمت وصول کرتا ہے اس گوشے میں بھی اللہ تعالیٰ نے انتہائی تاکید کر رکھی ہے کہ نرخ بازار سے زیادہ قیمت وصول نہ کی جائے۔ ناقص اور ملاوٹ والا مال نہ دیا جائے۔ ایسی تجارت کو باری تعالیٰ نے عوام کا اقتصادی قتل قرار دیا ہے:۔

○ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** ۴/۲۹۔ ایمان والو ! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال غلط (حرام) طریقے سے نہ کھانا۔ سوائے ایسی تجارت کے جس میں بائع اور مشتری دونوں رضا مند ہوں اور یاد رکھو کہ ناجائز تجارت کے زریعہ' تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا۔

○ اب دیکھئے ! کہ تجارت میں کوئی چیز خریدار کو دے کر اس سے پیسے وصول کئے جاتے ہیں مگر ملاّ اور پیر حضرات کونسی چیز دیتے ہیں جس کی قیمت کے طور پر عوام اور مریدوں سے رقمیں بھی وصول کرتے ہیں؟ اور انہیں اپنے برابر بیٹھنے بھی نہیں دیتے۔ آیت زیر بحث ۹/۳۴ میں ملاّ اور پیر حضرات کے دھندوں کو باطل اور موجب عذاب الیم قرار دیا گیا ہے۔

○ ملاّ حضرات نماز پڑھا کر تنخواہ اور نذرانے وصول کرتے ہیں' حالانکہ نماز کی ادائیگی جس طرح عام مسلمانوں پر فرض ہے اسی طرح ملاّ حضرات پر بھی فرض ہے۔ نماز باجماعت میں جس طرح عوام اللہ کا فرض ادا کر رہے ہوتے ہیں' اسی طرح نماز پڑھانے والا اللہ کا فرض ادا کر رہا ہوتا ہے' اجرت کس محنت کی وصول کی جاسکتی ہے؟

○ اسی طرح پیر حضرات بیماروں کے لیے پانی دم کرکے اور تعویز لکھ کر عوام سے حرام مال وصول کرتے ہیں۔ حالانکہ بیماری کے لیے علاج لازم ہے نہ کہ پانی دم کرکے پلانا یا تعویز باندھنا۔ ملاّ اور پیر حضرات خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیماری کا علاج دوا ہے دم اور تعویز نہیں۔ کیونکہ جب وہ خود بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کرتے ہیں نہ تعویز استعمال

کرتے ہیں نہ پانی دم کر کے پیتے ہیں۔ اس طرح وہ خود بھی جانتے ہیں کہ جو مال اور نذرانے وصول کرتے ہیں' سرتاپا حرام ہیں۔

○ پھر یہ لوگ جو کاشتکاروں سے فصل کا حصہ وصول کرتے ہیں کہ اس سے ان کی فصل اچھی ہوگی۔ یہ بھی سراسر فریب محض ہے۔ جب تک پیروں کے تعویز کھیتوں میں دبائے جاتے رہے تھے اس وقت تک دس من فی ایکڑ سے پیداوار آگے نہ بڑھ سکی تھی۔ مگر اب جب کافروں کا ایجاد کردہ کیمیاوی کھاد استعمال ہوا ہے تو گندم کی پیداوار نوے من فی ایکڑ تک پہنچ چکی ہے۔ المختصر! اللہ تعالیٰ نے ملائی اور پیری کے ذریعہ حاصل کئے گئے مال کو حرام اور موجبِ عذابِ الیم قرار دیا ہے۔

سبیل اللہ ○ آیتِ مجیدہ کے متن کے سامنے پچھلے صفحہ پر سبیل اللہ کا معنیٰ لکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ضابطہ حیات' قرآن مجید' قرآن مجید ہی اللہ کی بتائی ہوئی وہ سبیل (اللہ کا بتایا ہوا وہ راستہ) ہے جس پر چل کر نوعِ انسانی کامیابی اور کامرانی کی منزلیں طے کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ضابطہ حیات میں بیماری کے لیے علاج کا راستہ بتایا گیا ہے۔ مگر ملّا اور پیر حضرات اتوار کو دم کر کے پھر کہتے ہیں کہ اگلے اتوار پھر دم کروانا اور اس طرح چھ سات اتواریں دم کروانے میں ضائع کرنے کے بعد جب بیمار کو فائدہ نہیں ہوتا تو کہہ دیتے ہیں کہ اسے بڑے سخت تعویز پڑے ہوئے ہیں۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے' علاج کی طرف نہیں آنے دیتے یعنی اللہ کے راستے سبیل اللہ سے روکتے ہیں۔

○ کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو ملّا اور پیر حضرات یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطہ حیات (اللہ کی سبیل) میں قتل کی سزا جان کا بدلہ جان ہے اور اگر قتل بلا ارادہ ہوا ہے تو اس کی سزا خون بہا ادا کرنا ہے۔ بلکہ پیر صاحب' قاتل مرید کو اللہ کی اس سبیل سے روکتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہم تعویز دیں گے اور تو بری ہو جائے گا۔ العیاذ باللہ!

سونا چاندی جمع کرکے اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا ○ اس آیتِ مجیدہ میں سونا چاندی جمع کرنے کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔ نہ خزانہ کرکے اس پر سانپ بن کر بیٹھ جائیں اور نہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی بجائے اپنے لیے جائیدادیں کھڑی کرنا شروع کر دیں جو لوگ سونے چاندی کو خزانہ کرکے بیٹھ جائیں یا اپنے لیے جائز ضروریات سے زائد کرایہ کھانے کے لیے مارکیٹیں' دکانیں' کوٹھیاں اور گودام تعمیر کریں انہیں بھی عذاب الیم کی بشارت دی گئی ہے۔

○ اب رہا یہ سوال کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی عملی صورت کیا ہے؟ قرآن مجید میں بھوکوں کو کھانا کھلانا' ننگوں کو لباس پہنانا' قرض داروں کے قرض ادا کرنا اور ظالم حکومت کے چنگل میں گرفتار بے بس مرد عورتوں اور بچوں کو آزاد کرانے میں مال خرچ کرنے اور ملکی دفاع کو مضبوط کرنے کے لیے اسلحہ سازی اور ذرائع رسل و رسائل وغیرہ یعنی ان تمام مدّوں میں مال خرچ کرنے کو انفاق فی سبیل اللہ کہا گیا ہے۔ دیکھئے پہلے نمبر پر:۔

۱۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

○ سورہ یاسین میں ارشاد ہوا ہے:۔

○ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ**

اَطْعَمَہٗٓ ۳۶/۴۷ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو جن لوگوں نے ضابطہ الٰہی کا انکار کیا ہے' وہ کہتے ہیں' کیا ہم ان (بھوکوں) کو کھانا کھلائیں' جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلاتا کھلاتا۔ سورہ یاسین کی اس آیت مجیدہ میں دو چیزوں کی وضاحت کی گئی ہے:۔

(الف) پہلی یہ کہ بھوکوں کو کھانا کھلانے یا ان کے لیے کھانے کا انتظام کرنے میں مال خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

(ب) دوسری یہ کہ عوامی عقیدہ مطلقاً" غیر قرآنی ہے کہ بھوکوں کو خود اللہ تعالیٰ نے بھوکا رکھا ہوا ہے۔ افسوس ہے اس عقیدہ کے مبلغین حضرات پر کہ اگر اللہ نے خود بھوکا رکھا ہوا ہو تو تمہیں کیوں کہے کہ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ بلاغ القرآن کے صفحات میں بارہا وضاحت کر دی گئی ہے کہ عوام کو بھوکا ننگا بنانا فرعون کی سنت ہے:۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَۃً مِّنْھُمْ ۴/۲۸ بیشک فرعون نے زمین میں سرکشی کی تھی۔ اس نے اپنی رعایا کے طبقے بنا دیئے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو کمزور کر دیا تھا (انہیں بھوکا ننگا کر رکھا تھا۔ وہ ان سے بیگاریں لیا کرتا تھا۔ ان کی محنت کی متوازن اجرت نہیں دیتا تھا)۔

۲۔ بے بس کمزور مرد عورتوں اور بچوں کو ظالم حکومت کے چنگل سے آزاد کرانا قتال فی سبیل اللہ ہے۔

○ سورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے:۔

○ وَمَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا ۴/۷۵۔ اور (ایمان والو !) تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں (فی سبیل اللہ) قتال نہیں کرو گے۔ جبکہ کمزور کیئے گئے مردوں' عورتوں اور بچوں میں سے وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس ظالموں کی بستی سے نکال لے۔

○ سورہ نساء کی اس آیت مجیدہ میں بھی دو چیزوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

(الف) پہلی یہ کہ ظالموں کے چنگل میں گرفتار بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کو ظالموں کے پنجے سے آزاد کرانے کے لیے قتال کرنا۔ قتال فی سبیل اللہ ہے اور اس قتال فی سبیل اللہ کی تیاری کے لیے مال خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔

(ب) دوسری یہ کہ مظلوم جب اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں تو ان کی مدد کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کے پروگراموں کی تکمیل اسلامی حکومت کے ذمہ ہے۔ اسی طرح جو رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ **نحن نرزقکم** یہ ذمہ داری اسلامی حکومت کے سربراہ کے سر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرمؐ ایک متوازن معاشرے کے قیام کے ضامن ہوئے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ معاشرہ کے ان افراد کے ہاں اپنی پیٹھ پر اٹھا کر سامان خوراک پہنچاتے تھے' جو سامان رزق سے محروم پائے جاتے نبی اکرمؐ کی اسی عوامی رزق کی ذمہ داری کی خبر آیت ذیل میں دی گئی ہے:۔

○ **وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى** ۸/۹۳۔ اور (اے رسول سلام علیہ) ہم نے آپ کو عوام کے رزق کی ذمہ داری کے بوجھ تلے دبا ہوا پایا' پھر ہم نے آپ کو غنی کر دیا۔ بے محتاج کر دیا۔

۳۔ اسلحہ کی تیاری میں مال خرچ کرنا' انفاق فی سبیل اللہ ہے ○ سورہ انفال کی آیت مجیدہ ۸/۶۰ کا ایک حصہ پیچھے گزر چکا ہے۔ ذیل میں پوری آیت ملاحظہ فرمائیں' ارشاد باری ہے:۔

○ **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ** ○ ۶۰/۸۔ اور (ایمان والو!) ان (دشمنوں) کے مقابلے کے لیے تم میں جتنی استطاعت ہے (پوری استطاعت بھر عسکری) قوت تیار کرتے رہو۔ خصوصاً" گھوڑوں کی قطاریں (یعنی تیز رفتار ذرائع رسل و رسائل اس بہتات کے ساتھ تیار کرتے رہو) کہ تم اس بے پناہ فوجی قوت کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔ ان کے سوا تمہارے اور بھی دشمن ہیں' جنہیں تم نہیں جانتے' انہیں اللہ جانتا ہے۔ اور (اس بے پناہ فوجی قوت کی تیاری میں) تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔ تمہیں واپس کر دیا جائے گا۔ یعنی تم ظلم نہیں کیے جاؤ گے۔

○ اس آیت ۸/۶۰ میں بھی ذیل کی دو مخصوص چیزوں کا اعلان کیا گیا ہے:۔

(الف) پہلی یہ کہ اسلحہ کی تیاری پر جو مال خرچ کیا جائے وہ انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

(ب) دوسری یہ کہ اسلامی حکومت اسلحہ کی تیاری کے لیے واپسی کی شرط پر عوام سے قرضہ جات بھی لے سکتی ہے۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ یہ ضمنی نوٹ آیت مجیدہ ۹/۳۴ کا آخری نوٹ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنے والوں اور سونے چاندی پر سانپ بن کر بیٹھ جانے والوں کو درد ناک عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ انفرادی طور پر مال جمع کرنے والوں کے لیے دنیا میں تو خود وہ مال ہی ایک عذاب الیم بن جاتا ہے۔ چھپا چھپا کر رکھنے کا اور اس کی حفاظت کا عذاب۔ چوری ہو جانے کا خطرہ اور کہیں لازما" خرچ کرنا پڑے تو اس کے گھٹ جانے کا غم۔ یہ تو ہوا دنیا کا عذاب۔ اس کے علاوہ ایسے لوگوں کے لیے آخرت کے عذاب کی خبر اگلی آیت میں بیان ہوئی ہے:۔

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝۳۵

(قیامت کے) دن (خزانہ کیا ہوا سونا چاندی) جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس کے ساتھ ان (خزانہ کرنے والوں) کے ماتھوں پر اور ان کی کروٹوں پر اور ان کی پیٹھوں پر داغ دیئے جائیں گے (اور کہا جائیگا کہ) یہ ہے وہ (سونا چاندی) جسے تم (اجتماعی نظام سے چھپا کر صرف اپنے لیے) خزانہ کیے ہوئے تھے۔

○ اس آیت مجیدہ میں جو خزانہ کیے ہوئے سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپا کر' ذاتی منفعت کے لیے خزانہ کرنے والوں کے موتھوں' کروٹوں اور پیٹھوں پر داغ دینے کے متعلق اعلان کیا گیا ہے یہ اخروی عذاب ہے' جو دوسری زندگی میں دیا جائے گا۔ جب جہنمیوں کو ان گرم کرہ جات میں پھینک دیا جائے گا' جن کی پیداوار تھوہر ہے اور جہاں گرم کے سوا ٹھنڈا پانی

میسر نہیں آتا ۶۲ تا ۶۷/۳۷ ، ۴۳ تا ۴۶/۴۴ ، ۵۲ تا ۵۴/۵۶= اس جھلس دینے والی گرم لوؤں، گرم پانیوں اور تھوہر کی غذاؤں کا عذاب دیئے گئے مجرموں میں ذاتی منفعت کے لیے سونا چاندی جمع کرنے والوں کو سونا چاندی تپا کر داغ دینے کی خبر بھی دی گئی ہے۔

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط اسی سورت مجیدہ توبہ کی ابتدائی آیات نمبر۲ اور ۵ کے ساتھ ہے۔ آیت نمبر۲ میں چار ماہ کی مہلت دیتے ہوئے مشرکوں کو کہا گیا ہے **فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ** ۹/۲۔ چار ماہ کے لیے زمین میں چل پھر لو۔ اور آیت نمبر۵ میں مومنوں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کہا گیا ہے۔ **فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ**۔ پھر جب حرمت کے چار مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کے ساتھ جنگ کرکے انہیں قتل کرو۔

بین الاقوامی اصول ○ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بیت الحرام کی سالانہ عالمی حج کانفرنس میں ہر چہار اطراف سے شمولیت کرنے والوں کی سہولت کے لیے بین الاقوامی طور پر سال میں چار ماہ کے لیے جنگیں بند کرنے کا قانون نافذ کیا گیا ہے تاکہ حج کے سالانہ امن اجتماع میں شامل ہونے والوں کے لیے سب راستے صد فیصد محفوظ ہو جائیں چنانچہ اگلی آیت میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے حرمت والے مہینوں کی گنتی چار ہے، جن میں جنگ کرنا حرام قرار دے دیا گیا ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں (یعنی اس کی طرف سے متعینہ) اللہ تعالیٰ کی کتاب کائنات میں مہینوں کی گنتی بارہ ہے، اسی دن سے جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ ان (بارہ) میں سے حرمت والے مہینے (یعنی جن میں جنگ کرنا حرام ہے) چار ہیں۔ (امنِ عالم کو برقرار رکھنے کے لیے) یہی قانون انتہائی پکا ہے۔ پس تم ان (چار مہینوں) میں جنگ کرکے اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔ اور (باقی مہینوں میں) تم مشرکوں کے ساتھ اسی طرح اکٹھے ہوکر (پوری قوت) کے ساتھ جنگ کرنا، جس طرح وہ اکٹھے ہوکر (پوری قوت کے ساتھ) تمہارے ساتھ لڑتے ہیں۔ اور جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو (ہمہ وقتی اور جز وقتی) قوانین الٰہی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

○ یہاں "کِتٰبِ اللہ" سے مراد اللہ کی کتاب کائنات ہے، کیونکہ بارہ مہینوں کی گنتی کی سالانہ گردش کتاب کائنات میں موجود ہے جس پر آیت مجیدہ کے یہ الفاظ بطور شاہد عادل درج ہیں **يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ** کہ جس دن سے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا۔

○ یہ بارہ ماہ کا نظام اللہ تعالیٰ کی کتاب کائنات میں موجود ہے، اس کی قولی کتاب قرآن مجید میں اس کی خبر دی گئی ہے کہ کتاب کائنات میں بارہ مہینوں کا نظام قائم کیا گیا ہے۔ جو لوگ اس آیت مجیدہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے دعوے کے مطابق اللہ کی کتاب قرآن مجید میں سے بارہ مہینوں کے نام اور پھر چار حرمت والے مہینوں کے نام نکال کر دکھاؤ۔ ان کا

اعتراض غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اور عربوں کے ہاں بارہ مہینوں کے نام' محرم' صفر' ربیع الاول' ربیع الثانی' جمادی الاول' جمادی الثانی' رجب' شعبان' رمضان' شوال' ذیقعد اور ذی الحج ہیں۔ ان میں سے قرآن مجید نے رمضان اور حج کے مہینوں کو حرمت والے مہینے قرار دیا ہے۔ لہٰذا حرمت والے مہینے رمضان' شوال' ذیقعد اور ذی الحج ہیں' جیسے کہ آگے واضح کیا جا رہا ہے۔

○ **مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ** کا سیدھا سادہ معنی یہ ہے کہ سال کے بارہ مہینوں میں چار مہینے حرمت والے ہیں یعنی سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینوں میں جنگ کرنا حرام ہے' جس کی خبر سورہ بقرہ میں بالفاظ درج ہے:۔

○ **يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ** ۲/۲۱۷ اے رسولؐ ! لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے کے متعلق سوال کریں گے۔ آپ کہہ دینا کہ اس میں جنگ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

پس اس آیت مجیدہ کے مطابق حرمت والے مہینوں سے مراد وہ مہینے ہیں' جن میں جنگ کرنا منع ہے۔

حرمت کے چاروں مہینے مسلسل و متواتر ہیں' کٹویں نہیں ہیں ○ آیت زیر نظر پر اعتراض کرنے والوں کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید نے جب سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے بتائے ہیں تو قرآن مجید میں سے ان کے نام بتائے جائیں۔ اس اعتراض کے ذریعہ معترض صاحبان منوانا یہ چاہتے ہیں کہ حرمت والے چار مہینوں کے نام قرآن مجید میں نہیں ہیں' روایات میں ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کتب روایات کا محتاج ہے یہ تو ہم ابھی ثابت کریں گے کہ قرآن مجید میں حرمت والے مہینوں کے نام موجود ہیں اور کس انداز سے موجود ہیں۔ پہلے قارئین کرام پر واضح کیا جاتا ہے کہ کتب روایات نے حرمت والے مہینوں کے جو ذیل کے نام بتائے ہیں' وہ چونکہ قرآنی کسوٹی پر پورے ہی نہیں اترتے اس لیے وہ مطلقاً غلط ہیں:۔

○ ذیقعد' ذی الحج' محرم اور رجب۔ اب دیکھئے کہ یہ چاروں مہینے بالترتیب نہیں ہیں۔ کیونکہ محرم اور رجب کے درمیان پورے پانچ ماہ کا فاصلہ ہے۔ لیکن ادھر قرآن مجید کی رو سے حرمت والے چاروں مہینے پے در پے اور مسلسل ہیں۔ جیسے آپ ۹/۲ میں دیکھ چکے ہیں کہ مشرکوں کو ارشاد ہوا ہے:۔ **فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ**۔ پس تم چار ماہ زمین میں چل پھر لو۔ دیکھئے ! "چار ماہ چل پھر لو" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ چاروں مہینے مسلسل و متواتر ہیں ان میں سے کسی دو میں بھی بُعد ہرگز نہیں۔ اسی چیز کی تائید ۹/۵ کے الفاظ ذیل میں موجود ہے:۔

○ **فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ** ۹/۵۔ پھر (ایمان والو !) جب حرمت کے (چار) مہینے گزر جائیں تو مشرکوں سے جنگ کرو۔ اب دیکھئے ! "جب حرمت کے (چار) مہینے گزر جائیں"۔ کے الفاظ سے سورج کی طرح عیاں ہے کہ قرآن مجید کے بتائے ہوئے حرمت کے چاروں مہینے باہم مسلسل و متواتر ہیں۔ ان میں سے کسی بھی دو میں بُعد موجود نہیں تو اب اس قرآنی کسوٹی پر روایات کے بتائے ہوئے حرمت کے مہینوں کو کس کر دیکھ لیجئے کہ ذیقعد' ذی الحج اور محرم کے بعد چوتھا مہینہ حرمت والا بتایا گیا ہے رجب' مگر قرآنی حکم کے مطابق اس کے گزرنے کی انتظار میں مزید پانچ مہینے گزارنے پڑتے ہیں۔ صفر' ربیع الاول' ربیع الثانی' جمادی الاول اور جمادی الثانی۔

○ پس چونکہ روایات کے بتائے ہوئے حرمت کے مہینے مندرجہ بالا قرآنی کسوٹی پر پورے ہی نہیں اترتے۔ اس لیے

مطابقاً" غلط اور افترئی محض ہیں۔ کیونکہ قرآنی شرط کے مطابق وہ چاروں مسلسل و متواتر ہیں۔ مگر روایات کے بتائے ہوئے مہینے کٹویں ہیں، محرم اور رجب میں پانچ ماہ کا درمیانی بُعد ہے۔

حرمت والے چار مہینوں کے نام ○ اب آیئے قرآن مجید کی طرف۔ سورہ بقرہ ۲/۱۸۵ میں ماہ رمضان کے روزوں کا حکم دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ** ۔ (روزوں کے لیے پورا) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا تھا۔ اس آیت مجیدہ **شَهْرُ رَمَضَانَ** آیا ہے اور اس کے بعد ۲/۱۹۴ میں حرمت کے مہینوں سے متعلقہ حکم دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:۔ **اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ** ط ۲/۱۹۴ مذکورہ بالا حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہی ہے (یعنی اگر دشمن تم پر حرمت کے مہینے میں حملہ کر دے تو حرمت والے مہینے ہی میں انہیں دندان شکن جواب دینا ہوگا اور باقی حرمت والے مہینوں کا بدلہ حرمت والے مہینے ہی ہیں۔ (یعنی جس بھی حرمت والے مہینے میں تم پر دشمن حملہ کرے تم اسی میں اس کے دانت توڑ دیا کرو)۔

حرمت کا پہلا مہینہ رمضان شریف ہے ○ اب عربی دان حضرات غور فرمائیں کہ آیت مجیدہ مندرجہ بالا ۲/۱۹۴ میں آیا ہے **اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ** اس میں **اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ** میں الف لام عہدی ذکری ہے اور ماقبل مذکور ۲/۱۸۵ میں ہے **شَهْرُ رَمَضَانَ** جس سے اظہر من الشمس ہے کہ رمضان کا مہینہ حرمت والا مہینہ ہے۔ لیکن ۲/۱۹۴ میں حکم دیا گیا ہے کہ اس حرمت والے مہینے کا بدلہ یہی حرمت والا مہینہ ہے۔ یعنی اگر تم پر دشمن رمضان شریف میں حملہ کر دے تو تم اسی حرمت والے مہینے میں ہی اسے ناک چنے چبوا دینا۔ چنانچہ جنگ بدر کے متعلق جو تاریخوں میں آیا ہے کہ دشمن نے رمضان کے مہینے میں حملہ کر دیا تھا تو نبی اکرمؐ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے رمضان ہی میں دشمن کا مقابلہ کرکے ان پر ایک عظیم تاریخی فتح حاصل کی تھی اور دشمن کو ایک تاریخی ذلت آمیز شکست رمضان ہی میں دی گئی تھی۔

باقی تین مہینے مسلسل و متواتر ہیں ○ اب جب کہ پہلا حرمت والا مہینہ قرآن مجید کی رو سے ثابت ہو چکا رمضان شریف۔ تو آیات مجیدہ ۹/۲، ۹/۵ کے مطابق کہ حرمت والے مہینے چار ہیں اور چاروں مسلسل و متواتر ہیں، کٹویں نہیں تو ثابت ہوا کہ باقی تین مہینے رمضان شریف کے ساتھ ملحقہ مسلسل و متواتر ہیں اور وہ ہیں رمضان کے بعد شوال، ذیقعد اور ذی الحج۔ پس قرآن مجید کی رو سے حرمت کے چار مہینے جو قرآنی شرط کے مطابق باہم مسلسل و متواتر ہیں، وہ ہیں رمضان، شوال، ذیقعد اور ذی الحج، ان چاروں میں لڑائی کرنا حرام ہے اور جنگ بندی کی غرض حج کے سالانہ امن اجتماع میں دور دراز سے شرکت کرنے والوں کے لیے سفر کے راستوں کو محفوظ کرنا ہے تاکہ اس عالمی سالانہ امن کانفرنس میں شامل ہوکر اقوام عالم باہمی تنازعات کو جنگ کے ذریعہ نہیں، بلکہ عالمی امن کانفرنس کے ذریعہ طے کر لیا کریں۔

○ **ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ** میں **الدِّيْنُ** کا معنی قانون ہے۔ اور اس سے مراد ہے سال میں چار ماہ کیلئے جنگ کو بین الاقوامی طور پر بند کر دینے کا عالمی قانون۔ دین بمعنی قانون سورہ یوسف میں بالفاظ ذیل مذکور ہے۔ جہاں یوسفؑ کے متعلق کہا گیا ہے۔ **مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ** ۷۶/۱۲۔ کہ وہ بادشاہ کے دین (قانون) کے مطابق اپنے بھائی کو رکھ نہیں سکتا تھا۔ سال میں چار ماہ کے لیے جنگ بندی کا عالمی قانون، امن عالم میں انتہائی ممد معاون ہے۔ دو متحارب اقوام میں

جب چار ماہ کے لیے جنگ بند کرادی جائے تو لازمی امر ہے کہ جنگ کی گرماگرمی میں چار ماہ کا وقفہ واقع ہو جانے کی بدولت متنازعہ مسائل پر فریقین کو ٹھنڈے دماغ کے ساتھ غور کرنے کا موقعہ میسر آتا ہے۔ ضد اور تعصب ہم " کی واقع ہوتی ہے اور قرآنی اصولوں کے مطابق جنگ کے بغیر مسائل حل کرنے کے مواقع مہیا ہوتے ہیں۔

○ **وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ** ○ میں متقین سے مراد وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جز وقتی اور کل وقتی قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔ یہاں جز وقتی قانون اللہ تعالیٰ کے حکم **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ مشرکوں سے جنگ پوری قوت کے ساتھ سیسہ پلائی دیوار کی صورت میں کی جائے۔ اور جنگ سے متعلقہ ہمہ وقتی قانون **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ** ۸/۶۰ کے ربانی الفاظ میں موجود ہے کہ خواہ زمانہ جنگ ہو یا امن دشمن کے مقابلے کیلئے اپنی پوری استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو۔ **اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ** بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو دشمن کے مقابلے کے لیے ہر آن زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہتے ہیں اور جو دشمن کا مقابلہ پوری قوت کے ساتھ سیسہ پلائی دیوار کی صورت میں کرتے ہیں۔

حرمت کے مہینوں میں کمی بیشی کرنا کفر ہے ○ سابقہ آیات کریمات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ :۔

۱۔ حرمت کے مہینوں میں جنگ کرنا حرام ہے۔ ۲/۲۱۷

۲۔ حرمت کے مہینوں کی تعداد چار ہے۔ ۹/۲، ۹/۳۶

۳۔ حرمت کے مہینے مسلسل و متواتر ہیں۔ کنویں نہیں ہیں ۹/۵۔ چنانچہ۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں حرمت کے مسلسل و متواتر مہینوں کو غیر متواتر کر دینے یا انہیں بھلا دینے کو کفر قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾

سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ (حرمت کے مہینوں کو) بھلا دینا کفر میں زیادتی ہے۔ اس کے ذریعہ کافر گمراہ کئے جاتے ہیں جو ایک سال کسی مہینے کو حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے سال اسے حرام کر لیتے ہیں۔ تاکہ وہ (حرمت والے مہینوں کی) وہ گنتی پوری رکھیں جو اللہ نے حرام کی ہے۔ تاکہ وہ حلال کریں اسے، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ ان کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انکار کرنے والی قوم کی رہنمائی نہیں کرتا۔

○ سال میں چار ماہ کی لازمی جنگ بندی کے اہم حکم کی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں پھر قتال فی سبیل اللہ کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾

اے ایمان والو! کیا ہے تمہیں! کہ جب تمہارے لیے کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں (یعنی قتال فی سبیل اللہ کے لیے) نکلو تو تم بوجھل ہو جاؤ زمین کی طرف۔ کیا تم آخرت کے مقابلے پر دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو۔ (تم ہرگز ایسا نہیں کرو گے) پس آخرت کے مقابلے پر دنیا کا مال (خواہ کتنا ہی زیادہ ہو) بہت تھوڑا ہے۔

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں تفریض محال کے طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو کچھ کہا گیا ہے وہ قیامت تک کے لیے ایک مستقل قانون کی حیثیت رکھتا ہے:۔

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اگر تم (قتال فی سبیل اللہ کے لیے دشمن کے مقابلے پر) نہ نکلو تو (اللہ) تمہیں درد ناک عذاب دے گا۔ اور تمہیں تمہارے سوا دوسری قوم کے ساتھ بدل دے گا اور تم اسے ذرہ بھر تکلیف نہ پہنچا سکو گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (قتال سے جی چرانے والی قوموں کو تبدیل کرنے سمیت) ہر چیز کے قوانین مقرر کرنے والا ہے۔

○ اس آیت مجیدہ کے اولین مخاطب صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں' جنہیں ان کی صد فیصد فرمانبرداری کی بدولت باری تعالیٰ کی طرف سے **رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ** کا سرٹیفکیٹ ان کی زندگیوں ہی میں عطا کر دیا گیا تھا۔ اس پاکیزہ جماعت کو مخاطب کرکے ایک عالمگیر قانون کی خبر دی گئی ہے کہ جو قوم جنگ سے جی چرائے گی اسے شکست کا درد ناک عذاب دیا جائے گا۔ وہ محکوم ہو جائے گی اور اس کی جگہ پر ایسی طاقتور قوم کھڑی کر دی جائے گی' جسے وہ کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ اس سوال کا جواب بالکل سیدھا سادہ اور صاف ہے کہ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم قتال فی سبیل اللہ سے جی چراتے تھے؟ اگر وہ جدال و قتال کے تارک ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قانون کے مطابق کسی ایسی قوم کے ساتھ بدل دیئے جاتے جو ان پر مسلط ہو جاتی۔ یہ اس کے محکوم ہو جاتے اور یہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتے۔ مگر چونکہ ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے ثابت و یقین ہے کہ صحابہؓ کی پاکیزہ جماعت قتال فی سبیل اللہ پر صدقی صد عامل تھی اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غالب رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ان کی زندگیوں ہی میں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے ربانی اعزاز کے ساتھ نواز دیا گیا تھا۔

○ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** کا یہ معنی صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیونکہ قدیر بھی عربی لفظ ہے۔ اور قادر بھی عربی لفظ ہے۔ عربی کا عربی ترجمہ کرنا ترجمہ نہیں کہلا سکتا پھر لفظ قدیر صفت مشبّہ ہے اور قادر اسم فاعل ہے۔ صفت مشبّہ کا ترجمہ اسم فاعل میں کرنا بھی علمی لحاظ سے درست نہیں۔ لفظ قدیر صفت مشبّہ ہے۔ مادہ۔ ق ۔ د۔ ر یعنی قدر ہے' جس کا بنیادی معنی ہے اندازہ' پیمانہ اور قانون۔ اس مادہ سے اسم فاعل قادر کا معنی ہے اندازے' پیمانے اور قوانین متعین کرنے والا۔ اور اس مادہ سے صفت مشبّہ قدیر کا معنی ہے ٹھیک ٹھیک اور صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قوانین مقرر کرنے والا۔ پس پورے جملہ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** کا معنی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ٹھیک ٹھیک اور صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قوانین مقرر کرنے والا ہے۔ اب چونکہ ماقبل ذکر ہے جنگ جہاد سے جی چرانے والی قوموں کے لیے درد ناک عذاب کا اور انہیں محکوم کرکے ان کی جگہ دوسری قوم کے تبدیل کرنے کا۔پس بدرجہ اتم ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قوموں کی شکست اور انہیں اقتدار کے لحاظ سے دوسری قوموں کے ساتھ بدل دینے کا ٹھیک ٹھیک اور صحیح صحیح قانون متعین کر رکھا ہے' جس کے مطابق قیامت تک کے لیے جنگ جہاد سے جی چرانے والی قوموں کو شکست کا درد ناک عذاب بھی ملتا رہے گا اور اقتدار کے لحاظ سے انہیں ایسی طاقتور قوموں کے ساتھ تبدیل بھی کیا جاتا رہے گا' جن کا وہ کچھ بگاڑ نہ سکیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون چار دانگ عالم میں جاری و ساری ہے۔

ہجرت نبویہؐ ○ اگلی آیت مجیدہ میں ایک مخصوص انداز کے ساتھ نبی اکرمؐ کی ہجرت مبارکہ کا ذکر جمیل لایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صرف ایک عظیم المرتبہ صحابی کے ساتھ ہجرت فرمائی ذیل میں نبی اکرمؐ کی مخصوص مدد کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝٤٠

اگر (بالفرض محال) تم اس کی (ہمارے رسولؐ کی) مدد نہ کرو (تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا) پس تحقیق اللہ نے اس کی اس وقت مدد فرمائی تھی جب اسے ضابطہ الٰہی کے منکروں نے (مکہ سے) نکال دیا تھا۔ وہ دو میں کا دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں دشمنوں کے انبوہ میں تھے۔ جب اس نے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ غم نہ کر۔ بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے اس پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکروں کے ساتھ اس کی مدد فرمائی جنہیں تم نے دیکھا ہوا نہیں تھا اور کافروں کی تجویز کو ناکام کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی تجویز ہی بلند ہونے والی ہے۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (اس کا ہر حکم حکمت ہی کے ساتھ غلبہ پاتا ہے)۔

○ **إِلَّا تَنصُرُوهُ** کے مخاطب صحابہ ہیں' جو تفریضِ محال کے لیے لایا گیا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرمؐ کی پوری طرح تن من دھن کے ساتھ مدد فرمائی تھی۔ سورہ انفال میں پیچھے گزر چکا ہے۔ **فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ** ○ ۸/۶۲۔ پس بلا شبہ (اے رسول سلام علیہ) آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ وہی عظیم الشان ذات جس نے آپ کو قوت بخشی اپنی مدد اور مومنوں (جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم) کے ساتھ پس **إِلَّا تَنصُرُوهُ** سے یہ مفہوم اخذ کرنا مطلقاً" غلط ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرمؐ کی مدد نہیں کی تھی۔ **إِلَّا تَنصُرُوهُ** تفریضِ محال کے لیے آیا ہے۔

○ **إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا** کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس آیت مجیدہ میں جو واقعہ بیان ہوا ہے وہ اس وقت کا ہے جب نبی اکرم سلام علیہ کو کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا۔ یعنی یہ ہجرت مبارکہ نبویہ کا واقعہ ہے۔

○ **ثَانِيَ اثْنَيْنِ** کے الفاظ سے اظہر من الشمس ہے کہ نبی اکرمؐ نے جب ہجرت فرمائی تو اس وقت آپ صرف دو افراد تھے یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صرف ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھا۔ تاریخ نے اس عظیم صحابی کا اسم گرامی ابوبکر رضی اللہ عنہ بتایا ہے اب چونکہ قرآن مجید سے اس نام کی نفی ثابت نہیں۔ اس لیے ٹھیک ہے کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہیں نبی اکرمؐ کی معیت میں ہجرت کرنے کا شرف عظیم نصیب ہوا۔

○ **إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ** کے الفاظ میں جو لفظ غار آیا ہے اس کا معنی پہاڑ کی "غار" بھی ہے اور "انبوہ مرداں" بھی ہے۔

دیکھئے ! لغت منتہی الارب مادہ غور۔ روایتی تفاسیر نے یہاں غار بمعنی پہاڑ کی کھوہ لیا ہے۔ اور اس پر یہ قصہ چسپاں کر دیا ہے کہ نبی اکرم نے ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی اور جبل ثور کی ایک غار میں دونوں چھپ گئے۔ غار کے

منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتری نے اس میں گھونسلا بنایا اور فوراً انڈا دے دیا۔ کفار مکہ نے آپ کا تعاقب کیا اور عین اس غار پر پہنچ گئے جس کے اندر نبی اکرمؐ اپنے ساتھی سمیت چھپے ہوئے تھے۔ مگر جب انہوں نے غار کے منہ پر جالا تنا ہوا اور اس میں کبوتری کا گھونسلا اور گھونسلے میں انڈا پڑا ہوا دیکھا تو یہ سمجھ کر غار سے چلے گئے کہ اگر آپ سلام علیہ اس غار میں داخل ہوتے تو جالا ٹوٹ جاتا اور اس طرح نہ گھونسلا باقی رہ سکتا تھا نہ انڈا۔

○ روایات کا بیان کردہ یہ قصہ آیت مجیدہ کے اگلے الفاظ کے ساتھ فٹ نہیں آتا۔ جہاں ارشاد ہوا ہے **فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا**۔ پس اللہ تعالٰی نے اس (اپنے رسول سلام علیہ) پر اپنی تسلی نازل فرمائی یعنی ایسے لشکروں کے ساتھ اس کی مدد فرمائی جنہیں تم نے دیکھا ہوا نہیں تھا۔ آیت مجیدہ کے ان الفاظ سے عیاں ہے کہ نبی اکرمؐ اپنے ساتھی سمیت تعاقب کرنے والے گروہ میں گھر گئے تھے۔ مگر اللہ تعالٰی نے اپنی تسکین اس طرح نازل فرمائی کہ بروقت وہ لشکر پہنچ گئے جن کے ذریعہ آپ کی مدد فرمائی گئی۔ جنہوں نے تعاقب کرنے والے گروہ کا مقابلہ کیا اور وہ نبی اکرمؐ کو گرفتار نہ کر سکے اور ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے پس **اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ** کے الفاظ میں غار سے مراد پہاڑ کی کھوہ نہیں بلکہ انبوہ مردماں ہے۔ کیونکہ غار میں نہ لشکر آئے' نہ آسکتے تھے اور نہ انہوں نے غار میں نبی اکرمؐ کی مدد کی تھی۔

○ **اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا** سے مراد نبی اکرمؐ کے وہ مسلح مدنی صحابیؓ ہیں جو نبی اکرمؐ کو آگے سے لینے کے لیے لشکر کی صورت میں مدینہ منورہ سے آرہے تھے اور جنہوں نے بروقت پہنچ کر نبی اکرمؐ کا تعاقب کرنے والے کفار کے گروہ کا مقابلہ کیا اور نبی اکرمؐ کو بخیریت تمام مدینہ منورہ لے گئے۔

○ **كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا**۔ اور **كَلِمَةُ اللّٰهِ** کے الفاظ میں لفظ کلمہ کا معنی و مفہوم ہے' تجویز ان کی جنہوں نے ضابطہ الٰہی کا انکار کیا' اور تجویز اللہ تعالٰی کی۔ اللہ تعالٰی نے کافروں کی تجویز کو ناکام بنا دیا ور اپنی تجویز کو غالب کرکے بلند و بالا کر دیا۔ نبی اکرمؐ کے متعلق کافروں کی تجویز کا ذکر سورہ انفال میں درج ذیل الفاظ میں ہے۔

○ **وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ** ○ ۸/۳۰ (اے رسولؐ !) وہ وقت قابل ذکر ہے جب ضابطہ قرآنی کا انکار کرنے والوں نے آپ کے متعلق یہ تجویز کی کہ یا تو وہ آپ کو عمر قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں اور یا آپ کو (مکہ معظمہ سے) نکال دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی تجویز کرتے تھے اور اللہ بھی تجویز کرتا تھا اور اللہ سب تجویز کرنے والوں سے بہتر تجویز کرنے والا ہے۔ اس آیت مجیدہ کی تصریف آیات کے مطابق آیت مجیدہ زیر بحث ۹/۴۰ میں **كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا** اور **كَلِمَةُ اللّٰهِ** میں کلمہ بمعنی تجویز ہے۔ کافروں کی تجویز ناکام ہوئی نبی اکرمؐ اپنے ایک ساتھی سمیت ہجرت کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اللہ تعالٰی کی تجویز بلند و بالا ہوئی۔ لیکن کفارِ مکہ نے نبی اکرمؐ کی ہجرت پر آپ کا تعاقب کیا۔ مگر اللہ تعالٰی نے بروقت مدد فرما کر ان کی اس تجویز کو بھی سفلی کر دیا' ناکام کر دیا۔

○ **وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ** کا جملہ قرآن مجید میں بتکرار کثیر آیا ہے۔ جس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ غلبہ اور حکمت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حکمت کے بغیر غلبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ آیت مجیدہ ۹/۴۰ میں جو ہجرت مبارکہ نبویہ کا ذکر ہے' جس کے اخیر پر **وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ** کا جملہ لایا گیا ہے' یہ پورا واقعہ حکمت سے معمور ہے۔ جب کفار مکہ نے نبی

اکرمؐ سلام علیہ کی مخالفت میں اتنی شدت اختیار کر لی کہ آپ کے لیے عرصہ حیات تنگ ہوگیا اور اس پر آپ کے لیے قتل اور عمر قید وغیرہ کے منصوبے تیار ہونے لگے تو اس وقت حکمت ہی کے تقاضے کے مطابق نبی اکرمؐ نے ہجرت فرمائی۔ جملہ انبیاء سلام علیہم کی مبارک زندگیاں واقعہ ہجرت سے معمور و مزین ہیں۔ حکمت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ جس خطہ ارضی کے لوگ حقائق سے آنکھیں موندھ کر اتنی شدید مخالفت پر اتر آئیں کہ نبی سلام علیہ کی بات سننا تو درکنار اس کے لیے عرصہ حیات تک تنگ کر دیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر کوئی ایسا خطہ تلاش کیا جائے جس کی فضا پیغام ربانی کے لیے سازگار ہو۔ اسی حکمت الہیہ پر جملہ انبیاء نے عمل کرکے غلبہ حاصل کیا۔

قتال فی سبیل اللہ کی تکراری تاکید ○ آیت بالا ۹/۴۰ میں نبی اکرمؐ کی ہجرت مبارکہ کے ضمنی تذکرہ کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں پھر قتال فی سبیل اللہ کا حکم تکرار تاکیدی کے طور پر بالفاظ ذیل دیا گیا ہے:۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱

(قتال فی سبیل اللہ میں خواہ مجاہدوں کی وقتی ضروری مدد کے لیے) ہلکے پھلکے نکلو۔ اور خواہ بوجھل ہوکر نکلو (یعنی میدان جنگ میں داد شجاعت دینے کے لیے مسلح ہوکر نکلو) مگر اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ کوشش کرو۔ یہ چیز تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

○ **"اِنْفِرُوْا خِفَافًا"** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ یہ لوگ غیر مسلح ہیں۔ جنہیں ابتدائی دور میں زرہ بکتر تلوار اور گھوڑا وغیرہ اس وقت کا اسلحہ میسر نہیں تھا۔ میدان جنگ میں ایسے مجاہدوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو مجاہدوں کی ضروری وقتی مدد کی خدمات بجا لاتے تھے۔ لڑنیوالے مجاہدوں کو پیاس لگے تو انہیں پانی پلانا۔ زخمی مجاہدوں کے گھوڑوں کو سنبھالنا۔ زخمیوں کو فرسٹ ایڈ مہیا کرنا۔ فوری مرہم پٹی کے فرائض ادا کرنا وغیرہ وغیرہ۔

○ **"ثِقَالًا"** کے لفظ سے ظاہر ہے کہ یہ بوجھل ہوکر نکلنے والے مسلح مجاہد ہیں' جو پورے اسلحہ کا بوجھ اپنے بدن پر اٹھا کر نکلتے تھے۔ اس دور کا اسلحہ ہوتا تھا' ایک یا دو تلواریں۔ پورے جسم پر لوہے کی زرہ سر پر لوہے کا خود' نیزہ' بھالا اور پیش قبض وغیرہ ان اوزاروں سے مسلح مجاہدوں کے لیے ثقالا" کا لفظ لایا گیا ہے۔

○ **وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** میں ابتدائی جلی لکھی ہوئی واوَ کا معنی متن کے سامنے لکھا گیا ہے مگر' یعنی ہلکے پھلکے نکلو یا بوجھل ہوکر مگر ہر حالت میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں کوشش کرنا لازمی ہے واوَ بمعنی مگر ۴/۱۰۸ میں موجود ہے' جہاں منافقوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

○ **يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ** ۴/۱۰۸۔ ان الفاظ میں جلی لکھی ہوئی واوَ اول کا معنی ہے مگر اور جلی لکھی ہوئی واوَ ثانی کا معنی ہے کیونکہ اور پورے الفاظ قرآنیہ کا مفہوم یہ ہے: وہ لوگ' لوگوں سے چھپتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔ کیونکہ جب وہ چھپ کر مشورے کرتے ہیں۔ اللہ اس وقت بھی ان کے پاس خود موجود ہوتا ہے۔

○ **ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ایمان والو! تمہارے لیے جنگ کے لیے ہلکے یا بوجھل نکلنا اور ہر حال میں اللہ کی راہ میں مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنا بہتر ہے اگر تم جانو۔ یعنی تمہیں

جاننا چاہیے کہ دشمن کے مقابلے کے لیے ہر آن اور ہمہ تن تیار رہنے اور اس کے حملے کے وقت سیسہ پلائی دیوار بن کر پوری قوم کی طرف سے اجتماعی دفاع کرنے ہی میں باعزت قومی زندگی کا راز مضمر ہے۔

غیر جنگجو قوموں کے لیے عزت کا کوئی مقام نہیں ○ آیت مجیدہ ۹/۳۹ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو کہہ دیا گیا ہے:۔ **اِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيمًا ۙ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا** ○ ۹/۳۹ اگر تم دشمن کے مقابلے کے لیے نہ نکلے تو اللہ تعالیٰ تم پر غلامی کا دردناک عذاب مسلط کر دے گا۔ اور اقتدار کے لحاظ سے تمہارے سوا ایک ایسی قوم بدل کرلے آئے گا۔ جس کو تم کوئی ضرر نہ پہنچا سکو گے۔

○ پس قرآن مجید کی رو سے دنیا میں باوقار اور مقتدر زندگی ان قوموں کو میسر آتی ہے جو میدان جنگ میں دشمن کو دندان شکن جواب دینے کے لیے ہر آن تیار ہوں۔ بصورت دیگر شکست و غلامی ان کا نصیب بن کر رہ جاتی ہے۔

منافقوں کی ایک اور پہچان ○ کسی بھی معاشرے میں منافقوں کا وجود انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دشمنوں کے لیے جاسوسی اور ان کی ایجنٹی کے فرائض ادا کرتے ہیں۔ ان کی ہمدردیاں دشمنوں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ اور وہ کسی بھی وقت پر ملک اور قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں شروع سورہ بقرہ ہی میں ۲/۸ سے منافقوں کا عنوان چلا آرہا ہے۔ قرآن کی بیشتر سورتوں میں ان سے خبردار رہنے کی تاکید کی گئی ہے اور ان کے نشانات بیان ہوتے چلے آئے ہیں کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ صلوٰۃ موقت کے اجتماعات میں لوٹے ہوئے ذہن کے ساتھ آتے ہیں ۴/۱۴۲ مومنوں کو قتال فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے سے منع کرتے ہیں کہ جھلس دینے والی گرمی میں گھروں سے نہ نکلو ۹/۸۱ نہ خود قتال فی سبیل اللہ کے لیے گھروں سے نکلتے ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کا نشان بتاتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ ان کی جہاد فی سبیل اللہ میں عدم شرکت کی وجہ یہ ہے:۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾

(اے رسول سلام علیہ ! منافق جنگ کے لیے نہیں نکلتے) اگر مال غنیمت قریب ہوتا اور سفر آسان ہوتا تو وہ ضرور آپ کی اتباع کرتے۔ (گھر سے نکلتے) لیکن ان پر لمبی مسافت (گراں گزرتی ہے) اور وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم میں سکت ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ گھروں سے نکلتے اور وہ اپنی جانوں کو ہلاک کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

○ منافق کے قول اور ارادے میں مطابقت نہیں ہوتی۔ اس لیے اعلان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں' جو کچھ کہتے ہیں' ان کا ارادہ اور نیت اس کے خلاف ہے:۔

منافقوں کی ایک اور بہانہ سازی ○ ایک جنگ کے موقعہ پر منافقوں نے نبی اکرمؐ کے سامنے جنگ میں عدم شرکت کے لیے کچھ بہانے پیش کرکے عدم شرکت کی اجازت لے لی۔ جیسے کہ دوسرے مقام پر سورہ احزاب میں آیا ہے' انہوں نے کہا کہ ہمارے گھر ننگے' غیر محفوظ ہیں وغیرہ اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی ہے۔ اگر اجازت نہ دی جاتی تو پھر بھی یہ جنگ میں جانے والے نہیں تھے۔ جب نہ جاتے تو نکھر کر عیاں ہو جاتے کہ

جو لوگ عدم اجازت کے باوجود نہیں گئے' وہ منافق ہیں:۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۞

اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے انہیں کیوں اجازت دیدی۔ (اجازت نہ دینی چاہئے تھی) تاکہ آپ کے لیے ظاہر ہو جاتے وہ لوگ جو سچے ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۞

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اجازت نہیں طلب کریں گے کہ وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد نہ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے باخبر ہے جو ضابطہ قرآنی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

کیا نبی اکرم سلام علیہ کا ہر قول وحی تھا؟ **عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ** کے الفاظ سے اس متنازعہ مسئلہ کا حل ملتا ہے' جو کہا جاتا ہے کہ نبی اکرمؐ کا ہر قول وحی الٰہی تھا اور دلیل پکڑی جاتی ہے۔ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** ○ ۳-۴/۵۳ سے مگر **عَفَا اللّٰهُ**...... الخ سے عیاں ہے کہ نبی اکرمؐ کا وہ قول وحی الٰہی نہیں تھا' جس میں نبی اکرمؐ نے منافقوں کو جنگ میں عدم شرکت کی اجازت دی تھی۔ کیونکہ اگر وہ اجازت بذریعہ وحی ہوتی تو پھر وحی قرآنی ۴۳/۹ میں اس کی مخالفت اور تردید نہ کی جاتی۔ کیونکہ وحی' وحی کی مخالف ہرگز نہیں ہوسکتی۔ نبی اکرمؐ نے جو اجازت دی تھی وہ آپ کی اپنی صوابدید کے مطابق تھی آپ نے عذر پیش کرنے والوں کے عذروں کو صحیح جانا اور از راہ شفقت اجازت دے دی۔ مگر وحی الٰہی نے اسے صحیح قرار نہ دیا۔

○ اب رہا یہ سوال کہ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** ○ کا کیا مفہوم ہے۔ واضح رہے کہ ۴۳/۹ کی تصریف آیات کے فیصلے کے مطابق بات یہ بنتی ہے کہ نبی اکرمؐ کے کلام' آپ کے اقوال میں نفسانی خواہش کا دخل ہرگز نہیں تھا۔ بتقاضائے بشریت سہو ہو جاتی تھی۔ جیسے کہ ۴۳/۹ سے ظاہر ہے کہ منافقوں کو اجازت دینے میں نفسانی خواہش کا دخل ہرگز نہیں تھا۔ محض بشری سہو تھی۔ باقی رہا **اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** کا معنی صاف ہے کہ جس کلام کو نبی اکرمؐ فرماتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے وہ واقعی' خالصتہً اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے قرآن مجید۔ آپ نے قرآن مجید کے سوا کسی بھی کلام کو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں کہا تھا۔

○ **وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ** سے عیاں ہے کہ جب نبی اکرمؐ منافقوں کو اجازت نہ دیتے تو انہوں نے شریک جنگ تو ہونا ہی نہیں تھا۔ اس لیے وہ ظاہر ہو جاتے اور آپ سلام علیہ جان لیتے کہ فلاں فلاں آدمی منافق ہے۔

○ **لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ مومن صحابہ چونکہ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے کبھی بھی جنگ میں عدم شرکت کی اجازت نہیں مانگی تھی۔ وہ تو قتال فی سبیل اللہ کے اتنے شیدائی تھے کہ سورہ آل عمران میں صحابہ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ جب کفار جنگ کی تیاری کرتے اور لوگ صحابہ کو ڈراتے کہ تمہارے مقابلے کے لیے بڑے لشکر اکٹھے ہو رہے ہیں تو بجائے اس کے کہ ان کے اذہان میں خوف پیدا ہوتا۔ ان کے ایمان تازہ ہو جاتے اور مزید بڑھ جاتے:۔

○ **اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ قف وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ** ○ ۳/۱۷۳ یہ وہ لوگ ہیں کہ لوگوں نے انہیں کہا کہ تمہارے ساتھ لڑنے کے لیے بہت لوگ (لشکر) جمع

ہوئے ہیں۔ تم ان سے ڈر جاؤ۔ مگر ہوا یہ کہ ان کے ایمان بڑھ گئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی اور وہ بہتر کار ساز ہے۔

○ متقین کا معنی ہے خود بچنے والے اور ہر خطرے سے بچنے کے لیے اللہ کے قانون ہی پر عمل کرنا لازم ہے۔ پس متقین کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر خطرے سے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ کے متعینہ متعلقہ قانون کو نگاہ میں رکھتے اور اس کی پوری پوری نگہداشت کرتے ہیں۔

اگلی آیت مجیدہ میں بہانہ بنا کر جنگ میں عدم شرکت کی اجازت مانگنے والے منافقوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

(اے رسول سلام علیہ !) سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ آپ سے (جنگ میں عدم شرکت کی) اجازت وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ پر اور روز آخر پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور ان کے اذہان شک میں ہیں۔ پس وہ اپنے شک میں متردد ہیں۔

○ واضح رہے کہ شک اور ایمان ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جہاں ایمان و یقین ہوگا' وہاں شک کا گزر نہیں ہو سکتا۔ اور جہاں شک موجود ہوگا وہاں ایمان کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ ان شک میں متردد منافقوں کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر ان کا جنگ کے لیے گھروں سے نکلنے کا ارادہ ہوتا تو وہ اس کے لیے تیاری کرتے۔ لیکن چونکہ انہوں نے جنگ کے لیے کوئی تیاری نہیں کی' اس لیے ظاہر ہے کہ ان کا' آپ کے ساتھ مل کر آپ کے دشمنوں سے جنگ کرنے کا ارادہ ہی نہیں تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادے کے فقدان کی بدولت ان کے نکلنے پر جبر نہیں کیا:۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر ان کا (جنگ کیلئے) نکلنے کا ارادہ ہوتا تو وہ اس (جنگ) کے لیے تیاری کرتے۔ (چونکہ ان کا ارادہ نہیں تھا اس لیے انہوں نے تیاری نہیں کی) ولیکن اللہ تعالیٰ نے (ان کی تیاری نہ کرنے کی بدولت) ان کے اٹھنے پر جبر نہیں کیا (یہ اللہ کے قانون میں مکروہ ہے) انہیں اس (ان کے ارادے) نے روک دیا اور انہیں ان کے سرغنہ کی طرف سے کہا گیا کہ (پیچھے) بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

○ **وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً** کے الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے کہ منافقوں کا جنگ کے لیے نکلنے کا ہرگز ہرگز ارادہ ہی نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس کے لیے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔

○ **وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ** کے الفاظ سے عام مترجمین نے جو مفہوم لیا ہے' مطلقاً" غلط ہے کہ منافقوں نے جنگ کے لیے نکلنے کا اس لیے ارادہ نہیں کیا تھا اور اس لیے جنگ کے لیے کوئی تیاری نہیں کی تھی کہ اللہ نے ان کا جنگ کے لیے اٹھنا پسند نہیں کیا تھا 'بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے' چونکہ ان کا جنگ کے لیے نکلنے کا ارادہ ہی نہیں تھا اور اسی لیے انہوں نے جنگ کی کوئی تیاری نہیں کی تھی' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادہ اور عدم تیاری کی بدولت ان کے اٹھنے پر جبر نہیں کیا تھا۔ واضح رہے کہ آیت مجیدہ کے الفاظ کے تقدم و تاخر کے مطابق منافقوں کا جنگ کے لیے عدم ارادہ اور عدم تیاری مقدم ہے اور اللہ تعالیٰ کا عدم جبر موخر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی نیک کام سے زبردستی ہرگز نہیں روکتا۔ یعنی جب کوئی شخص

کسی نیکی کی طرف قدم اٹھانے سے خود رک جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ زبردستی نیکی کی طرف نہیں لے جاتا۔

○ اور اسی طرح جب کوئی شخص کسی برائی کی طرف قدم بڑھانے سے خود رک جاتا ہے تو اللہ زبردستی برائی کی طرف نہیں لے جاتا۔ سورہ نساء میں اس مفہوم کو ذیل کے الفاظ میں کھل کر واضح کر دیا گیا ہے:۔

○ **وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا** " ۴/۱۱۵ اور جو شخص سیدھی راہ واضح ہو چکنے کے بعد رسولؐ کی مخالفت کرے اور مومنوں کے سوا اور راستہ خود اختیار کرے، ہم اسے اسی طرف کو پھرنے دیتے ہیں، جدھر کو وہ خود پھرتا ہے اور اسے ہم جہنم واصل کرتے ہیں اور وہ بہت بری جگہ ہے پھر جانے کی۔

نیکی یا برائی انسان خود کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہی راستہ کھول دیتا ہے، جس پر وہ خود چلتا ہے۔

○ آیت بالا ۴/۱۱۵ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ:۔

○ کسی شخص کا رسول سلام علیہ کی مخالفت کرنا خود اس کا اپنا فعل بتایا گیا ہے اور مومنوں کی راہ کے خلاف اور راستہ اختیار کرنا بھی اس کا اپنا عمل ہے۔ اور اس کے بعد کے الفاظ ہیں **نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى**۔ اسے ہم اس طرف کو پھرنے دیتے ہیں جدھر کو وہ خود پھرتا ہے۔ بالفاظ دیگر جو شخص خود جہنم کی طرف لپکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے روکتا نہیں اسی طرف کو لپکنے دیتا ہے:۔ پس ۴/۱۱۵ کی تصریف آیات کے مطابق ثابت ہوا کہ آیت زیر بحث ۹/۴۶ کے الفاظ **وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ** کا مفہوم اس کے سیاق کے مطابق یہ ہے:۔ چونکہ منافقوں کا ارادہ ہی جنگ کے لیے اٹھنے کا نہیں تھا۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اگر ان کا اردہ ہوتا تو وہ جنگ کے لیے سامان تیار کرتے۔ اس لیے ۴/۱۱۵ **نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى** کے مطابق اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ وہ جس طرف کو پھرے اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی طرف کو پھرنے دیا انہیں جنگ کے لیے زبردستی نہیں اٹھایا تھا اور زبردستی گھروں سے نہیں نکالا تھا۔

○ **فَثَبَّطَهُمْ** کا بھی عام مترجمین نے یہ مفہوم لیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جنگ کے لیے اٹھنے سے روک دیا تھا۔ واضح رہے کہ یہ مفہوم بھی مطلقاً" غلط ہے۔ کیونکہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ نے روک دیا تھا اور وہ اللہ کے روکنے سے رک گئے تھے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے بڑے فرمانبردار تھے جنہوں نے اللہ کے حکم پر عمل کیا۔ لیکن جب انہیں اللہ تعالیٰ کے نافرمان بتایا گیا ہے تو ثابت ہوا کہ **فَثَبَّطَهُمْ** میں جو ضمیر واحد مذکر غائب مستتر ہے، اس کا مرجع اللہ تعالیٰ نہیں۔ بلکہ ان کا اپنا ارادہ ہے جو انہوں نے جنگ کے لیے نہ نکلنے کا خود کر لیا تھا۔ پس ان کے اس ارادے ہی نے انہیں تیاری کرنے سے بھی روک دیا تھا اور جنگ کے لیے نکلنے سے بھی روک دیا تھا۔ اللہ نے نہیں روکا تھا۔

○ **وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ** کا مفہوم بھی عام مترجمین نے یہ لیا ہے کہ جس اللہ نے انہیں جنگ کے لیے اٹھنے سے روک دیا تھا، اسی نے انہیں کہا تھا کہ جنگ سے پیچھے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ لیکن جیسے کہ **پہلے** ثابت کیا گیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے نہیں، بلکہ ان کے اپنے ارادے نے جنگ کے لیے اٹھنے سے روک دیا تھا۔ اسی طرح **وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ** کا بھی یہ مفہوم ہرگز صحیح نہیں ہے کہ انہیں اللہ کی طرف سے کہا گیا تھا کہ جنگ سے پیچھے بیٹھ

رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ بلکہ **قِیْلَ فعل ماضی مجہول مالم یُسَمَّ فاعلہ** ہے اور ظاہر ہے کہ جس طرح جنگ کے لیے نکلنے سے روکنے والا اللہ تعالیٰ نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کہنے والا بھی اللہ نہیں ہے کہ جنگ سے پیچھے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ بلکہ عیاں ہے کہ یہ کہنے والا منافقوں کا سرغنہ تھا جس نے انہیں الگ الگ یہ کہکر ورغلا لیا کہ دیکھو فلاں فلاں سب پیچھے بیٹھ رہنے والے ہیں تم بھی ان کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہو۔ جنگ میں جانیں ضائع کرنے کا کیا فائدہ؟

بفرض محال اگر وہ جنگ میں شامل ہوتے تو فساد ہی کرتے ○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں پیچھے رہنے والوں منافقوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اگر بفرض محال وہ تمہارے ساتھ جنگ کے لیے نکلتے بھی تو تمہارے لیے زیادہ سے زیادہ فساد پیدا کرتے:۔

لَوْخَرَجُوْافِیْكُمْ مَّازَادُوْكُمْ اِلَّاخَبَالًا وَّلَااَوْضَعُوْاخِلٰلَكُمْ یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾

اگر وہ (منافق بفرض محال) تمہارے ساتھ (جنگ کے لیے گھروں سے) نکلتے بھی تو تمہیں صرف فساد ہی میں زیادہ کرتے اور تمہارے اندر پھوٹ پیدا کرتے۔ وہ تمہارے لیے فتنہ ہیں حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کے لیے جاسوسی کرتے ہیں اور اللہ ان ظالموں کو جانتا ہے (تمہیں جاسوسوں کی پہچان کرنی اور ان سے ہوشیار رہنا چاہیئے)

○ جاسوسی کے بغیر مد مقابل قوم کے حالات سے آگاہی ناممکن ہے۔ جاسوس ہی وہ خطرناک لوگ ہوتے ہیں جو دشمن کو مقابل قوم کے مخفی حالات سے آگاہ رکھتے اور ان مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں' جہاں باسانی شگاف پیدا کرکے نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس لیے آیت بالا میں دشمن کے جاسوسوں کی موجودگی کی خبر دی گئی ہے جس کی غرض یہ ہے کہ جاسوسوں کو پہچاننے کی کوشش کی جائے اور ان کے شر سے محفوظ رہا جاسکے' چنانچہ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس سے پہلے بھی وہ جاسوس لوگ تمہارے لیے فتنہ تلاش کرتے رہے ہیں اور تمہاری بہت سی سکیموں میں الٹ پھیر کرتے رہے ہیں۔ لیکن وہ اپنی بری تجویزوں میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے:۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰی جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

البتہ تحقیق انہوں نے اس سے پہلے بھی (تمہارے لیے) فتنہ تلاش کیا ہے اور (اے رسول سلام علیہ!) آپ کے لیے آپ کی سکیموں کو الٹ پلٹ کیا ہے۔ یہاں تک کہ (آپ کی صحیح تدبیری کی بدولت) حق آپہنچا (آپ کو کامیابی نصیب ہوئی) اور اللہ کا قانون غالب آیا۔ اگرچہ وہ اسے ناپسند کرتے رہے۔

○ اگر صحیح تدبیری اور پوری ہوشیاری سے کام لیا جائے تو جاسوسوں کی تخریبی کارروائیوں کے باوجود کامیابی قدم چومتی ہے۔ آیت بالا میں اسی چیز کی خبر دی گئی ہے کہ اگرچہ ظالم جاسوسوں نے نبی اکرمؐ کی سکیموں میں الٹ پھیر کی پوری کوشش کی تھی مگر آپؐ کی خوش تدبیری' ہوشیاری اور مستعدی کی بدولت وہ لوگ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور کامیابی نبی اکرمؐ ہی کے حصے میں آئی۔

بعض منافقوں نے کھل کر کہا کہ ہمیں تو جنگ سے معاف ہی رکھیں ○ اگلی آیت مجیدہ میں پھر جنگ سے پیچھے رہنے کی اجازت چاہنے والے منافقوں کے بعض افراد کا قول درج کیا گیا ہے کہ انہوں نے نبی اکرمؐ سے کھل کر کہا کہ

ہمیں جنگ کے فتنہ میں نہ ڈالیے:۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۚ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور ان (منافقوں) میں سے بعض وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھے (جنگ سے پیچھے رہنے کی) اجازت دیجئے اور مجھے (جنگ کے) فتنہ میں نہ ڈالیے۔ خبردار! وہ لوگ (ناکامی کے) فتنے میں پڑ چکے ہیں اور بلاشبہ جہنم (شکست کی آگ) کافروں کو گھیرنے والی ہے۔

○ یہاں جہنم کا معنی شکست کی آگ ہے۔ اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ منافقوں کی ہمدردیاں جن کافروں کے ساتھ ہیں نیز جن کے ساتھ وہ در پردہ ملے ہوئے ہیں اور جن کے لیے ان کے بعض افراد جاسوسی کے فرائض ادا کرتے ہیں' انہیں عنقریب شکست فاش ہونے والی ہے اور ناکامی کی جلن چونکہ انہیں گھیرے ہوئے ہے اس لیے یہ لوگ بھی جان لیں جو ان کے خیر خواہ ہیں' یہ بھی ناکامی کی آگ میں گھرے ہوئے ہیں۔ جہنم بمعنی شکست ۳/۱۲ میں دُور پیچھے گزر چکا ہوا ہے۔ جہاں نبی اکرمؐ کے مخالفین کے متعلق خود نبی اکرمؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے:۔

○ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۳/۱۲۔ کہہ دیجئے گا (اے رسول سلام علیہ) واسطے ان لوگوں کے جنہوں نے ضابطہ الٰہی کا انکار کیا ہے کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے اور تم سب شکست کے جہنم میں اکٹھے کئے جاؤ گے۔

منافقوں کی ایک اور پہچان ○ اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ جب نبی اکرمؐ کو کامیابی نصیب ہوتی تو وہ انہیں بری لگتی تھی اور جب آپ سلام علیہ کو کوئی تکلیف پہنچتی تو خوش ہوتے اور کہتے کہ ہم نے اسی لیے تو اپنا الگ راستہ اختیار کر لیا تھا:۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾

(اے رسول سلام علیہ) اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو انہیں (منافقوں) کو بری لگتی ہے اور اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنا کام پہلے ہی (الگ) اختیار کر لیا تھا (تاکہ ہمیں تکلیف نہ پہنچے) اور وہ خوشیاں مناتے ہوئے منہ موڑ کر لوٹ جاتے ہیں۔

بھلائی اور برائی اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے قانون ہی کے مطابق آتی ہے۔ جب نبی اکرمؐ کو کوئی تکلیف پہنچتی تو منافق خوش ہوتے اور کہتے کہ مسلمانوں سے اللہ ناراض ہوگیا ہے مگر اگلی آیت مجیدہ میں خود نبی اکرمؐ سے کہلا دیا گیا ہے کہ ہمیں جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے قانون کے مطابق خود ہماری کسی سہو و سستی کی بدولت پہنچتی ہے وہ اللہ تو اپنے لکھے ہوئے قوانین کے مطابق ہمارا کارساز ہے' مومنوں کو اسی کے غیر متبدل قوانین پر بھروسہ کرنا چاہئے:۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

(اے رسول سلام علیہ!) کہہ دیجئے گا کہ ہمیں نہیں پہنچتی کوئی تکلیف مگر جو ہمارے لیے اللہ نے (اپنی کتاب میں) لکھوا دیا ہے (اس کے غیر متبدل قوانین کے مطابق پہنچتی ہے) وہ ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ (کے قانون) پر بھروسہ کریں۔

○ **مَا كَتَبَ اللّٰهُ** کے الفاظ سے جو یہ مفہوم اخذ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ اقوام و افراد کے لیے الگ الگ لکھ دیا ہوا ہے کہ فلاں فلاں کو فلاں فلاں راحت پہنچے گی اور فلاں فلاں کو تکلیف پہنچے گی' یہ مطلقاً" غلط ہے۔ **مَا كَتَبَ اللّٰهُ** سے مراد اللہ کا وہ قانون ہے جو اس نے اپنی کتاب میں لکھوا دیا ہوا ہے کہ رنج و راحت برائی اور بھلائی' ناکامی و کامیابی خود انسان کے اپنے اعمال کے ساتھ وابستہ ہے۔ سورہ شوریٰ میں اسی چیز کو انتہائی بلیغ انداز میں بالفاظ ذیل لکھوا دیا گیا ہے:۔

○ **وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ** ○ ۴۲/۳۰

مفہوم:۔ اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے' پس وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے اور وہ (اللہ تو تمہاری بہت سی (غلطیوں کو) معاف کرتا رہتا ہے۔ سورہ آل عمران میں لکھوا دیا گیا ہے۔

○ **وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ○ ۳/۱۳۹

اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ۔ اگر تم مومن ہو (یعنی اگر تم اس حکم پر ایمان لانے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہو) تو تم ہی غالب رہو گے۔

اب غور فرمایئے گا کہ ○ اوپر ۴۲/۳۰ میں صاف لفظوں میں لکھوا دیا گیا ہے کہ تمہیں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں لکھا ہوا کہ فلاں فلاں کو فلاں فلاں تکلیف پہنچے گی' بلکہ یہ لکھوا دیا ہوا ہے کہ ہر تکلیف انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوگی۔

○ دوسرے نمبر پر سورہ آل عمران ۳/۱۳۹ میں لکھوا دیا ہوا ہے:۔ **وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا** ۔ اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ۔ ان الفاظ میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ غم تمہاری اپنی سستی کا نتیجہ ہوگا' ہمارا لکھا ہوا نہیں ہے۔

كَتَبَ بمعنی لکھوانا ○

○ **مَا كَتَبَ اللّٰهُ** کا صحیح معنی یہ ہے:۔ جو اللہ تعالیٰ نے لکھوایا۔ فعل یا فاعل كَتَبَ کا عام معنیٰ ہے:۔

○ اس نے لکھا۔ لیکن یاد رہے کہ جب اس فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے لکھوایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تو ہاتھ ہی کوئی نہیں' جس کی انگلیوں میں قلم پکڑ کر لکھے۔ فعل كَتَبَ کے مذکورہ معنوں کی وضاحت سورہ اعراف میں کر دی گئی ہے کہ جب موسیٰ سلام علیہ ستر کاتبوں کو کوہ طور پر کتاب لکھوانے کے لیے لے گئے اور انہوں نے اللہ کی کتاب کو لکھا' اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ ۷/۱۴۵۔ اور ہم نے اس کے لیے (موسیٰ سلام علیہ کے لیے اپنی کتاب کو) تختیوں میں لکھوایا۔ دیکھئے یہاں كَتَبْنَا کا معنی ہم نے لکھا نہیں' بلکہ ہم نے لکھوایا ہے۔ کیونکہ لکھنے والے ستر کاتب تھے۔

لفظ "اللہ کا معنیٰ" "اللہ کا قانون" ○ **وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ** کا معنی لکھا گیا ہے:۔ اور مومنوں کو چاہئے کہ وہ اللہ (کے قانون) پر بھروسہ کریں۔ ان معنوں پر ایک لازمی سوال پیدا ہوتا ہے کہ لفظ اللہ کے معنی "اللہ کا قانون" کیوں لکھا گیا ہے؟ جواباً" عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اس کے قانون ہی پر بھروسہ ہوتا ہے اگر کوئی شخص عملاً" تو

اللہ کے قانون کی مخالفت کر رہا ہو اور زبان سے یہ کہہ رہا ہو کہ میرا اللہ پر بھروسہ ہے تو اللہ کا قانون اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ مثلاً" کوئی آدمی درخت کے کسی ٹہنے پر بیٹھ کر' اسی ٹہنے کو آری کے ساتھ درخت کے تنے کی طرف سے کاٹنا شروع کر دے اور زبان سے یہ کہہ رہا ہو کہ میں یہ کام اللہ توکل' اللہ کے بھروسے پر کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ کا غیر متبدل قانون اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ ٹہنے کے کٹ کر گرنے کے ساتھ ہی اسے بھی زمین پر پٹخ دیا جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کے قوانین جاریہ کی مخالفت اور زبان سے توکل علی اللہ کا ورد فریب محض ہے' اللہ پر توکل اس کے قانون پر توکل ہے۔ باری تعالیٰ نے سورہ نحل میں "لفظ اللہ بمعنی اللہ کا قانون" کی وضاحت بالفاظ ذیل کر رکھی ہے:۔

○ **اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ** ۱۶/۷۹ کیا ان لوگوں نے پرندوں کی طرف غور نہیں کیا (انہیں غور کرنا چاہئے کہ پرندے) فضاءِ آسمانی میں اڑتے ہیں۔ نہیں تھامے رکھتا انہیں فضا میں مگر اللہ (کا قانون) بلا شبہ مذکورہ بالا بیان میں ماننے والی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

○ اس آیت میں **مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ** کے الفاظ کو جب مشاہدات یعنی صحیفہ فطرت کی آیاتِ مقدسہ کے ساتھ جوڑ کر غور کیا جائے تو کھل کر عیاں ہوتا ہے کہ یہاں لفظ اللہ سے مراد اللہ کا قانون ہے۔ کیونکہ پرندے فضا میں اللہ کے قانون کے مطابق اڑتے ہیں' اللہ کا قانون ہی انہیں فضا میں تھامے رکھتا ہے۔ اب پرندوں کے اڑنے اور ان کے فضا میں ٹھہرے رہنے کا قانون یہ ہے کہ وہ جسمانی لحاظ سے تندرست و تنومند ہوں' ان کے پروں میں کوئی نقص موجود نہ ہو' بلکہ وہ صحیح و سالم ہوں۔ اب اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قانون کی حالت یہ ہے کہ وہی پرندہ جو فضائے آسمانی میں بالاطمینان اڑ رہا ہے' جب وہ شکاری کے فائر کا نشانہ بن جاتا ہے تو فوراً" گر پڑتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ اب وہ فضا میں تھامے رکھنے والے اللہ کے قانون کے دائرہ سے خارج ہو چکا ہے۔ اب اس کا جسم تندرست و تنومند نہیں رہا۔ یا اب اس کے پَر صحیح سالم نہیں رہے۔ واضح رہے کہ اس آیت مجیدہ ۱۶/۷۹ **مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ** میں لفظ اللہ کا معنی اللہ کے قانون کے سوا کچھ اور لگ ہی نہیں سکتا۔

لفظ اللہ بمعنی اللہ کا عذاب ○ جس طرح ۱۶/۷۹ میں لفظ اللہ سے مراد اللہ کا قانون ہے۔ اسی طرح اسی سورہ نحل ۲۶/۱۶ میں لفظ اللہ سے مراد اللہ کا عذاب بھی موجود ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہوا ہے:۔

○ **قَدْ مَکَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَی اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ** ○ ۱۶/۲۶ بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی بری تجویز کی پھر آیا اللہ (کا عذاب) ان کی عمارتوں پر بنیادوں کی طرف سے۔ پھر عمارتوں کے چھت ان کے اوپر' اوپر کی طرف سے گر پڑے اور انہیں عذاب اس طرف سے آیا جس کا انہیں شعور ہی نہیں تھا۔

○ **دیکھئے** ! اس آیت مجیدہ میں **فَاَتَی اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ** کا یہ معنی لگ ہی نہیں سکتا کہ ان کی عمارتوں پر بنیادوں کی طرف سے اللہ آیا اور ان کی چھتیں ان کے اوپر گر پڑیں۔ بلکہ یہی معنی لگ سکتا ہے اور یہی صحیح ہے کہ ان کی عمارتوں پر بنیادوں کی طرف سے اللہ کا عذاب آیا' ان کے مکانوں کی بنیادیں ہل گئیں اور چھت

ان کے اوپر گر پڑے۔ یعنی ان پر اللہ کا عذاب زلزلہ وغیرہ کی صورت میں نازل ہوا۔ جس نے پوری بستی کے مکانوں کی بنیادیں ہلا دیں اور مکانوں کے چھت مکینوں کے اوپر آگرے۔

لفظ اللہ کا معنی اللہ کا قانون یا اللہ کا عذاب خود قواعد عرب کی رو سے ○ یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیات بالا ۷۹/۱۷ اور ۲۶/۱۷ سے تو ثابت ہوچکا کہ قرآن مجید میں لفظ اللہ سے مراد اللہ کا قانون بھی موجود ہے اور اللہ کا عذاب بھی موجود ہے' مگر کیا یہ مفہوم (ازروئے قواعدِ عرب بھی صحیح ہے کہ لفظ اللہ کا معنی مرکب اضافی کی صورت میں اللہ کا قانون یا اللہ کا عذاب لیا جائے؟ جواباً" عرض ہے' جی ہاں۔ جملہ اہل لغت کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ لفظ اللہ مرکب ہے ال اور الہ سے۔ یعنی لفظ الہ پر الف لام داخل ہوا' لام میں لا مدغم ہوکر مشدد ہوگئی اور لفظ بنا اللہ اور اس کا معنی ہے الہِ حقیقی۔ الف لام سے معرف ہوکر اُن جھوٹے الا ہوں سے مخصوص ہوگیا جو لوگوں نے از خود بنا لیے ہوئے ہیں۔

○ اس سے آگے اہلِ قواعد کا مسلّمہ مسئلہ ہے کہ الف لام عوض مضاف بھی ہوتا ہے اور عوض مضاف الیہ بھی ہوتا ہے۔ جیسے کہ بیت اللہ کے مرکب اضافی میں بیت مضاف اور اللہ مضاف الیہ ہے۔ مگر جب بیت مضاف پر الف لام داخل کرکے اَلْبَیْت بنایا جائے تو الف لام عوض مضاف الیہ ہوتا ہے اور جس طرح بیت اللہ کا معنی ہے اللہ کا گھر اسی طرح اَلْبَیْت کا معنی بھی ہے "اللہ کا گھر" اسی طرح الف لام عوض مضاف الیہ کی صورت میں اَمْرُاللہ کے مضاف پر جب الف لام لایا جائے تو وہ اَلْاَمْر بمعنی اللہ کا امر ہوتا ہے یہ تو صورت ہوئی الف لام عوض مضاف الیہ کی۔ اسی طرح قواعد کا مسلمہ قاعدہ ہے الف لام عوضِ مضاف کا جس کی دو مثالیں پیچھے ۲۶/۱۷ اور ۷۹/۱۷ میں گزر چکی ہیں۔

○ ۷۹/۱۷ **مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ** میں لفظ اللہ کا الف لام جو لفظ الہ پر داخل ہوا ہے عوض مضاف ہے' مضاف ہے امر (قانون) اور مرکب اضافی ہے اَمْرِ الہ یعنی الہِ حقیقی کا قانون اور آیت مجیدہ کا صحیح معنی' جس کے سوا کوئی اور معنی یہاں فٹ نہیں آتا' یہ ہے کہ فضا میں پرندوں کو نہیں تھامے رکھتا مگر الہ حقیقی کا قانون ہی تھامے رکھتا ہے۔ پرندہ جب بھی اس کے قانون کے دائرہ سے خارج ہوتا ہے تو فوراً" گر پڑتا ہے۔

○ اسی طرح ۲۶/۱۷ میں **فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ** میں لفظ اللہ کا الف لام جو لفظ الہ پر داخل ہوا' عوض مضاف ہے۔ مضاف ہے عذاب۔ اور مرکب اضافی ہے عذابِ الہ' یعنی الہ حقیقی کا عذاب اور آیت مجیدہ کا صحیح معنی' جس کے سوا کوئی اور معنی یہاں فٹ ہی نہیں آتا یہ ہے کہ ان کے مکانوں پر الہِ حقیقی کا عذاب بنیادوں کی طرف سے آیا۔ جس کی وضاحت اس آیت کے اگلے ٹکڑے **وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ** میں موجود ہے کہ:۔ انہیں اللہ کا عذاب اس طرف سے آیا جس کا انہیں شعور ہی نہیں تھا۔

رجوع الی المطلب ○ سابقہ آیت نمبر۵۱ میں منافقوں کے طعن کے جواب میں کہا گیا ہے کہ مصیبت جو بھی آتی ہے اللہ تعالٰی کے لکھے ہوئے قانون کے مطابق انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی جو مصیبت آئی تھی کسی سُستی یا عدمِ تدبیری کی بدولت ہی آئی تھی۔ لیکن اگلی آیت میں اللہ تعالٰی نے خود نبی اکرمؐ سے یہ اعلان کروا دیا ہے کہ انجام کار ہمیں بھلائی ہی نصیب ہوگی۔ تم ہمارے لیے دو میں سے کسی ایک بھلائی کا انتظار کرو اور ہم تمہارے لیے اللہ کے عذاب کا انتظار کرتے ہیں جو تمہیں یا تو اللہ کے مخفی لشکروں جنود السموت والارض کے ذریعے پہنچے گا' اور یا خود ہمارے

ہاتھوں پہنچے گا' کہ تمہیں میدان جنگ میں آخری شکست فاش نصیب ہوگی۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝۵۲

(اے رسول سلام علیہ) منافقوں سے کہہ دیجئے گا کہ تم ہمارے لیے دو میں سے ایک بھلائی کا انتظار کرو۔ اور ہم بھی تمہارے لیے (دو میں سے ایک چیز کا) انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے (اپنے جنود السموت والارض زلزلہ' آندھی' سیلاب وغیرہ کے ذریعے) عذاب کرے' اور یا وہ ہمارے ہاتھوں سے تمہیں شکست فاش دلا کر عذاب کرے۔ پس تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔

○ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ کی تفسیر اگلے الفاظ میں کر دی گئی ہے کہ یا تو مومنوں کو یہ بھلائی پہنچے گی کہ اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں پر اپنی طرف سے عذاب لے آئے گا (زلزلہ' آندھی یا سیلاب وغیرہ) جیسے کہ بعض انبیاء کے مخالفین کو الگ الگ ان عذابوں میں گرفتار کرکے ختم کر دیا گیا تھا اور یا میدان جنگ میں انہیں خود مومنوں ہی کے ہاتھوں سے شکست فاش کا عذاب دیا جائے گا۔ یہ دونوں صورتیں مومنوں کے لیے کامیابی کی دلیل ہیں۔

○ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ کی وضاحت اوپر کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ منکرین پر اپنے ارضی اور سماوی لشکروں زلزلہ' آندھی یا سیلاب کا کوئی عذاب نازل کر دے۔

○ اَوْ بِاَيْدِيْنَا کی وضاحت بھی اوپر گزر چکی ہے کہ یا منکرین ضابطہ الٰہی سے مومنوں کی مٹھ بھیڑ میدان جنگ میں ہو اور انہیں ایسی شکست فاش ہو جائے کہ ان میں مخالف طاقت کی ادنٰی سی رمق بھی باقی نہ رہے۔

منافقوں کا خرچ کیا ہوا مال قبول نہیں ہوگا ○ منافق لوگ اپنے آپ کو مومنوں کے ساتھ ظاہر کرنے کے لیے زبانی دعوؤں کے علاوہ یہ بھی کرتے تھے کہ بظاہر اللہ کی راہ میں کچھ مال بھی دیتے تھے۔ لیکن اگلی آیت میں کہا گیا ہے کہ تمہارا مال قبول نہیں ہوگا:۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۵۳

(اے رسول سلام علیہ منافقوں کو) کہہ دیجئے گا کہ خواہ تم خوشی سے مال خرچ کرو یا ناخوشی سے خرچ کرو۔ تم سے ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ بلاشبہ تم حدیں توڑنے والی قوم ہو۔

○ یہ جو کہا گیا ہے کہ تمہارا خوشی سے دیا ہوا مال بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ اس لیے کہ وہ قوم جو در پردہ اسلامی ریاست کے دشمنوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور مومنوں کے اندر رہ کر ان کے دشمنوں کی جاسوسی کے فرائض انجام دیتی ہو تو ظاہر ہے کہ جو مال وہ بظاہر بخوشی خاطر دے رہی ہو وہ اس لیے ہوگا کہ ان کی طرف سے مومن مطمئن ہو جائیں تاکہ وہ کھل کر جاسوسی کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ منافقوں کے ناخوشی سے دیئے ہوئے مال کے ساتھ ساتھ خوشی سے دیئے ہوئے مال کے متعلق بھی اعلان کرا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دونوں ہی قبول نہیں کیے جائیں گے۔

اگلی آیت مجیدہ میں کھل کر بیان کر دیا گیا ہے کہ منافقوں کا مال اللہ کے ہاں کیوں قبول نہیں ہوگا۔

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿۵۴﴾

اور نہیں منع کیا ان سے کہ ان سے ان کا خرچ کیا ہوا مال قبول کیا جائے مگر یہ کہ بلا شبہ انہوں نے اللہ کا انکار کیا اور اس کے رسول سلام علیہ کا انکار کیا۔ اور وہ اجتماعی نظام کے لیے صلوٰۃ موقت کی طرف نہیں آتے مگر سستی کے ساتھ اور وہ مال خرچ نہیں کرتے مگر ناخوش ہوکر خرچ کرتے ہیں۔

○ دیکھئے ! اس آیت مجیدہ میں:۔

○ منافقوں کے ظاہر ایمان کی مطلقاً" نفی کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ ان لوگوں کا نہ اللہ پر ایمان ہے نہ رسولِ اکرم خاتم النبین رحمتہ للعٰلمین پر ایمان ہے۔ یہ ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں' جس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ مومنوں کے اجتماعی نظام صلوٰۃ موقت میں ٹوٹے ہوئے ذہن کے ساتھ آتے ہیں اور جو تھوڑا بہت مال خرچ کرتے ہیں' خوشی سے نہیں بلکہ ناخوشی سے خرچ کرتے ہیں۔ ان کی خوشی فریبِ محض ہوتی ہے۔

منافقوں میں بڑے بڑے مال دار آدمی موجود تھے ○ اس سے اگلی آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ منافقوں میں بڑے بڑے مال دار آدمی موجود تھے۔ مگر نبی اکرمؐ کو کہہ دیا گیا کہ آپ ان کے مالوں پر تعجب نہ کریں اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا کرے گا:۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۵﴾

پس (اے رسول سلام علیہ !) آپ کو ان (منافقوں) کا مال حیرت میں نہ ڈال دے اور نہ ان کی اولاد سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ان کی منافقت کی بدولت) ارادہ کرتا ہے کہ انہیں اس (ان کے مال) کے ساتھ دنیا کی زندگی ہی میں عذاب کرے اور ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں کہ وہ کافر ہی ہوں۔

○ **أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ:۔

منافقوں میں بڑے بڑے مال دار لوگ بھی موجود تھے' جن کی کثرتِ مال پر تعجب کیا جاسکتا تھا۔ نیز وہ لوگ بڑی بڑی اولادوں والے بھی تھے۔ لیکن:

○ **إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** کے الفاظ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انہیں اللہ نے ان کے مالوں اور ان کی اولادوں کے ساتھ دنیا کی زندگی ہی میں عذاب دیا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کبھی باطل نہیں ہوسکتا۔

ایک عظیم تاریخی تنازعہ کا قرآنی حل ○ اہل اسلام میں' نام نہاد اسلامی تاریخ کے باب اول ہی میں ایک عظیم تاریخی تنازعہ مدت مدید سے چل رہا ہے کہ نبی اکرمؐ کی وفاتِ مبارکہ کے بعد یکے بعد دیگر جو تین صحابیؓ آپ کے جانشین ہوئے

تھے مسلمانوں کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ وہ تینوں منافق تھے۔ العیاذ باللہ ! لیکن یاد رہے کہ آیت بالا ۹/۵۵ کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی دنیوی زندگی ہی میں خود ان کے مالوں اور ان کی اولادوں کے ذریعہ عذاب کیا تھا۔ یعنی ان کے مال ان سے چھن گئے تھے اور وہ مال خود انہی کے خلاف ان کی تباہی و بربادی کے لیے خرچ ہوئے تھے اور ان کی اولادوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح عذاب کیا کہ وہ مسلمان ہوگئیں اور ان کے خلاف جہاد کیا۔ حتی کہ وہ اسی حالت میں کہ ان کے مال ان کے خلاف خرچ ہو رہے تھے اور ان کی اولادیں ان کے خلاف مصروف پیکار تھیں' بلا توبہ کفر ہی کی حالت میں مرگئے۔ یہ تو ہوا قرآن مجید کا فیصلہ مگر۔

○ جو لوگ نبی اکرمؐ خاتم النبین رحمتہ للعٰلمین کے پہلے تین مقدس جانشینوں کو معاذ اللہ معاذ اللہ منافق قرار دیتے ہیں ان کے نظریہ کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ناکام ہوگیا۔ وہ منافقوں کو ان کی دنیوی زندگی ہی میں خود انہی کے مالوں اور ان کی اولادوں کے ساتھ عذاب دینا چاہتا تھا مگر بجائے اس کے کہ وہ دنیا میں مغضوب ہوتے' الٹے انہیں نبی اکرمؐ کی خلافت یعنی جانشینی میسر آئی ان کے مال اللہ کے رسول سلام علیہ نے خود طلب کئے اور وہ اللہ کی راہ میں صرف ہوئے۔ نیز ان کی اولادیں بجائے اس کے کہ ان کے لیے باعث عذاب بنتیں اور خود ان کی قاتل ہوتیں' ان کی معاون و مددگار ہوئیں اور وہ تینوں رضی اللہ عنہم اسلام کی عظیم خدمت بجا لاتے ہوئے زندگی بھر خوش و خرم اور صاحب اقتدار رہے۔

○ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اس لیے اس چیز میں معمولی سے شک کی گنجائش تک موجود نہیں کہ منافقوں کو ان کی زندگی ہی میں ان کے مالوں اور اولادوں کے ذریعہ عذاب نہ کیا گیا ہو اور وہ مغضوب ہونے کی بجائے صاحبِ اقتدار ہوگئے ہوں۔ اس لیے ثابت ہوا کہ یقیناً یقیناً منافقوں کو ان کی زندگی ہی میں ان کے مالوں اور ان کی اولادوں کے ذریعہ عذاب دیا گیا تھا اور وہ تین صحابیؓ جو یکے بعد دیگر نبی اکرمؐ کی مسند خلافت پر فائز ہوئے وہ منافق نہیں تھے۔ حقے سچے مومن تھے۔ کیونکہ اگر وہ منافق ہوتے تو دنیوی زندگی میں اقتدار پانے کی بجائے اپنے مالوں کے ذریعہ' اور اپنی اولادوں کے ہاتھوں عذاب دیئے جاتے۔

سورہ احزاب میں ارشاد ہوا ہے:۔

منافقوں کو نبی اکرمؐ کی زندگی ہی میں ختم کر دیا گیا تھا ○ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ (۶۰۔۶۱/۳۳۔

○ (اے رسول سلام علیہ !) اگر یہ منافق یعنی جن کے اذہان میں نفاق کی بیماری ہے اور شہر میں بری خبریں اڑانے والے' باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے۔ پھر وہ اس (مدینہ) میں آپ کے پڑوس میں نہیں رہیں گے' مگر تھوڑا عرصہ **ملعون** ہوکر رہیں گے جہاں کہیں پائے جائیں' گرفتار کر لیے جائیں اور اس طرح قتل کر دیئے جائیں جو قتل کرنے کا حق ہے۔

افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ منافقوں کو ان کے مالوں اور اولادوں کے ذریعے عذاب دیا گیا تھا۔ ۹/۵۵ اور وہ گرفتار ہوکر قتل ہوگئے تھے۔ ۶۱/۳۳ مگر

مسلمانوں کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ نہیں نہیں نہ انہیں عذاب دیا گیا تھا نہ وہ گرفتار ہوئے تھے نہ قتل' بلکہ وہ تو مسند خلافت پر فائز ہوئے تھے۔ کاش کہ
اگر ان آیتوں پر غور کیا جائے تو خلافت کا عظیم تنازعہ ایک سیکنڈ میں طے ہو سکتا ہے:۔
اگلی آیت مجیدہ نمبر۵۶ میں منافقوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہیں میں سے ہیں۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور وہ منافق اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں۔ حالانکہ نہیں ہیں وہ تم میں سے ولیکن وہ وہ قوم ہیں جو (جنگ سے) ڈرتے ہیں۔ (میدان جنگ سے خوف کھاتے ہیں)۔

○ **يَفْرَقُوْنَ** کا سہ حرفی مادہ۔ ف۔ر۔ق۔ فرق ہے جس کا مصدری معنی جدا ہونا بھی ہے اور خوف کھانا اور ڈرنا بھی ہے اگرچہ منافقوں کے متعلق اسی آیتِ مجیدہ میں بتا دیا گیا ہے کہ وہ مومنوں کے ساتھی نہیں بلکہ ان سے جدا ہیں' اس لیے یفرقون کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے جدا ہیں' الگ ہیں' مگر چونکہ اگلی آیتِ مجیدہ' ان معنوں کی بجائے اس مادہ کے مصدری معنی ڈرنا کی تائید کرتی ہے کہ وہ ڈرتے ہیں۔ اس لیے **قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ** کا یہ معنی لکھا گیا ہے کہ وہ' وہ قوم ہیں جو جنگ سے ڈرتے ہیں۔ اگلی آیت انہی معنوں کی تائید کرتی ہے۔

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

(ان کی حالت یہ ہے کہ) اگر وہ کوئی پناہ کی جگہ پائیں یا کوئی غار یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ' تو اس کی طرف منہ موڑ کر رسے تڑاتے ہوئے دوڑ جائیں۔

منافق بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں ○ ملجا' مغٰرٰت اور مُدّخلا" یعنی کوئی پناہ گاہ' کوئی غار یا کوئی گھس بیٹھنے یعنی چھپنے کی جگہ' ان ہر سہ الفاظ سے عیاں ہے کہ یہ تینوں جگہیں ڈرنے والوں' بزدلوں اور بھگوڑوں کی ہیں' میدان جہاد میں داد شجاعت دینے والوں کی نہیں۔ پس اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوا کہ منافقوں کی ایک قرآنی نشانی یہ ہے کہ وہ بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔

منافق حریص اور طعنہ زن ہوتے ہیں: اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کی ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ جب نبی اکرمؐ سلام علیہ صدقات کا مال غرباء میں تقسیم فرماتے تو وہ آپ کو طعنے دیتے۔ اگر اس میں سے انہیں کچھ مال مل جاتا تو راضی ہو جاتے اور اگر نہ ملتا یعنی نبی اکرم سلام علیہ' اگر انہیں مستحق نہ جان کر انہیں کچھ نہ دیتے' جیسے کہ آیت نمبر۵۵ میں گزر چکا ہے کہ وہ مال دار تھے تو وہ جھٹ ناراض ہو جاتے:۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور ان (منافقوں) میں سے بعض وہ ہے جو (اے رسول ... پ کو صدقات (کے ضمن) میں طعنے دیتا ہے۔ پھر اگر انہیں اس ...ں سے (کچھ مال) دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو جھٹ ناراض ہو جاتے ہیں۔

پھر ارشاد باری ہے:۔

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۙ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوۡنَ ۵۹

اور اگر وہ اس پر راضی ہوں جو اللہ' انھیں اپنے رسولؐ کے ذریعہ دے (تو بہتر ہے) اور وہ کہیں کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے وہ عنقریب ہمیں اپنے فضل سے مزید مال دے گا اپنے رسولؐ کے ذریعہ۔ بلا شبہ ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

اللہ کے فضل میں اس کا رسول شریک نہیں ہے ○ اس آیت مجیدہ کے الفاظ:-

اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ اور سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ...... وَرَسُوۡلُهٗۤ کا معنی لکھا گیا ہے:- "اللہ نے دیا اپنے رسولؐ کے ذریعہ" اور "عنقریب مزید مال دے گا اللہ ... اپنے رسول سلام علیہ کے ذریعہ" یہ اس لیے کہ حقیقی طور پر معطی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ زمانۂ رسالت محمدی میں جب نبی اکرمؐ نے قرآنی نظام قائم فرمایا اور مالِ غنیمت اور صدقات کے مال کو جب آپ تقسیم فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے نافذ کردہ قانون کے مطابق حقداروں ہی میں تقسیم فرماتے تھے۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مال کو اپنے رسولؐ کے ذریعہ تقسیم کرواتا اور حقداروں کو دلواتا تھا۔ اس لیے معطیٰ' وہ صرف آپ ہے زمانۂ رسالت میں وہ اپنے رسول کے ذریعہ دلواتا تھا۔

داتا صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ ○ افسوس ہے کہ **اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ** اور **سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ.... وَرَسُوۡلُهٗۤ** کے الفاظ سے نبی اکرم کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ داتا تسلیم کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ **اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ** کے بعد آیا ہے **وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ** اور وہ یہ کہیں کہ ہمارے لیے اکیلا اللہ ہی داتا کافی ہے۔

○ اور **سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ** کے درمیان میں آیا ہے واحد کا صیغہ **مِنۡ فَضۡلِهٖ** یعنی اللہ اکیلے کے فضل سے پس:- **حَسۡبُنَا اللّٰهُ** اور **مِنۡ فَضۡلِهٖ** کے الفاظ قرآنیہ سے بصورت نصف النہار عیاں ہے کہ داتا بھی ایک اکیلا اللہ ہی ہے۔ کافی بھی ایک اکیلا اللہ ہی ہے اور صاحبِ فضل بھی ایک اکیلا اللہ ہی ہے کیونکہ **حَسۡبُنَا اللّٰهُ** میں بھی لفظ اللہ بصیغہ واحد آیا ہے **حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ** نہیں آیا۔ اور اسی طرح **مِنۡ فَضۡلِهٖ** میں بھی ہٖ ضمیر واحد برائے اللہ واحد آئی ہے۔ **مِنۡ فَضۡلِهِمَا** ضمیر تثنیہ نہیں آئی۔ اگر اللہ کے فضل میں اللہ کے ساتھ رسول مقبول سلام علیہ بھی شریک ہوتے تو آنا چاہئے تھا۔

○ **سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهِمَا** یعنی عنقریب ہمیں اللہ اور اس کا رسول سلام علیہ دونوں اپنے اپنے فضل میں سے دیں گے۔ پس آیت مجیدہ میں الفاظ **سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُهٗۤ** کا صحیح معنی یہ ہے کہ:- ضرور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے اپنے رسول سلام علیہ کے ذریعہ دے گا۔

واوٌ بمعنی "بذریعہ" کی قرآنی مثال ○ اب رہا یہ سوال کہ کیا قرآنی لغت و قواعد کے مطابق واوٌ بمعنی "بذریعہ" یا بمعنیٰ "کے ذریعہ" قرآن مجید میں موجود ہے؟ جی ہاں اسی سورہ توبہ کی آیت نمبر۳ میں آیا ہے:-

○ **وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَكۡبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ وَرَسُوۡلُهٗ** ۹/۳۔

اس آیت مجیدہ میں تحریر کردہ واوٌ کا معنی ہے بذریعہ اور بذریعہ یا کے ذریعہ کے سوا دوسرا معنی یہاں لگ ہی نہیں سکتا۔ دیکھئے

! یہ ہے معنی اور مفہوم۔

○ اور حج اکبر کے دن لوگوں کی طرف اللہ کا اعلان ہے۔ اس کے رسول سلام علیہ کے ذریعہ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعہ مشرکوں سے بیزار ہے۔ دیکھئے ! **اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ** کے الفاظ سے اللہ اور رسول کے دو الگ الگ اعلان مراد نہیں ہیں' بلکہ ایک ہی اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں سے بیزار ہے۔ اور اس بیزاری کا اظہار بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سلام علیہ ہی کے ذریعہ فرمایا تھا۔

صدقات کے مصرف ○ اوپر آیت نمبر۵۸ میں بتایا گیا ہے کہ صدقات کے مال میں سے اگر منافقوں کو کچھ دے دیا جاتا تو وہ خوش ہو جاتے اور اگر نہ دیا جاتا تو جھٹ ناراض ہو جاتے اس لیے اگلی آیت مجیدہ میں صدقات کے مصرف بتا دیئے گئے ہیں کہ یہ مال حق داروں ہی میں تقسیم کیا جائے گا۔ غیر حقداروں کو نہ اس مال کی طلب کرنی اور نہ اس کے نہ ملنے پر ناراض ہو جانا چاہیے۔ دیکھئے ارشاد باری:۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

سوائے اس کے نہیں ہے کہ صدقات کا مال حاجتمندوں کے لیے ہے۔ اور ان کے لیے ہے جن کے کاروبار ساکن ہو جائیں۔ اور اس عملہ کے لیے ہے جو صدقات وصول کرنے پر متعین ہو اور ان نو مسلموں کے لیے جن کی دلجوئی کرنا ہو۔ اور غلاموں کی گردنیں آزاد کرنے کے لیے ہے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے کے لیے ہے۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے ہے اور مسافروں کے لیے ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

① **اَلْفُقَرَآء** فقیر کی جمع ہے۔ فقیر کا معنی بھکاری نہیں ہے۔ بلکہ فقیر کا معنی ہے وہ شخص جس کی ضروریات زندگی میں سے کوئی حاجت رکی پڑی ہو۔

② **الْمَسٰكِيْن** مسکین کی جمع ہے۔ اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے۔ س۔ک۔ن= سکن۔ جس کا معنی ہے کسی متحرک کا ساکن ہو جانا۔ اس طرح مسکین کا معنی ہے۔ وہ شخص جس کا چلتا کاروبار کسی بھی وجہ سے ساکن ہو جائے' رک جائے۔ صدقات کے مال سے اس کے رکے ہوئے کاروبار کو پھر سے متحرک کر دیا جائے گا۔ مثلاً" بارش' آندھی' آگ زلزلہ یا سیلاب سے جن افراد کے کاروبار و رہائش وغیرہ متاثر ہو۔ اسلامی حکومت صدقات کے مال سے اس کی مدد کرے گی اور جو کمی واقع ہوئی ہو' پورا کرکے' اسے پھر سے معاشرہ میں رواں دواں کر دے گی۔ اب چونکہ ان حادثات کا کسی بھی وقت پر اچانک رونما ہونا ممکن ہے اس لیے لازم ہے کہ صدقات کا بیت المال ہر آن لبالب بھرا پڑا ہو۔ اسی کے لیے آیت مجیدہ کے اگلے الفاظ سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ صدقات کا مال جمع کرنے کے لیے ایک الگ محکمہ متعین کیا جائے اور اس میں کام کرنے والے عملہ کے وظائف اسی مال سے ادا کئے جائیں۔

③ **وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا** سے یہی مراد ہے جس سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے صدقات وصول کرنے اور اکٹھے کرکے بیت المال میں جمع کرانے کے لیے ایک الگ محکمہ مقرر کر رکھا تھا اور اس قرآنی حکم کے مطابق اس عملہ کے

وظائف صدقات کے مال ہی سے ادا کئے جاتے تھے۔

۵ **وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ نو مسلموں کی ثبات قدمی اور ان کی دلجوئی کے لیے بھی مال خرچ کرنا لازم ہے تاکہ انہیں مسلمان ہونے کے بعد کسی قسم کی مالی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اور ان پر بھی صدقات میں سے ہی مال خرچ کیا جائے گا۔

۶ **وَفِى الرِّقَابِ** کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی گردنیں بکی ہوئی ہوں یعنی غلاموں کی گردنیں بھی اسی مال "صدقات" کے ساتھ آزاد کرائی جائیں گی۔ واضح رہے کہ اسلام شرفِ انسانیت کا صدفی صد محافظ ہے۔ غلاموں کی آزادی کا مسئلہ شرفِ انسانیت سے متعلقہ اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس لیے اسلام نے اسے بھی ہر مقام پر ملحوظ رکھا ہے۔

۷ **وَالْغٰرِمِيْنَ** سے مراد معاشرہ کے وہ افراد ہیں جو قرضہ کی ذلت میں پھنسے ہوئے ہوں۔ ان کا قرضہ ادا کرکے انہیں بھی شرفِ انسانیت سے بہرہ یاب کرنے کے لیے صدقات کے بیت المال ہی سے مال خرچ کرنا ہوگا۔

۸ **وَفِى سَبِيْلِ اللّٰهِ** کا معنی اگرچہ صرف یہ ہے کہ صدقات کے مال اللہ کی راہ میں بھی خرچ کئے جائیں گے۔ لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اوپر جو چھ مدیں بیان ہوئی ہیں' کیا وہ فی سبیل اللہ سے خارج ہیں؟ جبکہ وہ بھی سب فی سبیل اللہ ہی سے متعلق ہیں تو غور کرنا پڑے گا کہ یہاں فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ اس کے لیے جب تصریفِ آیات کے ذریعہ قرآن مجید میں غور کریں تو آیتِ مجیدہ ۷۵/۴ کے الفاظ ذیل ابھر کر سامنے آجاتے ہیں:۔

● **وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا** ۷۵/۴ اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہ لڑو گے۔ جب کہ کمزور کئے گئے مرد' عورتیں اور بچے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکال لے کہ اس کے حاکم ظالم ہیں۔

اس آیت مجیدہ میں جو فی سبیل اللہ کے الفاظ آئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ مظلوموں کی مدد کے لیے قتال کرنا' فی سبیل اللہ ہے تو اب ظاہر ہے کہ قتال بغیر تیاری کے ممکن نہیں اور تیاری بغیر مال کے ناممکن ہے' جو قبل از وقت ہونی لازم ہے' کیونکہ جب جنگ شروع ہو جائے تو اس وقت تیاری ہوگی یا جنگ؟ پھر جنگ کی ایک صورت دفاعی بھی ہے' یعنی جب کوئی دشمن اسلامی ریاست پر چڑھ دوڑے تو اسے ناک چنے چبوانے کے لیے اسلامی لشکر ہر قسم کے سامان حرب سے لیس تیار ہو۔ پس تصریفِ آیات کی مدد سے آیت زیر بحث ۹/۶۰ میں فی سبیل اللہ سے مراد مظلوموں کی مدد اور دفاعی ضروریات کے لیے فوجی تیاریوں پر مال خرچ کرنا ہے۔ تاکہ لشکر اسلام کی فوجی تیاریاں ہر آن مکمل رہیں۔

۹ **وَابْنِ السَّبِيْلِ** سے مراد ہر قسم کے مسافروں کی وقتی ضرورتوں پر مال خرچ کرنا ہے خواہ وہ اندرون ملک کے مسافر ہوں جو کسی وجہ سے بے خرچ ہو جائیں۔ انہیں عوام کے سامنے ہاتھ پھیلانے نہ پڑیں۔ آیتِ بالا میں ان کا حق اسلامی حکومت کے ہاں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ نیز اس سے مراد غیر ملکی سیاح اور سفیر بھی ہیں جن کی وقتی ضروریات پورا کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ جو صدقات کے مال ہی سے پوری کی جائیں گی۔

● **فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ یہ سب مدیں اللہ تعالیٰ کی فرض کردہ ہیں۔ ان میں سے کسی ایک

میں کمی یا نافرض شناسی کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے جس سے بچنے کے لیے مذکورہ بالا آٹھوں شقوں کا پورا کرنا لازم ہے۔

○ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ جملہ آیت زیر بحث کا آخری جملہ ہے۔ جس میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ آٹھوں مدیں علم و حکمت کی اساس پر قائم کی گئی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ کے علم سے بڑھ کر اور کس کا علم ہو سکتا ہے؟ جس سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم نہ تو ناقص ہے نہ ناکمل اور ساتھ ہی اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ جملہ احکام حکمت (دانائی) ہی سے متعلقہ ہیں اور یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ دنیا کا کوئی کام بھی حکمت کے بغیر صحیح خطوط پر انجام پذیر نہیں ہوتا۔

ایک مضبوط بیت المال کے بغیر کامیابی ممکن نہیں ○ پس کھل کر ثابت ہو چکا کہ اگر اہل اسلام صد فیصد کامیاب حکومت کے متمنی ہیں تو انہیں عوام سے وصول کردہ مال صدقات کا ایک انتہائی طاقت ور بیت المال قائم کرنا چاہیے۔ جو ایک الگ محکمہ کے ماتحت ہو۔ وزارت صدقات بھی الگ ہو اور اس کا وفاقی' صوبائی' ضلعی' تحصیل دار' تھانہ دار اور ذیل دار عملہ بھی الگ الگ ہو۔ اس عملہ کو معقول وظائف ادا کئے جائیں وہ شبانہ روز صدقات کی وصولی میں منہمک ہوتا کہ بیت المال ہر آن بھرپور چھلک رہا ہو۔

○ پھر مضبوط بیت المال کے قیام کے علاوہ مذکورہ بالا ربانی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک کامیاب حکومت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مال صدقات کے مذکورہ بالا آٹھوں مصرفوں کو عملاً" نہ اپنایا جائے اسی سے ریاست کا داخلی اور خارجی استحکام مکمل ہوگا۔ داخلی طور پر:۔

۱۔ اندرون ملک کوئی حاجت مند ایسا نہ ہو جس کی کوئی ضرورت رکی ہوئی ہو۔ اور اس کے پورا ہونے کی کوئی صورت موجود نہ ہو۔

۲۔ اندرون ملک کوئی فرد ایسا نہ ہو جس کا کاروبار رک گیا ہو اور وہ معاشرہ میں ساکن ہو کر رہ گیا ہو۔

۳۔ اندرون ملک کوئی فرد ایسا نہ جو اسلام تو قبول کرنا چاہتا ہو' مگر اس کی راہ میں مالی مشکلات کے پہاڑ حائل ہوں جو اسے اسلام کی طرف آنے نہ دیتے ہوں' یا اگر وہ اسلام لا چکا ہو تو اسے مالی مشکلات متزلزل کر رہی ہوں۔

۴۔ اندرون ملک سرکاری عمال میں سے کوئی فرد ایسا نہ ہو جسے بروقت اور باقاعدہ وظیفہ نہ مل رہا ہو۔

۵۔ اندرون ملک کوئی ایسا فرد موجود نہ ہو جس کی گردن بکی ہوئی ہو اور اسے آزاد نہ کرا دیا گیا ہو۔

۶۔ اندرون ملک کوئی فرد موجود نہ ہو جو قرضے اور تاوان کے بوجھ تلے دبا ہوا ہو اور اس پر سے وہ بوجھ اتار نہ دیا گیا ہو۔

۷۔ اندرون ملک ملکی دفاع اور فوجی تیاریاں ہر آن مکمل ہوں تاکہ بروقت مظلوموں کی مدد بھی کی جاسکے اور اگر دشمن حملہ آور ہو تو اس کے دانت بھی فورا" توڑے جاسکیں۔

۸۔ اندرون ملک مسافروں کی سہولتوں کے لیے ہر طرف سڑکوں اور ریلوے لائنوں کے جال بچھے ہوئے ہوں۔ حسب ضرورت ریلیں اور بسیں میسر آئیں۔ اور اندرون و بیرون ملک ہوائی سروسوں کا انتظام مکمل ہو۔ نیز بیرون ملک سے آنے والے سیاحوں' سفیروں اور سیاسی مہمان مسافروں کی تمام وقتی سہولتیں ہر وقت مکمل ہوں۔

پس یہ آٹھوں شقیں علم و حکمت کے بھرپور مظاہر ہیں ○ ان آٹھوں شقوں پر عمل کئے بغیر دنیا کی نہ کوئی

حکومت ہی کامیاب ہوسکتی ہے اور نہ ہی کوئی قوم عالمی قومی برادری میں عزت کا مقام حاصل کر سکتی ہے اور نہ عزت کی نگاہ سے دیکھی جاسکتی ہے۔

صدقاتی نظام' سودی نظام کی ضد ہے ○ واضح رہے کہ اوپر آیت مجیدہ ۹/۶۰ میں صدقات کے مصرف کی تفصیل میں طاقت ور اور کامیاب حکومت کے قیام کا راز بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ضمن میں ایک سوال باقی ہے کہ صدقات سے مراد گیا ہے اور ان کی تفصیل کیا ہے؟ جواباً" عرض ہے کہ قرآن مجید نے سر فہرست صدقات کو سودی نظام کی ضد بیان کیا ہے:-

○ **یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ** ۲/۲۷۶- اللہ تعالیٰ سودی نظام کو مٹانے کا اور صدقاتی نظام کو بڑھانے کا حکم دیتا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن مجید نے تقابل ضدّین کے ذریعہ جو معنی صدقات کا ۲/۲۷۶ میں بتا دیا ہے۔ یہ اس قدر جامع اور بلیغ ہے کہ اس سے نظام صدقات کی حقیت کھل کر عیاں ہو چکی ہے کہ سودی نظام جو ضرورت مندوں کی وقتی ضرورتوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تذلیلِ انسانیت کرتا ہے۔ صدقاتی نظام میں اس کے برعکس ہر طرف شرفِ انسانیت کا پرچم لہرارہا ہوتا ہے۔

○ ظاہر ہے کہ سودی نظام میں حاجت مند افراد کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر ان کی ضرورتیں اس طرح پوری کی جاتی ہیں کہ سود خوار قرض خواہ کی کمائی میں ظالمانہ انداز سے حصہ دار بن جاتا ہے۔ مگر صدقاتی نظام میں کسی بھی فردِ معاشرہ کی وقتی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اس کا حق تسلیم کرتے ہوئے ہر رکی ہوئی ضرورت بروقت پوری کی جاتی ہے۔

○ صدقاتی نظام کی اس تفصیل کے بعد اب آیئے اس سوال کی طرف کہ صدقات سے مراد گیا ہے جو عوام سے وصول کئے جائیں گے۔ اور جن کی وصولی کے لیے ملک بھر میں ایک الگ محکمہ ہر آن مصروفِ عمل رہے گا۔ قرآن مجید میں ایک تو آیا ہے لفظ زکوٰۃ کا جس کے متعلق سورہ حٰم سجدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے' وہ مشرک اور آخرت کے منکر ہیں:-

○ **وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ○ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ** ○ ۶-۴۱/۷- اور تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ وہی تو آخرت کے منکر ہیں۔ اسی چیز کو **وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ** ۲/۳ کے الفاظ میں نمایاں کیا گیا ہے۔ پس ان آیات کریمات سے وضاحتاً" عیاں ہو رہا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ بصورت دیگر قرآن مجید کی میزان میں اسے مشرک اور آخرت کا کھلا منکر قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ریاست کے ہر فرد سے زکوٰۃ کی وصولی ایک بہت بڑا کام ہے جس کی انجام دہی کے لیے لازماً" الگ وزارت بھی ضروری ہے اور وفاقی' صوبائی' ضلعی' تحصیل دار' تھانہ دار ذیل دار عمال کی تقرری بھی لازمی ہے۔

○ یہ تو ہوئی زکوٰۃ جو ہر مسلمان پر فرض ہے جو سرکاری طور پر جمع کی جائے گی اور حکومت کا متعینہ عملہ اسے حلقہ وار وصول کرکے سرکاری بیت المال میں جمع کرائے گا۔ زکوٰۃ کے علاوہ قرآن مجید میں جو صدقات کے الفاظ آئے ہیں' علماءِ روایات نے ان کا معنی بھی زکوٰۃ ہی لیا ہے۔ جیسے کہ مولوی احمد علی صاحب لاہوری مرحوم نے انجمن خدام الدین لاہور کے شائع کردہ مترجم قرآن کے صفحہ نمبر۳۰۰ پر آیت مجیدہ ۹/۶۰ کے الفاظ **اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ ...... الخ** کا معنی لکھا ہے:

"زکوٰۃ مفلسوں اور محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے۔"

○ لیکن جہاں تک تدبر فی القرآن بتصریف آیات الفرقان کا تقاضہ ہے' صدقات وہ مال ہے جو معاشرہ کے مال داروں سے زکوٰۃ کے علاوہ وصول کیا جائے گا جیسے کہ ۹/۱۰۳ میں ارشاد ہوا ہے:۔

○ **خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔** ۹/۱۰۳۔ اے رسول سلام علیہ ! (معاشرہ کے مال داروں سے) ان کے مالوں سے صدقہ کے طور پر مال وصول فرمائیں۔ اور اس مال کے ساتھ (معاشرہ کے ناداروں کو) غربت سے پاک کریں اور ان کی نشوونما فرمائیں۔ یہ مال زکوٰۃ کے مال سے الگ ہے۔ مگر چونکہ اس میں بھی **تُزَكِّيْهِمْ بِهَا** کے الفاظ مادہ ۔ز۔ک۔و= زکو ہی سے آئے ہیں۔ اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ صدقات کے مال بھی مال زکوٰۃ ہی کی ایک مد ہیں' جن کی خصوصیت یہ ہے کہ مال زکوٰۃ تو ہر فرد ریاست سے ایک مقررہ مقدار کے مطابق وصول کیا جائے گا۔ مگر صدقات صرف مال داروں سے لیے جائیں گے۔ اور ان کی مقدار محکمہ کے اعلیٰ افسر' مالی وسعت کے مطابق خود مقرر کیا کریں گے۔

○ اب چونکہ آیت مجیدہ ۹/۱۰۳ میں صدقات کو بھی زکوٰۃ ہی کی ایک شق قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے ۹/۶۰ میں جز بمعنی کل کے انداز میں دونوں قسم کے مالوں کے لیے قرآن مجید نے لفظ صدقات کی جامع اصطلاح استعمال کی ہے۔ ریاست کے محکمہ صدقات کے عمال زکوٰۃ اور صدقات دونوں کے مالوں کو جمع کریں گے۔ جو ایک ہی صدقاتی بیت المال میں جمع کئے جائیں گے اور ۹/۶۰ میں مذکور آٹھ مدوں پر خرچ کئے جائیں گے۔ یہ پورا انداز اللہ تعالیٰ کے کامل علم اور عظیم حکمت کے عین مطابق ہے' جس پر عمل کرنے سے ریاست کی تمام داخلی خامیاں بھی دور ہو جاتی ہیں اور خارجی امور بھی کامیاب ہوکر عالمی برادری میں عزت کا مقام دلانے کا موجب بنتے ہیں۔

رجوع الی المطلب ○ آیت مجیدہ ۹/۶۰ کی تفصیلی بحث کے بعد اب پھر اپنے درس کی طرف رجوع فرمائیں۔ ۹/۶۰ سے ماقبل ۹/۵۹ میں منافقوں کا ذکر کیا گیا تھا کہ اگر وہ اس پر راضی رہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ اپنے رسول سلام علیہ کے ذریعہ دیتا ہے اور وہ ہمارے رسول سلام علیہ کو طعنے نہ دیں تو اچھا ہے۔ اگلی آیت ۹/۶۱ میں انہی (منافقوں) کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ رسول سلام علیہ کانوں کا کچا ہے۔ خود تحقیق نہیں کرتا کہ کون صدقات کا حقدار ہے۔ جو کچھ سنتا ہے اسی پر یقین کر لیتا ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۚ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۚ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

اور ان منافقوں میں سے بعض وہ ہیں جو ہمارے نبی کو ایذا (طعنے) دیتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ وہ کان ہے (سنی سنائی پر یقین کرتا ہے) کہہ دیجئے گا وہ کان تمہاری بھلائی کے لیے ہے۔ وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے اور مومنوں کی خبر پر یقین کرتا ہے (اسے صحیح مانتا ہے) اور وہ ان لوگوں کے لیے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں رحمت ہے اور جو لوگ اللہ کے رسول سلام علیہ کو طعنے دیتے ہیں ان کے لئے درد ناک عذاب ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا

(ایمان والو !) منافق تمہارے لیے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو خوش کریں۔ حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ وہ اسے اس کے رسول کے

مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾ ذریعہ خوش کریں۔ بشرطیکہ وہ مومن ہوں۔ (وہ تو مومن ہی نہیں ہیں منافق ہیں)۔

○ **یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ** کے الفاظ میں ایذا بمعنی زبانی طعنے ہیں۔ جس سے ذہنی ایذا پہنچتی ہے جیسے کہ **وَیَقُوْلُوْنَ ھُوَ اُذُنٌ** میں جلی لکھی ہوئی واوَ تفسیری بمعنی یعنی کے ذریعہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ وہ نبی اکرمؐ علیہ کو کہتے تھے کہ یہ کان ہے مومن جو خبر دیتے ہیں' اس پر یقین کر لیتا ہے کہ فلاں آدمی صدقات کے مال کا حق دار ہے' فلاں حقدار نہیں ہے اور یہ یقین کر لیتا ہے۔ تصدیق نہیں کرتا۔ حالانکہ نبی اکرمؐ پورے امین تھے۔ کوئی کام غیرذمہ دارانہ انداز سے کرتے ہی نہیں تھے۔ جیسے کہ **اُذُنُ خَیْرٍ لَّکُمْ** سے عیاں ہے کہ آپؐ کا یہ انداز بھی رحمت کا حامل تھا۔ کیوں نہ ہوتا' جب کہ آپؐ رحمۃ اللعلمین (سلام علیہ) تھے۔ پورے عالمین کے لیے رحمت تھے ۲۱/۱۰۷۔ **سَلَامٌ عَلٰی رحمۃ للعٰلمین**

○ **اُذُنٌ** اسم فاعل ہے بمعنی سننے والا۔ صرف سن کر یقین کر لینے والا۔ مگر جواب میں کہا گیا ہے:۔

○ **قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّکُمْ** کہہ دیجئے گا کان تمہاری بھلائی کے لیے ہے۔ یعنی اس نے خبررسانی کا ایسا معقول انتظام کر رکھا ہے کہ اس میں غلطی کا احتمال باقی نہیں۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ صدقات کا مال حقداروں کو ملے' غیر حقداروں کو نہ پہنچے۔

○ **یُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ** کا مقامی معنی صاف ہے کہ مومن پاکباز صحابی جو خبریں لاتے تھے' نبی اکرمؐ ان پر پورا پورا یقین فرمایا کرتے کیونکہ حضورؐ کے صحابی **اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا** ۸/۷۴ کے مطابق سچے مومن تھے۔ وہ کوئی غلط خبر بلا تحقیق آپؐ کے پاس لاتے ہی نہیں تھے۔

○ **وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ منافق جو نبی اکرمؐ کو طعنے دے کر ایذا پہنچاتے تھے ان کے جرم کی سزا مقرر کی گئی ہے درد ناک عذاب' جس کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ عذاب منافقوں کو دنیا ہی میں دیا گیا تھا یا نہیں؟ کیا یہ اخروی عذاب کی خبر ہے؟ جواباً عرض ہے کہ تصریف آیات کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ منافقوں کو دنیا ہی میں یہ عذاب دے دیا گیا تھا۔ جیسے کہ پیچھے آیت نمبر۹/۵۲ میں نبی اکرمؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے:۔

قُلْ ھَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِکُمْ اَنْ یُّصِیْبَکُمُ اللّٰہُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِہٖٓ اَوْ بِاَیْدِیْنَا ۹/۵۲۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے گا (اے منافقو !) تم ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار کرو اور ہم تمہارے لیے (دو چیزوں میں سے ایک کا) انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے (یعنی اپنے کائناتی لشکروں آندھی' سیلاب یا زلزلہ وغیرہ کے ساتھ) تم پر عذاب لے آئے اور یا وہ (میدان جنگ میں شکست کا درد ناک عذاب) تمہیں ہمارے ہاتھوں سے دلوائے۔

○ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ منافقوں پر ان دو میں سے کون سا عذاب نازل ہوا؟ اس کا جواب اسی سورۃ مجیدہ توبہ میں آگے چل کر ۹/۷۳ سے عیاں ہے' جہاں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے:۔ **یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ** ○ ۹/۷۳ + ۶۶/۹۔ اے نبی کافروں اور منافقوں دونوں کے ساتھ جہاد

کریں اور ان پر پوری سختی کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا ٹھکانہ جہنم (شکست ۳/۱۴) ہے اور وہ کتنی بری ہے جگہ پھر جانے کی۔ (شکست کا کتنا برا عذاب ہے)۔

○ پس اس تکراری آیت مجیدہ کے مطابق منافقوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں سے عذاب دیا گیا تھا جہاد کے ذریعہ میدان جنگ میں' جو جَاهِدْ اور وَاغْلُظْ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے تمام نشان بتا کر انہیں نمایاں کرنے کے بعد حکم دیا کہ ان سے جہاد کریں اور ان پر پوری طرح سختی کریں۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے اس الٰہی حکم کے مطابق انجام کار منافقوں کے ساتھ جہاد فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں شکست فاش کا دردناک عذاب پہنچایا۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ انہیں جاننا چاہیے کہ جو فرد یا قوم اللہ اور اس کے رسول سلام علیہ کا مقابلہ کرتی ہے اس کے لیے شکست فاش کی آگ کا دائمی عذاب ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی پھر وہ کبھی بھی بالمقابل آنے کی طاقت نہیں پائیں گے۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾

کیا ان (منافقوں) نے نہیں جانا کہ جو کوئی اللہ کے رسول سلام علیہ کے ذریعہ اللہ کا مقابلہ کرے تو بلاشبہ اس کے لیے شکست کی آگ ہے (۳/۱۴) وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (مذکورہ شکست فاش کی سزا) بہت بڑی رسوائی ہے۔

اس سے اگلی آیت میں منافقوں کا ایک اور نشان بتایا گیا ہے:۔

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾

منافق (لوگ) اس چیز سے ڈرتے ہیں کہ ان کے متعلق کوئی سورۃ نازل ہو جو اس چیز کی خبر دے جو ان کے ذہنوں میں (پوشیدہ) ہے۔ کہہ دیجئے (اے رسول سلام علیہ!) کہ تم (اللہ کے دین کا) مذاق اڑاتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو باہر لانے والا ہے جس (کے اظہار سے) تم ڈرتے ہو۔

○ اس آیت مجیدہ سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منافقوں کے ہر چھپے عزائم کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہوا ہے' غرض یہ کہ ایک ایک منافق کھل کر عیاں ہو جائے اور نبی اکرمؐ اللہ کے حکم (۹/۷۳ + ۶۶/۹) کے مطابق ان سے جہاد کریں اور ان پر سختی کرکے ان کی طاقت پوری طرح ختم کر دیں۔ اور ان کے سرغنوں اور ان کے سرگرم عمال کو اس طرح قتل کر دیں جو قتل کرنے کا حق ہے۔ ۶۰-۶۱/۳۳

اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں ہی کے متعلق نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر آپ ان سے سوال کریں گے تو وہ جواب دیں گے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ
وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ
كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾

اور (اے رسولؐ) اگر آپ ان سے (منافقوں سے ان کی منافقت کے متعلق) سوال کریں تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم بحث اور دل لگی کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ کیا تم اللہ کے ساتھ' اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول سلام علیہ کے ساتھ تمسخر کرتے ہو؟

نیز فرمایا کہ ○ اگر اس حد تک آگے بڑھ جانے کے باوجود وہ معذرت پیش کریں تو اس پر بھی اگلی آیت مجیدہ میں انتہائی منصفانہ جواب دیا گیا ہے۔

لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ
إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ
ع طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾

تم عذر مت کرو' بلا شبہ تم نے ایمان لانے کے بعد انکار کر دیا ہے۔ اگر ہم تمہارے ایک گروہ کو (جو مجرم نہیں صرف کافر ہوگیا ہے) معاف کر دیں تو ہم دوسرے گروہ کو ضرور عذاب کریں گے۔ اس لیے کہ وہ مجرم ہیں۔

دنیوی سزا کفر کی نہیں' جرم کی ہے ○ اس آیت مجیدہ میں پہلے ارشاد ہوا ہے کہ تم لوگ عذر بہانے نہ بناؤ۔ بلاشبہ تم ایمان لانے کے بعد کافر مرتد ہوگئے ہو۔ لیکن **لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ** ۲/۲۵۶۔ کے مطابق دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو جائے تو اس کے اس فعل کی کوئی دنیوی سزا مرتب نہیں ہوتی۔ مگر جو لوگ کافر ہو جانے کے بعد اسلامی ریاست کے ملکی قانون کی خلاف ورزی کا ارتکاب کریں تو ان کے لیے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں منافق مردوں اور عورتوں سب کے متعلق بتایا گیا ہے:۔

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ ۚ
يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ
وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ
إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٦٧﴾

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ وہ حکم کرتے ہیں قرآنی منکرات بجا لانے کا اور منع کرتے ہیں قرآنی معروف نیکیوں سے اور (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے) اپنے ہاتھ بند کئے رہتے ہیں۔ وہ اللہ کو بھول گئے ہیں۔ اس لیے اس نے انہیں بھلا دیا ہے بلا شبہ منافق جو ہیں تو وہ حدیں پھاندنے والے ہیں۔

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ
نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ
وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٦٨﴾

اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں کے ساتھ اور کافروں کے ساتھ جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے۔ وہ (اخروی زندگی میں) اس میں ہمیشہ رہیں گے ان کے لیے وہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے بیزار ہوگیا۔ اور ان کے لیے قائم رہنے والا دائمی عذاب ہے۔

جہنم سے مراد ہے ناکامی کی جلن ۱۲/۳ میں جہنم کا معنی بتایا گیا ہے اسی دنیا میں شکست فاش کی جلن کا درد ناک عذاب' محولہ آیت مجیدہ ۱۱/۳ میں مخالف کفار کو نبی اکرمؐ سے کہلوا دیا گیا تھا:۔

○ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ ۱۲/۳۔ (اے رسولؐ کافروں کو کہہ دیجئے گا کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم (یعنی شکست فاش والے میدان) میں سب اکٹھے کئے جاؤ گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

○ اس کے علاوہ آخری ناکامی کو بھی قرآن مجید میں نار جہنم کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ قیامت کے دارالجزا میں جن لوگوں کا نیکیوں والا پلڑا ہلکا رہ جائے گا۔ اور وہ موازنہ اعمال کی رو سے گھاٹا کھا جائیں گے وہ جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ جہاں پینے کے لیے گرم پانی اور کھانے کے لیے تھوہر میسر آئے گی۔ ہر طرف جسموں کو جھلس دینے والی گرم لو چلتی' اور دھوئیں کے بادل اٹھتے ہوں گے ایسے لوگوں کو ذہنی جلن کے علاوہ جسمانی جلن کا عذاب بھی دیا جائے گا۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کفار مکہ نے بھی اپنے وقت میں دنیوی فائدہ اٹھایا اور ان سے پہلی قومیں بھی اپنے اپنے وقت میں دنیوی فائدہ اٹھاتی رہیں۔ لیکن ان کے اعمال دنیا ہی میں ضائع ہوگئے۔ انھیں دنیا میں بھی جہنم' شکست کا عذاب دیا گیا اور وہ آخرت میں بھی گھاٹا کھانے والوں میں سے ہوں گے۔ دیکھیے اس پورے مضمون کو کس وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے:۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

(اے ضابطہ الٰہی کے منکرو ! سنو !) جس طرح تم سے پہلے لوگ جو طاقت میں تم سے زیادہ سخت تھے اور مال اور اولاد میں بھی زیادہ تھے پس وہ اپنے حصے کا دنیوی فائدہ اٹھا گئے۔ پھر تم نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھایا ہے۔ جیسے کہ تم سے پہلے لوگ اپنے حصے کا فائدہ اٹھا گئے اور تم نے اسی طرح بد اعمالیوں کو اپنایا ہے' جس طرح انہوں نے اپنایا تھا۔ ان کے اعمال دنیا ہی میں ضائع ہوگئے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ (تمہارا حال بھی ایسا ہے تمہیں بھی ان کی طرح دنیا میں شکست اور آخرت میں ناکامی نصیب ہوگی۔)

برادران عزیز !○ قرآن مجید میں جو کفار مکہ اور سابقہ بد عمل اقوام کے حالات بیان ہوئے ہیں وہ:۔ قصے کہانیاں نہیں ہیں بلکہ صحیح واقعات ہیں ان کی غرض درس عبرت ہے کہ ہم قارئین قرآن حکیم کے ان واقعات سے نصیحت حاصل کرکے اپنے اپنے اعمال کا جائزہ لیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے معروف کو اپنا کر اور اس کے منکر سے پرہیز کرکے دنیا و آخرت کی

کامیابی کے حقدار ہوں نیز انفرادیت سے آگے بڑھ کر اجتماعی مفاد پر ہر آن نگاہ رکھیں تاکہ مسلم قوم پسماندگی کے جہنم سے نکل کر ترقی کی جنت میں داخل ہو جائے۔

اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ کیا ان کے پاس سابقہ نافرمان قوموں کی خبر نہیں آئی۔

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ
نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ
وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ أَتَتْهُمْ
رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ
وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝٧٠

کیا ان لوگوں کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ قوم نوح کی اور قوم عاد اور قوم ثمود' اور قوم ابراہیم اور مدین والوں کی اور ان بستیوں والوں کی جو الٹ دی گئی تھیں۔ ان سب کے پاس (الگ الگ) ان کے رسولؑ واضح دلائل کے ساتھ آئے پھر ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا تھا اور لیکن انہوں نے (ہمارے رسولوں کو جھٹلا کر) اپنی جانوں پر آپ ظلم کر لیا تھا۔

○ اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ کے مد مقابل منافقین' مذکورہ بالا سابقہ اقوام کی طرح نبی اکرمؐ کو جھٹلا کر اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے ہیں۔ اس سے دو اگلی آیتیں' ۷۱'۷۲' پچھلی دو آیتوں ۶۷'۶۸ کی متقابل ہیں۔ آیات مجیدہ ۶۷'۶۸ میں بتایا گیا ہے کہ منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے میں سے ہیں یعنی وہ سب ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ وہ منکر کا حکم اور معروف سے منع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافقہ عورتوں کیساتھ جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ تو ہے آیات مجیدہ ۶۷-۶۸ میں منافق مردوں اور منافقہ عورتوں کا بیان۔ اس کے متقابل اگلی آیات مجیدہ ۷۱-۷۲ میں مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے وہ بھی ایک دوسرے میں سے ہیں۔ یعنی وہ سب ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ وہ معروف کا حکم دیتے اور منکر سے منع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ سدا بہار باغوں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں' عمدہ رہائش گاہوں اور عظیم کامیابی کا وعدہ کیا ہے:-

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ
بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ
الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ
سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝٧١
وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَ
مَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ
مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝٧٢

اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں (سب باہم) ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ معروف (قرآنی نیکیوں) کا حکم دیتے ہیں اور منکر (قرآنی برائیوں سے منع کرتے ہیں۔ اور وہ اجتماعی نظام قائم کرتے اور دلوں کو فربہی دیتے ہیں اور وہ اس کے رسولؐ کے ذریعہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحم فرمائے گا' بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اللہ نے مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کیساتھ ایسے باغوں کا وعدہ کیا ہے۔ جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے نیز سدا بہار باغوں میں عمدہ رہائش گاہوں کا۔ (یہ سب اللہ کی خوشنودی کے مظہر ہیں) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بہت بڑی چیز ہے یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اس تقابلِ آیات پر غور فرمائیں' جس میں الگ الگ بتایا گیا ہے کہ منافق مرد عورتیں منکر کا حکم دیتے اور معروف سے منع کرتے ہیں مگر مومن مرد عورتیں منکر سے منع اور معروف کا حکم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافق مرد عورتوں کے ساتھ جہنم کا وعدہ کیا ہے اور ان سے بیزار ہوگیا ہے' مگر مومن مرد عورتوں کے ساتھ اللہ نے سدا بہار باغوں میں عمدہ رہائش گاہوں' اپنی خوشنودی اور عظیم کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگلی آیتِ مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو حکم ہوا ہے کہ منافقوں کے خلاف جہاد کریں اور ان پر پوری سختی فرمائیں:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝	اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں (دونوں) کیساتھ جہاد کریں اور ان پر پوری پوری سختی فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ پھر کر جانے کی بہت بری جگہ ہے۔

اب غور فرمایئے گا کہ:۔ اس آیتِ مجیدہ سے کھل کر عیاں ہو چکا ہے کہ زمانہ رسالت میں جس طرح کافر پوری طرح نمایاں تھے' اسی طرح منافق بھی پوری طرح نمایاں ہو چکے تھے۔ تبھی تو حکم دیا گیا ہے کہ کافروں کے علاوہ منافقوں کے ساتھ بھی جہاد فرمایئے گا۔ اگر منافق چھپے ہوئے ہوتے تو منافقوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہی معاذ اللہ معاذ اللہ باطل ٹھہرتا ہے۔ یہی آیت مجیدہ ۹/۷۳ بالکل انہی الفاظ کے ساتھ ۹/۶۶ میں بھی آئی ہے۔

ایک لمحہ فکریہ:۔ پس یہ تکراری آیت مجیدہ ان حضرات کو غور و فکر کی کھلی دعوت دیتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ منافق لوگ نبی اکرمؐ کی وفات مبارکہ تک چھپے رہے اور آپؐ کے بعد مسند خلافت پر منافقوں ہی نے قبضہ کر لیا۔ استغفر اللہ ! معاذ اللہ ! یہ تصور' نہ صرف یہ کہ انتہائی گمراہ کن اور مخالفت قرآن حکیم پر مبنی ہے' بلکہ نبی اکرمؐ کی ذات مقدس کو بھی اللہ تعالیٰ کا نافرمان ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ۲ مرتبہ کے تکرار کے ساتھ حکم دیا تھا کہ کافروں کے علاوہ منافقوں کے ساتھ بھی جہاد فرمائیں اور ان پر پوری پوری سختی کریں۔ یعنی ان کا پوری طرح خاتمہ کر دیجئے گا۔ مگر نبی اکرمؐ نے معاذ اللہ معاذ اللہ' اللہ کے اس حکم کی نافرمانی کی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منافق نہ صرف آپؐ کی زندگی میں دندناتے رہے' بلکہ آپؐ کی وفات کے بعد خلافت پر بھی منافقوں ہی نے قبضہ کر لیا۔ استغفر اللہ ! **مِنْ هٰذِهِ الْمُفْتَرِيَات:۔**

○ المختصر ! آیتِ بالا سے کھل کر عیاں ہو چکا کہ زمانہ رسالت میں منافق نمایاں ہو چکے تھے' مخفی نہیں رہے تھے' چنانچہ اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں منافقوں ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ پہلے تو کفر بولتے ہیں اور پھر اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا:۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ	(منافق) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے (کلمہ کفر) نہیں کہا' حالانکہ بلاشبہ انہوں نے کلمہ کفر کہا ہے۔ اور اپنے اسلام لانے کے بعد انکار کر دیا ہے۔ اور انہوں نے اس امر کا ارادہ کیا جس تک پہنچ نہیں سکے۔ (انہوں نے اپنے انکار کے ذریعہ مومنوں سے انکار کرانے کا ارادہ کیا مگر کامیاب نہیں ہوئے) وہ نہیں بدلہ لیتے مگر اس کا کہ اللہ نے انہیں اپنے رسولؐ کے ذریعہ غنی کر دیا ہے۔ ہاں اگر وہ توبہ کریں تو ان کے لیے بہتر

اللّٰہُ عَذَابًا اَلِیۡمًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ۚ وَمَا لَہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۷۴﴾

ہے۔ اور اگر روگردانی کریں تو اللہ انہیں عذاب کرے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور زمین میں ان کا کوئی نہ خیر خواہ ہوگا نہ مددگار۔

○ اس سے پہلے آیت مجیدہ ماقبل میں:۔ اگرچہ کافروں اور منافقوں دونوں کا ذکر ہے۔ مگر اس آیت مجیدہ میں صرف منافقوں کے متعلق مذکور ہے' کیونکہ ان کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد کلمہ کفر کہا۔ انکار کیا۔ کافر تو مطلقاً" ایمان لائے ہی نہیں تھے۔

○ اب آپ اس آیت پر بھی بنظر تعمق غور فرمایئے گا کہ منافقوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اگر وہ توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی عذاب نہیں کرے گا اور آخرت میں بھی۔ پیچھے آیت نمبر۵۵ میں گزر چکا ہے:۔ **یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ بِہَا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا** ۹/۵۵۔ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ انہیں خود ان کے مال اور ان کی اولاد کی ساتھ دنیا کی زندگی میں بھی عذاب کرے۔ اور اسی طرح آیت زیر بحث ۹/۷۴ میں بھی انہیں دنیا اور آخرت کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے تو اب بتایئے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا ۹/۵۵ والا ارادہ بھی ناکام ہوگیا تھا۔ اور ۹/۷۴ کی وعید بھی باطل ہوگئی تھی کہ منافقوں کو بجائے اس کے کہ دنیا میں عذاب دیا جاتا' الٹا انہیں مسند خلافت کا اعزاز نصیب ہوا۔ پس واضح رہے کہ ان پے در پے آنے والی آیات کریمات سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ منافقوں کو دنیا کی زندگی ہی میں عذاب کیا گیا تھا۔ اور مسند خلافت پر فائز ہونے والے اصحابؓ رسولؐ حقے سچے مومن تھے ۸/۷۴ انہیں منافق قرار دینا قرآن مجید کی تکذیب اور رسولؐ مقبول کی توہین ہے۔

○ اگلی آیات مجیدہ میں منافقوں ہی کے بعض افراد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذیل کا وعدہ کرکے پھر چکے ہیں۔

وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ عٰہَدَ اللّٰہَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِہٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۷۵﴾

اور ان (منافقوں) میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے دے تو ہم صدقہ دیں گے اور صالحین میں سے ہو جائیں گے۔

فَلَمَّاۤ اٰتٰہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ بَخِلُوۡا بِہٖ وَتَوَلَّوۡا وَّہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾

مگر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو انہوں نے بخل کیا۔ اور روگردانی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہیں ہی اعراض کرنے والے۔

فَاَعۡقَبَہُمۡ نِفَاقًا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ اِلٰی یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَہٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوۡہُ وَبِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾

پھر (ان کی اس روش کا یہ نتیجہ ہوا کہ) اس (ان کے بخل) نے ان کے ذہنوں میں اس دن تک کے لیے نفاق کو پیوست کر دیا ہے' جب وہ اس (سزا) سے ملاقات کریں گے جو اس سبب سے ملے گی جو انہوں نے اس وعدہ کے خلاف کیا جو اللہ کے ساتھ کیا تھا۔ اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

○ اس سے اگلی آیات کریمات میں بھی منافقوں ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو وہ اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ سِرَّہُمۡ وَ

کیا انہوں نے نہیں جانا (یعنی انہیں جان لینا چاہئے) کہ بیشک اللہ تعالیٰ ان کی

نَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۞ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞

پوشیدگیوں اور ان کے خفیہ مشوروں کو جانتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ پوشیدگیوں کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

(یہ) وہ لوگ ہیں جو مومنوں میں سے انہیں طعنے دیتے ہیں' جو صدقات کی ادائیگی میں بڑھ کر حصہ لیتے ہیں (کہ سب کچھ دیکر خود قلاش ہو جاؤ گے) اور مومنوں میں سے وہ لوگ جو (خدمت دین کیلئے) جسمانی محنت کے سوا (کوئی مال) نہیں پاتے' وہ (منافق) ان کی تحقیر کرتے ہیں۔ اللہ ان کی (منافقوں) کی تحقیر کرتا ہے اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے۔

○ منافقت کا معنیٰ ہے دوغلا پن۔ اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے۔ ن' ف' ق= نفق جس کا معنی ہے وہ بل' وہ سوراخ جس کے دونوں سرے کھلے ہیں۔ یعنی بل میں رہنے والے جانور کا بل کی ایک طرف سے تعاقب کیا جائے تو وہ دوسری طرف سے نکل کر بچ جائے اس طرح نفق یعنی دو راستوں والے بل کی مناسبت سے منافقت کا معنی دوغلا پن بھی ہے منافقوں نے اپنے لیے دونوں راستے کھلے رکھے ہوتے ہیں۔ کہ اگر کافروں کی طرف کوئی فائدہ دکھائی دیا تو جھٹ ان کی طرف ہوگئے ورنہ مومنوں میں گھسے رہے' کیونکہ ان کے ہاں متوازن تقسیم رزق تو ہے ہی۔ آیت بالا ۹/۷۹ میں منافقوں کے اس دوغلا پن کی خبر دی گئی ہے کہ مومنین میں سے جو لوگ خدمت دین کے لیے صدقات کی ادائیگی میں تطوّع کرتے تھے' یعنی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے' وہ لوگ انہیں بھی طعنے دیتے تھے کہ اس طرح کھلے ہاتھوں صدقے دے رہے ہو' دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ کنگال ہو بیٹھو۔

○ اور جن مسلمانوں کے پاس مال نہیں تھا' اور وہ فروغ دین کے لیے صرف جسمانی محنت کی خدمت ہی کرسکتے تھے' وہ لوگ (منافق) انہیں بھی طعنے دیتے' ان کا مذاق اڑاتے اور تحقیر کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دینی خدمت کے لیے مشقت گزار مومنوں کی عزت افزائی فرماتے ہوئے خود منافقوں کی تحقیر فرمائی ہے اور ان کے لیے پے درپے درد ناک عذاب کی وعید پر مزید اضافہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

نبی اکرمؐ رحمتہ للعلمین کی انسانی ہمدردی اور منافقوں تک کیلئے قلبی دردمندی کا اظہار

○ قارئین کرام ۔ ذرا آیات زیر بحث سے دور پچھلی آیات کریمات پر غور فرمائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ آیت نمبر ۴۲ سے منافقوں کا ذکر شروع ہوا ہے اور مسلسل آیت نمبر۷۹ تک قریباً" تمام آیتوں میں منافقوں کی منافقانہ کرتوں کو نمایاں کیا گیا اور ان کے لیئے پے درپے درد ناک عذاب کی وعید پر وعید سنائی جا رہی ہے۔ لیکن رحمتہ للعالمین کی شانِ رحمت ملاحظہ فرمائیں کہ آپؐ اس کے باوجود بھی یہی چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح یہ لوگ اب بھی اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔ آپ کے درد مند اور گداز ذہن میں ان لوگوں کے لیے بدستور رحمت و الفت اور شفقت و مغفرت کے پاکیزہ جذبات کا ہفت قلزم موجزن تھا۔ آپ کی آخری تمنا اور انتہائی آرزو یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی بخشش ہو جائے۔

○ مگر قرآن مجید میں مذکور ہے کہ ابراہیمؑ نے جو آذر کیلئے مغفرت کی دعا فرمائی تھی' اسے شرف قبولیت نصیب نہیں ہوا تھا۔ شاید اسی لیے آپ نے مذکورہ منافقوں کے لیے دعا مغفرت نہ فرمائی۔ مگر آپ اپنے انتہائی درد مند ذہن کے ہاتھوں مجبور

ہو کر ملول و محزون رہتے تھے' یعنی یہ کہ اگر دعا کرنے سے ان افراد کی بخشش ممکن ہو جو اس کی حدیں پھاند چکے ہوں تو نبی اکرمؐ دعا مغفرت بھی فرما ہی دیتے' مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بخشش و عذاب کے غیر متبدل قوانین پر نہ کھلنے والی تالہ بندی کرتے ہوئے اگلی آیت میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۸۰

(اے رسول!) ان (منافقوں) کے لیے آپ مغفرت طلب کریں اور یا آپ ان کے لیے نہ مغفرت طلب کریں۔ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا انکار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حدیں پھاندنے والی قوم کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا (مغفرت ہدایت یافتہ افراد کا حق ہے)

جرائم منافقین کی طویل فہرست اور رحمتہ للعالمین کی انتہائی درد مند ذہنی کیفیت کے اظہار کی مزید آیات مبارکہ

○ آیت بالا میں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون بخشش و عذاب پر انتہائی مخصوص انداز کے ساتھ شدید تالہ بندی کر دی ہے' وہاں نبی اکرمؐ کی انتہائی درد مند ذہنی کیفیت کو بھی نکھار کر بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ منافق' جن کے عذاب کی خبروں پر نبی اکرمؐ ملول و محزون رہتے تھے' وہ وہی تو تھے جو:۔

○ مومن بن کر نبی اکرمؐ کی شان رحمتہ للعالمینی سے مستفیض ہونے کے باوجود آپ کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ۹/۴۲

○ جنگ کے موقعوں پر جھوٹے بہانوں کے ساتھ نبی اکرمؐ سے جنگ میں عدم شرکت کی اجازت لے لیتے تھے۔ ۹/۴۳

○ ان منافقوں کے اندر وہ لوگ بھی موجود تھے جو نبی اکرمؐ کے دشمنوں کے لیے جاسوسی کے فرائض ادا کرتے تھے۔ ۹/۴۷

○ یہ لوگ مسلمانوں کے لیے فتنے تلاش کرتے اور نبی اکرمؐ کی تجاویز میں الٹ پھیر کے مرتکب بھی ہو چکے تھے۔ ۹/۴۸

○ اگر نبی اکرمؐ کو کوئی بھلائی پہنچتی تو انہیں بری لگتی تھی اور اگر آپؐ کو کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ خوش ہوتے تھے۔ ۹/۵۰

○ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نبی اکرمؐ سے اعلان کروا دیا تھا کہ ان کا مال ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ ۹/۵۳

○ وہ قسمیں کھاتے تھے کہ مومنوں میں سے ہیں مگر وہ مومنوں میں سے نہیں تھے۔ ۹/۵۶

○ وہ نبی اکرمؐ کو تقسیم صدقات کے ضمن میں طعنے دیتے تھے۔ پھر اگر اس میں سے کچھ مال انہیں مل جاتا تو خوش ہو جاتے اور اگر عدم استحقاق کی بدولت انہیں کچھ نہ ملتا تو جھٹ ناراض ہو جاتے تھے۔ ۹/۵۸

○ ان میں ایسے افراد بھی تھے' جو نبی اکرمؐ کے متعلق یہ کہتے تھے کہ یہ تو کان ہے۔ صرف سنی سنائی باتوں پر اعتبار کرتا ہے۔ تصدیق نہیں کرتا۔ ۹/۶۱

○ وہ اللہ و رسولؐ کو خوش کرنے کی بجائے مومنوں کو خوش کرنے کے لیے اللہ کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ ۹/۶۲

○ وہ لوگ ڈرتے تھے کہ کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جس سے ان کے مخفی برے عزائم کا اظہار ہوتا ہو۔ ۹/۶۴

○ منافق مرد اور منافقہ عورتیں باہم ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ وہ منکر کا حکم کرتے اور معروف سے روکتے تھے۔ ۹/۶۷

○ وہ کلمہ کفر کہنے کے باوجود قسمیں کھاتے تھے کہ انہوں نے نہ کلمہ کفر کہا ہے اور نہ ضابطہ الٰہی کا انکار کیا ہے۔ ۷۴/۹

○ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ انہیں اپنے فضل سے نوازے تو وہ صدقات ادا کریں گے اور نیکو کار ہو جائیں گے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا تو اپنے کئے ہوئے وعدے سے صاف پھر گئے۔ ۷۵۔۷۶/۹

○ مومنوں میں سے جو لوگ صدقات کی ادائیگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے منافق انہیں طعنے دیتے تھے کہ کنگال ہو جاؤ گے۔ اور مومنوں میں سے جن لوگوں کے پاس دینی خدمت کے لیے مال نہیں تھا اور وہ صرف جسمانی خدمات پیش کرنے پر مجبور تھے' وہ لوگ ان کی تحقیر و تضحیک کرتے تھے۔ ۹/۷۹

اب غور فرمائیے گا کہ :- یہ وہی لوگ تھے' جو مسلمان بن کر نبی اکرمؐ سے ہر قسم کے دنیوی مفاد حاصل کرنے کے باوجود' آپؐ کے دشمنوں کی جاسوسی کے فرائض ادا کرنے کا ارتکاب کر رہے تھے ۹/۴۷۔ مسلمانوں کے لیے فتنے تلاش کرتے تھے اور نبی اکرمؐ کی مہمانہ تجویزوں میں الٹ پھیر کر چکے تھے اور آئندہ کے لیے تائب بھی نہیں ہوتے تھے مگر نبی اکرمؐ کی شان رحمتہ للعالمینی کے قربان جائیے کہ آپ کا درد مند ذہن ان کے عذاب کی خبروں سے ملول و محزون رہتا اور آپ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح یہ لوگ عذاب سے بچ جائیں۔ **سَلٰمٌ عَلٰی رحمة لّلعالمین۔**

○ نبی اکرمؐ کی اس درد مند و گداز ذہنی کیفیت' کہ پوری نوع انسانی ضابطہ الٰہی پر ایمان لاکر دنیوی اور اخروی عذاب سے بچ جائے' قرآن مجید میں مخفی اور مظہر انداز کے ساتھ بتکرار کثیر موجود ہے۔ چند مقامات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

بخشش و عذاب کے قوانین اٹل ہیں' نبی اکرمؐ لوگوں پر داروغہ نہیں تھے :- ہدایت و گمراہی لوگ خود اختیار کرتے ہیں' نبی اکرمؐ کوئی داروغہ نہیں تھے کہ زبردستی ہدایت دے کر سب لوگوں کو عذاب سے بچالیتے۔

○ **لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ** ۸۸/۲۲۔ (اے رسولؐ!) آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں (کہ لوگوں کو زبردستی ہدایت دیکر عذاب سے بچالیں)۔

○ **اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ** ○ ۳۹/۴۱ بیشک ہم نے (اے رسولؐ!) آپ پر لوگوں کے لیے سچی کتاب نازل فرمائی ہے (ہدایت اس کی اتباع میں ہے) پس جس نے ہدایت پائی تو اپنے لیے اور جو کوئی گمراہ ہوگیا' اس کا وبال اسی پر ہوگا اور آپ ان کے کارساز نہیں ہیں۔

○ ۱۰۸/۱۰ میں بھی قریبا" الفاظ بالا ہی میں نبی اکرمؐ کی انسانی ہمدردی نمایاں کی گئی ہے۔

نبی اکرمؐ کی درد مند ذہنی کیفیت کا اظہار کھلے لفظوں میں :۔ ○ ان آیتوں میں نبی اکرمؐ کی ذہنی انسانی ہمدردی جو مخفیانہ انداز میں بیان ہوئی ہے' آیات ذیل میں اسے کھول کر نمایاں کر دیا گیا ہے۔

○ **لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ**○ ۱۸/۶ + ۲۶/۳= (اے رسولؐ!) اس لیے کہ لوگ (ضابطہ الٰہی قرآن مجید پر) ایمان نہیں لاتے (اور اس طرح جہنم کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ ان کے غم میں گھل گھل کر) کیا آپ اپنی جان ہلاک کرلیں گے؟۔ سورہ فاطر میں ہے۔

○ **فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ**○ ۳۵/۸= پس (اے رسولؐ!) ان لوگوں پر حسرت کرتے ہوئے آپ کی جان ہی نہ چلی جائے (انہیں بلاوجہ عذاب نہیں کیا جائے گا) بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو وہ کرتوتیں کرتے ہیں۔

اب غور فرمایئے گا :۔ ○ آیات بالا میں **لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ** اور **فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ** سے کس طرح کھل کر نبی اکرمؐ کی انسانی ہمدردی کی ذہنی کیفیت عیاں ہو رہی ہے کہ نبی اکرمؐ اپنے دشمنوں تک کے غم میں اس قدر گھلتے رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ شفقت ارشاد فرمایا کہ ان نافرمانوں کے لیے ہمدردی میں آپ کی کہیں جان ہی نہ چلی جائے ....

○ اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ جنگ سے پیچھے بیٹھ رہنے پر خوش ہوتے ہیں۔ جنگ میں شامل ہونے اور اس کے لیے مالی اور جانی جہاد سے کراہت کرتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ اس سخت گرمی میں جنگ کے لیے مت نکلو۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱	(جنگ سے) پیچھے بیٹھ رہنے والے (منافق) اللہ کے رسولؐ سے پیچھے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے سے کراہت کی ہے اور انہوں نے (جنگ کے لیے نکلنے والوں سے) کہا کہ (اس جھلس دینے والی) گرمی میں مت نکلو۔ (اے رسولؐ کہہ دیجئے کہ جہنم (شکست) کی آگ (جلن) گرمی کے لحاظ سے بہت سخت ہے۔ کاش کہ وہ تفقہ کریں۔

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں جنگ سے پیچھے بیٹھ رہنے پر خوش ہونے والوں (یعنی منافقوں) کو کہا گیا ہے کہ وہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں زیادہ۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲	پس انہیں اپنے (ڈھکوسلے پن پر) ہنسنا کم چاہئیے اور رونا زیادہ۔ یہ بدلہ ہے ان کرتوتوں کا جو وہ خود کرتے چلے آرہے ہیں (جب انہیں منافقت کی سزا ملے گی تو اس تھوڑے سے ہنسنے کے مقابلے پر انہیں اپنے انجام پر بہت زیادہ رونا پڑے گا۔

منافقوں کو جنگ میں شامل ہونے سے ہمیشہ کیلئے روک دیا گیا ہے۔

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو مخاطب کرکے حکم دے دیا گیا ہے کہ۔

اے رسولؐ اگر آپ کبھی منافقوں کے کسی گروہ کے پاس جائیں اور وہ آپ سے جنگ کی اجازت طلب کرے تو آپ ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنگ میں شمولیت سے روک دیجئے گا۔

فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخَالِفِيْنَ ۞

پھر (اے رسولؐ) اگر اللہ آپ کو منافقوں کے کسی گروہ کی طرف پھیر لے جائے (یعنی آپ کسی ضروری دینی کام سے منافقوں کے کسی گروہ کے پاس جائیں) پھر وہ آپ سے (جنگ کے لیے) نکلنے کی اجازت طلب کریں تو آپ کہہ دیجئے گا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو گے۔ اور میرے دشمن سے تم میرے ساتھ ہوکر ہرگز نہ لڑو گے۔ بیشک تم پہلی مرتبہ پیچھے بیٹھنے پر راضی ہوگئے تھے۔ پس تم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کے مخصوص دینی اعمال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

○ **فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ** کے الفاظ میں، نبی اکرمؐ کی منافقوں کے کسی گروہ کی طرف رجعت کا فاعل اللہ تعالیٰ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن قرآنی اسلوب بیان سے عیاں ہے کہ دین سے **متعلقہ** رسولؐ اکرم کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ جیسے کہ ۸/۱۷ میں گزر چکا ہے۔ **وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى**۔ اور (اے رسولؐ) جب آپ نے تیر پھینکے تھے، وہ آپ نے نہیں پھینکے تھے۔ ولیکن وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکے تھے۔ دیکھئے! اس آیت مجیدہ ۸/۱۷ میں صاف بتایا گیا ہے کہ تیر نبی اکرمؐ ہی نے پھینکے تھے۔ لیکن چونکہ وہ آپؐ کا ایک مخصوص دینی عمل تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى** کہہ کر اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اسی طرح آیت بالا ۹/۸۳ میں، نبی اکرمؐ کے منافقوں کے کسی گروہ کی طرف کسی مخصوص دینی ضرورت کے لیے جانے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ پھیر کرلے جائے۔

○ اب رہا یہ سوال کہ نبی اکرمؐ کے لیے منافقوں کے ہاں جانے کا مخصوص دینی کیا کام ہوسکتا ہے؟ اس کی خبر خود آیت مجیدہ کے الفاظ میں موجود ہے۔ ان کا نبی اکرمؐ سے جنگ میں شرکت کی اجازت طلب کرنا۔ تاکہ وہ عین دوران جنگ دھوکہ دے کر اسلامی لشکر کو شکست سے دوچار کردیں۔ اسی لیے نبی اکرمؐ کو پیشگی ہدایت کردی گئی ہے کہ آپ انہیں اپنے ساتھ جنگ میں شریک ہونے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روک دیجئے گا۔ اس پر ہمارا ایک ضمنی سوال ان لوگوں سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کی زندگی میں منافق چھپے رہے تھے اور آپ کی وفات کے بعد منافقوں ہی نے مسندِ خلافت پر قبضہ کرلیا تھا، کیا جن لوگوں کو یہ کہنے اور کھلی وارننگ دینے کا حکم دیا گیا تھا کہ، چونکہ تم نے پہلی مرتبہ ہی پیچھے بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا۔ اس لیے تم آئندہ کبھی بھی میرے ساتھ جنگ کے لیے نہیں نکلو گے۔ **لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ أَبَدًا**" میرے ساتھ مل کر میرے دشمنوں سے ہرگز ہرگز قتال نہیں کروگے: **وَلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا** ۔ پس ان الفاظ قرآنیہ سے کھل کر ثابت ہوچکا، کہ منافق چھپے ہوئے نہیں تھے۔ عیاں ہوچکے ہوئے تھے، جن کے خلاف نبی اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کے تکراری حکم کے مطابق پورا

پورا جہاد کیا اور پوری پوری سختی فرمائی تھی ۹/۷۳ + ۹/۶۶۔ نیز آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک ایک منافق کو تلاش کرکے' اور گرفتار کرکے قتل کر دیا تھا۔ ۶۰-۶۱/۳۳۔ (تفصیل آگے آرہی ہے۔)

○ **لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ** کے الفاظ میں مضارع پر لن داخل ہوا ہے۔ جس کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ تم میرے ساتھ آئندہ بھی کبھی ہرگز ہرگز جنگ کے لیے نہیں نکلو گے۔ مگر محاورۂ عرب کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم میرے ساتھ جنگ کے لیے کبھی مت نکلنا۔ میں تمہیں کبھی جنگ میں شامل نہیں کروں گا۔ کبھی جنگ کی اجازت نہیں دوں گا۔

○ **وَ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا**" میں بھی مضارع پر لن داخل ہوا ہے اور اس کا بھی وہی اوپر والا مفہوم ہے کہ تم آئندہ بھی میرے ساتھ مل کر میرے دشمنوں کے ساتھ کبھی قتال نہیں کرو گے۔ آئندہ کے لیے بھی تمہیں جنگ کی کبھی اجازت نہیں دی جائے گی۔ آئندہ کے لیے تم جنگ میں شامل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کی زحمت تک نہ اٹھانا۔

منافق تو پہلی مرتبہ ہی جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

○ **اِنَّکُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ** کے الفاظ سے بصورت نصف النہار ثابت ہوتا ہے کہ منافق پہلی مرتبہ ہی جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ پہلی مرتبہ ہی سے انہوں نے پیچھے بیٹھ رہنا پسند کیا تھا۔ بالفاظ دیگر منافق ایک بار بھی جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ بھی نبی اکرمؐ کے ساتھ مل کر آپؐ کے دشمنوں کے خلاف جنگ نہیں کی تھی

○ **فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ** کے الفاظ میں نبی اکرمؐ کی زبان فیض ترجمان سے منافقوں کو کھل کر کہلوا دیا گیا تھا کہ تم جنگ سے پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ جنگ میں تمہاری شمولیت بحکم باری بند ہوچکی ہے۔ بالفاظ دیگر اس سے پہلے تو تم اپنے نفاق کی بدولت جنگ کے لیے نہیں نکلتے تھے اب تمہارا جنگ کے لیے نکلنا حکماً" بند کر دیا گیا ہے۔

نہ کسی منافق کی میت پر دعاء مغفرت کرنا اور نہ اس کی قبر پر دعا کے لیے کھڑے ہونا۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ جب منافقوں میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس کی میت پر بھی دعا نہ کرنا' اور نہ اس کی قبر پر بھی کبھی کھڑے ہونا۔ یعنی منافق کی قبر پر دعا کرنے سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روک دیا گیا ہے۔ چنانچہ واضح الفاظ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا
وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

اور (اے رسولؐ!) ان (منافقوں) میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس پر کبھی بھی صلوۃ (دعاء میت) نہ کرنا۔ اور نہ ہی کبھی اس کی قبر پر (دعا کے لیے) کھڑے ہونا' بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سلامؑ کا انکار کیا ہے اور وہ اس حالت میں مرگئے کہ وہ اللہ کی حدیں پھاندنے والے ہی رہے۔

روائتی شان نزول کی بوالعجبیاں:۔

○ یہ آیت مجیدہ نمبر۸۴' آیت یا سبق نمبر۸۰ میں نازل کردہ فیصلے کی تاکیدی اور تائیدی آیت مجیدہ ہے آیت نمبر۸۰ میں ارشاد ہوا ہے۔ **اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۝** ۹/۸۰ اور اس کا ذیل کا مفہوم بھی پیچھے بیان ہوچکا

ہے کہ۔ (اے رسول سلام علیہ) آپ ان منافقوں کیلئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں۔ اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت طلب کریں گے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سلام علیہ کا انکار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حدیں پھاندنے والی قوم کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

○ دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں بھی زندہ اور مردہ جملہ منافقوں کے لیے طلب مغفرت سے منع کر دیا گیا ہے اور اس شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ اگر آپ منافقوں کے لیے ستر بار بھی طلب مغفرت فرمائیں گے تو ہم انہیں پھر بھی معاف نہیں کریں گے۔ اور اسی نہی کی تاکید مزید کے لیے آیت زیر نظر نمبر ۸۴ میں **وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ ...... الخ** کے الفاظ میں منافقوں کی میّت اور قبر پر بھی صلِ کرنے سے بحکم خصوص منع کر دیا گیا ہے۔ مگر روایتی شان نزول کی بوالعجبی ملاحظہ فرمائیں کہ روایات کی افضل ترین مانی ہوئی کتاب بخاری شریف میں ان آیتوں کے متعلق یہ تصور دیا گیا ہے کہ آیت نمبر ۸۰ نازل ہوچکی ہوئی تھی جس میں نبی اکرمؐ کو کہا گیا ہے۔ **اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ**= آپ ان کیلئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں (برابر اور بے سود ہے) اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں پھر بھی معاف نہیں کرے گا۔ مگر روایات کہتی ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد عبداللہ بن ابی منافق مرگیا۔ نبی اکرمؐ نے اس کے جنازے کے لیے چلنے کا ارادہ فرمایا۔ تو عمرؓ نے نبی اکرمؐ کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ منافقوں کے لیے دعاء مغفرت سے آیت مجیدہ **اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ** ..... ۹/۸۰ میں منع کر دیا گیا ہے۔ لیکن نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ نہیں' اس آیت میں منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ منافقوں کا جنازہ پڑھوں یا نہ پڑھوں۔ چنانچہ جب آپ نے منافق کا جنازہ پڑھ دیا تو آیت مجیدہ زیر بحث ۹/۸۴ نازل ہوئی۔ جس نے نبی اکرمؐ کے فہم قرآن کی نہیں بلکہ عمرؓ کے فہم قرآن کی تائید کی اور نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا۔ **وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا**"...... ۹/۸۴

○ ذیل میں محمد سعید اینڈ سنز کراچی کی مطبوعہ بخاری شریف مترجم جلد دوم' کتاب التفسیر باب **اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً**۔ صفحہ نمبر ۸۰۲ کا اقتباس نقل مطابق اصل پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ روایت کی رو سے گیا نبی اکرمؐ کے فہم قرآن کی تائید ثابت ہوتی ہے یا عمرؓ کے فہم قرآن کی؟۔

ترجمہ بخاری شریف نقل مطابق اصل :۔ ○ عبید بن اسمٰعیل' ابو اسامہ' عبید اللہ نافع' ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اس کا بیٹا نبی اکرم سلامٌ علیہ کی خدمت میں آیا اور آپؐ سے کہا کہ اپنا کرتہ اس کے کفن کیلئے دیجئے۔ آپ نے کرتہ دیدیا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ آپ ان کی نماز جنازہ پڑھا دیجئے۔ آپ نے چلنے کا ارادہ کیا۔ عمرؓ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ منافق کا جنازہ پڑھا رہے ہیں اور دعاء مغفرت فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس سے منع فرمایا ہے۔ نبی اکرم سلامٌ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں ان کے لئے دعا مغفرت کروں یا نہ کروں۔ اور اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ اگر ان کے لئے ستر بار بھی دعاء مغفرت کی جائے تو بھی میں ان کو نہیں بخشونگا۔ لہٰذا اس کے لئے ستر بار سے زیادہ مغفرت چاہونگا۔ عمرؓ نے کہا وہ تو منافق ہے۔ آخر آپ نے نماز پڑھا دی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ **وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ**...... "یعنی اے رسولؐ ان منافقوں سے جو بھی مرجائے نہ اس کی نماز

پڑھو اور نہ اس کی قبر پر جاؤ۔"

قابل غور:۔

○ اس روایت میں نبی اکرمؐ کے قلب گداز اور پوری نوع انسانی کی نجات کے متمنی ذہن کی ترجمانی تو صحیح کی گئی ہے۔ مگر آپ کے فہم قرآن پر اس قدر سوقیانہ حملہ کیا گیا ہے کہ آیت مجیدہ **اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ .... سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ** ۹/۸۰ سے عمرؓ تو منشاء الٰہی کو سمجھ گئے کہ اس میں منافقوں کے لیے دعا مغفرت سے منع کر دیا گیا ہے۔ مگر معاذ اللہ معاذ اللہ نبی اکرمؐ نے منشاء الٰہی کے خلاف آیت نمبر ۹/۸۰ سے یہ مطلب اخذ کیا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ منافقوں کے لیے دعاء مغفرت کروں یا نہ کروں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو مبالغہ کا عدد استعمال کرکے فرمایا کہ اگر آپ ستر مرتبہ بھی منافقوں کے لیے مغفرت طلب کریں تو پھر بھی ہم انہیں معاف نہیں کریں گے۔ اس سے آپ یہ سمجھے کہ اگر اکہتر بار مغفرت طلب کی جائے تو اللہ معاف کر دے گا۔ مگر روایت کے مطابق ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اکہتر بار تو گیا' ایک بار بھی منافقوں کے لیے دعا مغفرت سے منع فرما دیا۔ **وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا**" ...... الخ = اور اے رسول! ان میں سے کوئی مر جائے تو اس پر ہرگز صلوۃ (دعائے مغفرت) نہ فرمائیں۔

شان نزول ایک غیر قرآنی نظریہ ہے:۔

○ مندرجہ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر نبی اکرمؐ عبداللہ بن ابی کا جنازہ نہ پڑھاتے تو آیت مجیدہ ۹/۸۴ **وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا**" نازل ہی نہ ہوتی۔ معاذ اللہ! حالانکہ آیت مجیدہ **وَلَا تُصَلِّ** واؤ عاطفہ سے شروع ہوتی ہے۔ اس لیے پوری آیت معطوفہ ہے۔ یعنی کلام جاریہ کا حصہ ہے اور اس کی معطوف علیہ آیت مجیدہ ماقبل موجود ہے۔ **اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ** اور تقدیر کلام یہ ہے۔

○ **اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ .... وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا" وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَا تُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ** ○ ۹/۸۰-۸۴

○ (مفہوم) اے رسولؐ! برابر ہے کہ) آپ ان (منافقوں) کے لیے طلب مغفرت کریں یا نہ کریں۔ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ (ان گنت دفعہ) بھی طلب مغفرت فرمائیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کا انکار کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حدیں پھاندنے والی قوم کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا .... یہ اس لیے ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس پر کبھی بھی صلوۃ (دعا میت) نہ فرمائیں اور نہ ہی کبھی اس کی قبر پر دعا کے لیے کھڑے ہوں۔ (اس لیے کہ) بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ اسی حالت میں مرگئے کہ وہ بدستور اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندنے والے ہی رہے۔

○ پس قرآنی اسلوب بیان' قرآنی تصریف آیات اور قواعد کے قاعدہ عطف معطوف کے کھلے انداز کے مطابق آیت مجیدہ ۹/۸۴ کا نزول کسی شان نزول کا مرہون منت ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ آیت معطوفہ ہے اور اس کا عطف ۹/۸۰ پر ہے جو ماقبل مذکور و موجود ہے۔ **فاعتبر و ایا ولی الابصار؟**

○ تقدیرِ کلام کے مطابق یہاں واؤ بمعنی اس لیے ہے۔ چونکہ منافقوں نے اللہ اور رسول سلام علیہ کا انکار کیا ہے۔ اس لیے ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس پر کبھی بھی دعاءِ مغفرت نہ کرنا۔

رجوع الی المطلب ○ اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں ہی کے متعلق نبی اکرمؐ کو واؤ عاطفہ کے ساتھ یعنی بصورت کلام مسلسل ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵

اور (اے رسول !) آپ کو ان (منافقوں) کا مال حیرت میں نہ ڈال دے اور نہ ان کی اولاد۔ سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ان کی منافقت کی بدولت) ارادہ کرتا ہے کہ انہیں اس (ان کے مال اور اولاد) کے ساتھ دنیا ہی میں عذاب کرے۔ اور ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں کہ وہ کافر ہی ہوں۔

○ **اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ منافقوں میں بڑے بڑے مال دار لوگ موجود تھے جن کی کثرت مال پر تعجب کیا جاسکتا تھا۔ نیز وہ لوگ بڑی بڑی اولادوں والے بھی تھے۔ لیکن۔

○ **اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا** پیچھے ۹/۵۵ میں یہی آیت مجیدہ ۹/۸۵ بالکل انہی الفاظ میں منافقوں ہی کے متعلق آئی ہے۔ اس میں فی الدنیا کی بجائے فی الحیوۃ الدنیا آیا ہے۔ ان الفاظ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو ان کے مالوں اور ان کی اولادوں کے ساتھ اس دنیا کی زندگی ہی میں عذاب کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ اور اب چونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے تو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ بلاشبہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ رسالت محمدی سلام علیہ کے منافقوں کو ان کے مالوں اور اولادوں کے ساتھ ان کی دنیوی زندگی ہی میں ضرور ضرور عذاب دیا تھا۔

ایک عظیم تاریخی تنازعہ کا قرآنی حل ○ اہل اسلام میں نام نہاد اسلامی تاریخ کے باب اول ہی میں ایک عظیم تاریخی تنازعہ مدت مدید سے چلا آرہا ہے' جو امت میں وجہ مخالفت و مخاصمت ہی نہیں بلکہ وجہ جدال و قتال بھی رہا ہے۔ وہ یہ کہ نبی اکرمؐ کی وفات مبارکہ کے بعد یکے بعد دیگرے جو تین مقدس صحابیؓ آپ کے جانشین ہوئے تھے' مسلمانوں کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ وہ تینوں منافق تھے۔ معاذ اللہ ! استغفراللہ !

○ اس تاریخی تنازعہ کا حل قرآن مجید میں آج سے چودہ سو سال پیشتر سے ایک ہی لفظ کی تکراری آیات مجیدہ ۹/۵۵' ۹/۸۵ میں نازل کیا جاچکا ہے۔ جسے نظر انداز کرکے آئے دن کی باہمی سر پھٹول کا سامان خود مہیا کر لیا گیا ہے۔ اس عنوان کو آیت مجیدہ ۹/۵۵ کی تفسیر القرآن بالقرآن کے ضمن میں بالوضاحت درج کیا جاچکا ہے۔ عنوان کی اہمیت اور آیت زیر بحث ۹/۸۵ کی تفسیر کے لیے ۹/۵۵ کی تفسیری بحث دوبارہ ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔ تاکہ اولین خلفا رسولؐ (اصحاب ثلاثہ) کو منافق قرار دینے والوں پر قرآنی حقائق دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہو جائیں کہ ۹/۵۵ + ۹/۸۵ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے زمانہ رسالت کے منافقوں کو ان کے مالوں اور ان کی اولادوں کے ساتھ ان کی دنیوی زندگی ہی میں مغضوب کر دیا تھا۔ منافقوں کے مسند خلافت پر پہنچنے اور غاصبانہ طور پر مسلط ہونے کا' ازروئے قرآن سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کیا منافقوں کو ان کے مالوں اور اولادوں کے ساتھ دنیوی زندگی ہی میں عذاب نہیں کیا گیا تھا؟ ○

اب جب کہ ۹/۵۵ اور ۹/۸۵ میں اللہ تعالیٰ کا تکراری اعلان موجود ہے کہ اس نے ارادہ فرمایا تھا کہ منافقوں کو ان کے مالوں اور اولادوں کے ساتھ ان کی دنیوی زندگی ہی میں عذاب کرے گا تو بصورت نصف النہار ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو **فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ** ۱۱/۱۰۷ ہے اور اس کے ارادے میں نہ کوئی حائل ہونے والا ہے اور نہ وہ بدل ہی سکتا ہے' یقیناً یقیناً منافقوں کو ان کی دنیوی زندگی میں ان کے مالوں اور اولادوں کے ساتھ عذاب دیا تھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے آپ اس عنوان کی ہردو تکراری آیات مجیدہ بالمقابل ملاحظہ فرمائیں کہ یہ تھا اللہ تعالیٰ کا تکراری اعلان و ارادہ۔

○ **فَلَا تُعْجِبْکَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ** ○ ۹/۵۵

○ **وَلَا تُعْجِبْکَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الدُّنْیَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ** ○ ۹/۸۵

پس ○ ان تکراری آیات مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ :۔

○ منافقوں کے مال ان کی زندگی ہی میں ان سے چھن گئے تھے۔ جو انہی کے خلاف استعمال کرکے انہیں کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا تھا۔ اور ان کی اولادوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح عذاب دیا کہ وہ مسلمان ہوگئیں اور خود ان کے خلاف جہاد کیا۔ حتیٰ کہ وہ اسی حالت میں بلاتوجہ ختم کر دیئے گئے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے مال ان کے خلاف خرچ ہو رہے تھے اور ان کی اولادیں ان کے خلاف مصروف پیکار تھیں۔

○ برادران عزیز ! غور فرمائیں کہ ۹/۵۵ اور ۹/۸۵ کی تکراری آیات مجیدہ کا عملی نقشہ مذکورہ بالا کے سوا اور کیا سامنے آسکتا ہے جس میں **لِیُعَذِّبَهُمْ بِهَا** کے تقاضے پورے ہوتے ہوں۔ لیکن جو لوگ نبی اکرمؐ کے پہلے تین مقدس جانشینوں کو معاذ اللہ' معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ ! منافق قرار دیتے ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تکراری ارادہ ۹/۵۵ + ۹/۸۵ ناکام ہوگیا تھا۔ وہ تو منافقوں کو ان کی دنیوی زندگی میں خود انہی کے مالوں اور اولادوں کے ساتھ عذاب دینا چاہتا تھا۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ دنیا میں معتوب و مغضوب ہوتے۔ الٹا انہیں نبی اکرمؐ کی خلافت (جانشینی) کا شرف عظیم میسر آیا۔ ان کے مال اللہ کے رسول نے طلب فرمائے جو اللہ کی راہ میں فروغ دین کے کام آئے نیز ان کی اولادیں بجائے اس کے کہ ان کے لیے باعث عذاب بنتیں اور ان کے خلاف مصروف پیکار ہوتیں' ان کی معاون و مددگار ہوئیں۔ اور وہ تینوں مقدسین رضی اللہ عنہم' اسلام کی عظیم خدمت بجالاتے ہوئے زندگی بھر خوش و خرم صاحب اقتدار اور عوام کے خدمت گزار اور کافروں سے برسرپیکار رہے۔

○ پس مکرر گزارش ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اس کے تکراری اعلان کے مطابق اس امر میں معمولی سے شک کی گنجائش تک موجود نہیں کہ منافقوں کو ان کی زندگی ہی میں ان کے مالوں اور اولادوں کے ساتھ عذاب نہ کیا گیا ہو۔ اور وہ مغضوب ہونیکی بجائے صاحب اقتدار ہوگئے ہوں۔ اگر اصحاب ثلاثہ منافق ہوتے تو آیات بالا ۹/۵۵ + ۹/۸۵ کے تکراری اعلان ربانی کے مطابق دنیوی زندگی ہی میں برسراقتدار آنے کی بجائے اپنے ہی مالوں اور اولادوں

کے ساتھ عذاب دیئے جاتے۔

منافقوں کو نبی اکرمؐ نے اپنی زندگی ہی میں ختم کر دیا تھا ○ سورہ احزاب میں منافقوں کے متعلق نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا" ○ مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا" ○ ۶۰-۶۱/۳۳- (اے رسولؐ) اگر یہ منافق یعنی جن کے اذہان میں منافقت کی بیماری ہے' اور شہر میں بری خبریں اڑانے والے' باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے۔ پھر وہ اس (شہر مدینہ) میں آپ کے پڑوس میں نہیں رہیں گے مگر تھوڑا عرصہ ملعون ہوکر رہیں گے پس حکم دیا جاتا ہے کہ جہاں کہیں پائے جائیں گرفتار کر لیے جائیں اور اس طرح قتل کر دیئے جائیں جو قتل کرنے کا حق ہے۔

افسوس ہے کہ ○ ارشاد باری تو یہ ہے کہ منافقوں کو خود ان کے مالوں اور اولادوں کے ساتھ عذاب دیا گیا تھا ۹/۵۵ + ۹/۸۵ اور وہ گرفتار ہو کر قتل ہوگئے تھے۔ ۶۰-۶۱/۳۳۔ مگر ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ نہیں نہیں' نہ انہیں عذاب دیا گیا تھا' نہ وہ گرفتار اور نہ قتل ہوئے تھے بلکہ وہ تو غاصبانہ طور پر مسند خلافت پر فائز ہوگئے تھے۔ کاش کہ اگر آیت مجیدہ ۹/۵۵ + ۹/۸۵ + ۶۰-۶۱/۳۳ کو مشعل راہ بنایا جائے تو خلافت کا قدیمی خونی تنازعہ ایک سیکنڈ میں طے ہو جائے کہ اصحاب ثلاثہ منافق نہیں تھے بلکہ سچے پکے مومن تھے۔

آیات مجیدہ ۵۳-۹/۵۴ میں پیچھے گزر چکا ہے کہ منافقوں سے مال قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر چونکہ اصحابؓ ثلاثہ کے مال نبی اکرمؐ کے ہاں مقبول تھے۔ اس لیے وہ منافق نہیں' مومن تھے۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مل کر کافروں کے خلاف جہاد کرو تو ان میں سے جو مال دار ہیں وہ جنگ سے پیچھے بیٹھ رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۸۶

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ (عملاً) ایمان لاؤ۔ یعنی اس کے رسولؐ کے ساتھ ملکر (اللہ اور رسول کے دشمنوں کے خلاف) جہاد کرو تو (اے رسولؐ) ان (منافقوں) میں سے مالدار لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے کہ ہم پیچھے بیٹھنے والے (معذوروں) کے ساتھ پیچھے بیٹھنے والے ہو جائیں۔

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۸۷

وہ اس پر راضی ہوئے ہیں کہ وہ پیچھے رہنے والوں (لوبلے۔ لنگڑوں) کے ساتھ ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے اذہان پر (عدم تفقہ کی) مہریں لگ چکی ہیں۔ کیونکہ وہ تفقہ نہیں کرتے۔

○ یہاں واؤ کا معنی ہے یعنی۔ یہ واؤ تفسیری ہے جو اللہ تعالیٰ پر عملاً" ایمان لانے کی تفسیر کرتی ہے' یعنی اللہ کے رسولؐ کے ساتھ ملکر جہاد کرو۔ جو لوگ جہاد سے جی چراتے اور پیچھے بیٹھ رہتے ہیں' ان کا ایمان محض زبانی زبانی ہے جو اللہ کے ہاں

مقبول نہیں۔

○ منافقوں میں سے جو لوگ اولوا الطول یعنی مال دار تھے۔ وہ تو جنگ سے پیچھے رہنے کے لیے آگے بڑھ کر نبی اکرمؐ سے عدم شرکت کی اجازت طلب کرتے تھے اور باقی منافق ان کے پیچھے ہوتے یعنی مالدار منافق جملہ منافقوں کے لیے بطور نمائندہ اجازت طلب کرتے تھے۔ جنگ میں کوئی منافق شامل ہی نہیں ہوتا تھا۔ جیسے کہ پیچھے آیت مجیدہ ۹/۸۳ میں نبی اکرمؐ کی زبان فیض ترجمان سے اعلان کرا دیا گیا ہے۔

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۹/۸۳۔ پس (اے رسولؐ!) انہیں منافقوں کو کہہ دیجئے گا کہ تم میرے ساتھ کبھی بھی (جنگ کے لیے) نہیں نکلو گے اور نہ ہی میرے ساتھ مل کر میرے دشمنوں کے خلاف کبھی بھی جنگ کرو گے۔ بیشک تم تو (پہلی مرتبہ ہی پیچھے بیٹھ رہنے والوں لولوں لنگڑوں) کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہنے پر راضی ہوئے تھے۔ بالفاظ دیگر منافق تو پہلی مرتبہ یعنی ایک مرتبہ بھی نبی اکرمؐ کے ساتھ نہ جنگ کے لیے نکلے تھے اور نہ آپ کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کی تھی۔

○ **فهم** کی فا کا معنی ہے کیونکہ' جو اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ ان کے ذہنوں پر عدم تفقہ کی مہریں اس لیے لگی ہوئی ہیں کیونکہ وہ تفقہ کرتے ہی نہیں۔

اللہ کے رسول کے ساتھ مل کر اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد صرف مومن کرتے تھے ○

آیات بالا میں منافقوں کے متعلق دو ٹوک فیصلہ دینے کے بعد کہ وہ تو پہلی مرتبہ ہی لولوں' لنگڑوں کیساتھ پیچھے بیٹھ رہنے پر راضی ہوئے تھے' یعنی وہ ایک مرتبہ بھی نبی اکرمؐ کے ساتھ جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ اگلی آیت میں مومنوں کے متعلق اعلان کیا گیا ہے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

لیکن (اللہ کا) رسولؐ اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں (یعنی حقے سچے مومن صحابی ۸/۷۴) انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ تعالٰی نے ان کے (اپنے رسول اور مجاہد مومنوں کے) لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ مذکورہ بالا (سدا بہار معاشرہ حاصل کرلینا ہی تو) بہت بڑی کامیابی ہے۔

جنت تجری من تحتها الانهر کی اصطلاح قرآن مجید میں ایسے سدا بہار متوازن و ہموار معاشرہ کیلئے مستعمل ہے جو دنیا میں بھی قائم ہو تو **جنت تجری من تحتها الانهر** کہلاتا ہے اور آخرت میں کامیاب ہونے والوں کے لیے اخروی زندگی میں بھی میسر آئے گا۔ دنیا کی **جنت تجری من تحتها الانهر** کی خبر سورہ مائدہ میں بنی اسرائیل کے ذکر میں بیان ہوئی ہے:۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ

الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ..... ۵/۱۲

(مفہوم) اور بیشک اللہ نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا اور ہم نے ان کے درمیان (داخلی انتظام کے لیے) بارہ منتظم مقرر کیے۔ اور اللہ نے انہیں (اپنے رسول موسیٰؑ کے ذریعہ) کہا کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نے اجتماعی نظام قائم کیا اور اپنے دلوں کو فربہی دی۔ اور میرے رسولوں (موسیٰ و ہارون) پر ایمان لائے اور ان کی حمایت کی اور (غریبوں کی حالت سدھارنے کے لیے) اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دیا تو میں تمہاری تمام بد حالیاں دور کردوں گا اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کی سطح میں نہریں بہتی ہوں گی۔ (تمہیں **جنت تجری من تحتها الانهر** میں داخل کر دوں گا۔)

○ واضح رہے کہ مفسرین و مترجمین کرام کا ذہن مذکورہ زیر بحث الفاظ **جنت تجری من تحتها الانهر** سے فوراً اخروی جنت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ ان الفاظ سے دوسری زندگی کی جنت ہی مراد لیتے ہیں۔ لیکن یہاں ۵/۱۲ میں ان الفاظ سے دنیوی جنت مراد ہے' جس میں انفرادی نظام کی بجائے اجتماعی نظام قائم ہو اور معاشرہ کے جملہ افراد کی بدحالیاں مجموعی طور پر دور ہو چکی ہوں۔ یہاں آیت مجیدہ ۵/۱۲ میں **جنت تجری** سے اخروی جنت ہرگز مراد نہیں ہوسکتی' کیونکہ دوسری زندگی میں جنت مل جانے کے بعد کفر و نافرمانی کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر ۵/۱۲ کی جنت وہ جنت ہے جس کے ملنے کے بعد اس کے رہنے والے کفر و سرکشی بھی کر سکتے ہیں۔ جیسے کہ آیت مجیدہ کے اگلے الفاظ میں جنت میں داخل ہو چکنے کے بعد کے لیے ارشاد ہوا ہے:۔

○ **فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ** ○ ۵/۱۲۔ پھر اس کے بعد اس کے (یعنی جنت کے داخلے کے بعد) تم میں سے جو کوئی کفر (سرکشی) کرے گا تو بے شک وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو جائے گا۔ پھر اس سے اگلی آیت مجیدہ ۵/۱۳ میں بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اجتماعی نظام اور متوازن معاشرہ کا کیا ہوا عہد توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ملعون کر دیا۔ ان سے متوازن معاشرہ **جنت تجری من تحتها الانهر** چھن گئے:۔

○ **فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ..... ۵/۱۳** پھر ان کے اس عمل' یعنی پکے عہد کو توڑ دینے کی بدولت ہم نے ان پر لعنت کی (ان سے ہم بیزار ہوگئے) اور ہم نے ان کے اذہان کو سخت ہوا ہوا پایا' وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس کے مقام سے بدل دیتے (اجتماعی احکام کو انفرادی قرار دے دیا اور اس طرح) وہ اس حصے کو بھول گئے۔ جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی (کہ اللہ کی نعمتوں میں پوری نوع انسانی کا مساوی حق ہے مگر انفرادیت میں پھنس کر انہوں نے عوام غرباء کے حصے غصب کر لیے)۔

المختصر ! آیت زیر بحث ۹/۸۹ میں نبی اکرمؐ اور آپ کے ساتھیوں صحابہ کرام کے ساتھ **جنت تجری من تحتها الانهر** کا جو وعدہ کیا گیا ہے' وہ دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں کا ہے۔ دنیوی زندگی میں نبی اکرمؐ اور صحابہؓ کرام کو ہموار و متوازن معاشرہ یعنی متوازن قرآنی حکومت عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے لیے وعدہ حکومت ○ ۹/۸۹ کے علاوہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر صحابہ رسول کو قرآنی ہموار و

متوازن دنیوی حکومت عطا کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ سورہ حج میں صحابہؓ کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

○ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ○ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ..... وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ ۲۲/۴۰ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ ۲۲/۴۱

(مفہوم) ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دی جاتی ہے جن پر جنگ ٹھونسی جائے (جن پر جارحانہ حملہ ہوا) یہ اجازت اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے کے ٹھیک ٹھیک اندازے پیمانے قوانین مقرر کرنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں (صحابہ رسول) جو ناحق گھروں سے نکالے گئے۔ (ان کا قصور) اس کے سوا نہیں تھا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے (انہوں نے ربوبیت عامہ کا نظریہ پیش کیا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ (صحابہؓ رسولؐ نے اپنی مدد آپ کی۔ اس لیے اللہ نے ان کی مدد فرمائی) بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور اور غالب ہے ۲۲/۴۰ یہ (صحابہ رسولؐ ناحق گھروں سے نکالے گئے مہاجر) وہ ہیں کہ بے شک ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائیں گے۔ وہ اجتماعی نظام قائم کریں گے اور دلوں کو فربہی دیں گے۔ اور قرآنی نیکیوں کا حکم کریں گے اور قرآنی برائیوں سے منع کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے لیے ہے (یعنی ہر کام اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق سرانجام ہوتا ہے) ۲۲/۴۱

○ یہاں اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے۔ اہل قواعد کا یہ فیصلہ غلط ہے کہ ان بلا ورود لام مفتوح ان کا مخفف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سورہ اعراف میں اِنْ بمعنی اِنَّ بلا لام مفتوح بانداز ذیل آیا ہے کہ شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا۔

○ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○ ۷/۸۷ اور بلا شبہ تم میں سے ایک گروہ اس پر ایمان لایا ہے جو میں دیکر بھیجا گیا ہوں۔ اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا۔ پس انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے وہ بہتر فیصلے کرنیوالا ہے۔ یہاں ان بلا ورود لام مفتوح آیا ہے اور اس کا معنی اگر لگ ہی نہیں سکتا۔ اس لیے یہ ان بمعنی اِنَّ بمعنی بلاشبہ ہے۔

اب غور فرمایئے کہ آیات مجیدہ مذکورہ بالا ۴۰۔۲۲/۴۱ میں صحابہ کرام میں سے ان لوگوں کی خلافت ارضی (قرآنی متوازن حکومت) کی خبر دی گئی ہے جو ناحق گھروں سے نکالے گئے تھے۔ اور ان کا قصور صرف یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمینی پر ایمان لے آئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مہاجر صحابہ رسولؐ تھے' جنہیں نبی اکرمؐ کی وفات مبارکہ کے یکے بعد دیگر آپ کی جانشینی کا شرف عظیم نصیب ہوا۔ اسی سلسلے کی ایک اور آیت مجیدہ ملاحظہ فرمائیں:۔

○ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ ۲۴/۵۵

(مفہوم) (اے صحابہ رسولؐ) اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان افراد کے ساتھ جو ایمان لائے اور اصلاح کے کام کئے وعدہ کیا ہے کہ انہیں

ضرور ضرور زمین میں اسی طرح خلافت عطا کرے گا۔ جس طرح ان افراد کو خلافت ارضی عطا فرمائی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور وہ ان کے لیے اسی دین کا تمکن عطا فرمائے گا جو اس نے خود ان کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اور وہ ضرور ضرور ان کے خوف کے بعد اسے امن میں بدل دے گا۔ وہ میری ہی فرمانبرداری کریں گے اور وہ میرے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد (ان کی خلافت کا) انکار کرے گا۔ پس وہی لوگ ہیں جو اللہ کی حدیں پھاندنے والے ہیں۔

○ دیکھئے ! اس آیت مجیدہ میں صحابہ رسولؐ کے ساتھ اسی طرح کی خلافت ارضی کا وعدہ کیا گیا ہے' جس طرح کی خلافت ان سے پہلے خلفاء ارضی کو عطا کی گئی تھی۔ سابقین خلفاء ارضی میں ہیں۔ داؤدؑ' سلیمانؑ جیسے کہ ارشاد ہوا ہے۔ **یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ** ۳۸/۲۶۔ اے داؤد ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ آپ لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلے فرمایا کریں۔ پس ظاہر ہے کہ یہ اسی طرح کی خلافت کا وعدہ تھا جس کی رو سے زمین میں اقتدار میسر آتا اور لوگوں کے مقدمات' فیصلوں کے لیے خلیفہ کے حضور میں پیش کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ وعدہ صحابہ کرام' جانشینان رسول ہی کے ساتھ وفا ہوا تھا۔ جنہیں زمین میں اقتدار و تمکن میسر آیا۔ اور عوام کے مقدمات ان کے حضور پیش ہوا کرتے تھے۔ یہ وعدہ ان لوگوں کے ساتھ ہرگز نہیں تھا' جنہیں اقتدار و تمکن فی الارض میسر ہی نہیں آیا تھا۔

○ **ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا** کے الفاظ سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ یہ وعدہ خلافت انہی لوگوں کے ساتھ تھا۔ جن کا خوف امن کے ساتھ بدل چکا تھا۔ نہ کہ ان لوگوں کے ساتھ کہ بقول تاریخ ان کی پوری جماعت کو کئی پشتوں تک امن ہی نصیب نہ ہوا۔ (واضح رہے کہ یہ تبصرہ مروجہ تاریخ پر ہے۔ قرآن مجید کی رو سے یہ تاریخ صد فیصد محل نظر ہے' جس میں صحابہ رسول کی ایک جماعت کو پشتوں تک کے لیے خوف ہی میں مبتلا بتایا گیا ہے) العیاذ باللہ !

○ **ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفسقون** کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی موعود خلافت کا انکار کرنے والوں کو حدیں پھاندنے والے فاسق بتایا گیا ہے۔

رجوع الی المطلب ○ اس وقت آیت مجیدہ ۹/۸۹ زیر بحث ہے' جس میں صحابہ کرامؓ کیساتھ **اعد اللہ لھم جنت تجری من تحتھا الانھر**' کے الفاظ میں ان کے لیئے بہتی نہروں والے باغوں کی تیاری کی خبردی گئی ہے۔ اس کے ضمن میں ۵/۱۲ سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ **جنت تجری من تحتھا الانھار** کے الفاظ قرآن مجید میں سدا بہار متوازن معاشرہ کے لیے بطور اصطلاح استعمال ہوئے ہیں۔ اور آیت مجیدہ زیر بحث ۹/۸۹ میں صحابہ کرامؓ کے لیے خلافت ارضی کی خبردی گئی ہے۔ اور دنیا میں سدا بہار متوازن معاشرہ کے مل جانے ہی کو **ذلک الفوز العظیم** کے الفاظ میں سب سے بڑی کامیابی بتایا گیا ہے' جس میں پوری ریاست کا کوئی ایک فرد بھی زندگی کے کسی بھی حصے میں کبھی بھی محروم نہ پایا جائے۔

دیہاتیوں میں سے عذر کرنے والے۔ اگلی آیت مجیدہ میں ان لوگوں کا ذکر درج ہے جو دیہات کے رہنے والے تھے اور جنگ میں شریک نہ ہونے کے لیے عذر پیش کرنے کے لیے حضور رسالت میں حاضر ہوئے تاکہ انہیں جنگ سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی جائے۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۰

اور (جنگ سے پیچھے رہنے کے لیے) عذر بہانے پیش کرنے والے دیہاتی (نبی اکرمؐ کے پاس) آئے تاکہ انہیں اجازت مل جائے۔ اور (جنگ سے پیچھے) وہ لوگ بیٹھ رہے جنہوں نے اللہ کے رسولؐ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے جھوٹ بولا۔ ان میں سے جنہوں نے (جنگ کے حکم کا) انکار کیا' انہیں ضرور درد ناک عذاب پہنچے گا۔

○ یہاں **الذین کفروا منھم** سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے جھوٹے بہانے بنا کر جنگ کے حکم کا عملاً انکار کیا' یعنی دیہاتی منافق۔ وہ بھی جملہ منافقین میں شامل ہیں۔ ان کے خلاف **الکفار والمنفقین واغلظ علیھم** ۹/۷۳ کے قرآنی حکم کے مطابق پوری سختی کی جائے گی اور انہیں ضرور درد ناک عذاب دیا جائے گا۔ اس کے برعکس جن دیہاتی مومنوں نے جائز عذر پیش کئے اور جنگ میں شامل نہ ہوئے وہ اس عذاب کی وعید سے مستثنیٰ ہیں۔

جنگ سے مستثنیٰ مومنین کی فہرست ○ اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کے ان افراد کی فہرست بیان کی گئی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جنگ میں شامل ہونے سے خود مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔ غور فرمایئے گا۔ ارشاد باری ہے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹۱

نہیں حرج (پیچھے بیٹھ رہنے میں) کمزوروں پر اور نہ ان پر جو بیمار ہوں اور نہ ان پر جو خرچ کرنے کے لیے کوئی مال نہیں پاتے (اس شرط پر) جب وہ اللہ اور رسول کی (یعنی اسلامی نظام کی) خیر خواہی کریں۔ جو لوگ معاشرہ میں توازن پیدا کرنے والے ہیں۔ ان پر (مذکورہ عذروں کی بدولت) کوئی الزام نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بچاؤ عطا کرنے والا مہربان ہے۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝۹۲

اور نہ ان لوگوں پر کوئی (الزام) ہے' جب وہ (اے رسولؐ) آپ کے پاس آئے تاکہ آپ انہیں سوار کریں۔ (یعنی گھوڑا اور جنگی اوزار دیں تاکہ وہ جنگ میں شامل ہوں مگر) آپ نے فرمایا کہ میں (سواری) نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کروں۔ وہ واپس چلے گئے اس حالت میں کہ ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں اس غم میں کہ وہ نہیں پاتے (مال) جو وہ خرچ کرتے (یعنی گھوڑا اور جنگی اوزار خود خرید سکتے)

اوزاروں کے بغیر جنگ کرنے کی اجازت نہیں ○ آیت بالا ۹/۹۲ انتہائی غور و تدبر کی مستحق ہے جس سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ جنگی اوزاروں کے بغیر خالی ہاتھ جنگ نہیں ہوسکتی۔ یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ مومنوں کو جنگی ہتھیاروں کی ضرورت نہیں' مومن بلا ہتھیار بھی لڑ سکتے ہیں' آیت بالا کی رو سے مطلقاً" غلط ہے۔ کیونکہ اس آیت میں خود ذات باری

نے خبر دی ہے کہ ایک جنگ کے موقعہ پر کچھ مجاہد صحابہؓ حضور رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں گھوڑے اور ہتھیار دیجئے تاکہ ہم کفار کے مقابلے پر میدان جنگ میں داد شجاعت دیں۔ مگر نبی اکرمؐ کے پاس چونکہ اس وقت سامان جنگ کی کمی تھی' اس لیے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس گھوڑے نہیں ہیں جن پر میں تمہیں سوار کروں۔ اس لیے تم جنگ میں نہیں جاسکتے۔ اگر سامان جنگ کے بغیر جنگ ممکن ہوتی تو نبی اکرم فرماتے کہ اس وقت ہتھیار تو ہیں نہیں مگر تم جاؤ صرف ایمانی قوت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرو۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے انکار کی بدولت جذبہ جہاد وقتال سے سرشار صحابی اس حالت میں واپس لوٹ گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ جی میں کہہ رہے تھے کہ کاش ہمارے پاس مال ہوتا تو آج ہم گھوڑے اور ہتھیار اپنی گرہ سے خرید کر داد شجاعت دیتے۔

جدید سے جدید جنگی ہتھیار شبانہ روز خود تیار کرتے رہو ○ واضح رہے کہ مذکورہ بالا آیت مجیدہ ۹/۹۲ حقیقت ثابتہ کی علمبردار ہے کہ میدان جنگ میں پیادے سواروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ نہتے ان سپاہیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو ڈھال' تلوار' نیزہ' بھالا اور پیش قبض پانچوں ہتھیاروں سے لیس ہوں۔ تلوار والے بندوق والوں کے بالمقابل نہیں آسکتے اور بندوقوں والے توپ خانے کے مقابلے پر ٹھہر نہیں سکتے۔ اور اسی طرح ٹینکوں کا مقابلہ ٹینکوں کے ساتھ اور میزائیلوں کا مقابلہ میزائیلوں ہی کیساتھ ہوسکتا ہے۔ بلکہ ٹینک شکن اور میزائیل شکن ہتھیاروں کا بھی مزید شامل حال ہونا لازم ہے' طیاروں اور بمباروں کے مقابلے کے لیے لڑاکا بمبار اور نیپام بموں کا مقابلہ نیپام بموں ہی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے ایمان والوں کے نام جدید سے جدید ہتھیار خود تیار کرتے رہنے کا خصوصی حکم جاری کر رکھا ہے۔

○ **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ** ○ ۶۰/۸۔ اور (ایمان والو!) تم اپنی پوری استطاعت بھر (ہر آن جدید سے جدید فوجی) قوت تیار کرتے رہو خصوصاً" الخیل (یعنی تیز رفتار ذرائع رسل و رسائل) تمہارے ہاں قطار در قطار موجود ہوں۔ تم اس فوجی قوت کے ساتھ اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو دہلاتے رہو (تاکہ وہ گھر بیٹھے کانپتے رہیں) اور تم ان ظاہر دشمنوں کے علاوہ ان چھپے دشمنوں کو بھی دہلاتے رہو۔ جنہیں تم نہیں جانتے' انہیں اللہ جانتا ہے۔ اور اس (جدید سے جدید فوجی تیاری) پر جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے (یعنی جنگی قرضوں کے طور پر جو کچھ دو گے) وہ تمہیں واپس لوٹا دیا جائے گا اور تم ظلم نہیں کیے جاؤ گے۔

المختصر! قرآن مجید اور عالمی مشاہدات کی رو سے جنگی ہتھیاروں کے بغیر جنگ نہیں ہوسکتی۔ اہل ایمان کو ہر آن جدید سے جدید جنگی اوزار خود تیار کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے' جو **اعدوا** کے دائمی حکم سے عیاں ہے۔ مشاہدہ گواہ ہے۔ دنیا میں انہی اقوام کو بالا دستی میسر رہی ہے جو خود اسلحہ تیار کرنے والی ہوں۔ داؤدؑ' سلیمانؑ کو اس لیے مضبوط سرحدوں والی حکومت میسر آئی کہ ان کے ہاں لوہے اور تانبے کی فیکٹریاں شبانہ روز مصروف عمل تھیں۔

○ داؤد سلام علیہ کے متعلق خبر دی گئی ہے **وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ** ۱۰/۳۴ اور اس داؤد کے لیے ہم نے لوہے کو نرم پایا۔ یعنی ان کے ہاں لوہے کے جنگی اوزار اس آسانی کے ساتھ تیار کیے جاتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ لوہے کی سختی پر قابو پا لیا گیا ہے۔ سورہ حدید میں لوہے کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ **وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ** ۲۵/۵۷۔ اور

ہم نے لوہا (ایک مخصوص نعمت) پیدا فرمایا ہے۔ اس میں سخت لڑائی (کے اوزار ہیں) اور تمام لوگوں کے لیے فائدے ہیں۔

○ سلیمان سلام علیہ کے متعلق خبر دی گئی ہے۔ **وَأَسَلْنَالَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ** ۱۲/۳۴۔ اور ہم نے اس (سلیمانؑ) کے ہاں پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے بہتے ہوئے پائے۔ یعنی ان کے ہاں دھاتوں کو گلا کر فوجی سامان تیار کرنے کی فونڈریاں ہر آن مصروف عمل رہتی تھیں۔

قرآن مجید کو چیستان بنا کر رکھ دیا گیا ہے ○ افسوس ہے کہ قرآن مجید کی جن آیات کریمات میں داؤدؑ و سلیمانؑ کے فوجی سامان تیار کرنے کی خبر دی گئی ہے، سابقہ تراجم و تفاسیر نے انہیں چیستان بنا کر یہ عقیدہ پیش کر رکھا ہے کہ داؤد کے ہاتھ میں لوہا موم ہو جاتا تھا۔ اور آپ اس کی زرہیں بنایا کرتے تھے حالانکہ آپ لوہے کو اپنے ہاتھ کیساتھ موڑ کر زرہیں بناتے نہیں تھے بلکہ سائنٹیفک طریقے سے لوہے کو بھٹیوں میں تپا کر گلا کر موم کرتے تھے۔ اور اسی طرح سلیمانؑ کی بہتے تانبے والی فیکٹریوں کو بھی معجزاتی رنگ دے دیا گیا ہے کہ یہ ان کا معجزہ تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان قوم تو لوہے اور تانبے کے بہتے چشموں کو پیغمبروں کے معجزے قرار دے کر انہیں سر دھن دھن کر بیان کرتی چلی آرہی ہے اور دشمنوں نے سائنٹیفک طریقے سے لوہے کو موم کر لیا ہے اور تانبے کے چشمے بہا دیئے ہیں۔ جس طریقے سے داؤد و سلیمانؑ نے بہائے تھے۔ اور اس فوجی قوت کے ذریعے ہی اللہ کے پیغمبروں کو دنیا کی اس وقت کی قوموں پر بالادستی حاصل تھی۔

مالداروں کو بھی جنگ میں عدم شرکت کی اجازت نہیں ○ اگلی آیت مجیدہ میں مالداروں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ مال دینے سے بدنی جہاد کا حکم ساقط نہیں ہو جاتا۔ ان کی مالی اور جانی دونوں انداز سے شرکت ضروری ہے۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۳﴾

سوائے اس کے نہیں کہ جرم ان لوگوں پر ہے جو (اے رسولؐ) آپ سے اجازت مانگتے ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں (اور بدنی لحاظ سے معذور نہیں) وہ اس پر راضی ہوئے ہیں کہ وہ پیچھے رہنے والوں (معذوروں) کے ساتھ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کے اذہان پر (منافقت کی) مہر لگی پائی ہے پھر وہ جانتے ہی نہیں (کہ مال دینے سے جانی جہاد ساقط نہیں ہوجاتا)

○ اس آیت مجیدہ میں مالداروں کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی بدنی جہاد سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتے تندرست توانا ہوتے ہوئے جہاد سے پیچھے رہنے والے منافقت کے شکار ہیں۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں جھوٹے بہانے بنا کر جنگ میں عدم شرکت کی اجازت طلب کرنے والوں کے متعلق اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خبر دے دی ہے اس لیے ان کا عذر ہرگز قبول نہیں ہوگا۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ

(ایمان والو!) جب تم ان (منافقوں) کی طرف واپس جاؤ گے تو وہ تم سے عذر کریں گے (اے رسولؐ) کہہ دیجئے گا کہ عذر مت کرو ہم تمہاری (باتوں) پر ایمان نہیں لائیں گے (نہیں مانیں گے) بے شک اللہ نے ہمیں تمہاری خبریں (تمہاری نشانیاں) بتا دی ہیں اور اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل دیکھے گا۔ (تمہارے خلاف جہاد کیا جائے گا ۹/۷۳ + ۶۶/۹) پھر تم قیامت کو

عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

غائب اور حاضر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے (حاضر کئے جاؤ گے) پھر وہ تمہیں خبر دے گا جو تم عمل کرتے رہتے تھے۔

○ **اخبارکم** سے منافقوں کی وہ تمام نشانیاں مراد ہیں جو پیچھے اسی سورت مجیدہ میں بتائی گئی ہیں کہ وہ جھوٹے بہانے بنا کر جنگ میں عدم شرکت کی اجازت طلب کرتے ہیں ۹/۴۳، ۹/۴۵، ۹/۹۳ نبی اکرمؐ کی تجاویز میں الٹ پھیر کرتے ہیں ۹/۴۸ صلوٰۃ موقت میں لوٹے ہوئے ذہن اور بوجھل قدموں کے ساتھ آتے ہیں ۹/۵۴ نبی اکرمؐ کو مال صدقات کی تقسیم میں طعنے دیتے ہیں۔ اگر انہیں اس میں سے کچھ مل جائے تو خوش ہو جاتے ہیں۔ اور بوجہ عدم استحقاق کچھ نہ ملے تو جھٹ ناراض ہو جاتے ہیں ۹/۵۹۔ مومنوں کو راضی کرنے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں ۔ ۹/۶۲ اس چیز سے ڈرتے ہیں کہ ان کی نشانیاں بتانے کے لیے کوئی سورت نازل ہو ۹/۶۴ منافق مرد اور منافقہ عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو منکر کا حکم کرتے اور معروف سے منع کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے عموماً ہاتھ روک رکھتے ہیں ۹/۶۷

○ وہ کلمہ کفر کہتے ہیں اور پھر قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے کلمہ کفر نہیں کہا ۹/۷۴ انہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر وہ انہیں اپنے فضل سے مال دے تو صدقہ دیں گے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا تو منہ موڑ گئے ۹/۷۶۔ انہیں آئندہ کے لیے جنگ میں شمولیت سے بالکل روک دیا گیا ہے ۹/۸۳۔ ان کے مالدار لوگ کچھ مال دے کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے فریضہ قتال ساقط ہو چکا ہے ۹/۹۳

○ **سیری اللہ عمالکم و رسولہ** کے الفاظ میں کہا گیا ہے کہ تمہارے اعمال کا دوبارہ جائزہ لیا جائے گا۔ اور پھر تمہارے خلاف دنیا میں بھی ۹/۷۳، ۹/۶۶ کے حکم **جاھد الکفار ولمنفقین** کے مطابق جہاد کیا جائے گا اور پوری پوری سختی کر کے تمہیں ختم کر دیا جائے گا۔ ۶۰-۶۱/۳۳

○ **ثم تردون الی علم الغیب و الشھادہ** کے الفاظ میں ان پر واضح کیا گیا ہے کہ پھر قیامت کو بھی تمہیں اعمال کی جواب دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی عدالت عالیہ میں حاضر کیا جائے گا۔ اور وہ تمہاری ظاہر اور پوشیدہ تمام کرتوتیں کھول کر بیان کر دے گا۔ اور تم قیامت کے عذاب سے بھی بچ نہ سکو گے۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ایمان والو ! جب تم فاتح اور غالب ہو کر جنگ سے واپس جاؤ گے تو وہ قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے درگزر کرو۔

سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾

(ایمان والو) جب تم لوٹ کر ان کی طرف جاؤ گے تو وہ ضرور کہیں گے کہ تم ان سے درگزر کرو۔ پس تم (فی الحال) ان سے درگزر کرو۔ بلا شبہ وہ ناپاک لوگ ہیں۔ اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے (دنیا کی شکست اور آخرت کی ناکامی) بدلہ ہے اس کا جو وہ عمل کیا کرتے تھے۔

یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۹۶﴾

(ایمان والو !) وہ اس لیے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہوجاؤ۔ مگر (سن لو کہ) اگر تم ان سے راضی ہوگئے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کی قوم سے راضی نہیں ہوگا۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں دیہاتیوں گنواروں کے متعلق بتایا گیا ہے:۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾

دیہاتی لوگ کفر اور نفاق کے لحاظ سے بہت سخت ہوتے ہیں۔ اور وہ زیادہ اس قابل ہیں کہ وہ ان حدوں کو نہیں جانتے۔ جو اللہ نے اپنے رسول سلام علیہ کے ذریعہ نازل فرمائی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑھ کر علم والا اور بڑھ کر حکمت والا ہے۔

○ اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ دیہاتی لوگ کفر و نفاق میں اس لیے سخت ہوتے ہیں کہ انہیں حدود اللہ کا علم نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جملہ لایا گیا ہے **واللہ علیم حکیم** اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑی حکمت والا ہے' جس نے ایمان والو ! تم پر واضح کر دیا ہے کہ دیہاتیوں کی سختی اسی صورت میں کم ہوسکتی ہے کہ انہیں حدود اللہ سے آشنا کیا جائے۔ لہٰذا مومنوں کا فرض ہے کہ دیہاتیوں میں **ما انزل اللہ** کی تبلیغ و تعلیم عام کی جائے۔ تاکہ وہ لاعلمی کی وجہ سے گمراہی کا شکار نہ بنے رہیں۔

○ اس سے اگلی دو آیتوں میں دیہاتیوں کے دونوں قسم کے حضرات کی خبر دی گئی ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کئے گئے مال کو الگ الگ تاوان اور اللہ کے تقرب کا ذریعہ جانتے ہیں۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۭعَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۭوَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾

اور دیہاتیوں میں سے (ایک گروہ وہ ہے) جو اس مال کو وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تاوان قرار دیتا ہے اور ایمان والو ! وہ تم پر گردش زمانہ کی انتظار کرتا ہے۔ خود ان پر زمانہ کی بری گردش ہے اور اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾ ع

اور دیہاتیوں میں سے (ایک گروہ وہ ہے) جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔ اور اس مال کو جو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اللہ کی قربت کا اور رسول کی دعاؤں (تحسین و آفرین) کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ خبردار (بگوش ہوش سن لو کہ) بلا شبہ وہ مال ان کے لیے اللہ کی قربت کا (بھی اور رسول کی دعاؤں کا بھی) ذریعہ ہے۔ ضرور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ بیجا عطا فرمانے والا مہربان ہے۔

○ **علیھم دائرۃ السوء** کے جملہ میں علیھم کے لفظ سے ثابت ہے کہ زمانہ کی طرف اچھی یا بری گردش ان لوگوں کی اپنی ایجاد کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان لوگوں نے خود ہی یہ تصور ایجاد کر رکھا ہے اور خود ہی اس کے برے توہمات کے چکر میں گرفتار ہیں۔ اس کا عذاب خود انہی کے اوپر مسلط ہے۔

○ صلوات الرسول سے مراد ہے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کو نبی اکرمؐ کی طرف سے مرحام تحسین و آفرین کہنا اور ان پر خوش ہوجانا۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں صحابہؓ رسولؐ کی پانچ اقسام میں سے پہلی چار قسموں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اللہ ان سب سے راضی ہوگیا تھا اور وہ سب کے سب اللہ پر راضی ہوگئے تھے۔ واضح رہے کہ قرآن کریم نے صحابہؓ رسولؐ مقبول کو سب سے پہلے مہاجر و انصار کے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچنے والے مکی مہاجر اور ان کی نصرت کرنے والے مدنی انصار

○ اور پھر انہیں سابق و لاحق کے کے دو حصوں میں تقسیم کرکے ذیل کے چار حصوں پر منقسم کر رکھا ہے۔

۱۔ سابقین مہاجر یعنی سب سے پہلے ہجرت کرنیوالے ۲۔ لاحقین مہاجر یعنی وقتاً فوقتاً بعد میں ہجرت کرنیوالے

۳۔ سابقین انصار یعنی سب سے پہلے نصرت کرنیوالے ۴۔ لاحقین انصار یعنی بعد میں نصرت کرنیوالے۔

○ ان چاروں اقسام کو باری تعالیٰ نے ایک ہی سطح پر حقے سچے مومن قرار دیا ہے۔ ۸/۷۴ اور آیت مجیدہ ۹/۱۰۰ میں ان ہر چہار اقسام کو رضی اللہ عنہ اور رضواعنہ قرار دیا اور سب کے سب کیلئے جنت و مغفرت کی خوشخبری دی ہے۔

۵۔ صحابہ رضی اللہ عنہ کی پانچویں قسم بتائی گئی ہے فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے یہ بھی حقے سچے مومن تھے۔ فرق یہ ہے کہ ان کے مدارج فتح مکہ سے ماقبل دور کے گوناگون مصائب برداشت کرنیوالی چار اقسام کے برابر نہیں تھے۔ اس پانچویں قسم کی قرآنی وضاحت اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔ پہلے آیت مجیدہ ۹/۱۰۰ ملاحظہ فرمائیں جس میں پہلی چار اقسام کی وضاحت کی گئی ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

اور (مکی) مہاجرین اور (مدنی) انصار میں سے سبقت کرکے اولین ہجرت کرنیوالے اور اولین نصرت کرنیوالے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے ہجرت و نصرت میں ان کی حسن کارانہ پیروی کی (یعنی سابقون الاولون کے بعد وقتاً فوقتاً ہجرت اور نصرت کرتے رہے) اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر دیئے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

○ رضی اللہ عنہم و رضوانہ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ پر اس لئے راضی ہوگیا کہ مہاجرین کرام نے اپنا وطن، عزیز و اقارب، بھرے گھر، بھری دکانیں اور چلتے کاروبار چھوڑ کر اللہ کی راہ میں ہجرت فرمائی اور انصارؓ نے اپنی ضرورتوں کو پس پشت پھینک کر مہاجر بھائیوں کی دامے درمے قدمے اور سخنے ہر نوع کی مدد کی۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہؓ کرام مہاجر و انصار کس امر پر اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے تھے۔ اس کا جواب اس کے سوا نہیں ہوسکتا کہ وہ پاکیزہ نفوس اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون ربوبیت پر راضی ہوگئے کہ اگر وطن عزیز اور گھربار، سب کچھ قربان کرکے نظام ربوبیت قائم ہو جائے تو گھاٹے والا سودا نہیں اور یہی حالت انصارؓ مدینہ کی تھی کہ مہاجرؓ بھائیوں پر سب کچھ نچھاور کرکے بھی اگر ایک ہموار و متوازن معاشرہ میسر آ جائے تو پھر بھی سستا سودا ہے۔ مہاجرینؓ مکہ اور انصارؓ مدینہ کے ایثار کی مثال پوری دنیا کی پوری تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے اور شاید قیامت تک قاصر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مقدس ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے رضی اللہ عنہ کے مخصوص انعام سے سرفراز کر رکھا ہے۔

صحابہ کرام کی پانچ اقسام :۔ ○ پچھلے صفحہ پر بتایا جا چکا ہے کہ قرآن کریم نے صحابہؓ رسولؐ کی پانچ قسمیں بتائی ہیں۔ سابقین الاولین مہاجر سابقین الاولین انصار، لاحقین مہاجر، لاحقین انصار اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے مہاجر پہلی چار اقسام کی وضاحت تو آیت مجیدہ ۹/۱۰۰ میں اوپر گزر چکی ہے۔ جس کی تائید سورہ انفال کی آیت مجیدہ ۸/۷۴ میں موجود ہے۔ جس میں سابق و لاحق مہاجرین و انصار کو ذیل کے انتہائی کھلے الفاظ میں حقے سچے مومن کہا گیا ہے۔

○ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ ۸/۷۴ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ بھی جنہوں نے انہیں جگہ دی اور مدد کی وہ وہی تو حقے سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے (ہر قسم کے خطرات سے) بچاؤ اور عزت کا رزق ہے یعنی انہیں زمین میں اقتدار عطا کیا جائیگا۔ انہیں ایک باعزت آزاد اسلامی ریاست عطا کی جائیگی۔

○ یہ تو ہوئے پہلی چار قسم کے صحابہؓ سابق و لاحق مہاجرین و انصار ۸/۷۴ کے بعد ساتھ ہی اگلی آیت مجیدہ میں فتح مکہ کے بعد ایمان لانیوالوں کے متعلق بھی اعلان کر دیا گیا ہے کہ وہ بھی انہی میں سے تھے، یعنی وہ بھی حقے سچے مومن تھے۔

○ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۸/۷۵= اور (اے سابق و لاحق مہاجر و انصار!) جو لوگ (فتح مکہ کے) بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا، وہ بھی تمہیں میں سے ہیں۔ (وہ بھی حقے سچے مومن ہیں۔ وہ بھی رضی اللہ عنہ ہیں)۔

فتح مکہ کے بعد ایمان لانیوالوں کے مدارج سابق و لاحق صحابہؓ کے برابر نہیں :۔ ○ فتح مکہ سے پہلے کا دور صحابہؓ کرام مہاجرینؓ و انصارؓ کیلئے گوناگون مصائب کا دور تھا جس میں صحابہؓ کرام نے ہر آنیوالی مصیبت کا انتہائی مستقل مزاجی اور پامردی کیساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن فتح مکہ کے بعد مصائب و آلام کے تمام بادل چھٹ گئے، آئے دن مکہ معظمہ کی طرف سے اٹھنے والی شدید طوفانی آندھیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ اس لئے فتح مکہ کے بعد امن و عافیت اور ترقی و خوشحالی کا دور شروع ہوگیا۔ فلہذا چونکہ بعد میں ایمان لانے والوں کو فتح سے قبل والے مصائب و شدائد کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ماقبل اور مابعد والوں کے مدارج برابر نہیں بتائے۔ فتح مکہ سے ماقبل ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں ہجرت اور جہاد کرنے والوں کو بالفاظ ذیل اعلیٰ مدارج والے قرار دیا ہے۔

○ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ۭ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ ۵۷/۱۰= (اے صحابہؓ!) تم میں سے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور (اسلام کے دشمنوں کے ساتھ) لڑائی کی وہ برابر نہیں ہیں۔ وہ درجات کے لحاظ سے ان لوگوں سے اعظم (اونچے درجے پر فائز ہیں) جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور (اسلام کے دشمنوں سے) لڑائی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب (صحابہؓ) کیساتھ (ہر ایک کے اعمال کے مطابق بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ اور (سن لو کہ) اللہ تعالیٰ اس سے پورا پورا باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ (وہ ہر ایک کے درجے اس کے اعمال کے مطابق ہی متعین کرتا ہے)۔

اس آیت مجیدہ ۵۷/۱۰ کے مطابق اظہر من الشمس ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں اور اپنی جانوں اور مالوں

کے ساتھ جہاد کرنے والوں کے درجے' فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والوں اور اپنے مالوں اور جانوں کیساتھ جہاد کرنے والوں سے افضل ہیں۔ لیکن آیت مجیدہ کے آخری جملہ **واللہ بما تعملون** خبیر کے الفاظ سے عیاں ہے کہ اس سے آگے پھر فتح سے پہلے اور بعد ایمان لانے والوں اور ہجرت و جہاد کرنے والوں میں سے ہر صحابیؓ کا درجہ اس کے اعمال صالحہ کے مطابق الگ الگ ہے اور یہی تقاضائے انصاف ہے۔

سب کے الگ الگ مدارج :۔ ○ اس آیت مجیدہ کے مطابق تاریخ اسلام میں جن صحابہؓ کی مخصوص اسلامی خدمات اور مثالی قربانیوں کے تذکار جلیلہ بیان ہوئے ہیں اور انہی اعلیٰ وارفع قربانیوں کے معیار کے مطابق جن صحابہؓ کرام کو بلند و بالا مدارج کا حامل بتایا گیا ہے۔ خود مذکورہ بالا آیت قرآنیہ کے مطابق اس سے مجال انکار نہیں ہوسکتی۔ مثلاً" ابوبکر و عمرؓ کے متعلق تاریخ اسلام میں آیا ہے کہ ایک جنگ کے موقعہ پر جب نبی اکرمؐ نے جنگی ضروریات کیلئے صحابہ کرام سے مال طلب فرمایا تو عمرؓ نے اپنی آدھی نقدی حضور رسالت میں پیش کی۔ مگر ابوبکرؓ نے ساری کی ساری نقدی لاکر حضور رسالت میں ڈھیر کر دی۔

○ تو اسطرح ابوبکر رضی اللہ عنہ' واللہ **بما تعملون** خبیر کے مطابق یقیناً" جملہ صحابہؓ سے اعلیٰ و ارفع اور بلند و بالا مرتبہ کے حامل ٹھہرتے ہیں اور دوسرے درجہ پر عمرؓ جنہوں نے آدھی نقدی حاضر کر دی۔ اور اسی طرح جملہ صحابہؓ کے الگ الگ مدارج انفاق مال کے لحاظ سے آیت مجیدہ ۱۰/۵۷ سے عیاں ہیں۔ مجال انکار نہیں ہوسکتی۔ صحابہؓ کرام کے الگ الگ مدارج اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہیں اور ان کے الگ الگ اعمال کے الگ الگ مدارج کی جزا بھی اس ذات باری کے پاس محفوظ ہے۔ جس کے ہاں بے انصافی اور دھاندلی کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا اور جس نے انہیں خود ارشاد فرما دیا تھا کہ تم جو بھی عمل کرو گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پورا پورا باخبر ہے۔ ۱۰/۵۷

○ ہمیں ان حضرات سے ازراہ ہمدردی و خیر خواہی عرض کرنا ہے۔ جو صحابہؓ رسولؐ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرتے اور انہیں کافر و منافق قرار دیکر آیات قرآنیہ کی مخالفت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے متعلق باری تعالیٰ نے انتہائی وضاحت کے ساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے کہ مہاجر و انصار سابق و لاحق سب کے سب حقے سچے مومن تھے۔ ۸/۷۴ اور جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور اپنی جانوں اور مالوں کیساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ بھی انہی میں سے تھے' وہ بھی حقے سچے مومن تھے ۸/۷۵ البتہ ان کے درجے سابقین' لاحقین' مہاجرین و انصار کیساتھ برابر نہیں۔ ۱۰/۵۷

منافقوں کا مسئلہ :۔ تو اسطرح صحابہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کفر و نفاق کا تصور پیدا کرنا صریحاً" قرآن کریم کی مخالفت پر مبنی ہے۔ باقی رہا منافقوں کا معاملہ' جو کفر چھپا کر ایمان ظاہر کرتے اور صحابہؓ کرام کے اندر ملے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق بھی قرآن مجید میں کھل کر بیان کر دیا گیا ہے کہ انہیں ختم کر دیا گیا تھا۔ اسی سورہ توبہ کی آیت نمبر ۴۲ سے منافقوں کا ذکر شروع کیا گیا ہے۔

○ آیات مجیدہ ۹/۵۵ + ۹/۸۵ میں دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ اعلان گزر چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ انہیں اس دنیا کی زندگی ہی میں ان کے مالوں اور اولادوں کے ذریعہ عذاب کریگا۔ اور ۹/۷۳ میں خود نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ

منافقوں اور کافروں دونوں کے خلاف جہاد فرمائیں اور ان پر پوری پوری سختی کریں۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارادہ ۹/۵۵ + ۹/۸۵ اور اس کے نبی اکرمؐ کی طرف نافذ کردہ حکم ۹/۷۳ کے مطابق روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ منافقوں کا خاتمہ خود نبی اکرمؐ کے ہاتھوں ہی کروا دیا گیا تھا۔ نیز ۶۰-۳۳/۶۱ میں منافقوں کی آخری سزا بیان کر دی گئی ہے کہ ایک ایک منافق کا پیچھا کرکے ایک ایک کو قتل کر دیا گیا۔ مذکورہ بالا جملہ آیات مجیدہ گزر گئی ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں ہم آپ کو منافقوں ہی کے عنوان سے متعلقہ اگلی ملحقہ آیت مجیدہ کی سیر کراتے ہیں' جس میں شہری اور بدوی دونوں قسم کے منافقوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۔ لَا تَعْلَمُهُمْ ۔ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝

اور (اے صحابہؓ!) تمہارے اردگرد دیہاتی منافقین اور مدینہ کے رہنے والے (منافق) بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔ ہم ضرور انہیں دو مرتبہ عذاب کرینگے۔ پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائینگے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور (انکے علاوہ کچھ منافق) اور بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا ہے انہوں نے اچھے اور برے برے عملوں کو ملا دیا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ (انکے گناہوں کے اقرار اور توبہ و اصلاح اعمال کی بدولت) ان پر رجوع برحمت ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بچاؤ عطا فرمانے والا مہربان ہے۔

○ **سنعذ بھم مرتین** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو دو مرتبہ عذاب کرنے کا اعلان فرمایا ہے۔ اس کے متعلق روایتی تفسیروں نے تو عجیب قسم کی بھول بھلیاں پیش کی ہیں۔ اکثر مفسروں نے ایک عذاب تو قبر کا عذاب قرار دیا ہے اور دوسرا قیامت کا۔ لیکن منافقوں کے عذاب کے متعلق چونکہ پیچھے ۹/۵۵ + ۹/۸۵ میں بیان کیا گیا ہے کہ انہیں اسی دنیا کی زندگی میں خود ان کے مالوں اور اولادوں کیساتھ عذاب کیا جائیگا۔ اس کے مطابق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی اکرمؐ نے کچھ منافقوں کے نام لے کر انہیں مسجد سے نکال دیا اور دوسرا عذاب وہ قرار دیا ہے جو ان کے مالوں اور اولادوں کے ذریعہ دیا جانیوالا تھا اور انہوں نے تیسرا عذاب عظیم قیامت کا عذاب قرار دیا ہے۔

○ لیکن واضح رہے کہ دو مرتبہ کے دنیا کے عذاب کے بعد ان کے لئے دنیا ہی میں عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جانے کی خبر دی گئی ہے۔ آخرت کا عذاب تو منافقوں اور کافروں سب کیلئے مشترک ہوگا۔ اسے صرف منافقوں کیلئے قرار دینا کسی بھی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتا۔

تفسیر القرآن بالقرآن:۔ ○ اس لئے اب آیئے تفسیر القرآن بالقرآن کی طرف۔ آیات بالا میں منافقوں کیلئے دنیا ہی میں دو مرتبہ کے دنیوی عذاب کی خبر دی گئی ہے اور **ثم یردون الی عذاب عظیم** کے الفاظ میں تیسری مرتبہ کے دنیوی عذاب عظیم کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ تصریف آیات کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے کہ پیچھے ۹/۵۵ + ۹/۸۵ میں اعلان کیا گیا ہے کہ منافقوں کو دنیا ہی کی زندگی میں ان کے مالوں اور اولادوں کے ذریعہ عذاب کیا جائیگا۔ پس منافقوں کیلئے ایک عذاب تو یہ تھا کہ ن کی اولادیں ان کی زندگی ہی میں مسلمان ہوگئیں اور انہی کے خلاف برسرپیکار آگئیں اور ان کی اولادوں نے خود انہی کا مال منافقوں کے خلاف نبی اکرمؐ کی مہم کو کامیاب کرنے میں خرچ کیا۔ بالفاظ دیگر منافقوں کے مال اور اولادیں ان کی زندگی ہی

میں ان کے خلاف جہد آزما ہو کر باعث عذاب بنیں۔

○ اور منافقوں کو دوسرا دنیوی عذاب یہ ہوا کہ جب نبی اکرمؐ کو حکم ہوا **یایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم** ۹/۷۳ + ۶۶/۹ (تو عیاں ہے آپؐ نے یقیناً" منافقوں کے خلاف جہاد یعنی کوشش فرمائی تھی۔ جس کے نتیجے کے طور پر بہت سے منافق مارے گئے' کچھ بھاگ گئے اور کچھ نہایت محتاط ہو کر مسلمانوں کے اندر چھپ گئے۔ اس کے بعد باری آتی ہے منافقوں کیلئے اس عذاب عظیم کی' جس کی خبر آیت بالا ۹/۱۰۱ میں دی گئی ہے)۔ **ثم یروون الی عذاب عظیم** اور جس کا حکم ۶۰-۳۳/۶۱ میں بالفاظ ذیل دیا گیا ہے۔

منافقوں کیلئے دنیوی عذاب عظیم: لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ○ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا"

○ ۶۰-۳۳/۶۱۔ اگر منافق باز نہ آئے یعنی جن کے اذہان میں منافقت کی بیماری ہے اور شہر میں بری خبریں اڑانے والے بھی تو ہم آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے۔ پھر وہ اس شہر میں آپ کے اردگرد نہیں رہیں گے مگر تھوڑی مدت (یعنی صرف اتنی مدت کہ جب تک وہ گرفتار نہ ہو جائیں اور اتنی دیر بھی) ملعون ہو کر رہیں گے (یعنی ذلیل و خوار چھپتے چھپاتے حکم دیا جاتا ہے کہ ایک ایک منافق کی تلاش کی جائے) وہ جہاں جہاں پائے جائیں گرفتار کر لئے جائیں اور (مرکز میں حاضر کر کے) اس طرح قتل کئے جائیں جو قتل کرنے کا حق ہے۔ یہ ہے برادران عزیز! پہلے دو دنیوی عذابوں کے علاوہ ان کے لئے آخری عذاب عظیم جس میں منافقوں کے خلاف بحکم باری ایک عظیم مہم چلائی گئی' ایک ایک کا پیچھا کیا گیا اور ایک ایک کو گرفتار کر کے کیفرکردار تک پہنچا دیا گیا۔ ایک ایک کو قتل کر کے جماعت صحابہؓ کو مدنی اور بدوی جملہ منافقوں سے پاک کر دیا گیا۔

بعض نے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لی:۔ ○ اب منافقوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو محض بڑے بڑے منافقوں کے ظاہری رعب کی بدولت ان میں ملے ہوئے تھے اور ان میں ملے ہونے کی بدولت بعض اعمال سیۂ یعنی اسلامی حکومت کے خلاف عمل بھی کرتے تھے اور بعض اعمال صالحہ یعنی اسلامی حکومت کی اطاعت گزاری کے بھی کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کے متعلق **اعترفوا بذنوبھم** کے الفاظ میں خبر دی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کیا اور اپنی اصلاح کا وعدہ کیا' اس لئے اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اگر وہ اپنے اعمال سے اپنی توبہ کا ثبوت پیش کر دیں تو اللہ تعالٰی ان پر رجوع برحمت ہوگا۔ انہیں معاف کر دیگا۔ (آیت مجیدہ ۱۰۲ بغور ملاحظہ فرمائیں)

مالداروں کے مالوں سے صدقات وصول کرنے کا خصوصی حکم:۔ ○ نبی اکرمؐ نے جب قرآنی معاشرہ قائم کیا تو آپ کے سامنے بیشمار اقتصادی یعنی مالی مشکلات آموجود ہوئیں۔ سب سے پہلے عوام کے ان افراد کی ضروریات زندگی کا لازماً" پورا کرنا جو ناہموار و غیر متوازن معاشرہ کی بدولت اپنی جائز ضرورتوں سے بھی محروم کئے جاچکے تھے۔ دوسرے نمبر پر بیرونی حملہ آوروں کے دفاع کے لئے ہر قسم کے فوجی ساز و سامان ہر آن تیار کرتے رہنا اور تیسرے نمبر پر منافقوں کا قلع قمع کرنا جو مار آستین بن کر اسلامی حکومت کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے اور یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ جہاں مال کی ضرورت ہو وہاں مال ہی کام کر سکتا ہے اور مالی ضرورتیں مال ہی کیساتھ پوری ہو سکتی ہیں' مال کے بغیر ہرگز پوری نہیں

ہوسکیں۔ اس لئے اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کے نام ذیل کا خصوصی حکم جاری کیا گیا ہے تاکہ رکی ہوئی مالی ضرورتیں پوری ہوسکیں۔

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ (۱۰۳)

(اے رسولؐ! ریاستی ضروریات کیلئے ان (یعنی مالداروں) کے مالوں سے صدقات وصول کریں اور ان (کے کمزوروں) کو اس مال کیساتھ (مالی بدحالی سے) پاک کریں اور انہیں فربہی دیں اور ان (صدقات دینے والوں) کو شاباش دیں بیشک آپ کی شاباش ان کے لئے وجہ تسکین ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

○ خذ امر کا صیغہ ہے۔ یعنی مالدار مومنوں کے مالوں سے صدقات وصول کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس مال کو صدقات اس لئے کہا ہے کہ دینی ضروریات کیلئے مال دینا ہی ایمان کی تصدیق ہے۔ یہ مال زکوۃ کے مال سے الگ ہے۔ زکوۃ وہ مال ہے جو ہر مومن نے اپنی آمدنی کے دسویں حصے کی صورت میں لازماً ادا کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسلامی معاشرہ کی تکمیل کا کام زکوۃ کے مال سے پورا نہ ہوسکے تو اسلامی حکومت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مالداروں کے مالوں سے اضافی مال بھی وصول کرنے کی مجاز ہے۔

○ **تطهرهم و تزكيهم بها** کے الفاظ میں اس مال کی اضافی وصولی کی اولین غرض بتائی گئی ہے۔ اقتصادی بدحالوں کو ان کی مالی بدحالی سے پاک کرنا۔ یہاں طہارت بالمال کا حکم ہے طہارت بالماء کا نہیں اور طہارت بالمال اس کے سوا نہیں ہے کہ اقتصادی بدحالوں کو ان کی مالی بدحالی سے پاک کیا جائے۔ اور دوسرا حکم ہے۔ **تزكيهم بها** یعنی معاشرہ کے کمزوروں' دبلوں کو اس مال کیساتھ فربہی دیں اور اس کے علاوہ اس اضافی مال کی وصولی کی دوسری غرض سیاق کلام کے مطابق عیاں ہے کہ اس کے ساتھ منافقوں کا قلع قمع کیا جائے۔

○ **صل عليهم** میں صلوۃ بمعنی شاباش و آفرین کہنا ہے اور نبی اکرمؐ کا مومنوں کو شاباش و مرحبا کہنا ان کیلئے یقیناً وجہ تسکین تھا۔

توبہ کا دروازہ کھلا ہے:۔ ○ اگلی آیت مجیدہ میں پھر ان لوگوں کیطرف رخ کیا گیا ہے جو منافقوں میں سے اعتراف گناہ کرکے توبہ کی طرف رجوع ہوئے تھے چنانچہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ بھی قبول کرتا ہے اور ان کے صدقات بھی قبول کرتا ہے۔ پیچھے آیت نمبر ۵۴ میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ منافقوں سے مال ہرگز قبول نہیں کئے جائینگے۔ لیکن آیت ذیل میں خالص توبہ کی فضیلت کے اظہار کے طور پر منافقوں میں سے سچی توبہ اور اصلاح کرنے والوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ بھی قبول کریگا۔ اور ان سے صدقات کے مال بھی قبول کئے جائینگے۔

اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۱۰۴

کیا لوگوں نے نہیں جانا (یعنی انہیں جان لینا چاہئے) کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو اپنے بندوں کی (سچی اور عملی) توبہ قبول کرتا ہے۔ اور ان سے صدقات بھی لینا (قبول کرتا ہے)۔ حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ وہ رجوع برحمت کرنے والا مہربان ہے۔

توبہ کی تصدیق:۔ ○ آیت بالا میں توبہ کی تصدیق بذریعہ اعمال کا اٹل قانون بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں توبہ کرنے والے منافقوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ سن لو تمہاری توبہ کی تصدیق تمہارے آئندہ کے اعمال سے ہوگی۔ محض زبانی توبہ توبہ کی کوئی قیمت نہیں۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۰۵)

اور (اے رسولؐ!) آپ ان توبہ کرنے والوں سے) کہہ دیجئے گا کہ تم عمل کرو۔ پھر اللہ بھی تمہارا عمل دیکھے گا اور اس کا رسولؐ بھی اور سب مومن بھی دیکھیں گے۔ پھر تم غیب و حاضر کے جاننے والے (اللہ) کیطرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں (قیامت کی عدالت عالیہ میں) ہر چیز کی خبر دیگا جو تم عمل کرتے رہے تھے۔

منافقوں کا ایک اور گروہ:۔ ○ منافقوں کے اس تائب گروہ کی وضاحت کے بعد منافقوں کے ایک مشکوک گروہ کی خبر دی گئی ہے جس کا فیصلہ نبی اکرمؐ نے کچھ دیر کیلئے ملتوی فرما دیا تھا تاکہ تحقیقات مکمل ہو جائے اور صحیح فیصلہ دیا جاسکے کہ وہ عذاب یعنی سزا کا مستحق ہے یا نہیں ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۱۰۶)

اور کچھ اور ہیں جن کا فیصلہ اللہ کے حکم کیلئے ملتوی کر دیا گیا ہے خواہ وہ انہیں عذاب کرے یا ان پر رجوع برحمت ہو کیونکہ اللہ صاحب علم و حکمت ہے۔

○ واضح رہے کہ سیاق کلام کے مطابق بھی یہ منافقوں ہی کا گروہ تھا اور سباق کلام کے مطابق بھی۔ مگر روایتی تفاسیر نے اس گروہ کو مسلمانوں کا گروہ قرار دیکر اس پر یہ شان نزول چسپاں کر رکھا ہے کہ کچھ صحابہؓ تھے جو جنگ تبوک میں عمداً شامل نہیں ہوئے تھے۔ ان کی توبہ کی قبولیت ملتوی کر دی گئی تھی۔ لیکن جہاں تک کلام باری کے سیاق و سباق کا تعلق ہے اس کے مطابق یہ منافقوں کا گروہ تھا جو ایک ایسا عمل بجا لایا تھا جسے نبی اکرمؐ نے بیک نظر غلط قرار نہیں دیدیا تھا بلکہ اس کے لئے کچھ وقت کی لازمی مہلت درکار تھی۔ کیونکہ وہ عمل یہ تھا کہ انہوں نے ایک مسجد بنائی تھی۔ اب عیاں ہے کہ مسجد بنانا بظاہر ایک نیک کام ہے اور انہوں نے ظاہر بھی یہی کیا کہ ان کا نیکی ہی کا ارادہ ہے۔ لیکن اللہ نے ان کے اس عمل کے متعلق یہ فیصلہ دیا

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (۱۰۷)

اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی ضرر پہنچانے کیلئے اور انکار کرنے اور مومنوں میں تفرقہ ڈالنے کیلئے اور اس گروہ کے گھات لگانے کیلئے جو اس سے پہلے اللہ اور رسولؐ (اسلامی حکومت) کیساتھ لڑ چکا ہے۔ اور وہ لوگ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے نہیں کیا ارادہ مگر نیکی کا (مسجد بنانا ایک نیک کام ہے)۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

مسجد ضرار:۔ ○ واضح رہے کہ مذکورہ مسجد بنانے والوں کے متعلق جو فیصلہ نبی اکرمؐ نے ملتوی کر رکھا تھا کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نازل ہو۔ آیت بالا میں یہ فیصلہ دیا گیا کہ یہ لوگ فسادی ہیں۔ انہوں نے جو مسجد بنائی ہے اس میں

اللہ و رسولؐ کے دشمنوں کیلئے گھات لگانے کا اہتمام کیا گیا ہے کہ وہ موقعہ پاکر داخلی طور پر حملہ کرکے اسلامی حکومت کا تختہ الٹ دیں۔ ان لوگوں کی ایک سکیم یہ تھی کہ نبی اکرمؐ کو اس مسجد میں صلوۃ کیلئے بلایا جائے اور جب نبی اکرمؐ صلوۃ میں کھڑے ہوں تو آپؐ پر حملہ کر دیا جائے۔ لیکن اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کو اس مسجد میں صلوۃ موقت کیلئے کھڑے ہونے سے مطلقاً منع کر دیا۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾

(اے رسولؐ!) آپ اس (مسجد) میں کبھی بھی (صلوۃ کیلئے) کھڑے نہ ہونا۔ البتہ وہ مسجد جو پہلے دن سے تقویٰ (مسلمانوں کیلئے بچاؤ) کی اساس پر بنائی گئی ہے (مسجد نبوی) وہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس مسجد (نبوی) میں ایسے مومن مرد ہیں جو (منافقت سے) پاکیزہ رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

○ اس آیت مجیدہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ

مسجد ضرار کے بنانیوالے پاکیزہ لوگ نہیں تھے۔ وہ ناپاک ذہنوں والے یعنی منافق تھے۔ مذکورہ مسجد' مسجد کے نام سے اسلامی ریاست کے دشمنوں کیلئے محفوظ کمین گاہ بنائی گئی تھی۔ جہاں دشمن گھات لگا کر محفوظ بیٹھ سکتے تھے۔ اس نام نہاد مسجد کا انجام اور اس کے بنانیوالوں کی سزا اگلی دو آیات کریمات میں بیان کی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی مساجد کی تعمیر کے اصول کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ان کی بنیاد مسلمانوں اور ان کی حکومت کے بچاؤ کے پاکیزہ جذبے پر ہونی چاہیے۔

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾

کیا پھر جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے بچاؤ طلب کرنے اور اس کی رضامندی پر رکھی ہو' وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک کھائی کے گرنیوالے کمزور کنارے پر رکھی ہو۔ پھر وہ بنیاد اسے جہنم (ناکامی) کی آگ میں لے گرے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

○ منافقوں نے جو مسجد بنائی اس کی بنیاد آیت بالا کے مطابق آگ کے گڑھے کے گرنے والے کنارے پر رکھی گئی تھی۔ چنانچہ اس بنیاد نے اس مسجد کو آگ کے گڑھے میں گرا دیا۔ وہ سب ظالم قوم یعنی منافق گروہ کے افراد تھے۔ ان کا اسلامی حکومت کے خلاف مسجد کے نام سے گھات لگانے کا منصوبہ ناکام ہوا۔ انہیں اپنی سکیم میں ناکامی کی آگ میں گرنا پڑا۔ ایسے شر کی اساس پر قائم کی گئی عمارت کے قائم رہنے کی امید تک ہی باطل ہے۔ چنانچہ وہ عمارت گرا دی گئی اور اس مکروہ اقدام کرنیوالوں کو مناسب وقت پر قرار واقعی سزا دی گئی۔

○ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ خبیث عمارت ہمیشہ کیلئے ان کے ذہنوں میں اس وقت تک کھٹکتی رہے گی جب تک ان کے اذہان ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾

ان (منافقوں) نے جو عمارت (اسلامی سلطنت کی تباہی کیلئے) بنائی وہ ان کے اذہان میں ہمیشہ وجہ قلق رہے گی۔ (کیونکہ ان کی سکیم اللہ کی وحی

نے ناکام کر دی) ان کی یہ خلش اس وقت تک نہیں مٹے گی) حتیٰ کہ ان کے قلوب (اذہان) ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

○ **ریبۃ**" کا سہ حرفی مادہ ر' ی' ب= ریب ہے جس کا بنیادی معنی ہے شک' شبہ' اضطراب' بے چینی اور قلق و خلش وغیرہ۔ منافقوں کے اس مخصوص گروہ کا ایک عمارت بنانا' جسے قرآن مجید نے **بنیانھم** کے الفاظ میں ان کی عمارت کہا ہے اور ان کا اسے مسجد کا نام دیکر اسلامی حکومت کے خلاف سازشوں کا ایک خفیہ اڈا بنانا تاکہ موقعہ ملنے پر اسلامی حکومت پر اچانک شدید ضرب لگا کر تختہ الٹ دیا جائے۔ یہ کوئی معمولی سازش نہیں تھی اس کے ناکام ہو جانے کی عملی صورت کے طور پر اس نام نہاد مسجد کا گرایا جانا اور اس عمارت کو بنانے والے منافقوں اور ان کی عظیم خفیہ سازش کا بے نقاب ہو جانا کوئی معمولی قلق و خلش کا موجب نہیں تھا۔ اس لئے بتایا گیا ہے کہ ان کے ذہنوں میں یہ قلق اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ ان کے اذہان ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں یعنی جب تک انہیں ان کی خطرناک سازش کی قرار واقعی سزا دیکر انہیں بالکل ختم نہ کر دیا جائے چنانچہ آیت مجیدہ ۹/۱۰۱ گذشتہ کے مطابق منافقوں کو دو مرتبہ عذاب کرنے کے بعد بالآخر **یردون الٰی عذاب عظیم** وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے گئے' یعنی ایک ایک منافق کی تلاش اور تعاقب کیا گیا اور ایک ایک کو اس طرح قتل کر دیا گیا جو قتل کرنے کا حق ہے۔ ۶۰-۳۳/۶۱

○ **ان تقطع قلوبھم** کے مخصوص الفاظ سے بھی ظاہر ہے کہ منافقوں کا ذہنی قلق و اضطراب اس وقت ختم ہوا جب انہیں عذاب عظیم بڑے عذاب کی طرف لوٹا کر ان کا یکسر خاتمہ کر دیا گیا۔ اس طرح جب ان کے قلوب (اذہان) ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے تو پھر ان کی مذکورہ قلق و خلش ختم ہوئی۔

○ **واللّٰہ علیم حکیم** کے مخصوص جملہ میں بتایا گیا ہے کہ منافقوں کو آہستہ آہستہ بتدریج ختم کرنا۔ علم پر مبنی ایک مخصوص حکیمانہ عمل تھا اس جملہ میں قیامت تک کیلئے خبر دی گئی اور حکم دیدیا گیا ہے کہ ہر حکومت میں بعض ملکی افراد' اندرون ملک ایسی بڑی بڑی سازشوں کے جال پھیلاتے رہیں گے کہ آن واحد میں حکومت کا تختہ الٹ کر رکھدیں۔ یہ لوگ اتنے وجیہہ اور بااثر ہونگے کہ اگر موقعہ کی مناسبت کے بغیر انہیں گرفتار کرلیا جائے تو اندرون ملک ایک طوفان عظیم برپا ہو جائے' جس پر قابو پانا مشکل ہو جائے۔ جیسے کہ مسجد ضرار بنانیوالوں نے عوام پر یہ اثر ڈال رکھا تھا کہ انہوں نے اللہ کا گھر بنایا ہے۔ اب عوام میں سے کون ہے جو اللہ کے گھر کی مخالفت کرے۔ اس لئے نبی اکرمؐ نے اس معاملے کو اس وقت تک کیلئے ملتوی کر دیا کہ ان کی سازش کھل کر عیاں ہو جائے۔

○ اس طرح جب اس نام نہاد مسجد میں اسلامی ریاست کے ان دشمنوں کے قیام نے جو اس سے قبل نبی اکرمؐ کیساتھ لڑائیاں لڑچکے تھے' منافقانہ سازش کو بے نقاب کر دیا۔ اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اس عمارت کی غرض تعمیر عیاں کر دی کہ دشمنوں کیلئے گھات کا اڈا بنایا گیا ہے۔ تو اس طرح جب فضا سازگار ہوگئی تو نبی اکرمؐ نے اس نام نہاد مسجد کو گروا دیا۔ اور پھر بتدریج منافقوں کو کیفرکردار تک پہنچایا۔ نبی اکرمؐ کا یہ سارا عمل **واللّٰہ علیم حکیم** کی تفسیر اور علم و حکمت کا مظہر ہے۔

○ واضح رہے کہ اسلامی سلطنت ہموار و متوازن قرآنی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے معاشرہ کے اندرونی اور بیرونی دشمن جس قدر بھی سکیمیں اور منصوبے ہر دور میں بناتے رہتے ہیں۔ اور بناتے رہیں گے' انہیں ناکام کرنے کے لیے مالی اور جانی جہاد و قتال ایک لازی چیز ہے۔ چنانچہ آیت نمبر۱۱۱ میں اللہ نے قیامت تک کے مومنوں کے ساتھ ذیل کا سودا کر رکھا ہے۔ جس کے مطابق اسلامی حکومت کے دشمنوں کو ناکام بنایا جاسکے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۱﴾

بلاشبہ اللہ تعالٰی نے مومنوں سے ان کے مال اور ان کی جانیں خرید لی ہیں۔ اس کے بدلے کہ ان کے لیے جنت ہے (دنیا میں بھی ہموار و متوازن معاشرہ اور عاقبت کو بھی عظیم کامیابی)۔ وہ (اس جنت کے دشمنوں سے) اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں۔ (اس ہموار و متوازن معاشرہ' جنت کا) وعدہ اللہ کے ذمہ ہے (جو مذکور ہے) تورات میں انجیل میں اور قرآن میں اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ کیے ہوئے اپنے وعدے کو پورا کیا' پس چاہیے کہ تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہموار و متوازن معاشرہ جنت کو پالینا ہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

○ جنت بمعنی ہموار و متوازن معاشرہ کی تعریف جس میں نوع انسانی کا کوئی متنفس نہ بھوکا ہو نہ ننگا' نہ بے علاج ہو نہ بے مکان۔ سورہ طٰہٰ میں بالفاظ ذیل درج ہے۔

إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ○ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ○ ۲۰/۱۱۹'۱۱۸

(اے نوع آدم) بلاشبہ تیرا حق ہے کہ تو اس جنت' میں نہ بھوکا رہے گا نہ ننگا' اور نہ تو اس میں بے علاج ہو اور نہ (بے مکان کہ) دھوپ میں جلے۔

○ آیت زیر بحث میں مومنوں کے مال جان کا سودا اسی جنت یعنی ہموار و متوازن معاشرہ کے عوض ہی گیا گیا ہے۔ کہ یہ جنت جان اور مال کی قربانی کے عوض میسر آتی ہے مگر:۔

○ مگر واضح رہے کہ آیت مجیدہ کے الفاظ **فیقتلون و یقتلون** کے مطابق جان و مال کا یہ سودا نہ گھروں میں ہوتا ہے نہ بازاروں میں' بلکہ یہ سودا میدان قتال میں ہوتا ہے۔ جہاں اللہ کے ہاتھ مال و جان بیچنے والے مومن دشمنوں کو قتل بھی کرتے ہیں اور خود قتل ہو بھی جاتے ہیں۔ اور واضح رہے کہ کامیاب زندگی ایسی ہی اقوام کو میسر آتی ہے جو ہر آن دشمن کو قتل کرنے کے لیے اور خود قتل ہو جانے کے لیے تیار رہتی ہیں۔ پس **فیقتلون و یقتلون** کے الفاظ میں کامران و کامیاب زندگی کا اصول بتا دیا گیا ہے۔

○ صحابہ کرام اور قیامت تک کے مومنوں کے لیے مزکورہ بالا انداز سے جنت کا وعدہ' آیت مجیدہ کے الفاظ **وعداً علیہ حقاً فی التورتہ والانجیل** کے مطابق توراۃ میں بھی درج چلا آرہا ہے اور انجیل میں بھی جیسے کہ سورہ فتح میں صحابہؓ رسول کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ **مثلھم فی التورۃ و مثلھم فی الانجیل** ۴۸/۲۹ محمد رسول اللہ کے ساتھیوں کا حال تورات میں بھی (نازل کر دیا گیا تھا) اور انجیل میں بھی۔

○ آیت زیر بحث میں جو صحابہ کرام کے ساتھ کیئے گئے جنت کے مذکورہ بالا وعدے کے متعلق **والقرآن** کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ یہ وعدہ قرآن میں بھی موجود ہے۔ اس پر بعض حضرات سوال کرتے ہیں کہ اس وعدے کا ذکر قرآن مجید میں کہاں درج ہے؟ جواباً" عرض ہے کہ یہ وعدہ خود آیت زیر بحث میں اس کے الفاظ **ان اللہ اشترٰی** ...... الخ میں موجود ہے۔ اور اسی چیز کی خبر انتہائی واضح انداز میں **فی التورۃ والانجیل** کے بعد **والقرآن** کے الفاظ میں دی گئی ہے۔ قرآن مجید کا یہی اسلوب بیان ہے کہ کسی چیز کی خبر جس آیت مجیدہ میں دی گئی ہوتی ہے۔ وہی آیت اس خبر کی دلیل قاطع ہوتی ہے۔ مثلاً" سورہ حج میں ارشاد ہوا ہے۔

○ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا" وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ** ...... ۲۲/۷۳ اس آیت میں **ضرب مثل** کا معنی لیا جاتا ہے' بیان کی گئی ہے ایک مثال حالانکہ وہ بیان کی گئی نہیں' بلکہ اس سے اگلے الفاظ میں بیان کی جا رہی ہے اور وہ اسی آیت کے اندر موجود ہے **ضرب** ماضی مجہول کا معنی مضارع کے مطابق اس آیت کا مفہوم یہ ہے۔

اے پوری نوع انسانی! ایک مثال بیان کی جاتی ہے' کان کھول کر سنو! بلاشبہ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ اگر سب کے سب جمع ہو جائیں تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے۔

○ اسی طرح آیت زیر بحث ۹/۱۱۱ میں اللہ تعالٰی کے ساتھ مومنوں کے کیے گئے سودے اور اللہ کے وعدے کا ذکر ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالٰی کے ساتھ مال جان کا سودا کرنے والے مومنوں کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں جو ان کی عام شبانہ روز کے معمولات زندگی سے متعلق ہیں۔

اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۱۲)

(مومنوں کی شان یہ ہے کہ وہ) توبہ کرنے والے' (اللہ کی) فرمانبرداری کرنیوالے' (اس کی) حمد کرنے والے (اس کی راہ میں) سفر کرنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے' نیکیوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے منع کرنے والے۔ اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور (اے رسولؐ) آپ مومنوں کو خوشخبری دے دیں۔

○ **التائبون** مومنوں کی پہلی صفت بتائی گئی ہے کہ اگر بتقاضائے بشریت ان سے کوئی خطا ہو جائے تو توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلیتے ہیں۔

○ **العبدون** کا لفظی معنی ہے (اللہ کے) بندے بننے والے۔ بندہ وہ ہوتا ہے جو اپنے مالک کا فرمانبردار ہو۔ اس لیے اس کا معنی لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالٰی کی فرمانبرداری کرنے والے۔ **العبدون** کا معنی جو لیا جاتا ہے عبادت کرنے والے" یہ اس صورت میں صحیح ہے کہ زندگی کے ہر گوشے میں اللہ تعالٰی کی فرمانبرداری کرنا' سب عبادت میں داخل ہے۔ یعنی پورا تولنا عبادت ہے' سچ بولنا عبادت ہے۔ ملاوٹ' بلیک اور ذخیرہ اندوزی نہ کرنا عبادت ہے۔ رشوت نہ لینا عبادت ہے۔ بالفاظ دیگر معاشرہ کی ہر خدمت صحیح خطوط پر دیانتداری کے ساتھ ادا کرنا عبادت ہے۔ صوم و صلوۃ کا پابند ہونا' حج اور زکوۃ ادا کرنا بھی چونکہ اللہ تعالٰی کے احکام کی فرمانبرداری ہے' اس لیے یہ بھی سب عبادت ہیں اور ان پورے قرآنی خطوط پر زندگی گزارنے

والے ہیں۔ **العبدون**

○ **الحمدون** کا معنی ہے اللہ کی حمد بیان کرنے والے۔ **الراکعون** کا معنی ہے رکوع کرنے والے اور **السجدون** کا معنی ہے سجدہ کرنے والے۔ یہ تینوں چیزیں صلوۃ موقت سے بھی متعلق ہیں کہ صلوۃ میں اللہ تعالی کی حمد بھی کی جاتی ہے اور اس کے حضور رکوع بھی کیا جاتا ہے اور سجدہ بھی۔ اس کے علاوہ **الراکعون** کا معنی قانون الٰہی کے سامنے جھکنے والے بھی ہے اور **السجدون** کا معنی اس کے قانون کی پوری طرح فرمانبرداری کرنے والے بھی ہے۔

○ **السائحون** کا سہ حرفی مادہ س' ی' ح= سیح ہے جس کا بنیادی معنی ہے چلنا' پھرنا' سیاحت و سفر اختیار کرنا۔ یہاں مومنین کی جو تعریف بیان ہوئی ہے۔ اس سے مراد ہے۔ دین اللہ کی تبلیغ و اشاعت کے لیے سفر اختیار کرنا۔ جن میں جنگی سفر مقدم ہیں۔

مشرکوں کے لئے طلب مغفرت نہ کی جائے :۔ ○ آیت بالا میں مومنین کی مذکورہ بالا مخصوص صفات حمیدہ بیان کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں خود نبی اکرمؐ اور جملہ مومنین کو مشرکوں کیلئے طلب مغفرت سے منع کر دیا گیا ہے خواہ وہ قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ (۱۱۳)

نہیں لائق واسطے نبی کے اور نہ واسطے ان لوگوں کے جو ایمان لائے کہ وہ بچاؤ طلب کریں واسطے مشرکوں کے اگرچہ وہ ان کے قریبی ہی ہوں' پیچھے اس کے کہ ان کے لئے یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ دین اللہ کی مخالفت میں آگ کی طرح' بھڑک اٹھنے والے ہیں۔

○ استغفار کا معنی بچاؤ طلب کرنا ہے۔ جس کا زندگی کے ساتھ بھی تعلق ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ مشرکوں کے لئے نہ ان کی زندگی میں استغفار کی اجازت ہے۔ نہ ان کے مرنے کے بعد۔ چونکہ زندگی میں ہر مومن' ہر دوسرے مومن کا خیر خواہ' ہمدرد و غمخوار ہوتا ہے اس لئے زندگی میں کسی مومن کیلئے استغفار یعنی بچاؤ طلب کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ میری طرف سے دوسرے مومن کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اور کسی مومن کے مرنے کے بعد اس کے لئے استغفار یعنی بچاؤ طلب کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ میرے ذہن میں اس کے لئے کسی قسم کی شکر رنجی باقی نہ رہے گی۔ جیسے کہ متوفی مومنوں کیلئے قرآن میں جو دعا سکھائی گئی ہے اس کے الفاظ ذیل سے یہی چیز عیاں ہے۔

حقوق العباد :۔ ○ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ ۵۹/۱۰

اے ہمارے پروردگار! ہمیں بچاؤ عطا فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان کے ساتھ ہم سے سبقت کر گئے ہیں۔ (یعنی جو مومن فوت ہو چکے ہیں' اور ہماری آرزو ہے کہ) تو نہ پائے ہمارے ذہنوں میں ان لوگوں کے لئے کوئی شکر رنجی جو ایمان لائے ہیں' اے ہمارے پروردگار! تو شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ اس آیت مجیدہ ۹/۱۰ کے الفاظ میں استغفار کا مفہوم واضح کر دیا گیا ہے کہ ہر مومن دوسرے مومن کے لئے اپنے ذہن کو ہر قسم کے حسد و کینہ اور شکر رنجیوں سے پاک کرے۔ جو تکلیف کسی مومن کو کسی مومن کی طرف سے بتقاضائے بشریت پہنچی ہو۔ اسے معاف کر دے تاکہ اللہ تعالی بھی اسے معاف کر

دے۔ کیونکہ یہ مسئلہ حقوق العباد سے متعلق ہے کہ بندوں کے جو حقوق بندوں پر واجب کئے گئے ہیں ان میں خیانت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اس وقت ہی معاف کرتا ہے جب وہ لوگ معاف کر دیں جن کے حقوق میں خیانت کے ذریعہ ان پر زیادتی کی گئی ہو۔ جیسے کہ یوسفؑ کے بھائیوں نے ان پر زیادتی کی تھی۔ مگر جب وہ **ان کنا لخطین۔** ○ ۱۲/۹۱ کہہ کر معافی کے طلبگار ہوئے کہ بلاشبہ ہم خطاکار ہیں تو یوسفؑ نے ارشاد فرمایا۔

○ **قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ**○ ۱۲/۹۲ یوسف نے، کہا آج تم پر (میری طرف سے) کوئی الزام نہیں (یعنی میں نے تمہیں معاف کیا) اللہ بھی تمہیں معاف کرے گا۔ کیونکہ وہ رحم کرنے والوں میں سے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

○ اسی طرح برادران یوسف نے اپنے والد محترم یعقوبؑ کو بھی تکلیفیں پہنچائی تھیں، مگر جب ان کے حضور بالفاظ ذیل اقرار جرم کیا۔

○ **قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ**○ ۱۲/۹۷ انہوں نے کہا کہ اے ہمارے ابا جان ہمارے لئے ہمارے گناہوں کیلئے بچاؤ طلب فرمائیں بلاشبہ ہم خطاکار ہیں۔ تو اس پر یعقوبؑ نے ارشاد فرمایا۔ **قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ**○ (یعقوب نے) فرمایا میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے (اب نہیں بعد میں) بچاؤ طلب کرونگا (جب میں معاف کر دونگا تو وہ بھی معاف کر دیگا) بلاشبہ وہ وہی ہے جو بڑھ کر معاف کرنے والا مہربان ہے۔

○ عربی زبان میں سوف مستقبل بعید کے لئے آتا ہے۔ اس لئے معنی لکھا گیا ہے اب نہیں بعد میں۔

○ اوپر آیت مجیدہ ۱۲/۹۲ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جب برادران یوسفؑ نے یوسفؑ کے سامنے **انا کنا خطئین** کہہ کر ان سے معافی طلب کی تو انہوں نے فوراً" کہدیا **لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھوا رحم الرحمین**○ آج تم پر (میری طرف سے) کوئی الزام نہیں (یعنی میں نے تمہیں معاف کیا) اللہ بھی تمہیں معاف کرے گا کیونکہ وہ معاف کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر معاف کرنے والا ہے۔ ان الفاظ میں دیکھئے! کہ جس طرح یوسفؑ نے اللہ کی معافی کو اپنی معافی کے ساتھ مشروط کیا ہے، بالکل اسی طرح ۱۲/۹۸ میں یعقوبؑ نے بھی اللہ کی معافی کو اپنی معافی کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ مگر:۔

○ مگر یوسفؑ نے فوراً" معاف کر دیا تھا۔ اس میں ایک تو ان کی انتہائی کشادہ ظرفی کا ثبوت ہے۔ اور دوسرے یہ بھی ہے کہ بھائیوں نے جو زیادتی ان پر کی کنوئیں میں پھینکنے کی اور پھر انہیں بیچ کر ملک بدر کرنے کی، یوسفؑ کا ان مصائب کو برداشت کرنا اس چیز پر منتج ہوا کہ آپ عزیز مصر کے اعلیٰ منصب پر پہنچ گئے اور آپ پر زیادتی کرنے والے بھائی سب کے سب آپ کے پاس طلب غلہ کے لئے حاضر ہوئے۔ یوسفؑ نوجوان تھے، انہوں نے بھائیوں کی طرف سے پہنچنے والے مصائب کو باآسانی برداشت کرلیا۔ مگر یعقوبؑ ایک بوڑھے باپ کو ان بیٹوں نے جو دکھ دیئے، تکلیفیں پہنچائی اور طعنے دیتے رہے، وہ ان کی ضعیف العمری کی بدولت چونکہ ناقابل برداشت تھے مگر آپ کو برداشت کرنے پڑے اس لئے جب بیٹوں نے **انا کنا خطئین** کہہ کر بوڑھے باپ سے معافی مانگی تو آپ نے یوسفؑ کی طرح فوراً" معافی نہ دی۔ بلکہ فرمایا **سوف استغفر لکم ربی** میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے بچاؤ طلب کرونگا۔ (جب میں معاف کروں گا تو وہ بھی معاف کر

دے گا) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھے باپ کے سارے دکھ تازہ ہو گئے جو بیٹوں نے انہیں ضعیفی کے عالم میں پہنچائے تھے۔ اس لئے اپنی معافی کے الفاظ محذوف رکھ کر ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے تمہارے گناہوں کی سزا سے بچاؤ ضرور طلب کروں گا۔ مگر فوراً" نہیں بعد میں جب صدمہ کی شدت کم ہو جائے گی۔ اللہ کی معافی میرے معاف کرنے کے ساتھ مشروط ہے جسے تم نے دکھ تکلیفیں پہنچائی ہیں۔

المختصر!:۔ ○ کسی زندہ یا متوفی مومن کے لئے طلب مغفرت کا مفہوم اپنے آپ کو اس امر کی تحریک ہے کہ اس کے متعلق اپنے ذہن میں کسی قسم کی کوئی شکر رنجی باقی نہیں رکھی جائیگی۔ اس کے برعکس استغفار کا یہ مفہوم صحیح نہیں کہ اگر اپنے لئے استغفار کیا جائے۔ تو بلا توبہ واصلاح گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یا اگر کسی دوسرے زندہ یا مردہ مومن کیلئے استغفار کیا جائے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے یا اس کے مرتبے بلند ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ اپنے لئے استغفار' خود اپنے لئے اس امر کی تحریک ہوتی ہے کہ آئندہ کے لئے گناہ کے قریب نہیں جاؤں گا۔ اور دوسرے زندہ مومنوں کیلئے استغفار یہ ہے کہ ان کے متعلق پیدا ہونے والی شکر رنجیوں کو طول نہیں دونگا۔ بلکہ جلدی ہی ذہن صاف کرلوں گا۔ اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ اور متوفی مومنوں کیلئے استغفار کا مطلب وہ ہے جو اوپر ۹/۱۰ سے عیاں ہوچکا ہے کہ ان کے متعلق ذہن میں کوئی غل' شکر رنجی نہیں رکھی جائیگی۔ اگر انہوں نے کوئی زیادتی کی ہو تو فوری معاف کر دی جائیگی کہ مسئلہ حقوق العباد کے مطابق اللہ تعالیٰ بھی اسے معاف کر دے۔ البتہ

○ آیت زیر نظر ۹/۱۱۳ میں مشرکوں کے لئے طلب مغفرت سے منع کر دیا گیا ہے' جیسے اسی سورہ توبہ میں آیت مجیدہ ۹/۹۶ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اگر تم منافقوں سے راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ تعالیٰ ان سے کبھی راضی نہیں ہو گا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مومنوں سے جو قصور دوسرے مومنوں کا ہوا ہو تو قصور وار کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا۔ جب تک وہ معاف نہ کرے جس کا قصور کیا گیا ہو۔ جیسے کہ پیچھے ۹۱-۹۲/۱۲ اور ۹۷-۹۸/۱۲ میں یوسفؑ اور یعقوبؑ کے تذکار جمیلہ سے عیاں ہے کہ یوسفؑ نے بھائیوں کو کہا کہ پہلے تمہیں میں معاف کرتا ہوں پھر اللہ تمہیں معاف کرے گا۔ اور یعقوبؑ نے بھی فرمایا کہ پہلے تمہیں میں معاف کروں گا۔ پھر اللہ معاف کرے گا۔

اصحاب الجحیم:۔ اصحاب الجحیم کا معنی لکھا گیا ہے آگ کی طرح بھڑک اٹھنے والے واضح رہے کہ جحیم کہتے ہیں بھڑکتی ہوئی آگ کو۔ اصحب الجحیم کے لئے طلب مغفرت سے منع کیا گیا ہے' جن کی نشانی خود ان الفاظ کے اندر بیان کر دی گئی ہے کہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ والے ہیں' اصحب الجحیم کا لفظی معنی یہی ہے اور موقعہ و محل کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے دشمن جو اس کی دشمنی میں آگ کی طرح بھڑک اٹھتے ہیں' ان کے لئے طلب مغفرت نہ کرنا۔

ابراہیمؑ کی اپنے باپ کے لئے طلب مغفرت:۔ آیت زیر بحث ۹/۱۱۳ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ نبی اکرمؐ اور صحابہؓ کو حکم دیا گیا ہے کہ مشرکوں کے لئے طلب مغفرت نہ کرنا خواہ وہ تمہارے قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں اس پر وارد ہونے والے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے مشرک باپ کے لئے دعاء مغفرت کیوں کی تھی؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ
مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (۱۱۴)

اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار نہیں تھا مگر ایک وعدے کی وجہ سے تھا جو اس نے اس سے کیا تھا' پھر جب اس پر یہ کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہوگیا۔ (اپنے استغفار کو غلط قرار دے کر رجوع کرلیا) بلاشبہ ابراہیمؑ نرم دل اور بہت بردبار تھا۔

چونکہ ابراہیمؑ بہت نرم دل تھے اس لئے باپ کے لئے طلب مغفرت کر دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قبول نہ کیا۔ ۴/۶۰ آپ کی اس طلب مغفرت کا ذکر سورہ مریم میں بالفاظ ذیل درج ہے۔ کہ جب باپ نے کہا کہ اگر تو میرے معبودوں کو نہ مانے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ پتھر مار مار کر مار ڈالوں گا۔ اس پر ابراہیمؑ نے جواباً" ارشاد فرمایا۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ○ ۱۹/۴۷

ابراہیمؑ نے فرمایا تجھ پر سلام ہو (میری طرف سے تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی' میں تیرے لئے اپنے رب سے طلب مغفرت کروں گا) تو نے جو زیادتیاں مجھ پر کی ہیں میں معاف کر دوں گا تاکہ اللہ بھی تجھے معاف کر دے' بلاشبہ میرا پروردگار مجھ پر بہت مہربان ہے۔

لیکن چونکہ وہ مشرک یعنی اللہ کا دشمن تھا۔ جب وہ آخری دم تک شرک سے باز نہ آیا اور آپ پر کھل گیا کہ وہ بدستور اللہ کا دشمن ہی رہا ہے تو ارشاد ہوا ہے۔ **تبرامنه** آپ اس سے بیزار ہوگئے اور اس کے لئے طلب مغفرت سے رجوع کرلیا۔

ابراہیم کی طلب مغفرت کے قرآنی الفاظ :۔ ابراہیمؑ نے اپنے وعدہ کے مطابق جس کا حوالہ اوپر ۱۹/۴۷ میں گزر چکا ہے اس طلب مغفرت کے الفاظ آپ کی ایک لمبی دعا میں آئے ہیں۔ جو سورہ شعراء میں بانداز ذیل مذکور ہے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ○ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ○ ۸۲-۸۳/۲۶

اے میرے پروردگار مجھے اپنی طرف سے حکم عطا فرمایا۔ اور مجھے صالحین کے ساتھ ملحق رکھیو۔ اور آنیوالی نسلوں میں میری زبان کو سچا کریو۔ اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں بنائیو۔ اور تو میرے باپ کو معاف کر دے وہ گمراہوں میں سے ہے۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی مذکورہ دعائیں قبول فرمائیں۔ آپ کو بیت اللہ شریف کے مرکزی مقام کا سربراہ بنا کر آپ کو حکم کرنے کا منصب عطا فرمایا۔ آپ کی زبان کو بھی قیامت تک کے لئے قرآن مجید میں سچا قرار دیا۔ **انه كان صديقا" نبيا"** ۱۹/۴۱ آپ کو جنت کے وارثوں میں سے بھی ٹھہرایا۔ بلکہ آپ کی ملت کی پیروی کو باعث نجات قرار دیکر قرآنی مومنوں کو اس کی پیروی کا حکم دیا۔ **فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○** ۳/۹۵= (ایمان والو!) ملت ابراہیم کی پیروی کرو' جو ہر دین باطل سے کٹ کر اسلام کی طرف جھکنے والا تھا۔ یقیناً" وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

لیکن برادران عزیز! اوپر ۸۳-۲۶/۸۶ میں درج ابراہیمؑ کی دعاؤں میں سے باپ کے لئے طلب مغفرت والی دعا قبول نہ ہوئی۔ چنانچہ سورہ الممتحنہ میں آپ کے اسوہ حسنہ کو واجب الاتباع قرار دینے کے ساتھ ہی باپ کے لئے طلب مغفرت والی دعا

کو مستثنیٰ قرار دیدیا گیا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ ...... إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ ۶۰/۴=

بلاشبہ ابراہیمؑ میں پیروی کرنے کا بہترین نمونہ ہے سوائے ابراہیمؑ کے اس قول کے جو اس نے اپنے باپ کے لئے کہا کہ البتہ میں تیرے لئے طلب مغفرت کرونگا۔ اگلی آیت مجیدہ میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے باپ آذر اور اس کی قوم کو بلاوجہ نہیں' اپنے قانون کے مطابق گمراہ ٹھہرایا تھا۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۱۱۵

اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کسی قوم کو گمراہ قرار دے پیچھے اس کے جب انہیں ہدایت (اپنی کتاب عطا) فرمائے جب تک کہ ان پر (اپنی کتاب کے ذریعہ) وہ کچھ واضح نہ کر دے جس سے وہ بچیں ..... مگر جب وہ نہیں بچتے تو ان کی اپنی گمراہیوں کی بدولت انہیں گمراہ قرار دیتا ہے' بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے۔

دیکھئے اس آیت مجیدہ سے عیاں ہے کہ آذر اور اس کی قوم پر ابراہیمؑ اور ان کی کتاب کے ذریعہ کھل کر واضح کر دیا گیا تھا کہ وہ بت پرستی اور ستارہ پرستی سے پوری طرح بچیں۔ مگر جب وہ الٰہی آیات آچکنے کے باوجود شرک سے نہ بچے تو انہیں گمراہ قرار دیدیا گیا۔

اگلی آیت مجیدہ میں پوری نوع انسانی کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہی ہے جو ہر جاندار کو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔ تمہارے لئے اس کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۱۱۶

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہی وہ عظیم الشان ذات ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت بادشاہی) اسی کے لئے ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے اور (اے نوع انسانی) تمہارے لئے اس کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار ہے۔

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور حکومت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس چیز کی وضاحت صحیفہ کائنات کے گوشے گوشے اور ذرے ذرے سے عیاں ہے۔ ہر چہار سو ذات باری کا قانون قدرت کار فرما ہے اور ہر امر اسی کے مقررہ و متعینہ قوانین کے مطابق سرانجام ہوتا چلا جا رہا ہے حتیٰ کہ ملکوں کی حکومتیں بھی اسی کے قوانین جاریہ کے مطابق قائم ہوتی اور ختم ہوتی چلی آرہی ہیں بعض حکومتیں سو سو دو دو سو سال تک قائم رہتی ہیں اور بعض کا تختہ چند ہی برسوں میں الٹ دیا جاتا ہے۔ قانون الٰہی یہ ہے کہ کوئی حکومت اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک وہ امن قائم رکھے اور فساد سے مجتنب رہے۔ بالفاظ دیگر جونہی کوئی حکومت فساد پر اتر آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے مستقل قانون کے مطابق اسے کسی اور قوم کے ہاتھوں شکست دلا کر دفع کر دیتا ہے۔ اسی چیز کی خبر سورہ بقرہ میں بالفاظ ذیل دی گئی ہے۔ **وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ○** ۲/۲۵۱ اور اگر (اللہ تعالیٰ کا مستقل قانون فسادی) لوگوں کو' بعض کے ذریعہ بعض کو دفع کرنا نہ ہو تو ضرور زمین فساد سے بھر جائے۔

دیکھئے اس آیت مجیدہ میں مستقل قانون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فسادی انسانوں اور فسادی حکومتوں کو ان سے بہتر

انسانوں اور بہتر حکومتوں کے ساتھ بدلتا چلا آرہا ہے۔

یحییٰ و یمیت کے الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مستقل قانون کی خبردی ہے۔ جس کے مطابق ہر جاندار پیدا ہوتا ہے اور مرجاتا ہے۔ **نیز یحییٰ و یمیت** کے الفاظ سے قوموں کی زندگی اور موت کے قانون الٰہی کا اعلان بھی مظہر ہے۔ جیسے کہ آیت مجیدہ کے آخری الفاظ میں پوری نوع انسانی کو کہا گیا ہے۔ **وما لکم من دون اللہ من ولی و لا نصیر** کہ اے نوع انسانی اللہ کے سوا تمہارا کوئی نہ دوست ہے نہ مددگار۔ وہی ہے جس نے تم (عوام) پر سے فساد کو دفع کرنے کا مستقل اہتمام کر رکھا ہے۔

زمانہ قبل نبوت میں ظلم و فساد:۔ اگلی آیات مجیدہ کو زیر بحث لانے سے پہلے مذکورہ بالا سیاق کلام کو اذہان میں محفوظ فرما لیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے افرادی اور قومی زندگی اور موت کے قوانین متعین فرما رکھے ہیں اور جب کوئی قوم ظلم و فساد کی حامل ہو جائے تو رب جلیل اسے دفع کرنے کا سامان مہیا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ کے زمانہ قبل نبوت میں جب سرزمین عرب گہوارہ ظلم و فساد ہوگئی تو ظلم کے دفعیہ کے لئے نبی اکرمؐ کو مبعوث فرمایا گیا۔ مگر جب رحمت عالمؐ نے اہل مکہ کو ان کے خالق و مالک کا پیغام امن پہنچایا تو سوا معدودے چند افراد کے تمام لوگ مخالف ہوگئے۔ آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو قسم قسم کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ بائیکاٹ کیا گیا۔ حتیٰ کہ آخر الامر آپ کے لئے جلا وطنی' عمر قید اور قتل تک کا منصوبہ تیار کرلیا گیا جس کی خبر سورہ انفال کی آیت ذیل میں دی گئی ہے۔ **وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ○** ۸/۳۰

اور (اے رسولؐ!) وہ وقت قابل ذکر ہے جب ضابطہ الٰہی کا انکار کرنے والوں نے تجویز کی کہ آپ کو عمر قید کر دیا جائے' یا آپ کو قتل کر دیا جائے اور یا آپ کو ملک بدر کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے بھی یہ تجویز کی اور اللہ نے بھی تجویز کی۔ اور اللہ بہتر تجویز کرنے والا ہے (اس نے نبی اکرمؐ سے ہجرت کروا کر کافروں کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ کافروں کا منصوبہ عمر قید' قتل اور ملک کا باغی قرار دیکر جلا وطن کرنے کا تھا مگر نبی اکرمؐ ایک معزز و باوقار حیثیت سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کے ایسے پرامن مقام پر پہنچ گئے جہاں آپ نے آزاد قرآنی مملکت بھی قائم کرلی۔ اگلی آیت میں ہجرت اور قیام مملکت کو ایک مخصوص رحمت قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرمؐ کے ساتھ آپ کے ساتھی مکی مہاجرین اور انصار مدینہ کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا ہے جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں ہجرت و نصرت فرمائی۔ مشرکین مکہ نے نبی اکرمؐ اور آپ کے مکی صحابہؓ پر بے پناہ مظالم توڑ کر انہیں وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ نبی اکرمؐ اور آپ کے صحابہؓ مہاجر و انصار پر کی گئی مخصوص رحمت کا ذکر اگلی آیت مجیدہ میں ذیل کے حسین ترین انداز میں کیا گیا ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۱۱۷

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہوا اپنے نبیؐ پر اور ان مہاجرین و انصار پر (یعنی انہیں مصائب و آلام سے نکال کر ایک آزاد حکومت کی فراوانیاں عطا فرمائیں' جنہوں نے انتہائی تنگی کے وقت میں نبیؐ کی اتباع کی مہاجروں نے ہجرت کی اور انصار نے ان کی مدد کی) پیچھے اس کے کہ قریب تھا' ان کے ایک (کمزور ذہن والے) فریق کے اذہان پھر جاتے۔ پھر اللہ ان پر بھی رجوع برحمت ہوا۔ بلاشبہ وہ شفقت کرنے والا

مہربان ہے۔

غور فرمائیں کہ یہاں :۔ **تاب اللہ** کے بعد آیا ہے علیٰ جارہ' جس کے معطوف معطوف علیہ کی صورت میں تین مجرور ہیں۔ **النبی والمھجرین والانصار۔** بالفاظ دیگر تاب علیٰ کا جو عمل النبی پر ہے وہی المہجرین پر ہے اور وہی الانصار پر ہے۔ ہم نے اوپر آیت مجیدہ کے متن کے سامنے **تاب اللہ علی** کا معنی لکھا ہے۔ "اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہوا۔" اور اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "انہیں مصائب و آلام سے نکال کر ایک آزاد حکومت کی فراوانیاں عطا فرمائیں"۔ کیونکہ نبی اکرمؐ اور صحابہؓ کی ہجرت و نصرت' آزاد حکومت کے قیام ہی پر منتج ہوئی تھی۔

تاب یتوب :۔ واضح رہے کہ تاب ماضی اور یتوب مضارع کا سہ حرفی مادہ ت۔ و۔ ب= توب ہے' اس کا مصدری معنی ہے رجوع کرنا' لوٹ آنا جب تاب کا فاعل انسان ہو تو اس کا مفہوم ہوتا ہے کسی غلط کام کرنے سے لوٹ آنا' باز آجانا لیکن جب اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کا مفہوم ہوتا ہے رجوع برحمت ہونا۔ قرآن مجید میں اس کے ان ہر دو استعمالات کے الگ الگ انداز مقرر ہیں۔

تاب الیٰ :۔ جب تاب یتوب کا فاعل انسان ہو تو یہ افعال یا تو بلا حرف جار آتے ہیں اور یا ان پر حرف جار الیٰ داخل ہوتا ہے۔ اول الذکر بلا ورود حرف جار کی قرآنی مثالیں بے شمار ہیں۔ مثلاً" **من عمل منکم سوء بجھالة ثم تاب من بعدہ و اصلح** ۶/۵۴۔ تم میں سے جو کوئی نادانی کے ساتھ برا عمل کرے پھر توبہ کرے۔ لوٹ آئے اس کے بعد اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

اسی طرح تاب پر الیٰ حرف جارہ کے ورود کی قرآنی مثالیں بھی بہت ہیں۔ مثلاً" **فتوبوا الی بارئکم** ۲/۵۴۔ پس تم لوٹ آؤ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف .... وہ اللہ رجوع برحمت ہونے والا مہربان ہے۔

تاب علیٰ :۔ یہاں تک تو اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ جب تاب یتوب کا فاعل انسان ہو تو یہ فعل یا تو بلا ورود حرف جار آتا ہے اور یا اس پر حرف جار الیٰ داخل ہوتا ہے۔ لیکن ذیل میں بانداز خصوص وضاحت کی جاتی ہے کہ جب تاب یتوب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس پر لازما" حرف جار علیٰ داخل ہوتا ہے اور وہاں کسی سہو' خطا' گناہ یا کسی غلط اقدام سے رجعت مراد نہیں ہوتی' بلکہ اس کا مفہوم صرف رجوع برحمت ہوتا ہے۔ کیونکہ سہو' خطا' گناہ اور غلط اقدام سے باری تعالیٰ صد فیصد پاک و منزہ ہے۔ حرف جار علیٰ کے ورود کی ایک مثال تو آپ آیت بالا زیر بحث میں **لقد تاب اللہ علی النبی** .... ۹/۱۱۷ میں دیکھ چکے ہیں۔ مزید بھی متعدد مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

☆ **فتاب علیه** ۲/۳۷= پھر اللہ اس پر رجوع برحمت ہوا۔ (جب اس نے غلط اقدام سے رجوع کرلیا تو اس سے درگزر فرمایا۔)

☆ **اتوب علیھم** ۲/۱۶۰= (جب وہ توبہ اور اصلاح کرلیں گے تو) میں اللہ ان پر رجوع برحمت ہونگا۔

☆ **یتوب اللہ علیھم** ۴/۱۷= (جب وہ برائی یےعملاً" رجوع کرلیں گے تو) اللہ تعالیٰ ان پر رجوع برحمت ہوگا۔

المختصر :۔ آگے بڑھنے سے پہلے مذکورہ صدر قرآنی اصول کو ذہن نشین فرمالیں کہ آیت مجیدہ زیر بحث ۹/۱۱۷ میں **علی** جارہ

کے ساتھ **لقد تاب اللہ علی النبی والمھجرین والانصار** آیا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہوا اپنے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر۔ پیچھے بتایا جاچکا ہے کہ اس آیت میں **النبی والمھجرین والانصار** میں نبی مہاجرین اور انصار باہم کر معطوف معطوف علیہ ہیں۔ اور **تاب علیٰ** کا عمل جس انداز سے النبی پر ہے' اسی انداز سے وہی عمل المہاجرین اور الانصار پر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہاں جو **تاب اللہ علی النبی** آیا ہے اس سے پہلے نبی اکرم کی کوئی سہو' خطا یا گناہ مذکور نہیں ہے جس کی معافی کا اعلان کیا گیا ہو۔ بلکہ سیاق کلام **ان اللہ لہ ملک السموت والارض** کے مطابق اللہ تعالیٰ کا نبی اکرمؐ اور مہاجرین و انصار پر رجوع برحمت ہونا' عطاء ملک' عطاء حکومت ہے جو مہاجرین و انصارؓ ہی کے تعاون سے مدینہ منورہ میں قائم ہوئی۔

اگلی آیت مجیدہ ۹/۱۱۸ میں تین صحابہ رسول کا تذکرہ ہے۔ جن کا تعلق گزشتہ آیت ذیل ۹/۱۰۶ کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔

وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ○ اور دوسرے وہ ہیں جو اللہ کے فیصلے کے امیدوار ہیں یا وہ انہیں عذاب کرے یا ان پر رجوع برحمت ہو کر معاف کر دے۔ چنانچہ آیت مجیدہ ۹/۱۱۸ کا ایک مفہوم یہ برآمد ہوتا ہے کہ یہ تین صحابیؓ تھے' جن کا معاملہ نبی اکرمؐ نے ملتوی کر رکھا تھا' ان پر اس التوا کی بدولت زمین بھی اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان کے لئے دوبھر ہوگئیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کب نازل ہو۔

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ ۱۱۸

اور ان تینوں پر بھی (اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہوا) جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ (اس التواء کی بدولت) ان پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی اور ان کیلئے ان کی جانیں بھی دوبھر ہوگئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یقین تھا کہ ان کا ٹھکانہ اللہ کی طرف سے اسی کی طرف ہے۔ پھر وہ (اللہ) ان پر رجوع برحمت ہوا تاکہ وہ سابقہ خطاؤں سے باز رہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ وہی ہے۔ جو رجوع برحمت ہونے والا مہربان ہے۔

نمبر ۱ **خُلِّفُوْا** کا سہ حرفی مادہ خ۔ ل۔ ف= خلف بمعنی پیچھے رہنا ہے۔ اور لفظ **خلفوا** جو فعل ماضی مجہول ہے' اس کا لفظی معنی ذاتی لحاظ سے پیچھے چھوڑے گئے بھی صحیح ہے اور ان کے معاملہ کے فیصلہ کے لحاظ سے پیچھے چھوڑے گئے بھی ٹھیک ہے۔ اسی لئے اس کا معنی لکھا گیا ہے۔ "جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔"

نمبر ۲ **ضاقت علیھم الارض** کے الفاظ سے ان کی ایمانی حالت کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ معافی کے طلبگار تھے۔ مگر چونکہ ان کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اس لئے نہ جائے ماندن اور نہ پائے رفتن کے مصداق ان کے لئے زمین تنگ ہوگئی۔

نمبر ۳ **و ضاقت علیھم انفسھم** کے الفاظ سے ان کی انتہائی ذہنی بیقراری کا اظہار ہوتا ہے۔

نمبر ۴ **ظنوا** کا سہ حرفی مادہ ظ۔ ن۔ ن= ظن ہے اس مادہ کا معنی وہم و گمان بھی ہے اور یقین بھی۔

نمبر ۵ **ثم تاب اللہ علیھم** کے بعد **لیتوبوا** پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب **تاب اللہ علیھم** کے

الفاظ سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع برحمت ہوچکا' یعنی اس نے انہیں ان کے قصور معاف کر دیئے تو پھر **لیتوبوا** کے کیا معنی ؟ کہ اللہ نے انہیں اس لئے معاف فرمایا کہ وہ توبہ کرلیں۔ واضح رہے کہ یہاں **لیتوبوا** کا معنی توبہ کرنا نہیں لگتا۔ بلکہ اس کے بنیادی معنوں کے مطابق سابقہ خطاؤں سے باز رہنا فٹ آتا ہے۔

نمبر۶ **ان اللّٰہ ھو التواب الرحیم** کے جملہ سے عیاں ہوتا ہے کہ ان تین صحابہؓ کی خطائیں سنگین تھیں۔ اور اگرچہ انہوں نے خود توبہ کرلی۔ مگر نبی اکرمؐ نے ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کیا نہ سزا کا اور نہ معافی کا اس لئے ان پر انتہائی بیقراری طاری ہوگئی جو ان کے بصمیم قلب تائب رہنے اور آئندہ کے لئے اعمال صالحہ بجا لانے کی دلیل تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ کیونکہ وہ تائب ہونے اور عمل صالحہ بجا لانے کا مصمم ارادہ کرنے والوں کو معاف کرنے والا مہربان ہے۔

آیت بالا ۹/۱۱۸ کا ایک اور مفہوم :۔ چونکہ آیت بالا ۹/۱۱۸ میں آمدہ لفظ **خلفوا** کا ایک معنی یہ بھی صحیح ہے۔ "جو تین صحابیؓ پیچھے چھوڑے گئے تھے۔" اس لئے ہمیں اس آیت ذیل کا ایک اور مفہوم موصول ہوا ہے۔ جو افادۂ عام کے لئے ساتھ ہی نقل کیا جا رہا ہے۔ اس سے نبی اکرمؐ کے چار جاں نثار صحابہؓ کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔

○ سب سے پہلے اس آیت کی ماقبل آیت نمبر۱۱۷ کے اس آخری نشان لا پر غور فرمائیں کہ وہ لا کا رمز ہے اور اگلی آیت نمبر۱۱۸ کے شروع میں واؤ مشدده ہے۔ جس سے عیاں ہے کہ آیت نمبر۱۱۸ میں سلسلہ کلام بھی منقطع نہیں ہوا۔ اور قرات بھی بانداز ذیل جاری ہے۔ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ نیز اگلی آیت زیر بحث نمبر۱۱۸ چونکہ واؤ عاطفہ سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت نمبر۱۱۸ معطوفہ کا عطف آیت نمبر۱۱۷ پر ہے' یعنی ماسبق مضمون اور قرات مسلسل جاری ہے۔ متن اور ترجمہ دونوں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا ۚ حَتّٰٓى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوٓا أَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّآ إِلَيْهِ ۚ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۔۔

اور (اللہ تعالیٰ) ان تینوں پر (بھی رجوع برحمت ہوا' انہیں بھی مصائب سے نکال کر آزاد حکومت کی فراوانیاں عطا فرمائیں) جو (ہجرت کے وقت مکہ معظمہ میں) پیچھے چھوڑے گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب (ان کے دشمنوں مشرکین مکہ نے ان پر مکہ میں سختیاں کیں تو) ان کے لئے اللہ کی زمین وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی اور ان کے لئے ان کی اپنی جانیں بھی تنگ ہوگئیں۔ حقیت یہ ہے کہ ان کا یقین یہی تھا کہ "ان کی اللہ کی طرف سے مقررہ پناہ اسی کی طرف ہے (یعنی ہجرت کرکے پناہ گاہ میں پہنچنا ہے) پھر وہ ان پر رجوع برحمت ہوا تاکہ وہ بھی لوٹ آئیں (ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچ جائیں) اللہ رجوع برحمت ہونے والا مہربان ہے۔

واضح رہے کہ :۔ ○ یہ آیت مجید، انتہائی اہم ہے۔ اس لئے اس کے اس مفہوم سے متعلقہ ضمنی آٹھ اہم اور طویل نوٹ یکے بعد دیگر انتہائی غور کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر۱ : اوپر بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ آیت مجیدہ واؤ عاطفہ سے شروع ہوتی ہے۔ اس لئے واضح کیا جاتا ہے کہ اس کی تقدیر کلام اس کی معطوفہ علیہا آیت کے مطابق یہ ہے۔ **و تاب اللّٰہ علی الثلثۃ الذین خلفوا** اسی لئے ترجمہ لکھا گیا ہے۔" اور (اللہ تعالیٰ) ان تینوں پر (بھی رجوع برحمت ہوا) جو پیچھے چھوڑے گئے تھے۔" (وہ خود پیچھے نہیں رہے تھے)

نمبر ۲: **الذین خلفوا** کے الفاظ میں **خلفوا** فعل ماضی مجہول **مالم یسمی فاعلہ** ہے اس کا فاعل **الذین** نہیں ہے۔ سابقہ تراجم و مفاہیم میں **خلفوا** کو فعل معروف قرار دیا۔ اور **الذین** کو اس کا فاعل ٹھہرا کر مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ یہ نبی اکرمؐ کے تین صحابیؓ تھے جو جنگ تبوک سے خود پیچھے رہ گئے تھے۔ خود سستی کر کے مجاہدوں میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ ان کے نام بتائے گئے ہیں۔ کعبؓ بن مالک' مرارہ بن الربیع اور ہلال بن امیہ۔ روایتی تفاسیر میں آیت زیر بحث ۱۱۸ کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ مذکورہ تینوں صحابیؓ خود سستی کر کے فوج سے پیچھے رہ گئے تھے۔ جب نبی اکرمؐ واپس تشریف لائے تو ان تینوں نے سچ سچ بتا دیا۔ مگر رسولؐ مقبول نے باقی صحابہؓ کو حکم دیا کہ ان تینوں کے ساتھ ہر طرح سے قطع تعلق کرلیں حتیٰ کہ نہ انہیں سلام کہیں اور نہ ان کے سلام کا جواب دیں۔ ان پر یہ حالت پچاس دن تک برابر طاری رہی اس طرح ان پر زمین تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان کے لئے تنگ ہو گئیں بالآخر پچاس دن کے بعد آیت زیر بحث ۹/۱۱۸ نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کیا تو پھر ان کا فیصلہ کیا گیا اور انہیں باقی صحابہؓ کے ساتھ سلام کلام کی اجازت دی گئی۔

لیکن واضح رہے کہ **الذین خلفوا** فعل مجہول ہے' جس سے یہ مفہوم اخذ کرنا کہ وہ خود پیچھے رہے تھے' عربی قواعد کو کند چھری کے ساتھ ذبح کرنے کے مصداق ہے۔ مولوی مقبول احمد شیعہ مرحوم اور شاہ رفیع الدین مرحوم نے **الذین خلفوا** کا ٹھیک معنی لکھا ہے "جو پیچھے چھوڑے گئے تھے۔" مگر عام مترجمین نے اس آیت مجیدہ پر چسپاں کئے گئے شان نزول کو صحیح رکھنے کے لئے **الــذین خلفوا** کا معنی لکھا ہے "جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا۔" لیکن اگر **خلفوا** کے اس مفہوم کو صحیح مانا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تین صحابیوںؓ کے سستی کے ساتھ جنگ سے خود پیچھے رہ جانے کا مفہوم اخذ کرنے کے لئے آیت مجیدہ میں کونسے الفاظ ہیں؟ کوئی نہیں۔ اور ان سے متعلقہ کیا معاملہ تھا جو ملتوی رکھا گیا تھا؟ اس کا جواب بھی کوئی نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ سارا قصہ ایجاد محض ہے۔

تو اس طرح دونوں صورتیں تفسیر القرآن بالقرآن کے خلاف ہیں۔ یعنی **الذین خلفوا** کے الفاظ سے مذکورہ تین صحابہؓ کے خود پیچھے رہ جانے کا مفہوم اخذ کرنا بھی غلط ہے کیونکہ **خلفوا** فعل مجہول ہے۔ اور ان الفاظ سے تین صحابہؓ کے معاملے کو ملتوی کرنے کا مفہوم لینے کے بعد ان کے ذمہ یہ الزام لگانا کہ وہ جنگ میں شامل ہونے سے پیچھے رہ گئے تھے یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس کے لئے نہ آیت مجیدہ میں کوئی الفاظ موجود ہیں اور نہ قرآن بھر میں کہیں بھی تصریف آیات کے قرآنی اصول کے مطابق جماعت صحابہؓ میں سے تین کے جنگ سے پیچھے رہنے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس عنوان کا آخری سوال یہ ہے کہ آخر یہ تین صحابی کون تھے جن کا انتہائی مخصوص انداز سے **و علی الثلثة الذین خلفوا** کے الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا جواب ہمارے محررہ ترجمہ سے عیاں ہے کہ وہ کسی جنگ سے پیچھے رہ نہیں گئے تھے۔ بلکہ وہ ہجرت کے وقت ضروری امور کی انجام دہی کے لئے مکہ معظمہ میں پیچھے چھوڑے گئے تھے۔ مزید وضاحت تصریف آیات کے قرآنی اصول کے مطابق ذیل کے اگلے عنوان میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ تین صحابیؓ کون تھے؟ :۔ **حتیٰ اذا ضاقت علیهم الارض و ضاقت علیهم انفسهم** کا مفہوم روایتی تفاسیر نے یہ لیا ہے کہ کعبؓ' مرارہؓ اور ہلالؓ جو جنگ تبوک سے بوجہ سستی خود پیچھے رہ گئے تھے' جب ان کا مقاطعہ کیا گیا تو ان پر زمین تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان کے لئے دوبھر ہو گئیں' لیکن جیسے کہ اوپر وضاحت کی جاچکی ہے کہ نہ خود آیت

زیر نظر میں اس تصور کے لئے الفاظ موجود ہیں اور نہ ہی قرآن بھر میں تصریف آیات کے ذریعہ کسی تین صحابہؓ کے جنگ سے پیچھے رہنے اور ان کے مقاطعہ کی خبر ملتی ہے' اس لئے یہ روایتی تصور نہ صرف ناقابل قبول ہے۔ بلکہ مذکورہ بالا تین صحابہؓ پر محض الزام کی حیثیت رکھتا ہے اور حقیقت حال وہی ہے جو **الذین خلفوا** فعل ماضی مجہول **مالم یسمّٰی فاعله** سے عیاں ہے کہ یہ وہ تین اولوالعزم صحابی تھے جو خود پیچھے نہیں رہے تھے بلکہ وہ پیچھے چھوڑے گئے تھے کس نے انہیں پیچھے چھوڑا تھا؟ یعنی **خلفوا** فعل مجہول مالم یسمّٰی فاعله کا فاعل کون تھا؟

نبی اکرمؐ کے جاں نثار چاریارؓ:۔ تصریف آیات کی رو سے سیاق کلام کے مطابق ان تین پیچھے چھوڑے گئے صحابہؓ کے واقعہ کا تعلق پیچھے آیت مجیدہ ۹/۴۰ کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ جس میں واقعہ ہجرت نبوی کے ضمن میں بتایا گیا ہے۔ کہ نبی اکرمؐ نے جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اپنے چار جاں نثاروں میں سے صرف ایک صحابیؓ کو اپنے ساتھ لیا۔ اور تین کو خود پیچھے چھوڑ گئے۔ صرف ایک کو ساتھ لے کر ہجرت فرمانے کی خبر ۹/۴۰ میں بالفاظ ذیل درج ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۹/۴۰

اگر (بفرض محال) تم اس کی (ہمارے رسول کی) مدد نہ بھی کرو تو (پھر بھی کوئی بات نہیں) پس بلاشبہ اللہ نے اس کی اس (نازک) وقت پر مدد فرمائی تھی جب اسے کافروں نے (مکہ) سے نکال دیا (اس وقت اس کے ساتھ صرف ایک ساتھی تھا) وہ (ہمارا رسولؐ) صرف دو میں کا دوسرا تھا۔ جب وہ غار یعنی دشمنوں کے انبوہ میں تھے۔ جب (اس کا ساتھی غمگین ہوا تو) اس نے اپنے ساتھی سے کہا غم نہ کر' بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ غار کا معنی پہاڑ کی کھوہ بھی ہے اور انبوہ مردماں بھی ہے۔ دیکھئے منتہی الارب مادہ غور۔ اس آیت ۹/۴۰ میں غار کا معنی پہاڑ کی کھوہ نہیں لگ سکتا' انبوہ مردماں ہی لگ سکتا ہے۔ کیونکہ اسی آیت کے اگلے الفاظ میں ارشاد ہوا ہے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ ۹/۴۰

(جب وہ دونوں دشمنوں کے انبوہ میں تھے) تو اللہ نے اس (اپنے نبیؐ پر) تسکین نازل فرمائی اور اسے ایسے لشکروں کے ساتھ مدد دی جو تم نے نہیں دیکھے اور کافروں کی تجویز کو ناکام و نامراد کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجویز ہی بلند و بالا (کامیاب) ہونے والی ہے۔ پس لشکروں کی ضرورت میدان میں ہوتی ہے غار میں نہیں۔

○ تصریف آیات کی اس آیت مجیدہ ۹/۴۰ میں نبی اکرمؐ کے واقعہ ہجرت کا ذکر جمیل ہے کہ آپ نے اپنے چار جاں نثار صحابہؓ میں سے صرف ایک کو ساتھ لے کر ہجرت فرمائی تھی اور ۹/۱۱۸ میں باقی تین کا تذکرہ ہے جنہیں خود نبی اکرمؐ نے ضروری امور کی انجام دہی کے لیے خود پیچھے چھوڑا تھا' وہ اپنے آپ پیچھے نہیں رہے تھے۔ جس جاں نثار صحابیؓ کو آپؐ نے ساتھ لیا' تاریخ اسلام نے اس کا نام ابوبکرؓ بتایا ہے اور باقی تین کے نام بتائے ہیں۔ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ۔ اب چونکہ قرآن مجید سے ان اسماء گرامی کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی' اس لیے یہ نام صحیح ہیں۔

تین صحابہؓ کو پیچھے چھوڑنے کی غرض:۔ اب اس سلسلے کا لازمی سوال یہ ہے کہ مذکورہ تین صحابہؓ کو خصوصی طور پر پیچھے چھوڑنے کی غرض کیا تھا؟ اس کا جواب تاریخ ہی کی ان خبروں میں موجود ہے' جن کی قرآن مجید سے مخالفت ثابت نہیں ہوتی بلکہ قرآن مجید سے ان کی تائید ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جب نبی اکرمؐ نے ہجرت فرمائی اس وقت مشرکین مکہ کی مخالفت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ آپ کے لیے قتل و قید وغیرہ کا منصوبہ تیار کرلیا گیا تھا۔ ۸/۳۰ اس لیے آپ کا ہجرت فرمانا لازم ہوچکا تھا۔ چنانچہ جب آپ ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر ہجرت فرما گئے۔ یعنی جب دشمنوں کا شکار ان کے پھیلائے ہوئے دام سے نکل گیا تو ان کا آگ بگولا ہو جانا لازمی امر تھا۔ جس کی زد مکی مسلمانوں پر پڑنی ناگزیر تھی۔ اس لیے نبی اکرمؐ نے مکہ میں مقیم مسلمانوں کی حفاظت' ان کی مالی ضروریات اور دشمنوں کی امانتیں واپس لوٹانے کے لیے مذکورہ اصحابؓ ثلاثہ کو خود پیچھے چھوڑا تھا۔ تاکہ پہلے نمبر پر جب غریب کمزور مسلمانوں پر کافر سختی کریں تو عمرؓ آڑے آجائیں' کیونکہ آپ نہ صرف شہ زور اور جنگجو تھے' بلکہ آپ کے رعب و دبدبہ سے کفار خوف کھاتے تھے۔ چنانچہ عمرؓ کو پیچھے چھوڑنے کی غرض غریب اور کمزور مسلمانوں کو نہ صرف کفار مکہ کے مظالم سے محفوظ کرنا تھی' بلکہ انہیں ہجرت کے مواقع مہیا کرنے میں مدد کرنا بھی مقصود تھا۔

○ دوسرے نمبر پر جب نبی اکرمؐ کے ہجرت کر جانے پر کفار مغلوب الغضب ہوکر غریب مسلمانوں کے لیے اقتصادی مسائل کھڑے کر دیں تو عثمانؓ جو تاریخ میں غنی کے لقب سے مشہور ہیں' وہ نہ صرف ان کی مالی امداد کرکے انہیں مالی بحران سے نکالنے کے فرائض انجام دیں بلکہ مکی مہاجروں کی ہجرت کے وقت ان کے لیے زادراہ وغیرہ کا اہتمام بھی فرماتے رہیں اور

○ تیسرے نمبر پر نبی اکرمؐ کے پاس جو کفار مکہ کی ظاہر اور خفیہ امانتیں پڑی ہوئی تھیں ان کی واپسی کے لیے علیؓ کو پیچھے چھوڑا گیا۔ تاکہ وہ ہر ظاہر امانت کو ظاہر طور پر اس کے مالک کو واپس کر دیں اور خفیہ امانت کو خفیہ انداز کے ساتھ اس کے مالک تک پہنچانے کے فرائض ادا کریں۔ چنانچہ ان تینوں جاں نثاروں کو جن جن امور کی ادائیگی کے لیے پیچھے چھوڑا گیا۔ انہوں نے اپنے اپنے فرائض منصبی کو انتہائی جاں نثاری کے ساتھ ادا کیا۔ اگرچہ نبی اکرمؐ کے ہجرت کر جانے پر مغلوب الغضب کفار مکہ کی طرف سے ان تینوں صحابیوںؓ کی بے پناہ مخالفت کی گئی کیونکہ ہر مقام پر یہی تینؓ تھے جو غریب مسلمانوں پر مظالم توڑنے کی راہ میں آڑے بھی آتے رہے' ان کی مالی مدد بھی کرتے رہے اور ان کے لیے ہجرت کے مواقع اور زادراہ بھی مہیا کرتے رہے۔

○ چونکہ نبی اکرمؐ کی ہجرت کے بعد کافروں کے پُر غضب انتقام کی راہ میں یہی تین افراد سد راہ بنے' اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کفار نے ان کے خلاف عظیم محاذ بنا لیا اور ان کی اس حد تک ناکہ بندی کی کہ خود ان کے لیے ہجرت کرنا دشوار ہوگیا' اسی چیز کی خبر آیت زیر بحث میں بالفاظ ذیل دی گئی ہے۔

○ **حتّٰی اذا ضاقت علیهم الارض بما رحبت** یہاں تک کہ ان کے لیے زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی۔ **وضاقت علیهم انفسهم** اور ان کی اپنی جانیں ان کے لیے تنگ ہوگئیں یعنی رسول اکرمؐ کے مذکورہ تینوں جاں نثار آپ کے بعد مکہ میں بے پناہ ذہنی کشمکش کا شکار ہوگئے۔

○ **و ظنوا** میں آمدہ واؤ اظہار حقیقت کیلئے آئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں یقین کامل تھا کہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یقیناً کامیابی نصیب ہوگی اور وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ پناہ گاہ مدینہ منورہ میں نبی اکرمؐ کی خدمت میں پہنچ جائیں گے۔

○ **ظنوا** کاسہ حرفی مادہ ظ ۔ ن۔ ظن ہے یہ لفظ قرآن مجید میں محض خیال و گمان کے لیے بھی مستعمل ہے اور یقین کے لیے بھی وہم و گمان کے لیے سورہ نجم میں آیا ہے۔ **و ان الظن لایغنی من الحق شیاء**" ۲۸/۵۳= اور بلاشبہ وہم و گمان حق کے مقابلے پر کچھ کام نہیں آتا اور یقین کے لیے سورہ بقرہ میں خاشعین مومنین کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ **الخشعین○ الذین یظنون انهم ملقوا ربهم و انهم الیه راجعون○** ۴۵-۲/۴۶ خاشعین مومنین وہ لوگ ہیں جن کا پختہ یقین ہے کہ بلاشبہ وہ (اعمال کی جوابدہی کے لیے) اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور بلاشبہ وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے (اسی کی عدالت میں حاضر ہونے والے) ہیں۔ پس آیت مجیدہ زیر نظر میں **ظنوا** کا معنی خیال و گمان نہیں، بلکہ یقین ہے کہ مذکورہ اصحابؓ ثلاثہ کو کامل یقین تھا کہ وہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

○ **اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَیْهِ** کے الفاظ میں **من اللّٰه** جار مجرور کا معنی ہے اللہ کی طرف سے مقررہ و متعینہ اور ملجا کا معنی ہے ٹھکانہ' پناہ گاہ اور **الا الیه** کے الفاظ میں **الا** استثنائیہ کے ساتھ بتایا گیا ہے صرف اس (اللہ) کی طرف' یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی متعینہ پناہ گاہ مدینہ منورہ ہی پہنچنا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع برحمت ہوا۔ ان کے لیے ہجرت کے مواقع بہم پہنچائے تاکہ وہ اپنے ملجا' پناہ گاہ مدینہ منورہ پہنچ جائیں۔

○ **ثم تاب علیهم** میں تاب کا فاعل چونکہ اللہ تعالیٰ ہے اس لیے اس کا معنی ہے وہ ان پر رجوع برحمت ہوا۔ اور اس کی غرض بتائی گئی ہے۔ **لیتوبوا** جس میں لام مکسورہ علت کے لیے آئی ہے بمعنی تاکہ اور **یتوبوا** کے فاعل ہیں مذکورہ اصحاب ثلاثہ اس لئے اس کا معنی ہے تاکہ رجوع کریں۔ پیچھے وضاحت کی جاچکی ہے کہ مذکورہ اصحابؓ ثلاثہ نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ جس کی وہ معافی چاہتے۔ چونکہ **و علی الثلثة الذین خلفوا** کا معطوف علیہ ہے **لقد تاب اللّٰه علی النبی والمهجرین والانصار الذین اتبعوه فی ساعة العسرة** ۹/۱۱۷ بلاشبہ اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہوا نبیؐ پر اور ان مہاجرین و انصار پر جنہوں نے نہایت تنگی کے وقت نبی کی اتباع کی تھی۔ جس طرح **تاب اللّٰه** سے مراد نبی اور مہاجرین و انصار کا کوئی جرم ثابت نہیں بلکہ ان کی دینی استقامت کے عوض اللہ تعالیٰ کا رجوع برحمت ہونا مراد ہے۔ اسی طرح جملہ معطوفہ میں مذکور اصحابؓ ثلاثہ بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔ جس میں خود نبی اکرمؐ اور مہاجرین و انصار شامل ہیں۔ اس لیے **ثم تاب علیهم لیتوبوا** کے الفاظ سے بھی چونکہ اصحاب ثلاثہ کے کسی جرم و گناہ کا تصور پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں **لیتوبوا** کا معنی گناہ سے توبہ کرنا نہیں بلکہ توبہ کے لفظی معنوں رجعت کے مطابق اور سیاق کلام کی رو سے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ **پناہ گاہ** مدینہ کی طرف رجعت ہجرت کرنا ہے۔

<u>لیتوبوا کے متعلق دو اعتراضات</u>:۔ ○ مذکورہ بالا مفہوم پر سیاق کلام اور تصریف آیات کی رو سے کوئی اعتراض مطلقاً وارد نہیں ہوتا البتہ معترض ذیل کے اعتراض کرسکتا ہے۔

○ پہلا یہ کہ **لیتوبوا** کے مادہ تاب **یتوب** کا معنی جب لغت کی رو سے ذہنی رجعت ہے تو اس سے رجعت مکانی کا معنی

کس طرح لیا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب خود آیت مجیدہ کے الفاظ **ظنوا ان لا ملجا من اللّٰہ الا الیہ** کے لفظ ملجا میں موجود ہے جو مفعل کے وزن پر ظرف مکان ہے بمعنی پناہ گاہ' جو **یتوبوا** میں رجعت مکانی کی تخصیص کرتا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن مجید اہل لغت کی غلطیوں کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔ وہ یہ کہ اس مادہ تاب یتوب میں رجعت مکانی کا مفہوم بھی موجود ہے۔

○ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ لفظ رجعت کے مطابق' اصحابؓ ثلاثہ کا مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ کیا وہ مدینہ سے آئے تھے جو وہاں لوٹ جانا صحیح مانا جاسکے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ **یتوبوا** کی لفظی حاکیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ کے یہ تین جاں نثار صحابہؓ دارالہجرت مدینہ منورہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اس سے پہلے بھی مدینہ منورہ بھیجے جاچکے تھے۔ جہاں انہیں لوٹ کر جانا تھا۔

حاصل کلام :۔ ○ اوپر سیاق کلام۔ اور تصریف آیات کے مستقل قرآنی اسلوب بیان کے مطابق ثابت کیا جاچکا ہے کہ آیت بالا ۹/۱۱۸ سے کسی تین صحابہؓ رسولؐ کا جنگ سے پیچھے رہنا مقصود نہیں۔ بلکہ یہ چار یار یعنی نبی اکرمؐ کے چار جاں نثاروں میں سے وہ تھے کہ رسول پاک نے ہجرت کے وقت چار میں سے ایک جاں نثار کو اپنے ساتھ لیا اور تین کو نہایت اہم امور کی انجام دہی کے لیے مکہ معظمہ میں خود پیچھے چھوڑ گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا اپنا فرض منصبی نہایت جاں نثاری کے ساتھ ادا کیا۔ نبی اکرمؐ کی ہجرت کے بعد یہ تینوں کفار مکہ کی سختیوں کا مخصوص نشانہ بنے۔ حتیٰ کہ خود ان کی ہجرت اس قدر دشوار ہوگئی کہ ان کے لیے نہ صرف یہ کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی بلکہ ان کے اپنے نفس بھی تنگی اور گھٹن کا شکار ہوکر رہ گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ' نبی اکرمؐ اور باقی مہاجرین مکہ کی طرح ان پر بھی رجوع برحمت ہوا تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ملجا' پناہ گاہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرکے لوٹ سکیں۔ چنانچہ انہیں بھی ہجرت کے مواقع میسر آئے اور وہ اپنے اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے بعد' جن کی انجام دہی کے لیے وہ پیچھے چھوڑے گئے تھے ہجرت کرکے نبی اکرمؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگئے۔

ایک ضروری وضاحت :۔ ○ روایتی تراجم نے **خلفوا** فعل مجہول کا معنی جنگ سے پیچھے رہنا لیا ہے جو قواعد عرب ہی کی رو سے صد فیصد غلط ہے۔ اسی سورت مجیدہ میں جنگ سے پیچھے رہنے والے منافقوں کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔ پیچھے بیٹھ رہنے کے لیے **قعد الذین کذبوا** ۹/۹۰ آیا ہے اور جنگ سے پیچھے بیٹھ رہنے والوں کو قاعدین کہا گیا۔ **ذرنا نکن مع القعدین** ۹/۸۶ یہ خالص منافقوں کے لیے ہے کیونکہ قعد مصدر میں ارادہ پایا جاتا ہے جیسے کہ موسیٰؑ کو قوم نے کہا **فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قعدون** ۵/۲۴ تو اور تیرا بھائی جاؤ لڑو ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں۔ نیز پیچھے رہنے والے کے لیے خوالف بھی آیا ہے یعنی پیچھے رہنے والے معذور لوگ۔

رضوا بان یکونوا مع الخوالف ۹/۸۷ اس طرح اس میں ارادہ نہیں پایا جاتا۔ اسی مادہ خلف کو جب باب تفعیل میں لاکر لام کی تشدید سے خَلَّفَ لایا جائے تو متعدی بن جاتا ہے اور یا فعل لازم میں مبالغہ کا فائدہ دیتا ہے۔ لیکن اس پر عَنْ جارہ کا ورود لازم ہے جیسے ۹/۱۲۰ میں آیا ہے۔ **ما کان لاھل المدینتہ و من حولھم من الاعراب ان**

یتخلفوا عن رسول اللّٰہ مدینہ والوں اور ان کے اردگرد کے اعرابیوں کے لئے یہ لائق نہیں کہ وہ جنگ میں اللہ کے رسول سے پیچھے رہیں۔

المختصر! آیت مجیدہ ۹/۱۱۸ میں رسول اکرمؐ کے چار جاں نثاروں میں سے تین کا ذکر ہے۔ جنہیں نبی اکرمؐ ہجرت کے وقت ضروری امور کی انجام دہی کے لیے خود مکہ معظمہ میں پیچھے چھوڑ گئے تھے۔

○ اس آیت مجیدہ میں تین صحابہؓ رسولؐ کے لیے **و علی الثلثۃ الذین خلفوا** آیا ہے۔ **خلفوا** کا یہ معنی ازروئے لغت صحیح ہے جو اوپر لکھا گیا ہے کہ جن تین صحابہؓ کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا' اللہ تعالیٰ ان پر رجوع برحمت ہوا' یعنی انہیں معاف کر دیا۔ مگر لفظ **خلفوا** کا یہ معنی بھی صحیح ہے کہ جو پیچھے چھوڑے گئے تھے۔ لہٰذا **وعلی الثلثۃ الذین خلفوا** کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تین صحابہؓ پر رجوع برحمت ہوا' جو پیچھے چھوڑے گئے تھے۔ اس لئے آیت نمبر ۱۱۸ کا یہ مفہوم بھی افادۂ عام کے لیے درج کر دیا گیا تھا۔ "اور اللہ تعالیٰ ان تین صحابہؓ پر بھی رجوع برحمت ہوا (یعنی انہیں بھی مصائب و آلام سے نکال کر آزاد قرآنی حکومت کی فراوانیاں عطا فرمائیں) جو (ہجرت کے وقت **مکہ معظمہ** میں) پیچھے چھوڑے گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب (دشمنان اسلام' مشرکین مکہ نے ان پر مکہ میں سختیاں کیں تو ان کے لئے اللہ کی زمین وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی اور ان کے لیے ان کی اپنی جانیں بھی تنگ ہوگئیں' حقیقت یہ ہے کہ ان کا یقین یہی تھا کہ ان کی اللہ کی طرف سے مقررہ پناہ اسی کی طرف ہے (یعنی ہجرت کرکے پناہ گاہ میں پہنچنا ہے) پھر وہ ان پر رجوع برحمت ہوا تاکہ وہ بھی لوٹ آئیں (ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچ جائیں)۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہونے والا مہربان ہے۔ آیت مجیدہ ۹/۱۱۸ کے اس مفہوم سے نبی اکرمؐ کے چار جاں نثاروں کا تصور نمایاں ہوتا ہے جن میں سے ایک کو نبی اکرمؐ **مکہ معظمہ** سے ہجرت کے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اور باقی تین ضروری امور کی انجام دہی کے لیے پیچھے چھوڑے گئے تھے۔ اس سوال کا جواب ہے کہ وہ کون سے ضروری امور تھے۔ جن کے لیے انہیں خود نبی اکرمؐ کی طرف سے ہجرت کے وقت **مکہ معظمہ** میں پیچھے چھوڑ دیا گیا۔

اگلی آیت مجیدہ ۹/۱۱۹ میں جملہ اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے بچیں اور سچوں یعنی انبیاء سلام علیہم کے ساتھ ہو جائیں۔ پوری نوع انسانی کی مشکلات کا حل انہی کے لائے ہوئے ضابطے میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۝۱۱۹

اے وہ لوگو! جو (اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے دعویدار ہو) اللہ تعالیٰ (کے قوانین کی مخالفت سے بچو اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انبیاء سلام علیہم) سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

○ **اتقوا اللّٰہ** کا لفظی معنی لیا جاتا ہے۔ "اللہ سے بچو یا اللہ سے ڈرو۔" آیت مجیدہ میں آمدہ **اتقوا** فعل امر کا سہ حرفی مادہ ہے و۔ ق۔ ی= وقی' جس کا بنیادی معنی ہے کسی کو کسی چیز کے ضرر سے بچانا ۷۶/۱۱ میں ہے۔ **فوقھم اللّٰہ** اللہ

انہیں بچالے گا۔ اور ۵۶/۴۴ میں ہے۔ **ووقھم عذاب الجحیم** اور اللہ انہیں جحیم کے ضرر' عذاب سے بچالے گا۔ اس مادہ کا مصدر اتقاء متعدی نہیں لازم ہے۔ اور اس کا معنی بچانا نہیں' بچنا ہے۔ تو اس طرح **اتقوا** کا معنی ہوا بچو۔ نیز چونکہ اس مصدر کا معنی ڈرنا بھی لیا جاتا ہے۔ اس لیے **اتقوا اللہ** کا عموی معنی لیا جاتا ہے۔ بچو اللہ سے یا ڈرو اللہ سے لیکن قابل غور یہ امر ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کوئی مضرذات ہے کہ اس سے بچا جائے یا اس کے ضرر سے ڈرا جائے؟ اس کا جواب بالکل سیدھا سادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو رحمان و رحیم ہے۔ وہ تو رحمت ہی رحمت ہے تو پھر جب کہ رحمت سے بچنے یا رحمت سے ڈرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' تو ثابت ہوا کہ **اتقوا اللہ** کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے قوانین تکوینی اور تنزیلی کی مخالفت کے ضرر سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

○ **مثلاً** باری تعالیٰ کے تکوینی قوانین میں سے آگ کے قانون پر غور فرمائیں جس کا مستقل قانون ہے جلانا۔ اگر آگ میں انگلی ڈالی جائے تو وہ یقیناً جل جائے گی اور اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا۔ جو لوگ ہاتھ میں آگ پکڑ لیتے ہیں۔ انہوں نے ہاتھ پر مینڈک کی چربی یا کوئی اور کیمیکل لگایا ہوا ہوتا ہے جو چند سیکنڈوں کیلئے ہاتھ کو جلنے سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ ورنہ آگ کا دائمی قانون جلانا اور پھونک دینا ہے۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے اس تکوینی قانون کی مخالفت کے ضرر سے بچنا **اتقوا اللہ** میں داخل ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا تنزیلی حکم ہے چوری نہ کرو' جھوٹ نہ بولو' ملاوٹ اور چور بازاری نہ کرو۔ ایسا کرنے والا ملکی قانون کے عذاب کے ضرر کا بھی مستحق ہوتا ہے اور قیامت کو بھی اللہ تعالیٰ کی عدالت عالیہ سے دائمی عذاب کے ضرر کا سزاوار ہوگا۔ پس **اتقوا اللہ** کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ سے ڈرو یا بچو۔ بلکہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت سے لازم ہونے والے ضرر سے بچو' ڈرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت نہ کرو۔ ورنہ تم پر اس حکم عدولی کا عذاب ضرر لازم ہو جائے گا۔

○ **کونوا مع الصدقین** کا لفظی معنی ہے سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اب سوال یہ ہے کہ سچے کون ہیں؟ قرآن مجید میں ضابطہ الٰہی کے فرمانبرداروں کو بھی صدقین کہا گیا ہے۔ اور اس ضابطہ الٰہی کے لانے والوں یعنی انبیاء سلام علیہم کو بھی صدقین اور صدیقین کے مقدس القاب سے نوازا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نوع انسانی کے عالمگیر مصائب و آلام کا واحد حل صرف کتاب اللہ ہے جو آدمؑ سے لے کر خاتم النبین تک جملہ انبیاء کو دیا جاتا رہا۔ جس میں نوع انسانی کے ہر دور کے مصائب کا حل نازل کر دیا گیا ہے۔ جن میں سرفہرست ہے پوری نوع انسانی کا بلاتمیز ایک ہی جماعت ہونا۔ یکساں واجب التکریم ہونا اور سب کے بنیادی حقوق کا مساوی ہونا۔

○ **کان الناس امۃ واحدۃ** ۲/۲۱۳

نوع انسانی بلاتمیز ایک ہی جماعت ہے۔ (ان میں سے کوئی بھی اونٰی نہیں)۔

○ **و لقد کرمنا بنی آدم** ۱۷/۷۰

اور بے شک یقیناً ہم نے پوری نوع آدم کے ایک ایک فرد کو واجب التکریم قرار دیا ہے۔

○ **ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین**○ ۲/۳۶ + ۷/۲۴

اے نوع انسانی! زمین میں تم سب کا حق استقرار بھی مساوی ہے' اور حق ضروریات زندگی بھی۔ یعنی تم میں سے ہر ایک کو زمین میں مکان بھی

بلا کرایہ میسر ہونا لازم ہے اور آخری دم تک کیلئے ضروریات زندگی بھی ملتے رہنے کا حق مسلم ہے۔

مومنوں کو نبی اکرمؐ سے پیچھے رہنے کا حق حاصل نہیں:۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جب نبی اکرمؐ جنگ پر تشریف لے جا رہے ہوں تو مومنوں کو، خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی آپ سے پیچھے رہنے کا حق حاصل نہیں۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَــــُٔـوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

نہیں لائق اہل مدینہ کے لیے اور جو ان کے اردگرد والے دیہاتی ہیں، کہ وہ اللہ کے رسول سے پیچھے رہ جائیں (جب اللہ کا رسولؐ جنگ میں جا رہا ہو) اور نہ انھیں یہ لائق ہے کہ وہ لوگ اس (اللہ کے رسولؐ) کی جان سے اپنی جانوں کو عزیز سمجھیں۔ یہ اس لئے کہ انھیں اللہ کی راہ میں نہیں تکلیف پہنچی، پیاس کی یا تھکاوٹ کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں جو کافروں کو غضب آلود کر دے یا وہ دشمنوں سے کوئی چیز چھین لیں مگر لکھا جاتا ہے ان کے لیے اس (ہر چیز کے) عوض ایک ایک عمل صالح، بلاشبہ اللہ تعالیٰ توازن قائم کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۲۱

اور نہیں خرچ کرتے وہ (اللہ کی راہ میں) کوئی مال تھوڑا یا بہت، اور نہ وہ کوئی وادی عبور کرتے ہیں، مگر سب ان کیلئے لکھا جاتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ انھیں احسن بدلہ دے اس کا جو وہ عمل کرتے ہیں۔

○ مادہ خلف کے باب تفعل سے مصدر تخلّف کا معنی بصورت لازم بلاارادہ پیچھے رہنا ہے۔ کیونکہ جنگ سے باارادہ پیچھے رہنے والوں کے لیے قرآن مجید میں قاعدین کا لفظ آیا ہے جس کا مصدر قعد ہے۔ اس مصدر میں قصداً پیچھے رہنے کا مفہوم پایا جاتا ہے، جیسے کہ موسیٰؑ کو قوم نے کہا **فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝** ۵/۲۴= تو اور تیرا بھائی جاؤ اور لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھنے والے ہیں۔

○ اس کے علاوہ قرآن مجید میں جنگ سے پیچھے رہنے والوں کے لیے مادہ خلف سے خوالف بمعنی پیچھے رہنے والے آیا ہے۔ مگر اس مادہ میں ارادہ نہیں پایا جاتا۔ یہ لفظ لولے، لنگڑے، اندھے وغیرہ معذور لوگوں کے لیے آیا ہے، جو جنگ میں جانے کے قابل ہی نہیں ہوتے۔ منافق ان کے ساتھ بیٹھ رہنا پسند کرتے تھے، جیسے کہ ۹/۸۷ + ۹/۹۳ میں ان کے متعلق دو جگہ پر بتایا گیا ہے۔ **رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ** وہ اس پر خوش ہیں کہ وہ جنگ سے پیچھے رہنے والے لولے لنگڑوں کے ساتھ ہو کر پیچھے بیٹھ رہیں۔

○ الختصر مادہ خلف میں قصداً پیچھے رہ جانے کا مفہوم موجود نہیں۔ آیت زیر بحث ۹/۱۲۰ میں **ان یتخلفوا عن رسول اللہ** کے الفاظ لاکر اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس مادہ میں قصداً پیچھے رہنے کا مفہوم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس فعل کے بعد حرف جار عن داخل ہو۔ چنانچہ آیت زیر بحث میں اعلان کیا گیا ہے کہ جب اللہ کا رسولؐ جنگ کے لیے جا رہا ہو تو کسی مومن کے لیے خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی، یہ لائق نہیں کہ وہ پیچھے رہ جائے، سوائے اس کے کہ، اللہ کا

رسولؐ کسی وقتی فرض کی انجام دہی کے لیے خود پیچھے چھوڑ جائے۔

○ **وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ** کے الفاظ میں اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول کی جان سب سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جملہ اصحاب و احباب کی جانوں سے عزیز تر ہے۔ بالفاظ دیگر ہر مومن کے لیے اللہ کے رسولؐ کی جان کو اپنی جان سے عزیز تر جاننا ضروری' یعنی شرط ایمان ہے۔ اسی چیز کو ایک مخصوص انداز کے ساتھ سورہ احزاب میں بالفاظ ذیل اجاگر کیا گیا ہے۔ **اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ** ۳۳/۶ اللہ کا نبیؐ (محمدؐ) مومنوں کے لیے اپنی جانوں سے اولیٰ ہے۔ اور ساتھ ہی اگلے الفاظ میں کہا گیا ہے۔ **و ازواجه امهتهم** ۳۳/۶ اور اس کی بیویاں ان کی (مومنوں کی دینی) مائیں ہیں۔ بالفاظ دیگر نبی اکرمؐ مومنوں کے دینی باپ ہیں۔ پس اس لحاظ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جملہ مومنین نبی اکرمؐ کی جان کو اپنی جانوں سے افضل وارفع اور عزیز تر سمجھیں' یہی شرط ایمان ہے۔

ایک صحیح حدیث شریف :۔ ○ کتب روایات میں ایک صحیح حدیث شریف درج ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا' جب تک کہ وہ نبی اکرمؐ کو اپنے ماں باپ' اولاد اور جملہ اقارب سے' حتیٰ کہ اپنی جان تک سے بھی عزیز نہ سمجھے۔

○ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ** کا معنی لکھا گیا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توازن قائم کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ محسنین کا معنی ہے توازن قائم کرنے والے۔ اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ح۔ س۔ ن= حسن' اس کا بنیادی معنی ہے متوازن ہونا۔ حسین یعنی خوبصورت اسے کہتے ہیں جس کا قد' طول' عرض' جسامت وغیرہ اور جملہ اعضاء عین متوازن ہوں۔ اس طرح محسن اسے کہتے ہیں جو ہر کام میں اعتدال و توازن قائم کرنے والا ہو۔ چونکہ قرآن کریم ایک متوازن معاشرہ کے قیام کا داعی ہے اس لیے آیت زیر بحث ۹/۱۲۰ میں محسنین کا معنی ہے معاشرہ میں توازن قائم کرنے والے۔ اور انہی کے متعلق اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ معاشرہ میں توازن قائم کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

قرآن مجید کی رو سے جنگ کی اجازت بھی معاشرہ میں توازن قائم کرنے ہی کیلئے دی گئی ہے

○ واضح رہے کہ سورۃ انفل اور توبہ' دونوں میں جنگ اور قتال کے احکام نازل کیے گئے ہیں۔ حالانکہ امن متوازن ہے اور جنگ غیر متوازن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو سورتوں میں مسلسل لڑائی ہی کے احکام دیے گئے ہیں جو معاشرہ کو غیر متوازن کر دیتی ہے۔ پھر جنگی احکام ہی کے دوران یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ' معاشرہ میں توازن قائم کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

○ اس سوال کا جواب قرآن بھر میں پھیلا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ امن کو پسند کرتا ہے۔ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ **ان اللہ لا یحب الفساد** جنگ کی اجازت صرف دو صورتوں میں دی گئی ہے۔

۱۔ **پہلی** یہ کہ جب کوئی دشمن ملک پر چڑھائی کرے یعنی جارحانہ حملہ کر دے۔ تو ملک و قوم کو بچانے کے لیے مدافعانہ جنگ

کی اجازت دی گئی ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۳۹/۲۲ جنگ کی اجازت انہیں دی جاتی ہے جن سے جنگ کیا جائے (یعنی دشمن جن پر جارحانہ حملہ کر دے) یہ اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ ان پر جارحانہ حملہ کرکے ظلم کیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر قرآن کی رو سے جنگ کی اجازت ظلم کو ختم کرنے کے لیے ہے۔ مدافعانہ جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ جو ظلم ہی کے خاتمے کے لیے ہے۔

۲۔ دوسری اجازت نہیں' بلکہ حکم ہے جو خاتمہ ظلم کے لیے اس طرح دیا گیا ہے کہ کسی ملک یا حکومت میں کچھ کمزور مرد عورتیں اور بچے رہ رہے ہوں۔ مگر وہ قوم ان پر ظلم کر رہی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہوں کہ بار الٰہا ہمیں ان ظالموں کے ظلم سے بچالے۔ چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۷۵/۴ اور (ایمان والو!) تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہ لڑو گے جبکہ کچھ کمزور کئے گئے مرد' عورتیں اور بچے (پکار پکار کر) کہہ رہے ہوں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکال لے کہ اس کے حاکم ظالم ہیں (انہوں نے ہمیں ظلم کے چنگل میں جکڑ رکھا ہے۔)

المختصر! اللہ تعالیٰ کو امن پسند ہے فساد اور ظلم پسند نہیں۔ ظلم کو مٹانے کے لیے جنگ تک کی اجازت اور حکم دیا گیا ہے تاکہ معاشرہ میں امن یعنی توازن قائم ہو۔ چنانچہ آیت مجیدہ زیر بحث ۹/۱۲۰ میں اعلان کیا گیا ہے کہ توازن قائم کرنے کے لیے جب جنگ کرنی پڑے اور جنگ کے دوران جو بھی مصیبت پہنچتی ہے خواہ وہ بھوک پیاس کی ہو یا کسی سنگلاخ وادی کو عبور کرنا پڑے جس کے عوض دشمن آگ بگولا ہو کر انتہائی شدت کی جنگ پر اتر آئے' ان تمام اقدام کے عوض مومنوں کے اعمال ناموں میں اعمال صالح لکھے جاتے ہیں۔

○ آیت مجیدہ زیر بحث ۹/۱۲۱ میں بتایا گیا ہے کہ جنگ میں خرچ کیا گیا مال تھوڑا ہو یا زیادہ اور دوران جنگ ہر ہموار یا سنگلاخ وادی کو عبور کرنے میں جو تھوڑی یا بہت تکلیف پہنچتی ہے' انہیں اس کا احسن بدلہ دینے کے لیے سب کچھ لکھ لیا جاتا ہے۔ كُتِبَ لَهُمْ سورہ بنی اسرائیل میں بتایا گیا ہے کہ ہر انسان جو بھی عمل کرتا ہے اچھے یا برے سب لکھے جاتے ہیں اور ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں بندھا رہتا ہے۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ○ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ○ ۱۳-۱۴/۱۷ اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں باندھ دیا ہے (جب چاہے ذرا گردن جھکا کر پڑھ لے) اور ہم قیامت کے دن اس کی کتاب نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے (اور کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لے آج کے دن تیرے حساب کے لیے یہی کافی ہے۔ انسان جو بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے اس کے حافظہ میں محفوظ ہوتا چلا جاتا ہے' لکھا چلا جاتا ہے۔ دنیا کی کی زندگی میں بھی اس کتاب کو ہر انسان خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ یعنی خواہ لکھا پڑھا ہو' خواہ مطلقاً" ان پڑھ ہو۔ اپنی کتاب' اعمال نامے کو ہر آن پڑھ لیتا ہے۔ اور قیامت کو بھی پڑھ لے گا۔ دنیا میں جو چھوٹی چھوٹی چیزیں' اعمال نامہ سے پڑھی نہ جاتی ہوں۔ ان کے متعلق سورہ ق میں ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کو انسانی نظر اتنی تیز کر دی جائیگی کہ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کو پڑھ لے گا۔

○ لَقَدْ كُنْتَ فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۞ ۵۰/۲۲
بیشک تو اس دن (کی حاضری) سے غفلت میں رہا۔ پس ہم نے (آج) تجھ سے تیرا پردہ دور کر دیا ہے۔ پس آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے (انتہائی چھوٹے چھوٹے اعمال بھی آج تجھے اعمالنامہ میں نمایاں دکھائی دے رہے ہیں)' اسی سورہ ق میں بتایا گیا ہے کہ انسانی اعمالنامہ میں ہر وہ لفظ بھی لکھا جاتا ہے جو انسان اچھا یا برا اپنی زبان سے نکالتا ہے۔

○ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۞ ۵۰/۱۸ (انسان) منہ سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک ہوشیار و تیار (مخصوص قوت) موجود ہے (جو اس کے حافظے میں اس کا ہر ہر لفظ محفوظ کرتی' لکھتی چلی جاتی ہے۔ اس طرح ہر انسان کی پوری زندگی کے اعمال و اقوال کا ریکارڈ ایک مکمل کتاب' اعمال نامے کی صورت میں ہر آن تیار ہوتا چلا جاتا ہے پس لازم ہے انسان روزانہ کم از کم ایک مرتبہ ضرور گردن جھکا کر اپنی کتاب پڑھ لیا کرے۔ تاکہ اس پر ہر روز عیاں ہوتا رہے کہ وہ قیامت کی عدالت عالیہ کی حاضری کے لیے کس قدر تیار ہو رہا ہے۔

رجوع الی المطلب :۔ ان مذکورہ آیات مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کی گئی جنگ کی فضیلت اجاگر فرمائی گئی ہے کہ میدان جہاد میں آنے والی بھوک پیاس وغیرہ اور اللہ کی راہ میں خرچ کئے گئے مال کے بدلے' خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ' یعنی ہر چھوٹے بڑے اقدام کے عوض مجاہدین کے نامہ اعمال میں ایک ایک عمل صالح لکھا جاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کا حکم' چونکہ ظلم کے خاتمہ کے لیے ہے' اس لیے باری تعالیٰ معاشرہ میں توازن قائم کرنے والوں کا اجر ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

○ اگلی آیت مجیدہ انتہائی اہم ہے۔ اس کا ترجمہ اور تفسیری نوٹ انتہائی توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ آیت مجیدہ نقل کرنے سے پہلے اس امر کی یاد دہانی ضروری ہے کہ سورہ انفال اور سورہ توبہ کا واحد عنوان صرف جہاد ہے اس لیے اگلی آیت میں جنگی تربیت یعنی فوجی ٹریننگ کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۞(۱۲۲)

اور مومنوں کے لیے یہ لائق نہیں کہ سب کے سب (ٹریننگ کے لیے) نکل آئیں۔ پس ایسا کیوں نہ ہو کہ ان میں سے (ہر بستی کے ہر مسجدی) حلقہ کے چند افراد قریبی مرکز میں آجائیں تاکہ وہ جنگی ٹریننگ حاصل کریں۔ اور تاکہ جب وہ (بستی میں) واپس آئیں تو اپنی اپنی قوم (اپنے اپنے مسجدی) حلقہ والوں) کو ان کے فرائض منصبی سکھائیں تاکہ وہ بھی سب ہتھیار بند (مسلح) ہو جائیں۔

○ اس آیت مجیدہ کے ترجمہ میں جو مسجدی حلقہ' قریبی مرکز' جنگی ٹریننگ اور ہتھیار بند مسلح ہو جانے کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کے قرآنی ثبوت ضمنی نوٹوں کی تشریح میں آگے آرہے ہیں۔ ان نوٹوں کی تشریح ذرا لمبی ہے' اطمینان کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

○ اس آیت مجیدہ کے ترجمہ میں جو مسجد حلقہ' قریبی مرکز' جنگی ٹریننگ اور ہتھیار بند مسلح ہو جانے کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کے قرآن ثبوت ضمنی نوٹوں کی تشریح میں آگے آرہے ہیں۔ ان نوٹوں کی تشریح ذرا لمبی ہے' اطمینان کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

اہل اسلام کا ایک ایک فرد فوجی سپاہی ہے :- ○ **لِيَنفِرُوا** کا سہ حرفی مادہ ن۔ ف۔ ر = نفر ہے جس کے بنیادی معنے ہیں کوچ کرنا' جانا' نکلنا' بھاگنا۔ جب اس کا صلہ عن آئے تو **نفرعن الشی** کا معنی ہوتا ہے' کسی چیز سے روگردانی کی نفرت کی۔ (نفرت کا لفظ بھی اسی مادہ نفر سے مشتق ہے)۔ اور جب اس کا صلہ الی آئے تو **نفر الی الشی** کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کی طرف بھاگا۔ **نفر الی الحرب** کا معنی ہے۔ لڑائی کے لیے نکلا۔ تو اس طرح اس مادہ کا معنی کسی کام کے لیے نکلنا بھی ہے۔ ۹/۳۸ میں آیا ہے۔ **مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ** کیا ہے تمہیں کہ جب کہا جاتا ہے اللہ کی راہ میں نکلو۔ نیز ۹/۳۹ میں آیا ہے۔ **إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا** اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ پس آیت مجیدہ زیر بحث ۹/۱۲۲ کے الفاظ **وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً** کا لفظی معنی یہ ہے کہ نہیں لائق مومنوں کو کہ وہ سب کے سب نکل پڑیں۔ کس کام کے لیے؟ اس کے دو جواب ہیں۔

○ یہ سوال کہ چند کے سوا سب مومنوں کو کس کام کے لیے نکلنے سے منع کیا گیا ہے' اس کا پہلا جواب آیت زیر بحث کی آیات' ماسبق کے مطابق یہ ہے کہ لڑائی کے لیے سب کے سب کو نکلنے سے اس لئے منع کر دیا ہے کہ پیچھے بھی نوجوانوں کی ضرورت لازم ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کا کوئی دستہ بستی پر حملہ کر دے اور وہاں جوابی کاروائی کے لیے کوئی نوجوان موجود ہی نہ ہوں اس لیے ہر حلقہ میں سے چند افراد کے ایک گروہ کو نکلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

○ اس سوال کا دوسرا جواب ہے خود آیت زیر بحث کے اگلے الفاظ **لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ** کے مطابق جن میں سب کے نکلنے کی نہیں' بلکہ ان میں سے بعض کے نکلنے کی غرض نمبرا بتائی گئی ہے کہ وہ تفقہ فی الدین کریں' یعنی دین سیکھنے کیلئے نکلیں۔ اور غرض نمبر۲ بتائی گئی ہے۔ **وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ** کہ جب وہ دین سیکھ کر واپس آئیں تو اپنی اپنی قوم کو انذار کریں' یعنی انہیں ان کے فرائض منصبی سے آگاہ کریں۔ انہیں بھی ان کے فرائض سکھائیں اور غرض نمبر ۳ بتائی گئی ہے۔ **لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ** تاکہ وہ سب بھی ہتھیار بند مسلح ہو جائیں۔

○ واضح رہے کہ آیت مجیدہ کے اپنے مذکورہ بالا داخلی الفاظ میں جو صرف بعض افراد کے نکلنے کی یکے بعد دیگر تین غرضیں بتائی گئی ہیں۔ ان کے مطابق **وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً** کا یہ مفہوم فٹ نہیں بیٹھتا کہ جنگ کے لیے سب کو نکلنے سے منع کیا گیا ہے۔ بلکہ **تفقہ فی الدین** کے لیے سب کے سب کی بجائے ہر حلقہ کے چند افراد کو نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ اس آیت تفقہ فی الدین کا یہ معنی بھی فٹ نہیں آتا کہ وہ عربی زبان کی گردانیں ضَرَبَ يَضْرِبُ اور ضُرِبَ يُضْرَبُ وغیرہ سیکھنے کے لیے نکلیں اور واپس آکر ساری قوم کو عربی گرائمر ماضی مضارع کی گردانیں پڑھائیں اور یا فقہ کے مسائل سیکھنے جائیں اور واپس آکر ساری قوم کو فقہ پڑھائیں کیونکہ غرض نمبر۲ بتائی گئی ہے۔ **لینذروا قومھم** اپنی اپنی قوم کو ان کے فرائض منصبی سکھائیں۔ انذار کا معنی ہے فرائض منصبی بتانا' سکھانا۔ غرض نمبر۳ میں بتایا گیا ہے کہ قوم کے جملہ افراد اپنے فرائض منصبی پر عمل کرکے فوجی ٹریننگ لے کر سب کے سب ہتھیار بند یعنی مسلح سپاہی بن جائیں۔ اب چونکہ عربی گرائمر پڑھنے یا فقہ کے مسائل یاد کرنے سے سپاہی نہیں بنا جاسکتا۔ اس لیے ۹/۱۲۲ میں **تفقہ فی الدین** کا معنی صرفی نحوی گردانیں اور فقہی مسائل سیکھنے کے لیے گھروں سے نکلنا نہیں۔ فقہی مسائل تو بلا اختلاف اسلامی حکومت کی طرف سے مصدقہ شیڈول کی صورت میں شائع کرکے بستی بستی میں پہنچا دیے جائیں گے جن پر

عمل کرانا حکومت کا فرض ہے۔ فلہذا مذکورہ سوال کا جواب نمبر۲ صحیح ہے کہ فوجی ٹریننگ کے لیے جانا ہے' جس سے آیت مجیدہ میں مذکور تینوں غرضیں بھی پوری ہو جاتی ہیں اور سیاق کلام کے ساتھ ربط بھی قائم رہتا ہے کہ مسلسل دو سورتوں میں جنگ جہاد کے مسائل و احکام درج ہیں۔ اس لیے اس آیت میں ربط کلام کے مطابق پوری قوم کو مسلح سپاہی بنانے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ پوری قوم فوجی ٹریننگ حاصل کرلے اور اسلام کے دشمنوں کو دندان شکن جواب دینے کے لیے ہر آن تیار رہے' پورے مسلمانوں کی فوجی ٹریننگ' عسکری تربیت کا حکم سورہ انفال میں نبی اکرمؐ کو بالفاظ ذیل دیا گیا

○ **يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ** ۸/۶۵ اس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے "اے نبیؐ مومنوں کو لڑائی کی تربیت (فوجی ٹریننگ) دیجئے۔ اگر تم میں سے بیس ثابت قدم مجاہد ہوں گے تو دو سو پر اور اگر سو ہوں گے تو ایک ہزار پر غالب آئیں گے۔ مگر اس آیت کا مروجہ ترجمہ یہ ہے۔ اے نبی مومنوں کو لڑائی کی ترغیب دیجئے۔ یہ معنی بہ متعدد وجوہ غلط ہے۔ اولین ٹھوس وجہ یہ ہے کہ اگر مومنوں کو عسکری تربیت (فوجی ٹریننگ) ہی نہ ہوگی تو لڑائی کی ترغیب دینا ایک کار عبث ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حرض کا معنی ترغیب دینا ہے ہی نہیں۔ حرض باب تفعیل' مصدر تحریض سے ہے' جس کا معنی امام راغب نے مفردات القرآن میں لکھا ہے۔ "ازالہ حرض" (دیکھئے اہل حدیث اکاڈمی کشمیری بازار لاہور کی مطبوعہ مفردات القرآن امام راغب کا صفحہ ۲۲۵) **التحریض** کے معنی ازالہ حرض کے ہیں (یعنی کسی چیز سے بگاڑ اور خرابی کو دور کر دینا)۔

○ اسی کے صفحہ ۲۲۴ پر مادہ ح۔ ر۔ ض= حرض کا معنی لکھا ہے۔ "الحرض اس چیز کو کہتے ہیں جو نکمی ہو جائے.... جو چیز قریب بہ ہلاکت ہو اس کے متعلق حرض کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے **حتی تکون حرضا**" ۱۲/۸۵ یا تو قریب بہ ہلاکت ہو جائے پس مادہ حرض کا بنیادی معنی ہے قریب بہ ہلاکت ہونا۔ اب مصدر تحریض جو ازالہ حرض (یعنی ازالہ ہلاکت) کا مفہوم دیتا ہے' اس کے مطابق **حرض المومنین** کا معنی ہوا "مومنوں کو ہلاکت سے بچا" پس **حرض المومنین علی القتال** کا معنی ہوا "مومنوں کو قتال کی تربیت دے کر ہلاکت سے بچائیں۔ اسی آیت زیر بحث ۸/۶۵ سے قبل ۸/۶۰ میں تمام مومنوں کو حکم دیا گیا ہے۔

○ **و اعدوالهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدو الله و عدوكم** ۸/۶۰۔ اور ایمان والو!) دشمنوں کے مقابلہ کیلئے پوری استطاعت بھر فوجی قوت تیار کرتے رہو۔ خصوصا" تمہارے ہاں الخیل (ذرائع رسل و رسائل) کی بہتات ہو۔ تم اس فوجی قوت کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے لرزاتے رہو۔ تو برادران عزیز! اگر مومنوں کو فوجی ٹریننگ عسکری تربیت ہی نہ ہوگی تو فوجی قوت تیار کرنے کے کیا معنے؟ اگر معمولی سا غور کیا جائے تو اس آیت مجیدہ ۸/۶۰ میں بھی مومنوں کے لیے فوجی ٹریننگ کا حکم موجود ہے۔ پس آیت مجیدہ ۸/۶۵ کا صحیح معنی یہ ہے کہ اے نبیؐ! مومنوں کا ازالہ ہلاکت کرنے یعنی انہیں ہلاکت و تباہی سے بچانے کے لیے' عسکری تربیت (فوجی ٹریننگ) دیجئے۔ اگر تربیت یافتگان میں سے بیس مجاہد ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو ہوںگے تو ایک ہزار پر بھاری ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر تربیت یافتہ افراد کو اقوام عالم میں ہرگز کوئی مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔ (اب آیت مجیدہ زیر بحث ۹/۱۲۲ کا ضمنی نوٹ نمبر۲ ملاحظہ فرمائیں)۔

فرقہ بندی شرک ہے :۔ ○ **من كل فرقة" منهم طائفة"** کا معنی ہم نے لکھا ہے۔ ہر مسجدی حلقہ کے چند

افراد۔" ہم نے یہاں فرقہ کا معنی لکھا ہے مسجدی حلقہ اور **طائفۃ**" کا معنی لکھا ہے چند آدمی۔ واضح رہے کہ قرآن مجید کی رو سے فرقہ بندی شرک ہے۔ **ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا**" ۳۱-۳۲/۳۰ اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جانا' جنہوں نے دین میں تفریق پیدا کی اور خود فرقہ فرقہ ہوگئے۔ تو اس طرح جب اللہ تعالیٰ کے ہاں فرقہ بندی شرک ہے تو پھر وہ خود ایمان والوں کو کس طرح فرقے کہہ کر مخاطب کرنے لگا تھا۔ اس لیے یہاں فرقوں سے مراد اہل اسلام کی ہر بستی کے الگ الگ مسجدی حلقے ہیں جو محلہ وار مسجدوں کی اساس پر قائم ہوتے ہیں۔ مسجد کیا ہے؟ اہل اسلام کے اکٹھے ہونے کا مقام۔ تمام صلوتوں کے اوقات پر عموماً" اور فجر کی صلوۃ کے وقت خصوصاً" مسجدی حلقہ وار روزانہ اجتماع ہوتا ہے۔ **ان قرآن الفجر کان مشھودا**"○ ۷۸/۱۷

○ مسجد ہی ہر مسجدی حلقہ کی عدالت بھی ہے۔ سورۂ مائدہ میں بتایا گیا ہے کہ زمانہ رسالت میں صلوۃ فجر کے بعد نبی اکرمؐ مسجد ہی میں عدالت قائم فرما دیتے تھے اور صلوۃ کے بعد گواہوں سے گواہیاں لی جاتی تھیں۔ **تَحۡبِسُوۡنَهُمَا مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ** ۱۰۶/۵= تم الصلوۃ (فجر کی صلوۃ) کے بعد دونوں گواہوں کو روک لیتے ہو۔ پھر وہ اللہ کی قسم کھا کر گواہیاں دیتے ہیں۔ چونکہ ۷۸/۱۷ کی رو سے مسلمانوں کے روزانہ عام اجتماع کا وقت فجر کی صلوۃ کا مذکور ہے۔ اس لئے **من بعد الصلوۃ** کا معنی لکھا گیا ہے "فجر کی صلوۃ کے بعد"

○ الختصر! چونکہ فرقہ بندی ازروئے قرآن شرک ہے۔ اس لئے یہاں جو اہل اسلام میں فرقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مسجدی حلقوں کے مومنین مراد ہیں۔ ہر حلقے کے افراد میں سے چند افراد جو حسب ضرورت تین سے دس تک ہوسکتے ہیں فوجی تربیت حاصل کرنے کے لیے قریبی فوجی مرکز میں جائیں گے اور وہاں سے فوجی ٹریننگ حاصل کرکے جب واپس آئیں گے تو اپنے اپنے حلقہ کے افراد کو فوجی ٹریننگ دیں گے تاکہ پوری قوم فوجی سپاہی بن جائے۔ ہم نے **طائفۃ**" کا معنی جو چند افراد نے لکھا ہے' یہ خود لفظ **طائف** کے مطابق بھی صحیح ہے۔ اور **لولا نفر من کل فرقۃ**" کے فعل نفر میں جو ضمیر مستتر ہے اس کی رو سے بھی صحیح ہے' کیونکہ عربی ادب میں نفر کا لفظ تین سے لے کر دس افراد تک کے لیے بولا جاتا ہے۔

○ اب آیئے قریبی مرکز کے لفظ کی طرف' تو جبکہ یہ ثابت ہوگیا کہ حلقہ وار چند افراد نے فوجی ٹریننگ کے لئے جانا اور واپس آکر اپنے افراد کو ٹریننگ دینی ہے تو کھل کر ثابت ہوا کہ جانے والے قریب کے فوجی ٹریننگ سینٹر میں جائیں گے۔ کسی مذہبی جماعت کے تعلیمی مرکز میں نہیں جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے عسکری تربیت حاصل کرنا ہے' کروانیں رٹنا نہیں۔

○ **لیتفقھوا فی الدین** کے الفاظ میں سے دین کا معنی آیت مجیدہ کے سیاق اور سباق دونوں کی رو سے فوجی ٹریننگ' عسکری تربیت ہے' کیونکہ آیت مجیدہ کے ماقبل بھی فوجی احکام و مسائل درج ہیں اور مابعد بھی۔ لفظ دین کا سہ حرفی مادہ د۔ ی۔ن= دین ہے۔ دال کی زبر کے ساتھ دین کا معنی ہے قرض بامقررہ مدت ادائیگی قرضدار کو مدیون کہا جاتا ہے اور دال کی زیر کے ساتھ دین کا بنیادی معنی ہے۔ ضابطہ' قانون' اسی ضابطہ و قانون کی رو سے ہی ارشاد ہوا ہے۔ **ان الدین عنداللہ الاسلام** ۱۹/۳ بلاشبہ نوع انسانی کے لیے زندگی کا ضابطہ اللہ کی فرمانبرداری ہے۔

○ سورۂ یوسفؑ میں ملکی قانون کو دین کہا گیا ہے۔ **مَا كَانَ لِيَاۡخُذَ اَخَاهُ فِىۡ دِيۡنِ الۡمَلِكِ** ۷۶/۱۲ اور بادشاہ کے قانون کے مطابق یوسفؑ اپنے بھائی کو رکھ نہیں سکتا تھا۔ آیت زیر بحث ۱۲۲/۹ میں **لیتفقھوا فی الدین** کے الفاظ میں

الدین سے مراد فوجی قانون ہے۔ **لیتفقھوا** کا یہاں معنی ہے سیکھنا ہے۔ پس الفاظ کی حاکیت اور آیت مجیدہ کے سیاق و سباق کے مطابق **لیتفقھوا فی الدین** کا صحیح مقامی معنی فوجی قوانین کا سیکھنا عسکری تربیت حاصل کرنا اور فوجی ٹریننگ لینا ہے۔

○ **لینذروا قومھم** کا عموی معنی یہ لیا گیا ہے کہ وہ فقہ کا علم حاصل کرکے واپس آنے والے اپنی اپنی قوم کو ڈرائیں' تاکہ وہ نیکوکار بن جائیں۔ **لینذروا** کا سہ حرفی مادہ ن۔ ذ۔ ر= نذر ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے فرض منصبی اور نذیر کا معنی ہے فرائض منصبی سے آگاہ کرنے والا یہاں آیت زیر بحث میں **لینذروا قومھم** میں آمدہ مادہ نذر کے معنوں کی وضاحت' انذار کا نتیجہ بتاکر ان الفاظ میں کر دی گئی ہے۔ **لعلھم یحذرون** تاکہ وہ ہتھیار بند مسلح ہو جائیں۔ یعنی جو ٹریننگ وہ مرکز سے سیکھ کر آئے ہیں۔ باقی مومن بھی ان سے سیکھ کر عسکری سپاہی بن جائیں' یہی ان کا فرض منصبی ہے۔ ایک دفعہ پھر ۸/۶۵ کے الفاظ کو نگاہ میں لائیں۔ **یایھا النبی حرض المومنین علی القتال** اے نبی! مومنوں کو قتال کی تربیت دیجئے گا۔ اس الہی حکم کے مطابق ہر مومن کا فرض منصبی یہ ہے کہ وہ عسکری تربیت حاصل کرکے اللہ کا سپاہی بن جائے۔

○ **لعلھم یحذرون** کا معنی عربی متن کے سامنے لکھا گیا ہے۔ تاکہ وہ بھی سب ہتھیار بند مسلح ہو جائیں۔ **یحذرون** کا سہ حرفی مادہ ح۔ ذ۔ ر= حذر ہے' جس کا بنیادی معنی ہے محتاط رہنا۔ بچاؤ حاصل کرنا۔ مفردات القرآن امام راغب کے صفحہ ۲۱۹ پر ۲۶/۵۶ **و انا لجمیع حذرون** کا معنی لکھا ہے۔ اور ہم سب با سازو سامان ہیں۔ یہ الفاظ فرعون کے ذکر ذیل میں آئے ہیں۔ فرعون نے موسیٰؑ کے مقابلہ کے لیے شہروں سے سیاست دان منگائے اور کہا۔ **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرۡذِمَةٌ قَلِيۡلُوۡنَ۔ وَاِنَّهُمۡ لَنَا لَغَآئِظُوۡنَ۔ وَاِنَّا لَجَمِيۡعٌ حٰذِرُوۡنَ** ۵۴ تا ۲۶/۵۶ بے شک یہ ایک تھوڑی سی جماعت ہے۔ مگر وہ ہمیں غصہ دلانے والے ہیں۔ حالانکہ ہم سب با سازو سامان ہیں۔ حذرون مادہ حذر سے ہے جس کا مصدری معنی ہے باسازو سامان ہونا۔ اسی مادہ سے لفظ حذر کا معنی ہے فوجی ہتھیار امام راغب نے مفردات القرآن کے صفحہ ۲۱۹ پر آیت مجیدہ **خذوا حذرکم** ۴/۷۱ کا معنی لکھا ہے۔ جہاد کے لیے ہتھیار لے لیا کرو۔ اس میں حذر سے مراد اسلحہ جنگ وغیرہ ہیں جن کے ذریعہ دشمن سے بچاؤ حاصل ہوتا ہے۔ مولوی احمد علی صاحب مرحوم لاہوری نے بھی **خذوا حذرکم** کا معنی لکھا ہے۔ "اپنے ہتھیار لے لو" یعنی ہتھیار بند مسلح ہو جاؤ۔ (مترجم قرآن عزیز صفحہ ۱۳۲)

○ آیت مجیدہ ۲۶/۵۶ **و انا لجمیع حذرون میں حذرون** کا معنی تمام مترجمین نے باہتھیار ہونا ہی لکھا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے ذیل کے تراجم کھلے پڑے ہیں۔

○ مولوی احمد علی صاحب مرحوم لاہوری نے **و انا لجمیع حذرون** کا معنی لکھا ہے "اور بے شک ہم سب ہتھیار بند ہیں" (مترجم قرآن عزیز صفحہ ۵۹۷)

○ شاہ رفیع الدین مرحوم نے اس کا معنی لکھا ہے۔ اور تحقیق ہم جماعت ہیں با اسباب" (مترجم قرآن مجید نامی گرامی مطبع بمبئی صفحہ ۵۱۰)

○ شاہ اشرف علی صاحب مرحوم نے اس کا معنی لکھا ہے۔ "اور ہم سب مسلم جماعت (اور باقاعدہ فوج ہیں)" (مترجم

قرآن مجید ملک دین محمد صفحہ ۵۸۸)

حاصل کلام:۔ ○ آیت مجیدہ زیر بحث میں **لعلھم یحذرون** ۹/۱۲۲ کا معنی مذکورہ بالا قرآنی دلائل قاطعہ کے مطابق یہ ہے۔ "تاکہ وہ سب بھی فوجی ٹریننگ حاصل کرکے باہتھیار فوجی سپاہی بن جائیں۔" یہی ہر مسلمان کا فرض منصبی ہے کہ وہ معاشرہ کا اگر کاشت کار ہو تو فوجی ہو۔ دکاندار ہو تو فوجی ہو۔ دستکار ہو تو فوجی ہو۔ معلم ہو تو فوجی ہو۔ متعلم ہو تو فوجی ہو۔ بالفاظ دیگر اسلامی معاشرہ میں کوئی ایک مومن بھی ایسا نہ پایا جائے۔ جو فوجی ٹریننگ' عسکری تربیت سے بے بہرہ اور لابلد ہو

○ آیات بالا میں ہر مسلمان کیلئے مسلح سپاہی بننے کی تاکید کے بعد اگلی آیت مجیدہ' میں کافروں کیساتھ انتہائی سخت جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ○ (۱۲۳)

اے ایمان والو! اپنے آس پاس کے کافروں سے مدافعانہ جنگ کرو اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر انتہائی سختی پائیں اور جانے رہو کہ بلاشبہ اللہ ان لوگوں کیساتھ ہے جو خطرات سے خود بچنے والے ہیں۔

○ **قاتلوا الذین یلونکم** سے روایتی تفاسیر نے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ اردگرد کے کافروں سے صرف اس لئے لڑائی چھیڑ دی جائے کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے' یہ عقیدہ اور نظریہ خود ازروئے قرآن حکیم غلط ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی بنیادی تعلیم ہی یہ ہے کہ قبول اسلام کے معاملہ میں مطلقاً" کوئی زبردستی نہ کی جائے۔ **لا اکراہ فی الدین ۲/۲۵۶**

قرآن کریم امن عالم کا علمبردار ہے:۔ ○ حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امن پسند ہے جنگ وجدال ہرگز ہرگز پسند نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی کتاب امن عالم کی علمبردار ہے' قتل و غارت اور خون خرابے کی حامی نہیں۔ جنگ کی مدافعانہ اجازت اس صورت میں دی گئی ہے کہ جب اہل اسلام پر جنگ ٹھونسی جائے' یعنی جب ان پر جارحانہ حملہ ہو تو پھر انہیں مدافعانہ جنگ کی اجازت ہے۔

○ **اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا** ۲۲/۳۹= جنگ کی اجازت ان کے لئے ہے جن سے جارحانہ جنگ کی جائے (جن پر جنگ ٹھونسی جائے)۔ یہ اس لئے کہ ان پر حملہ کرکے ظلم کیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر جنگ کی اجازت مدافعانہ ہے جارحانہ نہیں کہ پرامن ہمسایوں کیساتھ صرف اس لئے جنگ چھیڑ دی جائے کہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا یہ ہے جنگ کی اجازت اور

○ دوسرے نمبر پر ظلم کو مٹانے کیلئے جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً" کوئی ملک یا قوم کمزور افراد پر ظلم کر رہے ہوں اور وہ مجبور و مقہور افراد اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہے ہوں کہ بار الہا! ہمیں ان ظالموں کے چنگل سے نکالنے کیلئے ہمارا کوئی مددگار بنا۔ تو ایسے وقت پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ان مظلوموں کی مدد کو پہنچو اور ظلم کی بساط الٹ کر رکھدو۔

○ **وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا** ۴/۷۵= اور (ایمان والو!) تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہ لڑو گے جبکہ کمزور کر دیئے گئے مرد' عورتیں اور

بچے ہمارے حضور میں دعائیں کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالموں کی بستی سے نکال لے۔ اور خود اپنی طرف سے ہمارا کوئی دوست بنا اور خود اپنی طرف سے ہمارا کوئی مددگار بنا دے۔

○ حاصل کلام یہ کہ آیت زیر بحث ۹/۱۲۳ میں پرامن ہمسایہ کافروں پر بلاوجہ چڑھ دوڑنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ جنگ کی اجازت اور حکم قرآنی حدود کے اندر محدود ہے کہ اگر ہمسائے یا دور کے کافر جارحیت کریں تو ان کے دانت توڑ دو۔ اور اگر اپنے کمزور مرد' عورتوں اور بچوں پر ظلم کرنے کے مرتکب ہوں تو ظلم کی کلائی مروڑ کر مظلوموں کو ظلم سے نجات دلا دیا کرو۔

○ آیت مجید زیر بحث میں مومنوں کو خبردار کیا گیا ہے۔ **وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً**" اور ایمان والو! چاہیے کہ کافر تمہارے اندر انتہائی سختی پائیں یعنی حکم دیا گیا ہے تمہاری طرف سے دفاعی کاروائی اتنی شدید ہونی چاہیے کہ حملہ آور کفار اس کی تاب نہ لاکر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جائیں۔ قرآن نے تو یہاں تک تاکید کی ہے کہ ایمان والو! تمہاری جنگی تیاری اتنی زیادہ ہونی چاہیے کہ دشمن اس سے ڈر کر تمہاری سرحدوں کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی بھی جرات نہ کرسکے' بلکہ گھر بیٹھا کانپتا رہے۔ **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ** ۸/۶۰ اور (ایمان والو!) دشمنوں کیلئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو۔ خصوصاً" تمہارے ہاں **(الخیل)** ذرائع رسل و رسائل کی وہ بہتات ہو کہ تم اس (فوجی قوت) کیساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔ اور ان کے سوا (جنہیں تم جانتے ہو) تمہارے اور بھی دشمن ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ انہیں اللہ جانتا ہے۔ آیت زیر بحث میں **وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً**" کے الفاظ سے بھی شدید فوجی قوت تیار کرنے کا حکم عیاں ہے' کیونکہ جدید سے جدید جنگی ہتھیاروں کے بغیر لڑائی میں شدت پیدا ہی نہیں کی جاسکتی۔ نیز جنگ میں سختی پیدا کرنے کیلئے ضروری چیز ہے ثابت قدمی چنانچہ ۸/۶۵ میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم میں بیس ثابت قدم مجاہد ہونگے تو دو سو کافروں پر غالب آئینگے اور اگر سو ثابت قدم ہوں گے تو ایک ہزار پر بھاری ہونگے۔ **اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا**۔ پس تصریف آیات کے الٰہی اسلوب کے مطابق **و لیجدوا فیکم غلظتہ** کے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ فوجی تیاری کا حکم بھی موجود ہے۔ اور اسلامی لشکر کے ایک ایک سپاہی کیلئے ثابت قدمی کی تاکید بھی کر دی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے کہ ثابت قدم مجاہد اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔

○ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ**○ ۶۱/۴= بیشک اللہ تعالیٰ ان مجاہدوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صفیں باندھ کر لڑتے ہیں' گویا کہ وہ سیسہ پلائی دیوار ہیں۔

○ **ان اللہ مع المتقین** کے الفاظ میں بھی اسی چیز کی خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کیساتھ' یعنی فتح و کامرانی انہیں نصیب ہوتی ہے جو اپنا بچاؤ خود کرنیوالے ہیں۔ **متقین** کا معنی ہے خود بچنے والے اور دشمن کے حملے کے بچاؤ کی عملی صورت صرف یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کی جائے۔ جدید سے جدید جنگی اوزار بنائے جائیں ۸/۶۰ بہترین فوجی ٹریننگ لی جائے۔ ۸/۶۵ اور ہر سپاہی ثابت قدمی کا پیکر عظیم ہو۔ تاکہ حملہ آور کو دنداں شکن جواب دیکر **و لیجدوا فیکم غلظتہ**" کے خداوندی حکم کے تقاضے بھی پورے ہوسکیں اور **متقین** میں شمار بھی ہوسکے۔

منافقوں کا ایک قول :۔ ○ اگلی آیت مجیدہ میں پھر منافقوں کی طرف روئے سخن کیا گیا ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو وہ یہ کہتے ہیں۔

وَ اِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ١٢٤

اور جب (جنگ جہاد سے متعلق) کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان (منافقوں) میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ تم میں سے کون ہے کہ اس کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہو پھر جو ایمان لائے ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ خوشخبری دیے جاتے ہیں۔

○ اسی سورہ توبہ میں منافقوں کا نشان بتایا گیا ہے کہ وہ جنگ سے ڈرتے' اس سے دور بھاگتے اور لولے لنگڑے معذوروں کیساتھ پیچھے بیٹھ رہنا پسند کرتے ہیں۔ ۹/۸۹ اس لئے جب لڑائی سے متعلقہ احکام نازل ہوتے اور ان میں یہ بشارت دیجاتی کہ اللہ تعالٰی ثابت قدم رہنے والوں کیساتھ ہے۔ تو مومن مجاہد صحابہؓ کے ایمان تازہ ہوتے اور بڑھ جاتے تھے۔ لیکن منافق ان احکام کا برا مانتے تھے جن سے ان کی آرام طلبی اور سہل انگاری متاثر ہوتی تھی۔ اس لئے وہ ایمان والوں کو یہ کہا کرتے کہ تم میں سے کون ہے جس کا ایمان جنگ کے حکموں کے ساتھ تازہ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ یعنی ان کے لئے جنگ جہاد کے احکام سے ایمان کا بڑھنا تو کیا' وہ تو رخصت ہی ہو جاتا تھا۔ دیکھئے! مومن مجاہدوں کے متعلق سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے۔

○ **اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ**○ ۳/۱۷۳ (یعنی مومن مجاہد) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں لوگ کہتے ہیں کہ تمہارے مقابلے کیلئے بہت سے لوگ (کافر) جمع ہوچکے ہیں' تم ان سے ڈر جاؤ (ان کی شرائط تسلیم کرلو) تو ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہی ہمارا بہتر کارساز ہے۔ (جس نے جنگ کے متعلقہ احکام بھی نازل کر دیئے ہیں اور فتح و نصرت کے رازوں سے ہمیں پوری طرح آگاہ بھی کر دیا ہے۔ چونکہ مومن مجاہدوں کا قوانین الٰہی پر پورا پورا ایمان ہوتا ہے اور انہوں نے دشمن کے مقابلہ کیلئے پوری تیاری کر رکھی ہوتی ہے اس لئے جنگ کا حکم نازل ہونے سے ان کے ایمان تو بڑھ جاتے ہیں مگر منافق اپنے ضعف ایمان کی بدولت' جنگی احکام مین ایمان کے بڑھنے کی کوئی چیز موجود ہی نہیں پاتے۔ العیاذ باللہ!

○ **و ھم یستبشرون** کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ جنگی احکام میں مومن مجاہدوں کیلئے تو فتح و نصرت کی اور دشمن کے نیست و نابود ہو جانے کی خوشخبری دی گئی ہوتی ہے۔ مگر منافق کہتے تھے کہ اس میں مسلمانوں کیلئے خوشخبری کی کونسی بات ہے گرمی میں گھروں سے نکلو اور میدان جنگ میں زخم کھاؤ اور جانیں دو۔ لیکن حقیقت حال کی رو سے مسلمہ اور مصدقہ امر صرف یہی ہے کہ باعزت زندگی کی خوشخبری ان لوگوں ہی کیلئے ہے جو میدان جہاد میں خون بہاتے ہیں۔ قوم کے جو افراد میدان جنگ میں کام آجاتے ہیں وہ خود تو مرجاتے ہیں۔ مگر اپنی قوم کو زندہ کر جاتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے۔

○ **وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ○ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۟ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ** ۱۵۵-۱۵۶/۲ اور تم کو ہم ظاہر کرتے ہیں دشمن کے خوف کیساتھ' بھوک کیساتھ

اور مالوں' جانوں اور پھلوں کے نقصان کیساتھ اور (اے رسول!) آپ ان مومنوں کو (فتح و کامرانی کی) خوشخبری دیدیں جو ثابت قدم رہ کر مصائب کا مقابلہ کرنے والے ہیں' کہ جب انہیں کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ ہم اللہ ہی کیلئے ہیں (یعنی ہمارے لئے اللہ ہی کا قانون کافی ہے اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔ یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کے مطابق ہی ہمارے اعمال کی جزا اس دنیا میں بھی ملنے والی ہے اور آخرت میں بھی۔

المختصر!:۔ جنگی احکام پر اگر خدا تعالیٰ کے احکام کے مطابق صحیح صحیح عمل کیا جائے تو ان کے اندر ان لوگوں کیلئے فتح و نصرت اور باوقار قومی زندگی کی خوشخبری موجود ہے' جو ثابت قدمی کیساتھ مصائب کا مقابلہ کرنے والے ہیں' منافقوں کیلئے کوئی خوشخبری نہیں ہے۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں ہی کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ جنگی احکام سے ان کیلئے اسی گندگی میں اضافہ ہوتا ہے جو ان کے ذہنوں میں پہلے سے موجود ہے۔ مومنوں کا ایمان تو جنگی احکام سے بڑھ جاتا ہے مگر اس کے برعکس جو منافق ہیں ان کی حالت یہ ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (۱۲۵)

اور وہ لوگ جن کے ذہنوں میں (منافقت کی) بیماری ہے۔ پس (نازل کردہ سورت) انہیں ان کی ذہنی نجاست میں نجاست ہی زیادہ کرتی ہے۔ اور (یہاں تک کہ) وہ مرجاتے ہیں اور وہ کافر ہی ہوتے ہیں۔

○ قرآن مجید رحمت الٰہی ہے۔ مگر اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ لوگ جو اس کی طرف آنے سے پہلے اپنے اذہان کو سابقہ غیر اللہ تصورات کی نجاست سے پاک کرلیں۔ اس کے برعکس اگر ذہن میں سابقہ گندگی بدستور موجود رہے تو ایسے اشخاص اس الٰہی رحمت سے ہرگز مستفیض نہیں ہوسکتے۔ بلکہ اس سے فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جو خالی الذھن ہو کر یعنی پاک ذہن کیساتھ اس کی طرف آتے ہیں۔ اسی چیز کو سورہ واقعہ میں بالفاظ ذیل اجاگر کیا گیا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ○ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ○ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ○ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ○ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ○ (۷۵ تا ۸۱ /۵۶) شہادت ہے ستاروں کے ان مواقع (مداروں) کی جن پر وہ دن رات محو خرام ہیں۔ اور اے مخاطب اگر تو جانے تو ستاروں کے راستوں کی شہادت بہت بڑی شہادت ہے (کیونکہ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی ایک ستارہ کا بھی راستہ تبدیل نہیں ہوا۔ یہ شہادت اس چیز پر ہے کہ بلاشبہ وہ قرآن کریم بڑی تکریم والا ہے۔ یہ محفوظ کتاب (علم الٰہی) میں ہے۔ اسے نہیں مس کرتے مگر وہ جو پاک (اذہان والے ہیں) اس کا نازل کیا جانا جہانوں کے نشوونما دینے والے کی طرف سے ہے۔ گیا تم اس حدیث (کلام الٰہی) کو سرسری اور معمولی چیز سمجھتے ہو (تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے ہر حکم کو ستاروں کے مداروں کی طرح اٹل جاننا چاہیے)۔

○ ان آیات کریمات میں **لایمسہ الا المطھرون** کا مفہوم یہ نہیں کہ اس کو صرف پاکیزہ لوگ ہی (مس کرتے) ہاتھ لگاتے ہیں۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ قرآن مجید کے نسخے ہندوؤں' سکھوں' عیسائیوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکرین کے پاس موجود ہیں اور وہ انہیں پکڑتے ہیں' مس کرتے ہیں۔ پس **لایمسہ** ...... الخ کا مفہوم پاکیزہ ہاتھوں سے چھونا نہیں بلکہ

پاکیزہ اذہان والوں کا اس سے مستفیض ہونا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اپنے ذہنوں کو صاف کرکے اس کی طرف آتے ہیں وہ اس سے دینی اور دنیاوی دونوں طرح کی برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ذہنی نجاست سے پاک نہیں ہوتے وہ ہر قسم کی برکتوں سے محروم رہتے ہیں۔

○ اگر کوئی شخص یہ چیز ذہن میں لے کر آئے کہ قرآنی آیات مجیدہ کے ورد سے بگڑے ہوئے کام سنور جاتے ہیں تو اس کے کام تو اسی طرح بگڑے رہیں گے جس طرح کرہ ارض کی مسلم ریاستوں کے کام بگڑے اور الجھے ہوئے ہیں۔ مگر وہ قرآن مجید میں سے یہی چیز اخذ کرے گا کہ قرآن مجید کی آیات مبارکہ کی محض تلاوت ہی ہر کام کے سدھارنے اور ہر الجھن کے دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کے برعکس اگر ذہن کو پاک کرکے **مطھرون** میں شامل ہو کر آئے اور قرآن سے یہ پوچھے کہ فلاں مشکل کا حل کیا ہے اور فلاں الجھن کا بے خطا نسخہ کونسا ہے۔ تو قرآن مجید اسے پہلے ہی نمبر پر یہ کہے گا کہ محض تلاوت آیات سے نہ مشکلیں حل ہوتی ہیں نہ الجھنیں دور ہو سکتی ہیں' بلکہ اجر عمل کا ملتا ہے' زبان سے الفاظ دہراتے چلے جانے کا نہیں : **نعم اجر لعالمین** ۳/۱۳۶

○ پھر قرآن مجید صاف اور پاکیزہ ذہن والوں کو یہ کہے گا کہ تم الفاظ کا ورد کرنے کے لئے پیدا نہیں کئے گئے بلکہ یہ بھری کائنات تم سب کے لئے پیدا کرکے اس کی ایک ایک چیز کو تمہارے تابع تسخیر کر دیا گیا ہے۔ **و سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ** ۴۵/۱۳ اور اے نوع انسانی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے' اللہ نے وہ سب کا سب تم سب کے سب کے تابع تسخیر کر دیا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن کریم کا مطہر قاری ارض و سماوات کے مخفی خزانوں اور اللہ تعالی کی پیدا کردہ مہیب ترین قوتوں کو لگام دے کر تابع تسخیر کرنا شروع کر دے گا۔ اس کے برعکس وہ شخص جو ذہن میں گوشہ نشینی اور اللہ تعالی کے ناموں کا جاپ لے کر جائے گا وہ قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتا رہے گا۔ اس کے معنے اور مفہوم میں تفقہ بھی کرے گا مگر رہے گا وہ وہیں کا وہیں۔ تسخیر کائنات کی بجائے حجرہ میں بیٹھ کر اسماء الہی کے ورد ہی میں مشغول رہے گا۔

○ اگلی آیت مجیدہ کو سامنے لانے سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اوپر والی آیات کریمات میں بتایا گیا ہے کہ جب کوئی سورت جنگ جہاد کے متعلق نازل ہوتی تھی تو منافق اسے برا مانتے تھے حالانکہ ادھر کافروں کی یہ حالت تھی کہ وہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ ضرور مدینہ منورہ پر حملہ کرتے تھے تو ایسے حالات میں جنگ جہاد سے جی چرانا اور اپنے دفاع سے لاپرواہی کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ ۱۲۶

کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا (کیا غور نہیں کیا) کہ بلا شبہ وہ ہر ایک سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ فتنے میں ڈالے جاتے ہیں (حملہ کئے جاتے ہیں) پھر بھی وہ اپنے (لڑائی سے فرار کے) نظریہ سے رجوع نہیں کرتے اور نہ ہی وہ (آیات قرآنیہ سے) نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

جنگی تیاری کیوں ضروری ہے؟ ○ اس آیت مجیدہ میں کفار مکہ کی ذہنی خباثت کی خبر دی گئی ہے کہ وہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ مدینہ منورہ پر جارحانہ حملہ کیا کرتے تھے۔ کیوں؟ کیا نبی اکرمؐ نے ان کا کچھ بگاڑا تھا؟ کیا آپؐ کے ساتھی ان کا کچھ چرا کر لے آئے تھے۔ نہیں ہرگز نہیں آپؐ کی ہجرت مبارکہ سے نہ ان کا کچھ بگڑا تھا اور نہ آپ کے ساتھی ان کا کچھ

چرا لائے تھے۔ بلکہ وہ تو اپنے مکان' دکانیں اور رخت و جنس سب کچھ کافروں کے لئے چھوڑ کر ہجرت فرما ہوئے تھے۔ کفار مکہ کو نبی اکرمؐ کی ذات سے کوئی عداوت نہیں تھی۔ بلکہ انھیں عداوت و مخالفت تھی اس قرآنی نظام کے ساتھ جو اللہ تعالٰی نے نبی اکرمؐ پر نازل فرمایا تھا اور آپؐ اسے انسانی معاشرہ میں نافذ کرنا چاہتے تھے۔

○ قرآنی نظام کی زد پڑتی ہے سرمایہ داروں پر' مشائخ عظام پر اور علماء کرام پر' اگر قرآنی نظام یا آج کی اصطلاح میں نظام مصطفیٰ کا صحیح نفاذ ہو جاتا تو نہ سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ باقی رہتی تھی اور نہ مشائخ عظام کی مافوق الانسان تصوراتی برتری قائم رہتی تھی۔ سرمایہ داروں کو مناسب اور جائز منافع پر تجارت کرنی پڑتی تھی اور مشائخ عظام کو بھی خانقاہی بلندیوں سے عام انسانی سطح پر اتر آنا پڑتا۔ اور یہی حال ہوتا علماء کرام کا جنہیں محض حکام اور اصحاب زر کی خوشنودی کے لئے دین اللہ کا حلیہ بگاڑنے کی اجازت نہ ملتی۔ اس لئے ان تینوں گروہوں نے اپنے اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے نبی اکرمؐ کے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا۔ پہلے تو جب تک نبی اکرمؐ مکہ معظمہ میں مقیم رہے اس وقت تک آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے لئے مکہ معظمہ میں رہنا مشکل بنا دیا۔ اس لئے مجبوراً" نبی اکرمؐ کو اپنا وطن مالوف چھوڑنا پڑا۔ لیکن جب آپؐ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے تو اس خوف سے کہ اگر قرآنی نظام مدینہ منورہ میں نافذ ہو گیا تو اس کے اثرات سے مکہ معظمہ کا محفوظ رہنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے پہلے ہی سال حملہ کر دیا۔ تاکہ یہ کمزور و ناتواں نوخیز پودا مدینہ منورہ میں بھی جڑ نہ پکڑ سکے۔ اور اسے بآسانی اکھاڑ کر الگ پھینک دیا جائے مگر ہوا یہ کہ نبی اکرمؐ نے پہلی مرتبہ ہی بدر کے مقام پر کفار مکہ کے ساتھ ایسی مدافعانہ جنگ فرمائی اور دشمنوں کو ایسی تاریخی شکست دی جس کی مثال ممکن نہیں۔

○ آیت بالا ۹/۱۲۶ زیر بحث میں بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد کافروں کی آتش غیض و غضب اس قدر بھڑک اٹھی کہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ مدینہ منورہ پر جارحانہ چڑھائی کر کے عظیم لاؤ لشکر کے ساتھ حملہ کر دیتے تھے۔ تو اس سورت میں منافقوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ' تم جنگ جہاد کے احکام کو برا مانتے ہو حالانکہ دشمن سال میں ایک یا دو مرتبہ جارحانہ جنگ کر کے مدافعت پر مجبور کر دیتا ہے۔ پس اس کا حل یہی ہو سکتا تھا کہ اہل مدینہ ہر آن تیار رہیں۔ اور جب بھی اور جس وقت بھی دشمن حملہ کرے اہل اسلام کو ان کے دانت توڑنے کے لئے ہر آن تیار پائے۔ اسی چیز کی تاکید آیت نمبر ۱۲۳ کے الفاظ ذیل میں گزر چکی ہے **ولیجد و فیکم غلظه** (ایمان والو)لازم ہے کہ حملہ آور کافر ہربار تمہارے اندر نئی سے نئی مدافعانہ سختی میں شدت پاتے رہیں۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کے متعلق مزید بتایا گیا ہے کہ جب جنگ جہاد سے متعلقہ کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے۔

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَىٰكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ ٱنصَرَفُوا۟ ۚ صَرَفَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾ ۱۲۷

اور جب بھی کوئی سورت جنگ جہاد سے متعلق نازل ہوتی ہے تو منافقوں کے بعض' بعض کی طرف نظر کرتے (ایک دوسرے کو) دیکھتے ہیں۔ اے منافقو کیا تمہیں کوئی ایک (مومن بھی اس طرح) دیکھتا ہے۔ پھر وہ (قرآنی ہدایت سے) پھر جاتے ہیں۔ اللہ تعالٰی ان کے اذہان کو پھرا ہوا پاتا ہے۔ اس سبب سے کہ وہ لوگ ایسے ہیں جو تفقہ (غور و فکر) نہیں کرتے۔

○ **نظر بعضھم الیٰ بعض** کے الفاظ میں جنگ جہاد کے احکام سے منافقوں کی حواس باختگی کی خبر دی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں' گویا کہ وہ نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کو کہہ رہے ہوتے ہیں کہ دیکھ لو آئے دن جنگ و جدال ہی سے متعلقہ احکام و ہدایات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ واضح رہے کہ سورۃ انفال اور سورۃ توبہ دونوں سورتیں مکمل جنگ جہاد ہی کے احکام و ہدایات سے معمور ہیں۔ ان احکام سے منافق بالکل گھبرا کر رہ گئے تھے۔

○ سورۃ احزاب میں منافقوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ جب دشمنوں کے حملے کا خطرہ محسوس کرتے تو ان کی آنکھوں کے ڈیلے آنکھوں کے اندر گردش کرنے لگتے ہیں اور جب خوف رفع ہو جاتا ہے تو ان کی زبانیں قینچی کی طرح چلتی ہیں۔ **فَإِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ تَدُوْرُ اَعْیُنُھُمْ کَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْہِ مِنَ الْمَوْتِ ج فَاِذَا ذَھَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْکُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ ط اُولٰٓئِکَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَى اللّٰہِ یَسِیْرًا** ۳۳/۱۹

پس جب جنگ کا خوف آتا ہے تو(اے رسولؐ) آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف (ٹکٹکی لگائے) دیکھتے ہیں۔ ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح گھومتی ہیں جس پر موت طاری ہو رہی ہو۔ پھر جب مومن فتح یاب ہوجائیں اور خوف جاتا رہے تو (اے مومنو!) وہ تمہیں تیز زبانی کے ساتھ (تقسیم غنیمت میں) طعنے دیتے ہیں وہ مال کے لالچی ہیں۔ وہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ وہ (حقیقی طور پر) ایمان نہیں لائے (منافقین ہیں) اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ پر آسان ہے (کیوں کہ وہ ذہنوں کی مخفیات تک سے واقف ہے' خوب جانتا ہے کہ ان کے تمام اعمال محض مال حاصل کرنے کے لئے منافقانہ تھے)

○ **صرف اللہ قلوبھم** کا معنی عام تراجم میں یہ لیا گیا ہے کہ گمراہی کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پھیر دیئے۔ یہ ترجمہ بوجوہ غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر منافقوں کے ذہن ہدایت کی طرف سے خود اللہ تعالیٰ نے پھیر دیئے ہوں تو پھر گمراہی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر وارد ہوتی ہے اور منافق بری ہوجاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہدایت و گمراہی کے ضمن میں کسی بھی قسم کا کوئی جبر روا نہیں رکھا بلکہ کھل کر اعلان کر دیا گیا ہے **لا اکراہ فی الدین** ۲/۲۵۶ نیز ارشاد ہوا ہے **وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ** ۱۸/۲۹ اور (اے رسولؐ) کہہ دیا کیجئے گا کہ حق (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے (نازل) ہوا ہے۔ پس جو کوئی خود چاہے اس پر ایمان لائے اور جو خود چاہے انکار کر دے۔ اسی طرح سورۃ یونس میں ارشاد ہوا ہے:

○ **قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ ج فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا** ۱۰/۱۰۸ اے رسول! کہہ دیجئے گا کہ بلاشبہ حق(قرآن) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آگیا ہے پھر جو کوئی (اس حق قرآن کے ساتھ) خود ہدایت پائے گا وہ خود ہدایت پائے گا اپنی جان کے لئے۔ اور جو کوئی خود گمراہ ہو گیا تو اس کے خود گمراہ ہونے کا وبال اس کی اپنی جان پر ہو گا۔

○ یہ اور اسی قسم کی محکم آیات کریمات میں ذات باری نے وضاحتاً" اعلان کر رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی ہدایت کے لئے اپنی طرف سے الحق' قرآن مجید نازل کر دیا ہوا ہے۔ پس اس ہدایت مجسم سے جو کوئی ہدایت پاتا ہے خود پاتا

ہے' اپنے ذہن کو اس کے لئے خود فارغ کر کے اسے خود اس کی طرف پھیرتا اور خود راہ الحق پاتا ہے اور جو کوئی خالی الذہن نہیں ہوتا وہ اللہ کی عطا کردہ ہدایت کی طرف خود نہیں پھرتا اور ۱۰/۱۰۸ کے خط کشیدہ جملہ پر غور فرمائیں۔ **ومن ضل فانما یضل علیھا** میں اعلان کیا گیا ہے کہ جو کوئی خود گمراہ ہو جائے تو اس کی گمراہی کا وبال خود اس کی اپنی جان پر ہوگا۔ اب اس اعلان الٰہی کے مطابق آیت مجیدہ ۹/۱۲۷ کے الفاظ **صرف اللہ قلوبھم** کے روائتی ترجمے پر غور فرمائیں کہ اگر اس کے اذہان گمراہی کی طرف اللہ پھیر دیتا ہے تو کیا تقاضائے انصاف یہی ہے کہ گمراہی کی طرف دل تو پھیرے اللہ اور اس کا وبال پڑے بندے پر؟ العیاذ باللہ!

○ واضح رہے کہ **صرف اللہ قلوبھم** میں **صرف** فعل ماضی ثلاثی مجرد سے ہے۔ اہل قواعد کی سہو ہے کہ انہوں نے ثلاثی افعال کا خاصہ وجدان تسلیم نہیں کیا۔ حالانکہ بعض مقامات پر آثار و شواہد کے مطابق افعال ثلاثی مجرد کا خاصہ وجدان بصورت نصف النہار عیاں ہوتا ہے مثلاً" سورۃ **یٰسین** میں گمراہوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

○ **وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ** ۳۶/۹ اس آیت مجیدہ کے **جعلنا** فعل ثلاثی کا خاصہ وجدان تسلیم کرنا آثار و شواہد کی رو سے لازم ہے۔ ورنہ مروجہ تراجم میں اس کا یہ ترجمہ درج ہے ۔ اور ہم نے ان کے آگے کی طرف دیوار کھینچ دی ہے اور ان کے پیچھے کی طرف دیوار کھینچ دی ہے۔ پھر ہم نے انہیں اوپر سے ڈھانپ دیا ہے پس وہ نہیں دیکھتے"۔

○ اس ترجمہ کی رو سے غور طلب یہ امر ہے کہ جس کے آگے اور پیچھے دیواریں کھینچ دی جائیں اور اسے اوپر سے ڈھانپ دیا جائے وہ دیکھے گا خاک؟ مروجہ تراجم کی رو سے ان کے آگے پیچھے دیواریں کھینچ کر اور انہیں اوپر سے ڈھانپ کر راہ ہدایت کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ محروم کر دیتا ہے چونکہ اس تصور سے شان باری مجروح ہوتی ہے اس لئے یہ ترجمہ یکسر غلط ہے اور **جعلنا** فعل ثلاثی کے خاصہ وجدان کے مطابق آیت مجیدہ ۳۶/۹ کا صحیح ترجمہ جس سے ناموس باری محفوظ رہتی ہے یہ ہے اور ہم نے ان کے آگے کی طرف (عدم تدبر) کی دیوار کھینچی ہوئی پائی اور ان کے پیچھے بھی (عدم تدبر) کی دیوار کھینچی ہوئی پائی ہے اور انہیں اوپر سے عدم تدبر کے پردوں سے ڈھکا ہوا پایا ہے اس لئے وہ راہ ہدایت کو نہیں دیکھتے۔ پس اسی طرح آیت زیر بحث ۹/۱۲۷ کے جملہ **صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ** کا صحیح ترجمہ یہ ہے' اللہ نے ان کے ذہن (قرآن سے) پھرے ہوئے پائے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو قرآن پر غور و فکر کرتے ہی نہیں۔

○ چونکہ سورۃ انفال اور سورۃ توبہ دونوں میں مسلسل جنگ جہاد کے احکام و مسائل نازل فرمائے گئے ہیں اور جنگ وہ چیز ہے جس میں لازماً" دشمن کا خون بہایا جاتا ہے بالفاظ دیگر نوع انسانی شمشیر بکف ہو کر نوع انسانی کی گردنیں کاٹ رہی ہوتی ہے۔ یہ منظر بظاہر انسانیت سے سو فیصد متصادم دکھائی دیتا ہے۔ نیز یہ ابتدائی جنگیں خاتم النبی رحمتہ اللعالمینؐ کی زیر قیادت اور آپ ہی کی سپہ سالاری میں لڑی گئی تھیں۔ اس لئے مخالف لوگ نبی اکرمؐ کے متعلق ایک خونریز انسان ہونے کا اعتراض کر سکتے ہیں اس لئے باری تعالیٰ نے سورۃ انفال و توبہ کی آخری دو آیات کریمات میں ایک مخصوص اور اہم اعلان کر دیا ہے کہ لوگو! تمہارے پاس تمہیں میں سے ہمارا رسول آیا ہے جو بلا تمیز مومن کافر سب کے دکھ سکھ کا ساتھی ہے۔ اس پر تمہاری بدحالیاں بلا تمیز مومن کافر گراں گزرتی ہیں۔ وہ تم سب کے مصائب پر ہمیشہ بے قرار رہتا ہے۔ کانٹا تمہیں چبھتا ہے اور درد

اسے ہوتی ہے۔ وہ انسانی خون بہانے کا حامی نہیں۔ جو مدافعانہ جنگیں اسے لڑنی پڑیں' ان میں مجبوراً" حصہ لینا پڑا ہے۔ کیونکہ دشمن ایک ہی سال میں ایک یا دو مرتبہ لاؤ لشکر لے کر چڑھ دوڑتا اور ہمارے رسولؐ پر جارحانہ جنگ ٹھونس دیتا ہے ۹/۱۲۶ اس لئے ہم نے اپنی نوع انسانی کے کمزور افراد کے بچاؤ لئے مدافعانہ جنگ کی اجازت عطا فرمائی ہے ۲۲/۳۹ ورنہ ہمارا رسول تو انتہائی گداز ذہن کا مالک ہے جو بلا تمیز کافر و مومن پوری نوع انسانی کے دکھ سکھ کا ساتھی ہے۔ اگلی آیت مبارکہ میں اسی اہم چیز کواجاگر کیا گیا ہے۔

○ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾

(اے نوع انسانی) تمہارے پاس تمہاری اپنی ہی جانوں میں سے ہمارا رسول آیا ہے ۔ اس پر تمہاری بدحالیاں گراں گزرتی ہیں۔ وہ بلا تمیز تم سب کی بھلائی کے لئے حریص ہے (خصوصاً" مومنوں پر شفقت کرنے والا مہربان ہے)۔

○ یہاں پوری نوع انسانی کے نام خطاب کے الفاظ محذوف ہیں۔

جس کی واضح دلیل اسی آیت مجیدہ کے الفاظ میں موجود ہے کہ **عزیز' علیه' عنتم' حریص علیکم** کا تعلق پوری نوع انسانی کے ساتھ ہے۔ جس میں کافر اور مخالف تک سب شامل ہیں مگر آیت مجیدہ کے آخری الفاظ میں پوری نوع انسانی میں سے مومنوں کو مستثنیٰ کر کے ان کے متعلق بتایا گیا ہے۔ **بالمومنین رئوف رحیم** یعنی وہ پوری نوع انسانی کا مونس و غمخوار جس پر پوری نوع انسانی کی بدحالیاں گراں گزرتی ہیں وہ ان مومنین پر جو اس کے مشن میں اس کے ہمرکاب ہو چکے ہیں خصوصی شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

نبی اکرمؐ پوری قوم کے جانے پہچانے ہوئے تھے ○ **جائکم الرسول من انفسکم** کے الفاظ میں باری تعالیٰ نے ایک ایسی حقیقت کا اظہار کر کے شان رسالت اور نبی اکرمؐ کے بے لوث عظیم کردار کا اعلان فرمایا ہے جس سے نبی اکرمؐ کی پوری کی پوری قوم کو مجال انکار نہیں تھی۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ لوگو تمہارے پاس تمہیں میں سے رسولؐ آیا ہے۔ یہ تمہارے اندر پیدا ہوا' تمہارے اندر بڑھا' جوان ہوا' اس کا بچپن اور جوانی سب تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے۔ یعنی تمہارا جانا پہچانا فرد ہے۔ کہیں باہر سے نہیں آیا کہ تم اسے جانتے نہ ہو۔ یہ وہی تو ہے جو شبانہ روز تمہارے دکھ سکھ میں تمہارا ساتھی رہا ہے تم غور کر کے دیکھ سکتے ہو کہ :۔

○ کیا اس کی قبل نبوت کی پوری کی پوری زندگی ایک سفید چادر کی طرح بے داغ نہیں ہے ؟

○ کیا اس نے کبھی جھوٹ بولا؟

○ کیا اس نے ذاتی مفاد کی طرف لپک کر اسے انسانی مفاد پر ترجیح دی ہے؟

○ کیا اس نے کبھی تمہاری امانتوں میں خیانت کی ہے؟

○ کیا یہ وہی نہیں جسے تم سب نے متفقہ طور پر خود صادق و امین کا خطاب دے رکھا ہے؟

○ جب حقیقت حال تمہارے سامنے ہے تو تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور کیوں اسے جنگ و جدال کا حامی قرار دے کر اس کی کردار کشی کے مرتکب ہوتے ہو۔ ہمارا رسولؐ خونریزی کے صد فیصد خلاف ہے مگر جب وہی دشمن جنہوں نے ہمارے رسولؐ کو اس کے لئے عرصہ حیات تنگ کر کے وطن مالوف سے نکال دینے کے بعد پھر ہر سال ایک یا دو مرتبہ جارحانہ

حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا تو ایسے حالات میں کمزوروں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے مدافعانہ جنگ ناگزیر ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رحمت مجسم شمشیر بکف میدان جہاد میں اتر آئے حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کا یہ عمل بھی رحمت ہی کا ایک حصہ ہے، جس کے متعلق باری تعالیٰ نے سورۃ انفال اور توبہ میں بالصراحت احکام و مسائل بھی نازل کر دیئے۔ اور منافقوں کے نشانات بھی کھل کر بیان کر دئے ہیں۔ بعض روایات کا یہ کہنا کہ زمانہ نبوت میں منافق کھل کر سامنے نہیں آئے تھے غلط ہے اسی سورۃ توبہ کی پچھلی آیت نمبر۱۲۶ میں جو نشان بتا دیا گیا ہے کہ جب جنگ جہاد کے متعلق کوئی سورت نازل ہوتی تو منافق ایک دوسرے کو بٹ بٹ دیکھنے لگتے۔ کیا وہ چھپے ہوئے تھے؟ ہرگز نہیں۔ نبی اکرمؐ کے ذریعہ منافقوں کے نشانات کا کھل کر بیان کردینا کیا یہ بھی رحمت اللعالمین کی رحمت کا حصہ نہیں؟ ضرور ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی سلطنت اس وقت تک صحیح خطوط پر چل ہی نہیں سکتی، جب تک کہ اسے منافقوں سے پاک نہ کر لیا جائے یہی وجہ ہے کہ نبی اکرمؐ کے نام دو مرتبہ کے تکرار تاکیدی کے ساتھ یہ حکم جاری کیا گیا تھا۔

○ **يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ** ۹/۷۳+ ۶۶/۹ اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں کے ساتھ جنگ جہاد کریں اور ان پر پوری پوری سختی فرمائیں۔ منافق لوگ آستین کے سانپ ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سانپوں پر سختی کر کے ان کا سر کچلنا انسانی زندگی کے امن و سکون کے لئے انتہائی لازمی امر ہے۔

پوری نوع انسانی کی بدحالیاں بلاتمیز کافر و مومن نبی اکرمؐ پر گراں گزرتی تھیں

○ **عزیز علیه ما عنتم** کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ جن میں **ما عنتم** میں جمع کا صیغہ لا کر ان میں بلاتمیز کافر و مومن پوری نوع انسانی کو شامل کر لیا گیا ہے۔ ہمارا رسول اس قدر گداز ذہن کا مالک ہے کہ اس پر تم سب کے وہ گوناگوں مصائب جن میں تم الگ الگ پھنسے ہوئے ہو گراں گراں گزرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر کانٹا تمہیں چبھتا ہے اور درد سے بیقرار یہ ہوجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ نے ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ کہیں اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز موجود ہے کہیں آقا اور لونڈی غلام کی انسانیت کش تفریق وجہ تذلیل انسانیت بنی ہوئی ہے۔ کہیں جاگیردار و مضارع اور سرمایہ دار و مزدور کا امتیاز مضارعوں اور مزدوروں کو ظلم کی چکی میں پیس رہا ہے۔ حتیٰ کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا عربوں کا مبنی بر فخر عمل قرار پا چکا تھا۔

○ اس کے علاوہ برہمنیت و مشخیت نے بندوں ہی کو بندوں کا اللہ بنا کر رکھ دیا ہوا تھا۔ اپنے اپنے بزرگوں کے بت لات و منات اور عزیٰ اپنے ہی ہاتھوں سے بنا کر ان سے مرادیں مانگنا ان کا دائمی شعار تھا۔ بالفاظ دیگر جن لوگوں میں نبی اکرمؐ نے شعور کی آنکھ کھولی ان کی اکثریت اقتصادی لحاظ سے بھی بدحال تھی اور احترام آدمیت کے لحاظ سے بھی مقام آدمیت سے گر چکی تھی۔ اپنے ہی جیسے مردہ انسانوں کے مجسموں کے حضور سجدے کرتے اور ان سے مرادیں مانگتے تھے۔ تواس طرح جب آپؐ نے قوم کو مالی اور اخلاقی ہر لحاظ کی گوناگون بدحالیوں میں مبتلا پایا تو سیماب دار بے قرار ہو گئے۔

غربا پر سارا مال خرچ کر دیا ○ اسی بے قراری کا عملی ثبوت یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کی اہلیہ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ ایک انتہائی مال دار خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنی بے پناہ دولت نبی اکرمؐ کے قدموں میں ڈال دی اور اسی رحمت مجسم نے وہ سارے کا سارا مال ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جن کی گوناگون جائز ضروریات رکی پڑی تھیں۔ آپؐ نے بھوکوں کو کھانا دیا،

ننگوں کو کپڑے دیئے' بیماروں کو علاج اور بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنے پر اس بے پناہ دولت کی آخری پائی تک خرچ کر دی۔ واضح رہے کہ آیت مجیدہ زیر نظر میں نبی اکرمؐ کے مکارم اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے **عزیز علیہ ما عنتم** کے بعد آیا ہے۔

حریص علیکم ○ نبی اکرمؐ پوری نوع انسانی کی ہمہ جہتی بھلائی کے لئے حریص تھے۔ بالفاظ دیگر نوع انسانی کی بدحالیاں آپ کے لئے انتہائی شاق تھیں۔ اس کے برعکس آپؐ چاہتے یہ تھے کہ کائنات بھر کی بھلائیاں اکٹھی کر کے نوع انسانی کی جھولی میں ڈال دیں۔ اس محسن انسانیت پر لاکھوں کروڑوں سلام' جس نے اپنی پوری زندگی انسانی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر کے نوع آدم کو شرف آدمیت سے ہمکنار فرمایا۔ عطاء نبوت کے بعد تیرہ سالوں میں آپؐ نے ہر وہ مصیبت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کی جس کا تصور بھی وجہ اضطراب بن سکتا ہے۔

○ اور نبوت کی زندگی کے آخری دس سالوں میں یعنی ہجرت مدینہ منورہ کے بعد جب حالات معمولی سے سازگار ہوئے تو قرآنی معاشرہ کی بنیاد ڈال دی۔ ان دس برسوں میں کفار مکہ سے درجنوں بار بنفس نفیس میدان جنگ میں شریک ہو کر ظلم کی کلائی مروڑنے کا شرف عظیم حاصل فرمایا۔ اور بالاخر متوازن قرآنی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب و کامران ہو گئے۔ دشمن کی طاقت کا آخری شمہ تک ختم ہوگیا۔ لیکن قربان جایئے اس محسن انسانیت پر کہ وہ آخری عظیم الشان فتح بھی آگئی جس کی خبر ذات باری نے بالفاظ ذیل دی ہے۔

○ **اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس ید خلون فی دین اللہ افواجا**" ۱۔۲/۱۱۰ جب اللہ کی مدد اور فتح آگئی تو(اے رسولؐ) آپ دیکھیں گے کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوں گے۔ مگر اس کے باوجود۔

نہ تخت نشینی نہ جشن تاجپوشی ○ نبی اکرمؐ نے نہ شاہان عالم کی طرح تخت نشینی کا جشن منعقد فرمایا' نہ تاجپوشی کا اعلان بلکہ ہوا یہ کہ آپؐ قرآنی ریاست کے اولین صدر' سربراہ ہو کر صد فیصد عوامی زندگی گزار کر نوع انسانی کے لئے وہ مثال قائم فرماگئے جو چشم فلک نے آپؐ سے پہلے صرف انبیاء سلام علیہ کی زندگیوں میں دیکھی تھی۔ اور آپؐ کے بعد صرف خلفائے راشدین کی زندگیوں میں ملاحظہ کی۔

نبی اکرمؐ نے بطور ترکہ اپنے پیچھے کیا چھوڑا ○ اس سلسلے کا آخری سوال یہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ نے صدر و سربراہ مملکت کی حالت میں وفات پائی تو آپؐ نے کتنی نقدی یعنی کتنا بنک بیلنس' کتنے مربع زمین' کتنے مکان' کتنی دکانیں اور کتنا سونا چاندی بطور ترکہ اپنے پیچھے چھوڑا؟ انسانی زندگی کے اس گوشے میں بھی نبی اکرمؐ کا کردار صد فیصد پاک و منزہ تھا۔ نہ آپؐ نے کوئی نقدی چھوڑی نہ زمین نہ ضرورت سے زائد کوئی مکان چھوڑا نہ دکانیں نہ گودام۔ آپؐ کا پورے کا پورا اثاثہ صد فیصد عوامی زندگی تھی جو پوری نوع انسانی کے لئے بطور سربراہ مملکت ایک ایسی مثال ہے جو چشم فلک نے آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء راشدین کے سوا نہ دیکھی ہوگی۔

امن عالم کا صد فیصد عملی مجرب نسخہ ○ انبی اکرمؐ کی عوامی زندگی کی عملی صورت یہ تھی کہ نہ آپؐ کا کوئی کوٹھی' بنگلہ یا سربفلک محل تھا' بلکہ جس قسم کے عوامی مکانات میں عوام رہتے تھے اسی قسم کا ایک مکان نبی اکرمؐ کی رہائش

گاہ تھی۔

○ ۲ اور اسی طرح دوسرے نمبر پر نبی اکرمؐ یعنی قرآنی ریاست کے اولین صدر و سربراہ کا لباس بھی عوامی لباس سے مختلف نہ تھا۔ بلکہ جس قسم کے ملبوسات سے عوام تن پوشی کرتے تھے بالکل اسی قسم کا لباس نبی اکرمؐ کے زیب تن ہوا کرتا تھا۔

○ ۳ تیسرے نمبر پر باری آتی ہے خوراک کی بنیاد ضروریات زندگی کے اس گوشے میں بھی قرآنی سلطنت خدا داد کے صدر و سربراہ ایک عام شہری کی حیثیت رکھتے تھے۔ نہ آپؐ کے دسترخوان پر رنگا رنگ ناشتہ چنا جاتا تھا نہ پر تکلف نہار اور نہ عشائیہ بلکہ جس قسم کی غذا عوام کو میسر آتی تھی اسی قسم کا کھانا نبی اکرمؐ استعمال فرماتے تھے۔

○ ۴ چوتھے نمبر پر باری آتی ہے آرائشی تکلفات اور بیگمات کے زیورات کی۔ یہ چیز نبی اکرمؐ کی زندگی میں نام تک کو بھی موجود نہیں تھی' بالفاظ دیگر زندگی کے ہر گوشے میں نبی اکرمؐ نے وہ نمونہ پیش فرمایا کہ آپؐ کو پہچاننے کے لئے عوام سے الگ کوئی تمیزی نشان موجود ہی نہ تھا باہر سے آنے والے وفود کو پوچھنا پڑتا تھا کہ مسلمانو! تمہارا صدر مملکت کون ہے؟

○ بس یہی ہے امن عالم کا مجرب ترین عملی نسخہ جس پر عمل کرکے صدر مملکت اور اس کے تمام تر عمال و اراکین اگر عوامی رنگ میں رنگے ہوئے ہوں تو نہ اونچ نیچ کا امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ نہ **ادنٰی و اعلٰی** کا جنم خیز تصور ابھر کر معاشرہ میں فساد کا موجب بنتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں سلام اس محسن انسانیت پر جس نے قیامت تک کی انسانیت کے لئے امن عالم کا وہ عملی نسخہ پیش فرمایا کہ جس کی نامکمل سی چرائی ہوئی صورت پر اگر چین کا ماؤ عمل شروع کر دے تو ۷۵ کروڑ انسانوں میں امن قائم ہوجاتا ہے۔ اور اگر ویت نام یا کوریا کے سربراہ اسے عملی جامہ پہنا دیں تو امریکہ جیسی چوٹی کی عالمی طاقت کو شکست فاش بھی دیدیں اور داخلی طور پر بھی ملک امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے۔ مگر اس کے برعکس اگر کوئی صرف سات کروڑ کی آبادی والا ملک امن عالم کے مذکورہ بالا رسولی نسخہ کو پس پشت پھینک کر صدر مملکت اور اس کے عمال و اراکین عوام سے الگ عیش کی زندگی اختیار کرتے ہیں تو اس قلیل تر آبادی کے ملک میں بھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

مومنوں پر خصوصی شفقت ○ ۴ **بالمئومنین رئوف رحیم** کے الفاظ نے اس امر پر مہر تصدیق ثبت کر رکھی ہے کہ نبی اکرمؐ کے کردار **عزیز علیہ ما عنتم** کا تعلق پوری نوع انسانی کے ساتھ بلا تمیز مومن کافر مساویانہ تھا۔ کیونکہ **بالمئومنین رئوف رحیم** کے جملہ میں مومنوں کے ساتھ خصوصی شفقت بطور **استثنٰی** بیان کی گئی ہے۔ سورۃ نجم میں پوری نوع انسانی کے ساتھ آپؐ کا سلوک بتایا گیا ہے۔

○**وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى** ۝ ۵۳/۲-۱ اور (اے نوع انسانی) ستارہ ہدایت قرآن مجید کی شہادت ہے جب وہ نازل ہوا (کیوں کہ اس میں نہ کوئی قانون بھکا ہوا ہے اور نہ غلط راستے کی طرف لے جانے والا ہے اس لئے) تمہارے دکھ سکھ کا ساتھی محمدؐ **صاحبکم** نہ بھک گیا ہے اور نہ غلط راہ چل گیا ہے۔ دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو پوری نوع انسانی کا صاحب ساتھی بتایا گیا ہے۔ اور اسی چیز کو سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۲۷ زیر نظر میں **عزیز علیہ ما عنتم** کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ اے نوع انسانی ہمارے رسولؐ تمہارے دکھ سکھ کے ساتھی کی حالت یہ ہے کہ اس پر تمہاری بدحالیاں گراں گزرتی ہیں۔ **حریص علیکم** وہ تمہاری بھلائی کا حریص ہے۔ چاہتا ہے کہ کائنات بھر کی نعمتیں تمہاری جھولی میں ڈال دے۔ مگر چونکہ بدحالیوں سے رہائی اور بھلائیوں کا حصول صرف ہمارے قانون کے مطابق میسر آتا ہے

اس لئے اس نے تمہیں ہمارے قانون کی راہ پر ڈال کر تمہاری صحیح راہنمائی فرما دی ہے۔

○ مومنوں پر خصوصی شفقت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسانی حقوق مساوات میں مومنوں کو کافروں کے مقابلے پر کوئی الگ مخصوص مراعات حاصل ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ کاروبار مملکت میں نبی اکرمؐ کے شریک کار بنتے تھے' آپ کے راز دار اور آپ کے بعد انہیں نبی اکرمؐ کے قرآنی مشن کو آگے بڑھانے کے مواقع میسر آئے تھے ۔ اس کے علاوہ جہاں تک بنیادی انسانی حقوق اور انسانی بنیادی ضروریات زندگی کا تعلق ہے۔ اسلامی اور قرآنی ریاست میں یہ جملہ حقوق جس طرح مومنوں کے مسلم مانے گئے ہیں اسی طرح کافروں کے بھی من و عن مسلم قرار دئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے قانون پر بھروسہ کرنا ہی کلید کامیابی ہے ○ اگلی آیت مجیدہ ۱۲۹/توبہ میں نبی اکرمؐ کی تسلی و تشفی کے لئے ذیل کے انتہائی ہمت افزاء' سکون آمیز' اور اطمینان بخش الفاظ نازل کئے گئے ہیں۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

پھر اے رسول (منافق) اگر اعراض کریں آپ کے پیغام کو تسلیم نہ کریں تو آپ کہہ دیجئے گا کہ میرے لئے میرا اللہ کافی ہے اور میرے تابع مومن کافی ہیں ۸/۶۴ اس (اللہ) کے سوا فرمانبرداری کے لائق کوئی نہیں میں نے اسی پر اس کے نازل کردہ قانون پر بھروسہ کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ عظیم سلطنت کا رب روزی رساں ہے۔

صحابہؓ رسول نے نبی اکرمؐ سے کبھی اعراض نہیں کیا ○ **فان تولو** سے بعض لوگ صحابہؓ کرام کا اعراض کرنا مراد لیتے ہیں۔ یہ مطلقاً" غلط ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم صحابہؓ رسولؐ کی تعریف و توصیف سے بھرا پڑا ہے وہ مقدس ہستیاں ایسی پاک باز اور نبی اکرمؐ کے ایسے جاں نثار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال میں انہیں بھی اپنی کفائت میں شامل کر رکھا ہے۔

نبی اکرمؐ کے لئے اللہ تعالیٰ اور آپؐ کے تابع مومن کافی تھے ○ **حسبی اللہ** کا لفظی معنی ہے میرے لئے اللہ کافی ہے ۔ لیکن چوں کہ اللہ تعالیٰ کی کفایت اسباب و علل کے ساتھ مشروط ہے۔ اس لئے سورۃ انفال ۶۰/۸ میں دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرنے کا حکم دینے کے بعد ۸/۶۴ میں ارشاد ہوا ہے۔

○ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ** ۸/۶۴ اے نبیؐ! آپ کے لئے اللہ ہی کافی ہے اور آپ کے تابع مومن کافی ہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کی کفائت بذریعہ صحابہؓ کرام فرمائی تھی۔ اسی چیز کی وضاحت ۸/۶۲ میں بالفاظ ذیل درج ہے۔

وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ○ ۸/۶۲ اور اے رسولؐ اگر (کافر بدعہدی کر کے) آپ کو دھوکا دینے کا ارادہ کریں تو (غم نہ کھائیے گا) بلاشبہ آپ کے لئے آپ کا اللہ ہی کافی ہے وہ وہی عظیم الشان ذات ہے جس نے آپ کو طاقت بخشی اپنی مدد کے ساتھ اور مومنین (صحابہؓ کی عظیم فرمانبردار جماعت) کے ساتھ واضح رہے کہ انبیاء سلام علیہم کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کے دو ہی طریقے قرآن مجید سے ثابت ہیں۔

○ پہلا یہ کہ جن نبیوں کو صحابہ کی مضبوط اور فرمانبردار جماعت میسر آئی انہوں نے ان کی مدد سے حکومت **الٰھیہ** قائم فرمائی اور دشمنوں کی طاقت کا آخری شمہ تک میدان جہاد میں ختم کر دیا گیا۔

○ دوسرا یہ کہ جن انبیاء کو صحابہؓ کی جماعت میسر نہ آئی اللہ تعالٰی نے ان کے دشمنوں کو اپنے **جنود السمٰوات والارض** آسمانی اور زمینی لشکروں' سیلاب' اندھیری' زلزلہ وغیرہ کے ذریعہ انبیاء کی آنکھوں کے سامنے ختم کر دیا اور اپنے نبیوں کو معہ ان کے ناتوان ساتھیوں کے عذاب سے بچا لیا۔ جیسے کہ قوم نوحؑ سیلاب کے ساتھ قوم عاد اندھیری کے ساتھ اور قوم ثمود زلزلہ کے ساتھ ختم کر دی گئی اور نبیوں کے کمزور ساتھیوں کو بال بال بچا لیا گیا۔

اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں

○ **لا الٰہ الا اللّٰہ** کا عموماً" معنی یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ **الٰہ** کا معنی معبود' عربی کا عربی معنی ہے۔ قرآن حکیم نے معبود کا معنی حاکم سورۃ یوسف میں کھل کر واضح کر رکھا ہے۔

○ **اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَهٗ** ۴۰/۱۲۔ نہیں ہے حکم مگر صرف اللہ تعالٰی کا اسی نے حکم دیا ہے کہ مت فرمانبرداری کرو اس کے سوا کسی اور کی۔ یہی پکا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

○ پس **الٰہ** کا معنی ہے وہ ذات مقدس جس کا حکم مانا جائے اور **لا الٰہ الا اللّٰہ** کا معنی ہے:۔ اللہ کے سوا کوئی اور حاکم موجود ہی نہیں واضح رہے کہ اگر مذکورہ حقیقت کو ذہن نشین کر لیا جائے تو شرک فی الذات شرک فی الصفات کے علاوہ شرک فی الحکم سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا" ۱۸/۲۶ اور وہ اللہ اپنے حکم میں کسی ایک کے حکم کو بھی شریک نہیں کرتا۔ پس اس **الٰھی فیصلے** کے مطابق اس تصور سے اعراض لازم ہے کہ یہ حکم اللہ کا ہے اور یہ اس کے رسول کا ہے' اللہ کے رسول کا معنی ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کا حکم پہنچاتے تھے۔ اپنا کوئی حکم دیتے ہی نہیں تھے۔اللہ کا حکم ہی اس کے رسول کی زبان سے نکلتا تھا۔

اللہ تعالٰی پر توکل کا صحیح مفہوم

○ **علیہ توکلت** کا لفظی معنی یہ ہے کہ میں نے اس اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔ اس میں اللہ کا قانون محذوف ہے جو زندگی کے ہر مقام پر نکھر نکھر کر خود بخود عیاں ہوتا رہتا ہے۔ اور کسی کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہیں چھوڑتا۔

○ مثلاً" ایک شخص درخت کے ٹہنے پر شاخ کی طرف بیٹھا ہوا ہے اور ٹہنے کو درخت کی جانب سے یہ کہہ کر کاٹنا شروع کر دیتا ہے کہ اللہ توکل کاٹ رہا ہوں۔ اب چونکہ اللہ تعالٰی کا قانون یہ ہے کہ اس ٹہنے کے کٹنے کے ساتھ ہی کاٹنے والا بھی دھڑام سے زمین پر آگرے گا تو ثابت ہوا کہ توکل علی اللہ کا یہ معنی غلط ہے کہ توکل کی بنیاد قانون الٰہی کی مخالفت پر قائم کی جائے۔ بلکہ توکل کا صحیح معنی یہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالٰی کے قانون کے مطابق انجام دیا جائے۔

○ دوسری مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص جون کے مہینے میں اللہ توکل گندم کی کاشت کرتا ہے۔ اچھی زمین بناتا ہے۔ اچھا بیج ڈالتا ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ گندم کی انگوری نکلتے ہی جون کی جھلس دینے والی تمازت کی تاب نہ لا کر جل کر راکھ ہو جاتی

ہے۔ تو عملاً" ثابت ہوا کہ اس کا اللہ توکل کا نظریہ مطلقاً" غلط ہے۔ اللہ توکل کا صحیح مفہوم ہی یہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کے مطابق کیا جائے۔ یعنی ذات باری کے غیر متبدل قوانین پر بھروسہ کرنا توکل علی اللہ ہے۔

ؒ تیسری مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص اپنی موٹر کار پر سو میل کا سفر اس حالت میں کہ اس کی کار میں صرف دس میل کے لئے پٹرول ہے اللہ توکل کہہ کر شروع کر دیتا ہے تو اسے اس کا یہ غلط توکل کبھی منزل مقصود پر نہیں پہنچائے گا۔ بلکہ اس کی کار دسویں میل پر جا کر رک جائے گی۔ اور اس وقت تک ایک قدم آگے نہیں بڑھے گی جب تک غیر متبدل قوانین الٰہی کے مطابق اس میں پٹرول نہ ڈالا جائے گا۔ اسی طرح اللہ توکل کا صحیح مفہوم معاشرہ میں قدم قدم پر خود بخود نکھر کر عیاں ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی عورت پانی کے بغیر اللہ توکل آٹا گوندھنے بیٹھ جائے تو آٹا ہرگز نہ گندھ سکے گا۔ اگر وہ آگ کے بغیر ہنڈیا اور روٹی اللہ توکل پکانے بیٹھ جائے تو ہرگز ہرگز نہ ہنڈیا پکا سکے گی نہ روٹیاں ہم ان چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہوئے اس اعلان عام کے ساتھ آگے بڑھنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ اللہ توکل کا صحیح معنی ہے:۔ اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین پر بھروسہ کرنا جو کبھی دھوکا نہیں دیتے۔

سورۃ توبہ کے انتہائی آخری الفاظ ربوبیت عالمینی کے علمبردار ہیں ○ وھو رب العرش العظیم

۹/۱۲۹ اس جملہ کا لفظی معنی یہ ہے:۔ وہ اللہ ہی اپنی عظیم سلطنت کا رب ہے۔ رب کا معنی ہے پرورش کے نقطہ آغاز سے شروع کر کے اس کے نقطہ انجام تک پہنچانے والا۔ اور عرش عظیم اللہ تعالیٰ کی وہ بیکراں سلطنت ہے جو ارض و سماوات کے چپہ چپہ پر جاری ہے۔ جہاں تک پرورش و ربوبیت کا تعلق ہے اس کا نقطہ آغاز اس طرح عیاں ہے کہ اس سے کسی ضدی سے ضدی اور متعصب سے متعصب آدمی کے لئے بھی مجال انکار ممکن نہیں۔ بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے کہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ماں کی چھاتی پر دودھ کی دو نہریں بہا دی جاتی ہیں اور دو سال کے بعد جب یہ نہریں خشک ہونے کو ہوتی ہیں' اتنے میں بچے کو ٹھوس غذائیں چبانے کے لئے دانت عطا کر دئے جاتے ہیں۔ ماں باپ میں بچے کی پرورش کا اتنا شدید جذبہ بھر دیا جاتا ہے کہ جب تک بچہ پیٹ بھر کر کھا نہ لے اس وقت تک وہ خود نہیں کھاتے۔ یہ جملہ مشاہدات اللہ تعالیٰ رب العزت کی شان ربوبیت کے مظہر ہیں۔ مگر افسوس کہ

○ اس سے آگے جب وہی بچہ بڑا ہو کر اقتصادی میدان میں خود قدم رکھتا ہے تو حصول سامان ربوبیت کی راہ میں اسے قدم قدم پر رکاوٹوں مشکلوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کہیں حکومت کی بد انتظامیاں آڑے آتی ہیں' کہیں بددیانت افراد سے پالا پڑتا ہے' کہیں کاروباری رقابتیں راہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہیں اور کہیں حاسدوں کی کھینچی ہوئی حسد کی دیواریں محروم ربوبیت کر دیتی ہیں۔

○ ربوبیت عالمینی کی راہ میں حائل ان سنگلاخ چٹانوں کو پاش پاش کرنے ہی کے لئے سورۃ انفال اور توبہ میں جنگی احکام و مسائل وضاحتاً" بیان گئے گئے ہیں۔ تاکہ ان برائیوں اور رکاوٹوں سے پاک ایسا ربوبیت بدوش معاشرہ قائم کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کے عظیم دسترخوان سے کوئی فرد بشر محروم نہ رہ سکے۔ بلکہ:۔

ؒ ہر شخص کو ناشتہ' نہار' عصرانہ اور عشائیہ زندگی کے آخری سانس تک مسلسل ملتا رہے۔

ؒ کوئی شخص ذاتی مکان کے بنیادی انسانی حق سے محروم نہ پایا جائے۔

○ کوئی فرد واحد بھی سردی گرمی کے الگ الگ قسم کے لباس کو ترستا ہوا نہ پایا جائے۔
○ نوع آدم کا کوئی فرد بھی تعلیم کی نعمت غیر مترقبہ سے محروم نہ ہو۔
○ ہر بیمار کو فوری اور صحیح علاج میسر آتا رہے کوئی شخص بلاعلاج ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتا ہوا نہ پایا جائے۔
● بس ربوبیت عامہ سے یہی محرومیاں ہی تو ہیں نوع آدم کی بدحالیاں' جو نبی اکرمؐ پر گراں گزرتی تھیں۔ **عزیز علیہ ماعنتم** ۱۲۸/۹ اور مذکورہ بالا وہ نعمتیں ہیں جن کے لئے نوع آدم کے حق میں نبی اکرمؐ کو **حریص علیکم** کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔

نگاہ بازگشت ○ آیت نمبر ۱۲۳ میں ارشاد ہوا ہے ایمان والو! اپنے آس پاس کے کافروں سے بھی جو تم پر حملہ آور ہوں' مدافعانہ جنگ کرو' اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر انتہائی سختی پائیں اور جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو خطرات سے خود بچنے والے ہیں۔

○ آیت نمبر ۱۲۴ میں منافقوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ:۔ جب جنگ جہاد کے متعلق کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو منافقوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ تم میں سے کون ہے کہ اس کا ایمان اس کے ساتھ زیادہ ہوجاتا ہے اور وہ کون سی خوشخبری دیئے جاتے ہیں۔

○ آیت نمبر ۱۲۵ میں مفافقوں ہی کے متعلق بتایا گیا ہے:۔ اور وہ لوگ جن کے اذہان میں منافقت کی بیماری ہے۔ پس نازل کردہ سورت انہیں ان کی ذہنی نجاست میں نجاست ہی زیادہ کرتی ہے اور یہاں تک کہ وہ مرجاتے ہیں مگر وہ کافر ہی رہتے ہیں۔

○ آیت نمبر ۱۲۶ میں منافقوں ہی کے متعلق کہا گیا ہے:۔ کہ ان لوگوں نے غور نہیں کیا یعنی انہیں غور کرنا چاہئے کہ وہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ فتنے میں ڈالے جاتے ہیں (یعنی ان پر کسی سال ایک مرتبہ اور کسی سال دو مرتبہ حملہ کیا جاتا ہے) پھر بھی وہ جنگ سے فرار کے نظریہ سے رجوع نہیں کرتے اور نہ ہی وہ آیات قرآنیہ سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

○ آیت نمبر ۱۲۷ میں مفافقوں ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ اور جب بھی کوئی سورت جنگ جہاد سے متعلق نازل ہوتی ہے تو منافقوں کے بعض افراد بعض کی طرف دیکھتے ہیں(اے منافقو!) کیا تمہیں کوئی ایک مومن بھی اس طرح دیکھتا ہے؟ پھر وہ (قرآنی ہدایت) سے پھر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذہنوں کو اس سبب سے پھرا ہوا پاتا ہے کہ وہ لوگ ایسے ہیں جو تفقہ یعنی غور و فکر نہیں کرتے۔ (وہ تو اتنا بھی نہیں سوچتے کہ زندہ قوموں کے لئے جنگ جہاد سے فرار ممکن ہی نہیں)۔

○ آیت نمبر ۱۲۸ میں نوع انسانی سے خطاب ہے کہ "اے نوع انسانی تمہارے پاس تمہاری ہی جانوں میں سے ہمارا رسول آیا ہے اس پر تمہاری بدحالیاں گراں گزرتی ہیں۔ وہ بلاتمیز تم سب کی بھلائی کے لئے حریص ہے(خصوصاً") مومنوں پر شفقت کرنے ولا مہربان ہے۔

○ آیت نمبر ۱۲۹ میں رسول اللہ سے کہا کہ منافق اگر اعراض کریں(آپ کے پیغام کو تسلیم نہ کریں) تو آپ کہہ دیجئے گا کہ میرے لئے اللہ کافی ہے اور میرے تابع مومن کافی ہیں۔ اللہ کے سوا فرمانبرداری کے لائق کوئی نہیں' میں نے اسی پر (اس کے نازل کردہ قانون پر) بھروسہ کیا حقیقت یہ ہے کہ وہ عظیم سلطنت کا رب (روزی رساں) ہے۔

سُورَةُ يُونُسَ

پس منظر اور پیش منظر :۔ سورۃ انفال اور سورۃ توبہ میں جنگ وجدال کے احکام و مسائل بیان ہوئے اور کفار و منافقین پر پوری پوری سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو خود انہی کے اعمال کا رد عمل ہے۔ زمانہ رسالت کے کفار جارحانہ حملوں کے ذریعہ خود ہی جنگیں چھیڑا کرتے تھے اور یہی حال مخالفین اسلام کا اس کے بعد بھی بدستور چلا آرہا ہے۔ بالفاظ دیگر پچھلی دو سورتوں میں ان کے لئے جو سختی و عذاب کا حکم نافذ کیا گیا ہے وہ بے جا اور ناروا نہیں۔

وجہ تسمیہ :۔ ○ اس چیز کے ثبوت میں کہ اللہ تعالیٰ تو بڑھ کر رحمت کرنے والا ہے اس سورت میں قوم یونس کا خصوصی ذکر ہے کہ وہ لوگ انکار کے اس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ عذاب آیا ہی چاہتا تھا' حتیٰ کہ خود اللہ کے نبی رسول یونس نے یہ جانکر کہ قوم عذاب الٰہی کی پوری مستحق ہوچکی ہے' باز نہیں آتی۔ اب نزول عذاب کا وقت آپہنچا ہے' اس لئے ہجرت فرماگئے۔ لیکن آپ کے تشریف لیجانے کے فوراً بعد قوم تائب ہوگئی اور اپنی اصلاح شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی ذات جو عزیز ذوانتقام ہے۔ غفور رحیم ہوگئی۔ چونکہ اس سورت میں اس رحمت بھرے واقعہ کا خصوصی تذکرہ ہے۔ اس لئے اسی نسبت سے اس سورت مجیدہ کا نام سورہ یونس ہے۔

سابقہ سورتوں کیساتھ ربط :۔ ○ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ سابقہ دو سورتوں میں جنگ وجدال کے احکام و مسائل نازل کئے گئے ہیں۔ اس سورت متصلہ میں عموماً رحمت الٰہی کا ذکر ہے۔ چونکہ جنگ و عذاب کے سامان نوع انسانی خود پیدا کرتی ہے۔ اس لئے سابقہ دو سورتوں میں جنگ کے احکام و مسائل اور عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ مگر یہ ثابت کرنے کیلئے کہ اللہ تعالیٰ عذاب کرنے کو ہرگز پسند نہیں کرتا' قوم یونس کی طرح اگر نوع انسانی عذاب کے دہانے پر پہنچ کر بھی باز آجائے اور اپنی اصلاح شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ اپنا دست عذاب اس لئے روک لیتا ہے کہ اس کی شفقت و رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ سورہ مومن میں ایسے ہی دعائیہ الفاظ آئے ہیں۔

○ **ربنا وسعت كل شئی رحمة و علما** ۴۰/۷= اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور علم ہر چیز سے وسیع ہے۔ (تو ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے اور ہر چیز کو اپنے دامن رحمت میں لئے ہوئے ہے۔ (عذاب تو ہم لوگ خود خریدتے ہیں)۔

اجمالی عنوانات :۔ ○ سورہ یونس کی ابتداء میں اپنی کتاب حکمت کے تذکرہ کے بعد اہل عرب کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ بھی اسی مغالطہ کا شکار تھے۔ جس میں سابقہ جملہ اقوام مبتلا تھیں کہ اللہ کیطرف سے انسان رسول نہیں بھیجے جاسکتے۔ نبی رسول تو مافوق الانسان ہستیاں ہوسکتی ہیں یا ہونی چاہئیں۔ پھر بتایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرکے اپنے رب کی عبودیت اختیار کی جائے۔ موجودہ زندگی ہی پر نہ خوش ہو جاؤ بلکہ دوسری زندگی کیلئے اعمال صالحہ کا زادراہ مہیا کرو۔ انسان ناشکرا ہے۔ تکلیف آتی ہے تو لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے' جب رفع ہو جاتی ہے تو پھر اللہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ نبی اکرمؐ کی قبل نبوت کی بے داغ زندگی کی خبر دی گئی ہے۔ نیز قیامت کے متعلق بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو وہ اس دن تم سے جدا ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کے مفصل ہونے کا اعلان کرکے چیلنج کیا گیا ہے۔ کہ نوع آدم

اس جیسی ایک سورت بھی نہیں بنا سکتی۔ نبی اکرمؐ سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ وہ اپنی جان کیلئے بھی کسی نفع نقصان کے مالک نہیں۔ پھر نوحؑ اور موسیٰؑ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ فرعون کی تباہی اور غرقابی کا ذکر ہے اس کی لاش کو محفوظ کرنے کی خبر دے دی گئی ہے۔ فرعون جب غرق ہونے لگا تو رجوع ہوا مگر رد کر دیا گیا۔ کیونکہ اس کی توبہ اور رجعت گرفتار عذاب ہونے کے بعد کی تھی۔ مگر قوم یونس کی توبہ اس لئے قبول ہوئی کہ وہ نزول عذاب سے پہلے کی تھی۔ سورت مجیدہ کے آخر میں اعلان کیا گیا ہے کہ لوگو! تمہارے پاس حق قرآن آگیا ہے' جو کوئی اس قرآن کے ذریعہ خود ہدایت پائے تو وہ اپنی ہی جان کیلئے ہدایت پائیگا۔ گمراہ ہونے والا خود گمراہ ہوگا اور اس کی گمراہی کا وبال خود اسی پر پڑیگا ہم نے اپنے رسولؐ کو لوگوں پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا کہ زبردستی ہدایت دیں۔ سورہ یونس کی آخری آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ وحی کی اتباع فرمائیں اور مستقل مزاجی سے اپنا کام کرتے رہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ کر دے وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

○ سورہ یونس کی ابتدائی آیت مجیدہ میں حروف مقطعات کیساتھ نبی اکرمؐ کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ مذکورہ بالا یعنی سورہ توبہ کی آیتیں بھی حکمت والی کتاب قرآن حکیم ہی کی آیتیں ہیں۔ یعنی جو اس سورت میں نازل کی جا رہی ہیں یہ بھی اسی کتاب حکمت کا حصہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۞ ۱۰/۱

اللہ رحمان و رحیم کے نام سے ہم لکھتے ہیں اور اسی نام سے آپ پڑھیے گا

اے امین! لین القلب! راکع! مذکورہ بالا (بھی) ہماری حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

○ نمبر ا **الر** حروف مقطعات ہیں۔ جن کے متعلق بلاغ القرآن کے صفحات میں بارہا وضاحت کی جا چکی ہے کہ یہ نبی اکرمؐ کے القاب گرامی ہیں۔ الف سے امین لام سے لین القلب اور را سے راکع مراد ہے' یعنی صلوۃ موقت میں اللہ کے حضور رکوع کرنے والا اور صلوۃ موقت سے باہر اللہ تعالیٰ کے جملہ قوانین کے سامنے جھکنے والا۔ (حروف مقطعات کی مکمل تشریح و توضیح کیلئے ادارہ کا پمفلٹ مسئلہ حروف مقطعات ملاحظہ فرمائیں)۔

○ نمبر ۲ **تلک** اسم اشارہ مونث بعید بمعنی وہ' مذکورہ بالا ہے۔ اس کا معنی "یہ" لینا عربی گرائمر کے خلاف ہے۔ جب **تلک** تحریر میں آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے مذکورہ بالا۔ اگلی آیت مجیدہ میں اولین مخاطبین قرآن کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ متعجب ہوئے کہ انہی میں سے ایک شخص پر وحی اتری ہے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ وحی الٰہی مافوق الانسان' ان کے ذہنی عجیب الخلقت ملک (فرشتے) پر نازل ہونی چاہیے۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۞ ۲/۱

کیا لوگوں کیلئے یہ مقام تعجب ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کی طرف وحی فرمائی ہے کہ تو لوگوں کو برے کاموں کے برے انجام سے آگاہ کر' اور جو ایمان لائیں (اور اصلاحی اعمال بجا لائیں) انہیں خوشخبری دیدے کہ صدق کا قدم (یعنی راستی پر مبنی جو اعمال وہ بجا لائیں

وہ) ان کے رب کے پاس (محفوظ) ہیں۔ (مگر) کافر کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ (مدعی نبوت) مگر صریحاً جھوٹا ہے۔

○ **اوحینا الی رجل منھم** کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی پر وحی فرمائی ہے۔ اس پر نبی اکرمؐ کی مخاطب قوم نے تعجب کیا۔ سابقہ اقوام میں سے قوم نوحؑ قوم عاد و ثمود وغیرہ کی طرف جب انہی میں سے رسول بھیجے گئے تو وہ بھی اسی طرح متعجب ہوئے تھے۔ چنانچہ قوم نوح کو کہا گیا تھا۔

○ **او عجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم علی رجل منکم** ۶۳/۷= اور کیا تم نے اس پر تعجب کیا ہے کہ اللہ کا نصیحت نامہ تمہیں میں سے ایک شخص کی طرف آیا ہے۔ نیز بالکل یہی الفاظ قوم عاد کے متعلق مذکور ہیں۔

○ **او عجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم علی رجل منکم** ۶۹/۷= اور کیا تم نے اس پر تعجب کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نصیحت نامہ تمہیں میں سے ایک شخص کی طرف آیا ہے۔ یہی حال مکی قوم کا تھا۔ انہوں نے تو یہاں تک کہدیا کہ اگر انسانوں میں سے ہی کسی پر قرآن نازل ہونا تھا تو ان دو شہروں (مکہ اور مدینہ) کے کسی بڑے (مالدار) آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ **و قالوا لولا نزل ھذا لاقرآن علی رجل من القریتین عظیم**○ ۴۳/۳۱

○ **انذر الناس** کے الفاظ سے عیاں ہے کہ ہر نبی رسول کا فریضہ لوگوں کو برے عملوں کے برے انجام سے آگاہ کرنا تھا۔ لفظ **انذر** کا سہ حرفی مادہ ن۔ ذ۔ ر= نذر ہے جس کا بنیادی معنیٰ کسی خطرناک چیز سے آگاہ کرنا ہے۔ اس طرح چونکہ برے اعمال کا نتیجہ برا ہوتا ہے اس لئے انذار کا صحیح مفہوم اس کی سزا سے خبردار کرنا ہے۔ اب چونکہ کسی خطرہ کے پیش نظر انسان بہت سے اقدام قبل از وقت اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے۔ اس لئے یہی معاملہ نذروں کا ہے جو اپنے اوپر خود واجب کرلی جاتی ہیں۔ مثلاً کسی علاقہ میں سکول یا ہسپتال کھولنا ہو تو اس کے لئے دی جانے والی رقمیں نذریں کہلاتی ہیں جو اس خطرہ کو رفع کرنے کیلئے پیش کی جاتی ہیں کہ اس علاقہ کے بچے جاہل اور بیمار علاج صحیح سے محروم نہ رہ جائیں۔ یہی حال کعبہ مکرمہ کی نذروں کا ہے جو حج سے پہلے ادا کی جاتی ہیں۔ ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ہمارا مرکز حج کے موقعہ پر لاکھوں افراد کی مہمان نوازی کے بوجھ تلے دب کر کمزور نہ ہو جائے۔ نیز جہاں تک عام نذر نیازوں کا تعلق ہے قرآن کی رو سے وہ بھی صرف کعبہ مکرمہ ہی سے مختص ہیں۔ تاکہ عالم اسلام کی چار طرف سے آمدہ نذروں کے بے پناہ مال کیساتھ اسلامی مرکز دنیا بھر کے مراکز میں سب سے زیادہ طاقتور ہو۔

○ نمبر۳ **بشر الذین امنوا** کے الفاظ میں ربانی بشارتیں صرف مومنوں کیلئے مختص کی گئی ہیں۔ کیونکہ ایمان کا تعلق قرآن کیساتھ ہے اور قرآن مجید صرف نیک کاموں (اصلاحِ اعمال) کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا ربانی بشارتیں اعمال صالحہ ہی کیساتھ وابستہ ہیں۔

○ نمبر۴ واضح رہے کہ **الذین امنوا** کے بعد یہاں پر **و عملوا الصلحت** کے الفاظ محذوف ہیں۔ کیونکہ قرآنی کلیہ کے مطابق ایمان بلا اعمال صالح اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز مقبول نہیں۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ہر مقام پر **ان الذین امنوا** کیساتھ **و عملوا الصلحت** کی قید موجود ہے اور ان کے بعد کہا گیا ہے کہ یہ لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

○ نمبر۵ **لھم قدم صدق عند ربھم** کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس سچ کا قدم ہے۔ قدم کہتے ہیں پاؤں کو۔ پاؤں چونکہ آگے کو بڑھتا ہے اس لئے اس لفظ میں آگے آنے یا آگے ہونے کا تصور از خود پیدا ہوگیا۔

چنانچہ مقدم اور موخر کا معنی ہے آگے والا اور پیچھے والا۔ اسی سے تقدم و تاخر کے الفاظ عام مستعمل ہیں۔ **قدم صدق** مرکب اضافی ہے بمعنی راستی کا قدم۔ مگر چونکہ آیت مجیدہ میں اس کے بعد آیا ہے۔ **عند ربھم** بمعنی تمہارے رب کے پاس ○ اس لئے ہم نے یہ معنی لکھا ہے کہ صدق کا قدم (یعنی راستی پر مبنی جو اعمال وہ بجا لائیں) وہ ان کے رب کے پاس (محفوظ) ہیں۔ مادہ ق۔ د۔ م= قدم کو قرآن مجید میں بطور فعل بھی استعمال کیا گیا ہے۔ **لا یستاخرون ساعۃ" ولا یستقدمون** ۱۶/۶۱ میں **یستقدمون** کے لفظ میں یہی مادہ قدم بطور فعل مضارع معروف جمع مذکر غائب باب استفعال مزید فیہ سے آیا ہے۔

○ نمبر۶ **ان ھذا لسحر مبین** میں جو لفظ سحر آیا ہے۔ عام تراجم میں اسکا معنی جادوگر لیا جاتا ہے۔ مگر اس کا جو سہ حرفی مادہ ہے۔ س۔ ح۔ ر= سحر' اس کا بنیادی معنی ہے جھوٹ' دھوکا' فریب' ملمع سازی۔ قرآن مجید میں سحر کو حق کی ضد بیان کرکے وضاحت کر دی گئی ہے کہ سحر کا معنی جھوٹ اور ساحر کا معنی ہے جھوٹا۔ **و تقولون للحق سحر**۔ کیا تم حق کو جھوٹ کہتے ہو۔ پس حق کی ضد جھوٹ ہوتا ہے۔ جادو کا تو دنیا میں وجود ہی موجود نہیں ہے۔

نگاہ بازگشت۔ ○ آیت نمبر ایک میں نبی اکرمؐ کو حروف مقطعات **الر** کے ساتھ مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے کہ اے امین' لیین القلب' راکع مذکورہ بالا آیتیں ہماری حکمت والی کتاب قرآن حکیم ہی کی آیتیں ہیں۔ واضح رہے کہ **الر** جو حروف مقطعات ہیں۔ یہ نبی اکرمؐ کے القاب گرامی ہیں جو اپنے پورے لفظ سے قطع کردہ پہلے حروف ہیں۔ الف' امین کا قطع کردہ پہلا حرف ہے۔ لام' لیین القلب کا اور را' راکع کا۔

○ آیت نمبر۲ میں ارشاد ہوا ہے۔ "کیا لوگوں کیلئے یہ چیز جائے تعجب ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص (محمدؐ) کی طرف وحی فرمائی ہے۔ کہ (اے رسولؐ!) لوگوں کو آپ برے اعمال کے انجام سے آگاہ کریں اور جو لوگ ایمان لائیں۔ (یعنی جو اصلاحی اعمال بجا لائیں) انہیں خوشخبری دے دیجئے گا کہ وہ راستی پر مبنی جو اعمال بھی بجا لائیں' وہ ان کے رب کے پاس محفوظ ہیں۔ مگر انکار کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ (مدعی نبوت) مگر صریحاً" جھوٹا ہے۔ یعنی نبی اکرمؐ کے مخالفوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کے پیغام ربوبیت عامہ کو تسلیم نہیں کیا گیا تھا بلکہ انہوں نے نبی اکرمؐ کی کھلی تکذیب بھی کی تھی۔

○ واضح رہے کہ قرآن کریم کا اولین درس ہی ربوبیت عالمینی ہے۔ **الحمدللہ رب العلمین**○ ۱/۱ یعنی تمام اچھی تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں **جو رب ہے تمام جہانوں کا** اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نظام ربوبیت کو اپنے انبیاء سلام علیہم کے ذریعہ نوع انسانی کو پہنچایا بھی تھا اور انہی کے ذریعہ عوام میں قائم بھی کرایا تھا۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے عوام کو نہ صرف یہ کہ ربوبیت عامہ کا درس دیا بلکہ اسے عملاً" بروئے کار لاکر بھی دکھا دیا۔ آیت نمبر۲ میں جو بتایا گیا ہے۔ کہ منکرین قرآن نے نبی اکرمؐ کو جھٹلایا اور صریحاً" جھوٹا قرار دیا' اس کی وجہ آپؐ کا درس ربوبیت عامہ ہی تھی' جو استحصالی معاشرہ کے ارباب اقتدار کیلئے کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہوتا۔ وہ لوگ غریب عوام کو بھوکا اور کمزور رکھ کر ہر حال میں اپنا استحصالی نظام برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ نوع انسانی کا استحصال برا عمل ہے' ظلم ہے۔ اس لئے اس کی سزا سے بچنے کیلئے ان لوگوں نے شفاعت کا عقیدہ تراشا' اور بہت سے شفیع بنا رکھے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں اللہ

ب العزت نے مذکورہ لوگوں سمیت پوری نوع انسانی کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و خوض کی دعوت دی ہے کہ دیکھو! اس طرح ہر چہار طرف اللہ تعالیٰ کا نظام ربوبیت جاری و ساری ہے۔ اور ساتھ ہی شفاعت کی بھی نفی کر دی گئی ہے۔ جو عدل و انصاف کی ضد ہے کیونکہ یہ امر صد فیصد مسلم ہے کہ جہاں انصاف ہوگا وہاں شفاعت و سفارش نہیں ہوگی اور جہاں شفاعت و سفارش ہوگی وہاں انصاف ناپید ہوگا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ عادل و منصف ہے اس لئے اس کے ہاں شفاعت و سفارش کا تصور تک پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ○ ۱۰:۳

(اے لوگو!) بلاتمیز تم سب کا رب وہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقفوں میں پیدا کیا۔ پھر وہ پورا پورا تسلط رکھتا ہے اپنی حکومت پر وہ اپنے قانون کی تدبیر کرتا ہے نہیں ہے کوئی بھی (اس کی عدالت میں اس کے حضور کسی کی بھی) شفاعت کرنے والا، سوائے اس کے قانون شفاعت کے مذکورہ بالا صفات والا ہے۔ تمہارا رب۔ پس تم اسی کی فرمانبرداری کرو۔ کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

○ **ربکم** میں **کم** ضمیر جمع کا مرجع استحصال کے جانوالوں سمیت پوری نوع انسانی ہے۔ چنانچہ **ربکم** کے الفاظ سے دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری نوع انسانی کا **رب** ہے، صرف جاگیرداروں، زمینداروں اور سرمایہ داروں ہی کا رب نہیں بلکہ کائنات میں اس کے بچھائے ہوئے وسیع دسترخوان میں پوری نوع انسانی کو مساوی اور متوازن حق ربوبیت حاصل ہے کہ سب لوگ کام کریں اور اپنی اپنی ضروریات زندگی سے پوری طرح بہرہ یاب ہوتے رہیں۔ یہاں **ربکم** کے الفاظ آئے ہیں اور قرآن مجید کے اولین درس ۱/۱ میں رب العلمین آیا ہے۔ تمام جہانوں کا رب۔ نوع انسانی کے حق ربوبیت کا اعلان عام رب العزت نے ۲/۳۶ اور ۷/۲۴ میں بالفاظ ذیل کر رکھا ہے۔

○ **ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین**○ = اے نوع انسانی! تم سب کے سب کیلئے زمین میں حق استقرار بھی مسلم ہے اور مرتے دم تک ضروریات زندگی کے ملتے رہنے کا حق بھی دائم ہے۔ دیکھئے! یہاں بھی **ولکم** کے الفاظ میں **کم** ضمیر جمع آئی ہے جس کا مرجع پوری نوع انسانی ہے۔ اور اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ نوع انسانی کے ایک ایک فرد کو زمین میں مکان بھی بلا کرایہ میسر آنا چاہئے اور ضروریات زندگی بھی مرتے دم کیلئے **(الی حین)** مسلسل اور بدستور ملتی رہنی چاہئیں۔

○ واضح رہے کہ انبیاء سلام علیہم ایسے ہی مساوی اور متوازن نظام ربوبیت قائم کرنے کیلئے مبعوث کئے جاتے رہے تھے۔ افسوس ہے کہ قرآن مجید پر روایات کے پردے ڈال کر مذکورہ بالا نظام ربوبیت اہل اسلام کے تصور تک سے خارج کر دیا گیا ہے۔

سِتَّةِ أَيَّامٍ کی وضاحت :- ○ **ستۃ" ایام** کا معنی روایتی تفاسیر میں یہ لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا گیا تھا۔ جو غلط ہے۔ کیونکہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے جب دن رات ابھی عالم وجود میں آئے ہی نہیں تھے تو اس دور کیلئے چھ دن معنی کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس لئے **ستۃ" ایام** کا معنی لکھا گیا ہے۔ چھ وقفے جو الگ الگ چھ حالتوں پر مشتمل تھے۔ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ ابتداء میں زمین و آسمان سب ملے جلے

تھے۔ دونوں کا ایک ہی ہیولیٰ تھا۔ **ان السموت والارض کانتارتقا** "۲۱/۳۰۔ یہ تخلیق کائنات کا ایک یوم' ایک وقفہ' ایک حالت تھی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا ہے **ففتقنھما** ۲۱/۳۰ پھر ہم نے ان دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ یہ دوسرا یوم' دوسرا وقفہ' دوسری حالت تھی۔

○ سورہ حمٰ سجدہ میں آیا ہے کہ زمین کو دو یوم' دو مراحل' دو وقفوں میں بنایا۔ پہلا یوم' پہلا وقفہ وہ تھا جب زمین مشترکہ ہیولیٰ سے الگ ہو کر ابھی آگ کا انگارا تھی۔ اور دوسرا یوم دوسرا وقفہ وہ' جس میں اسے موجودہ شکل میں لایا گیا۔ اس وقفہ میں اس کے اندر ہزارہا خزانے محفوظ کر دیئے گئے اور اس کے جملہ عناصر میں الگ الگ خواص بھر دیئے گئے چنانچہ تخلیق زمین سے متعلقہ ان دو یوم کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

○ **قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ** ۴۱/۹= اے رسول! کہہ دیجئے گا کہ کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو یوم' دو وقفوں' دو مراحل دو حالتوں میں پیدا کیا۔ اس کے بعد آیا ہے۔

○ **ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ** ۴۱/۱۱= پھر اس نے آسمان پر اپنے قانون تخلیق کا اس وقت نفاذ فرمایا جبکہ وہ دھواں ہی دھواں تھا۔ **فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا** " ۴۱/۱۱ پھر اس نے اپنے قانون کی زبان سے آسمان اور زمین دونوں کو کہا کہ تم آجاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ دونوں نے بزبان حال جواب دیا۔ **قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ**○ ۴۱/۱۱ دونوں نے کہا کہ ہم آگئے ہیں' تیار ہوگئے ہیں فرمانبردار ہو کر۔

○ آپ دیکھ چکے ہیں کہ ذات باری نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب زمین و آسمان کو بنایا گیا تو ابتداء میں دونوں کا ایک ہی ہیولیٰ تھا۔ پھر انہیں الگ الگ کر دیا گیا۔ ۲۱/۳۰= دو یوم' دو وقفے تو یہ ہوئے۔ نیز آپ دیکھ چکے ہیں کہ ارشاد باری ہے کہ ہم نے زمین کو دو یوم' دو وقفوں میں پیدا کیا۔ یہ ہوگئے چار۔ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جب وہ ابھی دھواں ہی دھواں تھا۔ ۴۱/۱۱ تو اسے موجودہ حالت میں لایا گیا۔ یہ ہوئے آسمان کو درست کرنے کے دو یوم' دو وقفے' جن کی خبر آیت ذیل میں دی گئی ہے۔

○ **فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا** ۴۱/۱۲= پھر اللہ نے بیشمار آسمانی کرہ جات بنا دیئے اور ہر سماوی کرہ کو اس سے متعلقہ خواص تفویض کر دیئے۔ پس قرآن کریم کی روشنی میں یہ ہیں چھ یوم' چھ وقفے جن میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور انہیں موجودہ حالت میں لایا گیا۔ خلاصہ مبحث آگے آرہا ہے۔

○ ہم نے سبع کا معنی لکھا ہے بیشمار عربی زبان میں سبع اور سبعین یعنی سات اور ستر کے الفاظ مبالغہ کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ سماوی کرہ جات بھی ان گنت ہیں اور ان کی الگ الگ فضائیں (یعنی ان کے آسمان) بھی ان گنت ہیں مشاہدات اور شہادت نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ جہاں تک کسی کرہ کی کشش ثقل کام کرتی ہے وہاں تک اس کی فضائی حد ہے۔ اس کے بعد ایک خلا ہے اور خلا کے بعد پھر دوسرے کرہ سماوی کی فضا' کشش ثقل کی حد شروع ہوتی ہے۔ تو اس طرح ان گنت اجرام فلکی (سیارگان) کی ان گنت فضائیں یعنی ان گنت سماء ہیں' جنہیں ذات باری نے **سبع سموت** کے الفاظ میں بصیغہ مبالغہ بیان فرمایا ہے۔

○ سبعین یعنی ستر کا لفظ بھی قرآن مجید میں مبالغہ کیلئے آیا ہے۔ جیسے کہ سورہ توبہ میں نبی اکرم کو منافقوں کے متعلق

ارشاد ہوا ہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلاَ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ ۹/۸۰= اے رسولؐ! آپ منافقوں کیلئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اگر آپؐ ان کے لئے ستر بار (یعنی ان گنت مرتبہ) بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز مغفرت نہیں فرمائے گا۔ دیکھئے! یہاں یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ اگر آپؐ ستر سے زائد اکہتر بار طلب مغفرت فرمائینگے تو اللہ تعالیٰ معاف کردیگا۔ بلکہ مغفرت کی کلی نفی کر دی گئی ہے کہ اگر آپ ان گنت مرتبہ بھی ایسا کریں گے تو منافقوں کیلئے ہرگز مغفرت نہیں فرمائی جائیگی۔

خلاصہ مبحث :۔ ○ اوپر **ستۃ** ایام کی قرآنی تشریح پیش کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔
سب سے پہلے یہ امر ذہن نشین فرمالیجئے کہ تخلیق کائنات کے مرکزی مراحل دو ہیں۔

۱۔ تخلیق بالارادہ۔ اور ۲۔ تخلیق بالمادہ

○ تخلیق بالارادہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ○ ۱۶/۴۰= سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لئے بزبان حال کہتے ہیں ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ پس اس طرح جب مادہ کا وجود موجود نہیں تھا تو مادہ کو ذات باری نے بالارادہ پیدا فرمایا۔ یعنی ارادہ کیا اور وہ عالم وجود میں آگیا۔ مگر مادہ کے عالم وجود میں آنے کے بعد پھر تخلیق بالمادہ کا دائمی قانون نافذ کر دیا گیا۔ یعنی مادہ کی تخلیق تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے آن واحد میں ہوگئی۔ لیکن آسمانوں اور زمین کی تخلیق چھ یوم یعنی چھ وقفوں میں ہوئی' جس پر ہزارہا برس کا وقت صرف ہوا۔ یوں بھی ارشاد باری ہے کہ اس کے ہاں ایک یوم کی مقدار کہیں ایک ہزار سال اور کہیں پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

○ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ○ ۲۲/۴۷ بلاشبہ تیرے رب کے ہاں ایک یوم کی مقدار وہ ہزار سال ہے جو تم شمار کرتے ہو۔

○ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ○ ۷۰/۴= (اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ) کائناتی قوتیں اور (اس کے نازل کردہ تنزلی قوانین) اس کی وحی اس کی طرف عروج کرتے ہیں ایک یوم' ایک وقفہ میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ تو اس طرح تخلیق بالارادہ اور تخلیق بالمادہ کے قرآنی تصور کو ذہن نشین کرنے کے بعد **ستتہ" ایام** کی اوپر دی گئی تفسیری آیات مجیدہ کے مطابق چھ ایام 'چھ وقفوں' چھ حالتوں کی قرآنی تفسیر یہ ہے۔

○ دو یوم' دو حالتوں میں پہلی وہ ہے جب آسمانوں اور زمین کا ہیولیٰ واحد تھا۔ اور دوسری یہ کہ جب انہیں جدا جدا کر دیا گیا۔ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۲۱/۳۰ بلاشبہ تمام آسمان اور زمین کا ایک ہی ہیولیٰ تھا پھر ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا۔

○ دو یوم وہ ہیں جن میں پہلا یہ کہ زمین آگ کی طرح گرم تھی اور دوسرا یہ کہ اسے موجودہ صورت میں لایا گیا۔ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ ۴۱/۹= اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو یوم دو وقفوں میں پیدا کیا۔ اور

○ دو یوم وہ ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے جب آسمان دھواں ہی دھواں تھا۔ اور دوسرا یہ جس میں اسے ان گنت کرہ جات اور ان کی الگ الگ ان گنت فضاؤں اور خلاؤں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ ہوگئے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے پورے چھ ایام' چھ

وقفے' چھ حالتیں یا چھ مرحلے خود قرآن کریم کی رو سے

رجوع الی المطلب :۔ ○ **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** کا روایتی مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھ دنوں میں زمین و آسمان کو بنانے کے بعد پھر اپنے تخت پر بیٹھ گیا اور اللہ کے عرش (تخت) کی کیفیت مترجم مشکوۃ شریف مطبوعہ مطبع قرآن و سنت امرتسر کے ربع چہارم کے صفحہ ۲۲۲ پر یہ درج ہے کہ وہ اونٹ کے کوہان کی شکل کا ہے اور وہ اپنے سوار کے بوجھ سے آواز کرتا ہے چرچراتا ہے۔ روایت کے الفاظ معہ اردو ترجمہ مطبوعہ یہ ہیں۔ "**و انه لیاط به اطیط الرحل بالراکب=** اور تحقیق وہ آواز کرتا ہے آواز کرنے پالا اونٹ کے بسبب سوار کے۔ یعنی وہ تخت اپنے سوار یعنی اللہ تعالیٰ کے بوجھ کی وجہ سے آواز کرتا ہے۔ چرچراتا ہے۔ العیاذ باللہ!

○ محولہ بالا مشکوۃ شریف ہمارے سامنے کھلی پڑی ہے۔ جس کا مندرج تصور شان باری کے صد فیصد خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ مقدس ذات ہے کہ نہ اس کا کوئی جسم ہے اور نہ ہی وہ کسی تخت پر بیٹھنے کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کیا ہے؟ اس کا جواب بارگاہ قرآنیہ سے یہ ملتا ہے۔ **لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ** ۶/۱۰۳= اسے نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ ایسی ذات مقدس کیلئے اس کا وجود بتانا اور اس کے لئے بیٹھنے کے تخت کا تصور پیش کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ واضح رہے کہ یہاں عرش کا معنی تخت نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے اور استویٰ کا معنی ہے اپنی حکومت پر پوری طرح مسلط ہونا۔ یعنی پوری کائنات کا اس کے مقرر کردہ طبعی توانین کی زنجیروں میں ہر آن جکڑا ہوا ہونا۔ واضح رہے کہ استویٰ کا ایک معنی نفاذ قانون بھی ہے جیسے کہ **ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ** کا معنی یہ ہے کہ۔ اس نے آسمان پر اس وقت اپنے مقررہ توانین کا نفاذ فرمایا جب وہ دھواں ہی دھواں تھا۔ نفاذ توانین مکمل تسلط ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔

○ **يُدَبِّرُ الْاَمْرَ** کا معنی لکھا گیا ہے کہ وہ اپنے قانون کی تدبیریں کرتا ہے۔ امر بمعنی قانون ۱۴/۳۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

○ **وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ** ۱۴/۳۲= اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشتیوں (جہازوں) کو مسخر کر دیا ہے۔ تاکہ وہ سمندر میں اللہ کے امر (اس کے قانون) کے مطابق چلا کریں۔ دیکھئے اس آئت مجیدہ میں امر کا معنی کھل کر بیان کر دیا ہے قانون۔ کیونکہ سمندر میں کشتیاں اور جہاز اللہ کے قانون کے مطابق چلتے ہیں' جہاں ذرا بھی قانون الٰہی (اس کے امر) کی مخالفت ہوتی ہے۔ وہیں جہاز غرق ہو جاتا ہے۔

○ **مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ** کا معنی لکھا ہے۔ نہیں ہے کوئی بھی (اس کی عدالت میں اس کے حضور کسی کی) شفاعت کرنے والا سوائے اس کے قانون کے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے توانین میں شفاعت کا قانون ہے؟۔ اس کی تو ذرا آگے چل کر وضاحت کی جائے گی۔ پہلے اذن بمعنی قانون کی قرآنی شہادت پیش کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ کتب روایات نے یہاں اذن بمعنی اجازت لیکر یہ تصور پیدا کر رکھا ہے کہ امت محمدیہ کے تمام گناہ اس طرح معاف کر دیئے جائینگے کہ نبی اکرم کو قیامت کے دن شفاعت کی اجازت دیجائیگی۔ پھر کیا ہوگا؟ پھر یہ ہوگا اس امت کے جتنے گنہگار دوزخ میں پھینکے جاچکے ہونگے' ان میں سے پہلے تو وہ نکال لئے جائینگے جن میں جو بھر ایمان تھا۔ اور اس کے بعد رائی بھر ایمان والے بھی نکال لئے جائینگے اور اخیر پر وہ بھی نکال لئے جائیں گے جن میں رائی بھر ایمان بھی نہیں تھا۔ گویا کہ وہ جو پورے پورے بے ایمان

ہونگے ان کی بھی شفاعت ہو جائیگی۔ افسوس ہے کہ اس قسم کی وضعی روایات نے امت کو گناہوں پر بری طرح دلیر کر رکھا ہے۔

○ اذن بمعنی قانون کیلئے دیکھئے آیات ذیل۔ **فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ‌ؕ...... وَالۡبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخۡرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ‌ۚ وَالَّذِىۡ خَبُثَ لَا يَخۡرُجُ اِلَّا نَكِدًا** ۵۷-۵۸/۷ ان آیات مجیدہ میں **باذن ربہ** کے خط کشیدہ الفاظ آئے ہیں۔ ان میں اذن بمعنی قانون کے سوا کوئی اور معنی لگ ہی نہیں سکتا۔

(ترجمہ) پھر ہم اس (بادل) کے ذریعہ پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اس پانی کیساتھ (زمین سے) ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں ...... اور حقیقت یہ ہے کہ جو (طیب) صحتمند زمین ہے اس کی پیداوار اس کے رب کے (اذن) قانون کے مطابق (بہت زیادہ) نکلتی ہے اور جو (خبیث) ناقص زمین ہے اس کی پیداوار نہیں نکلتی مگر ناقص (اور بہت کم) نکلتی ہے۔ دیکھئے! اس (اذن الہی) یعنی قانون ربانی پر پوری دنیا گواہ ہے کہ صحتمند زمین سے عمدہ اور زیادہ فصل پیدا ہوتی ہے اور ناقص زمین سے ناقص اور کم فصل پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا غیر متبدل اور دائمی قانون ہے جو پورے کے پورے کرہ ارض پر روز آفرینش سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہیگا۔ پس ۵۷-۵۸/۷ سے کھل کر ثابت ہوا کہ قرآنی لغت کے مطابق اذن بمعنی قانون بھی ہے۔

شفاعت کی کلی نفی :۔ ○ مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ یہاں ۱۰/۳ میں **اِلَّا بِاِذۡنِهٖ** کے الفاظ میں اذن بمعنی قانون ہے اجازت نہیں واضح رہے کہ ذات باری نے شفاعت کی کلی نفی کر رکھی ہے۔ **وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـئًا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ** ۲/۴۸= اور ڈرو اس دن سے جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے ذرا بھی کام نہیں آئیگا اور نہ کسی مجرم کیلئے شفاعت قبول کی جائیگی۔ اور نہ اس سے رشوت لی جائیگی اور نہ ہی (مجرم کسی بھی طرح کی کوئی بھی) مدد دیئے جائیں گے۔

○ دیکھئے! مجرم کو سزا سے بچانے کے جتنے بھی طریقے دنیوی عدالتوں میں رائج ہیں، سب کی نفی کر دی گئی ہے۔

○ پہلے نمبر پر مجرم کو کوئی بڑا آدمی تھانے ہی سے چھڑا کر لے آتا ہے۔ اس کی نفی **لَا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ** میں موجود ہے۔

○ دوسرے نمبر پر جب مقدمہ عدالت میں چلا جاتا ہے تو جج سے سفارش کرکے مجرم کو سزا سے بچا لیتے ہیں۔ اس کی نفی **وَلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ** سے ثابت ہے۔

○ تیسرے نمبر پر جج کو رشوت دیکر مجرم بری ہو جاتے ہیں۔ اس کی نفی **وَلَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ** میں کر دی گئی ہے۔

○ اس کے علاوہ دنیوی عدالتوں میں وکیلوں کی موشگافیاں بھی قانون کا خون کرکے مجرم کو سزا سے بچالیتی ہیں۔ نیز اور بھی کئی طریقے ہیں۔ مثلاً اصل گواہوں کو بٹھا لیا جاتا ہے اور جھوٹے گواہ کھڑے کرلئے جاتے ہیں۔ گاؤں کے چوہدری خود قتل کرکے کسی ملازم سے اقبال جرم کرا کر خود بچ جاتے ہیں اسے کہتے ہیں کہ ہم تجھے چھڑا لینگے۔ مجرم کو سزا سے بچانے کے ان تمام طریقوں کی مکمل نفی کا اعلان عام **وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ** کے الفاظ میں کر دیا گیا ہے۔

ایک لمحہ فکریہ :۔ ○ اب غور فرمائیں مندرجہ بالا آیت مجیدہ ۲/۴۸ ایک محکم آیت ہے جس میں کوئی ابہام بھی موجود

نہیں اور اس کا کھلا اور واضح مفہوم عدل و انصاف کے بھی عین مطابق ہے۔ تو جب اس محکم آیت میں مجرموں کے سزا سے بچ جانے کے تمام تر مروجہ طریقوں کی پوری پوری نفی کر دی گئی ہے تو پھر کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ قیامت کو اللہ امت محمدیہ کے مجرموں کی شفاعت کی اجازت اس ذات اقدس محمد رسول اللہ کو دیگا' جن کے ذاتی عدل و انصاف کا مشہور واقعہ خود کتب روایات میں درج ہے' جو عین قرآن مجید کے مطابق ہے اور جسے علماء روایات خود بر سر منبر بیان کرتے چلے آرہے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ممتاز قبیلے کی فاطمہ نامی لڑکی چوری کے الزام میں نبی اکرمؐ کی عدالت میں پیش ہوئی۔ تو آپ نے اس پر چوری کی قرآنی حد لگا دی۔ لیکن قبیلہ کے بڑے بڑے لوگ سفارش لے کر آئے کہ یہ ہمارے خاندانی وقار کا مسئلہ ہے اس لئے فاطمہ کو بری کر دیجئے گا۔ لیکن نبی اکرمؐ نے جواباً" ارشاد فرمایا کہ چوری تو اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی کریگی تو میری عدالت سے اس پر بھی قرآنی حد نافذ کر دیجائیگی۔ جرم کی سزا سے تو وہ بھی نہیں بچ سکے گی۔

○ تو اب غور طلب یہ امر ہے کہ جو ذات مقدس دنیا میں فاطمہؓ بنت محمدؐ کو بھی چوری کی سزا معاف کرنے کیلئے تیار نہیں تھی۔ وہی ذات پاک قیامت کو ان بے ایمانوں کی شفاعت فرمائیگی جن میں بقول روایات رائی بھر ایمان بھی موجود نہیں ہوگا۔

شفاعت کے متعلق ایک اہم فیصلہ :۔ ○ اسی سورۂ یونس میں آگے چل کر شفاعت کو شرک قرار دیا گیا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے۔ **وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ○**

۱۰/۱۸= اور وہ اللہ کیساتھ ساتھ ان لوگوں کی فرمانبرداری بھی کرتے ہیں جو نہ انہیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں نفع دے سکتے ہیں۔ اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفاعتی ہیں۔ یہ ہماری شفاعت کرکے ہمیں گناہوں کی سزا سے بچالینگے۔ اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ کیا تم (اللہ کے ہاں شفاعتی مقرر کرکے) اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کی خبر دو گے جنہیں وہ (گویا کہ) آسمانوں اور زمین میں جانتا ہی نہیں۔ وہ اللہ ایسے مشرکانہ تصور سے پاک ہے جو یہ لوگ (اس کے ہاں شفیع ٹھہرا کر) شرک کرتے ہیں۔

○ اس آیت مجیدہ میں شفاعت کے یہ معنے بھی اجاگر کر دیئے گئے ہیں جو دنیوی حاکموں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اس شخص کو پولیس والوں نے محض شبہ کی بناء پر گرفتار کرلیا ہے۔ یہ بچارہ تو بے گناہ ہے لہذا اسے بری کر دیا جائے۔ واضح رہے کہ لفظ شفاعت کا سہ حرفی مادہ ہے۔ ش۔ ف۔ ع=۔ شَفع۔ جس کا بنیادی معنی ہے جوڑا ہونا' کسی کیساتھ مساوی کھڑا ہونا۔ ۲ /۸۹ میں لفظ شَفع' وتر کی ضد بیان ہوا ہے۔ **وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ**= اور شہادت ہے جفت کی اور طاق کی۔ حق شُفعہ بھی اسی مادہ سے ہے۔ ہمسایہ کو یہ حق اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہمسائے کیساتھ مساوی کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظریہ شفاعت کو اسلئے شرک قرار دیا ہے کہ اس سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شفیع اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن معاذاللہ استغفراللہ! وہ خبریں بتائے گا جن کا اسے علم نہ ہوگا۔ **قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ** ۱۰/۱۸

○ اسکے برعکس شفاعت کے جو معنے کتب روایات نے لئے ہیں کہ باری تعالیٰ! میری امت کے فلاں فلاں افراد ہیں تو مجرم' لیکن تو اپنے قانون مکافات عمل پر خط تنسیخ کھینچ کر انہیں سزا سے بچالے' وہ کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں

ہوسکتے' جس سے اللہ تعالیٰ غیر عادل اور غیر منصف ثابت ہوتا ہے۔ اور پھر باقی انبیاء کی امتوں کو تو یہ رعایت دی نہ جائے اور امت محمدیہ کو مکمل جانبدارانہ انداز سے عطا کی جائے۔ چونکہ اس غیر قرآنی نظریہ کے مطابق نہ ناموس باری محفوظ رہتی ہے نہ ناموس رسول' اس لئے یہ نظریہ صد فیصد غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بھی شفیع ہوسکتا ہے۔ سورہ زمر میں بالفاظ ذیل نظریہ شفاعت کی جڑ ہی کاٹ دی گئی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ○ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○ ۴۳۔ ۴۴ =۳۹/۴۴ کیا لوگوں نے اللہ کیساتھ کوئی اور شفیع مقرر کرلئے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں۔ اور نہ ہی وہ عقل سے کام لیتے ہوں (کہ اللہ کے ہاں تو کوئی شفیع ہو ہی نہیں سکتا)۔ آپ اعلان فرما دیجئے گا کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اور صرف اللہ کیلئے ہے۔ آسمانوں اور زمین کی حکومت صرف اسی کی ہے پھر یہ (شفیع ٹھہرانے والے اور شفیع ٹھہرائے گئے) سب لوگ (اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کیلئے) اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

○ دیکھئے! ان آیات مجیدہ میں شفاعت کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کیلئے بتایا گیا ہے کیونکہ شفاعت کے قرآنی معنوں کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر کسی کے مخفی اعمال تک کی خبر رکھتا ہے اسے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہی نہیں جو قیامت کو اسے یہ بتائے کہ یہ شخص یونہی پکڑ لیا گیا ہے یہ تو بے گناہ ہے۔ قرآن مجید میں جہاں شفاعت کا ذکر آیا ہے۔ **الا باذنہ** کے الفاظ میں اس کی نفی کر دی گئی ہے کیونکہ اس کے ہاں شفاعت کا قانون ہے ہی نہیں اور ساتھ ہی اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو مجرموں کے آگے پیچھے کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اسے شفیع کی کیا ضرورت ہے؟ ۲/۲۵۵ میں ارشاد ہوا ہے۔

○ **مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** =۲/۲۵۵ کون ہے جو اس کے حضور (مجرموں کی) شفاعت کرسکے سوائے اس کے قانون کے (اور شفاعت کا قانون ہے کوئی نہیں ۳۹/۴۴ کیونکہ) وہ خود جانتا ہے جو کچھ (مجرموں کے) آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے (اس کے لئے کسی شفاعتی کی ضرورت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) اسی طرح سورہ انبیاء میں آیا ہے۔

○ **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ** ۲۱/۲۸= وہ اللہ اسے بھی جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے۔ (یعنی جو انہوں نے آگے بھیجا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو ان کے پیچھے ہے (یعنی جو انہوں نے پیچھے چھوڑا ہے۔ اسے شفیع کی ضرورت ہی نہیں)۔ اور وہ (مزعومہ شفاعتی) شفاعت نہیں کریں گے۔ سوائے اس کے جس کیلئے وہ راضی ہو' اور حقیقت یہ ہے کہ (وہ لوگ شفاعت کیا کریں گے) وہ تو اس دن اس کے خوف سے خود کانپتے ہونگے۔ اسی طرح سورہ طٰہٰ میں آیا ہے۔

○ **يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا○ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا○** ۲۰/۱۱۰= قیامت کے دن شفاعت نفع نہ دیگی سوائے اس کے کہ جس کیلئے رحمٰن کا قانون ہو۔ اور وہ اس سے (شفاعت کی) بات کیلئے راضی ہو۔ (ایسا کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ) وہ اللہ اسے بھی جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے آگے ہے (یعنی جو انہوں نے آگے بھیجا) اور وہ اسے بھی جانتا ہے جو کچھ ان کے پیچھے ہے (یعنی جو کچھ انہوں

نے پیچھے چھوڑا) اور وہ ٹھہرائے گئے شفاعتی اللہ کے علم پر محیط نہیں ہیں۔
○ دیکھئے یہاں تک وہ تمام آیتیں پیش کر دی گئی ہیں جن میں شفاعت کا ذکر ہے۔ ہر مقام پر شفاعت کی نفی کر دی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک متنفس کے آگے پیچھے کو خود جانتا ہے۔ اسے حقیقت حال بتانے والے کی ضرورت نہیں۔

الا باذنه :۔ ○ آیت مجیدہ زیر بحث ۱۰/۳ اور ۲/۲۵۵ میں شفاعت کو **الا من بعد اذنه** اور **الا باذنه** کے الفاظ میں اذن الٰہی کیساتھ مشروط کر رکھا ہے۔ واضح رہے کہ یہ نفی تام کا ایک مخصوص قرآنی اسلوب بیان ہے۔ کیونکہ شفاعت کا اذن قانون قرآن بھر میں موجود نہیں بلکہ ۳۹/۴۴ میں جار مجرور کے مخصوص حصر کیساتھ شفاعت کو خالصاً" اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص کرکے غیر اللہ کی شفاعت کی مکمل نفی کر دی گئی ہے۔
○ **قل للّٰه الشفاعة" جميعا"**○ ۳۹/۴۴ کہہ دو کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ یہ اعلان نبی اکرمؐ کی زبان مبارک سے کرا دیا ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اے نوع انسان تم سب کو اعمال کی جوابدہی کے لئے اسی کی طرف رجوع کرنا ہے:۔

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ
لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ ۱۰/۴

(اے نوع انسانی! اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے) تم سب کے لئے اسی کی طرف لوٹ کر جانے کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ (قیامت) سچا ہے۔ بے شک وہی ہے جس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا پھر وہ (تمہارا) اعادہ کریگا۔ اس لئے (دوبارہ پیدا کریگا)۔ تاکہ وہ ان لوگوں کو انصاف کیساتھ بدلہ عطا فرمائے جو ایمان لائے اور صلاحیت بخش کام کئے۔ اور جن لوگوں نے ضابطہ الٰہی کا انکار کیا انکے پینے کے لئے گرم پانی اور درد ناک عذاب ہے انکے اس کفر کے بدلے جو وہ کرتے رہے تھے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اللّٰہ مرجعکم کا لفظی معنی ہے۔ اس الیہ ہی کی طرف ہے تمہارے لوٹ کر جانے کی جگہ۔ ان الفاظ سے وحدت الوجودی حضرات یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ ہی کا حصہ ہے۔ اسی میں سے نکل کر آیا ہے اور اسی میں لوٹ کر چلا جاتا ہے۔ ان حضرات کو یہ غلطی اسلئے لگی ہے کہ لفظ مرجع کا سہ حرفی مادہ ہے ر۔ج۔ع = رجع۔ جس کا مصدری معنی یہ ہے کہ جہاں سے آئے ہوں اسی جگہ پر واپس چلے جائیں۔ لیکن اہل زبان کے ہاں اس مادہ کے ذیل کے معنے

بھی مستعمل ہیں' جن پر خود قرآن کریم شاہد ہے:۔

نادم ہونا

سورہ انبیاء میں ابرہیمؑ سلامؑ علیہ کے ذکر جمیل میں مذکور ہے کہ جب آپنے بت پرست قوم کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا مگر سب سے بڑے بت کو سلامت رکھا۔ اس پر بت پرست بہت سٹ پٹائے اور ابراہیمؑ سے پوچھا کہ کیا تو نے ہمارے بتوں کیساتھ یہ عمل کیا ہے۔ تو اپنے فرمایا کہ اگر یہ بولتے ہیں تو خود انہی سے پوچھ لو کہ یہ توڑ پھوڑ کس نے کی ہے:۔ فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ (21/63) اس پر وہ سب نادم ہو کر رہ گئے:۔

فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ (21/64) پس وہ اپنے آپ میں نادم ہوکر رہ گئے اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ تم خود ہی بے ٹھکانہ کام کرنیوالے ہو۔ جو اپنے ہی ہاتھ کے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے ماتھا ٹیکتے چلے آرہے ہو۔ دیکھئے! یہاں فرجعوا الی انفسھم میں مادہ رجع آیا ہے۔ مگر یہاں یہ معنٰی ہرگز نہیں کہ وہ جہاں سے آئے تھے وہیں لوٹ کر چلے گئے۔ بلکہ اسکا معنٰی ہے کہ وہ اپنے آپ میں شرمسار ہو گئے اور آپس ہی میں ایک دوسرے کو کوسنے لگے۔

جواب دینا

اسی طرح سورہ نمل میں سلیمان سلامؑ علیہ کے ذکر جمیل میں آیا ہے کہ آپنے ملکہ سبا کو چٹھی لکھی اور اپنے نامہ بر ہدہد سے کہا:۔ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِىْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ (27/28) میری یہ چٹھی لے جا اور انکو دیدے۔ پھر تو ان سے اعراض کر جانا پھر دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ دیکھئے! یہاں ماذا یرجعون کے الفاظ میں مادہ رجع آیا ہے۔ مگر یہاں یہ معنٰی نہیں کہ پھر تو دیکھنا' وہ کہاں لوٹ کر چلے جاتے ہیں۔ بلکہ صاف مفہوم یہ ہے' پھر دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

قیامت کی عدالت عالیہ میں اس زندگی کے اچھے برے اعمال کی جوابدہی کے لئے حاضر ہونا

قرآن مجید میں مذکورہ مادہ رجع قیامت کی عدالت عالیہ میں اس زندگی کے اچھے برے اعمال کی جوابدہی کے لئے متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ جیسے کہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

(2/28)

لوگو! تم اللہ تعالٰی کی ہستی کا انکار کس طرح کر سکتے ہو۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ ایک وقت تھا کہ تم نیست تھے پھر اس نے تمہیں زندگی دی۔ پھر وہی تمہیں موت دیگا۔ پھر تم کو زندہ کریگا۔ پھر تم (اس زندگی کے اچھے برے اعمال کی جوابدہی کے لئے) اسی کی (عدالت میں) حاضر کئے جاؤ گے۔

رجعت الی اللہ کی اصطلاح برائے جوابدہی اعمال کا ثبوت سورہ حم سجدہ میں انتہائی وضاحت و صراحت کیساتھ مذکور ہے۔
جہاں انسان کے متعلق خبر دی گئی ہے۔ **لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ○ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى** (۴۱/۴۹)
(مفہوم) انسان کا جی خیر کے لئے دعا کرنے میں بھرتا نہیں۔ اور اگر اسے کوئی برائی پہنچے تو وہ ناامید اور ہراساں ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم اسے اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی ہو اپنے طرف سے رحمت کا مزہ چکھائیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ میرے لئے ہے (یہ مرا حق) اور میں گمان نہیں کرتا کہ (اللہ کے حضور میں اعمال کی جوابدہی کے لئے) قیامت قائم ہونوالی ہے اور اگر میں اپنے رب کی عدالت میں حاضر کیا بھی گیا تو (وہ غفور رحیم ہے) اس کے ہاں وہاں بھی میرے لئے بھلائی ہی بھلائی ہوگی۔
دیکھئے یہاں بھی **وَلَئِنْ رُّجِعْتُ** کے الفاظ میں مادہ رجع آیا ہے اور اس کا کھلا مفہوم صرف اور صرف اعمال کی جوابدہی کے لئے اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ جو وقتہ قیامت میں ہوگا۔ آیت مجیدہ میں **وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً** کے الفاظ میں **السَّاعَةَ** یعنی قیامت پوری طرح اظہرو بین ہے۔

المختصر! وحدت الوجودی اصحاب کا **اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ، اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ** اور **اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** کے الفاظ سے مسئلہ وحدت الوجود کی دلیل پکڑنا مطلقاً" غلط ہے کہ انسان اللہ میں سے بنایا گیا تھا اور اسی میں لوٹ کر چلا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ لوگ ہر اچھی بری چیز کو اللہ تعالیٰ ہی کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ یعنی ہر چیز اسی میں سے بنی ہوئی ہے اور اسی میں لوٹ جانیوالی ہے۔ مسئلہ وحدت الوجود کی اگر گہرائی میں جائیں اور اس کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو اس کے سوا ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لوگ پہلے تو اپنے بزرگوں کو اللہ بناتے ہیں اور پھر خود اللہ بن بیٹھتے ہیں۔ پہلے تو جاہل عوام سے اپنے بزرگوں کی قبروں کو سجدہ کرواتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو ماتھے ٹکواتے ہیں۔ حالانکہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے واحد الاصل ہونے کا نظریہ عالم مشاہدات میں قدم قدم پر مطلقاً" غلط اور فریب محض ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ۔
جو چیزیں باہم واحد الاصل ہوں ان کے خواص میں ہرگز ہرگز اختلاف موجود نہیں ہوتا۔ مثلاً" اگر سومن سونے میں سے ایک ماشہ سونا بھی الگ کر لیا جائے تو اصل کے لحاظ سے جو خاصیت سومن سونے کے اندر موجود ہے وہی خوبی من و عن ایک ماشہ سونے میں موجود ہوگی۔ پھر سونے کے خواہ زیورات بنائے جائیں یا برتن اس کا تاج بنایا جائے یا گھڑی کا چین چمک دمک کے لحاظ سے ہر مقام پر سونے کے خواص قائم و دائم رہیں گے۔ یہی حال اصل کے لحاظ سے لوہے، لکڑی، تانبے، پیتل وغیرہ سے بنی ہوئی چیزوں کا ہے کہ ہر مقام پر ہر چیز کے اصل کے خواص موجود اور نمایاں ہوتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ سونا، لوہا، تانبا، پیتل اور لکڑی وغیرہ میں سے بنائی ہوئی چیز کے خواص کبھی بھی اور کہیں بھی تبدیل ہوگئے ہوں۔
مگر مسئلہ وحدت الوجود، جو کائنات کی ہر چیز کو اللہ کا حصہ اور اللہ ہی میں سے بنی ہوئی بتا کر ہر چیز کو واحد الاصل قرار دیتا ہے۔ یہ چیز تو کائنات کی افضل ترین مخلوق انسان پر بھی صادق نہیں آتی۔ جیسے کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اصل کے لحاظ

سے واحد الاصل اشیاء کے خواص میں سرموفرق نہیں آتا۔ مگر انسان اور اللہ تعالیٰ کے خواص میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ مگر انسان کھانے پینے کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ بول و براز' اخراج ریح' تھوک۔ سینڈھ اور بلغم وغیرہ کے عوارضات سے صد فیصد مبّرا ہے مگر انسان ان جملہ عوارضات میں ہر لحظہ اور ہر ساعت مبتلا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ کیلئے موت کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

پس ان دلائل قاطعہ کے مطابق مسئلہ وحدت الوجود یکسر غلط' بے بنیاد محض اور خود تراشیدہ ہے۔ پھر مزیداری یہ ہے کہ اگر انسان اللہ الاصل ہے تو وہ بدکار' گنہگار' چور زانی' دروغ گو' دھوکہ باز اور ڈاکو کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ایک عجیب و غریب نظریہ ہے جو اہل اسلام میں راہ پا چکا ہے کہ اصل کے لحاظ سے جملہ کائنات اور ہر قسم کے انسان اللہ ہی ہیں۔ بالفاظ دیگر ظالم بھی اللہ ہے اور مظلوم بھی اللہ ہے۔ قاتل بھی اللہ ہے اور مقتول بھی اللہ ہے۔ اور اس طرح چور بھی اللہ ہے اور جسکی چوری کی جارہی ہو وہ بھی اللہ ہے۔ اور اسی طرح دھوکے باز بھی اللہ ہے اور جس کو دھوکا دیا جا رہا ہو وہ بھی اللہ ہے۔ العیاذ باللہ! وحدت الوجودی نظریہ وحدت الوجود کی اسطرح تعریف کرتے ہیں کہ کوزہ' کوزہ بنانیوالا کمہار اور کوزے کی مٹی سب اللہ ہیں:۔

ہم کوزہ وہم کوزہ گروہم گلِ کوزہ

اور اس مطلقاً" بے بنیاد اور خود تراشیدہ تصور کی دلیل قرآن کریم کے الفاظ الیہ مرجعکم الیہ ترجعون اور الیہ یرجعون وغیرہ سے پکڑتے ہیں۔ جو قیامت کی عدالت عالیہ میں اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے آئے ہیں۔جن کی مکمل بحث پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

والیہ مرجعکم کے مذکورہ بالا قرآنی نظریہ اعمال کی جوابدہی کے ملئے اللہ کے حضور میں حاضری کی تائید ذات باری نے آیت زیر بحث کے اگلے الفاظ میں کر دی ہے ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ پھر وہ اللہ نوع انسانی کا اعادہ (یعنی اسے دوبارہ زندہ) اس لئے کریگا تاکہ ایمان لانیوالوں اور صلاحیت بخش عمل بجالانیوالوں کو منصفانہ جزا دے اور انکار کرنے والوں بد کرداروں کو گرم پانی اور درد ناک عذاب کی منصفانہ سزا دے۔ پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی کی بجائے گرم پانی دیا جانا بھی ایک درد ناک عذاب ہے۔

آیت مجیدہ کے ان الفاظ سے کھل کر ثابت ہوا کہ الیہ مرجعکم کی غرض یہ ہے کہ ضابطہ الہٰی پر ایمان لانیوالے نیکو کاروں کو منصفانہ جزا دی جائے اور انکار کرنیوالے بد کرداروں کو منصفانہ سزا مل جائے جو قیامت کے دارالجزا میں اسوقت دیجائیگی جب مرے ہوئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کر لیا جائیگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نظریہ وحدت الوجود تراشاہی گیا ہے قیامت کی اخروی عدالت عالیہ میں اس زندگی کے اچھے برے اعمال کی جوابدہی سے بچنے کے لئے۔ کیونکہ جب یہ مان لیا جائے کہ انسان گنہگار اور نیکو کار سب کے سب اللہ ہی ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے آپکو کیونکر جہنم سپرد کرنے لگے گا؟

آیت مجیدہ کے آخیر میں انکار کرنیوالوں کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد آیا ہے بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ کہ انہیں گرم پانی

اور درد ناک عذاب کی سزا غیر منصفانہ طور پر نہیں دیجائیگی بلکہ یہ انکے خود کفر کرنیکا منصفانہ بدلہ ہو گا۔ اسی سورہ یونس میں آگے چل کر ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (10/44) بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ بھی ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں۔ یعنی وہ اپنی بد اعمالیوں کی بدولت خود ہی اپنے لئے' اپنے کئے ہوئے بُرے اعمال کی سزا کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔

اگلی آیت مجیدہ میں ذات باری کی صفات مخصوصہ کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ نوع انسانی ان پر غور و فکر کر کے راہ راست اختیار کر لے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ ۵/۱۰

(وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات) ہے جس نے سورج کی روشنی (کا منبع) بنایا اور چاند کو روشنی۔ (حاصل کرنیوالا ٹھہرایا) اور اسکی (29-30) منزلیں مقرر کر دیں۔ تاکہ تم سالوں کی گنتی اور انکے حساب کا علم حاصل کرو۔اور نہیں پیدا کیا اللہ نے مذکورہ (اجرام فلکی) کو مگر ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی آیتوں کو اس قوم کے لئے جو علم حاصل کرتے ہیں' کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً کے الفاظ سے ثابت وبیّن ہے کہ سورج کو ازخود روشن بنایا گیا ہے۔ اور وَالْقَمَرَ نُوْرًا کے الفاظ سے عیاں ہے کہ چاند' روشنی حاصل کرنے والا ہے۔ ازخود روشن نہیں۔ اس حقیقت پر مشاہدہ گواہ ہے کہ سورج کی روشنی گرم ہے اور چاند کی روشنی ٹھنڈی یعنی سورج روشنی اور گرمی کا ذخیرہ ہے بالفاظ دیگر سورج میں جلنے والے مادے موجود ہیں۔ جو ہر آن جلتے رہتے ہیں' جس سے ہر لحظہ گرمی اور روشنی پھوٹ رہی ہے لیکن چاند کی روشنی چونکہ ٹھنڈی ہے' اس سے ثابت وبیّن ہے کہ چاند از خود روشن نہیں بلکہ یہ اسی طرح روشن ہے جس طرح آئینے میں سے ایک بہت بڑے قمقمے کی روشنی منعکس ہو کر آئینے سے باہر بکھر رہی ہو۔

ضیاء اور نور دنوں کا معنی روشنی ہے۔ مگر قرآن کریم اور عالمی مشاہدہ کی شہادت کے مطابق ان میں فرق یہ ہے کہ ضیاء سے وہ روشنی مراد ہے جو مستعار نہ ہو بلکہ ذاتی ہے۔ اور نور سے مراد وہ روشنی ہے جو ذاتی نہ ہو بلکہ کسی روشنی کے ذخیرہ سے حاصل کی گئی ہو۔ واضح رہے کہ لفظ نور اسم ہے مگرچونکہ عربی ادب میں اسم معنی اسم فاعل بھی مستعمل ہے اس لئے آیت بالا کے الفاظ والقمر نورا کا معنی یہ ہے:۔اور چاند کو بنایا اللہ نے روشنی حاصل کرنیوالا۔ اسم معنی اسم فاعل کی مثال سورہ توبہ میں آئی ہے۔ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ (9/61) اور منکرین رسالت کہتے ہیں۔ کہ (یہ رسول) سننے والا ہے۔ سُنی سنائی باتوں کا حامل ہے۔ یہاں اُذُنٌ کا معنی اسم معنی اسم' یعنی کان نہیں۔ بلکہ اسم معنی اسم فاعل یعنی سننے والا ہے۔

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ چاند کی انتیس اور

تمیں منزلیں اسلئے مقرر کی گئی ہیں تاکہ نوع انسانی سالوں کی گنتی معلوم کرے اور انکا حساب رکھا کرے۔ مہینہ بھر میں چاند کی مختلف شکلیں نمودار ہوتی رہتی ہیں۔ پہلی قمری رات کو سرشام چاندی کی باریک تار کی صورت میں افق مغرب پر نمایاں ہوتا اور اسکے بعد متواتر چودہ تاریخ قمری تک بڑھتے بڑھتے مکمل گول دائرے کی شکل کو پہنچ جاتا ہے۔ مگر اسکے بعد گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ تا آنکہ پھر چاندی کی باریک تار کی شکل میں سرشام افق مغرب پر نمایاں ہو کر اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ آج نئے قمری مہینے کی پہلی تاریخ ہے۔

اس طرح قمری مہینوں کا لامتناہی سلسلہ از ابتداء آفرینش آجتک جاری ہے اور تاقیامت جاری رہیگا۔ اس سے آگے ہے سالوں کے شمار اور اسکے حساب کا سوال رب عالم نے سورج اور زمین کا باہمی تعلق اس انداز کیساتھ متعین فرما رکھا ہے۔ کہ زمین کے مختلف حصے بدستور سورج کے قریب آتے رہتے اور اس سے دور ہٹتے رہتے ہیں۔ جس سے کرہ ارض پر موسموں کا انقلاب ہرلحظہ اور ہر آن جاری ہے۔ دوموسم سردی اور گرمی کے ہیں اور دو' الگ الگ سردی گرمی کےخاتمہ پر معتدل موسم نمودار ہوتے ہیں۔ تو اس طرح جب ایک موسم لوٹ کر واپس آتا ہے تو سال پورا ہو جاتا ہے۔ خالق کائنات نے سال کے اس چکر کو بارہ مہینوں پر مشتمل کر رکھا ہے اور قرآن حکیم میں خبر دیدی ہے:۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

(9/36)بلاشبہ مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کی کتاب کائنات میں اللہ کی طرف سے خود مقرر کردہ اسی وقفہ سے بارہ مہینے ہے جب اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ تو اس طرح بارہ ماہ کا ایک سال خود خالق کائنات کا اپنا مقرر کردہ ہے۔ پس اس طرح قمری حساب سے ہر 29 یا 30 دن کے بعد مہینہ ختم ہو جاتا ہے اور بارہ قمری مہینوں کے بعد ایک قمری سال پورا ہوتا چلا جارہا ہے۔ سو سال کی ایک صدی شمار ہوتی چلی آرہی ہے۔ اور اسی طرح صدیوں پر صدیاں گزرتی چلی جارہی ہیں۔

نظام قمری کا حال تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اب نظام شمسی کے متعلق عالمی مشاہدات کو نگاہوں کے سامنے لائیے۔ خالق کائنات عزوجل نے سورج اور چاند کے مداروں میں یہ حکمت بھرا نظام قائم فرما رکھا ہے کہ سال بھر کے جس سفر کو چاند 355 دن میں ختم کرتا ہے سورج چونکہ چاند کی نسبت زمین سے زیادہ دور ہے اور اسکے مدار کی مسافت چونکہ چاند کے مدار کی مسافت کی نسبت زیادہ ہے اسلئے سورج سال بھر کی مسافت کو 355 دن کی بجائے 365 دن 6 گھنٹے اور 6 سیکنڈ میں طے کر پاتا ہے۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ شمسی جنتری کا ماہ دسمبر سردیوں ہی میں آتا ہے اورجون گرمیوں ہی میں آتا ہے۔ مگر قمری جنتری کے مطابق قمری مہینوں کے موسم بدلتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ قمری مہینہ رمضان شریف کے روزے کبھی گرمیوں میں آتے ہیں' اور اسی طرح کبھی سردیوں کے خاتمہ والے معتدل موسم میں نمودار ہوتے ہیں اور کبھی گرمیوں کے خاتمہ والے معتدل موسم میں آتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا مقرر کردہ مشاہدہ گواہ ہے کہ 36 سال کے بعد رمضان کے روزے عین 36 سال قبل کے موسم میں لوٹ آتے ہیں۔ باری تعالیٰ کا خود مقرر کردہ ایک دن رات کا وقفہ 24 گھنٹے 6 منٹ پر مشتمل مہینہ 30-31 دنوں کا ہے۔ 12 مہینوں کا سال اور سو سال کی صدیوں پر صدیاں گزرتی جارہی ہیں۔ مشاہدہ کے مطابق نبی اکرمؐ کی ہجرت مبارکہ کو 1398 سال یعنی دو کم چودہ قمری صدیاں گزر چکی ہیں اور مسیحؑ کو پیدا ہوئے 1977 برس یعنی 23 برس کم بیس شمسی صدیاں بیت گئی ہیں۔ اسی طرح ہر قوم اپنے اپنے جاری کردہ سن کے مطابق سالوں اور صدیوں کا حساب کرتی چلی آرہی ہیں۔ یہ ہے

براوران عزیز! لتعلموا اعد د السنین والحساب کی انتہائی مختصر کائناتی تفسیر' جو آیات مبارکہ صحیفہ فطرت کے مطابق پیش کی گئی ہے۔

وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ کے الفاظ سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ مشاہدات عالم بھی اسی طرح حق ہیں۔ جس طرح قرآن کریم حق ہے۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب ہے اور صحیفہ کائنات اسکی فعلی کتاب ہے' دونوں حق ہیں اور دونوں پر ایمان لانا یکساں طور پر فرض ہے۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ کے الفاظ سے کھل کر ثابت ہو رہا ہے کہ آیات قرآنیہ کی قرآنی تفسیر ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کائنات کا علم حاصل کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کائنات سے جاہل ہیں وہ قرآن کریم کی اس تفصیل سے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر کر رکھی ہے (2/159) کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ کتاب کائنات ہی کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے۔

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۞ ۶/۱۰

بلاشبہ دن اور رات کے بدل بدل کر آنے' اور جو کچھ بھی اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے' ان سب میں اس قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو (خطرات سے) خود بچتے ہیں۔

لقوم یتقون کے مطابق اس آیت سے عیاں ہے کہ دن رات کے نظام اور ہر اس چیز میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہے ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں' جو خود بچتے ہیں لفظ یتقون اپنے سہ حرفی مادہ و-ق-ی= وقی کے باب افتعال سے ہے' جس کا معنی ہے خود بچنا۔ اس مادہ سے اسم فاعل ہے متقی' یعنی خود بچنے والا۔ اور بچاجاتا ہے ہمیشہ خطروں سے اسلئے اسکا ترجمہ لکھا گیا ہے کہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو خطرات سے خود بچتے ہیں۔ اب چونکہ ذکر ہے دن رات کے بدل بدل کر آنے کا' اسلئے ظاہر ہے کہ یہاں دن رات کے خطرات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ خطرات کون کونسے ہیں؟

اس سوال کے بہت سے جواب ہر آن سامنے موجود ہیں کہ نوع انسان دن کے وقت بھی خطرات ہی میں گھری ہوئی ہے اور رات کے وقت بھی اسے خطروں ہی کا اندیشہ دامن گیر رہتا ہے۔ ادھر ضروریات زندگی میں سے خوراک اور پوشاک کی فکر ہے اور ادھر رہائش اور علاج کا اندیشہ ہے۔ ایک طرف غیر مہذب چوروں' ڈاکوؤں اور جیب تراشوں کا خوف لاحق ہے کہ صفایا نہ کر جائیں تو دوسری طرف مہذب ڈاکوؤں یعنی ناجائز منافع خور ذخیرہ اندوزوں سے خطرہ ہے کہ ناخالص مال اور کم ناپ تول کے ذریعہ جیب کا صفایا نہ کر دیں۔

ایک طرف تو دن رات دامنگیر رہنے والے مذکورہ بالا خطرات ہیں اور دوسری طرف اچانک حادثوں یعنی ایکسیڈنٹوں کی فکر ہے جو سفر ہو یا حضر ہر وقت پیش آسکتے ہیں۔ اور دوسرے طرف سیلابوں اور طوفان باد و باراں کا بھی خطرہ ہے اور آگ کے

حادثوں کا بھی اندیشہ ہے۔ لہٰذا آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ دن ہو یا رات' جو لوگ دن رات پیش آنیوالے خطرات سے خود بچنا چاہتے ہیں ان کے لئے ان میں بہت سے واضح نشانات موجود ہیں یعنی وہ لوگ مذکورہ بالا خطرات کے انسداد میں ہر آن کمر بستہ رہتے ہیں۔ جن خطرات کا تعلق مجموعی سطح کیساتھ ہے۔ ان کا انسداد مجموعی طور پر یعنی سرکاری سطح پر ہر آن جاری رہتا ہے مثلاً" ہر سال آنیوالے سیلابوں کی روک تھام کے لئے مضبوط بندھ باندھے جارہے ہوتے ہیں اور ٹریفک کے حادثوں کی روک تھام کے لئے یکطرفہ آمد و رفت کے لئے سڑکیں کشادہ اور ٹریفک پولیس کا معقول انتظام کیا جارہا ہوتا ہے۔

اور جن خطرات کا تعلق انفرادی سطح کیساتھ ہے ان کا انسداد انفرادی طور پر ہر فرد کی طرف سے جاری و ساری رہتا ہے اسکے برعکس جو لوگ متقی نہیں ہیں' یعنی جو لوگ ان خطرات سے خود ہی بچنا نہیں چاہتے وہ مذکورہ بالا جرائم میں سب مبتلا رہتے ہیں یعنی زید بکر کو مہذبانہ طریقے سے لوٹ رہا ہوتا ہے اور بکر' امر کی جیب کاٹ رہا ہوتا ہے سرکاری سطح پر سیلابوں کی روک تھام کے لئے کروڑوں روپیہ وقف کیا جاتا مگر یہ رقم ٹھیکیداروں اور سرکاری عملہ کی ملی بھگت کی نذر ہو جاتی ہے' عوام کو دکھانے کے لئے غیر محفوظ اور کمزور سے بندھ بنا دیئے جاتے ہیں اور اگلے سال جب پھر سیلاب آتا ہے تو بیچارے نشیبی علاقوں کے لوگ' پھر پانی میں گھر جاتے ہیں اور ہوائی جہاز ان پر اوپر سے غذائی سامان گراتا ہوا پایا جاتا ہے۔ الختصرا ما خلق اللّٰه فی السموت و الارض کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے متقی لوگ ہر چیز کے خطرناک پہلو سے بچنے کے سامان ہر آن خود کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے ہر چیز میں بہت سے نشانات موجود ہیں جن کی وضاحت سطور بالا میں صراحتاً" کر دی گئی ہے۔ آئت مجیدہ سے عیاں ہے کہ متقی وہ لوگ ہیں جو دن رات کے ارضی اور سماوی خطرات کا انسداد کرتے ہیں' ہر آن مصروف عمل رہتے ہیں۔ متقی وہ نہیں جو خود ہی خطرات کا موجب بھی بنتے ہیں اور خود ہی خطرات میں مبتلا بھی رہتے ہیں۔

اگلی آیت مجیدہ میں ان لوگوں کے متعلق جو قیامت کی جوابدہی کے منکر ہیں۔ مکرر ارشاد ہوا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا
وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيٰتِنَا غٰفِلُونَ ۝ ۷
أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ ۸

بلاشبہ وہ لوگ جو ہماری ملاقات کے امید وار نہیں (یعنی جو ہمارے حضور جوابدہی کے منکر ہیں) اور وہ اس دنیا ہی کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو چکے ہیں اور وہ لوگ جو ہماری مذکورہ بالا (کائناتی) آیات مبارکہ سے غافل ہیں۔ یہ سب لوگ وہ ہیں کہ انکا ٹھکانہ آگ ہے انکی ان کرتوتوں کی عوض جو وہ خود کرتے رہے تھے۔

لقاءنا کا لفظی معنی ہے ہماری ملاقات۔ لیکن قرآن مجید میں لقاء اللّٰه' لقاء رب' لقائه اور لقاءنا کا مرکب اضافی ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جس کا مفہوم ہے "اس دنیا کی زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے قیامت کی عدالت الٰہی میں حاضر ہونا" جیسے سورہ سجدہ میں لقاء رب کی وضاحت منکرین قیامت کے ذکر میں بالفاظ ذیل کر

د یگئی ہے۔

وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ بَلْ ھُمْ بِلِقَآءِ رَبِّھِمْ کٰفِرُوْنَ (32/10) وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رُءُوْسِھِمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (32/12) اور کہتے ہیں کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے (یعنی جب مرنے کے بعد ہمیں مٹی کھا جائیگی اور ہم مٹی میں ملکر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم کو نئے سرے سے پھر پیدا کر لیا جائیگا؟ (ہاں ضرور پیدا کر لیا جائیگا) حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ (یعنی اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے قیامت کی عدالت باری تعالیٰ میں حاضر ہونے کے انکاری ہیں) اور اے مخاطب! کاش کہ تو مجرموں کو (بنگاہ تصور) دیکھے جب وہ اپنے رب کے حضور میں سر اوندھے کئے (حاضر) ہوں گے (اور کہیں گے کہ) اے رب ہمارے ہم نے سمجھ لیا ہے اور سن لیا ہے۔ پس تو ہمیں (ایک مرتبہ پھر دنیا میں) لوٹا دے' ہم اعمال صالح بجالائیں گے۔ بیشک (اب ہم قیامت کی عدالت عالیہ میں اعمال کی جوابدہی پر) یقین رکھنے والے ہیں۔

دیکھا آپنے کہ آیات بالا 32/10' 32/12 میں کس طرح کھل کر بیان کر دیا گیا ہے جو لوگ قیامت کے منکر ہیں یعنی مر کر مٹی میں مٹی ہو جانے کے بعد دوسری زندگی کے انکاری ہیں' وہ دراصل لقاء رب کے منکر ہیں۔ اور لقاء رب کی تفسیر ان لفظوں میں کر دیگئی ہے۔ کہ وہ اپنے برے اعمال کی بدولت قیامت کی عدالت میں اپنے رب کے حضور سر جھکائے کھڑے ہونگے اور کہہ رہے ہونگے کہ بار الٰہی! ہمیں ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج' اب ہم نے قیامت پر یقین کر لیا ہے۔ اب ضرور نیک عمل بجالائینگے۔

رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا کے الفاظ میں اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں آرام و آسائش حاصل ہو جانے پر صرف اسی زندگی پر راضی اور مطمئن نہیں ہونا چاہیئے' بلکہ اگلی زندگی کی کامیابی کی فکر میں لگے رہنا چاہیئے' جس کی عملی صورت یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اعمال صالح بجالائیں تاکہ قیامت کی عدالت الٰہی میں شرمساری کیساتھ سر جھکا کر کھڑا نہ ہونا پڑے اور نہ یہ التجا کرنی پڑے جو ہرگز قبول نہیں ہوگی کہ ہمیں دوبارہ دنیامیں بھیجئے تاکہ ہم اعمال صالحہ بجالا کر تیرے حضور میں حاضر ہوں۔ بلکہ آج جو موقعہ دیا گیا ہے' اس میں زیادہ سے زیادہ صلاحیت بخش اعمال بجالا کر قیامت کا مسئلہ حل کر لینا چاہیئے۔

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ کے الفاظ میں جو اٰیٰتِنَا سے غفلت کی خبر دیگئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تنزیلی اور تکوینی دونوں قسم کی آیات مبارکہ سے باخبر رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ تنزیلی آیات مبارکہ وہ ہیں جو بطریقہ تنزیل قرآن حکیم کے اندر جمع کر دیگئی ہیں اور تکوینی آیات مبارکہ وہ ہیں جو اس کائنات کے چپے چپے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں سے چند بڑی بڑی آیات کا ذکر پہلے کئی آیتوں میں گذر چکا ہے۔ سورج اور چاند کی منزلوں کا تقرر' اختلاف لیل و نہار' یعنی دن رات کا سلسل ایک دوسرے کے پیچھے پیچھے آتے چلے جانا' اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے سب کی سب اللہ تعالیٰ کی تکوینی آیتیں ہیں وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ (10/6)

اولٰئک ماوٰھم النار کے الفاظ میں ان لوگوں کے متعلق خبردی گئی ہے جو اس دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو جاتے ہیں اور اخروی زندگی کی کامیابی کے لئے اعمال صالح بجا لانے کی فکر نہیں کرتے' انہیں اس زندگی میں بھی آگ کا عذاب ملتا ہے۔ یہاں بھی ناہموار و غیر متوازن معاشرہ کی آگ میں جلتے ہیں اور دوسری زندگی میں بھی انہیں ناکامی و نامرادی کی آگ میں جلنا پڑیگا۔ انہیں ایسے طبقوں میں پھینکا جائیگا جن کی فضا مجسم آگ ہوگی۔ جس کی بدولت پینے کو گرم پانی میسر آئیگا اور ان طبقوں میں کھانے کیلئے تھوہر وغیرہ کے سوا کوئی چیز پیدا ہی نہ ہوتی ہو گی۔

بما کانوا یکسبون کے الفاظ میں کھل کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ قیامت کے منکروں بد عملوں اور بد کرداروں کو جو مذکورہ سزا دنیا میں دی جا رہی ہے او جو قیامت کے دارالجزا میں دیجائیگی یہ انکے اپنے برے عملوں ہی کی ہے اور ہو گی۔ اللہ تعالیٰ تو غفور رحیم بھی ہے اور عزیز ذوانتقام بھی ہے۔ یعنی نیک عمل بجالانیوالوں کے لئے شفقت کرنیوالا مہربان ہے اور برے عمل بجالانیوالوں کے لئے انہیں پوری پوری سزا دینے پر غالب ہے۔

آیات بالا میں بد کردار منکرین قیامت کی سزا بیان کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں نیکو کار' یعنی عملاً" قائلین قیامت کی جزا بیان ہوئی ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ ۱۰/۹

بیشک جو لوگ (لقاء رب قیامت کی جوابدہی پر) ایمان رکھتے' اور صلاحیت بخش عمل بجالاتے ہیں' انکا رب انکے باعمل ایمان کی بدولت' انکی رہنمائی کرتا ہے' ان کے ماتحت نعمتوں والے باغوں میں نہریں بہ رہی ہوتی ہیں۔

تجری من تحتہم الا نہر کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں:۔

قرآن مجید میں عموماً" یہ الفاظ آئے ہیں جنت تجری من تحتها الا نہر کہ قیامت کے باعمل قائلین کو انکے نیک اعمال کی جزا کے طور پر ایسے باغات عطا کئے جائینگے جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ یہاں من تحتها میں ها ضمیر کا مرجع جنت ہے۔ مگر آیت زیر بحث 10/9 میں اس کے برعکس من تحتہم کے الفاظ آئے ہیں جن میں ھم ضمیر کا مرجع الذین امنوا وعملوا الصلحت ہے یعنی وہ لوگ جو لقاء رب پر ایمان بھی لائیں اور اس ایمان کی تصدیق کے لئے صالح اعمال بھی بجا لاتے رہیں' یعنی ایسے عمل کریں جن سے معاشرے کی اصلاح ہوتی چلی جائے۔ ان کے متعلق یہ الفاظ لائے گئے ہیں کہ انکے ماتحت نہریں بہتی ہونگی۔

کسی کے ماتحت نہروں کی بہنے کی اصطلاح قرآن مجید میں آزاد' طاقتور حکومت کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ جیسے کہ سورہ زخرف میں آیا ہے جب موسیٰؑ نے فرعون کو مصر کا غاصب حاکم قرار دیا تو اسکے متعلق آیا ہے :۔ وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ (43/51) اور فرعون نے اپنی قوم

کو بلایا اور کہا اے میری قوم کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے؟ اور کیا یہ (مصر میں بہنے والے) دریا میرے ماتحت نہیں چلتے۔ پس آیت بالا میں ایمان لانیوالے اور نیک اعمال بجالانیوالوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ انہیں آزاد اور طاقتور حکومت میسر آئیگی جس میں انکے ماتحت دریا بہتے ہونگے۔ واضح رہے کہ دریاؤں کا بہنا زراعت کی زیادتی اور رزق کی فراوانی کا نشان ہے۔

جنت النعیم کی اصطلاح متوازن معاشرہ کے لئے بھی آتی ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں بہتی نہروں والی حکومت کے مالک مومنوں کی دعا اور انکے اعلان عام کی خبر دیگئی ہے:۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ
وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾

اس (بہتی نہروں والی حکومت) میں (اپنے رب کے حضور مومنوں کی پکار دعا یہ ہوتی ہے کہ اے اللہ تو (ہر قسم کے عیوب و نقائص سے) پاک ہے اور اس حکومت میں انکی باہمی دعا ہوتی ہے " سَلٰمٌ" (یعنی سلامتی کا پیغام) اور اُن کی آخری دعا ہے کہ سب تعریف اللہ کیلئے جو جہانوں کا رب ہے

اس آیت مجیدہ میں دعا اور تحیت کا فرق یہ ہے کہ حضور الٰہی میں دعا کے الفاظ ہیں سبحنک اللھم اے اللہ تو ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ اور تحیت باہمی ہے "سلم" یعنی مکمل سلامتی کا اعلان عام۔ بالفاظ دیگر جو نظام بہتی نہروں والی ریاست میں نافذ کیا گیا ہے وہ مکمل طور پر امن و سلامتی کی اساس پر قائم ہے۔ اور:۔

واخر دعوھم ان الحمد للہ رب العلمین کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ امن سلامتی کے لئے آخری پکار دعا صرف یہ ہے کہ سب اچھی تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔ بالفاظ دیگر امن و سلامتی کی اساس پر قائم کردہ معاشرہ کی نشان دہی کر دیگئی ہے۔ کہ اسکا نقطہ ماسکہ ربوبیت عالمینی ہوگا۔ اس میں ہر ایک متنفس کی ربوبیت کی ذمہ داری مرکزی نظام پر عائد رہے گی۔ تاریخ اسلام میں مذکور عمرؓ خلیفہ ثانی کے الفاظ ذیل اسی قرآنی نظریہ ربوبیت عالمینی کے مظہر ہیں کہ:۔

اگر دریائے دجلہ تک کوئی کتیا بھی بھوکی رہ گئی تو مجھ سے پوچھا جائیگا کہ کیوں بھوکی رہی؟

نوع انسانی بڑی جلد باز ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا توبہ اور اصلاح کی مہلت دیتا ہے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ
اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو سزا دینے میں جلدی کرے، جیسے کہ وہ بھلائی طلب کرنے میں جلدی

کرتے ہیں تو (غلط کاروں کی سزا کا) وقت کبھی کا پورا ہو چکا ہو۔ (مگر ہم مہلت دیتے ہیں) پس ہم ان لوگوں کو انکی سرکشی میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں جو ہمارے حضور اعمال کی جوابدہی کے امیدوار نہیں ہیں۔

لفظ استعجال کا سہ حرفی مادہ ع-ج-ل= عجل ہے۔ اسکا بنیادی معنی ہے جلدی کرنا۔ استعجال باب استفعال سے ہے جو یہاں مفعول مطلق کے طور پر آیا ہے اور لوگوں کی بھلائی کی طلب میں جلدی کرنے کیساتھ تشبیہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اسکا فعل بھی حذف ہے اور حرف کاف تشبیہ بھی محذوف ہے۔

اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے لئے مہلت دیتا ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا

لقضی الیهم اجلهم کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلد باز ہوتا تو انسان جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں' سرکشیاں اور طغیانیاں کرتا ہے' ہر نافرمان کو ساتھ کے ساتھ سزا دیتا چلا جائے۔ مگر اسکا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر سرکش بد کردار کو ایک معقول وقت کی مہلت دیتا ہے تاکہ وہ تائب ہو کر اپنی اصلاح کر لے۔

نوع انسان کے جرائم' سرکشیوں اور طغیانیوں کی دو قسمیں ہیں۔ **انفرادی اور اجتماعی**

1- انفرادی جرائم کی سزا میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلت

انفرادی طور پر ہر شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے انفرادی جرائم کا جوابدہ ہے اور عدم توبہ و اصلاح کی صورت میں اپنی نافرمانیوں کی سزا کا مستحق بھی ہے۔ بعض انفرادی جرم ایسے ہیں کہ مجرم ان کی ریاستی سزا سے بچ جاتا ہے کہ یا تو اسکے معاشرتی وسائل اتنے وسیع ہیں کہ ایک غلط قسم کی حکومت کا ہاتھ ہی اس تک نہیں پہنچ سکا اور یا اگر وہ پکڑا بھی گیا ہے تو جھوٹی شہادتیں پیش کر کے بری ہو گیا ہے۔ اسکے باوجود بھی للہ تعالیٰ مجرم کو مہلت عطا فرماتا ہے کہ اب بھی توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے۔ بصورت دیگر قیامت کی عدالت عالیہ میں ضرور ضرور حاضر ہونا ہو گا۔ اور سزا بھی ضرور مل کر رہیگی۔ اس پاک عدالت میں نہ کوئی نفس کسی نفس کے کام آسکے گا' نہ اسکی رہائی کے لئے کسی کی شفاعت قبول کیجائیگی' نہ اس سے رشوت لیجائیگی اور نہ ہی مجرموں کی کسی قسم کی کوئی اور مدد کی جائے گی۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (2/48)

پس اس طرح ہر شخص کی پوری زندگی توبہ اور اصلاح کے لئے للہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلت ہے۔

2- اجتماعی جرائم کی سزا میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلت

واضح رہے کہ جس طرح ہر شخص انفرادی طور پر بلا توبہ اپنے اپنے جرائم کی سزا کا مستحق ہے اسی طرح اجتماعی طور پر ہر قوم بھی قومی جرائم کی سزا کی مستوجب ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ اور اصلاح کے لئے افراد کو مہلت عطا کی گئی ہے اسی طرح قوموں کو بھی توبہ اور اصلاح کے لئے مہلت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جلدی نہیں کرتا۔ مثلاً قوم نوحؑ کو ساڑھے نو سو برس کی مہلت عطا ہوئی مگر یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ قومی جرائم کی سزا کے لئے اگرچہ صدیوں کی مہلت عطا فرماتا

ہے مگر جب مجرموں کے جرائم کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو پکڑتا اسی دنیا میں ہے۔ جیسے قوم نوحؑ اور اسکے بعد قوم عاد و ثمود کو بھی الگ الگ مہلت دی گئی۔ مگر جب پکڑا تو قوم نوحؑ کی طرح نیست و نابود کر دیا۔ اور آج درس عبرت کے لئے ان کے قصے صرف کتابوں میں باقی ہیں۔

قوم یونسؑ بصمیم قلب توبہ اور فوری اجتماعی اصلاح کی بدولت قومی جرائم کی سزا سے بچ گئی۔ صرف یہ ایک اکیلی قوم ہے جس نے قرآنی شہادت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قانون توبہ واصلاح سے فائدہ اٹھایا' جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے انتہائی منفرد انداز کیساتھ فرمایا ہے۔ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ (10/98) واضح رہے کہ اس آیت مجیدہ میں امنت کے بعد واصلحت کا لفظ محذوف ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے 6/53 اور 16/119 میں بصورت قانون بتکرار اعلان فرمارکھا ہے۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ پھر بلاشبہ تیرا پروردگار ان لوگوں کے لئے جو نادانی کے ساتھ برے عمل کریں۔ پھر اسکے بعد توبہ کر کے اصلاح کر لیں تو بیشک تیرا پروردگار اسکے بعد غفور رحیم ہے○ ان آیات مجیدہ نے انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے جرائم کی سزا سے بچنے کی ایک ہی صورت بتائی ہے توبہ اور اصلاح۔ اور اسکے لئے باری تعالیٰ نے افراد و اقوام دونوں کی اتمام حجت کے لئے عطاء مہلت کا مستقل قانون مقرر کر دیا ہے۔

فنذر ----- فی طغیانھم یعمھون کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ جن میں کہاگیا ہے کہ ہم انہیں انکی سرکشی میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی انسان کو جب اسکی سرکشیوں میں ڈھیل ملتی ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ اب مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا اصل نقشہ یہ پیش کیا ہے کہ وہ اپنی سرکشیوں میں حیران و سرگرداں پھر رہے ہوتے ہیں۔ انہیں قلبی اطمینان و سکون ہرگز میسر نہیں ہوتا۔ حرام کا مال جمع کر لیا تو قانون کی گرفت کا کھٹکا الگ لگا رہتا ہے۔ پھر اس مال کے چوری ہونے کی فکر الگ دامنگیر رہتی ہے۔ ادھر بیوی بچوں سے جھگڑا ہے۔ ان پر برس رہے ہیں' ادھر ملازموں کی بے پناہ خیانتوں سے خائف ہیں۔ تیسری طرف سرکاری ٹیکس نہ ادانہ کرنے کی فکر میں شبانہ روز سرگرداں ہیں۔ قرآنی الفاظ یعمھون کی تفسیر ان الفاظ میں پیش کیجا سکتی ہے کہ "ایک سر اور سینکڑوں درد ہیں" جن کی بدولت ہمہ جہتی پریشانیاں ہر آن سرگرداں رکھتی ہیں۔

انسان کی مطلب پرستی

اگلی آیت مجیدہ میں نوع انسانی کے متعلق خبردی گئی ہے کہ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسے رفع کرانے کے لئے اللہ کے حضور میں کھڑے' بیٹھے اور لیٹے ہر وقت دعائیں کرتا ہے۔ مگر جب وہ رفع ہو جاتی ہے تو ایسا ہوتا ہے جیسے کہ نہ اس پر کوئی تکلیف آئی تھی اور نہ اس نے اللہ کے حضور دعا کی تھی۔ بلکہ جن بد عملیوں کی بدولت وہ تکالیف آئی تھیں انہی میں دوبارہ منہمک ہو جاتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا
عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱/۱۲

اور جب انسان کو (اسکی اپنی کرتوتوں کی بدولت) کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹے' بیٹھے اور کھڑے (ہر حالت میں) ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم (اپنے قانون کے مطابق) اسے رفع کر دیتے ہیں تو اس طرح چلا ہے جیسے کہ اس نے اس تکلیف کے لئے جو اسے پہنچی تھی' ہمیں پکارا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح اسراف کرنیوالوں کے لئے ہم ان کے ان عملوں کو وہ جو کرتے ہیں' زینت دیا ہوا پاتے ہیں۔

مس الانسان الضر میں انسان کو پہنچنے والی تکلیف کے آنے کی وجہ محذوف ہے جو سورہ شوریٰ میں مذکور ہے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (42/30) اور اے نوع انسانی! تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو تمہاری بہت سی خطائیں معاف کر دیتا ہے۔

اسی طرح کشفنا کے الفاظ میں بھی دفع ضرر کا سبب "مطابق قانون الٰہی" محذوف ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری ہے ان اللّٰہ مع الصبرین (3/146) بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو مصائب کا مقابلہ مستقل مزاجی کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہر مصیبت کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کے مقررہ قوانین کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ آیت بالا کے الفاظ دعانا کے مطابق جو اللہ کے حضور دعا کی جاتی ہے۔ اسکی غرض ہی اپنے آپکو حصول مقصد کے لئے اس سے متعلقہ قوانین الٰہی پر عمل کرنے کی تحریک ہے۔ واضح رہے کہ دعا کے تین مقام ہیں۔

1- مطلوبہ مقصد کے حصول کے لئے اس سے متعلقہ قوانین الٰہی کے مطابق حتی المقدور انتھک کوشش کرتے چلے جانے کی اپنے آپکو تحریک مسلسل (3/146)

2- حصول مقصد کے لئے امکان بھر کوشش کرنے کے بعد حضور الٰہی میں دعا کرنا کہ باری الٰہا اگر ہم اپنی کوشش میں کہیں بھول گئے' یا خطا کر گئے ہیں تو ہمیں معاف فرمائیو! اور اپنے جنود السموت و الارض کے ذریعہ ہماری کمی پوری کر دیجیو! (2/286)

3- تیسرے نمبر پر دعا کا مقام وہ ہے جب حصول مقصد کے لئے حتی المقدور کوشش کرنے کے بعد اسباب و ذرائع کے تمام دروازے بند ہو جائیں تو صرف ایک دروازہ اللہ تعالیٰ کا کھلا ہوتا ہے۔ اسوقت کسی بھی پیر فقیر اور ولی بلکہ کسی نبی تک سے بھی مدد مانگنا حرام ہے کیونکہ خود نبیوں پر بھی مشکل وقت آیا کرتے تھے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگا کرتے تھے (19/5' 21/78)

فلما کشفنا یعنی جب ہم مشکل کے بند کھولدیتے ہیں' کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے مشکل کشائی کو صرف اپنے لئے مختص کر رکھاہے۔

مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ کے الفاظ میں انسان کی خصلت بتائی گئی ہے کہ جب ہم اسکی مشکل حل کر دیتے ہیں تو پھر

اس طرح اکڑ کر چلتا ہے، جیسے نہ اس پر کوئی مشکل آئی تھی اور نہ ہی اس نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا۔

زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو نہ صرف یہ اپنی اس روش کا احساس تک نہیں ہوتا بلکہ وہ روش انکے لئے مزین کر دی گئی ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مشکل کشائی کے بعد دیگ پکار کر رشتہ داروں میں بانٹ دیتے ہیں، یا کسی مزار پر غلاف چڑھا کر اور یا محلے کی مسجد میں صفیں بچھا کر خوش ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشکل کشائی کی قیمت ادا کر چکے ہیں۔ اور اسکے بعد پھر حسب سابق مسلسل اعمال بد میں لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ چاہئے تو یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے مشکل سے نجات عطا فرمائی ہے تو آئندہ کے لئے برے عملوں سے بصدق ذہن تائب ہو کر ضابطہ الہیٰ پر صد فیصد عامل ہو جائیں اور گذشتہ مشکل و مصیبت کو ایک تازیانہ عبرت تصور کریں۔

اگلی آیت مجیدہ میں ان سابقہ اقوام کی ہلاکت کاملہ کی خبر دی گئی ہے جنہوں نے ظلم کی راہ اختیار کر کے آیات باری تعالیٰ کا انکار کیا۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

البتہ تحقیق ہم نے تم سے پہلے زمانوں کے لوگوں کو اسوقت ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کی روش اختیار کی، حالانکہ انکے پاس انکے رسول (اللہ کی طرف سے) واضح دلائل لے کر آئے مگر وہ ان پر ایمان نہ لائے۔ ہم مجرم قوموں کو اسی طرح (ہلاک کر کے ان کے جرائم کی) سزا دیتے ہیں۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت جاریہ کی خبر دی ہے کہ وہ کسی بھی مجرم قوم کو اس کے جرائم کی سزا سے مستثنٰی نہیں کرتا۔ یعنی اے اُمّتِ محمدیہ اگر تم بھی سابقہ اقوام کی بد کرداریوں کی راہ اختیار کرو گے تو تمہیں بھی جرائم کی سزا ضرور ضرور دیجائیگی۔ کیونکہ اللہ کا قانون کبھی نہیں بدلتا۔ چنانچہ اسی سزا سے باخبر کرنے کے لئے اگلی آیت مجیدہ میں براہ راست مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

پھر (اے وہ قوم جنہیں قرآن دیا گیا ہے) ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفے بنایا ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل بجا لاتے ہو۔

یہ تنبیہہ قیامت تک کی پوری امت مسلمہ کو کی گئی ہے۔ کتاب الہیٰ کے اولین مخاطب مسلمان کتاب اللہ قرآن مجید پر صد فیصد عمل کرنے سے نہ صرف یہ کہ دنیا میں کامیاب ہوئے اور طاقتور اسلامی حکومت نصیب ہوئی بلکہ انہیں رضی اللہ عنہم اور رضوا عنہ کی عظیم سند خوشنودی بھی عطا کی گئی۔

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (9/100) اور مہاجرین و انصار صحابہ میں سے جنہوں نے ہجرت ونصرت میں سبقت کی اور اولیت اختیار کی' اور وہ بھی جنہوں نے انکی حسن کارانہ پیروی کی۔ یعنی جنہوں نے سابقین و اولین کے بعد ہجرت و نصرت کی' ان سب پر اللہ راضی ہو گیا اور وہ سب اللہ پر راضی ہو گئے' اللہ نے انکے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی تو عظیم کامیابی ہے۔

انہی مہاجر و انصار نے مکہ فتح کیا اور انہی کی خلافت راشدہ میں قرآنی نور نے دور دور کے اندھیرے دور کئے۔ امامت امم انکے حصے میں آئی۔ انکے بعد والے اہل اسلام کو ایک طرف سندھ کی اور دوسری طرف سرزمین سپین کی حکومت عطا ہوئی مگر جب قرآن سے منہ موڑ لیا تو ان سے قوموں کی امامت چھن گئی۔

اگلی آیت مجیدہ میں زمانہ رسالت کے منکرین قیامت کا ایک مطالبہ اور اسکا جواب بالفاظ ذیل بیان ہوا ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ۱۵/۱۰

اور جب ان (منکرین قیامت) پر ہماری خود بیان کرنیوالی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہماری ملاقات کے (یعنی ہمارے حضور حاضر ہونے سے) ناامید ہیں' کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لا۔ یا اسے بدل دے۔ اے رسول کہہ دیجئے گا کہ مجھے یہ لائق نہیں کہ میں اسے اپنی خواہش سے بدل دوں۔ میں نہیں اتباع کرتا مگر اسکی جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (یعنی نہ میں قرآن کا غیر لا سکتا ہوں اور نہ اسے بدل سکتا ہوں)۔

مثلہ معہ کی تردید

ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ نبی اکرمؐ کی مدمقابل قوم نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لائیں یا اسے بدل دیں۔ مگر انکا یہ مطالبہ ذات باری نے خود اپنے الفاظ میں اس طرح نبی اکرمؐ کی زبان مبارک سے مسترد کر دیا کہ اس سے اس وضعی روایت کی تردید ہوتی ہے جو نبی اکرم کی طرف منسوب ہے انی اوتیت القران و مثلہ معہ بیشک میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسکے ساتھ اس جیسا کچھ اور بھی دیا گیا ہوں۔ نیز کہا جاتا ہے۔ كَانَ جِبْرِيْلُ يَنْزِلُ بِالسُّنَّةِ كَمَا يَنْزِلُ بِالْقُرْاٰنِ جبریل جس طرح قرآن لیکر نازل ہوتا تھا اس طرح سنت لیکر نازل ہوتا تھا۔ اب غور فرمائیں کہ نبی اکرم سے آپ کے مدمقابلین نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اس قرآن کے سوا کوئی

اور قرآن لائیں یا اسے بدل دیں تو اگر قرآن کے سوا بھی کچھ نبی اکرم پر نازل ہوا ہوتا۔تو جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ لیجئے' اسکے سوا بھی موجود ہے جو مثله معه-ن بالکل قران جیسا منزل من اللہ ہے۔ مگر وہاں آپکا کوئی اور وحی پیش نہ کرنے سے کھل کر ثابت ہوا کہ انی اوتیت القران و مثله معه والی روائت صد فیصد وضعی اور منگھڑت ہے نبی اکرم پرقرآن کریم کے سوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اور چیز ہرگز نازل نہیں ہوئی تھی نیز یہ جملہ بھی محض خود تراشیدہ ہے۔ کان جبریل ینزل بالسنة کما ینزل بالقران

أَوْ بَدِّلْهُ کا جو نبی اکرم سے یہ جواب دلوا دیا گیا ہے۔ مایکون لی ان ابدله من تلقای نفسی کہ میری یہ شان نہیں ہے کہ میں اسے (قرآن کو) اپنی خواہش سے بدل دوں۔ یہ الفاظ اس روایتی نظریہ کی تردید کرتے ہیں جو کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم وحی کے سوا بولتے ہی نہیں تھے۔ کیونکہ اگر نبی اکرمؐ کا ہر نطق وحی الہی ہوتا تو بدلہ کا جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ میری طرف سے قرآن حکیم کو بدلنے کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا میں تو وحی کے بغیر بولتا ہی نہیں۔ کیونکہ میرے ہر نطق میں اللہ تعالیٰ اپنی وحی ہی کو میری زبان پر جاری کرتا ہے۔ اسکے برعکس یہ جواب دلواناکہ میرے لئے یہ لائق نہیں کہ میں اپنی خواہش کے ساتھ قرآن کو بدل دوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی اکرمؐ کے جملہ بشری اقوال آپ کی اپنی خواہش کے مظہر ہوتے تھے۔ مگر اس صادق و مصدوق سلام علیہ کے بشری اقوال کی بھی یہ مخصوص حالت تھی کہ پوری نبوت کی زندگی میں ایک ہی قول ایسا فرمایا جس پر تنبیہ نازل ہوئی۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (9/43) اللہ آپکو معاف کرے آپنے انہیں جنگ میں عدم شرکت کی اجازت کیوں دی ہے؟ اسکے سوا آپکی زبان مبارک سے 23 سال کے عرصہ میں ایک لفظ بھی ایسا نہ نکلا جس پر کوئی تادیب نازل ہوئی ہو۔ اور یہ اجازت بھی نبی اکرم کی انتہائی شرافت طبع کی دلیل ہے کہ منافقوں نے جو جو عذر پیش کئے۔ مثلاً" میرا گھر اکیلا ہے یا میرے مویشی بھوکے ہیں یا میرا فلاں عزیز بیمار ہے۔ نبی اکرمؐ نے انکے عذروں کو صحیح جانا اور اجازت دیدی۔ اسکے علاوہ جو نبی اکرم پر کتب روایات نے جو ذیل کے بہتان باندھ رکھے ہیں کہ نبی اکرم نے شہد حرام قرار دیا تھا اور تنبیہ نازل ہوئی تھی لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (66/1) ان الفاظ میں تو نبی اکرم کو اس فعل سے بری قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ لم تحرم استفہام انکاری ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ اس چیز کو کیوں حرام کریں گے جو اللہ نے آپکے لئے حلال فرمائی ہے۔ یعنی آپ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کرینگے۔ یہی حال روائتی تفاسیر کے لگائے گئے باقی بہتانوں کا ہے وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْيءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا (18/23) کے الفاظ میں تادیب نہیں بلکہ ہدایت کی گئی ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑیں جس طرح اصحاب کہف بر وقت غار میں پہنچ گئے تھے۔ اور قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ (58/1) سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ نبی اکرم نے یہ کہا ہو کہ طلاق ہو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جھگڑنیوالی عورت کے حق میں اور نبی اکرم کے خلاف فیصلہ دیا ہو۔ بلکہ نبی اکرم نے اپنی عظیم قرآنی بصیرت کے مطابق یہی فرمایا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ عورت کہتی رہی ہو گئی ہے - چنانچہ وحی الہی نے نبی اکرم کے ارشاد ہی کے مطابق فیصلہ دیا کہ جو لوگ بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ انکی مائیں نہیں بن جاتیں۔

انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم کے الفاظ سے عیاں ہے کہ آپ بڑے دن کے عذاب سے اسلئے ڈرتے تھے کہ قرآن کو کہیں اپنی خواہش سے بدل نہ دیں۔ اگر نبی اکرم کا ہر قول وحی ہوتا تو قرآن کو اپنی خواہش سے بدلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ کے ہر قول وحی کے نظریہ کے مطابق آپکی خواہش کی مطلقاً" نفی ہو جاتی

(فاعتبر وایا ولی للابصار)

نگہ بازگشت

آیت مجیدہ 15 میں خبر دی گئی ہے کہ زمانہ رسالت کے وہ لوگ جو اس دنیا کے اعمال کی قیامت کی عدالت الٰہی میں جوابدہی کے منکر ہیں' جب ان پر ہماری آیات بیّنٰت خود بیان کرنوالی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ (انہیں اپنے عقائد کے خلاف پا کر) یہ کہتے ہیں کہ (اے مدعی نبوت) اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لائیں اور (اگر ایسا کرنا ممکن نہیں تو) اس میں تھوڑی سی تبدیلی کر لیجئے (تاکہ ہمارے لئے قابل قبول ہو جائے)

مگر منکرین قیامت کے اس مطالبے کے جواب میں اللہ تعالٰی نے نبی اکرمؐ کو حکم دیا کہ آپ کہہ دیجئے گا۔ میری یہ شان نہیں ہے کہ اس قرآن میں اپنی خواہش کے ساتھ کوئی تبدیلی کر لوں (ایسا کرنا اللہ تعالٰی کی عظیم نا فرمانی اور موجب عذاب عظیم ہے) میں تو صرف اسکی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتاہے) اگر میں (قرآن میں تبدیلی کر کے) اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بلاشبہ میں بھی بڑے دن (قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

اس آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کی شان امانت و دیانت اجاگر فرمائی گئی ہے کہ آپنے اللہ کی کتاب میں نہ کسی قسم کی کمی بیشی ہی فرمائی تھی نہ ردوبدل۔ بلکہ بلغ ما انزل الیک من ربک (5/67) کے مطابق جو کچھ نبی اکرمؐ کی طرف رب تعالٰی کی طرف سے نازل ہوا تھا من وعن اہل عالم تک پہنچا بھی دیا تھا۔ اور خود زندگی بھراسی ما انزل اللّٰہ کی اتباع فرما کر اپنی شان رسالت اور شان عبدیت کا بھی پورا پورا ثبوت بہم فرما دیا تھا۔

اگلی آیت مجیدہ میں قل ہی کے تکرار کیساتھ نبی اکرمؐ سے منکرین قیامت کو یہ جواب بھی دلوایا گیا ہے کہ میں تم لوگوں کے سامنے جو (قرآن) تلاوت کرتا ہوں وہ منشاء الٰہی کے مطابق ہے۔ تم لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہو کہ اس سے پہلے میں نے نہ کبھی جھوٹ بولا ہے نہ کسی پر جھوٹ باندھاہے۔ میں تمہارے درمیان زندگی کا ایک حصہ گزار چکا ہوں۔ چالیس سال۔ میں اللہ کے ذمہ کس طرح جھوٹ لگا دوں۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے (قرآن مجید کو) تم پر نہ پڑھتا۔ اور نہ وہ تمہیں (میرے ذریعہ) اسکا علم دیتا۔ (یہ سب کچھ اسکی منشا کے مطابق ہے۔ پھر میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں۔ پس کیا تم عقل نہیں کرتے (کیا میں نے کبھی کسی پر جھوٹ باندھا تھا۔ کہ اب اللہ پر جھوٹ باندھوں)

اَدْرٰىكُمْ کا سہ حرفی مادہ د۔ر۔ی = دری ہے اور کم ضمیر جمع مخاطب کی ہے۔ اس مادہ کا بنیادی معنٰی ہے کسی چیز سے واقف کرنا' روشناس کرنا' کسی چیز کا علم دینا۔ لَا اَدْرٰىكُمْ میں فاعل اللہ تعالٰی ہے اور اسکا معنٰی یہ ہے کہ نہ اللہ تعالٰی

تمہیں اس قرآن سے واقف کرتا' نہ اسکا تمہیں علم دیتا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ کے الفاظ میں منکرین قیامت کے اس مطالبے کا جواب دلوایا گیا ہے جو انہوں نے کہا کہ اسکے سوا کوئی اور قرآن لائیے یا اس میں تبدیلی کر لیجئے' تم کیوں عقل نہیں کرتے کہ میں نے تمہارے اندر چالیس سال اپنی عمر کا ایک طویل حصہ گزارا ہے۔ کیا تم نے کبھی میری دیانت و امانت پر کوئی حرف رکھا تھا۔ جس نے اتنی مدت میں کسی انسان پر جھوٹ نہیں بولا۔ کسی انسان کی طرف جھوٹ منسوب نہیں کیا۔گیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لا کر یا اس میں ردوبدل کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرے۔ واضح رہے کہ پہلے نمبر پر تو یہ دلیل ان لوگوں کے لئے انکے مطالبے کے جواب میں تھی۔ جو نبی اکرم چالیس سالہ اخلاق و عادات سے پوری طرح واقف تھے۔ اور جنہوں نے آپؐ کے اعلیٰ کردار کی بدولت آپؐ کو صادق و امین کے لقب کے خود ملقب کر رکھا تھا

دوسرے نمبر پر اس آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کی قبل نبوت کی پوری زندگی کے سفید چادر کی طرح بے داغ ہونے کا اعلان کروایا گیا ہے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ کے اس چیلنج کے جواب میں کسی طرف سے بھی کوئی جواب نہ آیا کہ آپنے اپنی سابقہ زندگی میں فلاں وقت پر فلاں جھوٹ بولا تھا یا فلاں آدی کی طرف فلاں جھوٹ منسوب کیا تھا۔ بلکہ نبی اکرمؐ کی سوانح حیات لکھنے والے غیر مسلم مورخین تک نے بھی اس عہد کامل کی قبل نبوت کی زندگی پر کوئی معمولی سا حرف بھی نہیں رکھا اگرچہ وہ ذاتی طور پر نبی اکرمؐ کے مخالف ہی تھے۔ البتہ غیر مسلم سوانح نگاروں نے آپکے زمانہ رسالت کے متعلق جو سوقیانہ حملے کئے ہیں وہ ان وضعی روایات کی بدولت ہیں جن میں ناموس رسالت کو خود ذخیرہ روایت نے داغدار کر رکھا ہے۔ اس میں زیادہ قصور منگھڑت روایتوں کا ہے' غیر مسلم سوانح نگاروں کا کم ہے۔

الختصر! آیت زیر بحث 10/16 میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ کی یہ شان نہیں تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی جھوٹ افتریٰ کر کے غیر قرآن لاتے یا اس میں ردوبدل کر لیتے۔چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اس سے بڑھ کر کون بڑا ظالم ہے جو اللہ کے ذمہ جھوٹ لگائے' اسکی آیتوں کا انکار کرے۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ۝

پس اس سے بڑھ کر کون بڑا ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذمہ افتریٰ کرے (اسکی طرف جھوٹ منسوب کرے) وہ اسکی (نازل کردہ) آیتوں کو جھٹلائے بلاشبہ مجرم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹ لگانے اور اسکی آیتوں کو جھٹلانیوالوں کو بہت بڑے مجرم قرار دیا گیا ہے۔ اور پچھلی آیت میں اسی جرم کی سزا بتائی گئی ہے بڑے دن کا عذاب عظیم۔ اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کی مد مقابل قوم کے مخصوص عقیدے کی خبر بالفاظ ذیل دی گئی ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ

شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ 10/18

اور وہ اللہ کیساتھ ان لوگوں کی فرمانبرداری بھی کرتے ہیں جو نہ انہیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نفع دے سکتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفاعتی ہیں۔ (یہ شفاعت کر کے ہمیں گناہوں کی سزا سے بچالینگے۔ اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ کیا تم (اللہ کے ہاں شفاعتی ٹھہرا کر) اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کی خبر دو گے (گویا کہ) وہ انہیں آسمانوں اور زمین میں جانتا ہی نہیں۔ وہ (اللہ ایسے مشرکانہ تصور سے) پاک ہے۔ جو یہ لوگ (اسکے ہاں شفیع ٹھہرا کر) شرک کرتے ہیں۔

اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مشرکین مکہ غیر اللہ کی فرمانبرداری کرتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے شفاعتی قرار دے رکھا تھا۔ مگر الفاظ بالا میں شفاعت کے معنے بتا دیئے گئے ہیں اس چیز کی خبر دینا جسے قاضی یا جج جانتا نہ ہو۔ جیسے کہ سفارش کرنیوالے دنیوی حاکموں کو یہ بتاتے ہیں کہ جناب! اس شخص کو پولیس والوں نے محض شبہ کی بنا پر گرفتار کر لیا ہے۔ یہ بیچارہ تو بیگناہ ہے۔ لہٰذا اسے چھوڑ دیجئے گا۔

واضح رہے کہ لفظ شفاعت کا سہ حرفی مادہ ش۔ف۔ع= شفع ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے۔ کسی کے ساتھ مساویانہ انداز سے کھڑا ہونا۔ جوڑا ہونا۔ چنانچہ 89/2 میں شفع کا لفظ وتر (طاق) کی ضد کے طور پر آیا ہے۔ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ 89/2 اور شہادت ہے جفت کی اور طاق کی۔ حق شفع بھی اسی مادہ سے مستعمل ہے۔ ہمسایہ کو شفع کا حق اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہمسائے کے ساتھ مساوی کھڑا ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ نے نظریہ شفاعت کو آئت بالا زیر بحث 10/18 میں اس لئے شرک قرار دیا ہے کہ اس سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شفیع اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن معاذ اللہ معاذاللہ! مجرموں کے متعلق وہ خبریں بتائیگا جن کا اسے علم نہ ہو گا۔ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ 10/18 مگر قرآن حکیم نے اس نظریہ کو اس لئے باطل اور غیر اسلامی قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر ایک مجرم کے ایک ایک جرم کا خود آپ عینی گواہ ہے۔ اسے کسی شفاعتی کی ضرورت ہی نہیں جو اسے یہ بتائے کہ فلاں شخص مجرم نہیں' یونہی دھر لیا گیا ہے۔

اسکے برعکس شفاعت کے جو معنے روائتی تفاسیر نے لئے ہیں کہ باری تعالیٰ! میری امت کے فلاں فلاں افراد ہیں تو سچے مجرم' مگر تو اپنے قانون مکافات عمل پر خط تنسیخ کھینچ کر انہیں انکے جرموں کی سزا سے بچالے۔ ایسا تصور کسی صورت میں بھی قابل قبول صحیح اور مبنی بر انصاف قرار نہیں دیا جاسکتا" جس سے اللہ تعالیٰ غیر عادل اور غیر منصف بھی ثابت ہوتا ہے' اور جانبدار بھی' کہ باقی انبیاء کرام کی امتوں کو تو یہ رعائت نہ دی جائے مگر امت محمدیہ کو مکمل جانبدارانہ انداز سے عطا کر دی جائے کہ نبی اکرمؐ اپنی امت کے ان افراد تک کی بھی نجات کروالیں جنہیں دوزخ میں بھیج بھی دیا گیا ہو۔ انکے پاس کوئی نیک عمل بھی نہ ہو' صرف انہوں نے کلمہ پڑھا ہو۔ چونکہ اس غیر قرآنی نظریہ کے مطابق نہ ناموس باری تعالیٰ محفوظ رہتی ہے نہ ناموس رسول' اس لئے یہ نظریہ صد فیصد غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بھی شفیع نہیں ہو سکتا۔ نہ اسے یہ بتانے کے لئے کہ یہ

شخص بیگناہ ہے (اور نہ اللہ تعالیٰ کے جزا سزا کے قانون میں جانبدارانہ استثنٰی پیدا کرنے کے لئے۔

واضح رہے کہ سورہ زمر میں نظریہ شفاعت کی بالفاظ ذیل جڑکاٹ کر رکھدی گئی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (39/44-43) کیا لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شفیع مقرر کر لئے ہیں۔(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک ہی نہ ہوں اور نہ ہی عقل سے کام لیتے ہوں (کہ اللہ تعالیٰ کو شفیع کی ضرورت ہی نہیں) آپ اعلان فرما دیجئے گا کہ شفاعت تو ساری کی ساری صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ آسمانوں اور زمین کی حکومت صرف اسی کی ہے۔ پھر یہ شفیع ٹھہرانے والے اور شفیع ٹھہرائے گئے) سبھی لوگ' اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے اسی کی طرف لوٹائے جائینگے۔

دیکھئے! ان آیات کریمہ میں للّٰہ الشفاعۃ جمیعا کے الفاظ میں للہ جار مجرور مقدم کے حصر کے ساتھ ببانگ دہل اعلان کر دیا گیا ہے کہ شفاعت کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ کیونکہ نہ شفاعت کے روایتی معنوں کے مطابق' حقے سچے مجرموں دوزخیوں کو دوزخ سے نکال کر قانون مکافات عمل میں جانبدارانہ استثنٰی پیدا کرنے کا غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ عمل ہی ذات باری کے شایان شان ہے۔ اور نہ شفاعت کے قرآنی معنوں کے مطابق جو پیچھے 10/18 میں اجاگر کر دیئے گئے ہیں' اللہ تعالیٰ کو کسی شفاعتی کی ضرورت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو یہ بتائے کہ یہ شخص یونہی دھر لیا گیا ہے یہ تو بے چارہ بے گناہ ہے اسے چھوڑ دیجئے۔ یہ ضرورت اس لئے نہیں کہ ہر مجرم کے ایک ایک جرم کا خود اللہ تعالیٰ آپ ہی موقع کا عینی گواہ ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں جہاں شفاعت کا ذکر آیا ہے' وہاں عموماً" الا باذنہ کے الفاظ میں اسکی نفی کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو شفاعت کا قانون ہی کوئی نہیں۔ اور ساتھ ہی اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو مجرموں کے آگے پیچھے کو خود اچھی طرح جانتا ہے اسے شفیع کی کیا ضرورت ہے۔ 2/255 میں ارشاد ہوا ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کون ہے جو اس کے حضور (مجرموں کی) شفاعت کر سکے سوائے اسکے قانون کے (اور شفاعت کا قانون ہے کوئی نہیں۔ شفاعت ساری کی ساری خود اس کے اپنے لئے ہے 39/44 کیونکہ) وہ خود جانتا ہے جو کچھ انکے آگے ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے) 10/3 میں بھی ما من شفیع الا من بعد اذنہ آیا ہے۔ اسکے ہاں اس کے قانون کے بغیر کوئی شفاعت کرنیوالا نہیں۔

سورہ انبیاء میں ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ 21/28 وہ اللہ اسے بھی جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے (یعنی جو انہوں نے آگے بھیجا ہے) اور اسے بھی جانتا ہے جو کچھ ان کے پیچھے ہے (یعنی جو کچھ انہوں نے پیچھے چھوڑا ہے۔ اس لئے اسے کسی شفیع کی ضرورت ہی نہیں)۔ اور وہ (مزعومہ شفاعتی) شفاعت نہیں کریں گے سوائے اس کے جس کے لئے وہ راضی ہو' اور حقیقت یہ ہے کہ (وہ لوگ شفاعت کیا کریں گے) وہ تو اس دن سب اللہ کے خوف سے خود ڈرتے ہونگے۔ اس طرح سورہ طٰہٰ میں ہے۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ

مَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (20/110) قیامت کے دن شفاعت نفع نہ دیگی سوائے اس کے کہ جس کے لئے رحمٰن کا قانون ہو۔ اور وہ اس سے (شفاعت کی) بات کے لئے راضی ہو۔ (مگر ایسا ہو کس طرح سکتا ہے جبکہ) وہ اللہ اسے بھی جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے آگے ہے (یعنی جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا ہے) اور وہ اسے بھی جانتا ہے جو انکے پیچھے ہے (یعنی جو کچھ انہوں نے پیچھے چھوڑا ہے) اور وہ ٹھہرائے گئے شفاعتی اللہ تعالیٰ کے علم پر محیط نہیں ہیں۔ (بلکہ جب اللہ کا علم سب پر محیط ہے تو اسے شفیع کی کیا ضرورت ہے؟)

دیکھئے! ان آیات مجیدہ میں جہاں شفاعت کا ذکر ہے ساتھ ہی الا باذنہ اور یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم کے الفاظ میں شفاعت کی نفی کر دیگئی ہے۔ اذن بمعنی قانون کے لئے قرآنی لغت حاضر ہے۔ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا (7/58) اور اچھی زمین کی پیداوار اپنے رب کے قانون کے مطابق اچھی نکلتی ہے اور جو خراب زمین ہے اسکی پیداوار نہیں نکلتی مگر خراب ہی نکلتی ہے۔ دیکھئے! اس آیت میں اذن کا معنی قانون کے سوا کچھ اور لگ ہی نہیں سکتا۔اور قرآن بھر میں شفاعت کا قانون کہیں موجود ہی نہیں۔ بلکہ جار مجرور کے حصر کے ساتھ خود نبی اکرمؐ سے شفاعت کی کلی نفی کا اعلان کرا دیا گیا ہے۔ قل للّٰہ الشفاعۃ جمیعا (39/44) کہہ دیجئے گا کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کے ہاں کوئی شفیع نہیں ہو سکتا۔ (حقیقت یہ ہے کہ اس نظریہ ہی نے مسلمانوں کو جرائم پر دیدہ دلیر کر رکھا ہے)۔

اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ پوری کی پوری نوع انسانی ہر لحاظ سے ایک ہی جماعت ہے۔ پھر انہوں نے ذاتی مفاد میں پڑ کر اجتماعیت کو توڑ دیا اور آپس میں اقتصادی اختلافات پیدا کر لئے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے بداعمالیوں کی جوابدہی کے لئے قیامت کی عدالت مخصوصہ کا فیصلہ نہ کر دیا ہوتا تو یہ اختلاف اللہ تعالیٰ کو اسقدر ناگوار ہے کہ وہ انکا یہیں فیصلہ کر دیتا۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾

اور نہیں ہے نوع انسانی مگر ایک ہی جماعت ہے۔ پھر انہوں نے (آپس میں) اختلاف کر لیا۔ اور اگر تیرے رب کی طرف سے (قیامت کا) پہلے سے فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا یہ اختلاف اس قدر ناگوار ہے کہ (اے رسولؐ!) انکے درمیان اس امر کا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں تیرے رب کی طرف سے یہیں فیصلہ کر دیا جاتا

امۃ واحدۃ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ کیونکہ اسکا یہ معنیٰ ہے کہ نوع انسانی ہر لحاظ سے ایک ہی گروہ ایک ہی جماعت ہے۔پس نوع انسانی چونکہ پورے کرہ ارض پر آباد ہے۔ اس لئے انسانی وحدت کا دائرہ نہ تو کسی بھی جغرافیائی حدود میں محدود ہو سکتا ہے اور نہ کرہ ارض پر پھیلی ہوئی نوع انسانی کے جدا جدا رنگ اور زبانیں ہی اس عالمگیر وحدت میں حائل ہو سکتی ہیں۔ مگر قرآن کریم کا وحدت انسانی کا اعلان صرف اس لئے نہیں کہ انسان کو صرف اسکی نوعی ایکتا کی خبر دیگئی ہے۔ بلکہ اس پر واضح کر دیا گیا ہے کہ تم سب کے سب کے حقوق و فرائض مطلقاً ایک سے ہیں۔

پوری نوع انسانی کے قرآنی حقوق

قرآن کریم نے پورے کرہ ارض پر بسنے والی نوع انسانی کے متعلق اعلان عام کر رکھا ہے وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (2/36 + 7/24) اور (اے نوع انسانی!) زمین میں تمہارے مرتے دم تک کے لئے تمہارا حق استقرار بھی ہے اور حق ضروریات زندگی بھی ہے۔ یعنی تمہارے ہر فرد کا انسانی حق ہے کہ اسے زندگی کے آخری دم تک کے لئے زمین میں بلا کرایہ مکان بھی میسّر رہے اور ضروریات زندگی خوراک لباس اور علاج بھی آخری دم تک کے لئے بلا توقف ملتی رہیں۔ اور واضح رہے کہ جب تک نوع انسانی کو مذکورہ بالا قرآنی حقوق باقاعدہ میسّر نہ آئیں۔اسوقت تک قرآن مجید کے اولین درس الحمد للّٰہ رب العلمین (1/1) کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ جس کا معنٰی یہ ہے کہ سب اچھی تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پورے عالمین کی ربوبیت کرنیوالا ہے۔ اور ربوبیت کا بنیادی معنی ہے نقطہ آغاز سے شروع کر کے نقطۂ انجام تک پوری پوری نشوونما کرنا۔ چونکہ ہر فرد انسانی کی دنیوی زندگی کا نقطۂ آغاز اسکی پیدائش ہے اور نقطۂ انجام موت ہے۔ اسی لئے ذات باری نے اعلان بالا 2/36 + 7/24 میں بتکرار فرمایا ہے کہ اے نوع انسانی یہ تمہارا پیدائشی حق ہے کہ تمہیں مرتے دم تک کے لئے رہنے کا مکان بھی میسر رہے اور ضروریات زندگی بھی۔

پوری نوع انسانی کے ذمہ قرآنی فرائض

ذات باری نے اپنی مبارک کتاب میں جہاں نوع انسانی کے مندرجہ بالا حقوق کا اعلان فرمارکھا ہے۔ وہاں اسکے ذمہ فرائض کی وضاحت بھی بالفاظ ذیل کر دی ہے۔

- لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ 90/4 بیشک بیشک انسان کو اللہ نے محنت و مشقت کے لئے پیدا کیا ہے۔
- قرآن حکیم میں حرف جار فی کے ذیل کے متعدد معنے مذکور ہیں۔

○ فی بمعنی میں 14/131 ○ فی بمعنی کی وجہ سے 12/32 ○ فی بمعنی مقابلے پر 9/38 فی بمعنی کے ذریعہ 5/91 ○ فی بمعنی کے لئے 2/234 آیت بالا لقد خلقنا الا نسان فی کبد 9/40 میں اسی طرح فی بمعنی کے لئے آیا ہے جس طرح آیت ذیل 2/234 میں بیوہ عورتوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ 2/234 پھر جب بیوہ عورتیں اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تمہارے لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنی جانوں کے لئے بطریق معروف (نکاح ثانی) کر لیں۔

المختصر ہر انسان کے ذمہ قرآنی واجبات میں سرفہرست یہ ہے کہ اسے پوری محنت کے ساتھ کام کرنا ہو گا۔ اور اسلامی حکومت اسکی ضروریات زندگی کی ضامن ہوگی۔ اسلامی معاشرہ میں کوئی ایک فرد بھی بیکار نہیں پایا جائیگا۔ نہ پیران عظام کی صورت میں اور نہ نکما نکھٹو کی صورت میں۔ ہر فرد معاشرہ حسب طاقت و صلاحیت کام کریگا اور اسے کم از کم اجرت اتنی میسّر آئیگی کہ اسکی کوئی بھی انسانی ضرورت مرتے دم تک کے لئے کبھی بھی نہ رکنے پائے یہ ہے قرآن کریم کی روشنی میں پوری نوع

انسانی کے امت واحدہ ہونے کا صحیح مفہوم کہ جملہ افراد انسانیہ حق تکریم انسانی سے سرفراز ہونے (17/70) کے ساتھ ساتھ اقتصادی لحاظ سے بھی باہم دوش بدوش چل رہے ہوں۔ کسی ایک کی بھی کوئی ایک بھی انسانی ضرورت مرتے دم تک کے لئے رکنے نہ پائے (2/36 + 7/24) سے عیاں ہے۔

وحدت صرف نماز کے لئے نہیں۔

مذکورہ بالا صحیح تصور کے برعکس یہ تصور غیر قرآنی ہے کہ جب ہم صف نماز میں ہوں تو ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز۔ یعنی حالت یہ ہو کہ :-

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اور جب مسجد اور صف نماز سے باہر نکلیں توپھر؟ پھر غلام بدستور غلام ہو اور آقا آقا۔ محتاج بدستور محتاج ہو اور غنی غنی واضح رہے کہ آقا و غلام اور محتاج غنی کا تصور غیر قرآنی اور غیر اسلامی ہے۔ وحدت انسانیہ کی قرآنی اساس انسان کے قرآنی حقوق و واجبات پر قائم ہے کہ سب کے سب انسان واجب التکریم ہیں 17/70 اور سب کے سب انسان کام بھی کریں گے اور مرتے دم تک کے لئے ضروریات زندگی مکان' خوراک' لباس اور علاج سے بھی پوری طرح بہرہ ور ہوتے رہیں گے

وحدت انسانیہ میں اختلاف پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے۔

ذات باری نے پوری نوع انسانی کو ہر لحاظ سے ایک ہی امت قرار دینے کے بعد خبردی ہے۔ فاختلفوا پھر لوگوں نے انسانی وحدت میں اختلاف پیدا کر لیا۔ یعنی آقا و غلام اور محتاج و غنی کا تصور پیدا کر کے اسے عملاً" رائج کر دیا۔ اور سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ محتاج و غنی کی فرعونی تقسیم کو الہٰی تقسیم قرار دیکر مطمئن ہو گئے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کا کیا دھرا ہے۔ حالانکہ انسان کے پیدائشی مساویانہ حقوق ربوبیت تو اوپر آیات مجیدہ 1/1 + 2/36 + 7/24 کی روشنی میں وضاحتا" بیان کئے جا چکے ہیں۔ اور محتاج و غنی کی ابلیسی اور فرعونی تقسیم کی وضاحت ذات باری نے آیت ذیل 28/4 میں کر رکھی ہے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ (28/4) "بلاشبہ فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کی اور اپنی رعایا کے (وحدت انسانیہ کے خلاف غریب و امیر) کے طبقے بنا دیئے۔ اس نے ایک طبقے کو غریب کر دیا تھا" پس عوام کو غریب و امیر کے طبقات میں تقسیم کرنا فرعونی تقسیم ہے الہٰی نہیں

آیت مجیدہ زیر بحث 10/19 میں فاختلفوا کے الفاظ میں اسی چیز کی خبر دیگئی ہے کہ انسانی وحدت میں اختلاف خود غرض انسانوں نے خود پیدا کر لیا ہے اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا۔ اور آیت مجیدہ کے اگلے الفاظ ذیل میں اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی ناپسند فرمایا ہے۔ ولو لا کلمة سبقت من ربک لقضی بینهم فیما فیه یختلفون○ (اور اے رسولؐ!) اگر آپ کے رب کی طرف سے (قیامت کی باز پرس کے) قانون کا فیصلہ پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا تو جس چیز (یعنی وحدت انسانیہ) میں لوگوں نے اختلاف پیدا کر لیا ہے انکا فیصلہ یہیں کر دیا جاتا

پس وحدت انسانی کو تکریم انسانیت یا اقتصادی' کسی بھی لحاظ سے پارہ پارہ کرنا غضب الہٰی کے لئے دعوت عام ہے۔ اور

یہی وجہ ہے کہ نوع انسانی باوجود اس کے کہ اسوقت تسخیر کائنات کے ضمن میں بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ قدرت کی بڑی بڑی مہیب قوتوں کے منہ میں لگام دیکر ان سے حسب منشا کام لے رہی ہے۔ چاند پر پہنچ چکی اور مریخ پر پہنچنے کی تیاریوں میں ہے۔ مگر اسوقت اطمینان قلب نامی چیز پورے روئے زمین پر ناپید ہے۔ کرہ ارض کی دونوں سپر طاقتیں امریکہ اور روس' دائمی عدم اطمینان کے جہنم میں ہر آن جل رہی ہیں اور یہ سب کچھ اسی چیز کا کرادھرا ہے کہ انسانی وحدت و مساوات کے کھوکھلے دعووں کے سوا عملی میدان میں دونوں طرف وہی آقا و غلام اور محتاج و غنی کا تصور پوری طرح عملاً" مسلط کر دیا گیا ہے۔ قرآنی شواہد اور کائناتی مشاہدات کیمطابق اسوقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ تکریمی اور اقتصادی ہر لحاظ سے وحدت انسانی کو عملاً" قائم نہ کیا جائے۔

آیت زیر بحث 10/19 میں وحدت انسانی کی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ 10/20 کا تعلق ان منکرین رسالت کے ساتھ ہے جن کا ذکر سابقہ آیت 10/18 میں گزر چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر اللہ کو شفیع ٹھہرا کر کہتے ہیں۔ ویقولون هو لاء شفعاؤ نا عند اللّٰه اور وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے معبود اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفاعتی ہونگے انہی غیر اللہ کو اللہ کے ہاں شفاعتی ٹھہرانیوالوں کے متعلق اگلی آیت مجیدہ 10/20 میں بالفاظ ذیل خبر دیگی ہے۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ فَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾

اور (وہ منکرین رسالت) کہتے ہیں کہ اس (مدعی رسالت) پراسکے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی۔ پس (اے رسولؐ!) آپ کہہ دیجئے گا کہ بلا شبہ غیب صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ پس تم بھی (نتیجے کا) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ (نتیجے کا) منتظر ہوں (دیکھیں الٰہی فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے)

- انبیا سلام علیہم پر نشانیوں کے نازل ہونے کا نظریہ بھی منکرین رسالت کا ہے' قرآنی نظریہ نہیں۔
- ذات باری نے قرآن کریم کے دلائل قاطعہ کو برہان و بیّنات کے نام سے اپنی آیات یعنی نشانیاں قرار دیا ہے۔
- يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُم بُرْهَٰنٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا (4/174) "اے نوع انسانی! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے دلائل قاطعہ آگئے ہیں اور ہم نے تم پر خود بیان کرنیوالی اپنی نورانی کتاب نازل فرمائی ہے جو انسانی زندگی کی تمام تاریک راہوں کو نمایاں کر دیتی ہے" نیز فرمایا۔

وَلَقَدْ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ءَايَٰتٍۭ بَيِّنَٰتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ إِلَّا ٱلْفَٰسِقُونَ (2/99) "اور (اے رسولؐ!) ہم نے آپ کی طرف اپنی آیات بینات نازل فرمائی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہیں انکار کرتے انکا مگر وہ لوگ جو حدوں کو پھاندنے والے ہیں"۔

پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم سمیت انبیا پر جو انکے رب کی طرف سے آیتیں نازل ہوا کرتی تھیں وہ اسکے برہان یعنی وہ دلائل قاطعہ تھے جن کا مخالفین کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔ اور وہ ہوتی تھیں اللہ تعالیٰ کی خود بیان کرنیوالی

آیات بیّنات۔ مگر زمانہ نزول قرآن کے منکرین رسالت نے سابقین منکرین کی طرح یہ عقیدہ تراش رکھا تھا کہ اللہ کا رسولؑ وہ ہوتا ہے کہ اس پر ذات باری کی طرف سے حسّی معجزے نازل ہوتے ہوں۔ چنانچہ آیت زیر بحث میں اسی چیز کی خبر دیگئی ہے کہ نبی اکرم کے منکروں نے یہ کہاکہ اگر یہ نبوت کا دعویدار اپنے دعوے میں سچا ہے تو اس پر کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوا مگر نبی اکرم سے یہ جواب دلایاگیا ہے کہ تم حسّی معجزہ طلب کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں آخری فتح و کامرانی اسکی واضح آیت ہے۔ اسکی نشانی ہے' اسکا معجزہ ہے۔ تم بھی نتیجہ کا انتظار کرو اور میں بھی اسی کا انتظار کرتا ہوں۔ رسل انبیا سلام علیہم کے متعلق ذات باری رب العزت کا دائمی فیصلہ یہ ہے:۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (58/21) اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسولؑ ضرور ضرور غالب رہیں گے (کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ انتہائی قوت والا اور غالب ہے۔ اس آیت کے مطابق رسولوں کا غلبہ اور ان پر نازل کئے گئے برہان قاطعہ اور آیات بینات اسکی آیتیں (معجزے) تھے۔ مگر زمانہ نزول قرآن کے منکرین رسالت نے اپنے مطلوبہ معجزات کی ایک طویل فہرست پیش کر دی۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے کہ انہوں نے کہا۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا۔ اَوْتَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْتَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْيَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْتَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا 17/93-90

(مفہوم) اور ان (منکرین رسالت) نے کہاکہ ہم تجھ پر اسوقت تک ایمان نہیں لائیں گے جبتک کہ تو ہمارے لئے زمین سے چشمہ نہ جاری کر دے۔ یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ تیار نہ ہو جائے۔ پھر اس باغ کی خالی جگہوں میں تو نہریں نہ بہا دے یا جیساکہ تو خیال کرتا ہے ہم پر کوئی آسمان کا ٹکڑا نہ گرا دے۔ یا تو اللہ اورملائکہ کو ہمارے سامنے نہ لے آئے۔ یا تیرا گھر سونے کا نہ بن جائے اور یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔ اور ہم تیرے آسمان پر چڑھنے پر بھی اسوقت تک ایمان نہیں لائینگے جب تک کہ تو لکھی لکھائی کتاب نہ نازل کر دے جسے ہم خود پڑھ لیں۔ (اے رسولؑ!) کہہ دیجئے گاکہ میرا رب اس چیز سے پاک ہے کہ وہ ایسے خوارق عادات کے ذریعہ اپنا قانون منوائے۔ وہ تو اپنے دلائل و برہان نازل کرتاہے تمہیں ہوں میں مگر صرف بشر رسول ہوں۔ (مجھ میں ان خوارق کی طاقت نہیں اور اللہ تعالیٰ جو ان کی طاقت رکھتاہے وہ اپنے مستقل قانون کے مطابق ایسا کرتا نہیں)۔

فقل انما الغیب للّٰہ کے الفاظ میں منکرین رسالت کے ایک اور باطل عقیدے کی نفی کر دیگئی ہے۔ وہ لوگ انبیا کرام کی عدم بشریت پر ایمان رکھتے اور انہیں عالم الغیب مانتے تھے چنانچہ نبی اکرم کو حکم دیاگیا ہے کہ آپ خود اعلان فرما دیجئے گاکہ غیب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ نہ سابقہ انبیاء کرام غیب دان تھے اور نہ ہی میں غیب دان ہوں سورہ اعراف میں نبی اکرم سے ذیل کا اہم اعلان کروا دیاگیا ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (7/188) کہہ دیجئے

گا کہ میں خود اپنے لئے بھی نہ کسی نفع کا مالک ہوں اور نہ ضرر کا' سوائے اللہ تعالٰی کے قانون مشیت کے (کہ مجھے بھی نفع اور ضرر اسکے قانون مشیت کے مطابق آتا ہے) اور اگر میں غیب دان ہوتا تو اپنے لئے بہت سی بھلائیاں سمیٹ لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو نہیں ہوں مگر صرف ماننے والی قوم کے لئے برے کاموں کی بری سزا سے ڈرانیوالا اور اچھے کاموں کی اچھی جزا کی خوشخبری دینے والا ہوں

افسوس ہے کہ زمانہ نزول قرآن کے بعض لوگوں نے نبی اکرم پر ایمان لانے سے اس لئے انکار کر دیا کہ نبی اکرمؐ بندے بشر تھے نہ آپکو ظہور خوارق کی طاقت دیگئی تھی نہ آپ غیب دان تھے اور نہ کسی نفع یا نقصان کے مالک۔ اور ان جملہ امور کی تصدیق و تائید اللہ تعالٰی نے 7/88 میں خود نبی اکرمؐ سے کروا کر قیامت تک کے لئے اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں محفوظ کر دی ہوئی ہے۔ مگر افسوس کہ خود اہل اسلام کا ایک مکتب فکر ایسا ہے جو نبی اکرمؐ سے کروائے گئے اعلانات کے خلاف نبی اکرمؐ کو عالم غیب مختار کل اور اللہ تعالٰی کی طرح حاضر و ناظر تک مانتا ہے ہم ان حضرات کی خدمت میں مودبانہ گزارش کریں گے کہ زمانہ رسالت کے منکرین رسالت کی ہمنوائی نہ کریں اور قرآن کریم میں محفوظ خود نبی اکرمؐ کے اعلانات پر ایمان لانے کے لئے اپنے عقائد پر نظر ثانی کی کوشش فرمائیں۔

انسانی جبلت

اگلی آیت مجیدہ میں باری تعالٰی نے نوع انسانی کی ایک عمومی عادت و حالت بیان فرمائی ہے کہ جب اسے کسی تکلیف کے بعد راحت پہنچتی ہے تو ہماری جن کائناتی آیات (قوانین جاریہ) کے ذریعہ تکلیف رفع ہوتی ہے انکے متعلق مخالف تدبیریں کرتی ہے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ
قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾ ۱۰/۲۱

اور جب ہم انسان کو اس تکلیف کے بعد رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں جو اسے پہنچتی ہے تو وہ ہماری ان آیتوں میں (جن کے ذریعہ اسے رحمت کا مزہ چکھایا گیا) مخالف تدبیریں کرنے لگتا ہے۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے گا کہ اللہ تعالٰی سب سے جلد تدبیر کرنیوالا ہے۔ بلاشبہ ہمارے بھیجے ہوئے لکھتے جاتے ہیں جو تدبیریں تم کرتے ہو

آیت ماقبل میں چونکہ منکرین رسالت کے طلب معجزہ کا ذکر ہے۔اس لئے اس آیت میں خبر دیگئی ہے کہ جب ان لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے جو فبما کسبت اید یکم 42/30 کے قرآنی فیصلے کے مطابق انکے اپنے کسی غلط عمل کی بدولت پہنچی ہوتی ہے۔ اور اسے ہم اپنے قانون جاریہ کے مطابق دور کر کے رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو یہ لوگ اس میں مخالف تجویزیں کر کے اسے اپنے باطل عقیدہ کی تسکین کے لئے اپنے زندہ یا مردہ بزرگوں کی کرامت قرار دیتے ہیں۔

قل اللہ اسرع مکرا کے الفاظ میں اعلان کرا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالٰی بہت جلد تدبیر کرنیوالا ہے مگر وہ اپنے وعدہ

قیامت کے خلاف نہیں کرتا۔ ورنہ تمہارا یہ فعل جو تم اللہ تعالیٰ کے قوانین جاریہ کے اٹل اثرات کو اپنے بزرگوں کی کرامت ٹھہراتے ہو' اسقدر ناپسندیدہ ہے کہ تمہارے خلاف فوراً سزا کا حکم نافذ کر دیا جائے۔

ان رسلنا یکتبون ما تمکرون کے الفاظ میں ہے کہ اپنے وعدہ قیامت کے مطابق تمہاری بری تجویزوں کی سزا قیامت کے دارالجزا پر اٹھا رکھی گئی ہے۔ مگر جو بُرے اعمال تم بجالاتے ہو انہیں ہمارے بھیجے ہوئے ہر وقت لکھتے جاتے ہیں تاکہ قیامت کی عدالت میں تمہارے خلاف تمہارے اعمال کی ایک مکمل فائل تیار ہو جائے' تاکہ تم اپنے جرائم سے انکار نہ کر سکو۔

یہ لکھنے والے کون ہیں۔

انسانی اعمالنامہ لکھنے والوں کے متعلق عام عقیدہ یہ ہے کہ دو فرشتے ہر وقت انسان کے دائیں بائیں موجود ہیں' دائیں طرف والا نیک اعمال لکھتا ہے اور بائیں طرف والا برے اعمال۔ اس نظریئے کے مطابق فی زمانہ دائیں طرف والا تو عموماً بیکار بیٹھا رہتا ہو گا اور بائیں طرف والے کو معمولی سا آرام کرنے کی بھی فرصت میسر نہیں ہوگی۔ قرآن مجید میں انسانی اعمالنامہ کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں بالفاظ ذیل وضاحت کی گئی ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۔(17/14'13) "بلا شبہ ہم نے ہر انسان کا اعمالنامہ اسکی گردن میں باندھ دیا ہے۔ (جب چاہے گردن جھکا کر پڑھ لے) اور اسے ہم قیامت کے دن اسکے لئے ایک کھلی کتاب کی صورت میں نکال دیں گے۔ اور (اسے کہا جائیگا کہ) اپنی کتاب کو خود پڑھ لے۔ آج کے دن تیرے حساب کتاب کے لئے یہ تیرا اعمالنامہ ہی کافی ہے"۔

اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی دماغ کے ریکارڈ روم میں جو ایک مخصوص کتاب رکھی گئی ہے جس میں دماغی قوت جامعہ و قوت حافظہ انسان کا ہر نیک و بد عمل لکھتی چلی جاتی ہیں وہ ہر انسان کا اعمالنامہ ہے۔ اور اس اعمالنامہ کو لکھنے والی قوتوں حافظہ اور جامعہ وغیرہ کو آیت زیر بحث میں رسلنا کہا گیا ہے اور انکی صفت بیان ہوئی ہے یکتبون کہ وہ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ ان انسانی اعمالناموں کی صورت موجود بالکل ایسی ہی ہے کہ ہر اچھا یا برا شخص خواہ وہ پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھا ہو' جب چاہے اپنا اعمالنامہ اس دنیا میں بھی پڑھ سکتا ہے یہ لکھنے والے ذرا سی سستی نہیں کرتے' سب کچھ لکھتے چلے جاتے ہیں۔

اگلی آیات مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ انسان جب پانی کا سفر کرتے ہوئے طوفان میں گھر جاتے ہیں تو خالصاً اللہ کے حضور دعائیں کرتے ہیں کہ تو نجات دے تو ہم تیرے شکرگزار ہونگے۔ مگر جب نجات مل جاتی ہے تو زمین میں ناحق فساد برپا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

" وہ اللہ ہی ہے جو (اے نوع انسانی!) تمہیں (اپنے قوانین جاریہ کے مطابق) خشکی اور سمندر کی سیر کراتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو۔ اور وہ انہیں لیکر باد موافق کے ساتھ چلتی ہیں۔ وہ اس پر خوش ہوتے ہیں۔ (کہ اچانک) ان پر باد مخالف آجاتی اور ان پر ہر طرف سے موجیں امنڈ آتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اس (طوفان میں) گھر چکے ہیں تو پھر اللہ کو اسکے دین کو اسکے لئے خالص کرنیوالے ہو کر پکارتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دیدی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہونگے۔"

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

" پھر ہم جب انہیں اپنے (قانون جاریہ کے مطابق) نجات دیتے ہیں تو پھر وہ زمین میں ناحق بغاوت کرتے ہیں۔ اے نوع انسانی! سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ تمہاری بغاوت کا وبال تمہاری اپنی ہی جانوں پر ہو گا۔ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے (جو تم اٹھا لو) پھر تمہارا لوٹ کر آنا ہماری ہی طرف ہے۔ پھر ہم تم کو خبردیں گے اسکی جو تم عمل بجا لاتے رہے تھے۔"

بحروبر کی سیروسیاحت الٰہی قوانین جاریہ ہی کے مطابق ہوتی ہے۔ خشکی کا سفر تو پیدل یا سواری پر ہوتا ہے۔ مگر سمندر کا سفر کشتیوں کے بغیر نا ممکن ہے۔ پھر بادبانی کشتیوں کے لئے باد موافق کا ہونا لازمی ہے' ورنہ باد مخالف ہو تو زنجیریں پھینک کر کھڑے رہنے ہی میں عافیت میسّر آتی ہے۔ پس واضح رہے کہ جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی آیا ہے کہ فلاں فلاں کام ہم کرتے ہیں۔ وہاں یہی مراد ہوتی ہے کہ ہم اپنے خود مقرر کردہ قوانین جاریہ کے مطابق کرتے ہیں۔

باد موافق و مخالف اللہ تعالیٰ کے قوانین جاریہ کے مطابق ہی چلتی ہیں۔ علم طبیعات کے ماہرین سے مخفی نہیں کہ خشکیوں اور سمندروں میں ہواؤں کے چلنے کے اٹل قوانین الٰہی ہیں۔ جن میں سرفہرست یہ ہے کہ جس خطے کی ہوا گرم اور ہلکی ہو کر اوپر اٹھ جاتی ہے تو اس خلا کو پر کرنے کے لئے ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں۔ یہ ہوائیں چلتی تو ہیں مستقل قوانین الٰہی کےمطابق مگر کسی کشتی کے لئے بیک وقت موافق ہوتی ہیں اور کسی کے لئے مخالف۔ اگر باد مخالف کا ریلہ انتہائی تند و تیز ہو تو کشتیاں اور جہاز ڈوب بھی جاتے ہیں۔ اور اگر باد مخالف کی سمت بدل کر موافق ہو جائے تو طوفان سے نجات مل جاتی ہے۔ جو مسافر طوفان کے عذاب سے بچ جاتے ہیں انہیں نیک اعمال کی مزید مہلت مل جاتی ہے آیات بالا میں بتایا گیا ہے کہ انسان جب طوفان میں گھر جاتا ہے تو اللہ کاخالص فرمانبردار بننے کا عہد کرتا ہے۔ مگر جب عمل کرنے کی مزید مہلت مل جاتی ہے تو پھر

بغاوت شروع کر دیتا ہے۔

مگر انما بغیکم علی انفسکم کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اے نوع انسانی! تمہاری بغاوتوں اور شقاوتوں کا وبال خود تمہاری جانوں پر پڑتا ہے اور پڑیگا تمہاری بغاوتوں سے اللہ تعالیٰ کا تو کچھ بھی نہیں بگڑتا یہ تم ہی ہو کہ تمہارا معاشرہ بد سے بدتر اور بدترین ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور تم اسی زندگی میں جہنم کے عذاب سے دوچار ہو جاتے ہو۔
پھر متاع الحیٰوۃ الدنیا کے الفاظ میں وضاحت کر دیگئی ہے کہ نوع انسانی کی بغاوت کا مرکزی سبب صرف چند روزہ زندگی کا فائدہ اٹھانا ہے۔ حالانکہ نوع انسانی کا ہر ایک فرد اس امر سے صد فیصد واقف اور دانائے راز ہے کہ یہ زندگی چند روزہ ہے۔ یہاں سے لازما" کوچ کرنا ہے اور وہ مال جو بغاوت کے ذریعہ حاصل کر رکھا ہے اسے لازما" چھوڑ کر چلے جانا ہے۔ اسی لئے تادیب کے طور پر کہا گیا ہے۔ متاع الحیٰوۃ الدنیا دنیا کی چند روزہ زندگی کے مال کے لئے بغاوت کرتے ہو جسے یقینا" یقینا" یہیں چھوڑ کر چلے جانا ہے۔ یہ کس قدر ناعاقبت اندیشی ہے تمہاری۔

پھر ثم الینا مرجعکم کے الفاظ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ تم جو دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے قوانین الٰہی کی نافرمانی اور آپس میں ایک دوسرے کی بغاوت کر کے مال جمع کرتے ہو یاد رکھو کہ تم نے ان برے اعمال کی جوابدہی کے لئے ہمارے حضور میں ضرور حاضر ہونا ہے۔ تمہارے لوٹ کر آنے کی جگہ ہماری ہی طرف ہے یعنی تم قیامت کی جوابدہی سے ہرگز نہ بچ سکو گے۔

آیت مجیدہ کے اخیر میں فننبئکم بما کنتم تعملون کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ قیامت کی عدالت عالیہ ایسی مکمل عدالت ہوگی کہ اس میں ہر مجرم کو اسکے جرائم سے متعدد طریقوں سے آگاہ کر دیا جائیگا۔

(ا)　پہلے نمبر پر تو ہر شخص کا نامہ اعمال اسکے گلے میں بندھا ہو گا۔ (17/13) جسے پڑھکر سب پکار اٹھینگے وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (18/49) "اور وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری بدبختی یہ کتاب کیسی ہے کہ اس نے نہ کوئی ہمارا بڑا عمل چھوڑا ہے نہ چھوٹا' سب کو جمع کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس میں ہر عمل کو موجود پائیں گے جو وہ بجالایا کرتے تھے۔"

(ب)　پھر ہر فرد مجرم کے ہاتھ پاؤں اسکے جرم کی گواہی دیں گے۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (36/65) "اس دن ہم انکے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کی ان کرتوتوں کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔" پس جب ہم نے مذکورہ قسم کی عدالت میں پیش ہونا ہے جہاں نہ جرم چھپ سکیں گے اور نہ رشوت سفارش اور دوستی وغیرہ کے ذریعہ سزا سے بچ سکیں گے (2/48) تو چند روزہ زندگی کے ناپائیدار فائدے کے لئے اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرنا کہاں کی عقلمندی ہے

اگلی آیت مجیدہ میں صرف دنیوی زندگی کے طلبگاروں کی مثال کھیتی پر برسنے والے پانی کے ساتھ دیگئی ہے۔ جسکے ساتھ زمین کی وہ مختلف نباتات پیدا ہوتی ہے جس میں سے انسان اور مویشی کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ زمین اسے پکا کر زرد رنگ کر دے اور اسے پھل کے ساتھ مزیّن کر دے اور اس کے مالک یہ گمان کرنے لگیں کہ وہ اسے حاصل کرنے کی طاقت

رکھتے ہیں۔ (مگر) اس پر ہمارا (تباہی کا) حکم رات کیوقت یا دن کیوقت آجائے۔ پھر ہم اسے کٹی ہوئی فصل کی مانند کر دیں گویا کہ وہ کل موجود ہی نہیں تھی۔ گویا کہ جو لوگ صرف اس زندگی کا مال سمیٹنے کے لئے ضابطہ الٰہی کی مخالفت کرتے ہیں۔ انہیں دوسری زندگی میں انکا مال کوئی فائدہ نہیں دیگا یعنی انہوں نے کھیتی میں پوری محنت کی مگر جب وہ تیار ہوئی تو کام نہ آئی۔ تباہ ہو گئی دیکھئے ارشاد باری:۔

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۲۴

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ (صرف) دنیا کی زندگی (کی طلب) کی مثال پانی جیسی ہے کہ ہم اسے آسمان سے نازل کرتے ہیں پھر اسکے ساتھ زمین کی مختلف فصلیں نکل آتی ہیں۔ جن میں سے انسان اور مویشی کھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب زمین اسکے ساتھ سنہری ہو جاتی اور مزین ہو جاتی ہے اور اسکے مالک خیال کرتے ہیں کہ وہ اس پر پوری طاقت رکھتے ہیں۔ (مگر) ہمارا تباہی کا حکم رات کے یا دن کے وقت آجاتا ہے پھر ہم اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیں گویا کہ وہ کل تھی ہی نہیں۔ اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو غور کرنیوالی قوم کے لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

مثال کی حقیقت

واضح رہے کہ مثال وہ ہوتی ہے۔ جس سے مخاطب پہلے ہی اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ اوپر کی مثال کو پورے اہل عالم اچھی طرح جانتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب کھیت کی فصل تیار ہو کر سنہری ہو جاتی یعنی سونے کی طرح چمک اٹھتی ہے' کھیتی کا مالک دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ وہ کل کو اسے کاٹے گا' گاہے گا اور جنس کی بوریاں بھر بھر کر گھر لے جائیگا۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ رات کے یا دن کیوقت طوفان بادو باراں آجاتا ہے اور اسے اس طرح برباد کر دیتا ہے کہ گویا وہ کل موجود ہی نہیں تھی۔ اور اس کھیتی میں سے مالک کو اس میں ڈالا ہوا بیج بھی حاصل نہیں ہوتا۔

یہی مثال ہے اس دنیا کی زندگی میں ناجائز طریقوں سے حصول زر کے لئے کیئے گئے اعمال کی

جس طرح اوپر کی مثال میں انسانی زندگی کی اللہ کے عطا کردہ بارش کے پانی کے ساتھ مثال دیگئی ہے۔ کہ وہ پانی اپنا پورا کام کرتا ہے۔ کھیتوں میں مختلف قسم کی فصلیں پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح انسانی زندگی بھی مختلف اقسام کے کاروبار کے ذریعہ مال پیدا کرتی ہے۔ مگر جو لوگ ضابطہ الٰہی کے اولین سبق ربوبیت عالمینی کو فراموش کر کے عوام کا استحصال کرتے اور ذاتی عیش

کوششوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں انکی اس دنیا کی یہ کھیتی قیامت کو کوئی فصل نہیں دیگی۔ اسی طرح اجڑی ہوئی ہوگی جس طرح اولوں یا بارش اور آندھی کے طوفان سے پکی پکائی کھیتی اجڑ جاتی ہے۔ گویا کہ وہ کل موجود ہی نہیں تھی۔ اسی طرح قیامت کا کل گزشتہ اس دنیا کی زندگی ہے۔ قیامت کو یہ حالت ہوگی کہ ضابطہ الٰہی کی مخالفت کر کے عوام کا خون چوس کر پیدا کیا ہوا مال کل یعنی دنیا میں موجود تھا ہی نہیں۔ آیت بالا کے اخیر پر یہ جملہ لایا گیا ہے۔ کذالک نفصل لایت لقوم یتفکرون ہم اسی طرح غور کرنیوالی قوم کے لئے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ ان الفاظ باری تعالیٰ کے مطابق لازم ہے کہ مذکورہ مثال پر پوری توجہ کے ساتھ غور کیا جائے اور اس زندگی میں ضابطہ الٰہی کی مخالفت سے بچ کر اس دنیا میں کئے گئے اعمال کو پکی پکائی کھیتی کی طرح تباہ و برباد ہونے سے بچا لیا جائے

مال کمانا لازم ہے۔ مگر سنت صحابہؓ پر عمل کرتے ہوئے عین رضاء الٰہی کیمطابق

سورہ فتح میں صحابہؓ کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ سب کے سب خود کما کر کھاتے تھے اور کماتے تھے اللہ کی رضا کیمطابق۔ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (48/29) مال کے بغیر دنیوی زندگی کا گزرنا محال ہے۔ کیونکہ ہر انسان کو ضروریات زندگی ہر آن مستلزم ہیں۔ مگر مال کمایا جانا چاہیئے سنت صحابہؓ پر عمل کرتے ہوئے عین رضاء الٰہی کیمطابق' جس میں نہ استحصال کا عمل دخل ہو اور نہ کسی قسم کی ہیرا پھیری' جھوٹ اور دغا فریب کا' معاشی نظام کی صحیح صورت یہ ہے کہ ہر شخص نوع انسانی کی خدمت کے جذبہ سے معمور ہو۔ ملک کے صدر' اسکے عملہ اور فصلیں پیدا کرنیوالے سے لیکر عام مزدور تک کو ہر آن یہ آرزو بیقرار رکھتی ہو کہ نوع انسانی کو سب سے زیادہ فائدہ مجھ ہی سے پہنچنا چاہیے۔ اس طرح یہ ہو گا کہ ہر شخص خواہ وہ کاشتکار ہو یا دوکاندار' صنعت کار ہو یا مزدور' ملک کا سربراہ ہو یا اسکا عملہ' اپنے کام میں نہ ہیرا پھیری کریگا نہ دغا فریب کو قریب بھٹکنے دیگا۔

چنانچہ نہ وہ ملاوٹ کریگا نہ کم تولیگا۔ نہ ذخیرہ اندوزی اسکا شعار ہوگا نہ بلیک اور سمگل۔ نہ وہ کام چور ہوگا اور نہ رشوت خور۔ پس اسطرح کا کمایا ہوا مال جو رضاء الٰہی کے مطابق نوع انسانی کی خدمت کے جذبہ کے ماتحت حاصل کیا جائے سنت صحابہؓ کے مطابق بھی ہو گا اور اسی جذبہ کے ماتحت اس میں سے سائل و محروم' یعنی حاجتمندوں اور معذوروں کا حق بھی ادا کیا جائیگا تو دنیا کی یہ کھیتی کل قیامت کے دارالجزاء میں فائدہ بھی دیگی' اور وہاں کامیابی و کامرانی کا موجب بھی ہوگی' کٹی ہوئی اور بربادشدہ نہیں ہوگی۔

اگلی دو آیات مجیدہ میں ایسے لوگوں ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور وہ اسے سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو خود (عملاً) چاہتا ہے۔

واضح رہے کہ من یشاء میں یشاء کی فاعل ضمیر مستقر ہے جو من کی طرف پھرتی ہے اللہ کی طرف نہیں پھرتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی کرتا ہے جو خود رہنمائی کا عملاً" طلبگار ہو۔ جیسے کہ (42/13) میں ارشاد ہوا ہے۔ یَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ وہ (اللہ) اپنی طرف اسکی رہنمائی کرتا ہے جو خود اسکی طرف (عملاً") رجوع کرتا ہے۔ یاد رہے کہ رجعت الی اللہ عملاً" ہوتی ہے زبانی زبانی نہیں پس آیت بالا میں ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی کے گھر کی دعوت ہے جو سیدھے راستے کے خود عملاً" طلبگار ہوں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی عملی طلب کی جزا بیان کی گئی ہے۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَةٌ ؕ وَلَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۶

واسطے ان لوگوں کے جو خود نیک عمل کریں نیک جزا ہے اور زیادتی ہے اور ان کے مونہوں کو نہ سیاہی ڈھانپے گی نہ ذلت یہی جنت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

نیک اعمال کی جزا میں اضافہ

اس آیت مجیدہ میں پہلا غور طلب یہ امر ہے کہ للذین احسنوا فعل با فاعل ہے جو الذین کا صلہ ہو کر مبتدا ہے اور الحسنی وزیادۃ معطوفین خبر ہے۔ جس سے کھل کر ثابت ہو رہا ہے کہ نیکی کرنا خود انسان کا اپنا کام ہے اور اسی طرح اگلی آیت مجیدہ میں یہ الفاظ آرہے ہیں وَالَّذِیْنَ كَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جن میں کسبوا السیات کا فاعل بھی الذین ہے۔ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ برے کام کرنا بھی خود انسان کا اپنا کام ہے پس کھل کر ثابت ہو چکا کہ پچھلی آیت مجیدہ میں جو یھدی من یشاء الی صراط مستقیم کے الفاظ آئے ہیں انکا کھلا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی رہنمائی کرتا ہے جو خود اپنے اعمال کے ذریعہ سیدھی راہ کے طلبگار ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق آیت بالا نمبر 26 میں ارشاد ہوا ہے کہ جو لوگ خود نیک عمل بجالاتے ہیں انکے لئے انکا نیک بدلہ ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں انکی جزا میں زیادتی عطا فرمائیگا۔ یعنی نیک اعمال کی جو جزا انکا حق ہے' وہ انہیں اس سے کئی گنا زیادہ بدلہ دیگا۔ اور قیامت کے دارالجزا میں انکے چہروں پر ناکامی و نامرادی کی سیاہی اور ذلت ہرگز نہیں چھائیگی۔

اسکے برعکس اگلی آیت مجیدہ میں برے کام کرنیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ انہیں انکے عمل کے عین برابر سزا دیجائے گی انکی سزا میں زیادتی نہیں کی جائے گی مگر ان کے اپنے برے عملوں کی بدولت قیامت کو ان کے چہروں پر ناکامی کی سیاہی اور ذلت چھا جائیگی۔

وَالَّذِیْنَ كَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷

اور وہ لوگ جو خود برائیاں کرتے ہیں۔ ہر برائی کا بدلہ اس برائی کی مثل ہے۔ اور ان پر ذلت چھا جائیگی۔ اور کوئی بھی انہیں اللہ سے بچانیوالا نہ ہو گا۔ گویا کہ انکے مونہوں پر رات کا سیاہ ٹکڑا اڑھا دیا گیا ہے۔ یہی لوگ آگ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

یہ قیامت کی جزا سزا کا تذکرہ ہے۔

واضح رہے کہ نیکی کی نیک جزا اور برائی کی بُری سزا دنیا میں بھی ملنی لازم ہے مگر چونکہ دنیوی حکومتوں میں رشوت اور سفارش کے ذریعہ برائی کرنیوالے چھوٹ جاتے اور ناکردہ گناہ پکڑ لئے جاتے ہیں اس لئے آیات بالا میں خبر دیگئی ہے کہ قیامت کی عدالت عالیہ میں نیکو کاروں کو انکے نیک اعمال کی نیک جزا دیجائیگی' بلکہ انہیں انکی جزا کو کئی گنا بڑھا دیا جائیگا مگر برے عمل کرنیوالوں کو اس عدالت میں صرف اتنی سزا کا مستحق قرار دیا جائیگا' جتنا انکا جرم ہوگا۔ اس دن نیکو کاروں کے چہروں پر ناکامی اور ذلت کی سیاہی نہیں چھائیگی مگر برے اعمال کرنیوالوں کے چہرے ناکامی اور ذلت کیساتھ سیاہ ہوئے ہوئے ہونگے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۞ ۱۰/۲۸

اور جس دن ہم ان (شریک ٹھہرانیوالوں اور شریک ٹھہرائے گئے) سب کو اکٹھا کر لینگے پھر ہم شریک ٹھہرانیوالوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے (ٹھہرائے ہوئے) شریک اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔ پھر ہم ان میں جدائی ڈال دیں گے۔ اور انکے (ٹھہرائے ہوئے) شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبودیت نہیں کرتے تھے۔

ویوم نحشر ھم جمیعا کے الفاظ میں کھل کر قیامت کی حاضری کی خبر دیگئی ہے۔ جب سارے کے سارے مردے زندہ کر لئے جائینگے اور پہلے پچھلے سب لوگ زندہ کر کے اپنے حضور حاضر کر لئے جائینگے۔ ان الفاظ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اس دن وہ لوگ بھی حاضر عدالت ہونگے جنہوں نے دنیا میں غیر اللہ کو اللہ کے شریک ٹھہرایا ہوا ہے اور وہ لوگ جنہیں شریک ٹھہرایا گیا ہے۔ وہ بھی حاضر کر لئے جائینگے۔ اور انہیں کہا جائیگا کہ تم دونوں فریق شریک ٹھہرانیوالے اور شریک ٹھہرائے گئے الگ الگ اپنی جگہ پر کھڑے رہو

پھر کیا ہو گا؟

پھر وہ دونوں آپس میں جھگڑنے لگیں گے۔ جنہیں دنیا میں اللہ کا شریک ٹھہرایا گیا ہے۔ وہ لوگ شریک ٹھہرانے والوں سے کہیں گے کہ تم ہماری عبودیت (ہماری فرمانبرداری) نہیں کرتے تھے۔ یعنی ہم نے تمہیں ہرگز نہیں کہا تھا کہ تم ہماری

عبودیت کرو۔ بلکہ تم نے ہمارے مرنے کے بعد ہمیں معبود ٹھہرا لیا تھا۔ قرآن مجید میں اسکی مثال عیسیٰ مسیحؑ کی دی گئی ہے کہ انہوں نے مسیحی حضرات کو ہر گز نہ کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دوالٰہ اور بنا لو۔ بلکہ انکی وفات کے بعد عیسائیوں نے تثلیث کا عقیدہ خود اپنے اذہان سے تراش لیا۔ سورہ مائدہ میں آیا ہے کہ قیامت کو اللہ تعالیٰ مسیحؑ سے پوچھیں گے۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (5/116)"اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) فرمائے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ دو الٰہ اور ٹھہرالو" اس پر عیسیٰ مسیحؑ جواب دیں گے۔

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ (5/116)"عیسیٰ مسیح کہے گا کہ تو ہر قسم کی شراکت سے پاک ہے۔ مجھے یہ لائق ہی نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق ہی نہیں ہے"۔ اسی طرح جن جن نبیوں یا دیگر صالحین کو انکی وفات کے بعد لوگوں نے شریک ٹھہرا لیا ہوا ہے۔ قیامت کے دن سب کو جمع کیا جائیگا اور وہ سب کے سب، شریک ٹھہرانیوالوں کو کہیں گے کہ تم ہماری عبودیت نہیں کرتے تھے۔ یعنی ہم نے تمہیں ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ ہمیں اللہ کے شریک ٹھہرانے کا عقیدہ تم نے از خود ہمارے بعد ایجاد کر لیا تھا۔ چنانہ اگلی آیت مجیدہ میں انہی کا قول درج ہے کہ ہمیں تو اس چیز کی خبر بھی نہیں کہ تم نے ہمیں اللہ کے شریک ٹھہرالیا ہوا ہے۔

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ ۲۹

پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے کہ بیشک ہم اس سے بلا شبہ بے خبر تھے جو تم ہماری عبودیت کرتے تھے۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ یہ انبیاء اور صالحین لوگ ہیں جنہیں لوگوں نے للہ کے شریک ٹھہرایا ہوا ہے۔ کسی کو مشکل کشا اور کسی کو دستگیر و حاجت روا ٹھہرا رکھا ہے۔ آیت بالا میں اللہ تعالیٰ کی کفائت شہادت کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ وہ سب بزرگ جنہیں مشکل کشا اور حاجت روا یا دستگیر وغیرہ ٹھہرا لیا گیا ہے۔ انہیں اس چیز کی بالکل خبر ہی نہیں کہ انکے ماننے والوں نے انہیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا ہوا ہے۔ حالانکہ کوئی نبی بھی الٰہی اختیار کا مالک ہرگز نہیں ہے۔ جیسے کہ۔

قرآن مجید میں خود نبی اکرمؐ خاتم النبین سے اعلان کروا دیا گیا ہے کہ لوگو! میں نہ تو خود اپنے لئے کسی نفع یا نقصان کا مالک ہوں اور نہ تمہارے لئے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (7/188) "(اے رسولؐ!) اعلان کر دیجئے گا کہ لوگو! میں تو اپنی جان کے لئے بھی کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ سوائے اسکے کہ مجھے بھی نفع یا نقصان اللہ کے قانون مشیت کے مطابق ہی پہنچتا ہے"

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ (10/49) "(اے رسولؐ!) اعلان کر دیجئے گا کہ لوگو! میں تو اپنی جان کے لئے بھی کسی نقصان یا نفع کا مالک نہیں ہوں۔ سوائے اسکے کہ مجھے بھی نقصان یا نفع اللہ کے قانون مشیت کے مطابق ہی پہنچتا ہے"

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (72/20) "(اے رسولؐ!) اعلان کر دیجئے گا کہ لوگو! بلاشبہ میں تمہارے لئے بھی کسی نقصان یا فائدے کا مالک نہیں ہوں"

اور اسی طرح کا اعلان تمام انبیاء سے بھی کرادیا گیا ہے۔ پھر عملی صورت میں حالت یہ ہے کہ لوگ اپنے زندہ یا مردہ بزرگوں سے بیٹے مانگتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ گھڑ لیا گیا ہے کہ اسکے بزرگ بیٹے دے سکتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو یہ اختیارات سونپ دیئے ہوئے ہیں؟ وہ جسے چاہیں بیٹے دے سکتے ہیں۔ مگر بیٹے دینے کے ضمن میں دو اولو العزم نبیوں ابراہیم اور زکریا کے متعلق قرآن حکیم میں مذکور ہے کہ یہ دونوں نبی اپنے اپنے وقت میں بوڑھے ہوگئے بال سفید ہوگئے۔ بڑھاپے کی کمزوری غالب آگئی۔ مگر اولاد سے محروم تھے۔ نہ ابراہیم کے ہاں بڑھاپے تک بیٹا پیدا ہوا نہ زکریاؑ کے ہاں۔

ابراہیمؑ اور زکریاؑ نے الگ الگ بیٹے کے لئے اللہ کے حضور میں دعا کی

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انبیاؑ و صالحین کو اپنے اختیارات سونپ رکھے ہیں کہ جسے چاہیں بیٹے عطا فرمائیں تو چاہیئے تھا کہ ابراہیمؑ و زکریاؑ مذکورہ بالا اختیارات کے مطابق اپنے آپکو بیٹے عطا فرماتے۔ مگر حالت یہ ہے کہ ابراہیمؑ نے بھی حضور الٰہی میں دعا فرمائی۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (37/100) "اے میرے پروردگار مجھے اپنی جناب سے صالحین میں سے ایک بیٹا عطا فرما" اسکے جواب میں ارشاد ہوا ہے۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ 37/101 "پھر ہم نے اسے ایک حلم والے' برد بار بیٹے کی خوشخبری دی"

الختصر! ابراہیمؑ اولو العزم نبیؑ کے ہاں بیٹا نہیں تھا تو انہوں نے حضور الٰہی ہی میں عرض کی اور انہیں حضور الٰہی ہی سے بیٹا عطا ہوا' تو اس قرآنی واقعہ سے بصورت نصف النہار ثابت ہوا کہ ابراہیم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ جسے چاہیں بیٹے عطا فرمائیں اسی طرح زکریاؑ بوڑھے ہو گئے مگر بیٹا نہیں تھا۔ تو حضور الٰہی میں عرض کیا قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (19/6-4) "(زکریاؑ) نے کہا اے میرے رب بیشک میں ہوں کہ میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں۔ اور میرا سر شعلہ مار چکا ہے۔ (یعنی بال سفید ہو چکے ہیں۔ اور میں اپنے پیچھے اپنے وارث کا خوف رکھتا ہوں۔ حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے۔ پس تو مجھے اپنی جناب سے میرا وارث عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو"

اسکے جواب میں ارشاد ہوا ہے۔ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى (19/7) "ہم نے فرمایا۔ اے زکریاؑ بے شک ہم تجھے ایک بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰؑ ہوگا۔"

ولادت یحییٰ کے متعلق ایک اہم سوال کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر والی آیات مجیدہ میں زکریاؑ کی دعا سے عیاں ہے کہ آپ کے بال سفید اور ہڈیاں کمزور ہو چکی تھیں۔ اور آپکی بیوی بانجھ تھی۔ تو پھر اگر انہیں اسی حالت میں بیٹا دیا گیا تھا تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ فریقین' دونوں ہی اولاد پیدا کرنے کے قابل بھی نہ ہوں اور بیٹا بھی پیدا ہو پڑے۔ اس سوال کا جواب سورہ انبیاء میں دیا گیا ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ (21/90)

پس ہم نے (زکریاؑ) کی دعاقبول فرمائی اور اسے یحییٰؑ عطا فرمایا۔ اس حالت میں کہ ہم نے اسکے لئے اس کی بیوی کی اصلاح کر دی۔ اس آیت مجیدہ سے ثابت ہے کہ زکریاؑ کی بیوی کا علاج کر کے اس کے بانجھ پن کی اصلاح کر دیگئی تھی۔ اور یہ اصلاح زکریاؑ کے لئے کی گئی تھی۔ یعنی اگر چہ زکریاؑ بوڑھے ہو چکے تھے' ہڈیاں کمزور اور بال سفید ہو چکے تھے۔ مگر ان میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ اولاد پیدا کرنے کے ناقابل تھی ان کی زوجہ محترمہ' اسکا علاج کر کے اصلاح کر دیگئی اور یحییٰؑ عین قانون الہٰی کے مطابق ماںباپ کے ملاپ ہی سے پیدا ہوئے تھے۔

رجوع الی المقصود

آیت مجیدہ یونس 29 زیر بحث میں بتایا گیا ہے کہ جن انبیاء و صالحین کو ان کی وفات کے بعد دنیا میں اللہ کے شریک بنا کر مشکل کشا اور حاجت روا ٹھہرا لیا گیا ہے۔ قیامت کو وہ سب اللہ تعالیٰ کی کفائت شہادت کے ساتھ اعلان کریں گے کہ انہی بالکل کوئی خبر نہیں تھی کہ انہیں اللہ کے شریک بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ وہاں قیامت کے دارالجزآء کی عدالت عالیہ میں ہر شخص اس چیز کی خبر پالیگا جو کچھ اس نے آگے بھیجا تھا۔ اور ہر شخص اپنے سچے مولا کی عدالت میں اس دنیا کے اعمال کی جوابدہی کے لئے لوٹایا جائیگا۔ اور ان سے وہ سب کچھ گم ہو جائے گا۔ جو وہ اپنے ذہن میں افترا کیا کرتے تھے۔ یعنی جنہیں انہوں نے افترا کر کے اپنے حاجت روا اور شفیع بنا رکھا ہے قیامت کو کسی کے کام نہیں آئینگے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ۳۰

وہاں (قیامت میں) ہر شخص اسکی خبر پالیگا جو کچھ اس نے آگے بھیجا تھا اور وہ اپنے سچے مولیٰ کی طرف لوٹائے جائینگے اور جو کچھ وہ افترا کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائیگا۔

مشرکوں کی پہچان

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ان لوگوں کی پہچان بتائی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کیساتھ غیراللہ بزرگوں کو شریک ٹھہرا کر ان سے مدد مرادیں مانگتے رہتے ہیں۔ وہ دراصل اللہ کے اختیارات میں اپنے بزرگوں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ
يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ۱۰/۳۱

(اے رسولؐ!) ان سے پوچھئے کہ تمہیں آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے۔ یا کون کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے۔ اور کون مردہ میں سے زندہ نکالتا ہے اور زندوں میں سے مردہ نکالتا ہے۔ اور کون ہے جو ہر کائناتی امر کی تدبیر کرتا ہے۔ پس وہ ضرور یہ جواب دیں گے' اللہ تعالیٰ پھر آپ کہہ دیجئے گا کہ پھر تم (اللہ کے شریک کیوں ٹھہراتے ہو اور مذکورہ حقائق کی مخالفت سے کیوں نہیں بچتے۔

اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا صفات کے خصوصی اظہار کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى
تُصْرَفُوْنَ ۝ ۱۰/۳۲

''پس مذکورہ بالا صفات والا ہے تمہارا سچا رب پس نہیں ہے حق کے بعد مگر صرف گمراہی۔ پھر تم کس طرف کو پھرے جارہے ہو''

آیت بالا میں اللہ تعالیٰ ہی کو جو مذکورہ بالا صفات مخصوصہ کا مالک ہے' لوگوں کا سچا رب کہا گیا ہے۔ پس سیاقِ کلام کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو حاجت روا' مشکل کشا اور دستگیر ٹھہرا کر انہیں جھوٹے رب ٹھہرا لیا جاتا ہے جو آیت بالا کیمطابق خالصاً'' گمراہی ہے۔ اسکے باوجود لوگ جس طرف کو اندھے بہرے ہو کر بھاگے جارہے ہیں اس سے روک دیا گیا اور وضاحت کر دی گئی ہے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۰/۳۳

(اے رسولؐ!) اسی طرح تیرے رب کے کلمات (قوانین) ان لوگوں پر واجب ہو چکے ہیں جو اللہ کی حدیں پھاندتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

سیاقِ کلام کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے بزرگوں کو اسکے اختیارات خصوصی میں شریک کرنیوالے اللہ کی حدیں پھاندنے والے ہیں۔ اور باوجود اسکے کہ وہ اللہ ہی کو رزق دینے والا' زندے سے مردہ اور مردے سے زندہ نکالنے والا اور کائناتی امور کی تدبیر کرنے والا کہتے ہیں مگر الٰہی فیصلہ کے مطابق بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے۔
اس سے اگلی دو آیات کریمات میں پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں سے نبی اکرمؐ کو ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے متعلق کچھ سوالات کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان سوالوں کے جواب بھی خود ہی دیدیئے ہیں۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

(اے رسولؐ! ان شریک ٹھہرانے والوں سے) کہے گا کہ کیا تمہارے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں میں کوئی ہے جو (کسی مخلوق کو) پہلی مرتبہ پیدا کرتا اور پھر اسکا اعادہ کرتا ہے (انکا جواب ہو گا کوئی نہیں آپ کہہ دیجئے گا اللہ پہلی مرتبہ پیدا کرتا اور پھر اسکا اعادہ کرتا ہے۔ تو پھر جب ان میں ایسا کرنے والا ہے ہی کوئی نہیں تو' پھر تم کس طرف الٹے پھرے جا رہے ہو۔

اس آیت مجیدہ میں هل من شرکائکم من یبدؤ الخلق ثم یعیدہ کا جواب جو خطوط وحدانیوں میں لکھا گیا ہے۔ محذوف ہے کہ انکے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو کسی بھی چیز کو پیدا کرتا اور پھر اسکا اعادہ کرتا ہو۔ اسی لئے شریک ٹھہرانے والوں کو کہا گیا ہے۔ فانی توفکون کہ پھر تم کس طرف کو الٹے پھرے جارہے ہو۔ یعنی اس اللہ کیساتھ جو مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے اور پھر اسکے اعادہ کرنے کی بھی طاقت اور قدرت رکھتا ہے اوروں کو شریک کرتے ہو۔

یبدؤ الخلق کا مصدری مفہوم ہے کسی مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کرنا اور ثم یعیدہ کے مصدری مفہوم دو ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ پہلی مرتبہ پیدا کی ہوئی مخلوق کو پھر افزائش نسل کی صورت میں بار بار پیدا کرتے رہنا۔ اور دوسرا یہ کہ قیامت کو دوبارہ پیدا کر کے اس زندگی کے اعمال کی جزا سزا کے لئے اپنے حضور حاضر کر لینا۔ یہ صورت صرف انسان کیساتھ مختص ہے کیونکہ پوری کائنات میں صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جو اعمالی صورت میں صاحب اختیار وارادہ بھی ہے اور اپنے خالق و مالک کے حضور جوابدہ بھی۔ اس سے اگلی آیت میں مزید ارشاد ہوا ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

(اے رسولؐ!) ان شریک ٹھہرانیوالوں سے) کہئے گا' کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کہدیجئے گا اللہ حق کی رہنمائی کرتا ہے (اسکے سوا کوئی نہیں کرتا) تو پھر کیا وہ جو حق کی رہنمائی کرتا ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ اسکی اتباع کی جائے یا وہ جو رہنمائی نہیں کرتا۔ بلکہ یہ کہ اسکی رہنمائی کی جائے (یعنی جو خود ہی رہنمائی کا محتاج ہے) پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے' تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔

کیف تحکمون کے الفاظ میں زور دار انداز میں کہدیا گیا ہے کہ اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرانے کے تمہارے فیصلے مطلقاً غلط ہیں۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانیوالے حق کی نہیں بلکہ محض ظن و قیاس کی پیروی کرتے ہیں۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶

اور انکی اکثریت صرف ظن (قیاس) ہی کی پیروی کرتی ہے۔ بلاشبہ ظن' حق کے مقابلے پر کوئی کام نہیں دیتا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بڑھ کر جاننے والا ہے جو جو وہ فعل کرتے ہیں۔

یہاں پر غیر اللہ کو اللہ کے شریک ٹھہرانے کی اساس صرف ظن و قیاس بتائی گئی ہے۔ یعنی اس چیز میں ہرگز ہرگز کوئی حقیقت نہیں ہوتی' صرف قیاس کر لیا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ مشکلیں حل کر سکتا ہے۔ مرادیں پوری کر سکتا ہے۔ دستگیری کہہ سکتا اور بگڑے ہوئے کام سنوار سکتا ہے۔ حالانکہ جب مشکل کشا و حاجت روا ٹھہرائے ہوئے افراد کے اندر جھانک کر دیکھا جائے تو وہ لوگ خود مشکلوں میں گھرے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ انکی اپنی درجنوں مرادیں نامراد پڑی ہوتی ہیں۔ اور انکے اپنے سینکڑوں کام بگڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں قرآن مجید کے متعلق اعلان کیا گیا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے اس پر افترٰی نہیں کیا گیا۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰي مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ
بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۷

اور نہیں ہے یہ قرآن ایسا کہ اللہ کے سوا کسی اور کا اِفترٰی کردہ ہو۔ ولیکن یہ اسکی (یعنی ان کتابوں کی) تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہیں۔ اور یہ ہماری کتاب (صحیفہ فطرت) کی تفصیل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ یہ (قرآن کریم افترٰی نہیں بلکہ) رب العلمین کی طرف سے (نازل کردہ) ہے۔

قرآن مجیدہ کے متعلق متعدد مقامات پر آیا ہے کہ یہ افترٰی کردہ نہیں' بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔ مخالفین کہتے تھے کہ یہ رسولؐ مقبول کا خود افترای کردہ ہے اس آیت میں اسکے منزل مِنَ اللہ ہونے کی یہ دلیل دی گئی ہے کہ یہ سابقہ منزل من اللہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ سابقہ کتابوں تورات و انجیل میں جو غیر محرف ہیں خود نبی اکرمؐ کی تشریف آوری کی خبردی گئی ہے۔

يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (7/157) وہ اس رسول نبی امی کو اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ تو آیت بالا میں بتایا گیا ہے کہ سابقہ کتابوں میں نبی اکرمؐ کی آمد کی پیش گوئیاں نبی اکرمؐ نے نہیں

لکھی تھیں۔ قرآن مجید نے سابقہ کتب میں درج پیش گوئیوں کی صحیح صحیح خبر دیکر انکی تصدیق کر دی ہے۔

اسکے علاوہ دوسرے یہ کہ قرآن مجید نے سابقہ تمام نبیوں اور تمام کی تمام کتابوں کی صداقت کی خبر دیکر بھی انکی تصدیق کر رکھی ہے۔ تفصیل الکتب کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ قرآن اپنی تفصیل خود آپ کرتا ہے۔ اور الکتب سے مراد خود قرآن کریم ہے اسکی تائید اس آیت میں موجود ہے۔ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَٰكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا (25/33)(اور اے رسولؐ !) لوگ آپ کے پاس اس کتاب کی مثل نہیں لائیں گے۔ مگر ہم ہی ہیں جو آپ کے پاس اپنا حق (قرآن بھی) لاتے ہیں اور اسکی احسن تفسیر بھی لاتے ہیں اور اسکا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ قرآن مجید صحیفہ فطرت کی تفسیر ہے۔ اس پر یہ دو آیتیں دلیل ہیں۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ بِالْحَقِّ (3/3) (اے رسولؐ ! اللہ نے) آپ پر اپنی کتاب قرآن مجید کو بھی بالحق نازل فرمایا ہے۔

خَلَقَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ (16/3) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین (یعنی صحیفہ کائنات) کو بھی بالحق پیدا فرمایا ہے تو اس طرح قرآن و کائنات جو دونوں بالحق ہیں دونوں ایک دوسرے کے عین مطابق ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی تفسیر ہیں۔ اس طرح آیت بالا میں الکتب سے مراد صحیفہ فطرت ہے اور قرآن کریم اسکی تفسیر ہے۔

لا ریب فیه من رب العلمین یہاں یہ قرآن کریم کی تفسیر ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ محمد رسول اللہ کا افترٰی نہیں بلکہ جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اسی چیز پر اگلی آیت مجیدہ شاہد ہے۔ جسمیں ارشاد ہوا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِۦ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٣٨﴾

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسے (قرآن کو رسولؐ نے) خود افترٰی کر لیا ہے۔ (آپ انہیں) کہدیجئے گا کہ تم بھی ایک سورت اس جیسی لے آؤ۔ اور تم میں جتنی استطاعت ہے اسکے مطابق جس جس کو بلا سکتے ہو اللہ کے سوا بلا لو۔ اگر تم اپنے (دعوے میں) سچے ہو۔

فاتو بسورة مثله کا چیلنج مخالفین رسولؐ کے اس دعوے پر دیا گیا ہے جو وہ یہ کہتے تھے کہ اس قرآن کو اس مدعی نبوت نے خود گھڑ کر اللہ کے ذمہ لگا دیا ہے۔ اسلئے کہا گیا ہے کہ اگر وہ قرآن گھڑ سکتا ہے تو تم بھی اس جیسے بشر انسان ہو تم اس جیسی ایک سورت ہی گھڑ کر لے آؤ

وادعوا من استطعتم کے الفاظ میں اسی چیلنج کو اور وسیع کر دیا گیا ہے کہ تم جتنی بھی طاقت رکھتے ہو اس کے مطابق جس جس کو چاہو اپنی مدد کے لئے بلا لو۔ مگر اس جیسی ایک سورت بھی نہ بنا سکو گے۔ سورہ بنی اسرائیل میں اسی عنوان

کو بالفاظ ذیل بیان کیا ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (17/88) (اے رسول!) "کہدیجئے گا کہ اگر انسان و جن(مدنی اور بدوی) سب لوگ بھی اس امر پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو ہرگز نہیں لائینگے۔ اور اگر چہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار بھی ہو جائیں"۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم کی مثل سے مراد اس جیسی جامع اور بلیغ کلام ہونے کے علاوہ ایسے قوانین اور ایسے ضابطہ حیات پر مشتمل ہو کہ اس میں قیامت تک کے بدلتے ہوئے حالات میں کبھی بھی کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ پڑے۔ ایسی کلام پورے کرہ ارض پر کہیں بھی نہ آجتک پائی گئی ہے اور نہ قیامت تک پائی جائیگی۔ مگر قرآن حکیم کے پیش کردہ قوانین میں نہ آج تک کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت لاحق ہوئی ہے نہ قیامت تک لاحق ہوگی۔ اسکے برعکس بڑے بڑے فلاسفروں' دانشوروں اور مفکروں کے بنائے ہوئے قوانین پورے کرہ ارض پر ہمارے سامنے ہیں' مگر مشاہدہ گواہ ہے کہ وہ آج قانون بناتے ہیں اور کل اس میں ترمیم کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ بیچارے نہیں جانتے کہ چند ہفتوں یا چند مہینوں کے بعد حالات کس طرف کو کروٹ لے جائینگے۔ اس لئے جب زود یا بدیر حالات بدل جاتے ہیں تو انکے بڑے غور و فکر کے بعد کے بنائے ہوئے قوانین فیل ہو جاتے ہیں۔ اسکے برعکس اللہ تعالیٰ چونکہ قیامت تک کے بدلتے ہوئے حالات سے پورا پورا باخبر ہے۔ اس لئے اس کے نازل کردہ قرآن کریم کے قوانین میں نہ چودہ سو سال سے کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت پڑی ہے نہ قیامت تک پڑیگی۔

اگلی آیت مجیدہ میں کہا گیا ہے کہ قرآن مجید کو جھٹلانے والے دراصل اس اللہ کو جھٹلاتے ہیں' جس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۹

(یہ لوگ قرآن کو نہیں جھٹلاتے) بلکہ اس (اس کے نازل کرنیوالے) کو جھٹلاتے ہیں اس لئے کہ اسکے علم کا احاطہ نہیں کر سکے۔ اور ابھی تو انکے پاس اسکی حقیقت نہیں آئی (جب یہ تمام ضابطوں پر غالب آئیگا (9/33 + 48/28) اور اسکے مخالفوں کو شکست فاش ہو جائیگی (3/12) تو پھر انہیں پتہ چلے گا) اسی طرح پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پھر اے مخاطب! غور کر کہ (جھٹلانیوالے) ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ کے الفاظ میں قرآن کو جھٹلانے کی وجہ بیان کر دیگئی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علم تک نہیں پہنچ سکے یعنی اسکے نازل کردہ ضابطے کی حقیقت کو نہیں پا سکے' بلکہ اپنے آپکو بڑے دانشور اور مدبّر و مفکر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ انکے بنائے ہوئے ضابطے ہر آن فیل ہوتے رہتے ہیں اور وہ خود سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

مگر ان میں کچھ لوگ سمجھدار بھی ہیں

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ انکے اپنے قوانین کے آئے دن کی ناکامی کو نگاہوں کے سامنے رکھ کر انہی میں سے
کچھ لوگ اس نہ بدلنے والے قرآنی قانون پر ایمان لے آئینگے۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یُّؤۡمِنُ بِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّا یُؤۡمِنُ بِهٖ ؕ وَ رَبُّكَ اَعۡلَمُ
بِالۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۴۰﴾

اور ان میں سے کچھ لوگ تو اس (قرآنی ضابطہ حیات) کے ساتھ ایمان لے آئینگے' اور
ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ایمان نہیں لائینگے۔ (آپ انہیں نہیں جانتے) آپکا
رب ان مفسدوں کو خوب خوب جاننے والا ہے۔

ضابطہ الٰہی پر ایمان نہ لانیوالوں کو مفسدین یعنی فسادی اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کے متوازن اور ربوبیت
بردوش ضابطہ کے نفاذ کیساتھ ان لوگوں کو انکے حقوق ربوبیت پہنچنے دینا نہیں چاہتے جن کا وہ دن رات استحصال کر کے انکا خون
چوستے اور اپنی جیبیں بھرتے رہتے ہیں۔

واضح رہے کہ دنیا بھر میں صرف قرآنی ضابطہ حیات ہی وہ رحمت بھرا قانون ہے جس کی اساس ربوبیت عالمینی پر قائم
ہے اور اس ضابطہ حیات کا اولین اعلان ہی ربوبیت عالمینی کا ہے۔

الحمد اللہ رب العلمین (1/1) سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کی ربوبیت کرنیوالا
ہے مگر جو لوگ عوام کے استحصال پر گلچھرے اڑاتے ہوں' یعنی جن کے منہ کو عوام کا خون لگ چکا ہو' نہ وہ سابقہ زمانوں
میں بھی الٰہی نظام ربوبیت کا نفاذ برداشت کرتے تھے نہ آج کرتے ہیں۔

اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو ارشاد ہوا ہے کہ آپ مخالفوں سے بر ملا کہدیجئے گا کہ اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو لب
حق و باطل کا فیصلہ آخری انجام پر ہو گا۔ تم اپنے ضابطوں پر عمل کرتے چلے جاؤ اور میں الٰہی ضابطے پر عمل کرتا چلا جاتا ہوں۔

وَ اِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّیۡ عَمَلِیۡ وَ لَكُمۡ عَمَلُكُمۡ ۚ اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـــُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ
وَ اَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾

اور (اے رسولؐ!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کوئی بات نہیں) آپ ان سے
کہدیجئے گا کہ میرا عمل میرے لئے ہے تم اس سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور تمہارا
عمل تمہارے لئے ہے میں اس سے بری ہوں جو عمل تم کرتے ہو۔

لی عملی سے مراد یہ ہے کہ میرے عمل کا اچھا یا برا نتیجہ میرے لئے مرتب ہو گا یعنی میرے اعمال میرے ہی
لئے اچھے برے نتائج برآمد کر کے رہیں گے تمہارے لئے نہیں۔ اور لکم عملکم کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے اعمال
تمہارے ہی لئے اچھا یا برا نتیجہ برآمد کر کے رہیں گے میرے لئے نہیں۔

اور اسی طرح انتم بریٔون مما اعمل سے مراد یہ ہے کہ جو عمل میں کرتا ہوں انکا نتیجہ تمہارے لئے نہیں مرتب ہوگا میرے ہی لئے مرتب ہو گا اور انا بری مما تعملون سے مراد یہ ہے کہ جو عمل تم بجالاتے ہو انکا نتیجہ میرے لئے مرتب نہیں ہو گا تمہارے ہی لئے مرتب ہو گا۔ اور بالاخر ہمارے الگ الگ اعمال سے برآمد شدہ نتائج بشکل مشہود سامنے آجائیں گے کہ کون غالب اور کون مغلوب ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر کونسا ضابطہ حیات اپنے عامل کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کرتا ہے اور کونسا ضابطہ اپنے عامل کو شکست و ناکامی کے قعرِ ذلت میں پھینک دیتا ہے۔

فتح و نصرت کی خوشخبری

قرآن کریم نے اس سلسلے کا آخری نتیجہ یہ بتایا ہے کہ ضابطہ الٰہی قرآن حکیم کے عامل نبی اکرمؐ اور صحابہؓ اکرام آخرالامر کامیاب و کامران ہونگے۔ اور قرآنی دین میں لوگ فوج در جوج شامل ہو جائیں گے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (110/3-1)

جب (تمہارے قرآنی اعمال کے نتیجہ کے طور پر) اللہ کی مدد اور فتح آجائیگی تو (اے رسولؐ!) آپ دیکھیں گے کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونگے۔ آپ اپنے رب کی حمد کیساتھ ساتھ اپنافرض منصبی ادا کرتے رہیں اور اس سے عملاً" بچاؤ طلب کرتے رہیں۔ بلاشبہ وہ رجوع برحمت ہونیوالا ہے۔

فتح عظیم آگئی

سورہ فتح میں ارشاد ہوا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (48/1) بیشک ہم نے (اے رسولؐ!) آپکو فتح مبین' (ظاہر فتح عطا فرمائی۔ یہ فتح مبین کیا تھی؟ اسکی وضاحت اسی سورہ فتح میں اسطرح کیگئی ہے کہ جب نبی اکرمؐ فتح مکہ کے لئے صحابہؓ کرام کا لشکر جرار لیکر وادی مکہ میں پہنچے تو وہی دشمن جو متعدد بار مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ نبی اکرمؐ کی فوجی تیاری سے اسقدر مرعوب ہوا کہ بلا جنگ و جدال شکست تسلیم کرلی۔ چنانچہ انتہائی واضح الفاظ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا 48/24

اور وہ اللہ وہ ہے جس نے وادی مکہ میں ان (تمہارے دشمنوں) کے ہاتھ تم سے روکدیئے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکدیئے پیچھے اسکے کہ ان پر تمہارا رعب ڈالدیا۔ اور اللہ تمہارے ان اعمال کو دیکھتا تھا جو تم (فوجی تیاری کے ضمن میں) کرتے رہے تھے۔

بلا جنگ و جدال فتح بھی قرآنی آئین پر عمل ہی کا نتیجہ ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس سوال کا جواب ضروری ہے کہ نبی اکرمؐ کو بلا جنگ و جدال فتح کیوں ہوئی۔ اور دشمن پر کس

چیز کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ اسکے جواب کے لئے آیت مجیدہ زیر بحث کے الفاظ لِیْ عَمَلِیْ کو پھر نگاہوں کے سامنے لائیے کہ میرے عمل میرے ہی لئے ہیں وہ ضرور ضرور اپنا نتیجہ بر آمد کر کے رہیں گے۔ چونکہ نبی اکرمؐ کے اعمال سب کے سب قرآن کریم کے عین مطابق تھے اسلیئے ظاہر ہے کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے جو حکم باری تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ لاریب کتاب میں درج فرمایا اس پر بھی نبی اکرمؐ کا صد فیصد عمل تھا۔

اس سلسلے میں ارشاد باری ہے کہ ایمان والو! دشمن کے مقابلہ کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ اتنی فوجی قوت تیار کرتے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ کا اور تمہارا دشمن گھر بیٹھے کانپتا رہے۔ چنانچہ سورہ انفال میں نہائت بلیغ انداز کے ساتھ کھلے لفظوں میں ارشاد ہوا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (8/60)

ترجمہ(مفہوم) اور (ایمان والو!) ان (دشمنوں کے مقابلہ) کے لئے تم میں جتنی بھی استطاعت ہے زیادہ سے زیادہ فوجی عسکری قوت تیار کرتے رہو۔ خصوصاً (الخیل) یعنی تیز رفتار ذرائع رسل و رسائل کی تمہارے ہاں بہتات ہو۔ تم اس عسکری قوت کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمن کو دہلاتے رہو گے۔ اور (جن دشمنوں کو تم جانتے ہو) انکے سوا اور بھی تمہارے دشمن ہیں تم انہیں نہیں جانتے۔ اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور تم (اس فوجی قوت کی تیاری کے لئے) جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے (یعنی اسلامی نظام کو جو کچھ بطور قرضہ دو گے) وہ تمہیں واپس کر دیا جائیگا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔

دیکھئے اس آیت مجیدہ (8/60) میں فوجی قوت تیار کرنے کا کتنا اہم حکم دیا گیا ہے اور اسکا عملی دائرہ کسقدر وسیع قرار دیا گیا ہے کہ اگر اسکے لئے عوام سے قرضہ جات بھی حاصل کرنے پڑیں تو حاصل کر لئے جائیں۔ پس نبی اکرمؐ جب ضابطہ الٰہی کے حکم بالا 8/60 کے مطابق استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کر کے فتح مکہ کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر وادی مکہ میں پہنچے تو دشمن نے آپ کی بے پناہ فوجی قوت سے مرعوب ہو کر بلا جنگ و جدال شکست قبول کر لی۔ یہ فتح مبین 48/1 بھی لِیْ عَمَلِیْ کے مطابق تھی جو نبی اکرمؐ کے قرآنی عمل کے مطابق ہی نصیب ہوئی تھی۔ اور دشمنوں کو لَكُمْ عَمَلُكُمْ کے مطابق انکے اعمال کے نتیجہ کے طور پر ہی شکست نصیب ہوئی تھی۔

آیت نمبر 40 میں خبر دیگئی ہے۔ اور ان میں سے کچھ لوگ تو (قرآنی ضابطہ حیات) کے ساتھ ایمان لے آئیں گے۔ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے۔ (آپ انہیں نہیں جانتے) آپکا رب ان مفسدوں کو خوب خوب جاننے والا ہے۔

آیت مجیدہ نمبر 41 میں ارشاد ہوا کہ۔ (اے رسولؐ!) اگر یہ لوگ آپکو جھٹلاتے ہیں تو (کوئی بات نہیں) آپ ان سے کہدیجئے گا کہ میرا عمل میرے لئے ہے تم اس سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے' میں اس سے بری ہوں: جو عمل تم کرتے ہو۔ یعنی تمہارے اعمال تمہارے ہی لئے اچھے یا برے انجام کا موجب بنیں گے۔ اور میرے اعمال میرے ہی لیے اچھے یا برے انجام کا سبب ہونگے۔ جب نتیجہ برآمد ہو گا تو پتہ چل جائیگا کہ کس کے اعمال اچھے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں۔ تم میرے اعمال کے نتیجہ سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال کے نتیجہ سے بری ہوں۔

اس آخری اور دو ٹوک فیصلے کے بعد نبی اکرمؐ کو مخاطب کر کے اگلی دو آیتوں میں ارشاد ہوا ہے کہ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ آپکی طرف توجہ کر کے سنتے ہیں مگر انہوں نے کانوں میں تعصب کے ڈاٹ لگا رکھے ہیں تو کیا آپ بہروں کو قرآن سنائینگے؟

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴۲

اور ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو آپ کی طرف بظاہر سنتے ہیں (لیکن حقیقت میں وہ سنتے نہیں) پھر کیا آپ بہروں کو سنائینگے۔ اور اگرچہ وہ لوگ عقل سے کام ہی نہ لیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۴۳

اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو آپکی طرف دیکھتے ہیں (مگر وہ عقل کے اندھے ہیں)۔ پھر کیا آپ اندھوں کو راہ بتائیں گے۔ اگر چہ وہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں۔

تعصب کے بہرے اور تعصب کے اندھے

اوپر آیت نمبر42 میں بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ نبی اکرمؐ کا تبلیغی کلام سنتے تو تھے، مگر وہ دراصل سن ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ عقل سے کام ہی نہیں لیتے تھے۔ ایسے لوگوں نے عقل پر تعصب کے دبیز پردے ڈال رکھے ہوتے ہیں اسلئے وہ سننے کے باوجود ایسے ہوتے ہیں کہ کچھ سناہی نہیں - اس قسم کے افراد تعصب کے بہرے ہوتے ہیں۔نہ عقل سے کام لیا اور نہ قرآنی حقائق کی روشنی سے دماغ منور ہونے پایا۔

آیت نمبر43 میں ایسے ہی لوگوں کو عقل کے اندھے کہا گیا ہے۔ کیونکہ نبی اکرمؐ کے اعلیٰ ترین کردار کو خود آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود آپکی عظمت شان کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ ایسے لوگوں کی عقل پر پڑے ہوئے تعصب کے پردوں ہی کا اثر ہوتا ہے۔ کہ انہیں آنکھوں کے ہوتے ہوئے قرآنی نور دکھائی نہیں دیتا۔ اس قسم کے لوگ تعصب کے بہرے اور تعصب کے اندھے ہونے کی بدولت نہ قرآنی حقائق کو سنتے ہیں اور نہ انکے بابرکت اثرات کو دیکھتے ہیں۔ اور اس طرح خود ہی ہدائت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ لوگ ہدائت سے دور رہکر خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۴

بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ و لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر آپ ظلم کر لیتے ہیں۔

اس آیت مجیدہ میں منفی اور مثبت دونوں انداز میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ کسی بھی صورت میں محروم پائے جاتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں کیا ہوتا بلکہ وہ خود اپنی ہی غلط کاریوں اور بد اعمالیوں کی بدولت محروم ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔

اوپر والی آیات کریمات کے سیاق کلام میں ذکر ہے نبی اکرمؐ کی تبلیغ سننے کے باوجود اور نبی اکرمؐ کے عظمت کردار و اخلاق کو دیکھنے کے باوجود ہدایت سے خود محروم رہنا۔ اس عنوان کی قرآن کریم میں متعدد مقامات پر وضاحت فرمائی گئی ہے کہ ہم نے اپنا نصیحت نامہ کھلے اور واضح الفاظ میں نازل کر دیا ہے' جو خود چاہے اپنے پروردگار کی طرف خود راستہ اختیار کرے۔

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (73/19 + 76/29) "بلاشبہ اس (قرآن کی آیتیں) ایک نصیحت نامہ ہیں۔ پس جو کوئی خود چاہے (انکی اتباع کر کے) اپنے رب کی طرف سیدھی راہ خود اختیار کرے"۔

۔ سورہ کہف میں ارشاد ہوا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (18/29) "اے رسولؐ کہدیجئے گا کہ حق (قرآن مجید) تمہارے رب کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔ پس جو کوئی خود چاہے اس پر ایمان لائے اور جو کوئی خود چاہے اسکا انکار کر دے۔" پس جو لوگ محرومین ہدائت پائے جاتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ نہیں کیا ہوتا۔ بلکہ وہ خود ہی عقل سے کام نہ لیکر محروم ہدائت ہو چکے ہوتے ہیں۔ پس اہل اسلام میں جو یہ عقیدہ راہ پاچکا ہے' جسے ہر مجلس میں انتہائی بیباکانہ انداز کے ساتھ دہرایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدائت دے اور جسے چاہے معاذ اللہ گمراہ کر دے' یہ نظریہ و عقیدہ صد فیصد قرآن کریم کے خلاف اور ذات باری کی انتہائی توہین پر مبنی ہے۔ جس پر معمولی سی عقل بھی خرچ نہیں کی جاتی کہ جس ذات مقدس نے نوع انسانی کی ہدائت کے لئے اپنی مقدس کتاب نازل فرمائی ہے۔ اور جس کی غرض نزول ہی یہ ہے کہ نوع انسانی اس پر عمل کر کے دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں کے جملہ مخطرات سے بچ جائے' کیا وہ خود ہی بعض کو ہدائت دیتا ہے اور بعض کو خود ہی گمراہ کر دیتا ہے؟ العیاذ باللہ! نوع انسانی کی طرف پے در پے ہدائت کی 114 چٹھیاں بھیجنے والے اللہ تعالیٰ کی ایسی شان ہرگز ہرگز نہ ہے ہی' اور نہ ہو ہی سکتی ہے کہ وہ بعض کو خود ہدائت دے اور بعض کو خود گمراہ کر دے

اسی سورہ یونس زیر بحث میں نوع انسانی کی ہدائت و گمراہی کے عنوان کی بالفاظ ذیل وضاحت کر دی گئی ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ (10/108) "اے رسول! کہدیجئے گا کہ اے نوع انسانی! بیشک تمہارے رب کی طرف سے حق (قرآن مجید) تمہارے پاس آگیا ہے۔ پھر جو کوئی اس سے ہدایت حاصل کرتا ہے۔ اپنی ہی جان کے لئے حاصل کرتا ہے۔ اور جو کوئی گمراہ ہو جاتا ہے سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ اسکے گمراہ ہو جانے کا وبال اسکی اپنی جان پر پڑیگا۔ اور میں تمہارے اوپر کوئی وکیل نہیں کہ تمہیں زبردستی ہدائت دیدوں"۔ پس تکراری آیات بالا 73/19 + 76/29 + 18/29+ 10/108 کے مطابق کھل کر ثابت ہو چکا کہ ہدائت پانا یا گمراہ ہو جانا ہر انسان کا اپنا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی کو زبردستی مومن بناتا ہے نہ کافر۔ پس یہ عوامی مقولہ یکسر غلط ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدائت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے العیاذ باللہ!

اچھے یا برے عمل بھی انسان خود کرتا ہے' اللہ اس سے برے عمل نہیں کرواتا

سورہ حم سجدہ میں ارشاد ہوا ہے اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ اِنَّہٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ (41/40) مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ وَ مَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡہَا ؕ وَ مَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ (41/46)(اے نوع انسانی) اچھے یا برے عمل جیسے بھی تم خود چاہو خود کرو۔ بیشک وہ (اللہ) جو عمل تم بجالاتے ہو انہیں اچھی طرح دیکھنے والا بھی ہے اور جاننے والا بھی ہے۔ جو کوئی اچھے اعمال بجالائے انکا فائدہ اسکی اپنی ہی جان کے لئے ہو گا اور جو کوئی برے اعمال بجالائیگا' انکا وبال اسکی اپنی ہی جان پر پڑیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ (اے رسولؐ!) آپکا رب (لوگوں سے زبردستی برے اعمال کروا کر) اپنے بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ خود ہی بندوں سے برے اعمال کرائے اور خود ہی دائمی جہنم کی سزا سنا دے۔ آیات بالا میں کھل کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ انسان کو صاحب اختیار و ارادہ بنا کر اعلان کر دیا گیا ہے۔ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ (41/40) جیسے عمل تم خود چاہو خود کرو۔ جیسے عمل اچھے یا برے تم خود کرو گے ویسا ہی اچھا یا برا بدلہ ہمارے قانون عدل کے مطابق تمہیں مل جائیگا' مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ وَ مَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡہَا (41/46)پس یہ عوامی مقولہ بھی یکسر غلط ہے کہ اللہ جس سے چاہتا ہے نیک عمل کرواتا ہے جس سے چاہتا ہے برے عمل کرواتا ہے العیاذ باللہ!

دکھ سکھ بھی انسان کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔

سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَ مَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ یَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ (42/30) اور اے نوع انسانی!) تمہیں جو بھی مصیبت دکھ تکلیف پہنچتی ہے۔ پس وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ (اللہ تعالیٰ) تو تمہاری بہت سی غلطیوں سے درگزر کرتا چلا جاتا ہے۔

سورہ روم میں ارشاد ہوا ہے۔ ظَہَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ بِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ لِیُذِیۡقَہُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ (30/41) خشکی اور سمندر میں جو فساد ظاہر ہوتا ہے وہ انسان کے اپنے ہاتھوں کا کمایا ہوا ہوتا ہے۔ اس سبب سے اللہ تعالیٰ انکے بعض برے اعمال کا مزہ (اسی دنیا میں) چکھا دیتا ہے تاکہ وہ اپنی غلط کاریوں اور بد کرداریوں سے باز آجائیں۔

اس سے آگے (30/45-44) میں ارشاد ہوا ہے۔ مَنۡ کَفَرَ فَعَلَیۡہِ کُفۡرُہٗ ۚ وَ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِہِمۡ یَمۡہَدُوۡنَ ﴿ۙ﴾ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ ○ (30/45-44) (لوگ خود کفر کرتے ہیں) جو کوئی کفر کرتا ہے۔ اسکا وبال اسی کے اوپر پڑتا ہے۔ اور جو کوئی صالح عمل بجالاتا ہے (خود بجالاتا ہے) پس ایسے لوگ اپنے ہی لئے سامان کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالے اپنے فضل سے ان لوگوں کو بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ جو اسکے نازل کردہ ضابطہ حیات پر ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں۔ بلاشبہ وہ انکار کرنیوالوں (اور بد عملوں) کو پسند نہیں کرتا۔ پس آیات بالا 42/30 + 30/45-44 کے مطابق یہ عوامی مقولہ بھی یکسر غلط ہے کہ اللہ جسے چاہے دکھ مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سکھوں پر سکھ عطا کرتا چلا جاتا ہے۔ بلکہ دکھ اور سکھ انسان کے اپنے ہی عملوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

رجوع الی المقصود

ہم آیت مجیدہ (10/44) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰـكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ کی قرآنی تفسیر میں دور نکل گئے ہیں۔ اب اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اس دنیا میں جو جزا سزا ملتی ہے اسکے علاوہ اس اخروی زندگی کی جزا سزا الگ ہے جب قیامت کے دن پوری مخلوق کو دوبارہ زندہ کر لیا جائیگا۔ اس دن ایسا معلوم ہو گا کہ دنیا میں دن کی صرف ایک ساعت ہی رہے تھے۔ ایک ساعت کے بعد مرگئے تھے اور فوراً ہی اٹھا لئے گئے ہیں۔ اس دن لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اور اعمال کی جزا سزا کے ضمن میں گھاٹے میں وہ لوگ رہیں گے جو اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے دوسری زندگی میں اللہ کے حضور حاضری کا عملاً انکار کر کے برے عمل کرتے رہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵ ۵۴

اور جس دن وہ اللہ ان (سب کو) جمع کر لے گا انہیں ایسا معلوم ہو گا کہ) وہ دنیا میں نہیں رہے تھے مگر دن کی صرف ایک ساعت بھر۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ بیشک گھاٹے میں وہ رہیں گے جنہوں نے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے اللہ کے حضور حاضری کو جھٹلایا (اور برے عمل بجالائے وہ اپنی ہی بداعمالیوں کی بدولت) خود ہی ہدائت پانیوالے نہ ہوئے۔

قیامت کے دن سب کو جمع کر لیا جائیگا

قیامت کی اخروی زندگی کی خبر قرآن بھر میں متعدد مختلف مقامات پر مذکور ہے۔ سورہ مومنون کی آیات (23/16-12) میں آیا ہے۔ اور بیشک ہم نے انسان کو ابتداً مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر اسکی افزائش نسل ایک مقام پر ٹھہرنے والے نطفہ سے مقرر فرمائی۔ پھر ہم نطفہ کو خون کا لوتھڑا بناتے ہیں۔ پھر لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیتے ہیں۔ پھر ہم اس میں ہڈیاں پیدا کرتے اور پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں پھر ہم اسے رحم مادر سے نکال کر دوسری مخلوق (یعنی بشری صورت میں) پیدا کر دیتے ہیں۔۔۔۔۔ اس کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ (23/15) پھر تم (اے نوع انسانی!) اس دنیا کی زندگی گزار کر (اور اچھے یا برے عمل خود بجالا کر) مرجاتے ہو۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (23/16) پھر تم (اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے) قیامت کے دن دوبارہ پیدا کر کے اٹھالئے جاؤ گے (اور اپنے حضور حاضر کر لئے جاؤ گے)

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک ایک کر کے اٹھائے جائیں گے یا سب کے سب یکبارگی پیدا کر لئے جائیں گے۔ اس کا جواب سورہ یاسین میں دیا گیا ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (36/51) اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (36/53) اور صور پھونکا جائیگا۔ پھر وہ اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑتے ہوئے آئینگے۔ نہیں ہوگی وہ مگر ایک زور کی آواز یکبار کی۔ پھو وہ

سب کے سب ہمارے حضور حاضر کر لئے جائینگے۔

دوبارہ کس طرح پیدا کئے جائینگے۔

مذکورہ بالا تصور پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوبارہ پیدا کرنے کی صورت کیا ہوگی۔ اسکا جواب سورہ طٰہ میں دیا گیا ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (20/55) "(اے نوع انسانی !) ہم نے تمہیں اسی (زمین میں) سے پیدا کیا تھا۔ اور (تمہاری موت کے بعد) اسی زمین میں لوٹا دیتے ہیں اور (اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے) ہم تمہیں اسی زمین میں سے دوبارہ نکال لیں گے"۔ واضح رہے کہ قرآنی تعلیم میں قیامت کی عدالت عالیہ میں اعمال کی باز پرس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور اسکا تکرار بھی بار بار کیا گیا ہے۔ جس کی غرض صرف اور صرف یہ ہے کہ نوع انسانی ایک ایسی عدالت میں حاضری کے خوف سے برے اعمال سے یکسر کنارہ کشی اختیار کر کے اس دنیا میں بھی جنت کی زندگی گزارتے ہوئے قیامت کے دن بھی حضور باری تعالیٰ میں سر خروئی حاصل کرے۔ اور دنیوی جنت کے علاوہ اخروی جنت کی بھی حقدار ہو۔

قیامت کو دنیا کی صد سالہ زندگی بھی ایسی معلوم ہوگی کہ دن کی صرف ایک ساعت گزاری تھی۔

جس طرح آج ہمارے ہر فرد کو خواہ وہ ستر اسی سال کی زندگی گزار چکا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کل کی بات ہے کہ بچپن کی کھیلیں کھیلا کرتے تھے۔ چشم زدن میں اسی سال گزر چکے ہیں۔ یہ اسی سال ایک کل گزرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح آیت بالا 10/45 میں بتایا گیا ہے قیامت کو سو سو سال کی زندگی پانیوالے بھی یہی سمجھیں گے کہ وہ دنیا میں دن کی ایک ساعت ہی رہے تھے۔ اور اسی طرح موت اور قیامت کا درمیانی وقفہ خواہ لاکھوں برس کا بھی کیوں نہ ہو گا۔ وہ بھی ایک ثانیہ کے برابر معلوم ہوگا کہ ابھی مرے تھے اور ابھی اٹھالئے گئے ہیں۔

قیامت انتہائی قریب ہے

پس لازم ہے کہ قیامت کی باز پرس اور اللہ کے حضور حاضری کو اس طرح قریب تر سمجھا جائے کہ ہم قیامت کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ کوئی خبر نہیں کہ موت کب آجائے اور مرنے کے بعد تو چونکہ زمانے کے گزرنے کا شعور ہی نہیں ہوگا۔ اس لئے برزخ کے ہزاروں برس بھی ایک ثانیہ کے برابر معلوم نہ ہوں گے۔ موت کا مزہ ابھی منہ میں ہو گا کہ حاضر عدالت کر لئے جائیں گے۔ اس لئے چاہئے کہ زندگی کا جو حصہ میسر ہے اس میں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال بجا لا کر قیامت کا مسئلہ حل کرتے چلے جائیں۔ تاکہ حضور الٰہی میں شرمساری نہ ہو اور اپنے ہمعصروں میں جو اسے اچھی طرح پہچان لینگے ندامت نہ اٹھانی پڑے۔ ما علینا الا بلاغ

یتعارفون بینھم کی الٰہی خبر کو ہر آن نگاہوں کے سامنے رکھیئے اور اس منظر کو تصور کی نگاہ سے دیکھئے! کہ جب قیامت میں ہمارے ہمعصر جن میں ہم بڑے نیکو کار بنے ہوئے ہیں پہچان لینگے کہ یہ تو وہی ذات شریف ہیں جو اپنی نیک اعمال کا ڈھنڈورا پیٹا کرتے تھے مگر آج ان کی پاکبازی کی قلعی کھل گئی ہے۔ انکا ظاہر کیا تھا اور یہ اندر سے کینے ثابت ہوئے ہیں۔ معاذ اللہ استغفر اللہ!

لقاء اللّٰہ کا معنی ہم نے لکھا ہے قیامت کی عدالت میں اس دنیا کے اعمال کی جوابدہی کے لئے حاضر ہونا۔ ان الفاظ کا ایک معنی اللہ کی ملاقات بھی ہے اور ایک معنی اللہ کا دیدار بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ملاقات تو قیامت کی عدالت عالیہ ہی میں ہوگی جس میں اپنے اچھے برے عملوں کی جوابدہی کے لئے ہی حاضر ہونا ہے۔ مگر لقاء اللہ سے یہ مراد از روئے قرآن حکیم ہرگز نہیں ہے کہ قیامت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔ کیونکہ سورہ انعام میں دو ٹوک فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ نہ انسانی آنکھ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہے اور نہ انسانی بصیرت اسے سمجھ ہی سکتی ہے کہ وہ کیا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارُ (6/103) اس آیت مجیدہ کا دوہرا ترجمہ اور مفہوم یہ بنتا ہے کہ اس اللہ کو نہ کوئی عقل سمجھ سکتی ہے اور نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ اس مفہوم کی صحت کے لئے جملہ لا تدرکہ الابصار میں آمدہ فعل اور فاعل کی باہمی مناسبت پر غور کرنا بے حد ضروری ہے۔ اس جملے میں فعل مضارع مونث آیا ہے۔ تدرک جس پر لا کے ورود نے اسے نفی کے معنی دیئے ہیں۔ اس کے بعد مفعول ہے ضمیرُہٗ راجع بسوئے اللہ۔ اور لا تدرکہ کا یہ معنی ہوا کہ۔ "نہیں سمجھ سکتیں اس اللہ کو" کون نہیں سمجھ سکتیں؟ اس فعل کا فاعل آیا ہے الابصار جو بصر بمعنی آنکھ کی جمع ہے۔ تو اس طرح پورے جملہ لا تدرکہ الابصار کا معنی ہوا۔ اس (اللہ) کو آنکھیں نہیں سمجھ سکتیں۔ مگر ان معنوں پر کھلا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آنکھوں کا کام تو دیکھنا ہے' سمجھنا نہیں سمجھنا تو کام ہے عقل و بصیرت کا۔ اس لئے فعل تدرک کی مناسبت سے یہاں آنا چاہئے تھا۔ لَا تُدْرِكُهُ الْعُقُوْلُ کہ اسے عقلیں سمجھ نہیں سکتیں

اور یا جملہ زیر بحث میں آمدہ فاعل الابصار کی مناسبت سے فعل آنا چاہئے تھا تُبْصِرُ اور جملہ اسطرح ہوتا لَا تُبْصِرُهُ الْاَبْصَارُ کہ اس (اللہ) کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں۔ مگر برادران عزیز ذات باری نے فعل نفی لا تدرکہ کا فاعل الْاَبصار لا کر بیک وقت دو اعلان کر رکھے ہیں۔ پہلا اعلان ہے' فعل نفی لا تدرکہ کے مطابق کہ نہ اس اللہ کو کوئی ادراک کوئی عقل سمجھ سکتی ہے اور دوسرا ہے الابصار فاعل کے مطابق کہ نہ ہی اسے کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ الابصار کا سہ حرفی مادہ بھی ب۔ص۔ر= بصر ہے جس کا معنی ہے آنکھ اور اسی سہ حرفی مادہ سے لفظ بصیرت بمعنی عقل بھی مشتق ہے۔ تو اس طرح لغت کی رو سے بھی مذکورہ بالا معنی اور مفہوم صحیح ہے کہ نہ اس اللہ کو کوئی عقل سمجھ ہی سکتی ہے اور نہ کوئی آنکھ اسے دیکھ ہی سکتی ہے۔

کسی چیز کو سمجھنے کے لئے مثال کی ضرورت لاحق ہوتی ہے

جب کسی نے کوئی چیز دیکھی ہوئی نہ ہو تو اسے سمجھانے کے لئے اسکی کوئی مثال دی جاتی ہے۔ مثلاً جب ابھی بجلی کے بلب برصغیر میں مستعمل نہیں تھے۔ صرف مغربی ممالک میں ان سے روشنی کا کام لیا جاتا تھا۔ تو انکے متعلق کسی شخص کو سمجھانے کے لئے کسی روشن ترین لیمپ یا فانوس کی مثال دی جایا کرتی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مثال کسی چیز سے کس طرح دی جا سکتی ہے کہ جس نے خود اعلان کر رکھا ہے۔

لیس کمثلہ شیئی 42/11 اللہ کی مثل کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ پس چونکہ وہ ذات بے مثل و بے مثال ہے اس لئے اس کے سمجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے۔ اسی لئے (6/103) میں کہدیا گیا ہے لا تدرکہ الابصار کہ

اس بے مثل و بے مثال ذات کو کوئی عقل سمجھ ہی نہیں سکتی۔ اب آیئے اسے دیکھنے کے سوال کی طرف سورہ اعراف میں آیا ہے موسیٰؑ نے اپنے ساتھیوں کے کہنے پر سوال کر دیا تھا۔

رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ (7/143) اے میرے رب مجھے اپنا آپ دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ مگر ذات باری کی طرف سے جواب ملا لن ترانی تو مجھے ہرگز ہرگز نہیں دیکھے گا۔ غور فرمائیں کہ یہاں ترانی فعل مضارع پر لن داخل ہوا ہے۔ جس نے اسے تاکید منفی مستقبل کے معنے دیئے ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ تو مجھے ہرگز ہرگز نہیں دیکھے گا۔

برادران عزیز! اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کا جو تعلق ہے اسکی خبر قیامت کے مسئلے میں اوپر گزر چکی ہے کہ وہ حاکم ہے اور انسان محکوم ہے۔ پس اسے اپنی قیامت کا مسئلہ حل کرنے کے لئے اسکی فرمانبرداری کرنی چاہئے۔ آیت مجیدہ 6/103 کے آخری الفاظ میں ارشاد ہوا ہے۔ وھو الطیف الخبیر (6/103) اور وہ اللہ تعالیٰ ایک لطیف ذات ہے اور بہت بہت باخبر ہے۔ پس جب انسان ہوا جیسی معمولی سی لطیف چیز کو نہیں دیکھ سکتا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ فلھذا لقاء اللّٰه کا معنی و مفہوم اللہ کا دیدار تو صد فیصد غلط ہے۔ بلکہ اسکا صحیح معنی اللہ کی ملاقات ہے جو اسکے حضور میں اعمال کی جوابدہی کے لئے ہوگی ہر شخص کا اعمالنامہ اسکی گردن میں بندھا ہو گا اور اس امر کا حالی اعلان ہو رہا ہو گا۔

اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ ؕ کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا (17/14) "اپنا اعمالنامہ خود پڑھ لے۔ آج کے دن تیرے حساب کے لئے یہی کافی ہے"

سورہ یونس میں آمدہ لقاء اللہ کی تشریح قیامت کی جوابدہی ہے جو بالفاظ ذیل موجود ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَاطۡمَاَنُّوۡا بِهَا وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَنۡ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ (10/8-7) فَنَذَرُ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ۝ (10/11) "بیشک جو لوگ (قیامت کی) ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہوگئے ہیں اور وہ بھی جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں انکا ٹھکانہ آگ ہے اسکے ان برے اعمال کی بدولت جو وہ کیا کرتے تھے (7-8-/10) پس ہم نے انہیں چھوڑ دیا ہے جو ہماری قیامت کی ملاقات کی امید نہیں رکھتے (یعنی جو قیامت کی جوابدہی کے منکر ہیں) وہ اپنی (بد اعمالیوں) کی سرکشیوں میں سرگرداں پھرتے ہیں۔"

دیکھئے! ان آیات مقدسہ میں لقاء نا کی اصطلاح سے اللہ کے حضور میں اعمال کی جوابدہی ہی مراد ہے۔ جیسے کہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ قیامت کی عدالت الٰہی سے بے امید یعنی منکر ہیں وہ اپنی بد اعمالیوں کی سرکشیوں میں اسلئے بد مست ہیں کہ انکا گمان یہ ہے کہ اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے نہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور نہ وہ کسی عدالت میں پیش کئے جائینگے۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے نبی اکرمؐ کے دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد بھی پورے ہوتے رہے۔

اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط پیچھے آیت نمبر 39 کے ساتھ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ابھی ان لوگوں پر اس قرآنی ضابطہ حیات کی حقیقت ظاہر نہیں ہوئی۔ جب ظاہر ہوگی تو انہیں شکست فاش ہوگی اور قرآنی دین ہر طرف غالب آجائے گا۔ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے جو انہیں ناکامی و تباہی کی وعید دے رکھی ہے۔ ان میں سے ہو سکتا ہے کہ بعض تو

آپ کی زندگی میں پوری ہوجائیں۔ اور بعض آپ کی وفات کے بعد پوری ہوں۔ مگر آپ کے مخالفین کا لوٹ کر آنا ہماری ہی طرف ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ
فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۶﴾

اور (اے رسولؐ!) ہم نے جو وعدے ان (آپکے مخالفوں) سے کر رکھے ہیں' انکا بعض حصہ آپکی زندگی میں دکھا دیں یا ہم آپکو فوت کر دیں (اور بعض کا وقوع آپکے بعد ہو) پس انکے لوٹ کر آنے کی جگہ ہماری ہی طرف ہے۔ پھر جو عمل وہ بجا لاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر خود گواہ ہے۔

اس آیت مجیدہ میں ایک انتہائی اعلان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ مخالفین اسلام کے لئے سزا کا قانون تو اٹل ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ مگر دنیا کی زندگی میں فوری سزا ان مخالفوں کے لئے مرتب ہوتی ہے جو مخالفت میں اس قدر شدت اختیار کر لیں کہ انکے ظلم کا پیمانہ چھلک جائے۔ اسکے برعکس اگر مخالفین کی مخالفت اس حد تک رہے کہ وہ قرآنی ضابطے کو تسلیم تو نہ کریں۔ مگر تمدنی اور معاشرتی زندگی میں مل جل کر رہیں تو ایسے لوگوں کے لئے دنیوی زندگی میں تو عذاب کا حکم الٰہی صادر نہیں ہوتا۔ مگر قیامت کی دوسری زندگی کا اخروی عذاب ہرگز نہیں ٹلے گا۔

دنیوی عذاب میں تاخیر کے متعدد اسباب ہیں۔

نبی اکرمؐ کے مخالفین نے اگرچہ آپ کی اس قدر مخالفت کی کہ آپ کو وطن مالوف سے نکلنا پڑا۔ مگر ہجرت سے پہلے تو عذاب الٰہی اسلئے نہ آیا کہ نبی اکرمؐ خود ان کے اندر موجود تھے۔ اس چیز کی خبر اس طرح دیگئی ہے کہ جب آپ خود انکے اندر موجود ہیں توہم ان پر کس طرح عذاب نازل کریں۔ اور نبی اکرمؐ کی ہجرت مبارکہ کے بعد اللہ کے عذاب میں اسلئے تاخیر ہوتی گئی کہ بہت سے مومن کمزور اصحابؓ اور صحابیاتؓ رسولؐ ہجرت نہ کر سکے اور وہ فتح مکہ تک مکہ ہی میں رہے۔ اس چیز کی خبر سورہ فتح میں اسوقت کے متعلق دیگئی ہے کہ جب نبی اکرمؐ پوری عسکری تیاری کے ساتھ مکہ واپس لینے کے لئے مشرکین مکہ پر حملہ آور ہوئے تو دشمن نے نبی اکرمؐ کی بے پناہ فوجی تیاری سے مرعوب ہو کر بلا جنگ و جدال شکست تسلیم کر لی۔ اس طرح جنگ کا عذاب اہل مکہ پر سے ٹل گیا۔ اسکے ٹلنے کی ایک وجہ سورہ فتح میں بالفاظ ذیل بیان کی گئی ہے۔

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ
عِلْمٍ لِّيُدْخِلَ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا
(48/25)

(مفہوم) اور (مکہ معظمہ میں) کچھ مومن مرد اور کچھ مومنہ عورتیں موجود تھیں جنہیں تم اے صحابہؓ رسولؐ نہیں جانتے تھے۔ (اگر مکہ پر جنگ کا عذاب نازل کیا جاتا) تو تم بے خبری کی بدولت ان مومنوں پر جا پڑتے۔ پھر تم پر انہیں نادانستگی میں پامال کرنے کا الزام

آجاتا۔ مگر ہم نے جنگ روک دی تاکہ کافروں میں سے بھی جو خود چاہے ایمان لا کر اللہ کی رحمت میں داخل ہو جائے۔ اور اگر وہ مومن مرد اور مومنہ عورتیں وہاں سے ٹل گئے ہوتے تو پھر ہم ان لوگوں کو جنہوں نے ہمارے ضابطے کا انکار کر کے (آپ پر مکہ کی فضا تنگ کر دی تھی جنگ کا) دردناک عذاب دیتے۔

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ جن افراد یا اقوام پر دنیا میں بھی عذاب آجاتا ہے وہ بلا وجہ نہیں آتا۔ جب ان کا پیمانہ ظلم چھلک جاتا ہے تو پھر دنیوی عذاب آجاتا ہے۔ کیونکہ اعمال کی سزا مرتب کرنے والا اللہ ظالموں کے ظالمانہ افعال کا خود عینی گواہ ہے۔ وہ کسی پر ہرگز ہرگز ظلم نہیں کرتا جیسے کہ پیچھے آیت نمبر 10/44 میں اعلان کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (10/44) "بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا ولیکن لوگ اپنی جانوں پر خود ظلم کر لیتے ہیں"۔ یعنی دنیا میں عذاب بھی خود ان کے اپنے ہاتھوں ہی کے لائے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ دنیا کے عذاب میں تو بعض وجوہ سے تاخیر بھی ہو جاتی ہے جیسے کہ اہل مکہ پر ہجرت رسول سے ماقبل عذاب اس لئے نہ آیا کہ خود نبی اکرم مجسم رحمت رحمۃ للعلمین بنفس نفیس ان کے اندر موجود تھے۔ اور ہجرت مبارکہ کے بعد اس لئے نہ آیا کہ ان میں کچھ مومن مرد اور مومنہ عورتیں صحابہؓ اور صحابیاتؓ موجود تھیں۔ مگر واضح رہے کہ اخروی عذاب ہرگز ہرگز ٹلنے والا نہیں چنانچہ۔

فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ کے الفاظ میں اسی چیز کی خبر دی گئی ہے کہ اگر دنیا کا عذاب بعض وجوہ سے جو عین انصاف کی اساس پر مبنی ہیں ملتوی ہو جائے تو مجرم لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ انہیں ان کے جرائم کی سزا نہیں دیجائیگی فالینا مرجعھم کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ پھر بالآخر انکے لوٹ آنے کی جگہ ہماری ہی طرف ہے۔ یعنی اخروی زندگی میں انہیں اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے ضرور ضرور ہمارے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ اس عدالت عالیہ میں کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ہر کسی کو اس کے اعمال ہی کا صحیح صحیح بدلہ دیا جائے گا۔ نہ کسی سے رشوت لی جائے گی نہ سفارش قبول ہو گی اور نہ ہی کسی بھی قسم کی مدد کی جائے گی جیسے کہ ارشاد ہوا ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (2/48) اور اس دن سے ڈر جاؤ کہ کوئی شخص کسی شخص کے ذرا بھی کام نہ آئے گا۔ اور نہ اس (یعنی کسی فرد مجرم) کے لئے شفاعت قبول کی جائے گی۔ اور نہ ان سے جرم کی سزا کے عوض رشوت چٹی وغیرہ لیجائیگی اور نہ ہی اس (فرد مجرم) کی کسی بھی قسم کی مدد کی جائے گی۔

2/254 میں اخروی عدالت عالیہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ "اس دن جرائم کی سزا کے عوض نہ کوئی سودا بازی ہوگی اور نہ کسی دوست کی دوستی کام آسکے گی اور نہ کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔ المختصر! دنیوی عدالتوں میں جن ناجائز ذرائع کے ساتھ مجرم کو سزا سے بچالیا جاتا ہے رشوت' سفارش' دوستی اور اخیر پر رحم سلطانی وغیرہ سب کی نفی کر دی گئی ہے تاکہ جرائم کی ہرگز نہ ٹلنے والی سزا کے خوف سے ہر فرد معاشرہ صد فیصد ضابطہ الٰہی کے تحت زندگی

گزارے۔ اس طرح پورے کا پورا معاشرہ امن و سلامتی کا گہوارہ بنا ہوا ہو۔ ہر طرف اور ہر آن سلاما" سلاما" کی گونج اٹھ رہی ہو۔ نہ انسان انسان کے خون میں ہاتھ رنگتا ہوا پایا جائے۔ نہ ایک دوسرے کے حق پر غاصبانہ قبضہ جمانے کی کوششیں کی جارہی ہوں۔ ورنہ یاد رہے کہ اگر نوع انسانی قیامت کی اخروی عدالت کا ہزار بار بھی انکار کر دے تو پھر بھی وہ برپا ہو کر ہی رہے گی۔ جس کے متعلق اعلان کر دیا گیا ہے۔ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (99/8-7) اس دن پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے بھی دیکھ لے گا اور اگر ذرہ بھر برائی بھی کی ہو گی تو اسے بھی دیکھ لیگا۔

آیت نمبر 46 میں نبی اکرمؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔ (اے رسول) ہم نے جو وعدے ان(آپکے مخالفوں)سے دنیوی عذاب و سزا کے کر رکھے ہیں۔ انکا بعض حصہ ہم آپکی زندگی میں دکھادیں یا ہم آپ کو فوت کردیں (اور بعض حصے کا وقوع آپکے بعد ہو) پس انکے لوٹ کر آنے کی جگہ ہماری ہی طرف ہے (وہ لوگ اخروی سزا بھی پائیں گے) پھر جو عمل وہ بجالاتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ خود گواہ ہے۔ اسلئے ان کا سزا سے بچ جانا ہرگز ہرگز ممکن نہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں اصول بیان کر دیا گیا ہے۔ کہ ہر امت کے لئے ایک رسول ہے' پھر جب انکے پاس انکا رسولؐ آیا کرتا تو انکے درمیان انصاف کیساتھ فیصلہ کر دیا جاتا اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا۔ نبی اکرم کے - مخالفین کیساتھ بھی اسی طرح انصاف ہی کیا جائیگا۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

حقیقت یہ ہے کہ ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔ پھر جب ان (افراد امت) کے پاس انکا رسولؐ آیا تو انکے درمیان انصاف کیساتھ فیصلہ کر دیا گیا۔ اور وہ ظلم نہیں کئے جاتے تھے۔

ولکل امة کے الفاظ میں جو اولین واؤ ہے وہ اظہار حقیقت کے لئے آئی ہے۔ جس میں اس حقیقت ثابتہ کا اعلان کیا گیا ہے کہ جتنی بھی امتیں گزر چکی ہیں' ان سب کے پاس الگ الگ انکے رسولؐ آئے تھے۔ اسی اظہار حقیقت کی بدولت واؤ کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ "حقیقت یہ ہے"

ھم لا یظلمون میں لا یظلمون بصیغہ مضارع آیا ہے۔ جس کا یہ معنی ہے کہ وہ ظلم نہیں کئے جاتے۔ اس لئے اس سے یہ مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرمؐ کے بعد رسولؐ آتے رہیں گے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔ لیکن چونکہ 33/40 کے مطابق نبی اکرمؐ کے بعد کوئی نبی رسولؐ آنیوالا نہیں ہے۔اور قرآن مجید میں سابقہ متعدد امتوں کی اور انکی طرف بھیجے گئے انبیاء کی خبریں موجود ہیں۔ اسلئے لا یظلمون بصیغہ منفی مضارع حکائی ہے جو ماضی کے معنے دیتا ہے۔ اسلئے آیت مجیدہ زیر بحث کے ترجمہ میں سابقہ امتوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ ہر امت کی طرف اسکا رسولؐ بھیجا گیا تھا۔ اور ہر امت کا فیصلہ اسکے اپنے اعمال کے مطابق انصاف کیساتھ کیا گیا تھا وہ ظلم نہیں کئے گئے تھے۔

سابقہ امتوں کے تذکرے سے یہ امر کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ جس طرح سابقہ امتوں' اور سابقہ انبیاءؑ کے مدمقابلین،

کے ساتھ صد فیصد انصاف کیا گیا تھا۔ اسی طرح نبی اکرمؐ خاتم النبین کی امت اور انکے مد مقابلین کے ساتھ بھی پورا پورا انصاف کیا جائیگا جو لوگ ایمان لا کر نبی اکرمؐ کے معاون بنیں گے' وہ کامیاب و کامران ہوں گے اور جو لوگ ایمان نہیں لائیں گے بلکہ ضابطہ الہی اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں گے وہ اپنی ہی بداعمالیوں کی بدولت اس دنیا میں بھی شکست یاب ہو جائینگے اور آخرت میں بھی خسارہ اٹھانے والے ہونگے اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کے مخالفین کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اس دنیوی عذاب کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ وہ وعدہ کب آیئگا۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾

اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ (وہ عذاب کا) وعدہ کب پورا ہو گا۔ اگر تم (عذاب کی خبر دینے میں) سچے ہو تو بتاؤ۔

اسکے جواب میں باری تعالٰی نے نبی اکرمؐ سے یہ جواب دلوایا کہ میں ذاتی طور پر تو خود اپنے لئے بھی کسی ضرر یا فائدے کا مالک نہیں ہوں۔ سوائے اس کے مجھے بھی ضرور نفع اللہ تعالٰی کے قانون مشیت کے مطابق ہی ملتا ہے۔ اسی طرح تمہاری بداعمالیوں کی بدولت جو تم سے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ بھی باری تعالٰی کے مقررہ قانون ہی کے مطابق اس وقت آیئگا جب اسکے تقاضے خود تمہاری طرف سے پورے ہو جائیں گے۔ ہر امت کے لئے اللہ تعالٰی کا ایک ہی قانون ہے۔ جب کسی امت کی بداعمالیوں کی بدولت مہلت ختم ہو جاتی ہے تو وعدہ الہی فوراً آجاتا ہے۔

قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ
إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾

(اے رسولؐ!) کہدیجئے گا کہ میں اپنے لئے بھی ضرر یا نفع کا مالک نہیں سوائے (اسکے کہ مجھے بھی ضرر و نفع) اللہ کے قانون مشیت کے مطابق ہی پہنچتا ہے۔ (تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ) ہر امت کے لئے (باری تعالٰی کے قانون مشیت کے مطابق ایک مہلت ہے۔ جب (کسی قوم کی بد اعمالیوں کی بدولت مہلت کی) انتہا آجاتی ہے تو پھر وہ نہ ایک ساعت پیچھے رہتے ہیں نہ ایک ساعت آگے بڑھ سکتے ہیں۔

اجل کے لغوی معنے ہیں مہلت' وقفہ' انتہا۔ اس لئے لکل امۃ اجل کا معنی لکھا گیا ہے کہ ہر امت کے لئے باری تعالٰی کے قانون مشیت کے مطابق ایک مہلت ہے۔ اور اذا جاء اجلھم ---- الخ کا معنی لکھا گیا ہے کہ جب کسی امت کی اپنی بد اعمالیوں کی بدولت اسکی مہلت کی انتہا آجاتی ہے تو پھر وہ نہ ایک ساعت پیچھے رہتے ہیں اور نہ ایک ساعت آگے بڑھ سکتے ہیں۔ واضح رہے اس آیت مجیدہ سے روایاتی تراجم نے یہ غلط تصور پیدا کیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے ہر امت کے لئے الگ الگ مہلت متعین کر دی ہے کہ فلاں امت ایک ہزار سال باقی رہیگی اور فلاں امت ایک سو سال میں ختم ہو جائیگی۔ بلکہ حقیقت حال وہی ہے جو اوپر عرض کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالٰی نے ہر امت کے لئے مہلت کا ایک ہی قانون متعین فرما دیا ہے جو اسکے نیک اعمال کی بدولت بڑھتی چلی جاتی ہے اور خود اسکی اپنی بد اعمالیوں کی بدولت ختم ہو جاتی ہے۔ اسکی انتہا آجاتی

ہے اور وہ قوم مٹ جاتی ہے۔

اگلی آیات مجیدہ میں نبی اکرم کو حکم ہوا ہے کہ ان سے کہدیجئے گا کہ غور کرو' اگر تمہیں اللہ کا عذاب رات کو سوتے وقت یا دن کے وقت آجائے تو یہ کونسی چیز ہے جس کے لئے مجرم جلدی کرتے ہیں۔ جب عذاب آجائیگا تو اس وقت انکا ایمان لانا کام نہیں آئیگا کیونکہ وہ عذاب کے لئے خود جلدی کرتے تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾

(اے رسول!) کہدیجئے گا' اگر اسکا عذاب تمہیں رات کیوقت یا دن کیوقت آجائے (تو پھر تم بچ نہ سکو گے) مجرم لوگ اس (اللہ کے) عذاب میں سے کس چیز کے لئے جلدی کرتے ہیں۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾

کیا پھر جب وہ (عذاب) واقع ہو جائیگا تو پھر تم اس (ضابطہ حیات) کے ساتھ ایمان لاؤ گے۔ (کہا جائیگا کہ) اب تم ایمان لاتے ہو حالانکہ بلاشبہ تم اس (عذاب) کے لئے جلدی کرتے تھے۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾

پھر ان لوگوں سے کہا جائیگا جنہوں نے ظلم کیا کہ دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ تم نہیں بدلہ دیئے جاتے ہو مگر یہ انہی (بداعمالیوں کا بدلہ ہے) جو تم خود کرتے رہے تھے۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾

اور (اے رسول!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ (عذاب کی خبر) سچ ہے۔ کہدیجئے گا ہاں میرے رب کی قسم ہے کہ بلاشبہ وہ سچ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم اسے روکنے والے نہیں ہو۔ (وہ آکر رہیگا)۔

اگلی آیت مجیدہ میں عذاب کے نہ ٹلنے کی خبر ان الفاظ میں دیگئی ہے کہ اگر ان نافرمانوں کے پاس روئے زمین کی چیزیں موجود ہوں۔ پھر وہ انہیں فدیہ میں دیدیں تو پھر بھی ان سے عذاب ہرگز ہرگز نہیں ٹلے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۞٥٤

اور اگر ہر اس شخص کے پاس روئے زمین کی چیزیں ہوں جس نے ظلم کیا ہے۔ وہ (انہیں اپنے جرموں کی سزا سے بچنے کے لئے) فدیہ میں دیدے (تو پھر بھی عذاب نہیں ٹلے گا) اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت کو چھپا ئینگے اور انکے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا۔ اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے

اس سے اگلی آیات مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ۔

آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ ان لوگوں کے پاس ہے کیا جسے وہ فدیہ میں دیں۔ فدیہ یا رشوت تو دنیوی عدالتوں کے حاکم طلب کرتے ہیں جو مال کے بھوکے ہیں' جو مال لے کر قانون کا خون کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ تو ارض و سموات کی جملہ موجودات کا خالق و مالک بھی ہے اور اپنے قانون کی مخالفت کرنیوالا بھی نہیں (50/29) ایسی ذات پاک سے یہ توقع کرنا کہ وہ فدیہ' رشوت یا سفارش کے ذریعہ اپنے قانون کی مخالفت کرکے مجرموں کو بری کر دیگا' مطلقاً غلط بھی ہے اور صد فیصد ناممکن بھی چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞٥٥

خبردار (بگوش ہوش سن لو کہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ خبردار (بگوش ہوش سن لو کہ) اللہ کا وعدہ (عذاب کا) سچا ہے۔ مگر ان لوگوں کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

واضح رہے کہ نوع انسانی کی اکثریت نے جرائم کی سزا سے بچنے کے لئے قسم قسم کے عقیدے واضع کر رکھے ہیں کہیں مسیح کو مصلوب مان کر ان کے مصلوب ہونے کو اپنے جرائم کا کفارہ قرار دے رکھا ہے۔ کہیں سفارش و شفاعت کے نظریہ کا سہارا لیا گیا ہے۔ حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مجرم و گنہگار لوگ اپنے جرائم اور گناہوں کی سزا سے بچ جائیں تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ انصاف کا کیا بنے گا۔ جس کا آیات بالا میں بار بار اعادہ کیا گیا ہے۔ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اور انکے درمیان بالکل انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ 10/54-47) اور وہ ظلم نہیں کئے جائینگے۔ انہیں اپنے کئے گئے اعمال ہی کی سزا دیجائیگی۔

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اس امر کی خبردید یگئی ہے کہ اللہ ہی زندگی دیتا ہے اور اسی کا موت کا قانون اس دنیا میں جاری و ساری ہے۔ اس نے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے دوسری زندگی کا قانون بنا دیا ہے۔ جس کے مطابق وہ

دوبارہ زندہ بھی' اور ہر نیک وبد کو اپنے حضور حاضر بھی کر لیگا۔ یعنی دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ہر فرد بشر نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اپنے اعمال کے حساب کتاب کے بعد اپنے اچھے یا برے اعمال کی جزا سزا پانی ہے۔

هُوَ يُحْيِ وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۶﴾

وہ اللہ ہی (تمہیں) زندگی دیتا اور موت دیتا ہے۔ اور تم (اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے دوسری زندگی میں) اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

چونکہ اوپر کی آیات مجیدہ میں عموماً" اور آیت بالا نمبر 56 خصوصاً" قیامت کی جوابدہی کے نہ ٹلنے کا ذکر آیا ہے۔ اس لئے اگلی آیت مجیدہ میں مسئلہ قیامت کا حل بیان کر دیا گیا ہے کہ اے نوع انسانی تمہارے پاس ایک ایسی جامع کتاب کی صورت میں ہمارا ضابطہ حیات آگیا ہے' جس پر عمل کرنے سے قیامت کی باز پرس میں تم کامیاب ہو سکتے ہو۔ وہ ضابطہ ایک نصیحت نامہ بھی ہے اور تمہاری ذہنی بیماریوں کی شفا بھی ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾

اے نوع انسانی! بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت نامہ آگیا ہے۔ اور وہ تمہاری ذہنی بیماریوں کی شفا ہے اور وہ ماننے والوں کے لئے ہدائت اور رحمت ہے۔

تعارف قرآن بزبان قرآن آیت بالا میں قرآن کریم کا تعارف خود قرآن کریم ہی کی زبان میں کرایا گیا ہے۔ جس میں سرفہرست ارشاد ہوا ہے کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔اسی چیز کو مزید کھلے لفظوں میں سورہ شعراء میں لایا گیا ہے۔

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (26/192) اور بلاشبہ اس (قرآن کریم) کا نازل ہونا ضرور ضرور رب العلمین کی طرف سے ہے۔ یہی خبر ذات باری کی طرف سے متکلم کے صیغے سورہ دہر میں دیگئی ہے۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا (76/23) (اے رسول!) بلاشبہ ہم ہی نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے ٹھیک ٹھیک نازل کرنا۔

آیت بالا میں دوسرے نمبر پر قرآن کریم کا **موعظة من ربكم** کے الفاظ میں تعارف کرایا گیا ہے کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت نامہ ہے۔ اسی چیز کے متعلق سورہ مزمل اور سورہ دہر میں ارشاد ہا ہے۔ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (76/29 + 73/19) بلاشبہ یہ (قرآن) ایک نصیحت نامہ ہے۔ پس جو خود چاہے (اس قرآن کے ذریعہ) اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔

تیسرے نمبر پر قرآن کریم کو **شفاء لمافی الصدور** فرمایا ہے یعنی یہ انسان کی ذہنی بیماریوں کی شفا ہے۔ ان الفاظ جلیلہ میں قرآن کریم کے متعلق وہ غلط فہمی دور کر دیگئی ہے جو سورہ بنی اسرائیل کی آیت ذیل سے خود اہل اسلام کو

ہوئی ہے کہ قرآن کریم انسان کی جسمانی بیماریوں کی شفا ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (17/82) اور ہم نے قرآن کو نازل فرمایا جو ماننے والوں کے لئے شفا بھی ہے اور رحمت بھی ہے۔ اس آیت مجیدہ سے "اہل اسلام" نے یہ غلط تاثر لیا ہے کہ قرآن کریم کی آئتیں انسان کی جسمانی بیماریوں کی شفا ہیں۔ چنانچہ رفع امراض جسمانی کے لئے ہر قسم کے لوگ تعویذ لکھتے اور انہیں یا تو گلے میں یا بازو پر بندھواتے ہیں اور یا پانی میں گھول کر پلواتے ہیں۔ حالانکہ مشاہدہ گواہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ زعم مشاہدۃ" باطل ثابت ہو چکا ہوا ہے کہ نزلہ زکام' نمونیہ' ٹائیفائیڈ چیچک اور ٹی بی وغیرہ پر دواؤں کے ذریعہ قابو پایا جا سکتا ہے قرآنی آیات کے تعویذوں کے ساتھ نہیں۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت بالا 17/82 میں شفاء کے بعد لما فی الصدور کے وہ الفاظ محذوف ہیں جو آیت مجیدہ 10/57 میں مظہر موجود ہیں۔ کہ قرآن کریم جسمانی امراض کی نہیں بلکہ ذہنی بیماریوں حسد بغض کفر شرک وغیرہ کی شفا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کو 10/57 کے خلاف غلط طور پر جسمانی بیماریوں کی شفاقرار دے کر اللہ کی کتاب کو ان اقوام کے سامنے بدنام کر کے رکھ دیا گیا ہے جو آئے دن لاعلاج بیماریوں کے علاج دریافت کرتے چلے آرہے ہیں۔اور بزبان حال کہہ رہے ہیں کہ دیکھ لوا تم چودہ سو سال میں قرآنی آیات مجیدہ کے ساتھ ٹائیفائیڈ' چیچک اور تپدق وغیرہ کا علاج نہیں کر سکے' ہم نے ان لا علاج مرضوں کا علاج اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ جڑی بوٹیوں کے ذریعہ گولیوں' لوشنوں اور انجکشنوں کی صورت میں ایجاد کر دیا ہے۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ آنکھوں کے موتیا بند کا علاج تعویذوں اور دموں کے ساتھ تو آجتک ہو نہیں سکا مگر اپریشن کے ذریعہ موتیا بند کے لکھو کھا مریض اس اندھا کر دینے والی مرض سے شفایاب ہو کر آنکھوں جیسی نعمت عظمیٰ سے بہرہ یاب ہوتے چلے جارہے ہیں۔

المختصر! (17/82) سے جو غلط فہمی خود"اہل اسلام" کو ہوئی ہے وہ 10/57 میں دور کر دیگئی ہے کہ قرآن کریم انسان کی ذہنی بیماریوں کی شفا ہے جسمانی بیماریوں کی نہیں۔ اور 17/82 میں جو الفاظ لما فی الصدور کے محذوف و مقدر ہیں وہ 10/57 میں مظہر لا کر مذکورہ غلط فہمی کو دور کر دیا گیا ہے۔

تعویذوں کا نقصان

مشاہدات و تجربات کے مطابق تعویذوں اور دم کردہ پانی کا نقصان اظہر من الشمس ہے کہ ٹائیفائیڈ' نمونیا اور تپدق جیسی مہلک بیماریوں کا اگر شروع ہی میں علاج نہ کیا جائے تو یہ مرضیں دوسرے اور تیسرے درجے میں پہنچ کر جان لیوا ثابت ہو جاتی ہیں۔ تعویذ اور دم صرف یہی کام کرتے ہیں کہ مرض پر قابو پانے کے ابتدائی ایام ضائع کر کے مرض کو اس مرحلے میں پہنچا دیتے ہیں کہ مریض جب تعویذوں سے مایوس ہو کر ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس وقت حالت یہ ہوتی ہے کہ مریض کا ایک ہاتھ ملک الموت کے ہاتھ میں جا چکا ہوتا ہے اور اسکا دوسرا ہاتھ ڈاکٹر کے ہاتھ میں دیا جا رہا ہوتا ہے۔ مگر مرض اسوقت اپنا کام پورا کر چکی ہوتی ہے۔ ان بے وقت کے علاجوں سے شفا تو نصیب ہوتی نہیں' مریض اور اسکے ورثاء کی نہ صرف یہ کہ جیبیں خالی ہوجاتی ہیں۔ بلکہ مریض مقروض ہو کر قبر داخل ہوتا ہے اور اسکے ورثاء برسوں بعد تک اسکا قرضہ اتارتے رہتے ہیں۔

اب پھر آیئے آیت مجیدہ زیر بحث 10/57 کی طرف اس آیت مجیدہ میں چوتھے اور پانچویں نمبر پر قرآن کریم کو ہدائت و رحمت کہا گیا ہے۔ قرآن کریم کی اس تعریف کو خود قرآن کریم کی زبان میں اسکے اندر' اور بھی بہت سے مقامات پر لایا گیا ہے۔

اختصار کے پیش نظر ہم صرف ایک مقام پیش کر کے آگے بڑھنے کی اجازت چاہیں گے سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (16/89) اور (اے رسولؐ!) ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو تبینا لکل شی ہے۔ یعنی ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ اور عملاً" فرمانبرداری کرنے والوں کے لئے ہدائت بھی ہے' رحمت بھی ہے اور خوشخبری دینے والی بھی ہے۔

سورہ نحل کی اس آیت مجیدہ (16/89) میں قرآن کریم کے تعارف میں اس کی ایک مخصوص صفت کا اضافہ کیا گیا ہے۔ وہ ہے تبیانا لکل شی جس کا معنی ہے ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والی۔ قرآن فہمی کے سلسلے میں بعض لوگ قرآن کریم کی اس مخصوص صفت کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کا بیان' تفسیر و تشریح اسکے اندر نہیں ہے بلکہ کتب روایات میں ہے۔واضح رہے کہ قرآن کریم کو خود بزبان قرآن تبیانا کے مترادف الفاظ میں بار ہا مبین بھی کہا گیا ہے۔ قرآن مبین (15/1) کتب مبین (27/1) کہ قرآن کریم خود بیان کرنیوالی کتاب ہے۔ نیز سورہ بقرہ میں کھل کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ قرآن کریم کے تعارف بزبان قرآن کریم میں اسکی یہ مخصوص صفت بھی موجود ہے کہ اسکا بیان خود اسکے اندر موجود ہے۔ باہر کہیں نہیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (2/159) بلاشبہ ہم نے جو واضح آیتیں یعنی اپنا ہدائت نامہ نازل فرمایا ہے۔ پیچھے اسکے کہ ہم نے اسے لوگوں کے لئے کتاب کے اندر کھول کھول کر بیان کر دیا ہے' جو لوگ اسکے بعد اسے چھپاتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔ اس آیت مجیدہ کے الفاظ فی الکتب سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ قرآن کریم کا بیان خود اس کتاب کے اندر موجود ہے باہر نہیں۔

قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا نشان ہے اسکے نزول پر خوشیاں مناؤ

آیت بالا نمبر 57 میں قرآن کریم کے تعارف کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ قرآن مجید کے توازن بدوش ضابطۂ حیات کا نزول اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و رحمت ہے' جس پر عمل کرنے سے معاشرہ کی جملہ ناہمواریاں دور ہو کر معاشرہ جنت بدوش ہو جاتا ہے۔ پس نوع انسانی کے لئے اس ہموار و متوازن قانون کا نزول مقام مسرت ہے۔ اس پر خوشیاں مناؤ۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾

(اے رسولؐ!) کہدیجئے گا (قرآن کا نزول) اللہ کے فضل و رحمت سے ہے۔ پھر چاہیے کہ لوگ اس پر خوش ہوں۔ وہ (قرآن) اس (دنیوی مال) سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔

قرآن کریم حرام مال جمع کرنے سے منع کرتا ہے اور حلال مال کو معاشرہ کے ہموار کرنے کے لئے خرچ کرنے کا حکم دیتا

ہے۔ دیکھئے ارشاد باری ہے۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (7/157) اور وہ ان کے لئے طیب (پاکیزہ) چیزوں کو حلال اور خبیث (ناپاک) چیزوں کو حرام بتاتا ہے۔ حرام مال چونکہ خبائث میں شامل ہے اسلئے اسکا جمع کرنا حرام ہے۔ اسکے برعکس جو مال حلال طریقے سے پیدا اور جمع کیا جائے' اسکے متعلق ارشاد ہوا کہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردو۔ سورہ بقرہ میں آیا ہے۔

ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (2/219) اور لوگ آپ سے سوال کریں گے کہ وہ کتنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں _(اے رسولؐ!) کہدیجئے گا' ضرورت سے زائد سارا۔ وہ مال جو اصلاح معاشرہ سے چھپا کر یعنی معاشرہ کو جنہم بدوش رکھ کر جمع کیا جائے آیت نمبر58 کے مطابق اس سے قرآن کریم کا قانون بہتر ہے جس میں معاشرہ کو جنت بدوش کرنے کے لئے حلال مال کمانے اور اسے اصلاح معاشرہ کے لئے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگلی آیت مجیدہ میں مسلۂ حلال و حرام میں دخل دینے سے مطلقاً منع کر دیا گیا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (۶۰)

(اے رسولؐ!) کہدیجئے گا کیا تم لوگوں نے اس چیز پر غور کیا ہے کہ جو پاک رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا فرمایا ہے' پھر تم اس میں سے کچھ حصے کو حرام کر لیتے ہو اور کچھ کو حلال۔ (اے رسولؐ!) کہدیجئے گا کہ کیا تمہیں اللہ نے اسکی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر اسکا افترٰی کرتے ہو۔

اَنْزَلَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے پیدا فرمایا۔ اس مادہ کا معنیٰ پیدا کرنا خود قرآن کریم کے اندر سورہ حدید میں بالفاظ ذیل موجود ہے۔ و انزلنا الحدید (57/25) اب ظاہر ہے کہ لوہا آسمان سے نازل نہیں ہوتا' بلکہ پیدا کیا گیا ہے۔ اسلئے اسکا معنیٰ صاف ہے کہ ہم نے لوہے کو پیدا فرمایا ہے۔

حلال و حرام ٹھہرانے کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس نے چوپایوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ (5/1) تمہارے لئے بھیمۃ الانعام یعنی صرف جگالی کرنیوالے چوپائے حلال کئے گئے ہیں اب چونکہ جگالی کرنیوالے چوپایوں کے دو معدے ہوتے ہیں۔ یعنی وہ ایک معدے سے لقمے نکال نکال کر جگالی کرتے ہیں اور لقمے کو چبا چکنے کے بعد دوسرے معدے میں ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ اسلئے آیت مجیدہ (5/1) سے حلال و حرام جانوروں کے متعلق یہ اصول میسر آیا کہ پرندوں میں سے بھی وہ پرندے حلال ہیں۔ جن کے مرغی وغیرہ کی طرح دو پوٹ ہوتے ہیں۔ ایک پوٹ حلق کے پاس باہر کی طرف لٹکا ہوا ہوتا ہے۔ اور دوسرا پیٹ کے اندر ہوتا ہے جس طرح گائے بھینسیں چارہ کھاتے وقت اسے جلدی جلدی سمیٹتی ہوئی ایک معدے میں ڈالتی چلی جاتی ہیں۔ اور بعد میں جگالی کرتی ہیں۔ اسی طرح مرغی کی قسم کے دو پوٹ والے پرندے جلدی جلدی دانے چگ کر اپنے باہر والے پوٹ میں ڈالتے چلے جاتے ہیں پھر جب وہ سیر ہو جاتے ہیں تو باہر کا پوٹ خاصہ لٹک پڑتا ہے۔ بعد میں ان دانوں کو جگالی کی صورت میں باہر والے پوٹ سے نکالکر اندر والے معدے میں ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ دو

پوٹ والے پرندوں میں سے قرآن مجید میں اَلسَّلْوٰی (بٹیر) کی حلت موسیٰؑ کے ذکر 2/57 میں آئی ہے اَلسَّلْوٰی میں الف لام عہدی مثلی ہے۔ پس اس قسم کے دو پوٹ والے پرندے حلال باقی سب حرام ہیں۔

پس الٰہی فیصلے کے مطابق چوپایوں میں سے جگالی کرنیوالے حلال اور باقی سب حرام ہیں' اسی طرح پرندوں میں سے دو پوٹ والے حلال اور باقی سب حرام۔ اسکے ضمن میں کسی فرد بشر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسکے برخلاف کسی کو حلال اور کسی کو حرام قرار دے۔

اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ کی تفسیر سورہ نحل میں بالفاظ ذیل درج ہے۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (16/116) تم اپنی زبانوں کے جھوٹ کے ساتھ مت کہا کرو کہ یہ حرام ہے اور یہ حلال ہے تاکہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹ افتریٰ کرو بیشک جو لوگ اللہ کے ذمہ جھوٹ افتری کرتے ہیں انہیں ہرگز فلاح نصیب نہیں ہوتی۔ اس آیت مجیدہ میں حلال و حرام کے قرآنی اصولوں کے خلاف یہ کہنے سے منع کر دیا گیا ہے کہ فلاں جانور حلال ہے اور فلاں حرام ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ کتا حرام ہے۔ کتا چونکہ جگالی نہیں کرتا اسلئے وہ قرآنی اصول حلال و حرام کے مطابق از خود حرام ٹھہرتا ہے اور بکری چونکہ جگالی کرتی ہے اسلئے وہ قرآنی اصول حلال و حرام کے مطابق از خود حلال قرار پاتی ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ بالا قرآنی اصول کو چھوڑ دینے ہی کی بدولت خود اہل اسلام کے ہاں گھوڑے 'گدھے اور خرگوش وغیرہ کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے کہ بعض کے ہاں انہیں حلال کہا جاتا ہے اور بعض کے ہاں حرام۔ یہی حال ہے پرندوں کے متعلق کہ ایک مکتب فکر کوّے اور طوطے وغیرہ کو حلال ٹھہراتا ہے اور دوسرے حرام۔ اگر حلال و حرام کے قرآنی اصول کو نگاہ میں رکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ غیر جگالی والے چوپایوں اور ایک پوٹ والے پرندوں میں سے کسی کی بھی حلت و حرمت میں اختلاف پیدا ہو سکے۔

حلت و حرمت کے ضمن میں چوپایوں اور پرندوں کی وضاحت تو اوپر گزر چکی ہے' اسکے تحت ہے تیسری قسم آبی جانوروں کی جن میں سے قرآن کریم میں صرف مچھلی کی حلت موسیٰؑ کے ذکر میں آئی ہے' جب آپنے ایک سفر میں اپنے ساتھی سے بھنی ہوئی مچھلی ناشتہ کے لئے طلب فرمائی فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ؗ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ (18/63-62) پھر جب دونوں آگے بڑھے تو (موسیٰؑ نے) اپنے ساتھی جوان سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لا۔ بیشک ہمیں اس سفر میں تکان ہو گئی ہے۔ (ساتھی نے) کہا کیا آپ نے دیکھا تھا کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی کو وہاں بھول آیا تھا۔

پس آیت زیر بحث (10/59 + 16/116) میں حلال و حرام کے قرآنی اصولوں کے خلاف حلال و حرام کی فہرستیں بنانے اور یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہنے کو افتریٰ علی اللہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ظن و قیاس کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر افتریٰ کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝٦٠

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افتریٰ کرتے ہیں انکا قیامت کے دن کے متعلق کیا خیال ہے؟ (اگر وہ افتریٰ علی اللہ سے توبہ کر لیں تو وہ انہیں معاف کر دیگا) بلا شبہ اللہ تعالیٰ بندوں پر فضل کرنیوالا ہے۔ مگر انکے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (یعنی ناشکری کر کے خود محروم فضل و رحمت ہو جاتے ہیں)

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اے نوع انسانی تم جس حالت میں بھی ہوتے ہو اور تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے پاس موجود ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں کہ جب تمہارے ہر عمل کا وہ خود گواہ ہے تم قیامت کی عدالت عالیہ میں اپنے جرائم کی سزا سے کس طرح بچ سکتے ہو□

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾

اور نہیں ہوتے تم کسی حال میں اور نہیں پڑھتے تم اسکی طرف سے (نازل کئے گئے) قرآن میں سے کچھ' اور نہیں تم کرتے کوئی عمل مگر ہم تمہارے اوپر خود موجود گواہ ہوتے ہیں اس وقت جب تم مصروف ہوتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے پوشیدہ (اے رسولؐ) تیرے رب سے ذرہ بھر بھی کوئی چیز نہ زمین میں اور نہ آسمان میں' اور نہ اس (ذرہ سے) چھوٹی (یعنی ایٹم) اور نہ کوئی بڑی مگر وہ اللہ تعالیٰ کے ظاہر علم میں موجود ہے (کیونکہ وہ ہر جگہ خود حاضر و ناظر اور شاہد ہے)

یہاں کتاب مبین کا معنی اللہ تعالیٰ کا علم ہے' اسکی کتاب قرآن حکیم نہیں کیونکہ آیت مجیدہ کے الفاظ یہ ہیں کہ تم جس حال میں بھی ہوتے ہو' یا اللہ کا قرآن پڑھ رہے ہوتے ہو یا تم کوئی بھی عمل کرنے میں مصروف ہوتے ہو تو وہ خود تمہارے پاس موجود ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ہر فرد انسانیہ کا جب بھی اور جس جس حال میں بھی ہونا اور جو جو عمل بجالا رہے ہونا قرآن مجید میں درج نہیں' بلکہ علم الٰہی میں موجود ہے۔ اور اسی طرح زمین اور آسمانوں میں موجود ہر بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کہ وہ کہاں کہاں موجود ہے یہ چیز بھی قرآن مجید میں درج نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اسلئے کھل کر ثابت ہو چکا کہ یہاں (10/61) میں کتاب مبین سے مراد صرف اور صرف علم الٰہی ہے۔

آیت بالا میں آمدہ الفاظ وَمَا يَعْزُبُ —— إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ سورہ سبا میں بھی آئے ہیں۔ اور جس طرح یہاں ماقبل قیامت کی جوابدہی اور جزا سزا کا ذکر ہے اسی طرح وہاں علم الٰہی میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کے موجود ہونے کے ذکر جمیل کے بعد ارشاد ہوا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال بجالانے والوں کو انکے اعمال کی بہتر جزا عطا فرمائے اور برے عمل کرنے والوں کو ان کے برے عملوں کی سزا دے۔ دیکھئے سورہ سبا میں اس علیم و خبیر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے

متعلق بالفاظ ذیل اعلان فرمایا ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ﴿٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ ۖ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٣﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رِجْزٍ أَلِيمٌ ﴿٥﴾ ۳۴/۲ تا ۵

(مفہوم) وہ اللہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس میں سے نکلتا ہے۔ اور جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں اوپر کو چڑھتا ہے۔ اور وہ رحمت فرمانے والا بچاؤ عطا فرمانے والا ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئیگی۔ (اے رسولؐ!) کہدیجئے گا کہ بلکہ آئیگی۔ قسم ہے میرے رب غائب کے جاننے والے کی' کہ وہ ضرور تم پر آئیگی۔ نہیں پوشیدہ اس سے ذرہ بھر بھی کوئی چیز نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی مگر وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود ہے۔ تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اصلاح کے کام کئے جزا دے۔ وہی لوگ ہیں کہ انکے لئے بچاؤ اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کی مخالفت کی کوشش کر کے (برے عمل بجالاتے ہیں) وہ وہی ہیں کہ انکے لئے رسوا کرنیوالا درد ناک عذاب ہے۔

آیات بالا میں ضابطہ الٰہی کے نافرمانوں مجرموں' اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے تذکرہ کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں ضابطہ الٰہی قرآن مجید کے فرمانبرداروں' نیکو کاروں یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی ضد اس کے دوستوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾

(62) خبردار! (بگوش ہوش سن لو کہ) بلاشبہ جو اللہ کے دوستؐ ہیں ان پر نہ آئندہ کے لئے کوئی خوفؐ ہے اور نہ وہ ماضی میں کئے گئے اعمال پر غمگینؐ ہونگے۔

(63) یہ وہ لوگ ہیں جو ضابطہ الٰہی پر ایمان لاتے اور اسکی مخالفت سے بچتے ہیں۔

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾

(64) انکے لئے دنیا کی زندگی میں بھی کامیابی کی' اور آخرت کی زندگی میں نجات کی خوشخبری ہے اللہ کے قانون کے لئے بدلنا ہے ہی نہیں (دنیا اور آخرت کی فلاح و نجات کی خوشخبری) یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

اولیاء اللہ کون ہیں؟ آیات صدر 62 تا 64 میں اولیاء اللہ کی 6 قرآنی نشانیاں بیان ہوئی ہیں جن کی تفصیل و تشریح خود

قرآن کریم کی تصریف آیات کے ساتھ آگے چل کر پیش کی جائے گی۔ پہلے ایک طویل تمہید کے طور پر یہ چیز ذہن نشین کر لیجئے کہ عرف عام میں اہل اسلام کے ہاں اولیاء اللہ کا ایک مخصوص گروہ تصور کر لیا گیا ہے۔ جس کی نشانیاں یہ ہیں کہ وہ حجرہ یا خانقاہ نشین ہوتے ہیں' چلّہ کشی کرتے ہیں۔ انکا کاروبار پیری مریدی ہوتا ہے' مریدوں سے نذریں نیازیں وصول کرتے ہیں۔ خود مقرر کردہ مخصوص قسم' یا مخصوص رنگ کا لباس پہنتے ہیں۔ اپنے آپ کو عارف کے نام سے متعارف کرتے ہیں۔ لوگ انہیں مرادیں پوری کرنیوالے اور حاجت روا تصور کرتے ہیں۔ اور وہ خود بھی اپنے آپ کو مرادیں دینے والے قرار دیتے ہیں جسکی ظاہر دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص مراد یا حاجت لیکر انکے پاس جاتا ہے تو وہ یہ نہیں کہتے کہ ہمیں تو کوئی اختیار حاصل نہیں' جیسے کہ نبی کریمؐ کو حکم دیا گیا تھا۔ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ○(72/21) کہدیجئے گا کہ میں تمہارے لئے نہ کسی نقصان کا مالک ہوں نہ کسی فائدے کا۔ بلکہ یہ بھی بتکرار ارشاد ہوا قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ 7/188 + 10/49 اے رسولؐ کہدیجئے گا کہ میں تو خود اپنے لئے بھی نہ کسی نفع کا مالک ہوں۔ نہ نقصان کا سوائے اسکے کہ مجھے بھی نفع یا نقصان اللہ تعالیٰ کے قانون مشیت کے مطابق ہی پہنچتا ہے۔ مگر ان لوگوں کو ان قرآنی حدود سے ماوری سمجھ لیا گیا ہے۔

شریعت' طریقت' حقیقت اور معرفت پھر اس گروہ کے لئے شریعت الٰہی کی پابندی خاص ضروری نہیں سمجھی جاتی' کیونکہ ان لوگوں کے ہاں شریعت کے علاوہ کچھ مزید خانہ زاد اصطلاحیں طریقت' حقیقت اور معرفت کے نام سے متعارف ہیں۔ جب ان سے کوئی فعل خلاف شریعت سرزد ہوتا پایا جائے تو اسے طریقت حقیقت یا معرفت کے دائرہ میں داخل کر کے نہ صرف یہ کہ اس سے صرفِ نظر کر لی جاتی ہے' بلکہ اسے اس گروہ کے ہاں مزید مروجہ اصطلاحات جذب و سلوک اور وجد و حال سے متعلق قرار دیکر حدود شریعت سے تجاوز کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا مقرب سمجھا جارہا ہوتا ہے۔

عالمِ امر اور عالمِ مثال لیکن یاد رہے کہ شریعت الٰہی سے صرفِ نظر کرنیوالے اس گروہ کے ہاں مروجہ مذکورہ بالا اصطلاحوں' نہ طریقت' حقیقت اور معرفت کا قرآن کریم میں ذکر تک موجود ہے۔ نہ جذب و سلوک اور وجد و حال کا۔ اسی طرح کی دو اصطلاحیں اور بھی ان حضرات کے ہاں مروّج ہیں عالم امر اور عالم مثال وغیرہ جنہیں قرآنی عقائد اور شریعت الٰہی سے آزادی حاصل کرنے کی سند قرار دے لیا جاتا ہے۔ طریقت نامی مروجہ اصطلاح سے تو ان لوگوں کا طریقہ اور راستہ ہی الگ قرار دے دیا گیا ہے۔ اور حقیقت نامی اصطلاح میں کائنات کی ہر چیز اور ہر شرعی حکم تک کی حقیقت کو ظاہریّت سے مختلف قرار دے لیا جاتا ہے۔ جیسے کہ اسی اصطلاح سے اشیاءِ کائنات کے متعلق ہمہ اوست کا عقیدہ ایجاد ہو چکا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی اللہ ہے۔ یہ چیزیں ظاہر میں اینٹ' پتھر' آگ پانی' مٹی ہوا یا کتّا بلاّ گھوڑا گدھا اور بندر سور وغیرہ ہیں حقیقت میں سب اللہ ہی اللہ ہیں انسان بھی خود اللہ ہی ہے۔ اور اسی چیز کو اس سے اگلی سٹیج میں معرفت کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسا سمجھنے والے معرفت الٰہی کو پالیتے اور عارف باللہ کہلاتے ہیں۔ چنانچہ انہی میں سے بعض یہ دعوٰی کرتے ہیں۔

ہُن بُلھاناں دھرایا سَو۔ یہ بلھے شاہؒ صاحب کا دعوی ہے کہ اب اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بُلھا رکھ لیا ہے۔ اور بعض اناالحق کا دعوٰی کرتے ہیں کہ میں اللہ ہوں۔ یہ شریعت الٰہی کے اولین عقیدہ وحدت کے شجر سدابہار کی جڑوں پر کلہاڑا چلانے کا دعوی شاہ منصور صاحب کا ہے' جنہیں اسکی پاداش میں موت کی سزا دیگئی۔ مگر پورے عالم اسلام میں آج تک شاہ منصور کو سچا قرار

دیا جا رہا ہے اور انہیں سزا دینے والوں کو جھوٹا' بے انصاف اور ظالم۔

مگر قرآنی اولیاء اللہ کی تعریف بالترتیب 9 ضمنی نوٹس میں) آگے آرہی ہے' بتکرار عرض کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں ایسے شریعت الٰہی کے مخالف اور خود اللہ بننے والے گروہ کو اولیاء اللہ ہرگز نہیں کہا گیا۔ قرآن مجید کی رو سے وہ شخص اللہ کا ولی ہے جو ضابطہ الٰہی پر صدقِ ذہن کے ساتھ ایمان لائے اور پھر اس کی مخالفت سے بچتا رہے۔

لفظ اولیاء اللہ کی لغوی تحقیق | لفظ اولیاء کا سہ حرفی مادہ ہے و-ل-ی = ولی۔ اس مادہ کا بنیادی معنیٰ ہے قریب ہونا۔ اس طرح ولی (جس کی جمع اولیاء ہے) دوست کو کہتے ہیں۔ عربی لغت میں اس لفظ کے یہ متعدد معنے لئے جاتے ہیں۔ غلبہ' اقتدار' حکومت' محافظت' نگرانی اور سرپرستی وغیرہ۔ قرآن مجید میں ولی کا لفظ دو طرح سے استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ 2/257 اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے (اور تقویٰ اختیار کیا 10/63 (وہ انہیں غلط عقائد و اعمال کے) اندھیروں سے نکال کر (صحیح عقائد و اعمال کی) روشنی میں لے آتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ہوتا ہے خود انسان کے اپنے اعمال کے ساتھ جیسے کہ ارشاد ہوا ہے۔ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ 6/127 وہ اللہ انکا (بندوں کا) ولی ہے ان عملوں کے ذریعہ جو وہ خود مسلسل بجالاتے ہیں۔

2- مومن متقی اللہ کے ولی ہیں۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ○ 10/63-62 خبردار! بلاشبہ جو اللہ کے ولی ہیں ان پر نہ آنیوالا کوئی خوف ہے اور نہ انہیں ماضی کا کوئی غم ہوگا (کیوں ؟ اسلئے کہ) وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے تنزیلی اور تکوینی قوانین پر بصدق ذہن) ایمان لاتے ہیں انکی مخالفت سے بدستور بچتے چلے جاتے ہیں۔ برادران عزیز! آپ سطور بالا میں وھو ولیھم بما کانوا یعملون کے الفاظ میں دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا ولی انکے اپنے اعمال کے ذریعہ بنتا ہے تو ثابت ہوا کہ بندوں کا اللہ کے ولی ہونا اور اللہ کا بندوں کا ولی ہونا دونوں صورتیں بندوں ہی کے اعمال کے ساتھ وابستہ ہیں۔ بالفاظ دیگر جب بندے اللہ تعالیٰ کے تنزیلی اور تکوینی ضابطے پر بصدق ذہن ایمان لا کر اس پر صد فیصد عامل ہو جاتے ہیں تو وہ اللہ کے ولی بن جاتے ہیں 6/127 اور اللہ انکا ولی بن جاتا ہے۔ اور انہیں غلط عقائد و اعمال کے اندھیروں سے نکال کر صحیح عقائد و اعمال کی روشنی میں لے آتا ہے 2/257

آیات مجیدہ 62 تا 10/64 کے نو ضمنی نوٹ | لفظ ولی کی قرآنی لغوی تحقیق کی اس طویل تمہید کے بعد اب آیات صدر 62 تا 10/64 کے نو ضمنی نوٹ ملاحظہ فرمائیں اور ساتھ کے ساتھ قرآنی اولیاء للہ کا' مروجہ اولیاء اللہ کے ساتھ تقابل بھی کرتے چلے جائیں۔

پیدائشی ولی کا عقیدہ خلاف قرآن ہے | عــ1ــ اولیاء اللہ مرکب اضافی ہے جس کا لفظی معنیٰ ہے اللہ کے دوست۔ سطور بالا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ کے دوست (اولیاء للہ) وہ لوگ ہیں جو صرف اپنے اعمال کے ساتھ درجہ ولائت حاصل کرتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ کوئی شخص پیدائشی ولی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اہل تصوف کے ہاں جو یہ نظریہ مدتوں سے مروج چلا آرہا ہے صد فیصد غلط ہے کہ فلاں بزرگ پیدائشی ولی تھے' ان سے والدہ محترمہ کے بطن مبارک ہی میں کرامات کا ظہور شروع ہوگیا تھا۔ اس سے اگلے ضمنی نوٹوں میں قرآن مجید کی رو سے ثابت کیا جائے گا کہ کرامات کا چکر بھی محض ایجاد

بندہ ہے جو پیراں نہ پرند و مریداں پرانند کے مصداق ان لوگوں کا چلایا ہوا ہے جو کسی بزرگ کے حاشیہ بردار بن کر بے پر کی قطاریں اڑانا دین کی عظیم خدمت سمجھتے ہیں۔

ف2-3 لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کے جملہ میں لا خوف علیھم کے الفاظ میں اولیاء اللہ کی پہلی صفت (پہلی نشانی) یہ بتائی گئی ہے کہ انہیں آنیوالے خطرات کا خوف نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس کیوں کا سیدھا صاف اور مشاہداتی جواب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے مستقبل پر نگاہ رکھتے ہیں اور ہر آنیوالے خطرے کا انسداد حفظ ماتقدم کے طور پر زمانہ حال میں کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح انکا حال بھی تابناک ہوتا ہے اور مستقبل بھی بے خوف و خطر۔ نیز اولیاء اللہ کی دوسری نشانی ولا ھم یحزنون کے الفاظ میں بتائی گئی ہے کہ انہیں ماضی کا غم بھی نہیں ہو گا۔ واضح رہے کہ عربی لغت کے مطابق خوف آئندہ آنیوالے خطرات کا ہوتا ہے اور حزن ماضی میں کئے گئے غلط اعمال کے غلط نتیجے کا غم ہوتا ہے پس ولا ھم یحزنون کے مطابق اولیاء اللہ کے اعمال اللہ تعالیٰ کے تنزیلی اور تکوینی ضابطے کے عین مطابق ہوتے ہیں اسلئے نہ انکا غلط نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور نہ انہیں اس حزن رنج و ملال میں مبتلا ہونا پڑتا ہے کہ فلاں غلط کام نہ کرتے تو آج یہ غلط نتیجہ برآمد نہ ہوتا۔ بالفاظ دیگر اولیاء اللہ کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کے تنزیلی اور تکوینی ضابطے کے مطابق اٹھتا ہے۔ جیساکہ نبی اکرمؐ کی زندگی بطور نمونہ پیش کی جاسکتی ہے کہ آپ کی حیات اطہر میں کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں آیا کہ اپنے مستقبل میں آنیوالے کسی خوف کا پہلے ہی انسداد نہ کر رکھا ہو حتیٰ کہ مشرکین مکہ نے جب نبی اکرمؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا تو آپ نے اسکا بھی انسداد پہلے سے کر رکھا تھا۔ آپ کے ساتھ جانیوالا ایک جاں نثار ساتھی بھی ہر آن حکم کا منتظر موجود تھا۔ اور مقام ہجرت کا تعین بھی پہلے سے کر کے وہاں پر ایسی جماعت پیدا کر رکھی تھی جو نبی اکرمؐ کی آمد کے لئے ہر لحظہ چشم براہ تھی اس سے آگے جو خطرہ نبی اکرمؐ کے صحیح سلامت مکہ معظمہ سے نکل جانے کے بعد مکہ کے غریب اور کمزور مسلمانوں پر مشرکین مکہ میں وقتی طور پر پیدا ہونیوالے غیض و غضب کی صورت میں سامنے آنیوالا تھا۔ نبی اکرمؐ نے اسکا انسداد بھی کر دیا کہ آپ کے بعد کمزور مسلمانوں میں عمرؓ جیسے بارعب صحابی موجود تھے جنکے دبدبہ کی بدولت کمزور مسلمان محفوظ بھی رہے اور انکی نگرانی میں پُر امن ہجرت کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے۔

ف4-5 الذین امنو او کانوا یتّقون کے الفاظ امنوا میں **اولیاء اللہ مومن اور متقی ہوتے ہیں** اولیاء اللہ کی تیسری نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ ایمان لاتے ہیں۔ کس چیز پر ایمان لاتے ہیں؟ اس کا جواب انکی چوتھی نشانی و کانوا یتقون کے الفاظ میں دیا گیا ہے کہ وہ ہر خطرے سے بچاؤ کا "عملاً" اہتمام کرتے ہیں۔ تو اب یہ امر مسلم ہے کہ خطرات انسان کی دونوں زندگیوں کے ساتھ وابستہ ہیں اس دنیا کی زندگی کے ساتھ بھی اور مرنے کے بعد قیامت والی زندگی کے ساتھ بھی۔ اس زندگی کے خطرات میں سر فہرست ہے غذائی ضروریات کے قحط کا خطرہ جس سے بچاؤ اللہ تعالیٰ کے تنزیلی اور تکوینی دونوں ضابطوں کے ذریعہ ہی ممکن ہے اللہ تعالیٰ کا تکوینی ضابطہ وہ ہے جو اس بھری کائنات میں اٹل قوانین جاریہ کی صورت میں جاری و ساری ہے جن کے مطابق اجناس پیدا کرنے سے غذائی قحط کا خطرہ ٹل سکتا ہے اور تنزیلی ضابطہ وہ ہے جو قرآن مجید کی کتاب لاریب میں موجود و محفوظ ہے۔ جس پر عمل کرنے سے نوع انسانی مصنوعی قحط کے خطرے سے محفوظ رہ سکتی ہے اس تنزیلی ضابطہ حیات پر عمل کرنے سے جہاں نوع انسانی اس زندگی کے خطرات سے محفوظ ہو جاتی ہے وہاں دوسری

زندگی کا اہم ترین خطرہ عدم نجات بھی رفع ہو جاتا ہے۔

پس قرآنی فیصلے الذین امنوا و کانوا یتقون کے مطابق اولیاء اللہ وہ ہیں جو اللہ کے ہر دو ضابطوں پر بصدق ذہن ایمان بھی رکھتے ہیں اور ان دونوں ضابطوں کی مخالفت سے بچتے بھی رہتے ہیں تو برادران عزیز! بتایئے کہ غذائی قحط کے خطرے کا تکوینی یعنی کائناتی حل کیا ہے؟ کیا یہ کہ ہم چلّہ کشی کے ذریعے اپنے اندر ایسا زور کرامات پیدا کر لیں کہ ریت کا آٹا بنا سکیں جیسے کہ اہل تصوف نے بعض بزرگوں کی طرف یہ کرامت منسوب کر رکھی ہے کہ انہوں نے ریت کا آٹا بنا دیا۔ اس کے ضمن میں تکوینی یعنی کائناتی ضابطہ الٰہی کا اٹل اور غیر متبدل مشاہداتی جواب تو یہ ہے کہ۔

آٹا ریت سے ہرگز حاصل نہیں ہوتا' بلکہ اسکے حصول کے لئے سب سے پہلے زمین میں ہل چلانا پڑتا ہے پھر اس میں بیج بونا اور پانی دینا پڑتا ہے پھر کھیت کی نلائی اور رکھوالی کرنے کے ساتھ ساتھ چھ ماہ بعد گندم کی فصل پک کر تیار ہوتی ہے مگر کاٹنے اور گاہنے کے بعد ہی گندم حاصل ہوتی ہے اور پھر اسے چکی میں پیسنے کے بعد آٹا میسر آتا ہے۔ یہ وہ مشاہدات ہیں جنہیں جھٹلانا اور ریت سے آٹا بننے کا تصور پیش کرنا دوپہر کے وقت سورج کے انکار کے مترادف ہے۔ العیاذ باللہ۔

وہ مومن اولیا اللہ ہیں جو قحط کے خطرہ سے بچا سکتے ہیں

پس وہ مومن جو عین وقت پر گندم بونے اور اسکے پکنے تک کے تمام مراحل میں کائناتی قوانین کے ساتھ ساتھ چل کر فصل کو کاٹ اور گاہ کر عوام کو قحط کے خطرہ سے بچاتے ہیں اولیاء اللہ ہیں بشرطیکہ انکی باقی زندگی بھی اللہ تعالیٰ کے تنزیلی قوانین قرآن مجید کے مطابق ہو۔ اور یہی حال ہے باقی خوردنی اجناس کا کہ چاول' جو' جوار چنا کئی وغیرہ ہر جنسی قحط کے خطرے کا کائناتی' مشاہداتی حل یہ ہے کہ ہر فصل کو اسکے بونے کے موسم پر بویا جائے بروقت پانی دیا جائے نلائی اور رکھوالی کی جائے اور جب فصل پک جائے تو کاٹ گاہ کر منڈی میں پہنچا دیا جائے۔ پس جیسے کہ پیچھے بھی عرض کیا گیا ہے کہ نوع انسانی کو جنسی قحط کے خطرہ سے بچانیوالے مومن سب اولیاء اللہ ہیں بشرطیکہ انکی باقی روزہ عرہ کی زندگی بھی اللہ تعالیٰ کے تنزیلی ضابطہ قرآن مجیدہ کے مطابق ہو

یہ تو ہوئے کاشتکار مومن اولیاء اللہ۔ اور یہی حال ہے معاشرہ کے باقی تمام مومن کارندوں لوہار' ترکھان' موچی' جلاہا' حجام وغیرہ کا جو شبانہ روز نوع انسانی کی خدمت نہایت دیانتداری کے ساتھ بجالائیں وہ بھی سب اولیاء اللہ ہیں بشرطیکہ انکی باقی روز عرہ کی زندگی بھی رب تعالیٰ کے تنزیلی ضابطہ قرآن حکیم کے مطابق ہو۔ اور اسی شرط کے ساتھ اگر دکاندار ملاوٹ نہ کریں۔ کم نہ تولیں اور ناجائز منافع خوری سے پرہیز کریں تو سب اولیاء اللہ ہیں مسلمان پولیس والے اگر رشوت نہ لیں اور اپنا فرض منصبی ہمہ جہتی دیانتداری کے ساتھ ادا کریں' نیز اگر سرکاری حکام رشوت سے پرہیز کریں اور ملک و قوم کی خدمت پوری تندہی کے ساتھ بجا لائیں تو مذکورہ شرط کے مطابق سب کے سب اولیاء اللہ ہونگے۔ انکا یہ منصب انکی اپنی پاکبازی کا نتیجہ ہو گا۔

الختصر! زیر بحث مسئلہ تو مختصر الفاظ میں اس طرح حل کیا جا سکتا ہے کہ ضابطہ الٰہی قرآن کریم کا ہر مومن ادلی اللہ ہے جو اپنی پوری زندگی کو اس ضابطہ کے قوانین کے قالب میں ڈھال کر اپنے آپ کو دائمی طور پر قرآنی احکام کے خول میں بند کر

دے۔ اس کے برعکس قرآن مجید کسی ایسے الگ گروہ کو ہرگز ہرگز اولیاء اللہ قرار نہیں دیتا جس کے ہاں شریعت الٰہیہ پر غیر قرآنی اصطلاحوں طریقت' حقیقت اور معرفت کو سوار بھی کر رکھا ہو۔ اور شریعت قرآنیہ کو پس پشت پھینک کر متوفی بزرگوں کے ملفوظات کو عقائد و اعمال کا مرکز و محور بھی قرار دیدیا ہو۔ اسطرح ان کے ہاں سند و حجت تو ہوں صرف سابقہ حجرہ و خانقاہ نشین بزرگوں کے ملفوظات اور قرآن کریم صرف و محض متوفی مشائخ کے عرسوں پر ختم کر کر کے ایصال ثواب کے لئے رہ گیا ہو۔

مسئلہ ایمان اور کرامات اولیاء اللہ کے قرآنی تعریفی الفاظ الذین امنو و کانو ایتقون میں سرفہرست ہے امنو جس کے متعلق اوپر عرض کیا جا چکا ہے اولیاء اللہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کائناتی اور تنزیلی قوانین پر ایمان لاتے ہیں۔ اسکی قرآنی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں کائناتی اور تنزیلی ہر دو قوانین کے ایک دوسرے کے صد فیصد مترادف و موافق ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ دونوں کو حق قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ارشادات الٰہی :-

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ 3/3 (اے رسول! اللہ تعالیٰ نے) آپ پر اپنی کتاب حق حق نازل فرمائی ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ 16/3 (اللہ تعالیٰ نے) آسمانوں اور زمین کو حق حق پیدا فرمایا ہے۔

پس غور فرمائیں کہ ان ہر دو اعلانات باری تعالیٰ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تنزیلی قولی کتاب قرآن مجید بھی اپنے جملہ تنزیلی قوانین سمیت حق ہے اور پورے آسمان اور زمین یعنی اسکی فعلی تخلیقی کتاب بھی اپنے جملہ قوانین جاریہ سمیت حق ہے۔ اب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس طرح قرآن مجید کے ایک ایک قانون کو تسلیم کئے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اسی طرح ارض و سماوات یعنی اللہ تعالیٰ کی فعلی تخلیقی کتاب میں جاری و ساری کسی ایک قانون کا انکار کرنے سے بھی ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ پس مومن اولیاء اللہ کا ایمان یہ ہے کہ ریت سے آٹا کبھی بن ہی نہیں سکتا اور نہ کبھی بھی نمک شکر میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ جس کے ضمن میں ارشاد باری ہے۔

لا تبدیل لکلمت اللّٰہ 10/64 اللہ تعالیٰ کے قولی اور فعلی قوانین کے لئے تبدیل ہونا ہے ہی نہیں۔

لا مبدل لکلمتہ 6/115 اللہ تعالیٰ کے قولی اور فعلی قوانین کو بدلنے والا کوئی ہے ہی نہیں۔

مایبدل القول الدی 50/29 میرا قانون خود میری طرف سے بھی ہرگز ہرگز نہیں بدلا جاتا۔

سطور بالا میں مندرج قرآنی حقائق کے مطابق جب بنظر تعمق غور کیا جائے تو دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے قوانین کے لئے بدلنا ہے ہی نہیں۔ جب اسکے قوانین کو بدلنے والا کوئی موجود ہی نہیں۔ اور جب خود اللہ تعالیٰ کی اپنی طرف سے بھی اسکے قوانین ہرگز نہیں بدلے جاتے تو عقیدہ کرامات صد فیصد قرآن حکیم کے خلاف اور غیر قرآنی نظریہ ہے۔ واضح رہے کہ نظریہ کرامات کی حقیقت یہ ہے کہ آج کے پیروں میں سے کوئی ایک بھی آپکو ریت کا آٹا یا نمک کی شکر بنانے کی کرامت ہرگز ہرگز نہیں دکھا سکتا۔ مگر کل کو جب یہی "اللہ کو پیارے ہو جائیں گے" تو انکی سوانح حیات میں انکی طرف قسم قسم کی کرامتیں منسوب کر دیجائیں گی یہی حال سابقہ بزرگوں کا ہے کہ ہر گزشتہ آج کے بزرگ' گزشتہ کل کو' جب "وہ اللہ کو پیارے ہوگئے" تو ان کی طرف گوناگون کرامتیں منسوب ہو گئیں۔

نبی اکرمؐ کی زندگی اسوہ حسنہ ہے اسی عنوان کے ضمن میں نبی اکرمؐ صاحب نور کا اسوہ حسنہ بطور نمونہ پیش خدمت ہے ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی توحید روڈ کراچی کی کتاب توحید خالص میں خواجہ معین الدین اجمیری کی کتاب انیس الارواح کے صفحہ 17-18 کے حوالہ سے ابراہیم ادھم کے متعلق درج ہے کہ آپ حج کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے ہر قدم پر دو نفل ادا کرتے اس طرح چودہ برس میں کعبہ مکرمہ پہنچے مگر کعبہ شریف کو اپنی جگہ پر نہ پایا۔ ہاتف غیب نے ندا دی کہ ابراہیم! ٹھہرو خانہ کعبہ ایک بڑھیا کا طواف کرنے گیا ہے جنگل کی طرف چل پڑے دیکھا کہ خانہ کعبہ رابعہ بصری کا طواف کر رہا ہے اس پر ڈاکٹر صاحب نے بڑی پتے کی بات کہی ہے کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو خانہ کعبہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر نبی اکرم کا طواف کرنے کے لئے چند میل آگے بڑھ کر حدیبیہ تک کیوں نہ آیا کہ نبی اکرمؐ اور آپ کے اعلیٰ ترین اولیاء اللہ صحابہؓ اکرام کو بلا عمرہ واپس لوٹنا نہ پڑتا؟ اب اسوہ رسولؐ تو یہ ہے کہ وقت کے تقاضہ' صلح حدیبیہ کے مطابق بلا عمرہ واپس لوٹ گئے۔ مگر اگلے سال جب قرآنی حکم 8/60 کے مطابق بے پناہ فوجی قوت کے ساتھ مکہ معظمہ کی بازیابی کے لئے تشریف لائے تو کفار مکہ نے بلا مقابلہ شکست قبول کر کے بیت اللہ شریف کی چابیاں نبی اکرم کی خدمت اقدس میں پیش کر دیں۔ غور فرمایئے گا کہ فتح مکہ عین قرآنی اور کائناتی قوانین کے مطابق ہوئی تھی کسی معجزہ یا کرامات کے ذریعہ نہیں۔

اسی طرح کہا جاتا ہے فلاں بزرگ نے دیوار پر سوار ہو کر اسے دوڑا دیا۔ مگر اسوہ رسولؐ مقبول یہ ہے کہ انتہائی خطرہ کے وقت بھی جب آپ نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو سفر کے کائناتی وسائل ہی کا سہارا لیا کسی دیوار کی کراماتی سواری ہر گز نہ فرمائی نبی اکرمؐ اور دیگر انبیاءؑ کرام کی طرف معجزات بھی منسوب محض ہیں۔ ابراہیم اور زکریا سلام علیہما دونوں کے متعلق قرآن مجید میں خبر دی گئی ہے کہ بوڑھے ہو گئے مگر بیٹا کوئی نہیں تھا۔ حضور الٰہی ہی میں عاجزانہ دعا فرمائی۔ نبی اکرمؐ کو درجنوں جنگیں پیش آئیں اور ہر جنگ میں جنگ سے متعلقہ کائناتی قوانین ہی کا راستہ اختیار فرمایا۔ جنگ احد میں جب صحابہؓ کے ایک دستہ سے جنگی اصولوں کے خلاف غلطی ہوگئی تو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ پس ان قرآنی حقائق و شواہد کی روشنی میں اظہر من الشمس ہے کہ سطح آب پر چلنے' دیواروں کو دوڑانے' آنکھ بند کر کے دور دراز کے سفر طے کرنے وغیرہ کرامات متوفی بزرگوں کی طرف منسوب محض ہیں' قرآن کریم میں انکی صحت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

ابراہیم اور موسیٰ سلام علیہما کی طرف منسوب معجزات کی دلیل بھی قرآن مجید کی جن آیات مجیدہ سے پکڑی جاتی ہے وہ متشابہات ہیں محکمات نہیں۔ پیچھے 10/64 کی محکم آیت کی شہادت سے ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے لئے بدلنا ہے ہی نہیں۔ لا تبدیل لکلمت اللّٰہ اور 6/115 کی محکم آیت مجیدہ کے ساتھ پیش کیا جا چکا ہے کہ اسکے قوانین کو تبدیل کرنے والا کوئی ہے ہی نہیں لا مبدل لکلمتہ اور 50/29 کی محکم آیت کی شہادت الٰہی کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کے قوانین تبدیل نہیں کئے جاتے ما یبدل القول لدی ابراہیمؑ کے خلاف جو آپ کے دشمنوں نے مخالفت کی آگ بھڑکائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ٹھنڈا کر دیا اور موسیٰؑ کا عصا وہ قانون ربوبیت عامہ تھا جس کے سامنے فرعون کے بلائے ہوئے سحر بیان دانشوروں نے ہتھیار ڈالدیئے تھے۔ عصا وید بیضا کی مکمل تفصیل بلاغ القرآن کے شمارہ مارچ 1973ء میں درج ہے اور نار ابراہیم کی قرآنی وضاحت اپریل 1968 کے باب المراسلات میں گزر چکی ہے۔

نگاہ بازگشت یہاں تک قرآن کریم کی روشنی میں اولیاء اللہ کی چار نشانیاں بیان ہو چکی ہیں۔

پہلی یہ کہ انہیں آنیوالے خطرات کا خوف نہیں ہوتا 10/62 یعنی وہ آنیوالے ہر خطرے کا انسداد پہلے ہی سے کئے ہوئے ہوتے ہیں۔

دوسری یہ کہ وہ ماضی میں کئے گئے اعمال پر غمگین نہیں ہوتے یعنی وہ ایسا کوئی عمل نہیں کرتے جس پر انہیں غمگین ہونا پڑے۔

تیسری یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تنزیلی اور تکوینی قوانین پر صد فیصد ایمان رکھتے ہیں 10/63 اور

چوتھی یہ کہ جن قوانین پر وہ ایمان لائے ہیں ان کی مخالفت سے بچتے ہیں صد فی صد پرہیز کرتے ہیں 10/63

پانچویں اور چھٹی ہے دنیا و آخرت کی بشارت جس کی وضاحت اگلے ضمنی نوٹ نمبر6-7 میں یہ ہے۔

اولیاء اللہ کو دنیا اور آخرت کی کامیابی کی بشارت دیدی گئی ہے

ع6 - 7 اس سے آگے پانچویں اور چھٹی نشانی بتائی گئی ہے دنیوی زندگی میں کامیابی اور اخروی زندگی میں نجات کی خوشخبری کی' جو قرآن کریم میں پہلے ہی سے درج کر دیگئی لھم البشری فی الحیواۃ الدنیا ولاخرۃ پس ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ نہ تو بھکاری ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کی کمائی پر پلتے ہیں۔ انکی دنیوی زندگی بھی کامیاب ہوتی ہے اور انکے قرآنی اعمال اخروی زندگی میں نجات کا موجب ہوں گے۔

ع8 آیت زیر بحث کے اخیر پر وہی جملہ موجود ہے لا تبدیل لکلمت اللہ جس کی مکمل بحث پیچھے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین میں تبدیلی کا امکان تک موجود نہیں۔ اسی کی تائید میں پیچھے دو آیات کریمہ مزید پیش کی جاچکی ہیں 6/115 کہ اللہ کے قوانین کو بدلنے والا ہے ہی کوئی نہیں' اور 50/29 ما یبدل القول لدی کہ خود میری طرف سے بھی میرا قانون ہرگز نہیں بدلا جاتا۔

ع9 اولیاء اللہ سے متعلق آیات زیر بحث کا آخری ضمنی نوٹ ہے ذلک ھو الفوز العظیم کے متعلق کہ اولیاء اللہ کی مذکورہ بالا نشانیاں' جن کی بدولت انہیں دنیوی اور اخروی' دونوں زندگیوں کی کامیابی کی خوشخبری دائمی طور پر قرآن مجید میں درج کر دیگئی ہے یہی تو عظیم کامیابی ہے۔ پس اولیاء اللہ کے مذکورہ بالا قرآنی نشانات کے' خود ذات باری کی طرف سے اعلان عام کے بعد بھی اگر ہمارا کوئی مکتب فکر آوارہ حال بھک منگوں' پرائی کمائی پر پلنے والے حجرہ اور خانقاہ نشینوں' نیز لٹکتے چیتھڑوں والے مخبوط الحواس اور بھنگیوں چرسیوں کو اولیاء اللہ قرار دے۔ اور غیر اللہ سے مرادیں مانگنے کی اسلام و ایمان دشمن روش ترک نہ کرے تو اسے اس قوم کی انتہائی بدبختی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ (ما علینا الا البلغ)

اس سے اگلی آیت میں نبی اکرمؐ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ آپ کو ان لوگوں کا یہ قول غمگین نہ کرے کہ ابھی تک آپ کو غلبہ تو میسر آیا ہی نہیں۔ جو یقیناً" یقیناً" میسر آنیوالا ہے' کیونکہ غلبہ تو سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے ہے اور اسی کے قوانین پر عمل کرنے سے میسر آتا ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾

(65) اور اے رسولؐ! آپکو انکا (ہنوز عدم میسر غلبہ کا) قول غمگین نہ کرنے۔ بلاشبہ حقیقت یہ ہے کہ غلبہ اور عزت و وقار سارے کا سارا صرف اللہ ہی کے لئے ہے (اسی کے قوانین کے مطابق آپ کو غلبہ و اقتدار حاصل ہو گا) اور وہ اللہ خوب خوب سننے والا ہے ان باتوں کو جو یہ لوگ کہتے ہیں اور خوب خوب جاننے والا ہے (انکے ارادوں کو جو وہ ذہنوں میں چھپاتے ہیں)

اس سے اگلی آیت مجیدہ کا تعلق اصلی اولیاء اللہ' انبیاء کرام اور صحابہ رسولؐ کے ساتھ ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ ان سے بھی مدد مرادیں مانگنا انہیں اللہ کے شریک ٹھہرانا ہے۔

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾

(66) خبردار! (بگوش ہوش سن لو) جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے' صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ (کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں) اور جو لوگ مدد مرادوں کے لئے اللہ کے سوا اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پکارتے ہیں وہ نہیں پیروی کرتے مگر ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور نہیں وہ مگر انکل پچو دلیلیں دیتے ہیں۔

انکل پچو دلیلیں غیر اللہ سے مرادیں مانگنے کی یوں تو بہت سی دیجاتی ہیں جن میں سرفہرست یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی حاکم کے حضور کوئی درخواست دینی ہو تو پہلے اسکے ریڈر یا نائب کو وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ مگر ان حضرات کو یاد نہیں رہتا کہ اھدنا الصراط المستقیم کی درخواست تو وہ روزانہ بلاوسیلہ اللہ کے حضور پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ اور ایک گمراہ کن دلیل یہ دیجاتی ہے کہ لوہے کا ٹکڑا آگ میں پڑکر آگ ہو جاتا ہے اور جو کام آگ کرتی ہے وہی کام وہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح بزرگ اللہ کے ساتھ واصل ہو کر وہی کام کر سکتے ہیں جو اللہ کرتا ہے۔ العیاذ باللہ! ان حضرات کو کون بتائے کہ آگ اور لوہا دونوں کا اصل مادہ ہے۔ دونوں' واحد الاصل ہونے کی بدولت ایک دوسرے سے صفات حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ اور بندہ جب واحد الاصل ہی نہیں اور بندے کا اللہ میں لوہے اور آگ کی طرح پڑنا ہی ممکن نہیں تو اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو اس نے صرف اپنے لئے مختص کر رکھی ہیں انسان میں کس طرح پیدا ہو سکتی ہیں جیسے کہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشادہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کو پیدا کیا ہے۔ کیا ان لوگوں کے بزرگ دن رات پیدا کر سکتے ہیں؟ ارشاد باری ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾

(67) (مدد مرادوں کے لئے پکارے جانے کے لائق) وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں آرام کرو۔ اور دن کو روشنی دینے والا بنایا ہے۔ یقیناً" اس (بیان) میں اس قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو (قرآنی حقائق کو بغور) سنتے ہیں (سنی کو ان سنی نہیں کر دیتے)

لقوم یسمعون کے الفاظ میں جس سننے کی خبر دیگئی ہے وہ عام سننا نہیں بلکہ خالی الذہن اور تعصب سے کنارہ کش ہو کر بغور سننا مراد ہے۔ انسان کی پوری زندگی گردش لیل و نہار میں ختم ہو جاتی ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن بدستور آتے چلے جا رہے ہیں۔ اب جو لوگ آیت صدر کو بصدق اور بغور سنتے ہیں وہ اس امر پر غور کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں کہ کیا یہ نظام لیل و نہار ان لوگوں کا پیدا کردہ ہے جن سے ناوان لوگ غائبانہ مدد مرادیں مانگتے ہیں؟ دن اور رات کے مسلسل و متواتر بدل بدل کر آنے کا تعلق ہے سورج کی روشنی کے ساتھ کہ جس خطہ ارض پر ہم موجود ہیں جب زمین کا یہ حصہ سورج کے سامنے ہوتا ہے تو ہمارے ہاں دن ہوتا ہے اور جب یہ حصہ سورج کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو ہمارے ہاں رات ہوتی ہے۔ جس ذات پاک نے آفتاب عالمتاب کا اتنا بڑا نوری کرہ پیدا کیا ہے اور کرہ ارضی کو مداری اور محوری گردش کے دائمی قانون کی زنجیروں میں جکڑ کر اسکی ایک گردش کے ذریعہ موسموں کی تبدیلی اور دوسری کے ذریعہ دن رات کے مسلسل بدل بدل کر آنے کا سامان فرمایا ہے' کیا مدد مرادیں وہ ذات دے سکتی ہے یا وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے سورہ نحل میں اسی عنوان استمداد غیر اللہ کے ضمن میں ارشاد ہوا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ 16/22-20 اور وہ لوگ جنہیں لوگ اللہ کے سوا مدد مرادوں کے لئے پکارتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں۔ (اور جن متوفی بزرگوں کو لوگ مدد مرادوں کے لئے پکارتے ہیں) وہ مردے ہیں ہرگز زندہ نہیں ہیں۔ اور وہ (انکے متوفی بزرگ انکی مدد کیا کریں انہیں تو) شعور تک نہیں ہے کہ وہ دوبارہ کب اٹھائے جائیں گے۔ (غائبانہ مدد مرادوں کے لئے پکارے جانے کے لائق) تمہارا الہ' الہ واحد ہے۔

اب غور فرمایئے گا کہ:۔

ان آیات کریمہ میں قرآنی حقائق کو تعصب اور ضد سے الگ ہو کر سننے والوں کے لئے حقائق ذیل کا اعلان کیا گیا ہے کہ:۔

1- غائبانہ مدد مرادوں کے لئے پکارے جانے کے لائق صرف اور صرف وہ ہے جو خالق ہے جو پیدا کرنیوالا ہے خود پیدا ہوا ہوا نہیں 16/20

2- غائبانہ مدد مرادوں کے لئے پکارے جانے کے لائق مخلوق میں سے ہرگز کوئی نہیں ہے' جو خود پیدا کیا گیا ہے 16/20

3- جو بزرگ فوت ہو چکے ہیں انہیں زندہ سمجھنا ازروئے قرآن حکیم صد فیصد غلط ہے۔ وہ ہرگز ہرگز زندہ نہیں ہیں 16/21

4- جو بزرگ فوت ہو چکے ہیں وہ شعور سے صد فیصد عاری ہیں 16/22

5- غیر اللہ کو مدد مرادوں کے لئے پکارنا انہیں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرانا ہے 10/66 (وما علینا الا البلغ)

نگہ بازگشت

آیت نمبر 62 تا 64 میں ارشاد ہوا ہے' بگوش ہوش سن لو کہ بلاشبہ جو اللہ کے دوست ہیں ان پر نہ آئندہ کے لئے خوف ہو گا اور نہ وہ ماضی میں کئے گئے اعمال کے لیے غمگین ہونگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ضابطہ الٰہی پر ایمان لاتے اور اس کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں کامیابی کی اور آخرت کی زندگی میں نجات کی خوشخبری ہے۔ اللہ کے قانون کے لئے بدلنا ہے ہی نہیں۔ دنیا و آخرت کی فلاح و نجات کی خوشخبری ہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔ ان آیات کریمہ میں اولیاء اللہ کی چھ قرآنی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔

پہلی یہ کہ انہیں آنیوالے خطرات کا خوف نہیں ہوتا 10/62 یہ اس لیے کہ وہ آنیوالے ہر خطرہ کا انسداد پہلے ہی کیئے ہوئے ہوتے ہیں۔

دوسری یہ کہ وہ ماضی میں کیے گئے اعمال پر غمگین نہیں ہوتے یعنی وہ عمداً ایسا کوئی عمل کرتے ہی نہیں جس پر انہیں غمگین ہونا پڑے 10/62

تیسری یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی اور تنزیلی قوانین پر صد فیصد ایمان رکھتے ہیں 10/63 اور

چوتھی یہ کہ جن قوانین الٰہی پر وہ ایمان لاتے ہیں ان پر صد فیصد عمل کرتے اور ان کی مخالفت سے بچتے ہیں

ان کی پانچویں اور چھٹی نشانی یہ ہے کہ انہیں دنیا و آخرت کی کامیابی کی خوشخبری دیدی گئی ہے مشاہدہ کے مطابق ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ دشمنوں کے مقابلے پر دنیا میں آخری فتح و کامرانی ان کے حصے میں آتی ہے اور آخرت کی دوسری زندگی میں بھی انہیں سرخروئی نصیب ہو گی۔

آیت نمبر 65 میں نبی اکرمؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو تا حال کلی فتح میسر نہ آنے کا مخالفوں کا طعنہ غمگین نہ کر دے۔ بلاشبہ غلبہ سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے ہے (کیونکہ ہر چیز اللہ کے متعینہ قوانین کے ساتھ وابستہ ہے) اور وہ اللہ خوب خوب سننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے۔ جو طعنے مخالفین دیتے ہیں انہیں سنتا ہے اور تم لوگ ان کے مقابلہ اور انہیں آخری شکست فاش دینے کے لئے جو اعمال بجالا رہے ہو یعنی جو جنگی تیاری تم کر رہے ہو اسے جاننے والا ہے۔

آیت نمبر 66 میں ارشاد ہوا ہے کہ بگوش ہوش سن لو بلاشبہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سارے کا سارا صرف اللہ ہی کی ملکیت ہے مگر جو لوگ غیر اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر ان سے مرادیں مانگتے ہیں' وہ نہیں اتباع کرتے مگر صرف ظن و گمان کی اور وہ انکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ یعنی ان کے ٹھہرائے ہوئے شریک کسی بھی چیز کے نہ مالک ہیں اور نہ وہ ان لوگوں کی مرادیں پوری کر سکتے ہیں۔

آیت نمبر 67 میں اعلان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے اے نوع انسانی تمہارے لئے رات کو آرام کے لئے ٹھہرایا ہے اور دن کو روشن بنایا ہے تاکہ تم کسب معاش کرو۔ بلاشبہ مذکورہ بالا آیتوں میں اس قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو حقائق کو سننے والے ہیں اللہ تعالیٰ کی تکوینی یعنی کائناتی نشانیاں اسکی ہستی کے لئے نا قابل انکار دلائل ہیں مگر اس آیت میں اس کے لئے شرط اول قرار دی گئی ہے خالی الذہن ہو کر سننا۔ اسکے بعد نمبر آتا ہے ان پر غور و فکر کرنے کا= اور پھر نمبر آتا ہے ان پر عمل کرنے کا۔ جو قوم

ان حقائق کو سن کر سمجھ کر کائناتی قوانین کے سربستہ رازوں کو معلوم کرتی ہے اس کے لئے زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے۔ ہوا' فضا اور خلا ان کے تابع فرمان ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ کائناتی قوانین سے صرف نظر کر کے صرف مردہ بزرگوں سے سب کچھ کرانے کے متمنی ہوتے ہیں۔ کائناتی قوانین کے خلاف بیماریوں سے شفاء رزق میں کثرت اور دشمنوں پر فتح کے طلبگار ہوتے ہیں تاکہ انہیں خود کچھ نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ وہ اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو اللہ کے برگزیدہ اور اس کے محبوب و معشوق قرار دیتے ہیں تاکہ اس چیز کا جواز مہیا ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ اپنے معشوقوں کی خاطر اس حالت میں ان کی مرادیں پوری کر دے کہ وہ بیماریوں کے لئے صحیح دوائیں تو ایجاد نہ کریں صرف پانی دم کر کے پلانے سے مریض شفایاب ہو جائیں۔ زراعت کے الہی قوانین نہ معلوم کریں نہ ان پر عمل کریں' صرف کھیت میں تعویذ دبانے سے ستر اسّی من فی ایکڑ پیداوار میسر آجائے۔ اور اسی طرح وہ جدید اسلحہ تو تیار نہ کریں' صرف دعاؤں یا وردود و ظائف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انہیں دشمن پر فتح اور غلبہ عطا کر دے کیونکہ وہ اللہ کے حضور میں اسکے محبوبوں اور معشوقوں کا واسطہ و وسیلہ پیش کر رہے ہیں۔ ان کے طفیل اپنا قانون توڑ کر ان کی مرادیں پوری کرتا رہے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں شکست و ذلت اور آخرت میں ناکامی و روسیاہی لازم ہو جاتی ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ سے قانون شکنی کرانے کے لئے ایک قدم آگے بڑھنے والوں کی خبر دی گئی ہے۔ ان کے مانے ہوئے بزرگ کو اللہ نے اپنا بیٹا بنا لیا ہوا ہے۔ اسلئے وہ اسکی خاطر اپنے ان قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے جن کے متعلق پیچھے آیت نمبر 64 میں غیر مبہم الفاظ میں اس نے خود اعلان عام کر دیا ہے۔ لا تبدیل لکلمت اللّٰه 10/64 اللہ تعالیٰ کے قوانین کے لئے بدلنا ہے ہی نہیں چنانچہ اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو اللہ کے بیٹے ٹھہرانے والوں کے متعلق خبر دیگئی ہے۔

(68)

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۸

ان (اللہ کا شریک ٹھہرانے والوں نے) کہا کہ اللہ نے (فلاں کو) بیٹا بنایا ہے۔ حالانکہ وہ اس (بیٹا بنانے) سے پاک ہے۔ وہ بے محتاج ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے صرف اسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس نظریئے کی کوئی دلیل نہیں ہے کیا تم اللہ پر جھوٹ کہتے ہو جسے تم جانتے ہی نہیں۔

سُبْحٰنَهٗ کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ باری تعالیٰ بیٹے کی ضرورت و احتیاج سے پاک ہے۔ کیونکہ بیٹے کی ضرورت انسان کو ہے جسے بڑھاپا بھی لازم ہے اور موت بھی۔ بیٹا ہو گا تو بڑھاپے کا سہارا بنے گا اور باپ کی موت کے بعد اسکا جانشین ہو گا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو نہ بڑھاپا ہے نہ موت ہے اس لئے وہ بیٹے کی ضرورت و احتیاج کے تصور تک سے پاک و منزہ ہے بت پرست اقوام اپنے دیوتوں کو اللہ کے بیٹے اور دیویوں کو اس کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں بالفاظ ذیل نفی کر رکھی ہے۔ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ۝ 6/101 اور انہوں نے اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں قرار دیدی ہیں بغیر علم کے جو صفت وہ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بلند و بالا ہے۔ نصاریٰ نے مسیح کو اور یہود نے عزیر کو اللہ کے بیٹے قرار دے رکھا ہے۔ سورہ توبہ میں آیا ہے۔ وَقَالَتِ

الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ 9/30 "اور یہودیوں نے کہا۔ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ محض ان کے منہ کی فضول بات ہے یہ ان لوگوں کے قول کی نقل ہے جو ان سے پہلے کافر ہوئے تھے۔ اللہ انہیں برباد کرے وہ کس طرف کو الٹے پھرے جاتے ہیں۔"

دیکھئے! اس آیت مجیدہ 10/30 میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے پہلی قومیں بھی اپنے نبیوں اور بزرگوں کو اللہ کے بیٹے کہا کرتی تھیں۔ غرض صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بے لوث و بے لچک قانون کو اسکے خود تراشیدہ بیٹوں کے ذریعے توڑا جائے اس میں لچک اور لوچ کا تصور پیدا کیا جائے۔ جیسے کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ انہیں ان کے جرموں اور گناہوں کی سزا سے اللہ کا بیٹا مسیح بچا لیگا۔ لیکن یاد رہے کہ باری تعالیٰ کے کسی بھی قانون میں کوئی شگاف پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ جن لوگوں نے گناہوں کے کفارہ اور شفاعت کا تصور پیدا کر رکھا ہے۔ باری تعالیٰ نے اسکے لئے ارشاد فرما دیا ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ 2/48 "اور بچ جاؤ اس دن (کے عذاب) سے جب کوئی شخص کسی شخص کے ذرہ بھی کام نہیں آئے گا اور نہ اس سے سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے رشوت لی جائے گی اور نہ ہی وہ کسی بھی قسم کی مدد کیے جائیں گے۔" المختصر! اللہ کے محبوب و معشوق اور اسکے بیٹے ٹھہرانے کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ دنیا میں محض ان کے بیٹا یا محبوب ہونے کے تصور سے مرادیں حاصل کی جائیں اور قیامت کی عدالت میں سفارش ہو جائے۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ نہ دنیا میں کوئی بھی کام عمل کے بغیر کھوکھلے تصورات سے سرانجام ہوتا ہے اور نہ قیامت کو سفارش کے ساتھ گناہ معاف ہو سکیں گے۔ گناہوں کی معافی اسی دنیا میں توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لینے کے ساتھ وابستہ ہے۔

هو الغنی کے الفاظ میں باری تعالیٰ کی خصوصی تعریف کی گئی ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بے نیاز و بے محتاج ہے۔ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ نہ اسے بڑھاپا ہے کہ لاٹھی پکڑنے کے لئے بیٹے کی ضرورت لاحق ہو اور نہ اسے موت ہے کہ اس کے لئے جانشین کے طور پر بیٹے ہونا لازم ٹھہرے۔ اسی طرح نہ اسے بھوک ہے نہ پیاس' نہ اسے بیماری ہے نہ اونگھ ہے نہ نیند یعنی جتنی بھی محتاجیاں انسان کے لئے ہیں وہ ان سب سے پاک و منزہ ہے۔

اللہ نے کوئی بیٹا نہیں پکڑا له ما فی السموات وما فی الارض سے عیاں ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا وہ خود مالک ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہر چیز کا وہ خود خالق ہے سورہ فرقان میں آیا ہے الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ○ 25/2 "اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اور صرف اسی کی ہے۔ اور اس نے کوئی بیٹا بھی نہیں بنایا اور اس کی حکومت میں اسکا کوئی شریک و ساجھی بھی نہیں ہے۔ اور اس نے خود ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور پھر اسی نے خود ہر چیز کے لئے اندازے پیمانے اور قانون مقرر کر دیئے ہیں۔" پس برادران عزیز! اس ہمہ جہتی وحدہ لاشریک کے لئے نہ بیٹے کا تصور پیدا ہوتا ہے اور نہ خود اپنے متعینہ قوانین کو توڑنے کا۔

ان عندکم من سلطن بهذا کے الفاظ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کا بیٹا ٹھہرانے والو! تمہارے پاس اسکی

کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اتقولون علی اللّٰہ مالا تعلمون کے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ اللہ کا بیٹا ٹھہرا کر اللہ کے قانون میں لچک پیدا کرنیوالو، تم اللہ کے ذمہ وہ کچھ لگاتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ بالفاظ دیگر انہیں اس چیز کا علم حاصل کرنا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین تکوینی اور تنزیلی میں کوئی معمولی سی لوچ بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ بیٹے کی تو نہ اسے احتیاج و ضرورت ہے اور نہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہی ہے۔ باقی رہا اسکے محبوبوں کا مسئلہ۔

سیسہ پلائی دیوار بنکر لڑنیوالے اللہ کے محبوب ہیں۔

سورہ صف میں ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ 61/4 بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں محبوب بناتا ہے جو اللہ کی راہ میں صفیں باندھ کر لڑتے ہیں۔ گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی دیوار ہیں۔ واضح رہے کہ خود نبی اکرم اور آپ کے جملہ صحابیؓ اللہ کی راہ میں دشمنوں کے مقابلے پر شمشیر بکف لڑتے تھے۔ اسلئے وہ سب اللہ کے محبوب تھے۔ مگر ان محبوبوں کی مقدس جماعت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون نہیں بدلا تھا۔ جنگ احد میں صحابہؓ کے ایک دستے سے جنگی غلطی ہو گئی، یعنی جب انہوں نے میدان جنگ کے عقبی درّہ کو غیر محفوظ چھوڑ دیا تو دشمن نے پیچھے کی طرف سے حملہ کر کے لشکر صحابہؓ کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مقدس محبوبوں کی خاطر بھی اپنے قانون میں ہرگز تبدیلی نہ فرمائی۔ چنانچہ اللہ کا یہ قانون آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا کہ اگر کسی میدان جنگ کی پیٹھ غیر محفوظ ہو گی تو دشمن اس طرف سے نقصان پہنچا سکے گا۔ تو اس طرح جب اپنے محبوبوں کے لئے ایسے نازک مقام پر بھی قانون الٰہی میں لچک پیدا نہ ہو سکی تو ثابت ہوا کہ یہ عقیدہ صد فیصد باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کے لئے دنیا میں اپنا قانون بدل دیتا ہے اور قیامت کو بدل دیگا۔

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ پر قانون کو بدل دینے کا بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فوز و فلاح سے ہمکنار نہیں ہونگے۔

(69)

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝۶۹

اے رسول کہدیجئے گا کہ جو لوگ اللہ کے ذمہ (قانون بدلنے کا) افترٰی باندھتے ہیں جو سراسر جھوٹ ہے۔ وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

(70)

مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُھُمْ ثُمَّ نُذِیْقُھُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ۝۷۰

دنیا کا (چند روزہ) فائدہ ہے پھر انہوں نے (دوسری زندگی میں) ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اس انکار کے بدلے جو وہ مسلسل کرتے رہے تھے۔

یفترون علی اللّٰہ الکذب سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ پر اپنا قانون بدلنے کا افترٰی ہے کیونکہ ماقبل 10/64 میں

اعلان کیا گیا ہے لا تبدیل لکلمت اللّٰہ اللہ کے قانون کے لئے بدلنا ہے ہی نہیں' خواہ وہ کائناتی ہو یا تنزیلی۔

لا یفلحون کے الفاظ میں ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ کے قوانین کی محکمیت پر یقین نہیں رکھتے۔ عدم فلاح کی خبر دی گئی۔ بالفاظ دیگر بتایا گیا ہے کہ دنیوی فلاح تکوینی قوانین کے سربستہ رازوں کو بے نقاب کر کے ان پر صد فیصد عمل کرنے میں ہے اور اخروی فلاح اللہ کے تنزیلی قوانین قرآن حکیم پر عمل کرنے سے میسر آئیگی۔

متاع فی الدنیا کے الفاظ میں ان لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کائناتی تکوینی قوانین پر عمل کر کے دنیوی فلاح تو حاصل کر لیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے تنزیلی قوانین سے روگردانی کر کے عطاء ربانی پر ذاتی تسلط جما کر بیٹھ جاتے' خود تو عیش و عشرت میں بسر کرتے مگر باقی نوع انسانی کو ان کی جائز ضروریات زندگی تک سے محروم کئے رہتے ہیں۔ انہیں کہا گیا ہے کہ دنیا کا مال و متاع صرف دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے ہے اخروی زندگی میں یہ عمل فائدہ دے سکے گا کہ ضرورت سے زائد اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ضروریات زندگی مہیا کرنے میں صرف کیا جائے۔ کیونکہ حقیقت حال کے مطابق اس بھری کائنات کی ساری نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ کی ہیں اور ساری مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور اس نے اعلان عام کر رکھا ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ○ 2/36 + 7/24 اور اے پوری نوع انسانی! تم سب کے سب کے لئے زمین میں حق رہائش بھی مسلّم ہے (یعنی زمین میں تم سب کے سب کا گھر بھی بلا کرایہ اپنا ہو) اور آخری دم تک کے لئے تم سب کے سب کو ضروریات زندگی کا حق بھی حاصل ہے نیز فرمایا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا○ 2/29 وہ اللہ ہی عظیم الشان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ سب کا سب تم سب کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس آیات بالا 2/36 + 7/24 + 2/29 کے مطابق نعماء باری تعالیٰ پر نہ کسی واحد فرد کی اجارہ داری قابل قبول ہے اور نہ کسی واحد قوم کی تکوینی یعنی کائناتی قوانین الٰہی کے سربستہ رازوں کو بے نقاب کرنے کا حق بھی ہر فرد و قوم کو حاصل ہے اور ان پر عمل کر کے زیادہ سے زیادہ نعماء الٰہی حاصل کرنے کا حق بھی ہر فرد و قوم کا مصدّق ہے۔ مگر ان کے ماحصل پر ازروئے قرآن حکیم پوری نوع انسانی کا حق مسلّم ہے۔ پوری نوع انسانی کے اس پیدائشی اور بنیادی حق پر غاصبانہ طور پر مسلط ہونے والوں کے لئے غور فرمائیں۔

قیامت کی جوابدہی ثم الینا مرجعھم کے الفاظ میں ان لوگوں کے متعلق جو نعماء الٰہی کو اللہ تعالیٰ کی پوری مخلوق تک پہنچنے میں روک بن جاتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے کہ ان کا لوٹ کر آنا ہماری ہی طرف ہے۔ واضح رہے کہ اس زندگی میں انسان کو بجا آوری اعمال کی رو سے فعل مختار ٹھہرایا گیا ہے۔ اعملو ما شئتم 41/40 اچھے یا برے' فرمانبرداری کے یا نافرمانی کے جیسے بھی اعمال تم خود چاہو کرو لیکن اس دنیا میں بجالائے گئے اچھے یا برے اعمال کی جوابدہی کے لئے یوم القیامت کے نام سے ایک دن مقرر کر دیا گیا ہے مرنے کے بعد برزخ کا زمانہ ہے یعنی موت کے بعد اور بعثت قیامت کا درمیانی وقفہ جس میں کوئی زندگی نہیں ہے۔ دوسری زندگی وقفہ برزخ کے بعد میسر آئے گی' جس میں ہر کسی کو رب تعالیٰ کی عدالت عالیہ میں حاضر ہو کر اپنے اس زندگی کے اعمال کا جوابدہ ہونا ہے۔ اسی جوابدہی کے لئے حضور باری تعالیٰ میں حاضری کو ثم الینا

مرجعھم کے الفاظ میں رجعت الی اللہ کہا گیا ہے۔ اور جس کے متعلق اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ اس دن پورا پورا انصاف کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جس کسی نے ذرہ بھر نیک عمل کیا ہو گا اسے بھی دیکھ لے گا۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ 99/7 اور جس کسی نے ذرہ بھر برا عمل کیا ہو گا اسے بھی دیکھ لے گا۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ 99/8 پس ذرہ ذرہ کے حساب کے بعد ارشاد ہوا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ 101/7-6 پھر جس کا موازنہ اعمال نیکیوں کا بھاری ہو گا وہ خوشی کی زندگی میں ہو گا۔ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ○ 101/9-8 اور جس کا موازنہ اعمال نیکیوں کا ہلکا ہو گا اسکا ٹھکانہ جہنم کا گڑھا ہو گا۔

چنانچہ آیت زیر بحث 10/70 میں مذکور ان افراد کے متعلق جو اللہ کی نعمتوں کو اللہ کی پوری مخلوق تک پہنچنے میں روک بنجاتے ہیں' ارشاد ہوا ہے ثم نذیقھم العذاب الشدید پھر ہم انہیں سخت ترین عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور اس برے عمل کے ضمن میں انہوں نے جو ذرہ برابر بھی برا عمل کیا ہو گا ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ 99/8 کے مطابق اسے بھی دیکھ لیں گے۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

بما کانوا یکفرون سے ظاہر ہے کہ انہیں ان کے انہی اعمال بد کا بدلہ دیا جائیگا جو وہ خود ہی مسلسل بجالاتے رہے تھے۔ اور ان اعمال بد کی اساس انکاوہ انکار تھا جو وہ حقائق ثابتہ سے بدستور کرتے رہے۔ بما کانوا یکفرون کے الفاظ میں یکفرون فعل مضارع پر کانوا فعل ناقصہ داخل ہوا ہے۔ جس نے عربی قواعد کے مطابق فعل مضارع کو ماضی استمراری بنا دیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے انکار حقائق کو اپنا مستقل شعار بنا رکھا تھا۔ اور اس مستقل انکار کی بدولت مستقل و مسلسل بداعمالی پر جس میں سرفہرست نعماء الہی کو اللہ کی مخلوق تک پہنچنے سے روکنا تھا' جمے رہے۔ بد اعمالیوں سے توبہ کرکے اپنی اصلاح کرنے کے لئے زندگی کا جو پورا وقفہ عطا کیا گیا تھا' اسے ضائع کر دیا' یعنی آخری دم تک انکار حقائق اور اصرار غصب حقوق انسانی پر جمے رہے۔ العیاذ باللہ! ان آیات کریمہ سے سبق حاصل کر کے حقائق کا اقرار اور برے عملوں سے توبہ اور اپنی اصلاح کرنا لازم ہے۔

نگاہ بازگشت آیت نمبر 68 میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کا ایک انداز یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں کو اپنا بیٹا بنایا ہوا ہے۔ جیسے کہ نصاریٰ نے مسیحؑ کو اور یہود نے عزیر کو اللہ کا بیٹا ٹھہرایا ہوا ہے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹے کے طفیل ان لوگوں کے گناہ معاف کر دے اور انہیں اس دنیا میں من مانیاں کرنے کی کھلی چھٹی ملی رہے۔ لیکن ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ بیٹے کی احتیاج سے پاک ہے نہ اسے بڑھاپا ہے کہ اسے لاٹھی پکڑنے کی ضرورت لاحق ہو اور نہ اسے موت ہے کہ کوئی اس کا جانشین بنے وہ ہر لحاظ سے بے محتاج ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اسی کا ہے۔ شریک ٹھہرانیوالوں کو متنبہ کر دیا گیا ہے کہ تمہارے پاس اللہ کا بیٹا ٹھہرانے کی کوئی دلیل نہیں۔ کیا تم لوگ وہ کچھ اللہ کے ذمے لگاتے ہو (یعنی بیٹا بنانا) جسے تم جانتے ہی نہیں۔

آیت نمبر 69-70 میں انہی لوگوں کے متعلق نبی اکرمؐ سے اعلان کرادیا گیا ہے کہ بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ افتریٰ

باندھتے ہیں وہ ہرگز کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتے۔ وہ دنیا کا چند روزہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس کے بعد انہوں نے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا' اسی کی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ پھر جو جو کرتوتیں وہ کر رہے تھے ان کے بدلے انہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب کا مزہ چکھائے گا۔

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو نوحؑ کی خبر پڑھ کر سنایئے کہ جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم پر میری نصیحت گراں گزرتی ہے تو میرے خلاف اپنی تمام طاقت اور اپنے سب شریکوں کو جمع کر لو اور مجھے ڈھیل نہ دینا مگر یاد رکھو میرا پروردگار تمہارے شر سے مجھے محفوظ رکھے گا۔

(۷۱)

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ نُوۡحٍ ۘ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكُمۡ مَّقَامِىۡ وَتَذۡكِيۡرِىۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡتُ فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَكُمۡ وَشُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ لَا يَكُنۡ اَمۡرُكُمۡ عَلَيۡكُمۡ غُمَّةً ثُمَّ اقۡضُوۡۤا اِلَىَّ وَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۷۱﴾

(اے رسولؐ) ان لوگوں پر نوحؑ کی خبر پڑھیئے گا۔ ان کا وہ وقت قابل ذکر ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر تم پر میرا مقام نبوت اور میرا اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا گراں گزرتا ہے تو میں نے اللہ پر توکل کیا ہے پھر تم (میری مخالفت کی) اپنی مہم پر اکٹھے ہو جاؤ اور اپنے شریکوں کو بھی جمع کر لو۔ تاکہ تمہاری مہم میں کوئی شبہ باقی نہ رہے پھر تم (سب جمع ہو کر) میرے خلاف فیصلہ کر لو اور مجھے ڈھیل نہ دینا۔

اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جب نوحؑ نے قوم کو ان کے باطل عقائد اور برے اعمال سے آگاہ اور منع فرمایا تو وہ سیخ پا ہو گئے اس پر آپ نے انہیں وارننگ دیدی کہ میں خالص للہ کے حکم کے مطابق تمہیں وعظ و نصیحت کا فریضہ ادا کر رہا ہوں۔ اس پر بجائے اس کے تم اپنے باطل عقائد اور برے اعمال کی اصلاح کرتے' الٹی میری مخالفت کا بیڑا اٹھا لیا ہے تو بے شک تم میری مخالفت پر سب کے سب اکٹھے ہو جاؤ اور اپنے شریکوں کو بھی جمع کر لو تاکہ میرے خلاف تمہاری مہم ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے اور پھر مجھے مہلت نہ دو۔ جو بھی کر سکتے ہو کر ڈالو۔ مگر یاد رکھو کہ میرا پروردگار جس نے مجھے مقام نبوت پر مبعوث فرمایا ہے وہ ضرور میری مدد کرے گا۔ اور تم اپنے شریکوں سمیت ناکام و نامراد ہو جاؤ گے۔

سورہ نوحؑ میں خود نوحؑ ہی کے الفاظ میں خبر دی گئی ہے۔

قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّهُمۡ عَصَوۡنِىۡ وَاتَّبَعُوۡا مَنۡ لَّمۡ يَزِدۡهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ○ وَمَكَرُوۡا مَكۡرًا كُبَّارًا ○ وَقَالُوۡا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمۡ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوۡثَ وَيَعُوۡقَ وَنَسۡرًا ○ 71/23-21 نوحؑ نے کہا اے میرے رب بے شک انہوں نے میری نافرمانی کی ہے اور اتباع اس کی کی ہے جس کو اس کے مال اور اولاد نے نہیں زیادہ کیا مگر گھاٹے ہی میں زیادہ کیا ہے اور انہوں نے (میرے خلاف) بہت بڑی تجویزیں کی ہیں اور انہوں نے قوم سے کہا کہ تم اپنے الاہوں کو مت چھوڑنا۔ خصوصاً" نہ چھوڑنا ود سواع یغوث یعوق اور نسر کو۔

قوم نوحؑ کے پانچ پیر ودؔ' سواعؔ' یغوثؔ' یعوقؔ اور نسرؔ قوم نوح کے ٹھہرائے ہوئے اللہ کے شریک پانچ پیر تھے جن سے وہ مدد' مرادیں' مانگا کرتے تھے۔ انہیں اللہ کے اختیارات مخصوصہ میں شریک بنا رکھا تھا کہ وہ بارشیں برساتے' کھیتیاں اگاتے' مویشیوں کو بڑھاتے اور اولادیں دیتے ہیں نوحؑ نے فرمایا کہ میرے خلاف تم سب پیر اور مرید جمع ہو جاؤ اور مجھے ڈھیل نہ دو نیز فرمایا۔

فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَمَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ‌ ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ‌ ۙ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝۷۲

(۷۲)
پھر اگر تم روگردانی کرو تو میں تم سے (اس تبلیغ پیغامات باری تعالیٰ کا) کوئی اجر طلب نہیں کرتا نہیں ہے میرا اجر' مگر صرف اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ (خود بھی احکام الٰہی کا) فرمانبردار بنا رہوں)

چونکہ علماء و مشائخ کا دائمی دستور یہ ہے کہ وہ اپنے وعظوں اور تقریروں کی اجرت طلب کرتے۔ (یعنی خود منہ سے مانگ لیتے' بلکہ سودا بازی کے انداز میں) اجرت طے کر لیتے ہیں اس لیے قوم نوحؑ کو خیال ہوا کہ یہ شخص بھی اپنے وعظ کی اجرت طلب کرے گا لیکن آپ نے اعلان کر دیا کہ اگر تم اس لئے روگردانی کرتے ہو کہ میں تم سے اس کی اجرت مانگوں گا تو اس سے بے فکر ہو جاؤ کہ میں تم سے ہرگز اجر رسالت نہیں مانگوں گا میرا اجر صرف اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جس نے خود مجھے منصب و رسالت پر مامور فرمایا ہے لیکن اس کے باوجود قوم کے غربا کے سوا کسی نے بھی نوحؑ کی تبلیغ وحدت و ربوبیت پر توجہ نہ دی۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

فَكَذَّبُوۡهُ فَنَجَّيۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ فِى الۡفُلۡكِ وَجَعَلۡنٰهُمۡ خَلٰٓـئِفَ وَاَغۡرَقۡنَا الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا‌ ۚ فَانْظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ‏ ۝۷۳

(۷۳)
پھر انہوں نے (اللہ کی آیتوں کو) جھٹلا دیا۔ پھر ہم نے اسے (نوحؑ کو) اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے کشتی کے ذریعہ (عظیم طوفان سے) نجات دی اور انہیں (نوحؑ کا) جانشین بنایا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' غرق کر دیا پھر غور کر (اے مخاطب) کہ جنہیں ڈرایا گیا تھا (ان کی نافرمانی) کی بدولت' ان کا کیا انجام ہوا (سب غرق کر دیئے گئے)

فی الفلک کا معنی لکھا گیا ہے' کشتی کے ذریعہ طوفان عظیم سے نجات دی۔

مادی اسباب خود اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اللہ تعالیٰ کے اپنے پیدا کردہ اسباب کے ذریعہ اس کے اپنے لائے ہوئے طوفان سے بچنے کا ذریعہ بھی اس کا اپنا پیدا کردہ سبب کشتی ہی تھی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لئے طوفان کا مقابلہ اپنی تنزیلی آیتوں کے ساتھ کرنا اس کے بے پایاں اختیارات سے باہر نہیں مگر چونکہ وہ اپنے قوانین کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں کرتا 50/29 اس

لیے اس نے طوفان نوحؑ کی آمد سے بہت پہلے نوحؑ کو اپنے کائناتی قانون کے مطابق کشتی تیار کرنے کا حکم دیا جو سورہ ہود میں آیا ہے۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ○

11/37 (اے نوحؑ) ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی (یعنی ہمارے کائناتی قانون) کے مطابق ایک کشتی تیار کریں اور ظالموں کے لئے مجھے مخاطب نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ غرق ہونے والے ہیں۔

تسخیر آب کا کائناتی اصول | اس آیت مجیدہ 11/37 میں ووحینا جس کی تقدیر کلام بوجہ داؤ عاطفہ کا معنی ہے ہماری وحی کے مطابق نیز واضح رہے کہ یہاں وحی الہی سے اللہ تعالٰی کا وہ کائناتی قانون مراد ہے جو اللہ تعالٰی نے پانی کو انسان کے لیے مسخر کرنے کی خاطر اس کے اندر خود پیدا کر دیا ہے کہ جو چیز اپنے حجم کے پانی کے وزن سے ہلکی ہو۔ پانی اسے اپنی چھاتی پر سوار کر کے تیراتا چلا جاتا ہے اور جو چیز اپنے حجم کے پانی کے وزن سے بھاری ہو اسے فوراً ڈبو دیتا ہے اللہ تعالٰی کا یہ قانون اس کے جملہ کائناتی قوانین سمیت اس قدر اٹل ہے کہ اس نے خود نوحؑ کو طوفان سے بچانے کے لئے اپنے قانون تسخیر آب کے مطابق جسے اس نے۔اپنی وحی ہی فرمایا ہے ے مطابق کشتی تیار کرنے کا حکم دیا۔

وہ کشتی اس دور کی سائنسی ترقی کے مطابق لکڑی کے بہت موٹے موٹے پھٹوں اور مضبوط لوہے کے کیلوں سے بنائی گئی تھی جس کی خبر سورہ قمر میں دی گئی ہے کہ نوحؑ کو طوفان آب سے اس طرح نجات دی گئی تھی۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ○ 54/13 اور ہم نے اسے لکڑی کے مضبوط پھٹوں اور لوہے کے کیلوں سے بنی ہوئی کشتی پر سوار کیا اور ان کے ساتھیوں سمیت عظیم طوفان آب سے نجات دی۔

جب نوحؑ کشتی تیار کروا رہے تھے اس وقت قوم کے سردار آپ کا مذاق اڑاتے تھے سورہ ہود میں بتایا گیا ہے۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ○ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ○ 11/39-38

(مفہوم) اور نوحؑ کشتی تیار کرتے تھے مگر جب ان کی قوم کے سرواران کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے آپ فرماتے جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو اسی طرح ہم تمہارے مذاق کا جواب دیں گے پھر تم جان لو گے کہ وہ کون ہے جس پر عذاب آئے گا جو اسے ذلیل خوار کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب لازم ہو جائے گا۔

قوم نوحؑ کا عقیدہ اور مطالبہ | سورہ ہود سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم نوحؑ ہستی باری تعالٰی کی منکر نہیں تھی بلکہ اسے آباؤ اجداد سے یہ عقیدہ وراثتاً ملا تھا کہ نبی رسول بشر نہیں ہوا کرتے فوق البشر ہوتے ہیں جیسے کہ قوم نوحؑ کے سرداروں کا قول بیان کیا گیا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ○ 11/27 قوم نوح

کے سرداروں نے کہا جنہوں نے انکار کیا تھا کہ اے نوحؑ نہیں دیکھتے ہم تجھے مگر یہ کہ تو صرف ہمارے جیسا بشر ہے اور ہم نہیں دیکھتے مگر یہ کہ نہیں اتباع کی تیری مگر ان لوگوں نے جو ہمارے رذیلے ہیں جن کی رائے صرف صدا بصحرا ہے اور ہم اپنے اوپر تیری کوئی فضیلت نہیں پاتے بلکہ ہمارا گمان یہ ہے کہ (تو اور تیرے ساتھی) تم سب جھوٹے ہو۔

اس آیت مجیدہ سے یہ ثابت ہے کہ قوم نوح کے انکار کی دو وجہیں تھیں پہلی یہ کہ ان کے آبائی متوارث عقیدہ کی رو سے اللہ کے نبی رسول بشر نہیں ہوتے اور دوسری یہ کہ رسولوں کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ ان پر سب سے پہلے قوم کے ادنٰی لوگوں کی بجائے سرداران قوم ایمان لائیں اور پھر ان کے کہنے پر غریب لوگ ایمان لانا شروع کریں بالفاظ دیگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ امیر غریب اور اعلیٰ ادنیٰ کی طبقاتی تقسیم بالکل صحیح ہے۔ اللہ کے نبیؑ کو اس کی تائید کرنی چاہیے۔ تاکہ پہلے اعلےٰ طبقوں کے لوگ ایمان لائیں مگر جب ان کی منشاء کے خلاف نوحؑ نے طبقاتی تقسیم کو غلط قرار دیا اور معاشرہ کے ضعیف و کمزور لوگ ان کے گرد جمع ہوگئے تو اب سرداران قوم کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم اس وقت تک آپ کے پاس نہیں آسکتے جب تک آپ ان ادنٰی لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا نہ دیں لیکن چونکہ بعثت انبیا کی غرض ہی اعلیٰ و ادنٰی کی تمیز کو ختم کرنا ہوتی ہے اس لیے آپؑ نے جواباً" ارشاد فرمایا۔

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ○ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ 11/30-29 حقیقت یہ ہے کہ میں ان لوگوں کو ہرگز اپنے پاس سے دور کرنے والا نہیں ہوں بیشک یہ (معاشرہ کے ستائے ہوئے لوگ) اپنے رب کی ملاقات کرنیوالے ہیں (وہ اپنے حقوق ربوبیت ضرور پالیں گے) مگر میں سمجھتا ہوں کہ تم اعلیٰ و ادنٰی کی تمیز کو برقرار رکھنے پر ضد کرنے والے لوگ ایک جاہل قوم ہو اور اے میری قوم حقیقت یہ ہے کہ اگر میں انہیں اپنے پاس سے ہٹا دوں تو کون ہے جو مجھے اس جرم عظیم کی سزا سے اللہ تعالیٰ سے بچانے میں میری مدد کر سکے پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

تم بشر محض ہو | سورہ مومنون میں بھی قوم نوحؑ کے الفاظ ذیل بیان ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم نوحؑ اس عقیدہ کی حامل تھی کہ اللہ تعالیٰ کے نبی رسول بشر نہیں ہوتے۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ○ 23/24-23 قوم نوحؑ کے ان سرداروں نے کہا جنہوں نے انکار کیا کہ لوگو! نہیں ہے یہ (نوحؑ) مگر ایک بشر ہے تمہارے جیسا جو تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے (چونکہ یہ بشر ہے اس لیے نبی نہیں ہو سکتا) اگر اللہ تعالیٰ نبی بھیجنا چاہتا تو ملائکہ نازل کر دیتا ہم نے یہ (یعنی نبی کا بشر ہونا) اپنے پہلے آباؤ اجداد سے سنا ہی نہیں۔

مسئلہ بشریت انبیاء قرآن کریم کی روشنی میں | سورہ مومنون کی آیات بالا میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ قوم نوحؑ کے سردار نہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر تھے اور نہ انہیں سابقہ انبیاءؑ کا انکار تھا۔ انہیں نوحؑ کی نبوت سے انکار صرف اس لیے تھا کہ آپ بشر تھے نور نہیں تھے۔ ملک نہیں تھے قوم نوحؑ کے عقیدہ کے مطابق نبی کے لئے غیر بشر ہونا ضروری تھا۔

افسوس ہے کہ اہل اسلام میں بھی نبی اکرم رحمتہ للعلمین کے متعلق یہی عقیدہ راہ پا چکا ہے کہ آپ بشر نہیں نور تھے اور اسی قوم نوحؑ کے منکروں کے عقیدہ کو منوانے کے لئے آئے دن باہمی سر پھٹول جاری ہے اور نبی اکرمؐ کو غیر بشر منوانے کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ نبیوں کو بشر کافر کہتے تھے جیسے کہ قوم نوحؑ نے کہا تھا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ 23/24 مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا 11/27 یہ نوحؑ تمہارے جیسا بشر ہے۔ اے نوحؑ نہیں دیکھتے ہم تجھے مگر اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں۔

مگر افسوس اس امر کا ہے کہ نبی اکرمؐ کو غیر بشر ثابت کرنے کے لئے قرآنی الفاظ کا انتہائی غلط مفہوم اخذ کرتے ہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ قوم نوح یا دیگر منکر اقوام نے اپنے اپنے نبیوں کا یہ کہہ کر انکار کیا کہ چونکہ یہ بشر ہیں اس لئے یہ نبی نہیں ہو سکتے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان کا یہ عقیدہ از روئے قرآن حکیم غلط تھا یا صحیح۔ قرآن حکیم اس سلسلہ میں کیا رہنمائی کرتا ہے؟ کیا قرآن کریم انبیاؑ کی بشریت کا اعلان کرتا ہے یا عدم بشریت کا؟ اس کا جواب سورہ ابراہیم کی آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد باری ہے۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ○ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ـــــ 14/10-9

کیا تمہاری طرف ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، قوم نوحؑ، قوم عاد اور قوم ثمود کی اور ان لوگوں کی جو ان کے بعد ہوئے کہ انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان جملہ اقوام کی طرف الگ الگ ان کے رسول کھلے آئین لے کر آئے لیکن ہوا یہ کہ ان اقوام نے اپنے ہاتھ منہ میں ٹھونس لیے اور کہا کہ جس۔ (ضابطہ وحدت و ربوبیت) کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اسے ہم نہیں مانتے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس کے متعلق شک میں ہیں ان کے رسولوں نے کہا کیا تم آسمان اور زمین کو پیدا کرنے والے اللہ کے متعلق شک میں ہو جو تمہیں اس لئے اپنی طرف بلاتا ہے کہ تمہارے گناہ معاف کر دے اور تاکہ وہ تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے انہوں نے کہا کہ (یہ سب کچھ صحیح ہے) مگر نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے بشر ہو (اس لیے تم نبی رسولؐ نہیں ہو سکتے) ہم نے آباؤ اجداد سے کسی بشر کا نبی رسول ہونا سنا ہی نہیں۔

سب کے سب نبی رسول صرف بشر رسول تھے منکرین انبیاء کے اس عقیدے کو کہ نبی رسولؐ بشر نہیں ہو سکتے باری تعالیٰ نے خود انبیاء ہی کے جواب کے ساتھ باطل کر دیا ہے۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰي مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ 14/11

ہر قوم کے رسولوں نے اپنے اپنے وقت پر اپنی اپنی قوم کو یہ جواب دیا کہ بلاشبہ نہیں ہم مگر صرف تمہارے جیسے بشر ہی ہیں۔ لیکن اللہ اپنے بندوں ہی میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی مشیت کے مطابق ہی احسان کرتا ہے (اسے نبوت عطا کر دیتا ہے)۔

دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں الفاظ بشر اور عباد کے تکرار کے ساتھ جملہ انبیاءؑ کا خود اپنا اعلان عام درج فرما دیا ہے، جس میں سب کے سب نے خود اقرار فرمایا ہے کہ ہم سب کے سب تمہارے جیسے بندے ہیں بشر ہیں۔ مافوق البشر ہرگز نہیں ہیں

افسوس ہے کہ بعض مفسرین کرام نے عدم بشریت انبیاء کا عقیدہ منکرین انبیاء سے حاصل کیا اور جملہ انبیاء کرام کے متفقہ مشترکہ اعلان عام کو پس پشت پھینک دیا ہے جو انہوں نے فرمایا کہ ہم بشر بھی ہیں اور رسول بھی سابقہ منکر اقوام بھی اپنے اپنے رسولوں کی ان دو باتوں میں سے ایک بات پر ایمان لائے اور دوسری کا انکار کر دیا یعنی انہیں بشر مانا اور رسول نہ مانا۔

اور اسی طرح اہل اسلام کے ایک عظیم گروہ نے بھی نبی اکرمؐ کی دو باتوں انما انا بشر مثلکم یوحی الی 18/110 + 41/6 کہ میں تمہارے جیسا بشر بھی ہوں اور رسول بھی ہوں میری طرف وحی ہوتی ہے۔ کہ آپ بشر نہیں ہیں العیاذ باللہ۔!

انبیاء کا بشر ہونا ہی ان کے لئے وجہ فضیلت ہے۔ واضح رہے کہ انبیاءؑ کو بشر ماننا ہی ان کی فضیلت شان ہے۔ جیسے کہ یوسفؑ کو جب ایک عورت بد کاری کے ارادے سے پچھلی کوٹھری میں لے گئی تو آپ کا بشر اور کامل مرد ہوتے ہوئے پاک صاف بچ کر نکل آنا ہی وجہ فضیلت ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ بشر نہیں تھے یعنی ان میں بشری جنسی خواہش موجود ہی نہیں تھی تو آپ کا اس عورت کے چنگل سے بچ کر نکل آنا کوئی خوبی قرار نہیں دی جا سکتی اسی طرح جملہ انبیاؑ میں جو الگ الگ خوبیاں پائی گئی تھیں اگر وہ بشر تھے ہی نہیں اور ان میں نفس امارہ اور دیگر بشری عوارض موجود ہی نہیں تھے تو ان کا برے اعمال سے صد فیصد محفوظ رہنا ہرگز فضیلت کا موجب نہیں ہو سکتا وجہ فضیلت ان کا بشر ہونا ہی ہے کہ یوسفؑ نے باوجود اس کے کہ آپ ایک کامل نوجوان جنسی جذبات اور نفس امارہ کے جملہ عوارض سے صد فیصد معمور تھے مگر نفس امارہ اور تلاطم خیز جنسی جذبات پر قابو پایا اور برائی کی دعوت دینے والی جنسی جذبات میں اندھی ہوئی عورت کے آگے آگے بھاگ کے پیچھے کی طرف سے قمیص پھڑوالی۔ ان کی یہ چاک دامانی آج تک ان کی پاک دامانی کی شہادت دیتی چلی آرہی ہے۔

طوفان نوح پورے کرہ ارض پر نہیں آیا تھا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ طوفان نوحؑ پورے کرہ ارض پر آیا تھا اور اس کے لئے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ نوحؑ نے حضور الٰہی میں عرض کیا تھا۔ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۝ 71/26 اس کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ نوح نے عرض کی تھی کہ اے میرے رب تو پورے کرہ ارض پر کافروں کی کوئی بستی باقی نہ چھوڑ۔ حالانکہ یہاں الارض کے الف لام عہدی ذکری کی بدولت ارض کا وہ خطہ مراد ہے جس میں اس قوم کی بستیاں آباد تھیں جس کی طرف نوح مبعوث کئے گئے تھے۔ الارض کے مفہوم کی ایسی مثال ان فرعون علا فی الارض 28/3 میں موجود ہے یہاں الارض سے مراد وہ خطہ زمین ہے جس میں فرعون کی حکومت موجود تھی اور اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ فرعون نے ساری زمین پر سرکشی اختیار کر رکھی تھی بلکہ اس کی سرکشی کی حدود الارض کے اس حصے تک محدود تھیں جس پر وہ حکمران تھا پس یہ سطح مرتفع کا وہ نشیبی خطہ ارض تھا جس میں قوم نوح آباد تھی جس نے نوحؑ کی نافرمانی کی اس قوم کے لیے آپ نے حضور الٰہی میں عرض کیا چنانچہ اس نشیبی وادی میں اسی قوم پر طوفان آیا پوری زمین پر نہیں۔

طوفان نوحؑ کے سب اسباب مادی تھے۔ واضح رہے کہ سطح مرتفع میں جگہ بہ جگہ چشمے پھوٹے ہوئے

ہوتے ہیں چنانچہ قرآن حکیم میں طوفان نوح کے اسباب کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ○ 54/12-11 پس ہم نے موسلا دھار بارش کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیئے۔ اس طرح اوپر اور نیچے کا پانی اس کام کے لیے باہم مل گیا جس کا اندازہ، پیمانہ اور قانون مقرر کر دیا گیا تھا۔

پس آیت بالا کے مطابق آسمان سے موسلا دھار بارش اور زمینی چشموں کے پانی کے مادی ذرائع ہی کے ساتھ طوفان لایا گیا۔ کسی غیر مادی ذریعہ سے نہیں لایا گیا تھا مفسرین کرام کا کہنا ہے کہ روٹی پکانے کے تنور سے معجزاتی طور پر پانی پھوٹ نکلا تھا۔ حالانکہ فَارَ التَّنُّورُ 11/40 + 23/37 کے الفاظ (عیونا) کے متبادل آئے ہیں۔ یعنی چشمہ ہی کو تنور کہا گیا ہے تنور کا مطلق معنیٰ ہے۔ گڑھا، چشمہ بھی ایک گڑھا ہوتا ہے۔ جب آسمان سے بے پناہ پانی برسا تو روٹیاں پکانے کے تنور بھی پانی سے بھر گئے۔

کشتی نوحؑ میں ہر نوع کے جوڑے سوار کرنے کا تصور

مفسرین کرام کا دیا ہوا تصور یہ ہے کہ کشتی نوحؑ میں بحکم باری سانپ، بچھو، کرلی، گوہ، مکھی، مچھر سمیت ہر نوع کے جوڑے سوار کئے گئے تھے جو غلط ہے۔ قرآن حکیم میں آیا ہے۔ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ 11/40 + 23/37 اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہم نے نوحؑ کو کہا کہ ہر ضروری نوع کے دو دو جوڑے سوار کر لیں یہ اس لیے کہ اس نشیبی وادی میں عظیم طوفان کی بدولت کوئی جانور زندہ بچنے والا نہ تھا۔ اس لیے پانی کے اترنے کے بعد جب دوبارہ زندگی شروع کی جائے تو وہ انواع جو انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، گھوڑا، گدھا وغیرہ کی نسل کشی کی جا سکے۔ اس کے سوا موذی جانوروں، شیر چیتا، بھیڑیا وغیرہ اور حشرات للارض کیڑوں مکوڑوں کی نہ انسانی زندگی کو کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی انہیں محفوظ کرنے کے حکم دیا گیا تھا۔ مفسرین کرام کو کُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ میں کل کے لفظ سے دھوکا لگا ہے حالانکہ کل کا لفظ موقع محل کے مطابق ضروری اشیاء کا حامل ہوتا ہے غیر ضروری اشیا، اس کے دائرہ سے ازخود خارج ہو جاتی ہیں جیسے کہ ملکہ "سبا" کے متعلق ہدہد نے سلیمان کو خبر دی۔

إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ 27/23 میں نے بے شک ایک عورت کو دیکھا جو عوام کی حاکم ہے اور اسے ہر چیز دی گئی ہے ظاہر ہے کہ یہاں کل شی کا مطلق معنی ضروریات سلطنت کے دائرہ میں محدود ہے اس کے علاوہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کے پاس موجود نہیں تھی۔

نوحؑ کی بسائی ہوئی متوازن بستیاں۔ نوحؑ جن بستیوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے اوپر بتایا جاچکا ہے کہ ان کے باشندے اعلیٰ و ادنیٰ کی ناہموار تقسیم میں منقسم تھے چنانچہ جب نوحؑ نے ہموار ضابطہ حیات پیش کیا تو مفلوک الحال لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ مگر بڑے بڑے سرداروں نے مطلقاً انکار کر دیا جس کی بدولت انہیں نوحؑ کے کافر بیٹے سمیت طوفان میں غرق کرنے کے بعد حکم دیا گیا۔

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ 11/44 اور اللہ کے قانون کی زبان

سے کہا گیا اے زمین قانون باری تعالیٰ کے مطابق پانی کو نگل جا اور اے آسمان تھم جا اور پانی جذب ہو گیا۔ قانون قدرت ہی یہی ہے بارش کا بے پناہ پانی بارش کے تھم جانے کے بعد زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ اور زمین خشک ہو جاتی ہے آپ کی کشتی جودی پہاڑ پر جا رکی تھی نوحؑ اپنے ساتھیوں سمیت زمین پر تشریف لائے۔ پرانی بستیاں سب بہہ کر ختم ہو چکی تھیں اس لئے نوحؑ نے نئی قرآنی بستی بسائی۔ اس کا اندازہ توازن بدوش تھا یا عدم توازن کا مرقع؟ کیا آپ نے اپنے بھائیوں' بھتیجوں' سالوں ہم زلفوں کو جو آپ پر ایمان لائے تھے زمین کے بڑے بڑے پلاٹ الاٹ کر دیئے تھے اور ان ایمان لانے والوں کو جن سے آپ کا کوئی تعلق نہیں تھا انہیں کوئی زمین نہیں دی گئی تھی تاکہ نوح' کے رشتہ داروں کے کرایہ دار بننے پر مجبور ہوں۔ آپ نے ہرگز ہرگز ایسا نہیں کیا تھا۔ کیونکہ انبیاء کرام کا دائمی مشن ہی یہ تھا کہ وہ ایسا نظام قائم کرتے تھے جس میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز نہ ہو اور ہر کسی کو اس کی ضروریات زندگی متوازن انداز میں آخری دم تک بدستور ملتی رہیں۔

اگلی آیت مجیدہ نمبر 74 میں ارشاد ہوا ہے کہ پھر ہم نے نوحؑ کے بعد بہت سے رسولؑ الگ الگ ان قوموں کی طرف بھیجے جو واضح دلائل کے ساتھ ان کے پاس آئے مگر وہ لوگ ایمان نہ لائے۔

(۷۴)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

پھر اس (نوحؑ) کے بعد ہم نے الگ الگ قوموں کی طرف اپنے رسولؑ بھیجے وہ ہمارے رسولؑ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے مگر وہ نہ ہوئے کہ اس (کتاب اللہ) پر ایمان لاتے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے' اس طرح ان کے جھٹلانے کی بدولت جو لوگ ہماری حدوں کو توڑتے ہیں ہم ان کے ذہنوں پر (عدم تفقہ) کی مہریں لگی ہوئی پاتے ہیں۔

نطبع علی قلوب المعتدین کا لفظی ترجمہ مفسرین کرام نے یہ لیا ہے کہ۔ ہم (اللہ تعالیٰ) حدیں پھاندنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ تاکہ وہ راہ راست کی طرف نہ آسکیں۔ لیکن واضح رہے کہ اگر مہر لگانے کے عمل کا فاعل اللہ تعالیٰ کو ٹھہرایا جائے تو یہ مفہوم بنتا ہے کہ جب نافرمان لوگ اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی اس سرکشی کی بدولت ان کے اذہان پر مہر لگا دیتے ہیں مگر جیسے کہ عام تصور یہ ہے کہ جن لوگوں کے قلوب پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دے وہ کبھی بھی ہدایت نہیں پاسکتے۔ کبھی راہ راست پر نہیں آسکتے اگر اس نظریہ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو حدیں پھاندنے والے نافرمانوں سرکشوں کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ اور بخشش خاصہ کے صد فیصد خلاف ہے اور معاذ اللہ معاذ اللہ' اللہ تعالیٰ ظالم ٹھہرتا اور سرکش لوگ بری ہو جاتے ہیں حالانکہ۔ ارشاد باری ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّ

نُوبَ جَمِيعًا ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ○ وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ 39/54,53

(مفہوم) اے رسول کہہ دیجئے گا کہ (ارشاد باری ہے کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے بے امید نہ ہو جاؤ' بے شک اللہ تعالیٰ سب قصور معاف کر دیتا ہے بلاشبہ وہی معاف کرنے والا ہے' مہربان ہے۔ اور (سرکشی و نافرمانی کرنے کے بعد) اس وقت سے پہلے پہلے اس کی طرف رجوع کر کے اس کے فرمانبردار ہو جاؤ کہ جب تم پر عذاب آجائے پھر تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

توبہ کا دروازہ کھلا ہے | ان آیات مجیدہ سے ثابت ہوا کہ للہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کے بعد اس نافرمانی کا عذاب آنے سے پہلے پہلے توبہ کر کے اللہ کا فرمانبردار بن جانے کی مہلت دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو جانا بھی رب تعالیٰ کی عظیم نافرمانی ہے اللہ تعالیٰ کسی کے ذہن پر کفر کی مہر لگا کر اس کے لیے توبہ کا دروازہ ہرگز ہرگز بند نہیں کرتا۔

توبہ کا دروازہ کب بند ہوتا ہے؟ ارشاد باری ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ 4/18 اور ان لوگوں کے لیے توبہ کا کوئی موقعہ نہیں جو برائیاں کرتے رہیں حتیٰ کہ ان میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے اور وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور ان کے لئے بھی توبہ نہیں جو کفر ہی کی حالت میں مرجائیں۔

موت کے وقت کی توبہ اس لیے مردود قرار دی گئی ہے کہ توبہ اور اصلاح' رجعت اور اطاعت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ توبہ کی تصدیق یہ ہے کہ اس کے بعد آخری دم تک برے اعمال سے اجتناب کیا جائے۔ لیکن موت کے وقت پر توبہ کرنے سے برے اعمال سے اجتناب کا عملی ثبوت پیش کرنے کا موقعہ باقی نہیں رہتا اس لیے آخری وقت کی توبہ نا مقبول ہے فرعون جب غرق ہونے لگا اور موت کا وقت سامنے آگیا تو اس نے کہا۔

حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ○ 10/90 "جب وہ غرق ہونے لگا تو کہا کہ میں ایمان لایا' یہ کہ اس کی ذات کے سوا کوئی فرمانبرداری کے قابل نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں" واضح رہے۔

کہ فرعون کا آمنت کا تعلق صرف زبان کے ساتھ تھا۔ مگر من المسلمین کا تعلق زبانی توبہ کے بعد اعمال کے ساتھ تھا۔ عملاً" فرمانبردار بن کر دکھانا تھا لیکن چونکہ موت کا حملہ ہو چکا تھا اور عملی فرمانبرداری کا وقت گزر چکا تھا' اس لیے ذات باری نے اپنے نمائندہ موسیٰؑ کے ذریعے جواب دیا۔

آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ 10/91 اب ایمان لاتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی' اور تو فسادیوں میں سے تھا۔ فرعون کی توبہ اس وقت مقبول ہو سکتی تھی جب اس کے پاس لمبا وقت موجود تھا کہ نافر

مانیوں کو فرمانبرداریوں میں تبدیل کر کے دکھاتا اور ناہموار معاشرہ کے فساد کو ہمواریت کے امن کے ساتھ بدل کر فسادی کی بجائے امن دینے والا ثابت ہوتا۔

رجوع الی المطلب | توبہ کی قرآنی تفسیر میں ہم دور نکل گئے ہیں اس لئے اپنے اصل عنوان کی طرف لوٹتے ہوئے عرض خدمت یہ ہے کہ نطبع علی قلوب المعتدین کے الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کرنا مطلقاً" غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کے اذہان پر مہریں لگا دیتا ہے کہ وہ کبھی راہ ہدایت پر نہ آئیں بلکہ یہ کہ رب تعالیٰ کے مستقل قانون کے مطابق اس وقت تک توبہ مقبول ہو سکتی ہے جب تک کہ توبہ کرنے والا توبہ کی' اصلاح اعمال کے ساتھ عملاً" تصدیق کر کے دکھا دے اللہ تعالیٰ کی طرف نافرمانوں کے ذہنوں پر مہریں لگا کر توبہ کا دروزہ بند کرنے کا تصور چونکہ رب تعالیٰ کی شان تولہا" رحیما کے خلاف ہے اس لیے ہم نے - نطبع علی قلوب المعتدین کا معنیٰ یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کاارشاد گرامی ہے کہ جو لوگ ہماری حدیں پھاندتے ہیں ہم ان کے اذہان پر عدم تفقہ کی مہریں لگی ہوئی پاتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے ذہنوں پر عدم تفقہ کی مہریں خود لگا لیتے ہیں اللہ نہیں لگاتا۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نطبع کا لفظی معنی یہ ہے کہ ہم (اللہ) مہریں لگاتے ہیں تو اس کا یہ مفہوم کس طرح لیا جا سکتا ہے کہ ہم مہریں لگی ہوئی پاتے ہیں؟

اہل قواعد پر بھی حکم قرآن کریم ہی ہے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم اہل قواعد کی بھی غلطیاں نکالتا ہے مثلاً" اہل قواعد کے ہاں مزید فیہ کے بعض ابواب کا خاصہ وجدان تو مانا گیا ہے' ثلاثی مجرد کا مطلقاً" نہیں مانا گیا۔ مگر قرآن مجید ثلاثی مجرد کے ابواب کا بھی خاصہ وجدان بتاتا ہے جیسے کہ سورہ یٰسین کی آیت ذیل نے کھل کر فیصلہ کر دیا ہے کہ ابواب ثلاثی مجرد میں خاصہ وجدان موجود ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○ 36/9 اس آیت کا ترجمہ خاصہ وجدان کے بغیر یہ لیا گیا ہے۔

اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دیوار کھینچ دی ہے پھر ہم نے انہیں اوپر سے ڈھانپ دیا پھر وہ دیکھتے نہیں۔

اب ظاہر ہے یہ ترجمہ جوباب ثلاثی مجرد کا خاصہ وجدان تسلیم کئے بغیر کیا گیا ہے اگر ٹھیک ہے تو جن لوگوں کے آگے بھی اللہ نے دیوار کھینچ دی ہے اور ان کے پیچھے بھی خود اللہ نے دیوار کھینچ دی ہے اور انہیں خود اسی نے اوپر سے ڈھانپ دیا ہے وہ دیکھیں گے خاک؟ اس ترجمہ کے مطابق اللہ تعالیٰ ظالم ٹھہرتا ہے جو خود ہی دیکھنے کے تمام ذرائع ختم کر دیتا ہے اس لئے زیر بحث آیت مجیدہ 36/9 کا صحیح مفہوم ثلاثی مجرد کے خاصہ وجدان کے مطابق جس کی رو سے نہ اللہ تعالیٰ ظالم ٹھہرتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندنے والے بری ہو جاتے ہیں یہ ہے۔

اور ہم نے ان کے آگے بھی عدم تفقہ کی دیوار کھچی ہوئی پائی ہے اور ان کے پیچھے بھی اور ہم نے انہیں عدم تفقہ یعنی عدم غور و فکر کے پردوں میں ڈھنپا ہوا پایا ہے اس لیے وہ نہیں دیکھتے"

پس اسی طرح باب ثلاثی مجرد کے خاصہ وجدان کی رو سے سورہ یونس کی آیت مجیدہ 10/74 کا یہ معنی صحیح ہے کہ:۔۔۔

"جو لوگ بلا سوچے سمجھے ہماری آیتوں کو جھلاتے ہیں اور ہماری حدوں کو پھاندتے ہیں ہم ان کے ذہنوں پر عدم تفقہ (عدم غوروفکر) کی مہریں لگی ہوئی پاتے ہیں" یعنی ان کے اذہان پر اللہ مہریں نہیں لگاتا بلکہ وہ خود لگا لیتے ہیں جنہیں وہ خود ہی توڑ کر یعنی توبہ اور اصلاح کرکے راہ راست پر آسکتے ہیں' ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے اللہ تعالٰی ظالم نہیں کہ مجرموں کے قلوب پر نہ ٹوٹنے والی مہریں جڑ دے اور **تواب و رحیم** ہوتے ہوئے خود ہی ان کے لیے ہمیشہ کے لئے توبہ کا دروازہ بند کر دے۔ العیاذ باللہ۔

عدم تفقہ کا تصور کہاں سے لیا گیا ہے؟ اب اس سلسلے کا آخری سوال یہ ہے کہ آیت ۱۰/۷۵ کے ترجمہ میں عدم تفقہ کے الفاظ کہاں سے لائے گئے ہیں جب کہ عربی متن میں ایسے الفاظ ہرگز موجود نہیں ہیں جن کا معنی عدم تدبر یا عدم تفقہ لیا جاسکے۔

اس سوال کا جواب خود قرآن کریم نے اپنے مستقل اسلوب بیان تصریف آیات کے ذریعہ ۷/۱۷۹ میں ان لوگوں کے متعلق ذیل کا اعلان کرکے دیدیا ہے جو عدم تفقہ کی بدولت خود گمراہ ہو جاتے ہیں نہ اللہ ان کے ذہنوں پر مہریں لگاتا ہے نہ گمراہ کرتا ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۷/۱۷۹

ان کے پاس قلوب و اذہان ہیں وہ ان کے ساتھ تفقہ نہیں کرتے ان کے پاس آنکھیں ہیں وہ ان کے ساتھ دیکھتے نہیں اور ان کے پاس کان ہیں وہ ان کے ساتھ سنتے نہیں' وہ ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے عدم تفقہ کی بدولت وہ گمراہ ہو جاتے ہیں خود۔

دیکھا آپ نے؟ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا کے الفاظ نے کھل کر وضاحت کر دی ہے کہ ان کے قلوب پر اللہ نے مہر نہیں لگائی بلکہ ان کے اذہان میں تفقہ و تدبر یعنی غوروفکر کی صلاحیت موجود ہے اور اس صلاحیت کے موجود ہوتے ہوئے وہ خود عدم تفقہ کی بدولت گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالٰی نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے اور نہ کسی کی غوروفکر کی صلاحیت سلب کرلیتا ہے بلکہ ارشادات باری تعالٰی یہ ہیں۔

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا " ۷۳/۱۹ + ۷۶/۲۹ یہ قرآن ایک نصیحت نامہ ہے جو کوئی خود چاہے اپنے رب کی طرف خود سیدھا راستہ اختیار کرے اور جو خود چاہے اپنے رب کی راہ چھوڑ کر گمراہ ہو جائے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا " ۷۶/۳ بلاشبہ ہم نے سیدھی راہ کی طرف راہنمائی فرمادی ہے خواہ (خود سیدھی راہ اختیار کرکے) شکرگزاری کرے اور خواہ خود (بے راہ رو ہوکر) کفر کرے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۱۰/۴۵ بلاشبہ اللہ تعالٰی لوگوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

پس آیات بالا کے مطابق لوگ اذہان اور ان میں غوروفکر کی صلاحیت موجود ہوتے ہوئے خود تفقہ نہیں کرتے اللہ ان

کے قلوب پر مہریں نہیں لگاتا بلکہ وہ خود لگا لیتے ہیں۔

نگاہ بازگشت

ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے نوحؑ کے بعد الگ الگ قوموں کی طرف اپنے رسول بھیجے۔ وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے۔ مگر وہ قومیں اس قابل نہ ہوئیں کہ ضابطہ الٰہی پر ایمان لائیں' جسے وہ پہلے جھٹلا چکی تھیں۔ پھر اسے جھٹلانے کی بدولت جو لوگ ہماری حدوں کو پھاندتے ہیں ہم ان کے ذہنوں پر عدم تفقہ کی مہریں لگی ہوئی پاتے ہیں۔ عام تصور یہ ہے کہ باری تعالٰی بعض لوگوں کے دلوں پر کفر کی مہریں لگا دیتا ہے۔ اس لیے وہ بھی راہ راست پر نہیں آسکتے۔ یہ نظریہ مطلقاً" غلط ہے۔ بلکہ صحیح قرآنی نظریہ یہ ہے کہ لوگ ضابطہ الٰہی پر خود ہی تفقہ نہیں کرتے۔ یعنی اپنے ذہنوں پر خود ہی عدم تفقہ کی مہریں لگا لیتے ہیں۔ اس لیے چونکہ وہ خود غور ہی نہیں کرتے اس لیے خود ہی راہ راست پر نہیں آتے۔

نوحؑ کے بعد والی قوموں قوم عاد اور ثمود وغیرہ کی بے فرمانی کا سرسری تذکرہ' ان کے نام لیے بغیر کرنے کے بعد اگلی آیت نمبر 75 سے موسیٰؑ اور ہارونؑ کا ذکر اور بنی اسرائیل کی فرعون کے ظلم سے نجات کا تذکرہ بالفاظ ذیل شروع ہوا ہے۔

(75)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۷۵

پھر ہم نے اس کے بعد موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ مگر انہوں نے تکبر کیا حقیقت یہ ہے کہ وہ مجرموں کی قوم تھی (اس نے بنی اسرائیل کے حقوق ربوبیت غصب کر لیے تھے)

اس آیت مجیدہ میں بھی فرعون اور اس کے سرداروں کے متعلق یہی وضاحت کی گئی ہے کہ وہ خود مجرم تھے انہوں نے خود ہی سرکشی اور بغاوت کی راہ اختیار کی تھی۔ اللہ تعالٰی نے ان کے اذہان پر کفر و سرکشی کی مہریں نہیں لگائی تھیں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ نمبر 76 میں بتایا گیا ہے کہ جب ان کے پاس ہمارا سچا ضابطہ آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جھوٹ ہے۔

(76)

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۶

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے سچا ضابطہ حیات آیا تو انہوں نے کہا۔ بلاشبہ یہ کھلا جھوٹ ہے (جس میں سب کو برابر کر دیا گیا ہے۔)

فرعونیوں کے لئے' جو ملک مصر کے قدیمی باشندے تھے۔ غیر ملکی بنی اسرائیل' یعنی شامیوں کو اپنے برابر شہری حقوق دینا نامقبول تھا۔ ان کے اذہان میں وطن کا بت بھی موجود تھا۔

لفظ سحر کا معنیٰ جادو نہیں بلکہ جھوٹ ہے' جیسے کہ اس لفظ کا لغوی معنی مفردات القرآن امام راغب نشر کردہ اہل حدیث اکاڈمی کشمیری بازار لاہور صفحہ 461 کے مطابق ہے دھوکا' بے حقیقت تخیلات' جو سرتاپا جھوٹ ہوتے ہیں' سحر کا معنی جھوٹ

تقابل ضدین کے ذریعہ خود باری تعالیٰ نے اگلی آیت مجیدہ میں بتا دیا ہے۔

(77)

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾

موسیٰؑ نے کہا کیا تم حق کو (یعنی سچ کو) جھوٹ کہتے ہو کیا یہ (سحر ہے) جھوٹ ہے جب وہ تمہارے پاس آچکا ہے حقیقت یہ ہے کہ (ساحر) جھوٹے کبھی فلاح نہیں پاتے (کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

اس پر انہوں نے کہا۔

(78)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس راہ سے ہٹا دے جس پر ہم نے باپ دادوں کو پایا ہے اور تم دونوں کے لئے ملک میں بڑائی ہو (ملک میں تمہاری حکومت قائم ہو جائے) اور تم دونوں پر ہم ایمان لانے والے نہیں۔

چونکہ اوپر تقابل ضدین کے ذریعے خود قرآن حکیم سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ سحر حق کی ضد یعنی جھوٹ ہے' اس لیے ساحر کا معنی ہوا جھوٹا۔ جھوٹی باتیں گھڑنے والا۔ اور ساحرین کا معنی ہوا جھوٹے۔ جھوٹی باتیں گھڑنے والے۔ اگلی آیت مجیدہ میں ہے۔ فرعون نے حکم دیا کہ تمام ساحر علماء (جھوٹی باتیں گھڑنے والے علماء) کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ حاضر کئے گئے۔ موسیٰؑ نے انہیں کہا۔ کہ لاؤ تم کیا پیش کرتے ہو تو انہوں نے وہ خود تراشیدہ جھوٹ پیش کیا۔ جس کی رو سے بنی اسرائیل کے حقوق ربوبیت سلطنت مصر میں قانوناً" غصب کر دیئے گئے تھے۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس چیز کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے گا۔

فرعون نے بنی اسرائیل کے حقوق ربوبیت سمیت ان کے ادنیٰ شہری حقوق تک اس لیے غصب کر رکھے تھے۔ کہ وہ غیر ملکی تھے یوسفؑ کے زمانہ اقتدار میں کنعان' شام سے مصر میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ فرعون نے ملکی اور غیر ملکی کی شیطانی تقسیم ایجاد کر کے ان کا فریضہ صرف بیگار مقرر کر رکھا تھااور اجرت صرف اتنی دی جاتی تھی جس سے وہ فرعونیوں کی کل کی بیگار کے لیے زندہ رہ سکیں۔ اس ملکی اور غیر ملکی کی تقسیم کو ملکی قانون میں شامل کرنے کے لئے فرعون نے ایسے علماء کی خدمات حاصل کی تھیں جو جھوٹ تراشنے میں ماہر تھے۔ قرآن کریم نے انہیں ساحرین کہا ہے۔ یہ نظریہ یکسر غلط ہے کہ صرف ملک کے قدیمی باشندوں کو شہری حقوق سے نوازا جائے اور نئے وفادار باشندوں کو شہری حقوق سے محروم کر دیا جائے۔ موسیٰؑ کا فرعون سے اختلاف ہی یہی تھا اور آپ کا مطالبہ ہی یہ تھا' کہ بنی اسرائیل کو مصریوں کے ساتھ مساوی حقوق ربوبیت دیئے جائیں ورنہ انہیں پر امن ہجرت کی اجازت دی جائے چنانچہ موسیٰؑ کا اولین مطالبہ ہی یہ تھا جو آپؑ نے فرعون سے کہا:۔ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ قَدْ

جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۱۰۴-۱۰۵/۷

موسیٰ نے کہا اے فرعون بلاشبہ میں رب العالمین کا بھیجا ہوا ہوں۔ اس پر قائم ہوں کہ اللہ کی طرف حق کے سوا کچھ منسوب نہ کروں۔ بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل لے کر آیا ہوں۔ (کہ ربوبیت کا حق ہر فرد بشر کا مساوی ہے اگر تو) بنی اسرائیل کو ان کا حق ربوبیت نہیں دیتا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے یعنی انہیں پر امن ہجرت کی اجازت دیدے (تاکہ وہ کسی اور جگہ اپنا حق ربوبیت حاصل کر لیں)۔

اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ میں پورے عالمین کا حق ربوبیت محفوظ ہے مگر فرعون بنی اسرائیل کے غیر ملکی ہونے کی بدولت انہیں قدیمی باشندوں کے برابر حق دینے کو تیار نہ تھا اس لئے اس نے اپنے ساحروں' جھوٹ تراش علماء کو بلایا۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۷۹

(۷۹) اور فرعون نے (اپنی کابینہ سے) کہا کہ تمام جادو بیان علماء کو میرے پاس لاؤ۔

جب وہ ساحرین فرعون جھوٹ تراشنے والے علماء حاضر ہوئے' جنہوں نے اپنے فتووں کے ساتھ بنی اسرائیل کو محروم ربوبیت کر رکھا تھا۔ تو:

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝۸۰

(۸۰) پھر جب وہ جھوٹے علماء (جھوٹ تراش) آئے تو موسیٰ نے انہیں کہا کہ پیش کرو وہ (دلائل) جو تم پیش کرتے ہو۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۱

(۸۱) پھر جب انہوں نے اپنے (باطل دلائل) پیش کئے تو موسیٰ نے کہا تم جو جھوٹ لائے ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فسادیوں کے عمل کو صالح نہیں ٹھہراتا۔ اور وہ اپنے قوانین کے مطابق سچ کو سچ کر دکھائے گا اور اگرچہ مجرم اسے برا ہی منائیں (حقوق ربوبیت غصب کرنا کھلا فساد ہے)

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸۲

(۸۲) اور وہ اپنے قوانین کے مطابق سچ کو سچ کر دکھائے گا اور اگرچہ مجرم اسے برا ہی منائیں (حقوق ربوبیت غصب کرنا کھلا فساد ہے۔

سورہ اعراف' طہٰ' شعراء' نمل اور قصص میں ساحرین فرعون کے بودے دلائل کو' جو انہوں نے بنی اسرائیل کے حقوق ربوبیت کے غصب کے حق میں دیئے' رسیوں اور سوٹیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ۲۰/۶۷ میں بتایا گیا ہے کہ موسیٰ نے خیال کیا کہ ان میں جان ہے وزن ہے یہ ساحرین فرعون کی سحربیانی تھی ان کے جواب میں آپ نے جو رب العالمین کی ربوبیت عالمینی کی جاندار' انتہائی وزن دار دلیل پیش کی' اس کے متعلق ارشاد ہوا ہے **تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْٓا** ۲۰/۶۹ وہ اسے

نگل گئی جو انہوں نے تصنع کیا تھا۔ قرآن مجید میں السید موسیٰؑ کی ربوبیت عالمینی کی دلیل قاطعہ کو عصا بھی کہا ہے اور اسے اژدہا کے ساتھ تشبیہ بھی دی گئی ہے۔ اور سورہ نمل اور قصص میں دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ کاف حرف تشبیہ کے ساتھ وضاحت کر دی گئی ہے کہ وہ عصا سانپ نہیں بن گیا تھا' بلکہ اس میں سانپ جیسی صفت آموجود ہوئی تھی کہ اگر پر سکون مجمع میں سانپ چھوڑ دیا جائے تو ہلچل مچ جاتی ہے اسی طرح جب موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے حقوق ربوبیت کی دلیل قاطعہ الحمد للہ رب العالمین پیش کی تو فرعونی معاشرہ میں جہاں خود بنی اسرائیل بھی اپنے حقوق (غصب شدہ) پر مطمئن تھے اور سمجھتے تھے کہ مصریں ہمارا یہی حق ہے کہ ہم فرعونیوں کی بیگاریں کریں اور ان کا بچا کھچا کھانا کھائیں نیز فرعونی اس چیز پر نہایت فخر کے ساتھ مطمئن تھے کہ بنی اسرائیل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے بے دام خدمت گار بنے رہیں گے۔ مگر جب السید موسیٰ نے ربوبیت عالمینی کا مساوی الٰہی قانون (عصاء) پیش کیا تو بنی اسرائیل نے مساوی حقوق ربوبیت کا مطالبہ کر دیا اور معاشرہ میں ہلچل مچ گئی۔

عصا کا معنی قانون بھی ہے اور ڈنڈا بھی اور مشہور یہ ہے کہ ڈنڈا سانپ بن گیا تھا مگر سورہ قصص 28/31 میں دو مرتبہ تکرار کے ساتھ کہا گیا ہے کہ سانپ نہیں بن گیا تھا بلکہ اسے سانپ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ 27/10 + 28/31 اور تو اپنا عصا' قانون ربوبیت عامہ پیش کر۔ جب پیش کیا گیا تو اسے دیکھا تو وہ حرکت کرتا تھا۔ گویا کہ وہ سانپ تھا۔

اہل علم سے مخفی نہیں کہ كَاَنَّهَا میں کاف حرف تشبیہ آیا ہے' جس سے ثابت ہے اس میں سانپ جیسی ہلچل مچا دینے والی صفت تھی۔ فی الحقیقت نہ وہ سوٹا تھا۔ اور نہ ہی سانپ بن گیا تھا۔ بلکہ وہ بنی اسرائیل کو ان کے حقوق ربوبیت دلانے والا انقلابی قانون ربوبیت تھا۔ جس نے فرعونی معاشرہ میں ہلچل پیدا کر دی۔ جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ فرعون کی حکومت ختم ہو گئی اور اس کے وارث وہی بنی اسرائیل ہوئے جنہیں فرعون نے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنا رکھا تھا۔ چنانچہ وہ فرعون سے اس قدر خائف تھے کہ جب موسیٰؑ نے انہی کی آزادی کے لیے آواز بلند کی' تو بنی اسرائیل کے صرف نوجوان آپ پر ایمان لائے' بڑے بوڑھوں پر فرعون کا خوف اس قدر غالب تھا کہ انہیں اس چیز پر یقین ہی نہ آیا۔ کہ انہیں بھی فرعونیوں کے برابر کے حقوق کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے۔

(83)

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۸۳

پس نہ ایمان لائے موسیٰ پر مگر صرف اس کی قوم کے نوجوان ایمان لائے' فرعون اور ان کے سرداروں کے خوف کے باوجود کہ وہ ان پر زیادتی کریں گے حقیقت یہ ہے کہ فرعون سرزمین مصر میں یقیناً" سرکش (اور ظالم) تھا۔ اور بلاشبہ وہ زیادتی کرنے والوں سے تھا۔

(84)

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝۸۴

اور موسیٰؑ نے کہا اے میری قوم اگر تم واقعی اللہ پر ایمان لائے ہو تو اس پر بھروسہ کرو۔ اگر تم اس کے فرمانبردار ہو تو (وہ ضرور

ضرور تمہیں فرعون کے ظلم سے نجات عطا فرمائے گا)

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۵

(۸۵)
پس انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ اے ہمارے رب تو ہمیں ظالم قوم کے ظلم کا تختہ مشق نہ بنا رہنے دیجیو۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶

(۸۶)
اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ متوازن ضابطہ حیات کی منکر قوم سے نجات دلائیو (یعنی ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس کے لیے مقدور بھر کوشش کریں گے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۷

(۸۷)
اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی فرمائی کہ تم اپنی قوم کے لیے شہر میں گھر بنا لو (اپنی ایک الگ بستی بساؤ) اور اپنے گھروں کو آمنے سامنے تعمیر کرو۔ اور اجتماعی نظام قائم کرو (جو صلوۃ موقت سے شروع ہوتا ہے) او اس حکم کے ماننے والوں کو خوش خبری دیدو۔

اس آیت مجیدہ میں موسیٰؑ اور ہارونؑ کو حکم دیا گیا ہے کہ:۔

مظلوم قوم بنی اسرائیل جو مختلف مقامات پر بکھری ہوئی ہے اور فرعونیوں کے مظالم کا تختہ مشق بنی ہوئی ہے' اسے ایک الگ بستی میں اکٹھا کر کے جمع کر لیں۔ اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کا اجتماعی نظام قائم کریں تاکہ فرعون اور اس کی ظالم قوم کے مظالم کے سامنے تمہارا اجتماعی نظام ایک حفاظتی دیوار بن جائے۔ شہر میں بستی بسانے کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ دیہات میں قانون کی عملداری بہت کم ہوتی ہے۔ دیہات میں قانون بڑے بڑے زمیندار اپنے ہاتھ میں لیے ہوتے ہیں جو غریبوں اور کمزوروں پر ایسے ایسے ستم توڑتے ہیں جن کی مثال ممکن نہیں ہوتی۔ چنانچہ حکم بالا کے مطابق موسیٰؑ اور ہارونؑ نے شہر میں الگ بستی بسائی اور مخصوص اجتماعی نظام قائم کیا' جس کی بدولت بنی اسرائیل میں جو کئی پشتوں سے غلام اور مظلوم چلے آرہے تھے' اور ان میں اتنی جرات نہیں تھی کہ اپنے انسانی حقوق ربوبیت کے لیے آواز بلند کر سکیں) اتنی جرات پیدا ہوگئی کہ اپنے چھنے ہوئے شہری اور انسانی حقوق کی بازیابی کے لیے کھلے بندوں میدان عمل میں نکل آئے۔

موسیٰؑ و ہارونؑ کو ایک ہی فریضہ سونپا گیا تھا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دلائیں۔ یعنی السید یعقوبؑ کی اولاد جنہیں السید یوسفؑ نے اپنے زمانہ اقتدار میں کنعان' شام سے منتقل کر کے مصر میں آباد کیا تھا اور ضابطہ الہی کے مطابق انہیں مصر کے قدیمی باشندوں کے ساتھ برابر کے شہری حقوق اور انسانی حقوق عطا فرمائے تھے' ایک زمانہ گزرنے کے بعد جب یوسفی نظریات ربوبیت عامہ کی جگہ نظریات ملوکیت نے لے لی۔ تو وطن کابت تراش لیا گیا۔ ملکی اور غیر ملکی کی کافرانہ تمیز قائم ہوئی اور بنی اسرائیل کو جو شام سے منتقل ہو کر مصر جا آباد ہوئے تھے غیر ملکی ٹھہرا کر ان کے حقوق ربوبیت چھین لیے گئے۔ مصر میں ان کی حیثیت صرف بیگاریوں کی متعین ہوئی کہ صرف قوت لا یموت حاصل کریں اور فرعونیوں کی خدمت گذاری کرتے رہیں۔

اقیموا الصلوۃ کا لفظی معنی یہ ہے کہ الصلوۃ قائم کرو۔ لفظ صلوۃ کا سہ حرفی مادہ ص-ل-و= صلو ہے۔ جس کا معنی ہے پیچھے پیچھے آنا۔ عربوں کے ہاں اس گھوڑے کو مصلیٰ کہتے ہیں جو گھڑدوڑ میں اول آنے والے گھوڑے کے عین پیچھے پیچھے آیا ہو۔ اس طرح اس اجتماعی نظام کو جس میں افراد معاشرہ ہر آن اجتماعی قوانین کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوں' الصلوۃ یعنی نظام صلوۃ کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہر جاندار اور بے جان چیز کے فرض منصبی کو بھی الصلوۃ کہا گیا ہے ملاحظہ ہو آیت ذیل:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ 24/41 (اے مخاطب) کیا تو نے غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین میں ہر جاندار چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے۔ خصوصاً" صفیں باندھ کر اڑنے والے پرندے' سب کے سب اپنی صلوۃ اور تسبیح (یعنی اپنے اپنے فرض منصبی) کو جانتے ہیں' جو جو وہ کام کرتے ہیں' وہ ان کی صلوۃ و تسبیح ہے۔

اس آیت مجیدہ میں ہر جاندار کے کام کو اس کی صلوۃ و تسبیح کہا گیا ہے۔ جانداروں میں گھوڑے کی صلوۃ ہے۔ مسافت طے کرنا۔ گدھے کی بوجھ اٹھانا' گائے بھینسوں کی دودھ دینا اور بھیڑ بکریوں کی صلوۃ نسل بڑھاتے چلے جانا' اور گوشت مہیا کرنا ہے۔ ہر جاندار کتا' بلا' شیر' گیدڑ لومڑ وغیرہ سب انسان کے فائدوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ان سے جو جو کام انسانی فلاح کے لئے لیا جا سکتا ہے وہ ان کی الگ الگ صلوۃ ہے۔ صرف انسان فعل مختار ہے باقی ہر جاندار ایک ہی کام کر سکتا ہے' جو اس کا فرض منصبی یعنی جو اس کی صلوۃ خود باری تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے۔

قرآن مجید کتاب لاریب میں متعدد بار آیا ہے یسبح للّٰہ ما فی السموت و ما فی الارض آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں یعنی اپنا اپنا فرض منصبی ادا کر رہے ہیں عربی ادب میں من جاندار کے لئے اور ما ہر جاندار اور بے جان سب کے لئے آتا ہے پس یسبح للّٰہ ما فی السموت و مافی الارض کے مطابق ہر چیز کا فرض منصبی اس کی صلوۃ ہے۔ مثلاً" سورج کی صلوۃ ہے اپنے خاندان سمیت اپنے مدار میں گردش کرنا۔ اور نوع انسانی کو روشنی اور گرمی پہنچانا' اس کی فصلیں اور پھل پکانا۔ چاند کی صلوۃ ہے بدستور اپنی منزلیں طے کرتے چلے جانا اور اپنی چاندنی' یعنی ٹھنڈی روشنی کے ساتھ فصلوں اور پھلوں میں رس پیدا کرنا اور ان کی افزائش کرنا' اسی طرح تمام ستارے اور سیارے اپنے اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے ہیں۔ آگ پانی مٹی ہوا بھی اپنی اپنی ادائے صلوۃ میں مصروف عمل ہیں۔

نوع انسانی کی ایک صلوۃ تو ہے صلوۃ موقت' جو دن رات میں تین وقتوں پر فرض ہے جس میں ایاک نعبد و ایاک نستعین کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے حضور اقرار کیا جاتا ہے' ہمارا فرض منصبی یہ ہے کہ ہم تیری ہی فرمانبرداری کریں گے' اور تجھ ہی سے مدد مانگیں گے اور دوسری صلوۃ ہے اسی وعدہ کو وفا کرتے ہوئے ہر آن حکم الہیٰ پر عامل رہنا۔ بنی اسرائیل کو صلوۃ موقت سے شروع کر کے معاشرہ کے' فرائض منصبی کے علاوہ اپنی آزادی کی مہم کی تکمیل کا فرض ادا کرنے کی تاکید بھی کی گئی ہے' یہ بھی ان کی صلوۃ تھی جسے وہ ادا کر کے کامیاب ہوئے اس مہم کا ذکر آئندہ آئے گا

الگ بستی بسانا چوں کہ مال و دولت کے بغیر ممکن نہیں جبکہ بنی اسرائیل ایک مظلوم اور نادار قوم تھی اس لئے تعمیل حکم کی صورت اس کے سوا ممکن نہ تھی کہ جھونپڑیوں کی الگ بستی آباد کی جا سکے چنانچہ بکھرے ہوئے بنی اسرائیل کو شہر میں یکجا کرنے کے لئے کہ وہ محفوظ ہو جائیں السید موسیٰؑ نے اللہ کے حضور عرض کی:-

(۸۸)

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

اور موسیٰؑ نے کہا اے ہمارے پروردگار! بے شک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور بہت سا (حرام) مال حاصل کئے ہوئے پایا ہے تاکہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بہکائیں۔ (ہمارے پاس مال نہیں اس لئے ہم جھونپڑیاں ہی بنا سکتے ہیں) اے ہمارے رب تو ان سے ان کے مال چھنے ہوئے پائے۔ اور ان کے اذہان تو نے سخت ہوئے ہوئے پائے' (پس وہ اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ) کہ نہیں ایمان لائیں گے حتیٰ کہ درد ناک عذاب دیکھ لیں"

۱۔ فعل اٰتَيْتَ میں خاصہ وجدان موجود ہے کیوں کہ حرام مال اور ناجائز حکومت اللہ نہیں دیتا۔ بلکہ اس کا قانون مشیت یہ ہے کہ جو کوئی حرام مال یا ناجائز حکومت حاصل کرتا ہے خود کرتا ہے اس کا قانون رضا تنزلی حکم یہ ہے کہ حلال طریقے سے کمایا جائے اور جائز طریقے سے حکومت حاصل کی جائے۔ فرعون کی حکومت بھی ناجائز یعنی استبدادی حکومت تھی اور اس کا مال بھی حرام مال تھا۔ پس قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی کسی ناجائز چیز کا دینا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے وہاں ہر جگہ خاصا وجدان موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ پاتا ہے کہ لوگوں نے خود ناجائز طریقہ سے مال حاصل کر لیا ہوتا ہے اور ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے والے لوگوں کو گمراہ بھی خود ہی کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں کرتا۔

۲۔ یہاں طمس کا مصدری معنی تباہ و برباد کرنا بلکہ چھن جانا ہے کیوں کہ فرعون اور اس کے سرداروں کی زینت و اموال کے متعلق ۷/۱۳۷ + ۲۶/۵۹ + ۲۸/۴۴ میں تین مرتبہ تکرار کے ساتھ اعلان باری ہے کہ ان کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا گیا تھا اس لئے طمس کا جو معنی یہاں فٹ آتا ہے وہ چھن جانا ہی ہے۔

نیز فعل طمس میں خاصہ وجدان موجود ہے کیوں کہ فرعون سے حکومت کا چھن جانا السید موسیٰ اور بنی اسرائیل کی طرف سے تحریک آزادی کو ثابت قدمی کے ساتھ جاری رکھنے پر موقوف تھا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں جیسے کہ ارشادی باری ہے:- وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۲۲/۴۰ "اور اللہ تعالیٰ ضرور ضرور ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں"۔ چنانچہ سیدنا موسیٰؑ کی زیر نگرانی شروع کی گئی تحریک آزادی پر بنی اسرائیل ثبات قدمی کے ساتھ جمے رہے تو فرعون سے حکومت چھن کر بنی اسرائیل کو میسر آئی ارشاد الٰہی ہے:-

○ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○ ۵۷ تا ۲۶/۵۹ "پس ہم نے (ان کی بداعمالیوں کی بدولت) انہیں لدے پھدے باغوں' بہتے چشموں بھرے خزانوں اور نفیس محلات میں سے نکال باہر کیا۔ بالکل ایسا ہی ہوا تھا اور ہم نے ان (چیزوں کا) وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا"۔ پس اللہ تعالیٰ کسی قوم پر ظلم نہیں کرتا۔ جس سے کوئی نعمت چھن جاتی ہے اس کی اپنی بد اعمالیوں کی بدولت چھن جاتی ہے اور جس کو کوئی نعمت ملتی ہے اس کی مسلسل اور صحیح

کوشش کے عوض ملتی ہے۔

○ ۳۔ **وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ** میں بھی خاصہ وجدان موجود ہے کہ منکرین ضابطۂ ربوبیت کے اذہان کو اللہ تعالیٰ سخت نہیں کرتا بلکہ وہ خود سخت کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذہنوں کو سخت ہوئے ہوئے پاتا ہے۔ اگر کسی کے ذہن کو اللہ تعالیٰ سخت کر دے اور وہ راہ راست کو قبول نہ کرے تو اس کا کیا قصور؟ اس طرح قصور اس کا ثابت ہوتا ہے جس نے اس کے ذہن کو سخت کر دیا ہے۔ پس چونکہ یہ تصور توہین باری کا حامل ہے اس لئے غلط ہے اور صحیح مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے ذہنوں کو خود سخت کر لیتے ہیں۔

○ ۴۔ سیدنا موسیٰؑ غیب دان نہیں تھے کہ آپ نے پہلے ہی بتا دیا کہ یہ لوگ دردناک عذاب دیکھ کر ہی ایمان لائیں گے۔ بلکہ آپ کا تجربہ تھا کہ آپ نے ایک لمبی مدت ان کے سامنے ربوبیت عامہ کے دلائل قاطعہ پیش کئے مگر چونکہ فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیوی شان و شوکت اور ایک مضبوط حکومت میسر تھی اس لئے انہیں یہ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت غصب کرنے کے عوض ان سے حکومت چھن جائے گی۔ چنانچہ آگے آرہا ہے کہ جب فرعون موت کے عذاب میں مبتلا ہو گیا تو پکار اٹھا کہ میں ایمان لاتا ہوں (تفصیل آگے آرہی ہے)۔

○ سیدنا موسیٰ سلام علیہ نے جو آیت زیر بحث نمبر ۸۸ میں دعا فرمائی کہ فرعون کی حکومت چھن جائے اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ آپ کی دعا منظور، مگر اس شرط پر کہ آپ اپنی تحریک کو مستقل مزاجی، ثابت قدمی اور تسلسل کے ساتھ جاری رکھیں۔

قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

(۸۹) اللہ نے کہا کہ تم دونوں کی دعا قبول (اس شرط پر کہ) پس تم دونوں (اپنی تحریک پر) قائم رہو اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا جو نہیں جانتے (کہ حقوق ربوبیت غصب کرنا کھلی گمراہی ہے۔)

○ دیکھئے اس آیت مجیدہ میں پہلے قبولیتِ دعا کی سند عطا فرمائی گئی ہے مگر ساتھ ہی حکم دے دیا گیا ہے کہ اب یہ نہیں ہوگا کہ تم کوشش چھوڑ کر گھر بیٹھ جاؤ کہ دعا قبول ہو چکی ہے۔ بلکہ اپنی تحریک کو مستقل مزاجی کے ساتھ جاری رکھو اور اس کی راہ میں حائل ہونے والے مصائب کا سینہ تان کر مقابلہ کرتے چلے جاؤ۔ (یہ ہے فَاسْتَقِیْمَا کا صحیح مفہوم) چنانچہ انبیاء موسیٰ و ہارون سلام علیہما چونکہ امنِ عالم کے علمبردار تھے اس لئے آپ نے شروع ہی اس تحریک کو پُر امن ہجرت کے مطالبہ سے کیا تھا۔

فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۴/۷ (جب تو بنی اسرائیل کو ان کے انسانی بنیادی حقوقِ ربوبیت نہیں دیتا) تو انہیں ہمارے ساتھ بھیج دے پُر امن ہجرت کی اجازت دے دے۔ مگر بنی اسرائیل کے مصر سے چلے جانے میں فرعون کی موت تھی۔ کیونکہ عرصہ دراز سے فرعونی نسل انگار اور تن آسان ہو چکے تھے۔ محنت مشقت کے تمام کام جن پر کاروبار ریاست کا انحصار ہوتا ہے بنی اسرائیل انجام دیتے تھے۔ اس لئے ان کے چلے جانے سے کاروبارِ حکومت ٹھپ ہو جاتا تھا اس لئے فرعون اور اس کے سردار جب ضد پر اڑے رہے اور بنی اسرائیل کو پُر امن ہجرت کی اجازت نہ دی تو بحکمِ باری سیدنا موسیٰ نے ایک رات کو اپنی انقلابی جماعت کے نوجوانوں کے ساتھ ہجرت کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت تعاقب کیا۔ سیدنا موسیٰؑ معہ ساتھیوں کے بحرِ قلزم کی آبناء سے بخیریت گزر گئے۔ کیوں کہ وہ اس وقت جذر کی حالت میں خشک تھی مگر جب فرعون معہ لاؤ لشکر اس کے پاٹ میں داخل ہوا تو مد آگئی اور وہ سب غرق ہو گئے ارشاد باری ہے:۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾

(۹۰) اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا پھر فرعون اور اس کے لشکروں نے شرارت اور دشمنی کی بنا پر ان کا تعاقب کیا (مگر جب وہ سمندر کی آبناء میں داخل ہوئے تو مد آگئی) حتیٰ کہ فرعون غرق ہونے لگا تو اس نے کہا میں ایمان لایا یہ کہ اس کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

○ غرق فرعون کے ضمن میں مدوجذر کے ثبوت کے لئے آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

○ سورہ طٰہٰ میں سیدنا موسیٰ کے پار ہوجانے اور فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے:۔

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰی ○ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ○ طٰہٰ ۷۷۔ ۲۰/۷۸ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ میرے بندوں کو سمندر (کی آبناء) میں خشک راستے پر لے جا۔ نہ تجھے پکڑے جانے کا خوف ہوگا اور نہ تجھے (غرق ہونے کا) ڈر ہوگا۔ پھر فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا (یعنی اسی خشک راستے پر آبناء میں داخل ہو گیا) پھر انہیں پانی کے بہاؤ (مد) نے جس طرح ڈھانپنا تھا ڈھانپ لیا۔ (اس طرح سب کے سب غرق ہوگئے)

دیکھا آپ نے ○ **طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا** کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ بحر قلزم کی آبناء کو جب سیدنا موسیٰ نے پار کیا اس وقت وہ خشک تھی اور ظاہر ہے کہ سمندر کی آبناء اسی وقت خشک ہوتی ہے جب وہ جذر کی حالت میں ہو۔ یہ تو ہوا قرآنی الفاظ سے جذر کا ثبوت۔ اب ملاحظہ ہو مد کا قرآنی ثبوت جب فرعون موسیٰ کے تعاقب میں آبناء کے اندر داخل ہو گیا تو ارشاد ہوا: **فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ** پھر انہیں پانی کے بہاؤ (مد) نے جس طرح ڈھانپنا تھا ڈھانپ لیا۔ یم کا معنی ہے پانی کا بہاؤ یعنی مد اور ڈھانپ لینا کے الفاظ مد کی زور دار آمد کی عملی صورت کی تفسیر ہیں۔ کہ جب وہ آتی ہے تو زد میں آنے والوں کو پوری طرح ڈھانپ کر غرق کر دیتی ہے اس کے برعکس روایات کا دیا ہوا تصور یکسر غلط اور سنت اللہ کے خلاف ہے کہ پانی پر ڈنڈا مارنے سے اس میں راستے بن گئے۔ جب السید موسیٰ کے بعد ان میں فرعون داخل ہوا ٹھہرا ہوا پانی رواں ہوگیا۔ یہ تصور ۲۰/۷۷ کے مطابق ہرگز صحیح نہیں۔

○ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ غلطی کہاں لگی ہے؟ واضح رہے کہ مذکورہ تصور **اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ** ۲۶/۶۳ سے لیا گیا۔ لیکن یہاں **اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ** کا معنی ہے 'لے جا اپنی جماعت کو۔ عصا کا معنی ہے جماعت اور اس آیت مجیدہ کا معنی ہے اپنی جماعت کو سمندر کی طرف لے جا اور ۲۰/۷۷ سے ثابت ہے کہ خشک سمندر کی طرف لے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب آیت نمبر ۲۰/۷۷ اور ۲۶/۶۳ کا تقابل ملاحظہ فرمائیں۔

○ **وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا** ۲۰/۷۷

○ **فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی** اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۲۶/۶۳

○ دیکھئے! دونوں آیتوں میں ایک ہی واقعہ بیان ہوا ہے چنانچہ:

○ نمبر ۱ میں **اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی** دونوں آیتوں میں متقابل آیا ہے نمبر ۲ میں **اِضْرِبْ اِضْرِبْ** متقابل موجود ہے۔ نمبر ۳ میں

ھُمْ ضمیر برائے بنی اسرائیل کا متبادل عَصَاکَ آیا ہے۔ جس سے موسیٰؑ کی جماعت بنی اسرائیل مراد ہے۔ اور نمبر ۲ میں البحر البحر متقابل موجود ہے۔ ۷۷/۲۰ میں البحر کی حالت بصورت حال بتائی گئی ہے یبسا" یعنی خشک سمندر' لیکن سمندر کبھی خشک نہیں ہوتا۔ سوائے سمندر کی کسی آبناء کے جو صرف جذر کے وقت خشک ہوتی ہے اور مدّ کے وقت زد میں آنے والوں کو ڈھانپ کر غرق کر دیتی ہے۔ اور یہی کچھ فرعون کے ساتھ ہوا کہ اسے یَمّ' یعنی پانی کے بہاؤ (مدّ) نے ڈھانپ کر غرق کر دیا۔

مرتے وقت ایمان ○ فرعون مرتے وقت ایمان لایا جو قبول نہ ہوا۔ کیوں کہ ایمان کی عملی تصدیق کا وقت نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بے وقت ایمان لانے کے اقرار ایمان کا جواب السید موسیٰؑ کے ذریعہ یہ دیا:۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٩١﴾

(۹۱) (اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موجود موسیٰؑ کے ذریعہ جواب دیا) اب ایمان لاتا ہے حالانکہ تو نے اس سے پہلے نافرمانی کی اور تو فسادیوں سے ہے۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾

(۹۲) پس آج کے دن ہم تیرے بدن کو بچا لیں گے تاکہ تو اپنے بعد والے لوگوں کے لئے ایک کھلی نشانی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ بے شک نوع انسانی کے اکثر لوگ ہماری نشانیوں کی پرواہ نہیں کرتے' (چاہیئے یہ کہ ان سے عبرت حاصل کریں مگر وہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔)

فرعون کی لاش ○ آیت بالا میں آج سے چودہ سو سال پیشتر بتا دیا گیا تھا کہ باری تعالیٰ نے فرعون کی لاش آنے والی نسلوں کی عبرت کے لئے بچایا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ لاش مصر کے عجائب گھر میں سامان عبرت کے لئے حاضر موجود ہے۔ مگر جیسے کہ آیت بالا میں بتا دیا گیا ہے کہ لوگ ان نشانیوں سے سبق حاصل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی السید موسیٰؑ کا مدّ مقابل اور یہ کہنے والا کہ چھوڑو میں موسیٰؑ کو خود قتل کرتا ہوں اب چاہیئے کہ وہ اپنے رب کو پکارے کہ وہ اسے میرے ہاتھ سے بچائے:
قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ج ۴۰/۲۶ لیکن ہوا یہ کہ وہ السید موسیٰؑ کو قتل نہ کر سکا۔ کیوں کہ آپؑ حفاظت باری تعالیٰ میں تھے۔ اس کا سارا آمرانہ دبدبہ اور جھوٹا شاہی جلال دھرا کا دھرا رہ گیا۔ السید موسیٰؑ نے اس کی قتل کی دھمکی کے بعد بھی اپنی تحریک بدستور جاری رکھی اور اللہ کے نبی کو قتل کرنے کا دعویدار خود انہی آنکھوں کے سامنے اپنے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔ مگر افسوس کہ نوع انسانی اس کی لاش سے عبرت حاصل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یا للعجب!

قرآن کریم کا ناقابل انکار معجزہ ○ قران مجید نے فرعون کی لاش کو پانی سے باہر پھینکنے اور پھر اسے ممّی کرکے قیامت تک کے لئے محفوظ کر لینے کی خبر آج سے چودہ سو سال قبل اس وقت دی تھی جب کسی کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ حتیٰ کہ یہ خبر بائبل میں بھی موجود نہیں۔ واقعات و مشاہدات نے قرآنی صداقت کی تصدیق کر دی ہے کہ یہ لاریب کتاب واقعی اس عالم الغیب کی ہے جس نے خود فرعون کی لاش کو سامان عبرت بنا کر محفوظ کر دیا تھا۔

بنی اسرائیل نے بھی اختلاف شروع کر دیئے ○ فرعون کی پرشکوہ حکومت کا خاتمہ السید موسیٰؑ و ہارون کے ذریعہ

ہوا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکومت بنی اسرائیل کو عطا فرمائی۔ لیکن انہوں نے بھی ضابطہ باری تعالیٰ سے اختلاف شروع کر دیا۔ اور ضابطہ باری تعالیٰ مل چکنے کے بعد اختلاف کیا وہ بھی فرعون والی ہی رو میں بہہ گئے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ فَمَا ٱخْتَلَفُوا۟ حَتَّىٰ جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِى بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُوا۟ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۹۳﴾

(۹۳) اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو مقام صدق عطا فرمایا (یعنی انہیں زمین میں حکومت دے دی گئی) اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ پھر انہوں نے اس وقت اختلاف کیا کہ ان کے پاس ہمارا علم (متوازن و مساوی ضابطہ حیات) آگیا۔ بے شک تیرا رب ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا اس چیز میں جس میں (ہمارے ضابطہ حیات سے) اختلاف کرتے تھے۔

○ رزق طیب سے مراد ارضی حکومت ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم یہاں پر اس کا نازل کردہ ضابطہ حیات ہے جس کے آچکنے یعنی اس کے بعد اس سے اختلاف سے مراد ناہموار طبقاتی نظام کا نفاذ ہے۔ یہی روش فرعون اور اہل فرعون کی تھی اور طبقاتی نظام کے نفاذ کے ذریعہ یہی روش بنی اسرائیل نے اپنا لی جس کی پاداش میں ذلت و خواری ان کے گلے کا ہار ہو گئی۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۲/۶۱ اور ان پر ذلت و مسکنت لازم کردی گئی۔ العیاذ باللہ

○ سابقہ آیات مجیدہ میں السید موسیٰؑ کے ذریعے فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل کی آزادی کی عظیم مہم کے تذکرہ اور غلام قوم بنی اسرائیل کو حکومت مل جانے کی عجیب و غریب خبر دینے کے بعد بتایا گیا ہے کہ قوم بنی اسرائیل نے بھی حکومت میسر آنے کے بعد ضابطۂ الٰہی کے ساتھ اختلاف شروع کر دیا۔ اس پر ذہن انسانی میں تردد سا پیدا ہوتا ہے کہ پہلے نمبر پر تو فرعون جیسے طاقتور حکمران سے پشتوں پرانی مضبوط حکومت السید موسیٰؑ اور قوم بنی اسرائیل کے ہاتھوں چھن جائے جن کے پاس نہ اسلحہ تھا نہ فوج' بلکہ جو غذائی ضروریات تک سے فرعون اور فرعونیوں کے محتاج تھے کیا ایسا ہو گیا تھا؟ اور

○ دوسرے نمبر پر اس خبر کے تسلیم کرنے میں بھی محال سا پیدا ہوتا ہے کہ جو قوم بنی اسرائیل خود پشتہا پشت سے غلامی کے دردناک عذاب میں مبتلا رہی تھی اور جس نے ایک لمبی صبر آزما تحریک کے بعد غلامی اور طبقاتی تقسیم کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کیا تھا کیا حکومت ملنے کے بعد خود اس نے بھی وہی ظالمانہ طبقاتی نظام نافذ کر دیا ہو جو اس کے دور غلامی میں خود اس کے لئے ناقابل قبول تھا اس قسم کے ذہنی محالات جو نہتے عوام کے ہاتھوں بڑی بڑی مضبوط حکومتوں کا تختہ الٹ جانا تسلیم کرنے میں تردد پیدا کرتے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں اس کے متعلق مخاطب تو کیا گیا ہے نبی اکرمؐ کو اور سمجھانا مطلوب ہے عوام کو کہ اگر تمہیں ان عجیب و غریب خبروں کے تسلیم کرنے میں کوئی تردد ہو تو جو لوگ قرآن سے پہلے تورات و انجیل کے قاری ہیں ان سے پوچھ لو کہ ان کتابوں میں بھی یہ خبریں نازل کر دی گئی ہیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

فَإِن كُنتَ فِى شَكٍّ مِّمَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْـَٔلِ ٱلَّذِينَ يَقْرَءُونَ ٱلْكِتَٰبَ مِن

(۹۴) پھر اے رسولؐ (آیات بالا میں) جو کچھ ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے (بفرض محال) آپ اس کے متعلق شک میں ہوں تو ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں بے شک آپ

قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾

کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی خبر آگئی ہے پس آپ شک کرنے والوں سے نہ ہو جانا۔

○ نبی اکرمؐ صاحب قرآن کے متعلق تو یہ تصور تک نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کو تنزیل رب العالمین کے متعلق ذرہ بھر بھی شک ہو۔ جیسے کہ سورہ النجم میں آپ کے متعلق اعلان کر دیا گیا ہے کہ آپ پر جو کچھ وحی کیا گیا آپ کے ذہن نے جو سمجھا اسے ہرگز جھٹلایا نہیں۔۔ آپ کی بصیرت میں کوئی کجی آئی نہ طغیانی:۔

○ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ ۱۰۔ ۵۳/۱۱ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۵۳/۱۷ اس طرح چونکہ نبی اکرمؐ کے متعلق اس امر کا تصور تک بھی ممکن نہیں کہ آپ کے ذہن میں تنزیل الٰہی کے متعلق شک پیدا ہوا ہو۔ اس لئے بدرجہ اتم ثابت ہوا کہ آیت زیر بحث ۱۰/۹۴ میں فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ کے الفاظ میں اِنْ شرطیہ تفریض محال کے لئے آیا ہے۔ اس کی مثال سورہ انعام میں ملاحظہ فرمائیں' جہاں اٹھارہ نبیوں کے نام لے کر ارشاد ہوا ہے وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ۶/۸۹ اور بفرض محال اگر وہ بھی شرک کرتے تو انکے اعمال بھی جو وہ کرتے تھے ان سے ضائع ہوجاتے۔ دیکھئے یہاں بھی لَوْ شرطیہ تفریض محال کے لئے آیا ہے۔ ورنہ انبیاء سلام علیہم کے لئے ارتکاب شرک کا تصور بھی ممکن نہیں۔ اسی طرح کے ذہن مبارک میں تنزیل الٰہی کے متعلق شک و شبہ کا گزر تک بھی محال تام ہے پھر سنیئے گا کہ۔

○ آیت بالا ۶/۸۹ میں اپنے قانون مکافات عمل کے انتہائی اٹل ہونے کے ثبوت میں ارشاد ہوا کہ ہمارا قانون اس قدر اٹل اور ہر قسم کے لوچ و لچک سے بری ہے کہ عوام تو عوام اگر ہمارا کوئی نبی بھی شرک کر بیٹھتا تو ہم اسے بھی معاف نہ کرتے۔ اس کے بھی اعمال ضائع کر دیتے۔ اور ۱۰/۹۴ میں اس شک کے امکان کا ذکر کیا گیا ہے جو مصر کی مضبوط حکومت کے نبتے عوام کے ذریعے چھن جانے اور مٹ جانے کے متعلق پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ اگر اے رسول! بفرض محال آپ کے ذہن میں شک کا گزر ہو تو ان لوگوں سے تصدیق کر لیجئے گا۔ جو آپ سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں۔ اور وہ اسے پڑھتے ہیں۔ چوں کہ آپ کے ذہن مبارک میں تو شک کا نہ گذر ہونا تھا نہ ہوا اس لئے نہ آپ کو سابقہ اہل کتاب سے پوچھنے کی ضرورت پیش آئی نہ آپ نے پوچھا البتہ عامتہ المسلمین میں سے جسے شک گزرتا وہ اپنے شک کو اہل کتاب سے پوچھ کر رفع کر سکتا تھا۔ فرعون سے حکومت چھن جانے کی خبر تو محرّف بائیبل میں بھی موجود ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں بھی خطاب نبی اکرم کی طرف ہے اور سمجھانا مقصود ہے عامتہ المسلمین کو:۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾

(۹۵) اور آپ ان لوگوں میں سے نہ ہوجانا جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ورنہ آپ بھی خسارہ پانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔

○ اس طرح قانون مکافات کی حکمیت کے قطعی اظہار کے بعد ان لوگوں کے متعلق اظہار ہوا ہے جو اپنی مسلسل بے پناہ نافرمانیوں کی بدولت اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کا عذاب ان کے لئے لازم ہوجاتا ہے وہ اس کے بعد ایمان نہیں لاتے۔ ایسے لوگوں کے ضمیر مردہ اور نفس لوامہ روک روک کر ناکام ہوچکا ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾

(۹۶-۹۷) بے شک جن (لوگوں کی انتہائی نافرمانیوں کی بدولت ان) پر اللہ کا عذاب لازم ہوچکا ہے وہ ایمان نہیں لاتے۔ اگرچہ ان کے پاس

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾

آمدِ عذاب کے تمام نشان آجائیں۔ یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ بھی لیں۔

○ ان آیات مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ قوموں کی بداعمالیوں' طغیانیوں اور نافرمانیوں کی بدولت اللہ تعالٰی کے قانون مکافات کی رُو سے عذاب لازم ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مقام پر پہنچ کر ان کے ضمیر مردہ ہوجاتے ہیں اور نفس لوامہ انہیں برائیوں سے روک روک کر ناکام بلکہ مایوس ہوچکا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اس وقت بھی ایمان نہیں لاتے' جب الٰہی عذاب کی آمد کے تمام نشان ظاہر بھی ہو چکے ہوں۔

○ آیات بالا سے اظہر من الشمس ہے کہ قانون الٰہی کے مطابق قوموں کی نافرمانیوں کی سزا بتدریج مرتب ہوتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ اگر کوئی قوم اپنی دائمی نافرمانیوں میں ایک خاص مقام تک آگے بڑھ جاتی ہے کہ اس کا لوٹنا ناممکن ہوجاتا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالٰی کی سزا واجب ہوجاتی ہے اور وہ درد ناک عذاب کو دیکھ کر بھی واپس نہیں لوٹتے۔ نہ ایمان لاتے ہیں اور نہ برے اعمال سے باز آتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ **حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ** کے الفاظ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ قانون رب العالمین میں اس وقت تک توبہ اور اصلاح اعمال کی گنجائش موجود ہے جب عذاب کو دیکھ بھی لیں۔ یعنی عذاب کے آثار نمایاں ہوچکے ہوں چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ماضی میں صرف قوم یونس تھی جو عذاب کو دیکھ کر ایمان لائی اور فوری طور پر اصلاح اعمال کر لی اس لئے قانون باری تعالٰی کے مطابق ان سے عذاب یکسر ٹل گیا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾

(۹۸) پس کیوں کوئی بستی ایسی نہ ہوئی کہ وہ ایمان لاتی پھر اسے اس کا ایمان لانا فائدہ پہنچاتا سوائے قوم یونس کے (جب وہ آثار عذاب دیکھ کر) ایمان لے آئے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب دور کر دیا اور انہیں ہم نے ایک مدت تک فائدہ دیا۔

○ بعض تفاسیر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عذاب کے آثار آچکنے کے بعد جب قوم یونس نے توبہ اور اصلاح کر لی تو عذاب کا ٹال دینا صرف قوم یونس کے لئے ایک خصوصی رعایت تھی۔ یہ تصور مطلقاً غلط ہے۔ قوانین الٰہی کے متعلق آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ تفریضِ محال کے طور پر ۶/۸۹ میں انبیاء سلام علیہم کے متعلق اعلان کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ بھی شرک کرتے تو ہمارا قانون ان کی رعایت بھی نہ کرتا۔ ان کے اعمال بھی ضائع کر دیے جاتے۔

○ پس اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوا کہ قوم یونس کو کوئی خصوصی رعایت نہیں دی گئی تھی۔ بلکہ قانون الٰہی میں ہر بستی اور قوم کے لئے عذاب الٰہی کے آثار دیکھ کر توبہ اور اصلاح اعمال کی گنجائش موجود ہے اس سے عذاب ٹل جاتا ہے۔ آیتِ بحث ۱۰/۹۸ میں یہ خبر دی گئی ہے کہ ماضی میں صرف ایک قوم ایسی گذری ہے جس نے عذاب کے آثار دیکھ کر توبہ اور اصلاح کر لی۔ تو ہم نے ان سے عذاب ٹال دیا۔ عذاب کو دیکھ کر بھی رجوع نہ کرنے والی قوم عاد کے متعلق بتایا گیا ہے: **فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا** ۴۶/۲۴ پھر جب انہوں نے اسے بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے دیکھا تو کہا یہ بادل ہم پر مینہ برسانے والا ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ انہوں نے عذاب کو دیکھ کر بھی توبہ اور اصلاح نہ کی۔ اس لئے بتایا گیا ہے کہ اس میں سخت آندھی تھی جس نے ہر چیز کو تباہ کردیا۔ اور بستی کے کھنڈرات کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔

السید یونس نے جب اپنی قوم کو شبانہ روز سمجھانے کے بعد دیکھا کہ یہ لوگ نافرمانیوں میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ اب ان پر عذاب آیا ہی چاہتا ہے تو آپؑ ہجرت فرما کر چلے گئے۔ لیکن آپؑ کے جانے کے بعد جب عذاب رب العالمین کے آثار نمایاں ہوئے۔ تو آپ کی قوم اپنے غلط عقائد سے تائب ہو کر اصلاح اعمال میں لگ گئی۔ یعنی وہ طبقاتی نظام ختم کر کے جس میں ربوبیت عامہ کے خلاف بعض لوگ ضروریات زندگی سے محروم پائے جاتے ہیں' ختم کر کے ربوبیت عامہ کا ہموار و متوازن نظام بھی نافذ کیا۔ اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عذاب ٹل گیا۔ یہ عین قانونِ رب العالمین کے مطابق ہوا تھا۔ قوم یونس کے لئے کوئی الگ مخصوص رعایت نہیں تھی۔

○ السید یونس کے متعلق سورہ قلم میں نبی اکرمؐ کو ارشاد ہوا ہے : **فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ إِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝ لَوْ لَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ○ ۴۸ تا ۶۸/۵۰ (اے رسول) آپ اپنے رب کے حکم کے لئے مستقل مزاج رہیں اور مچھلی والے کی طرح نہ ہوجانا۔ وہ وقت قابل ذکر ہے جب اس نے پکارا اور وہ غصے کو پیے ہوئے تھا۔ اگر اسے اس کے رب کی نعمت نہ پالیتی (تو اسے مچھلی لقمہ بنا لیتی) یقیناً" اسے کھلے میدان میں پڑے ہوئے پایا گیا تھا اور وہ ذمہ میں لیا گیا تھا پھر اسے اس کے رب نے دوبارہ چن لیا اور اسے اصلاح کرنے والوں سے ٹھہرایا (وہ دوبارہ قوم کی طرف بھیج دیا گیا تھا)

○ مذموم بصورت مفعول مادہ ذ۔ م۔ م ذم سے بمعنی اللہ کے ذمہ لیا گیا ہے۔ مذمت کیا گیا نہیں۔

○ ان آیات مجیدہ کے ابتدائی الفاظ **فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ** سے ثابت ہوتا ہے کہ السید یونسؑ کا ہجرت کا فیصلہ ذاتی تھا۔ الٰہی نہیں تھا۔ اسی لئے نبی اکرم سلام علیہم کو حکم ہوا کہ آپ مچھلی والے کی مانند نہ ہوجانا' ہجرت کے لئے اللہ کے حکم کا انتظار فرمائیں۔ نیز سوال پیدا ہوتا ہے کہ مچھلی کا کیا قصہ تھا؟ اور یونسؑ کو مچھلی والا کیوں کہا گیا ہے۔ نیز مذکورہ نعمت باری تعالیٰ کیا تھی اور آپ کو کھلے میدان میں پڑے ہوئے پانے کا قصہ کیا ہے۔ ان واقعات کی تفصیل آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

○ **وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝** ۱۳۹ تا ۳۷/۱۴۸ (مفہوم) اور بے شک یونسؑ ہمارے بھیجے ہوؤں میں سے تھے۔ وہ وقت قابل ذکر ہے جب وہ قوم سے ناراض ہو کر ۲۱/۸۷ غصے کو پیے ہوئے ۶۸/۴۸ بھری ہوئی کشتی کی طرف دوڑ کر گئے پھر کشتی میں اپنا حصہ (جگہ) حاصل کرنے (یعنی سوار ہونے کی کوشش کی) پھر وہ پھسلنے والوں میں سے ہوگئے (ان کا پاؤں پھسل گیا) پھر انہیں مچھلی نے لقمہ بنانے کی کوشش کی اور وہ اندر ہی اندر اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے' پھر اگر وہ تیراکوں میں سے نہ ہوتے تو ضرور (انہیں مچھلی لقمہ بنا لیتی اور) وہ قیامت کے دن تک پانی کے پیٹ میں رہتے (یعنی اس سے ہرگز نہ نکل سکتے۔) پھر ہم نے کھلے میدان میں انہیں پڑے ہوئے پایا۔ (اس وقت مچھلی کی زد سے نکلنے کی کوشش میں تیز تیرنے کی بدولت) نڈھال ہو گئے تھے۔ اور ہم نے ان پر ایک درخت اگا ہوا پایا' جس پر کدو کی بیل چڑھی ہوئی تھی اور ہم نے انہیں دوبارہ ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ افراد کی طرف بھیجا پس وہ ایمان لا چکے تھے (اور اعمال کی اصلاح کرلی تھی) اس لئے ہم نے انہیں

ایک مدت تک فائدہ دیا۔

○ **اَبَقَ** کا معنی تفسیروں میں لیا گیا ہے مالک سے بھاگ جانا غلام کا اور السید یونس کو اپنے اللہ کے مقرر کردہ فرضی منصبی سے بھاگا ہوا بتایا گیا ہے جو یکسر غلط ہے۔ آپ سے ہجرت کے لئے فیصلہ کرنے میں سہو ہو گئی تھی۔ آپ اپنے مالک کے بھاگے ہوئے غلام نہیں تھے مادہ ا۔ ب۔ ق۔ ابق کا مطلق معنی دوڑنا ہے۔ جو عربوں کے ہاں غلام کے بھاگ جانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مگر آیاتِ بالا میں اس کا معنی یہ ہے کہ آپ جب قوم سے ناراض ہو کر آئے تو آپ کو کشتی پر سوار ہونا تھا' لیکن جب آپ پہنچے تو وہ مشحون ہوچکی تھی بالکل بھر چکی تھی۔

○ **سَاهَمَ** باب مفاعلہ سے ہے جس کا خاصہ ہے طلب ماخذ کے لئے کوشش کرنا اس مادہ کا بنیادی معنی ہے اپنا حصہ حاصل کرنا۔ چنانچہ حصہ دار کو عربی سہیم کہا جاتا ہے۔ اس مادہ کا معنی قرعہ ڈالنا بھی ہے لیکن یہاں سیاق و سباق کے مطابق قرعہ اندازی کا کوئی مقام نہیں۔ سوائے اس کے کہ اس بناوٹی قصے کو سامنے رکھ کر ناموس رسالت کو مجروح کیا جائے۔ جس کا قرآن مجید میں کوئی ذکر موجود نہیں۔ صرف گھڑ لیا گیا ہے کہ جب کشتی دریا کے درمیان میں پہنچی تو لڑکھڑانے لگی۔ اہل کشتی نے کہا کہ ہم میں کوئی غلام اپنے مالک سے بھاگا ہوا موجود ہے' اس لئے لڑکھڑا رہی ہے' اسے اتار دو تاکہ باقی اہل کشتی غرق ہونے سے بچ جائیں۔ لیکن کشتی میں سے کسی نے بھی تسلیم نہ کیا کہ وہ اپنے مالک سے بھاگا ہوا غلام ہے۔ اس لئے قرعہ ڈالا گیا جو معاذ اللہ السید یونسؑ کے نام نکلا۔ اہل کشتی نے آپؑ کو پانی میں گرا دیا اور مچھلی نے آپؑ کو نگل لیا۔

○ لیکن سیاق کلام اور ترتیب الفاظ کے مطابق یہ سارا قصہ غلط اور من گھڑت ثابت ہوتا ہے کیوں کہ **اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ** یعنی جب آپ بھری ہوئی کشتی میں سوار ہونے کے لئے بھاگے تو آگے آیا ہے **فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ** یعنی آپ نے کشتی میں اپنا حصہ لینے کی یعنی سوار ہونے کی کوشش کی تو آپ کا پاؤں پھسل گیا اور آپ پانی میں گر گئے۔ پس قرعہ اندازی کا تصور یکسر غلط ہے۔

○ **مُدْحَضِيْنَ** کا معنی مترجمین نے لکھا ہے کہ السید یونسؑ مغلوب ہو گئے یعنی قرعہ ان کے نام نکل آیا۔ مولوی احمد علی لاہوری نے **فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ** ۱۴۱/۳۷ کا معنی لکھا ہے : پھر قرعہ ڈالا تو وہی خطاکاروں میں تھا۔ العیاذباللہ واضح رہے کہ **مُدْحَضِيْنَ** کا سہ حرفی مادہ د۔ ح۔ ض' دحض ہے جس کا بنیادی معنی ڈھلنا' پھسلنا۔ **وَحَضَتِ الشَّمْسُ** کا معنی ہے سورج ڈھلا اور **اَوْحَضَ الرَّجُلُ** کا معنی ہے آدمی پھسل پڑا۔ چنانچہ پھسلنی جگہ کو **مدحضہ** کہتے ہیں المختصر سیاق کلام اور ترتیب الفاظ کے مطابق **اِذْاَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ○ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ** کا معنی یہ ہے کہ جب آپ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر آئے تو اس میں اپنا حصہ حاصل کرنے کے لئے کوشش کی۔ یعنی جب سوار ہونے لگے تو آپ کا پاؤں پھسل گیا اور آپ پانی میں گر گئے۔

○ **فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ** کے الفاظ میں **التقم** باب افتعال سے آیا ہے جس کا خاصہ طلبِ ماخذ کی کوشش کرنا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ مچھلی نے آپ کو لقمہ بنانے کی کوشش کی' لقمہ بنا نہ سکی' کیوں کہ آپ تیراک تھے تیر کر نکل گئے۔ اگر **لَقِمَهُ الْحُوْتُ** ہوتا تو اس کا معنی ہو سکتا تھا کہ آپ کو مچھلی نے لقمہ بنا لیا' یعنی آپ کو مچھلی نگل گئی۔

○ **هُوَ مُلِيْمٌ** میں لفظ **ملیم** فعیل کے وزن پر صفت مشبّہ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس وقت اپنے آپ کو ملامت کرنے والے تھے۔ یعنی اپنے آپ کو جی ہی جی میں کہہ رہے تھے کہ اگر دوسری کشتی کا انتظار کر لیتا تو نہ پانی میں گرتا اور نہ

مچھلی کی زد میں آتا۔

○ **فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ** کے جملہ میں **الْمُسَبِّحِيْنَ** کا معنی مترجمین نے یہ لکھا ہے کہ اگر آپ اس جملہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** کا ورد نہ کرتے یعنی اگر یہ تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ حالانکہ یہاں **الْمُسَبِّحِيْنَ** کا معنی تیراک ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اگر آپ تیراک نہ ہوتے تو مچھلی آپ کو لقمہ بنا لیتی۔ اور اس سے آپ کبھی نہ نکل سکتے یہ لفظ مادہ س۔ ب۔ ح سبح سے ہے جس کا معنی ہے تیرنا۔ سورہ یاسین میں موجود ہے جہاں چاند ستاروں کے متعلق بتایا گیا ہے **كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ** ○ ۳۶/۴۰ وہ سب کے سب فضا میں تیر رہے ہیں (اپنے اپنے مدار پر گھوم رہے ہیں)

○ **هُوَ سَقِيْمٌ** کا معنی مترجمین نے لکھا ہے کہ وہ بیمار تھے۔ حالانکہ سیاق کلام کے مطابق کہ آپ کو مچھلی کی زد سے آزاد ہونے کے لئے انتہائی تیزی کے ساتھ تیرنا پڑا تھا۔ اس لئے آپ نڈھال ہوگئے تھے' بیمار نہیں تھے۔

○ **شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ** کا معنی مترجمین نے لکھا ہے کہ کدو کا درخت جو مشاہدۃً غلط ہے کہ کدو کا درخت نہیں ہوتا' بیل ہوتی ہے۔ پس اس کا صحیح مفہوم ہے ایسا درخت جس پر کدو کی بیل چڑھی ہوئی تھی۔

○ السید یونسؑ کا ذکر سورہ انبیاء میں بھی آیا ہے جس میں یونسؑ کا تسبیح پڑھنا قرار دے کر یہ تصور پیدا کر لیا گیا ہے کہ جب آپ کو مچھلی نگل گئی تو رات پانی کی تہ اور مچھلی کے پیٹ کے تین اندھیروں میں آپ نے **لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** کا ورد کیا تو مچھلی نے ساحل پر آکر آپ کو اگل دیا۔ سورہ انبیاء کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

○ **وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ط وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ** ○ ۸۷۔ ۲۱/۸۸

اور مچھلی والا جب غصے ہو کر چلا گیا تو اسے یقین تھا کہ اس نے صحیح وقت پر ہجرت کی ہے اس لئے ہم اس سے باز پرس نہیں کریں گے۔ پھر اس نے مشکلات میں پکارا یہ کہ تیرے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ بے شک میں مشکلات میں گھر جانے والوں سے ہوں پس ہم نے اس کی دعا قبول کر کے غم سے نجات دی ہم اسی طرح مومنوں کو مصائب سے نجات دیتے ہیں۔

○ **الظُّلُمٰتِ** کا عمومی معنی ہے اندھیرے' مگر چونکہ اندھیرا کئی قسم کی مشکلات کا موجب ہوتا ہے اس لئے اس کا معنی مشکلات بھی مستعمل ہے۔ چنانچہ عربوں کے ہاں **يَوْمٌ مُّظْلِمٌ** اس دن کو کہتے ہیں جس میں بہت سی مشکلات و مصائب پیش آئیں۔ اس لئے چونکہ آپ کا مچھلی کے پیٹ میں جانا از روئے قرآن ثابت نہیں اس لئے یہاں **الظُّلُمٰتِ** کا معنی اندھیرے نہیں مشکلات ہے۔

○ **اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** میں بھی **الظّٰلِمِيْنَ** بصورت فاعل کا معنی مصائب میں گھر جانے والوں میں سے ہے' ظلم کرنے والوں میں سے نہیں۔ واضح رہے کہ انبیاء ظالم نہیں ہوتے۔ ظالموں پر تو اللہ تعالیٰ نے **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ** ۱۱/۱۸ کے الفاظ میں لعنت برسائی ہے۔ یونسؑ اللہ کے برگزیدہ نبی تھے جن سے ہجرت کے تعین کے وقت میں سہو ہوگئی آپ کی قوم آثار عذاب دیکھ کر تائب ہوگئی اور عذاب ٹل گیا۔

○ اگلی آیت مجیدہ سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہی نہیں ہے کہ وہ زبردستی گمراہ کرے یا زبردستی سیدھے راستے پر

چلائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت و گمراہی کی وضاحت کر دی ہے۔ دونوں میں سے کوئی سا راستہ اختیار کرنا ہر کسی کا اپنا کام ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۹۹

(۹۹) اور اگر آپ کے رب کا قانون مشیت یہ ہوتا (کہ وہ زبردستی مومن بنائے) تو جو افراد بھی زمین میں ہیں وہ سب کے سب ضرور ایمان لے آتے (اے رسول!) کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔

○ اس آیت مجیدہ سے یہ تصور اخذ کرنا مطلقاً" غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہی نہیں کہ سب لوگ ایمان لے آئیں **لَوْ شَآءَ** کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے قانون مشیت کی خبر دی گئی ہے کہ زبردستی مومن یا کافر بنانا اللہ تعالیٰ کا قانون ہی نہیں بلکہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ قوم یونسؑ نے انکار بھی خود کیا تھا۔ اور عذاب کو دیکھ کر ایمان بھی خود لے آئی تھی۔ اور جو قومیں عذاب کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائی تھیں وہ خود ہی ایمان نہیں لائی تھیں۔ ابتداءِ آفرینش سے لے کر آج تک اور آگے قیامت تک کے لئے کفر و ایمان کا یہی اللہ تعالیٰ کا قانون چلا آرہا ہے اور چلا جائے گا چنانچہ اگلی آیت میں بتا دیا گیا ہے:۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۱۰۰

(۱۰۰) اور کسی بھی شخص کے لئے نہیں کہ وہ ایمان لائے۔ سوائے اللہ کے قانون کے (کہ وہ خود ہی ایمان لائے گا اللہ تعالیٰ زبردستی مومن نہیں بناتا) اور اللہ تعالیٰ بدعقیدگی کی ایسی گندگی ان لوگوں پر مسلط پاتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ (کیا یہ چیز عقل کے مطابق ہے کہ اللہ تعالیٰ خود گمراہ کرے اور پھر سزا دے)

○ **اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ** کا معنی عام تراجم میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص ایمان نہیں لا سکتا۔ یعنی جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کی اجازت ہی نہیں دی ہوتی۔ مگر اس طرح چونکہ ایمان نہ لانے والے کفر کے جرم سے بری ہوجاتے ہیں اور حرف اللہ پر آتا ہے۔ اس لئے یہ معنی غلط ہے۔ اوپر **اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ** کا معنی لکھا گیا ہے۔ سوائے اللہ کے قانون کے۔ اذن بمعنی قانون ۷/۵۸ خود اللہ تعالیٰ نے بالفاظ ذیل بتا دیا ہے:۔

○ **وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا**" ۷/۵۸ اور جو صحت مند زمین ہے اس کی پیداوار عمدہ اور زیادہ نکلتی ہے۔اپنے رب کے (اذن) قانون کے مطابق اور جو زمین ناکارہ ہے اس کی پیداوار اس کے رب کے (اذن) قانون کے مطابق ناقص ہی نکلتی ہے۔ دیکھئے اس آیت میں وضاحتاً" بتا دیا گیا ہے کہ قرآنی لغت کے مطابق اذن کا معنی قانون بھی ہے۔

○ **وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ** کے الفاظ میں وضاحتاً" بتادیا گیا ہے کہ جو لوگ اس غلطی کا شکار ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے گمراہی میں رکھتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل سے کام نہیں لیتے۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہدایتِ انسانی کے لئے اپنی کتابیں بھی بھیجتا رہا ہے اور نذیر بھی۔ مگر وہ لوگ خود ہی ایمان نہ لائے انہیں اللہ کی کتابوں اور رسولوں سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔

(۱۰۱) (اے رسول) کہہ دیجئے گا کہ غور کرو آسمانوں اور زمین میں (اللہ

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا) کیا کچھ ہے؟ مگر اس کی کائناتی اور تنزیلی آیتیں اور اس کے بھیجے ہوئے ڈرانے والے ان لوگوں کے جو خود ایمان نہیں لاتے کچھ کام نہیں آتے۔

○ اس آیت مجیدہ میں:۔

اَلْاٰيٰتُ کا معنی اللہ تعالیٰ کی کائناتی یعنی صحیفہ فطرت کی آیتیں اس لحاظ سے ہے کہ اس آیت کے شروع میں آسمانوں اور زمین کی ایک ایک چیز پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تنزیلی آیتیں اس لحاظ سے ہے کہ اسی آیت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ڈرانے والے رسل انبیاؑ کی خبریں دی گئی۔ اور واضح کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ نہ اللہ تعالیٰ کی ان گوناگوں نشانیوں سے جو کائنات بھر میں بکھری پڑی ہیں فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ اس کی نازل کردہ آیتوں سے حقائق تک پہنچ پاتے ہیں۔ وہ غور و فکر سے کام نہ لیتے ہوئے خود ہی دولتِ ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں کرتا۔

○ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ جو لوگ باری تعالیٰ کی تکوینی یعنی کائناتی اور تنزیلی آیات مجیدہ پر غور کرتے ہی نہیں اور من مانی روش پر قائم رہتے ہیں وہ ان لوگوں کی طرح عذاب کے منتظر ہوتے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ ان پر بھی عذاب ان کی اپنی نافرمانیوں کی بدولت آئے گا اور ان پر بھی ان کی اپنی نافرمانیوں کی بدولت آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر بلاوجہ عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ اپنے فرمانبرداروں کو بچا لیتا ہے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

(۱۰۲) پس یہ (اللہ تعالیٰ کی کائناتی اور تنزیلی آیتوں پر غور نہ کرنے والے) نہیں انتظار کرتے مگر ان لوگوں کے دنوں کا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (اے رسول) کہہ دیجئے گا کہ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

(۱۰۳) پھر ہم نے اپنے رسولوں کو اور جو لوگ ایمان لائے عذاب سے بچا لیا۔ بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔ مومنوں کو عذاب سے نجات دینا (بچا لینا) ہمارے اوپر لازم ہے۔

○ ان آیات مجیدہ میں عذاب الٰہی کی آمد کے انتظار کی خبر نہایت اہم ہے۔ انتظار کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دائمی سنت کی خبر دی ہے کہ وہ انزالِ عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ مہلت پر مہلت دیتا چلا جاتا ہے تاکہ سرکش قومیں اس کی نافرمانی سے باز آجائیں۔ عذاب اس وقت آتا ہے جب کسی قوم کا پیمانہ ظلم و عصیان لبریز ہو کر چھلک جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود قوم یونس کا واقعہ پیچھے قریب ہی کی آیت نمبر ۹۸ میں گزر چکا ہے۔ اگر کوئی قوم عذاب کے آثار دیکھ کر بھی باز آجائے توبہ کر کے اپنی اصلاح شروع کر دے تو باری تعالیٰ آیا ہوا عذاب بھی ٹال دیتا ہے۔ غفور الرحیم جو ہوا۔

○ آمد عذاب کی انتظار میں اللہ کے نبی بھی اس کی سنت و قانون سے واقف تھے۔ بلکہ جب وہ سرکش قوم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے تو قوم انہیں مذاق کیا کرتی کہ جس عذاب کی تم خبر دے رہے ہو لاؤ وہ کہاں ہے کب آئے گا؟ اس پر اللہ کے نبی ارشاد فرماتے کہ میں بھی تمہارے ساتھ ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھی مومنوں کو عذاب سے بچا لے گا چنانچہ **نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** کے الفظ میں باری تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے کہ ہم اپنے

رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو عذاب سے بچا لیتے ہیں۔ اور انہیں بچا لینا ہم پر لازم ہے **حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝** ۱۰/۱۰۳

○ اسی چیز کی عملی تصدیق آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں کہ قوم نوح کو غرق کر دیا گیا مگر انہیں اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ط ۷/۶۴ پس ہم نے بچا لیا نوح کو اور اس کے ساتھیوں کو کشتی کے ذریعہ اور غرق کر دیا ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا (اور اپنی اصلاح نہ کی۔)

○ اسی طرح جناب ہودؑ اور ان کی قوم کے متعلق خبر دی گئی ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۷/۷۲ پس ہم نے بچا لیا ہودؑ کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت کے ساتھ اور جڑ کاٹ دی ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا (اور اپنی اصلاح نہ کی۔)

○ جناب صالحؑ اور انکی قوم کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّىْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ۷/۷۹ پس قوم صالح کو زلزلے نے پکڑ لیا پھر وہ اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ پھر ہمارا رسول صالح ان سے یہ کہتا ہوا مڑ گیا کہ اے میری قوم بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہیں نصیحت کی مگر تم نے نصیحت کو چاہا ہی نہیں۔

○ لوطؑ کی قوم کے متعلق خبر دی گئی ہے:۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۸۳-۸۴/۷ پس ہم نے لوطؑ اور اس کے اہل کو بچا لیا سوائے اس کی بیوی کے وہ پیچھے رہنے والوں سے تھی اور ہم نے (قوم لوط کو پتھروں کا) برساؤ برسا کر ختم کر دیا' پھر (اے مخاطب) غور کر کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا؟

○ اسی طرح قوم شعیبؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۹۱ تا ۹۳/۷

پھر قوم شعیبؑ کو زلزلے نے پکڑ لیا۔ جنہوں نے جھٹلایا وہ ایسے تھے کہ گویا وہ اس بستی میں تھے ہی نہیں۔ پھر شعیبؑ ان سے یہ کہتے ہوئے مڑ گیا کہ اے میری قوم میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے اور تمہیں نصیحت کی۔ مگر ہوا یہ کہ جناب شعیبؑ کی قوم نے نہ اپنے پیغمبر کی نصیحتوں سے کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ پیغامات الٰہی سے' بلکہ نافرمانیوں پر اڑے رہنے کی بدولت عذاب الٰہی کو مسلسل دعوت دیتے رہے اور جب ان کی سرکشیوں کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو عذاب الٰہی نے انہیں گھیر لیا اور وہ ختم ہو گئے اللہ تعالیٰ نے جناب شعیب اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا۔

○ آخر پر نبی اکرم خاتم النبیین رحمۃ اللعالمینؐ کی قوم کا حال ملاحظہ فرمائیں جس نے نبی اکرمؐ کی ۱۳ سالہ نبوت کی مکی زندگی میں آپؐ کو ہر قسم کی تکلیفیں پہنچائیں۔ آپؐ کے مدمقابل تین گروہ تھے۔ ملا پیر اور سرمایہ دار۔ قرآن کریم ان تینوں کی اجارہ داری کے خلاف فتویٰ دیتا ہے:۔

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۹/۳۴ بے شک بہت سے مُلّا اور پیر لوگوں کا مال جھوٹ کے ذریعے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان سب کو درد ناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے۔

سورہ یونس میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ج اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۱۰/۱۵ اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو جو لوگ ہمارے حضور حاضری کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لائیے یا اسے بدل دیجئے۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ میں اس کا مجاز نہیں کہ اسے اپنی مرضی سے بدل ڈالوں' میں تو صرف اس کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے اگر میں نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

○ اس پر آپ کے مخالفین نے جو یہود و نصاریٰ اور مشرکین پر مشتمل تھے یعنی جو اللہ کی ہستی کے منکر نہیں تھے کہا: وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ ۸/۳۲ وہ وقت قابل ذکر ہے جب انہوں نے کہا کہ اے ہمارے اللہ اگر یہ قرآن واقعی تیری طرف سے نازل کردہ حق ہے (اگر ہم نے تیری نازل کردہ کتاب کا انکار کیا ہے) تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور درد ناک عذاب نازل کردے۔

○ اس کے باوجود کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے چونکہ قرآن مجید ان کے ہرسہ گروہ مُلّا پیر اور سرمایہ داروں کی کھلی مخالفت کرتا ہے اس لئے انہوں نے قرآنی ضابطۂ ربوبیت کو تسلیم نہ کیا اور نبی اکرمؐ کے خلاف یہ فیصلہ کر دیا:۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ط ۸/۳۰ وہ وقت قابل ذکر ہے جب ضابطہ الٰہی کا انکار کرنے والوں نے یہ تجویز کی یا آپ کو عمر قید کر دیا جائے یا قتل یا جلا وطن کر دیا جائے۔ لیکن ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کروا کر آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ان کے شر سے بچا لیا۔ لیکن مخالفین نے عذاب الٰہی کو اس طرح دعوت دی کہ جنگ بدر' احد اور احزاب کی شکل میں بھاری جنگی تیاریوں کے ساتھ نبی اکرمؐ پر حملے شروع کر دیئے مگر ہر بار ذلت آمیز شکست کا شکار ہوتے رہے۔

نبی اکرمؐ کے بڑے بڑے دشمن ان جنگوں میں مارے گئے اور جو باقی بچے وہ فتح مکہ کے موقعہ پر شکست تسلیم کر کے مسلمان ہو گئے۔ نبی اکرمؐ کو معہ ان کے ساتھیوں کے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف بچا لیا بلکہ انہیں ایک عظیم آزاد قرآنی حکومت بھی عطا فرما دی۔

نبی اکرمؐ نے ایک ایسا معاشرہ قائم فرمایا ہے جسے صحیح معنوں میں قرآنی اور اصلاحی معاشرہ کہا جا سکتا ہے۔ اس میں نہ کوئی بھوکا تھا نہ ننگا' نہ کوئی بے علاج تھا نہ بے مکان خود کتب روایات میں بھی اس چیز کی تصدیق موجود ہے کہ آپ کے عہد سعادت مہد میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا تھا کیوں؟

○ صرف اور صرف اس لئے کہ نبی اکرمؐ رحمتہ اللعالمین نے جو رحمت بھرا معاشرہ قائم فرمایا اور جس قرآنی نہج پر آپ نے کاروبار کو گامزن کیا اس میں ہر کس و ناکس کو نہ صرف یہ کہ ضرورت زندگی باقاعدہ میسر تھیں' بلکہ ہر شخص آسودہ حال تھا۔

غریب و امیر، اعلیٰ و ادنیٰ اور آقا و غلام کی تمیز پوری طرح ختم ہو چکی تھی۔

سَلَامٌ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَرَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ ○

اگلی آیت مجیدہ ۱۰۴ میں نبی کریمؐ سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق شک میں ہو کہ یہ سچا ہے یا جھوٹا۔ تو سن لو کہ مجھے اس امر میں کوئی شک نہیں۔ میرا دین یقیناً اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ اور سچا دین ہے اور تمہارا دین یقیناً غیر منزل من اللہ اور جھوٹا ہے اس لیے میں ان لوگوں کی فرمانبرداری نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو بلکہ میں اس ذات بے ہمتا کی فرمانبرداری کرتا ہوں جس کے قانون حیات و ممات کے مطابق تمہیں زندگی اور موت ملتی ہے یعنی جو تمہیں زندگی دیتا اور موت دیتا ہے۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۵﴾

(۱۰۴) (اے رسولؐ) کہہ دیجئے گا کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق شک میں ہو (تو میں شک میں نہیں ہوں اسی لئے) میں ان کی فرمانبرداری نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے ساتھ شریک بنا کر کرتے ہو ولیکن میں اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہوں جو تمہیں فوت کرتا ہے۔ اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ مومنوں میں سے رہوں۔

(۱۰۵) اور (مجھے حکم دیا ہے) کہ اپنے آپ کو دین خالص پر قائم رکھ (اور اللہ کے حکم میں غیر کا حکم شامل کر کے) مشرکوں سے نہ ہو جانا

○ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا معنی قرآنی لغت کے مطابق اللہ کے سوا بھی ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرکے بھی ہے جیسے کہ سورہ مائدہ میں ارشاد ہوا ہے۔

○ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط ۵/۱۱۶ اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو کہے گا کہ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے شریک بنا کر دو الٰہ اور بنا لو۔ پس تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا معنی اوپر آیت نمبر۱۰۴ میں یہ مراد نہیں کہ وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی فرمانبرداری کرتے تھے بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ غیروں کی بھی کرتے تھے۔ احکام الٰہی میں غیر اللہ کے حکموں کو ملا لیتے تھے۔ یعنی کچھ حکم اللہ کے اور کچھ غیر اللہ کے۔ بالفاظِ دیگر وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے۔ جیسے کہ سورہ انفال میں ان کا قول بالفاظ ذیل درج ہے۔

○ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ ۸/۳۲ اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب انہوں نے یہ کہا کہ اے ہمارے اللہ اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے (اور ہم نے تیری نازل کردہ کتاب کا انکار کیا ہے تو) تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا اور یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔

○ پس نبی اکرمؐ کے مدمقابل اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے۔ انہوں نے احکام الٰہی میں غیر اللہ کے احکام کی ملاوٹ کرکے اللہ کے دین کو خالص نہیں رکھا تھا۔ شرک فی الحکم کے بھی مرتکب ہوتے تھے اور شرک فی الصفات کے بھی۔ چنانچہ اوپر والی آیت نمبر ۱۰۵ میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے خالص دین حنیف پر قائم رکھیں اور اس میں غیر اللہ احکام کی ملاوٹ کرکے مشرک نہ ہوجائیں۔

اللہ کے سوا کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا: اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی

اور کو مدد کے لئے نہ پکارنا' ورنہ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

(۱۰۶) اور آپ اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور کو (مدد مراد کے لئے) نہ پکاریں جو آپ کو نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے۔ پھر اگر آپ نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

(۱۰۷) اور اگر اللہ تعالیٰ (اپنے قانون مشیت کے مطابق) آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو خود اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ آپ کے لیے کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے بھلائی پہنچاتا ہے اپنے قانون مشیت کے مطابق پہنچاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بچاؤ دینے والا مہربان ہے۔

غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا شرک ہے: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ پر دلعہ لگائی گئی ہے۔ **فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ** کی۔ ظلم کا معنی ہے بے ٹھکانہ کام کرنا۔ سورہ لقمان میں شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے **اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ** ۳۱/۱۳ بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔

○ **مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ** کے الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ غیراللہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ نفع نقصان کے پورے اختیارات اللہ تعالیٰ کے اپنے قوانین مشیت میں مرکوز ہیں۔ غیراللہ کو پکارنے سے شرک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے اختیاراتِ مخصوصہ میں غیر اللہ کو شریک کرنے کے مجرم ٹھہرتے ہیں جس کے مختلف انداز ہیں۔

○ اللہ تعالیٰ وہ ذات گرامی ہے جس نے عظیم کائنات تخلیق فرمائی ہے جس کی وسعتوں کا اندازہ تک لگانا بھی انتہائی مشکل ہے جس نے مختلف عناصر کے ساتھ اس کارگاہ حیات کو ترتیب دے کر نوع انسانی کی ضروریات زندگی کی ہر چیز کا سامان مہیا کر دیا ہے جو ہر کسی کا کارساز ہے۔ جس نے اپنی بے پایاں رحمت کے ساتھ نوع انسانی کو اشرف المخلوقات ٹھہرا کر اس پوری کائنات کو اس کے لئے مسخر کر دیا ہے:۔

○ **وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ** ۴۵/۱۳ اور اے نوع انسانی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اس کائنات کی ایک ایک چیز سے اپنی خدمت لینا تیرا کام ہے یہ ساری کائنات تیرے لئے ہے اور تو میری فرمانبرداری کے لئے ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی اولین سورت مجیدہ میں نوع انسانی سے وعدہ لے لیا ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ ۱/۴

○ بار الٰہی! ہم صرف تیری ہی فرمانبرداری کریں گے اور صرف تجھ ہی سے مدد مرادیں مانگیں گے۔

○ اس آیت مجیدہ میں قرآن مجید کے ہر قاری سے پختہ وعدہ لے لیا گیا ہے کہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ کی کی جائے گی اور مدد و مرادیں بھی سب اسی سے مانگی جائیں گی۔

نفع و ضرر قانون مشیت کے مطابق پہنچتا ہے ○ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ کے الفاظ میں قانون مشیت کا اعلان کیا گیا ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالی بغیر کسی قاعدہ و قانون کے جسے چاہتا ہے اپنی رحمت و فضل عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے تکلیف و ضرر پہنچاتا ہے بلکہ صحیح مفہوم وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے کہ اللہ تعالی جسے بھلائی یا ضرر پہنچاتا ہے اپنے قانون مشیت کے مطابق پہنچاتا ہے۔ سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے۔

○ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ ۴۲/۳۰ اے نوع انسانی! تمہیں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے' اسی طرح سورت روم میں ارشاد ہوا ہے۔

○ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ ۳۰/۴۱ خشکی اور اجتماعی اور انفرادی آرام و آلام کے اسباب انسان خود پیدا کرتا ہے۔

مثلاً اگر انفرادی طور پر کوئی شخص پہلی تاریخ کو تنخواہ لے کر جوئے میں ہرا دے تو مہینہ بھر کی تنگدستی اور پریشان حالی اس کے لئے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوگی۔ اللہ کی نہیں' اجتماعی تکلیف کی مثال قرآن مجید میں موجود ہے کہ جنگ احد میں جب عقبی درّے کو غیر محفوظ چھوڑ دیا گیا تو صحابہؓ کی اس غلطی کی بدولت دشمن نے پیچھے سے حملہ کر کے لشکر اسلام کو کاٹنا شروع کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی فتح مبدّل بہ شکست ہوگئی۔ اس واقعہ کے مطابق سورہ آل عمران میں بالفاظ ذیل خبر دی گئی ہے:۔

○ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ط قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ ۳/۱۶۵ اور کیا جب تمہیں شکست کی مصیبت پہنچی حالانکہ تم نے اس سے دگنی شکست انہی کو (جنگ بدر میں) دی تھی۔ تم نے کہا کہ ہمیں یہ شکست کہاں سے آئی ہے۔ اے رسولؐ کہہ دیجئے گا کہ یہ تمہارے اپنے ہی افراد کی طرف سے آئی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالی تو فتح و شکست سمیت ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے' پس قرآن کریم کی رو سے ثابت ہے کہ ہر رنج و راحت رب تعالی کے متعینہ قوانین مشیت کے مطابق ہی آتی ہے۔

ہدایت و گمراہی بھی ہر شخص خود اختیار کرتا ہے:۔ اگلی آیات مجیدہ میں قرآن مجید کو ذریعہ ہدایت بتا کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہدایت یا گمراہی اختیار کرنا انسان کا اپنا کام ہے۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ۝۱۰۸

(۱۰۸) (اے رسولؐ) کہہ دیجئے گا کہ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق قرآن آگیا ہے پس جو کوئی اس سے ہدایت پائے سوائے اس کے نہیں کہ وہ اپنے ہی لیے ہدایت پاتا ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہوجائے تو سوائے اس کے نہیں کہ اس گمراہی کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا اور میں تم پر داروغہ نہیں (کہ زبردستی ہدایت دوں۔)

○ بالکل یہی الفاظ سورۃ زمر میں آئے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ج فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ○ ۳۹/۴۱ (اے رسولؐ) بے شک ہم نے آپ پر لوگوں کے لئے اپنی سچی کتاب نازل فرمائی ہے پس جو کوئی خود ہدایت

پائے وہ اپنے ہی لئے ہدایت پائے گا۔ اور جو کوئی خود گمراہ ہوجائے تو سوائے اس کے نہیں کہ اس کی گمراہی کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا۔ اور آپ ان پر داروغہ نہیں (کہ انہیں زبردستی ہدایت دیں۔) ان آیات مجیدہ میں **اِنَّمَا** کلمہ حصر لاکر اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہدایت پانا یا گمراہ ہوجانا انسان کا اپنا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی کو زبردستی ہدایت دیتا ہے اور نہ کسی کو زبردستی گمراہ کرتا ہے یہی اس کا قانون مشیت ہے۔

محکمات و متشابہات ○ ہدایت و گمراہی کے ضمن میں بعض آیات مجیدہ متشابہات ہیں جن کی اساس پر بعض علماء کرام ہدایت و گمراہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے اور بر سر منبر اعلان کرتے ہیں **مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ** یعنی جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرنے والا ہے اور جسے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ادھر باری تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ گمراہوں کو دردناک عذاب میں گرفتار کیا جائے گا۔ لیکن غور طلب یہ امر ہے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی گمراہ کرے اور خود ہی گمراہ کردہ کروڑوں افراد کو سزا بھی دے۔ ظاہر ہے کہ یہ امر ہرگز ہرگز ذات باری کے شایان شان نہیں۔

○ یہ غلط نظریہ اس قدر زبان زد عوام ہے کہ ہدایت و گمراہی کے متعلق جہاں بھی ذکر آجائے تو اچھے بھلے پڑھے لکھے افراد جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی مرضی ہے جسے چاہے ہدایت دے' جسے چاہے گمراہ کر دے۔ معاذ اللہ! استغفراللہ!

○ یہ ٹھیک ہے کہ مذکورہ قسم کے الفاظ ذیل سورہ زمر میں آئے ہیں **وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ○ وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ** ط ۳۶۔ ۳۹/۳۷ لیکن یہ دونوں آیتیں متشابہات ہیں جن کا مفہوم محکمات کے ماتحت رکھنا لازم ہے تاکہ ایک تو آیات قرآنیہ میں تضاد ثابت نہ ہونے پائے کیوں کہ ۴/۸۲ کے مطابق ہر وہ تدبر غلط ہے جس سے قرآن مجید میں اختلاف ثابت ہوتا ہو۔ جیسا کہ اسی سورہ زمر کے الفاظ صرف چار آیتیں آگے ۳۹/۴۱ کے پیچھے گزر چکے ہیں جو ۱۰/۱۰۸ کے عین مطابق ہیں کہ ہدایات پانا اور گمراہ ہونا انسان کا اپنا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں کہ لوگوں کو پہلے تو خود گمراہ کرے اور پھر خود ہی سزا دے۔ نہ ہی زبردستی ہدایت دیتا ہے نہ زبردستی گمراہ کرتا ہے۔

○ واضح رہے کہ مذکورہ بالا آیتیں ۳۹/۴۱ + ۱۰/۱۰۸ محکمات ہونے کا واضح ثبوت یہ ہے کہ یہ عدل وانصاف کے عین مطابق ہیں کہ جو کوئی ہدایت پائے وہ اس کی جزا کا مستحق ہو اور جو گمراہ ہوجائے وہ خود گمراہ ہو اور اس کی بدولت سزا کا مستوجب ہو۔ پس آیات بالا ۳۶۔ ۳۹/۳۷ متشابہات ہیں جنہیں محکمات کے ساتھ ٹکرانے کی بدولت ان کے ماتحت رکھا جائے گا۔ متشابہ آیات کا مفہوم معہ متن یہ ہے:۔

○ **وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ○ وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ**○ ۳۶۔ ۳۹/۳۷ اور جسے اللہ تعالیٰ (اس کی انتہائی نافرمانیوں کی بدولت) گمراہ ٹھہرا دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں نیز جس کو اللہ تعالیٰ اس کی کمال اطاعت کی بدولت ہدایت یافتہ قرار دیدے۔ اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ اسی ہدایت اور گمراہی کے ضمن میں

محکم آیت مجیدہ ○سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے: **وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ** ○ ۴۲/۱۳ اور وہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف اسے ہدایت دیتا ہے اس کی راہنمائی کرتا ہے۔ جو خود اس کی طرف رجوع کرتا ہے یہ آیت محکم ہے کہ عدل و انصاف کے بھی مطابق ہے اور قواعد عرب کی رو سے بھی اس کے صرف مذکورہ بالا ایک ہی معنی برآمد ہوتے ہیں۔

متشابہ آیت مجیدہ ○ سورہ حج میں ارشاد ہوا ہے : **وَاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ** ○ ۲۲/۱۶ یہ آیت مجیدہ متشابہ ہے کیوں کہ قواعد عرب کی رو سے اس کے دو معنی برآمد ہوتے ہیں:-

۱۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دیتا ہے کہ ہدایت حاصل کرنے کا وہ خود ارادہ کرتا ہے۔

۲۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دیتا ہے جسے ہدایت دینے کا خود (اللہ) ارادہ کرتا ہے۔

○ قواعد عرب کی رو سے یہ دونوں معنی صحیح ہیں۔ یعنی فعل **یُرِیْدُ** کا فاعل **مَنْ** بھی ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ہو سکتا ہے لیکن چونکہ اس کا فاعل اللہ کو بنانے سے ناموس باری داغدار ہوتی ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے خود ہدایت دینے کا ارادہ نہیں کیا تو اس کے ہدایت نہ پانے میں معاذ اللہ قصور اللہ تعالیٰ کا ہے۔ بندے کا نہیں۔ اس لئے اس آیت ۲۲/۱۶ متشابہ کو محکم آیت ۴۲/۱۳ کے ماتحت رکھ کر یہ مفہوم لینا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے ہی ہدایت دیتا ہے۔ جو ہدایت حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اگلی سورہ یونس کی آخری آیت مجیدہ میں ہے جس میں نبی اکرمؐ کو صرف وحی الٰہی قرآن کریم کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیوں کہ واجب الاتباع صرف قرآن مجید ہے:

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝	(۱۰۹) اور آپ اس کی اتباع کریں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ (قرآن کریم) اور مستقل مزاجی کے ساتھ تبلیغ کا کام جاری رکھیں حتیٰ کہ اللہ آخری فیصلہ کر دے۔ وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

○ سورہ یونس کی آخری آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ کی کامیابی آپ کی مستقل مزاجی اور انتھک محنت کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا آخری فیصلہ فتح مکہ تھی جس کے متعلق خوش خبری دی گئی تھی **اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا** ○ ۲-۱/۱۱۰ جب اللہ کی مدد یعنی فتح آجائے گی تو آپ دیکھیں گے کہ اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہوں گے۔ **سَلٰمٌ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ**

آیاتھا ۱۲۳ — (۱۱) سُوْرَۃُ ھُوْدٍ — رکوعاتھا ۱۰

یہ سورہ مجیدہ ۱۲۳ آیات مجیدہ پر مشتمل ہے۔ پوری سورہ مجیدہ عالمگیر نصائح اور سابقہ نافرمان قوموں کے ذکر سے معمور ہے تاکہ اس کے قاری ان کے حالات سے عبرت پکڑیں۔

سابقہ سورہ مجیدہ کے ساتھ ربط

سابقہ سورہ یونس اس حکم پر ختم ہوئی ہے **واتبع مایوحی الیک** یعنی اے رسول! اس چیز کی اتباع فرمائیں جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ اور اس سورہ مجیدہ کی ابتدا میں اس وحی کی گئی چیز کی وضاحت کی گئی ہے۔ کہ وہ ایک اکلوتی کتاب ہے جس کی متشابہ آیتیں بھی محکم آیات کے ذریعہ محکم کر دی گئی ہیں اور پھر بڑھ کر صاحب حکمت اور بڑھ کر خبر رکھنے والی ذات مقدس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفصل کر دی گئی ہیں یعنی کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔

سورہ ہود کا نفس مضمون بھی سابقہ سورہ مجیدہ یونس کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اس میں موسیٰ اور یونس کا ذکر آیا ہے اور اس میں نوح، ہود، ابراہیم، لوط، شعیب اور موسیٰ سلام علیہ کے حالات بیان ہوئے ہیں انبیاء سلام علیہم کے عزم و استقلال کی خبریں بھی دے دی گئی ہیں۔ سورہ مجیدہ کے شروع میں حروف مقطعات کے ذریعہ نبی اکرمؐ کو خطاب کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝١

اللہ رحمان و رحیم کے نام سے پڑھ تو اے امین۔ لین القلب راکع! ایک اکلوتی کتاب (جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے) اس کی آیتیں محکم کر دی گئی ہیں اور پھر وہ بڑھ کر حکمت والے اور بڑھ کر خبر رکھنے والے کی طرف سے مفصل کر دی گئی ہیں۔

حروف مقطعات کی بحث دیباچہ میں گزر چکی ہے کہ یہ نبی اکرمؐ کے وہ القاب گرامی ہیں، جن کے ساتھ باری تعالیٰ نے آپ کو مخاطب فرمایا تھا۔ الف سے مراد ہے امین۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو امانت داری کے ساتھ بغیر کسی کمی و بیشی کے لوگوں تک پہنچانے والا۔ لام سے مراد ہے لین القلب یعنی انتہائی گداز ذہن والا، جو عوام کی بدحالی میں گھلتا رہتا تھا۔ اور جس کی ہمہ وقت کوشش یہ تھا کہ نوع انسانی مصائب و آلام کے جہنم سے نکل کر خوشحالی اور فارغ البالی کی جنت میں داخل ہو جائے۔ اور را سے مراد ہے راکع یعنی قانون الٰہی کے سامنے ہروقت عملاً" جھکا رہنے والا، یعنی اپنی خواہشات پر احکام الٰہی کو مقدم قرار دینے والا۔

ان گرانقدر خطابات کے ساتھ نبی اکرمؐ کو مخاطب کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے كِتٰبٌ ایک اکلوتی کتاب ہے۔ یعنی پیچھے صرف مایوحی کے الفاظ میں جس چیز کے وحی کئے جانے کی خبر اور جس کی اتباع کا حکم کیا گیا ہے وہ ایک کتاب ہے (قرآن مجید) نہ اس کے سوا کوئی اور چیز وحی کی گئی ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور چیز وحی ہوئی ہے۔ اکیلا قرآن مجید کتاب مقدس ہی وحی الٰہی ہے۔

احکمت أیتہ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اس کتاب قرآن مجید کی آیتیں محکم کر دی گئی ہیں اس سے ظاہر ہے کہ سورہ آل عمران ۳/۷ میں جو خبر دی گئی ہے۔ **مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ**

فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ ۳/۔
(وقف لازم)

قرآن مجید میں کچھ آیتیں محکمات ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری قسم متشابہات ہیں (یعنی جن سے محکمات کے خلاف شبہ پیدا ہوتا ہے) وہ محکمات کی مثل و مانند ہیں۔ مگر جن لوگوں کے ذہنوں میں ٹیڑھا پن ہے وہ اس مفہوم کی اتباع کرتے ہیں جس سے محکمات کے خلاف شبہ پیدا ہوتا ہے۔ ان کی غرض فتنہ و فساد اور من مانی تاویل کی تلاش ہے اس کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آیت مجیدہ کے ان الفاظ **احکمت اٰیٰتہٗ** میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متشابہ آیات مجیدہ کو خود محکم کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ بہت بڑھ کر حکمت والا اور بہت بڑھ کر خبر رکھنے والا ہے۔ محکمات کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہے **ھن ام الکتب** کہ قرآن مجید کی اصل و بنیاد محکمات ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ متشابہ آیتیں جن سے محکمات کے خلاف شبہ پیدا ہوتا ہے انہیں ان محکم آیتوں کے ماتحت رکھا جائے گا یعنی ان کا وہ مفہوم لیا جائے گا جو محکمات کے مطابق ہو پس آیت بالا کے واضح **احکمت اٰیٰتہٗ** کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ متشابہ آیات مجیدہ کو محکمات کے مفہوم کے ساتھ محکم کر دیا گیا ہے ورنہ وہ متشابہ تو ہیں ہی۔ مگر وہ لوگ جو ان کا فتنہ انگیز مفہوم اخذ کرتے ہیں ان کے اذہان ٹیڑھے ہیں وہ دین میں فتنہ پیدا کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر بلاغ القرآن کے صفحات میں بارہا لکھا جا چکا ہے کہ یہ عقیدہ جو زبان زد عوام ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے یہ انتہائی فتنہ پرور نظریہ ہے جس سے ہر گمراہ اور بدکار شخص یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ میں جو بدکار ہوں تو مجھے اللہ تعالیٰ نے خود بدکار اور گمراہ رکھا ہے۔ اتنی دیدہ دلیری کہ اپنی بدکاریوں کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ کو قرار دے دیا جائے۔ یہ صرف متشابہات کے فتنہ انگیز مفہوم کی بدولت ہے۔ حالانکہ آیات محکمات کے ذریعہ اعلان کر دیا گیا ہے:۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ○ ۴۱/۴۶ جو کوئی اچھے عمل کرتا ہے۔ پس وہ اس کی اپنی جان کے لیے ہے اور جو کوئی برے عمل کرتا ہے ان کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب (خود برے عمل کروا کر) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ اب بتایئے! کیا اس محکم آیت کی موجودگی میں یہ تصور بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے گمراہ کر دے۔ کیا وہ ظلّام ہے جو بندوں سے زبردستی برے عمل کرواتا ہے؟ پس جن آیتوں سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے وہ متشابہات ہیں۔ اللہ نے انہیں اپنی آیات محکمات کے ذریعے محکم کر دیا ہے۔ ان کا مفہوم محکمات کے ماتحت رکھنا لازم ہے۔ تاکہ نہ فتنہ انگیزی کے مجرم ہوں اور نہ اپنے جرم اللہ کے ذمہ لگانے کا ارتکاب کیا جا سکے۔

احکمت اٰیٰتہٗ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس کی آیتیں پُر حکمت کر دی گئی ہیں۔ یہ مفہوم بھی صحیح ہے مگر اول الذکر مفہوم اس سے بہتر ہے۔ جو فتنہ انگیزی کے انسداد کا ضامن ہے اور جس قدر بھی نئے یا پرانے فتنے سامنے آتے ہیں' وہ سب کا واحد قرآنی حل ہے۔

فصلت من لدن حکیم خبیر کے الفاظ میں ایک اہم حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی تفصیل اللہ ہی کر سکتا ہے کیونکہ وہی صاحب علم و حکمت ہے۔ سورہ فرقان میں ارشاد ہوا ہے **وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا** ۲۵/۳۳۔ اور اے رسولؐ! لوگ آپ کے پاس قرآن کی مثل نہیں لائیں گے۔ مگر ہم ہی ہیں جو آپ کے پاس قرآن حکیم بھی لاتے ہیں اور اس کی احسن تفسیر بھی لاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی کتاب کی تفسیر و تشریح وہ شخص کر سکتا ہے جو یا تو صاحب کتاب کے علم سے زیادہ علم رکھتا ہو اور یا کم از کم اس کے برابر کے علم کا مالک ہو۔ مگر چونکہ قرآن مجید کتاب ہے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے علم سے زائد علم ہونا تو درکنار اس کے علم کے برابر بھی کوئی علم نہیں رکھتا۔ اسی لیے اپنی کتاب کا مفسّر اور مشرّح وہ خود آپ ہے کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی قرآن کریم کی تفسیر و تشریح کرنے کا مجاز نہیں۔

سورہ شوریٰ میں خبر دی گئی ہے کہ اپنے دین کی تشریح خود اللہ تعالیٰ نے فرما دی ہے۔ **شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ** ۴۲/۱۳۔ تمہارے لیے دین کی تشریح خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے جو لوگ غیر اللہ سے قرآن کی تشریح کرواتے ہیں وہ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ** ۴۲/۲۱۔ کیا انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرا لئے ہیں جو ان کے لیے دین کی تشریح کریں۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز اجازت نہیں دی۔ بلکہ دین کی تشریح اس نے خود کر دی ہے۔ (۴۲/۱۳) نیز غیر اللہ سے دین کی تشریح کرانا اس قدر غیر پسندیدہ عمل ہے کہ ارشاد ہوا ہے۔ **وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** ۴۲/۲۱۔ اگر قیامت تک کی مہلت کا فیصلہ نہ کر دیا گیا ہوتا تو ان کا یہیں فیصلہ کر دیا جاتا۔ بیشک دین اللہ کی غیر اللہ تشریح کرنے والے ظالموں کے لیے درد ناک عذاب ہے، دیکھا آپ نے ایک طرف غیر اللہ شارعین دین کو شرک کے مرتکب قرار دیا گیا ہے ۴۲/۲۱، اور دوسری طرف ان کے لیے درد ناک عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ ۴۲/۲۱

اگلی آیات مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو خطاب جاری کرتے ہوئے آپ کے ذریعہ نوع انسانی کو حکم دیا گیا ہے۔

أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنَّنِي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ﴿٢﴾	(یہ کہہ دیجئے گا) اللہ کے سوا کسی کی فرمانبرداری نہ کرو بیشک میں تمہیں نافرمانی کی سزا سے ڈرانے والا اور اطاعت کی جزا کی خوشخبری دینے والا ہوں۔
وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿٣﴾	اور یہ کہ اپنے رب کے حضور بخشش مانگو پھر برے کاموں سے باز آکر اس کی طرف رجوع کرو۔ وہ تمہیں وقت مقررہ تک اچھا فائدہ دے گا اور وہ ہر نیک عمل کرنے والے کو اس کے اچھے عملوں کی جزا دیگا اور اگر تم روگردانی کرو تو میں تم پر بڑے دن کا عذاب آنے سے ڈرتا ہوں۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝	تمہارا قیامت کو اعمال کی جواب دہی کیلئے حاضر ہونا اسی کی عدالت میں ہے وہ ہر چیز کے ٹھیک ٹھیک انداز سے پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے۔

○ ۱۔ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ یعنی رب تعالیٰ سے بخشش مانگنے کا یہ تصور مطلقاً غلط ہے کہ محض زبان سے توبہ توبہ کر لی جائے یا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ کا ورد کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ توبہ اس کی قبول ہوتی ہے جو آئندہ کے لیے برے اعمال یکسر ترک کر دے' اور آئندہ کے لیے نیک عمل بجا لانے شروع کر دے' جیسے کہ سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے:۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۶/۱۱۹ پھر بے شک تمہارا رب ان لوگوں کے لیے جو نادانی سے برے عمل کرتے ہیں۔ پھر وہ اس کے بعد توبہ کریں یعنی برے کاموں سے باز آجائیں اور اصلاح کے کام (یعنی نیک کام) کرنے لگیں۔ تو بے شک تیرا پروردگار اس کے بعد غفور رحیم ہے۔ یعنی برے کاموں سے باز آنے اور نیک کام شروع کر دینے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

۲۔ وَيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ کا لفظی معنٰی یہ ہے کہ وہ اللہ ہر بزرگی والے کو اس کی بزرگی عطا کرے گا یہ ایک محاورہ ہے۔ اور اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی بھی بزرگی والے یعنی نیک کام کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس کے نیک کاموں کی نیک جزا دے گا۔

۳۔ الی اللہ مرجعکم کا لفظی معنٰی یہ ہے کہ تمہارا لوٹ کر جانا اسی یعنی اللہ ہی کی طرف ہے لیکن اس کا روایتی مفہوم غلط ہے کہ انسان اللہ ہی میں سے نکلا ہوا ہے۔ اور اس نے اسی میں لوٹ کر چلے جانا ہے۔ چنانچہ اسی نظریہ کی رو سے بزرگوں کی وفات کو وصال کے الفاظ سے ظاہر کیا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ کا وصال ہو گیا ہے' واصل باللہ ہو گئے ہیں یہ تصور مطلقاً غلط ہے الی اللہ مرجعکم کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ نوع انسانی کے ہر فرد کو قیامت کو دوبارہ اٹھنا اور اور اس کے اعمال کی جواب دہی کے لیے' اللہ تعالیٰ کی عدالت عالیہ میں حاضر ہونا ہے۔ جس کے متعلق محکم آیات مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○ ۷/۸-۹' اور یاد رکھو موازنہ اعمال قیامت کا حق ہے پس جن کا موازنہ اعمال نیکیوں کا بھاری ہو جائے گا۔ وہ کامیاب ہوں گے اور جن کا موازنہ اعمال نیکیوں کا ہلکا ہو جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹا پہنچایا۔ وہ اس لیے ناکام ہو جائیں گے کہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ظلم:۔ باری تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ظلم کی متعدد صورتیں ہیں۔

۱۔ سر فہرست یہ ہے کہ اس کی آیتوں کو پڑھنا اور ان پر عمل نہ کرنا۔

۲۔ اس کی آیتوں کا ورد تو کرنا' ان کی تلاوت کو روز مرہ کا وظیفہ تو ٹھہرانا مگر یہ نہ سمجھنا کہ ان میں کیا حکم دیئے گئے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی بجائے صرف گھول کر پینا۔

۴۔ بعض آیتوں کو منسوخ الحکم قرار دینا۔ کہ یہ صرف تلاوت کے لیے ہیں ان کا حکم ختم کر دیا گیا ہے۔
۵۔ آیات قرآنیہ کے خلاف عقیدہ رکھنا اور ان کے خلاف عمل کرنا اس کی آیتوں پر صریح ظلم ہے جس کی سزا اخروی زندگی کی ناکامی بتائی گئی ہے۔

ھو علی کل شی قدیر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے۔ قیامت کی عدالت عالیہ میں اعمال کی جواب دہی کا قانون صد فیصد صحیح اور درست ہے یعنی جو لوگ اس زندگی میں اپنے گناہوں کی سزا اس لیے نہ پاسکیں کہ انہیں بے پایاں وسائل میسر ہیں۔ کیا انہیں ان کے گناہوں کی سزا نہیں ملنی چاہیئے؟ اور اسی طرح جن لوگوں پر اس زندگی میں ظلم ہوا اور ان کی مظلومیت کی جزا اس دنیا میں نہیں ملی' تو کیا انہیں جزا نہیں ملنی چاہئے؟ ایسا ہونا چونکہ عدل و انصاف کے خلاف ہے اس لیے قیامت کی عدالت عالیہ کی حاضری کا قانون مقرر کرنا صد فیصد صحیح اور درست ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں ضابطہ الہٰی کے منکروں کے متعلق خبردار کیا گیا ہے۔

أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑤

خبردار رہو اور سنو کہ بیشک یہ روگردانی کرنیوالے اپنے ذہنوں کو کوتہ کرتے لپیٹتے ہیں۱ تاکہ اس سے چھپے رہیں۲ سنو جس وقت وہ اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں (یعنی بھاگ جانے کی تیاری کرتے ہیں۳) تو وہ (اللہ) جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بلا شبہ وہ ذہنی پوشیدگیوں تک کو بہت بڑھ کر جاننے والا ہے۔

۱۔ **يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ** کا لفظی معنی یہ ہے کہ وہ اپنے ذہنوں کوتہ کرتے یعنی لپیٹ لیتے ہیں۔ ذہنوں کوتہ کرنا محاورہ ہے جو کسی بات کو ارادۃً" نہ سننے کے لیے آتا ہے۔ ضابطہ حیات۔ چونکہ سرمایہ داروں' جاگیرداروں اور کارخانہ داروں وغیرہ استحصالی لوگوں کے خلاف ہے۔ اس لیے بتایا گیا ہے کہ وہ اسے سننا چاہتے ہی نہیں تھے' وہ اپنے ذہنوں کو اس کے لئے کشادہ نہیں کرتے تھے تنگ ذہنی اور تنگ نگہی سے سنتے تھے۔

۲۔ **لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ** کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اس سے ان کی غرض یہ تھی۔ کہ اس ضابطہ قانون سے چھپے رہیں جو ان کے استحصالی نظریہ' تصور اور اعمال کی مخالفت کرتا اور انہیں غلط قرار دیتا ہے۔

۳۔ **يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ** کا لفظی معنی ہے وہ اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں۔ یہ بھاگ جانے اور فرار ہو جانے کے لئے محاورۃً" آتا ہے۔ کیونکہ کوئی شخص جب کسی جگہ سے بھاگ جانا چاہتا ہے تو پہلے اپنے کپڑوں کو لپیٹتا اور سمیٹتا ہے وہ لوگ جو عوام کا استحصال کرتے تھے۔ جب وہ نبی اکرمؐ کے درس قرآن میں آتے یا کسی طرح لے آئے جاتے تو پہلے تو وہ یثنون صدورھم کرتے یعنی کشادہ ذہنی کے ساتھ اللہ کا کلام سنتے ہی نہ تھے اور پھر وہاں سے بھاگ جانے کی تیاری کرکے بھاگ جاتے۔

ہر جاندار کے لیے رزق پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ○ اگلی آیت مجیدہ انتہائی اہم ہے۔ جس سے یہ غلط تصور لے لیا گیا ہے کہ دنیا میں جن لوگوں کو تنگی کے ساتھ رزق میسر ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اپنے نظام کے مطابق ہے اور جسے

فراخی میسر ہے یہ بھی اسی کی طرف سے ہے۔ اور اس طرح استحصالی لوگ دل کھول کر عوام کا استحصال کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں حضرت انسان سمیت زمین پر رہنے والے ہر جاندار کے متعلق اعلان کر دیا گیا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴿٦﴾
(٦)

اور زمین میں نہیں کوئی بھی جاندار مگر سب کیلئے (رزق کے سامان پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ اللہ خوب جانتا ہے اس کے رہنے کی جگہ کو اور وہ اس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی جانتا ہے۔ یہ سب کچھ بصورت مشہود اس کی کھلی کتاب کائنات میں موجود ہے۔

حیوانات اور حصول رزق **اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا** کا مفہوم گیا یہ ہے کہ جب:۔
ہر کسی کا رزق اللہ کے ذمہ ہے تو اب کسی کو حصول رزق کے لیے کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیے؟ **مَا مِنْ دَآبَّةٍ** میں ہر جاندار شامل ہے اور رزق سے متعلقہ حقائق کے لیے اعلان کر دیا گیا ہے' **كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ** یعنی ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری کا مشاہدہ اللہ کی کھلی کتاب کائنات میں ہر آن موجود ہے۔ آیئے! کائنات میں ملاحظہ فرمائیں کہ ہر صبح کو ہر جاندار روزی کی تلاش میں گھر سے نکل پڑتا ہے۔ چڑیا' کوے' فاختائیں' بلیاں' کتے حتیٰ کہ چیونٹیاں تک رزق کے تلاش میں نکل پڑتی ہیں۔ جنگلی جانور شیر' چیتے' بھیڑیئے' لومڑ شکاری جانور بھی تلاش رزق میں کوشاں ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہرن' جنگلی بکرے اور خرگوش تک سب خود تلاش رزق کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے اپنی رزق کی ذمہ داری کے مطابق ہر قسم کے جنگلی جانوروں کے لیے جنگل میں ان کے رزق کا سامان مہیا کر رکھا ہے۔ شکاری جانوروں کے لیے جنگل میں شکار کا سامان موجود ہے اور غیر شکاری جانوروں' ہرن' بکری' بارہ سینگوں اور گایوں وغیرہ کے لیے جنگل کی پوری چراگاہیں' اللہ تعالیٰ کا بچھا ہوا دسترخوان ہے' مگر ہر جانور کو حصول معاش کے لیے خود اٹھنا پڑتا ہے جنگل میں جانا اور خوراک حاصل کرنی ہوتی ہے۔ مشاہدہ یہی ہے جس کے متعلق باری تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے **کل فی کتاب مبین**' یعنی کہ رزق کی الہی ذمہ داری کا مشاہدہ کتاب کائنات کے کھلے اوراق میں موجود ہے کہ اللہ نے رزق مہیا کر دیا ہے' اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد ہر جاندار کو اپنے گھر سے اپنی غار سے نکل کر خود کرنی ہوتی ہے کسی کی غار میں رزق کبھی نہیں پہنچتا۔

انسان اور حصول رزق اب آیئے حضرت انسان کی طرف! جب تک انسان غاروں میں رہتا تھا اس وقت تک جنگل کے خود رو میوے اس کی خوراک اور بہتے چشموں کا پانی اس کا مشروب تھا۔ لیکن جب اس نے غاروں سے نکل کر بستیوں میں رہنا شروع کر دیا۔ رہائش کے لیے پہلے جھونپڑیاں بنائیں پھر کچے اور پکے مکان بنائے۔ غذا کے لیے ہر قسم کے اجناس حاصل کرنے کے لیے زراعت کا سلسلہ جاری کیا۔ جنگلی گائیں' بھینسوں اور بھیڑ بکریوں سے دودھ حاصل کیا۔ تو اس کی ان ضروریات کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنگلوں میں مذکورہ قسم کے دودھ دینے والے جانوروں کی وافر مقدار پہلے ہی پیدا کر رکھی تھی۔ انہیں پکڑنا اور جنگلی مزاج سے شہری مزاج میں ڈھالنا' اس کا اپنا کام تھا جو اسے خود ہی کرنا پڑا اور اس نے خود ہی کیا۔
زراعت کے لیے باری تعالیٰ نے رزق کی فراہمی کے تمام ذرائع مہیا کر رکھے ہیں۔ زمین کے اندر فصلوں کو اگانے کی

خصوصیت مہیا کر دی ہوئی ہے۔ انہیں بڑھانے اور پکانے کے لیے سورج کی بہت بڑی بھٹی دہکا رکھی ہے پھر موسموں کی تبدیلی اور دن رات کے بدل بدل کر آنے کا انتظام' فصلوں ہی کے پیدا کرنے بڑھانے اور پکانے کے لیے ہے فصلوں کو سیراب کرنے کے لیے بارشوں اور دریاؤں کا اہتمام کر دیا ہوا ہے کہ فصلوں کو بارش کے پانی سے بھی سیراب کیا جاسکتا ہے اور دریاؤں سے نہریں نکال کر بھی یہ ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رزق کی ذمہ داری کہ اس نے اس کے حصول کے لئے مکمل سامان مہیا کر دیئے ہیں حصول رزق میں فصلیں بونا کاٹنا اور گاہنا انسان کا اپنا فرض ہے۔

○ **یعلم مستقرھا** کے الفاظ میں ہر جاندار کی رہائش کو جاننے کی خبر دی گئی ہے۔ پرندے درختوں پر رہتے ہیں' ان کے لیے درخت مہیا کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن گھونسلا بنانا ان کا اپنا کام ہے۔ جنگلی جانور غاروں یا خود کھودی ہوئی کچھاروں میں رہتے ہیں۔ ان کے لیے پتھریلی غاریں بھی مہیا کر دی گئی ہیں اور نرم زمین بھی۔ اس کے علاوہ انسان کو چونکہ ترقی پسند پیدا کیا گیا ہے جو نہ غاروں پر اکتفا کر سکتا ہے نہ کچے مکانوں اور نہ عام پختہ مکانوں پر۔ اس لیے اس کے لیے سیمنٹ' بجری' لوہا وغیرہ ہر چیز کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ نئے سے نئے اعلیٰ مکانوں کا مشاہدہ کائنات کی کھلی کتاب میں موجود ہے۔

مستودعھا میں مستودع کا سہ حرفی مادہ ۔ و۔د۔ ع ہے جس کا بنیادی معنی ہے وداع کرنا امانت میں دینا سونپنا۔ وداع کرتے وقت کہا جاتا ہے فی امان اللہ۔ یعنی مسافر کو اللہ تعالیٰ کو سونپا جاتا ہے۔ مستودع ظرف مکان ہے یعنی امانت میں دیئے جانے اور سونپے جانے کی جگہ۔ اسی طرح آیت زیر بحث میں آمدہ لفظ مستقر بھی ظرف مکان ہے' یعنی قرار پکڑنے اور رہنے کی جگہ۔ سابقہ مفسرین نے مستقر کا معنی لیا ہے ماں کا پیٹ' جہاں بچہ صرف نو ماہ قرار پکڑتا ہے اور مستودع کا معنی لیا ہے قبر۔ لیکن یاد رہے چونکہ یہ الفاظ **مامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا** کے ضمن میں آئے ہیں' اسلیے مستقر اور مستودع کا تعلق ہر جاندار کی زمینی زندگی کے ساتھ ہے۔ اور اس کے رزق اور مستقر یعنی اس کی خوراک اور رہائش سے متعلق ہے۔ اس لیے مستقر اور مستودع کا معنی ماں کا پیٹ اور قبر صحیح نہیں ہے بلکہ زمین کے ہر جاندار کی زمینی زندگی میں اس کی ضروریات رہائش اور خوراک کو اللہ کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔

نیز باری تعالیٰ نے ہر جاندار کے مسئلہ مستقر اور مستودع کو سمجھنے کے لیے اعلان کر دیا ہے **کل فی کتب مبین** زمین کے ہر جاندار کے مستقر (جائے قرار۔ رہائش) اور مستودع (سونپے جانے کی جگہ) کا مشاہدہ کائنات میں اس کھلی کتاب میں موجود ہے۔ بالفاظ دیگر مشاہدہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ہر جاندار کے مستقر کا مسئلہ حل کر دیا ہے اور کس طرح بعض جاندار انسانوں کو' اور انسان ریاستی نظام کو سونپے گئے ہیں۔ غور فرمائیں کہ گائے بھینس بھیڑ بکریاں اور گھوڑے گدھے وغیرہ سب جنگلی جانور ہیں' جو جنگل سے نکال کر انسان کو سونپے جاچکے ہیں۔ جب تک یہ جنگل میں تھے اللہ تعالیٰ کی رزق کی ذمہ داری یہ تھی کہ اس نے چراگاہیں اور چشمے پیدا کر رکھے ہیں۔ یہ خود رزق کی تلاش میں نکلتے اور کھلی چراگاہوں سے پیٹ بھرتے اور قدرتی چشموں سے سیراب ہوتے تھے۔ مگر جب حضرت انسان نے انہیں اپنی سونپ میں لے لیا' اور اپنے کھونٹے پر باندھ دیا تو اب ان کے رزق کی ذمہ داری انسان کو سونپی گئی ہے۔ اب ان کے لیے چارہ لانا اور ان کے آگے ڈالنا خود انسان کا کام ہے۔ اگر کبھی ایسا ہو کہ کوئی گائے بھینس دھوپ میں بندھی ہو' پیاس کی شدت سے اس کی بالشت بھر زبان نکلی ہوئی ہو۔ مالک نے اسے صحن میں باندھ کر تالا لگا دیا ہو۔ تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ اسے پانی پلا دے۔ یا چارہ کھلا

دے۔ وہی پانی پلاتا ہے اور چارہ کھلاتا ہے جس نے اسے اپنے کھونٹے پر باندھا ہوتا ہے یہ ہے ان کا مستودع۔ یہی حال ریاستی کھونٹوں کا ہے کہ ہر ریاست کے عوام الگ الگ ریاستی کھونٹوں پر بندھے ہوئے ہیں یہ انکا مستودع ہے وہ ریاست کے جائز و ناجائز سب ٹیکس ادا کرتے ہیں جس طرح گائے بھینس اور گھوڑے گدھے اپنے کھونٹے پر باندھنے والا ان سے کام لینے کا مستحق بھی ہے اور ان کے رزق کا ذمہ دار بھی اسی طرح ہر ریاستی نظام' ریاستی کھونٹے پر بندھے ہوئے عوام سے ٹیکس وصول کرنے کا حق دار بھی ہے' اور ان کی ضروریات زندگی کا ضامن بھی کہ کوئی فرد ریاست نہ بھوکا ہو نہ ننگا نہ بے علاج ہو نہ بے مکان۔

اگلی آیت مجیدہ میں تخلیق سماوات و ارض کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ یہ چھ وقفوں میں مکمل کی گئی تھی۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ⑦

(اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقفوں میں پیدا فرمایا ور اس نے نے ربوبیت (کا مدار) پانی پر رکھا ہے۔ تاکہ وہ تمہیں ظاہر کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل بجا لاتا ہے۔ اور (اے رسول ﷺ) اگر آپ انہیں کہیں کہ تم موت کے بعد (قیامت کو) زندہ کئے جاؤ گے تو وہ کہیں گے' جو انکار کرنے والے ہیں کہ یہ کھلا جھوٹ ہے

ارض و سماوات کی تخلیق کے چھ مرحلوں کی تفصیل قرآنی یہ ہے۔

ابتدائی اولین مرحلہ میں زمین و آسمان ملے جلے تھے۔ ان کا ایک ہی ہیولہ تھا۔ دوسرے مرحلے میں انہیں جدا جدا کر دیا گیا۔ ارشاد باری ہے۔ **أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط** ۲۱/۳۰ اور کیا ضابطہ الٰہی کا انکار کرنے والے غور نہیں کرتے یعنی انہیں غور کرنا چاہیے کہ سارے آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا۔ اور ہم نے ہر چیز کی زندگی کا مدار پانی پر رکھا۔ یہ ہیں تخلیق ارض و سماوات کے پہلے دو مرحلے۔

اس کے بعد کے دو مرحلوں میں زمین کی تخلیق فرمائی گئی' جس کی خبر آیت ذیل میں دی گئی ہے۔ **قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ** ۴۱/۹ (اے رسول ﷺ) ان سے فرمایئے گا کہ کیا تم اس عظیم الشان ذات کا انکار کرتے ہو جس نے (زمین و آسمان کو جدا جدا کرنے کے بعد) زمین کو دو مرحلوں میں پیدا کیا۔ یہ ہوگئے چار ایام۔ ایام کا معنی ہے وقفہ' مرحلہ۔ ۲۴ گھنٹے کا بھی چونکہ ایک نپا تلا وقفہ ہے اس لیے اسے بھی یوم کہا جاتا ہے تخلیق ارض و سماوات کے ان چار ایام کی تفصیل کے بعد باقی دو ایام کی خبر بالفاظ ذیل دی گئی ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ط قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِي يَوْمَيْنِ ۔۴۱/۱۱-۱۲ پھر (زمین کو دو مرحلوں میں تیار کرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس وقت دھواں ہی دھواں تھا۔ پھر انہیں اور زمین کو کہا کہ آجاؤ تم دونوں فرمانبردار ہو کر یا ناخوش۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم آگئے ہیں فرمانبردار ہو کر۔ پھر اللہ نے انہیں یعنی آسمانوں کو بیشمار فضاؤں (اور خلاؤں) میں متعین فرما دیا' دو یوم یعنی دو وقفوں' دو مرحلوں میں' بالفاظ دیگر تخلیق ارض و سماوات کے چھ یوم' چھ وقفے از روئے قرآن حکیم یہ ہیں۔

پہلے وقفہ میں زمین اور تمام کرہ جات سماوی ملے جلے تھے۔ ان کا ایک ہی ہیولہ تھا۔ (۲۱/۲۰)
دوسرا وقفہ وہ ہے جس میں انہیں جدا جدا کر دیا گیا تھا۔ (۲۱/۳۰)
تیسرا اور چوتھا' وقفے وہ ہیں جن میں باری تعالیٰ نے زمین کو موجودہ صورت میں لانے کے جملہ درمیانی مراحل سے گزار کر مکمل کیا (۴۱/۹)
پانچواں اور چھٹا دو وقفے وہ ہیں جن میں باری تعالیٰ نے زمین کو مکمل کرنے کے بعد آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی جب وہ دھوآں ہی دھوآں تھے۔ یعنی وہ تمام گیسیں اس وقت فضا میں پھیلی ہوئی تھیں جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق بالارادہ کے ذریعہ مادہ کی اقسام ٹھوس' مائع گیس کی تیسری قسم گیس کی صورت میں پیدا کی جاچکی تھیں۔ خلاق عالم نے آخری دو مرحلوں میں ان گنت کرہ ہائے سماوی کو ان گنت فضاؤں اور خلاؤں میں متعین فرمایا۔ ہر کرہ سماوی اپنی الگ کشش ثقل کے ذریعہ اپنی الگ فضا رکھتا ہے' اور ہر فضا کے بعد ایک خلا رکھ دیا گیا ہے تاکہ ہر کرہ سماوی اپنے مدار پر گردش کرتا رہے اور یہ آپس میں متصادم نہ ہونے پائیں۔ ارشاد باری ہے۔
وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (۳۶/۴۰) اور جملہ کرہ جات سماوی فلک میں اپنے اپنے مدار پر گردش کر رہے ہیں کوئی بھی اپنا مدار چھوڑ کر کسی دوسرے کرہ کے مدار میں نہ داخل ہوتا ہے نہ متصادم۔
سورہ سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔ **اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ...... يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ** ○ (۳۲/۵-۴)
اللہ وہ عظیم الشان ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے' چھ یوم یعنی چھ وقفوں میں پیدا کیا۔ وہ آسمان سے زمین کی طرف تدبیر کرتا ہے۔ پھر وہ مکمل ہوکر اس کی طرف عروج کرتی ہے ایک یوم (یعنی ایسے وقفے میں) کہ اس کی مقدار وہ ایک ہزار سال ہے۔ جو تم شمار کرتے ہو۔ اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوا' آسمان اور زمین جن چھ وقفوں میں پیدا کئے گئے تھے ان کی مقدار ہمارے چھ ہزار سال کے برابر ہے۔
آیت مجیدہ نمبر۷ کے تحت غور فرمائیں' جس میں ارشاد ہوا ہے **وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ**۔ اس کے صحیح مفہوم کے لیے لازم ہے پہلے یہ سمجھا جائے کہ نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مادی جسم ہے اور نہ اس کا کوئی مادی تخت ہے' جس پر وہ بیٹھتا تھا اور اس کا تخت پانی کے اوپر تیرتا پھرتا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے عرش سے مراد اس کی سلطنت ہے' جس میں موجودہ ارض و سماوات میں رہنے والے جانداروں کے علاوہ ہر چیز کی زندگی کا انحصار پانی پر رکھا گیا ہے۔ جیسے کہ (۲۱/۳۰) کے حوالہ سے پیچھے گزر چکا ہے۔ **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ** (۲۱/۳۰)
مردہ زمین پانی کے ساتھ زندہ ہوتی۔ حیوانات' نباتات اور جمادات سب کے سب پانی ہی کے ذریعہ زندہ ہیں۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ جن کرہ جات میں پانی موجود نہیں' وہاں زندگی نہیں ہے۔ تو اس طرح **کان عرشہ علی الماء** کے الفاظ میں **حکومت الٰہی** کا بنیادی مسئلہ پانی بتایا گیا ہے جس کی فراوانی کی مشاہداتی صورت یہ ہے کہ زمین پر تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی ہے۔ پھر خشکی کے اوپر بھی دریاؤں کے جال بچھا دیئے گئے ہیں اور زیر زمین بھی پانی کی وہ بہتات مہیا کر دی گئی ہے کہ جہاں سے چاہو' کنوؤں' ہینڈ پمپوں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعہ جتنا چاہو' پانی حاصل کر سکتے ہو'

آیت نمبر ۷ زیر بحث میں سلطنت الہٰی کے بنیادی مسئلہ پانی کی وضاحت کے بعد ارشاد ہوا ہے **لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا** تاکہ ظاہر کرے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے احسن ہے۔ چونکہ اس کا تعلق پانی سے بھی عیاں ہے کہ اعمال کے لحاظ سے احسن وہ لوگ ہیں جو پانی پر غاصبانہ قبضہ نہیں جماتے۔ جیسے کہ صالحؑ کی قوم نے پانی کے چشمے پر اور چراگاہ پر ذاتی قبضہ جما کر غریب افراد اور ان کے مویشیوں کو پانی اور چارے سے محروم کر رکھا تھا۔ صالحؑ نے سب کی باریاں مقرر فرمائیں۔ آپ کا یہ عمل احسن تھا جس میں ہر خاص و عام کو چشمے کے پانی اور چراگاہ کے چارے میں برابر کا حقدار قرار دیا گیا۔

آج بھی بعض علاقوں میں جہاں پانی کی قلت ہے' یا پانی مضر صحت ہے' وہاں پائپ لائن کے ذریعہ صحت بخش پانی پہنچانا احسن عمل ہے۔

قیامت کی بعثت کو جھٹلانے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ اسے کھلا جھوٹ قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کو زبانی یا عملی لحاظ سے وہی لوگ جھٹلاتے ہیں جو دنیا میں من مانیاں کرتے اور برے اعمال کی جوابدہی کو ناپسند کرتے ہیں۔ دنیا میں تو اپنی وجاہت اور اثرورسوخ کی بدولت بُرے عملوں کی سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اسی طرح دوسری زندگی میں بھی انہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ لیکن یاد رہے کہ دوسری زندگی کو جھٹلا دینے سے برے اعمال کی سزا سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہر عمل کا رد عمل ازروئے مشاہدات ثابت ہے۔ لہٰذا جس شخص کو برے عملوں کی سزا اس زندگی میں نہیں ملی' اگلی زندگی میں ضرور ضرور مل کر رہے گی اور اسی طرح جس کسی کو اس کے نیک عملوں کی جزا اس زندگی میں نہیں ملی' اگلی زندگی میں ضرور ضرور مل کر رہے گی۔

واضح رہے کہ قوموں پر دنیا کی زندگی میں عذاب اس وقت آتا ہے جب ان کی نافرمانیوں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ اس طرح مجرم اقوام کو جب مہلت ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ اگر عذاب کی آمد ناگریز ہے تو آتا کیوں نہیں' کس نے اسے روک رکھا ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی خبر دی گئی ہے۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸

اور اگر ہم عذاب کو (اپنے قانون مشیت کے مطابق) ایک معدود وقفہ کے لیے موخر کر دیں تو (یہ سرکش لوگ) ضرور کہیں گے کہ اسے کس نے روک رکھا ہے۔ سنو (وہ ہمارے قانون مشیت کے مطابق رکا ہوا ہے) جس وقفے میں وہ ان پر آئے گا تو ٹلے گا نہیں اور انہیں وہ چیز گھیرنے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔

جس کسی قوم کا بُرے عملوں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو اس پر دنیا ہی میں عذاب آجاتا ہے۔ آمد عذاب میں تاخیر کو غنیمت جانتے ہوئے توبہ کرکے اپنی اصلاح کر لینی چاہئے' نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ مہلت کا مذاق اڑایا جائے۔

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں نوع انسانی کی ایک دائمی اور قدیمی روش کی خبر دی گئی ہے کہ خوشحالی میں اس کی حالت کچھ اور ہوتی ہے اور جب اس سے عطا کردہ نعمت اس کی اپنی بد عملی کی بدولت چھن جاتی ہے تو پھر کچھ اور ہوتی ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹

(۹) اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت (کی فراوانیوں) کا مزہ چکھائیں (تو اترانے لگتا ہے) پھر اگر (اس کی بد عملیوں کی بدولت) اس سے چھین لیں تو ناشکرا ہو جاتا ہے۔

اور اگر اس کے بعد پھر نعمت عطا فرمائی جائے تو پھر اترانے لگتا ہے۔

وَلَئِنْ أَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ إِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۙ﴿۱۰﴾

اور اگر ہم اسے تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی ہو' اپنی نعمت عطا فرمائیں تو ضرور کہے گا کہ مجھ سے سب سختیاں چلی گئی ہیں۔ بے شک وہ اترانے والا فخر کرنے والا ہے۔

إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

سوائے ان لوگوں کے جو مستقل مزاج ہوں اور معاشرہ میں اصلاح کے کام کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے بچاؤ ہے اور ان کے اعمال کا بہت بڑا بدلہ ہے۔

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کے مخالفین کے ایک طعن کا ذکر گیا گیا' جس سے آپؐ کو رنج پہنچتا تھا۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى إِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ أَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ إِنَّمَآ أَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾

پھر (اے رسولؐ!) کیا آپ اس کا کچھ حصہ چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے (ہرگز چھوڑنے والے نہیں ہیں) اس پر کہ وہ کہتے ہیں اس پر کیوں کوئی خزانہ نازل نہیں کیا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا اور کیا آپ اس پر اپنا ذہن تنگ کرنے والے ہیں (ہرگز نہیں) آپ ڈرانیوالے (آگاہ کرنے والے) ہیں۔اور اللہ ہر چیز پر کار ساز ہے۔

أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾

یا وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے قرآن افتریٰ فرمایا ہے تو آپ کہہ دیجئے گا کہ تم بھی دس سورتیں افتریٰ کی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا بلا لو جنہیں بلا سکتے ہو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو (ایسا کر دکھاؤ)

فَإِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا أَنَّمَآ أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَأَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

پھر اگر وہ تمہارے لیے (یہ چیلنج قبول نہ کریں تو (ایمان والو!) جانے رہو کہ سوائے اس کے نہیں ہے کہ یہ اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے۔ اور یہ کہ اس اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے قابل نہیں۔ پھر کیا تم فرمانبردار ہوتے ہو؟

سورہ ہود گیارہویں سورہ مجیدہ ہے۔ چونکہ اس سے پہلے دس سورتیں نازل ہوچکی تھیں' اس لیے ان لوگوں کو دس سورتیں افتریٰ کردہ پیش کرنے کا چیلنج کیا گیا ہے جو یہ کہتے تھے کہ آپؐ نے قرآن کریم کو خود اپنی طرف سے بنا کر اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگا دیا ہے۔ لیکن پوری دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ دس سورتیں تو گیا' آج تک دشمنان اسلام ایک سورت یا ایک آیت تک بھی قرآن کریم کی مثل بنا کر نہیں لا سکے۔ یہ قرآن کریم کا زندہ اعجاز آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔

اگلی آیت مجیدہ میں دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت میں کھو جانے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ کرتے ہیں' ہم ان کے اعمال (کا صلہ) اسی دنیا میں دیدیتے ہیں اور وہ اس میں کم نہیں دیئے جاتے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝١٦

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے اُخروی زندگی میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور ضائع ہو جائیں گی جو بناوٹ بنائی اور جو عمل وہ کرتے تھے سب باطل ہونے والے ہیں۔

یہاں ایک دھوکا لگتا ہے کہ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے چاہنے والے تو بہت ہیں مگر ان میں سے بعض وہ ہیں جنہیں دنیا کا مال اور اس کی زینت میسر ہے لیکن ان کی اکثریت وہ ہے جو دنیا کے مال اور اس کی زینت سے محروم ہیں۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ وہ دھوکا دہی اور فریب کاری بھی ایسے طریقے سے نہیں کر سکے کہ اچھے بھلے سمجھ دار آدمی دھوکا کا شکار ہو جائیں۔ جو لوگ انتہائی صفائی کے ساتھ حرام مال اکٹھا کرتے ہیں' لوگ ان کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور فریب کاروں کو دنیا کا مال و زینت میسر آجاتا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کے متعلق اعلان کر دیا گیا ہے۔

لیس لھم فی الاخرۃ الا النار یعنی اخروی زندگی میں ان کے لیے ناکامی کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔ نیز ارشاد فرمایا ہے:

وحبط ماصنعوا وہ لوگ تھے تو دنیا ہی کے طلب گار' لیکن دکھاوے کے طور پر کچھ نیک کام بھی کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان کاموں کو بناوٹ قرار دیا ہے یعنی وہ نمائش و نمود کے لیے بعض کام ایسے بھی بجا لاتے ہیں' جن کا اجر اس دنیا کے علاوہ اگلی زندگی میں بھی ملتا ہے' لیکن بتا دیا گیا ہے جو لوگ بناوٹی طور پر بھلائی کرتے ہیں انہیں اس کا صلہ یہیں دیدیا جاتا ہے۔ کہ لوگ انہیں سخی وغیرہ کے نام سے پکارتے ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں اخروی زندگی میں ان بناوٹی اعمال کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

ان کے علاوہ جو لوگ دنیا کی زندگی اور زینت چاہتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے' وہ یہاں بھی ذلیل و خوار اور محروم و نامراد ہیں اور اُخروی میں بھی محروم و ناکامیاب ہوں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو بھی ہمیشہ نگاہوں میں رکھئے گا کہ جو لوگ ناجائز طریقے سے دنیا کا مال اور زیب و زینت حاصل کرتے ہیں ان کا ضمیر ہر لحہ انہیں ملامت کرتا رہتا ہے۔ بظاہر تو وہ نفیس بنگلوں میں مرصع پلنگ پر دراز پائے جاتے ہیں' لیکن ان کے اندر ملامت کا لاوا کھول رہا ہوتا ہے۔ جن غریبوں' بیکسوں اور بے بسوں کے مالوں پر ہاتھ صاف کیا تھا' ان کی شکلیں ہر آن سانپ اور بچھو بن بن کر ذہن کو ڈس رہی ہوتی ہیں۔ ایسے لوگوں کی ظاہری عیش پر نہ جائیے گا۔

وہ لوگ ان سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محبوب و مقبول ہیں جو حلال کمائی کے ذریعہ ضروریات زندگی حاصل کرتے ہیں' خواہ وہ سادہ سی بھی کیوں نہ ہوں۔ ان کے اذہان میں جنت الفردوس کی شادابیاں بکھری ہوتی ہیں۔ اور ساتھ ہی اخروی زندگی کی کامیابی کی خوشخبریاں بھی دماغ کے لیے وجہ سرور بنی رہتی ہیں۔

سورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے:

مَّن كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ (۴/۱۳۴) جو کوئی رضائے الٰہی کے مطابق حلال طریقے سے) دنیا کے فائدے کا ارادہ کرے تو (یاد رکھو کہ ایسے لوگوں کے لئے' اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا کا فائدہ بھی موجود ہے اور آخرت کا فائدہ بھی موجود ہے۔

بالفاظ دیگر جو کوئی رضاء الٰہی کے مطابق دنیا کا فائدہ حاصل کرے اسے آخرت کے فائدے کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔ باری تعالٰی نے ایمان والوں کو ایک ایسی ہی دعا بھی سکھلائی ہے۔ **رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔** (۳) اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دنیا اور آخرت کے آگ سے عذاب سے بچا لے۔ واضح رہے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اللہ کے حکم کے مطابق حلال کمائی کے ذریعہ ضروریات حاصل کرنے میں ہے، خواہ وہ سادہ ترین صورت ہی میں میسر آئیں۔ اور اگر حلال کمائی میں زندگی کی زیب و زینت اور وافر ضروریات زندگی میسر آئیں تو پھر بھی ٹھیک ہے، اخروی زندگی کا فائدہ حلال کمائے اور حلال کھانے ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔

جو لوگ حرام کمائی کے ذریعہ اس زندگی کی زیب و زینت حاصل کرتے ہیں انہیں نہ اس زندگی میں امن و سکون میسر آتا ہے اور نہ اگلی زندگی میں جنت کی فراوانیاں نصیب ہوں گی۔ یہاں بھی پریشانیوں کے بحر عمیق میں مستغرق رہیں گے اور اخروی زندگی میں بھی محرومیوں اور ناکامیوں کی آگ میں جلنا نصیب ہوگا۔ پس لازم ہے کہ دنیا و آخرت کی سرفرازیوں کے حصول کے لیے لقمہ حرام سے پرہیز کی جائے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑰

(۱۷) کیا پھر جو گروہ اپنے رب کی طرف سے دلائل قاطعہ پر ہے اور اس گروہ میں سے ایک گواہ ان کے پیچھے آیا ہے اور اس (گواہ کی کتاب) سے پہلے موسیٰ کی کتاب امام و رحمت تھی وہ اس (گواہ محمدؐ اور اس کی) کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور گروہوں میں سے جو گروہ اس کا انکار کرتا ہے اس کی وعدہ گاہ آگ ہے پس (اے مخاطب) تو اس سے شک میں نہ ہونا۔ بے شک وہ (قرآن تیرے رب کی طرف سے حق ہے اور لیکن اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

واضح رہے کہ یہ وہ آیۃ مجیدہ ہے کہ قادیانیوں نے اس کے شروع میں آمدہ لفظ من کا مصداق محمد رسول اللہ کو ٹھہرایا اور لفظ شاھد سے مرزا غلام احمد مراد لیا ہے العیاذ باللہ ! اس سلسلہ میں پہلی غلطی یہ کی گئی ہے کہ لفظ من کو واحد کے لیے سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ یہ جمع کے لیے ہے اگلے الفاظ **اولئک یومنون به** میں **اولئک** اسم اشارہ بھی صیغہ جمع آیا ہے اور فعل مضارع **یومنون** بھی جمع ہے واحد نہیں **اولئک کا مشار الیه** چونکہ **من** ہے اس لیے یہاں **من** جمع کے لیے آیا ہے اس لیے اس کا معنیٰ جو شخص نہیں بلکہ جو گروہ ہے اس کی مثال ماقبل آیات نمبر۱۵،۱۴ میں بالفاظ ذیل گزر چکی ہے۔

من كان يريد الحيوة الدنيا وزينتها نوف اليهم اعمالهم ۱۱/۱۵ اس جملہ میں بھی **من** موصولہ برائے جمع آیا ہے، کیونکہ **اليهم اعمالهم** میں دو مرتبہ کی آمدہ ضمیر جمع ھم کا مرجع من ہے اور مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ کرتے ہیں انہیں بھی ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیتے ہیں۔ کمی نہیں کرتے۔

للهذا آیت زیر بحث ۱۱/۱۷ میں **افمن** میں آمدہ **من** موصولہ جمع کے لیے ہے اس لیے نبی اکرمؐ مراد لینا مطلقاً" غلط ہے کیونکہ یہ **اولئک** اسم اشارہ مشار الیہ ہے اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بعثت محمدی کے وقت مومن موجود تھے۔ وہ جملہ انبیاء اور ان کی کتب پر ایمان رکھتے تھے۔

یتلو کا سہ حرفی مادہ ت ـ ل ـ و۔ تلو ہے اس کا بنیادی معنی ہے پیچھے آنا۔ بعثت محمدی کے وقت جملہ انبیاء اور ان کی کتب پر صحیح ایمان رکھنے والا ایک قدیمی مومن گروہ پہلے ہی موجود تھا۔ موجود چلا آرہا تھا نبی اکرمؐ اس کے پیچھے آئے تھے۔

شاھد منہ کے الفاظ میں ہ کی ضمیر موجود مومن گروہ کی طرف پھرتی ہے جس سے ثابت ہوا کہ محمد رسول اللہ مذکورہ مومن گروہ میں پیدا ہوئے تھے۔ یعنی آپ کا خاندان خصوصاً والدین قدیمی مومن خاندان کے افراد تھے۔ موجود مومن جماعت کی تائید سورہ بقرہ میں دعا ابراہیم میں ملاحظہ فرمائیں۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ (۲/۱۲۸) اے رب ہمارے ہم دونوں (ابراہیم و اسماعیل) کو اپنے فرمانبردار بنائے رکھ اور ہم دونوں کی اولاد (شاخ اسماعیل) میں سے ایک امت مسلمہ بنائیو۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ (۲/۱۲۹) اے رب ہمارے اس امت مسلمہ میں سے ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمائیو جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے۔

پس تصریف آیات کی دلائل قاطعہ کی رو سے آیات مجیدہ (۲/۱۲۸-۱۲۹) کے مطابق زمانہ بعثت محمدیؐ میں دعا ابراہیمؑ کی مصداق ایک قدیمی امت مسلمہ بھی موجود تھی اور اسی مومن گروہ میں سے محمد رسول اللہ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ **یتلوہ شاھد منہ** کے الفاظ السید ابراہیمؑ کی دعا **وبعث فیھم رسولا منھم** کی تصدیق کرتے ہیں یہ مقدس گروہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی اولاد میں سے مسلسل چلا آرہا تھا۔

ومن قبلہ کتب موسٰی اماما ورحمۃ (۱۱/۱۷) میں **قبلہ** کی ہ ضمیر کا مرجع شاھد یعنی محمدؐ رسول اللہ ہیں اور چونکہ کتاب کی قائم مقام کتاب ہی ہوتی ہے اس لیے کتاب موسیٰ کے بعد کتاب محمدؐ امام و رحمت بتائی گئی ہے۔ اسی حقیقت کی خبر (۴۶/۱۲) میں بھی دی گئی ہے۔ **ومن قبلہ کتب موسٰی اماما ورحمۃ ط وھذا کتب مصدق لسانا عربیا۔** "اس سے پہلے کتاب موسیٰ امام و رحمت تھی اور اب یہ کتاب جو عربی زبان میں اس کی تصدیق کرتی ہے امام و رحمت ہے"

اولئک کی بحث گزر چکی ہے کہ **اولئک** اسم اشارہ جمع کا **مشار الیہ** ہے۔ **من** جو کسی ایک فرد کے لیے نہیں آیا۔ چنانچہ **اولئک** اسم اشارہ جمع کی سند کے مطابق ایک گروہ اور جماعت کے لیے آیا ہے۔

من یکفر بہ من الاحزاب کے الفاظ میں بھی **من** گروہ کے لیے آیا ہے جو **من الاحزاب** کے الفاظ سے ثابت ہے نیز یہاں **الاحزاب** کا لفظ لا کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ ان آیات کریمہ ۱۲ تا ۱۷ میں کافر یا مومن گروہوں کا ذکر ہے' افراد کا نہیں پس آیت زیر بحث (۱۱/۱۷) میں **افمن کان علی بینۃ** سے مراد وہ مومن گروہ ہے جو دعاء ابراہیمؑ کے مطابق ان کی ذریت میں اسماعیلؑ سے لے کر زمانہ بعثت محمدی تک مسلسل موجود تھا نبی اکرمؐ اسی گروہ میں پیدا بھی ہوئے اور مبعوث بھی ہوئے۔ شاہد نبی اکرمؐ تھے جو **منہ** کی قرآنی خبر کے مطابق مذکورہ بالا پاکیزہ گروہ میں سے تھے اس سے مرزا غلام احمد مراد لینا پورے کے پورے سیاق و سباق کو جھٹلانے کے مصداق ہے۔ العیاذ باللہ۔

آیہ مجیدہ ۱۱/۱۷ میں نبی اکرمؐ کی تشریف آوری کی خبر دی گئی ہے کہ آپ کا دعویٰ نبوت صد فی صد سچا تھا۔ چنانچہ اگلی آیہ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھیں کہ وہ اللہ سے خبریں پاتے ہیں وہ بہت بڑھ کر ظالم ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٨﴾

(۱۸) اور ان لوگوں سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر اسی سے خبریں پانے کا افترٰی باندھتے ہیں وہ اپنے رب کے حضور میں پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا خبردار (اللہ پر جھوٹ باندھنے والے) ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٩﴾

(۱۹) یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ (اس کے نازل کردہ ضابطہ قرآن مجید) سے روکتے اور اس میں کجیاں تلاش کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہی تو کافر ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے خبریں پانے کا واحد ذریعہ وحی الٰہی ہے جو صرف نبیوں پر آتی تھی۔ محمد رسول اللہ پر چونکہ آمد انبیاء ختم کر دی گئی ہے اس لیے نزول وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ آپؐ کے بعد الہام اور کشف کے نام سے اللہ تعالیٰ سے خبریں پانے کا دعویٰ افترٰی علی اللہ ہے۔ الہام کا قرآنی معنی جبلت میں رکھ دینا ہے۔ چنانچہ انسان کے متعلق ارشاد ہوا ہے **وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ○** (۹۱/۷،۸) اور شہادت ہے فرد انسانی کی اور اس حقیقت کی جو اسے صحیح سالم کیا پھر اس (اللہ) نے اس کا اللہ کی نافرمانی کرنا اور اس سے بچ جانا اس کی جبلت میں رکھ دیا۔" بالفاظ دیگر ہر شخص میں نافرمانی کا مادہ بھی موجود ہے اور فرمانبرداری کا بھی۔ خود چاہے تو فرمانبرداری کرے اور خود چاہے تو نافرمانی کرے نیز انسان کے اندر نفس لوامہ اور نفس امارہ دو قوتیں بھی ودیعت فرما دی ہیں۔ امارہ نافرمانی پر اکساتا ہے اور لوامہ روکتا ہے پس قرآن کریم نے تو الہام کا یہ معنی بتایا ہے۔ اسے وحی کے علاوہ اللہ سے خبریں پانے کا ذریعہ قرار دینا یکسر غلط ہے آمد انبیاء کے ختم ہو چکنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ سے خبریں پانے کا ایک ہی ذریعہ موجود ہے قرآن کریم جس میں ہر مسئلہ کا جواب اور ہر عمل کا نتیجہ بتا دیا گیا ہے۔

سابقہ آیت میں مفتریوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ کتاب الٰہی میں کجیاں تلاش کرتے ہیں اگلی آیت میں انہی کے متعلق خبر دی گئی ہے۔

اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٠﴾

(۲۰) یہ لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑنے والے نہیں اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں۔ ان کے لیے عذاب دوگنا ہوگا وہ سن بھی نہیں سکتے اور وہ دیکھتے بھی نہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾

(۲۱) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خود نقصان میں رکھا (قیامت کو) ان سے وہ گم ہو جائے گا جو اللہ پر افترٰی کرتے تھے۔

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾

(۲۲) یہ لازمی امر ہے کہ وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ سے مراد یہ ہے کہ زمین میں بڑے بڑے اختیارات کے دعویدار قانون باری تعالٰی کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے قانون میں کسی کو بھی شریک نہیں کیا۔
لَا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے زعم باطل میں اس قدر گم ہو جاتے ہیں کہ ان کے دماغ میں حق بات سننے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اور نہ وہ روز مرہ کے مشاہدات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنے والے رہ جاتے ہیں ان کے باطل تصورات ان کے اذہان میں اس شدت کے ساتھ ٹھنسے ہوئے ہوتے ہیں کہ نہ وہ حق سن سکتے ہیں اور نہ مشاہداتی حقائق کو دیکھ سکتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

آیات بالا میں ضابطہ باری تعالٰی کے منکروں کے ذکر کے بعد اگلی آیات کریمہ میں قرآن مجید پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾

(۲۳) بے شک جو لوگ (قرآن کریم پر) ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں اور اپنے رب کے حضور عاجزی کریں وہی لوگ اہل جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہل نار اور اہل جنت کی تقابلی مثال پیش کی گئی ہے بغور ملاحظہ فرمائیں۔

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾

(۲۴) ان دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے (ایک) اندھا اور بہرا ہو اور (دوسرا) دیکھنے والا اور سننے والا ہو کیا دونوں کی حالت یکساں ہوتی ہے۔ پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

اس آیت مجیدہ میں قرآن مجید کا انکار کرنے والوں کو اندھے اور بہرے کہا گیا ہے کیونکہ نہ وہ مشاہداتی حقائق کو دیکھتے ہیں۔ اور نہ قرآنی حقائق کو سنتے ہیں لیکن اس کے برعکس قرآن حکیم پر ایمان لانے والوں کو دیکھنے اور سننے والے کہا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ کائناتی حقائق کو بغور دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کارخانہ کائنات کی ہر چیز جب شبانہ روز ایک ہی لگے بندھے قوانین کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی اپنے اپنے راستے پر چلی جا رہی ہے تو کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ ارض و سماوات کا پیدا کرنے والا یقیناً موجود ہے۔ اور اس کارخانہ کائنات کی ہر چیز کے لیے الگ الگ قوانین بھی اسی نے متعین فرما رکھے ہیں اور ہر چیز کو اس کی الگ الگ جبلت کے مطابق انہی قوانین میں جکڑ رکھا ہے۔

مشاہدہ کائنات تو ہوا ان کے بصیر (یعنی دیکھنے والے) ہونے کا ثبوت اور انہیں سمیع یعنی سننے والے اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کو بغور سنتے ہیں۔ اسے سنا ان سنا نہیں کر دیتے اللہ تعالیٰ کی کتاب لاریب میں ہر چیز کی الگ الگ جبلت اور الگ الگ فرائض منصبی کی خبر بالفاظ ذیل دی گئی ہے۔

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۲۰/۵۰ "ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور پھر اس کی رہنمائی کر دی" ہر چیز اسی راہ پر چل رہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے جبلی طور پر چلا دیا ہے۔

یاد رہے کہ نوع انسانی کی حالت اس سے مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اچھے برے کی تمیز کے لیے آنکھیں' کان اور دماغ عطا فرما کر عملی لحاظ سے فعل مختار کر دیا ہے۔ **اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ** ۝ ۴۱/۴۰ اچھے یا برے جیسے عمل تم خود چاہو کرو۔ بے شک تم جو عمل کرو گے اللہ انہیں دیکھنے والا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ط وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝ ۴۱/۴۶

جو کوئی صالح عمل بجا لائے گا بدلہ اس کی اپنی ہی جان کے لیے ہے اور جو کوئی برے عمل کرے گا ان کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا۔ اور (اے رسول) آپ کا رب (خود برے عمل کروا کر) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

آیات بالا میں اس امر کی وضاحت کرنے کے بعد کہ جو لوگ راہ راست کو قبول نہیں کرتے وہ اندھوں اور بہروں جیسے ہیں وہ دیکھنے اور سننے والوں کی مثل نہیں ہیں۔ اگلی ۲۵ آیات مجیدہ میں نوح سلام علیہ کی قوم کا ذکر درج ہے کہ جو لوگ آنکھوں کانوں اور دماغ سے کام لینے والے تھے وہ تو آپ پر ایمان لے آئے اور جو اندھوں بہروں جیسے تھے وہ ایمان نہ لائے بلکہ آپ کی مخالفت اور ایذا رسانی میں ایک طویل عرصہ تک سرگرم عمل رہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۲۵

(۲۵) اور بے شک ہم نے (اپنے نبی) نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس نے کہا) بے شک میں تمہارے لیے برے عملوں کے نتائج سے کھلا آگاہ کرنے والا ہوں۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝۲۶

(۲۶) یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو بیشک میں تمہارے لیئے دردناک عذاب والے دن سے خوف کھاتا ہوں۔

اس پر آنکھوں کانوں اور عقل سے کام لینے والے تو ایمان لاکر آپ کے ساتھ ہوگئے مگر قوم کے سرداروں نے متکبرانہ انداز میں کہا۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ ۝۲۷

(۲۷) اس پر آپ کا انکار کرنے والے آپ کی قوم کے سرداروں نے کہا ہم تجھے نہیں دیکھتے مگر تو ہمارے جیسا ہی ایک بشر ہے اور ہم نہیں دیکھتے انہیں' جو تجھ پر ایمان لائے ہیں۔ مگر وہ سرسری نظر میں بھی ہمارے رذیلے ہیں اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا گمان کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں نوحؑ نے انتہائی حتم و یقین کے ساتھ فرمایا کہ میں جھوٹا نہیں بلکہ میں اپنے رب کی طرف سے

دلائل قاطعہ پر ہوں۔ اور مجھے میرے رب نے اپنی طرف سے رحمت (ہدایت) عطا فرمائی ہے۔ جو تمہارے اندھے پن کی بدولت تم سے اوجھل ہو چکی ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝۲۸

(۲۸) نوحؑ نے کہا کیا تم دیکھتے ہو (اور تمہیں دیکھنا چاہئے) کہ بے شک میں اپنے رب کی طرف دلیل قاطعہ پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (ہدایت) عطا فرمائی ہے۔ مگر وہ تم سے (عقل کے اندھے ہونے کی بدولت) اوجھل ہو چکی ہے۔ کیا ہم اسے زبردستی تمہارے گلے مڑھ دیں۔ جبکہ تم اس سے (صرف تعصب کی بدولت) نفرت کرتے ہو۔

اس آیت مجیدہ میں اِنْ، اِنَّ کا مخفف ہے اور مفہوم یہ ہے کہ بلاشبہ میں ہدایت کے دلائل قاطعہ پر ہوں۔ پوری نوع انسانی کو واجب التکریم قرار دیتا ہوں۔ جبکہ تم نے بعض کو اپنے رذیلے قرار دے رکھا ہے۔ میں سب کو یکساں طور پر ضروریات ربوبیت کا حقدار گردانتا ہوں' مگر تم بعض کو بھوکے ننگے رکھ کر اپنے زیر دست رکھتے ہو۔ اگر اس آیت میں ان شرطیہ تسلیم کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ نوحؑ نے اپنی صداقت کو مشکوک انداز میں پیش فرمایا جو ہرگز ممکن نہیں۔ آپ نے اپنی طرف الہیٰ ضابطہ یعنی ہدایت کا نزول یقینی قرار دیا۔ جس پر **فعمیت علیکم** کے الفاظ گواہ ہیں کہ وہ بوجہ تعصب اندھے ہوگئے تھے۔ اس لیے کھلے کھلے دلائل قاطعہ انہیں دکھائی ہی نہیں دیتے تھے۔ العیاذ باللہ۔

چونکہ ناہموار معاشرہ میں ہر کسی کے ہر کام کی غرض حصول زر ہوتی ہے اس لیے نوحؑ نے اپنے مخالفین سے ارشاد فرمایا کہ میں اجر رسالت کے طور پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا۔ نیز جن لوگوں کو تم اپنے رذیلے کہتے ہو جو عقل و خرد سے کام لے کر ضابطہ حیات پر ایمان لے آئے ہیں۔ میں انہیں اپنے پاس سے ہرگز ہرگز دور کرنے والا نہیں۔ وہ عقل والے ہیں تم جاہل ہو۔ اس پورے مضمون کو اگلی آیت مجیدہ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝۲۹

(۲۹) اور نوحؑ نے کہا اے میری قوم میں اس (تبلیغ رسالت کے اجر کے طور پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا میرا اجر نہیں ہے مگر اللہ کے ذمہ ہے اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اپنے پاس سے ہٹانے والا نہیں ہوں۔ بلا شبہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں ولیکن میں تو تمہیں ایک جاہل قوم دیکھتا ہوں۔

جملہ انبیاء سلام علیہم کا ایک ہی شعار تھا کہ ان کا قبلہ مقصود مال کمانا نہیں' صرف اللہ کا پیغام بلا کم وکاست لوگوں تک پہنچانا تھا' جو مال ان کے پاس ہوتا وہ سب کا سب حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ نبی اکرمؐ کی سیرت طیبہ میں یہی چیز بدرجہ اتم پائی جاتی تھی کہ آپ نے وہ مال بھی غربا میں تقسیم کر دیا جو آپ کو اپنے والدین کے ترکہ سے میسر آیا اور وہ ڈھیر سارا مال بھی مفلسوں اور ناداروں کو قدموں پر کھڑے کرنے پر خرچ کر دیا جو آپ کی زوجہ محترمہ خدیجۃ الکبریٰ نے آپ کی نذر کر دیا تھا۔ جملہ انبیاء کے متعلق قرآن کریم نے مال کی عدم رغبت کی خبر دی ہے۔ اور یہی الفاظ **ما اسئلکم علیه من**

اجر ان اجری الا علی رب العالمین کہ "میں تم سے بطور اجر رسالت کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر رب العالمین کے ذمہ ہے" اور ۲۶/۱۰۹ میں نوحؑ کے متعلق آئے ہیں ۲۶/۱۲۷ میں ہود کے متعلق ۲۶/۱۴۵ میں صالحؑ کے متعلق' ۲۶/۱۶۵ میں لوط کے متعلق اور ۲۶/۱۸۰ میں شعیبؑ کے متعلق آئے ہیں۔

انهم ملقوا ربهم کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ لیکن قرآن کریم میں لقاء رب سے مراد ہے دنیوی زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لیے قیامت کی عدالت عالیہ میں حاضر ہونا جیسے کہ ۱۸/۱۱۰ میں ارشاد ہوا ہے۔ **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا** " جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے پس چاہئے کہ صالح عمل بجا لائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو بھی شریک نہ کرے" یہاں امید رکھنا سے مراد ہے یقین رکھنا۔ چنانچہ جو لوگ اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لیے قیامت کی عدالت عالیہ میں حاضر ہونے پر یقین نہیں رکھتے ان کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی پر مطمئن اور آیات الہیہ سے غافل ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ (۱۰/۷) "بے شک جو لوگ (دنیوی اعمال کی جواب دہی کے لیے ہمارے حضور حاضر ہونے **لقاءنا** پر یقین نہیں رکھتے' ان کی حالت یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو چکے ہیں اور وہ لوگ بھی جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔"

قیامت کی عدالت عالیہ میں اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی پر پختہ یقین کی عملی تصدیق ہے اعمال صالح بجا لانا اور اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ نوحؑ نے اپنے صحابہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ قیامت کی عدالت عالیہ میں حاضری پہ پختہ ایمان رکھتے ہیں' صالح اعمال بجا لانیوالے ہیں۔ اس لئے میں انہیں اپنے پاس سے ہٹانے والا ہرگز نہیں ہوں۔

ولكنى اراكم قوما تجهلون کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ نوحؑ کے مخالفین کی ایک جماعت تھی اور تھی حقیقت ناشناس جاہل' جس نے ایمان لانیوالوں کو رذیلے قرار دیا اور نوحؑ سے مطالبہ کیا کہ انہیں اپنے پاس سے دور کر دیجئے۔ مگر آپؑ نے فرمایا کہ ایسے بصیرت ماب مومنوں کو اپنے سے صرف اس لئے دور کرنا کہ یہ لوگ تمہاری طرح حرام مال اکٹھا کر کے مالدار نہیں بنے' ایسا جرم عظیم ہے کہ اگر میں اس کا ارتکاب کروں تو مجھے اللہ سے کوئی چھڑا نہیں سکتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اپنی قوم پر انتہائی بلیغ انداز میں واضح فرمایا ہے:

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

(۳۰) اور اے میری قوم! اگر میں انہیں اپنے سے دور کر دوں تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے پر میری مدد کرے۔ پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

اگلی آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ قوم نے صحابہؓ نوحؑ پر یہ الزام لگایا کہ یہ رذیلے اور مفلس و نادار لوگ مال حاصل کرنے کے لیے ایمان لائے ہیں۔ مگر انہیں کبھی بھی خیر' یعنی دنیوی اور اخروی بھلائی نصیب نہ ہوگی۔ اس لیے نوحؑ نے فرمایا میرے پاس کوئی شے نہیں ہے اور نہ ہی یہ لوگ مال کے طلب گار ہیں۔ یہ حقیقت شناس لوگ خالص اللہ کی فرمانبرداری اور وحدت باری کی اساس پر میرے ساتھ متفق ہوئے ہیں نیز معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مخالفین اس چیز کے قائل تھے کہ اللہ کے نبی بشر نہیں ہوتے۔ جیسے کہ پیچھے ۱۱/۲۷ میں ان کا قول گزر چکا ہے کہ تو تو ہمارے جیسا بشر ہے۔ ان کے خیال کے مطابق

کوئی نبی ملک ہونا چاہئے' جو مٹی کی پیداوار کی بجائے نور کی پیداوار ہو' نوحؑ کی طرف سے ان تمام سوالوں کا جواب بالفاظ ذیل مذکور ہے۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ
وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ
مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ
اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا
لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱

(۳۱) اور میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں (اس لئے غریب مجھ پر ایمان لائیں ہیں) اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ ملک ہوں (یقیناً بشر ہوں) اور نہ میں ان لوگوں کے لیے جنہیں تمہاری نظریں حقیر دیکھتی ہیں' یہ کہتا ہوں کہ اللہ ان کو بھلائی نہیں دے گا۔ اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے ذہنوں میں ہے۔ اگر انہیں اپنے پاس سے دور کر دوں تو میں ظالموں سے ہو جاؤں گا۔

نوحؑ اور آپ کی قوم کا تذکرہ اس سورت مجیدہ ہود کے علاوہ سورت اعراف' سورہ شعراء سورہ قمر' نیز نوح نامی ایک الگ سورہ میں آیا ہے۔ سورہ نوحؑ میں بتایا گیا ہے کہ آپ کی قوم نے اپنے پانچ متوفی بزرگوں ود' سواع' یغوث' یعوق اور نسر کو اللہ کے ساتھ ساتھ الہ قرار دے رکھا تھا۔ سورہ اعراف میں بھی بتایا گیا ہے کہ قوم نوحؑ آپ پر اس لئے ایمان نہ لائی کہ وہ بشر رسول کی قائل نہ تھی۔ جیسے کہ آپ نے فرمایا:

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

○ ۶۳/۷ "کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہاری طرف تمہیں میں سے ایک آدمی پر تمہارے رب کی طرف سے نصیحت نامہ آیا ہے۔ کہ وہ تمہیں فرائض سے آگاہ کرے اور تاکہ تم تقویٰ شعار ہو جاؤ اور تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔" ان قرآنی خبروں سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم نوحؑ ہستی باری تعالیٰ کی منکر نہیں تھی۔ بلکہ اس نے پانچ متوفی بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ میں شریک کرکے الہ بنا رکھا تھا وہ نبیوں کے بشر ہونے کے منکر تھے۔ آپ کی نصائح مبارکہ کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آپ سے کہنے لگے کہ بحث تو بہت ہو چکی ہے۔ اگر تو سچا ہے تو جس عذاب کا وعدہ دیتا ہے اس کو لے آ۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ قوم کے سردار جب لاجواب ہو گئے تو آپ سے کہا:

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ
جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۲

(۳۲) انہوں نے کہا! اے نوحؑ بے شک تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور تو ہمارے ساتھ بکثرت جھگڑا ہے (ہم نہیں مانتے) پس تو جس (عذاب) کا وعدہ دیتا ہے اگر تو سچوں سے ہے تو اسے لے آ۔

السید نوحؑ نے قوم سے کس قدر مغز مارا اور کس کس انداز سے انہیں تبلیغ کی اسی کی تفصیل سورہ نوح میں بالفاظ ذیل درج ہے۔ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۙ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۗءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّىْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ (۵ تا ۱۰/۷۱)

(مفہوم) "کہا اے میرے ربؑ میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی (تیری طرف) بلایا اور دن کو بھی۔ مگر میری پکار سے وہ اور زیادہ بھاگنے

رہے۔ اور بے شک میں نے جب بھی انہیں بلایا کہ تو ان کو معاف کر دے' انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑے لپیٹ لیے اور ضد کی اور ایسا تکبر کیا جو تکبر کرنے کا حق ہے۔ پھر میں نے انہیں کھلم کھلا بھی بلایا۔ پھر میں نے انہیں اعلانیہ بھی تبلیغ کی اور مخفی طور پر بھی۔ پھر میں نے انہیں کہا کہ اپنے رب کے حضور توبہ کرو (اور بداعمالیوں سے باز آجاؤ) بے شک وہ بڑھ کر معاف کرنے والا ہے)

سورہ قمر میں انہیں لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے۔ **كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۔ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ** (۹-۱۰/۵۴) (کہ نبی کو جھٹلانے والوں) سے پہلے قوم نوحؑ نے بھی جھٹلایا تھا۔ پس انہوں نے ہمارے بندے نوحؑ کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ پاگل ہے اور اسے جھڑک دیا گیا۔ اس نے اپنے رب کے حضور دعا کی بے شک میں مغلوب ہوگیا ہوں تو میری مدد کرے۔

پوری مہلت = قوم نوحؑ نے تو کھل کر عذاب کا مطالبہ کر دیا۔ جیسے کہ آپ اوپر آیت نمبر ۳۲ کے الفاظ **فاتنا بما تعدنا** میں دیکھ چکے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت تک کے لیے مہلت کا قانون متعین ہے جب تک کہ پوری اتمام حجت نہ ہو جائے۔ چنانچہ قوم کے مطالبہ عذاب کے جواب میں نوحؑ نے فرمایا:

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۳

(۳۳) نوحؑ نے کہا سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ اسے تو اللہ ہی لائے گا جب وہ چاہے گا اور تم اسے روک نہ سکو گے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۳۴

(۳۴) اور اگر میں تمہیں نصیحت کرنا چاہوں تو اگر (تمہاری انتہائی سرکشی کی بدولت) اللہ نے تمہیں گمراہ قرار دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو پھر میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیگی۔ وہ تمہارا پالنے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے (اعمال کی جواب دہی کے لیے) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ کا یہ معنی صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنا چاہے۔ کیونکہ یہ معنی صحیح تسلیم کیے جائیں تو اللہ تعالیٰ نے جو نوع انسانی کی ہدایت کے لیے سلسلہ انبیاء جاری فرمایا تھا۔ فریب محض بن کر رہ جاتا ہے کہ انبیاء لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتے رہیں اور اللہ انہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا رہے۔ معاذ اللہ' استغفراللہ! اس لیے اس کا جو معنی اوپر متن کے سامنے لکھا گیا ہے صحیح ہے کہ نوحؑ نے اپنی قوم کو دن کو بھی تبلیغ کی اور رات کو بھی ظاہر بھی کی مخفی بھی۔ انفرادی بھی اور اجتماعی بھی لیکن قوم پر مطلقاً" کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنی بدکاریوں سے باز نہ آئے بلکہ عذاب کا مطالبہ کر دیا۔ تو اس طرح اللہ نے انہیں گمراہی کی اسی حد پر پایا جہاں اس کی طرف سے گمراہی کا فتویٰ صادر ہو جاتا ہے۔ یہاں فعل یغوی کا مصدری معنی گمراہ قرار دینا ہے۔ گمراہ کرنا نہیں جس کا اللہ تعالیٰ کے لیے تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

اگلی آیت مجیدہ میں نبی علیہ السلام پر قوم کے لگائے ہوئے ایک الزام کا جواب خود آپ سے دلوایا گیا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ

(۳۵) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو اس (محمدؐ) نے اللہ پر خود افترا کر لیا ہے۔ کہہ دیجئے گا کہ (اگر ایسا ہے) تو اس کا گناہ مجھ پر

فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿٣٥﴾

ہے' مگر میں اس جرم سے بری ہوں جو تم میرے ذمہ لگاتے ہو۔ (میں نے افترٰی نہیں کیا۔ اس بہتان تراشی کے تم مجرم ہو)

اوپر آیت نمبر۳۳ میں قوم نوحؑ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کی بدولت اسی مقام پر پہنچ چکی تھی۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی کا فتویٰ صادر ہو جاتا ہے یعنی وہ ایمان لانے کی حدود کو پھاند چکے ہوئے تھے۔ اگلی آیت مجیدہ میں نوحؑ کو اسی کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لا چکے لا چکے۔ بدعملوں کے لیے آپ غمگین نہ ہوں:

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

(۳۶) اور نوحؑ کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے اب کوئی ایمان نہیں لائے گا سوائے اس کے جو ایمان لا چکا ہے۔ پھر منکر لوگ جو عمل کرتے ہیں آپ اس پر افسوس نہ کریں۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾

(۳۷) ان پر طوفان کا عذاب آنیوالا ہے۔ اس سے بچاؤ کے لیے' آپ ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری جبلی وحی کے مطابق کشتی بنائیں۔ اور مجھے ظالموں کے متعلق مخاطب نہ کرنا۔ بے شک وہ سب غرق ہونے والے ہیں۔

باعیننا ووحینا کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی تھی کہ فلاں قسم کی لکڑی کا انتخاب فرمائیں۔ اتنے موٹے پھٹے چروائیں۔ پھر اتنے اتنے موٹے لوہے کے کیلوں کے ساتھ پھٹوں کو فلاں فلاں ڈیزائن کے مطابق آپس میں جوڑیں۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جبلت میں یہ چیز محفوظ کر رکھی ہے کہ وہ اپنے دماغ میں ایک چیز کا ڈیزائن تیار کرتا ہے اور کائناتی آیات کریمہ کے مطابق اسے تیار کرکے عالم وجود میں لاتا ہے۔ جیسے کہ اہل مغرب آئے دن نئی سے نئی ایجادات کرتے چلے جا رہے ہیں جن کے ڈیزائن اپنے دماغ میں تیار کرتے ہیں اور اس کے مطابق وہ ایجاد عالم وجود میں لائی جاتی ہے۔

ایسے تصور میں نوحؑ کے انتہائی توہین پائی جاتی ہے کہ اہل مغرب تو ریلیں' کاریں' بحری اور ہوائی جہاز ہر مرحلے پر تنزیلی وحی کی رہنمائی کے بغیر تیار کرلیں اور نوحؑ کشتی بھی اس کے بغیر نہ بنا سکیں کہ اس کی تیاری کے ہر مرحلے پر اللہ تعالیٰ کو وحی کرنی پڑے۔ واضح رہے کہ کائنات کے ہر گوشے میں صحیفہ فطرت کی آیات کریمات انسان کی رہنمائی کے لیے موجود ہیں۔ جیسے کہ مختلف گوشوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی کتاب کائنات کی آیتیں ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ ○ ۷۹-۸۱/ ۴۰

اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہارے لیے چارپایوں کو بنایا تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور بعض کو کھاؤ۔ اور اس نے ان میں تمہارے لیے بہت فائدے ٹھہرائے ہیں تاکہ ان پر سوار ہوکر اپنی حاجت کو پہنچو جو تمہارے ذہنوں میں ہے اور تم ان پر اور کشتی پر سوار کیے جاتے ہو۔ اور اللہ تم کو اپنی آیتیں دکھاتا ہے۔ پھر تم اس کی کون کونسی آیت

فطرت کا انکار کرو گے۔

اس آیت مجیدہ میں چارپایوں اور کشتیوں کو اللہ کی آیتیں بتایا گیا ہے۔ چارپایوں پر سواری کرنے کے لیے گھوڑے کے اوپر زین اور اس کے منہ میں لگام دینا' انسان نے اللہ تعالی کی وحی جبلی کے مطابق ایجاد کیا ہے۔ بیل' بھینسا اور گدھا وغیرہ لدو چارپایوں سے کھیتی اور باربرداری کے فوائد حاصل کرنے کے طریقے ہل پنجالی اور گڈے چھکڑے وغیرہ ایجاد کیے ہیں۔ اسی طرح نوحؑ نے اللہ تعالی کی جبلی وحی اور کائناتی وحی یعنی سائنسی اصولوں کے مطابق کشتی بنائی۔ **واصنع الفلک باعیننا ووحینا** کا مفہوم یہ ہے کہ کشتی کو سائنٹفک اصولوں کے مطابق تیار کریں سورہ قمر میں خبر دی گئی ہے کہ وہ موٹے پھٹوں اور مضبوط آہنی کیلوں کیساتھ تیار کی گئی تھی: **وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ** (۵۴/۱۳) اور ہم نے نوح کو لوہے کے کیلوں کے ساتھ مضبوطی سے جڑے ہوئے پھٹوں والی کشتی پر سوار کیا۔ مگر اگلی آیت مجیدہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

(۳۸) اور وہ (نوحؑ) کشتی بناتے تھے اور جب اس پر ان کی قوم کے سردار گزرتے تو ان پر ہنستے تھے۔ آپؑ نے کہا اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو (جب طوفان آئے گا تو) اسی طرح ہم تم پر ہنسیں گے جس طرح تم ہنستے ہو۔

قوم کے سردار یہ کہتے ہوئے گزرتے تھے کہ لو جناب اس سطح مرتفع پر ہمارے لئے طوفان کا عذاب آنیوالا ہے اس کے جواب میں نوحؑ نے انتہائی یقین ایمان کے اندر میں قوم کے متکبر سرداروں کو برملا کہہ دیا۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

(۳۹) پس تم ضرور جان لوگے کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور کس پر قائم رہنے والا عذاب نازل ہوتا ہے۔

ادھر کشتی تیار ہو گئی ادھر نزول عذاب کا وقت آگیا۔ جس کی خبر اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظ ذیل دی گئی ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

(۴۰) یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور گڑھوں نے جوش مارا' ہم نے کہا کہ کشتی میں تمام (ضروری) جانوروں کے جوڑے اور اپنے اہل کو سوار کر لیجئے' سوائے ان کے جن کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور جو ایمان لایا ہے اسے بھی سوار کر لو۔ اور اس (نوحؑ) کیساتھ نہ ایمان لائے مگر تھوڑے سے لوگ۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾

(۴۱) چنانچہ آپنے (ضروری جوڑے سوار کر لیے اور اپنے اہل کو) کہا اس میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا بھی اللہ کے قانون کے مطابق ہے اور اس کا رکنا بھی اللہ کے قانون کے مطابق ہے بے شک میرا رب بچاؤ عطا کرنے والا مہربانی فرمانے والا ہے۔

من کل زوج اثنین سے مراد جانوروں کے ضروری جوڑے ہیں جن کے بغیر انسانی زندگی چل نہیں سکتی مثلاً گھوڑے' گدھے' گائے' بھینس' بھیڑ' بکری وغیرہ۔ کل کے لفظ سے ضروری چیزوں کا کل مراد ہے۔ جیسے کہ ملکہ سباء کے متعلق

قرآن مجید میں بتایا گیا ہے اُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (۲۷/۲۳) کہ اسے ہر ضروری چیز دی گئی ہے مثلاً" مال' دولت' خزانہ اسلحہ' فوج وغیرہ نہ کہ اس کے پاس سانپ' بچھو' مینڈک' کچھوے مگرمچھ اور انبار در انبار کیڑے مکوڑے حشرات موجود تھے۔ پس جس طرح ملکہ سباء کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اسے سلطنت سے متعلقہ ہر ضروری چیز دی گئی تھی۔ اسی طرح نوحؑ کو انسانی زندگی سے متعلقہ ہر ضروری جوڑے کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

بسم اللّٰه مجرھا ومرسھا کے الفاظ میں اسم بمعنی اللہ کا قانون ہے نوحؑ نے اعلان فرمایا کہ اس کا چلنا اور رکنا اللہ کے قانون کے مطابق ہے۔ اگر یہاں اسم بمعنی نام لیا جائے تو اگر کشتی اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف بنائی گئی ہو کہ اس کی درزوں میں سے پانی کشتی کے اندر داخل ہو رہا ہو تو اس پر اللہ کے نام کا ورد کرنے سے وہ ہرگز ہرگز نہیں چلیگی' بلکہ ڈوب جائے گی۔ یا بالفاظ دیگر اللہ کے نام میں اس کا قانون موجود ہے۔ جس طرح یہاں اللہ کے اسم کا ایک معنی اللہ کا قانون ہے۔ اس طرح قرآن کریم میں اللہ کے امر کا ایک معنی بھی اللہ کا قانون ہے جیسے کہ سورہ ابراہیم میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۱۴/۳۲ اور اس نے کشتیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ وہ اللہ کے امر (اس کے قانون) کے مطابق سمندر میں چلتی رہیں۔ پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ کشتی سمندر میں وہ چلتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کے مطابق بنائی گئی ہو۔ اور اس کے چلنے میں قانون فطرت کی ساز گاری بھی میسر ہو۔ پس مشاہدات کی شہادت کے مطابق قانون فطرت اور اس کی ساز گاری ہی اللہ تعالیٰ کا امر ہے جس کے مطابق کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں۔

اس طرح قرآن کریم میں اللہ کی نعمت کا بھی ایک معنی اللہ کا قانون ہے۔ جیسے کہ سورہ لقمان میں کشتیوں ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے **أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ** ۳۱/۳۱ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک سمندر میں کشتیاں اللہ کی نعمت (اس کے قانون) کے مطابق چلتی ہیں۔ تاکہ وہ تمہیں اپنی آیتیں دکھائے۔)

مُجْرِهَا کی ر کے نیچے زیر اس امر کی تاکید کیلئے ہے کہ اللہ کے قانون کی موافقت کے بغیر کشتیاں ہرگز نہیں چل سکتیں۔ مثلاً جب کشتی میں سوراخ ہو جائے اور پانی اس کے اندر داخل ہو کر اسے قانونی حد سے زیادہ بوجھل کر دے تو وہ چل نہیں سکے گی بلکہ ڈوب جائیگی۔ یہی حال ہر سواری کا ہے' سائیکل' موٹر' ریل اور ہوائی جہاز وغیرہ ہر چیز میں جب کوئی خرابی پیدا ہو جائے جو قانون الٰہی کے خلاف ہو تو وہ رک جاتی ہے۔ مثلاً تیل ختم ہو جائے یا کوئی اور فنی خرابی ہو جائے تو موٹر' ریل اور ہوائی جہاز فوراً" رک جائے گا۔ اور جب تک وہ کمی پوری نہ کی جائے چل نہیں سکے گا پس **مجرھا** کی ر زیر کو لمبا کرکے پڑھنے میں قوانین فطرت کے اٹل ہونے پر خصوصی توجہ دلائی گئی ہے اور ہمہ جہتی ترقی کا راز یہی ہے کہ جو قومیں قوانین فطرت کی اتباع کرتی ہیں وہ کامیاب و کامران ہوتی ہیں جو قوانین قدرت کی مخالفت کرکے عمل کو چھوڑ کر صرف دعاؤں پر اکتفا کرتی ہیں وہ اقوام عالم کی ترقی کی دوڑ میں پسماندہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ العیاذ باللہ!

اگلی آیت مجیدہ میں قوانین باری تعالیٰ کے مطابق سائنٹفک طریقے پر تیار کردہ کشتی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ پہاڑوں جتنی بڑی بڑی لہروں کا مقابلہ کرتی ہوئی طوفان کے پانی میں چل رہی تھی کہ وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ نوحؑ نے اپنے

بیٹے کو ایک کنارے پر کھڑا پایا، آپ نے اسے کہا کہ ہمارے ساتھ سوار ہو جا:

وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ ﴿۴۲﴾

(۴۲) اور وہ (کشتی) انہیں لے کر پہاڑوں جیسی لہروں میں چلتی تھی (کہ آپ کو بیٹا دکھائی دیا) نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا کہا جب وہ ایک کنارے پر تھا کہ ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور انکار کرنے والوں کا ساتھی نہ بن۔

قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿۴۳﴾

(۴۳) اس نے کہا میں ابھی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا۔ وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ آپ نے فرمایا کہ آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں۔ سوائے ان کے جن پر اللہ نے رحم کیا (جو کشتی میں سوار ہو چکے ہیں) ان دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ہوگیا۔

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۴﴾

(۴۴) اور (بزبان قانون) کہا گیا کہ اے زمین اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان تھم جا۔ اس طرح پانی خشک ہوگیا۔ اور حکم ختم ہوگئی اور کشتی جودی پہاڑی پر جا لگی اور کہا گیا کہ ظالموں کے لیے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے۔

آمد طوفان کے متعلق آیت نمبر۴۰ میں بتایا گیا ہے **(فار التنور)** کہ گڑھوں یعنی چشموں سے پانی جوش مار کر پھوٹ پڑا لیکن اس آیت نمبر۴۴ سے پتہ چلتا ہے کہ نیچے سے زمین کا پانی گڑھوں سے زور مار کر طوفان لے کر آیا اور اوپر سے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ چنانچہ جب قوم نوحؑ کے سرکش و بدکار لوگ غرق ہوگئے تو نیچے سے زمینی چشموں کا پانی خشک کر دیا گیا اور اوپر سے بارش کو تھما دیا گیا۔

عالمگیر طوفان: آگے بڑھنے سے پہلے ذہن میں ابھرنے والے دو سوالوں کے جوابات ضروری ہیں۔ پہلا یہ کہ طوفان نوحؑ کے متعلق زبان زد عوام یہ ہے کہ یہ طوفان پورے کرہ ارض پر آیا تھا۔ لیکن حقیقت حال کو سمجھنے میں کوئی دقت موجود نہیں کہ اوپر قوم نوحؑ کی سرکشیوں اور نافرمانیوں کا ذکر ہے۔ نیز عذاب کا مطالبہ اسی قوم نوحؑ نے کیا تھا اور اسی قوم کے لیے یہ طوفان لایا گیا تھا۔ پس اسی علاقے پر آمد طوفان لازم تھی جس پر قوم نوحؑ آباد تھی۔ باقی رہا یہ سوال نوحؑ نے یہ کہا تھا ربّ **لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا** ۷۱/۲۶ اس میں الارض سے مراد ساری زمین نہیں بلکہ زمین کا وہ حصہ ہے جس پر قوم نوح کی بستیاں آباد تھیں۔ اس کی طرح مثالیں قرآن کریم میں بہت سی موجود ہیں۔ مثلاً فرعون کے متعلق آیا ہے:

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ ۲۸/۴ بے شک فرعون نے زمین کے اس حصے میں سرکشی اختیار کی تھی جس پر اس کی حکومت تھی۔ اسی طرح یوسفؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے:

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۵۶/۱۲ اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو مصر کی سرزمین میں اقتدار عطا فرمایا۔ جس طرح ان دونوں آیتوں میں الارض کا الف لام عوض مضاف الیہ ہے اور الارض سے مراد ارض المصر ہے یعنی فرعون نے مصر کی زمین میں سرکشی کی تھی اور یوسفؑ کو مصر کی سرزمین میں اقتدار عطا کیا گیا تھا۔ اسی طرح ۲۶/۷۱ **رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا**" میں بھی **الارض** کا الف لام عوض مضاف الیہ ہے اور اس سے مراد ہے **ارض القوم نوح** قوم نوحؑ کی زمین ۔ گویا زمین کا وہ حصہ جس میں قوم نوح کی بستیاں تھیں جنہیں ان کے باسیوں سمیت غرق کر دیا گیا۔

ذہن میں ابھرنے والا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا قوم نوح پر طوفان کا عذاب فطری قوانین کے خلاف لایا گیا تھا؟ اس کا جواب ہے نہیں' بلکہ فطری قوانین کے مطابق ہی لایا گیا تھا۔ زمین میں پانی ہر جگہ موجود ہے جس کے ذخیرے اونچے اونچے پہاڑوں پر ہیں۔ زمین کا پانی اس اصول کے مطابق کہ مائعات اپنی سطح ہموار رکھتے ہیں' ہر وقت اپنے منبع کی بلندی تک پہنچنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اس کوشش میں سطح مرتفع کی گھاٹیوں میں عموماً" چشموں کی صورت میں پھوٹ پڑتا ہے چنانچہ قوم نوح کے لیے طوفان کا عذاب ایک طرف تو زمینی اور سطح مرتفع کے چشموں کے ذریعہ لایا گیا اور دوسری طرف آسمان سے موسلا دھار بارش برسائی گئی۔ قوانین فطرت کے دونوں پانی مل کر جودی کی چوٹی تک جا پہنچے۔ بارشوں کے برسنے اور تھمنے کا مشاہدہ فطرت ہر شخص کے سامنے ہے اور اسی طرح چشموں کے پھوٹنے اور رخ بدل کر ان کے خشک ہو جانے کے مشاہدات سے بھی نوع انسانی انکار نہیں کر سکتی۔ بعض قوموں پر آندھی اور زلزلوں کا عذاب لایا گیا۔ یہ چیزیں بھی قانون فطرت سے خارج نہیں۔ بالفاظ دیگر نوع انسانی کی سرکشیوں کی سزا کے سامان خالق کائنات نے گوشے گوشے میں پیدا کر رکھے ہیں جو قانون فطرت کے مطابق ہی آتے رہتے ہیں۔

پیچھے آیت ۴۳ میں بتایا گیا ہے کہ نوحؑ کا بیٹا آپ کی آنکھوں کے سامنے غرق ہو گیا۔ آپ کو اس کا صدمہ ہوا۔ اسے اپنا اہل سمجھ کر کشتی ہی میں باری تعالی سے عرض کی وہ میرا اہل تھا۔ تیرا وعدہ میرے اہل کو بچا لینے کا تھا:

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾

(۴۵) اور نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا۔ پس کہا میرے ربؐ بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا۔ اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور توہی حاکموں کا حاکم ہے۔

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۗ اِنِّيْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾

(۴۶) فرمایا (اللہ نے) اے نوحؑ! بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں تھا (تیرے اہل صالحین ہیں) بلاشبہ وہ مجسم غیر صالح عمل تھا۔ پس تو اس کے۔ متعلق مجھ سے سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں۔ بیشک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو بے خبروں میں نہ رہ۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ

(۴۷) (نوحؑ نے) کہا اے میرے رب بیشک میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں سوال کروں اس کا جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو

مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾

مجھے معاف نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾

(۴۸) کہا گیا کہ اے نوحؑ! ہماری طرف سے سلامتی اور برکت کے ساتھ جو تجھ پر اور ان گروہوں پر ہے جو تیرے ساتھ ہیں، کشتی سے اتر اور دوسرے گروہوں کو بھی ہم ضرور فائدہ دیں گے۔ پھر (جو سرکشی کریں گے) انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچیگا۔

اسید نوحؑ نے جو اپنے بیٹے کے لیے یہ کہہ کر سوال کیا تھا کہ وہ میرے اہل سے تھا۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ وہ تیرے اہل میں سے نہ تھا۔ کیونکہ وہ بالکل غیر صالح عملوں والا تھا، یعنی مطلقاً" بد عمل آدمی خواہ وہ کوئی ہو اللہ کے نبیؑ کا اہل نہیں ہوسکتا۔ اس کا یہ جواب تو ممکن ہی نہیں کہ آپ اتنی معمولی سی بات بھی نہیں جانتے تھے۔ مگر اس پر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کیوں ارشاد ہوا کہ تو مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کرنا جس کی تجھے خبر نہ ہو۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے اہل کی حقیقت سے بے خبر تھے۔ مگر اس پر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی بے خبری تو مقام نبوت تک کے خلاف ہے۔

برادران عزیز! حقیقت یہ ہے کہ یہاں نبی کے اہل سے بے خبری کی اطلاع نہیں دی گئی، بلکہ اس چیز سے مطلع کیا گیا ہے کہ آپ اپنے بیٹے کی بداعمالیوں سے بے خبر تھے۔ چنانچہ آپ کو باندازِ تحدید ارشاد ہوا ہے:

اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ ۱۱/۴۶ تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو بے خبروں سے نہ رہ (تیرا بیٹا بد عمل تھا۔ نہ وہ نیکو کار تھا اور نہ تیرا اہل تھا) بالفاظ دیگر بدکردار بیٹے نے اپنے آپ کو منافقانہ طور پر نیکو کار ظاہر کر رکھا تھا۔ اور اس لیے نوحؑ اسے اپنا اہل سمجھے ہوئے تھے نہ یہ کہ آپ کو لفظ اہل کے معنی ہی نہیں آتے تھے۔ استغفراللہ۔

نوحؑ نے بد عمل بیٹے کے لیے رب تعالیٰ سے دعا کرنے پر پناہ طلب فرمائی۔ لیکن یاد رہے۔ کہ آپ کا یہ عمل آیات بالا کے مطابق بیٹے کی بد اعمالیوں سے بے خبری کی بدولت تھا۔ لفظ اہل کے معنی اور مفہوم سے بے خبری کی وجہ نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ کی سلامتی اور برکت نوحؑ اور ان نیکوکار مومنوں پر تھی جو اپنے نیک اعمال کی بدولت آپؑ کے اہل ثابت ہوئے اور کشتی میں سوار ہوکر ایک عظیم طوفانی عذاب سے محفوظ رہے۔ اس کے برعکس آپ کا بیٹا بدعملیوں کی بدولت نہ اہل ثابت ہوا اور نہ عذاب سے محفوظ رہا۔ ان آیات کریمات میں نسلی برتری کی مطلقاً" نفی کر دی گئی ہے اور باعث شرف صرف اعمال صالح بتائے گئے ہیں۔

آیت نمبر۴۸ کے اخیر پر قیامت تک کے لیے اعلان کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ کشتی نوح میں سوار ہوکر عذاب سے محفوظ رہے یہ عذاب سے محفوظ رہنے اور آپؑ کے اہل ثابت ہو چکنے کے باوجود قانون الٰہی کی زد سے آزاد نہیں بد عملی کی سزا سے نہ یہ آزاد ہیں اور نہ قیامت تک کی دوسری اقوام بری ہیں بد عمل لوگ اگر توبہ اور اصلاح نہ کریں وہ ضرور ضرور سزا کے مستحق ہوں گے۔ نوحؑ کے ذکر جلیل کے خاتمہ پر نبی اکرمؐ کو ارشاد ہوا ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کرتے

ہیں۔ آپ اس سے پہلے ان خبروں کو نہ جانتے تھے۔ آپ غیب دان نہیں۔ اگر غیب دان ہوتے تو ان خبروں کے نزول کی ضرورت نہیں تھی۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚ فَاصْبِرْ ۚ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

(۴۹) (اے رسول عربی) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اس سے پہلے نہ آپ انہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔ پس آپ بھی ثابت قدم رہیئے گا۔ بلاشبہ بہتر انجام ان لوگوں کے لیے ہے جو قوانین الٰہی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

ماکنت تعلمها ولا قومک من قبل هذا کے الفاظ میں امت کے ایک قدیمی متنازعہ مسئلہ کا حل موجود ہے کہ نبی اکرمؐ نزول وحی سے ماقبل نوحؑ کے صحیح حالات کو نہیں جانتے تھے۔ اسی طرح کفالت مریمؑ کے حالات بیان کرنے کے بعد ۳/۴۴ میں ارشاد ہوا ہے: **ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ** ○ ۳/۴۴ مذکورہ بالا غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ (ہیکلوں والے) وتحظ کر رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے گا۔ اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس موجود تھے جب وہ کفالت مریم کے متعلق آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

اسی طرح یوسفؑ کے پورے حالات بیان کرنے کے بعد سورہ یوسف میں ارشاد ہوا ہے: **ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ** ۱۲/۱۰۲ مذکورہ بالا غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ برادران یوسفؑ اپنی بری تجویز پر جمع ہوئے تھے۔ اور بری تجویزیں کر رہے تھے۔

آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے نبی اکرمؐ غیب دان نہیں تھے۔ کیونکہ آپ کو صحیح خبروں سے بذریعہ وحی مطلع کیا جاتا تھا۔ اور سلسلہ وحی آپ پر آخری ایام تک جاری رہا۔ نیز **ما کنت لدیهم** کے الفاظ میں مسئلہ حاضر و ناظر کا بھی فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ نہ کفالت مریمؑ کے تنازعہ کے وقت موجود تھے نہ طوفان نوحؑ کے وقت اور نہ آپ برادران یوسفؑ کے پاس موجود تھے جب وہ بری تجویزیں کر رہے تھے۔

آیات بالا میں نوحؑ کی مشکلات بیان کرنے کے بعد **فاصبر** کے خصوصی حکم میں نبی اکرمؐ کو نوحؑ کی طرح مستقل مزاج رہنے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی مگر قوم کے افراد کے سوا کوئی ایمان نہ لایا بلکہ آپ کا مسلسل تمسخر اڑاتے رہے۔ چونکہ نبی اکرمؐ کا بھی یہ کہہ کر کہ یہ دیوانہ ہے مذاق اڑایا جاتا تھا۔ اس لیے **فاصبر** کے الفاظ میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ بھی مستقل مزاج رہیں اور ہمارے تنزیلی اور کائناتی قوانین پر جم کر عمل کریں۔ آخری فتح ان کی ہوتی ہے جو قوانین الٰہی کی مخالفت سے بچتے ہیں۔

چنانچہ **ان العاقبة للمتقین** کے الفاظ میں اسی چیز کی خبر دی گئی ہے کہ جس طرح نوحؑ کے مخالف ان کی آنکھوں کے سامنے ختم کر دیئے گئے تھے اسی طرح نبی اکرمؐ کے دشمن ابوجہل وغیرہ بھی آپ کی آنکھوں کے سامنے ختم کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ وہ جنگ بدر میں آپ کے سامنے قتل ہوئے اور آخری فتح بھی فتح مکہ کے نام سے نبی اکرمؐ اور آپؐ کے صحابہؓ ہی

کے حصے میں آئی۔

ایک اہم نکتہ: نوح کے ذکر جمیل میں ایک اہم ترین قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ نوحؑ کی مخالفت جب ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی تو آپ نے حضور الہٰی میں دعا کی **رب انی مغلوب فانتصر** ۱۰/۵۴ اے میرے رب میں مغلوب ہوگیا میری مدد کر۔ آپ کی دعا قبول ہوئی کہ ہم ان پر ایک عظیم طوفان آب کا عذاب لا کر انہیں غرق کر دیں گے۔ لیکن اس کے ضمن میں آپ کو اپنے اور اپنے اہل کے بچاؤ کے لیے ہمارے قوانین فطرت یعنی سائنسی اصولوں کے مطابق کشتی تیار کرنا ہوگی۔ چنانچہ کشتی تیار کی گئی۔ اور اس کے ذریعہ نوحؑ اور آپ کے اہل کو طوفان سے بچایا گیا۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو ذات مقدس نوحؑ کی قوم کو ختم کرنے کی طاقت رکھتی تھی کیا وہ نوحؑ اور آپ کے اہل کو کشتی کے بغیر بچا نہیں سکتی تھی؟ اس سوال کا جواب بچا سکنے کے لحاظ سے تو یہ ہے کہ وہ بچا سکتی تھی۔ لیکن وہ خود اپنے اعلان کے مطابق ایسا نہیں کرتی کہ اپنے خود متعینہ قوانین فطرت کے خلاف عمل کرے ۲۹/۵۰ چنانچہ جملہ سرکش اقوام کو قوانین فطرت ہی کے ذریعہ کسی کو آندھی کے ساتھ' کسی کو زلزلے کے ذریعہ اور کسی کو میدان جنگ میں ختم کیا گیا۔ اسی طرح قوم نوحؑ کو طوفان آب کے ساتھ ختم کیا اور خود نوحؑ کو اپنے قانون فطرت کے مطابق کشتی ہی کے ذریعے طوفان سے محفوظ رکھا۔ کیونکہ طوفان آب سے بچانے کیلئے اس کے قانون میں کشتی یا بحری جہاز ہی مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے متعینہ قوانین کے خلاف ہرگز نہیں کرتا ۲۹/۵۰ اور نہ ہی قوانین فطرت کی مخالفت کرکے کوئی قوم کامیاب ہوسکتی ہے جنگ احد میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے قوانین فطرت کی معمولی سی مخالفت سرزد ہوئی تو اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس پاکیزہ لشکر کو بھی زک اٹھانا پڑی جس کے سپہ سالار خود خاتم النبین تھے۔ نوحؑ کے مبارک ذکر میں آخری چیز سمجھنے کی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قوم نوحؑ کو طوفان آب کے ساتھ ختم کرنے کا ارادہ فرمایا تو نوحؑ کو طوفان آب سے محفوظ رہنے کے لیے کشتی بنانے کا حکم دیا۔ اسی طرح جب قوم لوطؑ پر پتھراؤ کا ارادہ فرمایا تو انہیں حکم دیا کہ آپ اپنے اہل کو لیکر اس بستی سے نکل جائیں۔ مگر قوم عاد و ثمود کو جو زلزلہ اور آندھی کے ساتھ ختم کیا گیا تو ہودؑ و صالحؑ کو اپنے اور اپنے اہل کے بچاؤ کے لیے کیا حکم دیا؟ واضح رہے کہ ہودؑ اور صالحؑ کے اذکار جلیلہ میں یہ چیز محذوف ہے ان سے بھی قوانین فطرت کے مطابق محفوظ پناہ گاہیں تیار کروائی گئی تھیں اور انہیں اسی طرح اپنے متعینہ قوانین فطرت کے مطابق ان اسباب ہی کے ذریعہ بچایا تھا جو زلزلوں اور طوفان باد سے بچاؤ کیلئے اس نے خود مقرر فرمائے ہیں' جس طرح نوحؑ کو اس سبب کے ذریعہ بچایا تھا جو طوفان آب سے بچنے کے لیے اس نے خود مقرر فرما رکھا ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں ھودؑ کا ذکر لایا گیا ہے۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝۵۰

(۵۰) اور (ہم نے قوم عاد) کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو۔ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ نہیں ہو تم مگر اللہ پر افتریٰ باندھنے والے ہو۔

وَاِلٰی عَادٍ کا عطف پیچھے آیت نمبر ۲۵ کے الفاظ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ** پر ہے اس لئے **وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا** کا صحیح معنی یہ ہے "اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔" اگرچہ اس آیت میں **اَرْسَلْنَا** کے الفاظ موجود نہیں۔ مگر معطوف معطوف علیہ کے اصول قواعد کے مطابق یہاں **اَرْسَلْنَا** موجود ہے۔ نیز یہاں **عَادٍ** کی تنوین عوض مضاف ہے' اور ترکیب کلام یہ ہے **وَاَرْسَلْنَا اِلٰی قَوْمِ عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا** ○۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ میں **اعْبُدُوا اللّٰهَ** کے الفاظ میں اللہ کی عبودیت کرنے کا حکم دیا ہے اس کا صحیح مفہوم اللہ تعالیٰ کا بندہ بننا یعنی صرف اسی کا حکم ماننا ہے۔

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ کے الفاظ میں ہودؑ نے قوم پر یہ واضح فرمایا کہ تم لوگوں نے جو اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے متوفی بزرگوں کا حکم ماننے کا تصور پیدا کر رکھا ہے۔ یہ تمہارا افتریٰ محض ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنے حکم میں شریک نہیں کیا۔ **لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا** ○ (۱۸/۲۶) اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔

اگلی آیت مجیدہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہودؑ نے اپنی قوم پر وہی کچھ واضح فرمایا جس کا اعلان اپنی قوم کے سامنے نوحؑ نے فرمایا تھا۔ کہ میں تم سے کوئی اجر رسالت نہیں مانگتا' میرا اجر میرے رب کے ذمہ ہے۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۗ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵۱

(۵۱) اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ دین) کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اس ذات پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ پھر تم کیوں عقل نہیں کرتے۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۵۲

(۵۲) اور اے میری قوم اپنے رب سے حفاظت طلب کرو پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ وہ تم پر زور سے برستا ہوا آسمان بھیجے گا (یعنی باران رحمت کی کثرت کے ساتھ رزق کی فراوانی عطا فرمائے گا) اور تم اللہ کے مجرم بن کر برگشتہ نہ ہو جاؤ۔

لیکن قوم ہودؑ نے بھی قوم نوحؑ کی طرح اپنے پیروں کو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مخصوصہ میں شریک کر رکھا تھا۔ اس لئے انہوں نے کہا:

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۳

(۵۳) انہوں نے کہا' اے ہودؑ! تو ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل نہیں لایا۔ اور ہم تیرے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہی ہم تجھ پر ایمان لانیوالے ہیں۔

إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۵۴﴾ مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿۵۵﴾

(۵۴-۵۵) ہم نہیں کہتے مگر صرف یہ کہ ہمارے کسی معبود (پیر) نے تجھے ذلیل کر دیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا' میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو۔ بیشک میں اس سے بیزار ہوں جو تم (اپنے پیروں کو) اس اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ پھر تم سب اکٹھے ہو کر میرے خلاف تجویز کرو پھر مجھے مہلت نہ دینا۔

پانچ دلیلیں:۔ آیات بالا میں پانچ دلائل قاطعہ ایسی گزر چکی ہیں جن سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ قوم ہودؑ ہستی باری کی منکر نہیں تھی۔ اور دوپہر کے سورج جیسی کھلی چھٹی دلیل سورہ اعراف نمبر۷ کی ہے۔ بالترتیب ہر چھ دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ پہلے نمبر پر اوپر ۵۰/۱۱ میں ہود نے قوم کو کہا:۔ **قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ** اے میری قوم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ اللہ پر ایمان لاؤ بلکہ یہ کہا کہ اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی قوم اللہ تعالیٰ کی ہستی کی قائل تھی مگر اپنے بزرگوں کو اس کی صفات مخصوصہ میں شریک کر رکھا تھا۔

۲۔ دوسرے نمبر پر اسی آیت ۵۰/۱۱ میں آپ نے قوم سے کہا **إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ** ○ نہیں ہو تم مگر اللہ پر افتریٰ باندھنے والے ہو۔ بزرگوں کو صفات الٰہی میں شریک ٹھہرانے والی قومیں اللہ تعالیٰ پر یہ افتریٰ باندھتی ہیں کہ ہمارے بزرگوں کو خود اللہ تعالیٰ نے یہ صفات عطا فرمائی ہیں کہ وہ مشکلیں حل کرتے ہیں۔ بیٹے دیتے ہیں' بارش برساتے ہیں' کھیتیاں پیدا کرتے ہیں' مویشیوں میں برکت ڈالتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی بے نیازی کا بھی حصہ دے رکھا ہے۔

۳۔ تیسرے نمبر پر آیت نمبر ۵۲ میں ہودؑ نے قوم سے کہا **وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ** اور اے میری قومؑ اپنے رب سے حفاظت مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ معلوم ہوا کہ وہ لوگ گنہگار تھے' اسلئے انہیں اللہ تعالیٰ سے طلب حفاظت کا حکم دیا گیا' نیز وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دور ہٹ چکے تھے' اس کے منکر نہیں تھے۔ اسی لئے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا۔

۴۔ چوتھے نمبر پر آیت نمبر۵۴ میں آپنے قوم سے کہا **إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ** بیشک میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔ اگر وہ لوگ ہستی باری تعالیٰ کے منکر ہوتے تو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا ہی نہیں جاسکتا تھا۔

۵۔ اور پانچویں نمبر پر اسی آیت نمبر۵۴ میں آپ نے فرمایا **وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ** ○ اور تم بھی گواہ ہو جاؤ کہ میں ان سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو۔ **مِمَّا تُشْرِكُونَ** کے الفاظ سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ قوم ہودؑ اللہ کی منکر نہیں تھی بلکہ مشرک تھی' اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ میں غیر اللہ کو شریک کئے ہوئے تھی العیاذ باللہ!

۶۔ چھٹے نمبر پر اسی چیز کی تائید سورہ اعراف کی آیت نمبر۷۰ میں بالفاظ صریح موجود ہے کہ ہودؑ کی قوم نے آپ کی تبلیغ وحدت کے جواب میں کہا:۔ **قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا** (۷/۷۰) انہوں نے کہا کہ

(اے ہودؑ!) کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کریں اور اس کے علاوہ جن کی فرمانبرداری ہمارے باپ دادا کرتے تھے' انہیں چھوڑ دیں۔

رجوع الی المطلب:۔ ہودؑ کی مشرک قوم اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرنے سے باز نہ آئی۔ پچھلی آیت نمبر ۵۴ میں آپ نے ان کے شرک کے فعل سے بیزاری کا اعلان فرمایا:۔ اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ اور ساتھ ہی چیلنج کیا کہ تم سب اکٹھے ہو کر میرے خلاف جو تجویز چاہو کرو۔ اور مجھے مہلت نہ دینا۔ میرا محافظ میرا اللہ ہے۔ چنانچہ اگلی آیت نمبر ۵۶ میں آپ کا ایک یادگاری اعلان بھی موجود ہے اور ایک اہم اعتقادی مسئلہ کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے:

اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِہَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾

(۵۶) بیشک میں نے اللہ اپنے رب اور تمہارے رب (کے قانون) پر بھروسہ کیا ہے۔ کوئی جاندار نہیں مگر وہ (اللہ) اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑے ہوئے ہے (یعنی ہر جاندار اس کے قانون کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے) بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔ (ہر کسی سے انصاف کرنیوالا ہے)

○ نمبرا توکل علی اللہ کا یہ مفہوم یکسر غلط ہے کہ عمل تو کیا جائے قانون الٰہی کے خلاف اور توکل علی اللہ کہہ کر برے عمل کے اچھے نتیجے کی امید رکھی جائے۔ قانون الٰہی یہ ہے کہ جَو بونے سے جَو ہی آئیں گے توکل علی اللہ جَو بو کر گندم اگنے کی امید رکھنا' لفظ توکل کے مفہوم سے بے خبری کی دلیل ہے۔ توکل کا قرآنی مفہوم یہ ہے کہ پیش آمدہ کام کے متعلق قانونِ جاریہ کے مطابق پروگرام بنا کر اس پر عمل شروع کیا جائے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے:

○ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ ○ (۳/۱۵۹)

اور اے رسول! پیش آمدہ مہم کیلئے صحابہ کیساتھ مشورہ فرمایا کریں۔ پھر جب آپ (مشورہ کے بعد قانون الٰہی کے مطابق صحیح راستے پر چلنے کا ارادہ فرمائیں) توقانون الٰہی پر بھروسہ کرکے عمل شروع کر دیں۔ صحیح مشورہ وہی ہوتا ہے جو قانون الٰہی کے مطابق ہو' اور وہی مشورہ مجلس شوریٰ میں پاس ہوتا اور واجب العمل ہوتا ہے۔ اگر قوانین الٰہی پر صحیح عمل کیا جائے تو یقیناً کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ کا قانون کبھی دھوکا نہیں دیتا۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقررہ اور معینہ قوانین کے خلاف کبھی نہیں کرتا) ۳۹/۵۰ توکل کا لغوی معنیٰ ہے بھروسہ اور اعتماد کرنا اور قابل بھروسہ و اعتماد صرف قوانین الٰہی ہیں جو نہ آج تک تبدیل ہوئے ہیں اور نہ قیامت تک تبدیل ہوں گے۔ الختصر اللہ پر توکل کا قرآنی مفہوم ہے اس کے سو فیصد بااعتماد' غیر متبدل قوانین جاریہ پر اعتماد و بھروسہ کرنا۔

○ توکل علی اللہ کے ان معنوں میں یہ الجھن سامنے آتی ہے کہ لفظ اللہ کا معنیٰ اللہ کا قانون کس طرح صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ الجھن قرآن کریم کے اسلوب تصریف آیات کے مطابق فوراً" دور ہو جاتی ہے۔ لفظ اللہ بمعنیٰ اللہ کا قانون ۱۶/۷۹ میں مذکور ہے: اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِکُہُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ؕ کیا لوگوں نے پرندوں پر غور نہیں کیا جو فضاء آسمانی میں مسخر کئے ہوئے (اڑتے پھرتے) ہیں انہیں فضا میں نہیں تھامتا مگر اللہ کا قانون۔ یہاں مَا یُمْسِکُہُنَّ اِلَّا اللّٰہُ کا یہ معنیٰ لینا کہ پرندوں کو فضا میں اللہ تعالیٰ تھامے رکھتا ہے' اس وقت عملاً" غلط ہو جاتا ہے

جب اڑتے پرندے کو شکاری نشانہ بناتا ہے اور وہ دھڑام سے نیچے آگرتا ہے۔ اس مشاہدے سے معاذ اللہ! معاذ اللہ شکاری کی گولی اللہ تعالیٰ کے تھامنے سے زیادہ طاقتور ثابت ہوتی ہے جو حقیقت حال کی صد فیصد خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پرندوں کو فضا میں اللہ کا قانون تھامے رکھتا ہے کہ جب تک پرندوں کے پر ہوا پیدا کرنے کے قابل ہوتے ہیں وہ فضا میں اڑتے پھرتے ہیں' سوائے اس کے کہ ان کے پروں میں کوئی نقص پیدا ہو جائے یا شکاری نشانہ بنالے۔

○ **مَامِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَاٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا** کا یہ مفہوم غلط ہے کہ کوئی جاندار ایسا نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ پیشانی سے پکڑے ہوئے ہے۔ یعنی جو کام بھی وہ کرتا ہے خود اللہ ہی کرا رہا ہوتا ہے اس طرح اگر ہر اچھا برا عمل خود اللہ تعالیٰ ہی کراتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات عمل غلط ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی برے عمل کرواتا ہے اور خود ہی سزا دیتا ہے۔ العیاذ باللہ! بالفاظ دیگر خود غیر محرم مرد عورت کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر بد فعلی کراتا ہے اور خود ہی حکم دیتا ہے کہ دونوں کو سربازار سو سو کوڑے لگاؤ۔ پس **اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا** کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہر جاندار اللہ تعالیٰ کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ ہر جاندار معہ انسان طبعی قوانین میں جکڑا ہوا مجبور محض ہے۔ مگر صرف انسان اپنے کئے ہوئے نیک اعمال کی اس بہتر جزا کا اور برے اعمال کی اس بری سزا کا خود مستحق ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرما رکھی ہے۔ کیونکہ انسان اچھے یا برے عمل خود کرتا ہے۔

○ **اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** کے الفاظ بھی مذکورہ بالا مفہوم کی تائید کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے' کیا وہ کسی راہ پر چل کر کسی منزل کی طرف جا رہا ہے؟ چونکہ وہ ذات مقدس اس قسم کے تصورات تک سے بری ہے' اسلئے سیاق کلام کے مطابق کہ پیچھے ہودؑ نے ۱۱/۵۲ میں قوم سے ارشاد فرمایا **يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ** اے میری قوم اللہ سے حفاظت مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ جو لوگ گناہ کرنے کے بعد استغفار کریں اور اپنے رب کی طرف رجوع کرکے برائیوں سے باز آجائیں' اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کر دیتا ہے۔ وہ سیدھے راستے پر ہے کہ برے اعمال کی سزا دیتا ہے اور نیک اعمال کی جزا دیتا ہے' مگر جو گنہگار توبہ کرکے اپنی اصلاح کر لے تو اسے معاف کر دیتا ہے۔ وہ غلط راہ پر نہیں کہ نیکوں کو سزا دے اور بروں کو جزا۔ اور جو کوئی تائب ہوکر اصلاح بھی کرے تو اسے معاف نہ کرے۔

○ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ہودؑ نے اپنی قوم سے فرمایا اگر تم روگردانی کرو تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اگر تم باز نہ آئے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ
بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ
وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ حَفِيْظٌ ؀

(۵۷) پھر اگر تم روگردانی کرو تو بلاشبہ میں وہ پیغام جو تمہاری طرف دیکر بھیجا گیا ہوں' تمہیں پہنچا چکا ہوں۔ اللہ تمہاری قائم مقام کوئی اور قوم لے آئے گا (تمہیں ختم کر دے گا) تم اسے ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے بیشک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔

○ قوم ہودؑ نے بھی قوم نوحؑ کی طرح نافرمانی اور سرکشی اختیار کی' جس کی بدولت ان پر بھی اللہ کا عذاب آگیا۔

(۵۸) اور جب ہمارا حکم آگیا (تو نافرمانوں کو ختم کر دیا گیا اور) ہم نے

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾

ہودؑ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت کیساتھ نجات دی اور انہیں ہم نے ایک گاڑھے عذاب سے بچا لیا۔

وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۵۹﴾

(۵۹) اور وہ قوم عاد کے لوگ تھے جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کی مخالفت کی اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش اللہ کے دشمن کے حکم کی پیروی کی۔

وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾

(۶۰) اور (ان کی نافرمانیوں کی بدولت) دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے گی اور قیامت کے دن بھی (لگیگی) سنو بیشک قوم عاد نے اپنے رب (کی ربوبیت عالمینی) کا انکار کیا۔ سنو ھودؑ کی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔

نمبر۱۔ یہاں **كَفَرُوْا رَبَّهُمْ** کا معنی لکھا گیا ہے کہ قوم عاد نے اپنے رب کی ربوبیت کا انکار کیا' جس سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار مقصود نہیں۔ پیچھے آیت نمبر-۵۰-۵۲-۸۴ کی پانچ دلیلیں دی گئی ہیں کہ قوم عاد اللہ کی ہستی کی منکر نہ تھی۔ وہ اللہ کی ربوبیت عالمینی کے منکر تھے۔ معاشرے کے بعض افراد کو محروم ربوبیت کرکے ذلیل اور اپنے زیر دست بنا رکھا تھا۔

(سورہ حم سجدہ)

طوفانِ باد کا عذاب عظیم:۔ اوپر عذاب کا صرف ذکر ہے' جس کی سورہ حم سجدہ میں یوں وضاحت کی گئی ہے۔ **فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ** ○(۴۱/۱۵) **فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِیْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی وَهُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ** ○ (۴۱/۱۶)

(مفہوم) پھر جو قوم عاد تھی' انہوں نے اس زمین میں ناحق تکبر کیا' جس میں انہیں اقتدار حاصل تھا۔ اور وہ کہتے تھے کہ ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے اور کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے۔ مگر ان کی حالت یہ تھی کہ وہ ہماری آیتوں کے متعلق جھگڑتے رہتے تھے۔ پس ہم نے تکلیف دہ ایام میں ان پر ایسی تندوتیز اور لگاتار چلنے والی ٹھنڈی ہوا بھیجی' جس سے انتہائی ہیبت ناک آوازیں نکلتی تھیں۔ تاکہ ہم انہیں دنیا میں رسوائی کا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب بہت زیادہ رسوا کرنے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ان کی دنیا میں کوئی مدد کی گئی تھی اور نہ آخرت میں کی جائیگی۔

○ نمبر۱ **ریحا" صَرْصَرا"** کا معنی ہے لگاتار چلنے والی تندوتیز ہوا' جس میں ٹھنڈک ہو اور اس سے خوفناک آوازیں' چیخیں سی نکل رہی ہوں۔ مادہ ص۔ ر۔ ر = صرر کا بنیادی معنی ہے کسی کام میں ہیشگی اور دوام پایا جانا۔ اسی مادہ سے مشتق ہے لفظ اصرار' یعنی کسی چیز کی طلب میں نہ ٹوٹنے والا تسلسل۔ نیز **صَرَّ یَصِرُّ وَ صَرِیْرًا** کا معنی سخت آواز نکالنا بھی ہے۔ پس قوم عاد پر بھیجا گیا عذاب ایسی شدید و مہیب آندھی کی صورت میں تھا جس سے ہیبت ناک آوازیں اور خوفناک چیخیں نکل رہی تھیں۔

سورہ قمر:۔ سورہ قمر میں مذکورہ آندھی کی شدت بالفاظ ذیل بیان کی گئی ہے:۔ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ○ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ○ ۱۸۔۲۰/۵۴ قوم عاد نے (ہماری آیتوں کو) جھٹلایا۔ پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔ بیشک ہم نے ان پر ایک تکلیف دہ مسلسل وقفے میں سخت آندھی بھیجی۔ وہ لوگوں کو اس طرح اٹھا اٹھا کر پھینکتی تھی گویا کہ وہ کھجور کے جڑ سے اکھڑے ہوئے پیڑ ہیں۔

سورہ ذاریت:۔ سورہ ذٰریت میں ارشاد ہوا ہے:۔ وَفِىْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ○ مَا تَذَرُ مِنْ شَىْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ○ ۴۱۔۴۲/۵۱ اور قوم عاد میں (بھی عبرت ہے) جب ہم نے ان پر بے خیر ہوا بھیجی۔ وہ جس چیز پر آتی تھی تو نہیں چھوڑتی تھی مگر اسے بوسیدہ ہڈیوں کی مانند کر دیتی تھی (یعنی اس آندھی میں ایسے خطرناک کیمیاوی اثرات موجود تھے' جن کے زیر اثر آکر ہر چیز بوسیدہ ہڈیوں کی مانند ہوگئی تھی)

نمبر۲ رِيْحَ الْعَقِيْمَ کا معنی ہے وہ ہوا جس میں خیر اور بھلائی نہ ہو۔ بانجھ عورت کو اسلئے عقیم کہا جاتا ہے کہ اس سے کھیتی کا پھل' خیر اور بھلائی میسر نہیں آتی اس سے اولاد پیدا نہیں ہوتی۔

سورہ احقاف:۔ سورہ احقاف میں قوم عاد پر لائے گئے عذاب کے متعلق بتایا گیا ہے ابتدا میں وہ ایک ابر کی صورت میں آیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ط رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ تُدَمِّرُ كُلَّ شَىْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ط كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ○ (۲۴۔۲۵/۴۶) پس جب ان (قوم عاد) نے دیکھا کہ وہ ایک ابر ہے جو ان کی وادیوں کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے تو انہوں نے کہا یہ تو ایک بادل ہے جو ہم پر برسنے والا ہے۔
(ھودؑ نے فرمایا نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کیلئے تم جلدی کرتے تھے۔ یہ ایک آندھی ہے جس میں درد ناک عذاب ہے۔ یہ آندھی اپنے رب کے امر (قانون) کے مطابق ہر چیز کو تباہ کر دیگی۔ پھر وہ ان کے ساتھ ایسے نابود ہوگئے کہ ان کے گھروں کے کھنڈروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اسی طرح ہم مجرم اقوام کو ان کے جرموں کی سزا دیتے ہیں (یعنی ماضی میں بھی دیتے تھے' حال میں بھی دیتے ہیں اور آئندہ بھی دیتے رہیں گے۔ قوم عاد نے جسے باران رحمت سمجھا وہ لگاتار چلنے والی تباہ کن آندھی تھی۔)

مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن آندھی چلتی رہی:۔ تصریف آیات کے قرآنی اسلوب بیان کے مطابق وضاحت ہوچکی ہے کہ قوم عاد پر مسلسل چلنے والی چیخوں بھری آندھی کا عذاب لایا گیا تھا۔ سورہ حاقہ میں اس امر کی خبردی گئی ہے کہ وہ خوفناک آندھی مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی۔ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ○ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ○ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ○ (۶ تا ۸/۶۹)
(مفہوم) اور جو قوم عاد تھی' پس وہ لوگ اپنی بد اعمالیوں کی بدولت خوفناک آوازوں والی' جڑوں سے کاٹتی ہوئی مہلک آندھی

کیساتھ ہلاک کیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر لگاتار سات راتیں اور آٹھ دنوں کیلئے مسلط کر دیا۔ پھر اے مخاطب تو نے اس قوم کو (بنگاہ تصور) دیکھ لیا ہے کہ وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھوکھلے تنوں کی طرح گرے پڑے ہیں۔ پھر کیا تو نے دیکھا ہے کہ انکا کوئی ایک متنفس بھی باقی بچا ہے؟

قوم عاد کے جرائم:۔ یہ وہی قوم ہے جو کہتے تھے کہ ہم سے طاقتور کون ہے۔ وہ اپنی فتحوں کی یادگار کے طور پر بڑے بڑے مینار بنایا کرتے تھے۔ سورہ شعراء کی آیات نمبر۱۲۸ تا ۱۳۰ میں ہودؑ کے یہ الفاظ مذکورہ ہیں جو آپ نے اپنی قوم سے فرمایا:۔ **اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝** (۱۲۸ تا ۲۶/۱۳۰) کیا تم ہر بلندی پر ایک یادگار تعمیر کرتے ہو۔ یہ تم بالکل بیکار عمل کرتے ہو اور محل اور مینار بناتے ہو گویا کہ تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی قوم پر پنجہ مارتے ہو (ناجائز تسلط جماتے ہو) جابرانہ انداز سے انتہائی سختی کرتے ہو۔

نمبر۱ **تَبْنُوْنَ** کا سہ حرفی مادہ ب۔ ن۔ ی= بنی ہے جس کا بنیادی معنی ہے عمارتیں بنانا۔

نمبر۲ **رِيْعٍ** کا معنی ہے بلندی' اونچی زمین' قوم عاد اونچی جگہوں پر اپنی ظالمانہ فتحوں کی یادگاریں تعمیر کرتے تھے۔

نمبر۳۔ **اٰيَةً** کا معنی ہے نشانی۔ **اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً** کے الفاظ کے مطابق اونچی جگہ پر کی گئی تعمیر مینار وغیرہ کو نشانی کہا گیا ہے۔ جسے عرف عام میں یادگار کہا جاتا ہے۔

نمبر۴ **تَعْبَثُوْنَ** کا مادہ ع۔ ب۔ ث عبث ہے' جس کا بنیادی معنی ہے ہر وہ کام جس میں انسانی توانائی' دولت اور وقت بے فائدہ خرچ کیا جا رہا ہو۔ پرانی یادگاریں جو ماضی میں بنائی گئی تھیں۔ اور وہ بھی جو زمانہ حال میں بنائی جا رہی ہیں۔ ان پر خرچ کیا جانیوالا کروڑوں روپیہ' ھودؑ کے قرآنی الفاظ کے مطابق عبث یعنی بیکار اور فضول کے زمرہ میں شامل ہے۔ یہ یادگاریں رات کے اندھیرے میں گناہوں کے اڈوں اور مجرموں کو پناہ دینے کا کام دیتی ہیں۔ اور دن کی روشنی میں ان لوگوں کی یاد دلاتی ہیں جو ختم ہو چکے' مٹ چکے ہیں' جن کا اقتدار مٹی میں مل چکا ہے۔ انہی پرانی یادگاروں کے متعلق ارشاد ہوا ہے: **قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝** (۲۷/۶۹) (اے رسول!) کہہ دیجئے گا کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ مجرم اقوام کا کیا انجام ہوا۔ جو عوام کے حقوق ربوبیت غصب کرکے یادگاریں' قلعے اور محلات تعمیر کرتے رہے گویا کہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ آج وہاں الّو بول رہے ہیں! اسی تصور کو ھودؑ کے ان الفاظ میں اجاگر کیا گیا ہے **لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ** کہ تم عوام کے حقوق ربوبیت پر غاصبانہ قبضہ کرکے یادگاریں' محلات اور مینار بناتے چلے جا رہے ہو' جیسے کہ تم اس فانی زندگی میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔

انبیاء سلام علیہم کی کوئی یادگار' محل' مینار یا قلعہ وغیرہ کرہ ارض پر ہرگز نہیں پائی جاتی' حالانکہ قرآنی شہادت کے مطابق ان میں سے موسیٰؑ نے ایک لمبی تحریک کے بعد فرعون پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ داؤدؑ' سلیمانؑ' مسیحؑ اور نبی اکرمؐ خاتم النبیینؐ عظیم الشان حکومتوں کے مالک تھے۔ نبی اکرمؐ نے نہ جنگ بدر کی بے مثال فتح کی کوئی یادگار تعمیر فرمائی نہ جنگ خندق کی' جس میں حجاز بھر کے مشرکین سب اکٹھے ہوکر حملہ آور ہوئے تھے۔ اسی طرح آپ نے فتح مکہ جیسی دائمی اور آخری فتح کی بھی کوئی یادگار نہ بنائی۔ کیوں؟ اسلئے کہ از روئے قرآن حکیم یہ سب کچھ عبث اور بیکار کے زمرہ میں داخل ہے۔ کیونکہ عوام

بیچارے ضروریات زندگی خوراک' لباس اور مکان سے محروم ہوتے ہیں۔ انہیں جھونپڑی تک میسر نہیں ہوتی اور ادھر اس عمارت پر لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کیا جا رہا ہوتا ہے' جو کسی بے گھر کے سر چھپانے' کے لئے خرچ نہیں کیا جا رہا ہوتا۔

یادگار مسجدیں:۔ قرآن کریم کی رو سے یادگار کے طور پر صرف مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے۔ جیسے کہ نبی اکرمؐ کی یادگار مسجد نبوی موجود ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اصحاب کہف کی عظیم کامیابی کی یاد میں مسجد بنائی گئی تھی: **قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا** (۱۸/۲۱) جو لوگ اپنی عظیم مہم میں کامیاب ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم ان کی یاد میں ایک مسجد کو یادگار ٹھہرائیں گے۔

نمبر۵ مصانع کا سہ حرفی مادہ ص-ن-ع= صنع ہے جس کا معنی ہے صنعکاری۔ مصانع **مَصْنَعَةٌ** کی جمع ہے' جس کا معنی ہے محل' قلعہ' مضبوط عمارت وغیرہ۔ ان چیزوں کی تعمیر ان حکمرانوں کی سنت ہے جو قرآن کریم کے اولین سبق **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** (۱/۱) کو بھلا کر حکومت کو اپنی جاگیر قرار دیتے اور عوام کے بنیادی انسانی حقوق خوراک' لباس' علاج اور مکان' پر غاصبانہ قبضہ جما لیتے تھے۔ جو حکمران اپنے فرض منصبی پر نگاہ رکھتے' انہیں داوٗدؑ سلیمانؑ اور خاتم النبین کی طرح عوام کی ضروریات زندگی کے بہم پہنچانے سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ وہ محلات' قلعے اور دیوانخانے کس طرح بنا سکتے تھے؟

نمبر۶ قوم عاد کے متعلق اخیر پر بتایا گیا ہے۔ **اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ** (۲۶/۱۳۰) **بَطَش** کا مصدری معنی ہے پنجہ مارنا۔ چونکہ اس کے بعد جبارین آیا ہے اسلئے اس سے مراد ہے جارحانہ حملہ کرنا۔ پرائے حقوق پر جابرانہ قبضہ جمانا۔ اس سے ثابت ہوا کہ قوم عاد جابر اور جارح قوم تھی۔ سورہ شعراء کی اگلی آیات مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ہودؑ نے انہیں کہا: **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۝ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝** ۱۳۱ تا ۲۶/۱۳۵ پس اے قوم اللہ تعالی کے قوانین کی مخالفت سے بچ جاؤ اور میری اطاعت کرو (یعنی جس طرح میں اس کے قوانین تنزیلی اور تکوینی کی مخالفت سے بچتا ہوں' تم بھی میری اطاعت میں) اس ذات کے قوانین کی مخالفت سے بچو' جس نے ان چیزوں کیساتھ تمہاری مدد فرمائی ہے جنہیں تم جانتے ہو' اس نے تمہاری مدد کی ہے (قوانین جاریہ کے مطابق) چارپایوں' بیٹوں' باغوں اور چشموں کیساتھ۔ (میں تمہاری طرف سے ان **نِعْمَاءِ الٰهی** کے غلط استعمال کی بدولت) تمہارے لئے بڑے دن کے عذاب سے خوفزدہ ہوں۔ (اگر تم ان نعمتوں میں پورے عوام کو عملاً حصہ دار ٹھہرا لو تو عذاب سے بچ سکتے ہو)

لیکن قوم عاد اللہ تعالی کے قوانین جاریہ کے مطابق میسر آمدہ نعمتوں اور اپنے متکبرانہ اعمال پر اسقدر نازاں تھی کہ اس نے جواب دیا: **قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ۝** (۲۶/۱۳۶) انہوں نے کہا ہمارے لئے برابر ہے کہ تو ہمیں نصیحت کرے یا نہ کرے **اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝** (۲۶/۱۳۷-۱۳۸) نہیں ہے مگر یہ ہمارے پہلے لوگوں کی روش ہے (جو بڑوں کے تواتر سے ملی ہے۔ اس لئے ہم اسے چھوڑنیوالے نہیں اور ہم ناجی ہیں) ہم عذاب کئے جانیوالے نہیں ہیں۔

خُلُق کا معنی ہے عادت' خصلت' روش۔ قوم عاد نے اپنے اعمال کو احکام الہی کے عین مطابق ثابت کرنے کیلئے یہ دلیل دی کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ **خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ** ہے جو ہمارے باپ دادا' پر دادا سے مسلسل ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ آبائی

تواتر ہے جو غلط نہیں ہو سکتا۔ یہ عین احکام الٰہی اور سابقہ نبی کی سنت کے مطابق ہے۔ لیکن یاد رہے کہ دین الٰہی میں تواتر کی کوئی قیمت نہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و منظور ہے اپنا نازل کردہ ضابطہ' چنانچہ ھودؑ نے ان کے آبائی تواتر کو ضابطہ الٰہی کے خلاف ہونے کی بدولت رد کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آبائی تواتر کو صداقت کی دلیل قرار دینے والی قوم کو طوفانِ باد کے عذاب کیساتھ بالکل ختم کر دیا۔

قوم عاد کی فہرستِ جرائم:۔ قوم عاد کے تذکرہ میں مذکورہ آیاتِ کریمہ کے مطابق اس کے جرائم کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔ قوم عاد کے لوگ اس عقیدے کے حامل تھے کہ اللہ کے رسول بشر نہیں ہوتے۔ اور اسی بنا پر انہوں نے ھودؑ کی نبوت کا انکار کیا۔ ھودؑ نے فرمایا۔ **اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ** (۷/۶۹)

۲۔ وہ اکیلے اللہ کی عبودیت' فرمانبرداری نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کو اللہ کیساتھ شریک کر رکھا تھا۔ انہوں نے خود کہا **قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا** (۷/۷۰)

۳۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کے ایسے نام رکھ لئے تھے جن کی سند اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں کی گئی' جیسے اوتار' ابدال' اقطاب وغیرہ ناموں کی الٰہی سند موجود نہیں آپؑ نے فرمایا' **اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ** (۷/۷۱)

۴۔ اس قوم نے اللہ تعالیٰ پر افترٰی باندھ رکھا تھا۔ یعنی جو اعمال وہ بجا لاتے تھے' احکام الٰہی' آیات الٰہیہ کے مفہوم کو ان کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ ھودؑ نے فرمایا' **اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ** ۝ (۱۱/۵۰)

۵۔ قوم عاد جابر اور جارح تھی۔ ھودؑ نے فرمایا' **وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ** (۲۶/۱۳۰)

۶۔ اونچی جگہوں پر وہ اپنی جارحانہ اور ظالمانہ فتحوں کی یادگاریں تعمیر کرتے تھے (یعنی عوام کے حقوقِ ربوبیت کو بھلا دیا اور انہیں محتاج بنا کر اپنے زبردست کر رکھا تھا۔ ھودؑ نے فرمایا' **اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ**

۷۔ بڑے بڑے محل' قلعے اور مینار بناتے تھے گویا کہ انہوں نے ہمیشہ یہاں رہنا ہے' آپؑ نے فرمایا **وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ** ۝ (۲۶/۱۲۹)

۸۔ وہ بڑے مالوں' باغوں' اولادوں اور چشموں والے تھے۔ لیکن ان نعمتوں کو باپ دادا کی جاگیر قرار دیکر ان پر عوام سے الگ قابض ہو کر عذابِ الٰہی کے مستحق ہوئے۔ ھودؑ نے فرمایا' **اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ** ۝ (۱۳۳ تا ۲۶/۱۳۵)

۹۔ وہ اپنی جارحیت' عوام پر اپنی فضیلت اور عوام کو غریب و محتاج رکھ کر ان پر اپنی بالا دستی قائم رکھنے اور انکا دائمی استحصال کرتے رہنے کے جواز کیلئے اپنے آباؤ اجداد کے ان اعمال کو جو تواتر سے ہوتے چلے آ رہے تھے بطور سند پیش کرتے اور کہتے تھے' **اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ** ۝ (۲۶/۱۳۷)

۱۰۔ وہ اپنے مذکورہ بالا اعمال کو جو صد فیصد ربوبیت عالمینی کے خلاف تھے عین احکامِ الٰہی اور سابقہ نبی کی سنت قرار دیکر باعثِ نجات جانتے تھے۔ اس لئے وہ کہتے تھے چونکہ یہ اعمال تواتر سے ہوتے چلے آ رہے ہیں اسلئے ہماری نجات ہو جائیگی

ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ (۲۶/۱۳۸)
مضمون بالا میں قرآن کریم کی رو سے ثابت کیا گیا ہے کہ بد اعمال قوم عاد کو شدید و مہیب آندھی کے عذاب کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔ مگر ہودؑ اور آپ کے ساتھیوں کو اس عذاب سے بچا لیا گیا۔ اس پر لازمی اور اہم سوال یہ ہے کہ انہیں کس طرح بچایا گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں عجائباتی طور پر بچایا تھا یا اپنے غیر متبدل قوانین جاریہ کے مطابق بچایا تھا؟ قابل غور ہے۔

ہودؑ اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ جاریہ کے مطابق ہی نجات دی تھی۔

اس سوال کے ضمن میں غور طلب امر یہ ہے کہ جب قوم نوحؑ کیلئے اللہ تعالیٰ نے طوفان آب کا عذاب تجویز فرمایا تو نوحؑ کو حکم دیا۔ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (۲۳/۲۷) کہ ہماری نگرانی میں ہماری جبلی تعلیم کے مطابق ایک مضبوط کشتی تیار کریں۔ کیوں؟ کشتی بنانے کا حکم کیوں دیا؟ اس کا جواب آیات صحیفہ فطرت کی زبان میں بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین میں طوفان آب سے بچاؤ کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کشتی ہی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نافرمان قوم نوحؑ کو اپنے قانونِ جاریہ کے مطابق غرق کر دیا۔ اور نوحؑ اور آپ کے ساتھیوں کو اپنے قانونِ جاریہ کے مطابق کشتی ہی کے ذریعہ پانی کے طوفانِ عظیم سے بچایا۔

اس کے بعد باری آئی قوم عاد کی' جس کیلئے طوفانِ باد یعنی شدید آندھی کا عذاب تجویز کیا گیا' جس میں خوفناک آوازیں بھی تھیں۔ پھر آندھی کی شدت کا یہ عالم کہ وہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر آدمی کو جڑوں سے اکھڑے ہوئے کھجور کے درختوں کی طرح پچھاڑ کر رکھ دے۔ تو ایسی حالت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس عظیم و شدید طوفانِ باد سے ہودؑ اور آپ کے ساتھیوں کو بچانے کی کیا تجویز فرمائی گئی؟

اس کا جواب بھی بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ جس طرح طوفانِ آب سے بچاؤ کے خود اپنے مقررہ قانون جاریہ کے مطابق نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم دیا گیا تھا' اسی طرح ہودؑ کو ہوا کے طوفان سے بچاؤ کیلئے بھی اپنے اس قانون پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا جو اس کے لئے باری تعالیٰ نے خود مقرر فرما رکھا ہے اور جو اس کی کتابِ کائنات' صحیفہِ فطرت میں ہمیشہ آزمودہ اور اٹل ہے' وہ ہے ایسی زمین دوز پناہ گاہیں بنانا جو نہ صرف طوفانِ باد کی زد سے محفوظ ہوں بلکہ وہاں اس کی ہیبت ناک آواز کی شدت بھی خطرناک نہ رہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ان پناہ گاہوں کی تیاری یا ان کے حکم کا ذکر قرآن بھر میں نہیں ہے۔ اس کا جواب اہل عقل و بصیرت کیلئے نوحؑ کو کشتی کے تیار کرنے کے حکم میں موجود ہے کہ قیامت تک کیلئے جس جس قسم کے خطرات پیدا ہوتے چلے جائیں اسی اسی قسم کے بچاؤ کے سامان تیار کرتے چلے جاؤ۔ بندوق کی گولی اور توپ کے گولے کیلئے زمین دوز مورچے بنائے جائیں گے۔ بمباری سے بچاؤ کیلئے زمین دوز پناہ گاہوں کی تیاری لازم ہے۔ نبی اکرمؐ کو دشمن کے مقابلے کیلئے جدید سے جدید اسلحہ بنانے کا حکم اسلئے دیا گیا ۸/۶۰ تاکہ مسلمان ہر آنیوالے خطرہ کے مادی بچاؤ تیار کرنے سے غافل ہوکر پسماندگی کا شکار نہ ہو جائیں۔

اگلی آٹھ آیات مجیدہ میں قوم ثمود اور صالحؑ کا ذکر لایا گیا ہے۔ اس قوم نے بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمینی کا انکار کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولؑ اور اس کے پیغام کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ دیکھئے ارشاد باری:۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾

(۶۱) اور (ہم نے قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ (کو بھیجا) اس نے کہا کہ اے میری قوم (خالص) اللہ تعالیٰ کی عبودیت کرو۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی عبودیت (بندگی) کے لائق نہیں۔ وہ وہی ہے جس نے تمہیں (یعنی تمہارے ابتدائی باپ دادوں کو) زمین میں سے پیدا کیا اور اسی پر آباد کر دیا۔ پس تم اس سے حفاظت طلب کرو۔ اور اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب قریب ہے (اور دعائیں) قبول کرنے والا ہے۔

يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ کے وہی الفاظ ہیں جو ہودؑ نے اپنی قوم سے کہے تھے کہ اے میری قوم اکیلے اور خالص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو' تمہارے لیئے اس کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔

اصلاحِ عقائد و اصلاحِ معاشرہ:۔ فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ کے الفاظ بھی وہی ہیں جو ہودؑ نے اپنی قوم سے کہے کہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو اور اس کی طرف رجوع ہو جاؤ' یعنی آئندہ گناہوں سے توبہ کرکے اپنی اصلاح کر لو۔ حقیقت یہ ہے کہ سارے کے سارے انبیاء سلام علیہم کا ایک ہی مشن تھا' اصلاحِ عقائد اور اصلاحِ معاشرہ۔ اصلاحِ عقائد یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کی ذات' اس کی صفات اور اس کے حکم میں شریک نہ کیا جائے اور اصلاحِ معاشرہ یہ کہ ہر فردِ انسانی کو ایک جیسا واجب التکریم بھی مانا جائے اور معاشی لحاظ سے سب کے حقوق کو بھی مساوی تسلیم کیا جائے۔ معاشی عدم مساوات ہی سے معاشرہ میں جرائم جنم لیتے ہیں اور اسی کے قیام سے جرائم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ صالحؑ کی قوم ثمود نے آپؑ کو یہ عجیب و غریب جواب دیا کہ اے صالحؑ! ہم تو تم پر امیدیں لگائے ہوئے تھے کہ تم ہمارے سابقہ مذہب اور ہماری سابقہ معاشی روش میں ہمارے معاون بنو گے۔ مگر تم تو ہمیں ہمارے سابقہ مذہب اور معاشی طریقوں سے منع کرتے ہو' دیکھئے ارشاد باری:

قَالُوا يَٰصَٰلِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَىٰنَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾

(۶۲) انہوں نے کہا کہ اے صالحؑ! اس سے پہلے تو ہمارے درمیان امید کیا جاتا تھا کہ (ہمارے مذہب و معاش میں ہماری معاونت کرے گا) کیا تو (ہی) ہمیں منع کرتا ہے کہ ہم ان کی عبودیت چھوڑ دیں جن کی بندگی ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔ اور بیشک تو ہمیں جس چیز کی طرف بلاتا ہے ہمیں اس میں شک ہے۔

قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَءَاتَىٰنِي مِنْهُ رَحْمَةً

(۶۳) (صالحؑ نے) فرمایا' اے میری قوم کیا تم نے دیکھا ہے' بے شک میں اپنے رب کی طرف سے دلائل قاطعہ پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (نبوت) عطا فرمائی ہے۔

فَمَنۡ يَّنۡصُرُنِىۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ عَصَيۡتُهٗ فَمَا تَزِيۡدُوۡنَنِىۡ غَيۡرَ تَخۡسِيۡرٍ ۝۶۳

پھر اگر میں اس کی نافرمانی کروں (یعنی اس کا پیغام تمہیں نہ پہنچاؤں' تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے پر میری مدد کرے۔ اس طرح تم مجھے گھاٹے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرو گے۔

اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ میں اِنْ شرطیہ نہیں بلکہ اِنَّ کا مخفف' بمعنی بے شک ہے۔ کیونکہ اِنْ شرطیہ میں شک پایا جاتا ہے مگر صالحؑ کو اپنی نبوت پر اور اپنے دلائل قاطعہ پر ہونے میں ہرگز کوئی شک نہیں تھا۔ اس لیے آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ "اگر میں دلائل قاطعہ پر ہوں" بلکہ آپ نے یہ یقین کامل ارشاد فرمایا کہ' بے شک میں دلائل قاطعہ پر ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی ہے۔

اہلِ قواعد کے لیے لمحۂ فکریہ:۔ عربی قواعد میں اِنْ کو اس وقت اِنَّ کا مخفف مانا جاتا ہے جب اس کا صلہ لام آئے۔ جیسے **اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** ○ ۶۲/۳ میں اِنْ پر لَفِیْ کی لام کا صلہ آیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ قرآن کریم اہل قواعد کی غلطیاں بھی نکالتا ہے۔ جس طرح آیت زیر بحث ۶۳/۱۱ میں اِنْ بلا درود صلہ لام' اِنَّ بمعنی بے شک کا مخفف ہے۔ اسی طرح آیت ذیل ۳۳/۲۴ میں بھی اِنْ بلا درود صلہ لام اِنَّ کا مخفف ہے۔ **وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا**○ یہاں بھی اِنْ بلا درود صلہ لام آیا ہے اگر اِنْ کو شرطیہ مانا جائے تو اس کا یہ معنی بنتا ہے: دنیا کا مال حاصل کرنے کے لیے اپنی زیر دست ملازمہ عورتوں کو اگر وہ بچنا چاہیں تو انہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو۔ اور اگر وہ نہ بچنا چاہیں تو پھر کیا ان سے معاذ اللہ استغفراللہ! بدکاری کرانے کی اجازت دے دی گئی ہے؟ واضح رہے کہ یہاں بھی اِنْ بلا درود صلہ لام' اِنَّ کا مخفف ہے اور یہاں عورتوں کی جبلت کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ **اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا** وہ تو بلاشبہ بدکاری سے بچنے کا ہی ارادہ رکھتی ہیں۔ تم انہیں دنیا کے مال کے لیے اس پر مجبور نہ کرنا۔

مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ کے الفاظ سے بھی عیاں ہے کہ صالحؑ کو اپنی نبوت پر یقین کامل تھا جو فرمایا کہ اگر میں اس کا وہ پیغام جو تمہیں برا لگا ہے' تمہیں نہ پہنچاؤں تو کون ہے جو مجھے اس نافرمانی کی سزا سے بچا لے۔ اگلی آیات ذیل میں قوم ثمود کا تذکرہ اختصاراً" بیان ہوا ہے صالحؑ نے قوم سے فرمایا۔

وَيٰقَوۡمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَـكُمۡ اٰيَةً فَذَرُوۡهَا تَاۡكُلۡ فِىۡۤ اَرۡضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابٌ قَرِيۡبٌ ۝۶۴

(۶۴) اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی ہے پس اسے چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین سے کھائے (اور چشموں سے پانی پیئے ۲۶/۱۵۵) اور اسے تم برائی کے ساتھ مس نہ کرنا۔ ورنہ تمہیں قریب کا (یعنی فوری) عذاب پکڑ لے گا۔

فَعَقَرُوۡهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوۡا فِىۡ دَارِكُمۡ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ‌ ؕ ذٰ لِكَ وَعۡدٌ غَيۡرُ مَكۡذُوۡبٍ ۝۶۵

(۶۵) پھر انہوں نے اس کے پاؤں کاٹ دیئے ۔ آپ نے (بارشاد الٰہی) کہا کہ اپنے گھروں میں تین دن کے لیے فائدہ اٹھا لو۔ یہ وعدۂ عذاب جھٹلایا جانے والا نہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيۡنَ

(۶۶) پھر جب ہمارا عذاب آیا تو ہم نے صالحؑ کو اور ان کو جو اس کے

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ | ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی۔ اور اس دن کی ذلت سے بچا لیا۔ بے شک تیرا رب، وہی قوت والا غالب ہے۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ | (۶۷) اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا ایک ہولناک آواز نے اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

نَاقَةُ اللّٰهِ:۔ ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ صالحؑ نے قوم کے سامنے ایک اونٹنی کو اللہ کی اونٹنی کے نام سے بطور نشانی پیش فرمایا۔ اور نشانی یہ بتائی کہ اسے عام اجازت ہوگی کہ وہ اللہ کی زمین (اس کی چراگاہوں سے) گھاس کھائے گی (اور اللہ کے چشموں سے پانی پیئے گی) اسے نہ کوئی روکے اور نہ کوئی تکلیف پہنچائے۔ اور ساتھ ہی کہہ دیا گیا کہ ورنہ فوری عذاب آجائے گا۔ مگر ہوا یہ کہ قوم ثمود نے مذکورہ اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ حضور باری کی طرف سے تین دن کی مہلت دی گئی، پھر ان پر ایسی ہیبت ناک آواز کا عذاب نازل کیا گیا، جس سے وہ پوری قوم گھروں میں اوندھے گر کر مر گئی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اونٹنی کیا تھی۔ اسے اللہ کی اونٹنی کیوں کہا گیا؟ اور اسے کیوں آزاد چھوڑا گیا کہ وہ چراگاہوں سے آزادانہ گھاس کھائے اور چشموں سے پانی پیئے۔ مگر اسے روکا نہ جائے۔ سورہ شعراء میں قوم ثمود کے مذکورہ حالات سے پتہ چلتا ہے کہ قوم ثمود کے سرداروں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چراگاہوں اور اس کے پیدا کردہ چشموں پر غاصبانہ قبضہ جما رکھا تھا۔ غریب عوام کو نہ چراگاہوں میں مویشی چرانے کا حق حاصل تھا نہ چشموں سے پانی پلانے کا۔

صالحؑ نے ان کے سامنے اس ظلم سے باز رہنے کے لیے دلائل قاطعہ پیش کر کے اللہ کی چراگاہوں اور اس کے چشموں میں غریب عوام کا مساوی حق ثابت کیا۔ اور انہیں متنبہ کیا کہ اگر تم اس روش سے باز نہ آئے تو تم پر الٰہی عذاب نازل ہوگا۔ اس طرح ان کے درمیان ایک اونٹنی بطور نشانی مقرر کی گئی کہ یہ غریب عوام کے مویشیوں کی نمائندگی کریگی، چنانچہ اس کے لیے ایک آزمائشی وقفہ مقرر کیا گیا۔

هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ۲۶/۱۵۵ یہ تمہارے لیے اللہ کی نشانی اونٹنی ہے۔ وقفہ معلومہ میں سے بھی (یعنی غریب عوام کے جن مویشیوں کی یہ نمائندہ ہے انہیں بھی) پانی پینے کا مساویانہ حق حاصل ہے اور تمہارے مویشیوں کو بھی مساویانہ حق ہے۔ پس اس طرح جو اونٹنی قیام ربوبیت میں عوام کے مویشوں کی نمائندہ مقرر کی گئی تھی۔ اسے اللہ کی اونٹنی کہا گیا اور اس کا آزادانہ چراگاہوں میں چرنا، اور چشموں سے سیراب ہونا اس امر کی نشانی مانا گیا کہ چراگاہوں اور چشموں میں غریب عوام کے مویشیوں کا مساویانہ حق ہے، سورہ قمر میں بتایا گیا ہے کہ صالحؑ کو حکم ہوا:

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ ۲۸/۵۴ اور ان (جابر سرداروں) کو خبردار کر دیجئے گا۔ کہ بلاشبہ اللہ کے پانی کی، اللہ کی مخلوق میں مساویانہ تقسیم ہے۔ ہر پینے والے کو پینے کے لیے حاضری کا حق حاصل ہے۔ اس آیت مجیدہ نے اوپر بیان کی گئی حقیقت کو پوری طرح بے نقاب کر دیا ہے کہ، صالحؑ اور آپ کی قوم کے درمیان طے پایا کہ چشموں اور چراگاہوں میں غریب عوام کے مویشیوں کا مساویانہ حق ہے ۶۸/ ۵۴ اور معلومہ مقررہ وقفے میں صالحؑ کی اونٹنی کو اس قیام ربوبیت کی نشانی ٹھہرایا گیا ہے ۲۶/۱۵۵۔ مگر ہوا یہ کہ قوم نے اس معاہدے کو توڑ دیا۔ اس عہد کو توڑنے کی

حسب ذیل تفصیل سورۂ نمل میں بیان ہوئی ہے۔
وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ○ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصٰدِقُونَ ○ ۴۸-۴۹/۲۷ اور شہر میں نو فسادی سردار تھے جو اس میں فساد پھیلاتے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم اس صالحؑ پر' اس کے اہل (صحابہؓ) پر شبخون مار کر انہیں ہلاک کر دیں گے' پھر اس کے وارث کو کہہ دیں گے کہ ہم اس کے قتل کے وقت موجود نہیں تھے۔ اور بلاشبہ ہم سچے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس تجویز کو ناکام کر دیا ہے۔ مگر اپنے وعدے کے مطابق عذاب اس وقت لایا گیا جب ان تو میں سے ایک بدبخت نے عہد مساوات کو توڑ کر اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ اس کی تفصیل بالفاظ ذیل بیان فرما دی گئی ہے:۔
كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰهَا ○ إِذِ انْبَعَثَ أَشْقٰهَا ○ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيٰهَا ○ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ○ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا ○ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (۱۱ تا ۱۵/۹۱ قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے ساتھ صالحؑ کو جھٹلایا۔ وہ وقت قابل ذکر ہے جب ان میں کا ایک انتہائی خبیث (سردار اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے) اٹھا۔ حالانکہ ان کے رسولؑ (صالحؑ) نے کہا تھا کہ اونٹنی (غریبوں کے مویشیوں کی نمائندہ) بھی اللہ کی ہے اور اس کے (ذریعہ عوامی مویشیوں کے لیے پینے کا پانی بھی اللہ ہی کا ہے۔ (اسے ضرر نہ پہنچانا) مگر انہوں نے اسے جھٹلایا پس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ پھر ان کی (اس عہد شکنی اور غصب ربوبیت کے) جرم کے عوض اللہ تعالیٰ نے ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر انہیں برابر کر دیا (ختم کر دیا) اور اس نے اس قوم کے اس عبرتناک انجام کی (ذرہ بھر) پروا نہ کی سورہ قمر میں بتایا گیا ہے:
فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ○ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ○ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ○ ۲۹ تا ۳۱ / ۵۴ پھر انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو بلایا۔ پھر اس نے (اونٹنی کی طرف) ہاتھ بڑھایا اور اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور ڈرانا۔ بے شک ہم نے ان پر ایک ہی ہیبت ناک چیخ بھیجی جو ان پر یکبارگی آئی پھر وہ روندی ہوئی باڑ کے چورے کی مانند ہو گئے۔ پوری قوم گھروں میں اوندھی پڑی رہ گئی۔ (جن چٹانوں کا اندرونی لاوا چوٹی پر سوراخ کر کے انتہائی شدت کے ساتھ نکلتا ہے' اس سے ایسی زور کی چیخ برآمد ہوتی ہے کہ انسان اس کی تاب نہ لاکر فوراً ہلاک ہو جاتے ہیں)

صالحؑ اور آپؑ کے صحابہؓ کو کس طرح بچایا گیا: یہاں پہنچ کر جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے اس کا جواب از روئے قرآن یہ ہے کہ جب قوم نوحؑ کے لیے پانی کے طوفان عظیم کا فیصلہ کیا گیا تو آپؑ کو حکم دیا گیا کہ آپ کشتی تیار کر لیں۔ یہ حکم کیوں دیا؟ اس لیے کہ باری تعالیٰ کے قانون میں سیلاب کا مقابلہ کرنے کے لیے کشتی مقرر ہے۔ اسی طرح قوم عاد پر آندھی کے عذاب عظیم کا فیصلہ فرمایا تو جناب ہودؑ اور آپ کے ساتھیوں کے بچانے کے لیے لازمی طور پر ایسی زمین دوز پناہ گاہوں کی ضرورت تھی' جو طوفان باد سے محفوظ رکھ سکیں۔ اسی طرح جب قوم ثمود کے لیے ایک ہیبت ناک چیخ کے عذاب کا فیصلہ ہوا تو صالحؑ اور آپ کے ساتھیوں کے بچاؤ کے لیے ایسے ایئر ٹائٹ مقامات کی ضرورت تھی جہاں ہلاکت خیز چیخ کی آواز نہ پہنچ سکے۔ اسی کے ضمن میں چونکہ نبی اکرمؐ کے دشمنوں پر جنگ کا عذاب مسلط فرمایا گیا تھا' اس لیے ان کے مقابلے کے لیے نبی

اکرمؐ کو زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب اگر کوئی صاحب یہ اعتراض کرے کہ قرآن کریم میں نہ ہودؑ کو طوفانِ باد سے بچنے کے لیے پناہ گاہیں تیار کرنے کا حکم موجود ہے اور نہ ہیبت ناک چیخ سے بچنے کے لیے صالحؑ کو ایئر ٹائٹ مقامات کا حکم درج ہے۔ واضح رہے کہ ایسے تمام حکم نوحؑ کے نام طوفانِ آب سے بچنے کے لیے کشتی بنانے کے حکم ہی میں موجود ہیں کہ قیامت تک کے لیے جس قسم کے خطرے کا خوف ہو اسی قسم کے سامان تیار کرتے چلے جانا چیے کہ سامنے سے بندوق اور توپ کے فائر سے مورچے' اور اوپر کی بمباری سے بچاؤ کے لیے خندقیں درکار ہیں۔

قومِ ثمودؑ اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی: صالحؑ نے قوم کے سامنے مذکورہ اونٹنی کو **نَاقَةُ اللّٰهِ ○** یعنی اللہ کی اونٹنی کے نام سے ایک نشانی کے طور پر پیش کیا۔ اگر قومِ ثمود اللہ کی ہستی کی منکر ہوتی تو صاف جواب دیتی کہ ہم تو تیرے' اللہ ہی کو نہیں مانتے' ہمارے لیے تیرے اللہ کے نام کی اونٹنی کی کیا قدر و قیمت ہے۔

دوسرے نمبر پر ۱۴۳-۲۶/۱۴۴ میں آیا ہے کہ صالحؑ نے قوم سے کہا! **اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○** بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا امانت دار رسول ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو' اور میرا کہا مانو۔ اگر وہ قوم اللہ تعالیٰ کی منکر ہوتی تو اس کے جواب میں فوراً" یہ کہہ دیتی کہ ہم تو تیرے اللہ کو مانتے ہی نہیں' تو اپنے آپ کو اس کا رسول ظاہر کرتا ہے اور ہمیں اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچنے کا وعظ کرتا ہے۔

تیسرے نمبر پر قوم نے صالحؑ کی نبوت کا یہ کہہ کر انکار کیا:۔ **مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا** ۲۶/۱۵۴ (قوم نے کہا کہ اے صالحؑ! تو کس طرح نبی رسولؑ ہو سکتا ہے) تو تو ہمارے جیسا ایک بشر ہے۔ یعنی وہ لوگ اللہ کو بھی مانتے تھے اور اس چیز کے بھی قائل تھے کہ اللہ اپنے نبیؑ رسول بھیجتا ہے' مگر ان کا آبائی عقیدہ یہ تھا کہ نبی رسولؑ بشر نہیں ہوتے۔

چہارم صالحؑ نے قوم سے کہا: **يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ** ۱۱/۶۱ اے میری قوم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ اس کے سوا تمہارے لیے کوئی اور فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو ماننے نہ ہوتے تو انہیں اکیلے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا وعظ بے محل تھا۔

ساتھ ہی آپؑ نے فرمایا **فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ** ۱۱/۶۱ پس تم اس اللہ سے بخشش طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ یعنی اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لو۔ اس پر اگر قوم اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر ہوتی تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ ہم تو اللہ کو مانتے ہی نہیں اور تو ہمیں کہتا ہے کہ اس سے بخشش مانگو اور اس کے حضور توبہ کر لو۔ صرف ان پانچ دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ اور بھی بہت سے دلائل موجود ہیں کہ قومِ ثمود اللہ کی ہستی کی منکر نہیں تھی۔ بلکہ اس نے اپنے بزرگوں (پیروں وغیرہ) کو اللہ کی صفات میں شریک کر رکھا تھا۔ واضح رہے کہ یہی حال جملہ انبیاء کی مقابل قوموں کا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی۔

قومِ ثمود کے عقائد:۔ ا۔ قومِ ثمود' انبیاء سلام علیہم کو بشر نہیں مانتی تھی' یعنی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کے نبی رسول بشر نہیں ہوتے۔ وہ مافوق البشر (نوری فرشتے) ہوتے ہیں' حالانکہ قرآن مجید میں انسان کو مسجود ملائکہ بنا کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ نوعِ بشر ملائکہ سے افضل ہے' ملائکہ اس سے افضل نہیں۔

۲۔ قومِ ثمود اکیلے اللہ کی عبودیت نہیں کرتی تھی اس نے اپنے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ میں شریک کر

رکھا تھا۔ جیسے کہ ۱۱/۶۲ میں ان کا قول درج ہے: اَتَنْھٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (اے صالحؑ!) کیا تو ہمیں منع کرتا ہے کہ ہم اپنے ان بزرگوں کی عبودیت نہ کریں' جن کی بندگی ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔

۳۔ اسی آیت مجیدہ ۱۱/۶۲ سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم ثمود آبائی متوارث تواتر کو' یعنی اس روش کو صداقت کی دلیل تسلیم کرتے تھے' جس پر انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا تھا۔ اسی لیے انہوں نے تعجب کے ساتھ کہا کہ تو ہمیں اس راہ سے روکتا ہے' جس پر ہمارے باپ دادا یکے بعد دیگرے چلے آرہے ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے زندہ رسول کے مقابلے پر مردوں کے تواتر کو صحیح اور قابل سند مانتے تھے۔

قوم ثمود کے جرائم:۔ قرآن کریم نے قوم ثمود کے جرائم کو اس طرح اجاگر کیا ہے:۔

قوم ثمود کے سردار اپنے لیے بڑائی چاہتے تھے' یعنی انتہائی متکبر تھے' جیسے کہ سورہ اعراف میں بتایا گیا ہے۔ **قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ** ۷/۷۵ قوم ثمود کے سردار جنہوں نے تکبر کیا (اپنی بڑائی چاہی) انہوں نے قوم کے ان لوگوں کو کہا جنہیں انہوں نے معاشی طور پر کمزور کرکے زیر دست بنا دیا تھا' کیا تم جانتے ہو کہ بے شک صالحؑ اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے؟ اس آیت مجیدہ کے الفاظ **اَلْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا** سے کھل کر عیاں ہوتا ہے کہ قوم ثمود میں سرداری نظام قائم تھا۔ قوم کے سردار اپنے لیے بڑائی چاہتے تھے۔ اور اپنی نام نہاد سرداری پر فخرو تکبر کیا کرتے تھے۔

۲۔ اسی آیت مجیدہ کے الفاظ **اَلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا** ○ سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ قوم کے متکبر سرداروں نے عوام کے طبقات قائم کر رکھے تھے۔ ایک طبقے کو معاشی طور پر کمزور کرکے اپنے زیر دست بنا دیا تھا۔ جس کی غرض اس کے سوا نہیں' کہ ان سے بیگاریں لی جائیں یعنی ان کا استحصال کیا جائے۔ بالفاظ دیگر وہ لوگ عوام کے حقوق ربوبیت کے غاصب تھے۔

۳۔ قوم ثمود زمین پر اور پہاڑوں پر چٹانیں تراش تراش کر محلات بنایا کرتے تھے۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ مشقت کے کام سرداری نظام میں بیگار کے طور پر' یا کم سے کم اجرت پر ان لوگوں سے لئے جاتے ہیں' جنہیں سرداروں نے معاشی طور پر خود کمزور کر رکھا ہوتا ہے۔ ان کی اس روش کی خبر صالحؑ نے انہیں بالفاظ ذیل دی تھی ۔ **وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُھُوْلِھَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ** ○ ۷/۷۴ (صالحؑ نے اپنی قوم کے سرداروں سے کہا) اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم عاد کا جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا۔ تم زمین کی نرم مٹی سے محل تیار کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر عالیشان گھر بناتے ہو۔ پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور (اس کے قانونِ مساواتِ انسانی کی مخالفت کرکے) زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

۴۔ **لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ** ○ کے الفاظ سے ثابت ہوا کہ قوم ثمود فسادی تھی اور اس خبر کے عین متصل ما قبل بتایا گیا ہے کہ تم زمین میں بڑے بڑے محلات تیار کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔ واضح رہے کہ اولین فساد فی الارض یہ ہے کہ ایک طرف نفیس محلات تعمیر ہو رہے ہوں اور دوسری طرف سر چھپانے کے لیے

جھونپڑی بھی میسر نہ ہو۔ اور وہ عظیم و نفیس محلات انہی افراد سے بیگار کے طور پر یا معمولی اجرت پر بنوائے جا رہے ہوں' جنہیں جھونپڑی تک رہنے کو میسر نہیں۔ اور ضروریاتِ زندگی میں سے نہ حسب ضروریات لباس میسر ہے نہ خوراک' بیمار ہو جائیں تو بروقت اور مناسب علاج سے محروم ہوں اور بالآخر بلا علاج ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے ہوں۔ العیاذ باللہ !

۵۔ قوم ثمود نے صالحؑ اور آپؑ کے صحابہؓ کو منحوس قرار دیا۔ یہ اس لیے کہ صالحؑ کو بعثت مبارکہ کے بعد جب قوم ثمود کے کمزور کیے گئے افراد کو ان کے مساویانہ معاشی حقوق کا احساس دیا گیا تو معاشرہ میں عارضی بدامنی رونما ہوگئی۔ یعنی غریب عوام سابقہ روش کے خلاف بالادست افراد کے لیے بیگاریں کرتے اور ان کے لیے ذریعہ استحصال بننے میں تامل کرنے لگے۔ اس طرح جب صاحب ثروت سرداروں کے استحصالی کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو انہوں نے صالحؑ کو کہا: **قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طَائِرُكُمْ عِندَ اللَّهِ ۖ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ** ۲۷/۴۷ انہوں نے کہا کہ اے صالحؑ ہم نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو منحوس پایا ہے۔ (کہ تم نے ہمارے اچھے بھلے چلتے ہوئے استحصالی کاموں میں رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں) آپؑ نے فرمایا کہ تم پر نحوست تمہاری اپنی بداعمالیوں کی بدولت اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق مسلط ہوئی ہے۔ بلکہ اب تم اپنے استحصالی کاموں کی رو سے ظاہر کر دیئے گئے ہو۔ تُفْتَنُونَ مادہ فتن سے ہے جس کا معنی ظاہر کرنا بھی ہے' اسی مادہ سے فتانہ کسوٹی کو کہتے ہیں جو سونے کی کھوٹ کو ظاہر کر دیتی ہے۔

استحصالی نظام کی خاصیت یہ ہے کہ بالادست متکبر لوگ ان لوگوں پر جنہیں انہوں نے خود کمزور کر دیا ہوتا ہے' احسان جتلاتے ہیں کہ ہم تمہاری بھلائی چاہتے ہیں' لیکن صالحؑ کی بعثت سے ثمودی سرداروں کے فریب کا پردہ چاک ہوگیا۔ اور غریب عوام کو پتہ چل گیا کہ وہ تو ان کے بنیادی پیدائشی حقوق ربوبیت کے ڈاکو ہیں۔

۶۔ قوم ثمود کے تو متکبر سرداروں نے صالحؑ اور آپ کے ساتھیوں (صحابہؓ) کو شبخون مار کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اس لیے کہ وہ چشموں اور چراگاہوں کی معاشی مساوات کے منکر تھے اور چاہتے تھے کہ چشمے اور چراگاہیں بدستور ان کے غاصبانہ تسلط میں رہیں' غریب عوام کے مویشی صرف ان کے رحم و کرم کے محتاج ہوں اور غریب عوام بدستور ان کے استحصال کا ذریعہ بنے رہیں۔ دیکھئے آیت ۲۷/۴۸۔

۷۔ سورہ اعراف ۷/۷۷' سورہ ہود ۱۱/۶۵' سورہ شعراء ۲۶/۱۵۷' سورہ قمر ۵۴/۲۹ اور سورہ الشمس ۹۱/۱۳-۱۴ بتکرار کثیر قوم ثمود کا یہ جرم مذکور ہے کہ جس اونٹنی کو چشموں اور چراگاہوں کو عالمی مساوات کی نشانی قرار دیا گیا تھا اس کے پاؤں کاٹ کر عہد مساوات کو توڑ دیا۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ایک ہیبت ناک چیخ کے عذاب سے ان کی حالت یہ ہوگئی:۔

كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾

(۶۸) گویا کہ وہ اپنے گھروں میں کبھی تھے ہی نہیں۔ خبردار قوم ثمود نے اپنے رب (کی ربوبیت عامہ) کا انکار کیا خبردار قوم ثمود پر پھٹکار ہے۔

اوپر کی آیات کریمہ میں جناب صالحؑ اور قوم ثمود کے تذکرہ کے بعد اگلی آیات مقدسہ میں السید ابراہیمؑ اور لوط سلام علیہم کا ذکر جمیل لایا گیا ہے اور قوم لوط کی نافرمانی اور ان کی تباہی کا مخصوص بیان درج ہے:۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾

(۶۹) اور بے شک ہمارے رسول ابراہیمؑ کے پاس (ان کے بیٹے اسماعیلؑ) کی خوشخبری لے کر آئے۔ انہوں نے کہا آپ پر سلام ہو۔ (ابراہیمؑ نے) کہا تم پر بھی سلام ہو۔ پھر وہ نہ ٹھہرے (یعنی دیر نہ کی) کہ (ان کے لیے جلدی ہی) تلا ہوا بچھڑا لے آئے۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾

(۷۰) پھر جب آپ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے تو آپ نے انہیں غیر سمجھا اور اپنے جی میں خوف کھایا (کہ جو کھانا نہیں کھاتے ان کا ارادہ اچھا نہیں) انہوں نے کہا ڈرو مت۔ بیشک (آپ کی طرف تو بشارت کے لیے اور تباہی کے لیے تو) ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

السید ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری کے لیے جو لوگ بھیجے گئے تھے' ان کے لیے قرآن کریم میں **رُسُلُنَا** کے الفاظ آئے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول تھے۔ اور یا ۱۵/۵۱ + ۵۱/۲۴ میں ان کا تعارف ضیفِ ابراہیم یعنی ابراہیم سلام علیہ کے مہمانوں کے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ جناب خلیل جلیل کے مذکورہ مہمانوں کے متعلق مشہور یہ ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ مگر واضح رہے کہ ان کا ذکر قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے' ہر جگہ پر یا تو انہیں اللہ کے رسول کہا گیا ہے اور یا ابراہیمؑ کے مہمان' کسی ایک مقام پر بھی ان کے لئے **ملائکہ** کا لفظ ہرگز نہیں آیا۔ اس لیے وہ اللہ کے رسول اور ابراہیمؑ کے مہمان تھے۔ رہا یہ سوال کہ انہوں نے کھانا کیوں نہ کھایا۔ اس کی کئی وجہ ہوسکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ کھاکر آئے ہوں یا جس مہم پر وہ بھیجے گئے تھے۔ یعنی قوم لوط کو تباہ کرنے کے لیے اس کی بدولت وقت کی کمی ہو۔ ان کے پاس کھانا کھانے کا وقت ہی نہ ہو۔ اور یا چونکہ انہیں فی الحقیقت قوم لوط کی طرف بھیجا گیا تھا' ابراہیمؑ کو صرف اللہ کی طرف سے خوشخبری دینا تھا اس لیے ان کا پروگرام ہی لوطؑ کے ہاں جاکے کھانا کھانے کا ہو نیز مہمان کے کھانا نہ کھانے سے مراد بہت تھوڑا کھانا بھی ہوسکتا ہے ایسے وقت پر میزبان عموماً" کہتا ہے کھانا کیوں نہیں کھایا۔ ۵۱/۲۷ میں آیا ہے کہ ابراہیمؑ سلام علیہ نے مہمانوں سے کہا کھاتے کیوں نہیں؟ **اَلَا تَاْكُلُوْنَ**○

۵۱/۲۷

ابراہیمؑ کی شان مہمان نوازی ملاحظہ ہوکہ آپ نے دیر نہ کی اور مہمانوں کی مہمان نوازی کیلئے فوراً" روغن' گھی میں تلا ہوا۔ بچھڑا پیش کر دیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے ہاں مہمان نوازی کے لیے عموماً" سالم بچھڑا تیار رہتا تھا۔ ورنہ مہمانوں کی آمد پر بچھڑا ذبح کرنا' اس کی کھال اتارنا' اور گوشت بنا کر پھر گھی میں تل کر مہمانوں کے سامنے لانا **فَمَا لَبِثَ** یعنی دیر نہ کی کے زمرہ میں نہیں آتا۔ نیز مہمانوں کے سامنے سالم بچھڑا پیش کرنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے مہمانوں کی تعداد دو نہیں تھی بلکہ کم از کم دس بارہ کی تعداد تھی۔ سالم بچھڑا پیش کرنے سے یہی کچھ ثابت ہوتا ہے۔ بعض قوموں کے ہاں ایک مہمان کے آگے صرف سالم مرغ یا سالم دنبہ بھنا ہوا پیش کرنے کا رواج ہے لیکن بچھڑا ایک دو کے آگے نہیں۔

اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ جب مہمانوں نے کھانا نہ کھایا' یا کم کھایا تو آپ کے جی میں آیا کہ

جو لوگ کھانا نہیں کھاتے' وہ دوست نہیں ہوسکتے مخالف ہوسکتے ہیں۔ لیکن مہمانوں نے وضاحت کر دی کہ آپ ڈریں مت۔ ہم سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ البتہ ہم سے خطرہ قوم لوط کو ضرور ہے جس کی تباہی کے لیے ہم بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے آپ کو اسماعیل سلام علیہ کی بشارت دی تو آپ کی بڑھیا بیوی ہنس پڑی چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا
بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾
قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا
بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾

(۷۱) اور اس کی (ابراہیمؑ کی) بیوی پاس کھڑی تھی۔ وہ (بیٹے کی خوشخبری پر) ہنس پڑی[۱]۔ اس پر ہم نے اسے (ایک اور بیٹے) اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی[۲-۳]۔

(۷۲) اس نے کہا تعجب ہے[۴] مجھ پر کیا میں جنتی جاؤں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں[۵] اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے[۶] بے شک یہ (میرا جننا تو) ایک تعجب خیز چیز ہے[۷]۔

نمبر۱۔ **فَضَحِكَتْ** مادہ ض۔ ح۔ ک= ضحک سے ہے۔ اس کا مصدری معنی ہے تعجب انگیز ہنسی ہنسنا۔ ابراہیمؑ کی بیوی بیٹے کی خوشخبری پر تعجب کے ساتھ ہنس پڑی۔ یہ اسماعیلؑ کی خوشخبری تھی۔

نمبر۲-۳۔ جب اس نے اس پر تعجب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بیٹے کے بعد دوسرے بیٹے اسحاق کی خوشخبری بھی دی اور ساتھ ہی' ان کے بیٹے یعنی مائی صاحبہ کو ان کے پوتے یعقوب سلام علیہ کی بشارت بھی دے دی۔ کہ تمہاری زندگی ہی میں تمہیں پوتا بھی عطا کر دیا جائے گا۔ ان آیتوں سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ اسماعیلؑ بڑے تھے اور اسحاق چھوٹے تھے۔ اور دونوں بیٹے آپ کو بڑھاپے ہی میں دیئے گئے تھے جیسے کہ ۱۴/۳۹ میں ابراہیمؑ کا قول درج ہے۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَهَبَ لِىْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ** سب اچھی تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے ہی میں اسماعیل (اور اس کے بعد) اسحاق عطا فرمایا ۱۴/۳۹ یہاں دونوں بیٹوں کا بڑھاپے میں عطا کیا جانا بھی ثابت ہے اور پہلے اسماعیل اور پھر اسحاق کا پیدا ہونا بھی عیاں کر دیا گیا ہے۔

نمبر۴۔ **قَالَتْ يٰوَيْلَتٰى** میں وَیل کا لفظ بہت گہرے تعجب کے لئے لایا گیا ہے **وَيْلَ** کا معنی برائی اور تباہی ہے مگر جب اس کے ساتھ یا حرف ندا آئے جیسے یہاں آیا ہے **يٰوَيْلَتٰى** تو گہرے تعجب پر بولا جاتا ہے۔ مائی صاحبہ ایک بیٹا جننے کی خوشخبری پر تو ہنس پڑیں۔ مگر جب ساتھ ہی دوسرے کی خوشخبری دے دی تو گہرے تعجب کے ساتھ فرمایا **ءَاَلِدُ** کیا میں جنتی جاؤں گی۔ حالانکہ میں بھی بڑھیا (بہت بوڑھی) ہوں اور یہ میرا خاوند بھی بہت ہی بوڑھا ہے۔

۵-۶۔ عجوز اور شیخ دونوں لفظ عورت اور مرد کے بہت بوڑھا ہونے پر تو بولے جاتے ہیں' لیکن ان الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان میں نسائیت اور مردمیت نہیں تھی۔ ایسے افراد کی کمزوری کا دفعیہ غذا اور دوا کے ساتھ ممکن ہے' جو عمل میں آیا اور اسمٰعیل و اسحاق سلام علیہما دونوں بھائی یکے بعد دیگرے اپنے والدین کے بڑھاپے ہی میں پیدا ہوئے۔

نمبر۷۔ **اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ** کے الفاظ میں بڑھیا عورت نے بوڑھے شوہر سے یکے بعد دیگر دو بچوں کا جننا انتہائی تعجب خیز قرار دیا ہے۔ اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بوڑھے مرد اور بڑھیا عورتیں قابل علاج ہوتی ہیں۔ جیسے کہ زکریاؑ اور آپ کی بیوی تھی بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ لیکن زکریا سلام علیہ میں اولاد پیدا کرنے کے لحاظ سے کوئی کمی نہیں تھی۔ آپ کی زوجہؓ محترمہ میں کمی تھی جس کا علاج کرکے اصلاح کر دے گئی۔ ارشاد باری ہے۔ **وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ** ۲۱/۹۰ اور

ہم نے زکریا کے لیے اس کی بیوی کی اصلاح کر دی۔

اسلام میں لونڈی کی کوئی گنجائش نہیں ○ آیت بالا ۷۲/۱۱ سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ کی ایک ہی بیوی تھی اور اسماعیلؑ و اسحاقؑ دونوں اسی کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔ اسماعیلؑ کا لونڈی کے بطن سے پیدا ہونے کا تصور یہود و نصاریٰ کا پیدا کردہ ہے' جس کی غرض محمد رسول اللہ کی توہین کے لیے آپ کو لونڈی کی اولاد سے ثابت کرنا ہے۔ محرف بائبل کا دیا ہوا تصور یہ ہے کہ ابراہیمؑ کی ایک بیوی سارہؑ اور ایک لونڈی تھی حاجرہؑ۔ اسحاقؑ آپ کی بیوی سے پیدا ہوئے تھے اور اسماعیلؑ آپ کی لونڈی سے پیدا ہوئے۔ یہ تصور دو وجہوں سے غلط ہے:

نمبرا۔ پہلی یہ کہ اسلام میں لونڈی غلام کا تصور ہی موجود نہیں۔ ارشاد باری ہے **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ** ۷۰/۱۷ اور بے شک ہم نے پوری نوع آدم کو واجب التکریم قرار دیا ہے۔ اللہ کے نبی اللہ کے احکام کی تائید و تکمیل کے لیے آتے تھے' اس کی مخالفت اور اسے ناکام کرنے کیلئے نہیں آتے تھے کہ خود انہی کے گھروں میں لونڈی اور بیوی کی خلاف اسلام تمیز موجود ہو۔

نمبر۲۔ دوسری یہ آیت بالا ۷۲/۱۱ میں ایک ہی عورت کو دونوں بیٹوں اسماعیل و اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی ہے۔ پھر اسماعیلؑ کی پیدائش کا محرف بائبل کا بیان کردہ قصہ از روئے قرآن کریم یکسر غلط ہے کہ ابراہیمؑ کی ایک لونڈی بھی تھی۔ جب اسماعیل آپؑ کی لونڈی کے ہاں پیدا ہوئے تو آپؑ کی بیوی ناخوش ہوگئی۔ ابراہیمؑ کو کہا کہ ان ماں بیٹوں کو ایسے مقام پر چھوڑ آؤ جہاں پانی تک موجود نہ ہو۔ چنانچہ محرف بائبل کہتی ہے کہ آپ زچہ اور بچہ کو لے کر چل پڑے۔ یہ نہ بتایا کہ کہاں لے جا رہے ہیں۔ شام سے چل کر مکہ معظمہ کے ریگستان آئے اور ریت کے ایک ٹیلے کے پاس انہیں چھوڑ کر چلے آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ اقدام اسوہ حسنہ ابراہیم سلام علیہ کے خلاف ہے کہ زچہ اور بچہ کو بے آب و گیاہ ریگستان میں چوڑ کر چلے جائیں۔

المختصر! ۷۲/۱۱ میں جتایا گیا ہے کہ ابراہیمؑ کی ایک ہی بیوی تھی آپ کے ہاں خلافِ اسلام کوئی لونڈی موجود نہیں تھی۔ جب اللہ کے رسولوں نے ابراہیمؑ کے بیٹے (اسماعیل) کی خوشخبری دی تو آپ کی بیوی جو پاس ہی کھڑی تھی ہنس پڑی کہ بوڑھے میاں بیوی کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ دوسرے بیٹے اسحاق کی مزید خوشخبری بھی دیدی اور ساتھ ہی ان کے بیٹے یعنی مائی صاحبہ کے پوتے یعقوب کی خوشخبری کا اعلان بھی کر دیا۔ اس طرح مائی صاحبہ نے انتہائی تعجب سے کہا **ءَ اَلِدُ ...... اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ** ایک بڑھیا کا ایک بوڑھے خاوند سے ایک نہیں بلکہ یکے بعد دیگر دو بیٹے جَن دینا بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے براہ راست مائی صاحبہ کو مخاطب کرکے اللہ کی رحمت و برکت کی خبر دی:

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

(۷۳) اللہ کے رسولوں نے کہا کیا تو اللہ کے امر (قانون) پر تعجب کرتی ہے۔ اے (ابراہیمؑ کے) گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکت ہے بے شک وہ بڑھ کر تعریفوں والا اور بڑھ کر شان والا ہے۔

اس طرح جب اللہ کے رسولوں نے ابراہیمؑ کے اہل بیت یعنی آپ کی بیوی کو مزید ایک بیٹے اور ایک پوتے کی خوشخبری دی تو اس طرح جب ابراہیمؑ پر سے مہمانوں کی اجنبیت کا اثر دور ہوگیا تو اپنے مہمانوں کے ساتھ قوم لوط کے بارے میں جھگڑنا شروع کیا' کیونکہ آپ انتہائی نرم طبیعت والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝

(۷۴) پھر جب ابراہیمؑ سے مہمانوں کی اجنبیت دُور ہوگئی اور آپ کو (دو بیٹوں اور ایک پوتے کی) خوشخبری پہنچ گئی تو آپ (ہمارے رسولوں کے ذریعے) قومِ لوط کے متعلق ہم سے جھگڑنے لگے۔

(۷۵) بیشک ابراہیمؑ بہت بُردبار (نرم طبیعت والا) اللہ ہی کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔

نمبرا۔ قوم لوط کے متعلق جب آپ نے جھگڑا کیا کہ وہ اللہ کے نبی لوطؑ کی امت ہے تو اللہ کے رسولوں نے کہا کہ آپ اس سے اعراض فرمائیں:

يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝

(۷۶) (اللہ کے رسولوں نے کہا) اے ابراہیم اس سے اعراض فرمائیں۔ بے شک شان یہ ہے کہ آپ کے رب کا حکم آچکا ہے۔ اور بے شک وہ لوگ وہ ہیں کہ ان پر نہ رد ہونے والا عذاب آچکا ہے۔

قوموں پر عذاب' خود ان کے اعمالِ بد کی بدولت آتا ہے اور عذاب لمبی مہلت اور مکمل طور پر اتمام حجت کے بعد آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط کو ان کی بد اعمالیوں سے باز کرنے اور انہیں بُرے اعمال کی سزا سے ڈرانے کے لیے اپنے نبی رسول لوط سلام علیہ کو بھیجا۔ لیکن برسہا برس کی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا' بلکہ اس بدبخت قوم نے لوطؑ کو اپنی بستی میں اس قدر بے اثر کر دیا کہ آپ پر یہاں تک پابندی لگا دی کہ آپ کے پاس کوئی نہ آیا کرے ۷۰/۱۵ اور انہوں نے کھلے بندوں اغلام بازی کی بدفعلی اجتماعی طور پر شروع کر دی تو پھر ان کے لیے عذاب کا فیصلہ صادر ہوا۔ اور جب اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے تو پھر عذاب آجانے پر بھی اگر اجتماعی قوم تائب نہ ہو تو عذاب واپس نہیں لوٹتا۔ صرف قوم یونس ایک ایسی قوم تھی جس نے عذاب آنے پر اجتماعی طور پر توبہ کرکے اپنی اصلاح کر لی تو آیا ہوا عذاب ان کی توبہ اور اصلاح کی بدولت ٹل گیا۔

کتبِ تفاسیر میں آیا ہے کہ قومِ لوط پر عذاب دو فرشتوں کی معرفت بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے قوم لوط کی بستی کو اٹھا کر الٹ دیا۔ اور قوم تباہ ہوگئی۔ مگر قرآن کریم سے ایسا کوئی تصور پیدا نہیں ہوتا۔ قومِ لوط پر عذاب کس طرح آیا؟ اس کا جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ قریب کے پہاڑ میں اس قدر شدید زلزلہ آیا کہ قومِ لوط پر اس کے ذریعہ پتھراؤ کیا گیا۔ مگر قومِ لوط کے عذاب کی تفصیل سورہ ذاریات میں ان لفظوں میں بیان ہوئی ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۳۱ تا ۵۱/۳۴ ابراہیمؑ نے کہا اے اللہ کے بھیجے ہوؤ! تمہاری مہم کیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان کی طرف مٹی کے (پکائے ہوئے) پتھر بھیجیں۔ جو تیرے رب کے نزدیک حدیں پھاندنے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں۔ سورۃ حجر میں ان مٹی کے پتھروں کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں۔ **فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝** ۷۳-۷۴/۱۵ پھر انہیں ایک تیز آواز نے سورج نکلنے کے وقت پکڑ لیا۔ پھر ہم نے اس بستی کے سرکشوں کو ذلیل کر دیا اور ہم نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ان پر (مٹی کے پکے ہوئے) کنکروں کی بارش برسائی (اور اس مجرم قوم کو ختم کر دیا) **سجیل** کہتے ہیں آگ میں پکے ہوئے مٹی کے کنکروں کو۔ جنہیں یہاں **حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ** کہا ہے اور سورہ ذاریات میں انہی کو **حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ** فرمایا ہے۔ یہ مٹی کے پکے ہوئے کنکروں کے نشان زدہ پتھر کیا تھے اور وہ اللہ کے رسولوں کے ذریعہ کس طرح مجرم قوم

پر برسائے گئے تھے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ العزیز لوط سلام علیہ کے ذکر جلیل میں پیش کی جائے گی۔ ابھی تو ابراہیمؑ کا ذکر جمیل چل رہا ہے۔ جس سے متعلقہ بعض چیزوں کی تفصیل بیان کرنا ضروری ہے۔

ہجرت ابراہیمؑ ○ جب قوم اور آپ کے اَبْ (یعنی باپ یا چچا آزر) نے آپ کو اپنے وطن سے نکال دیا۔ جیسے کہ سورہ مریم میں آیا ہے کہ آزر نے کہا **اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ج لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا** ○ ۱۹/۴۶ کہا اے ابراہیمؑ! کیا تو میرے معبودوں کا انکار کرتا ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کر مار ڈالوں گا۔ یا تو ایک مدت کے لیے مجھ سے ہجرت کر جا۔ سورہ صفت میں آیا ہے کہ آپنے فرمایا: **اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ** ○ ۳۷/۹۹ بے شک میں اپنے رب کے طرف جانیوالا ہوں (تجھ سے ہجرت کر رہا ہوں) وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔ ہجرت کے بعد آپ نے، جب آپ بوڑھے ہوگئے اور بیٹا کوئی نہیں تھا تو، حضور الٰہی میں عاجزانہ دعا فرمائی:۔ **رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ** ۱۰۰ تا ۳۷/۱۰۲ ابراہیمؑ نے دعا فرمائی کہ مجھے صالح بیٹا عطا فرما۔ تو ہم نے اسے ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی۔ پھر جب وہ اس کا ہاتھ بٹانے لگا۔ تو انہوں نے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔

اسمٰعیلؑ بڑے تھے ○ ان آیات مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے اسمٰعیلؑ تھے۔ اسحاقؑ نہیں تھے کیونکہ دعا کے جواب میں جس پہلے بیٹے کی بشارت دی گئی، اس کے متعلق آیا ہے کہ وہ جب بالغ جوان ہوگیا تو اسی کے متعلق ذبح کرنے کا حکم آیا۔ اور یہ آپ کے بیٹے اسماعیلؑ تھے اسحاقؑ نہیں تھے۔ چنانچہ اپنے خواب کی تعبیر کی عملی صورت میں آپ نے اسماعیلؑ کو شام کے سبزہ زار سے اٹھا کر مکہ کے ریگزار میں لا آباد کیا ۳۷/۱۴۔ بعض تفسیریں اسماعیلؑ کو اسحاقؑ سے چھوٹا ثابت کرنے کی یہ دلیل لائی ہیں کہ ابراہیم نے انہیں کہا **يٰبُنَيَّ** اے میرے چھوٹے بیٹے! واضح رہے کہ **يٰبُنَيَّ** کا لفظ اسم تصغیر ہے جو محض پیار کے لیے بولا جاتا ہے اسماعیلؑ کے بڑے ہونے کی دلیل قاطعہ تو آیات بالا ۱۰۰ تا ۳۷/۱۰۳ میں موجود ہے کہ جب ابراہیمؑ نے بیٹے کی دعا کی تو ارشاد ہوا کہ ہم نے انہیں ایک حلیم بیٹے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ آپ کا ہاتھ بٹانے لگا تو آپ کو خواب آیا، جسے آپ نے اسے بتایا کہ میں نے خواب میں تجھے ذبح کرتے دیکھا ہے۔ بیٹے نے جواباً عرض کیا۔ **يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ** ○ اے ابا جان آپ کیجئے گا جو اس خواب کی تعبیر کی صورت میں آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ مجھ پر خواہ کتنی مشکل مہم ڈالیں گے تو آپ مجھے مستقل مزاج پائیں گے۔ (میں اسے پوری محنت کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچادوں گا۔)

بیت اللہ شریف کی مرکزیت کا قیام ○ اور یہ مہم کیا تھی؟ وہ تھا بیت اللہ شریف کو عملی صورت میں عالمی امن مرکز بنانا۔ جیسے کہ بیت الحرام کے متعلق ارشاد ہوا ہے:

نمبرا **وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا** ۲/۱۲۵ اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب ہم نے بیت الحرام کو پوری نوع انسانی کے لیے فائدوں کی جگہ اور امن کا مرکز ٹھہرایا۔

نمبر۲۔ **جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ** ۵/۹۷ اللہ تعالٰی نے کعبہ مکرمہ اپنے حرمت والے گھر کو پوری نوع انسانی کو اس کے قدموں پر کھڑا کرنے کے لیے (عالمی امن مرکز) ٹھہرایا۔

نمبر۳۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ ۳/۹۶ ...... وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۳/۹۷ بے شک اولین گھر جو نوعِ انسانی (کی بھلائی) کے لیے مقرر کیا گیا وہ مکہ معظمہ میں ہے۔ بابرکت ہے اور تمام جہانوں کے لیے مقام ہدایت ہے (یعنی تمام ملکوں کے نام یہاں سے ہدایت نامے جاری ہونے چاہئیں)
..... اور جو کوئی فرد، ملک یا قوم اس کے نظام میں داخل ہوگیا وہ امن میں آگیا۔
نمبر۴۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا ۲۹/۶۷ کیا لوگوں نے غور کیا کہ ہم نے حرم شریف کو امن دینے والا قرار دیا ہے (امن کا ضامن، عالمی امن مرکز قرار دیا ہے) ان آیاتِ کریمہ سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ بیت الحرام از روئے قرآن کریم عالمی امن مرکز ہے۔ چنانچہ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسماعیل کو اپنی خواب کی تعبیر کے مطابق بیت اللہ شریف کے پاس اسی غرض کے لیے آباد کیا ۱۴/۳۶ اور جب باپ بیٹے نے اس عالمی مرکز کے قواعد و ضوابط کو رفع کیا، چاروں طرف حج کا اعلان کر دیا تو حضور الٰہی میں عرض کی:۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ ۲/۱۲۷ اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے بیت الحرام کے قواعد و ضوابط کو رفع کیا (ہر چہار طرف حج کا اعلان کر دیا ۲۲/۲۷) تو عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اس عمل کو قبول فرما۔ بے شک تو بڑھ کر سننے والا ہے کہ ہم نے تیری رضا کے مطابق صحیح اعلان کیا ہے۔ اور تو بڑھ کر جاننے والا ہے (کہ اس میں ہم نے کوئی ذاتی مفاد ملحوظ نہیں رکھا۔ بلکہ پوری نوع انسانی کی بھلائی کے لیے اسے بے لوث عالمی امن مرکز قرار دیا ہے)

پس حج عالمی امن مرکز کی سالانہ امن کانفرنس ہے۔ جس میں ہر ممبر ملک اپنی سالانہ کاروائی پیش کرنے کا مکلف ہے اور بیت الحرام کا عالمی امن مرکز ہر ممبر ملک کے مسائل حل کرنے کا ذمہ دار بھی ہے اور حج کے عالمی امن اجتماع ہر ممبر ملک کو آئندہ سال کے لیے ہدایات دینے کا مجاز بھی۔ عام مسلمانوں میں سے جو لوگ سفر کی طاقت اور مالی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اس سالانہ اجتماع کی رونق کو دوبالا کرنے کے لیے حج کرنا یعنی اس سالانہ عالمی امن کانفرنس میں حاضر ہونا فرض ہے۔ اور ساتھ ہی ہر حاجی پر فرض ہے کہ وہ بیت الحرام کے عالمی امن مرکز کو مضبوط اور مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ ہدی اور قلائد کے تحائف ساتھ لے جائے۔ ہدی میں ہر قسم کے تحائف شامل ہیں، خواہ وہ از قسم نقدی، سونا، چاندی اور بین الاقوامی سکے ہوں، یا از قسم جنس گندم چینی چاول وغیرہ ہوں۔ اور قلائد میں ہر قسم کے حلال جانور گائے، بیل، اونٹ، بھیڑ، بکری، دنبے شامل ہیں۔ ہر قسم کی ہدی اور قلائد بیت الحرام کے بیت المال میں جمع کرائے جائیں گے، حلال جانور صرف مہمانوں کی ضرورت کے مطابق ذبح ہوں گے اور وہ کھائے جائیں گے۔ ذبح کر کے ریت میں دبا کر ضائع ہرگز نہیں کیے جائیں گے۔ کیونکہ ذات باری کا حکم عام ہے۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۷/۳۱ کھاؤ پیو، مگر ضائع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم عام سے بھی ثابت ہے کہ کھانے کا حکم ہے ضائع کرنے کی اجازت نہیں۔

اس کے علاوہ حج کے موقعہ پر ذبح کئے جانوروں کے متعلق دو مرتبہ کے تکرار تاکیدی کے ساتھ انہیں کھانے ہی کا حکم دیا گیا ہے:۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِىْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ج فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ○ ۲۲/۲۸ اور چاہئے کہ وہ حج کے معلومہ (دس ۲/۱۹۶) دنوں میں جگالی کرنے والے چوپایوں پر اللہ کے نام کا ذکر کریں (انہیں اللہ کے نام کیساتھ ذبح کیا کریں) پھر ان میں سے خود بھی کھائیں اور بھوکے محتاج کو بھی

کھلائیں۔ حج کے موقعہ پر ذبح ہونے والے اونٹوں کے متعلق بھی اسی کھانے اور کھلانے کے حکم کا تاکیدی تکرار بالفاظ ذیل لایا گیا ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ط ۲۲/۳۶ اور اونٹ کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانی قرار دیا ہے۔ تمہارے لیے اس میں بہت سے فائدے ہیں۔ پھر (حج کے ایام معلومہ میں) ان پر اللہ کے نام کا ذکر کیا کرو۔ (یعنی انہیں اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا کرو) پھر ذبح کے بعد جب ان کی کروٹیں ٹھنڈی ہو جائیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور قناعت شعاروں اور سوالیوں کو بھی کھلاؤ۔ ان ہر دو آیات کریمہ میں حج کے موقعہ پر ذبح کئے گئے جانوروں کے متعلق کھل کر بتکرار تاکیدی حکم دیا گیا ہے **فَكُلُوْا مِنْهَا** ان مذبوحہ جانوروں میں سے کھاؤ اور کھلاؤ۔ پس حج کے موقعہ پر ذبح کئے گئے جانوروں کو ریت میں دبا دینا حکم الٰہی نہیں۔

نیز سورہ مائدہ میں ارشاد ہوا ہے: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ** ۵/۲۔ ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ حرمت والے (چار مہینوں) کی بے حرمتی کرنا اور نہ تحائف کعبہ کی بے حرمتی کرنا اور نہ ایام حج میں ذبح کئے جانیوالے جانوروں کی بے حرمتی کرنا۔ حرمت والے چار مہینوں کی بے حرمتی کرنا یہ ہے کہ ان میں جنگ کی جائے۔ اور تحائف کعبہ کی بے حرمتی یہ ہے کہ انہیں بے جا خرچ کیا جائے اور قلائد یعنی حج کے موقعہ پر ذبح کئے گئے جانوروں کی بے حرمتی یہ ہے کہ انہیں اللہ کے حکم کے خلاف کھایا نہ جائے بلکہ انہیں ذبح کر کے ریت میں دبا کر ضائع کر دیا جائے۔

اللہ تعالٰی کی نعمتوں کا ضیاع یقیناً یقیناً نہ سنت ابراہیمؑ ہے اور نہ سنت خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ہو سکتی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم سلام علیہ صد فیصد اللہ تعالٰی کے فرمانبردار اور اول درجے کے وحی الٰہی کے پابند تھے۔ جیسے کہ قرآن کریم میں بتکرار کثیر ذیل کا حکم آپ کے نام جاری کیا گیا ہے:

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ ۶/۱۰۷ + ۱۰/۱۰۹ + ۳۳/۲ اور اے رسول! اس کی اتباع کریں جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے۔ اسی طرح بتکرار کثیر نبی اکرمؐ کا اقرار درج قرآن کر دیا گیا ہے کہ میں صرف اس کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۶/۵۰ + ۷/۲۰۳ + ۱۰/۱۵ - ۴۶/۹ - میں نہیں اتباع کرتا مگر صرف اس کی جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ تو اس طرح جب نبی اکرمؐ کی طرف دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ وحی کیا گیا ہے **فَكُلُوْا مِنْهَا** ۲۲/۲۸ + ۲۲/۳۶ پس حج کے موقع پر ذبح کئے گئے جانوروں کو کھاؤ۔ تو کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ کروڑوں جانوروں اور اربوں روپے کی مالیت کو ذبح کر کے ریت میں دبا دینا سنت رسول ہو سکتی ہے۔

پھر قرآن کریم سے یہ بھی ثابت ہے کہ جتنی بھی نذریں مانی جائیں وہ صرف اللہ کے نام کے مانی جائیں اور انہیں حج کے موقعہ پر بیت الحرام میں پہنچایا جائے۔ اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی نذر ماننا بھی ازروئے قرآن کریم صحیح نہیں اور بیت الحرام کے سوا کسی اور مقام پر نذریں چڑھانا' یا پہنچانا بھی منع ہے۔ نذر صرف اللہ کے نام کی مانی جائے گی اور صرف اللہ کے گھر بیت اللہ شریف ہی میں پہنچائی جائے گی۔ حاجیوں کو حکم دیا گیا ہے: **وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ** ۲۲/۲۹ اور چاہئے کہ وہ اپنی نذریں ادا کیا کریں۔

کاش کہ کرۂ ارض کے تمام مسلمانوں کی نذروں کا بے پناہ مال' جو بیت اللہ شریف کے عالمی امن مرکز کے سوا دوسرے مقامات پر چڑھاووں کی صورت میں چڑھایا جاتا ہے اگر حکم الٰہی کے مطابق اس کا ایک ایک پیسہ بیت الحرام پہنچایا جاتا تو اسلامی عالمی امن مرکز اتنا مضبوط ہوتا کہ وہ نہ صرف اقوام عالم کے تنازعوں کے فیصلے کرتا بلکہ وہ اپنے فیصلوں پر بھی عمل درآمد کراسکتا۔ نہ اس کے خلاف کسی ملک کو ویٹو کا حق حاصل ہوتا اور نہ عالمی امن مرکز کے فیصلے کے خلاف کشمیر اور عرب علاقوں پر کسی کا غاصبانہ قبضہ موجود ہوتا' نہ فلسطین پر اور نہ بیت المقدس پر۔ یہ ہے بیت اللہ شریف کے بے لوث عالمی امن مرکز کے قیام کی وہ مہم جس کو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے مل کر انجام دیا تھا۔ **سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ** ○

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ اللہ کے مذکورہ رسول لوط سلام علیہ کے پاس پہنچ گئے' مگر ان پر ان کا آنا بہت گراں گزرا۔ کیونکہ آپ کی قوم مہمانوں اور مسافروں کے ساتھ بدفعلی کا ارتکاب کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ﴿۷۷﴾

(۷۷) اور جب ہمارے رسول لوط کے پاس پہنچے تو آپ (ان کے آنے سے) مغموم ہوئے۔ اور انہوں نے ان کے آنے سے گہری تنگی محسوس کی اور کہا آج کا دن بڑا سخت ہے۔

نمبرا **سِیْٓءَ بِهِمْ**۔ **سُوْٓءَ** کا معنی ہے بدی۔ برائی' غم بیماری وغیرہ۔ اور **سُوْٓءَ** کا مصدری معنی ہے غمگین کرنا۔ اس لئے یہاں **سِیْٓءَ بِهِمْ** کا معنی ہے لوط سلام علیہ مہمانوں کے آنے سے غمگین ہوگئے۔ کیونکہ قوم لوط مہمانوں کے ساتھ غیر فطری فعل کا ارتکاب کرتی تھی۔

نمبر۲۔ **ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا**" میں **ضَاقَ** ماضی کا معنی ہے تنگ پایا اور **ذراع** کہتے ہیں کہنی سے لیکر درمیانی انگلی کے اگلے سرے تک کے فاصلے کو۔ اور مجازی طور پر طاقت کے معنوں میں آتا ہے۔ اس طرح **ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا** کا معنی ہے لوطؑ نے اپنے مہمانوں کو قوم کے برے ارادوں سے بچانے کے ضمن میں اپنی طاقت کو کمزور پایا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی خبردی گئی ہے:

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ﴿۷۸﴾

(۷۸) اور اس کی قوم (کے لوگ) اس طرف دوڑتے ہوئے آئے[۱] اور وہ اس سے پہلے بھی بدکاریاں کیا کرتے تھے[۲]۔ آپ نے فرمایا کہ یہ (تمہاری بیویاں) میری بیٹیاں[۳] تمہارے لئے (جنسیت کے لئے) بہت پاکیزہ ہیں[۴] پس تم اللہ (کے عذاب) سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہے۔

نمبرا **یُهْرَعُوْنَ** کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ جب قوم کو پتہ چلا کہ لوط سلام علیہ کے ہاں مہمان آئے ہیں تو وہ انہیں جنسی شکار جان کر بھاگ کر آگئے بالفاظ دیگر بغلیں بجاتے ہوئے آئے۔

نمبر۲۔ **وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ** کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے' یہ قوم اس بدکاری کی بے حد رسیا تھی۔ یہاں جو **سیات** کا لفظ لایا گیا ہے اس کی وضاحت ۸۰-۸۱/۷ میں بالفاظ ذیل کی گئی ہے کہ لوطؑ نے قوم سے فرمایا:

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ○ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ

کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت رانی کے لیے مردوں کے پاس آتے ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ لوگ اغلام بازی کے ارادے سے بھاگتے ہوئے آئے تھے۔

نمبر۳ **بَنَاتِیْ** کا لفظی معنی ہے میری بیٹیاں۔ لیکن یہاں لوطؑ کی اپنی بیٹیاں مراد نہیں۔ کیونکہ اللہ کا نبی اپنی بیٹیاں مذکورہ قسم کے بدکاروں کو نہیں دے سکتا۔ خواہ نکاح کیلئے کیوں نہ ہو۔ اس لئے قوم کی بیٹیاں چونکہ سب کی مشترکہ بیٹیاں ہوتی ہیں' اس لئے قوم کا ہر بڑی عمر کا آدمی ہر لڑکی کو اپنی بیٹی کہہ سکتا ہے۔ کسی لڑکی کو بیٹی کہنے کو نہ لڑکی کے ماں باپ برا مناتے ہیں نہ اس کے بہن بھائی۔ اس لئے آنیوالوں کی بیویوں ہی کو آپ نے بیٹیاں کہا۔ اپنی سگی بیٹیوں کو نہیں کہا تھا۔

نمبر۴۔ **اَطْهَرُ** کا لفظ اسم تفضیل بھی ہے جس کا معنی ہے سب سے زیادہ پاکیزہ۔ نیز لفظ **اَطْهَرُ** فعل مضارع واحد متکلم بھی ہے جس سے یہ مفہوم برآمد ہوتا ہے کہ لوط سلام علیہ نے قوم سے کہا کہ میری نرینہ اولاد نہیں۔ میرے پاس صرف اور صرف بیٹیاں ہیں' تم مجھے رسوا کرنے کے لئے حملہ کرکے آگئے ہو۔ میں انہیں تمہارے مقابلے پر نہیں لاتا' دور رکھتا ہوں' کچھ شرم کرو' لیکن قرین قیاس یہ معنی ہے کہ لوط نے قوم کی بیٹیوں کو جو حملہ آوروں کی بیویاں تھیں اپنی قوی بیٹیاں قرار دے کر ارشاد فرمایا کہ جنسیات کے واسطے تمہارے لئے وہ بہت ہی پاکیزہ ہیں۔ لیکن اگلی آیت مجیدہ میں مذکورہ بد عملوں کا یہ جواب درج ہے:-

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴿۷۹﴾

(۷۹) انہوں نے کہا کہ بے شک تو جانتا ہے کہ (اپنی بیویوں) تیری بیٹیوں کے ساتھ (غیر فطری فعل کا) ہمارا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ تو جانتا ہی ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔

نمبر۱۔ **وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ** سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ وہ بدکار لوگ اغلام بازی چاہتے تھے' جس پر عورتیں کبھی بھی راضی نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ غیر فطری فعل سے وہ بیچاریاں جنسی تسکین حاصل کرنے کی بجائے' الٹی بدنی اور ذہنی تکلیف کے ساتھ ساتھ احساس حقارت و ذلت میں بھی مبتلا ہوکر رہ جاتی ہیں۔

نمبر۲۔ السید لوطؑ نے قوم کے بارے ارادوں اور اپنی دفاعی کمزوری کے پیش نظر مہمانوں کے تحفظ کے لیے انتہائی حسرت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾

(۸۰) (آپ نے) کہا کاش میرے پاس تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی۔ پس میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا ہوں۔

نمبر۱۔ **رُكْنٍ شَدِیْدٍ** یعنی مضبوط سہارا صرف اور صرف ذات باری کی مدد ہے۔ جو اپنے نیکو کار بندوں' خصوصاً" انبیاء کرام کی ہر وقت مدد فرماتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ خود مہمانوں ہی نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾

(۸۱) (مہمانوں نے کہا) اے لوط! بیشک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں' یہ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اپنی بیوی کے سوا اپنے اہل کے افراد کو لے کر رات کے ایک حصے میں یہاں سے نکل جائیں۔ اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑکر نہ دیکھے۔ بیشک جو عذاب ان بدکاروں پر آنیوالا ہے وہ آپ کی بیوی کو بھی پہنچے گا۔ بلاشبہ ان کے عذاب کا مقررہ وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟ (یقینا قریب ہے' آیا ہی چاہتی ہے)

آپ اپنی نافرمان بیوی کے سوا اپنے جملہ اہل کے ساتھ بستی سے ہجرت کر گئے اور حسب وعدہ' صبح کے وقت اللہ تعالیٰ

کا عذاب بانداز ذیل آگیا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾

(۸۲) پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس بستی کو پیوند خاک کر دیا حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس پر مٹی کے پکے ہوئے کھنگروں کے پتھر بارش کی طرح پے در پے لگاتار برسائے۔

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

(۸۳) جن پر تیرے پروردگار کے ہاں سے ایک ہی نشان کندہ تھا۔ اور (اے رسول) وہ بستی (آپ کے مخالف) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔

نمبر۱۔ **جَعَلْنَا عٰلِيَهَا سَافِلَهَا** کا مفہوم یہ ہے کہ مذکورہ بستی کی اونچی اونچی عمارتیں پیوند زمین کر دی گئیں۔

نمبر۲۔ **مَطَرٌ** بارش کو کہتے ہیں اور **مَطَرٌ** کا معنی ہے برسنا۔ اس طرح **اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً** کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس بستی پر پتھر برسائے۔

نمبر۳۔ **حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ** کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ **سِجِّيْل** کا معنی ہے آگ میں مٹی کے کھنگر کی حد تک پکائے ہوئے پتھر۔ سورہ ذاریات میں انہی پتھروں کو کہا گیا ہے۔ **حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ** ۵۱/۳۳ یعنی مٹی کے پتھر۔ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ مٹی میں پتھر جیسی سختی صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اسے آگ میں کھنگر کی حد تک پکایا جائے۔

مَّنْضُوْدٍ کا لفظ مادہ نضد سے ہے' جس کا مصدری معنی ہے تہ بہ تہ ہونا۔ اور **مَطَرٌ** کی حالت میں اس کا مصدری معنی ہے پے در پے لگاتار برسنا۔ پس ثابت ہوا کہ قوم لوط پر مٹی کے کھنگر کی حد تک پکائے ہوئے پتھر' بارش کی طرح لگاتار برسائے گئے تھے۔

یہاں **حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ** ہی کے لئے بصورت حال آیا ہے **مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ** یعنی ان کھنگروں کی حد تک پکائے ہوئے مٹی کے پتھروں کی حالت یہ تھی کہ ہر ایک پر ایک ہی نشان کندہ تھا۔ اور **عِنْدَ رَبِّكَ** کے الفاظ میں رب تعالیٰ کے قانون کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہر ایک پتھر پر ایک ہی نشان کندہ کرنا رب تعالیٰ کے کائناتی قانون کے عین مطابق تھا (تفصیل یہ ہے)

○ پس آیت مجیدہ ۸۲۔۱۱/۸۳ کے الفاظ کی حاکمیت کے مطابق قوم لوط پر لائے گئے عذاب کی حقیقت بصورت نصف النہار عیاں ہو چکی ہے کہ اس بدکار قوم کی بستی پر اس دور کی حد ایجاد کے مطابق منجنیقوں کے ساتھ کھنگروں کے گولے برسائے گئے۔ تھے۔ اور چونکہ منجنیق کے دہانے میں ایک ہی سائز کے گولے آسکتے ہیں' اس لئے انہیں ایک ہی سائز کے سانچوں میں اینٹیں تھاپی جاتی ہیں۔ اور سانچے میں کھدا ہوا ایک ہی نشان سب اینٹوں پر کندہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ گولے گیلی مٹی کے تھاپ کر بنائے جاتے تھے' منجنیق کے دہانے کے مطابق بنائے گئے سانچے میں کھدا ہوا ایک ہی نشان ہر گولے پر کندہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ اور پھر انہیں آگ میں پکا کر کھنگر کر لیا جاتا تھا۔ تاکہ جہاں گریں خود نہ ٹوٹیں اور مقام مضروب پر تباہی لے آئیں۔ سابقہ زمانوں میں ایسی ہی منجنیقوں کے ساتھ گولے برسائے جاتے تھے۔ گولوں پر الگ الگ منجنیقوں کے الگ الگ نشان کندہ ہونے کو **مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ** یعنی تیرے رب کے قانون کے مطابق کہا گیا ہے۔ یہاں رب سے مراد رب تعالیٰ کا کائناتی قانون ہے اور **عِنْدَ** مضاف حرف جار قرآن مجید میں "کے مطابق" کے معنوں میں مستعمل ہے:

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ هُمْ

دَرَجٰتٌ عِنْدَاللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ ۱۶۲-۱۶۳/۳ کیا وہ شخص جس نے رضا الہٰی کی اتباع کی' اس شخص کی مانند ہوسکتا ہے جس نے اللہ کی نافرمانی کی اور اس کے غصے کا مستحق ہوا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ پھر جانے کی بہت بری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون مکافات کے مطابق ان کے الگ الگ درجے ہیں اور اللہ دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

المختصر! یہاں تک یہ ثابت ہو چکا کہ قوم لوط کی بستی پر مٹی کے بنے ہوئے ایک ہی نشان والے' اللہ کے قانون کے مطابق پکائے گئے کھنگروں کے پتھر منجنیقوں کے ذریعہ لگاتار برسائے گئے تھے جو اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ○ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۸۳- ۸۲/۱۱ کے الہٰی ارشاد سے عیاں ہے۔ اب اس عنوان کا آخری سوال یہ ہے کہ یہ کھنگر کے نشان کندہ گولوں کی بارش کس سے کروائی گئی تھی۔

اس کا جواب ۳۱ تا ۳۴/۵۱ سے ثابت ہے کہ یہ بارش بدلائل ذیل اللہ کے رسولوں اور ابراہیم و لوط سلام علیہا کے مہمانوں سے کرائی گئی تھی۔ جب ابراہیم سلام علیہ نے ان سے پوچھا فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ کہ اے اللہ کے رسولو! تمہاری مہم کیا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ○ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ○ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ○ بے شک ہم مجرموں کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم حد سے نکلنے والوں کے لئے تیرے رب کے قانون کے مطابق مٹی کے بنائے گئے نشان کندہ پتھر لگاتار برسائیں۔

یہ باری تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول داؤد و سلیمان سلام علیہما کی طرح رسول ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب اقتدار بھی تھے۔ ان کا منجنیق بردار فوجی دستہ پیچھے خفیہ مقام پر محفوظ تھا' جسے وعدہ والی صبح سے پہلے پہلے رات کے موقعہ پر لایا گیا اور لوط سے راتوں رات ہجرت کروا کر صبح کے وقت نشان کندہ کھنگروں کے پتھروں کی لگاتار بارش کے ساتھ بدکار قوم کی بستی کو پیوند خاک کر دیا۔ چنانچہ حکم باری تعالیٰ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے مذکورہ مقتدر رسولوں نے پہلے ابراہیم سلام علیہ کو دو بیٹیوں اور ایک پوتے کی خوشخبری دی اور پھر قوم لوط پر منجنیقوں کے ذریعے پتھراؤ کر کے اسے کیف کردار تک پہنچا دیا۔

قوم لوط پر عذاب بھیجنے کا ذکر سورہ اعراف' سورہ ہود' سورہ حجر' سورہ انبیاء' سورہ شعراء' سورہ نمل' سورہ عنکبوت' سورہ صفت' سورہ ذاریات' سورہ قمر اور سورہ فیل میں آیا ہے۔ عذاب کی تفصیل کے طور پر سورہ قمر میں کہا گیا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا ۳۴/۵۴ بے شک ہم نے ان پر پتھر پھینکے۔

سورہ اعراف' شعراء اور نمل میں قوم لوط کے عذاب کے متعلق ایک ہی الفاظ آئے ہیں وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ج فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ ۸۴/۷ + ۱۷۳/۲۶ - ۵۸/۲۷ ہم نے ان پر مینہ برسایا۔ پھر کیسا برا مینہ تھا جو متنبہ کئے گئوں پر برسایا گیا۔

سورہ عنکبوت میں آیا ہے کہ اللہ کے رسل سلام علیہم نے لوط سلام علیہ سے کہا اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ ۳۴/۲۹ اس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔

سورہ حجر میں آیا ہے وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۷۴/۱۵ اور ہم نے ان پر کھنگر کے پتھروں کا مینہ برسایا۔

سورہ ذاریات ۳۲ تا ۳۴/۵۱ میں آیا ہے کہ اللہ کے رسل سلام علیہم نے ابراہیم سلام علیہ سے کہا قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ○ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ○ مُّسَوَّمَةً انہوں نے کہا بے شک ہم مجرموں کی قوم کی طرف اس لئے بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر مٹی کے (پکائے ہوئے نشان کندہ) پتھر برسائیں ---- اور

سورہ ہود میں ارشاد ہوا **وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ○ مُّسَوَّمَةً** ۸۲-۸۳/۱۱ اور ہم نے اس قوم پر (مٹی کے پکے ہوئے) کھنگروں کے نشان کندہ پتھروں کی لگاتار بارش برسا دی۔

قرآن بھر میں پھیلی ہوئی مذکورہ بالا آیات کریمات کی شہادت اور قرآن کریم کے مستقل اسلوب بیان تصریف آیات سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ بدکار قوم لوط پر مٹی کے پکے ہوئے نشان کندہ پتھر بارش کی طرح پے در پے لگاتار برسائے گئے تھے۔ اور وہ اس دور کی عسکری اسلحی صنعت کے مطابق ایجاد کردہ منجنیقوں کے ذریعہ برسائے گئے تھے۔ اور برسانے والے اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ رسل سلام علیہم داؤد و سلیمان سلام علیہما کی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کے علاوہ ایک حصہ زمین میں صاحب اقتدار بھی تھے۔

دو اہم سوالات ○ ایک اہم سوال تو یہاں پہنچ کر یہ پیدا ہوتا ہے کہ قوم لوط پر کھنگریالے پتھروں کی بارش برسانے والوں کے متعلق تو یہ مشہور ہے کہ وہ فرشتے تھے' اس کا جواب ازروئے قرآن کریم یہ ہے کہ جیسا پیچھے عرض کیا جاچکا ہے کہ قوم لوط پر بھیجے گئے عذاب کا ذکر گیارہ سورتوں میں آیا ہے۔ کسی ایک سورت میں بھی ان کے لئے ملائکہ کے الفاظ مطلقاً نہیں آئے۔ یا تو ان کے لئے **رُسُلُنَا** کے الفاظ آئے ہیں ہمارے رسول اور ضیف ابراہیم اور ضیف لوط **ضَيْفِهِ** کے الفاظ آئے ہیں یعنی ابراہیم کے مہمان لوط کے مہمان۔ رسل اور مرسلون کے الفاظ آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:۔

سورہ ہود میں آیا ہے **وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ** ۶۹/۱۱ اور بے شک ابراہیم کے پاس ہمارے رسول خوشخبری لے کر آئے۔ اور اسی سورہ مجیدہ میں آیا ہے **وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا** ۷۷/۱۱ اور جب ہمارے رسول لوط کے پاس آئے۔

سورہ حجر میں آیا ہے کہ ابراہیم سلام علیہ نے آنیوالوں سے پوچھا **قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ** ۵۷/۱۵ اے اللہ کے رسولو! تمہاری مہم کیا ہے؟ عین یہی الفاظ سورہ ذریات میں ابراہیمؑ کے آئے ہیں **قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ** ۳۱/۵۱ سورہ حجر میں آیا ہے **فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ** ۶۱/۱۵ پھر جب اللہ کے بھیجے ہوئے آل لوط کے پاس آئے۔

ابراہیم اور لوط سلام علیہما کے ضیف یعنی مہمانوں کے الفاظ آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:۔

سورہ حجر میں آیا ہے **وَنَبِّئْهُمْ عَن ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ** ۵۱/۱۵ اور (اے رسول سلام علیہ) ان لوگوں کو ابراہیم کے مہمانوں کی خبر دیجئے۔ سورہ ذاریات میں ارشاد ہوا **هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ** ۲۴/۵۱ کیا آپ کے پاس ابراہیمؑ کے مہمانوں کی خبر پہنچی ہے(یقیناً سابقہ سورتوں میں پہنچ چکی ہے)

سورہ ہود میں آیا ہے کہ جب قوم لوط برے ارادے کے ساتھ آپ کی طرف آئی تو لوط سلام علیہ نے فرمایا **وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي** ۷۸/۱۱ مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو ----- سورۃ حجر میں ہے کہ لوطؑ نے فرمایا **إِنَّ هَٰؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ○** ۶۸/۱۵ بے شک یہ میرے مہمان ہیں۔ مجھے (ان میں) رسوا نہ کرو۔ سورہ قمر میں ارشاد ہوا ہے **وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِ** ۳۷/۵۴ اور ان (بدکاروں) نے لوط کے مہمانوں کو بدکاری کے لیے پھسلانا چاہا۔

پس مذکورہ بالا آیات مقدسات میں جب متعدد بار بتکرار کثیر رسل اور ضیف کے الفاظ آئے ہیں اور ملائکہ کا لفظ ایک مرتبہ بھی نہیں آیا۔ اور ان اللہ کے رسولوں سے قوم لوطؑ پر منجنیقوں کے ذریعہ مٹی کے پکے ہوئے کھنگریالے پتھروں کی بارش برسائی گئی۔ اس سے ثابت ہوا وہ ملائکہ نہیں تھے' اللہ تعالیٰ کے صاحب اقتدار رسول تھے نیز واضح رہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کی حاکمیت قائم رکھتے ہوئے اس کا مستقل اسلوب بیان ہے۔ تصریف آیات' جس امر کی رہنمائی کرے اس کے خلاف کسی ایسے امر کی طرف رخ کرنا درست نہیں جس کا قرآن بھر میں لفظ تک موجود نہ ہو۔ قرآن مجید سے ملائکہ پر

سلام بھیجنا ثابت نہیں ہے لیکن ابراہیم سلام علیہ نے اپنے مہمانوں کو سلام کہا تھا جس سے اظہر من الشمس ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے ملائکہ نہیں تھے بلکہ بشر تھے۔

دوسرا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سابقہ نافرمان اقوام کو طوفان آب' طوفان باد' طوفان برق اور زلزلوں کے ذریعہ ختم کیا گیا تھا' تو قوم لوط پر مٹی کے کھنگریالے پتھروں کی بارش کیوں کرائی گئی تھی' جبکہ اللہ تعالیٰ کے یہ لشکر قوم لوط کے عذاب کے وقت بھی موجود تھے؟ اس کا جواب قوم نوح پر لائے گئے عذاب طوفان آب میں موجود ہے کہ نوح سلام علیہ کو آمد طوفان کی خبر دینے کے ساتھ ہی حکم دیدیا گیا کہ آپ کشتی تیار کریں۔ اس کشتی تیار کرنے کے الہی حکم میں کھل کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ جو بھی عذاب آئے گا مادی ذرائع سے آیا کرے گا۔ چنانچہ پانی کا سیلاب' آندھی کا طوفان' بجلی اور زلزلہ سب مادی چیزیں ہیں اور ان سے بچاؤ بھی مادی ذرائع ہی کے ساتھ ممکن ہوگا۔ جیسے کہ سیلاب عظیم سے محفوظ رہنے کے لیے مادی چیز کشتی ہی کام دے سکتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے السید نوح سلام علیہ سے کشتی تیار کرائی۔ کسی معجزانہ طریقے سے نوحؑ اور آپ کے ساتھیوں کو محفوظ نہیں رکھا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی اس سنت مبارکہ کے مطابق جو قرآن کریم میں بطور نمونہ پیش کی گئی ہے۔ ہود سلام علیہ سے یقیناً" ایسی پناہ گاہیں بنوائی گئی تھیں جن میں آندھی کا اثر نہ ہو" کیونکہ آپ کی قوم پر ایسی آندھی کا عذاب لایا گیا تھا جو مسلسل سات اور آٹھ دن رات چلتی رہی اور قوم ہود کو ختم کر گئی۔

اسی طرح قوم صالح پر ایسی تیز آواز کا عذاب لایا گیا جس سے آپ کے مخالف تو ختم ہوکر رہ گئے' مگر سوال پیدا ہوتا ہے ۔ کہ اس عذاب سے صالح سلام علیہ اور آپ کے فرمانبرداروں کو کس طرح بچایا گیا؟ اس کا جواب بھی تیاری کشتی نوح کے حکم میں موجود ہے کہ جب طوفان آب میں غرق ہونے سے بچنے کے لیے کشتی بنانا ضروری اور حکم باری تعالیٰ ہے۔ اس طرح موت کے گھاٹ اتار دینے والی تند و تیز آواز سے بچنے کے لئے ایسی ایئر ٹائٹ پناہ گاہیں بنوائی گئی تھیں' جن میں آواز کا گزر ممکن نہ ہو۔

اسی طرح محمد رسول اللہ سلام علیہ جن کی قوم پر چونکہ جنگ کا عذاب نازل ہونے والا تھا۔ اس لئے آپ سلام علیہ اور آپ کے مقدس صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا گیا **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ** ۸/۶۰ دشمن کے مقابلے کے لیے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو۔ چنانچہ نبی اکرم سلام علیہ کی فوجی قوت اور صحابہ کرامؓ کے عظیم الشان استقلال ہی کا نتیجہ تھا کہ دشمن بڑی سے بڑی قوت کے ساتھ حملہ آور ہوتا رہا' مگر ہر بار شکست کھا کر لوٹتا رہا۔ اور آخر کار نبی اکرم سلام علیہ کی بے پناہ فوجی قوت ہی کے سامنے معرکہ مکہ معظمہ میں بلا جنگ وجدال ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

برادران اسلام! یاد رکھیئے گا کہ دور حاضر میں کرہ ارض پر اسی نوے کروڑ مسلمانوں کی پسماندگی و درماندگی کی ایک ہی وجہ ہے کہ تیل اور سونے کے بے پناہ ذخائر کے مالک ہوتے ہوئے فوجی قوت کی تیاری' خصوصاً" اسلحہ سازی کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ یہ اس لئے کہ قیامت تک کے اہل اسلام کو متنبہ کرنا تھا کہ یاد رکھو جب بھی زمین میں اقتدار حاصل ہوگا۔ طاقت ہی کیساتھ ہوگا اور وہ قائم بھی اسلحہ اور فوجی استقلال کے ساتھ رہ سکے گا۔

داؤد سلیمان سلام علیہما کے تذکرہ ۳۸/۱۷ میں داؤد کو **ذَا الْاَيْدِ** یعنی داؤد اعظم کہا گیا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ کے ہاں لوہے کی فوجی صنعت مقام عروج پر تھی' جسے محاورے کے طور پر یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ ہم نے آپ کے لئے لوہے کو نرم پایا' **وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ** ۳۴/۱۰ اس لئے کہ آپ کو حکم دیدیا گیا تھا **اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ** ۳۴/۱۱ آپ

لوہے سے جنگی اسلحہ بنائیں، خصوصاً" لوہے کی زرہیں اور ان کے حلقوں میں جسم کے ہر عضو کے مطابق صحیح صحیح اندازہ رکھا کریں۔

سلیمان سلام علیہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ان کے ہاں پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے بہا کرتے تھے۔ یعنی بڑی بڑی فاؤنڈریوں میں تانبے کے اسلحی پرزہ جات ڈھلا کرتے تھے ۳۴/۱۲۔ بالفاظ دیگر داؤد سلیمان سلام علیہما کی مضبوط حکومتوں کا راز ہمہ وقتی جدید سے جدید اسلحہ کی تیاری تھا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا مقتدر رسل سلام علیہم اس دور کی ترقی کے مطابق ایسے گولہ بار توپخانے کے مالک تھے، جس میں مٹی کے کھنگریالے پتھر استعمال کئے جاتے اور دشمن کو آن واحد میں تہ و بالا کرکے رکھ دیا جاتا تھا۔ یہ ہے از روئے قرآن کریم فوجی تیاری کا نمونہ جو قیامت تک اہل اسلام کے لیے درس اسلحہ سازی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا کہ مادی اسباب سے نفرت خلاف اسلام ہے۔ اللہ کے سابقہ جملہ مقتدر رسول جنگی اسلحہ کی تیاری میں قوموں کی صف اول میں سب سے آگے تھے اور غالب تھے۔ اور اس نے اپنے آخری نبی خاتم النبین سلام علیہ کو بھی جدید سے جدید اسلحہ سازی کا حکم دے رکھا تھا ۸/۶۰ جس کے ذریعہ مستقل مزاج صحابہؓ تادم زیست غالب رہے تھے کہ تم مادی اسباب سے پہلوتہی کرکے درماندہ اور پسماندہ نہ ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد نہیں کرتا جو اپنی مدد آپ نہیں کرتے ۴۰/۲۲ اور اپنی مدد آپ یہ ہے کہ ہر موقعہ محل کے مطابق وہ مادی اسباب قبل از وقت تیار کر لئے گئے ہوں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں نازل کر رکھا ہے۔ اور جن کے جملہ ذرائع اس نے اپنی لاریب کتاب کائنات میں مہیا کر رکھے ہیں۔

برادران اسلام! یہ ایک انتہائی تباہ کن المیہ ہے کہ اہل اسلام کو مادی اسباب سے نفرت کی تعلیم دیگر ترقی کے الٰہی راز سے بے خبر کر دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کا بیان کردہ ہر واقعہ اپنے اندر اہل اسلام کے علاوہ پوری نوع انسانی کے لئے ترقی کا درس عظیم لئے ہوئے ہے۔ اسی ضمن میں سورہ فیل کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک سرکش حاکم بیت اللہ شریف کو مسمار کرنے کے لئے ہاتھیوں کی فوج لے کر آیا۔ جب کعبہ مکرمہ کے محترم متولی کو پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ جس کا گھر ہے وہ اس کی خود حفاظت کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی فوج بھیج کر ان سے کنکریاں برسا کر ہاتھیوں کی فوج تباہ کرادی۔

اس واقعہ کے مطابق بات یہ ہے کہ کیا یہ قصہ اسلئے درج قرآن کر دیا گیا ہے کہ اے اہل اسلام جب بھی کوئی سرکش حاکم اللہ کے گھر پر حملہ آور ہوگا، ہم پرندوں کی فوج بھیج دیا کریں گے۔ تم بالکل مطمئن ہو جاؤ۔ تمہیں نہ اسلحہ کی ضرورت ہے نہ فوج کی۔ پھر اگر اس کا جواب اثبات ہی میں دیا جائے تو پھر تاریخ کے مطابق جب عبداللہ بن زبیرؓ نے بیت اللہ شریف میں پناہ لی اور کعبہ معظمہ کی عمارت کو منجنیقوں کے ساتھ گرا دیا۔ تو گیا اس وقت پرندوں کی فوج آئی تھی؟ پھر جسے قبلہ اول کہا جاتا ہے جب اسرائیلی فوج نے اس کے ایک حصے کو آگ لگا دی اور اب وہ بیت المقدس میں تبدیل کر رہا ہے، پورا عالم اسلام اس کے خلاف احتجاج بھی کر رہا ہے اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر بیت المقدس کی بازیابی کی دعائیں بھی مانگی جارہی ہیں، کیا کوئی پرندوں کی فوج یہودیوں کو تباہ کرنے کے لئے بھیجی گئی ہے؟

واضح رہے کہ اس سے پہلے سلطان صلاح الدین رحمتہ اللہ علیہ نے فوجی قوت ہی کیساتھ بیت المقدس کو فتح کیا تھا اور اب بھی فوجی قوت ہی کے ساتھ دشمن کو بیت المقدس کی ہیئت بدلنے سے روکا جاسکتا ہے اور اس سے یہ مسجد واپس بھی فوجی قوت ہی کے ساتھ لی جاسکتی ہے۔ پس سورہ فیل کے ساتھ چسپاں کیا گیا قصہ قرآن کریم کی روشنی میں محل نظر ہے۔ جس پر خالی الذہن ہوکر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ واضح رہے کہ اس سورت مقدسہ میں قوم لوط کی تباہی کا عبرت انگیز واقعہ بیان کیا

گیا ہے جس پر سورہ فیل میں آمدہ دو الفاظ بطور شاہد عادل موجود ہیں جو پیچھے لائی گئی متعدد سورتوں کے حوالوں سے پیش کئے جا چکے ہیں حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ سورہ فیل میں قوم لوط کو اصحب الفیل کہا گیا ہے۔ عربی زبان میں فیل الرائے بیوقوف اور موٹی عقل والے آدمی کو کہتے ہیں۔ دیکھئے منتہی الارب ربع صفحہ ۴۳۵۔ نیز دیکھئے مفردات امام راغب مطبوعہ اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور صفحہ ۸۱۹ پر درج ہے۔

رَجُلٌ فِيْلُ الرَّاْيِ وَفَالُ الرَّاْيِ۔ کمزور رائے آدمی۔

قوم لوط وہ لوگ تھے کہ السید لوط سلام علیہ کی تبلیغ کے باوجود اس عظیم خباثت پر اڑے رہے کہ ان سے پہلے اس کی مرتکب کوئی قوم نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ مل کر متحدہ طور پر اس فعل بد کو انجام دیا کرتے تھے۔ قرآن کریم کا جو مستقل اسلوب بیان تصریف آیات ہے' اس کے مطابق سورہ فیل کی تفہیم کے لیے سرفہرست اس چیز کا سمجھنا لازم ہے کہ قرآن کریم کی آخری سورتوں میں انتہائی اختصار کے ساتھ ان قصص کی یاد دلائی گئی ہے جو پیچھے قرآن بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جیسے کہ سورہ فجر میں اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ کے وہی الفاظ آئے ہیں جو سورہ فیل میں اصحاب فیل کا واقعہ یاد دلانے کے لئے آئے ہیں۔ دیکھئے ارشاد ہوا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ ۶ تا ۸۹/۱۴

(مفہوم) اے رسول! کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کیساتھ کیا کیا تھا۔ بلند نشانوں والوں اور بلند عمارتوں والوں کے ساتھ۔ جن کی مثل شہروں میں پیدا نہ کئے گئے تھے۔ اور تمہارے رب نے قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا تھا جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراش تراش کر گھر بنائے۔ اور آپ کے رب نے لشکروں والے فرعون کے ساتھ کیا کیا تھا' جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی' بلکہ ان میں بہت زیادہ فساد کیا۔ آپ کے رب نے (ان سرکش قوموں کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ) ان سب پر عذاب کا کوڑا چلایا۔ بے شک آپ کا رب (بد عمل قوم و افراد کی) گھات میں ہے۔ (مہلت دینے کے بعد بالآخر عذاب نازل کر دیتا ہے)

دیکھئے! ان آیات مجیدہ میں قوم عاد' قوم ثمود اور لشکروں والے فرعون کے متعلق یاد دلایا گیا ہے کہ غور فرمایئے' ان سرکشوں کے ساتھ آپ کے رب نے کیا سلوک کیا تھا؟ اور خود ہی جواب میں نہایت اختصار کے ساتھ بتا دیا ہے کہ اس نے سب پر عذاب کا کوڑا برسا دیا تھا۔ وہ کسی سرکش قوم کو معاف نہیں کرتا۔ وہ سب کی گھات میں ہے۔ اب غور فرمایئے۔ کا کہ یہاں صرف عذاب کا کوڑا برسانے کی خبر دی گئی ہے' اس عذاب کے کوڑے کی تفصیل پیچھے سارے قرآن میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں ان اقوام کے الگ الگ نشان بتا دیئے ہیں کہ قوم عاد' ارم و عماد والی تھی۔ قوم ثمود کا نشان بنایا گیا ہے۔ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ تھی اور فرعون ذِي الْاَوْتَادِ تھا۔ اب صاف ظاہر ہے کہ انہی نشانوں ارم و عماد' جابو الصخر با الواد اور ذِي الْاَوْتَادِ کے الفاظ کے حوالوں سے ان قوموں کے حالات قرآن بھر سے دیکھنے اور ان پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

اسی طرح سورہ فیل میں قوم لوط کا نام انتہائی ناراضگی کے ساتھ اصحب الفیل رکھا گیا موٹی عقل اور کمزور رائے والے۔ جیسا کہ سورہ الانبیاء میں اس قوم کو بری بدکار قوم کہا گیا ہے (ملاحظہ ہو آیات کریمہ ۷۴)۔ ان پر لائے گئے عذاب کے لئے الفاظ لائے گئے۔

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۴/۱۰۵ کہ وہ' وہ تھے جن پر کنکریالے پتھر برسائے گئے تھے۔ اور ان کنکریالے پتھر برسانے والوں کو کہا گیا ہے طَيْرًا اَبَابِيْلَ جس سے قوم طیر کا گروہ مراد ہے۔ ابابیل کا معنیٰ گروہ ہے' یہ کسی پرندے کا نام ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ مفردات امام راغب کے صفحہ نمبر۹ پر درج ہے کہ ابابیل کا واحد اَبَالَۃٌ ابیلٌ ہے اور اس کا معنیٰ ہے اونٹوں کا گروہ۔ سورہ فیل میں چونکہ اَبَابِيْل کا لفظ طَيْرًا" پر داخل ہوا ہے۔ اس لئے اس کا معنیٰ ہے طیر کا گروہ۔ اب اگر تصریف آیات قرآنیہ کے ساتھ یہاں حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ یعنی کنکریالے پتھر پھینکنے والے پرندے ثابت ہوں۔ تو طیر بمعنیٰ پرندے ہوگا اور اگر قرآن بھر سے حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ کو برسانے والا فوجی گروہ ثابت ہو' تو اس سے مراد طیر قوم کا گروہ ہوگا۔ اب چونکہ قرآن مجید کی متعدد سورتوں سے بتکرار ثابت ہو چکا ہے کہ کنکریالے پتھر قوم لوط پر برسائے گئے تھے اور برسانے والے اللہ کے مقتدر رسولوں کا فوجی دستہ' گروہ تھا اس لئے ثابت ہوا کہ یہاں پرندوں کا گروہ مراد نہیں بلکہ طیر قوم کا فوجی دستہ' گروہ تھا اس لئے ثابت ہوا کہ یہاں پرندوں کا گروہ مراد نہیں بلکہ طیر قوم کا فوجی دستہ مراد ہوگا۔ جیسے کہ مختلف رجمنٹوں کے نام ان کے قبائل یا علاقوں کے نام پر ہوتے ہیں۔ بلوچ رجمنٹ' پنجاب رجمنٹ' مرہٹہ رجمنٹ اور گورکھا رجمنٹ وغیرہ' پس طیرا" ابابیل سے مراد طیر رجمنٹ کا دستہ ہے۔ اہل عرب میں کلبی قبیلہ اور بنو اسد بہت مشہور ہیں۔ وہ اپنے اپنے کسی بزرگ کے کلب اور اسد کے نام پر کلبی اور بنو اسد کہلاتے ہیں۔ اسی طرح دور ابراہیم سلام علیہ میں قبیلہ طیر اپنے کسی بزرگ کے نام سے مشہور تھا۔ جس کے نام پر قبیلہ طیر کا نام طیر چل رہا تھا۔ اور اس قبیلہ کی رجمنٹ سے دستے کو طیرا" ابابیل کہا گیا۔ اور جس طرح سورہ فجر میں قوم عاد' قوم ثمود اور فرعون کے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ کہ تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ اسی طرح قوم لوط کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ فَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ پھر آپ کے رب نے ان پر طیر قوم کا فوجی دستہ بھیجا' جو ان پر مٹی کے بنے ہوئے کنکریالے پتھر برساتا تھا۔ پھر اس نے انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔

مذکورہ بالا ابتدائی اور تمہیدی وضاحت کے بعد اب پوری سورہ فیل اور تصریف آیات قرآنیہ کے مطابق اس کا مفہوم خالی الذہن ہو کر بغور ملاحظہ فرمائیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ ۱ تا ۵/۱۰۵

(مفہوم) اللہ رحمان و رحیم کے نام کے ساتھ پڑھئے گا۔ (اے رسول!) کیا آپ نے موٹی عقل والی (قوم لوط) پر غور کیا ہے۔ کیا آپ کے رب نے ان کی بری تجویز کو باطل نہیں کر دیا تھا۔ اور کیا ان پر طیر رجمنٹ کا فوجی دستہ نہیں بھیجا تھا۔ جو ان پر مٹی کے پکے ہوئے کنکروں کے پتھر پھینکتا تھا۔ پھر اس قوم کو روندے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔

عام تراجم نے طَيْرًا اَبَابِيْلَ کا معنیٰ پرندوں کا جھنڈ ہی لیا ہے۔ مگر آگے ان کا جو فعل بتایا گیا ہے تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ اس میں تَرْمِيْهِمْ' رمٰی سے ہے۔ جس کا معنیٰ ہے نشانے پر تیر مارنا۔ تیر مارنا۔ تیر سے مارے ہوئے شکار کو رَمِيَّةٌ کہتے ہیں۔ چونکہ اس مادہ میں نشانہ باندھنے کا تصور موجود ہے' اس لئے رَمْيُ الرَّصَاصِ کا معنیٰ ہے گولی چلانا۔ رَمْيُ الْحِجَارَةِ مِّنْ سِجِّيْلٍ' یعنی مٹی کے پکے ہوئے کنکروں کے پتھروں کو نشانہ باندھ کر پھینکنا پرندوں کا کام نہیں' بلکہ یہ کام ماہر نشانہ بازوں کا ہے۔ رَمْيٌ کا معنیٰ نشانہ پر تیر مارنے کے علاوہ گوپیے کے ساتھ نشانے پر پتھر مارنا بھی ہے۔

مگر چونکہ یہاں نشان کندہ کنکرالے پتھروں کے پھینکنے کا ذکر ہے جو مخصوص نشان کندہ سانچوں میں تھاپ کر آگ میں پکائے جاتے تھے۔ اس لئے یہاں گوپیے کی بجائے منجنیقوں کے ذریعہ نشانہ باندھ کر پھینکنے کا ذکر ہے۔

ایک ضروری وضاحت ○ یاد رہے کہ قرآن کریم میں نازل کردہ جملہ الفاظ اپنے اپنے مقام پر اس طرح ہیں جیسے کہ انگوٹھی میں نگینہ۔ کوئی لفظ بھرتی کا نہیں اور نہ بلا ضرورت لایا گیا ہے۔ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں قوم لوط کا ذکر بطور تصریف لاکر ہر جگہ **حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ** کے الفاظ بلا مقصد نازل نہیں کئے گئے بلکہ منجنیقوں کے ذریعہ پھینکے جانے کی وضاحت کے لیے لائے گئے ہیں۔ اور اسی طرح **تَرْمِيْهِمْ** کے الفاظ بھی نشانہ باندھ کر پتھر چلانے کے لئے آئے ہیں۔ یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا پوری آیتوں میں جہاں جہاں **حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ** کے پھینکنے کا ذکر آیا ہے' کہیں بھی منجنیقوں کا نام موجود نہیں۔ اس کا جواب بالکل سادہ سا ہے کہ جب آپ کہتے ہیں کہ میں نے فائر کیا۔ تو یہ ضروری نہیں کہ آپ بندوق یا ریوالور کا نام لیں۔ سننے والا جانتا ہے کہ فائر یا تو بندوق کے ساتھ کیا جاتا ہے اور یا ریوالور وغیرہ کے ساتھ۔ اور وہ کلام میں بیان کردہ موقعہ محل کے مطابق خود سمجھ لیتا ہے کہ فائر بندوق کا ہے یا ریوالور کا' شکاری بندوق کا ہے یا فوجی بندوق کا۔

اگر بانداز تعمق غور کیا جائے تو سورہ فیل کے روایتی مفہوم سے اہل اسلام میں غیر مسلح رہنے کی ترغیب پائی جاتی ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر بیت اللہ شریف کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے' جیسے کہ اس نے ہاتھیوں والوں سے اسے محفوظ رکھا۔ اور اسی عقیدہ سے اس نظریہ نے جنم لیا ہے' چونکہ دین اللہ کا ہے' اس لئے اس کی حفاظت بھی اسی کے ذمہ ہے۔ اس طرح آگے بڑھ کر یہ چیز ذہنوں میں راسخ ہوگئی کہ مسلمان اللہ کے ہیں اور اللہ مسلمانوں کا ہے' اس لئے مسلمانوں کی حفاظت بھی اللہ ہی کے ذمہ ہے۔ جس طرح اس نے چڑیوں سے ہاتھیوں کو مروا دیا تھا۔ اسی طرح ہماری' ہمارے گھروں کی' ہماری مسجدوں کی ہماری حکومت کی بھی وہی حفاظت کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بلاشبہ اہل اسلام کی یہ حالت ہے کہ پچاس ساٹھ حکومتیں اسلامی ہے۔ تیل اور سونے کے ذخیرے بافراط موجود ہیں مگر آج تک کسی ملک میں اسلحہ فیکٹری کا قیام تو کیا' کسی اسلامی ملک میں لوہے کا کارخانہ تک نہیں لگایا گیا۔ صرف پاکستان میں ابھی ابھی لگایا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر چڑیوں سے ہاتھی مروانے کے تصور نے اہل اسلام کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے کہ مسلمانوں کو اسلحہ کی ضرورت ہی نہیں۔ مومن اسلحہ کے بغیر بھی لڑسکتا ہے' حالانکہ اس غیر قرآنی نظریے نے کرہ ارض پر اہل اسلام کو پسماندہ اور درماندہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

اس کے برعکس سورہ فیل کے صحیح قرآنی مفہوم کے مطابق جو تصریف آیات قرآنیہ کے مستقل الہٰی اسلوب کے مطابق پیش کیا گیا ہے' ہر آن جدید سے جدید اسلحہ تیار کرتے رہنے کا سبق ملتا ہے۔ جس کا حکم محمد رسول اللہ اور آپ کے صحابہؓ کرام کو بالفاظ ذیل دیا گیا تھا۔ اور جو قیامت تک کے لیے اہل اسلام کے نام جاری و ساری ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ج لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ج اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ج ۸/۶۰ اور (اے صحابہؓ! اور قیامت تک کے مسلمانو!) دشمنوں کے مقابلہ کے لیئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ ہر آن جدید سے جدید اسلحہ تیار کرتے رہو۔ اور تمہارے ہاں ذرائع رسل و رسائل کی بھی وہ بہتات ہو کہ تم اس فوجی قوت کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے اور لرزاتے رہو۔ (اور تمہارے ظاہر دشمنوں کے سوا) اور بھی ہیں جنہیں تم نہیں جانتے' اللہ انہیں جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور چھپے دشمنوں کی خبر دیکر **اَعِدُّوْا** کا دائمی حکم دیدیا ہے کہ تمہاری اسلحہ فیکٹریوں میں مسلسل دن

رات اسلحہ تیار ہوتے رہنا چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ آئے دن نیا اور جدید اسلحہ تیار کرنے کا حکم دیدیا گیا ہے کیونکہ پرانی بندوقوں اور چھوٹی توپوں سے دور مار میزائیلوں والا دشمن کس طرح دبل سکتا ہے۔ امید ہے کہ اہل اسلام خصوصاً" اسلامی حکومتیں اسلحہ سازی کی طرف خصوصی رجوع فرمائیں گی۔ **وما علینا الا البلٰغ۔**

ایک آخری اہم سوال ○ اللہ کے رسولوں سلام علیہم اور ابراہیم و لوط سلام علیہما کے مہمانوں کے متعلق آخری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالٰی کے مقتدر رسل انبیاء ہی تھے۔ تو اس چیز کا کیا جواب ہے کہ اللہ تعالٰی نے ابراہیمؑ کے بیٹوں اور پوتے کی بشارت براہِ راست آپ پر کیوں نازل نہ کر دی' جبکہ السید ابراہیم سلام علیہ خود ایک اولوالعزم نبی تھے۔ اور ان پر زندگی بھر وحی الٰہی کا نزول جاری رہا تھا۔ دوسرے رسولوں کے ذریعہ خوشخبری کیوں بھیجی گئی؟

اس سوال کا جواب اللہ تعالٰی کی حکمت بالغہ کی اساس پر یہ ہے کہ اس کا ہر کام وقتی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ مثلاً" یعقوب اور یوسف سلام علیہما دونوں نبی تھے۔ مگر یوسف سلام علیہ کے زندہ سلامت اور صاحب اقتدار ہونے کی خبر اللہ تعالٰی نے آپ کو براہ راست نہ بھیجی۔ بلکہ دوسرے نبی یوسف سلام علیہ کے ذریعہ بجھوائی۔ حالانکہ یعقوب سلام علیہ کم از کم بیس سال سے فراق فرزند میں مضطرب و بے قرار وقت گزار رہے تھے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ یوسف سلام علیہ کے کندھوں پر قیام نظام ربوبیت کی چودہ سالہ ذمہ داری آپڑی تھی۔ جب تک چودہ سال پورے نہ ہو جاتے اور غلے کا بے لوث کنٹرول اہل عالم کے سامنے عملاً" نہ مکمل ہوجاتا ہے' کہ نہ صرف ملک مصر میں آپ نے چودہ سال کے طویل عرصہ میں برابر غلہ مہیا فرمایا' بلکہ دور دراز سے جو قحط زدہ لوگ غلہ لینے آتے' انہیں بھی بلا تمیز ملکی اور غیر ملکی غلہ مہیا کیا جاتا رہا۔ حتی کہ جن لوگوں کے پاس غلہ خریدنے کے لیے قیمت موجود نہ ہوتی' انہیں صدقہ کی مد سے غلہ دیا جاتا رہا۔

جب چودہ سال پورے ہوگئے اور نزدیک و دور کے ہر حاجت مند کو یوسف سلام علیہ نے غلہ مہیا بھی کر دیا اور ابھی سٹاک میں گوداموں کے گودام بھی بھرے پڑے تھے تو آپ اس الٰہی امتحان میں سو فیصد نمبروں کے ساتھ پاس ہوگئے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے نبی یوسف سلام علیہ کی معرفت اپنے نبی یعقوب سلام علیہ کو عہدہ عزیز مصر کی وردی کی قمیض بجھوا کر مطلع کیا کہ آپ کا بیٹا نہ صرف یہ کہ زندہ ہے بلکہ عہدہ عزیز مصر پر فائز رہ کر نظام ربوبیت کے چودہ سالہ کنٹرول کی وہ اہم خدمت بھی انجام دے چکا ہے جسے شاہ مصر کی کابینہ کے گیارہ ستارے اس کا عزیز مصر (وزیر اعظم) اور خود شاہ مصر سمجھنے تک سے قاصر رہے تھے۔ ملک مصر کا آفتاب (شاہ مصر) ملک مصر کا چاند (وزیر اعظم) اور مصر کی کابینہ کے گیارہ ستارے سب کے سب یوسف سلام علیہ کے سامنے سجدہ ریز یعنی (ان کے مطیع) ہو چکے ہیں۔

جس طرح یعقوبؑ نبی کو بیٹے کی زندگی اور کامیابی کی خوشخبری براہ راست بذریعہ وحی نہیں دی گئی تھی اسی طرح ابراہیم سلام علیہ کو دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری براہ راست نہ دی گئی۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ جناب خلیل نے دعا فرمائی تھی۔ **رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ○۱۰۰/۳۷ اے میرے پروردگار مجھے صالحین میں سے ایک بیٹا عطا فرما۔ لیکن ادھر بوڑھے میاں بیوی پر رحمت باری اسقدر جوش میں آئی کہ بیک وقت دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اب ایک بڑھیا کیلئے ایک بیٹے کی خوشخبری پر تعجب کرنا لازمی امر تھا۔ چنانچہ مائی صاحبہؓ مسکرا پڑیں کہ اب بڑھیا بیٹا جنے گی۔ اس پر ایک اور بیٹے اور ایک پوتے کی بھی عین حیات کی خوشخبری دیدی گئی۔ جس سال خوردہ خاتون کو ایک بیٹے کے جننے پر تعجب تھا' اسے بتایا گیا کہ آپ ایک اور بیٹا بھی جنیں گی اور عین حیات پوتا بھی دیکھیں گی۔ اس پر مائی صاحبہؓ نے فرمایا **يٰوَيْلَتٰىٓ ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ط اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ** ۷۲/۱۱ اس پر اپنے رسولوں کے ذریعہ وحی

کی گئی۔ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○ ۷۳/۱۱ اے خاتون! کیا تو اللہ کے قانون پر تعجب کرتی ہے۔ اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت و برکت ہے (تم دونوں میں قوت تولید پیدا کر دینا اللہ کے قانون کے لیے کچھ مشکل نہیں) بلاشبہ اللہ بے حد تعریفوں والا اور بہت بڑی شانوں والا ہے۔

ادھر یعقوب سلام علیہ کے لئے بھی خوشخبری کا معاملہ تھا جو یعقوبؑ کی طرح بالواسطہ دی گئی۔ ادھر یعقوبؑ کا تخمینہ یہ تھا کہ یوسفؑ کی خوشخبری آیا ہی چاہتی ہے۔ چنانچہ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ بالفاظ دیگر آپ خوشخبری کے منتظر بیٹھے تھے کہ خوشخبری آگئی۔ اسی طرح ادھر ابراہیم سلام علیہ ایک فرزند کے لئے دعا کرکے (۱۰۰/۳۷) منتظر تھے کہ دعا یقیناً منظور ہوگئی۔ چنانچہ یہ خوشخبری بھی براہ راست نہیں بلکہ اس طرح بالواسطہ بھیجی گئی کہ آپ نے اہلیہ محترمہ کا تبسم ملاحظہ فرمایا۔ اور اس پر جب ایک اور بیٹے اور ایک پوتے کی مزید خوشخبری دی گئی تو بیوی لگاتار دو بیٹے جننے پر يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا" کے الفاظ کہنے میں جو خوشخبری کا کیف مائی صاحبہ کے ذہن میں پیدا ہوا اور ان الفاظ کے سننے میں جو ذہنی سرور ابراہیم سلام علیہ کو میسر آیا تھا وہ براہ راست وحی آنے میں کب میسر آسکتا تھا۔ کیونکہ براہ راست وحی میں نہ مائی صاحبہؓ کے مسکرانے اور نہ یکے بعد دیگر دو بیٹوں کے جننے کی خبر پر میاں بیوی کے بوڑھے ہونے کی شکایت کا لطف آسکتا تھا۔ حضور باری تعالیٰ میں دعا کرنے والے ابراہیم سلام علیہ اپنی مردی طاقت سے بھی بخوبی باخبر تھے' اور اہلیہ محترمہ کے متعلق بھی خوب جانتے تھے' اسی لئے تو دعا فرمائی تھی۔ جو عارضی رکاوٹ موجود تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق رفع کر دی اور یکے بعد دیگر دو بیٹوں کی خوشخبری براہ راست نہیں' بلکہ مذکورہ بالا کیف پیدا کرنے کے لئے بالواسطہ بھیجی۔ ادھر قوم لوط کی بد اعمالیوں کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ ان پر کنکروں کے پتھر برسانے کے لیے اپنے مقتدر رسولوں کو بھیجا اور حکم دیا کہ راستے میں ابراہیم سلام علیہ کو دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری بھی دیتے جانا۔

قوم لوطؑ پر آپ نے بھیجے ہوئے رسولوں کے ذریعہ مٹی کے پکے ہوئے کنکروں کے نشان کندہ پتھروں کو بارش کی طرح برسا کر تباہ کرنے کی خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں قوم شعیب کی بد اعمالیوں اور ان پر لائے گئے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝

(۸۴) اور اہل مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی اور فرمانبرداری کے لائق نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ بیشک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور میں تمہارے ناپ تول کی کمی کی بدولت تمہارے لئے گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

ہر نبی کا پہلا وعظ قوم کو اکیلے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ہوتا تھا۔ چنانچہ شعیب نے بھی اپنی قوم کو اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ کی تبلیغ فرمائی۔ اعبدوا اللّٰه کا عموی معنی یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو عبادت کا معنی فرمانبرداری کرنا ہے۔ چنانچہ:۔

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ ناپ تول میں کمی نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت یعنی فرمانبرداری ہے جو کوئی ناپ تول میں کمی کرتا ہے وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتا خواہ وہ رات بھر اللہ اللہ ھو حق کی ضربیں لگاتا

رہے۔

إِنِّيٓ أَرَىٰكُم بِخَيْرٍ کے جملہ میں **بِخَيْرٍ** کا معنی ہے مالدار' آسودہ حال۔ اس کا لفظی معنی ہے ساتھ خیر کے معنی خیر والے اور خیر کا معنی سورۃ بقرہ میں بتا دیا گیا ہے مال۔ **كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ** ۱۸۰/۲ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے تو اس پر وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے اگر اس نے اپنے پیچھے خیر یعنی مال چھوڑا ہو۔

شعیبؑ کی قوم اہل مدین کے مذکورہ بالا حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے تاجر پیشہ لوگ ناپ میں کمی کے ذریعہ مالدار ہو چکے تھے لیکن **إِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ** کے جملہ میں السید شعیبؑ نے بحکم الہٰی ان پر واضح کر دیا کہ جو مال عوام کی جیبیں کاٹ کاٹ کر اکٹھا کیا جائے اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ بالآخر یقیناً ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ اس کی سزا اس جرم کے مرتکب افراد کو گھیر لیتی ہے۔ اگلی دو آیات مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم شعیب ناپ میں کمی کرنے کے ساتھ مومن ہونے کی دعویدار بھی تھی۔ اور صلوۃ موقت کی بھی بڑی پابند تھی۔ آپ نے ان سے کہا۔

وَيَٰقَوْمِ أَوْفُوا۟ ٱلْمِكْيَالَ وَٱلْمِيزَانَ بِٱلْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا۟ ٱلنَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٥﴾

(۸۵) اور اے میری قوم (دوبارہ سن لو) پیمانے اور ترازو انصاف کے ساتھ پورے کرو۔ اور لوگوں کی چیزیں (کم ناپ کر اور کم تول کر) کم نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے آگے نہ بڑھو۔

بَقِيَّتُ ٱللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿٨٦﴾

(۸۶) اگر تم (واقعی) مومن ہو تو تمہارے لئے اللہ کے ہاں باقی رہنے والا (حلال مال) بہتر ہے اور میں تم پر نگہبان نہیں (میرا کام صرف سمجھانا ہے)۔

إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ قوم شعیب بڑی شدت کے ساتھ مومن ہونے کی دعویدار تھی۔ اس لیے ارشاد ہوا ہے کہ کم ناپنا اور کم تولنا مومنوں کا کام نہیں اگر تم واقعی مومن ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو تمہارے لئے اتنا نفع کافی ہے جو پورے ناپ تول کے ذریعہ میسر آئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی متقبول ہے اور توشہ قیامت کے طور پر اس کے ہاں باقی رہنے والا بھی ہے۔

قوم شعیبؑ نمازی بھی تھی

اگلی آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ شعیب سلام علیہ کی قوم کے کم ناپ تول کے عامل لوگ نہ صرف یہ کہ وہ مومن ہونے کے زبانی زبانی دعویدار تھے' بلکہ وہ پکے نمازی بھی تھے۔ شعیبؑ بھی صلوۃ گزار تھے آپ بھی ایک تاجر تھے۔ مگر آپ اپنی صلوۃ کے حکم کے مطابق پورے ناپ اور پورے تول کے ذریعہ خود بھی حلال نفع کماتے تھے اور اپنے ہم پیشہ باقی تاجروں کو بھی پورے ناپ تول کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔

صلوٰۃ اور نماز میں فرق

جیسا کہ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ نماز کے پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں یہ ایک روایت کی بنا پر ہے کہ "جب تم رات بھر آگ کا کام کرتے ہو (گناہ کرتے ہو) اور پھر نماز فجر پڑھتے ہو تو وہ تمہیں ٹھنڈا کر دیتی ہے یعنی تمہارے گناہ معاف

کر دیتی ہے اور پھر تم نماز فجر سے نماز ظہر تک آگ کے کام کرتے ہو تو نماز ظہر کے پڑھنے سے تمہارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور پھر نماز عصر تک کے کئے ہوئے گناہ نماز عصر کے پڑھنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نماز مغرب اور نماز عشاء کے پڑھنے سے بھی۔ اسی طرح قوم شعیب بھی صلوۃ موقت کو آج کل کی نماز میں تبدیل کر چکی تھی۔ جس طرح نماز (پوجا پاٹ) کا تصور یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ------ اس کے برعکس صلوۃ کی ادائیگی کا تقاضہ یہ ہے کہ صلوۃ ادا کرنے والا خود برائیوں اور گناہوں سے رکے اس لئے جب شعیبؑ نے کہا کہ صلوۃ قائم کرو صلوۃ برائیوں اور گناہوں سے روکتی ہے (گناہ بخشواتی نہیں) تو انہوں نے انتہائی حیرت زدہ ہو کر سوال کیا۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۸۷

(۸۷) انہوں نے کہا' اے شعیبؑ کیا تیری صلوۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان لوگوں کی اطاعت ترک کر دیں' جن کی ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔ اور (اس طرح) ہم وہ عمل چھوڑ دیں جو ہم اپنی مرضی کے مطابق اپنے مالوں میں (کم ناپ تول کے ذریعہ) کرتے ہیں۔ بیشک تو بردبار بھی ہے اور سمجھ دار بھی ہے۔

اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ کا لفظی معنی ہے کیا تیری صلوۃ تجھے حکم دیتی ہے۔ اگلی آیت میں آپ دیکھیں گے کہ شعیب سلام علیہ نے قوم کے تاجروں کے اس تصور کی نفی نہیں کی' بلکہ اسے تسلیم کیا ہے۔ کہ صلوۃ واقعی حکم دینے والا فریضہ ہے' جیسے کہ ۲۹/۴۵ میں اللہ کا ارشاد ہے **اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ** بیشک **الصَّلٰوة** بے حیائیوں اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ پس صلوۃ موقت کا جو تصور انبیاء سلام علیہم نے دیا تھا اور جو اس وقت قرآن کریم ۲۹/۴۵ میں محفوظ ہے وہ صرف یہی ہے کہ صلوۃ حکم دیتی ہے کہ ہر قسم کی بے حیائیوں اور ہر قسم کے برے کاموں سے رک جاؤ۔ لیکن آپ کے مخاطب تاجروں نے اپنے آباؤ اجداد سے جو عقیدہ پایا تھا اس کے مطابق صلوۃ موقت کو نماز میں تبدیل کر چکے تھے اور یہ عقیدہ ان کے آباؤ اجداد کو ان کے باطل پیشواؤں نے دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے یہ سوال بھی انتہائی حیرت و تعجب کے ساتھ کیا۔

اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ کہ کیا' ہم ان بزرگوں کی اطاعت چھوڑ دیں' جن کی ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے؟ یہ تصور کہ نماز گناہ بخشوا دیتی ہے' نذریں نیازیں بٹورنے والے پیشواؤں کا پیدا کردہ ہے' چونکہ شعیب سلام علیہ نے ان کے بزرگوں کے دیئے ہوئے اس نظریے کی مخالفت فرمائی' اس لئے انہوں نے حیرت و استعجاب کے عالم میں سوال کیا کہ کیا اتنے بڑے بڑے بزرگ غلط تھے جنہوں نے نماز کی گوناگوں فضیلتوں میں سے ایک فضیلت یہ بھی بتائی ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسرے وقت کی نماز تک کے وقفے میں جو گناہ کئے جاتے ہیں وہ اگلی نماز پڑھنے سے معاف ہو جاتے ہیں تو گویا ان کے لئے ان کے بزرگوں کی مسلمہ بزرگی' اس مبنی برحقیقت و انصاف نظریہ "کہ صلوۃ گناہ بخشواتی نہیں بلکہ گناہوں سے روکتی ہے" کو تسلیم کرنے میں حائل ہو گئی تھی۔

اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا کے الفاظ میں انہوں نے اپنے بزرگوں کی دی ہوئی رعایت کو ترک کرنے پر تعجب ظاہر کیا' کہ ہم جو باسنی میں پرمل کی ملاوٹ کر کے مال کماتے ہیں یا کم ناپ تول کے ذریعہ بہت زیادہ نفع حاصل کر لیتے ہیں اسے چھوڑ دیں؟

آخر پر انہوں نے کہا **اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ** کہ اے شعیب آپ بڑے بردبار بھی ہیں اور سمجھ دار بھی

ہیں' کیا آپ اس ظاہر نفع اندوزی کی چھٹی نہیں دے سکتے۔ سمجھ داری اور بردباری تو یہی ہو سکتی ہے کہ جن قدیمی بزرگوں کے دیئے ہوئے تصور کے مطابق ہم لوگ آباؤ اجداد سے اس قدیمی طریقے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرتے آئے ہیں کرتے چلے جائیں ـــــــ اس کے جواب میں شعیبؑ نے فرمایا' میں رب تعالیٰ کے سیدھے راستے پر چل رہا ہوں پورا ناپتا ہوں' پورا تولتا ہوں' ملاوٹ نہیں کرتا۔ میرا پروردگار تمہاری نسبت مجھے بہتر رزق عطا فرما رہا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۗ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۗ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۗ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

(۸۸) شعیبؑ نے فرمایا اے میری قوم کیا تم دیکھتے ہو کہ بیشک میں اپنے رب کی طرف سے دلائل قاطعہ پر ہوں (پورا ناپتا اور پورا تولتا ہوں) اور میرا پروردگار مجھے (تمہاری نسبت) بہتر رزق عطا فرماتا ہے میں ارادہ نہیں رکھتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کرتا ہوں' خود اس کی مخالفت کروں۔ میں نہیں ارادہ کرتا مگر حسب استطاعت اصلاح کا ارادہ کرتا ہوں۔ اور میری نہیں توفیق مگر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ میں اِنْ شرطیہ نہیں بلکہ اِنَّ کا مخفف بمعنی بیشک ہے۔ اِنْ بلا ورود اِلَّا برائے تحقیق و تاکید کی بحث پیچھے آیت نمبر ۱۱/۶۳ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ کے الفاظ میں شعیب علیہ السلام نے قوم کو چیلنج کیا کہ دیکھ لو کہ میں اپنے رب کے حکم کے مطابق پورا ناپ تول رکھتے ہوئے اپنے پروردگار کی طرف سے دلائل قاطعہ پر ہوں۔ دنیا کا کوئی باہوش انسان کبھی تسلیم نہیں کرسکتا کہ کم ناپ تول کے ذریعہ عوام کی جیبیں کاٹنا درست قرار دیا جاسکتا ہے۔

وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا کے الفاظ میں شعیبؑ نے کم ناپنے اور تولنے والوں پر اپنا مشاہدہ پیش کیا تھا کہ دیکھ لو میرا رب مجھے رزق حسنہ دے رہا ہے۔ یعنی ایسا رزق جو حلال بھی ہے اور میری ضرورتیں بھی ساری کی ساری اسی سے پوری ہو رہی ہیں۔ واضح رہے کہ رزق حلال اگرچہ حرام مال کے مقابلے میں مقدار میں تھوڑا ہوتا ہے مگر جب اسے جائز مقامات پر خرچ کیا جاتا ہے' تو بلاشبہ اس سے سکون قلب بھی میسر آتا ہے اور جائز ضرورتیں بھی سب پوری ہوتی چلی جاتی ہیں اس کے برعکس کم ناپ تول اور ملاوٹ وغیرہ کے ذریعہ حاصل کردہ مال اگرچہ مقدار میں زیادہ ہوتا ہے' مگر چونکہ وہ ناجائز طریقے سے حاصل کیا جاتا ہے اس لئے وہ ناجائز مقامات پر اسراف بے جا کی نذر ہو جاتا ہے' اس لئے اس سے سکون قلب نصیب نہیں ہوتا۔ اور ضرورتیں بھی اس لئے پوری نہیں کرسکتا کیونکہ نہ اسراف بے جا کسی حدود میں محدود ہوسکتا ہے' اور نہ جائز ضرورتوں کی کوئی حد مقرر ہو سکتی ہے۔

مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ کے جملہ میں شعیبؑ نے قوم سے ارشاد فرمایا کہ میرا یہ ارادہ نہیں کہ میں تمہیں تو کم ناپ تول کے فائدہ بخش کاروبار سے روک دوں اور خود اس میں لگا رہوں۔ انبیاء سلام علیہم کا دائمی شعار یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے خود پہلے نمبر کے فرمانبردار ہوا کرتے تھے۔ جیسے نبی اکرمؐ سلام علیہ کا اقرار قرآن مجید میں موجود و محفوظ ہے **وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ** ۱۲/۳۹

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ انبیاء سلام علیہم کے ذمہ اصلاح معاشرہ کا کام ہوتا تھا جسے وہ استطاعت بھر انجام دیتے تھے ان کے ذمہ اللہ کا پیغام پہنچانا' اس پر خود عمل کرنا اور جو لوگ ایمان لائیں ان سے

عمل کرانا ہوتا تھا۔ جن انبیاء کے ساتھ صحابہ کی جماعت شامل ہوتی ان کی حکومت قائم ہو جاتی تھی اور حکومتی اثرات کی بدولت پورا معاشرہ اصلاح بد اماں ہو جاتا ورنہ وہ استطاعت سے زیادہ کے مکلف نہیں تھے۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں توکل کا معنی ہے بھروسہ کرنا اللہ تعالی پر توکل کا مطلب ہے اس کے قانون پر پورا پورا اعتماد کرکے اس پر صد فیصد عامل ہو جانا۔ کیونکہ اللہ کا قانون کبھی دھوکا نہیں دیتا۔ اس کے قانون کی عملی مخالفت اور زبانی توکل علی اللہ، توکل کی حقیقت سے بے خبری کی دلیل ہے۔ اس سے آگے جو **وَإِلَيْهِ أُنِيبُ** کے الفاظ آئے ہیں ان میں انابت الی اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ گردن جھکا کر مراقبے میں بیٹھ جائیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کے قوانین جاریہ کے ساتھ ساتھ چل کر خلاق عالم کے تنزیلی احکام کے مطابق زندگی گزار دی جائے۔
شعیب سلام علیہ نے اسی چیز پر عمل کیا اور اسی عمل کا اقراری اعلان فرمایا۔ لیکن:

اس عملی اور تبلیغی اعلان کے باوجود قوم نے آپ کی نصیحت پر کان نہ دھرے اور کم ناپ تول سے باز نہ آئے۔ بلکہ شعیبؑ کی مخالفت شروع کر دی۔ اس پر آپ نے قوم سے کہا کہ تم سابقہ اقوام کی طرح عذاب الہی کے خود مستحق نہ ہو جاؤ۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝

(۸۹) (شعیبؑ نے فرمایا) اور اے میری قوم تمہیں میری مخالفت اس چیز کا مجرم نہ کر دے کہ تم پر ویسا ہی عذاب آجائے جو قوم نوحؑ پر آیا تھا، یا قوم ھود یا قوم صالحؑ پر آیا تھا اور قوم لوط تو تم سے کوئی دور نہیں ہے (وہ تو تمہارے قریب کے زمانے میں گزری ہے)

انبیاء کی مخالفت سے عذاب کی آمد لازم ہو جاتی تھی۔ کیونکہ انبیاء کی براہ راست تبلیغ کے بعد اللہ تعالی کی طرف اتمام حجت ہو جاتی تھی۔ اور اللہ کے نبیوں کی کھلی پہچان یہ ہوتی تھی کہ وہ قبل نبوت ہی سے معاشرہ کی غلاظتوں سے پاک ہوتے تھے۔ یعنی ان کی قبل نبوت کی زندگی پر کسی کو انگشت نمائی کا موقعہ میسر نہیں آتا تھا۔ شخصی، معاشی اور معاشرتی ہر لحاظ سے وہ عوام ہی کے فرد بن کر رہتے تھے حتی کہ اگر حکومت بھی میسر آجاتی تو پھر بھی ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ عوامی کھانا کھاتے اور سودا سلف خریدنے کے لئے خود بازاروں میں تشریف لے جاتے تھے۔ نبی اکرمؐ کے متعلق آپ کے مخالفوں کا متعجبانہ قول سورۃ فرقان میں درج ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۲۵/۷ اور انہوں نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو عوامی کھانا کھاتا ہے اور سودا سلف خریدنے کے لئے خود بازار جاتا ہے اس کا جواب اللہ تعالی نے اسی سورۃ الفرقان میں خود نبی اکرمؐ کو مخاطب کرکے یہ دیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۲۵/۲۰ اور اے رسولؐ ہم نے آپ سے پہلے نہیں بھیجے اپنے رسولؐ مگر وہ سب کے سب عوامی کھانے کھاتے تھے اور سودا سلف خریدنے کے لئے خود بازاروں میں جاتے تھے۔ اس آیت مجیدہ میں مانافیہ اور **اِلَّا** اثبات کا آیا ہے اور المرسلین میں داؤد اور سلیمان سلام علیہما بھی شامل ہیں، جنہیں عظیم سلطنت میسر تھی، اس حصریہ جملے میں بتایا گیا ہے کہ وہ بھی عوامی کھانا کھاتے تھے اور سودا سلف بھی خود لایا کرتے تھے۔ یعنی سربراہ سلطنت ہوکر بھی عوامی زندگی گزارتے تھے۔ تو اس طرح انبیاء کی آسان ترین پہچان ہوتی تھی ان کی سادہ اور بے لالچ زندگی۔ اس کے باوجود جب قومیں اپنے نبیوں کی مخالفت کرتی تھیں تو اللہ تعالی کی طرف سے ان پر عذاب لازم ہو جاتا تھا۔ یہی چیز شعیب سلام علیہ نے اپنی قوم پر واضح فرمائی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری

مخالفت کی بدولت تم بھی سابقہ اقوام' قوم نوح' قوم ھود' قوم صالح اور قوم لوط کی طرح عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ۔ قوم لوط کے متعلق آپ نے خاص طور پر فرمایا کہ وہ تو ابھی قریب ہی زمانے میں گزری ہے اس کی بستی جو مٹی کے پکے ہوئے نشان کندہ پتھروں کی بارش برسا کر برباد کی گئی تھی' اس کے تو کھنڈرات بھی ابھی تمہارے سامنے موجود ہیں۔ ساتھ ہی آپ نے انہیں عذاب سے محفوظ رہنے کا نسخہ بھی بتا دیا کہ توبہ کر کے باز آجاؤ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ
رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝۹۰

(۹۰) اور مغفرت طلب کرو اپنے پروردگار سے پھر اس کے حضور توبہ کرو۔ بیشک میرا پروردگار بے حد مہربان اور محبت کرنیوالا ہے۔

قوم پر آپ کی مشفقانہ نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور کہنے لگے ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ ہم آمدنی سے کس طرح دستکش ہو جائیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے اندر کمزور ہے کیونکہ ہماری طرح ناپ تول میں کمی کر کے زائد کمائی حاصل نہیں کرتا۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ
وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ
لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝۹۱

(۹۱) انہوں نے کہا اے شعیبؑ ہم تیری اکثر باتوں کو جو تو کہتا ہے نہیں سمجھتے۔ اور ہم تجھے اپنے اندر کمزور دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر یہاں پر تیرے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تو ہم پر غالب نہیں ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ شعیب سلام علیہ انہیں ہر وقت کم ناپ تول سے روکتے رہتے تھے اس لئے وہ آپ سے اس قدر تنگ آچکے تھے کہ اگر ان کے اور بھائی بندے موجود نہ ہوتے تو انہیں پتھر مار مار کر مار ڈالتے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۹۲

(۹۲) آپ نے فرمایا اے میری قوم کیا میرے بھائی بندوں کا لحاظ تمہارے لئے' اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہے۔ تم نے اسے تو پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے (لیکن یاد رکھو) میرا پروردگار ان عملوں کو گھیر نیوالا ہے جو تم بجا لاتے ہو۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ
سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ
وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝۹۳

(۹۳) (آپ نے مزید فرمایا) اے میری قوم (میری طرف سے اتمام حجت ہو چکی اب) تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں تم ضرور جان لوگے کہ کسے رسوا کن عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے (نتیجے کا) تم بھی انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالا ہوں۔

شعیبؑ اور آپ کی قوم کا باہمی معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ آپ کی سیدھی سادی بات کو بھی جو آپ انہیں کم ناپ تول کے تنگ زباں اور تنگ انسانیت فعل سے منع کرتے تھے' انہوں نے کہہ دیا کہ تیری یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ لوگ سمجھتے ہی نہیں تھے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں' کس کام سے منع کر رہے ہیں' بلکہ ان کا یہ جواب کہ ہماری سمجھ میں تیری باتیں نہیں آتیں' ان کی انتہائی سرکشی اور اللہ تعالیٰ سے کھلی بغاوت کا مظہر تھا۔ یعنی وہ اپنی حرام نفع اندوزی کے مقابلے پر نہ کسی انسانی اصول کی پرواہ کرتے تھے' نہ اللہ کے احکام کی اور نہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسولؑ کی۔ اس لئے اب۔

وہ وقت آگیا کہ عذاب الٰہی آیا ہی چاہتا تھا چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ان پر لائے گئے عذاب کی مختصر سی جھلک دکھائی گئی ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

(۹۴) اور جب ہمارا (عذاب کا) حکم آگیا تو ہم نے شعیبؑ کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت کے ساتھ عذاب سے بچا لیا۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انہیں ایک آواز نے پکڑ لیا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع

(۹۵) گویا کہ وہ اس بستی میں کبھی تھے ہی نہیں۔ خبردار اہل مدین کے لئے (اللہ تعالیٰ سے) دوری ہے جس طرح قوم ثمود کو (اللہ سے) دوری ہے۔

سورۃ شعرآء

قوم شعیبؑ کا تذکرہ اعراف، ھود، حجر، شعرآء اور عنکبوت میں بھی آیا ہے۔ سورۃ شعرآء عنکبوت اور اعراف کے حوالے پیش خدمت ہیں۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (۲۶/۱۸۴ تا ۱۷۶)

(مفہوم) بن والوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا۔ وہ وقت قابل ذکر ہے جب شعیبؑ نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کی مخالفت سے بچتے نہیں۔ بیشک میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے اجر تبلیغ نہیں مانگتا۔ میرا اجر رب العلمین کے ذمہ ہے۔ اپنے ناپ دینے کے پیمانے پورے کرو اور لوگوں کو نقصان دینے والے نہ بنو۔ سیدھے ترازو کیساتھ تولا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کیا کرو۔ اور اس طرح زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اور اس ذات کی مخالفت سے بچو، جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جس نے ابتدائی مخلوق کو بھی پیدا کیا تھا ــــ ان کے جواب میں قوم نے کہا۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (۲۶: ۱۸۵ تا ۱۸۷) انہوں نے کہا کہ تو فریب خوردہ ہے (تو اللہ کا رسول نہیں) تو ہمارے جیسا ایک بشر ہے۔ ہم نہیں یقین کرتے مگر یہ کہ تو جھوٹا ہے۔ اگر تو سچا ہے تو ہم پر کوئی آسمان کا ٹکڑا گرا دے اس پر شعیبؑ نے ارشاد فرمایا۔

قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۲۶: ۱۸۸ آپ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ نتیجہ کے طور پر ارشاد ہوا ہے۔ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ۲۶: ۱۸۹ انہوں نے اللہ کے رسول کو جھٹلایا۔ پھر انہیں چھا جانے والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، بیشک وہ (بڑے اور نہ ٹلنے والے) دن کا عذاب تھا۔

سورۃ عنکبوت

سورۃ عنکبوت میں ارشاد ہوا ہے وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۲۹: ۳۶ اور اہل مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔

اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی فرمانبرداری کرو اور قیامت کے دن کی امید رکھو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو --- مگر ہوا یہ --- فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ○ پس انہوں نے اللہ کے رسول کو جھٹلایا۔ پھر انہیں زلزلے نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ۲۹:۳۷

سورۃ اعراف

سورۃ اعراف میں بھی قوم شعیب کی سرکشی اور ان کا انجام اس طرح بیان ہوا ہے۔ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا(۷:۸۸) آپ کی قوم کے سردار جنہوں نے تکبر کیا' یہ کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں' اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اور یا تم سب ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ گے ---- اس سے آگے انہی سرداروں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخٰسِرُونَ ○ ۷:۹۰ اور آپ کی قوم کے جن سرداروں نے آپ کی تعلیم کا انکار کیا' انہوں نے اپنے عوام کو کہا کہ اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کی تو تم نقصان اٹھانیوالے ہو جاؤ گے (ہماری پوری قوم تمہیں نقصان پہنچائیگی) لیکن اس سرکش قوم پر اللہ کا عذاب آگیا چنانچہ ارشاد ہوا ہے فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ○ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۷:۹۲ پھر انہیں زلزلے نے پکڑ لیا۔ پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ جنہوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا وہ اس طرح ہو گئے گویا کہ وہ کبھی یہاں تھے ہی نہیں۔

پیچھے ۱۱/۹۱ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ شعیبؑ کو قوم نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر یہاں تیرے بھائی بند موجود نہ ہوتے تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے پتھر مار کر مار ڈالتے اور یہاں ۷:۸۸ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ قوم کے سرکش و متکبر سرداروں نے دھمکی دی تھی کہ یا تو شعیب اور ان پر ایمان لانیوالے سب لوگ واپس ہمارے پرانے آبائی مذہب میں لوٹ آئیں ورنہ ہم انہیں سب کو اپنی بستی سے نکال دیں گے' ملک بدر کر دیں گے لیکن یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو ضرور ضرور کامیاب کرتا رہے گا۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۵۸:۲۱ اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب رہیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت قوت والا اور بہت بڑھ کر غالب ہے۔ اگرچہ شعیبؑ کے ساتھ بہت تھوڑے اور غریب لوگ شامل ہوئے تھے اور پوری قوم سمیت بڑے بڑے سردار قتل اور ملک بدر کر دینے کی دھمکیاں دے چکے تھے اس طرح بڑے بڑے سرداروں کے مقابلے پر کامیابی کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی مگر ۵۸:۲۱ اللہ کے وعدے کے مطابق اللہ کا نبی مع اپنی جماعت کے غالب آیا اور پوری قوم ان کی آنکھوں کے سامنے تباہ و برباد اور ختم ہو کر رہ گئی۔

سَلٰمٌ عَلٰى شُعَيْبٍ

عذاب کی تفصیل

اہل مدین کے متعلق اب آخری سوال یہ ہے کہ ان پر لائے گئے عذاب کی شکل کیا تھی جبکہ سورۃ ھود میں آیا ہے وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ کہ ان ظالموں کو ایک زور کی خطرناک آواز نے پکڑ لیا اور سورۃ اعراف اور سورۃ

عنکبوت ۲۹/۳۷+۹/۷ میں **فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ** کے الفاظ آئے ہیں' کہ انہیں زلزلے نے پکڑا تھا۔ جواباً" عرض ہے کہ جب تصریف آیات سے ایک ہی قوم شعیبؑ کے عذاب کے لئے رجفہ بھی آیا ہے۔ اور صیحہ بھی آیا ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ ایک ہی عذاب کی دو صورتیں ہیں یعنی ایسا زلزلہ جس میں زور کی آواز بھی موجود تھی۔ زلزلے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ زمین کا اندرونی لاواجب داخلی طور پر کھولتا ہے تو بعض دفعہ کسی پہاڑ کا کوئی حصہ یکدم پھٹ جاتا ہے اور لاوا کے زور کی مقدار کے مطابق چھوٹا بڑا زلزلہ آتا ہے لیکن جب زمین کا لاوا کسی پہاڑ کی چوٹی میں سوراخ کرکے زور سے نکلتا ہے تو زلزلہ بھی آتا ہے اور خوفناک آواز بھی پیدا ہوتی ہے' اہل مدین پر ایسے ہی زلزلہ کا عذاب آیا تھا۔ اب رہا یہ سوال کہ اس عذاب سے شعیبؑ اور آپ کے ساتھیوں کو کس طرح بچایا گیا تھا اس کی تفصیل السید صالح اور ان کے صحابہ کے واقعات کے تحت گزر چکی ہے۔

اس کے بعد موسیٰؑ اور فرعون کا مختصر ذکر بالفاظ ذیل آیا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ
وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾

(۹۶) اور بیشک ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں اور ظاہر سند (اپنی کتاب) کیساتھ

(۹۷) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم عقل و فراست پر مبنی نہ تھا۔

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون قیامت کے دن آگے آگے ہوگا اور اپنی قوم کو آگ کے کنارے لا کھڑا کرے گا۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ
النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾
وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

(۹۸) وہ قیامت کے دن قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں آگ پر پہنچا رے گا۔ حقیقت یہ ہے وہ پہنچنے کی بہت بری جگہ ہے (وہ کیسی بری منزل ہے)

(۹۹) اور اس دنیا میں بھی اللہ کی بیزاری ان کے پیچھے لگی رہی تھی اور قیامت کے دن بھی (ان پر اللہ کی بیزاری ہوگی) اور بری سزا ہے جو انہیں بدلہ دیا جائیگا۔

لعنت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔ اس کی بیزاری اور پھٹکار وغیرہ

رفد کا معنی ہے بخشش اور انعام و اکرام وغیرہ۔ یہاں فرعون اور اس کی پیروی کرنے والوں کی بد اعمالیوں کی سزا کیلئے اسی طرح انعام و اکرام کا لفظ لایا گیا ہے جس طرح برے عمل کرنے والوں کے لئے **بَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** کے الفاظ قرآن کریم میں مستعمل ہیں کہ انہیں درد ناک عذاب کی خوشخبری دیدیجئے۔ ان آیات کریمات میں فرعون اور آل فرعون کے مختصر سے تذکرے اور ان سے دنیا و آخرت میں اپنی بیزاری' پھٹکار اور اخروی عذاب کے اعلان کے بعد ارشاد ہوا ہے:

(۱۰۰) (اے رسول) مذکورہ خبریں بد عملوں کی بستیوں کی ہیں جو ہم آپ پر بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض (اپنی بنیادوں پر) کھڑی ہیں بعض اجڑی پڑی ہیں۔

نَقُصُّ کا سہ حرفی مادہ ق۔ ص۔ ص قصص ہے **قَصَّ يَقُصُّ** کا بنیادی معنی ہے اس کے پیچھے پیچھے چلنا جب اس پر

حرف جار علیٰ داخل ہو تو اس کا مفہوم ہوتا ہے کوئی گزرا ہوا واقعہ بیان کرنا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ ماضی کے واقعوں کے بیان کرنے کی صورت میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔

مِنْهَا قَآئِمٌ سے مراد یہ ہے کہ بعض بستیاں جن پر سخت آواز کا عذاب آیا ان کے رہنے والے ختم ہوگئے مگر وہ اپنی بنیادوں پر کھڑی رہیں انہیں بچے کھچے لوگوں نے دوبارہ آباد کر لیا۔

حَصِيْدٌ کا سہ حرفی مادہ ح۔ ص۔ د= حصد ہے اس کا بنیادی معنی ہے کھیتی کو کاٹنا یا روند کر برباد کر دینا۔ جب یہ مادہ بستیوں کیلئے آتا ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے بستیوں کا برباد ہو جانا۔ غرق ہو جانا۔ بعض شہروں' قصبوں یا گاؤں کا اپنی ارد گرد کی سطح زمین سے اونچا ہونا بزبان حال بتاتا ہے کہ وہ بستی عذاب الٰہی کیساتھ اجڑ گئی تھی اور اسی ڈھیر پر دوبارہ آباد ہوئی ہے۔ ہر ملک اور علاقے میں ایسی متعدد بستیاں پائی جاتی ہیں جو پرانی بستی کے ملبے کے ڈھیر پر آباد ہیں ہمارے ملک پنجاب میں سوہدرہ تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ بطور مثال موجود ہے کہ جب کسی مکان کی تعمیر کیلئے گہری بنیادیں کھودی جاتی ہیں تو نیچے سے پرانی بستی کی بنیادیں بھی نکلتی ہیں اور غرق شدہ بستی کی مستعملہ چیزیں بھی برآمد ہوتی ہیں۔

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ بستیاں ان میں رہنے والوں کی اپنی ظلم زیادتیوں اور بداعمالیوں کی بدولت تباہ ہوئی تھیں۔ وہ لوگ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگا کرتے تھے مگر انہوں نے ان کی کوئی مدد نہ کی:

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝۱۰۱

(۱۰۱) اور ایسی بستیوں والوں پر ہم نے ظلم نہیں کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کر لیا تھا جب تیرے رب کے عذاب کا حکم آگیا تو ان کے ٹھہرائے ہوئے مددگار' جن سے وہ اللہ کے سوا مرادیں مانگا کرتے تھے' ان کے کسی کام نہ آئے بلکہ انہوں نے خسارے میں ہی زیادہ کر دیا۔

اٰلِهَتُهُمْ کا لفظی معنی ہے ان کے الٰہ یہاں پر الٰہ کا مفہوم سیاق کلام کے مطابق وہ لوگ ہیں جنہیں ان قوموں نے اللہ کے سوا غیر اللہ کو غیبی مددگار ٹھہرا لیا ہوا تھا۔ کیونکہ ان ٹھہرائے ہوئے الاہوں کی یہ تعریف بتائی گئی ہے جن سے وہ لوگ اللہ کے سوا مرادیں مانگا کرتے تھے۔

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے الفاظ میں یدعون مضارع حکائی کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ پکارتے تھے غیر اللہ کو اور پکارنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگا کرتے تھے۔ چونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہ غائبانہ پکار سن سکتا ہے اور نہ کسی کی غائبانہ مدد کو پہنچ سکتا ہے اس لئے قیامت کے دارالجزا میں انہیں آگ کے عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم کی رو سے مِنْ دُوْنِ اللہ کے دو معنی ہیں۔ پہلا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے سوا غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگا کرتے تھے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ ملا کر ان سے مدد مرادیں مانگا کرتے تھے۔ جیسے کہ نصاریٰ مسیح و مریم کو اللہ کے ساتھ ملا کر تین الٰہ مانتے ہیں اور مسیحؑ کو اللہ کے ساتھ ملا کر اس سے مدد مرادیں طلب کرتے ہیں سورہ مائدہ میں ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۵/۱۱۶ اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب قیامت کے دن اللہ کہے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں

کو اللہ کے ساتھ ملا کر دو الٰہ اور بنا لو۔

اس آیت مجیدہ میں **مِنْ دُوْنِ اللّٰہ** کا معنی اللہ کے سوا نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ ملا کر ثابت ہوتا ہے پس آیت زیر بحث ۱۰۱/۱۱ میں اہل نار کی یہ تعریف بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو اللہ کے ساتھ ملا کر ان کے حضور میں دعائیں کیا کرتے یعنی مدد مرادیں مانگا کرتے تھے۔ پس لازم ہے اہل اسلام نہ اللہ کے ساتھ ملا کر اپنے کسی بزرگ سے مرادیں طلب کیا کریں نہ کسی اکیلے سے۔

لَمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّکَ کی تقدیر کلام یہ ہے **لَمَّا جَآءَ اَمْرُ عَذَابِ رَبِّکَ** اور معنی یہ ہے کہ جب تیرے رب کے عذاب کا حکم آگیا تو ان کے ٹھہرائے ہوئے شریک ان کے کسی کام نہ آئے۔

وَمَازَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ میں لفظ تتبیب کا سہ حرفی مادہ ت ب ب= تب ہے جس کا بنیادی مصدری معنی ہے ٹوٹنا، تباہ ہونا۔ ٹوٹا یعنی خسارہ پانا۔ اس جملے میں خبر دی گئی ہے کہ غیر اللہ سے خواہ اللہ کے سوا مرادیں مانگی جائیں یا اللہ کیساتھ ملا کر مانگی جائیں تو دوسری زندگی میں مدد کیلئے پکارنے والوں کو دارالجزا میں فائدہ کی بجائے نقصان میں زیادتی نصیب ہوگی۔ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جس طرح قوم نوح، قوم عود، قوم ثمود، قوم لوط، قوم شعیب اور قوم فرعون کو ان کے جرائم کے بدلے پکڑ لیا گیا تھا اسی طرح جب بھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ کسی بھی بستی کے ظالم لوگوں پر آتی ہے تو وہ رسوا کن اور انتہائی سخت ہوتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى
وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

(۱۰۲) اور (اے رسولؐ) تیرے رب کی پکڑ ایسی ہے کہ جب وہ کسی بستی والوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظالم ہوتے ہیں تو بلاشبہ اس کی پکڑ انتہائی دردناک اور انتہائی سخت ہوتی ہے۔

قیامت کا دن پوری نوع انسانی کو جمع کرنے اور سب کی حاضری کا دن ہے:۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مذکورہ بالا بیان میں ان لوگوں کے لئے ایک اہم نشانی ہے جو اس دنیا میں عملی طور پر آخرت کے اس دن سے ڈرتے ہیں جو پوری نوع انسانی کے جمع ہونے اور اعمال کی جوابدہی کیلئے حاضری کا دن ہے۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ
الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ
وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾

(۱۰۳) بیشک مذکورہ بالا بیان میں اس شخص کیلئے ایک اہم نشانی ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے (یعنی نیک عمل بجا لاتا ہے) مذکورہ بالا دن اس (اللہ) کے حضور نوع انسانی کو (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جانے کا دن ہے اور مذکورہ بالا دن (اس کے حضور) حاضر کئے جانے کا دن ہے۔

يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ کے الفاظ میں قیامت کے دن کے متعلق اعلان کیا گیا ہے کہ اس دن پوری نوع انسانی کو دنیا کی زندگی میں کئے ہوئے اچھے برے اعمال کی جوابدہی اور ان کی جزا سزا کیلئے اکٹھا بھی کر لیا جائے گا اور **ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ** کے الفاظ میں خبر دی گئی ہے انہیں اس کے حضور حاضر بھی کر لیا جائیگا۔

پوری نوع انسانی کی قیامت کی بعثت:۔ قیامت کی بعثت کے متعلق ہر دور میں سوال کیا جاتا رہا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ لاکھوں سال قبل کے مردے جو مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے ہیں سب کے سب زندہ کر لئے جائیں گے؟ زمانہ رسالت

کے لوگوں کا یہ سوال مع جواب قرآن مجید میں متعدد مقامات پر درج ہے صرف چند مقامات بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۴۹-۵۱/۱۷ اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم جدید پیدائش میں پیدا کئے جائیں گے؟ اے رسول کہہ دیجئے کہ خواہ تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ اور یا کوئی ایسی پیدائش ہو جاؤ جو تمہارے ذہنوں میں اس سے بھی بڑی ہو (تو پھر بھی تمہیں دوبارہ پیدا کر لیا جائیگا)

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۷۸-۷۹/۳۶ کہا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب وہ گل سڑ گئی ہوں گی (اے رسول!) کہہ دیجئے کہ انہیں دوسری مرتبہ بھی وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۝ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ ۴۵ تا ۵۶/۵۶

(مفہوم) بیشک وہ اس سے پہلے (دنیا میں) استحصال کرنوانے تھے اور اس عظیم گناہ پر اصرار کرتے تھے اور کہتے تھے کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر اٹھا لئے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے باپ دادے بھی اٹھا لئے جائیں گے؟ (اے رسول) کہہ دیجئے کہ بیشک پہلے اور پچھلے سب کے سب ایک بتادیئے گئے مقررہ وقت پر اکٹھے کر لئے جائیں گے۔ پھر تم اے جھٹلانے والو! گمراہو! تم ضرور تھوہر کے درخت سے کھاؤ گے پھر اپنے پیٹوں کو اس سے بھروگے پھر اس کے اوپر گرم پانی پیئو گے جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں یہ بدلے کے دن ان کی مہمانی ہوگی۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ ۱-۴/۷۵ شہادت ہے قیامت کے دن کی اور شہادت ہے انسان میں پیدا کئے گئے اس نفس کی جو اسے برائی سے روکتا ہے کیا انسان نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے؟ ہڈیاں تو کیا' ہم تو اس کے ایک ایک پور (Finger tips) کو برابر لینے کی طاقت رکھتے ہیں۔

نتیجہ صریح:۔ آیات مجیدہ مندرجہ بالا میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ=

منکرین قیامت کا تعجب یہ ہے کہ ہم مرکر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ پیدا کر لیا جائے گا؟ سورہ یٰسین ۷۸-۷۹/۳۶ میں آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب وہ گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی اس کا جواب نبی اکرمؐ سے دلوایا گیا کہ انہیں وہی ذات دوبارہ زندہ کرلے گی جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ سورہ قیامت ۱تا۴/۷۵ میں بھی منکرین قیامت کا یہی تعجب پیش کیا گیا ہے کہ کیا ہر ایسے انسان کو یہ گمان ہے کہ ہم ان کی بکھری ہوئی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے اور یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہم تو ان کی انگلیوں کی چھوٹی سے چھوٹی نابود شدہ ہڈیوں تک کو زندہ کرکے ان کے پورے پورے کو صحیح سالم کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

سورہ واقعہ ۴۶ تا ۵۰/۵۶ میں بھی منکرین قیامت کا یہی تعجب پیش کیا گیا ہے کہ جب ہم مرجائیں گے پھر سال ہا سال گزر جائیں گے اور ہم مٹی مٹی ہو چکے ہوں گے تو کیا ہم اور ہمارے پہلے باپ دادا سب زندہ کرکے اٹھالئے جائیں گے تو اس کا جواب نبی اکرمؐ کی زبان مبارک سے دلایا گیا کہ ہاں اس مقررہ دن کو قیامت کے نام سے معلوم کرا دیا گیا ہے اگلوں پچھلوں

کی گلی سڑی ہڈیوں کو صحیح سالم کرنے کے بعد اسی جسم کے ساتھ زندہ کرکے اعمال کی جزا سزا کیلئے سب کو اکٹھا کر لیا جائے گا۔

انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ

اس زندگی کے اعمال کی جزا سزا کے تصور سے ہندوؤں تک نے بھی انکار نہیں کیا' کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد نیک لوگوں کو فوراً" کسی آسودہ حال گھرانے میں پیدا کرکے نیا جسم دے دیا جاتا ہے اور پیدا ہوتے ہی ان کے منہ کو سونے کی چمچی لگا دی جاتی ہے اور برے لوگوں کو گدھے' بیل یا بھینسے وغیرہ کی جون میں پیدا کرکے انہیں بوجھ اٹھانے اور گندوں میں جتنے کی سزا دی جاتی ہے اسی طرح اہل اسلام میں بھی قیامت کے متعلق مختلف عقیدے چل رہے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں جو مرگیا اس کی قیامت آگئی اسے فوراً" حضور الہٰی میں پیش کرکے جزا سزا کا حکم سنا دیا جاتا ہے یعنی ہر مرنے والے کی بعثت فوراً" ہو جاتی ہے اس تصور کا بطلان سورۃ نحل میں بالفاظ ذیل آیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○ ۲۰-۲۱/۱۶ اور لوگ جن (مردوں) سے مدد مرادیں مانگتے ہیں انہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے تھے وہ موے ہیں زندہ نہیں ہیں اور نہ انہیں یہ شعور ہے کہ وہ کب دوبارہ اٹھا لئے جائیں گے۔ یعنی جن مردہ بزرگوں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں ان کے متعلق اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان کی ابھی بعثت نہیں ہوئی انہیں ابھی دوبارہ زندہ نہیں کیا گیا بعثت کا ایک مقررہ دن ہے جو معلوم کرا دیا گیا ہے **مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ** ۵۰/۵۶ اور اس مقررہ اور معلوم کرادیئے گئے دن ہی کو بعثت کا دن بھی کہا گیا ہے اور قیامت کا دن بھی چنانچہ سورہ مومنون میں نوع انسانی کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ○ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ○ ۲۳/۱۵-۱۶ پھر (اے نوع انسانی) تم مذکورہ بالا (طریقے سے پیدا ہونے) کے بعد مرجاتے ہو اور پھر اس کے بعد قیامت کے دن تمہیں مبعوث کیا جائے گا۔ دوبارہ اٹھایا جائیگا

پس واضح رہے کہ اگرچہ اس نظریے میں کہ "جو مرگیا اس کی قیامت ہوگئی" جزا سزا کا انکار موجودہ نہیں لیکن قرآنی الفاظ کی حاکمیت کو قائم رکھنے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ہر انسان کی انہی ہڈیوں کو (خواہ گل سڑ کر کالعدم ہو چکی ہوں گی) اکٹھا کیا جائیگا اور انہیں کے ذریعے اس کا پورا پورا یعنی ہر ایک عضو صحیح سالم کرکے ۷۵/۴' اسی جسم کو زندہ کر لیا جائیگا۔ لہٰذا اگر وہ نظریہ ٹھیک ہے کہ جو کوئی مرجاتا ہے اس کے ساتھ اس کے اچھے برے عملوں کے مطابق اچھا برا جسم دیکر زندہ کر لیا جاتا ہے تو قرآن مجید کی قریباً" ایک درجن آیات میں دی گئی خبر کے مطابق گلی سڑی ہڈیوں کو جمع کرنے اور ۷۵/۴ کے مطابق اسی جسم کو صحیح سالم کر لینے کا تکلف کیوں؟ پس مذکورہ نظریہ اگرچہ جزا سزا کے انکار پر مبنی نہیں مگر قرآن مجید کے تکراری اور تاکیدی اعلان کی رو سے مطلقاً غلط ہے۔

یوم قیامت کے متعلق ایک مخصوص وضاحت اور ایک مخصوص اعلان ○ اگلی آیت مجیدہ میں قیامت کے دن اللہ کی عدالت کا ایک مخصوص نشان اور وقوع قیامت کے متعلق ایک ایسا اعلان کر دیا گیا ہے کہ خود اہل اسلام کے کسی بھی مکتب فکر کے ہاں اس کا تصور موجودہ نہیں ذرا گہری توجہ کیساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾

(۱۰۴) اور ہم اسے (قیامت کے دن کو) نہیں پیچھے ڈال رہے مگر صرف مقررہ وقت کیلئے اسمیں تاخیر کر رہے ہیں۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

(۱۰۵) پھر جس دن وہ مقررہ وقت آجائیگا تو کوئی شخص اس کے حکم کے

بغیر بات نہیں کرے گا پھر ان میں برے بھی ہوں گے اور نیک بھی۔

سورہ النبا میں آیا ہے کہ اس دن انبیاءؑ بھی بغیر حکم باری کلام نہ کریں گے۔ **یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَةُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا** ○ ۷۸/۳۸ اس (قیامت کے) دن اللہ کے حضور میں اللہ کی تعلیم پانے والے یعنی اس کے نبیؑ رسولؑ صف باندھے کھڑے ہوں گے لیکن وہ بات نہیں کریں گے مگر جسے رحمان حکم دیگا اور وہ صحیح صحیح بات کرے گا۔ لفظ روح اور ملائکہ کی بحث بلاغ القرآن کے اوراق میں بار بار گزر چکی ہے خصوصاً ادارہ کے شائع کردہ پمفلٹ "سجدہ ملائکہ بحضور آدم" میں ملاحظہ فرمائیں روح کا ایک قرآنی معنی ہے اللہ تعالیٰ کی تعلیم جو ۱۶/۲ + ۴۰/۱۵ + ۴۲/۵۲ سے ثابت ہے اور روح بمعنی اللہ کی تعلیم پانے والا ۴/۱۷۱، ۲۱/۱۹، ۶۶/۱۲ کے مطابق مسیحؑ کیلئے آیا ہے اور ۱۲/۳۱ کے مطابق انبیاءؑ کیلئے ان کی انتہائی پاکبازی کی بدولت ملک کا لفظ بطور مجاز بولا جاتا ہے جیسے کہ یوسفؑ کیلئے زنان مصر کے الفاظ میں لایا گیا ہے: **اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ** ○ ۱۲/۳۱ اللہ نے اس کی تردید نہیں کی۔

اب قیامت کے متعلق وہ قرآنی اعلان ملاحظہ فرمائیں جو کسی بھی مکتب فکر کے ہاں موجود نہیں۔ اگلی دو آیات انتہائی گہری توجہ کی مستحق ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ ﴿۱۰۶﴾
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۰۷﴾

(آیت ۱۰۶-۱۰۷) پھر جو بد عمل ہوں گے وہ آگ میں ہوں گے ان کے لئے اس میں چیخنا اور چلانا ہے وہ اس میں اس وقت ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں۔ ایسا ہی ہوگا۔ تیرے پروردگار کی مشیت۔ بیشک (اے رسول) تیرا رب وہی کرتا ہے جو اس کے قانون کے مطابق ہے۔

زَفِیْر کہتے ہیں گدھے کی آواز کو جب وہ سانس اندر کھینچتا ہے **شَهِیْق** کہتے ہیں اس وقت کی آواز کو جب وہ آواز باہر نکالتا ہے عربی ادب میں یہ دو لفظ اس تکلیف کے وقت بولے جاتے ہیں جب چاروں طرف چیخ و پکار برپا ہو۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے الفاظ سے عیاں ہے اہل نار، نار میں اس وقت تک ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں۔ قرآن حکیم کا یہ وہ اعلان ہے جو اہل اسلام میں مطلقاً مفقود ہے اس پر تفصیلی نوٹ اگلی ایت مجیدہ میں آرہا ہے جس میں اہل جنت کے متعلق بھی بالکل یہی الفاظ لائے گئے ہیں کہ وہ بھی جنت میں اس وقت تک ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں۔

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ میں استثنٰی بالمشیت ماقبل کی تاکید تام کیلئے آئی ہے اس کی بھی تفصیلی بحث اگلی آیت مجیدہ میں آرہی ہے جس میں اسی جملہ استثنٰی بالمشیت کو اہل جنت کے ذکر میں دہرایا گیا ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کا معنی لکھا گیا ہے تیرا رب وہی کرتا ہے جو اس کے قانون کے مطابق ہے **مَا یُرِیْدُ** کا لفظی معنی ہے "جس کا وہ ارادہ کرتا ہے" سورہ قصص میں اس مادہ **اَرَادَ یُرِیْدُ** کا مفہوم جب یہ بصورت فعل اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس سے مراد وہ قانون ہوتا ہے جو اس نے ارادہ کئے گئے کام کو پورا کرنے کیلئے خود متعین کر رکھا ہے مثلاً زمانہ فرعون کے بنی اسرائیل کے متعلق جو اس کے ظلم کی چکی میں پس رہے تھے ارشاد ہوا ہے: **وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ○ وَنُمَکِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَحْذَرُوْنَ** ○ ۲۸/۵-۶ اور ہم نے ارادہ کیا کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جنہیں

سر زمین مصر میں فرعون کی طرف سے کمزور کر دیا گیا تھا اور (ہم نے ارادہ کیا) کہ انہیں امام بنائیں یعنی ہم انہیں (سر زمین مصر کا) وارث بنائیں اور انہیں اس زمین میں اقتدار عطا فرمائیں اور ہم فرعون وہامان اور اس کے لشکروں کو وہ کچھ دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے (کہ ہم سے کہیں حکومت نہ چھن جائے ظالموں کو یہ خوف ہمیشہ دامنگیر رہتا ہے)

اب غور فرمائیں کہ یہاں نُرِیْدُ فعل بصیغہ جمع متکلم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے لیکن یہاں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ متعینہ قانون ہے جو اس نے کمزوروں پر احسان اور ظالموں سے حکومت چھیننے کا خود مقرر کر رکھا ہے کیونکہ اگر یہاں نرید سے صرف ارادہ بلا قانون مقصود ہو تو ارادہ کرنے کے بعد فوراً بنی اسرائیل کو زمین مصر میں اقتدار مل جاتا اور فرعون سے فوراً حکومت چھین لی جاتی مگر ہوا یہ کہ اس فعل نرید پر عمل یہاں سے شروع کیا گیا کہ موسیٰؑ کو پیدا کیا گیا اور ان کی والدہ کو انہیں دریا میں ڈال دینے کا حکم دیا چنانچہ ۵-۲۸/۶ کے بعد عین متصل آیت نمبر ۲۸/۷ میں بتا دیا گیا ہے کہ ہمارا ارادہ ہمارے متعینہ قانون کے مطابق ہوتا ہے چنانچہ ہم نے اس کام کو یہاں سے شروع کیا کہ موسیٰؑ کو پیدا کرکے اس وقت کے نبی کے ذریعے ان کے والدہ کو وحی فرمائی۔ **وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی** ۲۸/۷ اس طرح موسیٰؑ کو خود فرعون کے گھر میں پال پوس کر جوان کیا گیا کیوں؟ اس لئے کہ غلام قوموں میں اتنی جرات نہیں ہوتی کہ ظالم حاکم کو ٹوک سکیں یا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سامنے آسکیں۔ موسیٰ سلام علیہ کو ایک آزاد فضا میں بصورت شہزادہ پالا اور جوان کیا گیا آپ پر عمّالِ حکومت بلکہ خود فرعون کا بھی رعب غالب نہیں تھا۔ چنانچہ آپ نے ہوش سنبھالتے ہی حکومت فرعون پر اعتراض شروع کر دیئے اور مظلوموں کی عملی مدد کرنے لگے حتیٰ کہ بنی اسرائیل پر احسان کرنے کے ارادے کی قانونی صورت پر اس شدت کیساتھ عمل ہو رہا تھا کہ موسیٰؑ نے ایک مظلوم بنی اسرائیل کو ظالم فرعونی سے چھڑاتے ہوئے اسے دھپڑ رسید کیا جس سے وہ مر گیا۔ اب کیا ہوا؟ یہ کہ آپ کو آٹھ دس برس کیلئے مدین میں ملک بدر ہونا پڑا۔ اٹھارا بیس سال کے بعد آپ جوان ہوئے تھے اوپر سے ایک لمبی جلا وطنی کا وقفہ لاحق ہوگیا۔ مدین سے واپس آئے تو نبوت عطا کی گئی اور حکم دیا کہ فرعون کی طرف جاؤ اور اس سے کہو کہ اگر تو بنی اسرائیل کو ان کے بنیادی حقوق نہیں دیتا تو انہیں میرے ساتھ پر امن ہجرت کی اجازت دیدے۔ مگر اس نے آپ کا مطالبہ قبول نہ کیا اور اس مہم میں مزید کئی برس گزر گئے۔ لیکن ظاہری لفظوں کے مطابق ابھی تک اللہ تعالیٰ کا ارادہ پورا نہ ہوا۔ بالآخر اپنے قانون کے مطابق فرعون پر اپنی تبلیغ کی اتمام حجت تمام کرکے موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی انقلابی جماعت کیساتھ ہجرت کرنے کا حکم دیدیا اور اپنے متعینہ قانون مدوجزر کے ذریعہ موسیٰؑ کو ان کی جماعت سمیت سمندر کی شاخ سے پار کر دیا اور فرعون کو اس کے لشکروں سمیت غرق کرکے **نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ** کی تکمیل تیس چالیس سال کے بعد فرمائی پس آیت نمبر ۱۱/۱۰۵ میں **فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ** کا یہ معنی صد فیصد درست ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو اسکے خود متعینہ قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا آیات ۱۱/۱۰۵ تا ۱۱/۱۰۷ میں واضح ہو چکا ہے کہ بد عمل لوگ اس وقت تک آگ میں ہمیشہ کیلئے رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں اگلی آیت میں سعید لوگوں یعنی نیکوکاروں کے متعلق بھی یہی تصور ہے

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾	(۱۰۸) اور جو نیکوکار ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے اس میں اس وقت تک رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں ایسا ہی ہوگا تیرے رب کا قانون مشیت یہی ہے اہل جنت پر جنت کی بخشش (مذکورہ وقفہ میں) منقطع نہیں کی جائیگی

مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کا تکرار تاکیدی انتہائی غور طلب ہے جو اس نظریہ کو ہر قسم کے شک و شبہ سے بری

کرتا ہے کہ موجودہ آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کی طرح ابدی نہیں ہیں اس وقت تک قائم رکھے جائیں گے جب تک کہ اہل نار کی نار میں سزا اور اہل جنت کی جنت میں جزا کا وقفہ پورا ہو جائیگا۔ ان دو تکراری آیات مجیدہ کے مطابق قرآن مجید میں جہاں جہاں اہل نار اور اہل جنت کے لئے خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا آیا ہے' وہاں ہر جگہ پر یہ الفاظ محذوف و مقدر مانے جائیں گے۔ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اور ہر جگہ پر مفہوم اور معنی یہ ہوگا کہ اہل نار' نار میں اور اہل جنت' جنت میں اس وقت کیلئے ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں۔

اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ یہ جملہ ۱۱/۱۰۵ میں بھی آیا ہے اسے قوائد میں استثنٰی بالمشیت کہتے ہیں اور یہ تاکیدی تام کیلئے آتا ہے اس کی مثال سورہ زمر میں نفخ صور کے ضمن میں آئی ہے:۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۳۹/۶۸ اور صور میں پھونکا جائیگا تو جو جاندار آسمانوں میں ہیں جو جاندار زمین میں ہیں سب مر جائیں گے۔ اس کے بعد آیا ہے اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ جو تاکیدی تام کیلئے لایا ہے کیونکہ قیامت کے صور کے وقت کوئی ایک جاندار بھی باقی نہیں رہے گا اس لئے ۳۹/۶۸ میں بھی یہی معنی ہے کہ نفخ صور سے سب کے سب جاندار مرجائیں گے بالکل ایسا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون مشیت یہی ہے۔

نفخ صور پر جو مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ کے الفاظ آئے ہیں اس سے بھی یہی ثابت ہے کہ قیامت کے نفخ اول میں جاندار سب کے سب ختم ہو جائیں گے زمین و آسمان بدستور قائم رہیں گے۔ اسی چیز کی خبر سورہ الرحمن میں بھی دی گئی ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۵۵/۲۶ زمین کے اوپر جو بھی جاندار ہے سب فنا ہو جانیوالے ہیں۔ زمین و آسمان اس وقت ختم کر دیئے جائیں گے جو ان کی فنا کا وقت مقرر کیا گیا ہے اس کی خبر ان لفظوں میں دی گئی ہے - كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۲۸/۸۸ زمین و آسمان سمیت ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہلاک ہونے والی' ختم ہونے والی ہے۔ دوام و بقا صرف اور صرف ذات باری کیلئے ہے اور کائنات میں محدوثات کا نظام جاری و ساری ہے فافہم و تدبر

واضح رہے کہ جس طرح ۳۹/۶۸ میں نفخ صور کے ضمن میں ثابت ہو چکا ہے کوئی جاندار زندہ نہیں رہیگا۔ سب کے سب مرجائیں گے اور اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ تاکید تام ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون مشیت ہی یہی ہے اسی طرح ۱۱/۱۰۷-۱۰۸ میں مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے بعد جو آیا ہے اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ' یہ بھی تاکید تام کیلئے آیا ہے کہ بالکل ایسا ہی ہوگا۔ تیرے رب کا متعین کردہ قانون مشیت یہی ہے کہ آسمانوں اور زمین کو اس وقت تک قائم رکھا جائیگا جب تک اہل نار اور اہل جنت کا وقفہ سزا و جزا باقی ہوگا۔

اسی استثنٰی بالمشیت کی ایک مثال سورہ اعلیٰ میں آئی ہے جہاں نبی اکرم کو ارشاد ہوا ہے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی ۝ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ۸۷/۶-۷ بیشک ہم آپ کو پڑھاتے ہیں پھر آپ بھولتے نہیں بالکل ایسا ہی ہے اللہ تعالیٰ کا قانون مشیت یہی ہے کہ جو کچھ ہم آپ کو پڑھائیں آپ ہرگز ہرگز نہ بھولیں نبی اکرمؐ تنزیلی حافظ قرآن تھے یہاں بھی اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ کا یہ معنی کہ اللہ تعالیٰ آپ پر قرآن کریم نازل کرتا تھا جتنا وہ چاہتا تھا معاذ اللہ' معاذ اللہ اتنا قرآن مجید آپ بھول جایا کرتے تھے' غلط ہے۔

۱۱/۱۰۷-۱۰۸ سے ثابت ہو چکا کہ قیامت کو یہی زمین و آسمان اور یہی نظام شمسی و قمری موجود ہوگا۔ اہل جنت کیلئے جو لمبے سایوں ظِلًّا ظَلِیْلًا" ۴/۵۷ کی خبر دی گئی ہے اس میں بھی سورج کی موجودگی اس کے طلوع و غروب کی خبر موجود ہے اس کے علاوہ ۱۴/۴۸ میں آیا ہے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ یہ

محاورے کے طور پر آیا ہے کہ قیامت کی عدالت کے وقت موجودہ زمین و آسمان بدل جائیں گے اس زمین و آسمان میں رشوت و سفارش کیساتھ انصاف کا خون کیا جاتا ہے اس وقت اکیلا غالب اللہ حاکم ہوگا اور سب سرکش و جابر بادشاہوں کو اس کے حضور حاضر کرکے سزا دی جائیگی اور مظلوموں کی داد رسی کی جائیگی۔ زمین و آسمان بدل جانے کا محاورہ ہے --- اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کے مخالفین کے بارے میں آپ پر واضح کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی فرمانبرداری نہیں کرتے بلکہ یہ لوگ اپنے باپ دادا کے ٹھہرائے ہوئے الاہوں (باطل مددگار) سے مدد مرادیں مانگتے ہیں۔

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۚ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُم مِّن قَبْلُ ۚ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ ﴿١٠٩﴾

(۱۰۹) پس (اے رسول) یہ لوگ جن کی فرمانبرداری کرتے ہیں آپ ان کے متعلق کسی قسم کے شک میں نہ رہیں' یہ (آپ کے مخالفین) اسی طرح ان کو الٰہ مانتے ان سے مرادیں مانگتے ہیں جس طرح ان کے باپ دادا ان سے پہلے ان سے مرادیں مانگا کرتے تھے اور ہم انہیں ان کا حصہ (یعنی جزا یا سزا) بغیر کمی کے پورا پورا دینے والے ہیں (۱۱/۱۰۹)

اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ میں آمدہ ضمیر **هُمْ** میں غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والے بھی شامل ہیں اور وہ بھی جن سے مرادیں مانگی جاتی تھیں پس اس سے ثابت ہوا کہ لات۔ منات وغیرہ جو بت اہل عرب نے بنائے ہوئے تھے وہ ان کے آباؤ اجداد کے بزرگ تھے ورنہ اگر یہ محض فرضی بت ہوتے تو ان کا جزا سزا کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔

نَصِيْبَهُمْ کے الفاظ بھی اس چیز کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ اگر وہ لوگ اپنی زندگی میں نیک لوگ تھے اور ان کا حصہ جزا کا تھا تو انہیں جزا دی جائے گی انہیں اپنے الٰہ' غائبانہ مددگار' ان کے بعد لوگوں نے ان کی تعلیم کے خلاف بنا لیا تھا۔ ان کا حصہ ان کے نیک عملوں کی جزا ہوگا اور انہیں اللہ کے شریک بنانے والوں کا حصہ سزا ہوگا اگر وہ لوگ خود ہی لوگوں کے غائبانہ مددگار بنے ہوئے تھے تو ان کا حصہ بھی سزا ہوگا اور ان سے مرادیں مانگنے والوں کا حصہ بھی سزا ہی ہوگا۔

اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے موسیٰ سلام علیہ کو اپنی کتاب عطا فرمائی تھی لیکن لوگوں نے اس میں بھی قرآن مجید ہی کی طرح اختلاف کیا تھا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿١١٠﴾

(۱۱۰) اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی کتاب عطا فرمائی پھر (لوگوں کی طرف سے) اس میں بھی (قرآن کی طرح) اختلاف کیا گیا۔ اور (اے رسول) اگر آپ کے رب کی طرف سے (قیامت کا فیصلہ) پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے درمیان (یہیں) فیصلہ کر دیا جاتا حقیقت یہ ہے کہ بیشک وہ لوگ اس سے شک میں متردّد تھے۔

وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١١﴾

(۱۱۱) اور بیشک آپ کا رب ان سب کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دیگا۔ اور بلاشبہ وہ خوب خوب جاننے والا ہے جو یہ لوگ عمل کرتے ہیں۔

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان لوگوں کی نافرمانیوں سے پریشان نہ ہوں۔ بلکہ آپ

اور آپ کے ساتھی اسی طرح دین اللہ پر مستحکم رہیں گے۔ جس طرح آپ کو اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے:۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱۲﴾

(۱۱۲) پس (اے رسول) آپ اور وہ لوگ جو توبہ کرکے آپ کے ساتھ مل گئے ہیں' اللہ کے دین پر اسی طرح قائم رہو جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور دین اللہ سے باہر نہ نکلو بیشک تم جو بھی عمل کرتے ہو وہ اچھی طرح دیکھنے والا ہے۔

اس کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے' ان لوگوں کی طرف ہرگز نہ جھکو' جو ظلم کرنے والے ہیں۔

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ﴿۱۱۳﴾

(۱۱۳) اور (ایمان والو) ان لوگوں کی طرف نہ جھکنا جنہوں نے ظلم کیا۔ ورنہ تمہیں (ناکامی کی) آگ مس کریگی۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار موجود نہیں ہے پھر تم مدد نہیں دیئے جاؤ گے۔

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خاتم النبین رحمت للعلمین کی ذات گرامی کو دائمی حکم دیا گیا ہے:

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِينَ ﴿۱۱۴﴾

(۱۱۴) اے (رسولؐ!) ہمیشہ صلوۃ ادا کرتے رہیں دن کی دو طرفوں میں بھی اور رات کے ابتدائی اندھیرے میں بھی' بیشک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔ (صلوۃ کی ادائیگی کے) مذکورہ بالا حکم ہی کی نصیحت ہے اللہ کا ذکر کرنیوالوں کیلئے۔

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾

(۱۱۵) اور آپ مستقل مزاج رہیے' بیشک اللہ تعالی توازن قائم کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

صلوۃ کا حکم دائمی ہے۔ اوپر ۱۱۴/۱۱ میں نبی کریم کی ذات گرامی کو صلوۃ موقت کی باقاعدہ ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے **أَقِمِ الصَّلٰوةَ .... الخ** کا معنی یہ ہے کہ آپ کی زندگی کے آخری وقت تک بلاناغہ صلوۃ ادا کرتے رہیں دن کے دونوں حصوں میں اور رات کی ابتدائی گھڑیوں میں۔ (مسائل صلوۃ موقت کی مکمل بحث ادارہ کے شائع کردہ پمفلٹ "الصلوۃ" میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں اقم الصلوۃ کے الہی حکم کی وضاحت کی جاتی ہے کہ اقم فعل امر میں دوام موجود ہے اسی طرح ۷۸/۱۷ میں بھی نبی اکرمؐ کو اقم الصلوۃ کا دائمی حکم دیا گیا ہے۔ ان دائمی حکموں سے ثابت ہے کہ صلوۃ موقت مومنوں کیلئے تادم مرگ معاف نہیں۔ جب صلوۃ کا وقت آجائے تو فرض ہو جاتی ہے اور ٹلتی نہیں۔ اس کا مخصوص حکم سورۃ النساء میں بھی دیا گیا ہے:۔ **إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا** ○ ۴/۱۰۳ بیشک صلوۃ موقت مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالی کے فرض کو نہ کوئی ٹالنے والا ہے اور نہ موقوف کرنے والا ہے۔ اسی لئے خود نبی اکرمؐ کو بھی أَقِمِ الصَّلٰوةَ ۱۱/۱۱۴ + ۱۷/۷۸ کے تکراری حکم کیساتھ مخاطب کیا گیا ہے "کہ آپؐ بھی ہمارے صلوۃ موقت کے دائمی حکم کو بدلنے کے مجاز نہیں۔

صلوۃ سفر میں بھی معاف نہیں۔ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔ **حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ**

الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ ۲/۲۳۸-۲۳۹ تمام صلوٰت کی حفاظت کرو' خصوصاً" درمیانی صلوۃ کی حفاظت کرو۔ پھر اگر تمہیں کوئی خوف لاحق ہو جائے تو اگر تم پیادہ پا سفر کر رہے ہو تو پیدل چلتے ہوئے صلوۃ ادا کر لیا کرو۔ اور اگر تم سواری پر سفر کر رہے ہو تو سواری پر چلتے چلتے صلوۃ ادا کر لیا کرو پھر جب تم امن میں آجاؤ تو پورے آداب و شرائط کے ساتھ اللہ کا ذکر (صلوۃ) کیا کرو جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔ جو تم نہیں جانتے تھے۔

ان آیات مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جان کے خوف کے وقت بھی صلوۃ معاف نہیں۔ اگر دوران سفر کسی موذی جانور یا خطرناک دشمن کا خوف لاحق ہو جائے اور صلوۃ کا وقت جا رہا ہو کہ اگر سفر سے ٹھہر کر صلوۃ ادا کریں تو دشمن کا خطرہ ہے اگر منزل پر پہنچ کر صلوۃ ادا کریں تو صلوۃ کا وقت چلا جاتا ہے اس صورت میں حکم دیا گیا ہے کہ پیادہ پا چلتے چلتے بھی صلوۃ ادا کر لیا کریں۔ خبردار صلوۃ ضائع نہ کرنا۔

بستر مرض اور بستر مرگ پر بھی صلوۃ ہرگز معاف نہیں:۔ سورۃ مزمل میں ارشاد ہوا ہے کہ **عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** ۷۳/۲۰ اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے بعض (بستر مرض یا مرگ) کے مریض ہوں گے اور دوسرے تم میں سے زمین میں سفر کر رہے ہوں گے' اللہ کا فضل تلاش کر رہے ہوں گے۔ (کاروبار کے سلسلے میں سفر پر ہوں گے) اور دوسرے تم میں سے ایسے ہوں گے' جو اللہ کی راہ میں جنگ کر رہے ہوں گے۔ پس صلوۃ کسی بھی حالت میں معاف نہیں۔پڑھا کرو اس (قرآن) میں سے اور صلوۃ ہمیشہ ادا کرتے رہا کرو۔

ان آیات کریمات میں بتایا گیا ہے کہ صلوۃ نہ کاروباری مسافر کو معاف ہے نہ بیمار کو' خواہ وہ بستر مرض پر ہو یا بستر مرگ پر کیونکہ وہ مرض بھی ایک مرض ہی ہوگا جس سے بیمار شفایاب ہونے کی بجائے موت سے ہم آغوش ہو جائیگا پھر صلوۃ سربکف مجاہدوں کو بھی معاف نہیں جو اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے دین کے دشمنوں سے لڑ رہے ہوں سورۃ نساء میں سربکف مجاہدوں کی صلوۃ کی ادائیگی کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ صلوۃ قصر **وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ○** ۴/۱۰۱ جب تم (جہاد فی سبیل اللہ کے لئے) زمین میں سفر کرو' تو اگر تمہیں خوف ہو کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے تو کوئی حرج نہیں کہ تم صلوۃ کو کم کر لیا کرو۔ بے شک کافر تمہارے ظاہر دشمن ہیں۔

میدان جنگ میں صلوۃ باجماعت: میدان جنگ میں جب فوجیں آمنے سامنے پڑی ہوئی ہوں۔ ابھی جنگ شروع نہ ہوئی ہو تو اس وقت کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ فوج دو حصوں میں تقسیم ہو جائے' ایک گروہ اسلحہ اور زرہ بکتر پہنے ہوئے صلوۃ میں کھڑا ہو جائے اور دوسرا گروہ پہرا دیتا رہے اس طرح جب ایک گروہ' دوسرے گروہ کے پہرے میں قیام سے لے کر سجدہ تک ایک رکعت یعنی صلوۃ قصر ادا کرے تو یہ گروہ پہرے پر چلا جائے اور دوسرا گروہ جو پہرہ دے رہا تھا وہ بھی امیر صلوۃ کیساتھ مل کر قیام سے لیکر سجدہ تک صلوۃ قصر ادا کر لے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے **وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ** ..... ۴/۱۰۲ اور اے

رسول! جب آپ خود مجاہدوں میں موجود ہوں تو آپ کی موجودگی میں کسی کو امیر صلوۃ بننے کا حق نہیں۔ آپ خود ان کیلئے صلوۃ کھڑی کیا کریں اور چاہئے کہ مجاہدوں کا ایک گروہ آپ کے ساتھ صلوۃ میں کھڑا ہو جائے تو چاہئے کہ وہ اپنا اسلحہ پہنے رہیں۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو چاہئے کہ وہ تمہارے پیچھے (پہرے پر) چلے جائیں اور دوسرا گروہ آجائے جس نے صلوۃ ادا نہیں کی۔ وہ بھی آپ کے ساتھ (قیام سے سجدہ تک قصر) صلوۃ ادا کرنے اور اپنی زرہیں اور اسلحہ پہنے رہیں۔ اس کے بعد جب جنگ شروع ہو جائے تو اس وقت کیلئے ارشاد ہوا ہے:

کھڑے' بیٹھے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۴/۱۰۳ پھر جب (جنگ کے وقت کی) صلوۃ کا فیصلہ ہو جائے (یعنی جب جنگ کا فیصلہ ہو جائے) تو کھڑے بیٹھے لیٹے اللہ تعالیٰ کا صرف ذکر کر لیا کرو یعنی جب جنگ شروع ہو جائے تو ارکان صلوۃ (قیام' رکوع' سجدہ) معاف۔ آداب صلوۃ (وضو' طہارت اور قبلہ رخ ہونا) معاف۔ تیمم کرکے اقرار عبودیت معاف نہیں۔ اس عنوان کے آخری جملے میں اتنے لمبے چوڑے تردد کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ سربکف مجاہدوں کیلئے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق بدلتے ہوئے احکام کیوں دیئے گئے ہیں کہ جب تک لڑائی شروع نہ ہوئی ہو اس وقت تک آدھے آدھے مجاہد' آدھے آدھے مجاہدوں کے پہرے میں قصر صلوۃ ادا کر لیا کریں۔ اور جب لڑائی شروع ہو جائے تو صلوۃ کا وقت آنے پر حسب حالات کھڑے' بیٹھے اور لیٹے صرف اللہ کا ذکر کر لیا کرو۔ یہ سارا تردد اسلئے ہے کہ **إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا** ○ ۴/۱۰۳ بیشک صلوۃ موقت مومنوں پر مقررہ اوقات پر فرض کر دی گئی ہے پس صلوۃ کے متعلق مومنوں کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لینا چاہیے کہ جب تک ہوش و حواس قائم ہوں صلوۃ معاف نہیں حتی کہ بستر مرگ پر بھی لیٹے لیٹے ادا کی جائیگی **ما علینا الا البلغ**

إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ○ اس جملہ کا لفظی معنی یہ ہے: بیشک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔ یہ جملہ صلوٰۃ موقت کے ضمن میں آیا ہے جس سے یہ تصور سامنے آتا ہے کہ صلوٰۃ بھی ایک نیکی ہے اور صلوٰۃ ادا کرنے والے کی برائیوں کو لے جاتی ہے۔ واضح رہے کہ نیکی اسے کہتے ہیں جس سے دوسروں کا بھلا ہو۔ اگر صلوۃ موقت کو صرف اس کی ظاہری ادائیگی تک محدود رکھا جائے تو اس کی قرآنی غرض پوری نہیں ہوتی۔ سورۃ عنکبوت میں صلوۃ کے متعلق ارشاد ہوا ہے: **اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ** (۲۹/۴۵) اور (اے رسول) پڑھئے کتاب میں سے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور صلوۃ کو ہمیشہ ادا کرتے رہئے۔ بیشک صلوۃ موقت بے حیائیوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے روکتی ہے اور البتہ اللہ کی نصیحت سب سے بڑی چیز ہے۔ (اور تم لوگ اگر نافرمانیوں سے باز نہ آئے تو سمجھ لو کہ تم نے اللہ کی نصیحت کو قبول نہیں کیا۔) اور اللہ جانتا ہے کہ جو تم بناوٹ بناتے ہو (یعنی دکھاوے کی صلوۃ پڑھتے ہو۔ اور نیکیوں کی طرف آتے نہیں ہو) جب تک نیکیاں کرو گے نہیں' اس وقت تک وہ برائیوں کو لے کس طرح جائیں گی؟ وہ برائیوں پر غالب کس طرح آسکیں گی؟

دکھاوے کی صلوۃ ...... سورہ ماعون میں دکھاوے کی صلوۃ پڑھنے والوں' یعنی نیکیوں سے دور رہ کر صرف صلوۃ موقت ادا کرنے والوں کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ در اصل اللہ کے دین کو جھٹلاتے ہیں اور نیکیاں یعنی اصل دین بتایا گیا ہے رزق کے سرچشموں کو اس طرح کھلے رکھنا کہ ہر ضرورت مند کو حسب ضرورت اور باآسانی میسر آتا رہے دیکھئے ارشاد باری ہے: **اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ① فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ② وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③**

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ○
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ اے مخاطب کیا تو نے غور کیا؟ تجھے غور کرنا چاہئے اس شخص پر جو دین کو جھٹلاتا ہے پس وہ وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین (یعنی جس کا کاروبار ساکن ہوگیا) کے کھانے کی (کسی کو) ترغیب نہیں دیتا۔ پس خرابی ہے ایسے مصلین کیلئے جو اپنی صلوۃ سے غافل ہیں اور وہ صلوۃ دکھاوے کی ادا کرتے اور (عوام کو رزق کے) چشموں سے منع کرتے ہیں (۱۱/۱۱۴) میں صلوۃ موقت کے ضمن میں جن نیکیوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ برائیوں کو لے جاتی ہیں ان کی تفصیل اوپر سورۃ ماعون میں وضاحتاً" بیان کر دی گئی ہے کہ یتیموں' یعنی بے سہارا اور بے ٹھکانا لوگوں کو سہارا اور ٹھکانا دینا نیکی ہے اور صلوۃ موقت کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے۔ اور ساتھ ہی بتا دیا گیا ہے کہ مساکین کے لئے کھانے کا انتظام کرنا نیکی ہے اور تقاضائے صلوۃ میں سے ایک اہم تقاضا ہے۔

"مسکین" کا مادہ س۔ک۔ن= سکن سے ہے جس کا بنیادی معنی چلتے چلتے رک جانا' ساکن ہو جانا ہے۔ جس شخص کو کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے کہ اس کا کاروبار ساکن ہو جائے' رک جائے۔ اس طرح اس کی آمدنی تو رک جائے گی مگر اس کے اہل و عیال کا خرچ جس میں سرفہرست بچوں کی شکم پری ہے' یہ ضرورت کبھی رک نہیں سکتی۔ اسلئے اسلامی معاشرہ میں ایسے حادثات کے واقع ہونے کے فوراً" بعد پہلے نمبر پر اس امر کا اہتمام ضروری ہے کہ خود مسکین اور اس کے بال بچوں کے کھانے کا انتظام کیا جائے۔ اور اس کے بعد اس کے رکے ہوئے کاروبار کی گاڑی کو متحرک کرنا لازم ہے۔ یتیموں کو سہارا اور ٹھکانہ دینا اور مسکینوں کے کھانے کا اہتمام کرنا ایسی نیکیاں ہیں جو برائیوں کو لے جاتی ہیں' کھا جاتی ہیں۔ جو لوگ صلوۃ ادا کرتے ہیں مگر ان نیکیوں سے دور رہتے ہیں ان کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی صلوۃ سے بے خبر ہیں۔ ان کی روش یہ ہے کہ ان کی صلوۃ تو دکھاوے کی ہے اور وہ رزق کے سرچشموں پر قابض ہوکر بیٹھ جاتے ہیں۔ یعنی عوامی ضروریات جو بہتے چشموں کی طرح ہر ایک کو میسر آنی چاہئیں۔ ان پر بند باندھ دیتے ہیں۔ سورہ مدثر میں آیا ہے کہ اہل جہنم اپنے جہنمی ہونے کی وجہ بتائیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ ہم مصلین نہیں تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

پس ثابت ہوا کہ صلوۃ کی ادائیگی بھی لازم ہے' مگر صلوۃ اور مسکین کو کھانا کھلانے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور یہی وہ نیکیاں ہیں جو برائیوں کو کھا جاتی ہیں اور معاشرہ جنت بدوش ہو جاتا ہے۔

آیات ماقبل میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ایک مخصوص انداز میں نیکیوں کا حکم دیا گیا ہے اور متصلہ اگلی آیت میں بھی ایک اور انداز میں ارشاد ہوا ہے کہ پچھلی قوموں میں بہت کم لوگ فساد کو روکنے والے ہوئے تھے:۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا أُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (۱۱۶)

(۱۱۶) پھر کیوں نہ ہوئے تم سے پہلی نسلوں کے لوگ (انبیاء کی) بقیہ تعلیم والے' جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے منع کرتے۔ مگر کچھ تھوڑے سے لوگ تھے جنہیں ہم نے (عذاب سے) بچا لیا (جو لوگوں کو روکتے رہے) اور جو لوگ ظالم تھے وہ اسی چیز کے پیچھے پڑے رہے جو وہ اس (دنیا) میں آسائش دیئے گئے تھے اور وہ مجرم تھے۔

أُولُوْا بَقِيَّةٍ کا لفظی معنی ہے بقیہ والے اور اس کا مفہوم ہے اس تعلیم والے جو انبیاء کرام دیئے جاتے رہے تھے۔ ایسے لوگوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو برائیوں سے روکتے رہیں۔ اگرچہ انبیاء کرام کے تشریف لے جانے کے بعد معاشرہ بگڑ جاتا تھا مگر جو لوگ سابقہ نبی کی تعلیم پر قائم ہوتے تھے ان کا فرض بتایا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو الٰہی تعلیم سے آگاہ کریں اور

برے کاموں سے منع کرتے رہیں۔

اِلَّا قَلِيْلًا کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ بہت تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو سابقہ نبی کی تعلیم کو جانتے ہوئے لوگوں کو حقیقی تعلیم ربانی سے آگاہ کرتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ معاشرہ کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ تھوڑے لوگ جو حقائق سے آگاہ بھی کرتے ہیں اور غلط کاریوں سے منع بھی کرتے ہیں' ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ لوگ انہیں سر پھرے اور دیوانے قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ آج کے دور میں جو سرکاری ملازم خواہ وہ اعلیٰ پوسٹ پر ہو یا ادنیٰ پر' اگر رشوت نہیں لیتا تو اسے کہا جاتا ہے کہ اس کا دماغ کریک ہے' یہ پاگل ہے۔

وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا کے الفاظ میں ظالموں کی ایک صفت اتراف بتائی گئی ہے اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ مشقت نہ کرنا' آسائش میں رہنا اور دوسرا معنی ہے بار بار نافرمانی کرنا۔ اس جملہ میں ظالموں کی روش بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ اس چیز کے پیچھے لگے رہتے ہیں جس سے انہیں آسائش میسر آتی ہے یعنی خود محنت مشقت کرنا نہیں پڑتی۔ یہ ہے استحصال' کہ دوسروں کی کمائی پر عیش اڑانا۔ اس کے ضمن میں جاگیرداری' زمینداری' سرمایہ داری اور کارخانہ داری وغیرہ آتی ہے' جن میں یہ لوگ مزدوروں کے پسینے کی کمائی پر عیش اڑاتے ہیں اور مزدوروں کو صرف نان جویں میسر آتی ہے۔ اگر انہیں اس سے روکا جائے یا یہ کہا جائے کہ مزدوروں کی اجرتیں بڑھا کر اتنی تو کر دو کہ وہ گزر بسر تو آسانی سے کر سکیں' تو ہرگز کان نہیں دھرتے بلکہ **وَاتَّبَعَ ..... مَآ اُتْرِفُوْا** پر قائم رہتے یعنی استیصالی اور استحصالی نظام پر سختی سے جمے رہتے ہیں۔

وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ کے الفاظ میں اتراف کی اتباع کرنیوالوں کو مجرم قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ ایسا شخص خواہ کتنا ہی تقویٰ شعار مشہور ہو مگر پرائی کمائی پر پلنے کو میزان الٰہی میں قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتراف یعنی سہل انگاری' محنت سے جی چرانے اور دوسروں کی محنت کا ماحصل بٹورنے کو فساد قرار دیا ہے۔ جیسے کہ آیت بالا میں بھی **يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ** کے الفاظ میں اتراف کو فساد بتایا گیا ہے۔ اور اگلی آیت مجیدہ میں بھی اس کی ضد اصلاح بتائی گئی ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ تمہارا رب ایسا نہیں ہے کہ کسی بستی والوں کو اس حالت میں ہلاک کر دے کہ وہ اصلاح کرنیوالے ہوں' یعنی سہل انگاری کی بجائے محنت و مشقت کے عادی ہوں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾	اور اے (رسول !) آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی والوں کو اس حالت میں ہلاک کر دے کہ وہ معاشرہ کی اصلاح کرنیوالے ہوں۔(۱۱۷)

اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ کے الفاظ میں وضاحتاً" اعلان کر دیا گیا ہے کہ مصلحون کیلئے اللہ تعالیٰ کا قانون ہلاکت نہیں ہے۔ مصلحون کی ضد ہے مفسدون' اسلئے کھل کر ثابت ہو چکا کہ مفسدون کیلئے اللہ تعالیٰ کا قانون ہلاکت و عذاب ہے۔ اب فساد کی بہت سی صورتوں میں سے ایک اہم شق بتائی گئی ہے' اتراف یعنی سہل انگاری' آسائش پسندی یعنی خود محنت نہ کرنا اور دوسروں کی محنت پر عیش کرنا۔

سورۃ قصص میں فرعون کو مفسد قرار دیتے ہوئے اس کا جرم یہ بتایا گیا تھا کہ اس نے اپنی رعایا کو طبقات میں تقسیم کر دیا تھا ایک طبقے کو کمزور کر دیا تھا اور ایک کو طاقتور بنا دیا تھا۔ ایک گروہ محنت و مشقت کرتا تھا اور دوسرا گروہ اس کی کمائی کا ماحصل بٹورتا تھا۔

جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ..... اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ ۲۸/۴ (فرعون نے) اپنی رعایا کے طبقے بنا دیئے تھے' ایک طبقے کو ان میں سے کمزور کر دیا تھا .... بیشک وہ فسادیوں میں سے تھا۔ یہ کمزور کر دیا گیا طبقہ

قوم بنی اسرائیل تھی۔ جو قوم فرعون کی بیگاری تھی۔ ملک بھر کی محنت و مشقت کے کام وہ کرتے تھے اور فرعونی مترف تھے۔ آسائش پسند اور سہل انگار تھے۔ ان کی کمائی کے ماحصل پر عیش اڑاتے تھے۔ آیت بالا زیر بحث ۱۱/۱۱۷ میں اعلان الٰہی ہے کہ ہلاک اسی کو کیا جاتا ہے جو مصلح نہ ہو یعنی مفسد ہو اور مفسد کی اولین شق ہے' اتراف' استحصال' خود محنت نہ کرنا اور دوسروں کی کمائی سے سامان عیش حاصل کرنا۔

اعمال کے لحاظ سے انسان فعل مختار ہے۔ آیت بالا میں اگرچہ اعلان کردیا گیا ہے کہ اللہ تعالٰی کا قانون ہلاکت و عذاب بے لگام نہیں ہے کہ بغیر جرم و قصور' قوموں کو ہلاک کر دیا جاتا ہو۔ تاہم ایک عوامی مسئلہ کی وضاحت لازم ہے جو کہا جاتا ہے کہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ عوامی مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے پہلے اسے خود گمراہ کرتا ہے اور پھر خود ہی اسے ہلاک کر دیتا ہے' اور جسے چاہتا ہے' پہلے اسے خود ہی ہدایت دیتا ہے اور پھر خود اسے عذاب سے بچالیتا ہے۔ اس عوامی عقیدہ کی تردید سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے:۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے گا کہ حق قرآن کریم تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ پس جو کوئی خود چاہئے اس پر ایمان لائے اور جو کوئی خود چاہے انکار کر دے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۷۳/۱۹ + ۷۶/۲۹ بیشک یہ (قرآن کریم) ایک نصیحت نامہ ہے جو کوئی خود چاہے (اس نصیحت نامہ کے ذریعے) اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (اے نوع انسانی اچھے یا برے) جیسے عمل تم خود چاہو کرو۴۱/۴۰ **مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ** ۴۱/۴۶ جو کوئی خود اصلاح کا کام کرے اس کا اجر اس کی اپنی جان کے لئے ہے۔ اور جو کوئی برائی کرے اس کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب (خود برے اعمال کروا کر) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۱۰/۱۰۸ + ۲۷/۹۲ + ۳۹/۴۱ آیت مندرجہ بالا کا مضمون ان تینوں مقامات پر ایک ہی نازل کیا گیا ہے۔ اھل علم کی توجہ کیلئے عرض کی جاتی ہے کہ ان آیتوں میں انما کلمہ حصر کا تکرار آیا ہے اس لئے آیت کریمہ محکمت ہیں اور ترجمہ میں کسی قسم کا ابہام موجود نہیں۔ ترجمہ و مفہوم پر بنظر غائر توجہ فرمائیں خود نبی اکرمؐ سلام علیہ کی زبان صدق سے اعلان کروایا گیا ہے:۔

(مفہوم) (اے رسول!) کہہ دیجئے گا کہ اے پوری نوع انسانی! بیشک حق (قرآن کریم) تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ پھر جو کوئی اس سے ہدایت حاصل کرتا ہے' سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ وہ خود اپنے لئے ہدایت حاصل کرتا ہے' اور جو کوئی اس سے انکار کرکے گمراہ ہو جاتا ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ وہ خود گمراہ ہو جاتا ہے اور اس کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا۔ اور میں تم پر داروغہ نہیں کہ زبردستی راہ راست پر لاؤں۔ اسی چیز کی وضاحت سلسلہ درس کی اگلی آیت میں بھی درج ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

(۱۱۸) اور اگر تیرا رب زبردستی چاہتا تو (اے رسولؐ) وہ ساری نوع انسانی کو ایک جماعت (مومن نیکوکار) بنا دیتا۔ (لیکن اس نے اپنے قانون مشیت ۴۱/۴۰ + ۱۰/۱۰۸ + ۲۷/۹۲ + ۳۹/۴۱ کے مطابق انسان کو عقیدہ و عمل کے لحاظ سے فعل مختار بنا دیا ہے) حقیقت یہ ہے کہ

اختلاف پسند لوگ (دین حق سے) اختلاف کرنے سے ٹلتے نہیں۔

وَلَوْشَآءَ رَبُّکَ کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ زبردستی کرتا تو پوری نوع انسانیت کو ایک مومن اور نیکوکار جماعت بنا دیتا۔ لیکن نافرمان و بدکار لوگوں نے نافرمانی اور بدکاری خود اختیار کی ہے۔ اللہ نے نہیں کروائی۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

(۱۱۹) سوائے اس شخص کے تیرا رب (اپنے قانون مشیت کیمطابق) اس پر رحم کرے اور اس نے انہیں اسی لئے پیدا کیا ہے اور تیرے رب کا قانون پورا ہو چکا ہے کہ میں (اپنے قانون مشیت کے مطابق سب نافرمانوں) جنوں اور انسانوں کیساتھ جہنم بھر دوں گا۔

اِلَّامَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ میں رب تعالیٰ کی مشیت محذوف ہے۔ اللہ تعالیٰ تو غفور رحیم ہے مگر ہے مشروط۔ جو شخص اپنے عملوں کے ساتھ اس کی رحمت کو دعوت دیتا ہے وہ اس پر رحم کرتا ہے اور جو شخص اپنے عملوں کے ساتھ اس کے غضب کو دعوت دیتا ہے' اس پر اپنا غضب نازل کرتا ہے۔ اس جرات پر برائیاں کرتے چلے جاتا کہ اللہ غفور رحیم ہے' یہ عقیدہ از روئے قرآن غلط ہے۔ اس نے حکم دیدیا ہوا ہے کہ برائیوں سے بچو اور نیکیوں میں سبقت حاصل کرو۔ اور جو لوگ نافرنیوں میں بہت دور نکل گئے ہوں ان کے لئے بھی رحمت کی گنجائش رکھی گئی ہے مگر ذیل کی شرط کے ساتھ۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ۱۸-۱۱۹/۱۶ (جو لوگ نافرمانیوں میں دور نکل کر خود غضب الٰہی کے مستحق ہوگئے ہیں) ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے آپ پر خود ظلم کر لیا ہے۔ پھر تیرا پروردگار ان لوگوں کیلئے جو نادانی کیساتھ برے عمل کرتے ہیں' پھر اگر وہ اس کے بعد توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو بلاشبہ تیرا پروردگار اس کے بعد غفور رحیم ہے۔ المختصر! اللہ تعالیٰ کا رحم مشروط ہے جو توبہ کرنے اور اصلاح کرنیوالوں کیلئے ہے۔ ان لوگوں کیلئے ہرگز نہیں ہے جو زندگی بھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے رہیں اور اسی حالت میں مرجائیں۔

عین موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی' جیسے کہ ارشاد باری ہے:۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ ۱۸/۴ اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہے جو برائیاں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت کا وقت آیا تو کہا اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ہی ان کی توبہ قبول ہے جو مرگئے اور کافر ہی رہے۔ ہم نے ان کے لیئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (یہی ہمارا قانون مشیت ہے)

وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ان پر رحم کرے سب سے پہلے تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرے ہی نہ۔ **مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○** ۵۱/۵۶ اور میں نے جن و انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری فرمانبرداری کریں (اور میں ان پر رحم کروں) اگر وہ نافرمانی کر چکے ہوں یا کر رہے ہوں تو توبہ کرکے اپنی اصلاح کر لیں ۱۶/۱۱۹ تاکہ ان پر رحم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے رحم کا مستحق ہونے کی یہی دو صورتیں ہیں اور بس۔

وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ کے بعد آیا ہے **وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّکَ** یہاں **تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّکَ** سے مراد ماقبل مذکور قانون الٰہی کی محکمیت ہے کہ اس میں کسی قسم کی سوچ لچک ہرگز موجود نہیں کہ کسی فرد یا قوم پر اس وقت رحم کیا

جائے جب وہ قانون الٰہی کے مطابق رحم کی مستحق نہ ہو۔ اور نہ ہی یہ کہ کسی فرد یا قوم پر اس وقت رحم نہ کیا جائے جب وہ قانون مشیت کے مطابق رحم کی مستحق ہو۔

اَلْجِنَّةِ وَالنَّاس مبدل ہے **لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً** میں آمدہ لفظ الناس کا یعنی جن و انسان الناس ہی کے دو گروہ ہیں۔ بدوی اور مدنی۔ ان دونوں میں سے کسی گروہ کو سادہ لوح یا کم عقل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ بدوی یعنی دیہاتی لوگ مدنی یعنی شہری لوگوں سے کم عقل نہیں ہیں' کیونکہ وہ حصول مال کے سلسلے میں شہریوں کی نسبت کم ہوشیار نہیں ہیں۔ اسی لئے دونوں طبقوں کو بالفاظ دیگر اپنے اپنے اعمال کیمطابق جزا و سزا کے مستحق قرار دیا گیا ہے۔

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ کا مفہوم بھی **لَوْشَآءَ رَبُّكَ** کے ماتحت مشیت الٰہی کی حدود میں محدود ہے۔ بالفاظ دیگر اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ لفظ اجمعین کے مطابق سب کے سب جن و انسان جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ بلکہ قانون مشیت کی دائمی قید کے مطابق ان سب کے سب جنوں اور انسانوں کو جہنم واصل کیا جائے گا۔ جو اپنے عقائد و اعمال کے لحاظ سے نافرمانوں کی صف میں شمار ہوں گے اور توبہ و اصلاح ۱۶/۱۱۹ کی الٰہی رعایت سے بھی خود محروم رہے ہوں۔

سورہ ہود کی آخری آیات مجیدہ: سورہ ہود ختم ہو رہی ہے اس کے خاتمہ پر نبی اکرمؐ کو مخاطب کرکے آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ اس سورہ مجیدہ میں جن انبیاء کرام کے تذکار نازل کئے گئے ہیں وہ آپ کے ثبات ذہنی کیلئے نازل کئے گئے ہیں تاکہ آپ جان لیں کہ سلسلہ تبلیغ میں صرف آپ کو ہی مصائب و تکالیف کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا بلکہ سب کے سب نبیوں نے اسی طرح بڑی بڑی مشکلات شاقہ کا مقابلہ کیا تھا:۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾	(۱۲۰) اور (اے رسول) ہم نے اپنے رسولوں کی خبریں آپ پر بیان کی ہیں تاکہ ہم ان سب کیساتھ آپ کے ذہن کو ثابت کریں اور اس بیان میں آپ کے پاس حق قرآن (سچے واقعات) اور وعظ اور نصیحت نامہ آگیا ہے مومنوں کیلئے۔

نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ کے مطابق اسی سورۃ مجیدہ ہود میں:۔

آیت نمبر۲۵ تا ۴۹ میں نوح سلام علیہ کے حالات اور آپ کی قوم کی نافرمانیاں بیان کی گئی ہیں۔

آیت نمبر ۵۰ تا ۶۰ میں نبی اکرمؐ کے ثبات قلب کیلئے ھودؑ کے صبر اور ان کی قوم کی سرکشی کا ذکر لایا گیا ہے۔

آیت نمبر ۶۱ تا ۶۸ میں صالحؑ اور قوم ثمود کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

آیت نمبر۶۹ تا ۷۶ میں ابراہیمؑ کے پاس اللہ کے رسولوں کی آمد اور آپ کو بیٹوں اور پوتے کی خوشخبری کا ذکر ہے۔

آیت نمبر۷۷ تا ۸۳ میں لوطؑ کی قوم کی نافرمانی اور ان کی تباہی کا ذکر تفصیلاً مذکور ہے۔

آیت نمبر۸۴ تا ۹۵ میں شعیبؑ اور ان کی نافرمان قوم کا ذکر لایا گیا ہے جس نے آپ کو سنگسار تک کرنے کی دھمکی دیدی تھی۔ مگر اللہ کے عذاب نے انہیں آلیا اور شعیبؑ کامیاب و کامران ہوئے۔

آیت نمبر۹۶ تا ۹۹ میں موسیٰؑ اور فرعون کے مختصر ذکر میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ فرعون اپنے جاہ و جلال اور اسلحہ و لشکروں کیساتھ غرق کر دیا گیا اور اتنے بڑے طاقتور بادشاہ کے مقابلے پر موسیٰ کو غالب کیا گیا۔ سابقہ انبیاء کے ان حالات میں نبی اکرمؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ جس طرح سابقہ مخالف قوتیں تباہ ہوئیں اور انبیاء کرام کامیاب و کامران ہوئے اسی طرح آپ

کے مخالف بھی ناکام و نامراد ہو جائیں گے۔ اور یقیناً یقیناً فتح و کامرانی آپ کے قدم چومے گی۔ آپ ثابت قدم رہئے گا۔ اور اسی چیز کی خبر آیت بالا زیر بحث میں نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ کے الفاظ میں دی گئی ہے۔

مَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ نہایت غور طلب ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم ایک نصیحت نامہ ہے مومنوں کیلئے یعنی جو لوگ اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آمدہ نصیحت نامہ ہونے پر ایمان لائیں یہ ان کے لئے ہے۔ واضح رہے کہ اس حقیقت سے انکار کیا نہیں جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب انہی لوگوں کو فائدہ دیتی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ضابطہ حیات تسلیم کریں اور اس پر عمل کریں۔ نہ ماننے والے' اور عمل نہ کرنے والے اس سے نہ دنیا میں فائدہ حاصل کر سکتے ہیں نہ آخرت میں۔

دعوت عمل:۔ سورہ مجیدہ زیر نظر میں سابقہ انبیاء کے حالات کیساتھ آپ کے اطمینان قلب کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ نہ ماننے والوں کو کہہ دیجئے گا کہ اپنے اپنے عقائد و نظریات کے مطابق تم بھی عمل کرتے رہو اور ہم بھی عمل کرتے چلے جاتے ہیں پھر نتیجے کا تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ خود بخود فیصلہ ہو جائے گا کہ تمہارا عقیدہ و عمل بہتر نتیجہ پیدا کرتا ہے یا ہمارا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

(۱۲۱-۱۲۲) اور (اے رسولؐ) جو لوگ نہیں مانتے آپ ان سے کہہ دیجئے گا کہ تم اپنی جگہ پر عمل کرتے جاؤ اور ہم اپنی جگہ پر عمل کرتے جاتے ہیں اور تم بھی نتیجے کا انتظار کرو اور ہم بھی نتیجے کا انتظار کرتے ہیں (دیکھیں فیصلہ ہمارے حق میں ہوتا ہے یا تمہارے حق میں۔)

غیب کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے:۔ نتیجہ چونکہ غیب میں ہے اسلئے آخری آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کے ثبات قلب کیلئے خود آپؐ سے اعلان کروایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے سب غیبوں کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور ہر کام اس کے متعینہ قوانین کے مطابق انجام پاتے ہیں۔ آپ اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرتے رہیں اور اسی پر پورا بھروسہ رکھیں:۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

(۱۲۳) اور (حقیقت یہ ہے کہ) آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور سارے کے سارے کام اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں (یعنی اسی کے قانون کے مطابق سرانجام ہوتے ہیں) آپ اسی کی فرمانبرداری کرتے رہیں اور اس (کے متعینہ قوانین) پر بھروسہ کریں اور آپ کا رب اس سے غافل نہیں ہے جو تم عمل کرتے ہو۔

لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا لفظی معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ کیلئے حالانکہ اللہ تعالیٰ کیلئے تو کوئی چیز غیب ہے نہیں وہ تو سب غیبوں کا جاننے والا ہے اسلئے اس جملہ کا صحیح معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کے غیب کا پورا پورا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے للہ جار مجرور مقدم نے حصر بھی پیدا کیا ہے۔

وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ سب کام اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کے مطابق ہی سرانجام ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کا لازمی نتیجہ ہرگوشے میں اس کے متعینہ قوانین پر ایمان لانا ہے۔

اللہ پر توکل رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے متعینہ قوانین پر بھروسہ کرکے ان پر عمل شروع کر دیا جائے۔ یہ نہیں کہ عمل اس کے متعینہ قوانین کے خلاف کر رہے ہوں اور منہ پر توکل علی اللہ کا وِرد جاری ہو۔
اسی چیز کی تائید آخری جملے میں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے غافل نہیں یعنی نتیجہ تمہارے عملوں ہی کا نکلے گا زبانی وِرد کا نہیں اور واضح رہے کہ باری تعالیٰ نے اسی عظیم حقیقت کے اعلان پر سورہ مبارکہ ھود کو ختم کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَةُ يُوْسُفَ (۱۲)

آیاتہا ۱۱۱ — رکوعاتہا ۱۲

سورۃ یوسف میں السید یوسف کا ذکر جمیل ہے اسلئے اس نے اسی نسبت سے سورہ یوسف نام پایا ہے۔ یہ ۱۱۱ آیتوں پر مشتمل ہے پورے قرآن مجید میں یہی ایک سورہ مجیدہ ہے' جس میں احسن القصص کے نام سے پوری سورت میں از ابتدا تا انتہا ایک ہی احسن واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس کی ابتدائی دو آیتوں میں قرآن کریم کی شان بیان کی گئی ہے۔
اس کے بعد آیت نمبر۳ تا ۱۰۱ میں السید یوسف سلام علیہ کا پورا احسن واقعہ بیان کیا گیا ہے اور بغیر کسی انقطاع کے مسلسل ۹۹ آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ آخری دس آیتوں میں آیت نمبر ۱۰۲ تا ۱۰۴ میں نبی اکرمؐ کی صحیح شان بیان ہوئی ہے۔ آیت نمبر ۱۰۵ تا ۱۰۷' تین آیتوں میں منکرین کی وجہ انکار بیان کی گئی ہے اور اچانک عذاب آجانے سے عدم شعور کی خبر دی گئی ہے۔ آیت نمبر ۱۰۸ میں رسول اکرمؐ کو اس اعلان کا حکم دیا گیا ہے کہ "میری سنت یہ ہے کہ میں عقل و بصیرت کی اساس پر اللہ کی طرف بلاتا ہوں" آیت نمبر ۱۰۹-۱۱۰ میں مردوں ہی کو منصب نبوت عطا کرنے کی خبر دی گئی ہے اور زمین پر چل پھر کر منکرین کا انجام دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول فرض تبلیغ ادا کرتے رہے اور لوگ جھٹلاتے رہے مگر ان سے عذاب نہیں ٹلے گا۔
سورت مجیدہ کی آیت نمبر۱۱۱ میں ارشاد ہوا ہے کہ قرآن کریم میں بیان کئے گئے تمام واقعات لوگوں کیلئے اپنے اندر پورا پورا سامان عبرت لئے ہوئے ہیں۔ اور قرآن کریم کی یہ شان ہے کہ یہ کسی انسان کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر افترئ نہیں کیا گیا' بلکہ یہ خود اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے' جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنیوالا ہے اور اس قوم کیلئے جو اس پر ایمان لائے' ہر مسئلہ دین کی تفصیل کرنیوالا بھی ہے' ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ سورت مجیدہ شروع بھی قرآن کریم کی تعریف سے ہوئی ہے اور ختم بھی قرآن ہی کی تعریف پر ہوئی ہے۔

ایک اہم نوٹ:۔ عوامی تصور کے مطابق واقعہ یوسف حسن و عشق کی داستان نہیں' نظام ربوبیت کے تحت غلے کے چودہ سالہ کنٹرول کی ایک عظیم مہم تھی۔ جس سے عہدہ برآ ہونا السید یوسف کا ایک عظیم تاریخی کارنامہ تھا۔ آپ نے سات سالہ طویل قحط میں دور دراز کے ضرورت مندوں کو غلہ مہیا فرمایا۔ جو لوگ قیمت ادا کر سکتے انہیں قیمتاً" دیتے اور جو مساکین قیمت ادا نہ کر سکتے انہیں صدقہ کے طور پر عطا فرماتے رہے۔
اس تاریخی کارنامے کا تذکرہ جمیل' قرآن کریم کی تعریف و توصیف کی مخصوص تمہید کے بعد سورۃ مجیدہ کی ابتدا میں بالفاظ ذیل شروع ہوا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اللہ رحمان و رحیم کے بابرکت نام کے ساتھ پڑھے گا۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿١﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢﴾

۱۔ اے امین! گداز ذہن والے رسولؐ! مذکورہ آیتیں خود بیان کرنیوالی کتاب کی ہیں۔

۲۔ بیشک ہم نے اس (قرآن کو) نازل فرمایا ہے عربی زبان میں پڑھا جانیوالا ہے تاکہ (اسے قرآن پڑھنے والو!) تم سب عقلمند بن جاؤ۔

بسم اللہ شریف میں ہر موقعہ محل کیمطابق فعل محذوف ہوتا ہے یہاں چونکہ سورت مجیدہ کی ابتدا ہے اسلئے اقراء محذوف ہے پڑھیئے گا۔

تِلْكَ اسم اشارہ بعید مونث ہے' جس کا اشارہ سورہ ھود میں نازل کردہ آیات کریمات کی طرف ہے۔

الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ کا معنی خود بیان کرنیوالی کتاب ہے جو اپنے بیان تفسیر اور تشریح کیلئے کسی دوسری کتاب کی محتاج نہیں ہے ۶/۶۵ کیمطابق قرآن کریم کی تبیین اس کی اپنی آیات کریمات کے ذریعہ میسر آتی ہے جو ۲/۱۵۹ کیمطابق خود اس کے اندر موجود ہے۔

اَنْزَلْنٰهُ میں ہٗ کا دائمی مرجع قرآن کریم ہے جیسے **اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ** ۹۷/۱ میں بھی ہٗ کا مرجع قرآن کریم ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ میں نزول قرآن کی ایک غرض یہ بتائی گئی ہے کہ قرآن کریم کے قاری عقل مند ہو جائیں۔ عقل سے کام لینا اپنا شعار بنا لیں۔ پس یہ کہنا قرآن کریم کے خلاف ہے کہ دینی مسائل میں عقل کو دخل نہیں۔ اگلی آیت مجیدہ بالفاظ ذیل واقعہ یوسف کی تمہیدی آیت ہے:۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٣﴾

(۳) (اسے رسولؐ!) ہم آپ پر احسن القصص بیان کرتے ہیں اس کے ساتھ جو ہم نے آپ پر یہ قرآن وحی کیا ہے اور اس سے پہلے آپ (اس واقعہ کی حقیقت سے) بے خبر تھے۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿٤﴾

(۴) وہ وقت قابل ذکر ہے جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے' چاند اور سورج مجھے سجدہ کرتے ہیں۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٥﴾

(۵) (آپ کے والد السید یعقوبؑ) نے کہا اے میرے بیٹے اپنی خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا۔ ورنہ وہ تیرے لئے کوئی بری تجویز کریں گے۔ بلاشبہ (نفس) شیطان انسان کا ظاہر دشمن ہے۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦﴾

(۶) اور اسی طرح تیرا رب تجھے پسند فرمائے گا اور تجھے خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ اور اپنی نعمت تجھ پر اور آل یعقوب پر اسی طرح پوری کرے گا جس طرح اس نے تیرے دو باپوں ابراہیم اور اسحاق پر اس سے پہلے پوری کی (یعنی نبوت عطا فرمائی) تھی بیشک تیرا رب بڑھ کر علم والا اور بڑھ کر حکمت والا ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑦

(۷) بیشک یوسف اور اس کے بھائیوں (کے واقعات) میں پوچھنے والوں کیلئے (عبرت) کی بہت سی نشانیاں ہیں

اس آیت مجیدہ میں آیت سے مراد عبرت کی نشانیاں ہیں کہ بھائیوں نے محض حسد کی بنا پر اپنے سگے بھائی یوسفؑ کو برسا برس کیلئے مصائب میں گرفتار کردیا مگر یوسفؑ نے برداشت کردہ مصائب کو بھلا کر معاف کر دیا اور انعامات سے نوازا۔ بھائیوں کی تجویز اگلی آیتوں میں ملاحظہ فرمائیں:۔

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۨ ⑧

(۸) وہ وقت قابل ذکر ہے جب (یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں) کہا بیشک یوسف اور اس کا (چھوٹا) بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہماری نسبت زیادہ پیارے ہیں۔ حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں۔ بیشک ہمارا باپ کھلی غلطی پر ہے۔

ضلٰل کا معنی یہاں رائے کی خطا یعنی غلطی ہے۔ گمراہی نہیں۔ اس مادہ کے متعدد معنے ہیں۔ آگے آیت نمبر ۷۵ کی تفسیر میں پوری بحث پیش کیجائیگی جہاں ضَلٰل کا معنی جستجو اور تلاش ہے۔ بھائیوں نے باپ پر غلط الزام لگایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بچے جب تک چھوٹے ہوتے ہیں ماں باپ کی توجہ کے محتاج ہوتے ہیں وہ ان سے پیار کرتے ہیں۔ برادران یوسفؑ اس بات کو بھول گئے تھے کہ جب وہ چھوٹے چھوٹے تھے تو السید یعقوبؑ ان سے بھی اسی طرح پیار کرتے تھے السید یوسفؑ اور ان کے چھوٹے بھائی کے ساتھ ان کا پیار انوکھا نہیں تھا۔ انہوں نے السید یوسفؑ کے خلاف یہ تجویز کی:۔

اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ⑨

(۹) (بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ) یوسفؑ کو قتل کر دو یا اسے کسی دوسرے ملک میں نکال دو۔ تاکہ تمہارے والد کی توجہ تمہارے لئے خالی ہو جائے۔ اس کے بعد تم نیکو کار قوم بن جانا۔

اطرحو کا مادہ ط۔ر۔ح= طرح ہے۔ اس کا بنیادی معنی ہے کسی چیز کو دور پھینک دینا۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ⑩

(۱۰) ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ اگر تم نے (یوسف) کے متعلق کچھ کرنا ہے تو اسے قتل نہ کرو۔ بلکہ اسے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو تاکہ اسے کوئی قافلے (والے) لے جائیں۔

غَيٰبَتِ کا مادہ غ۔ی۔ب= غیب ہے اس کا بنیادی معنی ہے زمین کی گہرائی' جس میں کوئی چیز چھپ جائے۔

الجُبّ جنگل کے راستے میں پرانے بے آباد کنوئیں کو کہتے ہیں ۔ بھائیوں میں سے ایک نے یہ مشورہ دیا کہ یوسفؑ کو قتل نہ کرو بلکہ کسی ایسے کنوئیں میں ڈال دو جو جنگل کے راستے پر ہو تاکہ کوئی قافلے والے اسے نکال کسی دوسرے ملک میں لے جائیں۔

اگلی آیات مجیدہ ۱۱-۱۲ میں بتایا گیا ہے کہ مذکورہ بالا باہمی تجویز کے بعد برادرانِ یوسفؑ خدمت والا میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪

(۱۱) (برادران یوسفؑ نے) کہا ابا جان کیا سبب ہے آپ کے لئے کہ "آپ ہم کو یوسف کیلئے امین نہیں جانتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں"۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا

(۱۲) آپ اسے کل ہمارے ساتھ (جنگل میں) بھیجیں تاکہ خوب کھائے

لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

(پیے) اور خوب کھیلے اور ہم اس کی حفاظت کرنےوالے ہیں۔

انبیاء سلام علیہم غیب دان نہیں ہوتے اور نہ ہی:۔

السید یعقوبؑ غیب دان تھے کہ آپ جان لیتے کہ ان کے بیٹے جو کھانے پینے اور کھیلنے کودنے کے لئے یوسفؑ کو لے جا رہے ہیں وہ اسے کنوئیں میں پھینکنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں اور وہ غلط کہہ رہے ہیں کہ ہم اس کے محافظ ہیں۔ آپ نے ان پر اعتبار کیا اور فرمایا:۔

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾

(۱۳) (السید یعقوبؑ نے) کہا بیشک مجھے یہ چیز غمگین کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ۔ اور میں خوف کرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو۔

قَالُوْا لَىِٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

(۱۴) انہوں نے (جواباً) کہا کہ اگر اسے بھیڑیا کھا جائے حالانکہ ہم ایک مضبوط جماعت ہیں' پھر تو ہم گھاٹا پانیوالوں سے ہو جائیں گے۔

اس طرح برادران یوسفؑ السید یعقوبؑ سے ملمع سازی کرکے یوسفؑ کو لے گئے مگر جو کچھ کیا اس کی خبر بالفاظ ذیل دی گئی ہے:۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

(۱۵) پھر جب اسے (یوسف کو جنگل میں) لے گئے اور اس امر پر متفق ہوگئے کہ اسے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دیا جائے تو ہم نے اسے وحی فرمائی کہ تو ضرور انہیں ان کے اس (برے) کام کی خبر دے گا اور (ان کی یہ حالت ہوگی کہ) وہ جانتے ہی نہ ہوں گے۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ کے الفاظ میں جو وحی قبل نبوت کا ذکر آیا ہے۔ یہ وحی نبوت نہیں تھی۔ کیونکہ آگے آیت نمبر ۲۲/۱۲ میں خبر دی گئی ہے کہ السید یوسفؑ کو نبوت سے اس وقت نوازا گیا تھا جب آپ جوان ہوگئے تھے۔ **وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا** ۲۲/۱۲ اور وہ جب (یوسفؑ) جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم و علم (یعنی نبوت) عطا فرمائی۔ لہٰذا وہ وحی جس کا ذکر پیچھے ۱۵/۱۲ میں گزرا ہے کہ جب بھائیوں نے آپ کو کنوئیں میں پھینکا تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ ایک وقت وہ آنے والا ہے کہ آپ انہی جابر بھائیوں کو ان کے اس سلوک یعنی کنوئیں میں پھینکنے کے متعلق خبر دیں گے' لیکن انہیں اس چیز کا شعور نہ ہوگا کہ یہ وہی یوسفؑ ہے جسے ہم نے کنوئیں میں پھینک کر اپنے خیال کے مطابق مار دیا' یا ذلیل کر دیا تھا۔

لفظ وحی کا ایک معنی جی میں ڈالنا بھی ہے اس کیف و منظر کو سمجھنے کیلئے اس حقیقت پر غور کرنا ضروری ہے کہ بھائیوں کا ارادہ السید یوسفؑ کو بالکل ختم کر دینے کا تھا۔ چنانچہ اولین تجویز ۹/۱۲ کے مطابق آپ کو قتل کر دینے کی تھی اور کنوئیں میں پھینکنے کی تجویز آپ کو غلام کی حیثیت سے دور ملک بدر کرکے ذلیل کر دینے کی تھی۔ لیکن جب آپ کو کنوئیں میں پھینکا گیا تو گویا ایسا ہوا کہ آپ کو ایسی خواب یاد آگئی کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج آپ کو سجدہ کرتے ہیں' اس کی تعبیر السید یعقوبؑ نے بتائی تھی **وَكَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَ یُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ** ۶/۱۲ اور اسی طرح (یعنی کسی ملک کی کابینہ کے گیارہ ارکان (گیارہ ستاروں کو) اور بادشاہ (اس ملک کے سورج کو) اور وزیر اعظم (اس ملک کے چاند) کو تیرے مطیع کرکے تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کرے گا۔ اور تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔ (یعنی تجھے مذکورہ بالا مرتبہ عظیم' خوابوں کے بہ علم تعبیر کی بدولت میسر آئیگا۔ اس آیت مجیدہ میں **كَذٰلِكَ** کا مشبہ بہ اور مشار الیہ گیارہ

ستاروں اور چاند سورج کا آپ کے مطیع فرمان ہونا ہے۔ جس کی عملی تعبیر شاہ مصر' اس کے وزیر اعظم (عزیز مصر) اور اس کی کابینہ کے ان افراد کا آپ کے مطیع ہو جانا ہے' جو بادشاہ کی خواب کی تعبیر نہ بتا سکے جو صرف السید یوسفؑ نے بتائی۔

السید یعقوبؑ نے خواب کی تعبیر کے دوسرے حصے کی خبران لفظوں میں دی:۔ **وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ** ۱۲/۶ اور اللہ تعالیٰ تجھ پر اور آل یعقوب پر اسی طرح اپنی نعمت پوری کرے گا جس طرح اس سے پہلے تیرے دو باپوں ابراہیم اور اسحاق کو نبوت عطا فرما کر پوری کی تھی۔ (یعنی تجھے منصب نبوت سے بھی سرفراز کیا جائیگا)

تو اس طرح یہ خواب اور اس کی مذکورہ تعبیر جو السید یعقوبؑ اللہ کے پاکیزہ نبی نے بتائی تھی السید یوسفؑ کو یاد آئی۔ اس لئے آپ کو یقین کامل تھا کہ آپ کو نبوت بھی ضرور ضرور عطا کی جائیگی اور آپ اس منصب عظیم پر بھی ضرور پہنچیں گے کہ وزیر اعظم اور بادشاہ سمیت کسی ملک کا پورا حکمران عملہ آپ کے مطیع ہو جائے گا۔ اس یقینی تصور کے مطابق آپ کے ذہن (جی) میں یہ چیز آئی کہ یہ سب بھائی آج میری جان تک کے دشمن بنے ہوئے ہیں' ایک دن میرے پاس آئیں گے' میں انہیں ان کا یہ سلوک جو انہوں نے میرے ساتھ کیا ہے' یاد کراؤں گا۔ مدت دراز گزر چکی ہوگی اور عدم پہچان کی بدولت انہیں شعور تک نہ ہوگا کہ یہ وہی یوسفؑ ہے جسے ہم نے کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ یہ جو کچھ آپ کے جی میں آیا' چونکہ عین منشاء الہی کے مطابق تھا' اسلئے اللہ تعالیٰ نے اسے **اَوْحَيْنَآ** کے الفاظ میں اپنی طرف منسوب فرمایا ہے جیسے کہ جنگ بدر میں جو تیر اندازی نبیؐ نے فرمائی تھی اسے اللہ تعالیٰ نے اس لیے بالفاظ ذیل اپنی طرف منسوب فرمایا ہے کہ وہ عین منشاء الہی کے مطابق تھی:۔ **وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى** ۸/۱۷ اور نہیں تیر پھینکے آپ نے جب آپ نے تیر پھینکے' ولیکن خود اللہ تعالیٰ نے پھینکے تھے۔ اسی آیت مجیدہ میں صحابہؓ کے قتال کو خود اللہ تعالیٰ کا قتال کہا گیا ہے:۔ **فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ** ۸/۱۷ پس (اے صحابہؓ!) کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے قتل کیا۔ بالکل اسی طرح بیعت رضوان چونکہ عین منشاء الہی کے مطابق تھی' اس لئے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے:۔ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ** ۴۸/۱۰ بیشک اے رسول جن صحابہ نے آپ کے ساتھ بیعت کی' سوائے اس کے نہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کی ہے۔ ان کے ہاتھوں پر (آپ کا ہاتھ گویا) اللہ کا ہاتھ تھا۔ پس جس طرح ان اعمال کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اسی طرح السید یوسفؑ کے جی میں جو آیا کہ وہ انہیں ان کا یہ عمل یاد کرائیں گے چونکہ رضاء الہی کے مطابق تھا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے **اَوْحَيْنَآ** کے الفاظ میں اپنی طرف منسوب فرمایا ہے کہ یہ ہم نے اس کے جی میں ڈالا تھا۔ کنوئیں میں پھینکنے کے بعد بھائی عشاء کے وقت جھوٹا رونا روتے ہوئے آئے:۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾
قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا
يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ
وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾
وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ

(۱۶) اور وہ عشا کے وقت (یعنی غروب آفتاب کے بعد) باپ کے پاس روتے ہوئے آئے (۱۷) کہا اے باپ! ہم دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے گئے اور اپنے اسباب کے پاس یوسفؑ کو چھوڑا' اسے بھیڑیا کھا گیا۔ اور تو ماننے والا نہیں اور اگرچہ ہم سچے ہی ہوں۔

(۱۸) اور وہ اس (یوسفؑ) کے کرتے پر نقلی خون لگا لائے (السید یعقوب نے) کہا (یہ غلط ہے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے) بلکہ یہ امر (تم نے

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ⑱

خود (گھڑ لیا ہے) تمہارے نفسوں نے اسے اچھا کر دکھایا ہے۔ پس اچھا تو صبر ہی ہے اور اللہ ہی سے مدد طلب کرنا ہے' اس پر جو تم بیان کرتے ہو۔

برادران یوسف نے السید یوسفؑ کو تو کنوئیں میں پھینک دیا مگر غروب آفتاب کے بعد جھوٹا رونا روتے ہوئے آئے اور بہانہ یہ بتایا کہ ہم دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے' یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑا تھا' اس طرح ہماری عدم موجودگی میں یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔

کیا بھیڑیے نے کھانے سے پہلے کرتہ اتروالیا تھا؟ بھائی کرتے پر جعلی خون تو لگا لائے اور حضور والد میں پیش بھی کر دیا مگر السید یعقوبؑ کوئی بچے نہیں تھے کہ آپ اتنا بھی نہ جان سکتے تھے کہ اگر یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہوتا تو کرتہ بھی ساتھ ہی کھایا جانا لازم تھا' یہ کیسے ممکن تھا کہ یوسف کو کھانے سے پہلے بھیڑیے نے آپ کا کرتہ اتروالیا ہو' تاکہ اسے بھائی خون لگا کر حضور والد میں پیش کر دیں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا کے الفاظ میں السید یعقوبؑ نے بیٹوں کی خود تراشیدہ تجویز عیاں کر دی ہے۔ کہ یوسف کو کھالینا اور اس کے خون آلود کرتے کو چھوڑ دینا بھیڑیے سے ممکن نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ سارا ڈرامہ تمہارا اپنا تراشیدہ ہے۔ اور خون آلودہ کرتا لا دکھانے کے بہانے کو تمہارے نفسوں نے خوب کر دکھایا ہے۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ کے الفاظ میں سنت انبیاء کے مطابق اس مصیبت کو مستقل مزاجی کیساتھ برداشت کرنے کی خبر دی گئی ہے۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ کے الفاظ میں السید یعقوبؑ نے اپنے اس عزم کا اظہار فرمایا کہ آپ اس مصیبت میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔ کیونکہ اس ذات مقدس کے سوا کوئی اور نہ غائبانہ مدد کر سکتا ہے اور نہ مصیبتیں دور کر سکتا ہے۔

بالفاظ دیگر السید یعقوبؑ نے فرمایا (کہ یہ جھوٹ ہے کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے) بلکہ یہ واقعہ تم نے خود گھڑ لیا ہے۔ اور تمہارے نفسوں نے اسے اچھا کر دکھایا ہے۔ پس صبر ہی بہتر ہے۔ (میں مستقل مزاج رہوں گا) اور اس پر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنا ہے جو تم بیان کرتے ہو۔ کیونکہ وہی مشکلات و مصائب کے وقت مدد کر سکتا ہے' وہی مشکل کشا اور وہی مدد گار ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جس کنوئیں میں السید یوسفؑ کو پھینکا گیا تھا' اس کے پاس ایک قافلے والوں نے قیام کیا' انہوں نے اپنا پانی لانے والا آدمی بھیجا اس نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو اسے یوسفؑ کا پتہ چلا۔ انہیں نکال لایا اور اہل قافلہ کو خوشخبری دی کہ یہ ایک غلام ملا ہے' انہوں نے آپ کو بیچنے کے لئے چھپا لیا۔ لیکن چونکہ آپ انہیں مفت مل گئے تھے اس لئے آپ کو مصر میں جاکر چند درہموں کے عوض بیچ دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۚ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۚ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ⑲

(۱۹) اور (وہاں) آیا ایک قافلہ۔ پھر ان (قافلے والوں نے) اپنا پانی لانیوالا (کنوئیں پر) بھیجا۔ پھر اس نے (کنوئیں میں) اپنا ڈول لٹکایا۔ (تو یوسف کو پایا اور) کہا اے خوشخبری یہ ایک لڑکا ہے۔ انہوں نے اسے بیچنے کی چیز (غلام) بنا کر چھپا لیا۔ اور اللہ جانتا ہے وہ (بردہ فروش) جو عمل کرتے ہیں۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿۲۰﴾

(۲۰) اور انہوں نے اسے (یوسف کو) تھوڑی سی قیمت چند درہموں کے عوض بیچ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے بارے میں بے رغبت تھے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾

(۲۱) اور اس شخص نے جس نے اسے (یوسف کو) مصر میں خریدا' اپنی بیوی کو کہا کہ اسے عزت کی جگہ دینا (اسے عزت سے رکھنا) ہوسکتا ہے یہ ہمیں فائدہ دیے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور مذکورہ بالا طریقے سے ہم نے یوسف کو (مصر کی) زمین میں ٹھکانہ دیا اور تاکہ ہم اسے خوابوں کی تعبیر سکھائیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ کا لفظی معنی یہ ہے کہ اس نے اپنا ڈول لٹکایا۔ کس میں لٹکایا؟ یہاں کنواں محذوف ہے۔
هَٰذَا غُلَامٌ کے الفاظ سے ماقبل ذیل کا سارا مفہوم محذوف ہے کہ جب اس نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو یوسفؑ نے اپنی کنوئیں میں موجودگی کی اطلاع دینے کیلئے ڈول کو پکڑ لیا۔ جب پانی لانے والے نے یوسفؑ کو دیکھا تو قافلے والوں کو خوشخبری دی کہ اس نے ایک لڑکا پایا ہے۔ اس پر کچھ افراد یوسف کو نکالنے کیلئے آگئے اور آپ کو بحفاظت تمام باہر نکال لیا۔ یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں پہلا یہ کہ یوسف کنوئیں میں کتنا عرصہ رہے اور دوسرا یہ کہ آپ جتنا عرصہ رہے کس طرح رہے ڈوبے کیوں نہ؟ اس ضمن کے پہلے سوال کا جواب تو **وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ** کے الفاظ میں موجود ہے کہ برادران یوسف کے واپس ہونے کے جلدی بعد وہاں قافلہ آگیا۔ کیونکہ اگر **فَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ** ہوتا' یعنی اگر واؤ کی بجائے فا ہوتی تو اس میں کچھ وقفہ متصور ہوسکتا تھا۔ لیکن چونکہ واؤ آئی ہے اس لئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بھائیوں کے واپس ہونے کے فوراً بعد قافلہ آگیا اور انہوں نے پانی لانے والے کو پانی لانے کے لئے بھیج دیا۔ تجارتی قافلے جو ایک ہی راستے پر سے ہمیشہ گزرتے تھے' انہیں معلوم ہوتا تھا کہ فلاں مقام پر پانی کا چشمہ یا کنواں ہے۔ مذکورہ قافلے والوں نے اپنی معلومات کے مطابق مذکورہ کنوئیں پر آکر قیام کیا۔

اس ضمن کا دوسرا یہ سوال کہ آپ جتنی دیر کنوئیں میں رہے' کس طرح رہے ڈوبے کیوں نہ؟ اس کا جواب مشاہدات میں موجود ہے کہ کنوئیں کو صاف کرنے کے لئے' صاف کرنے والے کے ستانے کے لئے کنوئیں میں تھڑی سی بنی ہوئی ہوتی ہے السید یوسفؑ ابھی تھوڑی ہی دیر تھڑی پر ٹھہرے تھے کہ اوپر سے ڈول لٹک پڑا۔ آپ نے اسے پکڑ لیا۔ ڈول والے نے دیکھا کہ یہ ایک حسین و جمیل لڑکا ہے۔ اس پر اس نے قافلے والوں کو خوشخبری دی **يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ**۔ اس پر بہت سے افراد آگئے اور آپ کو بحفاظت تمام نکال لیا گیا۔
أَسَرُّوهُ بِضَاعَةً کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ قافلے والوں نے السید یوسفؑ کو بیچنے کیلئے غلام بنا کر چھپا لیا۔ ان کی نیت شروع ہی سے یہ ہوگئی کہ اسے بیچ کر رقم وصول کر لیں گے۔
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ قافلے والے انسانوں کو بیچ کر جو تذلیل انسانیت کرتے ہیں اسے وہ خوب جاننے والا ہے۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ کے الفاظ میں فعل ماضی جمع **شَرَوْا** کے فاعل برادران یوسف نہیں ہیں' جن کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے السید یوسف کو بہت تھوڑی قیمت یعنی چند درہموں کے عوض بیچ دیا۔

وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ کے الفاظ میں قافلے والوں ہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ السید یوسف کی بحیثیت غلام کوئی بھاری قیمت حاصل کرنے کے ضمن میں بے رغبت تھے۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ انہیں یہ غلام مفت ہاتھ آیا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ دیکھتے تھے یہ کوئی خاندانی لڑکا ہے۔ اگر اس کے وارث پہنچ گئے تو لڑکا بھی ہاتھ سے چلا جائے گا اور کسی سزا کے بھی مستحق ٹھہریں گے۔ اس لئے تھوڑی قیمت وصول کرکے اپنے آپ کو مذکورہ خطرے سے آزاد کر لیا۔

قَالَ الَّذِي اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ .... الخ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ السید یوسفؑ شہر مصر میں بکے تھے۔ اور خریدنے والا آپ کو گھر لے گیا اور اپنی بیوی کو کہا کہ اسے باعزت طریقے سے رکھنا۔ قرآنی الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برادران یوسفؑ کا السید یوسف کو چند کھوٹے درہموں کے عوض بیچ دینے کا جو قصہ روایتی تفاسیر میں درج ہے غلط ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے جو **اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً**" کے الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ قافلے والوں نے السید یوسفؑ کو بیچنے کا مال یعنی غلام بنا کر چھپا لیا تھا۔ اس کی تردید نہیں کی کہ اس کے باوجود برادران یوسفؑ نے انہیں ڈھونڈھ نکالا اور بھاگا ہوا غلام بتا کر بیچ دیا۔ نیز یہ فرضی قصہ اسلئے بھی غلط ہے کہ قرآن کریم نے السید یوسفؑ کے صرف ایک ہی مرتبہ بکنے کی خبر دی ہے اس لئے دو مرتبہ بکنے کے خبر صحیح نہیں نیز:۔

اگرچہ برادرانِ یوسفؑ نے السید یوسفؑ کیساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا کہ ابا جان کو ورغلا کر بھائی کو جنگل میں لے گئے اور کنوئیں میں پھینک دیا۔ لیکن آپ کو بیچ ڈالنے کے فعل کو' جو قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا' ان کے ذمہ لگانا قرین انصاف بھی نہیں اور قرآن کریم کے خلاف بھی ہے۔ پس اس ضمن میں تمام روایاتی قصے مطلقاً" غلط ہیں کہ السید یوسفؑ کی فروخت کے لئے شہر مصر میں منادی کروی گئی تھی' اسلئے بہت سے لوگ آپ کو خریدنے کے لئے آگئے حتی کہ ایک بڑھیا بھی ایک سوت کی انٹی لے کر آپ کو خریدنے کے لئے آئی۔ یہ سب کچھ روایتی تفاسیر کی عجوبہ پسندی کا مظہر ہے۔ قرآنی حقیقت صرف یہی ہے کہ قافلے والوں نے السید یوسف کو پاتے ہی غلام بنا کر چھپا لیا۔ اور سیدھے مصر پہنچ کر آپ کو بے رغبتی کیساتھ یعنی معمولی قیمت پر بیچ دیا۔

عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ السید یوسفؑ کو خریدنے والا بے اولاد تھا' اس نے اس خیال سے آپ کو خریدا تھا کہ آپ کو بیٹا بنا لے گا۔ لیکن ہوا یہ ہے کہ جب السید یوسفؑ جوان ہوئے تو اس کی بیوی آپ پر فریفتہ ہوگئی (تفصیل آگے آرہی ہے)

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ کے الفاظ میں آمدہ لفظ **مَكَّنَّا** کا مفہوم یہاں پر باعزت ٹھکانہ دینے کا ہے اس کے سہ حرفی مادہ م۔ ک۔ ن' مکن کا بنیادی معنی مکان یعنی باعزت ٹھکانے کا میسر آنا بھی ہے اور حکومت کا میسر آنا بھی۔ چنانچہ جب السید یوسف حکومت مصر کے سیاہ و سفید کے مالک ہوئے تو وہاں بھی یہی باب تفعیل آیا ہے **وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ** ۱۲/۵۶ اور اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو مصر کی زمین میں ملکی اقتدار عطا فرمایا (وہ ملک بھر میں دورے کرتے تھے اور) جہاں چاہتے تھے مقام کرتے تھے۔ آیت بالا زیر بحث میں السید یوسفؑ کو ملک مصر میں اولین باعزت مقام ملنے کی خبر دی گئی ہے۔

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ السید یوسفؑ کو باعزت ٹھکانہ عطا کرنے کی غرض یہ

تھی کہ آپ کو خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا جائے۔ اس سے مراد نبوت کا عطا کیا جانا ہے چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ جب آپ جوان ہوگئے تو آپ کو حکم اور علم دیا گیا۔ یعنی آپ کو شرف نبوت سے نوازا گیا۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ کے الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ کے کام میں کوئی دخل انداز نہیں ہوسکتا' وہ اپنے کام میں غالب ہے۔ یہاں اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ برادران یوسفؑ نے السید یوسف کو ختم کرنے کے لئے کتنی تگ و دو کی' مگر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تو ان کی قتل یوسف کی تجویز کو خود انہی کے ایک بھائی کے ذریعہ رو کرا دیا۔ پھر ان کے کنوئیں میں پھینکنے کے بعد انہیں کنوئیں کے اندر بھی محفوظ رکھا اور بحفاظت تمام نکلوا کر اور دور شہر مصر کے وزیر اعظم (عزیز مصر) کے گھر میں باعزت ٹھکانہ عطا فرما دیا۔

السید یوسف جوان ہوگئے اور آپ کو خلعت نبوت سے نواز دیا گیا:۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مصر میں انتہائی باعزت طریقے سے پلتے ہوئے یوسف جوان ہوگئے۔ اور آپ کو خالقِ مطلق نے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق بے راہ نوعِ انسانی کی ہدایت کیلئے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا:۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

(۲۲) پھر جب وہ (السید یوسفؑ) اپنی جوانی کو پہنچ گئے تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ اور اسی طرح ہم توازن قائم کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔

عطاء حکم و علم ایک قرآنی اصطلاح ہے جو عطا نبوت کیلئے استعمال ہوتی ہے:۔ سورہ انبیاء ۷۴/۲۱ میں السید لوط کے متعلق ارشاد ہوا ہے **وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا** اور لوط کو ہم نے حکم و علم عطا فرمایا یعنی خلعت نبوت سے نوازا۔ اسی طرح ۷۵ تا ۷۹/۲۱ میں نوح' داؤد اور سلیمان سلام علیہم کا ذکر کرنے کے بعد ۷۹/۲۱ میں ارشاد ہوا ہے **وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا** اور ہم نے ان سب کو حکم اور علم عطا فرمایا منصب نبوت سے سرفراز کیا۔ نیز آیت بالا زیر بحث ۲۲/۱۲ ہی کے الفاظ السید موسیٰؑ کیلئے بھی ۱۴/۲۸ میں آئے ہیں **وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ** اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچا اور منصب نبوت پر پورا ہوا تو ہم نے اسے حکم و علم یعنی نبوت عطا فرمائی اسی طرح ہم توازن قائم کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ کے ۲۲/۱۲ + ۱۴/۲۸ کے تکرار سے ثابت ہوتا ہے کہ سب کے سب نبی قبل نبوت ہی معاشرے میں توازن قائم کرنے کے قابلِ قدر عمل کے عامل تھے۔ کوئی ایک نبی بھی ایسا نہیں تھا جو قبل نبوت ہی معاشرے کے عدم توازن کو دور کرنے کیلئے سرگرم عمل نہ ہوتا۔ واضح رہے کہ عطاء حکم سے مراد ہے وحی الٰہی کیساتھ فیصلے کرنے کا منصب اور علم سے مراد ہے وحی الٰہی' یعنی ایسا علم جس کے صد فیصد صحیح اور غیر مشکوک ہونے میں معمولی سی بھی گنجائش موجود نہ ہو۔

زن عزیز کی نیت میں فتور آگیا:۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے السید یوسفؑ کو نبوت عطا فرمائی اور ادھر زن عزیز مصر۔ جس کے پاس آپ رہتے تھے' کی نیت بگڑ گئی۔ وہ آپ کے شباب اور حسن و جمال پر بہ ہزار جان فریفتہ ہوگئی اور ایک دن دروازے بند کرکے حسن و جمال کے حضور میں اپنی فریفتگی کا اظہار کرتے ہوئے اور آپ کو جنسی خیانت کی دعوت دیتے ہوئے اپنا آپ پیش کر دیا۔ پھر کیا ہوا' اس نقشے کو الفاظ الٰہی میں ملاحظہ فرمائیں:۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُونَ ﴿۲۳﴾

(۲۳) اور اس عورت نے جس کے گھر میں وہ السید یوسفؑ رہتے تھے' آپ کو ان کی جان سے پھسلانا چاہا اور دروازے بند کر لئے اور کہا آ' تیرے واسطے (ہوں میں) آپ نے فرمایا اللہ کی پناہ! میرے رب نے میرے مقام کو بہت احسن کیا ہے۔ (میں ایسا آدمی نہیں ہوں) بیشک شان یہ ہے کہ ظالم (جنسی خیانت کرنیوالے) کامیاب نہیں ہوتے۔

رَاوَدَتْهُ میں مادہ ۔ ر-و-د کا بنیادی معنی ہے کسی چیز کی طلب میں نرمی اور منت و سماجت کے ساتھ کوشش کرنا۔ وہ عورت آپ کی شبانہ روز خدمت کرتی تھی لیکن اس کا ہر عمل طلب مراد کی طرف ایک ایک قدم تھا۔ بالآخر ایک دن دروازے بند کرکے اپنی خواہش نہایت نرمی اور منت و سماجت کیساتھ پیش کر دی۔

هَيْتَ لَكَ میں لفظ هَيْتَ کا معنی ہے آ۔ اور **لَكَ** جار مجرور کا لفظ معنی ہے واسطے تیرے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ میں تیرے واسطے ہوں۔ تجھ پر بہ ہزار جان فریفتہ اور قربان و نثار ہوں۔ یعنی وہ انتہائی نرمی اور سماجت کے ساتھ اپنے برے ارادے کی تکمیل کی خواہاں ہوئی ۔ مگر۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ آپ نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے وقفہ کیلئے بھی تردد نہ فرمایا اور فوراً ارشاد فرمایا اللہ کی پناہ۔

إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ میرے رب نے میرے ٹھکانے کو بہت اچھا کیا ہے۔ لفظ مثویٰ کا معنی رہنے کی جگہ یعنی ٹھکانہ بھی ہے اور ذاتی مقام بھی ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کا بلند مقام عطا فرمایا تھا۔ ان الفاظ میں آپ نے اپنے مقام نبوت کی نشاندہی فرمائی تھی۔ اگر یہاں رہنے کا ٹھکانہ مراد لیا جائے تو یہ شان نبوت کے منافی ہے کہ آپ نے زن عزیز کے برے ارادے کی تکمیل اس لئے نہ کی کہ کہیں ظاہر ہونے پر آپ سے آپ کا ٹھکانہ نہ چھن جائے۔ بلکہ آپ نے **هَيْتَ لَكَ** کے جواب میں معا معاذ اللہ کہا اور ساتھ ہی اپنی نبوت کے مقام بلند کی خبر دیدی کہ میرے پروردگار نے تو مجھے پوری انسانیت کو برائیوں سے روکنے کیلئے مبعوث فرمایا ہے تو مجھ سے برائی کی طلب گار ہوئی ہے۔

ظٰلِمُونَ ظالم کی جمع ہے۔ اس کا سہ حرفی مادہ ظ-ل-م ظلم ہے اس کا بنیادی معنی ہے اندھیرا' **وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهٖ** قمری مہینے کی آخری تین راتوں کو **ظلم** کہتے ہیں اور سخت اندھیری رات کو **ظلم** کہا جاتا ہے۔ ہر ناروا کام جو اندھیر گردی کے ضمن میں آتا ہے اسے ظلم کہا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ۱۳/۳۱ میں شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔ جنسی خیانت بھی چونکہ ایک عظیم ناروا فعل ہے اسلئے آیت بالا ۱۲/۲۳ میں اسے بھی ظلم بتایا اور جنسی خیانت کرنیوالے بدکاروں کو ظالم قرار دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اللہ کے نبی رسول ہر قسم کے ظلم سے پاک منزہ تھے۔

ایک اہم غلط فہمی:۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مذکورہ عورت نے تو بدکاری کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ السید یوسف نے ہرگز ارادہ نہ کیا' اگر آپ نے اپنے پروردگار کی نبوت کی روشنی نہ دیکھی ہوتی تو ہوسکتا تھا کہ آپ بھی ارادہ کر لیتے۔ لیکن روایتی تفاسیر نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ زنِ عزیز نے بھی ارادہ کر لیا اور معاذ اللہ مگر یوسفؑ نے بھی کر لیا۔ مگر باز اس طرح سے رہے کہ آپ کو بروقت برہان دکھائے گئے۔ یہ ناشدنی اور ناگفتنی تصور روایتی تفاسیر نے آیت ذیل سے پیش کیا ہے آیت مجیدہ کے الفاظ اور حقائق قرآنیہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۴) اور بیشک بیشک اس عورت نے اس (یوسف) کیساتھ برائی کا

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

ارادہ کیا۔ لیکن اس (یوسف نے) اس عورت سے بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا ۱۲/۲۵ اگر اس نے اپنے رب کی طرف سے (نبوت کی) روشنی نہ دیکھی ہوتی (تو ہوسکتا تھا کہ شاید پھسل جاتا) ایسا ہی ہوا تاکہ ہم (اس کے بھاگ جانے سے) برائی اور بے حیائی کو اس سے پھرا ہوا پاتے۔ بیشک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھا۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا میں آمدہ دونوں افعال:۔

هَمَّتْ اور **هَمَّ** کے مفعول الگ الگ محذوف ہیں۔ **هَمَّتْ بِهٖ** کا مفعول آیت ماسبق ۱۲/۲۳ میں آمدہ الفاظ **رَاوَدَتْهُ عَنْ نَّفْسِهٖ** سے عیاں ہے السید یوسف کو برائی پر آمادہ کرنے کا ارادہ اور **هَمَّ بِهَا** کا مفعول اگلی متصلہ آیت مجیدہ ۱۲/۲۵ میں **وَاسْتَبَقَا الْبَابَ** کے الفاظ سے عیاں ہے' اس عورت سے بھاگ جانے کا ارادہ۔ پس اس جملہ **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا** کا مختصر لفظوں میں ترجمہ یہ ہے:۔ اور البتہ تحقیق اس عورت نے اس (یوسف) کو برائی پر آمادہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس (السید یوسفؑ نے) اس عورت سے بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا۔ دونوں کا الگ الگ ارادہ ان کے الگ الگ مخصی مقام کے مطابق تھا۔ **فافھموا وتدبّروا۔**

انتہائی قابل غور۔ **بُرْهَانَ رَبِّهٖ** کا ذکر ماقبل آیت مجیدہ ۱۲/۲۲ میں گزر چکا ہے نبوت کی روشنی دیکھنا۔ **وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا** پھر جب وہ جوان ہوگیا تو اسے ہم نے حکم و علم (یعنی نبوت) عطا فرمائی۔ یہ نبوتِ الٰہی کی روشنی تھی جس کو **بُرْهَانَ رَبِّهٖ** کہا گیا ہے۔ نیز واضح رہے کہ **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا** کے بعد جیم کا وقف ہے۔ یعنی یہاں تک ایک بات ختم ہوئی۔ آگے دوسری بات یہ شروع ہوتی ہے **لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ** یہ جملہ شرطیہ ہے جس کی یہ جزا محذوف ہے۔ کہ اگر اس نے نبوت کی روشنی نہ دیکھی ہوتی (تو ہوسکتا تھا کہ شاید پھسل جاتا)۔ شرط موجود اور جزا محذوف کی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں جیسے کہ ۱۳/۳۱ میں شرط موجود اور جزا محذوف ہے **وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى** اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا جس کے ساتھ پہاڑ چلائے جاسکتے یا زمین کی مسافت طے کی جاسکتی یا اس کے ساتھ مردوں سے باتیں کی جاسکتیں' اس شرط موجود کی جزا محذوف یہ ہے تو اس قرآن کے ساتھ بھی ایسا ہوسکتا۔ چونکہ دنیا بھر میں ایسی کوئی پڑھنے کی چیز موجود ہی نہیں جس کے پڑھنے سے فرق عادت چیزیں عمل میں آسکیں' اسلئے اس قرآن سے بھی ایسا نہیں ہوسکتا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ **بُرْهَانَ رَبِّهٖ** کیا تھا جس کی بدولت آپ ایک بہت بڑے امتحان میں صد فیصد کامیاب و کامران ہوئے۔ اس کا ذکر ماقبل ۱۲/۲۲ میں گزر چکا ہے **وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا** اور جب وہ جوان ہوگیا تو ہم نے اسے حکم و علم عطا فرمایا۔ نور نبوت سے منور کر دیا۔ اس کے برکس روایتی تفاسیر میں انتہائی ناگفتنی تصورات پیش کیے گئے ہیں۔ جیسے کہ مشہور و معروف تفسیر موضح القرآن نشر کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۳۴۴ پر لکھا ہے کہ جب زن عزیز کو اپنے مطلب میں کامیابی نہ ہوئی تو۔ زلیخا نے تکیے تلے سے خنجر نکالا اور کہا اگر تو میری بات نہیں مانتا تو میں اپنا گلا کاٹتی ہوں۔ یہ کہا اور خنجر حلق پر رکھ ہی دیا السید یوسفؑ نے دیکھا کہ اب بڑی خرابی ہوئی۔ ہاتھ زلیخا کا پکڑ لیا اور کہا جلدی نہ کر' جو تو کہیگی سو کروں گا' اور ناچار ہوئے۔ سامنے وہاں ایک پردہ لٹکتا تھا۔ السید یوسف نے پوچھا کہ اے زلیخا اس پردے کے پیچھے کیا ہے۔ اس نے کہا ایک مورت ہے کہ جس کی میں پوجا کیا کرتی ہوں۔ اس وقت شرم سے اس کے آگے

پردہ ڈال دیا ہے جو اس کام پر اس کی نظر نہ پڑے۔ یوسف علیہ السلام نے دل میں خوف کیا اللہ تعالیٰ سے کہ اس کو بت سے جو نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے شرم آئی اور مجھ کو اپنے رب سے جو دانا بینا جاننے والا سب وقت سب کے حال کا ہے' میں ایسے اللہ سے کیوں نہ شرماؤں۔

بالفاظ دیگر اگر السید یوسفؑ اس پردے کو نہ دیکھتے تو معاذ اللہ! معاذ اللہ باز نہ آتے۔ تفسیر قاضی نور محمد صاحب کے صفحہ ۵۰۴ پر لکھا ہے:۔ قصد مخالفت کا اس کے کرنا یعنی صورت السید یعقوبؑ کی دانتوں تلے انگلی دبائے ہوئے نظر آگئی یا نور عصمت الٰہی اور لمعہ نبوت یوسفی تھا کہ حائل ہوگیا درمیان یوسفؑ کے اور اس چیز کے کہ موجب غضب الٰہی تھی یا سقف خانہ پر **لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا** لکھا دیکھا۔ دیوار پر دیکھا جو برابران کے تھی دیکھتے تھے دیکھا تو **لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا** لکھا دیکھا۔ دوسری دیوار پر جو نظر کی تو **اِنَّ عَلَيْكَ لَحٰفِظِيْنَ** لکھا پایا (بیشک ہم تیری حفاظت کرنیوالے ہیں) تیسری دیوار پر جو نگاہ گئی تو **وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ** مسطور تھا (کہ ڈرو اس دن سے جس میں تم نے اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے) چوتھی دیوار پر جو نظر پڑی تو **يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ** لکھا دیکھا (کہ اللہ تعالیٰ نگاہوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور اسے بھی جو تم اپنے ذہنوں میں چھپاتے ہو) جو سر اٹھایا تو **اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى** لکھا پایا (کہ بیشک وہ تم دونوں کے ساتھ ہے سنتا ہے اور دیکھتا ہے)۔ چھت پر جو ان کی نظر پڑی تو صورت یعقوب یا صورت عزیز کی دیکھی کہ اشارت بھاگنے کی کرتے تھے۔

دیکھا آپ نے کہ اس طویل تحریر میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ السید یوسفؑ کو برائی سے بچانے کے لئے کتنی چیزیں دکھائی گئی تھیں۔ بالفاظ دیگر اگر ایسا نہ کیا جاتا تو معاذ اللہ معاذ اللہ السید یوسف باز نہ آتے۔ ان تحریروں سے شان یوسفی بلاوجہ داغدار ہوتی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ جونہی زن عزیز نے اپنا برا ارادہ ظاہر کیا تو السید یوسفؑ نے بلا توقف فوراً ارشاد فرمایا معاذ اللہ! للہ کی پناہ! پھر قرآن کہتا ہے کہ زن عزیز نے برائی کا ارادہ کیا مگر السید نے معاً بھاگ جانے کا ارادہ کیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس قرآنی بیان ہی میں شان یوسفی محفوظ ہے کہ پورے جوانی اور جنسی طاقت سے معمور ہونے کے باوجود آپ عزیز کی بیوی کے فریب میں نہ آئے اور فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس کے برعکس اگر آپ کو برائی سے بچانے کے لئے اتنا اہتمام کیا گیا تسلیم کیا جائے کہ آپ کے والد السید یعقوبؑ کی تصویر دکھائی گئی دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے کہ بیٹا یہ کام نہ کرنا۔ پھر دیواروں اور چھت پر لکھا ہوا دکھایا گیا کہ زنا کے قریب نہ جا اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے وہ آنکھوں تک کی خیانت کو بھی جانتا ہے۔ پھر عزیز مصر کی تصویر دکھائی گئی جس نے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ اگر اتنے بڑے اہتمام کے بعد السید یوسف برائی سے بچے تھے تو صاف ظاہر ہے کہ روایتی تفاسیر نے یہ تاثر دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عظیم اہتمام نہ کئے جاتے تو السید یوسفؑ معاذ اللہ معاذ اللہ برائی سے نہ بچ سکتے تھے۔ لیکن واضح رہے کہ ۱۲/۲۴ میں اس واقعہ کے ابتدا ہی میں بتا دیا ہے کہ جب زن عزیز نے بدکاری کی دعوت دی تو آپ نے فوراً جواب دیا معاذ اللہ ! اللہ کی پناہ پھر بتایا گیا ہے کہ اس عورت نے برائی کا ارادہ کیا مگر السید یوسفؑ نے بھاگ جانے کا ارادہ فرمایا اور آیت مجیدہ کے اخیر پر اعلان کیا گیا ہے **اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ** بیشک وہ یوسف ہمارے خالص بندوں میں سے تھا۔ اور خالص کی تعریف معاذ اللہ کے الفاظ ۱۲/۲۳ میں کر دی گئی ہے کہ آپ نے ایک ہزارویں سیکنڈ کے لئے بھی برائی کی طرف جھکنے کا خیال نہیں فرمایا تھا۔ پس ثابت ہوا روایتی تفاسیر کا مذکورہ سارا قصہ خود تراشیدہ ہے۔

یہ سب کچھ افترائی محض ہے:۔ آیت مجیدہ کے قرآنی الفاظ سے بلاشبہ السید یوسفؑ کے خالص عمل میں کسی ملاوٹ کا

تصور تک پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ الفاظ قرآنیہ کی حاکیت کو قائم رکھتے ہوئے بلاشبہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ عورت نے دروازہ بند کرکے آپ کو برائی کی دعوت دی۔ مگر آپ نے فوراً" معاذ اللہ کہا اور اس سے بھاگ جانے کا ارادہ فرمایا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر واضح رہے کہ روایتی تفاسیر کا یہ قصہ مطلقاً" افترئ محض ہے کہ زن عزیز نے تکیے تلے سے خنجر نکالا اور اپنے حلق پر رکھ دیا اور کہا کہ اگر تو نہیں مانتا تو میں اپنا گلا کاٹتی ہوں۔ اس پر آپ نے اس سے برائی کا وعدہ کر لیا معاذ اللہ! استغفراللہ! پھر اس افترئ کی اساس پر جو کچھ بھی پیش کیا گیا ہے سب کا سب افترئ محض ہے۔ بلاشبہ السید یوسف آیت قرآنیہ یعنی ارشاد الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے مخالص بندے تھے۔ اگر بالفرض زن عزیز نے خود کشی کی دھمکی دی بھی ہو تو آپ پھر بھی بدکاری کی طرف جھکنے والے ہرگز ہرگز نہیں تھے۔

كَذٰلِكَ کے الفاظ بھی مذکورہ بالا وضاحت کی تائید کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا تھا جو بیان کیا گیا ہے کہ السید یوسف نے بدکاری کی دعوت پر فوراً" معاذ اللہ کہا' وہاں سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ **كَذٰلِكَ** میں کاف حرف تشبیہ ہے اور **ذٰلِكَ** اسم اشارہ مذکر بعید ہے جو مذکورہ بالا کے لئے آتا ہے۔ پس **كَذٰلِكَ** کے الفاظ میں انتہائی تائیدی انداز میں ارشاد ہوا ہے کہ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے وہی ہوا کہ السید یوسفؑ نے معاذ اللہ کہہ کر بدکاری کی دعوت دینے والی عورت سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ بالفاظ دیگر **كَذٰلِكَ** کے تائیدی الفاظ میں بھی السید یوسفؑ کے خلوص پر مہر تصدیق موجود ہے۔

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ کے الفاظ میں جو **نَصْرِفَ** فعل مضارع جمع متکلم آیا ہے' اس میں خاصہ وجدان ہے۔ سابقہ قرآنی وضاحت کے مطابق اللہ کے خالص بندے السید یوسفؑ نے برائی کے ارادے کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی اپنے قریبؑ نہیں پھٹکنے دیا تھا۔ اسلئے فعل **نَصْرِفَ** کے خاصہ وجدان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے السید یوسفؑ کے کامل مکمل اور بے پناہ خلوص کی بدولت برائی اور بے حیائی کو آپ سے پھرا ہوا پایا تھا' اور اپنے پاس آئی ہوئی برائی اور بے حیائی کو خود السید یوسفؑ نے اپنے پاس سے پھیر دیا تھا ـــــ ہوسکتا ہے **نَصْرِفَ** فعل ثلاثی مجرد کے متعلق آپ کے ذہن میں یہ اعتراض کروٹیں لے رہا ہو کہ اہل قواعد نے افعال ثلاثی مجرد کا خاصہ وجدان تسلیم نہیں کیا۔ اس کے لئے ادارہ کی شائع کردہ تفسیر القرآن بالقرآن جلد اول کے دیباچہ کے صفحہ ۱۰۵ پر عنوان افعال ثلاثی مجرد کا خاصہ وجدان بغور ملاحظہ فرمائیں قرآن کریم اپنی قواعد بھی خود پیش کرتا ہے۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ کا معنی اور مفہوم یہ ہے "مذکورہ بالا کی مثل ہی ہوا تھا تاکہ ہم السید یوسفؑ کے بے پناہ خلوص کی بدولت برائی اور بے حیائی کو اس سے پھرا ہوا پائیں۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ کا جملہ روایتی بہتانات کی تردید اور آپ کی عصمت کی حفاظت کیلئے حصار عظیم ہے۔ یہ جملہ **ان** حرف تاکیدیہ سے شروع ہوتا ہے جو آپ کے خلوص کے خلاف کسی معمولی سے معمولی گنجائش تک کو بھی ختم کرنے کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس تاکیدیہ اعلان الٰہی کے خلاف السید یوسفؑ کے خلوص میں معمولی ساشگاف پیدا کرنا بھی قرآنی اسلوب بیان اور عصمت انبیاء سے بے خبری کی دلیل ہے۔

آیت مجیدہ ماقبل ۱۲/۲۴ میں **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا** کی قرآنی تفسیر میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ زن عزیز نے آپ کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا اور آپ نے اس سے بھاگ جانے کا ارادہ فرمایا۔ اسی چیز کی تصدیق اگلی عین متصلہ آیت مجیدہ میں کی گئی ہے کہ السید یوسفؑ نے اس عورت سے جو بھاگ جانے کا ارادہ کیا تھا اس کے مطابق بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن وہ

عورت بھی جنسی جنون کی مستی میں آپ کے پیچھے بھاگی اور آپ کی قمیض کو پیچھے سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا' آپ اسے ہمیشہ کیلئے بھاگ جانے کا ارادہ کر چکے تھے مگر باہر دروازے پر مذکورہ عورت کا شوہر عزیزِ مصر آپہنچا چنانچہ ارشاد باری ہے:۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوٓءًا إِلَّآ أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۵﴾

(۲۵) اور وہ دونوں دروازے کی طرف بھاگے (آگے السید یوسفؑ تھے اور پیچھے زن عزیز تھی۔ اس نے پیچھے سے ان کی قمیض کھینچی) اور ان کی قمیض کو پھاڑ دیا۔ اور دونوں نے دروازے پر اس عورت کے شوہر (عزیز مصر) کو پایا۔ عورت نے (مکّارانہ انداز سے) کہا اس کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی کیساتھ برائی کا ارادہ کرے۔ سوائے اس کے کہ یا تو وہ قید کر دیا جائے یا اسے درد ناک سزا دی جائے۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ میں چونکہ واوؔ آئی ہے فا نہیں آئی اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ السید یوسفؑ بھاگنے کا ارادہ کرنے کے بعد فوراً بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ کے پیچھے زن مذکورہ بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسلئے تقدیر کلام یہ ہے:۔ **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ------ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ** اور مفہوم یہ ہے:۔ اور بلاشبہ اس عورت نے السید یوسفؑ کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا مگر آپ نے بھاگ جانے کا ارادہ فرمایا۔---- اور آپ دروازے کی طرف دوڑے۔ پیچھے وہ بھی بھاگی۔ (آپ کی قمیض کھینچی اور) ان کی قمیض کو پیچھے کی طرف سے پھاڑ کر خود ہی یہ ثبوت مہیا کر دیا کہ:۔ السید یوسفؑ کی پیچھے کی طرف کی چاک دامانی قیامت تک کیلئے آپ کی پاک دامانی کی دلیل بن گئی۔ جو لوح فلک پر سورج کی کرنوں کیساتھ لکھی ہوئی قیامت تک جگمگ جگمگ کرتی رہیگی۔

وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ ادھر جب وہ دونوں آگے پیچھے بھاگتے ہوئے السید یوسفؑ کی تاریخی قمیض کو پھاڑ پھڑوا کر دروازے پر پہنچے تو اتفاق ایسا ہوا کہ ادھر سے عزیزِ مصر یعنی اس عورت کا شوہر بھی دروازے پر پہنچ گیا۔ پھر کیا ہوا؟

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوٓءًا کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اپنا آپ پیش کر کے **هَيْتَ لَكَ** کی دعوت دینے والی نے مکارانہ طور پر شوہر سے کہا کہ اس شخص کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی کیساتھ برائی کا ارادہ کرے۔ اور خود ہی سزا بھی تجویز کر دی کہ یا اسے قید کر دینا چاہئے یا اسے کوئی درد ناک سزا دی جانی چاہئے۔ وہیں اس عورت کے خاندان سے بھی ایک شخص پہنچ گیا۔ السید یوسفؑ نے اس کے سامنے یہ بیان دیا کہ برائی کی دعوت اس عورت نے دی مگر میں بھاگ کھڑا ہوا۔

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۲۶﴾

(۲۶) (السید یوسفؑ نے) کہا اس عورت نے مجھ کو میری جان سے پھسلانا چاہا۔ اور ایک (مشاہداتی) گواہ نے گواہی دی جو اس عورت کے خاندان کا آدمی تھا کہ اگر اس (یوسفؑ) کی قمیض آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو یہ عورت سچی ہے اور وہ (یوسفؑ) جھوٹوں میں سے ہے۔

وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۲۷﴾

(۲۷) اور اگر اس (یوسفؑ) کی قمیض پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس عورت نے جھوٹ بولا ہے اور وہ (یوسفؑ) سچوں میں سے ہے۔

فَلَمَّا رَأٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ

(۲۸) پھر جب اس نے دیکھا کہ (یوسفؑ) کی قمیض پیچھے سے پھٹی ہے تو

مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝۲۸

کہا کہ یہ تمہاری (عورتوں کی) بری تجویز ہے۔ بیشک تمہاری تجویز بہت بڑی ہے۔

شَهِدَ شَاهِدٌ میں آمدہ لفظ لفظ **شَاهِدٌ** کا معنی ہے گواہ۔ مگرـ

واضح رہے کہ عموماً گواہ اسے کہتے ہیں جو موقعہ پر موجود ہو۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کیا وہ شخص بند دروازوں کے اندر موجود تھا؟ اس کا صاف جواب ہے' ہرگز نہیں۔ تو ان حالات میں قرآن کریم نے اسے شاہد کیوں کہا ہے؟ اس کا جواب خود اس کی گواہی کے الفاظ میں موجود ہیں کہ اگر السید یوسفؑ کی قمیض آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت سچی ہے کہ دست درازی یوسفؑ نے کی ہے اور عورت نے اپنی حفاظت کرتے ہوئے اس کی قمیض پھاڑ دی ہے۔ اور اگر قمیض پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی ہے' دست درازی اس کی ہے' یوسفؑ اپنی عصمت بچانے کیلئے بھاگے ہیں اور اسی عورت نے انہیں پیچھے سے کھینچ کر ان کی قمیض پھاڑ ڈالی ہے۔ ایسے گواہوں کو مشاہداتی گواہ کہا جاتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ سانپ کی لکیر دیکھ کر ایک شخص کہتا ہے کہ یقیناً یہاں سے سانپ گزرا ہے۔ یا کسی جگہ پر شیر کے پنجوں کے نشان دیکھ کر ایک مشاہداتی گواہ کہتا ہے یہاں سے شیر کا گزر ہوا ہے۔

روایتی تفاسیر موضح القرآن میں لکھا ہے کہ کمرے میں ایک چار ماہ کا بچہ تھا جس نے یہ گواہی دی تھی۔ چار ماہ کے بچے کو نہ شعور ہوتا ہے نہ وہ بولتا ہے اور نہ ہی کسی بھی قانون میں چار ماہ کے بچے کی گواہی قابل قبول ہوسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعہ کی اصل گواہ السید یوسفؑ کی پیچھے سے پھٹی ہوئی قمیض تھی جو بزبان حال گواہی دے رہی تھی کہ دست درازی عورت کی ہے' السید یوسفؑ کی نہیں۔ چنانچہ اسی قمیض کی گواہی پر ایک مشاہداتی شاہد نے صحیح صحیح گواہی دی۔ اور کہا کہ عورتو! یہ تمہاری بری تجویزوں میں سے ایک بری تجویز ہے۔ اس مشاہداتی گواہ نے السید یوسفؑ کو کہا کہ (آپ اس کے گھر میں رہتے ہیں) اس کی اس حرکت سے درگزر کریں اور اس عورت کو کہا کہ اپنے گناہ کے بدلے اللہ کے حضور استغفار کر بیشک اس معاملہ میں تو ہی خطا کار ہے:۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۝۲۹

(۲۹) (اس مشاہداتی گواہ نے السید یوسف کو کہا) اے یوسف! اس معاملہ سے درگزر کریں اور (اس عورت کو کہا کہ) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔ بیشک تو خطاروں میں سے ہے۔

یہ آیت مجیدہ پچھلی آیت ہی کا بقیہ ہے اس میں پچھلی آیت مجیدہ **قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ** میں آمدہ فعل **قَالَ** کا عمل بدستور جاری ہے۔ چنانچہ **يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا** کا فاعل یعنی ان الفاظ کا متکلم وہی مشاہداتی شاہد ہے' جس نے مشاہداتی گواہی بھی دی اور فیصلہ بھی دیدیا کہ اس معاملہ میں عورت خطا کار ہے۔ اور چونکہ یہ کسی عدالت میں گواہی نہیں ہو رہی تھی بلکہ ایک خانگی امر تھا۔ اسلئے اس نے السید یوسف کو درگزر کرنے کی ہدایت کی اور اسے یعنی عورت کو خطا کار ٹھہرا کر اسے معافی مانگنے کی ہدایت کی۔

قرآن کریم نے اس عورت کو زن عزیز کے نام سے متعارف کرا دیا ہے۔ اسکا نام بھی قرآن کریم میں نہیں آیا۔ البتہ روایتی تفاسیر میں اس کا نام زلیخا بتایا جاتا ہے۔ اس عورت کے متعلق روایتی تفاسیر میں یہاں تک تو قرآن کریم کے مطابق آیا ہے کہ اس نے بالآخر السید یوسف کو قید کرا دیا۔ لیکن جو روایات میں آیا ہے کہ قید کرانے کے بعد پھر آپ کو قید خانے میں جاکر ملتی رہی اور انجام کار جب السید یوسف ملک مصر کے سیاہ و سفید کے مالک ہوگئے تو اتنے میں یہ عورت بوڑھی اور اندھی

ہوگئی۔ ایک دن آپ کی سواری کو روک کر اپنا تعارف پیش کیا کہ میں زلیخا ہوں' آپ نے فرمایا مانگ کیا مانگتی ہے۔ اس نے عرض کیا پہلے تو مجھے آنکھیں ملیں کہ آپ کے جمال بے مثال کا نظارہ کر سکوں۔ چنانچہ آپ کی دعا سے اسے آنکھیں مل گئیں۔ اس نے آپ کو دیکھا اور تسکین حاصل کی۔

دوسری مانگ اس نے یہ کی کہ میری جوانی لوٹ آئے۔ آپ کی دعا سے وہ دیکھتے دیکھتے جوان ہوگئی حتی کہ کمر جو کمان کی طرح خمیدہ ہوگئی تھی فوراً" تیر کی طرح سیدھی ہوگئی۔ تیسری طلب اس کی یہ بتائی جاتی ہے کہ اس نے کہا آپ میرے ساتھ نکاح کرکے مجھے اپنی بیوی بنالیں چنانچہ وہ آپ کی بیوی یعنی حرم رسول بن گئی یہ سب کچھ محل نظر ہے۔

واضح رہے کہ قرآن کریم نے اسے **اِمْرَاَتُ الْعَزِیْزِ** ۱۲/۵۱ کے نام سے متعارف کیا ہے اور ۱۲/۵۱ ہی میں اس کا یہ اقرار درج ہے کہ میں نے ہی السید یوسفؑ کو پھسلانے کی کوشش کی تھی' آپ سچے ہیں۔ اس اقرار کے بعد قرآن مجید میں اس کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ ذکر موجود نہیں۔ مذکورہ بالا روایتی چیستانیات سے قرآن کریم صد فیصد بری ہے۔

ایک ضروری نوٹ:۔ واضح رہے کہ پچھلے صفحہ پر ہم نے اس روایتی قصہ کا انکار کیا ہے یعنی زن عزیز کیساتھ السید یوسفؑ کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ قرآن کریم کا بیان کردہ واقعہ ہے۔ جو السید یوسف کو زن عزیز کیساتھ پیش آیا کہ وہ بدکاری کے ارادہ سے آپ کو اندر لے گئی۔ دروازہ بند کر لیا اور بدعملی کی دعوت دیدی السید یوسف برے فعل سے بچنے کیلئے بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ کو پیچھے سے کھینچا اور آپ کی قمیض پھاڑ ڈالی۔ تو اس طرح جس عورت کے متعلق السید یوسف خوب جانتے تھے کہ اس کا کریکٹر کیسا ہے' پھر اس نے جھوٹ بھی بہت بڑھ چڑھ کر بولا کہ عزیز مصر کی عزت کو برباد کرنے کا اقدام یوسف نے کیا ہے'گویا کہ اس پر تین دفعیں لگتی ہیں۔ پہلی یہ کہ السید یوسفؑ کو بدکاری کی دعوت دی۔ دوسری یہ کہ جھوٹ بولا اور تیسری یہ کہ پاک باز یوسف پر دست درازی کا بہتان لگایا۔ تو اس طرح ایک نبی کی شان کے خلاف ہے کہ ایسی عورت نے نکاح کرے۔ نیز قرآن کریم میں اس نکاح کا نہ ذکر ہے نہ اشارہ نہ کنایہ۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی اسی چیز کی تائید کی ہے۔ چنانچہ آپ نے تفہیم القرآن کے ضمن میں اپنے تصنیف کردہ کتابچہ بنام تفہیم القرآن سورہ یوسفؑ نشرکردہ مکتبہ تعمیرانسانیت موچیدروازہ لاہور کے صفحہ ۲۰-۲۱ پر لکھا ہے:۔

تالمود میں (تالمود یہودیوں کی روایتوں کی کتاب ہے) اس عورت کا نام زلیخا لکھا ہے اور یہیں سے یہ نام مسلمانوں کی روایات میں مشہور ہوا۔ مگر یہ جو ہمارے ہاں عام شہرت ہے کہ بعد میں اس عورت سے یوسفؑ کا نکاح ہوا' اس کی کوئی اصل نہیں ہے' نہ قرآن مجید میں اور نہ اسرائیلی تاریخ میں حقیقت یہ ہے کہ ایک نبی کے مرتبے سے یہ بات بہت فروتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جس کی بدچلنی کا اسے ذاتی تجربہ ہو چکا ہو۔

اسی کتابچہ کے صفحہ ۶۶-۶۷ پر مودودی صاحب لفظ عزیز مصر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"یہاں لفظ "عزیز" یوسفؑ کیلئے جو استعمال ہوا ہے' صرف اس کی بنا پر مفسرین نے قیاس کر لیا یوسفؑ اسی منصب پر مامور ہوئے تھے جس پر اس سے پہلے زلیخا کا شوہر مامور تھا۔ پھر اس پر مزید قیاسات کی عمارت کھڑی کر لی گئی کہ سابق عزیز مصر مرگیا تھا۔ یوسفؑ اس کی جگہ مقرر کیئے گئے ۔ زلیخا از سرنو معجزے کے ذریعہ سے جوان کی گئیں اور شاہ مصر نے اس سے یوسفؑ کا نکاح کر دیا۔ حد یہ ہے کہ شب عروسی میں یوسفؑ اور زلیخا کے درمیان جو باتیں ہوئیں وہ کس ذریعہ سے ہمارے مفسرین کو پہنچ گئیں۔ حالانکہ یہ سب باتیں سراسر وہم ہیں۔ رہا زلیخا کا یوسفؑ سے نکاح' تو اس افسانے کی بنیاد صرف یہ ہے کہ بائیبل اور تالمود میں فوطیفرع کی بیٹی آسناتھ سے ان کے نکاح کی روایت بیان کی گئی ہے۔ اور زلیخا کے شوہر کا نام

فوطیفار تھا۔ یہ چیزیں اسرائیلی روایات سے نقل در نقل ہوتی ہوئی مفسرین تک پہنچیں' اور جیسے کہ زبانی افواہوں کا قاعدہ ہے' فوطیفرع باآسانی فوطیفلد بن گیا۔ بٹی کی جگہ بیوی کو مل گئی اور اس کی بیوی لامحالہ زلیخا ہی تھی''۔ لہٰذا اس سے یوسفؑ کا نکاح کرنے کیلئے فوطیفار کو مار دیا گیا۔ اور اس طرح (عوامی قصہ) "یوسفؑ زلیخا" کی تصنیف مکمل ہوگئی۔ بحمد اللہ کہ ناموس رسالت کی حفاظت میں اور لوگ بھی ہمارے ہم نوا ہیں۔

اگلی آیات مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ شہر کی وہ عورتیں جو زنِ عزیز کے مذاق کی تھیں۔ جب (زنِ عزیز سے متعلق) انہوں نے سنا کہ زنِ عزیز غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے لیکن اسے اپنے دامِ حسن میں پھنسا نہیں سکی تو انہوں نے طعنے کے طور پر کہا کہ اس نے یوسف کو پھنسانے کیلئے غلط طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس پر زن عزیز نے انہیں اپنے ہاں مدعو کیا۔ وہ حسن و شباب کیساتھ خوب بن سنور کر آئیں۔ اس نے انہیں تکیہ بردار مسندوں پر بٹھایا اور یوسفؑ کو ان کے کمرے میں بلایا۔ آپ نیچی نگاہیں کیے ہوئے تشریف لائے۔ زنانِ مصر نے یوسفؑ کو بیباک نگاہوں کیساتھ خوب خوب دیکھا اور دیکھتی رہیں' مگر آپ نے ان کی طرف نگاہ تک نہ اٹھائی۔ اس پر وہ بیساختہ پکار اٹھیں کہ یہ بشر نہیں' کوئی باوقار ملک ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَّفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

(۳۰) اور کہا شہر کی عورتوں نے کہ عزیز (مصر) کی بیوی نے اپنے نوجوان غلام کو اس کے ارادے سے پھسلانا چاہا (مگر وہ پھسلا نہیں سکی) بیشک (اس غلام کی) محبت اس کے ذہن کی گہرائی میں اتر گئی ہے۔ بیشک ہم اسے (غلام کو پھنسانے میں) کھلے غلط راہ پر دیکھتی ہیں۔

یہاں قال سے ما قبل یہ چیز محذوف ہے کہ جب اس کی قماش کی شہر کی عورتوں نے زن عزیز کا واقعہ سنا تو انہوں نے کہا:۔

فتیٰ ہر نوجوان چیز کو کہتے ہیں۔ ماقبل چونکہ غلام کی محبت کا ذکر ہے اسلئے یہاں **فَتٰهَا** کا معنی ہے اس کا نوجوان خوبصورت غلام۔

شَغَفَهَا حُبًّا میں شغف کا معنی ہے دل کا پردہ۔ اسلئے یہاں اس کا یہ معنی ہے کہ محبت اس کے دل (ذہن) کی گہرائی میں اتر گئی ہے۔

لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کا یہ مفہوم غلط ہے کہ شہر کی عورتوں نے زن عزیز کے مذکورہ فعل کو زن عزیز کی گمراہی قرار دیا بلکہ جیسے کہ ۱۲/۵۱ میں آگے آرہا ہے کہ جب شاہ مصر نے اپنی خواب کو عملی جامہ پہنانے کیلئے یوسفؑ کو قید خانے سے بلایا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے مجھ پر لگائے گئے الزام کا فیصلہ کرو۔ پھر میں جیل سے باہر آؤں گا۔ چنانچہ شہر کی مذکورہ عورتوں سمیت زن عزیز کو حاضر عدالت کیا گیا۔ اور ان عورتوں سے پوچھا گیا کہ جب تم سب نے یوسف کو اس کے ارادے سے پھسلانے کی کوشش کی اس وقت تمہاری کیا مہم تھی۔ تو شہر کی مذکورہ عورتوں نے کہا:۔ **حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ** ۝ ۵۱/۱۲ اللہ پاک ہے' ہم نے یوسف میں کوئی عیب نہیں پایا۔ یہ عورتیں یوسف کو پھنسانے میں زن عزیز کی مددگار بن کر آئیں تھیں۔ ورنہ جب بادشاہ نے کہا کہ جب تم سب نے یوسف کو پھسلانے کا ارادہ کیا تو اس وقت تمہاری کیا مہم تھی۔ اس پر اگر وہ پاکباز عورتیں ہوتیں تو یہ کہتیں کہ یوسف کو پھسلانے کا جرم زن عزیز نے کیا تھا ہم نے نہیں کیا تھا۔ اسلئے **لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** کا معنی یہی ہے کہ ہم دیکھتی ہیں کہ زن عزیز نے یوسف کو پھسلانے کیلئے غلط طریقہ اختیار کیا تھا۔ ورنہ وہ انکار کیوں کرتا۔

اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب ان کی اس تجویز کو زن عزیز نے سنا تو یہ اہتمام کیا۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾

(۳۱) پھر جب اس (زن عزیز) نے ان کی خفیہ تجویز کے متعلق سنا تو انہیں بلا بھیجا اور (ان کی تجویز کے مطابق) ان کے لئے تکیہ بردار مسندیں تیار کیں اور انہیں ہر ایک کو (آرام دہ) مسکن دیا۔ اور (بنی سنوری حسین عورتوں کی مجلس میں یوسف کو) کہا کہ ان کے سامنے آجا۔ پھر جب انہوں نے اسے دیکھا (یوسفؑ نے ان کی طرف بالکل نہ دیکھا) تو انہوں نے یوسف کو بہت بڑا نیکو کار پایا۔ اور (انہیں برائی پر آمادہ کرنے کی طاقت قطع کر لی۔ مایوس ہوگئیں اور بیساختہ) بول اٹھیں کہ اللہ پاک ہے یہ انسان نہیں۔ یہ تو کوئی بزرگ ملک ہے۔

۱۔ **مَكْرِهِنَّ** میں مکر کا معنی لغت عرب کے مطابق ہے خفیہ تجویز۔ اور وہ تھی بنی سنوری عورتوں کے طائفہ میں یوسف کو بلانا تاکہ آپ ایک سے ایک حسین و جمیل عورتوں کی آراستہ مجلس میں مبہوت ہو کر حسن کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کر دیں۔ زن عزیز نے ان کی تجویز کے مطابق ہر قسم کے سامانِ آرائش سے سجے ہوئے ایک کمرے میں انہیں تکیہ بردار مسندوں پر بٹھایا اور یوسف کو ان کے سامنے کر دیا۔ مگر آپؑ نے عورتوں کی طرف دیکھا تک نہ۔

۲۔ **مُتَّكَأً** ظرف مکان مادہ وکا سے ہے جس کا مصدری معنی ہے ٹیک لگانا **اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا** ۱۸/۲۰ **اَعْتَدَتْ مُتَّكَأً** کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ زن عزیز نے ان کے لئے خاص اہتمام کیساتھ ٹیک لگا کر بیٹھنے کی مسندیں تیار کریں۔

۳۔ **سِكِّينًا** کا مادہ س۔ک۔ن سکن ہے۔ اسی سے لفظ سکون ہے۔ یہاں سکینا کا معنی آرام دہ مسکن ہے جو **متكا** کے بدل کے طور پر آیا ہے۔ یہاں **سِكِّينًا** سے مراد چھریاں نہیں۔ چھریوں کیساتھ ہاتھ کاٹ لینے کا تصور افسانوی مبالغہ آرائی ہے جس کا قصہ یوسف کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ حسن و عشق کا افسانہ نہیں بلکہ غلے کے چودہ سالہ کنٹرول کی صد فیصد سچا واقعہ ہے۔

۴۔ **فَلَمَّا رَأَيْنَهُ** کے بعد **وَلَمْ يَرَاهُنَّ** کے الفاظ محذوف ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ جب ان تمام عورتوں نے یوسف کو دیکھا اور (یوسفؑ نے) انہیں ہرگز نہ دیکھا تو وہ اپنی مہم میں ناکام ہوگئیں اور اسے بہت عظیم باوقار نیکو کار انسان پایا۔

۵۔ **اَكْبَرْنَهُ** میں **اَكْبَرْنَ** فعل مزید فیہ ہے جس کے خاصہ وجدان کے مطابق معنی یہ ہے کہ انہوں نے اسے بہت بڑا آدمی پایا۔

۶۔ **قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ** کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیئے یا زخمی کر لئے۔ بلکہ یہاں مفہوم یہ ہے کہ اپنے حسن و جمال کی جس طاقت کیساتھ یوسفؑ کو برائی پر آمادہ کرنے آئی تھیں، اسے قطع کر بیٹھیں، پورا زور لگا لیا مگر جس مہم کیلئے آئی تھیں اس میں ناکام ہو گئیں۔ عربی ادب میں ید بمعنی طاقت اور زور بھی ہے اور قطع بمعنی ختم کر لینا بھی ہے۔

۷۔ **حَاشَ لِلّٰهِ** ایک عربی محاورہ ہے جس کا معنی ہے اللہ پاک ہے۔ بعض دفعہ قسم کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی اللہ پاک کی قسم ہے۔ ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھیں۔ بلکہ وہ پوری قوم اللہ کو مانتی تھی۔ بعد میں وہ قوم یوسفؑ کی نبوت پر بھی ایمان لے آئی اور یہاں تک ان کی گرویدہ ہوگئی کہ آپ کی وفات کے بعد انہیں

آخری رسول قرار دیدیا۔ وہ کہتے تھے لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا ۴۰/۳۴

۸۔ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ کے الفاظ وہ ہیں جو زنانِ مصر' یوسفؑ کے بے مثال بلند کریکٹر کو آنکھوں سے دیکھ کر بیساختہ پکار اٹھی تھیں کہ یہ بشر نہیں' انسان نہیں' یہ تو کوئی بلند مرتبہ 'ملک ہے' اس میں بشری تقاضے موجود ہی نہیں۔

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جب زنانِ مصر نے یوسفؑ کی پاکبازی کو حلفاً" تسلیم کر لیا تو زن عزیز نے کہا یہ ہے وہ غلام جس کے متعلق تم مجھے ملامت کرتی ہو کہ میں اسے پھسلا نہیں سکی۔ چنانچہ اس کے متعلق ارشاد باری یہ ہے:۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝

(۳۲) زن عزیز نے (زنانِ مصر کو) کہا کہ یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی ہے۔ اور بیشک میں نے اسے اس کے نیک ارادے سے پھسلایا مگر اس نے اپنی عصمت محفوظ رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو حکم میں اسے دیتی ہوں' اگر اس نے وہ کام نہ کیا تو یہ ضرور ضرور قید کر دیا جائیگا۔ اور ضرور ذلیلوں میں سے ہو جائیگا۔

اس آیت مجیدہ میں یوسفؑ کی عصمت اور آپ کے بلند کریکٹر کا اس اعلیٰ انداز سے اعلان فرمایا گیا ہے کہ زن عزیز نے یوسفؑ کو زنانِ مصر کے سامنے دھمکی دی اور قید و بند اور ذلت و رسوائی سے ڈرانے کی کوشش کی کہ اگر میری ناجائز خواہش کو پورا نہ کرے گا تو قیدی بنا کر ذلیل کر دیا جائیگا۔ در اصل بتایا یہ گیا ہے کہ ایک زن عزیز ہی نہیں بلکہ شہر کی حسین و جمیل عورتوں کا ایک مکار گروہ بھی انہیں ان کے مقام بلند سے ہلا نہ سکا۔ **سَلٰمٌ عَلٰى يُوْسُفَ۔**

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ زن عزیز کی کھلی دھمکی کے جواب میں یوسفؑ نے اپنے پروردگار کے حضور میں دعا فرمائی کہ اے میرے پروردگار جس فعلِ بد کی طرف مجھے یہ تمام عورتیں بلاتی ہیں' اس کی نسبت میں قید خانے کو پسند کرتا ہوں۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

(۳۳) یوسفؑ نے (حضور الٰہی میں) عرض کیا اے میرے پروردگار جس چیز کی طرف مجھے یہ سب عورتیں بلاتی ہیں' اس کی نسبت میں قید خانے کو پسند کرتا ہوں۔ اور اگر تو ان کی اس تجویز کو مجھ سے پھیر نہ دے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔ اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

۱۔ اَلسِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ کے الفاظ کس طرح عصمتِ یوسفی کے مظہر ہیں کہ وہ فعل جو از روئے دین بھی حرام ہے اور ازروئے انسانیت بھی ناروا ہے' اگرچہ وہ انسانی تقاضوں میں سے ایک تقاضا بھی ہے اور مردوں کی ایک عظیم کمزوری بھی ہے مگر یوسفؑ نہ صرف یہ کہ اس کے بدلے قید خانے جیسی ذلت کو قبول کرتے ہیں' مگر ساتھ ہی حضور الٰہی میں دعا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اگر تو ان بدکار عورتوں کی بری تجویز کو مجھ سے پھیر نہ دے اور ٹال نہ دے تو یہ اتنی بڑی آزمائش ہے کہ تیری مدد کے بغیر میرے پھسل جانے کا خوف ہے اگلی آیت مجیدہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف کی دعا قبول فرمائی اور آپ کے عظیم عزمِ صمیم کی بدولت آپ کی مدد فرمائی وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۴۰/۲۲ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرے۔

۲۔ **يَدْعُونَنِي** جمع مضارع معروف کا صیغہ ہے' جس سے ثابت ہوا کہ ان عورتوں کے مذکورہ اجتماع کی غرض السید یوسف کو متفقہ طور پر ان کے نیک ارادے سے پھسلانا تھا۔ مگر ہوا یہ کہ حسین وجمیل' بنی ٹھنی عورتوں کا ایک عظیم گروہ بھی آپ کو آپ کے مقام بلند سے نہ ہلا کا۔ **سَلَامٌ عَلٰى يُوْسُفَ**۔

۳۔ **كَيْدَهُنَّ** مرکب اضافی میں **كَيْدَ** مضاف کا مضاف **اِلَيْهِ هُنَّ** ضمیر جمع مؤنث آئی ہے جو مذکورہ تمام عورتوں کی طرف پھرتی ہے۔ اس مرکب اضافی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ زنان مصر' یوسف کو پھسلانے کے لئے زن عزیز کی معاون و مددگار بن کر آئیں تھیں۔ لیکن ان کی تمام تجویزیں عزم یوسفی کی مضبوط چٹان کیساتھ ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔

۴۔ **اصب** کے مصدری معنے ہیں کسی چیز کی طرف کھچا چلا جانا۔ جنسی خواہش کا یہی خاصہ ہے کہ مرد اس کی طرف کھچ جاتا ہے۔ مگر یوسفؑ اس جنسی امتحان میں صد فیصد نمبروں کیساتھ پاس ہوئے' جب زن عزیز نے دروازہ بند کرکے اپنا آپ پیش کر دیا تو بھاگ کھڑے ہوئے اور پیچھے سے قمیض پھڑوالی' اور جب بنی ٹھنی زنان مصر نے ایک طے شدہ منصوبے کے مطابق آپ کو گھیرنے کی کوشش کی تو انہوں نے ان کی طرف نگاہ تک اٹھا کر نہ دیکھا اور انہیں ان کی مہم میں نہ صرف یہ کہ ناکام کر دیا۔ بلکہ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مایوس کرکے رکھ دیا۔ **سَلٰمٌ عَلٰى يُوْسُفَ هُوَ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ**۔

پچھلی آیت نمبر۳۳ میں جو یوسف کی اس دعا کا ذکر گزرا ہے **وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ** اور (اے میرے پروردگار) اگر تونے ان عورتوں کی بری تجویز کو مجھ سے پھیر نہ دیا تو میں ان کی طرف کھچ جاؤں گا۔ اس دعا کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ان کی بری تجویز کو آپ سے پھیر دیا۔

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

(۳۴) پس اس کے (یوسف کے) رب نے ان عورتوں کی بری تجویز کو (خود اسکے عزم صمیم کی بدولت) اس سے پھیر دیا۔ بیشک وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

(۳۵) پھر جب ان پر (زن عزیز کے خاندان پر اس کے جھوٹ کی) نشانیاں ظاہر ہو گئیں تو (بدنامی کو چھپانے کیلئے) انہوں نے یوسف کو کچھ عرصہ کیلئے قید کر دیا۔

ا۔ یوسف کو قید کرنے کی دو وجہیں تھیں ایک تو یہ کہ بات شہر میں پھیل گئی تھی' اسلئے آپ کو قید نہ کرتے تو زن عزیز بدنام ہوتی تھی۔ اور دوسری یہ کہ وہ اپنے برے ارادے کی تکمیل کیلئے بدستور کوشاں تھی' اسلئے یوسفؑ کو اس سے علیحدہ کرنا ضروری تھا۔ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے:۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

(۳۶) اور اس (یوسفؑ) کیساتھ قید خانے میں دو نوجوان داخل ہوئے ان میں سے ایک نے (آپ کو) کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑتا ہوں۔ اور دوسرے نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں۔ اس میں سے پرندے کھاتے ہیں۔ آپ ہم کو اس کی تعبیر بتایئے۔ بیشک ہم آپ کو احسان کرنیوالوں میں سے دیکھتے ہیں۔

اس کے جواب میں آپ نے انہیں تعبیر بتانے سے پہلے ذیل کے الفاظ میں وحدتِ باری کی تبلیغ فرمائی اور بعد میں ان کے خوابوں کی الگ الگ تعبیر بتائی:۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۷﴾

(۳۷) یوسفؑ نے فرمایا کہ نہیں آئیگا وہ کھانا تمہارے پاس جو تمہیں دیا جاتا ہے مگر اس سے پہلے کہ وہ تمہارے پاس آئے' میں تم کو تعبیریں بتا دوں گا۔ یہ اسلئے ہے کہ مجھے میرے رب نے علم دیا ہے۔ بیشک میں نے اس قوم کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ وہی انکار کرنے والے ہیں۔ آخرت کا

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۸﴾

(۳۸) اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم' اسحاق اور یعقوب کے دین کی اتباع کی ہے۔ ہمارے لئے یہ لائق نہیں کہ ہم اللہ کیساتھ کسی بھی چیز کو شریک کریں۔ مذکورہ بالا ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے اور لیکن اکثر لوگ (اپنے پروردگار کی نعمتوں کا) شکر نہیں کرتے۔

اس آیت مجیدہ میں تبلیغ کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ جس شخص کو کوئی ذاتی مطلب ہو' وہ مطلب براری کیلئے غور سے سنتا ہے' جیسے کہ قید خانے کے مذکورہ بالا دونوں قیدیوں کو تعبیریں معلوم کرنے کا مطلب تھا۔ یوسفؑ نے اس چیز کیخلاف تبلیغ فرمائی کہ لوگ کچھ نام خود رکھ کر اللہ کیساتھ شریک کرتے ہیں:۔

يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾

(۳۹) (یوسف نے فرمایا) اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو' کیا الگ الگ مرادیں دینے والے بہتر ہیں یا ایک اکیلا اللہ جو سب پر غالب ہے۔

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾

(۴۰) تم لوگ نہیں حکم مانتے اللہ کیساتھ شریک کرکے مگر وہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود رکھ لئے ہیں' جن کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ نہیں ہے حکم مگر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ اسکے سوا کسی کی فرمانبرداری نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے (اللہ کیساتھ اور مرادیں دینے والے بنا رکھے ہیں)

اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ کچھ لوگوں کے نام رکھ لینا کہ فلاں حاجت روا ہے' فلاں دستگیر ہے' قوموں کی پرانی روش ہے۔ یہ قید خانے کے دو ساتھی اسی قسم کے تھے اور اس عقیدے کو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ مانتے تھے۔ آپ نے وضاحت فرمائی کہ یہ نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود رکھ لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ میں نفی اثبات کے حصر کیساتھ بتایا گیا ہے کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے' اور یہی سیدھا دین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا گیا ہے کہ اس حقیقت کو اکثر لوگ

نہیں جانتے۔ لوگوں کی اکثریت اللہ کے حکم میں اور اس کے اختیارات میں اپنے نام رکھے ہوئے افراد کو شریک کر لیتے ہیں۔
اس تبلیغ کے بعد یوسفؑ نے ان کی خوابوں کی تعبیر بتائی:۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝۴۱

(۴۱) اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو! تم میں سے ایک اپنے بادشاہ کو شراب پلائیگا (بادشاہ کا ساقی بنے گا) اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائیگا۔ پھر اس کے سر سے پرندے کھائیں گے۔ فیصلہ ہو چکا جو تم نے مجھ سے پوچھا ہے۔

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲ ع ۵

(۴۲) ان دونوں میں سے جس کے متعلق آپ کو یقین تھا کہ وہ قید سے رہا ہو جائیگا (یوسف نے) اسے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر کرنا (کہ بے گناہ قید ہے) لیکن اسے نسیان نے اس کے بادشاہ سے ذکر کرنا بھلا دیا۔ اور آپ کئی سال قید خانے میں رہے۔

جو شخص بادشاہ کا ساقی بننے والا تھا۔ یوسفؑ نے اسے یہ کہا کہ بادشاہ سے کہنا کہ یوسف نامی ایک شخص بے گناہ قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا کچھ انسداد کرے۔ مگر ہوا یہ کہ اسے بادشاہ سے آپ کا ذکر یاد نہ رہا۔ اس طرح یوسفؑ کئی سال قید خانے میں رہے۔ یہاں **فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ** کے الفاظ میں **الشَّيْطٰن** سے مراد نسیان ہے۔ یعنی وہ دماغی کمزوری جس کی بدولت کوئی بات ذہن سے کئی کئی سال تک کے لئے اتر جاتی ہے۔ اور اس کے بعد کسی واقعہ پر اچانک یاد آجاتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کئی سال گزرنے کے بعد بادشاہ کو ایک خواب آئی' جس کی تعبیر بتانے سے شاہِ مصر کی کابینہ کے دانشور بھی قاصر رہے اور ملک کے دوسرے تمام علماء فضلا بھی تعبیر نہ بتا سکے۔ تو بادشاہ کے مذکورہ ساقی کو یاد آیا کہ قید خانے میں ہم دو قیدیوں کو یوسف نامی قیدی نے ہماری خوابوں کی الگ الگ تعبیریں بتائی تھیں جو صد فیصد صحیح ہوئی تھیں۔ اس لئے اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں آپ کی خواب کی تعبیر لاتا ہوں بادشاہ کی خواب یہ تھی:۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّىْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝۴۳

(۴۳) بادشاہ نے کہا بیشک میں (خواب میں) دیکھتا ہوں کہ سات گائیں موٹی ہیں' انہیں سات دبلی گائیں کھاتی ہیں اور میں (خواب میں دیکھتا ہوں سات سٹے گندم کے سبز اور دوسرے سات خشک رہیں۔ اے (میری کابینہ کے) سردارو' اگر تم خواب کی تعبیر بتانے والے ہو تو میری خواب کی تعبیر بتاؤ۔

لیکن ہوا یہ کہ ان کی سمجھ میں اس خواب کی تعبیر نہ آسکی اور انہوں نے انتہائی سوچ بچار کے بعد بادشاہ کو یہ جواب دیا:۔

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۝۴۴

(۴۴) (درباریوں نے) کہا یہ پریشان خوابیں ہیں۔ اور ہم ایسی پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔

اَضْغَاث ضِغْث کی جمع ہے' جس کا معنی ہے کسی چیز کو غلط ملط کر دینا۔ اس لئے یہ لفظ پریشان خوابوں کیلئے آتا ہے۔ اس کے ساتھ آیا ہے احلام' جو حُلم کی جمع ہے' اس کا بنیادی معنی ہے نفس کو قابو میں رکھنا۔ یہ لفظ بھی پریشان خوابوں کیلئے مستعمل ہے۔ عربی ادب میں ان خوابوں کو رؤیا کہتے ہیں جن کی تعبیر ہو' اور جو خوابیں دماغ میں معدہ کے بخارات پہنچنے پر آتی

ہیں انہیں احلام کہتے ہیں۔ چونکہ کابینہ کے سردار بادشاہ کی خواب کی تعبیر نہ جان سکے' اسلئے انہوں نے اسے احلام کہہ دیا کہ یہ ان خوابوں میں سے ہے جن کی تعبیر نہیں ہوتی۔ لیکن بادشاہ اسے رؤیا کہتا ہے کہ یہ پریشان خواب نہیں یعنی' احلام میں سے نہیں بلکہ یہ تعبیروالی خواب ہے' رؤیا میں سے ہے۔

اس پر بادشاہ کے ساقی کو السید یوسف یاد آگئے۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے بھیجو' میں آپ کے لئے خواب کی صحیح تعبیر لاتا ہوں:۔

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿۴۵﴾

(۴۵) اور اس شخص نے کہا جو (قید خانے کے قیدیوں میں سے) رہا ہوا تھا۔ اور اس نے بہت مدت کے بعد (یوسف کو) یاد کیا' کہ میں تمہیں خواب کی تعبیر کی خبر لا دیتا ہوں۔ تم مجھے (یوسف کے پاس) بھیجو۔

۱۔ **وَادَّكَرَ** در اصل **وَاذْ كَرَ** ہے۔ عربی زبان کے مطابق قرآن مجید میں ذال بصورت دال بھی آئی ہے ۱۷-۲۲-۳۲-۵۴/۴۰

۲۔ یہاں **اُمَّۃ** بمعنی مدت ہے۔ قرآن مجید میں اس کا معنی جماعت بھی ہے ۲/۲۱۳ راستہ بھی ہے ۴۳/۲۳

جب بادشاہ کے ساقی نے اسے خواب کی تعبیر لانے کی امید دلائی تو اس نے اسے یوسفؑ کی خدمت میں بھیجا' اس نے آپ سے عرض کیا:۔

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَّعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۶﴾

(۴۶) (بادشاہ کے ساقی نے کہا) اے یوسف! اے بڑے کھرے سچے! ہمیں تعبیر بتایئے اس میں کہ سات گائیں موٹی ہیں انہیں کھاتی ہیں سات دبلی گائیں۔ اور سات سٹے ہرے ہیں اور دوسرے (سات) خشک ہیں۔ تاکہ میں لوگوں کی طرف واپس جاؤں (اور انہیں صحیح تعبیر بتاؤں) تاکہ وہ جانیں (کہ بادشاہ کی خواب کی تعبیر کیا ہے)

یوسفؑ نے خواب سنتے ہی تعبیر بتا دی۔ کیونکہ آپ کو ۱۲/۲۲+۶ کی (اللہ کی) سند کے مطابق خوابوں کی تعبیر خود اللہ تعالیٰ نے سکھائی تھی:۔

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ﴿۴۷﴾

(۴۷) (یوسف نے کہا) کہ تم (بہت زیادہ) زراعت کرو سات سال مسلسل پھر جو فصل کاٹو اسے خوشوں ہی میں رہنے دو۔ سوائے تھوڑی سی کے جو تم کھاؤ گے۔

تَزْرَعُوْنَ فعل مضارع ہے جس کا معنی ہے کہ تم سات سال زراعت کرو گے۔ مگر یہاں خبر بمعنی اَمر ہے کہ خوب زراعت کرو۔

دَاَبًا کے لفظ میں تسلسل اور استمرار پایا جاتا ہے جیسے کہ سورہ ابراہیم میں آیا ہے **وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ** ۱۴/۳۳ اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے' یعنی انہیں تمہارے کام میں لگا دیا ہے کہ وہ (اپنے اپنے مقررہ مدار پر) مسلسل چل رہے ہیں۔ پس یوسفؑ نے خواب کی تعبیر کے طور پر حکم دیا کہ سات سال کیلئے پورے تسلسل کے ساتھ بہت زیادہ فصلیں پیدا کرو۔

فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْبُلِہٖ کا مفہوم یہ ہے کہ سات سال کی فصل کو اسکے خوشوں یعنی سٹوں کے اندر رہنے دو۔ وہ چودہ

سال تک کیلئے محفوظ رہیگی خراب نہیں ہوگی۔ سٹوں کے اندر' گندم کو اللہ تعالیٰ' ایئر ٹائٹ پیکنگ کردیتا ہے' جس میں چونکہ ہوا داخل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اگر سٹوں کو گندم کے پودوں سے اتار کر سکھا لیا جائے تو گندم کم از کم چودہ سال تک کے لئے خراب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ یوسف نے خود تجربہ کرکے دکھا دیا تھا۔ آپؑ نے خواب کا دوسرا خطرناک حصہ یہ بتایا کہ:۔

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾

(۴۸) (یوسفؑ نے مزید فرمایا کہ) مذکورہ بالا سات سالوں کے بعد پھر سات سال سخت آئیں گے (جن میں بارشیں نہیں ہوں گی' غلہ پیدا نہ ہوگا) وہ سات سال اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم ان کے لئے جمع کروگے۔ سوائے تھوڑے سے (غلے کے) جو تم بچا لو گے۔

سَبْعٌ شِدَادٌ سے مراد وہ سخت سال ہیں' جن میں بارشیں نہیں ہوں گی۔ یہاں بارشوں کے نہ ہونے کا ذکر موجود نہیں' **مگر اگلی** آیت میں بتایا گیا ہے کہ ان سخت سالوں کے گزرنے کے بعد اگلے (آٹھویں) سال میں خوب بارشیں ہوں گی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سخت سالوں میں مون سون ہواؤں کا رخ بدل جائیگا اس لئے بارشیں نہیں ہوں گی۔

يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ کا لفظی معنی یہ ہے کہ وہ سخت سال اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم ان کے لئے جمع کرو گے۔ غلہ کو انسان اور مویشی ہی کھاتے ہیں' مگر خواب کے کیف و منظر کی رعایت سے کہ سات دبلی گائیں موٹی سات گائیوں کو کھا رہی ہیں' السید یوسفؑ نے فرمایا کہ سات دبلے خشک سال موٹے سات سالوں کے غلے کو کھا جائیں گے۔

إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تُحْصِنُونَ کے الفاظ میں إِلَّا کی استثنیٰ نہایت اہم ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ قحط کے سالوں میں جو تم جمع کردہ غلہ کھاؤ گے' اس سے بھی کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت ضرور بچا لینا۔ کیونکہ سرفہرست تو بس اندازی ہی زندہ رہنے کا ایک اہم راز ہے پھر قحط کے سات سالوں کے بعد آٹھویں سال میں جب غلہ پیدا کرنا ہوگا تو لازماً بیج کے لئے فاضل گندم کی ضرورت پڑے گی۔ اور ساتھ ہی اس سال میں بھی نئی فصل کے آنے تک کے لئے پورے عوام کو غلے کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے تاکید کر دی کہ سارے کا سارا غلہ ختم نہ کر دینا۔ بیج کیلئے بھی بچا لینا اور نئی فصل کے آنے تک کیلئے بھی محفوظ کر لینا۔ چنانچہ قحط کے سات سالوں سے نپٹنے اور غلے کو دانشمندانہ کفایت شعاری کیساتھ خرچ کرنے کی مخصوص ہدایت کرنے کے بعد یوسفؑ نے خاتمہ قحط سے اگلے سال کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾

(۴۹) (آپؑ نے فرمایا قحط کے سات سال گزر جانے پر) اس کے بعد اگلا سال ایسا آئے گا کہ اس میں لوگوں پر مینہ برسایا جائیگا اور اس میں لوگ (پھلوں کے) رس نچوڑیں گے۔

وَفِيهِ يَعْصِرُونَ خوشحالی کی خبر ہے کہ اس میں خوب بارشیں برسنے پر غلہ اور اناج بھی عام ہو جائیگا اور باغوں میں پھل بھی بکثرت پیدا ہوں گے۔ اور لوگ پھلوں کے رس (جوس) نچوڑ نچوڑ کر پئیں گے۔ عصر کا مطلق معنی جوس نچوڑنا ہے۔

جب بادشاہ کے ساقی نے یوسف سے واپس آکر بادشاہ کو اس کی خواب کی تعبیر اور چودہ پندرہ سالہ طویل پروگرام پیش کیا تو اسے یقین ہوگیا اس کی خواب کی تعبیر واقعتہ یہی ہے۔ اس پر اس نے حکم دیا کہ ایسے عظیم دانشور منصوبہ ساز (ہائی سکیم) کو میرے پاس لاؤ۔ مگر یوسف نے اس وقت تک قید خانے سے باہر آنے سے انکار کر دیا جب تک کہ ان پر لگائے گئے الزام کی عادلانہ اور منصفانہ تحقیق کرکے انہیں اس الزام سے بری نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں یہ سب کچھ' بالفاظ ذیل مذکور ہے:۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾

(۵۰) بادشاہ نے کہا کہ اسے (یوسف کو جس نے خواب کی تعبیر اور چودہ سالہ پروگرام مرتب کیا ہے) میرے پاس لاؤ پھر جب یوسف کے پاس بادشاہ کا بھیجا ہوا پہنچا تو آپ نے فرمایا اپنے بادشاہ کے پاس واپس لوٹ جا۔ پھر اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے (مجھے بدکاری پر آمادہ کرنے کی) قوت ختم کر دی تھی۔ بیشک میرا رب ان کی بری تجویز کو خوب خوب جاننے والا ہے۔

یہاں **اَلرَّسُوْل** سے مراد اللہ کا رسول نہیں' بلکہ السید یوسف کے پاس بادشاہ کا بھیجا ہوا آدمی مراد ہے۔ الرسول میں الف لام عوض مضاف ہے یعنی **رَسُوْلُ الْمَلِكِ** رسول کا معنی ہے بھیجا ہوا۔ پس یہاں الرسول کا معنی ہے بادشاہ کا بھیجا ہوا۔

قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ کے الفاظ میں رب کا معنی بادشاہ ہے۔ کیونکہ بادشاہ اپنے عوام کی ربوبیت کا ذمہ وار ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ رزق کیساتھ عوام کی ربوبیت کا فرض ادا کرتا ہے۔ رب العلمین صرف وہ ہے جس نے کائنات میں ہر نوع کی ضروریات رزق کے پیدا کرنے اور اس میں آئے دن اضافہ کرتے چلے جانے کے کائناتی قوانین اور مادی اسباب مہیا کر رکھے ہیں' نیز فصلوں اور پھلوں کو پکانے کیلئے سورج کی عظیم بھٹی دہکا رکھی ہے۔

الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ کے الفاظ میں یوسف نے جیل کے اندر بیٹھے ہوئے شاہ مصر پر واضح کر دیا کہ مجھ پر جونسا الزام لگا کر قید میں ڈال دیا گیا ہے' اس میں میں صد فیصد بری ہوں میری مقابل عورتیں' ملزم نہیں' بلکہ مجرم ہیں' جنہوں نے مجھے بدکاری پر آمادہ کرنے کیلئے پوری طاقت لگائی اور اسے ختم کر بیٹھیں۔

زنِ عزیز سمیت سب مجرم عورتوں کو حاضر عدالت کر لیا گیا:۔

جب بادشاہ کو یوسف کا مذکورہ پیغام پہنچا تو اس نے ان کے مقدمے کی فائل منگا کر اس پر خود نظر ثانی کا فریضہ انجام دیا۔ مقررہ تاریخ پر زنِ عزیز سمیت تمام مجرم عورتوں کو بھی حاضر عدالت کر لیا گیا اور مقدمہ کی پیروی کیلئے یوسف کو بھی بلا لیا گیا۔ آپ بھی کیس کی پیروی کے لئے تشریف لے آئے۔ چنانچہ شاہ مصر نے مجرم عورتوں پر خود سوال کیا۔ اس کے لئے قرآن کریم کے الفاظ ذیل ملاحظہ فرمائیں:۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾

(۵۱) بادشاہ نے مذکورہ عورتوں سے کہا کہ جب تم نے یوسف کو اس کے نیک ارادے سے پھسلانے کی کوشش کی' اس وقت تمہاری مہم کیا تھی' سب نے (یک زبان ہوکر) کہا اللہ پاک ہے' ہم نے اس (یوسف) میں کوئی برائی نہیں پائی۔ زنِ عزیز نے کہا کہ اب حق کھل (کر عیاں ہو) گیا ہے۔ میں نے اسے اس کے ارادے سے پھسلانا چاہا تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ وہ سچوں میں سے ہے۔

اس طرح سرِ عدالت زنِ عزیز سمیت مذکورہ عورتوں نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور یوسفؑ کو خود اپنے بیانوں میں برائی کے الزام سے بری کیا اور آپ کی صد فیصد پاکبازی کا اعلان کیا' اس پر یوسفؑ نے فرمایا کہ میں نے اس مقدمہ کے غلط فیصلے پر نظر ثانی اسلئے کرائی ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ میں نے عزیزِ مصر کی غیر حاضری میں اس کے گھر میں اس کی خیانت نہیں کی۔ قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں:۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

(۵۲) (یوسفؑ نے ارشاد فرمایا کہ) میں نے اس مقدمے پر نظر ثانی اسلئے کرائی ہے تاکہ (عزیز مصر جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں اس کی خیانت نہیں کی' حقیقت یہ ہے کہ اللہ خائنوں کی تجویز کامیاب نہیں کرتا۔

زن عزیز اس سے پہلے تو اپنے آپ کو اپنے کئے ہوئے جرم سے بری قرار دیتی تھی' مگر اب خود ذیل کا اعلان کیا:۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾

(۵۳) اور (زن عزیز نے مزید کہا اب) میں اپنے آپ کو (حسب سابق) بری قرار نہیں دیتی۔ بلاشبہ نفس امارہ برائی کا حکم کرنےوالا ہے (میں نے نفس امارہ کے حکم پر برائی کا ارادہ کیا تھا) سوائے اس کے جو میرا رب رحم کرے۔ بیشک میرا رب بچاؤ دینے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں بچاؤ عطا فرماتا ہے جو اپنے اعمال کے ذریعہ خود بچاؤ چاہتے ہیں یوسفؑ نے اپنے عمل کیساتھ زن عزیز سے بھاگ کر عملی بچاؤ چاہا انہیں بچاؤ مل گیا۔ زن عزیز اور مذکورہ زنان مصر نے اپنے عمل کے ساتھ بچاؤ نہ چاہا اسلئے نہ دیا گیا۔ سورہ انعام میں آیا ہے **لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ۶/۱۲۸ ان کے رب کے قانون کی رو سے تو ان کے لئے سلامتی ہی کا گھر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان کا مددگار ہے ان عملوں کے ساتھ جو یہ خود بجا لاتے ہیں۔

المختصر! جب مقدمہ پر نظر ثانی ہوچکی۔ یوسفؑ کو آپ پر لگائے گئے الزام سے بری کر دیا گیا۔ آپ مقدمے کی پیروی کرکے واپس قید خانے چلے گئے۔ اس کے بعد شاہ مصر نے اپنی خواب اور اس کی تعبیر کے چودہ سالہ لمبے پروگرام پر بھی غور کیا اور اپنی کابینہ کے افراد پر بھی نگاہ دوڑائی' اسے ان میں کوئی فرد اس چودہ سالہ لمبے پروگرام کو انجام دینے والا دکھائی نہ دیا اس لئے اس نے یوسفؑ ہی کو اس عظیم پروگرام کی انجام دہی کے قابل جانتے ہوئے اس کے لئے آپ ہی کو بلایا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں خبر دی گئی ہے:۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾

(۵۴) اور شاہ مصر نے (کابینہ کے سرداروں سے) کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اسے اپنے لئے خالص کر لوں (یعنی اپنے اختیارات اسے سونپ دوں۔ آپ تشریف لے آئے) پھر جب وہ ان سے مخاطب ہوا تو کہا کہ تو ہمارے ہاں منصب امانت پر فائز کردہ میرے مکمل اختیارات کا امین ہے۔

اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ کے الفاظ میں **اَسْتَخْلِصْهُ** معنی **اَسْتَخْيِرْهُ** ہے یعنی میں اپنے اختیارات اس کے حوالے کروں اسے اپنا وزیر اعظم بنا لوں۔ کیونکہ آگے ۱۲/۷۸ میں یوسفؑ کیلئے عزیز مصر کے الفاظ آئے ہیں۔

لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ کے الفاظ میں مکین کا معنی ہے متمکن کردہ' فائز کردہ۔ اور لدینا کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم سب یعنی بادشاہ اور پوری کابینہ کے متفقہ فیصلے کے مطابق آپ منصب امانت و وزارت پر فائز کردہ ہیں۔ اور امین سے مراد یہ ہے کہ یہ مکمل اختیارات آپ کو امین مان کر سونپے گئے ہیں کہ ہم نے اپنے میں سے آپ کو اس امانت کا اہل پایا ہے۔ پس **لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ** کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ شاہ مصر چودہ سال کیلئے آپ کے حق میں دستبردار ہوگیا اور پوری

کابینہ آپ کے ماتحت ہوگئی۔ لیکن چونکہ اس چودہ سالہ پروگرام پر عمل در آمد کرنے کیلئے ملکی خزانے پر بھی آپ کا مکمل کنٹرول لازمی تھا اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا:۔

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَآئِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾

(۵۵) یوسفؑ نے) فرمایا ملک مصر کے تمام خزانے میرے کنٹرول میں دیدے بیشک میں بڑھ کر حفاظت کرنیوالا بھی ہوں اور (ان کے جائز مصرف کو) بڑھ کر جاننے والا بھی ہوں۔

اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ سے مراد یہ ہے کہ آپ نے شاہ مصر کو کہا کہ ارض مصر کے تمام خزانے اس طرح میرے کنٹرول میں دیدے کہ غلے کے چودہ سال کنٹرول کو عملی جامہ پہنانے کیلئے خزانوں کا امین یعنی خزانچی میں ہی ہوں۔ جب چاہوں اور جہاں چاہوں بلا شرکت غیر خرچ کروں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اوپر **اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ** کے شاہی فیصلے اور **اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ** کے شاہی اعلان میں آپ کو پورے شاہی اختیارات حوالے کر دیئے گئے تھے۔ نیز ملکی خزانوں اور خزانچی سمیت پوری کابینہ بھی آپ کے ماتحت کر دی گئی تھی تو پھر آپ نے خاص طور پر خزانوں کے مکمل کنٹرول کا الگ مطالبہ کیوں فرمایا۔ اس کا جواب زیر عمل کنٹرول پر غور کرنے سے سامنے آتا ہے کہ مکمل سات سال تک ملکی خزانوں کے منہ بہتے **چشموں** کے دھارے کی طرح کھولے رکھنے کی ضرورت تھی۔ نتیجہ سات سال کے بعد نکلنے والا تھا کہ کیا واقعی سات برس کے بعد جو سات سالہ قحط نمودار ہونیوالا تھا اس پر کنٹرول ہوا ہے یا نہیں؟ کیا زائد سات آٹھ سال کیلئے غلہ جمع ہوا ہے یا نہیں؟ کیا سات سال کے عرصے میں غلہ ضائع تو نہیں ہوگیا۔ کیا اسے چوہے اور گھن تو نہیں کھا گئے۔ سات سالہ انتظار کے لئے جس صبرو تحمل کی ضرورت تھی' جن افراد کے اختیارات پر زد پڑی تھی جو یوسفؑ کو سونپ دیئے گئے تھے' ان میں سے خزانچی کا عہدہ نہایت اہم تھا۔ اگر وہ سات سال میں کسی بھی وقت پر روک بن سکتا تو معمولی سی رکاوٹ بھی غلے کے عظیم پروگرام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتی تھی۔ اس لئے یوسفؑ کی بصیرت کاملہ نے چودہ سالہ کنٹرول کو سنبھالنے سے پہلے ہی اس خطرے کا انسداد فرما لیا۔ چنانچہ ملکی خزانوں کا بلا شرکت غیرے مختار کل بھی آپ ہی کو بنا دیا گیا۔ اس طرح آپ کو ان کی بے مثال اہلیت وقابلیت کے مطابق ملک مصر کے سیاہ و سفید کا مالک بنانے کی خبر بالفاظ ذیل دی گئی ہے۔

وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَن نَّشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

(۵۶) اور مذکورہ بالا طریقے سے ہم نے یوسف کو پورے ملک مصر پر متمکن کر دیا۔ (اس کے سیاہ و سفید کا مختار بنا دیا) وہ مقام کرتا تھا اس زمین میں جہاں چاہتا تھا۔ یہ اس کی مخصوص قابلیت کے مطابق ہماری رحمت کے ساتھ اس کا حصہ تھا۔ ہم جسے بھی یہ حصہ دیتے ہیں اپنے قانون مشیت کے مطابق دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

کَذٰلِکَ میں کاف حرف تشبیہ ہے اور ذلک اشارہ مذکر بعید ہے بمعنی مذکورہ بالا۔ اس اشارہ بعید میں یوسف کی پوری سابقہ زندگی کی پاکبازی اور صحیح روی کو بطور شہادت پیش کیا گیا ہے۔

مَکَّنَّا کا سہ حرفی مادہ م۔ک۔ن مکن ہے اس کا بنیادی معنی ہے صاحب مکان ہونا' جہاں اس کے اختیارات میں کوئی دخیل نہ ہو۔ جیسے کہ ہر صاحب مکان اپنے مکان میں خود مختار ہوتا ہے کہ اسے جس نقشے کا چاہے گرا کر بنالے۔ یہاں **مَکَّنَّا** کا مصدری معنی ہے آپ کو پورے ملک مصر کا اقتدار عطا کرنا' اس کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دینا ہے۔

یہاں الارض کی الف لام دو فائدے دیتی ہے' ایک تو یہ کہ یہ عہدی ذکری بھی ہے جس سے مراد ہے ارض مصر۔ نیز یہ استغراق کیلئے بھی ہے' یعنی پوری سرزمین مصر' یوسفؑ کے اقتدار میں دے دی گئی تھی۔ **مَكَّنَّا** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ اختیارات تو شاہ مصر نے آپ کو تفویض کئے تھے۔ اس کے ضمن میں اس قرآنی حقیقت کو ہمیشہ نگاہ میں رکھیئے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی منشا اور اس کے نازل کردہ ضابطے کے مطابق ہوتا ہے' اسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے' جیسے کہ جنگ بدر میں نبی اکرمؐ نے جو تیر اندازی فرمائی تھی اسے اللہ تعالیٰ نے بالفاظ ذیل اپنی طرف منسوب فرمایا ہے **وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ** ۸/۱۷ اے رسول! آپ نے جو تیر اندازی فرمائی تھی وہ آپ نے نہیں کی تھی بلکہ وہ خود اللہ نے کی تھی۔ اسی طرح اس جنگ میں جو صحابہ کرام نے دشمنوں کو قتل کیا' اسے بھی اللہ نے بالفاظ ذیل اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ **فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ** ۸/۱۷ پھر اے صحابہؓ! کافروں کو تم نے نہیں بلکہ ہم نے قتل کیا تھا۔ پس اسی طرح چونکہ السید یوسف کو آپ کی اہلیت کے مطابق ملک مصر کا اقتدار شاہ مصر کی طرف سے سونپا جانا عین قانونِ مشیت کے مطابق تھا کہ ایک عظیم منصب اس کے اہل کو سونپا گیا' اسلئے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

يَتَبَوَّأُ مِنْهَا فعل مضارع ہے جس کا لفظی معنیٰ ہے یوسف ٹھکانہ کرتا ہے' مقام کرتا ہے اس مصر کی سرزمین میں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ تو یوسفؑ کے زمانے کی بات ہو رہی ہے' یہ تو ماضی کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ اب اس وقت تو یوسفؑ نہ ملک مصر میں صاحب اقتدار ہیں اور نہ ملک مصر میں جہاں چاہتے ہیں مقام کرتے ہیں۔ اسلئے چونکہ **يَتَبَوَّأُ** مضارع حکائی ہے جو آپ کی حکایت بیان کرتے ہوئے آیا ہے۔ اسلئے گرائمر کے قاعدے کے مطابق یہاں ماضی کا فائدہ دیتا ہے یوسفؑ جہاں چاہتے تھے سرزمین مصر میں ٹھکانہ پکڑتے' مقام کرتے تھے۔ واضح رہے کہ یَتَبَوَّأُ کے لفظ میں یہ جتایا گیا ہے' چونکہ آپ کا فریضہ چودہ سال کی ملکی ضروریات کے مطابق غلہ پیدا کرنا مقرر ہوا' اسلئے آپ نے پوری سرزمین مصر کے دورے شروع کر دیئے۔ تاکہ زمین کا کوئی حصہ بغیر کاشت یعنی بنجر نہ رہے' زمین کے چپے چپے پر آپنے گندم کاشت کرنے کا اہتمام فرمایا۔ اس سلسلے میں آپ کو اپنے دوروں کے درمیان جہاں ٹھہرنا ہوتا' وہاں آپ مقام فرماتے تاکہ اپنی نگرانی میں غلہ کی فی ایکڑ پیداوار کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے۔ اور اس کے تسلسل میں کسی قسم کی رکاوٹ حائل نہ ہونے پائے۔

حَيْثُ يَشَاءُ میں بھی یشاء فعل مضارع حکائی ہے۔ اس کا بصورت مضارع یہ معنیٰ لیا جانا غلط ہے کہ آپ زمانہ حال میں جہاں چاہتے ہیں مقام کرتے ہیں۔ بلکہ اس کا معنی بصورت ماضی لیا جانا ضروری ہے کہ یوسفؑ اپنے دوروں کے درمیان زمانہ ماضی میں جہاں چاہتے تھے سرزمین مصر میں مقام کیا کرتے تھے۔

نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا میں نصیب کا معنی ہے حصہ۔ اور حصہ ہوتا ہے حصے کے حقدار کا۔ کسی نااہل کو کوئی ذمہ داری نہیں سونپی جانی چاہئے۔ چونکہ یوسفؑ اس منصب عظیم کے پورے پورے اہل تھے۔ اسلئے اللہ کی رحمت سے آپ کو اس منصب پر فائز کر دیا گیا۔

مَنْ نَشَاءُ کے الفاظ میں نَشَاءُ کے لفظ میں اللہ تعالیٰ کا قانون مشیت بتایا گیا ہے جو **بِرَحْمَتِنَا** کے بعد آیا ہے اور مفہوم یہ ہے کہ مشیت الٰہی یہی ہے کہ اگر کوئی منصب قانون مشیت کے مطابق اس کے اہل کو سونپا جائے تو وہ اللہ کی رحمت ہوتا ہے اور اگر کسی نااہل کو سونپ دیا جائے تو وہی زحمت بن جاتا ہے۔ جیسے کہ سرزمین مصر کا مذکورہ کنٹرول کسی نااہل کو سونپ دیا جاتا تو ظاہر ہے کہ خزانے بھی ضائع ہو جاتے اور ایام قحط میں مصر اور اردگرد کی آبادی بھی قحط کی بھینٹ چڑھ

چڑھ جاتی۔

لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ کے الفاظ میں یوسف کی اس سے پہلی ساری زندگی کو توازن بدوش ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ کو بچپن ہی میں خواب آگئی تھی کہ ملک مصر کا بادشاہ (سورج) مصر کا وزیر اعظم (مصر کا چاند) اور مصر کی کابینہ کے سردار (گیارہ ستارے) آپ کو سجدہ کرتے ہیں۔ یعنی سب کے سب آپ کے تابع فرماں ہوگئے ہیں۔ یہ تھی یوسفؑ کی بچپن کی خواب کی عملی تعبیر۔ **سَلٰمٌ عَلٰى يُوْسُفَ**۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمین مصر میں مکمل اختیارات عطا فرمائے۔ اور آپ نے زمین کے چپے چپے کو زیر کاشت لانے کیلئے دورے شروع کئے سات سال میں چودہ پندرہ سالوں کیلئے بالافراط غلہ جمع کر دیا۔ اس کے بعد قحط کے سات سال شروع ہو گئے اور بیرون ملک سے بھی قحط زدہ لوگ آنے شروع ہوگئے۔ جن میں آپ کے بھائی بھی غلہ لینے آگئے۔ اگلی آیت میں یوسفؑ کی محنت کا انجام بتایا گیا ہے:۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٧﴾

(۵۷) اور یقیناً بہتر انجام واسطے ان لوگوں کے ہے جو ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کے ضابطہ کی مخالفت سے بچتے رہیں۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٨﴾

(۵۸) اور یوسف کے بھائی (غلہ لینے) آئے۔ پھر وہ اس کے پیش ہوئے۔ پھر اس نے انہیں پہچان لیا۔ مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔

جَآءَ کے بعد فا کیساتھ آیا ہے **فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ** یہاں فا ترتیب و تراخی کیلئے آئی ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ پہلے تو برادران یوسف غلہ لینے مصر شہر میں آئے اور پھر اس کمرے میں آپ کے پیش ہوئے، جس میں آپؑ بیٹھے تھے، تشریف فرما ہوتے تھے۔ یہاں محاورۂ عرب کے مطابق دخل علیہ کے مصدری معنی ہے اس جگہ جانا جہاں یوسفؑ موجود تھے۔ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آپ کا مخصوص کمرہ تھا، جہاں غلے کے خریدار آپ کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ غرض یہ تھی کہ غلے کے حقدار تو تھے قحط زدہ لوگ۔ وہ لوگ ہرگز حقدار نہیں تھے جو مرکز سے غلہ لے جائیں اور قحط زدہ افراد کے ہاتھ دگنی چوگنی قیمت پر بیچیں۔ اس لئے غلے کی منظوری حاصل کرنے کیلئے ہر کسی کو آپ کے سامنے پیش ہونا ہوتا تھا۔ چنانچہ اوپر بتایا گیا ہے کہ مصر پہنچنے کے بعد غلہ حاصل کرنے کی منظوری لینے کیلئے یوسفؑ کے سامنے پیش ہوئے یوسفؑ نے انہیں پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق یوسف کا اس بلند مقام پر پہنچنے کا تصور تک پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آپ نے فی کس ایک پیمانہ غلہ (یعنی ایک اونٹ کے بوجھ) کی منظوری دے دی۔ اور جب غلہ بھروایا تو انہیں کہا کہ اگلی بار اپنے اس بھائی کو ہمراہ لانا جو آپ کے باپ سے (سگا) ہے۔ کیا تم دیکھتے ہو کہ میں (فی کس) پورا پیمانہ دیتا ہوں اور میں بہتر مہمانی کرنے والا بھی ہوں۔ پھر اگر تم اسے اپنے ہمراہ نہ لائے، تو تمہارے لئے میرے ہاں کوئی پیمانہ نہ ہوگا۔ میرے پاس نہ آنا:۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٥٩﴾

(۵۹) اور جب (یوسفؑ) نے ان کا سامان تیار کروایا تو انہیں کہا کہ (اگلی مرتبہ) اپنے اس بھائی کو جو تمہارے باپ سے (سگا) ہے، میرے پاس لانا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں (فی کس) پورا ناپ دیتا اور بہتر مہمان نواز ہوں۔

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿٦٠﴾

(۶۰) پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو میرے پاس تمہارے لئے

کوئی پیمانہ نہ ہوگا اور تم میرے پاس نہ آنا۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿٦١﴾

(۶۱) (آپ کے بھائیوں نے جواب میں کہا) ہم اسکے باپ کو اس پر ضرور راضی کرلیں گے۔ اور ہم ایسا کرنوالے ہیں (ایسا کرتے ہیں)

اس سے پہلے انہوں نے یوسف کو ان کے ساتھ جنگل میں بھیجنے کیلئے باپ کو راضی کر لیا تھا۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ چھوٹے بھائی کو بھیجنے پر بھی ہم اپنے باپ کو راضی کر لیں گے۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ یوسفؑ نے بھائیوں کے اسباب میں ان کی وہ رقم واپس رکھوا دی جو انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر ادا کی تھی۔ تاکہ وہ جلدی لوٹ آئیں:۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ ﴿٦٢﴾

(۶۲) آپ نے اپنے کارندوں کو کہا کہ ان کی ادا کردہ غلے کی رقم ان کی بوریوں میں رکھ دو۔ تاکہ جب اپنے اہل کے پاس جائیں تو اسے پہچان لیں تاکہ واپس آجائیں۔

غلے کی رقم واپس کر دینے کی دو غرضیں تھیں۔ پہلی یہ کہ بھائیوں کے جلدی لوٹ آنے پر دیر نہ لگنے پائے کہ اگلی بار کے غلے کی قیمت مہیا اور اکٹھی کرنے میں جو وقت لگ سکتا تھا وہ بچ جائے۔ اور دوسری غرض السید یعقوبؑ کے لئے ایک لحۂ فکر یہ مہیا کرنا تھا کہ یہ کون ہے ہمارا عزیز جس نے غلے کی بوریاں بھی بھر کر بھیج دی ہیں اور قیمت بھی واپس کر دی ہے۔ جب کہ اگلی آیت مجیدہ کے مطابق آپ کے بیٹے' آپ کو اس چیز کی بھی خبر دینے والے تھے کہ انہیں عزیز مصر کی طرف سے روک دیا گیا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کو جو تمہارے باپ سے سگا ہے ہمراہ نہ لائے تو میری طرف مت آنا' تمہیں اس کے لائے بغیر غلہ نہیں ملے گا۔ یہ کون ہے جو غلے کی قیمت واپس کرکے ان کے سوتیلے اور یوسف کے سگے بھائی کو اپنے پاس منگا رہا ہے؟

ایک اہم اعتراض کا جواب:۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس اعتراض کا جواب دینا ضروری ہے کہ یوسفؑ تو مصر کے مال خزانوں کے امین تھے۔ کیا انہوں نے اپنے بھائیوں کو غلے کی قیمت واپس کرکے امانت میں خیانت نہیں کی تھی؟ اس کا جواب یوسفؑ کی شان امانت داری کے مطابق یہ ہے کہ یقیناً یقیناً آپ نے بھائیوں کو واپس کردہ غلے کی قیمت شاہی خزانے میں اپنی گرہ سے جمع کرا دی تھی۔ بصورت دیگر آپ اپنے اس وعدہ کے مخالف ثابت ہوتے ہیں جو آپ نے خزانوں کے کنٹرول کا مطالبہ کرتے وقت کیا تھا **اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ** ۱۲/۵۵ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود یوسف کو **اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ** ۱۲/۲۴ کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا ہے' اس لئے یہ چیز محذوف ہے کہ آپ نے اپنے بھائیوں کو واپس کردہ رقم کو اپنی جیب سے ادا کرکے ملکی خزانے میں جمع کرا دیا تھا۔ الغرض! جب برادران یوسف واپس گھر آئے تو بوریوں میں سے رقم تو بعد میں برآمد ہوئی پہلے انہوں نے گھر پہنچتے ہی ابا جان سے کہا:۔

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٦٣﴾

(۶۳) پھر جب وہ واپس ابا جان کے پاس آئے تو کہا کہ اے ہمارے والد غلے کا پیمانہ ہم سے روک دیا گیا ہے۔ (اس لئے غلے کے حصول کیلئے) ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجے تاکہ پیمانہ لائیں اور بیشک ہم اس کی حفاظت کرنوالے ہیں۔

آیت بالا میں یہ الفاظ محذوف ہیں کہ عزیز مصر نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ جب تک ہم اپنے باپ سے سگے بھائی کو ہمراہ

نہ لائیں۔ اس وقت تک ہم پر **مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ** کا حکم نافذ رہیگا۔ لیکن جب برادران یوسفؑ نے اپنے چھوٹے بھائی کو ان کے ساتھ بھیجنے کو کہا تو یعقوبؑ نے فرمایا کیا اس سے پہلے میں نے اس کے بھائی کے بارے میں تمہیں امین نہ جانا تھا' کہ اب بھی اسی طرح تمہیں اس کا امین' حفاظت کرنے والے باور کروں۔ لیکن بہتر محافظ تو صرف اللہ تعالیٰ ہے:۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

(۶۴) یعقوبؑ نے (بیٹوں سے کہا) کیا میں اسی طرح تمہیں اس کے بارے میں امین جانوں جس طرح میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تمہیں امین جانا تھا۔ پس اللہ بہتر محافظ ہے (میں اس پر بھروسہ کرتا ہوں) اور وہ رحم کرنیوالوں میں بہتر رحم کرنیوالا ہے۔

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ کے الفاظ پر یعقوبؑ نے یوسفؑ کے چھوٹے بھائی کو اس کے بڑے بھائیوں کیساتھ مصر بھیجنا منظور کر لیا۔ اس کے بعد جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو غلے کی رقم لوٹائی ہوئی پائی:۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

(۶۵) اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنی پونجی اپنی طرف لوٹائی گئی پائی۔ انہوں نے کہا کہ ابا جان ہمیں اور کیا چاہئے یہ ہے ہماری پونجی جو ہماری طرف لوٹا دی گئی ہے۔ ہم اپنے اہل کیلئے غلہ بھی لے آئیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے۔ اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ بھی زیادہ لے آئیں گے۔ غلے کا مذکورہ پیانہ آسان ہو جائیگا۔

غلے کی قیمت کی واپسی پر انہوں نے خوشی سے کہا ہمیں اور کیا چاہئے۔

نَمِيْرُ، مَارَ يَمِيْرُ سے جمع متکلم فعل مضارع معروف ہے۔ اس کا مصدر میر معنی ہے غلہ لانا۔ پونجی کے واپس آ جانے پر خوش ہوکر کہا کہ اپنے اہل و عیال کیلئے غلہ لانا آسان ہوگیا ہے۔

اور چھوٹے بھائی کے ساتھ جانے سے چونکہ ایک فرد کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس کے متعلق کہا کہ ایک کیل یعنی ایک اونٹ کا بوجھ بھر غلے کا مزید حصول ہو جائیگا۔ کیونکہ یوسفؑ کے ہاں فی کس ایک اونٹ کا بوجھ غلہ مقرر تھا۔ لیکن اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ یعقوبؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے چھوٹے بھائی کو اس وقت تک نہیں بھیجوں گا جب تک واپس لانے کا پکا وعدہ نہ کرو:۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾

(۶۶) (یعقوبؑ نے) کہا میں اسے تمہارے ساتھ اس وقت تک ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھے اللہ کا پکا عہد نہ دو کہ تم اسے ضرور میرے پاس لے آؤگے۔ سوائے اس کے تم سب گھر جاؤ۔ پھر جب انہوں نے اپنا عہد دے دیا تو آپ نے فرمایا جو ہم کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کارساز ہے۔

یعقوبؑ نے ظاہری اسباب کا پورا پورا اہتمام فرمایا کہ ایک چھوٹے بیٹے کو بڑے بیٹوں کی حفاظت میں دے دیا اور ان سے اللہ تعالیٰ کا عہد لیا اور پھر اپنے اس عمل پر اللہ تعالیٰ کو کارساز ٹھہرایا۔ بالفاظ دیگر ظاہری اسباب کو نظرانداز کر دینا اصل دین اور سنت انبیاء کے خلاف ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ یعقوبؑ نے جب اس مرتبہ بیٹوں کو مصر روانہ کیا تو ہدایت فرمائی کہ تم سب اکٹھے

ہو کر ایک ہی دروازے سے شہر مصر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ الگ الگ دروازوں سے ایک ایک داخل ہونا۔ اس پر بعض مفسروں نے کہا ہے کہ یہ اس لئے فرمایا کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ نظر کیا اکیلے کو نہیں لگتی۔ مگر نظر لگنے کا تصور مطلقاً محل نظر ہے۔ یہ ایک اہم سوال ہے کہ آپؑ نے بیٹوں کو الگ الگ داخل ہونے کو کیوں کہا؟ اس کا جواب آیت نمبر ۶۸ میں آیا ہے **اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ** بے شک وہ شخص صاحب علم تھا کیونکہ ہم نے اسے سکھایا تھا۔ یہ سوچ صرف یعقوبؑ کی تھی کہ غلے کی قیمت واپس کرنے والا کون ہے' جسے یہ بھی معلوم ہے کہ پیچھے ان کا باپ سے ایک سگا بھائی موجود ہے جسے وہ انتہائی تاکید کے ساتھ اپنے پاس بلا رہا ہے۔ یہ یوسفؑ ہی ہو سکتا ہے۔ پھر آپؑ کے سامنے وہ خواب بھی تھی جس کے مطابق یوسفؑ ایک بلند مقام پر پہنچنے والے تھے۔ اس لئے الگ دروازوں سے داخل ہونے کی ہدایت اس لئے فرمائی کہ مصر پہنچ کر یوسفؑ کا سگا بھائی اپنے سوتیلے بھائیوں سے الگ ہو جائے اور ان سے الگ اکیلا اپنے بھائی سے ملے۔ چنانچہ ہدایت فرمائی:۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ
وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ
عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۶﴾

(۶۷) اور یعقوبؑ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹو! تم سب ایک دروازے سے داخل نہ ہونا' بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا' اور میں اللہ کے مقابلے پر تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ نہیں ہے حکم مگر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے' میں نے اسی کے (قانون) پر بھروسہ کیا ہے۔ پس چاہئے کہ بھروسہ کرنے والے اسی کے قانون پر بھروسہ کیا کریں۔

چونکہ چھوٹے بیٹے کو بڑے بیٹوں سے الگ کرنے کا غلط نتیجہ بھی نکل سکتا تھا اس لئے فرمایا کہ میں قانون باری تعالیٰ کے مقابلے پر تمہارے کام نہیں آسکتا۔ ہو سکتا تھا کہ چھوٹا بھائی بے خبری میں کسی حادثے کا شکار ہو جاتا" مگر یعقوبؑ کی تجویز صحیح ثابت ہوئی۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ
مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ
اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ
وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ
ع اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

(۶۸) اور جب وہ اس طرح داخل ہوئے جیسے کہ انہیں ان کے باپ نے حکم دیا تھا۔ (اس طرح چھوٹا بھائی اکیلا بھائی کو جا ملا) یعقوبؑ اللہ کے قانون کے مقابلے پر کسی کام نہ آسکتے تھے۔ (اور نہ تھا یہ مگر) یعقوبؑ کا ذہنی علمی فرض تھا جو انہوں نے پورا کر دیا۔ اور بے شک وہ صاحب علم تھے کیوں کہ انہیں علم ہم نے سکھایا تھا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

یہاں **اِلَّا عاطفہ** بمعنی اور ہے **اِلَّا عاطفہ** کی مثالی آیت مجیدہ ۱۰-۱۱/۲۷ میں دیکھئے۔
حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ کے الفاظ میں **حَاجَةً** کا معنی یعقوبؑ کی ذاتی خواہش نہیں بلکہ آپؑ کا علمی فریضہ تھا۔ کیونکہ ان معنوں کی تائید **اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ** کے الفاظ میں موجود ہے کہ آپؑ نے جو ہدایت فرمائی تھی وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وہ علم کے مطابق تھی جو آپؑ کی ذاتی خواہش ہی نہیں تھی بلکہ آپؑ کا علمی فریضہ تھا جو آپؑ نے ادا کر دیا۔ آپؑ کو یقین تھا کہ عزیز مصر یوسفؑ ہے۔ انہیں غلہ کی قیمت واپس کرنے اور اپنے سگے بھائی کو اپنے پاس بلانے کی تاکید سے یقین ہو گیا تھا کہ عزیز مصر یوسفؑ ہی ہے جس نے رقم بھی واپس کر دی اور اپنے سگے بھائی کو اپنے پاس بتاکید بلایا ہے۔
اگلی آیت مجیدہ میں بتا دیا گیا ہے کہ جب یوسفؑ کے بھائی الگ الگ دروازوں سے آپ کے پاس اکیلے اکیلے پہنچے تو آپ نے اپنے سگے بھائی کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اور کہا کہ میں تیرا بھائی ہوں پس تو اس چیز پر افسوس نہ کر جو تیری ماں سے

سوتیلے بھائی تیرے ساتھ سلوک کرتے چلے آئے ہیں اور کرتے چلے جا رہے ہیں۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾

(۶۹) اور جب (یوسف کے بھائی) یوسفؑ کے پاس آئے (پہلے چھوٹا بھائی اکیلا آیا) تو آپ نے اپنے (سگے) بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ میں بیشک میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں۔ پس تو اس پر افسوس نہ کر یہ (سوتیلے) بھائی جو کرتے چلے آرہے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بھائی سے دوران سفر بھی انہوں نے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ جس کی اس نے یوسفؑ سے شکایت کی اسلئے انہوں نے اسے تسلی دی کہ جو سلوک یہ کر رہے ہیں اس پر افسوس نہ کر۔

اس سے اگلی آیات مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جب انکا سامان تیار کیا گیا تو بھائیوں میں سے ایک نے چھوٹے بھائی کی بوری میں پانی پینے کا سرکاری پیالہ رکھ دیا۔ اس پر جب انکا قافلہ روانہ ہوا تو شاہی کارندوں نے پانی پینے کا پیالہ گم پایا تو ایک پکارنے والے نے پکارا کہ او قافلے والو! بیشک تم چور ہو۔ وہ رک گئے اور مڑ کر پوچھا کہ کیا گم ہو گیا ہے:۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾

(۷۰) اور جب ان کا سامان تیار کروایا تو ایک (بھائی نے سرکاری پیانہ چھوٹے بھائی کی بوری میں رکھ دیا)۔ پھر (جب ان کا قافلہ روانہ ہوا اور غلہ ناپنے کا سرکاری پیانہ گم پایا گیا) تو ایک پکارنے والے نے پکارا کہ او قافلے والو تم چور ہو۔

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

(۷۱) انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم کیا گم پاتے ہو۔

جَعَلَ السِّقَايَةَ جو ضمیر فاعل ھو مستتر ہے، مفسرین کرام نے اسے یوسفؑ کی طرف پھیر کر یہ تصور اخذ کیا ہے کہ چھوٹے بھائی کی بوری میں شاہی پیالہ یوسفؑ نے رکھوایا تھا۔ حالانکہ ایک تو یہ امر قابل قبول نہیں کہ اللہ کا پاک نبی ایسا عمل کرے کہ خود گناہ کا کام کرکے دوسروں کے ذمے لگائے اور ان کے نام پر سر عام الزام لگوائے کہ تم چور ہو اور اسی طرح سورہ النساء کی آیت ذیل کا مصداق بنے:۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ○ ۱۱۲/۴ اور جو شخص خود خطا یا گناہ کا کام کرے پھر اپنے آپ کو بری کرکے کسی دوسرے پر اس کا الزام لگائے تو بلا شبہ اس نے ظاہر بہتان لگایا اور ظاہر گناہ کیا۔ چونکہ یوسفؑ خود پیالہ چھپا کر اور خود بھائیوں کے چور ہونے کا اعلان کروا کر ۱۱۲/۴ کے مصداق ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتے اسلئے ہم نے جعل میں مستتر ضمیر **ھُوَ** کو بھائیوں میں سے کس کی طرف پھیرا ہے۔ اس امر پر کہ چھوٹے بھائی کی بوری میں پیالہ چھپانا یوسفؑ کا کام نہیں تھا بلکہ آپ کے بھائیوں کا کام تھا اس پر سات دلیلیں قاطعہ اسی سورہ یوسف میں موجود ہیں، جن کا تفصیلی بیان اس سے اگلی آیت مجیدہ نمبر۷۶ کے جملہ **كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ** کی تفسیر القرآن بالقرآن میں پیش کیا جائیگا افسوس ہے کہ روایتی تفاسیر نے اللہ تعالیٰ کے پاک نبیوں پر طرح طرح کے الزام لگا رکھے ہیں، جن میں سے یوسفؑ پر مذکورہ بہتان بھی ایک الزام ہے۔

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا کا معنی لکھا گیا ہے کہ انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ یہاں فا نہیں واؤ آئی ہے۔ اگر فا ہوتی تو ترتیب و تراخی تصور کی جاسکتی۔ چونکہ واؤ آئی ہے اسلئے اسکا یہ معنی نہیں ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ تمہارا کیا گم ہوگیا ہے اور بعد میں پکارنے والوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ بلکہ پہلے مڑ کر متوجہ ہوئے اور پھر کہا کہ تمہارا کیا گم ہوگیا ہے۔ اس پر اگلی

آیت میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ پانی پینے کا پیالہ گم ہوگیا ہے۔ جو کوئی لائے اسے ایک اونٹ کا غلہ انعام دیا جائیگا۔

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

(۷۲) انہوں نے کہا ہم غلہ ناپنے کا شاہی سرکاری پیمانہ نہیں پاتے۔ اور جو شخص اسے لائے۔ اس کے لئے ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) انعام ہے۔ اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

جو چیز گم ہوئی اس کے لئے پیچھے آیت نمبر۷۰ میں **اَلسِّقَايَة** کا لفظ آیا ہے جس کا معنی ہے پینے کا پیالہ یا کٹورا۔ مگر یہاں اسی کے لئے صواع الملک کا لفظ آیا ہے جس کا معنی ہے بادشاہ کا پیمانہ۔ ایک ہی چیز کو چونکہ پانی پینے کا برتن بھی کہا ہے اور اسی کو پیمانہ بھی کہا گیا ہے۔ اسلئے ثابت ہوتا ہے کہ وہ چیز غلہ ناپنے کا پیمانہ تھا ٹوپہ وغیرہ' اور اس سے وقتاً" فوقتاً" پانی پینے کا کام بھی لے لیا کرتے تھے۔ نیز صواع الملک میں جو اضافت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سرکاری پیمانہ تھا۔ بات تو بالکل سیدھی سی ہے' مگر روایتی تفسیروں نے السقایہ اور صواع کے متعلق ذیل کا عجیب و غریب تصور پیدا کیا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے شاہ رفیع الدین کا ترجمہ مطبع نامی گرامی کریمی بمبئی کا چھپا ہوا کھلا پڑا ہے' جس کے حاشیئے پر تفسیر موضح القرآن کے ماتحت السقایہ اور صواع الملک کے متعلق لکھا ہے:۔ "باسن بادشاہ کے پینے کا چاندی کا اس کی پیاس پر مپا تھا" یا اناج ناپنے کا اور گھوڑے اس میں پانی پیتے تھے" اس اقتباس پر تبصرہ کی ضرورت نہیں' قارئین کرام خود سمجھ سکتے ہیں کہ چوری تو ہوئی تھی ایک چیز۔ کیا وہ بادشاہ کے پانی پینے کا باسن (کٹورا۔ پیالہ) بھی تھا اور اناج ناپنے کا پیمانہ بھی تھا اور وہ گھوڑوں کے پانی پینے کا ٹب یا بانٹی وغیرہ کس طرح ہوسکتا ہے۔ العجب! ثم العجب!

جب برادران یوسف کو چور کہہ کر پکارا گیا اور انہیں پتہ چلا کہ سرکاری پیمانہ چوری ہوگیا ہے تو انہوں نے قسمیں کھا کر کہا:۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

(۷۳) برادران یوسف نے کہا کہ اللہ کی قسم بیشک تم جانتے ہو کہ ہم سرزمین مصر میں فساد کرنے کیلئے نہیں آئے۔ اور نہ ہی ہم چور ہیں۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾

(۷۴) انہوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہوئے تو اس کی (یعنی چوری کی) کیا سزا ہوسکتی ہے۔

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

(۷۵) (برادران یوسف نے) کہا کہ جس کی بوری میں (مال مسروقہ) پایا جائے اس کی سزا وہی شخص آپ ہے (یعنی اسے قید کر لیا جائے) ہم (شریعت ابراہیمی میں) چوروں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ کے الفاظ میں عیاں ہے کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا چوری کی مقدار کے مطابق عرصہ کیلئے قید کرنا ہے۔ اور چونکہ ۱۳/۴۲ کی آیت ذیل سے ثابت ہے کہ نبی اکرم کو بھی وہی شریعت دی گئی ہے جو نوح' موسیٰ' اور عیسیٰ سمیت ابراہیم کو دی گئی تھی' اسلئے شریعت محمدی میں بھی چور کی سزا قید کرنا ہے ہاتھ کاٹنا نہیں:۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى ۱۳/۴۲ ایمان والو! (اللہ نے) تمہارے لئے اسی دین کی شرع کر دی ہے جس کا حکم نوح کو دیا تھا اور یہ وہی دین

معہ شرع ہے جو ہم نے (اے رسول!) آپ کی طرف وحی فرمایا ہے۔ اور یہ وہی دین معہ شرع ہے جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسیٰؑ کو دیا تھا۔ سورہ مائدہ میں جو چور اور چورنی کے متعلق **فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا** آیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر اپنے مقام پر گزر چکی ہے کہ وہاں قطع بمعنی روک دینا ہے کہ ان کے ہاتھ روک دو۔ انہیں بند کر دو۔ اور قطع بمعنی روکنا سورہ عنکبوت ۲۹/۲۹ میں قوم لوط کے متعلق آیا ہے کہ رسول لوطؑ نے انہیں کہا **اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ**۔ کیا تم وہ ہو جو جنسی تسکین کیلئے مردوں کے پاس آتے ہو اور مسافروں کو لوٹنے کیلئے راستہ روکتے ہو۔

جب براوران یوسفؑ نے چور کی سزا خود قید کرنا بتا دی۔ اور چونکہ وہ مسافر تھے اس لئے ان کیلئے انہیؑ کے دین کی سزا طے ہوئی۔ اس کے بعد ان کی بوریوں کی تلاشی شروع ہوئی۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ بڑے بھائیوں نے پہلے اپنی بوریوں کی تلاشی دی یعنی تلاشی بڑے بھائیوں سے شروع ہوئی۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ۭ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

(۷۶) پس (تلاشی لینے والے نے تلاشی) اس کے چھوٹے بھائی کے شلیتے سے پہلے ان (بڑے بھائیوں کے) شلیتوں سے شروع کی۔ پھر اس (مال مسروقہ) کو اس کے بھائی کے شلیتہ سے نکالا (بھائیوں نے کہا) اسی طرح ہم نے یوسف کیلئے بھی بری تجویز کی تھی۔ اور (یوسف) اس قابل نہیں تھا کہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو گرفتار کرسکے، مگر اللہ کے قانون مشیت کے مطابق ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے اپنے قانون مشیت کے مطابق ہی بلند کرتے ہیں۔ اور ہر صاحب علم کے اوپر ایک علم والا ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

(۷۷) انہوں (براوران یوسفؑ) نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو ضرور اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) نے بھی چوری کی تھی۔ اس پر یوسف نے اسے اپنے جی میں چھپا لیا اور (ان پر) ظاہر نہ کیا (کہ تم جھوٹ بول رہے ہو) کہا کہ تم اصلیت کے لحاظ سے ہی برے لوگ ہو، اور اللہ جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو (کہ سراسر غلط بہتان لگا رہے ہو)

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ۔ اس جملہ کا معنی یہ ہے "مذکورہ بالا طریقے سے ہم نے یوسف کیلئے تجویز کی تھی۔" روایتی تفاسیر میں اس جملے کو اللہ کا قول قرار دیا گیا ہے اور یہ نظریہ قائم کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کیلئے اس کی بوری میں شاہی پیمانہ رکھ دے اور اپنے بھائیوں سے چور کی سزا قید کرنے کا اقرار لے لے۔ اس طرح پہلے تو اپنے بھائیوں پر **اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ** کا سرعام جھوٹا الزام لگا دے۔ اور پھر اپنا رکھا ہوا شاہی پیمانہ خود برآمد کرکے بیگناہ کو چور بنا کر اسے اپنے پاس رکھ لے۔ بالفاظ دیگر روایات کا تصور یہ ہے کہ یوسف چاہتے تھے کہ اپنے سگے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا فریب کارانہ تجویز سکھائی اور اس طرح جب یوسفؑ نے اپنے بھائی کو سرعام چور بنا کر اپنے پاس رکھ لیا تو اس کے بعد فرمایا **كَذٰلِكَ كِدْنَا**

لِیُوْسُفَ۔ مگر ہم نے اس جملے کو برادران یوسف کا قول قرار دیا ہے کہ پہلے تو ان میں سے ایک نے چھوٹے بھائی کے شلیتے میں شاہی پیانہ چھپا دیا پھر جب سرکاری پیانہ برآمد ہوگیا اور ان کے چھوٹے بھائی کو گرفتار کر لیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اسی طرح ہم نے یوسف کیلئے بھی ایسی ہی تجویز کی تھی۔ ہمارے اس نظریہ کی تائید کیلئے اسی سورہ یوسف میں سات ناقابل انکار دلائل موجود ہیں۔ نمبردار اور بالتفصیل ملاحظہ فرمائیں:۔

۱۔ **پہلی دلیل** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی رسول نہ جھوٹ بولتے تھے اور نہ ہیرا پھیری اور مکروفریب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ خود محترم یوسفؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے **اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ** ۱۲/۲۴ بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

۲۔ **دوسری دلیل** یہ ہے کہ بھائیوں کے سامان میں خود چوری پیانہ چھپا کر پھر یہ اعلان کرنا **اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ** محترم یوسفؑ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے کا کام ہرگز نہیں ہوسکتا تھا' بلکہ بھائیوں کا ہوسکتا تھا' جو اس سے پہلے خود یوسفؑ کو کنوئیں میں پھینکنے کے جرم عظیم کا ارتکاب کر چکے تھے۔

۳۔ **تیسری دلیل** یہ ہے کہ جب بھائیوں نے کہا **اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ** تو اس پر اگر یوسفؑ نے خود پیانہ چھپایا تھا تو آپ اس وقت بھائیوں کو **اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا** نہ کہتے۔ مگر چونکہ اللہ کے نبی نے انہیں اس وقت **شَرٌّ مَّكَانًا** فرمایا تھا اس سے ثابت ہوا کہ چھوٹے بھائی کو چور بنانے والے وہ تھے نہ کہ یوسف علیہ السلام

۴۔ **چوتھی دلیل** یہ ہے کہ جب بھائیوں نے یوسفؑ کی خدمت میں عرض کیا اے عزیز مصر اس کا باپ بہت بوڑھا ہے۔ تو اس کی بجائے ہم میں سے ایک کو گرفتار کر لے **اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ** تو اس پر آپؑ نے فرمایا **مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ** ۱۲/۷۹ اللہ کی پناہ اس سے کہ ہم گرفتار کریں سوائے اس کے کسی اور کو جس کے پاس سے ہم نے مال برآمد کیا ہے۔ پس اگر یوسفؑ نے خود پیانہ بھائی کے شلیتے میں رکھا یا رکھوایا تھا تو آپ کا یہ کہنا یقیناً جھوٹ بھی تھا اور خلوص کے خلاف بھی۔ مگر چونکہ آپ ۱۲/۲۴ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے تھے اسلئے یہ جھوٹ اور افتریٰ آپ کا فعل نہیں تھا بلکہ برادران یوسف کا فعل تھا جو اس سے پہلے بھی ایسی بری تجویز کو عملی جامہ پہنا چکے تھے۔

۵۔ **پانچویں دلیل** یہ ہے کہ جب برادران یوسفؑ اپنے چھوٹے بھائی کو رہا کرانے سے مایوس ہوکر الگ بیٹھ کر صلاح مشورہ کرنے لگے تو وہی بڑا بھائی جو یوسفؑ کو قتل کرنے کی بری تجویز کے خلاف تھا۔ وہ ان کی مذکورہ تجویز کے بھی خلاف تھا' اس نے ان سے کہا:۔ **قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ** ۱۲/۸۰ ان میں سے بڑے نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے (چھوٹے بھائی کو واپس لانے کا) اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ لیا تھا۔ (مگر تم باز نہیں آئے اور تمہیں یاد ہے کہ) تم نے اس سے پہلے یوسفؑ کیساتھ کونسی کمی کی تھی۔ (اگر میں آڑے نہ آتا تو تم تو اسے جان سے مار ڈالنے کے در پے تھے) پس خود برادران یوسف کے بڑے بھائی کے الفاظ سے بھی کھل کر ثابت ہو چکا کہ چھوٹے بھائی کے شلیتے میں پیانہ چھپا کر اور اسے چور بنا کر گرفتار کرانیوالے برادران یوسف تھے' یہ فعل ان کا تھا' اور یوسفؑ کا ہرگز ہرگز نہیں تھا۔

۶۔ **چھٹی دلیل** یہ ہے کہ جب بڑے بھائی نے کہا میں تو سرزمین مصر سے چھوٹے بھائی کو ساتھ لئے بغیر باپ کے پاس نہیں

جاؤں گا تم جاؤ اور جھوٹ بولو کہ ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اس لئے گرفتار ہوگیا ہے۔ مگر باقی بھائی جب یعقوبؑ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اسلئے گرفتار کر لیا گیا ہے تو یعقوبؑ نے جو ان کی شرارتوں سے واقف تھے وہی الفاظ دہرائے جو اس وقت فرمائے تھے جب وہ یوسفؑ کو کنوئیں میں پھینک کر آپ کے پاس آئے اور جھوٹ بولا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ یعقوبؑ نے اس وقت بھی فرمایا تھا **قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ** ۱۲/۱۸ یعقوبؑ نے فرمایا کہ (بات یوں نہیں' یوسفؑ کو بھیڑیا نہیں کھا گیا) بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لئے تمہارے برے عمل کو اچھا کر دکھایا ہے۔ اسی طرح جب برادران یوسفؑ نے چھوٹے بھائی کو چور بنا کر اور گرفتار کراکر باپ کے سامنے یہ جھوٹ بولا کہ تیرے بیٹے نے چوری کی ہے تو آپؑ نے اس وقت بھی یہی فرمایا! **قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ** ۱۲/۸۳ آپ نے فرمایا کہ (بات یوں نہیں میرے بیٹے نے چوری نہیں کی) بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے برے عمل کو تمہارے لئے اچھا کر دکھایا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے سچے نبی یعقوبؑ کے الفاظ کے مطابق جس طرح یوسفؑ کو بھیڑیا نہیں کھا گیا تھا بلکہ اس میں خود برادران یوسف کی اپنی شرارت تھی جسے ان کے نفسوں نے چھپا کر اور بھیڑیے کے سر تھوپ کر برے فعل کو ان کے لئے اچھا کر دکھایا تھا۔ اسی طرح چھوٹے بھائی کے معاملے میں بھی خود برادرانِ یوسف ہی قصور وار تھے' ان کے چھوٹے بھائی نے چوری نہیں کی تھی بلکہ ان کے نفسوں نے ان کے برے عمل کو چھپایا اور اسے چھوٹے بھائی کے سر تھوپ کر ان کے لئے اچھا کر دکھا دیا تھا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ پیانہ چھپانا بھی بھائیوں کا فعل تھا یوسفؑ کا فعل نہیں تھا اور ان کا یہ فعل بھی ان کے پہلے فعل کے برابر کا تھا کہ یوسفؑ کو انہوں نے کنوئیں میں پھینکا اور اس کے بھائی کو قید خانے میں پھینک دیا۔

۷۔ **ساتویں دلیل** یہ ہے کہ جب برادران یوسف تیسری مرتبہ مصر گئے اور یوسفؑ سے غلہ صدقے کے طور پر مانگا تو یوسفؑ نے ان سے پوچھا **هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ** ۱۲/۸۹ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسفؑ کیساتھ اور اس کے بھائی کیساتھ کیا کیا تھا؟ جب تم جہالت کے کام کیا کرتے تھے۔ اس پر انہوں نے جان لیا کہ یہ تو وہی یوسفؑ ہی عزیز مصر ہے جسے ہم نے کنوئیں میں پھینک دیا تھا اور اس کے بھائی کو چور بنا کر قید خانے میں ڈال دینے کا ارتکاب کیا تھا۔ اس پر انہوں نے کہا **قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ط قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ** ۱۲/۹۰ برادران نے کہا کیا تو ہی یوسفؑ ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ برادران یوسف نے اپنے دونوں جرموں کا اقرار ان لفظوں میں کیا:۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٔيْنَ ۱۲/۹۱ انہوں نے کہا اللہ کی قسم بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور بلاشبہ ہم (آپ کے اور آپ کے بھائی دونوں کے معاملے میں) خطا کار ہیں۔

یہ ہیں بھائی کے شلیتے میں یوسفؑ کی طرف سے پیانہ رکھنے' یا رکھوانے کے الزام کی بریت کی سات ناقابل انکار دلیلیں جو یکے بعد دیگر خود سورہ یوسفؑ کے اندر موجود ہیں۔ ان کے علاوہ قرآن حکیم جملہ انبیاء کرام کی تعظیم و تکریم اور طہارت کردار کے دلائل قاطعہ سے بھرا پڑا ہے' جن میں سے اگر ذیل کی صرف ایک ہی دلیل نگاہوں کے سامنے ہو تو نہ صرف یوسفؑ پر چوری پیانہ رکھوانے کا الزام لگانے کی جرات ہوسکتی ہے اور نہ باقی انبیاء پر جو روایتی تفاسیر نے الزام لگائے ہیں' ان کے نقل در نقل کرتے چلے جانے کا عمل جاری رہ سکتا ہے:۔

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۲۱/۲۶-۲۷ بلکہ (اللہ کے سارے کے

سارے نبی رسول اسکے) واجب التکریم بندے تھے۔ وہ بات میں بھی اللہ تعالیٰ سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور وہ ہر عمل اللہ کے حکم کے مطابق کرتے تھے۔ اب آیت نمبر۷۶ کے ضمن میں مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

قانون مشیت:۔ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۱۲/۷۶ کے الفاظ میں دو مرتبہ قانون مشیت کی استثنےٰ آئی ہے۔ پہلی یہ کہ یوسفؑ اس قابل نہیں تھے کہ مصر کے ملکی قانون کے مطابق کسی غیر ملکی باشندے کو اپنے پاس رکھ سکتے۔ مگر قانون مشیت کے مطابق انہوں نے اپنے بھائی کو اس طرح رکھ لیا کہ خود بھائیوں نے اس کے شلیتے میں شاہی پیمانہ چھپا دیا اور خود ہی چوری کی ابراہیمی سزا قید کرنے کی وضاحت کر دی۔ اس طرح دھوکے فریب کے ساتھ نہیں' بلکہ قانونی رعایت کے مطابق آپ نے بھائی کو گرفتار کرکے رکھ لیا۔ مشیتِ الٰہی یہ ہے کہ برادران یوسفؑ نے جب یوسفؑ کو کنوئیں میں پھینکا تو اللہ کی کوئی قوت آڑے نہ آئی اور یوسفؑ کنوئیں میں ڈال دیئے گئے۔ مگر اللہ کا قانونِ رضا یہ ہے کہ کوئی بھی ناروا کام ہرگز نہ کیا جائے۔

لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ یوسفؑ کا کنوئیں میں پھینکا جانا ہی اس امر کا اولین سبب نہیں بنا تھا کہ آپ مصر میں پہنچے اور بالآخر عزیز مصر کے منصب عظیم پر پہنچ گئے۔ لیکن اگرچہ کنوئیں میں پھینکے جانے کے سبب ہی سے آپ عزیز مصر کے منصب عظیم پر فائز ہوئے تھے' مگر بھائیوں کا کنوئیں میں پھینکنا جرم ہی قرار دیا جائیگا' اسے کبھی بھی اچھا شمار نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ اگر یوسفؑ پر بدکاری کا الزام نہ لگایا جاتا تو نہ آپ قید خانے میں پہنچتے' نہ وہاں دو قیدیوں کو خوابوں کی تعبیریں بتاتے' نہ ان میں سے ایک جو زندہ رہا تھا' وہ بادشاہ کو آپ کی خبر دیتا' نہ آپ بادشاہ کو اس کی خواب کی تعبیر بتاتے اور نہ وہ آپ کو اپنا وزیر اعظم (عزیز مصر) قرار دیتا۔ اگرچہ ان تمام اسباب کا ابتدائی سبب آپ پر بدکاری کا الزام لگایا جانا ثابت ہوتا ہے' لیکن قانون الٰہی کے مطابق کسی پر بدکاری کا الزام لگانا کبھی بھی جائز و روا قرار نہیں دیا جاسکتا' اگرچہ اس کا آخری نتیجہ ملزم کے حق میں کیسا ہی اچھا برآمد ہو۔ اسی طرح اگرچہ برادران یوسف کا چھوٹے بھائی کے شلیتے میں پیانہ چھپانے کا نتیجہ یوسف اور خود چھوٹے بھائی کیلئے بہتر ثابت ہوا تھا' لیکن کسی کے سامان میں کوئی چیز چھپا کر اور اسے چور بنا کر گرفتار کروا دینا بھی کبھی جائز وروا اقرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسی استثنےٰ بالمشیت کا دوسرا حصہ ہے **نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ** جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم جس کے درجے بلند کرتے ہیں اپنے قانون مشیت کے مطابق ہی بلند کرتے ہیں۔ نتیجہ اعمال ہی کا نکلتا ہے۔ یوسفؑ سابق عزیز مصر کے گھر میں برسوں رہے' وہیں جوان ہوئے مگر انتہائی پاکیزہ زندگی گزاری' حتیٰ کہ خود زن عزیز نے گناہ کی دعوت دی مگر اس عظیم ترین آزمائش میں بھی کامیاب رہے۔ قید خانے میں ڈالے گئے تو پھر بھی ثابت قدم رہے۔ خوابوں کی تعبیریں صحیح صحیح بتائیں اور جب آپ کو چودہ پندرہ سالہ غلے کے کنٹرول کا فریضہ سونپا گیا تو انتہائی جاں فشانی اور انتھک محنت کیساتھ کام کیا' ادھر برادران یوسف نے اتنے طویل عرصے تک والد بزرگوار کو اسی دھوکے میں رکھا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ اس تقابل کردار کا نتیجہ یہ ہوا کہ عظیم و طویل قحط سالی کے دور میں' یوسفؑ غلہ تقسیم کرنے پر فائز ہوئے اور آپ کو کنوئیں میں پھینکنے والوں کو آپ کے حضور غلہ حاصل کرنے کیلئے حاضر دربار ہونا پڑا۔

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہم بلا کسی قاعدے قانون کے جس کے چاہتے ہیں اس کے درجے بلند کرتے ہیں یوسفؑ کے درجے قانونِ مشیت کے مطابق ہی بلند ہوئے تھے' بلا قانون نہیں طالوت کو سپہ سالاری عطا کرنے کے بعد ۲/۲۴۷ میں ارشاد ہوا **اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ**' بیشک اللہ تعالیٰ نے

طالوت کو تمہارے مقابلے پر اسلئے پسند فرمایا ہے کہ اسے علم اور جسم دونوں میں تم سے افضل پایا ہے۔ اور اس کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ **وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ** ۲/۲۴۷ اللہ تعالیٰ جسے سپہ سالاری عطا کرتا ہے اپنے قانون مشیت کے مطابق ہی عطا فرماتا ہے۔ طالوت کو اسلئے سپہ سالاری عطا کی گئی کہ اس منصب کیلئے علم و جسم کا ہونا لازم ہے۔

برادران یوسفؑ نے یوسفؑ اور ان کے چھوٹے بھائی دونوں کیلئے اللہ کے قانون رضا کیخلاف الگ الگ بری تجویزیں کیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون مشیت کے مطابق ان کا نتیجہ اچھے سے اچھا عطا فرمایا۔ لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ عرصہ کتنا لگا؟ کم از کم پچیس تیس سال۔ اگر انسان نیکو کاری اور راستبازی کیساتھ اللہ تعالیٰ کے قوانین اپنا کر عمل کرتے ہوئے اس کے قوانین مشیت کے سست رفتار نتیجے کا انتظار پوری راستبازی اور نیکو کاری کیساتھ کرے تو اللہ تعالیٰ کا قانون مشیت فرعونِ یوسفؑ سے اس کے شاہی اختیارات اس کی زندگی ہی میں یوسفؑ کے قدموں میں ڈلوا دیتا ہے اور فرعونِ موسیٰ کی موسیٰؑ کی زندگی ہی میں اس کی آنکھوں کے سامنے اسے، اس کے لاؤ لشکر سمیت غرق کرکے دکھا دیتا ہے۔

رجوع الی المقصود:۔ اب آیئے پھر آیت نمبر ۷۷ کی طرف جس میں بات یہاں تک پہنچی تھی کہ جب برادران یوسفؑ نے چھوٹے بھائی کے شلیتے میں پیانہ چھپا دیا۔ اور جب تلاشی پر اس کے شلیتے سے مالِ مسروقہ برآمد ہوگیا اور اسے گرفتار کر لیا گیا اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے یوسفؑ سے عرض کیا:۔

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

(۷۸) برادرانِ یوسفؑ نے کہا اے عزیز مصر بلا شبہ اس کا باپ بڑا بوڑھا ہے۔ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو گرفتار کر لیں۔ بیشک ہم آپ کو احسان کرنیوالوں میں سے دیکھتے ہیں۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

(۷۹) یوسفؑ نے فرمایا اللہ کی پناہ اس سے کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو گرفتار کر لیں، جس کے پاس سے ہم نے اپنا مال مسروقہ برآمد کیا ہے۔

اس طرح جب برادران یوسفؑ اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے ساتھ والد کے پاس لے جانے سے مایوس ہوگئے تو الگ جگہ پر جا بیٹھے:۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾

(۸۰) پھر جب وہ (چھوٹے بھائی کو رہا کروا کر والد کے پاس اپنے ساتھ لے جانے سے مایوس ہوگئے تو) الگ جگہ پر مشورہ کرنے بیٹھ گئے۔ ان میں سے ان کے بڑے بھائی نے کہا، کیا تم جانتے نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے (چھوٹے بھائی کو واپس لانے کا) اللہ کا پکا عہد لیا تھا۔ (لیکن تم باز نہیں آئے اور تمہیں یاد ہے کہ) تم نے اس سے پہلے یوسفؑ کے بارے میں کون سی کسر باقی رکھی تھی (اگر میں آڑے نہ آتا تو تم تو اسے جان سے مار ڈالنے پر تلے ہوئے تھے) پس میں سرزمین مصر سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا، جب تک کہ مجھے ابا جان اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ مجھے حکم کرے۔ وہ بہتر حکم کرنے والا ہے۔

إِرْجِعُوْٓا إِلٰٓى أَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓأَبَانَآ إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ أَقْبَلْنَا فِيْهَا ۖ وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

(۸۱) (اس نے مزید کہا کہ) تم اپنے ابا جان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اے میرے ابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم گواہ نہیں ہیں (کہ اس نے چوری کی ہے یا اس کے ذمہ لگائی گئی ہے) ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا ہمیں علم ہوا ہے اور ہم غیب جاننے والے نہیں۔

(۸۲) آپ اس بستی سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے یا اس قافلے سے دریافت کر لیں جس میں ہم آئے ہیں (کہ مال مسروقہ شاہی پیمانہ اس کے تھیلے سے برآمد ہوا ہے) اور بیشک ہم اپنے بیان میں سچے ہیں۔

اس طرح جب بڑے بھائی کے سوا باقی بھائی مصر سے چل کر والد بزرگوار کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے آپ اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے تصدیق کر لیں جس میں ہم آئے ہیں کہ ہم سچے ہیں کہ واقعی چھوٹے بھائی کے تھیلے سے شاہی پیمانہ برآمد ہوا تھا۔ لیکن یعقوبؑ نے ان پر ہرگز اعتبار نہ کیا اور وہی الفاظ دہرائے جو اس وقت فرمائے تھے' جب وہ یوسفؑ کو کنوئیں میں پھینک کر آئے اور یہ کہا تھا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں آپ کا جواب درج ہے:۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۖ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّأْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

(۸۳) یعقوب نے فرمایا کہ (بات یوں نہیں یعنی میرے بیٹے نے چوری نہیں کی) بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے برے عمل کو اچھا کر دکھایا ہے۔ مجھے تو احسن طریقے سے صبر کرنا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو (یوسف سمیت) میرے پاس لے آئے۔ بلاشبہ وہ بڑھ کر جاننے والا اور بڑھ کر حکمت والا ہے۔

قرآن کریم کا اسلوب محذوف:۔ قرآن کریم کا ایک مخصوص انداز بیان محذوفات کا ہے کہ بعض عبارتیں محذوف یعنی Under Stood ہوتی ہیں۔ جیسے کہ اوپر والی آیت مجیدہ میں ایک لمبی عبارت محذوف ہے۔ اس آیت سے آیت ماقبل میں بڑا بھائی باقی بھائیوں کو کہتا ہے کہ میں چھوٹے بھائی کو ساتھ لئے بغیر ابا جان کی خدمت میں نہیں جاؤں گا۔ "تم اپنے والد کے پاس جاؤ اور کہو کہ اے ہمارے ابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔ آپ اس بستی سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے اور یا اس قافلے سے تصدیق کرالیں۔ جس میں ہم آئے ہیں۔ جس وقت یہ واقعہ ہوا ہم گواہ نہیں تھے اور نہ ہم غائب جانتے ہیں۔ ہم اپنے بیان میں سچے ہیں"۔

الٹی واوٗں کے درمیان کی لمبی عبارت وہ ہے جو بڑے بھائی نے چھوٹے بھائیوں سے مصر میں کہی تھی کہ ابا جان کے پاس جاکر یوں کہو۔ لیکن آیت نمبر۸۲ کے آخری الفاظ پر بڑے بھائی کا کلام **إِنَّا لَصٰدِقُوْنَ** پر ختم ہوتا ہے جو اس نے مصر میں کہا تھا اور آیت نمبر ۸۳ کے ابتدائی الفاظ یعقوبؑ کا جواب ہیں **بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا**۔ بالفاظ دیگر آیت نمبر۸۲ اور ۸۳ کے درمیان الٹی واوٗں والی یہ ساری عبارت محذوف ہے کہ چھوٹے بھائی بڑے بھائی سے ہدایت لیکر منزل بمنزل والد بزرگوار کے پاس پہنچے اور کہا **يٰٓأَبَانَآ إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ** .... الخ اور والد نے جواب دیا **بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ** ....

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا" کی مکمل بحث پیچھے تفصیلاً" گزر چکی ہے کہ ان الفاظ میں یعقوب نے بیٹوں کے اس بیان کو جھوٹ قرار دیا تھا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور ان کے اس بیان کو بھی بالکل اسی طرح کا جھوٹ قرار دیا جو انہوں نے کہا کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔ وہ بھی تمہاری اپنی بری تجویز تھی اور یہ بھی تمہاری ہی بری تجویز ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِیْ بِهِمْ جَمِيْعًا" کے جملہ میں "جمیعا" کا لفظ انتہائی اہم ہے یعقوبؑ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ اللہ تعالٰی (یوسفؑ کے بیوی بچوں سمیت) سب کو میرے پاس لے آئے' آپ کو یقین ہو چکا تھا کہ عزیز مصر یوسفؑ ہے۔ وہ عنقریب اپنے بچوں' اپنے چھوٹے بھائی اور سب سے بڑے بھائی سمیت میرے پاس آنے ہی والا ہے۔ ان کا اندازہ بالکل صحیح ثابت ہوا یوسفؑ کو چونکہ قحط زدہ لوگوں کی اہم خدمت تقسیم غلہ کی مصروفیت کی بدولت والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہونے کی فرصت نہیں تھی۔ اسلئے جب یہ بھائی تیسری مرتبہ مصر گئے تو یوسفؑ نے ان پر اپنا آپ ظاہر کر دیا اور فرمایا کہ (ابا اور اماں حضور سمیت) اپنے پورے اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ ۹۳/۱۲۔

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جب بیٹوں نے چھوٹے بھائی کے چوری کرنے کی غلط خبر سنائی تو اس کی فوراً" تردید کرنے کے بعد یعقوبؑ نے ان سے منہ موڑ لیا اور یوسفؑ کی فوری ملاقات کی امید میں اسے اس طرح یاد کیا کہ گویا ان کی آنکھیں چمک اٹھیں:۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾	(۸۴) اور یعقوبؑ نے (بیٹوں کو جھٹلانے کے بعد) ان سے منہ موڑ لیا اور (امید افزا انداز میں) کہا اے افسوس یوسفؑ پر' حالانکہ (مصر کے حالات کے مطابق) ان کی دونوں آنکھیں غم سے (نکل کر) چمک اٹھیں۔ پس وہ غم کو ضبط کرنیوالے تھے۔

مصر کے سابقہ حالات کے مطابق یعقوبؑ کو یقین کامل تھا کہ عزیز مصر یوسفؑ ہیں اور وہاں کے تازہ حالات کے مطابق کہ اب یعقوبؑ کے دونوں چھوٹے بیٹے بھی ان سے جدا ہیں اور سب سے بڑا بھائی بھی وہیں ہے' اسلئے اب انہیں یقین واثق تھا۔ کہ اب ان کا بیٹا یوسفؑ (عزیز مصر) زیادہ دیر انہیں غم و فراق میں مبتلا نہیں رکھے گا۔ اس لئے جلدی ملاقات کی امید کی خوشی میں ان کی آنکھیں بحر غم سے نکل کر چمک اٹھیں کہ اب طویل جدائی کی گھڑیاں ختم ہونے ہی والی ہیں۔

اِبْيَضَّتْ کا سہ حرفی مادہ ب-ی-ض= بیض ہے جس کا معنی سفید ہونا چمک اٹھنا ہے۔ علماء روایات ید بیضاء کا معنی لیتے ہیں چمکتا ہوا ہاتھ۔ مگر افسوس ہے کہ روایتی تفاسیر میں **اِبْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ** کا معنی یہ لے لیا گیا ہے کہ یعقوبؑ کی آنکھیں غم کیساتھ سفید ہوگئی تھیں یعنی آپ یوسفؑ کے غم میں روتے روتے اندھے ہوگئے تھے۔ یہ تصور مطلقاً" غلط ہے کیونکہ یعقوبؑ اللہ تعالٰی کے نبی رسول تھے' آپ کا فریضہ تبلیغ دین تھا' کہ دن رات روتے رہنا؟ پھر قرآن کریم نے ان کی تعریف میں کہا ہے **فَهُوَ كَظِيْمٌ** کہ وہ غم کو ضبط کرنیوالے تھے نہ کہ غم میں ڈوب کر اور بقول روایات مسلسل چالیس سال تک روتے رو کر فریضہ نبوت کو ترک کر دیا تھا۔ کیا **كَظِيْمٌ** کے تقاضے یہی ہیں؟ پھر آپ نے یوسفؑ کی جدائی پر بھی فرمایا تھا **فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ** اور چھوٹے بیٹے کی جدائی کی خبر پر بھی فرمایا **فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ**۔ کیا رو رو کر اندھے ہوجانا صبر جمیل ہے۔ مقام تعجب ہے کہ روایات نے یعقوبؑ کو مقام نبوت تک سے گرا دیا ہے۔

فی الحقیقت اس وقت صورت حال یہ تھی کہ یعقوبؑ خود یوسفؑ کی آمد کے یا ان کی طرف سے آمدہ مصدقہ خبر کی آمد کے منتظر تھے۔ آپ کو یقین ہو چکا تھا کہ اب ان کا بیٹا یوسفؑ (عزیز مصر) خود آیا چاہتا ہے اور یا اس کی طرف سے بھیجی ہوئی خبر آیا ہی چاہتی ہے اسلئے اس جان بخش تصور کی خوشی میں ان کی آنکھیں چمک اٹھیں مگر ان کے **یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ** کہنے پر آپ کے نادان بیٹوں نے آپ سے کہا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

(۸۵) یعقوب کے بیٹوں نے کہا کہ آپ یوسف کا ذکر اس وقت تک کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یا تو مضمحل ہو جائیں گے اور یا ہلاک ہو جائیں گے۔

حَرَضًا کا ۔ حرفی مادہ ہے ح ۔ ر ۔ ض = حرض جس کا بنیادی معنی ہے کمزور ہو جانا' نڈھال ہو جانا' غم میں گھل جانا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یعقوبؑ نے غم یوسفؑ کو اپنے اوپر مسلط نہیں کر لیا تھا۔ پدری تقاضے کے مطابق بیٹے کی جدائی کا صدمہ تو ایک فطری امر تھا' لیکن نہ آپ مضمحل ہوگئے تھے' نہ نڈھال اور نہ غم میں گھل گھل کر کمزور ہوگئے تھے۔ بلکہ فریضہ نبوت کی ادائیگی کیلئے تقاضائے عمر کے مطابق نہ آپ کو کمزور کہا جاسکتا تھا نہ لاغر۔ روایتی تفاسیر کا دیا ہوا تصور یہاں آمدہ لفظ حرضا کے مطابق بھی صد فیصد غلط ہے کہ آپ یوسف کے غم میں رو رو کر اندھے' کمزور' لاغر اور مضمحل ہوگئے تھے۔ ایسی حالت میں آپ کے فریضہ نبوت کا کیا بنا ہوگا؟ العیاذ باللہ !

جب نادان بیٹوں نے **حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ** کا طعنہ دیا تو یعقوبؑ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

(۸۶) یعقوبؑ نے فرمایا کہ میں اپنے (فطری) صدمہ اور غم کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

بثی میں یائے نسبتی ہے اور بث کا معنی ہے وہ صدمہ جو فطری طور پر لازم ہو جاتا ہے جیسے کہ باپ کیلئے بیٹے کی جدائی کا صدمہ فطری اور لازمی چیز ہے۔ اور اسی صدمے پر آپ نے فرمایا تھا **فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ**۔ پس میں احسن طریقے سے صبر کروں گا۔ اسے مستقل مزاجی کیساتھ برداشت کروں گا۔ کار فریضہ نبوت میں اس صدمے سے ذرہ بھر فرق بھی ہرگز ہرگز نہیں آنے دوں گا۔

یعقوبؑ کی طرف سے **وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** کے الفاظ میں دیا گیا جواب ببانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ آپ نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت کے مطابق مصر سے آنیوالی خبروں اور مشاہدات سے جان لیا تھا کہ عزیز مصر انکا نور نظر یوسف ہی ہے' جس نے بھائیوں کو غلہ بھی دیا اور غلے کی قیمت بھی واپس کر دی۔ پھر وہ یوسف ہی تو ہے جس نے اپنے بھائیوں پر پابندی لگا دی کہ دوسری مرتبہ اپنے باپ سے سگے بھائی کو ہمراہ لائے بغیر تمہیں غلہ نہیں دیا جائیگا۔ اور وہ یوسف ہی ہے جس کے لئے قانون مشیت باری تعالیٰ نے اس کے بھائی کو اس کے پاس روک دینے کے سامان کر دیئے۔ اور اس پر جب سب سے بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو ساتھ لئے بغیر ابا حضور کے سامنے حاضر ہونے سے انکار کر دیا تو اب یوسفؑ کے واسطے مزید عرصہ کیلئے اپنے آپ کو چھپائے رکھنے اور ابا حضور کو تین بیٹوں کی جدائی کے غم میں مبتلا رکھنے کا جواز باقی نہیں تھا۔ اسلئے آپ نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت کے مطابق اعلان فرمایا کہ جو کچھ میں اللہ سے جانتا ہوں تم ہرگز نہیں جانتے۔ اب صدمۂ فراق

کی انتہا ہو چکی ہے' اب انتظار کرنے کی گھڑیاں ختم ہونے ہی والی ہیں۔ اس لئے آپ نے بیٹوں کو حکم دیا کہ جاؤ یوسفؑ اور اس کے بھائی کا پتہ لگاؤ' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْــــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

(۸۷) اے میرے بیٹا! (مصر جاؤ) اور یوسف اور اس کے بھائی کو جانو اور پاؤ اور اللہ کی وسیع رحمت سے مایوس مت ہو جاؤ۔ بیشک اللہ کی وسیع رحمت سے نہیں مایوس ہوتے مگر جو (ان کی وسعت رحمت کا) انکار کرنیوالے ہیں۔

روح کا لفظ وسعت کیلئے آتا ہے۔ یہاں وسیع رحمت مراد ہے۔ تَحَسَّسُوْا حَسَّ سے باب تفعل ہے حاسّہ سے۔ اس کا سہ حرفی مادہ ح۔ س۔ س ہے جس کا معنی کسی چیز کو جان لینا بھی ہے اور اسے پالینا بھی ہے یہاں دونوں مراد ہیں۔ یعقوبؑ کی پیغمبرانہ بصیرت کے مطابق اس مرتبہ مصر جانے پر یوسفؑ اپنا آپ ظاہر کر دیں گے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا کہ بھائیوں کے اب آنے پر یوسفؑ نے ان پر اپنا آپ ظاہر کر دیا۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

(۸۸) (ابا حضور کے حکم پر جب برادران یوسفؑ تیسری مرتبہ) ان کے پاس آئے تو کہا کہ اے عزیز مصر! ہمیں اور ہمارے اہل کو (قحط کی) تکلیف پہنچی ہے اور ہم تھوڑی سی رقم لیکر آئے ہیں۔ مگر آپ ہمیں پورا ناپ عطا فرمایئے اور ہمیں صدقہ دیجئے بیشک اللہ تعالیٰ صدقہ (خیرات) کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔

اس پر یوسفؑ نے ذیل کا سوال کیا۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾

(۸۹) یوسفؑ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی سے کیا سلوک کیا تھا' جب تم جہالت کے کام کرتے تھے۔

یوسفؑ کے اس سوال پر بھائیوں نے اپنے والد کے حکم کے مطابق یوسفؑ کو پالیا اور ان کے سوال کے جواب میں کہا۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾

(۹۰) انہوں نے کہا کیا بیشک تو' تو ہی یوسف ہے؟ آپ نے فرمایا (ہاں) میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ بیشک شان یہ ہے کہ جو کوئی قوانین الہٰی کی مخالفت سے بچتا ہے اور اس پر استقامت کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ توازن قائم رکھنے والوں کے اعمال کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

پیچھے آیت نمبر ۸۷ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ یعقوبؑ نے بیٹوں کو حکم دیا تھا کہ میرے بیٹو مصر جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو جانو اور پاؤ فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ۔ اس پر جب وہ مصر آکر عزیز مصر کے پاس غلے کی درخواست لیکر گئے تو آپ نے سوال کیا کہ تمہیں یاد ہے کہ جب تم جاہل تھے اس وقت تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کیساتھ کیا سلوک کیا تھا' اس پر انہوں نے ابا حضور کے حکم کے مطابق یوسف کو جان لیا اور پالیا اور کہا کیا تو ہی یوسف ہے۔ اس پر آپ نے صرف یہ نہ کہا کہ میں ہی یوسف ہوں۔ بلکہ آپ نے فرمایا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے' یہاں پر یہ قابل لحاظ

فرمائیں کہ یعقوبؑ نے حکم دیا تھا کہ جاؤ اور فَتَحَسَّسُوْا يُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اس کے مقابلے پر یوسفؑ نے بھائیوں کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا تو ہی یوسف ہے یہ سوال صرف آپ کے متعلق تھا مگر آپ نے فرمایا اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ یعنی آپ نے فرمایا کہ ابا حضور کے حکم کے مطابق صرف یوسفؑ ہی کو نہ پاؤ' بلکہ اس کے بھائی کو بھی واپس پاؤ' جس کے حاصل کرنے کیلئے تم اپنے ایک بھائی کو رہن رکھتے تھے۔ یعقوبؑ کی طرف سے بیٹوں کو یوسف اور اس کے بھائی دونوں کو پانے کے حکم سے ثابت ہے کہ یعقوب نے جان لیا تھا کہ دونوں بھائی اکٹھے ہو چکے ہیں۔ ایک ہی جگہ پر ساتھ ساتھ ہیں۔ آپ نے فَتَحَسَّسُوْا کے حکم میں بیٹوں کو یہ سب کچھ بتا دیا اور جتا دیا تھا۔

یہاں ایک چیز اور قابل غور ہے کہ یعقوبؑ نے تو صرف عزیز مصر کے حالات سن کر درجنوں میل دور کنعان میں بیٹھے ہوئے جان لیا کہ عزیز مصر یوسفؑ ہے مگر برادرانِ یوسفؑ یوسفؑ کے پاس جاکر اور رو برو گفتگو کرنے کے باوجود بھی حقیقت حال کو کیوں نہ جان سکے؟ اس کا جواب بالکل سیدھا سا ہے کہ ذہن میں جو غلط بات راسخ ہو چکی ہو وہ حقیقت تک پہنچ جانے کے باوجود حقیقت کو پہچاننے کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہو جاتی ہے' بھائیوں کے اذہان میں یہ غلط بات راسخ ہو چکی تھی کہ یوسف' جس کی تیس چالیس برس سے کوئی خبر تک نہیں پہنچی مرچکا ہے۔ اس لئے انہوں نے یوسفؑ کو اس وقت پہچانا جب انہوں نے ان کی وہ بات ان سے پوچھی جو انہوں نے مصر میں کسی کو بتائی ہی نہ تھی۔ اس طرح جب انہیں یوسفؑ نے ان کے اس سلوک کی خبر دی جو انہوں نے یوسفؑ اور اس کے بھائی دونوں کیساتھ الگ الگ کیا تھا تو ان لفظوں میں اقرار جرم کیا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٔيْنَ ﴿٩١﴾

(۹۱) انہوں نے کہا' اللہ کی قسم بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمارے مقابلے پر آپ کو فضیلت دی ہے اور بیشک ہم (اپنے دونوں بھائیوں کے معاملے میں) خطا کار اور قصور وار ہیں

جب بھائیوں نے اِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٔيْنَ کے مختصر سے لفظوں میں اپنی خطاؤں کا اقرار کر لیا تو یوسفؑ نے بھی مختصر سے لفظوں میں معافی کا اعلان کر دیا۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٩٢﴾

(۹۲) یوسفؑ نے فرمایا آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں (میں نے تمہیں معاف کیا) اللہ بھی تمہیں معاف کرے گا۔ اور وہ رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔

غور فرمائیے کہ یوسفؑ نے پیغمبرانہ شان کیساتھ اعلان معافی فرمایا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اٹھ اٹھ کر گلے پڑتا' منہ سے جھاگ نکل رہی ہوتی اور کیا کیا کچھ نہ کہتا۔ سَلٰمٌ عَلٰى يُوْسُفَ الصَّابِرِ الْحَلِيْمِ۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کا مسئلہ بھی حل کر دیا گیا ہے کہ جس کا قصور کیا ہو۔ وہ معاف کر دے تو اللہ بھی معاف کر دیتا ہے۔ جس کا قصور کیا ہے اس سے معافی طلب کرو۔ اگر وہ معاف کر دیگا تو اللہ بھی معاف کر دیگا۔

اس طرح یعقوبؑ کے بیٹوں کی ایک لمبی عداوت کا خاتمہ اس احسن طریقے سے ہوا کہ چند لفظوں میں خطا کار بھائیوں نے اقرارِ خطا کر لیا اور چند ہی لفظوں میں یوسفؑ نے انہیں معاف کر دیا۔

جب برسوں کے بچھڑے ہوئے بھائی گلے مل گئے تو اب یوسفؑ نے اپنے والد بزرگوار اور والدہ ماجدہ کے دردِ فرقت کو ختم کرنا تھا۔ اس کے لئے لازم تو یہ تھا کہ بیٹا خود چل کر خدمتِ والدین میں پہنچتا۔ لیکن چونکہ یوسفؑ کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے

قحط زدہ افراد کو غلہ بہم پہنچانے کی مخصوص خدمت سونپ رکھی تھی اسلئے آپ نے اپنے بھائیوں کو کہا کہ والدین سمیت اپنے پورے خاندان کو میرے پاس یہاں مصر میں لے آؤ۔ اور والد بزرگوار کے اس یقین کی تصدیق کیلئے کہ عزیز مصر یوسفؑ ہی ہے آپ نے وزارت عظمیٰ کی وردی والی قمیض بھیج دی جس پر اس منصب عظمیٰ کے نشان کندہ تھے اور جس قمیض کے کندھوں پر سلطنت مصر کے اس عظیم ترین منصب کے پھول چمک رہے تھے اور جس قمیض کی پاکٹ پر اعزازی تمغے آویزاں تھے۔ چنانچہ اس کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں باری تعالیٰ رب العزت نے اس مفہوم کو ذیل کے الفاظ میں نازل فرمایا ہے:۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

(۹۳) (یوسفؑ نے بھائیوں کو کہا کہ) یہ میری (وردی) کی قمیض لے جاؤ اور اسے میرے والد کے سامنے پیش کرو۔ وہ آئیں گے میرے پاس پورے یقین کیساتھ۔ اور اپنے سارے کنبے کو میرے پاس لے آؤ۔

اس سورت مجیدہ میں یوسفؑ کی تین قمیضوں کا ذکر آیا ہے:۔

پہلی قمیض وہ تھی جو بھائی نقلی خون کیساتھ رنگ کر لے آئے تھے۔ جو آپ کی زندگی کی دلیل ٹھہری اور یعقوبؑ کو یقین ہو گیا کہ یوسفؑ زندہ ہے' بھیڑیا نہیں کھا گیا۔ کیونکہ بھیڑیے کسی کو کھانے سے پہلے قمیض اتروا نہیں لیا کرتے۔ دوسری قمیض وہ تھی جسے زن عزیز نے اس وقت پیچھے سے کھینچ کر پھاڑ دیا' جب اس نے آپ کو بدکاری کی دعوت دی اور آپ اس کے برے ارادے سے بچنے کیلئے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ قمیض یوسفؑ کی پاکبازی کی دلیل ٹھہری۔ اور تیسری قمیض یہ تھی جو یوسفؑ نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں بھیجی تھی تاکہ ان کے اس یقین کی تصدیق ہو جائے جو عزیز مصر کے متعلق آچکا تھا کہ عزیز مصر یوسفؑ ہی ہے یہ قمیض آپ کی حکومت کی دلیل بن کر آئی تھی۔

فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس قمیض کو میرے والد کے چہرے پر ڈال دو۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اسے میرے ابا حضور کے سامنے پیش کرو۔ تاکہ جب وہ اسے دیکھیں تو ان کے یقین کی تصدیق ہو جائے کہ آپ کے ذہن میں جو بار بار یہ خیال آتا تھا کہ یہ کون ہے جس نے میرے بیٹوں کو غلے کی قیمت واپس کر دی ہے اور اپنے چھوٹے بھائی کو لانے کی اتنی تاکید کر رہا ہے کہ اگر تم اسے نہ لائے تو میرے پاس دوبارہ مت آنا' اس کے لائے بغیر تمہیں غلہ نہیں ملے گا۔ یہ یوسفؑ ہی ہو سکتا ہے۔ آپ کے اس یقین کی راہ میں جو چیز حائل ہوتی تھی وہ صرف یہ تھی کہ یوسفؑ اور عزیز مصر؟ ابا حضور! اس رکاوٹ کو بھی رفع کر لیجئے اور اپنی آنکھوں سے یوسفؑ کی وزارت عظمیٰ کی وردی کی کھلی نشانی دیکھ لیجئے۔

يَاْتِ بَصِيْرًا کے الفاظ سے روایتی تفاسیر نے اس غلط تصور کے مطابق کہ یعقوبؑ فرقت یوسفؑ میں دن رات روتے رہتے تھے' بعض نے لکھا ہے کہ مسلسل چالیس سال روتے رہنے کی وجہ سے آپ اندھے ہو گئے' اس لئے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ یوسفؑ نے بھائیوں کو کہا یہ میری قمیض لے جاؤ' ابا حضور کے چہرے پر ڈالدو' اس کی برکت سے ان کی بینائی آ جائیگی یعنی آپ اندھے ہیں بینا ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہ چیز قوانین الٰہی کے خلاف ہے کہ کسی اندھے کے چہرے پر کسی بزرگ کی قمیض ڈال دی جائے تو وہ بینا ہو جائے ایسی قمیض تو قیامت تک کے لئے محفوظ رکھنی چاہیئے تھی' تاکہ دنیا بھر کے اندھے بینا ہو جایا کرتے۔ پھر اسے اگر کسی بزرگ کی برکت تسلیم کی جائے تو یوسفؑ سے بزرگ تر خود یعقوبؑ تھے' جو نہ صرف یہ کہ نبی بھی تھے بلکہ ایک نبی یوسفؑ کے باپ بھی تھے اور ایک نبی اسحاقؑ کے بیٹے اور ایک نبی ابراہیمؑ کے پوتے بھی تھے۔

لفظ **بَصِيْرًا** کا سہ حرفی مادہ ب۔ص۔ر بصر ہے جس کا معنی دیکھنا بھی ہے اور جاننا' یقین کرنا بھی ہے۔ یہ مادہ بصیرت

اور بصارت یعنی قوتِ ادراک اور قوتِ بصارت دونوں کیلئے مستعمل ہے۔ چنانچہ عربی ادب میں رَجُلٌ بَصِيْرٌ کا معنی دیکھنے والا آدمی بھی ہے اور صاحب ادراک دانشور بھی ہے اسی لئے مبصر اس شخص کو کہتے ہیں جو صاحب عقل و شعور ہو۔ پس یہاں آیت زیر بحث میں يَأْتِ بَصِيْرًا کا یہ معنی ہے کہ ابا حضور میری وزارت عظمیٰ کی وردی والی مخصوص نشانات و امتیازات سے مزین قمیض کو دیکھ کر بصیر ہو جائیں گے۔ ان کے اس یقین میں کہ عزیز مصر یوسفؑ ہے' حائل ہونے والا یہ شک بھی دور ہو جائیگی کہ یوسفؑ مسافر' اور عزیز مصر؟ حالات کے مطابق ادھر السید یعقوبؑ کو بھی یقین ہو چکا تھا کہ موجودہ عزیز مصر یوسفؑ ہی ہے اور ادھر یوسفؑ کو بھی یقین ہو چکا تھا کہ ابا حضور سابقہ واقعات کی بدولت جان چکے ہیں کہ عزیز مصر ان کا نور نظر یوسفؑ ہے۔ درمیان میں جو عدم امکان کہ یہ صورت حائل ہوتی تھی کہ یوسفؑ تو مصر میں یقیناً ایک مسافر کی حیثیت رکھتا ہے' کیا واقعی' وہ واقعی وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہو چکا ہے اس شک کو خود وزارت عظمیٰ والی وردی کی قمیض نے دور کر دیا۔ اور اس نے آپ کے غائبانہ یقین کی تصدیق کر دی۔

اگلی آیت مجیدہ میں اسی بصیرت یعقوبی کا اظہار کیا گیا ہے کہ:۔

جب یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو تیسری مرتبہ مصر بھیجا اور فرمایا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ کہ مصر میں جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی دونوں کو پاؤ۔ وہ دونوں ایک ہی جگہ پر موجود ہیں۔ تو اب جوں جوں دن گزر رہے تھے آپ اندازہ فرماتے چلے جا رہے تھے کہ اب میرے بیٹے مصر کے قریب پہنچ چکے ہیں' اب وہ سب یوسفؑ اور اس کے چھوٹے بھائی کے پاس داخل ہو چکے ہیں۔ اب ان کی گفتگو ہو رہی ہے اور اب میرے بیٹوں کا قافلہ واپس روانہ ہونے والا ہے۔ آپ کا اندازہ تھا کہ اس مرتبہ یا تو یوسفؑ اپنے بھائیوں کے ساتھ خود آئے گا اور یا کوئی اپنی نشانی بھیجے گا۔ واضح رہے کہ یعقوبؑ کا ہر اندازہ بالکل صحیح ہے' کیونکہ آپ اس سے پہلے دو مرتبہ بیٹوں کو مصر روانہ کر چکے تھے اور آپ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ کتنے دنوں میں مصر پہنچ رہے تھے اور کتنے دنوں کے بعد وہاں سے روانہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ہوا یہ کہ جب ادھر برادران یوسفؑ کا قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو ادھر السید یعقوبؑ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اب یوسف یا یوسفؑ کی کوئی نشانی مصر سے روانہ ہو چکی ہے۔ اس کا اظہار بالفاظ ذیل موجود ہے:۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

(۹۴) اور جب مصر سے برادران یوسفؑ کا) قافلہ روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا کہ بیشک میں ضرور یوسفؑ کی خوشبو پاتا ہوں (اس کا غلبہ پاتا ہوں) اگرچہ تم مجھے غلط انداز ہی کیوں نہ ٹھہراؤ۔

لفظ ریح کا مطلق معنی صرف ہوا ہے خوشبو اور بدبو کو بھی ریح یا رائحہ کہا جاتا ہے۔ لفظ ریح کا مجازی معنی غلبہ' اور قوت بھی ہے۔ ۸/۴۶ میں آیا ہے وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ اور ایمان والو آپس میں جھگڑو مت ورنہ تم پست ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا یعنی قوت جاتی رہیگی۔ اردو زبان میں بھی یہ محاورہ مستعمل ہے کہ ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔ پس آیت زیر بحث میں لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ کا مجازی معنی غلبہ بھی یوسفؑ کے وقتی حالات کے مطابق صحیح ہو سکتا ہے کہ یعقوبؑ نے اندازہ لگایا کہ یوسفؑ اپنے چودہ سالہ غلے کے کنٹرول کی بدولت پورے مصر پر بھی غالب ہو چکا ہے اور اپنے بھائیوں پر بھی فضیلت حاصل کر چکا ہے۔ نیز عربی میں ریح بمعنی خبر بھی مستعمل ہے۔ اسلئے اس کا ایک معنی یہ بھی صحیح ہے کہ میں یوسفؑ کی خبر پاتا ہوں' خبر پانیوالا ہوں۔

تُفَنِّدُوْنِ میں آمدہ سہ حرفی مادہ ف۔ ن۔ د۔ فند کا معنی ہے اندازے یا رائے کا کمزور ہونا۔ اور یہاں باب تفعیل سے

تفنید کا معنی ہے غلط اندازہ یا غلط رائے کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا۔ **لَوْ لَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ** کے الفاظ میں یعقوبؑ نے ارد گرد والوں پر واضح کیا کہ میں بالکل صحیح اندازے پر ہوں اگرچہ تم مجھے غلط اندازے ہی کیوں نہ ٹھہراؤ۔ لیکن اس پر حاضرین نے برادرانِ یوسف کی اس غلط خبر کے مطابق کہ یوسفؑ کو تو بھیڑیا کھا چکا ہے، یہ جواب دیا کہ آپ یوسفؑ کی بہت پرانی تلاش میں ہیں:۔

ع **قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ** ﴿۹۵﴾

(۹۵) ان (سننے والوں نے) کہا، بلاشبہ آپ (یوسفؑ کی) اپنی پرانی تلاش میں ہیں۔

اس موقعہ پر قالوا کے فاعل برادران یوسفؑ نہیں تھے۔ کیونکہ وہ تو سب کے سب مصر سے روانہ ہونے والے قافلے میں تھے۔ مذکورہ بالا جواب دینے والے عوام ہی ہوسکتے تھے جنہوں نے برادران یوسفؑ کے کہنے پر اعتبار کرکے مان رکھا تھا کہ یوسفؑ زندہ نہیں، اسے بھیڑیا کھا گیا تھا۔

لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ میں آمدہ لفظ ضلل کا معنی گمراہی بھی ہے اور تلاش بھی ہے۔ یہاں اس کا معنی تلاش ہے گمراہی نہیں۔ کیونکہ یہ جواب دینے والے یعقوبؑ پر ایمان لانیوالے مومن تھے جنہوں نے مشہور غلط خبر کے مطابق آپ کو یوسف کا پرانا متلاشی کہا تھا گمراہ نہیں کہا تھا۔ اسی طرح ۹۳/۷ میں نبی اکرمؐ کے متعلق بھی آیا ہے **وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى** اور آپ کو ہدایت کا متلاشی پایا پھر ہدایت کر دی۔ اب ادھر کنعان میں یہ حالات تھے اور ادھر مصر سے چلا ہوا قافلہ منزل بمنزل یعقوبؑ کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ حتی کہ قافلہ آپہنچا اور یوسفؑ کا وہ بھائی جسے انہوں نے قمیض سونپ کر ابا حضور کی خدمت میں خوشخبری دینے کیلئے بشیر قرار دیا تھا وہ خدمت عالیہ، والد بزرگوار میں حاضر ہوا۔ اور یوسف کی بھیجی ہوئی قمیض پیش کی، اس وقت باقی سب بھائی بھی اس کے ساتھ موجود تھے۔ اس قمیض کو دیکھ کر یعقوبؑ کا یقین کامل ہوگیا کہ جس عزیز مصر کو میں یوسفؑ یقین کرتا تھا وہ واقعی یوسفؑ ہے، اس پر آپ نے اپنے بیٹوں کو فرمایا کہ کیا میں نہیں کہتا تھا کہ جو کچھ میں اللہ کی طرف سے جانتا ہوں تم نہیں جانتے:۔

فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

(۹۶) پھر جب خوشخبری دینے والا (قمیض لیکر) آیا۔ اس نے اسے آپ کے سامنے پیش کیا تو وہ (یعقوبؑ پھر سے) یقین کرنیوالے پائے گئے۔ آپ نے (بیٹوں کو) کہا کیا میں تمہیں یہ نہیں کہتا تھا کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

اَلْبَشِیْرُ کے متعلق جو روایتی تفاسیر میں آیا ہے کہ یہ برادران یوسفؑ سے الگ بشیر نامی کوئی شخص تھا۔ یہ تصور از روئے قرآن حکیم غلط ہے۔ کیونکہ ۹۳/۱۲ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ یوسفؑ نے اپنے بھائیوں ہی کو کہا تھا **اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا** یہ میری قمیض لے جاؤ۔ یہ حکم بصیغہ جمع آیا ہے اور یہاں حضور والد بزرگوار میں پیش کرنیوالا بصیغہ واحد بیان ہوا ہے اور اسے البشیر کہا گیا ہے۔ یہ برادران یوسفؑ کا نمائندہ ہے۔ اور یقینا یہ سب سے بڑا بھائی تھا، جس نے اس وقت خدمت والد میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا تھا جب چھوٹا بھائی گرفتار ہوگیا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک مجھے میرے والد خود نہ بلائیں اور یا اللہ مجھے حکم نہ دے۔ تو اب جب اللہ تعالیٰ نے ایسے خوشگوار حالات پیدا کرکے اسے ابا جان کو یوسف کی خوشخبری دینے والا البشیر بنا دیا تو پھر حضور والد میں حاضر ہوا۔ چونکہ یہ سب سے بڑا تھا اسلئے سب بھائیوں کا نمائندہ بھی پہلے ہی تھا۔ اور منصب بشارت کے قابل بھی صرف یہی ہوسکتا تھا، کیونکہ یہی تھا جس نے یوسفؑ کی

جان بچائی تھی۔ جب کہ باقی بھائی قتل یوسفؑ کے مشورہ پر متفق ہوگئے تھے۔ اور یہی وہ بھائی تھا جو یوسفؑ کے چھوٹے بھائی کے شکنجے میں پیانہ چھپانے کے مشورہ سے الگ تھا۔ پس یہی منصب بشارت کے قابل تھا اور اسی نے حضور والد میں اپنا چھوٹا بھائی بھی لاکر حاضر کر دیا اور یوسف کی قمیض بھی پیش کرکے نہ صرف یہ کہ یوسف کی زندگی کی خوشخبری دی بلکہ ان کے سلطنت مصر کے منصب وزارت عظمیٰ پر فائز ہونے کی نشانی' مخصوص اعزازی تمغوں سے مزین قمیض بھی پیش کر دی۔

فَارْتَدَّ بَصِيْرًا' کا معنی لکھا گیا ہے کہ یعقوبؑ یقین کرنیوالے پائے گئے۔ لفظ **بَصِيْرًا**" کی بحث تو پیچھے گزر چکی ہے کہ اس کا معنی ازروئے عربی ادب یقین کرنا بھی ہے۔ باقی رہا **فَارْتَدَّ** میں آمدہ سہ حرفی مادہ ر-د-د رد جس کا معنی لوٹ آنا ہے۔ اور جس سے بروایتی تفاسیر نے دلیل دی ہے کہ یعقوبؑ پہلے بینا تھے' مگر اندھے ہوگئے تھے اور پھر دوبارہ بینا ہوگئے' مگر **بَصِيْرًا**" کی بحث میں یہ امر سامنے لایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبی کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے محبت میں مستغرق ہوکر چالیس سال تک کیلئے روتے روتے آنکھیں ضائع کر دی ہوں اور کار نبوت سے غافل ہو چکے ہوں۔ رہا لفظ **فَارْتَدَّ** کا سوال' یہ باب افتعال ہے جس کے خاصہ وجدان کے مطابق پایا جانا معنی صحیح ہے اور چونکہ آپ کو پہلے ہی یقین تھا کہ عزیز مصر یوسفؑ ہے مگر جب اس کی وردی کی قمیض آگئی تو عدم امکان کے جتنے بھی شک شے تھے سب دور ہوگئے اور آپ کو اپنے یقین پر پھر سے یقین ہوگیا۔

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ کے جملے میں **اَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ** کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں' کیونکہ آپ اپنے قیاس یقینی کیلئے **اَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ** کے الفاظ لائے ہیں۔ جب بیٹے پہلی مرتبہ غلہ لائے تو غلہ کی قیمت کے لوٹائے جانے اور ان کے چھوٹے بھائی کو اگلی مرتبہ ضرور ہمراہ لانے کی ایسی تاکید کرنے پر' کہ اس کے بغیر غلہ نہیں ملے گا' یعقوبؑ کا یقینی قیاس تھا کہ ایسے اقدام کرنیوالا صرف یوسفؑ ہی ہوسکتا ہے۔ نیز اس سے پہلے جب بیٹے یوسفؑ کا خون بھرا کرتہ لائے اور کہا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے' اس وقت بھی یعقوبؑ کا قیاس یقینی تھا کہ ان کی یہ خبر جھوٹی ہے کیونکہ بھیڑیے کسی کو کھانے سے پہلے کرتہ اتروا نہیں لیا کرتے۔ بعض قیاس ظنی ہوتے ہیں مثلاً" برادران یوسفؑ کا یہ قیاس تھا کہ جب تیس چالیس سال سے یوسفؑ کی کہیں سے کوئی خبر نہیں آئی وہ مر چکا ہے۔ اور بعض قیاس یقینی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ یعقوبؑ کے قیاسات کہ جس طرح آپ کے سامنے خون بھرا کرتہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے نفسوں نے بات گھڑلی ہے **بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا" فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ** اور اسی طرح جب بیٹوں نے مصر سے دوسری مرتبہ لوٹ کر آنے پر کہا کہ ابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے تو اس وقت بھی آپ نے یہی جملہ دہرایا تھا **بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ** یہ بات تمہارے اپنے نفسوں نے گھڑلی ہے اور تمہارے لئے اسے مزین کر دیا ہے میں تو نہایت اچھے طریقے سے صبر کروں گا۔ اس صدمے کا مقابلہ بھی مستقل مزاجی کیساتھ کرتا رہوں گا۔

الغرض زیر بحث امر یہ ہے کہ یہ سب کچھ یعقوبؑ نے جانا تھا اپنے قیاسات یقینی کے ذریعہ مگر انہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے فرمایا کہ میں نے جو کچھ جانا ہے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم قیافہ کے مطابق جانا ہے۔ مگر اسے آپ نے وحی قرار نہیں دیا۔ اس سے یہ امر ثابت ہوا کہ انبیاء کرام چونکہ عوامی سطح کے افراد نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ وہ انتہائی پاکیزہ انسان تھے۔ حسد' بغض' کینہ وغیرہ کے عوارض سے بالکل پاک و منزہ تھے۔ اسلئے ان کے قیاس یقینی یقیناً یعقوبؑ کے قیاسات کی طرح بالکل صحیح ہوتے تھے۔ وہ انہیں وحی قرار نہیں دیتے تھے مگر اسے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم قرار دیتے تھے۔ خود نبی اکرمؐ کا ایک واقعہ ۶۶/۳ میں درج ہے کہ آپ نے ایک راز کی بات اپنی ایک بیوی کو جتائی' مگر اس نے دوسری بیوی کو بتا

دی۔ اس پر آپ نے دوسری بیوی کے آثار و قرائن سے جان لیا کہ آپ کا راز اس تک پہنچ چکا ہے۔ آپ نے پہلی بیوی کو کہا کہ تو نے راز میری دوسری بیوی کو بتا دیا ہے۔ اس نے پوچھا آپ کو کس نے بتایا ہے تو آپ نے فرمایا نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ مجھے علیم و خبیر نے خبر دی ہے۔ آپ نے بھی یہ اپنے قیاس یقینی کے ذریعہ ہی جانا تھا۔ آپ کو وحی نہیں کی گئی تھی۔

اسی طرح شکاری لوگ جو شکاری جانوروں کو سدھاتے ہیں' ان کے اس سدھانے کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ ۵/۴ میں ارشاد ہوا ہے وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ اور جو تم زخم دینے والے' شکاری جانوروں کو اسی طرح سدھاتے ہو' جس طرح تم کو اللہ نے علم دیا ہے۔ یہ شکاری جانوروں کو سدھانے کا علم بذریعہ وحی نہیں دیا گیا بلکہ نوع انسانی کی جبلت میں رکھ دیا گیا ہے کہ وہ سب کے سب جانوروں کو' حتیٰ کہ شیروں اور ہاتھیوں تک کو بھی سدھا لیتا ہے۔ اس علم کو بھی قرآن کریم نے اللہ کا دیا ہوا علم کہا ہے۔ اسی طرح۔

کاتب عرائض نویس جو عوام کے آپس کے لین دین کی رسیدات اور اشٹامپ وغیرہ لکھتے ہیں اسے بھی ۲/۲۸۲ میں الفاظ ذیل میں اللہ کا سکھایا ہوا علم قرار دیا گیا ہے:۔ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۖ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ اور چاہئے کہ کاتب تمہارے درمیان (تمہارے لین دین کی رسیدیں) عدل کیساتھ لکھے اور کاتب اسی طرح لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح اسے اللہ نے لکھنا سکھایا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ کاتب عرائض نویس رسیدات لکھنا استاد سے سیکھتے ہیں اور ان کا عدل کے ساتھ لکھنا پرانے استادوں اور دانشوروں نے ایجاد کیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ چیز بھی نوع انسانی کی جبلت میں رکھ دی گئی ہے اس لئے اسے بھی قرآن کریم نے اللہ کا دیا ہوا علم کہا ہے جو وحی جبلی ہے وحی تنزیلی نہیں۔

وحی جبلی :۔ وحی جبلی کی کھلی مثال اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل میں بالفاظ ذیل پیش کر رکھی ہے:۔ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۱۶/۶۸-۶۹ اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو (جبلی) وحی فرمائی ہے کہ تو پہاڑوں' درختوں اور لوگوں کے بنائے ہوئے چھجوں میں گھر بنایا کر' پھر تمام میووں میں سے کھایا کر اور اپنے رب کے وحی کردہ جبلی راستوں پر فرمانبردار ہو کر چلتی رہ۔ ان (مکھیوں) کے پیٹوں سے مختلف رنگوں کا مشروب (شہد) نکلتا ہے اس میں لوگوں کیلئے بیماریوں کی شفا ہے۔

پس وحی جبلی کو ذہن میں رکھئے اور یعقوبؑ کے ان قیاسات یقینی' جنہیں آپ نے اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ میں وحی تنزیلی کی خبر نہیں دی تھی' بلکہ وحی جبلی کے متعلق فرمایا تھا کہ بیٹو! جو کچھ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اس طرح جب برادران یوسفؑ کے جرائم بے نقاب ہوگئے تو انہوں نے عرض کیا:۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝ (۹۷) (بیٹوں نے) کہا یا ابا جان ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی سزا سے بچاؤ طلب کریں۔ بلاشبہ ہم خطا کار ہیں۔

استغفر کا سہ حرفی مادہ غ۔ ف۔ ر= غفر ہے جس کا بنیادی معنی ہے بچاؤ اور استغفار کا معنی ہے بچاؤ طلب کرنا۔ جب بیٹوں کا قصور ثابت ہوگیا تو انہوں نے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی سزا سے بچاؤ طلب کریں۔ استغفار کا مسئلہ تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۶۲۔ ۲۶۳ پر تفصیلاً گزر چکا ہے کہ جرم کی سزا سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ جس کا جرم کیا گیا ہو' یا تو اس کا مال اسے واپس کیا جائے اور یا اس سے اپنا جرم معاف کرا لیا

جائے۔ یہ نہیں کہ جس کا جرم کیا ہو اس سے تو گناہ معاف نہ کرائیں' اور تسبیح لیکر بیٹھ جائیں اور استغفراللہ ربی کا ورد شروع کر دیں۔ اس طرح یہاں پر جو بیٹوں نے کہا ہے کہ ابا جان ہمارے لئے ہمارے جرائم کی سزا سے بچاؤ طلب کریں اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ اَسْتَغْفِرُ لِبَنِیَّ کا ورد فرمائیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ بیٹوں نے قصور کیا تھا' باپ کا اور بھائی کا اس لئے قانون باری تعالیٰ کے مطابق انہیں اپنا قصور معاف کروانا تھا بھائی سے بھی اور باپ سے بھی۔

پچھلی آیت نمبر ۹۱ میں گزر چکا ہے کہ بھائیوں نے یوسفؑ سے اپنے قصور کی معافی بھی انہی الفاظ میں مانگی تھی اِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ بیشک ہم خطا کار ہیں۔ اس پر یوسفؑ کے جوابی الفاظ نہایت غور طلب ہیں قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ یوسفؑ نے فرمایا (میں نے تمہیں معاف کیا) آج تمہارے ذمہ میری طرف سے کوئی الزام نہیں۔ جب میں نے معاف کر دیا ہے تو چونکہ قصور تم نے میرا کیا تھا' جب میں نے معاف کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف کر دے گا۔

اسی طرح انہوں نے والد بزرگوار کا بھی قصور کیا تھا۔ ان سے بھی انہی لفظوں میں معافی طلب کی کہ ابا جان ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی سزا سے بچاؤ طلب کریں بیشک ہم خطا کار ہیں یوسفؑ نے تو فوراً معاف کر دیا تھا اور ساتھ ہی کہہ دیا تھا کہ اللہ بھی تمہیں سزا سے بچاؤ عطا فرمائیگا۔ لیکن یعقوبؑ کو چونکہ ایک لمبے عرصے تک ایذا دیتے رہے تھے ایک تو یہ کہ دھوکا دیکر یوسفؑ کو لے گئے اور کنوئیں میں پھینک کر یہ کہہ دیا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا۔ اور پھر جب آپ نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت اور وہی جبلّی کے مطابق فرمایا کہ یوسفؑ زندہ ہے اور جب آپ اس کے لیے انتظار میں مبتلا ہوگئے تو عرصہ دراز تک کیلئے ان کی تکذیب کرتے رہے کہ یوسفؑ زندہ نہیں ہے اسے تو بھیڑیا کھا گیا تھا' آپ اس کی فضول انتظار میں مبتلا ہیں' اس لئے چونکہ یعقوبؑ کے بیٹوں کی طویل ایذا رسانی کا جو رنج تھا' وہ ایسا نہیں تھا کہ بیٹوں کی معافی طلبی پر انہیں فوراً معاف کر دیتے' اس لئے آپ نے معافی دینے میں توقف فرمایا اور وعدہ کیا میں تمہارے لئے ضرور بچاؤ طلب کروں گا' یعنی جب تمہارے طویل ایذا رسانی کا صدمہ دور ہو جائے گا تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ اور جب میں تمہیں معاف کروں گا تو پھر ہی تمہیں اللہ تعالیٰ بھی معاف کرے گا۔ بالفاظ دیگر یعقوبؑ کا معاف کرنا ہی بیٹوں کے لئے آپ کی طرف سے استغفار تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾

(۹۸) یعقوبؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے تمہارے گناہوں کی سزا سے (ابھی نہیں) بعد میں بچاؤ طلب کروں گا۔ (جب میں معاف کروں گا تو اللہ بھی معاف کر دے گا) بیشک وہ بچاؤ عطا فرمانے والا مہربان ہے۔

واضح رہے کہ جب بیٹوں نے باپ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور باپ نے معافی دینے کا وعدہ فرمایا۔ اس کے بعد کے بہت سے واقعات محذوف ہیں کہ جب یعقوبؑ کو جو جو تکلیفیں بیٹوں نے دی تھیں' ایک طرف وہ آپ کو بار بار یاد آتی تھیں۔ مگر دوسری طرف یہ خوشخبری کہ عزیزِ مصر ان کا بیٹا یوسفؑ ہے اور سلطنتِ مصر کے سیاہ و سفید کا مالک و مختار بھی ہے۔ اس نے آپ کو پورے خاندان سمیت شام سے نقل مکانی کرکے مصر میں آباد ہونے کی دعوت بھی دیدی ہے۔ اس طرح آپ نے بیٹوں کی دی ہوئی ایذائیں بھلا کر انہیں معاف فرما دیا یعنی ان کیلئے اپنے رب سے معافی کی درخواست کر دی کہ بارالہا! ان نادانوں نے مجھے لمبے عرصے تک ایذا پہنچائی ہے' چونکہ میں نے معاف کر دیا ہے اسلئے تو بھی ان پر رحمت فرما اور انہیں ان کے جرائم کی سزا سے بچا لے۔ تو ہی تو بچاؤ عطا فرمانے والا مہربان ہے۔

اس طرح جب یعقوبؑ کے بیٹوں کی خطا کاریوں کی داستان ختم ہوگئی۔ اور خاندانِ یعقوبؑ میں ہر طرف خوشی اور مسرت کی بہارِ جانفزا کا دور شروع ہوگیا تو اب خاندانِ یعقوبؑ نے' جو ملک مصر میں خوشگواریوں اور شادابیوں سے ہم کنار ہوکر اور وہاں خوب پھل پھول کر بنی اسرائیل کہلانیوالے تھے' دیہات سے نقل مکانی کر دی اور آپ کا پورا خاندان کنعان سے چل کر منزل بمنزل شہر مصر جا پہنچا۔ ان پورے واقعات کو حذف کرنے کے بعد ------ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

(۹۹) پھر جب (خاندان یعقوبؑ کے جملہ افراد) یوسفؑ کے پاس پہنچے تو آپ نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ (اے خاندان یعقوب) اگر اللہ نے چاہا (یعنی قانونِ مشیت کے مطابق) مصر میں با امن داخل ہو جاؤ (یعنی تمہیں قانون کے مطابق مصر کے شہری حقوق کیساتھ داخل کیا جا رہا ہے)

اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کو جب اٰمِنِيْنَ کیساتھ ملا کر غور کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ یوسفؑ چونکہ شاہِ مصر کے ممتاز' عزیز مصر اور ملک کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ اسلئے انہوں نے خاندانِ یعقوبؑ کو مصر میں باقاعدہ مصری قانون کے مطابق داخل کیا تھا۔ کیونکہ غیر قانونی داخلہ تو امن کا ضامن ہو نہیں سکتا۔ ملکی اور غیر ملکی کے حقوق سوائے ایک اسلامی سلطنت کے برابر قرار نہیں دیئے جاتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یوسفؑ نے مصری قانون میں امن کے ضامن غیر ملکیوں کے لئے مصر میں آباد ہونے اور باقاعدہ شہری حقوق پا لینے کی دفعہ شامل کرنے کے بعد ہی خاندان یعقوبؑ کو نقل مکانی کی دعوت دی تھی۔ اسی طرح جب یوسفؑ امن کی پوری قانون محافظت کا پورا اہتمام کر چکے تھے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں انشاء اللہ کہنے کا کیا مقام ہے؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ اِنْ شَآءَ اللہ کے الفاظ میں قانونِ مشیت کی شرط موجود ہے اور قانونِ مشیت یہ ہے کہ امن کے حقدار وہی لوگ ہوتے ہیں جو ملکی قوانین کی نگہداشت کریں۔ پس آیت بالا میں یوسفؑ نے اپنے بھائیوں پر یہ امر عیاں کر دیا کہ میں نے تمہیں پوری قانونی محافظت میں پوری طرح پُر امن طریقے سے مصر میں داخل کر دیا ہے۔ اس سے آگے بھی قانون کی نگہداشت ہی کے ذریعہ تم لوگ یہاں امن کے ساتھ رہ سکو گے۔ یعنی امن کے لئے قانون مشیت کی نگہداشت ضروری ہے۔ ------ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

(۱۰۰) اور (یوسفؑ نے) اپنے والدین کو اونچے تخت پر بٹھایا اور وہ سب اس کے (یعنی یوسفؑ کے ترمیمی قانون کے) ماتحت ہوگئے اور (یوسفؑ نے) کہا کہ اے میرے ابا جان! یہ میری (موجودہ حالت) میرے پہلی والی خواب کی تعبیر ہے۔ بیشک میرے رب نے اسے سچ کر دیا ہے اور بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ کو دیہات سے (شہر میں) لے آیا۔ پیچھے اس کے کہ نفس امارہ (شیطان) نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان عداوت ڈال دی۔ بیشک میرا رب اپنے قانون مشیت کے مطابق بہت بڑھ کر باریک بین ہے۔ بیشک وہ بڑھ کر علم والا اور بڑھ کر حکمت والا ہے۔

رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ یوسف سلام علیہ نے اپنے والدین کی بہت عزت افزائی کی۔

اونچی جگہ پر بٹھایا اور خود ادب کے ساتھ خدمت میں حاضر ہو گیا۔ علاوہ ازیں أَبَوَيْهِ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یوسفؑ اور آپ کی ماں سے سگے بھائی دونوں کی ماں زندہ تھی۔ قرآن کریم کی اس شہادت کے مطابق یہ روایتی تصور غلط ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ فوت ہو چکی تھی۔ مشہور یہ ہے کہ یوسفؑ کے چھوٹے بھائی کا نام بن یامین تھا اور بن یامین اسے کہتے ہیں جس کے پیدا ہوتے ہی اس کی ماں مر جائے۔ اللہ جانے روایات میں ایسے تصورات کہاں سے آجاتے ہیں جو کھلی قرآنی مخالفت کے حامل ہوں۔

خَرُّوا لَهُ سُجَّدًا کا یہ روایتی مفہوم قرآن کریم کی مرکزی تعلیم ہی کے خلاف ہے کہ والدین اور گیارہ بھائی السید یوسفؑ کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ کیونکہ سجدہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے سجدہ کی گنجائش تک موجود نہیں۔ ارشاد باری ہے:۔ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ ۳۷/۴۱ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو سجدہ کرو۔ بلکہ سجدہ اسے کرو جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے۔ یہاں خَرُّوا بمعنی اس قانون کے ماتحت ہوگئے مراد ہے جو یوسفؑ نے سابقہ قانون مصر میں ترمیم کر کے غیر ملکیوں کو مصر میں آباد کرنے کے لئے ملکی قانون میں شامل کیا تھا کہ یہ لوگ امن کے ساتھ رہیں گے۔ قانون کی پوری اطاعت کریں گے اور کسی قسم کا فساد ہرگز نہیں کریں گے۔ انہوں نے اسے تسلیم کیا اور قانون کے ماتحت ہو گئے جو یوسفؑ نے بنایا تھا۔

هٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ کے جملہ میں هذا کا مشار الیہ ماں باپ کو تخت پر بٹھانا نہیں ہے بلکہ خواب میں سورج چاند اور گیارہ ستاروں کے یوسفؑ کو سجدہ کرنے کی تعبیر یوسفؑ کی موجودہ حالت تھی کہ ملک مصر کا سورج (بادشاہ) ملک مصر کا چاند وزیر اعظم اور سلطنت مصر کی کابینہ کے سارے امراء (گیارہ ستارے) یوسفؑ کے سامنے فرمانبردار ہو چکے تھے۔ سب کے سب ان کے حق میں اپنے اپنے اختیارات سے دستبردار ہو چکے تھے۔ یہ ان کے سجدہ کی عملی تعبیر تھی۔

قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا سے مراد یہ ہے کہ میرے پروردگار نے میری خواب کی تعبیر کو سچا کر دیا ہے' یہ نہیں کہ سچ مچ کے حقیقی سورج' چاند اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ خواب کو سچا کرنا خواب کی تعبیر کو عملاً" کر دکھانا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں مذکور جملہ خوابوں کو سچ کر دکھانے سے حالت خواب کو سچ کر دکھانا نہیں ہے بلکہ خواب کی تعبیر کو سچ کر دکھانا ہے۔ مثلاً" ابراہیمؑ کے متعلق جو ۱۰۴-۱۰۵/۳۷ میں ہے وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا۔ اس کا معنی بھی یہ ہے اور ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم! بیشک تو نے خواب کی تعبیر کو سچ کر دکھایا ہے۔ یعنی تو نے اپنے بیٹے کو اپنے سے الگ کر کے بیت الحرام کی آبادی کیلئے شام کے سرسبز علاقے سے نکال کر مکہ معظمہ کی تپتی ہوئی ریت میں لا آباد کیا ہے۔ ان کی خواب کی تعبیر ۳۷/۱۴ میں مذکور ہے رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ ابراہیمؑ نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کے ایک حصے کو غیر ذی زرع وادی مکہ معظمہ میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس لا آباد کیا ہے تاکہ یہ اس عالمی مرکز میں مرکزی الٰہی نظام قائم کریں۔

إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ کے الفاظ میں یوسفؑ نے اپنے والد بزرگوار اور اپنے بھائیوں پر اس امر کی وضاحت فرمائی کہ یہ وہی ملک مصر ہے جس کا میں آج مختار کل اور اس کے سیاہ و سفید کا مالک ہوں' شاہ مصر سے لیکر اس کا وزیر اعظم' اور جملہ افراد کابینہ سمیت پورا ملک میرے تابع فرمان ہے' لیکن ایک وقت وہ بھی تھا کہ میں اسی ملک کے جیل خانے میں ایک مجرم قیدی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ مگر میرے پروردگار نے مجھ پر وہ احسان خاص فرمایا کہ مجھے اس الزام سے بھی باعزت طور پر

بری کیا' جو مجھ پر لگا کر قید میں ڈال دیا گیا تھا۔ اللہ نے مجھے ایک قیدی کے مقام سے اٹھا کر ملکِ مصر کے مختار عام کے عظیم ترین مقام پر فائز کر دیا۔ جب بادشاہ نے مجھے مختار عام بننے کی دعوت دی تو میں نے صاف کہہ دیا تھا کہ پہلے ان عورتوں کو بلایا جائے جنھوں نے مجھ پر جنسی خیانت کے ارادہ کا الزام لگایا تھا اور میری پوزیشن صاف کی جائے کہ کیا میں مجرم ہوں یا مجھے سالہا سال کے لئے بے گناہ قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔ چنانچہ میرے کیس کو شاہِ مصر نے خود سنا' جب زن عزیز سمیت مقدمہ کی ساری عورتوں نے اپنا قصور تسلیم' اور میرے بریت کا اقرار کیا۔ تو اس کے بعد میں قید خانے سے باہر آیا' شاہ مصر نے خزانوں سمیت سارے اختیارات مجھے سونپ دیئے اور اس طرح کل کا قیدی آج کا عزیز مصر کہلایا ابا حضور!

وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ کے الفاظ میں یوسفؑ نے اس واقعہ کو بھی اپنے رب کا احسان عظیم کہا جو خاندان یعقوب کو اللہ تعالیٰ کے بدری (دیہاتی) زندگی سے نکال کر شہری زندگی میں منتقل کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شہری زندگی میں ہر قسم کی آسانیاں میسر ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ شہروں میں زندگی کی جملہ سہولتوں کے علاوہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے موقعے بھی باآسانی میسر آتے ہیں۔ دیہات کے رہنے والوں کو ضروریات زندگی کے حصول کیلئے آئے دن شہروں کا رخ کرنا پڑتا ہے اور اعلیٰ تعلیم تو خصوصی طور پر شہروں ہی میں میسر آتی ہے۔

أَن نَّزَغَ الشَّيْطَٰنُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ جن کے لفظی ترجمہ سے یہ تأثر ملتا ہے کہ برادران یوسفؑ نے جو سلوک یوسفؑ کے ساتھ کیا' جس کے نتیجے میں والد بزرگوار کو بھی بیٹے کی ایک لمبی جدائی کا لمبا صدمہ برداشت کرنا پڑا' یہ سب کچھ شیطان نے کیا تھا۔ بھائیوں کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر بھائیوں کو یوسفؑ سے جو ان کا [illegible] شرمساری کے ساتھ معافی کیوں مانگی پڑی' جب کہ قصور سارے کا سارا شیطان کا تھا۔

بلاغ القرآن کے صفحات میں پیشتر ازیں بارہا وضاحت کی جا چکی ہے' خصوصاً" ادارہ کے پمفلٹ سجدہ ملائکہ بحضور آدم میں پوری شرح و بسط کے ساتھ تصریح کر دی گئی ہے کہ انسان کو برائی کی دعوت دینے والا اس کا اپنا نفس امارہ ہے جو خود ہر کسی کے اندر موجود ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر برائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب دینے والا نفس لوامہ بھی رکھ دیا ہے۔ یہ دونوں طاقتیں ہر انسان کے اندر موجود ہیں۔ ایک برائی کا حکم کرتی ہے اور دوسری برائیوں سے روکتی ہے فیصلہ ہر انسان نے خود کرنا ہوتا ہے کہ وہ برائی کر گزرے یا اس سے بچ جائے۔ صورت حال یہ نہیں ہے کہ برائیوں سے روکنے والا تو ایک ہی ہے نفس لوامہ اور برائیوں کا حکم دینے والے دو ہیں' ایک ہر انسان کے اندر کا نفس امارہ اور دوسرا شیطان ملعون' جسے روایاتی تفاسیر کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کیساتھ لگا دیا ہے۔ اگر یہ روایاتی تصور صحیح ہے کہ برائیوں کا حکم دینے والے دو ہیں اور برائیوں سے روکنے والا بیچارہ اکیلا ہے تو پھر تو اللہ تعالیٰ عادل نہیں ٹھہرتا' جس نے معاذ اللہ یہ بے انصافی پوری نوع انسانی کے ساتھ خود کر رکھی ہے۔

واضح رہے کہ اسی سورہ یوسفؑ کی آیت نمبر۵۳ میں اِنَّ کی تاکید کیساتھ اعلان کر دیا گیا ہے **إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ** ۱۲/۵۳ بلاشبہ نفس امارہ ہی برائیوں کا حکم کرنیوالا ہے۔ حقیقت قرآنیہ یہ ہے کہ ابلیس ایک قوت ہے جو برائی کا حکم دیتی ہے اور شیطان وہ شخص ہوتا ہے جس پر ابلیسیت غالب آجائے۔ آیت بالا میں نفس امارہ ہی کو شیطان کہا گیا ہے۔ نفس امارہ ہی نے برادران یوسفؑ کے اذہان میں یہ غلط تصور پیدا کیا کہ والد بزرگوار یوسفؑ کیساتھ ہم سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ حالانکہ جب وہ سب فردا" فردا" چھوٹی عمر میں تھے تو والد بزرگوار کی محبت اس وقت ان کے ساتھ بھی الگ الگ ویسی ہی تھی جو چھوٹی عمر کے یوسفؑ اور اس کے بھائی کیساتھ تھی۔ پھر نفس امارہ کے پیدا کردہ مذکورہ تصور نے جو جو گل کھلائے ہیں ..

آپ کے سامنے ہیں کہ پہلے تو قتلِ یوسف ؑ کا منصوبہ بنایا، جس سے صرف بڑے بھائی نے باز رکھا۔ پھر کنوئیں میں پھینکنے پر متفق ہوئے اور پھینک دیا۔ پھر نفس امارہ ہی نے تجویز بتائی کہ ابا حضور سے یہ کہہ دو کہ ہم ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے ہوئے، باہمی دوڑ میں دور نکل گئے۔ اسباب کے پاس یوسف ؑ کو بٹھایا ہوا تھا اسے بھیڑیا کھا گیا ہے۔ دیکھئے یہ اس کا خون آلود کرتہ ہے۔ نفس امارہ ہی نے تجویز بتائی کہ کرتے کو جعلی خون کے ساتھ رنگ لو۔ یہ سب کارستانی ان کے نفسِ امارہ ہی کی تھی اور جب ابا حضور کے پیش ہوکر جھوٹ بولا تو اللہ کے پاکیزہ نبی یعقوب ؑ نے بھی ان کے نفسوں کی شرارت ہی قرار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ یوسف ؑ کو بھیڑیا نہیں کھا گیا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۱۲/۱۸ بلکہ تمہارے نفسوں (نفس امارہ) نے تمہارے لئے اس تجویز کو خوبصورت بنا کر پیش کر دیا ہے۔ نفس امارہ اور شیطان کی مبسوط بحث کیلئے (سجدہ ملائکہ بحضور آدم) ملاحظہ فرمائیں۔

إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دائمی قانونِ مشیت کے مطابق بہت باریک بین بھی، اور صاحب علم و حکمت بھی ہے۔ یوسف ؑ کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت دیکھ رہا تھا کہ ایک بیگناہ کو جیل میں دھکیلا جا رہا ہے مگر قانون مشیت کے خلاف جیل میں ڈالنے والوں کے ہاتھ نہیں توڑ دیئے گئے تھے۔ حالانکہ اسکا قانون رضا اس وقت بھی یہی تھا کہ ایسا ناروا عمل نہیں کیا جانا چاہئے۔

إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ کے الفاظ سے عیاں ہو رہا ہے کہ وہ انتہائی باریک بین ذات مقدس جانتی تھی کہ بیگناہ کو قید میں ڈالا جا رہا ہے، وہ العلیم جانتا تھا کہ یہی وہ شخصیت ہے جو پورے ملک مصر کو سات سال عظیم قحط کے عذاب سے بچائیگی۔ شاہ مصر اور اس کے جملہ امراء وزراء اسی کے حق میں سب کے سب اپنے اپنے اختیارات سے دست بردار ہو جائیں گے، سلطنت مصر کے خزانوں کی چابیاں اس کے قدموں میں ڈال دی جائیں گی اور اسی قیدی کو ملک مصر کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا جائیگا۔ اگلی آیت میں السید یوسف ؑ کہتے ہیں:۔

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿١٠١﴾

(۱۰۱) (یوسف ؑ نے حضور الٰہی میں عرض کیا) اے میرے پالنے والے بیشک تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی ہے۔ اور بیشک تو ہی نے مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی ہے (جو میری حکومت کا ذریعہ بنا) تو آسمانوں اور زمین کو پہلی مرتبہ پیدا کرنیوالا ہے۔ دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا خیر خواہ اور مددگار ہے۔ مجھے مسلمان ماریو اور مجھے اصلاح کرنیوالوں کیساتھ رکھیو۔

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ کے معطوف معطوف علیہ میں مخصوص ربط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یوسف ؑ کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا تھا، وہی آپ کی حکومت کا ذریعہ بنا۔ بادشاہ کو جو خواب آئی کہ سات دبلی گائیں سات موٹی گائیوں کو کھا گئی ہیں اور ساتھ ہی سات سٹے ہرے ہیں اور سات خشک۔ اس خواب کی تعبیر بتانا کوئی آسان کام نہ تھا شاہِ مصر کے جملہ دانشور اور مدبر و مفکر اس کی تعبیر بتانے سے عاجز آگئے۔ مگر یہ یوسف ؑ کی پیغمبرانہ بصیرت تھی جس نے سات موٹی گائیوں کو سات سالہ بارشوں والے قرار دیا اور سات دبلی گائیوں کو سات خشک سال بتایا اور سات سٹے ہرے اور سات خشک سے سات سال غلے خشک سے سات سال غلے کی فراوانی والے اور سات سال غلے سے خالی بتا کر، سات سالہ قحط کی خبر دیدی۔ شاہ مصر نے یوسف ؑ کی بتائی ہوئی تعبیر پر صد فیصد اعتبار کرکے سب کچھ آپ کے حوالے کر

دیا کہ چودہ پندرہ سالہ غلے کے اسٹاک کا اہتمام کرنیوالا اسے اپنے افراد میں سے کوئی نظر نہ آیا۔ چنانچہ آپ نے پہلے سات سال میں دن رات کام کرکے پندرہ سولہ سال کیلئے اتنا وافر غلہ جمع کیا کہ ملک مصر کے علاوہ دور دراز کے قحط زدہ لوگ بھی آپ سے غلہ حاصل کرتے رہے۔ یوسفؑ نے اس ساری کارگزاری کو اللہ تعالیٰ کی عطا مخصوص قرار دیا:۔

اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کے الفاظ میں یوسفؑ نے صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا مددگار و کارساز بتایا ہے' آپ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی جتنی فراوانی و ارزانی ہوئی اسے آپ نے اپنے کسی مردہ یا زندہ بزرگ کی خیروبرکت نہیں بتایا' نہ اسے اپنے زندہ بزرگ یعقوبؑ کی طرف منسوب کیا نہ اپنے مردہ بزرگوں مثلاً" اسحاقؑ" اسماعیلؑ اور ابراہیم سلام علیہ کی طرف منسوب فرمایا۔ وحدانیت تلاش کرنی ہو تو انبیاءؑ کے قرآنی حالات میں ملے گی۔ یوسفؑ' کے زندہ بزرگ یعقوبؑ کی حالت تو یہ تھی کہ خود اپنے آپ کو بیٹوں کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ اور مردہ بزرگوں کو تعلیم یوسفؑ کے سامنے تھی کہ ابراہیمؑ 'کو ابراہیمؑ حنیف اسلئے کہا گیا ہے کہ آپ ہر طرف سے کٹ کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا پروردگار کار ساز اور مدد گار مانتے تھے یوسفؑ نے بھی انہی کی سنت مبارکہ کے مطابق خالص اللہ تعالیٰ کو اپنا کار ساز قرار دیا۔

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا کے الفاظ میں یوسفؑ نے حضور الٰہی میں اقرار کیا کہ آپ مصر کے سیاہ و سفید کے مالک ہونے یعنی حکومت کے میسر آنے کے باوجود مرتے دم تک کیلئے مسلمان یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بنے رہیں گے۔ بلاغ القرآن کے صفحات میں بارہا وضاحت کی جا چکی ہے کہ دعا دراصل اپنے آپ کو عمل کی تحریک ہوتی ہے اس وقت جب یوسفؑ کو حکومت میسر آچکی تھی تو آپ کیلئے **تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا** کی دعا و تحریک کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ کیونکہ مال و دولت اور ملکی اختیارات کی فراوانی ایسی چیزیں ہیں جو حکمران طبقے کو ان کے فرائض منصبی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری سے غافل کر دیتی ہیں۔ لہذا یہ چیزیں یوسفؑ عزیز مصر کے ذہن میں ہروقت موجود تھیں۔

وَاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ کے الفاظ سے یہ مطلب اخذ کرنا بالکل غلط ہے کہ اس سے پہلے آپ کا صالحین کیساتھ الحاق نہیں تھا۔ اسلئے آپ نے الحاق کی دعا فرمائی تھی۔ مگر غور طلب یہ امر ہے کہ جس مصلح اعظم نے چودہ پندرہ سالہ غلے کا کامیاب کنٹرول کر دکھایا' کیا وہ صالح نہیں تھا؟ تھا اور یقیناً صالح تھا' اس لئے **وَاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ** کا معنی لکھا گیا ہے کہ مجھے صالحین کیساتھ شامل رکھیو۔ اور فلسفہ دعا کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے اقرار فرمایا کہ حکومت میسر آنے کے باوجود آپ مرتے دم تک کیلئے عملی طور پر مسلمان بھی رہیں گے اور صالحین کیساتھ اپنا الحاق بھی قائم رکھیں گے۔

واضح رہے کہ آیت نمبر۱۰۱ تک یوسفؑ کا بیان ختم ہوا' جس میں یوسفؑ کے متعدد شاہکار کردار بیان ہوئے ہیں۔ پہلا یہ کہ سابق عزیز مصر کے گھر برسوں رہے مگر نہایت پاکیزہ زندگی بسر کی حتیٰ کہ زن عزیز نے بدکاری کی دعوت دی تو اس عظیم آزمائش میں پورے کامیاب ہوئے۔ اس کے برے ارادے سے بچنے کیلئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس نے پیچھے سے پکڑ کر آپ کی قمیص پھاڑ ڈالی۔ آپ کی یہ چاک دامانی قیامت تک کیلئے آپ کی پاک دامانی کی دلیل ٹھہری۔ لیکن آپ کو بے گناہ قید میں ڈال دیا گیا۔ قید خانے میں آپنے اپنے دو ساتھیوں کی خوابوں کی تعبیر بتائی۔ ان میں سے ایک رہا ہوکر بادشاہ کا ملازم ہوا جب بادشاہ کو سات گائیوں دبلی اور سات موٹی والی خواب آئی تو اس خواب کی تعبیر مصر کا کوئی دانشور نہ بتا سکا۔ آپ نے اس کی تعبیر بتادی۔ جس میں سات سالہ قحط کی خبر تھی' جس کے انسداد کیلئے چودہ پندرہ سال کیلئے غلہ پیدا کرنا اور جمع کرنا تھا۔ بادشاہ کو اپنے وزیر اعظم سمیت کابینہ کا کوئی آدمی ایسا نظر نہ آیا جو اتنی بڑی مہم کو سرانجام دے سکتا۔ بادشاہ نے آپ ہی کو اس مہم کے انجام دینے کی دعوت دی' آپ نے فرمایا کہ خزانے کی چابیوں سمیت سارے اختیارات مجھے سونپ دو۔ اس پر بادشاہ

سمیت امراء کابینہ یوسفؑ کے حق میں اختیارات سے دست بردار ہوگئے۔ آپ نے سات سالوں میں پندرہ سالوں کی ضرورت کے مطابق غلہ پیدا کیا اور اسے وسیع و عریض بارکوں اور گوداموں میں جمع کیا۔ یہ آپ کا ایک عظیم شاہکار کارنامہ ہے کہ آپ نے نہ صرف ملک مصر کی قحط زدہ مخلوق الہی کو سات سال کے طویل عرصہ میں غلہ مہیا کیا بلکہ دوسرے ہمسایہ ملکوں کو لکھو کھا قحط زدہ خاندانوں کو بھی قحط کی آفت سے بچا لیا۔ انسانیت کی پوری تاریخ میں السید یوسف کی ایسی شاہکار مہم کی مثال موجود نہیں۔

پھر یوسفؑ کا ایک شاہکار کارنامہ جو سورہ یوسف میں بیان ہوا ہے یہ ہے کہ آپ نے بھائیوں کو جو آپ کے قتل کے در پے تھے۔ جنہوں نے اندھیرے کنوئیں میں پھینکنے کا بہیمانہ جرم کیا تھا۔ جب انہوں نے مختصر لفظوں میں اقرار جرم کیا تو آپ نے فوراً معاف کر دیا۔ نہ صرف یہ' بلکہ ان کی مصر میں آباد کاری کیلئے غیر ملکیوں کے مصر میں آباد کرنے کی دفعہ قانون مصر میں شامل کرکے انہیں مصر میں شہری حقوق کیساتھ آباد کرکے مصر کے شہری بنا دیا۔

اسکے بعد سورہ یوسف کی آخری دس آیتیں باقی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ایک مخصوص انداز کیساتھ شرک کی تردید فرمائی ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

(۱۰۲) مذکورہ بالا (آیتیں) غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے آپ پر وحی فرمائی ہیں۔ اور (اے رسول!) آپ اس وقت ان (برادران یوسفؑ) کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنی تجویز پر اکٹھے ہوئے تھے اور (نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ (یوسفؑ کے خلاف) بری تجویز کر رہے تھے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ کے الفاظ میں اس امر کی خبر دی گئی ہے کہ نبی اکرم غیب دان نہیں تھے۔ نہ ذاتی نہ عطائی۔ اللہ کے سوا کسی اور کو غیب دان ماننا شرک ہے ۶/۵۹ میں اعلان کر دیا گیا ہے:۔ **وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ** اور غیب کی چابیاں صرف اللہ کے پاس ہیں۔ اس کے سوا کوئی بھی غیب کو ہرگز نہیں جانتا۔ اس محکم آیت مجیدہ کے باوجود سورہ جن کی آیت ذیل سے اللہ کے رسولوں کو غیب دان مانا جاتا ہے:۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۲۶-۲۷/۷۲ اللہ عٰلم الغیب ہے۔ پھر وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر اپنے رسولوں پر ---- یہ آیت متشابہ ہے۔ اس سے جو شبہ پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر غیب ظاہر کر دیا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے آیت زیر بحث ۱۲/۱۰۲ میں رفع کر دیا ہے کہ یوسفؑ کے مندرجہ بالا واقعہ کو آپ نہیں جانتے تھے یہ آپ کے لئے غیب تھا۔ اس غیب کو سورہ یوسف میں آپ پر وحی کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ آل عمران میں مریمؑ کی کفالت سے متعلق بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ **ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ اَيُّھُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ** ○ ۳/۴۴ مذکورہ بالا آیتیں غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے آپ پر وحی فرمائی ہیں۔ اور آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ دستخط کر رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے گا۔ اور آپ اس وقت بھی ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ آپس میں کفالت مریمؑ کے بارے میں جھگڑ رہے تھے ---- ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ واقعہ مریم آپ کیلئے غیب تھا۔ آپ کو معلوم نہیں تھا مندرجہ بالا آیتوں میں آپ پر یہ غیب کی خبر بھی وحی کر دی گئی تھی۔

واضح رہے کہ ۶/۵۹ میں آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ غیب کو اللہ کے سوا ہرگز کوئی نہیں جانتا۔ ۲۶-۲۷/۷۲ میں جو خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب کو رسولوں پر ظاہر کرتا ہے۔ اس متشابہ آیت کی وضاحت ۱۲/۱۰۲ + ۳/۴۴ کی محکم آیتوں میں کر دی گئی ہے کہ قرآن مجید میں جو واقعات بیان کئے گئے وہ نبی اکرمؐ کیلئے غیب تھے۔ آپ پر وحی فرما دیئے گئے ہیں۔ رسولوں کے عدم علم غائب کی دلیلِ قاطعہ خود واقعہ یوسف میں موجود ہے کہ یعقوبؑ اللہ کے پاکیزہ رسول تھے' اگر آپ غیب جانتے ہوتے تو مدت مدید کے لئے غم و فراقِ یوسف میں مبتلا نہ رہتے۔

نُوْحِيْهِ فعل مضارع چونکہ مضارع حکائی ہے' اسلئے اس کا معنی بصورت ماضی لکھا گیا ہے کہ ہم نے آپ پر وحی کی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یوسف کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اخیر پر ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے یہ سچی خبریں آپ پر وحی کی ہیں۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ میں اس شرک کی بھی نفی کر دی گئی ہے جو نبی اکرمؐ کو حاضر ناظر جانا جاتا ہے۔ یہاں کھول کر بتا دیا گیا ہے کہ آپ حاضر ناظر نہیں ہیں۔ نہ آپ اس وقت برادران یوسفؑ کے پاس موجود تھے جب وہ قتل یوسف کی مہم کیلئے اکٹھے ہوئے تھے اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس موجود تھے جب وہ بری تجویز کر رہے تھے۔ اسی طرح واقعہ مریم میں جو اوپر گزر چکا ہے یہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ ---- وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○ ۳/۴۴ اور اے رسولؐ آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے جب ہیکلوں والے دستخط دے رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کریگا اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس موجود تھے جب وہ آپس میں کفالت مریم کے معاملہ میں جھگڑ رہے تھے۔

نبی اکرمؐ کو غیب دان اور حاضر ناظر ماننے کے دو شرکوں کی تردید کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

(۱۰۳) اور (اے رسولؐ !) اگرچہ آپ (کتنی بھی) حرص کریں مگر لوگوں کی اکثریت مومن ہونیوالے نہیں ہیں۔

اگلی آیت مجیدہ میں محمد رسول اللہ کی شان دیانت و امانت کی سند اللہ تعالیٰ نے ایک مخصوص انداز میں بیان فرمائی ہے:۔

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

(۱۰۴) اور (اے رسولؐ) آپ اس قدر امین ہیں کہ آپ اس تبلیغ قرآن پر لوگوں سے کوئی اجر نہیں مانگتے۔ (یہ اسلئے کہ) یہ قرآن کریم پورے جہان والوں کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے (نصیحت کرنے کی کوئی اجرت نہیں ہوتی)

اگلی آیت مجیدہ میں عوام کی حالت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمینی کی بہت سی نشانیاں کائنات میں بکھری پڑی ہیں۔ لوگ ان سے گزرتے رہتے ہیں مگر ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اعراض کر جاتے ہیں:۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

(۱۰۵) اور آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی کتنی نشانیاں موجود ہیں۔ جن پر سے لوگ گزرتے رہتے ہیں مگر وہ ان سے اعراض کر جاتے ہیں (ان پر غور و فکر نہیں کرتے۔)

هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ کے الفاظ میں عوام الناس کی روش بتائی گئی ہے کہ نہ وہ آسمانی مظاہرِ قدرت پر غور کرتے ہیں

اور نہ زمینی نشاناتِ الٰہیہ پر غور کرتے ہیں۔ ان پر سے بے توجہی کیساتھ گزر جاتے ہیں یہ انسان کی بے بصیرتی کا عالم ہے۔

واضح رہے کہ آسمانوں اور زمین کی ایک ایک چیز درسِ وجودِ باری بھی دیتی ہے اور پروردگار کے نظامِ ربوبیت کی خبر بھی دیتی ہے۔ مثلاً" آسمانی مظاہر میں سورج اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نشانی ہے کہ دن بھر سامنے رہتا ہے۔ لوگ بچشم خویش دیکھتے ہیں کہ سورج گرمی اور روشنی دیتا ہے۔ اس کے بغیر نہ کسی جاندار کی زندگی ہی قائم رہ سکتی ہے اور نہ انسانی غذا کی کوئی چیز پھل' اناج' سبزیاں وغیرہ پیدا ہوسکتی ہیں اور نہ پک سکتی ہیں۔ پھر سورج ہی اللہ تعالیٰ کی وہ نشانی ہے جس سے دن رات بنتے ہیں۔ زمین کا جونسا حصہ سورج کے سامنے ہوتا ہے وہاں دن ہوتا ہے اور جو اس سے اوجھل ہوتا ہے وہاں رات ہوتی ہے۔

درختوں کی مثال:۔ مظاہرِ فلکی میں چاند وہ آیتِ الٰہی ہے جس کی ٹھنڈی کرنوں سے پھلوں' اناجوں اور غلوں میں بیج پڑتا ہے فصلیں اور پھلدار درخت بار آور ہوتے ہیں زمین پر ہزاروں کار آمد جڑی بوٹیاں ہیں جن میں انسانی صحت کو برقرار رکھنے اور دفعیہ امراض کیلئے شفا موجود ہے مگر انسان انہیں روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ نظام ربوبیت کی بہترین مثال زمین کے ہر حصے میں موجود درختوں میں محفوظ ہے۔ جن پر سے انسان انتہائی لاپرواہی سے گزر جاتے ہیں ہر درخت کے ذیل کے لازمی حصے ہیں:۔

جڑیں' تنا' نیچے ٹہنیاں' شاخیں' پتے اور پھل' جڑیں درخت کی نشوونما کیلئے زمین میں سے غذا حاصل کرتی ہیں۔ لیکن اس میں سے صرف اتنا حصہ اپنے اندر جذب کرتی ہیں جتنی انہیں ضرورت ہے۔ باقی ساری غذا پورے درخت میں مساویانہ تقسیم کیلئے تنے کو دیدیتی ہیں۔ اس کے بعد تنہ (Trunk) جڑوں سے حاصل کی گئی غذا اپنے آپ پر صرف اتنی خرچ کرتا ہے جتنی ضرورت ہوتی ہے اور باقی اپنے سے کمزور ٹہنوں کو بالافراط منتقل کر دیتا ہے اور اس سے زائد غذا کا اپنے اندر ذخیرہ محفوظ رکھتا ہے۔ ٹہنوں میں سے ہر ٹہنا اپنی ضرورت سے زائد خوراک اپنے سے کمزور ٹہنیوں کو دیتا ہے اور ہر ٹہنی اپنے سے کمزور شاخوں کو اور شاخیں اپنے سے کمزور پتوں کو منتقل کر دیتی ہیں پتے اپنی حسب ضرورت غذا خود استعمال کرتے ہیں اور باقی غذا پھلوں کو دے دیتے ہیں اور ساتھ ہی پھلوں پر سایہ بھی کرتے ہیں اور انہیں گرمی سے بچانے کیلئے پنکھا بھی کرتے رہتے ہیں درخت کے خاندان میں جو قدرتی نظام ربوبیت قائم ہے۔ اس میں آپ نے دیکھ لیا ہے کہ اس خاندان کا ہر فرد غذا حاصل کرکے اپنے آپ پر صرف اتنی استعمال کرتا ہے جتنی اسے ضرورت ہے باقی اپنے سے کمزوروں کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ کسی بھی مقام پر کوئی فروخیانت نہیں کرتا تاکہ اس سے کمزور حصہ اپنے حق ربوبیت سے محروم نہ رہ جائے۔ نوع انسانی اللہ تعالیٰ کی اس آیت درختوں پر سے شبانہ روز گزرتے رہتے ہیں مگر غور نہیں کرتے' اپنے سے کمزوروں کے حقوق خود کھا جاتے ہیں اور کمزور بچارے کمزور سے کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہر راستے میں درخت سروقد کھڑے ہر وقت درس ربوبیت دیتے چلے آرہے ہیں۔

انسانی جسم کی مثال:۔ آیات الٰہی کے ضمن میں سورہ حٰم سجدہ میں آیا ہے **سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ** ۵۳/۴۱ یقیناً ہم اپنی آیتیں آفاق میں اور خود ان کی جانوں میں دکھاتے ہیں۔ آفاق میں سے اوپر درخت کی مثال نظامِ ربوبیت عالمینی کے ضمن میں پیش کی جاچکی ہے۔ اب خود انسانی جسم کی مثال ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح خود اس کے اندر نظام ربوبیت عامہ موجود و محفوظ ہے۔ انسان جو بھی خوراک کھاتا ہے' معدے کی ہنڈیا اسے پکا کر اور ہضم کرکے اس کا فضلہ الگ کر دیتی ہے اور جوہر الگ۔ فضلہ دبر کے راستے خارج ہوجاتا ہے اور جوہر کا خون بن کر جگر کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ جگر اسے

صاف کرکے دل کو دے دیتا ہے اور دل اسے سر کے بالوں سے لیکر پیروں کے ناخنوں تک جسم کے ہر حصے کو مساویانہ انداز کے ساتھ ایک ایک عضو کو ہر آن پہنچاتا رہتا ہے۔ کبھی نہیں ہوا کہ اگر دل تندرست ہے تو اس نے جسم کے کسی حصے کو اس کے حق ربوبیت سے محروم کر دیا ہو۔ پس آیت زیر بحث ۱۰۵/۱۲ میں آسمانوں اور زمین میں اللہ کی آیات' مظاہر قدرت پر غور کرنے کی تاکید کی گئی اور اس کی کائناتی آیات مقدسات پر سے بے توجہی کیساتھ گزر جانے سے منع کر دیا گیا ہے۔ کاش نوع آدم اللہ کی کائناتی آیاتِ کریمات پر غور کرکے درس عبرت حاصل کرتی رہے۔

اگلی آیت مجیدہ کا تعلق اوپر آیت نمبر ۱۰۳/۱۲ کیساتھ ہے جس میں نبی اکرمؐ کو کہا گیا ہے کہ اگر آپ بڑی حرص بھی کریں تو لوگوں کی اکثریت تنزیلی ضابطہ حیات قرآن کریم پر ایمان لانیوالی نہیں ہے۔ اگلی آیت میں ایمان لانیوالوں کی اکثریت کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ اکثریت کی حالت یہ ہے کہ وہ ایمان تو لاتے ہیں مگر زمانہ جہالت کے شرک نہیں چھوڑتے:۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾

(۱۰۶) اور لوگوں کی اکثریت نہیں ایمان لاتے ساتھ اللہ کے مگر وہ (ایمان لانے کے باوجود) مشرک ہی ہوتے ہیں۔

واضح رہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات یا اس کے حکم میں کسی غیر اللہ کو شریک کر لیا جاتا ہے مثلاً" قرآن مجید نے اعلان کر رکھا ہے **وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ** ۵۹/۶ غیب کی چابیاں صرف اللہ کے پاس ہیں۔ غیب کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ـــــــ اس اعلانِ باری تعالیٰ کے خلاف کسی انسان کو غیب دان ماننا۔ نیز ارشاد باری ہے **إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ** ۴۰/۱۲ نہیں ہے حکم کسی کا مگر حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے ـــــــ اس الٰہی فیصلے کے باوجود بزرگوں یا نبیوں کو اس کے حکم میں شریک کر لینا شرک فی الحکم ہے۔ یاد رہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لانیوالا' ایمان لانے کے بعد جب تک بالکل خالی الذہن نہ ہو جائے اور اس کے بعد جب تک صرف قرآنی احکام کو ذہن میں جگہ نہ دیدے' اس وقت تک شرک سے پاک نہیں ہوسکتا۔ بصورت دیگر آیتِ بالا ۱۰۶/۱۲ کا مصداق اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک رہتا ہے۔ العیاذ باللہ! ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ کیا وہ اللہ کے عذاب سے نڈر ہوگئے ہیں:۔

أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٠٧﴾

(۱۰۷) اور کیا پھر (یہ شرک کرنیوالے) نڈر ہوگئے ہیں کہ ان پر اللہ کا عذاب آجائے اور یا ان پر اچانک عذاب کی گھڑی آپہنچے اور وہ جانتے ہی نہ ہوں (کہ عذاب آنیوالا ہے۔)

نبی اکرمؐ کی سنتِ مبارکہ:۔ اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے مبارک الفاظ کے ساتھ خود رسول مقبول' خاتم النبیین رحمتہ اللعلمین کی زبانِ مبارک سے بے عقلی کے شرک سے بیزاری کو اپنا طریقہ' راستہ اور سنت قرار دینے کا اعلان کروا دیا ہے کہ آپ کی پاک سنتِ مبارکہ ہر کام کو عقل کے ساتھ کرنا تھی:۔

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾

(۱۰۸) (اے رسولؐ!) اعلان کر دیجئے گا کہ میرا راستہ (میری سنت مبارکہ) یہ ہے کہ میں لوگوں کو عقل کی اساس پر اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں اور جو میرا تبع ہے' وہ بھی عقل کی اساس پر اللہ کی طرف بلائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا اللہ (بے عقلی کے کاموں سے) پاک ہے اور میں (بے عقلی کے کام کرنیوالے)

مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اس آیت مجیدہ میں ایک غیر محسوس شرک کی خبردی گئی ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں ہے۔ اس کے ضمن میں عرض ہے کہ اگر مذہب نامی چیز اللہ کے دین سے' جو قرآن مجید میں محفوظ ہے' کوئی الگ چیز ہے تو پھر ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں تو نہ ہوتا رہے۔ مگر اللہ کا دین جو محمد رسول اللہ لیکر آئے تھے وہ تو پورے کا پورا صرف عقل کی اساس پر قائم ہے اور عقل کی اساس پر ہی دعوت الی اللہ دینا اللہ کے آخری نبی کی سنت مبارکہ تھی۔

قرآن کریم صرف عقلمندوں کو مخاطب کرتا ہے:۔ عقل کی اہمیت کیلئے قرآن کریم کی ورق گردانی فرمائیں اور تصریف آیات کے ذریعہ صحیح نتیجے پر پہنچیں کہ اللہ کا دین اور اس کا نازل کردہ قرآن کریم عقل کے مطابق ہے یا مخالف؟ سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ غرضِ نزولِ قرآن ہی بتاتا ہے کہ تم عقلمند بن جاؤ۔ اسی سورہ یوسفؑ کے شروع ہی میں آپ ارشادِ الٰہی ملاحظہ فرما چکے ہیں:۔ **اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ** ○ ۱۲/۲ بیشک ہم نے اسے (قرآن حکیم کو) عربی زبان میں نازل فرمایا ہے (اس کی غرضِ نزول یہ ہے) کہ تم عقلمند بن جاؤ پھر اللہ تعالیٰ عقل سندوں کو مخاطب کرکے کہتا ہے:۔

فَاعۡتَبِرُوۡا يٰۤاُولِى الۡاَبۡصَارِ ۵۹/۲ عقلمندو! قرآنی حقائق سے عبرت حاصل کرو -- دیکھئے! یہ نہیں فرمایا کہ بے وقوفو! عبرت حاصل کرو ---- اسی طرح قومی زندگی کا راز بیان کرتے ہوئے عقلمندوں کو مخاطب کیا گیا ہے:۔

وَلَكُمۡ فِى الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۲/۱۷۹ اے عقلمندو! تمہارے لئے دشمن سے بدلہ لینے ہی میں زندگی ہے ---- تو بتایئے! کیا اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کو مخاطب کرنے کے بعد انہیں عقل کی بات بتائی ہے یا بے وقوفی اور بے عقلی کی؟ زندہ قوم بننا عقلمندوں کا کام ہے بے وقوفوں کا نہیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن کریم میں بے وقوفوں کو مخاطب نہیں کیا' جو جانتے ہی نہیں کہ انفرادی زندگی اور اجتماعی قومی زندگی میں کیا فرق ہے؟

عقل کے تین دروازے ہیں جو لوگ ان سے کام نہیں لیتے وہ ڈنگروں سے بھی بدتر ہیں:۔ علم کے دروازے تین ہیں: آنکھیں' کان اور دماغ۔ سورہ اعراف میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ان نعمتوں سے کام نہیں لیتے وہ ڈنگروں جیسے ہیں' بلکہ وہ ان سے بھی بدتر ہیں:۔

لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا وَلَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ۷/۱۷۹ ان کے پاس ہمارے دیئے دماغ ہیں' وہ ان کے ساتھ تفقہ نہیں کرتے۔ ان کے پاس ہماری دی ہوئی آنکھیں ہیں وہ ان کے ساتھ دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس ہمارے دیئے ہوئے کان ہیں وہ ان کے ساتھ سنتے نہیں۔ (وہ لوگ دماغ سے تو کام لیتے ہی نہیں۔ نیز دیکھی کو ان دیکھی اور سنی کو ان سنی کر دیتے ہیں۔) وہ لوگ ڈنگروں جیسے ہیں' بلکہ ان سے بھی بدتر۔

بے عقلی کو دین کی اساس قرار دینا' انسانیت تک سے بعید ہے۔ کیونکہ کسی بھی بات کو پرکھنے کیلئے عقل کے سوا اور کونسی کسوٹی ہے جس پر رگڑ کر کھرایا کھوٹا اور صحیح یا غلط قرار دیا جاسکے۔ آیت بالا ۱۲/۱۰۸ میں سبحان اللہ کے جملے میں اللہ تعالیٰ کو بے عقلی کے کاموں سے پاک قرار دیا گیا ہے اور **وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ** کے الفاظ میں بے عقلی کے کاموں کو شرک قرار دے کر نبی اکرمؐ سے اس غیر محسوس شرک سے بھی صد فیصد پاک ہونے کا اعلان کرا دیا ہے جن لوگوں کے متعلق

اوپر ۷/۱۷۹ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ وہ کانوں اور آنکھوں کے ہوتے ہوئے سنتے اور دیکھتے نہیں، عقل کے ہوتے ہوئے اس سے کام نہیں لیتے۔ انہی کے متعلق سورہ ملک میں بتایا گیا ہے کہ جب قیامت کو انہیں جہنم رسید کر دیا جائیگا تو خازن ان سے پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس کوئی آج کے دن سے آگاہ کرنے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے آیا تھا۔ لیکن ہم نے اسے یہ کہہ کر جھٹلا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا، تم قیامت سے آگاہ کرنے والو! بہت بڑی گمراہی میں ہو ۷-۸/۶۷۔ اس سے آگے وہ کہیں گے:۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْنَعْقِلُ مَاكُنَّافِىْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۶۷/۱۰ وہ کہیں گے اگر ہم سنتے (یعنی سنی ان سنی نہ کر دیتے) اور عقل سے کام لیتے (غورو فکر کرتے) تو آج اہل جہنم میں سے نہ ہو جاتے۔

برادرانِ عزیز! قرآن کریم اور کس طرح عقل کی اہمیت کو اجاگر کرے؟ افسوس ہے ہم پر کہ ہم بدستور کہتے چلے آ رہے ہیں، بلکہ رٹ لگاتے چلے جا رہے ہیں کہ مذہب کو عقل کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔ عقل کی اہمیت پر قرآن مجید میں مختلف الفاظ کیساتھ زور دیا ہے۔ مثلاً

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ= پھر تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے؟ یہ جملہ یکے بعد دیگر ذیل کے بارہ مقامات پر آیا ہے= ۲/۴۴ + ۳/۶۵ + ۶/۳۲ + ۷/۴۹ + ۱۰/۴۱ + ۱۱/۵۱ + ۱۲/۱۰۹ + ۲۱/۶۷ + ۲۸/۶۰ + ۳۷/۱۳۸

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ= (قرآن کریم کی غرض نزول یہ ہے) تاکہ عقل سے کام لیا کرو ---- یہ جملہ مبارکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید میں یکے بعد دیگر ذیل کے چھ مقامات پر نازل کیا گیا ہے:۔ ۲/۷۳ + ۶/۱۵۱ + ۱۲/۲ + ۴۰/۶۷ + ۳/
۴۳ + ۱/۴۳۲

وَلَقَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ اور بلاشبہ ہم نے اپنی آیتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو ---- یہ مفہوم ذیل کے تین مقامات پر آیا ہے:۔ ۳/۱۱۸ + ۲۴/۶۱ + ۵۷/۷۔

اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ= پھر تم کیوں عقل سے کام لینے والے نہیں بنے؟ (قرآن کریم کو سننے کے بعد تو تمہیں عقل والے بن جانا چاہئے تھا)۔ دیکھا آپ نے کہ قرآن کریم کس قدر شدت کیساتھ عقل سے کام لینے پر زور دیتا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ گیا الگ الگ انسانوں کی عقلیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ اس کے لئے آپ کے تین دروازے قرآن کریم کی رو سے 'دماغ' آنکھیں اور کان پچھلے صفحہ پر الگ بغلی سرخی میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بھری کائنات میں باقی تمام نوعوں پر انسان کی فضیلت کا نشان ہی یہ بتایا ہے:۔

وَهُوَ الَّذِىْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۲۳/۷۸ اور وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دماغ پیدا فرمایا ہے ---- عقل و علم کے انہی تین دروازوں سے پورا پورا کام لینے کی مزید تاکید سورہ بنی اسرائیل میں بالفاظ ذیل کی گئی ہے اور قیامت کی باز پرس کے متعلق بتا دیا گیا ہے کہ قیامت کو پوچھا جائیگا کہ تم نے تمہارے دیئے ہوئے ان عقل کے ذرائع سے کیوں کام نہ لیا؟ دیکھئے! ارشاد باری ہے:۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا" ۱۷/۳۶ اور تو اس کے پیچھے نہ لگ جا، جس کا تجھے علم نہیں (علم کے تین ذریعے ہیں) بلاشبہ کان، آنکھ اور دماغ وہ چیزیں ہیں کہ ان سب کے متعلق قیامت کو پوچھا جائیگا (کہ تم نے ان عقل کے ذرائع سے کیوں کام نہ لیا)

یہاں تک تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ از روئے قرآن کریم عقل سے کام لینا اولین انسانی فریضہ ہے۔ اور عقل کے ذرائع

ہیں کان، آنکھ اور دماغ۔ پھر جہاں کہیں عقل کے یہ آلے غلطی کھا جائیں اور انسانوں کی عقلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس پر کائناتی مشاہدات کی تائید حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ پیچھے آپ اسی سورہ یوسفؑ کی آیت نمبر۱۰۵ ملاحظہ فرما چکے ہیں وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○ ۱۰۵/۱۲ اور آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی کتنی نشانیاں ہیں جن پر سے لوگ بے توجہی کیساتھ گزر جاتے ہیں اور وہ ان سے اعراض کرتے ہیں (ان پر غور نہیں کرتے) پس جہاں عقلیں مختلف ہو جائیں وہاں مشاہداتِ عالم کو ان پر حکم مقرر کیا گیا ہے کہ عقل وہ صحیح ہے جس کی مشاہدات عالم تائید کریں۔

اب صرف ایک سوال باقی رہ گیا ہے کہ مشاہداتِ کائنات کو کیوں حکم قرار دیا گیا ہے؟ یہ اسلئے کہ ارشاد باری ہے کہ آسمانوں اور زمین کو بالحق پیدا کیا گیا ہے:۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۳/۱۶ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بالحق پیدا فرمایا ہے پس جہاں کہیں اختلاف پیدا ہو وہاں حق وہ ہوگا جس کی تائید اللہ تعالیٰ کے بالحق پیدا کردہ مشاہدات عالم کریں۔

عقل و بصیرت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ہم دُور نکل آئے ہیں۔ اس وقتِ زیر بحث ہے سورہ بقرہ کی آیت مجیدہ ۱۰۸/۲ جس میں خود نبی اکرمؐ کی زبانِ مبارک سے اللہ تعالیٰ نے بالفاظ وحی اعلان کرا دیا ہے کہ "میرا راستہ" میرا طریقہ یعنی میری سنت مبارکہ یہ ہے کہ میں عقل و بصیرت کی اساس پر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ بے عقلی سے پاک ہے اور میں بے عقلی کو دعوت کی اساس قرار دینے والے مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ ان الفاظ مبارکہ اور ان کی وہ لمبی تصریح جو پیچھے قریباً چار صفحوں پر پھیل گئی ہے، اس سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ خود عقل و بصیرت کو پسند کرتا ہے، اس نے عقل و بصیرت پر بے حد زور دیا ور بے عقلوں کو ڈنگروں سے بدتر قرار دیا ہے اور سیدنا خاتم النبیین ورحمتہ للعلمین کی ہر سنت مبارکہ یعنی آپ کے ہر عمل کا عقل و بصیرت کی اساس پر قائم ہونا بتایا ہے۔ اسلئے اگر یہ رٹ لگائی جائے کہ مذہب کا عقل کیساتھ کوئی تعلق نہیں تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ نوعِ انسانی کے اپنے بنائے ہوئے مذہب کا تو واقعی عقل کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کی اساس ازروئے قرآن، صرف اور صرف عقل و بصیرت ہی پر قائم ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو مخاطب کرکے خبر دی گئی ہے کہ آپ سے پہلے بھی مختلف بستیوں میں بستی والوں میں سے ہی بہت سے رسول بھیجے گئے تھے مگر وہ سب مرد تھے۔ کسی عورت کو نبیہ نہیں بنایا گیا تھا۔ پھر لوگ زمین میں چل پھر کر کیوں نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے نافرمان لوگوں کا کیا انجام ہوا تھا۔ اور اچھا انجام تو ان لوگوں کیلئے ہے جو ضابطہ الٰہی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۹

(۱۰۹) اور (اے رسولؐ) نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے (کوئی رسول) مگر وہ ضرور بستی والوں میں سے (نیکو کار) مرد ہی ہوتے ہیں جنہیں ہم وحی کرتے تھے۔ کیا پھر وہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے کیوں نہیں۔ پھر تاکہ وہ دیکھیں کہ ان سے پہلے کے (نافرمانوں) کا کیا انجام ہوا تھا۔ اور آخرت کا گھر (یعنی اچھا انجام) تو ان لوگوں کیلئے ہے جو (ہمارے نازل کردہ ضابطے کی مخالفت سے) بچتے ہیں۔ پھر تم لوگ کیوں عقل سے کام نہیں لیتے

إِلَّا رِجَالًا نُّوحِيٓ إِلَيْهِمْ کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر صرف مردوں کو فائز فرمایا تھا' کسی بھی عورت کو نبیہ نہیں بنایا گیا تھا۔ یہ اس صنف کیساتھ نا انصافی نہیں' بلکہ عورت کی صنف ہی ایسی ہے کہ وہ ہر مہینے میں آٹھ دن کیلئے بصورت ماہواری کورس بیمار ہوتی ہے۔ پھر اس کے صنفی تقاضے یہ ہیں کہ اسے تین ماہ کیلئے حمل خفیف اٹھانا ہوتا ہے اور چھ ماہ کیلئے حمل ثقیل کا بوجھ اٹھائے پھرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وضع حمل کے خطرناک مرحلے سے گزر کر ایام نفاس گزارنے ہوتے ہیں اور پھر دو سال کیلئے بچے کو دودھ پلانے کا فریضہ بھی عورت ہی کا ہے۔ اسلئے اسے ان گونا گوں صنفی ذمہ داریوں کی بدولت فریضہ نبوت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ عورت کی عظمت شان اس کی ان ذمہ داریوں سے عیاں ہے' جنہیں کوئی مرد ہرگز ہرگز اٹھا ہی نہیں سکتا۔

مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ہر نبی جس بستی میں مبعوث کیا جاتا تھا' وہ اس بستی والوں ہی کا ایک ایسا فرد محترم ہوتا تھا جس کے اہل بستی بچپن سے لیکر اس کی بعثت کے دن تک کے حالات سے خود واقف ہوتے تھے کہ کیا یہ جھوٹا تو نہیں' دھوکے فریب کا عادی تو نہیں۔ یہ دستور اہل بستی کیلئے اتمام حجت کے طور پر مقرر کیا گیا تھا تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم تو مدعی نبوت کو جانتے ہی نہیں کہ وہ کیسے خاندان میں سے ہے' اس کا بچپن اور جوانی کیسی تھی۔ دوسرے مقام پر نبی اکرم کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اہل مکہ آپ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ واضح رہے کہ ان لفظوں سے پوری طرح کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام علم و حکمت کی اساس پر مبنی ہوتا ہے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ کے الفاظ میں زمین میں چل پھر کر ان لوگوں کا انجام دیکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جنہوں نے ضابطہ الٰہی کی مخالفت کی۔ اپنے لئے محلات بناتے رہے اور عوام کیلئے جھونپڑیوں تک کی ضرورت سے غفلت کا عملی ثبوت بہم پہنچا گئے۔ اپنے لئے تو قسم قسم کے ناشتے' نہار' عصرانے اور عشائیے کا اہتمام کرتے رہے مگر عوام کو اپنے تنخواہ دار علماء سے دو وقت کی سوکھی روٹی پر خوش رہنے کی تلقین کرواتے رہے۔ آج ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جن شیش محلوں کو عروس نو کی صورت میں رنگا رنگ بلّور کے ساتھ مزین کیا گیا تھا آج وہاں الّو بول رہے ہیں۔ جن لوگوں سے یہ شیش محل بنوائے گئے تھے ان میں سے اکثریت کو کچے کوٹھے بھی شاید ہی میسر ہوتے تھے۔ اور جس قسم کے کھانے وہ شیش محلوں والے کھاتے تھے عوام بچارے تو ان کے ناموں تک سے بھی ناآشنا ہوتے تھے۔ مرغ بٹیر بریاں' مرغ بٹیر بریانی' تیتر بریاں اور تیتر بریانی اور مرغ سیخ' ماہی سیخ' بٹیر سیخ اور تیتر سیخ کے علاوہ قورمہ اور شاہی کباب وغیرہ کے ناموں سے وہ کب آشنا تھے۔

اس ضمن میں ایک حقیقت ثابتہ یہ ہے کہ پورے کرۂ ارض پر جتنے بھی وسیع و عریض اور سربفلک محلات موجود پائے جاتے ہیں' جہاں آج چیل کووں کا بسیرا پایا جاتا اور الووں کی بولیاں سنی جاسکتی ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک عمارت بھی اللہ تعالیٰ کے کسی نبی رسول کی بنوائی ہوئی نہیں ہے حالانکہ داؤد' سلیمان' ذوالقرنین' عیسیٰ مسیح اور محمد سلام علیہم اللہ کے نبی ہونے کے ساتھ ساتھ زمین کے بعض حصوں کے حکمران اور مالک و مختار بھی تھے۔ قرآن حکیم میں یوسفؑ کے متعلق یہ خبر موجود ہے کہ آپ ملک مصر کے سیاہ' سفید کے مالک و مختار تھے اور زندگی کے آخری دم تک اس منصب اقتدار پر فائز رہے اور یہ چیز بھی درج قرآن ہے کہ آپنے سات سالوں میں چودہ پندرہ سال کی ضرورت کے مطابق غلہ پیدا کیا اور قحط کے سات آٹھ سالوں میں ہر قحط زدہ فرد' خاندان' بستی اور علاقے کو غلہ تقسیم بھی کیا۔ مگر یہ چیز ہرگز قرآن بھر میں نہیں ملے گی کہ اس عظیم آزمائش میں صد فیصد کامیاب ہونے کی خوشی میں کوئی یادگار مینار بنوایا ہو۔ یا اتنے بڑے کامیاب تاریخی فرد ہوتے ہوئے اپنے لئے عوام سے الگ کوئی متمیز آرام گاہ ہی تعمیر کرائی ہو۔ یا:۔

حکمرانی کی حالت میں عوام سے الگ زرق برق لباس پہننا اور عوام سے الگ رہائش کیلئے محلات بنانا سنت فرعون ہے۔ سنت رسول ہرگز نہیں۔ کسی ایک نبی نے بھی ہرگز ایسا نہیں کیا۔ بلکہ وہ حکمرانوں اور قومی سرداروں کو منصفانہ مساوات انسانی کی تبلیغ کرتے تھے۔ مگر ہوتا یہ کہ نہ صرف حکمران اور قومی سردار ہی نبیوں کے مخالف اور دشمن ہو جایا کرتے' بلکہ ان کے زیر اثر عوام بھی شدت کیساتھ مخالفت پر اتر آتے اور انبیاء سلام علیہم عوام سے مایوس ہو جاتے۔ اور نتیجہ یہ کہ اللہ کی مدد آجاتی' اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور اس کے ساتھیوں (صحابہؓ) سے ہجرت کروا کر مجرم قوم سے الگ کرکے نبی کے مخالفوں کو ہلاک کر دیتا تھا۔ اگلی آیت مجیدہ میں آیا ہے:۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑪⓪

(۱۱۰) (اللہ کے نبی اللہ کا پیغام پہنچاتے مگر لوگ شدید انکار اور مخالفت کرتے) حتیٰ کہ اللہ کے رسول لوگوں سے مایوس ہو جاتے اور انہیں یقین ہو جاتا کہ وہ جھٹلا دیئے گئے ہیں اس پر ہماری مدد آجاتی تھی۔ پھر ہم جسے بھی نجات دیتے تھے' اپنے قانون مشیت کے مطابق ہی دیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا عذاب مجرم قوم سے ہرگز نہیں ٹلتا۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا کی مثال سورہ قمر میں چند نبیوں کے متعلق بالفاظ ذیل آئی۔
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ○ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۹-۱۰/۵۴ پس ان سے پہلے قوم نوح نے ہمارے بندے (نوح) کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ پاگل ہے پھر اسے ڈانٹا گیا۔ پھر اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ بیشک میں مغلوب ہوگیا ہوں تو میری مدد فرما۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر طوفان کا عذاب نازل کیا اور نوحؑ کو آپ کے ساتھیوں سمیت کشتی کے ذریعہ بچا لیا اور جھٹلانیوالوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کرکے ختم کر دیا۔ اس سے آگے:۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ○ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ○ ۱۸-۱۹/۵۴ قوم عاد نے (ہودؑ کو) جھٹلایا۔ پھر میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر ایک منحوس دن میں مسلسل چلنے والی سخت آندھی بھیجی۔ وہ لوگوں کو اکھاڑ کر اس طرح پھینکتی تھی گویا کہ وہ کھجور کے اکھڑے ہوئے تنے ہیں ----- اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہودؑ اور آپ کے ساتھیوں کو پناہ گاہوں کے ذریعہ بچا لیا اور جھٹلانے والوں کو ہود کی زندگی ہی میں ختم کر دیا ----- اس سے آگے ہے:۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ○ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ○ ۲۳ تا ۲۵/۵۴ ----- اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۳۱/۵۴ قوم ثمود نے (صالحؑ کو) جھٹلایا۔ پھر انہوں نے کہا۔ کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی پیروی کریں پھر تو ہم گمراہی اور عذاب میں ہوں گے۔ کیا ہم میں سے اس (صالحؑ) پر نصیحت نامہ (اللہ کی کتاب) اتری ہے۔ بلکہ وہ (صالحؑ) تو جھوٹا اور خود پسند ہے ----- بیشک ہم نے ان پر یکبارگی ایک چیخ کا عذاب بھیجا۔ (صالحؑ کو ان کے ساتھیوں (صحابہ) سمیت ہجرت کروا کر بچا لیا۔ اور جھٹلانے والوں کو ان کی زندگی میں ختم کر دیا) پس وہ باڑ لگانے والے کی روندی ہوئی باڑ کی طرح چورا چورا ہوگئے۔ اس سے آگے ہے:۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ○ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ○ ۴۱-۴۲/۵۴

اور بلاشبہ فرعون والوں کے پاس بھی برے عملوں کی بری سزا سے آگاہ کرنے آئے' انہوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے انہیں ایسے ہی پکڑا' جیسے کہ غالب طاقت والے کا پکڑنا ہوتا ہے ---- قومِ فرعون کی طرف موسیٰ اور ہارون کو بھیجا گیا تھا۔ ان کے مقابلے پر فرعون جیسا صاحب اقتدار جابر بادشاہ تھا۔ اسے سمندر میں غرق کر دیا گیا اس کیلئے اللہ تعالیٰ کی گرفت **اَخۡذَ عَزِیۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ** کے انتہائی موزوں الفاظ لائے گئے ہیں۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو بڑا صاحب اقتدار سمجھتا تھا اسلئے ارشاد ہوا ہے کہ اسکے ساتھ اس جیسا ہی سلوک کیا گیا کہ اسے اسکے لشکروں سمیت موسیٰؑ کی آنکھوں کے سامنے غرق کر کے اس کی بڑائی کو خاک میں ملا دیا۔ سورہ مجادلہ میں اعلان عام کر دیا گیا ہے:۔ **كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ** ۵۸/۲۱ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے (فرض کر دیا ہے) کہ ضرور ضرور میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ قوت والا غالب ہے ---- اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کے مطابق سب کے سب نبی رسول غالب آئے خواہ مقابلے پر فرعون جیسا جابر و مقتدر بادشاہ بھی کیوں نہ ہوا۔

فَنُجِّیَ مَنۡ نَّشَآءُ کی تفصیل **وَلَا یُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ** نے کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ انجام کار اسکا بھیجا ہوا عذاب مجرموں پر آتا ہے' غیر مجرموں پر نہیں آتا۔ اللہ کا عذاب ان مجرموں سے ہرگز نہیں ٹلتا جو نہ اقرار جرم کریں اور نہ جس آدمی کا جرم کیا ہو اس سے معافی مانگیں۔ پیچھے ۱۲/۹۱ میں برادرانِ یوسف کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انہوں نے **اِنۡ کُنَّا لَخٰطِئِیۡنَ** کے الفاظ سے یوسف کے سامنے اقرار جرم کر کے معافی مانگی۔ اور اسی طرح ۹۷/۱۲ میں آیا ہے کہ انہوں نے **اِنَّا کُنَّا خٰطِئِیۡنَ** ہی کے الفاظ میں والد بزرگوار کے سامنے اقرار جرم کیا اور ان سے معافی مانگی۔ یوسفؑ نے فوراً معاف کر دیا اور کہا **لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ** آج میری طرف سے تم پر کوئی الزام باقی نہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ اگر کوئی مجرم قوم بھی اقرار جرم کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر معافی مانگ لے تو اللہ تعالیٰ قوموں کو بھی معاف کر دیتا ہے' جیسے کہ قومِ یونس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا' عذاب بھی ٹال دیا تھا ۱۰/۹۸ میں آیا ہے:۔

فَلَوۡلَا کَانَتۡ قَرۡیَۃٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَہَاۤ اِیۡمَانُہَاۤ اِلَّا قَوۡمَ یُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا کَشَفۡنَا عَنۡہُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَمَتَّعۡنٰہُمۡ اِلٰی حِیۡنٍ ۱۰/۹۸ پھر کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ اسکے رہنے والے ایمان لے آتے پھر اسے اس کا ایمان لانا فائدہ دیتا مگر قومِ یونس ایسی تھی کہ جب جب وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے ان کی دنیا کی زندگی میں عذاب ٹال دیا اور انہیں ایک مدت تک فائدہ دیا۔

سورہ یوسف کی آخری آیت مجیدہ:۔ سورہ یوسف کی آخری آیت مجیدہ میں یوسفؑ اور برادرانِ یوسفؑ کے واقعات اور سابقہ انبیاء اور ان کی قوموں کے واقعات میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں یہ بتایا گیا ہے کہ ان واقعات میں عقلمندوں کیلئے درسِ عبرت ہے۔ نیز آیت میں قرآن کریم کے متعلق اعلان کیا گیا ہے کہ یہ کوئی گھڑی ہوئی حدیث نہیں ہے۔ بلکہ یہ سابق کتبِ الٰہیہ کی تصدیق کرتا ہے اور ایمان لانیوالوں کیلئے ہر چیز کی تفصیل بھی کرتا ہے اور ہدایت رحمت بھی ہے۔

لَقَدۡ کَانَ فِیۡ قَصَصِہِمۡ عِبۡرَۃٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَلٰکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَتَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ وَّہُدًی وَّرَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

(۱۱۱) بیشک بیشک ان (برادرانِ یوسفؑ اور سابقہ انبیاء و اقوام کے واقعات میں عقلمندوں کیلئے درسِ عبرت ہے۔ (یہ قرآن) کوئی گھڑی ہوئی حدیث نہیں اور لیکن (یہ ان الٰہی کتابوں کی) تصدیق کرنیوالا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ نیز یہ ہر چیز (یعنی ہر مسئلہ دین) کی تفصیل کرنے والا ہے۔ اور ان لوگوں کیلئے جو (اس کے اعلان کفایت پر) ایمان

لائیں مکمل ہدایت بھی ہے اور مکمل رحمت بھی ہے۔

فِیْ قَصَصِهِمْ میں **ھِمْ** ضمیر برادران یوسفؑ کی طرف بھی پھرتی ہے اور آیت ماقبل میں مذکور اُلرُّسُل اور ان کی قوموں کی طرف بھی پھرتی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ یہ واقعات دل بہلاوے کیلئے قصہ خوانی کے انداز میں بیان نہیں کئے گئے بلکہ ان میں درس عبرت ہے۔ یوسفؑ پر بھائیوں نے بڑے مظالم توڑے ذہنی لحاظ سے انہیں ختم کر چکے ہوئے تھے۔ یوسفؑ نے ان کے ابتدائی اقدام کی بدولت بہت سے مصائب برداشت کئے لیکن انجام یہ ہوا کہ وہ یوسف ہی کے محتاج ہوئے لیکن جب انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کرکے معافی مانگ لی تو یوسفؑ نے فوراً معاف کرکے اپنی آخری فتح کا ثبوت پیش کر دیا۔

مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ بعض حدیثیں خود گھڑ کر اللہ کے ذمہ لگائی ہوئی ہوتی ہیں۔ مگر قرآن کریم ایسی کتاب ہرگز نہیں' بلکہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اسی لئے سابقہ منزل من اللہ کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ کتاب موسیٰ میں سے یہودیوں نے جزوں کی جزیں نکال دی ہوئی ہیں ۶/۹۱۔

وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۞ کے الفاظ میں تین چیزوں کی خبر دی گئی ہے' پہلی یہ کہ قرآن کریم ہر چیز کی تفصیل بھی خود بیان کرتا ہے۔ اور دوسری یہ کہ یہ مکمل ہدایت بھی ہے اور مکمل رحمت بھی ہے۔ اور تیسری چیز یہ کہ قرآن کریم مفصل مکمل اور ہدایت و رحمت ان لوگوں کیلئے ہے جو اس کے مفصل' مکمل اور ہدایت و رحمت ہونے پر ایمان لاتے ہیں۔

اس کے مکمل و مفصل ہونے کے دلائل سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ ذیل میں کفایتِ قرآن کے ضمن میں تین تقابلی آیاتِ مجیدہ پیش خدمت ہیں:۔

۱۔ **اللہ کافی ہے:۔ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ** ۳۹/۳۶ کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں (یقیناً کافی ہے)

۲۔ **رسول کافی ہے:۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا** ۳۴/۲۸ اور (اے رسول!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر قیامت تک کی نوع انسانی کیلئے کافی بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے (آپ کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں)

۳۔ **قرآن کافی ہے:۔ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ** ۲۹/۵۱ کیا یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اپنی اکلوتی کتاب نازل کر دی ہے جو ان پر پڑھی جاتی ہے (یقیناً کافی ہے)

اب غور فرمائیں کہ جب اللہ تعالی کی کفایت کے بعد کسی اور ہستی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور رسولِ مقبولؐ کی کفایت کے بعد قیامت تک کیلئے کسی اور نبی کی ضرورت نہیں ہے تو قرآن کی کفایت کے بعد کسی اور کتاب کی ضرورت کس طرح تسلیم کی جاسکتی ہے۔ پس قرآن کریم کی ہدایت کے بعد کسی اور ہدایت کی ضرورت بھی باقی نہیں۔ اور قرآن کریم کے رحمت ہونے پر خود نبی اکرمؐ کی ذات گرامی شاہد ہے کہ آپ کو کہا گیا ہے۔ **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ** ۲۱/۱۰۷ اور اے رسول! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ جب آپ کو قانونِ رحمت' قرآن کریم عطا کیا گیا تو آپ مجسم رحمت بن گئے۔ قرآن کریم کو متعدد مقامات پر رحمت بھی کہا گیا ہے ہر چیز کو خود کھول کھول کر بیان کرنے والا بھی کہا گیا ہے۔ **وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ** ۱۶/۸۹ اور ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اس کے احکام پر عمل کرنے والوں کیلئے ہدایت بھی ہے' رحمت بھی ہے اور بشارت بھی ہے۔

(نوٹ) واضح رہے کہ سورہ یوسفؑ کو پہلی تین آیتوں میں بھی قرآن کریم کی تعریف سے شروع کیا گیا ہے اور اس کی آخری آیت میں اس کا خاتمہ بھی قرآن کریم کی تعریف پر ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

سُوْرَةُ الرَّعْدِ (۱۳)

سورہ الرعد ۴۳ آیتوں پر مشتمل ہے۔ یہ سورت مجیدہ الرعد کے نام سے اسلئے موسوم ہے کہ اس میں الرعد یعنی کڑک کا ذکر آیا ہے جو بارش کا ایک حصہ ہے۔ قرآن کریم کو باری تعالیٰ نے بارہا بارش کیساتھ تشبیہ دی ہے' کیونکہ جس طرح بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے' اسی طرح قرآنی تعلیم کیساتھ مردہ اذہان زندہ ہو جاتے ہیں جس طرح بارش میں کڑک ہے' اسی طرح قرآن کریم میں بد عملوں اور نافرمانوں کیلئے وعیدِ عذاب کی کڑک ہے۔ جس طرح بارش سے وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو کائناتی قوانین باری تعالیٰ کے مطابق زمین میں ہل چلا کر بہترین اور صحتمند بیج ڈالتے ہیں' بے عملوں کو بارش سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا' جو یا تو اپنے کھیتوں میں کچھ نہیں بوتے' اور یا ناقص اور برا بیج بو دیتے ہیں۔ اسی طرح قرآنی تعلیم سے بھی ان لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے' جو اپنے ذہنوں میں صحیح اور صحتمند عقیدے کا بیج بوتے ہیں۔ سورہ الرعد میں اسی چیز کو مختلف مثالوں کیساتھ سمجھا گیا ہے۔

اس سورت مجیدہ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کے کائناتی قوانین کے غیر متبدل ہونے پر سورج اور چاند کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے کہ یہ دو بڑے ستارے جو ہر شخص کو شبانہ روز دکھائی دیتے ہیں' یہ اپنے پیدا کرنیوالے کے مقرر کردہ مداروں پر مسلسل چل رہے ہیں' قانون الٰہی کی ذرہ بھر بھی نافرمانی نہیں کرتے۔ مگر ساتھ ہی بتا دیا گیا ہے کہ آخر الامر یہ بھی ختم کر دیئے جائیں گے۔ یہ ایک مقررہ میعاد تک کیلئے موجود ہیں اس کے بعد فنا کر دیئے جائیں گے۔ اسی طرح پوری کائنات جو لا انتہا بلندیوں اور فراخیوں پر مشتمل ہے' سب کی سب ختم کر دی جائیگی۔ بالفاظ دیگر ہر چیز ہلاک و فناہ ہونے والی ہے' بقا اور دوام صرف اور صرف ذات باری کو ہے جو ازلی بھی ہے اور ابدی' اس کے متعلق یہ تصور کہ اس کی زندگی کی ابتدا تو ہے' انتہا نہیں ہے' یعنی زندگی آگے ہی چلتی جائیگی' غلط ہے۔ اس سورۃ مجیدہ میں اس کا کھل کر اعلان کر دیا گیا ہے۔

جیسے کہ قرآن کریم نے اس چیز پر بے حد زور دیا ہے کہ حضرت انسان کی موت کے بعد دوبارہ قیامت کو اسے زندہ کرکے اس کی زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے حضور الٰہی میں حاضر کر لیا جائے گا۔ اس سورہ مجیدہ میں بھی منکرین قیامت کا قول پیش کیا گیا ہے کہ وہ جب مرنے' اور عرصۂ دراز گزارنے کے بعد مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا وہ دوبارہ زندہ کر لئے جائیں گے۔ بالفاظ دیگر اس چیز پر زور دیا گیا ہے کہ حضرت انسان اس زندگی کو کھیل تماشوں میں ضائع نہ کرے' اور اسے بد اعمالیوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں نہ گزار دے' اس کے مرنے کے بعد خواہ لاکھوں برس گزر جائیں اور یہ مٹی میں مٹی ہوکر نابود بھی سمجھا جائے' تو پھر بھی اسے زندہ کر لیا جائیگا اور اسے اس کے اچھے عملوں کی جزا بھی ضرور ضرور دی جائیگی اور اس کے برے عملوں کی سزا بھی ضرور ضرور دی جائیگی۔

اس سورہ مبارکہ میں یہ بھی کھل کر بتا دیا گیا ہے کہ جو کوئی گمراہ ہوتا ہے' خود ہوتا ہے اور ہدایت وہی پاتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس باطل عقیدے کی بھی تردید کر دی گئی ہے جو غلط العام مشہور ہے کہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔ العیاذ باللہ!

نیز اس سورت پاک میں اس چیز کی بھی نفی کر دی گئی ہے' جو کہا جاتا ہے کہ ایک کالا علم ہے اس کے ساتھ زمین کی مسافت طے کر لی جاتی ہے یا اس کے ساتھ دیواریں چلائی جاسکتی ہیں اور یا مردوں سے باتیں کی جاسکتی ہیں۔ بالفاظ دیگر اس

عقیدے کو بھی غلط اقرار دے دیا گیا ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین پر عمل کرنے سے سرانجام ہوتے ہیں' وہ محض زبان سے کچھ اوٹ پٹانگ الفاظ ادا کرنے سے ادا ہو جاتے ہیں۔

اس سورہ مجیدہ کی مخصوص خوبی یہ ہے کہ اس کی ابتدا میں بھی کائناتی قوانین باری تعالیٰ کے اٹل ہونے کی تاکید کی گئی ہے' اور اس کے آخیر پر بھی نبی اکرمؐ کی رسالت کا گواہ ہر اس شخص کو بتایا گیا ہے جو کتاب کائنات کا علم رکھتا ہے' کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی فعلی کتاب' صحیفہء فطرت میں ہو رہا ہے چونکہ وہی کچھ اس کتاب میں درج ہے جسے یہ مدعی نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ بتاتا ہے' لہذا یہ کتاب اسی ذات مقدس کی طرف سے ہے' جس نے اس کائنات' صحیفہ فطرت کو پیدا کیا ہے۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ کتاب بھی سچی ہے اور اس کا لانے والا رسولؐ بھی سچا ہے۔ زیر نظر سورت مبارکہ ان پاک سورتوں میں سے ہے جن کی ابتدا میں نبی اکرمؐ کو حروف مقطعات کیساتھ مخاطب کیا گیا ہے' بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ رحمان و رحیم کے نام اور صفات کے پیش نظر اس سورہ الرعد کو شروع کرتے ہیں۔

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

(۱) اے امین! لین القلب! مرسل! اللہ تعالیٰ کے ہر قانون کے سامنے جھکنے والے! مذکورہ بالا (سورہ یوسف کی) آیتیں ہماری لاریب کتاب کی حق ہیں نیز جو کچھ بھی آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے حق ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

بلاغ القرآن کے صفحات میں بارہا وضاحت کی جا چکی ہے کہ حروف مقطعات نبی اکرمؐ کے وہ القاب گرامی ہیں جن کیساتھ باری تعالیٰ نے آپ کو مخاطب فرمایا ہے۔ پوری تفصیل کیلئے ادارہ بلاغ القرآن کی شائع کردہ تفسیر القرآن بالقرآن جلد اول کا دیباچہ ملاحظہ فرمائیں یا ادارہ کا شائع کردہ پمفلٹ "حروف مقطعات کی مکمل بحث" کا مطالعہ کریں۔ یہاں الف سے امین مراد ہے' لام سے' لین القلب' گداز ذہن والا' میم سے مرسل اور را سے راکع یعنی اللہ تعالیٰ کے قوانین تنزیلی اور تکوینی' سب کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والا بھی ہے اور صلوٰۃ موقت کے اندر رکوع کرنے والا بھی ہے۔

تِلْكَ اسم اشارہ بعید مونث ہے جس کا مشار الیہ سورہ یوسف کی آیات کریمات ہیں۔

الْكِتٰبِ پر الف لام لا کر قرآن کریم کو خاص اپنی کتاب کہا گیا ہے جس کی مسلمہ تعریف لاریب فیہ ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ جو کچھ سورہ یوسف میں نازل کیا گیا ہے وہ بھی حق ہے' اور اس کے علاوہ پورے قرآن بھر میں جو کچھ بھی آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ بھی حق ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ میں اس حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس حقیقت پر ایمان نہیں لاتی کہ حق صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیتیں ہیں' ان کے سوا کوئی چیز حق نہیں ہے' خواہ وہ روایات کی صورت میں اللہ کے کسی ایک پاک نبی رسول کی طرف بھی منسوب کی گئی ہوں۔ کیونکہ حق کی نشانی اور شرط بیان ہوئی ہے **وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ**۔ یعنی جو کچھ تیرے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے' جو تیرے رب کی طرف سے نازل نہیں ہوا وہ حق نہیں ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات مقدسہ بصورت مظاہر فطرت بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۞

(۲) اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر بلند کر رکھا ہے جنہیں تم دیکھتے ہو (یعنی آسمانی کرہ جات غیر مرئی ستونوں پر قائم ہیں) پھر وہ اللہ اپنی حکومت پر قائم ہے (یعنی پورا کنٹرول کئے ہوئے ہے) اور اس نے سورج اور چاند (جیسے تمام ستاروں) کو کام پر لگا دیا ہے۔ سب کے سب نام رکھی ہوئی مدت تک کیلئے (اپنے اپنے مدار پر) چل رہے ہیں۔ وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اور اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کے حضور حاضر ہونے پر یقین کرو۔

بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ آسمانی کرہ جات ان ستونوں پر قائم نہیں ہیں' جنہیں تم دیکھتے ہو یعنی چھتوں اور برآمدوں وغیرہ کے ستون جو دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں **السمٰوات** سے مراد ساوی کرہ جات ہیں۔ جو اس طرح دکھائی دیتے ہیں کہ وہ مرئی ستونوں کے بغیر قائم ہیں۔ ان کی تفسیر ۴۲/۵ میں بالفاظ ذیل کی گئی ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۞ ۴۲/۵ قریب ہے کہ آسمانی کرہ جات پھٹ (کر گر) پڑیں حالانکہ (یہ اس لئے نہیں گرتے کہ اللہ تعالیٰ کی مخفی قوتیں اپنے اپنے فرائض منصبی ادا کر رہی ہیں' اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔ اور وہ بچاؤ طلب کرتی ہیں ہر جاندار کے لئے جو زمین میں ہے۔ بلا شبہ اللہ بچاؤ عطا فرمانے والا مہربان ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی مخفی قوتوں پر غور فرمائیں۔

جہاں تک سائنسی معلومات کے مطابق اب تک ثابت ہو سکا ہے' ساوی کرہ جات کے غیر مرئی ستونوں میں اولین ستون ہر کرے کی داخلی قوت ثقل ہے کہ ہر کرہ اپنی قوت ثقل کے دائرے کے اندر محدود رہے۔ اور اس کے بعد دوسرا ستون ہے وہ خلا جو باری تعالیٰ ہر دو کروں کے درمیان قائم کر دیا ہے۔ چاند کی طرف سفر کرتے ہوئے ہوابازوں کو سب سے پہلے زمین کی کشش ثقل سے واسطہ پڑا۔ مگر جب اس کی حد ختم ہو گئی تو آگے خلائی منطقے میں داخل ہوئے جہاں کسی بھی کرّے کی کشش موجود نہیں' چنانچہ وہاں پہنچ کر وزن ختم ہو گیا۔ اس خلا کے بعد پھر چاند کی کشش ثقل میں پہنچے۔ الختصر اللہ تعالیٰ نے ساوی کروں کے درمیان کشش ثقل اور خلائی منطقوں کے وہ غیر مرئی ستون قائم رکھے ہیں جو ان ستونوں سے مختلف ہیں' جنہیں ہم اپنے چھتوں اور برآمدوں کے نیچے دیکھتے ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا معنی بلاغ القرآن کے صفحات میں بارہا لکھا جا چکا ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مادی جسم ہے اور نہ اس کے بیٹھنے کا کوئی تخت ہے۔ عرش کا معنی عربی ادب میں سلطنت' حکومت ہے اور **ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ** کے معنی یہ ہے کہ وہ اپنی وسیع و عریض علور رفیع و عظیم سلطنت پر پورا پورا کنٹرول کئے ہوئے ہے۔

سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ پر الف لام جنسی ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ اس قسم کے تمام ستارے مسخر کر دیئے گئے ہیں۔ انہیں اپنے اپنے کام پر لگا دیا گیا ہے اور وہ سب نوع انسانی کی خدمت کر رہے ہیں اور نوع انسانی قوانین فطرت کے مطابق ان سب سے ان کی ساخت کے مطابق اپنی خدمت کے کام لے سکتی ہے۔

كُلٌّ يَّجْرِىْ کا مفہوم یہ ہے کہ سورج چاند اور اسی قسم کے تمام ستارے اپنے اپنے مدار پر مسلسل چل رہے ہیں۔
لِاَجَلٍ مُّسَمًّى کے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ سورج چاند وغیرہ کی ایک میعاد مقرر کر دی گئی ہے اور اس میعاد کا نام رکھ دیا گیا ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۲۸/۸۸ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کے سوا ہر چیز اپنے وقت پر ہلاک ہو رہی ہے اور ہو جانے والی ہے۔ سورج چاند ستارے بھی اللہ تعالیٰ کی مقررہ میعاد تک (لِاَجَلٍ مُّسَمًّى) اپنے اپنے مدار پر رواں رہیں گے۔ اور اجل مسمی کے آنے پر ہلاک کر دیئے جائیں گے' ختم کر دیئے جائیں گے۔
يُدَبِّرُ الْاَمْرَ کے الفاظ مبارک میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہر کام کی تدبیر اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی تھی اور اب بھی خود اکیلا تدبیر فرماتا چلا جا رہا ہے' نہ اس کا کوئی مشیر ہے نہ شریک کار ہے۔
بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ کے جملہ مبارکہ میں لقاء رب کے الفاظ انتہائی اہم ہیں۔ لقاء کا معنی ملنا اور ملاقات کرنا بھی ہے۔ اور سامنے پیش ہونا بھی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ جہاں جہاں بھی قرآن مجید میں لقاء اللہ' لقاء رب اور لقاء نا وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں' وہاں قیامت کے دن حضور الٰہی میں اس دنیا کی زندگی کے نیک و بد اعمال کی جوابدہی مراد ہے۔ قیامت کے دن ہی کے متعلق سورہ زمر میں آیا ہے کہ نافرمانوں جہنمیوں کو کہا جائیگا:۔
اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ط ۳۹/۷۱
کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے اللہ کے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس (قیامت کے) دن کی ملاقات (حضور الٰہی میں اعمال کی جوابدہی) سے ڈراتے تھے۔ اس طرح سورہ کہف میں لقاء رب کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔
فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۱۸/۱۱۰ اس آیت مجیدہ میں بھی لقاء رب کا مرکب اضافی آیا ہے جس کا مفہوم' آیت مبارکہ کے سیدھے سادھے ترجمہ سے عیاں ہے' حضور الٰہی میں اعمال کی جوابدہی کیلئے حاضر ہونا۔ دیکھئے' سلیس ترجمہ یہ ہے۔ پھر جو شخص کہ اپنے رب کی ملاقات (یعنی اس کے حضور میں اعمال کی جوابدہی) کی امید رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اعمال صالح بجا لائے اور اپنے رب کی (عبادت) یعنی اس کی فرمانبرداری میں کسی ایک کو بھی شریک نہ کرے۔ پس لقاء اللہ کا صحیح مفہوم تو یہی ہے جو خود قرآن کریم نے تصریف آیات کے اپنے واضح اسلوب کے ذریعہ واضح کر دیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لقاء اللہ کے یہ غلط معنی لئے جاتے ہیں کہ قیامت کو اللہ کا دیدار ہوگا حالانکہ ۶/۱۰۳ میں اللہ تعالیٰ نے خود اعلان کر دیا ہے کہ اسے کوئی آنکھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ ۶/۱۰۳ اس آیت مجیدہ میں فعل تدرک کا فاعل الابصار لا کر یہ وضاحت کر دی گئی ہے۔
نہ اسے کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ اسے کوئی عقل پا سکتی ہے۔ وہ تمام آنکھوں کو دیکھتا بھی ہے اور تمام عقلوں کو پاتا بھی ہے۔ کیونکہ وہ انتہائی باریک بین بھی ہے اور انتہائی باخبر بھی ہے۔ اپنے ساتھیوں کے اصرار پر موسیٰؑ نے حضور الٰہی میں عرض کر دیا رَبِّ اَرِنِيْ اے میرے رب! مجھے اپنا آپ دکھا۔ لیکن جواب ملا لَنْ تَرٰىنِيْ ۷/۱۴۳ تو مجھے کبھی نہیں دیکھے گا واضح رہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو دیکھا ہے وہ ایک تو ۶/۱۰۳ کے الٰہی اعلان کی تکذیب کرتے ہیں' جو اس نے اعلان کر رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی آنکھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اور دوسرا یہ کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی موسیٰ سلام علیہ سے بلند درجے کے حامل ثابت کرتے ہیں کہ موسیٰؑ کو تو جواب ملا کہ تو مجھے کبھی بھی نہیں دیکھ سکے گا' مگر

ہم موسیٰ سے افضل ہیں، ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور بعض لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو دیکھا بھی ہے اور ہم دکھا بھی سکتے ہیں۔ یہ لاف زنی از روئے قرآن کریم فراڈ محض ہے۔ بلکہ یہ انسان اور اللہ کے درمیان جو حقیقی تعلق ہے، لوگوں کو اس سے برگشتہ کرنے کی ایک خطرناک سازش ہے۔ واضح رہے کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کا تعلق صرف عابد و معبود کا ہے۔

انسان عابد اور اللہ تعالیٰ معبود ہے، یعنی انسان بندہ ہے اور اللہ آقا ہے۔ بندے کا کام ہے اپنے آقا کا حکم ماننا۔ زیر بحث آیت کے آخری جملے میں اسی چیز پر زور دیا گیا ہے **يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ** ۱۳/۲ وہ اللہ اپنی آیتوں کو خود کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کے حضور میں اپنے اعمال کی جوابدہی پر پورا پورا یقین رکھو۔ اگلی آیت مجیدہ میں باری تعالیٰ کی مزید صفات حمیدہ و عظیمہ مزید مشاہداتِ عالم یعنی مظاہر فطرت کی صورت میں پیش کی گئی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③

(۳) اور وہی (اللہ ہی) ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے۔ اور ہر قسم کے میووں کے جوڑے اس (زمین میں) بنائے وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے۔ بلاشبہ مذکورہ بالا بیان میں اس قوم کیلئے بہت ہی نشانیاں ہیں (عبرت حاصل کرنے کو) جو (ان مظاہر فطرت پر) غور کرنے والے ہیں۔

مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا کے الفاظ میں مظاہر قدرت پر غور کرنے والوں کیلئے سب سے پہلی چیز زمین کا پھیلاؤ، پہاڑوں کا قیام اور دریاؤں کا بہاؤ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تینوں چیزیں طبعی جغرافیہ سے متعلق ہیں۔ مفکرین وہ لوگ ہیں جو اس پر غور و فکر کرتے ہیں کہ زمین کا پھیلاؤ کس طرح ظہور پذیر ہوا۔ ہموار زمین سے ملحقہ سطح مرتفع کس طرح نمودار ہوئی اور پھر زمین پر پہاڑ کس طرح پیدا ہوئے، جن کی سربفلک چوٹیاں ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ پھر زمین پر دریاؤں کا بہاؤ مظاہر فطرت پر غور کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نشانیاں ہیں۔

ان الفاظ میں نوع انسانی کو مظاہر قدرت پر مسلسل غورو فکر کرنے کی تاکیدی دعوت دی گئی ہے، جس سے معلوم کر لیا گیا ہے کہ ہموار زمین کھیتی باڑی کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ سطح مرتفع پر مشتمل علاقوں میں قدرتی ڈیموں کا اہتمام کیا جاسکتا ہے۔ اور پہاڑوں کے اندر سونا، چاندی، تانبہ، لوہا، قلعی سیسہ اور کوئلہ وغیرہ کے ذخیرے خزانوں کی صورت میں محفوظ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ مشاہدہ گواہ ہے کہ مظاہر قدرت پر غورو تفکر کرنے والی قومیں اپنے غورو فکر کی بدولت ہموار زمین سے ہر موسم میں دو دو فصلیں حاصل کر رہی ہیں۔ سطح مرتفع میں سو سو مربع میل کی وسعت کے ڈیم تعمیر کر رہی ہیں اور پہاڑوں کے بطن سے سونا، چاندی، لوہا، کوئلہ وغیرہ کے بے پناہ خزانے حاصل کر رہی ہیں اس کے علاوہ قدرتی خزانوں میں دریاؤں کا خصوصی ذکر بھی آیا ہے۔ یہ غورو فکر ہی کا نتیجہ ہے کہ سونا پیدا کرنیوالی بنجر زمینیں دریاؤں کے پانی ہی کیساتھ سیراب کی جاتی ہیں، یعنی دریاؤں سے نہریں اور نہروں سے راجباہ اور کھال نکال کر دور افتادہ زمین کے بطن سے سونا اگلوایا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کریم غورو فکر اور عمل کرنے کے لئے ہے، محض ثواب تلاوت کیلئے نہیں۔

زمین، پہاڑوں اور دریاؤں پر غور کرنے کے بعد **وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ** کے الفاظ میں اس چیز پر دعوت تفکر دی گئی ہے کہ زمین میں پہاڑوں اور دریاؤں کی مدد سے جتنے بھی میوے پیدا ہوتے ہیں، سب جوڑا جوڑا پیدا

ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ غیر متبدل قانون ہے کہ اس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ سورہ یاسین میں ارشاد ہوا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ ۳۶/۳۶

پاک ہے وہ ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے جو زمین پیدا کرتی ہے۔ اور خود انہیں (نوع انسانی) کو بھی جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ اور ہر اس چیز کو بھی جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے جسے یہ لوگ ابھی جانتے بھی نہیں۔

آیت زیر نظر میں ثمرات کے متعلق **جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ** کے الفاظ میں اس اصول کی خبر دی گئی ہے کہ اگر فصلوں اور پھلوں کی افزائش کیلئے جوڑے کے الٰہی اصول پر عمل کیا جائے تو خاطر خواہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے' جیسے کہ مادہ کھجور کے درخت میں نر کھجور کے گابھے لگانے سے کھجوروں کی فصل بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔

یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ کے الفاظ میں مظاہر قدرت پر غور کرنے والوں کیلئے اس چیز پر دعوت تفکر دی گئی ہے۔ کہ رات دن کے دائمی تغیر پر غور کرو کہ کس عظیم نظام کے ماتحت دن کی روشنی پر رات کو اندھیرا غالب آجاتا ہے اور اسی کے برعکس کس طرح رات کا اندھیرا پھٹ کر دن نمودار ہوتا ہے۔ یہی وہ دعوت تفکر ہے جس پر عمل کرنے سے اس سربستہ راز پر سے پردہ اٹھ چکا ہے کہ زمین کی محوری گردش سے دن رات پیدا ہوتے ہیں' سورج کے سامنے کا زمینی حصہ جب اوٹ میں چلا جاتا ہے وہاں دن کی روشنی پر رات کا اندھیرا غالب آجاتا ہے اور اوٹ والا حصہ جب سورج کے سامنے آتا ہے تو رات کے اندھیرے پر روشنی غالب آجاتی ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں عقلمندوں کیلئے غور و فکر کے مزید ارضی نشانات بیان کئے گئے ہیں:۔

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝۴

(۴) اور زمین میں ٹکڑے ہیں (زمین کے) پاس پاس اور باغات ہیں انگوروں کے اور کھیت ہیں اور کھجور کے درخت ہیں ایک جڑ سے کئی کئی نکلے ہوئے اور الگ الگ جڑوں سے نکلے ہوئے۔ وہ سب کے سب ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کو ہم نے بعض پر ذائقے میں فضیلت دی ہے۔ یعنی ایک سے ایک افضل ہے۔ بلاشبہ اس بیان میں عقلمندوں کیلئے غور و فکر کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

اس آیت مجیدہ میں یہ امر قابل غور بتایا گیا ہے کہ زمین کے قطعات آپس میں ملے ہوئے ایک دوسری کیساتھ ساتھ موجود ہیں مگر ان کے خواص الگ الگ ہوتے ہیں۔ کھجوروں اور انگوروں کے باغ اور مختلف فصلوں کے کھیت اگرچہ ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں مگر ہر ایک کا ذائقہ الگ الگ اور ایک سے ایک افضل ہوتا ہے۔ کھجوروں کا مزہ اپنے مقام پر اور انگوروں کا ذائقہ اپنی جگہ پر افضل ہے۔ یہی حال کھیت کی فصلوں کا ہے کہ گندم' چاول' چنے' مونگ' ماش وغیرہ سب اپنی اپنی جگہ پر ذائقے اور مزے میں ایک دوسرے سے افضل ہیں۔ فصلوں اور پھلوں کا ناقص ہو جانا' نوع انسانی کی اپنی محنت میں کمی کی بدولت ہوتا ہے۔

ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی کی عجیب و غریب مثال یہ ہے کہ گنے اور مرچ کے کھیت ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اور ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں مگر بیج کے خواص کی بدولت ہے کہ گنے میں مٹھاس جمع ہوتی چلی جاتی ہے اور مرچ میں کڑواہٹ۔ اس بیان میں بھی عقلمندوں کے لئے مظاہر قدرت کے بہت سے نشانات موجود ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کے مخالفین کا قول باندازِ ذیل بیان ہوا ہے:۔

وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَإِذَا كُنَّا تُرَٰبًا ءَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ ٱلْأَغْلَٰلُ فِىٓ أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ⑤

(۵) پھر (اے رسولؐ) اگر آپ (لوگوں کے انکار پر) تعجب کرتے ہیں تو (غور فرمایئے کہ) ان کا یہ قول بڑا عجیب ہے کہ کیا جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی تخلیق میں پیدا کئے جائیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں (تقلید کے) طوق پڑے ہیں اور وہی لوگ آگ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مدتوں کے مرے ہوئے انسانوں کا مر کر مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا کفار کو بہت عجیب معلوم ہوتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ ایمان کی پانچ شقیں ہیں ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالرسل، ایمان بالکتب اور ایمان بالقیامت یعنی مرنے کے بعد اس دنیا کی زندگی میں کیے گئے اعمال کی جوابدہی کیلئے دوبارہ پیدا کیا جانا۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّہِمْ کے الفاظ میں خبر دی گئی ہے کہ قیامت کے منکر وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے رب کے یعنی اس کے نظام ربوبیت کے منکر ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو عوام کا استحصال کرکے پرائی محنت کے ماحصل پر عیش اڑاتے ہیں۔

انہیں ہزار سمجھایا جائے کہ نوع انسانی ایک ہی جماعت ہے اور ہر فرد کا پیدائشی حق ہے کہ اسے ضروریات زندگی متوازن انداز میں میسر آتی رہیں۔ مگر وہ اپنے بزرگوں کی تقلید کے پٹے پہنے ہوئے ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ معاشی اونچ نیچ ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ ان کے اس آبائی عقیدے کو **اَلْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِہِمْ** کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس آبائی عقیدے کو طوق کی صورت میں اپنی گردنوں میں ڈال رکھا تھا کہ جتنا چاہیں عوام کا استحصال کرلیں، قیامت کا عقیدہ ہی ناقابل قبول ہے کہ مرنے کے بعد مٹی میں مٹی ہو جانے کے باوجود دوبارہ کس طرح زندہ کیا جاسکتا ہے۔

اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ سے مراد اخروی ناکامی و نامرادی ہے۔ النار الجنۃ کی ضد ہے جنت میں ٹھنڈے سائے، ٹھنڈے پانی اور ضروریات زندگی کی فراوانی ہوگی اور النار میں گرم سائے، گرم پانی اور ضروریات زندگی کا فقدان ہوگا۔ جنت میں انگور، انار وغیرہ قسم کے میوے ہوں گے اور النار میں تھوہر کی قسم کے کڑوے کھانے ہوں گے جو حلق سے نہ اتر سکیں گے۔

ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ سے مراد ہے اس وقت تک اس میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک زمین و آسمان قائم ہیں ۱۰۷-۱۰۸/۱۱ میں پیچھے اس کی وضاحت گزر چکی ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ذات صرف باری تعالیٰ کی ہے نہ زمین و آسمان ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والے اور نہ انسان ہی دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والا ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِٱلسَّيِّئَةِ قَبْلَ ٱلْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِمُ ٱلْمَثُلَٰتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ⑥

(۶) اور (اے رسولؐ) یہ لوگ آپ سے بھلائی (الٰہی نعمتوں) کی بجائے برائی (عذاب) کیلئے جلدی کرتے ہیں۔ اور بیشک ان سے پہلے لوگوں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ بیشک تیرا رب لوگوں کیلئے ان کے ظلم (نافرمانی) کے باوجود بچاؤ عطا فرمانے والا ہے۔ اور تیرا رب جرائم کی سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں کی نافرمانیوں کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ بچاؤ کیلئے مہلت دیتا ہے لیکن جب اتمام

حجت کے بعد اس کا عذاب آجاتا ہے تو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں مذکورہ لوگوں ہی کے متعلق مزید خبر دی گئی ہے:۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦

(۷) اور وہ کہتے ہیں جنہوں نے (ضابطہ الٰہی کا) انکار کیا کہ اس پر کیوں کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے نازل نہیں کی گئی۔ سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ آپ لوگوں کو ان کے فرائض منصبی سے آگاہ کرنے والے ہیں۔ اور ہر قوم کے کیلئے (ہماری طرف سے) ایک راہ دکھانے والا ہے۔

اس امر کی بارہا وضاحت کی جا چکی ہے کہ ۹۰ تا ۹۳/۱۷ میں آیا ہے کہ نبی اکرمؐ سے آپ کی قوم نے متعدد معجزے طلب کئے مگر آپ نے فرمایا **هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا**"۔ میں تو بشر رسول ہوں۔ اور ۱۹۔۲۴/۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے مشاہدات عالم ہی کو اپنی آیات (معجزات) قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔ کہ پہلے اس نے نوع انسانی کو زمین میں سے پیدا کیا' پھر اس کی افزائش نسل نطفہ سے ٹھہرائی۔ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اس کا معجزہ ہے۔ بجلی کی چمک اور آسمان سے بارش برسانا اس کا معجزہ ہے۔ آسمانوں کا اور زمین کا اللہ کے قانون کے مطابق اپنے مدار پر قائم رہ کر محو گردش رہنا اس کا معجزہ ہے۔ بالفاظ دیگر قرآن کریم کی رو سے مشاہدات عالم' مظاہر فطرت کی ہر چیز اللہ کا معجزہ ہے لیکن نبی اکرم سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ آپ اس کے خلاف کرکے دکھائیے۔ مگر جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ تو لوگوں کو ان کے فرائض منصبی سے آگاہ کرنے والے ہیں۔ اور اسی طرح کے ایک ہادی ہیں' جس طرح ہر قوم کے لئے ایک ہادی بھیجا گیا تھا۔

اگلی آیت میں اس امر کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ رحم مادر سے جو بچے اصل حالت سے کم یا زیادہ حالت میں پیدا ہوتے ہیں' نہ یہ کسی کی بد دعا کا اثر ہوتا ہے اور نہ کسی تعویذ اور دم وغیرہ کی بدولت ہوتا ہے' بلکہ رحم مادر میں بعض ایسے واقع ہو جاتے ہیں کہ بیمار رحم بچے کے بعض اعضاء کی پوری نشوونما نہیں کر پاتے۔ مثلاً" ٹیڑھے پیروں والے بچے پیدا کرتے ہیں یا بعض دفعہ سر کے ساتھ زائد گوشت کا لوتھڑا لٹکتا ہوا پایا جاتا ہے یا چھوٹے سر والا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ جسے شاہ دولہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ رحمی بیماری کی بدولت ہوتا ہے۔ ایسی ماؤں کے رحم کا علاج کیا جانا ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ⑧

(۸) اللہ جانتا ہے جو ہر مونث حمل اٹھاتی ہے اور (وہ جانتا ہے) جو مونثوں کے رحم (بچے کی نشوونما میں) کمی کر دیتے ہیں اور جو کچھ زیادتی کر دیتے ہیں۔ اور اس کے ہاں ہر چیز اس کی مقررہ مقدار (قانون) کے مطابق عمل میں آتی ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ⑨

(۹) وہ جاننے والا ہے ہر اس چیز کو (جو تمہارے لئے) غائب ہے یا حاضر ہے۔ وہ بہت بڑا ہے۔ اور وہ بہت عالیشان ہے۔

سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ⑩

(۱۰) برابر ہے تم میں سے جو کوئی چھپ کر بات کرے یا اسے پکار کر کے اور جو کوئی رات (کے اندھیرے میں) چھپا ہوا ہو اور یا وہ دن (کی روشنی میں چل رہا ہو) (اس کے لئے سب برابر ہیں)

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪

(۱۱) واسطے (ہر شخص کے ہیں پیچھے پیچھے آنیوالیاں' اس کے آگے اور پیچھے اس کے (اعمال کو) محفوظ کرتے ہیں وہ اللہ کے قانون کے مطابق بیشک اللہ تعالیٰ نہیں حالت تبدیل کرتا کسی قوم کی' جب تک کہ وہ لوگ (اپنی اچھی یا بری) حالت کو خود تبدیل نہ کریں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم (کی بد اعمالیوں کی بدولت) اس کے لئے برائی کا ارادہ کرے تو پھر اس کے زوال کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ان کے لئے اس کے سوا کوئی مددگار نہیں۔

مُعَقِّبٰتٌ کا سہ حرفی مادہ ع-ق-ب = عقب ہے اور مُعَقِّب کا معنی ہے پیچھے پیچھے آنیوالا۔ اور اس کی مونث ہے معقبہ اور معقبات اس کی جمع ہے بمعنی پیچھے پیچھے آنے والیاں۔ یہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخفی قوتیں ہیں جو ہر انسان کے اعمال کو خود اس کی اپنے ذہن کی تختی (لوح) پر لکھی جاتی ہیں۔ انہی کے لئے یہاں **یَحْفَظُوْنَهٗ** بصیغہ جمع مذکر آیا ہے کہ وہ ان کے اعمال کو لکھ کر محفوظ کرتے ہیں۔ نیز ۱۰-۱۱/۸۲ میں انہی کے متعلق آیا ہے:۔

وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ○ اور بیشک تم پر مسلط ہیں تمہارے اعمال محفوظ کرنے والے معزز لکھنے والے ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں انہی اعمالناموں کے متعلق بتایا گیا ہے۔ **وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ط وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ○ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ○** ۱۳-۱۴/۱۷ اور ہم نے ہر انسان کا عمال نامہ اس کی گردن میں لازم کر دیا ہے۔ اور ہم اس کے لئے اسے قیامت کے دن کھلی کتاب کی صورت میں اس کے سامنے پیش کریں گے (اور اسے کہا جائیگا کہ) اپنی کتاب (اپنے اعمال نامے) کو خود پڑھ لے۔ آج کے دن تیرے اعمال کے حساب کے لئے (یہ تیرا اپنا اعمال نامہ) کافی ہے۔

آیت زیر بحث ۱۱/۱۳ میں **یَحْفَظُوْنَهٗ** آیا ہے اور ۱۰/۸۲ میں **لَحٰفِظِیْنَ** آیا ہے۔ ان الفاظ سے بعض مترجمین نے یہ معنی لیا ہے کہ ملائکہ ہر شخص کے آگے پیچھے رہتے اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ بقول مترجمین ہر انسان کے آگے پیچھے محافظ ملائکہ موجود بھی ہوتے ہیں اور ان کی موجودگی میں ہی حادثات کا وقوع ہوتا رہتا ہے' کسی کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے اور کسی کی آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔ حالانکہ خود الفاظ قرآنیہ کی حاکیت اور تصریف آیات کی مدد سے آیات بالا میں حفاظت سے لوگوں کی جسمانی حفاظت مراد نہیں بلکہ ان کے اعمال کو اعمال ناموں میں محفوظ کرنا یعنی لکھنا مراد ہے۔

یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کے الفاظ میں **مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ** سے مراد اللہ تعالیٰ کے اس قانون کے مطابق ہے۔ جس کی تفصیل اوپر ۱۳-۱۴/۱۷ میں گزر چکی ہے کہ ہر شخص کا اعمال نامہ لکھی ہوئی کتاب کی صورت میں ہر شخص کی گردن میں لٹکا دیا گیا ہے' جسے آج بھی ہر شخص باآسانی پڑھ سکتا ہے' خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا مطلق ان پڑھ ہو۔ اور قیامت کے دن تو **فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ** ۲۲/۵۰ کے مطابق اس کی نظر بہت تیز ہو جائیگی۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی نمایاں الفاظ کے ساتھ لکھا ہوا پائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ کے جملہ مبارکہ میں قوموں کے عروج و زوال کو خود ان کے اپنے اعمال کیساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے کہ جو قومیں قعرمذلت میں جا گرتی ہے وہ اپنی ہی بد اعمالیوں کی بدولت شکست خوردہ

اور ذلیل و خوار ہو جاتی ہیں اور جو قومیں عروج کے بام ثریا پر پہنچ جاتی ہیں وہ بھی اپنے اچھے اعمال کی بدولت مقام بلند کو پالیتی ہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کا کسی قوم کے ساتھ کوئی بیر ہے کہ اسے بلا وجہ زوال پذیر کر دے اور نہ کسی قوم کے ساتھ خصوصی محبت ہے کہ اسے بلاوجہ بام عروج پر پہنچا دے۔

نمبر۴ **وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ** کے جملہ مبارکہ میں یہ تصور محذوف ہے کہ جب کوئی قوم زوال کی راہ پر خود گامزن ہو جاتی ہے تو پھر جب اللہ تعالیٰ اس کے اپنے عملوں کی بدولت اس کے لئے برائی کا' یعنی زوال کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اس کے زوال کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس سے آگے زوال یافتہ قوم کے لئے ارشاد فرمایا ہے:۔ **وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ** ان الفاظ کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی مدد گار نہیں۔ لیکن مفہوم یہ ہے کہ زوال یافتہ قوم اس وقت تک اس ذلت سے نہیں نکل سکتی جب تک اللہ تعالیٰ کو اپنا مدد گار نہ بنا لے۔ یعنی اس کے اس قانون پر عامل ہو جائے جو خود اس نے زوال سے نکلنے کے لئے مقرر کر رکھا ہے کہ قوم کا ہر فرد فوجی سپاہی بنے اور اجتماعی طور پر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت مہیا کی جائے ۸/۶۰

اگلی آیت مجیدہ میں پھر مظاہر فطرت کی طرف رخ کرکے رب العلمین کی تعریف ایک خصوصی انداز میں لائی گئی ہے:۔

هُوَالَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾
وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

(۱۲) وہی (اللہ ہی) ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے خوف کی حالت میں اور طمع کی حالت میں۔ اور چلاتا ہے بھاری بادلوں کو

(۱۳) اور اپنا فرض منصبی ادا کرتی ہے گرج اس کی حمد کیساتھ عموماً" اور خصوصاً" اس کی تمام مخفی قوتیں اس کے خوف کیساتھ اپنے اپنے فرائض منصبی ادا کر رہی ہیں اور وہ اللہ بھیجتا ہے بجلیاں پھر وہ انہیں پہنچاتا ہے جسے اپنے قانون مشیت کے مطابق چاہتا ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ سخت قوت والا ہے۔

آج سے چودہ سو سال پیشتر بجلی کے متعلق بتا دیا گیا تھا کہ بجلی میں صرف خوف ہی نہیں بلکہ اس میں طمع یعنی فائدے بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے قانون فطرت کے مطابق پانی کے سمندروں جیسے بھاری بادلوں کو ہوا کے کندھوں پر سوار کرکے چلاتا ہے۔

یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ کے الفاظ **یُسَبِّحُ** کا یہ معنی ہے کہ یہ جملہ کائناتی قوتیں اپنے اپنے فرض منصبی نہایت خوش اسلوبی کیساتھ ادا کر رہی ہیں۔

وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ کے جملہ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ لوگ اس اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں جس کے قانون کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی مذکورہ مہیب و شدید قوتیں شبانہ روز مصروف عمل ہیں اور جو شدید المحال ہے' جو سخت قوت والا ہے' جس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے اپنی مشکلات میں صرف اللہ ہی کا پکارنا صحیح ہے' لوگ جنہیں اس کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز نہیں دیکھ سکتے۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ بڑھائے کہ پانی اس کے منہ میں آجائے مگر وہ اس طرح کبھی بھی اس کے منہ میں آنیوالا نہیں ہے۔ کافروں کی پکار جو غیر اللہ سے مانگتے ہیں' سراسر گمراہی ہی گمراہی ہے:۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ سجدة

(۱۴) سچی پکار صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ اور جو اللہ کے سوا غیروں سے مرادیں مانگتے ہیں وہ ان کے لئے ان کی دعا کو کچھ بھی قبول نہیں کرتے سوائے مانند اس شخص کے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہوتا ہے' اس لئے کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے۔ حالانکہ وہ (اس کے منہ تک خود بخود) پہنچنے والا نہیں ہے اور نہیں ہے کافروں کی پکار (غیر اللہ سے) مگر وہ گمراہی ہی میں ہے۔

(۱۵) اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی جاندار ہیں سب اللہ کی فرمانبرداری کر رہے ہیں خوشی کیساتھ اور ناخوشی کیساتھ اور ان کے سائے صبح کے وقت اور پچھلے پہر فرمانبرداری کرتے ہیں (یعنی صبح کے وقت ان کے سائے مغرب کی طرف ہوتے ہیں اور پچھلے پہر مشرق کی طرف)۔

آسمانوں اور زمین کا ہر جاندار اللہ کے حضور سجدہ ریز ہے' اس کا مفہوم یہ ہے کہ سب اس جبلی حکم الٰہی کے ماتحت مصروف عمل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ودیعت فرمایا ہے۔ اس پر **طوعاوّ کرھًا** کی قید لگا دی گئی ہے۔ ہر جاندار کسی ایک جبلت پر پیدا کیا گیا ہے۔ مثلاً" گھوڑا دوڑنے کے لئے اور گدھا بوجھ اٹھانے کے لئے ہے دیکھئے یہ اگر خوشی سے اپنا فرض ادا نہیں کرتے تو ڈنڈوں اور چھانٹوں کے ساتھ ہانکے جاتے ہیں۔ ہر جاندار حضرت انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے جسے وہ طوعا" اور کرھا انجام دے رہا ہے خوشی کے ساتھ یا ناخوشی کے ساتھ۔

ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ صرف وہ ہی اللہ کے فرمانبروار نہیں بلکہ سورج جیسا عظیم کرہ بھی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے کہ جس مدار پر اسے اللہ تعالیٰ نے چلا دیا ہے وہ اسی پر بدستور چلتا چلا آرہا ہے۔ جس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ ہر جاندار سمیت ہر چیز کا سایہ صبح کے وقت یعنی قبل دوپہر مغرب کی طرف ہوتا ہے اور بعد دوپہر مشرق کی طرف ہو جاتا ہے اگلی آیت مجیدہ میں نبی اکرمؐ کو حکم ہوا ہے کہ غیر اللہ کو پکارنے والوں سے ذیل کا سوال کریں اور خود ہی ذیل کا جواب دیں:۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

(۱۶) کہہ دیجئے (اے رسولؐ) کون ہے آسمانوں اور زمین کی مخلوق کا رب (رزق کا سامان مہیا کرنیوالا) خود ہی فرما دیجئے' اللہ اللہ ان سے پوچھئے کیا تم نے اللہ کے سوا کوئی اور مددگار بنا لئے ہیں جو خود اپنی جانوں کیلئے بھی نہ کسی نفع کے مالک ہیں نہ نقصان کے۔ (مزید) پوچھئے! کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں۔ یا کیا اندھیرا اور روشنی برابر ہیں۔ کیا ٹھہرا لئے ہیں انہوں نے واسطے اللہ کے شریک کہ انہوں نے اس (اللہ) کی مخلوق جیسی مخلوق پیدا کی ہے۔ پھر ان پر (ان کے شریکوں کی مخلوق) مشتبہ ہوگئی ہے۔ کہہ دیجئے (اے رسول! کہہ) اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور اکیلا ہے وہ قوت والا ہے۔

آسمانوں اور زمین کی مخلوق کا سامان ربوبیت مہیا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لوگوں نے جو اس کے سوا اور اپنے مددگار اور مرادیں دینے والے ٹھہرالئے ہیں وہ اپنی جانوں کیلئے بھی کسی نفع اور نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

مشکل وقت میں مددگار وہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے۔ جو لوگ پیدا نہیں کرتے' نہ وہ مددگار ہوسکتے ہیں اور نہ غائبانہ مدد کر سکتے ہیں۔ آیت مجیدہ میں استفہامیہ انداز میں بتایا گیا ہے کہ کیا لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے کوئی مخلوق پیدا کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں خلط ملط ہوگئی ہے سورہ حج ۷۳-۷۴/۲۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ لوگوں کو ٹھہرائے ہوئے مددگار' اگر سب کے سب مل کر بھی کوشش کریں تو ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ بلکہ مکھی جو ان سے چھین کر لے جاتی ہے۔ وہ اس سے واپس بھی نہیں لے سکتے۔ اگلی آیت میں مزید ارشاد ہوا ہے:۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

(۱۷) وہ (اللہ تعالیٰ) آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر اس سے ندیاں بہ نکلتی ہیں اپنے اندازے کے مطابق۔ پھر سیلاب' جھاگ اوپر لاتا ہے۔ اور جسے زیور یا دوسرے سامان بنانے کیلئے آگ میں تپاتے ہیں اسی طرح (وہ بھی جھاگ کو اوپر اٹھا دیتا ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کو بیان کرتا ہے۔ پھر جو جھاگ ہے وہ (بیکار ہوتا) رائیگاں جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کیلئے فائدہ مند ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے۔ (سیلاب کے پانی کی جھاگ ضائع جاتی اور پانی کھیتوں کو سیراب کرنے لئے ڈیموں' دریاؤں اور نہروں میں محفوظ کر لیا جاتا ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے۔

(۱۸) بھلائی ہے واسطے ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے رب کی بات مانی۔ اور وہ لوگ جنہوں نے اس کی بات نہ مانی' اگر ان کے پاس وہ پوری دولت ہو جو زمین میں ہے ساری اور اس جتنی اور بھی ہو' وہ اسے فدیہ میں دیں کہ (ان کی نجات ہو جائے) وہ' وہ لوگ ہیں کہ ان کا برا حساب ہوگا (ان کا نتیجہ غلط نکلے گا) اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بری جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کو نہ ماننے کا نتیجہ اس قدر برا بتایا گیا ہے کہ اگر وہ زمین بھر کی اور اس کی مثل مزید دولت بھی فدیہ میں دیں تو پھر بھی جہنم رسید کئے جائیں گے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مانتے ہیں ان کا نتیجہ اچھا ہوگا اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں بامراد اور کامیاب و کامران ہونگے۔ اگلی آیات کریمات میں انہی فرمانبرداروں کو اللہ کا عہد پورا کرنے والے قرار دیا گیا ہے۔

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾

(۱۹) کیا پھر جو شخص جانتا ہو کہ (اے رسولؐ) آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے۔ کیا وہ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہے سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ نصیحت صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں۔

ٱلَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ ٱلْمِيثَٰقَ ﴿٢٠﴾

(۲۰) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اللہ کیساتھ کیا ہوا عہد پورا کرتے ہیں اور وہ پکے عہد کو توڑتے نہیں۔

وَٱلَّذِينَ يَصِلُونَ مَآ أَمَرَ ٱللَّهُ بِهِۦٓ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوٓءَ ٱلْحِسَابِ ﴿٢١﴾

(۲۱) اور یہ وہی لوگ ہیں جو ان چیزوں کو ملاتے ہیں جن کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں (نیک عمل بجا لاتے ہیں) اور برے حساب سے خوفزدہ رہتے ہیں۔

وَٱلَّذِينَ صَبَرُوا۟ ٱبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا۟ مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِٱلْحَسَنَةِ ٱلسَّيِّئَةَ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى ٱلدَّارِ ﴿٢٢﴾

(۲۲) اور یہی وہ لوگ ہیں جو مستقل مزاج رہے اور اپنے رب کی رضا تلاش کی (نظام ربوبیت قائم کیا) یعنی اجتماعی نظام قائم کیا اور (اس کے استحکام کیلئے) اس مال میں جو ہم نے انہیں دیا پوشیدہ خرچ کیا اور ظاہر بھی۔ اور وہ برائی کو نیکی کیساتھ دور کرتے ہیں یہی وہ ہیں کہ ان کا آخری گھر اچھا ہے۔

جَنَّٰتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَن صَلَحَ مِنْ ءَابَآئِهِمْ وَأَزْوَٰجِهِمْ وَذُرِّيَّٰتِهِمْ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾

(۲۳) وہ باغات ہوں گے۔ وہ ان میں داخل ہوں گے اور ان کے آباؤ اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد بھی جنہوں نے اصلاح کے کام کئے۔ ان پر ہر دروازے سے نیک لوگ داخل ہوں گے۔

سَلَٰمٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى ٱلدَّارِ ﴿٢٤﴾

(۲۴) (وہ انہیں کہیں گے) سلم علیکم (تم پر سلامتی ہو' اسلئے کہ تم مستقل مزاج رہے۔ پس ان کا آخرت کا گھر اچھا ہے۔

اگلی آیات کریمات میں ان کے بر خلاف اللہ کیساتھ کئے گئے پکے عہد کو توڑنے والوں کے متعلق بالفاظ ذیل ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے:۔

وَٱلَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ ٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ مِيثَٰقِهِۦ وَيَقْطَعُونَ مَآ أَمَرَ ٱللَّهُ بِهِۦٓ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِى ٱلْأَرْضِ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوٓءُ ٱلدَّارِ ﴿٢٥﴾

(۲۵) اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کئے گئے عہد کو اسے پکا کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان چیزوں کو قطع کر دیتے ہیں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے اور وہ زمین میں فساد کرتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے (اللہ تعالیٰ کی) لعنت ہے اور ان کے لئے آخرت کا برا گھر ہے۔

وَٱلَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ ٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ مِيثَٰقِهِۦ کے جملہ مبارکہ میں ان لوگوں کا ذکر لایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پکا عہد کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں۔ اور:۔

اور انہی لوگوں کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے: **وَيَقْطَعُونَ مَآ أَمَرَ ٱللَّهُ بِهِۦٓ أَن يُوصَلَ**۔ اور وہ ان چیزوں کو منقطع کر دیتے ہیں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا باہم وصل کیا جائے۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ **أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوٓءُ ٱلدَّارِ** یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے آخرت کا برا گھر ہے۔ واضح رہے کہ انہی لوگوں کے متعلق جو باری تعالیٰ کے ساتھ پکا وعدہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان چیزوں کو منقطع کر دیتے ہیں جن کا باہم ملانے کا حکم دیا گیا ہے' سورہ بقرہ کی آیت نمبر

۲۶-۲۷ میں ارشاد ہوا ہے:۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ۲/۲۶-۲۷ اللہ تعالیٰ اس (قرآن) کیساتھ گمراہ پاتا ہے بہتوں کو اور ہدایت یافتہ پاتا ہے بہتوں کو اور وہ گمراہ نہیں پاتا مگر فاسقوں (اللہ کی حدیں پھاند نے والوں) کو جو اللہ کے ساتھ پکا عہد کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان چیزوں کو منقطع کر دیتے ہیں جن کو باہم وصل کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کیساتھ کیا گیا پکا عہد:۔ قرآن مجید کی قاری اس کی پہلی سورت مجیدہ فاتحہ شریف ہی میں اللہ تعالیٰ کیساتھ پکا عہد کرتے ہیں:۔ **اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ** ۝ ۱/۴ (اے اللہ) ہم صرف تیری ہی فرمانبرداری کریں گے اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگیں گے۔ لیکن اس پکے عہد کو توڑنے کی عملی صورت یہ ہے کہ اللہ کے سوا غیر اللہ کی فرمانبرداری کی جائے اور غیر اللہ سے مدد مانگی جائے۔

عبادت و استعانت کا وصل کرنے کا حکم:۔ وہ کونسی چیزیں ہیں جن کا باہم وصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ بھی اس آیت مجیدہ ۱/۴ میں موجود ہے کہ عبادت و استعانت میں وصل کیا جائے یعنی جس ذات کی عبادت کی جائے اسی سے مدد مرادیں مانگی جائیں۔ اس وصل کے انقطاع کی عملی صورت یہ ہے کہ صلوٰۃ موقت تو پڑھی جائے اللہ کی اور مرادیں مانگی جائیں زندہ یا مردہ بزرگوں سے۔ العیاذ باللہ! ایسے لوگوں کے متعلق ۳/۲۵ میں **لَهُمُ اللَّعْنَةُ** کی خبر دی گئی ہے اور ۲/۲۶ میں انہیں گمراہ اور فاسق قرار دینے کیساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم کے ساتھ گمراہ ہو جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے گئے پکے عہد کو قرآن کی سند کے ساتھ توڑتے یعنی غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگتے ہیں۔ اور عبادت و استعانت کے وصل کا جو حکم دیا گیا ہے اسے قرآنی سند کے ساتھ منقطع کرتے ہیں یعنی صلوٰۃ موقت اللہ کی پڑھتے ہیں اور مدد مرادیں غیر اللہ سے مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کا یہی حکم ہے۔ العیاذ باللہ!

اگلی آیت مبارکہ میں مساوی و متوازن تقسیم رزق کے الٰہی قانون کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ فساد کی جڑ رزق کی غیر متوازن تقسیم ہی ہے۔ لیکن بتایا گیا ہے کہ لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہوتے ہیں کہ انہیں ناجائز طریقوں کیساتھ زیادہ سے زیادہ مال اکٹھا کرنے کی عام اجازت ہو۔ دیکھئے ارشاد ہوا ہے:۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝۲۶

(۲۶) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو یا تو فراخ رزق دیتا ہے سب کے سب کو یا اندازے کا دیتا ہے سب کے سب کو جو (ایسا نظام قائم کرکے) خود چاہتے ہیں (کہ اگر ملک میں وافر رزق موجود ہو تو سب کو وافر ملے اور اگر اندازے کا ہو تو سب کو اندازے کا ملے) مگر لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہیں حالانکہ آخرت کے مقابلے پر دنیا کی زندگی صرف چند روزہ سامان زیست ہے۔

(**لِمَنْ يَّشَاۗءُ** میں مَنْ جمع کیلئے آیا ہے اور **يَشَاۗءُ** کا فاعل من ہے)

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ کے جملہ مبارکہ کی بحث کو انتہائی توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ کیونکہ عام تراجم میں اس کا یہ معنی لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بافراط رزق عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگ رزق دیتا

ہے۔ اس آیت مجیدہ کا یہ مفہوم قرآن کریم کی مرکزی تعلیم' ربوبیت عالمینی اور اللہ کی کتاب لاریب کی اولین آیت مجیدہ الحمد للہ رب العالمین کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ سب کی ربوبیت کا سامان مہیا کرنے والا ہے۔ نیز مذکورہ روایتی ترجمہ اللہ تعالیٰ کو غیر عادل بلکہ ظالم ٹھہراتا ہے کہ اس نے کسی کو رزق وافر دینے کا فیصلہ کر رکھا ہے اور کسی کا بلا وجہ رزق تنگ کرنے کا اعلان فرما دیا ہے۔ پھر اس جملہ مبارکہ میں جو **يَبْسُطُ الرِّزْقَ** کے مقابلے پر **يَقْدِرُ** آیا ہے۔ **يَقْدِرُ** کا لفظی معنی اندازے کے مطابق دینا ثابت ہے۔ اس کا معنی رزق کو تنگ کر دینا مراد لینا' عربی ادب کا خون کرنے کے مصداق بھی ہے اور انسان کے پیدائشی بنیادی حقوق کے غصب کے جرم عظیم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کا کھلا ارتکاب ہے۔

حقیقت حال یہ ہے۔ ○ انسانی ضروریات زندگی کو اللہ تعالیٰ نے مستقر اور متاع کے دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے اور سورہ بقرہ اور اعراف میں دو جگہ پر نوع انسانی کی ابتدائی پیدائش کا ذکر کرکے اس کے پیدائشی بنیادی حقوق کا اعلان بالفاظ ذیل کر دیا۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ○ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اور (اے نوع انسانی!) تیرا بنیادی پیدائشی حق ہے کہ تجھے مرتے دم تک کیلئے اسی زمین میں رہنے کو بلا کرایہ مکان میسر ہو اور ضروریات زندگی خوراک' لباس' علاج اور تعلیم کا باقاعدہ اور مسلسل انتظام قائم ہو ---- بلاغ القرآن کے صفحات میں بار بار وضاحت کی جا چکی ہے کہ ہر فرد انسانی کی بنیادی ضروریات زندگی خوراک' لباس' علاج اور تعلیم کی ذمہ داری مرکزی حکومت پر عائد ہوتی ہے جیسے کہ امیرالمومنین عمرؓ کے یہ تاریخی الفاظ بھی اس پر بطور سند موجود ہیں کہ اگر دریائے دجلہ کے کنارے پر کوئی کتا بھی بھوکی رہ گئی تو قیامت کو مجھ سے پوچھا جائیگا کیوں بھوکی رہی؟

جملہ مبارکہ **اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ** کا جو معنی ہم نے لکھا ہے اس کی وضاحت تصریف آیات اور سیاق و سباق کلام کی تصدیق کے ساتھ پیش خدمت ہے' بغور ملاحظہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ جملہ مبارکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نازل کیا گیا ہے۔ جن میں سے چند مقامات پیش خدمت ہیں:۔

سورہ شوریٰ میں اصولاً" بیان فرمایا ہے:۔ **لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** ○ ۴۲/۱۲ واسطے اللہ ہی کے ہیں چابیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔ وہ اس گروہ کو جو خود چاہتا ہے (یعنی جو اللہ کے قانون مشیت کے مطابق متوازن نظام قائم کرتا ہے) یا تو سب کو وافر رزق عطا فرماتا ہے اور یا اندازے کا (تنگ اور ناہموار رزق نہیں دیتا) بلا شبہ وہ ہر چیز کا پورا پورا اور صحیح صحیح علم رکھنے والا ہے۔ (وہ جانتا ہے کہ نوع انسانی میں رزق کے مساوی نظام کے بغیر امن قائم نہیں رہ سکتا ہے)

واضح رہے کہ اللہ کی مشیت یہ ہے کہ ہر ریاست میں ایسا نظام قائم ہو کہ اگر ملک میں وافر رزق موجود ہے تو ہر فرد ریاست کو وافر رزق دیا جائے اور اگر اندازے کا رزق موجود ہے تو اندازے کا رزق دیا جائے۔ نہ تو تنگ رزق دیا جائے اور نہ عدم توازن ہو کہ ارباب حکومت کو تو رزق با افراط دیا جا رہا ہو اور عوام کو رزق کی تنگی میں مبتلا کر دیا جائے۔ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ تقسیم رزق مرکزی حکومت کے ذمہ ہے۔ چنانچہ سلیمانؑ کو عطاء حکومت کے بعد ارشاد ہوا ہے **هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** ○ ۳۸/۳۹ اے سلیمان! یہ (حکومت) ہماری بے حساب بخشش ہے۔ (اب یہ تمہارے ذمہ ہے کہ) آپ عوام پر احسان کریں (مساوی تقسیم رزق کریں) یا (اپنے خاندان اور ملازم عملے کیلئے) روک لیں۔ سلیمانؑ نے مساویانہ تقسیم رزق کا نظام قائم کیا۔

اسی طرح سورہ قصص میں فرعون کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اس نے حکومت کی عطاء بے حساب کے بعد ملکی اور غیر ملکی کی تقسیم قائم کرکے بنی اسرائیل کو ان کے بنیادی حقوقِ ربوبیت سے محروم کر دیا تھا۔ **اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ** ۲۸/۴ بیشک فرعون نے اپنے ملک میں سرکشی اختیار کی اور اپنے ملک میں بسنے والوں کے طبقے بنا دیئے۔ ایک طبقے (بنی اسرائیل) کو کمزور کر دیا ----- ان قرآنی دلائل قاطعہ کے مطابق ثابت ہوا کہ مرکزی حکومت کے ذمہ ہے کہ وہ عوام کو ایک سطح پر رکھے اور سب کو ضروریات زندگی مساویانہ انداز میں بہم پہنچائے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرے، عوام کے بعض کو نوازے اور بعض کو محروم ربوبیت کر دے تو یہ مرکزی حکومت کا فعل ہے اللہ تعالیٰ کا نہیں۔ مساویانہ تقسیم رزق نبوی نظام ہے اور ناہموار تقسیم رزق فرعونی تقسیم ہے۔

۲ سورہ قصص ہی میں قارون کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے غدار قوم تھا جو حکومت کے ساتھ مل کر بنی اسرائیل یعنی اپنی قوم کے ساتھ غداری کرکے ان کے استحصال میں حکومت کا ٹاؤٹ بنا ہوا تھا۔ حکومت نے اسے اس قدر مال و دولت سے سرفراز کر رکھا تھا کہ جب وہ زرق برق لباس پہن کر نکلتا تو لوگ رشک کرتے ۷۷-۲۸/۷۸ لیکن جو لوگ صاحب علم تھے انھوں نے کہا کہ تباہی ہے تمہارے لئے جو رشک کرتے ہو۔ اللہ کا قانون بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ بالآخر جب قارون پر عذاب الٰہی آیا اور اسے اس کے گھر سمیت زمین میں غرق کر دیا گیا تو جو لوگ کل تک اس پر رشک کرتے تھے کہنے لگے:۔ **وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ** ○ ۲۸/۸۲ افسوس ہے تجھ (قارون) پر بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ان کو رزق فراخ دیتا ہے یا اندازے کا جو خود (اس کے قانون پر عمل کرکے) خود چاہتے ہیں۔ افسوس ہے تجھ (قارون) پر، بیشک شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو کامیاب نہیں کرتا۔

غور فرمائیں! یہاں قارون کے ذکر میں بھی **اِنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ** آیا ہے۔ اگر اس کا یہ معنی صحیح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے رزق فراخ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے تو اس کے مطابق اس نے قارون کو خود ہی اپنے ضابطے کا کافر ٹھہرا کر غرق کیوں کر دیا؟ اس سے ثابت ہوا کہ روایتی ترجمہ غلط ہے اور صحیح ترجمہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اسی گروہ کو یا فراخ رزق دیتا ہے اور یا اندازے کا، جو خود ضابطہ الٰہی پر عمل کرکے ایسا نظام قائم کرتے ہیں کہ اگر ملک میں رزق فراخ موجود ہے تو سب کے سب کو فراخ رزق ملے اور اگر ملک میں اندازے کا رزق ہے تو سب کے سب کو اندازے کا رزق ملے۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ملک میں رزق ہی کم ہو تو پھر ضابطہ الٰہی کے مطابق غلے کا ملک میں مہیا کرنا سربراہ مملکت کا فرض ہے چنانچہ دورِ یوسفی میں شاہِ مصر کو اپنے فرض منصبی کا اس قدر خیال تھا کہ خواب میں بھی اسے اسی چیز کا فکر رہتا تھا کہ ملک میں غلے کی کمی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس کے فرض منصبی کی پابندی ہی کا نتیجہ تھا کہ اسی خواب میں بتا دیا گیا کہ سات سال خوب بارشیں ہوں گی اور پھر سات سال خشک سالی ہوگی۔ اس لئے پہلے سات سالوں میں چودہ پندرہ سالوں کیلئے غلہ پیدا کرکے جمع کر لو۔ چنانچہ اس فرض شناس بادشاہ نے چودہ پندرہ سالوں کیلئے غلہ پیدا کروایا اور اس اہم مہم کی تکمیل یوسفؑ کے دست مبارک سے انجام پائی۔ جو سربراہِ سلطنت اپنے اس فرض سے غافل ہو، اس کی حکومت کا تختہ فوراً الٹ جاتا ہے اور کوئی فرض شناس سربراہ برسر اقتدار آجاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب پاکستان غلے میں خود کفیل نہیں تھا تو حکومت غیر ممالک سے گندم منگا کر ملک میں غلے کے ذخیرے مہیا کیا کرتی تھی۔

غلہ مہیا کرنے کی ذمہ داری کے بعد مرکزی حکومت کا فرض منصبی ہے کہ تقسیم رزق اور تقسیم ضروریات زندگی کا ایسا نظام قائم کرے کہ اگر ملک میں فراخ رزق موجود ہے اور فراخ ضروریات زندگی موجود ہیں تو ملک کے ایک ایک بشر کو فراخ رزق اور فراخ ضروریات زندگی ملتی رہیں اور اگر اندازے کا رزق یا اندازے کی ضروریات زندگی موجود ہیں تو سب کے سب افراد مملکت کو اندازے کا رزق اور اندازے کی ضروریات زندگی ملا کریں۔

۳ سورہ سبا میں آیت زیر بحث دو مرتبہ آئی ہے:۔ **وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ○ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ○ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ○**
۳۴/۳۹ تا ۳۴

(مفہوم) اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں اپنا کوئی نذیر (یعنی رسول کہ اس نے نظام ربوبیت کی دعوت دی) مگر اس بستی کے استحصال کرنیوالوں نے کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو' ہم اس کا انکار کرتے ہیں اور انہوں نے کہا کہ ہم مال اولاد میں کثرت میں ہیں (باقی لوگ ہم میں سے مال اور اولاد میں کمزور ہیں) اس لئے ہم کو عذاب نہیں دیا جائیگا۔ آپ کہہ دیں کہ (تمہارا مال غریبوں کے استحصال کا نتیجہ ہے) میرا پروردگار اپنے قانون مشیت کے مطابق اپنے بندوں میں سے انہیں (جو خود متوازن نظام قائم کرکے عملاً" چاہتے ہیں) یا تو بافراط رزق عطا کرتا ہے سب کو یا اندازے کا رزق دیتا ہے سب کو اور نوع انسانی کی اکثریت اس الہی حقیقت کو نہیں جانتی اور استحصال کے ذریعہ جمع کردہ تمہارے مال اور اس حرام مال کی پروردہ اولاد ایسی نہیں ہے کہ وہ تمہیں ہمارے (اللہ کے) قریب کر دے' سوائے اس کے کہ (ہمارے قریب وہ ہو سکتے ہیں) جو نظام ربوبیت پر ایمان لائیں اور اسے بروئے کار لانے کے لیے اصلاحی کام کریں۔ پس یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے ان کے عملوں کی دوگنا جزا ہے اور وہ بالا خانوں میں با امن محفوظ ہوں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔ آپ دوبارہ فرما دیئے گا کہ میرا پروردگار اپنے قانون مشیت کے مطابق اپنے بندوں میں سے انہیں (جو خود متوازن نظام قائم کرکے عملاً" چاہتے ہیں) یا تو بافراط رزق عطا فرماتا ہے سب کے سب کو' اور یا اندازے کا رزق دیتا ہے سب کے سب کو اور (ایسے نظام کے قائم کرنے میں) تم جو کچھ خرچ کرو گے تو وہ اللہ اس کا بدلہ دیگا اور وہ بہتر رزق دینے والا ہے۔

ان آیات مجیدہ میں استحصالی مال داروں کے مالوں کو مال حرام قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ نہیں بتایا اور رسولؐ مقبول سے دو مرتبہ آیت مجیدہ زیر بحث کا اعلان کرایا ہے کہ وہ مال جو متوازن نظام کے قیام کے ذریعہ تمہیں میسر آئے جس میں کمی بیشی کی تمیز موجود نہ ہو' سب کو ایک جیسا میسر آئے اسے اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ قرار دیا ہے اور دو مرتبہ کے اعلان کے ذریعہ واضح کر دیا گیا ہے کہ قانون مشیت یہ ہے کہ تم ایسا نظام قائم کرو جس میں وافر رزق ملے تو سب کو اور یا اندازے کا ملے تو سب کو رزق کی تنگی کا الہی نظام میں تصور تک پیدا نہیں ہوتا۔

سورہ روم میں بھی آیت زیر بحث آئی۔ اس کے پیش کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا اعلان ذیل ملاحظہ فرمائیں:۔ **وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ط** ۷/۱۵۶ اور میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ چنانچہ وسعت رحمت کے مطابق سورہ روم میں ارشاد ہوا ہے:**وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ط وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ**

يَعْقِلُوْنَ ○ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

۳۶-۳۷/۳۰ اور جب نوع انسانی کو (اپنے قانون مشیت کے مطابق) رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اور جب اپنے ہی ہاتھوں کی کرتوت کی بدولت انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو اچانک نا امید ہو جاتے ہیں۔ کیا انہوں نے غور نہیں کیا (یعنی انہیں غور کرنا چاہئے کہ آنیوالے مصائب کے خطرات سے بچنے کے لئے) اللہ تعالٰی (اپنے قانون مشیت کے مطابق) ان لوگوں کو یا تو وافر رزق دیتے ہیں سب کے سب کو یا اندازے کا رزق دیتے ہیں سب کے سب کو جو (نظام ربوبیت قائم کرکے) خود چاہتے ہیں۔ بیشک اس بیان میں ماننے والوں کیلئے عبرت حاصل کرنے کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

دیکھا آپ نے! کہ انفرادی نظام میں آئے دن جن خطرات کے ورود کا خوف لاحق ہوتا ہے کہ ذرا سی لغزش ہوئی تو کوئی نہ کوئی مصیبت آجائے گی' اس کا حل بتا دیا گیا ہے کہ ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جائے جس میں رزق کا مسئلہ سر فہرست ہو کہ وافر ملے تو سب کے سب کو اور اندازے کا ملے تو سب کے سب کو۔ اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے' مثلاً" کسی غلطی سے وہ لمبا بیمار ہو جائے اور یا وہ ایسی بلندی سے گر پڑے کہ جسم چکنا چور ہو جائے اور سال بھر کیلئے ڈاکٹروں کے زیر علاج رہے تو سال بھر کے علاج کا اور اہل خاندان کی ضروریات زندگی کا خرچ کہاں سے پورا ہو۔ اس کا اور اسی قسم کے ہزار ہا مصائب ناگہانی کا حل اللہ تعالٰی نے ایسے اجتماعی نظام کے ذریعہ دے دیا ہے کہ مذکورہ بالا مصائب کے وقت فرو مذکور کو' نہ اپنے علاج کے خرچ کی فکر ہوگی اور نہ اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی کا غم ہوگا۔ یہ سب کچھ **اِنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ** کے اعلان عام میں بیان کر دیا گیا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں یہ جملہ مبارکہ اس ذکر کے ضمن میں لایا گیا ہے کہ انفرادی نظام میں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوتا ہے۔ روز مرہ کے خرچ یا شادی بیاہ کے خرچ کے وقت اگر کنجوسی کرے تو پھر بھی بدنامی ہوتی ہے اور اگر فضول خرچی کرے تو پھر بھی ندامت اٹھانا پڑتی ہے کہ قرض خواہ ہروقت دروازہ کھٹکھٹاتے رہتے ہیں اور سرعام بے عزتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔ **وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ○ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ○**

۲۹-۳۰/۱۷ اور تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں بندھا ہوا نہ رکھ (یعنی کنجوس نہ بن) اور نہ اپنے ہاتھ کو کھول دے بالکل کھول دینا (یعنی فضول خرچی بھی نہ کرنا) ورنہ تو ملامت کیا گیا اور حسرت و افسوس کرتا ہوا پایا جائیگا۔ (ان مشکلات کا حل یہ ہے کہ) بلاشبہ تیرا پروردگار (اپنے قانون مشیت کے مطابق) انہیں کھلا رزق دیتا ہے سب کے سب کو' یا اندازے کا رزق دیتا ہے سب کے سب کو' جو متوازن نظام قائم کرکے خود ایسے نظام کو عملاً" چاہتے ہیں۔ بیشک (اللہ تعالٰی نے یہ فیصلہ اسلئے کیا ہے کہ) وہ اپنے بندوں کی جبلت اور ان پر آنے والے حالات سے بہت بڑھ کر خبردار بھی ہے اور بہت بڑھ کر صاحب بصیرت بھی ہے۔ (وہ جو فیصلہ کرتا ہے ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرتا ہے)

دیکھئے! اگر حقیقت یہ ہو جو روایتی ترجمہ سے ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالٰی انفرادی طور پر جسے چاہتا ہے وافر رزق عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تو پھر اس نصیحت کے کیا معنی کہ نہ تو کنجوس بن اور نہ فضول خرچ ورنہ تو ملامت کردہ اور افسوس کرتا ہوا رہ جائیگا۔ کیونکہ اگر بلا سبب اللہ تعالٰی کسی کا رزق کھلا کر دے اور کسی کو تنگ' تو پھر وہ شخص جس کا رزق اللہ تعالٰی نے کھلا کر دیا ہے اگر وہ فضول خرچی کرے تو اس کا اثر اللہ کے کھلے رزق پر کیا پڑ سکتا ہے جس نے کھلا ہی رہنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ اوپر پیش کردہ پانچوں آیات کریمات میں دیکھ چکے ہیں کہ روایتی ترجمہ کسی ایک

مقام پر بھی فٹ نہیں آتا کہ اگر اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے رزق کھلا کر دیتا ہے تو انسان کی خوبی کیا اور اگر اللہ ہی جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے تو اس کا قصور کیا۔ ہم لوگ ایک نکھٹو اور قمار باز شخص کو کیوں ملامت کرتے ہیں' تو نکما اور نکھٹو ہے اسلئے بھوکا مرتا ہے اوپر دی گئی پانچویں آیات مبارکہ سے ثابت ہے کہ آیت زیر بحث کا روایتی معنی صد فیصد غلط ہے اور تصریف آیات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا اپنا فیصلہ صد فیصد ٹھیک ہے کہ جو لوگ خود متوازن نظام قائم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں یا تو وافر رزق دیتا ہے اور یا اندازے کا تنگ رزق دینا اللہ کی شان کے صد فیصد منافی ہے۔

واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطاء رزق کے مختلف انداز ہیں۔ مثلاً" سورہ عنکبوت میں ارشاد ہوا ہے:۔ **وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ** ○ ۲۹/۶۰ اور بہت سے جاندار ایسے ہیں جو اپنا رزق (اپنے ساتھ) اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہ خوب خوب سننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے۔

دیکھئے! انسان کے سوا باقی سب جانداروں کی حالت یہ ہے کہ رزق سب کو ملتا ہے۔ لیکن نہ وہ ہل چلاتے ہیں نہ فصلیں بوتے ہیں۔ تو پس آیت بالا ۲۹/۶۰ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے عطاء رزق کے مختلف انداز ثابت ہوئے کہ باقی جانداروں کا رزق یا تو خود رو ہے کہ اللہ کے قانون کے مطابق خود بخود پیدا ہوتا ہے اور یا ان کے لئے بھی انسان ہی فصلیں اور چارہ بوتا پھر جو جاندار آزاد ہیں وہ اگر پرندے ہیں تو اڑ کر خوراک تلاش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے گھونسلوں میں انہیں خوراک نہیں پہنچاتا۔ اور اسی طرح چوپائے چرندے آزاد ہیں ان کا رزق اللہ تعالیٰ نے جنگل کی وسیع و عریض چراگاہوں میں پھیلا دیا ہے' انہیں بھی اللہ تعالیٰ ان کے کچھاروں ٹھکانوں میں رزق نہیں پہنچاتا' بلکہ انہیں خود جنگل میں پہنچ کر چراگاہوں سے خود گھاس چرنا ہوتی ہے۔ اور آزاد چوپائے درندے ہیں انہیں بھی شکار کی خود تلاش کرنا ہوتا ہے۔ خود شکار کرنا اور کھانا ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا حصول رزق کے ہر انداز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرکے ارشاد فرمایا ہے **اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ**۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بھی رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی دیتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ جنگل کے جن چرندوں یا درندوں اور فضا کے جن پرندوں کو انسان اپنے کھونٹے پر باندھ لیتا ہے۔ اور پنجرے میں بند کر دیتا ہے تو اب ان کا رزق خود کھونٹے پر باندھنے والے یا پنجرے میں بند کرنے والے کے ذمہ آجاتا ہے۔ اگر کوئی گھونٹے پر باندھنے والا کبھی کسی وجہ سے چارہ دینا بھول جائے تو چارپایہ کھونٹے پر بندھا بھوکا مرجائے گا' اسے اللہ رزق نہیں دیگا۔ اسی طرح اگر کسی نے پنجرے میں بند کئے ہوئے طوطا مینا یا تیتر بٹیر کو خوراک نہیں دی تو وہ پنجرے میں بند بھوکے مر جائیں گے۔ اللہ انہیں رزق نہیں دیگا۔ اس اصول کو ۱۱/۶ میں الفاظ ذیل بیان کیا گیا ہے:۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ○ ۱۱/۶ اور زمین میں کوئی جاندار ایسا نہیں ہے مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔ وہ جانتا ہے ہر جاندار کی جائے رہائش کو بھی اور اس کے سونپے جانے کے مقام کو بھی۔ یہ ہر چیز کتاب کائنات میں موجود ہے۔ جب کوئی چرندہ یا درندہ جنگل میں ہوتا ہے اس وقت تک اس کا مستقر جنگل اور رزق بھی جنگل ہی میں موجود ہوتا ہے' جسے وہ خود تلاش کرکے حاصل کرتا ہے۔ مگر جب کوئی انسان اسے جنگل سے لاکر اپنے کھونٹے پر باندھ دیتا ہے تو وہ اس کا مستودع ہے۔ یعنی جس کو وہ سونپا گیا ہے' جس کے وہ حوالے ہوا ہے۔ اوپر پیش کی گئی آیت مجیدہ ۲۹/۶۰ کے جملہ **اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا** ہی کی ایک صورت **مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا** بھی ہے۔ اوپر دی گئی آیت مجیدہ ۲۹/۶۰ میں جو اعلان کیا گیا ہے **اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ** کہ اللہ تعالیٰ ہر

جاندار کو بھی اس کے مخصوص انداز کے مطابق رزق عطا فرماتا ہے اور تمہیں بھی تمہارے مخصوص انداز کے مطابق رزق دیتا ہے۔ اس پر جو مشاہدات کی رو سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں میں سے بعض انسانوں کو بے پناہ وافر رزق میسر ہے اور بعض کو فاقوں تک کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ ایسے سوالوں کا جواب قریب ہی دے دیتا ہے۔ چنانچہ قریب ہی ۲۹/۶۲ ارشاد ہوا ہے:۔

اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَیَقۡدِرُ لَہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۝ ۲۹/۶۲ اللہ ہی جو اپنے بندوں میں سے (اس منظم گروہ) کو بالافراط رزق عطا کرتا ہے سب کے سب کو اور یا اندازے کا رزق دیتا ہے سب کے سب کو جو اجتماعی نظام قائم کرکے خود چاہتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے (وہ خوب جانتا ہے کہ نوع انسانی میں رزق کی تنگی انفرادی خود غرضانہ نظام سے پیدا ہوتی ہے۔ قرآنی نظام ربوبیت میں یا تو ہر فرد ریاست کو وافر رزق میسر آتا ہے اور یا اندازے کا۔ یعنی اگر ملک میں وافر رزق موجود ہے تو سب کو وافر رزق ملے گا اور اگر ملک میں اندازے کا رزق موجود ہے تو سب کو اندازے کا ملے گا۔ تنگ رزق قرآن کریم کی اولین آیت مجیدہ الحمد للہ رب العالمین کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی رب العالمینی کی توہین ہے۔ معاذ اللہ! استغفراللہ!

آیت زیر بحث' سورہ زمر میں بانداز ذیل آئی ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں:۔ **فَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلۡنٰہُ نِعۡمَۃً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِیۡتُہٗ عَلٰی عِلۡمٍ ؕ بَلۡ ہِیَ فِتۡنَۃٌ وَّلٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝** ۳۹/۴۹ **قَدۡ قَالَہَا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ۝** ۳۹/۵۰ **فَاَصَابَہُمۡ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوۡا ؕ وَالَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ ہٰۤؤُلَآءِ سَیُصِیۡبُہُمۡ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوۡا ۙ وَمَا ہُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ۝** ۳۹/۵۱ **اَوَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۝** ۳۹/۵۲

ان آیات کریمات کا مفہوم عرض کرنے سے پہلے مختصر تمہید پیش خدمت ہے:۔

اجتماعی نظام کی ضد ہے انفرادی نظام' جس میں ہر شخص ذاتی مفاد کیلئے دیوانہ وار بھاگ رہا ہوتا ہے۔ ہر شخص دوسرے کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ حاصل کرنے کی فکر میں ہوتا ہے۔ اس طرح جب ذاتی مفاد پرستی کی زد میں آکر کسی کو کوئی تکلیف' خصوصاً" مالی بدحالی (رزق کی تنگی) کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اللہ سے دعائیں مانگتا ہے۔ مگر پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی شانِ ربوبیت کے مطابق اسے نعمتیں عطا فرماتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ میں نے اپنی علمیّت کی بدولت حاصل کی ہیں چنانچہ مفہوم ملاحظہ فرمائیں:۔

(مفہوم) پس جب انسان کو (انفرادی نظام میں) کوئی تکلیف (بدحالی' رزق کی تنگی) پہنچتی ہے تو ہمارے حضور دعا کرتا ہے۔ پھر جب ہم (اپنی شان رب العلمینی کے مطابق) اسے اپنی نعمت (رزق کی فراوانی) عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ میرے ذاتی علم کی بدولت ہے۔ (یوں نہیں) بلکہ یہ تصور ایک فتنہ ہے اور لیکن ان کی اکثریت (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ بیشک ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔ لیکن جو کسب انہوں نے کیا' اس نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ پھر جو عمل انہوں نے کیا اس کی بدولت انہیں بد حالیاں (تنگ دستیاں) پہنچیں۔ اور جو ظلم ان لوگوں نے کیا ہے اس کی برائیاں (بدحالیاں) ان کو بھی ضرور پہنچیں گی۔ اور وہ اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں (وہ اللہ کی مرتب کردہ سزا سے بچ نہیں سکتے) کیا ان لوگوں نے جانا نہیں؟ (یعنی انہیں جاننا چاہئے کہ مالی بدحالیوں' رزق کی تنگی کا حل یہ ہے کہ) بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو یا تو فراخ رزق دیتا ہے سب کے سب کو' اور یا اندازے کا رزق دیتا ہے سب کے سب کو جو ایسا نظام قائم کرکے) خود چاہتے ہیں (کہ اگر ملک میں وافر رزق موجود ہو تو سب کو وافر رزق ملے اور اگر اندازے کا موجود ہو تو سب کے سب کو اندازے کا رزق ملتا رہے)

بلاشبہ اس بیان میں ان لوگوں کیلئے عبرت کی بہت سے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں (اس حقیقت پر کہ ہر فرد معاشرہ کو مساوی و متوازن رزق کا حق حاصل ہے ۶/۳۶ + ۷/۲۴)

ایک لمحہ فکریہ ○ پیچھے آیت مجیدہ ۳۰/۳۷ میں بھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ **اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ** ط کے بعد آیا ہے **اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ** ○ ۳۰/۳۷ اور یہاں آیت نمبر ۳۹/۵۲ میں بھی **اَوَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ** کے بعد آیا ہے **اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ** ○ ۳۹/۵۲

دیکھئے! ان دونوں آیات مجیدہ میں **اَوَلَمۡ یَرَوۡا** اور **اَوَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا** آیا ہے بمعنی کیا لوگوں نے غور نہیں کیا اور کیا لوگوں نے جانا نہیں' یعنی لوگوں کو غور کرنا اور جاننا چاہئے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ یا تو وافر رزق عطا فرماتا ہے اور یا اندازے کا (تنگ رزق اللہ نہیں دیتا) اور اس کے بعد دونوں آیتوں میں ایک ہی جملہ لایا گیا ہے **اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ** ۳۰/۳۷ + ۳۹/۵۲ بلاشبہ مذکورہ بالا بیان میں ایمان لانے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز پر ایمان لانے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں؟ کیا اس چیز پر ایمان لانا ہے جو رواجی تراجم نے تصور پیش کیا ہے **یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ** کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے۔ تنگ کر دیتا ہے العیاذ باللہ !

واضح رہے کہ رزق کی تنگی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا وہ جرم عظیم ہے اور وہ جرات بیباک ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ آیت مجیدہ ۲۸/۴ کے حوالہ سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ کسی کا رزق تنگ کر دینا اللہ تعالیٰ کے سرکش و نافرمان فرعون کا عمل تھا اور ایسا کرنے والے سب اپنے اپنے وقت کے فرعون ہیں۔ نیز ۳۸/۳۹ کے حوالہ سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ عوام کے رزق کی ذمہ داری صدر مملکت پر ہوتی ہے سلیمانؑ کو عطاء حکومت کے بعد ارشاد ہوا۔ **هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِکۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ** ○ ۳۸/۳۹ یہ عطاء حکومت ہماری بے حساب بخشش ہے اب آپ کے اختیار میں ہے کہ توازن قائم کرکے احسان کریں یا رزق کے سرچشموں کو جو آپ کے اختیارات میں دیئے گئے ہیں انہیں اپنے لئے اور اپنے عملہ حکومت کیلئے روک لیں۔ انہی اختیارات کا فرعون نے غلط استعمال کیا اور اپنی قوم قبطیوں پر رزق کے دروازے کھول دیئے اور بنی اسرائیل کو ملک میں بیگاری بنا کر ان کا رزق تنگ کر دیا۔ انہیں صرف اتنی خوراک دی جاتی تھی کہ وہ اگلے دن کی محنت و مشقت کے لئے زندہ رہ سکیں۔ پس انہی اپنے عطا کردہ اختیارات کے صحیح استعمال کو مذکورہ بالا جملہ مبارکہ میں ظاہر کیا ہے۔ **اِنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ** بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو یا تو فراخ رزق دیتا ہے سب کے سب کو یا اندازے کا رزق دیتا ہے سب کے سب کو' جو (ایسا نظام قائم کرکے) خود چاہتے ہیں (کہ اگر ملک میں وافر رزق موجود ہو تو سب کے سب کو وافر رزق ملے اور اگر اندازے کا ہو تو سب کے سب کو اندازے کا رزق ملتا رہے۔

یَرۡزُقُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ میں آمدہ خط کشیدہ **واوٌ** بمعنی **اَوۡ** ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شان ربوبیت کے مطابق تقسیم رزق کے دو ہی انداز ہیں یا تو فراخ ہو سب کے سب کیلئے اور یا اندازے کے مطابق ہو سب کے سب کے لئے۔

وَفَرِحُوۡا بِالۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ آخرت کی زندگی کو بھلا کر دنیا کی زندگی پر خوش ہوتے ہیں کہ انہیں دنیا میں آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جائز و ناجائز طریقے سے جس طرح چاہیں اپنی ہی نوع کے حقوق ربوبیت پر ڈاکے ڈالتے رہیں۔ اور کمزوروں کا استحصال کرتے چلے جائیں' کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ اس جملے میں خط کشیدہ لفظ فی کا معنی ہے بمقابلہ۔ اور متاع کیساتھ لفظ **قَلِيْلٌ** محذوف ہے۔ اور **حَيٰوةُ الدُّنْيَا** کی تعریف چند روزہ ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ لوگ جس دنیا کی زندگی پر خوش ہیں' وہ تو چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا سامان زیست ہے اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے پر بہت کم اور بہت بے مایہ و بے وقعت ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قانون مشیت کے مطابق اجتماعی نظام قائم کریں گے ان کے ہر ایک فرد کو دنیا میں زندگی بھر یا تو وافر رزق ملتا رہے گا اور یا اندازے کا ہر سربراہ ریاست کا اولین فرض منصبی یہ ہے کہ ملک میں ملک کی آبادی کے مطابق یا تو وافر رزق مہیا کرے اور یا اندازے کا۔ ہر دور کے مطابق متوازن تقسیم کا انتظام اس کے ذمہ ہے۔

سورہ رعد کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانہ رسالت محمدی کے کافروں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اس مدعی رسالت پر کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی' جس کو دیکھ کر ہر شخص ہدایت پالے۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی قسم کی نشانی (معجزات) نازل نہیں کرتا' بلکہ وہ اپنے ضابطہ حیات میں واضح دلائل نازل کر دیتا ہے اور اسے گمراہ ٹھہراتا ہے جو خود گمراہی کو پسند کرتا ہے اور اسے ہدایت یافتہ قرار دیتا ہے جو خود اپنے خالق و مالک کی طرف از خود رجوع کرتا ہے:۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾

(۲۷) اور کافر کہتے ہیں کہ اس (مدعی نبوت) پر کوئی نشانی کیوں اس کے رب کی طرف سے نہیں نازل کی گئی (جسے دیکھ کر لوگ ایمان لے آئیں) آپ کہہ دیجئے گا (اے رسولؐ) کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے گمراہ ہوا پاتا ہے جو خود گمراہی کو پسند کرتا ہے اور وہ اسے اپنی طرف ہدایت یافتہ ٹھہراتا ہے جو خود اس کی طرف جھکتا ہے۔

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ سے کفار مکہ کی مراد یہ تھی کہ کوئی معجزہ (خارق عادت عمل) آپ پر نازل ہو۔ سورہ فرقان میں انہی کا قول درج ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ڈرانے والا فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا' یا اس کو کوئی خزانہ عطا کر دیا جاتا اور یا اس کا باغ ہوتا جس میں سے وہ کھاتا ۸-۷/۲۵ سورہ بنی اسرائیل میں کفار مکہ کا مطالبہ بالفاظ ذیل درج ہے:۔

(ترجمہ) "اور کافر کہتے ہیں کہ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے کہ آپ زمین میں سے چشمہ جاری کرکے دکھا دیں۔ یا آپ کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ لگ جائے اور اس میں نہریں بہہ نکلیں۔ یا آپ اپنے زعم کے مطابق ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیں اور یا اللہ اور ملائکہ ہمارے سامنے آجائیں۔ یا آپ کا گھر سونے کا ہو جائے۔ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں پھر ہم آپ کے آسمان پر چڑھ جانے پر ایمان نہیں لائیں گے' یہاں تک کہ آپ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب لے آئیں جسے ہم پڑھ لیں ۹۰ تا ۹۳/۱۷ کافروں کے ان تمام مطالبات کے جواب میں ارشاد ہوا ہے:۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ ۹۳/۱۷ کہہ دیجئے گا اے رسولؐ! کہ میرا پروردگار ایسے تصورات سے پاک ہے (کہ یہ چیزیں بغیر اسباب کے بنا دے وہ صاحب قدرت اپنے قانون کے خلاف نہیں کرتا ۲۹/۵۰) اور میں تو بشر رسول ہوں (یہ چیزیں میرے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں)

اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ کا یہ معنی مطلقاً" غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے غور طلب یہ امر ہے کہ روایتی تراجم کے مطابق اگر اس کا یہ معنی صحیح ہو کہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے تو پھر اس نے اپنی کتابیں اور رسول کیوں بھیجے تھے۔ یضل باب تفصیل سے ہے کہ خاصہ وجدان کے مطابق **اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ** کا معنی ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ گمراہ پاتا ہے ہدایت و گمراہی انسان خود اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنا ہدایت نامہ قرآن کریم نازل کر دیا ہے جو کوئی خود چاہے اس سے خود ہدایت پائے اور جو خود چاہے

گمراہ ہو جائے۔ سورہ کہف میں ارشاد ہوا ہے:۔
وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹ اور اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ حق (قرآن کریم) تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے۔ پس جو کوئی خود چاہے اس پر ایمان لائے اور جو کوئی چاہے انکار کر دے (یعنی خود قرآن کریم پر ایمان لا کر خود ہدایت پائے اور خود اس کا انکار کر کے خود گمراہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی کو زبردستی گمراہ کرتا ہے اور نہ زبردستی ہدایت دیتا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ میں يشاء کا فاعل منْ ہے اور مفہوم یہ ہے کہ جو شخص خود گمراہ ہونا چاہتا ہے ۱۸/۲۹ اللہ اسے گمراہ ہوا ہوا پاتا ہے۔ گمراہ کرتا نہیں۔
يَهْدِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ میں کھل کر بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ اسے پاتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے اور جب وہ خود ہدایت پر پختہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت یافتہ قرار دے دیتا ہے۔

لمحہ فکریہ:۔ واضح رہے کہ ہدایت و گمراہی کے ضمن میں بھی روایتی تصور انتہائی خطرناک ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ العیاذ باللہ! سورہ یونس میں آیا ہے:۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ج فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ج وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ○ ۱۰/۱۰۸ اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ اے نوع انسانی! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق (قرآن حکیم) آگیا ہے پس جو کوئی اس سے خود ہدایت حاصل کرے تو سوائے اس کے نہیں کہ وہ اپنے آپ کیلئے ہدایت پائے گا۔ اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے اس کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا اور میں تمہارا ضامن نہیں ہوں۔ بالکل یہی الفاظ سورہ زمر ۳۹/۴۱ میں آئے ہیں۔ اس کے خلاف مفہوم جن آیات سے برآمد ہوتا ہے وہ متشابہت ہیں انکا مفہوم مذکورہ بالا محکمات کے ماتحت رکھنا لازم ہے۔ مثلاً" آیت ذیل کا مفہوم قابل غور ہے:۔
ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○ ۳۹/۲۳ یہاں بھی يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ میں يَشَآءُ کا فاعل مَنْ ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ اسے ہدایت یافتہ پاتا ہے جو خود ہدایت چاہتا ہے اور وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ کا مفہوم یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ (اس کی سرکشی کی بدولت) گمراہ قرار دے دے فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ یہاں پر گمراہی کی خبر دی گئی ہے۔ ایک تو وہ ہے کہ کوئی شخص خود گمراہ ہوتا ہے اسے اس وقت اللہ تعالیٰ گمراہ ہوا ہوا پاتا ہے گمراہ کرتا نہیں۔ اور دوسری یہ ہے پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کی سرکشی اور نافرمانی میں اس قدر حد سے بڑھ جاتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ گمراہ ٹھہرا دیتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ ایسے شخص کو کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں ہوتا۔ اسے کوئی ہدایت پر نہیں لاسکتا۔ آیت زیر بحث کا آخری جملہ ہے يَهْدِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت یافتہ ٹھہراتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے' اس کی طرف رجوع رہتا ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں انہی لوگوں کی تعریف کی گئی ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸

(۲۸) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کے اذہان اللہ کے ذکر (قرآن کریم) کے ساتھ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ خبردار! (بگوش ہوش سن لو کہ) اللہ کے ذکر قرآن کریم ہی کے ساتھ اذہان اطمینان حاصل کرتے ہیں (اس ضابطہ حیات کے سوا کوئی اور ضابطہ ہے ہی نہیں' جس سے ذہنی

سکون حاصل ہو سکے)

ذکر اللہ سے مراد قرآن کریم ہے سورہ حجر میں ارشاد ہوا ہے۔ **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** ○ ۹/ ۱۵ بیشک اپنے نصیحت نامہ قرآن کریم کو ہم ہی نے نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس نصیحت نامے کی حفاظت کرنے والے ہیں (اس کی کوئی زیر زبر نہیں تبدیل کر سکتا۔ ذکر کا لفظی معنی نصیحت بھی ہے اور نصیحت نامہ بھی ہے۔ یہ ذکر جو نازل کیا گیا ہے' صرف اور صرف قرآن کریم ہے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔

تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ کے الفاظ میں ذہنی اطمینان کی خبردی گئی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم وہ متوازن ضابطہ حیات ہے جو ہر کسی کی ضروریات زندگی کی ضمانت دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سکون قلوب اور اطمینان قلب' تب ہی نصیب ہو سکتا ہے جب انسان ضروریات زندگی کی فکر سے آزاد ہو جائے اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿٢٩﴾

(۲۹) جو لوگ ایمان لائیں اور اصلاح معاشرہ کے کام کریں ان کے لئے خوشحالی اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

طُوبَىٰ کا معنی ہے رزق کی خوشحالی' یعنی یا تو وافر رزق اور یا اندازے کا۔ وہ لوگ رزق کی تنگی سے مطلقاً" بچے رہتے ہیں۔

حُسْنُ مَآبٍ کا معنی ہے اچھا ٹھکانہ۔ یعنی جہاں ضروریات زندگی مسلسل ملتی رہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطہ حیات پر عمل کرکے اجتماعی نظام قائم کرنے ہی سے ملتی ہیں۔ اور اسی ضابطہ حیات پر عمل کرنے سے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔

كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾

(۳۰) اور اسی طرح (اے رسولؐ) ہم نے آپ کو ایک امت کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا ہے۔ بیشک اس امت سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں۔ (آپ کو اسلئے بھیجا گیا ہے کہ) آپ ان لوگوں پر وہ کتاب تلاوت فرمائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ رحمان کا انکار کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے گا کہ وہ رحمان ہی میرا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی اور فرمانبرداری کے قابل نہیں ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے منکر نہیں تھے۔ ۸/۳۲ میں ان کا قول درج ہے **وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ** اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو (ہمارے انکار کی بدولت) تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ آیت بالا ۳۰/ ۱۳ میں بتایا گیا ہے کہ وہ رحمان کے منکر تھے۔ رحمان کا معنی ہے مفت نعمتیں دینے والا۔ قرآن کریم بھی ایک مفت کی نعمت ہے۔ رحمان کا انکار قرآن کا انکار ہے۔ **الرَّحْمَٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ** ○ ۱-۲/۵۵ مفت نعمتیں دینے والے نے قرآن سکھایا۔

ان لوگوں سے کہہ دو کہ اس کے سوا کوئی اور الہٰ قابل عبادت نہیں ہے میرا اسی ذات پر اعتماد اور بھروسہ ہے اور اس کی طرف میرا ٹھکانہ ہے نتائج اعمال کا وہی سرچشمہ ہے حکمران ہے اک وہی باقی بتان آزری۔

آیت نمبر۳۱ میں بتایا گیا ہے۔ کہ اللہ کا ہر کام اپنے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہی طے پاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ
قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى
بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا
وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ
بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ
دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾

(۳۱) اور اگر قرآن ایسا ہوتا۔ کہ اس سے پہاڑ چلائے جاتے۔ یا اس سے زمین کی مسافت طے ہو جاتی۔ یا اسی سے مردوں سے باتیں کی جاتیں۔ (تو قرآن سے بھی ایسا ہو سکتا) بلکہ یہ سب کام اللہ کے امر (قانون) کے مطابق ہوتے ہیں۔ کیا یہ ایمان والوں نے جان نہیں لیا۔ کہ اگر اللہ کی مشیت (قانون) ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو (زبردستی) ہدایت دیتا۔ اور یہ کافر تو ہمیشہ ہی اس حالت میں رہتے ہیں۔ کہ ان پر کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہتی ہے۔ یا ان کی بستی کے قریب (مصیبت) نازل ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ میں **لَوْ** حرف شرط ہے۔ جس کی جزاء محذوف ہے۔ جس کا قرینہ صرف **بل اللّٰه الامر** میں موجود ہے۔ یعنی ایسا ہرگز ہرگز نہیں۔

اس کا جواب سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا۔ تو اس قرآن میں ضرور ایسی آیت ہوتی۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کے سواء کوئی اور وحی ہدایت نازل نہیں ہوئی کہ دوسری بات اس کتاب میں تلاش کر لی جائے۔ اللہ کی کتاب مکمل و اکمل ہے اور ہر مسئلہ کی پوری پوری وضاحت کرنے والی ہے۔ اس میں عقل و بصیرت کے خلاف کوئی بھی بات نہیں ہے اس لئے عقل والوں کو دعوت قرآن دے کر کوئی چھو منتر یا کوئی وظیفہ یا چلہ کشی کا سبق نہیں دیا گیا۔ عالم اسباب میں اللہ نے تو تسخیر کائنات کا حکم دے دیا ہے۔ انسان مادی ترقی کرکے ایسے وسائل پیدا کر لے جس سے پہاڑ ہٹ جائیں۔ زمین کی مسافت طے ہو جائے۔ ایسا ہونا اللہ کے قانون کے عین مطابق ہے اس لئے جواب کو چھوڑ دیا ہے۔ یعنی ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے یعنی اس میں چھو منتر والی کوئی بات نہیں ہے یہ تو علم و عمل کی کتاب ہے۔ جو انقلاب آور ہے اور مکمل انسانیت کے لئے اللہ کی طرف سے دستور حیات ہے جس کے نتائج اٹل اور محکم ہیں۔ ہر قسم کے عملی نتائج اللہ ہی کے قانون کے مطابق سامنے آئیں گے۔

دوسرے مقام پر آیا ہے **لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط** (۵۹/۲۱) اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے (وہ پہاڑ عقل و شعور رکھتا) تو ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے ٹکڑے ہوتا۔ اور پھٹ جاتا۔

یا کوئی آیت پڑھ کر پھونک دیا جاتا۔ اور مسافت طے ہو جاتی۔ قرآن حکیم میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ زمین کی مسافت تو مادی ذریعے سے طے ہوگی۔ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹانے یا زمین کی مسافت طے کرنے میں جو مصیبتیں آئیں گی۔ ان کو اللہ کے مادی قانون سے رفع کیا جائے گا۔ اور وہ مادی وسائل ہوں گے۔ جس سے پہاڑوں کو کاٹ کر راستے بنائے جائیں گے اور زمین سے سڑکیں اور ریل کا نظام خود اس بات کی تشریح ہے کہ مسافت کس طرح طے ہوتی ہے۔

كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى کے الفاظ میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی آیت نازل نہیں کی۔ کہ جس کے پڑھنے سے مردہ زندہ ہو جائے اور اس سے باتیں کی جائیں۔ یاد رہے کہ مردہ کی دو اقسام ہیں (۱) طبعی (۲) روحانی۔

طبعی مردوں کے لئے فرمایا کہ وہ اللہ کے قانون کے مطابق یوم الدین کو اپنے اعمال کا جواب دینے کے لئے اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے وہ یوم حشر سے پہلے زندہ نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی طبعی زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ کوئی آیت ایسی نہیں کہ جس کی تلاوت سے وہ مردے زندہ ہو سکیں۔

روحانی وہ مردے جو زندہ تو ہوتے ہیں۔ مگر زندگی نہیں ہوتی۔ **اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ** (۶/۱۲۲) آیا اس کی طرح جو مردہ تھا۔ اور ہم نے اس کو زندگی دی۔ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ **اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ**۔ اے ایمان والو! اللہ کا رسول تم کو بلائے اس لئے کہ تم کو زندگی دے۔ زندہ تو وہ ہیں جو چلتے پھرتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ اور کام کاج کرتے ہیں۔ مگر ان کو زندگی کے لئے بلایا گیا ہے۔ یعنی آؤ اس لئے کہ تم کو وہ اصول بتائے جائیں کہ تم زندہ قوموں میں شامل ہو جاؤ۔ وہ قوم جو غلامی میں دبی ہو زندہ ہو کر دوسروں پر غالب آجائے۔ اس کا راز صرف قرآن حکیم پر عمل ہے۔ اگر تم طاقت پیدا کرو گے۔ تو غالب ہو جاؤ گے۔ قرآن مجید کی بارگاہ میں غلبہ' طاقت اور یکجہتی میں ہے۔

مطلب یہ ہوا۔ کہ جو طبعی مردے ہیں۔ وہ تو اللہ کے قانون کے مطابق قیامت کے دن تک زندہ نہیں ہوں گے۔ لہذا اس قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں۔ کہ جس سے مردوں سے باتیں کی جاسکتی ہیں۔

الْاَمْرُ جَمِيْعًا" کے جملہ مبارک میں بتایا گیا کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے امر (قانون) کے مطابق ہوتا ہے۔ جس میں کسی کو کوئی دخل نہیں۔ وہ اللہ اپنے قانون محکم کے ساتھ اپنے اختیارات استعمال کرتا ہے۔ اس کے قانون کے مطابق پہاڑوں کو چلانا اور زمین کی مسافت طے کرنا۔ یہ سب کچھ صرف مادی وسائل سے ہی ہو سکے گا۔ صرف آیت قرآنیہ پڑھنے۔ ورد وظائف یا چلہ کشی کے شعبدہ سے ہرگز نہ ہو گا۔ عالم اسباب میں یہ انقلابات تو اللہ کے امر کے مطابق ہی وقوع پذیر ہوں گے۔ **اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ** ط خلق و امر میں اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے کوئی فرد محترم بھی اس کے نظام محکم میں شریک نہیں۔

کیا مومنوں نے اللہ کی کتاب کو تسلیم کرکے یہ جان نہیں لیا۔ کہ مادی ترقی سے یہ سب ہو سکے گا۔ مگر اس کے بغیر نہیں۔ وہ اس سے ناامید نہیں ہیں۔ اگر اللہ کے قانون میں یہ ہوتا۔ کہ انسان کو ایک ہی نہج پر پیدا کیا جاتا۔ اور وہ دوسرے حیوانات کی طرح اپنی زندگی بسر کرتا۔ اور وہ اس کے حکم کے خلاف کچھ نہ کر پاتا۔ تو پھر جزا و سزا اور یوم الدین کا کیا مطلب ہوتا۔ کیونکہ انسان کو پیدا کرکے اس کو کھلی چھٹی دی گئی ہے۔ کہ جو وہ چاہتا ہے۔ اس دنیا میں عمل کرے۔ مگر اس کی زندگی پر کچھ پابندی لگائی گئی ہے۔ کہ جو کچھ وہ کرے گا۔ تو لازمی طور پر اپنے عمل کا خود بخود جواب وہ ہو گا۔ مگر دوسری مخلوق میں ایسی بات نہیں ہے۔ لہذا اس کے لئے راہ دکھانے کے لئے خارجی طور پر ایک کتاب کا ہونا ضروری تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی شکل میں بواسطہ رسول مقبول سلام علیہ عطا فرما دیا ہے۔

رجوع الی المطلب۔ اگر اللہ کے قانون میں ایسا ہوتا۔ تو جبلی طور پر اس کو ایک نہج پر پیدا کیا جاتا۔ وہ بھی دوسروں کی طرح زندگی بسر کیا کرتا۔ مجبور محض ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے وہ ذی عقل بااختیار ہے۔ **اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ** جو چاہو تم عمل کرو۔ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** ط

جو لوگ کفر کرتے ہیں۔ اس کے بدلے ان کو مصیبت آتی ہے۔ یہ ان کے لئے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے چونکہ حضرت انسان نے خود ایسا نظام کار وضع کر لیا ہے کہ جس کی بدولت دنیا میں اسے امن نصیب نہیں۔ اسے سکون قلب کی نعمت میسر نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے اعمال کی خود سزا پاتا ہے۔ بلکہ وہ مصیبت نہ صرف اسے بلکہ ارد گرد کے لوگوں کو بھی اپنی

لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو اس میں کسی کا لحاظ نہیں ہوتا۔ کیونکہ گندی روش زندگی کا ہمنوا رہنا بھی بذات خود جرم ہے۔ چونکہ انسان انسان کے لئے جو بھی قانون مرتب کرے گا۔ نتیجۃً غلط ثابت ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے خود قانون نازل کیا ہے۔ تاکہ اس پر عمل کیا جائے اور بھرپور نتائج حاصل کئے جائیں۔

یہاں تک کہ اللہ کا قانون پورا ہو جائے۔ اور وہ وعدہ جو اللہ نے مومنوں کے ساتھ کیا ہے۔ پورا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ **اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ** (القرآن)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے غلبے کا وعدہ کیا ہے مگر وہ مشروط ہے اگر تم اللہ کے ساتھ کئے گئے وعدے پورے کرو گے۔ تو میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ اگر تم نے اللہ کا قانون چھوڑ دیا۔ تو میں بھی تمہاری مدد نہیں کروں گا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کے بیان میں یہ بتایا گیا۔ کہ تم میرے وعدے پورے کرو گے۔ تو میں تم کو غلبہ دوں گا۔ **اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ** ط (۲/۴۰)

نکہ بازگشت:۔ اور اگر قرآن کریم کی تعلیم ایسی ہوتی۔ کہ اسی کی آیات تلاوت کرنے سے پہاڑ حرکت میں آتے اور چل پڑتے۔ یا اس کے پڑھنے سے زمین کی مسافت طے ہو جاتی۔ یا مردوں سے باتیں کی جاسکتیں۔ تو قرآن مجید سے بھی ایسا ہوسکتا تھا۔ مگر ایسا مشاہدہ نہیں۔ کیونکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے مستقل قوانین کے تحت سرانجام پاتا ہے۔ ایمان والوں کو جان لینا چاہئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔ ہدایت کا راستہ ہر ایک کے لئے ہر وقت کھلا ہے خواہ کوئی ہدایت قبول کرے یا ہدایت کا انکار کر دے۔ انکار کرنے والوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے بطور تنبیہ کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہتی ہے۔ پھر ایسا ہوتا ہے۔ کہ ان کی مسلسل نافرمانیوں کی بدولت قرب و جوار کے علاقے بھی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ہر کام کے نتیجہ کا وقت مقرر ہے اور جب قانون مہلت گزر جاتا ہے۔ تو پھر اللہ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوسکتی۔ اور عذاب الٰہی ان لوگوں کو ان کے اعمال کی بدولت گھیر لیتا ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے۔ کہ جس کے پڑھنے سے پہاڑوں کو چلایا جاسکے۔

۲۔ قرآن کریم ایسی خلاف عقل تعلیم سے منزہ ہے کہ جس کی آیات پڑھنے سے زمین کی مسافت طے ہو جائے۔

۳۔ قرآن حکیم میں ہرگز ایسی آیات نہیں ہیں۔ کہ جن کی تلاوت سے مردے زندہ ہو جائیں۔ اور ان سے باتیں ہو سکیں۔

۴۔ ہر کام اللہ تعالیٰ کے مقررہ اور مستقل قوانین کے مطابق پورا ہوتا ہے۔

۵۔ یہ بات ہر ایک پر واضح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔ "ہر شخص خود ہدایت حاصل کرتا ہے" **وَاللّٰهُ یَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ** ط

۶۔ قرآن حکیم کے احکام کی خلاف ورزی سے انسانوں کو کوئی نہ کوئی مصیبت گھیرے رکھتی ہے۔

۷۔ لوگوں کی بداعمالیوں کی انتہا ہو جانے پر آس پاس کے علاقے بھی عذاب الٰہی سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

۸۔ قانون مہلت گزر جانے کے بعد مکافات عمل پورا ہوکر رہتا ہے۔ **اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ** (۱۳/۳۱) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

اگلی آیت مجیدہ میں منکرین حق کے اعمال اور ان کے نتائج کی خبر ان الفاظ میں دی گئی ہے۔ کہ ایسے لوگ ہمیشہ سے اللہ کے رسولوں کا تمسخر اڑاتے رہے ہیں۔ جو بالآخر کیفر کردار کو پہنچے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

(۳۲) اور تم سے پہلے بھی رسولوں کی ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں۔ پس میں نے انکار کرنے والوں کیلئے املاء کرایا۔ پھر (بوجہ مسلسل بدعملی) میں نے انہیں پکڑا۔ تو ان کے لئے ہمارا عذاب کیسا رہا۔ (آثار قدیمہ کے کھنڈرات منہ بولتی تصویریں موجود ہیں)

۱۔ اِسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ کے الفاظ میں رب کریم نے کافروں کا عمل درج کیا ہے۔ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوٓا اَيْدِيَهُمْ فِيٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ

(۱۴/۹) "جب ان (منکرین) کے پاس رسل روشن نشان لیکر آئے تو انہوں نے ان کی بات نہ مانی اور کہا جس تعلیم کیساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے اس کا تو ہم انکار کر چکے ہیں اور جس بات کی طرف ہمیں بلاتے ہو اس کے متعلق تو ہم شک میں ہیں" : یعنی وہ لوگ یوم الدین کا انکار کرتے ہیں۔ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کہ "آیا ہم اکیلے اللہ کے حکم کی اطاعت کریں؟ اور اسی سے مدد مانگیں؟ اور یا ہمیں ایک دن اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے اسی اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے" پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اور آپ کے ساتھ بھی ان کا یہی سلوک ہے۔ مگر اللہ کا قانون مہلت ان کو وقت مہیا کرتا ہے کہ تمہیں جو عمل کرنا ہے کر لو اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ط (۴۱/۴۰) تم جیسے چاہو عمل کرو۔ بلاشبہ وہ (اللہ) تمہارے اعمال سے واقف ہے۔

پھر جب ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ تو دنیا کی کوئی طاقت اللہ کے عذاب سے انہیں نجات نہیں دلا سکتی۔ جیسے کہ قرآن حکیم نے قوم ہودؑ قوم نوحؑ قوم صالحؑ کا ذکر کیا ہے۔ کہ کس طرح ان پر عذاب آیا ہے۔

سورۂ کہف میں انبیاء کرام اور ان کے پیغام کی تکذیب کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے:۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا (۱۸/۵۶)

ہم رسولوں کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجتے ہیں۔ اور منکرین حق جھوٹ کے بل بوتے پر ان سے مزاحمت کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی تدابیر سے حق کو مٹا دیں۔ اور اپنے اس طرز عمل سے میری آیات اور میرے انداز کو ہنسی کا نشانہ بنا لیا۔

لیکن حق تعالیٰ انبیائے کرامؑ کے مشن کو استحکام بخشتے ہیں۔ اور منکرین کی تدابیر کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔

اے اللہ کے رسولؐ اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آپؐ ان کی گستاخیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنا کام جاری رکھیں۔ یہ لوگ اپنا انجام کار ضرور پاکر رہیں گے۔

۲۔ فَاَمْلَيْتُ تو میں نے منکرین حق کے لئے (مکافات عمل کا بدلہ پانے کے لئے) اپنے قانون میں املا کرایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قوانین کا انکار کرنے والے ضرور بر ضرور سزا پائیں گے۔ وہ عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتے۔

اگلی آیت مجیدہ میں ان لوگوں کی خبر دی گئی ہے۔ کہ کچھ لوگ خود نام رکھ کر اور پھر من گھڑت قصے ان سے چسپاں کرکے اللہ کے شریک ٹھہرا لیتے ہیں یہ اعمال ان کو آراستہ نظر آتے ہیں۔ ان خود ساختہ اعمال کی وجہ سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک رکھتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو محفوظ کرتا جا رہا ہے وہ اپنے نتائج ضرور بر ضرور بھگتیں گے۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ

(۳۳) تو کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ (اللہ) نگہبان ہے ہر اس شخص کے اعمال پر جو وہ کرتا ہے۔ اور انہوں نے اللہ کے شریک بنا لئے ہیں۔

سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّــــُٔـوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۳

(اے مخاطب) تو ان سے کہہ دے۔ (آیا) ان شرکاء کے نام تم نے خود رکھ لیئے ہیں۔ یا تم (اللہ کو) کرۂ ارض کی وہ خبر دیتے ہو۔ جسے وہ نہیں جانتا۔ یا یہ تمہاری ظاہری (منہ کی) بات ہے بلکہ منکرین کی تجویزیں ان کو آراستہ نظر آتی ہیں۔ اور انہوں نے (اپنے عمل سے) لوگوں کو سبیل ہدایت سے روک رکھا ہے۔ اور جسے (اس کے بداعمال کے باعث) اللہ گمراہ ٹھہرائے پس اسے کوئی بھی ہدایت نہیں کر سکتا۔

قَآئِمٌ سے مراد ایسا شاہد ہے۔ جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے اور اس کے مطابق اس کی جزا و سزا مرتب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے۔ کہ وہ کسی شخص کے اعمال ضائع نہیں کرتا۔ کیا یہ لوگ اللہ کے لئے شریک ٹھہراتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے۔ کہ تم ان شرکاء کے نام لے کر ان کے متعلق جس چیز کی خبر دیتے ہو وہ تمہارے احاطۂ علم سے باہر ہے۔ یہ تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ تم نے کبھی خود غور نہیں کیا۔

جو لوگ محض جذبات کی وجہ سے عقل و فکر سے کام نہیں لیتے اور خود غلط راستہ پر بضد رہتے ہیں۔ وہ کبھی بھی صراط مستقیم پر نہیں آسکتے۔

اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے خود گمراہ ہو جائیں۔ وہ دنیا و آخرت میں مصائب و آلام کا شکار رہتے ہیں۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴

(۳۴) ان لوگوں کے لئے اس دنیا کی زندگی میں بھی تباہی اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ ہوگا۔ انہیں اللہ (کے قانون مکافات) سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ (یعنی ہر شخص کو اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔)

(۳۴) اس آیت مبارکہ میں قانون الٰہیہ کے باغی افراد کے اعمال کے نتائج کی خبر دی گئی ہے۔ کہ ان کے لئے اپنے ان بد اعمال کے بدلے میں تباہی اور بربادی ہے۔ جو انہوں نے عقل و فکر سے دور رہ کر کئے۔ اور جزاء کے دن اس سے بھی بڑھ کر عذاب ہوگا۔ جس میں کوئی جی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے سفارش نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی بلکہ ہر مجرم فرد سے باز پرس ہوگی۔ اور ہر شخص کو اپنے اعمال کی لکھی ہوئی کتاب کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ ارشاد ربانی ہے۔ **وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ط** (۲/۱۲۳)

یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے جو تبدیل نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ط** (۱۳/۳۱)

اگلی آیت مجیدہ میں اخروی جنت کا نقشہ ایک مثال کے ذریعہ یوں پیش کیا گیا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا

(۳۵) اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے والوں کے لئے وعدہ کی گئی جنت کی مثال یوں ہے کہ ایک باغ ہو۔ جس کی سطح پر نہریں بہتی ہوں اور (پانی کا معقول انتظام ہو۔ جس کی وجہ سے) وہ ہمیشہ پھل دیتا ہو۔

دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلۡكَ عُقۡبَى الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا ۖ وَّعُقۡبَى الۡكٰفِرِيۡنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

اس کی آسائشیں مستقل ہوں۔ مذکورہ بالا نعمتیں اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کا نتیجہ ہوگا۔ اور انکار کرنے والوں کا انجام آگ (بد حالی) ہوگی۔

۱۔ **اُكُلُهَا دَآئِمٌ** سے مراد ایسے پودے جو ہمیشہ پھل دیتے ہوں۔ خشک سالی اور خزاں کے اثرات سے محفوظ ہوں۔ جس کی وضاحت دوسرے مقام پر یوں آئی ہے۔

تُؤۡتِيۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍۢ بِاِذۡنِ رَبِّهَا (۱۴/۲۵) (مفہوم) وہ اپنے رب کے قانون سے ہر وقت میوہ دیتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بات کی وضاحت سے خبر دی گئی ہے۔ کہ متقین کے لئے وقتی طور پر نہیں۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے اپنے رب سے اپنے بہتر اعمال کے بدلہ میں خوشحالی حاصل رہے گی۔ جو کبھی ختم نہ ہوگی۔

سورہ محمد ۴۷/۱۵ میں اس عنوان کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جس کی وضاحت اپنے مقام پر آئے گی۔

اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں اور کافروں کا عمل بتایا گیا ہے۔ اور محمد رسول اللہ سلام علیہ کو حکم ہوا کہ آپ مستقل مزاجی سے اپنے مشن پر قائم رہیں۔

وَالَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمِنَ الۡاَحۡزَابِ مَنۡ يُّنۡكِرُ بَعۡضَهٗ ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشۡرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيۡهِ اَدۡعُوۡا وَاِلَيۡهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

(۳۶) اور جن کو ہم نے الکتاب (قرآن حکیم) دی ہے۔ وہ اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ جو تیری طرف نازل ہوا۔ اور کچھ جماعتیں اس کا انکار کر دیتی ہیں۔ اے رسولؐ ان منکرین حق سے کہہ دو۔ کہ مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے۔ کہ میں اللہ کا ہر لحاظ سے فرمانبردار ہوں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کروں۔ اور اسی اکیلے اللہ تعالیٰ کی دعوت دوں۔ کیونکہ میرا ٹھکانہ اس اللہ کی طرف ہے (اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے)

يَفۡرَحُوۡنَ کا مادہ ف۔ر۔ح۔ فرح ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے خوش ہونا۔ مومن اللہ تعالیٰ کی لاریب کتاب قرآن مجید سے خوش ہیں۔ کہ جس میں زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا احسن حل دیا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا: **لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا** ط (۳/۱۶۴) (مفہوم) بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی مبعوث فرما کر مومنوں پر احسان کیا ہے۔ اور اس احسان سے مومن خوش ہیں۔

اُمِرۡتُ کے الفاظ میں محمد رسول اللہ سلام علیہ کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ اعلان کر دیں اور ان بیانیہ لاکر تصریح کر دی۔ کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل کرتا ہوں اور اس کا شریک نہیں ٹھہراتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سواہ کسی اور کے حکم کو دین میں شامل کرنا شرک فی الحکم ہے۔ جو میرا مشن نہیں ہے۔

۲۔ **اِلَيۡهِ اَدۡعُوۡا** کے الفاظ میں وضاحت کی گئی ہے۔ کہ میں صرف اکیلے اللہ کی دعوت دیتا ہوں۔ کیونکہ عقل و بصیرت کا یہی تقاضا ہے بلکہ مشاہدات گواہ ہیں۔ کہ اس کائنات میں اللہ کے سواہ کسی دوسرے کے عمل کو دخل نہیں ہے۔ قرآن کریم کے دوسرے مقام پر نبی اکرم کا قول درج ہے جو حکم ربانی ہوا کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ میں اللہ کی دعوت عقل و بصیرت سے دیتا ہوں۔

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ط (۱۲/۱۰۸)

یعنی میرا اور مجھے ماننے والوں کا طریقہ دعوت الی اللہ علی وجہ البصیرت ہے۔ اور صرف اس قرآن حکیم پر عمل کرنا ہی میرا راستہ ہے۔

کیونکہ اس میں کوئی مسئلہ بھی عقل و بصیرت کے خلاف نہیں۔

اگلی آیت مبارکہ میں خبردار کیا گیا ہے۔ کہ علم و حکم (قرآن) جو کہ عربی زبان میں نازل فرمایا ہے اس قرآن کریم کے آجانے کے بعد جس شخص نے بھی اس کے احکام کی مخالفت کی۔ اسے مکافات عمل سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

وَكَذٰلِكَ أَنزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ﴿٣٧﴾

(۳۷) اور اس طرح ہم نے اپنے حکم (قرآن) کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ اور اگر آپؐ علم قرآن کے بعد ان (منکرین) کی خواہشات کے پیچھے چلے۔ تو اللہ کے قانون کے مقابلہ میں نہ تو تمہارا کوئی مدد گار ہوگا۔ اور نہ کوئی بچانے والا۔

أَهْوَاءَهُم کے الفاظ میں منکرین حق و صداقت کی وہ خواہشات اور طور طریقے ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی لازم آتی ہو۔

۲۔ الْعِلْمِ کا معنی ہم نے علم قرآن لکھا ہے۔ جس کی تائید اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں خود کر دی ہے۔ سورہ الرحمٰن میں فرمایا: الرَّحْمٰنُ ط عَلَّمَ الْقُرْآنَ (۵۵/۱-۲) (مفہوم) رحمٰن گواہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کو صرف قرآن کا ہی علم دیا ہے۔

اگلی آیت کریمہ میں وضاحت فرما دی ہے۔ کہ اے رسولؐ آپ کی طرح پہلے انبیاء و رسلؑ بھی صاحب ازواج اور صاحب اولاد تھے۔ اور کسی رسولؐ کو بھی اللہ کے احکام کے سواء خلاف عقل تعلیم نہیں ملی۔ آپ مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھیں۔ کیونکہ ہر کام کے نتیجہ کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٣٨﴾

(۳۸) اور (اے رسول مقبولؐ) تحقیق ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے۔ اور کسی رسولؐ نے بھی اللہ کے اذن (قانون) کے خلاف کوئی نشانی (یعنی معجزہ) پیش نہیں کی۔ اور ان کی بیویاں اور اولاد بھی تھی۔ ہر کام کے نتیجہ کا وقت مقرر ہے۔

اس آیت مجیدہ میں رسول اکرمؐ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو انبیاء و رسولؐ آپ سے پہلے آئے تھے۔ وہ سب تمہاری طرح کے انسان تھے اور ان کے بھی بیوی بچے تھے۔ کھاتے پیتے تھے اور دنیاوی معاشرتی کام کرتے تھے۔ ان کے اختیار میں اللہ کا قانون نہیں تھا۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام انبیائے کرام اس اکیلے اللہ کے احکام کے تابع تھے۔

انبیائے کرام کے برخلاف وہ لوگ جو احکام الٰہیہ کی مخالفت اور نافرمانی کرتے۔ تو جب قانون مہلت پورا ہو جاتا۔ تو (قوانین ربانی کے مطابق) گرفت کا وقت آجاتا۔ منکرین مسلسل نافرمانی اور طغیانی کی حالت میں یوں کہتے۔ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ط (۶/۳۷)

(مفہوم) اور وہ انکار کرنے والے کہتے۔ کہ تو کیوں نہیں اپنے رب کے عذاب (جس کے متعلق تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے) کو لے آتا۔ اے اللہ کے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ وہ عذاب (جس کی تم دعوت دیتے ہو) اللہ تعالیٰ اپنے قانون محکم کے مطابق ہی لاتا ہے۔ اس کے کلمات (قوانین) بدلا نہیں کرتے۔ جب کسی منکر قوم کا پیمانہ ظلم بھر جاتا ہے تو عذاب آجاتا ہے۔ یہ مکافات عمل کا اٹل نتیجہ ہوتا ہے مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو اس طرف (مکافات عمل کے لئے قانون مہلت کی طرف) غور نہیں کرتے۔

نگہ باز گشت:۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لئے انبیاء کرام سلام علیہم بھیجے۔ مفاد پرست افراد نے اپنی بد عملی سے انبیاء کرام کی تکذیب کی معاشرہ میں اسلاف کی اتباع کی۔ اندھی عقیدت اور جذبات کی وجہ سے عقل و فکر سے کام نہ لیا۔ نور ہدایت سے منہ موڑا اور شرک فی الذات والصفات کے مرتکب ہوئے۔ زندگی بھر غلط روش سے مکافات عمل کو جھٹلایا۔ اور صراط مستقیم قبول نہ کیا۔ عذاب الہیٰ میں گرفتار ہوئے۔ اب تک ان کی تباہ شدہ بستیاں ہر دیدہ عبرت کے لئے موجود ہیں۔ انبیاء کرام سلام علیہم کو بذریعہ ہجرت بچا لیا گیا۔ اور ان کے مشن کو تائید و نصرت سے نوازا گیا۔

مومنین اور کفار کو اپنے اپنے اعمال کے نتائج سے آگاہ کیا گیا۔ پھر جنت اور جہنم کی مثالوں سے تنبیہ کی گئی۔ نبی اکرم سلام علیہ کو اپنے پروگرام پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہوا۔ اور بتایا گیا۔ کہ ضابطۂ ہدایت عربی زبان میں نازل ہو چکا ہے۔ صرف احکام الہیہ کی اتباع کریں۔ منکرین کی ہرگز اتباع نہ کرنا۔ سابقہ انبیاء کرام سلام علیہم بھی تمہاری طرح کے انسان ہی تھے۔ کھاتے پیتے۔ معاشرہ میں صاحب اولاد بھی تھے۔ جس طرح ان کے لئے اتباع الہیٰ ناگزیر تھی۔ مخالفت کا اختیار نہ تھا۔ اسی طرح آپ بھی زندگی بھر ہدایت الہیٰ پر عمل کرنے کے لئے مامور ہیں۔ بھرپور نتائج وقفہ مہلت کے مطابق ظہور پذیر ہوں گے۔

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ (۱۳/۳۸)

اگلی آیت مجیدہ میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ قوموں کا عروج و زوال اللہ کے مستقل قانون جاریہ کے مطابق ہوتا رہتا ہے جس قوم کے اعمال اللہ کے قانون عروج کے مطابق ہوں گے وہ قوم عروج اور ترقی پائے گی اور جس قوم کے اعمال قانون زوال کے مطابق ہوں گے تو وہ قوم پسماندہ اور ذلیل و خوار رہے گی۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

(۳۹) اللہ تعالیٰ اپنی مشیت (قانون) کے مطابق قوموں کو مٹا دیتا ہے۔ یا ثابت قدم (باقی) رکھتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی لاریب کتاب کے مطابق ہوتا ہے۔

قومیں اللہ تعالیٰ کے قانون محکم کے مطابق مٹ جاتی ہیں۔ یا زندہ رہتی ہیں۔ یعنی جب کوئی قوم خود طاقت ور اور متحد ہو کر غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔ اور اپنا غلبہ قائم رکھنے کے لئے مسلسل کوشش کرتی ہے۔ تو وہ قائم رہتی ہے۔ جب بعد میں آنے والے قانون قوت اور اتحاد کو ختم کر دیتے ہیں۔ (کاہل اور غافل ایک دوسرے انسانوں کی کمائی پر پلنے اور مترفین کے زمرہ میں رہ کر پورے بد عمل بن جاتے ہیں۔ تو زوال کا شکار ہو جاتے ہیں) تو قوم اپنے برے اعمال کے نتیجہ میں دنیا سے مٹ جاتی ہے۔ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ** (مفہوم) بے شک اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ جو خود نہ بدلے۔

اُمُّ الْكِتٰبِ یعنی کائنات جو کہ کھلی آیت (کتاب) کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ جس میں قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں بھری پڑی ہیں۔ مشاہدات گواہ ہیں (کہ ان قوموں کے عروج اور زوال کائناتی قوانین کے مطابق ہوئے) جس قوم کے اعمال عروج والے ہوئے۔ وہ قوم دنیا میں ترقی یافتہ اقوام کی صف میں آکھڑی ہوئی۔ اور جس قوم کے اعمال پستی والے ہوئے وہ قوم زوال پذیر ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی دستور ہے۔

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل پہ گامزن محبوب فطرت ہے
(اقبالؒ)

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اس کی وضاحت یوں آئی ہے:۔
وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۴۲/۲۴) (مفہوم) "اور اللہ تعالیٰ باطل (احکام الٰہیہ کی نافرمانی کرنے والوں) کو مٹا دیتا ہے۔ اور حق پرستوں (فرمانبرداروں) کو قوانین الٰہی پر عمل کرنے سے ثابت (زندہ قومیں شمار) کر دیتا ہے۔ یعنی ہر کسی کو اپنے اعمال کے مطابق بدلہ ملتا ہے۔ یقیناً وہ ذات ہر کسی کے سینے کے راز کو جانتی ہے۔ اور یہ نظام کائنات انہی قوانین کے تحت چل رہا ہے"۔

اگلی آیت مجیدہ میں جناب محمد رسول اللہ سلام علیہ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا۔ کہ آپ نتائج کو بالا طاق رکھتے ہوئے اپنے پر امن پروگرام کو جاری رکھیں۔ کیونکہ ہر شخص کے اعمال کا حساب لینا اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۞

(۴۰) اور (اے رسول) اگر ہم تجھے بعض چیزیں (تمہاری زندگی میں پوری کر دیں) دکھا دیں۔ یا تجھے وفات دے دیں جو وعدے تمہاری زندگی میں پورے نہیں ہوئے (وہ بھی ضرور پورے ہوکر رہیں گے) کیونکہ حق تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا (۴۸/۱۴)

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں نبی اکرمؐ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا۔ اے اللہ کے رسولؐ منکرین حق کے ضمن میں جو بھی وعدے فرمائے ہیں۔ وہ ہر حال میں پورے ہو کر رہیں گے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض وعدے تمہاری زندگی میں ہی پورے ہو جائیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ تکمیل وعدہ سے پہلے ہی آپ وفات پا جائیں۔ آپ ہرگز خیال میں نہ لائیں۔ کہ نتائج کب برآمد ہوں گے۔ آپ کا کام صرف کتاب اللہ کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ باقی کام اللہ کے قانون پر موقوف ہے۔ کہ مہلت پوری ہو جائے اور لوگوں کے درمیان فیصلے ہو جائیں (کیونکہ حساب لینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ یعنی ہر شخص کے اعمال کا حساب اللہ تعالیٰ کے قانون محکم کے مطابق ہوتا چلا جائے گا۔)

اگلی آیت مجیدہ میں نفس مضمون ربوبیت عامہ کا انکار کرنے والوں کو خبردار کیا جا رہا ہے۔ کہ حالات حاضرہ کا بغور جائزہ تو لو۔ کہیں مکافات عمل کا نتیجہ نہ پالو۔ کیونکہ قوانین الٰہی اٹل ہوتے ہیں۔ اور ان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ تم لوگ نتائج کا جلد مشاہدہ کر لوگے۔ ارشاد ہوا:۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۞

(۴۱) کیا انہیں نظر نہیں آیا۔ کہ ہم ان پر (قانون ربوبیت کی مخالفت کی وجہ سے) زمین تنگ کرتے جا رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ معاملہ کرنے والا ہے۔ اور کوئی انسان اللہ کے فیصلہ کو رد کرنے والا نہیں ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا: یعنی اسلامی قوانین کی بدولت لوگوں کی انفرادی مفاد پرستیاں ختم ہو جائیں گی۔ قوم کے سرداروں سے زمین چھن کر بنی نوع انسان کے استعمال میں آجائے گی ان نافرمانوں پر اللہ تعالیٰ کی زمین تنگ ہوتی جائے گی۔ دوسرے مقام پر اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہوا۔ **اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ط** (۲۱/۴۴) کیا وہ نہیں دیکھتے (انہیں غور کرنا چاہئے) کہ زمین ان کے لئے تنگ ہو رہی ہے۔ کیا (ربوبیت عامہ) کا انکار کرکے یہ لوگ غلبہ پانے والے ہیں؟ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات عمل یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ اور مسلسل ربوبیت عامہ کی مخالفت پر یہ لوگ مغلوب ہو جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ اور دنیا میں کوئی طاقت اللہ

تعالیٰ کے فیصلوں کو ٹال نہیں سکتی۔ اور نہ ہی رد کر سکتی ہے۔ وہ (اللہ تعالیٰ) محاسبہ کرنے کی پوری طاقت رکھتا ہے منکرین ربوبیت عامہ کی بداعمالیاں جب حدود کو چھونا شروع کر دیتی ہیں۔ تو ان کے اعمال کے نتیجہ کا وقت آجاتا ہے۔ اور پھر اللہ کا قانون ساتھ ہی ان کا محاسبہ شروع کر دیتا ہے۔ اور ان کو زمین میں کوئی جگہ نہیں ملتی۔ دنیا میں صرف ان کا نام باقی رہ جاتا ہے۔

وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ط اللہ تعالیٰ ہر ایک کا بہت جلد حساب چکانے والا ہے جملہ **سَرِيْعُ الْحِسَابِ** سے مفسرین نے عذاب قبر مراد لیا ہے۔ جو حقائق کے برعکس ہے چونکہ کسی بھی شخص کے مرنے کے بعد قیامت سے پہلے اس کو زندگی ملنا ثابت نہیں ہے۔ اس لئے یہ عقیدہ غلط ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے مرنے سے لے کر اس کے دوبارہ قیامت کو زندہ ہونے تک ہزار ہا سال کا عرصہ اس کے لئے ایک لمحہ کے برابر ہوگا۔ لہٰذا جونہی وہ آنکھ کھولے گا۔ حساب ہوتا دیکھ لے گا۔ اسی کو سریع الحساب کہا گیا ہے۔

اگلی آیت کریمہ میں محمد رسول سلام علیہ پر واضح کر دیا گیا۔ کہ منکرین حق و صداقت آپ سلام علیہ سے پہلے بھی انبیاء کرام سلام علیہم کے ساتھ بری تجویزیں کرتے رہے ہیں۔ تاکہ ان کی آواز دب جائے۔ ان کی من مانیاں بدستور جاری رہیں۔ مگر ہوا یہ کہ وہی منکر لوگ ناکام ہوئے ارشاد ربانی ہوا:۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾

(۴۲) (اے مخاطب) ان سے پہلے بھی لوگوں نے بری تجویزیں کیں۔ مگر ان تمام تدابیر کا نتیجہ اللہ کے (قانون کے) مطابق ہی برآمد ہوا۔ وہ ذات باری جانتا ہے۔ ہر شخص کے عمل کو جو بھی وہ کرتا ہے اور انکار کرنے والوں کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ کہ انجام کار کس کا اچھا ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ کے جملہ مبارکہ میں سابقہ منکر اقوام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کہ اے رسول! پہلے لوگوں نے بھی بری تجویزیں کیں۔ کہ حق تعالیٰ کے فیصلے نافذ نہ ہونے پائیں۔ مگر امر اللہ پورا ہو کر رہا۔ اور مخالف قومیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ ان کا کوئی مصنوعی سہارا کوئی دوست اور کوئی ولی کام نہ آیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون مشیت پر قادر ہے۔ لہٰذا جو کوئی اچھا کام کرے گا۔ اس کا نتیجہ بہتر برآمد ہوگا۔ اور جس کا کام برا ہوگا۔ برا نتیجہ پالے گا۔ **مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ط** (۴۱/۴۶) پروردگار عالم بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا۔

اگلی آیت مجیدہ میں اس امر کی خبر دی گئی ہے۔ کہ منکرین نے آپ کی رسالت کا انکار کیا۔ تو آپ نے اپنی صداقت کے ثبوت میں اللہ اور کائناتی مشاہدات کو پیش کیا۔ فرمایا:۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾

(۴۳) اور (نظام ربوبیت) کا انکار کرنے والے کہتے ہیں۔ کہ (اے مخاطب) تو اللہ کا رسول نہیں ہے۔ (یہ نظام ربوبیت رسولوں نے پیش نہیں کیا) اس رسولؐ ان سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ (اللہ کے قانون) کی شہادت کافی ہے۔ اور ہر وہ شخص بھی میری گواہی دے گا۔ جو اس کتاب (کائنات) کا علم رکھتا ہوگا۔

لَسْتَ مُرْسَلًا ۔ منکرین رسالت کے انکار کی دو وجوہات ہیں:۔

خاندانی دشمنی ○ نظام ربوبیت سے بغاوت۔

خاندانی دشمنی:۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم سلام علیہ کے دو بیٹے تھے اسماعیل سلام علیہ اور اسحاق سلام علیہ۔

اسماعیل سلام علیہ جو کہ اپنے والد محترم ابراہیم سلام علیہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آباد ہوئے۔ اور دوسرے فرزند اسحاق سلام علیہ اپنے شہر میں تبلیغ کا کام سرانجام دیتے رہے۔ اور بنی اسحاق سے "رسل و نبوت کا سلسلہ چلتا رہا۔ مگر دوسری طرف بنی اسماعیل سے مدت تک کوئی نبی رسول مبعوث نہ ہوا۔ لہٰذا بنی اسرائیل نے بنی اسماعیل سے اپنے آپ کو افضل قرار دے لیا۔ اور اپنے منہ سے اللہ کے پیارے بن بیٹھے۔ ادھر مکہ مکرمہ میں جب محمد رسول اللہ نے نبوت کا علان کیا۔ تو ان کو یہ بات ناگوار گزری۔ کہ آخرالزمان نبی سلام علیہ تو اللہ کے وعدہ کے مطابق بنی اسماعیل میں آگیا ہے۔ لہٰذا اپنی انا اور افضلیت کو برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے کہا۔ کہ تو تو رسول ہی نہیں۔ **لَسْتَ مُرْسَلًا**"۔ کیونکہ یہ حق نبوت تو بنی اسحاق کا ہے اور تم اسماعیل سلام علیہ کی اولاد سے ہو۔ لہٰذا ہم تمہیں رسول نہیں مانتے۔ اس خاندانی دشمنی اور انا کی بدولت اللہ تعالیٰ کے آخری رسول سلام علیہ کا بھی انکار کر دیا۔ جس کا تذکرہ سورۃ بقرہ میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔

نظام ربوبیت سے بغاوت:۔ جناب محمد رسول سلام علیہ سے دوسری وجہ انکار نظام ربوبیت عامہ کی بغاوت سے ہوئی۔ چونکہ ان کے مصنوعی عقائد کے مطابق معاشرتی اونچ نیچ (ناہمواری) اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے۔ اور ان عقائد کو مقدر (تقدیر) کے غلط مفہوم سے ثابت کرتے ہوئے ناہموار معاشرہ کی انفرادی مفاد پرستیوں کو قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے متوازن نظام ربوبیت عامہ کے پیغام کا انکار کر دیا۔ اور کہا اے رسولؐ ہمارے اس انکار پر اللہ تعالیٰ کے جس عذاب کا وعدہ دیتے ہوئے دھمکیاں دیتے ہو۔ تو وہ عذاب جلد ہی کیوں نہیں لے آتے۔ یعنی جب کوئی انکار کرے۔ تو ذرا" آسمان سے پتھروں کی بارش ہو۔ اور وہ تباہ ہو جائے۔ یا تیرے ساتھ کوئی ملک موجود ہو۔ جو لوگوں کو تیری صداقت کا یقین دلاتا رہے (۲۱/ ۲۵ + ۶/۸)۔

اللہ کے رسول سلام علیہ نے جواب دیا۔ کہ اللہ کے قوانین میں ایسا نہیں ہے۔ ہر کام کے نتیجہ کے لئے وقت مقرر ہوتا ہے۔ میں تم سے اس بات میں جھگڑا نہیں کرتا۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق عمل کرتا جاؤں گا۔ اور تم بھی جو چاہو۔ عمل کرتے جاؤ۔ **اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ**۔

انجام کار کس کا بہتر ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ مکافات عمل سے ظاہر ہو جائے گا۔

عِلْمُ الْكِتَابِ۔ کا معنی ہم نے کائناتی علم لکھا ہے۔ چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب ہے۔ اور کائنات اس کی فعلی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قولی کتاب کی شہادت اس فعلی کتاب سے پیش کی ہے۔ جناب محمد رسول سلام علیہ کو حکم ہوا۔ کہ آپ اعلان فرما دیجئے۔ کہ میں بھی سابقہ انبیاء کرام سلام علیہم کی طرح بشری رسول ہوں۔ اور میری دعوت بھی عقل و بصیرت پر مبنی ہے۔ نہ سابقہ انبیاء کرام نے کوئی کام خلاف عقل کیا ہے اور نہ ہی مجھ سے اور نہ ہی تم سے ایسی امید ہو سکتی۔ میری دعوت الی اللہ ہر عقل مند اور صاحب بصیرت شخص کے لئے ہے۔ ہر وہ شخص جو عقل و بصیرت سے اس کائنات کے بارے میں کچھ علم رکھتا ہو۔ وہ بھی میرے اس مقام نبوت کی تصدیق کرے گا۔ اور میری اس لائی ہوئی لاریب۔ کتاب مبین قرآن حکیم کو حق ثابت کرے گا۔ سورہ رعد اختتام پذیر ہوئی۔

W.EBOOKSLAND.BLOGSPOT.COM